2ND EDITION

ہماری ویب ڈیجیٹل بک

عابد محمود عزام

ABID MAHMOOD AZZAM

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ



HAMARI WEB.com

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Abid Mahmood Azzam"
at Hamariweb.com

کل جماعتی کانفرنس طالبان سے مذاکرات پر متفق

ایک عرصے سے پاکستان میں امن و امان کی مخدوش صورتحال سے ملک کا ہر شہری پریشان ہے، حکومت پاکستان اس صورتحال کی ذمہ داری تحریک طالبان پاکستان پر ڈالتی ہے، لیکن گزشتہ دنوں پاکستانی طالبان نے بذات خود متعدد بار حکومت سے مذاکرات کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ جس کے نتیجے میں بعض حلقوں کے سوا پاکستان کی اکثریت نے طالبان سے مذاکرات کرنے کی حمایت کی۔ پاکستان کے بہت سے سیاسی اور صحافتی حلقوں نے بھی طالبان کے ساتھ مذاکرات کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کو وقت ضائع کیے بغیر طالبان کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ شروع کر دینا چاہیے۔ وزیر داخلہ نے بھی پاکستانی طالبان سے مذاکرات کی حمایت کی تھی۔

اسی سلسلے میں گزشتہ روز دہشت گردی سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والی سیاسی جماعت اے این پی نے پاکستان کی سیاسی و مذہبی جماعتوں کو اکٹھا کرکے کل جماعتی کانفرس منعقد کی۔ کانفرنس میں پاکستان مسلم لیگ (ن)، پاکستان پیپلز پارٹی کے علاوہ متحدہ قومی موومنٹ، جمعیت علمائے اسلام (ف)، نیشنل پارٹی، (ق) لیگ، قومی وطن پارٹی، جمعیت علمائے اسلام (س)، عوامی تحریک، سندھ یونائیٹڈ فرنٹ، پختونخوا ملی عوامی پارٹی سمیت 26 جماعتوں کے رہنماؤں قائد

حزب اختلاف چودھری نثار علی خان، محمود خان اچکزئی، اقبال ظفر جھگڑا، ڈاکٹر فاروق ستار، مولانا عبدالغفور حیدری، نذر محمد گوندل، اکرم خان درانی، مولانا عطاء الرحمٰن، مولانا سمیع الحق، چودھری شجاعت حسین، مشاہد حسین سید، انیسہ زیب طاہر خیلی، حاجی عدیل، حاجی غلام احمد بلور، شاہی سید، ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ اور دیگر نے شرکت کی۔کانفرنس میں مطالبہ کیا گیا کہ قیام امن کے لیے فریقین خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کریں۔ آئین اور قانون کے تحت ہی مذاکراتی عمل کی کامیابی اور پاسداری ممکن ہو سکے گی۔ طالبان کی جانب سے بات چیت کی پیشکش سے فائدہ اٹھایا جائے۔ عوامی نیشنل پارٹی کے زیر اہتمام عسکریت پسندی کے خاتمہ اور قیام امن کے لیے منعقدہ آل پارٹیز کانفرنس نے اس بات پر زور دیا کہ قیمتی جانوں کے ضیاع کو روکنے کے لیے ملک میں امن کے قیام کی ضرورت ہے۔ ملک میں قیام امن کے لیے مذاکرات کو اولین ترجیح دی جائے۔ دہشت گردی کا پرامن حل ریاست پاکستان کے لیے آئین، قانون اور ملک کی سلامتی اور اقتدار اعلیٰ کے تحفظ کی حدود کے اندر ہونا چاہیے۔

آل پارٹیز کانفرنس کے مشترکہ اعلامیہ پر 26 سیاسی و دینی جماعتوں کے رہنماؤں اور نمائندوں نے دستخط کیے۔ عوامی نیشنل پارٹی کے صدر اسفندیار ولی نے اے پی سی کا مشترکہ اعلامیہ جاری کیا جس میں کہا گیا کہ آل پارٹیز کانفرنس میں شمولیت کرنے والی تمام سیاسی و مذہبی پارٹیاں عوامی نیشنل پارٹی کے صدر اسفندیار ولی خان اور ان کی پارٹی کو امن کے قیام کے لیے کل جماعتی

کانفرنس بلانے پر خراج تحسین پیش کرتی ہیں، کانفرنس کو آج کے سب سے اہم قومی مسئلے کے حل کے لیے مناسب اقدام سمجھتی ہیں۔ کانفرنس کی سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ عسکریت پسندی اور تشدد کا ناسور کسی ایک پارٹی، صوبے یا علاقے کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ پورے ملک کا مسئلہ ہے اور اس ملک کی بقا، ترقی اور خوشحالی کا انحصار اس مسئلے کے صحیح طور پر حل کرنے پر ہوگا، ملک کے اندر جمہوری نظام کا استحکام اس مسئلے کے حل میں مدد و معاون ہو سکتا ہے۔ کل جماعتی کانفرنس کے شرکا سمجھتے ہیں کہ یہ کانفرنس ایک نکتہ آغاز ہے جسے اے این پی دوسری سیاسی پارٹیوں کے ساتھ مل کر آگے بڑھائے اور سیاسی پارٹیاں باہمی مشاورت کے ذریعے اگلے اقدامات تجویز کریں۔ امن کے قیام کی ضرورت ہے تاکہ قیمتی جانوں کے ضیاع کو روکا جاسکے اور ملک میں استحکام، سماجی اور معاشی ترقی کی ضروریات پوری کی جا سکیں، جیسا کہ خون آلود دامن کو خون سے نہیں دھویا جا سکتا بلکہ پرامن مذاکرات کے پانی ہی سے خون کے دھبے دھل سکتے ہیں، اسی کے مصداق مذاکرات کے ذریعے امن کے قیام کو اولین ترجیح دی جائے، دہشت گردی کے مسئلے کے پرامن حل کو ریاست پاکستان کے آئین اور قانون اور ملک کی سلامتی اور اقتدار اعلیٰ کے تحفظ کی حدود کے اندر ہونا چاہیے۔ کل جماعتی کانفرنس فاٹا میں امن کے قیام کے لیے گرینڈ قبائلی جرگہ کی کوششوں کو تحسین کی نظر سے دیکھتی ہے اور فاٹا کے عوام اور ان کے نمائندوں کو یقین دلاتی ہیں کہ کانفرنس میں شریک ساری جماعتیں امن کے قیام کے لیے ان

کی جدوجہد کی مکمل حمایت کرتی ہیں۔

عوامی نیشنل پارٹی کے سربراہ اسفندیار ولی نے آل پارٹیز کانفرنس ختم ہونے کے بعد میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ کانفرنس قیام امن کے لیے ابتدا ہے، آل پارٹیز کانفرنس کا اعلامیہ پاکستان کے ہر ادارے کو پہنچائیں گے، تمام جماعتیں مشاورت کے بعد طے کی گئی تجاویز سے ہمیں آگاہ کریں، جے یو آئی (ف) نے آل پارٹیز کانفرنس بلانے کی خواہش کا اظہار کیا ہے، ہم جے یو آئی (ف) کی آل پارٹیز کانفرنس میں شرکت کریں گے۔ اسفندیار ولی نے کہا کہ انتخابی سیاست اور تفہیم کے ماحول میں ملک کی 26 سیاسی و دینی جماعتوں کا ایک قومی مسئلہ کے حل کے لیے مل بیٹھنا نیک شگون ہے۔ تمام سیاسی جماعتوں کی قیادت اپنے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر ایک قومی مسئلہ پر اکٹھی بیٹھی ہیں۔

تمام جماعتوں نے کہا کہ اے این پی کا اس مقصد کے لیے کل جماعتی کانفرنس بلانا خوش آیند ہے، اگر صرف یک نکاتی ایجنڈے "امن کے قیام" پر اتفاق کیا جائے تو ملک میں استحکام آسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ طالبان کی جانب سے مذاکرات کی پیشکش مثبت اقدام ہے، اس پر سنجیدگی سے غور ہونا چاہیے۔ آل پارٹیز کانفرنس کے اعلامیہ پر اس کی روح کے مطابق عمل ہونا چاہیے۔ اے این پی کے رہنما حاجی غلام احمد بلور نے کہا کہ دہشت گردی کا مسئلہ صرف طاقت سے

حل نہیں کیا جا سکتا، اس کے لیے سیاسی عمل کو موقع دینا ہوگا۔ طالبان کی طرف سے مذاکرات کی پیشکش اچھا اقدام ہے، اے این پی چاہتی ہے کہ امن قائم ہو اور ملک میں استحکام ہو۔ پاکستان کو بھی ایسے امن کی ضرورت ہے جس کے لیے مذاکرات اور برداشت سے کام لینا ہوگا۔

کل جماعتی کانفرنس میں شریک دینی جماعتوں نے دہشت گردی اور انتہا پسندی سے نمٹنے اور قیام امن کے لیے دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ سے الگ ہونے کا مطالبہ کیا ہے۔ دہشت گردی کا مسئلہ کانفرنسوں یا مولویوں کے فتووں سے حل نہیں ہوگا۔ حکومت اور طالبان کے درمیان فوری طور پر مذاکرات ہونے چاہئیں۔ اوباما نے تو جنگ سے الگ ہونے کا اعلان کیا ہے، ہمیں بھی اس جنگ سے الگ ہو جانا چاہیے۔

امریکا کے صدر براک اوباما نے کانگریس کے اپنے سالانہ خطاب میں افغانستان میں تعینات امریکی افواج میں سے آئندہ ایک سال کے دوران 34 ہزار فوجی واپس بلانے کے اعلان کیا ہے۔ خطاب میں انھوں نے کہا کہ افغانستان سے انخلا کا یہ سلسلہ جاری رہے گا اور 2014ء کے اختتام تک "افغانستان میں ہماری جنگ ختم ہو جائے گی۔

ہم سب کو اس بات پر اتفاق کرنا ہوگا کہ سب سے اہم مسئلہ یہی ہے کہ پاکستان کو نام نہاد دہشت گردی کی جنگ سے الگ کیا جائے۔ نیک نیتی سے آگے بڑھنا ہو

گا عوام ہم سے پوچھ رہے ہیں کہ پارلیمنٹ کی قراردادوں پر عملدرآمد کیوں نہیں ہوا؟ انہی قرار دادوں میں مذاکرات کے حوالے سے روڈ میپ دیا گیا تھا جب تک دہشت گردی کی جنگ سے الگ نہیں ہوں گے امن قائم نہیں ہو سکے گا۔ امریکا سے 40 ہزار قیمتی جانوں کے ضیاع پر تاوان طلب کیا جائے کیونکہ اس کی وجہ سے ہی ہمارے چالیس ہزار نفوس موت کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں۔ عسکریت پسندوں سے بھی بات کرنا ہو گی۔ ناراض لوگوں کو منانا ہو گا، اگر ہم دہشت گردی کے خلاف جنگ میں الگ ہو جائے ں تو داخلی طورپر 90 فیصد مسائل ہو جائیں گے۔ مسئلے کے حل کے لیے سیاسی کمیٹی بننی چاہیے۔ تمام سٹیک ہولڈرز سے بات ہونی چاہیے۔ عالمی طاقتیں طالبان سے بھی مذاکرات کر رہی ہیں، ہمیں بھی مذاکرات کرنے چاہیے۔ مذاکرات سے ہی دہشت گردی کا حل نکالا جا سکتا ہے۔

قیادتوں کا فرق

ملایشیا دنیا کا غریب ترین ملک تھا، وہاں غربت، افلاس اور بیروزگاری کا راج تھا۔ صرف ایک پاکستان ہی نہیں بلکہ اپنے ہمسایوں انڈونیشیا اور فلپائن سے بھی زیادہ غریب اور مفلوک الحال تھا۔ چالیس فیصد لوگ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ ملک میں وسائل کچھ زیادہ نہ تھے۔ صرف ٹن، ربڑ اور پام آئل جیسا خام مال باہر بھیج کر ملک کی معیشت کو چلایا جاتا تھا۔ ملک کا کوئی بھی ادارہ ترقی کرتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سیاست، معیشت اور تعلیم سمیت تمام شعبے دن بدن دم توڑ رہے تھے۔ دور دور تک ملایشیا کے حالات سنبھلتے دکھائی بھی نہ دے رہے تھے۔ یہ 1980 کا آغاز تھا کہ دنیائے سیاست کے عالمی چہرے پر ڈاکٹر مہاتیر محمد کا ظہور ہوا۔ پھر مہاتیر محمد اقتدار کی مسند تک جا پہنچا اور 22 سال لوگوں کی محبتوں نے اسے مسند اقتدار سے اترنے نہ دیا۔ مہاتیر محمد نے جب ملایشیا کا اقتدار سنبھالا تو دنیا کے منظر نامے میں مہاتیر کا ملک اک نئی پہچان کے ساتھ نمودار ہونے لگا۔ اس ملک کے حالات دیکھتے دیکھتے بدلنے لگے۔ جو ملایشیا صرف خام مال پیدا کرکے اپنا گزارا کرتا تھا، وہی ملایشیا الیکٹرونکس، کمپیوٹر، ٹیکنالوجی اور سروس انڈسٹری کے باعث ایک سو بلین ڈالر کی برآمدات

کرنے لگا۔ 2300 ڈالر فی کس آمدنی کمانے والا ملایشیا 9 ہزار ڈالر کمانے لگ گیا۔ تعلیم سے محروم اسی ملک کے 92 فیصد لوگ تعلیم یافتہ ہوگئے۔ ملایشیا کی سیاست مستحکم اور مضبوط ہوگئی۔ معیشت و تجارت میں روز فزوں ترقی ہونے لگی۔ وہاں غربت کا نام و نشان مٹ گیا، لوگ خوشحال ہوگئے۔

ڈاکٹر مہاتیر محمد 1981 سے لے کر 2003 تک مسلسل ملک کے وزیر اعظم رہے۔ وزیر اعظم بننے کے بعد اپنے ملک کو اہم صنعتی اور ترقی یافتہ قوم میں بدلنے کا ایجنڈا پیش کیا، جو پبلک پالیسی مہاتیر محمد نے اختیار کی اس کی بنیاد درج ذیل سیاسی فلسفہ پر قائم تھی۔ مشرق کی تہذیبیں جن اخلاقی اور روحانی اصولوں پر قائم ہیں مہاتیر محمد کے نزدیک امریکا اور اہل مغرب اس فکری شعور سے نابلد ہیں۔ مہاتیر محمد کے نزدیک ریاست آئین اور Social and قانون کی پاسداری پر قائم ہونی چاہیے۔ ریاست کا نظام خود احتسابی پر قائم ہونا چاہیے۔ وسائل کی تقسیم کا منصفانہ نظام Political Enpowerment قائم کرنا چاہیے۔ نظم و ضبط میں کسی قسم کی جھول برداشت نہیں کرنی چاہیے۔ مہاتیر محمد کے نزدیک مغرب سے ہوشیار رہنا چاہیے کیونکہ وہ مسلم ممالک کے وسائل پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ مہاتیر محمد کے نزدیک انسانی حقوق و فرائض میں توازن قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔ مہاتیر محمد کے مطابق مالے قوم اپنی اسلامی اور دینی شناخت کو کبھی قربان نہیں کر سکتی۔ مہاتیر محمد کے برسر اقتدار آنے سے اس کے

چھوڑنے تک لوگ اس سے محبت کرتے رہے اور جب اس نے اقتدار چھوڑا تو لوگ رو رو کر کہہ رہے تھے کہ آپ اقتدار نہ چھوڑیں ، مگر اس کا کہنا تھا کہ آنے والی نسلوں کو قیادت سونپنا چاہتا ہوں ۔ مہاتیر محمد نے اس قدر محنت اور لگن سے کام کیا کہ اپنی قوم کو بام ثریا پر پہنچا دیا۔

مہاتیر محمد عوام سے اٹھ کر آیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو عوام کے سامنے جواب دہ سمجھتا تھا۔ مہاتیر محمد خود اپنی خود نوشت میں لکھتا ہے کہ اکثر سوچتا ہوں کہ میں نے ترقی کا جو خواب دیکھا ہے وہ پندرہ سال بعد پورا ہوگا۔ اگر اگلے چار سال کے لیے میں منتخب نہ ہوا تو کیا ہوگا، عوام کو کیا جواب دوں گا؟ عوام کے سامنے پیش ہونے کا یہی خوف مہاتیر محمد کو ملایشیا کی تقدیر بدلنے پر مجبور کرتا رہا۔ مہاتیر محمد 1963 کے آئین کے مطابق برسر اقتدار آیا اور پھر اس نے جانے تک اس میں ایک بھی ترمیم نہیں کی حالانکہ جتنے لوگ اس سے محبت کرتے تھے وہ ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تاحیات وزیر اعظم رہنے کی ترمیم کر سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مہاتیر محمد جانے لگا تو لوگوں کی خواہش تھی کہ وہ ہم پر حکمرانی کرتا رہے۔ جب کہ اس نے یہ سوچا کہ اقتدار اپنی قوم کو سونپ دینا چاہیے۔ لوگوں کو اس سے محبت اور اس کی صلاحیتوں کا ادراک ہو چکا تھا۔

دوسری طرف میرا پیارا پاکستان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی نعمت سے نوازا ہے۔ اس کے باوجود میرا ملک ترقی کے بجائے مسلسل تنزلی کا شکار ہو رہا ہے۔ حالانکہ پاکستان دنیا کے ایک ایسے حصے میں واقع ہے جہاں قدرت کی طرف سے دیے گئے انمول خزانے موجود ہیں۔ پاکستان کا ہر صوبہ اپنی اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے۔ پنجاب کی زمین بہت زرخیز ہے۔ سندھ قدرتی گیس اور معدنی ذخائر کے لحاظ سے جانا جاتا ہے۔ خیبر پختونخوا اور بلوچستان برف کے پگھلاؤ، پہاڑ، جنگلات اور قدرتی وسائل گیس، جپسم اور کوئلہ وغیرہ کے اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں۔ ہمارے پاس افرادی قوت کی فراوانی ہے۔ خصوصاً نوجوان جو ہر قوم کو ترقی کی راہ پر ڈالتے ہیں، ان کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ اس کے باوجود پاکستان دن بدن تباہی کا سفر کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سب کچھ دیا ہے لیکن میرے ملک کے لیڈر پاکستان کو ترقی کی راہ پر نہیں لے جاسکے، کیونکہ قوم کو ترقی کی راہ پر لے جانا ان کے مقاصد میں کبھی شامل ہی نہیں رہا۔ ان کا مقصد صرف اپنے خزانے بھرنا ہے۔ انہوں نے کبھی قوم کو خوش نہیں کیا، اسی لیے پاکستان میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی حکمران اپنا دور اقتدار ختم کرکے جاتا ہے تو لوگ اس کے جانے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں۔

ہماری قوم ان کے جانے پر کیوں خوش ہوتی ہے؟ مہاتیر محمد کی طرح ان سے محبت

کیوں نہیں کرتی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مہاتیر محمد اور میرے ملک کے لیڈروں میں بہت فرق ہے۔ وہ ملائیشیا کے عوام سے اٹھ کر آیا تھا جبکہ میرے ملک میں لیڈر دوسرے ممالک سے صرف حکمرانی کرنے کے لیے آتے ہیں، اپنا دور اقتدار ختم کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ یہ یہاں کے عوام کا دکھ درد سمجھ نہیں پاتے۔ مہاتیر محمد کو اپنی قوم کے عوام سے محبت تھی، اسی لیے قوم بھی اس سے محبت کرتی تھی۔ مہاتیر محمد نے اپنے عوام کو حکمرانی کرنے کا موقع دیا جبکہ میرے ملک کے حکمران اس وقت تک اقتدار کے ساتھ چمٹے رہنا چاہتے ہیں جب تک ان میں ایک بھی سانس باقی ہو۔ اگر خود حکمرانی کرنے کے قابل نہیں رہتے تو اپنی اولاد کو قوم پر حکمران بنا دیتے ہیں۔

بھلا میرے ملک کے لیڈروں کو قوم کس طرح مہاتیر محمد کی طرح محبت کر سکتی ہے جبکہ انہوں نے مہاتیر محمد کی طرح قوم اور ملک کو کچھ نہیں دیا۔ پاکستان بھی ملائیشیا کی طرح ترقی کر سکتا ہے۔ بس قیادت کا فرق ہے، کسی قوم کو قیادت مہاتیر محمد جیسی مل جاتی ہے اور کسی کو ایسی قیادت نصیب نہیں ہوتی۔ یاد رکھیں قوم کا سچا لیڈر وہی ہوتا ہے، جس کا دل قوم کا درآشنا ہو جو اپنی قوم کے لیے کچھ کر گزرنا چاہتا ہو۔ جس کے افعال و اعمال مضبوط ہوں، جو کردار کا پختہ ہو، جو قوم کا سچا ہمدرد اور خیر خواہ ہو، جو بااصول ہو، ظالم کے سامنے سینہ سپر کر سکے۔ جس کے دل میں اغراض کا ڈیرہ نہ ہو، جس کا دل

اپنے عوام کے لیے دھڑکتا ہو، جو گفتار کا دھنی ہو۔ ذرا سوچیے کہ میرے ملک کے
لیڈروں میں یہ خصوصیات پائی جاتی ہیں؟ جواب نفی میں ہی ملے گا۔

فلسطینی صدر کا دورہ پاکستان

ان دنوں فلسطینی صدر محمود عباس پاکستان کے دورے پر ہیں۔ اتوار کی صبح جب فلسطینی صدر محمود عباس اسلام آباد میں نور خان ائر بیس پر اترے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ پاک فوج کے چاق و چوبند دستوں نے فلسطینی صدر کو سلامی دی۔ صدر زرداری نے فلسطینی صدر کے استقبال کے لیے آنے والے اپنے وفد کے ارکان سے ان کا تعارف کرایا۔ فلسطینی صدر نے اپنے وفد کے ارکان سے صدر کا تعارف کرایا۔ بعد میں دونوں صدور نے فلسطینی سفارتخانہ کی بنیاد کی نقاب کشائی کی۔ حکومت پاکستان نے اسلام آباد میں فلسطینی سفارتخانے کی تعمیر کے لیے دس لاکھ ڈالر دینے کی پیشکش بھی کی۔ پاکستان اور فلسطین نے سیاسی تعاون کا دائرہ معیشت، زراعت، بینکاری، تعلیم اور سماجی اور ثقافتی شعبوں تک بڑھانے کے لیے دونوں ممالک کے وزراء خارجہ پر مشتمل مشترکہ کمیشن تشکیل دینے پر اتفاق کیا۔ محمود عباس کا اقوام متحدہ کی جانب سے فلسطین کو نان ممبر آبزرور اسٹیٹ کا درجہ ملنے کے بعد پاکستان کا یہ پہلا دورہ ہے اور مجموعی طور پر پاکستان کا تیسرا دورہ ہے۔ اس سے قبل فلسطینی صدر نے دوہزار پانچ اور دو ہزار نو میں پاکستان کا دورہ کیا تھا۔

ایوان صدر میں فلسطین کے صدر محمود عباس کے اعزاز میں ظہرانہ دیا گیا جس میں متعدد اعلیٰ شخصیات نے شرکت کی۔ ظہرانے میں آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کے لیے پاکستان کی غیر متزلزل حمایت کا اعادہ کرتے ہوئے آصف زرداری نے کہا کہ مقبوضہ کشمیر اور فلسطین کے عوام کو ان کے حق خودارادیت سے مسلسل انکار کے سبب مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیا کے خطوں میں عدم استحکام کا خطرہ موجود ہے۔ پاکستان فلسطینی کاز کے لیے ہر فورم پر اپنی آواز بلند کرتا رہے گا جس طرح اس نے جنرل اسمبلی کے 67 ویں اجلاس میں کیا۔ اقوام متحدہ میں فلسطین کی مکمل رکنیت کے لیے بھی پاکستان کی مکمل حمایت کا اظہار کیا۔ انہوں نے اقوام متحدہ میں فلسطین کو غیر رکن مبصر ملک کا درجہ ملنے پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان نے اس عمل میں اہم کردار ادا کیا جس سے فلسطینیوں کے حقوق کا اعتراف ہوا۔ فلسطین کی مبصر کی رکنیت میں پاکستان کا اہم کردار تھا، فلسطین جلد اقوام متحدہ کی مکمل رکنیت حاصل کرے گا، ہمیشہ فلسطینی عوام کا ساتھ دیں گے۔

فلسطین کو ریاست کے طور پر تسلیم کرنے میں اسرائیل کے منفی رد عمل پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اسرائیل نے عالمی حقوق کی خلاف ورزی کی ہے، انسانی حقوق اور انصاف کے چیمپئن محض تماشا دیکھتے رہے۔ اسرائیل کی جانب سے بین الاقوامی قانون کو تسلیم نہ کرنا عالمی برادری کے منہ پر

طمانچہ ہے۔ پاکستان مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں غیر قانونی بستیوں کی تعمیر کی شدید مذمت کرتا ہے۔ عالمی برادری جنوبی اور مشرقی مقبوضہ بیت المقدس کی جانب نئی بستیوں کی تعمیر سے اسرائیل کو روکے۔ اگر ان بستیوں کی تعمیر جاری رہی تو دو ریاستی حل کو شدید نقصان پہنچے گا۔ مقبوضہ کشمیر اور فلسطین کے لوگوں کو ان کے ناقابل تردید حق خودارادیت نہ دینے کے سبب مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیاء کے خطوں میں عدم استحکام کا خطرہ ہے۔ دونوں تنازعات کو حل کرنے کے لیے عالمی اتفاق رائے کو حاصل کریں۔ پاکستان اور فلسطین کے درمیان گہرے قریبی اور تاریخی تعلقات ہیں جن کی بنیاد دونوں ممالک کے عوام کے دلی جذبات پر قائم ہے۔ پاکستان اپنے فلسطینی بھائیوں کے دکھ میں شریک ہے۔ پاکستان کا قیام مسلمانوں کی جدوجہد کا نتیجہ ہے، جلد الگ ملک کے لیے فلسطین کا خواب بھی پورا ہوگا۔ 18 کروڑ پاکستانی اسرائیل کے غیر قانونی قبضہ کے خلاف ان کے ساتھ ہیں اور پاکستان حق خودارادیت کے حصول تک فلسطینی عوام کا ساتھ دے گا۔ فلسطینی عوام کی جدوجہد آزادی پاکستانیوں کے لیے ہمیشہ مشعل راہ رہی ہے۔ فلسطینی عوام گزشتہ 65 برس سے فلسطین کی آزادی کے لیے قربانیاں دے رہے ہیں۔ اسرائیل فلسطینیوں کی آزادی کو کچلنے کے لیے جو بھی اقدامات کر رہا ہے پاکستان اس کی مخالفت کرتا ہے۔ پاکستان نے ہمیشہ فلسطینی بھائیوں کے موقف کی حمایت کی ہے۔ پاکستان اور پی ایل او کا ہمیشہ سے ایک گہرا تعلق رہا ہے۔ پاکستانی فلسطینی بھائیوں کے دکھ درد کو سمجھتے ہیں کیونکہ خود پاکستانیوں

نے آزادی کے حصول کے لیے بڑی تکالیف برداشت کی ہیں۔ فلسطینیوں اور کشمیریوں کو حق خود ارادیت سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب برصغیر کے مسلمانوں کی طرح فلسطینی بھی آزادی حاصل کرلیں گے۔ پاکستانی عوام فلسطینی بھائیوں کے ساتھ ہیں۔ فلسطینیوں کی جدوجہد ضرور رنگ لائے گی اور استعمار سے فلسطینی مسلمانوں کو آزادی ملے گی۔ عالمی برادری مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے اقدامات کرے۔ اسرائیل کی طرف سے بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی لمحہ فکریہ ہے۔ 1974ء میں لاہور میں منعقد ہونے والی اسلامی سربراہی کانفرنس میں بھی فلسطین کو آزاد مملکت کے طور پر تسلیم کیا گیا تھا۔ یہ کانفرنس فروری 1974ء میں منعقد ہوئی تھی اور آج فلسطینی صدر فروری میں پاکستان کے دورے پر آئے ہیں۔

فلسطینی عوام بہت ہی بہادر اور جی دار ہیں، اسرائیل کی تمام تر زیادتیوں اور جبر کے باوجود فلسطینی عوام اپنی آزادی کی جدوجہد کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ صدر محمود عباس نے کہا کہ اسرائیل نے غزہ کا محاصرہ کرکے وہاں کے عوام کی زندگی کو اجیرن بنا دیا ہے۔ اسرائیلی فلسطینیوں کی زمین پر غیر قانونی تعمیرات کر رہا ہے اس کی کوشش ہے کہ مقبوضہ بیت المقدس کا نقشہ تبدیل کر دے۔ فلسطین 65 سال سے آزادی کی جدوجہد کر رہا ہے اور جدوجہد آزادی اور اسرائیلی جیلوں میں قید فلسطینیوں کی رہائی تک لڑتا رہے گا۔ پاکستان کے عوام

اور فلسطین کے عوام کے درمیان محبت اور اخوت کا رشتہ ہمیشہ سے قائم ہے اور قائم رہے گا۔ پاکستان کے اصولی موقف اور مخلصانہ عزم پر فلسطینی عوام اور حکومت کی جانب سے دلی تشکر کا اظہار کیا۔ عالمی فورموں پر فلسطین کے لیے پاکستان کی حمایت کا اعتراف کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ فلسطین آزادی کے اپنے حق کے لیے کام کرتا رہے گا۔ فلسطینی عوام غزہ کی ناکہ بندی کے خاتمہ اور بیت المقدس کی ہیئت میں تبدیلی کے خلاف مزاحمت جاری رکھیں گے۔ اسرائیلی حکومت کو غیر قانونی بستیوں کی تعمیر اور فلسطینی علاقوں کا غیر قانونی قبضہ جاری رکھنے اور دیرپا امن میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہو گا۔ انہوں نے پاکستان کے استحکام اور خوشحالی کے لیے دعا کی اور اس امید کا اظہار کیا کہ وہ صدر آصف زرداری کا فلسطین میں خیر مقدم کریں، جہاں دونوں صدور مسجد اقصیٰ میں اکٹھے نماز ادا کریں گے۔ صدر محمود عباس نے قبلہ اول کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم کے پندرہویں پارے کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی جن کا مفہوم ہے "پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو لے گئی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔" فلسطینی صدر کا دورہ پاکستان اور پاکستانی صدر کا ان کا ساتھ دینے کا عہد کرنا یقیناً بہت خوش آئند بات ہے۔ فلسطینی عوام ایک لمبے عرصے سے اسرائیل کے جبر تشدد کو برداشت کر رہے ہیں، اس کے باوجود اپنے حق کے حصول کے لیے کمربستہ ہیں، فلسطین کے بچے بھی اسرائیل کے گولا، بارود سے کبھی نہیں ڈرے۔ اپنی استقامت اور ہمت کی بدولت ایک دن ضرور وہ یہود مردود کو صفحہ ہستی

سے مٹا دیں گے، انشاء اللہ۔

مسجد اقصیٰ کے خلاف یہودی سازشیں عروج پر

سرزمین مقدس پر قابض صہیونیوں کے گھناؤنے عزائم اب کسی سے ڈھکے چھپے نہیں رہے۔ مسجد اقصیٰ کی بابت ان کے خطرناک منصوبے کب کے طشت از بام ہوئے۔ اسرائیل میں انتہا پسند یہودی مسجد اقصیٰ کے صحن میں واقع قبۃ الصخرہ کو شہید کرکے وہاں اپنا مزعومہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کا خواب ایک عرصے سے دیکھ رہے ہیں لیکن انہیں اپنے خواب کو حقیقت کا روپ دھارنے میں مسلمانوں کے ردعمل کا خدشہ ہر وقت دامن گیر رہتا ہے۔ انتہا پسند اسرائیلی وزیر اعظم بنجمن نیتن یاہو کے دوبارہ کنیسٹ میں اکثریت حاصل کرنے کے بعد موجودہ قیادت کے قبلہ اول کے خلاف جارحانہ اقدامات میں شدت آئی ہے۔ حالیہ دنوں مسجد اقصیٰ کے براق صحن کے شمالی جانب فلسطینی تعمیرات کو منہدم کرکے اسرائیل نے قبلہ اول کی جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کی جانب ایک اہم اقدام اٹھالیا ہے۔ مسلمانوں کے تیسرے مقدس ترین مقام مسجد اقصیٰ کو شہید کرنے کا اسرائیلی منصوبہ خطرناک مرحلے میں داخل ہو چکا ہے۔ القدس اور مقدس مقامات کے ماہر ڈاکٹر جمال عمرو کے مطابق براق صحن میں اسلامی جائیدادوں کو منہدم کرنے کے عمل کے ساتھ ہی نعوذ باللہ مسجد اقصیٰ

کو ملیامیٹ کرکے اس کی جگہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کی سازش کا ایک اور مرحلہ پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔اسرائیل نے ایک سال قبل مسجد اقصیٰ کو منہدم کرنے سے متعلق چھ مراحل کا ایک منصوبہ تشکیل دیا تھا جو اب مکمل ہو گیا ہے۔ مسجد اقصیٰ کے براق صحن سے متصل مسلمانوں کی املاک کو منہدم کرنا، صہیونی سازش کا صرف ایک مرحلہ تھا۔ دوسرے مرحلے میں مسجد اقصیٰ کے صحنوں کے اطراف اور اولڈ میونسپلٹی کی حدود کے اندر 61 یہودی عبادت گاہیں تعمیر کی گئی ہیں۔ جس کے بعد مسجد اقصیٰ کے مراکشی دروازے کی جانب دنیا کا سب سے بڑا 62 واں یہودی کنیسہ تعمیر کرنے کی راہ ہموار ہو گئی ہے۔ جس سے مسجد اقصیٰ کی حدود میں واقع گنبد صخرہ اس کنیسہ کے پیچھے چھپ کر رہ جائے گا۔ اس طرح شہر میں عربی اور اسلامی تاریخ کو ختم کیا جائے گا۔ تیسرے مرحلے میں القدس میں عباسی اور اموی بادشاہوں کی جائیدادوں پر قبضہ کیا جاچکا ہے۔ چوتھے مرحلے میں حقیقی طور پر ہیکل سلیمانی سے متعلق اشیاء کی تیاری ہے۔ اس مرحلے پر بھی کام مکمل ہو گیا ہے۔ براق صحن میں 45 کلو گرام سونے سے تعمیر کیا گیا شمع دان نصب کر دیا جائے گا۔ پانچویں مرحلے کے تحت منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اس عمارت کی تفصیلات کو دنیا بھر میں پھیلایا گیا ہے۔ یہ مرحلہ انتہائی خطرناک ہے۔ چھٹے مرحلے میں اسرائیل کو اپنے اقدامات کو سیاسی، قانونی اور شرعی جواز مہیا کرنا تھا۔ اس وقت چھٹا مرحلہ جاری ہے۔ اسرائیل نے حالیہ عرصے میں اپنے اقدامات کو مذہبی جواز بھی فراہم کیا ہے۔ قدیم

یہودی فتوے میں مسجد اقصیٰ پر قبضے سے پہلے اس میں عبادت کے لیے داخل ہونا درست نہیں تھا مگر اب نئے فتوے میں یہودی آبادکاروں کو مسجد اقصیٰ میں داخل ہو کر تلمودی رسومات ادا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اپنے منصوبے کو قانونی لبادہ پہنانے کے لیے اسرائیلی سپریم کورٹ نے مسجد اقصیٰ کو یہودی آثار قدیمہ اتھارٹی کے زیر تحت گردانا ہے۔ اسی طرح اسرائیل نے اپنے اقدامات کو سیاسی جواز بھی فراہم کر دیا ہے۔ اسرائیلی پارلیمان میں مسجد اقصیٰ کو اسرائیل کا جزو لاینفک قرار دینے کی قانون سازی کر لی ہے۔ ان 6 مراحل کے بعد اب اسرائیل کی طرف سے ہیکل سلیمانی کی تعمیر کا اعلان کرنا باقی ہے۔

اسرائیلی فورسز نے مسجد اقصی کے براق صحن کے قریب ایک نئے منصوبے پر کام شروع کر دیا ہے۔ اسرائیلی سیٹلائٹ چینل نے صہیونی فوج کی حفاظت میں مسجد کے احاطے میں مزعومہ ہیکل سلیمانی پر مبنی فلم کی عکس بندی کر لی ہے۔ تل ابیب سے شائع ہونے والے عبرانی اخبار "یدیعوت احرونوت" کے مطابق صہیونی کارپردازوں کے منصوبوں کو گزشتہ دنوں ایک فلمی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اسرائیلی وزارت خارجہ کی تیار کردہ اس فلم میں قبۃ الصخرہ کو شہید کرکے اس کی جگہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کو مترشح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اخبار کے مطابق اسرائیلی نائب وزیر خارجہ ڈانی ایلون کو فلم کے ایک نمایاں کردار کے طور پر قبۃ الصخرہ کی شہادت کے پس منظر سے نمایاں ہوتے دکھایا گیا ہے۔ تاہم اسے

فلسطینیوں اور عالم اسلام کے رد عمل کے خوف سے نشر نہیں کیا گیا۔ جبکہ القدس میں سپریم اسلامی کونسل کے رہنما الشیخ عکرمہ صبری نے فلم کے مندرجات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ فلم قابض صہیونی حکام کے مسجد اقصیٰ کے خلاف دشمنانہ اقدامات کی عکاسی کرتی ہے اور فلم کی تیاری سے یہ بات کھل کر سامنے آئی ہے کہ مسجد اقصیٰ کی شہادت کا پلان صرف انتہا پسند یہودی تنظیموں تک محدود نہیں بلکہ اس میں اسرائیل کی موجودہ سیاسی قیادت بھی نمایاں طور پر شریک ہے۔

مسجد اقصیٰ کو گرا کر اس کی جگہ ہیکل سلیمانی قائم کرنا یہودیوں اور اسرائیلی حکومت کا دیرینہ خواب ہے۔ یہودیوں کی جانب سے مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی اور اس کو منہدم کرنے کی بارہا کوشش کی جاچکی ہے۔ سرزمین قدس کو اپنے قبضے تلے لانے سے دو عشرے پیشتر، یعنی جولائی 1948ء میں یہودیوں کے مسلح گروہوں نے مسجد اقصیٰ کے احاطے پر متعدد بم گرائے تھے۔ 1967ء میں بیت المقدس پر اسرائیل کے قبضے کے ساتھ ہی مسجد اقصیٰ پر یہودی چیرہ دستیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ 1969ء میں یہود نے انبیاء کی اس قدیم عبادت گاہ کو آگ لگا دی تھی۔ 21 جولائی 1969ء کو صبح سویرے ہی مسجد اقصیٰ میں ہر طرف آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ مسجد کے تین حصے خاص طور پر آتش زنی کا نشانہ تھے۔ جن میں احاطہ اقصیٰ کے جنوبی گوشے میں واقع مسجدِ عمر، منبرِ صلاح الدین اور جنوب مغربی

گوشے کا بالائی حصہ شامل تھا۔ اس کے علاوہ مقامِ اربعین، مسجد اقصیٰ کی نہایت مزین بارہ دریوں میں سے تین اس آتش زدگی کا شکار ہوئیں۔ مسجد کے دو مرکزی ستون بھی زمین بوس ہوئے۔ مسجد کا اندرونی گنبد، مرمریں محراب، جنوبی سمت کی پوری دیوار آگ سے نہایت بری طرح متاثر ہوئی۔ پوری مسجد کے نہایت بیش قیمت فارسی قالین بھی جل کر برباد ہوگئے۔ جس دن مسجد اقصیٰ میں آتش زدگی کا یہ واقعہ پیش آیا، خلافِ معمول اس دن اسرائیلیوں نے بیت المقدس میں بلدیہ کے زیر انتظام مسجدِ اقصیٰ کو فراہم کیے جانے والے پانی کی سپلائی بند کر دی تھی، تاکہ مسلمان آگ نہ بجھا سکیں۔ جرم کا مرتکب مائیکل ڈینس روہن نامی یہودی تھا، جسے آسٹریلیا منتقل کر دیا گیا۔ نہ جیل نہ سزا! ۔

اسی طرح یہودی کئی بار مختلف طریقوں سے مسجد اقصیٰ کو منہدم کرنے کی کوشش کر چکے ہیں۔ 1780ء میں ایک انتہا پسند یہودی گروہ پکڑا گیا جو بھاری مقدار میں بارود لگا مسجد کو تباہ کرنا چاہتا تھا۔ ایک بار 1982ء میں اور پھر دوسری بار 1983ء میں مسجد اقصیٰ کی مسلم گارڈ نے دو بڑے بڑے پارسل پکڑے جن کے اندر ٹائم بم نصب تھا۔ 1984ء میں یہودیوں کے ایک گروہ نے مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے کی کوشش کی، انہوں نے دستی بم اٹھا رکھے تھے اور ساتھ میں چھ تھیلے بارود کے بھرے ہوئے تھے۔ یہ بھی مسجد کا کام تمام کرنے آئے تھے۔ 1986ء میں مسجد اقصیٰ ایک اور انداز میں یہودی بغض کا نشانہ بنتے بنتے رہ گئی۔ اس بار

اسرائیلی فضائیہ کا ایک پائلٹ مسجد اقصیٰ کو تباہ کرنے کے لیے میزائل رکھے طیارہ اڑاتا ہے لیکن خدا نے اس کوشش سے بھی مسجد اقصیٰ کو محفوظ رکھا۔ اکتوبر 1990ء میں اسرائیلی فوجی دستے اپنے نام نہاد ہیکل سلیمانی کا سنگ بنیاد رکھنے آئے تھے اور 23 مسلمانوں کو شہید کرکے چلتے بنے۔ 28 ستمبر 2000ء کو اسرائیل کے سابق وزیر اعظم ایریل شیرون نے اپنے یہودی جتھے کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں زبردستی گھسنے کی کوشش کی۔ نمازیوں نے مسجد میں گھسنے نہ دیا، طرفین میں تصادم ہوا۔ بیت المقدس میں ہر طرف مسلمانوں کی لاشیں گریں۔ مسجد اقصیٰ کو گرانے کے لیے مسجد کے ارد گرد طویل سرنگیں کھودنے کا سلسلہ تو لمبے عرصے سے ابھی تک جاری ہے۔ مسجد اقصیٰ کے خلاف روز اول سے شروع ہونے والی یہودیوں کی سازشیں کھل کر سامنے آچکی ہیں، تمام مسلمانوں کو مل کر اپنے ورثہ عظیم مسجد اقصیٰ کی حفاظت کرنا ہوگی۔

فروری مادری زبانوں کا عالمی دن 21

اگرچہ انسانوں کے علاوہ مختلف جاندار بھی آپس میں ترسیلِ معلومات کرتے ہیں مگر زبان (language) ایک ایسے نظام کو کہتے ہیں جس کے ذریعے انسان ایک دوسرے کے ساتھ مختلف آوازوں اور اشاروں کی مدد سے تبادلہ معلومات و خیالات کرتے ہیں۔ مختلف زبانوں کی تخلیق و ترقی کا تجزیہ لسانیات کی مدد سے کیا جاتا ہے۔ انسان کی زندگی میں زبان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ زبان کے بارے میں قرآن کریم کی سورۃ الروم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور اس (اللہ) کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق (بھی) ہے اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف (بھی) ہے، بیشک اس میں اہلِ علم (و تحقیق) کیلئے نشانیاں ہیں۔" اس آیت میں زبان کے اختلاف کو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۃ رحمٰن میں تخلیق انسان کے بعد جس پہلی بڑی نعمت خداوندی کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اس کے نطق و بیان کی قوت ہے۔ زبان کے بارے میں ہی ایک دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: "ہم نے ہر رسول کو ان کی مخاطب قوم کی زبان ہی میں (دعوت دینے کے لیے) بھیجا۔ (سورۃ ابراہیم 14:4)"

دنیا میں کتنی ہی قومیں ہیں اور ہر ایک قوم زبان کے اعتبار سے اپنی الگ

شناخت رکھتی ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کی ایک تحقیق کے مطابق اس وقت دنیا بھر میں تقریبا 6912 زبانیں بولی جاتی ہیں۔ زمانے کی جدت اور سرکاری زبانوں کے بڑھتے ہوئے استعمال سے مادری زبانوں کی اہمیت ماند پڑ رہی ہے۔ مادری زبان انسان کی شناخت، ابلاغ، تعلیم اور ترقی کا بنیادی ذریعہ ہے لیکن جب زبان ناپید ہوتی ہے تو اس کے ساتھ مختلف النوع کی ثقافت و روایات کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یونیسکو کے مطابق 1950ء سے لیکر اب تک 230 مادری زبانیں ناپید ہو چکی ہیں۔ "اٹلس آف ورلڈ لینگویجز ان ڈینجر 2009ء" کے مطابق دنیا میں 28 پاکستانی زبانوں سمیت دنیا کی 36 فیصد (2498) زبانوں کو اپنی بقاء کے لیے مختلف النوع کے خطرات لاحق ہیں، 24 فیصد (607) زبانیں غیر محفوظ جبکہ 25 فیصد (632) ناپیدی کے یقینی خطرے سے دوچار ہیں، اس کے علاوہ 20 فیصد (562) زبانوں کو خاتمہ کا شدید خطرہ لاحق ہے۔ 21.5 فیصد (538) زبانیں تشویش ناک حد تک خطرات کا شکار ہیں جبکہ 230 تقریباً (10 فیصد) زبانیں متروک ہو چکی ہیں۔ یوں دنیا میں بولی جانے والی 57 فیصد زبانوں کو محفوظ گردانہ جاتا ہے۔ ہر زبان اپنے مطالب اور گرائمر رکھتی ہے اور ہر زبان کی ادائیگی اور لہجہ بھی مختلف ہے۔ یہ زبانیں زیادہ تر قوموں اور خطوں کے حوالے سے پہچانی جاتی ہیں۔

دنیا میں سب سے زیادہ 860 زبانیں پاپوا نیو گنی میں بولی جاتی ہیں جو کل

زبانوں کا 12 فیصد ہے جبکہ 742 زبانوں کے ساتھ انڈونیشیاء دوسرے، 516 کے ساتھ نائیجیریا تیسرے، 425 کے ساتھ بھارت چوتھے اور 311 کے ساتھ امریکا پانچویں نمبر پر ہے۔ آسٹریلیا میں 275 اور چین میں 241 زبانیں بولی جاتی ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ بولی جانے والی مادری زبان چینی ہے جسے 87 کروڑ 30 لاکھ افراد بولتے ہیں جبکہ 37 کروڑ ہندی، 35 کروڑ ہسپانوی، 34 کروڑ انگریزی اور 20 کروڑ افراد عربی بولتے ہیں۔ پنجابی 11 ویں اور اردو 19 ویں نمبر پر ہے۔ عالمی سطح پر زبانوں کی تعداد اور ان کو بولنے والوں کا تناسب انتہائی غیر متوازن ہے۔ صرف 57 زبانیں ایسی ہیں جن کو بولنے والوں کی تعداد ایک کروڑ سے زائد ہے اور صرف 8 زبانیں ایسی ہیں جن کو بولنے والے افراد کی تعداد 10 کروڑ سے زائد ہے جو کل عالمی آبادی کا 40 فیصد بنتا ہے۔ عالمی سطح پر صرف 100 زبانوں کا استعمال تحریری شکل میں کیا جاتا ہے۔

سی آئی اے ورلڈ فیکٹ بک کے مطابق پاکستان میں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان پنجابی ہے جسے 48 فیصد افراد بولتے ہیں جبکہ 12 فیصد سندھی، 10 فیصد سرائیکی، انگریزی، اردو، پشتو 8 فیصد، بلوچی 3 فیصد، ہندکو 2 فیصد اور ایک فیصد براہوی زبان کا استعمال کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے ادارہ برائے تعلیم و ثقافت کی تحقیق کے مطابق پاکستان کے شمالی علاقہ جات، صوبہ سرحد، بلوچستان، کشمیر، بھارت اور افغانستان سے ملحقہ سرحدی علاقوں میں بولی جانے والی 28

چھوٹی مادری زبانوں کو ختم ہونے کا خطرہ لاحق ہے، ان میں سے 7 زبانیں غیر محفوظ گردانی جاتی ہیں جن کو بولنے والے 87 ہزار سے 5 لاکھ تک ہیں، اس کے علاوہ 14 زبانوں کو خاتمے کا یقینی خطرہ لاحق ہے جن کو بولنے والوں کی تعداد کم سے کم 500 اور زیادہ سے زیادہ 67 ہزار ہے جبکہ 6 زبانیں ایسی ہیں جن کو بولنے والے 200 سے 5500 کے درمیان ہیں، یہ زبانیں ختم ہونے کے شدید خطرے کا شکار ہیں۔

مادری زبانوں کو لاحق خطرات کے حوالے سے پاکستان دنیا میں 28 ویں نمبر پر ہے جبکہ سب سے زیادہ 196 زبانوں کو بھارت میں خطرات لاحق ہیں، امریکا کی 191 .برازیل کو 190 انڈونیشیا کی 147 اور چین کی 144 زبانوں کی بقا کو خطرہ ہے۔

.برطانوی قومی شماریات کی رپورٹ کے مطابق .برطانیہ میں مقیم پاکستانی نژاد افراد کی ایک بڑی تعداد عام بول چال کے لیے پنجابی زبان استعمال کرتی ہے اور پنجابی زبان .برطانیہ کی تیسری بڑی زبان کے طور پر ابھر کر سامنے آئی ہے۔ پاکستان کی قومی زبان اردو کو .برطانیہ میں چوتھی بڑی زبان ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ .برطانیہ کا مرکزی شہر لندن پاکستان کی متفرق قومیتوں کا گھر سمجھا جاتا ہے جن میں پنجابی، پٹھان، کشمیری، سندھی اور اردو بولنے والے شامل ہیں۔

انگریزی دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی اور سمجھی جانے والی زبان ہے، یہ دنیا بھر میں رابطے کی زبان سمجھی جاتی ہے۔دنیا بھر میں انگریزی بولنے والے افراد کی تعداد ایک ارب سے زیادہ ہو گئی ہے۔ تقریباً 35 کروڑ 40 لاکھ افراد کی مادری زبان انگریزی ہے جبکہ باقی لوگ ثانوی زبان کی حیثیت سے انگریزی بولتے ہیں۔زبانوں پر تحقیق کے مطابق ملکوں کے حوالے سے انگریزی Enthologue کرنے والے امریکی ادارے سب سے زیادہ 112 ممالک میں بولی جاتی ہے، اس کے بعد 60 ممالک میں فرنچ، 57 میں عربی، 44 میں ہسپانوی اور جرمن بھی 44 ممالک میں بولی جاتی ہے جبکہ اردو ہندی 20 اور پنجابی 8 ممالک میں بولی جاتی ہے۔ 23

دنیا میں اتنی زیادہ زبانوں کا پیدا کرنا یقیناً اللہ کی قدرت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ ایک انسان ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں اپنی زبان اور اپنے لہجے سے پہچان لیا جاتا ہے، صرف زبان ہی اس کا مکمل تعارف کرا دیتی ہے۔زبان ایک ایسا سماجی عطیہ ہے جو زمانے کے ساتھ ساتھ ایک نسل سے دوسری نسل کو ملتا رہتا ہے۔ بلاشبہ زبان کسی بھی انسان کی ذات اور شناخت کا اہم ترین جزو ہے۔ قومی شناخت اور تہذیبی و ثقافتی میراث کے طور پر مادری زبانوں کی حیثیت مسلمہ ہے، مادری زبانوں کوانسان کی دوسری جلد بھی کہا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مادری زبان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک الٰہی عطیہ ہے۔ آج انسان جس ترقی پر پہنچا ہے اس میں زبان کا ایک بڑا حصہ ہے۔ مادری زبان کی حفاظت کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ لسان (زبان) کی اہمیت اپنی جگہ لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ انسان اپنی زبان پر فخر کرے اور دوسرے کی زبان کو حقیر جانے، اس زبان کو ہی بنیاد بنا کر ایک دوسرے سے قتل و قتال کرنے لگے۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ لسانیت کا تو دوست ہو سکتا ہے لیکن انسانیت کا ہر گز دوست نہیں ہو سکتا۔

یورپ کا گھناؤنا چہرہ بے نقاب ہوگیا

اسلام دشمن یورپین اسلام اور اہل اسلام کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اگر اسلامی ممالک میں کسی عورت اونچ نیچ ہوجائے تو آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ پوری دنیا میں یہ باور کراتے ہیں کہ اسلامی ممالک میں عورت مظلوم ہے۔ عورت کی آزادی کے نام نہاد نعرے کی آڑ میں اسلامی قوانین کو تنقید کا نشانہ بنانے سے بھی نہیں چوکتے۔ یورپ خود کو عورت کے حقوق کا سب سے بڑا داعی کہتا ہے، لیکن آج کے مہذب معاشرے میں خواتین کے ساتھ روا رکھا جانے والا گھناونا، ہیبت ناک شرمناک اور خوفزدہ کردینے والا والا جو سلوک یورپ میں ہورہا ہے شاید ہی کہیں اور ملک میں ہوتا ہو۔ گزشتہ دنوں عورت کے حوالے سے یورپین میڈیا نے خود ہی یورپ کے گھناؤنے چہرے پر پڑا نقاب اٹھا کر اس کی بدنمائی سب پر عیاں کردی ہے۔

برطانیہ کے اخبار آبزرور کے مطابق برطانیہ میں اسمگل شدہ خواتین کی نیلامی کی جاتی ہے۔ کیمبرج شائر میں پولیس نے 73 مشتبہ جسم فروشی کے اڈوں پر چھاپے مارے جن میں بہت سی زخمی خواتین برآمد ہوئیں، زخموں کے یہ نشانات قحبہ خانوں سے فراریت کا تحفہ تھے۔ اسمگل شدہ خواتین کا جبری استحصال اور جسم

فروشی کا دھندا گاؤں سے لے کر بڑے شہروں تک پھیلا ہوا ہے۔ انہیں کمرے سے باہر جھانکنے کی آزادی تک نہیں ہوتی اور ایک دن میں تقریباً 50 سے 60 افراد کی ہوس پوری کرتی ہیں جس سے اسمگلنگ میں ملوث افراد کو ہزاروں پاونڈ کی آمدنی ہوتی ہے۔ برطانیہ کے وزیر داخلہ نے پولیس فورسز اور سیریس وآرگنائزڈ کرائم برانچ (سوکا) کو ہدایت کی ہے کہ وہ اس جرم کو اپنی ترجیحات میں سب سے اوپر لائیں کہ ہزاروں بچوں اور عورتوں کو غلام، کنیز بنا کر فروخت کیا جارہا ہے۔ برطانیہ میں جہاں یہ جرم اس قدر بڑے پیمانے پر ہے کہ پولیس اور "سوکا" اپنے ایک چوتھائی وسائل اسٹریٹ کرائمز اور عورتوں کی اسمگلنگ سے نمٹنے پر خرچ کررہے ہیں۔

گزشتہ برس بھی چار ماہ پر محیط ایسا ہی آپریشن شروع کیا گیا تھا جس میں 135 افراد پر انسانی اسمگلنگ سمیت دیگر الزامات میں فرد جرم عائد کی گئی تھی جبکہ 500 قحبہ خانوں، مساج پارلروں، گھروں اور دیگر جگہوں سے بے شمار عورتوں اور لڑکیوں کو بازیاب کرایا گیا تھا۔ جرائم کے تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ" وہ منظم جرائم کو اب اسلحہ اور منشیات فروشی سے جسم فروشی میں تبدیل ہوتا دیکھ رہے ہیں اور ان گروہوں کے چنگل میں پھنسی خواتین کا اس دلدل سے نکلنا بہت مشکل ہوتا ہے۔" نیلام ہونے والی عورت کے ساتھ ایک نگران ہوتا ہے۔ مختلف گروہوں کے لوگ قربانی کے جانوروں کی طرح اس کا جائزہ لیتے ہیں

پھر "بولی" شروع ہوتی ہے اور بعض اوقات تو بولی کی رقم بے حد معمولی یعنی ایک ہزار یورو ہوتی ہے۔ مشرقی یورپ کی خواتین کو بہتر زندگی اور روزگار کا جھانسا دیا جاتا ہے لیکن مغربی یورپ پہنچنے کے بعد ان سے پاسپورٹ اور دوسری تمام دستاویزات لے لی جاتی ہیں اور پھر ان کو نہایت غلیظ مکانوں میں رکھا جاتا ہے بعد میں ان کو نیلام گھروں میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق مشرقی یورپ افریقہ اور مشرقی بعید سے حالیہ اسمگل شدہ دس ہزار عورتوں کو برطانیہ میں فی کس ڈھائی ہزار پاونڈ کے عوض منظم گروہوں کو فروخت کیا گیا ہے۔ اس وقت وہ جنسی غلامی میں بندھی ہوئی ہیں۔ جرائم پیشہ سنڈیکیٹ نے نامعلوم تعداد میں عورتوں اور بچوں کو پانچ سے دس ہزار پونڈ کے عوض بانڈڈ لیبر میں فروخت کر دیا ہے۔

یورپ میں عورت کو ملنے والے حقوق کی داستان مزید سنتے چلیے۔ 24 فروری کو 2012ء کے لندن اولمپکس میں 400 میٹر کی دوڑ میں سیمی فائنل میں پہنچنے والے اور 4 200 T44 پیرالمپکس میں ریلے میں سونے کا تمغہ اور 100x میں چاندی کا تمغہ، 400 T44 پیرالمپکس میں میں سونے کا تمغہ جیت کر پیرالمپک ریکارڈ قائم کرنے والے معروف پیرالمپک ایتھلیٹ آسکر پسٹوریئس نے اپنی ہی گرل فرینڈ ریوا سٹین کیمپ کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس سے کچھ ہی روز قبل شمالی برطانیہ کے شہر لین کاسٹر کے ایک مقامی کالج چائلڈ کیر" کی طالبہ سولہ سالہ سیشا مارسڈن کو"

کچھ افراد نے اغوا کرنے کے بعد بدترین تشدد کا نشانہ بنایا، اس کے سر اور چہرے پر چاقو کے کئی وار کرکے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ قاتلوں نے اس پر بھی بس نہ کی، انتہائی سفاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس طالبہ کی لاش کو ایک ہوٹل کے قریب سب کے سامنے ایک مصروف سڑک پر رکھ آگ لگا دی۔ ہوٹل میں کام کرنے والے ملازمین جو کہ واقعہ کے عینی شاہد بھی ہیں ان کا کہنا ہے کہ جب نامعلوم افراد طالبہ کی لاش کو جلا رہے تھے تو انہیں ایسا محسوس ہوا کہ کسی پتلے کو آگ لگائی جا رہی ہے، تاہم خون نکلنے سے معلوم ہوا کہ یہ کسی انسان کی لاش ہے۔

یورپ کے حالات وواقعات کا بغور جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں پر بے انتہا ظلم کیا جاتا ہے لیکن اس کو منظر عام پر نہیں لایا جاتا۔ صرف 2006ء میں امریکا میں 2 لاکھ 32 ہزار 9 سو 60 خواتین کے ساتھ زیادتی کے مقدمات درج ہوئے، اب بھی روزانہ 600 سے زائد خواتین کے ساتھ جنسی درندگی ہوتی ہے۔ 2005ء میں 1181 خواتین کو ان کے خاوندوں نے قتل کر ڈالا۔ امریکا میں ہمہ قسم کے جرائم کی شرح اتنی زیادہ ہے کہ دس شہروں کو انتہائی خطرناک سمجھا جاتا ہے۔ سٹاک ٹون، راک فورڈ، ہالٹ مور، لٹل راک، آک لینڈ، میمفس ٹن، نیو ہیون کون، ایس ٹی لوئیس میسوری، ڈیٹرائیٹ اور فلنٹ وہ شہر ہیں جو جنسی جرائم کے باعث سب سے زیادہ خطرناک تصور کیے جاتے ہیں۔

سویڈن کے اخبار" یوتے بوری پوستن" نے سویڈن میں عورتوں پر تشدد کے بارے میں لکھا ہے:" سویڈن میں ہر سال تقریباً بارہ ہزار خواتین اپنے قریبی تعلق رکھنے والے یا واقف کار افراد کے ہاتھوں تشدد کا شکار ہوتی ہیں اور یہ اعداد و شمار بڑھ رہے ہیں۔ تشدد کا شکار ہونے والی عورتیں اب پولیس کو اطلاع کرنے میں ہچکچاتی ہیں۔ 1992ء میں 10221 اور 1997ء کے پہلے نو ماہ میں یہ تعداد 8888 تھی۔ ان اعداد و شمار میں وہ خواتین شامل نہیں ہیں جو تشدد کے ذریعہ موت کے گھاٹ اتار دی جاتی ہیں کیونکہ وہ مقدمات قتل کے زمرے میں آتے ہیں۔ 1991-94ء کی رپورٹ کے مطابق ہر سال 21 سے 42 خواتین اپنے ساتھی کے ہاتھوں موت کا شکار ہوئیں۔

اس سے پہلے ابھی یورپ کو مذہب سے خود ساختہ آزادی کا اعلان کیے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ 1888ء میں لندن کی گلیاں ایک خونی شخص کے خوف سے کانپنے لگیں، یہ شخص ایسی عورتوں کو جو ذرا شوخ لباس پہنتیں اکیلے میں پکڑ کر ایک تیز دھار آلے سے ان کی گردن کاٹ دیتا، جسم پر نشان بناتا، پیٹ پھاڑ دیتا اور انہیں عبرت کا نشان بنا دیتا اس کی پہلی شکار خاتون این نکوبس تھی جو چار Jack the Ripper تھا۔ جیک دی ریپر بچوں کی ماں تھی اور خاوند سے طلاق ہونے کے بعد ان بچوں کو پالنے کے لیے جسم فروشی کرتی تھی۔ 31 اگست کی رات جیک دی

رپر نے اسے انتہائی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔ اس کی دوسری شکار خاتون اینی چیپ مین تھی جو کلبوں میں پھول بیچ کر زندگی گزارتی تھی لیکن اس کی آزاد خیالی اسے پسند نہ تھی اور ایک رات اس نے اسے بھی عبرتناک انجام تک پہنچا دیا اور یوں یہ سلسلہ چلنے لگا۔ سنسان جگہوں، دریا کے کنارے، لندن میں چلنے والے 62 بازار حسن کہا جاتا Sirial Killer اس کی شکار لاشوں سے سجنے لگے۔ اسے دنیا کا پہلا سیریل کلر ہے۔

اس آغاز سے لے کر آج تک یعنی سو سال سے زیادہ عرصہ گزرنے تک ایسے کئی جیک دی رپر یورپ میں پیدا ہوئے جو عورتوں کے خون سے ہاتھ رنگتے رہے۔ جان آرسزانگ بھی ایک مشہور و معروف یورپین تھا جو جہاز پر سفر کرتا اور جس شہر میں ایسی عورتیں ملتی اسے قتل کر دیتا۔ کینتھ بیانچی جس کے خوف سے لاس اینجلس کی خواتین نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ لارنس بٹکر اور رائے نورس جو وین لے کر گھومتے اور نوجوان لڑکیوں کو اٹھاتے، زیادتی کرتے اور قتل کر دیتے۔ مائک ڈیبرا ڈیلین جس کا خوف پورے امریکا پر چھایا رہا۔ کچھ ایسے بھی تھے جو اپنے نام سے زیادہ لقب سے جو بڑی سڑکوں پر نوجوان Freeway Killer شہرت رکھتے تھے، فری وے کلر لڑکیوں اور لڑکوں کو تشدد کا نشانہ بناتا اور مار دیتا۔ بیوٹی کیوئن کلر جس نے فلوریڈا Riverside میں خوبصورت خواتین کو بے تحاشہ ذبح کرکے نام کمایا۔ ریورسائیڈ کل دریا کے کنارے Killer

عورتوں کو مار پھینکتا۔ ہزاروں کی تعداد میں ملنے والے ان سیریل قاتلوں میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ ان سب میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو کبھی بھی مذہب پر عملدارآمد کرنے والے نہ تھے، بلکہ پوری لسٹ میں ایسا کوئی بھی نہیں ملے گا۔ جبکہ سارے جنسی جنونی، بے راہ رو اوراس مہذب معاشرے کی اقدار میں رچے بسے لوگ تھے۔ دنیا میں امریکا کی آبادی صرف چھ فیصد ہے لیکن ساری دنیاکے قاتلوں میں 76 فیصد یہاں پائے جاتے ہیں۔ باقی دنیا میں 24 فیصد۔ مہذب یورپ میں ایسے 17 فیصد قاتل رہتے ہیں۔ ان قاتلوں میں 84 فیصد سفید چمڑی والے یعنی مہذب گورے ہیں۔ ان میں سے 70 فیصد ایسے ، جن کی عمریں 20 سال سے کم تھیں۔ ہر سال یورپ میں ایسے متعدد نئے قاتلوں کا اضافہ ہورہا ہے اور کئی ہزار عورتیں ذبح ہوتی ہیں۔ ان میں ایسے قاتل بھی ہیں جنھوں نے تین سو سے زائد عورتوں کو قتل کیا تھا۔ پورے یورپ میں جرمنی، فرانس اور انگلینڈ ان قاتلوں کی دوڑ میں سب سے آگے ہے۔ یورپ میں اسلحہ اسقدر عام ہوچکا ہے کہ آئے دن بلاوجہ کے قتل عام ہورہے ہیں۔

عورت کے حقوق کے کھوکھلے یورپین نعرے کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کچھ سال قبل تک پورے یورپ میں عورت کا وجود کسی مرد کے زیر تسلط ہی ممکن تھا۔ عورت کو ایسا کوئی حق حاصل نہیں تھا جو ایک مہذب معاشرے میں عورتوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اسے حق انتخاب، مالکانہ حقوق اور داد و ستد کا

اختیار نہیں تھا۔ بعد میں عورت کو تجارتی میدان اور سماجی امور میں شامل کیا گیا۔ یورپ میں جو عورت کو مالکانہ حقوق دینے کا فیصلہ کیا گیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ کارخانوں نے نئی نئی صنعت اور ٹیکنالوجی کی بساط بچھائی تھی اور ان کو محنت کش مزدوروں اور کام کرنے والوں کی ضرورت تھی لیکن مزدوروں کی قلّت تھی۔ عورتوں کو کارخانوں میں لانے اور اس افرادی قوت سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا، ان لوگوں نے اعلان کیا کہ عورت کو بھی مالکانہ حقوق حاصل ہیں۔

اس کے باوجود اہل یورپ اسلامی دنیا کے خلاف اپنا زہر اگلتے نہیں تھکتے، یورپ میں آئے روز اس قسم کے گھناؤنے واقعات ہوتے ہیں ان پر کوئی شور شرابا نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ چپ سادھ لی جاتی ہے۔ لیکن اسی قسم کا کوئی واقعہ اگر اسلامی دنیا میں پیش آجائے تو اس پر تو آسمان سر پر اٹھا لیا جاتا ہے، ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ اسلامی ممالک میں عورت پر بے انتہا ظلم ہو رہا ہے۔ خود یورپ میں ہر روز کتنا ظلم ہوتا ہے وہ نظر نہیں آتا؟۔

سندھ میں پرانا بلدیاتی نظام دوبارہ منظور

متحدہ قومی موومنٹ کے حکومت سے علیحدگی کے چھٹے روز آخرکار پیپلز پارٹی نے نئے بلدیاتی قانون سے چھٹکارا حاصل کرہی لیا جس کی وجہ سے اسے سندھ میں سیاسی مخالفت کا سامنا تھا، سندھ اسمبلی نے سندھ کا لوکل گورنمنٹ ایکٹ 1979ء بحال کرنے کا بل کثرت رائے سے منظور کر لیا۔ یہ بل "سندھ پیپلز لوکل گورنمنٹ ایکٹ 2012 کی منسوخی اور سندھ لوکل گورنمنٹ آرڈیننس 1979 کی بحالی کا بل 2013ئ" کہلائے گا۔ پیپلز پارٹی کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ (فنکشنل)، مسلم لیگ (ہم خیال)، نیشنل پیپلز پارٹی، عوامی نیشنل پارٹی اور مسلم لیگ (ق) نے حمایت کی، بل کے حامی ارکان بلند آواز میں "ہاں ہاں" کے نعرے لگاتے رہے' جبکہ ایم کیو ایم کے ارکان "نو، نو اور، ظلم کے ضابطے، ہم نہیں مانتے" کے نعرے لگاتے رہے۔ انھوں نے اسپیکر ڈیسک کے سامنے بھی جاکر احتجاج کیا اور بل کی کاپیاں پھاڑ کر پھینک دیں۔ بل کی منظوری پر پیپلز پارٹی اور بل کی حامی دیگر پارٹیوں کے ارکان نے ڈیسک بجاکر خوشی کا اظہار کیا اور گلے لگ کر ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ ایم کیو ایم کے ارکان نے اس بل کی منظوری پر سخت احتجاج کیا اور اجلاس سے بائیکاٹ کیا، بل کی منظوری کے بعد ایوان کے اندر بھی خوشی سے نعرے بازی ہوتی رہی اور ایوان کے باہر بھی پیپلز پارٹی کے کارکنان اور بل کے حامی نعرے بازی کرتے رہے۔ زبردست ہنگامہ آرائی اور شور

شرابے میں بل صرف 11 منٹ میں منظور کر لیا گیا۔

ایم کیو ایم کے ڈپٹی پارلیمانی لیڈر فیصل سبزواری نے کہا ہے کہ چند ماہ قبل تک پیپلز پارٹی کے لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ نیا بلدیاتی قانون ایک نسخہ کیمیا ہے جس سے سندھ کے عوام کی قسمت جاگ جائے گی اور انہیں نچلی سطح پر بنیادی شہری سہولیات ملیں گی، اب یہ قانون اچانک خراب ہوگیا، کیا یہ تماشہ اور تضاد بیانی نہیں؟۔ سندھ لوکل گورنمنٹ آرڈیننس 2002ء کو اس لیے مسترد کر دیا گیا تھا کہ اسے ایک فوجی آمر پرویز مشرف کا قانون کہا گیا لیکن 1979ء کا آرڈیننس کیا یہ ایک اور فوجی جنرل ضیا الحق کا دیا ہوا نہیں ہے؟۔ بدقسمتی سے سندھ میں سیاسی ایشوز کو انتظامی امور سے خلط ملط کر دیا گیا ہے۔ جو کچھ آج سندھ اسمبلی میں ہوا ہے یہ سیاسی شعبدے بازی ہے، سندھ کے عوام کے ساتھ بھلائی کا فیصلہ نہیں ہے، ہم سندھ کے باسی ہیں، یہاں ہمیں عوام کو اچھی گورنس دینی چاہیے۔ انہیں خدمات مہیا کرنی چاہیے اور ان کے مسائل حل کرنے چاہیے لیکن ایسا نہیں ہوا، ہم سندھ کے باسیوں سے شرمسار نہیں ہیں، جب تک ہم مخلوط حکومت میں تھے، ہم نے ایسا نہیں ہونے دیا اور جب ہمیں اختیار ملے گا اور سندھ اسمبلی میں اکثریت ملے گی تو ہم 2012ء والا قانون واپس لیں آئیں گے۔

ایم کیو ایم کے ارکان کے چلے جانے کے بعد سینیئر وزیر پیر مظہر الحق نے کہا

کہ ایم کیو ایم کے لوگ ہم پر الزامات لگا کر چلے گئے اور ہماری بات نہیں سنی، یہ انتہائی غیر پارلیمانی رویہ ہے، سارے نظام اچھے ہوتے ہیں لیکن ان پر عمل درآمد ہونا چاہیے، ایم کیو ایم نے بلدیاتی نظام کے لیے جو بھی تجاویز دیں ہم نے انہیں شامل کیا۔ ہم نے ان کی وجہ سے سیاسی مخالفت کا سامنا کیا لیکن یہ ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپ کر چلے گئے، یہ وزارتیں بھی کرتے رہے اور حکومت میں بھی رہے اور جاتے ہوئے ہمیں خدا حافظ بھی نہیں کہا۔ پیر مظہر الحق نے سندھی کی ایک کہاوت بیان کی، جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ "کھاتے وقت ساتھ، سوتے وقت مسجد میں"۔ انھوں نے کہا کہ ایم کیو ایم کا اب سیاسی کھیل ختم ہوچکا، اب ان کا مسئلہ یہ ہے کہ "میں کیر پاسے جاواں تے میں منجھی کتھے ڈھاواں"، ایم کیو ایم والے ہمارے بھائی ہیں لیکن وہ سیاسی اسکور بنا کر چلے گئے، سندھ حکومت نے کراچی کے لیے اربوں روپے دیے۔ ایم کیو ایم والے ہمارے ساتھ تعاون بھی نہیں کرتے اور ہمیں بتاتے بھی نہیں کہ وہ ہمیں کیوں چھوڑ رہے ہیں، سندھ پر سیاست نہیں کرنی چاہیے، سندھ ہماری ماں ہے، جو بھی اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے گا، اس کی آنکھیں نکال لیں گے، کوئی کہتا ہے کہ ہم سندھ کے ٹکڑے کردیں گے، کوئی کہتا ہے کہ ہم سندھ کو آدھا تقسیم کردیں گے، لیکن کوئی مائی کا لال ایسا پیدا نہیں ہوا جو سندھ کو تقسیم کرسکے، ہماری مفاہمت کی کوششوں کو گندا کیا گیا، ہم مل جل کر رہتے تو اچھا ہوتا، ایم کیو ایم نے ہمیں چھوڑا ہے ہم نے انہیں نہیں چھوڑا۔ بلدیاتی نظام پر یوٹرن نہیں لیا، نئے بلدیاتی نظام کی

واپسی پر سیاسی دکان چمکانے والے اپنی موت آپ مر گئے۔

سندھ اسمبلی میں اپوزیشن جماعتوں کے ارکان نے نئے بلدیاتی قانون کی منسوخی اور 1979 والے بلدیاتی نظام کی بحالی کو اپنی فتح قرار دیا ہے اور کہا کہ سندھ کے عوام کے ساتھ مل کر جو جدوجہد شروع کی تھی وہ بالآخر کامیاب ہوئی ہے۔ سندھ کے عوام کے لیے آج بڑا مبارک دن ہے اور سندھ کو تقسیم کرنے والا نظام واپس لے لیا گیا ہے۔ بلدیاتی آرڈی ننس 1979ء سندھ کے عوام کے دباو ¿ کی وجہ سے بحال ہوا ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی خوفزدہ ہے کہ انہیں سندھ کے عوام قبول نہیں کریں گے۔اس لیے ان کو سندھ کے عوام کی سوچ کا اندازہ ہوا ہے اور 1979ء کا بلدیاتی نظام بحال کیا ہے۔پی پی کو چاہیے کہ عوام سے معافی مانگے ۔سندھ کے عوام کے لیے آج خوشی کا دن ہے۔ حکومت کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان پیپلز پارٹی ذوالفقار علی بھٹو کی زبان کو پاس رکھتے ہوئے اپنے اس فیصلے پر قائم رہے جو انہوں نے آج بلدیاتی آرڈی ننس کی بحالی کی شکل میں کیا ہے۔ایسا نہ ہو کہ انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد یہ اپنی زبان سے پھر جائیں ، پیپلز پارٹی اب اگر سندھ کے عوام کے ساتھ بے وفائی کی تو تاریخ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ نواز لیگ نے پرانے بلدیاتی بل کی منظوری کو پی پی اور ایم کیو ایم کی ملی بھگت قرار دے دیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ دونوں جماعتیں عوام کو بے وقوف بنا رہی ہیں۔ دونوں

جماعتیں اس بل کو انتخابی نعرے کے طور پر استعمال کریں گی۔

یاد رہے کہ سندھ میں 31 دسمبر 2010ء کے بعد 1979ء والا پرانا بلدیاتی نظام جمعرات کو چوتھی دفعہ بحال ہوا لیکن اب تک نہ تو 1979ء والا نظام پوری طرح نافذ ہو سکا ہے اور نہ ہی جنرل پرویز مشرف والا شہری ضلعی حکومتوں والے نظام کے تحت قائم ادارے پوری طرح ختم ہوسکے ہیں۔ اب بھی کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ سندھ میں پرانا بلدیاتی نظام نافذ بھی ہوسکے گا یا نہیں کیونکہ جمعرات کو سندھ اسمبلی نے سندھ لوکل گورنمنٹ آرڈیننس (ایس ایل جی او) 1979ء کی بحالی اور سندھ پیپلز لوکل گورنمنٹ ایکٹ (ایس پی ایل جی اے) 2012ء کی منسوخی کے لیے جو بل منظور کیا، اگر اس کی گورنر سندھ نے موجودہ اسمبلی کی مدت ختم ہونے سے پہلے توثیق نہ کی تو یہ بل قانون نہیں بن سکے گا اور پرانے نظام کی بحالی کا معاملہ لٹک جائے گا۔ 31 دسمبر 2010ء تک جنرل پرویز مشرف والے سندھ لوکل گورنمنٹ آرڈیننس (ایس ایل جی او) کو آئینی تحفظ حاصل رہا اور سندھ میں شہری ضلعی حکومتوں کا نظام نافذ رہا۔ 2002 یکم جنوری 2011ء کو ایس ایل جی او از خود غیر موثر ہوگیا اور پرانا ایس ایل جی او بحال ہوگیا لیکن پیپلز پارٹی اور متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) کی باہمی 1979ء رضامندی سے جنرل پرویز مشرف والے نظام کو آرڈیننس کے ذریعہ 8 جولائی 2011 تک جاری رکھا گیا اور 7 اگست 2011ء کو سندھ میں دو بلدیاتی نظام نافذ

کرنے کا آرڈیننس جاری کردیا گیا جس کے تحت کراچی میں ایس ایل جی او 2002ء والا نظام دوبارہ بحال کیا گیا جبکہ سندھ کے دیگر اضلاع کیلئے ایس ایل جی او 1979ء والا بلدیاتی نظام برقرار رکھا گیا، اس دہرے بلدیاتی نظام کے خلاف سندھ بھر میں زبردست احتجاج ہوا اور ایک ہی دن میں یہ آرڈیننس واپس لے کر 8 اگست 2011ء کی صبح ایک نیا آرڈیننس جاری کیا گیا جس کی مدت 6 نومبر 2011ء کو ختم ہوگئی اور تیسری مرتبہ ایس ایل جی او 1979ء والا نظام بحال ہوگیا اور 10 ماہ بعد 7 ستمبر 2012ء کو گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد خان نے سندھ پیپلز لوکل گورنمنٹ آرڈیننس (ایس پی ایل جی او) 2012ء جاری کیا۔ یکم اکتوبر 2012ء کو سندھ اسمبلی نے اس آرڈیننس کو قانون کی شکل دینے کیلئے قانون منظور کرلیا اور یہ سندھ پیپلز لوکل گورنمنٹ ایکٹ (ایس پی ایل جی اے) 2012ء بن گیا جسے 21 فروری 2013ء کو منسوخ کردیا گیا اور ایس ایل جی او 1979ء چوتھی دفعہ بحال ہوا ہے۔ 16 مارچ 2013ء کو موجودہ اسمبلیوں کی مدت ختم ہوجائے گی اس سے پہلے 21 فروری 2013ء کے منظور کردہ بل کو ایکٹ بننا ہے۔ اگر گورنر سندھ نے 16 مارچ سے پہلے اس کی توثیق نہ کی تو یہ ایکٹ نہیں بن سکے گا اور سندھ میں قانونی طور پر ایس پی ایل جی اے 2012ء نافذ رہے گا اور 1979ء والے بلدیاتی نظام کی بحالی کا معاملہ لٹک جائے گا۔

قیام امن کی کوششیں تیز

ملک میں ایک عرصے سے قیام امن کے حوالے سے کوششیں کی جارہی ہیں۔ لیکن ابھی تک کوئی معنی خیز نتیجہ سامنے نہیں آ سکا۔اسی حوالے سے جے یو آئی نے 28 فروری کو اسلام آباد میں آل پارٹیز کانفرنس بلائی ہے۔ جمعیت علماء اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن کا کہنا ہے کہ فاٹا کے عوام ملک میں قیام امن کے لیے اپنا کردار ادا کرنا چاہتے ہیں اور ہمیں میزبانی کا شرف بخشا ہے۔ ہفتہ کے روز جماعت اسلامی کے مرکز منصورہ لاہور میں مولانا فضل الرحمٰن نے اپنے وفد کے ہمراہ جماعت اسلامی کے امیر سید منور حسن اور جنرل سیکرٹری لیاقت بلوچ سے ملاقات کرکے اے پی سی میں شرکت کی دعوت دی اور ملکی سیاسی صورت حال پر تبادلہ خیال کیا۔ جماعت اسلامی نے جے یو آئی (ف) کی طرف سے بلائی گئی اے پی سی میں شرکت کی دعوت قبول کرلی ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن اور سید منور حسن نے ملک میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی کو استحکام پاکستان کیلئے خطرناک قرار دیتے ہوئے اتفاق کیا ہے کہ جب تک امریکا اس خطے سے نہیں نکلے گا پائیدار امن نہیں ہوسکتا۔ امن و امان کے قیام کا واحد حل صرف مذاکرات ہیں۔ جماعت اسلامی کے امیر سید منور حسن نے کہا ہے کہ جب حکومت ناکام ہوجائے تو لوگوں کی امیدیں دم توڑ جاتی ہیں ایسے میں سیاسی جماعتوں اور اسٹیک ہولڈرز کی ذمہ داری بڑھ گئی ہے۔ فاتا کے عمائدین چاہتے

ہیں کہ ان کاوشوں میں سیاسی جماعتیں ان کے سر پر ہاتھ رکھیں۔ انہوں نے کہا کہ امن وامان کے لیے مختلف سطحوں پر کوششیں ہوتی رہی ہیں اور یہ بھی اسی طرح کی کوشش ہے مذاکرات تاخیر سے ہوں یا جلد یہ ہونے چاہئیں اور امن کے لیے یہی راستہ ہے۔انہوں نے کہاہے کہ نواز شریف کو بھی اے پی سی میں شرکت کی دعوت دیں گے، یاد رہے کہ گزشتہ دنوں نواز شریف نے کہا تھا کہ حکومت طالبان کی پیشکش کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے مذاکرات کے لیے بلاتاخیر بامقصد اور نتیجہ خیز عمل کا آغاز کرے کیونکہ ملک کے عوام کو امن کی ضرورت ہے جس کے بغیر ترقی و خوشحالی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے کہا تھا کہ مسلم لیگ (ن) نے ہمیشہ مسائل کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کے عمل کی حمایت کی ہے اور اب بھی طالبان سے مذاکرات کی حمایت کرتی ہے۔پاکستانی طالبان کے سربراہ کی جانب سے مذاکرات کی پیشکش دسمبر میں کی گئی تھی، جس پر حکومت یہی کہتی رہی تھی کہ کسی بھی طرح کے مذاکرات سے پہلے فائر بندی ضروری ہے۔ اس کے بعد بھی پاکستانی طالبان نے مذاکرات کی پیشکش کی تھی، جس میں مولانا فضل الرحمٰن، سید منور حسن اور میاں نواز شریف کا نام بطور ضامن پیش کیا تھا، اسی لیے مولانا فضل الرحمٰن قیام امن کے لیے کوششیں کررہے ہیں۔
پاکستان کے شمال مغربی قبائلی علاقوں میں حکومت اور طالبان اب اس طویل تنازعے کا حل ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت کے ذریعے نکالنا چاہتے ہیں۔

دوسری جانب اطلاعات ہیں کہ تحریک طالبان پاکستان نے احسان اللہ احسان کو میاں نواز شریف، مولانا فضل الرحمٰن اور سید منور حسن سے مذاکرات کا اختیار دے دیا ہے۔ لیکن بی بی سی کے حوالے سے یہ اطلاعات بھی ہیں کہ تحریک طالبان پاکستان کے مرکزی ترجمان نے کہا ہے طالبان اور حکومت کے مابین مذاکرات میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی اور نہ ہی طالبان کی شوریٰ نے انہیں مذاکرات کے لیے سربراہ مقرر کیا ہے۔

تحریک طالبان پاکستان کے ترجمان احسان اللہ احسان نے بتایا کہ مذاکرات کے بارے میں ابھی تک کسی حکومتی اہلکار سے رابطہ نہیں ہوا اور نہ ہی اس حوالے سے طالبان شوریٰ کا دوبارہ کوئی اجلاس منعقد ہوا ہے۔ انہوں نے کہا تاہم وہ اب بھی حکومت کی طرف سے سنجیدہ مذاکرات کے منتظر ہیں۔ جب حکومت کی طرف سے سنجیدہ بات چیت کا آغاز ہو جائے تب ہی وہ مذاکراتی کمیٹی کی منظوری دیں گے۔ جبکہ وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک نے کہا کہ میرے ماتحت کوئی ایجنسی کام نہیں کرتی، اس لیے مجھے ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے۔ آئی ایس آئی، ملٹری انٹیلی جنس اور انٹیلی جنس بیورو کی اطلاعات مکمل درست ہوتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حکیم اللہ محسود اور ولی الرحمٰن ہتھیار پھینک کر مذاکرات کریں قانون کے مطابق سہولت دیں گے۔ عبدالرحمٰن ملک نے کہا کہ میں ہمیشہ کہتا رہا ہوں کہ طالبان جب کمزور پڑ جاتے ہیں تو مذاکرات کو ڈھال بناتے ہیں اور اس دوران دوبارہ خود کو طاقت ور بنا کر دوبارہ اپنی سرگرمیاں شروع کر دیتے ہیں۔ مذاکرات سے متعلق طالبان کے رویے کو "غیر سنجیدہ" قرار

دیتے ہوئے وفاقی وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک نے کہا کہ اگر وہ مذاکرات سے متعلق سنجیدہ ہیں تو کل ہی مذاکرات ٹیم کا اعلان کریں اور کیا بہتر ہو کہ وہ کہیں کہ ہم نے تشدد کا راستہ ترک کر دیا۔

دوسری جانب وفاق المدارس کے عہدیداروں نے کہا ہے کہ قیام امن کی آڑ میں امتیازی سلوک سے گریز کیا جائے، صرف کوئٹہ کے مقتولین ہی نہیں کراچی میں شہید ہونے والے سینکڑوں علماء و طلبہ اور مذہبی کارکنوں کے قاتلوں کے خلاف بھی آپریشن کیا جائے، حکمران دہرا معیار اپنا کر فرقہ واریت کو مزید ہوا نہ دیں، بے گناہ انسان شیعہ ہو یا سنی ہر کسی کا قتل افسوسناک اور قابل مذمت ہے، حکومت امن وامان کے مسائل پیدا کرنے والوں کے مطالبات مان کر پرامن رہنے والوں کو احتجاج پر مجبور نہ کرے۔ وفاق المدارس کے عہدیداروں نے زور دے کر کہا کہ اس قسم کے سانحات کو صرف مذہب کے ساتھ نتھی کرنے اور اندھا دھند چھاپے مارنے اور گرفتاریاں کرنے کی بجائے اس قسم کے سانحات کے دیگر عوامل کو بھی مد نظر رکھا جائے۔ انہوں نے کہا کہ حکومتی پالیسیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وطن عزیز میں بازو مروڑنے والوں اور لا اینڈ آرڈر کا مسئلہ بنانے والوں کے مطالبات پر تو سنجیدگی سے غور کیا جاتا ہے لیکن پرامن لوگوں کو مسلسل دیوار کے ساتھ لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دریں اثناء وفاق المدارس نے موجودہ نازک ملکی صورتحال اور کراچی میں علماء و طلبہ کی شہادتوں کے حوالے سے

مجلس عاملہ کا خصوصی ہنگامی اجلاس لاہور میں طلب کر لیا، اجلاس 25 اور 26 فروری دو دن جاری رہے گا، مولانا سلیم اللہ خان صدارت کریں گے جبکہ ملک بھر کے جید اور اکابر علمائے کرام شرکت کریں گے، جامعہ اشرفیہ لاہور میں ہوگا۔ جبکہ اجلاس میں ملک بھر سے جید اور اکابر علماء کرام، مدارس دینیہ کے مہتمم حضرات اور دیگر اہم دینی اور ملی شخصیات شرکت کریں گی۔ یاد رہے کوئٹہ میں دھماکے کے بعد ملک کے مختلف حصوں میں حکومت نے مذہبی جماعتوں کے متعدد رہنماؤں وکارکنوں کو گرفتار کرکے خفیہ مقامات پر پہنچا دیا ہے۔ پولیس نے چادر اور چار دیواری کے تقدس کو ایک طرف رکھتے ہوئے آپریشن کیا اور گزشتہ روز کوئٹہ میں اہلسنّت والجماعت کی ریلی لیاقت بازار سے گزر رہی تھی کہ آرچر روڈ کے کارنر پر نامعلوم افراد نے ریلی پر اندھا دھند فائرنگ کردی جس کے نتیجے میں 7 افراد شدید زخمی ہوگئے۔ اس کے علاوہ بھی پولیس اور حکومتی ادارے مذہبی طبقے سے ناروا سلوک برت رہی ہے۔

پاکستان کے خلاف نیا امریکی منصوبہ

امریکا خود تو جوہری ہتھیاروں سے لیس ممالک میں سرفہرست ہے لیکن دوسرے ممالک کو ایک مربوط منصوبے کے تحت اس قسم کے تمام ہتھیاروں سے محروم کرنے پر تلا ہوا ہے۔ برطانوی اخبار "ٹیلی گراف" کے مطابق امریکا اور برطانیہ نے پاکستان، شام، شمالی کوریا اور ایران کے جوہری، کیمیائی اور حیاتیاتی ہتھیاروں پر قبضے کا منصوبہ بنالیا ہے۔ رائل ایئر فورس رجمنٹ کے خصوصی یونٹ کو شام کے مہلک ہتھیاروں کو محفوظ بنانے یا تباہ کرنے کے لیے ہنگامی تیاری کا حکم دے دیا گیا ہے۔ اس حوالے سے منصوبہ بنایا گیا ہے کہ شام کے کیمیائی ہتھیاروں پر قبضہ کرلیا جائے یا پھر متواتر فضائی حملوں کے ذریعے انہیں تباہ کر دیا جائے۔ دونوں ممالک کے سینئر عہدیداروں نے پاکستان، شام اور ایران جیسے ممالک میں بھی بڑے ہتھیاروں کے خلاف منصوبہ بنایا ہے۔ ایک سینئر برطانوی عہدیدار کے مطابق ایران کی جانب سے جوہری ہتھیاروں کی تیاری کے منصوبے میں پیشرفت بھی مغربی ممالک کے لیے تشویش کا باعث بنی ہوئی ہے۔

امریکی اسٹریٹیجک ورکنگ گروپ نے بھی مشرق وسطیٰ اور خطے میں بین الاقوامی ایمرجنسی کی صورت میں مہلک ہتھیاروں کو محفوظ بنانے کی تیاری شروع کردی ہے۔

اس حوالے سے ایک گروپ بنایا گیا ہے جو امریکی فوج، میرین کور اور نیوی سمیت آسٹریلیا اور برطانوی افسران اور حکومتی عہدیداروں پر مشتمل ہے۔ رپورٹ کے مطابق اس منصوبے پر عمل کے لیے مذکورہ گروپ کے سینئر عہدیداروں نے "یونیفائیڈ کوئیسٹ 2013ئ" کے نام سے کنساس میں قائم امریکی فوج کے اسٹاف کالج فورٹ لیون ورتھ میں مختلف جنگی مشقوں کے منصوبوں کی ریہرسل کی ہے جس کے مطابق کسی بھی ملک کے ناکام ہونے کی صورت میں وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے ذخائر کو بچانے کے لیے امریکا اور دیگر ممالک کارروائی کریں گے۔ جنگی مشقوں میں حصہ لینے والے ایک عہدیدار نے شناخت ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ ہمیں ایسے منصوبوں کی ضرورت ہے جس کے تحت ہم اپنی افواج کو صحیح خطوط پر اس خطرے سے نمٹنے کے لیے تیار کر سکیں۔ انہوں نے مزید کہا ہے کہ شام کے پاس بڑی تعداد میں کیمیائی بشمول اعصاب شل کرنے اور زہریلی گیس چھوڑنے والے ہتھیار موجود ہیں جبکہ پاکستان، شمالی کوریا کے پاس جوہری ہتھیاروں کے علاوہ ممکنہ طور پر ایران نے بھی جوہری ہتھیاروں کے حصول میں پیشرفت کی ہے۔ رپورٹ میں برطانوی خفیہ ایجنسی ایم آئی فائیو کے حوالے سے خبردار کیا گیا ہے کہ کسی بھی مغربی ملک یا شہر پر کیمیکل، حیاتیاتی اور ریڈیولوجیکل ہتھیاروں سے حملہ کسی بھی وقت متوقع ہے۔ واضح رہے کہ اس سے پہلے بھی متعدد بار امریکا خصوصاً پاکستان کے ہتھیاروں پر قبضے کی منصوبہ بندی کرچکا ہے۔ 27 دسمبر 2007ء میں بے نظیر بھٹو کی موت کے بعد امریکا

اور برطانیہ نے پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کو غیر محفوظ قرار دے دیا تھا اور ان پر کنٹرول حاصل کرنے کی غرض سے سیکرٹ پلان تیار کر لیا گیا تھا جس کے تحت امریکی ایلیٹ فورس یا برطانوی فوجیوں کو اسلام آباد بھیجا جانا تھا۔ امریکی اور برطانوی وزارت خارجہ کے ٹاپ سیکرٹ ڈپلومیٹک پیغامات پر مبنی خفیہ رپورٹ کے مطابق پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کو امریکا کے خفیہ سٹوریج جو کہ نیو میکسیکو میں واقع ہے وہاں منتقل کیا جانا تھا۔ علاقے میں "REMOTE REDOUBT" اگر یہ ممکن نہ ہوتا تو پھر پاکستان ہی کے کسی محفوظ کیا جانا تھا کیونکہ مغربی طاقتوں کو یہ خطرات لاحق ہو گئے تھے کہ طالبان اسلام آباد تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن پاکستان کے زمینی حقائق اس قدر پیچیدہ تھے کہ امریکا اور برطانیہ کو پاکستان کے حکمرانوں سے سوائے ڈیل طے کرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔

اسی طرح امریکی میگزین نیوز ویک کو انٹرویو میں اوباما نے کہا تھا کہ اگر پاکستان غیر مستحکم ہوتا ہے اور نیوکلیر ہتھیاروں کے شدت پسندوں کے ہاتھوں قبضے کا خطرہ ہوتا ہے تو میں پاکستان کے نیوکلیئر اثاثوں کے تحفظ کے لیے تمام آپشن پر غور کر سکتا ہوں۔ امریکی انٹیلی جنس ذرائع کے مطابق امریکا نے پاکستان کے ایٹمی ہتھیار طالبان کے قبضے میں جانے سے روکنے کیلئے ایک جامع منصوبہ بہت پہلے سے تیار کر لیا تھا۔ اس کے مطابق جب بھی امریکا کو محسوس

ہوا کہ پاکستان پر طالبان القاعدہ یا کسی اور گروپ کا قبضہ ہونے والا ہے تو اس منصوبے پر عملدرآمد کیا جائے گا جس کے تحت پاکستانی سرحد کے قریب افغانستان میں تعینات خصوصی دستے پاکستان کے اندر کارروائی کرتے ہوئے پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کے موبائل اسلحہ خانے کو اپنی حفاظتی تحویل میں لے لیں گے۔ امریکی انٹیلی جنس ذرائع نے فاکس نیوز چینل کو بتایا تھا کہ یہ آپریشن جوائنٹ سپیشل آپریشنز کمانڈ کا سپر سیکرٹ کمانڈو یونٹ کرے گا جس کا ہیڈ کوارٹر فیورٹ بریگ این سی میں ہے جوائنٹ سپیشل آپریشنز کمانڈ امریکی فوج کا دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کرنے والا سب سے بڑا سکواڈ ہے جس کے یونٹس اس وقت پاکستان کی مغربی سرحد پر افغانستان کے اندر سرگرم عمل ہیں۔ انٹیلی جنس ذرائع کے مطابق ان یونٹس کو ثانوی مشن غیر ملکی ایٹمی ہتھیاروں کو قبضے میں لینا سونپا گیا ہے اس مقصد کیلئے ان یونٹس کو ریاست نیوارا میں خصوصی تربیت دی گئی ہے اور اس کے علاوہ بھی متعدد بار امریکی افسران نے یہ کہا ہے کہ اگر پاکستان، طالبان، القاعدہ یا اسلامی انتہا پسندوں کے قبضے میں جاتا نظر آیا تو اس صورت میں امریکا کے پاس پاکستان میں دراندازی کرکے اس کے جوہری وار ہیڈ کے متحرک ذخیرے کو اپنے کنٹرول میں کرنے کا تفصیلی منصوبہ موجود ہے۔ دسمبر 2012ء میں امریکا نے دنیا بھر میں اپنے جاسوسوں میں اسی مقصد کے لیے اضافہ کیا تھا۔ امریکی سی آئی اے نے دنیا کے مختلف ملکوں میں اپنے فوجی اور سفارتی عملے کے ساتھ ساتھ سینکڑوں کی تعداد میں جاسوس متعین کرنے

کا فیصلہ کیا تا کہ وہاں شدت پسندی کو روکا اور مقامی سطح پر مختلف قسم کی سرگرمیوں میں پر نظر رکھی جاسکے۔اس مقصد کے لیے نوجوان امریکیوں کی بھرتی کا عمل شروع کیا۔

امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ سمیت دیگر ذرائع ابلاغ کی رپورٹس کے مطابق امریکی محکمہ دفاع پنٹا گون سینکڑوں کی تعداد میں جاسوس سمندر پار بھیجے گئے جن کا مقصد اس کی جاسوسی نیٹ ورک کو توسیع دینے کی حکمت عملی کا حصہ ہے۔اوراس منصوبے کے ذریعے دفاعی انٹیلی جنس ادارے کو مزید مضبوط کیا جانا تھا جو پہلے ہی 10 سال سے کام کررہا ہے۔اس سے پہلے ہی واشنگٹن پوسٹ کے مطابق 11/9 کے بعد پاکستان میں موجود ایسے افراد کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا ہے حتیٰ کہ رابرٹ گیٹس کو بھی معلوم نہیں کہ پاکستان میں امریکی جاسوسوں کی تعداد کیا ہے۔ مجموعی طور پر 8 لاکھ 54 ہزار افراد ٹاپ سیکرٹ کو سیکورٹی کلیئرنس دی گئی اور اس تعداد میں ریمنڈ ڈیوس جیسے 2 لاکھ 65 ہزار ٹھیکیدار (کنٹریکٹرز) شامل ہیں۔"ٹاپ سیکریٹ امریکا" نامی رپورٹ میں امریکی اخبار نے انکشاف کیا کہ یہ ٹھیکیدار دشمنوں کے جنگجوؤں کو ہلاک کرتے ہیں۔ وہ غیر ملکی حکومتوں اور مخالفین نیٹ ورکس کی جاسوسی کرتے ہیں۔یہی لوگ جنگی پلان مرتب کرتے ہیں اور قوم کی جنگ لڑنے والے فور اسٹار (چار ستارہ) جرنیلوں کیلئے انتہائی قابل اعتماد مشیر ہوتے ہیں۔" اگرچہ اس رپورٹ میں یہ

انکشاف نہیں کیا گیا تھا کہ پاکستان میں سی آئی اے کے ایسے ایجنٹس اور ٹھیکیداروں کی تعداد کیا ہے لیکن ان میڈیا رپورٹس کی توثیق کی گئی ہے کہ 11/9 کے بعد کی صورتحال میں؛ جب امریکیوں کو کھلی چھوٹ دی گئی کہ وہ جو مناسب سمجھیں وہ کر سکتے ہیں چاہے ہو پاکستان کے مفاد کے خلاف ہی کیوں نہ؛ پاکستان میں سی آئی اے کا جال بے مثال انداز سے وسعت پا چکا ہے۔ رپورٹ کے مطابق سی آئی اے کیلئے کام کرنے والے نجی ٹھیکیداروں نے مختلف ممالک میں جاسوسوں کو بھرتی کیا، انہیں افغانستان میں معلومات کے حصول کیلئے رشوتیں دیں اور دنیا بھر کے دورے کرنے والے سی آئی اے کے ڈائریکٹرز کو تحفظ فراہم کیا۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ایجنسی کا تربیتی ٹھکانہ امریکی ریاست ورجینیا میں ہے جہاں جدید دور کے جاسوسوں کی نئی کھیپ تیار کی گئی ہے۔ امریکی حکومت کو ٹاپ سیکرٹ کلیئرنس کے حامل نجی کنٹریکٹرز کے حصول کی بھوک اس قدر زیادہ ہے کہ اب ایسی 300 کمپنیاں قائم ہو چکی ہیں جنہیں اکثر "باڈی شاپ" کہا جاتا ہے جو امیدواروں کو ڈھونڈنے میں مہارت رکھتی ہیں۔ واشنگٹن پوسٹ نے رابرٹ گیٹس کے حوالے سے بتایا ہے کہ وہ ان ڈیفنس کنٹریکٹرز کی تعداد کم کرکے 13 فیصد تک لانا چاہتے ہیں لیکن انہیں اس سلسلے میں شدید مشکلات کا سامنا ہے حتیٰ کہ انہیں تو اصل تعداد بھی نہیں معلوم۔ ان کا کہنا تھا کہ "یہ ایک ہولناک اعتراف ہے، "مجھے وہ تعداد معلوم نہیں کہ وزیر دفاع کے دفتر کیلئے کتنے کنٹریکٹرز کام کرتے ہیں۔

مالی: اسلامی ریاست کے قیام کا منصوبہ منظر عام پر آگیا

مربع کلومیٹر رقبے پر مشتمل شمالی مغربی افریقہ کے اس ملک کی آبادی 1240192 ہے۔اسی فیصد سے زیادہ مسلمان، دوفیصد عیسائی اور اٹھارہ 14517176 فیصد مظاہرپرست ہیں۔مالی میں ایک عرصے سے امریکا وفرانس سمیت متعدد ممالک اسلام پسندوں کے خلاف اپنی کاروائیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ جن کے مقابلے میں اسلامی قوتیں بھی مالی میں اسلام کے دفاع کی جنگ بڑی شدومد سے لڑ رہی ہیں۔ 6 اپریل 2012ء کو شمالی مالی میں سیکولر تنظیم نیشنل مومنٹ فار لبریشن آف اوزاد نے آزادی کا اعلان کیا۔ جبکہ اسلام پسندوں نے اس اعلان آزادی کو مسترد کرتے ہوئے مالی کو ایک اسلامی ریاست بنانے کے لیے اپنی جہادی سرگرمیوں کا اعلان کردیا۔یکم اپریل کو مجاہدین نے مالی کے ایک بڑے شمالی شہر گاؤ پر قبضہ کرلیا۔ دو اپریل کو ایک دوسرے اہم شہر ٹمبکٹو پر بھی قبضہ ہوگیا۔ مجاہدین کے کمانڈر نے واضح کیا کہ ہماری جدوجہد صرف اسلام کی سربلندی کے لیے ہے۔ ہم کسی عرب کو مانتے ہیں نہ توآرگ قبیلہ) کو، سفید کو نہ کالے کو، بلکہ صرف اور صرف اللہ کو ہی مانتے ہیں۔مالی کی) اکثریت نے مجاہدین کی حمایت کی اور بڑے شہر مجاہدین کے کنٹرول میں آگئے۔ مجاہدین نے مالی میں شریعت کے نفاذ کا عہد کرلیا اور مالی کو اسلامی امارت قرار دے دیا۔

مجاہدین کے خلاف فرانس سمیت متعدد ممالک نے حملہ کر دیا، ان پر بے تحاشہ بمباری کی لیکن فرانس کی فضائی بمباری کے باوجود مجاہدین نے پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے جنوب مالی کے شہر کلیکرو تک پہنچ گئے، جو دارالحکومت باماکو سے صرف 60 کلو میٹر دور واقع ہے۔ فرانسیسی وزیر دفاع جان ایف لو دوریان نے اعتراف کیا کہ مجاہدین نے فرانس کے چار دن کی بمباری کے باوجود پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے وسطی مالی کے شہر دیابالی کا کنٹرول حاصل کیا اور مخالف فوج کو شکست دے کر وہاں سے نکال باہر کر دیا۔ میڈیا نے بھی اس بات کا اعتراف کیا کہ مالی کے شمالی شہر گاؤ میں فرانس کی قیادت میں پر حملہ آور افواج پر اسلام پسندوں نے اچانک حملہ کر کے انہیں شدید حیرت میں مبتلا کر ڈالا۔ عینی شاہدین کے حوالے سے بتایا گیا کہ ان جھڑپوں کے دوران اسلام پسندوں کو کھلے عام شہر کی سڑکوں پر گھومتے دیکھا گیا۔ اسلام پسند کالے لباس میں ملبوس تھے اور وہ مسلح ہو کر موٹر سائیکلوں پر شہر کی گلیوں اور سڑکوں پر پھر رہے تھے۔ ایک خودکش بمبار نے شہر میں داخل ہونے والے راستے پر واقع فوج کی چوکی پر حملہ کیا۔ جس کے بعد مسلح اسلام پسندوں کے گروہ شہر میں داخل ہوئے اور افریقی و یورپی افواج پر حملہ کر دیا۔ اسلام پسندوں کے اس اچانک حملے سے جارح افواج میں کھلبلی مچ گئی، انہوں نے خوف زدہ ہو کر بھاری توپ خانے سے فائر کرنے شروع کر دے اور فرانس کے گن شپ ہیلی کاپٹر اور جیٹ لڑاکا جہازوں

نے پروازیں شروع کر دیں۔ مجاہدین نے مخالف فوج سے ہی ہتھیار چھین کر ان کو شکست دے دی۔ایک سابق امریکی سفیر نے انکشاف کیا کہ مالی میں فرانس جن اسلام پسندوں کے خلاف لڑ رہا ہے انہوں نے لڑائی کے لیے وسائل فرانس سے ہی ہتھیائے ہیں۔ سابق امریکی سفیر وکی ہڈلسٹن نے بتایا کہ فرانس نے 2010ء میں نائجر میں یورنیم کی ایک کان سے پکڑے گئے یرغمالوں کو رہا کروانے کے لیے ایک کروڑ 17 لاکھ ڈالر ادا کیے تھے۔ جرمنی سمیت دوسرے یورپی ممالک نے بھی تاوان کی رقوم ادا کی ہیں، جن کی مالیت نو کروڑ ڈالر تک پہنچتی ہے۔ مالی کے اسلام پسندوں نے ہتھیاروں کے حصول کے لیے اس رقم کو استعمال کیا اور اس قدر قوت حاصل کر لی کہ مالی کے ایک حصے پر قبضہ کرکے وہاں اسلامی شریعت نافذ کر دی تھی۔ جن کے خلاف اب اقوام متحدہ کی اجازت سے فرانس کی زیر قیادت کثیر الملکی افواج نے کاوائی کی۔ مالی مجاہدین کے مقابلے میں امریکی کمانڈر یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ ہم مالی فوج کو صحیح طرح سے ٹریننگ نہیں دے سکے۔افریقہ میں امریکی فوج کے کمانڈر نے کہا کہ مالی فوج کی ٹریننگ میں پینٹاگون سے غلطی ہوئی ہے۔امریکی افریکوم کے جنرل کارٹر ہیم نے کہا ہے کہ امریکی فوجی مالی کے فوجیوں کو 'اخلاقی اور فوجی قدروں' کی سطح پر تربیت دینے میں ناکام رہے ہیں۔ 'ہم لوگوں نے اپنی تربیت کو بطور خاص حربی اور تکنیکی معاملوں تک مخصوص رکھا تھا اور ہم نے شاید زیادہ وقت اخلاقیات اور فوجی قدروں کی تربیت پر نہیں دیا۔ 'ہمیں جس سطح پر اس طرح کی ٹریننگ دینی چاہیے تھی اس سطح پر ہم

نہیں دے سکے۔

واضح رہے کہ مجاہدین نے مالی کو اسلامی ریاست بنانے کا مکمل منصوبہ تیار کرلیا تھا جس کا اندازہ گزشتہ روز آنی والی میڈیا اطلاعات سے ہوتا ہے جن کے مطابق مالی کے شمالی علاقے میں اسلامی مغرب میں القاعدہ نے مغربی اور علاقائی طاقتوں کی نظروں میں آئے بغیر ایک "لوپر وفائل" اسلامی ریاست قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس بات کا انکشاف مالی کے تاریخی شہر ٹمبکٹو سے ملنے والی ایک دستاویز سے ہوا ہے۔ ہاتھ سے لکھی ہوئی اس تحریر پر اسلامی مغرب میں القاعدہ کے لیڈر عبدالمالک کدوال کے دستخط ہیں۔ انا سی صفحات پر محیط اس دستاویز پر 20 جولائی 2012ء کی تاریخ درج ہے۔ اس میں القاعدہ کے لیڈر کے ازواد کے علاقے میں اسلامی ریاست کے قیام کے لیے منصوبہ کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس میں القاعدہ لیڈر نے شمالی مالی میں تاریخی مزارات کی مسماری اور لوگوں کو سنگسار کرنے کے واقعات کی مذمت کی ہے۔ یہ دستاویز ٹمبکٹو پر فرانسیسی فوجیوں کے حملے کے بعد ملی تھی اور اس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ اس کو خود عبدالمالک دروکدال نے لکھا تھا۔ اس میں انھوں نے شمالی مالی میں جنگ سے متعلق ایشوز کا احاطہ کیا ہے۔ اس میں دروکدال نے اپنے منصوبے کے مطابق ایک نئی ریاست کی تشکیل کا منصوبہ پیش کیا تھا اور یہ روایتی طور پر اسلامی جنگجوؤں کے اختیار کردہ موقف کے برعکس ہے۔ القاعدہ کے

لیڈر نے اس تحریر میں اپنے ساتھی جنگجوؤں سے سرزد ہونے والی غلطیوں پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ خاص طور پر اسلامی قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں پر فوری حدود کے نفاذ پر انھوں نے غصے کا اظہار کیا ہے۔

غیر معمولی حکمت عملی عبدالمالک دروکدال نے جنگجوؤں کو مخاطب ہو کر لکھا ہے کہ آپ نے غلطی کی ہے۔ لوگ ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہو سکتے ہیں اور ہم لوگوں کے ساتھ نہیں لڑ سکتے۔ آپ نے شاید ہمارے تجربے کو موت سے ہم کنار کر دیا ہے، ہمارے بچے، ہمارے خوبصورت درختوں کو کاٹ دیا ہے"۔ انھوں نے ازواد کے علاقے میں ایک اعلیٰ آزاد اسلامی اتھارٹی کے قیام پر زور دیا ہے جو اپنے زیر نگیں علاقے میں اسلامی قانون (شریعت) کا نفاذ کرے گی۔ انھوں نے اپنے گروپ پر زور دیا کہ وہ اس منصوبے پر عمل درآمد کے لیے مالی کی ازواد تحریک آزادی اور انصارالدین تحریک کی مدد حاصل کرے۔ عبدالمالک دروکدال نے اس دستاویز میں انصارالدین کے لیڈر غالی کو نئی ریاست میں عبوری حکومت کا وزیراعظم بنانے کی تجویز پیش کی تھی۔ اس میں انھوں نے وضاحت کی تھی کہ نئی ریاست میں عبوری حکومت صرف عبوری دور کے لیے نظم و نسق چلائے گی اور نئی ریاست کا آئین مرتب کرے گی۔ ایاد آغ غالی کو ان کے مشن کی تکمیل اور آزاد شہروں میں نظام چلانے کے لیے جہادی مہیا کیے جائیں گے۔ انھوں نے اس دستاویز میں اپنے جنگجوؤں کی جانب سے سیکولر قومی تحریک برائے آزادی پر دباؤ ڈالنے کی روش پر بھی

ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہم اس تحریک کے ارکان کو راتوں رات سلفی بننے اور انصارالدین کی صفوں میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ نئی حکومت کی ہئیت ترکیبی سے متعلق انھوں نے لکھا کہ اس میں مذہبی امور، انصاف اور تعلیم کی وزارتیں انصارالدین کو دی جائیں۔ وزارت دفاع کو ایک ایسی تنظیم میں تبدیل کرنے کی تجویز پیش کی ہے جس میں خطے کی تمام تنظیموں کے ارکان شامل ہوں تاکہ ہر کسی کی سیکورٹی کو یقینی بنایا جاسکے۔ انھوں نے لکھا کہ "اتحاد بہت ضروری ہے۔ اس سے ہمیں تین فوائد حاصل ہوں گے۔ اگر ہم پر حملہ ہوگا، تو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ہم اکیلے نہیں ہوں گے۔ نیز عالمی برادری صرف ہم پر ہی دباؤ نہیں ڈالے گی بلکہ ہمارے اتحادیوں پر بھی اس کا دباؤ ہوگا اور سب سے اہم بات یہ کہ ہم کسی بھی ناکامی پر صرف اکیلے ہی ذمے داری قبول نہیں کریں گے"۔ ان کے بہ قول اتحادی بھی اس کے ذمے دار "ہوں گے۔

مالی میں اب بھی کئی ممالک کی افواج مجاہدین کے خلاف لڑ رہی ہیں، بلکہ گزشتہ روز تو اوباما نے مالی میں بھی ڈرون حملے کرنے کا حکم جاری کردیا ہے، اوباما نے مالی کے لیے ڈرون بیس تیار کرنے کے احکامات جاری کیے ہیں۔ اس کے باوجود مالی مجاہدین ابھی بھی بہت ہمت سے لڑ رہے ہیں، یہاں تک کہ فرانسواں اولاند نے کہا ہے کہ 'افوغاص کے پہاڑوں میں شدید لڑائی ہو رہی ہے جہاں ہمارا خیال ہے کہ القاعدہ اسلامک مغرب کے کارکن چھپے ہوئے ہیں۔' فرانس کے

ایک اعلیٰ فوجی عہدے دار نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ مالی کے دیگر شہروں کے قریب واقع صحرا میں بھی اسلام پسند موجود ہیں جو کسی بھی وقت حملہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اب وہ ایک گوریلا جنگ لڑنے کی تیاری کر چکے ہیں۔ 'مغربی افریقہ میں تحریک وحدت اور جہاد کے ترجمان ولید صحراوی نے کہا کہ 'ہم فرانس اور اس کے اتحادیوں کے خلاف مزید حملے کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ فرانس کے وزیر دفاع ژاں یولیس لا دریاں کا کہنا ہے کہ مالی میں اب فرانسیسی فوج 'اسلام پسندوں' کے ساتھ 'باقاعدہ جنگ' میں مصروف ہے۔ اسلام پسندوں کا صفایا ہوگیا تھا لیکن ابھی تک میں جھڑپیں جاری ہیں۔ حکومتِ فرانس کے ترجمان کے مطابق صدر نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اگر سب کچھ منصوبے کے مطابق رہا تو مارچ کے مہینے سے مالی سے فرانسیسی فوج کو کم کرنے کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ دور دراز قصبوں میں ابھی تک لڑائی جاری ہے۔ فرانس کے وزیر دفاع نے بتایا کہ منگل کو اسلام پسندوں نے فرانس اور مالی کی فوجوں کے ساتھ لڑائی میں راکٹوں کا استعمال کیا۔ یاد رہے کہ فرانس نے ملک کی مشرق کی طرف باغیوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے مالی میں گیارہ جنوری کو فوجی مداخلت کی تھی۔ چند دن قبل بھی فرانس نے خبردار کیا تھا کہ مالی میں مخدوش صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شدت پسند خطے میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کی حکمت عملی تیز کر رہے ہیں اور الجیریا سمیت تمام ہمسایہ ممالک کو اس خطرے سے نمٹنے کے لئے اقدامات کرنا ہوں گے۔
فرانسیسی وزارت خارجہ کے ترجمان کا کہنا تھا کہ ہمیں خطرہ ہے کہ

مالی میں خراب صورتحال سے القاعدہ فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو مستحکم کرے گی جو
کہ خطے کے لئے ایک خطرہ ثابت ہو سکتی ہے۔

حکومت کا الوداعی ڈرون حملہ

موجودہ عوامی حکومت نے جاتے جاتے مہنگائی کے ستائے عوام پر ایک بار پھر پیٹرول بم گرا دیا بلکہ ڈرون حملہ کر دیا۔آئل مارکیٹنگ کمپنیز نے جمعرات کی شب اعلان کیا کہ مارچ کے مہینے کے لیے پٹرول اور اس کی دیگر مصنوعات میں تقریباً چار فیصد تک اضافہ کیا جارہا ہے۔اس اضافہ سے لگ بھگ پانچ ارب روپے کا خطیر منافع حاصل ہوسکے گا۔وزارت پٹرولیم اور آئل اینڈ گیس ریگولیٹری اتھارٹی اوگرا نے آئل کمپنیز کے ساتھ مشاورت کے ساتھ قیمتوں میں اضافہ کیا ہے۔اوگرا کی جانب سے جاری کیے گئے نوٹیفکیشن کے مطابق نئے مہینے کے آغاز کے ساتھ ہی پیٹرول کی قیمت میں تین روپے ترپن پیسے، جبکہ ہائی اسپیڈ ڈیزل چار روپے پینتیس پیسے، لائٹ ڈیزل تین روپے ترانوے اور مٹی کے تیل کی قیمت میں تین روپے انا سی پیسے فی لیٹر اضافہ کیا گیا ہے۔نئی قیمتوں کا اطلاق کل رات 12 بجے سے ہوگیا ہے۔پیٹرول کی قیمت میں اضافہ تین اعشاریہ چار دو فیصد تک ہے، ہائی اسپیڈ ڈیزل کی قیمت میں تین اعشاریہ نو فیصد کی شرح سے، مٹی کے تیل میں تین اعشاریہ چھ سات فیصد جبکہ لائٹ ڈیزل کی قیمت میں چار اعشاریہ دو فیصد کی شرح سے اضافہ کیا گیا ہے۔اس اضافے کے بعد اب پیٹرول کی قیمت ایک سو چھ روپے ساٹھ پیسے، ہائی اسپیڈ ڈیزل کی قیمت ایک سو تیرہ روپے چھپن پیسے، مٹی کے تیل کی قیمت ایک سو تین روپے

انتشر پیسے اور لائٹ ڈیزل کی قیمت اٹھانوے روپے پچیس پیسے فی لٹر ہو گئی ہے۔ ہائی اوکٹین (ایچ او بی سی) کی قیمت میں مختلف شہروں کے اندر تین روپے چالیس پیسے سے پانچ روپے چالیس پیسے فی لیٹر کے حساب سے اضافہ ہوا ہے، اس لیے کہ اس کی قیمتوں کا از سر نو تعین کیا گیا ہے اور اس کے تعین کا حکومت کے پاس اختیار نہیں ہے۔

اوگرا کے مطابق یہ اضافہ پیٹرولیم مصنوعات کی عالمی سطح پر زیادہ سے زیادہ شرح کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ سولہ فیصد سیلز ٹیکس اور پارکو ریفائنری کو پورے ملک میں پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں کو یکساں شرح پر رکھنے کی اجازت بھی اس اضافہ کا سبب ہے۔ یہ اضافہ وزارت پٹرولیم اور اوگرا کے درمیان اس بات پر باہمی رضامندی کے بعد کیا گیا کہ ڈیلرز کے کمیشن اور مارکیٹنگ کمپنیز کے فروخت کی شرح میں اضافہ کی شمولیت کو فی الحال ملتوی کر دیا ہے۔ یہ عوامی حکومت کا عوام کے لیے الوداعی تحفہ ہے۔ نیشن رپورٹ کے مطابق پارکو مارجن میں اضافہ کو بھی صارفین کی جانب منتقل کر دیا گیا ہے۔

حکومتی فیصلہ کے مطابق پٹرول کے صارفین 0.30 روپے فی لٹر اضافی بوجھ برداشت کریں گے۔ اسی طرح مٹی کے تیل کی قیمت میں ٹرانسپورٹ کی مد میں اضافی 0.15 روپے لٹر اخراجات شامل ہیں اور ہائی سپیڈ ڈیزل کی مد میں 0.38 روپے فی لٹر اور لائٹ ڈیزل کی مد میں 0.47 روپے فی لٹر جبکہ ایچ او بی سی کی مد میں 0.71 روپے فی

لٹر اضافی اخرجات شامل کیے گئے ہیں۔ پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں پیٹرول پر 66 پیسے آئل مارکیٹنگ کمپنیوں اور ڈیلر مارجن اور ڈیزل پر 20 پیسے فی لیٹر مارجن شامل نہیں کیا گیا۔ پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کے ساتھ ہی پرائیوٹ ٹرانسپورٹروں کی جانب سے ایک بار پھر کرایوں میں طے شدہ فارمولے کے برعکس اضافہ کر دیا گیا ہے جس سے مسافروں کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ ٹرانسپورٹروں نے پٹرولیم قیمتیں بڑھنے کی آڑ میں خود ساختہ کرائے بڑھا دیے ہیں اور مسافروں سے زائد وصولی کی جارہی ہے۔ حکومت کی جانب سے پیٹرولیم مصنوعات میں اضافے کے خلاف عوام کا شدید ردعمل ہے، ان کا کہنا ہے کہ حکومت نے اپنے دور حکومت میں عوام کو تکلیف کے سوا کچھ نہیں دیا، موجودہ دور حکومت کسی آمرانہ دور سے کم نہیں ہے، اس دور میں ہمیشہ عوام پریشانی میں مبتلا رہے ہیں، کبھی بجلی کی بندش اور کبھی گیس کا بحران اور رہی سہی کسر حکومت آئے دن پیٹرولیم اور ڈیزل مصنوعات میں اضافے سے پوری کر لیتی ہے۔

یہ امر باعث حیرت ہے کہ جس تناسب سے پاکستان میں پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کیا جارہا ہے اس تناسب سے عالمی مارکیٹ میں قیمتیں نہیں بڑھ رہیں۔ پڑوسی ملک بھارت جہاں پیٹرول 45 روپے فی لیٹر ہے جو ہماری کرنسی کے حساب سے تقریباً 80 5 روپے بنتے ہیں وہاں گزشتہ دنوں جب وزارت خزانہ نے پیٹرول کی قیمت میں روپے کا اضافہ کیا تو ملک کے کروڑوں عوام سراپا

احتجاج بن گئے جس کے پیش نظر وزارت خزانہ کو یہ اضافہ واپس لینا پڑا جبکہ ہمارے ہاں معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ پیٹرولیم مصنوعات میں ہونے والے اضافے کے تسلسل سے ایک طرف تو ٹرانسپورٹرز نے کرایوں میں من مانا اضافہ کر دیا ہے جبکہ دوسری طرف اس سے ایک بار پھر مہنگائی کا ایک نیا سیلاب آگیا ہے۔ جس کے آگے بند باندھنا عوام کے بس کی بات نہیں۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اشیائے خورد و نوش خصوصاً پھل سبزیوں گوشت اور بیکری کے سامان کی نقل و حمل ٹرانسپورٹیشن کے ذریعے ہی ہوتی ہے جو کہ قیمتوں اضافے کا ایک مضبوط جواز ہے۔ گزشتہ دنوں جب پیٹرولیم مصنوعات میں اضافہ ہوا تھا تب مشیر پیٹرولیم نے وزارت خزانہ کو تجویز پیش کی تھی کہ 50 فیصد اضافہ صارفین اور پچاس فیصد اضافے کا بوجھ حکومت برداشت کرے مگر وزارت خزانہ نے مشیر پیٹرولیم کی تجویز مسترد کر دی تھی اور اوگرا کے اضافے کو بحال رکھا گیا تھا اور ایک بار پھر صارفین پر پیٹرول بم گرا دیا گیا ہے جو بجا طور پر ایک ڈرون حملہ ہے۔

دوسری جانب حکومت کی جانب سے پیٹرولیم مصنوعات میں اضافے کی تقریباً تمام جماعتوں نے ہی مذمت کی ہے۔ امیر جماعت اسلامی پاکستان سید منور حسن اور سیکرٹری جنرل لیاقت بلوچ نے حکومت کی جانب سے پیٹرولیم مصنوعات میں بے تحاشا اضافے کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ حکومت نے جاتے جاتے عوام پر ایک بار پھر پیٹرول بم گرا دیا ہے جس سے مہنگائی کا طوفان اٹھے گا اور عوام

کے لیے ضروریات زندگی کا حصول ناممکن ہو جائے گا۔ حکومت چند دنوں کی مہمان ہے لیکن وہ جاتے جاتے بھی عوام کی پریشانیوں میں مزید اضافہ کرنے سے باز نہیں آئی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ پیٹرولیم مصنوعات میں اضافہ کو فوری واپس لیا جائے۔ مسلم لیگ (ن) کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات سینیٹر مشاہداللہ خان نے کہا ہے کہ پیپلزپارٹی کی نام نہاد عوامی حکومت نے اپنے الوداعی دنوں میں بھی عوام دشمن پالیسیوں کی روایت برقرار رکھی ہوئی ہے، پیٹرول، ڈیزل اور مٹی کے تیل میں ہوشربا اضافہ حکومت کی عوام دشمنی کا کھلا ثبوت ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت اس اضافے کو فوری واپس لے ورنہ عوام راست اقدامات کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ مسلم لیگ (ن) اس اضافے کو ظالمانہ اور غیر ضروری سمجھتی ہے، انہوں نے کہا کہ ن لیگ پارلیمنٹ کے اندر اور باہر پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کیخلاف شدید احتجاج کرے گی۔ حکومت نے آئندہ عام انتخابات میں اپنی شکست سے بوکھلا کر عوام سے بدلہ لینے کی شرمناک کوشش کی۔

مذہبی سیاسی رہنماؤں نے کہا ہے حکمران اقتدار سے رخصتی سے چند روز قبل بھی غریب عوام پر ڈرون حملے سے باز نہیں آئے، جاتے ہوئے پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کرکے اپنے پیچھے ظلم کی ایک اور مثال چھوڑ گئے ہیں، عوام ان کے ظلم کا جواب آئندہ انتخابات میں اپنے ووٹ کے ذریعے ضرور دیں گے۔ جمعیت علماء پاکستان کے چیئرمین پیر اعجاز ہاشمی، جے یو آئی کے ترجمان مولانا

امجد خان، جماعت اسلامی کے رہنما امیر العظیم نے اپنے رد عمل میں کہا ہے اس سے ملک بھر میں مہنگائی کا ایک اور طوفان آئے گا، حکمران پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کرنے کی بجائے اپنے شاہانہ اخراجات میں کمی کرکے عوام کو ریلیف فراہم کریں۔ اقبال ظفر جھگڑا، احسن اقبال، خواجہ سعد رفیق، جاوید ہاشمی، شاہ محمود قریشی، منور حسن، لیاقت بلوچ، عبدالغفور حیدری، عبدالرؤف فاروقی اور مولانا عاصم مخدوم نے پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے پر شدید رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے پیپلزپارٹی کی نام نہاد عوامی حکومت نے اپنے الوداعی دنوں میں بھی عوام دشمن پالیسیوں کی روایت برقرار رکھی، پیپلزپارٹی اور اس کے اتحادیوں نے حکومت کے خاتمے میں چند روز رہ جانے کے پیش نظر لوٹ مار اور کرپشن کی رفتار کئی گنا بڑھا دی ہے، وہ دن دور نہیں جب عوام اپنے اوپر کیے جانے والے مظالم کا اپنے ووٹ کے ذریعے حساب لیں گے۔ عمران خان، راجہ ظفرالحق، مولانا فضل الرحمٰن، شیخ رشید احمد، مولانا سمیع الحق، علامہ ساجد میر، نوابزادہ طلال اکبر بگٹی، ہمایوں اختر خان، ثروت اعجاز قادری، صاحبزادہ فضل کریم کے علاوہ تاجروں، وکلاء اور سول سوسائٹی نے بھی پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کو ظالم حکمرانوں کا غریبوں کو جان سے مارنے کے لیے "آخری وار" قرار دیتے ہوئے کہا حکمرانوں کے اقتدار کے خاتمے پر پاکستانی عوام شکرانے کے نوافل ادا کریں گے، پیپلزپارٹی اور اس کے

اتحادیوں نے پانچ برسوں میں عوام کے ساتھ دشمنوں سے بھی برا سلوک کیا اور آئندہ انتخابات میں قوم ان کو اٹھا کر سمندر برد کردے گی۔ حکمرانوں میں شرم، اخلاق اور عوام نام کی کوئی چیز نہیں اور یہ قوم پر کسی عذاب سے کم نہیں۔ادھر متحدہ قومی موومنٹ نے بھی پیٹرولیم قیمتوں میں اضافہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ قیمتوں میں اضافہ غریب عوام پر مہنگائی کا بوجھ ڈالنے کی گھناؤنی سازش ہے۔ متحدہ کے رہنماؤں کا کہنا تھا کہ پیپلز پارٹی نے عوام سے جینے کا حق بھی چھین لیا ہے۔ انہوں نے صدر اور زیراعظم سے پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کو واپس لینے کا مطالبہ کیا۔ گزشتہ روز جب قومی اسمبلی کا اجلاس چودھری عبدالغفور کی زیر صدارت شروع ہوا تو ایم کیو ایم نے پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کے خلاف احتجاج کیا۔ ایم کیو ایم کے آصف حسنین نے کہا کہ پیٹرولیم نرخوں میں اضافہ مہنگائی میں پسے عوام کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ قیمتیں بڑھانے سے پہلے پارلیمانی کمیٹی سے رابطہ نہیں کیا گیا۔ جس کے بعد ایم کیو ایم ایوان سے واک آوٹ کر گئی۔ایم کیو ایم کے علاوہ مسلم لیگ نون نے بھی حکومت کی طرف سے عوام پر کیے گئے اس ظلم کے خلاف واک آؤٹ کیا۔

کراچی میں نئی حلقہ بندیاں، سپریم کورٹ الیکشن کمیشن پر برہم

سپریم کورٹ آف پاکستان نے کراچی میں نئی حلقہ بندیوں کا حکم موخر کرنے سے متعلق الیکشن کمیشن آف پاکستان کی درخواست مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ مردم شماری حلقہ بندیوں کے عمل میں رکاوٹ نہیں۔ الیکشن کمیشن جب اور جیسے چاہے مردم شماری کا انتظار کیے بغیر حلقہ بندی تبدیل کر سکتا ہے، عدالت مانتی ہے کہ 1998ء کے بعد سے ملک میں مردم شماری نہیں ہو سکی لیکن اس کے باوجود نئی حلقہ بندیوں کی ضرورت ہے۔ یہ حلقہ بندیاں مساوی آبادی کی بجائے متناسب آبادی کی بنیاد پر ہونی چاہئے ں۔ عدالت نے اپنے فیصلے میں آبزرو کیا ہے کہ بدقسمتی سے تمام متعلقہ اداروں نے کراچی میں امن وامان سے متعلق عدالتی احکام پر عمل کرنے سے گریز کیا جس کی وجہ سے عدالت کو دوبارہ سماعت شروع کرنا پڑی۔ بادی النظر میں الیکشن کمیشن عدالتی حکم پر عمل نہیں کرنا چاہتا، ایک سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود الیکشن کمیشن حلقہ بندی نہ کرنے کا جواز پیش نہیں کر سکا۔ عدالت کا کہنا تھا کہ الیکشن کمیشن میں کراچی میں حلقہ بندی کے لیے نیت، ارادے اور لگن کی کمی ہے۔ حلقہ بندی کے حکم کے خلاف دائر درخواست میں حقائق چھپانے اور عدالت کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی۔

ہفتے کے روز جسٹس انور ظہیر جمالی کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے 5 رکنی لارجر بینچ کا فروری 2013ء کا 11 صفحات پر مشتمل تحریری حکم نامہ جاری کیا گیا جس کے ساتھ 27 جسٹس خلجی عارف حسین کا 6 صفحات پر مشتمل اضافی نوٹ بھی منسلک ہے۔ سپریم کورٹ نے آبزرو کیا کہ اس عدالت نے 6 اکتوبر 2011ء کو کراچی بدامنی از خود نوٹس کیس کا فیصلہ سنایا تھا جس کا ہر مکتبہ فکر نے خیر مقدم کیا لیکن بدقسمتی سے متعلقہ اداروں نے اس پر عملدرآمد نہیں کیا۔ بینچ نے الیکشن کمیشن کے رویے کے متعلق اپنے فیصلے میں کہا کہ 28 نومبر 2012ء کو سیکرٹری الیکشن کمیشن اشتیاق احمد اور چیف سیکرٹری سندھ نے بھی بیان ریکارڈ کرایا۔ الیکشن کمیشن کے وکیل منیر احمد پراچہ نے سیکرٹری الیکشن کمیشن کے بیان کو رد نہیں کیا جس میں انھوں نے بتایا تھا کہ نئی حلقہ بندی کے لیے الیکشن کمیشن کے مختلف اجلاس بھی منعقد ہوئے ہیں۔ عدالت نے قرار دیا کہ الیکشن کمیشن نے آئین کی دفعات 51(3), 5اور حلقہ بندی ایکٹ 7 کا حوالہ دیا اور موقف اختیار کیا کہ یہ دفعات نئی حلقہ بندی میں رکاوٹ ہیں۔ الیکشن کمیشن کے وکیل نے موقف اختیار کیا کہ عدالت نے اپنے حکم میں "آبزرویشن"، "ڈیکلیریشن" اور "ڈائریکشن" کا لفظ استعمال کیا ہے، لہٰذا الیکشن کمیشن عدالت کی آبزرویشن پر عمل درآمد کا پابند نہیں۔ 5 رکنی بینچ نے قرار دیا کہ تینوں اصطلاحات عدالتی حکم کے زمرے میں آتی ہیں اور عدالت کے مکمل فیصلے پر عمل درآمد کیا جانا چاہیے تھا۔

عدالت نے توجہ دلائی کہ جب الیکشن کمیشن کے وکیل کو آئین کی دفعات 51(3), 5 اور حلقہ بندی ایکٹ 7 پڑھنے کی ہدایت کی گئی تو وہ بھی اپنے موقف پر اصرار نہیں کرسکے کیوں کہ یہ دفعات محض قومی اسمبلی کی نشستوں کی ترتیب اور تقسیم سے متعلق کے تحت الیکشن کمیشن کسی A- ہیں۔ عدالت نے قرار دیا کہ حلقہ بندی ایکٹ کی دفعہ 10 بھی مرحلے پر ووٹر لسٹوں میں ترمیم یا تبدیلی کرسکتا ہے، اس کام کے لیے بھی مردم شماری کی کوئی ضرورت نہیں۔ بینچ کے رکن جسٹس خلجی عارف حسین نے اپنے اضافی نوٹ میں کہا کہ عدالت کے حکم کی روح یہ تھی کہ کراچی میں مختلف لسانی گروپوں کے مابین ہم آہنگی پیدا ہو، قبضے کی جنگ ختم ہوسکے اور ایسے حلقے تشکیل دیے جائیں جن سے لسانی تقسیم ختم ہوسکے۔ حقیقی جمہوری حکومت کے قیام کے لیے لازم ہے کہ ہر ووٹر اپنے ووٹ کا آزادانہ استعمال کرے۔ انتخابی حلقے مختلف لسانی گروپوں پر مشتمل ہونے چاہئیں تاکہ ہم آہنگی کو فروغ مل سکے۔ سپریم کورٹ نے کراچی کی انتخابی نشستوں میں اضافے کا حکم نہیں دیا صرف حلقہ بندی کا حکم دیا تھا۔ اس ضمن میں الیکشن کمیشن کا موقف درست نہیں کہ تازہ مردم شماری کے بغیر حلقہ بندی ممکن نہیں۔ جسٹس خلجی عارف حسین نے قرار دیا کہ الیکشن کمیشن عدالتی حکم پر عمل درآمد میں ایک سال سے زائد عرصہ کی تاخیر کا جواز بھی پیش نہیں کرسکا۔ عدالت نے قرار دیا کہ آرٹیکل 51 کا سب سیکشن 2 قومی اسمبلی کی نشستیں مختص کرنے سے متعلق ہے

انتخابی حلقوں کی حد بندی سے متعلق نہیں۔ 1974ء کا حلقہ بندی ایکٹ نئی حلقہ بندیوں پر کوئی پابندی عاید نہیں کرتا نہ ہی الیکشن کمیشن کے اختیارات پر پابندی لگاتا ہے۔

واضح رہے کہ چند روز قبل ہی عدالت نے کہا تھا کہ کراچی میں حلقہ بندیوں سے متعلق حکم پر عمل کیا جائے۔ الیکشن کمیشن نے سپریم کورٹ کے حکم کو نظر انداز کیا۔ عدالت نے یہ بھی کہا تھا کہ انتخابات ملتوی کرانے کے بارے میں کوئی خواب میں بھی نہ سوچے۔ سپریم کورٹ آئین اور قانون کی بالادستی کے لیے تمام تر اقدامات اٹھائے گی۔ وکیل الیکشن کمیشن کا کہنا تھا کہ اگر اس کام پر لگ گئے تو الیکشن ملتوی ہونے کا خدشہ ہے اس پر عدالت نے کہا تھا کہ اس نے نئی حلقہ بندیوں کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ موجودہ حلقوں میں رد و بدل کیا جائے اور ان کی نئی حد بندی کی جائے جبکہ نئے حلقوں کے لیے مردم شماری کی ضرورت ہوتی ہے نئی حد بندی کے لیے ایسی کوئی ضرورت نہیں ہوتی جس پر الیکشن کمیشن کی درخواست خارج کر دی گئی تھی۔ عدالت کا کہنا تھا کہ اس کے احکامات کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی۔ 2011ء سے لے کر اب تک الیکشن کمیشن نے کیا کیا؟، اس بارے میں بھی عدالت کو بتایا جائے۔ جسٹس خلجی عارف حسین نے کہا کہ ایسی حد بندی نہیں چاہتے کہ ایک میں 25 اور دوسرے حلقہ میں پانچ لاکھ ووٹرز ہوں۔ نئی حلقہ بندیوں سے متعلق عدالت کا حکم 2011ء کا

ہے اب الیکشن کمیشن نیا موقف پیش کر رہا ہے حالانکہ سیکرٹری الیکشن کمیشن عدالتی حکم پر عملدرآمد کی یقین دہانی کرا چکے ہیں۔ نئی حلقہ بندیاں انصاف کی بنیاد پر ہونی چاہیں تاکہ تمام لوگوں کو الیکشن میں حصہ لینے کا مساوی موقع ملے۔ عدالت کا کہنا تھا کہ سندھ حکومت اور الیکشن کمیشن حد بندیوں کے عدالتی فیصلہ پر عمل ہی نہیں کرنا چاہتے۔ دل میں ہی کھوٹ ہے اسی لیے بہانے کیے جا رہے ہیں۔

جبکہ اتوار کے روز چیف الیکشن کمیشن نے کہا ہے کہ نئی حلقہ بندیوں کے حوالے سے اجلاس جلد طلب کیا جائے گا جس میں سپریم کورٹ کے فیصلے کو سامنے رکھ کر فیصلے کیے جائیں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ ساری دنیا کہہ رہی ہے کراچی میں حلقہ بندیاں ہو سکتی ہیں، ہو سکتا ہے میں ہی غلط ہوں، ان کا کہنا تھا کہ وجیہہ الدین احمد ریٹائرجج ہیں ہمیں بتائیں حلقہ بندیاں کیسے ہو سکتی ہیں؟۔ وفاقی وزیر سید خورشید احمد شاہ نے کہا ہے کہ کراچی میں نئی حلقہ بندیوں کے حوالے سے سپریم کورٹ کو اپنے فیصلے پر نظرثانی کرنا چاہیے۔ نئی حلقہ بندیاں سارے ملک میں ہونی چاہیے، صرف کراچی میں نئی حلقہ بندیاں ناانصافی ہے۔ پی پی کے رہنما شرجیل میمن نے بھی کہا ہے کہ کراچی میں فی الحال نئی حلقہ بندیاں ممکن نہیں۔ ان کے علاوہ متعدد دوسری سیاسی جماعتوں نے حلقہ بندیاں کرنے کی حمایت کی ہے اور ان کا کہنا ہے کہ کراچی میں نئی حلقہ

بندیاں ضرور ہونی چاہیے، کیوں کہ کراچی میں بڑے پیمانے پر ووٹر لسٹوں میں دھوکہ دہی ہوتی ہے، ممکن ہے نئی حلقہ بندیوں کے بعد اس دھوکا دہی سے بچا جائے۔

پاکستان میں گھناؤنا کھیل کھیلا جارہا ہے

کراچی میں اتوار کے روز ایک اور قیامت ٹوٹ پڑی۔ کراچی کے علاقے گلشن اقبال میں ابوالحسن اصفہانی روڈ پر یکے بعد دیگرے دو دھماکے ہوئے جن میں سینتالیس افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ایک سو چالیس سے زائد زخمی ہوئے۔ دو سو رہائشی فلیٹس، دو عمارتیں اور دو بینک مکمل طور پر تباہ گئے۔ اس سے کچھ روز قبل ہی کوئٹہ میں کرانی روڈ پر مارکیٹ کے باہر دھماکا ہوا تھا جس میں خواتین اور بچوں سمیت تراسی افراد ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سو گئے اور دو سو سے زائد زخمی بھی ہوئے۔ یہ دھماکا پانی کے ٹینکر کے ذریعے کیا گیا جس سے دو عمارتیں منہدم اور چار مارکیٹیں، پچیس گاڑیاں، موٹر سائیکلیں اور رکشے تباہ ہوگئے۔ اس واقعہ میں دھماکہ خیز مواد آٹھ سو سے ایک ہزار کلو گرام تک استعمال کیا گیا تھا۔ اس دھماکے سے چند روز قبل دس جنوری کو علمدار روڈ پر ہزارہ برادری پر کوئٹہ میں دھماکا ہوا جس میں تراسی کے قریب بے گناہ انسانی جانیں ضائع ہوئیں۔ لوگ تراسی نعشیں کھلے آسمان تلے سڑک پر رکھ کر سلسل تین روز تک دھرنا دیے بیٹھے رہے جس کے بعد ان کے مطالبہ پر بلوچستان میں گورنر راج کا نفاذ کردیا گیا۔ دوسری جانب آئے دن کراچی، بلوچستان اور متعدد جگہوں پر علماء کرام اور مدارس دینیہ میں علم دین حاصل کرنے والے طلباء کرام کو بڑی تعداد میں قتل

کیا جارہا ہے۔ کراچی میں مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری کو نہایت بے دردی سے شہید کیا گیا۔ان کے بعد تقریباروزانہ کسی امام مسجد،مؤذن اورمدرسے کے طالب علم کو شہید کیا جاتارہا ہے۔ لشکر جھنگوی اور اہل سنت والجماعت کے حوالے سے ایسی فضا بنائی گئی کہ آئندہ اگر دہشت گردی کا واقعہ ہوتا ہے تواس کا ملبہ آسانی سے انہی پر ڈالا جاسکے اور اصل چہرہ چھپا ہی رہے۔

ان تمام واقعات کا بغور جائزہ لیا جائے تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ پاکستان میں ایک گھناؤنا اور خطرناک کھیل کھیلا جارہا ہے۔ ایسے تمام واقعات کی کڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس قسم کی کارروائیوں کے پس پشت قوتوں کو جاننے کے لیے واقعات کے ساتھ وقت کی اہمیت کو بھی مد نظر رکھنا ہوگا۔اور وہ امریکا کا افغانستان سے فرار ہونے کا وقت ہے۔ یہ بات تو سب پہ عیاں ہے کہ امریکا افغانستان میں جنگ ہار چکا ہے، اور اب وہ بآسانی افغانستان سے نکلنا چاہتا ہے۔اس کے لیے وہ چاہتا ہے کہ افغانستان سے نکلتے وقت اس کے خلاف کم سے کم مزاحمت ہو، جتنی کم مزاحمت ہوگی اتنا زیادہ اس کے مفاد میں ہے۔امریکا کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ پاکستان میں موجود طالبان اور امریکا مخالف مذہبی طبقہ ہے۔امریکا جاتے ہوئے مشکلات کو کم کرنے کے لیے ان دونوں قوتوں کے زور کو کم کرنا چاہتا ہے۔امریکا نے پاکستان میں موجود اپنے لوگوں کے ذریعے دونوں قسم کے لوگوں سے نمٹنے کے لیے منصوبہ بندی تیار کرلی

ہے۔ اس لیے امریکا ایک طے شدہ منصوبے کے تحت پاکستان میں شیعہ سنی کے درمیان جنگ کی آگ بھڑکانا چاہتا ہے۔ اس سے امریکا کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ امریکا کے خلاف ہونے والی مزاحمت میں کمی آئے گی۔ یہ بات تو واضح ہے کہ جب کسی بھی فرقے پر کوئی حملہ ہوتا ہے تو اس فرقے کے لوگوں کا مشتعل ہونا ایک فطری چیز ہے۔ اس فرقے کے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ کام ہمارے مخالفین نے کیا ہے۔ اسی لیے کوئٹہ دھماکوں کے بعد متاثرین نے بڑے شدومد کے ساتھ اپنی حریف جماعت لشکر جھنگوی کو مورد الزام ٹھہرایا اور اس کے بعد لشکر جھنگوی کو پورے پاکستان میں ان حملوں کا ذمہ دار سمجھا گیا۔ انہی دھماکوں کی آڑ میں سیاسی جماعتوں نے بھی اپنی سیاست خوب چمکائی، آئے روز پنجاب میں نون لیگ پر دہشت گردوں کا ساتھ دینے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔

یہ بات واضح رہے کہ شیعہ سنی اختلافات آج سے نہیں ہیں بلکہ ایک عرصے سے چلے آرہے ہیں لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک دوسرے کو یوں دھماکوں کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ اختلاف کا ہونا ایک فطری چیز ہے اور نہ اس کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ جب کسی کو طاقت کے زور پر ختم کرنا ممکن نہیں ہے تو کیسے ممکن ہے کہ کسی بھی فرقے کے لوگ اپنے مخالفین کو یوں دھماکوں کے ذریعے ختم کرنا چاہیں؟ لشکر جھنگوی کا وجود ایک ایسا معاملہ ہے جسے واضح طور پر نشان زد نہیں کیا جا سکتا۔ اس لشکر کو بلوچستان میں کس نے چھوٹ دے رکھی ہے؟ اس کی

فنڈنگ کون کر رہا ہے؟اور اس کو کنٹرول کیوں نہیں کیا جا رہا؟ یہ سوالات اس پورے معاملے کو مشکوک بنا دیتی ہیں۔ کل پیر کے روز معاصر روزنامہ جنگ میں حامد میر کا کالم "ایک دن خضدار میں" بین السطور بہت کچھ بیان کر رہا ہے۔جب یہ ساری باتیں واضح ہو چکی ہیں تو صرف ایک بات ہی رہ جاتی ہے کہ اس سارے کھیل کے پیچھے یقینا بہت بڑی چال چلی جا رہی ہے۔ جس کا سہرا امریکا کے سر پر ہے۔ امریکا پاکستان میں اپنے کارندوں، پاکستان کے خفیہ سرکاری لوگوں اور لسانی تنظیموں سے یہ کام لے رہا ہے۔ یقینا ان واقعات میں ان کے ہی تربیت یافتہ لوگ ملوث ہوتے ہیں، ورنہ یہ ممکن نہیں کہ غیر تربیت یافتہ اشخاص یہ کام کر لیں اور کوئی بھی جماعت چاہیے شیعہ ہو یا سنی ہو ان کے پاس ایسے افراد کا میسر آنا بہت مشکل ہے۔ نہ کوئی ان کو پکڑ سکے اور کسی کو پتا بھی نہ چلے، اتنا بڑا دھماکا ہوتا ہے، جس میں بے شمار لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، دھماکا کرنے والے لوگ کسی گاڑی میں دھماکا خیز مواد لاتے ہیں، جو سیکورٹی کی نظروں کے سامنے سے گزر کر آتے ہیں، لیکن کوئی سیکورٹی اہلکار انہیں نہیں روکتا۔ ویسے تو ہمارے وزیر داخلہ کو ایک مہینہ پہلے ہی اس بات کی اطلاع ہو جاتی ہے کہ دہشت گرد فلاں جگہ حملہ کرنے والے ہیں اور وزیر داخلہ آج کل پنجاب حکومت کے خلاف دل کھول کر الزامات لگا رہے ہیں، 28 فروری کے روزنامہ جنگ کے مطابق وفاقی وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک نے تقریباً ڈیڑھ مہینہ پہلے ہی اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ" فروری کے پہلے ہفتے سے کراچی

میں بڑی دہشت گردی ہونے کا خدشہ ہے تاہم وہاں دہشت گردی میں طالبان ملوث نہیں ہوں گے۔ میڈیا سے بات کرتے ہوئے وفاقی وزیر داخلہ نے کہا تھا کہ سندھ حکومت اور تمام انٹیلی جنس ادارے اپنی توانائیاں کراچی میں ممکنہ دہشت گردی کی بڑی کارروائیاں روکنے پر صرف کردیں۔ کراچی میں گھمسان کی دہشت گردی ہونے کا خطرہ ہے۔ کراچی میں ہونے والی دہشت گردی میں غیر ملکی ہاتھ ملوث ہوں گے، طالبان ملوچ نہیں ہوں گے" جب وزیر داخلہ کو یہ سب کچھ ایک ڈیڑھ مہینہ پہلے ہی پتا چل گیا تھا تو ان دہشتگردوں کو پکڑنے میں کیوں ناکام رہے؟کیا وزیر داخلہ کی یہ ناکامی اور ان کا ڈیڑھ مہینہ پہلے ہی اطلاع دینا گھناؤنے تعلقات کی خبر نہیں دیتا؟۔یقیناً ایسے واقعات میں امریکا کے حمایتی خفیہ لوگ ملوث ہیں۔ گزشتہ روز سینئر صحافی حامد میر نے اپنے کالم میں لکھا ہے کہ جرائم پیشہ افراد کو اسلام اور پاکستان کے نام پر سازشوں کا حصہ بنایا جاتا ہے۔ان لوگوں کی سرپرستی خفیہ ادارے کرتے ہیں، لوگ یہ کالعدم لسانی جماعتوں کے ہوتے ہیں، لیکن نام اسلام اور مذہب کا ستعمال کرتے ہیں۔

ان دنوں طالبان سے مذاکرات کی بھی بھرپور کوشش کی جارہی ہے، حالانکہ جمعیت علماء اسلام ، جماعت اسلامی اور دفاع پاکستان کونسل ایک عرصے سے طالبان کے ساتھ مذاکرات کی حمایت اور کوشش کرہے ہیں لیکن کبھی حکومت اور لسانی تنظیموں نے ان سے مذاکرات کی حمایت نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ ان سے مذاکرات کی

مخالفت ہی کرتے رہے، ان سے بات کرنے کو اپنی بہت بڑی شکست سمجھتے رہے ہیں، لیکن اب کی بار مولانا فضل الرحمٰن نے جب طالبان سے مذاکرات کی بات کی تو سب ہی یک زبان ہو کر تیار ہو گئے۔ اس کی دو وجوہات نظر آتی ہیں، پہلی تو یہ کہ اب انتخابات قریب آ رہے ہیں سب تنظیمیں چاہتی ہیں کہ انتخابات کا وقت سکون و آرام سے گزر جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب طالبان کے ساتھ مذاکرات ہو لگے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اب کی بار جو مذاکرات کے مخالفین بھی مذاکرات کے لیے تیار ہوئے ہیں، ان کے پیچھے وہی وجہ ہے کہ امریکا چونکہ افغانستان سے فرار ہونا چاہتا ہے اور طالبان نے امریکا کے ناک میں دم کیا ہوا ہے، امریکا چاہتا ہے کہ طالبان سے مذاکرات کر لیے جائیں، طالبان ہتھیار رکھ دیں اور ہم آسانی سے افغانستان سے نکل جائیں طالبان ہمیں ذلیل و رسوا کر کے مار دھاڑ کر کے نہ نکالیں، اسی لیے اس بار طالبان سے مذاکرات کے مخالفین بھی طالبان سے مذاکرات کرنے پر راضی ہوئے ہیں۔ اس بات کا متعدد رہنما بھی کر چکے ہیں کہ امریکا پاکستان میں دہشتگردی کروا رہا ہے، اس بات کے ثبوت بھی کئی بار منظر عام پر آ چکے ہیں۔ پچھلے دنوں آنے والی رپورٹ کے مطابق امریکا نے پاکستان میں اپنے کارندوں کی تعداد میں مزید اضافہ کیا ہے جن کا مقصد صرف یہ ہے کہ پاکستان میں امریکا کے مفاد میں کام کریں، اور امریکا کا سب سے بڑا مفاد اس بات میں ہے کہ کسی طرح پاکستانیوں کو آپس میں لڑایا جائے تاکہ ہماری راہ میں رکاوٹ نہ بن سکیں اور پاکستان کمزور ہو جائے۔

حامد کرزئی نے نیٹو افواج سے پاکستان پر حملے کا مطالبہ کر دیا

افغانستان کے صدر حامد کرزئی پاکستان کے خلاف بیان بازی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، آئے روز مختلف بہانوں سے پاکستان کو مورد الزام ٹھہراتے ہوئے کوئی انوکھا ہی بیان داغ دیتے ہیں۔ اپنی سابقہ روش کو برقرار رکھتے ہوئے وہ گزشتہ روز ایک بار پھر پاکستان پر برس پڑے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ پاکستان کے ایک مذہبی رہنما نے افغانستان میں خودکش حملوں کی حمایت میں جو بیان دیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے ہمسایہ ملک دہشت گردی کے خلاف لڑائی کی کوششوں میں مخلص نہیں ہے اور درپردہ پاکستان اس جنگ کی حمایت کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ افغانستان دہشت گردی کے خلاف حقیقی جدوجہد چاہتا ہے، پاکستانی حکومت کو اس بات کا احساس کرنا چاہیے کہ دونوں ممالک ایک ہی آگ میں جل رہے ہیں، اس آگ کو بجھانے میں حکومت پاکستان کا کردار بڑا اہم ہے۔ افغان صدر حامد کرزئی نے اس پر بھی بس نہ کی بلکہ نیٹو سے پاکستان پر حملے کا مطالبہ بھی کر دیا ہے، انہوں نے نیٹو سے سوال کیا کہ پاکستان میں طالبان کی محفوظ پناہ گاہوں کو نشانہ کیوں نہیں بنایا جا رہا؟ صدر حامد کرزئی نے کہا کہ دہشتگردی کے خلاف جنگ صرف افغان گھروں اور گاؤں تک محدود نہیں ہونی چاہیے۔ افغانستان سے باہر بھی دہشت گردوں کی محفوظ پناہ گاہوں کو نشانہ بنایا جائے۔

واضح رہے کہ افغانی صدر حامد کرزئی کا کہنا ہے کہ ایک بیان میں پاکستان علماء کونسل کے سربراہ علامہ طاہر اشرفی نے کہا تھا افغانستان میں خودکش حملے جائز ہیں کیونکہ وہاں نیٹو فورسز حملہ آور ہیں اور انہوں نے ملک پر قبضہ کر رکھا ہے، وہ بے گناہ افغان عوام کا قتل عام کر رہے ہیں۔ صدر کرزئی نے کہا کہ پاکستان علماء کونسل کے سربراہ طاہر اشرفی کو پاکستانی حکومت نے افغانستان میں دونوں ممالک کے مذہبی رہنماؤں کے اجلاس میں شرکت کے لیے وفد کا سربراہ مقرر کیا تھا، لہٰذا ہم سمجھتے ہیں ان کے نظریات کو پاکستانی حکومت کی تائید حاصل ہے۔ صدر کرزئی نے کہا ہم دیکھ رہے ہیں دہشت گردی کے خلاف لڑنے کے لیے عملی اقدامات نہیں کیے جا رہے۔ پاکستان میں حالیہ دہشت گردانہ حملوں کے تسلسل سے پتہ چلتا ہے ہمسایہ ملک افراتفری میں دھنستا جا رہا ہے، صورتحال اب ہر ایک کے لیے کنٹرول سے باہر ہوتی جا رہی ہے۔ یہ صورتحال افغانستان، پاکستان اور خطے کے ہر گز مفاد میں نہیں۔

اس موقع پر نیٹو سیکرٹری جنرل راسموسن نے بھی علامہ طاہر اشرفی کے بیان کی مذمت کی اور پاکستان پر زور دیا وہ پاکستان افغان سرحد کے ساتھ شدت پسندوں کو کنٹرول کرنے کے لیے مزید اقدامات کرے۔ انہوں نے کہا دہشت گردانہ حملوں کا کوئی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا، ہم پاکستانی حکومت اور فوج پر بار بار

زور دیتے رہے ہیں کہ وہ سرحدی علاقے میں دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خلاف جنگ تیز کرے کیونکہ دیرپا امن کو یقینی بنانے کے لیے یہی ایک صورت ہو سکتی ہے۔انہوں نے اسی موضوع پر بات کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کی طرف سے خودکش حملوں کو جائز قرار دینا قابل مذمت ہے۔ پاکستانی حکومت اور فوج دہشت گردی کے خاتمے کے لیے مناسب اقدامات اٹھائیں۔راسموسین نے کہا کہ انہیں محسوس ہوتا ہے کہ وہ وقت آ چکا ہے جب پاکستانی فوج کے اعلیٰ عہدیداروں اور سیاسی رہنماوں کو احساس ہونا چاہیے کہ افغانستان کا داخلی استحکام پاکستان کے اپنے مفاد میں ہے۔ افغان امن کونسل نے ایک بیان میں کہا "طاہر اشرفی کی بات چیت جس میں انہوں نے کہا ہے افغانستان میں خودکش حملے جائز ہیں، اسلامی بھائی چارے کے خلاف ہے۔ امن کونسل نے پاکستانی حکومت سے مطالبہ کیا وہ اس طرح کی شر انگیزی کی کوششوں کو روکے اور امن کی کوششوں کی حمایت کرے۔ افغانستان کی وزارت خارجہ کے ترجمان جانان موسیٰ زئی نے اس بات کو سیاسی عمل قرار دیتے ہوئے مضحکہ خیز قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا یہ بیان کسی بھی صورت میں قیام امن اور دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کی بہتری کے مفاد میں نہیں۔

دوسری جانب ترجمان دفتر خارجہ نے کہا ہے پاکستان علماء کونسل کے سربراہ، علامہ طاہر اشرفی نے ان سے منسوب اِس بیان کی سختی سے تردید کی ہے جس میں

مغربی ذرائع ابلاغ کے مطابق ایک افغان ٹی وی چینل کو دیے گئے ایک انٹرویو میں انھوں نے کہا تھا کہ چونکہ افغانستان پر حملے کرنے والی نیٹو افواج غاصب ہیں، لہٰذا ان کے خلاف خود کش حملے جائز ہیں۔ان کا کہنا تھا کہ ان کا بیان سیاق و سباق سے ہٹ کر پیش کیا گیا ہے۔قطر سے، جہاں وہ اِس وقت مقیم ہیں، مولانا طاہر اشرفی نے اِن الزامات کی سختی سے تردید کرتے ہوئے طاہر اشرفی نے کہا ہے کہ اس ساری خبر پر کہوں گا جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو۔ انھوں نے مزید کہا یہ بیالیس منٹ کا انٹرویو طلوع ٹی وی نے کیا تھا۔ افغان علما کانفرنس کے حوالے سے اور اس میں خود کش حملوں کے حوالے سے کوئی ذکر ہی نہیں آیا۔ طاہر اشرفی نے کہا مجھے بڑا دکھ ہے کہ افغانستان کے میڈیا نے اس سے پہلے افغانستان علما کانفرنس کے حوالے سے بے بنیاد خبریں پھیلائیں اور اب یہ خبر پھیلا دی۔ترجمان نے کہا ویسے بھی کسی فرد کے خیالات حکومت پاکستان کی نمائندگی نہیں کرتے۔ کسی بھی انفرادی شخص کا بیان پاکستانی حکومت کے خیالات کا آئینہ دار نہیں ہے۔ خود کش حملوں کے حوالے سے انھوں نے کہا 2002ء میں پاکستان علما کونسل نے فتویٰ دیا تھا کسی بھی بے گناہ انسان کا قتل خواہ وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم ہے، وہ ناجائز اور غیر شرعی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ افغانستان میں بیرونی قابض قوتوں کے خلاف لڑنے والے مجاہدین اور ان کے علاوہ متعدد علماء کرام کے خود کش حملوں کے جواز میں فتوے آ چکے ہیں ۔انہی فتوؤں کی وجہ سے مجاہدین خود کش حملے کرتے ہیں۔ مولانا طاہر اشرفی نے

یہ بھی کہا ہے کہ جب تک افغانستان کی وزارتِ خارجہ اور صدر کرزئی اِس پر معذرت نہیں کرتے ہم آئندہ افغانستان کے بارے میں کسی کانفرنس میں شرکت نہیں کریں گے۔یاد رہے کہ مولانا اشرفی اس پاکستانی وفد کا حصہ ہیں جسے عنقریب پاکستان اور افغانستان کے علمائے دین کے ایک مشترکہ اجلاس میں شریک ہونا ہے جو پروگرام کے مطابق کابل میں ہوگا۔پاکستان کے متعدد علماء کرام نے اس کانفرنس کے بائیکاٹ کا اعلان بھی کیا تھا اور تمام دنیا کے علماء کرام سے اپیل کی تھی کہ وہ بھی اس کانفرنس میں شرکت نہ کریں۔

یہ واضح رہے کہ پاکستان ان دنوں خود بری طرح دہشتگردی کا شکار ہے، یہ اطلاعات ہیں کہ پاکستان میں دہشتگردی بیرونی قوتیں کروارہی ہیں۔گزشتہ دنوں امریکا کے نامزد وزیر دفاع چک ہیگل کی 2011ء کی ایک تقریر کے مندرجات منظر عام پر آنے کے بعد بھی کچھ حقیقت سامنے آئی ہے جس میں انھوں کہا ہے کہ پاکستان میں بھارت اور امریکا کی ایجنسیاں ملوث ہیں اور افغانستان ان سب کی پشت پناہی کررہا ہے۔یہ واضحہو کہ صدر حامد کرزئی کی حکومت میں ایسے بھارت نواز عناصر موجود ہیں جو کابل میں بھارتی اثرورسوخ کو بڑھا رہے ہیں اور مغربی سرحدوں پر پاکستان کے لیے مشکلات میں اضافہ کررہے ہیں بالواسطہ طور پر ان عناصر کو صدر کرزئی کی حمایت حاصل ہے،چیک ہیگل نے کہا تھا کہ بھارت افغانستان میں پاکستان کے مسائل میں اضافہ کرنے کے لیے دہشت گردوں کی مالی

معاونت کر رہا ہے اور افغان محاذ کو پاکستان کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔ بھارت نے افغانستان کے ذریعے جو کردار ادا کیا اس میں بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر اسے امریکا اور افغانستان دونوں کی اعانت حاصل تھی تاہم حکومت پاکستان کو اب یہ یقینی بنانا ہے کہ افغانستان آئندہ اپنی سرزمین کو پاکستان دشمن سرگرمیوں کے لیے استعمال کرے نہ کسی کو اسے استعمال کرنے کی اجازت دے صدر کرزئی کے رویے میں اچانک جو اتار چڑھاؤ پیدا ہوتا ہے، یہ پاکستان کے بارے میں کابل انتظامیہ کی مبہم پالیسی کی نشاندہی کرتا ہے، وزارت خارجہ کو اس سلسلے میں کابل حکومت کے ساتھ باضابطہ مذاکرات کرکے مستقبل کے لیے اس سے ٹھوس ضمانت حاصل کرنی چاہیے افغانستان کے لیے ٹرانزٹ ٹریڈ سمیت تمام معاملات کو اس امر سے مشروط کیا جانا چاہیے کہ افغانستان کی سرزمین آئندہ پاکستان کے خلاف استعمال نہیں کی جائے ، حالانکہ افغان صدر حامد کرزئی پاکستان کے خلاف تو بیانات دیتے رہتے ہیں لیکن افغانستان سے ہونے والی پاکستان کے خلاف دہشتگردی کو بڑھاوا دے رہے ہیں۔

امن کے لیے قائم امریکا کے انسٹی ٹیوٹ برائے جنوبی ایشیا کے تجزیہ کار معید یوسف کا کہنا تھا کہ ان باتوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کس حد تک حساس نوعیت کے ہیں اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان کس قدر بے اعتمادی کی فضا قائم ہے۔ پاکستان

اور افغانستان کے مذہبی رہنماؤں کے درمیان ہونے والی ملاقاتوں کو اس لیے اہمیت دی جا رہی ہے کیونکہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کے اثر ورسوخ سے افغانستان سے امریکی و نیٹو افواج کی واپسی میں مدد مل سکتی ہے۔

گداگری مجبوری یا پیشہ

(ایک عدد فیچر پیش خدمت ہے)

پیٹ کی جہنم بھرنے کی خاطر تو انسان کچھ بھی کر گزرتا ہے۔اسی پیٹ کے لیے لوگ مختلف قسم کے پیشے اپناتے ہیں۔ بھیک مانگنا بھی پیشے کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ بس اسٹاپ پر کھڑے ہوں یا ٹریفک سگنل پر، شہر میں ہوں یا دیہات میں، پیدل ہوں یا سوار، "اللہ کے نام پر کچھ دے دیں، دو دن سے بھوکا ہوں گھر میں کھانے کو کچھ نہیں، اللہ کے لیے میری مدد کریں" اس قسم کے الفاظ آپ کی سماعت سے ضرور ٹکرائے ہوں گے۔ یہ الفاظ بھکاریوں کے ادا کردہ ہوتے ہیں۔

اسے حقیقت کہیے یا اتفاق ، کہ بھکاری انسانی نفسیات کے چنگے بھلے ماہر ہوتے ہیں۔ ان کو سب معلوم ہوتا ہے کہ کیسے انسانی جذبات پر حاوی ہو کر لوگوں سے پیسے نکلوائے جاتے ہیں۔ یہ صرف ماہر نفسیات ہی نہیں بلکہ ٹھیک ٹھاک اداکار بھی ہوتے ہیں۔ لوگوں کی توجہ اور ہمدردیاں اپنی طرف مبذول کرنے کے یہ سارے ہنر و گر بخوبی جانتے ہیں۔

بڑے شہروں میں بھکاریوں کی یونین ہوتی ہے۔ بھکاری اپنے تمام کام اپنی یونین

کے سربراہ کی مرضی سے سرانجام دیتے ہیں۔ پورے شہر میں ان کے کارندے ہر بھکاری پر نظر رکھے ہوتے ہیں۔ کسی بھی شاہراہ، چوک یا چوراہے پر بھیک مانگنے سے پہلے بھکاری مافیا کے سربراہ سے اجازت لینا ضروری ہوتا ہے، ان سے اجازت لیے بغیر وہ کسی کو بھیک مانگنے کی اجازت نہیں دیتے، بلکہ ہر بھکاری سربراہ یونین کو بھتہ یا کمیشن بھی دیتا ہے۔ اگر نہ دے تو اسے بھیک مانگنے کی کہیں اجازت نہیں دی جاتی، زبردستی اسے بھگا دیا جاتا ہے۔ایک محتاط اندازے کے مطابق تقریباً تین لاکھ سے زاید پیشہ ور بھکاری مختلف شہروں میں باقاعدہ ایک منظم نیٹ ورک کے تحت صبح و شام "محنت مزدوری" کررہے ہیں جو مختلف گروپوں اور گروہوں میں تقسیم ہیں اور ہر گروپ اور گروہ باقاعدہ ایک سرغنہ یا سردار کی زیر نگرانی کام کرتا ہے۔ بھکاریوں کی یونین نے بھکاریوں کے لیے گاڑیوں کا انتظام بھی کیا ہوتا ہے، جو انہیں کسی مخصوص مقام پر چھوڑ جاتے ہیں اور پھر رات کے وقت وہاں سے واپس لے جاتے ہیں۔

گداگروں کی گداگری کی سب سے محبوب جگہیں ٹریفک سگنلز ہوتی ہیں۔ یہاں انہیں زیادہ مشقت نہیں اٹھانا پڑتی، بڑی بڑی گاڑیوں والے امیر لوگ خود ہی ٹریفک سگنل پر آجاتے ہیں۔ ان سے پیسے نکلوانا قدرے آسان ہوتا ہے۔ سگنلز پر عام طور پر پانچ قسم کے بھکاریوں سے پالا پڑتا ہے۔ پہلی قسم کے بھکاری تو وہ ہوتے ہیں جو واقعی معذور ہوں، پیدائشی معذور ہوں یا کسی حادثے کی وجہ سے

معذور ہوگئے ہوں، یہ فٹ پاتھ پر ایک جگہ بیٹھے رہتے ہیں، اسی جگہ پر لوگ ان کو بھیک دیتے ہیں۔ دوسری قسم کے بھکاری وہ ہوتے ہیں جو جان بوجھ کر جھوٹ موٹ میں معذور بنے ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ نابینا اور کچھ نے جسم پر مصنوعی طور پر زخم لگائے ہوتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے واقعی گہرے زخم ہیں۔ حالانکہ یہ زخم اصلی نہیں ہوتے بلکہ مصنوعی ہوتے ہےں۔ بعض بھکاریوں نے بازو یا ٹانگ پر پٹی باندھی ہوتی ہے، جسے دیکھنے والوں کا دل یقیناً پسیج جاتا ہے۔

تیسری قسم کے بھکاری سگنلز پر کھڑے وہ بچے ہوتے ہیں جو بھیک مانگنے کے فن سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں۔ بھکاریوں کی چوتھی قسم ان خواتین و حضرات پر مشتمل ہوتی ہے، جنھوں نے اپنی گود میں اکثر و بیشتر نوزائیدہ بچہ اٹھایا ہوتا ہے۔ وہ معصوم بچوں کو اس وجہ سے گود میں اٹھا کر بھیک مانگتے ہیں کیوں کہ لوگ ان بچوں کو دیکھ کر پیسے زیادہ دیتے ہیں۔ گود میں لیے ہوئے بچوں کے بارے میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ بعض اوقات یہ بھکاری دوسرے لوگوں سے گود میں لینے کے لیے بچے کرائے پر بھی لے کر آتے ہیں۔ پانچویں قسم کے بھکاری وہ مرد و خواتین ہوتے ہےں جن کی گود میں کوئی بچہ نہیں ہوتا لیکن یہ اس قدر ڈرامائی انداز سے بھیک مانگتے ہیں کہ پتھر دل بھی موم ہو جاتا ہے اور لوگ انہیں بھیک دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

بسوں میں بعض ایسے حضرات بھی چڑھتے ہیں جن کے ہاتھ میں کسی مدرسے یا مسجد کی رسید بک، سر پر ٹوپی یا رومال ہوتا ہے، بس میں چڑھتے ہی بتانا شروع کرتے ہیں کہ فلاں مدرسہ زیر تعمیر ہے، مسجد کو اتنے پیسوں کی ضرورت ہے، اتنے لاکھ کا سریا، اتنے لاکھ کا سیمنٹ اور اتنے کی فلاں اور اتنے کی فلاں چیز چاہیے، آپ حضرات حسب توفیق دے کر صدقہ جاریہ میں شریک ہوجائیں۔ ان کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ ان میں سے اکثر حضرات پیسے لے کر بہت ہی کم پیسے مسجد و مدرسے کو دیتے ہیں، باقی اپنے پاس رکھتے ہیں، انہوں نے مدرسہ اور مسجد انتظامیہ کے ساتھ کمیشن طے کیا ہوتا ہے، مسجد، مدرسے کے نام پر مانگنے والوں کا کہنا ہوتا ہے کہ یہ جتنے بھی پیسے ملے ہیں یہ ہماری کاوش سے ملے ہے ں، اگر ہم نہ مانگتے تو یہ بھی نہ ملتے۔

حقیقت یہ ہے کہ جہاں زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے لیے بھکاریوں نے بھیک مانگنے کے اور بہت سے طریقے اختیار کیے ہوئے ہیں وہیں آج کل انہوں نے شرعی حلیے میں بھیک مانگنا بھی شروع کردیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق پچھلے دو برسوں میں باریش اور باشرع گداگروں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ ان گداگروں میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اس لیے دینی حلیہ اختیار کرتے ہیں تاکہ سادہ لوح مسلمانوں کو بیوقوف بناکر زیادہ سے زیادہ بھیک حاصل کریں

یا پھر وہ کسی جرائم پیشہ گروہ کے لیے مخبری اور خبر رسانی کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک سوچی سمجھی منصوبہ بندی اور سازش کے تحت دینی حلیہ میں سینکڑوں بہروپیوں کو مختلف چوراہوں، مساجد، بسوں اور دیگر عوامی مقامات پر پھلایا گیا ہے جس کا مقصد دینی شعائر کو بدنام کرنا اور عوام الناس میں مذہبی لوگوں اور دینی خراب کرنااور ان پر سے لوگوں کا اعتماد ختم کرنا ہے۔ اگر IMAGE مدارس کے طلبہ کا ان بھکاریوں سے بات کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ آئے بائے شائیں کرتے بھاگ نکلتے ہیں، ان کا ایک پورا نیٹ ورک ہے جو بڑے ہی منظم انداز میں اپنا کام کر رہا ہے۔ مرد گداگروں کی طرح بہت سی خواتین بھی زیادہ سے زیادہ بھیک اکھٹی کرنے خراب IMAGE کے لیے دینی شعائر کو استعمال کر رہی ہیں یا پھر برقعہ پوش خواتین کا کرنے اور ان پر سے لوگوں کا اعتماد ختم کرنے کی مذموم سازش میں مصروف عمل ہیں۔ بہت سے بھکاری اور بھکارنیں بڑی مساجد کے دروازں پر ہر نماز کے بعد یا جمعہ کی نماز کے بعد چپ چاپ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جبکہ بعض لوگ نماز مساجد کے اندر پڑھتے ہیں اور جماعت کی نماز کا سلام پھیرنے کے فوری بعد کھڑے ہو کر بھیک مانگنا شروع کر دیتے ہیں اور مجبوریاں بتاتے ہوئے اکثر رو پڑتے ہیں۔ بعض بھکاری گداگری کے لیے دور دراز کے علاقوں کا سفر کرتے ہیں اور سارا سال کسی نہ کسی شہر میں اسی مقصد کے لیے گردش کرتے رہتے ہیں۔ یہ کسی بھی علاقے میں

چھ مہینے یا سال کے بعد جاتے ہیں۔ اتنی دیر میں وہاں کے لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ شخص پہلے بھی آیا تھا۔ گاؤں دیہات میں جا کر اکثر و بیشتر اسپیکر میں بھیک مانگتے ہیں۔

ایک مشہور و معروف قسم ان بھکاری خواتین و حضرات کی ہوتی ہے جو عرصہ دراز سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے کرایہ مانگ رہے ہوتے ہیں۔ ان کو اگر یہ کہا جائے کہ میں خود کنڈیکٹر کو کرایہ دے دیتا ہوں تو اس پر یہ راضی نہیں ہوتے بلکہ اپنے ہاتھ میں پیسے لینے کا مطالبہ کرتے ہیں، اس لیے کہ اگر آپ خود بس ڈرائیور کو پیسے دیں گے تو یقیناً یہ اس کے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہوں گے اور آپ کو اس کی حقیقت کا پتہ چل جائے گا کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔

بس اسٹاپ پر بھکاریوں کی اقسام میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بتاتے ہیں کہ میری جیب کٹ گئی ہے۔ لہٰذا گھر کال کرنے کے لیے اپنا موبائل فون کچھ دیر کے لیے عنایت کردیں یا اتنے پیسے دے دیں جس سے میں اپنے گھر فون کرسکوں۔ جب موبائل مل جاتا ہے تو چکما دے کر رفو چکر ہوجاتے ہیں۔ اس قسم کے بھکاری صاف ستھرے لباس میں ہوتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشنوں پر ایسے بھکاری بھی ہوتے ہیں جو ریل کے ڈبوں میں بھیک کے بہانے چڑھتے ہیں اور اگر انہیں موقع ملے تو

مسافروں کی عدم موجودگی میں ان کا سامان بھی چرا لیتے ہیں۔

بھکاریوں کی ایک قسم سوٹڈ بوٹڈ بھکاری بھی ہوتے ہیں۔ کراچی میں ہی ناظم آباد کے علاقے میں اس قسم کے بھکاری بڑی تعداد میں رہتے ہیں۔ وہ تھری پیس یا کلف لگا کاٹن پہن کر ہاتھ میں بریف کیس تھامے اپنے علاقے سے دور کسی مسجد یا کسی دکان وغیرہ میں جا کر کہتے ہیں کہ میں فلاں شہر سے کسی کام کی غرض سے کراچی آیا تھا، کسی نے میرے سارے پیسے چرا لیے یا کہتے ہیں کہ مجھ سے بندوق کے زور پر پیسے چھین لیے ہیں۔ مجھے حیدر آباد تک کا (یا کسی اور جگہ کا نام لیتے ہیں) کرایہ دے دیں تاکہ میں اپنے گھر واپس پہنچ سکوں۔ اس کی ذی وجاہت ہیت کو دیکھ کر کوئی اسے پانچ دس روپے دینے سے تو رہا، کم از کم 50،100 روپے تو دے ہی دیتے ہیں۔ اس طرح اس کے پاس کچھ ہی دیر میں بہت سارے پیسے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ یوں وہ ایک دن میں کئی جگہوں کا چکر لگا لیتے ہیں اور اچھی خاصی رقم جمع کر لیتے ہیں۔

ذرائع نے یہ انکشاف کیا کہ گداگر مافیا معصوم بچوں کو اغوا کرکے انہیں دانستہ معذور بنا دیتی ہے تاکہ لوگوں کی ہمدردی بڑھے اور وہ ترس کھاتے ہوئے زیادہ سے زیادہ بھیک دے سکیں۔ اندرون ملک سے اغوا ہونے والی جوان لڑکیاں پہلے تو جسم فروشی پر مجبور کی جاتی ہیں اور بعد ازاں ان سے بھیک منگوائی جاتی ہے۔ بعض خواتین گداگری کے ساتھ ساتھ بسوں، منی بسوں اور دیگر پبلک

ٹرانسپورٹس میں سوار ہو کر مسافر خواتین سے پرس، زیورات اور موبائل فون چوری کرنے کا فن بھی جانتی ہیں اور جو نہیں جانتیں انہیں مافیا کے کارندے باقاعدہ ٹرین کرتے ہیں۔اب وقت کے ساتھ ساتھ بھیک مانگنے والوں میں خواجہ سراؤں کی بھی ایک بڑی اکثریت شامل ہو گئی ہے۔ یہ لوگ اپنے مخصوص فن، باتوں کی بھرمار اور اوچھی اداؤں سے چوراہوں پر رکنے والی ہر گاڑی میں سوار لوگوں سے دست سوال کرتے ہیں۔ ایک ایسے ہی خواجہ سرا نے بتایا " سب لوگ خواجہ سرا نہیں ہوتے، بلکہ اکثریت مردوں کی ہے جو خواجہ سراؤں کی وضع قطع اختیار کر کے بھیک مانگ رہے ہیں۔

پیشہ ور گداگروں کو ان کے "گرو" خاص قسم کی ٹریننگ دیتے ہیں۔ بھکاریوں کو چند ایسے مخصوص التجائی فقرے اور جملے یاد کروائے جاتے ہیں، جن سے معصومیت و مسکینی ٹپکتی ہے اور سننے والوں کے دل میں ان سے ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور وہ بادل نخواستہ تندرست وتوانا بھکاریوں کی مالی مدد کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ نوجوان گداگر لڑکیاں بالعموم غیر مناسب لباس پہنے چھوٹے چھوٹے ننگ بدن بچّوں کو بغل میں دبائے مردوں کے دائیں بائیں چکر لگاتی رہتی ہیں۔ کبھی ان کا دامن، آستین اور ہاتھ پکڑ لیتی ہیں، نازیبا اشارے کرتی ہیں اور بھیک لیے بغیر پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ بعض تیز و طرار اور جرائم پیشہ گداگر عورتیں جیب کاٹنے، خواتین کی سونے کی انگوٹھی، کان کی بالیاں اور پرس

چھیننے کی وارداتیں بھی کرتی ہیں۔ عورتوں اور بچّوں کو گداگری کی جہنّم میں جبری طور پر جھونک دیا جاتا ہے۔ گداگروں کے سرغنہ اور سردار کے جرائم پیشہ گروہ، بردہ فروشوں اور تخریب کاروں سے بھی تعلق ہوتے ہیں جو کمسن بچوں کو اغوا کرکے بھکاریوں کے سرغنہ کو فروخت کردیتے ہیں جو ان بچّوں کو بھیک مانگنے کی تربیت دیتے ہیں۔ بعض سفّاک وظالم تو بچّوں کے ہاتھ پاؤں دانستہ توڑ کر انھیں چلنے پھرنے سے معذور کردیتے ہیں اور ایسے بچوں کو مختلف مزارات، درگاہوں، بس اسٹاپوں، بازاروں و دیگر مقامات پر بٹھا کر بھیک منگوائی جاتی ہے۔ بھکاری مافیا گداگری کی آڑ میں چوری اور قتل جیسے گھناونے جرائم بھی کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ دوسرے ممالک کی ایجنسیوں کے اکثر کارندے بھکاریوں کا روپ دھار کر جاسوسی کرتے ہیں اور پل پل کی خبریں دشمن ملک تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ ایسے بہت سے کیس سامنے آئے ہیں کہ بہت سے بھکاری جاسوسی کرتے ہوئے پکڑے بھی گئے ہیں۔

لاپتہ بچوں میں زیادہ توجہ طلب مسئلہ ان بچوں کا ہے جنہیں بھکاری گروہ اپنے مقاصد کے لیے اغوا کر لیتے ہیں تا کہ ان کا نیٹ ورک وسیع ہوسکے۔ 2010ء میں تین ہزار نوے بچوں کے والدین نے گمشدگی کی ایف آئی آر درج کرائیں۔ ان گمشدہ بچوں میں تقریباً ڈھائی ہزار لڑکے جبکہ چھ سو لڑکیاں شامل تھیں۔ گلشن آباد، اورنگی ٹاؤن، بلدیہ ٹاون اور لیاری ٹاؤن ایسے علاقے ہیں جہاں بچوں کی

گمشدگی کے واقعات سب سے زیادہ رونما ہوئے ہیں اور انہی علاقوں میں بھکاریوں کے عارضی ٹھکانے بھی تھے۔اغوا ہونے والے بہت سے بچوں کے بارے میں بعد میں یہ اطلاع ملی تھی کہ ان کو بھکاری گینگ نے اغوا کروایا ہے۔

بھکاریوں کی یونین کے افراد معذوروں کو اغوا کرکے ان سے بھیک منگواتے ہیں،

ء میں بھکاریوں کی چنگل سے آزاد ہونے والا معذور شخص نذیر حسین اس کی 2012 دلیل ہے، اس کی خبر تقریباً تمام اخبارات میں لگی تھی۔اس نے بتایا کہ گداگروں نے اسے 8 سال پہلے اغوا کرکے اس پر بے انتہاء تشدد کیا اور 8 سال تک اس سے بھیک منگواتے رہے اور اسے پاکستان کے مختلف شہروں میں رکھا گیا، جہاں اس سے زبردستی بھیک منگوائی جاتی تھی، گداگر گروہ کے کارندے معذور شخص کو رات کے وقت جھونپڑی میں زنجیروں سے جکڑ دیتے تھے اور تشدد کا نشانہ بناتے تھے اور بھیک منگواتے وقت بھی بھکاریوں کی نگرانی کی جاتی اور حاصل ہونے والے تمام پیسے لے لیے جاتے تھے۔ پھر اچانک ایک دن نذیر حسین کے رشتہ داروں نے اسے ایبٹ آباد میں بھیک مانگتے ہوئے دیکھ لیا، نذیر حسین نے بھی انہیں دیکھ کر شور مچانا شروع کردیا، اس کے رشتہ داروں کو دیکھ کر نگرانی کرنے والے بھکاری مافیا کے کارندے بھاگ گئے اور نذیر حسین کے رشتہ دار اسے اپنے ساتھ لے آئے۔

شاہ دولے کے چوہے بھی بھکاریوں کی ایک معروف قسم ہے۔ ان کے سر چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ چھوٹے سر اور دبلے بدن والے بھکاری "شاہ دولہ کے چوہے" کہلاتے ہیں جو عموماً سبز رنگ کا چوغہ پہنے ہوتے ہیں جبکہ اِن کے ساتھ ایک اور فرد جو کہ بالکل نارمل ہوتا ہے اپنی زیر نگرانی ان سے بھیک منگوا رہا ہوتا ہے۔ شاہ دولہ ایک پیر کا نام ہے جن کا مزار پنجاب کے ضلع گجرات میں واقع ہے۔ ان کے مزار پر بطورِ عقیدت جو بچے چڑھائے جاتے ہیں انہیں شاہ دولہ کے چوہے کہا جاتا ہے۔ کچھ والدین کم علمی یا کمزور عقیدے کے سبب اپنے بچوں کو بطورِ عقیدت مزار پر موجود بھکاری مافیا کے حوالے کر دیتے ہیں وہ ایسے بچوں کے سروں پر ایک مخصوص ٹوپی نما شکنجہ (لوہے کی ٹوپیاں) چڑھا دیتے ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف ان کے سروں کی نشوونما رک جاتی ہے بلکہ ان کی دماغی اور جسمانی صلاحیت بھی کم ہو جاتی ہے اور پھر یہ بچے رفتہ رفتہ ذہنی طور پر معذور ہو جاتے ہیں۔ اب ان کی زندگی کا ایک ہی مقصد رہ جاتا ہے جو کہ بھیک مانگنا، کھانا اور پھر بھیک مانگنا ہوتا ہے۔ ایسے لوگ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہتے اور نہ ہی زندگی کی بھاگ دوڑ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ پاکستان میں بھکاری مافیا شاہ دولہ کے چوہوں کا استحصال کرتے ہوئے نہ صرف ان سے شہر شہر، گاؤں گاؤں بھیک منگواتا ہے بلکہ پیشہ ور بھکاری اِن چوہوں کو ماہانہ ٹھیکوں پر بھی لے جاتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کا باقاعدہ کنٹریکٹ ہوتا ہے اور پھر جب کنٹریکٹ کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو انہیں واپس دربار پر چھوڑ دیا

جاتا ہے۔ اس طرح ملک کے کونے کونے میں شاہ دولہ کے چوہے بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ بعض بھکاری اپنے آپ کو کسی دربار کا مجاور ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں بابے کا عرس ہونے والا ہے، اس کے لیے کچھ دو، اگر نہ دوگے تو بابے کی طرف سے آپ کو کوئی نقصان ہو سکتا ہے۔

ایک اور دلچسپ حقیقت سنیے ! رپورٹ کے مطابق سعودی عرب میں عمرہ اور حج ویزے پر جانے والی پاکستانی خواتین وہاں جاکر بچہ گود لیے گداگری کا پیشہ اپنا لیتی ہیں، رمضان المبارک اور ایام حج کے موقع پر پاکستان سے گداگروں کے گروہ منظم طور پر سعودی عرب جاتے ہیں اور مکہ المکرمہ، مدینہ المنورہ اور جدہ کی شاہراہوں پر ہاتھ پھیلائے اللہ کے نام پر کہتے ہوئے بھیک مانگ رہے ہوتے ہیں۔ سعودی حکومت نے ان کے خلاف سخت اقدام اٹھانے کے لیے انسداد گداگری کا شعبہ بھی قائم کر رکھا ہے جو ہر سال ہزاروں کی تعداد میں بھکاری گرفتار کرنے کے بعد ملک بدر کر دیتا ہے۔ لیکن پاکستان سے بااثر افراد کے توسط سے مخصوص یا جعلی ناموں سے قائم ٹور آپریٹرز انسانی اسمگلنگ کا مرتکب ہو رہے ہیں۔ سعودی عرب میں گداگری ایک جرم ہے جس کی سزا گرفتاری، بھاری جرمانے اور جیل میں قید رکھنے کے علاوہ ملک بدر کیا جانا ہے۔ یہ گداگر پولیس کی گشتی گاڑی دیکھ کر سڑکوں سے بھاگ کر نامعلوم مقام پر روپوش ہو جاتے ہیں جبکہ ہر مصروف سگنل پر یہ عورتیں تمام دن بھیک مانگتی

ہیں، اگر کوئی پاکستانی انہیں ایسا کرنے سے باز رہنے اور پاکستان کا نام بدنام نہ کرنے کی تلقین کرتا ہے تو یہ انہیں غلیظ گالیوں سے نوازتی ہیں۔

معلومات کے مطابق اب تو بھکاریوں نے بھیک مانگنے کی جگہوں کو بھی اپنی بیٹیوں کو جہیز میں دینا شروع کر دیا ہے،اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی خاندان والے اپنا بھیک مانگنے کا اڈہ مافیا کے سربراہ کی اجازت سے اپنی بیٹی کے نام الاٹ کر دیتے ہیں، اس کے بعد بیٹی کو اس جگہ پر بھیک مانگنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اسے کوئی دوسرا بھکاری وہاں سے روک نہیں سکتا۔

گداگری کا پیشہ رمضان المبارک کے بابرکت اور رحمتوں والے مہینے میں خوب پروان چڑھتا ہے۔ پیشہ ور گداگر اپنے آبائی قصبوں اور دیہاتوں سے نکل کر ملک کے اہم شہروں اسلام آباد، لاہور، کراچی، کوئٹہ، پشاور، حیدرآباد، ملتان اور فیصل آباد وغیرہ کی طرف کوچ کر جاتے ہیں۔ چونکہ شہروں میں زیادہ متمول اور نسبتاً خوش حال لوگ رہتے ہیں جو خاص طور سے رمضان المبارک میں اپنے مال و متاع کی زکوۃ، صدقات اور خیرات وغیرہ کثرت سے غرباء و مساکین میں تقسیم کرتے ہیں۔اسی لیے یہ پیشہ ور گداگر اور دیہی و پس ماندہ علاقوں کے غریب، نادار، مفلس اور ضرورت مند لوگ بھی رمضان میں "کمائی" کے لیے شہری علاقوں میں ڈیرے ڈال لیتے ہیں۔ آغا خان ڈیولپمنٹ نیٹ ورک کی ایک رپورٹ کے مطابق

پاکستان میں سالانہ 13 ارب 78 کروڑ روپے سے زاید زکوۃ دی جاتی ہے جب کہ 16 ارب کے لگ بھگ چیریٹی کی مد میں دیے جاتے ہیں۔ گویا مجموعی طور پر کم و بیش 30 ارب روپے مالی طور پر خیرات کیے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ تقریباً ساڑھے 11 ارب روپے سالانہ کی امدادی اشیاء بھی غریبوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کی جاتی ہیں اور خیرات کے ان اربوں روپوں سے اپنے کشکول بھرنے کے لیے ہٹے کٹے پیشہ ور گداگروں کے غول کے غول ملک کے طول و عرض میں سرگرم ہوجاتے ہیں۔ رمضان میں گداگر روزانہ 2 سے ڈھائی ہزار اور بسا اوقات اس سے بھی زیادہ کمالیتا ہے۔ ء کی تحقیق کے مطابق فی بھکاری نارمل حالات میں اوسطاً 30 سے 40 ہزار2012 روپے ماہانہ کمالیتا ہے اور رمضان و عیدین جیسے مخصوص مواقع پر تو ان کی چاندی ہو جاتی ہے۔

ہر سال رمضان المبارک کے آتے ہی کراچی میں بھی گداگر مضافاتی علاقوں میں اپنے ڈیرے جمانا شروع کر دیتے ہیں۔ کراچی کے خالی پلاٹوں، کینٹ اسٹیشن اور ٹاور کے قریب بھی ان کی بڑی تعداد پڑاو ڈالتی ہے۔ گداگر مافیا فقیروں کو ان کی "اہلیت "دیکھ کر ان کی مزدوری طے کرتی ہے۔ مثلاً جو لوگ پیدائشی طور پر معذور ہوتے ہیں انہیں سب سے زیادہ معاوضہ دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جو لوگ دونوں ٹانگوں، دونوں ہاتھوں یا اسی قسم کی کسی پیدائشی معذوری کا شکار ہوں انہیں زیادہ دیہاڑی دی جاتی ہے۔ اس کے بعد خواتین اور پھر بچوں کی باری

آتی ہے۔مثلاً ڈیفنس چورنگی، سب میرین چورنگی، کلفٹن، پنجاب چورنگی، خیابان شمشیر چورنگی، ٹاور، بولٹن مارکیٹ، صدر بازار، بہادر آباد، گرومندر، نمائش، لیاقت آباد، ناظم آباد، ناگن چورنگی، گلشن چورنگی اور نیپا چورنگی وغیرہ ایسے علاقے ہیں جہاں ان گداگروں کو " ذمے داری "دی جاتی ہے جو زیادہ معذور اور رو دھو کر، شعبدے بازی کے ذریعے یا پھر جذباتی اداکاری کرکے زیادہ بھیک جمع کرنے کا فن جانتے ہوں۔ چونکہ یہ وہ علاقے ہیں جہاں یا تو زیادہ تر امیر گھرانے آباد ہیں یا پھر یہاں آنے جانے والوں کی بہتات ہوتی ہے۔ بھکاری مافیا کا ایک گروپ 2011ء میں پاکستان کے مختلف شہروں سے صرف رمضان المبارک کے مہینے میں بھیک مانگنے کے لیے صرف چودہ سو بھکاریوں کو پانچ کروڑ کے ٹھیکے پر کراچی میں لایا تھا۔اسی طرح 2012ء میں بھی رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ہی اندرون ملک سے ایک لاکھ سے زائد افراد کراچی پہنچائے گئے تھے۔ گاؤں اور دیہات سے لائے گئے ان گداگروں میں بوڑھے، جوان اور خواتین کے علاوہ بڑی تعداد جسمانی معذور بچوں کی تھی۔ کراچی کے سگنل چوراہوں، ہوٹل ریسٹورنٹس، مساجد، مارکیٹیں اور شاپنگ سینٹرز گداگری کے انتہائی منافع بخش مقامات ہیں جن کے حصول کے لیے بااثر ٹھیکیداروں نے کروڑوں روپے کی سرمایہ کاری کی ہے جبکہ گداگروں کی رہائش اور طعام کے علاوہ ان کے کمیشن میں بھی اضافہ کیا گیا۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ بھیک مانگنا شریعت کی نظر میں معیوب چیز ہے اور ایک بدترین جرم ہے۔ بھکاری کے لیے شریعت میں سخت وعید آئی ہے۔ جو لوگ اس عمل کو محض پیشے کے طور پر اپنائے ہوئے ہیں ان کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہونی چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے والا روز قیامت ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا بلکہ صرف خراشوں کے واضح نشانات ہوں گے" (نسائی۔کتاب الزکاۃ)۔ اس کے علاوہ بھی متعدد وعیدیں بھکاریوں کے لیے آئی ہیں۔ جس طرح سے بھیک مانگنا درست نہیں اسی طرح ان پیشہ ور بھکاریوں کو بھیک دینا بھی درست نہیں۔ بھیک مانگنا انتہائی گھٹیا حرکت ہے اور ان لوگوں کے لیے تو بالکل ہی ڈوب مرنے کا مقام ہے جو اچھے خاصے صحت مند ہونے کے باوجود بھیک مانگتے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان بھکاریوں کو بھیک دینا جائز نہیں تو پھر واقعی حاجت مند کی پہچان کیسے ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے زیادہ حق دار اپنے قریبی لوگ ہیں۔ ان میں رشتہ دار، دوست احباب اور وہ لوگ جن کو آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ واقعی حاجت مند ہیں، اس کے بعد تمام لوگوں کو چاہیے کہ اپنے اپنے علاقے اور محلے میں تلاش کرے کہ کون ایسے سفید پوش لوگ ہیں جو کسی کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہوئے شرماتے ہیں۔ ایسے افراد کو ڈھونڈ کر ان کو ان کا حق دیا جائے۔ اسی طرح مستحق افراد کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی ضرورت کو

پورا کرنے کے لیے کوئی ایسی راہ تلاش نہ کریں جو درست نہ ہو یا بھکاریوں کی راہ کے مشابہ ہو۔ اگر آپ نے مکمل احتیاط کے ساتھ کسی کو حق دار سمجھ کر کچھ دے دیا تو یہ آپ کے دل کا معاملہ ہے۔ جیسی نیت ویسی جزا۔ اگر آپ نے بلا سوچے سمجھے اور بغیر تحقیق کے بھکاریوں کو کچھ دیا تو آپ ملک میں ان لوگوں کی بڑھوتری کا سبب بنیں گے جو کہ یقینا ملک کے لیے نقصان کا باعث ہے۔

پاکستان کے قانون کے مطابق بھی بھیک مانگنا قابل سزا جرم ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ بھکاریوں کے لیے کوئی قانون بنائے اور انہیں اس جرم سے روکے۔ گداگری میں سالانہ فیصد اضافہ ہو رہا ہے۔ گزشتہ سال کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں بھکاریوں کی 4 تعداد لاکھوں میں ہے۔ ان کے لیے کسی روزگار کا انتظام کرے اور انہیں زبردستی اس قابل سزا قبیح جرم سے منع کرے۔

کراچی میں طاقت کی رسہ کشی ہے

ایک عرصے سے روشنیوں کا شہر کراچی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ جو شہر کبھی عروس البلاد کے نام سے مشہور تھا، آج "شہروں کی دلہن" زخموں سے چور اور لہولہان ہے، ہر آنے والا دن ان زخموں میں اضافہ اور آتش فشاں بننے کی نوید سناتا ہے۔ اس کی سوگوار فضائیں آہ و بکا اور سسکیوں سے گونج رہی ہیں، آشیانے ویران ہو رہے ہیں، بچے یتیم، بیویاں بیوہ اور ماؤں کی آنکھیں گریہ و بکا سے بے نور ہو رہی ہیں، بھتہ مافیا اور لینڈ مافیا کا راج ہے، ٹارگٹ کلنگ کے نتیجے میں بے شمار گھروں کے چراغ گل ہو چکے ہیں۔ کراچی میں انسانی جان سمندر کے ساحل پہ بکھری ریت کے ذروں سے بھی ارزاں ہو چکی ہے۔ لاشیں خزاں رسیدہ پتوں کی طرح گر رہی ہیں۔ اس وقت صورتحال اس قدر ابتر اور ناگفتہ بہ ہو چکی ہے کہ مختلف بستیاں صرف لسانی بنیادوں پر قائم ہیں۔ کراچی میں اس وقت مختلف مافیاؤں کی غیر قانونی سرگرمیوں کے علاوہ سیاسی جماعتوں کی طرف سے شہر پر قبضے کے رجحان نے بھی اس شہر کو بے اماں کر دیا ہے۔ کراچی کے حالات دن بدن خراب ہوتے جا رہے ہیں لیکن ان کو سدھارنے کی کوشش ہی نہیں کی جاتی، کبھی کہا جاتا ہے کہ کراچی میں طالبان حالات خراب کر رہے ہیں اور کبھی کراچی کے حالات کا رخ فرقہ وارانہ تصادم کی طرف موڑ دیا جاتا

ہے۔اصل وجہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی جاتی۔ چیف جسٹس آف پاکستان نے اسی حوالے سے گزشتہ روز نوٹس لیتے ہوئے پولیس و رینجر کے سربراہان کو کہا ہے کہ آپ لوگوں کو تحفظ فراہم کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ کراچی میں فرقہ وارانہ فساد نہیں طاقت کی رسہ کشی ہے۔ آپ کی پولیس فورس پر کچھ لوگوں کا قبضہ ہے۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی سربراہی میں لارجر بینچ نے سماعت شروع کی تو عدالت نے سابق آئی جی سندھ فیاض لغاری کو طلب کرلیا۔ رینجرز آئی بی اور اسپیشل برانچ اور سیکرٹری سروسز نے بدامنی کے حوالے سے رپورٹیں پیش کیں۔ عدالت نے سیکرٹری داخلہ اور چیف سیکرٹری کے رپورٹ پیش نہ کرنے پر برہمی کا اظہار کیا۔ جسٹس خلجی عارف حسین نے ریمارکس دیے کہ ہم جس افسر کے خلاف آرڈر کرتے ہیں اس کو تمغہ لگا دیا جاتا ہے۔ چیف جسٹس نے قائم مقام آئی جی سندھ سے سوال کیا کہ رینجرز نے ہمیں کچھ یقین دلایا ہے کہ آپ کراچی میں امن کے لیے کیا یقین دلائیں گے۔ قائم مقام آئی جی نے کہا کہ میں ہاؤس آرڈر کروں گا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ آپ نہیں کر سکتے۔ جسٹس امیر ہانی مسلم نے کہا کہ آپ کی آواز اور باڈی لینگویج سے لگتا ہے کہ کچھ نہیں کر سکتے۔ چیف جسٹس نے کہا کہ پولیس والا مرتا ہے تفتیشی افسر کہتا ہے کہ پیسے دو ورنہ سی کلاس کردوں گا۔ جسٹس جواد خواجہ نے ریمارکس دیے کہ نجومی اور جوتشی بننے کی ضرورت نہیں عمومی صورتحال دیکھ کر ایسی رپورٹ ہم بھی بنا سکتے ہیں۔

چیف جسٹس نے کہا کہ آپ جائیں لوگوں کو تحفظ فراہم کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ کراچی میں فرقہ وارانہ فساد نہیں طاقت کی رسہ کشی ہے۔ آپ کی پولیس فورس پر کچھ لوگوں کا قبضہ ہے۔ کون سا ملک ہے جہاں ہشت گردی کو کنٹرول نہیں کیا گیا۔ جسٹس خلجی عارف حسین نے کہا کہ کراچی میں 40 لاکھ تارکین وطن ہیں جو ہمارے آئین و قانون کے پابند نہیں۔ چیف جسٹس نے سوال کیا کہ سیکرٹری داخلہ سندھ کی رپورٹ کہاں ہے؟۔ جسٹس جواد خواجہ نے وزیر اعلیٰ سندھ اور ایڈووکیٹ جنرل سندھ کے دلائل کے دوران ریمارکس دیے کہ آپ ان سانحات کو ناکامی نہیں مانتے؟ یہ بتائیں کہ 5 کی جگہ اور 50 کی جگہ 500، 5 ہزار یا 5 کروڑ افراد مریں گے تو آپ اس کو ناکامی تسلیم، 45 کریں گے؟۔ چیف جسٹس نے کہا کہ ہم نے کل بھی کہا تھا کہ ہم وزیر اعلیٰ کا احترام کرتے ہیں لیکن وہ کچھ جانتے ہی نہیں ہیں۔ جسٹس خلجی عارف حسین نے ریمارکس دیے کہ لیاری آپریشن کی کہانی بار بار دھرائی جا چکی ہے اب اس کو کوئی نہیں مانتا۔ 2011 ء میں ہم نے نو گو ایریاز ختم کرنے کا حکم دیا تھا اس کا کیا ہوا؟۔ چیف جسٹس نے کمشنر کراچی سے سوال کیا کہ اگر ہمارے ملک میں حملہ ہو رہا ہو تو کیا ہم انتظار کریں گے کہ پورے ملک پر قبضہ ہو جائے؟۔ لارجر بینچ نے سانحہ عباس ٹاؤن کے تفتیشی افسر کی طرف سے کسی سوال کا جواب نہ ملنے پر برہمی کا اظہار کیا۔ جسٹس خلجی عارف حسین نے کہا کہ جن لوگوں کو شامل تفتیش کرنا تھا انہیں شامل نہیں کیا گیا۔ چیف جسٹس نے کہا کہ اگر سپریم کورٹ کے حکم پر گھر گھر تلاشی ہو جاتی تو

آج کراچی کے حالات بہتر ہوتے۔

جو کوئی بھی کراچی کے حالات پر نظر رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ کراچی میں مسئلہ کس قسم کا ہے۔ گزشتہ دنوں کراچی کی معروف سیاسی تجزیہ کار اور انسٹیٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن کی پروفیسر، ڈاکٹر ہما بقائی کا کہنا تھا کہ کراچی کے بہت سے مسائل کے ساتھ ساتھ اب سیاسی اختلافات بھی منسلک ہوگئے ہیں۔اِس ضمن میں، ہما بقائی نے نئی آبادیوں، نئے انتخابی حلقوں اور لینڈ مافیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ کراچی کے مضافات میں جو بھی ہے، وہ بنیادی طور پر سیاسی اکائیوں کا معاملہ ہے، جِن کی آپس میں رسہ کشی ہے۔ کراچی کے جو بہت سارے مسائل ہیں اور اس کے ساتھ جو کراچی کی آبادی کی سیاسی تقسیم ہے وہ، آپس میں ج±ڑ گئی ہے۔ ہما بقائی کے بقول، کراچی میں جو جماعتیں سیاست کرتی ہیں وہ جرائم پیشہ عناصر کی پشت پناہی کرتی ہیں اور ان کے بل پر سیاست کرتی ہیں، اور یہ جماعتیں اِن عناصر پر واضح کنٹرول رکھتی ہیں اور تشدد کی فضا پھیلاتی ہیں۔ انھوں نے اِس بات کی طرف بھی نشاندہی کی کہ کراچی کی جتنی بھی سیاسی جماعتیں ہیں ان سب کے 'لڑاکا وِنگ' ہیں جو اپنے 'اسکور سیٹلنگ' کے لیے پارلیمان کو نہیں بلکہ 'اسٹریٹ' کو استعمال کرتی ہیں۔ ان کے الفاظ میں: 'کراچی میں وہ طاقت ور ہے جو کراچی کا امن تباہ کرسکتا ہے۔' ہما بقائی نے کہا کہ کراچی کے مسئلے کا حل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک سیاسی جماعتیں اپنا

وطیرہ نہیں بدلتیں اور اپنی اسکور سیٹلنگ سڑکوں پر نہیں کرتیں۔ ہما بقائی نے کہا کہ کراچی کا مسئلہ ا±س وقت تک حل نہیں ہوگا جب تک عام ووٹرز کھل کر کراچی کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے اپنے ووٹ کی طاقت استعمال نہیں کریں گے۔ادھر پاکستان انسٹی ٹیوٹ فور ڈویلپمنٹ اکانامکس کے سربراہ ڈاکٹر ظفر معین کا کہنا تھا کہ کراچی جو پاکستان کا اقتصادی گڑھ ہے، وہاں امن و امان کی خراب صورتِ حال سے کراچی کی معیشت ہی نہیں بلکہ پورے ملک کی معیشت متاثر ہوتی ہے اور بین الاقوامی طور پر بھی ایک غلط سگنل جاتا ہے۔ ان کے بقول سیاسی لیڈروں کی یہ ذمہ داری ہے کہ اِس طرح کی صورتِ حال نہ پیدا ہو اور اگر پیدا ہو بھی رہی ہو تو اس کو مناسب طریقے سے طے کیا جائے، تاکہ کراچی جسے روشنیوں کا شہر کہا جاتا ہے وہاں حالات سازگار رہیں۔

اسی قسم کا تجزیہ فرانس کے ایک سیاسی مبصر نے بھی کیا تھا۔فرانس کے ایک سیاسی مبصر نے خدشہ ظاہر کیا کہ سیاسی تشدد، نسلی تفریق اور سیاسی تنظیمیوں کی سرپرستی میں چلنے والی دہشت گرد تنظیموں کے باعث کراچی نیا بیروت بنتا جا رہا ہے۔ پاکستان کے دورے پر آئے فرانسیسی پولیٹیکل سائنسدان لارینٹ گیئر کا کہنا تھا کہ ملک کا سب سے بڑا شہر لاقانونیت، ٹارگٹ کلنگ کی صورت میں پہلے ہی عذاب جھیل رہا تھا تاہم اب سیاسی جماعتوں میں بھتہ مافیا کی صف بندیوں اور اس میدان میں نئے کھلاڑیوں کی آمد سے کراچی کی تاجر و صنعت کار

برادری کی زندگی جہنم بن گئی ہے۔لارینٹ نے بتایا کہ شہر کی تاجر برادری ویسے تو زندہ رہنے اور کاروبار کرنے کے لیے گزشتہ دو دہائیوں سے بھتہ دے رہی ہے لیکن حالیہ سالوں میں بھتہ خوروں کے مطالبات گنجائش سے زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ لارینٹ نے اپنی تحقیق میں کراچی کو ممبئی سے تشبیہ دیتے ہوئے دعویٰ کیا کہ کراچی میں بھی علاقائی سیاسی جماعتوں کے اپنے مسلح گروپ موجود ہیں۔ 'تاہم پڑوسی ملک افغانستان میں جنگ کی وجہ سے ممبئی کے مقابلے میں کراچی میں تشدد کہیں زیادہ ہے'۔ ان کا کہنا ہے کہ اس وقت کراچی میں جدید اسلحہ کی بھرمار ہے، جسے تمام ہی سیاسی جماعتیں ایک دوسرے کے خلاف استعمال کر رہی ہیں۔ شہر میں تقریباً تمام ہی سیاسی اپنا اثرورسوخ قائم کرنے کے لیے تشدد کی راہ اختیار کرتی ہیں، جس کی وجہ سے شہر کے امور چلانا انتہائی مشکل ہو گیا ہے'۔فرانسیسی محقق کے مطابق، جس طرح کراچی مین تشدد اپنی شکل و صورت تبدیل کر رہا ہے، لوگوں کے لیے اسے کنٹرول کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ وزیر داخلہ عبدالرحمٰن اس بات کا کئی بات اقرار بھی کر چکے ہیں کہ کراچی کے حالات کی ذمہ دار سیاسی جماعتیں ہیں، سب کے پاس لڑاکا گروپ ہیں۔یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ کراچی میں حالات کون خراب کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود کوئی اس قوت کا نام لینے کی جرات نہیں کرتا، بلکہ وہ ہمیشہ نامعلوم ہی رہتا ہے۔ اس حوالے سے دو روز قبل مختلف تجزیہ کاروں نے اپنے تاثرات کا اظہار کچھ اس طرح سے کیا۔ڈاکٹر شاہد مسعود نے کہا 'نامعلوم نام کراچی میں آج کل سب سے زیادہ

مشہور ہے، مسٹر نامعلوم، نامعلوم بچہ، نامعلوم والد، نامعلوم محترمہ، نامعلوم حکومت وغیرہ وغیرہ'۔ہارون رشید نے ٹویٹ کی کہ 'اس سارے معاملے میں جو واحد نامعلوم ہے وہ حکومت سندھ ہے'۔ سوہا خان آغا نے کہا 'کراچی شہر کا بند ہونا سب سے تیز بند ہونا تھا،اس کا سہرا ہے نامعلوم افراد کے سر۔' مشہور صحافی غازی صلاح الدین نے ٹویٹ کی 'کراچی پولیس کو ان نامعلوم افراد کو بھرتی کرنا چاہیے جو شہر کو دو منٹ میں بند کروا سکتے ہیں کیونکہ پولیس دھماکے کی جگہ پر تین گھنٹے تک نہیں پہنچ سکتی۔' باسط اوپائی ٹویٹ کرتے ہوئے کہتے ہیں 'اور نامعلوم افراد نے تمام اہل اقتدار کو بتا دیا ہے کہ کراچی شہر کا مالک اصل میں کون ہے۔'حنا صفدر نے ٹویٹ کی کہ 'نامعلوم افراد 'حرکت میں ہیں جبکہ معلوم افراد پوشیدہ ہیں۔

دوسری طرف یہ بھی خیال رہے کہ وقت کے ساتھ عالمی طاقتوں کے مفادات بھی کراچی سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ کراچی اس وقت افغانستان میں موجود نیٹو کی افواج کو توانائی اور خوراک پہنچانے کے لیے ہب کی حیثیت رکھتا ہے۔ امریکا اور اس کے اتحادی چاہتے ہیں کہ کراچی میں اس طرح کا امن ہو جو انہیں مشکلات سے دوچار نہ کرے۔ مغربی ممالک اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کراچی کا کنٹرول اگر ان کے پروردہ لوگوں کے پاس ہو تو انہیں آسانی ہے۔ یہ بھی اطلاعات ہیں کہ کراچی اور کوئٹہ میں ہونے والی خونریزی گوادر پورٹ چین کو دیے جانے کا

رد عمل ہے۔ تخریب کاری کے تمام واقعات میں ایک ہی قسم کا مواد استعمال ہو رہا ہے۔
ان کاروائیوں کے پیچھے "را" اور دوسری ملک دشمن ایجنسیاں شر پسند عناصر کی معاونت
کر رہی ہیں۔

شہر بے اماں

کراچی کے بارے میں اب تک لاکھوں نہیں تو بلا مبالغہ ہزاروں کالم اور اداریے ضرور لکھے جا چکے ہیں، جن میں ہر زاویے سے شہر بے اماں کے مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نومبر 1994ء میں لندن سے شائع ہونے والے "ٹائمز" کے ایک مضمون میں کراچی کو " بکھرے خوابوں کا شہر " قرار دیا گیا تھا۔ حقیقت بھی کچھ اسی طرح ہے کہ کراچی بکھرے خوابوں کا شہر بن چکا ہے جس کے روز نجانے کتنے خواب بکھرتے ہیں۔ کسی دور میں یہ شہر امن کا گہوارہ ہوا کرتا تھا لیکن آج بدامنی کا استعارہ بن کر رہ گیا ہے۔

سمندر کے کنارے آباد "کولاچی جو گوٹھ " گاوں میں کولاچی نامی قبیلہ آباد تھا۔ جس کے مکینوں کا گزر بسر ماہی گیری پر تھا۔ مشہور ہے کہ " مائی کولاچی " نامی ایک خاتون نے اپنی جان پر کھیل کر سمندر میں پھنس جانے والے اپنے شوہر اور اس کے ساتھیوں کی جان بچائی تھی جس کے باعث اس گاوں کو " مائی کولاچی جو گوٹھ " کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا، وقت کے ساتھ ساتھ اس نام میں تبدیلی آتی گئی ۔ مائی کولاچی سے مائی کلاچی اور پھر کراچی ہوگیا۔ ماضی میں جب بھی کراچی کا ذکر آتا تھا تو اس کی محبت، اخوت، وسعت دامانی اور بھائی چارے کا تصور ذہن میں ابھرتا تھا۔ اس شہر کے دن اور رات یکساں جاگتے تھے۔ یہاں کے

فٹ پاتھ اور پارک دن میں لوگوں کے لیے آمد و رفت اور تفریح کے مواقع فراہم کرتے اور رات کو غریب اور مزدوروں کا آشیانہ بن جاتے تھے۔ چونکہ کراچی ملک کی 60 فیصد صنعت اور 70 فیصد تجارتی سرگرمیوں کا مرکز ہے، اس لیے پورے ملک سے آبادی کا بہاؤ اس جانب ہونا فطری امر ہے۔اس شہر نے ہمیشہ ایثار و محبت کو فروغ دیا اور ہر آنے والے کو اپنے دامن میں پناہ دی۔ ملک بھر سے رزق کے متلاشی کراچی کا رخ کرتے تھے، اس شہر نے کبھی کسی کو مایوس واپس نہیں کیا، ہمیشہ خوش آمدید کہا اور ایک ماں کی طرح اپنی آغوش میں پناہ دی۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر لوگ تلاش معاش کے لیے یہاں آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑا ویران حصہ گنجان آباد علاقے میں تبدیل ہو گیا۔ سستی اور وافر افرادی قوت کے باعث ملک بھر سے سرمایہ کاروں نے کراچی کا رخ کیا اور بے شمار کارخانے کراچی کی رونق اور کشش میں روز افزوں اضافہ کرنے لگے۔

قیام پاکستان کے وقت کراچی چار لاکھ آبادی کا ایک انتہائی پرسکون تجارتی مرکز تھا۔ قیام پاکستان کے بعد ہندوستان اور ملک کے مختلف حصوں سے تقریباً 13 لاکھ افراد نے کراچی میں پڑاؤ ڈالا۔ کراچی میں پاکستان کی تقریباً ہر نسل اور ہر قوم کے لوگ آباد ہیں۔ اس شہر نے دنیا کے تقریباً تمام ممالک کے لوگوں کے لیے اپنے دامن کو وسیع کیا۔ قیام پاکستان کے وقت اس شہر نے اپنے دامن میں بے شمار مہاجرین کو پناہ دی۔ انصار اور مہاجر ایک دوسرے کے دست

وبازو بن گئے جس سے شہر کی رونقیں دوچند ہوئیں اور پھر شہر نے ترقی کی اور دنیا کے نصف درجن کے قریب عظیم شہروں میں اس کا شمار ہونے لگا۔ اس کی دامن وسعت کو دیکھتے ہوئے پاکستان کے کونے کونے سے لوگ یہاں آئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس شہر کی آبادی دو کروڑ کو چھونے لگی۔

پھر حالات نے ایسا پلٹا کھایا، معلوم نہیں کس کی نظر بد لگ گئی، محبتوں کے شہر میں نفرتیں جنم لینے لگیں۔ روشنیوں کا شہر تاریکیوں میں ڈوب گیا۔ جو شہر کبھی عروس البلاد کے نام سے مشہور تھا، آج "شہروں کی دلہن" زخموں سے چور اور لہولہان ہے، ہر آنے والا دن ان زخموں میں اضافہ اور آتش فشاں بننے کی نوید سناتا ہے۔ اس کی سوگوار فضائیں آہ و بکا اور سسکیوں سے گونج رہی ہیں، آشیانے ویران ہو رہے ہیں، بچے یتیم، بیویاں بیوہ اور ماؤں کی آنکھیں خیرہ ہو رہی ہیں، گلیاں سنسان، سڑکیں خون سے رنگین اور ہواؤں میں تخریب کی ایک ب±و سی رچی بسی ہے، سرِراہ موت ننگا ناچ ناچ رہی ہے، پورے شہر میں خوف و ہراس کا سماں اور ہو کا عالم ہے، دن میں تیرگی چھائی رہتی ہے اور سر شام ہی خوف کی حکمرانی قائم ہو جاتی ہے، دن بہ دن حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں، بھتہ مافیا اور لینڈ مافیا کا راج ہے، ٹارگٹ کلنگ کے نتیجے میں بے شمار گھروں کے چراغ گل ہو چکے ہیں۔ کراچی میں انسانی جان سمندر کے ساحل پہ بکھری ریت کے ذروں سے بھی ارزاں ہو گئی ہے۔ لاشیں خزاں رسیدہ پتوں کی طرح گر رہی ہیں۔

کبھی کراچی کے نام سے روشنیوں، رونقوں اور رعنائیوں کا تصور انگڑائی لیتا تھا، آج کراچی کا نام سنتے ہی سفید چادروں میں لپٹی لاشوں، بین کرتی ماؤں، بہنوں، شعلوں میں لپٹی گاڑیوں، بے ہنگم برستی گولیوں، سائرن بجاتی ایمبولینسوں کا منظر نگاہوں میں ابھرتا ہے۔

اس وقت صورتحال اس قدر ابتر اور ناگفتہ بہ ہوچکی ہے کہ مختلف بستیاں صرف لسانی بنیادوں پر قائم ہیں۔ مختلف فرقوں کے لوگ مخصوص بستیوں میں منتقل ہو رہے ہیں۔ کراچی میں اس وقت مختلف مافیاؤں کی غیر قانونی سرگرمیوں کے علاوہ سیاسی جماعتوں کی طرف سے شہر پر قبضے کے رجحان نے بھی اس شہر کو بے اماں کیا ہے۔ پھر مافیاؤں کے کارندے سیاسی جماعتوں کی صفوں میں گھس کر شہر میں مسائل کو دوچند کرنے کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس شہر کی محبتوں کو نفرتوں میں بدلنے میں جہاں اور بہت سے کردار ہیں، وہیں تین آمروں نے ہراول دستے کا کام کیا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس شہر میں نفرت کے بیج تو آمروں نے بوئے بعد میں ان بیجوں کو پانی دے کر تناور درخت سیاسی جماعتوں نے کیا ہے۔ حکام مفادات کے مورچوں میں بیٹھے چین کی بانسری بجانے میں مصروف ہیں۔ تمام سیاسی جماعتیں آپس میں دست و گریباں ہیں۔ حالانکہ پوری دنیا کا یہ اصول ہے کہ جب ملک و قوم پر مشکل اور کڑا وقت آ جائے، اندرونی اور بیرونی سازشیں ہونے لگیں، قومی سلامتی خطرے میں پڑ جائے تو ان گمبھیر حالات میں

تمام افراد، خواہ ان کا تعلق کسی بھی مکتب فکر، کسی بھی سیاسی جماعت، کسی بھی حلقے سے ہو متحد ہو جاتے ہیں۔ اپنے ذاتی مفادات اور لڑائی جھگڑوں کو روک لیتے ہیں، باہم مل بیٹھ کر غور و فکر کرتے ہیں، سوچتے ہیں اور پھر دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جاتے ہیں۔ ان حالات میں ملک کی مذہبی و سیاسی قیادت کو ملک و قوم کی رہنمائی کرنی چاہیے کہ ملکی سلامتی کیسے ممکن ہے؟ لیکن افسوس! اس وقت تمام قیادتیں اپنے مفادات کی تلاش میں ہی سرگرداں ہیں۔

دراصل 1959ء میں دارالحکومت مرگلہ کی پہاڑیوں کے دامن میں منتقل ہونے کے بعد اس شہر سے حکمرانوں کی توجہ بھی ہٹ گئی۔ اس شہر کے لیے وسیع البنیاد ماسٹر پلان تیار نہیں کیا گیا، جو ماسٹر پلان بنا اس پر عمل نہیں ہوا۔ کراچی میں حکومتی پالیسیوں، امن وامان کی مخدوش صورتحال کے باعث روزگار کے ذرایع سکڑ رہے ہیں، جب کہ شہر پر آبادی کا دباؤ مسلسل بڑھ رہا ہے اور شہر کا رقبہ بہت بڑا ہے جس کا کنٹرول سنبھالنا بھی مشکل کام ہے۔ جبکہ جرائم پیشہ عناصر کی سرپرستی سیاسی بنیادوں پہ ہو رہی ہو تو ایسے میں نتائج کا خوف پولیس افسران کو بھی آگے بڑھ کر سیاسی رابطے رکھنے والے جرائم پیشہ گروہوں پر ہاتھ ڈالنے سے روکتا ہے۔ اس طرح نئے تنازعات کا جنم لینا فطری عمل ہے۔ اگر ہم سب فرقہ واریت اور گروہ بندی کو نظر انداز کر کے ملکی مفاد کے لیے سوچنا شروع کر دیں تو نہ صرف کراچی بلکہ وطن عزیز پاکستان تمام خطرات سے نکل سکتا ہے۔ اگر

وطن عزیز کو امن و آشتی کا گہوارا بنانا ہے، کراچی کو ایک بار پھر روشنیوں کا شہر اور
شہروں کی دلہن بنانا ہے، تو ہم سب کو کراچی کی حفاظت کرنی ہو گی۔

مبینہ توہین رسالت - جوزف کالونی نذر آتش کردی گئی

ہفتے کے روز لاہور کے علاقے بادامی باغ میں مبینہ مذہبی گستاخی پر مشتعل ہجوم نے مسیحی برادری کی جوزف کالونی پر حملہ کرکے متعدد مکانوں اور دکانوں کو آگ لگادی، بستی کے مکین خوف کے باعث رات کو ہی بستی خالی کر چکے تھے، اس لیے کسی جانی نقصان کی کوئی اطلاع نہیں آئی۔ جوزف کالونی میں پولیس نے مقدمہ درج کرکے توہین رسالت کے الزام میں ایک نوجوان اوراس کے والد کو حراست میں لے لیا تھا لیکن اس کی گرفتاری ظاہر نہیں کی گئی، جس پر گزشتہ رات سے ہی پورے علاقے میں کشیدگی تھی اور وہاں مظاہرے شروع ہو گئے۔ ہفتے کے روز دن کا آغاز ہوتے ہی مختلف افراد بستی کے باہر اکٹھا ہونا شروع ہو گئے اور انہوں نے ٹولیوں کی صورت میں بستی کی طرف جانے والے مختلف راستوں پر ٹائر رکھ کر آگ لگائی اور بعد ازاں مظاہرین نے بستی کے اندر بھی گھس کر گھروں کو آگ لگانا شروع کر دی۔ اس دوران پولیس نے مداخلت بھی کی، تاہم بپھرے ہوئے ہجوم پر پولیس کا قابو پانا مشکل ہو گیا، مظاہرین نے کئی رکشوں اور موٹر سائیکلوں کو بھی آگ لگادی۔ پولیس نے مداخلت کی کوشش کی تو مشتعل ہجوم نے ان پر بھی پتھراو ¿ شروع کر دیا، اس کے بعد پولیس نے مظاہرین کو بتایا کہ ملزم کو گرفتار کرلیا گیا ہے لیکن اب بات بہت آگے تک پہنچ چکی تھی، اب تو سب کچھ جل چکا تھا۔

متعدد علماء کرام نے واقعہ پر پہنچ کر مشتعل ہجوم سے خطاب کیا۔ مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے علماء کرام کا کہنا تھا کہ اسلام کسی کے ساتھ زیادتی کا درس نہیں دیتا، ہم جلاؤ، گھیراؤ پر یقین نہیں رکھتے، اسلام گھروں کو جلانے کی اجازت نہیں دیتا، مظاہرین قانون کو ہاتھ میں نہ لیں اور پر امن طور پر منتشر ہو جائیں۔ اس کے بعد مظاہرین منتشر ہو گئے۔ پولیس کے مطابق ملزم ساون عرف بودی کے والد چمن مسیح کو بھی حراست میں لیا تھا جسے چھوڑ دیا گیا۔ مشتعل افراد نے شیشے کی بوتلوں میں پیٹرول بھر کر گھروں کے اندر پھینکا جبکہ بعض گھروں کے اندر بھی داخل ہو کر آگ لگاتے رہے، آبادی کو جانے والے راستوں پر تعینات کرنے کے لیے شہر بھر سے خصوصی طور پر نفری منگوائی گئی، پولیس نے خاردار تار لگا کر علاقے کو سیل کر دیا۔ مظاہرین میں 10 سے 25 سال تک کے نوجوانوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اکثریت پینٹ شرٹ میں ملبوس تھی۔

بادامی باغ میں مسیحیوں کے گھر نذر آتش کیے جانے پر سیاسی و مذہبی رہنماؤں نے شدید ردعمل ظاہر کیا۔ رہنماؤں نے توہین رسالت کے مرتکب کی مذمت کی اور مسیحیوں کے مکان جلا کر قانون ہاتھ میں لینے والوں کے خلاف کارروائی کا مطالبہ بھی کیا۔ جماعت اسلامی کے رہنماؤں کا کہنا تھا کہ ملک میں آئین و قانون موجود ہے، جو شخص بھی توہین رسالت کا مرتکب ہوتا ہے اس کے ٹرائل کے

لیے عدالتیں اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اور تفتیش کا باقاعدہ طریقہ ہوتا ہے لیکن اس کی آڑ میں لوگ خود قانون کو ہاتھ میں لے لیں یہ مجرمانہ فعل ہے جس کی ملک کا آئین و قانون ہر گز اجازت نہیں دیتا۔ جے یو آئی (ف) اور دوسری کئی مذہبی جماعتوں نے بادامی باغ میں ہونے والے واقعہ کی فوری تحقیقات اور اصل صورتحال سے قوم کو آگاہ کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ جے یو آئی کے رہنماؤں مولانا رشید احمد لدھیانوی، مولانا محمد امجد خان، قاری ثناء اللہ نے توہین رسالت کے مرتکب کے خلاف فوری کارروائی کرنے کا مطالبہ کیا اور احتجاج کے موقع پر پر تشدد واقعات کو افسوسناک قرار دیا، عوام سے پر امن رہنے کی اپیل کی۔ امیر جماعۃ الدعوۃ پاکستان پروفیسر حافظ محمد سعید نے اس واقعہ کی اعلیٰ سطح پر تحقیقات کا مطالبہ کیا اور کہا کہ کسی ایک شخص کے جرم پر عام لوگوں کے گھر جلانا اور ان کے جان و مال کو نقصان پہنچانا کسی صورت درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔ توہین رسالت کی سزا کے لیے باقاعدہ قانون اور عدالتیں موجود ہیں، کسی شخص کو خود قانون اپنے ہاتھ میں لے کر جلاؤ گھیراؤ اور توڑ پھوڑ کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے بادامی باغ کے واقعہ کو پاکستان کے خلاف گہری سازش قرار دیتے ہوئے اسکی پرزور مذمت کی۔ دیگر علماء کرام نے بھی واقعہ کی شدید الفاظ میں مذمت کی۔ جب کہ سیاسی رہنماؤں نے اس واقعہ کی مذمت کم جبکہ پنجاب حکومت کی مذمت زیادہ کی، ان کا کہنا تھا کہ بادامی باغ کے واقعہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ پنجاب

حکومت عوام کے جان و مال کے تحفظ میں بری طرح ناکام ہو گئی ہے۔ یہ افسوسناک واقعہ پنجاب حکومت اور انتظامیہ کی نااہلی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

دوسری جانب وزیراعلیٰ پنجاب شہباز شریف نے مسیحی برادری پر حملہ کرنے والے ملزموں کی 24 گھنٹے میں گرفتاری، جوڈیشل انکوائری کا حکم دیا اور رانا ثنا اللہ کی سربراہی میں 5 رکنی تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دی، متاثرین کے لیے 2،2 لاکھ روپے امداد کا اعلان کرتے ہوئے گھروں کی تعمیر کی ہدایت کی۔ وزیراعلیٰ پنجاب نے کہا کہ مسیحی برادری کا تحفظ میں خود کروں گا، متاثرہ گھروں کی تعمیر سرکاری خزانہ سے کی جائے گی۔

اتوار دوپہر تک وزیر اعلیٰ کی ہدایت پر سانحہ بادامی باغ میں ملوثسو سے زائد مشتبہ شرپسندوں کو حراست میں لینے کی اطلاعات ہیں۔ لاہور پولیس نے سیکڑوں نامعلوم افراد کے خلاف دہشتگردی کی دفعات کے تحت مقدمہ درج کیا، ڈی آئی جی آپریشنز رائے طاہر کے مطابق ہنگامہ آرائی کرنے والوں کی گرفتاری کے لیے چھاپے مارے جارہے ہیں اور ویڈیو فوٹیج سے بھی مدد لی جارہی ہے۔ شرپسندوں کی نشاندہی کے لیے مسیحی برادری کے گھروں پر حملہ کرنے والوں کی تصاویر بھی تیار کی جارہی ہیں۔ ڈی آئی جی آپریشنز لاہور رائے طاہر حسنین کا کہنا تھا کہ رات سے ڈیڑھ سو افراد گرفتار کیے جا چکے ہیں اور مزید ملزمان کی گرفتاریوں کے لیے چھاپے مارے جارہے ہیں۔ چرچ جلانے کے الزام پر بی کے تحت بھی مقدمہ درج ہو سکتا ہے۔ حکومت مختلف 295

ٹھیکیداروں کو 55 گھروں کی تعمیر کا آرڈر دے رہی ہے۔ سیکورٹی کو ہر ممکن انداز میں بہتر بنانے کے لیے اقدامات کر رہے ہیں۔ سانحہ بادامی باغ کے خلاف لاہور، گوجرانوالہ، کراچی سمیت مختلف شہروں میں احتجاجی مظاہرے کیے گئے، لاہور کے علاقے یوحنا آباد میں مسیحی برادری کے مظاہرے میں مشتعل افراد نے نشتر ٹاؤن میٹرو بس سٹیشن کی توڑ پھوڑ کی۔ مظاہرین نے پنجاب حکومت کے خلاف شدید نعرے بازی کی اور ذمہ داروں کو جلد از جلد قانون کے کٹہرے میں لانے کا مطالبہ کیا ہے۔

واضح رہے کہ اس واقعہ سے صرف دو دن پہلے ہی اقوام متحدہ کی کونسل برائے انسانی حقوق کو ایک رپورٹ میں سفارش کی گئی تھی کہ جن ممالک میں توہین مذہب اور مذہب تبدیل کرنے کے خلاف قوانین موجود ہیں ان قوانین کو ختم کر دینا چاہیے۔ اقوام متحدہ کے خصوصی ایلچی برائے آزادیِ مذہب نے رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان قوانین کو آزادیِ اظہار اور اقلیتوں کے حقوق سلب کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کچھ مغربی ممالک میں توہین مذہب کے قوانین موجود ہیں لیکن ان کا اطلاق بہت کم ہوتا ہے۔ انہوں نے پاکستان کا نام لے کر کہا کہ چند مسلمان ممالک جیسے سعودی عرب اور پاکستان میں توہین مذہب کی سزا موت ہے۔ اس لیے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ممکن ہے اس قسم کے واقعات کے پیچھے انہی قوتوں کا ہاتھ ہو جو توہین مذہب کے قوانین کو ختم کروانا چاہتے ہیں

اور متعدد بار اس قسم کے واقعات رونما کروا کر پھر اس واقعہ کی آڑ میں توہین مذہب کے قانون کو ختم کروانے کی مہم چلاتے ہیں، اس قسم کے واقعات کروا کے قوانین کو ختم کروانے کے لیے راہ ہموار کی جا سکتی ہے، ممکن ہے اس بار بھی یہی کچھ ہو۔ اس واقعہ کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے، اس واقعہ میں ملوث افراد ہو سخت سے سخت سزا بھی ملنی چاہیے کیونکہ ایسے واقعات سے دنیا بھر میں مسلمانوں کو جگ ہنسائی ہوتی ہے۔

علماء کرام نے اس واقعہ کی شدید مذمت بھی کی ہے۔ اس واقعہ کی اگر فوٹیج دیکھی جائیں تو اس واقعہ میں ایسا کوئی بھی فرد نظر نہیں آ رہا جس کا حلیہ کسی مذہبی جماعت کے کارکن جیسا ہو۔ جب یہ سب کچھ ہے تو پھر کون لوگ ہیں جنہوں نے اس قسم کے واقعہ کو جنم دیا ہے۔ ہر بار ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی بھی قانون کو پاکستان سے ختم کروانا مقصود ہوتا ہے تو اس سے پہلے ایک فضا تیار کی جاتی ہے، لوگوں کی ذہن سازی کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اس قانون کو ہی ختم کر دیا جاتا ہے، ممکن ہے یہاں بھی ایسے ہی ہو کہ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر یہ کہا جائے کہ توہین مذہب کے قانون کو ختم کر دیا جائے۔ اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ قانون کا غلط استعمال ہوتا ہے، اس لیے اس قانون کو ہی ختم کر دینا چاہیے۔ گزشتہ دنوں بعض مذہبی رہنماؤں کا کہنا تھا کہ اگر توہین رسالت کے مجرموں کو سزا دینے کا قانون ختم کر دیا گیا تو پھر احتجاج کا ایک

طوفان اٹھے گا اور لوگ از خود توہین رسالت کے مجرموں کو سزا دیں گے۔ جب قانون موجود ہی نہ ہوگا پھر تو سو فیصد لوگ خود قانون کو ہاتھ میں لیں گے۔ بعض حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ کوئٹہ اور کراچی میں ہونے والے دھماکے اور لاہور میں بادامی باغ کے واقعے کا ایک ایسے وقت میں ظہور پذیر ہونا جب کہ انتخابات قریب ہیں، یقیناً کچھ معنے رکھتا ہے۔ اس قسم کے واقعات کی آڑ میں مذہبی سیاسی جماعتوں اور ان سیاسی جماعتوں کو جن کے روابط مذہبی جماعتوں کے ساتھ ہیں، ان کے خلاف پروپیگنڈہ کرکے انتخابات میں نقصانات پہنچانا بھی ہو سکتا ہے۔

اسلام آباد میں پر امن انوکھا مظاہرہ

پاکستان میں معاشرے کے سب سے پر امن لوگ دینی مدارس کے طلبہ اور علماء کرام ہی ہیں۔یہی لوگ کسی قدم پر بھی عوام کو تنہا نہیں چھوڑتے بلکہ کی ہر قسم کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔یہی وہ طبقہ ہے جس کے دم سے معاشرے میں دینی مزاج اور شعار اسلام سے محبت و عقیدت باقی ہے ورنہ اہل باطل اور اسلام دشمن قوتوں نے تو مسلمانوں سے اسلام کو نکالنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، جس میں وہ ناکام ہوئے ہیں۔اس سب کے باوجود ایک لمبے عرصے سے پاکستان میں علماء کرام اور دینی مدارس کے طلبہ کی ٹارگٹ کلنگ اور ان کو ہراساں کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔وفاق المدارس العربیہ نے متعدد بار حکومت پاکستان سے اپیل کی کہ علماء کرام اور طلبہ کو تحفظ فراہم کیا جائے، متعدد بار صاحب اقتدار سے اس سلسلے میں ملاقات بھی کی، لیکن ہر بار طفل تسلیوں کے سوا کچھ نہ ملا۔اسی حوالے سے گزشتہ روز وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے ملکی تاریخ کا ایک انوکھا اور پر امن مظاہرہ کیا جس میں وفاق المدارس کی اپیل پر پیر کے روز دن ایک بجے ہزاروں طلبہ اور علماء نے پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے احتجاجی اور علامتی طور پر درس گاہیں لگائیں، احتجاجی دھرنے میں شرکت کے لیے اسلام آباد راولپنڈی، اٹک، جہلم، ایبٹ آباد، ہری پور، مانسہرہ، مری اور دیگر علاقوں سے سینکڑوں گاڑیوں پر

مشتمل قافلے اسلام آباد پہنچے۔ ملک بھر سے جوق در جوق قافلے کتاب بردار احتجاجی مظاہرے میں شریک ہوئے، کتاب بردار احتجاجی مظاہرہ پاکستان میں احتجاج کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے۔ مظاہرے میں ایک دن کا " کیمپ مدرسہ " قائم کیا گیا' طلبہ کو کتابیں ساتھ لانے کی ہدایت کر دی گئی تھی، اس لیے طلبہ اپنی کتابیں بھی ساتھ لے کر کتاب بردار مظاہرے میں شریک ہوئے۔

اس سے پہلے اس سلسلے میں مختلف اضلاع میں وفاق المدارس کے ذمہ داران اور جید علماء کرام کے اجلاس منعقد ہوئے۔ اجلاس کے موقع پر وفاق المدارس کے رہنماؤں مولانا محمد حنیف جالندھری جنرل سیکرٹری وفاق المدارس العربیہ پاکستان، مولانا قاضی عبدالرشید ڈپٹی سیکرٹری جنرل وفاق المدارس العربیہ پاکستان، مولانا ظہور احمد علوی، مولانا نذیر فاروقی، مولانا عبدالغفار اور مولانا عبدالکریم اور دیگر علماء کرام نے کہا کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی اپیل پر یہ احتجاجی مظاہرہ احتجاج کی تاریخ میں ایک نئی مثال رقم کرے گا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ مظاہرہ دینی مدارس کے طلبہ اور اساتذہ کو ہراساں کرنے اور علماء کی ٹارگٹ کلنگ کے خلاف احتجاجی پروگرام کے کا پہلا مرحلہ ہے۔ دوسرے مرحلے میں ملک کے دیگر بڑے شہروں میں ریلیاں نکالی جائیں گی اور دھرنے دیے جائیں گے۔

اجلاس میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے قائدین نے ملک میں دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ کے واقعات پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اسلام اور ملک دشمن عناصر ملک میں افراتفری اور بدامنی پیدا کرکے وطن عزیز کو عدم استحکام کا شکار بنانے اور عام انتخابات کو ملتوی کرانے کے ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں، یہ حکومت کی ناکامی ہے۔ حزب اقتدار، حزب اختلاف اور مقتدر قوتیں مل کر دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ کے خاتمے کے لیے موثر اقدامات کریں۔ کراچی کو اسلحہ سے پاک اور دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ کی روک تھام کیلئے فوج کی سرپرستی میں رینجرز اور پولیس کے ذریعے ٹارگٹڈ آپریشن کیا جائے، کراچی میں علماء اور دینی مدارس کے طلبہ کی قتل و غارت پر ڈی چوک اسلام آباد میں علماء اور طلبہ کتاب بردار پرامن احتجاجی مظاہرہ سے حکمرانوں پر واضح ہوجائے گا کہ مدارس دینیہ اسلحہ بردار نہیں بلکہ کتاب بردار ہیں۔ وفاق المدارس العربیہ کے مرکزی رہنماؤں کا کہنا تھا کہ کراچی کے تاجر، مزدور مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لوگ ٹارگٹ کلنگ کا شکار ہو رہے ہیں اور ہمیں ان سب کی شہادتوں اور نشانہ بنائے جانے پر افسوس ہے۔ مقتدر قوتیں امن خراب کرنے والی ان تنظیموں اور گروپوں سے واقف ہیں لیکن بوجوہ ان پر ہاتھ ڈالنے سے گریزاں ہیں۔۔ مولانا عبدالرشید نے لاہور کے واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ مجرم کو قانون کے تحت کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ کراچی ،

کوئٹہ، لاہور اور پشاور کے واقعات ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔
حکمران غفلت کی نیند سو رہے ہیں، انہیں امن و امان سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم طالبان سے مذاکرات کی حمایت کرتے ہیں حکومت طاقت کی بجائے مذاکرات کی میز پر مسائل حل کرے۔ پیر عزیز الرحمٰن ہزاروی نے کہا کہ پاکستان کے اندر دیگر طبقات کی طرح دینی مدارس کے بھی حقوق ہیں جو طلبہ کو مفت تعلیم خوراک و رہائش کتب فراہم کرنے میں دینی مدارس کے پرامن ماحول کو بدامنی سے خراب کیا جا رہا ہے حالانکہ مدارس میں فوجیوں، پولیس ،ملازمین، وکلائ، تاجروں، زمینداروں اور سیاسی لوگوں سمیت تمام شعبہ ہائے زندگی کے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ مولانا نذیر فاروقی نے کہا کہ دینی مدارس میں علم و آگہی کی تعلیم دی جاتی ہے۔
مولانا ظہور احمد علوی نے کہا کہ کسی حکومتی تعاون کے بغیر کام کرنے والی سب سے بڑی این جی او دینی مدارس کے بارے میں حکمران سنجیدگی کا مظاہرہ کریں ورنہ مدارس خود اپنا تحفظ کریں گے۔ مفتی اویس عزیز نے کہا کہ وفاق المدارس دنیا کی سب سے بڑی این جی او ہے ں حکومت اسے ختم کرنا چاہتی ہے جس پر مدارس احتجاج کے لیے باہر آنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایک طرف پورے ملک میں اور بالخصوص کراچی میں چن چن کر علماء حق اور دینی مدارس کے طلبہ کو سرِعام گولیوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور دوسری طرف اسی مظلوم طبقہ کے

خلاف بے بنیاد اور جھوٹا پراپیگنڈہ کیا جارہا ہے اور ملک میں ہونے والی ہر دہشت گردی اور تخریب کاری کو مدارس کے ساتھ منسلک کرنے کی گھٹیا کوشش کی جاتی ہے جو کہ عذابِ الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات کے حصول کیلئے اپنے گھر بار چھوڑ کر آنے والے یہ مسافر اللہ کے مہمان ہیں اور آج عالمی سامراج پورے ملک کو دہشت گردی کی آگ میں جھونک کر اور مختلف مکاتب فکر کو نشانہ بنا کر ان واقعات کو فرقہ وارانہ رنگ دینا چاہتا ہے تاکہ اس کی سیاہ کاریوں پر پردہ پوشی رہے لیکن سپریم کورٹ آف پاکستان نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ کوئی فرقہ وارانہ معاملہ نہیں بلکہ سب کا مشترکہ دشمن ہے جو یہ کارروائیاں کررہا ہے۔ قائدین وفاق المدارس نے کہا کہ دینی مدارس کے اساتذہ وطلبہ اور بڑی تعداد میں مذہبی کارکنوں کی مسلسل ٹارگٹ کلنگ پر سرد مہری اور بے حسی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ حکومت پرامن رہنے والوں کو احتجاجی روش اپنانے پر مجبور نہ کرے۔ کراچی میں شہید ہونے والے سیکڑوں علما وطلبہ اور مذہبی کارکنوں کے قاتلوں کے خلاف آپریشن کیا جائے۔ حکمران دہرا معیار اپنا کر فرقہ واریت کو مزید ہوا نہ دیں، بے گناہ انسان شیعہ ہو یا سنی ہر کسی کا قتل افسوسناک اور قابلِ مذمت ہے۔ چیف جسٹس آف پاکستان سے اپیل ہے کہ علماء کرام اور طلبہ کی ٹارگٹ کلنگ کا وہ خود نوٹس لے کر مدارس کو تحفظ فراہم کریں۔

واضح رہے کہ کراچی شہر دینی علوم کا مرکز بھی ہے اوراس شہر میں پاکستان کے ہر کونے سے دین کی تڑپ رکھنے والے ہزاروں طلبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں۔پاکستان بیں سب سے زیادہ دینی مدارس بھی اسی شہر قائد میں ہیں۔ایک اندازے کے مطابق اس وقت کراچی میں دیوبندی دینی مدارس میں رجسٹرڈ تعداد1700 ہے اور اسی طرح سے قریبا3000 مساجد ہیں اور 97فیصد مساجد اور مدارس دیوبندی علماءکے ہیں باقی تین فیصد دیگر فرقوں کے ،اور صورتحال یہ ہے کہ صرف دیوبندی علماء کرام کو ہی ٹارگٹ کیا جارہا ہے۔

گزشتہ چند سالوں میں متعدد علماء کرام کو بے دردی سے شہید کیا گیا ہے۔ صرف جامعہ بنوری ٹاون کے 15 جید علماء کواور11 طلبہ کو شہید کیاجاچکا ہے۔ یہ سلسلہ 3 نومبر 1997 سے شروع ہواجب جامعہ بنوری ٹاؤن کے مولانا حبیب اللہ مختاراور مولانا مفتی عبدالسمیع کو تین ساتھیوں سمیت بزنس ریکارڈروڈ گرومندر پر شہید کیاگیا۔ 18. مئی 2000 ء کو شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ اوران کے ساتھی حاجی عبدالرحمٰن کو نصیرآباد ایف بی ایریاکے علاقے بیں شہید کیاگیا۔ شہید اسلام مولانا مفتی نظام الدین شامزئی 30 مئی 2004ء کوماما بے بی کیئر سکول گرومندر کے قریب شہید کیاگیا۔ 9اکتوبر2004ء کو سینئراساتذہ میں سے مولانا مفتی محمد جمیل خان اور مولاناتونسوی کو شہید کیاگیا۔ 11مارچ 2010ء کو مولانا سعید احمد جلالپوری اوران کے بیٹے حافظ حذیفہ مولانا فخرزمان ،

عبدالرحمٰن کوابوالحسن اصفہانی روڈ پیراڈائز کے مقام پہ شہید کیاگیا جبکہ مولانانعام اللہ کوانچولی سوسائٹی میں شہید کردیاگیا۔ 2011ء میں مولاناارشاداللہ عباسی کو بھی شہید کیاگیا۔ 31 جنوری 2013ء کو مولانا مفتی عبدالمجیددین پوری مولاناصالح محمداور حسان علی شاہ کو شہید کیاگیا۔ ان کے علاوہ مفتی جمیل خان، جامعہ فاروقیہ کے اساتذہ مولانا عنایت اللہ، مولانا حمید الرحمٰن، مفتی اقبال، مولانا انیس الرحمٰن، مفتی عبدالسمیع، مولانا قاری عبدالحفیظ اور مولانا محمد اسلم شیخوپوری سمیت سینکڑوں علماء حق کو صرف کراچی میں شہید کیا جاچکا ہے۔ یہ سلسلہ ابھی بھی نہیں رکا، روزانہ کراچی میں کسی مدرسے کے طالب علم، عالم دین، امام مسجد یا کسی دینی جماعت کے کارکن کو شہید کردیا جاتا ہے، لیکن حکومت ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ حالانکہ شہید کیے جانے والے علماء کرام مکمل طورپر پرامن ہوتے ہیں، وہ کسی ایسی سرگرمی میں ملوث نہیں ہوتے جن پر کوئی الزام لگایا جاسکتا ہو۔اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ بعض قوتیں شہر کراچی کو دینی شخصیات اوردینی مراکز سے محروم کرنا چاہتی ہیں۔

اتنا ظلم برداشت کرنے کے باوجود بھی وفاق المدارس نے پرامن احتجاج کرکے ایک تاریخ رقم کردی ہے، وفاق المدارس العربیہ کے پاکستان میں ہزاروں مدارس اور بلا مبالغہ لاکھوں طلبہ کرام ہیں، اگر وفاق المدارس بھی باقی لوگوں کی

طرح چاہے تو پر تشدد احتجاج کے ساتھ ملک بھر کو اپنی ایک کال پر بند کر سکتا ہے لیکن وفاق المدارس کی قیادت نے انوکھا اور ایک پر امن کتاب.بردار مظاہرہ کرکے یہ ثابت کردیا کہ ہم پر امن لوگ ہیں۔ ہمیشہ ملک میں امن ہی چاہا ہے،۔

وینزیلا میں ایک اور ہوگو شاویز

باالآخر چودہ سال تک وینزویلا کے عوام کے دل و دماغ پر حکمرانی کرنے والے ہوگو شاویز بھی اپنے حمامیوں کو روتا ہوا چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ہوگو شاویز کے انتقال سے ان کے حامیوں اور لاطینی امریکا کے بائیں بازو کے اتحاد کو ایک بڑا دھچکا لگا ہے۔ اس نے جس دھڑلے سے اپنا دور اقتدار گزارا اس کی مثال شاذو نادر ہی ملتی ہے۔ وہ وقت کی سپر پاؤر رکھے جانے والے امریکا کے حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور ان کے روبرو سینہ تان کر حکمرانی کرتا رہا۔ سابق صدر جارج ڈبلیو بش کی انتہا پسندانہ اور جنگ پسندی پر مبنی جارحانہ پالیسیوں کی شدید مخالفت کرتا رہا، ایک مرتبہ تو اقوام متحدہ میں خطاب کرتے ہوئے امریکی صدر بش کو بدبودار شخص کہنے سے بھی گریز نہیں کیا۔

ہوگو شاویز نے اپنے دور اقتدار میں غریب پرور معاشی پالیسیاں اپنائیں جس کی وجہ سے سرمایہ دار طبقہ اسے اپنا مخالف سمجھتا تھا۔ وہ اسرائیل کی فلسطین کش پالیسیوں کا بھی شدید نقاد تھے اور اس نے فلسطینی نصب العین کی ہر پلیٹ فارم پر حمایت کی۔

ہوگو شاویز نے اسرائیل کو ایک استعماری ملک اور اسرائیلی حکومت کو ایک "نسل کش" حکومت قرار دے دیا تھا۔ ہوگو شاویز نے کہا تھا کہ

اسرائیل فلسطینیوں کی نسلی کشی کر رہا ہے۔ اسرائیل پر پابندیاں عائد کرنے کی ضرورت ہے۔ اسرائیل کو دوسرے ملکوں کی طرح جینے کا حق حاصل ہے لیکن اسے بھی فلسطینیوں کی آزادی کا احترام کرنا چاہیے۔ اس نے بے شمار ایسے بہادرانہ اقدامات کیے جو صرف ہوگو شاویز کا ہی خاصا تھے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہوگو شاویز کے بعد بھی اس کی پالیسیوں پر عمل ہوتا رہے گا؟ اس حوالے سے گزارش ہے کہ ہوگو شاویز کے بعد وینزویلا کے نائب صدر نکولس ماڈورو ہیں جن کو خود ہوگو شاویز نے اپنی زندگی میں ہی ملک کا نائب صدر مقرر کر دیا تھا، انہیں شاویز کا جانشین بھی سمجھا جاتا ہے۔ آئندہ انتخابات تک وہی ملک کے قائم مقام صدر کے عہدے پر رہیں گے۔ آئندہ انتخابات میں ان کے لیے اکتوبر 2012ء کے انتخابات میں شاویز سے شکست کھانے والے مرانڈا کے گورنر ہنریک کیپریلس مضبوط حریف ثابت ہو سکتے ہیں۔ لیکن امید یہی ظاہر کی جا رہی ہے کہ نکولس ماڈورو میدان مار لے گا۔ ایک حالیہ پول سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماڈورو اپنے مخالفین سے آگے ہیں کیونکہ ان کی منظوری ہوگو شاویز نے خود دی ہے۔

وینزویلا کے عوام نے شاویز کے نعرے کی مکمل حمایت کی، اس کا ساتھ دیا اور اس سے شدید محبت کی، اسی لیے شاویز 14 سال تک صدر کے عہدے پر فائز رہے۔ جب وہ

دسمبر 1998ء کو پہلی بار وینزویلا کے صدر منتخب ہوئے، ان کی ہر دلعزیز اور 6 غریب پرور پالیسیوں کے سبب عوام نے انہیں لگاتار تین بار صدر منتخب کیا اور پھر ہوگو شاویز کی موت کا اعلان کرتے ہوئے کہا گیا کہ " جو لوگ زندگی کے لیے مرتے ہیں وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔" جس ہوگو شاویز سے لوگ اس قدر محبت کرتے ہیں اسی شاویز نے علالت کے تین ماہ کے دوران نکولس ماڈورو کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ جو عوام شاویز کے ساتھ بے انتہا محبت کرتے ہوں وہ عوام اس کے جانشین کو بھی منتخب کروا سکتے ہیں۔

یہ بات واضح رہے کہ نکولس ماڈورو صرف اس لیے شاویز کے عہدے پر نامزد فائز ہوئے کہ وہ شاویز کے کٹر وفادار تھے۔ 1997ء میں شاویز نے جب نئی پارٹی کی بنیاد رکھی تو ماڈورو نے اس میں شمولیت اختیار کی۔ 1992ء میں جب شاویز ایک ناکام بغاوت کے باعث جیل میں تھے تو ماڈورو نے گلیوں میں ان کی رہائی کے لیے احتجاجی مظاہروں کی مہم کی قیادت کی تھی اور ماڈورو کی اہلیہ سیلیا قانون دانوں کی اس ٹیم کی قیادت کر رہی تھیں جس نے شاویز کو دو سال کے اندر جیل سے رہا کروانے میں مدد دی تھی۔ اس نے ہی شاویز کے خلاف بغاوت کو شکست دی تھی۔ میکسکو میں وینزویلا کے سابق سفیر ولادیمیر ولیگاس کا کہنا ہے کہ ماڈورو نے ہمیشہ شاویز کی غیر مشروط پیروی کی لیکن اس لیے نہیں کہ وہ اس کے علاوہ کچھ اور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اب جیسے توقع ظاہر کی جارہی ہے کہ آئندہ انتخابات میں نکولس ماڈورو کامیاب ہوجائے گا تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ شاویز کے دور کی پالیسیوں پر ہی عمل پیرا رہے گا، جن میں نیشنلائزیشن، معیشت پر سخت ریاستی کنٹرول، اپنے اتحادیوں اور مسئلہ فلسطین کی حمایت اور امریکا کے خلاف سخت رویہ اپنانا شامل ہے۔ ابھی تو ان کی پہلی ترجیح انتخاب جیتنا ہے اور اس کا مطلب شاویز کے اتحاد کی جانب سے ان کی مکمل حمایت ہے، ان کے مخالفین انہیں شاویز کی ناقص نقل قرار دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ وہ طوطے کی طرح اپنے باس کے الفاظ رٹتے رہتے ہیں۔ لیکن ماڈورو کے سابقہ ریکارڈ سے لگتا ہے کہ وہ واقعی شاویز کی پالیسیوں پر عمل پیرا ہونے والے شخص ہیں۔ ماڈورو کے آئندہ صدر منتخب ہوجانے کا مطلب یہ ہوا کہ امریکا کے راستے میں بدستور وینزویلا کی دیوار کھڑی رہے گی کیونکہ ماڈورو شاویز کی پالیسیوں کو ترک نہیں کریں گے۔ نکولس میڈورو شاویز کی جگہ صدر کے فرائض انجام دیتے ہوئے اپنے باس کی حکمت عملی اور پالیسیوں پہ عمل پیرا رہے۔ وہ انہی کا طرز تقریر اور امریکا مخالف ویسا ہی لہجہ استعمال کرتے رہے ہیں اور یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ آئندہ انتخابات جیتنے کے لیے شاویز کا طرز اختیار کیے رکھنا بھی ضروری ہوگا اور اشتراکی انقلاب کے علمبردار بنے رہیں گے جس کا دعویٰ شاویز کیا کرتے تھے۔ کیونکہ عوام کا دل جیتنے کے لیے ہوگو شاویز کا طرز اپنانا لازمی ہوگا۔

انہوں نے ابھی تک اس بات کا کوئی اشارہ بھی نہیں دیا کہ وہ شاوینز کی پالیسیوں کو تبدیل کریں گے۔

اگرچہ ان کی شخصیت شاوینز کی مشہور کرشمہ ساز شخصیت کے قریب نہیں پہنچی لیکن ماڈورو دھواں دار تقریروں، تاریخی حوالہ جات، دھوکہ داروں اور فریبی حریفوں پر الفاظ کے تیز و تند کوڑے برسانے میں انہی کی نقل کرتے ہیں۔ ماڈورو نے سرکاری ٹیلیویژن پر کہا کہ شاوینز نے ہمیں جو رستہ دکھایا ہے ہم اپنے مقاصد، منصوبوں کی تکمیل کے پروگرام پر سختی کے ساتھ کاربند ہیں۔ ہمارے عوام ایک ایسے سماجی ماڈل کو مستحکم کریں، جو سب کو تحفظ، معاشی استحکام، ترقی اور حقیقی جمہوریت بخشے گا۔ شاوینز کی طرح ماڈورو نے بھی نجی کاروبار کو وینزویلا کے مسائل کا سبب بتایا جو ذخیرہ اندوزوں اور سٹے بازی پر مبنی ہوتا ہے۔ ان کے نظریات بھی وہی ہیں جو شاوینز کے تھے لیکن وہ ان کے دلنشیں انداز کو اپنانے میں ناکام رہے ہیں۔ وزیر خارجہ کی حیثیت سے ماڈورو نے دنیا بھر کا سفر کیا اور امریکا کی پالیسیوں کی کھل کر مذمت بھی کی۔ وزیر خارجہ کی حثیت سے ماڈورو نے ہمیشہ شاوینز کی ہدایت کی پیروی کی اور انہی کے دیے گئے خطوط پر کام کرتے رہے۔ وہ امریکا کی مخالفت میں شاوینز کی طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے اس کا واضح ثبوت شاوینز کی موت پر سامنے آیا جب وینزویلا کے نائب صدر نکولس میڈورو نے ہوگو شاوینز کی موت کا ذمہ دار امریکا کو ٹھہراتے

ہوئے کہا کہ امریکا نے انہیں جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے زہر دیا ہے جبکہ دو امریکی سفیروں کو جاسوسی کے الزام میں ملک بدر بھی کر دیا گیا۔ نکولس میڈورو نے کہا کہ دونوں سفیروں نے جاسوسی کرکے ہوگو شاویز کو زہر دینے میں کردار ادا کیا۔ اب دیکھتے ہیں کہ نکولس ماڈورو کس حد تک اپنے باس ہوگو شاویز کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ یہ تو وقت ہی بتائے گا۔

پاک ایران سربراہان کا جرات مندانہ فیصلہ

پاکستانی اور ایرانی سربراہان نے امریکا کی تمام تر دھمکیوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے پاک ایران گیس پائپ لائن کا افتتاح کرکے یقینا ایک اہم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ تمام ممالک کو اپنے مفاد عزیز ہوتے ہیں اور یہ ہر ملک کا بنیادی حق ہے کہ تمام اقدامات اپنے مفادات کو پیش نظر رکھ کرے۔ پاک ایران گیس پائپ لائن منصوبہ پاکستان کے لیے انتہائی مفید اور ضروری ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ دس برس میں تیل کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے پاکستان میں گیس کے بطور مرکزی ایندھن استعمال میں اضافہ ہوا۔ پاکستان میں گیس کا استعمال تو بڑھا لیکن اس کی پیداوار میں اس شرح سے اضافہ نہیں ہوا بلکہ پیداوار کم ہوتی گئی۔ بلوچستان کے علاقے سوئی میں واقع گیس کے مرکزی ذخائر تیزی سے ختم ہو رہے ہیں اور ابھی تک ہم اس پیمانے کے نئے ذخائر دریافت نہیں کرسکے ہیں۔

پاکستان میں گیس کے ذخائر کی مقدار 31.03 ٹریلین مکعب فٹ ہے۔ ان میں سے روزانہ 4.2 ارب مکعب فٹ روزانہ استعمال ہو رہی ہے۔ پیٹرولیم انسٹیٹیوٹ آف پاکستان کے مطابق 2025ء میں یہ مقدار ایک ارب مکعب فٹ تک رہ جائے گی۔ آج ہماری کمی ایک ارب مکعب فٹ روزانہ سے کچھ زیادہ ہے، بارہ سال بعد یہ کمی

آٹھ ارب مکعب فٹ روزانہ تک پہنچ جائے گی اور یہی پاکستان کی قدرتی گیس کے متبادل ذخائر کی تلاش میں جلدی کی بنیادی وجہ ہے۔ جبکہ ہماری ضرورت پوری کرنے کے لیے اس منصوبے سے یومیہ 75 کروڑ مکعب فیٹ گیس کی درآمد کے لیے ایرانی کمپنی پاک ایران بارڈر سے پاکستان میں پائپ لائن تعمیر کرے گی۔ بیالیس انچ قطر کی اس پائپ لائن کی کل لمبائی 2775 کلومیٹر ہے جس میں سے 785 کلومیٹر طویل پائپ لائن پاکستان میں بچھے گی۔ دس دسمبر 2014ء تک پاکستان کو ایران سے گیس کی فراہمی شروع ہو جائے گی۔ پاکستان کو ایران کے جنوب میں واقع پارس گیس فیلڈ سے 56 انچ قطر کی پائپ لائن کے ذریعے گیس فراہم کی جائے گی، گیس پائپ لائن پر کل لاگت کا تخمینہ 7 ارب 50 کروڑ ڈالرز لگایا گیا ہے جبکہ پائپ لائن کے ذریعے پاکستان کو 55 ارب مکعب میٹر گیس سالانہ مل سکے گی جبکہ 2 ہزار میگاواٹ اضافی بجلی سسٹم میں شامل ہو گی۔

پاک ایران گیس منصوبہ بلاشبہ پاکستان کے مفاد میں ہے، جس کی شروعات 1994ء میں ہوئیں لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر التوا کا شکار رہا۔ پاک ایران گیس پائپ لائن منصوبے پر پیش رفت کی خبروں کے بعد سے امریکا کے لیے پاکستان ایران گیس منصوبہ سوہان روح بنا ہوا ہے۔ وہ اس منصوبے کی ہر طرح سے مخالفت کر رہا ہے۔ امریکا پاک ایران گیس پائپ لائن منصوبے کو روکنے کیلئے دھمکیوں پر اتر آیا ہے اور پاکستان کو خبردار کیا ہے کہ پابندیوں کی زد میں آنے والے امور

سے دور رہا جائے۔ امریکی سابق وزیر خارجہ ہلری کلنٹن پاکستان کو دھمکی دے چکی ہیں کہ اگر پاکستان نے پائپ لائین کی تعمیر شروع کی تو اس سے امریکی قانون کی خلاف ورزی ہوگی جس کے اثرات پاکستان اور ایران دونوں پر پڑ سکتے ہیں۔ امریکا کا اصرار ہے کہ پاکستان کے پاس توانائی بحران کم کرنے کے دیگر راستے بھی موجود ہیں جن میں ترکمانستان کے گیس فیلڈ سے افغانستان کے راستے گیس پائپ لائن بھی شامل ہے۔

پاک ایران گیس پائپ لائن کے افتتاح کے بعد امریکا نے ایک بار پھر دھمکی دیتے ہوئے خبردار کیا اور پاک ایران گیس لائن منصوبے پر اپنے تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے امریکی محکمہ خارجہ کی ترجمان نے کہا ہے کہ ' ہم نے ماضی میں دس سے پندرہ بار سن رکھا ہے کہ اس منصوبے کا اعلان کر دیا گیا ہے اور اس لیے ہمیں دیکھنا ہے کہ حقیقت میں کیا ہوتا ہے۔ پاکستان پر پابندیوں کے خدشات کو کم نہیں کیا جا سکتا ہے اور اگر منصوبہ آگے بڑھتا ہے تو ہمیں سخت تشویش ہے کہ پابندیوں کا اطلاق ہو سکتا ہے۔' انہوں نے کہا کہ ایک ایسے وقت جب امریکا توانائی کے شعبے میں پاکستان کے ساتھ مل کر کام کر رہا ہے اور اگر گیس پائپ لائن منصوبہ حقیقتاً آگے بڑھتا تو یہ پاکستان کو غلط سمت میں لے جائے گا۔

ایک طرف امریکا پاکستان کو دھمکیاں دے رہا ہے جبکہ دوسری جانب عالمی ذرائع ابلاغ کا کہنا ہے کہ امریکا کی دھمکیاں صرف ڈرانے کے لیے ہیں حقیقت میں وہ ان دنوں اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ اپنی دھمکیوں پر عمل کرسکے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکا اس وقت افغانستان میں بری طرح پھنسا ہوا ہے اور وہ افغانستان سے انخلاء کا منصوبہ بنا رہا ہے، امریکا افغانستان کی جنگ سے تنگ آچکا ہے، اب وہ یہاں سے جانا چاہتا ہے۔ امریکی وزیر دفاع لیون پنیٹا نے گزشتہ دنوں ایک بیان میں کہا تھا کہ بہت لمبی اور بے حد مہنگی افغان جنگ اب اپنے آخری باب میں داخل ہو گئی ہے۔ اسی لیے امریکا نے 2014ء میں افغانستان سے واپسی کا وقت بھی دیا ہے۔ امریکی وزیر دفاع کے ساتھ ہونے والی ملاقات میں افغان صدر حامد کرزئی کا دعویٰ تھا کہ افغانستان بہت جلد اپنے طور پر اپنے دفاع کے قابل ہو جائے گا۔ امریکا کو ان حالات میں پاکستان کی اشد ضرورت ہے، کیونکہ پاکستان کے تعاون کے بغیر امریکا طالبان کے ہاتھوں افغانستان سے سلامتی کے ساتھ واپس نہیں جاسکتا، امریکا افغانستان سے نکلنے کے لیے پاکستان کا محتاج ہے، وہ پاکستان کو پابندیوں میں جکڑ کر اپنے لیے مزید مشکلات نہیں کھڑی کرنا چاہتا۔ اس کی دھمکیاں صرف خالی خولی ہیں۔ "دی اسٹریلین" کے مطابق امریکی حکام پاکستان پر شاید پابندیاں عائد کردیں، لیکن ماہرین کا کہنا ہے کہ امریکی حکام افغانستان سے امریکی فوج کے بحفاظت انخلاء کے لیے پاکستان کی اہمیت کو بھی مد نظر رکھ رہا ہے۔ اگر امریکا نے پابندیاں عائد کیں تو وہ صرف

علامتی ہوں گیں، اس کے اثرات پاکستان پر زیادہ دیر نہیں رہیں گے۔ چینی جریدے مارننگ پوسٹ کے مطابق ماہرین اور سیاسی تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ پاکستان کی پوزیشن اس وقت امریکا کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہے کیوں کہ امریکا اس وقت طالبان کے ساتھ مذاکرات کے آغاز اور انخلاء کی حکمت عملی کے حوالے سے پاکستان کے دباؤ میں ہے، امریکا افغانستان سے بحفاظت انخلاء کے لیے پاکستان کی عملی مدد کا طالب ہے جس کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ امریکی حکومت پاک ایران گیس پائپ لائن کے بارے میں خالی خولی دھمکیاں دے رہا ہے۔

یہ تو واضح ہوچکا کہ امریکا پاک ایران گیس منصوبے پر عمل کرنے کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنا نہیں چاہے گا، اب ہمارے حکمرانوں کو چاہیے کہ اس منصوبے کو پورے اخلاص کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔ پاکستان توانائی کے بحران کا شکار ہے، اس بحران کو اسی منصوبے کے ذریعے ختم کیا جاسکتا ہے۔ ایسے حالات میں پاک ایران گیس پائپ لائن منصوبہ ایک اچھا اور انتہائی مفید قدم ہے۔ اگرچہ منصوبے کو شروع کرنے کا اعزاز موجودہ حکومت کو حاصل ہوا ہے لیکن اس کی تکمیل کا سارا کام اگلی حکومت کے عہد میں ہوگا، اس لیے یہ ضروری ہے کہ ابھی سے یہ طے کرلیا جائے کہ حکومت چاہے کوئی بھی ہو، یہ منصوبہ بہرحال مکمل ہوگا اور اس سلسلے میں کوئی عالمی یا امریکی دباؤ قبول نہیں

کیا جائے گا۔

جرات کا نشان فلسطینی بچے

میرے سامنے معصوم فلسطینی بچوں کی جرات، بہادری اور استقامت سے لبریز چند تصویریں ہیں، جن کو دیکھ کر کوئی بھی شخص مظلوم وبہادر فلسطینی بچوں کو داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پہلی تصویر میں اسلحہ سے لیس تین اسرائیلی فوجی ایک سات، آٹھ سالہ فلسطینی بچے کو پکڑ کر ایک گاڑی میں بٹھانے کی کوشش کررہے ہیں۔ بچہ ان کے اسلحے سے خوفزدہ ہونے کے بجائے شدید نفرت کے ساتھ اپنے دائیں ہاتھ میں اٹھایا ہوا جوتا اسرائیلی فوجیوں کو مارنے کی کوشش کر رہا ہے۔ دوسری تصویر جس میں ایک فلسطینی بچہ جس کی عمر چھ سال سے زیادہ نہیں ہوگی، اس کے سامنے ایک اسرائیلی فوجی بندوق تھامے کھڑا ہے، بچے نے جینز کی پینٹ اور شرٹ پہنی ہوئی ہے، وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی شرٹ کے تمام بٹن کھولے اپنا برہنہ سینہ فوجی کے سامنے کیے کھڑا ہے اور شدید غصے میں فوجی سے کچھ کہہ رہا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کہہ رہا ہے: " او ظالمو! اگر تم میں ہمت ہے تو مسجد اقصیٰ کے اس ننھے محافظ کے سینے پہ گولی چلادو۔" تیسری تصویر جس میں تقریباً ایک سات سالہ فلسطینی بچہ اپنے ہاتھ میں پتھر اٹھائے دیو ہیکل اسرائیلی ٹینک کے سامنے کھڑا پتھر ٹینک کی طرف اچھال رہا ہے۔

اسی طرح کی ایک چوتھی تصویر جس میں پانچ، چھ سال کے تین بچے کھڑے ہیں، ان میں ایک ننھی سی کمزور فلسطینی بچی بھی ہے، ان کے سامنے اسلحہ سے لیس ایک اسرائیلی فوجی کھڑا ہے، فلسطینی عوام اسرائیل کے مظالم کے خلاف مظاہرہ کر رہے ہیں، اس احتجاجی مظاہرے کے دوران کم سن بچی اسرائیلی فوجی کے سامنے اپنا "ننھا مکا" لہرا کر جرات کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ مرکز اطلاعات فلسطین کے مطابق ننھی اور کمزور سی بچی "عہد تمیمی" مغربی کنارے میں اپنی والدہ اور ہمشیرہ کے ہمراہ ایک پرامن احتجاجی مظاہرے میں شریک تھی۔ اس دوران اسرائیلی فوجیوں نے جلوس کو منتشر کرنے کے لیے ان پر لاٹھی چارج شروع کر دیا۔ ایک اسرائیلی فوجی عہد تمیمی کے پاس آیا تو اس نے اپنا ننھا مکا لہرا کر اسرائیلی فوجی کو اپنی معصوم جرات دکھائی۔ عہد تمیمی کو اس کی جرات کے اظہار کے اعزاز میں استنبول کی بشکٹ شہر ضلعی کونسل کی جانب سے خنظلہ تمغہ جرات بھی دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بچپن کا زمانہ بادشاہت کا زمانہ ہوتا ہے کیونکہ اس زمانے میں بچے ہر قسم کی پریشانی سے آزاد ہوتے ہیں، یہ زمانہ کھیل کود اور شرارتیں کرنے کا ہوتا ہے، لیکن فلسطین پر ایک عرصے سے غاصب اسرائیلی فلسطین کے مظلوم عوام پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔ فلسطین کے ننھے بچے بھی اسرائیل کے ظلم و ستم سے محفوظ نہیں ہیں۔ فلسطین کے ننھے مجاہد سرزمین انبیاء کی آزادی اور

مسجد اقصیٰ کی حفاظت کی جنگ اسرائیل کے ٹینکوں، توپوں اور گولوں کے مقابلے میں غلیلوں اور پتھروں سے لڑ رہے ہیں۔ جس کی پاداش میں آئے روز اسرائیلی فوجی فلسطینی بچوں کو گرفتار کرکے بے جا تشدد کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے بلیٹن برائے تحفظ اطفال میں کہا گیا ہے کہ اسرائیلی جیلوں میں فلسطینی بچوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ 2013ء میں بچوں کو حراست میں لینے کا سلسلہ مزید تیز کر دیا گیا ہے۔ اسرائیلی فورسز پر پتھراؤ کرنے والے 12 سے 15 سالہ بچوں کو بھی حراست میں لے کر جیل بھیجا جاتا ہے، اس وقت 11 ہزار سے زائد فلسطینی باشندے اسرائیلی جیلوں میں قید ہیں جن میں 34 فیصد بچے شامل ہیں۔

رپورٹ کے مطابق 2000ء سے 2012ء تک 8000 سے زائد فلسطینی بچے مغربی کنارے سے پکڑے گئے، کچھ قتل کر دیے گئے اور کچھ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ملٹری کورٹ کے پراسیکیوٹر نے کہا ہے کہ اسرائیلیوں نے فلسطینیوں کی وہ نسل جو ابھی پوری طرح 12 سال کی عمر تک نہیں پہنچی یا 13 سال کی عمر کو پہنچ رہی ہے، اسرائیلیوں کی طرف پتھر پھینکنے کے جرم میں گرفتار کیے گئے، پتھر پھینکنے کے جرم میں مجموعی طور پر کل آبادی کا 98% جیلوں کے لاک اپ میں بند کیے جاتے ہیں اور یہ کہ ان بچوں پر مقدمات ملٹری کورٹس میں چلائے جاتے ہیں اور سرسری سماعتوں کے ذریعے ان کو جیل بھیج دیا جاتا ہے، ان تمام قیدی بچوں کا رہائی کے بعد طرح طرح کے نفسیاتی مسائل کا شکار ہونا، اسرائیلی خوف و ہراس کا منہ

بولتا ثبوت ہے۔ 2010ء میں بالترتیب 2300 اور پھر 3470 بچوں کو حبس بے جا میں رکھا گیا اور پھر ان کو مختلف مراحل اور خوف و ہراس سے گزار کر ان کو نفسیاتی مریض بنانے کی کوشش کی گئی۔

دی فنس فار چلڈرن انٹرنیشنل" نامی تنظیم کی فلسطین شاخ "حقوق گروپ" کے مطابق اس وقت سینکڑوں بچے مقبوضہ فلسطین کی صیہونی جیلوں میں ہیں۔ بچوں کا قید و بند کا شکار ہونا، بچوں، ان کے خاندان اور ان کے پورے سماجی نظام کو متاثر کرتا ہے۔

فلسطینی بچوں کے امور کی نگران اور "یونیسف" کی سربراہ "سودا مینی" نے چیختے ہوئے کہا: "اسرائیل کی ظلم و سربریت پر مبنی پالیسیوں کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ظالم فلسطینی بچوں پر ملٹری کورٹس میں مقدمہ چلاتے ہیں اور ان کو جلد سے جلد جیلوں "میں بھیج دیتے ہیں۔

فلسطینی اسیروں پر ہونے والے مظالم کا دستاویزی ریکارڈ مرتب کرنے والے تجزیہ کار عبدالناصر فروانہ نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ اسرائیلی انتظامیہ نے عقوبت خانوں میں کم سن فلسطینی بچوں کو پابند سلاسل کیا ہوا ہے۔ دوران حراست بچوں کو اذیت ناک تشدد، بلیک میلنگ اور نہایت ظالمانہ طریقے سے ان کے خلاف فوجداری مقدمات بنا کر انہیں پھنسانے کی کوشش کی جاتی ہے، حالانکہ یہ تمام اقدامات بچوں کے حقوق کے عالمی معاہدوں کی سنگین خلاف ورزی ہے۔

اسرائیلی فوج اور پولیس اہلکار نہایت بے رحمی کے ساتھ ہاتھ پاوں باندھتے، انہیں ہتھکڑیاں ڈالتے اور ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھتے ہیں۔ دوران تفتیش انہیں بھی اسی طرح کے تشدد کے حربوں کا سامنا کرنا پڑتا جس طرح بڑی عمر کے جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ انہیں بجلی کے جھٹکے لگائے جاتے ہیں۔ مقبوضہ فلسطین میں اسرائیلیوں کے ہاتھوں فلسطینی بچے، مظلومیت کی انتہاؤں کو چھو رہے ہیں، یرغمال ہونا، قید ہونا، حتیٰ کہ قتل ہونا، معمول بن چکا ہے۔ "یونیسیف" کی رپورٹ کے مطابق یہودی آبادکاروں کے تحفظ کی آڑ میں مغربی کنارے میں اسرائیل نے غیر قانونی طور پر کم از کم 500 فوجی چوکیاں قائم کر رکھی ہیں جو بچوں کے اسکولوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ ہر سال 500 سے 700 فلسطینی بچوں کو اسرائیلی فوج بلا وجہ پکڑ لیتی ہے اور ان سے بین الاقوامی انسانی حقوق اور عالمی قوانین سے متضاد سلوک کیا جاتا ہے جو انتہائی غیر اخلاقی ہے۔

فلسطین میں لاکھوں بچے اسرائیلی مظالم کا شکار ہیں اور بین الاقوامی برادری فلسطینی نونہالوں کو تحفظ دلانے میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ فلسطین میں کم و بیش 19 لاکھ بچے نہایت کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، جن کے بنیادی حقوق اسرائیل نے سلب کر رکھے ہیں۔ لاکھوں فلسطینی بچوں کو اسرائیلی فوج کی جانب سے تشدد، حکومتوں کی جانب سے امتیازی سلوک، قتل، غربت، گھر اور شہر

بدری، گرفتاریوں، نفسیاتی، ذہنی، جسمانی اور جسمانی تشدد نیز تعلیمی سہولیات کے فقدان جیسے مسائل کا سامنا ہے۔ یہ سب باتیں دنیا کے کس قانون کے مطابق انجام پاتی ہیں؟ جو فلسطینیوں کے بارے میں ایسا حکم دیتا ہے۔ ان پر ہر طرح کا ظلم روا رکھا جاتا ہے، اس کے باوجود فلسطینی سپوت اکیلے ہی جواں مردی سے فلسطینکی آزادی کی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں، حالانکہ سب کو ہی مظلوم فلسطینیوں کا ساتھ دینا چاہیے اور دنیا والوں کو اس ظلم و سربریت پر خاموش نہیں رہنا چاہیے۔

آخری دن سندھ حکومت کی لوٹ سیل

عوام کے ووٹوں سے منتخب ہو کر آنے والی سندھ حکومت کو عوام کے جائز مطالبات پورے کرنے کے لیے مکمل پانچ سال ملے۔ان پانچ سالوں میں منتخب حکومت نے جو عوام کو دیا وہ سب کے سامنے ہے،آئے دن مختلف قسم کے مسائل سے عوام کو دو چار کیا جاتا رہا۔شاید ہی کسی دن عوام کو سکھ کا سانس نصیب ہوا ہو،لیکن حکومت نے خود مزے لوٹنے اور عیاشی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا،حکومت کی مدت ختم ہونے سے چند گھنٹے پہلے بھی سندھ حکومت کو اپنے ارکان کی ہی فکر رہی،حکومت نے سوچا کہ شاید پھر کبھی دوبارہ موقع نہ ملے،اس لیے موجودہ وقت کو ہی غنیمت جانتے ہوئے،اپنے لیے جتنے فوائد سمیٹے جا سکتے ہیں سمیٹ لیے جائیں،لہٰذا سندھ اسمبلی نے منتخب حکومت کے آخری دن بھی ارکان سندھ اسمبلی کے لیے ذاتی مفادات اور تاحیات مراعات کے بل منظور کیے۔چند گھنٹے کی مہمان اسمبلی کے ارکان نے جاتے جاتے اپنی تنخواہوں اور مراعات میں ساٹھ فیصد تک اور تاحیات ذاتی مفادات و مراعات کے بل منظور کر لیے۔اپوزیشن کی مراعات سے متعلق بلوں کی مخالفت کے باوجود کثرت رائے سے منظوری دی گئی۔

جمعرات کے روز سندھ اسمبلی کا اجلاس اسپیکر نثار احمد کھوڑو کی صدارت میں

شروع ہوا۔ قانون سازی کے دوران ایوان نے صنعتی تعلقات بل دو ہزار تیرہ کی منظوری دی۔ مسلم لیگ فنکشنل، نیشنل پیپلز پارٹی کے اراکان نے سندھ کے جزائر وفاق کو دینے کے خلاف قرارداد پیش کرنے کی کوشش کی، انہیں اس کی اجازت نہیں ملی جس پر اپوزیشن ارکان نے احتجاج کرتے ہوئے شور شرابہ شروع کر دیا، اس دوران وزیر قانون ایاز سومرو نے سندھ صوبائی اسمبلی اراکان کے استحقاق کا ترمیمی بل دو ہزار تیرہ پیش کیا۔ جس کے تحت تمام سابق ارکان اسمبلی مدت ختم ہونے کے بعد بھی سرکاری مہمان خانے، آرام گاہیں، سندھ ہاؤ نسز اسلام آباد، گوادر سرکاری نرخوں پر استعمال کر سکیں گے۔ عمر بھر کے لیے سندھ اسمبلی سیکرٹریٹ، لائبریری اور اسپیکر گیلری کے پاسز حاصل کر سکیں گے۔ تمام ائیرپورٹس پر وی آئی پی لاونج استعمال کر سکیں گے۔ تمام عمر سرکاری گرین پاسپورٹس اپنے اور اہل خانہ کے لیے حاصل کر سکیں گے اور چار ہتھیاروں کے لائسنس، ان کی تجدید سرکاری ملازمین کی فیس پر کرا سکیں گے۔ مسلم لیگ فنکشنل اور نیشنل پیپلز پارٹی کے ارکان اسپیکر ڈائس کے سامنے احتجاج کرنے لگے تو وزیر قانون ایاز سومرو اپوزیشن کے احتجاج کو ڈرامہ قرار دیتے رہے۔ اپوزیشن ارکان بعد میں واک آؤٹ کر گئے۔ وزیر قانون نے سندھ کے وزرا کی تنخوہوں الاو نسز اور استحقاق سے متعلق بل پیش کیا جسے ایوان نے کثرت رائے سے منظور کر لیا۔ اس بل کی متحدہ قومی موومنٹ اور نیشنل پیپلز پارٹی اور فنکشنل لیگ کے ارکان نے مخالفت کی۔ ایوان نے ،سندھ خصوصی اسسٹنٹ (مقرری، اختیارات، کام

تنخواہیں الاؤنسز اور استحقاق) ترمیمی بل دو ہزار آٹھ، سندھ اسمبلی اسپیکر و ڈپٹی اسپیکر کی تنخواہیں الاؤنسز اور استحقاق ترمیمی بل دو ہزار نو بھی کثرت رائے سے منظور کر لیے۔ پیپلز پارٹی کے اراکان بلوں کی منظوری کیلئے ہاں اور ایم کیو ایم کے اراکان نہ کرتے رہے۔ مسلم لیگ فنکشنل کے اراکین ایوان سے واک آؤٹ کر گئے۔

یاد ہے کہ پرویز مشرف ایک عرصہ تک ملک کے صدر رہے اور جب ان کی صدارت کے آخری ایام تھے تو انہوں نے بھی اس وقت کو غنیمت جانتے ہوئے تاحیات اپنے لیے مراعات منظور کروالیں تھیں۔ جس کے مطابق ہر سابق صدر کو تاحیات سیکورٹی فراہم کرنا حکومت کے ذمہ ہوگی۔ انہوں نے تمام زندہ صدور کے لیے یہ بل اس لیے منظور کیا تھا، تاکہ ان پر یہ الزام نہ آئے انہوں نے صرف اپنے لیے ہی فوائد حاصل کیے ہیں بلکہ دوسروں کا بھی بھلا ہوا ہے۔ اب سندھ حکومت نے اسی آمر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے لیے مفادات کی لوٹ سیل لگائی۔ اسی طرح سابق حکومت میں بھی حکومت چھوڑنے سے پہلے وزیر اعظم نے اپنے لیے تاحیات مراعات حاصل کرنے کا بل پیش کیا تھا، جس کے مطابق ایوان وزیر اعظم کی پر تعیش رہائشگاہ چھوڑنے کے بعد سابق ہو جانے والے وزیر اعظم کے لیے تاحیات تنخواہ کا 80 فیصد بطور پنشن، ڈیوٹی فری کار، اپنے بیوی اور زیر کفالت بچوں کے لیے سفارتی پاسپورٹ، ہتھیار یا گولہ بارود رکھنے سے متعلق پاکستان آرمز آرڈیننس

ءیا اس وقت نافذ قانون کی دفعات سے استثنیٰ، ملک بھر میں سرکاری مہمان 1965 خانوں، ریسٹ ہاؤس اور سرکٹ ہاؤس تک بلامعاوضہ رسائی، سرکاری خرچ پر ذاتی مکان میں ٹیلی فون کی تنصیب اور مالی سال کے دوران 60ہزار روپے تک کی مفت کال کی سہولت، گریڈ 18کے ایک پرائیوٹ سیکرٹری کی خدمات، 1 سیکورٹی گارڈ، ڈرائیور، باورچی کی تاحیات سہولت، اپنے بیوی اورزیر کفالت بچوں کے لیے ملک اور بیرون ملک تاحیات مفت طبّی سہولت، تاحیات مفت سرکاری رہائش اور اگر سرکاری رہائش دستیاب نہیں ہے تو 50 ہزار روپے ماہوار کرایہ، 2ہزار یونٹ تک ماہانہ بجلی اور 10 ایچ ایم 3تک گیس کی سہولت، گھریلواشیاء اورکاغذات وکتابوں کی منتقلی کے لیے ایک لاکھ روپے، 20ہزار روپے ماہانہ کارالاؤنس یا وہ رقم جو اس مقصد سے وفاقی حکومت وقتاً فوقتاً منظور کرے بشمول ان تمام مراعات پر کسی قسم کا انکم ٹیکس ناقابل ادائیگی ہو جیسی بے مثال مراعات اور فوائد کی منظوری کا بل پیش کیا تھا۔ حتیٰ کہ وزیراعظم کی "بیوہ" کے لیے بھی ان تمام فوائد ومراعات کی تجویز دی گئی اوراس میں خاوند یعنی سابق وزیراعظم کی موت کی صورت میں پنشن بھی شامل تھی۔ سابق وزیراعظم کے لیے ان تمام بھاری اخراجات کی ادائیگی وفاقی حکومت کے کنسولیڈیشن فنڈ سے کی جانے کی تجویزدی گئی تھی۔

دوسری جانب حکومت سندھ نے آئندہ انتخابات میں اپنا ووٹ بنک بڑھانے اور

بچانے کے لیے حکومت کے آخری دن نوکریوں کی لوٹ سیل لگائے رکھی۔ الیکشن کمیشن کے احکامات نظرانداز کرتے ہوئے چند گھنٹوں کی مہمان سندھ حکومت نے جاتے جاتے کئی ہزار افراد کو بھرتی کیا۔ تعلیم، خزانہ، ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن کے محکموں میں لوگوں کی لاٹریاں نکل آئی ہیں۔ انتخابات میں چند ہی دن اور حکومت جانے میں کچھ ہی گھنٹے باقی رہ گئے تھے تو ایسے میں نوکریوں کو ٹوکریوں میں بھر بھر کر بانٹا جاتا رہا۔ جاتی ہوئی حکومت بھرتیوں کے نام پر ایسی بندر بانٹ کرتی رہی کہ نہ جانے نئی حکومت کو کب تک اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے۔ الیکشن کمیشن کی جانب سے تقرریوں پر پابندی کی ایسی دھجیاں اڑائی جاتی رہیں کہ سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھوں کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ پنجاب حکومت نے ایک لاکھ کنٹریکٹ ملازمین کو مستقل کرنے کا اعلان کیا، سندھ حکومت اس سے بھی آگے نکل گئی، ڈیڑھ لاکھ ملازمین کو مستقل کرنے کی نوید دے ڈالی۔ ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن میں 250 بھرتیاں، محکمہ خزانہ میں 126 ملازمتیں جبکہ ملک کی ایک اعلیٰ شخصیت کے پاس تو پورے 2700 آفر لیٹرز منظور نظر لوگوں کے لیے موجود ہیں۔ محکمہ تعلیم سندھ کے زیر انتظام چلنے والے بیورو آف کریکولم میں 400 ایسے کنٹریکٹ ملازمین کو مستقل کرنے کے لیے پھرتی دکھائی جاتی رہی جو اکتوبر 2012ء سے فارغ بیٹھے ہیں۔ حکومت سندھ میں محکمہ خزانہ تو شاید خالی ہوگیا ہو لیکن درجنوں جیالوں کو نوکریوں کے آرڈرز کھلے دل سے جاری کیے جاتے رہے۔ گریڈ 12 کی ڈیٹا پروسیسنگ اسسٹنٹ کی اسامیوں پر تقرر ہونے والے جیالوں

میں وزیر کے عزیز بھی شامل جن کا تعلق دادو سے ہے۔ سندھ حکومت میں محکمہ صحت نے تو حد ہی کردی جہاں محض ڈھائی ماہ میں چوتھی من پسند شخصیت کو چانڈکا میڈیکل کالج ٹیچنگ ہسپتال لاڑکانہ کا میڈیکل سپرنٹنڈنٹ لگا دیا گیا۔ بدھ کی شام ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے گریڈ 19 کے ڈاکٹر ذوالفقار سیال کو گریڈ 20 کے عہدے پر متعین کرنے کا حکم جاری کیا گیا اور اس عہدے پر 3 ہفتے قبل مقرر ہونے والے گریڈ 19 کے ڈاکٹر انصاف مگسی کو ہیڈ کوارٹر رپورٹ کرنے کا حکم دیا گیا۔

موجودہ حکومت نے جاتے جاتے اپنا یہ وعدہ پورا کیا تو سندھ اسمبلی میں موجود پیپلز پارٹی کے ارکان کے ساتھ ساتھ مہمانوں کی گیلریوں میں موجود سرکاری افسران اور ملازمین نے بھی زبردست نعرے بازی کی۔ اس ضمن میں سندھ اسمبلی نے جمعرات کو سندھ ریگولرائزیشن آف ایڈہاک اینڈ کنٹریکٹ ایمپلائز بل۔2013 "کی اتفاق رائے" سے منظوری دی۔ اس بل کے تحت گریڈ 1 سے گریڈ 18 تک کے ایڈہاک اور کنٹریکٹ ملازمین کو مستقل کیا گیا ہے، تاہم ڈیلی ویجز اور ورک چارجز کی بنیاد پر کام کرنے والے ملازمین مستقل نہیں ہوں گے۔ مذکورہ قانون کے نفاذ سے قبل سندھ حکومت کے انتظامی کنٹرول میں آنے والے محکموں، خودمختار اور نیم خودمختار اداروں اور منصوبوں میں کام کرنے ایک لاکھ سے زاید ایڈہاک اور کنٹریکٹ ملازمین مستقل ہو جائیں گے۔ جب یہ بل ایوان میں پیش کیا گیا تو

پیپلز پارٹی کے ارکان نے ڈیسک بجا کر زبردست خیر مقدم کیا۔ وزیر قانون ایاز سومرو نے بل متعارف کرایا تو اپوزیشن لیڈر سید سردار احمد نے کہا کہ اس بل پر غور ایک دن کے لیے مونخر کر دیا جائے کیونکہ یہ بل غیر قانونی ہے۔ اس بل کے تحت لا محدود ملازمین کو تحفظ دیا گیا ہے۔ اس دوران پیپلز پارٹی کے ارکان نے "بے نظیر آئے گی، روزگار لائے گی" کے نعرے لگائے۔ سید سردار احمد نے ایک بار پھر واضح کیا کہ انہیں لوگوں کو مستقل کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور کہا کہ ہر پارٹی چاہتی ہے کہ لوگوں کو روزگار دیا جائے لیکن یہ طے کر لیا جائے کہ کل کتنے ملازمین ہیں، کس تاریخ سے کس تاریخ تک ملازمین کو مستقل کیا جانا ہے اور کس گریڈ میں ہیں، اگر بل ایک دن کے لیے موخر کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ پیپلز پارٹی کے ارکان نے "نو نو" کے نعرے لگائے۔

ذرا سوچیے

80 کی دہائی میں "ہارڈ کارمن کوو" امریکی نژاد روسی باشندہ چند دن کے لیے روس میں کافی مشہور ہوا۔ وہ انتہائی غریب شخص تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ علاقے کے کچھ معروف غنڈے اس کی بیٹی کو اٹھا کر لے گئے، دو دن کے بعد ایک ویرانے سے بیٹی کی تشدد زدہ لاش ملی۔ جسے دیکھ کر غریب ہارڈ کارمن کوو بہت زیادہ پریشان ہوا، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اگرچہ وہ ایک غریب شخص ہے لیکن انصاف ضرور حاصل کرکے رہے گا، وہ ان غنڈوں کے خلاف مقدمہ درج کراونے کے لیے پولیس اسٹیشن گیا تو پولیس نے اسے کوئی وقعت نہ دی، کافی تگ ودو کے بعد مقدمہ تو درج کرلیا لیکن دس دن تک قاتلوں کی گرفتاری کے سلسلے میں کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ اس نے تھانے کے کافی چکر لگائے لیکن سوائے ناکامی کے کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔ جب وہ پولیس سے مایوس ہوگیا تو اس نے احتجاج کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک تختی پہ اس نے لکھا جس کا ترجمہ یہ تھا: " میں مظلوم ہوں مجھے انصاف فراہم کرو اور میں انصاف ملنے تک اپنا احتجاج جاری رکھوں گا"، وہ تختی لے کر ہر روز پولیس اسٹیشن کے باہر سڑک پر بیٹھ جاتا، جب علاقے کے لوگوں کو اس بارے میں

معلومات ہوئیں تو وہ خود بھی چونکہ ان غنڈوں سے تنگ تھے، اس لیے علاقے کے تمام لوگوں نے اس شخص کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا، وہ تمام لوگ بھی اس کے ساتھ پولیس اسٹیشن کے سامنے آ کر احتجاج کرنے لگے، لیکن حکومت ان غنڈوں کو گرفتار کرنے میں ناکام رہی۔ جب مظاہرین کئی دن احتجاج کرکے تنگ آ گئے تو ایک دن مظاہرین نے اعلان کردیا کہ اگر حکومت دو دن میں قاتلوں کو گرفتار نہیں کرتی تو ہم پولیس اسٹیشن کو آگ لگادیں گے۔ جب ہارڈکارمن کو کو یہ بات پہنچی تو اس نے کہا کہ ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ مظاہرین نے پوچھا کیوں ہم ایسا نہیں کریں گے؟

ہارڈکارمن کو نے بہت ہی خوبصورت جواب دیا۔: " اس نے کہا کہ اب ہم مظلوم ہیں اور انصاف کی اپیل کررہے ہیں، اگر ہم تشدد کا راستہ اختیار کریں گے تو ہم ظالم بن جائیں گے، میں نہیں چاہتا کہ اپنا حق حاصل کرنے کے لیے کسی دوسرے کو کوئی نقصان ہو اور ہم ظالم بن جائیں۔" اس کی یہ بات سن کر تمام مظاہرین بہت متاثر ہوئے، انہوں نے انصاف ملنے تک ہارڈ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ مظاہرین اور ہارڈکارمن کو ایک مہینے تک پرامن مظاہرہ کرتے رہے، ان کے اسی احتجاج سے حکومت ظالم قاتلوں کو گرفتار کرنے پر مجبور ہو گئی۔ ہارڈ نے کہا: "مجھے بہت خوشی ہے کہ ہم نے اپنا حق لینے کے لیے کسی دوسرے کا نقصان نہیں کیا۔ ہم نے جس دن احتجاج شروع کیا تھا ہم اس دن بھی مظلوم تھے

اور آج جب ہم انصاف حاصل کر رہے ہیں آج بھی مظلوم ہیں۔ انصاف ملنے میں اگر چہ کچھ دیر تو ہوئی لیکن اس دیر کی وجہ سے انصاف کے حصول کے لیے کسی دوسرے کا نقصان نہیں کیا۔ انصاف ملنے کے بعد ہماری یہ دوسری کامیابی ہے۔"

ہمارا ملک ایک عرصے سے احتجاجی مظاہروں کی لپیٹ میں ہے شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہو کہ ملک کے کسی حصے میں احتجاج نہ ہوتا ہو۔ احتجاج کرنا جمہوری و عقلی طور پر انسان کا حق ہے۔ اپنے جائز مطالبات کے حصول کے لیے جائز و مناسب راستہ اختیار کرنے سے روکنا بالکل غلط ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں لوگ اتنے جذباتی ہیں کہ جب وہ احتجاج کرتے ہوئے تو اپنے آپ پر قابوں نہیں رکھ سکتے، وہ تشدد پر اتر آتے ہیں اور جب تک احتجاج پر تشدد نہ ہو، احتجاج میں جلاؤ گھیراؤ، پکڑ دکڑ نہ ہو تو اس وقت تک سمجھتے ہیں کہ احتجاج ناکام رہا ہے۔ حالانکہ اس طرح تشدد کا راستہ اختیار کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

ماہرینِ نفسیات کا کہنا ہے کہ توڑ پھوڑ پر آمادہ ہجوم میں شامل افراد انفرادی طور پر چاہے اتنے پر تشدد نہ ہوں لیکن جب وہ ایک گروہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو نہ ہی ان میں نتائج کا خوف باقی رہتا ہے اور نہ ہی ضمیر کی خلش انہیں ستاتی ہے اور وہ اپنے اقدامات کے لیے بھی ہجوم کو ذمہ دار ٹھہرا

کر بری الذمہ محسوس کرنے لگتے ہیں۔ کم ترقی یافتہ ممالک میں عوامی تشدد کی بڑی وجوہات طبقاتی محرومیاں اور حکمران طبقے کی جانب سے استحصال ہے۔ ان ملکوں میں ریاست یا فرد کی ملکیت اور انسانی جان کا احترام ختم ہو چکا ہے اور معاشرے کے محروم طبقات توڑ پھوڑ کر کے انتقام کی خواہش پوری کرتے ہیں۔ لوگوں میں احساسِ محرومیاور غصہ ہے، اس کا اظہار وہ تشدد کی شکل میں کرتے ہیں۔

جبکہ ترقی پذیر ممالک میں تو آج بھی احتجاج پرامن کیا جاتا ہے، لوگ اپنے مطالبات منوانے کے لیے بہت ہی پرامن راستہ اختیار کرتے ہیں، بہت ہی پرامن طریقے سے ریلیاں نکالتے ہیں اور اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، نہ کوئی جلاؤ، گھیراؤ ہوتا ہے اور نہ پکڑ دکڑ۔ گزشتہ دنوں میں کسی یورپین ملک میں مظاہرین کی تصویر دیکھ رہا تھا جس میں بہت سارے مظاہرین ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ایک دریا کے کنارے اس انداز میں کھڑے تھے، محسوس ہو رہا تھا کہ کسی بہت بڑے شیر کی تصویر ہے۔ وہ دراصل اس انداز میں کھڑے ہو کر دنیا کی توجہ ماحولیاتی تبدیلی کی طرف مبذول کروانا چاہتے تھے، اس سے میڈیا کے ذریعے لوگوں کی توجہ ان کے احتجاج کی جانب بھی مبذول ہو گئی اور کسی کو نہ تو کوئی پتھر لگا اور نہ کسی کی کوئی گاڑی جلائی گئی۔

گزشتہ سال جب نبی پاک علیہ السلام کے خلاف ملعونون نے گستاخانہ فلم بنائی تو ہمارے ہاں نجانے احتجاج کی آڑ میں کتنا نقصان کیا گیا، کتنے لوگوں کی املاک کو آگ لگادی گئی، لیکن انہی دنوں نارے کی ایک تنظیم نے اس گستاخانہ فلم کے خلاف بہت ہی عمدہ اور منفرد قسم کا احتجاج کیا۔ اس تنظیم کے نوجوانوں کا کہنا تھا کہ ہمارا خیال ہے کہ گستاخی کرنے والے آپ علیہ السلام کی ذات اقدس سے واقف نہیں ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم خود بھی سیرت پر عمل کریں اور آپ علیہ السلام کی سیرت کو عام کریں۔ وہ ناروے کے شہروں کی سڑکوں پر کھڑے ہوجاتے اور شہریوں کو گلاب کے پھول اور آپ علیہ السلام کی مبارک احادیث کے نسخے پیش کرتے۔

ترقی پذیر ممالک میں بھی لوگوں کو حکومت سے اپنے مطالبات منوانے کی ضرورت پیش آتی ہے، وہاں بھی لوگ احتجاج کرتے ہیں، وہاں بھی لوگ انصاف کے حصول کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالتے ہیں لیکن وہاں احتجاج کا طریقہ مختلف ہوتا ہے۔ کبھی مظاہرین پلے کارڈ لے کر سڑکوں پر نکل آتے ہیں اور کبھی صرف ریلیاں نکالتے ہیں۔ کبھی ہاتھوں کی زنجیریں بنا کر احتجاج کرتے ہیں اور کبھی جگہ جگہ اپنے مطالبات کے حق میں بینرز آویزاں کردیتے ہیں۔

کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم بھی احتجاج اس طرح کریں کہ مظاہرین کا مقصد بھی

پورا ہوجائے اور کسی کا کوئی نقصان بھی نہ ہو۔ احتجاج کے سلسلے میں "ہارڈ کار من کوو" کی پیروی بھی تو کی جاسکتی ہے، احتجاج یوں بھی تو کیا جاسکتا ہے جیسے ناروے کے نوجوانوں نے گستاخانہ فلم کے جواب میں کیا تھا۔ اگر یہ سب کچھ غیر مسلم ممالک میں ہوسکتا ہے تو پھر ہم کیوں نہیں کر سکتے جن کے مذہب اسلام کی تعلیم ہی یہ ہے کہ کسی کو تکلیف دینا حرام ہے۔ جب ہمارا مذہب کسی کو تکلیف دینے کو حرام فرماتا ہے تو پھر کیوں احتجاج کے دوران ہم اس قدر دیونے ہوجاتے ہیں کہ لوگوں کے گھر جلانے سے بھی گریز نہیں کرتے، اس بات پر غور کرنے کی ضرور ہے کہ "ہارڈ کار من کوو" نے تو غیر مسلم ہونے کے باوجود کسی کو تکلیف نہیں دی اور ہم مسلمان ہو کر بھی بے شمار لوگوں کو سخت تکلیف میں مبتلا کردیتے ہیں۔ ہم کیسے مسلمان ہیں؟۔

انتخابات میں متحدہ دینی محاذ کا ایک ہی منشور ہوگا

جوں جوں انتخابات قریب آ رہے ہیں توں توں ملک میں سیاسی گرما گرمی بھی دیکھنے میں آ رہی ہے۔ سیاسی جوڑ توڑ کا سلسلہ جاری ہے، سیاسی لوگ دھڑا دھڑ ان جماعتوں می شامل ہو رہے ہیں جن میں شامل ہونے کا انہیں زیادہ فائدہ ہے۔ انتخابات میں کامیابی کے لیے مختلف قسم کی سرگرمیاں بھی شروع کر دی گئی ہیں۔ اسی سیاسی ہلچل میں متحدہ دینی محاذ میں شامل چھ جماعتی انتخابی اتحاد نے بھی مل کر انتخابات لڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس موقع پر اہلسنت والجماعت کے مولانا محمد احمد لدھیانوی، جمعیت اہلحدیث کے ابتسام الٰہی ظہیر، جے یو پی (سواد اعظم) کے پیر محفوظ مشہدی، جے یو آئی (نظریاتی) کے زبیر باری، تحریک تحفظ پاکستان کے انجینئیر امتیاز سمیت دیگر رہنما بھی موجود تھے۔

متحدہ دینی محاذ کے چیئرمین وجے یو آئی (س) کے قائد مولانا سمیع الحق نے اپیل کی ہے کہ امریکا مخالف تمام دینی و سیاسی جماعتیں متحد ہو کر انتخابات میں حصہ لیں، آئندہ عام انتخابات ہی نہیں بلکہ نگران سیٹ اپ میں شامل شخصیات کو بھی 62 اور 63 کی شقوں پر پورا اترنا چاہیے، الیکشن کمیشن کو چاہیے کہ اس حوالے سے کوئی درمیانہ راستہ نکالے وگرنہ عوام کو سخت احتجاج کرنا چاہیے۔

اگر کسی بھی جماعت نے سولو فلائٹ کرتے ہوئے انتخابات میں جانے کی کوشش کی تو ان کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا اور ملک دشمن عناصر کو تقویت ملے گی، اجلاس میں فیصلہ کیے گئے کہ متحدہ دینی محاذ میں شامل تمام جماعتوں کا ایک ہی انتخابی منشور ہوگا اور ایک ہی انتخابی نشان پر حصہ لیں گے جبکہ انتخابی نشان سیڑھی ہوگا۔ مولانا سمیع الحق نے اصلاحات پر مشتمل الیکشن نامزدگی فارم کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ الیکشن کمیشن اس فارم پر مکمل عمل درآمد کروائے جبکہ سیاستدان بھی اس فارم پر روڑیں نہ اٹکائیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے دروازے تمام دینی وسیاسی جماعتوں کے لئے کھلے ہیں۔ پاکستان میں ہونے والے بدامنی کے واقعات نے افغانستان اور عراق کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے، یہاں فرقہ واریت کو ہوا دی جارہی ہے۔

مولانا سمیع الحق کا کہنا تھا کہ عبوری وزیراعظم کے حوالے سے ہم سے مشاورت نہیں لی گئی، تاہم حکومت اور اپوزیشن میں اتفاق ہوگیا تو ہم خوش آمدید کہیں گے، الیکشن کمیشن کے نئے کاغذات نامزدگی کی حمایت کرتے ہیں اور سیاسی جماعتوں کو اس میں رخنے نہیں ڈالنے چاہئیں، تحریک تحفظ پاکستان سے اتحاد کے حوالے سے بات چیت چل رہی ہے، جلد معاملات طے ہو جائیں گے۔ متحدہ دینی محاذ کے تحریک انصاف، جماعت اسلامی، مسلم لیگ (ن)، جمعیت علماء اسلام (ف) اور دیگر مذہبی جماعتوں سے روابط ہیں، ہم نے سب کیلئے دروازے کھلے رکھے ہوئے

ہیں، کسی سے بھی سیٹ ایڈجسٹمنٹ ہو سکتی ہے۔ ہم سب کا اس بات پر مکمل اعتماد ہے کہ تمام دینی جماعتوں کو سولو فلائٹ کی بجائے اکٹھے الیکشن لڑنا چاہیے تاکہ امریکا سمیت دیگر اسلام دشمن قوتوں کی سازشوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔

اس موقع پر اہلسنت والجماعت پاکستان کے امیر مولانا محمد احمد لدھیانوی نے کہا کہ جب کوئی ہمارا لحاظ نہیں کرے گا، ہم بھی اسکا لحاظ نہیں کریں گے۔ جھنگ کی قومی اسمبلی کی سیٹ پر صحابہ کا غلام ہی کامیاب ہوگا۔ اہلسنّت والجماعت ضلع کے تمام حلقوں پر اپنے امیدوار کھڑے کرے گی، ہم پورے ملک میں مسلم لیگ ن کو شکست فاش دیں گے، شیخ وقاص اکرم ن لیگ کے لیے پورس کا ہاتھی ثابت ہوگا، وقاص اکرم نااہل ہے وہ آرٹیکل 63/62 پر پورا نہیں اترتے جبکہ ن لیگ جھنگ کی تنظیم بھی پارٹی فیصلے کے خلاف ہے۔ ن لیگ کی منافقت سے ہمارے کارکنوں کے حوصلے بلند ہوگے ہیں۔ شیخ وقاص نے مشرف کے زیر سایہ الیکشن لڑا تھا، رات کو میں جیت رہا تھا صبح پتہ چلا کہ شیخ وقاص کو جتوا دیا گیا۔ واضح رہے کہ شیخ وقاص اکرم جھنگ سے دو بار رکن قومی اسمبلی منتخب ہو چکے ہیں اور وہ مقامی سیاست میں اہل سنت والجماعت کے روایتی حریف ہیں۔ گزشتہ دنوں شیخ وقاص کی جعلی ڈگری کا انکشاف بھی ہوا ہے، جس کے بارے میں علامہ احمد لدھیانوی کا کہنا ہے کہ شیخ وقاص جعلی ڈگری کی وجہ سے خود بخود ہی نااہل ہو جائے گا۔

اہلسنت والجماعت کے سربراہ علامہ محمد احمد لدھیانوی نے کہا ہے کہ میاں شہباز شریف نے شیخ وقاص اکرم کے ساتھ بیٹھ کر احسان فراموشی کا ثبوت دیا ہے، وہ پانچ سال وزیر اعلیٰ ہماری وجہ سے رہے۔ بھکر کے ضمنی الیکشن میں ہم حمایت نہ کرتے تو میاں شہباز شریف پانچ سال ایوان سے باہر رہتے۔ ہم نے ہمیشہ وزیر اعلیٰ پنجاب کے کہنے پر بھکر، جھنگ، لاہور، فیصل آباد، نارووال، رحیم یار خان، مری، ایبٹ آباد، مانسہرہ، گجرات اور ملک کے دیگر حلقوں میں مسلم لیگ ن کی حمایت کی، مگر آج یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ مسلم لیگ ن جھوٹے اور کرپٹ لوگوں کی جماعت ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ آئندہ الیکشن میں مسلم لیگ ن کا ہر جگہ مقابلہ کریں گے اور انہیں اس بدعہدی اور احسان فراموشی کی سزا الیکشن میں شکست کی صورت میں دیں گے۔

واضح رہے کہ این اے 61 میں 2008ء اور ضمنی انتخابات میں اہلنست والجماعت نے ن لیگ کی بھرپور حمایت کی تھی، گزشتہ دنوں دہشت گردوں کی فائرنگ سے شہید ہونے والے قاری سعید احمد علوی نے ن لیگ کی انتخابی مہم بھی چلائی تھی اور مرکزی جلسوں سے خطاب کیا تھا۔ اہلسنت والجماعت کے اس اعلان کے بعد این اے 61 میں اگر اہلسنت والجماعت نے ن لیگ کو وٹ نہ دیے تو ن لیگ کے امیدوار کی شکست یقینی ہے کیونکہ تلہ گنگ، ٹمن، پچنند، دندہ، لاوہ، ڈھرنال، ونہار سمیت تمام

دیہاتوں میں اہلسنت والجماعت کا وسیع نیٹ ورک موجود ہے اور ان کی حمایت کے بغیر ن لیگ کا این اے 61 سے جیتنا انتہائی مشکل ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اہلسنت والجماعت اس بار انتخابات میں بھرپور حصہ لے رہی ہے۔ کراچی سمیت پورے ملک میں اپنے نامزد امیدوار بھی سامنے لائے جارہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ وہ اس بار مخالفین کو شکست فاش دیں گے۔

طالبان سے مذاکرات: پاک فوج نے ذمہ داری سیاسی قیادت پر ڈال دی

پاکستان میں ایک عرصے سے طالبان کے ساتھ مذاکرات کی باتیں گردش کر رہی ہیں۔طالبان خود بھی دو بار حکومت کو مذاکرات کی دعوت دے چکے ہیں، طالبان کی طرف سے اس دعوت کو تجزیہ کاروں نے بہت بڑی تبدیلی قرار دیا تھا۔ اس کے بعد پاکستان کی سیاسی جماعتوں کی طرف سے ان مذاکرات کی بھرپور حمایت کی گئی ، جبکہ مذہبی جماعتیں تو روز اول سے ہی طالبان کے ساتھ مذاکرات کی حمایت کرتی آ رہی ہیں۔مذاکرات کے حوالے سے تمام سیاسی جماعتیں پاکستان کی عسکری قیادت کے مثبت جواب کی منتظر تھیں۔ گزشتہ روز پاکستان کی عسکری قیادت نے طالبان سے مذاکرات کی ذمہ داری سیاسی قیادت پر ڈالتے ہوئے، اپنے آپ کو غیر جانبدار کرلیا ہے۔

کور کمانڈر پشاور لیفٹیننٹ جنرل خالد ربانی نے کہا ہے کہ فوج کو طالبان سے مذاکرات پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ ہی تحفظات ہیں، طالبان سے مذاکرات کا فیصلہ سیاسی قیادت نے کرنا ہے، اب تک جہاں بھی فوج نے آپریشن کیا سیاسی قیادت کے حکم پر کیا، الیکشن کے دوران حساس علاقوں میں آئین اور قانون کے مطابق فوج سیکورٹی فراہم کرے گی۔ کور کمانڈر پشاور نے بتایا کہ شمالی وزیرستان اور خیبر ایجنسی کے کچھ علاقے اس وقت مکمل طور پر کنٹرول میں ہے ں۔

سکیورٹی اقدامات کے لیے الیکشن کمیشن سے بھرپور تعاون کیا جائے گا۔ان کا کہنا تھا کہ طالبان سے مذاکرات کے حوالے سے اب تک سیاسی قیادت نے فوج سے رابطہ نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کہ سوات میں پہلے کی طرح سیاحت کی بحالی اور علاقے کی ترقی کے لیے عوام کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا اور علاقے کا انتظام فوج کی بجائے ضلعی انتظامیہ کو خود سنبھالنا پڑے گا۔ سیاسی قیادت اور مقامی انتظامیہ اس بات کا خیال رکھے کہ آئندہ کوئی علاقے کا امن تباہ نہ کرے۔ سب کو مل کر ہی امن قائم کرنا ہوگا۔

سابق وزیرِ دفاع نوید قمر کا بھی کہنا تھا کہ طالبان سے مذاکرات کے معاملے پر فوج اپنی رائے نہیں دے سکتی کیونکہ اصولی طور پر اسے حکومت کی پالیسی پر چلنا ہوتا ہے۔ بہت سی سیاسی جماعتوں نے اس معاملے پر ایک اتفاقِ رائے بنانے کی کوشش کی ہے اور اگر کوئی ایسی صورتِ حال پیدا ہوجاتی ہے، جہاں ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ صرف یہی ایک حل ہے تو اس بارے میں بھی پھر بات چیت کی جائے گی۔ تمام جماعتوں کی مشاورت سے ہی مذاکرات ہوں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ افغان طالبان کے معاملے پر عمل شروع ہو چکا ہے مگر پاکستانی طالبان سے مذاکرات کے معاملے پر ابھی عوام نے فیصلہ کرنا ہے۔ طالبان کی خواہش کچھ بھی ہو سکتی ہے مگر حکومت کو قانون اور آئین کے تحت ہی چلنا ہوگا۔ ہر حکومت مختلف اداروں سے مشاورت کرتی رہتی ہے اور انہیں ہمیشہ مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔ آئندہ عام

انتخابات میں طالبان کی جانب سے حملوں کے خدشات پر ان کا کہنا تھا کہ اس بات کا امکان نہیں کہ عبوری حکومت کے آنے کے بعد طالبان حملے بند کر دیں، تاہم پاکستان کی تاریخ یہ رہی ہے کہ برے سے برے حالات میں بھی انتخابات ہوئے ہیں۔ یہ واضح رہے کہ دو روز قبل ہی جمیعت علماء اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا تھا کہ طالبان سے مذاکرات کے حوالے سے وہ فوج کے ساتھ بات چیت کرنے کو تیار ہیں۔ان کا کہنا تھا کہ ہم اس سلسلے میں فوج کے ساتھ بات چیت کریں گے۔ اور تین فروری کو تحریک طالبان پاکستان نے دوسری بار پھر حکومت کو مذاکرات کی دعوت دی تھی اور مولانا فضل الرحمٰن، منور حسن اور نواز شریف پر اعتماد کا اظہار کیا تھا۔ان کا کہنا تھا کہ اگر یہ تینوں فوج کے لیے ضمانت دیں تو مذاکرات کامیاب ہو سکتے ہیں۔ دوسری جانب طالبان کے ساتھ مذاکرات کے سلسلے میں بنائے گئے جرگے کے ممبر صادق شیرانی کا کہنا تھا کہ پاکستان میں دہشت گردی اور بدامنی کے ذمہ دار طالبان نہیں ہیں۔ دہشت گردی کے ذمہ دار بہت سے عوامل اور عناصر ہیں۔ پاکستان میں دہشت گردی کے ذمہ دار اندرونی اور بیرونی عناصر ہیں۔ان کا کہنا تھا کہ ہمیں عسکری اور سیاسی قیادت کے علاوہ آنے والی نگران اور انتخابات کے بعد وجود میں آنے والی حکومت کی حمایت اور تعاون کی ضرورت ہے۔

یہ یاد رہے کہ گزشتہ دنوں مولانا فضل الرحمٰن نے طالبان کے ساتھ مذاکرات کے

حوالے سے پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں کی اے پی سی بلائی تھی جس میں سوائے تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کے تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں نے شرکت کی تھی اور طالبان کے ساتھ مذاکرات کی حمایت کی تھی، اس سے پہلے اے این پی نے بھی طالبان کے ساتھ مذاکرات کے حوالے سے اے پی سی بلائی تھی جس میں طالبان کے ساتھ مذاکرات کی حمایت کی گئی تھی۔ مولانا فضل الرحمٰن کی اے پی سی کے بعد تحریک طالبان پاکستان کا کہنا تھا کہ کل جماعتی کانفرنس کا انعقاد خوش آئند ہے لیکن ان کو طاقت کے محور پاکستانی فوج کی جانب سے مذاکرات کے حوالے سے پیش رفت کا انتظار ہے'۔ ان کا کہنا تھا کہ 'شوریٰ نے کانفرنس میں دہشت گردی کی بجائے بدامنی کا لفظ استعمال کرکے مثبت جواب دیا ہے۔ اگر سیاسی قیادت مذاکرات میں دلچسپی لیتی ہے اور پاکستانی فوج نہیں لیتی تو یہ مذاکرات 'پائیدار نہیں ہوں گے کیونکہ فوج ہی اس ملک میں طاقت کا محور ہے'۔ انہوں نے مزید کہا 'ہم نے شروع ہی سے یہ بات کی تھی کہ یہ سیاسی قائدین ہمیں فوج کی ضمانت دے دیں کیونکہ فوج کے بغیر یہ مذاکرات ادھورے ہیں'۔

طالبان کے ساتھ مذاکرات کی حمایت تمام سیاسی جماعتوں نے مل کر کی تھی، جب کہ ان کو عسکری قیادت کے مثبت جواب کا انتظار تھا، اگر عسکری قیادت طالبان سے مذاکرات پر تیار ہوجاتی ہے تو طالبان کے ساتھ مذاکرات کرلیے جائیں گے۔ کل جماعتی کانفرنس میں یہ بھی طے پایا تھا کہ آنے والی حکومت بھی کل جماعتی

کانفرنس میں طے پانے والی شقوں پر عمل کرے گی، کیونکہ اس کانفرنس میں تمام سیاسی جماعتیں شریک تھیں اور ظاہر ہے کہ آئندہ بھی انہی جماعتوں میں سے کسی کی حکومت ہوگی۔اب جب کہ عسکری قیادت نے طالبان سے مذاکرات کی ذمہ داری سیاسی قیادت پر ڈالی ہے تو سیاسی قیادت کو طالبان سے پرامن مذاکرات کا انتظام کرنا چاہیے، خصوصاً مولانا فضل الرحمٰن کو جنہوں نے ایک کامیاب کانفرنس طالبان کے ساتھ مذاکرات کے حوالے سے بلائی تھی۔اگرچہ اب کوئی منتخب حکومت نہیں ہے لیکن، یہ بات تو کانفرنس کے وقت بھی معلوم تھی کہ چند دن کے بعد حکومت ختم ہوجائے گی، اس کے بعد مذاکرات کے لیے کیا ترتیب ہوگی۔

لال مسجد

سانحہ لال مسجد سربریت و سفاکی کے جو انمٹ نقوش ہر ذی شعور انسان کے ذہن پر چھوڑ گیا ہے، اگر کوئی ان درد والم سے لبریز نقوش کو ذہن سے کھرچ کر بھی نکالنا چاہے تو یقیناً ناکامی ہی ہوگی۔ لال مسجد آپریشن اسلام کے نام پر بننے والی اس ریاست، اس وقت کے صدر، وزیر اعظم، اس آپریشن میں ملوث تمام افراد اور اس خونی کھیل کو روکنے میں کوتاہی کرنے والے ہر شخص پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ لال مسجد میں ہونے والے تاریخی ظلم پر ایک عرصہ تک چپ سادھ لی گئی تھی، کسی نے کوئی ایکشن نہ لیا، قرآن و حدیث اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ و داعی معصوم طلبہ وطالبات کو گولہ، بارود کی آگ میں جھونک کر خون کی ندیوں میں نہلانے والے تمام ذمہ دار بڑی دلیری سے سرعام گھوم رہے ہیں اور اپنے آپ کو بچانے کے لیے اس واقعہ کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈال رہے ہیں۔

چیف جسٹس آف پاکستان کی سربراہی میں عدالت عالیہ نے اس سانحہ کا نوٹس لیا اور اس بہیمانہ واقعہ کی تفتیش کرنے کے لیے ایک کمیشن تشکیل دیا۔ جس کا مقصد اس واقعہ کے ذمہ داران کو بے نقاب کرنا ہے۔ عدالت عالیہ نے کئی دن اس سانحہ کے متعلق بیانات لینے کا سلسلہ جاری رکھا، مختلف لوگوں کے بیانات لیے۔ اس سانحہ کے مختلف کردار ساری ذمہ داری دوسروں پر ڈال کر اپنا دامن بچاتے نظر آرہے ہیں۔ حالانکہ ذمہ دار سب ہیں، سب کو ہی کڑی سزا دے کر معصوم بچوں کے ناحق خون کا بدلہ لینا ضروری ہے۔ گزشتہ روز لال مسجد کمیشن کا اجلاس جسٹس شہزاد شیخ کی زیر صدارت ہوا۔ جس میں سابق وزیر اعظم

شوکت عزیز کا بیان ویڈیو لنک کے ذریعے ریکارڈ کیا گیا۔ شوکت عزیز نے اپنے بیان میں کہا کہ یہ معاملہ سول انتظامیہ کے بس سے باہر ہوگیا تھا۔ میں نے بحیثیت وزیراعظم مسلح افواج کو طلب کرنے کے لیے کسی بھی سمری پر دستخط نہیں کیے اور نہ ہی لال مسجد آپریشن کے حوالے سے میری کابینہ میں کوئی بحث ہوئی اور نہ کابینہ نے آپریشن کی منظوری دی، لیکن میں پرویز مشرف کے ساتھ ذاتی طور پر مشاورت کرتا رہا۔ البتہ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ پرویز مشرف سے کس قسم کی مشاورت کرتے رہے؟

شوکت عزیز نے اپنے بیان میں مزید کہا کہ 9 اور 10 جولائی کی درمیانی شب جب چودھری شجاعت حسین ایوان صدر میں غازی عبدالرشید کے ساتھ طے ہونے والے معاہدے کے ڈرافٹ لے کر آئے تو چودھری شجاعت حسین نے یہ کہا تھا کہ اب آپریشن ناگزیر ہوگیا ہے اور آپریشن مسئلے کا واحد حل ہے۔ اب آپریشن کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ حکومت کی طرف سے چودھری شجاعت حسین، اعجاز الحق اور طارق عظیم بات چیت کر رہے تھے۔ جب معاملہ حل نہیں ہو پایا تو مشاورت سے آپریشن کیا گیا۔ لال مسجد آپریشن مکمل طور پر ملٹری تھا، مذاکرات کی ناکامی کے بعد کوئی اور چارہ نہ رہا۔ لال مسجد آپریشن میں ہلاکتوں پر افسوس ہے۔ لال مسجد آپریشن سے میرا کوئی تعلق نہیں، مجھ سے منظوری لی گئی نہ ہی لال مسجد والوں کے مطالبات مجھ تک پہنچائے گئے۔ کمیشن نے استفسار کیا کیا آپریشن کے لیے وزارت داخلہ کی طرف سے کوئی سمری بھجوائی گئی؟

شوکت عزیز نے جواب دیا کہ مجھے وزارت داخلہ کی طرف سے کوئی سمری نہیں بھجوائی گئی۔ لال مسجد آپریشن سے متعلق پلان موقع

کی مناسبت سے تبدیل ہوتا رہا۔ کمیشن نے شوکت عزیز سے استفسار کیا کیا آپ نے کہا تھا کہ ہتھیار پھینک دیں ورنہ مارے جائیں گے؟ سابق وزیراعظم شوکت عزیز نے جواب دیا مجھے ایسا کچھ معلوم نہیں ہے۔ آپریشن کا فیصلہ فوج، پولیس اور ضلعی انتظامیہ کا تھا، فوجی آپریشن آخری حربے کے طور پر کیا گیا۔ کمیشن نے سوال کیا کہ لال مسجد میں کس قسم کا اسلحہ استعمال ہوا تو سابق وزیراعظم نے کہا کہ نہ تو وہ سیکورٹی کے ماہر ہیں نہ اسلحے کے ماہر ہیں۔ انہوں نے کمیشن کو بتایا کہ لال مسجد آپریشن میں کوئی ذمہ داری نہیں ہے، آپریشن کا آغاز وزارت دفاع نے کیا۔ اس آپریشن کی اگر ذمہ داری ڈالی جائے تو پورے، مقامی انتظامیہ اور فوج پر عائد ہوتی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں شوکت عزیز نے کہا کہ مجھے کچھ باتیں ادا کرنی ہے کیونکہ میں کمزور ہوں۔

جبکہ کچھ ہی دن پہلے سابق وزیر داخلہ آفتاب احمد خان شیرپاؤ نے لال مسجد آپریشن کی ذمہ داری سابق صدر مشرف اور اس وقت کے وزیراعظم شوکت عزیز پر عائد کی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ لال مسجد میں ہونے والے آپریشن میں وزارتِ داخلہ اور سویلین خفیہ ایجنسیوں کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔ آپریشن کے وقت میں ملک سے باہر تھا، آپریشن وزارت داخلہ نہیں فوج نے کیا تھا۔ لال مسجد آپریشن سے متعلق فیڈرل شریعت کورٹ کے جج شہزادو شیخ کی سربراہی میں قائم عدالتی کمشن کے سامنے بیان دیتے ہوئے آفتاب شیر پاکا کہنا تھا کہ لال مسجد آپریشن کو اس وقت کے صدر اور آرمی چیف پرویز مشرف اور وزیراعظم شوکت عزیز کنٹرول کر رہے تھے۔ وزارتِ داخلہ کو اس وفد کے بارے میں بھی معلومات

نہیں دی گئی تھیں جو چودھری شجاعت کی سربراہی میں قائم کیا گیا تھا اور جنہوں نے مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالرشید غازی سے ملاقات کی تھی۔ آپریشن میں تاخیر اس لیے کی جا رہی تھی تاکہ اس مسئلے کا کوئی پرامن حل نکالا جا سکے۔ سابق سیکرٹری اطلاعات نے بتایا کہ انہوں نے گرفتاری کے بعد مولانا عبدالعزیز کا سرکاری ٹی وی پر انٹرویو نشر نہیں کیا تھا بلکہ انہیں ایک گمنام ٹیلی فون آیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ مولانا عبدالعزیز ٹی وی سٹیشن آ رہے ہیں لہٰذا ان کا برقعے میں ہی انٹرویو کیا جائے۔ شیرپاؤ کا کہنا تھا کہ اس واقعے کے بعد لاپتہ ہونے والے افراد کی تعداد کے بارے میں انہیں معلومات نہیں ہیں۔

گزشتہ دنوں میں لال مسجد کمیشن کو دیے گئے بیان میں مولانا فضل الرحمٰن خلیل کا کہنا تھا کہ پرویز مشرف نے مذاکرات کے دوران ہی آپریشن شروع کرا دیا تھا۔ لال مسجد آپریشن کے وقت مولانا فضل الرحمٰن خلیل، علامہ عبدالرشید غازی کے نمائندے کے طور پر حکومتی ٹیم سے مذاکرات میں شریک تھے۔ کمیشن کو بیان ریکارڈ کراتے ہوئے فضل الرحمٰن خلیل کا کہنا تھا کہ حکومتی نمائندوں سے 5 نکاتی معاہدہ طے پایا تھا جسے وہ منظوری کے لیے مشرف کے پاس لے گئے، چودھری شجاعت حسین نے کہا تھا کہ یہ محض رسمی کارروائی ہے، کافی دیر بعد وفد واپس لوٹا تو پتہ چلا کہ مشرف نے طے شدہ معاہدہ مسترد کر کے نئی شرائط رکھی ہیں، انہوں نے لال مسجد سے پہلے پانچ اور بعد میں تیس یرغمالی مانگے، ان شرائط پر بھی علامہ عبدالرشید غازی کو راضی کر لیا تھا لیکن پرویز مشرف کی نیت میں

فتور تھا۔ مولانا فضل الرحمٰن خلیل نے کہا کہ مشرف سمیت لال مسجد آپریشن کے ذمہ داران کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ وفاق المدارس کے ذمہ داروں کا کہنا ہے کہ اس معاملے میں صدر، وزیر اعظم، ان کے کئی وزراء اور فوجی جنرل سمیت سب ہی قصوروار ہیں۔ ہم نے کئی ذمہ داران سے باتیں کیں، افسران بالا سے ملاقاتیں کیں، مگر ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔ قانون سے بالاتر ہو کر ماروائے عدالت سینکڑوں طلبہ وطالبات اور حفاظِ قرآن کا خون کر دیا گیا، بتایئے ! یہ کہاں کا انصاف ہے؟

تیری رہبری کا سوال ہے!

اس وقت دنیا بھر میں عیسائی مذہب کے پیروکاروں کی تعداد 2 ارب 20 کروڑ کے لگ بھگ ہے جو کہ مجموعی آبادی کا 32 فیصد حصہ بنتا ہے۔ جن میں سے رومن کیتھولک چرچ کے ماننے والوں کی تعداد ایک ارب 20 کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ رومن کیتھولک عیسائیت میں منتخب پوپ تاحیات اپنے عہدے پر فائز رہتا ہے لیکن گزشتہ ماہ پوپ بینڈکٹ شانزدہم نے تقریباً آٹھ سال تک پوپ رہنے کے بعد خرابی صحت کے باعث اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ وہ گزشتہ چھ سو سالوں میں مستعفی ہونے والے پہلے پوپ ہیں۔ پوپ فرانسس لگ بھگ دو ہزار سالہ قدیم رومن کیتھولک عیسائیت کے 266 ویں پوپ ہیں، ان کا انتخاب دنیا بھر سے آنے والے 115 کارڈینلز نے دو روز کی خفیہ رائے شماری کے بعد کیا تھا۔ بدھ 13 مارچ 2013ء کو جب تمام دنیا کے کیتھولک عیسائیوں نے اپنا متفقہ پادری منتخب کیا تو سینٹ پیٹرز اسکوائر میں گھنٹیاں بجنے لگیں اور جشن منایا گیا۔

اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی تعداد کیتھولک عیسائیوں سے زیادہ ہے۔ حالیہ اعداد و شمار کے مطابق دنیا میں ساڑھے چھ ارب کی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب 19.2 فیصد ہے جبکہ کیتھولک عیسائی 17.4 فیصد ہیں۔ کیتھولک عیسائیوں

نے اپنا ایک متفقہ رہبر بنانے کا سلسلہ ایک عرصے سے جاری رکھا ہوا ہے۔ مسلمانوں کے اندر بھی ایک عرصہ تک یہ روایت قائم تھی لیکن آہستہ آہستہ دم توڑ گئی۔ خلافت عثمانیہ تک مسلمانوں کا بھی پوری دنیا میں ایک ہی رہنما "خلیفہ" کی صورت میں ہوا کرتا تھا۔ 1924ء میں سقوط خلافت عثمانیہ کے بعد عالم اسلام چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ گیا۔ ہر حصے پر الگ بادشاہت قائم ہو گئی۔ اس وقت تقریباً 192 میں سے 58 ممالک مسلمان ہیں۔ ساڑھے چھ ارب کے قریب انسانوں میں سے سوا ارب سے زائد مسلمان ہیں اور وہ دنیا کے معدنی ذخائر کے 75 فیصد کے مالک ہیں۔ دنیا کی بہترین بندرگاہیں، آبی گزرگاہیں، زمینی اور فضائی راستے مسلمانوں کے پاس ہیں۔ سب سے اچھا محل وقوع مسلم ممالک کا ہے۔ تیل کے لبالب بھرے کنویں اور سونے کی کانیں ہیں۔ زرخیز زمین، دریا اور نہریں ہیں۔ محنتی کسان ہیں۔ پسینہ بہانے والے مزدور، جان کی بازی لگانے والے فوجی ہیں۔ اعلیٰ دماغ اور باصلاحیت نوجوان ہیں۔ اس کے باوجود پسماندگی اور کمزوری مسلمانوں کا مقدر بنی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ عالم اسلام اور مسلمانوں میں اتفاق واتحاد کا فقدان اور کسی متفقہ باصلاحیت قیادت کا نہ ہونا ہے۔ عالم اسلام پر اگر طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو مسلمان اتحاد سے کوسوں دور نظر آتے ہیں۔ اختلاف کی جتنی بھی قسمیں کہیں ہو سکتی ہیں، ان میں سے اکثر مسلمانوں میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مسلمان اختلاف کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اتحاد کے فقدان کے باعث ہم روز بہ روز کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔

مسلمان جس مہذب مذہب کے پیروکار ہیں، وہ مذہب اسلام جس قدر اتحاد کا درس دیتا ہے اور اس پر تاکید کرتا ہے، دیگر ادیان و مذاہب میں وہ بات نہیں دکھائی دیتی۔ اسلام کے ارکان و احکام میں بھی اتحاد کا درس ملتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا"، "سب کے سب اللہ تعالی کی رسی کو مضبوطی سے تھام لواور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔" اس آیت مبارکہ میں دو اہم کاموں کا حکم دیا گیا ہے، ایک خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا اور دوسرا سب کا مل کر تھامنا، کسی ایک فرد سے خطاب نہیں ہے بلکہ ساری امت سے خطاب ہے۔ اسلامی تعلیمات میں سب سے زیادہ زور اتفاق و اتحاد پر دیا گیا ہے۔ آپس میں محبت، اخوت، بھائی چارہ، ایمان، اتحاد اور یقین مسلمانوں کا موٹو ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں حکم فرمایا تھا: Unity is دیکھو! باہمی اختلافات میں نہ پڑنا۔" انگریزی کا ایک مشہور مقولہ ہے" اتحاد ایک عظیم قوت ہے۔" علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی" Strength فرماتے ہیں: "اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت، جو قوم متحد ہے، وہ زندہ ہے اور جو اختلاف کا شکار ہے وہ مردہ ہے یا قریب المرگ ہے۔"

دنیا میں بہت سے مذاہب ہیں لیکن ان تمام مذاہب اور ادیان میں سے اسلام ہی ہے جسکی تعلیمات انتہائی روشن، زرّیں اور سب سے بہتر ہے ں۔ اسلام ایک مکمل

ضابطہ ئ حیات ہے۔ مسلمانوں کے پاس سب کچھ ہے۔ اگر کوئی چیز نہیں ہے تو وہ ایک متفقہ رہنما اور امیر نہیں ہے۔ مسلمانوں کے پاس ایک واضح منزل کا تعین ہے، مگر بد قسمتی سے رہبر ان کے پاس کوئی نہیں۔ مسلمانوں کے پاس دور اندیش، بہادر اور باصلاحیت قیادت نہیں ہے۔ کوئی ایسا ملاح نہیں ہے جو عالم اسلام کی ڈولتی اور ڈوبتی ناؤ کو کنارے لگادے۔ نہ ہی مستقبل قریب میں ایسی کوئی قیادت نظر آتی ہے۔

مسلمانوں کی ترقی اور پیش رفت کا راز ان کے اتحاد میں مضمر ہے۔ لیکنآج مسلمان آپس میں ہی دست و گریباں ہیں، ایک دوسرے کے دشمن بن بیٹھے ہیں، اسی دشمنی کے سبب تنزلی کی گھاٹیوں میں اتنی دور جا گرے ہیں کہ آسانی سے نکلنے کی کوئی راہ بھی سدھائی نہیں دیتی۔

مسلمانوں میں اتنے فرقے وجود میں آ چکے ہیں، جن کو شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ ہر فرقے کے لوگ اسی کوشش میں ہیں کہ کس طرح دوسرے فرقے کے لوگوں کو نقصان پہنچایا جائے۔ ایک مسلک کے رہنما دوسرے مسلک والوں کے خلاف آگ بھڑکانے میں مصروف ہیں۔ دوسروں کو نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ہر کوئی اسی کوشش میں سرگرداں ہے کہ دنیا میں صرف ہم ہی رہیں باقی سب ختم ہو جائیں۔ حالانکہ ایسا ہونا ناممکن ہے، جہاں مختلف قسم کے لوگ رہتے ہوں وہاں اختلاف کا پیدا ہونا ایک فطری چیز ہے جس کو ختم کرنا ناممکن ہے۔ لیکن اختلاف کی آڑ میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت کے بیج بونا اور تعن و تشنیع کے

نشتر چلانا کہاں کا انصاف ہے؟۔

ان حالات میں عالم اسلام کو انتشار اور نفرت کی گندگی سے پاک کرنے کی سب سے بڑی ذمہ داری علماء کرام پر آتی ہے۔ انتشار کی اس آگ کو اگر علماء کرام چاہیں تو بجھا سکتے۔ یہ سب کچھ یقیناً ہو سکتا ہے، کوئی کرنے والا تو ہو۔ عالم اسلام اور مسلمانوں کو چاہیے وہ بھی اپنا ایک متفقہ خلیفہ اور امیر مقرر کریں۔ جس خلیفہ کو مسلمان مقرر کریں گے تو وہ عالم اسلام میں بڑھتی نفرت کو کسی حد تک کم کر سکے گا۔ اگر مسلمانوں میں کوئی قیادت کا اہل آ جائے تو اس کی اطاعت کی جائے گی۔ اس عہدے پر امام کعبہ کو بھی مقرر کیا جا سکتا ہے یا ان کے علاوہ مل کر کسی اور کو بھی منتخب کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال ان حالات میں مسلمانوں کے لیے عالمی سطح پر ایک امیر کا ہونا بہت ضروری ہے۔ عالم اسلام کی سطح پر نہ صحیح کم از کم ملکوں کی سطح پر ہی کوئی ایسا ہو۔ یہ سب کچھ صرف علماء کرام ہی کر سکتے ہیں اور یہ انہی کی ذمہ داری ہے۔ یہ علماء کرام کو سوچنا ہوگا کہ وہ ایک دوسرے پر ذمہ داری ڈالنے کے بجائے عالم اسلام کی

حالت کو کس طرح سدھار سکتے ہیں۔

نہ ادھر ادھر کی تو بات کر یہ بتا قافلہ کیوں لٹا

مجھے رہزنوں سے گلہ نہیں تیری رہبری کا سوال ہے

یوم پاکستان یا یوم عہد؟

23 مارچ 1940ء کے دن کو ہماری ملی تحریک و تاریخ میں جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے، آج سے تہتر سال قبل اس عظیم دن اقبال پارک (منٹو پارک) لاہور میں قرار داد لاہور منظور ہوئی، جسے قرارداد پاکستان بھی کہا جاتا ہے۔جب بھی ہر سال 23 مارچ کی سپیدہ سحر نمودار ہوتی ہے تو اس کی کرنیں قوم کو اے ک واضح پیغام دیتی ہیں کہ غلامی کے ماحول کو پس منظر دھکیلنے کے لیے جرات و ہمت، پختہ ارادہ اور اپنے موقف اور اصولوں پر ڈٹے رہنا چاہیے،اس دن مسلمانوں کے سمندر بے کراں نے ایک آزاد مسلم وطن حاصل کرنے کا عزم مصمم کیا اور پھر اس کے حصول کے لیے قربانیاں دینے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی اور نہ ہی کوئی دقیقہ فرگزاشت کیا۔ انگریز کی منافقت اور ہندو کی عداوت کے باوجود عزم و ہمت کے عوض اپنے دیرینہ خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے میں کامیاب ہوئے۔

مسلمانوں نے برصغیر پر اے ک ہزار سال کے لگ بھگ ایسی شاندار حکومت کی، جس کی مثالیں مسلمانوں کے مخالفین بھی دیتے ہیں۔ مساوات، انصاف اور رواداری پر عمل کرنے میں معمولی سی بھی کوتاہی نہیں برتی، ہر ایک کو اس کا پورا حق دیا، اقلیتوں کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا نہ ہی کسی کو بلاوجہ

تنگ کیا۔ اس کے باوجود مسلمانوں کی حکومت کے زوال کے بعد انگریزوں اور ہندوؤں نے ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ معاندانہ اور ناانصافی پر مبنی متعصب رویہ اپنائے رکھا۔ ہر طرح سے مسلمانوں کو تنگ کیا۔

انگریزوں نے تقریباً دو سو سال تک برصغیر کے باسیوں کو غلام بنائے رکھا، ان کے تمام تر ظلم و ستم کا نشانہ خصوصی طور پر برصغیر کے مسلمان بنتے رہے۔ مسلمان انگریز حکمرانوں کی سخت سے سخت سزاؤں کے زیر اعتاب رہے۔ انگریزوں کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم و سربریت کا ہر طریقہ آزمایا گیا۔ انہیں جلتی آگ پہ کڑھتے تیل میں ڈال کر بھونا گیا اور درختوں پہ لٹکا کر پھانسی دی گئی۔ لیکن مسلمانوں نے کسی بھی موڑ پر انگریز کی غلامی کو قبول نہیں کیا، مسلسل آزادی کے حصول کی جدوجہد کرتے رہے۔ مایوسی کبھی بھی ان کے قدموں کی زنجیر نہ بن سکی۔ مسلمانوں کا شوق آزادی ذرا بھی مدھم نہ ہوا۔

جب انگریزوں نے سونے کی چڑیا برصغیر سے سب کچھ لوٹ لیا تو انہوں نے جاتے جاتے اپنے دیرینہ دشمن مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے شاطر و مکار قوم ہندوؤں کی غلامی میں دینے کا منصوبہ بنایا۔ ہندو چونکہ پہلے سے ہی مسلمانوں کے ساتھ انتہا درجے کی دشمنی رکھتے تھے، کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ مسلمان باہر سے آئے ہیں، یہاں کے اصل مالک ہم ہیں اور برصغیر میں صرف ایک ہی قوم آباد ہے اور وہ صرف ہندو قوم ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ہندوؤں کے ماتحت رہنا ہوگا۔ جس

کے مقابلے میں قائد اعظم محمد علی جناح اور علامہ محمد اقبال سمیت متعدد مسلمان رہنماؤں نے دو قومی نظریہ پیش کیا، جس کے مطابق مسلمان اور ہندو کسی صورت بھی ایک قوم نہیں ہو سکتے، مسلمان ایک الگ قوم ہے۔ ان کی ہندوؤں سے ہر چیز جدا ہے، ان کی ثقافت و معاشرت، کھانا، پینا اور رہنے کا طریقہ تک مختلف ہے۔ یہ کس طرح ایک قوم ہو سکتے ہیں؟۔ مسلمان اور ہندو سڑک کے دو کناروں کی طرح ہیں جو کبھی بھی آپس میں نہیں مل سکتے۔ مسلمان رہنماؤں کا کہنا تھا کہ آج تک اسلام اور کفر کبھی بھی یکجا نہیں ہوئے اور نہ ہی ایسا ہونا ممکن ہے۔ دونوں کی مثال آگ و پانی، تاریکی و روشنی کی سی ہے۔ اسلام اپنی ایک الگ اعلیٰ و ارفع شناخت و حثیت رکھتا ہے۔ جس کو دنیا کی کوئی بھی طاقت مٹا نہیں سکتی۔

ہندو چونکہ مسلمانوں کو انگریزوں کے بعد ہمیشہ کے لیے اپنا غلام بنانا چاہتے تھے، اس لیے مسلمانوں کا یوں ہندوؤں کی ہر بات کو رد کرنا ان پر بہت ہی گراں گزرا۔ جس کی پاداش میں انہوں نے مسلمانوں کو بلاوجہ تنگ کرنا شروع کر دیا۔ دوسری جانب برصغیر میں ہندو اور دوسرے غیر مسلم مسلمانوں کی اسلامیت سے متاثر ہو کر دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہو رہے تھے، ہندوؤں کو یہ بات برداشت نہ ہوئی جس کی وجہ سے برصغیر کے ہندو مسلمانوں کے خلاف اور زیادہ بھڑک اٹھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کیں۔ مسلمانوں

کے خلاف نفرت کی آگ میں بھڑکتے ہوئے ہندوؤ نے مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کردیا، ہندوؤں کو جب کبھی موقع ملا انہوں نے مسلمانوں کو زک پہنچانے میں کسر نہ چھوڑی، ہمیشہ مسلمانوں کو حملہ آور اور اجنبی سمجھا اور جب بھی انہیں اقتدار و قوت حاصل ہوئی انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ مختلف ادوار میں ہندؤں کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف مذہبی تحریکیں چلائی گئیں۔ گائے چونکہ ہندوؤں کے نزدیک ایک مقدس جانور ہے اور مسلمان اسے ذبح کرکے اس کا گوشت کھاتے ہیں، اسی بات پر وقتاً فوقتاً اس مسلمانوں کے خلاف طوفان کھڑا کردیا جاتا۔

نتیجتاً مسلمانوں کو ایک علے حدہ وطن کا مطالبہ کرنا پڑا، کیونکہ انہوں نے جان لیا تھا کہ جب تک مسلمان الگ سے اپنا ملک حاصل نہ کرلیں اس وقت تک ہندو انہیں چین سے جینے نہیں دیں گے۔ لہٰذا وہ الگ ملک پاکستان کی آزادی کے لیے کمربستہ ہوگئے۔ مسلمان پاکستان کی آزادی کے لیے مکمل طور پر پر امید تھے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے فرمایا تھا: "پاکستان اسی دن وجود میں آگیا تھا جس دن ہندوستان میں پہلے ہندو نے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے نہ کہ وطن اور نسل۔ ہندوستان کا پہلا فرد جب مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا، وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد

"ہوگیا، ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی۔

اسی سلسلے میں 23 مارچ 1940ء کو اقبال پارک میں لاکھوں انسان پورے برصغیر سے جمع ہوئے، دور دور تک سر ہی سر نظر آ رہے تھے، یوں معلوم ہوتا تھا کہ لاہور میں انسانوں کا سمندر امنڈ آیا ہے۔ پہاڑوں کا سا عزم لیے ہجوم کا جوش قابل دید تھا۔اس دن گویا کہ پاکستان کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا۔23 مارچ کو لاہور کے منٹو پارک میں آل انڈیا مسلم لیگ کے تین روزہ سالانہ اجلاس کے اختتام پر وہ تاریخی قرار داد منظور کی گئی تھی جس کی بنیاد پر مسلم لیگ نے برصغیر میں مسلمانوں کے جدا وطن کے حصول کے لیے تحریک شروع کی اور سات برس کے بعد اپنا مطالبہ منظور کرانے میں کامیاب رہی۔برصغیر میں برطانوی راج کی طرف سے اقتدار عوام کو سونپنے کے عمل کے پہلے مرحلے میں 1936ئ/1937ء میں جو پہلے عام انتخابات ہوئے تھے ان میں مسلم لیگ کو ہزیمت اٹھانی پڑی تھی اور ان کے اس دعویٰ کو شدید زک پہنچی تھی کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اس وجہ سے مسلم لیگ کی قیادت اور کارکنوں کے حوصلے ٹوٹنے لگے اور ان پر ایک عجب بے بسی کا عالم تھا۔لیکن جب نئے ملک کے حصول کی خاطر ٹھاٹھے مارتا انسانوں کے سمندر نے لاہور میں جمع ہو کر قرارداد پیش کی۔تو اس کے بعد مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوگئے اور انہوں نے ایک نئے عزم کے ساتھ اپنا الگ ملک حاصل کرنے کی کوششیں تیز کردیں۔ پورے برصغیر میں آزادی کی تحریک نئے

عزم کے ساتھ شروع ہو گئی۔ انگریزوں، ہندوؤں نے تحریک آزادی کو دبانے کی ہر ممکن کوشش کی لے کن پاکستان کے مطالبے سے مسلمان کسی بھی قیمت پر پیچھے نہ ہٹے، ان کے اذہان و قلوب میں صرف آزادی کا لفظ گردش کر رہا تھا۔ ان کے ذہن میں صرف ایک ہی بات تھی کہ کسی طرح ایک الگ ملک بنانا ہے جس کے لیے ہمیں چاہے جتنی بھی قربانیاں دینی پڑیں دیں گے۔ مسلمان آزادی کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد کرتے رہے اور بالآخر اپنا الگ ملک پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ 23 مارچ کو منٹو پارک میں مسلمانوں نے ایک ایسے ملک کے حصول کا عہد کیا تھا، جس میں امن، چین و سکون سب کچھ ملے گا۔ جہاں انصاف کا بول بالا ہوگا۔ بدیانتی و بدنیتی نہیں ہوگی۔ بدعنوانی و خیانت کو اس ملک میں کہیں بھی جائے پناہ نہیں ملے گی۔ ظلم و زیادتی کا دور دور تک نام و نشان نہیں ہوگا۔ لوگ پیار و محبت سے رہیں گے۔ کسی کی جان کو کوئی خطرہ نہ ہوگا۔ اس ملک میں عدل ہوگا صرف عدل۔ امیر و غریب کے لیے قانون یکساں ہوگا۔ لیکن یہ کیا ہوا؟ یہاں تو سب کچھ اس کے الٹ ہوا ہمارے بڑوں نے جس کے لیے قربانیاں دی تھیں۔ یہاں تو دن دیہاڑے کسی کی جان محفوظ نہیں، لوگوں کو مسجدوں میں گھس کر قتل کر دیا جاتا ہے۔ پورے ملک میں کہیں بھی امن و سکون کا نام و نشان نہیں ہے، انصاف صرف کتابوں میں لکھا ہے۔ لوگ بدعنوانی و خیانت کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ ہر طاقت ور

ظالم اور ہر کمزور مظلوم ہے۔ پیار و محبت ناپید ہو چکی ہے۔ قوانین صرف غریبوں کے لیے ہیں، امیر ہر قسم کے قانون سے ماورا ہیں۔

تہتر سال پہلے منٹو پارک میں جمع ہو کر ایک آئیڈل ملک کے حصول کا عہد کرنے والے بزرگ حضرات اگر آج آ کر اس ملک کی حالت دیکھ لیں تو شاید وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ ایسے ملک کو حاصل کرنے سے بہتر تو تھا کہ ہم اسے حاصل ہی نہ کرتے۔ یقیناً ہم سب نے مل کر ان بزرگوں، ان کی قربانیوں اور قیام پاکستان کے وقت اپنی جانوں کی نذرانے دینے والوں کی ناقدری کی ہے، انہوں نے آج سے تہتر سال پہلے 23 مارچ کو پاکستان بنانے کا عہد کیا تھا اور اسے پورا کر کے دکھایا، آج ضرورت ہے کہ ہم سب مل کر اس ملک کو بچانے کا عہد کریں اور اسے پورا کر دکھائیں۔ اللہ تعالیٰ میرے ملک کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

سابق آمر کی پاکستان آمد

بالآخر سابق آمر و جابر سابق صدر جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف تقریباً چار سال کی خود ساختہ جلاوطنی کے بعد اتوار کو کراچی پہنچ گئے ہیں۔ ان کی پاکستان آمد کے بارے میں زبردست تشہیری مہم چلائی گئی تھی اور پاکستان کے نجی نیوز چینلز اور اخبارات میں جنرل مشرف کی آمد پر بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی ہے۔ مگر اس کے برعکس ان کی آمد کے وقت ائیر پورٹ پر جماعت کے کارکن اور حمایتیوں کی تعداد اتنی کم تھی کہ ان کے مقابلے میں ائیر پورٹ پر سیکورٹی اہلکاروں اور میڈیا کی تعداد کافی زیادہ تھی۔ ائیرپورٹ پر پولیس، رینجرز، ایئر پورٹ سیکورٹی فورس اور سادہ لباس میں سینکڑوں کی تعداد میں اہلکار موجود تھے۔ پرویز مشرف نے پاکستان روانگی سے قبل دوبئ میں صحافیوں سے کہا تھا کہ انہیں اس بات کی خوشی ہے کہ کراچی میں انتظامیہ کو ان کی فکر ہے۔

پاکستان کے سابق فوجی سربراہ پرویز مشرف نے ملک واپسی پر کراچی کی اسی شارع سے اپنا سفر طے کیا، جو سڑک 2007ء میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کے لیے ممنوع بن گئی تھی۔اس آمر کی آمد پر چیف جسٹس صاحب اسی بدامنی کیس کی سماعت کر رہے تھے جو اس آمر کے دور میں 2007 ء میں شروع ہوئی تھی،

ایک

ہی دن میں کراچی میں سو کے لگ بھگ افراد اندھی گولیوں کا نشانہ بنے تھے اور اس کو پرویز مشرف نے اسلام آباد میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم نے کراچی میں آج اپنی طاقت دکھا دی ہے۔ اس روز چیف جسٹس کے استقبال کے لیے جانے والے جلوسوں پر حملے کیے گئے اور شہر میں ہنگامے پھوٹ پڑے تھے۔ ان واقعات سے شہر میں لسانی اور سیاسی مخالفت کی بنیاد پر ہلاکتوں کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا تھا۔

شارع فیصل پر کارساز کے مقام پر اٹھارہ اکتوبر 2007ء کا ایک یادگار بھی موجود ہے جو اس بات کی یاد دلاتا ہے کہ جنرل مشرف کی ہدایت کے باوجود سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو وطن لوٹی تھیں اور ان کے استقبالیہ جلوس پر حملہ ہوا۔ جنرل پرویز مشرف کے دور میں یہ الزام تحریک طالبان کے رہنما بیت اللہ محسود کے سر پر ڈال دیا گیا تھا جس کے بارے میں بیت اللہ محسود نے کئی بار تردید بھی کی تھی اور اس وقت پیپلز پارٹی کے کئی ارکان نے بھی اسے تسلیم نہیں کیا تھا۔ راولپنڈی کی ایک عدالت نے پرویز مشرف کو مفرور قرار دیا تھا۔ ایف آئی اے کی جانب سے راولپنڈی کی عدالت میں ایک چارج شیٹ دائر کی گئی تھی جس میں پرویز مشرف کو سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو کے قتل میں ملوث ہونے کا الزام عائد کیا گیا تھا۔

خیال رہے کہ جنرل پرویز مشرف نے اٹھارہ اگست دو ہزار آٹھ کو صدر پاکستان کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تھا اور کچھ عرصہ پاکستان میں رہنے کے بعد نومبر

سال دو ہزار آٹھ میں وہ بیرون ملک چلے گئے اور لندن میں رہائش پذیر تھے۔ دو دن قبل ہی سندھ ہائی کورٹ نے تین مقدمات میں سابق صدر مشرف کی حفاظتی ضمانتیں منظور کر لی گئی تھیں۔ سابق صدر نے کراچی آمد کے بعد اتوار کی شام پانچ بجے مزارِ قائد کے قریب گراونڈ میں جلسے سے خطاب کرنا تھا۔ تاہم حکومت نے مزار قائد پر جلسے کا اجازت نامہ منسوخ کر دیا تھا۔

ذرائع کے مطابق پرویز مشرف کے آنے سے ایک دن پہلے ہی کالعدم تحریک طالبان پاکستان نے اپنے ایک تازہ پیغام میں کہا تھا کہ پرویز مشرف پر حملے کے لیے خودکش بمبار اور ماہر نشانہ باز بھیجے جائیں گے۔ تحریک طالبان کی جانب سے جاری کردہ وڈیو پیغام میں تحریک طالبان کے ترجمان احسان اللہ احسان اور کمانڈر عدنان رشید نے باری باری جامعہ حفصہ کا ذکر کرتے ہوئے مشرف کو للکارا ہے کہ کسی صورت یہاں سے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وڈیو میں تحریک طالبان کے ترجمان نے بلوچستان میں لڑنے والے جنگجوؤں کو تحریک طالبان میں شمولیت کی دعوت بھی دی۔

واضح رہے سابق آمر پرویز مشرف پر کئی قسم کے الزامات ہیں اور متعدد بار ان کے وارنٹ بھی جاری ہو چکے ہیں۔ ان پر یہ الزام بھی ہے کہ انہوں نے نومبر دو ہزار سات سے مارچ دو ہزار آٹھ تک سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سمیت کئی ججوں اور

وکیلوں کو غیر قانونی طور پر ان کے عہدے سے بر طرف کیا تھا۔ ہیومن رائٹس کے مطابق مشرف کو اپنے دور میں دو بار آئین کو معطل کرنے کا شرمناک اعزاز حاصل ہے ۔ دو ہزار سات کے ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد مشرف نے تشدد کی کاروائی کا آغاز کیا اور دس ہزار سیاسی مخالفین سمیت سپریم کورٹ کے اعلیٰ ججوں کو حراست میں لینے کا حکم دیا اور چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چودھری اور پانچ دوسرے ججوں کو معطل کر دیا اور کئی معروف وکلاء کو نظر بند کیا تھا۔

پرویز مشرف پر سابق وزیر اعظم اور بینظیر بھٹو کو مطلوبہ حفاظت فراہم نہ کرنے، بلوچستان کے قوم پرست رہنما نواب اکبر بگٹی کو قتل کرنے کا الزام بھی ہے۔پرویز مشرف کے دور میں ہی امریکا نے افغانستان پر حملہ کیا، جس کے لیے امریکا کے سات مطالبات مان کر پرویز مشرف نے پوری قوم کا سر جھکا دیا تھا اور اس کے بعد سے پاکستان میں بھی تشدد کو نیا جنم ملا اور آج تک پوری قوم اس آمر کی دی ہوئی سزا بھگت رہی ہے۔ڈرون حملوں کی ابتدا بھی اسی کے سیاہ دور میں ہوئی، جس میں اب تک ہزاروں بے گناہ پاکستانی امریکا کی جارحیت کا نشانہ بن چکے ہیں۔پرویز مشرف نے ہی قوم کی بیٹی بے گناہ عافیہ صدیقی کو امریکی ڈالروں کے عوض بیچ دیا تھا، جس پر پوری قوم سراپا احتجاج ہے، لیکن اس معصوم کی رہائی کی کوئی سبیل ابھی تک نہیں دکھائی دیتی۔امریکا نے آمر کے ہاتھوں بیچی ہوئی پاکستانی قوم کی اس بیٹی کو چھیاسی سال کی سزا سنا کر ظلم کی ایک انوکھی تاریخ رقم کی، جس کا سہرہ پرویز مشرف کے سر پر ہے۔

پرویز مشرف پر سب سے اہم اور سفاکانہ کیس لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں ہزاروں بچیوں کو بمبوں اور گولوں سے آگ میں جلا کر مار ڈالنے کا ہے۔ پرویز مشرف نے سات دن لال مسجد میں آگ و خون کی ہولی کھیلی، مسلسل ان معصوم بچیوں پر بمباری کرواتا رہا۔ جب کسی نے معاملے کو سلجھانے کی کوشش کی تو وہ اور اس کے ٹاؤٹوں نے معاملے کو مزید الجھا دیا اور ہزاروں معصوم بچیوں کو جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ اَمریکی ڈالروں کے عوض لاپتہ کیے جانے والے والدین کے ہزاروں لختِ جگر کیسے فراموش کیے جا سکتے ہیں!

کون آگاہ نہیں کہ پرویز مشرف ہی نے فرزندِ پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ایٹم بم بنانے کی سزا ٹیلی وژن پر ناکردہ گناہ کی معافی مانگنے کی صورت میں دی تھی۔ جب کہ ہندوستان نے اپنے سائنسدان ڈاکٹر عبدالکلام کو ملک کا صدر بنا کر اس کی عزت بڑھائی تھی۔ بلوچستان میں فوجی آپریشن کیے اور سیاسی مسائل کو بندوق کی گولی سے حل کرنے کی روایت قائم کی۔ اکبر بگٹی کو موت کے گھاٹ اتار کر وہاں لامتناہی بدامنی اور لسانی و صوبائی تعصب کے عفریت کو بے لگام کر دیا۔

ڈیفنس ہیومن رائٹس آف پاکستان کی چیئرپرسن آمنہ مسعود جنجوعہ نے کہا ہے کہ سابق آمر (ر) جنرل پرویز مشرف لال مسجد جامعہ حفصہ آپریشن، اکبر بگٹی اور غازی عبدالرشید کے قتل، ڈاکٹر عافیہ صدیقی اور ہزاروں لاپتہ افراد کا ذمہ

دار ہونے کی وجہ سے قومی مجرم ہے۔ فوجی و سیاسی قیادت سابق آمر کا احتساب کرے۔ سابق آمر پرویز مشرف نے اپنے دور اقتدار میں آئین کو توڑا جس پر سپریم کورٹ کو ان کے خلاف از خود نوٹس لے۔ بلوچ عوام نواب اکبر بگٹی کے قاتل کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔ پرویز مشرف قومی مجرم ہے، اسے گرفتار کرکے اس پر غداری کا مقدمہ چلایا جائے۔ وکلاء تنظیموں کا کہنا ہے کہ ہم پرویز مشرف کی آمد پر کوئی سخت لائحہ عمل طے نہیں کرسکے، لیکن بعد میں پرویز مشرف کے حوالے سے مشاورت کرکے لائحہ عمل طے کریں گے۔

مولانا عبدالعزیز نے اپنے ایک بیان میں کہاہے کہ پرویز مشرف کو آنے کی اجازت دے کر سیکڑوں طالبات اور بلوچوں کے زخموں پر نمک چھڑکا گیا ہے، قوم کبھی اس آمر کو معاف نہیں کے گی۔ اس ظالم نے معصوم طالبات کو فاسفورس بموں کے ساتھ جلا ڈالا تھا۔ پاکستانی قوم کا کہنا ہے کہ پرویز مشرف کو قانون کے کٹہرے میں کھڑا کرکے سخت سے سخت سزا دی جائے۔

برما میں مسلمانوں کی نسل کشی اب بھی جاری ہے

ابھی تک برما کی سڑکوں پر پڑی مسلمانوں کی جلی ہوئی لاشوں کا تعفن ختم نہیں ہوا تھا کہ برمی مسلمانوں پر ایک بار پھر قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ یک بار پھر مسلمانوں اور ان کی املاک، مساجد، مدارس پر بودھ ہشت گردوں نے حملے شروع کر دیے ہیں۔ بودھ دہشت گرد مسلمانوں کے قتل عام اور ان کے املاک کو لوٹنے کا کام برما انتظامیہ کی نگرانی میں کر رہے ہیں، پولیس خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ برما کے شہر میانمار کے علاقے میکتلا میں جہاں مسلمانوں کی 30 فیصد آبادی رہائش پذیر ہے، 20 مارچ کی دوپہر سے بدھ دہشت گردوں کی جانب سے مسلمانوں کی املاک کو لوٹ کر ان کے گھر اور دکانوں کو آگ لگا دی گئی۔ 20 مارچ کو شروع ہونے والی دہشت گردی میں مسلمانوں کی اس علاقے میں موجود 13 میں سے 10 مساجد کو آگ لگا کر شہید کر دیا گیا تھا اور 4 مسلمان اساتذہ، 28 طلبہ جن میں برما کے نامور عالم مولانا نور الحق کے صاحبزادے حافظ محمد احتشام بھی شامل تھے کو قتل کرنے کے بعد لاشوں کو جلا دیا گیا۔ ان مدارس اور مساجد کو کرفیو نافذ ہونے بعد اور پولیس کی موجودگی میں قتل کیا اور جلایا گیا ہے، اکثر مسلمان اپنی جانیں بچا کر اطراف کے گاؤں اور دیہاتوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ مسلمانوں اور ان کی املاک پر دستی بموں اور پیٹرول بموں سے حملے کیے گئے۔

یہ سلسلہ مزید جاری رہا اور اگلے ہی دن مزید 5 مساجد شہید کردی گئیں۔ 600 سے زاید مسلمانوں نے اسٹیڈیم میں پناہ لے کر جان بچانے کی کوشش کی۔ فسادات کی وجہ سے سے زاید افراد بے گھر ہوگئے۔ میانمر کی اپوزیشن جماعت نیشنل لیگ فار 800 ڈیموکریسی کے رہنما ون ہتائن نے بتایا کہ صرف جمعہ کے روز 5 مساجد نذر آتش کی گئیں۔ ان کا کہنا تھا کہ مشتعل بودھ باشندے مقامی حکام کو مسلمانوں کے گھروں کو لگائی گئی آگ بجھانے سے روک رہے ہیں۔ میانمر کی پولیس نے اعتراف کیا کہ متعدد مشتعل بودھوں سے بڑی تعداد میں چھریاں، ہتھوڑے، کلہاڑیاں، لاٹھیاں برآمد کرلی گئیں۔ غیر ملکی میڈیا کے مطابق بودھ بلوائی بھی ہتھیاروں سے لیس ہوکر سڑکوں پر آزادانہ گھوم رہے ہیں اور سڑکوں پر مسلمانوں کی جلی ہوئی لاشیں بھی دیکھی گئی ہیں۔

دوسری جانب میانمر برما میں مسلمانوں کے قتل، املاک کی تباہی و لوٹ مار، قرآن کریم، مساجد اور مدارس کی بے حرمتی اور انہیں شہید کیے جانے پر علماء کرام نے شدید رد عمل کا اظہار کیا ہے اور اس حوالے سے مسلسل چشم پوشی اور سرد مہری پر مسلم حکمرانوں، اقوام متحدہ اور او آئی سی کی شدید ملامت کی ہے، جامعہ الدرسات اسلامیہ کے مدیر مفتی یوسف طیبؒ، اہلسنّت والجماعت کے ترجمان مولانا اکبر سعید اور جمعیت علماء اسلام (س) کے مفتی عثمان یار خان نے

میانمر (برما) میں مسلمانوں پر ظلم و تشدد کی شدید مذمت کی۔ان رہنماؤں کا کہنا تھا کہ ایک زمانہ تھا جب ایک مسلم خاتون کی عزت و ناموس بچانے کی خاطر مسلمان صحراؤں اور سمندر کا سینہ چیر کر ظالموں کی سرکوبی کے لیے پہنچ جاتا تھا، مگر ان باتوں کا تعلق عزت، غیرت اور حمیت سے ہے جو شاید آج ہم مسلمانوں میں مفقود ہو گئی ہے۔ دنیا بھر کے مسلم ممالک خاص طور سے پاکستان جو نا صرف ایک ایٹمی طاقت ہے بلکہ ماضی قریب میں روس جیسی سپر پاور کو افغانستان سے مار بھگانے کا ریکارڈ رکھتا ہے، کی ذمہ داری ہے کہ میانمر کے مظلوم و مقہور مسلمانوں کی مدد اور دستگیری کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔

یہ بھی بے حسی کی انتہا ہے، آج ہمارے حکمرانوں اور سیاستدانوں کو اور ان کو لوٹ کھسوٹ، ووٹ بینک اور سیٹوں کی فکر تو ہے لیکن اپنے مسلمان بھائیوں کی کوئی فکر نہیں جو لادین بودھوں کے ہاتھوں بدترین مظالم کا شکار ہیں۔ قرآن میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمان اگر اپنی عبادت گاہوں کی حفاظت نہیں کریں گے تو ان کو ختم کر دیا جائے گا اسی طرح ایک اور جگہ اللہ فرماتا ہے کہ اگر یہ تم سے دین کے حوالے سے مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ برما ہو یا کشمیر اور دیگر علاقے ان کے لیے عملی اقدامات کریں۔ میانمر میں اقوام متحدہ کے بین الاقوامی قوانین کی بھی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ بودھ مذہب میں تو یہ بات شامل ہے کہ وہ کسی جاندار کو قتل

نہیں کرتے پھر برما میں یہ مسلمانوں کے ساتھ ایسا کیونکر کر رہے ہیں، اس کے خلاف عالمی سطح پر شدید رد عمل آنا چاہیے تاکہ ان بودھ لوگوں کے ہاتھوں کو مسلمانوں کے خون میں مزید رنگنے سے روکا جائے۔ برما میں مسلمانوں کو ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت نشانہ بنایا جارہا ہے۔ پاکستانی حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی دینی غیرت و حمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے برما میں مسلمانوں کے قتل عام، ان کی املاک کو لوٹنے اور جلانے اور مساجد و مدارس اور قرآن پاک کی بے حرمتی کے خلاف ہر فورم پر آواز اٹھائیں۔

یاد رہے کہ برما میں مسلمانوں پہ ہونے مظالم کی یہ داستان کوئی نئی نہیں ہے ! بلکہ 60 سال کے عرصہ میں یہاں کے مسلمان پانچ بڑے خونی فسادات سے نبرد آزما ہوئے، اس دھرتی پہ آئے روز مسلمانوں اور وہاں کی دیگر غیر مسلم طاقتوں کے درمیان چھوٹے موٹے حادثات تو رونما ہوتے ہی رہتے ہیں، لیکن پانچ بڑے فسادات میں اب تک تین لاکھ سے زائد مسلمان تہ تیغ کیے گئے جبکہ 15 لاکھ افراد بے آسرا ہوئے، دوسری جنگِ عظیم کے دوران 1941 میں اراکان کے ضلع اکیاب میں بدھسٹوں نے ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی، پھر اسی تنظیم کے تحت مگھوں نے 26 مارچ 1942 کو اراکان میں بسنے والے روہنگیا مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کیا، یہ دہشت گردی تین مہینے تک جاری رہی، اس دوران مارچ 1942 سے جون 1942 تک ڈیڑھ لاکھ مسلمان شہید جبکہ پانچ لاکھ مسلمان بے آسرا ہوئے، دوسری بار

میں بڑے پیمانے پر قتل و غارت گری ہوئی،اس میں بھی ہزاروں مسلمان لقمہ 1950 اجل بنے۔ تیسری دفعہ 1978 میں برما کی غیر مسلم فوجی حکومت نے مسلمانوں کے خلاف خونی آپریشن کیا، جس کے نتیجہ میں انھوں نے ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور پانچ لاکھ سے زائد باشندوں کو اپنی ہی سرزمین سے بے دخل کر دیا۔

میں چوتھی دفعہ یہاں فسادات پھوٹ پڑے، جس کے سبب بھی ہزاروں 1991 مسلمان ان ظالم مگھوں کے ظلم و ستم کے ہاتھوں چل بسے،اسی وحشیانہ وسربریت کے نتیجہ میں ساڑھے تین لاکھ برمی مسلمانوں کو اپنے دیس کو الوداع کہنا پڑا۔ایک بار پھر گزشتہ جون سے مسلمان برما میں مسلسل موت کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں، ایک اندازے کے مطابق اب تک اس خون ریزی میں پچاس ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک مسلمان اپنی جان دے چکے ہیں۔ یہ سلسلہ ابھی بھی رکا نہیں بلکہ جاری ہے۔

پوری دنیا میں ایٹمی قوت کہلانے والے اسلامی ممالک بھی موجود ہیں، تمام دنیا سے زیادہ وسائل رکھنے والے اسلامی ممالک بھی موجود ہیں،سب سے زیادہ افرادی قوت رکھنے والے اسلامی ممالک بھی موجود ہیں لیکن سب گنگ ہیں، زبانوں کو تالے پر چکے ہیں۔اپنی حکومتیں بنانے کے لیے تو ایک ایک شخص کے پیچھے ووت کی بھیک مانگنے کے لیے چلے جاتے ہیں ، لیکن مسلمان بھائیوں کا قتل عام کیا جارہا

!ہے، اس کے لیے دنیا میں آواز تک نہیں اٹھا سکتے، ہے ایسی حکومتوں پر

سیاستدانوں کے اثاثے

الیکشن کمیشن کی جانب سے جاری کی جانے والے تفصیلات کے مطابق خیبر پختونخوا سے پیپلز پارٹی کے منتخب رکن قومی اسمبلی نور عالم خان سب سے زیادہ مالدار پارلیمنٹیرین تھے جن کے اثاثوں کی مالیت 32 ارب روپے ہے، جمشید دستی سب سے غریب رکن اسمبلی، تنخواہ پر گزارا کرتے رہے۔ سابق وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف کے کل اثاثوں کی مالیت 14 کروڑ روپے سے زائد ہے، ان کے پاس 2 کروڑ روپے مالیت کی شاندار گاڑی بھی ہے جو کہ انہیں تحفے میں ملی ہے۔ سابق وفاقی وزیر مواصلات ارباب عالمگیر کے اثاثوں کی مالیت 2 ارب روپے ہے جبکہ ان کے پاس بھی دبئی میں ایک اپارٹمنٹ ہے، اسفندیار ولی ایک کروڑ روپے مالیت کے اثاثے رکھتے ہیں اور ان کے پاس 50 تولے سونا بھی ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن 55 لاکھ روپے کے اثاثوں کے مالک ہیں۔ انجنیئر امیر مقام 16 کروڑ کے اثاثوں اور 17 گاڑیوں کے مالک ہیں۔ سابق نائب وزیر اعظم چودھری پرویز الہیٰ کے اکاونٹ میں 6 کروڑ 41 لاکھ روپے ہیں اور ان کی 89 لاکھ روپے کی جائیداد بھی ہے، انہوں نے 3 کروڑ 49 لاکھ روپے کی سرمایہ کاری بھی کر رکھی ہے، اس کے علاوہ قومی اسمبلی کی اسپیکر فہمیدہ مرزا کے 8 کروڑ سے زائد مالیت کے اثاثے ہیں اور ان کے پاس ڈیڑھ کروڑ مالیت کا دبئی میں اپارٹمنٹ بھی ہے۔ سابق وزیر ریلوے غلام احمد

بلور کے اثاثوں کی مالیت 3 کروڑ 94 لاکھ روپے ہے۔آفتاب شیر پاؤ نے 3 کروڑ کے اثاثے۔ محبوب اللہ جان ساڑھے چار ارب کے اثاثے۔ سابق ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی فیصل کریم کنڈی 8 لاکھ کی زرعی زمین، 4 لاکھ روپے بینک اکاونٹ میں، کوئی گاڑی نہیں۔

راجا پرویز اشرف کی 7 کروڑ 20 لاکھ کی جائیداد، 18 لاکھ کی 2 گاڑیاں، بیگم کے پاس 4 لاکھ مالیت کا 10 تولے سونا اور 80 لاکھ روپے بھائی سے لینے ہیں۔ میاں محمد نواز شریف کے داماد کیپٹن صفدر کے پچھلے سال کے اثاثوں میں کوئی تبدیلی نہیں۔ چودھری نثار علی خان کا راولپنڈی فیض آباد میں گھر، چکری میں فارم ہاؤس، راولپنڈی میں 9 رہائشی فلیٹ، 4 کروڑ سے زاید مالیت کی 700 کنال زمین، 83 لاکھ روپے سے زاید بینک بیلنس۔ سابق نائب وزیراعظم پرویز الٰہی 99 لاکھ کی جائیداد، 3 کروڑ 49 لاکھ کی سرمایہ کاری، 6 کروڑ 41 لاکھ کے بینک اکاونٹ۔ فیصل صالح حیات 4 کروڑ کی جائیداد، متحدہ عرب امارات کی کمپنی میں 20 فیصد شیئر۔ منیر اورکزئی کا قطر میں ٹرانسپورٹ کاروبار، 3 لاکھ ڈالر سے زاید کی بیرون ملک سرمایہ کاری۔ شاہد خاقان عباسی ایئر بلیو میں ایک ارب 80 کروڑ کے شیئر۔ چودھری احمد مختار 2 کروڑ 19 لاکھ کی جائیداد، 11 کروڑ سے زاید اثاثے۔ قمر زمان کائرہ 5 کروڑ سے زاید اثاثے، بیگم کی لاکھ کی جیولری۔ نذر محمد گوندل 17 کروڑ سے زاید اثاثے۔ خواجہ آصف 13 40

کروڑ سے زاید اثاثے، 5 گاڑیاں، بیوی، بیٹی کے نام امریکا میں 2 بینک اکاؤنٹ۔ احسن اقبال ایک کروڑ 65 لاکھ سے زاید اثاثے۔ حمزہ شہباز 22 کروڑ سے زاید اثاثے۔ خواجہ سعد رفیق 3 کروڑ روپے کے قرض دار ہیں۔ علی موسیٰ گیلانی 7 کروڑ 52 لاکھ اثاثے، کوئی گاڑی نہیں۔ عبدالقادر گیلانی 18 کروڑ سے زاید اثاثے، بلٹ پروف امپورٹڈ گاڑی کے مالک۔ حنا ربانی کھر ایک کروڑ 35 لاکھ۔ خورشید شاہ ایک کروڑ 80 ہزار سے زاید اثاثے۔ صدر مملکت آصف زرداری کی ہمشیرہ فریال تالپور 13 کروڑ سے زاید اثاثے۔ امین فہیم ملک کے اندر اور بیرون ملک جائیداد، ایک لاکھ کے مویشی کے مالک۔ فہمیدہ مرزا 8 کروڑ سے زاید اثاثے، دبئی میں اپارٹمنٹ۔ فاروق ستار 26 لاکھ کے اثاثے، 10 لاکھ روپے سے زاید کے بینک اکاؤنٹ۔ چودھری شجاعت حسین 8 کروڑ سے زاید کے مالک، اپنی ذاتی گاڑی نہیں۔

ملک کو چلانے والے سیاستدانوں کے جاری کردہ اثاثوں سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شاید کسی اور ہی سیارے کی مخلوق ہیں، کیونکہ جو اثاثے انہوں نے جاری کیے ہیں، اگر یہ سچ ہیں تو اس کا مطلب تو ہوا کہ پاکستان کے باقی تمام عوام سڑکوں پر رہ کر گزارا کرتے ہیں کیونکہ اس دور میں ایک معمولی سا گھر بھی کسی بھی شہر میں بیس تیس لاکھ سے کم میں نہیں بنتا۔ یہ ارکان پارلیمنٹ جو ملک کے خزانوں کو اپنا مال سمجھ کر استعمال کرتے ہیں، ان کے پاس صرف لاکھوں

اور کروڑوں کی مالیت ہونا ناممکن ہے۔لاکھوں کروڑوں کے تو ان کے ذمے واجب الادا بل اور ٹیلی فون کے بل ہی بنتے ہوں گے۔جو لوگ ہمیشہ بجلی ، ٹیلی فون کے بل تک ادا نہیں کرتے، گزشتہ روز کی رپورٹ کے مطابق قومی اسمبلی اور سے نے ٹ کے ارکان کی طرف سے بھرپور انداز میں انٹرنیٹ کے استعمال کا انکشاف ہوا ہے اور اس شوق نے انہیں ایک کروڑ کا نادہندہ بنا دیا، نادہندگان میں سیاسی و مذہبی جماعتوں کے رہنما شامل ہیں۔ بجلی، ٹیلی فون اورانٹرنیٹ کے نادہندگان میں طلحہ محمود، آفتاب شعبان میرانی، مولانا محمد شیرانی، صاحبزادہ فضل کریم، محمود خان اچکزئی، چودھری نثار علی خان، عبدالغفور حیدری، حفیظ شیخ، عبدالرحمٰن ملک، احمد مختار، چودھری پرویز الٰہی، ڈاکٹر عاصم حسین، فہمیدہ مرزا، فاروق ستار، طارق فضل چودھری، فاروق ایچ نائیک، غلام احمد بلور، میر ہزار خان بجارانی، کلثوم پروین، اسفندیار ولی خان، ریاض فتیانہ اور دیگر شامل ہیں۔

نگراں حکومتوں کے قیام کے بعد حساس اداروں نے سابقہ وزرائ، ممبران قومی و صوبائی اسمبلی و حکومتی ارکان کے غیر ملکی دوروں اور اس دوران ان کے شاہانہ اخراجات کے بارے میں بیرون ملک پاکستانی سفارت خانوں اور قونصل خانوں سے معلومات حاصل کرنا شروع کیں ہیں۔ سفارتی ذرائع کے مطابق سابقہ دور حکومت کے دوران حکومتی ارکان نے بیرون ملک خاص طور پر سعودی عرب میں اپنے عمرے کے

لیے نجی دوروں کے دوران سفارت خانوں اور قونصل خانوں سے ناجائز مراعات حاصل کیں جن کی ادائی باامر مجبوری سفارت خانوں و قونصل خانوں کو کرنا پڑی اور حکومتی ارکان اپنے ان نجی دوروں کے دوران ہوٹل سمیت دیگر اخراجات کی ادائی نہیں کرتے رہے۔ سعودی عرب میں پاکستانی اور جدہ میں پاکستانی قونصل خانے نے حکومتی ارکان کی جگہ 5 سالوں میں لاکھوں ریال ناجائز طور پر ادا کیے ہیں۔ سعودی عرب میں سابقہ دور میں وزرائ و ممبران اسمبلی، وزیر اعظم یا وزراء کے اہل خانہ یا ان کے خاص مہمان جب یہاں عمرہ کے لے آئے تو انہوں نے قونصل خانوں سے نہ صرف کرائے پر لگژری گاڑیاں حاصل کیں بلکہ مکۃ المکرمہ و مدینۃ المنورہ میں فائیو اسٹار ہوٹلوں میں قیام کے بل تک ادا نہیں کیے بلکہ کئی خاص مہمانوں کے لیے سفارتی عملے کو شاپنگ بھی اپنی جیب سے کرانا پڑی تھی۔ سابق وزیر اعظم گیلانی، سابق وفاقی وزیر مذہبی امور خورشید شاہ اور دیگر کئی ارکان کے ذمے لاکھوں ریال واجب الادا ہیں۔ سرحد کے گورنر انجینئر شوکت اللہ بھی عمرے کے لیے اس وقت سعودی عرب میں ہیں اور جدہ کا قونصل خانہ اور پاکستانی حج مشن کے حکام انہیں بلا معاوضہ رہائش اور دیگر سہولیات فراہم کر رہا ہے۔ یہ لوگ جن کا یہ حال ہو کہ سب کچھ مفت سمجھ کر استعمال کریں، ان لوگوں کے اثاثے صرف لاکھوں اور کروڑوں میں ہونا ممکن نہیں ہے۔ نجانے کب تک یہ لوگ قوم کے ساتھ جھوٹ بولتے رہیں گے؟ کب تک اپنے حقیقی اثاثے چھپا کر ملک کے عوام کو بیوقوف بناتے رہیں گے؟

مشرف کے ملک سے بھاگنے کا باب بھی بند

سابق صدر اور آل پاکستان مسلم لیگ کے سربراہ پرویز مشرف پاکستان آ کر بری طرح پھنس چکے ہیں، ان کو کئی قسم کے مسائل کا سامنا ہے۔ بظاہر ایسا لگ رہا ہے کہ ان کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوگا، انہوں نے اپنے دس سالہ آمرانہ دور میں دوسروں کے لیے جتنی مشکلات پیدا کی تھیں، اب شاید وہ سب ایک ساتھ بھگتنی پڑیں گی۔

پرویز مشرف ساڑھے چار سالہ خود ساختہ جلا وطنی ختم کرکے 24 مارچ کو وطن واپس پہنچے۔ ان کی صاحبزادی نے سندھ کی عدالت عالیہ سے اپنے والد کی ضمانت قبل از گرفتاری منظور کرائی تھی جس میں توسیع کے لیے وہ ہائی کورٹ میں پیش ہوئے تو انہیں مشتعل افراد سے جوتے کھانے پڑے اور وکلاء نے پرویز مشرف کے خلاف شدید نعرے بازی بھی کی۔

ہفتے کے روز مشکلات سے پریشان مشرف کے بھاگنے کا باب بھی بند کر دیا گیا ہے۔ پاکستان کے وفاقی تحقیقاتی ادارے ایف آئی اے نے سابق صدر پرویز مشرف کے بیرون ملک جانے پر پابندی عاید کرتے ہوئے ان کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل کر دیا ہے۔ وزارت داخلہ کی طرف سے جاری نوٹیفکیشن میں ایف آئی اے امیگریشن کو کہا گیا ہے کہ مشرف کئی کیسوں میں ملوث ہیں، ان کا نام ای سی

ایل میں ڈال دیا جائے۔ ایف آئی اے حکام نے امیگریشن اور ایئر پورٹس حکام کو آگاہ کیا ہے کہ پرویز مشرف کو کسی بھی ایئر پورٹ سے بیرون ملک جانے کی اجازت نہیں، اگر وہ باہر جانے کی کوشش کریں تو انہیں گرفتار کرلیا جائے۔ ایف آئی اے حکام کی جانب سے امیگریشن اور ایئر پورٹس حکام کو تحریری طور پر ہدایات جاری کردی گئی ہیں۔ بالخصوص کراچی، لاہور، اسلام آباد اور کوئٹہ کے ہوائی اڈوں پر سخت نگرانی کی بھی ہدایات دی ہیں۔ حکام کا کہنا ہے کہ سندھ ہائی کورٹ کے حکم پر سابق صدر کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں ڈالا گیا ہے۔ جمعہ کو سندھ ہائی کورٹ نے بھی مشرف کو بغیر اجازت ملک چھوڑنے سے روک دیا تھا۔ ایف آئی اے حکام نے امیگریشن حکام کو باقاعدی تحریری طور پر ہدایات جاری کر دی ہیں۔ پاکستان کے سابق آرمی چیف جنرل ریٹائرڈ مرزا اسلم بیگ 2 روز قبل اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ پرویز مشرف پاکستان میں مزید رہے تو پھنس سکتے ہیں۔ پرویز مشرف وطن واپسی کے بعد سے کراچی کے مقامی ہوٹل میں قیام پذیر ہیں۔ جلد اسلام آباد جانا چاہتے ہیں لیکن چک شہزاد کا فارم ہاو س سیل ہونے کی وجہ سے وہ شدید پریشانی سے دوچار ہیں۔طالبان تو پہلے ہی سے ہی پرویز مشرف کو انہی الفاظ میں دھمکی دے چکے ہیں جن الفاظ میں مشرف نے بگٹی اور لال مسجد والوں کو دھمکی دی تھی کہ وہ اپنے آپ کو خود بخود ہمارے حوالے کردیں ورنہ ایسی جگہ سے ہٹ کریں گے پتا بھی نہیں چلے گا۔

دوسری جانب وکلاء برادری سابق صدر کے خلاف سخت رویہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ سندھ ہائی کورٹ بار نے پرویز مشرف کی پیشی پر رینجرز اور سے کورٹی اہلکاروں کے عدالت میں اسلحہ لانے کو توہین عدالت قرار دیا ہے، وکلاء نے عدالت میں سیکورٹی اہلکاروں کے اسلحہ لے کر آنے کے خلاف ہڑتال کا اعلان بھی کر دیا ہے۔ وائس چیئرمین سندھ بار کونسل عاقل لودھی نے کہا کہ سابق صدر پرویز مشرف کی پیشی کے موقع پر سیکورٹی اور رینجرز کے اہلکاروں نے عدالت کے تقدس کو پامال کیا اور ہائی کورٹ کو یرغمال بنائے رکھا۔ پرویز مشرف کی عدالت آمد پر توڑ پھوڑ کی گئی، قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکار عدالت کے اندر بھی اسلحہ کے ساتھ موجود رہے جو توہین عدالت ہے۔ جب کہ سندھ بار کونسل کے رکن محمود الحسن نے کہا ہے کہ ہائی کورٹ کو یرغمال بنا کر ایک بار پھر 12 مئی کا واقعہ دہرانے کی کوشش کی گئی۔ چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ نے صرف نوٹس لیا ہے جو ناکافی ہے، پیر کو سندھ بھر میں عدالتوں کا بائیکاٹ کریں گے۔ اس موقع پر کراچی بار کے صدر نعیم قریشی نے کہا کہ وکلاء اسکروٹنی کے موقع پر پرویز مشرف کو کراچی سٹی کورٹ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

مشرف کے خلاف غصے سے بھری وکلاء برادری کی جانب سے سابق صدر کو جوتا مارنے کے اقدام کو درست قرار دیتے ہوئے وکیل تجمل لودھی کو ایوارڈ دینے کا بھی اعلان کیا۔ اسلام آباد اور راولپنڈی کے وکلاء نے بھی مشرف کو جوتا مارنے والے

وکیل کی حمایت کی ہے، ان کا کہنا تھا کہ پرویز مشرف کے جرائم بہت سنگین ہیں ، اسے صرف جوتا مارنا کافی نہیں۔ جوتا مارنے والے نے اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے، جس کا اسے حق ہے۔ جڑواں شہروں کے وکلاء کا کہنا تھا کہ ہمیں مشرف کے اسلام آباد و راولپنڈی آنے کا انتظار ہے، ہم نے ایسی حکمت عملی تیار کی ہے جو مشرف کے وہم و خیال میں بھی نہیں ہوگی۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم مشرف کا ایک قومی مجرم کے طور پر استقبال کریں گے۔ وکلاء نے کہا ہے کہ بارہ مئی کو ہم ائیر پورٹ پر محصور تھے اور مشرف کے ساتھی خون کی ہولی کھیل رہے تھے، یہ وہی مشرف ہے جس نے لاپتہ افراد کا سودا کیا، ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو امریکا کے حوالے کیا، لال مسجد میں خون کی ہولی کھیلی اور بے شمار گھناؤنے جرم کیے ہیں۔ وکلاء نے کہا کہ لگتا تو یہ ہے کہ پرویز مشرف اب پبلک مقامات پر کبھی نہیں آئیں گے کیونکہ اب خدا کی پکڑ شروع ہوچکی ہے۔ مشرف نے قوم کو مکے دکھائے تھے اب قوم اسے جوتے دکھا رہی ہے۔

یاد رہے مشرف سندھ ہائی کورٹ گئے تو وکلاء نے ان پر جوتے چلا دیے تھے۔ گزشتہ روز سابق صدر مشرف نے امریکی ٹی وی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ عدالت پیشی کے موقع پر انہیں سخت توہین محسوس ہورہی تھی۔ میری زندگی کا یہ پہلا موقع تھا کہ میں کورٹ روم میں پیش ہوا، اگرچہ بظاہر میرا رویہ دوستانہ اور غیر محسوس تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ عدالت میں پیشی کے وقت توہین محسوس ہورہی

تھی۔ پرویز مشرف نے کہا کہ جوتا پھینکے جانے کے وقت انہیں خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے جوتا پھینکنے والے شخص کو دیکھا تک نہیں اور نہ میں اس شخص کو جانتا ہوں کہ وہ کون ہے۔

دوسری جانب سابق آمر انتخابات میں جیتتے ہوئے بھی نظر نہیں آ رہے کیونکہ ان کے خلاف وکلائ، طلبہ اور ورکرز جمع ہو چکے ہیں۔ سابق صدر پرویز مشرف کے مقابلے کے لیے کراچی کے حلقہ این اے 250 سے ڈاکٹر عافیہ کی بہن فوزیہ صدیقی اور سابق ناظم کراچی نعمت اللہ خان نے کاغذات نامزدگی جمع کرا دیے۔ اس بات کا امکان ظاہر کیا جا رہا ہے کہ فوزیہ صدیقی اور نعمت اللہ خان میں سیٹ ایڈجسٹمنٹ ہو جائے گی۔ نعمت اللہ خان ایڈووکیٹ نے جماعت اسلامی کی جانب سے کاغذات جمع کرائے جبکہ ڈاکٹر عافیہ کی بہن ڈاکٹر فوزیہ نے کاغذات نامزدگی جمع کرانے کے بعد میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ فاطمہ جناح ایک ڈکٹیٹر کے سامنے کھڑی ہوئی تھیں، میں بھی قوم کی بیٹی ہوں اور آج ماضی کے ڈکٹیٹر جنرل مشرف کے سامنے کھڑے ہو کر مادر ملت کی روایت کو زندہ کر رہی ہوں۔ تبدیلی کی اس لہر میں ان شاء اللہ ڈکٹیٹر کو شکست ہو گی، پوری قوم میرا ساتھ دے گی۔ اس موقع پر ان کے ہمراہ سے د عبدالوحید ایڈووکیٹ، وکلائ، سول سوسائٹی، تاجر برادری، طلبہ، انسانی حقوق رہنما اور ورکروں کی بڑی تعداد کے علاوہ ڈاکٹر عافیہ کے سپورٹر بھی موجود تھے۔ ڈاکٹر فوزیہ صدیقی نے کہا کہ

مشرف ظلم و جبر، نا انصافی اور جمہوریت اور عدلیہ کے قتل عام کی علامت بن کر پوری قوم کے سامنے انتخابات میں نمودار ہوئے ہیں، ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس موقع پر جمہوری قوتیں کتنا ہمارا ساتھ دیتی ہیں۔ ڈاکٹر فوزیہ صدیقی نے کہا کہ میں صرف عافیہ کے لیے نہیں بلکہ پاکستان میں بسنے والے ہر مرد و عورت جن کے ساتھ نا انصافی ہوئی ہو، ان کو انصاف دلانا چاہتی ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ قوم تبدیلی کی اس فضا میں میرا ساتھ دے گی اور ذلت آمیز شکست مشرف کا مقدر بنے گی۔

اسناد کی تصدیق کے لیے سپریم کورٹ کی مہلت

جوں جوں انتخابات قریب آ رہے ہیں سیاسی گہما گہمی بھی واضح نظر آ رہی ہے۔ بہت سے ارکان اسمبلی نے قوم کے ساتھ جعل سازی کرتے ہوئے اپنی جعلی ڈگریاں جمع کرائے، اسی طرح جعل سازی کے ساتھ پانچ سال بھی گزارے ہیں۔اس کے باوجود سیاسی پارٹیاں اگلی حکومت میں اپنی مضبوط پوزیشن کے لیے ان جعل سازوں کو دھڑا دھڑ اپنی جماعتوں میں شامل کر رہی ہیں اور انتخابات لڑنے کے لیے پارٹی ٹکٹ بھی دے رہی ہیں۔انتخابات میں حصہ لینے والے جعلی ڈگری والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ چیف جسٹس صاحب کو یہ کہنا پڑا کہ اگر جعلی ڈگری والوں کے بارے میں فیصلہ کر دیا تو بہت سے ارکان نااہل ہو جائیں گے۔ سپریم کورٹ نے جعلی ڈگری کیس میں 189 سابق ارکان پارلیمنٹ کو 5 اپریل تک ڈگریوں کی تصدیق کرانے کی مہلت دی ہے۔ چیف جسٹس کا کہنا تھا کہ الیکشن کمیشن امیدواروں کی بے رحمانہ سکروٹنی کرے، آئندہ تین دن تک تصدیق نہ کرانے والوں کے خلاف کارروائی ہو گی۔ عدالت عظمیٰ نے الیکشن کمیشن اور ریٹرننگ افسروں کو حکم دیا ہے کہ جب تک یہ ارکان تصدیق نہیں کراتے ان کے کاغذات نامزدگی منظور نہ کیے جائیں۔

چیف جسٹس نے ریمارکس میں کہا کہ جعلی ڈگری والے پہلے دن سے ہی الیکشن کے

لیے نااہل ہیں، انہیں حاصل کردہ تمام مراعات واپس کرنا ہوں گی۔ الیکشن کمیشن جعلی ڈگری والوں کو نوٹیفکیشن کے ذریعے نااہل قرار دے سکتا تھا۔ جعلی ڈگری والوں کے خلاف فوجداری کارروائی میں 6 ماہ لگتے ہوں گے، نااہل تو فوری طور پر قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایچ ای سی نے 69 جعلی ڈگریوں سے متعلق تحریری طور پر آگاہ کیا، 54 سابق ارکان اسمبلی کی تعلیمی اسناد سے متعلق ایچ ای سی نے آگاہ کیا ہے۔ 7 مقدمات کی ایچ ای سی نے یونیورسٹیوں سے تصدیق کر لی تھی۔ سیکرٹری الیکشن کمشن نے کہا کہ ہم نے پارلیمنٹرین کو خط لکھا تھا جس میں انہیں کہا گیا تھا کہ وہ اپنی ڈگریاں تصدیق کے لیے الیکشن کمیشن میں جمع کرائیں۔ ڈگریاں جمع نہ کرانے والوں کی ڈگریاں جعلی تصور ہوں گی، جن پر الیکشن کمیشن متعلقہ رکن کو باقاعدہ نوٹس دے کر کارروائی کرے گا۔ چیف جسٹس نے الیکشن کمیشن سے مخاطب ہو کر کہا 54 ارکان پارلیمنٹ کی ڈگریاں جعلی ہیں، ارکان میٹرک اور انٹر کی اسناد پیش کرنے میں ناکام رہے، جان بوجھ کر غلط بیانی 189 کرنے پر فوجداری کی کارروائی بنتی ہے۔ چیئرمین ایچ ای سی کے مطابق 169 کیسز ایسے ہیں جن کا ابھی فیصلہ نہیں ہوا۔ 2010ء سے ارکان پارلیمنٹ کی ڈگریوں کی تصدیق کا سلسلہ چل رہا ہے، الیکشن کمیشن نے 60 سے 70 فیصد ارکان کی ڈگری کی تصدیق کیلئے فوٹو کاپی بھجوائی، 189 ارکان پارلیمنٹ کی دستاویزات ابھی تک نامکمل ہیں۔ الیکشن کمیشن کو کئی بار آگاہ کیا گیا کہ مکمل دستاویزات کے بغیر تصدیق نہیں کی جا سکتی۔ الیکشن کمشن نے 54 ارکان کی

جعلی ڈگریوں کے باوجود کوئی کارروائی نہیں کی۔

چیف جسٹس نے کہا کہ ڈگری کی شرط ختم ہو گئی مگر غلط بیانی کرنے والا آرٹیکل 62 کے تحت نااہل ہے۔ الیکشن کمیشن کو اختیار ہے کہ وہ غلط بیانی کرنے والے کو نااہل قرار دے، غلط بیانی کرنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ مقدمہ زیر التوا ہے، نوٹیفکیشن منسوخ نہ کیا جائے۔ غلط بیانی پر ایک مرتبہ کی نااہلیت ہمیشہ کے لیے نااہلی ہے۔ جعلی ڈگری والوں کی نہیں، عوام کی حقیقی نمائندگی چاہیے۔ ارکان پارلیمنٹ اس ملک کی تقدیر کا فیصلہ کرتے ہیں۔ امیدواروں کی بے رحم سکروٹنی ضروری ہے۔ امیدوار کاغذات نامزدگی میں درست معلومات فراہم کرنے کے پابند ہیں۔ کاغذات نامزدگی میں غلط معلومات فراہم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ انہی معلومات کی بنیاد پر حلقے کے لوگ اپنا نمائندہ منتخب کرتے ہیں۔

چیف جسٹس نے کہا ہے کہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کی طرف سے الیکشن کمیشن کو 13 فروری کے لکھے گئے خط پر عملدرآمد ہو گا جس میں کہا گیا تھا کہ پندرہ روز کے اندر اندر اپنی تعلیمی اسناد کی تصدیق نہ کرانے والے ارکان پارلیمنٹ کی ڈگریاں جعلی تصور ہوں گی۔ عدالتوں نے متعلقہ شہروں کے پولیس افسروں سے کہا ہے کہ جعلی ڈگریوں سے متعلقہ زیر تفتیش مقدمات کو فوری نمٹانے کے لیے بعد

رپورٹ الیکشن کمیشن کو دیں۔ عدالت نے سیکرٹری الیکشن کمشن اشتیاق احمد خان سے کہا کہ وہ ان 27 ارکان کے مقدمات کا ازسرنو جائزہ لیں جنہیں الیکشن کمیشن نے نمٹا دیا تھا۔ سیکرٹری الیکشن کمیشن کے مطابق اس وقت 34 مقدمات مختلف ضلعی عدالتوں میں زیر سماعت ہیں۔ 13 ارکان کے خلاف سیشن کورٹ میں مقدمات زیر سماعت ہیں۔

چیف جسٹس نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ عزت سے منتخب ہو کر ایوان میں جائیں۔ جعلی ڈگری کا معاملہ ایچ ای سی کے خط کے باعث دوبارہ اٹھانا پڑا۔ موجودہ انتخابات میں ڈگری کی شرط کا خاتمہ جھوٹے اقرار نامے کا جرم ختم نہیں کر سکتا۔ اسے نشست پر رہنے کا حق نہیں، ایسے ارکان کے خلاف کارروائی کرنا الیکشن کمیشن کی ذمہ داری ہے۔

الیکشن کمیشن آئندہ انتخابات میں نااہل اور جعلی اسناد والے امیدواروں کا راستہ روکنے کے لئے سابق ارکان اسمبلی کی نام ویب سائٹ پر جاری کردیے ہیں۔ جاری کی گئی فہرست کے مطابق قومی اسمبلی کے 14 ارکان نے جعلی ڈگریاں جمع کرائی تھیں۔ پنجاب اسمبلی کے 20 ارکان 2008ء کے انتخابات میں جعلی ڈگری جمع کرا کے منتخب ہوئے۔ بلوچستان سے تعلق رکھنے والے ارکان کی تعداد 11 ہے۔ فاٹا اور ٹرائبل ایریاز کے 5 سابق ارکان اسمبلی نے جعلی ڈگریاں جمع کرائیں تھیں۔ سندھ کی سابق اسمبلی میں 4 ارکان نے غیر مستند ڈگری جمع کرائی۔ جبکہ سب سے سابق رکن قومی اسمبلی ہمایوں عزیز کرد کو جعلی ڈگری کیس میں ایک سال قید

اور پانچ ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی۔ کوئٹہ سے سابق رکن قومی اسمبلی ناصر علی شاہ کو عدالت میں پیش نہ ہونے پر اشتہاری قرار دیتے ہوئے ان کی جائیداد ضبط کرنے کا حکم دیا۔ مظفر گڑھ سے سابق رکن قومی اسمبلی جمشید دستی کے خلاف فوجداری کارروائی کرنے کی درخواست کل تک ملتوی کردی گئی۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے سابق رکن خیبر پختونخوا اسمبلی خلیفہ عبدالقیوم کو جعلی ڈگری پر تین سال قید اور پانچ ہزار روپے جرمانے کی سزا سنائی گئی، انہیں گرفتار کرکے جیل بھیج دیا گیا۔ ڈیرہ غازی خان سے سابق رکن پنجاب اسمبلی میر بادشاہ قیصرانی پر جعلی ڈگری کیس میں فرد جرم عائد کردی گئی۔ ساہیوال سے سابق رکن پنجاب اسمبلی ملک اقبال لنگڑیال کے جعلی ڈگری پر وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے ہیں۔ کوئٹہ سے سابق رکن بلوچستان اسمبلی علی مدد جتک کے خلاف جعلی ڈگری کیس کی سماعت کل تک ملتوی کردی گئی۔

دوسری جانب جعلی ڈگری والوں کے بارے میں کیے گئے ایک عوامی سروے میں عوام نے کہا ہے کہ جعلی ڈگری والے اراکین اسمبلی کو سزا کے بعد الیکشن لڑنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ عوام کا کہنا تھا کہ جس نے پہلے ہی عوام سے جھوٹ بولا ہو اور عوام کو بے قوف بنایا ہو اس کو بالکل ہی اجازت نہیں ہونی چاہیے ، جس کی بنیاد ہی جھوٹ پر ہے، وہ اچھا کام کیا کرے گا، وہ صرف لوٹ مار کرنے کے لئے ہی آئے گا۔ان کا کہنا تھا کہ ایک الیکشن نہیں بلکہ تاحیات

الیکشن لڑنے پر پابندی ہونی چاہیے، ایسے شخص کو ایسی سزا ملنی چاہیے کہ آئندہ اس کی آنے والی نسلیں بھی ایسا کام کرنے سے گھبرائیں۔ ایسے شخص کو ارکان پارلیمنٹ بنا دیا جائے تو پھر ساری زندگی پڑھائی کرنے والوں کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ ان کو عوام کی نمائندگی کا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر ایسا ہی کرنا ہے تو پھر ڈگری کی ضرورت ہی نہیں۔

واہ سیاست واہ

پاکستانی سیاست کا معاملہ شاید سب سے جدا ہے، ہر وقت سیاسی انگارے پوری حدت و شدت سے دہکتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف طعن و تشنیع کی گولہ باری بھی جاری رہتی ہے۔ صحرائے سیاست کی تمازت میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

دوسروں کی برائیاں تو واضح نظر آتی ہیں بلکہ دوسروں پر کیچڑ اچھالنے کو اپنا فرض سمجھتے ہیں جبکہ اپنے کرتوتوں پہ سدا دھند ہی چھائی رہتی ہے، دوسروں کی آنکھ کا تنکا بھی نظر آجاتا ہے، اپنی آنکھ کا شہتیر بھی کسی کو سدھائی نہیں دیتا۔ حالانکہ سب ایک ہی ترکش کے تیر اور ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ منافقت کی کوکھ سے جنم لینے والے اس طاغوتی نظام کے سب جمہورے جوتے کے تلے کی مثل ایک سے ہیں۔

جی ہاں ! اس طاغوتی نظام سیاست کے سب سیارچے ایک سے ہیں۔ ان میں رتی بھر فرق ہو تو ہو، ورنہ ان سب کا محور اقتدار اور مفادات کا حصول ہے۔ کچھ سیارچے (سیاستدان) اقتدار کے گرد طواف پورا کر لیتے ہیں اور کچھ ساری زندگی بھرپور تگ و دو کے باوجود طواف پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ بہر حال تمام سیاستدان ایک ہی "جنس" ہیں۔ بس نعرہ ہر ایک جدا لگاتا ہے۔ آج تو سیاست نام ہی منافقت کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سیاست کے سینے میں دل نہیں ہوتا۔ عرب ادیب مصطفیٰ لطفی

منفلوطی نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے: "سیاست دان اور جلاد میں کوئی فرق نہیں، جلاد تو چند افراد کو قتل کرتا ہے مگر سیاستدان ساری قوم کی جانوں کا سودا کرتا ہے، جو جتنا بڑا جھوٹا وہ اتنا بڑا سیاستدان۔ جس سیاستدان کی تاریخ کا ایک ایک صفحہ معصوموں کی لاشوں اور ایک ایک لفظ بے گناہوں کے خون سے لکھا ہو وہ سب سے کامیاب ہے۔" بالکل بجا فرمایا! جو جتنا بڑا جھوٹا وہ اتنا بڑا سیاستدان، بلکہ جو علاقے کا سب سے کرپٹ شخص ہو اس نظام میں کامیابی بھی اسی کو ملتی ہے۔ اس طاغوتی نظام کے متوالے بھی کامیاب اسی کو کرواتے ہیں جو سب سے زیادہ ان کا خون چوسے، ان کی زندگی دوبھر کردے اسی کو کامیاب کروانا عوام ضروری سمجھتے ہیں۔ کسی شریف اور غریب کا اس نظام میں کامیاب ہونے کا تصور کرنا بھی محال ہے۔ غریب کا کام ہی کیا اس نظام ہیں جائے گھر اور اپنے چولہے کی فکر کرے۔

سیاست کا سینہ تو دل سے خالی ہوتا ہی ہے جبکہ خرد کا معاملہ بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ البتہ غریب عوام کو بے وقوف بنانے میں سیاستدان سے زیادہ شاطر اور چالباز دنیا میں شاید ہی کوئی ہو، ہر آنے والا سیاستدان ایک نیا ہی تماشا سجاتا ہے اور اپنی پٹاری سے کچھ نہ کچھ نکال کر عوام کو بے وقوف بناتا ہے۔ بے چارے سادہ لوح عوام ان کی شعبدہ بازی سے متاثر ہوجاتے ہیں، اسی لیے تو خوار ہوتے ہیں۔ جبکہ ان سیاستدانوں کا مقصد تو اپنے مفادات

سمیٹنا ہوتا ہے۔ وہ خود تو سب سیاست کی میز پر اقتدار اور ملکی مال و دولت کی بوتل سے عیش و عشرت کی مئے جام بھر بھر کر پی رہے ہوتے ہیں جبکہ عوام کو سکون کا ایک گھونٹ بھی میسر نہیں آتا اور جب انتخابات قریب آتے ہیں بس پھر نہ پوچھو.... جیسے دنیا میں ان سے بڑا عوام کا کوئی خیر خواہ ہے ہی نہیں۔ لمبے چوڑے دعوے، وعدے، جلسے، جلوس اور نہ جانے کیا کیا؟ سیاست کے نام پر ہر دغا روا ہے۔

ان دنوں صحرائے سیاست میں زبردست سیاسی آندھی چل رہی ہے۔ ایک ہلچل مچی ہوئی ہے۔ ہر طرف انتخابات کی تیاری ہو رہی ہے اور اسی کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ سیاسی پہلوان سیاسی اکھاڑے میں سیاسی دھینگا مشتی کے لیے اپنی کمریں کس رہے ہیں۔ ایک دوسرے سے بڑے جلسے کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ عوام پر اپنی سیاسی قوت کی دھاک بٹھا کر عوام سے کسی طرح ووٹ اینٹھیں جا سکیں۔ پیسے کا جتنا بے دریغ استعمال یہ سیاستدان اپنے جلسوں پر کرتے ہیں، اس پیسے سے نجانے کتنے غریبوں کے چولہے جل سکتے ہیں اور کتنی قوم کی بیٹیوں کے ہاتھ پیلے ہو سکتے ہیں۔ غریب جائے بھاڑ میں ان کو کسی غریب کے مصائب سے کیا لینا، ان کو تو کسی طرح زیادہ سے زیادہ ووٹ ہتھیانے ہوتے ہیں۔ ہر جماعت صرف اپنے بارے میں دنیا کی سب سے سچی اور عوام کی ہمدرد جماعت ثابت کرنے کی جھوٹی کوشش کرتی ہے۔ تحریک انصاف ہو یا نون لیگ، پی پی ہو یا ق لیگ، ایم کیو ایم

ہو یا پھر اے این پی ان کے علاوہ بھی تمام سیاسی جماعتیں لمبے لمبے دعوے کر رہی ہیں۔ اس طاغوتی اور امیروں کے غلام نظام کے تمام رکھوالے اپنے مفادات کی خاطر جھوٹ بولنے کے تمام ریکارڈ توڑ رہے ہیں، نعرے سب لگاتے ہیں لیکن سب جھوٹے۔

بات سب غریبوں کی کرتے ہیں، یہ سیاستدان ہی بتائیں آج تک غریبوں کو کیا دیا ہے؟ دکھ، تکلیف، مہنگائی، بے روزگاری، بدامنی اور موت کے ہر قسم کے سامان کے سوا غریب کو دیا کیا ہے؟ پارٹیوں کے لیڈر بھی بڑھ چڑھ کر غریب کے حقوق کی رٹ لگاتے ہیں۔ غریبوں کی بات کرنے والی جماعتوں نے غریبوں کو کتنے ٹکٹ دیے اور کتنے غریبوں کو کامیاب کروایا؟۔ بتائیں کسی بھی جماعت نے کسی غریب کو صرف جھوٹے دلاسے اور لارے لپوں کے سوا کچھ دیا؟۔ غریب کا اس نظام میں کیا کام؟ یہاں تو وہ آئے جس کے پاس پیسا ہو، وہ بھی بے تحاشہ۔ اس نظام میں کامیابی صرف اس کے لیے جو زیادہ پیسے لٹادے اور بعد میں قوم کا پیسا لوٹ کر خرچ شدہ سے کئی گنا جمع بھی کرلے۔ غریب انسان تو محنت مزدوری کرکے اپنے گھر کی دال روٹی پوری کرے بس۔ انتخابات ہونے کے بعد تو یہ جھوٹے جمہورے کہیں نظر بھی نہیں آتے، غریب انسان تو ان کے دفتر میں گھس نہیں سکتا، ان کے بے شمار اسلحہ بردار غریب کو گھسنے ہی کہاں دیتے ہیں؟ غریب آدمی تو نوکری کے حصول کے لیے اپنی ڈگریاں اٹھائے ان کے دفتروں کے چکر کاٹتے کاٹتے چکرا کر بے حال ہو جاتا

ہے، لیکن ان بے شرموں کو کچھ شرم نہیں آتی۔ جس کے پاس پیسے یا بڑی سفارش کام بھی اسی کا ہوتا ہے، چاہے جتنی بھی ڈگریاں اٹھائے پھرے۔ اس نظام کے رکھوالے خود جعلی ڈگریوں سے الیکشن لڑتے ہیں جبکہ اصل ڈگریوں والے رلتے پھرتے ہیں۔ قوم کے یہ مجرم منافقت کا نعرہ لگاتے ہیں کہ ہم غریبوں کے لیے کام کر رہے ہیں، انہوں اگر غریبوں پر کچھ خرچ بھی کر دیا تو کیا ہوا، ملک کا مال تھا خرچ کرنا ذمہ داری تھی اور جو اس میں سے بھی کھربوں لوٹ کر اپنے بینک بھرے، ان کھربوں کا قوم کو کوئی حساب نہیں دیتا۔ سیاستدان لوگ اگر غریب کے لیے کچھ کرتے بھی ہیں تو صرف اس لیے کہ اس سے ہمارا ووٹ بینک محفوظ ہوگا، ورنہ ان کو کسی غریب کی کیا پڑی؟ سب ہی ایسے۔ سنیے اس طاغوتی نظام کے ذریعے اسلام لانے کی باتیں کرنا بھی خام خیالی کے سوا کچھ نہیں ہے، اس نظام سے اسلام لانا تو دور کی بات ہے، یہ نظام تو امریکا میں ایک مزدور کو انصاف نہیں دے سکتا!۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کے ہم مسلمانوں میں اتنی ہمّت نہیں کے یہ کہہ سکیں کہ ہمیں یہ نظام منظور نہیں۔ ہم اتنی ہمّت بھی نہیں رکھتے کے اس نظام سے الگ رہیں، کیا اس نظام سے پہلے دنیا نہیں چل رہی تھی؟ کیا انسان حکومت نہیں چلاتے تھے؟ کیا اب دنیا زیادہ خوبصورت ہو گئی؟ یقین جانیے اس نظام سے پہلے یہ دنیا زیادہ خوبصورت تھی۔ ساری سیاست ہی مفادات کی بھینٹ چڑھ چکی ہے بلکہ مفادات کی چکی میں پس

کر گرینڈ ہو چکی ہے۔ اپنے مفادات کی خاطر نئے نئے ڈرامے کیے جاتے ہیں۔ پاکستان کے عوام کو ہر کوئی استعمال کرتا ہے۔ کوئی تبدیلی کا نعرہ لگاتا ہے اور کوئی غریبوں کے حقوق کا نعرہ لگاتا ہے، کوئی اسلام کے نفاذ کا نعرہ لگاتا ہے اور کوئی خوشحال پاکستان کا نعرہ لگاتا ہے۔ پاکستانی عوام کو استعمال کرنے والے بدلتے رہتے ہیں لیکن استعمال ہونے والے نہیں بدلتے۔ بس اسی کو طاغوتی سیاست کہتے ہیں۔

تحریک انصاف جس نے دہائی مچائی ہوئی ہے کہ ہم بدلیں گے پاکستان۔ خدا کے لیے جو بدل چکا وہی کافی ہے، مزید بدلنے کی ضرورت نہیں، اپنے آپ کو کوئی نہیں بدلتا بس ہر کوئی اپنی مرضی سے بے چارے پاکستان کو بدلنے پہ لگا ہوا ہے، ستیاناس کر دیا سب نے مل کر پیارے پاکستان کا۔ یہی جماعت بتائے کہ کیا کیا غریب کے لیے اور کیا کیا پاکستان کے لیے؟ کتنے غریبوں کو ٹکٹ دیے ہیں؟ یونیورسٹی اور ہسپتال تو کیا بنا دیا، اب سیاست کے مینار بھی اسی پر کھڑے کیے جا رہے ہیں، بھئی بنا دیا تو کیا ہوا قوم کی خدمت کرنی ہے تو اسے گانے کا کیا فائدہ، اسی لیے تو کہتا ہوں یہ سیاستدان اگر کچھ کام کر بھی لیں تو صرف اپنا ووٹ بڑھانے کے لیے۔ نعرے تو بہت لگاتے ہیں یہ بتائیں کہ کتنے مزدوروں کو پارٹی ٹکٹ دیے ہیں؟ غریب کے لیے کام تو اسے کہیں گے غریب کو جماعت میں مرکزی حثیت دی جائے، جب سڑک پر مزدوری کرنے والے غریب انسان کو پارٹی ٹکٹ

دے اور اس کو جتوائے بھی، غریب کے لیے تو اس طرح ہو گا کام۔ یہاں بھی وہی طاقت میں جن کے پاس جتنا زیادہ پیسا ہے۔ پارٹی الیکشن میں وہی آگے آئے جن کے پاس طاقت تھی، برسوں سے کام کرنے والے میاں محمود الرشید جیسے نظریاتی انسان کے مقابلے میں پیسا اور اسلحہ جیت گیا اور اس بے چارے کو استعمال شدہ ٹشو کی طرح اٹھا کر پھینک دیا گیا، کیا یہی کچھ نہیں ہوتا اس طاغوتی نظام میں ؟ تف ہے ایسے نظام پہ۔ جس میں بڑا ظالم آگے آ جائے اور شریف کے لیے کوئی جگہ نہیں، سب پارٹیوں کا ایک ہی اصول ہے، چاہے دنیا کا سب سے بڑا ڈاکو ہو بس جس کی پارٹی میں شامل ہو گیا ان کی آنکھ کا تارا۔ ان پارٹیوں کے کارکنان اپنے لیڈر کو بس خدا اور نبی کا درجہ نہیں دیتے، ان کے علاوہ جو بس چلتا ہے درجہ دیتے ہیں، بڑے بڑے القابات سے تو یوں نوازتے ہیں جیسے بس قوم کو یہی مسیحا مل گیا، اس کے بغیر قوم تباہ ہو جائے گی۔

ایک دوسرے کو دنیا کا سب سے بڑا مجرم کہنے والے جب ان کی پارٹی میں شامل ہو جائیں تو سب گناہ معاف۔ شیخ وقاص جیسے جعلی ڈگری والے اور نون لیگ کل تک تو ایک دوسرے کو دنیا کا سب سے بڑا قصور وار کہتے رہے جب ضرورت پڑی سب ہنسی خوشی ایک ہو گئے۔ شاہ محمود قریشی، اعظم سواتی، جہانگیر ترین اور خورشید محمود قصوری جیسے لوگ جب دوسری پارٹیوں میں تھے اس وقت تو ان کو دنیا کا سب سے بڑا کرپٹ کہا جاتا رہا لیکن جب تحریک انصاف کی گنگا میں نہا لیے تو ہر

گناہ سے پاک ہو گئے۔ جن کے خلاف ایکشن لینا تھا ان سے مشورے ہونے لگے، جنہیں نظام سے نکالنا تھا، انہیں سینے سے لگا لیا، جنہیں نیچے گرانا تھا انہیں سر پر بٹھا لیا۔ اب کپتان کیا خاک تبدیلی لائے گا، تبدیلی تو وہ لائیں گے جن کو کپتان نے اپنے ساتھ ملایا ہے اور جنہوں نے تبدیلی لا لا کر آج ملک کا ستیاناس کر دیا ہے۔ کہتے ہیں نیا ہے اسی کو آزما کے دیکھ لو! یہ کوئی جوا تھوڑی ہے کہ یہ پتا بھی آزما لو، جب سے پاکستان بنا اسی نظام کو تو آزما رہے ہیں اور یہی سیاستدان ہیں، جو ہر بار ملک کو کنگال کرنے آ جاتے ہیں۔ کل تک تو کپتان ڈرون حملوں پر واویلا کرتا تھا، ڈاکٹر عافیہ کی بات کرتا تھا، الطاف حسین کے خلاف مقدمے چلا کر کراچی والوں کے خون کا حساب لینے چلا تھا، لیکن جب دیکھا سیاستدانوں کے خلاف کھل کر بولنے سے داد ملتی ہے تو قومی مسائل ہوا میں اڑ گئے اور کسی کو منافق، کسی کو ڈاکو اور کسی کو چور جیسے القابات دینے سے خوب شہرت حاصل کر لی۔ کراچی جل گیا اس کو کوئی سہارا نہیں دیتا، سب دیکھتے ہیں کہ سیاست کہاں چمکے گی۔ ہر تحریک کو نوجوان ہی کامیاب کرواتے ہیں، کپتان کو نوجوان وافر مقدار میں مل گئے کیونکہ نوجوانوں کو تو کسی نئے کی ہی تلاش ہوتی ہے۔ نوجوانوں کو نیا مل گیا اور کپتان کو نوجوان مل گئے۔ کپتان نے بھی انقلابیوں کو دریاں جھاڑنے اور دوسروں کے خلاف نعرے لگانے پر لگا دیا۔ نوجوانوں کو ناچ گانے کی لت ڈال دی حالانکہ نوجوانوں کی اکثریت تو پہلے ہی گانے بجانے کی رسیا ہوتی ہے، ان کو تو اپنے کام کا بندہ مل گیا، مل جل کر

ناچ گانا کریں گے۔ بات صرف کپتان کی نہیں اس نظام کا ہر پرزہ ہی مفادات کے بھنور میں چکر کاٹ رہا ہے۔ تف ہے ایسی مفاد پرست سیاست پر۔ یہی نظام ہے جس میں قاتل لیگ کہنے والی پی پی ضرورت پڑنے پر اسی قاتل لیگ کو اپنے ساتھ بٹھا کر پانچ سال گزار دیتی ہے، اسی نظام میں ایک دوسرے پر اپنے سینکڑوں کارکنوں کے قتل کا الزام لگانے والے ایم کیو ایم اور اے این پی پانچ سال اکھٹے گزار دیتے ہیں، مولانا کے بارے میں تو بس اتنا ہی کہوں گا کہ وہ اس نظام کے اصولوں پر سو فیصد عمل کرتے ہوئے ہر چیز جائز بلکہ مستحسن سمجھتے ہیں، اس نظام میں تو کوئی چیز بھی حرف آخر نہیں، ضرورت پڑنے پر تو کچھ بھی کیا جا سکتا ہے۔

پرویز مشرف کو آج تک سب ہی غدار اور آمر کہتے رہے، سب اس کی عدم موجودگی میں اس کے خلاف مقدموں کے دعوے کر کے سیاست چمکاتے رہے۔ سب کہتے رہے کہ اس ڈکٹیٹر نے پاکستان کے تمام ادارے تباہ کر دیے، ملک کی خود مختاری بیچ ڈالی اور ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مغربی ممالک کا زر خرید غلام بنا دیا۔ عدلیہ پر شب خون مارا اور دستور کی خلاف ورزی کی، نواب اکبر بگٹی اور لال مسجد کے معصوم بچوں کا قتل عام کیا اس پر مقدمہ ضرور چلنا چاہیے لیکن جب وہ آ گیا سب نے چپ سادھ لی، منہ کو گوند لگا لی، منہ سی لیے سب نے۔ ڈرون حملوں پر سیاست کرنے والے عمران خان بھی خاموش، مشرف کو بی بی کا قاتل کہنے والی پی پی

والوں کے منہ کو بھی گوند لگ گئی، بغاوت کے مقدمے کا ڈھنڈورا پیٹنے والے شریف برادران کو بھی اس نظام نے مصلحت کی چادر اڑھادی ہے۔ کیا وہ صرف اکیلا ہی غدار ہے یا یہ سب اس غداری میں شریک ہیں؟ مشرف کے ساتھی انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ مسلم لیگ (ن)، تحریک انصاف اور پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کرکے مسکراتے پھر رہے ہیں۔ کیا سب بڑی سیاسی جماعتیں بھی اس کے جرم میں ملوث نہیں ہیں؟۔ سپریم کورٹ نے مشرف کو آئین شکن قرار دیا لیکن سیاسی قیادت نے بیرونی طاقتوں کے دباو پر آئین کی دفعہ 6 کے تحت مشرف کا ٹرائل نہیں کیا۔ پھر انہیں طاقتوں کے دباؤ پر نہ مشرف کے بارے میں پراسرار خاموشی اختیار کر لی، اب مشرف کے ساتھیوں کو ٹکٹ بھی دیے جا رہے ہیں۔ مشرف دور میں دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کے سب سے بڑے وکیل، ڈرون حملوں کے بارے میں مشرف کے دائیں بازو اور قوم کی بیٹی عافیہ کے سودے باز خورشید محمود قصوری تحریک انصاف کا لیبل لگا کر پوری قوم کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔ مشرف کے منہ بولے بھائی امیر مقام، شمالی علاقہ جات اور چترال میں مشرف کی تصویریں بانٹنے والی ماروی میمن، مشرف کی پالیسیوں کا دفاع کرنے والے طارق عظیم اور لیاقت جتوئی مسلم لیگ (ن) میں شامل ہو کر اس نظام کی بدنمائی کا واضح ثبوت دے رہے ہیں۔ حنا ربانی کھر اور حفیظ شیخ تو بہت پہلے پیپلز پارٹی میں آ گئے تھے اور محمد علی درانی کو فنکشنل لیگ میں پناہ مل گئی۔ کیا یہ سب اور ان کو شامل کرنے والے بھی قوم مجرم نہیں ہیں؟۔ سیاسی قیادت اپنی مصلحتوں اور منافقت کی وجہ

سے ایک آئین شکن ڈکٹیٹر کا احتساب کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہو گئی۔ پرویز مشرف کے ساتھیوں کو ملانے کی وجہ سے مسلم لیگ (ن)، تحریک انصاف اور پیپلز پارٹی کی نظریں جھکی جھکی ہوئی ہیں۔ اگر اس فعل پر ان کی نظریں نہیں جھکی ہوئیں تو یہ بے شرمی ہے۔

اس ملک کے مال و دولت کو اپنی تجوریوں میں بھر بھر کر ہمیشہ کے لیے اپنے خزانوں کو سیل کرنے والے سب ملک و ملت کے غدار ہیں، کھربوں کی کرپشن کرنے والے بھی غدار ہیں، میرے پیارے ملک کو غیروں کے رحم و کرم پر چھوڑنے والے بھی غدار ہیں، میرے ملک کو نقصان پہنچانے والے بھی غدار ہیں، میرے ملک کے غریب عوام کے منہ سے روٹی کا نوالہ چھین کر اپنے بینک بیلنس میں اضافہ کرنے والے سب غدار ہیں۔ میرے ملک کے عوام سے جھوٹے وعدے کرنے والے بھی غدار ہیں، قوم کو بے وقوف بنانے والے سب لوگ ہی باغی ہیں، اس ملک کے اور اس ملک کو بناتے وقت لاکھوں جانوں کے نذرانے دینے والوں کے باغی ہیں۔ ملک کے آئین کے باغی، پاکستانی قوم کے باغی ہیں۔

میں باغی ہوں.... اس دور کے رسموں رواجوں سے....ان تختوں سے ان تاجوں سے.... جو ظلم کی کوکھ سے جنتے ہیں.... انسانی خون سے پلتے ہیں....جو نفرت کی بنیادیں ہیں....اور خونی کھیت کی کھادیں ہیں.... میں باغی ہوں.... وہ جن کی

ہونٹ کی جنبش سے.... وہ جن کی آنکھوں کی لرزش سے.... قانوں بدلتے رہتے ہیں.... اور مجرم پلتے رہتے ہیں.... ان چوروں کے سرداروں سے.... انصاف کے جھوٹے پہرے داروں سے.... میں باغی ہوں.... جو عورت کو نچواتے ہیں.... بازار کی جنس بناتے ہیں.... پھر اس کی عظمت کے غم میں.... تحریکیں بھی چلواتے ہیں.... ان ظالم اور بدکاروں سے.... بازار کے ان معماروں سے.... میں باغی ہوں.... جو قوم کے غم میں روتے ہیں.... وہ قوم کی دولت ڈھوتے ہیں.... وہ محلوں میں رہتے ہیں.... اور بات غریبوں کی کہتے ہیں.... ان دھوکے باز لیڈروں سے.... سرداروں اور وڈیروں سے.... میں باغی ہوں.... جہاں سانسوں پر تعزیریں ہیں.... جہاں بگڑی ہوئیں تقدیریں ہیں.... ذاتوں کے کورکھ دھندے ہیں.... جہاں نفرت کے یہ پھندے ہیں.... سوچوں کی ایسی پستی ہے.... اس ظلم کی گندی بستی سے.... میں باغی ہوں.... میں مرنے سے کب ڈرتا ہوں.... میں موت کی خاطر زندہ ہوں.... میرے خون کا سورج چمکے گا.... تو بچہ بچہ بولے گا.... میں باغی ہوں میں باغی ہوں.... جو چاہو مجھ پر ظلم کرو۔

آئین کے آرٹیکل 62,63 پر عمل درآمد؟

پاکستان میں آج کل سیاسی ہلچل مچی ہوئی ہے۔ہر طرف انتخابات کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔سیاسی جماعتیں اپنی پارٹی کے لیے زیادہ سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے کی تگ و دو میں اور الیکشن کمیشن منتخب ہونے والے ارکان اسمبلی کی چھانٹی کرنے میں مگن ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ منتخب ہو کر اسمبلیوں میں آنے والے ارکان قوم کی نمائندگی کرتے ہیں لہٰذا انہیں ایک اچھا شہری ہونا چاہیے ۔گزشتہ دور میں رہنے والے متعدد ارکان اسمبلی کی اچھی شہرت کا اندازہ ان کی جعلی ڈگریوں سے ہوگیا، اس طرح سپریم کورٹ کے حکم پر کئی جعلی ڈگریوں والوں کو جیل کی ہوا کھانے کے لیے بھیج دیا گیا ہے،تاکہ انہیں پتا چلے کہ قوم و ملک کا پیسا کھانے اور جیل کی ہوا کھانے میں کتنا فرق ہوتا ہے۔اس کے ساتھ انتخابات لڑنے والوں کے لیے بہت بڑا مسئلہ ان دنوں یہ بنا ہوا ہے کہ ان میں سے بے شمار افراد آئین کے آرٹیکل 62,63 پر پورے اترتے دکھائی نہیں دے رہے، جبکہ انتخابات لڑنے کے لیے ان پر پورا اترنا ضروری ہے۔جس بنا پر کئی افراد کے کاغذات مسترد ہو چکے ہیں۔ ہمیشہ ہی جب انتخابات کا مرحلہ قریب آتا ہے تو پارٹیوں کے نامزد کردہ اور آزاد امیدوار کاغذات نامزدگی جمع کرواتے ہیں، جس کے بعد الیکشن کمیشن کے کندھوں پر بھاری ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ ان امیدواروں میں سے اہل افراد

کا چناؤ کرے کہ کون الیکشن لڑنے کے قابل ہے، ان کو جانچنے کے لیے آئین کے آرٹیکل 62 اور 63 موجود ہیں۔ اگر ان آرٹیکلز کے تحت امیدواروں کا چناؤ ہوتا رہتا تو آج صورتحال مختلف ہوتی مگر اس سلسلے میں ہمیشہ مصلحت سے کام لیا گیا۔ یوں الیکشن کمیشن پر دباؤ بڑھا کر اپنی مرضی کا فیصلہ لینا چاہتے ہیں تاکہ وہ ہر حال میں الیکشن لڑیں اور پھر قومی خزانے کی بہتی گنگا میں من چاہا اشنان کر سکیں۔ اگر انتخابات لڑنے والوں کی جانچ پڑتال بالکل درست طریقے سے کی جائے تو انتخابات ہونے سے پہلے ہی بہت سارے ان افراد کا راستہ روکا جاسکتا ہے جو انتخابات کے بعد آکر قوم کو بھی تنگ کرتے ہیں اور ملک کا بھی ستیاناس کر دیتے ہیں۔ قوم کو بھی چاہیے انتخابات سے پہلے ہی آرٹیکل 62,63 پر پوری طرح عمل درآمد کروائے تاکہ بعد میں پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔ اگرچہ انتخابات سے پہلے ہی آئین کے آرٹیکل 62,63 پر عمل کروانے سے کوئی فرشتہ صفت انسان نہیں آجائیں گے لیکن کرپٹ لوگوں کی کافی بڑی تعداد کو روکا جاسکتا ہے۔

آرٹیکل 62,63 میں لکھا ہے:

(شرائط اہلیت ممبران مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ:

(1) کوئی شخص اہل نہیں ہوگا، رکن منتخب ہونے یا چنے جانے کا، بطور ممبر مجلس شوریٰ یا پارلیمنٹ کے، ماسوائے یہ کہ:

الف) وہ پاکستان کا شہری ہو۔ (ب) وہ قومی اسمبلی کی صورت میں 25 سال سے کم)

عمر کا نہ ہو اور بطور ووٹر اس کے نام کا اندراج کسی بھی انتخابی فہرست میں موجود ہو جو پاکستان کے کسی حصے میں جنرل سیٹ یا غیر مسلم سیٹ کے لیے ہو، اور صوبے کے کسی حصے میں اگر عورت کی مخصوص سیٹ ہو تو اس کے لیے۔ (ج) وہ سینیٹ کی صورت میں 30 سال سے کم عمر کا نہ ہو اور صوبے کے کسی ایریا میں اس کا نام بطور ووٹر درج ہو، یا جیسی بھی صورت ہو، فیڈرل کیپیٹل یا فاٹا میں جہاں سے وہ ممبر شپ حاصل کر رہا ہو۔ (د) وہ اچھے کردار کا حامل ہو اور عام طور پر احکام اسلامی سے انحراف میں مشہور نہ ہو۔ (ہ) وہ اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم رکھتا ہو، اور اسلام کے منشور کردہ فرائض کا پابند ہو، نیز کبیرہ گناہ سے اجتناب کرتا ہو۔ (و) وہ سمجھ دار ہو، پارسا ہو، ایماندار اور امین ہو اور کسی عدالت کا فیصلہ اس کے برعکس نہ ہو۔ (ز) اس نے پاکستان بننے کے بعد ملک کی سالمیت کے خلاف کام نہ کیا ہو اور نظریہ پاکستان کی مخالفت نہ کی ہو۔ (2) نا اہلیت مندرجہ پیرا گراف (د) اور (ہ) کا کسی ایسے شخص پر اطلاق نہ ہو گا، جو نان مسلم ہو لیکن ایسا شخص اچھی شہرت کا حامل ہو۔

: (نا اہلیت برائے ممبر شپ مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ

کوئی شخص مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے رکن کے طور پر منتخب ہونے یا چنے جانے (1) اور رکن رہنے کے لیے نا اہل ہو گا، اگر

الف) وہ فاتر العقل ہو اور کسی مجاز عدالت کی طرف سے ایسا قرار دیا گیا ہو)

یا (ب) وہ غیر بریت یافتہ دیوالیہ ہو یا (ج) وہ پاکستان کا شہری نہ رہے، یا کسی، بیرونی ریاست کی شہریت حاصل کرے، یا (د) وہ پاکستان کی ملازمت میں کسی منفعت بخش عہدے پر فائز ہو ماسوائے ایسے عہدے کے جسے قانون کے ذریعے ایسا عہدہ قرار دیا گیا ہو، جس پر فائز شخص نا اہل نہیں ہوتا، یا (ہ) اگر وہ کسی ایسی آئینی باڈی یا کسی باڈی کی ملازمت میں ہو، جو حکومت کی ملکیت یا اس کے زیر نگرانی ہو، یا جس میں حکومت کنٹرولنگ حصہ یا مفاد رکھتی ہو، یا (و) پاکستان کا شہری ہوتے ہوئے بھی زیر شہریت پاکستان ایکٹ 1951ء کے وہ وقتی طور پر نا اہل ہو جائے، آزاد اور Bدفعہ 14 جموں کشمیر کے رائج الوقت قانون کے تحت لیجسلیٹو اسمبلی آزاد جموں اور کشمیر کا ممبر منتخب ہو سکتا ہو۔ (ر) اسے کسی عدالت مجاز سے ایسی رائے کی تشہیر، یا کسی ایسے طریقے پر عمل کرنا، جو پاکستان کے نظریہ، اقتدار اعلیٰ، سالمیت، یا سلامتی یا اخلاقیات یا امن عامہ کے قیام یا پاکستان کی عدلیہ کی دیانتداری یا آزادی کے لیے مضر ہو، یا جو پاکستان کی مسلح افواج یا عدلیہ کو بدنام کرے، یا اس کی تضحیک کا باعث ہو، اس جرم کی سزا ہوئی ہو اور اس کو پانچ سال رہا ہوئے نہ گزرے ہوں۔ (ح) اسے کسی ایسے جرم کے لیے سزا یابی پر جو اخلاقی پستی کا جرم ہو اور اس پر سزا کم از کم دو سال ہو چکی ہو اور اس کو پانچ سال رہا ہوئے نہ گزرے ہوں۔ (ط) اسے پاکستان کی ملازمت، یا کارپوریشن، یا دیگر آفس، جو قائم یا کنٹرول کردہ ہو، فیڈرل گورنمنٹ کا، صوبائی گورنمنٹ کا، یا

لوکل گورنمنٹ کا، سے غلط روی کی بنیاد پر ہٹا دیا گیا ہو، اور اس کی بر طرفی کو 5 سال کا عرصہ نہ گزر گیا ہو۔

بہت سارے افراد کو یہ اعتراض ہے کہ ان سے کاغذات جمع کروانے کے وقت اسلامی سوالات نہ پوچھے جائیں۔ کیوں کہ اس سے امیدوار کی ہتک ہوتی ہے۔ یہ حضرات ہی بتائیں کہ کیا آئین میں یہ بات نہیں لکھی ہوئی کہ امیدوار اسلامی معلومات وافر مقدار میں رکھتا ہو۔ اگر اسے اسلامی سوالات کا جواب دیتے ہوئے شرم آتی ہے تو اسے قوم کا نمائندہ بنتے ہوئے شرم کیوں نہیں آتی؟ قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 24 ڈیرہ کے ریٹرننگ افسر نے تحریک مساوات کی چیئرپرسن مسرت شاہین سے کہا کہ وہ کوئی قرآنی آیات سنائیں تو مسرت شاہین نے انہیں آیت الکرسی اور سورۃ کوثر درست سنادی۔ جس کے بعد ان کے کاغذات نامزدگی کو منظور کرلیا گیا۔ کیا صرف قرآن مجید کی کوئی آیت سنا دینے سے آئین پر عمل ہو جاتا ہے؟ قرآن مجید کی چند آیات تو بچپن میں ہر بچہ ہی یاد کرتا ہے۔ آئین کے آرٹیکل 62,63 پر مکمل عمل درآمد کی ضرورت ہے۔ صرف چند آیات سے آئین پر مکمل عمل نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے الیکشن کمیشن کو چاہیے کہ آئین میں جو کچھ لکھا ہے ان سب پر عمل کروائے اور کاغذات جمع کروانے کے وقت اسلامی سوالات پوچھے جانے پر بھی سیکولر افراد کے دباؤ میں نہ آئے۔ جو کچھ آئین میں لکھا ہے اگر اس پر مکمل عمل ہو جائے تو بعد میں قوم کو رونا نہ پڑے۔

قصور وار ہم خود ہی ہیں

ہر ذی شعور مسلمان کے ذہن میں اکثر و بیشتر یہ سوال جنم لیتا ہے کہ نجانے کب تک ہم اہل حق ہونے کے باوجود اہل باطل سے اپنی زندگی کی بھیک مانگتے رہیں گے؟ ظالموں کے رحم و کرم پر سہم سہم کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اپنی زندگی کے دن گنتے رہیں گے؟ ہر طرف وہی کچھ ہو رہا ہے جو ہم نہیں چاہتے اور جو ہم چاہتے ہیں وہ ہو نہیں رہا۔ بلکہ اس کے ہونے کی امید بھی معدوم ہے۔ کہیں امریکا کی اجارہ داری اور کہیں اسرائیل کا ظلم و ستم جاری۔ جب سے آنکھ کھولی ہے چار سو خون مسلم ہی ارزاں دیکھا۔ افغانستان میں زیر ستم مسلمان، برما میں قتل عام مسلمان کا، عراق میں مرتا ہے تو مسلمان، کشمیر، چیچنیا و بوسنیا سمیت دنیا کے کونے کونے میں مسلمان ہی ظلم کی چکی میں پس رہا ہے۔ یہی بے چارہ پنجہ کفر میں جکڑا ہے۔ یہ سب کچھ آخر کیوں ہو رہا ہے؟

یاد رکھیں! اس سب کچھ کے باوجود بھی ہم خود ہی قصوروار اور ان حالات کے ذمہ دار ہیں۔ ہم صرف یہ رٹ لگاتے ہیں کہ دشمن ہمارے خلاف سازش کر رہا ہے۔ ہم آہ و بکا کرتے ہیں کہ ہم پر ظلم ہو رہا ہے۔ ہم صرف ظلم سہتے ہیں اور شور مچاتے ہیں۔ ایک عرصے سے ہم اپنی مظلومیت کا نوحہ الاپ رہے ہیں۔ یوں پوری دنیا کو

یہ باور کروانے کی کوشش میں ہیں کہ خدارا مان لو کہ ہم مظلوم ہیں ! لیکن اہل قوت ہم کو مظلوم مانتے ہوئے بھی ہم پر رحم نہیں کرتے۔

ذرا سوچیے ! آج تک کبھی دنیا میں ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی ظالم نے مظلوم کو مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹنے کی وجہ سے چھوڑ دیا ہو۔ ایسا ہر گز نہیں ہوا اور نہ ہی یہ قدرت کا ضابطہ و قانون ہی ہے۔ بلکہ اس طرح تو ظالم کو ظلم کرنے کا مزید موقع ملتا ہے کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ میرا مدمقابل خود اپنی کمزوری کا اقرار کر رہا ہے، یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ اس پر جتنا چاہو ظلم کر لو۔ ظالم مظلوم کی بے بسی کو دیکھ کر اس پر ظلم کا شکنجہ اور کس دیتا ہے۔ اسے پتا ہوتا ہے کہ اس نے صرف شور مچانا ہے، لوگوں سے مدد کی اپیل کرے گا، لیکن اپنی جان بچانے کی کوئی سبیل نہیں کرے گا اور جو خود ہی اپنی جان نہ بچا سکے تو اسے کوئی دوسرا کیا بچائے گا؟

یہ دنیا تو دارالاسباب ہے۔ یہاں تو جو کرو گے وہی ملے گا۔ جو بوؤ گے اسی کا پھل دنیا میں کاٹو گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کرو کچھ نہ اور امید رکھو عزت سے زندگی گزارنے کی۔ آج اگر ہم کسی بھی ملک کی دنیا میں حکمرانی دیکھتے ہیں تو یہ اس قوم کی محنتوں کا صلہ ہے جو اسے دنیا میں ہی مل گیا ہے۔ امریکا، برطانیہ، بھارت، چین اور دوسرے کئی ممالک آج دنیا کی کنجی اپنے قبضے میں

کرنے کو ہیں۔ کیا ہم اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے ؟ اکھاڑہ تو خالی ہے۔ ہر ایک کو اجازت ہے کہ آئے اور آ کر اپنی قوت، عقلمندی اور صلاحیتوں کا مظاہرہ کرے اور اپنے مدمقابل کو پچھاڑ دے۔ ہم بھی میدان مار سکتے ہیں اور دشمن بھی۔ جو عقلمندی، محنت اور جستجو کے ساتھ کام کرتا ہے یقیناً کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ دشمن نے عقل کو استعمال کر کے محنت کو اپنا شعار ٹھہرایا۔ سو سال پہلے آج کے دن کے لیے سوچا، لائحہ عمل طے کیااور کام شروع کر دیا۔ جو وسائل ان کے پاس دستیاب تھے ان کو کام میں لے آئے۔ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اس میں کھپا دیا۔ آج وہ اس سطح پر پہنچ چکے ہیں کہ ہم پر حکمرانی کر سکیں۔ حالانکہ ہمارے پاس بھی وسائل کی کوئی کمی نہیں۔ شاید ہمارے پاس وسائل ان سے کئی گنا زیادہ ہوں۔ سو سال بعد کے لیے تو کیا سوچنا تھا ہم نے آج کے دن آج کے دن کے لیے بھی نہیں سوچا۔ زندگی کے تمام شعبوں پر کفار کی حکمرانی ہے۔ ہم نے کسی بھی میدان میں ترقی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہم اپنے سیاسی نظام، عائلی نظام، تعلیمی نظام ،اقتصادی نظام اور مذہبی نظام تک کو مستحکم نہ کر سکے۔ ہر برائی ہم میں پائی جاتی ہے۔ ہم اغیار کی نقل کرتے ہیں لیکن ان چیزوں میں جو بری ہوں نہ کہ اچھی چیزوں میں۔ اسی لیے ہم سر جھکا کر بھی نہیں جی سکتے کیونکہ ہم اس قابل ہیں ہی نہیں۔ ساری دنیا میں مسلمان ہی آپس میں دست و گریباں نظر آتے ہیں۔ افغانستان، عراق، شام اور کئی دوسرے ممالک کا تو کہنا ہی کیا۔ مصر میں اسلامی حکومت مستحکم ہونے کی امید بندھی تھی کہ وہاں بھی

مسلمان ہی اس حکومت کو گرانے کے درپے ہیں۔ بھارت، امریکا، برطانیہ اور چین غیر مسلم ممالک ہیں لیکن وہاں لوگ نماز بغیر کسی پہرے کے پڑھتے ہیں لیکن ہمارے اسلامی ممالک اتنے مظلوم ہیں کہ یہاں تو مسلمان مسجد کے اندر بھی محفوظ نہیں۔ مسلمان ہی مساجد کے اندر گھس کر مسلمان کو قتل کر رہے ہیں۔ مخالف فرقے و مسلک کے علماء کو قتل کیا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ مسلمان ممالک میں ہوتا ہے۔ کیا کراچی جیسا اندھا ظلم بھی کسی غیر مسلم ملک میں ہوتا ہے؟ یہ کس کا قصور ہے؟ ان حالات کے ہوتے ہوئے ہم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں؟ دشمن کا تو کام یہ ہے کہ وہ سازشیں کرے۔ افسوس تو خود پر ہے کہ ہم صرف دشمن کو برا بھلا کہنے سے آگے نہیں بڑھ پاتے۔ کوئی منصوبہ بندی کرتے ہیں نہ ہی کسی منصوبہ بندی پر عمل کرتے ہیں۔ ہم اپنے مخالف کی اچھی بات کو بھی محض اس وجہ سے ٹھکرا دیتے ہیں کہ وہ بات ہمارے مخالف نے کہی ہے۔ جبکہ امریکا جیسے غیر مسلم ملکوں میں قوم کے لیے کام کیا جاتا ہے، چاہے حکومتیں جتنی بھی بدل جائیں لیکن پالیسیاں نہیں بدلتیں، اسی لیے وہ لوگ دنیا میں ترقی کر رہے ہیں۔

آج بھی وقت ہے جو بن پڑتا ہے، کر لیا جائے۔ ورنہ زندگی کی بھیک مانگنے والوں کو کبھی بھیک نہیں ملتی اور نہ کبھی ملی ہے۔ اگر زندگی کو زندگی کے طریقے پر گزارنا چاہتے ہیں تو اسلاف کی طرح بھرپور کوشش کرنا ہوگی۔ پوری محنت، جستجو اور بیدار مغزی سے کام کرنا ہوگا۔ ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھے رہنے سے

کچھ نہیں ہوگا۔ آپ جنگ بدر کو ہی دیکھ لیں۔ اللہ کے سب سے محبوب نبی اگر چاہتے تو اللہ تعالی سے صرف دعا کرتے تو دشمن کا ستیاناس ہو جاتا لیکن عادت خداوندی یہ نہیں ہے۔ اللہ نے دنیا کے تمام تر معاملات کو اسباب کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ آپ علیہ السلام عادت خداوندی کے مطابق ایک ہزار کے مقابلے میں تین سو تیرہ جانثاروں کو لے کر میدان میں اترے، آٹھ تلواریں تھیں، ان کو بھی لے آئے۔ دو گھوڑے تھے وہ بھی ہمراہ لائے۔ جاں نثاروں سے مشورہ کیا ان حالات میں کیا کرنا چاہیے؟ منصوبہ بندی کی، لائحہ عمل طے کیا، میدان کا معائنہ کیا۔ اسباب کے درجے میں جو ان سے ہو سکا وہ کیا۔ پھر سجدے میں سر رکھ کر کہا: "یا اللہ! جو ہمارے بس میں تھا وہ ہم نے کر لیا۔ اب فتح دینا آپ کا کام ہے۔" پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالی نے کیسی فتح مبین عطا کی۔ اس فتح کی آج چودہ سال بعد بھی مثالیں دی جاتی ہیں۔

آج اگر فلسطین کے معصوم بچوں کو اسرائیل قتل کرتا ہے۔ امریکی طیارے افغانستان و وزیرستان کے بے گناہ لوگوں کو خاک و خون میں لت پت کرتے ہیں۔ آج اگر بھارت کشمیر میں مسلمان عوام کو درندگی کا نشانہ بناتا ہے.... تو ہم صرف یہ کہتے ہیں اللہ تعالی سے دعا کرو کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو ظلم سے چھٹکارا مل جائے۔ ہم صرف اذکار و اوراد کے ذریعے فتح پانا چاہتے ہیں۔ ان سب چیزوں کی برکت و فضیلت اپنی جگہ لیکن سوچنا یہ ہے کہ کیا نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم بھی ایسے ہی نہ کر سکتے تھے؟ لیکن امت کو یہ بتانے کے لیے کہ اگر دنیا میں سر اٹھا کر جینا چاہتے ہو تو یہ صرف دعاؤں سے ممکن نہیں بلکہ اس کے لیے کچھ کرنا ہوگا۔ اسی طرح آپ کو حکمرانی مل سکتی ہے، ورنہ دشمن ہر میدان پر قابض ہو جائے گا اور تم کہو گے کہ ہم ناحق مرنے کے باوجود بھی دہشت گرد اور دشمن ہمیں قتل کرنے کے باوجود بھی امن پسند ہے۔ یہ سوچنا ہوگا کہ اس طرح واویلا کرنے سے کبھی کسی کو عزت نہیں ملی۔ عزت و قوت حاصل کرنے کے لیے سر توڑ کوشش کی جاتی ہے۔ اپنی حالت خود بدلنا پڑتی ہے۔ کوئی دوسرا آ کر کسی کی حالت نہیں بدلا کرتا، خدا بھی انہی لوگوں کی حالت بدلتے ہیں جو اپنی حالت کی خود فکر کرتے ہیں

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال اپنی حالت کے بدل جانے کا

نسل نو کے جمہوریت کو مسترد کرنے سے سیاستدان فکر مند

کیا کبھی کوئی یہ سوچ سکتا تھا کہ ایک ایسا ملک جہاں ایک عرصے سے لوگوں کا ذہن بنایا جارہا ہے کہ اگر پاکستانی قوم نے ترقی کرنی ہے، امن لانا ہے، عوام کو سکون کی زندگی مہیا کرنی ہے اور ہر ایک کو اس کا پورا پورا حق دینا ہے تو پاکستان میں جمہوریت کو مضبوط کرنا ہوگا۔اس کے بغیر پاکستان.برباد ہوجائے گا۔اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے کبھی امریکا کی مثالیں دی جاتیں ہیں اور کبھی کسی اور ترقی پذیر ملک کو آئیڈل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔اگر کوئی پاکستان میں اسلامی نظام کی بات کرتا تو کہا جاتا کہ اسلامی نظام کا مطالبہ کرنا تو پتھر کے دور کی بات ہے۔میڈیا سمیت تمام وسائل کے ذریعے نوجوانوں اور اس ملک کے ہر فرد کے ذہن میں یہ بات ڈالی جاتی رہی کہ اگر اس ملک میں اسلامی نظام نافذ ہوگیا تو سب بھوکے مرجائیں گے، ہر طرح
انہیں اسلامی نظام سے ڈرایا جاتا رہا۔لیکن اسی ملک کے نوجوان جن کو ہر طرح سے اسلامی نظام کی خامیاں بتائی جاتی رہیں،جب ان نوجوانوں نے ایک عرصے سے ملک میں چلنے والے جمہوری نظام کو اچھی طرح آزما لیا تو انہوں نے جمہوری نظام کو بری طرح مسترد کرکے اسلامی نظام میں ہر قسم کی کامیابی کو پوشیدہ قرار دے دیا۔جس سے سیکولر اور جمہوری نظام کے رکھوالے یقیناً ناخوش اور حیرت زدہ ہیں۔

گزشتہ دنوں برٹش کونسل کی جانب سے سروے کیا گیا، اس جائزے کے دوران اٹھارہ سے انتیس سال کی عمر کے پانچ ہزار نوجوانوں سے معلومات حاصل کی گئیں۔ بی بی سی کی نامہ نگار لاگیورین کے مطابق یہ جائزہ ایک قنوطی نسل کی تصویر کشی کرتا ہے جو پانچ سالہ جمہوری دور سے ذرا بھی خوش نہیں۔ اس سروے کے مطابق پچاس فیصد سے زائد نوجوانوں نے کہا کہ جمہوریت ان کے لیے اور ملک پاکستان کے لیے کبھی بھی اچھی نہیں رہی ہے۔ چورانوے فیصد نوجوانوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ پاکستان غلط سمت میں جا رہا ہے۔ ء میں کیے گئے سروے میں یہ شرح 50 فیصد تھی جو کہ اب بڑھ کر نوے فیصد 2007 سے زائد ہو چکی ہے۔ بہترین سیاسی نظام کے بارے میں پوچھے جانے پر سب سے زیادہ افراد نے شرعی نظام کے حق میں ووٹ دیا جبکہ فوجی نظام کو دوسرے اور جمہوریت کو تیسرے نمبر پر رکھا گیا۔ جمہوری حکومت کے حق میں بولنے والوں کی تعداد صرف 13 فیصد رہی۔ پچیس فیصد نوجوانوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ وہ ملک میں جاری تشدد سے براہ راست متاثر ہوئے ہیں یا وہ کسی نہ کسی پر تشدد واقعے کے عینی شاہد و گواہ ہیں اور قبائلی علاقوں میں یہ شرح ساٹھ فیصد رہی۔ ایک اور قابل فکر اور پریشان کن بات یہ بھی ہے کہ مہنگائی اور بڑھتی ہوئی قیمتیں دہشت گردی کے خوف کو بھی مات کر کے آسمان کو چھونے لگی ہیں اور ستر فیصد کے قریب یہ صورت حال پانچ برس قبل سے بھی بدتر ہے۔ نوجوان نسل جمہوریت سے نالاں اور شاکی دکھائی دیتی ہے۔ سروے

یہ بتاتا ہے کہ نسل نو اور نوجوان نسل ملک میں اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں شرعی نظام کے حامی ہیں کیونکہ وہ جمہوریت اور جمہوری نظام کی تلخیاں سہہ سہہ کر قوت برداشت کھو بیٹھے ہیں اور جمہوریت کے مزید متحمل نہیں ہو سکتے۔

متعدد مذہبی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ نوے فیصد نوجوان ملک میں 65 سال سے چلتے ہوئے فرسودہ نظام سے بیزار جبکہ اکثریت قرآن و شریعت کے نفاذ کے خواہشمند ہے، تمام مسائل کا حل اور دنیا میں قیام امن کے لیے قرآن و سنت کے نفاذ میں مضمر ہے۔ نوجوان اپنا بھرپور کردار ادا کرکے ملک کی تقدیر بدل سکتے ہیں کیوں کہ پاکستان میں 60 سے 65 فیصد نوجوان طبقہ ہے جو کہ امید پاکستان ہیں۔ نوجوان طبقہ کا دین و قرآن سے تعلق میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ نوجوان جمہوریت کو مسترد کرکے اسلامی نظام کو ملک کے لیے سب سے بہتر قرار دے رہے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی اثر پذیری اور شریعت کو مقتدیٰ بنانے کے حوالے سے جس حقیقت کا اظہار نوجوان نسل کی جانب سے سامنے آیا، یہ اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ قوم کے نوجوان دشمن کی سازشوں کا مکمل ادراک رکھتے ہیں۔ اسی لیے نسل نو طاغوتی نظام حکومت کو مسترد کر رہی ہے۔ یہ امر حوصلہ افزا اور خوش آئند ہے کہ جمہوریت کی حقیقت سے نئی نسل مکمل طور پر آگاہ ہے۔

یہاں یہ بات بھی وضح رہے کہ الیکشن کمیشن کی جانب سے بیلٹ پیپر میں ایک

خالی خانہ چھوڑا گیا تھا جس کے ذریعے کوئی بھی ووٹر تمام امیدواروں کو رد کر سکتا تھا۔ جس بارے میں عوامی رائے معلوم کرنے کے لیے ایک سروے کیا گیا جس میں لوگوں نے کہا کہ یہ بہت اچھا اقدام ہے کیونکہ اس سے زبردستی یا نہ چاہتے ہوئے ووٹ کاسٹ نہیں کیا جاسکے گا۔ لوگ خالی خانے پر اپنا ووٹ کاسٹ کرکے اس نظام کے خلاف اپنا احتجاج ریکارڈ کرا سکیں گے۔ لیکن برٹش سروے میں نوجوانوں کی اکثریت کی جانب سے جمہوریت کی مخالفت سامنے آنے کے بعد تمام سیاست دان پریشان ہوگئے اور انہوں نے سوچا کہ اگر خالی خانہ برقرار رہتا ہے تو ملک کی اکثریت اس نظام کو مسترد کردے گی جس سے جمہوری نظام کو نقصان ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد الیکشن کمیشن آف پاکستان کی جانب سے بیلٹ پیپرز میں خالی خانہ چھوڑنے کا اقدام لاہور ہائیکورٹ میں چیلنج کردیا گیا۔ دائر درخواست میں موقف اختیار کیا گیا کہ الیکشن کمیشن کا بیلٹ پیپر میں خالی خانہ چھوڑنا غیر آئینی اور غیر قانونی اقدام ہے۔

سیاستدانوں کا کہنا تھا کہ خالی خانہ چھوڑنے سے جمہوریت کو نقصان ہوگا۔ پیپلز پارٹی کے سیکرٹری جنرل اور سابق گورنر پنجاب لطیف کھوسہ نے الیکشن کمیشن آف پاکستان پر زور دیا کہ بیلٹ پر خالی خانہ شامل نہ کیا جائے کیونکہ اس سے جمہوری عمل کو فائدہ ہونے کی بجائے نقصان کا بڑا اندیشہ ہے۔ اس سے سیاستدانوں اور جمہوری عمل کی بے توقیری کا بھی خطرہ ہے۔ خالی خانے

کی وجہ سے انتخابات میں ٹرن آوٹ کی شرح خطرناک حد تک کم ہو سکتی ہے۔ متعدد سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے کہا کہ بیلٹ پیپر میں ایسے آپشنز رکھنے چاہییں جس کی وجہ سے جمہوریت قائم رہے۔ اس طرح کے اقدامات غیر جمہوری طاقتوں کے لیے راہ ہموار کریں گے جو کسی طور پر بھی ملک و قوم کے مفاد میں نہیں۔ سیاستدانوں کے انتہائی زیادہ اصرار کے بعد الیکشن کمیشن کو بیلٹ پیپر میں خالی خانہ چھوڑنے کا اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا اور انہوں نے خالی خانہ چھوڑنے کا فیصلہ موخر کر دیا۔

بعض مبصرین کا کہنا ہے کہ خالی خانہ چھوڑنے جانے پر سیاستدانوں کو حیرت انگیز نتائج کا سامنا کرنا پڑتا، لوگوں کی اکثریت خالی خانے پر مہر لگا کر جمہوری نظام کو مسترد کر دیتی، اس کی واضح مثال سروے میں نوجوانوں کی اکثریت کی جانب سے جمہوریت کی مخالفت کی صورت میں سامنے آچکی ہے۔ سیاست دانوں کی طرف سے خالی خانے کی مخالفت سے عوام میں ان کے اور اس نظام کی مقبولیت کے دعوے کے پول کھل گئے ہیں۔ ان سیاست دانوں کو اس بات کا پتا ہے کہ عوام ان سے اور اس نظام سے کس قدر نفرت کرتے ہیں، اس لیے تو خالی خانے کے خلاف شور مچایا گیا ہے۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں عوام اکثر حلقوں سے تمام امیدواروں کو مسترد کر کے اس نظام کے خلاف اپنا احتجاج نہ ریکارڈ کرائیں۔

امیدوار کامیاب ہونے کے لیے بے بہا پیسا اور کئی دوسرے حربے استعمال کرتے ہیں، اگر ہر صرف حقیقت پر مبنی انتخابات ہوں تو پتا چل جائے گا کہ کتنے فیصد لوگ ووٹ ڈالتے ہیں۔ سیاستدان لوگوں کو برادری، قبیلے اور رشتہ داری، نوکریوں کے حربے استعمال کرتے ہیں۔ کئی حیلوں بہانوں سے لوگوں کو ووٹ ڈالنے کے لیے پولنگ اسٹیشن تک لایا جاتا ہے۔ جس کے پاس جتنا پیسا اس کی کامیابی کے آثار اتنے ہی زیادہ ہیں۔ پاکستان کے عوام ایک عرصے سے پاکستان میں جمہوریت میں عوام کے ساتھ کھیلا جانے والا کھیل کھیل دیکھ رہے ہیں، بالآخر تنگ آ کر نوجوانوں کی اکثریت نے جمہوریت کو مسترد کر کے اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کر دیا ہے۔ لیکن جمہوری نظام والے اسلامی نظام کو یہاں کیسے نافذ ہونے دیں گے؟ جمہوریت ہو یا آمریت سب کی روزی اسی فرسودہ نظام سے لگی ہوئی ہے۔ بندر کا تماشہ دکھانے والا جب تماشہ ختم کرتا ہے تو بندر سے پوچھتا ہے کہ ہم یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہیں تو بندر پیٹ پر ہاتھ مارتا ہے اور تماشا دکھانے والا کہتا ہے پاپی پیٹ کے لیے کر رہے ہیں۔

تعلیمی نصاب سے مذہبی مواد نکالنے پر ملک گیر تحریک چلانے کا اعلان

مذہبی و سیاسی جماعتوں، اساتذہ و طلبہ تنظیموں اور ماہرین تعلیم نے نصاب تعلیم سے قرآنی آیات، سیرت رسول، اسلامی تاریخ اور نظریہ پاکستان سے متعلق مضامین ختم کرنے کے خلاف ملک گیر تحریک چلانے کا اعلان کردیا ہے اور کہا ہے کہ جب تک ان گمراہ کن تبدیلیوں کو واپس نہیں لیا جاتا، پورے ملک میں احتجاجی تحریک جاری رکھتے ہوئے تعلیمی کانفرنسوں، سیمینارز، جلسوں اور احتجاجی مظاہروں کا انعقاد کیا جائے گا، تعلیمی نصاب سے سیرت رسول نکال کر "ڈیسنگی مچھر" کا مضمون شامل کرنا اسلام کی توہین ہے، ڈالروں کی خاطر اس طرح کے مذموم فیصلوں کو غیور پاکستانی قوم کسی صورت قبول نہیں کرے گی۔ تعلیمی نصاب میں تبدیلیوں کے خلاف بھرپور قانونی جنگ لڑی جائے گی، ملک بھر میں ملٹی میڈیا کے ذریعہ عوامی سطح پر بیداری مہم چلائی جائے گی۔ان کا کہنا تھا کہ بیرونی قوتوں کی خوشنودی کیلئے منظم سازشوں اور منصوبہ بندی کے تحت تعلیمی نصاب سے اسلامی تعلیمات اور نظریہ پاکستان سے متعلقہ مضامین کو نکالا جارہا ہے۔ قوم برطانوی ٹاسک فورس کے سربراہ مائیکل باربر اور ریمنڈ کی بنائی ہوئی تعلیمی پالیسیاں ملک میں نہیں چلنے دے گی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی اور نظریہ پاکستان سے متعلق مضامین ختم کرکے دیومالائی کہانیاں شامل کرکے ملک کو سیکولر بنانے

کی کوششیں کی جارہی ہیں۔علامہ اقبال کی جگہ ایک ہندو کی شاعری نصاب میں شامل کرنا نظریہ پاکستان کی بنیادوں پر حملہ ہے۔ کلمہ طیبہ کی بنیادوں پر حاصل کیے گئے ملک پاکستان میں ایسی مذموم حرکتیں کسی صورت برداشت نہیں کی جاسکتیں۔حکومت پنجاب سے مطالبہ کیا ہے کہ اگر نصاب میں تبدیلی واپس نہ لی گی تو ہم راست اقدام کریں گے۔

یاد رہے کہ چند روز قبل حکومت پنجاب نے دسویں جماعت کی اردو لازمی کی نئی کتاب میں اسلام سے متعلق تقریباً تمام اہم مضامین اور نظموں کو نکالنے کا حکم دیا تھا۔جن میں "رب کائنات"، "محسن انسانیت"، "طلوع اسلام"، "صدیقہ"، جیسے موضوعات کی نظموں کو کتاب کے حصہ نظم سے نکال دیا جائے گا جبکہ حصہ نثر سے "حضرت عمر فاروق، عظیم منتظم"، "نظریہ پاکستان"، "فاطمہ بنت عبداللہ" اور دوسرے اسلامی مضامین کو نئی کتاب میں کوئی جگہ نہ ملے گی اور علامہ اقبال جیسے قومی اور اسلامی شاعر کو مکمل طور پر غائب کر دیا جائے گا۔

تعلیمی نصاب میں تبدیلیوں کو روکنے کے حوالے سے بلائے گئے اجلاس کے دوران متفقہ طور پر اس بات کا مطالبہ کیا گیا کہ 2012ء میں پنجاب اسمبلی نے قرآن پاک کو تعلیمی نصاب کا حصہ بنانے کی قرارداد منظور کی تھی محکمہ تعلیم کو اس پر عمل درآمد کا پابند بنایا جائے اور غیر ملکی مشیر برائے تعلیم مائیکل

باربر اور ریمنڈ کی ہدایات پر عمل درآمد کی بجائے مسلمان ماہرین تعلیم سے مشاورت کرکے تعلیمی پالیسیاں بنائی جائیں۔ پاکستان کے عدالتی نظام اور دفاتر میں اردو رائج کرنے کے ساتھ ساتھ ایم بی بی ایس، انجینئرنگ اور مقابلے کے امتحانات بھی اردو زبان میں لیے جائیں۔ آغا خان بورڈ اور دیگر سیکولر نصاب تعلیم پر فی الفور پابندی عائد کی جائے۔ ڈالروں کی خاطر اسلام دشمنی پر مبنی اقدامات کی کسی صورت اجازت نہیں دی جاسکتی۔ آہستہ آہستہ قرآنی آیات، احادیث اور اسلامی تاریخ کے سنہری اسباق حذف کرنے کا سلسلہ ختم کیا جائے۔

اعلامیہ میں کہا گیا کہ اسلام و پاکستان دشمن این جی اوز نوجوان نسل کے اخلاق و کردار تباہ کرنے کیلئے تعلیم کے نام پر بھاری فنڈز خرچ اور اپنی تیار کردہ نصابی کتب تقسیم کر رہی ہیں۔ ان کی ملک دشمن سرگرمیوں پر فی الفور پابندی لگائی جائے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کیلئے ہر سطح پر الگ ادارے قائم کیے جائیں۔ تعلیم کے میدان میں غیر ملکی سازشوں کو ہر سطح پر بے نقاب کیا جائے گا۔ نظام تعلیم قوموں کی تہذیب بدلنے کے لیے بہت بڑا ہتھیار ہے، تعلیم کے حوالہ سے تمام غیر ملکی امداد کو مسترد کر دینا چاہیے۔ ماہرین تعلیم کا کہنا تھا کہ اگر ملک مسقط میں ساری تعلیمات عربی زبان میں دی جاسکتی ہیں۔ چندی گڑھ میں ایم بی بی ایس پنجابی میں ہو سکتا ہے اور جلال آباد میں فارسی

زبان میں تعلیم دی جاسکتی ہے تو پاکستان میں بھی قومی زبان اردو میں نوجوان نسل کو تعلیم سے روشناس کروایا جاسکتا ہے۔ مسلمانوں کو زیر کرنے کے لیے نظریاتی اساس پر حملے کیے جا رہے ہیں۔ قرارداد مقاصد پر عملدرآمد کی ضرورت ہے۔ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ میں علماء کرام کو نمائندگی دی جانی چاہیے اور تمام پرائیویٹ و سرکاری سکولوں کا نصاب یکساں ہونا چاہیے۔ نصابی کتب سے اسلامی تعلیمات و اقدار اور نظریہ پاکستان سے متعلقہ مواد کا اخراج کسی صورت برداشت نہیں کیا جائے گا۔ غیر ملکی ماہرین کی ہدایات پر نصاب تعلیم کی تیاری قوم کے لیے مہلک ثابت ہو گی۔ 18 ویں ترمیم کے تحت نصاب تعلیم تیار کرنے کی ذمہ داری وفاق سے صوبوں کو منتقل کرنا غیر دانش مندانہ اقدام ہے جسے فی الفور واپس لیا جانا چاہیے۔ پاکستان نظریاتی ریاست ہے، اس کے نصاب تعلیم کا محور و مرکز اس کا اساسی نظریہ ہونا چاہیے۔ ہمیں ایسی کتابوں کی قطعاً ضرورت نہیں جو ہمارے نظریات سے مطابقت نہ رکھتی ہوں۔

دوسری جانب تحریکِ پاکستان کے سرگرم کارکن، ممتاز صحافی اور نظریہ پاکستان ٹرسٹ کے چیئرمین مجید نظامی نے کہا کہ ہم مسلسل یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ نظریہ پاکستان یا دو قومی نظریہ کو ہر سطح پر نصابِ تعلیم کا حصہ بنایا جائے۔ ہماری نئی نسل پاکستان کا مستقبل ہے، ان کے لیے یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ پاکستان کیوں اور کیسے معرضِ وجود میں آیا۔ ملک و قوم کے مستقبل کو

محفوظ بنانے کی خاطر ضروری ہے کہ نسلِ نو کو قیامِ پاکستان کے حقیقی اسباب اور مقاصد سے آگاہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں نصابِ تعلیم کا کردار کلیدی اہمیت کا حامل ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ ہماری درسی کتابیں نظریہ پاکستان کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں۔

باخبر ذرائع کے مطابق ورلڈ بینک کی جانب سے حکومتِ پنجاب کو درسی کتابوں کی مفت تقسیم کے لیے اڑھائی ارب روپے کی خطیر رقم فراہم کی گئی ہے۔ ورلڈ بینک کے نمائندے مائیکل باربر کو وزیرِ اعلیٰ پنجاب کے خصوصی مشیر کی حیثیت حاصل رہی ہے جو نصابی کتب میں ایسا مواد شامل کرنے کی ہدایت دیتا تھا جن کے باعث ہماری نئی نسلیں اپنی شاندار اسلامی تاریخ اور نظریہ سے بے بہرہ رہ جائیں۔ اس پالیسی کو آگے بڑھانے میں GTZ کے لیے جرمنی کی غیر سرکاری تنظیم بڑی سرگرم ہے جو تیکنیکی معاونت کے لبادے میں سیکولر نظریات کے حامل مواد کی ترویج و اشاعت کو یقینی بنا رہی ہے۔

نصاب تعلیم کو سیکولر بنانے کے ذمہ دار ملکی و غیر ملکی عناصر کو برخاست کیا جائے، ان کی طرف سے نصاب میں پیدا کردہ نقائص کو دور کرکے اسے قومی امنگوں کے مطابق از سرِ نو تشکیل دیا جائے۔ ملک بھر کے سنجیدہ حلقوں کی جانب یہ سوال اٹھایا جا رہا ہے کہ کیا اسلامی اور قومی ہیروز کے تذکروں کو نکال کر آئندہ کسی وقت بش، اوبامہ، ریمنڈ ڈیوس، پرویز مشرف، میر جعفر، میر صادق جیسے لوگوں کو نئی نسل کے سامنے متعارف کرایا جائے

گا؟ ہم محض اڑھائی ارب روپے کی خاطر اپنی نئی نسل کو غیر ملکی ہاتھوں میں فروخت نہیں کر سکتے۔ نصاب تعلیم قوم سازی کا انتہائی موثر ذریعہ ہے، اسے تیار کرنے کی ذمہ داری صرف محب وطن افراد کو ہی سونپی جانی چاہیے۔

پرویز غداری کیس: کیاایک نیاپنڈورا بکس کھلنے والاہے؟

پاکستان کی سپریم کورٹ نے سابق آمر پرویز مشرف کے خلاف غداری کے مقدمے کی درخواست کی ابتدائی سماعت میں درخواست گزاروں کی جانب سے سابق آمر کو حراست میں لینے کی استدعا مسترد کردی ہے۔ منگل کو سابق صدر پرویز مشرف کے وکیل احمد رضا قصوری پیش ہوئے، جنہوں کہا کہ میرے مؤکل کو عدالت پر اعتماد ہے، تاہم کچھ ججوں کے حوالے سے تحفظات ہیں ،جس پر جسٹس جواد ایس خواجہ نے کہا کہ آپ بتائیں کس جج پر تحفظات ہیں وہ بنچ سے علیحدہ ہوجائے گا۔ انہوں نے کہا کی پی سی او کیس میں جنرل اشفاق پرویز کیانی کا نام بھی آیا تھا لیکن انہیں نوٹس کیوں جاری نہیں کیا؟۔ جسٹس جواد نے کہا کہ درخواست میں جو فریق تھے انہیں نوٹس بھجوایا ہے۔ جس پر احمد رضا قصوری نے کہا کہ اس کیس میں بہت سے لوگوں کے نام آئیں گے۔ جسٹس جواد نے جواب دیا کہ پنڈورا بکس کھلتا ہے تو کھلے ہمیں اس کی پروا نہیں۔ ہم نے آئین اور قانون کو دیکھنا ہے۔ احمد رضا قصوری نے عدالت سے استدعا کی کہ درخواستوں کا جواب دینے کے لیے ان کو وقت درکار ہے اور انتخابات بھی قریب ہیں اس لیے سماعت کو بیس مئی تک ملتوی کیا جائے۔ عدالت نے ان کی استدعا رد کرتے ہوئے سماعت کو پندرہ اپریل تک ملتوی کردیا ہے۔

واضح رہے کہ سپریم کورٹ نے جمعے کو پرویز مشرف کے خلاف آئین کے آرٹیکل چھ کے تحت غداری کا مقدمہ چلانے کی درخواست ابتدائی سماعت کے لیے منظور کی تھی۔ سپریم کورٹ کے دو رکنی بنچ نے سابق آمر پرویز مشرف کے خلاف ملکی آئین توڑنے سے متعلق دائر پانچ درخواستوں کی سماعت کی۔ابتدائی طور پر تین رکنی بنچ کا اعلان کیا گیا تھا جس کی سربراہی چیف جسٹس کو کرنی تھی، تاہم اتوار کو وہ اس سے دستبردار ہو گئے۔ یہ بھی یاد رہے کہ پرویز مشرف کی تین نومبر کے اقدمات کے تحت عبوری آئینی حکم نامے کے تحت حلف ا±ٹھانے والے اعلیٰ عدالتوں کے ججز کو توہینِ عدالت کے نوٹس جاری کیے گئے تھے جبکہ ایمرجنسی کے نفاذ میں کور کمانڈرز کو نوٹس جاری کرنے کا معاملہ ابھی بھی چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کے پاس ہے۔ خلجی جسٹس عارف حسین نے کہا کہ حکومت ہی نے مقدمہ چلانا ہے اور جس کے خلاف مقدمہ ہے اس نے دفاع کرنا ہے، عدالت پراسیکیوٹر کا کردار ادا نہیں کر سکتی۔ درخواست گزار مولوی اقبال حیدر نے کہا کہ عدالت پراسیکیوٹر کا کردار ادا نہیں کر سکتی لیکن وفاق کو ہدایت دے سکتی ہے۔ جسٹس خلجی عارف حسین نے کہا کہ ذوالفقار علی بھٹو نے 1973ء کے آئین میں آرٹیکل چھ کا اطلاق 1956ء سے کر دیا تھا جس کے تحت جو بھی آئین کو معطل کرے گا اس کے خلاف آرٹیکل چھ کے تحت مقدمہ چلا جائے گا۔

لاہور ہائی کورٹ بار راولپنڈی بینچ کے صدر توفیق آصف سمیت پانچ افراد نے

سپریم کورٹ میں درخواستیں دائر کیں جس میں موقف اختیار کیا گیا کہ 23 جنوری ء کو سینیٹ میں متفقہ قرارداد منظور کی گئی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ جنرل 2012 پرویز مشرف نے نہ صرف دو مرتبہ آئین توڑا بلکہ اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کی توہین کی، اس لیے پرویز مشرف کے خلاف آرٹیکل چھ کے تحت کارروائی کی جائے۔اس ضمن میں ابتدائی درخواست مولوی اقبال حیدر نے سندھ ہائی کورٹ میں دائر کی تھی جس پر عدالت نے پرویز مشرف کو 'غدار' قرار دیتے ہوئے درخواست گزار کو سپریم کورٹ سے رجوع کرنے کا حکم دیا تھا۔سندھ ہائی کورٹ نے سابق فوجی صدر کے خلاف فیصلہ سپریم کورٹ کے اکتیس جولائی سنہ دوہزار نو کے فیصلے کی روشنی میں دیا جس میں عدالت عظمیٰ نے سابق آرمی چیف پرویز مشرف کے تین نومبر سنہ دوہزار سات کے اقدامات کو غیر آئینی قرار دیا تھا۔یاد رہے کہ پرویز مشرف سابق وزیر اعظم بینظیر بھٹو، سابق وزیر اعلیٰ بلوچستان نواب اکبر بگٹی، لال مسجد میں کئی بے گناہ بچوں کے قتل اور اعلیٰ عدالتوں کے ججز کو حبس بے جا میں رکھنے کے مقدمات میں اشتہاری ہیں اور ان دنوں سندھ ہائی کورٹ کی طرف سے دی جانے والی حفاظتی ضمانت پر ہیں۔درخواست گزار احسن الدین شیخ نے کہا کہ سپریم کورٹ 31 جولائی 2009ء کو اپنے فیصلے میں جنرل مشرف کو غاصب اور غداری کا مرتب قرار دے چکی ہے، اب صرف اس کے خلاف عدالتی حکم کی روشنی میں کارروائی ہونا باقی ہے۔پیر کو مقدمہ کی سماعت کے دوران عدالت نے کہا کہ اگر غداری کے حوالے سے ملک کا آئین واضح ہے تو عدالت یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ

وفاق نے ابھی تک کوئی اقدام کیوں نہیں اٹھایا۔ درخواست گ±زار مولوی اقبال حیدر کے وکیل اے کے ڈوگر نے کہا کہ مشرف آئین توڑنے کے مقدمے میں ملزم نہیں بلکہ مجرم ہیں، اس لیے عدالت وفاقی حکومت کو ہدایات جاری کرے کہ وہ پرویز مشرف کو تحویل میں لے لے۔ تین نومبر سنہ دو ہزار سات کے اقدامات کے بارے میں سپریم کورٹ کا اکتیس جولائی کا فیصلہ واضح تھا لیکن وفاقی حکومت نے اس ضمن میں کوئی اقدامات نہیں اٹھائے۔

یاد رہے کہ دو روز قبل ہی سابق آرمی چیف پرویز مشرف کا نام ای سی ایل میں ڈالنے کے احکامات وزارت داخلہ نے جاری کیے تھے۔ جس کے بعد پرویز مشرف کا نام ای سی ایل میں شامل کر دیا گیا تھا۔ ایف آئی اے نے سرکلر تمام ائیرپورٹس، بندرگاہوں اور دیگر بارڈر پوسٹوں کو بھجوا دیا تھا۔ سرکلر کے مطابق پرویز مشرف اپنی سفری دستاویزات پر بیرون ملک سفر نہیں کر سکتے۔ لاہور ہائیکورٹ بار پنڈی بنچ کے وکیل حامد خان کا کہنا تھا کہ قانون کے مطابق آئین سے غداری کی سزا موت یا عمر قید ہے۔ جسٹس جواد ایس خواجہ نے کہا یہ بات جان لیں کہ پرویز مشرف کے خلاف غداری کا ٹرائل ہونا ہے۔ آئین توڑنا ایک ایسا عمل ہے جس پر سمجھوتا نہیں کیا جا سکتا۔ وکیل حامد خان کا کہنا تھا کہ وفاقی حکومت نے مشرف کے خلاف آرٹیکل چھ کی کارروائی کرنی تھی۔ جسٹس خلجی عارف حسین کا کہنا تھا کہ عدالت نے اپنے فیصلہ میں کہا آئین کو توڑا

گیا۔آخر وفاقی حکومت نے کوئی ایکشن کیوں نہیں لیا؟جسٹس ایس خواجہ نے ریمارکس دیتے ہوئے کہاکہ اگر مشرف بیرون ملک فرار ہوئے تو اس کی ذمہ داری تمام اداروں پر ہوگی۔

معروف وکیل اعتزاز احسن نے سابق صدر مشرف کے خلاف غداری کے مقدمے کے سیاسی مضمرات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہاکہ پرویز مشرف گزشتہ کل کا اخبار ہے، جسے کوئی نہیں پڑھتا، لیکن سپریم کورٹ نے اب ایکشن لیا ہے تو اب اس طرح ہی ایکشن لینا چاہیے، جس طرح انہوں نے مستعدی کے ساتھ دو وزرائے اعظم کے خلاف ایکشن لیا۔معروف تجزیہ کار مجیب الرحمٰن شامی کا کہنا تھا یہ بات اچھی ہوئی ہے کہ چیف جسٹس افتخار چودھری بنچ سے دستبردار ہو گئے، یہ مقدمہ اتنا اہم ہے کہ اسے فل کورٹ کو سننا چاہیے۔ دستور توڑا جائے تو آرٹیکل 6 کا اطلاق ہو جاتا ہے، آرمی چیف جب ٹیک اوور کر لیتا ہے تو سارا حکم آرمی چیف کا چلتا ہے،ایوب خان نے جب دستور تناول فرمایا تو اس وقت دستور میں دستور توڑنے کی سزا موجود نہیں تھی، جنرل یحییٰ نے نیا دستور بنانے کے لیے الیکشن کروائے لیکن دستور کیا بنتا، ملک ہی ٹوٹ گیا، جنرل یحییٰ خان کو سپریم کورٹ نے غاصب قرار دیا تھا، ضیاالحق نے بھی سیلوٹ کرکے رخصت کیا،پرویز مشرف کا مارشل لا دنیا کا پہلا مارشل لا ہے جو ایک جرنیل نے اپنی نوکری بچانے کے لیے لگایا،3 نومبر 2007 کو پرویز مشرف پھنس گئے،اب پرویز مشرف کو بھگتنا

پڑے گا، سپریم کورٹ کو ہی کرنا ہے جو بھی کرنا ہے۔ بعض علماء کرام کا کہنا تھا کہ مشرف
کے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے، آئین کو بارہا پامال کرنے، سانحہ لال مسجد،
اکبر بگٹی اور عدلیہ کے قاتل کو قوم کسی صورت معاف نہیں کرے گی۔ سیاسی جما
عتیں پرویز مشرف کے خلاف صرف بیان بازی کرکے قوم کو دھوکا دیتی رہیں لیکن اب
ان تمام جماعتوں کو سانپ سونگھ گیا ہے۔

وقت کی پکار

آج امت مسلمہ دنیا میں جس ذلت و بے بسی سے زندگی کے دن گن رہی ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں بلکہ چمکتے سورج کی طرح واضح ہے۔ دنیا بھر میں کوئی ایک بھی اسلامی ملک ایسا نہیں کہ جس کی بات مانی جائے یا کم از کم اس کی بات میں کوئی وزن ہو۔ ہر طرف خواری و رسوائی ہی اس امت کا مقدر ہے۔ لاوارث بچے کی طرح ہر کوئی اس امت پر ظلم کر رہا ہے۔ دنیا کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک امت مسلمہ کا ہی خون بہتا نظر آئے گا۔ امت مسلمہ پہ تنی عزت عظمت کی چادر تار تار ہو چکی ہے۔ قوت و رعب کے عظیم الشان قصر مشید میں ایسی دراڑیں پڑیں کہ دنیا پہ حکمرانی کرنے والی امت مسلمہ کے لیے اپنی ساکھ بحال کرنا محال ہوگیا۔ مسلمان طرح طرح کی مشکلات میں پھنس کر رہ گئے۔ پستی کی گھاٹی میں اتنی دور جا گرے کہ اب اس سے نکلنا ناممکن نظر آنے لگا۔

یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ برصغیر کی عظیم علمی، روحانی اور سیاسی شخصیت حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ جب تحریک ریشمی رومال کے سلسلے میں مالٹا کی چار سالہ قید سے رہا ہو کر اپنے وطن واپس لوٹے تو ایک دن بیان میں ارشاد فرمایا: "ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں۔" فرمانے لگے: "میں نے جہاں

تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی، ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں؟ تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن "کو چھوڑ دینا، دوسرا آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔

اگر بصیرت کے ساتھ غور کیا جائے تو امت کی پستی اور حوادثات و آفات سے دوچار ہونے کی بالکل واضح وجہ و مرض وہی اختلاف امت اور قرآن کو چھوڑنا ہے۔ قرآن مجید حکم دیتا ہے: "واعتصمو بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا" اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "المومنون کجسد واحد" جب قرآن و حدیث کے ان احکامات کو پس پشت ڈالا تو مصائب چاروں طرف سے آپڑے۔ آج مسلمان اسی حکم عدولی کی وجہ سے دنیا میں ذلت کا نشان بن کر رہ گئے ہیں۔

تمام اہل کفر مل کر مسلمانوں پر ایسے ٹوٹ پڑے ہیں جیسے بھوکا کھانے کی پلیٹ پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ ظلم و سربریت عالم اسلام کا مقدر بن چکی ہے۔ مسلمانوں سے جینے کا حق بھی چھینا جا رہا ہے۔ ہر قت یہود و نصاریٰ کی طرف سے کی جانے والی سازشیں امت مسلمہ کی راہ میں کانٹوں کی طرح بکھری پڑی ہیں جن کا مقصد امت مسلمہ کے مادی وسائل پر قبضہ کرنا اور روحانی قوت کو تباہ کرنا ہے۔ نئی نسل میں تہذیبی، فکری اور ارتدادی یلغار کی دیوہیکل مصیبت بھی سر پر کھڑی ہے۔ آج ملتِ اسلامیہ عظیم عددی اکثریت کے باوجود قابل رحم ہے۔ تمام شعبہ

ہائے زندگی اغیار کی یلغار کی زد میں ہیں۔ ایک طرف حکومت و اقتدار میں عرصہ حیات تنگ کیا جارہا ہے تو دوسری طرف ملحدانہ نظریات پھیلائے جارہے ہیں۔ ہر طرف فحاشی و عریانی کا دور دورہ ہے۔ رقص و سرود اور شراب و کباب کی محفلیں سر عام سج رہی ہیں۔ اسلام اور قرآن کا نام لینے والے مسلمان تمام جرائم اور بداخلاقیوں میں غرق ہیں۔ ہمارے بازار جھوٹ، فریب، سود اور قمار سے بھرپور ہیں۔ ان کے چلانے والے نہ ہندو ہیں اور نہ ہی سکھ۔ یہودی نہ عیسائی بلکہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں۔ ہمارے سارے محکمے رشوت، ظلم و جور، کام چوری اور بے رحمی کی تربیت گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ یہ کام کرنے والے بھی کوئی مجوسی نہیں، بلکہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں۔ کیا ان حالات میں ہم آپس میں دست و گریباں رہیں گے؟ ان تمام برائیوں سے صرف نظر کرکے ہم ایک دوسرے کے خلاف کیچڑ اچھالتے رہیں گے؟ چھوٹے چھوٹے اختلافات کو جنگ و جدل کا درجہ دیتے رہیں گے؟ معمولی مسائل کو کفر و اسلام کا معیار بناتے رہیں گے؟ کیا سب مسلمانوں کا خدا، رسول، قرآن اور ایمان ایک نہیں ہے؟ تو پھر ایک دوسرے کے خلاف اس قدر نفرت کیوں؟

اگر روز محشر ہم سب کے ماویٰ و ملجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ سوال فرمالیا کہ میری شریعت اور میرے دین کے خلاف بغاوت ہورہی تھی۔ اسلام کے نام پر کفر کی تشہیر کی جاری تھی۔ قرآن و سنت میں کھلے عام تحریف

کی جارہی تھی۔ اللہ و رسول کی نافرمانی اعلانیہ کی جارہی تھی۔ ان حالات میں تم کہاں تھے؟ تم نے ان سیلابوں کے آگے بند کیوں نہ باندھا؟ کیوں تم نے اتنے اہم فریضے کو چھوڑ کر چھوٹی چھوٹی باتوں کو انا کا مسئلہ بنا لیا تھا؟ ذرا سوچیے تو سہی اگر یہی سوالات پوچھ لیے گئے تو کیا ان کا کوئی جواب ہم سے بن پڑے گا؟

اگرچہ آج سیاسی اختلافات، اقتصادی مفاد پرستی اور بہت سی دوسری خرافات کارکنا مشکل ہے۔ کیا دین و مذہب کے نام پر کام کرنے والی جماعتیں اور لوگ بھی اختلافات ختم نہیں کر سکتے؟ کیا تمام مذہبی و نظریاتی لوگ اللہ کے دین کی خاطر اپنے اختلافات کو اعتدال پر لا کر ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہو سکتے؟ اگر آج ہم اسلام کے بنیادی اصول کی حفاظت اور الحاد و بے دینی کے سیلاب کی مدافعت کو ضروری سمجھ لیں تو تمام اختلافات اعتدال پر آ سکتے ہیں۔ ہماری جتنی طاقت و صلاحیت آپس میں ایک دوسرے کے خلاف صرف ہو رہی ہے، اگر وہی طاقت کفر و الحاد، بے دینی اور معاشرے میں بڑھتی ہوئی بے حیائی کے خلاف خرچ ہوتی تو ہم اپنے بنیادی مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔

یہ بات یاد رہے کہ حدیث مبارک میں کفر کو ملت واحدہ فرمایا ہے اور مسلمانوں کو جسد واحد فرمایا ہے اس لیے کفار تمام مسلمانوں کو بلا تفریق اپنا دشمن

تصور کرکے ان پر نظریاتی، فکری، تہذیبی اور عسکری حملہ بلا امتیاز کرتے ہیں۔ کفار تو یہ بات سمجھ گئے کہ تمام مسلمان ایک ہیں اور کافر بھی ایک ہیں لیکن صد افسوس! مسلمان یہ بات ابھی تک سمجھ نہ پائے اسی لیے دنیا میں خسران ان کا مقدر بنا ہوا ہے۔ جب تک ہم آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت کے بیج بوتے رہیں گے، اسی طرح نقصان اٹھاتے رہیں گے۔ لہٰذا دنیا میں سربلندی سے جینے کے لیے اپنے تمام اختلافات کو بھلا کر جسد واحد اور سیسہ پلائی دیوار بننا ہوگا۔ یہی شریعت کا حکم ہے اور یہی وقت کی پکار ہے۔ اگر ہم نے اس حقیقت کو اب بھی نہ سمجھا تو ہمیشہ کی ذلت و رسوائی ہمیشہ کے لیے ہمارا مقدر بن جائے گا، ہم ہمیشہ ہی اغیار سے زندگی کی بھیک مانگتے رہیں گے۔ خدا کرے کہ ہم سب اس حقیقت کو سمجھ کر بلا امتیاز صرف اسلام اور مسلمان کے لیے کام کرنے والے بن جائیں۔

غیرت ہے بڑی چیز جہان تگ و دو میں

ہزاروں سال سے لوگ مختلف قسم کے کاروبار کرتے رہے ہیں، لیکن ایسا نہیں تھا کہ تاجروں نے اپنا سامان فروخت کرنے کے لیے عورت کو بطور ہتھیار اپنایا ہو، وہ اپنا سامانِ تجارت بیچنے کے لیے کبھی جھوٹے دعوے بھی نہیں کرتے تھے ،اللہ تعالیٰ انہیں ہر قسم کی کامیابی اور ترقی دیتا رہا۔ لیکن ہوا ایسا کہ اپنے کاروبار کو وسعت دینے کا بھوت تاجروں کے سر پر سوار ہو گیا اور انہوں نے اس مقصد کے لیے مختلف حیلے بہانوں سے ورغلا کر لوگوں کو اپنی پروڈکٹ خریدنے پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔ اپنے سامان کی فروخت کی خاطر لوگوں کو مائل کرنے کے لیے دیکھا دیکھی ایسے اشتہارات کی بھرمار ہو گئی جن میں صنف نازک کو بھی کاروباری پروڈکٹ کی طرح بے ہودہ و بے حیا بنا کر پیش کرنا شروع کیا۔ نیم عریاں تصاویر سے بازاروں ، شاہراہوں کو آلودہ کرنا شروع کر دیا گیا۔

مانا کہ لوگوں کو اپنے قریب کرنے یا ان کو اپنی شے فروخت کرنے کا سب سے آسان اور کامیاب ذریعہ تشہیر ہی سمجھا جاتا ہے۔ آج کے دور میں جتنے بھی کاروبار ہو رہے ہیں ان سب کا مدار تشہیر پر ہے۔ لوگ مختلف طریقوں سے تشہیر کرتے ہیں، آج کے دور میں زیادہ تر لوگ سائن بورڈ کے ذریعے اپنی اشیاء کی

تشہیر کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ سائن بورڈز کے ذریعے تشہیر کی آڑ میں عوام عورت کی عزت کو ہی نیلام کرنا شروع کر دیا جائے۔

جب سائن بورڈ کی ابتدا ہوئی تو اس وقت یہ چھوٹے حجم اور بے ہودگی سے پاک ہوتے تھے لیکن آج تو اتنے بلند اور بڑے ہیں کہ بڑی بڑی عمارتیں بھی اس سے شرما جاتی ہے اور اس کے ساتھ یہ اس قدر فحش اور بے ہودہ بھی بنا دیے گئے ہیں کہ تقریباً ہر سائن بورڈ ہی عورتوں کی نیم عریاں تصاویر سے آلودہ ہوتا ہے۔ ہر شاہراہ پر دس قدم کے فاصلے پر ایک سائن بورڈ لگا ہوا ہے۔ دائیں ہو یا بائیں، قسم قسم کے سائن بورڈ اپنی طرف متوجہ کر رہے ہوتے ہیں، حتی کہ روڈ کے وسط میں اوپر کی جانب بھی چھوٹے چھوٹے سائن بورڈ لگے ہوتے ہیں۔ پہلے پہل تو اس قسم کے بے ہودہ اشتہارات صرف اخبارات اور ٹیلی ویژن تک ہی محدود تھے لیکن بعد میں تاجروں نے اپنے کاروبار کی خاطر فحش اور بے ہودہ قسم کے سائن بورڈ سڑکوں پر جگہ جگہ لگا کر قوم کی آنکھوں کو نیم برہنہ تصاویر سے آلودہ کرنا شروع کر دیا۔ حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی آنکھوں کو بد نظری کے گناہ سے بچانا چاہے بھی تو نہیں بچا سکتا کیونکہ سڑکوں کے دائیں بائیں سائن بورڈوں کی اس قدر بہتات ہوتی ہے کہ ایک طرف سے نظر بچائی جائے تو دوسری طرف کسی نیم عریاں عورت کی تصویر آپ کی طرف گھور رہی ہوگی، اس کے ساتھ ان بے ہودہ سائن بورڈوں کا سائز اتنا بڑا ہوتا ہے کہ ناچاہتے ہوئے بھی

ان پر نظر پڑ جاتی ہے۔ آج کے سائن بورڈوں کو دیکھیے کہ یہ کھلم کھلا بے حیائی اور فحاشی کا ذریعہ ہے ہیں، ننگے بدن اور مرد و عورت کا اختلاط سائن بورڈ کی زینت بن رہے ہے ہیں۔ اس سے یہ ہمیں کیا سبق دینا چاہتے ہیں، کیا بدن عریاں کیے بغیر اشیاء کی تشہیر ممکن نہیں؟ اس کے مضر اثرات اس ملک کے اندر زہر قاتل کی طرح پھیل رہے ہیں۔ اس کی بھرمار اس حد تک ہو چکی ہے کہ مساجد کے باہر بھی اس طرح کے حیا سوز مناظر دیکھنے کو ملیں گے۔ سائن بورڈوں پر عورتوں کی بڑی بڑی تصویریں ہر گزرنے والے کا استقبال کرتے ہوئے نظر آتی ہیں۔

کراچی سمیت ملک کے تقریباً تمام بڑے شہروں میں جہاں بھی جائیں۔ ہر طرف فحاشی، عریانی و بے حیائی سے بھرپور تصاویر عام ہیں۔ کسی بھی کمپنی نے اپنی مصنوعات کی تشہیر کرانی ہو تو جب تک کسی خاتون کی عریاں تصویر سائن بورڈ پر شایع نہ کی جائیں تو اس وقت تک اس سائن بورڈ کو نامکمل سمجھا جاتا ہے۔ آج ایسی عریاں تصاویر تمام شاہراہوں اور چوراہوں پر سائن بورڈ کی صورت میں دیکھنے کو ملیں گی۔ یہیں تک بس نہیں بلکہ کچھ کمپنیاں تو حد کر دیتی ہے ہیں۔ نا صرف تصاویر بلکہ حیا سے عاری جملے بھی پڑھنے کو ملیں گے۔ یہ صرف بڑی مصنوعات کی تشہیر کے لیے نہیں بلکہ چھوٹی سے چھوٹی چیزیں جن میں سرفہرست صابن، شیمپو، کریم، ٹوتھ پیسٹ، ٹافی، بسکٹ، پانی، سری لیک، ہاشمی سرمہ، غرض اس جیسی بہت سے مصنوعات کے اشتہارات آپ کو نظر آئیں گے۔ کسی بھی چیز کی

تشہیر کے لیے عورت کی تصویر کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ آج نظر کی حفاظت کرنا ناممکن نظر آتا ہے۔

پاکستان تو اسلام کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا۔ اسلام تو کہتا ہے کہ جس گھر میں جاندار کی تصاویر ہوں وہاں رحمتوں اور برکتوں کا نزول نہیں ہوتا تو بھلا جس شہر کو بے حیائی کی تصاویر سے مزین کر دیا گیا ہو۔ اس میں رحمتوں اور برکتوں کا نزول کیونکر ہوگا؟ وہاں رحمتوں اور برکتوں کا نزول تو درکنار بلکہ سابقہ نعمتوں کو بھی ایک ایک کرکے چھین لیا جاتا ہے۔ پھر وہاں اللہ کا غضب برستا ہے۔ آج ہماری سوچ ہے کہ وطن عزیز کو کسی کی نظر لگ گئی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس بربادی گلشن کا آغاز ہم نے اپنے ہی ہاتھوں سے کیا ہے۔ لہٰذا کمپنی مالکان سے گزارش ہے کہ خدارا ہوش کے ناخن لو۔ موجودہ حالات میں بے حیائی پر قابو پانا آپ کا فرض بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل جیسی عظیم نعمت سے انسان کو نوازا ہے۔ تصاویر کی بجائے کسی اور طریقے سے بھی مصنوعات کی تشہیر ممکن ہے۔ آپ بے حیائی کو فروغ مت دیں۔ قومی غیرت کا بھی لحاظ رکھیں۔ حیا کے دامن تھامے رکھیں۔ اسی میں خیر ہے۔ اگر آپ نے اس خیر کو ناپسند کیا اور بے حیائی کی ترویج میں مگن رہے۔ تو پھر قرآن کا فیصلہ بھی سن لیں: " یقیناً جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی (فحاشی) عام ہو تو ان کے لیے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دردناک

(عذاب ہے اور اس بات کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ (النور19

ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ بے حیائی انسانی معاشرے کو اس طرح چاٹ جاتی ہے جس طرح گھن لکڑی کو، آج بڑے پیمانے پر الیکٹرانک، پرنٹ میڈیا اور بڑے بڑے سائن بورڈز کے ذریعے فحاشی اور عریانی کو فروغ دیا جارہا ہے، ملک پہلے ہی ان گنت بحرانوں کا شکار ہے ایسے میں فحاشی و عریانی اور بے حیائی کو فروغ دے کر اللہ کے غضب کو دعوت دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ تشہیر کرنا کاروبار کرنے والوں کا حق ہے، لیکن اس کی بھی کچھ حدود مقرر ہیں، اس حد سے تجاوز نہ کریں اور حد کے اندر رہتے ہوئے اور اسلامی قوانین کا مکمل خیال رکھتے ہوئے تشہیر کریں، تو سب کے حق میں مفید رہے گا۔ ملک بھر میں سائن بورڈز پر فحش تصاویر لگانے والے مٹھی بھر لوگ ہیں، اگر قوم متحد ہوجائے تو انہیں سمجھایا جاسکتا ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی

جس طرح انسان کی جسمانی نشونما کے لیے کھانا ضروری ہے، اسی طرح روحانی اور شخصی ترقی کے لیے تعلیم انتہائی ضروری ہے۔ تعلیم کے بغیر انسان بے روح جسم کی مانند ہے۔ تعلیم کے بغیر نہ تو انسان صحیح سے جینے کا ڈھنگ سیکھ سکتا ہے اور نہ ہی ملک و ملت کی ترقی کا موثر ذریعہ بن سکتا ہے۔ یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے جب ملک کا تعلیمی نظام مضبوط ہو، جو استاذ اور طلباء میں یہ شعور بیدار کرے کہ آج کے بچے کل ملک و قوم کی باگ ڈور سنبھالیں گے۔ بد قسمتی سے ہمارے ملک میں تعلیمی نظام اس قدر بودا اور کھوکھلا ہو چکا ہے کہ ایک کلاس سے اگلی کلاس میں جانے کے سوا بچوں کو کچھ بھی حاصل نہیں ہو پاتا۔ پاکستان میں تعلیمی نظام کے کھوکھلے پن کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ حال ہی میں حکومتی ادارے منصوبہ بندی کمیشن کی طرف سے جاری ہونے والی سالانہ تعلیمی صورتحال رپورٹ پیش کی گئی جس کے مطابق جماعت سوئم میں پڑھنے والے 81 فیصد طالب علم دوسری جماعت کے انگریزی کے جملے نہیں پڑھ سکتے۔ جماعت سوئم اور پنجم کے طالب علموں کو جماعت دوئم کا ایک مضمون پڑھنے کو دیا گیا مگر ان میں سے بالترتیب 94 اور 68 فیصد ایسا نہ کر سکے۔ ماہرین تعلیم کا کہنا ہے کہ ملک میں تعلیمی معیار کی تنزلی کی وجہ اس شعبے میں بہتری لانے کے لیے حکومتوں کی عدم دلچسپی ہے۔ سیاست دان سمجھتے ہیں

کہ اقتدار میں آ کر اپنا ووٹ بینک محفوظ کرنے کے لیے بلا دھڑک ہر ایرے غیرے کو ملازمتیں دیں، اس طرح تعلیمی شعبے میں نااہل لوگ قبضہ جماتے جارہے ہیں، جس سے ملک کا اہم ترین شعبہ دن بدن تنزلی کا شکار ہورہا ہے۔

پاکستان کے تعلیمی نظام میں مختلف قسم کی خامیاں گھر کرچکی ہیں۔ اس نظام کو کھوکھلا کرنے والی خامیوں میں سب سے قابل ذکر اور نقصان دہ خامی امتحانات میں کھلے عام نقل اور اس میں خود اساتذہ اور نگران حضرات کا ملوث ہونا ہے۔ اکثر اسکولوں میں استاذ حضرات طلباء سے پیسے لیتے ہیں تاکہ باہر سے آنے والے نگرانوں کے کھانے پینے اور ان کی جیب گرم کرنے کا انتظام کرسکیں۔ جس کے بدلے میں وہ بھی طلباء کو کھلے عام نقل لگانے کی اجازت دے دیں۔ پھر ایسا ہی ہوتا ہے، نگرانوں کی جیبیں گرم کردی جاتی ہیں جس کے بدلے کھلے عام نقل لگانے کی اجازت ہوتی ہے۔ امتحانات میں نقل مافیا کی بلادھڑک سرگرمیوں کا اندازہ گزشتہ دنوں سندھ بھر میں شروع ہونے والے میٹرک کے امتحانات سے لگایا جاسکتا ہے۔ کراچی بورڈ کے تحت منعقدہ امتحانات میں مجموعی طور پر 3 لاکھ 17 ہزار امیدوار شریک امتحان ہیں۔ جن کے لیے مجموعی طور پر 223 امتحانی مراکز قائم کیے گئے۔ حیدرآباد تعلیمی بورڈ کے مطابق میٹرک کے امتحانات میں طلباء وطالبات حصہ لے رہے ہیں۔ سکھر بورڈ کے تحت میٹرک کے 113985 امتحانات میں 98 ہزار طلباء وطالبات شریک ہیں۔ سکھر، خیرپور، گھوٹکی اور نوشہروفیروز

میں 192 امتحانی مراکز قائم کیے گئے ہیں۔ نقل کی روک تھام کیلیے کئی شہروں کے امتحانی مراکز میں دفعہ 144 کا نفاذ کیا گیا ہے۔ نقل کی روک تھام کے لیے پولیس اور رینجرز کی خدمات بھی حاصل کی گئی ہیں۔ لیکن حسبِ سابق اکثر امتحانی مراکز میں نقل کرنے والوں کو کھلی چھٹی ہے۔ مختلف طریقوں سے پرچے حل کرکے امتحانی مراکز کے اندر بھیجے جا رہے ہیں۔ امتحانی سینٹرز میں عملے اور پولیس کی ملی بھگت سے طلباء کھلے عام موبائل فون اور مختلف امتحانی میٹریل سے نقل کر رہے ہیں۔ ویجلنس ٹیموں کی عدم فعالیت اور سیکورٹی اداروں کی غفلت کے سبب نقل مافیا سرگرم ہے۔

امتحانات کے دوران حیران کن اور دنگ کر دینے والے انکشافات بھی ہوئے، جن میں نقل مافیا کی جانب سے غیر قانونی امتحانی مراکز میں پرچے دیتے ہوئے، بڑی جماعتوں کے طالب علم چھوٹی جماعتوں کے طلباء کے پرچے حل کرتے ہوئے، کسی دوسرے امیدوار کی جگہ پرچہ دیتے ہوئے، دوستوں کے پرچے دیتے ہوئے اور بھائی کے پرچے دیتے ہوئے پکڑے جانے والے بیشتر طلباء منظر عام پر آئے، کتاب سے دیکھ کر پرچہ حل کرنے والے طلباء کی تعداد تو بہت زیادہ ہے۔ پیسوں کے عوض امتحانی پرچہ حل کرنے کے لیے بوٹی مافیا مکمل سہولت فراہم کر رہی ہے۔ کراچی کی طرح حیدرآباد ڈویژن، نواب شاہ، سکھر، خیرپور، نوشہروفیروز اور گھوٹکی وغیرہ میں میں بھی کھلے عام نقل کا سلسلہ جاری ہے۔ انتظامیہ کی طرف سے نقل کی روک تھام

کے لیے گئے اقدامات دھرے کے دھرے رہ گئے۔ طالب علموں کو نقل سے روکنے والا کوئی نہیں، متعدد امتحانی مراکز کے ارد گرد فوٹو اسٹیٹ کی دکانیں نہ صرف کھلی ہیں بلکہ نقل کا مواد بھی دستیاب ہے۔ متعدد ایسے امتحانی مرکز ہیں جہاں پولیس اور امتحانی مرکز کا عملہ مل کر طلباء وطالبات کو نقل کرانے میں مصروف ہے۔ بعض امتحانی مراکز میں پرچہ شروع ہونے سے پہلے ہی کاپی کرنے والوں کے پاس پہنچ گیا اور فوٹو اسٹیٹ کی دکانوں پر 200 روپے میں سوالوں کے سیٹ فروخت کیے گئے۔ نقل کی روک تھام کیلئے مقرر پولیس اہلکاروں نے 50 سے 100 روپے میں کاپی اندر پہنچائی۔ جس میں اسکول کے چوکیدار، نائب قاصد سمیت ڈیوٹی پر مقرر اساتذہ بھی اس عمل میں شریک تھے۔ کراچی کے ایک اسکول میں دوران امتحان نقل کرانے کے لیے ایک درجن کے قریب مسلح افراد اسکول میں گھس آئے اور من پسند امیدواروں کو نقل کرانے کے لیے اسکول انتظامیہ پر دباؤ ڈالا، ایک اسکول میں قائم امتحانی مرکز پر نقل سے روکنے پر فائرنگ کا واقعہ بھی پیش آیا، نقل مافیا نے ایک امتحانی مرکز میں داخل ہونے کے لیے اسکول میں بم کی موجودگی کی افواہ پھیلادی اور نقل نہ کرانے پر ایک سرکاری اسکول کے سینئر سپرنٹنڈنٹ کو قتل کی دھمکیاں بھی موصول ہوئی ہیں۔

اگرچہ پاکستان کے چاروں صوبوں میں امتحانات کے دوران نقل کی جاتی ہے۔ لیکن سندھ میں نقل کا رجحان بہت زیادہ ہے۔ اسی لیے پنجاب سے میٹرک کے امتحانات

میں بار بار فیل ہونے والے طلباء کراچی و سندھ میں آ کر امتحان دیتے ہیں اور پاس بھی ہو جاتے ہیں۔ میں پہلے سوچتا تھا کہ کراچی و سندھ کو نقل کے اعتبار سے شاید غلط مشہور کیا گیا ہے، لیکن مجھے اس بات کا اندازہ اس وقت ہوا جب میں نے کراچی یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان دیا تھا۔ کراچی میں بی اے کے امتحان میں ہونے والی نقل پنجاب میں میٹرک کے امتحان کے دوران ہونے والی نقل سے زیادہ تھی۔ آج ہمارے ہاں تعلیم کا معیار تو یہ ہے کہ ہمارے تعلیمی اداروں میں کھلے عام نقل لگائی جاتی ہے، اس کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ ہم ترقی کیوں نہیں کرتے؟

آج یورپ تعلیم پر بھرپور توجہ دے رہا ہے اس کا پھل بھی ترقی اور تمام دنیا پر غلبے کی صورت میں وہ حاصل کر رہا ہے لیکن تعلیم کے ساتھ ہم نے جو حال کیا اس کی ایک جھلک ہم نے سندھ میں ہونے والے میٹرک کے امتحانات میں دیکھ ہی لی، اسی کی بدولت آج دنیا کی دو سو بہترین یونیورسٹیوں میں عالم اسلام کی کسی ایک بھی یونیورسٹی کا نام شامل نہیں ہے۔ تین سال پہلے ملائیشیا کی ایک یونیورسٹی شامل تھی اس کا نام بھی خارج کر دیا گیا ہے۔ اب بھی سنبھل جانے کا وقت ہے، جو طالب علم اس طرح سے نقل لگا کر پاس ہوتے ہیں وہ آگے جا کر قوم کی باگ ڈور کیا سنبھالیں گے؟۔ اگر ہم اپنی آئندہ نسلوں کو یونہی علمی طور پر اپاہج بناتے رہیں گے تو تاریخ ہمیں کبھی بھی معاف نہیں کرے گی۔ حکومت کی ذمہ

داری بنتی ہے کہ تعلیم کا معیار بہتر سے بہتر بنائے، تاکہ آج کے بچے بہتر طریقے سے پڑھ کر کل ملک و ملت کی ترقی و کامیابی کا ذریعہ بن سکیں۔

لوٹ سیل لگانے پر چیف جسٹس کا ازخود نوٹس

سپریم کورٹ نے سابق وزرائے اعظم اور وزرا کی غیر معمولی سیکورٹی، پروٹوکول اور مراعات کے خلاف از خود نوٹس لے لیا ہے، سماعت 16 اپریل کو ہوگی۔ سپریم کورٹ کے اعلامیے کے مطابق چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے سابق وزیر اعظم راجا پرویز اشرف، یوسف رضا گیلانی کے لیے غیر معمولی سیکورٹی، پروٹوکول، سابق وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک کی جانب سے اپنے اور اپنے پیش رو کے لیے غیر معمولی مراعات کے حصول اور سندھ کے وزیر اعلیٰ، سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کو تاحیات مراعات دینے کا نوٹس لیا ہے۔ عدالت نے سابق وزیر اعظم راجا پرویز اشرف، وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ، سابق وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک، وفاقی سیکرٹری داخلہ، سیکرٹری داخلہ سندھ، آڈیٹر جنرل، اکاؤنٹنٹ جنرل کو نوٹس جاری کرتے ہوئے انہیں ذاتی طور پر یا وکیل کے ذریعے پیش ہونے کا حکم بھی دیا ہے جبکہ اٹارنی جنرل، ایڈووکیٹ جنرل سندھ، آئی جی سندھ سے 16 اپریل کو شق وار کمنٹس بھی طلب کر لیے گئے ہیں۔ چیف جسٹس کا کہنا تھا کہ قانون سب کے لیے برابر ہے۔ سپریم کورٹ بغیر کسی درخواست کے عوامی مفاد میں از خود کارروائی کر سکتی ہے۔

چیف جسٹس آف پاکستان نے رجسٹرار سپریم کورٹ کی جانب سے پیش کردہ نوٹ پر از

خود نوٹس لیا، جس میں مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کا حوالہ دیتے ہوئے چیف جسٹس کو بتایا گیا تھا کہ موجودہ اسمبلی کی مدت پوری ہونے کے صرف ایک روز قبل وزیر اعظم راجا پرویز اشرف نے حکم جاری کیا جس کے ذریعے انہوں نے خود کو اور سابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کو غیر معمولی سیکورٹی پروٹوکول دیا۔ نوٹ میں مزید بتایا گیا کہ اسمبلی ختم ہونے سے ایک روز قبل وزارت داخلہ کی جانب سے مارچ 2013ء کو نوٹیفکیشن جاری کیا گیا جس کے تحت وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک اور 14 ان کے پیش رو کو عہدے پر نہ رہنے کے باوجود لامحدود مراعات کا حق دار قرار دیا گیا تھا، اس کے علاوہ سندھ اسمبلی کی مدت کے آخری روز ایوان میں پرائیویٹ بلوں کی منظوری دی گئی، جن کے ذریعے سابق وزیر اعلیٰ، سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کو لامحدود مراعات اور مفادات کا حق دار قرار دیا گیا تھا۔ نوٹ میں بتایا گیا کہ اس طرح کی مراعات کا حق دار سابق وزیر اعظم، وزراء اعلیٰ، وزرائ، سپیکرز، ڈپٹی سپیکرز اور ارکان کو قرار دینا بالکل نئی بات ہے، اس کی پہلے سے کوئی مثال موجود نہیں ہے، جبکہ یہ مراعات ایسے وقت میں دی گئیں جب اسمبلی اور کابینہ کی مدت پوری ہونے میں ایک یا دو روز باقی تھے اور سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کے ذاتی مفاد پر مشتمل قانون سازی یا آرڈرز کی آئین اور قانون میں گنجائش ہے؟ اس صورت میں جبکہ اس سے قومی خزانے پر بھاری بوجھ بھی پڑے گا اور فراہم کردہ سیکورٹی پروٹوکول قانون نافذ کرنے والے اداروں کی صلاحیت کار کو متاثر کرے گا، جس

سے وہ ملک میں سیکورٹی کی صورت حال کو بہتر بنانے اور لوگوں کی جان و مال کے تحفظ میں ناکام رہیں گے۔ ازخود نوٹس میں کہا گیا کہ مذکورہ اقدامات آئین کے آرٹیکل 24,9,4 اور 25 کی خلاف ورزی نظر آتے ہیں۔ چیف جسٹس نے نوٹ میں لکھا کہ سرکاری خرچے پر سیکورٹی اور مراعات قانون کے منافی ہیں۔ پاکستان کے غریب عوام صحت اور پینے کے صاف پانی جیسی سہولتوں سے محروم ہیں، اس لیے یہ ملک سابق عوامی نمائندوں کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا۔

یاد رہے کہ حکومت کی مدت ختم ہونے سے ایک دو روز قبل منتخب حکومت نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ملکی خزانے کی لوٹ سیل لگادی تھی، مال مفت دل بے رحم۔ منتخب نمائندوں نے جس طرح عوام پر پانچ سال حکومت کی، اس سے انہیں تھا کہ آئندہ عوام انہیں کبھی دوبارہ نہیں منتخب کر سکتی اس لیے موجودہ حکومت کا جتنا وقت باقی ہے اسے ہی غنیمت جانتے ہوئے ملکی خزانے سے جو ہاتھ آتا ہے جانے نہ دیا جائے۔ لہٰذا حکومت کی مدت پوری ہونے سے چند گھنٹے پہلے سندھ حکومت نے ارکان سندھ اسمبلی کی تنخواہوں اور مراعات میں ساٹھ فیصد تک اور تاحیات ذاتی مفادات و مراعات کے بل منظور کر لیے تھے۔ منظور ہونے والے بل کے مطابق تمام سابق ارکان اسمبلی مدت ختم ہونے کے بعد بھی سرکاری مہمان خانے، آرام گاہیں، سندھ ہاؤسز اسلام آباد، گوادر سرکاری نرخوں پر استعمال کر سکیں گے۔ عمر بھر کے لیے سندھ اسمبلی سیکرٹریٹ، لائبریری اور اسپیکر گیلری کے

پاسز حاصل کر سکیں گے۔ تمام ائیرپورٹس پر وی آئی پی لاونج استعمال کر سکیں گے۔ تمام عمر سرکاری گرین پاسپورٹس اپنے اور اہل خانہ کے لیے حاصل کر سکیں گے اور چار ہتھیاروں کے لائسنس، ان کی تجدید سرکاری ملازمین کی فیس پر کرا سکیں گے۔

دوسری جانب الیکشن کمیشن کی طرف سے نواز شریف، شہباز شریف اور ان کے خاندان کو دیے جانے والے پروٹوکول کو ختم کرنے کے احکامات پر تا حال عملدرآمد نہیں ہو سکا۔ شریف خاندان کے پاس موجود سرکاری گاڑیوں اور سیکورٹی پر مامور پولیس افسران اور اہلکاروں کی تعداد جوں کی توں ہے۔ ذرائع کے مطابق شریف برادران اور ان کے فیملی ممبران کی سیکورٹی پر 761 پولیس اہلکار تعینات ہیں، جن میں ایلیٹ فورس کے پولیس کے 302، پنجاب کانسٹیبلری کے 108 جبکہ ضلعی پولیس کے 34 اہلکار، 317 شامل ہیں، جبکہ پولیس کی 54 گاڑیاں بھی ان کی سیکورٹی کے لیے استعمال ہو رہی ہیں۔ نواز شریف کو ایلیٹ فورس کے 100 کمانڈوز اور پولیس کی 5 گاڑیاں سیکورٹی کے لیے دی گئی ہیں۔ شہباز شریف کی سیکورٹی کے لیے 95 ایلیٹ فورس کے کمانڈوز تعینات ہیں۔ شہباز شریف کی اہلیہ مسز نصرت شہباز کی سیکورٹی کے لیے ایلیٹ فورس کے 11 اہلکار تعینات ہیں۔ شہباز شریف کی دوسری اہلیہ مسز تہمینہ درانی کی سیکورٹی کے لیے ایلیٹ فورس کے 11 کمانڈوز تعینات ہیں جبکہ ان کی رہائش گاہ واقع گلبرگ میں ایلیٹ فورس کے 18 کمانڈوز

مامور ہیں۔

مسلم لیگی رہنما پرویز رشید نے کہا کہ نواز شریف اور شہباز شریف کی سیکورٹی کے بارے میں الیکشن کمیشن کی ہدایات غیر منصفانہ اور یکطرفہ ہیں۔ سابق وزیراعظم اور سابق وزیراعلیٰ ہونے کے ساتھ ساتھ ملک کی سب سے بڑی جماعت کے قائد ہونے کی حیثیت سے ان کا تحفظ ریاست کی ذمے داری ہے۔ اگر ان رہنماؤں کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا تو اس کے ذمہ دار براہ راست الیکشن کمیشن، صدر زرداری اور نگران وزیراعظم ہوں گے۔ جبکہ اسفندیار ولی نے الیکشن کمیشن کی طرف سے اے این پی کے رہنماؤں کی سیکورٹی واپس لینے پر شدید تحفظات کا اظہار کیا ہے، رہنما اے این پی سینیٹر زاہد خان نے کہا ہے کہ انتخابات میں اے این پی کے رہنماؤں کی سیکورٹی کو یقینی نہ بنایا گیا تو دیگر آپشنز پر غور کریں گے۔ عوامی نیشنل پارٹی انتخابی عمل میں پیش آنے والی مشکلات پر الیکشن کمیشن کو خط لکھے گی، نگران حکومت اور الیکشن کمیشن سیاسی رہنماؤں کو تحفظ دینے میں ناکام ہو گئے ہیں۔ دریں اثنا الیکشن کمیشن کی طرف سے ملک کے اہم سیاسی رہنماؤں اور پارٹی سربراہان کی سیکورٹی کے معاملات میں مداخلت اور سیکورٹی کو کم کرنے کے احکامات پر وزارت داخلہ اور انٹیلی جنس ادارے سر جوڑ کر بیٹھ گئے ہیں۔

شام میں حزب اللہ کے جنگجو

شام ایک لمبے عرصے سے خون خرابہ اور غارت گری کا شکار ہے۔ بے گناہ شہری مسلسل جارح افواج کی جارحیت کا نشانہ بن رہے ہیں، شام میں مارچ دوہزار گیارہ میں حکومت مخالف مظاہرے شروع ہوئے تھے، شام کے عوام نے برس ہابرس شام پر عوام کی مرضی کے بغیر جبراً صدر رہنے والے بشارالاسد سے نجات حاصل کرنے کے لیے مظاہرے شروع کیے تھے، جس کے جواب میں بشارالاسد نے عوام پر ظلم کے پہاڑ توڑنے شروع کردیے، اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کی ہائی کمشنر ناوی پلے کے مطابق نومبر 2012ء کے اختتام تک بشارالاسد کی افواج کے ہاتھوں شام میں مرنے والوں کی تعداد انسٹھ ہزار چھ سو اڑتالیس سے تجاوز کرچکی تھی۔ نومبر کے بعد بھی صدر بشار الاسد کی فورسز اور اس کے حامی بے گناہ شہریوں کو بدستور قتل کررہے ہیں، اس لیے وہاں ہلاکتوں کی تعداد اندازے سے کہیں زیادہ ہے۔ اقوام متحدہ اور بشارالاسد کے خلاف جاری تحریک لشکر الحر کے سربراہ کا کہنا ہے کہ شام میں بشارالاسد کی حمایت میں دوسرے ملکوں کے لوگ بھی لڑ رہے ہیں جن میں سرفہرست لبنان کی دہشتگرد تنظیم حزب اللہ کے جنگجو ہیں۔

گزشتہ روز آنے والی اطلاعات نے اقوام متحدہ کی اس بات کی تصدیق کردی ہے، سعودی روزنامے الوطن میں شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق لبنانی تنظیم حزب

اللہ کے بارہ سو کے لگ بھگ جنگجو شامی صدر بشارالاسد کی حمایت میں انقلابیوں سے لڑنے کے لیے گزشتہ چند روز کے دوران آبی راستوں کے ذریعے شام پہنچے ہیں۔ سعودی روزنامے الوطن میں اتوار کو شائع شدہ ایک رپورٹ کے مطابق حزب اللہ کے قریباً بارہ سو جنگجو شام کی بندرگاہ طرطوس پہنچے ہیں۔اس کے علاوہ عراق سے بھی اسد حکومت کی وفادار سیکورٹی فورسز کی مدد کے لیے جنگجو شامی علاقے میں داخل ہوئے ہیں۔ اخبار نے اپنے ذرائع کے حوالے سے لکھا ہے کہ شام کے ریزرو فوجی آرمی کمان کی جانب سے انقلابی جنگجوؤں کے خلاف لڑائی کے لیے احکامات کو مسلسل نظرانداز کرتے چلے آرہے ہیں جبکہ شامی فوج کو اس وقت باغیوں کے مقابلے میں ہزیمت کا سامنا ہے۔ یہ اطلاع بھی سامنے آئی ہے کہ شامی سیکورٹی فورس چالیس سال تک عمر کے افراد کو گرفتار کرکے فوجی بھرتی کے لیے کیمپوں میں لے جایا جارہا ہے اور عسکری تربیت کے عمل میں شرکت پر مجبور کیا جارہا ہے تاکہ انھیں ضروری تربیت کے بعد انقلابی جنگجوؤں کے خلاف لڑائی کے لیے میدان میں اتارا جاسکے۔ ہفتے کے روز شام کے وسطی صوبے حمص میں انقلابی جنگجوؤں کے ساتھ جھڑپوں میں حزب اللہ کے چالیس جنگجو اور فوجی ہلاک ہوگئے تھے۔ شامی صدر بشارالاسد کے خلاف گزشتہ دوسال سے جاری مسلح عوامی تحریک کے دوران یہ پہلا موقع تھا کہ حزب اللہ کے جنگجو شامی حدود میں اتنی زیادہ تعداد میں لڑتے ہوئے ایک ساتھ مارے گئے ہیں۔

واضح رہے کہ لبنانی تنظیم حزب اللہ شامی صدر بشارالاسد کی کھلم کھلا حمایت کر رہی ہے اور وہ وقفے وقفے سے اپنے جنگجوؤں کی اکا دکا ہلاکتوں کے اعلانات بھی کرتی رہتی ہے، حزب اللہ کے سربراہ شیخ حسن نصراللہ نے بھی اکتوبر 2012ء میں یہ اعتراف کیا تھا کہ ان کی جماعت کے جنگجو شامی انقلابیوں کے خلاف لڑ رہے ہیں لیکن ان کے بہ قول وہ انفرادی طور پر شامی فوج کے شانہ بشانہ انقلابیوں کے خلاف لڑائی میں شریک ہیں۔ حزب اللہ کے نائب سیکرٹری جنرل نعیم قاسم کا یہ بیان بھی سامنے آیا تھا کہ حزب اللہ کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ شام میں رہائش پذیر لبنانی شہریوں کو تربیت اور اسلحہ دے۔ گزشتہ دنوں شامی اپوزیشن نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ لبنان کی تنظیم حزب اللہ کے جنگجوؤں کو لے کر 25 بسیں شامی علاقے میں داخل ہوئیں ہیں اور برطانوی اخبار "ٹائمز" نے شام میں حزب اللہ کے 1500 جنگجوؤں کی موجودگی کی تصدیق بھی کی" تھی۔ اخبار نے اتنی ہی تعداد میں ایرانیوں کی موجودگی کی تصدیق کی تھی جس کا تعلق پاسداران انقلاب سے بتایا جاتا ہے۔ ٹائمز اخبار نے شامی ایئر فورس سے منحرف ہونے والے ایک سابق عہدیدار کے حوالے سے یہ بیان بھی جاری کیا تھا کہ حزب اللہ کے ارکان شام کی سرکاری فوج کو لاجسٹک امداد کے علاوہ افرادی قوت بھی فراہم کر رہے ہیں۔ نیز وہ فوج میں شامل شوٹرز کو پیشہ وارانہ تربیت بھی فراہم کر رہے ہیں۔ حزب اللہ کے ارکان سرکاری فوج میں شامل کرائے کے قاتلوں کو گینگ وار کی تربیت بھی دے رہے ہیں۔ حزب اللہ اپنے بشار

الاسد کی حامی فوج کو افرادی قوت سے لے کر جنگی ساز و سامان تک پہنچا رہی ہے۔ انہی معلومات کی بنیاد پر امریکا نے حزب اللہ کے جنرل سیکرٹری اور تنظیم کے دیگر عہدیداروں پر شامی بحران میں ملوث ہونے کی پاداش میں پابندیاں عائد کیں تھیں۔

سیرین یوتھ الائنس" کے صدر وحید صقر نے بھی اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ ان" کے پاس اس دعوے کے ٹھوس ثبوت موجود ہیں کہ حزب اللہ شام میں مظاہرین کے قتل عام میں براہ راست ملوث ہے۔ لبنانی عسکری تنظیم "مزاحمت" کے نام پر اپنے جنگجو شام بھیج رہی ہے تاکہ انقلابیوں کو شامی فوج کے ساتھ مل کر قتل کیا جاسکے۔ دوسری جنرل شامی انقلاب جنرل کمیشن سے تعلق رکھنے والے ہادی العبداللہ نے برطانوی خبر رساں ایجنسی رائٹرز کو بتایا تھا کہ لبنانی حزب اللہ کے جنگجوؤں نے شام کے آٹھ سرحدی دیہاتوں پر قبضہ کر رکھا ہے، حزب اللہ کے جنگجو شام کی سرحد کے دوسری جانب وادی بقاع میں موجود ہیں۔ اس علاقے میں دونوں ممالک کے درمیان کوئی حد بندی نہیں ہے اور وہاں حزب اللہ کے جنگجوؤں نے مخلوط آبادی والے چار دیہات پر کنٹرول حاصل کر رکھا ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ دو ماہ قبل شام کے انقلابی جنگجوؤں پر مشتمل جیش الحر نے لبنان کی تنظیم حزب اللہ کو شام میں کارروائیاں بند کرنے کے لیے اڑتالیس گھنٹے کا الٹی میٹم دیا تھا اور دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو

جنوبی لبنان میں اس کے ٹھکانوں کو نشانہ بنایا جائے گا۔ جیش الحر کے چیف آف اسٹاف بریگیڈیئر جنرل سلیم ادریس نے کہا تھا کہ حزب اللہ اڑتالیس گھنٹے میں شام میں اپنی مداخلت کا سلسلہ بند کر دے، ورنہ ان کے جنگجو لبنان میں اس تنظیم کی تنصیبات پر حملے شروع کر دیں گے۔ شام میں حزب اللہ کی کارروائیاں لبنان کو شامی حکومت کی جانب سے اس تنازعے میں گھسیٹ لیں گی۔ لبنانی ارکان پارلیمان نے بھی شامی تنازعے میں حزب اللہ کے ملوث ہونے کی اطلاعات پر سخت ردعمل ظاہر کرتے ہوئے خبردار کیا تھا کہ اس طرح کی مداخلت لبنان کو ایک ایسے میدان جنگ میں تبدیل کر دے گی جو ایرانی مفادات کے لیے سود مند ہوگا۔ یہ بھی واضح رہے کہ امریکا، کینیڈا سمیت متعدد ممالک نے حزب اللہ کو بلیک لسٹ قرار دے رکھا ہے اور ان ممالک نے اپنے ہاں اس کے بنک اثاثے منجمد کر دیے تھے۔ یورپ میں صرف نیدرلینڈز نے حزب اللہ کو دہشت گرد گروپ قرار دے رکھا ہے جبکہ برطانیہ نے اس کے عسکری ونگ کو بلیک لسٹ کر دیا تھا۔ گزشتہ ہفتے خلیجی ریاست بحرین نے لبنانی تنظیم حزب اللہ کو دہشت گرد قرار دے دیا تھا۔ اس نے حزب اللہ پر الزام عاید کیا تھا کہ وہ بحرین میں اپنے ہم نواؤں کو حکومت کے خلاف محاذ آراء کرنے کے لیے تربیت دے رہی ہے۔

امریکا ایک بار پھر حملوں کی زد میں

امریکی ریاست میساچوسٹس کے شہر بوسٹن میں میراتھن ریس کے دوران یکے بعد دیگرے تین بم دھماکوں میں بارہ افراد ہلاک اور ڈیڑھ سو کے لگ بھگ افراد زخمی ہو ئے ہیں۔ ایک دھماکا بوسٹن لائبریری کے باہر بھی ہوا۔ اطلاعات کے مطابق 17 افراد کی حالت تشویشناک ہے، بعض امریکی میڈیا کے مطابق مرنے والوں کی تعداد 4 ہے جبکہ غیر مصدقہ اطلاعات کے مطابق مرنے والوں کی تعداد پچیس تک پہنچ چکی ہے۔امریکی خبر رساں ادارے 'اے پی' کے مطابق دھماکے دوڑ کے اختتامی پوائنٹ کے نزدیک ایک عمارت میں اس وقت ہوئے جب دوڑ کے شرکا وہاں سے گزر رہے تھے۔برطانوی خبر رساں ایجنسی 'رائٹرز' کے مطابق 117 ویں سالانہ 'بوسٹن میراتھن' کا روٹ 42 کلومیٹر طویل تھا۔ میراتھن میں 96 ممالک کے ایتھلیٹس نے شرکت کی اور اس میں 28 ہزار کے لگ بھگ ایتھلیٹ شریک تھے۔ میراتھن دوڑ میں شریک 17,600 افراد ان دھماکوں سے قبل ہی اختتامی یا فنش لائن عبور کر چکے تھے۔بوسٹن امریکا کی شمال مشرقی ریاست میساچوسٹس کا صدر مقام ہے اور یہاں ہر سال ہونے والی میراتھن کا شمار شہر کی روایتی اور اہم ثقافتی سرگرمیوں میں ہوتا ہے جس میں دنیا بھر سے ایتھلیٹ شریک ہوتے ہیں۔ بوسٹن میراتھن کو امریکا کا ایک بڑا اسپورٹس ایونٹ قرار دیا جاتا ہے۔ بوسٹن شہر میں سرکاری طور چھٹی تھی۔انیسوں

صدی کے آخر میں امریکا کے شہر بوسٹن میں شروع ہونے والی یہ میراتھن ریس دنیا کی چھ بڑی میراتھن ریسوں میں شامل ہے۔

امریکی میڈیا کی اطلاعات کے مطابق دھماکے کی جگہ سے کئی بم پھٹنے سے پہلے برآمد کر لیے گئے۔ دھماکوں کے بعد نیویارک سٹاک مارکیٹ میں مندی کا رجحان ہے، نیو یارک اسٹاک ایکسچینج میں سونے اور تیل کے کاروبار میں گراوٹ دیکھی گئی ہے۔

دھماکوں کے بعد بوسٹن میں پروازوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔ موبائل فون بند کر دیے گئے۔ وائٹ ہاؤس کے سامنے والا علاقہ بھی سیل کر دیا گیا۔ امریکی پولیس کے مطابق دھماکوں کی جگہ سے متعدد دھماکا خیز ڈیوائسز ملی ہیں۔ اطلاعات کے مطابق دھماکوں سے مزید ہلاکتوں کا خدشہ ہے۔

عینی شاہدین کے مطابق دونوں دھماکے اختتامی لائن کے نزدیک شمال میں واقع ایک عمارت میں چند سیکنڈ کے وقفے سے ہوئے جس کے باعث عمارت کے سامنے کھڑے کئی افراد زمین پر گر گئے۔ دھماکے کی آواز سن کر عمارت کے نزدیک پہنچنے والے کئی ایتھلیٹس نے خبر رساں اداروں کو بتایا ہے کہ انہوں نے جائے حادثہ پر کئی ایسے زخمیوں کو دیکھا جو اپنے ہاتھ یا پاؤں سے محروم ہو چکے تھے۔ بوسٹن پولیس نے دھماکوں کے نتیجے میں ہلاکتوں کی تصدیق کی ہے۔ جائے حادثہ سے سو سے زائد افراد زخمی حالت میں ہسپتال بھی لے جائے گئے۔ میراتھن ریس میں

حصہ لینے والے ایک کھلاڑی کا کہنا تھا کہ یہ سب بہت خوفناک تھا اور لوگ گیارہ ستمبر کو یاد کرنے میں حق بجانب ہیں۔ حال یہ تھا کہ ایک پر جوش، خوشی کا لمحہ دیکھتے ہی دیکھتے خون میں نہا گیا۔ دھماکے کے نتیجے میں شیشے ٹوٹ گئے اور یہ ٹوٹے ہوئے شیشے ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ وہاں زمین پر انسانوں کے جسم پڑے تھے، کچھ دوڑنے والے جنہوں نے دوڑ ختم ہی کی تھی خوف کے مارے چیخ یا رو رہے تھے جو ظاہر ہے اس دھماکے کے خوف کا نتیجہ تھا۔ یہ بہت افسوسناک ہے، بہت ہی افسوسناک۔ یہ بہت بڑا دھماکا تھا اور جب پہلا دھماکا ہوا تو زمین زور سے ہلی، اسی اثنا میں دوسرا دھماکا ہوا اور اس کے بعد ہر کوئی خوف کے مارے دوڑنے اور علاقے سے بھاگنے لگا۔ دھماکے سے افراتفری اور خوف و ہراس پھیل گیا۔ پولیس نے علاقے کو سیل کر دیا۔ دوڑ ختم کرنے والے کینیڈا کے مائیک مچل نے بتایا کہ اس نے فنش لائن عبور کی تو پیچھے ایک بڑا دھماکا ہوا، اس کے بعد فضا میں 50 فٹ تک دھواں بلند ہوا اور وہاں بھگدڑ مچ گئی۔

دھماکوں کے بعد متعدد ایمبولینسیں اور درجنوں پولیس کی گاڑیاں موقع پر پہنچ گئیں۔

امریکی صحافی تانیس کا کہنا تھا کہ میں تقریباً جائے دھماکا سے تین سو کلومیٹر دور تھی اور ایک ریس میں دوڑنے والے کا انٹرویو کر رہی تھی اور میرا کیمرا چل رہا تھا۔ اچانک میں نے زوردار آواز سنی جیسے ایک توپ چلی ہو اور اس کے نتیجے میں زمین لرز اٹھی۔ میں نے آگ کا ایک بگولہ دیکھا اور پھر دھواں جیسے ایک توپ سے نکلتا ہے۔ جو لوگ جائے دھماکا سے قریب تھے وہ بہت خوف

کا شکار تھے ان کے چہروں پر شیشے لگنے سے کٹ لگے ہوئے تھے اور یہ سب دوڑ کر پناہ تلاش کر رہے تھے۔ میں جب مزید قریب گئی تو میں نے سڑک پر خون اور انسانی جسم دیکھے اور پھر دوسرا دھماکا ہوا۔ وہاں بہت افراتفری کا عالم تھا۔

وائٹ ہاؤس کے مطابق بوسٹن میراتھن میں ہونے والے دھماکوں کے بارے میں صدر اوباما کو فوری طور پر مطلع کر دیا گیا تھا۔ امریکی صدر نے دھماکوں کے مقام پر اور ریاست میساچوسٹس کے (Tom Menino) موجود بوسٹن شہر کے میئر ٹام مینینو گورنر ڈیوال پیٹرک سے ٹیلی فون پر رابطہ کر کے تازہ ترین حالات سے آگاہی بھی حاصل کی۔ بوسٹن کی صورت حال کے بارے امریکی صدر کو داخلی سلامتی کی مشیر لیزا مونا کو نے اوول آفس میں بریفنگ بھی دی۔ امریکی صدر براک اوباما نے اپنے بیان میں کہا کہ ذمہ داروں کو تلاش کر کے انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے گا۔ "ہم ابھی تک نہیں جانتے کہ یہ کس نے اور کیوں کیا، تمام حقائق سامنے آنے سے قبل لوگوں کو نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن کوئی غلطی نہیں کریں گے اور اس معاملے طے تک پہنچیں گے۔" صدر اوباما نے کہا کہ "جس نے یہ کیا ہم ± سے تلاش کریں گے"۔ اس بات کا پتہ لگایا جائے گا کہ یہ کیوں کیا گیا۔ وائٹ ہاؤس کے عہدیدار نے کہا کہ متعدد دھماکے واضح طور پر دہشت گردی ہے اور انہیں دہشت گردی کے واقع کے طور پر ہی دیکھا" جائے گا۔ "امریکا کے وفاقی تحقیقاتی ادارے ایف بی آئی نے تحقیقات کو 'ممکنہ دہشت گردی' کی

تفتیش بیان کیا ہے۔اگر تصدیق کی جاتی ہے کہ دہشت گردی کا واقعہ تھا تو یہ امریکا میں نائن الیون دو ہزار گیارہ کے بعد دہشت گردی کا بدترین واقعہ ہوگا۔بوسٹن پولیس کے مطابق تمام اہلکار چوبیس گھنٹے کام کر رہے ہیں اور چھٹیاں منسوخ کر دی گئی ہیں۔مقامی پولیس کے سربراہ نے عوام کو گھروں میں رہنے کی تلقین کی ہے۔منگل کے روز وائٹ ہاوئس سمیت پورے امریکا میں امریکی پرچم سرنگوں رہے۔دھماکے کے خلاف اقوم متحدہ کے سیکریٹری جنرل بان کی مون نے شدید مذمت کی۔واضح رہے کہ ان دھماکوں کے بعد امریکا میں رہنے والے مسلمان خوف کا شکار ہیں،ان کا کہنا ہے کہ امریکا میں کوئی واقعہ بھی ہوتا ہے تو یہاں رہنے والے مسلمانوں کو بہت زیادہ تنگ کیا جاتا ہے۔

پولیس کمشنر ایڈورڈ ڈیوس نے کہا کہ اس حملے سے متعلق مخصوص انٹیلی جنس معلومات نہیں تھیں اور حکام کے مطابق تاحال کسی نے اس کی ذمہ داری قبول نہیں کی ہے۔دھماکوں کے بعد امریکی دارالحکومت واشنگٹن ڈی سی، نیویارک اور دیگر بڑے شہروں میں سیکورٹی انتہائی سخت کردی گئی ہے۔برطانیہ کے دارالحکومت لندن شہر کی پولیس نے بھی بوسٹن دھماکوں کے بعد اتوار کو ہونے والی 'لندن میراتھن' کے سیکورٹی انتظامات کا از سرِ نو جائزہ لینے کا اعلان کیا ہے۔واضح رہے کہ امریکی حکومت ابھی تک ان دھماکوں کے ذمہ داروں کو پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکی ،البتہ امریکی میڈیا ان دھماکوں کی ذمہ داری القاعدہ پر ڈال رہا

ہے، میڈیا کے علاوہ بھی کچھ امریکی حلقے القاعدہ کو ان حملوں میں ملوث بتا رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ القاعدہ ایک بار پھر نائن الیون جیسی بڑی کارروائی کے گی، کیونکہ وہ مختلف ممالک میں امریکا کی جانب سے چھیڑی ہوئی جنگ کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ میڈیا کے مطابق امریکا میں شدت سے یہ خوف پایا جاتا ہے کہ القاعدہ کچھ ضرور کرے گی۔

ہوگو شاویز کا جانشین وینزویلا کا صدر منتخب

وینزویلا میں ہونے والے حالیہ صدارتی انتخابات میں آنجہانی صدر ہوگو شاویز کے نائب وجانشین نیکولس مادورو معمولی فرق سے کامیاب ہو کر وینزویلا کے صدر منتخب گئے ہیں۔ انتخابات میں ایک کروڑ 90 لاکھ سے زائد افراد نے حق رائے دہی استعمال کیا۔ نیکولس مادورو نے 50.66 فیصد جبکہ ان کے مدمقابل امیدوار اینریک کیپریلس کو 49.1 فیصد ووٹ ملے، اس طرح قائم مقام صدر نیکولس مادورو صرف چند لاکھ ووٹوں کے فرق سے صدارتی انتخابات جیت گئے۔ مادورو کی کامیابی کا سن کر ان کے حامی سڑکوں پر نکل آئے ،ان کے حق میں نعرے لگاتے رہے اور فتح کا جشن منایا۔ انتخابات میں ان کے مدمقابل اینریک کیپریلس نے انتخابی نتائج کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے ووٹوں کی دوبارہ گنتی کا مطالبہ کیا ہے۔ جبکہ نیکولس مادورو نے انتخابات میں فتح کو شفاف اور قانونی قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ وہ سابق صدر ہوگو شاویز کی پالیسیوں کو جاری رکھیں گے۔

نیکولس مادورو کو سابق صدر ہوگو شاویز نے مرنے سے پہلے خود ہی قائم مقام صدر منتخب کیا تھا۔ نیکولس خود کو ہوگو شاویز کا جانشین اور بیٹا قرار دیتے

ہیں۔ کیونکہ نیکولس مادورو نے ہوگو شاویز کے ساتھ ایک لمبا عرصہ گزارا ہے اور وہ ہوگو شاویز کی پالیسیوں کو شروع سے ہی پسند کرتے رہے ہیں، اور ہوگو شاویز کے نظریات و افکار کے بہت بڑے داعی بھی ہیں، ہوگو شاویز سپر پاؤر رکھے جانے والے امریکا کے حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور ان کے روبرو سینہ تان کر حکمرانی کرتے رہے۔ سابق صدر جارج ڈبلیو بش کی انتہا پسندانہ اور جنگ پسندی پر مبنی جارحانہ پالیسیوں کی شدید مخالفت کرتے رہے۔ ہوگو شاویز نے اپنے دور اقتدار میں غریب پرور معاشی پالیسیاں اپنائیں جس کی وجہ سے سرمایہ دار طبقہ اسے اپنا مخالف سمجھتا تھا۔ وہ اسرائیل کی فلسطین کش پالیسیوں کے بھی شدید نقاد تھے اور فلسطینی نصب العین کی ہر پلیٹ فارم پر حمایت کی۔ ہوگو شاویز نے اسرائیل کو ایک استعماری ملک اور اسرائیلی حکومت کو ایک "نسل کش" حکومت قرار دے دیا تھا۔ ہوگو شاویز نے کہا تھا کہ اسرائیل فلسطینیوں کی نسلی کشی کر رہا ہے، اسرائیل پر پابندیاں عائد کرنے کی ضرورت ہے۔ اسرائیل کو دوسرے ملکوں کی طرح جینے کا حق حاصل ہے لیکن اسے بھی فلسطینیوں کی آزادی کا احترام کرنا چاہیے۔ اس نے بے شمار ایسے بہادرانہ اقدامات کیے جو صرف ہوگو شاویز کا ہی خاصا تھے۔ وینزویلا کے عوام نے شاویز کے نعرے کی مکمل حمایت کی، اس کا ساتھ دیا، اسی لیے ہوگو شاویز 14 سال تک صدر کے عہدے پر فائز رہے۔ جب وہ 6 دسمبر 1998ء کو پہلی بار وینزویلا کے صدر منتخب ہوئے، ان کی ہر دلعزیز اور غریب پرور پالیسیوں کے سبب عوام نے انہیں لگاتار

تین بار صدر منتخب کیا۔ ہوگو شاویز نے علالت کے تین ماہ کے دوران نیکولس مادورو کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ نیکولس مادورو صرف اس لیے شاویز کے جانشین بنے اور ان کے عہدے پر نامزد ہوئے کہ وہ شاویز کے کٹر وفادار تھے اور ان میں بھی ہوگو شاویز کی سی خصوصیات پائی جاتی تھیں اور اسی لیے ہوگو شاویز سے محبت کرنے والے عوام نے ان کے جانشین کو انتخابات میں کامیاب کروایا ہے۔

1997ء میں ہوگو شاویز نے جب نئی پارٹی کی بنیاد رکھی تو مادورو نے اس میں شمولیت اختیار کی۔ 1992ء میں جب شاویز ایک ناکام بغاوت کے باعث جیل میں تھے تو مادورو نے گلیوں میں ان کی رہائی کے لیے احتجاجی مظاہروں کی مہم کی قیادت کی تھی اور مادورو کی اہلیہ سیلیا قانون دانوں کی اس ٹیم کی قیادت کر رہی تھیں جس نے ہوگو شاویز کو دو سال کے اندر جیل سے رہا کروانے میں مدد دی تھی۔ اس نے ہی شاویز کے خلاف بغاوت کو شکست دی تھی۔ میکسکو میں وینزویلا کے سابق سفیر ولادیمیر ولیگاس کا کہنا ہے کہ مادورو نے ہمیشہ شاویز کی غیر مشروط پیروی کی لیکن اس لیے نہیں کہ وہ اس کے علاوہ کچھ اور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

انتخابات میں نیکولس مادورو کے کامیاب ہوجانے کے بعد غالب گمان یہی ہے کہ وہ ہوگو شاویز کی پالیسیوں پر ہی عمل پیرا رہیں گے، جن میں نیشنلائزیشن

معیشت پر سخت ریاستی کنٹرول، اپنے اتحادیوں اور مسئلہ فلسطین کی حمایت اور امریکا کے خلاف سخت رویہ اپنانا شامل ہے۔ مادورو کے سابقہ ریکارڈ سے لگتا ہے کہ وہ واقعی ہوگو شاویز کی پالیسیوں پر عمل پیرا ہونے والے شخص ہیں۔ مادورو کے صدر منتخب ہوجانے کا مطلب یہ ہوا کہ امریکا کے راستے میں بدستور ہوگو شاویز کے بعد نیکولس مادورو کی شکل میں مستقل دیوار کھڑی رہے گی کیونکہ نیکولس مادورو شاویز کی پالیسیوں کو ترک نہیں کریں گے۔ نیکولس مادورو ہوگو شاویز کی جگہ صدر کے فرائض انجام دیتے ہوئے اپنے باس کی حکمت عملی اور پالیسیوں پہ عمل پیرا رہے ہیں۔ انہی کا طرز تقریر اور امریکا مخالف ویسا ہی لہجہ استعمال کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی شاویز کا طرز اختیار کیے رکھنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ عوام عوام نے انہیں ہوگو شاویز کی پالیسیوں پر عمل کرنے کی وجہ سے کامیاب کروایا ہے اور عوام یہی چاہے ں گے کہ وہ آئندہ بھی ہوگو شاویز کے راستے پر چلیں۔ نیکولس مادورو نے انتخاب جیتنے کے بعد خود بھی ہوگو شاویز کی پالیسیوں کو جاری رکھنے کا اعلان کیا ہے۔

اگرچہ ان کی شخصیت ہوگو شاویز کی مشہور کرشمہ ساز شخصیت کے قریب نہیں پہنچی لیکن نیکولس مادورو دھواں دار تقریروں، تاریخی حوالہ جات، دھوکہ داروں اور فریبی حریفوں پر الفاظ کے تیز و تند کوڑے برسانے میں انہی کی نقل کرتے ہیں۔ مادورو نے سرکاری ٹیلیویژن پر کہا تھا کہ ہوگو شاویز نے ہمیں جو رستہ

دکھایا ہے ہم اپنے مقاصد، منصوبوں کی تکمیل کے پروگرام پر سختی کے ساتھ کاربند ہیں۔ ہمارے عوام ایک ایسے سماجی ماڈل کو مستحکم کریں، جو سب کو تحفظ، معاشی استحکام، ترقی اور حقیقی جمہوریت بخشے گا۔ ہوگو شاویز کی طرح مادورو نے بھی نجی کاروبار کو وینزویلا کے مسائل کا سبب بتایا تھا جو ذخیرہ اندوزوں اور سٹے بازی پر مبنی ہوتا ہے۔ ان کے نظریات بھی وہی ہیں جو ہوگو شاویز کے تھے لیکن وہ ان کے دلنشیں انداز کو اپنانے میں ناکام رہے ہیں۔

وزیر خارجہ کی حیثیت سے نیکولس مادورو نے دنیا بھر کا سفر کیا اور امریکا کی پالیسیوں کی کھل کر مذمت بھی کی۔ وزیر خارجہ کی حثیت سے نیکولس مادورو نے ہمیشہ ہوگو شاویز کی ہدایت کی پیروی کی اور انہی کے دیے گئے خطوط پر کام کرتے رہے۔ وہ امریکا کے ساتھ وہی رویہ اپنائیں گے جو ان کے "باس" ہوگو شاویز نے اپنایا تھا، اس کا واضح ثبوت شاویز کی موت پر سامنے آیا جب وینزویلا کے نائب صدر نیکولس مادورو نے ہوگو شاویز کی موت کا ذمہ دار امریکا کو ٹھہراتے ہوئے کہا تھا کہ امریکا نے انہیں جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے زہر دیا ہے جبکہ دو امریکی سفیروں کو جاسوسی کے الزام میں ملک بدر بھی کر دیا گیا۔ نیکولس مادورو نے کہا کہ دونوں سفیروں نے جاسوسی کرکے ہوگو شاویز کو زہر دینے میں کردار ادا کیا۔ اب ہوگو شاویز کے جانشین نیکولس مادورو وینزویلا کے صدر تو بن گئے ہیں، اب دیکھتے ہیں کہ نیکولس مادورو کس حد تک

اپنے باس ہوگو شاوینز کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ یہ تو وقت ہی بتائے گا۔

سابق آمر کے بارے میں کون کیا کہتا ہے؟

انسان کو اقتدار کے گھمنڈ میں آ کر فرعون نہیں بننا چاہیے، جو جتنی اونچی پرواز اڑتا ہے اتنے زور سے ہی نیچے گرتا ہے۔ایک وقت تھا جب پاکستان میں سابق آمر پرویز مشرف کے سوا کسی کی نہ چلتی تھی، صرف ایک شخص نے پورے ملک کو دس سال یرغمال بنائے رکھا، کسی کو اس کے خلاف بولنے کی جرات نہ ہوتی تھی، کوئی اس آمر کے خلاف بولتا تو مار دیا جاتا۔آج پرویز مشرف اپنے کیے کی سزا بھگت رہا ہے، اسے گرفتار کرلیا گیا ہے، امید ہے اسے قوم کے ساتھ کیے ہوئے ظلم کی پوری پوری سزا مل کر رہے گی۔

قدرت کی گرفت تو دیکھیے کل جس کے خلاف کوئی بول نہیں سکتا تھا، آج اس کے حق میں بولنے والا کوئی شخص نہیں مل رہا۔پرویز مشرف کے قریبی ذرائع کے مطابق سابق صدر اسلام آباد ہائی کورٹ سے ضمانت منسوخی کے بعد بھاگ کر سیدھے اپنے فارم ہاؤس پہنچے اور اپنے کمرہ میں جا کر ایک مخصوص فون کے ذریعے کئی بیرونی دوستوں سے نئی پیدا شدہ صورت حال پر بات کرکے ان سے مدد طلب کی۔ خاص طور پر پاکستان واپسی سے قبل جن دوست ممالک کا دورہ کرکے اپنے لیے بعض ضمانتیں حاصل کی تھیں ان سے رابطہ کرکے اپنی مدد کے لے درخواست کی کہ انہیں اس صورت حال سے نکالا جائے۔ بیرونی دوستوں نے اس ساری صورت حال میں

کوئی مدد دینے سے معذرت کرلی اور کہا کہ وہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتے۔ عسکری قیادت بھی پرویز مشرف کے معاملے میں دخل اندازی سے گریز کر رہی ہے، بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ اگر پرویز مشرف کو پھانسی بھی ہو جاتی ہے تو فوج اس میں کو خلل نہیں ڈالے گی کیونکہ وہ خود چاہتی ہے کہ سابق آمر کو سزا ملے اور فوج پہ لگا بدنامی کا داغ ہمیشہ کے لیے دھل جائے۔ حمید گل کا کہنا ہے کہ یہ غلط تصور ہے کہ فوج سابق چیف کے بچائے گی۔ ایک گیلپ سروے سے ثابت ہوا ہے کہ پاکستان کی اکثریت پرویز مشرف کو سزا دلوانا چاہتی ہے۔

سابق آمر پرویز مشرف کو جمعہ کے روز صبح کے وقت جب مقامی عدالت میں پیش کیا گیا تو جتنے بھی وکلاء وہاں موجود تھے وہ سب اپنے مقدمات کی پیروی چھوڑ کر اس عدالت کا رخ کر رہے تھے جہاں پر پرویز مشرف کو پیش کیا گیا تھا۔ جس جس وکیل کو معلوم ہوتا گیا کہ پرویز مشرف کو عدالت میں پیش کر دیا گیا ہے تو اپنے وکلاء ساتھیوں کو آوازیں دے کر بلا رہا تھا کہ 'او مشرف پھڑیا گیا جے' (یعنی مشرف کو گرفتار کرلیا گیا ہے) ۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وکلاء نے کوئی معرکہ سر کر لیا ہو۔ جبکہ ایک دن پہلے ہی جب پرویز مشرف عدالت سے بھاگنے لگا تو وکلاء نے نعرے لگائے، "دیکھو دیکھو کون بھاگا.... گیدڑ بھاگا، گیدڑ بھاگا"، "مشرف کا جو یار ہے غدار ہے، غدار ہے"۔ اس موقع پر سابق آمر کی

جماعت آل پاکستان مسلم لیگ نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔

پرویز مشرف کے خلاف عدالت کا فیصلہ آنے پر صحافی مجیب الرحمان شامی کا کہنا تھا کہ پرویز مشرف کو بہادرانہ انداز میں گرفتاری دینی چاہیے تھی، وہ آسمانی مخلوق نہیں۔

جسٹس (ر) سعید الزمان صدیقی نے کہا کہ عدالتی حکم کی تعمیل ہر حالت میں کرنا ہو گی۔

مسلم لیگ (ن) کے ترجمان سے نیٹر پرویز رشید نے کہا کہ مسلم لیگ (ن) کی کوششوں سے پرویز مشرف کو آج کا دن دیکھنا پڑا ہے، مفرور مجرم کا مقام اڈیالہ جیل ہے۔ جماعت اسلامی کے سربراہ منور حسن نے کہا کہ مشرف کو پہلے ہی خود گرفتاری دے دینی چاہیے تھی۔ تحریک انصاف کے رہنما شفقت محمود کا کہنا تھا کہ قانون کے مطابق پرویز مشرف کو فوری طور پر گرفتار کرنا چاہیے تھا۔ پی ٹی آئی کے رہنما عارف علوی کا کہنا تھا کہ پرویز مشرف کے ٹرائل کے بغیر بلوچستان میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ ق لیگ کے سیکرٹری جنرل مشاہد حسین نے کہا کہ پرویز مشرف کا کوئی مستقبل نہیں۔ مسلم لیگ ضیاء کے سربراہ اعجاز الحق نے کہا ہے کہ مشرف نے افواج پاکستان کی توہین کروائی ہے، کمانڈو ہونے پر فخر کرنے والا عدالت کی کارروائی پر بوکھلاہٹ کا شکار ہے۔ سینیٹر اعتزاز احسن نے کہا ہے کہ پرویز مشرف کی گرفتاری کے لیے کسی کے احکامات کی ضرورت نہیں۔ جماعت اسلامی کے نائب امیر پروفیسر خورشید احمد نے کہا ہے کہ آئین اور قانون کے نظر میں سب برابر ہیں۔ سابق صدر کے ساتھ بھی

قانون کے مطابق معاملہ ہونا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ اس سے کوئی پنڈورا بکس کھلتا ہے تو کھلنے دیں بات دور تک جاتی ہے تو جانے دیں کم از کم ایک مرتبہ تو طے ہو جائے جو آئین توڑتا ہے چاہے وہ کوئی بھی ہو اسے معافی نہیں مل سکتی۔ جے یو آئی (ف) کے رہنما حافظ حسین احمد نے کہا کہ قانون سابق فوجی صدر اور عام شہری کے لیے الگ الگ نہیں ہو سکتا، فوری عدالتی حکم پر عملدرآمد نہ ہونا بھی جرم ہے۔ تحریک انصاف کے صدر مخدوم جاوید ہاشمی نے کہا ہے کہ عدالتی حکم پر فوری عملدرآمد ضروری ہے۔ انتظامیہ اسٹیبلشمنٹ کا حصہ ہے ابھی تو پرویز مشرف کو عوامی عدالت میں بھی جواب دینا ہے، عوام اس کے انتظار میں ہیں۔ بھٹو کو تو پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے مگر آئین توڑنے والے کو سزا نہیں۔ سابق وزیر مملکت و پیپلز پارٹی کی رہنما مہرین انور راجا نے کہا کہ ابھی تک حیران ہوں کہ عدالت کی حکم پر پرویز مشرف کو سزا کیوں نہیں دی گئی۔ اے این پی کے سینیٹر زاہد خان نے کہا کہ وفاقی حکومت پرویز مشرف کے خلاف فوری طور پر آرٹیکل 6 کے تحت غداری کا مقدمہ درج کرے، نگراں حکومت بتائے کس کے کہنے پر پرویز مشرف کو اتنی زیادہ سیکورٹی دی ہے۔ پرویز مشرف کو اٹک قلعہ میں رکھا جائے جہاں انہیں بچھو اور سانپ کاٹیں کیونکہ یہ اس کا حقدار ہے۔ سینیٹر رضا ربانی نے کہا کہ وہ پرویز مشرف کو سابق صدر نہیں غاصب

سمجھتے ہیں، پرویز مشرف کو تحفظ فراہم کرکے سوالیہ نشان اٹھا دیا گیا ہے۔ سینیٹر فرحت اللہ بابر نے کہا وہ مانتے ہیں کہ مشرف کے خلاف غداری کا مقدمہ آسان ٹاسک نہیں، لیکن پرویز مشرف کے خلاف غداری کا مقدمہ درج کیا جاسکے گا، پرویز مشرف کو زعم ہے کہ اس کا تعلق سیکورٹی اسٹیبلشمنٹ سے ہے اور اسے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ سینیٹر مشاہد اللہ نے کہا کہ پرویز مشرف کے جرائم کی فہرست طویل ہے، جو کہتا تھا کسی سے نہیں ڈرتا عدالت سے فرار ہوگیا، جس عدلیہ نے پرویز مشرف کی گرفتاری کا حکم دیا وہ قابل تعریف ہے۔ سینیٹر سعید غنی نے کہا کہ آج جس دہشت گردی کا ہمیں سامنا ہے وہ سب پرویز مشرف کا کیا دھرا ہے۔ پرویز مشرف کے خلاف سخت ترین کارروائی ہونی چاہیے اور ساتھ ساتھ ان لوگوں سے بھی پوچھا جائے جو اس کے ساتھ تھے۔ سعیدہ اقبال نے کہا کہ مشرف نے اپنے جرائم کا خود اعتراف کیا ہے سخت کارروائی کی جائے۔ جسٹس شوکت عزیز صدیقی نے کہا کہ پرویز مشرف پر عدالتی نظام تباہ کرنے کا الزام ہے، عوام میں عدم تحفظ تھا کہ اگر اعلیٰ عدلیہ کے ججز کو نظر بند کیا جا سکتا ہے تو ان کی کیا حیثیت ہے۔ صرف غلط اقدام کو کالعدم قرار دینا کافی نہیں، غلط کام کے ذمہ دار کو بھی منطقی انجام تک پہنچانا ضروری ہے۔ ایاز امیر کا کہنا تھا کہ پرویز مشرف نے اپنے لیے مشکل کھڑی کرلی ہے۔

برطانوی میڈیا کے مطابق فوجی قانون کے ماہر کرنل ریٹائرڈ انعام الرحیم

ایڈووکیٹ نے کہا مشرف نے تین نومبر کی رات آئین کو پامال اور ججوں کو نظر بند کر کے جو جرم کیا، وہ تعزیراتِ پاکستان کے علاوہ فوجی قوانین کی بھی خلاف ورزی تھا۔ فوجی قوانین کی شق 59 میں ایسے جرائم درج ہیں جن کی نوعیت سول ہے تاہم ان کے خلاف سول کے علاوہ اگر فوج مناسب سمجھے تو فوجی عدالت میں بھی مقدمہ چلایا جا سکتا ہے۔ فوج کے قانونی شعبے، جیگ برانچ کے سابق سربراہ بریگیڈیئر (ر) واصف نیازی نے برطانوی میڈیا کو بتایا کہ ملک سے بغاوت یا آئین توڑنا اتنا بڑا جرم ہے جس پر کرنل انعام کے مطابق سزا دینے کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں۔ جب بھی جرم کا ثبوت ملے کورٹ مارشل کی کارروائی شروع کی جا سکتی ہے۔ نگراں وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات عارف نظامی نے کہا ہے کہ پرویز مشرف کی سزا سے الیکشن ملتوی ہونے کا کوئی خطرہ نہیں نگراں حکومت اس حوالے سے عدالتی حکم پر مکمل عملدرآمد کرے گی۔ ضابطے کی ، کارروائی پوری ہوتے ہی ایکشن لیا جائے گا۔ یہ ایک مفروضہ ہے کہ مشرف کی گرفتاری سے کوئی بڑا عوامی احتجاج سامنے آئے گا یا امن و امان کا مسئلہ پیدا ہو گا۔ اکبر بگٹی کے صاحبزادے جمیل بگٹی کے وکیل نے موقف اختیار کیا کہ سابق صدر اور بگٹی کیس میں نامزد ملزم پرویز مشرف کو سزا دی جائے۔ مسلم لیگ ن پنجاب کے صدر محمد شہباز شریف کا کہنا ہے کہ سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کی گرفتاری کا حکم مکافاتِ عمل اور انصاف کی فتح ہے۔ میاں نواز شریف نے کہا ہے کہ پرویز مشرف سے ذاتی دشمنی نہیں، ملک دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک

ہونا چاہیے، فیصلہ قانون کرے گا۔ یاد رہے کہ پاکستانی پارلیمان کے ایوان بالا سینیٹ نے ایک بار پھر قرار داد منظور کی ہے جس میں سابق فوجی صدر جنرل پرویز مشرف کے خلاف جمہوریت کو پٹڑی سے اتارنے اور آئین کو پامال کرنے کے جرم میں آئین کی شق چھ کے تحت غداری کا مقدمہ چلانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ سینیٹ نے گزشتہ برس جنوری میں بھی اس طرح کی قرارداد منظور کی تھی۔

سانحہ لال مسجد کمیشن کی تحقیقاتی رپورٹ منظر عام پر آ گئی

لال مسجد آپریشن سے متعلق فیڈرل شریعت کورٹ کے جج شہزاد شیخ کی سربراہی میں قائم ایک رکنی عدالتی کمیشن نے سپریم کورٹ کے حکم پر اپنی رپورٹ جاری کر دی ہے۔ سپریم کورٹ آف پاکستان نے سابق آمر صدر جنرل (ریٹائرڈ) پرویز مشرف کے حکم پر وفاقی دارلحکومت اسلام آباد میں واقع لال مسجد میں کیے جانے والے فوجی آپریشن سے متعلق تحقیقات کے لیے ایک عدالتی کمیشن تشکیل دیا تھا۔اس کمیشن نے چھ نکات سے متعلق تحقیقات کیں۔ ان نکات میں لال مسجد آپریشن کی وجوہات، اس آپریشن میں مارے جانے والے مرد، خواتین اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکاروں کی تعداد اور ان کی لاشیں شناخت کرنے کے حوالے سے بھی تحقیقات ہوئیں۔ وفاقی شرعی عدالت کے جسٹس شہزادہ شیخ پر مشتمل کمیشن کی تین سو چار صفحات پر محیط رپورٹ میں سابق وزرائے اعظم چودھری شجاعت حسین، شوکت عزیز، طارق عظیم اور اس وقت کی کابینہ کے ارکان نے سابق صدر جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف کو لال مسجد آپریشن کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق آپریشن سے پہلے امریکی ڈورن طیارے نے لال مسجد کی تصاویر لیں۔ آپریشن میں ٹریبل ون برگیڈ

سمیت منگلا سے بھی سیکورٹی فورسز نے حصہ لیا تھا۔ 30 جولائی 2007ء کو مسلح افواج کو بلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ رپورٹ کے مطابق ریکارڈ سے واضح ہے کہ اقتدار کے حامل اتحادی پارٹنر، خصوصاً وزیرِ اعظم اور کابینہ (اس معاملے پر) حتمی طور پر اندھیرے میں نہیں تھی، انہیں سب کچھ معلوم تھا۔ رپورٹ میں درج ہے کہ اس افسوسناک واقعے کے چھے سال بعد بھی اس کے ذمے داروں کو انصاف کے کٹہرے تک لانے کی لاپرواہی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ رویہ غیر ذمہ دارانہ ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ صدر، وزیرِ اعظم، کابینہ اور خصوصاً وزیرِ داخلہ، متعلقہ وزرا اور سیاسی جماعتیں اس آپریشن سے آگاہ نہ تھیں۔ مفروضے کے طور پر اگر ایسا مان بھی لیا جائے تو بھی اس واقعے کے متعلق سیاسی لیڈر شپ کو بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

رپورٹ میں فوجی قیادت کو تقریباً کلین چٹ دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ لال مسجد پر دھاوا بولنے کے لیے اسلام آباد انتظامیہ نے فوج کو بلانے کے لیے تمام قانونی تقاضے پورے کیے۔ مسلح افواج کے رکن ہونے کی حیثیت سے، ہر فوجی پاکستانی آئین کی پاسداری کا عہد کرتا ہے اور رپورٹ کے مطابق وفاقی حکومت نے آئین کے آرٹیکل 245 کے تحت فوج کو طلب کیا تھا۔ رپورٹ میں لال مسجد آپریشن کے دوران غلط اقدامات کے ازالے کے لیے چند فوری اور طویل المدتی اقدامات پر زور دیا گیا۔

رپورٹ کے مطابق 2007ء میں لال مسجد میں ڈکٹیٹر پرویز مشرف کی جانب سے طلبہ

اور طالبات کے خلاف کیے گئے ملٹری آپریشن میں بے جا اور بے انتہا ظلم ہوا۔اس رپورٹ میں کئی قلیل المدتی اور طویل المدتی سفارشات دی گئی ہیں۔ قلیل المدتی سفارشات میں کمیشن نے کہا ہے کہ جو لوگ شعائر اسلام کو پامال کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں ان کے خلاف شریعت کے مطابق کارروائی کی جانی چاہیے۔ شریعت میں قصاص اور دیت کے قانون کے تحت مرنے والوں کے اہل خانہ کو قصاص یا دیت دی جانی چاہیے۔ دیت صرف اس صورت میں دی جاسکتی ہے جب ورثاء قصاص معاف کرکے دیت پر رضامند ہو جائیں، مگر اہم بات یہ ہے کہ جہاں قصاص یا دیت کی بات کی گئی ہے وہاں اس بات کا رپورٹ میں کوئی ذکر نہیں کہ یہ قصاص یا دیت کس سے لی جائے۔ فوری اقدامات کے ضمن میں کمیشن نے سفارش کی ہے کہ آپریشن میں ذمہ داروں کے خلاف قتل کے مقدمات قائم کیے جائیں اور سابق حکمرانوں پر زور دیا جائے کہ وہ متاثرہ خاندانوں کو اسلامی شریعت کے لحاظ سے معاوضہ ادا کیا جائے۔ نیز آپریشن کے دوران معذور یا زخمی ہونے والے افراد کے علاج اور معاوضے کا انتظام بھی کیا جائے۔ اسی طرح کمیشن نے سفارش کی ہے کہ اس آپریشن کے دوران جن افراد کا مالی نقصان ہوا ہے اسے پورا کیا جائے۔ جس پلاٹ پر جامعہ حفصہ موجود تھا اس پلاٹ کے بارے میں سفارش کی گئی ہے کہ اس کو جامعہ حفصہ کی انتظامیہ کو دے دیا جائے یا سی ڈی اے سپریم کورٹ کے حکم کے مطابق اس جگہ پر جامعہ حفصہ کی عمارت تعمیر کر سکتا ہے۔اس رپورٹ کی طویل المدتی سفارشات میں کہا گیا ہے کہ "حکومت اپنی اسلام مخالف پالیسیاں ختم کرے"۔

دارالعلم کے قیام، مدرسوں کے نصاب اور رجسٹریشن جیسی سفارشات کے علاوہ یہ بھی سفارش کی گئی ہے کہ آبادی کے تناسب سے مدرسوں، مساجد یا مساجد میں قائم مدرسوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی سفارش کی گئی ہے کہ مدرسوں کے نصاب میں اگر ہو سکے تو جدید علوم کو شامل کیا جائے۔ مدارس میں میرٹ پر مبنی امتحانی نظام وضع کیا جائے، اسے قومی نظام (تعلیم) سے ہم آہنگ کیا جائے تاکہ دیگر اداروں کی طرح ان کی سند کو بھی تعلیمی نظام کے ہم پلہ قرار دیا جا سکے۔

یاد رہے کہ کچھ ہی روز قبل سپریم کورٹ نے لال مسجد جوڈیشل انکوائری کمیشن کی رپورٹ کو خفیہ رکھنے کی حکومتی استدعا کو مسترد کرتے ہوئے اسے عام کرنے کا حکم دیا تھا اور ہدایت کی تھی کہ رپورٹ کے ساتھ منسلک دستاویزات کو مناسب وقت آنے پر مشتہر کیا جائے گا۔ عدالت نے طارق اسد کو عدالتی معاون مقرر کرتے ہوئے آئی جی اسلام آباد اور ان کے اسسٹنٹ کو ملنے والی دھمکیوں پر اس کی سیکورٹی یقینی بنانے کی ہدایت بھی کی تھی۔ دوران سماعت چیف جسٹس نے ریمارکس دیتے ہوئے کہا تھا کہ معلومات تک رسائی آئین کے آرٹیکل 2 اور 19 کے تحت ہر شہری کا حق ہے۔ گزشتہ دنوں سانحہ لال مسجد تحقیقاتی کمیشن کی سفارشات منظر عام پر آئیں۔ کمیشن نے قرآن پاک کی بے حرمتی اور بے گناہ افراد کے قتل پر شریعت کے مطابق کارروائی کی سفارش کی تھی۔ انٹیلی جنس

ایجنسیوں کی خفیہ رپورٹ کو بھی کمیشن کی رپورٹ میں شامل کیا گیا۔ شرعی عدالت کے جج جسٹس شہزاد شیخ پر مشتمل ایک رکنی کمیشن کی رپورٹ میں سفارش کی گئی کہ آپریشن کے دوران مبینہ طور پر گمشدہ افراد کو بازیاب کرایا جائے۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ وزارت داخلہ فوجی آپریشن کے حوالے سے اس وقت کے وزیر اعظم کا تحریری حکم پیش نہ کر سکی۔ بے گناہ لوگوں کے قتل میں ملوث افراد کے خلاف کارروائی کی جائے۔ قرآن پاک اور شعائر اسلام کی بے حرمتی کرنے والوں کے خلاف شریعت کے مطابق کارروائی کرنی چاہیے۔

گزشتہ دنوں سپریم کورٹ آف پاکستان نے لال مسجد آپریشن میں لاپتہ ہونے والے افراد کے لواحقین کی درخواست پر ذمہ داروں کے خلاف ایف آئی آر کے اندراج کی ہدایت کرتے ہوئے کہا تھا کہ 2007ء کے حکم پر من و عن عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے اور کیسوں کی ترجیحی بنیادوں پر تحقیقات کرائی جائیں، لاپتہ افراد کی بازیابی کے لیے مکمل تعاون کیا جائے، لواحقین کو بلاامتیاز معاوضہ دے کر عدالت میں رپورٹ پیش کی جائے۔ جب پولیس ایف آئی آر درج کرے تو کسی بھی ادارے کو غیر ضروری طور پر ملوث نہ کیا جائے۔ دوران سماعت چیف جسٹس نے کہا کہ حکومت نے یہ تعین کس بنیاد پر کیا کہ کون گناہگار اور کون بے گناہ تھا جبکہ پولیس کی جانب سے سپریم کورٹ کو تو ابھی تک ریاست کے خلاف مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا کوئی ریکارڈ نہیں ملا۔ چیف جسٹس نے یہ بھی کہا کہ

چند افراد کے مظاہرے کو ریاست کے خلاف جنگ نہیں کہا جا سکتا ویسے بھی آپریشن کے وقت ملک کے حالات زیادہ خراب نہیں تھے۔

ایران اور حزب اللہ بشار الاسد سے عسکری تعاون پر متفق

لبنانی عسکریت پسند تنظیم حزب اللہ کے جنرل سیکرٹری حسن نصر اللہ نے چند روز قبل ایرانی مرشد اعلیٰ علی خامنہ ای سے خفیہ طور پر ملاقات کی ہے۔ ملاقات شام میں لبنان اور حزب اللہ کی مشترکہ دفاعی پالیسی پر عملدرآمد کا حصہ تھی، جس کے تحت ایران، شام میں اپوزیشن حملوں کا دفاع کرنے میں مدد کی بجائے اب جارحانہ پالیسی کی جانب پیش قدمی کرے گا۔ کویت سے شائع ہونے والے عرب روزنامے "الرائے" اخبار نے ذرائع کے حوالے سے اپنی حالیہ اشاعت میں دعویٰ کیا ہے کہ حسن نصر اللہ نے پاسداران انقلاب کے القدس بریگیڈ کے سربراہ قاسم سلیمان سے بھی ملاقات کی۔ ملاقات میں دونوں رہنماؤں نے جن امور پر بات کی انہیں بہ قول "الرائے" اخبار خفیہ رکھا جا رہا ہے۔ یہ خفیہ ملاقاتیں اور مذاکرات ایسے وقت میں ہو رہے ہیں کہ جب شامی اپوزیشن کے لیے عرب اور مغربی دنیا کی حمایت میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے اور دمشق کے حلیف ممالک بالخصوص ایران اور لبنان اس بڑھتی ہوئی امداد سے سخت پریشان ہیں۔

"الرائے" اخبار نے ذرائع کے حوالے سے ایران کی ان کوششوں کی جانب اشارہ کیا ہے، جو تہران اور دمشق کے درمیان طے پائے جانے والے مشترکہ دفاعی معاہدے کو

عمل میں لانے کے سلسلے میں کی جا رہی ہیں۔ خاص طور پر اگر مغربی دنیا شامی اپوزیشن پر مشتمل جیش الحر کی مدد میں مزید آگے بڑھتا ہے تو بہ قول اخبار ایران یہ سمجھنے میں حق بجانب ہو گا کہ شامی اپوزیشن مغربی ایجنڈے کو نافذ کر رہی ہے۔اخبار کے مطابق ملاقات میں زیادہ وقت شامی صورتحال پر تبادلہ میں صرف کیا گیا۔ گفتگو کا محور ایران کی جانب سے زمینی حقائق کو تبدیل کرنے پر رہا، اس مقصد کے لیے مندرجہ ذیل اقدام اٹھانے پر بھی غور کیا گیا جن میں نمایاں یہ ہیں:

1۔ بشار الاسد کی سرکاری فوج کو ملکی دفاع میں مدد فراہمی کے لیے عراقی کوارڈی نیشن کے بعد ہزاروں جنگجو شام میں داخل کیے جائیں۔

2۔ دفاعی حکمت عملی کو جارحانہ اقدامات سے تبدیل کیا جائے۔

3۔ سماجی رابطے کی ویب سائٹس پر دینی مقامات کو مہندم کرنے کی مہم کے بعد شام میں ان کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔

4۔ شام کا تحفظ، اسرائیل کے خلاف جنگ کا مقدمہ سمجھا جائے۔

حسن نصر اللہ اور علی خامنہ ای کے درمیان ہونے والی مبینہ خفیہ ملاقات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایرانی امور کے ماہر نجاح محمد علی کا کہنا تھا کہ حزب اللہ کے جنرل سیکرٹری اور ایرانی عہدیداروں کے درمیان ملاقاتیں نہ تو نئی ہیں اور نہ کبھی ان میں توقف آیا۔ درمیانی رابطہ کاروں کے ذریعے ہونے والی

یہ ملاقاتیں معمول کی بات ہیں۔ نجاح محمد علی کے مطابق القدس بریگیڈ کے سربراہ قاسم سلیمانی اب بھی شام میں موجود ہیں، وہاں سے لبنان اور شام آنا جانا آسان ہے۔

ایران اور حزب اللہ شامی حکومت کو زمینی فوج کے علاوہ ہر طرح مدد فراہم کر رہے ہیں کیونکہ تہران اپنی لڑائی دوسروں کے کندھے پر بندوق رکھ کر لڑنے کا عادی ہے۔

ایران، بشار الاسد کی حکومت 2014ء تک ہر قیمت پر برقرار رکھنا چاہتا ہے۔

سعودی روزنامے الوطن میں شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق لبنانی تنظیم حزب اللہ کے بارہ سو کے لگ بھگ جنگجو شامی صدر بشارالاسد کی حمایت میں انقلابیوں سے لڑنے کے لیے گزشتہ چند روز کے دوران آبی راستوں کے ذریعے شام پہنچے ہیں۔ سعودی روزنامے الوطن میں شائع شدہ ایک رپورٹ کے مطابق حزب اللہ کے قریباً بارہ سو جنگجو شام کی بندرگاہ طرطوس پہنچے۔ اس کے علاوہ عراق سے بھی اسد حکومت کی وفادار سیکورٹی فورسز کی مدد کے لیے جنگجو شامی علاقے میں داخل ہوئے ہیں۔ اخبار کے مطابق شام کے ریزرو فوجی آرمی کمان کی جانب سے انقلابی جنگجوؤں کے خلاف لڑائی کے لیے احکامات کو مسلسل نظرانداز کرتے چلے آ رہے ہیں جبکہ شامی فوج کو اس وقت باغیوں کے مقابلے میں ہزیمت کا سامنا ہے۔

گزشتہ دنوں امریکی وزیر دفاع لیون پنیٹا نے ایران پر شام میں حکومت نواز

ملیشیا تشکیل دینے کا الزام عائد کرتے ہوئے خبر دار کیا تھا کہ تہران کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے زمینی صورتحال مزید خراب ہو گی۔ پینیٹا نے چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف جنرل مارٹن ڈیمپسی کے ہمراہ مشترکہ پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ بلاشبہ ایران شام میں کئی لحاظ سے اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اب اس بات کے اشارے مل رہے ہیں کہ ایران، شام کے اندر ایک ملیشیا قائم کرنے کے علاوہ اسے تربیت دینے کی کوشش کر رہا ہے ،تاکہ وہ حکومت کے ساتھ مل کر انقلابیوں سے لڑنے کے قابل ہو سکے۔ انہوں نے کہا کہ وہ شام میں ایران کے اثر و رسوخ میں اضافہ دیکھ رہے ہیں جو کہ ان کے لیے گہری تشویش کا باعث ہے۔ ایران کو اس مرحلے پر ایسا کردار ادا نہیں کرنا چاہیے جو خطرناک ثابت ہو اور جس سے شام میں پہلے سے جاری قتل عام میں مزید اضافہ ہو۔ امریکی وزیر دفاع نے تہران پر زور دیا کہ وہ تنازعہ معاملات سے دور رہے اور امید کا اظہار کیا کہ ایران اس معاملے پر مثبت انداز میں غور کرے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ صرف شامی عوام ہی اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکتے ہیں ، ایران نہیں۔ جنرل ڈیمپسی کا کہنا تھا کہ ظاہری طور پر حکومت نواز ملیشیا کے زیادہ تر ارکان ایک مخصوص فرقہ سے ہیں۔ اس فورس کا عراق میں مقتدر صدر کی مہدی آرمی سے موازانہ بھی کیا۔ شام سنی اکثریتی ملک ہے تاہم اس پر اقلیت کی حکمرانی ہے۔ چند روز قبل مصر کے صدر محمد مرسی نے بھی شام میں رونما ہونے والے واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تاکید کی کہ مصر شام میں ہر طرح کی بیرونی مداخلت کی مخالفت کرتا

ہے اور پرامن راہ کا مشورہ دیتا ہے۔اس کے علاوہ مصری صدر نے شام کے مسئلے کے بارے میں ایران، ترکی، مصر اور سعودی عرب پر مشتمل ممالک پر مبنی گروہ کی موثر میٹنگ پر بھی تاکید کی۔ حزب اللہ کے سربراہ شیخ حسن نصراللہ نے اکتوبر 2012ء میں خود یہ اعتراف کیا تھا کہ ان کی جماعت کے جنگجو شامی انقلابیوں کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ حزب اللہ کے نائب سیکرٹری جنرل نعیم قاسم کا یہ بیان بھی سامنے آیا تھا کہ حزب اللہ کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ شام میں رہائش پذیر لبنانی شہریوں کو تربیت اور اسلحہ دے۔ گزشتہ دنوں برطانوی اخبار ٹائمز نے شام میں حزب اللہ کے 1500 جنگجوؤں کی موجودگی کی تصدیق بھی کی تھی۔ اخبار نے اتنی ہی تعداد میں ایرانیوں کی موجودگی کی تصدیق کی تھی جس کا تعلق پاسداران انقلاب سے بتایا جاتا ہے۔ ٹائمز اخبار نے شامی ایئر فورس سے منحرف ہونے والے ایک سابق عہدیدار کے حوالے سے یہ بیان بھی جاری کیا تھا کہ حزب اللہ کے ارکان شام کی سرکاری فوج کو لاجسٹک امداد کے علاوہ افرادی قوت بھی فراہم کر رہے ہیں۔ نیز وہ فوج میں شامل شوٹرز کو پیشہ ورانہ تربیت بھی فراہم کر رہے ہیں۔ حزب اللہ کے ارکان سرکاری فوج میں شامل کرائے کے قاتلوں کو گینگ وار کی تربیت بھی دے رہے ہیں۔ حزب اللہ اپنے بشار الاسد کی حامی فوج کو افرادی قوت سے لے کر جنگی ساز و سامان تک پہنچا رہی ہے۔ سیرین یوتھ الائنس کے صدر وحید صقر نے بھی اپنے ایک

بیان میں کہا تھا کہ ان کے پاس اس دعوے کے ٹھوس ثبوت موجود ہیں کہ حزب اللہ
شام میں مظاہرین کے قتل عام میں براہ راست ملوث ہے۔

انتخابات میں مذہبی جماعتوں کو ناکام کرنے کا منصوبہ تیار

انتخابات کا دور دورہ ہے، چار سو انتخابات کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ سیاسی پہلوان میدان مارنے کے لیے سیاسی اکھاڑے میں اتر رہے ہیں۔ ہر سیاستدان اپنے آپ کو ملک و قوم کا سب سے بڑا خیر خواہ اور مدمقابل کو ملک کی تباہی و بربادی کا سبب ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے، مختلف قسم کے نعروں سے عوام کو بہکانے و پھسلانے کی کوشش کی جارہی ہے، حالانکہ سب کا محور اقتدار اور مفادات کا حصول ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سیاست کے سینے میں دل نہیں ہوتا۔ عرب ادیب مصطفیٰ لطفی منفلوطی نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے: "سیاست دان اور جلاد میں کوئی فرق نہیں، جلاد تو چند افراد کو قتل کرتا ہے مگر سیاستدان ساری قوم کی جانوں کا سودا کرتا ہے، جو جتنا بڑا جھوٹا وہ اتنا بڑا سیاستدان۔ جس سیاستدان کی تاریخ کا ایک ایک صفحہ معصوموں کی لاشوں اور ایک ایک لفظ بے گناہوں کے خون سے لکھا ہو وہ سب سے کامیاب ہے۔" ہر آنے والا سیاستدان ایک نیا تماشا سجاتا ہے اور اپنی پٹاری سے کچھ نہ کچھ نکال کر عوام کو بے وقوف بناتا ہے۔ بے چارے سادہ لوح عوام ان کی شعبدہ بازی سے متاثر بھی ہو جاتے ہیں۔ سیاست کے نام پر ہر دغا روا ہے۔

ہر سیاسی جماعت انتخابات میں زیادہ سے زیادہ سیٹیں حاصل کرنے کے لیے اتحاد اور سیٹ ٹو سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی کوشش کر رہی ہے۔ سیاسی مذہبی جماعتیں بھی انتخابات میں کامیابی کے حصول کے لیے سرگرداں ہیں۔مذہبی سیاسی جماعتوں میں اہل سنت والجماعت ، جمعیت اہل حدیث، جماعت اہل حدیث، جمعیت علماء اسلام (نظریاتی) اور جمعیت علماء پاکستان (سواد اعظم) ، جمعیت علماء اسلام، جمعیت علماء پاکستان، جماعت اسلامی سنی تحریک اور دوسری کئی مذہبی جماعتیں اپنے طور پر انتخابات میں حصہ لے رہی، ہیں۔ مذہبی سیاسی جماعتوں کی اتنی کثیر تعداد کے انتخابات میں حصہ لینے کے باوجود انہیں کوئی کامیابی ہوتی نظر نہیں آ رہی۔ کیونکہ دینی جماعتوں کا آپس میں دوری اختیار کرنا ان کے ووٹ بینک کو تقسیم کرکے شکست سے دوچار کرنے کے لیے کافی ہے۔

دوسری جانب یہ اطلاعات بھی ہیں کہ ملک بھر کی تمام مذہبی سیاسی جماعتوں اور مذہبی شخصیات کو پارلیمنٹ تک پہنچنے سے روکنے کے لیے مسلم لیگ (ن)، پیپلز پارٹی، تحریک انصاف، ایم کیو ایم، اے این پی اور مسلم لیگ (ق) سمیت تمام سیاسی پارٹیوں کو مذہبی جماعتوں سے اتحاد یا سیٹ ایڈجسٹمنٹ کرنے سے روکنے کے بیرونی ایجنڈے کا انکشاف ہوا ہے۔ اس بیرونی سازش کا مقصد 2013ء کے عام انتخابات کے نتیجے میں تشکیل پانے والی پارلیمنٹ سے آئین پاکستان میں موجود اسلامی شقوں کا خاتمہ ہے، ان اسلامی شقوں میں قانون تحفظ ناموس رسالت 295-C

اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی بجائے عوامی جمہوری پاکستان کی ترامیم بھی شامل ہیں۔ کاغذات نامزدگی کے وقت آئین کی شق نمبر باسٹھ، تریسٹھ کو بے ڈھنگے طریقے سے لاگو کرنا اور اس پر بے حد شور مچانا درحقیقت آئین کی ان شقوں کو نکالنے کے لیے راہ ہموار کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ انتخابات میں الیکشن کمیشن کی جانب سے اسلام کے نام پر ووٹ مانگنے کو جرم قرار دینا اور اس پر سزا مقرر کرنا بھی انتخابات میں مذہبی جماعتوں کو نقصان پہنچانے کی سازش ہے۔ بیرونی قوتوں کے اشاروں پر پاکستان کی حکومتیں کئی بار پاکستان کے آئین میں موجود اسلامی قوانین کو ختم کرنے، تعلیمی نصاب سے اسلامی مواد کو خارج کرنے، گستاخ رسول کی سزا ختم کرنے اور دوسرے کئی اسلامی قوانین کو ختم کرنے کی کوشش کر چکی ہےں لیکن وہ اپنی تمام کوششوں میں ناکام رہی ہیں۔ بیرونی قوتیں کسی طور پر مذہبی جماعتوں کی اکثریت کو اسمبلیوں میں پسند نہیں کر سکتیں۔ گزشتہ دنوں وکی لیکس نے بھی اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ امریکا و برطانیہ سمیت تمام عالمی قوتوں کو 2002ء میں متحدہ مجلس عمل کی بڑی سطح پر ہونے والی کامیابی کسی طور پر گوارہ نہیں تھی، وہ ہمیشہ انہیں کھٹکتی رہی ہے۔ اسلامی قوانین کے تحفظ کے لیے مذہبی جماعتوں کا آواز اٹھانا ان کے لیے دینی غیرت کا مسئلہ بھی ہوتا ہے اور ان کی مجبوری بھی ہوتی ہے، کیونکہ انہیں عوام سے ووٹ لینے کے لیے اسلامی قوانین کا دفاع کرنا ضروری ہے۔

دینی جماعتوں بھرپور تگ و دو کے باوجود کسی سے اتحاد یا سیٹ ایڈجسٹمنٹ نہ ہونا اسی ایجنڈے کی ایک کڑی ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلم لیگ (ن) نے پہلے جے یو آئی (ف) کو اپنے ساتھ لگایا اور وقت گزرنے کے ساتھ ہی پیچھے ہو گئے اور بقول مولانا فضل الرحمٰن کے اس بات کی سمجھ انہیں آئی کہ (ن) لیگ اور جے یو آئی کے درمیان انتخابی اتحاد یا سیٹ ایڈجسٹمنٹ کا معاملہ کھٹائی میں کیوں پڑ گیا؟ اصل وجہ یہ تھی کہ نون لیگ کو بھی تمام جماعتوں کی طرح بیرونی دباؤ ہے جس وجہ سے اس نے مذہبی جماعتوں کے ساتھ اتحاد نہیں کیا۔ پی ٹی آئی کے ساتھ جماعت اسلامی کے ہونے والے مذاکرات ناکام ہوئے، حالانکہ اکتوبر 2011ء کے بعد سے ہی تحریک انصاف اور جماعت اسلامی میں انتخابات کے تناظر میں باہمی رابطے شروع ہو گئے تھے۔ سید منور حسن دو بار عمران خان کی طرف گئے ہیں، تو ایک بار عمران خان بھی منصورہ میں حاضری دے چ±کے ہیں۔ لیاقت بلوچ اور جاوید ہاشمی میں بھی ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔ گویا یہ توقع بے جا نہیں تھی کہ جماعتِ اسلامی اور تحریکِ انصاف میں معاملات طے پا جائیں گے۔ لیکن بقول امیر جماعت اسلامی ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے انہیں کسی نے جماعت اسلامی سے اتحاد کرنے سے روک دیا ہے۔ خود ہی سوچیں بیرونی قوتوں کے علاوہ کس نے روکا ہوگا۔ جماعت اسلامی نے (ن) لیگ سے بھی رابطہ کیا، معاملات آگے بڑھے لیکن (ن) لیگ کی طرف سے بھی جماعت اسلامی کو جواب مل گیا۔ سنی تحریک بھی مسلم لیگ (ن) کے پیچھے پیچھے تھی لیکن جامعہ نعیمیہ کی سفارشیں بھی سنی تحریک کے

کام نہ آئیں۔ (ن) لیگ نے اس سے قبل شیخ وقاص کے بہانے اہلسنت والجماعت سے بھی جان چھڑائی۔ اسی طرح دوسری کئی چھوٹی دینی سیاسی جماعتوں نے پی ٹی آئی اور ن لیگ سے سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی کوشش کی لیکن وہ کوشش بارآور ثابت نہ ہو سکی۔

جماعت اسلامی نے آخر کار اکیلے انتخابات لڑنے کا اعلان کیا۔ دوسری دینی سیاسی جماعتیں بھی جماعت اسلامی کی طرح بغیر اتحاد کے انتخابات میں حصہ لے رہی ہیں۔ مذہبی جماعتوں کے انتخابی اتحاد نہ ہونے کے بارے میں بھی کئی بار امیر جماعت اسلامی سید منور حسن اور دوسرے کئی رہنماء فرما چکے ہیں کہ مذہبی جماعتوں کے اتحاد میں بیرونی قوتیں رکاوٹ ہیں۔

ان حالات میں اگر مذہبی سیاسی جماعتیں کوئی قابل ذکر انتخابی نتائج حاصل کرنا چاہتی ہیں تو اس کا بہتر طریقہ صرف مذہبی جماعتوں کا اتحاد ہے۔ کسی ایک اتحاد میں اکٹھا نہ ہونے کے باوجود سیٹ ایڈجسٹمنٹ کا فارمولا بھی مفید ہو سکتا ہے۔ اس طریقے سے بھی مذہبی ووٹ کو تقسیم ہونے سے بچایا جاسکتا ہے۔ لیکن اب تو ایک ہی حلقے سے جمعیت علماء اسلام، جماعت اسلامی، متحدہ دینی محاذ اور بھی کئی دوسری مذہبی سیاسی جماعتوں کے امیدوار ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑے ہیں، اس سے یقیناً مذہبی جماعتوں کا ووٹ بینک تقسیم ہوگا، اور انہیں شکست ہو جائے گی۔ صوبہ خیبر پختونخوا میں مذہبی جماعتوں کا بہت بڑا ووٹ بینک ہے لیکن وہاں تقریباً تمام حلقوں میں جمعیت علماء اسلام اور جماعت

اسلامی مدمقابل ہیں، جس سے دونوں مذہبی جماعتوں کی شکست کے زیادہ امکان ہیں۔ اس کا مکمل فائدہ سیکولر اور بیرونی قوتوں کے اشاروں پر عمل کرنے والی جماعتوں کو ہوگا۔مذہبی جماعتوں کو سوچنا چاہیے کہ کسی بھی مذہبی جماعت کو سیٹ نہ ملنے سے بہتر ہے کہ کسی ایک مذہبی جماعت کو سیٹ مل جائے، کسی بھی حلقے میں دینی ذہن رکھنے والے حضرات کی پہلی ترجیح کسی مذہبی جماعت کے نمائندے کو ووٹ دینا ہوتی ہے،اگر کوئی ایک مذہبی نمائندہ ہو تو سب اسی کو ووٹ دیتے ہیں اورجب ایک ہی حلقے سے متعدد مذہبی جماعتوں کے نمائندے کھڑے ہوں گے تو اس حلقے سے ووٹ تقسیم ہو کر شکست یقینی ہے۔ 70 کے انتخابات سے قبل عام تاثر یہ تھاکہ جماعت اسلامی انتخابات میں متاثر کن کارکردگی پیش کرے گی۔تاہم عام انتخابات سے تھوڑا قبل ہی اچانک مولانا نورانی کی قیادت میں جمعیت علماء پاکستان، جماعت اسلامی کے مقابلے پر ایک موثر قوت کے طور پر سامنے آئی اور جماعت اسلامی کے خلاف 42 نشستوں پر اپنے امیدوار کھڑے کرکے ووٹ تقسیم کردیے اس کا سارا فائدہ پیپلز پارٹی اور مخالف امیدواروں کو ہوا۔ عام انتخابات 2002ء میں دینی جماعتیں اتحاد کی وجہ سے بڑی سیاسی قوت کے طور پر ابھر کر سامنے آئیں۔ مرکز سمیت چاروں صوبوں میں ان کے امیدواروں کی ایک بڑی تعداد اسمبلیوں میں پہنچنے میں کامیاب رہی۔ دینی جماعتوں نے مرکز میں اڑسٹھ نشستیں حاصل کیں۔ لیکن 2008ءکے انتخابات میں تعداد کم ہو کر صرف چھ رہ گئی۔

جمعیت علماء اسلام، جماعت اسلامی، متحدہ دینی محاذ، جے یو پی اور چند دیگر مذہبی جماعتیں اگر دینی ووٹوں کی تقسیم روکنے کے لیے آپس میں مقابلہ بازی سے گریز کریں تو زیادہ نہیں تو کم از کم مجلس عمل جیسی کامیابی تو انہیں حاصل ہونے کا امکان ہے۔اب مجلس عمل جیسا اتحاد بننا تو ممکن نہیں رہا لیکن سیٹ ایڈجسٹمنٹ تو کی جا سکتی تھی۔ ماضی میں مذہبی جماعتیں کئی حلقوں سے محض ووٹ تقسیم ہونے کی وجہ سے ہی کامیاب نہیں ہو سکی تھیں، بلکہ کئی حلقوں سے تو مذہبی جماعتوں کا ووٹ بینک تقسیم ہونے کی وجہ سے صرف مذہبی امیدوار چند سو یا چند ہزار ووٹوں کی وجہ سے ہارے۔ بدقسمتی سے دینی جماعتیں سیکولر اور غیر مذہبی جماعتوں سے تو سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی کوشش کرتی رہی ہیں لیکن آپس میں کسی مفاہمت پر تیار نہیں، اگر یہ روش رہی تو اس کا خمیازہ کسی ایک نہیں سب دینی جماعتوں کو ناکامی کی صورت میں بھگتنا پڑے گا۔ عوام کی اکثریت صالح قیادت کی خواہش مند ہے جس کے لیے وہ ایک عرصے سے علماء کرام اور مذہبی جماعتوں کے اتحاد کی خواہش مند ہے۔ متعدد بار مذہبی رہنماء بھی یہ کہہ چکے ہیں کہ ہم مذہبی ووٹ تقسیم نہیں ہونے دیں گے لیکن ابھی تک کوئی مضبوط لائحہ عمل سامنے نہیں آیا جس سے کامیابی کی کوئی امید کی جاسکے۔ مذہبی جماعتوں کو سوچنا ہوگا کہ وہ کس طرح مذہبی اور نظریاتی ووٹ کو تقسیم ہونے سے بچا کر مغرب نواز اور سیکولر قوتوں کو شکست دے سکتی ہیں۔

خیبر پختونخوا کا سیاسی دنگل اور مذہبی سیاسی جماعتیں

انتخابات کا دور دورہ ہے، ہر طرف انتخابات کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ ان دنوں صحرائے سیاست میں زبردست سیاسی آندھی چل رہی ہے۔ ہر طرف انتخابات کی تیاری ہو رہی ہے۔ سیاسی پہلوان میدان مارنے کے لیے سیاسی اکھاڑے میں اتر رہے ہیں۔ ہر سیاستدان اپنے آپ کو ملک و قوم کا سب سے بڑا خیر خواہ اور مدمقابل کو ملک کی تباہی کا سبب ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے، مختلف قسم کے نعروں سے عوام کو بہلانے اور بہکانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہر آنے والا سیاستدان ایک نیا ہی تماشا سجاتا ہے اور اپنی پٹاری سے کچھ نہ کچھ نکال کر عوام کو بے وقوف بنارہا ہے۔ دعوؤں، وعدوں، جلسے اور جلوسوں کا سہارا لیا جارہا ہے۔ سیاست کے نام پر ہر دغا روا ہے۔

ہر سیاسی جماعت آئندہ بننے والی حکومت میں اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے اتحاد اور سیٹ ٹو سیٹ ایڈجسٹمنٹ کا سہارا لینے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن خیبر پختونخوا میں سیاسی جماعتوں کے درمیان اتحاد اور سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی کوششیں بار آور ثابت نہیں ہو سکیں، یوں لگ رہا ہے کہ تمام سیاسی جماعتیں اپنے اپنے انتخابی نشان کے ساتھ میدان میں اترے ں گی۔ جے یو آئی (ف) اور مسلم لیگ (ن) کے درمیان خصوصاً خیبر پختونخوا کی سطح پر سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی امید

تھی لیکن پنجاب میں جے یو آئی (ف) کے کچھ سیٹوں کے مطالبے کو پی ایم ایل (ن) نے مسترد کر دیا تھا، جس سے دونوں جماعتوں میں مذاکرات آگے نہیں بڑھ سکے، اسی طرح تحریک انصاف اور جماعت اسلامی کے درمیان بھی ہونے والے مذاکرات بھی نتیجہ خیز نہیں ہوسکے۔ تحریک انصاف جماعتِ اسلامی کو تیس فیصد سیٹیں دینا چاہتی تھی جب کہ جماعت اسلامی کا موقف تھا کہ کے پی کے میں تیس اور ستر فیصد کے موازنے کا فارمولہ نہیں چل سکتا،اس وجہ سے بیل منڈے نہیں چڑھ سکی۔ یہی حال مسلم لیگ ن) اور جماعتِ اسلامی کے درمیان سیٹ ایڈجسٹمنٹ کے لیے مذاکرات کا ہوا۔ مسلم) لیگ (ن) ہزارہ ڈویژن میں کوئی سیٹ جماعت اسلامی کو دینے کے لیے تیار نہیں تھی جس وجہ سے مذاکرات ناکام ہو گئے۔

خیبر پختونخوا میں جے یو آئی (ف) اور جماعت اسلامی کے درمیان مذاکرات صحیح سمت میں جارہے تھے ، فیصلہ ہوا تھا کہ وہ سیٹیں جو ایم ایم اے کے پلیٹ فارم سے جس پارٹی نے جیتی ہیں اس پر ان کے ہی امیدوار ہوں گے، البتہ وہ سیٹیں جس پر ایم ایم اے کی ناکامی ہوئی تھی، صوبے کی بڑی دینی پارٹی ہونے کے ناطے وہ جے یو آئی کو ملنی چاہئیں ۔ جماعت اسلامی کا موقف تھا کہ انہیں برابر تقسیم کیا جائے ۔ یا کم از کم پچیس فیصد سیٹیں جماعت اسلامی کو ملنی چاہئیں جو جے یو آئی (ف) کو منظور نہیں تھا، اسی وجہ سے دونوں جماعتوں میں سیٹ ایڈجسٹمنٹ کے لیے مذاکرات ناکامی کا شکار ہوگئے۔ اب ہر جماعت خیبر پختونخوا

میں بغیر اتحاد و بغیر سیٹ ایڈجسٹمنٹ کے انتخابات میں حصہ لے تی نظر آ رہی ہے۔
صوبائی دارالحکومت پشاور کے قومی اسمبلی کے حلقہ اے ن اے 1 (ون) مے ں پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان، جماعت اسلامی کے صوبائی جنرل سیکرٹری شبیر احمد خان، پیپلز پارٹی کے ذوالفقار افغانی، مسلم لیگ (ن) کے افضل اور سابق وزیر ریلوے غلام احمد بلور کے درمیان مقابلہ ہوگا۔ جماعتِ اسلامی 2002ء کے انتخابات میں یہاں سے بڑے مارجن سے نشست جیت چکی ہے۔ 2008ء کے انتخابات میں اے این پی کے امیدوار غلام احمد بلور نے پی پی پی کے سید ایوب شاہ کو ہرایا تھا۔ صوبائی دارالحکومت کے حلقہ این اے 2 پشاور سے پیپلز پارٹی کے ارباب عالمگیر خان کے مقابلے میں اے این پی کے ارباب نجیب اللہ، مسلم لیگ (ن) کے باری خٹک، جے یو آئی کے مولانا سید جان اور جماعتِ اسلامی کے سابق ضلعی نائب ناظم ڈاکٹر اقبال خلیل ہیں۔ حلقہ این اے 3 میں جے یو آئی کے حاجی غلام علی، اے این پی کے ارباب انعام اللہ، پیپلز پارٹی کے نور عالم خان، مسلم لیگ (ن) کے اقبال ظفر جھگڑا اور جماعت اسلامی کے اسرار اللہ ایڈووکیٹ میدان میں اترے ہیں۔ پشاور کے حلقہ این اے 4 سے 2002ء کے انتخابات میں جماعتِ اسلامی کے معروف رہنما صابر حسین اعوان نے کامیابی حاصل کی تھی۔ 2008ء کے الیکشن میں جماعت اسلامی کے بائیکاٹ کی وجہ سے اے این پی کے

ارباب ظاہر خان کامیاب ہوئے تھے ،اب اے این پی نے سابق صوبائی وزیر ارباب ایوب جان کو ٹکٹ دیا ہے جب کہ جے یو آئی نے شریف اللہ اور پیپلز پارٹی نے مصباح الدین کو ٹکٹ دیا ہے۔

صوبے کے دوسرے بڑے ضلع مردان کے حلقہ این اے 9 سے سابق وزیراعلیٰ امیر حیدر خان ہوتی ، مسلم لیگ (ن) کے سابق وفاقی وزیر اور پیپلز پارٹی کے سابق صوبائی صدر خواجہ ہوتی، جے یو آئی کے سابق ایم این اے مولانا شجاع الملک، پاکستان پیپلز پارٹی کی شازیہ اورنگزیب اور جماعت اسلامی کے مولانا گوہر رحمٰن کے صاحبزادے ڈاکٹر عطاء الرحمٰن اے دوار ہے ں، 2002ء کے انتخابات میں اس علاقے سے مولانا شجاع الملک اور گزشتہ انتخابات میں یہاں سے اے این پی کے حمایت اللہ مایار کامیاب ہوئے تھے ۔ مردان کے حلقہ این اے 10 کے لیے پیپلز پارٹی نے عبد القادر خان ، جے یو آئی نے مولانا محمد قاسم ، مسلم لیگ (ن) نے نسیم محمد خان ، جماعت اسلامی نے سلطان محمد خان ، اے این پی نے فاروق اکرم خان کو اس حلقے سے اکھاڑے میں اتارا ہے ۔اس حلقے میں جے یو آئی کے امیدوار مولانا محمد قاسم کافی مضبوط تصور کیے جاتے ہیں کیوں کہ ان کے والد ایک بڑے روحانی بزرگ گزرے ہیں اور وہ گزشتہ دو انتخابات میں اپنے والد کے بعد اس حلقے سے کامیاب ہوئے ہیں ۔ مردان میں قومی اسمبلی کے لیے جے یو آئی نے اشفاق اللہ خان، پیپلز پارٹی نے سابق رکن قومی اسمبلی خانزادہ خان، جماعت اسلامی نے گل

نواز خان ، مسلم لیگ (ن) نے لیفٹیننٹ کرنل ریٹائرڈ شیر افگن خان ، عوامی نیشنل پارٹی نے عنایت خان کو ٹکٹ دیا ہے۔ یہاں اصل مقابلہ مسلم لیگ ن کے شیر افگن خان اور پیپلز پارٹی کے خانزادہ خان کے درمیان ہوگا۔اگر مذہبی ووٹ بینک تقسیم نہ ہو تو یہ سیٹ بھی جے آئی یا جے یو آئی کے حصے میں آئے گی، 2002ء کے انتخابات میں دینی جماعتوں کے اتحاد ایم ایم اے نے مردان کے تمام خانوں اور نوابوں کو شکست دی تھی، جس کے بعد ان نوابوں اور خانوں کی کوشش رہی کہ مذہبی ووٹ تقسیم ہی رہیں ۔ تجزیہ کار کہتے ہیں کہ خیبر پختونخوا میں اگر مذہبی ووٹ بینک یکجا ہوجائے تو دوسری جماعتوں کے لیے ان کا مقابلہ کرنا بے حد مشکل ہوگا،اس کی مثال 2002ء کے انتخابات میں سامنے آچکی ہے۔مذہبی اتحاد نے خیبر پختونخوا سے 67 سیٹیں حاصل کی تھیں،اب کی بار صوبہ خیبر پختونخوا میں مذہبی جماعتوں کی حالت کافی پتلی ہے، صوبہ خیبر پختونخوا میں جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام دو ہی بڑی مذہبی سیاسی جماعتیں ہیں، جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام ایک دوسرے کے مدمقابل ہیں، جس سے ووٹ بینک تقسیم ہوگا، جس کے نتیجے میں دونوں جماعتوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑے گا،ان کے لیے بہتر ہے کہ کسی طرح مذہبی ووٹ بینک کو تقسیم ہونے سے بچائیں،اب ایم ایم اے جیسا اتحاد تو ممکن نہیں ہے، سیٹ ایڈجسٹمنٹ تو ہو سکتی ہے۔ دونوں جماعتوں کے ہارنے سے بہتر ہے ، سیٹ ایڈجسٹمنٹ کرکے کچھ سیٹیں تو حاصل کرلیں۔ ورنہ شکست کا مزہ چکھیں۔

یورپ میں مسلمان زیر عتاب کیوں؟

محمد علی کلے ایک امریکی باکسر تھے، وہ امریکی ریاست کنیکٹی کٹ کے شہر لوئسویل میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے تین مرتبہ باکسنگ کی دنیا کا سب سے بڑا اعزاز "ورلڈ ہیوی ویٹ باکسنگ چیمپیئن شپ" جیتا اور اولمپک میں سونے کے تمغے کے علاوہ شمالی امریکی باکسنگ فیڈریشن کی چیمپیئن بھی جیتی۔ وہ تین مرتبہ ورلڈ ہیوی ویٹ باکسنگ چیمپیئن شپ جیتنے والے پہلے باکسر تھے۔ محمد علی کلے نے باکسنگ میں اس وقت کے عالمی چیمپیئن سونی لسٹن کو شکست دی۔ اس کے بعد مسلسل سات مقابلوں میں اس وقت کے مایہ ناز باکسروں کو زیر کیا۔ باکسنگ میں محمد علی کی زندگی 20 سال رہی جس کے دوران انھوں نے 56 مقابلے جیتے اور 37 ناک آوٹ اسکور کیا۔ اس طرح وہ 20 ویں صدی کے عظیم ترین کھلاڑی قرار پائے۔

محمد علی کلے اپنے کیریئر کے آغاز میں عیسائی تھے، نام تھا کیسیس کلے۔ عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا اور ان کا نام محمد علی رکھا گیا۔ جب محمد علی نے اسلام قبول کیا تو یورپی معاشرے نے اس عظیم ترین قابل قدر کھلاڑی کو اسلام لانے کی پاداش میں طرح طرح سے زچ کرنا شروع کر دیا۔ جس دن انہوں نے پریس کانفرنس کے سامنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تو ایک امریکی صحافی نے پوچھا کہ کیا تم واقعی مسلمان ہو گئے ہو؟ انہوں نے کہا "ہاں" تو صحافی نے

طنزاً کہا:

"ایک کالا مسلمان A BLACK MUSLIM"

محمد علی کلے نے فوراً کہا کہ تم لوگوں نے کبھی کسی کو کالا عیسائی یا کالا یہودی کیوں نہیں کہا؟ صرف مسلمان کو ہی کہتے ہو۔

انہی دنوں امریکا ویت نام میں قتل عام کر رہا تھا، امریکا میں ہر صحت مند نوجوان پر فوج میں بھرتی ہو کر ویت نام جانا ضروری تھا۔ چرچ کے پادری اس سے مستثنیٰ تھے۔ محمد علی اس وقت اپنے محلے کی مسجد میں امامت کرتے تھے۔ ایک دن اس عالمی چیمپیئن کو کہا گیا کہ تمہیں آرمی میں جانا ہوگا، انہوں نے جواب دیا کہ میں امریکا کے قانون کے مطابق فوج سے مستثنیٰ ہوں، کیونکہ میری حیثیت بھی مذہب اسلام میں ایک پادری کی طرح ہے۔ لیکن امریکا کا تعصب اور مسلمانوں سے نفرت ان کے پیچھے پڑ گئی۔ محمد علی کلے کو فوج میں جانے سے انکار کرنے پر پانچ سال قید اور دس ہزار ڈالر جرمانے کی سزا سنائی گئی۔ محمد علی سے باکسنگ کا اعزاز بھی واپس لے لیا۔ 11 ستمبر کے بعد ایک دن محمد علی نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں مرنے والوں سے یکجہتی کرنے کے لیے آئے تو ایک صحافی نے ان سے پوچھا "تم کیسا محسوس کرتے ہو کہ تمہارا اور دہشت گردوں کا مذہب ایک ہے؟" انہوں نے جواب دیا "تم کیسا محسوس کرتے ہو کہ تمہارا اور ہٹلر کا مذہب ایک ہے؟" محمد علی کو ایک عظیم کھلاڑی ہونے کے

باوجود صرف اسلام قبول کرنے کے جرم میں مختلف طریقوں سے پریشان کیا جاتا تھا۔
امریکی میڈیا کے مطابق ان دنوں یورپ میں اسلام فوبیا بڑھ رہا ہے۔ حکومتی اداروں، ذرائع ابلاغ اور شر پسند عناصر کی جانب سے پھیلائے اشتعال نے امریکا میں مسلمانوں کے خلاف نفرت میں ہوشربا اضافہ کیا ہے۔ امریکی میڈیا رپورٹ کے مطابق 2010 میں مسلمانوں سے نفرت کے سبب ان کے خلاف حملوں میں پچاس فیصد اضافہ ہوا ہے۔ یورپ میں اسلام فوبیا کی فضا بہت خطرناک ہو گئی ہے، ان کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جاتا ہے۔ ان کے خلاف حملے تیز کر دیے ہیں۔ گزشتہ چند ماہ میں یورپ میں مسلمانوں پر متعدد حملے کیے گئے ہیں، جن میں کئی مسلمان زخمی ہوئے ہیں۔ مساجد کے باہر نعرے بازی، مساجد کے اندر سور کا گوشت پھینکنا اور مساجد کی دیواروں پر اسلام مخالف نعرے درج کرنے جیسے واقعات بھی متعدد بار پیش آئے ہیں۔
مسلم ممالک نے اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کی کونسل سے کہا ہے کہ وہ مغربی ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے سلوک کا سختی سے نوٹس لے۔ مغرب میں دین اسلام کے پیروکاروں کے ساتھ نسلی اور دیگر امتیازی سلوک ہو رہا ہے اور اس کے خلاف موثر اقدامات کیے جانے چاہئیں۔ ان کے خلاف نفرت اور عدم رواداری

کا سلوک برتتا جا رہا ہے۔انہوں نے کہا کہ یورپ میں اسلام فوبیا کی وجہ یہ ہے کہ یورپی ملکوں میں نو مسلموں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور اسلام کو خطے کا سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب قرار دیا جا رہا ہے۔ محمد حسن عسکری لکھتے ہیں "یورپ میں جو مسلمان ہیں، وہ عموماً اپنے اسلامی نام نہیں لکھتے اور نہ اپنے اسلام کا عام طور پر اعلان کرتے ہیں۔ جیسے ہی یورپ کے لوگوں کو پتہ چلتا ہے کہ فلاں شخص "مسلمان ہوگیا ہے، فوراًاس کی مخالفت شروع ہوجاتی ہے۔

اس وقت دنیا کی آبادی 7 ارب کے قریب پہنچ چکی ہے جس میں سے ایک ارب 60 کروڑ سے زائد آبادی مسلمانوں کی ہے، عالمی سطح پر اسلام دنیا کا دوسرا بڑا مذہب جب کہ دنیا کا ہر چوتھا فرد مسلمان ہے، دنیا کی آبادی کا 25 فیصد حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے جس میں آیندہ 20 برس میں 35 فیصد اضافہ ہو جائے گا۔ مختلف عالمی اداروں کی رپورٹس کے مطابق دنیا بھر میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔اس وقت کینیڈا میں 9 لاکھ 40 ہزار مسلمان آباد ہیں جو 2030 تک 20 لاکھ 70 ہزار تک پہنچ جائیں گے۔ امریکا میں اس وقت مسلمانوں کی آبادی 30 لاکھ کے قریب ہے جو 2030 تک بڑھ کر 60 لاکھ 20 ہزار تک پہنچ جائیں گے۔ شمالی امریکا میں 1990 سے 2010 تک مسلمانوں کی آبادی میں 91 فیصد کی رفتار سے اضافہ ہوا اور مسلم افراد کی تعداد 10 لاکھ 80 ہزار سے بڑھ کر 30

لاکھ 50 ہزار تک پہنچ گئی جب کہ آنے والے 20 سالوں میں شمالی امریکا میں مسلم افراد کی تعداد 80 لاکھ 90 ہزار ہونے کا امکان ہے۔ برطانیہ میں مسلمانوں کی آبادی لاکھ 30 ہزار سے بڑھ کر 50 لاکھ 60 ہزار اور فرانس میں 40 لاکھ 70 ہزار 20 سے بڑھ کر 60 لاکھ 90 ہزار کے قریب پہنچ جائے گی جب کہ فرانس میں اس وقت بھی مساجد کی تعداد کیتھولک چرچ سے زائد ہے۔ 2010 تک یورپ میں مسلمانوں کی آبادی 5 کروڑ کے قریب تھی جو 2030 تک بڑھ کر 6 کروڑ کے قریب پہنچ جائے گی۔ فورم آن ریلیجن اینڈ پبلک لائف نامی ایک امریکی ادارے نے عالمی سطح پر بین المذاہب شرح آبادی کا ایک سروے کیا ہے، جس کے مطابق 2030ء میں جب دنیا کی آبادی تقریباً 8 ارب 3 کروڑ سے تجاوز کر جائے گی اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی 2 ارب 20 کروڑ ہو گی۔ اسلام کے پھیلتے دائرہ کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ مغربی خاتون صحافی اوریانہ فلاسی کہتی ہیں کہ آنے والے بیس سال میں پورے یورپ کے کم از کم چھ بڑے شہر اسلام کی کالونی بن جائیں گے، کیونکہ ان شہروں میں مسلمان کل آبادی کا تیس سے چالیس فیصد تک ہو جائیں گے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں میں بڑی تعداد عورتوں کی ہے، یورپ میں اگر چار افراد اسلام قبول کرتے ہیں تو ان میں تین خواتین ہوتی ہیں۔ یورپ میں مسلمانوں کی اسی بڑھتی ہوئی تعداد سے پورا یورپ خوفزدہ ہے اور مسلمانوں کو

مختلف طریقوں سے تنگ کر رہا ہے۔

کراچی کی معیشت ہڑتالوں کی نذر

کراچی ہر لحاظ سے انتہائی اہم شہر ہے، کراچی پر پڑنے والے اچھے یا برے اثرات پورے ملک پر پڑتے ہیں، کراچی کو پاکستان کا معاشی حب بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ ملک کو کراچی کی آمدنی کا بہت سہارا حاصل ہے۔اس کے علاوہ بھی ملک میں رونما ہونے والی بے شمار تبدیلیاں کراچی سے منسلک ہیں۔جمعرات کی رات ایم کیو ایم کے انتخابی دفتر کے قریب بم دھماکے میں چھ افراد جاں بحق، بارہ زخمی ہوئے، صدر، وزیراعظم سمیت سیاسی رہنماؤں نے واقعہ کی مذمت کی، جبکہ ایم کیو ایم نے سندھ بھر میں سوگ کا اعلان کردیا۔ایم کیو ایم کی جانب سے جمعہ کے روز سوگ کے اعلان پر تاجر تنظیموں، ٹرانسپورٹروں نے کاروبار بند رکھنے کا اعلان کیا، شہر میں پبلک ٹرانسپورٹ سڑکوں سے غائب رہی جبکہ تمام چھوٹے بڑے تجارتی مراکز، سی این جی اسٹیشنز، پیٹرول پمپس اور تعلیمی ادارے بھی بند رہے، میٹرک کے امتحانات سمیت دیگر تعلیمی اداروں میں بھی ہونے والے پرچے ملتوی کردیے گئے۔ٹرانسپورٹ اتحاد اور تاجر برادری نے دکانیں اور کاروبار بند رکھنے اور گاڑیاں سڑکوں پر نہ لانے کا اعلان کیا، ان کا کہنا تھا کہ اگر ہم ٹرانسپورٹ سڑکوں پر لاتے ہیں تو ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری گاڑیاں جلادی جائیں گی اس لیے ہم اسی میں بہتری سمجھتے ہیں کہ اپنی گاڑیوں کو سڑکوں پر نہ لائیں۔گاڑیوں کے سڑکوں پر

نہ آنے کی وجہ سے صبح سویرے دفاتر جانے والے افراد کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پاکستان کے معاشی مرکز کراچی سے پورے ملک کی معیشت کی باگ ڈور بندھی ہوئی ہے اگر ایک دن کاروبار زندگی معطل ہوجائے تو قومی خزانے کو اربوں روپے خسارے کا، سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مصدقہ ذرائع کے مطابق کراچی میں ایک دن کی ہڑتال سے آٹھ سے دس ارب روپے کا نقصان ہوتا ہے۔ دی نیوز ٹرائیپ کو دستیاب پاکستانی رپورٹس کے مطابق کراچی میں ایک دن کی ہڑتال سے پیداواری لحاظ سے آٹھ سے دس ارب روپے کا نقصان ہوتا ہے، ایک دن کی ہڑتال سے شہر بھر کی چھوٹی بڑی دو لاکھ صنعتیں بند رہتی ہیں، جس سے دو کروڑ سے زائد آبادی والے شہر میں بیس لاکھ افراد کا روزگار وابسطہ ہے، معاشی ماہرین کے مطابق ملک کی مجموعی پیداوار میں 22 فیصد جب کہ محصولات میں 62 فیصد حصہ کراچی کا ہوتا ہے۔ کراچی میں ایک دن کی ہڑتال سے آٹھ سے دس ارب روپے کا نقصان ہوتا ہے، جبکہ ملک کو محصولات کی مد میں کم از کم چار ارب کا نقصان ہوتا ہے، کراچی میں ہڑتال اور یوم سوگ کے اعلان سے 80 فیصد کاروبار اور ٹرانسپورٹ بند ہونے کی وجہ سے شہر کے دو کروڑ لوگوں کی زندگی معطل ہوجاتی ہے۔

کراچی میں پے در پے ہڑتالوں نے کاروباری زندگی کو مفلوج کرکے رکھ دیا ہے

اور شہر کے باسیوں کو اقتصادی مشکلات کا سامنا ہے۔ کراچی کے آل ٹریڈرز الائنس کے سربراہ کا کہنا تھا کہ مقامی مارکیٹیں بند رہنے سے 2 ارب 50 کروڑ روپے سے زائد کا نقصان ہوتا ہے۔ شہر کے خریداری مراکز اور بڑی مارکیٹیں زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ تقریباً 40 فیصد کاروبار تباہی کے دھانے پر کھڑے ہیں۔ایک پٹرول پمپ کے منیجر نے بتایا کہ شہر میں 400 کے قریب پٹرول پمپ ہیں اور ایک پٹرول پمپ پر اوسطاً یومیہ ہزار لٹر پٹرول اور 5 ہزار لٹر ڈیزل فروخت ہوتا ہے۔ پٹرولیم کی صنعت کو اربوں 10 روپے کا نقصان ہو رہا ہے جبکہ شہر کی آبادی کو ایندھن کی قلت کا سامنا ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ ہڑتالوں کے باعث شہر پر پڑنے والے کل مالی اثرات کا تخمینہ لگانا دشوار ہے۔ ملک کی معیشت پر پڑنے والے حقیقی نقصان کا تخمینہ نہیں لگا سکتے کیونکہ اس میں بہت سے عوامل ہیں۔ تاہم کراچی میں ایک روز کی ہڑتال سے اربوں روپے کا نقصان ہوتا ہے۔

کاروباری طبقہ اپنی جگہ مگر کراچی ایسا شہر ہے جہاں ملک کے دوسرے شہروں بلکہ دوسرے ممالک سے بھی بڑی تعداد میں حصول رزق کے لیے کراچی کا رخ کرتی ہے،ان میں سے اکثر کراچی میں آکر محنت مزدوری کرتے ہیں، کراچی میں بسنے والے بے شمار افراد ایسے ہیں جو روزانہ کی اجرت پر کام کرکے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔ کراچی شہر میں جاری ہڑتال کے باعث سب سے زیادہ یہ ہی

طبقہ متاثر ہوتا ہے۔ ایک دن کاروبار زندگی معطل ہو جانے سے یومیہ اجرت کمانے والے مزدوروں کے چولہے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ کراچی کی متعدد سڑکوں کے کناروں پر مزدوروں کی ایک لمبی قطار روزانہ کام ملنے کے انتظار میں بیٹھی دکھائی دیتی ہے، مگر ہڑتال کے باعث ان مزدوروں کے چہرے اداس دکھائی دیتے ہیں۔ یوم سوگ کے موقع پر ان میں سے بعض مزدوروں کا کہنا تھا کہ "ہڑتال کے باعث آج تو دیہاڑی ملنا مشکل ہے آج خالی ہاتھ ہی گھر جانا پڑے گا۔" گلی محلوں میں پھل بیچنے والے اور پھیری لگا کر سبزی فروخت کرنے والے بھی متاثر ہوتے ہیں ،جب ان کے پھل اور سبزیاں گل سڑ جاتے ہیں۔ چند سالوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملک کے حالات یکدم بدل گئے ہیں، روز روز کی ہڑتال نے ہم غریب مزدوروں کے چولھے ٹھنڈے کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے کبھی کبھی تو نوبت فاقوں تک پہنچ جاتی ہے "ایک مزدور کا کہنا تھا کہ" روزانہ کی دیہاڑی لگ جاتی ہے تو گھر والوں کی روزی روٹی کا مناسب بندوبست ہو جاتا ہے اور جس دن ہڑتال ہوتی ہے تو سب سے زیادہ ہم لوگوں کو نقصان ہوتا ہے ہڑتال کی وجہ سے کام ٹھپ ہو جاتا ہے، تو کھائیں گے کہاں سے؟" سواری کے انتظار میں کھڑے ایک رکشہ ڈرائیور نے بتایا کہ " ہڑتال تو ہے مگر اس سے کہیں زیادہ ہمیں اپنے گھر والوں کی روٹی کی فکر ہے کہ ان کا کیا بنے گا ڈر اور خوف میں زندگی گزار رہے ہیں مگر پیٹ کا کیا کریں؟ ہم اپنی گاڑی اور زندگی کا رسک لے کر نکلتے ہیں' گھر والوں کی روزی روٹی کی خاطر ہم رکشہ ڈرائیور بھی ہڑتال کے دن اپنی

جانوں سے کھیل رہے ہیں، ہڑتال میں رکشے جلائے جانے کا ڈر بھی ہے مگر مجبوری ہے کیا کریں۔؟

پے در پے سوگ سے تعلیمی ادارے اور طلبہ بھی بہت زیادہ متاثر ہوئے، کیوں کہ یوم سوگ سے طلبہ کے ہونے والے پرچے ملتوی کرنا پڑے، طلبہ کا کہنا تھا کہ روز روز کی ہڑتالوں نے کراچی کے باسیوں کا جینا دوبھر کردیا ہے،اس سے ہم بہت متاثر ہوتے ہیں، کراچی میں آئے دن ہڑتالیں اور سوگ ہوتے رہتے ہیں جس سے ہماری تعلم بہت زیادہ متاثر ہوتی ہے، تعلیمی اداروں کو مجبوراً پرچے ملتوی کرنا پڑتے ہیں، کیونکہ ان حالات میں طلبہ پرچے نہیں دے سکتے،جب ایک پرچے کی تیاری کی ہو اور وہ پرچہ ملتوی ہوجائے دوبارہ اس پرچے کی تیاری کرنے کا دل نہیں کرتا، جس سے پرچوں میں کم نمبر آتے ہیں، سیاستدانوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ احتجاج کا کوئی اور اختیار کریں، جس سے کسی کا نقصان نہ ہو۔

ملک میں انتخابی سرگرمیاں خون ریزی کی نذر

انتخابات کا مقررہ دن گیارہ مئی جوں جوں قریب آ رہا ہے توں توں ملک میں بم دھماکے اور خون ریزی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ پے در پے بم دھماکے اور حملے اگرچہ سیاسی جماعتوں سے وابستہ لوگوں یا ان کے دفاتر پر ہو رہے ہیں لیکن اس کے اثرات پورے ملک پر پڑ رہے ہیں، ان حملوں میں جان کی بازی ہار جانے والے یا تو عوام ہیں جن کا کسی جماعت سے کوئی تعلق نہیں اور اگر کسی جماعت سے تعلق ہو بھی تو ملک کے باشندے تو ہیں۔ انتخابات کے قریب آ کر خون ریزی کی چلی ہوئی لہر میں ملک میں خوف و ہراس کی ایک ایسی فضا چھائی ہے جو ملک کے باسیوں کو کسی دم چین نہیں لینے دیتی۔ ان حملوں کا نشانہ کوئی خاص جماعت نہیں بن رہی ہے، بلکہ اس نظام سیاست کی حصہ بننے والی تمام جماعتیں ہی ان حملوں کا نشانہ بن رہی ہیں۔

اگر صرف گزشتہ چند روز کے اخبارات پر نظر ڈالی جائے تو ملک میں بدامنی کی حالت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ گزشتہ روز اتوار کو صوبہ خیبر پختونخوا میں کوہاٹ اور پشاور کے مضافات میں انتخابی دفاتر کو بم دھماکوں کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ان دھماکوں میں کم از کم نو افراد جاں بحق اور 26 زخمی ہوئے ہیں۔ ایک دھماکے کا نشانہ اورکزئی ایجنسی کے حلقہ این اے 39 سے آزاد امیدوار سید نور اکبر کا انتخابی دفتر بنا۔ ہنگو روڈ پر کچا پکا کے مقام پر ہونے والے اس دھماکے میں کم از کم 5 افراد جاں بحق اور

زخمی ہوئے۔ دھماکے کے وقت نوراکبر دفتر میں موجود تھے تاہم وہ محفوظ 16 رہے۔ جبکہ پشاور میں چارسدہ روڈ پر مقصود آباد کے علاقے میں ہونے والے دھماکے میں خیبر ایجنسی کے علاقے باڑہ سے حلقہ این اے 46 سے (ن) لیگ کے امیدوار حاجی ناصر خان آفریدی کا دفتر متاثر ہوا۔ اس دھماکے سے دفتر کی عمارت کے علاوہ وہاں کھڑی گاڑیاں اور آس پاس کی دکانیں بھی متاثر ہوئیں۔ اس دھماکے میں چار افراد کی ہلاکت اور دس کے زخمی ہونے کی اطلاعات ہیں۔ یاد رہے رواں ماہ کے دوسرے ہفتے میں پشاور میں عوامی نیشنل پارٹی کے جلسے کے قریب دھماکے میں 17 افراد جاں بحق ہوئے تھے جبکہ 31 مارچ کو بنوں میں اے این پی کے سابق رکنِ اسمبلی عدنان وزیر کے انتخابی قافلے پر بم حملے میں دو افراد مارے گئے تھے۔

ہفتے کے روز کوئٹہ سبی میں جماعت اسلامی کے انتخابی دفتر پر دستی بم حملے میں چھ افراد زخمی ہوئے۔ پشاور میں صوبائی اسمبلی کے حلقہ نو سے مسلم لیگ (ق) کے امیدوار مولانا شعیب کے انتخابی دفتر پر نامعلوم افراد نے فائرنگ کی۔ شمالی وزیرستان میں امیدوار عقیل زمان کا انتخابی دفتر بارودی مواد سے تباہ کردیا گیا۔ ٹیاری پی ایس 44 میں امیدوار کے انتخابی دفتر کو نامعلوم افراد نے آگ لگادی۔ جناح روڈ پر جماعت اسلامی کے پی بی 21 سے امیدوار میر مظفر نذر ابڑو کے انتخابی دفتر پر نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے دستی بم پھینکا جس کے پھٹنے سے چار کارکن زخمی ہوگئے، میر مظفر بال بال بچ گئے۔ پنجگور میں نیشنل پارٹی کے مرکزی رہنما اور پی بی 43 سے امیدوار حاجی محمد سلام بلوچ کے گھر کے قریب بم دھماکے سے لوگوں میں خوف وہراس پھیل گیا۔ جے

یو آئی (ف) کے قومی اسمبلی کے امیدوار حافظ محمد اعظم کے گھر پر دستی بم حملے سے کوئی نقصان نہیں ہوا، کوئٹہ کے علاقے قمبرانی روڈ پر پولیس وبم ڈسپوزل اسکواڈ نے تین بم بروقت اطلاع ملنے پر ناکارہ بنادیے۔ پسنی میں سیکورٹی فورسز نے نیشنل پارٹی کے رہنماء کہدا بلوچ کے گھر کے باہر رکھے گئے تین دستی بم ناکارہ بنادیے۔ چارسدہ میں اے این پی کے امیدوار اسلام خان کے قافلے پر نامعلوم افراد نے فائرنگ کردی جس سے وہ بال بال بچ گئے تاہم ان کے بھائی زخمی ہوگئے۔ ہفتے کے روز ہی کراچی میں اورنگی ٹاون کے علاقے قصبہ کالونی میں یکے بعد دیگرے دو دھماکے ہوئے۔ پہلا دھماکا متحدہ قومی موومنٹ کے یونٹ آفس جبکہ دوسرا امام بارگاہ کے قریب ہوا۔ دھماکوں کے بعد کریکر بھی پھینکے گئے۔ اس واقعے کے کچھ دیر بعد گلبہار کالونی میں سیاسی جماعت کے دفتر پر موٹر سائیکل سوار نے کریکر پھینکا جس میں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ اس کے بعد لیاری کے علاقے کمہار واڑہ میں سندھ اسمبلی کے حلقے پی ایس 11 سے پیپلز پارٹی کے امیدوار عدنان بلوچ کے انتخابی جلسے میں دھماکا ہوا جس میں جانی نقصان کے علاوہ این اے 249 سے پیپلزپارٹی کے امیدوار عزیز میمن، صوبائی امیدوار عدنان بلوچ اور ان کے دو بھائیوں سمیت کئی افراد زخمی ہوگئے۔ دونوں واقعات میں مجموعی طور پر تقریباً پانچ افراد جاں بحق اور ساٹھ سے زائد افراد زخمی ہوئے۔ ایم کیو ایم نے اپنے آفس پر ہونے والے دھماکوں کی وجہ سے یوم سوگ کا اعلان کیا جس سے اتوار کے روز کراچی میں ٹرانسپورٹ، تعلیمی ادارے اور کاروبار زندگی مکمل طور پر معطل رہا، پورے کراچی میں ہو کا عالم رہا۔

جمعہ کی شبکراچی کے علاقے مومن آباد تھانے کی حدود اورنگی ٹاؤن قائد عوام کالونی میں عوامی نیشنل پارٹی کے مرکزی رہنما اور حلقہ این اے 241 اور پی ایس F/ سیکٹر 4 سے امیدوار بشیر جان کارنر میٹنگ سے خطاب کے لیے جیسے ہی وہاں پہنچے خوفناک 93 دھماکا ہوا، اس دھماکے میں 12 افراد جاں بحق، 45 سے زاید زخمی ہوئے۔ دھماکے سے بشیر جان کی گاڑی آدھی سے زیادہ تباہ ہوگئی جبکہ وہ خود محفوظ رہے۔ دھماکے سے تین مکانات، 5 دکانیں، 4 موٹر سائیکلیں، 3 کاریں اور دیگر سامان تباہ ہوگیا۔ اسی روز این اے 255 سے اے این پی کے امیدوار عبدالرحمٰن اپنی گاڑی میں جارہے تھے کہ نامعلوم افراد نے ان کی گاڑی پر حملہ کردیا جس کے نتیجے میں راہ گیر بچے سمیت 2 افراد زخمی ہوئے ، عبدالرحمٰن محفوظ رہے۔ حلقہ پی بی 30 کچھی ایک سے جمعیت علماء اسلام ف) کے امیدوار حاجی محمد ہاشم شاہوانی کے قافلے پر مچھ کے قریب ہرک کے مقام پر) دستی بم حملہ ہوا اور فائرنگ کی گئی جس سے 2 گاڑیاں مکمل تباہ ہوگئیں۔ حاجی محمد ہاشم شاہوانی محفوظ رہے جبکہ قافلہ میں موجود کئی افراد زخمی شدید زخمی ہوگئے۔اے این پی نے اپنے دفتر پر ہونے والے حملے کی وجہ سے ہفتے کے روز کراچی میں یوم سوگ کا االعلان کیا مگر ٹرانسپورٹ اور کاروبار زندگی معمول کے مطابق چلتا رہا۔

جمعرات کی شب سرسید تھانے کی حدود نارتھ ناظم آباد قلندریہ چوک نصرت بھٹو کالونی متحدہ قومی موومنٹ کے بند الیکشن آفس کے قریب موٹر سائیکل میں نصب بم زور دار دھماکے سے پھٹ گیا۔ دھماکے میں چھ افراد جاں بحق اور بارہ افراد زخمی ہوئے۔اس

دھماکے کی وجہ سے بھی ایم کیوایم نے یوم سوگ کا اعلان کیا، جمعہ کے روز کراچی سمیت پورا سندھ دن بھر بند رہا۔ جبکہ منگل کے روز تیموریہ تھانے کی حدود نارتھ ناظم آباد کے انتخابی کیمپ NA-245 پیپلز چورنگی کے قریب بھی متحدہ قومی موومنٹ کے حلقہ میں بم کا زوردار دھماکا ہوا تھا جس سے دوافراد جاں بحق اور 25 سے زاید زخمی ہوئے تھے۔ اس دھماکے کے بعد ایم کیوایم نے یوم سوگ کا اعلان کیا، کراچی سمیت پورے سندھ میں تعلیمی ادارے، ٹرانسپورٹ اور دوسرے تمام کام بدھ کے روز مکمل بند رہے۔ اسی روز کوئٹہ میں یکے بعد دیگرے 4 دھماکوں میں 6 افراد جاں بحق جبکہ پچیس افراد زخمی ہوئے۔ پہلا دھماکا جناح ٹاؤن میں ہوا۔ یہ کریکر بم دھماکا تھا جس میں کوئی جانی مالی نقصان نہیں ہوا۔ گوالمنڈی میں ہونے والے دوسرے دھماکے میں حلقہ پی بی 3 سے جمعیت علماء اسلام نظریاتی گروپ کے امیدوار عبدالغفار کاکڑ سمیت متعدد افراد زخمی ہوئے۔ تیسرا دھماکا گوردات سنگھ روڈ پر 15 منٹ کے وقفے کے بعد ہوا۔ جناح ٹاؤن میں ایک کلو، گوالمنڈی چوک پر دو کلو جبکہ گوردات سنگھ روڈ پر ایک کلو دھماکا خیز مواد استعمال کیا گیا۔ چوتھا دھماکا کوئٹہ کے گنجان آباد علاقے نیچاری روڈ پر ہوا جس میں ایف سی اہلکار سمیت 4 افراد کے جاں بحق ہونے کی اطلاعات ملیں۔ بم ڈسپوزل اسکواڈ کے مطابق دھماکے میں 80 سے 100 کلو گرام دھماکا خیز مواد استعمال کیا گیا۔ دھماکے سے ایف سی کی چوکی اور 5 دکانیں تباہ ہو گئیں۔

دوسری جانب ملک میں جاری خون ریزی کے پیش نظر بلوچستان کے گیارہ اضلاع کے اٹھارہ

ہزار سے زائد اساتذہ نے انتخابات میں ڈیوٹی دینے سے انکار کر دیا ہے، الیکشن کمیشن نے واضح کیا ہے کہ ڈیوٹی نہ دینے والے اساتذہ کے خلاف کارروائی ہو گی، جبکہ اساتذہ کا کہنا ہے کہ ہمیں دھمکیاں دی جا رہی ہیں ان حالات میں ہم ڈیوٹی کیسے دے سکتے ہیں، بعض حلقے ان حملوں کی ذمہ داری طالبان پر ڈال رہے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ حملے کرنے والے طالبان ہیں تو مذہبی سیاسی جماعتوں پر حملے کون کر رہا ہے؟ بعض تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ اس قسم کی کارروائیاں انتخابات کو ملتوی کرانے کی سازش ہے، لازمی نہیں کہ ان حملوں میں طالبان ملوث ہوں بلکہ کوئی دوسری قوت بھی ملوث ہو سکتی ہے۔

امریکا کی پاکستان کے خلاف سازشیں

مسلم ممالک میں پاکستان کی حیثیت ایک رہنما اور رہبر ملک کی ہے، تقریباً تمام مسلم ممالک اس بات کو مانتے بھی ہیں،اسی لیے اکثر مسلم ممالک کی ہمدردیاں ہمیشہ پاکستان کے ساتھ رہی ہیں،اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان ہی وہ واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا۔دوسری وجہ یہ ہے کہ پاکستان وہ واحد مسلم ملک ہے جو ایٹمی قوت سے مالا مال ہے۔جہاں پاکستان دیگر مسلم ممالک کے لیے اہمیت کا حامل ہے، وہیں پوری دنیا کے لیے پاکستان کی اہمیت کا انکار کرنا ممکن نہیں ہے۔امریکا بھی پاکستان کی حمایت کے بغیر اس خطے میں کوئی جنگ نہیں لڑ سکتا۔امریکا نے جب روس سے جنگ لڑی تو پاکستان کے ذریعے طالبان کو آگے کیے رکھا اور جب افغانستان پر حملہ کیا تو پہلے پاکستان کو اعتماد میں لیا اور اس وقت کے ڈرپوک لیڈر پرویز مشرف نے ملک کے اڈے امریکا کے حوالے کرکے پاکستان کی عزت کو خاک میں ملادیا۔پاکستان کی اہمیت کی وجہ سے ہی امریکا شدید اختلاف کے باوجود پاکستان کے ساتھ اپنے تعلق ٹھیک رکھنا چاہتا ہے تاکہ مفادات حاصل کرتا رہے۔جس طرح امریکا نے افغانستان پر حملہ کرتے وقت پاکستان کو اعتماد میں لیا تھا اب طالبان کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد افغانستان سے بھاگنے کے لیے بھی پاکستان کو اعتماد میں لینے کی کوشش کررہا ہے۔

امریکا اور اسلام دشمن مغربی ممالک چونکہ روز اول سے اسلام اور اہل اسلام کے دشمن رہے ہیں، اسی وجہ سے پاکستان کا اس طرح عالم اسلام کی نظروں میں اہمیت حاصل کرلینا، انہیں کسی طرح بھی قبول نہیں۔امریکا اور مغربی ممالک نے ہمیشہ سے پاکستان کے خلاف کھلے عام اور چھپ کر سازشیں کی ہیں۔ متعدد بار ان سازشوں کے ثبوت بھی منظر عام پر آ چکے ہیں۔ گزشتہ روز ایران کے صدر محمود احمدی نژاد نے ایک مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ امریکا اور مغربی ممالک پاکستان کے ٹکڑے کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔ ملک کے مشرقی صوبے آذربائیجان کے علاقہ تبریز میں عوامی اجتماع سے خطاب کے دوران ایرانی صدر کا کہنا تھا کہ مغربی استعمار پاکستان کے عوام میں ایک مصنوعی جنگ کرا رہا ہے تاکہ ان اقوام کو تقسیم کیا جاسکے۔ مغرب اس سے پہلے نسلی فسادات کراتا رہا مگر اب وہ جنگ بڑھانے کے لیے مذہبی اختلافات سمیت ہر طرح کے حربے استعمال کر رہا ہے، لوگ گولیوں اور بموں کا نشانہ بن رہے ہیں ، قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول مسلمانوں کو مارا جارہا ہے ، پاکستان، عراق جیسے تنازعات مستقبل میں ترکی، سعودی عرب اور دیگر ایشیائی ممالک میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں، لہٰذا یہی موقع ہے کہ مسلم برادری مغربی سازشوں کو سمجھے۔ ہم مختلف ممالک کی خود مختاری ختم کرنے کے مغربی منصوبے سے بخوبی واقف ہیں اور ہمیں شیطان کے تمام مذموم عزائم خاک میں ملانے کے لیے متحد ہونا چاہیے ، دشمن عناصر مشرق وسطی میں " تقسیم

کرواور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں، شیطان اور مغرور ریاستیں کمزور ممالک پر غلبہ پانے کے لیے ان کو آپس میں لڑا رہی ہیں، دشمن قوتیں قوموں کا پیسہ بموں اور اسلحہ کی تیاری پر لگا رہی ہیں۔ پاکستان کے خلاف خطرناک امریکی عزائم کا اندازہ اس خبر سے بھی ہوتا ہے جس کا انکشاف دو روز قبل امریکی اخبار نے کیا تھا کہ امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے نے گزشتہ دس برس میں افغان حکومت کو تھیلوں میں بھر بھر کر ڈالر دیے ہیں۔ صدر حامد کرزئی کے 2002 سے 2005 تک چیف آف سٹاف رہنے والے خلیل رومان کے مطابق سی آئی اے سے ملنے والی رقم القاعدہ اور طالبان کے خلاف جنگ لڑنے والے قبائلی سرداروں اور سیاستدانوں میں تقسیم کی گئی تاکہ جنگ جاری رکھ سکیں اور ساتھ یہ رقم دینے کا مقصد امریکی مفادات کے لیے کام کرنا تھا، ان مفادات میں سرفہرست پاکستان کے خلاف امریکی منصوبے کو پایہ تکمیل پہنچانے کے لیے کوشش کرنی تھی، سو افغان صدر نے اس کے لیے بھرپور کوشش بھی کی اور اسی لیے آئے روز حامد کرزئی پاکستان کے خلاف بیانات بھی داغتے رہتے ہیں۔

واضح رہے کہ امریکا متعدد بار پاکستان کے خلاف کارروائی کی کوشش کرچکا ہے جن میں ہتھیاروں پر قبضے کی منصوبہ بندی بھی کرچکا ہے۔ 27 دسمبر 2007ء میں بے نظیر بھٹو کی موت کے بعد امریکا اور برطانیہ نے پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کو غیر محفوظ قرار دے دیا تھا اور ان پر کنٹرول حاصل کرنے کی غرض سے سیکرٹ

پلان تیار کر لیا گیا تھا جس کے تحت امریکی ایلیٹ فورس یا برطانوی فوجیوں کو اسلام آباد بھیجا جانا تھا۔ امریکی اور برطانوی وزارت خارجہ کے ٹاپ سیکرٹ ڈپلومیٹک پیغامات پر مبنی خفیہ رپورٹ کے مطابق پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کو امریکا کے خفیہ سٹوریج جو کہ نیو میکسیکو میں واقع ہے وہاں منتقل کیا جانا تھا۔ اگر یہ ممکن نہ ہوتا تو پھر پاکستان ہی کے کسی علاقے میں محفوظ کیا جانا تھا کیونکہ مغربی طاقتوں کو یہ "REMOTE REDOUBT" خطرات لاحق ہو گئے تھے کہ اسلام پسند اسلام آباد تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن پاکستان کے زمینی حقائق اس قدر پیچیدہ تھے کہ امریکا اور برطانیہ کو پاکستان کے حکمرانوں سے سوائے ڈیل طے کرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔اسی حوالے سے امریکی میگزین نیوز ویک کو انٹرویو میں اوباما نے کہا تھا کہ اگر پاکستان غیر مستحکم ہوتا ہے تو میں پاکستان کے نیوکلیئر اثاثوں کے تحفظ کے لیے تمام آپشن پر غور کر سکتا ہوں۔ امریکی انٹیلی جنس ذرائع کے مطابق امریکا نے پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کے لیے ایک جامع منصوبہ بہت پہلے سے تیار کر لیا تھا۔ اس کے مطابق جب بھی امریکا کو کو پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کے بارے میں خطرہ محسوس ہوا تو اس منصوبے پر عملدرآمد کیا جائے گا جس کے تحت پاکستانی سرحد کے قریب افغانستان میں تعینات خصوصی دستے پاکستان کے اندر کارروائی کرتے ہوئے پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کے موبائل اسلحہ خانے کو اپنی حفاظتی تحویل میں لے لیں گے۔ امریکی انٹیلی جنس ذرائع

نے فاکس نیوز چینل کو بتایا تھا کہ یہ آپریشن جوائنٹ سپیشل آپریشنز کمانڈ کا سپر سیکرٹ کمانڈو یونٹ کرے گا جس کا ہیڈ کوارٹر فیورٹ بریگ این سی میں ہے جوائنٹ سپیشل آپریشنز کمانڈ امریکی فوج کا دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کرنے والا سب سے بڑا سکواڈ ہے جس کے یونٹس اس وقت پاکستان کی مغربی سرحد پر افغانستان کے اندر سرگرم عمل ہیں۔

پاکستان کے حوالے سے ایرانی صدر احمدی نژاد کی بات کی تصدیق دسمبر 2012 میں آنے والی اس رپورٹ سے بھی ہوتی ہے جس میں بیان کیا گیا تھا کہ امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ سمیت دیگر ذرائع ابلاغ کی رپورٹس کے مطابق 11/9 کے بعد پاکستان میں موجود ایسے افراد کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ مجموعی طور پر 8 لاکھ 54 ہزار افراد ٹاپ سیکرٹ کو سیکورٹی کلیئرنس دی گئی اور اس تعداد میں ریمنڈ ڈیوس جیسے 2 لاکھ 65 ہزار ٹھیکیدار (کنٹریکٹرز) شامل ہیں۔" اگرچہ اس رپورٹ میں یہ انکشاف نہیں کیا گیا تھا کہ پاکستان میں سی آئی اے کے ایسے ایجنٹس اور ٹھیکیداروں کی تعداد کیا ہے لیکن ان میڈیا رپورٹس کی توثیق کی گئی تھی کہ 11/9 کے بعد کی صورتحال میں جب امریکیوں کو کھلی چھوٹ دی گئی کہ وہ جو مناسب سمجھیں وہ کر سکتے ہیں چاہے ہو پاکستان کے مفاد کے خلاف ہی کیوں نہ، پاکستان میں سی آئی اے کا جال بے مثال انداز سے وسعت پا چکا ہے۔ یاد رہے کہ پاکستان کے اخبارات میں امریکا کی جانب سے اسلام آباد

میں 18 ایکڑ زمین خرید کے وہاں ایک نیا گوانتانا موبے اور میرین ہاؤس تعمیر کرنے اور ایک ہزار میرین رکھے جانے کی خبریں بھی چھپ چکی ہیں۔ پاکستان میں ملک کی سلامتی کے خلاف کام کرتے ہوئے ریمنڈ ڈیوس جیسے کئی امریکی جاسوس بھی کئی بار پکڑے گئے ہیں جو پاکستان کے حوالے سے ایرانی صدر کے بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔

عام انتخابات کا انعقاد فوج کی نگرانی میں

پاکستان میں یوں تو ایک عرصے سے امن و امان کی صورتحال انتہائی قابل رحم ہے، لیکن ان دنوں تو ملک میں قتل و غارت گری اور بم دھماکے اس تواتر سے ہو رہے ہیں جس تواتر سے تسبیح کا دھاگا ٹوٹنے سے تسبیح کے دانے گرتے ہیں۔ پاکستان میں عام انتخابات کے انعقاد کی تاریخ گیارہ مئی جوں جوں قریب آ رہی ہے، اس کے ساتھ انتخابات کے خلاف پر تشدد کارروائیوں میں بھی تیزی آتی جا رہی ہے اور ان کارروائیوں میں خاص طور پر تین صوبوں سندھ، بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں انتخابی امیدواروں، ان کے دفاتر، ریلیوں اور جلسے، جلوسوں کو بم حملوں میں نشانہ بنایا جا رہا ہے اور بم دھماکوں، اور قاتلانہ حملوں میں تقریباً روزانہ ہی پندرہ بیس افراد لقمہ اجل بن رہے ہیں۔ دہشت گردی کے ان پے در پے واقعات کے پیش نظر سیاسی اور صحافتی حلقوں کی جانب سے مقررہ وقت پر عام انتخابات کے انعقاد کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار بھی کیا جا رہا ہے۔ صوبہ بلوچستان اور ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی میں امن و امان کی صورت حال سب سے زیادہ مخدوش اور پتلی ہے۔ ان علاقوں میں مختلف جرائم پیشہ عناصر اور غیر ملکی ایجنٹ سرگرم کار ہیں جو اپنی تخریب کاری کی کارروائیوں میں انتخابی امیدواروں کے ساتھ ساتھ عام شہریوں اور ان کی املاک کو نشانہ

بنا رہے ہیں۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ یہ سب کچھ تحریک طالبان پاکستان کروا رہی ہے کیونکہ تحریک طالبان پاکستان نے دھمکی دی تھی کہ وہ ایم کیو ایم، اے این پی اور پی پی پی کو نشانہ بنائے گی۔

ان حالات کے پیش نظر چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے گزشتہ روز کہا ہے کہ کراچی سمیت خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں امن وامان کی صورتحال بہتر نہیں، الیکشن کمیشن آزادانہ اور شفاف انتخابات کے لیے امن وامان کو یقینی بنائے۔ الیکشن کمیشن امن وامان پر توجہ دے رہی ہے، تاہم اس حوالے سے کیے گئے انتظامات مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہے، الیکشن کمیشن کو ایسا کوئی حکم نہیں دینا چاہتے جس سے ان کی حوصلہ شکنی ہو، ملک میں پ±رامن فضا قائم کی جائے تاکہ شہری انتخابات میں حصہ لے سکیں۔ اسی حوالے سے گزشتہ روز کراچی کی مختلف دینی و سیاسی جماعتوں نے مشترکہ پریس کانفرنس میں کہا ہے کہ کراچی میں پرامن، شفاف اور آزادانہ انتخابات کے انعقاد کو یقینی بنانے کے لئے ضروری ہے کہ انتخابات مکمل طور پر فوج کی نگرانی میں کرائے جائیں، پورے شہر کو حساس علاقہ قرار دے کر شہر کے ہر پولنگ بوتھ کے اندر فوجی جوان تعینات کیے جائیں۔ چیف الیکشن کمشنر آرمی چیف کو خط لکھیں اور کراچی کی تشویشناک صورت حال میں فوج کو بلانے کی درخواست کریں۔ شہر میں تمام نوگو ایریا ختم کرائے جائیں۔ یہ مطالبہ بھی کیا کہ کراچی میں آزادانہ اور شفاف انتخابات کا

انعقاد ممکن نہیں۔ ملک میں انتخابات کا التواء غیر ملکی ایجنٹوں کا ایجنڈا ہے۔ شہر میں پوسٹرز اور بینرز ہٹائے جارہے ہیں، کارکنوں کو اغواء و تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہ، پولیس اور رینجرز خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ الیکشن والے دن صرف نمائشی نہیں حقیقی معنوں میں فوج کا کردار ہونا چاہیے۔ شہر میں آگ اور خون کا کھیل جاری ہ، سازش کے تحت الیکشن ملتوی کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ کراچی کو فوری طور پر الیکشن والے دن تک کے لئے فوج کے حوالے کیا جائے۔ پورا کراچی ریڈ زون بن چکا ہے اگر فوج نہیں آئے گی تو عوام کو تحفظ بھی نہیں مل سکے گا اور جب عوام کو تحفظ نہیں ملے گا تو عوام آزادانہ طور پر اپنی رائے کس طرح استعمال کر سکتے ہیں۔

دوسری جانب آل پارٹیز کانفرنس میں شریک سترہ سیاسی اور مذہبی جماعتوں نے فوج کی نگرانی میں الیکشن کرانے کا مطالبہ کیا ہے۔ نگراں وزیر اعلیٰ سندھ زاہد قربان علوی کی زیر صدارت ہونے والی کانفرنس میں تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں کے رہنماوں نے شرکت کی، اس موقع پر نگران حکومت کی طرف سے انتخابی مہم چلانے والوں کے تحفظ کے لیے 18 نکاتی ضابطہ اخلاق بھی پیش کیا گیا۔

اس صورت حال کے تناظر میں جنرل ہیڈ کوارٹرز (جی ایچ کیو) راولپنڈی میں پاکستان آرمی کے سربراہ جنرل اشفاق پرویز کیانی کی صدارت میں سوموار کو کور کمانڈروں کا خصوصی اجلاس ہوا جس میں آئندہ عام انتخابات کے موقع پر ملک میں

امن وامان کی صورت حال اور مسلح افواج کی تعیناتی کا جائزہ لیا گیا ہے۔پاک فوج کے شعبہ تعلقات عامہ کی جانب سے جاری کردہ بیان کے مطابق کور کمانڈروں نے کراچی سمیت ملک بھر میں عام انتخابات کے پرامن انداز میں انعقاد اور سیکورٹی کی صورت حال کو برقرار رکھنے کے لیے مسلح افواج کو تعینات کرنے کے پلان کی منظوری دے دی ہے۔ فوجی قیادت کے اس فیصلے سے قبل ہی صوبہ بلوچستان کے شورش زدہ نو اضلاع میں انتخابات کے پرامن اور بلا تعطل انعقاد کے لیے مسلح افواج کے دستوں کو تعینات کر دیا گیا ہے۔پاک فوج کا 400 جوانوں پر مشتمل پہلا دستہ مستونگ، کھٹ گجہ اور دشت کے لیے کوئٹہ سے بھجوا دیا گیا۔صوبائی محکمہ داخلہ کے حکام کے مطابق ضلع ڈیرہ بگٹی، کوہلو آواران، خضدار، قلات، مستونگ، خاران اور گوادر میں فوجیوں کو تعینات کیا گیا، ہے۔ محکمہ داخلہ کے مطابق بلوچستان میں ستر ہزار سیکورٹی اہلکار تعینات کیے جائیں گے جن میں فوج، ایف سی، بلوچستان کانسٹیبلری، انسداد دہشت گردی فورس اور ریپڈ رسپانس فورس کے اہلکار شامل ہیں۔ان کے علاوہ صوبے کے تمام تیس اضلاع میں فرنٹیئر کور کے اہلکار بھی تعینات ہوں گے۔ حکام کے مطابق فوج اور ایف سی کے اہلکار پندرہ مئی تک پولنگ مراکز پر تعینات رہیں گے اور ان کی تعیناتی کا اختیار عبوری صوبائی حکومت کو ہوگا تاکہ رقبے کے اعتبار سے ملک کے سب سے بڑے صوبے میں پولنگ کے پرامن اور احسن انداز میں انعقاد کو یقینی بنایا جا سکے۔فوج اور ایف سی کے بائیس ہزار اہلکاروں کے ساتھ

لیویز، بلوچستان کانسٹیبلری اور پولیس کے پچاس ہزار کے لگ بھگ اہلکاروں کو بھی امن وامان کی صورت حال کو برقرار رکھنے کے لیے تعینات کیا جائے گا۔

اطلاعات کے مطابق بلوچستان کے مذکورہ بالا اضلاع میں اتوار کو فوج اور ایف سی کے اہلکاروں کی تعیناتی کا عمل شروع کر دیا گیا تھا اور صوبائی دارالحکومت کوئٹہ سے فوج کی نفری کو ضلع مستونگ روانہ کر دیا گیا تھا۔ دریں اثناء صوبے کے اسکول اساتذہ کے بعد لیکچراروں نے بدامنی کا شکار بارہ اضلاع میں پولنگ کے موقع پر فرائض انجام دینے سے انکار کر دیا ہے جس سے صوبے میں عام انتخابات کا انعقاد ہی خطرے میں نظر آ رہا ہے۔ بلوچستان گورنمنٹ ٹیچرز ایسوسی ایشن کے ارکان سے ایک حکومتی وفد نے بائیکاٹ ختم کرانے کے لیے مذاکرات کیے ہیں لیکن اساتذہ کے نمائندوں نے بارہ میں سے صرف دو اضلاع چاغی اور لسبیلہ میں پولنگ کے روز فرائض انجام دینے پر آمادگی ظاہر کی ہے اور وہ باقی دس اضلاع میں ہمہ نوع دہشت گردوں کے حملوں کے خطرے کے پیش نظر فرائض انجام دینے کو تیار نہیں۔ تنظیم اساتذہ نے صوبائی گورنر نواب ذوالفقار مگسی اور نگران وزیراعلیٰ کے نام ایک خط بھیجا ہے جس میں انہوں نے قلات، مستونگ، کیچ خضدار اور نوشکی سمیت گیارہ اضلاع میں اساتذہ کو دہشت گرد عناصر کی جانب سے ملنے والی مسلسل دھمکیوں کے بارے میں آگاہ کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ اس صورت حال میں انتخابات کے لیے فرائض انجام نہیں دے سکتے ہیں کیونکہ ان

کی جانوں کو سنجیدہ خطرات لاحق ہیں۔ واضح رہے کہ بلوچستان میں مسلح علاحدگی پسند عناصر اور غیر ملکی ایجنٹ سیاست دانوں اور ان کے حامیوں کو بم حملوں اور فائرنگ میں نشانہ بنا رہے ہیں اور انتخابی امیدواروں کو قتل کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔

میری قوم کے نوجوان

کسی دانا کا قول ہے : "اس قوم کی ترقی کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی جس قوم کے نوجوان ذمہ دار اور محنتی ہوں اور کسی قوم کی بربادی کے لیے یہی بات کافی ہے کہ اس قوم کے نوجوان بے فکر اور کاہل ہو جائیں۔" شیخ عبدالعزیز بن باز کہتے ہیں: " کسی بھی قوم کے نوجوان ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہوتے ہیں، جو اپنی قوم میں نئی زندگی اور انقلاب کی روح پھونکنے کا کام کرتے ہیں، وہ ثمر آور توانائی، تازہ دم اور خداداد صلاحیتوں سے مسلح ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر قوموں کی بیداری اور ان کے انقلاب کا سہرا نوجوانوں کے ہی سر جاتا ہے۔" قرآن مجید میں اصحاب کہف کا ذکر کچھ یوں ہے: " جبکہ کچھ جوانوں نے غار میں پناہ لی اور یہ دعا کی کہ پروردگار ہم کو اپنی رحمت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے کام میں کامیابی کا سامان فراہم کر دے۔"

تاریخ گواہ ہے کہ ہر انقلاب میں نوجوان طبقہ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ نوجوانوں میں کام کرنے کا جذبہ اور انقلاب لانے کی امنگ ہوتی ہے۔ یہ مضبوط عزم اور بلند حوصلہ ہوتے ہیں ان کی رگوں میں گرم خون اور سمندر کی سی

طغیانی ہوتی ہے۔ یہ پہاڑوں کی سی ہمت رکھتے ہیں۔ ان کی قابلیت و ذہنی صلاحیتیں انہیں حالات کا رخ موڑ دینے، مشکلات جھیلنے اور مسلسل جدوجہد کے ساتھ ساتھ وقت اور جان و مال کی قربانی دینے کا ذہن اور حوصلہ عطا کرتی ہیں اور ان کو وقتاً فوقتاً اس کے لیے ابھارتی رہتی ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ فرعون جیسے ظالم و جابر کے خلاف موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر "لبیک" کہنے والے چند نوجوان ہی تھے جنہوں نے مصائب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے علم حق بلند کیا۔

انہی خصوصیات کی بنا پر شاعر مشرق علامہ محمد قبال نوجوانوں سے بہت زیادہ پر امید تھے۔ علامہ اقبال کی ساری امیدیں جوانوں سے وابستہ نظر آتی ہیں۔ ان کا شاہین کا تصور بڑا واضح ہے۔ انہوں نے اپنے بیٹے جاوید کے نام جو نظمیں لکھی ہیں درحقیقت ان میں جوان نسل کے لیے ایک اجتماعی پیغام ہے۔ وہ جوانوں کے لیے دعا کرتے ہیں:

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا! آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کر دے

اسی طرح انھوں نے کہا ہے:

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو علامہ اقبال نوجوان نسل کو جمود کے دور سے نکل کر آگے بڑھنے کے لیے انگیخت کرتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنے زمانے کے جمود کا غم کرتے ہوئے نوجوان نسل کو تبدیلی اور ارتقا میں اپنا کردار ادا کرنے کی طرف راغب کیا ہے۔ نوجوان اصلاح اور انقلاب کو لاتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ نوجوانوں کی کثرت اور مذکورہ نوعیت کی تحریکیں ایک ساتھ رونما ہوتی ہیں۔ پروٹسٹنٹ اصلاح کو تاریخ میں نوجوانوں کی غیر معمولی تحریکوں کی مثال کہا جاتا ہے۔ جیک گولڈ سٹون کا تجزیہ ہے کہ سترہویں صدی کے درمیانی عرصے میں آبادی میں اضافے سے یورشیا میں اور اٹھارویں صدی کے آخری عشروں میں مغربی معاشروں میں دو انقلابی لہریں اٹھیں۔ اٹھارویں صدی کے آخری عشروں میں جمہوری انقلاب کے زمانے میں نوجوانوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا تھا۔ یورپی معاشروں میں انڈسٹریلائزیشن اور نقل مکانی کی وجہ سے نوجوانوں کا سیاسی اثر کم ہوگیا ہے لیکن نوجوانوں کی تعداد بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں بڑھ گئی جس کی وجہ سے یورپ میں کئی تحریکوں کو افرادی قوت حاصل ہو گئی ہے۔

مسلمان نوجوان اسلامی احیا میں بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں۔ جب ستر کی دہائی میں احیا کا آغاز ہوا اور اس میں شدت آ گئی تو عین اسی دوران بڑے مسلمان ملکوں میں پندرہ سے چوبیس سال کی عمر کے افراد کا تناسب مجموعی آبادی میں بہت زیادہ ہو کر بیس فیصد سے بھی بڑھ گیا تھا۔ بیشتر ملکوں میں ستر اور اسی کی دہائی میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا، وہ مجموعی ملکی آبادی کے بیس فیصد سے بھی تجاوز کر گئے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق اکیسویں صدی کی ابتداء میں سعودی عرب میں نوجوانوں کی تعداد بیس فیصد سے تھوڑی ہی کم ہو گی۔ ستر کے عشرے کے آخری سالوں میں ایران کی آبادی میں نوجوانوں کا تناسب بیس فیصد تک پہنچ گیا تھا اور 1989ء میں ایران میں انقلاب برپا ہوا۔ اسی طرح نوے کی دہائی میں الجیریا کی آبادی میں نوجوانوں کا تناسب اتنا ہی بڑھ گیا تھا جس کے نتیجے میں ایف آئی ایس نے عوامی مقبولیت جیت کر انتخابات میں کامیابی حاصل کی۔ زمانہ قریب میں مشرق وسطیٰ کے بعد دیگرے کئی ممالک میں آنے والے انقلابات میں بھی نمایاں کردار نوجوانوں کا ہی رہا ہے۔ ایک نوجوان کی موت سے شروع ہونے والے انقلاب کی اس لہر نے یمن، بحرین، لیبیا اور پھر شام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ نوجوانوں نے مسلسل کوشش جاری رکھی اور کئی آمر حکمرانوں کا تختہ الٹ دیا۔ آج مشرق وسطیٰ آمر حکمرانوں سے پاک نظر آتا ہے۔ مصر میں اس

وقت اخوان المسلمین کی حکومت ہے۔ 1928ء میں اپنے چھے نوجوان ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس جماعت کی بنیاد رکھنے والا استاد حسن البناء رحمۃاللہ بھی ایک بائیس سالہ نوجوان ہی تھا۔ مصری نوجوانوں نے ایک لمبا عرصہ مشقت برداشت کی لیکن اپنے مشن کو نہیں چھوڑا، آج انہی کے دم سے مصر میں اخوان کی حکومت قائم ہے۔ سیموئل پی ہنٹنگٹن لکھتے ہیں کہ مصر میں اسلام پسندوں نے نوجوانوں کا ایک ایسا نیٹ ورک تشکیل دے دیا، جو ہر قسم کی خدمت کرتے ہیں۔ اکثر انقلابی تحریکوں کی طرح یہاں بھی نوجوان طلبہ ہی بنیادی کردار ادا کر رہے ہیں۔ اسلام پسندی اکثر نوجوانوں میں مقبول ہے۔ مصری اسلام پسندوں کا تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان میں کئی خصوصیات ہیں۔ یہی خصوصیات دیگر مسلمان ممالک میں بھی موجود ہیں۔ ان کے پاس نوجوان ہوتے ہیں جن کی عمر بیس سے تیس سال کے دوران ہوتی ہے۔ یہ نوجوان طلبہ ہی اسلام پسندوں کو لیڈر فراہم کرتے ہیں۔ انہی لوگوں نے ایران میں بنیادی کردار ادا کیا تھا اور الجیریا، ترکی اور انڈونیشیا میں تحریکوں کی یہی لوگ امداد کرتے ہیں۔

پاکستان پلاننگ کمیشن کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں اس وقت آبادی کی شرح میں 1.57 فیصد سالانہ اضافہ ہو رہا ہے۔ اس وقت دو تہائی پاکستانیوں کی تعداد 30 سال سے کم عمر کے افراد پر مشتمل ہے۔ صرف یمن اس سلسلے میں آگے ہے جہاں 24 سال سے کم عمر کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ہر 3

پاکستانیوں میں سے ایک 14 سالہ عمر کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ملک کی آبادی دہائیوں تک جوان رہے گی۔ اس کے علاوہ 2020ء تک پاکستان میں 15 سے 24 سال تک عمر کے نوجوانوں کی تعداد میں 20 فیصد اضافہ متوقع ہے جبکہ 2030ء تک پاکستان میں 24 سال سے کم عمر نوجوانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔

جس ملک کے پاس نوجوانوں کی اتنی بڑی تعداد ہو اس کے باوجود اس ملک کا ترقی کی بجائے پستی کی طرف جانا یقیناً بہت نقصان کا باعث اور قابل حیرت بات ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں ہمیشہ نوجوانوں کو غلط استعمال کیا گیا ہے۔ ہر سیاست دان ہر بار کسی نئے ہی نعرے سے میرے ملک کے نوجوانوں کو گمراہ کرتا ہے، ان کے ہاتھوں سے کتاب چھین کا اپنا سیاسی جھنڈا اور اسلحہ تھما دیا جاتا ہے۔ ہمارے سیاست دان بات بات پر محمد علی جناح کا نام تو لیتے ہیں لیکن انکے نقش قدم پر نہیں چلتے۔ قائد محمد علی کو طالب علموں کا مستقبل عزیز تھا، اس لیے انہوں نے کبھی طالب علموں کو سیاست کی بھینٹ نہیں چڑھایا۔انہوں نے ہمیشہ نوجوانوں کی کردار سازی پہ زور دیا، وہ ہمیشہ طالب علموں کو براہ راست سیاست میں حصہ لینے سے منع کرتے تھے۔ جبکہ ہمارے ملک میں تقریباً ہر لیڈر نے نوجوانوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ملک کی حقیقی تعمیر وترقی کے لیے کسی نے بھی ان سے کام نہیں لیا۔ اگر ان نوجوانوں سے ملک کی تعمیر وترقی کے لیے کام لیا جاتا تو آج ہمارا ملک دنیا کے کسی

بھی ترقی یافتہ ملک سے پیچھے نہ رہتا۔

پرویز مشرف کے خلاف بے نظیر اور اکبر بگٹی قتل کیس

جمعہ کو علی الصباح اسلام آباد کے سیکٹر جی نائن ہیں پاکستان کی سابق وزیر اعظم بینظیر بھٹو قتل کے مقدمے میں سرکاری وکیل اور وفاقی تفتیشی ادارے "ایف آئی اے" کے پراسیکوٹر چودھری ذوالفقار علی کی گاڑی پر موٹر سائیکل پر سوار نامعلوم افراد کی جانب سے فائرنگ کی گئی۔ حملے کے بعد چودھری ذوالفقار کو قریب واقع پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز لے جایا گیا جہاں وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ گئے۔ ہسپتال انتظامیہ کے مطابق مرحوم کو 12 گولیاں لگیں۔ چودھری ذوالفقار علی کے چیمبر میں کام کرنے والے وقار احمد کا کہنا ہے کہ اس سے پہلے بھی چودھری ذوالفقار کو دھمکیاں ملتی رہی ہیں اور یہ بات اسلام آباد پولیس کے حکام کے نوٹس میں بھی لائی گئی تھی، تاہم انہوں نے اس ضمن میں نہ تو کوئی سیکورٹی فراہم کی اور نہ ہی ان دھمکیوں کو سنجیدگی سے لیا۔ اسلام آباد پولیس کے حکام اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ چودھری ذوالفقار علی نے ان دھمکیوں سے متعلق سیکورٹی حاصل کرنے کے لیے کوئی درخواست دی تھی۔ نگراں وزیر داخلہ ملک حبیب نے اس واقعہ کا نوٹس لیتے ہوئے اسلام آباد پولیس کے سربراہ کو طلب کرلیا ہے اور ا±ن سے اس بارے میں اب تک ہونے والی تفتیش کے بارے میں آگاہ کرنے کو کہا ہے۔ چودھری

ذوالفقار علی کو جمعہ کے روز انسدِ دہشت گردی کی عدالت میں پیش ہونا تھا جبکہ اس ہی کیس میں اپنی ضمانت کے لیے دائر کی گئی درخواست کے سلسلے میں سابق فوجی صدر پرویز مشرف کی بھی پیشی تھی۔ چودھری ذوالفقار علی کے گارڈ کے مطابق حملہ آوروں کا ٹارگٹ صرف بینظیر قتل کیس میں ایف آئی اے کے پراسیکیوٹر چودھری ذوالفقار ہی تھے۔ واضح رہے کہ ایف آئی اے کے پراسیکیوٹر چودھری ذوالفقار سابق صدر پرویز مشرف کے مقدمہ میں پیشی کے لیے گھر سے نکلے تھے تو ان کو قتل کردیا۔ چودھری ذولفقار کے قتل کے بعد بے نظیر قتل کیس کی سماعت چودہ مئی تک ملتوی کردی گئی ہے۔ واضح رہے کہ پرویز مشرف کو بے نظیر قتل کیس میں سزا کا کافی خطرہ ہے اور اس حوالے سے کافی خوفزدہ بھی ہیں، اسی حوالے سے امریکی صحافی مارک سیگل نے اپنے بیان میں دعویٰ کیا تھا کہ ا±ن کی موجودگی میں سابق فوجی صدر پرویز مشرف کا بینظیر بھٹو کو فون آیا تھا جس میں انہوں نے پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن سے کہا تھا کہ وہ دو ہزار آٹھ میں ہونے والے انتخابات سے پہلے پاکستان واپس نہ آئیں ورنہ ان کی زندگی کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ اس مقدمہ میں سرکاری وکیل چودھری ذوالفقار کا کہنا تھا کہ مارک سیگل بینظیر بھٹو کے مقدمہ میں بطور گواہ عدالت میں پیش ہونے کو تیار ہیں۔ چودھری ذوالفقار کے مطابق اپنے اس بیان میں غیر ملکی صحافی کا کہنا تھا کہ سابق

فوجی صدر پرویز مشرف کے ٹیلی فون کے بعد بینظیر بھٹو پریشان ہو گئی تھیں۔مارک سیگل کے بقول جب انہوں نے بینظیر بھٹو سے پوچھا کہ کس کا فون تھا تو انہوں (بینظیر بھٹو) نے بتایا تھا کہ پرویز مشرف کا فون تھا اور وہ دھمکی آمیز لہجے میں انہیں پاکستان واپس نہ آنے کے بارے میں کہہ رہے تھے۔

دوسری جانب اکبر بگٹی قتل کیس میں بلوچستان پولیس نے پرویز مشرف کو باقاعدہ گرفتار کر لیا ہے۔ ڈی آئی جی کوئٹہ سردار مجید درانی کی سربراہی میں بلوچستان پولیس کی رکنی تفتیشی ٹیم نے 4 گھنٹے تک سابق صدر سے چک شہزاد میں ان کی رہائش گاہ میں 5 قائم سب جیل میں تفتیش کی۔ دریں اثناء سپریم کورٹ نے سابق صدر پرویز مشرف کے بغاوت کیس کی سماعت پیر تک کے لے ملتوی کردی جبکہ جسٹس جواد ایس خواجہ نے ریمارکس دے ہیں کہ ہم نے آئین و قانون کے مطابق انصاف کرنا ہے، پرویز مشرف کے وکلاء کو ہم سے انصاف کی توقع نہیں تو پھر یہ کیس افغانستان سے جج بلوا کر ان کے روبرو رکھ دیں، عدالت یقین دلاتی ہے کہ پرویز مشرف کو انصاف کی فراہمی کے لے ہر طرح کی صفائی اور دلائل کا موقع دیں گے ، ہمارا کوئی حکم ان کے ٹرائل پر بھی اثرانداز نہیں ہوگا۔ جسٹس جواد ایس خواجہ کی سربراہی میں 3 رکنی بنچ نے کیس کی سماعت کی۔ کوئٹہ کی انسداد دہشت گردی عدالت نے نواب اکبر بگٹی قتل کیس میں نامزد ملزموں آفتاب شیرپاؤ اور شعیب نوشیروانی کو بھی آئندہ سماعت پر پیش ہونے کی ہدایت کی ہے۔

کرائمز برانچ کے تفتیشی افسر نے عدالت میں تحریری رپورٹ پیش کی۔ انسداد دہشت گردی عدالت کے جج محمد اسماعیل بلوچ نے نواب اکبر بگٹی قتل کیس کی سماعت کرتے ہوئے وکلا صفائی کو مقدمے میں نامزد ملزموں سابق وفاقی وزیر داخلہ آفتاب احمد شیرپاؤ اور سابق صوبائی وزیر داخلہ شعیب نوشیروانی کو اگلی سماعت پر عدالت میں حاضر ہونے کی ہدایت کی۔ دونوں ملزم اس وقت عبوری ضمانت پر ہیں۔ کوئٹہ کی انسداد دہشتگردی کی خصوصی عدالت میں اکبر بگٹی قتل کیس کی سماعت ہوئی۔پراسیکیوٹر جنرل بلوچستان حسن کاکڑ نے بتایا کہ اکبر بگٹی کے قتل کا حکم پرویز مشرف نے جاری کیا تھا اسی بنیاد پر اس مقدمے میں وہ شامل تفتیش کیے گئے ہیں اور انہیں باقاعدہ طور پر گرفتار بھی کرلیا گیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ پولیس کی تحقیقاتی ٹیم نے پرویز مشرف کا اس مقدمے کے حوالے سے بیان ریکارڈ کرلیا ہے جس کے بعد عدالت میں اس مقدمے کو جاری رکھا جائے گا۔ اسلام آباد پولیس کے ذرائع نے بھی اس امر کی تصدیق کی ہے کہ پرویز مشرف سے بلوچستان پولیس کی تحقیقاتی ٹیم نے سب جیل میں تحقیقات کی ہے۔ قبل ازیں پرویز مشرف سے ایف آئی اے نے بے نظیر بھٹو قتل کیس، لال مسجد سمیت دیگر مقدمات میں انہیں تحقیقات شروع کر رکھی ہے۔ علاوہ ازیں ججوں کی نظربندی کے مقدمے میں انہیں جوڈیشل کیا گیا ہے۔ سپریم کورٹ میں ان کے خلاف آئین توڑنے اور حلف سے روگردانی کے الزامات پر غداری کے مقدمے بھی زیر سماعت ہیں۔

یادرہے کہ بلوچ رہ نما نواب اکبر بگٹی سابق جنرل صدر کے حکم پر ضلع ڈیرہ بگٹی میں ایک فوجی کریک ڈاؤن کے دوران 26 اگست، 2006ء کو ایک غار میں مارے گئے تھے۔ان کے قتل کے الزام میں سابق صدر اور ان کے ساتھ شریک اقتدار شخصیات کے خلاف مقدمہ درج کیا گیا تھا۔وہ اس وقت اسلام آباد میں اپنے محل نما فارم ہاؤس میں نظر بند ہیں۔ گزشتہ جمعرات کو پاکستان کے وفاقی تحقیقاتی ادارے (ایف آئی اے) نے ملزم پرویز مشرف کو بے نظیر بھٹو کے قتل کیس میں باضابطہ طور پر گرفتار کر لیا تھا۔تب جنرل پرویز مشرف ملک کے صدر تھے۔انسداد دہشت گردی کی عدالت نے فروری 2011ء میں انھیں اس کیس میں ماخوذ قرار دیا تھا۔سابق فوجی صدر اس وقت اسلام آباد کی انسداد دہشت گردی کی عدالت کے حکم پر اپنے پر تعیش گھر میں ہیں۔

الیکشن کے لیے ملک بھر میں حفاظتی انتظامات مکمل

پاکستان میں گیارہ مئی کو عام انتخابات ہونے جارہے ہیں۔ جہاں تمام سیاسی جماعتیں انتخابات کی تیاریوں میں مگن ہیں وہیں نگران حکومت اور الیکشن کمیشن بھی انتخابات کے صاف، شفاف اور پرامن انعقاد کے لیے تیاریوں میں جُتے ہوئے ہیں۔انتخابات میں فتح حاصل کرنا سیاسی جماعتوں کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے جبکہ انتخابات کے انعقاد کے لیے پرامن ماحول فراہم کرنا انتظامیہ کے لیے کسی بڑے چیلنج سے کم نہیں۔ کیونکہ اس بار ہونے والے انتخابات گزشتہ سالوں میں ہونے والے انتخابات سے بہت مختلف ہیں۔آئے روز سیاسی جماعتوں کے دفاتر پر بم دھماکوں اور حملوں نے بے اطمنانی اور غیر یقینی کی کیفیت پیدا کردی ہے، لیکن انتظامیہ کا کہنا ہے کہ پرامن انتخابات کے تمام انتظامات مکمل کرلیے گئے ہیں۔

وزیراعظم میر ہزار خان کھوسو نے کہا ہے کہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ آزادانہ صاف شفاف انتخابات کا انعقاد نگران حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے، غیر جانبدارانہ انتخابات کے انعقاد کو یقینی بنانے کے لیے حکومت تمام آئینی و قانونی اقدامات اٹھا رہی ہے۔ الیکشن کمیشن کی شراکت سے 11 مئی کے عام

انتخابات کے لیے اقدامات کیے جا رہے ہیں، عام انتخابات مقررہ وقت پر ہوں گے۔ ملک بھر میں امن و امان قائم کرنے کے معاملے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ صاف شفاف آزادانہ انتخابات کے لیے محفوظ ماحول، عوام، امیدواروں اور حساس پولنگ اسٹیشنوں کی حفاظت کو یقینی بنایا جا رہا ہے۔ ووٹرز کو سازگار ماحول کی فراہمی کے لیے فوری رسپانس فورس کی تعیناتی سمیت دیگر موثر اقدامات کیے جائیں گے۔ خفیہ اداروں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ممکنہ ناخوش گوار واقعات کے بارے خفیہ معلومات کے حصول کے لیے چوکس رہیں۔ عوام سے بھی اپیل ہے کہ وہ بھی اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور اپنے ارد گرد مشکوک افراد کی موجودگی کی فوری طور پر پولیس کو اطلاع کریں۔

وزیراعظم نے کہا کہ ہم عوام کو یقین دلاتے ہیں کہ سیکورٹی اقدامات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جائے گی۔

وزیر داخلہ ملک حبیب کا کہنا تھا کہ حساس اور حساس ترین پولنگ اسٹیشنز پر قانون نافذ کرنے والے اداروں کی خدمات لیں گے۔ فوج کی خدمات مل گئی ہیں۔ کوئیک رسپانس کے طور پر انہیں استعمال کرینگے۔ کابینہ نے ملک کی مجموعی امن و امان کی صورتحال پر غور و خوص کیا، کابینہ کو بتایا گیا کہ صوبائی حکومتوں اور سیکورٹی اداروں کی مدد سے سیکورٹی کا ایسا نظام مرتب کیا گیا ہے جس کی بدولت ملک بھر میں انتخابات پرامن ماحول میں منعقد کیے جا سکیں۔ وفاقی اور صوبائی حکومتیں تمام امیدواروں اور ووٹروں کے تحفظ کے لیے اہم

اقدامات کر رہی ہیں، بنیادی طور پر پولیس قومی رضاکار اور خصوصی پولیس انتخابی عمل کے حوالے سے امن و امان کو برقرار رکھنے کے ذمہ دار ہیں، سول انتظامیہ کی مدد کے لیے ملک بھر میں 70 ہزار فوجی جوانوں کو تعینات کیا گیا ہے، فوج الیکشن میٹریل کو مختلف اضلاع تک پہنچانے میں مدد دے گی۔

الیکشن کمیشن کے مطابق بھی 11 مئی کو عام انتخابات صاف، شفاف انعقاد کے لیے تمام تیاریاں مکمل کرلی گئی ہیں۔ملک بھر میں پولنگ سکیم کو حتمی شکل دے دی گئی ہے۔ انتہائی حساس پولنگ سٹیشن پر 9، حساس پولنگ سٹیشن پر 7 اور عام پولنگ سٹیشن پر 5 سیکورٹی اہلکار تعینات کیے جائیں گے۔ الیکشن کمیشن کی جانب سے جاری کیے گئے اعداد و شمار کے مطابق 32 ہزار 360 پولنگ اسٹیشنوں کو حساس قرار دیا ہے جبکہ ملک بھر میں کل 69 ہزار 875 پولنگ سٹیشن قائم کیے جائیں گے۔ 12 ہزار 716 پولنگ اسٹیشنز حساس ترین جبکہ 19 ہزار 644 حساس ہیں۔ پنجاب میں کل 40 ہزار 78 میں سے چار ہزار 463 پولنگ اسٹیشنز حساس ترین، 8 ہزار 439 حساس، سندھ میں ہزار پولنگ اسٹیشنوں میں سے چار ہزار 176 حساس ترین 5 ہزار 436 حساس، 15 خیبر پختونخوا میں 9300 پولنگ اسٹیشنوں میں 2142 حساس ترین اور تین ہزار حساس قرار دیے گیے ہیں۔ بلوچستان میں قائم تین ہزار 678 میں سے ایک 353 ہزار 783 حساس ترین اور ایک ہزار 235 حساس جبکہ فاٹا میں قائم ایک ہزار 269 پولنگ اسٹیشنوں میں سے 134 حساس ترین قرار دیے

گئے ہیں۔

وزیر اطلاعات و نشریات عارف نظامی نے کہا ہے کہ 11 مئی کو پاکستان کی دوسرے ممالک سے ملنے والی تمام سرحدیں مکمل طور پر سیل کردی جائیں گی تاکہ کوئی دراندازی نہ ہو۔ انتخابات کی مانیٹرنگ کے لیے 158 سے زائد غیر ملکی مبصرین کو ویزے جاری کیے جاچکے ہیں، مزید بھی آرہے ہیں۔ الیکشن پر 72 گھنٹے کے لیے لوڈ شیڈنگ نہیں ہوگی، ہمارا کام روزانہ کی بنیاد پر حکومتی امور چلانا ہے۔ کابینہ نے ملک میں حساس علاقوں میں فوج کی تعیناتی کے لیے وزارت دفاع کی طرف سے مطلوبہ تعداد میں فوجی اہلکاروں کی فراہمی پر اطمینان کا اظہار کیا، فوج سمیت، کوئی بھی قانون نافذ کرنے والا ادارہ پولنگ اسٹیشنوں کے اندر تعینات نہیں ہوگا، سندھ، پنجاب، خیبر پی کے، بلوچستان میں فوج کی تعیناتی کا عمل مکمل ہوگیا ہے۔ ہماری ذمہ داری منصفانہ، غیر جانبدارانہ اور شفاف انتخابات کا انعقاد ہے جسے ہم پورا کر رہے ہیں۔ ووٹرز کو گھروں سے باہر لانا بڑے چیلنجز ہیں۔ یہ بات قابل اطمینان ہے کہ کہ فوج کی جتنی تعداد مانگی گئی تھی وہ دے دی گئی ہے۔ صوبوں کو بروقت معلومات دینے اور اداروں میں تعاون کو بہتر بنانے پر زور دیا گیا۔ عام انتخابات کے انعقاد کے موقع پر مسلح فورسز کے کم سے کم 70 ہزار اہلکاروں کو چاروں صوبوں میں تعینات کیا ہے۔ پولنگ کے پرامن انعقاد کو یقینی بنانے کے لیے آرمی کے علاوہ رینجرز، ایف سی

اور پولیس اہلکار تعینات ہوں گے اور آرمی ایوی ایشن ملک بھر میں 50 ہیلی کاپٹروں کے ذریعے پولنگ کے عمل کی نگرانی کرے گی۔ان کے علاوہ مزید ہزاروں دستے ہمہ وقت چوکس رہیں گے اور کسی بھی جگہ گڑبڑ کی صورت میں ان کو طلب کیا جاسکے گا۔

واضح رہے کہ اس بار انتخابات کافی خوف کے سائے میں منعقد ہورہے ہیں، جہاں سیاسی پارٹیاں اور الیکشن میں حصہ لینے والے خوف کا شکار ہیں وہیں عوام بھی پریشانی میں مبتلا ہے۔چند روز میں تقریباً تمام سیاسی پارٹیوں کے دفاتر پر حملے ہوچکے ہیں جن متعدد افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔صرف کراچی میں الیکشن سے قبل انتخابی سرگرمیوں کے دنوں کے دوران اب تک 9 بم دھماکے ہو چکے ہیں ، ان بم دھماکوں کے نتیجے میں 11 افراد جاں بحق اور161 زخمی ہوئے جبکہ املاک کو بھی نقصان پہنچا۔ان حملوں 31 میں الیکشن میں حصہ لینے والے امیدوار مارے بھی گئے ہیں اور کئی امیدوار زخمی بھی ہوئے۔ان کے علاوہ پورے ملک میں حملوں اور بم دھماکوں کی یہی کیفیت ہے،آئے روز خیبر پختونخوا، بلوچستان اور سندھ میں امیدواروں پر اور تمام سیاسی جماعتوں کے دفاتر پر حملے ہورہے ہیں، جس سے عوام شدید پریشان ہیں، عوام کا کہنا ہے ان حالات میں ووٹ ڈالنے کے لینے پولنگ سٹیشن جانا کسی خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔اس لیے اس بار الیکشن کمیشن کو سیکورٹی کے حوالے سے کچھ زیادہ انتظامات کرنا پڑ رہے

ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ انتخابات کے پر امن انعقاد کے لیے انتظامیہ کہاں تک کامیاب ہوتی ہے؟

کراچی: لسانیت کی بنیادوں کو ڈھانا ہوگا

ملک میں سیاسی گہما گہمی عروج پر ہے، حکومت الیکشن کی تیاریوں میں پوری طرح مصروف نظر آ رہی ہے، اسی حوالے سے اتوار کے روز نگران وزیر داخلہ ملک حبیب خان کراچی آئے، ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین اور گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد سے ٹیلیفونک رابطہ کیا جس میں کراچی میں امن و امان کی صورتحال سمیت دیگر اہم امور پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ وزیر داخلہ نے الطاف حسین کو یقین دہانی کرائی کہ وہ کراچی میں اعلیٰ سطحی اجلاس میں تمام صورتحال کا بغور جائزہ لیں گے اور کراچی میں امن و امان کو یقینی بنانے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جائے گی۔ نگران وفاقی وزیر داخلہ ملک حبیب کا کہنا تھا کہ انتخابات کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کسی کو بھی امن و امان کو جواز بنا کر الیکشن ملتوی نہیں کرنے دیں گے۔ ملک حبیب نے کہا ہے کہ مخصوص مائنڈ سیٹ کو بدلنے میں وقت لگے گا۔ انتخابات کے موقع پر ووٹر ٹرن آؤٹ اچھا ہوگا، کراچی میں ہونیوالے دھماکوں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ امن و امان کی صورتحال پر نظر رکھنے کیلئے آرمی اور ایف سی بھی تعینات کی گئی۔ کراچی سمیت ملک بھر میں پرامن انتخابات کیلئے نگران حکومت ہر ممکن اقدامات کر رہی ہے کراچی میں قیام امن کیلئے پولیس اور رینجرز کو ہائی الرٹ کر دیا گیا ہے۔ دریں اثناء ملک حبیب نے کراچی میں 12 روز میں سیاسی جماعتوں کے دفاتر پر 9 بم

دھماکوں کے حوالے سے کراچی میں فول پروف سیکورٹی پلان کی منظوری دیدی۔ حساس پولنگ سٹیشنوں پر فوج تعینات کرنے پر غور ہوگا۔ الیکشن ملتوی نہیں ہونے دیں گے۔ ضرورت پڑنے پر فوج تعینات کریں گے۔

ان کا کہنا تھا کہ حملے صرف ایم کیو ایم پر ہی نہیں مسلم لیگ (ن) اور جماعت اسلامی سمیت دوسری جماعتوں پر بھی ہورہے ہیں۔ واضح رہے کہ اگر چند روز کے اخبارات اٹھا کر دیکھ لیے جائیں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بم دھماکوں اور حملوں سے تمام جماعتیں ہی متاثر ہیں۔ کراچی میں کئی بار جماعت اسلامی کے دفاتر پر حملے ہوچکے ہیں جن میں جماعت اسلامی کے کئی کارکن جاں بحق اور کئی زخمی بھی ہوئے ہیں، صوبہ خیبر پختونخوا، بلوچستان میں بھی جماعت اسلامی کے کئی دفاتر پر حملے ہوچکے ہیں۔ اسی طرح جمعیت علماء اسلام کے دفاتر، امیدواروں اور کارکنوں پر کئی حملے ہوچکے ہیں، جن میں کئی افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور کئی زخمی بھی ہوئے ہیں، پیر کے روز کرم ایجنسی میں ہونے والا تازہ حملہ اس بات کی واضح دلیل ہے جس میں دس افراد جاں بحق اور چالیس سے زائد زخمی ہوئے ہیں، جمعیت علماء اسلام نظریاتی بھی ان حملوں سے محفوظ نہیں ہے، ان کے امیدواروں پر بھی کئی حملے ہوئے ہیں، تحریک انصاف اور مسلم لیگ نون بھی ان حملوں سے بری طرح متاثر ہوئی ہیں۔ چند مخصوص جماعتوں کی جانب سے دھماکوں اور حملوں کا شور درست نہیں ہے۔ ملک حبیب خان کا کہنا تھا کہ

یقین دلاتا ہوں کہ کراچی کے حالات میں بہتری آئے گی دھماکوں کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ ملک بیں صاف و شفاف انتخابات کرانا ہماری ذمہ داری ہے۔ امن و امان کی صورتحال خراب رہی تو خدشہ ہے ووٹرز الیکشن کے دن نہ نکلیں۔ انتخابات کے موقع پر ووٹ ڈال کر ہم پاکستان کو ایک خوشحال مستقبل دے سکتے ہیں۔

نگراں وزیر داخلہ نے زور دیتے ہوئے کہا کہ 1947ء میں پاکستان آنے والوں کو اب مہاجر کی بجائے پاکستانی بن جانا چاہیے، حالات کی بہتری کے لیے یہ لازم ہے۔ 18 اور 20 برسوں کے دوران پیدا ہونے والی اس خرابی کو جلد ختم کرنا ہوگا، توقع ہے کہ حالات میں جلد بہتری آئے گی۔ انہوں نے کہا کہ محمد علی جناح نے پاکستان بناتے وقت جو بنیاد فراہم کی تھی لسانیت سے بچتے ہوئے اسی پر قائم رہنا ملکی بقاء کے لیے لازم ہے، اگر ہم اس بنیاد سے ہٹ کر لسانیت کی بنیاد پر خود کو تقسیم کریں گے تو یہ پاکستان کی سلامتی کے لیے خطرناک ہوگا۔ واضح رہے کہ کراچی میں ایک لمبے عرصے سے لسانی بنیادوں پر لڑائی جاری ہے، ہر سال ہزاروں لوگ لسانیت کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دو ہزار بارہ پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں ہلاکتوں کے حوالے سے بدترین سال رہا ہے اور دو ہزار کے لگ بھگ افراد کو شہر میں سیاسی اور لسانی بنیادوں پر قتل کیا گیا ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری تنظیموں کے

مطابق گزشتہ تمام برسوں کے مقابلے میں سال دو ہزار بارہ میں قتل کیے جانے والے افراد کی تعداد زیادہ رہی۔ مقتولین میں پچاس فیصد سے زیادہ ہدف بنا کر قتل کیے گئے۔ کراچی میں قتل ہونے والے افراد کے اعداد و شمار سرکاری سطح پر پولیس اور نجی سطح پر بعض غیر سرکاری تنظیمیں جمع کرتی ہیں جن میں انسانی حقوق کمیشن آف پاکستان بھی شامل ہے۔ انسانی حقوق کمیشن کی سربراہ زہرہ یوسف کے مطابق شہر میں ٹارگٹ کلنگ کے پیچھے سیاسی اور لسانی عوامل کارفرما ہیں اور اس لسانی و سیاسی لڑائی کے دوران ایسے لوگ بھی مارے جاتے ہیں جن کا کسی گروہ سے تعلق نہیں ہوتا۔ صوبائی وزارتِ داخلہ کے معاونِ خصوصی شرف الدین میمن کا بھی کہنا تھا کہ ایسے شواہد واضح ہیں جن میں لسانی بنیادوں پر لوگوں کو قتل کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی متعدد سیاسی رہنماء یہ بات کہہ چکے ہیں کہ کراچی میں لسانی اور سیاسی لڑائی جاری ہے، جسے ختم ہونا چاہیے۔

یاد رہے کہ کراچی کی آبادی 15 ملین کے قریب ہے جبکہ سالانہ شرح پیدائش 4.8 فی صد ہے اگر اس کا قومی شرح پیدائش سے موازنہ کیا جائے تو ملکی شرح 3.0 فی صد ہے کراچی میں آبادی کی بڑھتی ہوئی شرح کی بنیادی وجہ وہ ہجرت ہے جو ملک کے چاروں، صوبوں سے اس شہر کی جانب جاری ہے۔ ایک اندازے کے مطابق 35,000 خاندان یا 200,000 افراد ہر سال اس عروس البلاد میں باہر سے آ کر آباد ہوتے ہیں، ایک حالیہ اعداد و شمار کے مطابق مہاجرین کی آبادی 55 فی صد، پنجابی

فی صد، پشتون 9 فی صد، سندھی 7 فی صد، بلوچ 4 فی صد اور دیگر قومیتیں 12 14 فی صد کی شرح سے موجود ہیں۔ کراچی کا رقبہ 3,336 مربع کلو میٹر پر پھیلا ہوا ہے جو کہ 18 قصبات، 6 عدد کنٹونمنٹ اور دیگر ایجنسیوں میں منقسم ہے۔ شہری علاقہ 1800 مربع کلو میٹر پر مشتمل ہے اس شہر کی وسیع ساحلی پٹی مغرب میں Cape Monze سے شروع ہو کر مشرق میں گھارو تک آتی ہے۔اقتصادی اور مالی سرگرمیوں کا مرکز کراچی، پاکستان کی معیشت میں 60 فی صد کا حصہ دار ہے۔ یہاں مرکزی اسٹیٹ بینک آف پاکستان (SBP)، اسٹاک ایکسچینج اور قومی اور بین الاقوامی کمپنیوں کے ہیڈ آفس موجود ہیں اس کے علاوہ بینک، مالیاتی ادارے اور جائیداد کی خرید و فروخت کی کمپنیوں کا جال بھی پھیلا ہوا ہے۔ مزید براں بڑے نشریاتی اداروں کے ہیڈ کوارٹر بھی کراچی میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ وفاقی حکومت اعداد و شمار کے مطابق کراچی قومی GDP کا 15 فی صد حصہ مہیا کرتا ہے۔ مینوفیکچرنگ سیکٹر میں 42 فی صد اور وفاقی حکومت کا کل 25 فی صد محصول ادا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے صنعتی منصوبے بھی رات دن کام کر رہے ہیں جن میں سندھ انڈسٹریل اینڈ ٹریڈنگ اسٹیٹ (SITE) قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی مصنوعات میں ٹیکسٹائل، کیمیکل، اسٹیل اور مشینری سے لے کر بے شمار دوسری پیداوار شامل ہیں۔

کراچی ملک کا سب سے اہم شہر ہونے کے باوجود صرف لسانی اور سیاسی لڑائی کی

وجہ سے امن کا قیام نہیں کرپاتا، آئے روز لسانی لڑائی سے ہڑتالیں اور سوگ سے ملک کی معاشی حالت دن بدن گرتی جارہی ہے، انہی ہڑتالوں اور روز روز کے ہنگاموں کی وجہ سے رواں مالی سال کوئی بھی اہم معاشی ہدف حاصل نہیں کیا جاسکا۔ معاشی ترقی کے ہدف پر دوسری مرتبہ نظرثانی کرتے ہوئے اس کی شرح 4.3 فیصد سے کم کرکے 3.59 فیصد مقرر کردی گئی۔ اگر کراچی کو امن کا گہوارہ بنانا ہے تو وزیر داخلہ کی بات پر عمل کرتے ہوئے لسانیت کو دفن کرکے سب کو مسلمان اور پاکستانی بننا ہوگا۔

سربجیت کی موت کا بزدلانہ انتقام

26اپریل کو کوٹ لکھپت جیل میں دو قیدیوں نے بھارتی دہشت گرد جاسوس سربجیت سنگھ پر حملہ کرکے اسے شدید زخمی کردیا، پاکستانی پولیس نے حملے کے فوری بعد ملزمان سے تحقیقات شروع کیں، سربجیت سنگھ پر حملے کا مقدمہ تھانہ کوٹ لکھپت میں درج ہوا۔ ایف آئی آر کے مطابق سربجیت سنگھ کوٹ لکھپت جیل کے بلاک 7 ای میں بند تھا جبکہ حملہ کرنے والے سزائے موت کے قیدی عامر بلاک سیون بی اور مدثر سیون اے میں بند تھے۔ ہیڈ وارڈر احسان الحق اور امدادی وارڈر صفدر حسین بلاک 7 کے قیدیوں کو بند کر رہے تھے، اچانک عامر اور مدثر نے سربجیت سنگھ پر حملہ کر دیا۔ وارڈرز نے بچانے کی کوشش کی تو مدثر نے ان پر بھی حملہ کر دیا۔ حملہ آور مدثر اور عامر کا کہنا تھا کہ 29اپریل کو بھارتی وفد کی پاکستان آمد اور سربجیت سنگھ کی رہائی کی اطلاعات پر اسے تشدد کا نشانہ بنایا ہے۔

ڈسپنسر اور اسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ نے فوری میڈیکل آفیسر جیل کی زیر نگرانی سربجیت کو جناح ہسپتال منتقل کردیا اور اسے طبّی امداد دینا شروع کردی، پاکستان نے سربجیت کے اہل خانہ کو سربجیت سنگھ سے ملنے کے لیے تمام سہولیات فراہم

کیں، ڈاکٹرز نے اسے بچانے کی بھرپور کوشش کی لیکن وہ جان کی بازی ہار گیا۔ جونہی بھارت میں سربجیت سنگھ پر قاتلانہ حملے کی خبر پہنچی تو بھارتی سرکار نے اسے حادثہ تسلیم کرنے کی بجائے سفارتی سطح پر حکومت پاکستان کو اس کا ذمہ دار قرار دیا، جبکہ بھارت کے میڈیا نے پاکستان کے خلاف عوام میں اشتعال پیدا کرنا شروع کر دیا۔ بھارت کے صحافی اور سابق رکن پارلیمان سنتوش بھاٹیہ نے 4 مئی کو وائس آف امریکا کی نشریات میں بڑے غصیلے لب ولہجے میں سربجیت پر قاتلانہ حملے کو حکومت پاکستان کی گھناؤنی سازش قرار دیا اور کہا کہ بھارت کی جیلوں میں تو پھانسی یا عمر قید پانے والے قیدی کو دیگر تمام قیدیوں سے الگ تھلگ رکھا جاتا ہے حتیٰ کہ انہیں دوسرے پھانسی یا عمر قید کے سزا یافتہ قیدیوں سے بھی ملنے نہیں دیا جاتا، پاکستان میں یہ کیسا قانون ہے؟ سنتوش بھاٹیہ نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ دعویٰ کیا کہ سربجیت بھارت کا جاسوس ہرگز نہیں تھا، وہ بھٹک کر سرحد پار پاکستان میں داخل ہوگیا تھا، جسے پاکستانی پولیس نے لاہور میں بم دھماکے کی واردات میں پھنسادیا۔ حالانکہ سربجیت کے مقدمے کی ہر مرحلے پر عدالتی کارروائی کی گئی تھی، حتیٰ کہ اسے عدالت عظمیٰ میں اپیل کی اجازت دی گئی لیکن فاضل عدالت نے اس کی سزا برقرار رکھی۔ آخر سنتوش بھاٹیہ اتنی دور بیٹھے ہوئے پاکستان کی عدلیہ کے فیصلے کو کیسے چیلنج کر سکتے ہیں؟۔

جب سربجیت سنگھ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور اس کی لاش کو بھارت منتقل کیا گیا تو بھارت نے اسے ایک ہیرو کا درجہ دیا اور 14 پاکستانیوں کے قاتل کیلیے سرکاری اعزاز کا بھی اہتمام کیا گیا اور ریاستی پولیس فورس نے اسے سلامی دی اور مخصوص سرکاری موسیقی بجائی گئی، حکمراں جماعت کانگریس پارٹی، اپوزیشن بھارتیہ جنتا پارٹی اور ریاست میں حکمراں جماعت اکالی دل کے سینیئر رہنماؤں نے سربجیت کی آخری رسومات میں شرکت کی۔ ریاست پنجاب کی حکومت نے سربجیت سنگھ کو شہید کا درجہ دیا اور اس کی لاش کو قومی پرچم میں لپیٹ کر آخری رسومات کے لیے جا یا گیا۔ ریاستی حکومت نے سرکاری سطح پر تین روز تک سوگ منانے کا بھی اعلان کیا۔ مرکزی حکومت نے سربجیت سنگھ کے اہل خانہ کو 25 لاکھ روپے جبکہ ریاستی حکومت نے ایک کروڑ روپے دینے کا اعلان کیا۔ بھارت میں کئی حلقوں نے سوال اٹھایا کہ آخر سربجیت کیا تھا جو اس کے لیے سرکاری اعزاز کا اہتمام کیا گیا۔ حکومت کی ان تمام کارروائیوں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ سربجیت سنگھ ضرور حکومت کی کوئی نہ کوئی ذمے داری نبھا رہا تھا ورنہ جنوری میں جب ایک اور بھارتی قیدی چمیل سنگھ کی لاش پاکستان سے بھارت لائی گئی تھی تو حکومت نے اس کے لیے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

جس وقت پاکستان کے چودہ افراد کی ہلاکت کے جرم میں سزا یافتہ بھارتی جاسوس

سربجیت سنگھ کی لاش بھارتی پنجاب میں اس کے آبائی علاقے میں جلائی جارہی تھی، اس وقت 3 مئی کو مقبوضہ کشمیر کی جیل میں عمر قید کے سزایافتہ پاکستانی قیدی ثناءاللہ پر سزایافتہ بھارتی فوجی نے کلہاڑی سے حملہ کیا، جس کے باعث ثناءاللہ کا مغز باہر نکل آیا۔ وہ قومے میں چلا گیا اور بالآخر شہید ہوگیا۔ یہ کم ظرف، بزدل، فرقہ پرست بھارتی حکومت کا بھونڈا انتقام تھا، اگر سربجیت پر قاتلانہ حملے سے قبل سری نگر کی جیل میں ثناءاللہ پر کسی سزایافتہ ہندو فوجی نے کلہاڑی کا وار کیا ہوتا تو اسے جیل کے عملے کی غفلت قرار دیا جاسکتا تھا لیکن سربجیت پر حملے کے فوراً بعد اسی نوعیت کا حملہ ہرگز حادثہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یہ سیدھا سادا بزدلانہ انتقام ہے، جس کی اعلیٰ ترین سرکاری سطح پر منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ پاکستانی وزیر اطلاعات عارف نظامی نے پریس کانفرنس اس بات کا اظہار کیا ہے کہ سربجیت سنگھ کا واقعہ اتفاقی جبکہ پاکستانی قیدی ثناءاللہ پر حملہ سوچا سمجھا ہے۔ ثناءاللہ پر ہونے والا حملہ اس قدر شدید تھا کہ اس کے معالجین کے مطابق سر پر کلہاڑیوں کے وار کے باعث ثناءاللہ مسلسل قومہ میں تھے۔ ہفتے کی صبح 3 افراد پر مشتمل پاکستانی سفارت خانے کے اہلکاروں نے چندی گڑھ کے ہسپتال میں زیرعلاج ثناءاللہ کی عیادت کی۔ سفارتی ذرائع کے مطابق ثناءاللہ پر حملہ انتہائی بہیمانہ طریقے سے کیا گیا۔

دوسری جانب پاکستان کے نگران وزیراعظم میر ہزار خان کھوسو نے اپنے بھارتی

ہم منصب منموہن سنگھ سے رابطہ کرکے ان سے قیدی ثناء اللہ پر تشدد کے واقعہ کی تحقیقات کا مطالبہ کیا اور کہا کہ بھارت کی جیلوں میں قید دیگر پاکستانی قیدیوں کی حفاظت بھی یقینی بنائی جائے۔ سید علی گیلانی نے پاکستانی قیدی ثناء اللہ پر حملے کو ایک سازش قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان میں سربجیت سنگھ پر ساتھی قیدیوں کے حملے کے بعد کشمیری اور پاکستانی قیدیوں کی حفاظت بارے بھارتی دعوؤں کا پول کھل گیا ہے۔اس حملے سے سنتوش بھاٹیہ کے اس دعوے کی حقیقت بھی کھل جاتی ہے کہ بھارتی قید خانوں میں سنگین جرائم میں ملوث حساس نوعیت کے قیدیوں کو بالکل الگ تھلگ رکھا جاتا ہے۔ اگر یہ دعویٰ سچا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ بھارتی حکام نے ثناء اللہ کو قتل کرانے کی سازش کی تھی، اس لیے دوسرے قیدیوں کو ان تک رسائی کے مواقع فراہم کردیے اور عین ممکن ہے کہ مبینہ سزایافتہ بھارتی فوجی کو حکومت نے ثناء اللہ کو قتل کرنے کے لیے تیار کیا ہو۔ یوں بھی بادی النظر میں سری نگر جیل میں کی گئی واردات منصوبہ بندی معلوم ہوتی ہے۔جب کم ظرفی، تنگ نظری، تعصب، عداوت پوری قوم میں سرایت کر گئی ہو تو امن کی آشا کیسے کی جاسکتی ہے؟

اس ذہنیت کا مورد الزام صرف جنونی بھارتیوں کو ٹھہرانا درست نہیں ہے، کیونکہ جب پاکستان کی مسلم ریاست کا ذکر آتا ہے تو ہر بھارتی ہندو خواہ وہ کانگریسی ہو، سوشلسٹ ہو یا کمیونسٹ جنونی ہوجاتا ہے۔ قائداعظم محمد علی

جناح کا مشہور قول ہے کہ ہندو کو ذرا خراش لگاؤ تو تم اسے فرقہ پرست پاؤ گے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ جو قوم کرکٹ اور ہاکی جیسے کھیلوں کے مقابلے میں تعصب، نفرت اور تنگ نظری برتے، اس سے بااعتماد تعلقات کے سے قائم کیے جا سکتے ہیں؟ آخر بابری مسجد کی شہادت میں راجیو گاندھی، نرسمہاراؤ اور ایل کے ایڈوانی سب شریک تھے۔ گجرات کے وزیراعلیٰ نریندر مودی نے 2002ء میں احمد آباد میں منصوبہ بندی کے ساتھ مسلمان آبادی کی تطہیر کا عمل شروع کیا، جس میں دو ہزار بے گناہ مسلمان موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ ان جنونیوں نے کانگریس پارٹی کے رکن پارلیمان احسان جعفری کو کاٹ کر ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور جب ان کی بیوہ بیگم ذکیہ جعفری نے ان کے قتل کا مقدمہ درج کرایا تو انہیں انصاف نہیں ملا۔ اسی بھارت سے قطعاً بعید نہیں کہ اس نے اپنے اسی روایتی تعصب کی بنا پر پاکستانی قیدی ثناء اللہ کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا ہو۔

جمعیت علماء اسلام بھی نشانے پر

انتخابات سر پر آ پہنچے، صرف تین دن بعد ہی بلند و بانگ نعروں کی قلعی کھل جائے گی، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا، ہر سیاستدان اپنے حلقے میں مدمقابل کو چت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ایک ایک دن میں کئی کئی جلسے عوام کو اپنا گرویدہ بنا کر ووٹ ہتھیانے کے لیے سر توڑ کوشش کی جارہی ہے، لیکن انتخابات کے اس سارے ماحول میں خوف و دہشت کا راج بھی نمایاں نظر آ رہا ہے۔ کئی دن سے سیاسی جماعتوں کے امیدواروں اور دفاتر پر حملوں کا سلسلہ جاری ہے۔ان حملوں میں کئی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور کئی عمر بھر کے لیے اعضاء گنوا چکے ہیں۔

اس کی تازہ مثال گزشتہ دو دنوں میں جمعیت علماء اسلام کے جلسوں پر چند گھنٹوں میں ہونے والے دو انتہائی تباہ کن دھماکے ہیں۔پہلا دھماکا وسطی کرم ایجنسی کے علاقے سیواک میں جے یو آئی ف کے امیدوار منیر اورکزئی خان کے انتخابی جلسے میں ہوا، اس افسوسناک واقعے میں پچیس سے زائد افراد جاں بحق اور نوے کے لگ بھگ افراد زخمی ہوئے۔ جلسہ ایک مقامی مدرسہ میں منعقد کیا گیا تھا جس میں لگ بھگ تین ہزار افراد شریک تھے۔ دھماکا جے یو آئی (ف) کے

جلسے میں اسٹیج کے قریب ہوا، قومی اسمبلی کے امیدوار منیر اورکزئی خان جیسے ہی اسٹیج سے نیچے اترے دھماکا ہوگیا، تاہم وہ دھماکے میں محفوظ رہے، جبکہ این اے 37 سے امیدوار عین الدین شاکر زخمی ہوئے، فوری طور پر زخمیوں کو ہسپتال منتقل کیا گیا۔ ذرائع کے مطابق دھماکا اتنا زور دار تھا کہ آواز دور دور تک سنی گئی اور پورا علاقہ لرز گیا، جائے وقوع پر زخمیوں کی چیخیں تھیں اور وہ مدد کے لیے پکار رہے تھے، مقامی لوگوں نے فوری طور پر اپنی مدد آپ کے تحت زخمیوں کو پارہ چنار اور صدہ کے ہسپتالوں میں منتقل کیا۔ این اے 37 کے حلقے میں ہونے والے اس مشترکہ جلسے میں قبائلی عمائدین کی ایک بڑی تعداد شریک تھی۔ واقعہ کی اطلاع ملتے ہی لیویز فورس جائے حادثہ پر پہنچ گئی اور علاقے کو گھیرے میں لے لیا۔ کچھ ہی دیر میں مقامی افراد کی بڑی تعداد خون کے عطیات دینے ہسپتال پہنچ گئی۔ صدر زرداری، نگران وزیراعظم، نواز شریف، شہباز شریف، مولانا فضل الرحمٰن، عمران خان، سید منور حسن، الطاف حسین، حافظ محمد سعید، طاہر القادری، وزیر اعلیٰ نجم سیٹھی اور دیگر نے دھماکو کی مذمت کی ہے۔ واضح رہے کہ منیر اورکزئی اس سے پہلے بھی اسی حلقے سے آزادا±میدوار کی حیثیت سے انتخابات جیت چکے ہیں اور فاٹا سے پارلیمانی ممبر بھی تھے۔ اس دفعہ وہ جمعیت علماء اسلام (ف) گروپ کی جانب سے انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں۔ دوسرا دھماکا منگل کے روز ہنگو کی تحصیل دوآبہ کے مرکزی بازار میں جے یو آئی کے امیدوار مفتی سید جانان کی انتخابی مہم کے قریب ہوا جس کے نتیجے میں

پندرہ کے لگ بھگ افراد جاں بحق اور امید وار مفتی سید جانان سمیت چالیس کے قریب افراد زخمی ہوئے، ریسکیو ٹیمیوں نے موقع پر پہنچ کر زخمیوں کو ہسپتال منتقل کیا، دھماکے کے بعد سیکورٹی فورسز نے علاقے کو گھیرے میں لے کر کرفیو نافذ کر دیا ہے۔ واضح رہے کہ جمعیت علماء اسلام اور دوسری کئی جماعتوں پر اس سے پہلے بھی کئی حملے ہو چکے ہیں جو معمولی نوعیت کے تھے جن میں اتنے زیادہ افراد نہیں مارے گئے تھے، لیکن ان دو حملوں میں شاید سب سے زیادہ جانی نقصان ہوا ہے۔

بعض حلقے یہ سوال اٹھا رہے ہیں کہ طالبان متعدد بار یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ ہم جماعت اسلامی، تحریک انصاف، جمعیت علماء اسلام اور مسلم لیگ (ن) پر حملے نہیں کریں گے۔ گزشتہ دنوں تحریک طالبان پاکستان کا یہ بیان میڈیا پہ آیا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ کسی سیاسی جماعت پر حملہ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ طالبان شوری کرتی ہے۔ اس وقت سیاسی جماعتوں کو نشانہ بنانے کا طالبان شوریٰ کا فیصلہ صرف سابق حکمراں جماعتوں تک محدود ہے۔ طالبان ترجمان کے مطابق شوریٰ نے فیصلہ کیا ہے کہ پاکستان مسلم لیگ (ن)، جمعیت علمائے اسلام (ف)، جماعت اسلامی اور پاکستان تحریک انصاف جیسی جماعتوں پر حملے نہیں کیے جائیں گے۔ احسان اللہ احسان کا کہنا تھا کہ مخصوص جماعتوں کو نشانہ بنانے کا پہلا سبب ان کے سیکولر نظریات ہیں جبکہ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ ان

جماعتوں کی وجہ سے ہی فاٹا، خیبر پختونخوا اور سوات جل رہے ہیں اور لاکھوں لوگ بے گھر ہو چکے ہیں۔ یہی پارٹیاں پشتونوں کی ابتر حالت، مساجد کی تباہی، فوجی آپریشنز اور برسوں سے جاری خونی کھیل کی ذمے دار ہیں۔ اب انھیں اپنے گناہوں کی سزا بھگتنا ہوگی، تحریک طالبان پسے ہوئے لوگوں کا بدلہ لیتی رہے گی۔ احسان اللہ احسان کا کہنا تھا کہ کسی سیاسی جماعت کو نشانہ بنانے یا نہ بنانے کا فیصلہ ہمیں کرنا ہے کہ انھیں کس طرح ٹارگٹ کیا جائے۔ ٹارگٹ نہ بنائی جانے والی جماعتوں کے بارے میں تحریک طالبان پاکستان کے ترجمان نے کہا کہ طالبان ان جماعتوں کے خلاف ہیں اور نہ ہی ان کے حق میں، لیکن ان سے کسی اچھائی کی بھی توقع نہیں ہے۔ احسان اللہ احسان کا موقف تھا کہ یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، اسلامی قوانین اور اقدار اللہ کی جانب سے ہیں جبکہ سیکولر نظریہ کانٹ، ہینتھم اور روسو جیسے فلسفیوں کا تیار کردہ ہے۔ ان کا کہنا تھا اگرچہ ہم اس نظام کے خلاف ہیں لیکن پاکستان مسلم لیگ (ن)، جمعیت علمائے اسلام ف)، جماعت اسلامی اور پاکستان تحریک انصاف جیسی جماعتوں پر حملے نہیں کریں گے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ جب طالبان نے ان جماعتوں پر حملے نہ کرنے کی یقین دہانی کروادی ہے تو پھر جمعیت علماء اسلام (ف) کے جلسوں پر حملے کون کروا رہا ہے؟

گزشتہ روز جے یو آئی کے امیدوار مولوی عین الدین نے کہا ہے کہ ہماری جماعت

کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے، ہمیں یہ یقین نہیں کہ یہ حملہ طالبان نے کیا ہوگا، بلکہ یہ کوئی اور معاملہ ہے، یا یہ منیر اورکزئی کی ذاتی دشمنی ہے۔ لیکن طالبان نے اس حملے کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے کہا ہے کہ منیر اورکزئی پر ہم نے ہی حملہ کیا ہے، کیونکہ منیر اورکزئی نے درجنوں عرب مجاہدوں کو امریکا کے حوالے کیا ہے جو اس وقت گوانتاناموکے قیدخانے میں بند ہیں۔ تحریک طالبان کے ترجمان احسان اللہ نے کہا ہے کہ منیر اورکزئی گزشتہ 5 برس حکومت کا حصہ رہے ہیں۔ منیر اورکزئی نے پیپلز پارٹی اور اے این پی کی حکومتوں کی حمایت کی جنہوں نے ہمارے خلاف کئی آپریشن شروع کیے، ہم نے جے یو آئی کو نشانہ نہیں بنایا، بلکہ ہم نے تو اپنے سابقہ دشمن کو ہی نشانہ بنایا ہے جس نے ہمیں نقصان پہنچایا، ہمارے دشمن چاہے کسی بھی پارٹی میں چلے جائیں ان کو نہیں چھوڑیں گے۔ اسی وجہ سے منیر اورکزئی جب ممبر قومی اسمبلی تھے تو اس وقت ان کو تحریک طالبان پاکستان کی جانب سے دھمکیاں بھی ملی تھیں۔ بعض حضرات یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ہر حملہ طالبان نہیں کرتے، اگرچہ کوئی اور کرتا ہے لیکن طالبان اپنی دھاک بٹھانے کے لیے اس کی ذمہ داری قبول کر لیتے ہیں اور بعض دفعہ میڈیا اپنی طرف سے ہی طالبان کا نام استعمال کرتا ہے۔ بعض کا یہ خیال بھی ہے کہ ان حملوں میں کوئی دوسری قوت ملوث ہو سکتی ہے۔

اسی بنا پر بعض مبصرین کا کہنا ہے کہ جمعیت علماء اسلام کو چاہیے تھا کہ وہ اپنی جماعت میں ایسے لوگوں کو شامل نہ کرتی جو ماضی میں دوسری جماعتوں کا حصہ رہتے ہوئے طالبان کے خلاف آپریشن کرتے رہے یا پھر کسی بھی طرح سے ان کے خلاف دشمنی مول لیتے رہے، ان چند افراد کی وجہ سے باقی جماعت کے لیے خطرات پیدا ہو سکتے ہیں، اگر طالبان نے جمعیت علماء اسلام کو اپنے حملوں سے مستثناء قرار دیا ہے تو جے یو آئی کو چاہیے کہ وہ ان لوگوں کو شامل ہی نہ کرے جن کی وجہ سے جماعت کسی بڑے سانحہ سے دوچار ہو۔

مذہبی جماعتوں کے اہم امیدوار

پچھلے چند ہفتوں سے انتخابات کی شروع ہونے والی ہلچل آج اختتام پذیر ہو چکی، بدامنی، مہنگائی، بے روزگاری اور امریکی غلامی میں جکڑے عوام کا خیال ہے کہ شاید وہ اپنا ووٹ کاسٹ کروا کے ان ناسور مصائب سے چھٹکارا حاصل کر سکیں، اسی لیے زیادہ تر عوام یہی چاہتی ہے کہ ملک میں باصلاحیت اور نیک و صالح قیادت کا آنا ضروری ہے، ورنہ ملک مزید مصائب کا شکار ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے عوام کی نظریں یہاں کے مذہبی رہنماؤں کی جانب اٹھتی ہیں، ان کا خیال ہے کہ یہی طبقہ ملک کو بحرانوں سے نکال سکتا ہے، مذہبی رہنما چاہے کسی بھی جماعت کا ہو وہ قوم اور مذہب کے ساتھ مخلص ہے۔ ذیل میں چیدہ چیدہ اہم مذہبی امیدواروں کے انتخابی حلقوں کے بارے میں معلومات دی جاتی ہیں۔

جمعیت علماء اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن خیبر پختونخوا کے تین حلقوں سے قومی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لے رہے ہیں، ان کے مقابلے میں پیپلز پارٹی، تحریک انصاف اور مسلم لیگ نواز کے امیدوار ہیں۔ قومی اسمبلی کے یہ تینوں حلقے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ تاریخی اعتبار سے ان میں کچھ حلقوں سے اہم شخصیات نے انتخابات میں حصہ لیا ہے جن میں ذوالفقار علی بھٹو

اور مفتی محمود رحمۃ اللہ شامل ہیں۔ قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 24 ڈیرہ اسماعیل خان پر اس وقت کل امیدواروں کی تعداد 33 ہے۔ یہ حلقہ پاکستان کے ان چند حلقوں میں شامل ہے جہاں اتنی بڑی تعداد میں امیدوار موجود ہیں لیکن مبصرین کے مطابق یہاں اصل مقابلہ جمعیت علماء اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن اور پاکستان پیپلز پارٹی کے امیدوار سابق سینیٹر وقار احمد خان کے درمیان متوقع ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن چونکہ ایک زیرک سیاستدان ہیں اس لیے وہ ڈیرہ اسماعیل خان کی سیاست کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے انہوں نے بعض حلقوں پر اپنے امیدوار نامزد نہیں کیے اور دیگر مضبوط امیدواروں کے ساتھ بارگین کیا ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن نے تحصیل پہاڑ پور کے صوبائی اسمبلی کے حلقے پر جاوید اکبر خان کے ساتھ ایڈجسٹمنٹ کی ہے اور کلاچی میں سابق وزیر اعلیٰ عنایت اللہ خان گنڈہ پور کے بیٹے اسرار خان گنڈہ پور کے ساتھ اتحاد کیا ہے۔ ان دونوں تحصیلوں کے کچھ ووٹ این اے 24 اور کچھ این اے 25 ٹانک کے ساتھ ہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن کو ان دونوں شخصیات کے ووٹ مل جائیں تو این اے پر مولانا فضل الرحمٰن میدان مارنے کے بہت زیادہ چانس ہیں۔ گزشتہ انتخابات 24 میں انہوں نے این اے 36 بنوں سے کامیابی حاصل کی تھی۔

مولانا فضل الرحمٰن قومی اسمبلی کے حلقہ این 25 ٹانک سے بھی انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں۔ اس حلقے سے نوخیز جماعت تحریک انصاف کے نوخیز امیدوار داور خان کنڈی مولانا فضل الرحمٰن کے مقابلے میں ہیں۔ داور خان نے اس حلقے سے 2008

میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیا تھا اور مولانا فضل الرحمٰن کے بھائی مولانا عطا الرحمٰن نے داور خان کو شکست دی تھی۔اس حلقے سے داور خان کنڈی کے لیے نقصان کی بات یہ ہے کہ کنڈی خاندان سے تعلق رکھنے والے سابق سپیکر فیصل کریم کنڈی بھی انتخاب میں حصہ لے رہے ہیں اور دونوں کنڈی خاندان کے افراد ایک دوسرے کے ووٹ آپس میں تقسیم کریں گے جس کا فائدہ مولانا فضل الرحمٰن کو پہنچ سکتا ہے۔ مولانا کو اس حلقے پر جاوید اکبر خان اور اسرار خان گنڈہ پور کی حمایت حاصل ہے، جس سے اس حلقے پر مولانا فضل الرحمٰن کی فتح کی امید کی جا رہی ہے۔

اس کے علاوہ مولانا فضل الرحمٰن اس بار لکی مروت کے حلقہ این اے 27 سے بھی انتخاب میں حصہ لے رہے ہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن کے مقابلے میں سلیم سیف اللہ خان خان مسلم لیگ نواز، پاکستان تحریک انصاف کے امیدوار کرنل ریٹائرڈ ڈاکٹر امیر اللہ خان مروت میدان میں اترے ہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن کو یقین ہے کہ وہ اس مرتبہ تینوں حلقوں سے شاندار کامیابی حاصل کریں گے اور ان علاقوں میں یہ تاثر بھی ہے کہ اس مرتبہ خیبر پختونخواہ میں جمعیت علماء اسلام (ف) حکومت بنانے کی پوزیشن میں ہو گی۔ مولانا فضل الرحمٰن نے ان تینوں حلقوں میں اپنے بہتریں پتوں کا استعمال کیا ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن کا کہنا ہے کہ "ڈیرہ اسماعیل خان، ٹانک اور لکی مروت میں پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ نواز میرے خلاف متحد ہیں، لیکن انشاء اللہ کامیابی مجھے ہی ہو گی۔

اہلسنت والجماعت کے سربراہ اور متحدہ دینی محاذ کے مرکزی رہنما مولانا احمد لدھیانوی جھنگ کے حلقہ این اے 89 سے انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں۔ این اے 89 جھنگ کا دوسرا حلقہ ہے اور ماضی میں یہاں سے اہلسنت والجماعت کے اہم رہنما الیکشن لڑتے رہے ہیں اور کامیابی بھی حاصل کرتے رہے ہیں، 2008 میں یہاں سے مسلم لیگ ق کے شیخ وقاص اکرم کامیاب ہوئے تھے، اہلسنت والجماعت کا کہنا ہے کہ 2008 میں پرویز مشرف نے اپنے پروردہ لوگوں کو جھنگ سے کامیاب کروایا تھا اور ہمیں سازش کے تحت ناکام کیا گیا تھا، ہم کئی ہزار ووٹوں سے کامیاب ہوئے تھے جبکہ ہمارے ساتھ دھوکہ بازی کی گئی ،اس حلقے سے شیخ وقاص جعلی ڈگری کی وجہ سے نااہل ہو چکے ہیں، انہوں نے بارہا اپنی انتخابات میں حصہ لینے کے اہل ہونے کے لیے اپیل دائر کی لیکن وہ اپنی ڈگری کو اصل ثابت نہیں کرسکے، وہ اب مسلم لیگ ن کا حصہ بن چکے ہیں، لیکن نااہل ہیں، اس لیے انہوں نے اپنی جگہ اپنے والد کو میدان میں اتارا ہے، لیکن اس بار اس حلقے سے مولانا احمد لدھیانوی کی پوزیشن کافی مضبوط ہے، اب کی بار وہ صرف اہلسنت والجماعت کی جانب سے انتخابات میں حصہ نہیں لے رہے بلکہ متحدہ دینی محاذ کی جانب سے میدان میں اترے ہیں، انہیں اس اتحاد میں شامل تمام جماعتوں کی حمایت بھی حاصل ہے۔ گزشتہ دنوں محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے جھنگ میں مولانا احمد لدھیانوی کے حق میں جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں

قوم سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ مولانا احمد لدھیانوی کو ڈاکٹر عبدالقدیر سمجھ کر کامیاب کروائے۔اسی طرح اور بھی کئی اعلیٰ شخصیات نے مولانا احمد لدھیانوی کی حمایت کا اعلان کیا ہے جس سے امید کی جارہی ہے کہ مولانا احمد لدھیانوی کامیابی حاصل کریں گے۔

جمعیت علماء پاکستان کے مرکزی صدر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر 11 مئی کو ہونے والے انتخابات میں حیدرآباد کے قومی اسمبلی کے حلقہ 220 سٹی اور پنجاب کے ضلع قصور کے قومی اسمبلی کے حلقے این اے 138 پر امیدوار ہوں گے۔ان کے مقابلے میں این اے 138 سے پی پی پی کے صغیر احمد قریشی اور سید وسیم حسین ایم کیو ایم کے نمایاں امیدوار 220 ہیں۔جبکہ این اے 138 سے ان کا مقابلہ ایم کیو ایم کے سعد علی اور مسلم لیگ (ن) کے وسیم اختر سے ہے ان کے علاوہ اور بھی کئی امیدوار اس حلقے سے ان کے مقابلے میں ہیں۔حیدرآباد کے قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 220 سٹی پر 2002ء کے انتخابات میں صاحبزادہ ابوالخیر زبیر نے متحدہ قومی موومنٹ کے امیدوار آفتاب احمد شیخ کو شکست دی تھی، اس لیے اس بار 10 جماعتی اتحاد کی وجہ سے ان کا متحدہ قومی موومنٹ کے امیدوار سے زبردست مقابلہ رہے گا۔2008 میں متحدہ مجلس عمل کے بائیکاٹ کی وجہ سے صاحبزادہ زبیر نے انتخابات میں حصہ نہیں لیا تھا،اس لیے متحدہ قومی موومنٹ کے صلاح الدین کامیاب ہوئے تھے۔

قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 223 ٹنڈو اللہ یار سے اہلسنت والجماعت اور متحدہ دینی محاذ کی جانب سے مولانا اورنگزیب فاروقی انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں،ان کے مقابلے میں مسلم لیگ نون کی ڈاکٹر راحیلہ گل مگسی، ایم کیو ایم کے ساجد وہاب خانزادہ، سندھ ترقی پسند جماعت کے نصرت الطاف حسین جسکانی اور ان کے علاوہ 21 امیدواروں کا نام بھی فہرست میں شامل ہے۔لیکن اس بار اس حلقے سے یہ امید کی جارہی ہے کہ اس سیٹ پر کامیابی مولانا اورنگزیب حاصل کریں گے، کیونکہ ٹنڈو اللہ یار کے عوام مولانا اورنگزیب کا بھرپور ساتھ دے رہے ہیں۔

حلقہ این اے 250 کراچی سے جماعت اسلامی کے مضبوط امیدوار نعمت اللہ خان انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں، وہ پہلے بھی یہاں سے کامیابی حاصل کرچکے ہیں، انہوں نے اپنے دور میں کراچی میں بہت ہی شاندار کام کروائے ،جس کی وجہ سے عوام کی اکثریت کی خواہش ہے کہ وہی اس بار کامیاب ہوں،امید بھی ظاہر کی جارہی ہے کہ اس بار وہی کامیابی حاصل کریں گے کیونکہ اس حلقے سے انہیں کئی حلقوں کی حمایت حاصل ہے،2008 میں انتخابات میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے اگرچہ اس حلقے سے ایم کیو ایم کا امیدوار کامیاب ہوا تھا لیکن اس بار انہی کی کامیابی کی زیادہ امید ہے۔ان کے مدمقابل 31 امیدواروں میں پی ٹی آئی کے

ڈاکٹر عارف علوی، پی پی پی کے راشد ربانی، اے این پی کے سید محمد حنیف، ایم کیوایم کی خوش بخت شجاعت ہیں۔این اے 126 لاہور کے حلقے سے جماعت اسلامی کے مرکزی رہنما لیاقت بلوچ الیکشن میں حصہ لے رہے ہیں،ان کا کہنا ہے کہ انشاءاللہ وہ اس حلقے میں تمام مخالفین کو شکست فاش دیں گے۔ان کے مقابلے میں مسلم لیگ ن کے امیدوار خواجہ احمد حسن ، پیپلز پارٹی کے امیدوار سید زاہد بخاری اور پی ٹی آئی کے امیدوار شفقت محمود میدان میں اترے ہیں۔این اے حلقہ 256 کراچی سے مولانا اویس نورانی جے یو پی کی جانب سے انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں۔ان کے مقابل پی ٹی آئی نے محمد زبیر خان، اے این پی نے محمد یونس خان اور پی پی پی نے سید منظور عباس کو ٹکٹ دیا ہے۔متحدہ دینی محاذ کی جانب سے مفتی عثمان یار کراچی کے حلقہ 258 سے انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں، جن کے مقابلے میں اے این پی ، ایم کیوایم، تحریک انصاف اور دوسری کئی آزاد امیدوار ہیں۔ حلقہ این اے 240 سے جمعیت علماءاسلام کے قاری عثمان الیکشن میں حصہ لے رہے ہیں،ان کے مقابل بھی کئی جماعتوں کے امیدوار ہیں لیکن ان کا کہنا ہے کہ انشاءاللہ گیارہ مئی ہماری فتح کا دن ہے۔نوشہرہ، این اے 5 سے جماعتِ اسلامی کے مرحوم امیر قاضی حسین احمد کے بیٹے آصف لقمان قاضی انتخابات کے لیے میدان میں اترے ہیں۔نوشہرہ این اے 6 سے ایم ڈی ایم کی جانب سے جمعیت علماءاسلام س) کے سربراہ کے بیٹے مولانا حامد الحق حقانی نے انتخابات میں حصہ لیاہے۔ قومی) اسمبلی کے حلقہ این اے 207 سے جمعیت

علماء اسلام نے ڈاکٹر خالد محمود سومرو کو میدان میں اتارا ہے، اس حلقے سے ان کے مقابل پیپلز پارٹی شہید بھٹو گروپ سے غنویٰ بھٹو، پی ٹی آئی سے سید علی حیدر زیدی، سندھ یونائیٹڈ پارٹی کے سرفراز احمد مستوئی، ایم کیو ایم کے امیدواروں سمیت 36 امیدوار ہیں۔

پاکستان کی نئی حکومت دنیا بھر کی توجہ کا مرکز

ہفتے کے روز پاکستان بھر انتخابات منعقد ہوئے، ملک بھر الیکشن کا ٹرن آؤٹ تقریباً ساٹھ فیصد رہا، الیکشن کمیشن، فوج اور حکومت نے شفاف اور بہتر الیکشن کے لیے بھرپور کوشش کی، کراچی اور سندھ کے علاوہ انہیں تقریباً پورے ملک میں الیکشن شفاف کرانے میں کامیابی ہوئی۔ سیکرٹری الیکشن کمیشن اشتیاق احمد نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ الیکشن کمیشن صاف و شفاف انتخابات کے انعقاد میں کامیاب رہا ہے، البتہ کراچی میں شفاف اور آزادانہ انتخابات کرانے میں ناکام رہے ہیں۔ان کا کہنا تھا کہ پورے ملک سے شکایت نہیں آئی جبکہ کراچی سے شکایتوں کے ڈھیر لگ گئے ہیں۔ بہر حال اس سب کے باوجود اب تک غیر سرکاری نتائج کے مطابق میاں نواز شریف کی مسلم لیگ (ن) سب سے زیادہ نشستیں حاصل کرنے والی جماعت کے طور پر سامنے آئی ہے۔ عمران خان کی تحریک انصاف اور پاکستان پیپلز پارٹی دونوں کی نشستوں کی تعداد تقریباً دو چار کا ہی فرق ہے۔ مسلم لیگ (ن) نے چونکہ مرکز میں سب سے زیادہ نشستیں حاصل کی ہیں، اس لیے انہوں نے وفاق میں اپنی حکومت بنانے کا اعلان بھی کر دیا ہے۔ اتوار کے روز میاں نواز شریف نے بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں تمام جماعتوں کو مذاکرات کی دعوت دیتا ہوں، مسائل کے خاتمے کے لیے سب کو مل کر

چلنا ہوگا۔

پاکستان چونکہ پوری دنیا کے لیے کئی اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل ملک ہے اس لیے تمام ممالک کی توجہ انتخابات کے بعد پاکستان میں بننے والی نئی حکومت پر مرکوز ہے۔ گزشتہ روز چین کے صدر نے میاں نواز شریف کو فون کرکے نیک تمناؤں کا اظہار کیا، انہوں نے امید ظاہر کی کہ نئی پاکستانی حکومت پاک چین دوستی کو مزید مضبوط بنائے گی۔ سعودی عرب کے شاہ عبداللہ اور متحدہ عرب امارات کے شیخ خلیفہ نے بھی نواز شریف کو مبارکباد دی ہے اور نئی حکومت سے اچھی توقعات وابستہ کی ہیں۔ ایران، ترکی، کویت اور قطر کے سربراہان مملکت نے بھی نواز شریف کو فون کرکے خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کیا اور آپسی تعلقات کی مزید بہتری کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ افغان صدر حامد کرزئی نے بھی نواز شریف کو فون کرکے الیکشن میں کامیابی کی مبارکباد دی۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ نئی پاکستانی حکومت افغانستان سے تعلقات میں بہتری لائے گی۔ افغان ماہرین کا خیال ہے کہ منتخب نئی جمہوری حکومت کی پالیسیوں کے باعث پاکستان اور افغانستان کے درمیان تعلقات میں جاری کشیدگی کا خاتمہ ممکن ہوسکے گا۔ ایک افغان رکن پارلیمنٹ کا حوالہ دیتے ہوئے رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ حکومت بدلنے سے افغانستان بابت اسلام آباد کی پالیسیوں پر بہت زیادہ فرق نہیں پڑے گا، تاہم اگر پاکستانی سیکورٹی ادارے اپنی پالیسیوں پر

نظر ثانی کریں تو تعلقات مثبت جانب گامزن ہو سکتے ہیں۔ دوسری طرف کابل میں پاکستانی امور کے ماہر احمد سعیدی نے کہا ہے کہ نئی حکومت آنے سے پاکستان میں استحکام اور اقتصادی ترقی کا امکان موجود ہے۔ کراچی میں افغان پناہ گزینوں کے نمائندے حاجی عبد اللہ نے بتایا کہ پاکستان کی تمام سیاسی جماعتیں انہیں ایک ہی نظر سے دیکھتی ہیں اور افغان پناہ گزینوں کو ان سے نیک خواہشات وابستہ ہیں۔

بھارتی وزیر اعظم من موہن سنگھ نے نواز شریف سے ٹیلی فون پر گفتگو کے دوران مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں جمہوری حکومت کی تبدیلی کا عمل انتہائی کامیابی کے ساتھ جاری ہے جس سے خطے میں انتہائی مثبت اثرات پڑیں گے، انہوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ پاکستان میں مسلم لیگ (ن) کی حکومت کے قیام سے دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کو نئی جہت ملے گی اور نواز شریف بہترین تعاون کے فروغ کے لیے اپنا کردار ادا کریں گے۔ جس کے جواب میں نواز شریف نے کہا کہ پاکستان اور بھارت پڑوسی ممالک ہیں اور پڑوسیوں کے درمیان تعلقات بہتر ہونے چاہئیں، دونوں ممالک کے درمیان حل طلب امور کے تصفیے کے لیے مذاکرات کی میز پر گفتگو ہونی چاہیے۔

بھارتی وزیر خارجہ سلمان خورشید نے امید ظاہر کی ہے کہ نئی حکومت بھارت سے تعلقات مزید بہتر بنائے گی۔ سلمان خورشید کا کہنا تھا کہ وزیر اعظم من موہن سنگھ نواز شریف کو جلد دورہ بھارت

کی دعوت دیں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ 'ہم امید کرتے ہیں کہ ان کی مثبت پہل جاری رہے گی اور پھر بھارت بھی اس پر اپنا جواب دے سکتا ہے۔' حزب اختلاف کی جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی کے ترجمان مختار عباس نقوی نے کہا، 'اگر پاکستان مضبوط اور مستحکم جمہوری نظام کی طرف پیش رفت کرتا ہے تو بلا شبہ یہ سکون کی بات ہے۔ لیکن نئی حکومت کا رویہ کیا ہوگا یہ دیکھنا ہوگا۔' ترجمان امریکی محکمہ خارجہ پیٹرک وِنٹرل نے واشنگٹن میں معمول کی بریفنگ میں الیکشن سے دو روز قبل کہا تھا کہ پاکستان میں نئی جمہوری حکومت کے ساتھ مل کر کام کریں گے۔ آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کی امید رکھتے ہیں۔

واضح رہے کہ پاکستان میں ہونے والے انتخابات نے دنیا بھر کے میڈیا کی توجہ کو کھینچا ہے۔ پاکستان میں گیارہ مئی کے تاریخی انتخابات کو دنیا بھر کے اخبارات نے صفحہ اول پر کوریج دی اور اس پر اپنے اپنے انداز میں تبصرے کیے ہیں۔ برطانوی اخبار گارڈین نے لکھا ہے کہ پاکستان میں ہونے والے انتخابات دو معنوں میں تاریخی ہیں کیوں کہ ان کے ذریعے پہلی بار ایک جمہوری حکومت سے اقتدار دوسری جمہوری حکومت کو منتقل ہو رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ ان انتخابات میں چار عشروں کے بعد پہلی بار ایک 'تیسری قوت' تحریکِ انصاف ابھر کر سامنے آئی ہے۔ تحریکِ انصاف نے نوجوان اور پڑھے لکھے طبقے تک رسائی حاصل کی اور بڑی حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے۔ امریکی اخبار "یو ایس اے ٹوڈے" نے لکھا

ہے کہ اپنی حکومت کو فوج کی طرف سے برطرف کیے جانے اور سات سال جلاوطنی میں گزارنے اور عمران خان کی طرف سے زبردست مقابلے کے باوجود نواز شریف کی فتح بہت متاثر کن ہے۔ معروف امریکی اخبار" وال سٹریٹ جرنل" نے جس چیز کو متاثر کن بتایا ہے وہ یہ ہے کہ تشدد پسند عناصر کی طرف سے انتخابی عمل کو متاثر کرنے کی دھمکیوں کے باوجود 60 فیصد ٹرن آؤٹ رہا ہے۔" نیویارک ٹائمز" کے نامہ نگار ڈیکلن والش نے اپنے اخبار میں لکھا ہے کہ نواز شریف نے پاکستان میں امریکی اثر و رسوخ کو کم کرنے کا عہد کیا ہے جس سے پاکستان کے امریکا کے ساتھ پہلے ہی تلاطم خیز تعلقات کے آگے سوالیہ نشان کھڑا ہو جائے گا۔ واضح رہے کہ ڈیکلن والش کو پاکستان کی حکومت نے 'ناپسندیدہ سرگرمیوں' کی وجہ سے ملک چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ برطانوی اخبار ڈیلی ٹیلی گراف نے نواز شریف کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے مغرب کو یقین دہانی کرانے کی کوشش کی ہے کہ وہ دہشتگردی کی جنگ سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اخبار کے مطابق نواز شریف نے سنڈے ٹیلی گراف سے بات کرتے ہوئے کہا، 'مجھے امریکا کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ ہے اور مجھے ان کے ساتھ مزید کام کرکے خوشی ہو گی'۔ 'جو چیز سب سے اہم ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنی سرزمین کو دنیا کے کسی ملک کے خلاف استعمال نہ ہونے دیں۔ دلی کے معروف انگریزی اخبار انڈین ایکسپریس نے پہلی سرخی لگائی، 'فوجی بغاوت سے معزولی اور پھر جلاوطنی کے بعد نواز شریف تیسری بار پاکستان کے وزیر اعظم بننے کے لیے تیار۔' اخبار ٹائمز آف انڈیا کی سرخی

تھی، 'پاکستان میں تبدیلی کے لیے ووٹ، نواز شریف تیسری بار وزیر اعظم بننے کو تیار۔' بھارت کے بعض سینیئر صحافی جو پاکستان میں انتخابات کی کوریج کے لیے وہاں موجود ہیں انھوں نے ان انتخابات کو 'پاکستان میں نئے دور کے آغاز' سے تعبیر کیا ہے۔

الیکشن کمیشن کا دھاندلی کے باوجود نتائج بدلنے سے انکار

ہفتے کے روز ملک بھر میں قومی اسمبلی کی 272 عام نشستوں میں سے 269 پر ووٹ ڈالے گئے۔ ملک میں کل رجسٹرڈ ووٹروں کی تعداد آٹھ کروڑ اکسٹھ لاکھ نوے ہزار کے لگ بھگ تھی۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان کے فراہم کردہ ابتدائی اعداد و شمار کے مطابق ووٹ ڈالنے کی شرح قریباً ساٹھ فی صد رہی ہے۔ الیکشن کمیشن نے 'شفاف الیکشن' کے لیے کافی عرصے سے انتظامات شروع کر دیے تھے۔ الیکشن سے قبل چیف الیکشن کمیشن کا کہنا تھا کہ عوام الیکشن میں بھرپور حصہ لے کیونکہ اب کی بار تاریخ کے شفاف ترین الیکشن ہوں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم نے اس بار فوج کی مدد بھی لی ہے اس لیے دھاندلی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نادرا کے سربراہ اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ماہر طارق ملک نے بھی الیکشن سے قبل کہا تھا کہ 'ہر ووٹر کمپیوٹرائزڈ قومی شناختی کارڈ (سی این آئی سی) سے منسلک ہے اور ہر ایک سی این آئی سی بایومیٹرک شناخت سے منسلک ہے۔ اس لیے اس بات کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ کوئی آپ کا ووٹ ڈال دے یا پھر اپنا ووٹ ہی ایک سے زیادہ بار ڈال سکے۔' ماضی کی طرح اگر جعلی ووٹ ڈالنے کی کوشش کی جائے گی تو اسے آسانی کے ساتھ پکڑ لیا جائے گا۔ 'ہر ووٹر کی ڈیجیٹل فوٹو ووٹر لسٹ میں موجود ہے اور بیلٹ پیپر حاصل کرنے سے قبل اسے اپنے نام کے سامنے اپنے بائیں انگوٹھے کا نشان

لگانا ضروری ہے۔' اگر اس بابت کوئی شکایت ہوتی ہے تو بایومیٹرک ڈیٹا کے ذریعے اس مخصوص ووٹر یا کسی خاص پولنگ سٹیشن کے ووٹروں کے بارے میں آسانی سے جانچ ہو سکتی ہے۔

شفاف انتخابات کے یہ تمام دعوے اس وقت ہوا میں روئی کے گالے کی طرح اڑ گئے جب دھاندلی کے باعث الیکشن کے روز جماعتِ اسلامی، مہاجر قومی موومنٹ اور سنی تحریک اور سنی اتحاد کونسل نے انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا اور مسلم لیگ (ن) کا کہنا تھا کہ وہ کراچی میں الیکشن کے نتائج تسلیم نہیں کرے گی۔ ان جماعتوں کے سربراہوں نے الیکشن کے دن ایک پریس کانفرنس بلائی جس میں کہا کہ کراچی اور حیدر آباد میں تاریخی دھاندلی ہوئی ہے، لہٰذا ہم انتخابات کا بائیکاٹ کرتے ہیں۔ جماعت اسلامی نے الیکشن کے روز ہی تاریخی دھاندلی کے رد عمل میں اپنے تمام امیدواروں کو کراچی اور حیدرآباد سے دستبردار کر دیا۔ ہفتے کے روز شام کے وقت الیکشن کمیشن کے دفتر کے سامنے دھرنا دیا اور پیر کے روز کراچی اور حیدرآباد میں ہڑتال کی کال دے دی، لیکن اتوار کے روز ہڑتال کی کال واپس لیتے ہوئے پیر کے روز یوم سوگ منایا۔

دوسری جانب پاکستان تحریک انصاف کے امیدوار عارف علوی نے دھاندلی کا الزام لگایا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے امیدواروں کا مارا پیٹا گیا ہے۔ ہمارے مطالبے کے باوجود پولنگ اسٹیشن پر فوج تعینات نہیں کی گئی۔ بیشتر سیاسی جماعتوں نے ملک کے سب سے

بڑے شہر کراچی میں بڑے پیمانے پر دھاندلیوں کی شکایات کی ہیں اور انھوں نے الزام عاید کیا ہے کہ وہاں مسلح افراد نے پولنگ عملے اور اسٹیشنوں کو یرغمال بنا رکھا تھا اور وہ بلاخوف وخطر بیلٹ پیپروں پر انتخابی نشان پر ٹھپے لگا رہے تھے۔ سوشل میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے بعض پولنگ مراکز پر بیلٹ پیپروں پر بڑے منظم انداز میں مہریں لگانے کی ویڈیوز بھی سامنے آ گئی ہیں۔ ایک نجی ٹی وی چینل پر نشر ہونے والی ویڈیو میں دو چار لوگ کراچی میں ایک پولنگ اسٹیشن میں پولیس کی نگرانی میں بیلٹ پیپروں پر مہریں لگا کر انھیں بیلٹ باکس میں ڈال رہے ہیں۔ حیدرآباد میں بھی اسی طرح بعض خواتین قومی اسمبلی کے ایک حلقے میں بیلٹ پیپروں پر مہریں لگا کر بیلٹ باکس میں ڈال رہی ہیں۔ سوشل میڈیا انتخابات میں دھاندلی کی ناخوشگوار وڈیوز اور تصاویر کے ساتھ گرم میدان بن چکا ہے۔ انتخابی یوم میں دھاندلی پاکستان میں کوئی نئی چیز نہیں لیکن ان واقعات کی فلم بنانا اور دھاندلی کو بے نقاب کرنا پوری دنیا میں اک نیا طریقہ ہے۔ گو کہ پولنگ بوتھس کے اندر موبائل فون لے جانے کی اجازت نہ تھی، لیکن مشاہدہ کیا گیا کہ پریزائیڈنگ افسران نے ووٹرز کو موبائل فونز لے جانے سے منع نہیں کیا۔ اور اس کے نتیجے میں کیمرے والے موبائل سے لیس ہر فرد نے پولنگ اسٹیشن میں ہونے والی دھاندلی کی وڈیوز بنائیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انتخابات کے دوران دھاندلی کی بیشتر وڈیوز کراچی اور حیدرآباد سے سامنے آئی ہیں۔

کراچی میں ہونے والی دھاندلی کے خلاف تحریک انصاف کے کارکنان نے بھرپور احتجاج کیا اور الیکشن کمیشن کے دفتر کے سامنے دھرنا بھی دیا۔ان کا کہنا تھا کہ ہمیں زبردستی ہرانے کی کوشش کی جارہی ہے، الیکشن کے دن بے تحاشہ جعلی ووٹ ڈالے گئے۔الیکشن کمیشن نے سیاسی جماعتوں کی جانب سے بڑے پیمانے پر دھاندلیوں کے الزامات کے پیش نظر کراچی میں انتخابات پر تحفظات کا اظہار بھی کیا۔میڈیا سے گفتگو میں سیکریٹری الیکشن کمیشن اشتیاق احمد خان نے کہا کہ انہوں نے قوم سے شفاف انتخابات کے انعقاد کا وعدہ کیا تھا تاہم کراچی میں سیاسی جماعتوں کی جانب سے لگائے گئے الزامات کے پیش نظر اس کی شفافیت پر سوالیہ نشان لگ گیا ہے۔ دھاندلی سے بہتر ہے کہ انتخابات نہ ہوں، تمام حقائق قوم کے سامنے لائے جائیں گے ۔ان کا کہنا تھا کہ کہیں سے شکایت نہیں آئی لیکن کراچی اور حیدرآباد میں تو شکایتوں کے ڈھیر لگ گئے ہیں۔

دھاندلی اور الیکشن کمیشن کے ایک حیرت انگیز فیصلے کی ایک اور مثال ! کراچی

یہ صوبائی اسمبلی کے حلقہ پی ایس 128 لانڈھی میں متحدہ دینی محاذ کے امیدوار مولانا اورنگزیب فاروقی نے بائیس ہزار ووٹ لے کر شاندار کامیابی حاصل کی، تمام چینلز نے ان کی کامیابی کی خبر بھی نشر کردی لیکن اس خبر کے اگلے روز الیکشن کمیشن نے اس حلقے سے ان کی شکست کا اعلان کردیا۔ عام انتخابات کے

دوران کراچی میں صوبائی اسمبلی کے حلقہ پی ایس 128 لانڈھی میں دھاندلی اور نتائج میں تبدیلی کے خلاف شہر کے متعدد علاقوں میں متحدہ دینی محاذ نے داؤد چورنگی، ملیر سپر ہائی وے اور غنی چورنگی پر متحدہ دینی محاذ کے کارکنان کا احتجاجی مظاہرہ کیا اور 15 دھرنا دیا۔ متحدہ دینی محاذ کے مرکزی رہنما مولانا اورنگزیب فاروقی کا کہنا تھا کہ پی ایس 128 پر متحدہ دینی محاذ کی واضح فتح کو شکست میں تبدیل کیا گیا۔ 11 مئی کو کئی پولنگ اسٹیشنز پر پولنگ نہیں ہو سکی۔ان پولنگ اسٹیشنز پر ووٹنگ کے بغیر الیکشن کمیشن کیسے نتائج کا اعلان کر سکتا ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ الیکشن کمیشن معاملے کا سنجیدگی سے نوٹس لے۔

لاہور میں بھی تحریک انصاف نے دھاندلی کا الزام لگایا اور دھاندلی کے خلاف دھرنا بھی دیا،اسی طرح جھنگ میں ملی بھگت سے بے مثال دھاندلی کی گئی۔ جھنگ کے حلقہ این اے 89 سے مولانا متحدہ دینی محاذ کے مولانا احمد لدھیانوی نے انتخابات میں حصہ لیا تھا،اس سیٹ پر الیکشن سے قبل ہی ان کے جیتنے کے سو فیصد امکانات ظاہر کیے جا رہے تھے۔ متحدہ دینی محاذ کے مرکزی رہنما امیدوار حلقہ این اے 89 پی پی 78 جھنگ علامہ محمد احمد لدھیانوی نے حلقہ این اے 89 کے نتیجے کو قبول کرنے سے انکار کیا اور ہزاروں کی تعداد میں دھرنے میں موجود خواتین و مردوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ 2008ء کا الیکشن بھی دھاندلی کے ذریعے جیتا گیا تھا اور موجودہ الیکشن میں دوسرے دن شام 4 بجے رزلٹ کا

اعلان کرکے ہمارے مخالف کو ملی بھگت سے جتوایا گے اہے ہم اس فیصلے کو کسی صورت قبول نہیں کرتے اور کہا کہ ہمارے لوگوں کو پولنگ اسٹیشنوں سے گرفتار کیا جاتا رہا ہے اور پولنگ پر ہمارے سیاسی مخالف غنڈا گردی کے ذریعے جعلی ووٹ کاسٹ کرتے رہے ہیں، پریزائیڈنگ آفیسر آج صبح 11 بجے تک بیلٹ پیپر کچہری لے کر آتے رہے ہیں جن سے کسی آفیسر نے نہیں پوچھا کہ بیلٹ پیپر کے بنڈل رات بھر کہاں رکھے گئے ہیں۔ ریٹرننگ آفیسر ان کے خلاف کارروائی کرنے کی بجائے ان کی حمایت میں بولتے رہے کہ یہ کم تعلیم یافتہ تھے اور وہ اپنا کام رات کو مکمل نہیں کرسکے۔ واضح رہے کہ جھنگ کے حلقہ این اے 89 کا رزلٹ دوسرے دن بھی نہ سنایا جاسکا۔ پولنگ پریزائیڈنگ آفیسر دوسرے دن 11 بجے تک بیلٹ پیپر لے کر ریٹرننگ آفیسر کے پاس پہنچتے رہے جس سے حلقہ این اے 89 میں شفاف الیکشن پر سوالیہ نشان ثبت ہوگیا۔ جھنگ کے حلقہ این اے 89 کی حالت قبائلی علاقوں کی طرح بنادی گئی اس حلقہ میں متحدہ دینی محاذ کے مرکزی رہنما علامہ محمد احمد لدھیانوی انتخاب میں حصہ لے رہے تھے جبکہ ان کے مد مقابل سابق وفاقی وزیر شیخ وقاص اکرم کے والد شیخ محمد اکرم تھے جبکہ الیکشن کے دن شام 7 بجے سے میڈیا پر شیخ محمد اکرم کی کامیابی کا اعلان کیا گیا۔

گزشتہ روز فری اینڈ فیئر الیکشن نیٹ ورک نے 11 مئی کے انتخابات کے بارے میں اپنے مشاہدہ کاروں کی ابتدائی رپورٹ جاری کی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ

بہت سارے علاقوں میں امیدواروں کے حامیوں کی جانب سے پولنگ بوتھ پر قبضہ کیا گیا، 3500 پولنگ اسٹیشنوں پر ناخوشگوار واقعات رونما ہوئے جن میں سے 693 پولنگ سٹیشنوں پر سنجیدہ نوعیت کے تشدد کے واقعات دیکھنے میں آئے۔ 36 پولنگ اسٹیشن ایسے تھے جہاں پولنگ بوتھ پر امیدواروں کے حامیوں نے قبضہ کرکے دھاندلی کی جبکہ 121 پولنگ سٹیشنوں کے اندر فافن کے مشاہدہ کاروں کو داخلے کی اجازت نہ ملی اور 93 پولنگ سٹیشنوں پر فافن کے مشاہدہ کاروں کو باقاعدہ طور پر ہراساں کیا گیا یا انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ فافن کے چیئرمین زاہد اسلام نے 41 ہزار مشاہدہ کاروں کی جانب سے ملک بھر سے بھیجے گئے تجزیوں کی ابتدائی رپورٹ ریلیز کردی۔ ہیومن رائٹس نیٹ ورک کراچی کے صدر انتخاب عالم سوری نے کہا ہے کہ کراچی میں الیکشن دوبارہ فوج کی نگرانی میں کرائے جائیں، بندوق کے زور پر تاریخ کی بدترین دھاندلی کی گئی، فہرستوں میں اتنی بے ضابطگیاں پائی گئیں کہ عوام دن بھر اپنا نام تلاش کرنے کے لیے پریشان رہے۔ کئی ووٹر ووٹ ڈالے بغیر چلے گئے۔ انتظامیہ اور الیکشن کمیشن خاموش تماشائی کا کردار ادا کرتے رہے۔

جماعت اسلامی سندھ کے امیر ڈاکٹر معراج الہدیٰ صدیقی نے کہا ہے کہ الیکشن کمیشن کراچی میں اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں بری طرح ناکام رہا ہے، خون خرابے سے بچنے کے لیے انتخابات کا بائیکاٹ کرنے پر مجبور ہوئے۔ جماعت

اسلامی تمام تحفظات اور احتجاج کے باوجود جمہوریت پر یقین رکھتے ہوئے انتخابات کے عمل میں شامل ہوئی مگر بد قسمتی سے 11 مئی کو الیکشن کے نام پر جس طرح ڈھونگ ہوا ہے وہ کراچی اور حیدرآباد کے عوام کے ساتھ سنگین مذاق ہے۔ جمعیت علماء اسلام کراچی کے امیر قاری محمد عثمان نے کہا کہ کراچی میں تاریخ کی بدترین دھاندلی ہوئی ہے۔ الیکشن کمیشن کے جدید طرز انتخاب کے دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ چیف الیکشن کمشنر کراچی کی حساسیت کا احساس کریں۔ ریٹرننگ افسر عرفان میو نے کا اتوار کی شام 5 بجے تک کا موقف تھا کہ 40 پولنگ اسٹیشنوں کا نتیجہ غائب ہوگیا ہے۔ قاری محمد عثمان نے کہا کہ ریٹرننگ افسر کا یہ انکشاف معنی خیز ہے، ہم کسی صورت میں ایسے نتائج کو تسلیم نہیں کریں گے۔ مزدور رہنما لیاقت علی ساہی نے 11 مئی 2013ء کو ملکی سطح پر ہونے والے تاریخی الیکشن پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ بہت سی سیاسی پارٹیوں نے کراچی کے حلقوں میں الیکشن سے دستبردار ہو کر دھاندلی اور ٹھپا مافیا کے چہرے بے نقاب کر دیے ہیں۔ جب کہ الیکشن کمیشن کی جانب سے الیکشن سے قبل بہت سے دعوے کیے جارہے تھے کہ عوام کو ہر طرح کا پولنگ اسٹیشن پر تحفظ فراہم کیا جائے گا اور الیکشن پر مامور عملے کو بھی با اختیار بنا دیا گیا ہے اگر کوئی ڈیوٹی پر تعینات شخص بھی کسی منفی سرگرمی میں ملوث پایا گیا تو اس کے خلاف بھی سخت کارروائی عمل میں لائی جائے گی، الیکشن کے روز جو کچھ ہوا ہے الیکشن کمیشن کے تمام دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے ہیں بلکہ ماضی کے بھی تمام

ریکارڈ دھاندلی کے ٹوٹ گئے ہیں لیکن سندھ حکومت اور الیکشن کمیشن اس کے باوجود دعوے کیے جارہا ہے کہ کراچی میں شفاف الیکشن ہوئے ہیں ہم ان کے اس غیر ذمہ دارانہ بیان کی مذمت کرتے ہیں۔اس سب کے باوجود الیکشن کمیشن نے اپنے تئیں ان عام انتخابات کو شفاف قرار دیا ہے ان کا کہنا تھا کہ انتخابی نتائج میں کوئی کسی قسم کی تبدیلی نہیں کر سکتا اس حوالے سے قومی نمائندگی ایکٹ کے تحت طریقہ کار واضح کیا گیا ہے اور قوم بے فکر رہے ہم نے فول پروف سسٹم بنایا ہے۔سیکرٹری الیکشن کمیشن اشتیاق احمد نے کہا ہے کہ ملک میں شفاف آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے انعقاد کے حوالے سے الیکشن کمشن کی جیت ساری قوم اور جمہوریت کی جیت ہے۔

الیکشن میں مذہبی جماعتوں کی مایوس کن کارکردگی

2013ء کے انتخابات ہو چکے اور انتخابات میں تاریخی دھاندلی والے نتائج بھی سب کے سامنے آ چکے ہیں۔ مسلم لیگ (ن) نے میدان مار لیا۔ پی پی اور اے این پی نے پانچ سال جو بویا وہ انتخابات میں کاٹ لیا، تحریک انصاف ایک بڑی جماعت بن کر سامنے آئی۔ اور "ایم کیو ایم" اس نے اپنی روایت کو برقرار رکھا۔ رہی مذہبی جماعتیں! ان انتخابات میں ان کے ساتھ بالکل وہی کچھ ہوا ہے جس کی توقع ایک عرصے سے ہر باشعور انسان کو تھی۔ مذہبی جماعتوں کو ان انتخابات میں انتہائی قابل افسوس اور ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ لے دے کے ملک بھر سے جُھنگے میں گنتی کی چند سیٹیں ملی ہیں جن کی تعداد ایک ہاتھ کے پوروں کے برابر بھی نہیں۔ حالانکہ ان انتخابات میں مذہبی جماعتوں نے سیاسی پارٹیوں کے ساڑھے 13 ہزار امیدواروں کے مقابلے میں 1800 امیدوار میدان میں اتارے تھے۔ اعداد و شمار کے مطابق مذہبی جماعتوں کے قومی اسمبلی کے 650 سے زائد اور صوبائی اسمبلی کے 1100 کے قریب امیدواروں نے عام انتخابات میں حصہ لے۔ جمعیت علماء اسلام (ف) کے قومی اسمبلی کے لیے امیدواروں کی تعداد کچھ اس طرح تھی، پنجاب سے 90، سندھ سے 21، بلوچستان سے 25 اور خیبر پختونخوا کی تمام سیٹوں پر امیدوار تھے۔ جمعیت علماء اسلام نے صوبائی اسمبلی کے 130 حلقوں سے امیدوار میدان میں اتارے تھے۔

متحدہ دینی محاذ کے قومی اسمبلی کے لیے پنجاب سے 53، خیبر پختونخوا سے 22، سندھ سے بلوچستان سے 2 اور صوبائی اسمبلی کے لیے خیبر پختونخواہ سے 39، بلوچستان سے 25، سندھ سے 53 اور پنجاب سے 71 سیٹوں پر امیدواروں نے الیکشن لڑا۔ سنی اتحاد 15، کونسل نے قومی اسمبلی کی 22 اور صوبائی اسمبلی کے ضمن میں پنجاب سے 40، سندھ سے 11، خیبر پختونخوا سے ایک اور بلوچستان سے 6 حلقوں میں انتخابات میں حصہ لیا۔ اسی طرح جماعت اسلامی نے قومی اسمبلی کے 156 اور صوبائی اسمبلی کے 345 حلقوں میں اپنے امیدوار کھڑے کیے۔ سنی اتحاد کونسل (مشہدی گروپ) نے صرف صوبائی اسمبلی کی تین سیٹوں پر الیکشن لڑا۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث نے قومی اور صوبائی اسمبلی کی ایک ایک سیٹ پر الیکشن لڑا۔ سنی تحریک نے قومی اور صوبائی اسمبلی کی 183 سیٹوں پر امیدوار نامزد کیے، جس میں قومی اسمبلی کی 48 اور صوبائی اسمبلی کے حوالے سے پنجاب سے 62، سندھ سے 57، خیبر پختونخواہ سے 6 اور بلوچستان سے 7 امیدوار انتخابی اکھاڑے میں اترے۔ جمعیت علماء اسلام پاکستان (نورانی) کے قومی اور صوبائی اسمبلی کے 210 امیدوار تھے۔ قومی اسمبلی کے حلقوں کے لیے پنجاب سے 33، سندھ سے 20، خیبر پختونخواہ سے 9 اور بلوچستان سے 4 اور صوبائی اسمبلی کے ضمن میں پنجاب سے 79، سندھ سے 33، خیبر پختونخوا سے 21 اور بلوچستان سے 10 امیدواروں نے حصہ لے۔ایک اور مذہبی

جماعت نے بھی پاکستان کے قومی اسمبلی سے 37 اور صوبائی اسمبلیوں سے 70 امیدوار الیکشن کے لیے نامزد کیے تھے۔انتخابات میں ذلت آمیز شکست کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ مذہبی جماعتوں کے اتنے زیادہ امیدواروں میں سے قومی اسمبلی کی 11 سیٹیں جمعیت علماء اسلام اور صرف 3 سیٹیں جماعت اسلامی کو ملی ہیں۔اس کے علاوہ صوبائی اسمبلی میں تمام مذہبی جماعتوں کو تیس سے بھی کم سیٹیں ملی ہیں۔حالات کے پیش نظر اتنی سیٹوں کو بھی زیادہ سمجھا جانا چاہیے ورنہ امید تو اتنی سیٹوں کی بھی نہ تھی۔یاد رہے کہ مذہبی جماعتوں نے 2002 میں انتہائی کم امیدوار کھڑے کیے اور ایک پلیٹ فارم سے الیکشن لڑکے قومی کی 63 سیٹیں جیتیں تھی۔

انتخابات سے قبل مذہبی جماعتوں نے انتخابات میں کامیابی اور زیادہ سے زیادہ سیٹیں حاصل کرنے کے لیے بعض سیاسی جماعتوں کے ساتھ اتحاد اور سیٹ ٹو سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی بھرپور کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی۔

مسلم لیگ (ن) نے پہلے جے یو آئی (ف) کو اپنے ساتھ لگایا اور وقت گزرنے کے ساتھ ہی پیچھے ہو گئے اور پی ٹی آئی کے ساتھ جماعت اسلامی کے ہونے والے مذاکرات ناکام ہوئے، جماعت اسلامی نے (ن) لیگ سے بھی رابطہ کیا، معاملات آگے بڑھے لیکن ن) لیگ کی طرف سے بھی جماعت اسلامی کو جواب مل گیا۔ سنی)

تحریک بھی مسلم لیگ (ن) کے پیچھے پیچھے تھی لیکن ناکام رہی۔ (ن) لیگ نے اس سے قبل شیخ وقاص کے بہانے اہلسنت والجماعت سے بھی جان چھڑائی لی تھی۔ اسی طرح دوسری کئی چھوٹی دینی سیاسی جماعتوں نے پی ٹی آئی اور ن لیگ سے سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی کوشش کی لیکن وہ کوشش بارآور ثابت نہ ہو سکی۔ الیکشن سے تقریباً ایک مہینہ پہلے بندہ انہی صفحات پر یہ لکھ چکا ہے کہ اطلاعات کے مطابق ملک بھر کی تمام مذہبی سیاسی جماعتوں اور مذہبی شخصیات کو پارلیمنٹ تک پہنچنے سے روکنے کے لیے مسلم لیگ (ن)، پیپلز پارٹی، تحریک انصاف، ایم کیو ایم، اے این پی اور مسلم لیگ (ق) سمیت تمام سیاسی پارٹیوں کو مذہبی جماعتوں سے اتحاد یا سیٹ ایڈجسٹمنٹ کرنے سے روکنے کے بیرونی ایجنڈے کا انکشاف ہوا۔ جس کے تحت ان مذہبی جماعتوں سے اتحاد نہیں کیا گیا۔ بیرونی سازش کا مقصد 2013ء کے عام انتخابات کے نتیجے میں تشکیل پانے والی پارلیمنٹ سے آئین پاکستان میں موجود اسلامی شقوں کا خاتمہ تھا، ان اسلامی شقوں میں اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی بجائے عوامی C- قانون تحفظ ناموس رسالت 295 جمہوری پاکستان کی ترامیم بھی شامل ہیں۔ کاغذات نامزدگی کے وقت آئین کی شق نمبر باسٹھ، تریسٹھ کو بے ڈھنگے طریقے سے لاگو کرنا اور اس پر بے حد شور مچانا درحقیقت آئین کی ان شقوں کو نکالنے کے لیے راہ ہموار کرنے کا ایک طریقہ تھا۔ بیرونی قوتوں کے اشاروں پر پاکستان کی حکومتیں کئی بار پاکستان کے آئین میں موجود اسلامی قوانین کو ختم کرنے، تعلیمی نصاب سے اسلامی مواد کو خارج کرنے، گستاخ رسول کی

سزا ختم کرنے اور دوسرے کئی اسلامی قوانین کو ختم کرنے کی کوشش کر چکی ہے ں لیکن وہ اپنی تمام کوششوں میں ناکام رہی ہیں۔ وکی لیکس نے بھی اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ امریکا و برطانیہ سمیت تمام عالمی قوتوں کو 2002ء میں متحدہ مجلس عمل کی بڑی سطح پر ہونے والی کامیابی کسی طور پر گوارہ نہیں تھی، وہ ہمیشہ انہیں کھٹکتی رہی ہے۔

اندازہ لگایے کہ مذہبی جماعتوں کی وہ نشستیں جن کو وہ ایک عرصے سے وہ جیتتے آ رہے ہیں اور جن پر الیکشن سے پہلے ہی تجزیہ کار مذہبی جماعتوں کی کامیابی کی یقین دہانی بھی کروا چکے تھے، ان سیٹوں پر بھی بیرونی قوتوں کے اشارے پر امیدواروں کو سازش کے تحت ہروا دیا گیا۔ اصل میں بیرونی قوتیں طے کر چکی تھیں کہ اسمبلی میں کم سے کم مذہبی امیدوار جائیں، اس کے لیے تاریخی دھاندلی بھی کروائی گئی اور نتائج بھی تبدیل کیے گئے۔ لیکن اس سب کے باوجود دوسروں سے شکوہ کرنا اس لیے درست نہیں کیونکہ ان حالات کی ذمہ دار یہ مذہبی جماعتیں خود ہیں، اس سب کا مقابلہ تمام مذہبی جماعتیں ایک پلیٹ فارم سے الیکشن لڑ کے کر سکتی تھیں۔ اس کے بعد اگر کسی مذہبی نمائندے کو سازش کے تحت ہروانے کی کوشش کی جاتی تو تمام مذہبی جماعتیں مل کر اس کا مقابلہ کرتیں۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا، جس کا نتیجہ ان کو شکست کی صورت میں مل گیا۔ مذہبی جماعتوں نے آپس میں اتحاد تو کیا کرنا تھا بلکہ ایک دوسرے کے

مدمقابل امیدوار لا کر دوسرے مذہبی امیدوار کو شکست دلوانے کی کوشش کی گئی، کیونکہ بہت سے امیدوار ایسے تھے جن کو یقین تھا کہ وہ کامیاب نہیں ہوں گے، اس کے باوجود دوسرے مذہبی امیدوار کے مقابلے میں کھڑے ہوئے جس سے دونوں امیدواروں نے شکست کا مزہ چکھا۔اس سے بھی بڑھ کر انتخابی مہم کے دوران دونوں جانب کے ڈاڑھی اور پگڑی والے امیدوار عوامی اجتماعات میں اے کے دوسرے کے کپڑے دھوتے رہے۔مذہبی جماعتوں کو خیبر پختونخوا میں سے ہمیشہ زیادہ سیٹیں ملتی ہیں، لیکن اب کی بار مذہبی جماعتوں کا ووٹ تقسیم ہوچکا تھا، خیبر پختونخوا میں ہر سیٹ پر جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام کے امیدوار مدمقابل تھے،اس کے علاوہ کئی سیٹوں پر ان دو کے ساتھ متحدہ دینی محاذ اور جمعیت علماء اسلام نظریاتی کے امیدوار بھی مدمقابل تھے،اس سے یہ ہوا کہ مذہبی ووٹ چار جماعتوں میں بٹ گیا جس سے دوسری جماعتیں فتح پا گئیں۔اس کے علاوہ پنجاب، سندھ اور بلوچستان میں بھی بے شمار ایسی سیٹیں تھیں جن پہ کئی کئی مذہبی امیدوار کھڑے تھے،حالانکہ اکابر علماء کرام کئی دن تک بھرپور کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح مذہبی جماعتیں آپس کی چپقلش چھوڑ کر باہم متحد ہوجائیں تاکہ سیکولر قوتوں کا کسی حد تک مقابلہ کیا جاسکے، لیکن ہر کوشش بے سود ثابت ہوئی۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے مذہبی جماعتوں کو کامیابی کیا خاک ملنی تھی۔صرف خیبر پختونخوا میں مذہبی امیدواروں نے دو درجن کے لگ بھگ نشستیں اے کے سے پانچ ہزار ووٹوں کے فرق سے ہاریں اور یہ وہی فرق تھا جو دوسری جانب

کسی دوسری دینی جماعت کے اے دوار کی جانب سے ووٹ کاٹے جانے سے پے دا ہوا۔ حالیہ انتخابات میں تحریک انصاف کی خیبر پختونخوا میں غیر معمولی کامیابی کی اصل وجہ بھی اس صوبے میں دینی جماعتوں کے مینڈیٹ کی تقسیم بنی۔ دینی جماعتوں کی یہ شکست نوشتہ دیوار تھی۔ یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اگر دینی جماعتیں متحد ہوتیں یا کم از کم ایم ایم اے کا پلے ٹ فارم ہی بحال کیا جاتا تو آج نہ صرف خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں دینی جماعتوں کی حکومت ہوتی بلکہ سندھ اور پنجاب میں بھی معتدبہ کامیابی کا حصول ممکن ہوتا۔

ڈرون حملوں کے بارے میں پینٹاگون کی پالیسی پاکستان کی نئی حکومت کے لیے چیلنج

گزشتہ روز امریکا نے کہا ہے کہ پاکستان میں ڈرون حملوں کے حوالے سے اس کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ جہاں بھی ڈرون کی ضرورت محسوس ہوئی، حملہ کریں گے۔ امریکی محکمہ دفاع پینٹاگون کے حکام کا کہنا ہے کہ ڈرون حملوں کے حوالے سے جاری پالیسی میں تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں۔ دنیا بھر میں ان حملوں کا کنٹرول فوج کو دیے جانے کے باوجود پالیسی برقرار رہے گی۔ خصوصی فوجی آپریشنز کے حوالے سے نائب سیکرٹری دفاع مائیکل شی ہان نے میڈیا کو بتایا کہ القاعدہ کے خلاف جنگ مزید 20 سال جاری رہ سکتی ہے۔ امریکا کے دشمنوں کا تعین پینٹاگون کرے گا اور تمام حملے صدر اوباما کے حکم پر ہوں گے۔

پاکستان میں ایک عرصے سے امریکی حکومت کے حکم سے ڈرون حملے ہو رہے ہیں جن میں اب تک بے شمار بے گناہ پاکستانی مارے جا چکے ہیں۔ پاکستان میں ہونے والے ڈرون حملے ہر لحاظ سے غیر قانونی ہیں۔ اقوام متحدہ سمیت تمام ممالک ان حملوں کو غیر قانونی اور پاکستان کی سلامتی کے خلاف قرار دے چکے ہیں۔ گزشتہ دنوں یورپی پارلیمنٹ کے ارکان نے بھی یورپین پارلیمنٹ کے سامنے اس بات کی وضاحت کی تھی کہ امریکی ڈرون حملے غیر قانونی ہیں، اس میں معصوم لوگ مارے

جاتے ہیں۔ یورپی یونین کے لیے پاکستان کے سفیر منور بھٹی کا کہنا تھا کہ ہم ان حملوں کو بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی اور پاکستان کی خود مختاری و سلامتی کے منافی سمجھتے ہیں۔ یورپین پارلیمنٹ کے ایک رکن برونس سارہ لڈفورڈ نے نشان دہی کی کہ ڈرون حملے سراسر غیر قانونی ہیں۔ ایک بین الاقوامی این جی او کے ڈپٹی ڈائریکٹر ہیلری سٹوفیر نے بتایا کہ امریکا کے حملوں میں 4700 لوگ مارے گئے ہیں جن میں شدت پسندوں کی تعداد 3,4 فیصد ہے۔ 3 روز قبل پشاور ہائی کورٹ نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا ہے کہ ڈرون حملے جنگی جرائم ہیں، سیکورٹی فورسز کو اختیار ہے کہ وہ ڈرون میزائل فائر کرنے والے جہازوں کو مار گرائیں۔ پشاور ہائی کورٹ نے ڈرون حملوں کو جنگی جرائم اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے وزارت خارجہ کو حکم دیا ہے کہ وہ اقوام متحدہ میں ڈرون حملوں کے خلاف قرارداد جمع کرائے اور اگر امریکا اس قرارداد کو ویٹو کرے تو امریکا کے ساتھ سفارتی تعلقات منقطع کیے جائیں۔ قبل ازیں پشاور ہائی کورٹ نے وکلاء کے دلائل مکمل ہونے پر ڈرون حملوں پر فیصلہ محفوظ کیا تھا۔ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں کے خلاف رٹ پٹیشن مسلم لیگ (ن) سے تعلق رکھنے والے ایف ایم صابر ایڈووکیٹ نے 2011ء میں دائر کی تھی جس میں یہ موقف اختیار کیا گیا تھا کہ ڈرون حملے ملکی سالمیت و خود مختاری کے خلاف اور جنگی جرائم کے مترادف ہیں۔ فیصلے میں کہا گیا کہ معصوم انسانی جانوں کے ضیاع پر امریکا ان کے ورثاء کو معاوضہ ادا کرے اور حکومت پاکستان اقوام

متحدہ کی جنرل اسمبلی کے لیے قرارداد تیار کرے۔ اس قرار داد کے متفقہ طور پر منظور ہونے کی صورت میں پاکستان افغانستان میں نیٹو افواج کی سپلائی لائن اور تمام لاجسٹک سپورٹ بند کرے۔ عدالت کے فیصلے کے مطابق حکومت اس سلسلے میں جنگی جرائم ٹریبونل بنائے اور اس مسئلے کو حل کرے۔ پشاور کے معروف قانون دان قاضی بابر کا کہنا ہے "بدقسمتی سے پاکستان میں اب تک کوئی بھی ایسا حکمران نہیں آیا جو امریکا کو یہ کہہ سکے کہ بین الاقوامی قوانین کی رو سے امریکا پاکستان کے فضائی حدود کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا جبکہ انہیں یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ ان کے جاسوسی طیارے پاکستانی علاقوں میں داخل ہو کر بے گناہ افراد کو میزائل حملوں کا نشانہ بنائیں، کسی بھی حکومت نے امریکا کو یہ بتانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ پاکستانی شہریوں کو اپنے مقاصد کے لیے مارنے کا حق نہیں رکھتے"۔

پاکستان کی گزشتہ حکومت نے کبھی سنجیدگی سے ڈرون حملوں کو رکوانے کی کوشش ہی نہیں کی۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان میں بے گناہ لوگ امریکی درندگی کا نشانہ بنیں۔ پاکستان کی عوام چاہتی ہے کہ کسی طرح پاکستان میں جاری امریکی اجارہ داری ختم ہو اور وہ ڈرون حملے بند کرے۔ اسی لیے انتخابات میں پاکستانیوں کی اکثریت نے ڈرون حملوں کے حمایتیوں اور ان حملوں کو کسی بھی طرح جواز کی سند دینے والوں کو انتخابات میں بری طرح شکست سے دوچار کیا ہے۔

مئی کو ہونے والے عام انتخابات دراصل 86.189 ملین رجسٹرڈ ووٹروں کے یہ 11 انتخابات پیمائش اور گنجائش کے لحاظ سے جمہوریت کی سب سے بڑی مشق تھی۔انتخابی نتائج نے علاقائی اور صوبائی خطوں پر کچھ شگاف ظاہر کیے ہیں کیوں کہ کسی بھی ایک جماعت نے پاکستان کے تمام حصّوں سے کامیابی حاصل نہیں کی ہے لیکن پاکستانی ووٹرایک محاذ پر متحد نظر آئے، وہ یہ کہ انہوں نے ایسے تمام سیاستدانوں کو مسترد کر دیا جنہوں نے چپ چاپ یا کھلم کھلا پاکستانی سرزمین پر امریکی ڈرون حملوں کی حمایت کی ہے۔ عوامی نیشنل پارٹی اور پیپلز پارٹی جن کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ امریکی ڈرون کے حمایتی ہیں کو لوگوں نے یکسر مسترد کر دیا جبکہ وہ دو جماعتیں مسلم لیگ ن اور تحریک انصاف جنہوں نے پاکستانی سرزمین پر امریکی ڈرون حملوں کی کھل کر مذمت کی 11 مئی کے انتخابات میں فاتح بن کر سامنے آئے۔

میاں نواز شریف اور عمران خان انتخابات سے پہلے ڈرون حملوں کی مخالفت کرتے تھے اسی لیے عوام نے ان کو کامیاب کروایا ہے۔انتخابات سے پہلے پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کہتے تھے کہ قبائلی علاقوں میں ڈرون حملے حکومت کی مرضی سے ہو رہے ہیں، تحریک انصاف ہی قبائلیوں کے نقصانات کا ازالہ کرے گی،ڈرون حملے ملکی و بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی ہیں۔ موجودہ اور سابقہ حکومتوں نے قبائلی علاقوں میں فوجی آپریشن اور این آر او

کے زریعے ڈرون حملوں کی اجازت دے کر قبائلی نوجوانوں کی زندگی تباہ کر دی،
حکومت نے دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ میں شرکت کے لیے کوئی آزاد رائے نہیں لی اور فوج سمیت قبائلیوں کو تباہ کرنے کے لیے اس جنگ میں جھونک دیا۔ تحریک انصاف پاکستان کو امریکی جنگ سے نکالے گی اور قبائلیوں کے تمام نقصانات کا ازالہ کرے گی۔ان کا کہنا تھا کہ گیارہ مئی کے بعد میں ڈرون حملوں کو گرانے کا حکم دے دوں گا۔

میاں نواز شریف بھی کئی بار ڈرون حملوں کی مذمت کر چکے ہیں۔کچھ دن قبل ہی میاں نواز شریف اور وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف سے پاکستان اور افغانستان کے لیے امریکا کے خصوصی نمائندے کی مشیر روبن رافیل نے ملاقات کی اور پاک امریکا تعلقات دہشت گردی کے خلاف جنگ سمیت دیگر امور پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ نواز شریف نے کہا کہ پاکستان پر ڈرون حملے بند کیے جائیں اور دہشت گردی کے خلاف جنگ میں مستحکم پاکستان ضروری ہے۔ ملاقات کے دوران میاں نواز شریف کا کہنا تھا کہ پاکستان تمام ممالک کے ساتھ برابری کی سطح پر تعلقات کا خواہاں ہے مگر کوئی ملک ہماری سلامتی اور خودمختاری کی خلاف ورزی کرے تو اس سے تعلقات متاثر ہو سکتے ہیں۔ (ن) لیگ کی قیادت نے ڈرون حملے بند کرنے کا مطالبہ کیا۔چار روز قبل امریکی اخبار "وال سٹریٹ جرنل" کو انٹرویو دیتے ہوئے میاں نواز شریف کا کہنا تھا کہ پاکستان اور امریکا کے درمیان

تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے کام کریں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں پر پاکستانی عوام کو تشویش ہے اور مجھے امید ہے کہ اس حوالہ سے ہم کسی تصفیہ پر پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ انتخابات میں عوام نے ڈرون حملوں کی مخالفت کرنے والوں کو کامیاب کروایا ہے، حزب اختلاف اور حزب اقتدار میں انتخابات سے پہلے ڈرون حملوں کی مخالفت کرنے والے ہیں، یہ اگر چاہیں تو امریکی حکم کو مسترد کرتے ہوئے ڈرون حملے روکنے کا حکم دے سکتے ہیں، اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھیں عوام نے اب کی بار ڈرون حملوں کے حمایتیوں کو مسترد کیا ہے، اگر انہوں نے بھی ڈرون حملے نہ رکوائے تو اگلی بار ان کو بھی مسترد کر دیں گے۔

نیا پاکستان وجود میں آگیا

مطالعہ کا ذوق رکھنے والا شاید ہی کوئی شخص ہو جو سعادت حسن منٹو کے نام سے واقف نہ ہو۔ سعادت حسن منٹو اردو ادب کے عظیم افسانہ نگار اور خاکہ نویس ہو گزرے ہیں۔ ان کی تحریریں آج بھی ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ سعادت حسن منٹو نے اپنی 42 سال 8 ماہ اور 9 دن کی زندگی میں بے شمار افسانے، خاکے اور ڈرامے لکھے۔ وہ اپنی ننگی آنکھوں سے زندگی کی تلخ، بے رحم سچائی اور حقیقت کو افسانے کا موضوع بنا کر ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ اپنی تصنیف "جدیدیت کے بعد" میں سعادت حسن منٹو کے افسانوی ادب کے ضمن میں اپنے خیالات و تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے: "منٹو Doxa کا نقاب اسی لیے نوچ پھینکتا ہے کہ وہ اشرافیہ کو ننگا کر سکے۔"

"نیا قانون" سعادت حسن منٹو کا پہلا شاہکار افسانہ ہے۔ یہ افسانہ ان کے افسانوں کے مجموعے "منٹو کے بہترین افسانے" سے ماخوذ ہے۔ منٹو کے یہاں ان کی سیاسی شعور کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ "نیا قانون" بھی اسی نوعیت کا افسانہ ہے، جو ہمیں دعوتِ فکر دیتا ہے۔ "استاد کوچوان منگو" اس افسانے کا مرکزی کردار ہے۔ جس کے اِرد گرد کہانی گھومتی ہے۔ وہ ایک محب وطن شہری ہے جو اپنے

مرتبے کے لوگوں میں بہت دانشور سمجھا جاتا ہے۔ اس کا سیاسی شعور بیدار ہے اور یہ احساس کہ وہ ایک غلام قوم کا فرد ہے اس کے دل میں نفرت کا سمندر بن چکا ہے۔ اسے انگریزوں سے شدید نفرت ہے۔ کوچوان منگو مظلومیت کا شکار ایک محنت کش غریب انسان ہے۔ دن رات وہ تانگا چلاتا اور اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ کوچوان منگو اپنی سواریوں کی گفتگو بڑے غور سے سنتا اور اس سے جو کچھ اخذ کرتا، وہ اپنے ساتھیوں کو بھی سناتا ہے۔ ایک دن تانگے کی سواریوں کی گفتگو سے اسے نئے قانون یعنی انڈیا ایکٹ کے نفاذ کا علم ہوتا ہے۔ استاد منگو "نیا قانون" کی خبر سن کر یہ خبر دوسروں تک پہنچانے کے لیے بے قرار نظر آتا ہے۔ اسے یہ سن کر بے انتہا خوشی محسوس ہوتی ہے کہ "پہلی اپریل" کو اس نئے قانون کے نفاذ کے نتیجے میں وہ اور اس کا ملک آزاد ہو جائیں گے۔ اس کا خیال ہے کہ نیا قانون ظالموں کے لیے کھولتا ہوا پانی ہوگا۔ اس خبر کے ساتھ اس کے ذہن میں ایک خوشگوار انقلاب کا تصور انگڑائیاں لینے لگتا ہے۔

آخر یکم اپریل کا سورج اس کے تصور کے مطابق حریت کے متوالوں کے لیے نوید سحر لے کر طلوع ہوتا ہے۔ وہ اپنے حسین تصورات میں گم اپنے تانگے پر شہر والوں کی بدلی کیفیات دیکھنے کے لیے نکلتا ہے، مگر اسے کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آتی۔ گھومتے گھومتے وہ ایک جگہ سواری کی تلاش میں رک جاتا ہے۔ ایک انگریز سواری اسے آواز دیتی ہے۔ قریب پہنچ کر وہ اسے پہچان لیتا ہے کہ ایک

بار پہلے بھی اس کی تکرار اس انگریز سے ہو چکی تھی۔ وہ اس سے بہت حقارت بھرے لہجے میں پوچھتا ہے: "کہاں جانا ہے؟" انگریز منگو کے اس رویے کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکا اور اس نے منگو کو چھڑی کے اشارے سے تانگے سے نیچے اترنے کے لیے کہا۔ انگریز کا فرعون صفت رویہ منگو کے دل میں آگ لگا دیتا ہے۔ اس نے انگریز کو تانگے سے اتر کر بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔ متحیر و ششدر گورے نے ادھر ادھر سمٹ کر منگو کے وزنی گھونسوں سے بچنے کی کوشش کی اور زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ اسی چیخ و پکار نے منگو کا کام اور تیز کر دیا جو گورے کو جی بھر کر پیٹ رہا تھا اور ساتھ ساتھ کہتا جا رہا تھا: پہلی اپریل کو بھی وہی آکڑ فوں۔ اسے پتہ نہیں تھا کہ قانون میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس بات کا احساس اسے تب ہوا جب استاد منگو کو پولیس کے سپاہی گورے کو پیٹنے کے جرم میں تھانے لے گئے۔ راستے میں اور تھانے کے اندر استاد منگو 'نیا قانون'، 'نیا قانون' چلاتا رہا، مگر کسی نے اس کی ایک نہ سنی۔ "نیا قانون" نیا قانون کیا بک رہے ہو۔ قانون وہی ہے پرانا۔" ....اور اس کو حوالات میں بند کر دیا جاتا ہے۔"

اگر سعادت حسن منٹو کے افسانے 'نیا قانون' کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس میں ہمیں اپنے ملک میں موجودہ دور کے ساتھ کافی حد تک مشابہت نظر آتی ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں کوچوان منگو کا کردار ملک کا ہر باشندہ ادا کر رہا ہے۔

عوام ایک عرصے سے مصائب کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ملک میں پھیلے مسائل نے ان کا جینا دوبھر کیا ہوا ہے۔ انہیں کرپشن کا اژدھا ڈس رہا ہے۔ مہنگائی کا عفریت منہ کھولے ہڑپ کرنے کو تیار ہے۔ بے روزگاری سے تنگ عوام خودکشیاں کرنے پر مجبور ہیں۔ غریب کا چولہا دن بدن بجھتا جارہا ہے جبکہ امیر ہر دن کے ساتھ امیری کی سیڑھیاں چڑھ رہا ہے۔ بدامنی کی وجہ سے عوام کا چین و سکون چھن چکا ہے اور امریکی غلامی سے یہ عوام بری طرح دوچار ہے۔ پاکستانی قوم ایک عرصے سے ان تمام مسائل کا شکار ہے اوران مصائب کے خلاف ان کے دل میں نفرت کا سمندر ٹھاٹیں مار رہا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ کسی طرح بھی ممکن ہو ان مسائل سے چھٹکارا مل جائے، لیکن کچھ کر نہیں سکتے۔

حالیہ دنوں ملک میں انتخابات ہوئے۔ انتخابات کی گہما گہمی کے دوران تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے کہا کہ ہم نیا پاکستان بنا کر دم لیں گے۔ 11 مئی کی شام عوام نئے پاکستان کا جشن منائیں گے۔ پرانے پاکستان میں کرپشن کی حکومت ہے، مہنگائی کی اجارہ داری ہے، بدامنی کا راج ہے اور ہمار ملک امریکی کالونی بن چکا ہے۔ لہٰذا ہم نیا پاکستان بنائیں گے، جس میں ان بیں سے کوئی بھی مسئلہ درپیش نہیں ہوگا۔ مسلم لیگ ن) کے سربراہ نے بھی جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ نوجوان میرا ساتھ دیں، نیا پاکستان ہم بنائیں گے، آپ لوگ گیارہ مئی کو نئے پاکستان کا جشن منانا۔ پرانے پاکستان میں بہت سے

مسائل ہیں، جن کو ختم کیے بغیر عوام کو سکون نہیں مل سکتا۔ لہٰذا ہم نیا پاکستان بنائیں گے تو عوام کو ہر قسم کے مسائل سے چھٹکارا مل جائے گا۔ عوام چونکہ پہلے سے ہی بے شمار مسائل سے دوچار تھے،انہوں نے سوچا واقعی نیا پاکستان تمام مسائل کے لیے کھولتا ہوا پانی ہوگا۔ان کے ذہن میں ایک خوشگوار انقلاب کا تصور انگڑائیاں لینے لگا۔جس جس نے بھی سنا کہ ایک نیا پاکستان بننے جارہا ہے سب خوشگوار حیرت میں ڈوب گئے اور اپنے جاننے والوں اور دوستوں کو بتانے لگے کہ گیارہ مئی کو ایک نیا پاکستان بن جائے گا، جس کے بعد ہم سکون کی زندگی گزار سکیں گے۔ مہنگائی ہوگی نہ بے روزگاری۔ کرپشن ہوگی نہ ہی امریکی غلامی۔ دہشت گردی ختم ہوجائے گی، خود کش بمبار میرا ملک چھوڑ دیں گے، بدامنی کا دور دور تک نام ونشان نہیں ہوگا۔ کراچی کے لوگ بھی سکھ کا سانس لیں گے۔ انہیں بھی ٹارگٹ کلنگ سے خلاصی مل جائے گی۔ ڈرون حملے رک جائیں گے، میرے ملک میں تعلیم کا معیار بلند تریں ہوجائے گا۔ چور اچکوں کو الٹا لٹکا دیا جائے گا، بھتہ مافیا کو چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی۔ بلوچستان کے حالات بھی ٹھیک ہوجائیں گے۔ عوام نے عمران خان اور میاں نواز شریف کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تمام مسائل سے پاک ایک نئے پاکستان کے لیے بڑھ چڑھ کر محنت کی۔ بالآخر 11 مئی آیا، انتخابات ہوئے اور ایک نیا پاکستان وجود میں آگیا۔ اب یہاں کا ہر باسی استاد منگو کی طرح یہی سمجھ رہا ہے کہ نیا پاکستان بننے کے بعد ہمیں ہر قسم کی مصیبت سے نجات نصیب ہوجائے گی

بدامنی، کرپشن، لوڈشیڈنگ، مہنگائی، بے روزگاری اور امریکی غلامی سے ہمیشہ کے لیے جان چھوٹ جائے گی۔ استاد منگو کی طرح پاکستانی عوام خوشگوار امید میں مبتلا ہے۔

انتخابات کے نتائج منظر عام پر آ چکے ہیں، جس کے مطابق مسلم لیگ (ن) نے مرکز میں بھاری اکثریت کے ساتھ میدان مارا ہے اور تحریک انصاف بھی ایک بڑی جماعت کے طور پر سامنے آئی ہے۔ یہ فیصلہ اب نئے پاکستان کا نعرہ لگانے والے ان رہنماؤں کو کرنا ہے کہ پاکستانی قوم کو حقیقت میں نیا پاکستان دینا ہے یا پھر استاد منگو کی طرح انہیں 'نیا قانون' جیسا نیا پاکستان دینا ہے۔ اگر حزب اقتدار اور حزب اختلاف مل کر قوم کو ایک ایسا نیا پاکستان دینا چاہیں جس میں عوام کو ہر قسم کی غلامی سے آزادی ہو تو یہ ہرگز ناممکن نہیں۔

کیا پرویز مشرف کو ملک سے بھگانے کی کوشش کی جارہی ہے؟

پاکستان ابھی تازہ تازہ انتخابات کے دنگل سے نکلا ہے، نئی حکومت بنانے کے لیے سوچ و بچار کا عمل جاری ہے، اسی دوران سابق آمر پرویز مشرف کا معاملہ بھی ایک بار پھر نمایاں ہوتا نظر آ رہا ہے۔ انتخابات سے قبل سابق آمر پرویز مشرف کے بارے میں کافی ہلچل دیکھنے میں آ رہی تھی۔ لیکن پھر سب کچھ الیکشن کی نذر ہوگیا اور پرویز مشرف کے بارے میں خاموشی سی چھا گئی۔ انتخابات سے پہلے اس کے خلاف کئی مقدمات درج کیے گئے کیونکہ اس پر بے شمار الزامات تھے۔ سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف نے 1999 میں میاں محمد نواز شریف کی حکومت ختم کرکے ملک میں مارشل لاء لگایا۔ ججوں کو بھی پی سی او کے تحت حلف اٹھانے پر مجبور کیا گیا۔ میاں محمد نواز شریف اور میاں محمد شہباز شریف کو جیل سے جلاوطن کر دیا گیا۔ پرویز مشرف کی وجہ سے پاکستان میں غیر ملکی مداخلت بڑھتی چلی گئی، افغانستان کے خلاف امریکا اور نیٹو فورسز کی جنگ میں پاکستان کو دباؤ کے ذریعے اتحادی بننے پر مجبور کیا گیا، یوں افغانستان میں لڑی جانے والی جنگ آہستہ آہستہ سرحدیں پار کرکے پاکستان کی حدود میں داخل ہو گئی جس کا خمیازہ پاکستان آج تک بھگت رہا ہے۔

پرویز مشرف کے ہاتھوں بلوچستان میں بزرگ بلوچ رہنما نواب اکبر بگٹی فوج کے ہاتھوں مارے گئے اور سینکڑوں بلوچ بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ جس سے بلوچستان میں آرمی اور پاکستان کے خلاف نفرت کے جذبات نے جنم لیا۔ جامعہ حفصہ کے سانحہ میں جنرل پرویز مشرف نے آپریشن کرنے کی اجازت دی جس سے سینکڑوں طلبہ و طالبات جاں بحق ہوئے، ملک میں ایمرجنسی لگا کر ججوں کو نظر بند کیا، محترمہ بے نظیر بھٹو کی جان کو شدید خطرات لاحق ہونے کے باوجود پرویز مشرف نے وزارت داخلہ کو مناسب سیکورٹی فراہم کرنے کے احکامات جاری نہ کیے، یوں محترمہ کی موت میں سیکورٹی فراہمی میں غفلت کا الزام بھی پرویز مشرف کے سر پر آیا، یوں اس پر غداری، جامعہ حفصہ آپریشن، نواب اکبر بگٹی قتل اور بے نظیر بھٹو کو سیکورٹی فراہم کرنے میں غفلت کے کیسز درج کیے گئے، سابق آمر پرویز مشرف کو ان کیسز کا سامنا تھا کہ درمیان میں انتخابات کی گہما گہمی شروع ہو گئی، جس سے تمام کیسز مدہم پڑتے دکھائی دینے لگے۔ حالانکہ ان کیسز کے بارے یہاں ماہرین قانون کا کہنا تھا کہ ایمرجنسی لگانے اور آئین کو پامال کرنے کی تمام تر ذمہ داری پرویز مشرف پر عائد ہوتی ہے کیونکہ وہ اس وقت ملک کے صدر تھے اور ایمرجنسی لگانے کا حتمی اختیار بھی انہی کو تھا۔ اس لیے اس کیس میں انہیں کم از کم عمر قید یا سزائے موت ہو سکتی ہے۔ نواب اکبر بگٹی قتل کیس کی بھی یہی صورتحال ہے کیونکہ پرویز مشرف نے اس بات کا اظہار بھی کیا تھا کہ اکبر بگٹی کو فائر وہاں سے لگے گا، جہاں سے اسے سمجھ بھی

نہیں آئے گی۔ جامعہ حفصہ، لال مسجد میں پرویز مشرف نے آپریشن کی منظوری دی تھی اس لیے انہیں ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں آج تک کسی فوجی سربراہ کو سزا نہیں ہوئی، اب دیکھیں سابقہ روش قائم رہتی ہے یا پھر کسی نئی روایت کی داغ بیل پڑتی ہے۔

پرویز مشرف کے حوالے سے ہفتے کے روز پاکستانی بری فوج کے سربراہ جنرل اشفاق پرویز کیانی نے مسلم لیگ ن کے سربراہ میاں محمد نواز شریف سے اہم ملاقات کی ہے۔ ملاقات میں سابق فوجی صدر جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف کا معاملہ خصوصی طور پر زیر بحث رہا۔ اطلاعات کے مطابق ملاقات کا ایجنڈا بظاہر ملکی صورت حال اور سیکورٹی معاملات پر بات چیت اور دیگر اہم امور پر رائے مشورہ کرنا تھا لیکن نواز شریف کے وزیراعظم بننے سے قبل آرمی چیف کا اچانک ان سے ملنا دراصل پرویز مشرف کو مشکلات سے نکالنے کی راہ ہموار کرنا تھا۔ آرمی چیف نے متوقع وزیراعظم کو ملکی مفاد میں پرویز مشرف کے معاملے پر ہارڈ لائن سے گریز کا مشورہ دیا جس پر نواز شریف نے انہیں بتایا کہ حکومت سازی کے بعد ان پر مشرف کے خلاف کارروائی عمل میں لانے کے لیے عدلیہ اور عوامی دباؤ میں اضافہ ہوگا۔ اگر وہ ن لیگ کی حکومت بننے سے قبل مشرف کو پاکستان سے باہر بھیجنے کا کوئی طریقہ اختیار کریں تو انہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا، اس طرح ن لیگ بڑی مشکل اور کسی امتحان میں پڑنے سے بچ جائے گی۔ کہا جارہا ہے کہ فوجی

قیادت اپنے پیش رو کو نئی حکومت کی تشکیل سے قبل ملک سے باہر بھجوانے کی سنجیدہ کوششوں میں مصروف ہے۔

پرویز مشرف کے حوالے سے میڈیا پر آنے والی خبروں کی تصدیق مسلم لیگ ضیاء گروپ کے سربراہ اعجاز الحق کے بیان سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے یہ دعوی کیا کہ پرویز مشرف نئی حکومت آنے سے قبل ملک سے باہر چلے جائیں گے۔اعجاز الحق کا دعویٰ اس وقت حقیقت کا روپ دھارتا نظر آنے لگا جب ہفتے کے روز پرویز مشرف کے خلاف ججز نظر بندی کیس میں مدعی نے حیرت انگیز طور پر درخواست واپس لے لی۔

میڈیا رپورٹس کے مطابق وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں پریس کانفرنس کے دوران پرویز مشرف کے خلاف مدعی اسلم گھمن ایڈووکیٹ کا کہنا تھا کہ اس وقت ملک افراتفری کا متحمل نہیں ہوسکتا، کوئی دباؤ نہیں بلکہ سوچ بچار کے بعد ملکی مفاد میں درخواست واپس لینے کا فیصلہ کیا۔ ججوں سمیت کسی نے بھی ان سے رابطہ نہیں کیا۔

ایڈووکیٹ اسلم گھمن نے کہا کہ انہوں نے اپنی شکایت وسیع تر قومی مفاد میں واپس لی ہے، سابق جنرل مشرف کے خلاف یہ مقدمہ ایک ریاستی معاملہ ہے جو قومی مفاد میں نہیں، لہٰذا میں نے یہ سوچ کر مقدمہ واپس لینے کا فیصلہ کیا۔ پٹیشن واپس لینے کا فیصلہ کرنے سے قبل میں نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا اور کافی غور خوض کرنے کے بعد میں نے یہ اقدام اٹھایا۔ایڈووکیٹ اسلم گھمن کا مزید کہنا تھا کہ وہ اب آئندہ نہ تو

عدالت میں پیش ہوں گے اور نہ ہی جنرل مشرف پر مقدمہ چلانے پر زور دیں گے۔ اب یہ عدالت پر منحصر ہے کہ وہ ان کے خلاف اس مقدمے میں کیا فیصلہ کرتی ہے۔

یاد رہے کہ چند ہفتے قبل کم از کم تین وکلا جن میں اسلام آباد پولیس کے خصوصی سرکاری وکیل سید محمد طیب بھی شامل تھے، نے خود کو اس مقدمے سے علیحدہ کرلیا تھا۔ بقیہ دو وکلاء میں راجہ رضوان اور قمر افضل نے رپورٹ کی تھی کہ انہیں نامعلوم افراد کی طرف سے دھمکیاں دی گئی ہیں۔ لیکن اس وقت ایڈوکیٹ اسلم گھمن نے کہا تھا کہ وہ کسی دباؤ یا خوف کے تحت اپنے کیس کو واپس نہیں لیں گے۔ چودھری اسلم گھمن کے وکیل ایڈوکیٹ اشرف گجر کا کہنا ہے کہ انہیں اپنے موکل کے اس فیصلے کے بارے میں ذرا بھی علم نہیں تھا۔ انہوں نے واضح کیا کہ اسلم گھمن نے اس معاملے پر ان سے کوئی مشورہ نہیں کیا، اگرچہ کہ وہ ان کی جانب سے ہی عدالت میں پیش ہوئے تھے۔ ایڈوکیٹ اشرف گجر کی رائے یہ تھی کہ اسلم گھمن اپنی شکایت کو واپس نہیں لے سکتے، اس لیے کہ انسداد دہشت گردی ایکٹ 1997 کے سیکشن کے تحت ایف آئی آر بھی اس میں شامل ہے۔ صرف ریاست اس کیس کو واپس لے سکتی ہے۔ قانونی ماہر بیرسٹر ظفراللہ خان کے مطابق اس طرح کے مقدمے میں کوئی فرد خود کو انفرادی طور پر تو الگ کرسکتا ہے، لیکن مقدمہ واپس نہیں لے سکتا۔ دوسری جانب ہفتے کو اسلام آباد میں انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت میں سابق صدر کے وکیل الیاس صدیقی ایڈوکیٹ نے

اپنے مؤکل کی ایک دن کے لیے حاضری سے استثنیٰ کی درخواست پیش کی اور کہا کہ سیکورٹی وجوہات کی بنا پر سابق صدر کو عدالت میں پیش نہیں کیا جاسکتا، جس پر عدالت نے درخواست منظور کرلی۔الیاس صدیقی ایڈووکیٹ کا کہنا تھا کہ پولیس نے تاحال چلان جمع نہیں کرایا جب کہ کیس کا مدعی اسلم گھمن بھی دستبردار ہوگیا ہے۔عدالت نے سابق صدر پرویز مشرف کے جوڈیشل ریمانڈ میں 14 روز کی توسیع کرتے ہوئے کیس کی مزید سماعت یکم جون تک ملتوی کردی ہے۔ان شواہد کی بنیاد پر مبصرین کی رائے ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پرویز مشرف کو ملک سے بھگانے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔

اپنی ظالمانہ بدنمائی چھپانے کے لیے اسرائیل کا نیا شوشہ

دو روز قبل اسرائیل نے فرانسیسی ٹی وی چینل پر تیرہ سال قبل چلائی جانے والی ایک رپورٹ درست کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ رپورٹ میں فلمائے گئے ایک منظر میں بارہ سالہ فلسطینی لڑکا محمد الدرہ اور اس کے والد کو دکھایا گیا ہے۔ گولیوں کی تڑتراہٹ میں یہ دونوں دہشت زدہ ایک دیوار سے لگے بیٹھے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد لڑکے کو مردہ حالت اور اس کے والد کو زخمی حالت میں دکھایا گیا ہے۔ یہ مناظر اسرائیل اور فلسطین کے درمیان امن مذاکرات کی ناکامی کے بعد ستمبر 2000ء میں شروع ہونے والی انتفاضہ کی جھڑپوں کے دوران فلمائے گئے تھے۔ اسرائیل کے بہ قول اس رپورٹ کے نشر ہونے کے بعد دنیا بھر میں صہیونی ریاست کے خلاف غم و غصہ اور زبردست اشتعال پھیل گیا تھا۔ عرب ممالک میں الدرہ کو شہید کا درجہ دیا گیا۔

اسرائیلی وزیر اعظم بنجمن نیتن یاھو نے بھی گزشتہ برس ستمبر میں اس واقعے کی تفتیش کے احکامات جاری کیے تھے۔ اسرائیلی وزیر اعظم کا کہنا تھا کہ یہ ویڈیو اسرائیل کے چہرے پر ایک بدنما داغ ہے جس کے بعد اس کے خلاف پر تشدد کارروائیاں شروع ہو گئی تھیں۔ ویڈیو کے منظر عام پر آنے کے بعد اسرائیل نے پہلے پہل تو اس پر معافی مانگی تاہم بعد میں الدرہ، جس کا بے جان جسم اس ویڈیو میں ساری دنیا نے دیکھا، اس کی موت کا الزام فلسطینی مجاہدین پر عائد

کر دیا تھا۔ چھتیس صفحات پر مشتمل اسرائیلی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ فرانسیسی چینل فرانس 2" کے اس الزام نے کہ اسرائیلی فوجیوں نے محمد الدرہ کو قتل کیا انتہائی تباہ کن" تھا۔ اس الزام کے بعد فلسطینی حریت پسند (مجاہدین) کئی سال تک اسرائیل اور امریکی اہداف کو نشانہ بناتے رہے۔ رپورٹ کے مطابق یہ ویڈیو فلسطینیوں کو دہشت گردی اور یہودی منافرت کا جواز فراہم کرتی رہی ہے۔ فلم کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد اسرائیلی رپورٹ میں کہا گیا "اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ اسرائیلی فوج کسی بھی طریقے سے مبینہ نقصان کی ذمہ دار ہے" رپورٹ میں کہا گیا کہ یہ بات انتہائی مشکوک ہے کہ لڑکے اور اس کے والد کے اطراف پڑے ہوئے گولیوں کے خول اسرائیلی جانب سے برسائی گئی گولیوں کے ہوں۔ اسرائیلی دستاویز میں سوال اٹھایا گیا کہ آیا یہ فوٹیج اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ فلم میں دکھائے گئے مناظر میں ان دونوں کو کوئی نقصان ہوا۔ "اس چیز کی ضرورت ابھی باقی ہے کہ اس رپورٹ کے تباہ کن اثرات کے ازالے کی جانب پہلا قدم اٹھاتے ہوئے اس رپورٹ کو اعلانیہ درست کیا جائے اور فرانس 2 چینل کا موقف واضح کیا جائے" اسرائیلی رپورٹ میں مزید کہا گیا۔ ادھر غزہ میں شہید محمد الدرہ کے والد جمال الدرہ نے اس نئی اسرائیلی رپورٹ کو مسترد کرتے ہوئے اسے ایک "نئی ملمع سازی" قرار دیا ہے۔ برطانوی خبر رساں ادارے "رائٹرز" کو انٹرویو دیتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ اس بارے میں کہ" ان کے ساتھ کیا ہوا تھا اور کیسے ہوا تھا" عرب کو بھی شامل کر کے عالمی

تحقیقات کی جانی چاہیئں۔اسرائیل کی اس رپورٹ کے رد عمل میں "فرانس 2" نے اس ضمن میں عالمی معیار کے مطابق کسی بھی آزاد اور پیشہ وارانہ تفتیش میں شریک ہونے کے ارادے کا اظہار کیا ہے۔ فرانسیسی چینل کا کہنا ہے کہ محمد الدرہ کی موت کے حالات کو جانچنے اور واضح کرنے کے لیے وہ اس لڑکے کی قبر کشائی میں تعاون کے لیے بھی تیار ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ اسرائیل کی جانب سے اس قسم کا مطالبہ انتہائی احمقانہ ہے، اسرائیل اس قسم کے شوشے چھوڑتا رہتا ہے۔اسرائیل کی جانب سے مظلوم فلسطینیوں پر ہونے والا ظلم روز روش کی طرح عیاں ہے۔اسرائیل نے فلسطین کی سرزمین پر ظالمانہ طور پر قبضہ کیا اور فلسطینیوں پر بے تحاشہ ظلم کیا ہے۔ محمد الدرہ کو بہیمانہ طور پر شہید کرنا اسرائیل سے بالکل بھی بعید نہیں ہے۔اسرائیل کے ناجائز قیام کے وقت صرف چند دنوں میں اسرائیل نے پندرہ ہزار فلسطینیوں کو شہید کر دیا تھا۔اسرائیل تاریخی فلسطین کے 85 فیصد حصے پر قبضہ کر چکا ہے۔ یہودی ہر قانونی اور غیر قانونی طریقے سے بے تحاشہ فلسطین میں داخل ہوئے۔ صیہونی ایجنسی نے ان کو ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں فلسطین میں گھسانا شروع کر دیا اور مسلح تنظیمیں قائم کیں، جنہوں نے ہر طرف مار دھاڑ کرکے عربوں کو بھگانے اور یہودیوں کو ان کی جگہ بسانے میں سفاکی کی حد کر دی۔ فلسطین کے ادارہ شماریات کے اعداد و شمار کے مطابق اسرائیلی ریاست

کے قیام کے وقت اسرائیل نے 774 فلسطینی شہروں اور دیہاتوں پر قبضہ کیا، جن میں سے 530 کو ملیامیٹ کردیا تھا۔ اسی طرح فلسطینیوں کے قتل و غارت گری کے 70 بڑے واقعات رونما ہوئے تھے۔ مئی 1948ء میں قیام اسرائیل کے موقع پر یہودی جتھوں نے فلسطینیوں پر حملے کرکے پندرہ ہزار سے زائد افراد کو شہید کیا۔ تاریخ کے اس اندوہناک سانحے کے موقع پر آٹھ لاکھ سے زائد فلسطینیوں کو اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا۔ کے آخر تک فلسطین کی کل آبادی کا 44.2 فیصد مہاجرین پر مبنی تھی۔ اس 2012 میں رجسٹرڈ (UNRWA) طرح اب تک اقوام متحدہ کی ریلیف اینڈ ورک ایجنسی مہاجرین کی تعداد 53 لاکھ ہو چکی ہے جو دنیا بھر میں بسنے والے تمام فلسطینیوں کا 45.7 فیصد ہے۔ 59 فیصد فلسطینی مہاجرین اردن، شام اور لبنان میں رہائش پذیر ہیں، 17 فیصد مغربی کنارے اور 24 فیصد غزہ کی پٹی میں ہیں۔ مہاجرین کا 29 فیصد 58 مہاجر کیمپوں میں آباد ہے۔ فلسطین کی آبادی 1948 میں 13 لاکھ ستر ہزار تھی جب کہ کے آخر میں یہ آبادی ایک کروڑ سولہ لاکھ تک جا پہنچی ہے۔ اس طرح دنیا بھر 2012 میں موجود فلسطینیوں کی تعداد قیام اسرائیل سے لے کر اب تک ساڑھے آٹھ گنا بڑھی ہے۔ فلسطینی ادارہ شماریات کے مطابق 1948ء میں فلسطین کے بڑے حصے پر اسرائیل کے قبضے کی وجہ سے فلسطینیوں نے غزہ کی جانب ہجرت کی اور غزہ کی پٹی دنیا کی سب سے گنجان آباد علاقہ بن گئی۔ اس طرح اس کی گنجانیت نام نہاد اسرائیل سے 11 گنا اور مغربی کنارے سے 10 گنا زیادہ ہے۔ 2012 کے آخر میں فلسطین میں فی کلومیٹر افراد بستے 724

تھے، اس میں غزہ کے ہر کلومیٹر مسافت میں 4583 جبکہ مغربی کنارے کے ہر کلومیٹر میں 475 افراد رہائش پذیر ہیں، دوسری جانب اسرائیل کی گنجانیت فی کلومیٹر 369 افراد ہے۔ 2012 کے آخر تک مغربی کنارے میں یہودی آبادیوں اور بستیوں کی تعداد ہو چکی تھی، 2011 کے آخر تک مغربی کنارے میں آباد یہودیوں کی تعداد پانچ 482 لاکھ 37 ہزار ہو چکی تھی۔ 49.8 فیصد یہودی آباد کار القدس میں بستے ہیں، ان کی تعداد 20 لاکھ 68 ہزار تک جا پہنچتی ہے۔۔ مغربی کنارے میں اس وقت ہر سو فلسطینیوں کے مقابلے میں 21 یہودی آباد ہیں۔ جبکہ القدس میں یہ نسبت ہر 100 فلسطینیوں کے مقابلے میں 68 یہودیوں کی ہے۔

واضح رہے کہ اس قسم کے واقعات ہر ان ملکوں میں بھی پیش آتے رہتے ہیں جہاں عوام اسلام کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ گزشتہ روز تیونس کے دارالحکومت کے نواح

یں جماعت انصارالشریعہ کے سیکڑوں حامیوں نے حکومت کی جانب سے سالانہ اجتماع کی اجازت نہ ملنے پر احتجاجی مظاہرہ کیا ہے۔ پولیس نے مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے ان پر اشک آور گیس کے گولے پھینکے ہیں جس کے بعد مظاہرین کی پولیس کے ساتھ جھڑپوں میں چودہ افراد زخمی ہوئے۔ انصارالشریعہ نے اتوار کو وسطی شہر قیروان میں سالانہ اجتماع کی اجازت نہ ملنے پر اپنے حامیوں کو دارالحکومت کے نواحی علاقے اعتضمن میں جمع ہو کر احتجاج کی اپیل کی تھی۔ واضح رہے کہ تیونس میں سابق آمر صدر زین العابدین بن علی کی حکومت کے خاتمے کے

بعد مختلف اسلامی گروپ سرگرم ہو چکے ہیں اور وہ آئے دن احتجاجی مظاہرے کرتے رہتے ہیں لیکن حکومت نے گزشتہ چند ماہ سے نفاذ اسلام کا مطالبہ کرنے والے اسلامی گروپوں کے بارے میں سخت موقف اختیار کیا ہوا ہے۔

طالبان سے مذاکرات کی کوشش حکومت کی سنجیدگی کا ثبوت ہے

اس وقت پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ بدامنی، دہشت گری اور خوف و ہراس ہے۔ عوام کو ہر حال میں امن چاہیے۔ وہ امن کے لیے بھاری سے بھاری قیمت چکانے کو بھی تیار ہیں۔ اگر کوئی حکومت انہیں امن فراہم نہیں کر سکتی تو وہ عوام کی نظر میں صفر ہے چاہے جتنے بھی زیادہ امن کے جھوٹے دعوے کرلیں۔ اس بات کا اندازہ حالیہ انتخابات کے نتائج سے لگایا جاسکتا ہے۔ وہ جماعتیں جو گزشتہ انتخابات میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئیں تھیں، انہوں نے حکومت بنائی، پانچ سال گزارے لیکن عوام کو امن فراہم کرنے میں ناکام ہوئیں تو عوام نے انتخابات میں ان جماعتوں کو اتنی بری طرح مسترد کیا کہ بعض جماعتوں کے نشان تک ڈھونڈنا مشکل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے وہاں کے عوام پرسکون زندگی گزار سکتے ہیں۔ اگر پرسکون زندگی کے لیے عوام کو امن ہی فراہم نہ کیا جائے گا تو وہ حکومت کو مسترد تو کریں گے۔

قیام امن کے حوالے سے وفاق اور خیبر پختونخوا میں بننے والی متوقع حکومت نے سنجیدگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ جس سے امن کے قیام کی کوئی قندیل روشن ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ دو روز قبل مسلم لیگ (ن) کے سربراہ میاں محمد نواز شریف

نے کہا ہے کہ طالبان مذاکرات کی پیشکش کرتے ہیں تو اسے سنجیدگی سے لینا چاہیے کیوں مذاکرات کے ذریعے ہی ملک میں امن قائم کیا جا سکتا ہے۔ طالبان سے مذاکرات بہترین آپشن ہے۔ ملک مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ خون خرابہ بند ہونا چاہیے، طالبان سے مذاکرات کرنا برا نہیں بہترین راستہ ہے۔ سیاست ہوتی رہتی ہے ملک قائم رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیسری بار وزیراعظم بننے کا موقع دیا ہے، اب وزیراعظم بننے کے لیے نہیں عوام کی خدمت کے لیے آیا ہوں۔ان کا کہنا تھا کہ 'ہم نے ہزاروں جانیں دیں ہیں، کھربوں روپے کا نقصان ہوا ہے تو اگر طالبان نے مذاکرات کی دعوت دیتے ہیں تو اس کو سنجیدگی سے لینا چاہیے۔' کیوں نہ ہم بیٹھ کر بات کریں۔ کیوں نہ بیٹھ کر مذاکرات کے ذریعے اپنے ملک میں امن قائم کریں؟ میاں نواز شریف نے یہ بھی کہا تھا کہ طالبان سے مذاکرات کا ایک موقع گنوا دیا گیا لیکن اب بھی مواقع آ سکتے ہیں اور ان مذاکرات کو قومی سلامتی کے تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔

مسلم لیگ (ن) کے صدر میاں نواز شریف نے طالبان سے مذاکرات کے لیے جے یو آئی (س) کے سربراہ مولانا سمیع الحق سے رابطہ کرکے تعاون بھی مانگا ہے۔ مولانا سمیع الحق نے نواز شریف کو تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کو بھی ساتھ ملانے کا مشورہ دیا اور خبر کی تصدیق کرتے ہوئے کہا ہے کہ میاں نواز شریف نے ایک انتہائی اہم شخصیت کے ذریعے مجھے طالبان سے مذاکرات کے حوالے سے پیغام بھجوایا ہے جس میں مجھ سے مذاکرات کے لیے تعاون کا کہا گیا ہے، میں

نے انہیں مشورہ دیا ہے کہ وہ ملک میں قیام امن اور دیگر مسائل کے حل کے لیے عمران خان کو بھی ساتھ لے کر چلیں اور کسی بھی قسم کے غیر ملکی ایجنڈے کو پاکستان پر مسلط نہ ہونے دیا جائے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ نواز شریف طالبان سے مذاکرات کے حوالے سے انتہائی سنجیدہ نظر آتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ملک میں قیام امن بندوق کے ذریعے نہیں ہوگا، مذاکرات کے ذریعے ہی مسائل کا حل ممکن ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں کسی سے خوفزدہ نہیں اور آج بھی یہ کہتا ہوں کہ 95 فیصد طالبان میرے مدرسے سے ہی تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں، وہ مجھے اپنا روحانی باپ سمجھتے ہیں۔ نواز شریف نے ان حالات میں گہری دلچسپی ظاہر کی ہے، نواز شریف سے ہر ممکن تعاون کریں گے لیکن اگر بیرونی دباؤ قبول کیا گیا تو انجام پچھلی حکومتوں جیسا ہو گا، نواز شریف دہشت گردی کی آگ کو بجھانے میں پوری توجہ مرکوز کریں، طالبان کو بندوق سے نہیں دبا سکتے، مذاکرات اور جرگہ کی بہت اہمیت ہے، بندق سے معاملہ حل نہیں ہوگا، حالات ٹھیک ہو جائیں تو امریکا جلد ہی بوریا بستر سمیٹ لے گا۔

دوسری جانب پاکستان تحریک انصاف نے بھی طالبان سے مذاکرات اور امن وامان کی صورتحال بہتر بنانے کیلئے مولانا سمیع الحق سے تعاون مانگا ہے۔ پاکستان تحریک انصاف نے خیبر پختونخوا میں امن وامان کی صورتحال ترجیحی بنیادوں پر بہتر بنانے کا اعلان کر رکھا ہے، اسی سلسلے میں پی ٹی آئی کے نامزد

وزیر اعلیٰ پرویز خٹک اور نامزد خیبر پختونخوا اسمبلی کے نامزد سپیکر اسد قیصر نے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں مولانا سمیع الحق سے ملاقات کی۔ ان کا کہنا تھا کہ امن وامان کی صورتحال بہتر بنانے میں دینی مدارس بالخصوص دارلعلوم حقانیہ اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ مولانا سمیع الحق نے نامزد وزیر اعلیٰ کو امن وامان بہتر بنانے کیلئے مکمل تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ خیبر پختونخوا کے متوقع وزیر اعلیٰ پرویز خٹک کا کہنا تھا کہ طالبان سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے اور ہم ان سے مذاکرات کے لیے تیار ہیں، وہ پاکستانی اور ہم ہی میں سے ہیں۔طالبان سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ بھی خطے میں امن کے لیے کردار ادا کریں۔یاد رہے پارٹی کے صوبائی رہنما اسد قیصر نے کئی روز قبل کہا تھا کہ پاکستان تحریک انصاف صوبہ خیبر پختونخوا اسمبلی کا کنٹرول سنبھالتے ہی طالبان کے ساتھ فوری طور پر مذاکرات کرے گی۔ان کا کہنا تھا کہ 14 مئی کو اجلاس میں عمران خان نے کہا تھا کہ صوبائی حکومت کا چارج سنبھالتے ہی اگلے دن طالبان کے ساتھ مذاکرات کا آغاز کیا جائے گا۔ جبکہ عوامی مسلم لیگ کے سربراہ شیخ رشید احمد نے طالبان سے مذاکرات کو وقت کی ضرورت قرار دیا ہے۔

مبصرین اور تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ طالبان سے مذاکرات کے حوالے سے میاں نواز شریف اور تحریک انصاف کے بیان انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ان بیانات میں سنجیدگی ٹپکتی نظر آ رہی ہے۔اگر واقعی حکومت طالبان سے مذاکرات کرکے ملک میں

امن قائم کر دیتے ہیں تو یہ عوام کے لیے بہت بڑی خوشی کا باعث ہوگا۔ کیونکہ عوام کو تو امن چاہیے۔ ویسے بھی ان منتخب جماعتوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ عوام نے ان کو منتخب کیا ہے تو یہ بھی اس کے بدلے میں انہیں امن فراہم کریں۔ تجزیہ کاروں کا یہ بھی کہنا تھا کہ بیرونی قوتیں کسی طور بھی مذاکرات کی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ لیکن ان کو چاہیے قوم کو ساتھ لے کریں چلیں اور ملک میں امن قائم کریں۔ امن مذاکرات سے ہی قائم ہو سکتا ہے، کیونکہ آج تک کہیں ایسا نہیں ہوا کہ کہیں بھی قوت کے ذریعے امن قائم کیا گیا ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حملے کرنے والے تو پوری تیاری سے میدان میں اترے ہوئے ہیں۔ وہ مضبوط منصوبہ بندی اور بلند عزم رکھتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے مشن کو جان سے بھی عزیز تصور کرتے ہیں۔ جو لوگ اپنے مشن پر جان بھی نچھاور کرنے کو تیار ہوں، بھلا قوت کے ذریعے ان کو کیسے شکست دی جا سکتی ہے؟ وہ نہ تو کسی کی مخالفت سے ڈرتے ہیں اور نہ ہی کسی کی حمایت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جب کسی قسم کی سختی ان لوگوں کو نہیں روک سکتی تو پھر ان کو روکنے کے لیے مذاکرات کا طریقہ اپنانا چاہیے۔ بعض لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ طالبان کے خلاف آپریشن ہونا چاہیے۔ ان کی یہ بات اس وقت تو ٹھیک ہو سکتی تھی کہ جب آپریشن سے امن بحال ہونے کی کوئی امید نظر آتی ہوتی لیکن یہاں تو ایسی کوئی مبہم سی توقع

بھی نہیں۔ حکومت اس سے پہلے طالبان کے خلاف کئی بار آپریشن کر چکی ہے لیکن حکومت کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ آج تک نہ تو امن قائم ہوا ہے اور نہ ہی طالبان اپنے مشن سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹے ہیں اور قبائلیوں کی جبلت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ کسی قوت کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے۔ اس کے باوجود حکومت قوت کے ساتھ کیونکر ان کو ان کے مشن سے پیچھے ہٹا سکتی ہے۔ یہ بات بھی نہیں کہ طالبان سے مذاکرات ناممکن ہیں۔ ان کی طرف سے مذاکرات کی پیشکش اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خود بھی امن کے ہی خواہاں ہیں۔ امن قائم کرنے کی خاطر ان سے مذاکرات کر لینا شکست نہیں بلکہ دانشمندی ہے۔ اگر امریکا اور افغان حکومت متعدد بڑے بڑے لیڈروں کو قتل کرنے والے طالبان سے دس سال جنگ لڑنے کے بعد مذاکرات کر سکتے ہیں تو ہماری حکومت طالبان سے مذاکرات کیوں نہیں کر سکتی؟ آج بھی سیاسی، مذہبی اور عسکری قیادت مل کر جامع منصوبہ بنائیں تو طالبان کے ساتھ مفاہمت ہو سکتی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ مذاکرات کیے بغیر امن کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

اے ارض مقدس

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نفرت کی ریاست اسرائیل کی بنیاد معصوم فلسطینیوں کے ساتھ ظلم و زیادتی پر رکھی گئی تھی۔ بے تحاشہ سربریت کے پہاڑ توڑ کر بے آسرا فلسطینی قوم سے ان کی سرزمین چھینی گئی۔ مظلوم فلسطینیوں سے ان کا ملک چھیننے کے لیے دنیا بھر کے صیہونی منظم اور وحشیانہ طریقے سے چڑھ دوڑے۔ انہوں نے یہ تہیہ کرلیا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو فلسطینیوں سے ان کا ملک چھین کر اسرائیل کو جنم دینا ہے، اس گھناؤنے منصوبے کی تکمیل میں بہت سے ملکوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ ویانا کے صحافی تھیوڈور ہیرسل نے 1902ء میں لکھا تھا: "اگر تم چاہو تو یہ (اسرائیل کا قیام) کوئی دیو مالائی داستان نہیں ہے۔" 2 نومبر 1917ء کو آرتھر جیمز سیکرٹری خارجہ برطانیہ نے ایک خط میں صیہونیوں کو اس بات کا یقین دلایا تھا کہ وہ فلسطین کی سرزمین میں ایک یہودی ریاست کے قیام میں بھرپور اور عملی مدد دیں گے۔ خط میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اس معاہدہ کی توثیق برطانوی کابینہ کے ایک خفیہ اجلاس میں 31 اکتوبر 1917ء کو ہو چکی ہے۔ لارڈ بالفور اپنی ڈائری میں لکھتا ہے: "ہمیں فلسطین کے متعلق کوئی فیصلہ کرتے ہوئے وہاں کے موجودہ باشندوں سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صیہونیت ہمارے لیے ان سات لاکھ

عربوں کی خواہشات اور تعصّبات سے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے جو اس قدیم سرزمین "میں اِس وقت آباد ہیں۔

اس طرح 1917 یہاں چار صدیوں تک عثمانیوں کی حکمرانی میں رہنے والے اس خطے کو برطانیہ نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ فلسطین کی جانب یہودیوں کی نقل مکانی 17 ویں صدی کے اواخر میں شروع ہو گئی تھی۔ 1917 میں یہودی آبادی جو صرف 52 ہزار تھی وہ پانچ سال میں بڑھ کر 83 ہزار کے قریب ہو گئی۔ 1922 سے 1939 تک ان کی تعداد ساڑھے چار لاکھ تک پہنچ گئی۔ جنگ عظیم دوم کے زمانے میں یہودی ہر قانونی اور غیر قانونی طریقے سے بے تحاشہ فلسطین میں داخل ہونے لگے۔ صیہونی ایجنسی نے ان کو ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں فلسطین میں گھسانا شروع کر دیا اور مسلح تنظیمیں قائم کیں، جنہوں نے ہر طرف مار دھاڑ کرکے عربوں کو بھگانے اور یہودیوں کو ان کی جگہ بسانے میں سفاکی کی حد کر دی۔ 1920 ، 1921 ، 1929 اور 1936 میں عربوں کی طرف سے یہودیوں کی نقل مکانی اور اِس علاقے میں ان کی آمد کے خلاف پر تشدد مظاہرے ہوئے لیکن یہودیوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ مقامی عرب اور ہمسایہ عرب ریاستوں کی فوجیں بھی مسلح یہودیوں کو فلسطینی سرزمین میں زبردستی آباد ہونے سے روکنے میں ناکام رہیں اور یہودی برطانوی نوآبادی کے کنٹرول میں فلسطینی سرزمین پر ناجائز قبضہ کرکے آباد ہوتے چلے گئے۔

ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک قرارداد کے ذریعے فلسطین کو تقسیم کر 1947 کے ایک اسرائیلی ریاست قائم کرنے کا اعلان کیا۔ برطانیہ نے اس علاقے سے 1948 ء میں اپنی افواج واپس بلالیں اور 14 مئی 1948ء کو اسرائیل کی آزاد حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ مئی 1948 اسرائیلی ریاست کے قیام کے وقت مسلح یہودیوں نے ہزاروں فلسطینیوں کو ان کے آبائی گھروں اور علاقوں سے بے دخل کرکے دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا۔ بعد کے برسوں میں اسرائیل نے ان کو اپنے آبائی علاقوں میں واپس نہیں آنے دیا۔ وہ خیمہ بستیوں یا گنجان آباد پناہ گزین کیمپوں میں مہاجرت کی زندگی گزارنے لگے۔ اسرائیلی مورخ ایلان پاپے نے لکھا ہے کہ وزارت عظمیٰ پر فائز بن گوریان نے بھرپور جوش و جذبے کے ساتھ کہا تھا: "اسرائیل ہی میں یہودی قوم نے جنم لیا تھا اور یہیں اس کے فکری، مذہبی اور سیاسی وجود کی آبیاری ہوئی، ہم یہاں اسرائیلی سرزمین پر یہودی ریاست کے قیام کا اعلان کرتے ہیں، یہ ہے ریاست اسرائیل۔" بن گوریان نے ہی دَس لاکھ فلسطینیوں کو ملک بدر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ فلسطین کے ادارہ شماریات کے اعداد و شمار کے مطابق اسرائیلی ریاست کے قیام کے وقت اسرائیل نے 774 فلسطینی شہروں اور دیہاتوں پر قبضہ کیا، جن میں سے 530 کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔ اسی طرح فلسطینیوں کے قتل و غارت گری کے 70 بڑے

واقعات رونما ہوئے تھے۔ مئی 1948ء میں قیام اسرائیل کے موقع پر یہودی جتھوں نے فلسطینیوں پر حملے کرکے پندرہ ہزار سے زائد افراد کو شہید کیا۔ تاریخ کے اس اندوہناک سانحے کے موقع پر آٹھ لاکھ سے زائد فلسطینیوں کو اپنا گھربار چھوڑنا پڑا۔ یہ لوگ 1948 کے تاریخی فلسطین کے 1300 دیہاتوں اور شہروں میں قیام پذیر ہوئے۔ 2012 کے آخر تک فلسطین کی کل آبادی کا 44.2 فیصد مہاجرین پر مبنی تھی۔ میں رجسٹرڈ (UNRWA) اس طرح اب تک اقوام متحدہ کی ریلیف اینڈ ورک ایجنسی مہاجرین کی تعداد 53 لاکھ ہو چکی ہے جو دنیا بھر میں بسنے والے تمام فلسطینیوں کا 45.7 فیصد ہے۔ 59 فیصد فلسطینی مہاجرین اردن، شام اور لبنان میں رہائش پذیر ہیں، 17 فیصد مغربی کنارے اور 24 فیصد غزہ کی پٹی میں ہیں۔ مہاجرین کا 29 فیصد 58 مہاجر کیمپوں میں آباد ہے۔ ان کیمپوں میں سے دس اردن میں، نو شام میں، بارہ لبنان میں، 19 مغربی کنارے میں اور آٹھ غزہ کی پٹی میں ہیں۔ فلسطین کی آبادی 1948 میں 13 لاکھ ستر ہزار تھی جب کہ 2012 کے آخر میں یہ آبادی ایک کروڑ سولہ لاکھ تک جا پہنچی ہے۔ اس طرح دنیا بھر میں موجود فلسطینیوں کی تعداد قیام اسرائیلسے لے کر اب تک ساڑھے آٹھ گنا بڑھی ہے۔ فلسطینی ادارہ شماریات کے مطابق 1948ء میں فلسطین کے بڑے حصے پر اسرائیل کے قبضے کی وجہ سے فلسطینیوں نے غزہ کی جانب ہجرت کی اور غزہ کی پٹی دنیا کی سب سے گنجان آباد علاقہ بن گئی۔ اس طرح اس کی گنجانیت نام نہاد اسرائیل سے 11 گنا اور مغربی کنارے سے 10 گنا زیادہ ہے۔ 2012 کے آخر میں فلسطین میں

فی کلومیٹر 724 افراد بستے تھے، اس میں غزہ کے ہر کلومیٹر مسافت میں 4583 جبکہ مغربی کنارے کے ہر کلومیٹر میں 475 افراد رہائش پذیر ہیں، دوسری جانب اسرائیل کی گنجانیت فی کلومیٹر 369 افراد ہے۔

سے اسرائیل نے اپنی حدود میں اضافہ شروع کیا اور مغربی کنارے پر بھی 1967 قابض ہو کر یہودی بستیاں تعمیر کرنا شروع کردیں۔ 2012 کے آخر تک مغربی کنارے میں یہودی آبادیوں اور بستیوں کی تعداد 482 ہو چکی تھی، 2011 کے آخر تک مغربی کنارے میں آباد یہودیوں کی تعداد پانچ لاکھ 37 ہزار ہو چکی تھی۔ 49.8 فیصد یہودی آباد کار القدس میں بستے ہیں، ان کی تعداد 20 لاکھ 68 ہزار تک جا پہنچتی ہے۔ جن میں سے دو لاکھ یہودی آباد کار مقبوضہ مشرقی القدس میں رہائش پذیر ہیں۔ مغربی کنارے میں اس وقت ہر سو فلسطینیوں کے مقابلے میں 21 یہودی آباد ہیں۔ جبکہ القدس میں یہ نسبت ہر 100 فلسطینیوں کے مقابلے میں 68 یہودیوں کی ہے۔

یہودیوں نے تاریخی فلسطین کے 85 فیصد حصے پر قبضہ کرلیا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان اسے صرف فلسطینیوں کا مسئلہ سمجھ کر چپ سادھے بیٹھے ہیں۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ القدس وہ اہم ترین سرزمین ہے جس پر اسلامی دنیا کی بقا کا دارومدار ہے، اگر خدانخواستہ فلسطین محفوظ نہیں رہتا تو باقی اسلامی ممالک کی سالمیت بھی خطرے میں ہے۔

خالد مجاہد کا پراسرار قتل بھارت کی ناانصافی کا منہ بولتا ثبوت ہے

بھارت میں مسلمانوں کی حالت زار کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہی۔ ہندو چونکہ مسلمانوں کو اپنا دشمن قرار دیتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ آئے روز بے گناہ مسلمانوں کو گرفتار اور قتل کیا جاتا ہے۔ بھارت میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور وہ بھارت میں اپنا کوئی خاص اثر ورسوخ بھی نہیں رکھتے اس لیے انہیں بھارتی حکومت اور سرکاری اداروں کی جانب سے طرح طرح کے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بھارتی ہندوؤں کی سوچ ہی یہ ہے کہ پکڑے گئے مسلمانوں کو مارنے کا موقع ملے تو مار ڈالو۔ یہ سوچ جاہلوں کی نہیں بلکہ پڑھے لکھے، قانون داں اور دانشوروں کی ہے اور یہ لوگ ہمیشہ ہی ماورائے عدالت مسلمانوں کے قتل کے حامی رہے ہیں۔ یہی سوچ بھارتی پولیس اور خفیہ ایجنسیوں کی بھی ہے۔ جو ایک بار پکڑا جائے اسے مار دیا جائے، مسلمانوں کو قتل کرنا ان کے سامنے بہترین حل ہوتا ہے۔ قاتلوں کو یہ یقین ہوتا ہے کہ قتل کرنے کے بعد ان سے نہ باز پرس ہوگی اور نہ ہی انہیں سزا ملے گی۔ اب تک بے شمار مسلم نوجوانوں کو حراست میں قتل کیا جاچکا ہے اور اب تک کسی قاتل کا بال بیکا تک نہیں ہوا ہے۔

اسی طرح گزشتہ چند روز قبل بھارت میں زیر حراست مولانا خالد مجاہد کو پراسرار طریقے سے قتل کر دیا گیا۔ بھارتی مسلمان رہنماؤں کے مطابق خالد مجاہد بے گناہ تھا اور اسے جھوٹے مقدمات میں پھنسایا گیا تھا۔ 23 نومبر 2007 کو اتر پردیش کے تین شہروں لکھنو، فیض آباد اور وارانسی میں سلسلہ وار دھماکے ہوئے، ان دھماکوں میں 18 افراد ہلاک اور 21 زخمی ہوئے۔ بغیر ثبوت کے ان دھماکوں کے الزام میں طارق قاسمی کو اعظم گڑھ سے اور خالد مجاہد کو جونپور سے اتر پردیش کی ایس ٹی ایف نے اغوا کر لیا۔ 14 دسمبر 2007 کو ڈاکٹر طارق کے اہل خانہ نے مقامی تھانے رانی سرائے میں گمشدگی کی رپورٹ درج کروائی۔ 14 مارچ 2008 کو اتر پردیش کے اس وقت کے ڈی جی پی وکرم سنگھ نے چیف سیکرٹری اتر پردیش حکومت کو خط لکھ کر عدالتی تحقیقات کی درخواست کی جس کے بعد اسی دن اتر پردیش حکومت نے نوٹیفکیشن جاری کر کے ریٹائرڈ جج آر ڈی برمن نمیش کمیشن تشکیل دے دی۔ نمیش کمیشن نے تمام واقعات اور حقائق کی جانچ کی اور 31 اگست 2012 کو جانچ رپورٹ اتر پردیش کی حکومت کو پیش بھی کر دی۔ لیکن کمیشن کی رپورٹ کو اسمبلی میں پیش نہیں کیا گیا۔ مسلسل احتجاجی دباؤ کی وجہ سے حکومت نے ان دونوں نوجوانوں سے تمام مقدمات واپس لینے کا اعلان کر دیا اور عدالت میں درخواست بھی دے دی لیکن بھارتی عدالت نے یوپی حکومت کی درخواست مسترد کر دی۔ کیوں کہ اتر پردیش حکومت کی نیت رہا کرنے کی تھی ہی نہیں، اس لیے اس نے قانونی طریقہ اختیار نہیں کیا۔ پولیس افسران کے خلاف کارروائی کی

سفارش کی گئی تھی جو اترپردیش حکومت کسی قیمت پر نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ بالآخر خالد مجاہد کو پراسرا طور پر قتل کردیا گیا، جسے بھارتی پولیس نے طبعی موت قرار دیا۔ تمام بھارتی مسلمان رہنماؤں نے پولیس کے اس بیان کی تردید کی اور خالد مجاہد کی موت کو قتل قرار دیا۔ خالد مجاہد کی موت کے بعد بھارت بھر میں احتجاجی مظاہرے کیے گئے۔ آل انڈیا تنظیم علماء حق کے قومی صدر مولانا اعجاز عرفی قاسمی نے خالد مجاہد کی حراستی موت کو جمہوریت کی پیشانی پر بدنما داغ قرار دیتے ہوئے کہا کہ جب نمیشن کمیشن رپورٹ نے خالد مجاہد کو بے گناہ قرار دے دیا تو متعصب لوگوں نے رہائی کی دہلیز پر کھڑے ایک بے گناہ شہری کو اذیت دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بھارتی حکومت کی مسلم دشمنی کا چہرہ بے نقاب ہوگیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ سرکار انتظامیہ میں بیٹھے ہوئے متعصب اور فرقہ پرست لوگوں نے مسلم نوجوانوں کی آزادی سلب کرکے کھلی فضا میں سانس لینے پر بھی جھوٹے مقدمات قائم کرکے جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیلنے کی روش اختیار کر رکھی ہے۔ اسلامک ڈیفینس سائبر سیل کے صدر اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے ترجمان نے خالد مجاہد کی اس طرح سے موت کی سخت الفاظ میں مذمت کی اور کہا کہ خالد مجاہد کی موت حراستی قتل ہے۔ ائمہ مساجد کونسل کے سربراہ مولانا قمر اشرفی نے کہا کہ اترپردیش میں جنگل کا قانون چل رہا ہے۔ تقریباً ایک درجن سے زیادہ فسادات ہوچکے ہیں جن میں بے شمار مسلمان قتل کیے جاچکے ہیں لیکن کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے۔ جمعیت علماء ہند ممبئی کے

صدر مولانا عبدالسلام نے کہا کہ خالد مجاہد کا قتل پورے ملک کے لیے نقصان دہ ہوگا۔ معروف قومی و ملی رہنما مولانا اسرار الحق قاسمی نے بھی خالد مجاہد کی موت کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی۔ جماعت اسلامی ہند کے سربراہ نے خالد مجاہد کی موت کو انصاف کا قتل بتایا اور جمعیت علماء ہند کے جنرل سیکٹری مولانا محمود مدنی نے خالد مجاہد کی موت پر بھارتی حکومت کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں نوجوانوں کے خلاف گھناؤنا کھیل بند کیا جائے۔ آل انڈیا ملی کونسل اور مسلم مجلس مشاورت نے خالد مجاہد کی موت پر گہرے غصے کا اظہار کیا۔ خالد مجاہد کے چچا مولانا ظہیر عالم نے خالد مجاہد کی موت کے سلسلے میں پولیس افسران کے خلاف شکایت درج کروائی ہے۔ جبکہ بھارت میں بے قصور گرفتار کیے گئے مسلم نوجوانوں کو مفت قانونی امداد فراہم کرنے والی تنظیم جمعیۃ علماء مہاراشٹر (ارشد مدنی) نے پولیس افسران کی معطلی کا مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کچھ دنوں پہلے خالد مجاہد اور اس کے ساتھی مولانا طارق قاسمی نے خط کے ذریعے مولانا ارشد مدنی کو اپنے اوپر ہوانے والے مظالم کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا تھا کہ پولیس ان کے ساتھ کسی بھی قسم کی کارروائی کر سکتی ہے۔ یو پی کے نمیش کمیشن کی سفارشات میں دونوں کو بے قصور بتایا گیا تھا، عدالت انہیں رہا ہی کرنے والی تھی کی اچانک خالد مجاہد پراسرار موت واقع ہو گئی۔ گلزار اعظمی نے کہا ہے کہ انہیں اطلاع ملی ہے کہ خالد مجاہد کو زہریلا انجیکشن لگا کر قتل کیا گیا ہے۔ شاہی امام نے خالد مجاہد کی موت کے

اسباب پر غیر جانبدارانہ انکوائری کا مطالبہ کیا اور کہا کہ سی بی آئی جب خود سپریم کورٹ میں یہ بات تسلیم کر چکی ہے کہ سرکاری سطح پر اس پر دباو ڈالا جاتا ہے تو پھر اس کی انکوائری پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اعلی سطحی انکوائری ضروری کرائی جائے۔

ساتھ ہی خالد مجاہد کے گھر والوں کو معاوضہ دیا جائے۔ شاہی امام نے کہا کہ یو پی سرکار نے جس وقت کیس واپس لینے کا فیصلہ کیا تھا اس کی بے گناہی ثابت ہو گئی تھی اس لئے نہ صرف گھر والے معاوضے کے حقدار ہیں بلکہ اس کے کسی ایک عزیز کو سرکاری ملازمت بھی دی جائے۔

مسلم نوجوانوں کو جھوٹے کیسوں میں پھنسانے کا معاملہ تو اب بالکل طشت از بام ہو چکا ہے۔ گزشتہ دنوں بھارت میں جاری کردہ ایک رپورٹ میں انکشاف کیا گیا تھا کہ بھارتی جیلوں میں 22 فیصد مسلمان قید ہیں اور بعض جیلوں میں تو مسلمانوں کی تعداد 65 فیصد تک ہے۔ یہ وہ واحد جگہ ہے جہاں آبادی کے تناسب میں اقلیت مسلمان سب سے زیادہ اکثریت میں ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ مسلمانوں کی حالت دیکھ کر اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ کتنی ناانصافی ہوئی ہے۔ نوجوان تو رہے ایک طرف، بھارتی ہندؤں کے تعصب کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خالد مجاہد کو قتل کرنے کے بعد اس کے وکیل محمد شکیل پر حملہ کرکے اسے شدید زخمی کر دیا۔ اسی طرح 1993 میں بھارت میں ہونے

والے دھماکوں کا الزام ایک خاتون زیب النسا قاضی پر لگایا گیا، انہیں دہشت گردوں کی معاونت پر پانچ سال قید کی سزا سنائی گئی تھی، جس میں سے تین سال کی سزا پوری کر چکی ہیں، باقی ماندہ عدالت ان کے بڑھاپے کی وجہ سے معاف کر چکی تھی، لیکن اب پھر ان کے کیس کو زندہ کرکے باقی سزا پوری کرنے کے لیے جیل بھیج دیا گیا ہے۔ پچاسی سالہ بوڑھی خاتون زیب النساء جب وہیل چیئر پر اپنے آپ کو عدالت کے سپرد کرنے آئیں تو انہیں دیکھ کر ہر ایک کو ترس آ رہا تھا لیکن بھارتی پولیس کے دل میں ترس نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ اب انہیں ایسی جگہ رکھا گیا ہے جہاں ان کا کوئی تیمار دار نہیں، نہ ہی علاج معالجے کا کوئی انتظام ہے۔

ظالمانہ ٹیکسوں نے عوام کا جینا محال کر دیا

صدر زرداری نے ایف بی آر کی جانب سے ٹیکسوں میں بے تحاشا اضافہ پر مبنی منی بجٹ مسترد کر دیا ہے اور اسے صدارتی حکمنامہ کے ذریعہ تحفظ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ اس منی بجٹ میں تمام اشیاء پر سیلز ٹیکس کی شرح 16 فیصد سے بڑھا کر 17 فیصد کردی گئی ہے اور غیر رجسٹرڈ کو مال فروخت کرنے کی صورت میں یہ سیلز ٹیکس مزید 2 فیصد اضافہ سے 19 فیصد ادا کرنا ہوگا۔ منی بجٹ میں پہلی بار شادی بیاہ کی تقریبات سے مذاکرہ، نمائشوں پر ان کے اخراجات اور آمدنی کے 5 فیصد کے مساوی ودہولڈنگ (انکم ٹیکس) عائد کیا گیا ہے، جبکہ چیکوں کے ذریعہ بینکوں سے رقوم نکالنے پر ودہولڈنگ ٹیکس کی شرح 0.02 فیصد سے بڑھا کر 0.03 فیصد کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح لازمی ضرورت جن 284 آئٹمز پر درآمدی ڈیوٹی نہیں جن میں ادویات، بچوں کا خشک دودھ، بجلی شامل ہے، ایک فیصد ڈیوٹی عائد کردی گئی۔ مجوزہ منی بجٹ میں ملک میں پہلی بار کرایہ کی آمدنی پر بھی ودہولڈنگ ٹیکس عائد کیا گیا ہے۔ 20 لاکھ روپے سے 30 لاکھ روپے تک کی کرایہ کی سالانہ آمدنی پر یہ ودہولڈنگ ٹیکس 12.50 فیصد اور 30 لاکھ روپے سے زائد آمدنی پر 15 فیصد عائد کیا گیا ہے۔ ایف بی آر نے اس منی بجٹ کی تیاری اور منظوری مسلم لیگ کے مجوزہ وزیر خزانہ اسحٰق ڈار سے لے لی تھی اور اسے سمری کے ساتھ

صدارتی حکمنامہ جاری کرنے کیلئے وزارت خزانہ کے توسط سے ایوان صدر ارسال کردیا تھا ان اقدامات سے فاضل آمدنی کا تخمینہ ایک کھرب 52 ارب روپے لگایا گیا ہے۔ یاد رہے کچھ روز قبل نگران حکومت اپنی آمدن بڑھانے میں ناکام ہو گئی تو اس کی سزا عوام کو دینے کا فیصلہ کیا تھا، ایف بی آر نے ٹیکسوں میں اضافے کا مسودہ صدر پاکستان کو بھیجا جس پر دستخط ہونے کے بعد یہ آرڈیننس بن جانا تھا لیکن عوام نے اس اضافے کے خلاف شدید احتجاج کیا۔ صنعتی حلقوں نے صدارتی حکم نامے کے ذریعے سیلز ٹیکس اور ودہولڈنگ ٹیکس کی شرح میں مزید ایک فیصد اضافہ کی شدید مخالفت کرتے ہوئے اسے ٹیکسٹائل سیکٹر کی تباہی کا ذمہ دار قرار دیا، صنعتی حلقوں کا کہنا تھا کہ ٹیکسٹائل سیکٹر پہلے ہی توانائی بحران اور فنڈز کی کمی کا شکار ہے، سیلز ٹیکس اور ودہولڈنگ ٹیکس میں اضافہ سے ٹیکسٹائل صنعت مشکلات کا شکار ہو گئی ہے، ریفنڈز کی مد میں برآمدی صنعت کے اربوں روپے پہلے ہی حکومت کے ذمہ واجب الادا ہیں۔ صنعتی حلقے کہتے ہیں کہ سیلز ٹیکس اور ودہولڈنگ ٹیکس میں اضافہ سے ان کی رقم کا بڑا حصہ ریفنڈ کی صورت میں رک جائیگا، اس کے علاوہ صنعتی پیداواری قیمتیں بڑھیں گی، برآمدات کا حجم کم کرنے اور غیر قانونی طریقہ سے کام کرنے اور کروانے کا سلسلہ پروان چڑھے گا۔ موجودہ حالات میں پیداواری لاگت میں اضافہ ٹیکسٹائل سیکٹر کیلئے

بڑا مسئلہ ہے، سیلز ٹیکس زیرو ریٹنگ ختم کرنے جیسے اقدامات قومی معیشت اور برآمدات تباہی کے دہانے پر لے جانے کا باعث بن سکتے ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ ٹیکس اور برآمدی پالیسی بنانے سے پہلے اسٹیک ہولڈرز سے مشاورت کرے، تاکہ ٹیکس وصولی کے عمل کو تقویت مل سکے۔ کراچی کے ریٹیلرز اور صارف انجمن نے اشیا پر سیلز ٹیکس کی شرح ایک فیصد بڑھا کر 17 فیصد کیے جانے کے فیصلے کی مذمت کرتے ہوئے اسے تجارت اور صارف دشمن فیصلہ قرار دیا۔ کراچی ریٹیل گراسرز گروپ کے جنرل سیکریٹری محمد فرید قریشی کا کہنا تھا کہ حکومت مہنگائی میں کمی کی بجائے مہنگائی میں اضافے کے اقدامات کررہی ہے جس سے تجارتی سرگرمیوں بالخصوص ریٹیل کی سطح کا کاروبار بھی متاثر ہوگا۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی کے سبب صارفین کی قوت خرید جواب دے چکی ہے اور اب ماہانہ راشن کی بجائے یومیہ اور ہفتہ وار بنیادوں پر ضرورت کی اشیا خریدنے کا رجحان بڑھ رہا ہے، اسی طرح اشیا کی بڑی پیکنگ کی بجائے ساشے پیکنگ کی فروخت بڑھ رہی ہے، اس صورتحال میں بجٹ سے قبل آرڈیننس کے ذریعے عوام پر مہنگائی بم گرائے جانے سے صارفین کی رہی سہی سکت بھی ختم ہوجائیگی۔ کنزیومر رائٹس پروٹیکشن کونسل کے چیئرمین شکیل احمد بیگ نے سیلز ٹیکس میں اضافے کے فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے سیلز ٹیکس کی شرح 10 فیصد تک لانے کا مطالبہ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ دنیا بھر میں اشیا خورد و نوش کی قیمت کم مقرر کی جاتی ہے تاکہ معاشرے میں کم آمدن والا طبقہ بھی اپنی غذائی ضروریات پوری کرسکے، اس کے برعکس پاکستان

میں کھانے پینے کی اشیا روز بہ روز مہنگی ہو رہی ہیں، ایک جانب حکومت خود اپنے مقرر کردہ سرکاری نرخ پر عمل درآمد کرانے میں ناکام ہے تو دوسری جانب سیلز ٹیکس میں شرح میں اضافے جیسا ظالمانہ فیصلہ کرکے عوام کو مہنگائی کے سمندر میں غرق ہونے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس فیصلے سے کاروباری طبقے کی مشکلات میں اضافہ ہوگا اور براہ راست اثر غریب طبقے پر مہنگائی کی شکل میں مرتب ہوگا۔ آل کراچی تاجر اتحاد کے چیئرمین عتیق میر نے نگران حکومت کی جانب سے جنرل سیلز ٹیکس میں اضافے کے اعلان کو انتہائی مایوس کن اور نومنتخب حکومت کے خلاف سازش قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ نگران حکومت کے فیصلے مستقبل میں نومنتخب حکومت کیلئے مشکلات پیدا کر سکتے ہیں، نگران حکومت کے فیصلوں کے پس پ ±شت کوئی خفیہ ہاتھ متحرک ہے۔

متعدد سیاسی رہنماؤں نے نگران حکومت کی جانب سے پیش کیے جانے والے منی بجٹ پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اس کی سخت مذمت کی اور کہا کہ ٹیکس اہداف حاصل کرنے میں ناکامی پر منی بجٹ پیش کرنا عوام کے ساتھ سراسر ظلم و زیادتی ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے، کم ہے۔ جنرل سیلز ٹیکس کی شرح 16 سے بڑھا کر 17 فیصد کرنا عوام کا معاشی قتل عام ہے، عوام کی زندگی جو پہلے ہی مصائب و مشکلات سے دوچار ہے، ان کے مسائل میں مزید اضافہ ہوگا۔ سابق حکومت کی عاقبت نااندیشانہ پالیسیوں کے نتیجے میں پہلے ہی ملک میں غربت، مہنگائی

اور بے روزگاری کا سیلاب ہے، عوام بنیادی ضروریات زندگی تک سے محروم ہیں، مہنگائی کی شرح آسمان کو چھو رہی ہے، غریب عوام کیلیے دو وقت کی روٹی کا حصول ناممکن ہوگیا ہے۔ ایسے میں منی بجٹ پیش کرنا اور جنرل سیلز ٹیکس میں اضافہ کرنا عوام کو مشتعل کرنے کی کوشش ہے۔ پاکستان شوگر ملز ایسوسی ایشن پنجاب زون کے چیرمین ریاض قدیر بٹ نے جنرل سیلز ٹیکس کو 17 فیصد کی سطح تک لے جانے کی سخت الفاظ میں مذمت کی۔

دوسری جانب نئی حکومت کی آمد سے قبل مہنگائی کا جن بے قابو، رواں ہفتے کے دوران گزشتہ ہفتے کے مقابلے میں کم آمدنی والے افراد کے گروپ کیلئے قیمتوں کے حساس اشاریے (ایس پی آئی) میں 0.06 فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ ادارہ برائے شماریات پاکستان (پی بی ایس) کے جمعہ کو جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق دوران ہفتہ 8 اشیاء کی قیمتوں میں کمی جبکہ 28 اشیاء کی قیمتوں میں استحکام اور 17 اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق گزشتہ ہفتے کے مقابلے میں رواں ہفتے کے دوران پیاز، لہسن، انڈوں اور سرخ مرچ وغیرہ کی قیمتوں میں کمی جبکہ چاول، روٹی، خشک دودھ، گوشت اور کوکنگ آئل سمیت مختلف 28 اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں استحکام اور ٹماٹر، کیلے، آلو، چائے، چینی اور گڑ وغیرہ کی قیمتوں میں اضافہ دیکھا گیا ہے۔ پی بی ایس کی رپورٹ کے مطابق دوران ہفتے 8 تا 12 ہزار روپے، 12 تا 18 ہزار

روپے، 18 تا 35 ہزار روپے اور 35 ہزار سے زاید آمدنی والے افراد کے گروپوں کیلئے ایس پی آئی میں بالترتیب 0.12 ، 0.11 ، 0.1 اور 0.13 فیصد کا اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے۔

عوام کا کہنا تھا کہ ایک ایسے وقت میں جب نئی حکومت حلف اٹھانے والی ہے والی ہے نگران حکومت کی جانب سے ٹیکس اہداف حاصل نہ کر سکنے پہ تین ماہ کیلئے منی بجٹ کا لانا ناقابل فہم ہے، منی بجٹ کے تحت سیلز ٹیکس کی شرح میں ایک فیصد اضافہ کرتے ہوئے زیرو ریٹنگ کی سہولت ختم کردی گئی ہے چینی پر سیلز ٹیکس کا استثنیٰ بھی واپس لے لیا گیا ہے اگرچہ جی ایس ٹی کی شرح میں حالیہ اضافے سے ایف بی آر کو 80 سے 100 ارب روپے کا اضافی ریونیو ملے گا تاہم اس کے نتیجے میں عوام پر بھی 100 ارب روپے کا اضافی بوجھ پڑے گا۔ منی بجٹ پہلے سے مشکلات کے شکار عوام کی زندگیوں کو مزید اجیرن بنانے کا یہ اقدام انتہائی نامناسب اور عوام کے ساتھ بدترین ظلم و زیادتی کے مترادف ہے۔ عوام کا کہنا تھا کہ ہمیشہ ٹیکس سے غریب کا چولہا ہی بجھتا ہے، تمام ٹیکس غریب دشمن ثابت ہوئے ہیں۔ امیر لوگ ٹیکس ادا نہیں کرتے جس کا سارا بوجھ غریب عوام پر پڑتا ہے۔ بڑے بڑے سرمایہ دار اپنی غریبوں کے جمع شدہ مال سے اپنا کاروبار کرتے ہیں اور قیمت خرچ سے کئی گنا غریب سے حاصل کرنے کے لیے اشیا کی قیمتیں بڑھا دیتے ہیں، غریب عوام کو قیمتوں کی مہنگائی کی صورت میں متعدد ٹیکس ادا

کرنے پڑتے ہیں۔ جبکہ امیر نہ تو ٹیکس ڈا کرتے ہیں اور نہ ان سے کوئی پوچھتا ہے۔ جتنا ٹیکس بڑھتا ہے سرمایہ دار اپنی پروڈکٹس کی قیمتوں میں اضافہ کرکے عوام سے لے لیتے ہیں، جس کا سارا بوجھ عوام پر پڑتا ہے۔

یوم تکبیر، یوم سرفرازی

یہ 11 مئی 1998 کا دن تھا، بھارت نے پوکھران (راجستھان) کے صحرا میں فشن (ایٹم بم) تھرمو نیوکلیئر (ہائیڈروجن) اور نیوکران بموں کے پانچ ایٹمی دھماکے کیے تو علاقے میں طاقت کا توازن بگڑ گیا، پاکستان کی سلامتی اور آزادی کے لیے خطرات پیدا ہو گئے، طاقت کا توازن تبدیل ہونے سے بھارت کے جارحانہ عزائم کی تکمیل کی راہ ہموار ہو گئی تھی۔ بھارت نے ایٹمی دھماکے کرنے کے ساتھ ہی کشمیر کی کنٹرول لائن پر فوج جمع کرنا شروع کر دی تھی۔ بھارتی وزیر داخلہ اور امور کشمیر کے انچارج ایل کے ایڈوانی نے بھارتی فوج کو حکم دیا کہ وہ آزاد کشمیر میں داخل ہو جائے جبکہ بھارتی وزیر دفاع جارج فرنینڈس نے کہہ دیا تھا کہ عنقریب بھارتی فوج کو ایٹمی ہتھیاروں سے لیس کر دیا جائے گا۔ بھارت کے حکمرانوں اور سیاستدانوں کا پاکستان کے بارے میں لہجہ ہی بدل گیا تھا۔انہوں نے پاکستان کی سالمیت اور دو قومی نظریے کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا تھا۔ان کے لب ولہجے سے غرور اور پاکستان دشمنی کی بو آ رہی تھی۔ یہ سب کچھ پاکستان کے خلاف جارحانہ اقدامات کی تیاریاں تھیں۔ بھارت کے ایٹمی دھماکوں کا واضح مقصد صرف اور صرف پاکستان کو خوفزدہ کرنا اور ایک طاقتور ملک ہونے کا ثبوت دے کر پاکستان سمیت پورے خطے کے ممالک پر اپنی برتری جتلانا تھا۔

ان حالات میں پاکستانی قوم کا غیرت و حمیت کی وجہ سے رنجیدہ ہونا ایک فطری عمل تھا۔ وہی قومیں تاریخ میں زندہ رہتی ہیں جو عزت سے جیتی اور غیرت سے مرتی ہیں۔ بقول ٹیپو سلطان شہید شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔ پاکستانی قوم کو بھارت کا غرور و تکبر ایک لمحہ کے لیے بھی گوارہ نہ تھا، پاکستانی قیادت سمیت پوری قوم ایٹمی دھماکے کرکے بھارتی رعونت کا فوری جواب دینے کیلئے متحد اور متفق ہو چکی تھی۔ خیبر سے کراچی تک ایک عجیب جوش و جذبہ پیدا ہو چکا تھا جو اس قسم کے حالات کے دوران پاکستانی قوم کا طرہ امتیاز ہے۔ تمام پاکستانی اس بات کے لیے تیار تھے کہ اگر انہیں پیٹ پر پتھر باندھ کر اور گھاس کھا کر گزارہ کرنا پڑا تو کریں گے لیکن پاکستان کی عزت و ناموس پر آنچ نہیں آنے دیں گے اور بھارت کی بالادستی کسی قیمت پر قبول نہیں کریں گے۔ اس وقت کی حکومت قومی اسمبلی میں دو تہائی کی نمایاں اکثریت کے ساتھ کام کر رہی تھی، ملک کی اپوزیشن، سول سوسائٹی اور میڈیا بھارتی دھماکوں کا جواب دینے پر اصرار کر رہے تھے۔ میڈیا نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ "اگر حکومت نے بھارتی دھماکوں کا جواب نہ دیا تو عوام حکومت کا دھماکا کر دیں گے"۔ پاکستانی عوام کے علاوہ عالم اسلام کے پاکستان دوست حلقوں کی طرف سے بھی شدید دباؤ ڈالا جا رہا تھا کہ پاکستان بھی ایٹمی تجربہ کرکے بھارت کو منہ توڑ جواب دے۔

اس وقت کے وزیر اعظم میاں نواز شریف نے دھماکا کرنے سے قبل اس وقت کی فوجی قیادت، سیاسی رہنماؤں، سول سوسائٹی اور میڈیا کے علاوہ اہم سفارتی حلقوں سے بھی مشاورت کی۔ مشاورت کے ساتھ ساتھ بھارت کے دھماکوں کے جواب کی تیاریاں بھی جاری تھیں، نواز شریف نے کابینہ کے ارکان اور وزیر خارجہ کو چین، سعودی عرب، کویت، بحرین، یو اے ای سمیت اپنے تمام دوستوں سے مشاورت کے لیے بھیجا۔ سعودی عرب نے کہا کہ آپ ایٹمی دھماکا کریں ہم آپ کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کریں گے، تمام اسلامی ممالک نے بھی پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کی حمایت کی۔ جبکہ امریکا کے صدر بل کلنٹن اور برطانیہ کے وزیر اعظم نے نواز شریف کو بار بار فون کر کے بھارت کے جواب میں خاموش رہنے کو کہا، اس کے بدلے میں قرضوں کی معافی سمیت بہت سے مالی فائدوں کی یقین دہانی کرائی۔ امریکی صدر کلنٹن، برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر اور جاپانی وزیر اعظم موتو نے پاکستان پر دباؤ ڈالا کہ پاکستان ایٹمی دھماکا نہ کرے ورنہ اس کے خلاف سخت ترین پابندیاں عائد کر دی جائیں گی۔ فوج کے سابق چیف آف جنرل اسٹاف لیفٹیننٹ جنرل (ر) شاہد عزیز نے اپنی کتاب "یہ خاموشی کہاں تک" میں لکھا ہے۔ 28 مئی 1998 کو جب پاکستان ایٹمی دھماکے کی تیاریاں کر رہا تھا تو انٹیلی جنس ذرائع نے بتادیا تھا کہ بھارت اور اسرائیل مل کر پاکستان کو ایٹمی دھماکا کرنے سے روکیں گے۔ ایک خبر یہ بھی تھی کہ اسرائیل کے چند طیارے حملے کے لیے پہنچ چکے

ہیں۔ ایٹمی دھماکوں کے روز امریکی بحریہ کے کئی جہاز جس میں ائر کرافٹ کیریئر بھی شامل تھا پاکستان کے ساحلوں کے قریب گھوم رہے تھے۔ پاکستان کے ساحلی علاقوں میں امریکی طیاروں کی پروازیں جاری تھیں جو کبھی کبھی پاکستان کی فضائی حدود کی خلاف ورزیاں بھی کرتی تھیں۔ فوج کا ملٹری آپریشنز شعبہ دفاعی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ایٹمی دھماکے والے علاقے میں بڑی تعداد میں فوج بھیج دی گئی تھی۔ پاک فضائیہ کا کردار بہت اہم تھا، دفاعی تیاریاں مکمل تھیں۔

پاکستان کے محافظ اچھی طرح جانتے تھے کہ دشمن کبھی بھی خاموش نہیں بیٹھے گا۔ انہیں معلوم تھا کہ اسرائیل نے عراق کے ایٹمی ری ایکٹر پر 7 جون 1981 کو اچانک اور بھرپور حملہ کرکے سب کچھ ملیامیٹ کردیا تھا۔ ساتھ ہی نامور سائنس دان بھی اللہ کو پیارے ہوگئے اور عراق اس میدان میں بہت پیچھے چلا گیا۔ ایسا ہی ایک منصوبہ اسرائیل نے اس وقت بھی بنالیا تھا۔ ایٹمی دھماکے سے چند روز پہلے سعودی عرب کے "اواکس (Awacs)" طیاروں نے اسرائیلی جہازوں کے 6 اسکواڈرنوں کو بھارت کی طرف "پرواز کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ حالات کے "سیاق وسباق "میں سعودی فضائیہ کو یہ صورت حال بڑی معنی خیز معلوم ہوئی۔ چنانچہ سعودی عرب نے روایتی دوستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حکومت پاکستان کو فوری طور پر اس سے مطلع کرنا اپنا فرض سمجھا۔ حکومت پاکستان معاملے کو بھانپ گئی۔

مواصلاتی سیٹلائٹ کے ذریعے اسرائیلی طیاروں کی نقل وحرکت کی مانیٹرنگ شروع کردی۔ جس سے اسرائیل اور بھارت کا ناپاک منصوبہ ناکام و نامراد ہوگیا۔
ممکن تھا اگر اقوام متحدہ اور بڑی عالمی طاقتیں بھارت کے اس عمل کی سختی سے مذمت کرتیں اور پابندیاں لگاتیں تو پاکستان بھی اس کا جواب نہ دیتا مگر اقوام عالم کے رویے سے مایوس ہو کر حکومت نے فیصلہ کیا کہ پاکستان اپنا فیصلہ خود کرے گا جس کے نتیجے میں حکومت نے ایٹمی سائنسدانوں کو تیار رہنے کا حکم دیا، سائنس دانوں کی ایک ٹیم اسلام آباد سے کوئٹہ پہنچی جہاں سے چاغی روانہ ہوئی، جہاں ایٹمی دھماکے کرنے تھے، بھارت کے دھماکوں کے ٹھیک 17 روز کے بعد جمعرات کا دن تھا، چاغی نے رنگ بدلا، سمندر کی لہروں نے انگڑائی لی، پھولوں، پتوں اور درختوں نے قومی گیت گائے، سرحدوں پر چوکس کھڑے سپاہیوں نے حوصلہ پکڑا، وطن عزیز پاکستان کی مقدس فضا اللہ اکبر سے گونج اٹھی اور سہ پہر 3 بجکر 40 منٹ پر یکے بعد دیگرے پانچ ایٹمی دھماکے کرکے پاکستان نے بھارت کی برتری کا غرور خاک میں ملا دیا۔ اس کے ساتھ ہی پاکستان ایٹمی قوت رکھنے والا دنیا کا ساتواں اور عالم اسلام کا پہلا ملک بن گیا۔ چاغی میں ہونے والے دھماکوں کی قوت بھارت کے 43 کلو ٹن کے مقابلے میں 50 کلو ٹن تھی۔ اس لمحے نے اہل وطن کو ایک نئی زندگی دی اور تحریک پاکستان کے گم نام ہیروز کو انمول خراج عقیدت پیش کیا۔ 28 مئی 1998 کی سہ پہر کو وزیر

اعظم نواز شریف نے قوم کے نام اپنے خطاب میں اعلان کیا کہ پاکستان نے بھارت کے ایٹمی دھماکوں کا جواب دے دیا ہے۔ یہ اعلان سنتے ہی خیبر سے کراچی تک لوگوں نے جشن منایا، مٹھائیاں تقسیم کی گئیں، لوگ فون کرکے اپنے پیاروں کو اطلاع کرتے رہے، نوجوانوں نے بھنگڑے ڈالے اور خوشیاں منائیں، پوری پاکستانی قوم ایٹمی دھماکے کرنے پر خراج تحسین پیش کر رہی ہے۔پوری پاکستانی قوم کا سر فخر سے بلند ہوچکا تھا۔اس تاریخی فیصلے کے اعزاز کی اصل مستحق پاکستانی قوم ہے جو تمام رکاوٹوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے صرف پاکستان کی عزت کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار تھی۔ اسی خوشی میں پاکستانی قوم ہر سال 28 مئی کو یوم تکبیر مناتی ہے۔

پاکستان میں امریکی ڈرون پالیسی

امریکی حکومت نے ڈرون حملوں سے متعلق نئی خفیہ پالیسی کی گائیڈ لائنز پر دستخط کردیے ہیں جس کے تحت دنیا بھر میں ڈرون حملوں کا کنٹرول پینٹاگان کے حوالے کردیا جائے گا، تاہم پاکستان میں ڈرون حملوں کا اختیار بدستور سی آئی اے کے پاس رہے گا۔ امریکی صدر اوباما نے واشنگٹن ڈی سی کی نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی میں امریکا کی انسداد دہشتگردی کی اہم پالیسی خطاب کے دوران کہا کہ ڈرون حملے 2014ء کے آخر تک جاری رہیں گے، ڈرون حملے دہشت گردوں کونشانہ بنانے کے لیے ہیں، شہریوں کو نشانہ بنانے کے لیے نہیں ہیں۔ صدر اوباما نے کہا کہ میرے اور میری چین آف کمان میں شامل لوگوں کے لیے ڈرون حملوں میں شہریوں کی ہلاکتیں پریشانی کا موجب ہیں۔ اب کسی بھی حملے سے قبل اس بات کو یقینی بنانا ہوگا کہ کوئی شہری ہلاک یا زخمی نہ ہو اور یہی اعلیٰ معیار ہے جو ہم مقرر کر سکتے ہیں، کوئی قوم مسلسل جنگ کرکے کامیابی حاصل نہیں کر سکتی۔ ڈرون حملوں کے بارے میں بہت تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس سے پہلے امریکا کے نائب وزیر دفاع مائیکل شی ہان بھی سینٹ کی آرمڈ سروسز کمیٹی کے روبرو بیان دے چکے ہیں کہ ڈرون حملوں کے حوالے سے جاری پالیسی میں تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں۔ جہاں بھی ڈرون کی ضرورت محسوس ہوئی، حملہ کریں گے۔

مسلم لیگ (ن) کے سربراہ میاں نواز شریف نے کہا ہے کہ امریکی صدر اوباما نے ڈرون حملوں کے سلسلے میں مایوس کیا ہے، اوباما نے یہ تک نہیں کہا کہ ڈرون حملوں کے بارے میں پاکستانی حکومت سے مشاورت کریں گے، امریکا کو پاکستانی پارلیمان کی مرضی اور ملک کی خود مختاری کا خیال رکھنا چاہیے، ڈروں حملے اگر جاری رہے تو پاکستان کی نئی حکومت کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہوں گے۔ جبکہ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے امریکی سفیر رچرڈ اولسن سے ملاقات میں مطالبہ کیا ہے کہ ڈرون حملے پاکستان کی سالمیت کے خلاف ہیں، فوری بند کیے جائیں، ڈرون حملے بند ہونے تک دہشتگردی کا خاتمہ ممکن نہیں ہے۔ مسلم لیگ (ن) اور تحریک انصاف کی بھرپور کوشش ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو ڈرون حملے روکے جائیں۔ انتخابات سے پہلے عمران خان ڈرون حملوں کے خلاف امن مارچ لے کر وزیرستان گئے تھے اور میاں نواز شریف نے انتخابی مہم کے دوران وعدہ کیا تھا کہ وہ ڈرون حملے رکوانے کے لیے امریکا سے بات کریں گے۔ اسی لیے انتخابات کے بعد پاکستان اور افغانستان کے لیے امریکا کے خصوصی نمائندے کی مشیر روبن رافیل سے ملاقات کے دوران میاں نواز شریف نے مطالبہ کیا کہ پاکستان پر ڈرون حملے بند کیے جائیں، دہشت گردی کے خلاف جنگ میں مستحکم پاکستان ضروری ہے۔ پاکستان تمام ممالک کے ساتھ برابری کی سطح پر تعلقات کا خواہاں ہے مگر کوئی ملک ہماری سلامتی اور خود مختاری کی خلاف ورزی کرے تو اس سے تعلقات متاثر ہو

سکتے ہیں۔ امریکی اخبار "وال سٹریٹ جرنل" کو انٹرویو دیتے ہوئے بھی میاں نواز شریف کا کہنا تھا کہ قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں پر پاکستانی عوام کو تشویش ہے اور مجھے امید ہے کہ اس حوالہ سے ہم کسی تصفیہ پر پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

ڈرون حملوں کے حوالے سے امریکی صدر اوباما کے اعلان سے جہاں پاکستانی قیادت کو مایوسی ہوئی ہے وہیں پاکستانی قوم کو بھی انتہائی زیادہ افسوس ہوا ہے۔ پاکستانی قوم روز اول سے ڈرون حملوں کو پاکستان کی سالمیت پر حملہ قرار دیتی ہے اور ان کے بند کرنے کا مطالبہ کرتی آئی ہے، جس کا اندازہ حال ہی میں شائع ہونے والی ایک تجزیاتی رپورٹ سے ہو سکتا ہے جس کے مطابق 11 مئی کو ہونے والے عام انتخابات کے نتائج نے علاقائی اور صوبائی خطوں پر کچھ شگاف ظاہر کیے ہیں، کیوں کہ کسی بھی ایک جماعت نے پاکستان کے تمام حصوں سے کامیابی حاصل نہیں کی ہے۔ لیکن پاکستانی ووٹر ایک محاذ پر متحد نظر آئے اور وہ یہ کہ انہوں نے انتخابی مہم کے دوران ایسے سیاست دانوں کو مسترد کر دیا جنہوں نے چپ چاپ یا کھلم کھلا پاکستانی سرزمین پر امریکی ڈرون حملوں کی حمایت کی تھی۔ جب کہ مسلم لیگ (ن) اور تحریک انصاف نے پاکستانی سرزمین پر امریکی ڈرون حملوں کی کھل کر مذمت کی، 11 مئی کے انتخابات میں فاتح بن کر سامنے آئے۔

پاکستان میں 2004 سے ڈرون حملے جاری ہیں، جن میں امریکی تھنک ٹینک کے مطابق ساڑھے تین ہزار سے زائد افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں،ان مارے جانے والوں میں متعدد امریکا کے مطلوب افراد نشانے بنے، لیکن بے گناہ شہریوں کی ہلاکتوں کی بھی کمی نہیں ہے۔چند روز قبل برسلز کے ایک معتبر تھنک ٹینک انٹرنیشنل کرائسس گروپ نے اپنی رپورٹ میں کہا تھا کہ ڈرون حملوں کے نتیجے میں لوگ انتہا پسندی کی جانب راغب ہوجاتے ہیں اور پاکستان کے سرحدی علاقوں میں جنگجوؤں کی صفوں میں اضافہ روکنے میں امریکی ڈرون کا کردار آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے، ڈرون حملے کوئی طویل المدتی حل پیش نہیں کرتے۔ان حملوں میں عسکریت پسندوں سے زیادہ پاکستانی شہریوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے، امریکا کی یہ مہم عالمی قوانین کے متصادم ہے اوراوباما انتظامیہ کو اس پر نظرثانی کرنا ہوگی۔اوباما انتظامیہ کو عالمی قوانین کا احترام اور انسانی جانوں کے تحفظ کو یقینی بنانے کی پالیسی اپنانا ہوگی۔یونائیٹڈ نیشن کی رپورٹس کے مطابق امریکی ڈرون حملوں میں 80 سے 90 فی صد بے گناہ لوگ مارے جاتے ہیں۔اے کے بے ن الاقوامی اے ن جی او کے ڈپٹی ڈائرے کٹر ہے لری سٹوفے ر کا کہنا ہے کہ امرے کا کے حملوں مے ں مارے جانے والوں مے ں شدت پسندوں کی تعداد فے صد ہے۔بیورو آف انویسٹیگیٹو جرنلزم کے مطابق امریکی ڈرون والے حملوں 3,4 میں 3461 سے بھی زایدہ لوگ مارے جاچکے ہیں، لیکن یہ کوئی نہیں بتاتا کہ کتنی

بے گناہ جانیں امریکا کی کھلم کھلا جارحیت کا شکار ہوکے منوں مٹی تلے دفن ہوگئیں۔
امریکی جاسوس طیاروں کے ڈرون حملوں کی وجہ سے قبائلی روایات اور مقامی لوگوں کی سماجی زندگی پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ لوگ خوف کے باعث اجتماعات سے پرہیز کرتے ہیں۔ مقامی افراد کے مطابق شمالی وزیرستان میں امریکی جاسوس طیاروں کی وجہ سے قبائلی جرگوں کا انعقاد، نمازِ جنازہ اور دیگر سماجی پروگرام متاثر ہوئے ہیں۔ لوگ نمازِ جنازہ اور شادی بیاہ کے پروگراموں میں شرکت کرنے میں احتیاط برتنے لگے ہیں۔ مقامی لوگوں میں یہ خوف پایا جاتا ہے کہ اکثر اوقات نمازہ جنازہ اور شادی بیاہ کے پروگراموں میں کوئی نہ کوئی امریکا کا مطلوب تو ہوتا ہی ہے جس کی وجہ سے حملے کا خطرہ موجود رہتا ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اپنی تازہ رپورٹ میں امریکا کے ڈرون حملوں کی مذمت کرتے ہوئے انہیں بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی قرار دیا ہے اور کہا کہ ڈرون حملوں سے ماورائے عدالت قتل ہورہے ہیں۔
ڈرون حملوں کی وجہ سے لوگ خوف میں مبتلا ہو کر زندگی گزار رہے ہیں اوران حملوں میں جاں بحق یا زخمی ہونے والوں سے متعلق معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔

ڈرون حملوں کے نتیجے میں نہ تو دہشت گردی ختم ہوئی ہے اور نہ ہی دہشت گردی میں کمی آئی ہے، ڈرون حملوں کے نتیجے میں بے گناہ لوگوں کے مرنے سے انتہا پسندی اور دہشت گردی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر ڈرون حملوں کے نتیجے میں دہشت گردی میں کمی ہوتی تو دس سال سے جاری ڈرون حملوں کے نتیجے میں دہشت گردی ختم ہو چکی ہوتی۔ امریکا میں عوام کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ جب القاعدہ ایک عرصے سے کمزور ہو چکی ہے تو ڈرون حملوں کا کیا جواز رہ گیا ہے، یہ حملے محض امریکا مخالف جذبات اور امریکا کے دشمنوں میں اضافے کا باعث بن رہے ہیں۔ خاص طور امریکی عوام ایٹمی طاقت سے لیس ملک پاکستان میں نفرت کو بڑھانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتی۔ گزشتہ برس پیو کے ایک سروے کے مطابق 74 فیصد پاکستانی امریکا کو 'دشمن' سمجھتے ہیں، جس کی بڑی وجہ ڈرون حملے ہیں۔ امریکا کو چاہیے پاکستان کی خودمختاری اور سالمیت کا خیال رکھتے ہوئے فوری طور پر ڈرون حملے بند کرے۔ کیونکہ ڈرون حملوں کی وجہ سے شدت پسندی مزید بڑھ رہی ہے۔

شام میں حزب اللہ کھل کر سامنے آ گئی

شام میں چالیس سال سے اسدی خاندان کی حکمرانی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے مارچ 2011 سے شروع ہونے والی عوامی تحریک ابھی تک اپنے پختہ عزم کے ساتھ جاری و ساری ہے۔اس تحریک میں اب تک اہل سنت شامی عوام کی بڑی تعداد اپنی جانوں کے نذرانے دے چکی ہے۔ گزشتہ دنوں لندن میں قائم شامی آبزرویٹری برائے انسانی حقوق نے شام میں جاری عوامی احتجاجی تحریک اور خانہ جنگی میں ہلاکتوں کی تعداد پر نظرثانی کرتے ہوئے کہا تھا کہ شام میں اب تک چورانوے ہزار سے زیادہ افراد مارے جا چکے ہیں۔آبزرویٹری کے مطابق صدر بشارالاسد کے فرقے کے کنٹرول والے علاقوں طرطوس اور اللذاقیہ سے ہلاکتوں کے نئے اعداد و شمار موصول ہوئے ہیں اوراس کے بعد ہلاکتوں کی کل تعداد پر نظرثانی کی گئی۔اس تنظیم نے ایک رپورٹ میں بتایا تھا کہ شام میں جاری خانہ جنگی میں مارے گئے افراد کی نصف سے زیادہ تعداد عام شہریوں پر مشتمل ہے۔آبزرویٹری کی جاری کردہ رپورٹ کے مطابق اس تحریک میں مارے جانے والوں میں 34473 عام شہری، 4788 بچے اور3049 خواتین شامل ہیں۔ بشارالاسد کی فوج کے ساتھ لڑائی میں اس عرصے میں 16687 جنگجو اور منحرف فوجی مارے گئے ہیں۔ 16729 اسدی فوجی بھی کام آئے ہیں۔حکومت کی حامی شیعہ (ملیشیا) کے

بارہ ہزار سے زیادہ جنگجو اس لڑائی میں ہلاک ہوئے ہیں۔ان کے علاوہ ملک کے مختلف علاقوں سے 2368 لاشیں ملی تھی مگر ان کی شناخت نہیں ہوئی۔ جبکہ عالمی انسانی حقوق کمیشن کا کہنا ہے کہ شام میں حکومتی فوج کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد 82 ہزار نہیں، جیسا کہ اقوام متحدہ بتا رہی ہے، بلکہ مقتولین کی گنتی سوا لاکھ سے بھی تجاوز کر چکی ہے۔

عرب ممالک، اقوام متحدہ اور عالمی برادری شروع دن سے شام میں جاری خانہ جنگی کی لفظی مذمت کر رہے ہیں۔ عالمی برادری کا کہنا ہے کہ شام کا بحران پورے خطے کے لیے مسائل پیدا کر سکتا ہے، لہٰذا شام کے مسئلے کو حل کرنے کی فوری کوشش کی جانی چاہیے۔بشارالاسد فوری طور پر اقتدار چھوڑ دیں، اگر اس نے اپنی روش نہ بدلی تو شام میں خانہ جنگی میں ہلاکتیں مزید بڑھیں گی۔ ان ممالک کا کہنا ہے کہ جو لوگ یا ممالک بشارالاسد کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں، وہ شامی عوام پر ظلم کر رہے ہیں۔کچھ روز قبل سعودی عرب کے وزیر خارجہ شہزادہ سعود الفیصل نے بھی اپنے بیان میں کہا تھا کہ سعودی عرب شام کے مستقبل میں بشار الاسد کے کردار کو مسترد کرتا ہے۔ کیونکہ بشار الاسد کے ہاتھ شامیوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ ان کا ملک شامی عوام کی حمایت کرتا ہے۔ شامی عوام نے دوٹوک الفاظ میں واضح کر دیا ہے کہ شام میں بشار الاسد کا کوئی کردار نہیں ہونا چاہیے۔

واضح رہے کہ اقوام متحدہ نے کئی بار ایران اور حزب اللہ پر الزام عائد کیا ہے کہ وہ بشار الاسد کی حمایت کر رہے ہیں۔ اور اس الزام کے شواہد بھی سامنے آ چکے ہیں لیکن حزب اللہ نے اس بات کی تصدیق نہیں کی تھی جبکہ تین روز قبل حزب اللہ کے سربراہ حسن نصراللہ نے واضح الفاظ میں بشارالاسد کی حمایت کا اعلان کیا ہے۔ لبنان کی تنظیم حزب اللہ کے رہنما شیخ حسن نصر اللہ نے ہفتہ کے روز خبردار کیا ہے کہ شام میں صدر بشار الاسد حکومت کے خاتمہ سے باغیوں کی انتہا پسندی میں اضافہ ہوگا اور مشرق وسطی تاریک دور میں داخل ہو جائے گا۔ ٹیلیوژن خطاب میں حسن نصر اللہ نے اپنے جنگ جوؤں کی شام میں موجودگی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ حزب اللہ کے کارکن شام میں اسلامی انتہا پسندوں کے خلاف لڑ رہے ہیں، انہوں نے کہا کہ ہم لبنان سے ملحقہ سرحد پر شامی باغیوں کو کنٹرول حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ حسن نصر اللہ نے پہلی مرتبہ عوامی سطح پر اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ان کے گروپ ارکان شام میں لڑ رہے ہیں۔ حزب اللہ کے جنگجو لبنانی سرحد سے ملحقہ قصیر شہر میں جنگ میں ملوث ہیں، حالیہ دنوں ہیں قصیر میں انقلابیوں اور حزب ملیشیا میں شدید جھڑپیں ہوئی ہیں۔ حزب کو بشارالاسد کی فورسز کے ساتھ لڑائی میں اپنے ملک اور بیرون ملک سخت تنقید کا سامنا ہے۔ اپنے خطاب میں حسن نصر اللہ نے اپنے گروپ کی شام میں ملوث ہونے کی دفاع کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ اس جنگ میں

لبنان کے مفادات بھی داؤ پر لگے ہوئے ہیں۔ 'یہ جنگ ہماری ہے اور میں آپ سے فتح کا وعدہ کرتا ہوں۔' حسن نصر اللہ کا کہنا تھا کہ اگر سنّی اسلام پسند شام پر غالب آ گئے تو یہ لبنان کے شیعوں اور عیسائیوں سب کے لیے ایک خطرہ ہوگا۔ ان کی تحریک شامی باغیوں کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ یاد رہے گزشتہ ہفتے امریکی وزیرِ خارجہ جان کیری نے کہا تھا کہ حزب کے ہزاروں جنگجو شام میں جاری تشدد میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ انھوں نے ایران پر حزب ملیشیا کے اس کردار کی حمایت کا الزام بھی عائد کیا تھا جسے ایران نے رد کر دیا تھا۔ اس کے ان دنوں سماجی رابطے کی ویب سائٹس پر علاوہ لبنانی حزب ملیشیا کے سربراہ حسن نصر اللہ کی جانب سے شام کی خانہ جنگی میں اپنے جنگجوؤں کی شرکت کے اعتراف کے حوالے سے بھی ایک ویڈیو گردش میں ہے۔

دوسری جانب اطلاعات ہیں کہ ایرانی پاسدران انقلاب کے ذیلی یونٹس نے شامی خانہ جنگی میں بشار الاسد نواز فوج کی مدد کے لیے رضاکاروں کی بھرتی شروع کی ہوئی ہے۔ شامی جنگ میں شرکت پر آمادہ رضاکاروں کے لیے "ابو الفضل العباس" کے نام سے خصوصی یونٹ قائم کیا گیا ہے۔ ایرانی میڈیا رپورٹس کے مطابق رضاکاروں کو پاسداران انقلاب کی کور فورسز کے ہیڈ کوارٹرز کی جانب جاتے دیکھا گیا ہے۔ یہ رضاکار شامی فوج کے ساتھ مل کر باغیوں کے خلاف لڑنے کے لیے اپنے نام رجسٹرڈ کروا رہے ہیں۔ شام میں اہل سنت عوام کے خلاف لڑائی کے لیے رضاکار

بھرتی مہم کے اشتہار کی ٹیگ لائن "بلند مرتبہ سیدات کی دہلیز کا تحفظ" رکھی گئی ہے۔
اس نعرے میں سیدہ بی بی زینب کے مزار کا حوالہ دیا گیا ہے جو دمشق کے نواح میں واقع ہے۔ اسی نعرے کو لبنان میں حزب اللہ اور عراقی "الحق بریگیڈ" شامی جنگ میں شرکت کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ ایرانی پارلیمنٹ کی نیشنل سیکورٹی اور خارجہ پالیسی کمیٹی کے رکن محمد صالحہ جوکار نے شامی فوج کے ہمراہ جیش الحر سے لڑنے کے لیے ایرانی بھرتی کا جواز پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ مہم غیر سرکاری تنظیمیں (این جی اوز) چلا رہی ہیں۔ یہ سب ایرانی ثقافت و اقدار کے تحفظ کے لیے ایسا کر رہی ہیں جس کے لیے انہیں فری ہینڈ دینا ضروری ہے۔ انہوں نے مزید کہا "شامی فوج کو اکیلا چھوڑنا جائز نہیں۔
۔واضح رہے کہ شامی اپوزیشن اور دنیا بھر کے مختلف ممالک ایران، لبنان اور حزب اللہ پر شامی معاملے میں براہ راست مداخلت کا الزام لگاتے آئے ہیں۔ ان کے بہ قول ایران، بشار الاسد حکومت کی بھرپور مدد کر رہا ہے۔ حال ہی میں ایران کی فوجی حمایت یافتہ لبنانی ملیشیا حزب اللہ کی شامی جنگ میں عملی شرکت کا اعتراف بھی سامنے آیا تھا۔

جامعۃ الرشید کی منفرد سالانہ تقریب تقسیم اسناد

الحمدللہ دینی مدارس نے ہمیشہ سے معاشرے میں پھیلی برائی کے قلع قمع اور معاشرے میں اسلامیت کے فروغ و نفاذ کے لیے مختلف طریقوں سے بھرپور انداز میں کام کیا ہے۔ اس حوالے سے دینی مدارس وقتاً فوقتاً مختلف پروگرام منعقد کرتے رہتے ہیں۔ جن میں سے دینی مدارس میں ختم بخاری شریف اور تقسیم اسناد کی تقریب قابل ذکر اور انتہائی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ 26 مئی بروز اتوار ملک کی معروف علمی و دینی درسگاہ جامعۃ الرشید میں اسی نوعیت کی سالانہ تقریب کچھ مختلف انداز میں منعقد کی گئی۔ جس میں جامعۃ الرشید کے مختلف تعلیمی کورسز سے فارغ ہونے والے 261 فضلاء کرام کو اسناد اور مختلف انعامات سے نوازا گیا۔ جامعۃ الرشید کی سالانہ تقریب میں ہر سال کی طرح اس سال بھی تقریباً تمام شعبہ ہائے زندگی سے چنیدہ افراد کو مدعو کیا گیا تھا۔ کیونکہ جامعۃ الرشید کی تقریب میں دعوت عام نہیں ہوتی بلکہ جامعہ سے فارغ ہونے والے طلبہ اور انتظامیہ کی جانب سے جس مہمان کو کارڈ جاری کیا جاتا ہے، وہی اس تقریب میں شرکت کرتا ہے۔

تقریب کا انتظام جامعۃ الرشید کے سامنے کیمپس II (ٹو) میں کیا گیا تھا۔

کیمپس (ٹو) کے مرکزی دروازے میں داخل ہو کر دائیں جانب ایک بہت بڑا اسٹیج بنایا گیا تھا۔ جس کے پیچھے ایک دیو ہیکل پروجیکٹر لگایا گیا تھا۔ جس پر پروگرام کے دوران مہمانانِ گرامی، فضلاء کرام کا تعارف اور جامعۃ الرشید کے تمام شعبوں سے متعلق ڈاکو منٹری دکھائی گئی۔ اسٹیج کے دائیں اور بائیں جانب اسناد وصول کرنے والے فضلاء کرام مختلف رنگوں کے جبوں میں ملبوس کرسیوں پر تشریف فرما تھے۔ اسٹیج کے سامنے مدعو کیے گئے ہزاروں مہمانان گرامی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ تقریب کا آغاز نماز عصر کے فوری بعد کیا گیا۔ تقریب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ تقریب کا ایک حصہ نماز عصر سے نماز مغرب تک جب کہ دوسرا حصہ بعد نماز مغرب سے انتہائے تقریب تک تھا۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض مولانا سید عدنان کاکاخیل نے سرانجام دیے، نماز عصر کے فوری بعد تقریب کا آغاز تلاوت کام پاک سے کیا گیا اور اس کے بعد حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی گئیں۔ سب سے پہلے نائب ناظم اعلیٰ وفاق المدارس و مہتمم دارالعلوم فاروقیہ روالپنڈی حضرت مولانا قاضی عبدالرشید صاحب دامت برکاتہم نے مجمع سے خطاب کیا۔ جس میں انہوں نے عصر حاضر میں دینی مدارس کو درپیش چیلنجز، دینی مدارس اور اسلام کے نفاذ کی اہمیت اور معاشرے میں سرایت کرنے والی مغربیت کی خرابیوں کا ذکر کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ پوری دنیا میں صرف ایک ہی طبقہ ہے جو امن و سکون اور ملک و ملت کی کامیابی کے لیے کامیاب انداز میں کام کر سکتا ہے۔ وہ طبقہ دینی مدارس

کا ہے۔ جوں جوں جدید ذرائع آئے ہیں ان کے ساتھ ہی معاشرے میں اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے کے لیے جدید ذرائع سے استفادے کی اہمیت بھی بڑھ گئی ہے۔ جامعۃ الرشید نے اس اہمیت اور ضرورت کو سب سے پہلے سمجھا اور جدید فنون و علوم کو قدیم اسلامی علوم کے تابع کرکے معاشرے میں اسلامیت کے نفاذ کی عملی صورت کے لیے کوشاں ہے۔ جامعۃ الرشید نے جو باصلاحیت افراد تیار کیے ہیں، قوی امید ہے کہ یہ افراد جدید و قدیم علوم و فنون سے آراستہ ہو کر امت مسلمہ کی بھلائی اور معاشرے میں اسلامیت کے عملی نفاذ کی راہ ہموار کریں گے۔

اس کے بعد تقریب کے پہلے حصے میں کچھ فضلاء کرام کو اسناد دی گئیں۔ جن میں سب سے پہلے اسٹیج کے دائیں طرف بیٹھے حفاظ عربک، حفاظ انگلش کے بچوں کو مختلف مہمانان گرامی کے ہاتھوں سے اسناد دلوائی گئیں، اس کے بعد شعبہ تحفیظ القرآن کے بچوں کو اسناد دی گئیں۔ ان میں سے ہر شعبہ کے بعض بچوں کو کسی خاص کارکردگی پر خصوصی انعام بھی دیا گیا۔ اس کے بعد اسٹیج کے بائیں جانب بیٹھے دراسات دینیہ، یک سالہ عربی لینگویج کورس، یک انگلش لینگویج کورس کے فضلاء کرام کو اسناد دی گئیں۔ اس کے بعد ڈائریکٹر آس اکیڈمی لاہور حضرت مولانا ڈاکٹر شاہد اویس صاحب نے بیان کیا۔ جس میں انہوں نے جامعۃ الرشید کی انقلابی سوچ اور یہاں کے نظم و ضبط اور یہاں سے فارغ ہونے والے فضلاء کرام کی تعریف کی اور امید ظاہر کی کہ ملک کو گھرے مسائل سے چھٹکارہ دلانے کے لیے

ایسے افراد ہی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ ان کے بعد ماہر تعلیم و کالم نگار جناب پروفیسر ہارون الرشید نے مجمع سے خطاب کیا۔ انہوں نے عصری نظام تعلیم اور جامعۃ الرشید کے نظام تعلیم کے حوالے سے گفتگو کی اور بتایا جامعۃ الرشید کا تعلیمی نظام کس قدر عمدہ اور احسن ہے۔ انہوں نے کہا کہ جامعۃ الرشید کا کلیۃ الشریعہ کورس نہایت ہی عمدہ اور کامیاب کورس ہے۔ انہوں نے کہا میری معلومات کے مطابق پاک و ہند بر صغیر میں کلیۃ الشریعہ کی نوعیت کا کوئی کورس نہیں جس میں گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ طلبہ مدارس میں داخلہ لے کر مدارس کے تمام نظام سے مکمل استفادہ کرکے آگے جا کر دین کا کام کریں۔ انہوں نے کہا کہ اگر حکومت چاہتی ہے کہ ہمارا ملک دنیا میں اپنا بلند مقام پیدا کرے تو اس کے لیے جامعۃ الرشید جیسے ادارے بنانے ہوں گے اور ان افراد کو آگے لانا ہوگا جو دینی و دنیاوی علوم سے آراستہ ہوں، اس کے لیے ملک بھر کے عصری و دینی تعلیمی اداروں کو جامعۃ الرشید کی تقلید کرنی ہوگی بلکہ جامعۃ الرشید سے الحاق کیا جانا چاہیے۔ ان کے بعد حضرت مولانا ڈاکٹر محمد سرفراز صاحب سابق پروفیسر پنجاب یونیورسٹی، خطیب جامع مسجد ڈیفنس لاہور نے بیان کیا جس میں ان کا کہنا تھا کہ تمام تعلیمی اداروں کو جامعۃ الرشید کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ اس قسم کے ادارے ملک کے دوسرے حصوں میں بھی کھلنے چاہئیں جہاں بھی باہمت افراد ایسا کام کرنا چاہیں تو عوام ان کا بھرپور تعاون کرنا چاہیے۔ جامعۃ الرشید کے تمام کام قابل تقلید ہیں۔ ان کے

بیان کے وقت اذان مغرب ہو گئی، جس کے ساتھ ہی تقریب کا پہلا حصہ اپنے اختتام کو پہنچا۔

مجمع کی کثرت کی وجہ سے نماز مغرب کی ادائی کا انتظام دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ نماز مغرب ادا کرنے کے بعد تقریب کا دوسرا حصہ شروع ہوا۔ تقریب شروع کرنے کے ساتھ اسٹیج کے دائیں جانب بیٹھے طلبہ کو اسناد دینے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ پہلے جامعۃ الرشید کے شعبہ کلیۃ الدعوہ کے طلبہ کو اسناد دی گئیں اور اس کے بعد تخصص فی القرات، تخصص فی الفقہ المعاملات، تخصص فی الصحافہ اور تخصص فی الافتا اور تخصص فی الفقہ کے طلبہ کو مختلف مہمانوں کو بلا کر ان کے ہاتھوں سے اسناد دلوائی گئیں۔ اس کے بعد اسٹیج کے پیچھے لگے پروجیکٹر پر جامعۃ الرشید کے مجموعی کام کے حوالے سے ایک ڈاکومینٹری دکھلائی گئی۔ جس میں جامعۃ الرشید کے تمام اداروں کا تعارف تھا۔ سب سے پہلے جامعہ کے تعلیمی شعبوں کا تعارف کروایا گیا۔ جن میں مدرس نظامی، شعبہ مھد، شعبہ تحفیظ القرآن، دراسات دینیہ، تخصص فی الفقہ المعاملات، تخصص فی الفقہ، تخصص فی الافتائی، تخصص فی الانجلیزیہ، تخصص فی العربیہ، تخصیص فی الصحافہ، بی بی اے، ایم بی اے اور البیرونی اسکول کا تعارف کروایا گیا، اس کے بعد جامعۃ الرشید کے غیر تعلیمی ادارے جن میں اہم ادارے یہ ہیں۔ ایس سی ایس (شریعہ کنسیلٹنسی سروسز) جامعۃ الرشید کے تحت چلنے والا ادارہ ہے۔ اس ادارے کے تحت

المفتی آن لائن ویب سائٹ بھی چل رہی ہے۔ یہ ادارہ عوام الناس اور خصوصی طور پر تاجر برادری کو پیش آنے والے مسائل کا شرعی طور پر حل بتاتا ہے۔ ماویٰ ہوم جامعۃ الرشید کا ایسا ادارہ ہے جس میں یتیم بچوں کی کفالت اور ان کی تعلیم و تربیت کی مکمل ذمہ داری لی جاتی ہے۔ اس ادارے نے اس سال 50 بچوں کی کفالت کی ذمہ داری لی ہے۔ بچوں کا کلب" بچوں کی تربیت کے حوالے سے جامعۃ الرشید کا ایک ادارہ ہے۔ شریعت" اینڈ بزنس یہ جامعۃ کی طرف سے جاری کیا جانے والا ہفت روزہ رسالہ ہے۔ جس میں تجارت اور شریعت ساتھ ساتھ پیش کی جاتی ہے اور معاشی حوالے سے تمام مسائل کا حل پیش کیا جاتا ہے۔ حلال فاؤنڈیشن پاکستان میں تمام اشیاء کی حرمت و حلت کو واضح کرنے والا وہ واحد ادارہ ہے جو بین الاقوامی سطح پر کام کر رہا ہے، کیوں کہ بہت سی اشیاء باہر ممالک سے آتی ہیں، ان میں کئی اجزاء حرام بھی ہوتے ہیں لیکن لاعلمی کی وجہ سے عوام ان کو استعمال کرتے ہیں۔ اس ادارے نے اس حوالے سے کافی کام کیا ہے۔ اس کے علاوہ شاد باد پاکستان پر بھی کام ہو رہا ہے جس میں ملک بھر سے باصلاحیت نوجوانوں کو تعلیم دلوا کر اعلیٰ سطح تک پہنچایا جائے گا تاکہ آگے جا کر ملک و ملت کے لیے بہترین کام کر سکیں۔ جامعۃ الرشید کا سب سے اہم ادارہ پالیسی ریسرچ و ڈائیلاگ تھنک ٹینک کا قیام ہے۔ یہ تھنک ٹینک امت مسلمہ کو درپیش مسائل کے حل کے لیے عمل میں لایا گیا ہے۔ اس کا دفتر اسلام آباد میں ہے۔

اس کے بعد معروف کالم نگار و اینکر پرسن جناب سلیم صافی نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا پاکستانی معاشرہ دو انتہاؤں میں بٹ چکا ہے۔ ایک لبرلزم کی انتہا جب کہ دوسرا طبقہ شدت پسندی کی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ جب تک دونوں طبقے قریب نہیں آئیں گے اس وقت تک ملک و ملت کے حالات درست نہیں ہو سکتے۔ دوسری بات انہوں نے یہ کی کہ افغانستان سے امریکا کا انخلا قریب ہے اب سب کو مل کر افغانستان کے مستقبل کے لیے غور و فکر کرنا ہوگی۔ ان تمام مسائل کے حل کے لیے جامعۃ الرشید جیسے ادارے انتہائی اہم کردار انجام دے سکتے ہیں۔ کیوں کہ ان حضرات کے پاس دین و دنیا کا علم رکھنے والے افراد ہیں اس کے بعد چیئرمین سندھ انوسٹمنٹ بورڈ جناب زبیر موتی والا نے ایک جاندار بیان کیا، ان کا کہنا تھا ملک میں امن و سکون صرف مدارس اور دینی طبقہ کے لوگوں کے ہاتھ مضبوط کرکے ہی لایا جاسکتا ہے۔ تبدیلی کا نعرہ سب ہی لگاتے ہیں لیکن تبدیلی نعروں سے نہیں آتی اس کے لیے لمبا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ وہ تبدیلی صرف جامعۃ الرشید اور دوسرے مدارس دینیہ سے فارغ ہونے والے طلبہ ہی لا سکتے ہیں، تبدیلی لانے کے لیے جامعۃ الرشید کی سوچ کو پھیلانا ہوگا۔ ہمیں مدارس کے طلبہ کے ذریعے تبدیلی اس وجہ سے نظر نہیں آرہی کیوں کہ ایسے افراد کی تعداد معاشرے میں کم ہے۔ ایک وقت آئے گا ان کی تعداد زیادہ ہوجائے گی تو ان شاء اللہ کراچی سمیت پورے ملک میں امن بھی آئے گا تبدیلی بھی آئے گی۔ اس کے بعد معروف کالم نگار و اینکر پرسن جناب جاوید چودھری نے گفتگو کی، اپنی گفتگو میں انہوں نے

جامعۃ الرشید کی تعریف کی۔ لیکن بعض ایسی باتیں بھی کہیں جو ہمارے اسلاف کے کردار و عمل سے میل نہیں کھاتیں، ان کی گفتگو کے بعد مولانا عدنان کاکاخیل نے برجستہ اور مسکت جواب بھی دے دیا۔ ان کے علاوہ جناب ڈاکٹر عبدالرحمٰن ذکی چیئرمین کراچی یونیورسٹی بزنس اسکول، جناب ڈاکٹر فقیر محمد انجم چیئرمین فوڈ سائنسز اینڈ ٹیکنالوجی زرعی یونیورسٹی فیصل آباد، جناب عرفان موتن چیئرمین سائٹ ایسوسی ایشن، جناب نعیم قریشی صدر کراچی بار ایسوسی ایشن اور کئی مہمانوں نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ تقریب کے آخر میں پیر طریقت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروں صاحب نے رقت آمیز دعا کروائی، دعا کے درمیان مجمع سسکیاں لے لے کر روتا۔ دعا میں عالم اسلام، پاکستان دینی مدارس، دینی طبقے کی بھلائی کی دعا کی۔ تقریب کے اختتام پر تمام شرکاء کے لیے کھانے کا انتظام مجمع کی کثرت کی وجہ سے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ جامعۃ الرشید کے طلبہ کو کرسیوں پر ہی کھانا پہنچایا گیا تھا۔ انتظامیہ کی طرف سے بلائے مہمانوں کے لیے کھانے کا انتظام جامعۃ الرشید کے کیمپس (ون) میں جب کہ طلبہ کی طرف سے بلائے گئے مہمانوں کے لیے جامعہ کے کیمپس (ٹو) میں کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔

یہ حادثہ قتل نہیں، قتل عام ہے

گزشتہ دنوں پنجاب کے شہر گجرات کے علاقے منگووال میں ایک انتہائی دردناک سانحہ پیش آیا، بچوں کی اسکول وین میں آگ لگنے سے خاتون ٹیچر اور 16 کمسن بچے زندہ جل گئے۔آگ گیس اور پیٹرول لیکج کی وجہ سے بھڑکی۔ راستے میں گاڑی کی تاروں سے چنگاری نکلی تو گیس اور پیٹرول نے آگ کو فوراً پکڑا تو آگ بھڑک اٹھی جس نے پوری وین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔جس کے نتیجے میں ہنستے کھیلتے بچے چند لمحوں میں موت کی وادی میں جا سوئے۔اس حادثہ میں جاں بحق ہونے والے تمام بچوں کی عمریں آٹھ سے چودہ سال کے درمیان تھیں۔ اس المناک حادثہ سے پورا ملک سوگ میں ڈوب گیا۔ صدر زرداری، وزیراعظم ہزار کھوسو، الطاف حسین، نواز شریف، شہباز شریف، عمران خان اور متعدد رہنماؤں نے اس سانحہ پر افسوس کا اظہار کیا۔چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے اس سانحہ کا از خود نوٹس لیتے ہوئے کہا کہ یہ حادثہ قتل نہیں بلکہ قتل عام ہوا ہے۔دولت کی حوس میں مبتلا ٹرانسپورٹر بھی اس جرم میں شرک ہیں۔

ملک خداداد پاکستان میں ہر ذی شعور انسان کو غمگین کر دینے والا یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے، بلکہ آئے روز پیش آنے والے اس قسم کے دلخراش واقعات کی

ایک لمبی فہرست موجود ہے۔ اس قسم کے واقعات اکثر قانون کی کمزوری اور انتظامیہ کی غفلت کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔ حکومت وقتی طور پر اظہار افسوس اور چند بیانات دے کر اپنے فرض سے سبکدوش ہوجاتی ہے۔ایسے واقعات کی روک تھام کے لیے کوئی ضابطہ و قانون نہیں بنایا جاتا، اگر کوئی قانون بنتا بھی ہے تو اس پر عمل نہیں ہوتا۔اگرچہ اس سانحہ میں ڈرائیور کی کافی حد تک کوتاہی پائی گئی لیکن حقیقت میں یہ سانحہ گیس سلنڈر اور پیٹرول کی لیکج سے رونما ہوا، اگر حکومت کی جانب سے گاڑیوں کے لیے کوئی ضابطہ طے کیا جاتا تو نہ صرف اس سانحہ سے بچنا ممکن تھا بلکہ اس قسم کے روز پیش آنے والے تمام سانحات سے کسی حد تک بچا جاسکتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں سانحات کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ ماضی کی غلطیوں سے سبق نہیں سیکھا جاتا۔ متعلقہ حکومتی ادارے عوام کے جان و مال کے تحفظ کی ذمہ داری سے خود کو بری الذمہ محسوس کرتے ہیں۔

پاکستان میں وہاڑی، حیدرآباد، ٹیکسلا، لاہور، اسلام آباد، فیصل آباد اور کراچی سمیت کئی شہروں میں گاڑیوں میں نصب ناقص سلنڈر پھٹنے کے 100 سے زائد واقعات میں سینکڑوں افراد موت کے منہ میں جاچکے ہیں لیکن اس کے باوجود متعلقہ اداروں نے آج تک کوئی ایسا نظام وضع نہیں کیا جس کے ذریعے غیر معیاری گیس سلنڈر کی روک تھام کی جاسکے۔ پاکستان میں تیس لاکھ گاڑیاں اس

وقت سی این جی پر چل رہی ہیں۔ جن میں ناقص اور غیر معیاری سی این جی سلنڈر استعمال کرنے والی گاڑیوں کی تعداد تین لاکھ سے زائد ہے۔ جن کی وجہ سے روز ہی کسی جان لیوا واقعہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ذرائع ابلاغ گاڑیوں میں نصب گیس سلنڈر کے پھٹنے کے واقعات بیان تو کرتے ہیں لیکن اس کوتاہی کے تدارک کے لیے لائحہ عمل مرتب نہیں کیا جاتا۔ ایسے واقعات کو ایک بار پیش کرنے کے بعد اراں ان کی خبر گیری نہیں کی جاتی کہ ایسے واقعات کے بارے میں متعلقہ حکومتی اداروں نے کہاں تک تحقیقات کیں؟۔ اگر تحقیقات ہوئیں تو ان میں ملزم کسے نامزد کیا گیا اور آئندہ ایسے واقعات کی روک تھام کے لیے کیا اقدامات تجویز کیے گئے ہیں۔

اگر حکومتی سطح پر تحقیقات سے یہ ثابت ہو جائے کہ سلنڈر کے ناقص ہونے یا تنصیب کے عمل میں خامیوں کی وجہ سے حادثہ پیش آیا تو متعلقہ فرد یا ادارہ کے خلاف سخت قانونی کارروائی ہونی چاہیے۔ اگر پاکستان میں سزا کا ایسا نظام رائج ہو جائے، جس میں صارفین کی جان و مال سے کھیلنے والوں کا کڑا احتساب ممکن ہو تو حادثات کی شرح خود بخود کم ہو جائے گی۔ ملک کی سول سوسائٹی کے گروہ اور ایسی تنظیمیں جو صارفین کے حقوق کے لیے آوازیں اٹھاتی ہیں گیس سلنڈر کے پھٹنے اور ناقص گیس سلنڈر کی خرید و فروخت پر نجانے کیوں دم سادھے بیٹھی ہیں؟ آخر کیا وجہ ہے کہ آمدورفت کے ذرائع کو سی این جی سے چلانے والا

ساز و سامان اس حد تک ناقص ہے کہ اس کا استعمال موت کو بلانے کے مترادف ہے لیکن ان کی خرید و فروخت میں کمی نہیں آ رہی اور نہ ہی اس سلسلے میں عوام (صارفین) کی رہنمائی کرنے کا کوئی نظام موجود ہے۔

ناجائز منافع کے جنون میں مبتلا ٹرانسپورٹرز نے مسافر بسوں اور ویگنوں میں معیاری سی این جی سلنڈر کی بجائے انتہائی ناقص اور غیر معیاری سلنڈرز نصب کیے ہوئے ہیں یا پھر پرانے سلنڈرز جو اپنی زندگی پوری کر چکے ہیں انہیں لوگوں کی زندگیوں سے کھیلنے کے لیے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اس صف میں بہت سے ٹرانسپورٹر ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنی گاڑیوں میں سی این جی سلنڈرز کی بجائے آکسیجن سلنڈر فٹ کروا رکھے ہیں۔ اس وقت بہت سے گاڑیوں میں سی این جی کی بجائے ایک پی جی کے سلنڈر استعمال ہو رہے ہیں جو سی این جی سلنڈر کے مقابلے میں پانچ گنا کم طاقت رکھتے ہیں۔ یہ ناقص کوالٹی کے ایل پی جی سلنڈر حادثات کا باعث بن رہے ہیں۔ گیس سلنڈر اگر معیاری ہوں بھی تو ان کو گاڑیوں میں نصب کرنے کے طریقہ کار میں خامیوں کی وجہ سے حادثات رونما ہو سکتے ہیں۔ کیا کوئی حکومتی محکمہ ایسا بھی ہے جو گیس سلنڈروں کی گاڑیوں میں تنصیب کے عمل کی نگرانی کر رہا ہو؟ عام صارف تک گاڑی میں گیس سلنڈر کی تنصیب کے صحیح اور محفوظ طریقہ کار کی معلومات پہنچانا کس کی ذمہ داری ہے؟ گیس کٹس کی تنصیب اور سلنڈروں کی مقررہ معیار پر جانچ پڑتال کے مراحل کی نگرانی یقیناً

حکومتی اداروں کی ذمہ داری ہے جس کا دور دور تک نام و نشان دکھائی نہیں دیتا۔ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جہاں بغیر کسی روک ٹوک کے دنیا کے کسی بھی علاقے سے، کسی بھی طرح کا سلنڈر منگوا کر، کسی بھی شخص سے اپنی گاڑی میں لگوایا جا سکتا ہے۔ 'سی این جی کٹس' جن موٹر ساز اداروں سے لگ کر آتی ہیں، ان کے معیار اور تنصیب کے عمل کی جانچ کرنا فوری طور پر رائج ہونا چاہیے۔

ماہرین کے مطابق گاڑیوں میں لگائے جانے والے گیس سلنڈرز کی ہر سال یا دو سال میں کم از کم ایک مرتبہ جانچ پڑتال ضرور ہونی چاہیے۔ کوئی بھی ایسا صارف جو اپنی گاڑی میں سی این جی استعمال کرتا ہے اور سی این جی کٹ کی جانچ کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، درحقیقت وہ اپنی اور دوسروں کی جان سے کھیل رہا ہوتا ہے۔ ویگنوں، منی بسوں کی سیٹوں اور چھتوں پر گیس سلنڈر کی تنصیب قانوناً ممنوع ہے لیکن ویگنوں میں ایک کی بجائے تین تین سلنڈرز رکھے ہوتے ہیں اور انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ ہمارے ہاں گاڑیوں کے سالانہ ٹوکن جمع کیے جاتے ہیں۔ ایسی سی این جی گاڑیوں کو اس وقت تک ٹوکن جاری نہ کیے جائیں جب تک ان کے پاس سی این جی کٹس کی فٹنس کی سند سرٹیفکیٹ) موجود نہ ہو۔ اس سلسلے میں صوبائی حکومتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے ایسی قانون سازی کریں جس سے 'وی ہیکل سیفٹی' کے قواعد کا دائرہ پھیلایا جا سکے اور گاڑیوں کی سی این جی کٹس کی جانچ پڑتال کی جا سکے۔ اس

کاروبار کے لیے حکومت کو لائسنس جاری کرنے چاہییں اور سلنڈرز پر سیکورٹی والو کا لگایا جانا ضروری قرار دیا جانا چاہیے تاکہ گیس لیک نہ ہو۔ نجی گاڑیوں سے مسافر بسوں پبلک ٹرانسپورٹ) میں لگی سی این جی کٹس کی جانچ پڑتال کی ضرورت کل سے زیادہ) آج محسوس کی جا رہی ہے۔ اس سلسلے میں عدالت نے از خود نوٹس لے کر ایک اچھا قدم اٹھایا ہے کیونکہ گیس سلنڈروں کے پھٹنے سے جانی و مالی نقصانات کا سلسلہ جاری ہے اور غفلت کے مرتکب افراد یا ادارے ان واقعات کی ذمہ داری لینے کو تیار و آمادہ نہیں ہیں۔

طالبان کے پاکستان سے مذاکرات ثبوتاژ کرنے میں امریکا کامیاب ہوگیا

بدھ کے روز شمالی وزیرستان کے ہیڈ کوارٹرز میرانشاہ میں امریکی ڈرون حملے میں تحریک طالبان پاکستان کے نائب امیر مفتی ولی الرحمٰن سمیت چھ افراد جاں بحق اور 4 زخمی ہوئے۔ جمعرات کو تحریک طالبان پاکستان نے ڈرون حملے میں نائب امیر مفتی ولی الرحمٰن کی موت کی تصدیق کرتے ہوئے امن مذاکرات کی پیشکش واپس لینے کا اعلان کردیا۔ ترجمان کے مطابق ولی الرحمٰن کی موت کے بعد تنظیم کی مرکزی شوریٰ کا اجلاس ہوا جس میں طے پایا کہ اب مذاکرات کا راستہ بند کرکے نائب امیر کی موت کا بدلہ لیا جائے گا۔ تحریک طالبان کے ترجمان احسان اللہ احسان نے کہا کہ ہمیں ولی الرحمٰن کی شہادت پر فخر ہے اوراس سے ہمارے حوصلے پست نہیں ہوں گے۔ ہم حکومت کو بھی ڈرون حملے کا ذمہ دار سمجھتے ہیں، ولی الرحمٰن کی شہادت کا بدلہ لیں گے۔ ولی الرحمٰن کی شہادت کے ساتھ ہی حکومت کے ساتھ مذاکرات کا راستہ بند ہوگیا ہے، ہم امن مذاکرات کو ختم کرنے اور بات چیت کی پیشکش واپس لینے کا اعلان کرتے ہیں۔ تحریک طالبان حکومت پاکستان کے خلاف انتقامی کارروائیاں جاری رکھے گی۔ ہم نواز شریف حکومت کے ساتھ صدقِ دل سے مذاکرات کے حامی تھے مگر انہوں نے بھی ہمیں مایوس کیا اور ہمیں ایسا نظر آرہا ہے کہ امریکا اب ان کے کندھوں پر سوار

ہو کر تحریک طالبان پاکستان کو ختم کرنے کے درپے ہے، انہوں نے کہا کہ مذاکرات وہاں کیے جاتے ہیں جہاں مثبت پیش رفت کی توقع ہو مگر گزشتہ ڈرون حملے نے واضح کر دیا کہ پاکستانی حکومت مذاکرات میں مخلص نہیں، صرف امریکی خواہش پر مذاکرات کا ڈرامہ رچایا جا رہا ہے۔ کمانڈر ولی الرحمٰن اس سال پاکستانی سرزمین پر ہونے والے امریکی ڈرون حملوں میں مارے جانے والے دوسرے اہم طالبان کمانڈر ہیں۔ اس سے پہلے جنوری میں ایک ڈرون حملے میں طالبان کمانڈر ملا نذیر مارے گئے تھے۔ ولی الرحمٰن کا تعلق محسود قبائل کی سب سے مضبوط شاخ مال خیل سے تھا اور اسی وجہ سے محسود طالبان کی اکثریت ان کے ساتھ تھی اور وہ ان میں بہت زیادہ مقبول تھے۔ تحریک طالبان پاکستان کو 2009 میں بیت اللہ محسود کی ڈرون حملے میں موت کے بعد اب دوسرا بڑا دھچکا نائب امیر ولی الرحمٰن کی موت کی صورت میں لگا ہے۔

تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب پاکستان میں نو منتخب سیاسی جماعتیں اور طالبان آہستہ آہستہ مذاکرات کی جانب بڑھ رہے تھے اس حملے کی امریکا کو ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امریکا کسی صورت بھی حکومت کے پاکستانی طالبان سے مذاکرات نہیں چاہتا۔ یاد رہے کہ رواں سال فروری میں تحریک طالبان کے ترجمان نے ایک ویڈیو پیغام میں حکومت پاکستان کو مذاکرات کی دعوت اس شرط پر دی تھی کہ اگر مولانا فضل الرحمٰن، نواز شریف اور

سید منور حسن فوج یا حکومت کے لیے ضمانت دیں تو مذاکرات کامیاب ہو سکتے ہیں۔اس کے بعد انتخابات کے قریب ایک بار پھر پاکستانی طالبان نے حکومت کو مذاکرات کی دعوت دی تھی، جس کا خیر مقدم کرتے ہوئے جمعیت علماء اسلام نے ایک کل جماعتی کانفرنس بلائی تھی۔جس میں تمام مذہبی و سیاسی جماعتوں نے شرکت کرکے طالبان سے مذاکرات کی حمایت کی تھی۔اس کے علاوہ اے این پی نے طالبان سے مذاکرات کے حوالے سے ایک کل جماعتی کانفرنس بلائی تھی جس میں مذاکرات کی مکمل حمایت کی گئی تھی۔طالبان کی پیشکش کے بعد پاکستان مسلم لیگ (ن) کے صدر محمد نواز شریف نے بعد انتخابات میں واضح اکثریت حاصل کرنے کے بعد کہا تھا کہ طالبان کی جانب سے مذاکرات کی دعوت کو سنجیدگی سے لینا چاہیے اور ملک میں امن مذاکرات سے ہی آئے گا۔چند روز پہلے میاں نواز شریف اور خیبر پختونخوا کے وزیر اعلیٰ پرویز خٹک نے جمعیت علماء اسلام (س) کے سربراہ مولانا سمیع الحق سے رابطوں کے بعد کہا تھا کہ جب قطر اور فرانس میں افغانستان کے طالبان سے مذاکرات ہو سکتے ہیں تو پھر پاکستان میں کیوں نہیں ہو سکتے ؟۔نواز شریف اور پرویز خٹک نے مولانا سمیع الحق سے امن و امان کے قیام کے لیے طالبان سے مذاکرات شروع کرنے کے لیے تعاون طلب کیا تھا۔اب کی بار بہت زیادہ امید کی جارہی تھی کہ طالبان سے مذاکرات کامیاب ہوجائیں گے، لیکن امریکا کو یہ سب کچھ کب گوارا تھا۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ میاں نواز شریف کے اقتدار سنبھالنے سے پہلے ہی امریکا نے ڈرون حملے کے ذریعے طالبان رہنما ولی الرحمٰن کو نشانہ بنا کر طالبان سے پاکستان حکومت کے متوقع مذاکرات کو سبوتاژ کر دیا ہے۔ نواز شریف کی جانب سے طالبان سے مذاکرات کا عندیہ پا کر طالبان کی صفوں میں بھی خوشی کا اظہار کیا جا رہا تھا کہ امریکا نے ڈرون حملے کے ذریعے تحریک طالبان کو مشتعل کر دیا۔ تحریک طالبان کی جانب سے مذاکرات نہ کرنے کا اعلان کر دیا گیا ہے گویا امریکا طالبان رہنما ولی الرحمٰن کو نشانہ بنا کر اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ یہ کوئی پہلا موقع نہیں جب طالبان سے مذاکرات کے ذریعے معاملات حل کرنے کی کوششوں کو امریکا نے ڈائنامیٹ کر دیا ہو۔ قبل ازیں نیک محمد کو شہید کرکے پاکستان اور طالبان کے درمیان مذاکرات کے عمل کو برباد کر دیا گیا تھا۔ امریکا ملا نذیر جیسے طالبان لیڈر کو بھی نشانہ بنا چکا ہے جو پاکستان اور طالبان کے درمیان مذاکرات اور امن کی کوشش کرتے تھے۔ اور بھی کئی مواقع پر امریکا نے یہی پالیسی اپنائی ہے۔

طالبان کی جانب سے مذاکرات کی پیشکش واپس لینے کے حوالے سے مولانا سمیع الحق نے کہا ہے کہ امریکا ایک سازش کے تحت طالبان اور پاکستان کے درمیان ہونے والے مذاکرات سبوتاژ کر رہا ہے اور ولی الرحمٰن پر ڈرون حملہ بھی اسی کا حصہ ہے۔ امریکی ڈرون حملے میں جاں بحق ہونے والا ولی الرحمٰن خودکش حملوں

اور دہشتگردی کا بھی مخالف رہا اور وہ پاکستان کے ساتھ مذاکرات کا بھی حامی تھا لیکن جب طالبان اور پاکستان کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے تو اب امریکا نے ڈرون حملہ کرکے اس مذاکراتی عمل کو سبوتاژ کر دیا ہے۔ امریکا خود تو افغانستان میں طالبان سے مذاکرات کرتا ہے لیکن پاکستانی مذاکرات کریں تو امریکا کو تکلیف ہوتی ہے۔ مولانا سمیع الحق نے ڈرون حملوں پر شدید غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا ایسے حالات میں کہ نئی منتخب قیادت حکومتوں کی باگ ڈور سنبھال کر ان مسائل کو مذاکرات کے ذریعہ حل کرنا چاہتی ہے اور مذاکرات کی امید سے قوم کو ایک نیا حوصلہ ملنے والا تھا، امریکا ور نیٹو افواج نے ان تازہ حملوں کے ذریعہ پاکستانی حکمرانوں کو ایک وارننگ دی ہے اور پاکستانی قوم اور حکمرانوں کو ایک بدترین آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ ان حملوں میں بعض ایسے اہم افراد کو نشانہ بنایا گیا جن سے مذاکراتی عمل میں سنجیدگی اور سیاسی بصیرت کی امیدیں تھیں، امریکا نے عملاً مذاکراتی راستوں کو بند کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے وفاق صوبائی اور عسکری قوتوں سے کہا انہیں اب مزید تاخیر کیے بغیر اس چیلنج کا سامنا کرنے اور پرائی جنگ میں مزید شرکت سے فوری نکل کر ملک کیلئے امن کا راستہ ڈھونڈنا چاہیے ورنہ ملک میں بدامنی اور تباہی و بربادی کا سلسلہ مزید شدت اختیار کر جائے گا۔

جمعیت علما اسلام (ف) کے امیر مولانا فضل الرحمٰن نے طالبان کی جانب سے امن

مذاکرات کی پیش کش کو ترک کرنے کے اقدام پر کہا ہے بین الاقوامی اداروں نے پاکستان میں داخلی امن کے قیام کے لیے ایک اچھا موقع گنوا دیا ہے۔ طالبان کے ساتھ امن و امان قائم کرنے کے لیے مذاکرات کا ایک اچھا وقت تھا۔ طالبان نے مایوسی کے عالم میں انتخابات سے پہلے بھی مذاکرات منسوخ کیے تھے کیونکہ اس وقت حکومت نے کوئی مثبت رد عمل ظاہر نہیں کیا۔ آئندہ حکومت کو ڈرون حملوں کے حوالے سے مربوط حکمت عملی اپنانے کا چیلنج درپیش ہوگا۔ اب جبکہ طالبان نے دل برداشتہ ہو کر مذاکرات کی پیش کش ترک کرنے کا یہ اقدام اٹھایا ہے۔ تمام ادارے اپنی پالیسیوں پر نظر ثانی کریں، سوچیں انہیں آگے کیا کرنا ہے۔ آئی ایس آئی کے سابق سربراہ اور دفاعی تجزیہ کار جنرل (ر) ضیاء الدین بٹ نے کہا ہے کہ طالبان سے مذاکرات کرنا چاہئیں وہ اپنے لوگ ہیں۔ امریکی نہیں چاہتے کہ ہم طالبان سے مذاکرات کریں، اس لیے انہوں نے ڈرون حملہ کیا ہے۔ میڈیا بھی اس حوالے سے کردار ادا کرے اور آگ کو ٹھنڈا کرے۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے سربراہ سینیٹر پروفیسر ساجد میر نے کہا ہے کہ امریکا کو طالبان سے مذاکرات کی کوشش پسند نہیں آئی۔ لگتا ہے کہ امریکا نواز شریف کی حکومت کو نئی آزمائش میں ڈالنا چاہتا ہے۔ ان حالات میں الیکشن 2013ء میں قوم کے سامنے آنے والی نئی قیادت کو سیاسی پوائنٹ سکورنگ کی بجائے قومی و ملکی مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے متفقہ لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ طالبان کو بھی سوچنا چاہیے کہ مذاکرات نہ کرنے کے اعلان سے پاکستان

دشمن قوتوں کو فائدہ پہنچے گا، لہٰذا طالبان کو مذاکرات نہ کرنے کے اپنے فیصلے پر نظرثانی کرنی چاہیے۔

کاتب وحی عظیم فاتح سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

ضبط و ترتیب: عابد محمود عزّام

خاندانی پسِ منظر

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام ابوسفیان بن حرب اور والدہ کا نام ہندہ تھا۔ ظہور اسلام سے قبل ابوسفیان کا شمار روسائے عرب میں ہوتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان کیا تو ابوسفیان، ہندہ اور ان کے تمام خاندان نے اسلام قبول کیا۔ ہجرت مدینہ سے تقریباً 15 برس پیشتر مکہ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ اعلان نبوت کے وقت آپ کی عمر کوئی چار برس کے قریب تھی۔ جب اسلام لائے تو زندگی کی 25 بہاریں دیکھ چکے تھے۔

فتح مکہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کو بیت الامن قرار دیا اور ان کے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی مقرر کیا۔ اس کے علاوہ بیرون ملک سے آئے ہوئے لوگوں اور ملاقاتیوں کی مہمان نوازی اور دیکھ بھال کا کام بھی آپ رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے بھائی یزید بن ابوسفیان کو شام کے محاذ پر بھیجا تو معاویہ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ عہد فاروقی میں دمشق کا حاکم مقرر کیا گیا۔ رومیوں کے خلاف

جنگوں میں سے قیساریہ کی جنگ آپ کی قیادت میں لڑی گئی، جس میں 80 ہزار رومی قتل ہوئے تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آپ کو دمشق، اردن اور فلسطین تینوں صوبوں کا والی مقرر کیا اور اس پورے علاقہ کو شام کا نام دیا گیا۔ آپ کا شمار عرب کے چار نامور مدبرین میں ہوتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا دور حکومت چوبیس سال پر محیط ہے۔ ان کا دور حکومت ایک کامیاب دور تھا، ان کے زمانے میں کوئی علاقہ سلطنت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوا، بلکہ اسلامی سلطنت کا رقبہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

اموی خلافت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اندوہناک واقعہ شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے (جو اس وقت ملک شام کے امیر تھے) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قاتلانِ عثمان سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا۔

اسلامی سلطنت کا اتحاد

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل کوفہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی، لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ امت مسلمہ کو خونریزی سے بچانے کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ آپ کے اعلان دست برداری کے بعد

ء میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کا اعلان کیا۔661

استحکام سلطنت کے لیے اقدامات

خوارج کا مقابلہ

مخالفین بنو امیہ میں سب سے زیادہ منظم اور خطرناک گروہ خوارج کا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تخت نشین ہونے کے فوراً بعد 661ء میں ایک خارجی فسردہ بن نوفل نے کوفہ کے قریب علم بغاوت بلند کیا۔ سرکاری افواج بھی ان سے شکست کھا گئیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں خوارج کی سرگرمیوں کے تدارک کے لیے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ مسلسل ایک برس تک ان کے خلاف برسرپیکار رہے۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ کی زبردست کوششوں کے نتیجہ کے طور پر خوارج کو دوبارہ سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی اور ان کے راہنما مارے گئے۔ کوفہ کے بعد خوارج کا دوسرا مرکز بصرہ تھا۔ بصرہ کے خوارج کی سرکوبی کرکے تمام عراق میں امن وامان قائم کر دیا۔

بغاوتوں کی روک تھام

ء میں بلخ، بخارا، ہرات اور بادغیس کے حکمرانوں نے اموی اقتدار کے خلاف 661 بغاوت کر دی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ ء میں کابل کے حکمران نے بغاوت کر دی تو عبدالرحمٰن بن سمرہ اس بغاوت کو فرو663 کرنے پر مامور

ہوئے۔ انھوں نے بخارا سے لے کر غزنہ اور کابل تک کے تمام علاقے کو اموی احاطہ اقتدار میں دوبارہ شامل کر لیا۔

سندھ پر حملہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سندھ پر دو طرفہ حملہ کیا گیا۔ ایک مہم مہلب کی کمان میں اور دوسری بلوچستان سے منذر کی زیر سرکردگی روانہ کی گئی۔ مہلب کابل، قندھار، فتح کرتا ہوا سرزمین سندھ میں داخل ہوا۔ دوسری طرف منذر مکران کا علاقہ فتح کرتا ہوا قلات کی طرف آگے بڑھا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی ایک مہمات روانہ کی گئیں، جو کامیاب ہو کر واپس لوٹیں۔

ترکستان کی فتوحات

اگرچہ عبیداللہ ابن زیاد کے زمانہ میں ترکستان کی فتح کے لیے کئی ایک کامیاب مہمات روانہ کی گئی تھیں، لیکن سعید بن عثمان کی ولایت کوفہ کے زمانہ میں ترکستان پر باقاعدہ لشکر کشی کی گئی۔ سعید دریا جیحوں پار کر کے اہل سغد کے پایہ تخت تک جا پہنچے۔ ایک لاکھ بیس ہزار فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نکل پڑی۔ بخارا میں دونوں افواج کے درمیان زبردست جنگ ہوئی اور ملکہ صلح کرنے پر مجبور ہوئی۔ بخارا پر قبضہ کے بعد اسلامی لشکر نے سمرقند کا محاصرہ کر لیا۔ اہل سمرقند نے کچھ عرصہ تو مزاحمت کی لیکن بالآخر سات لاکھ درہم سالانہ کے وعدہ پر صلح کر لی۔ سمرقند کے بعد

ترمذ کا علاقہ بھی فتح کر لیا گیا۔ اس طرح ترکستان کا بیشتر حصہ اموی سلطنت کا جزو بنا۔

شمالی افریقہ کی فتوحات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان علاقائی فتوحات میں مزید توسیع کی گئی۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ شمالی افریقا کے گورنر تھے۔ آپ نے عقبہ بن نافع اور معاویہ بن خدیج کو شمالی افریقا کی فتح کے لیے نامزد کیا۔ 661ء میں عقبہ نے شمالی افریقا پر فوج کشی کرکے طرابلس، تونس اور الجزائر کے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد بونہ اور زناطہ تک اپنے حلقہ اقتدار کو وسیع کیا۔ 663ء میں سوڈان پر لشکر کشی کی گئی اور اس کے کثیر حصہ پر قبضہ کر لیا گیا۔

قسطنطنیہ پر حملہ

رومی حملوں کی روک تھام کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بالآخر بازنطینی حکومت کے دارالحکومت قسطنطنیہ کی تسخیر کا باقاعدہ منصوبہ بنایا۔ آپ کے اس منصوبہ کی اطلاع جب مکہ و مدینہ تک پہنچی تو اکابر صحابہ نے بھی اس میں شمولیت کے لیے آمادگی کا اظہار کیا۔ اس مہم میں ابوایوب انصاری، عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن عباس، عبداللہ بن زبیر جیسے مقتدر صحابی بھی شریک ہوئے۔ فوج کی کمان امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید کے ہاتھ میں تھی۔ محاصرہ کے دوران شہر کی بلند فصیل سے

مسلمانوں پر آگ کے گولے برسائے گئے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ یہ حملہ اگرچہ ناکام رہا، لیکن رومیوں پر اس قدر خوف طاری رہا کہ آئندہ کئی برسوں تک انہوں نے مسلمانوں کے خلاف کوئی جارحانہ کاروائی نہ کی۔ اس محاصرہ کے دوران مشہور صحابی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ وفات پا گئے۔ مسلمانوں نے آپ کو شہر کی فصیل کے نیچے لے جا کر دفن کر دیا۔

جزائر روڈس اور ارواڈ کی فتح

شامی علاقہ کے تحفظ کے نقطہ نظر سے جزائر روم کی فتح ضروری تھی۔ چنانچہ اس مقصد کی خاطر اس سے پیشتر جزیرہ قبرص فتح کیا جا چکا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں ایک قدم مزید آگے بڑھا کر جزیرہ روڈس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد 54 ھ میں جزیرہ ارواڈ پر قبضہ ہوا۔

نظام حکومت اور انتظامی اصلاحات

جہاں تک نظم و نسق کا تعلق ہے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی کافی حد تک اصلاح کر کے حکومت کو استحکام بخشا اور فوجی اور دیگر اصلاحات سے ملک کو بیرونی حملوں سے تحفظ دیا۔ ان کے نظام حکومت کا خاکہ درج ذیل ہے :

خلیفہ کے اختیارات میں اضافہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے انیس سالہ دور حکومت میں ملک سے بدامنی اور

خانہ جنگی دور کرکے ایک مضبوط حکومت قائم کی، جو داخلی انتشار اور خارجی حملوں کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ اس حکومت کی بنیاد خلیفہ کے وسیع اختیارات پر تھی۔ انہوں نے مضبوط مرکزی حکومت قائم کی، جو خدا کے سوا کسی کے سامنے جوابدہ نہ تھی۔ مجلس شوریٰ کا وجود قائم تھا اور اس میں عرب کے معروف مدبّر عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن ابی سفیان اور دیگر اکابرین امور سلطنت میں شامل تھے۔

صوبائی نظام

ملکی تقسیم اور صوبائی حد بندی کا نظام تقریباً وہی رہا جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھا۔ ہر صوبے کے لیے الگ گورنر تھا جسے والی کہتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صوبوں میں مکمل امن و امان قائم رہا۔

فوجی نظام

بنو امیہ مکہ کے فوجی قائدین میں سے تھے۔ اس لیے عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں فوج کی تنظیم کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ اس کا ڈھانچہ عہد فاروقی کے خطوط پر قائم رہا۔ فوج کے دو حصے تھے جنہیں گرمائی اور سرمائی علی الترتیب صافیہ اور شاتیہ کہتے تھے۔ فوج کی تنخواہ اور بھرتی کے نظام کی اور زیادہ اصلاح کی گئی۔ غیر ملکی حملہ آوروں کے خلاف ملکی دفاع کے لیے نئی نئی چھاؤنیاں اور شہر آباد کیے گئے۔ دوران جنگ تلواروں، تیروں اور دیگر رائج الوقت اسلحہ کے علاوہ، قلعہ شکن آلات کا عام استعمال

ہوتا تھا۔ جس کے ذریعہ بڑے بڑے قلعوں کی فصیلوں میں شگاف کر دیا جاتا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوج کی تنظیم اس طرح کی کہ ڈسپلن اور استعداد کے لحاظ سے یہ دنیا کی صف اول کی افواج کی ہم پلہ بن گئی۔

بحریہ کی تشکیل

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عظیم اور شاندار کارنامہ اسلامی بحریہ کی تشکیل ہے۔ منصب خلافت سنبھالنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے سب سے زیادہ توجہ بحریہ کی ترقی پر صرف کی۔ عہد عثمانی میں 500 جنگی بحری جہاز موجود تھے، جن کے ذریعے قبرص کا جزیرہ فتح ہوا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس بحری بیڑے کو مزید مستحکم بنایا اور مصر و شام کے ساحلی مقامات پر جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے گئے۔ بحری فوج کا سپہ سالار علیحدہ مقرر کیا گیا۔ جسے امیر البحر کہتے تھے۔ اس عہد میں خبادہ بن ابی امیر اور عبداللہ بن قیس اس عہدہ پر فائز رہے۔

پولیس

ملک کے اندرونی نظام اور امن و امان کے قیام کے لیے محکمہ پولیس کو باقاعدہ منظم کیا گیا۔ عراق میں بالخصوص پولیس کا بڑا زبردست انتظام تھا۔ شہر کوفہ میں 40 ہزار پولیس کے سپاہی موجود تھے۔ ملک کے اندر ایک سرے سے دوسرے سرے تک مکمل امن و امان تھا۔ مشتبہ لوگوں کے نام رجسٹر میں درج تھے۔

دیوان البرید

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خبر رسانی اور ڈاک کی ترسیل کے لیے برید کے نام سے مستقل محکمہ قائم کیا۔ اس کام کے لیے ہر منزل پر تازہ دم گھوڑے ہر وقت موجود رہتے، جو ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ڈاک پہنچاتے اور اس طرح حکومت ملکی حالات سے اچھی طرح باخبر رہتی۔

دیوان الخاتم

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیوان خاتم کے نام سے ایک محکمہ قائم کیا، جس کے ذمہ تمام حکومتی محکموں کا ریکارڈ کی نقلیں رکھنا اور خطوط کو سربمہر کرکے متعلقین تک پہنچانا تھا۔

نئے شہروں کی تعمیر

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوجی ضروریات کی بناپر نئی نئی چھاؤنیاں تعمیر کیں اور برباد شدہ شہروں کو دوبارہ آباد کیا۔ واسط اور قیروان کی چھاؤنیاں بعد میں بڑے بڑے شہروں کی شکل اختیار کر گئیں۔ ارواڈ کے جزیرہ میں مسلمانوں کو آباد کیا اسی طرح انطاکیہ میں ایک مسلم نوآبادی قائم کی۔

رفاہ عامہ کے کام

زندگی میں کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اصلاحات سے متاثر نہ ہوا ہو۔ خوشحالی اور زراعت کی ترقی کے لیے آبپاشی کے نظام کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ مدینہ کے قرب و جوار میں متعدد نہریں کھدوائی گئیں، جن سے اناج اور پھلوں کی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ نہر معقل جو بصرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کھودی گئی تھی، کو دوبارہ کھدوا کر آبپاشی کے قابل بنایا گیا۔ نئے شہروں میں لوگوں کے دینی فرائض کی بجاآوری کے لیے مسجدیں تعمیر کی گئیں۔

غیر مسلموں سے حسن سلوک

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ کے لیے کچھ طریقے مقرر کیے گئے تھے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بدستور جاری رکھا۔ تمام وعدے جو ان سے کیے جاتے ان کو پورا کیا جاتا۔ ان کی جان و مال عزت و آبرو محفوظ تھی۔ انہیں عبادت اور اجتماع کی آزادی تھی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت مجموعہ صفات تھی۔ عربی سوانحی اور تاریخی ادب میں شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو جس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نرمی، ضبط اور تحمل کی صفات کو خراج عقیدت پیش نہ کیا گیا ہو۔ ان کی حکمت عملی کی سب سے

نمایاں خصوصیت حلم تھی۔ ان کا یہ وصف تاریخی مسلمات میں شمار کیا جاتا ہے۔ وہ بے جا و بے وقت سختی کے قائل نہ تھے۔ مخالفین اور معترضین کی نکتہ چینی کا خندہ پیشانی سے جواب دیتے۔ اس معاملہ میں انہوں نے اپنے طرز عمل کی یوں وضاحت کی ہے:

"جہاں میرا کوڑا کام کرتا ہے، وہاں میں تلوار کام میں نہیں لاتا اور جہاں زبان کام دیتی ہے، وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی رشتہ قائم ہو تو میں اس کو نہیں توڑتا۔ جب لوگ اس کو کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔"

انہوں نے مختلف عرب قبائل مثلاً یمنی اور عدنانیوں میں اس طرح توازن قائم رکھا کہ ان کی قبائلی عصبیتیں دبی رہیں اور انہیں دونوں قبیلوں کا عملی تعاون حاصل رہا۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ایک مدبر حکمران اور دوراندیش سیاستدان تھے۔

سیرت و کردار

حضرت امیر معاویہ کا شمار اپنے زمانہ کے پانچ بڑے سیاستدانوں میں کیا جاتا ہے۔ ایک بار انہوں نے خود کہا کہ میں نے بہ نسبت زیاد کی تلوار کے اپنی زبان سے کہیں زیادہ ہمنوا اور حامی پیدا کیے۔ ان میں لوگوں کو متاثر کرنے کی بے پناہ صلاحیتیں موجود تھیں۔ اگرچہ وہ خلفائے راشدین کی خصوصیات کے حامل نہ تھے لیکن وہ ایک اعلیٰ درجہ کے حکمران ضرور تھے۔ تدبر و رائے اور سیاست دانی میں روسائے عرب میں سے کوئی بھی ان کا

ہم پلہ نہ تھا۔ فصاحت و بلاغت میں بھی وہ یکتا تھے۔ اس کے علاوہ وہ ایک بہترین خطیب بھی تھے۔ خوردونوش، رہائش، لباس اور عادات واطوار میں شاہانہ طرز زندگی گزارتے تھے۔ درباریوں، شاعروں، دوستوں اور حاجت مندوں خواہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو خسروانہ عنایات سے نوازتے۔ رعایا کے کمزور سے کمزور اور غریب سے غریب آدمی کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔ مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کی شکایات سنتے اور وہیں ان کی تکالیف کا ازالہ کا حکم صادر فرماتے۔ اہل دربار پر بھی یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ وہ لوگ جو ان تک نہیں پہنچ سکتے ان کی ضروریات کو امیر تک پہنچانا ان کا ذمہ ہے۔

ایک فوجی ماہر کی حیثیت سے ان کا مقام بہت بلند تھا۔ رومیوں کے خلاف کامیاب فتوحات ان کی اس صفت کی شاہد ہیں۔ سب سے بڑھ کر جو چیز ان کو ہمعصر حکمرانوں سے ممتاز اور نمایاں کرتی ہے وہ ان کی سیاست دانی، معاملہ فہمی اور تدبر ہے۔ آپ کی سیاست ہمیشہ کامیاب رہی ان ہی اوصاف اور کارہائے نمایاں کی بدولت انہوں نے ایک مضبوط اموی حکومت کی بنیاد رکھی۔

یزید کی جانشینی

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے 50 ھ میں پہلی بار امیر معاویہ رضی اللہ عنہکے سامنے یزید کو ولی عہد مقرر کرنے کی تجویز پیش کی اور کہا کہ

عثمان کی شہادت کے بعد سے مسلمانوں میں جو اختلاف اور خونریزی قائم ہوئی ہے وہ"

آپ

کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ اس لیے میری رائے میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے کر اسے جانشین بنا دینا چاہیے، تاکہ جب آپ کا وقت آخر آئے تو مسلمانوں کے لیے ایک "سہارا اور جانشین موجود ہو اور ان میں خونریزی اور فتنہ و فساد پیدا نہ ہو۔

وفات

رجب المرجب 60ھ میں کاتب وحی، جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ 22 وسلم، فاتح شام و قبرص اور 19 سال تک 64 لاکھ مربع میل پر حکمرانی کرنے والے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ 78 سال کی عمر میں دمشق میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ آپ نے تجہیز و تکفین کے بارے میں وصیت کی کہ رسول اللہ کے کرتہ مبارک کا کفن پہنایا جائے اور آپ کے ناخن مبارک اور موئے مبارک کو منہ اور آنکھوں پر رکھ دیا جائے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی نمایاں خصوصیات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ وہ خوش نصیب انسان ہیں جن کو جلیل القدر صحابی ہونے کے ساتھ کاتب وحی اور پہلے اسلامی بحری بیڑے کے امیر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے اور آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے کئی دفعہ دعائیں اور بشارتیں نکلیں۔ آپ رضی تعالی عنہ کی بہن حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور ام

المومنین ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔
آپ نے 19 سال تک 64 لاکھ مربع میل یعنی آدھی دنیا پر حکومت کی۔ تاریخ اسلام کے روشن اوراق آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے کردار و کارناموں اور فضائل و مناقب سے بھرے پڑے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالی قیامت کے دن معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو اس طرح اٹھائیں گے کہ ان پر نور ایمان کی چادر ہو گی'' کنزالاعمال'' ایک موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے اللہ معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو ہدایت دینے والا، ہدایت پر قائم رہنے والا اور لوگوں کے (لیے ذریعہ ہدایت بنا۔" (جامع ترمذی
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ "معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالی عنہ میری امت میں سب سے زیادہ بردبار اور سخی ہیں۔" (تطہیر الجنان)۔ حضرت امیر معاویہ رضی تعالی عنہ سروقد، لحیم و شحیم، رنگ گورا، چہرہ کتابی، آنکھیں موٹی گھنی داڑھی، وضع قطع، چال ڈھال میں بظاہر شان وشوکت

اور تمکنت، مگر مزاج اور طبیعت میں زہد و تواضع، فروتنی، حلم، بردباری اور چہرہ سے ذہانت اور فطانت مترشح تھی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے جب اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مبارکباد دی اور ''مرحبا۔۔۔۔۔۔'' فرمایا البدایہ والنہایہ)'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ) '' تعالی عنہ کے سابقہ حالات زندگی اور ان کی صلاحیت و قابلیت سے آگاہ تھے اس لیے انہیں خاص قرب سے نوازا۔ فتح مکہ کے بعد آپ رضی اللہ تعالی عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی رہے اور تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت و معیت میں بھرپور حصہ لیا۔

قرآن مجید کی حفاظت میں ایک اہم سبب ''کتابت وحی'' ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلیل القدر صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین پر مشتمل ایک جماعت مقرر کر رکھی تھی جو کہ '' کاتب وحی'' تھے ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا چھٹا نمبر تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو کاتب وحی بنایا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کو کاتب وحی بناتے تھے جو ذی عدالت اور امانت دار ہوتا تھا۔" (ازالۃ الخفا از شاہ ولی اللہ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ وہ خوش قسمت انسان ہیں جن کو کتابت وحی کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط تحریر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

علامہ اکبر نجیب آبادی'' تاریخ اسلام'' میں رقمطراز ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کی خاطر مدرات اور ان کے قیام وطعام کا انتظام واہتمام بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے سپرد کر دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفہ اوّل سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں آپ نے مانعین زکوۃ، منکرین ختم نبوت، جھوٹے مدعیان نبوت اور مرتدین کے فتنوں کے خلاف بھرپور حصہ لیا اور کئی کارنامے سرانجام دیے۔

خلیفہ دوم سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں جو فتوحات ہوئیں اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نمایاں حصہ اور کردار ہے۔ جنگ یرموک میں آپ بڑی بہادری اور دلیری کے ساتھ لڑے، غرضیکہ آپ کا پورا خاندان جنگ میں حصہ لے رہا تھا۔

خلیفہ سوم سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے دور خلافت میں سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ جہاد وفتوحات میں مصروف رہے اور آپ نے رومیوں کو

شکست فاش دیتے ہوئے طرابلس، الشام، عموریہ، شمشاط، ملطیہ، انطاکیہ، طرطوس، ارواڈ، روڈس اور صقلیہ کو حدود نصرانیت سے نکال کر اسلامی سلطنت میں داخل کردیے۔ 28 ہجری میں آپ پوری شان وشوکت، تیاری وطاقت اور اسلامی تاریخ کے پہلے بحری بیڑے کے ساتھ بحر روم میں اترے، لیکن وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کرلی۔ لیکن بعد میں مسلمانوں کو تنگ کرنے اور بدعہدی کرنے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری بحری طاقت اور عظیم الشان بحری بیڑے کے ساتھ، جس میں تقریباً پانچ سو کے قریب بحری جہاز شامل تھے قبرص کی طرف روانہ ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے قبرص کو فتح کرلیا۔ اس لشکر کے امیر وقائد خود امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے آپ کی قیادت میں اس پہلی بحری لڑائی اور فتح قبرص کے لیے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیم اجمعین جن میں حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت ابوذر غفاری، حضرت ابودرداءؓ، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت شداد بن اوس سمیت دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شریک ہوئے۔ اس لڑائی میں رومیوں نے بھی بڑے جوش وخروش سے حصہ لیا، تجربہ کار رومی فوجوں اور بحری لڑائی کے ماہر ہونے کے باوجود اس لڑائی میں رومیوں کو بدترین شکست ہوئی اور مسلمانوں کو تاریخی فتح حاصل ہوئی۔

اس جنگ میں حصہ لینے کے لیے شوق شہادت اور جذبہ جہاد سے سرشار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وتابعین دنیا کے گوشہ گوشہ سے دمشق پہنچے، ان میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سیدنا حسین بن علی اور

میزبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا حضرت ابو ایوب انصاری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دیگر مدینہ منورہ سے تشریف لا کر اس لشکر میں شریک ہوئے۔

سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور حکومت فتوحات اور غلبہ اسلام کے حوالہ سے شاندار دور حکومت ہے۔آپ نے خلفائے راشدین کے ترقیاتی کاموں کو جاری رکھتے ہوئے اس میں مندرجہ ذیل نئے امور کی داغ بیل ڈال کر اس کو فروغ دیا۔

1۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلا اقامتی ہسپتال دمشق میں قائم کیا۔

2۔سب سے پہلے اسلامی بحریہ قائم کیا، جہاز سازی کے کارخانے بنائے اور دنیا کی زبردست رومن بحریہ کو شکست دی۔

3۔آب پاشی اور آب نوشی کے لیے دور اسلامی میں پہلی نہر کھدوائی۔

4۔ ڈاکخانہ کی تنظیم نو کی اور ڈاک کا جدید اور مضبوط نظام قائم کیا۔

5۔ حکومتی احکام پر مہر لگانے اور ہر حکم کی نقل دفتر میں محفوظ رکھنے کا طریقہ ایجاد کیا۔

6۔آپ رضی اللہ عنہ سے پہلے خانہ کعبہ پر غلافوں کے اوپر ہی غلاف چڑھائے جاتے تھے، آپ نے پرانے غلافوں کو اتار کر ہر بار نیا غلاف چڑھانے کا حکم دیا۔

7۔ خط دیوانی ایجاد کیا اور قوم کو الفاظ کی صورت میں لکھنے کا طریقہ پیدا کیا۔

8۔ انتظامیہ کو بلند تر بنایا اور انتظامیہ کو عدلیہ میں مداخلت سے روک دیا۔

9۔آپ نے دین اخلاق اور قانون کی طرح طب اور علم الجراحت کی تعلیم کا انتظام بھی

کیا۔

10۔ آپ نے بیت المال سے تجارتی قرضے بغیر اشتراک نفع یا سود کے جاری کرکے تجارت وصنعت کو فروغ دیا اور بین الاقوامی معاہدے کیے۔

11۔ سرحدوں کی حفاظت کے لیے قدیم قلعوں کی مرمت کرکے اور چند نئے قلعے تعمیر کرا کر ان میں مستقل فوجیں متعین کیں۔

12۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ہی سب سے پہلے منجنیق کا استعمال کیا گیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آئینہ اخلاق میں اخلاص، علم وفضل، فقہ واجتہاد، تقریر وخطابت، غریب پروری، خدمت خلق، مہمان نوازی، مخالفین کے ساتھ حسن سلوک، فیاضی وسخاوت، اور خوف الٰہی کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت اور اجماع امت

ربیع الاول 41 ھ، نہر "دجیل" کے کنارے واقع موضع "مسکن" میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا اعلان کیا۔تاریخ ابن کثیرؒ میں ہے:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وقت رحلت قریب تھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو وصیت کی: بیٹا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت قبول کرنے سے انکار نہ کرنا، ورنہ باہم کشت وخونریزی دیکھوگے۔" (تاریخ ابن کثیر ج 8 ص 13، ازالۃ

(الخلفاء 283، ابن الحدید شیعی ج 2 ص 836

چناں چہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کی نصیحت پر عمل کیا۔ جب شیعان علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنے کے لیے زور دیا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: "میرے والد مجھ سے فرما چکے ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ ایک دن خلیفہ ہو کر رہیں گے۔ خواہ ہم کتنی ہی بڑی فوج لے کر ان کے مقابلے میں نکلیں پر یہ غالب رہیں گے کیوں کہ منشاء خداوندی کو ٹالا نہیں جاسکتا۔

خلیفہ کا پہلا کام

مسند خلافت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے علماء و اشراف کی مدد سے ایک مجلس شوریٰ بنائی۔ پہلی مجلس میں بغاوتوں پر تبادلہ خیال ہوا اور یہ طے پایا کہ سب سے پہلا قدم خارجیوں کے خلاف اٹھایا جائے گا کیوں کہ وہ کھلم کھلا آمادہ بغاوت تھے۔ حضرت مغیرہ بن شیبہ رضی اللہ عنہ اور اپنے بھائی زیاد بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی مدد سے آپ رضی اللہ عنہ نے ایک سال کے اندر اندر خارجیوں کا صفایا کر دیا۔ خارجیوں سے لڑائی کے دوران سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمانؓ کو بھی چن چن کر قتل کیا۔ 41ء کے آخر میں بلخ، ہراتاور بادغین کی بغاوتیں بھی کچلی گئیں۔ 42 ہجری میں جب کابل میں بغاوت اٹھی تو حضرت عبداللہ بن عامر اموی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا گیا جنھوں نے دشمن کا قلع قمع کر دیا۔

اوصاف و کمالات

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مکارم اخلاق کے پیکر تھے اور کیوں نہ ہوتے جب کہ زبان رسالت نے ان کو مہدی کے لقب سے یاد فرمایا تھا۔ مشہور تابعی بزرگ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق و افعال کو دیکھتے تو بے ساختہ کہہ اٹھتے "کہ مہدی یہی ہیں، ہادی یہی ہیں۔" آپ رضی اللہ عنہ کے محاسن و اخلاق پر تبصرہ کرتے ہوئے عرب نقاد ذکریا نصولی نے لکھا ہے: "معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد، بڑے ثقہ، ذکی اور عمدہ اخلاق والے صحابی تھے۔ اسی رتبہ عظیم کی بناء پر وہ اسلام کے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے۔ یہ بے غبار حقیقت ہے کہ تاریخ اسلام میں آپؓ درخشاں شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے حکومتوں کو ترتیب دی، امتوں کی قیادت اور ملک کی نگہبانی کی۔ ان تمام باتوں کے باوجود مورخین عرب نے ان کو ان کا صحیح مقام نہیں دیا جس کے وہ مستحق تھے۔ (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ص 64 از نصولی)۔

زہد و تقویٰ

صاحب اعلام الاسلام لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایمانداری اور ان کے زہد و تقویٰ سے واقف تھے۔ اس لیے ان کی بڑی قدر کرتے تھے اور کیوں نہ کرتے جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ظاہر و باطن دونوں

یکساں تھے۔ جیسا کہ حضرت قصبیہ بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا ہوں، ان کے ساتھ اٹھا بیٹھا ہوں، ان سے بہتر محبوبِ رفیق کسی کو نہیں پایا اور نہ ظاہر و باطن میں یکساں کسی کو دیکھا۔ (موطا امام، مالک ص 181)

عبادت و ریاضت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عبادت و بندگی کا حال پوچھنا ہو تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھو، وہ فرماتے ہیں کہ "معاویہ کی برائی نہ کرو، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ راتوں کو اٹھ کر اللہ کے حضور اپنی پیشانی رگڑتے ہیں۔" (ترمذی، ابواب الزہد)۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں نے کسی شخص کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں دیکھی، سوائے معاویہ ابن سفیان کے۔" (قاموس الاصفام (ج 2 ص 142)۔ (المتقی ص 289، تطہیر الجنان ص 42

خشیتِ الٰہی اور خوفِ آخرت

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خدا کے خوف اور آخرت کے ڈر سے ہر وقت لرزہ براندام رہتے تھے۔ بسا اوقات روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی تھیں۔ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ ترمذی شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حشر و نشر اور

روز آخرت کی باز پرس پر ایک حدیث سنائی۔ جس کا اثر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل پر ایسا ہوا کہ وہ زار و قطار رونے لگے۔ ہچکیاں بندھ گئیں، آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ یہاں تک کہ سامعین بھی رو پڑے اور سب کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ کچھ دیر کے بعد جب سکون ہوا تو حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کی آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے: "جو شخص دنیا اور اس کے ساز و سامان کو چاہتا ہے تو ہم اس کے اعمال کا بدلہ دنیا میں دے دیتے ہیں اور اس کا کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ لیکن آخرت میں ان کا حصہ آگ کے سوا کچھ نہیں رہ جاتا اور انہوں نے جو کیا وہ برباد ہو جاتا ہے اور جو کام (کیے تھے وہ بیکار ہو جاتے ہیں۔" (ترمذی، ابواب الزہد

قرآن سے شغف

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرآن پاک سے گہرا لگاؤ تھا اور کیوں نہ ہوتا جب کہ عہد رسالت میں آپ رضی اللہ عنہ کا زیادہ تر وقت قرآن حکیم کی کتابت میں صرف ہوا کرتا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے کہ "خدایا! معاویہ کو قرآن کا علم عطا فرما" (البدایہ ج 8 ص 140)۔ یہ دعا بارگاہ خداوندی میں قبول ہوئی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے قرآن پاک کی کتابت کے لیے جبرائیل امین تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاویہ کی خدمات حاصل کریں کہ وہ قرآن کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ (تطہیر الجنان)۔

عمل بالحدیث اور اتباعِ سنت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عامل بالحدیث اور پابند سنت تھے اور لوگوں کو بھی یہی تعلیم دیتے تھے۔ چناں چہ ایک صحابی عبدالرحمٰن بن سبیل رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مقرر فرمایا تھا کہ وہ لوگوں کو حدیث کی تعلیم دیں اور جب میرے پاس آئیں تو وہ (حدیث مجھے بھی سنائیں۔ (البدایہ والنہایہ ج 8 ص 144

اسی طرح ایک بار حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شیبہ کو لکھا کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو کچھ سنا ہے اس سے مجھے مطلع فرمائیں، تو انہوں نے لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فضول خرچی اور سوال کی کثرت سے منع فرمایا ہے۔ یہ شغف تھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حدیث کے ساتھ کہ آپ رضی اللہ عنہ دوسروں سے حدیثیں پوچھتے، پھر اس پر عمل کرتے اور دوسروں کو بھی عمل کی تعلیم دیتے۔ ایک بار بعض روسا کو دیکھا کہ وہ چیتے کی کھال پر بیٹھے ہیں تو فرمایا کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چیتے کی کھال پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری شریف

حلم و بردباری

ہمیں آپ رضی اللہ عنہ کے اعمال و افعال میں حلم و کرم اور بردباری کے اوصاف نہایت ممتاز نظر آتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں۔ معاویۃ حلم امتی "میری امت میں معاویہ بڑی حلیم و کریم ہیں۔" ایک موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ

عنہ نے فرمایا: "معاویہ کی عیب جوئی سے مجھے باز رکھو، وہ ایسا حلیم و بردبار شخص ہے کہ غصے کے عالم میں بھی ہنستا رہتا ہے۔" (ازالۃ الخفاء ج 2 ص 75، اعلام الاسلام ص 229)

خود معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک غصہ پی جانے سے کوئی چیز لذیذ نہیں۔ یہ بھی فرماتے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ کسی کا گناہ کا میرے وصف حلم سے بڑھ جائے۔

سخاوت و فیاضی

لبنان کا مورخ ابو عمر النصر لکھتا ہے کہ سخاوت و فیاضی میں آپ رضی اللہ عنہ کا ہم پلہ کوئی نہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے خزانے کے دروازے دشمنوں اور دوستوں دونوں کے لیے یکساں طور پر کھلے رہتے۔ داد و دہش اور انعام و اکرام کے ذریعے آپ لوگوں کے دل جیت لیتے اور اس کے ذریعے بغاوتوں کو دور کرنے اور لوگوں کو مملکت کا فرماں بردار بنانے میں مدد لیتے۔ (معاویہؓ بن ابی سفیانؓ ص 157)

سادگی و انکساری

شروع شروع میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑی شان کے ساتھ رہتے۔ دروازے پر دربان ہوتا۔ زرق لباس پہنتے اور شاندار گھوڑے پر سواری کرتے لیکن یہ سب کچھ عزت نفس کے

لیے نہ تھا، رومیوں کو مرعوب کرنے کے لیے تھا۔ چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ کی بعد کی زندگی، جب آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، فقیر کی تمکنت اور امیر کی مسکنت کا نمونہ نظر آتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ عوام کی جھڑمٹ میں بیٹھتے اور ان کی فریادیں سنتے۔ دسترخوان پر امیر غریب سب یکساں طور پر شامل ہوتے اور آپ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ (النحری ص 940، مروج الذہب ج 4 ص 423)

معمولی خچر پر سواری کرتے اور پھٹا ہوا کپڑا پہنتے، بازاروں میں گھومتے۔ امام اوزاعیؒ کے شیخ امام یونس بن میرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ خچر پر سوار تھے اور ان کا غلام ان کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت ان کے جسم پر جو کرتا تھا اس کا گریبان پھٹا ہوا تھا۔ (کتاب الزہد امام احمد بن حنبل)

فہم وتدبر

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گوناگوں صفات کے حامل تھے۔ اعلیٰ درجہ کے سیاست دان اور بہترین مدبر۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ذہانت وفراست کی تعریف خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے فرمایا تھا کہ تم لوگ معاویہ کو اپنے مشوروں میں شریک کرلیا کرو۔ اپنے معاملوں میں ان کو گواہ بنالیا کرو، وہ قوی امین مضبوط امانت دار ہیں اس کے بعد خود ایک

معاملہ پر ان سے مشورہ لیا اور ان کی ذہانت کی تعریف کی (ذکر ابن حجر وقال رجالہ
(ثقات مع اختلان فی البعض)۔ (تاریخ الخلفاء ص 228

چودھویں قومی اسمبلی کی تقریب حلف برداری

ہفتے کے روز پاکستان کی 14ویں قومی اسمبلیکے 342 میں سے 318 نو منتخب اراکان نے حلف اٹھایا۔ پاکستان کی نئی قومی اسمبلی کا افتتاحی اجلاس پارلیمان ہاؤس اسلام آباد میں ہوا۔ سابقہ قومی اسمبلی کی اسپیکر ڈاکٹر فہمیدہ مرزا نے پاکستان کی چودھویں قومی اسمبلی کے نو منتخب اراکان سے حلف لے لیا۔ اسپیکر ڈاکٹر فہمیدہ مرزا نے خود بھی حلف اٹھایا۔ تمام ارکان ان کی پیروی میں لفظ بہ لفظ حلف پڑھتے رہے جس میں کہا گیا کہ "میں صدق دل سے حلف اٹھاتا ہوں کہ خلوص نیت سے پاکستان کا حامی رہوں گا، بحیثیت رکن قومی اسمبلی اپنے فرائض منصبی ایمانداری، انتہائی ذمہ داری اور وفاداری کے ساتھ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین، قانون اور اسمبلی کے قواعد کے مطابق اور ہمیشہ پاکستان کی خود مختاری، سالمیت، بہبوداور خوشحالی کی خاطر انجام دیتا رہوں گا۔ اے اللہ میری رہنمائی فرما"۔ قومی اسمبلی میں تمام منتخب ارکان نے حلف اٹھایا کہ وہ ملک کے وفادار رہیں گے، اس کی بہتری کے لیے انتہائی صلاحیتوں کا مظاہرہ کریں گے، آئین کا تحفظ کریں گے۔ اسلامی نظریہ برقرار رکھنے کے لیے بھی کوشاں رہیں گے۔

رکنیت کا حلف اٹھانے کے بعد اراکان اسمبلی نے باری باری رجسٹر پر دستخط کیے۔ افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر فہمیدہ نے نومنتخب ارکان کو مبارکباد دی۔ افتتاحی اجلاس کے لیے صبح دس بجے کا وقت مقرر کیا گیا تھا، لیکن اجلاس دو گھنٹے تاخیر سے شروع ہوا۔اجلاس کے دوران ن لیگی کارکن بڑی تعداد میں قومی اسمبلی میں حلف برداری کی تقریب میں شریک ہوئے جس سے مہمانوں کی گیلریوں میں جگہ کم پڑ گئی تو مہمانوں نے پریس گیلری کا رخ کیا اور صحافیوں کیلئے مختص نشستوں پر براجمان ہوگئے اس موقع پر پہلے اسمبلی اجلاس کی کوریج کیلئے صحافیوں کی بھی غیر معمولی تعداد آئی ہوئی، تھی جسے انتہائی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا اور انہیں اڑھائی گھنٹے جاری رہنے والی کارروائی فرش پر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر کرنا پڑی، اس موقع پر قومی اسمبلی کے سیکورٹی اہلکار بار بار لیگی متوالوں کو کرسیوں سے اٹھانے کی ناکام کوشش کرتے رہے۔ ملک کی جمہوری تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ جب ایک جمہوری حکومت سے دوسری حکومت کو اقتدار منتقل ہو رہا ہے۔ پاکستان مسلم لیگ (ن) کے صدر محمد نواز شریف نے 13 سال 8 ماہ بعد بطور رکن قومی اسمبلی حلف اٹھایا۔ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان، جمعیت علمائے اسلام (ف) کے امیر مولانا فضل الرحمٰن، جمشید دستی اور شاہ محمود قریشی افتتاحی اجلاس میں شریک نہیں ہوئے۔ مسلم لیگ (ن) 186 نشستوں کے ساتھ ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت بن گئی ہے۔ دوسرے نمبر پر پاکستان پیپلز پارٹی ہے جس کی نشستوں کی تعداد 39 ہے۔

پاکستان تحریک انصاف 35 نشستوں کے ساتھ تیسری بڑی جماعت ہے۔ چوتھی بڑی جماعت ایم کیو ایم ہے۔ اس کے قومی اسمبلی کے ارکان کی تعداد 23 ہے۔ جمعیت علمائے اسلام (ف) کے 14 ارکان قومی اسمبلی ہیں۔ مسلم لیگ فنکشنل کے 6 ارکان، پختونخوا ملی عوامی پارٹی اور جماعت اسلامی کے چار، چار ارکان، مسلم لیگ (ق) لیگ کے صرف دو ارکان قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔ مسلم لیگ (ن) کی 9 خواتین اور ایک اقلیتی نشست کے امیدوار نوٹیفکیشن نہ ہونے کے باعث حلف نہیں اٹھا سکے۔ عوامی نیشنل پارٹی، بلوچستان نیشنل پارٹی، قومی وطن پارٹی، مسلم لیگ (ضیائ)، نیشنل پارٹی، عوامی مسلم لیگ، عوامی جمہوریت اتحاد پارٹی، آل پاکستان مسلم لیگ کی ایک ایک نشست ہے، گیارہ حلقوں میں انتخابات ہوں گے۔ ایک حلقے کے کامیاب امیدوار کو حلف لینے سے روک دیا گیا۔ الیکشن کمیشن نے قومی اسمبلی کے 333 ارکان کی کامیابی کا نوٹیفکیشن جاری کیا ہے۔ ارکان کو حروف تہجی کے مطابق نشستیں الاٹ کی گئی تھیں اور حروف تہجی کے مطابق ہی ارکان نے رول آف رجسٹر پر دستخط کیے۔ نامزد وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے این اے 120 نشست برقرار رکھتے ہوئے قومی اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ حلف اٹھانے والے رہنماؤں میں جاوید ہاشمی، مخدوم امین فہیم، خورشید شاہ، چودھری نثار علی خان، محمود خان اچکزئی، آفتاب شیرپاؤ، اکرم خان درانی، امیر حیدر ہوتی، مولانا خان شیرانی، فریال تالپور، خواجہ

سعد رفیق، شیخ رشید احمد، اعجاز الحق، طاہرہ افضل تارڑ، سمیرا ملک، حمزہ شہباز شریف و دیگر شامل ہیں۔ چودھویں قومی اسمبلی میں دو سابق وزرائے اعظم اور پانچ سابق وزرائے اعلیٰ بھی منتخب ہو کر آئے۔ ان میں نواز شریف، میر ظفراللہ جمالی، پرویز الٰہی، اکرم خان درانی، امیر حیدر خان ہوتی اور علی محمد مہر شامل ہیں۔ نو منتخب ارکان حلف برداری کے لیے خوب تیاری کر کے آئے تھے۔ قومی اسمبلی کے اجلاس میں مقروض ملک کے غریب عوام کے ووٹوں سے منتخب ہونے والے دولتمند ارکان اسمبلی کی لش پش گاڑیوں کی چمک دمک دیدنی تھی۔ نو منتخب ارکان بڑی بڑی چمکتی دمکتی گاڑیوں میں اجلاس کے لیے پہنچے۔ بڑی بڑی گاڑیوں پر نمبر پلیٹ تو چھوٹی تھیں لیکن ان کی جگہ ایم این اے اور ایم پی اے کی نمبر پلیٹ بڑی بڑی تھیں۔ کالے شیشوں والی گاڑیوں پر پابندی ہے لیکن نو منتخب ارکان میں سے اکثر اجلاس میں کالے شیشوں والی گاڑیوں میں آئے تھے، جنہیں پوچھنے والا کوئی نہ تھا۔ کئی گاڑیوں کی نمبر پلیٹ ہی نہ تھی، قانون نافذ کرنے والے بے شمار عہدیداروں کی موجودگی کے باوجود کسی نے بھی ان کو نہیں روکا۔ انہی ارکان میں مسلم لیگ کے نو منتخب رکن مولانا غیاث الدین اپنے بیٹے کے ہمراہ موٹر سائکل پر سوار ہو کر تقریب حلف برداری میں تشریف لائے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس دور میں سادگی کہ انتہائی زیادہ ضرورت ہے۔ اسی طرح ایک رکن اسمبلی رکشے میں بیٹھ کر بھی تشریف لائے، جو غریب عوام کی بالکل درست طریقے سے نمائندگی کر رہے تھے۔

مسلم لیگ (ن) کے ارکان پر جوش تھے جبکہ پیپلز پارٹی کے ارکان اداس، اداس نظر آ رہے تھے۔ ماضی کے اتحادی ایک دوسرے کو اجنبیوں کی طرح دیکھ رہے تھے۔ مسلم لیگ ن) کے ارکان سب سے آخر میں قومی اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں آئے۔ پیپلز) پارٹی، تحریک انصاف، (ق) لیگ، ایم کیو ایم، جمعیت علمائے اسلام (ف) اور دیگر جماعتوں کے ارکان جلد اجلاس میں آ گئے۔ ہفتہ کو چودہ سال بعد پارلیمنٹ میں داخل ہونے کے بعد پارٹی کے پارلیمانی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مسلم لیگ (ن) کے صدر اور نامزد وزیراعظم میاں نواز شریف نے اس عزم کا اظہار کیا کہ خود کرپشن کروں گا اور نہ ہی کسی کو کرنے دوں گا، ملکی خزانہ لوٹنے والوں کا کڑا احتساب کیا جائے گا۔ میاں نواز شریف نے نومنتخب ارکان اسمبلی کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ آج ہم واضح اکثریت کے ساتھ پارلیمنٹ میں موجود ہیں۔ آپ سب جان لیں کہ اللہ ہم سے بڑا کام لینا چاہتا ہے، اس لیے قومی مفاد اور عوامی امنگوں پر پورا اترنا ہو گا۔ آج ہمیں معیشت کا عدم استحکام، شدید بحران درپیش ہے، غربت، بے روزگاری اور دہشت گردی سب کی بنیادی وجہ خراب ترین معاشی صورتحال ہے، سمجھوتوں کی سیاست اور سیاست برائے سیاست کی بجائے صاف ستھری سیاست کو فروغ دینا ہو گا، ہم عہدوں کے لالچ میں نہیں پڑیں گے، ہم نے قوم کے اوپر موجود قرضوں اور خساروں کے بوجھ کو ختم کرنے کے لیے اپنی خواہشات کو قربان کرنا ہے، جس ایجنڈے کی تکمیل ہم

چاہتے ہیں آج اللہ تعالیٰ نے اس ایجنڈے کی خاطر ہمیں فتح یاب کیا، اللہ کا شکر ہے آج ہم بیساکھیوں سے پاک حکومت قائم کرنے جا رہے ہیں، آج ہمیں لوڈ شیڈنگ کے بحران کا سامنا ہے جس کے خاتمے کے لیے 550 ارب کی خطیر رقم درکار ہے، مجھے عوام کی تکلیف کا پورا ادراک ہے۔ ہم اس سرکلر ڈیٹ کے خاتمے کے لیے منصوبہ بندی کر رہے ہیں، ہمیں اربوں روپے کے لائن لاسز کا سامنا ہے، میں لائن لاسز کے خاتمے اور سابقہ بقایاجات کی وصولی کے لیے بہت سختی کرنا ہو گی، صاف ستھری پالیسیاں تشکیل دینا ہوں گی، ہمارے 40 ہزار سے زیادہ لوگ شہید ہو گئے، اربوں کے نقصان سے دوچار ہوئے، ہمیں اپنی معلومات کی درستگی کے لیے اپنے رویئے میں سنجیدگی لانا ہو گی، ہمارے اقدامات کی وجہ سے عوام کو آئندہ 3 ماہ مس لوڈ شیڈنگ کا مسئلہ حل ہوتا نظر آئے گا۔ قومی سوچ والی جماعتوں کو ساتھ لے کر چلیں گے ہمیں کشکول اٹھانے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہو گا۔ ملک میں غربت، بیروزگاری اور دہشت گردی کی وجہ خراب معاشی صورت حال ہے۔ ہم انتخابی وعدوں کی تکمیل کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔

مظاہروں کے ذریعے ترک حکومت کو عدم استحکام کی طرف دھکیلنے کی سازش تیار

ترکی کے تاریخی شہر استنبول کے ایک پارک میں لگے درختوں کو جڑوں سے اکھاڑنے کی مذمت میں حکومت کے خلاف شروع ہونے والے مظاہرے ملک کے سرسٹھ شہروں تک پھیل گئے ہیں،ترکی کے وزیر داخلہ کے بیان کے مطابق منگل کے بعد سے ملک کے مختلف شہروں میں حکومت مخالف دوسو پینتیس مظاہرے ہوئے ہیں۔حکومت کے خلاف مشتعل مظاہرین نے مظاہروں کے دوران سرکاری اور نجی املاک کو وسیع پیمانے پر نقصان پہنچایا۔مظاہرین نے کئی بسوں پر حملے کیے اور رکاوٹیں کھڑی کرکے پولیس کا راستہ بند کردیا۔پولیس نے مظاہروں کے دوران تشدد کا راستہ اختیار کرنے والے سترہ سو سے زیادہ افراد کو گرفتار کیا۔ترک وزیر داخلہ معمر گولر کا کہنا ہے کہ "گرفتار کیے گئے افراد میں سے بیشتر کو رہا کردیا گیا ہے۔" استنبول کے تقسیم اسکوائر سے اتوار کی صبح پولیس کو ہٹا لیا گیا تھا۔شہر کا یہ معروف چوک وزیراعظم رجب طیب اردگان کی حکومت کے خلاف مظاہروں کا مرکز بن چکا ہے۔وہاں سے پولیس کی واپسی کو مظاہرین نے اپنی فتح قرار دیتے ہوئے خوشی میں ڈانس کے علاوہ آتش بازی بھی کی۔ترک روزنامے حریت کی اطلاع کے مطابق تقسیم چوک میں تو خوشی کا سماں تھا لیکن اس سے چند ہی کلو میٹر کے فاصلے پر واقع وزیراعظم کے استنبول دفتر کے نزدیک پولیس اور

مظاہرین کے درمیان جھڑپیں ہوئیں۔ پولیس نے استقلال ایونیو پر مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے اشک آور گیس کے گولے پھینکے جس سے متعدد افراد زخمی ہوئے۔

مظاہرین انصاف اور ترقی پارٹی (اے کے) کی حکومت کے خلاف نعرے بازی کر رہے تھے اور ان سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ذرائع کے مطابق یہ ماضی قریب میں ترکی میں سب سے بڑے حکومت مخالف مظاہرے ہیں۔ وزیر اعظم رجب طیب اردگان نے ان مظاہروں کو غیر جمہوری قرار دیتے ہوئے ان کے فوری خاتمے کا حکم دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ تقسیم سکوائر 'ایسا علاقہ نہیں بن سکتا جہاں انتہا پسند دندناتے پھریں۔' تاہم انہوں نے یہ بھی کہا کہ پولیس نے طاقت کے استعمال میں 'کچھ غلطیاں' کیں اور مظاہرین پر طاقت کے استعمال کی شکایات کی تحقیقات کروائی جائیں گی۔

واضح رہے کہ حکومت استنبول شہر کے مرکزی تقسیم اسکوائر کو وسیع کرنے کے علاوہ اس کی تزئین نو کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اور اس کے لیے غازی پارک کے بڑے اور پرانے درختوں کو جڑ سے اکھاڑنا اہم قرار دیا گیا تھا۔ ترک حکام کے مطابق اس نئے منصوبے کے تحت تقسیم چوک میں ایک شاپنگ مال کی تعمیر اور خلافت عثمانیہ کے دور کی فوجی بیرکوں کی تعمیر نو کی جانی تھی۔ ان درختوں کو اکھاڑنے کے خلاف پارک میں کئی سو افراد نے مظاہرہ کرتے ہوئے دھرنا دیا۔ مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے پولیس کو آنسو گیس اور تیز دھار پانی کا

سہارا لینا پڑا۔جب مظاہرین نے تشدد کا راستہ اختیار کرلیا تو استنبول کی عدالت نے پارک میں درختوں کی کٹائی کے عمل کے خلاف حکم امتناعی جاری کر دیا۔وزیر اعظم اردگان نے ایک بیان میں مظاہرین سے فوری طور پر اپنے احتجاج کو بند کرنے کی اپیل کی تھی۔اس کے باوجود مظاہروں میں شدت آتی جارہی ہے۔

تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ ترکی میں ہونے والے مظاہروں کی وجہ صرف ایک پارک سے چند درختوں کو اکھاڑنا قرار نہیں دیا جاسکتا، پس پردہ اس کی اصل وجہ کچھ اور ہی ہے، جس کا اظہار ترکی کے وزیر اعظم طیب اردگان واضح الفاظ میں کرچکے ہیں، دو روز قبل وزیر اعظم طیب اردگان نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ اپوزیشن سیکولر پارٹی مظاہرین کی پشت پناہی کر رہی ہے اور انھیں اکسا کر امن وامان کا مسئلہ پیدا کرنا چاہتی ہے۔ مبصرین کا بھی کہنا ہے کہ یہ مظاہرے اب حکومت کی جانب سے ترکی کی اسلامائزیشن' کی کوششوں کے خلاف احتجاج کی شکل اختیار کرتے جارہے ہیں۔ رجب' طیب ارگان کی حکومت 2002 سے ترکی میں برسرِ اقتدار ہے۔ان کی جماعت (جسٹس اینڈ ڈیولپمنٹ) پارٹی کی سیاسی جڑیں اسلام میں ہیں لیکن اردگان کہتے رہے ہیں کہ وہ ترکی میں سیکولرازم کے حامی ہیں۔ سیکولر قوتیں طیب اردگان کے ترکی میں اسلامی اقدامات سے سخت خوفزدہ ہیں۔ترکی کی اسلام پسند حکومت، سیکولر فوج اور سیکولر قوتوں کے درمیان محاذآرائی اس وقت سے شروع ہے جب سے ترکی میں اسلام پسندوں کا غلبہ ہونا

شروع ہوا ہے، کئی بار ترکی کی سیکولر فوج طیب اردگان کی حکومت کو گرانے کی ناکام کوشش بھی کر چکی ہے۔ سیکولر قوتوں کے لیے ہر گز ترکی میں اسلام پسند حکومت قابل قبول نہیں ہے۔ ترکی میں 1924ء میں سقوط خلافت عثمانیہ کے بعد سیکولر مصطفیٰ کمال اتاترک نے ترکی میں بھرپور طریقے سے سیکولرزم کو فروغ دیا۔ کمال اتاترک نے نہ صرف ریاست کو مذہب سے الگ کر کے خالص سیکولر حکومت قائم کی بلکہ علماء کرام کے اثر کو کم کرنے کے لیے ان پر بہت سی پابندیاں عائد کیں۔ جن میں ہر قسم کے مذہبی لباس پر پابندی، خواتین کے حجاب پر پابندی بھی شامل تھی۔ مردوں اور خواتین کے لیے مغربی لباس کو فروغ دیا گیا۔ نکاح و طلاق کے قوانین میں ترامیم کی گئیں۔ خواتین پر یہ پابندی بھی عائد کی گئی کہ وہ پبلک لائف میں اپنی مرضی کا لباس پہننے کی بجائے مغربی لباس پہنیں۔ اس کے عہد میں مذہبی قوانین کو ختم کر دیا گیا اور مکمل سیکولر قوانین کو رائج کیا گیا۔ یہ حکم جاری کیا گیا کہ اذان ترکی زبان میں دی جائے اور قرآن مجید کی تلاوت ترکی زبان میں کی جائے۔ نماز بھی ترکی زبان میں پڑھی جائے۔ مغربی رقص و موسیقی کی محفلوں کو سرکاری سرپرستی فراہم کی۔ کمال اتاترک نے مذہبی مدارس اور خانقاہوں پر پابندی عائد کر دی تاکہ مذہبی طبقے کو کچلا جا سکے۔ ان تمام پابندیوں کے باوجود طیب اردگان نے سیکولروں کی ہر کوشش کو ناکام بنایا ہے۔ طیب اردگان نے پے در پے ترکی میں سیکولر قوتوں اور فوج کو انتخابات کے ذریعے شکست فاش دی، آہستہ روی سے ترکی کے اسلام دشمن

قوانین کو ختم کیا، جن میں حجاب پر پابندی، شراب اور دوسری کئی چیزوں پر پابندی لگائی۔اسی حوالے سے ترکی میں نئی قانون سازی کی مناسبت سے سیکولر حلقوں میں کچھ زیادہ ہی بے چینی پائی جاتی ہے۔اردگان حکومت نے گزشتہ ہفتے ہی ایک نئے بل کی منظوری دی تھی، جس کے تحت شراب کی فروخت کو محدود کر دیا گیا ہے۔ترک کی سیکولر آبادی اس پر پریشان دکھائی دیتی ہے۔اسی طرح حکومت نے آبنائے باسفورس پر نئے پل کی تعمیر کا سنگ بنیاد رکھ دیا ہے اور ماحول دوستوں کے مطابق یہ پ±ل شہر کے ختم ہوتے سبز علاقے میں مزید کمی کا باعث بنے گا۔ مخالفین کے مطابق آبنائے باسفورس پر تعمیر کیے جانے والے پل کا نام ایک متنازعہ عثمانی بادشاہ پر رکھا گیا ہے جس نے اقلیتی شیعہ آبادی کے قتل عام کا حکم دیا تھا۔اب مخالفین ہر جانب سے مایوس ہو کر بھونڈے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں۔ بعض تجزیہ کار ترکی میں ہونے والے مظاہروں کا تعلق شام کی صورتحال سے جوڑ رہے ہیں،ان کا کہنا ہے کہ ترکی حکومت شام میں انقلابیوں کی کھل کر حمایت کر رہی ہے، عین ممکن ہے کہ وہ قوتیں جو انقلابیوں کی مخالف اور بشارالاسد کی حمایتی ہیں، وہ ترک حکومت کو عدم استحکام کی طرف دھکیل کر انقلابیوں کی قوت کو کمزور اور بشار الاسد کو مضبوط کرنا چاہتی ہوں۔

ملک بھر میں گرمی کی شدت میں مسلسل اضافہ

پاکستان میں گرمی کی شدت میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے اور محکمہ موسمیات کے مطابق ملک میں گرمی کی شدت میں بتدریج اضافہ ہونے کا امکان ہے۔ ملک کے بیشتر علاقے شدید گرمی کی لپیٹ میں ہیں۔ جس کے باعث کئی علاقوں میں لوگ گرمی سے بچنے کے لیے گھروں میں آرام کرکے اپنا وقت گزارنے پر مجبور ہیں۔ دن کے اوقات میں کاروباری مراکز اور بازار سنسان نظر آتے ہیں۔ لوگ چبھتی ہوئی دھوپ سے بچنے کے لیے سر ڈھانپ کر باہر نکلتے ہیں۔ دوروز قبل سکھر میں 47، لاڑکانہ، رحیم یار خان، روہڑی اور بھکر میں 46 ڈگری سینٹی گریڈ درجہ حرارت ریکارڈ کیا گیا جبکہ اسلام آباد میں 40، لاہور 44، کراچی 34، پشاور 41، کوئٹہ 36، سکردو 28، مری 27 ، مظفر آباد 41، گلگت 34، فیصل آباد 43، ملتان 44، حیدر آباد میں 41 ڈگری سینٹی گریڈ ریکارڈ کیا گیا۔ اسلام آباد میں کم سے کم 37 اور زیادہ سے زیادہ 42 ڈگری سینٹی گریڈ ریکارڈ کیا گیا۔ ملک بھر میں کچھ فرق کے ساتھ کئی دن سے تقریباً یہی درجہ حرارت ہے۔ گرمی کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ملک میں گزشتہ چند روز میں گرمی کی وجہ سے کئی افراد جاں بحق ہوئے اور بے ہوش ہونے والے افراد کی تعداد تو کافی زیادہ ہے۔

ملک کے مختلف علاقوں میں گرمی کے سبب متعدد بیماریاں بھی پھیلنے لگی ہیں۔ محکمہ صحت کے مطابق گرمی کے باعث اب تک ہزاروں مریضوں کو ہسپتالوں میں منتقل کیا جاچکا ہے اور مزید مریضوں کے بڑھنے کا خدشہ ہے۔ماہرین صحت کے مطابق زیادہ تر اموات گرمی، حبس، اور لو لگنے کے سبب ہوتی ہیں۔ ایسے میں آلودہ پانی کا استعمال موت کو مریض سے مزید قریب کر دیتا ہے۔ لہٰذا امراض سے بچنے کے لیے گرمی سے بچنا ضروری ہے۔ گرمی کی شدت کے ساتھ ملک بھر میں گرمی کے ملبوسات کی سیل میں اضافہ ہوگیا ہے، فیصل آباد سے ایک بڑی کپڑا مارکیٹ کے مالک کے مطابق گرمی کے آنے سے گرمی کے ملبوسات کی سیل میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔

گرمی سے بچنے کے لیے ملک کے مختلف شہروں میں مختلف مشروبات کی فروخت میں اضافہ ہوا ہے۔ پنجاب میں روایتی مشروب ستّو اور لسی، سندھ اور خاص کر کراچی میں تھادل، مینگو شیک، شکنجبین، تربوز کا شربت، فالسے کا شربت، آلو بخارے کا شربت، چاروں مغز کا شربت، غرض کہ ہر شہر میں مشروبات کی مانگ میں اضافہ ہوا ہے۔ تھادل سندھ کا روایتی مشروب ہے۔ اسے بادام، کالی مرچ، خشخاش اور دیگر اجزاء سے تیار کیا جاتا ہے۔ سندھ کے متعدد شہروں خاص کر سکھر میں یہ بڑے پیمانے پر پبلک ڈیمانڈ' میں ہے۔ اسے بڑے پیمانے پر پسند کیے جانے کا ایک سبب اس کا مزیدار' ذائقہ ہے۔ تھادل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ جگر

کے مرض میں بہت س ±ود مند ہے۔ تھادل کی طرح ہی پنجاب کے شہروں میں املی اور آلو بخارے کا شربت بہت مشہور ہے۔ آلو بخارے کے ساتھ ساتھ فالسے کا شربت بھی پورے پاکستان میں بہت شوق سے پیا جارہا ہے۔ فالسہ اپنی تاثیر کے حوالے سے بھی نہایت ٹھنڈا پھل ہوتا ہے جبکہ تربوز کا شربت بھی پاکستان کے شہروں اور دیہاتوں میں یکساں مقبول ہے۔ شربتوں سے ذراہٹ کر بات کریں تو شکنجبین یا لیموں پانی، گنے کا جوس اور لسی ایسے مشروبات ہیں جنہیں "عوامی" کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ شاید ہی کوئی ایسا گھر، دفتر، گلی یا محلّہ ہوگا جہاں ان مشروبات کا استعمال نہ ہوتا ہو۔ پنجاب میں تو سادہ ستو اور گڑ کا بنا ستّو بھی ہر عمر اور ہر جنس کے لوگوں میں بہت مقبول ہے۔ اسے بھی عوامی مشروب کا درجہ حاصل ہے۔ ڈاکٹرز اور ماہرین بھی لوگوں کو گرمی سے بچنے کے لیے رس دار پھلوں کے جوس زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے کا مشورہ دیتے ہیں کیوں کہ یہ مشروبات گرمی اور پسینے کی وجہ سے ضائع ہونے والی توانائی کو بحال کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ گرمی کے اثر کو کم کرنے کے لیے بہت سے گھروں میں خود ہی شربت بنا کر استعمال کیا جاتا ہے ان مشروبات میں گنے کا رس، لیموں پانی، صندل کا شربت، ستو اور گرمیوں کے دوسرے کئی مشروبات ہیں۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ ہر مشروب کی کوئی نہ کوئی خاصیت ہوتی ہے، اس لیے لوگ گرمیوں میں مشروبات استعمال کرتے ہیں۔ مشروبات عام طور پر پھلوں، پھولوں

اور دیگر نباتات سے بنائے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں عام طور پر استعمال ہونے والے مشروبات میں شربتِ صندل، شربتِ انار، شربتِ انجبار، شربتِ بادام، شربتِ انگور، شربتِ بنفشہ، شربتِ دینار، شربتِ عناب، شربتِ نیلوفر، شربتِ فالسہ اور شربتِ مصفی وغیرہ شامل ہیں۔ شربتِ الائچی کو شربتِ سکنجبین کے ساتھ ملا کر پینے سے عوارضِ جگر میں افاقہ ہوتا ہے۔ گرمیوں میں شربتِ الائچی کا استعمال پسینے کی بدبو سے نجات دلاتا ہے۔ شربتِ صندل دل و دماغ کو فرحت و تازگی بخشتا ہے۔ دل کی گھبراہٹ اور جگر و معدے کی گرمی کو دور کرتا ہے اور گرمی کی وجہ سے ہونے والے دردِ سر کو تسکین دیتا ہے۔ یہ صندل کے برادے کو عرقِ گلاب میں بھگو کر بنایا جاتا ہے۔ شربتِ انار شفاف خون بہت زیادہ پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ جگر، تلی اور پتّے کے امراض میں بہترین نتائج کا حامل پھل ہے۔ شربتِ عناب خون کو صاف کرکے انسانی بدن کو جلدی امراض سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ خون کی گرمی کو معتدل کرتا ہے اور صفراوی بخاروں کا خاتمہ کرتا ہے۔ عناب کو رات بھر پانی میں بھگو کر صبح پکا کر شربت تیار کیا جاتا ہے۔ شربتِ بنفشہ گرمی کی زیادتی سے ہونے والے نزلے، زکام اور بخار کا بہترین علاج ہے۔ شربتِ بادام نظر، دماغ اور اعصاب کو کمال توانائی فراہم کرتا ہے۔ شربتِ بادام بنانے کے لیے محنت درکار ہوتی ہے۔ باداموں کو رات بھر بھگو کر خوب گھوٹا لگایا جاتا ہے۔ باداموں کی سردائی کا عام طریقے سے شربت بنالیا جاتا ہے۔ شربتِ فالسہ پتّے کی خرابی سے پیدا ہونے والے عوارض اور پیاس کی

زیادتی میں بہت ہی فوائد کا حامل ہے۔ شربت نیلوفر دل ودماغ کو طاقت دیتا ہے اور اور پیاس بجھا کر گرمی میں سکون پہنچاتا ہے۔ غلبہ سودا و صفرا سے ہونے والے اسہال اور ضعف، امعاء کو دور کرتا ہے۔ نیلوفر کے پھولوں کو رات بھر پانی میں بھگو کر صبح شربت تیار کیا جاتا ہے۔ شربتِ انجبار صفرا و خون کی بڑھی ہوئی حدت کو اعتدال پر لاتا ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ مصنوعی طرز پر تیار کیے گئے مشروبات میں زیادہ تر ٹاٹری ڈالی جاتی ہے جو کہ بعض اوقات "فائدہ کم اور نقصان زیادہ" کا سبب بن کر ورمِ حلق، کھانسی اور بخار کا باعث بنتی ہے۔ بازار میں دستیاب مشروبات کو گاڑھا کرنے کی غرض سے ان میں مبینہ طور پر کیمیائی اجزاء بھی شامل کر دیے جاتے ہیں جو کہ غیر صحت مندانہ طرزِ عمل ہوتا ہے اور یوں شربت صحت کا ذریعہ بننے کی بجائے بیماری کا پیغام ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح دھیان رہے سڑک کنارے اور بیچ چوراہے ریڑھیاں سجائے ٹھنڈے ٹھار شربت بیچنے والوں سے دور ہی رہیں گے تو آپ کی صحت کے حوالے سے مفید ہوگا۔ ان میں سے اکثریت شربت بناتے وقت چینی کی جگہ سکرین ڈالتی ہے جو صحت کے لیے کئی ایک مسائل کا باعث بنتی ہے۔ علاوہ ازیں گرد و غبار، دھواں اور اور جراثیم کی ایک فوج ان مشروبات میں شامل ہوتی رہتی ہے جو بعد ازاں ہیضہ، اسہال، پیچش اور بد ہضمی جیسے عوارض کا سب سے بڑا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔

دوسری جانب گرمی کی شدت کے ساتھ ہی منڈیوں میں موسم گرما کے پھلوں کی بہتات

ہو گئی ہے، جن میں تربوز، خربوزہ، گرما، فالسہ، جامن، چیری، آڑو، لیچی بھی بڑے پیمانے پر منڈی پہنچ رہے ہیں، کراچی سبزی منڈی میں سندھ کے مختلف شہروں سے یومیہ 100 سے زائد گاڑیاں آم لیکر پہنچ رہی ہیں، یومیہ 800 ٹن سے زائد آم کراچی کی منڈی میں پہنچ رہا ہے۔ کراچی فروٹ منڈی ویلفیئر ایسوسی ایشن کے چیئرمین زاہد اعوان کے مطابق کراچی سبزی منڈی میں یومیہ چھوٹی بڑی 1000 سے زائد گاڑیاں آ رہی ہیں، یہ تعداد آئندہ ماہ تک بڑھ کر 1500 سے تجاوز کر جائیگی، صرف آم لے کر آنے والی گاڑیوں کی تعداد پیک سیزن میں 500 تک پہنچ جاتی ہے، منڈی کے اندر تجاوزات کے سبب پھل لیکر آنے والی گاڑیوں کا اژدھام ہے اور گاڑیوں کی طویل قطار کے سبب ہائی وے پر ٹریفک کی روانی بھی متاثر ہو رہی ہے۔ منڈی میں پھلوں کی تجارت موسم گرما کے دو ماہ کے دوران عروج پر پہنچ جاتی ہے اس دوران منڈی میں نقد لین دین میں بھی کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ جس سے فائدہ اٹھا کر جرائم پیشہ عناصر بھی منڈی میں سرگرم ہو جاتے ہیں جس کے سدباب کے لیے منڈی میں پولیس اور رینجرز کی اضافی نفری تعینات کی جاتی ہے تاہم ٹریفک پولیس کا عملہ منڈی اور اس کے سامنے سپر ہائی وے پر فرائض انجام دینے کے بجائے سہراب گوٹھ اور قریبی پل کے نیچے کھڑے ہو کر منڈی سے پھل لیکر جانے والی چھوٹی گاڑیوں سے بھتہ وصولی کرنے میں مصروف ہیں۔ جس سے منڈی کے اندر اور باہر شدید ٹریفک جام ہے۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل

نماز مغرب کے کچھ دیر بعد ہم حضرت والا مفتی رشید احمد صاحب نوراللہ مرقدہ کے کمرے میں کھڑے حضرت والا کی استعمال شدہ اشیاء کی زیارت کر رہے تھے۔ یہ کمرہ تھا یا تاریخ کا ایک گوشہ۔ ایک اللہ والے کا ڈیرہ تھا کہ صدیوں کا پھیرا۔ صاحب خانہ بتاتے چلے جارہے تھے : یہ حضرت والا کی مراقبہ گاہ ہے، وہ آپ کا مخصوص دائمی نقشہ اوقات ہے۔ چاروں طرف لگی گھڑیاں ان کے ہاں وقت کی حساسیت کی آئینہ دار ہیں۔ دیوار پہ چسپاں جہادی اہمیت پر مشتمل جہازی سائز سینری آپ کی رگ رگ میں بسی اعلاء کلمتہ اللہ کی محبت کی غماز ہے۔ "اشرف المدارس زیر انتظام مفتی رشید احمد ! ! " ایک کتاب پہ لکھا نظر آیا۔ اسی دوران میرے موبائل پر آنے والے میسج نے چونکا دیا۔ میسج میں لکھا تھا۔ عارف باللہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی نماز جنازہ جامعہ اشرف المدارس میں ادا کی جائے گی۔ اس اطلاع سے دل و دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔

ایک عظیم اللہ والے کے کمرے میں کھڑے ہوئے ان کے ماضی کے یادگار واقعات میں گرداں ایک عظیم عالم ربانی کی موت کی اطلاع سے حقیقت میں عربی کہاوت "موت

العالم موت العالم" کی صداقت سمجھ میں آئی۔یوں لگا جیسے ،" اک شخص سارے جہاں کو ویران کرگیا۔"لیکن یہ کوئی ایک شخص تو نہ تھے،بلکہ پوری دنیاکے ہر انسان کی دائمی کامیابی و فلاح کے درد و غم میں ماہی بے آب کی مانند خود اک تڑپتا جہان تھے۔بے شمار لوگوں کی زندگیاں بدل کر انہیں معرفت و محبت کے جام پلانے والے انبیاء کرام کے حقیقی وارث تھے۔اس خبر کے ساتھ ہی افسردگی کے عالم میں دونوں بزرگوں (ایک بزرگ جن کے کمرے میں ہم کھڑے تھے"حضرت مفتی رشید احمد نوراللہ مرقدہ"، دوسرے بزرگ جن کی وفات کی اطلاع ہمیں ملی تھی"حضرت مولانا حکیم اختر صاحب نوراللہ مرقدہ") کی رفاقت و تعلق کے واقعات تسلسل کے ساتھ ذہن میں گردش کرنے لگے۔ایک وقت تھاجب دونوں بزرگوں نے مل کر ناظم آباد میں دینی کام کی ترویج کا بیڑا اٹھایااور اسی عظیم کام پر اپنا تن، من، دھن قربان کردیا۔حضرت مفتی رشید احمد صاحب نوراللہ مرقدہ ناظم آباد میں اشرف المدارس میں دینی کام کو جاری رکھے ہوئے تھے،اس وقت حضرت مولانا حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے ہمرکاب تھے۔حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ ناظم آباد کو اپنا مسکن بنائے رکھا،اور حضرت حکیم اختر صاحب نے بھی قریب دو دہائیوں کے ناظم آباد میں بِتائی ہیں۔ بعد میں جب حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نے گلستان جوہر میں مدرسے کی بنیاد رکھنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حکیم صاحب کو مدرسے کا نام اشرف المدارس رکھنے کا مشورہ دیااور خود

ناظم آباد میں قائم ادارے "اشرف المدارس" کا نام دارلافتاء والارشاد رکھ لیا۔ دونوں حضرات کے مزاج میں انتہا درجے کی یکسانیت پائی جاتی تھی۔ دونوں بزرگوں نے اسلامی صحافت کا بیڑا اٹھایا اور ہفت روزہ نکالے۔ دونوں نے خدمت خلق کا فریضہ ادا کرنے کے لیے ٹرسٹ قائم کیے۔ دونوں نے افغانستان میں جاکر اللہ کے دین کے لیے لڑنے والے شیدائیوں کی حوصلہ افزائی کی اور ہر طرح سے ان کو تعاون فراہم کیا، اسلام دشمن این جی اوز کے عزائم کو خاک میں ملانے کے لیے سر توڑ کوشش کی۔ خیر موت تو ایک حقیقت ہے۔ "کل نفس ذائقۃ الموت" تو ایک خدائی ضابطہ ہے۔ کسی بھی انسان کو اس سے مفر نہیں۔ لیکن اللہ والوں کی موت سے سارا جہاں سونا ہوجاتا ہے۔ حضرت مولانا حکیم اختر صاحب نوراللہ مرقدہ بھی انہی اللہ والوں کی فہرست میں شامل ہیں، جن کے جانے سے ہر دل رنجیدہ اور ہر آنکھ پرنم ہے۔

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نے دینی علوم جوانی میں حاصل کیے تھے۔ عصری تعلیم علیگڑھ سے حاصل کی، ساتھ میں حکمت کی تعلیم بھی مکمل کی۔ جب عصری تعلیم سے فارغ ہوئے تو آپ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے۔ بزرگوں کے ساتھ تعلق شروع سے ہی تھا، اس لیے سوچا کہ علم دین حاصل کرنا چاہیے۔ حصول علم کی جوانی میں ٹھانی اور اپنے ارادے کو جوانی میں ہی پایہ تکمیل تک پہنچایا اور ایک بلند پایہ عالم دین کا مقام حاصل کیا۔ کئی عظیم بزرگوں کی

صحبت اختیار کی اور خلافت بھی حاصل کی۔ حضرت حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آخری خلافت حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہ سے حاصل کی۔آپ کے موعظ حسنہ کی تعداد تقریباً ایک سو پچاس سے زیادہ ہے۔ جن کا ترجمہ سات مختلف زبانوں میں کیا گیا۔ان مواعظ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ حضرت کے متعلقین میں سے بعض نے بتایا کہ حضرت کے چند مواعظ ایسے بھی ہیں جن کو امام کعبہ نے خود اپنے ہاتھ سے مسجد حرام کی پہلی صف میں تقسیم کیا، اسی طرح مسجد نبوی میں بھی آپ کے ترجمہ شدہ مواعظ تقسیم کیے گئے۔آپ کے متعلقین اور خلفاء کی تعداد متعدد ملکوں میں بے شمار ہے۔دنیا بھر میں حضرت حکیم صاحب کے ذریعے ھدایت پانے والوں کی تعداد کا اندازہ لگانا بھی کچھ آسان نہیں ہے۔

حضرت حکیم صاحب کی موت کی اطلاع ملنے کے کچھ دیر بعد نماز جنازہ کا وقت معلوم کرنے کے لیے جامعہ اشرف المدارس رابطہ کیا۔ بتایا گیا کہ نماز جنازہ کل بروز پیر صبح نو بجے جامعہ اشرف المدارس میں ہی ادا کی جائے گی۔ جیسے کیسے افسردگی و بے چینی کے عالم میں صبح تک کا وقت گزارا۔ صبح آٹھ بجے نمازہ جنازہ کے لیے اپنے دفتر سے روانہ ہوئے۔راستے میں ایک جگہ گاڑی روکی تو چاروں طرف افراد کو دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ہر شخص ہی حضرت حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے میں شرکت کے لیے جلدی پہنچنے کی کوشش کر رہا

ہے۔ میں نے گاڑی میں اپنے ساتھ بیٹھے مولانا افتخار صاحب (استاذ جامعۃ الرشید کراچی، امام مسجد دارالافتا والارشاد کراچی) سے کہا کہ حضرت! آج تک یہ سنتے آئے ہیں کہ دنیا کے بادشاہوں اور حکمرانوں کی حکمرانی لوگوں کے مال و اسباب اور جسموں پر ہوتی ہے اور اللہ والوں کی حکمرانی لوگوں کے دلوں پر ہوتی ہے، آج لوگوں کے دلوں پر اللہ والوں کی حکمرانی کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کرلیا ہے۔ بغیر کسی اعلان و اشتہار کے لوگ دیوانہ وار نماز جنازہ پڑھنے کے لیے بڑھے جارہے تھے۔ سوار اور پیدل ہر قسم کے لوگ حضرت حکیم صاحب کی وار فتگی میں شامل تھا۔

ہم تقریباً جنازے کے مقررہ وقت سے آدھا گھنٹہ پہلے نماز جنازہ کی مقررہ جگہ جامعہ اشرف المدارس کے قریب پہنچ گئے۔ جامعہ سے کچھ فاصلے پر گاڑی کھڑی کی۔ جنازے میں شرکت کے لیے آنے والے حضرات کا اسقدر اژدحام تھا کہ اشرف المدارس تک پہنچتے پہنچتے تقریباً بیس منٹ لگ ہوگئے۔ ہر طرف انسان ہی انسان نظر آرہے تھے، جو اس دور میں بھی اللہ والوں کی نعمت کی قدر کا پتا دے رہے تھے۔ جنازے میں شرکت اس لیے کی جاتی ہے تاکہ اللہ سے دعا کرکے دنیا سے رخصت ہونے والے کی مغفرت کروائی جائے، لیکن یہاں تو کئیوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم تو حضرت حکیم صاحب کے جنازے میں اس لیے شرکت کرنے آئے ہیں تاکہ اللہ والے کے جنازے میں شرکت کرکے ہماری بخشش ہوجائے۔ حضرت حکیم اختر صاحب کی

وصیت کے مطابق آپ کے بیٹے مولانا مظہر صاحب دامت برکاتہ نے نماز جنازہ مقررہ وقت پر پڑھائی۔ نماز جنازہ بہت ہی سادگی سے ادا کی گئی، نہ کوئی اعلان، نہ کوئی بیان اور نہ کسی کا انتظار۔ جنازے میں شرکت کرنے والوں کی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ سے ڈیڑھ لاکھ تک لگایا گیا۔ دس ہزار کے لگ بھگ لوگ گھروں سے جنازے کے لیے آئے لیکن رش کی وجہ سے جنازے میں شرکت نہ کرسکے۔

حضرت مولانا حکیم اختر صاحب نے اپنی پوری زندگی سنت رسول پر عمل کرتے ہوئے گزاری۔ بے شمار لوگوں کو سنت نبوی کی راہ دکھائی۔ ہر کام سے پہلے آپ ہمیشہ اپنے اس شعر کو پیش نظر رکھتے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کرتے تھے۔

نقش قدم نبی کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

ایک ایسے وقت میں جب جعلی پیروں نے برساتی کھمبیوں کی طرح سر اٹھا کر تصوف و طریقت کو اتنا بدنام کیا کہ لوگ تصوف و طریقت کو شریعت سے الگ خیال کرنے لگے حضرت نے تصوف و طریقت کا حقیقی تصور پیش کیا۔ لوگوں کو بتلایا کہ اصل میں، شریعت پر عمل کرنے کا نام ہی تصوف و طریقت ہے۔ جو عمل شریعت سے جدا ہو وہ گمراہی تو ہو سکتا ہے، تصوف و طریقت نہیں ہو سکتا۔ آپ خود بھی ہمیشہ شریعت پر عمل کرکے اپنے متعلقین کے لیے نمونہ بن کر رہنمائی فرماتے رہے۔ حضرت

حکیم صاحب کے تقویٰ کا عالم ملاحظہ فرمایے ! ایک بار حضرت حکیم صاحب ساؤتھ افریقہ کے سفر پر گئے تو وہاں کسی عقیدت مند نے ایک جبّہ ھدیہ میں پیش کیا، حضرت ھدیہ لے کر بہت خوش ہوئے، جبّہ پہنا اور اپنے متعلقین سے پوچھنے لگے۔ دیکھ کر بتائیں کہ جبہ ٹخنوں سے نیچے تو نہیں جارہا؟ حضرت کے ایک بہت پرانے خلیفہ نے فرمایا کہ حضرت نیچے تو نہیں ہے، البتہ ٹخنوں کو چھورہا ہے۔ حضرت چونکہ بیماری کی وجہ سے اپنا جبّہ خود نہیں اتار سکتے تھے اس لیے فرمایا کہ میرا جبّہ فوری اترواؤ۔ جبّہ اتروانے میں کچھ دیر ہوگئی۔ تو حضرت بہت ہی غصے سے ڈانٹتے ہوئے فرمانے لگے کہ اگر اسی حالت میں میری موت آ گئی تو میں اللہ کو کیا جواب دوں گا؟۔ جبّہ فوری اترواؤ۔

حضرت حکیم صاحب تو ہمیں داغ مفارقت دے گئے، لیکن قحط الرجال کے اس دور میں ان کے بعد حقیقی تصوف و طریقت کا درس دینے والی خانقاہوں کو شدید نقصان پہنچا ہے اور وہ بھٹکے ہوئے لوگوں کی علاج گاہوں کو مزید ویران کرگئے ہیں۔ "وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھاگئے"۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے بعد بھی ان کے فیوض و برکات جاری رہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی شان کے مطابق انعامات سے نوازے۔ آمین

پاکستانی وزیر اعظم ڈرون حملوں کے خلاف ڈٹ گئے

پاکستان میں دو ہزار چار سے ڈرون حملے جاری ہیں جن کے بارے میں پاکستان کا پہلے دن سے ہی واضح موقف رہا ہے کہ یہ حملے پاکستان کی سالمیت اور خود مختاری کے خلاف ہیں، ان حملوں سے نہ صرف شدت پسندی میں اضافہ ہوا ہے بلکہ ملک میں دہشت گردی بھی بڑھی ہے۔ پاکستان ڈرون حملوں کو بند کرنے کے حوالے سے کئی بار احتجاج بھی کر چکا ہے۔ نو منتخب وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف نے ایوانِ زیریں سے اپنے اولین خطاب میں امریکی ڈرون حملے بند کیے جانے کا مطالبہ دہراتے ہوئے کہا تھا: "ہم دوسروں کی خود مختاری کا احترام کرتے ہیں، دوسرے بھی ہماری خود مختاری کا احترام کریں اور ڈرون حملوں کا باب اب بند ہو جانا چاہیے۔" اس کے جواب میں امریکی دفترِ خارجہ کی ترجمان جینیفر ساکی نے میاں نواز شریف کی جانب سے ڈرون حملے بند کرنے کے مطالبے پر محض اتنا کہا تھا کہ 'اس کے لیے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ وہ دہشت گردی کے خاتمے کے سلسلے میں اپنی سرزمین پر خود ہی دہشت گردی کے خلاف کارروائی کرنے کی استعداد بڑھانے کے لیے اپنے دوست ملکوں کے ساتھ مل کر کام کریں۔' اس سے قبل انتخابات میں میاں نواز شریف کی جماعت کی کامیابی کے بعد انتیس مئی کو بھی شمالی وزیرستان میں ایک ڈرون حملہ ہوا جس میں کالعدم تحریک طالبان پاکستان

کے نائب امیر ولی الرحمٰن مارے گئے تھے، جس کے بعد تحریک طالبان پاکستان نے احتجاجاً مذاکرات کی پیش کش واپس لے لی تھی۔ اس ڈرون حملے پر بھی نواز شریف کی جانب سے ایک جاری کیے گئے بیان میں ان حملوں کو بند کیے جانے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ حکومتِ پاکستان کا مستقل موقف یہی ہے کہ ڈرون حملوں کے نقصانات ان سے حاصل ہونے والے فوائد سے کہیں زیادہ ہیں اور جہاں ان حملوں میں معصوم شہری مارے جاتے ہیں وہیں یہ ملکی سالمیت کے اصولوں اور عالمی قوانین کی خلاف ورزی ہیں۔

ان تمام قوانین و مطالبات کو پس پشت ڈالتے ہوئے امریکا نے ایک بار پھر جمعہ کے روز شمالی وزیرستان میں ڈرون حملہ کیا جس میں سات افراد جاں بحق ہوئے۔ میاں نواز شریف کے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالنے کے بعد یہ پہلا ڈرون حملہ ہے۔ شمالی وزیرستان میں ڈرون حملے کے بعد وزیراعظم میاں نواز شریف کی ہدایت پر امریکی ناظم الامور رچرڈ ہوگلینڈ کو دفتر خارجہ طلب کیا گیا۔ دفتر خارجہ کی جانب سے ڈرون حملوں پر وزیراعظم اور مشیر خارجہ طارق فاطمی کی طرف سے شدید احتجاج ریکارڈ کرایا گیا اور احتجاجی مراسلہ امریکی ناظم الامور کے حوالے کیا گیا۔ ترجمان دفتر خارجہ نے کہا ہے کہ ڈرون حملے پاکستان کی خودمختاری اور علاقائی سالمیت کی خلاف ورزی ہیں، امریکا فوری طور پر ڈرون حملے بند کرے۔ ڈرون حملوں میں معصوم شہریوں کی جانیں ضائع ہو رہی ہیں۔ ڈرون حملے پاک

امریکا تعلقات میں بھی رکاوٹ بن رہے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ پاک امریکا تعلقات خوشگوار اور تعاون پر مبنی رہیں۔ ڈرون حملوں سے دہشت گردی کے خلاف جنگ پر منفی اثرات مرتب ہورہے ہیں۔ امریکا کو بتادیا کہ حکومت پاکستان ڈرون حملوں کی شدید مذمت کرتی ہے۔امریکا کو ڈرون حملوں کے بارے میں اپنی حکمت عملی بدلنا ہو گی۔ ہفتے کے روز جرمن وزیر خارجہ گیڈو ویسٹر ویلی سے ملاقات کے دوران بھی وزیراعظم نواز شریف نے کہا ہے کہ ڈرون حملوں کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ ڈرون حملے ہماری خود مختاری اور بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی ہیں ہم نے ان پر کئی بار احتجاج کیا ہے، یہ حملے بند ہونے چاہئیں۔ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ڈرون حملے ناقابلِ قبول ہیں۔جرمن وزیر خارجہ نے کہا ہے کہ امریکی صدر اوباما نے ڈرون سے متعلق جو نئی پالیسی مرتب کی ہے اس پر پاکستان امریکا مذاکرات ہونے چاہئیں۔ ڈرون حملے پاکستانی حکومت اور عوام کے لیے بہت حساس معاملہ ہے۔

دوسری جانب تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے کہا ہے کہ ڈرون حملے ملکی خود مختاری اور سالمیت کے خلاف ہیں،ڈرون حملوں میں بے گناہ افراد مارے جاتے ہیں، اگر ان حملوں میں مارے جانے والے افراد دہشت گرد ہیں تو ان کی شناخت ظاہر کی جائے۔ پنجاب اسمبلی مے ں اپوزے شن لے ڈرو تحر ے ک انصاف کے پنجاب اسمبلی مے ں پارلے مانی لے ڈر مے اں محمود الر شے د نے کہا ہے کہ ڈرون حملوں پر

حکمرانوں کو دوٹوک موقف اختیار کرنا ہوگا ورنہ قوم ان کو معاف نہیں کرے گی۔ پاکستان مسلم لیگ ن کے رہنما ارباب خضر حیات نے کہا ہے کہ ڈرون حملے پاکستان کی سالمیت پر ضرب ہیں۔ قوم کا پیمانہ صبر لبریز ہوچکا ہے،مزید حملے برداشت نہیں کیے جائیں گے۔ امریکا کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں۔ ڈرون حملے بند نہ ہوئے تو پاکستان اس کا منہ توڑ جواب دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ڈرون حملوں میں بے گناہ مسلمانوں کی ہلاکت کے باعث امریکاکے خلاف نفرت کے جذبات بھڑک رہے ہیں۔ دفاع پاکستان کونسل کے سربراہ مولانا سمیع الحق نے کہا ہے کہ ڈرون حملے میں طالبان کے اہم لیڈر ولی الرحمٰن کی موت سے طالبان کے اعتماد میں کمی آئی ہے۔

واضح رہے کہ امریکا میں امریکی صحافی جیرمی کیہل نے ایک نئی دستاویزی فلم ریلیز کی ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ مشتبہ افراد کے خلاف امریکی خفیہ حملے بے سود قتل کی مہم ہیں جن سے نئے دشمن پیدا ہورہے ہیں اور امریکا کا امیج بھی تباہ ہورہا ہے۔امریکی صحافی جیرمی کیہل نے ڈرون حملوں اور کمانڈو آپریشنز کے ذریعے شدت پسندوں کو مارنے کی مذمت کی ہے۔ جیرمی کا کہنا ہے کہ ان حملوں سے امریکا خود اپنے لیے مشکلات پیدا کررہا ہے۔جب لوگوں پر ظلم ہوتا ہے تو وہ نئے عزم کے ساتھ امریکاکے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔ان کا مزید کہنا تھا کہ میں کئی سال اس موضوع پر کام کرنے کے بعد اس

نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہم حقیقی دہشگردوں کو مارنے کی بجائے زیادہ نئے دہشتگرد پیدا کر رہے ہیں۔ جیرمی نے یمن میں انوراولاکی کا حوالہ بھی دیا کہ وہ ایک عام امریکی شہری تھا مگر نائن الیون کے بعد امریکا میں مسلمان مخالف ماحول کی وجہ سے وہ شدت پسند بن گیا۔ امریکا اپنے لیے دشمن پیدا کر رہا ہے۔

اسی طرح چند روز قبل برسلز کے ایک معتبر تھنک ٹینک انٹر نیشنل کرائسس گروپ نے اپنی رپورٹ میں کہا تھا کہ ڈرون حملوں کے نتیجے میں لوگ انتہا پسندی کی جانب راغب ہو جاتے ہیں اور پاکستان کے سرحدی علاقوں میں جنگجوؤں کی صفوں میں اضافہ روکنے میں امریکی ڈرون کا کردار آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے، ڈرون حملے کوئی طویل المدتی حل پیش نہیں کرتے۔ ان حملوں میں عسکریت پسندوں سے زیادہ پاکستانی شہریوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے، امریکا کی یہ مہم عالمی قوانین کے متصادم ہے اور اوباما انتظامیہ کو اس پر نظرثانی کرنا ہوگی۔ اوباما انتظامیہ کو عالمی قوانین کا احترام اور انسانی جانوں کے تحفظ کو یقینی بنانے کی پالیسی اپنانا ہوگی۔ یونائیٹڈ نیشن کی رپورٹس کے مطابق امریکی ڈرون حملوں میں 80 سے 90 فی صد بے گناہ لوگ مارے جاتے ہیں۔ اے کے بے ن الاقوامی اے ن جی او کے ڈپٹی ڈائرے کٹر ہے لری سٹوفیر کا کہنا ہے کہ امریکا کے حملوں میں مارے جانے والوں میں شدت پسندوں کی تعداد 3,4 فیصد ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ ڈرون حملے خود کش حملے سے زیادہ ہلاکت خیز ہوتے ہیں۔ اگر امریکا دوسرے ممالک میں من مانی بستیوں پر ڈرون حملے کرتا ہے تو جن کے پاس ڈرون ٹیکنالوجی نہیں ہوتی وہ انتقام میں خود کش حملہ کرتے ہیں، جس کا نشانہ پاکستانی شہری بنتے ہیں۔ اگر خود کش حملے اور بارودی سرنگوں کے دھماکے روکنے ہیں تو ڈرون حملوں کو بھی روکنا ہوگا۔ یاد رہے کہ پاکستان میں ڈرون حملوں کا آغاز 2004ء میں ہوا تھا، سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اب تک 22 سو سے زاید افراد امریکی ڈرون حملوں میں جاں بحق ہو چکے ہیں۔ پاکستانی دفتر خارجہ کے اعداد و شمار کے مطابق 2004ء سے لے کر اب تک پاکستان میں 330 ڈرون حملوں میں 2200 سے زاید افراد جاں بحق ہوئے جبکہ غیر سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 366 ڈرون حملوں میں افراد زندگی کی بازی ہار گئے۔ ان حملوں میں 411 عام شہری جبکہ 168 کم 2537 سن بچے بھی موت کی وادی میں چلے گئے اور 1174 افراد زخمی بھی ہوئے ہیں۔

ایم ڈی ایم نے پی ایس حلقہ 128 کے نتائج ماننے سے انکار کر دیا

ملک میں ہونے والے حالیہ انتخابات میں کراچی کا حلقہ پی ایس 128 کافی نمایاں رہا ہے۔اس حلقے سے متعدد بار مسلم لیگ (ن) کے مرحوم طارق خان منتخب ہوئے،اسی طرح اے این پی نے بھی گزشتہ انتخابات میں اس حلقے سے کامیابی حاصل کی تھی۔حالیہ انتخابات میں اس حلقے سے تقریباً تمام معروف سیاسی جماعتوں نے اپنے امیدوار انتخابی اکھاڑے میں اتارے تھے۔جن میں مسلم لیگ (ن)، پاکستان تحریک انصاف، ایم کیو ایم، جمعیت علماء اسلام،اے این پی، متحدہ دینی محاذاور دوسری کئی جماعتوں کے امیدوار شامل تھے۔گیارہ مئی کو ہونے والے انتخابات میں تمام امیدواروں میں سے متحدہ دینی محاذکے امیدوار مولانا اورنگزیب فاروقی کا پلڑا پہلے روز سے ہی کافی بھاری دکھائی دے رہا تھا۔ تجزیہ کار انتخابات سے پہلے ہی حلقہ پی ایس 128 پر مولانا اورنگزیب فاروقی کی کامیابی کو یقینی بتاتے رہے ہیں۔انتخابات سے قبل جب انتخابی جلسہ سے خطاب کے لیے جاتے ہوئے کورنگی دارالعلوم روڈ پر نا معلوم افراد نے مولانا اورنگزیب فاروقی کی گاڑی پر فائرنگ کی جس سے مولانا اپنے چار محافظوں سمیت زخمی ہو گئے تھے تو اس وقت بھی تجزیہ کاروں کی جانب سے یہی کہا جارہا تھا کہ یہ حملہ حلقہ پی ایس 128پر مولانا اورنگزیب فاروقی کی

یقینی فتح سے خائف قوتوں نے کروایا ہے۔

گیارہ مئی کو پورے پاکستان میں انتخابات ہوئے، جس میں ریکارڈ دھاندلی ہوئی، جس کا اعتراف خود چیئرمین الیکشن کمیشن نے بھی کیا۔ گیارہ مئی کو انتخابات کے دوران داؤد چورنگی پر دھماکا ہوا جس سے چھ پولنگ اسٹیشن میں پولنگ کا عمل متاثر ہوا۔ اس کے باوجود مولانا اورنگزیب فاروقی نے اس حلقے سے برتری حاصل کرلی اور حلقہ پی ایس 128 پر رات کے وقت تمام چینلوں نے دس ہزار ووٹوں کی برتری کے ساتھ مولانا اورنگزیب فاروقی کی کامیابی کا اعلان بھی کردیا۔ لیکن اس اعلان کے اگلے روز الیکشن کمیشن کی جانب سے مولانا اورنگزیب فاروقی کی شکست کا اعلان کردیا گیا، جسے ماننے سے متحدہ دینی محاذ اور مولانا اورنگزیب فاروقی نے انکار کردیا۔ متحدہ دینی محاذ کا مؤقف تھا کہ ہمیں سازش کے تحت ہرایا گیا ہے۔ تمام چینلوں پر ہماری کامیابی کی خبر بھی نشر کردی گئی تھی، ہماری کامیابی کے نتائج بدلے گئے ہیں۔ گیارہ مئی کو داؤد چورنگی پر ہونے والے دھماکے کی وجہ سے چھ پولنگ اسٹیشن پر پولنگ نہیں ہوسکی تھی، اس لیے ان اسٹیشن پر دوبارہ پولنگ کروائی جائے۔ ان پولنگ اسٹیشنز پر ووٹنگ کے بغیر الیکشن کمیشن کیسے نتائج کا اعلان کرسکتا ہے۔ صوبائی حلقہ پی ایس 128 میں فوج کی زیر نگرانی دوبارہ انتخابات کروائے جائیں۔ متحدہ دینی محاذ نے گیارہ مئی کو ہونے والے انتخابات میں الیکشن کمیشن کی جانب سے آنے

والے نتائج کو ماننے سے انکار کردیا،اور نتائج بدلنے کے خلاف کراچی بھر میں احتجاج اور دھرنوں کا سلسلہ شروع کردیا۔ حلقہ پی ایس 128 میں دھاندلی اور نتائج بدلنے کے خلاف شہر کے متعدد علاقوں میں متحدہ دینی محاذ نے دھرنے دیے۔جب متحدہ دینی محاذ نے احتجاج اور دھرنوں کا سلسلہ جاری رکھا تو الیکشن کمیشن کی جانب سے حلقہ پی ایس 128 پر دوبارہ الیکشن کروانے کی یقین دہانی پر متحدہ دینی محاذ نے دھرنوں کو ختم کرنے کا اعلان کردیا۔

آٹھ جون کو حلقہ پی ایس 128پر متحدہ دینی محاذ کے مطالبے کے مطابق چھ اسٹیشنوں پر دوبارہ انتخابات ہوئے۔جس میں ایم کیو ایم اور متحدہ دینی محاذ کے علاوہ تقریباً تمام جماعتوں نے انتخابات کا بائکاٹ کیا۔ایم ڈی ایم کے مطابق تحریک انصاف، مسلم لیگ ن)، جمعیت علماء اسلام نے اس حلقے سے ایم ڈی ایم کی حمایت کی یقین دہانی بھی کروانی تھی۔سندھ اسمبلی کے حلقہ پی ایس 128کے 6 پولنگ اسٹیشنوں پر دوبارہ پولنگ کا عمل صبح 8 بجے شروع ہوا۔11 مئی کے عام انتخابات میں پی ایس 128 میں ہونے والے دو بم دھماکوں کے باعث ان 6 پولنگ اسٹیشنوں پر پولنگ نہیں ہو سکی تھی۔ان پولنگ اسٹیشنوں میں سعود آباد، توحید آباد، داود چالی اور فردوس چالی کے پولنگ اسٹیشن نمبر سے 31 شامل تھے۔ پولنگ اسٹیشنوں پر سخت انتظامات کیے گئے۔ الیکشن کمیشن کے 25 حکم پر پولنگ بوتھ کے اندر اور باہر فوجی جوان تعینات تھے جبکہ علاقے میں پاک

فوج سمیت رینجرز اور پولیس کی بھاری نفری بھی موجود تھی۔آرمی کی جانب سے ہیلی کاپٹر کے ذریعے فضائی نگرانی بھی کی گئی۔ میجر جنرل رضوان اختر سمیت اعلی افسران نے پولنگ اسٹیشنوں کا دورہ کیا اور سیکیورٹی کے انتظامات کا جائزہ لیا۔ایک پولنگ اسٹیشن میں انیس فوجی ، تیرہ رینجرز اور بیس پولیس اہلکار تعینات کیے گئے تھے۔ ہر پولنگ اسٹیشن میں تیرہ پریذائڈنگ افسران نے ڈیوٹی دی۔ چھ پولنگ اسٹیشنز میں نو ہزار سے زائد ووٹرز رجسٹرڈ تھے۔پی ایس 128 کے انتخاب میں ایم کیو ایم کے سید وقار شاہ اور متحدہ دینی محاذ کے مولانا اورنگزیب فاروقی کے درمیان مقابلہ ہوا۔ 11 مئی کے انتخابات کی غیر حتمی غیر سرکاری نتائج کے مطابق ایم کیو ایم کے سید وقار شاہ نے 23 ہزار سے زائد اور متحدہ دینی محاذ کے مولانا اورنگزیب فاروقی نے 21 ہزار سے زائد ووٹ حاصل کیے تھے۔ جبکہ آٹھ جون کو ہونے والے انتخابات میں ان چھ اسٹیشنوں سے متحدہ دینی محاذ کے مولانا اورنگزیب فاروقی نے 2688 ووٹ حاصل کیے جبکہ مد مقابل ایم کیو ایم کے امیدوار نے اس حلقے سے 349 ووٹ حاصل کیے۔ اس طرح اس حلقے سے مولانا اورنگزیب فاروقی پہلے نمبر پر رہے اور بہت ہی زیادہ فرق کے ساتھ مدمقابل دوسرے نمبر پر آئے۔الیکشن کمیشن نے اس حلقے سے متحدہ دینی محاذ کے امیدوار کی شکست کا اعلان کردیا۔

متحدہ دینی محاذ نے اس اعلان کو ماننے سے انکار کردیا۔ متحدہ دینی محاذ اور

اہلسنّت والجماعت کے مرکزی رہنما مولانا اورنگزیب فاروقی کا کہنا تھا کہ متحدہ دینی محاذ نے ملک کی ترقی اور استحکام کے لے ے انتخابی میدان اور جمہوری عمل میں حصہ لیا تاہم ہماری واضح فتح کو سازش کے تحت شکست میں تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی جسے ہم کسی صورت تسلیم کرنے کے لے ے تیار نہیں۔ جعلی ووٹ اور ٹھپے کسی کا مینڈیٹ نہیں، ٹھپوں کو مینڈیٹ کہنے والے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔ 8 جون کو پاک فوج اور رینجرز کی نگرانی میں پی ایس128 کے 6 پولنگ اسٹیشنوں پر ہونے والے شفاف الیکشن نے 11 مئی کے نتائج پر کئی سوالات پیدا کر دیے ہیں۔8 جون کے پر امن الیکشن جو فوج اور رینجرز کی نگرانی میں ہوئے اور جس میں دھاندلی کے تمام دروازے بند ہونے کی وجہ سے جو نتائج سامنے آئے وہ حقیقت پر مبنی تھے، 8 جون کے الیکشن نے ثابت کیا کہ پورے حلقے میں ایسا الیکشن کروایا جاتا تو ایسے ہی نتائج سامنے آتے۔ 11 مئی کو عدالت سے ملنے والے نتائج کے مطابق ہمارے کل ووٹوں کی تعداد تھی جو ریٹرننگ آفیسر نے ہمیں تحریری طور پر دیا جبکہ 8 جون کے انتخابی 21332 نتائج کے مطابق ہمارے ووٹوں کی تعداد 2688 تھی، اس طرح ہمارے کل ووٹوں کی تعداد 24020 بنتی ہے جبکہ فریق مخالف وقار حسین شاہ نے 11 مئی کے انتخاب میں دھاندلی کرنے کے باوجود23496 ووٹ لیے جس کا اعلان سرکاری طور پر ہوا جبکہ 8 جون 6 پولنگ اسٹیشنوں پر ہونے والے الیکشن کے سرکاری نتیجے کے مطابق فریق مخالف نے 349 ووٹ حاصل کیے جس کے مطابق اس کے کل ووٹوں کی تعداد 23845 بنتی

ہے۔ ان سرکاری نتائج کے مطابق ہم 175 ووٹوں کی واضح برتری سے کامیاب ہوئے لیکن ہمارے مینڈیٹ پر شب خون مارتے ہوئے ہماری فتح کو شکست میں تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی۔ کسی کے مینڈیٹ پر شب خون مارنا دہشت گردی سے کم نہیں، ہم کراچی کے عوام کے ساتھ ہونے والی زیادتی کسی صورت برداشت نہیں کریں گے۔ اس موقع پر متحدہ دینی محاذ کے رہنماوں نے عدالت اور الیکشن کمیشن سے مطالبہ کیا کہ وہ پی ایس 128 کے تمام ووٹوں کی دوبارہ گنتی کروائی جائے اور نادرا کے ذریعے پورے حلقے کے ووٹوں کی ری چیکنگ کروائی جائے۔ ہم انصاف کے حصول کے لے ے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ اس موقع پر ایم ڈی ایم کے رہنماوں نے یہ بھی کہا کہ اگر مولانا اورنگزیب فاروقی کو کچھ ہوا تو سیاسی مخالفین کو بری الذمہ نہیں سمجھا جائے گا۔ متحدہ دینی محاذ کے رہنما مولانا اورنگزیب فاروقی نے کہا ہے کہ ہمیں اکیس سو پینسٹھ ووٹوں سے ہرایا گیا جبکہ گیارہ مئی کو ہم بارہ ہزار ووٹوں سے جیت رہے تھے۔ سازش کے ذریعے ہماری یقینی جیت کو ہار میں تبدیل کیا گیا۔ فوج کی نگرانی میں چھ پولنگ اسٹیشنز سے صرف تین سو انچاس ووٹ لینے والے بتائیں کہ چودہ پولنگ اسٹیشنز پر تئیس ہزار سے زائد ووٹ کس طرح حاصل کیے۔ متحدہ دینی محاذ کے رہنماوں علامہ اورنگزیب فاروقی نے کہا ہے کہ پی ایس 128 پر دھاندلی کے تمام ثبوت عدالت کو جمع کروادیے ہیں، دھاندلی کے ثبوتوں کے بعد الیکشن کمیشن کا ایکشن نہ لینا سراسر نہ انصافی ہوگی۔ انصاف کے حصول کیلئے عدالتی راستہ اختیار کیا، ہمیں امید ہے کہ ہمیں

عدالت سے انصاف ضرور ملے گا۔ پی ایس 128 کے الیکشن میں عوام نے مذہبی سوچ کا ساتھ دیا اور گولی اور گالی کی سیاست کو یکسر مسترد کیا۔ پی ایس 128 سے 24020 ووٹ لیکر سب سے زیادہ مذہبی ووٹ حاصل کیا جس پر عوام کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

انصاف جیت گیا، ظلم ہار گیا

یہ 24 اور 25 دسمبر 2012 کی درمیانی رات تھی۔ رات کا نصف حصہ بیت چکا تھا۔ کراچی کے علاقے ڈیفینس میں وڈیروں کے ایک خانساماں نے سابق ڈی ایس پی اورنگ زیب کی بیٹی سے بد تمیزی کی۔ اورنگزیب کا بیٹا شاہ زیب اپنی بہن کے ساتھ بد تمیزی برداش نہ کرسکااور خانساماں کو تھپڑ دے مارا۔ وڈیروں کو اپنے خانساماں کے منہ پہ تھپڑ پڑنا کہاں گورا تھا۔ لہٰذا اس تھپڑ کی پاداش میں دولت کی طاقت کے نشے میں دھت شارخ جتوئی، سراج علی تالپور، سجاد علی تالپور اور غلام مرتضٰی لاشاری نے شاہ زیب کو گولیاں مار کر قتل کردیا۔ 25 دسمبر کی رات درخشاں تھانے میں قتل کی ایف آئی آر سابق ڈی ایس پی اورنگ زیب کی مدعیت میں درج کرائی گئی۔ وڈیروں، جاگیرداروں اور کئی اعلیٰ شخصیات کے دباؤ پر اس معاملہ کو دبانے کی کوشش کی گئی۔ عین ممکن تھا کہ یہ واقعہ بھی صدیوں پر پھیلے وڈیروں اور جاگیرداروں کے ظلم و ستم کے واقعات کی طرح وقت کی گرد کے نیچے ہمیشہ کے لیے دب جاتا، لیکنسوشل میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور پرلیس میڈیا نے اسے اندھے قانون کے اندھیروں میں گم نہیں ہونے دیا۔ جب یہ واقعہ عوام تک پہنچا تو عوام نے آنکھیں کھول کھول کر دیکھا کہ یہ تو کھلا ظلم ہے۔ شاہ زیب کے دوست، سول سوسائٹی اور مظلوموں کے ہمدرد اس ظلم کے

خلاف سڑکوں پر نکل آئے۔ شاہ رخ جتوئی کے پیچھے کھڑے ہوئے نظام نے اپنے طبقے کے ایک ظالم فرد کو عوام کے غیظ و غضب، قانون اور انصاف کی گرفت سے بچانے کے لیے شاہ رخ کو ملک سے باہر بھگادیا، لیکن میڈیا کی انگڑائی اور اکثریت کی ترجمان مڈل کلاس کی جاگتی آنکھوں نے قانون اور انصاف کو جھنجھوڑ ڈالا۔جب مقتول کو انصاف دلوانے کی مہم نے زور پکڑا تو 30 دسمبر کو چیف جسٹس نے ازخود نوٹس لیتے ہوئے مجرموں کو کٹہرے میں لاکر مقتول کے ورثاء کو انصاف دلانے کی مکمل یقین دہانی کرائی۔ تین ملزمان سراج تالپور، سجاد تالپور اور غلام مرتضٰی لاشاری کو ملک سے ہی گرفتار کیا گیا اور سپریم کورٹ کی ہدایت پر مرکزی ملزم شاہ رخ جتوئی کو دبئی سے گرفتار کرکے کراچی لایا گیا۔ ملزمان کی شناختی پریڈ کرائی گئی۔ پولیس نے ملزمان کے خلاف عدالت میں چالان پیش کیا۔ شاہ رخ جتوئی سمیت چار ملزمان پر فرد جرم عائد کی گئی۔دو چشم گواہوں سمیت 25 گواہوں نے بیانات قلمبند کرائے۔

عدالت کے جج غلام مصطفٰی میمن نے مقدمے کا فیصلہ محفوظ کیا اور سات جون کو انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت نے شاہ زیب قتل کیس کے مرکزی ملزم شاہ رخ جتوئی اور سراج تالپور کو سزائے موت جبکہ سجاد تالپور اور غلام مرتضٰی لاشاری کو عمر قید کی سزا سنائی، عدالت نے چاروں مجرموں پر 5،5 لاکھ روپے جرمانہ عائد کرنے کے ساتھ انہیں سندھ ہائی کورٹ میں سزا کے خلاف اپیل کے لئے

دن کی مہلت بھی دی۔ سزائے موت سننے کے بعد عموماً مجرموں کے چہروں پر 7 ہوائیاں اڑ جاتی ہیں مگر شاہ رخ جتوئی اور اس کے ساتھی اس طرح وکٹری کا نشان بناتے اور شور شرابا کرتے عدالت سے نکلے جیسے کوئی معرکہ سر کر لیا ہو۔ ان کے چہرے پر ندامت کی بجائے مسکراہٹ تھی۔ ان کے چہروں پر جرم کی پشیمانی، افسوس یا تاسف کا کوئی تاثر نہ تھا۔ اس موقع پر شاہ زیب کے والد اورنگ زیب خان نے کہا کہ ہمارے نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی، فیصلہ اللہ تعالی پر چھوڑ دیا ہے، وہی انصاف کرے گا۔ میرے بچے پر گولی چلانے والوں کو سزا ملنی چاہیے، ہم نے آنے والی نسلوں کے لیے یہ اقدام اٹھایا ہے۔ یہ ایک عام آدمی اور سرمایہ دار کی جنگ تھی، کسی امیر کا بچہ مرا نہیں ہوتا اس کی تربیت غلط ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے پڑوسیوں، شاہ زیب کے دوستوں اور میڈیا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ ہمارا ساتھ نہ دیتے تو شاید انصاف مشکل سے ہی مل پاتا۔ ہمیں دھمکیاں دی گئیں، بااثر شخصیات سے دباؤ ڈلوایا گیا۔ ہمیں انصاف حاصل کرنے کے لیے کئی مشکل مراحل سے گزرنا پڑا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم سرخرو ہو گئے۔

اگر معاشرے کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ اکیلا شاہ زیب نہیں جو کسی وڈیرے گھرانے کے ظلم کا شکار ہوا۔ دوسروں پر ظلم کرنا جاگیرداروں اور وڈیروں کے سماج میں معمول کی بات ہے اور ہم ایسے واقعات کو

ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرنے کے عادی ہیں۔ ہمارے ملک میں جاگیرداروں، وڈیروں نے دولت و طاقت کے نشے میں اودھم مچا رکھی ہے۔ غریب اور شریف آدمی کی عزت محفوظ ہے نہ جان و مال اور نہ بہو بیٹیوں کی آبرو، ان کی دولت و طاقت کے خوف سے سب خاموش ہیں۔ وڈیرہ شاہی اور جاگیردارانہ معاشرے میں کسی کی بہو بیٹی کو راہ چلتے چھیڑنا معمول کی بات ہے۔ کیونکہ وہ وسب کو اپنا کمی کمین اور کمتر سمجھتے ہیں۔

وڈیروں اور جاگیرداروں کی طرف سے آئے دن خواتین کی انفرادی اور اجتماعی بے حرمتی اور آبرو ریزی کے واقعات ٹی وی اسکرین اور اخباری صفحات پر دیکھے جاتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں غریب خاندانوں کی بہو بیٹیوں کے اغوا، آبرو ریزی، ہاریوں، کسانوں کا قتل اس وڈیرہ شاہی کلچر میں روز کا معمول ہے۔ ہاریوں کے خاندانوں کو نجی جیلوں میں قید کرکے ان سے عشروں تک بیگار لینا، ان کی بہو بیٹیوں کی عزت لوٹنا، اس قدر غیر اہم واقعات سمجھے جاتے ہیں کہ کوئی ان کا نوٹس بھی نہیں لیتا، جب کسی نشان دہی پر ہاریوں کے خاندانوں کو وڈیروں کی نجی جیلوں سے بازیاب کرواکر محترم عدالتوں میں پیش کیا جاتا ہے تو ہماری آزاد عدلیہ انہیں یہ انصاف دیتی ہے کہ وہ "آزادی سے زندگی گزار سکتے ہیں"۔ انہیں عشروں تک اپنی نجی جیلوں میں قید رکھنے والے بدترین مجرموں کو سزا دینے کی کوئی خبر میڈیا پر نہیں آتی۔ ہمارے ملک کا المیہ یہ

ہے کہ وڈیرہ شاہی نظام ختم نہ کیا جاسکا اور آج بھی وڈیرے اور جاگیر دار لاکھوں ایکڑ اراضی پر قابض ہیں، ان کی طاقت کا عالم یہ ہے کہ باوجود شدید دباؤ اور مطالبات کے آج تک اس طبقے سے زرعی ٹیکس تک وصول نہیں کیا جاسکا۔ یہ طبقہ 65 سال سے ہاریوں، کسانوں سے زبردستی ووٹ لے کر قانون ساز اداروں پر قابض ہوجاتا ہے اور سیاسی جماعتیں انہیں اپنے لیے اعزاز سمجھ کر اس لیے قبول کرتی ہیں کہ "ان کے پاس الیکشن جیتنے کی طاقت و دولت" موجود ہوتی ہے۔

ہمارے معاشرے میں دو طبقے ہیں،ایک ملک کا غریب یا متوسط طبقہ، دوسرا وڈیروں اور جاگیرداروں اور اسی قسم کے دولت مندوں کا طبقہ ۔شاہ زیب کا تعلق پہلے طبقے سے تھا اور شاہ رخ کا تعلق دوسرے طبقے سے ہے۔ ان دو طبقوں کے درمیان محاذ آرائی بہت پرانی ہے۔ اس مخاصمت کا المیہ یہ ہے کہ مظلوم شاہ زیب اکثریت کے طبقے سے تعلق رکھتے ہوئے بھی کمزور فریق بنتا ہے اور ظالم شاہ رخ اقلیت کے طبقے سے تعلق کے باوجود طاقتور فریق بنتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثریت کے فرد شاہ زیب کے پاس دولت کے انبار نہیں ہوتے، جبکہ اقلیت کے فرد شاہ رخ کے پاس دولت کے انبار، وڈیرہ شاہی اور جاگیرداری کا نشہ ہے۔ اس لیے اس اقلیت شاہ رخ کو اپنے کیے پر کوئی ندامت نہیں ہوتی کیونکہ انہیں اپنی دولت پر ناز ہوتا ہے۔ شاہ زیب قتل کیس میں تو بہت ہی تگ و دو، احتجاج اور شاہ زیب کے والد کے قانون نافذ کرنے والے اداروں سے تعلقات کی بنا پر انصاف

مل گیا۔ لیکن وڈیروں اور جاگیرداروں کے ظلم و ستم کے رونما ہونے والے سینکڑوں واقعات میں سے کسی کو انصاف نہیں ملتا۔ بلکہ اس کیس میں بھی وڈیرے ملزمان سزا سننے کے بعد یوں ٹھٹھا کر رہے تھے اور وکٹری کا نشان بنا رہے تھے جیسے کہہ رہے ہوں کہ ملک کے تمام قانون ہماری جیب میں ہیں، عدالت نے فیصلہ تو کر دیا عملدرآمد کرانا آسان کام نہیں ہے۔

کراچی: ڈبل سواری پر طویل پابندی سے شہری پریشانی میں مبتلا

کراچی کو تاریکیوں میں ڈوبے ایک عرصہ بیت چکا ہے۔دن بدن ظلم و ستم کی پھیلی تاریکی میں اضافہ ہی ہورہا ہے۔ قتل و غارتگری کا بازار گرم ہے۔سکون مفقود اور امن و چین کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ انتظامیہ ان مخدوش حالات کے خاتمے میں ناکام و بے بس دکھائی دیتی ہے۔ لیکن جب بھی کراچی میں بدامنی کی لہر اٹھتی ہے تو انتظامیہ اپنی نااہلی کی سزا عوام کو دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے ڈبل سواری پر پابندی لگادیتی ہے۔ کراچی میں ڈبل سواری پر پابندی لگانا انتظامیہ کی عادت بن چکی ہے۔ جتنی بار کراچی میں ڈبل سواری پر پابندی لگ چکی ہے شاید ہی دنیاکے کسی اور شہر کے حصے میں اتنی بار پابندی آئی ہو۔ ڈبل سواری پر پابندی لگانے سے بدامنی میں کمی لانا تو صرف وہم و خیال ہی ہے ،ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ڈبل سواری پر پابندی لگانے سے مشکلات کے شکار عوام کی پریشانیوں میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔

موٹر سائیکل کہ بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ غریب اور متوسط طبقے کی سواری ہے لیکن آئے دن ڈبل سواری پر پابندی عائد کرکے عروس البلاد کراچی کے شہریوں کے لیے اس کی افادیت کو شجر ممنوعہ بنادیا جاتا ہے۔ انتظامیہ کی نااہلی کی

سزا کراچی کے غریب و متوسط طبقے کو دی جاتی ہے۔ حکومتی حلقوں کی طرف سے ڈبل سواری پر پابندی کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ڈبل سواری سے دہشت گردوں کو اپنی مذموم کاروائیوں میں مدد ملتی ہے، اس لیے اس پر پابندی عائد رہنی چاہیے۔ عوام الناس کے نزدیک حکومت کا یہ موقف "عذر گناہ بدتر از گناہ" کے مترادف ہے، امن و امان کی صورتحال کو بہتر بنانے کے لیے ٹھوس اقدامات کرنے کی بجائے ڈبل سواری پر پابندی لگا دینا حکومت کے ذہنی دیوالیہ پن کی عکاسی کرتا ہے۔

عصر حاضر میں سب سے سستا اور مطلوبہ مقام تک فوری رسائی کا واحد ذریعہ موٹر سائیکل ہی کو قرار دیا جاتا ہے۔ پٹرولیم مصنوعات کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں ایسے میں یہ سواری کم آمدنی اور متوسط گھرانے کے دو افراد یا اس سے بھی زیادہ کے لیے انتہائی موزوں اور باکفایت ذریعہ آمد و رفت ثابت ہوا ہے۔ موجودہ صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہے کہ موٹر سائیکل پر ڈبل سواری کی پابندی پر حقیقتاً معصوم شہری ہی پوری طرح عمل پیرا ہیں جو کہ اس پابندی کے باعث ناکردہ گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں جبکہ موٹر سائیکل پر ڈبل سواری کی پابندی سے کم آمدنی والے حضرات، ملازم پیشہ افراد اور چھوٹے کاروباری حضرات مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔

ملک کی معاشی شہ رگ کراچی میں روزانہ 12 لاکھ سے زائد موٹر سائیکلیں سڑکوں پر رواں دواں ہوتی ہیں اور ایک اندازے کے مطابق ساڑھے چھ لاکھ موٹر سائیکلوں پر ڈبل سواری کی جاتی ہے۔ لیکن ڈبل سواری پر پابندی لگنے کے بعد سرکاری اور نجی اداروں میں عملے کی بروقت حاضری تو بری طرح متاثر ہوتی ہی ہے، ڈبل سواری پر پابندی سے غریب عوام پر کئی گنا اضافی مالی بوجھ بھی بڑھ جاتا ہے۔ ڈبل سواری سے ایک عام آدمی کو اور مجموعی طور پر قومی خزانے کو بے حد نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ایک موٹر سائیکل استعمال کرتے ہوئے غریب گھرانے کے دو تین لوگ بیک وقت سفر کرکے اپنے کام پر پہنچتے ہیں۔ اگر یہ افراد ڈبل سواری کی وجہ سے موٹر سائیکل استعمال نہ کریں تو کم سے کم ساڑھے چھ لاکھ سے زائد افراد کو بسوں، ویگنوں میں دھکے کھانے پڑتے ہیں۔ اگر سفر سیدھا ہے تو کم سے کم 30 روپے اور اگر ایک سے زائد بسیں تبدیل کرنی پڑیں تو پھر 60 روپے تک کا یومیہ خرچ بڑھ جاتا ہے۔ اسے 40 روپے اوسطاً رکھا جائے تو روپے ضرب ساڑھے چھ لاکھ.... دو کروڑ 60 لاکھ روپے یومیہ۔ ڈبل سواری پر 40 پابندی کی صورت میں ایک محتاط اندازے کے مطابق ہر فرد پر ہر مہینہ بارہ سو روپے کا مزید بوجھ بڑھتا ہے اور مجموعی طور پر قومی خزانے پر 78 کروڑ روپے کا مزید بوجھ بڑھتا ہے۔ یہ ساری رقم بسوں، ویگنوں میں سفر کرنے والے بے چارے غریب عوام اپنی جیب سے ادا کرتے ہیں۔ رکشہ، ٹیکسی میں بھی کچھ لوگ سفر کرتے ہیں، اس کا حساب الگ رہا۔ اگر اسپیشل رکشہ کروا کر جانا پڑے تو ڈیڑھ سو سے زائد

روپے ہی دینے پڑتے ہیں، عام رکشے کا کرایہ بھی بسوں سے تقریباً دوگنا ہوتا ہے۔ ڈبل سواری پر پابندی کا فائدہ ٹرانسپورٹ مافیا اور پولیس کو ہوتا ہے اور شہریوں کے حصے میں صرف نقصان ہی آتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ڈبل سواری پر پابندی سے کوچ مالکان کی آمدنی میں لاکھوں روپے کا اضافہ ہوجاتا ہے اور اس آمدنی میں سے ایک متعین حصہ ان حکام بالا کی جیبوں میں جاتا ہے جن کے رحم و کرم پر موٹر سائیکل سواری ہے، اسی طرح ایک لسانی تنظیم کی سرپرستی میں چلنے والے سی این جی اور چنگ چی رکشے بھی ہر مہینے کروڑوں روپے اضافی کمارہے ہیں۔

شہر میں ہونے والی وارداتوں اور عوام کو تحفظ کی فراہمی میں ہمیشہ موقعے سے غائب رہنے والی پولیس اس پابندی کے لگتے ہی حفاظتی ناکے چھوڑ چھاڑ کر گلی، محلوں، بازاروں اور نکڑوں پر چکر کاٹتی نظر آرہی ہوتی ہے۔ان کی ڈیوٹی کے مقام پر اس دوران کوئی بم بھی رکھ سکتا ہے اور کوئی واردات بھی ہوسکتی ہی، لیکن ان کی بلا سے.... وہ تو ڈبل سواری والوں کو پکڑ رہے ہوتے ہیں۔شہر میں رونما ہونے والے دہشت گردی کے واقعات ہوں یا شہریوں کے ساتھ رہزنوں کی لوٹ مار، پولیس ہمیشہ دیر سے ہی پہنچتی ہے لیکن بھلا ہو اس ڈبل سواری پر پابندی کا جس کے لگتے ہی پولیس شہریوں کو اس پابندی کی خلاف ورزی کی مد میں آدم بو آدم بو کرتی ڈھونڈتی نظر آتی ہے، لیکن دہشت گرد، ٹارگٹ کلرز، موبائل

چھیننے والوں کو اس تیزی سے تلاش و گرفتار نہیں کرتی۔ دہشت گردوں نے کونسی سلیمانی ٹوپی پہنی ہوتی ہے جو ہماری پولیس ان مجرموں کو دیکھ نہیں پاتی، پولیس کی ساری مستعدی صرف شہریوں کو تنگ کرنے تک محدود نظر آتی ہے۔

موٹر سائیکل کی ڈبل سواری پر پابندی کے حوالے سے حکومت ہمیشہ سے یہی راگ الاپتی نظر آئی ہے کہ اس اقدام سے دہشت گردی کے واقعات کی روک تھام میں مدد ملتی ہے، لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ دہشت گرد باآسانی اپنی کارروائیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ حکومت کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جو لوگ شہر میں خوف و ہراس اور دہشت گردی کی وارداتوں کے لیے موٹر سائیکل پر جدید و خودکار اسلحہ لے کر نکلتے ہیں انھیں اس بات سے کیا ڈر وخوف ہو سکتا ہے کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکار انھیں روکیں گے۔اس لیے اس تدبیر کو مسئلے کا مستقل حل قرار دینا ہرگز درست نہیں۔ڈبل سواری پر پابندی لگا کر قانون نافذ کرنے والے ادارے محض ٹامک ٹوئیاں مارتے پھر رہے ہیں۔ حکومت کو اور کچھ نہیں سوجھتا تو لے دے کر موٹر سائیکل کی ڈبل سواری پر پابندی عائد کرکے اس کبوتر کی طرح خود کو خطرے سے محفوظ تصور کرنے لگتی ہے جو بلی کو سامنے دیکھ کر بجائے اپنا بچاؤ کرنے کے آنکھیں بند کرلیتا ہے۔ کراچی میں مسلسل ڈبل سواری پر پابندی کے باعث جرائم کی شرح میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق موٹر سائیکل پر ڈبل سواری کے نتیجے میں ایک سال میں 6

ہزار سے زیادہ شہری ملزم بنا کر تھانے اور جیل کی ہوا کھانے پر مجبور کیے گئے ہیں۔ 6 ہزار تو وہ ہیں جن کے مقدمات درج ہوئے ہیں اور روزانہ سڑکوں پر جو مک مکا ہوتا نظر آتا ہے اس کی تعداد تو اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔کچھ ہی عرصے کے دوران 4733 سے زائد نوجوانوں کو ضمانتوں پر رہا کیا گیا ہے۔ ہر نوجوان کو ضمانت کے بدلے 25 ہزار سے 5 ہزار روپے تک ادا کرنے پڑے ہیں۔

ڈبل سواری پر پابندی کے حوالے سے کراچی کے شہریوں کا کہنا ہے کہ حکومت کو چاہیے کہ فی الفور ڈبل سواری پر عائد پابندی ختم کرے۔شہریوں کا کہنا تھا کہ جرائم کی وارداتیں کرنے والے افراد کار اور دیگر گاڑیوں کا بھی استعمال کرتے ہیں،اس طرح ان پر بھی پابندی لگا دینی چاہیے، صرف موٹر سائیکل پر ڈبل سواری کی پابندی کا کوئی جواز نہیں۔ اس پابندی سے براہ راست متوسط اور غریب طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد متاثر ہوتے ہیں۔ بعض شہریوں نے بتایا کہ ہم تین بھائی ایک ہی فیکٹری میں کام کرتے ہیں، ہم ایک ہی موٹر سائیکل پر سوار ہو کر فیکٹری جاتے تھے، اس سے ہمارے کافی پیسے بچ جاتے تھے ، لیکن حکومت کی جانب سے ڈبل سواری پر پابندی کے باعث سب کو بسوں میں سفر کرنا پڑتا ہے کیونکہ صرف ایک فرد کے لیے موٹر سائیکل میں پڑنے والے پیٹرول کا خرچہ برداشت نہیں کر سکتے، پہلے کی بنسبت اب ہمارا خرچ تین گنا بڑھ گیا ہے۔

سیلز مین ایسوسی ایشن کے سربراہ کا کہنا تھا کہ ڈبل سواری پر پابندی نے سیلز مینوں کی مشکلات میں اضافہ کردیا ہے۔پابندی کے باعث آرڈر بکنگ کرنے والے اور سیکورٹی گارڈز کو ساتھ لے جانا مشکل ہوگیا ہے۔ سیلز مین لاکھوں روپے کا کیش بینک میں جمع کرانے کے لیے رِسک اٹھانے پر مجبور ہیں۔ حکومت دہشت گردی کے واقعات کی روک تھام کے لیے ایسے اقدامات کرے جس سے عوام اور تاجر برادری کو پریشانی اٹھانی نہ پڑے۔جماعت اسلامی کراچی کے رہنماؤں نے ڈبل سواری پر پابندی کو بلا جواز اور شہریوں کے بنیادی حق پر ڈاکا قرار دیتے ہوئے اس پابندی کو فی الفور ختم کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔پاسبان کراچی کے صدر شیخ محمد شکیل کا کہنا تھا کہ سندھ حکومت نے اپنی نااہلی پر پردہ ڈالنے کیلئے بلا جواز کراچی میں موٹر سائیکل کی ڈبل سواری پر پابندی عائد کی ہے۔ اس وقت شہر کی سڑکوں پر پچیس لاکھ سے زائد موٹر سائیکلیں چل رہی ہیں۔انتظامیہ بدامنی کو جواز بنا کر بار بار ڈبل سواری پر پابندی عائد کردیتی ہے جو کراچی کے پچیس لاکھ شہریوں کے معاشی قتل عام کے مترادف ہے۔ڈبل سواری پر پابندی کو ختم کرنے کے حوالے سے ایک آئینی درخواست یونائیٹڈ ہیومن رائٹس کمشن پاکستان کے جنرل سیکرٹری رانا فیض الحسن نے دائر کی تھی جس میں موقف اختیار کیا گیا کہ اس پابندی کے باعث کراچی کے 20 لاکھ سے زائد شہری متاثر ہو رہے ہیں۔لہٰذا ڈبل سواری پر پابندی فوری ختم کی جائے۔شہری ڈبل سواری پر پابندی سے سخت پریشان ہیں،ان کا مطالبہ یہی ہے کہ فوری طور پر ڈبل سواری پر

عائد پابندی کو ختم کیا جائے، کئی بار اس پابندی کو ختم کرنے کے حوالے سے درخواست بھی دی جاچکی ہے، لیکن ابھی تک انتظامیہ و حکومت ٹس سے مس نہیں ہوئی۔

وفاقی بجٹ -14 2013 عوام دوست یا عوام دشمن

بارہ جون کو پاکستان کی نو منتخب حکومت نے یکم جولائی سے شروع ہونے والے مالی سال 14- 2013 کے لیے قومی اسمبلی میں تین ہزار پانچ سو اکیانوے ارب روپے کا وفاقی بجٹ پیش کیا، بجٹ خسارے کا تخمینہ سولہ سو چوہتر ارب روپے لگایا گیا ہے۔ ٹیکس وصولیوں کا ہدف چوبیس کھرب روپے رکھا گیا ہے۔وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے بجٹ تقریر کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ حکومت جہاں سے آغاز کر رہی ہے، وہ انتہائی افسوسناک ہے۔ بجٹ خسارہ سات فیصد تک پہنچ چکا ہے جسکی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔
قرضوں کا بوجھ 14 ہزار 284 ارب کی ریکارڈ سطح پر پہنچ چکا ہے۔وفاقی وزیر خزانہ نے قومی اسمبلی میں بجٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ مہنگائی کی شرح 13 فیصد کے حساب سے بڑھی ہے، مجموعی قرض میں 225 فیصد کے تناسب سے اضافہ ہوا۔ قرضوں کا حجم جی ڈی پی کا 65 فیصد ہوگیا ہے۔
بجٹ میں سیلز ٹیکس کی شرح بڑھا کر17 فیصد کردی گئی جس سے مہنگائی کی نئی لہر آنے کا امکان ہے۔ سگریٹ، گھی، ڈبے کا دودھ، مشروبات، پان اور چھالیہ سمیت متعدد اشیا مہنگی کی گئی ہیں۔گاڑیوں، بینکوں اور حاجیوں کی رجسٹریشن

فیس میں اضافہ کیا گیا، شادی ہالوں، ہوٹلوں میں تقریبات اور ہزار یونٹ سے زاید بجلی کے استعمال پر ود ہولڈنگ ٹیکس عاید کیا جائے گا۔ 2013-14ء کے بجٹ میں ریٹائرڈ ملازمین کی پنشن میں 10 فیصد اضافہ کیا گیا ہے، جبکہ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں بالکل بھی اضافہ نہیں کیا گیا۔ عمارتی بلڈرز اور ڈیولپرز پر ٹیکس عاید کر دیا گیا۔ مشروبات پر فیڈرل ایکسائز ڈیوٹی 6 سے بڑھا کر 9 فیصد کی گئی ہے۔ ڈبے کے دودھ پر سیلز ٹیکس کی چھوٹ ختم کر دی گئی۔ درآمدی کینولا بیج پر چار سو روپے فی میٹرک ٹن ڈیوٹی لگا دی گئی۔ چھوٹے کاروباری قرضوں کے لیے 20 لاکھ روپے 8 فیصد مارک اپ پر دینے، ترقیاتی بجٹ 340 ارب روپے مختص کرنے کی تجویز دی گئی ہے۔ تعلیم مہنگی کر دی گئی ہے۔ تمام تعلیمی اداروں جن میں طالب علم کی سالانہ فیس 2 لاکھ روپے سے زائد ہو گی فیس پر 5 فیصد ایڈجسٹیبل ایڈوانس ٹیکس عائد کر دیا گیا ہے۔

نئی حکومت کی جانب سے پیش کیے جانے والے بجٹ کو پاکستان کی اکثریت نے مسترد کر دیا ہے اور اسے عوام دشمن قرار دیا ہے۔ اپوزیشن سے تعلق رکھنے والی مختلف سیاسی جماعتوں نے وفاقی بجٹ کو مسترد کیا ہے۔ قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف سید خورشید احمد شاہ نے کہا ہے کہ مسلم لیگ (ن) کا پہلا بجٹ ناکام ترین ہے، سبسڈی ختم کرنے سے مہنگائی کی شرح میں 20 فیصد اضافہ ہوگا، سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ نہ کرنا ظلم و زیادتی ہے۔ مہنگائی کی شرح جس

طریقے سے بڑھی ہے اسی تناسب سے سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ ہونا چاہیے تھا۔ کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ بجلی پر سبسڈی ختم کرنے سے غریب طبقہ پسے گا اور سیلز ٹیکس میں ایک فیصد اضافہ کرنے سے مہنگائی کی شرح میں 18 سے 20 فیصد اضافہ ہوگا۔ یہ عوام دوست بجٹ نہیں ہے۔ پاکستان تحریک انصاف نے وفاقی بجٹ کو اعداد و شمار کا گورکھ دھندا قرار دیا ہے۔ تحریک انصاف کی مرکزی سے کرٹری اطلاعات ڈاکٹر شیریں مزاری نے وفاقی بجٹ پر اپنا رد عمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ وفاقی حکومت نے حقائق سے مکمل طور پر چشم پوشی کرتے ہوئے محض سیاسی پوائنٹ اسکورنگ کے لیے اعداد و شمار کا پیچیدہ اور بے ثمر پلندہ بجٹ کی صورت میں عوام کے سامنے رکھا ہے جس سے لوگ بری طرح مایوس ہوئے ہیں۔ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ نہ کرنے اور جنرل سیلز ٹیکس کی شرح کو 16 سے 17 فی صد تک بڑھانے کی حکومتی تجویز کو سخت تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ سرکاری ملازمین کو بالکل نظر انداز کرکے حکومت نے ان کے زخموں کو جہاں تازہ کیا ہے وہاں جنرل سیلز ٹیکس کی شرح میں اضافہ سے اشیاء ضروریہ کی قیمتوں میں ہوشربا اضافہ غریب عوام کی کمر توڑ کر رکھ دے گا۔ مخدوم جاوید ہاشمی نے کہا کہ اس بجٹ سے غریبوں کا کوئی تعلق نہیں ہے، مہنگائی بڑھے گی اور حالات کنٹرول سے باہر ہوں گے۔ آئی ایم ایف کا ایجنڈا ہر گز قبول نہیں کریں گے۔ ایم کیو ایم کے پارلیمانی لیڈر ڈاکٹر فاروق ستار نے وفاقی بجٹ کو مسترد کرتے ہوئے اسے روایتی سرمایہ داروں اور جاگیرداروں

کا بجٹ قرار دیا ہے۔انہوں نے کہاکہ بجٹ میں اسٹیٹس کو کو برقرار رکھا گیا ہے۔ جی ایس ٹی کی شرح سے مہنگائی کا سیلاب آئے گا۔ ٹیکسوں کا بوجھ عوام پر اور مراعات یافتہ اشرافیہ کو نوازا گیا۔امیر جماعت اسلامی پاکستان سید منور حسن نے قومی بجٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ غریب عوام کو اس بجٹ میں کوئی ریلیف نہیں دیا گیا بلکہ نئے ٹیکس لگا کر مہنگائی بڑھانے کا سامان کیا گیا ہے۔ جنرل سیلز ٹیکس میں اضافے سے مہنگائی میں 5 فیصد اضافہ یقینی ہو گیا ہے۔ پاکستان مسلم لیگ (ق) کے صدر سینیٹر چودھری شجاعت حسین نے کہا ہے کہ بجٹ میں حکومت نے عوام سے جو وعدے کیے ہیں وہ پورے کیے جائیں تو اچھی بات ہو گی۔

مولانا فضل الرحمٰن نے بجٹ کو عوامی توقعات کے برعکس قرار دیا ہے۔ لیاقت بلوچ نے کہا ہے کہ جی ایس ٹی کی شرح میں اضافہ ، تھوک پر چون پر ٹیکس میں اضافہ ، گھی ، آئل چینی پر فیڈرل ایکسائز ڈیوٹی عائد کرنے سے مہنگائی کا سیلاب آئے گا۔ قاری زوار بہادر ، نے وفاقی بجٹ میں فی حاجی پانچ ہزار روپے ٹیکس کے اعلان کو لوگوں کو دینی فریضہ روکنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ سنی تحریک کے محمد ثروت اعجاز قادری نے کہا ہے کہ آئندہ مالی سال کا پیش کردہ بجٹ عوام کے لیے نہیں بلکہ آئی ایم ایف اور بیرونی آقاؤں کی ایما پر بنایا گیا ہے۔ پاکستان عوامی تحریک کے سیکرٹری جنرل خرم نواز گنڈاپور نے کہا ہے

کہ بجٹ خوبصورت الفاظ اور اعداد و شمار سے مزین ضرور ہے مگر اسے عوامی بجٹ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ پیپلز پارٹی جنوبی پنجاب کے سیکرٹری اطلاعات شوکت بسرا نے کہا ہے کہ مسلم لیگ (ن) کا پہلا ہی بجٹ عوام دشمن ہے۔ امراء کو گاڑیوں کی ڈیوٹی میں چھوٹ دے کر رعائتیں دی گئی ہیں۔ غریب آدمی سے منہ کا نوالہ بھی چھین لیا گیا ہے۔، شیخ رشید کا کہنا تھا کہ بجٹ میں غریب آدمی کے لئے کچھ نہیں۔

کاروباری برادری نے بھی وزیر خزانہ کی طرف سے جنرل سیلز ٹیکس کی شرح میں اضافے اور ان ڈائریکٹ ٹیکسز کی وصولی پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے۔کاروباری تنظیموں کے عہدیداروں کا کہنا تھا کہ اس میں کوئی شک نہیں حکومت نے مشکل حالات میں بجٹ پیش کیا ہے۔ کراچی چیمبرز آف کامرس کے سابق صدر مجید عزیز نے اعتراض اٹھایا کہ وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے جی ایس ٹی یعنی جنرل سیلز ٹیکس کی شرح 16 فیصد سے بڑھا کر 17 فیصد کرنے کی جو تجویز پیش کی ہے وہ بلاجواز ہے۔ جنرل سیلز ٹیکس کی شرح میں اضافے پر نظرثانی کرنا ہوگی کیونکہ ملک میں پہلے ہی مہنگائی ہے اور پیداواری لاگت میں اضافہ سے ہونے سے مزید مہنگائی ہوگی۔ ٹیکسز میں تخفیف کی کر کے عوام کو سہولت دینی چاہیے تھی جبکہ زراعت کے شعبے میں بھی خاطر خواہ ریلف نہیں دیا گیا۔ایف پی سی سی آئی کے صدر زبیر ملک نے کہا کہ سیلز ٹیکس کی شرح میں اضافے کی بجائے کمی

کرنی چاہیے تھی جبکہ ودہولڈنگ ٹیکس سے گریز کرنا چاہیے۔ وفاقی بجٹ میں سیلز ٹیکس کی شرح میں اضافہ مہنگائی کا طوفان برپا کرسکتا ہے۔

معروف معیشت دان ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی نے کہا کہ سیلز ٹیکس کی شرح 16 فیصد سے بڑھا کر 17 فیصد کرنا غریب عوام کو نچوڑنے کے مترادف ہے۔ اس سے مہنگائی بڑھے گی، صنعتوں کی پیداواری لاگت میں اضافہ ہوگا۔ ماہر اقتصادیات ڈاکٹر حفیظ پاشا نے کہا کہ سیلز ٹیکس کی شرح بڑھانے سے عام آدمی پر شدید معاشی دباؤ بڑھے گا۔ ماہر اقتصادیات پروفیسر میاں محمد اکرم نے کہا کہ سیلز ٹیکس کی شرح میں ایک فیصد اضافے سے ملک میں مہنگائی کی شرح بڑھے گی، غریب آدمی بری طرح متاثر ہوگا۔ بجٹ میں ٹیکس کی تجویز پر شدید تنقید کے بعد پاکستان کی سپریم کورٹ نے کہا ہے کہ بجٹ باقاعدہ منظور نہیں ہوجاتا اس وقت تک سیلز ٹیکس میں کیا گیا اضافہ واپس لیا جائے۔

دوسری جانب نئے بجٹ میں سرکاری ملازمین کی تنخواہیں نہ بڑھانے پر سرکاری ملازمین نے ملک بھر احتجاج شروع کردیا ہے۔ ملازمین نے پارلیمنٹ کے گھیراؤ کی دھمکی دی ہے۔ آل پاکستان کلرکس ایسوسی ایشن نے احتجاجی ریلی نکالی اور حکومت کے خلاف نعرے بازی کی۔ انہوں نے کہا کہ تنخواہوں میں اضافے تک احتجاج کا سلسلہ جاری رکھا جائے گا اور آخری مرحلے میں پارلیمنٹ کا گھیراؤ کیا

جائے گا، جبکہ آل پاکستان کلرکس ایسوسی ایشن خیبر پختونخوا نے تنخواہوں میں اضافہ نہ کرنے کے خلاف صوبہ بھر میں سرکاری دفاتر کی تالا بندی کا اعلان کیا ہے۔ملازمین کا کہنا ہے کہ بجٹ میں عوام پر مہنگائی کا بم گرا دیا گیا ہے لیکن تنخواہوں میں اضافے کا کوئی اعلان نہیں کیا گیا جو تنخوادار طبقے کا معاشی قتل ہے۔ تنخواہوں میں فی الفور اضافہ کیا جائے ورنہ اسلام آباد کا گھیراؤ کیا جائے گا۔

پاکستان: امریکی جاسوسی میں مسلسل اضافہ

گزشتہ دنوں برطانوی اخبار "دی گارڈین" نے ایک رپورٹ شائع کی تھی کہ امریکا نے پاکستان سے مارچ 2013ء کے دوران ساڑھے 13 ارب خفیہ معلومات چرائی ہیں۔ یہ معلومات ٹیلی فون اور کمپیوٹر نیٹ ورک سے لی گئیں۔ اخبار کے مطابق امریکی ادارے نے پاکستان کے علاوہ ایران سے 14 ارب معلومات لیں۔ اردن سے 12 ارب سے زائد، مصر سے 7 ارب سے زائد جبکہ بھارت سے 6 ارب 3 کروڑ خفیہ معلومات اکٹھی کیں۔ جاسوسی کے اس پروگرام کا راز ڈیفنس کنٹریکٹر بوز ایلن ہیملٹن کے ساتھ کام کرنے والے انتیس سالہ ایڈورڈ سنوڈن نے ظاہر کیا جو امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے کے سابق ٹیکنکل اسسٹنٹ ہے۔ اخبار نے ایڈورڈ کا نام اسی کی درخواست پر ظاہر کیا۔ ایڈورڈ سنوڈن کا کہنا تھا کہ "میں ایسے معاشرے میں نہیں رہنا چاہتا جہاں اس قسم کا کام کیا جائے۔۔۔ میں ایسی دنیا میں نہیں رہنا چاہتا جہاں ہر وہ چیز جو میں کروں یا کہوں اس کو ریکارڈ کیا جائے۔" اس نے کہا کہ میں نے امریکی جاسوسی کا راز دنیا کی آزادی کے لیے افشا کیا، کیونکہ امریکا کا یہ اقدام سراسر غیر قانونی ہے۔ بعدازاں امریکا کی نیشنل سیکورٹی ایجنسی کے ڈائریکٹر جیمز کلیپر نے تسلیم کیا کہ حکومت انٹرنیٹ کمپنیوں سے صارفین کی بات چیت کا ریکارڈ حاصل کرتی ہے۔ اس نے

کہا تھا کہ معلومات حاصل کرنے کی پالیسی کا ہدف صرف "غیر امریکی افراد" ہیں۔ صدر اوباما نے بھی اس غیر قانونی پروگرام کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ ان کی انتظامیہ نے سیکورٹی اور پرائیویسی کے درمیان "صحیح توازن برقرار رکھا ہے اور این ایس اے کے پروگرام کی منظوری کانگریس نے دی ہے، کانگریس کی انٹیلیجنس کمیٹیاں اور خفیہ "جاسوسی کی عدالتیں اس پروگرام کی مسلسل نگرانی کرتی ہیں۔

خیال رہے کہ امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ نے کچھ عرصہ قبل خبر دی تھی کہ امریکی خفیہ ایجنسیاں سراغ رسانی کی غرض سے انٹرنیٹ کی نو بڑی کمپنیوں کے سرورز سے صارفین کے بارے میں براہ راست معلومات حاصل کر رہی ہیں۔ ان کمپنیوں میں فیس بک، یو ٹیوب، سکائپ، ایپل، پال ٹاک، گوگل، مائکروسافٹ اور یاہو بھی شامل ہیں۔ امریکی خفیہ ایجنسی کے اس پروگرام کے ذریعے لوگوں کی ذاتی ویڈیوز، تصاویر اور ای میلز تک نکال لی جاتی ہیں تاکہ مخصوص لوگوں پر نظر رکھی جاسکے۔ فیس بک انتظامیہ کا کہنا تھا کہ امریکی حکومت کے مختلف شعبوں سے ان کے صارفین کے ڈیٹا کے بارے میں 2012 کے آخری نصف میں 9 سے 10 ہزار درخواستیں موصول ہوئی تھیں۔ یہ درخواستیں 18 سے 19 ہزار صارفین کے اکاونٹس کے متعلق تھیں۔ فیس بک انتظامیہ کے رکن ٹیڈ اولیوٹ نے یہ نہیں بتایا کہ ان کی کمپنی نے کس حد تک ان درخواستوں پر عمل کیا۔ ایک سابق امریکی سرکاری اہلکار کے مطابق رواں ماہ کے آغاز میں امریکا میں حکومت کی

نگرانی میں الیکٹرانک جاسوسی کا عمل پہلے سے کہیں زیادہ وسیع پیمانے پر جاری ہے۔
امریکی سینیٹ کی ایک شنوائی کے دوران نیشنل سیکورٹی ایجنسی (این ایس اے) کے ڈائریکٹر کیتھ الگزینڈر نے انٹرنیٹ، ٹیلی فون اور ڈیٹا کی نگرانی کرنے والے اس پروگرام کا دفاع کیا۔ امریکی وزیر خارجہ جان کیری نے بھی کہا کہ اس کے ذریعہ پرائیویسی اور سیکورٹی کے نازک لیکن اہم توازن کی نشاندہی ہوئی ہے۔ اس نے کہا کہ انٹیلی جنس حکام اس بارے میں شفافیت لانے کی کوشش میں تھے لیکن بعض چیزیں صیغہ راز ہی میں رہیں گی کیوں کہ اگر ہم ٹریک کرنے کے اپنے طریقوں کو بتا دیں گے تو دہشت گرد اسے جان لیں گے اور امریکا ختم ہو جائے گا۔ وہ ملک کی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے کی بجائے لوگوں کی تنقید کو برداشت کر لیں گے جو یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم کچھ چھپا رہے ہیں۔

انٹرنیٹ کی ہیکنگ کا تو سب کو معلوم ہے اور سرکاری سطح پر بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو دیگر ممالک میں ریاستی سطح پر ہیکنگ کرتے اور کرواتے ہیں۔ گزشتہ دنوں کراچی کے ہیکنگ کا ماہر) نوجوان کا کہنا تھا کہ وہ کسی بھی) (hacktavist) ایک ہیکٹاوسٹ ہوٹل کے وائی فائی کا کنٹرول حاصل کر کے اس سے منسلک تمام کمپیوٹروں اور سمارٹ فونوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اس ہیکٹاوسٹ نے بتایا کہ نائن الیون کے بعد پاکستان میں اس نگرانی اور جاسوسی کے نظام کا استعمال کافی بڑھا ہے۔ 'امریکا اور برطانیہ نے انٹرنیٹ پر نظر رکھنا شروع کی

تاکہ اپنے مخالفین کے رابطوں پر نظر رکھ سکیں۔ اسے سنجیدگی سے لیا جانے لگا۔ 'اس سوال کے جواب میں کہ کیا پاکستان میں یہ نگرانی ہو رہی ہے، تو اس کا کہنا تھا: 'مجھے حیرت ہوگی اگر ایسا نہیں ہو رہا ہوگا۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ نہیں ہو رہی ہے۔ اس کے ثبوت موجود ہیں۔ ہم نے خود اسے کئی مرتبہ دیکھا ہے۔ سابق پارلیمان کی رکن اور عوامی نیشنل پارٹی کی رہنما بشریٰ گوہر نے پارلیمان میں اپنی ٹیلیفون ٹیپنگ کا الزام عائد کیا تھا۔ انہوں نے گزشتہ برس حکومت پاکستان کی جانب سے انٹرنیٹ پر فلٹرنگ کا نظام لگانے کے فیصلے کی بھی شدید مخالفت کی تھی۔ اس نظام کے نصب کیے جانے کے بارے میں آج تک حکومت نے باضابطہ طور پر اس کو روکنے کا کوئی اعلان تو نہیں کیا لیکن اس وقت اسے موخر کر دیا گیا تھا۔ اسے مکمل روکنے کی بات نہیں کی گئی۔ ان کا کہنا تھا کہ جاسوسی انٹرنیٹ کی آزادی کے خلاف اقدام ہے۔ اسلام آباد کے ایک انٹرنیٹ کیفے میں کسی نجی کمپنی کا ڈیٹا اپ لوڈ کرنے والے پارٹ ٹائم ملازم کا کہنا تھا کہ یہ تو کافی تشویش کی بات ہے کہ لوگوں کا ڈیٹا بغیر کسی وجہ کے دوسرے لوگ دیکھ سکیں گے۔ آپ کو اس کا علم ہی نہ ہو تو یہ تو ٹھیک نہیں۔ یہ کسی کو حق نہیں پہنچتا۔ حکومت کو چاہیے کہ اس کے بارے میں کارروائی کرے۔ کہیں سی آئی اے کے سابق ملازم ایڈورڈ سنوڈن اس نگرانی کا بھانڈا پھوڑ رہے ہیں تو کہیں خود صدر براک اوباما ای میل اور ٹیلی فون نگرانی کا دفاع کر رہے ہیں۔ ایسے نگرانی کے نظام کی موجودگی کی اطلاعات تو

ہیں، سرکاری تصدیق ابھی تک نہیں ہے۔ کیا پاکستانی حکومت اس بابت کچھ وضاحت کرے گی؟۔

دنیا بھر میں امریکا کی جانب سے انٹرنیٹ کے ذریعے جاسوسی کا چرچا تو ہے ہی اس کے ساتھ امریکا کا جاسوسی نظام پی ٹی سی ایل میں نصب ہونے کا انکشاف بھی ہوا ہے اس بابت میں گزشتہ دنوں کینیڈا کی ٹورنٹو یونیورسٹی کے ایک تحقیقی گروپ نے پاکستان میں بھی انٹرنیٹ کے ذریعے نگرانی کے اس نظام کی موجودگی کا انکشاف کیا ہے۔ 'مشتری ہوشیار باش' طرز کی یہ وارننگ یونیورسٹی آف ٹورنٹو کے 'دی سٹیزن لیب' نامی تحقیقی گروپ نے اپنی ایک رپورٹ 'فار دیئر آئیز اونلی ڈیجیٹل سپائینگ کی کمرشلائزیشن' میں جاری کی ہے۔ اس رپورٹ میں پاکستان میں بھی فن فشر نامی نظام کا کمانڈ اینڈ کنٹرول سرور پایا۔ یہ سافٹ ویئر ایک برطانوی کمپنی گیما گروپ تیار کرتی ہے جو کسی ریموٹ کنٹرول کے ذریعے کمپیوٹر کا کنٹرول حاصل کرکے دستاویزات کاپی کر سکتا ہے، سکائپ کالز سن سکتا ہے اور ہر ٹائپ کیے ہوئے لفظ کا لاگ حاصل کر سکتا ہے۔ دی سٹیزن لیب کا الزام ہے کہ یہ نظام پاکستان میں چلنے والی سرکاری کمپنی پی ٹی سی ایل جو کہ اس وقت متحدہ عرب امارات کی اتصالات کمپنی کے زیر کنٹرول ہے میں پایا گیا ہے تاہم پی ٹی سی ایل کے متعلقہ حکام نے رابطے کے باوجود اس بارے میں کوئی جواب نہیں دیا۔

انٹرنیٹ پر رازداری کے لیے سرگرم تنظیم 'بولو بھی' کی ڈائریکٹر ثنا سلیم کا کہنا تھا کہ اس تحقیق میں ثبوت کے ساتھ بات کی گئی ہے اور جب وہ رپورٹ جاری کرتے ہیں تو یہ بھی ساتھ بتاتے ہیں کہ یہ تحقیق کس طرح سے کی گئی۔ 'یہ ادارہ 2008 سے کام کر رہا ہے اور یہ کوئی سرکاری یا کارپوریٹ فنڈنگ نہیں لیتا۔ لہٰذا اسے ایک آزاد ادارہ تصور کیا جاتا ہے۔ یہ نظام کوئی کمپنی نہیں حاصل کر سکتی، اسے حکومت ہی لے سکتی ہے۔ ہم نے حکومت سے اور پی ٹی سی ایل سے دریافت کیا ہے کہ ملک میں ایسا کوئی قانون نہیں جو صحافیوں، سیاستدانوں یا کسی شخص کو اس سے بچا سکے تو ایسے میں اس کا استعمال کیوں کر ہو رہا ہے۔ اگر حکومت نے یہ نظام نہیں حاصل کیا تو پھر وہ معلوم کرے کہ اسے کون استعمال کر رہا ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ ان حالات میں سوال اٹھتا ہے کہ یہ کس قسم کی حکومت ہے؟ پاکستان میں انٹرنیٹ اور ٹیلیفون صارفین پر ان کے علم میں لائے بغیر نظر رکھی جا رہی ہے۔ حکومت کی جانب سے نہ کوئی اقدام نہیں ہے۔ اس سے ایک ہی نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے کہ دال میں کالا نہیں پوری دال ہی کالی ہے۔ معلوم نہیں کب سے پاکستان کے اندر سے انٹرنیٹ اور ٹیلیفون کی نگرانی ہو رہی ہے اور کسی کو توفیق نہیں ہوئی امریکا کی اس دہشتگردی کو روک سکے۔

ایسے میں بھاڑ میں گئے وہ انسانی حقوقِ انسانی جس قانون کی ایک شق میں درج ہے کہ ایسی کسی غیر قانونی جاسوسی کرنے والے کو جرمانے کے علاوہ تین سال قید بھی دی جا سکتی ہے۔

بانی پاکستان کی رہائش گاہ " زیارت ریذیڈنسی" پر حملہ

ہفتے کے روز پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے علاقے زیارت میں "زیارت ریذیڈنسی" کے نام سے قائم بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کی رہائش گاہ پر نامعلوم افراد نے راکٹوں سے حملہ کیا۔ جس سے زیارت ریذیڈنسی میں آگ بھڑک اٹھی جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ عمارت تباہ ہوئی بلکہ بانی پاکستان کے زیر استعمال جن اشیاء کو قومی ورثے کے طور پر یہاں محفوظ کیا گیا تھا وہ بھی جل کر خاکستر ہو گئیں۔ تاہم ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر کے مطابق ریزیڈنسی کی مرکزی عمارت کے قریب واقع لائبریری اور عجائب گھر محفوظ رہے جس میں قائد اعظم کے ذاتی استعمال کی اشیا رکھی گئی تھیں۔ بلوچستان کے پر فضا مقام زیارت میں محمد علی جناح کی رہائش گاہ" زیارت ریذیڈنسی" کو دھماکوں سے اڑانے کی خبر نے ہر پاکستانی کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی۔ بلوچستان حکومت نے قائد اعظم محمد علی جناح کی زیارت میں تباہ ہونے والی رہائش گاہ کو دوبارہ اصلی حالت میں تعمیر کرانے کا اعلان کیا ہے جبکہ وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار نے زیارت ریذیڈنسی پر حملے کی اعلیٰ سطح کی تحقیقات کا حکم دیا اور کہا کہ صوبائی حکومتوں کی مشاورت سے قومی یادگاروں کی سیکورٹی بڑھائی جائے۔ اس حملے کے بعد مزار قائد کی سیکورٹی بڑھادی گئی۔ پوری پاکستانی قوم نے اس واقعہ کی سخت الفاظ میں مذمت کی۔ چیف سیکرٹری

بلوچستان بابر یعقوب فتح محمد کا کہنا تھا کہ یہ واقعہ بڑا افسوس ناک ہے۔
وزیر اعلیٰ بلوچستان ڈاکٹر عبد المالک بلوچ نے اعلان کیا کہ ریذیڈنسی کو اسی صورت میں بحال کریں گے جیسے یہ پہلے تھی، اس مقصد کے لیے اگر باہر سے ماہرین بلانا پڑے تو وہ بھی بلائے جائیں گے۔ گورنر بلوچستان محمد خان اچکزئی نے زیارت ریذیڈنسی کے واقعہ کا نوٹس لیتے ہوئے متعلقہ اداروں کو ہدایت کی کہ وہ تحقیقات کرکے جلد رپورٹ پیش کریں۔ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں اس واقعہ کے خلاف قراردادیں متفقہ طور پر منظور کی گئیں۔ قائد ایوان راجہ ظفر الحق نے قرارداد پیش کرتے ہوئے کہا کہ سینیٹ اتفاق رائے سے زیارت میں قائداعظم ریذیڈنسی پر حملے کی شدید مذمت کرتی ہے، یہ ایک قومی یادگار ہے جس میں قائداعظم نے آخری دن گزارے تھے، صوبائی حکومت اس سنگین جرم میں ملوث افراد کو کیفر کردار تک پہنچائے۔ وزیر اعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ نے بھی زیارت میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی رہائشگاہ پر کیے جانے والے حملے کو قومی سانحہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ زیارت ریزیڈنسی پر حملے اور قومی پرچم کی بے حرمتی کرنے سے 18 کروڑ عوام کے جذبات مجروح ہوئے ہیں اور اس قسم کی بزدلانہ کارروائی کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے۔ فوری طور پر اس واقعے کی تحقیقات کراکے قومی مجرموں کو سامنے لایا جائے اور ان کو سخت سے سخت سزا دی جائے۔ مسلم لیگ (ن) کے سیکرٹری اطلاعات

سینیٹر مشاہداللہ خان نے کہا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کی زیارت میں واقع رہائش گاہ پر حملہ انتہائی افسوسناک اور شرمناک ہے، جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ وفاق المدارس العربیہ کے ذمے داران شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر اور مولانا محمد حنیف جالندھری نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں زیارت حملے کی مذمت کی اور کہا کہ یہ حملے افسوسناک اور شرمناک ہیں۔واقعہ کی غیر جانبدارانہ اور منصفانہ تحقیقات کروا کر ذمہ داروں کو نشانہ عبرت بنا دیا جائے۔ وفاق المدارس کے ذمے داروں نے ان واقعات کی آڑ میں مذہب پسندوں کو ہدفِ تنقید بنانے پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ بلا تحقیق اس قسم کے واقعات کا ملبہ مذہب پسندوں پر ڈالنے سے گریز کیا جائے۔ جماعت اسلامی کے امیر سید منور حسن نے زیارت کے واقعہ کو انسانیت سوز قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس واقعہ میں بیرونی ہاتھ خصوصی طور پر بھارتی "را" کے ہاتھ کو ملوث ہونے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مسلم لیگ (ن) بلوچستان کے صدر ثناءاللہ زہری نے کہا ہے کہ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ دہشت گردی میں بیرونی ہاتھ ملوث ہے۔ ہماری روایات پر حملہ کیا گیا، اب انہیں نہیں چھوڑنا چاہیے۔ان کے علاوہ بھی کئی تجزیہ کاروں کا کہنا تھا کہ زیارت حملے میں بیرونی ہاتھ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ صدر آصف زرداری، وزیراعظم نواز شریف، وزیراعلیٰ بلوچستان ڈاکٹر عبدالمالک اور دوسرے متعدد قومی اور سیاسی رہنماو ں نے اس حملے کی شدید مذمت کی۔ن

یاد رہے کہ زیارت کی وادی بلوچستان کے سیاحتی مقامات میں سے ایک صحت بخش اور پ±رفضا مقام ہے۔ ہر سال گرمیوں کا آغاز ہوتے ہی ملک بھر سے سیاحوں کی بہت بڑی تعداد یہاں کا رُخ کرتی ہے۔ بلوچستان کے مرکزی شہر کوئٹہ سے تقریباً دو گھنٹے کی مسافت پر 156 کلو میٹر دور زیارت کا صحت افزائی، خوبصورت اور انتہائی سرد مقام واقع ہے، جہاں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے۔ زیارت کی پ±رفضا، خوبصورت اور پہاڑی پر واقع یہ وادی قائداعظم محمد علی جناح کو بہت پسند تھی۔ وہ اکثر اس وادی میں آتے تھے۔یکم جولائی 1948 کو جب قائداعظم محمد علی جناح کراچی میں اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے افتتاح کے بعد صحت مند نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس کے بعد وہ کوئٹہ چلے گئے اور چند روز قیام کے بعد زیارت روانہ ہوگئے، پھر 10 ستمبر تک اپنی حیات کے آخری شب و روز یہیں گزارے۔ دس ستمبر 1948 کو وہ زیارت سے کوئٹہ روانہ ہوئے اور گیارہ ستمبر کو کوئٹہ سے کراچی روانہ ہوئے، جہاں پہنچتے ہی وہ راہی ملک عدم ہوئے۔ زیارت کی وادی بلوچستان کا انتہائی سرد مقام ہے۔ موسم سرما، یعنی اکتوبر تا مارچ تک لوگ یہاں نہیں رہتے۔ سرکاری ریسٹ ہاوسز اور بنگلوں میں صرف ملازمین اور چوکیدار نظر آتے ہیں۔ یہ علاقہ اپنے قدرتی حسن کی بناء پر انیسویں صدی کے وسط میں انگریز پولیٹیکل ایجنٹ کی نظر میں آگیا اور اسے گرمائی مقام تجویز کیا گیا۔ 1882 میں یہاں ریذیڈنسی بنا دی

گئی۔ 1887ء میں اسے برطانوی حکومت نے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ دوسرے عہدیداروں کے مکانات اور دفاتر بنا دیے گئے۔ زیارت کا قدیم نام کوشکی تھا۔ اٹھارہویں صدی میں یہاں ایک بزرگ بابا خرواری رہے تھے۔ جب وہ فوت ہوئے تو ان کو جنوب میں 9 کلومیٹر دور دفن کرکے مزار تعمیر کیا گیا۔ لوگ اس کی زیارت کو آنے لگے، جس کی وجہ سے اس کا نام زیارت پڑ گیا۔ 1886 میں اسے باقاعدہ زیارت کا نام دے دیا گیا۔ 1903 میں ضلع سبی کا گرمائی صدر مقام قرار دیا گیا۔ 1974 میں اسے تحصیل کا درجہ دیا گیا اور 1986 میں ضلع کا درجہ دے دیا گیا۔
زیارت شہر میں پہنچ کر چھوٹے سے بازار سے چند منٹ کی مسافت پر جنوب کی جانب بلندی پر ریذیڈنسی کی باونڈری وال شروع ہو جاتی ہے۔ سڑک کے دائیں طرف ریذیڈنسی، جبکہ بائیں طرف گیسٹ ہاوسز اور گھر ہیں۔ آگے لوہے کا گیٹ ہے جو مستقلاً بند ہے۔ یہاں سے ریذیڈنسی کی مکمل عمارت نظر آتی ہے۔ یہاں سے گرل کے ساتھ ساتھ آگے بڑھیں تو دوسرا مرکزی گیٹ آ جاتا ہے۔ یہاں خواص گاڑیوں سمیت اندر جاتے ہیں، جبکہ عام لوگ پیدل جاتے ہیں۔ گیٹ کے بائیں طرف پلر پر ریذیڈنسی دیکھنے کے اوقات یوں تحریر ہیں.... صبح 9 تا شام 5 بجے.... وقفہ ایک تا دو بجے....
ریذیڈنسی کے دروازے پر اس کی تاریخ مرقوم ہے۔ دائیں بائیں خوبصورت تراشی گئی سبز گھاس کے لان میں سامنے ریذیڈنسی کی خوبصورت

عمارت ہے۔ صنوبر کی لکڑی سے تعمیر شدہ یہ عمارت انتہائی دلکش لگتی ہے۔ اندر داخل ہوں تو آگے پیچھے اوپر نیچے چار چار کمرے ہیں۔ دائیں طرف پہلے کمرے میں جہاں دو میزیں سائیڈ پر ایک درمیان میں ہے، جس کے ساتھ چار کرسیاں ہیں۔ یہاں قائداعظم کھانا کھاتے تھے۔ اس کمرے میں لکڑی کا ایک سٹینڈ ہے، جس میں پیتل کا تھال لٹکا ہوا ہے جو گھنٹی کا کام دیتا تھا، چونکہ اس زمانے میں زیارت میں بجلی نہیں تھی، لہٰذا تھال بجا کر گھنٹی کا کام لیا جاتا تھا اور ویٹر کو بلایا جاتا تھا۔ اس کمرے میں اب تحریک پاکستان کے عہد کی تصاویر، ان کا لباس شیروانی، کوٹ وغیرہ کی بھی تصاویر ہیں۔ اس کمرے کے بالکل سامنے بائیں طرف کے پہلے کمرے میں بانی پاکستان مہمانوں سے ملاقاتیں کرتے تھے۔ اس کے بالمقابل بائیں جانب والے کمرے میں قائداعظم محمد علی جناح کا دفتر تھا۔ اس طرح ان چاروں کمروں کے درمیان راہداری میں چوبی زینہ ہے، جس کے قدمچے پتھر کے ہیں۔ اوپر کی منزل میں بھی نیچے کی طرح دائیں بائیں دو دو کمرے ہیں۔ بالائی منزل پر بائیں ہاتھ کا پہلا کمرہ بانی پاکستان کا بیڈ روم تھا، جبکہ دائیں ہاتھ کا پہلا کمرہ جو بانی پاکستان کے بیڈ روم کے بالمقابل ہے، ان کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کا بیڈ روم تھا۔ اس کمرے کا دروازہ کھلا ہو تو بانی پاکستان کا بیڈ روم واضح نظر آتا ہے۔ بانی پاکستان کے بیڈ روم میں ایک ڈریسنگ ٹیبل ہے، جبکہ دوسری طرف کرسی میز ہے، جہاں وہ علالت کے دوران حکومتی فرائض سرانجام دیتے تھے۔ اس بیڈ روم سے ملحق باتھ روم بھی ہے۔ اس

کمرے میں لکڑی کی وہ ٹوکری بھی ہے جو قائداعظم کے زیر استعمال رہتی تھی۔ محترمہ فاطمہ جناح کے کمرے سے ملحق پیچھے والا کمرہ مہمانوں کے لیے مخصوص تھا۔ بالائی منزل پر بھی ان کمروں سے آگے برآمدہ ہے اور کوریڈور ہے، جہاں سے ریذیڈنسی کا احاطہ صحن) واضح نظر آتا ہے۔ ریذیڈنسی کے احاطے میں اخروٹ اور چنار کے درخت ہیں،) جو ریذیڈنسی کے قیام کے وقت لگائے گئے تھے۔ یہ بڑا دیدہ زیب اور دلکش منظر پیش کرتے ہیں۔ تمام کمروں کا فرنیچر قائداعظم کے دور کا ہے۔ صرف پردے بدل دیے گئے ہیں۔ روشنی کے لیے قائداعظم کے دور میں جنریٹر استعمال کیا جاتا تھا۔ پوری عمارت کے اکتیس دروازے اور اڑتالیس کھڑکیاں ہیں۔ عمارت کے پیچھے کچھ کوارٹرز ہیں، جو ملازمین کے لیے ہیں۔

ریذیڈنسی زیارت سطح سمندر سے آٹھ ہزار فٹ بلند ہے۔1891-92ء میں اس کی تعمیر اور (A.G.G) پر 39012 روپے کی رقم خرچ ہوئی تھی۔ گورنر جنرل کے نمائندے چیف کمشنر موسم گرما کی چھٹیاں گزارتے تھے۔ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے آخری ایام گزارنے کے باعث اس وقت کے حکمران جنرل محمد ضیاء الحق نے 1985ء میں اسے قومی یادگار قرار دیتے ہوئے محفوظ آثار قدیمہ کی فہرست میں شامل کر لیا اور اس کا نام قائداعظم ریذیڈنسی قرار دیا گیا۔ 7 جنوری 1989ء کو سینٹ آف پاکستان نے اس کی منظوری دی۔ اس عمارت کے صدر دروازے سے سیڑھیوں پر آئیں تو دور دور تک صنوبر کے درختوں کا خوبصورت منظر انتہائی دلکش نظارہ

پیش کرتا ہے، پھر صحن میں سرسبز سبزے اور پھولوں نے اس کے حسن کو مزید دوبالا کر دیا ہے۔ قائد کو پھیپھڑوں کی تکلیف تھی اور اس مرض کے لیے یہ پہاڑی مقام اور فضا بہترین جگہ تھی، جو قائد کو بہت پسند بھی تھی۔ یہاں ان کی حالت بہتر ہونے لگی تھی کہ اچانک حالت بگڑ جانے پر دس ستمبر کو کوئٹہ لایا گیا، جہاں سے گیارہ ستمبر کو کراچی کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ یوں وادی زیارت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ اعزاز حاصل ہوگیا کہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے زندگی کے آخری ایام زیارت میں گزارے اور یہ عمارت اب قائداعظم ریذیڈنسی کے نام سے یاد رکھی جائے گی۔

پاکستان: توانائی بحران حل کرنے کی بھارتی پیشکش

پاکستان ایک عرصے سے توانائی کے بحران کا شکار ہے، جس میں مسلسل اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ توانائی کے اس بحران کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ملک کا ہر شہری لوڈشیڈنگ سے تنگ ہے۔ آدھا آدھا دن بجلی غائب رہتی ہے۔ گاڑیوں کے لیے گیس کی قلت تو ہے ہی گھروں میں بھی گیس کا پریشر نہ ہونے کے برابر ہے۔ توانائی کے بحران کے سبب ملک کی صنعتوں کا ایک بڑا حصہ خسارے کا شکار ہے۔ کچھ لوگ مشکل سے صنعتوں کو چلا رہے ہیں اور کچھ اپنی صنعتوں کو بند کر بیٹھے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب تک آنے والی حکومتوں نے توانائی کے بحران کے خاتمے کے حوالے سے کچھ بھی نہیں کیا۔ پاکستان میں نئی حکومت کے آنے کے بعد سے توانائی بحران کو ختم کرنے کے حوالے سے کچھ ہلچل نظر آ رہی ہے۔ گزشتہ دنوں وزیراعظم نواز شریف کی صدارت میں ہونے والے ایک اجلاس کے دوران توانائی بحران کو حل کرنے کے لیے کابینہ کمیٹی برائے توانائی کے نام سے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے۔ اسی حوالے سے چند روز قبل بھارتی وفد نے ڈپٹی ہائی کمشنر گوپال باگلے کی سربراہی میں وزیراعلیٰ پنجاب سے ملاقات بھی کی جس کے دوران دونوں ملکوں کے درمیان بجلی اور گیس کے شعبے میں تعاون بڑھانے پر اتفاق کیا ہے۔ بھارتی وفد سے گفتگو کرتے ہوئے شہباز شریف کا کہنا تھا کہ بلاشبہ پاکستان کی معیشت، صنعت، زراعت

اور دیگر شعبے توانائی بحران کے باعث شدید متاثر ہوئے ہیں۔ پاکستان اور بھارت ہمسایہ ممالک ہیں اور دونوں ملکوں کو پرامن بقائے باہمی کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن ہونا ہے۔

اسی طرح دو روز قبل پاکستانی ہائی کمشنر سلمان بشیر نے ملاقات کے دوران بھارتی وزیر کو آگاہ کیا کہ پاکستان میں نواز شریف کی قیادت میں نئی حکومت بھارت کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانے اور خاص کر تجارت کو فروغ دینے میں دلچسپی رکھتی ہے اور اس ضمن میں جلد ہی پیشرفت ہونے کی امید کی جاسکتی ہے۔ بھارتی وزیر خارجہ سلمان خورشید نے کہا کہ پڑوسی ملک کو بجلی کی بحرانی کیفیت سے نکالنے کے لیے بھرپور مدد کی جائے گی۔ پہلے مرحلے میں 500 میگاواٹ بجلی فراہم کی جائے گی جس کے تحت بجلی کی لائنیں بچھائی جائیں گی۔ پنجاب کے راستے بجلی کی سپلائی کو یقینی بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے تاکہ پاکستان میں بجلی بحران کم کیا جاسکے جبکہ پاکستان نے تجویز پیش کی ہے کہ مشکل وقت میں کم سے کم رقوم کے عوض پاکستان کو بجلی کی فراہمی پر اگر آمادگی ظاہر کی جائے گی تو یقینی طور پر دونوں ممالک میں دوستی مزید قائم ہوسکتی ہے۔ سلمان خورشید نے پاکستان کی تجویز پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ پڑوسی ملک ہونے کے ناطے یقینی طور پر بھارت پاکستان کی تجویز پر ہمدردانہ غور کرے گا اور اس سلسلے میں پاکستان کو بجلی کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے گا۔ قیمتوں کے معاملے پر ابھی تک معاملہ رکا ہوا ہے۔ سلمان خورشید نے

بتایا کہ پاکستان پڑوسی ملک ہے اور اس کی نازک وقت میں مدد کرنا پڑوسی کی حیثیت سے ہمارا فرض بنتا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے تجارتی تعلقات کو نئی جہت دینے کی کوشش کی جارہی ہے اور اس سلسلے میں ایک روڈ میپ تشکیل دیا جارہا ہے۔ بھارت بھی پاکستان سے گیس کی حصولیابی کی تجویز رکھتا ہے اور اس سلسلے میں سفارتی سطح پر پاکستان کو مطلع کیا گیا ہے کہ گیس کے بحران کو کم کرنے کے لیے پاکستان سے گیس برآمد کی جائے۔ پاکستان کو درپیش توانائی کے بحران سے نکالنے کے لیے بھارت نے پاکستان کو تعاون فراہم کرنے کی یقین دہانی کراتے ہوئے کہا کہ روزانہ 4 مکعب فٹ گیس فراہم کرنے کے ایک منصوبے پر رضامندی کے معاملے پر اتفاق رائے نہ ہونے سے منصوبے کو حتمی شکل دینے کے لیے کچھ تاخیر ہے۔

توانائی بحران کے خاتمے کے حوالے سے نئی حکومت کی کوشش اپنی جگہ لیکن اکثر پاکستانی اس بھارتی تعاون کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ مختلف سیاسی مذہبی رہنماؤں، اقتصادی ماہرین اور عوام نے بھارتی وزیر خارجہ سلمان خورشید کی طرف سے پاکستان کی توانائی ضروریات پوری کرنے کے بیان کو مضحکہ خیز اور بھارتیوں کی چال قرار دیتے ہوئے مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستانی حکومت بھارت کی ایسی کسی پیشکش کو قبول نہ کرے۔ امیر جماعت اسلامی پاکستان منور حسن نے بھارتی وزیر خارجہ سلمان خورشید کے "پاکستان کو توانائی بحران سے

نکالنے اور مشکل وقت میں مدد کرنے" کے بیان کو مضحکہ خیز قرار دیتے ہوئے کہا ہے بھارت نے آج تک پاکستان کو تسلیم نہیں کیا اور پاکستان پر تین جنگیں مسلط کر چکا ہے۔ بھارت نے 1971 میں پاکستان کو دولخت کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ پاکستان کو بنجر بنانے کے لیے پاکستانی دریاؤں پر درجنوں ڈیم بنا کر پاکستان کا پانی چوری کیا جا رہا ہے۔ 65 سال سے کشمیری عوام اپنے حق خودارادیت کے حصول کے لیے برسرپیکار ہیں جن کی جدوجہد آزادی کو دبانے کے لیے بھارت نے عالمی قراردادوں کی پروا نہ کرتے ہوئے کشمیری مسلمانوں کو بندوق کے زور پر غلام بنا رکھا ہے۔ بھارتی وزیر خارجہ کا بیان پاکستانی عوام کے زخموں پر نمک چھڑکنے اور نواز شریف کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کے سوا کچھ نہیں۔

دوسری طرف ماہرین اقتصادیات نے پاکستان حکومت پر بھارت کی جانب سے توانائی بحران حل کرنے کی پیشکش کو ہرگز قبول نہ کیے جانے پر زور دیا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک بینکنگ اینڈ فنانس کے چیئرمین ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی نے کہا ہے کہ بھارت پاکستان کو کبھی روشن نہیں دیکھ سکتا، اس کی ہر پیشکش کے پیچھے کوئی نہ کوئی چال ضرور ہوتی ہے۔ بھارت کی یہ پیشکش ہرگز منظور نہیں کی جانی چاہیے اور توانائی کے حل کے لیے جو دوسرے متعدد ذرائع موجود ہیں ان کو بروئے کار لانا چاہیے۔ پاکستان وسائل کی دولت سے مالا مال ہے۔ ایگرو فورم

پاکستان کے چیئرمین ابراہیم مغل نے کہا کہ بھارت جب تک مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق اور پانی کا مسئلہ 1961 کے معاہدے کے مطابق حل نہیں کرتا تب تک اس ازلی دشمن کی کسی پیشکش کو قبول نہ کیا جائے۔ اگر بجلی نہیں ہی ہے تو چین سے لی جائے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں ایک ایسا طبقہ سامنے آ گیا ہے جو بھارت کو ہر صورت میں تجارت کے لیے پسندیدہ قوم کا درجہ دلانا چاہتا ہے۔ سندھ طاس واٹر کونسل پاکستان کے چیئرمین ورلڈ واٹر اسمبلی کے چیف کوآرڈینیٹر حافظ ظہور الحسن ڈاہر نے کہا ہے کہ بھارت سے بجلی درآمد کرنے کا معاہدہ دراصل بھارتی آبی جارحیت کو تسلیم کرنے کے مترادف ہوگا، بھارت کی ایک مدت سے دریائے چناب، جہلم اور سندھ پر بھارتی حدود میں 10 ڈیم بنانے کی اجازت مانگنا اور سستے داموں بجلی فراہمی کی پیشکش بڑا فراڈ ہے، پانی اور کشمیر پاکستان کے لیے زندگی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

متعدد شہریوں نے بھی بھارت کی جانب سے توانائی بحران پر قابو پانے کی پیشکش کے حوالے سے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ وحدت کالونی کے رہائشی محمد شاہد نے کہا ہے کہ بھارت ہمارے ملک میں دہشت گردی کروا رہا ہے اور پاکستان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ لہٰذا اس کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں کرنا چاہیے۔ جلو موڑ کے رہائشی محمد امین نے کہا ہے بھارت ہمارا ازلی دشمن ہے وہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے، مدد نہیں کر سکتا۔ لہٰذا

اس کی مدد کی پیشکش بھی اس کی کوئی چال ہے۔ اچھرہ کے رہائشی یونس خان نے کہا ہے کہ بجلی کی کمی کی وجہ سے 16 گھنٹے لوڈشیڈنگ ہو رہی ہے، اگر بھارت سے بجلی سستے داموں مل رہی ہے تو دیر نہیں کرنی چاہیے۔ سنت نگر کے رہائشی اسلم اقبال نے کہا ہے کہ بھارت ہمارا دشمن ہے اس کے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ نہیں کرنا چاہیے۔

ڈرون حملے: پاکستانی قیادت کا ایک بار پھر امریکا کو انتباہ

پاکستانی قیادت اور عوام امریکی جارحیت کے روز اول سے پاکستانی حدود میں ڈرون حملوں کو ملکی سالمیت و خود مختاری کے خلاف کھلی دہشتگردی سمجھتے ہیں۔ عوام ایک عرصے سے ان حملوں کے خلاف سراپا احتجاج ہے۔ پاکستانی قیادت متعدد بار امریکا کو ڈرون حملے روکنے کا مطالبہ کر چکی ہے۔ اقوام متحدہ بھی ان حملوں کو کھلی جارحیت اور عالمی قوانین کی خلاف ورزی کہہ چکی ہے۔ اس سب کے باوجود امریکا نے ڈرون حملے نہیں روکے۔ نئی حکومت برسر اقتدار آئی تو قوی امید کی جارہی تھی کہ ڈرون حملے رک جائیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ امریکا نے ہٹ دھرمی سے پاکستانی مطالبات کو پس پشت ڈالتے ہوئے ڈرون حملے جاری رکھے، جس کے نتیجے پاکستانی طالبان کے رہنما ولی الرحمٰن کی موت سے مذاکرات پیشکش کی واپسی کی صورت میں ملک میں امن کی امید کا چراغ ایک بار پھر گل ہوگیا۔ طالبان کی جانب سے مذاکرات کی پیشکش واپس لینے کے بعد نو منتخب وزیر اعظم میاں نواز شریف نے امریکا پر زور ڈالتے ہوئے ڈرون حملے روکنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ڈرون حملے ناقابلِ قبول ہیں۔ ڈرون حملے فوری رکنے چاہییں۔ یہ حملے پاکستان کی خود مختاری کی خلاف ورزی ہیں اور بین الاقوامی قوانین کی بھی خلاف ورزی ہیں۔ ہم دوسروں کی خود مختاری کا احترام کرتے ہیں تو دوسرے

بھی ہماری خود مختاری کا احترام کریں اور ڈرون حملوں کا باب اب بند ہو جانا چاہیے۔ منگل کے روز اسی حوالے سے قومی اسمبلی میں ڈاکٹر شیریں مزاری اور ڈاکٹر راجہ عامر زمان کی طرف سے ڈرون حملوں بالخصوص آئندہ ہفتے امریکی وزیر خارجہ کے دورہ پاکستان کے موقع پر واضح پالیسی تشکیل نہ دیے جانے سے متعلق توجہ دلائی، نوٹس کے جواب میں وزیراعظم کے مشیر برائے امور خارجہ نے کہا کہ ڈرون حملوں پر ہماری پالیسی واضح ہے۔ وزیراعظم نواز شریف نے قومی اسمبلی میں اپنے پہلے خطاب میں واضح کر دیا تھا کہ ڈرون حملے فوری طور پر بند کیے جائیں۔ سات جون کو شمالی وزیرستان میں امریکی ڈرون حملے پر وزیراعظم کی ہدایت پر دفتر خارجہ نے امریکا سے شدید احتجاج کیا تھا۔ ان حملوں میں معصوم شہری مارے جاتے ہیں، اس لیے یہ انسانی حقوق کی بھی خلاف ورزی ہیں۔ وزیراعظم کے مشیر برائے امور خارجہ و قومی سلامتی سرتاج عزیز نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ ڈرون حملے ہماری خود مختاری، جغرافیائی حدود، سالمیت اور عالمی قوانین کی خلاف ورزی ہیں، یہ حملے بند نہ ہوئے تو اپنے تمام وسائل استعمال کریں گے، ڈرون حملے روکنے کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ ڈرون حملے فوری بند کیے جائیں۔ ان کا پاکستان، امریکا تعلقات پر بھی اثر پڑتا ہے اور یہ دہشت گردی کے خاتمے کے مشترکہ مقاصد حاصل کرنے اور خطہ میں امن واستحکام کی راہ

میں رکاوٹ ہیں۔ وزیراعظم کے مشیر نے کہا کہ امریکا کے ساتھ ہر سطح پر ڈرون حملوں کا معاملہ اٹھائیں گے۔ جان کیری اگلے ماہ پاکستان آئیں گے ان کے سامنے بھی یہ معاملہ اٹھایا جائے گا۔ ہم اپنے ہم خیال ممالک اور اقوام متحدہ کے ساتھ مل کر بھی یہ معاملہ اٹھائیں گے۔ اس سال کے آخر میں اقوام متحدہ کے مندوب اپنی رپورٹ پیش کریں گے، اس سے ہمارا موقف مزید مضبوط ہوگا اور ڈرون حملوں کا مسئلہ حل کرنے میں مدد ملے گی۔ سرتاج عزیز نے کہا کہ حکومت نے ڈرون حملوں پر امریکا کو اپنے دوٹوک موقف سے آگاہ کر دیا ہے، امید ہے کہ مستقبل قریب میں ہم ڈرون حملے رکوانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ہماری خاموش کو کمزوری نہ سمجھا جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں جان کیری کے دورہ کا انتظار کرنا چاہیے۔ حکومت ڈرون حملوں کے بارے میں پارلیمنٹ کی رہنمائی کا خیر مقدم کرے گی۔ حکومت پاکستان نے پاکستان، امریکا اجلاس میں بھرپور موقف پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہمارے احتجاج پر اس معاملے میں امریکا سے مثبت پیغامات مل رہے ہیں۔ دونوں ممالک کے درمیان اعلیٰ سطح کا اجلاس جلد ہونے والا ہے جو پالیسی امریکا کی ہے، اس پر اپنی حکمت عملی پیش کریں گے۔ سرتاج عزیز نے ایوان کو بتایا کہ امریکی جاسوس طیاروں نے گزشتہ 6 ماہ کے دوران 13 ڈرون حملے کیے۔

میں 14 ڈرون حملے ہوئے، 2008 میں 34، 2009 میں 49، 2010 2007 میں 115، 2011 میں 62 اور 2012 میں 14 ڈرون حملے کیے۔ 2005ء سے اب تک مجموعی طور پر 301 ڈرون حملے ہو چکے ہیں۔

قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے بعد ارکان نے پارلیمنٹ کے باہر ملکی صورتحال پر صحافیوں سے علیحدہ علیحدہ بھی تبادلہ خیال کیا۔ تحریک انصاف کے ڈپٹی پارلیمانی لیڈر مخدوم شاہ محمود قریشی نے ڈرون حملوں سے متعلق حکومتی موقف کی مکمل حمایت کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ڈرون حملے روکنے کے لیے حکومت کے ہاتھ مضبوط کرنا چاہتے ہیں، تمام سیاسی جماعتیں چاہتی ہیں ڈرون حملے بند ہونے چاہئیں۔ تحریک انصاف نے ایوان میں ایک نوٹس کے ذریعے ڈرون حملوں کی جانب حکومت کی توجہ مبذول کرائی ہے جس پر حکومت کی جانب سے مشیر خارجہ سرتاج عزیز کا موقف خوش آئند ہے۔ ڈرون حملوں کو رکوانے کے لیے حکومت کو ٹھوس اقدامات کرنا ہوں گے۔ مسلم لیگ (ن) کے سیکرٹری اطلاعات سینیٹر مشاہداللہ خان نے کہا کہ ڈرون حملے ختم ہونے چاہئیں، حکومت اس معاملے کو سنجیدگی سے لے رہی ہے۔ وفاقی وزیر برائے ریاستیں و سرحدی امور جنرل (ر) عبدالقادر بلوچ نے ڈرون حملوں کو ملکی سلامتی وخود مختاری پر حملہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ حکومت ڈرون حملوں کے حوالے سے جاری پالیسی پر نظرثانی کرے گی اور عوامی خواہشات کے مطابق نئی پالیسی تشکیل دی جائے گی۔ جمعیت علماء اسلام (ف) کے رہنما مولانا عبدالغفور حیدری نے ڈرون حملوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان امریکا کی کالونی بن کر رہ گیا ہے۔ صوبائی وزیر خزانہ سراج الحق نے کہا ہے کہ خیبر پی کے میں امن ہوگا تو ملک میں بھی امن

ہو گا۔ڈرون حملوں کے خلاف بین الاقوامی سطح پر آواز بلند کریں گے۔ ڈرون حملے روکنے کے لیے پالیسی ترتیب دے رہے ہیں۔

اقوام متحدہ میں پاکستانی مندوب مسعود خان نے بھی سلامتی کونسل میں ڈرون حملوں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ڈرون حملے ہماری خودمختاری اور بین الاقوامی قوانین کے منافی ہیں، ان میں معصوم شہری اور بچے مارے جاتے ہیں، جس سے ان علاقوں میں دہشت گردی اور شدت پسندی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ڈرون حملوں کے متعلق جامع مذاکرات اور فوری حل کی ضرورت ہے۔ ڈرون حملے انتقامی کارروائیوں کا محرک بن رہے ہیں۔ شدت پسندی میں اضافہ ہو رہا ہے جس کے باعث اسکولوں اور لڑکیوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ مسعود خان نے کہا کہ ڈرون حملوں سے متعلق معاملات پر جامع مذاکرات اور فوری حل کی ضرورت ہے۔ امیر جماعۃ الدعوۃ پروفیسر حافظ محمد سعید نے پاکستان کی جانب سے ڈرون حملوں کا مسئلہ سلامتی کونسل میں لے جانے کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ڈرون حملے پاکستان کی سلامتی و خودمختاری پر حملہ ہیں۔ حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ مسلم دنیا کو ساتھ ملا کر ڈرون حملوں کے خلاف عالمی سطح پر بھرپور انداز میں آواز بلند کریں۔ اقوام متحدہ سمیت دیگر عالمی ادارے واضح طور پر ڈرون حملوں کو بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی قرار دے چکے ہیں اس کے باوجود امریکا کا پاکستان میں ڈرون حملوں کے ذریعہ بے گناہ پاکستانیوں

کو نشانہ بنانا بدترین دہشت گردی اور انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہے جس پر کسی صورت خاموشی اختیار نہیں کی جاسکتی۔ سلامتی کونسل اور ہر فورم پر پاکستان کو ڈرون حملوں کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے۔

دوسری جانب سپریم کورٹ میں قبائلی علاقوں میں امریکی ڈرون حملے روکنے کے لیے درخواست دائر کردی گئی ہے۔ جنوبی وزیرستان کے رہائشی مدوجان گوہرزئی کی جانب سے دائر کردہ درخواست میں وزارت دفاع وزارت خارجہ، وزارت داخلہ، وزارت اطلاعات ونشریات اور امریکی سفیر کو فریق بناتے ہوئے استدعا کی گئی ہے کہ امریکا کی جانب سے قبائلی علاقوں خصوصاً شمالی وزیرستان اور جنوبی وزیرستان میں نائن الیون کے بعد اب تک کتنے ہی پاکستانی جاں بحق اور کئی معذور ہو چکے۔ امریکا بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کررہا ہے۔ اقوام متحدہ کا چارٹر بھی ڈرون حملوں کی اجازت نہیں دیتا۔ آئین کے آرٹیکل نو اور چودہ کے تحت پاکستان کے شہریوں کے تحفظ کی ذمہ داری ریاست پر عائد ہوتی ہے۔ عدالت بنیادی حقوق کے محافظ کے طور پر اس معاملے کا نوٹس لے کر مدعا علیہان سے جواب طلب کرے کہ یہ ڈرون حملے کس قانون کے تحت ہو رہے ہیں۔ ڈرون حملے ملکی سالمیت کے خلاف ہیں۔ درخواست میں کہاگیا ہے کہ امریکا کو ڈرون حملوں میں مارے جانے والے شہریوں کے خاندانوں کو معاوضہ ادا کرنے اور ڈرون حملوں کو فوری طور پر روکنے کا حکم جاری کیا جائے۔

ذرائع کے مطابق نو منتخب حکومت ڈرون حملے روکنے کے لیے پر عزم دکھائی دے رہی ہے۔ حکومت نے ڈرون حملوں میں جاں بحق ہونے والے ، معذور ہونے والے اور متاثرین کے کوائف جمع کرنا شروع کر دیے ہیں، مالی نقصان کا تخمینہ بھی لگایا جا رہا ہے، تاکہ ڈرون حملوں کے معاملے کو بھرپور انداز میں بین الاقوامی عدالت انصاف میں اٹھایا جائے۔ منتخب حکومت اس لیے ڈرون حملے رکوانے کے لیے متحرک نظر آ رہی ہے کیونکہ اسے پتا ہے کہ اگر ڈرون حملے نہ رکے تو ملک میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ جس سے حکومت مستحکم اور مضبوط نہیں ہو سکتی۔ حکومت کو تحریک انصاف کی شکل میں مضبوط اپوزیشن کا بھی سامنا ہے جنہوں نے ووٹ لیے ہی اس بنیاد پر لیے تھے کہ حکومت میں آ کر ڈرون حملے رکوائیں گے۔ ڈرون حملے رکوانا حکومت کی مجبوری ہے۔

ٹیکس بڑھانے پر سپریم کورٹ برہم

بجٹ 2013-14 میں حکومت نے جنرل سیلز ٹیکس سولہ فیصد سے بڑھا کر سترہ فیصد کردیا تھا، پاکستانی عوام اور اپوزیشن نے اس اضافے کو مسترد کردیا ہے۔ کیونکہ ٹیکس میں اضافے سے تمام اشیا کی قیمتوں میں اضافہ ہونا یقینی ہے۔ حکومت کی طرف سے یہ یقین دہانی کروائی جاتی رہی کہ جی ایس ٹی میں اضافے سے اشیاء کی قیمتوں میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، لیکن نئے مالی سال کے بجٹ میں جی ایس ٹی میں ایک فیصد اضافے کے اعلان اور حکومت کی طرف سے بار بار عام استعمال کی اشیاء پر اس کا اطلاق نہ ہونے کی وضاحتوں کے باوجود ملک بھر میں ہول سیل مارکیٹوں اور پرچون کی دکانوں پر چائے، چینی، گھی اور دالوں سمیت تمام اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں ہوش ربا اضافہ ہوا ہے۔ بجٹ کا اعلان کرتے ہوئے وزیر خزانہ نے جی ایس ٹی میں ایک فیصد اضافہ کیا تھا جس کے فوری بعد ملک بھر میں تاجروں نے ہر چیز کے از خود نرخ بڑھا کر من مانی قیمتیں وصول کرنا شروع کر دیں۔ بجٹ پر ہونے والی تنقید کے بعد حکومت کی طرف سے بار بار یہ اعلان کیا گیا کہ اشیائے خورو نوش پر نہ تو جی ایس ٹی لگایا گیا ہے اور نہ ہی قیمتوں میں اضافہ کیا گیا ہے، تاہم اس کے باوجود ملک بھر میں ہول سیل مارکیٹ اور پرچون کی دکانوں پر 30 سے 40 فیصد قیمتوں میں اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے۔

عوام کی بے چینی اور مشکل کو مد نظر رکھتے ہوئے سپریم کورٹ نے جمعرات کے روز ٹیکس میں کیے جانے والے اضافے کا نوٹس لیا۔ سپریم کورٹ نے وفاقی حکومت کی طرف سے جنرل سیلز ٹیکس میں ایک فیصد اضافے کے بعد پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے سے متعلق کہا کہ بادی النظر میں حکمرانوں نے جی ایس ٹی میں اضافے کا فیصلہ خود کیا اس میں پارلیمنٹ کو اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ یہ پیسہ سرکاری خزانے میں جمع ہونے کی بجائے حکمرانوں کی جیبوں میں جائے گا۔ سپریم کورٹ نے موجودہ حکومت کی طرف سے جنرل سیلز ٹیکس میں ایک فیصد اضافے کے بعد پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کو غیر آئینی قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ حکومت کے پاس اعلامیے کے ذریعے ٹیکس کی شرح میں اضافے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ تیرہ جون سے جی ایس ٹی میں اضافے کے بعد صارفین سے حاصل کی گئی رقم قابلِ واپسی ہے۔ اس عرصے کے دوران جی ایس ٹی میں اضافے کے بعد جتنی رقم بھی اکھٹی ہوئی ہے ا±س کو قومی خزانے میں جمع کروایا جائے، اس رقوم کی واپسی پارلیمنٹ کی منظوری سے مشروط ہے اور جی ایس ٹی میں ایک فیصد اضافے کے بعد جتنی اضافی رقم موصول ہوئی ہے ا±س کی تفصیلات سپریم کورٹ کے رجسٹرار کو جمع کروائی جائیں۔ سپریم کورٹ نے یہ بھی کہا کہ جس قانون کے تحت جی ایس ٹی میں اضافہ کیا گیا وہ غیر آئینی ہے اور 1931 کا ایکٹ آئین کے آرٹیکل 77 سے متصادم ہے۔ ضروری اشیاء کی قیمتوں پر کنٹرول رکھنے کی ذمہ

داری حکومتِ وقت پر ہے اور حکومت منافع خوروں کے خلاف کارروائی کے لیے اقدامات کرے۔ جنرل سیلز ٹیکس میں ایک فیصد اضافے کے بعد قیمتوں میں پندرہ فیصد اضافہ کر دیا گیا اور قیمتوں میں اضافے کا بھی حکمرانوں نے نوٹس نہیں لیا۔ جی ایس ٹی میں اضافے سے متعلق بجٹ میں تجویز دی گئی تھی اور ابھی بجٹ تجاویز پارلیمنٹ سے منظور بھی نہیں ہوئیں اور پیٹرولیم کی مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کر دیا گیا۔

جسٹس افتخار محمد چودھری کا کہنا تھا کہ اگر ایف بی آر اپنا قبلہ درست کر لے تو ہر سال ٹیکس کا ہدف حاصل کیا جا سکتا ہے۔ حکمران خود سے ٹیکس لگائیں گے تو پارلیمنٹ سے کوئی رجوع نہیں کرے گا۔ پارلیمنٹ کی کیا اہمیت رہ جائے گی؟ آئین کے تحت ٹیکس لگانے کا اختیار صرف پارلیمنٹ کے پاس ہے حکومت کو آئینی طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے تھا جس طرح عبوری ٹیکس لگایا گیا وہ ناقابل قبول ہے۔ اگر ایف بی آر درست طریقہ سے ٹیکس اکٹھا کرے تو ٹیکس ہی ٹیکس اکٹھا ہو سکتا ہے۔ بجٹ میں جی ایس ٹی ایک فیصد لگانے کی تجویز دی گئی مگر اشیا کی قیمتوں میں پندرہ فیصد تک اضافہ کر دیا گیا۔ ایک بار مہنگائی ہونے کے بعد اس میں کمی کیسے ممکن ہے؟ پٹرول پمپس اور سی این جی پر 26 فیصد ٹیکس ہے مگر 90 فیصد غیر رجسٹرڈ مالکان یہ اپنی جیب میں ڈالتے ہیں، پراسیسنگ، مرمت ورکروں کی تنخواہوں کے اخراجات عوام سے وصول کیے جاتے ہیں۔ سی این جی

پر پچیس فیصد ٹیکس لیا جا رہا ہے، ایک فیصد اضافے سے یہ شرح چھبیس فیصد ہو جائے گی۔ اس طرح قیمتیں بڑھتی رہیں تو پچاس کی سی این جی پر پچاس روپے ٹیکس ہو جائے گا۔ ہم آرٹیکل نو کے تحت کسی کا استحصال نہیں ہونے دیں گے۔ ریاست 16 فیصد سے زیادہ جی ایس ٹی وصول نہیں کر سکتی۔ ایف بی آر کو ٹیکس کی شرح میں خود سے اضافہ کرنے کا اختیار کس نے دیا؟ ایف بی آر کو ٹیکس لگانے کا کوئی اختیار نہیں، آئین کے تحت صرف پارلیمنٹ ہی ٹیکس لاگو کر سکتی ہے۔ وفاقی وزیر دفاعی پیداوار رانا تنویر کا کہنا تھا کہ حکومت سپریم کورٹ کے فیصلے کو تسلیم کرتی ہے۔ پارلیمنٹ سے فنانس بل منظور کرائیں گے۔

سپریم کورٹ کے نوٹس لینے کے بعد تحریک انصاف کے رہنما شاہ محمود قریشی نے کہا کہ جی ایس ٹی پر عدلیہ کے فیصلے کے بعد اسمبلی کا اجلاس ملتوی کیا جائے، اب حکومت کو اپنا موقف پیش کرنا چاہیے۔ 13 جون سے آج تک جو پیسہ عوام کی جیبوں سے نکلا وہ کیسے واپس ہو گا۔ اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ نے کہا کہ ہم نے سیلز ٹیکس کو پہلے ہی غیر قانونی قرار دیا تھا۔ آرٹیکل 77 کے تحت بجٹ منظوری سے پہلے سیلز ٹیکس وصول نہیں کیا جا سکتا۔ شیخ رشید نے کہا کہ سپریم کورٹ کا فیصلہ تسلیم کرنا خوش آئند ہے۔ محمود خان اچکزئی نے کہا کہ آئین کی تشریح کرنا سپریم کورٹ کا اختیار ہے۔ وزیر قانون زاہد حامد نے یقین دہانی کرائی کہ جی ایس ٹی سے متعلق عدالتی فیصلے پر عمل کریں گے اور ٹیکس سے

متعلق 1931 کے ایکٹ میں ترمیم بھی کریں گے۔ معروف صنعتکار اور سابق سینئر نائب صدر لاہور چیمبر عبدالباسط نے کہا ہے کہ ٹیکس پرانے لوگوں پر ہی لگایا گیا ہے۔ کل 18 کروڑ میں سے صرف 18 لاکھ لوگ ٹیکس دیتے ہیں ٹیکس نیٹ کو بڑھایا جائے۔ ٹیکس میں اضافہ واپس لینا چاہیے۔ تاجر برادری نے موجودہ حکمرانوں پر اعتماد کیا ہے اس کو ٹھیس نہ پہنچائی جائے سیلز ٹیکس کو کم کیا جائے۔ جی ایس ٹی میں اضافہ نیا بوجھ ہے اسے ختم کیا جائے۔

دوسری جانب 12 جون کے بعد جی ایس ٹی میں ایک فیصد اضافے سے پیٹرولیم مصنوعات اور سی این جی کی قیمتوں میں 40 پیسے سے 1 روپے 35 پیسے فی لٹر کیا گیا اضافہ سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد واپس لے لیا گیا ہے۔ اس طرح پیٹرولیم مصنوعات یکم جون 2013 کی سطح پر فروخت ہوں گی۔ نوٹی فکیشن کے مطابق پیٹرول پر 80 پیسے اور ڈیزل پر 90 پیسے فی لٹر اضافہ واپس لیا گیا، جس کے بعد پیٹرول 99 روپے 77 پیسے اور ڈیزل کی قیمت 104 روپے 60 پیسے کی سطح پر واپس آ گئی۔ مٹی کے تیل کی قیمت میں 80 پیسے اور لائٹ ڈیزل ائل کی قیمت میں 70 پیسے فی لٹر اضافہ واپس لیا گیا، جس کے بعد مٹی کا تیل 93 روپے 79 پیسے اور لائٹ ڈیزل ائل 89 روپے 13 پیسے فی لٹر پر فروخت ہوگا۔ اوگرا نے سی این جی کی قیمتوں میں بھی اضافہ واپس لے لیا، جس کے بعد زون ون میں سی این جی کی قیمت 77 روپے 44 پیسے اور زون ٹو میں سی این جی کی قیمت میں 65 روپے 18

پیسے فی کلو گرام ہو گئی ہے۔

غیر ملکی سیاحوں کا قتل ملک کو بدنام کرنے کی سازش ہے

ہفتے اور اتوار کی درمیانی شب دیر گئے نامعلوم مسلح افراد نے ہوٹل میں گھس کر فائرنگ کی جس سے 9 غیر ملکی سیاح اور ان کے پاکستانی گائیڈ مارے گئے۔ مرنے والوں والے غیر ملکی سیاحوں میں سے 5 کا تعلق یوکرائن، 3 کا چین اور ایک کا روس سے ہے۔

ذرائع کے مطابق گلگت بلتستان کے ضلع دیامر میں حملہ آوروں نے غیر ملکی سیاحوں کے کیمپ پر رات گئے دھاوا بول دیا، بعض افراد پر تشدد بھی کیا۔ حملہ آوروں نے سیکورٹی فورسز کی یونیفارم پہن رکھی تھی۔ واقعے کے بعد صبح دیر گئے پاکستانی فورسز نے علاقے کا سنبھالا اور حملہ آوروں کی تلاش شروع کردی۔ واقعے کے بعد ترجمان دفتر خارجہ کی جانب سے جاری ہونے والے بیان میں کہا گیا ہے کہ گلگت کے علاقے میں غیر ملکی سیاحوں کا قتل دوست ممالک خصوصاً پاکستان اور چین کے درمیان دیرینہ تعلقات خراب کرنے کی مذموم سازش ہے۔ دہشت گردی کا یہ واقعہ انتہائی ظالمانہ اور غیر انسانی فعل ہے۔ ترجمان دفتر خارجہ کا کہنا تھا کہ دہشت گردی کا نشانہ بننے والے غیر ملکیوں کے خاندانوں سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

صدر آصف زرداری اور وزیراعظم میاں نواز شریف نے واقعے کی شدید الفاظ میں

مذمت کی۔ وزیراعظم نواز شریف نے واقعے میں ملوث حملہ آوروں کی فوری گرفتاری کے احکامات جاری کرتے ہوئے واقعے کی فوری رپورٹ طلب کی ہے۔ وزیراعظم نے اپنے بیان میں کہا کہ پاکستان کے عوام اور حکومت غم زدہ خاندانوں کے ساتھ ہیں اور ایسے کسی ظالمانہ اور غیر انسانی فعل کو کسی صورت برداشت نہیں کیا جائے گا۔ پاکستان کو سیاحوں کے لیے محفوظ ملک بنانے کے لیے ہر ممکن اقدامات کیے جائیں گے۔ وزیر اعلیٰ گلگت بلتستان مہدی شاہ نے بھی واقعے کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ دہشت گردوں کے گرد گھیرا تنگ کر دیا گیا ہے اور انہیں جلد گرفتار کر لیا جائے گا۔ اس واقعے کا اثر پورے علاقے پر پڑے گا۔ اتوار کے روز اسپیکر سردار ایاز صادق کے زیر صدارت ہونے والے قومی اسمبلی کے اجلاس کے دوران بیان دیتے ہوئے وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان کا کہنا تھا کہ کل رات ایک بجے فیری میڈوز میں بونر نالے کے قریب بیس کیمپ پر دہشت گرد آئے اور فائرنگ کرکے 9 غیر ملکی سیاحوں اور 2 پاکستانیوں کو قتل کر دیا۔ سیاحوں کو قتل کرنے والے دہشت گردوں نے سیکورٹی فورسز کی یونیفارم پہنی ہوئی تھی۔ جی ایچ کیو پر جب حملہ ہوا تو وہاں بھی دہشت گرد فوجی وردیوں میں ملبوس تھے۔ حساس مقامات کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات کیوں نہیں کیے جاتے؟ ہمیں ذمے داروں کا تعین کرنا ہوگا۔ وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان نے خطاب کرتے ہوئے غیر ملکی سیاحوں کے قتل کو پاک چین تعلقات خراب کرنے کی سازش قرار دیا ہے اور کہا کہ حملہ غیر ملکی سیاحوں پر نہیں پاکستان پر کیا

گیا ہے، غیر ملکی سیاحوں کی سیکورٹی متعلقہ اداروں کی ذمے داری ہے۔ اسی لیے گلگت بلتستان کے چیف سیکرٹری اور آئی جی کو معطل کر دیا گیا ہے۔ ایک جانب ہم جنگ کی حالت میں ہیں تو دوسری جانب سارا نظام کھوکھلا ہو چکا ہے، جن کی ذمے داری ہے وہ کام نہیں کر رہے، نظام کی تبدیلی کے لیے سزا اور جزا کا عمل ضروری ہے۔ کسی اور ملک میں ایک جانور بھی مرتا ہے تو تحقیقات کی جاتی ہیں، یہاں ہزاروں لوگ مر جاتے ہیں لیکن کوئی تحقیقات نہیں ہوتی۔ اداروں کو دو قدم آگے ہونا چاہیے مگر ہم دس قدم پیچھے ہیں۔ اب ریڈ زون میں داخل ہونے والی تمام فوجی گاڑیوں کی بھی چیکنگ ہو گی، جب کہ راولپنڈی اور اسلام آباد میں ریڈ الرٹ جاری کر دیا گیا ہے۔ وفاقی وزیر داخلہ نے ایوان کو بتایا کہ وزیر اعظم کی ہدایت پر واقعے میں ملوث ملزمان کے خلاف کارروائی شروع کر دی گئی ہے، دہشت گردوں کو 2 گائیڈ بیس کیمپ تک لے کر گئے جن میں سے ایک کو قتل کر دیا گیا، جب کہ دوسرے گائیڈ کو سیکورٹی اداروں نے اپنی تحویل میں لے کر اس سے تفتیش شروع کر دی ہے۔

سانحہ گلگت کے خلاف قومی اسمبلی میں مذمتی قرارداد متفقہ طور پر منظور کی گئی۔ منظور کی گئی قرارداد میں مرنے والوں کے خاندان سے ہمدردی اور تعزیت کے ساتھ سیکورٹی اور انٹیلی جنس اداروں کے درمیان رابطوں کو بہتر بنائے جانے پر زور دیا گیا۔ حکومت سے کہا گیا کہ فوری طور پر تمام ملک دشمن عناصر

کے خلاف فوری ضروری اقدامات کرے اور قرارداد میں گلگت واقعہ بین الاقوامی سطح پر پاکستان کا تشخص خراب کرنے کے لیے کیا گیا۔ گلگت واقعہ کے خلاف مذمتی قرارداد پاکستان تحریک انصاف کے شاہ محمود قریشی نے پیش کی۔ قرارداد میں کہا گیا کہ ایوان غیر ملکی سیاحوں پر حملے کی مذمت کرتا ہے۔ حملے سے پاکستان کی ساکھ متاثر ہوئی۔ ہمیں اپنی ذاتی سوچ میں تبدیلی لا کر قوم اور اداروں کو حالات سے نمٹنے کے لیے تیار کرنا ہوگا۔ فاروق ستار کا کہنا تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہمیں دہشت گردی کے خلاف واضح قومی پالیسی اختیار کرنی چاہیے جس کے لیے آل پارٹیز کانفرنس طلب کی جائے۔ قائد حزب اختلاف خورشید شاہ کا کہنا تھا کہ ہر واقعے کو حکومت کی ناکامی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ہمیں سیاسی پوائنٹس اسکورنگ کی بجائے قومی سلامتی کے معاملے پر ایک ہونا چاہیے۔ شیخ رشید احمد کا کہنا تھا کہ جب وزیر داخلہ ہی بے بس ہیں تو باقی قوم کا کیا حال ہوگا۔ محمود خان اچکزئی نے واقعے کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ دہشت گردوں کو بتایا جائے ہم ان کے سامنے نہیں جھکیں گے، اگر متاثرہ دوست ممالک سے معافی مانگنا پڑی تو وہ بھی مانگی جائے، اسلام آباد میں داخل ہوتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کسی تھانے میں جارہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ پنجاب محمد شہباز شریف، جماعت اسلامی کے امیر سید منور حسن، سیکریٹری جنرل لیاقت بلوچ، وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ، گورنر سندھ ڈاکٹر

عشرت العباد، عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری نے گلگت میں غیر ملکی سیاحوں کے قتل کے واقعے کی شدید مذمت کی ہے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب محمد شہباز شریف نے گلگت میں غیر ملکی سیاحوں کے قتل کے واقعے کی شدید مذمت کرتے ہوئے اسے ملک کو بدنام کرنے کی سازش قرار دیا ہے۔ امیر جماعت اسلامی سید منور حسن اور سیکریٹری جنرل لیاقت بلوچ نے منصورہ لاہور سے جاری بیان میں کہا ہے کہ یہ ملک دشمن قوتوں کے ایجنٹوں کی کارروائی ہے جس کے پیچھے غیر ملکی ہاتھوں کا ملوث ہونا خارج از امکان نہیں۔ سید منور حسن نے کہا کہ سیاحوں کا قتل پاکستان کو عالمی سطح پر تنہا اور بدنام کرنے کی مذموم سازش ہے۔ گورنر پیر کرم علی شاہ کا کہنا تھا کہ واقعے میں بیرونی عناصر بھی ملوث ہو سکتے ہیں۔ ملزمان کی جلد گرفتاری یقینی بنائی جائے گی۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے بھی واقعے کو ملک کو بدنام کرنے کی سازش قرار دیا ہے۔ متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین نے گلگت میں دیامر، نانگا پربت کے علاقے میں مسلح دہشت گردوں کے ہاتھوں روسی، یوکرائن، چائنی اور پاکستانی سیاحوں کے بہیمانہ قتل کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ غیر ملکی سیاحوں کا قتل کھلی دہشت گردی ہے۔ مقامی انتظامیہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکاروں کی مدد سے سفاک قاتلوں کو گرفتار کرکے سخت ترین سزا دلوائے، کیوں کہ دہشت گردی کا یہ عمل صرف سفاکانہ ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں بدنامی کا سبب بن رہا ہے۔ حکومت دہشت گردی کی روک تھام کے لیے موثر اور ٹھوس اقدامات کرے اور

حکومت پاکستان آنے والے غیر ملکی سیاحوں کو خصوصی سیکورٹی فراہم کرے۔ ان کے علاوہ بھی کئی رہنماؤں نے اس واقعے کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔ مبصرین کا کہنا تھا کہ یہ واقعہ واضح طور پر ملک کے خلاف سازش ہے۔ عین ان دنوں جب امریکا افغان طالبان کے ساتھ مذاکرات کرنے جارہا ہے اور پاکستان بھی طالبان سے مذاکرات کی کوشش کررہا ہے، ان حالات میں اس قسم کے واقعات سے امن کی کوششوں کو نقصان پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ اس میں واقعی کوئی غیر ملکی دشمن عناصر شامل ہیں جو ملک میں امن قائم ہوتا نہیں دیکھ سکتے۔ یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے بلکہ جب بھی امن کی کوشش کی جاتی ہے تو ایسا واقعہ رونما ہوجاتا ہے۔ اس سلسلے میں متعدد دینی و سیاسی رہنما بھی ملک میں بیرونی قوتوں کے کھیل کی طرف اشارہ کرچکے ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ ہر واقعے کی درست سمت میں تحقیقات کرے اور ذمے داروں کو کیفر کردار تک پہنچائے۔

امریکا طالبان سے مذاکرات جاری رکھنے کے لیے کوشاں

ایک عرصے سے امریکا طالبان کے ساتھ مذاکرات کی کوششوں میں مگن ہے۔امریکا چونکہ افغانستان سے نکلنے کے لیے محفوظ راستے کا متلاشی ہے، اس کے لیے سب سے بہتر طریقہ طالبان کے ساتھ مذاکرات ہیں۔اس حوالے سے باضابطہ طور پر قطر کے دارالحکومت دوحہ میں طالبان کو سیاسی دفتر بنانے کی اجازت دی گئی، تاکہ جتنی جلد ہوسکے طالبان کے ساتھ مذاکرات شروع کیے جائیں۔طالبان نے قطر میں قائم کردہ اپنے دفتر پر امارت اسلامیہ کے نام سے جھنڈا لہرایا اور تختی بھی لگائی۔جو کسی صورت بھی مخالفین کو برداشت نہ تھی۔افغان صدر حامد کرزئی کو قطر میں طالبان کے سیاسی دفتر کا قیام گوارا نہ تھا۔اس نے ان مذاکرات کی مخالفت شروع کی۔حامد کرزئی کا کہنا تھا کہ طالبان سے مذاکرات کے حوالے سے امریکا کا اقدام بدنیتی پر مبنی ہے۔افغان وزیر خارجہ نے اپنے بیان میں کہا: "جس انداز میں دفتر کھولا گیا ہے یہ ہمارے اور امریکی حکام کے مابین طے شدہ معاہدے کی شرائط اور اصولوں کی خلاف ورزی ہے"۔افغان حکام کا کہنا تھا کہ قطر میں طالبان کے دفتر سے امارت اسلامیہ سیاسیہ کے نام سے لگا جھنڈا اتروایا جائے اور تختی بھی ہٹوائی جائے۔ان کا کہنا تھا کہ طالبان کا دفتر اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اب صرف جنگجو گروہ

ہی نہیں ہیں بلکہ ان کی سیاسی حیثیت بھی ہے۔ گزشتہ روز ایک بار پھر افغان وزارت خارجہ کے ترجمان جانان موسیٰ زئی نے کہا ہے کہ طالبان کے ساتھ امریکا کے براہ راست مذاکرات پر ہمیں شدید قسم کے تحفظات ہیں۔ ہم ان مذاکرات کو روکنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ ہم امن مذاکرات کے حامی ہیں مگر افغان حکومت کے بغیر مذاکرات قابل قبول نہیں۔ افغان حکومت نے امریکی ایلچی برائے افغانستان اور پاکستان کے قطر کے دارالحکومت دوحہ پہنچنے پر بھی اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ وضاحت کی جائے کہ کس بنیاد پر اور کن کن اصولوں پر طالبان جنگجوؤں سے مذاکرات کے ے جارہے ہیں۔ افغان حکومت نے طالبان سے براہ راست مذاکرات پر امریکا سے وضاحت طلب کی اور کہا ہے کہ طالبان کے ساتھ مذاکرات کے لے ے جو اصول اور شرائط طے کے ے گئے ہیں ان کے حوالے سے افغان حکومت کو آگاہ کیا جائے۔

جھنڈے اور تختی کے معاملے میں گرما گرمی آنے کے بعد اطلاعات یہ تھیں کہ مذاکرات کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا ہے، مذاکرات تعطل کا شکار ہو سکتے ہیں۔ لیکن اتوار کے روز طالبان نے ان خبروں کو مسترد کر دیا ہے۔ طالبان نے قطر کے کہنے پر اپنا جھنڈا اتار لیا تاکہ امن کا سفر درست سمت میں جاری رہے اور امریکا کی خواہش پر مذاکرات کو جاری رکھنے کا اعلان بھی کیا ہے۔ افغان طالبان نے ان رپورٹوں کو مسترد کر دیا ہے جن میں کہا گیا ہے کہ وہ امریکا و

افغان حکومت کی جانب سے قطر میں کھولے گئے دفتر پر تنقید کے بعد امن مذاکرات منسوخ کر سکتے ہیں۔ طالبان کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے امریکی روزنامے نیویارک ٹائمز میں شائع ہونے والی اس رپورٹ کو مسترد کیا ہے جس میں طالبان ذرائع کے حوالے سے دعویٰ کیا گیا تھا کہ وہ قطر کے دفتر میں جھنڈے اور بینر کو موجود رکھنا چاہتے ہیں۔ طالبان ترجمان ذبیح اللہ مجاہد کے مطابق نیویارک ٹائمز کی جانب سے نامعلوم طالبان عہدیداران کا بیان ان کی تحریک کا موقف نہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ طالبان کا اپنا ترجمان ہے جو میڈیا کو معلومات فراہم کرتا ہے۔ نامعلوم افراد کی فراہم کردہ اطلاعات ہمارا موقف نہیں۔ جبکہ امریکا نے افغانستان سے اپنا بحفاظت انخلاء خطرے میں پڑتا دیکھ کر امیر قطر سے مدد مانگ لی ہے۔ امریکی وزیر خارجہ جان کیری اور افغانستان اور پاکستان کے لیے امریکی ایلچی جم ڈوبنز نے دوحہ میں امیر قطر شیخ حماد بن خلیفہ الثانی سے ملاقات کی۔ یہ ملاقات 30 منٹ جاری رہی۔ اس ملاقات میں غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے مطابق اس بات پر غور کیا گیا کہ مذاکراتی عمل کو کیسے خطرات سے نکالا جائے۔ جبکہ افغان جنگ کے واحد امریکی قیدی اور طالبان کے ہاتھوں یرغمال بنائے گئے امریکی فوجی کی رہائی اب مذاکرات پر منحصر ہو گئی ہے۔ اتوار کے روز امریکی صدر بارک اوباما نے گوانتاناموبے میں قید طالبان کے اہم کمانڈروں کی رہائی پر رضامندی کا اظہار کر دیا ہے اور طالبان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ چار سال قبل اغوا کیے گئے امریکی فوجی سارجنت

Bowe

کو بھی رہا کر دیں۔ امریکا کے انٹرنیشنل کرائسسز گروپ کے گریم سمتھ نے Bergdahl کہا ہے کہ اگر طالبان اور امریکا کے مذاکرات ناکام ہو جاتے ہیں تو پھر یہ امریکا کی بہت بڑی ناکامی ہو گی جو مزید مشکلات کو جنم دے گی۔ امریکی ایلچی ڈوبنز، جان کیری کے دوحہ چھوڑنے کے باوجود نہیں گئے اور طالبان سے مذاکرات کا عمل بحال کرنے کی کوشش میں ہیں۔

واضح رہے کہ تین سال پہلے مغربی ممالک کے نمائندوں نے طالبان کے ساتھ بات چیت کے لیے قطر کی حمایت حاصل کی تھی۔ نیٹو اور امریکا افغانستان سے باعزت واپسی کے لیے کوشاں ہیں۔ اسی لیے طالبان سے امن معاہدے میں دلچسپی بڑھی ہے۔ برسوں تک افغان حکومت اور اس کے مغربی اتحادی طالبان سے رابطے قائم کرنا چاہتے تھے لیکن طالبان کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہیں تھا۔ امریکا اور افغان امن کونسل کی بڑی ترجیح طالبان کو ایک مستقل جگہ دینا بن گئی تاکہ طالبان کے ساتھ اعتماد قائم ہو اور مذاکرات میں شرکت کرنے والے طالبان رہنماوں کو تحفظ فراہم کیا جاسکے۔ افغان امن کونسل میں کابل میں ایک جرگے کے بعد قائم کی گئی۔ امن کونسل کو یہ ذمہ داری دی 2010 گئی کہ وہ طالبان کے ساتھ رابطہ قائم کرکے انھیں قیامِ امن کے عمل میں شرکت پر رضامند کرے۔ افغان حکومت چاہتی تھی کہ طالبان کے لیے ترکی یا سعودی عرب میں دفتر کھولے کیونکہ ان کے خیال میں یہ ممالک زیادہ اثر و رسوخ رکھتے تھے اور اِن کے کابل کے

ساتھ تعلقات بھی اچھے ہیں۔ دوسری طرف طالبان نے دفتر کے لیے قطر کو ترجیح دی کیونکہ ان کے خیال میں قطر ایک غیر جانبدار ملک ہے جس کے سب کے ساتھ تعلقات متوازن ہیں۔ قطر کو اسلامی دنیا میں ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے اور امریکا بھی اس پر خوش ہے۔ افغان حکام کے مطابق صدر حامد کرزئی نے قطر میں طالبان کے لیے دفتر کھولنے کی اجازت اس شرط پر دی کہ یہ دفتر زیادہ منظرِ عام پر نہیں آئے گا اور اسے صرف امن مذاکرات کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ صدر حامد کرزئی یہ نہیں چاہتے ہیں کہ طالبان اس دفتر کو باقی دنیا سے روابط بڑھانے کے لیے استعمال کریں۔ خیال رہے کہ قطر ان تین ممالک میں شامل نہیں جنھوں نے افغانستان میں طالبان کی 1996-2001 تک قائم حکومت کو تسلیم کیا تھا۔ طالبان حکومت کو پاکستان، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات نے تسلیم کیا تھا۔ لیکن طالبان کی سابقہ حکومت میں قطر کے ان کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ گزشتہ سال مارچ میں طالبان نے امریکا سے قیدیوں کے تبادلے کے معاملے پر ہونے والے مذاکرات منقطع کیے تھے۔ وہ امریکی فوجی "بوئی برگدہال" کی رہائی کے بدلے امریکی جیل گوانتاناموبے میں قید پانچ طالبان قیدیوں کی رہائی چاہتے تھے۔ طالبان نے امریکی فوجی کو 2009 میں اغوا کیا تھا۔ امریکا نے قطر میں 2011 میں طالبان سے خفیہ ملاقات کی، لیکن چند دن قبل امریکا اور طالبان کے نمائندوں کے درمیان ہونے والی ملاقات پہلی باضابطہ ملاقات تھی۔ امریکا کسی سمجھوتے کے تحت طالبان کی قید میں اپنے فوجی بوئی برگدہال کی رہائی چاہتا

ہے۔ طالبان گوانتاناموبے میں قائم امریکی جیل میں قید سے اپنے ساتھیوں کی رہائی،
پاکستان پر کم انحصار اور بین الاقوامی برادری میں اپنے وقار کو بڑھانا چاہتے ہیں۔
افغان حکومت طالبان اور پاکستان کے درمیان فاصلہ پیدا کرنا چاہتی ہے۔ وہ چاہتی ہے
کہ طالبان پاکستان کے ہاتھوں گرفتار ہونے کے خطرے کے بغیر بات چیت میں شریک
ہوں۔ پاکستانی حکومت یہ دکھانا چاہتی ہے کہ طالبان ان کے کنٹرول میں نہیں اور
طالبان پاکستان میں نہیں بلکہ قطر میں ہیں۔ قطر کی حکومت اصرار کرتی ہے کہ وہ مدد
کرنا چاہتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک لمبے عرصے تک چلنے والی کشیدگی میں کلیدی
مذاکرات کار کے طور پر ظاہر کرنا چاہتی ہے۔

عالم اسلام کے مخدوش حالات

امت مسلمہ ان دنوں جن حالات سے دوچار ہے وہ کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ عالم اسلام کے زخموں سے خون رستا ہر کھلی آنکھ کو دکھائی دے رہا ہے۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں بکھری پڑی ہیں۔ عالم اسلام کا ہر ملک امن و آشتی کے نام تک کو بھول چکا ہے۔ دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک گھوم جائیں، آپ کو دنیا کے چپے چپے پر خون مسلم ہی ارزاں ملے گا۔ کہیں آپس میں دست و گریباں اور کہیں اسلام دشمن قوتیں اپنا کھیل کھیل رہی ہیں۔ پاکستان ایک عرصے سے بدامنی اور خوف و ہراس کا گڑھ بن چکا ہے۔ ایک طرف امریکی طیارے آئے روز ڈرون حملے کرکے پاکستانی عوام کو خون میں نہلا دیتے ہیں، اب تک امریکی ڈرون حملوں میں بے گناہ مرنے والے پاکستانیوں کی تعداد ہزاروں میں ہے، امریکی جارحیت کا یہ سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔ دوسری طرف ملک دہشت گردی، خودکش دھماکوں اور قتل و غارت گری کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں چالیس ہزار سے زائد پاکستان شہری اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

شام بھی گزشتہ پونے دو سال سے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہا ہے۔ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق گزشتہ ماہ تک شام میں کشیدگی کے آغاز سے اب تک کم

از کم ترانوے ہزار افراد مارے جا چکے ہیں۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ادارے کا کہنا ہے کہ گزشتہ جولائی سے اب تک شام میں ہر ماہ اوسطً کم از کم پانچ ہزار افراد ہلاک ہو رہے ہیں۔ یہ اعداد و شمار ایک محتاط اندازہ ہے کیونکہ بہت سی ہلاکتوں کی اطلاع نہیں دی جاتی۔ ہلاک ہونے والوں میں اسّی فیصد مرد ہیں اور دس سال سے کم عمر کے سترہ سو بچے بھی ہلاک ہوئے ہیں۔ کئی موقعوں پر بچوں پر تشدد اور ا±ن کے مارے جانے کی اطلاعات ملی ہیں، پورے پورے گھرانوں کو قتل کر دیا گیا جن میں شیر خوار بچے بھی شامل ہیں۔ ہلاکتوں کی اتنی زیادہ شرح اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ یہ تنازع کس قدر وحشیانہ ہو چکا ہے۔ شام میں گزشتہ دو برسوں سے جاری جارحیت میں اب تک ہزاروں بچے بھی مارے گئے ہیں۔ بچوں کو 'خود کش بمبار یا انسانی حصار' کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ گزشتہ دنوں معروف عالم دین شیخ یوسف القرضاوی نے شام میں ظلم کا نشانہ بننے والے شہریوں کے لیے تعاون کی اپیل بھی کی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ شام میں ظلم کا نشانہ بننے والے اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کی مدد کریں۔ انہیں ہر طرح سے تعاون فراہم کریں۔ ان کا کہنا تھا کہ شام میں حزب اللہ بشار الاسد کی حمایت میں لڑ رہی ہے، اسے ہر تعاون فراہم کر رہی ہے، مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ وہ مظلوموں کا ساتھ دیں۔ اسی حوالے سے عراقی وزیر اعظم نوری المالکی نے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ پڑوسی ملک شام میں جاری خانہ جنگی قریبی ممالک تک بھی پھیل سکتی ہے۔ وہی

ہوا کہ گزشتہ دنوں شام کی لڑائی لبنان میں بھی جا پہنچی ہے۔ وہاں گزشتہ چند روز سے مسلح جھڑپیں جاری ہیں جن میں اب تک کئی شہری مارے جا چکے ہیں۔ لڑائی ایک سنی عالم دین کے خلاف حزب اللہ کی کارروائی سے شروع ہوئی تھی۔ لبنان کے سابق وزیراعظم فواد سنیورہ نے جنوبی شہر صیدا میں پیش آنے والے پ±رتشدد واقعات کی ذمہ داری حزب اللہ پر عائد کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ صیدا میں فرقہ وارانہ لڑائی کے دوران اگر لبنان کے کسی مسلح گروپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے تو وہ حزب اللہ ہے۔ حزب اللہ کی اس لڑائی کا مقصد راسخ العقیدہ س±نی عالم دین شیخ احمد الاسیر اور ان کے گروپ کو کاری ضرب لگانا تھا۔ پچھلے چند روز کے اخبارات کا مطالعہ کرنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ صیدا میں کشیدگی کا منصوبہ حزب اللہ نے تیار کیا تھا تاکہ شیخ احمد الاسیر کو جوابی لڑائی کے لیے مجبور کیا جائے۔ خیال رہے کہ ساحلی شہر صیدا اور اس کے نواحی علاقوں میں پچھلے کئی روز سے حزب اللہ اور سنی عالم دین شیخ احمد الاسیر کے حامیوں کے درمیان جھڑپیں جاری ہیں۔ لڑائی کے دوران فوج پر بھی حملے کیے گئے ہیں۔ فرقہ وارانہ کشیدگی اور دوطرفہ حملوں میں اب تک درجنوں افراد ہلاک اور زخمی ہو چکے ہیں۔ حزب اللہ شامی صدر بشارالاسد کی حامی ہے جب کہ شیخ احمد الاسیر شامی انقلابیوں کی حمایت کرتے ہیں۔ لبنان کے ایک تجزیہ نگار جارج علم نے کہا ہے کہ جب تک تمام سیاسی جماعتیں متفقہ طور پر فوج کو مسلح عناصر کو غیر مسلح کرنے کا اختیار نہیں دیتیں تنہا فوج کے لیے ایسا کرنا ناممکن

ہے۔ جارج نے خدشہ ظاہر کیا کہ صیدا میں کشیدگی کا فوری خاتمہ نہ کیا گیا تو فرقہ وارانہ فسادات کی آگ ملک کے دیگر شہروں تک پھیل سکتی ہے۔

افغانستان میں بھی گزشتہ دس سالوں سے امریکا بے گناہ شہریوں کو موت کی نیند سلا رہا ہے۔ ان دس سالوں میں بلا مبالغہ اب تک مرنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ افغانستان میں امریکی جارحیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ چند مہینوں میں افغانستان میں 7559 افراد مارے جا چکے ہیں جن میں سے خواتین اور بچوں کی ایک بڑی تعداد ہے۔ ان تمام سخت ترین حالات کے باوجود باہمت افغانوں نے کبھی ہار نہیں مانی بلکہ ظالم و جابر امریکا کو ہی ہر سطح پر جھکایا ہے۔ اسی لیے امریکا ایک عرصے سے طالبان کے ساتھ مذاکرات کی میز پر بیٹھنے کو ترس رہا ہے اور امریکا کے زور پر ہی قطر کو طالبان کا دفتر کھولنا پڑا ہے تاکہ امریکا طالبان کے ساتھ مذاکرات کرکے جلدی یہاں سے نکل سکے۔ طالبان آئے روز زوردار حملوں سے امریکا سے اپنا بدلہ لیتے رہتے ہیں۔ گزشتہ روز طالبان نے افغان صدارتی محل کو نشانہ بنایا۔ ذرائع کے مطابق یہ معلوم نہیں کہ صدر حامد کرزئی محل میں موجود تھے یا نہیں تاہم مقامی وقت کے مطابق صبح نو بجے کے بعد انہیں صدارتی محل میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرنا تھا۔ برطانوی خبر رساں ادارے کے مطابق مجاہد نے پیغام میں کہا، "آج صبح ساڑھے چھ بجے "خود کش حملہ آوروں نے صدارتی محل، وزارت دفاع اور آریانا ہوٹل پر حملہ کیا۔

آریانا ہوٹل کو امریکی انٹیلی جنس ادارے سی آئی اے کا کابل میں ہیڈ کوارٹر خیال کیا جاتا ہے۔ عینی شاہدین نے ہوٹل کی عمارت کے پاس سے دھواں اٹھتا دیکھا ہے۔اسی طرح کے حملے طالبان آئے روز کرتے رہتے ہیں جس سے امریکا کو یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ امریکا سے ہر حال میں اپنا بدلہ لیتے رہیں گے۔

فلسطین میں بھی اسرائیلی ظلم کا سلسلہ جاری ہے۔ فلسطینیوں کی زمینیں کو ہتھیا کر ظالم صیہونوں کو دے دی گئیں۔ اور پوری دنیا کے اسلام دشمن ممالک اسرائیل کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔امریکا و برطانیہ سمیت کئی دوسرے ممالک بھی اسرائیل کو ہر سطح پر تھپکی دیتے ہیں۔آئے روز کئی بے گناہ فلسطینی شہید کر دیے جاتے ہیں، بے گناہ فلسطینوں کی پکڑ دکڑ کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ چند روز قبل صرف ایک دن میں فلسطین کے مرکز مقبوضہ بیت المقدس ہیں ایک سو پندرہ فلسطینیوں کو گرفتار کیا گیا۔ عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ صہیونی حکومت کے فوجیوں نے زیادہ تر فلسطینیوں کو گھروں میں گھس کر گرفتار کیا اور گرفتاری کے بعد انہیں نامعلوم مقامات پر منتقل کر دیا گیا۔ اسی طرح گزشتہ دنوں غلسطین کے علاقے غرب اردن میں فلسطینی عوام کے احتجاجی مظاہرے پر اسرائیلی فوجیوں کے حملے کے نتیجے میں درجنوں فلسطینی زخمی ہو گئے ہیں۔ فلسطینی القدس میں اسرائیل کی تسلط پسندانہ پالیسیوں اور بیت المقدس کی حمایت میں نماز جمعہ کے بعد احتجاجی مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس موقع پر صہیونی

حکومت کے فوجیوں نے مظاہرین پر حملہ کرکے درجنوں فلسطینی مظاہرین کو زخمی کردیا۔ اسرائیلی فوجیوں نے مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے آنسو گیس کے گولے داغے اور ہوائی فائرینگ کی، جس کے نتیجے میں درجنوں فلسطینی زخمی ہوگئے۔ فلسطین میں اسرائیل کی جانب سے فلسطینیوں کے گھروں پر ظالمانہ قبضہ کرنے کا سلسلہ بھی جاری ہے، آئے روز یہودی بستیوں کی تعمیر کی جاتی ہے۔

عراق بھی ان مظلوم ممالک میں شامل ہے جہاں موت کا رقص جاری ہے۔ روز مختلف کارروائیوں میں سینکڑوں افراد مارے جاتے ہیں۔ انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والی تنظیم 'عراق باڈی کاونٹ' کی جانب سے پیش کی گئی ایک رپورٹ کے مطابق عراق میں ظالمانہ مختلف واقعات میں سویلین ہلاکتوں کی تعداد 3,976 رہی ہے۔ تاہم کم ترین تعداد کے باوجود اوسطاً یہ تعداد قریب 11 ہلاکتیں روزانہ بنتی ہے۔۔ میانمار (برما) میں گزشتہ سال سے مسلمانوں پر ظلم وستم کا سلسلہ جاری ہے، 2012 سے اب تک دو لاکھ سے مسلمان شہید کیے جاچکے ہیں۔ مسلمانوں کو زندہ جلایا جاتا ہے، برما میں مسلمانوں کی سینکڑوں مساجد جلادی گئی ہیں یا ڈھادی گئی ہیں۔ مدارس ملیامیٹ کردیے گئے ہیں۔ مسلمانوں کو برما سے نکلنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ کشمیر میں بھی بھارتی ظلم وستم جاری ہے، آزادی کے مطالبے کی پاداش میں روز کئی بے گناہ مسلمانوں کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا جاتا ہے۔ اب تک ایک لاکھ سے بھی زائد کشمیری بھارتی دہشتگردی کا نشانہ بن چکے ہیں، جیلوں

میں پڑے سڑتے کشمیریوں کی تعداد کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔

ملک میں بڑھتے ہوئے جرائم

پاکستان ایک عرصے سے بے شمار گھمبیر مسائل کا شکار ہے۔ جس سے نکلنے کی کوئی راہ سدھائی نہیں دیتی۔ ان مسائل میں سب سے خوفناک مسئلہ ملک میں جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح ہے۔ جس سے ملک کے شہریوں کا امن و سکون تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔ ہر طرف قتل غارت گری، دہشت گردی، بم دھماکے، ڈکیتی، چوری، بھتا وصولی اور بے شمار دوسرے جرائم نے عوام کو نفسیاتی مریض بنا دیا ہے۔ حالیہ انتخابات کے نتیجے میں منتخب ہونے والی حکومت کے پہلے ہی ایک مہینے میں ملک کے مختلف حصوں میں ہونے والی دہشت گردی کی نو بڑی کارروائیوں میں 104 افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے جبکہ درجنوں زخمی بھی ہوئے۔ 3 جون کو خیبر پی کے ممبر صوبائی اسمبلی فرید خان کو ڈرائیور سمیت قتل کیا گیا۔ 15 جون کو کوئٹہ میں ویمن یونیورسٹی کی بس اور بولان میڈیکل کمپلیکس ہسپتال پر دھماکے اور زیارت میں قائداعظم کی رہائش گاہ پر حملے ہوئے جس میں 27 افراد جاں بحق ہوئے۔ 18 جون کو مردان میں جنازے پر خودکش حملہ ہوا، رکن صوبائی اسمبلی عمران خان مہمند سمیت 35 افراد مارے گئے۔ 21 جون کو کراچی میں ایم کیو ایم کے رکن سندھ اسمبلی ساجد قریشی کو بیٹے سمیت قتل کر دیا گیا۔ اسی روز پشاور میں مسجد پر خودکش حملے میں 15 افراد جاں بحق ہوئے۔ 23 جون کو نانگا پربت میں 10 غیر ملکی سیاحوں اور ایک

مقامی شخص کو قتل کر دیا گیا۔ 24 جون کو پشاور میں ڈی ایس پی ٹریفک امان اللہ ڈرائیور سمیت قتل ہوئے۔ 26 جون کو کراچی میں جسٹس مقبول باقر کے قافلے پر حملہ میں دو رینجرز اہلکاروں سمیت 9 افراد کو مار دیا گیا۔ اسی روز پشاور میں حیات آباد تھانے کے ایس ایچ او میر اجان کو نشانہ بنایا گیا۔

ملک میں جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح کا اندازہ صرف ایک دن میں اخبارات میں آنے والی خبروں سے لگایا جاسکتا ہے۔ آپ کے سامنے 27 جون بروز جمعرات ملک میں ہونے والے جرائم وہ واقعات پیش کیے جاتے ہیں جو جمعہ کے روز اخبارات میں شائع ہوئے۔ کوئٹہ کے نواحی علاقے کچلاک میں کلی کتیر کراس کے قریب واقع مسجد کی دیوار کے ساتھ خودکش دھماکا ہوا جس کے نتیجے میں دو افراد جاں بحق اور ایک شخص شدید زخمی ہوگیا۔ دھماکے سے مسجد کی دیواریں گر گئیں۔ صحبت پور میں بارودی سرنگ پھٹنے سے ایک شخص مارا گیا۔ مستونگ کے علاقہ سپزینڈ میں نامعلوم افراد نے دو کنٹینرز پر فائرنگ کردی جس کے نتیجے میں دو افراد زخمی ہوگئے۔ کوئٹہ میں نامعلوم افراد نے پرائیویٹ اسکول ٹیچر نصیر احمد کو اسکول سے گھر جاتے ہوئے قتل کر دیا۔ سوات کے علاقے تختہ بند میں سرچ آپریشن کے دوران فائرنگ سے پولیس اہلکار قتل کر دیا گیا۔ دو مسلح افراد بھی مارے گئے۔ مسلح افراد نے ایک گھر میں موجود افراد کو یرغمال بنا لیا جنہیں جھڑپ کے بعد بازیاب کرا لیا گیا۔ کراچی کے مختلف علاقوں میں فائرنگ کے واقعات میں پولیس

کانسٹیبل اور تاجر سمیت 6 افراد قتل، ایک بچی زخمی ہو گئی جبکہ فائرنگ سے ایک زخمی نے ہسپتال میں دم توڑ دیا۔ پولیس کانسٹیبل محمد آصف کو گلبہار کے علاقے میں لیاقت چوک پر اس کے گھر کے نزدیک فائرنگ کا نشانہ بنایا گیا۔ ناظم آباد میں تاجر عرفان اللہ کو فائرنگ کرکے قتل کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ چاکیواڑہ کے علاقے بہار کالونی میں مکی مسجد کے قریب سے ایک 27 سالہ نوجوان کی لاش ملی جسے پیشانی پر گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ ماڑی پور کے علاقے میں نیول فلیٹس کی دیوار کے نزدیک سے بھی ایک شخص کی ہاتھ پاؤں بندھی لاش ملی جسے تشدد اور فائرنگ کرکے ہلاک کیا گیا تھا۔ کورنگی کے علاقے گلزار کالونی میں سنوکر کلب پر دستی بم کے حملے میں دو بچوں سمیت گیارہ افراد زخمی ہوگئے۔ حملہ آوروں کی تعداد دو تھی اور وہ موٹر سائیکل پر سوار تھے۔ کارساز روڈ پر موٹر سائیکل سوار افراد نے ایک کار پر فائرنگ کی جس کے نتیجے میں کار سوار نوید رضا ہلاک ہو گیا، اسے بھتہ نہ دینے پر دھمکیاں مل رہی تھیں۔

لاہور سیشن کورٹ میں تاریخ پیشی پر لائے گئے قتل کے ملزم کو اس کے مخالف گروپ کے دو افراد نے پولیس حراست میں ٹوکے کے وار کرکے شدید زخمی کر دیا۔ ملزم کو ہتھکڑی لگا کر کانسٹیبل عبدالرشید اور گن مین کانسٹیبل حبیب بخشی خانہ سے فاضل عدالت میں پیش کرنے کے لیے لے کر نکلے تو جوڈیشل کمپلیکس کے

داخلی راستے سے پہلے ہی ٹوکوں سے مسلح تاک لگا کر بیٹھے اس کے مخالف مزمل اور رمضان اچانک اس پر حملہ کرتے ہوئے اس پر ٹوکوں کے وار کیے جس سے وہ انتہائی زخمی ہو گیا۔ مجروح کو زخمی حالت میں گاڑی میں ڈال کر میو ہسپتال لے جایا گیا جہاں وہ تشویشناک حالت میں زیر علاج ہے۔ لاہور کے مختلف قریبی علاقوں میں کئی افسوسناک واقعات پیش آئے۔ قلعہ گجر سنگھ کے علاقہ مے ں اسٹاک ایکسچینج کے قریب دو ڈاکوؤ ں نے محمد شہریار سے 19 لاکھ روپے اور موبائل فون لوٹ لے ا۔ ڈاکوؤ ں نے جوہر ٹاؤ ن میں محمد آصف کے گھر میں گھس کر اہلخانہ کو گن پوائنٹ پر ے رغمال بنا کر 12 لاکھ روپے مالیت ، سندر میں ظہیر کے گھر سے 10 لاکھ ، ماڈل ٹاؤ ن میں ناصر کے گھر سے لاکھ کی نقدی، طلائی زیورات، موبائل فون اور دے گر سامان لوٹ لیا۔ ٹاؤ ن شپ 8 میں طاہر کی فیملی سے 8 لاکھ ، جوہر ٹاؤ ن میں عمر ابوبکر کی فیملی سے 5 لاکھ ، ڈیفنس اے میں ایک فیملی سے 5 لاکھ ، گجر پورہ میں ایک فیملی سے 4 لاکھ کی نقدی، طلائی زیورات اور موبائل فون لوٹ لیے۔ سول لائن کے علاقہ یں پولیس وردیوں میں ملبوس 2 ڈاکوؤ ں نے میاں عالم سے 2 لاکھ 12 ہزار روپے مالے ت کے کینڈین ڈالر لوٹ لیے۔ ڈاکوؤ ں نے فیکٹری ایریا میں ایک دکان یں گھس کر 3 لاکھ روپے اور موبائل فون، قلعہ گجر سنگھ میں ایک شخص سے موٹر سائیکل ، 50 ہزار روپے اور موبائل فون، چوہنگ میں شہباز سے موٹر سائیکل ، 20 ہزار روپے اور موبائل فون، شاہدرہ ٹاؤ ن میں ناظم سے موٹر سائیکل ، 12 ہزار روپے اور موبائل فون، مغلپورہ میں رضوان سے لیپ ٹاپ، 49 ہزار روپے

اور موبائل فون، قائد اعظم انڈسٹریل ایریا میں گل شیر سے 2 لاکھ اور موبائل فون، ساندہ بیں ڈاکوؤں نے عمیر سے 50 ہزار اور موبائل فون، لوئر مال میں یاسر سے ہزار اور موبائل فون لوٹ لیا۔ چوروں نے فیصل ٹاؤن سے ڈاکٹر ذوالفقار، مسلم 20 ٹاؤن سے عذرا، فیصل ٹاؤن سے علی رضا، غالب مارکیٹ سے عامر کی گاڑیاں جبکہ کوٹ لکھپت سے عرفان، مزنگ سے قاسم، گلشن راوی سے حافظ ریاض، شاہدرہ سے فیاض گلشن راوی سے ذوہیب، نشتر کالونی سے نفیس، شاد باغ سے ابوبکر، لوئر مال سے اشفاق، سبزہ زار سے محسن، گلشن اقبال سے شمس، لیاقت آباد سے عدنان، رائے ونڈ سے ارشد کی موٹر سائیکلیں چوری کر لیں۔ شیخوپورہ کے علاقے بسرا سٹریٹ میں ڈاکوؤں نے فائرنگ کر دی جس کے نتیجہ میں پروفیسر جاوید اور اس کا بیٹا شدید زخمی ہو گیا تاہم ان کا بیٹا واصف علی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے ہسپتال میں دم توڑ گیا ۔ گرین ٹاؤن میں عتیق نامی نوجوان نے ایک خاتون غلام فاطمہ، اس کی بیٹی فرزانہ کو چھری سے وار کر کے قتل کر دیا جبکہ دوسری بیٹی شاہدہ کو شدید زخمی کر کے فرار ہو گیا۔ نواب ٹاؤن کے علاقہ میں ایک فیکٹری میں معمولی جھگڑے پر چھ مزدوروں نے تشدد اور سریے سے وار کر کے 26 سالہ ساتھی مزدور کو قتل کر دیا۔ لاہور کے مختلف علاقوں میں نوسربازوں کے ہاتھوں نے نشہ آور شے کھانے سے ایک شخص ہلاک جبکہ تین افراد بے ہوش ہو کر ہسپتال پہنچ گئے۔ شیرا کوٹ کے علاقہ میں 28 سالہ نامعلوم شخص پراسرا طور پر ہلاک ہو گیا۔ ایس ایچ او شالیمار مظہر اقبال نے خفیہ اطلاعات پر مختلف جگہوں پر

چھاپے مار کے قتل اور دیگر سنگین مقدمات میں ملوث تھانہ اسلام پورہ اور فیکٹری ایریا کے تین اشتہاری ملزموں محمد فیصل ندیم عباس اور ظہیر عباس کو گرفتار کرکے ناجائز اسلحہ برآمد کرلیاہے۔ کسٹم اینٹی سمگلنگ لاہور نے کراچی سے بذریعہ ٹرین لاہور پہنچنے والے سمگل شدہ 10 ہزار میٹر کپڑے کو شالیمار ایکسپریس کے لاہور پہنچنے پر ٹرین سے برآمد کرکے قبضہ میں لے لیا۔

شاہ رکن عالم کالونی میں فہیم شاہ کی بیوی حنا گیلانی جو سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کی دور کے رشتے سے بھانجی لگتی ہیں نے 10 سالہ ملازم جمیل کے سر پر جگ مارا جس سے وہ جاں بحق ہو گیا۔ ملزمان نے ایک روز تک اس کی لاش گھر میں چھپائے رکھی پھر جتوئی میں اس کے ورثاء کے حوالے کر دی اور بتایا کہ نمونیا کی وجہ سے جمیل فوت ہو گیا ہے۔ ملزمان نے زبردستی جمیل کی تدفین بھی کروا دی۔ پولیس نے چھاپہ مار کر منشی کریم بخش اور متعدد گھریلو ملازمین کو گرفتار کر لیا ہے جبکہ فہیم شاہ اور حنا گیلانی کی گرفتاری کے لیے چھاپے مارے جا رہے ہیں۔ مرکزی ملزمہ حنا گیلانی کے بھائی زوہیب گیلانی کو حراست میں لے لیا ہے۔ مقتول جمیل کا چھوٹا بھائی جاوید جو فہیم شاہ کے گھر ملازم تھا نے بتایا کہ حنا گیلانی نے اس کے سامنے جگ مار کر اس کے بھائی جمیل کو قتل کیا قتل کے بعد مجھے ڈرایا گیا کہ قتل کے بارے میں کسی کو نہیں بتانا۔ لیہ 3 افراد نے سالہ لڑکے پر تیزاب پھینک دیا جس کا پورا جسم اور 20

چہرہ جھلس گیا۔ میرپور خاصمیں پسند کی شادی کرنے والے نوجوان کو اس کی 8 ماہ کی حاملہ بیوی سمیت بے دردی سے ذبح کر دیا گیا۔ نہری پانی کے تنازع پر دو گروپوں میں تصادم کے نتیجے میں فائرنگ سے 2 راہگیر کمسن بچیاں سمیرا اور رضوانہ جاں بحق جبکہ ایک بچی سونیا سمیت 4 افراد آ صف، لیاقت اور احسان شدید زخمی ہو گئے۔ فائرنگ کی زد میں آ کر 8 سالہ سونیا اور آ صف، لیاقت اور احسان شدید زخمی ہو گئے۔ زخمیوں کی حالت نازک بیان کی جاتی ہے۔ قصبہ جاگوکی میں آپس کی رنجش کی وجہ سے فائرنگ کے نتائج میں رانا انتظار حسین اور رانا قربان ہلاک ہو گئے جبکہ ایک نوجوان محمد اشفاق زخمی ہو گیا۔ گلھڑ منڈی، ایلیٹ فورس کی وردیوں میں ملبوس 4 افراد ایک شخص کو اٹھا کر لے گئے۔

ماں تجھے سلام

گرمیوں کی ایک دوپہر بچہ اسکول سے گھر لوٹا۔ ماں بچے کو دیکھ کر مسکرائی اور اس کے گال پر بوسہ دیتے ہوئے کہا بیٹا! جلدی سے کپڑے بدل لو میں کھانا لاتی ہوں، میرے بیٹے کو بھوک لگی ہوگی۔ بیٹا جلدی سے کپڑے بدل کر آیا تو سامنے ہر روز کی طرح سبزی یا دال کی جگہ آج اس کی پسندیدہ ڈش تھی۔ بیٹے نے پوچھا امی! آج یہ سب کچھ کیسے ؟۔ ماں نے کہا، بیٹا! یہ سب کچھ میں نے تمہارے لیے بنایا ہے۔ بچے نے کہا، آپ بھی میرے ساتھ کھانا کھالیں۔ بچے کی پسند کا کھانا چونکہ کم تھا اس لیے ماں نے کہا، "بیٹا میں نے تو کھانا کھا لیا ہے، اب تو پانی پینے کی جگہ بھی نہیں رہی، تم اکیلے ہی کھانا کھاؤ، تمہیں بھوک لگی ہوگی"۔ یہ کہہ کر ماں پھر سے کچن میں چلی گئی۔ بیٹا روز منہ بنا کر کھانا کھاتا تھا لیکن آج پسند کا کھانا دیکھ کر جلدی جلدی سب چٹ کر گیا۔ بیٹا برتن اٹھا کر جیسے ہی کچن میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ ماں فرش پر بیٹھی باسی روٹی کو پانی کے ساتھ گھونٹ گھونٹ کر کھا رہی ہے۔ یہ واقعہ میں نے کسی جگہ پڑھا تو سوچا آپ کے ساتھ بھی شئیر کیا جائے۔ خدا جانے اس واقعہ میں کس قدر صداقت ہے لیکن اس واقعہ میں جھلکتی ماں کی محبت کی صداقت میں رتی بھر بھی شک نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ادیب لکھتے ہیں: "میں نے ماں کی محبت کی حقیقت کو اپنی اصلی شکل میں اس

وقت دیکھا جب ایک دن ہمارے پڑوسیوں نے ہمارے ہاں کسی خوشی میں ایک لڈو بھیجا، ماں نے وہ لڈو کھانے کے لیے مجھے دے دیا، میں نے کہا کہ ماں آپ بھی اس میں سے آدھا لڈو کھالیں تو میری ماں نے کہا بیٹا مجھے لڈو پسند نہیں ہیں، حالانکہ مجھے "معلوم ہے کہ میری ماں کو سب سے زیادہ لڈو ہی پسند ہیں۔

زبان سے نکلا ہوا لفظِ ماں ایک ایسے احساس کا اظہار ہے کہ جس سے دل اور دماغ کو سکون ملتا ہے۔ جس کا ذکر لبوں پر آتے ہی خوشی چھا جاتی ہے۔ جنت تو جنت ہے لیکن جنت میں خوشبو دار پھول نہ ہوں تو جنت کیسی؟ جنت کا پھول ماں ہے۔ لفظ ماں اپنے اندر کائنات کی تمام تر مٹھاس، شیرینی اور نرماہٹ لیے ہوئے ہے۔ یہ دنیا کا سب سے پرخلوص اور چاہنے والا رشتہ ہے۔ ماں کی محبت کی طاقت کا اندازہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی وفات ہو گئی اور آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے "کوہ طور" پر چڑھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ اب تم سنبھل کر آنا تمہاری ماں کا انتقال ہوگیا ہے، جب تم میرے پاس" آتے تھے تو تمہاری ماں سجدے میں جاکر تمہارے لیے دعا کیا کرتی تھی۔" اس سے ثابت ہوا کہ ماں وہ عظیم ہستی ہے جس کی دعاؤں کی ضرورت صرف ہم جیسے گنہگاروں کو ہی نہیں بلکہ انبیاء اور اولیا کو بھی ہوتی ہے۔ جس کے لبوں کی جنبش بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت حاصل کرتی ہے۔ اسی لیے آپ علیہ السلام کائنات کے سب

سے عظیم انسان ہونے کے باوجود آپ علیہ السلام کو دودھ پلانے والی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ کا بے حد احترام کیا کرتے تھے۔ نبوت ملنے کے بعد بھی جب حلیمہ سعدیہ آپ علیہ السلام سے ملنے آتی تھیں تو آپ علیہ السلام ان کے لیے اپنی رحمتوں بھری مقدس چادر بچھا دیا کرتے تھے، ان کا استقبال کیا کرتے اور انہیں چھوڑنے کے لیے دور تک ان کے ساتھ جایا کرتے تھے۔

ماں ہی وہ ہستی ہے جس کو رب ذوالجلال نے تخلیق کا اعجاز عطا کرکے اپنی صفات سے بہرہ مند فرمایا۔ اس کا وجود محبت کا وہ بیکراں سمندر ہے کہ جس کی وسعت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ایسا سائبان عافیت جس کی چھاؤں میں کوئی دکھ پریشانی ہمیں چھو نہیں سکتی۔ دنیا میں جتنے بھی رشتے ہوں اور ان رشتوں میں جتنی بھی محبت ہو، وہ اپنی محبت کی قیمت مانگتے ہیں، مگر ماں کا رشتہ دنیا میں واحد ایک ایسا رشتہ ہے جو صرف آپ کو کچھ دیتا ہی ہے اور اس کے بدلے میں آپ سے کچھ نہیں مانگتا۔ حدیث میں آتا ہے: ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں: " محبت کی ترجمانی کرنے والی کوئی چیز ہے تو وہ پیاری ماں ہے۔ " حکیم لقمان نے فرمایا: " ماں کا ایسا پیار ہے جو کسی کے سیکھنے اور بتانے کا نہیں۔ " مولانا الطاف حسین حالی نے لکھا ہے: " ماں کی محبت حقیقت کی آئینہ دار ہے۔ " شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کہتے ہیں: " سخت سے سخت دل کو ماں کی آنکھوں سے موم کیا جا سکتا ہے۔ " نپولین رقمطراز ہے: " خوشیوں کے تلاطم

اور حسرتوں کے ہجوم میں ماں کو دیکھ۔" انگریزی کا سب سے بڑا ادیب شیکسپیئر بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکا کہ بچے کے لیے سب سے اچھی جگہ ماں کا دل ہے خواہ بچے کی عمر کتنی ہی ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ ماں، جنت کو پانے کا ایک آسان راستہ ہے، جس کا احساس انسان کی آخری سانس تک چلتا رہتا ہے۔ ماں ایک پھول ہے جس کی مہک کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ایک سمندر ہے جس کا پانی اپنی سطح سے بڑھ تو سکتا ہے مگر کبھی کم نہیں ہو سکتا۔ ایک ایسی دوست جو کبھی بیوفا نہیں ہوتی۔ ایک ایسا وعدہ ہے جو کبھی ٹوٹتا نہیں۔ ایک ایسا خواب ہے جو تعبیر بن کر ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ ایک ایسی محبت ہے جو کبھی کم نہیں ہوتی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس محبت میں بڑھوتری ہی ہوتی رہتی ہے۔ ایک ایسی پرچھائی ہے جو ہر مصیبت سے ہمیں بچانے کے لیے ہمارے ساتھ رہتی ہے۔ ایک ایسی محافظ ہے جو ہمیں ہر ٹھوکر لگنے سے بچاتی ہے۔ ایک ایسی دعا ہے جو ہر کسی کے لب پر ہر وقت رہتی ہے۔ دنیا میں ہر انسان کا وجود اسی عظیم رشتے کا احسان ہے، ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنی ماں کو اس کی زندگی میں ڈھیر ساری خوشیاں دے جس طرح اس نے ہمیں ہمیشہ ڈھیر ساری خوشیاں دی ہیں۔ اگر کسی کی ماں اس دنیا سے ہمیشہ کے سفر پر روانہ ہو چکی ہے تو وہ ان کے لیے صدقہ جاریہ بنے۔

میں دنیا میں کہیں بھی ہوں

سب سے دور
مگر ایک ہستی ہے
جو میرے آس پاس ہوتی ہے
میری خوشیوں میں خوش ہوتی
میرے دکھ میں تڑپتی
جس کے سجدے میرے لیے
جس کی دعائیں میرے لیے
جس کے آنسو
سب منتیں مرادیں
جس کی ہر آرزو ہے میرے لیے
ہر پریشانی میں اس کی دعائیں
میرے سر پہ سایا کرتی ہیں
کبھی ستارہ کبھی جگنو بن کر چمکتی ہیں
محبتوں کا خزانہ ہے
میری ماں

برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون کا دورہ پاکستان

برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون پاکستان کا دوروزہ دورہ مکمل کرکے اتوار کے روز اپنے وطن جاچکے ۔ڈیوڈ کیمرون ہفتے کے روز پاکستان پہنچے تھے۔ پاکستان کے صدر آصف علی زرداری سے ملاقات کی اور اتوار کے روز پاکستانی وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف سے ملاقات کے بعد مشترکہ کانفرنس سے خطاب بھی کیا۔وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان، وزیر اطلاعات پرویز رشید، وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف، وزیراعظم کے مشیر خارجہ سرتاج عزیز، معاون خصوصی طارق فاطمی، سیکرٹری خارجہ اور دیگر اعلی حکام نے وزیراعظم نواز شریف کی جبکہ برطانوی وفد کے ارکان بیرونس سعیدہ وارثی اور برطانوی ہائی کمشنر ایڈم تھامسن نے وزیراعظم ڈیوڈ کیمرون کی معاونت کی۔اطلاعات کے مطابق پاکستان کے دفتر خارجہ نے میاں نواز شریف کو برطانوی وزیر اعظم سے امداد مانگنے کی درخواست کرنے کا مشورہ بھی دیا جسے میاں نواز شریف نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے مسترد کردیا۔ ملاقات کے دوران وزیر اعظم محمد نواز شریف اور برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون نے پاکستان اور برطانیہ کے درمیان تمام شعبوں میں تعاون کے ساتھ ساتھ باہمی دلچسپی کے علاقائی اور عالمی معاملات خاص طور پر افغانستان کے حوالہ سے تفصیلی تبادلہ خیال کیا

اور برطانوی وزیراعظم کے دورہ پاکستان کی تکمیل پر دفتر خارجہ نے دونوں ملکوں کا مشترکہ اعلامیہ جاری کیا، جس میں دونوں ملکوں کے وزرائے اعظم نے باہمی تعاون کی نئی راہیں اور نئے امکانات تلاش کرنے پر اتفاق کیا۔

وزیراعظم محمد نواز شریف نے کہا کہ پاکستان اور برطانیہ کے درمیان ٹھوس تاریخی اور ثقافتی تعلقات ہیں۔ دونوں ممالک اس خطے اور اس سے آگے دنیا میں امن واستحکام کے مشترکہ مقاصد رکھتے ہیں، ہم برطانیہ کو قریبی دوست اور حقیقی ترقیاتی شراکت دار ملک تصور کرتے ہیں۔ پاکستان اور برطانیہ کے وزرائے اعظم نے دوطرفہ تعلقات کے تمام شعبوں میں تعاون کو مزید فروغ دینے پر اتفاق کرتے ہوئے کہا ہے کہ 2015 تک باہمی تجارت کے حجم کو تین ارب پاؤنڈ تک پہنچا دیا جائے گا۔ موجودہ تجارت کا حجم اڑھائی ارب ڈالر ہے۔ نواز شریف نے برطانوی تاجروں کو پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے کی دعوت دی اور کہا کہ توانائی کے بحران کے خاتمہ کے لیے سخت فیصلے کرنے کا موقع ہے۔ عالمی برادری میں برطانیہ کے قائدانہ کردار کی بدولت پاکستان میں ترقی کے مواقع پیدا ہوں گے۔ اس ضمن میں یورپی یونین کی منڈیوں تک پاکستان مصنوعات کی ممکنہ رسائی کا ذکر کیا۔ اسٹریٹیجک مذاکرات کے تحت دونوں ملک اقتصادی اصلاحات پر مذاکرات جاری رکھیں گے۔ ڈیوڈ کیمرون نے کہا کہ 200 سے زائد برطانوی کمپنیاں پاکستان میں کاروبار کر رہی ہیں۔ ان کی حکومت پاکستان کے ساتھ پہلے سے زیادہ مضبوط

تجارتی تعلقات کی خواہاں ہے۔ پاکستان اور برطانیہ کی شراکت داری ناقابل تسخیر ہے اور ہمیشہ کے لیے مضبوط ہے۔ وزیراعظم نواز شریف کا کہنا تھا کہ بین الاقوامی معاملات پر دونوں ملکوں کا موقف یکساں ہے۔ پاکستان افغان امن مذاکرات میں پیش رفت چاہتا ہے۔ پاکستان افغان امن مذاکرات کی حمائت کرتا ہے۔ کیمرون نے کہا دونوں ممالک کے درمیان مضبوط روابط ہیں اور برطانیہ میں موجود دس لاکھ سے زیادہ پاکستانی دونوں ملکوں کے تعلقات میں پل کا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ پاکستان سے مختلف معاملات پر بات چیت جاری رکھیں گے۔

دونوں وزرائے اعظم نے افغانستان میں امن و استحکام اور سکیورٹی کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے کہا کہ افغان قیادت کے زیراہتمام افغانستان کے اندر قومی مفاہمت کی بھرپور حمایت کی جائیگی۔ وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے کہا کہ پاکستان اور برطانیہ کے درمیان تجارت، سرمایہ کاری، توانائی اور ثقافتی روابط کے بڑھتے ہوئے مواقع سے بھرپور استفادہ کرنے کیلئے دوطرفہ تعاون کا دائرہ کار بڑھایا جائے گا۔ آئندہ چند ماہ کے دوران وزیراعظم کے مشیر برائے خارجہ امور و قومی سلامتی سرتاج عزیز اور برطانوی وزیر خارجہ ولیم ہیوب، سٹرٹیجک مذاکراتی عمل کو آگے بڑھائیں گے۔ کیمرون نے کہا کہ برطانیہ اپنی سرمایہ کار و تجارتی کمپنیوں کو پاکستان میں مشترکہ سرمایہ کاری کی ترغیب دے گا۔ پاکستان میں توانائی کے شعبوں میں سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کی

جائیگی۔ تعلقات اور دوطرفہ تعاون کو فروغ دینے کیلئے مزید اقدامات کیے جائیں گے۔
انسداد دہشت گردی کے لیے برطانیہ پاکستان کی بھرپور مدد کرے گا۔ کیمرون نے انکم
سپورٹ پروگرام کے فنڈز میں کیے جانے والے اضافہ کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے
اس پروگرام کے لیے برطانوی معاونت کو جاری رکھنے کے عزم کا اعادہ کیا۔ کیمرون نے
دہشت گردی کے خاتمہ کیلئے مشترکہ کوششیں کرنے اور پاکستان سے تعاون جاری رکھنے
کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ برطانیہ دھماکہ خیز مواد کی نشاندہی اور اسے ناکارہ
بنانے کے لیے مزید آلات بھی فراہم کرے گا اور پاکستان کے بنیادی ڈھانچہ کی سیکورٹی
کے لیے برطانوی تجربات کی روشنی میں مدد فراہم کرے گا۔
برطانوی وزیراعظم نے تسلیم کیا کہ دہشت گردی کو اسلام سے جوڑنا غلط سوچ ہے۔
اسلام امن کی تعلیم دیتا ہے۔ کسی اور ملک کے مقابلے میں مسلمان دہشت گردی کی
لعنت سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔۔برطانیہ نے اس غلط انداز فکر کے خاتمے کا
عزم کر رکھا ہے، تاہم مسلمانوں کو بھی اس تاثر کے خاتمے کے لیے کوشش کرنی
چاہیے۔۔برطانوی وزیراعظم کے دورہ پاکستان کے موقع پر دونوں ملکوں کے وزرائے
اعظم نے انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے مل کر کام کرنے اور باہمی
تجارت کو بڑھانے کا عزم ظاہر کیا ہے۔ ڈیوڈ کیمرون نے کہا کہ پاکستان کے دوست
برطانیہ کے دوست اور پاکستان کے دشمن برطانیہ کے دشمن ہیں۔

پاکستان اور برطانیہ دونوں دہشت گردی کے خلاف مل کر لڑیں گے۔ برطانوی وزیراعظم ڈیوڈ کیمرون نے امریکی ڈرون حملے کیخلاف پاکستان کے موقف کی تائید کی ہے اور ڈرون حملوں کے مسئلے کے حل کے سلسلے میں پاکستان اور امریکا کے درمیان مذاکرات کے اہتمام میں اپنی حکومت کی جانب سے مدد کی پیشکش بھی کی ہے۔ برطانوی وزیراعظم کے دورہ پاکستان کے موقع پر افغانستان کے حالات کافی اہمیت کے حامل رہے۔ چند روز قبل ڈیوڈ کیمرون کے دورہ افغانستان کے موقع پر اعلیٰ برطانوی جنرل نک کارٹر نے اہم نوعیت کا بیان دیا تھا، جس کے حوالے سے وزیراعظم کیمرون نے اپنا موقف واضح کیا۔ جنرل نک کارٹر نے برطانوی روزنامے گارجیئن کو دیے گئے انٹرویو میں کہا تھا کہ طالبان سے مذاکرات نہ کرکے افغانستان میں قیام امن کا ایک موقع گنوا دیا گیا۔ مغرب کو طالبان کے ساتھ ایک دہائی قبل ہی مذاکرات کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی جب ان کی حکومت افغانستان میں ختم کی تھی۔ جنرل کارٹر نے مزید کہا تھا کہ 2014 میں اتحادی فوجوں کے انخلاء کے بعد افغان فوج کو فوجی اور مالی امداد کی ضرورت ہو گی۔ اتحادی فوج کے انخلاء کے بعد کابل حکومت کو صرف چند ہی علاقوں میں جزوی کنٹرول حاصل ہو گا۔ برطانوی وزیراعظم ڈیوڈ کیمرون نے دورہ پاکستان پر طالبان کے ساتھ مذاکرات کا بھرپور دفاع کرتے ہوئے تسلیم کیا کہ 2001 میں افغانستان کے حوالے سے جو فیصلہ سازی کی گئی اس میں بہتری کی گنجائش موجود تھی، انہوں نے مزید کہا کہ قیام امن کا ایک موقع ہاتھ لگ رہا ہے اور وہ سب

اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

اتوار کے روز برطانوی وزیر اعظم نے یادگار پاکستان کا دورہ بھی کیا اور چاروں صوبوں سے تعلق رکھنے والے طلبہ کے گروپ سے ملاقات کی۔ برطانوی وزیر اعظم نے تعلیم سمیت مختلف شعبوں میں پاکستان کے ساتھ تعاون میں وسعت کے لیے اپنی دلچسپی کا اظہار کیا، جبکہ طلبہ نے برطانوی وزیر اعظم سے پاکستان برطانیہ تعلقات مستحکم بنائے جانے سے متعلق مختلف سوالات بھی کئے۔ وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون نے مونومنٹ کا چکر بھی لگایا جہاں انہیں برٹش کونسل کے ایکٹیو سٹیزنز پروگرام کے تحت تربیت حاصل کرنے والے دو نوجوانوں نے یادگار کی تعمیر کے متعلق آگاہ کیا۔

مصری صدر اپنا لائحہ عمل جاری رکھنے کے لیے پر عزم

عالم اسلام کے حالات دن بدن بد سے بدترین ہوتے جارہے ہیں۔ابھی ایک ملک کی حالت سدھرتی نہیں کہ دوسرے میں سازشیں شروع کردی جاتی ہیں۔برما، افغانستان، عراق، چیچنیا، بوسنیا، کشمیر، فلسطین اور شام سمیت کئی علاقوں میں تو ایک عرصے سے مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی جاری ہے ہی، جو قدرے پرسکون اسلامی ممالک تھے، ان میں بھی اسلام دشمنوں نے اپنی دشمنانہ سازشوں کا آغاز کردیا ہے۔ پہلے ترکی میں اسلام پسندوں کی مستحکم و منتخب حکومت کو گرانے کی کوشش کی گئی، اس کے بعد مصر میں الاخوان المسلمون کی قائم حکومت کے خلاف سازشوں کا ایک نیا سلسلہ شروع کردیا گیا ہے۔ابھی الاخوان المسلمون کو حکومت سنبھالے ایک سال ہی گزرا ہے، کہ ان سے غیروں کی سرپرستی میں حکومت ختم کرنے کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔ اتوار کے روز اسلام مخالف قوتوں کی سربراہی میں اخوان کی منتخب حکومت کے خلاف تحریر اسکوائر کے مقام پر ایک بہت بڑا احتجاجی جلوس نکالا گیا۔مظاہرین صدر مرسی سے حکومت چھوڑنے کا مطالبہ کررہے تھے۔اس کے بعد پیر کے روز مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں مسلح افراد نے حکمراں جماعت الاخوان المسلمون کے ہیڈ

کوارٹرز پر دھاوا بولنے کے بعد اسے نذر آتش کر دیا ہے اور مظاہرین کے روپ میں بلوائی وہاں سے سامان لوٹ کر لے گئے اور عمارت کو نذر آتش کر دیا۔ اخوان کے ترجمان کے بہ قول قریباً ڈیڑھ سو بلوائیوں نے ہیڈ کوارٹرز پر دھاوا بولا تھا۔ عینی شاہدین کے مطابق عمارت پر مظاہرین کے پٹرول بموں سے حملے کے وقت اخوان کا کوئی کارکن دفتر میں موجود نہیں تھا اور انھیں وہاں سے نکال لیا گیا تھا۔ اخوان کے ہیڈ کوارٹرز پر حملے کے دوران مسلح بلوائیوں کی فائرنگ سے متعدد افراد بھی مارے گئے۔ محمد مرسی کے خلاف احتجاجی مظاہروں کے دوران بعض گروہوں نے اخوان کے خلاف اپنے شدید جذبات کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس جماعت نے ان کے عوامی انقلاب کو ہائی جیک کر لیا ہے اور وہ اپنی انتخابی کامیابیوں کو اقتدار پر گرفت مضبوط بنانے اور اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ واضح رہے کہ صدر مرسی نے مظاہرین کے مطالبات کے حل کے لیے حزب اختلاف کو مذاکرات کی پیش کش کی تھی اور حکومت مخالف ملک گیر احتجاجی مظاہروں کے بعد ایوان صدر کی جانب سے حزب اختلاف کو ایک مرتبہ پھر مذاکرات کی پیش کش کی گئی۔ صدارتی ترجمان ایہاب فہمی نے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ "ہم ڈائیلاگ کے ذریعے ہی کسی مفاہمت تک پہنچ سکتے ہیں۔ ایوان صدر حقیقی اور سنجیدہ قومی مذاکرات کے لیے تیار ہے۔" فہمی نے مظاہرین پر زور دیا کہ وہ اپنے احتجاج کے دوران امن کو برقرار رکھیں اور مرسی مخالف مظاہروں کو مصر میں آزادی اظہار کی ایک مثال بنائیں۔ الاخوان المسلمون کے خلاف احتجاج

کرنے والوں کی اخلاقی گراوٹ کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ مصری دارالحکومت کے معروف تحریر اسکوائر پر منتخب جمہوری حکومت کے خلاف احتجاج کے دوران غیر ملکی صحافی سمیت 70 خواتین کی عصمت دری کے واقعات رونما ہوئے ہیں۔ حکومت مخالف مظاہرے کے دوران مردوں کے گروپ خواتین کو جنسی ہوس کا نشانہ بناتے رہے۔اتوار کو مظاہرے میں 46 خواتین جبکہ پیر کو 17 خواتین کو اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ ویب سائٹ پر جاری بیان کے مطابق حکومت مخالف مظاہرے کے اندر جرائم پیشہ افراد شامل ہیں جن کی نہ تو سیاسی تربیت ہے اور نہ وہ کسی کے کنٹرول میں ہیں۔اس بات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو مظاہرین اس قدر گھٹیا حرکتیں کریں ان کے پس پشت کون سی قوتیں ہو سکتیں ہیں۔

الاخوان المسلمون کا کہنا ہے کہ بلوائیوں نے تشدد کی آخری حد عبور کر لی ہے اور وہ اپنے دفاع میں کارروائی کرے گی۔اخوان کے ترجمان جہاد الحداد نے قاہرہ کے علاقے المقطعم میں مشتعل مظاہرین کے اپنے ہیڈ کوارٹرز پر حملے کے بعد کہا ہے: "مصری اس طرح کی کارروائیوں پر خاموش نہیں بیٹھیں گے اور نہ اپنے اداروں پر حملوں کو قبول کریں گے۔معاشرے میں کسی ادارے کے لیے یہ بہت ہی خطرناک رجحان ہے کہ وہ تشدد کو تبدیلی کے لیے ایک ذریعے کے طور پر استعمال کرے کیونکہ اس سے دوسروں کو بھی اسی کی شہ مل سکتی ہے۔" انہوں نے سیکورٹی فورسز پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ وہ اخوان کے ہیڈ کوارٹرز کو تحفظ

مہیا کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ صدر مرسی نے چند روز پہلے ہی اس بات سے اگاہ کیا تھا کہ سابق رجیم کے ارکان اور اسلام مخالف قوتیں ان کی حکومت کے خلاف سازش کررہے ہیں۔ مرسی حکومت کے انتہا پسند ناقدین الاخوان المسلمون پر الزام عاید کررہے ہیں کہ وہ سرکاری اداروں میں اسلامیوں کی اجارہ داری قائم کررہے ہیں جبکہ ان کے حامیوں کا کہنا ہے کہ وہ عشروں سے بدعنوانیوں سے لتھڑے ہوئے اداروں کی تطہیر کررہے ہیں۔

دوسری جانب اتوار کے روز مصر کی مسلح افواج کے سربراہ جنرل عبدالفتاح السیسی نے تمام سیاسی قوتوں کو کسی تصفیے تک پہنچنے کے لیے اڑتالیس گھنٹے کا الٹی میٹم دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر وہ کسی نتیجے تک نہیں پہنچتے تو پھر انھیں مستقبل کے لیے فوج کے نقشہ راہ کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس میں ہر کوئی شامل نہیں ہوگا۔ مصر کی مسلح افواج کے سربراہ جنرل عبدالفتاح السیسی نے خبردار کیا کہ آرمی ملک کے حالات خراب ہونے کی صورت میں خاموشی تماشائی نہیں بنے گی اور وہ تشدد کو روکنے کے لیے مداخلت کرے گی۔ سابق شکست خوردہ صدارتی امیدوار اور اپوزیشن لیڈر حمدین صباحی نے صدر مرسی کے اقتدار نہ چھوڑنے کی صورت میں فوج سے مداخلت کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ مسلح افواج کو اقدام کرنا چاہیے کیونکہ انھوں نے ہمیشہ عوام کی رائے کی طرف داری کی ہے۔" فوجی سربراہ کے بیان کے جواب میں مصر کے صدر محمد مرسی نے ملک میں

جاری سیاسی بحران کو حل کرنے کے لیے فوج کی جانب سے دی گئی اڑتالیس گھنٹوں کی مہلت کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا ہے کہ اس سے صرف ابہام پیدا ہوگا۔ صدر کا اصرار ہے کہ وہ قومی اتفاقِ رائے پیدا کرنے کے لیے اپنا لائحہِ عمل جاری رکھیں گے۔ تاہم مصری فوج نے بعد میں اپنے بیان کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ان کا مقصد فوجی بغاوت نہیں بلکہ سیاسی جماعتوں پر موجودہ کشیدگی ختم کرنے کے لیے زور دینا ہے۔ بیان کے مطابق عسکری قیادت فوجی بغاوت کو پالیسی کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ فوج 1977، 1986 اور 2011 میں مصر کی گلیوں میں رہی لیکن فوجی بغاوت نہیں کی۔ تاہم مصری صدر محمد مرسی نے منگل کو کہا کہ فوج نے سیاستدانوں کو وقت دینے سے پہلے ان سے مشورہ نہیں کیا گیا۔ صدارتی دفتر کا خیال ہے کہ اس بیان میں کچھ چیزیں ایسی ہے جس سے کنفیوژن بڑھنے کا خطرہ ہے۔ صدر مرسی کا اس بات پر اصرار ہے کہ انھوں نے حزبِ مخالف کے گروہوں کو مشاورت کی دعوت تو دی ہے مگر انھوں نے تعاون نہیں کیا۔ صدر کے حامی کہتے ہیں کہ مصر میں جو بھی بڑے بڑے مسائل ہوں، استحکام کے لیے صدر مرسی کو اپنی مدت مکمل کرنی چاہیے۔

اس سے قبل اپنی صدارت کے ایک سال کے موقع پر صدر مرسی نے کہا تھا کہ ملک میں جاری بے اطمینانی کے اظہار سے 'مصر کے مفلوج ہونے کا خطرہ' ہے۔

مرسی 30 جون 2012 کو انتخاب میں کامیابی کے بعد مصر کے پہلے اسلامی صدر بنے

تھے۔ان کی صدارت کا ایک سال سیاسی بے اطمینانی اور معیشت میں گراوٹ کی زد میں رہا ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اخوان کی حکومت کے خلاف موجودہ سازش میں اسلام دشمن قوتیں شامل ہیں جو کسی طرح بھی اسلام پسند حکومت کو برداشت نہیں کر سکتیں۔اخوان حکومت کے ختم کرنے کا مطالبہ کرنے والے سراسر غلطی پر ہیں کیونکہ ابھی اخوان کو حکومت سنبھالے ایک سال ہی ہوا ہے، جس میں حسنی مبارک کی حکومت کا کرپٹ گند صاف کرنا آسان کام نہیں ہے۔ ایک سال میں تو حکومتیں صحیح طرح سے سنبھل بھی نہیں پاتیں، اخوان کی یہ کامیابی ہے کہ اس نے مصر کے دگرگوں حالالات کو صرف ایک سال کے عرصے میں کافی حد تک درست کر دیا ہے۔

دل افسردہ ہے تیرے جانے کے بعد

دنیا دار فنا ہے۔ دوام صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ یہاں کائنات کی سب سے عظیم ہستی نہ رہی تو کوئی اور کیسے رہ سکتا ہے۔ دنیا میں انسان تو آتا ہی جانے کے لیے ہے۔ دنیا سے چلے جانا تو حکم خداوندی ٹھہرا ہے۔ سب کو جانا ہے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ کے لیے زندہ رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی زندگی دوسروں کے لیے جیتے ہیں۔ جن کی زندگی کا مقصد خدمت خلق اور دوسروں کو راحت و آرام پہنچانا ہوتا ہے۔ جن کا دن بھی دوسروں کی فکر میں گزرتا ہے اور رات بھی دوسروں کی فکر میں بسر ہوتی ہے۔ ایسے لوگ خدا تعالیٰ کی جانب سے مقرر کردہ وقت پہ دنیا سے تو چلے جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں زندہ کر دیتے ہیں۔ یہی ضابطہ خداوندی ہے۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

اسی طرح کی ایک شخصیت مولانا یاسر حسن قریشی شہید تھی۔ جنہیں شاہ فیصل کالونی میں 21 جون 2013 کو نماز جمعہ کے لیے جاتے ہوئے شہید کر دیا گیا تھا۔

مولانا یاسر حسن قریشی شہید کی ذات یوں تو بے شمار خوبیوں کا مجموعہ تھی لیکن ان کی ذات کی سب سے نمایاں اور قبل تعریف خوبی ان میں خدمت خلق کا بے انتہا جذبہ ہونا تھی۔خدمت خلق کا جذبہ ان کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔جو شخص خدمت خلق کرتا ہے یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرب و معتبر ہوتا ہے۔ مخلوق کی بے لوث خدمت کرنا انسانی اخلاق کا نہایت اعلیٰ جوہر ہے۔جو انسان اللہ تعالیٰ کے بندوں سے پیار کرتا ہے اور اس کی مخلوق کی خدمت کسی غرض اور لالچ کے بغیر کرتا ہے حق تعالیٰ کے نزدیک اس کا مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے، محتاجوں کی ضرورت کو پورا کرنا، بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑے پہنانا، بیمار کے لیے علاج کا انتظام کرنا، یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھنا، اور ان کی سرپرستی کرنا فی نفسہ عظیم الشان کار خیر ہے۔اس بلند مرتبے پر صرف وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جو اسلام و ایمان و تقویٰ سے مشرف ہوں۔ مولانا یاسر شہید کے دل میں بھی خدمت خلق کا عظیم جذبہ تھا۔ مولانا شہید رحمۃ اللہ نے اپنی زندگی خدمت دین اور خدمت خلق کے لیے وقف کردی تھی۔

مولانا یاسر حسن قریشی نے خدمت خلق کی مختلف صورتوں پر عمل کرنے کے لیے تقریباً سات سال قبل "الھادی اسلامک فاؤنڈیشن" کے نام سے رفاہی، سماجی اور فلاحی خدمات کے لیے ایک ادارہ قائم کیا جس کے تحت بیواؤں، یتیموں کی کفالت کی جاتی،ان کو زندگی کے کسی موڑ پر بھی تنہا نہ چھوڑا جاتا۔ مولانا شہید کے

قائم کردہ ادارے کے تحت غریب لوگوں کی ضروریات کو پورا کیا جاتا۔ ضرورت مندوں کو راشن دیا جاتا، ان کو پہننے کے لیے کپڑے مہیا کیے جاتے اور ان کو کسی قسم کی بھی ضرورت پیش آتی تو ان کی ضرورت پوری کی جاتی۔ اس ادارے کے تحت مستحق لوگوں کے ساتھ تعاون کرنے کا نظام انتہائی مضبوط و منظم تھا۔ علاقے میں مستحق افراد کی ایک لسٹ بنائی جاتی اور مکمل جانچ پڑتال کے بعد صرف مستحق افراد کو ان کا حق پہنچایا جاتا تھا، اس نظام سے کوئی غیر مستحق شخص دھوکا دے کر مال نہیں بٹور سکتا تھا۔ مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کی سربراہی میں قائم کردہ ادارے "الھادی اسلامک فاؤنڈیشن" کے تحت یتیم اور غریب بچیوں کی شادی کا انتظام بھی کیا جاتا تھا۔ کسی بھی مستحق شخص کو اپنی بیٹی کی شادی کرنے کے لیے پیسوں کی ضرورت ہوتی تو مولانا سے رابطہ کرتا تو مولانا اس غریب شخص کی بیٹی کی شادی کا انتظام فرمادیتے تھے۔ اس کے ساتھ مولانا کے قائم کردہ فلاحی ادارے کے تحت ڈسپنسری بھی قائم تھی جس سے کوئی بھی ضرورت مند بیمار دوا لے سکتا تھا۔ جب سے یہ ڈسپنسری قائم ہوئی اس وقت سے نجانے کتنے بندگان خدا نے اس ڈسپنسری سے حکم خداوندی کے ساتھ شفا پائی۔ کراچی میں ان کے ادارے کے تحت چھوٹے چھوٹے مدرسے بھی تھے جن کی مکمل کفالت انہی کے ذمے تھی۔ مولانا یاسر نے غریب و نادار لوگوں کی خدمت کے لیے الھادی اسلامک فاؤنڈیشن کی ایک برانچ اندرون سندھ میں بھی قائم کی ہوئی تھی جس کے تحت اندرون سندھ بھی منظم کام ہو رہا تھا۔ وہاں بھی ادارے نے بے شمار لوگوں

کی ضروریات کو پورا کیا۔

مولانا یاسر کو دین اور اہل دین کے ساتھ انتہائی زیادہ شغف تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ مدارس دینیہ سے پڑھنے والے فضلاء کرام زندگی کے ہر شعبے میں پہنچ کر دین اسلام کا بول بالا کریں۔ اس کے لیے وہ علماء کرام کے لیے عربی، انگلش اور کمپیوٹر سمیت کئی مختلف کورسز کرواتے رہتے تھے۔ دینی کام کے حوالے سے مدارس کے فضلاء کے لیے وقتاً فوقتاً مختلف موضوعات پر سیمینارز اور ورک شاپس کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ بچوں کی تربیت کے حوالے سے بھی پروگرام منعقد کرنے کا معمول تھا۔ مولانا کا گزشتہ کئی سالوں سے درس قرآن اور درس حدیث دینے کا معمول تھا۔ ہر ہفتے دو مختلف جگہوں پر دو درس دیا کرتے تھے۔ اور ہر سال رمضان المبارک میں نماز تراویح کے بعد بھی درس قرآن کا معمول تھا۔

مولانا یاسر حسن قریشی شہید نے مکمل تعلیم ملک کی معروف دینی درس گاہ جامعہ فاروقیہ سے حاصل کی۔ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کے خاص شاگرد شمار ہوتے تھے۔ حضرت شیخ صاحب دامت برکاتہم سے ہی مولانا یاسر کا اصلاحی تعلق تھا۔ آپ اپنے شیخ کے رنگ میں رنگ چکے تھے۔ ہر کام اپنے شیخ سے پوچھ پوچھ کر سرانجام دیتے تھے۔ آپ کو ہر وقت اپنی آخرت کی فکر اور امت مسلمہ کے حالات کی فکر لگی رہتی تھی۔ آپ کے سامنے مولانا یاسر حسن

قریشی شہید کے دو خطوط اور مولانا شہید کے شیخ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی جانب سے آنے والے جوابات پیش کیے جاتے ہیں جن سے آپ کو مولانا شہید کی ذات کی بڑائی کا اندازہ ہو جائے گا۔

پہلا خط مارچ 2013 کا ہے جس میں مولانا شہید نے شیخ مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہ کی عافیت کی دعا کرتے ہوئے اپنے کچھ معمولات پر اللہ کا شکر ادا کیا ہے اور اس کے ساتھ لکھا ہے کہ ہمیشہ یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ میں مکمل طور پر متبع سنت اور متبع شریعت بن جاؤں۔ اس کا جواب جو شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ صاحب نے عنایت فرمایا وہ ملاحظہ فرمائیں۔

"باسمہ الکریم!

مکرمی! زید مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ!

الحمد للہ احقر بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت ہے۔ عمر کے تقاضے کے پیش نظر ضعف ضرور لاحق ہے لیکن معمولات کی ادائیگی بحمد اللہ ہوتی رہتی ہے۔ آپ نے اپنے جو حالات لکھے ہیں وہ مبارک ہیں، اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمائیں، آمین ثم آمین۔

احقر کم زور ہے، وقت آخر بہت قریب آگیا ہے۔ اس لیے دعاؤں کا بہت محتاج ہے، اللہ تعالیٰ پر زور نہیں لیکن ان کی بھی دور نہیں اس لیے حسن خاتمہ کی درخواست ہے۔

سلیم اللہ خان

جامعہ فاروقیہ، کراچی

ربیع الثانی 1434ھ 18

"یکم مارچ 2013ئ

دوسرا خط اپریل 2013 کا ہے۔ جس میں مولانا یاسر نے امت مسلمہ اور خصوصی طور پر پاکستان کے حالات پر کڑھن کا اظہار کیا اور اس کے ساتھ ان حالات سے دوچار ہونے کی وجوہات پوچھی ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم نے جو جواب دیا وہ بھی ملاحظہ ہو۔

باسمہ تعالیٰ"

مکرمی !زید مجدہم

!وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

جن حالات و واقعات سے اہالیان پاکستان اور خود پاکستانی گزر رہے ہیں اس کی وجہ خداوند قدوس کی علی الاعلان مسلسل نافرمانی، احکام شریعت کی توہین و

تضحیک اور ظلم و جبر، خیانت و خباثت کا عام ہونا ہے۔جب یہ صورت پیدا ہوتی ہے تو عوام و خواص، مجرمین اور صالحین سب لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ دنیا میں تو یہی ہوتا ہے، البتہ آخرت میں صالحین کی گرفت نہیں ہوتی۔دعا ہے اللہ پاک اپنی بے پایاں رحمت کے صدقے حالات بہتر بنا دیں، آمین ثم آمین۔

آپ بیتی کی پہلی جلد کے لیے کوشش جاری ہے دعا فرمائیں۔

سلیم اللہ خان

جمادی الاولیٰ 1434ھ 23

اپریل 2013ئ

"جامعہ فاروقیہ، کراچی

مولانا یاسر حسن قریشی شہید بہت سے لوگوں کے لیے زندگی کا سہارا تھے۔ان کے جانے سے بے شمار آنکھیں پرنم ہیں۔ کئی یتیم، غریب اور بیوہ عورتیں ان کے جانے سے افسردہ ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس عطا فرمائے۔ہمیں بھی ان کی طرح خدمت خلق کا جذبہ عطا فرمائے۔(آمین

مصری فوج نے مرسی حکومت کا تختہ کیوں الٹا؟

مصری عوام کی طبیعت بھی عجیب ہے۔ حسنی مبارک جیسے آمر و جابر کی غلامی میں چالیس سال بڑے آرام سے گزار لیے لیکن محمد مرسی کی منتخب حکومت کا ایک سال بھی ان سے برداشت نہ ہوا۔ گزشہ سال اسی عوام نے محمد مرسی کو جمہوری طریقوں سے منتخب کیا اور تیس جون کو ان کی حکومت کا ایک سال مکمل ہی ہوا تھا کہ اسلام دشمن قوتوں کی سرپرستی میں اپنی منتخب کردہ حکومت کے درپے ہوگئے۔ صدر مرسی سے حکومت چھوڑنے کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ان کا کہنا تھا کہ محمد مرسی اپنے وعدے پورے نہ کرسکے۔ سیکولر فوج تو پہلے سے ہی اس تاک میں بیٹھی تھی کہ کب مصر میں اسلام پسندوں کی حکومت کو ختم کرنے کا ہمیں موقع ملے۔پس پردہ بہت سے اسلام دشمن ممالک بھی مصر میں اخوان کی حکومت کو ختم کرنے کے لیے مصری فوج کو تھپکی دے رہے تھے۔

فوج نے پہلے سے ہی مرسی کی حکومت کو ختم کرنے کا منصوبہ تیار کرلیا تھا۔فوج نے محمد مرسی کی حکومت کو سیاسی حالات کنٹرول کرنے کے لیے اڑتالیس گھنٹے کی مہلت دی تھی۔ محمد مرسی نے اپنے کاز کے لیے جان دینے کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے اقتدار چھوڑنے سے انکار کردیا تھا۔ محمد مرسی کا کہنا تھا کہ میں نے ملکی حفاظت کا حلف اٹھایا ہے اسے ضرور پورا کروں گا۔ مرتے دم تک اپنے آئینی

عہدے کی حفاظت کروں گا۔ میں شفاف انتخابات کے ذریعے صدر منتخب ہوا۔ ہر صورت جمہوریت اور آئین کا تحفظ کیا جائے گا۔ مستعفی نہیں ہوں گا۔ جمہوری طریقے سے منتخب کیا گیا پہلا صدر ہوں۔ مصر کے نوجوانوں کے غصہ کا غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ فوج موجودہ صورتحال میں فریق نہ بنے۔ حکومتی مینڈیٹ کا احترام نہ کرنا جمہوریت کے لیے نقصان دہ ہوگا۔ مذاکرات کی دعوت مسترد کرنے والی جماعتیں اس ساری صورتحال کی ذمہ دار ہیں۔ جبکہ مصری آرمی چیف نے اپنے بیان میں کہا کہ ہم مصر اور اس کے عوام کی حفاظت کے لیے انہیں دہشت گردوں، بنیاد پرستوں اور بے وقوفوں سے بچانے کے لیے اپنا خون بھی بہا دیں گے۔ بالآخر بدھ کے روز مصری فوج نے مقامی وقت کے مطابق شام سات بجے محمد مرسی کی حکومت کا تختہ الٹ کر آئین معطل کر دیا۔ فوج نے صدر مرسی کے گھر کے اطراف خاردار تاریں اور بیریئر لگا دیے تھے۔ مصر کی فوج نے سرکاری ٹی وی کی عمارت پر قبضہ کرلیا۔ دستاویزات قبضے میں لے لی گئیں۔ فوجی سربراہ نے اپوزیشن لیڈر محمد البرادی، مصر کے چرچ کے پوپ تواضروس اور جامع الازہر کے امام احمد الطیب سے مصر کے آئندہ روڈ میپ پر مشاورت کی۔ مصر میں فوج کی جانب سے صدر مرسی کی حکومت پر شب خون مارنے کے بعد ملک کی آئینی عدالت کے چیف جسٹس عدلی منصور نے جمعرات کے روز ملک کے عبوری صدر کا حلف اٹھایا۔ فوج کی بغاوت کے بعد محمد مرسی کا کہنا تھا کہ عوام فوجی بغاوت کے خلاف پرامن مزاحمت کریں تاہم وہ پرتشدد کارروائی سے دور رہیں۔

محمد مرسی کی حکومت ختم ہوتے ہی اخوان المسلمون کے خلاف انتقامی کارروائیاں شروع کردی گئیں۔ محمد مرسی، اخوان کے مرشد عام محمد بدیع "آزادی وانصاف" کے چیئرمین سعد الکتاتنی، اخوان المسلمون کے نائب مرشد عام ڈاکٹر رشاد البیومی اور کئی دیگر رہنماؤں کو حراست میں لے لیاگیا۔ گرفتاریوں کا دائرہ اخوان المسلمون کے علاوہ کئی دوسری مذہبی جماعتوں اور مذہبی چینلوں کے مالکان اور عہدیداروں تک بڑھادیا گیا۔ مصر کے کثیرالاشاعت عربی روزنامہ "الاھرام" نے اپنی رپورٹ میں ذرائع کے حوالے سے بتایا ہے کہ سیکورٹی فورسز نے اخوان المسلمون کے تین سو سرکردہ رہنماؤں کی گرفتاری کے احکامات جاری کیے ہیں۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ محمد مرسی سمیت 15 اخوان رہنماؤں سے توہین عدالت کے الزامات میں تفتیش کی جارہی ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ اگرچہ محمد مرسی سے کچھ غلطیاں ہوئیں، انسان سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن مصر کے پہلے منتخب صدر محمد مرسی کو فلسطینیوں کے لیے نرم گوشہ رکھنے اور ملک میں اسلامی آئین کے نفاذ کی سزا دی گئی۔ امریکی سفارتخانے میں محمد مرسی کو گھر بھیجنے کی سازش تین مہینے پہلے تیار ہوئی تھی اور اس کے کل کردار طے کیے گئے تھے لیکن مرسی کا قصور کیا تھا اور وہ امریکا کو کیوں کھٹک رہے تھے؟ دراصل امریکا محمد مرسی کو مستقبل کا خطرہ

سمجھنے لگا تھا۔ اسرائیل فلسطین حالیہ جھڑپیں رکوانے میں مرسی نے مرکزی کردار ادا کیا اور خطے کے طاقتور رہنما بن کر ابھرے۔ مرسی نے فلسطینیوں کے لیے مصر کی سرحد کھول دی جس پر امریکا اور اسرائیل کو شدید اعتراضات تھے اور امریکا کے لیے سب سے بڑا خطرہ اسرائیل کے ہمسایہ ملک کی اسلامائزیشن تھی۔ بغاوت کے لیے محمد البرادعی نے راہ ہموار کی۔ محمد البرادعی فوج سے خفیہ مذاکرات کرتے رہے۔ قبطی چرچ کے پوپ اور شیخ جامعہ الازہر بھی اس گیم کا حصہ رہے۔ اب ملک عدم استحکام کا شکار ہوگا، امریکا اور اسرائیل یہی چاہتے ہیں اور یہی گیم کا مقصد ہے۔

جمہوریت کے سرپرستوں نے ایک جمہوری حکومت پر فوج کے شب خون مارنے کی کھلے دل سے مذمت نہیں کی کیونکہ یہ اسلام پسندوں کی حکومت تھی۔ امریکی صدر اوباما کا کہنا تھا کہ مصر میں فوری نئی سویلین حکومت قائم کی جائے۔ اقوام متحدہ نے بھی مصر میں فوج کی مداخلت پر تشویش کا اظہار کیا تاہم فوجی مداخلت کی مذمت نہیں کی۔ یورپی یونین نے مصر میں جمہوریت کی فوری بحالی پر زور دیا ہے۔ برطانیہ نے مصر میں فریقین سے پرامن رہنے کی اپیل کی ہے۔ اسرائیل مصر میں فوج کے ہاتھوں صدر محمد مرسی کی اقتدار سے برطرفی پر خاموشی اختیار کیے ہوئے ہے۔ امریکا اور یورپ کے بعض ٹاؤٹ مسلم سربراہان مرسی کی حکومت پر سیکولر فوج کی بدمعاشی پر مبارک باد دیتے رہے۔ جبکہ مصری فوج کی جانب سے

اخون کی منتخب حکومت کا تختہ الٹنے پر سماجی رابطوں کی ویب سائٹ پر مصر میں فوجی بغاوت کے خلاف دلچسپ تبصرے کیے جا رہے ہیں۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ ہمیں جمہوریت اچھی لگتی ہے لیکن وہ جو افغان صدر حامد کرزئی کی زیرِ نگرانی چلے، وہ جو عراقی وزیراعظم نور المالکی کی شکل میں میسر ہو اور وہ جس کا چہرہ پاکستانی صدر آصف علی زرداری جیسی نابغہِ روزگار شخصیت ہوں۔ ہمیں بادشاہت اور آمریت سے بھی کوئی مسئلہ نہیں۔ اگر بادشاہت شاہ عبداللہ کی اور آمریت پرویز مشرف یا حسنی مبارک کی ہو۔اور برما کے بدھوں کو بھی لاکھوں مسلمان جلا کر اپنی مذہبی آزادی برقرار رکھنے کا پورا حق ہے! لیکن۔۔۔ ترکی، مصر اور تیونس میں اسلامی تحریکوں کی حکومت انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزی ہے اور بندر سے انسان کا ارتقائی سفر طے کرنے والوں کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ سوشل میڈیا پہ اس قسم کے تبصرے بھی ہو رہے ہیں کہ جمہوریت کی رٹ لگانے والوں کو اسلام پسندوں کی جمہوری حکومت بھی برداشت نہ ہوئی تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمہوریت میں اسلام کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اگر جمہوری راستے پر بھی اسلام پسندوں کو چلنے نہیں دیا جاتا تو اپنے مقصد کے لیے مسلح جدوجہد کرنے والوں پر اعتراضات کرنا بالکل فضول ہیں۔ مصری فوج کے ہاتھوں جمہوری طور پر منتخب صدر محمد مرسی کی برطرفی پر تبصرہ کرتے ہوئے صومالیہ کے جنگجو گروپ الشباب کا کہنا ہے کہ" مصر میں رونما ہونے والے واقعات سے ظاہر ہے کہ اقتدار جمہوریت سے نہیں بلکہ طاقت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے

اسلام پسند اگر جمہوری انداز میں منتخب بھی ہوں تو انھیں حکومت کی اجازت نہیں دی،
جائے گی۔اب ان گلابی عینکوں کو اتارنے اور دنیا کو اس کی حقیقی شکل میں دیکھنے کا وقت
آگیا ہے۔اخوان المسلمون کو تاریخ سے تھوڑا بہت سیکھنے کی ضرورت ہے۔ان سے قبل
الجزائر میں (اسلام پسندوں) اور حماس کی منتخب حکومت کو چلتا کیا گیا تھا۔ فلسطینی صدر
محمود عباس نے چھے سال قبل حماس کے وزیر اعظم اسماعیل ہنئیہ کی منتخب حکومت ختم
کردی تھی جس کے بعد اس نے غزہ میں اپنی عمل داری قائم کر لی تھی لیکن اسے تب
سے اسرائیلی محاصرے اور بین الاقوامی پابندیوں کا سامنا ہے جبکہ الجزائر میں اسلامی محاذ
آزادی کو عام انتخابات میں واضح اکثریت سے کامیابی کے باوجود فوج نے اقتدار منتقل
نہیں ہونے دیا تھا اور اس کی بجائے اس جماعت کی قیادت اور کارکنان کے خلاف کریک
ڈاون کیا تھا اور انھیں پس دیوار زنداں ڈال دیا تھا۔ وہ کب خواب غفلت سے بیدار
"ہوگی اور اسے اپنی کوششوں کے بے سود ہونے کا ادراک ہوگا۔

پاکستانی اسلامی رہنماؤں نے مصر میں فوجی مداخلت کو جمہوریت پر شب خون اور
اسلامی دنیا میں جمہوری اور اعتدال پسند مذہبی قوتوں کے لے بڑا دھچکا قرار دیتے
ہوئے بین الاقوامی دنیا سے اپیل کی ہے کہ وہ فوجی اقدام کو مسترد کرتے ہوئے محمد
مرسی کی حکومت کو مدت پوری کرنے دے۔ایسی فوجی کارروائی دنیا کو مذہب دشمنی کا
پیغام دیتی ہے اور باور کراتی ہے کہ جمہوری دائرہ کار میں

بھی مذہب کے لیے جگہ نہیں ہے۔ مصر میں فوجی بغاوت مذہبی اور سیکولر حلقوں کے درمیان انتہائی ٹکراؤ کا ماحول پیدا کر سکتی ہے۔

چین: میاں نواز شریف کی توانائی کانفرنس میں شرکت

چین اقتصادی اور تجارتی اعتبار سے پاکستان کے لیے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ میاں نواز شریف کو ملک میں اقتصادی اور توانائی کے بحران کے تناظر میں چین کے بنیادی ڈھانچے سے متعلق پروجیکٹس کی افادیت سے بہت زیادہ امیدیں وابستہ ہیں۔ کمزور اقتصادیات، سست روی کی شکار ملکی پیداوار، زرمبادلہ کے ذخائر میں کمی، کرنسی کی گرتی ہوئی قیمت اور اکثر علاقوں میں کئی کئی گھنٹوں تک بجلی کی فراہمی بند رہنے کے سبب صنعتوں کو پہنچنے والے نقصانات، یہ وہ چند اہم ترین مسائل ہیں جن کا سامنا میاں نوز شریف کو بطور وزیراعظم کرنا پڑ رہا ہے۔ وزیراعظم بننے کے بعد سے ان کا جھکاؤ چین کی طرف واضح نظر آ رہا ہے۔ مئی میں چینی وزیراعظم لی چیانگ نے دورہ پاکستان کے موقع پر اسلام آباد حکومت کے ساتھ متعدد ترقیاتی، اقتصادی اور تجارتی معاہدوں پر اتفاق کیا تھا اور ان معاہدوں پر دو طرفہ دستخط بھی کیے تھے۔ جون میں نواز شریف نے چین کی سرکاری صنعتی کارپوریشن NORINCO سے پاکستان میں ایک شمسی پاور پلانٹ کی تنصیب، کان کنی کے شعبے کے فروغ اور آئرن یا لوہے کے ذخائر کی تسخیر جیسے اہم کاموں میں تعاون کی درخواست کی تھی۔ اس کے علاوہ پاکستان کے بڑے شہروں میں زیر زمین ٹرینوں کے نیٹ ورک قائم کرنے کے بارے میں بھی بات چیت کی گئی تھی۔ پاکستان اور چین کے مابین

دوستانہ تعلقات تاریخی اور دیرینہ ہیں اور اسلام آباد اور بیجنگ کو ایک دوسرے کا قریب ترین حلیف کہا جاتا ہے۔

ہفتے کے روز شنگھائی میں پاک چین توانائی فورم کانفرنس ہوئی جس میں چین کی 50 سے زائد توانائی کمپنیوں نے شرکت کی۔ کانفرنس میں وزیراعظم میاں نواز شریف، وزیراعلیٰ پنجاب شہباز شریف، وزیر پانی و بجلی خواجہ آصف، وزیر پیٹرولیم و قدرتی وسائل شاہد خاقان عباسی، وزیر منصوبہ بندی و ترقیات احسن اقبال، وزیر اعلیٰ بلوچستان ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ، وفاقی وزیر احسن اقبال اور مشیر طارق فاطمی بھی موجود تھے۔ چینی سرمایہ کاروں کا کہنا تھا کہ وہ پاکستان میں اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کرنا چاہتے ہیں لیکن سیکورٹی خدشات اور بیوروکریسی ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ وزیر اعلیٰ بلوچستان ڈاکٹر عبدالمالک نے چینی سرمایہ کاروں کو صوبے میں ہر ممکن سیکورٹی فراہم کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف نے تمام چینی معاہدوں پر ہر صورت عمل درآمد کی یقین دہائی کرائی۔ چینی سرمایہ کاروں نے کاشغر سے گوادر تک موٹر وے تعمیر کرنے کی حامی بھرلی۔

وزیراعظم نواز شریف نے توانائی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان چین کے تعاون سے توانائی بحران پر قابو پالے گا۔ بجلی کی ترسیل کا نظام

مضبوط بنائیں گے۔ حکومت نے بجلی بحران کے خاتمے کے لیے طویل المدتی منصوبہ بندی کرلی ہے۔ چینی کمپنیاں سورج کی روشنی، ہوا اور پانی سے بجلی پیدا کرنے کے منصوبوں میں سرمایہ کاری کریں اور حکومت پاکستان کی سرمایہ کار دوست پالیسیوں سے فائدہ اٹھائیں۔ حکومت غیر ترقیاتی اخراجات میں کٹوتی کرکے رقم نیلم جہلم منصوبے پر لگائے گی، 969 میگاواٹ کے اس منصوبے کی 2015ء تک تکمیل یقینی بنائی جائے گی۔ نیلم جہلم ہائیڈرو پراجیکٹ پر ایک چینی کمپنی کام کررہی ہے۔ کیرٹ، کوہالہ اور تونسہ میں بجلی کے مزید 3 منصوبوں کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان منصوبوں سے قومی گرڈ میں 2000 میگاواٹ بجلی کا اضافہ ہوگا جن پر چین کی کمپنی 3 گارجز کارپوریشن کام کررہی ہے۔ متبادل توانائی کے شعبہ بالخصوص ونڈ اور سولر انرجی کے شعبے میں چین کی سرمایہ کاری کے خواہاں ہیں۔ پاکستان میں وافر شمسی روشنی اور ونڈ انرجی کے لیے ہوا موجود ہے۔ 3 گارجز کمپنی جھم پیر کے علاقہ میں پہلے ہی ایک ونڈ پاور پراجیکٹ پر کام کررہی ہے۔ دیگر ہائیڈرو پاور پراجیکٹس میں دیامر بھاشا اور بونجھی پاور پراجیکٹس شامل ہیں جن سے 7000 میگاواٹ سے زائد بجلی حاصل کی جاسکتی ہے۔ پاکستان میں کوئلے کے 125 ارب ٹن کے ذخائر ہیں جن سے آئندہ 300 سال کے لیے ایک لاکھ میگاواٹ بجلی پیدا کی جاسکتی ہے۔

وزیراعظم محمد نواز شریف نے اپنے وفد کے ساتھ بلٹ ٹرین کے ذریعے بیجنگ سے

شنگھائی تک کا سفر طے کیا۔ دوران سفر وزیراعظم نے 4 مختلف وفود کے ساتھ ملاقاتیں کیں۔ ترقی اور توانائی کے مختلف منصوبوں پر تبادلہ خیال کیا۔ وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے پاکستان کے مختلف شہروں میں اس قسم کے منصوبے شروع کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ پراجیکٹ چیف انجینئر نے میاں نواز شریف کو آگاہ کیا کہ اس ٹرین میں بروئے کار لائی گئی جدید ترین ٹیکنالوجی اور نئی اختراعات خود چین نے کی ہیں۔ 87 فیصد سے زائد ریل ٹریک بچھایا جا چکا ہے، ٹرین کی حد رفتار 310 کلومیٹر فی گھنٹہ ہے، جدید ٹیکنالوجی کو بروئے کار لا کر منصوبے کی لاگت کو کم کیا جاسکتا ہے۔ میاں نواز شریف نے کہا کہ روزانہ اس ٹرین پر دو لاکھ 20 ہزار افراد کا سفر کرنا اور صرف 4 گھنٹے 45 منٹ میں بیجنگ سے شنگھائی تک کا 1318 کلومیٹر کی مسافت طے کرنا قابل ستائش ہے۔ وزیراعظم کو بتایا گیا کہ چین پاکستان میں بلٹ ٹرین چلانے پر تیار ہے، اس پر وزیراعظم نے کہا کہ چینی کمپنی فوری طور پر اپنے انجینئرز اور عملہ پاکستان بھیجے تاکہ وہ کراچی سے لاہور تک بلٹ ٹرین شروع کرنے کی فزیبلٹی بنائیں اور کام شروع کیا جائے۔ وزیراعظم نے کہا کہ وہ کراچی سے لاہور تک بلٹ ٹرین شروع کرنا چاہتے ہیں، وزیراعظم کو بتایا گیا کہ پاکستان میں اس بلٹ ٹرین کو تین سو کلومیٹر کی رفتار سے چلانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ فاصلہ کم ہے، فاصلہ کم ہونے سے لاگت بھی کم ہو گی، پاکستان میں کلومیٹر کی رفتار سے ٹرین چلائی جا سکتی ہے۔ سفر کے دوران وزیراعظم نے 200

چینی سرمایہ کاروں سے ملاقات کی، نیلم جہلم پروجیکٹ پر کام کرنے والی گجوبہ گروپ کمپنی کے صدر نے وزیراعظم کو بتایا کہ نیلم جہلم پروجیکٹ 2016ء میں مکمل ہوجائے گا جس پر نواز شریف نے انہیں پاکستان میں توانائی کے مزید منصوبے شروع کرنے کی پیشکش کی۔ وزیراعظم نواز شریف سے ٹرین میں چائنا انجینئرنگ کارپوریشن اور ہواوے کمپنی کے صدور نے بھی ملاقات کی۔ وزیراعظم کا کہنا تھا کہ حکومت فرنس آئل سے چلنے والے بجلی گھروں کو کوئلے پر منتقل کرنا چاہتی ہے، پاکستان میں بجلی کی پیداوار بہتر بنانے کے لیے چائنا انجینئرنگ کارپوریشن اپنا کردار ادا کرسکتی ہے۔ انہوں نے ہواوے کمپنی کو پاکستان میں مزید سرمایہ کاری کی بھی دعوت دی۔

واضح رہے کہ وزیراعظم میاں نواز شریف وزیراعظم منتخب ہونے کے بعد پہلی بار اپنے چینی ہم منصب لی کی چیانگ کی خصوصی دعوت پر بدھ کے روز پانچ روزہ دورے پر چین پہنچے تھے، جہاں ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ میاں نواز شریف نے چائنا ڈیولپمنٹ بینک اور چائنا انویسٹمنٹ کارپوریشن کے صدور سے ملاقات کی ہے۔ ملاقات میں وزیراعظم کا کہنا تھا کہ چین کی معاشی ترقی کے تجربے سے استفادہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ معیشت کی بحالی اولین ترجیح ہے، اس موقع پر صدر چائنا ڈیولپمنٹ بینک نے معدنیات اور ٹیلی کمیونیکشن کے شعبے میں مزید 3.5 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری میں دلچسپی ظاہر کی۔ وزیر اعظم میاں نواز شریف

نے چین کے صدر ژی جن پنگ سے بھی ملاقات کی۔ دونوں رہنماؤں نے پاکستان اور چین کو بہترین دوست اور ہمسایہ قرار دیتے ہوئے پاک چین دوستی اور تعاون کو فروغ دینے پر اتفاق کیا ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف کا کہنا تھا کہ پاک چین دوستی سمندروں سے گہری، ہمالیہ سے اونچی اور شہد سے میٹھی ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف کے دورہ چین کے موقع پر پاکستان اور چین کے درمیان 8 معاہدوں پر دستخط کیے گئے۔

وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف نے کہا ہے کہ وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کا چین کا دورہ انتہائی کامیاب رہا ہے۔ اس دورے میں تاریخی اقتصادی راہداری کے منصوبے سمیت توانائی کے بیشتر معاہدے ہوئے ہیں جن سے ملک میں توانائی کی صورتحال بہتر ہوگی۔ دورے میں سولر پاور کے حوالے سے 500 میگاواٹ کا منصوبہ شامل ہے جو چائنا انرجی کمپنی کے ساتھ ہوا ہے۔ نندی پور کا منصوبہ جو کہ پچھلے اڑھائی سال سے بند پڑا تھا اسے بحال کر دیا گیا ہے اور اب اس پر دن رات کام کیا جائے گا تاکہ میگاواٹ کے منصوبے کو جلد سے جلد مکمل کیا جاسکے۔ تاہم اس ملاقات کا سب سے 425 اہم فیصلہ کاشغر سے گوادر تک 2 ہزار کلومیٹر طویل شاہراہ کی تعمیر ہے جسے اکنامک کوریڈور کا نام دیا گیا ہے۔ یہ شاہراہ پاکستان کی ہتھیلی پر قسمت کی روشن لکیر ثابت ہوگی۔ میں سمجھتا ہوں کہ تاریخ میں پہلی مرتبہ پاک چینی دوستی کا اتنا بڑا عملی

مظاہرہ دیکھنے میں آئے گا۔ پاکستان میں کم از کم 35 صنعتوں کو فروغ ملے گا اور لاکھوں ہنر مند اور غیر ہنر مند افراد کے لیے روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے۔ قومی سلامتی اور خارجہ امور کے مشیر سرتاج عزیز نے کہا ہے کہ پاکستان کی خود مختاری کے تحفظ اور ترقی کے لیے چینی قیادت کی طرف سے کیا گیا وعدہ ملک کے لیے خوش خبری ہے۔ منصوبہ بندی اور ترقی کے وزیر کی قیادت میں ایک ٹاسک فورس تشکیل دی گئی ہے جو چین کے ساتھ معاہدوں اور دستخط شدہ مفاہمت کی یادداشتوں پر عمل درآمد کی رفتار کا مستقل جائزہ لے گی۔

بیرونی قوتیں قانون سزائے موت ختم کرانے کے لیے کوشاں

پاکستان میں سزائے موت کے خاتمے کی کوشش ایک عرصے سے جاری ہے۔ بیرونی قوتیں تمام دنیا سے سزائے موت کے قانون کو ختم کرانے کے در پے ہیں۔ سزائے موت کے خاتمے کے لیے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی 2010 میں 41 کے مقابلے میں 109 ووٹوں کی اکثریت رائے سے سزائے موت کو معطل کرنے کی قرارداد کی منظوری دے چکی ہے۔ جس کے لیے بعض ممالک سول سوسائٹی اور این جی اوز مسلسل تگ و دو کر رہے ہیں۔ سزائے موت کے خلاف عالمی دن بھی منایا جاتا ہے۔ پچھلے سال اس عالمی دن کی دسویں سالگرہ کے موقع پر اسلام آباد میں چھ یورپی ممالک کے وزرائے خارجہ نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں دنیا سے سزائے موت ختم کرنے کا مطالبہ دہراتے ہوئے کہا تھا کہ دنیا میں کئی جنگیں ایسی ہیں جو تنہا نہیں جیتی جا سکتیں، ان میں سے ایک سزائے موت کے خاتمے کی جنگ بھی ہے۔ اسلام آباد میں فرانسیسی سفارت خانے سے جاری کردہ پریس ریلیز میں آسٹریا، فرانس، جرمنی، اٹلی اور سوئٹزرلینڈ کے وزرائے خارجہ نے سزائے موت کے خلاف عالمی دن کے موقع پر کہا تھا کہ یہ دن ہمیں موقع فراہم کرتا ہے کہ تمام تر حالات کے باوجود سزائے موت کے خلاف جدوجہد تیز کر دیں۔ ہمیں اس سزا کے خلاف کوششوں کو ایک آواز اور مربوط کرنا ہوگا تاکہ 21 ویں صدی میں اس کا وجود

باقی نہ رہے۔ اس پریس ریلیز میں بتایا گیا تھا کہ گزشتہ 20 سال میں 130 ممالک نے اسے ختم کر دیا ہے اور 50 سے زائد ممالک سزائے موت پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ تاہم ممالک میں اس سزا پر اب بھی عمل ہو رہا ہے۔ 50

سزائے موت کے خاتمے کے سلسلے میں دیگر ممالک کی طرح پاکستان پر بھی عالمی دباؤ ہے اور خاص طور پر توہین رسالت پر سزا یافتہ مجرموں نے تو دنیا بھر کے ممالک، سربراہان اور این جی اوز کی توجہ اور دباؤ کا رخ پاکستان کی جانب مبذول کر دیا۔ اس سزا کے ختم کرنے کی ایک بڑی وجہ توہین رسالت کی سزا کے مجرموں کو تحفظ فراہم کرنا ہے، کیونکہ اسلام میں گستاخ رسول کی سزا موت ہے اس لیے بیرونی قوتیں سزائے موت کے قانون کے ضمن میں توہین رسالت کی سزا کا خاتمہ بھی چاہتی ہیں۔

میں برسر اقتدار آنے کے بعد پی پی پی حکومت نے محترمہ بے نظیر بھٹو کی 55 2008 ویں سالگرہ کے موقعے پر سزائے موت عمر قید میں تبدیل کرنے اور قیدیوں کی سزا میں دن کی تخفیف کرنے کا اعلان کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ سزائے موت کو ختم 90 کرنے کے لیے سمری منظوری کے لیے صدر مملکت کو بھیجی جائے گی۔ اسلام آباد میں یورپی ممالک کے وزرائے خارجہ کی جانب سے جاری کردہ پریس ریلیز کے مطابق سزائے موت سے متعلق دنیا کے ممالک کی درجہ بندی کچھ اس طرح

کی گئی تھی۔ پہلی کیٹیگری ان ممالک کی ہے جن میں سزائے موت پر عملدرآمد کیا جاتا ہے۔ دوسری کیٹیگری ان ممالک کی ہے جہاں سزائے موت تو ہے لیکن اس پر عمل درآمد نہیں کیا جاتا ہے اور تیسری کیٹیگری ان ممالک کی ہے جہاں سزائے موت کو یکسر ختم کر دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے پاکستان پہلی کیٹیگری میں تھا جہاں سزائے موت پر عمل درآمد کیا جاتا تھا۔ صدر مملکت کی طرف سے ایک آرڈیننس کے ذریعے سزائے موت پر عمل درآمد روک دینے سے دوسری کیٹگری میں چلا گیا تھا۔ لیکن 30 جون کو اس کی مدت ختم ہونے سے پھر کیٹیگری ون میں آگیا ہے۔ گزشتہ ماہ تیس تاریخ کو اس پابندی کی مدت ختم ہو چکی ہے۔ موجودہ حکومت پاکستان نے جرائم کی روک تھام اور دن بدن بڑھتے ہوئے دہشت گردی کے واقعات سے نمٹنے کے لیے ملک میں سزائے موت پر عائد عارضی پابندی ختم کر دی ہے۔ حکومت پاکستان نے سزائے موت پر عائد عارضی پابندی میں توسیع نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں بات کرتے ہوئے پاکستانی وزارت داخلہ کے ترجمان عمر حامد خان نے بتایا کہ موجودہ حکومت اس پابندی میں توسیع کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ ان کے بقول وزیر اعظم نواز شریف کی پالیسی کے تحت سزائے موت پانے والے تمام مجرمان کو پھانسی دے دی جائے گی سوائے ان کے جنہیں انسانی بنیادوں پر معاف کیا جا چکا ہے۔ پاکستان کا موقف ہے کہ ملک کے چند حصوں میں جرائم سے نمٹنے کے لیے یہ سزا ضروری ہے۔ حکومت پاکستان کی جانب سے سزائے موت پر عائد پابندی میں توسیع نہ کرنے کے فیصلے سے انسانی حقوق کی تنظیمیں

کچھ زیادہ خوش نہیں ہیں۔ انٹرنیشنل کمیشن آف جیورسٹس کے مطابق پاکستان کا شمار ان چند ایک ممالک میں ہوتا ہے جہاں یہ سزا برقرار ہے۔ اس تنظیم کے بیان کے مطابق یہ پیش رفت اس لیے بھی قابل فکر ہے کیونکہ پاکستان میں سزائے موت کے حقدار قرار دیے جانے والے قیدیوں کی تعداد آٹھ ہزار کے قریب ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیمیں پاکستان میں سزائے موت کی مخالفت کرتی ہیں۔ غیر سرکاری تنظیم لائیر فار ہیومن رائٹس اور لیگل ایڈ کے سربراہ ضیاء احمد اعوان کہتے ہیں کہ دہشت گردوں سے نمٹنے کے لیے قانون و انصاف کے نظام میں تبدیلی اشد ضروری ہے۔ "آپ کو شواہد اکٹھا کرنے کے نظام کو بہتر اور جدید تقاضوں کے مطابق بنانا ہوگا۔ گواہوں اور ججوں کو تحفظ فراہم کرنے کا نظام متعارف کروانا ہوگا۔ صرف سزاؤں سے کچھ نہیں ہوگا۔ اگر سزاوں سے جرائم رکتے تو جنرل ضیاء کے حدود کے قوانین کے باجود جرم نا صرف رکا نہیں بلکہ اس میں اضافہ ہوا ہے۔" حقوق انسانی کی تنظیموں کا کہنا ہے کہ جدید تقاضوں کو مد نظر رکھتے اور انسانی جان کو اہمیت دیتے ہوئے حکومت کو سزائے موت کے خاتمے کے لیے پارلیمان کے ذریعے قانون سازی کرنا چاہیے۔ قانونی ماہرین کے مطابق صدر کے پاس اب بھی اختیار ہے کہ وہ قیدیوں کو سنائی جانے والی سزائے موت پر عمل درآمد رکوانے کے علاوہ سزا کو عمر قید میں تبدیل اور اس میں تخفیف کر سکتے ہیں۔ حکومتی اعلان کے بعد ان قیدیوں کی سزائے موت کے احکامات پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا ہے جن کی تمام تر اپیلیں مسترد ہو چکی ہیں۔ اس وقت آٹھ ہزار

کے قریب سزائے موت کے قیدی پاکستان کی مختلف جیلوں میں قید ہیں جن میں سے سب سے زیادہ تعداد، آبادی کے لحاظ سے پاکستان کے سب سے بڑے صوبے پنجاب میں ہیں جن کی تعداد چھ ہزار کے قریب ہے۔ پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم ملک میں سزائے موت کے قانون کو ختم کرانے کی کوشش میں ہیں۔

دوسری جانب سیاسی و مذہبی جماعتوں نے سزائے موت کے قانون میں ترمیم کی سخت مخالفت کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مسلم لیگ (ن)، جماعت اسلامی، تحریک انصاف، (ق) لیگ، اے این پی، جمعیت علماء اسلام (ف)، مرکزی جمعیت اہلحدیث، جمعیت علماء اسلام (س) اور عوامی مسلم لیگ سمیت سیاسی و مذہبی جماعتوں نے سزائے موت کے قانون میں ترمیم کی سخت مخالفت کی ہے اور ان کا کہنا ہے کہ سزائے موت کا قانون ختم کرنے سے ملک میں قانون کو ہاتھ میں لینے اور قتل وغارت میں مزید اضافہ ہوگا اس لیے حکومت ہر صورت سزائے موت کے ملزموں کو سزا دے اور اگر حکومت نے ترمیم کی کوشش کی تو اس کے خلاف سخت احتجاج کیا جائے گا۔ مذہبی سیاسی جماعتوں نے سزائے موت کے قانون کے خاتمہ کے لیے کسی بھی سطح پر کوشش کو پوری طاقت سے ناکام بنانے کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ بعض جماعتیں اور مغربی امداد پر چلنے والی نام نہاد این جی اور سزائے موت کی مخالفت کرکے مغرب کو خوش کرنا چاہتی ہیں، موجودہ افراتفری کا تقاضا ہے کہ مجرموں کے خلاف اسلامی قوانین کے مطابق سزائے موت سمیت تمام سزاؤں کو یقینی

بنایا جائے۔ اس سے ملک میں قیام امن میں مدد ملے گی۔

واضح رہے کہ دو ہزار بارہ میں دنیا کے 58 ممالک سے 1722 افراد کو سزائے موت سنائے جانے کے واقعات سامنے آئے جبکہ 2011 میں 63 ممالک میں 1923 افراد کو سزائے موت دینے کا حکم دیا گیا تھا۔ ایمنسٹی کا کہنا ہے کہ ان اعداوشمار میں چین میں دی جانے والی وہ ہزاروں موت کی سزائیں شامل نہیں جن کی تفصیل تنظیم کے بقول خفیہ رکھی جاتی ہے۔ ابھی گزشتہ روز ہی چین میں سابق وزیر ریلوے کو رشوت لینے اور اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرنے کے الزام میں 10 سال قید اور موت کی سزا سنا دی گئی ہے، جس کے بعد انہیں جیل منتقل کر دیا گیا۔ 2012 میں چین میں سب سے زیادہ سزائے موت دی گئیں جبکہ ایران، عراق، سعودی عرب اور امریکا سمیت کئی ممالک اس فہرست میں شامل ہیں۔ جن طریقوں سے یہ سزا دی گئی ان میں پھانسی، سر قلم کیا جانا، فائرنگ سکواڈ کا نشانہ بنایا جانا اور مہلک انجکشن کے ذریعے موت شامل ہیں۔

واضح رہے کہ سزا کا بنیادی مقصد مجرم کی اصلاح، عبرت عامہ اور متاثرہ شخص کے جذبہ انتقام کی تسکین ہوتا ہے۔ تاکہ قانون کو ہاتھ میں لینے، اپنا بدلہ اور انتقام خود لینے کا رجحان پروان نہ چڑھے۔ اگر ہم سزائے موت کے خاتمے کا معاشرتی نقطہ نظر سے جائزہ لیتے ہوئے ان ترقی یافتہ ممالک سے موازنہ کریں

جہاں اس کا اطلاق نہیں ہے تو زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ ان ممالک میں قانون موثر، پولیس مستعد و تربیت یافتہ، جیلیں اصلاح خانہ اور آسائشات سے مزین ہیں۔ عوام کو سستا، فوری انصاف، معاشی مساوات، احتساب کا بلا تفریق نظام اور گڈ گورننس موجود ہے جس کی بنا پر وہ جرائم کو کنٹرول کرنے میں بڑی حد تک کامیاب رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی ایسے ایسے جرائم ہوتے ہیں جن پر عقل حیران ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ "قصاص تمہارے لیے زندگی ہے"۔ دنیا میں سزائے موت ختم کرانے اور پاکستان سے اس پر عمل کرنے کا مطالبہ کرنے والے ممالک اپنے مقاصد کی خاطر تو دنیا بھر میں قتل عام کرتے ہیں، مگر عدالتوں سے سزائے موت پانے والے مجرموں کے لیے انسانی وقار کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔

لال مسجد و جامعہ حفصہ کمیشن رپورٹ کا خلاصہ

لال مسجد کو شاہ فیصل مسجد کے بننے تک انتہائی زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ اس مسجد کا انتظام شعبہ اوقاف کے پاس تھا۔ یہ مسجد سیاسی اشرافیہ اور غیر ملکی سفیروں کی توجہ کا مرکز تھی۔ اس مسجد سے ملک بھر میں اسلام پسندوں کو کئی طرح سے تعاون فراہم کیا جاتا رہا۔ جامعہ حفصہ اسلامی دنیا کے بڑے اداروں میں سے ایک ادارہ تھا، جہاں طالبات کی تعداد چار ہزار کے لگ بھگ تھی۔ 2005 کے زلزلے میں متاثرین کی بحالی کے لیے جامعہ حفصہ نے غریب اور یتیم بچیوں کی تعلیم اور کفالت کا فریضہ انجام دیا۔ تین جولائی 2007 سے دس جولائی 2007 تک جو کچھ لال مسجد و جامعہ حفصہ میں ہوا، روح، دل و دماغ اس سانحہ کو قبول کرنے کو تیار نہیں، لیکن اس بات پر پوری قوم کا اتفاق ہے کہ جو ظلم وہاں ہوا وہ ہر گز نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بہت سے جان سے گئے اور کئی زخمی ہوئے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کی تمام کوششیں ناکام بنادی گئیں۔ اس سانحہ سے پورا ملک متاثر ہوا۔

اس واقعہ کے وقت عدالت عظمیٰ نے از خود نوٹس لیتے ہوئے کہا تھا کہ معصوم شہریوں کا قتل خواہ عسکریت پسند کریں یا قانون نافذ کرنے والے ادارے کریں،

قتل عمد کے ذیل میں آتا ہے، جس نے بھی اس واقعہ میں اعانت کی اسے قانون کا سامنا پڑے گا۔ عدالت نے آرٹیکل 183 کے تحت حکم دیا کہ سیکورٹی فورسز اور قانون نافذ کرنے والے ادارے معصوم بچوں اور طالبات کی جانوں کا تحفظ کریں۔ ارد گرد کے علاقوں کے شہریوں کی آزادانہ نقل و حرکت پر غیر ضروری پابندیاں آئین کے آرٹیکل 15 کے تحت غیر قانونی ہیں۔ زخمی افراد کو طبّی امداد کی ضرورت ہے، خوراک کی بھی قلّت ہے انہیں انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر فراہم کی جائے۔ سرکاری اور غیر سرکاری فلاحی تنظیموں کو لال مسجد و جامعہ حفصہ کی حدود میں پڑی ہوئی لاشوں کو ہٹانے کی اجازت دی جائے۔ 13 جولائی 2007 کو چیف کمشنر اسلام آباد نے بتایا تھا کہ کل افراد کی جانیں آپریشن میں ضائع ہوئیں جن میں 10 کا تعلق فوج سے، ایک کا 112 رینجر سے اور 9 سویلین تھے۔ 204 شہری، 41 فوجی اور 3 رینجر اہلکار زخمی ہسپتالوں میں زیر علاج ہیں۔ اگست 2007 کو حکومت کے بیان کے مطابق ام حسان کی نشان دہی پر جامعہ حفصہ میں موجود طالبات کی تعداد 1770 اور خواتین اساتذہ کی تعداد تھی۔ 1770 طالبات میں سے 1526 وہاں مقیم تھیں۔ جامعہ حفصہ کی ایک 158 طالبہ نے بیان جمع کروایا کہ واقعہ میں 400 طالبات کی جانیں ضائع ہوئیں ہیں، جن میں سے 250 طالبات آپریشن کے پہلے دن ماری گئیں۔ اس دن ایک ہزار سے تیرہ سو لاوارث لڑکیاں جامعہ حفصہ میں موجود تھیں۔ ام حسان کے بیان کے مطابق بھی اس وقت جامعہ حفصہ میں 1300 لاوارث لڑکیاں موجود تھیں جن کا کچھ پتا نہیں ہے۔

جب

کہ ڈی جی کا کہنا تھا کہ رجسٹر کے مطابق اس وقت صرف سترہ سو طالبات جامعہ حفصہ میں موجود تھیں۔ تعداد میں فرق کے بعد عدالت نے حتمی رپورٹ جاری نہیں کی۔

عدالت نے کہا کہ عدالت لال مسجد سے غائب ہونے والے طلبہ کے ورثاء کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ پولیس اسٹیشن آ کر ایف آئی آر درج کروائیں۔

حکومت نے ایک بیان جمع کروایا تھا جس کے مطابق 662 مردوں نے خود کو حکام کے حوالے کیا جن میں سے 604 کو رہا کر دیا گیا جب کہ 57 جوڈیشل حراست میں ہیں۔ خواتین کے بارے میں بتایا گیا کہ 470 خواتین نے خود کو حکام کے حوالے کیا جن میں سے صرف تین کو زیر حراست رکھا گیا۔ جن کو ریمانڈ پر بھیج دیا گیا۔ 70 لاشوں کے بارے میں بھی بتایا گیا۔ مزید کہا گیا کہ واحد دستیاب شہادت ام حسان کی نشان دہی پر جامعہ حفصہ سے حاصل کردہ رجسٹر ہے۔ عدالت نے "جوائنٹ انویسٹی گیشن ٹیم" کو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ اپنی رپورٹ پیش کرنے کا حکم دیا۔ لیگل ایڈ کمیٹی کے ایک ممبر نے سرکاری اداروں کی جانب سے گمشدہ افراد کی تلاش اور لاشوں کی برآمدگی کی کوششوں پر اطمینان ظاہر نہیں کیا۔ لیگل ایڈ کمپنی نے ہدایت کی کہ گمشدگان، ہلاک شدگان اور زیر حراست افراد کے عزیزوں سے تعاون کریں، 9 اگست 2007 کو ڈپٹی کمشنر آئی سی ٹی اسلام آباد نے اپنے بیان میں کہا کہ 60 لاشوں میں سے 35 لاشوں کی شناخت ہوئی، ان میں سے 23 کو ان کے عزیزوں کے حوالے کر دیا گیا، 61 افراد عدالت کے حکم سے ریمانڈ کے تحت زیر حراست ہیں۔ 26 لاشوں کی ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعے شناخت کی گئی

ہے۔ 17 اگست انویسٹی گیشن نے اپنے بیان میں کہا کہ اس وقت 61 افراد زیر حراست ہیں۔ ان میں سے 22 کی رہائی کی سفارش جوائنٹ انویسٹی گیشن نے کی، جب کہ 39 افراد مختلف مقدمات میں ملوث ہیں۔

وفاق المدارس نے آئینی پٹیشن نمبر 2007/56 داخل کی، جس میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں مسلح افواج کی جانب سے کیے گئے آپریشن کی قانونی حیثیت سے متعلق سوالات اٹھائے گئے تھے۔ اس کے ساتھ زیر حراست افراد اور 103 لاشوں کے بارے میں بیان بھی جمع کروایا۔ ان میں سے 87 لاشیں شناخت کے بعد قانونی وارثوں کے حوالے کی گئیں۔ جب کہ ممبر لیگل کمیٹی نے نشاندہی کی کہ 87 لاشوں میں سے صرف قانونی ورثا کے حوالے کی گئیں۔ 12 لاشوں کی شناخت کو غلط قرار دے کر مسترد 75 کر دیا۔ جبکہ 28 لاشوں کی ابھی تک شناخت نہیں ہوئی۔ عدالت نے حکم جاری کیا کہ پولیس ان تمام افراد کے ناموں کی تصدیق کرے جو آپریشن میں معصوم ہونے کے باوجود مارے گئے۔ وفاقی حکومت ہر موت کے بدلے ایک دیت کی ادائیگی معصوم ہلاک شدگان کے قانونی وارثوں کو ادا کرے۔

دسمبر 2012 کو سپریم کورٹ نے رائے دی کہ شکایت کنندگان اور ہلاک شدگان 4 کے ورثا کی جانب سے الزامات اور جوابی الزامات لگائے گئے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنے الزامات کی تائید میں ٹھوس شہادت پیش نہیں کر سکا۔ عدالت نے

کہا کہ ایک کمیشن مقرر کیا جائے جو مندرجہ ذیل شرائط کی روشنی میں اس معاملے کی تحقیقات کرے۔ سانحہ لال مسجد کے وقوع کے اسباب کیا تھے؟ اس واقعہ میں کتنے افراد کی جانیں گئیں؟ کیا تمام لاشوں کی شناخت کرکے قانونی ورثاء کے حوالے کردیا گیا ہے؟ کیا حکومت کی طرف سے قانونی ورثاء کو معاوضہ دیا گیا ہے؟ کیا ذمہ داروں کے خلاف کوئی کارروائی کی گئی؟ کیا سیکورٹی ایجنسیوں کے افراد ودیگر پر اس کی ذمہ داری عائد کرنا درست ہے؟ کیا کچھ افراد اس واقعہ کے دوران غائب ہوئے؟ قومی اور بین الاقوامی روزنامہ اخبارات پر زور دیا کہ وہ کمیشن کے سامنے پیش ہو کر حقائق بیان کریں۔ 24 دسمبر 2012ء کو کمیشن نے شہادتیں لینا شروع کیں اور 22 مارچ تک 155 رضا کاران شہادتیں، 6 عدد پٹیشنز پر مبنی گواہان اور 94 کمیشن شہادتیں ریکارڈ کی گئیں۔ کمیشن کے سامنے تحریری بیانات اور ذاتی بیانات ریکارڈ کیے گئے۔ شہادتیں ریکارڈ کروانے والوں میں علماء کرام، صحافی حضرات، سیاست دان اور کئی افسران بھی شامل تھے۔

بعض شہادتوں کے مطابق لال مسجد اسلام آباد کے نفاذ کے لیے حکمرانوں کی پالیسیوں پر تنقیدی رویہ رکھتی تھی۔ مولانا عبداللہ کے بعد ان کے بیٹے مولانا عبدالعزیز بھی مغربی نظام پر شدید تنقید کرتے تھے۔ غازی عبدالرشید امن کمیٹی پولیس اسٹیشن آف کوہسار کے رکن تھے، انہوں نے القاسم فاؤنڈیشن

قائم کی، گمشدہ افراد کے لیے آواز بلند کی۔ افغانستان میں طالبان کی حکومت قائم ہوگی، پرویز مشرف 2001 تک طالبان کی حمایت کرتے رہے جب امریکا نے افغانستان پر حملہ کیا اس وقت وہ مخالف ہوگئے۔ غازی عبدالرشید نے پرویز مشرف کی مخالفت شروع کردی۔

مولانا عبدالعزیز کا کہنا تھا کہ اسلام آباد میں طالبان کا سفارت خانہ موجود تھا اب وہ کیسے ظالمان بن گئے۔ ہم قرآن و سنت کا نفاذ چاہتے ہیں۔ جس کے لیے ہماری پر امن جدوجہد جاری رہے گی۔ آپریشن کے دوران پرویز مشرف نے اعلان کیا حکومت عسکریت پسند عبدالرشید غازی کو باہر نکلنے کا راستہ فراہم نہیں کرے گی۔ پرویز مشرف نے الٹی میٹم دیا "ہتھیار ڈال دو ورنہ مارے جاؤ گے"۔ غازی عبدالرشید کا کہنا تھا کہ اگر انہوں نے ہتھیار ڈالے تو حکومت انہیں قتل کروادے گی۔ حکومت نے اسلام آباد میں مساجد اور مدارس کو ختم کرنے کے نوٹس جاری کردیے تھے، ایک مسجد شہید بھی 80 کردی تھی۔ جس کے بدلے میں جامعہ حفصہ کی طالبات نے چلڈرن لائبریری پر قبضہ کرلیا۔ فروری 2007 کو پولیس نے 125 طالبات کو گرفتار کرلیا۔ وفاق المدارس نے لائبریری پر قبضہ کو اچھا نہیں سمجھا۔ 41 علماء کرام کا ایک وفد سرکاری انتظامیہ اور لال مسجد انتظامیہ سے ملا اور مسئلے کو بات چیت سے حل کرنے کا مشورہ دیا۔ جید علماء کرام کا وفد ایک بار پھر غازی برادران سے ملا۔ مذاکرات ہوئے، بات چیت

کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ مولانا عبدالعزیز نے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کردیا۔ غازی عبدالرشید نے وفاق المدارس کی کوششوں کی تعریف کی۔ ساتھ 6 شہید مساجد کی تعمیر کا مطالبہ بھی کیا۔ حکومت نے الزام لگایا کہ مولانا عبدالعزیز ریاست میں ریاست بنارہے ہیں۔ مولانا عبدالعزیز کا کہنا تھا کہ ان کا ریاست کے اندر ریاست بنانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ مولانا عبدالعزیز نے اعلان کیا کہ عوام نفاذ شریعت میں ان کا ساتھ دیں۔

چودھری شجاعت حسین نے لال مسجد انتظامیہ سے مذاکرات شروع کیے جس پر مولانا عبدالعزیز نے اطمینان کا اظہار کیا۔ چودھری شجاعت کا کہنا تھا کہ کچھ عناصر اس بات چیت کو ناکام بنانا چاہتے ہیں۔ دکانوں پر حملے یہی عناصر کررہے ہیں تاکہ مذاکرات ناکام ہوجائیں۔ جامعہ حفصہ کی طالبات نے بیان دیا کہ ان کے مدرسے کے خلاف آپریشن ہوا تو سخت مزاحمت کریں گے۔ سعودی سفیر سے ملاقات کے بعد مولانا عبدالعزیز نے بیان دیا کہ ملک میں سعودی عرب جیسا نظام ہی قابل قبول ہوگا۔ لال مسجد انتظامیہ نے ایک مساج سینٹر سے سات چینیوں کو حراست میں لے لیا۔ حکومت نے لال مسجد انتظامیہ کے خلاف آپریشن شروع کردیا۔ مولانا عبدالعزیز کو باہر نکلتے ہوئے گرفتار کرلیا گیا۔ اس سے پہلے غازی عبدالرشید مسجد و مدرسے کا تمام کنٹرول وفاق المدارس کے حوالے کرنے پر رضامند ہوگئے تھے لیکن اس گرفتاری کے بعد دستبردار ہوگئے۔ چودھری شجاعت نے پیش کش کی کہ

غازی عبدالرشید ہتھیار پھینک دیں ان کو کسی ریسٹ ہاؤس میں بند رکھا جائے گا لیکن انہوں نے تسلیم نہ کیا۔ گیارہ جید علماء کرام کے ایک وفد نے وزیراعظم چودھری شجاعت سے ملاقات کی اور لال مسجد میں موجود تمام لوگوں کے لیے معافی کا اعلان کا مطالبہ کیا۔ لال مسجد انتظامیہ کی سرگرمیوں کی وجہ سے وفاق المدارس نے جامعہ فریدیہ کا الحاق ختم کردیا۔ ساتھ دینی رہنماؤں نے حکومت کو خبردار کیا کہ لال مسجد کا محاصرہ پر امن کیا جائے ورنہ ملک میں خانہ جنگ چھڑ جائے گی۔

شمسی توانائی سے بجلی بحران کا خاتمہ

پاکستان گزشتہ کئی سال سے بجلی کے شدید بحران کا شکار ہے۔ ایک دن میں آٹھ دس گھنٹے لائٹ کا غائب رہنا معمول ہے جس سے عوام کا جینا دوبھر ہوگیا ہے۔ صنعتیں دن بدن دم توڑ رہی ہیں، کاروبار ٹھپ ہوچکے ہیں۔ بجلی بندش کی وجہ سے روزانہ ملک کو ایک ارب سے زائد کا نقصان ہورہا ہے۔ اس مشکل سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایسا طریقہ اپنانے کی ضرورت ہے جس سے عوام کو بلا تعطل بجلی کی فراہمی ممکن ہو۔ سورج کی کرنیں قدرت کا وہ عطیہ ہیں جس سے توانائی کے حصول کو یقینی بناکر بجلی کے بحران سے چھٹکارہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے ملک کا شمار دنیا کے ان خوش نصیب ممالک میں ہوتا ہے جہاں سال کے 365 دنوں میں 250 سے لے کر 320 دنوں تک 8 سے 12 گھنٹے 90 فیصد علاقوں میں سورج چمکتا ہے۔ اس طرح پاکستان میں سالانہ 3600 گھنٹے اوسطاً سورج دھوپ دیتا ہے۔ سورج سے حاصل ہونے والی اس توانائی کو سولر انرجی یا شمسی توانائی کہا جاتا ہے۔ دیگر ذرائع سے حاصل توانائی کے مقابلے میں سورج کی کرنوں سے 36 گنا زیادہ توانائی حاصل ہوسکتی ہے۔ سائنسدانوں کے مطابق سورج سے ایک گھنٹے میں حاصل ہونے والی توانائی پوری دنیا کی کل سالانہ پیدا کردہ مجموعی توانائی سے زیادہ ہے۔ دنیا کے صحراؤں کا اگر صرف آدھا فیصد بھی شمسی توانائی حاصل کرنے کے لیے استعمال

کیا جائے تو اس سے دنیا میں توانائی کی طلب پوری کی جا سکتی ہے۔ پاکستان میں شمسی توانائی پیدا کرنے کے بے شمار مواقع موجود ہیں کیونکہ پاکستان سال بھر میں فی مربع میٹر انیس میگا جول سے زیادہ شمسی توانائی حاصل کر رہا ہے جس سے پاکستان کے تقریباً 50 ہزار دیہاتوں میں رہنے والی 90 فیصد آبادی کو شمسی توانائی سے بجلی فراہم کی جا سکتی ہے۔ پاکستان کے متبادل انرجی بورڈ کے چیئرمین کے مطابق پاکستان سالانہ سورج سے لاکھ میگاواٹ بجلی پیدا کر سکتا ہے۔ جبکہ اس وقت پاکستان میں تقریباً 20 ہزار 29 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت ہے۔

ایک عام آدمی کے لیے یہ بات باعث حیرت ہوگی کہ سورج کی روشنی سے توانائی کیسے حاصل کی جا سکتی ہے۔؟ سورج سے توانائی کے حصول کے لیے بنیادی عنصر سولر سیل کہلاتا ہے۔ سولر تھرمل بجلی پیدا کرنے کا طریقہ ہے۔ اس طریقے میں پانی کو بھاپ کی شکل دی جاتی ہے اور بھاپ کی مدد سے ٹربائنز کو چلایا جاتا ہے جس سے بجلی پید ہوتی ہے۔ گیس یا کوئلے سے چلنے والے بجلی گھروں میں حرارت آگ سے لی جاتی ہے جبکہ سولر تھرمل میں حرارت براہ راست سورج سے حاصل کی جاتی ہے۔ اِس طریقے میں دھوپ کی شعاعوں کو ایک ہی نقطے پر مرکوز کرتے ہوئے کسی پائپ میں موجود مائع کو گرم کیا جاتا ہے۔

دنیا بھر میں سورج سے توانائی کی ضروریات کو پورا کرنے کا سلسلہ عرصہ دراز سے جاری ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک اپنی روز مرہ زندگی میں شمسی توانائی کا استعمال کرکے توانائی کے بحران سے کوسوں دور ہیں۔اس وقت دنیا میں سورج سے ایک لاکھ میگاواٹ کے لگ بھگ توانائی پیدا کی جارہی ہے۔ ہمارے پڑوسی ملک بھارت کو ہی لے لیجیے۔ بھارت نے توانائی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے شمسی توانائی کے استعمال پر زور دیا ہے۔ دہلی کے نزدیک گوالی پہاڑی میں شمسی توانائی حاصل کرنے کے لیے ایک بڑا بجلی گھر بنایا گیا ہے۔ بھارت کے دیگر علاقوں میں سولر فوٹو والٹک سینٹرز قائم کیے جا چکے ہیں جو ایک کلوواٹ سے ڈھائی کلوواٹ تک سولر سیل تیار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر اشیاء مثلاً موبائل، گیزر، کھانا پکانے اور دوسری چیزوں کے لیے بھی شمسی توانائی استعمال کی جارہی ہے۔ امریکا میں بھی ہزاروں کی تعداد میں شمسی گھر تعمیر کیے جا چکے ہیں۔ امریکا میں انجینئر اور فن تعمیر کے ماہرین نے شمسی گھروں سے متعلق طرح طرح کے ڈیزائن نکالے ہیں۔ ان شمسی گھروں میں کسی نہ کسی طرح سورج کی گرمی کو ذخیرہ کیا جاتا ہے اور ضرورت کے حساب سے استعمال کیا جاتا ہے۔ فرانس کے ماہرین تحقیقی مقام "پیرانیز" میں شمسی توانائی کی مدد سے بھٹیوں کو چلا رہے ہیں۔ یہ بھٹیاں اس قدر بڑی ہیں کہ ان میں سے صرف ایک کا رقبہ 43 مربع فٹ ہے اور اس میں 516 عکسی شیشے لگے ہوئے ہیں۔ اس کے 80 فٹ کے فاصلے پر ایک شیشہ "کا پیرا بولا" ہے جو 31 فٹ چوڑا اور 33 فٹ لمبا ہے۔

نظام سے جو گرمی پیدا ہوتی ہے وہ فی گھنٹہ 130 پاؤنڈ لوہے کو پگھلا سکتی ہے۔
روسیوں نے بھی سولر تھرمل کا استعمال کرتے ہوئے ایک بہت بڑا "ہیلیو بوائیلر" بنایا ہے۔ یہاں ایک 80 فٹ اونچا مینار ہے جس کے چاروں طرف 23 ہم مرکز ریل کی پٹریاں ہیں۔ ان پٹریوں پر چلنے والے ڈبوں میں 16 فٹ لمبا اور 10 فٹ چوڑا عکسی شیشہ ہوتا ہے۔ ان شیشوں سے سورج کی شعاعیں مرکوز ہو کر مینار میں بوائلر پر پڑتی ہیں جس سے حرارت والی بھاپ اس قدر پیدا ہوتی ہے کہ ایک ایسے جزیٹر کو چلایا جاتا ہے جو ایک ہزار کلوواٹ بجلی پیدا کرتا ہے۔ تائیوان کے جنوب مغرب میں 2009 میں ورلڈ کپ گیمز کے لیے دنیا کا پہلا ایسا اسٹیڈیم تعمیر کیا گیا تھا جو مکمل طور پر شمسی توانائی سے چلتا ہے۔ اس اسٹیڈیم میں 55 ہزار شائقین کے بیٹھنے کی گنجائش موجود ہیں۔ 19 ایکڑ وسیع رقبے پر محیط اس اسٹیڈیم کی شمسی چھت 14155 اسکوائر میٹر ہے اور اس پر شمسی پینل نصب کیے گئے ہیں۔ سورج سے حاصل کی گئی شمسی طاقت کی مدد 8844 سے اسٹیڈیم کے تین ہزار بلبلوں کو روشن اور دو بڑی دیو ہیکل ٹی وی اسکرینز کے لیے توانائی کا حصول ممکن بنایا گیا ہے۔ یہ اسٹیڈیم سال بھر میں شمسی توانائی کے ذریعے 1.14 گیگا واٹ فی گھنٹہ بجلی پیدا کرتا ہے جس کے ذریعے سالانہ کاربن کے اخراج میں 602 ٹن کمی واقع ہوئی ہے۔ ایران بھی شمسی توانائی سے چلنے والی گاڑی کا کامیاب تجربہ کرچکا ہے۔ یہ گاڑی عام گاڑی کی نسبت ایک سو کلو گرام ہلکی ہے۔

اس گاڑی میں ایک سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اس میں نصب شمسی پینل بیٹریز توانائی جمع کر کے اسے چلنے میں مدد دیتے ہیں۔ جرمنی میں سورج کم وقت چمکتا ہے اس کے باوجود جرمنی نے دنیا کے دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ شمسی توانائی کا پروگرام شروع کیا ہے، جرمنی نے یونان میں بیس ہزار ایکڑ پر شمسی توانائی کا سسٹم لگایا ہے۔ ابو ظہبی میں 600 ملین ڈالر سے سو میگاواٹ کا شمسی توانائی سے بجلی پیدا کرنے کا پلانٹ لگ رہا ہے۔ اسپین کے علاقے نیورا میں بجلی کی 70 فی صد ضرورت کو شمسی توانائی اور پن بجلی کی مدد سے پورا کیا جا رہا ہے۔ اس علاقے میں کوئلے، گیس یا تیل کے ذخائر بالکل نہیں ہیں، اس کے باوجود یہاں شمسی توانائی کے ذریعے بلا تعطل بجلی فراہم کی جاتی ہے۔ یہ علاقہ متبادل ذرائع سے بجلی حاصل کرنے کی بہترین مثال ہے۔ اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے ماہرین کا خیال ہے کہ اگر ایسے علاقے میں بجلی کی پیداوار ممکن ہے تو پاکستان میں بھی شمسی توانائی سے بجلی کے پیداواری مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے۔ اگر پاکستان شمسی توانائی کے استعمال پر توجہ دے تو ہم نہ صرف بجلی کے بحران پر قابو پا سکتے ہیں بلکہ بجلی کو ذخیرہ بھی کر سکتے ہیں۔

دو قومی رہنما قومی سلامتی کے لیے متحد

وزیراعظم منتخب ہونے کے بعد پہلی بار وزیراعظم میاں نواز شریف نے 14 سال بعد جمعرات کے روز ملک کی سب سے اہم خفیہ ایجنسی کے ہیڈ کوارٹرز کا دورہ کیا اور وہاں کئی گھنٹے گزارے۔ اس موقع پر آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی، خارجہ امور کے مشیر سرتاج عزیز، وزیر داخلہ چودھری نثار، وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف بھی موجود تھے۔ ڈی جی آئی ایس آئی لیفٹیننٹ جنرل ظہیر الاسلام اور دیگر اعلیٰ حکام نے ملکی سلامتی کو درپیش سنگین چیلنجز، اندرونی و بیرونی خطرات، بلوچستان، فاٹا اور افغانستان سمیت خطہ کی صورتحال، ملک کے اندر دہشت گردی میں ملوث بیرونی عناصر کے حوالے سے تفصیلی بریفنگ دی۔ کئی گھنٹے جاری رہنے والی اس بریفنگ میں افغانستان سے امریکی اور نیٹو افواج کے انخلاء کے بعد کی صورتحال بھی زیر بحث آئی۔ آئی ایس آئی حکام کی طرف سے وزیراعظم کو سانحہ نانگا پربت میں ملوث عناصر کے بارے میں بھی بریفنگ دی گئی۔ وزیراعظم نے اس موقع پر ملک میں ترقیاتی منصوبوں پر کام کرنے والے چینی اور دیگر غیر ملکی ماہرین اور کارکنوں کو مکمل تحفظ فراہم کرنے کے لیے ایک مربوط اور جامع حکمت عملی ترتیب دینے کی ہدایت کی اور کہا کہ اہم قومی امور پر وزیراعظم آفس کو اپ ڈیٹ رکھا جائے۔

وزیر اعظم میاں نواز شریف نے اس موقع پر کئی سوالات کیے۔ نئی مجوزہ سیکورٹی پالیسی بھی زیر بحث آئی۔ نواز شریف نے کہا کہ تمام انٹیلی جنس اور قومی سلامتی سے وابستہ ادارے اپنے باہمی رابطوں اور تعاون کو بڑھائیں تو ملک دشمن عناصر کے عزائم کو ناکام بنا کر پاکستان کو ایک بار پھر ایک پرامن ملک بنا سکتے ہیں۔ ملک دشمن عناصر صرف اور صرف پاکستان کو ایک ناکام ریاست بنانا چاہتے ہیں مگر ہمیں فخر ہے کہ پاک افواج اور اس کے ذیلی ادارے ان کو منہ توڑ جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ دہشت گردی کے خلاف قوم کو متحدہ ہونا پڑے گا اور اس ناسور کے خاتمے میں پوری قوم کو سیاسی و فوجی قیادت کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑا ہونا پڑے گا۔ قومی سلامتی پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ میاں نواز شریف نے کہا کہ ہم بات چیت کا دروازہ کھلا رکھنا چاہتے ہیں مگر ہماری اس کوشش کو ہماری کمزوری نہ سمجھا جائے۔ دہشت گردی کے خلاف قومی پالیسی کی تشکیل کے لیے کل جماعتی کانفرنس بلائی جائے گی۔ تمام اسٹیک ہولڈرز سے مشاورت بھی ضروری ہے۔ ہماری حکومت معیشت کو پیروں پر کھڑا کرنا چاہتی ہے مگر اس کے لیے شدت پسندی اور دہشت گردی کا خاتمہ بہت ضروری ہے۔ ماضی میں بہت غلطیاں ہو چکیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھتے ہوئے ہم ایسی پالیسی بنائیں جس کا فائدہ آنے والی نسل کو ہو۔ پاکستان میں ماضی میں بھی شدت پسندی کے مسئلے سے نمٹنے کے لیے کئی پالیسیاں

اور اجلاس منعقد ہوئے مگر اس ضمن میں کوئی ٹھوس اور واضح حکمت عملی اس لیے سامنے نہیں آ سکی کیونکہ حکمرانوں کے قول و فعل میں تضاد تھا۔

ذرائع کے مطابق فوجی قیادت نے آئی ایس آئی ہیڈ کوارٹر میں بریفنگ کے دوران وزیراعظم کو آگاہ کیا کہ خیبر پی کے اور بلوچستان میں سیاسی قیادت کی طرف سے فوجی آپریشن کی شدید مخالفت کے باعث انسداد دہشت گردی اور باغیوں کے خلاف مہم بری طرح متاثر ہو رہی ہے اور یہی ایک بڑی وجہ ہے کہ پر تشدد کارروائیوں میں کوئی کمی نہیں آ رہی۔ وزیراعظم نے اپنے خطاب میں کہا کہ پاکستان کی سلامتی اور خودمختاری پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا اور ریاستی اداروں کے درمیان باہمی تعاون اور روابط کے ذریعے دہشت گردی کو شکست دی جائے گی۔ وزیراعظم نے انٹیلی جنس ایجنسیوں کو دہشت گردی کے خطرے کی پیشگی اطلاع دینے کا جامع میکنزم بنانے کی ہدایات بھی دیں۔ ذرائع کے مطابق وزیراعظم نے لاپتہ افراد سے متعلق بھی آئی ایس آئی حکام سے استفسار کیا جبکہ ایبٹ آباد کمیشن کی رپورٹ کا حوالہ دے کر انٹیلی جنس ایجنسیز کے کردار پر بھی بات چیت ہوئی۔ یاد رہے کہ وزیراعظم اور ان کی ٹیم کو یہ بریفنگ ایک ایسے موقع پر دی گئی ہے، جب اسامہ بن لادن کی شہادت کے بارے میں قائم کمیشن کی لیک کی گئی رپورٹ ملکی اور غیر ملکی میڈیا کی شہ سرخیوں میں ہے۔ اس رپورٹ میں ملک میں مضبوط سیکورٹی اداروں کی موجودگی کے باوجود

پاکستان میں امریکی فوجیوں کا گھس کر ایک گھنٹے سے زائد آپریشن کرنا فوج، قانون نافذ کرنے والے اداروں اور آئی ایس آئی سمیت خفیہ ایجنسیوں کی "نالائقی" قرار دیا گیا ہے۔ حکومت نے اس رپورٹ کے افشا کیے جانے کی تحقیقات کا اعلان بھی کیا ہے۔ خیال رہے کہ پیپلز پارٹی کی سابق حکومت نے آئی ایس آئی کو وزارت داخلہ کے ماتحت کرنے کے لیے ایک نوٹیفکیشن جاری کیا تھا جسے بعد ازاں "دباؤ" کے سبب چوبیس گھنٹوں میں واپس لینا پڑا تھا۔

دوسری جانب وزیرِ اعظم محمد نواز شریف نے جمعرات کے روز انٹر سروسز انٹیلی جنس یعنی آئی ایس آئی کے ہیڈ کوارٹرز کا دَورہ کیا۔ کیا تو اطراف و جوانب سے بھنویں سکیڑ لی گئی ہیں۔ بعض ناقدین نے اِس دورے کو حیرت انگیز بھی کہا ہے اور اِسے اچنبھا بھی قرار دیا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اِس میں حیرت و استعجاب کی بات ہے نہ کسی کو بھنویں سکیڑنے کی ضرورت۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ وزیرِ اعظم محمد نواز شریف نے آئی ایس آئی ہیڈ کوارٹرز کا دورہ اچانک نہیں کیا ہے بلکہ یہ ان کا ایک پارٹ آف شیڈول تھا۔ وہ اِس دورے کے بعد کئی دوسرے اہم ترین شعبوں اور اداروں کا بھی دَورہ کریں گے تاکہ براہِ راست یہ جان سکیں کہ پاکستان کی سلامتی و معیشت کو مضبوط بنانے والے ادارے دراصل کہاں کھڑے ہیں۔ آئین و دستور اور قانون نے منتخب وزیرِ اعظم کو یہ حق تفویض کیا ہے۔ وزیرِ اعظم نواز شریف نے آئی ایس آئی ہیڈ کوارٹرز کا دَورہ کرکے

سب پر واضح کر دیا ہے کہ وہ پاکستان کی سلامتی اور سیکورٹی اداروں کے بارے میں کس قدر فکر مند ہیں۔ اِسی لیے انھوں نے آئی ایس آئی ہیڈ کوارٹرز کو سب اداروں پر ترجیح دی ہے۔ وزیرِ اعظم پاکستان نئی سیکورٹی پالیسی بنانے کے لیے جس لگن اور جانفشانی سے کام لے رہے ہیں، آئی ایس آئی کے مرکزی دفاتر کے دورے کو اِس کی ایک کڑی قرار دیا جا سکتا ہے۔ آئینی اعتبار سے بھی آئی ایس آئی کا ادارہ وزیرِ اعظم کے ماتحت ہے، چنانچہ انہیں حق پہنچتا ہے کہ وہ جب چاہیں، اِس قابلِ فخر ادارے کا دَورہ کر سکیں، آئی ایس آئی کا سربراہ اگر وزیرِ اعظم کو پاکستان کی سیکورٹی کے بارے میں بریفنگ دینے کے لیے وزیرِ اعظم ہاؤس جاتا ہے تو اِس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ہی کسی کو اِس بارے میں مشوش ہونے کی ضرورت ہے کہ وزیرِ اعظم آئی ایس آئی ہیڈ کوارٹرز کیوں پہنچے؟۔

پرویز مشرف کے خلاف اندراج مقدمہ قتل کا حکم شہدائے لال مسجد کی فتح قرار

کیوں تم لوگوں کو مار رہے ہو اور تعلیمی ادارے تباہ کر رہے ہو...؟
اَب تو بس بھی کر دو یار...! یہ ٹھیک ہے کہ سب مان گئے ہیں، تم ہی ہارے ہو اور تم ہی جیت گئے ہو...؟مگر یار آخر ایسی ہار اور ایسی جیت کا فائدہ ہی کیا ہے..؟جس سے کچھ بھی حاصل نہ ہو...؟اور ایسی ہار جس پر کوئی سہارا بھی نہ دے اور نہ ہی کوئی مقابلے کے لئے ہمت افزائی کرے، اور ایسی جیت کا بھی کیا ہے..؟جس پر کھل کر جشن بھی نہ بنایا جاسکے،اور تمہیں دونوں ہی صُورتوں میں ڈر کر سہم کر اپنی اپنی کمین گاہوں میں پڑے، اور تم جب تنہائی میں رہو تو اپنے ضمیر سے بھی منہ چراتے پھیرو، اور جب اپنے جیسے بے حسوں کے ریوڑ میں رہو، تو اپنی جانوروں جیسی بے حسی اور اپنی ہار پر خود ہی غصہ کرتے رہو،اور جب کسی وحشت ناک مشن سے بچ کر واپس آ جاؤ، تو اپنے ہی مردہ ضمیر ریوڑ میں اپنی وحشیانہ کامیابی پر ہلکی سی مسکراہٹ کے سوااور تم لوگ کرتے ہی کیا ہوگے یار..؟چھوڑو بھی یار اِس دیوانگی کی ضد کو جس نے تم لوگوں کو نہ دین کا چھوڑا ہے اور نہ ہی دنیا کا رکھا ہے..! تمہارے ہاتھ سے تو دونوں ہی جہاں جارہے ہیں...اِس پر میں یہ کہوں گا کہ جا کیا رہے ہیں...؟بلکہ چلے بھی گئے ہیں، کیوں کہ اَب تک

تم لوگوں نے اپنی دہشت گردی سے ہزاروں معصوم انسانوں کو مار کر اور ہزاروں کو زخمی کرکے جتنے بھی اِنسانیت سوز مظالم ڈھائے ہیں، تمہاری درندگی اور وحشت ثابت کرنے کے لئے یہ ہی کافی ہے، کیا اللہ روزِ قیامت تم سے اِن سب کے بارے میں نہیں پوچھے گا...؟تم کس منہ سے اِس روز اِس کے سامنے پیش ہوگے ...؟آج جب تم دنیاوالوں کے سامنے اپنے منہ دکھانے کے قابل نہیں ہو، تو بھلا قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے کیسے حاضر ہوگے ...؟آج ذراسوچو...! تم معصوم انسانوں کا خون بہاکر جس طرح دینِ اسلام کا پرچار کررہے ہو، اِس کی تعلیمات میں ایسا کہیں نہیں لکھاہے، کہ تم اللہ کے نائبوں (بندوں) کو اِس طرح مارڈالو، جس طرح تمہیں اِس دینِ اسلام میں جانوروں کے مارنے کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔اوردینِ اسلام میں مرد و عورت، بچوں اور بچیوں کے لئے حصولِ تعلیم کو اولیت دی گئی ہے، اور ایک تمہارا گروپ ہے اور ایک تم ہو کہ جو تعلیمی درس گاہوں کو تباہ وبرباد کررہے ہو، تعلیم تو دینِ اسلام اور مسلم اُمہ کی میراث ہے، اور تم ہو کہ اِس میراث کے ذرائع خود اپنے ہی ہاتھوں تباہ وبرباد کررہے ہو۔

جبکہ آج یہ کتنی افسوس ناک بات ہے کہ جس بات پر تم کوافسوس اور ندامت کا اظہار کرنا چاہئے تھا، اِس پر اغیار کفِ افسوس کررہے ہیں، نیویارک سے خبر رساں ادارے آئی این پی نے خبر دی ہے کہ بین الاقوامی امدادی تنظیم سیودی چلڈرن

کے مطابق شورش زدہ ملکوں میں 5 کروڑ بچے تعلیم سے محروم ،اور سیکڑوں اسکول تباہ ہوئے ہیں، گزشتہ دنوں ملالہ یوسف زئی کی سالگرہ کے موقع پر بین الاقوامی امدادی تنظیم سیوڈی چلڈرن نے تعلیم پر حملے کے عنوان سے ایک رپورٹ جاری کرتے ہوئے اِس نقطے پر زور دیا ہے کہ شورش زدہ ملکوں میں تعلیم کو ہر حال میں محفوظ بنانا ہوگا، اِن علاقوں میں تعلیم کو بلا تفریق عام کئے بغیر امن کا خواب دیکھنا بے وقوفی کے مترادف ہوگا۔

اگرچہ سیوڈی چلڈرن نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ شورش زدہ ملکوں سے تعلق رکھنے والے پانچ کروڑ بچے تعلیم کے زیور سے محروم ہیں، اِن ملکوں میں اسکولوں سمیت دیگر تعلیمی اداروں پر شدت پسند حملے کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے اِن اداروں کی تباہی اور بربادی میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے، یوں اِن ممالک میں شدت پسندوں کے بڑھتے ہوئے حملوں کے باعث بچوں کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہوا ہے، خاص طور پر پچھلے پانچ سال کے دوران پاکستان کے قبائل و خیبر پختونخوا کے علاقوں میں شدت پسندوں نے حملے کرکے 995 اسکول اور 35 یا اِس سے زائد کالج تباہ کر دیئے ہیں، اِن علاقوں میں شدت پسند اپنی اِس قسم کی کارروائیوں کے بعد بچوں کو تعلیم سے محروم کر رہے ہیں اور مسلح گروہ بچوں کو شدت پسندی میں استعمال کرنے کے لئے اپنے ہی مسلح گروہوں میں بھرتی کر رہے، جس سے اِن علاقوں میں معصوم بچوں کو دہشت گردی اور خودکش بم دھماکوں کے لئے استعمال

کیا جارہا ہے۔

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان کے شورش زدہ علاقوں میں صرف 2011 میں شدت پسندوں اور مسلح گروہوں نے اپنے حملوں میں 152 اسکول تباہ کئے جن میں اسکول قبائلی علاقوں اور خیبر پختونخوا میں تھے اور اِسی کے ساتھ ہی رپورٹ میں 138 یہ بھی ہے کہ پاکستان کے خفیہ اداروں نے سپریم کورٹ کو بتایا ہے کہ گزشتہ پانچ سالوں میں قبائلی علاقوں اور خیبر پختونخوا میں 995 اسکولوں اور 35 سے زائد کالجوں کو تباہ کیا گیا، اور مسلح شر پسند گروہوں کی جانب سے پاکستان میں بچوں پر تیزاب پھینکنے کے واقعات میں بھی اضافہ ہوا ہے، جس سے متاثرہ بچے زندگی بھر کے لئے مفلوج ہو جاتے ہیں، مسلح گروہوں کے کسی گروہ کی کارروائی کی وجہ سے گزشتہ سال سوات میں ملالہ یوسف زئی بھی اسکول سے واپس آتے ہوئے قاتلانہ حملے میں شدید زخمی ہو گئی تھی، سیو دی چلڈرن نے اپنی اِس رپورٹ میں اِس کا بھی انکشاف کیا ہے کہ میں پاکستان کے علاقے پاراچنار میں دو لڑکیوں پر تیزاب پھینکا گیا، اور اِسی طرح 2012 آخر میں اِس بین الاقوامی امدادی تنظیم نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ رواں سال جنوری تک شام میں جاری کشیدگی کے دوران تقریباً 4000 اسکول تباہ ہوئے، اور یونسکو کی تحقیق کے مطابق شورش زدہ علاقوں کے تقریباً 4 کروڑ 85 لاکھ بچے اسکول نہیں جاتے، رپورٹ میں بین الاقوامی امدادی تنظیم کے کرتا دھرتا وں نے عالمی برادری

کے ٹھیکداروں (رہنماوں) سے بھی پُرزور مطالبہ کیا ہے کہ وہ تعلیم کو محفوظ بنانے کے لئے ہر حال میں شورش زدہ ممالک کی مالی معاونت جاری رکھیں،اور اپنی ہر ممکن کوشش کرتے رہیں کہ پاکستان سمیت دیگر شورش زدہ ممالک میں تعلیمی اداروں کو مجرمانہ حملے سے بچایاجائے، اور تعلیمی اداروں پر مجرمانے حملے سمیت اسکولوں کی عمارتوں کو شرپسند مسلح گروہوں کے زیراستعمال آنے سے روکنے کے لئے سخت ترین اقدامات کریں۔

سچی بات یہ ہے کہ تم لوگ اپنی اصل بھول چکے ہو، تم یہ بھی بھول گئے ہو، کہ تم اِنسان اور مسلمان ہو،اور اُس نبی ﷺ کی اُمت میں سے ہو، جنھوں نے اِنسانیت کو محبت ، اُخوت ومساوات، اتحادویگانگت اور ملی یکجہتی کا درس دیا، جن کی اُمتی کا حُسن تعلیم کے حصول کے بغیر کچھ نہیں ہے، مگریار افسوس ہے کہ تم لوگوں نے تو اپنے عزائم کے خاطر کسی کا بھی خیال نہیں رکھاہے، اَب دیکھوناں..! تمہارے گھناونے کرتوتوں کی وجہ سے دنیا تمہیں تمہاری پہچان اِنسان اور مسلمانیت سے بھی پکارنے کوروادار نہیں ہے، یہ تمہیں کہیں دہشت گرد، تو کہیں مسلح گروہ، اور کہیں شرپسند کہہ کر پکاررہی ہے۔ جبکہ تم تویار اِنسان ہو اوراِس سے بھی بڑھ کرتم مسلمان ہو، توپھر دنیا کو تمہیں اِسی نام سے پکارنا چاہئے تھا، مگر افسوس ہے کہ تم نے اپنی وحشیانہ کارروائیوں سے اپنی یہ پہنچان ہی ختم کردی ہے۔ آخرتم نے ایساکیوں کیاہے یار...؟ بس یار لوٹ

آؤ اپنی اصل کی طرف . . . ! جس میں دونوں جہانوں کی فلاح ہے۔

بھارتی حکومت کا مکروہ چہرہ بے نقاب ہوگیا

بھارت کی پاکستان کے ساتھ نفرت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ بھارت پاکستان کو بدنام کرنے کا کوئی موقع کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ بھارتی حکومت وقتاً فوقتاً خودساختہ کھیل رچا کر بھی پاکستان کو بدنام کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ ہفتے کے روز بھارتی افسر نے خود اپنی حکومت کو ہی بے نقاب کر دیا ہے۔ بھارتی وزارت داخلہ کے سابق نائب سیکرٹری آر وی ایس مانی نے انکشاف کیا ہے کہ بھارتی پارلیمنٹ اور ممبئی حملے خود بھارت کی حکومت نے خود کرائے اور ان کا الزام پاکستان پر لگا دیا۔ بھارتی افسر نے "عشرت جہاں" جعلی مقابلہ کیس میں عدالت میں جمع کرائے گئے بیان میں کہا ہے کہ سی بی آئی اور ایس آئی ٹی کی تحقیقاتی ٹیم میں شامل ستیش ورما نے انہیں بتایا کہ نئی دہلی میں پارلیمنٹ اور ممبئی کے دہشت گرد حملے طے شدہ تھے جن کا مقصد انسداد دہشت گردی قوانین کو سخت بنانے کے لیے جواز پیدا کرنا تھا۔ 13 دسمبر 2001 کو پارلیمنٹ پر حملہ عسکریت پسند تنظیموں کی روک تھام کے قانون پوٹا اور ممبئی پر دہشت گردی یو اے پی اے قانون میں ترامیم کے لیے کرائی گئی تھی۔ واضح رہے کہ بھارتی پارلیمنٹ پر حملے کے کیس میں کشمیری شہری افضل گورو جبکہ ممبئی حملوں کے الزام میں پاکستانی شہری محمد عامر اجمل قصاب کو بھارت سزائے موت دے چکا ہے۔ یہ امر

قابل ذکر ہے کہ ایک اعلی بھارتی افسر ستیش ورما نے انکشاف کیا ہے کہ بھارتی حکومت نے انسداد دہشت گردی کے قوانین کو سخت بنانے کے لیے پارلیمنٹ اور ممبئی میں خود حملے کرائے اور الزام پاکستان پر عائد کر دیا۔ ان انکشافات نے بھارت کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ بھارتی میڈیا کی طرف سے براہ راست ستیش ورما سے رابطہ کی کوشش کی گئی تو اس نے اس بارے میں کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔

بھارتی افسر کے انکشاف کے بعد متعدد پاکستانی رہنماؤں نے بھارت کی شدید مذمت کی ہے۔ امیر جماعت اسلامی منور حسن نے کہا ہے کہ بھارتی وزارت داخلہ کے سابق افسر ستیش ورما نے ممبئی اور بھارتی پارلیمنٹ پر حملوں کے بارے میں انکشاف کرکے بھارت کے مکروہ اور بھیانک چہرے سے نقاب ہٹا دیا ہے، گھر کے بھیدی نے لنکا ڈھا کر پوری دنیا کے سامنے بھارت کی پاکستان دشمنی اور دہشتگردی کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ بھارت کی پاکستان دشمنی اور اس کو دنیا میں بدنام کرنے کی سازش ظاہر ہونے کے بعد بھارت کے خلاف اجمل قصاب کے قتل کے خلاف عالمی عدالت انصاف میں مقدمہ دائر کرنا چاہیے۔ امرناتھ یاترا، مقبوضہ کشمیر میں ہندوؤں کے قتل عام، سمجھوتہ ایکسپریس میں سیکڑوں پاکستانیوں کو زندہ جلانے سے لے کر ممبئی اور پارلیمنٹ پر حملوں تک تمام واقعات میں بھارت اور انتہا پسند ہندوؤں کے ملوث ہونے کے ناقابل تردید ثبوت سامنے آ چکے ہیں۔

ہندو انتہا پسند تنظیمیں اور گروپ بھارت کو ہندو سٹیٹ بنانے کے لیے اقلیتوں کو چن چن کر قتل کر رہے ہیں۔ مساجد، گردواروں اور چرچ جلانے کے واقعات اکثر سامنے آتے رہتے ہیں۔ مسلم کش فسادات آئے روز کا معمول ہیں۔ مولانا سمیع الحق، حمید گل، یحییٰ مجاہد، حافظ سیف اللہ منصور، عبدالغفار روپڑی، مولانا نعیم بادشاہ، مولانا ابوالہاشم اور خالد ولید نے کہا ہے پاکستانی حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ کسی قسم کے بھارتی و امریکی دباؤ کا شکار نہ ہوں اور بھارتی دہشت گردی کے حوالہ سے بھارت سرکار کا بھیانک چہرہ دنیا کو دکھانے میں کسی قسم کی مصلحت پسندی سے کام نہ لیا جائے۔ ممبئی حملوں کے حوالہ سے انڈیا سمیت دیگر بیرونی قوتوں کے دباؤ پر جن افراد کو گرفتار کیا گیا ہے انہیں فی الفور رہا کیا جائے۔ ستیش ورما کے انکشاف سے بھارت سے یکطرفہ دوستی کی پینگیں بڑھانے اور پاکستانی دریاؤں پر ڈیموں کی تعمیر پر خاموشی اختیار کرکے اپنی ہی دریاؤں سے پیدا کردہ بجلی خریدنے کی کوششیں کرنے والوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ جبکہ پاکستان مسلم لیگ (ن) کے چیئرمین راجہ محمد ظفر الحق نے کہا ہے کہ اس بات کی اپنی اہمیت ہے کہ سابق واقعات کے بارے محتاط رویہ اختیار کرنا چاہیے کیونکہ ہمارا پڑوسی ملک کسی حد تک بھی جاسکتا ہے۔ بھارت کے وزارت داخلہ کے ایک افسر کے بیان سے پارلیمنٹ اور ممبئی حملے کے حوالے سے ایک تیسرا پہلو سامنے آیا ہے۔ بھارت کی طرف سے پاکستان پر الزامات کی کون سی سوچ کارفرما ہو سکتی ہے۔ ہمیں اپنے داخلی معاملات کو

درست کرنے کی ضرورت ہے۔

تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ بھارتی پارلیمنٹ پر حملہ اور ممبئی حملوں کے بارے میں ایک بھارتی افسر کے انکشافات پر سردست پاکستان رد عمل ظاہر کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ایک مستند ذریعہ کے مطابق مذکورہ انکشافات کے بارے میں پاکستان کو نئی دہلی میں اپنے ہائی کمیشن کی جامع رپورٹ اور بھارتی حکومت کے رد عمل کا انتظار ہے جس کے بعد ہی اس بارے میں کوئی لائحہ عمل بنایا جائے گا۔ تاہم بھارتی افسر کے انکشافات درست ہونے کی صورت میں بھی پاکستان جارحانہ طرز عمل اختیار نہیں کرے گا کیونکہ پاکستان میں نئی حکومت قائم ہونے کے بعد دہلی اور اسلام آباد کے درمیان سرد مہری میں خاصی کمی آئی ہے۔ دونوں ملک مذاکراتی عمل کی بحالی پر بھی آمادہ ہو گئے ہیں اور رواں سال دونوں وزرائے اعظم کے درمیان دو سے زیادہ ملاقاتیں بھی متوقع ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ بھارت کے ایک ریٹائرڈ انٹیلی جنس افسر کے ان سنسنی خیز انکشافات کے بعد پاکستان کو اس معاملے کو سنجیدگی سے لینا چاہیے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان ایسا کرے گا؟ یاد رہے کہ ان دونوں مواقع پر پاکستان اور بھارت جنگ کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ریٹائرڈ انٹیلی جنس آفیسر ساتیش راؤ نے اپنے ایک عدالتی بیان میں انکشاف کیا ہے کہ مذکورہ بالا دونوں حملے

بھارتی حکومت نے خود کرائے تھے اور اس کا مقصد سخت انسداد دہشت گردی قوانین کو منظور کرانے کے لیے پارلیمنٹ پر دباؤ بڑھانا تھا، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس قیمت پر؟ یہ سنسنی خیز انکشاف ایسے وقت پر آیا ہے جب وزیر اعظم نواز شریف بھارت کے ساتھ تعلقات بہتر کرنا چاہتے ہیں، تاہم بھارت مذاکرات کی بحالی کو جماعت الدعوۃ کے سربراہ حافظ محمد سعید کی حوالگی سے مشروط کر رہا ہے۔ اب پاکستان، سانحے کے بیان کی مشترکہ تفتیش کا مطالبہ کر سکتا ہے، یہ معاملہ بین الاقوامی سطح پر بھی اٹھایا جانا چاہیے، بدقسمتی سے بین الاقوامی محاذ پر ہم اب تک بہت کمزور رہے ہیں۔ اس سے پہلے سانحہ سمجھوتہ ایکسپریس کا الزام بھی پاکستان پر لگایا جاتا رہا۔

بعد ازاں ایک بھارتی ریٹائرڈ فوجی افسر نے بیان دیا کہ پاکستان اس کیس میں ملوث نہیں ہے اور یہ بھی بھارتی انٹیلی جنس کا کام تھا، پاکستانی دفتر خارجہ صورتحال کا جائزہ لے رہا ہے اور اس کا ردعمل آنے کی توقع ہے۔ مذکورہ سانحات نے نہ صرف پاکستان، بھارت تعلقات کو ہلا کر رکھ دیا تھا بلکہ بھارت کے عام شہریوں میں بھی پاکستان اور پاکستانیوں کے بارے میں غلط تاثر پیدا ہوا۔ بھارت کا دورہ کرنے والے پاکستانیوں کے ساتھ توہین آمیز رویہ اپنایا گیا، اس سے دنیا بھر میں پاکستان کا تصور بھی خراب ہوا، کیا پاکستان اب دنیا سے کہے گا کہ اسے بے گناہ قرار دیا جائے اور مذکورہ واقعات کی

غیر جانداراانہ تحقیقات کرائی جائے۔ بھارت کو اگر اپنے افسر کے بیان کو قبول کرنے میں پریشانی ہو سکتی ہے، تاہم اسے مذاکرات بحال کرنے کے لیے کم از کم اپنی شرائط پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔اب کیا پاکستانی اجمل قصاب اور کشمیری افضل گورو کو پھانسی کے پھندے تک پہنچانے والی بھارتی سپریم کورٹ، انٹیلی جنسن افسر کے اعترافی بیان کا ازخود نوٹس لے گی؟ بھارت کو اپنی سیاست کا بھی ازسرنو جائزہ لینا چاہیے، وہ پاکستان پر مذہبی انتہا پسندی کا الزام لگاتا ہے، لیکن اگر اس حوالے سے بھارت کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو بھارتی انتہاء پسندی میں ہم سے کہیں آگے ہے، وہاں تو مسلمانوں کے خلاف نفرت کو انتخابات جیتنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔کیا پاکستان میں کبھی کسی اقلیت کے ساتھ اس قسم کا رویہ برتا گیا جیسا کہ بھارت مسلمانوں کے ساتھ برتتا ہے۔

ملک میں بجلی و گیس چوروں کی پکڑ دھکڑ شروع

پاکستان ایک عرصے سے بجلی و گیس کے بحران سے دوچار ہے۔ ایک دن میں دس بارہ گھنٹے بجلی غائب رہتی ہے اور گیس کی قلت سے ملک کی بے شمار صنعتیں دم توڑ چکی ہیں۔اس بحران کی ایک بڑی وجہ ملک میں بجلی و گیس چوری ہے۔ ملک سے ہر سال اربوں روپے کی گیس اور بجلی چوری کی جاتی ہے، جس کا سارا بوجھ عوام پر پڑتا ہے۔ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں بجلی چوری کی شرح تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ 2010 کی عالمی درجہ بندی میں پاکستان 23ویں نمبر پر تھا جبکہ 2011 میں 131 ممالک میں سے پاکستان 14ویں اور اب بجلی چوری کے حوالے سے ٹاپ ٹین ممالک میں شامل ہے۔ مگر اس چوری کی سزا کا بھارا بوجھ عوام الناس پر ڈال دیا جاتا ہے۔ ملک میں بجلی کی پیداوار کا 40 فی صد ٹرانسمیشن اور ڈسٹری بیوشن کے دوران ضائع ہو جاتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ بجلی فراہم کرنے والے ادارے بجلی چوری، ضائع ہونے والی بجلی کا خسارہ عوام سے پورا کرتے ہیں۔ لوڈ شیڈنگ کا عذاب ان لوگوں کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے جو اپنے بل باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ آئے دن بجلی کے نرخوں میں اضافے نے عوام کے لیے بلوں کی ادائیگی بہت مشکل بنا دی ہے۔ بجلی کے نرخوں میں بے پناہ اضافہ بھی بجلی کی چوری کی بنیادی وجہ ہے۔ بجلی چوری کی مد میں پاکستان کے عوام کے خزانے سے 383 ارب روپے سالانہ خرچ ہوتے ہیں،

اس مد میں بجلی استعمال ہوتی ہے، بل نہیں دیے جاتے۔ بجلی کو چلانے کے لیے حکومت کے خزانے سے جو پیسے خرچ کیے جاتے ہیں وہ 383 ارب روپے ہیں۔ حکومتی اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ پاکستان میں سالانہ تقریباً 160 ارب روپے کی بجلی چوری ہوتی ہے۔ گزشتہ مالی سال کے دوران صارفین سے 120 ارب روپے کی وصولیاں نہیں کی جاسکیں 103 ارب روپے کی سبسڈی دی گئی۔ پاکستان میں سب سے زیادہ بجلی چوری بلوچستان میں ہوتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق گزشتہ سال بلوچستان میں 64 ارب روپے کی بجلی چوری کی گئی۔ اس اعداد و شمار کے مطابق جتنی بجلی بلوچستان میں استعمال کی گئی اس کی تقریباً 75% چوری کرلی گئی۔ کے پی کے میں فراہم کی جانے والی تقریباً بجلی چوری کی جاتی ہے صوبہ سندھ پاکستان کا سب سے بڑا نادہندہ ہے۔ بجلی بلوں 55% کی مد میں 50 ارب روپے کا قرضدار ہے۔ اسی طرح ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں سالانہ 32 ارب روپے سے زائد کی گیس چوری اور ضائع ہوئی ہے، جس سے گیس کمپنیوں کے نقصانات میں اضافہ ہورہا ہے۔ سال 12-2011 کے دوران سوئی ناردرن گیس کمپنی کے نقصانات ساڑھے 11 فی صد اور سوئی سدرن کے گیس نقصانات 8 فی صد رہے ہیں۔ سال 12-2011 میں اوگرا کو 5 ہزار 382 شکایات موصول ہوئیں تھیں، جن میں سے 5 ہزار ایک سو شکایات کا ازالہ کیا گیا۔ گیس کے زیادہ بلوں پر 3 کروڑ 46 لاکھ روپے عوام کو واپس دلائے گئے۔ جبکہ گزشتہ مالی سال کے دوران گیس کمپنیوں نے ارب 60 کروڑ روپے صارفین سے وصولی کی درخواست کی تاہم اوگرا نے نقصانات 9 کی مد میں

صارفین سے وصولی کی درخواست مسترد کردی۔

اس حوالے سے پاکستان کی موجودہ حکومت کافی متحرک نظر آرہی ہے۔ گزشتہ دنوں چینی صوبے گوانگ ڈو میں چائنہ سدرن پاور گرڈ کے دورے کے دوران وزیراعظم میاں نواز شریف نے ملک میں تونائی چوری کے حوالے سے چین کا تعاون مانگتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان کو لائن لاسز اور بجلی چوری کو روکنے کے لیے چینی ماہرین کی معاونت کی ضرورت ہے۔اسی حوالے سے وزیراعظم کو بتایا گیا کہ فیکٹری مالکان مبینہ طور پر ملین روپے کی گیس چوری کر رہے ہیں۔ سوئی ناردرن گیس پائپ لائن لمیٹڈ کی 270 طرف سے حال ہی میں شروع کیے گئے گیس چوری کے خلاف آپریشن کے دوران کمرشل ملوں اور فیکٹریوں پر متعدد چھاپے مارے گئے ہیں جس کے دوران بھاری مقدار میں گیس چوری کیسز سامنے آئے۔ وزیراعظم اور وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف کو دورہ فیصل آباد کے دوران ایک ٹیکسٹائل مل کا دورہ کرایا گیا جو گیس چوری میں ملوث تھی۔ اس مل پر جب چھاپہ مارا گیا تو یہ گیس چوری میں ملوث پائی گئی تو اسے مجموعی طور پر 11 بلین روپے کا جرمانہ کیا گیا۔ وزیراعظم کو متعلقہ حکام نے بتایا کہ اس مل کے مالک کے خلاف مقدمہ درج کروایا جا چکا ہے اور اس ملز کی بیشتر مشینری کو قبضے میں لے کر سیل بھی کیا گیا۔

پیر کے روز وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے بجلی اور گیس چوروں کے خلاف سخت ترین کارروائی کا حکم دیتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ توانائی بحران متعلقہ اداروں کی کرپشن، لائن لاسز بجلی و گیس چوری اور سابقہ حکومتوں کی طرف سے توانائی بحران پر توجہ نہ دینے کی وجہ سے حد سے بڑھ چکا ہے جس پر مختصر ٹائم فریم میں قابو پا کر صارفین کو زیادہ سے زیادہ ریلیف فراہم کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ متعلقہ اداروں کی ملی بھگت کے بغیر بجلی اور گیس کی چوری ناممکن ہے لہٰذا بجلی اور گیس چوروں کے خلاف سخت ترین کارروائی کا ہر حال میں آغاز ہو جانا چاہیے۔ بجلی چور اور گیس چور کسی بھی نرمی کے مستحق نہیں انہیں نشان عبرت بنا دیں گے۔ پورے ملک میں بجلی اور گیس چوری کرنے والوں کے خلاف بھرپور آپریشن جاری رہے گا اور جو بھی ملوث پایا گیا ان سے کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی کیونکہ گیس اور بجلی چوری بھی کرپشن کے زمرے میں آتی ہے۔ ہماری حکومت کی اولین کوشش ہے کہ ملک سے لوڈشیڈنگ کا خاتمہ ہو جائے اور اگر ہم بجلی چوروں اور گیس چوروں کو قابو کر لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک میں لوڈشیڈنگ کا دورانیہ پانچ سے چھ گھنٹے تک لایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ فیصل آباد سے پکڑی جانے والی ایک مل سے 27 کروڑ روپے سالانہ کی گیس چوری کا معاملہ دیکھنے کے لیے خود فیصل آباد آئے ہیں، توانائی بحران کی جو اہم وجہ ہے وہ کرپشن اور لائن لاسز ہیں اور حکومت ان مسائل کو حل کرنے کے لئے جامع حکمت عملی اختیار کر چکی ہے۔ جہاں بھی بجلی

چوری ہوتی ہے وہاں متعلقہ ادارے کے ذمہ داران اور ادارہ ملوث پایا جاتا ہے۔
دوسری جانب وزیر اعلیٰ پنجاب محمد شہباز شریف نے کہا ہے کہ قومی وسائل لوٹنے والے بجلی و گیس چوروں کو قانون کی سخت گرفت میں لایا جائے گا اور ان کالی بھیڑوں کو بے نقاب کرکے انصاف کے کٹہرے میں لائیں گے۔ ملک توانائی بحران سے دو چار ہے لیکن گیس اور بجلی چور عوام کے حقوق پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں جنہیں سخت سے سخت سزا ملنی چاہیے۔ انہوں نے ڈی سی او فیصل آباد کو ہدایت کی کہ وہ بجلی اور گیس کی چوری کی روک تھام کے لیے موثر آپریشن جاری رکھیں اور اس ضمن میں کسی قسم کے اثر و رسوخ کو خاطر میں نہ لایا جائے۔ ان قومی مجرموں کے خلاف مقدمات کی بھرپور انداز میں پیروی کی جائے۔ توانائی بحران کے حل کے لیے ہنگامی بنیادوں پر اقدامات شروع کردیے گئے ہیں جن کے لیے نئے پیداواری منصوبوں کے قیام کے علاوہ بجلی کے لائن لاسز پر قابو پانا اور چوری روکنا اولین ترجیح ہے۔ واضح رہے کہ پیر کے روز فیصل آباد کی ایک مل پر چھاپا مارا جس کے بارے میں انکشاف ہوا ہے کہ وہ سالانہ 27 کروڑ روپے کی بجلی چوری کرتی ہے۔ ڈی سی او انجم احمد شاہ نے بتایا کہ فیصل آباد میں گیس چوری کے 6 کیسز پکڑے ہیں جن میں 40 کروڑ روپے سالانہ کی گیس چوری کا اندازہ ہے۔

نیلسن منڈیلا جہد مسلسل کی عظیم داستان

کسی دانشور کا قول ہے: "لوگ پیدا ہوتے ہیں، جیتے ہیں اور پھر مر جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے کوئی کارنامہ سرانجام نہ دیا ہو، وہ بھلا دیے جاتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو دوسروں کے لیے جیتے ہوئے اپنے اھداف کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں، وہ ہمیشہ لوگوں کے خیالات اور عمل میں زندہ رہتے ہیں۔" دنیا میں ایسی شخصیات پیدا ہوتی رہتی ہیں جو ہمیشہ لوگوں کے خیالات و عمل میں زندہ رہتی ہیں۔ ان شخصیات میں جنوبی افریقہ کے سابق صدر "نیلسن منڈیلا" کا نام بھی شامل ہے۔ نیلسن منڈیلا کی زندگی جہد مسلسل کی ایک ایسی کتاب کی مانند ہے جس کی ہر سطر میں لوگوں کے لیے کئی سبق پوشیدہ ہیں۔ آج نیلسن منڈیلا دنیا بھر میں آزادی کی علامت بن چکے ہےں۔ نیلسن منڈیلا کو ان کی تحریک و خدمات کی بنیاد پر 250 سے زائد انعامات سے نوازا گیا جن میں 1993 کا نوبل انعام برائے امن بھی شامل ہے۔ نیلسن منڈیلا کی امن و آزادی کے پرچار کے صلے میں 2009 میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 192 اراکین کی متفقہ قرارداد کے ذریعے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہر سال 18 جولائی کو منڈیلا ڈے منایا جائے گا۔

سیاسی جدوجہد، ذاتی قربانیوں، 27 برس کی طویل قید بامشقت اور نسلی امتیاز

جیسے عفریت کے خلاف جدوجہد نے نیلسن منڈیلا کو ایک عظیم افریقی رہنما کے درجے پر فائز کیا۔ وہ آزاد جنوبی افریقا کے پہلے سیاہ فام صدر منتخب ہوئے۔ صدارت کی مدت پوری کرنے کے بعد قومی سیاست سے دست کش ہونے کا اعلان کیا۔ نیلسن منڈیلا اپنے بارے میں کہتے ہیں: "میں اس لمحے کی نشاندہی نہیں کر سکتا جب میں نے سیاست سے متاثر ہو کر یہ سوچنا شروع کیا کہ مجھے اپنی زندگی آزادی کی جدوجہد کے لیے وقف کر دینی ہے۔" ایک بار عدالت میں تقریر کرتے ہوئے نیلسن منڈیلا نے کہا: "میں نے ایک خواب دیکھا ہے، جس میں ایک مثالی ریاست ہو اور وہاں تمام لوگ مل جل کر رہ رہے ہوں، بغیر کسی امتیاز کے انہیں انصاف مل سکے اور مساوی حقوق حاصل ہوں۔ یہ ایک آئیڈیل معاشرہ ہوگا اور میں اس کی خواہش میں مرنے کے لیے تیار ہوں"۔ جنوبی افریقہ ایک طویل عرصہ سفید فام اقلیت کی طویل غلامی میں رہ چکا ہے۔ اس غلامی کے دوران اقلیتی سفید فاموں نے سیاہ فام افریقی باشندوں کو جانوروں کی طرح رکھا ہوا تھا۔ ان پر بے انتہا تشدد کیا جاتا تھا۔ جنوبی افریقہ کے قدرتی وسائل کو نکالنے کے لیے سیاہ فاموں سے مشقت لی جاتی لیکن حاصل ہونے والی دولت میں سے ایک پائی بھی سیاہ فاموں پر خرچ نہ کی جاتی۔ مظالم مسلسل بڑھتے رہے، ایسے میں نیلسن منڈیلا نے ایک پرامن سیاسی پارٹی قائم کر کے ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا شروع کی۔ تحریک نے زور پکڑا تو سفید فام حکمرانوں نے نیلسن منڈیلا کو جیل میں بند کر دیا، جس سیل میں منڈیلا کو قید کیا گیا اس میں سورج کی کرن تک داخل نہیں ہو پاتی

تھی اور نہ ہی آسمان نظر آتا تھا۔

نیلسن منڈیلا نے صدیوں پرانے بدترین اور ظالمانہ نسلی امتیاز کے خلاف جس قدر طویل اور شاندار جدوجہد کی، اپنے لوگوں کو سفید فام اقلیت کے سیکڑوں برس پرانے جبر و استبداد سے آزاد کرایا، اس جدوجہد نے نیلسن منڈیلا کو ایک دیو مالائی کردار بنا دیا۔ لیکن دیومالائی کرداروں کی بھی ایک ذاتی زندگی ہوتی ہے۔ نیلسن منڈیلا 18 جولائی کو کیپ ٹاؤن میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد تھیمبو رائل فیملی کے کونسلر تھے۔ 1918 جب نیلسن منڈیلا 9 سال کے تھے تو ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد منڈیلا نے تھیمبو قبیلے کے چیف جوگن نا با کے زیر نگرانی پرورش پائی۔ 1941 میں نیلسن جوہانسبرگ چلے گئے۔ دو برس "وٹس واٹر یونیورسٹی" میں لاء کی تعلیم حاصل کرنے کے میں شمولیت (ANC) لیے داخلہ لے لیا۔ اسی سال سیاسی جماعت افریقن نیشنل کانگریس اختیار کرلی اور بعد میں وہ جماعت کی ذیلی تنظیم یوتھ ونگ کے بانی صدر بنے۔ 1952 میں نیلسن منڈیلا نے پیشہ ور وکیل کے طور پر امتحان پاس کیا اور اولیونا مبو نامی وکیل کے ساتھ جوہانسبرگ میں وکالت کی پریکٹس شروع کردی۔ اولیور نا مبو کے ساتھ مل کر نسلی امتیاز کے خلاف مہم شروع کی اور اس سسٹم کو چیلنج کیا جس میں گورے لوگ مظلوم کالوں کو اپنا غلام بنائے ہوئے تھے۔ 1956 میں نیلسن منڈیلا کو بغاوت اور سازش کرنے کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا لیکن چار برس تک

عدالتوں میں مقدمات چلنے کے بعد ان کی بے گناہی ثابت ہو گئی۔ 1960 میں افریقن نیشنل کانگریس پر پابندی لگادی گئی۔ مجبوراً نیلسن منڈیلا کو انڈر گراؤنڈ جان پڑا۔ گوروں کے خلاف مہم نے اس وقت زور پکڑا جب 1960 میں 69 سیاہ فام افراد کو ایک ریلی کے دوران گولیوں سے بھون دیا گیا۔ اس کے بعد منڈیلا نے پرامن جدوجہد ترک کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس وقت منڈیلا افریقن نیشنل کانگریس کے نائب صدر تھے۔ منڈیلا نے سفید فام معیشت کو عملی طور پر سبوتاژ کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہیں ایک بار پھر تخریب کاری، بغاوت اور فسادات کرانے کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔

میں انہیں عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ 1968 اور 1969 کے ایک سال کے عرصہ 1964 میں نیلسن منڈیلا کی والدہ اور بیٹا فوت ہوگئے۔ انہیں اپنے بیٹے اور والدہ کی آخری رسومات میں شرکت کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ 18 سال انہیں "رابن آئی لینڈ" کی جیل میں قید رکھنے کے بعد 1982 میں "پولزمور" کی جیل بھیج دیا گیا جہاں وہ اپنی رہائی تک مقید رہے۔ نیلسن منڈیلا اور افریقن نیشنل کانگریس کے دیگر رہنماؤں کی قید کے دوران سیاہ فام نوجوان نسل نے ان کی تحریک کو زندہ رکھا۔ اس دوران سیکڑوں اسکول اور کالج کے طلبہ ہلاک اور ہزاروں زخمی ہوئے۔ 1993 میں منڈیلا کو امن کے لیے نوبل انعام ملا اور اس کے پانچ ماہ بعد نیلسن منڈیلا بھاری اکثریت سے جنوبی افریقہ کے صدر منتخب ہوگئے۔ صدر بننے کے بعد

ان کے پاس دو آپشن تھے یہ کہ گوروں سے اپنے اور قوم کے ساتھ زیادتیوں کا بدلہ لیں یا انہیں معاف کردیں۔ نیلسن منڈیلا نے دوسرا آپشن قبول کیا اور یوں جنوبی افریقہ کو ترقی کی راہ پر گامزن کردیا۔ صدارت سے فارغ ہونے کے بعد بھی انہوں نے دنیا بھر کے دورے جاری رکھے اور مختلف عالمی رنماؤں سے ملاقاتوں کے علاوہ کانفرنسز میں شرکت کی۔ صدارت کے عہدے سے فارغ ہونے کے بعد ان کی زیادہ تر پبلک میٹنگز کا محور منڈیلا فاؤنڈیشن تھی جو کہ فلاحی ادارہ ہے اور اس کے لیے فنڈ اکھٹا کرنے پر ان کی توجہ مرکوز رہی۔ اپنی 89 ویں سالگرہ کے موقع پر نیلسن منڈیلا نے دنیا کے بزرگوں کی تنظیم قائم کی جس کا مقصد دنیا کو درپیش مشکلات اور مسائل کے حل کے لیے ان کی رہنمائی کرنا تھا۔

نیلسن منڈیلا کی زندگی ہمارے لیے یہ واضح کرتی ہے کہ محنت اور مسلسل جدوجہد سے ہر نا ممکن کام کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ کارہائے نمایاں سرانجام دینے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی سچی لگن کا مالک ہو۔ جب سر میں کسی کام کا سوادا سما جائے تو وہ ضرور انجام پذیر ہوتا ہے۔ اس کی راہ میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی۔ کامیابی اس کے قدم ضرور چومتی ہے۔

بلدیاتی انتخابات، عدالت کا دباؤ بڑھ گیا

سپریم کورٹ نے ملک بھر میں بلدیاتی انتخابات کے لیے حلقہ بندیاں کرنے کے لیے پنجاب اور سندھ حکومت کی جانب سے 90 روز کی مہلت کی استدعا مسترد کر دی ہے۔ وفاق اور خیبر پی کے نے بلدیاتی انتخابات کے انعقاد کی یقین دہانی کرا دی ہے۔ عدالت نے پنجاب، سندھ اور بلوچستان حکومتوں کو حکم دیا ہے کہ آئندہ سماعت تک تحریری جواب جمع کرائیں جس میں بلدیاتی انتخابات کے انعقاد کی تاریخ بھی بتائی جائے۔ عدالت نے واضح کیا کہ ہم ستمبر سے زیادہ کا وقت نہیں دیں گے کیونکہ عدالت پہلے بھی واضح کر چکی ہے کہ کنٹونمنٹ بورڈ میں بلدیاتی انتخابات کے لیے 15 ستمبر کی تاریخ دے دی گئی ہے۔ عدالت نے الیکشن کمیشن کو بھی اس حوالے سے تحریری جواب جمع کرانے کی ہدایت کی ہے۔

چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی سربراہی میں جسٹس جواد ایس خواجہ اور جسٹس شیخ عظمت سعید پر مشتمل عدالت عظمیٰ کے سامنے کمیشن نے موقف اختیار کیا کہ بلدیاتی انتخابات عام انتخابات سے زیادہ مشکل کام ہے، اس لیے بہت وقت درکار ہو گا جس پر عدالت نے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ پانچ سال اسی طرح گزار دیے گئے اور بلدیاتی انتخابات نہیں کرائے گئے۔ خصوصا پنجاب اور

سندھ میں تو انتخابات کرائے جانے چاہئیں تھے کیونکہ پنجاب میں پہلے بھی مسلم لیگ ن کی حکومت تھی اور اس وقت پنجاب حکومت نے حلقہ بندیوں کا کام کیوں نہیں کیا جس کے لیے اب پنجاب حکومت کی جانب سے 90 روز کا وقت مانگا جا رہا ہے اور سندھ میں بھی وہ لوگ مسلسل پانچ سال حکومت میں رہے جو آج ہیں اس وقت حلقہ بندیاں کیوں نہ کرائی گئیں؟ بلدیاتی انتخابات کے لیے تیاری، ووٹر لسٹوں اور حدبندیوں کا کام پہلے مکمل ہونا چاہیے تھا، اگر اسے ستمبر سے آگے لے جایا جائے گا تو یہ آئین سے روگردانی کے مترادف ہوگا۔ تمام صوبوں کو ستمبر میں بلدیاتی انتخابات کرانا پڑیں گے۔ ایک دن کی مہلت بھی نہیں دیں گے۔ چیف جسٹس نے الیکشن کمیشن اور چاروں صوبائی حکومتوں سے کہا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اپنا تحریری بیان جمع کرائیں، ہم کسی طور بھی بلدیاتی انتخابات کو ستمبر سے آگے نہیں جانے دیں گے اس سلسلہ میں اگر کوئی حکم نامہ بھی جاری کرنا پڑا تو کریں گے۔جب ایڈووکیٹ جنرل پنجاب مصطفیٰ رمدے نے عدالت سے استدعا کی کہ حلقہ بندیوں کے کام کو مکمل کرنے کے لیے 90 روز درکار ہیں۔ اس پر چیف جسٹس نے ان سے استفسار کیا کہ بتائیں کس قانون کے تحت 90 روز درکار ہیں۔ الیکشن کمیشن حکام کا کہنا تھا کہ بلدیاتی انتخابات عام انتخابات سے مشکل کام ہے۔ چیف جسٹس کا کہنا تھا کہ تحریری طور پر لکھ کر دیں کہ مزید وقت چاہیے، اس کے بعد ہم حکم جاری کر دیں گے پھر جو نتائج نکلیں گے دیکھیں گے۔

دوسری جانب وزیراعلیٰ پنجاب محمد شہباز شریف نے ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں پنجاب میں نئے بلدیاتی نظام کے مسودہ کی تجاویز کی منظوری دی۔ محمد شہباز شریف نے کہا پنجاب حکومت صوبے میں بلدیاتی انتخابات جلد سے جلد کرانا چاہتی ہے۔ تعلیم اور صحت کے شعبوں میں علیحدہ اتھارٹیز قائم کی جائیں گی جبکہ نچلی سطح پر تنازعات کے حل کیلئے شہروں میں مصالحتی کونسلز اور دیہات میں پنچائیت کا نظام رائج کرنے کی تجویز ہے۔ اسی طرح شہروں میں میونسپل پولیس کے نظام کو متعارف کرانے کی بھی تجویز زیر غور ہے۔ وزیراعلیٰ نے ہدایت کی نئے بلدیاتی نظام کے مسودہ کی تجاویز پر پنجاب اسمبلی میں سیر حاصل بحث کرائی جائے۔ وزیر قانون پنجاب رانا ثناء اللہ خان نے کہا کہ ستمبر میں بلدیاتی انتخابات کرانا ممکن نہیں۔ تیس روز میں پنجاب اسمبلی سے بلدیاتی قانون منظور کرا لیا جائے گا۔ قانون سازی کے بعد بلدیاتی انتخابات کے لیے درخواست دیں گے۔ سپریم کورٹ نے ستمبر، اکتوبر کی ڈیڈ لائن نہیں دی۔ بلدیاتی حلقہ بندیوں کے لیے 3 سے 4 ماہ درکار ہیں۔ دسمبر میں بلدیاتی الیکشن کرانے کے قابل ہوں گے۔ الیکشن کمیشن حلقہ بندیاں کرکے الیکشن کا اعلان کرے تو اعتراض نہیں۔ گزشتہ دور میں ساڑھے کروڑ ووٹ جعلی تھے۔ الیکشن کیسے کراتے۔ پنجاب حکومت سپریم کورٹ کے احکامات پر 3 مکمل عملدرآمد کو یقینی بنائے گی، حکومت جلد از جلد صوبہ میں بلدیاتی انتخابات کرانا چاہتی ہے۔ پنجاب حکومت نے بلدیاتی نظام کے حوالے سے تقریباً کام مکمل کر لیا ہے اور ہم پنجاب

اسمبلی میں حکومتی اور اپوزیشن ارکان سمیت جس سے ضروری ہوا مشاورت کرکے ایسا بلدیاتی نظام لائیں گے جو قومی امنگوں کے مطابق اور اس سے عوام کے مسائل ہنگامی بنیادوں پر حل ہو سکیں گے۔ محکمہ قانون نے اسمبلی اجلاس کے حوالے سے وزیر اعلیٰ سیکرٹریٹ کو سمری بھی ارسال کر دی گئی ہے۔ مسلم لیگ (ن) کے رکن پنجاب اسمبلی رانا محمد ارشد کا کہنا تھا کہ پنجاب حکومت عدالت کے حکم پر عملدرآمد کی پوری کوشش کرے گی لیکن اگر ضرورت ہوئی تو مزید وقت مانگا جاسکتا ہے۔ مسلم لیگ (ن) نے پہلے ہی اعلان کر رکھا تھا کہ وہ چھ ماہ کے دوران یہ انتخابات کروا دیں گے اور اب جس طرح سے عدالت کا حکم آیا ہے انشااللہ ہم پوری کوشش کریں گے۔ بلدیاتی قانون میں کچھ ترامیم کرنا تھیں اس کے لیے جلد ہی پنجاب اسمبلی کا اجلاس بلایا جارہا ہے اور اگر ہمیں لگا کہ وقت کم ہے ستمبر تک تو ہم عدالت سے مزید وقت کے لیے درخواست کریں گے۔

وزیر اعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ نے کہا کہ سپریم کورٹ کے حکم سے کوئی انکار نہیں ہے لیکن ہم سپریم کورٹ سے درخواست کریں گے کہ وہ ہمیں 6 ماہ کی مہلت دے، سپریم کورٹ نے صوبوں سے پوچھا ہے کہ وہ کب تک انتخابات کرا سکتے ہیں، پنجاب نے 4 ماہ کی مہلت مانگی ہے جبکہ ہمیں 6 ماہ درکار ہوں گے۔ صوبائی وزیر اطلاعات سندھ شرجیل میمن نے کہا ہے کہ مارچ سے پہلے بلدیاتی انتخابات کی تاریخ نہیں دے سکتے۔ بلدیاتی انتخابات صوبائی معاملہ ہے مداخلت نہ کی جائے۔

جے یو آئی کے رہنما مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ ملک میں بلدیاتی انتخابات کرانے کا ماحول نہیں۔ بلدیاتی انتخابات کرانے میں کئی چیلنجز بھی درپیش ہیں۔ دہشت گردوں سے نمٹنے کے لیے ہمارے پاس اب تک کوئی پالیسی نہیں۔ عوام مقامات، مساجد اور جنازے تک محفوظ نہیں۔ ایسے حالات میں بلدیاتی انتخابات کیوں کر ممکن ہوں گے۔ عام انتخابات پر بھی تمام جماعتوں نے دھاندلی کی شکایت کی تھی۔ وزیر بلدیات خیبر پی کے عنایت اللہ نے کہا ہے کہ بلدیاتی نظام کے اکثر نکات پر اتفاق رائے ہے، نئے بلدیاتی نظام کے مجوزہ ڈھانچے پر مشاورت کر رہے ہیں۔ خیبر پی کے میں بلدیاتی انتخابات اکتوبر یا نومبر میں کرائے جائیں گے۔ خیبر پی کے حکومت نچلی سطح پر ولیج کونسلوں کا قیام عمل میں لائے گا۔

اوگرا کیس میں اہم شخصیات بھی ملوث نکلیں

ان دنوں اوگرا کیس کے حوالے سے میڈیا پر کافی ہلچل مچی ہوئی ہے۔ اس کیس کے مرکزی ملزم توقیر صادق ہیں جن پر غیر قانونی بھرتیوں اور ابتداً 82 ارب کی کرپشن کا الزام ہے۔ توقیر صادق کو سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے 21 جولائی 2009 کو اوگرا کا چیئرمین مقرر کیا تھا۔ گزشتہ دنوں توقیر صادق کو فیڈرل کورٹ آف دبئی میں پیش کیا گیا تھا جس کے بعد دبئی حکام نے انہیں انٹرپول کے حوالے کر دیا۔ انٹرپول نے توقیر صادق کو نیب کی ٹیم کے حوالے کر دیا تھا۔ تفتیش کے دوران نیب ذرائع نے انکشاف کیا تھا کہ کرپشن 82 ارب سے بڑھ کر 150 ارب تک پہنچ گئی ہے۔ اوگرا کرپشن کیس میں نیب کی تفتیشی ٹیم کے سامنے سابق چیئرمین توقیر صادق نے کئی بااثر افراد کے کرپشن میں ملوث ہونے کا انکشاف کیا ہے اور ان کے نام بھی ظاہر کر دیے ہیں جس میں سابق حکومت کے وزراء اور بیوروکریٹس بھی شامل ہیں۔ اوگرا کے سابق چیئرمین توقیر صادق نے نیب کو ریکارڈ کرائے گئے بیان میں کہا ہے کہ یوٹیلیٹی کمپنیوں کے لیے گیس کی فراہمی میں بے حساب اضافے کا فیصلہ سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی، پیٹرولیم کے وزیر سید نوید قمر اور مشیر ڈاکٹر عاصم حسین کی مشاورت سے کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ جب وہ آئل اینڈ گیس ریگولیٹری اتھارٹی کے سربراہ تھے تو اوگرا چیئرمین ہونے کے ناتے پیٹرولیم

کے وزیر نوید قمر اور بعد میں مشیر ڈاکٹر عاصم حسین کے ساتھ اس سلسلے میں متعدد مرتبہ میٹنگیں ہوئی تھیں۔ تفتیش کے دوران پوچھے گئے سوالات کے جواب میں انہوں نے اپنا اردو میں لکھا ہوا ایک بیان جمع کرایا جس میں انہوں نے ملک سے فرار ہونے کے بعد بیرون ملک قیام کے دوران اپنے طرز زندگی اور ذریعہ آمدنی کے حوالے سے روشنی ڈالی۔ سابق چیئرمین اوگرا توقیر صادق نے بینک المشرق دبئی میں 3 لاکھ درہم کی موجودگی کا اعتراف بھی کر لیا۔ نیب کی تحقیقاتی ٹیم کی جانب سے تفتیش کے دوران سابق چیئرمین اوگرا نے اعتراف کیا کہ دبئی میں موجود بینک المشرق میں اس کا اکاؤنٹ موجود ہے جس میں 3 لاکھ درہم تھے۔ توقیر صادق نے بتایا کہ بینک المشرق دبئی کے اکاؤنٹس ان کے انکل عبدالغفور اور سمیرا کے زیر استعمال رہے تاہم ہم جب ضرورت پڑتی تھی تو وہ اس اکاؤنٹس سے مجھے رقم بھیجتے تھے۔ اسی طرح انہوں نے تحریری بیان میں توقیر صادق نے کاشف نامی شخص کو 60 لاکھ روپے دینے، دبئی اور سری لنکا میں مختلف جگہوں پر قیام پذیر رہنے کا اقرار کیا تھا۔ توقیر صادق دبئی میں جن مقامات پر رہائش پذیر رہے۔ ان میں انٹر نیشنل سٹی دبئی، انگلینڈ کرافٹ دبئی، اجمان ہوٹل اور اپارٹمنٹ الزہرہ شامل ہیں۔ توقیر صادق کے تحریری بیان کے مطابق گزشتہ سال اگست اور ستمبر کے مہینوں میں وہ سری لنکا کے شہر کینڈی میں قیام پذیر رہے۔ سری لنکا میں قیام کے دوران مختلف لوگوں کے علاوہ سری لنکن سفیر سے ملاقاتیں کی۔ توقیر صادق کا کہنا ہے کہ وہ وزیراعظم اور وزرا

کی موجودگی میں ہونے والے اجلاسوں میں میں موجود ہوتے تھے۔ میری برطرفی کے حوالے سے ڈاکٹر عاصم کی طرف سے وزیراعظم کو بھجوائی گئی سمری کا علم نہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے سوئی سدرن گیس کمپنی (ایس ایس جی سی) اور سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز (ایس این جی پی ایل) کے گیس کی فراہمی کی حد کے حوالے سے التواء میں پڑے ہوئے بہت سے معاملات نمٹائے تھے۔ گیس کمپنیوں کی جانب سے گیس کی فراہمی کی حد میں اضافے کا مطالبہ کئی سالوں سے کیا جارہا تھا لیکن جب میں اتھارٹی کا چیئرمین تھا تو میں اس معاملے کا فیصلہ کرنے کے قابل تھا۔ توقیر صادق 2009ء سے 2011ء تک آئل اینڈ گیس ریگولیٹری اتھارٹی (اوگرا) کے چیئرمین تھے، اس عرصہ میں انہیں قومی خزانے کو 82 ارب روپے کا نقصان پہنچانے کا ملزم قرار دیا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ گزشتہ دنوں سابق چیئرمین اوگرا توقیر صادق سے تفتیش میں اہم انکشافات ہوئے تھے۔ نیب کے مطابق سی این جی سٹیشن کے ذریعے تیس لاکھ سے سات کروڑ تک گیس چوری کی گئی۔ چار سال تک بوگس سی این جی اسٹیشن چلتے رہے۔ اوگرا کیس میں سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کو کوئی استثنیٰ حاصل نہیں توقیر صادق پر فوجداری اور کریمنل کیسز ہیں۔ اس لیے ان سب کا پیش ہونا ضروری ہے۔ توقیر صادق نے ڈاکٹر عاصم حسین کے خلاف بھی اپنا بیان ریکارڈ کروا دیا ہے جس میں ان کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر عاصم حسین نے بہت سی چیزوں میں

ابتداء کی۔ نیب کے مطابق کرپشن سکینڈل میں چار سو چھیاسٹھ سی این جی اسٹیشن مالکان کو نوٹسز جاری کیے گئے جبکہ سابق وزیراعظم راجہ پرویز اشرف اور ڈاکٹر عاصم کے نیب کو ریکارڈ کرائے گئے بیانات میں تضاد ہے، یہ بھی بتایا گیا ہے کہ توقیر صادق کو وزارت داخلہ کے اعلیٰ حکام کی سفارش پر بلیو پاسپورٹ بھی جاری کیا گیا۔ جبکہ نیب کی جانب سے طلب کیے جانے پر یوسف رضا گیلانی کا کہنا تھا کہ ملک کے وزیراعظم کی حیثیت سے انہوں نے اپنے فرائض نیک نیتی سے انجام دیے اور اس دوران کیے گئے تمام اقدامات کے سلسلے میں انہیں آئینی استثنیٰ حاصل ہے، جسے پارلیمنٹ نے انہیں تفویض کیا ہے اور پارلیمنٹ کے سوا کسی دوسرے ادارے کو صدر اور وزیراعظم کو حاصل استثنیٰ ختم کرنے کا اختیار نہیں۔ اس لیے وہ نیب یا ایف آئی اے سمیت کسی بھی تحقیقاتی ادارے کے سامنے میں پیش نہیں ہوں گے۔

خیال رہے کہ گزشتہ دنوں نیب نے توقیر صادق کے انکشافات کی روشنی میں اپنی تفتیش کا دائرہ وسیع کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ نیب نے تفتیش کا دائرہ کار وسیع کرنے کے لیے فہرست تیار کرلی تھی۔ اہم شخصیات کے نام ای سی ایل میں شامل کرلیے گئے ہیں۔ تاہم چیئرمین نیب کی تقرری نہ ہونے کے باعث ای سی ایل سٹ پر دستخط نہ ہوسکے۔ جبکہ چیئرمین نیب کی تقرری کے لیے حکومت کی جانب سے ایک بار پھر قائد حزب اختلاف سید خورشید شاہ سے رابطہ کیا گیا ہے اور

چیئرمین نیب کی تقرری کے حوالے سے بات چیت کی گئی ہے۔ دونوں جانب سے رانا بھگوان داس کے نام پر اتفاق ہوتا نظر آ رہا ہے کیونکہ اب حکومت اور اپوزیشن نے رانا بھگوان داس کو چیئرمین نیب بنانے کے لیے فیڈرل پبلک سروس کمیشن کے قوانین میں ترمیم کرنے پر مشاورت شروع کر دی ہے۔ ذرائع کے مطابق چیئرمین کی تقرری کے بعد اہم شخصیات کے خلاف سخت ایکشن ہو سکتا ہے۔

صدارتی انتخاب کے لیے سرگرمیاں تیز ہو گئیں

صدر پاکستان آصف زرداری کا دور صدارت آٹھ ستمبر کو ختم ہو رہا ہے۔ اگلے صدر کے انتخاب کے حوالے سے سیاسی جماعتوں کی سرگرمیاں گرم ہو چکی ہیں۔ مسلم لیگ (ن) کی قیادت نے صدارتی الیکشن کا شیڈول جاری ہونے کے بعد تمام ارکان پارلیمنٹ کے بیرون ملک جانے پر پابندی عاید کرتے ہوئے بیرون ملک موجود تمام ارکان پارلیمنٹ کو فوری وطن پہنچنے کی ہدایات بھی جاری کردی ہیں۔ حکمران اور اپوزیشن جماعتوں نے اپنے اپنے صدارتی امیدوار میدان میں اتار دیے ہیں۔ مسلم لیگ (ن) کی جانب سے اپنے صدارتی امیدوار کے لیے ابتدأ سرتاج عزیز، سعید الزمان صدیقی، ممنون حسین، اقبال ظفر جھگڑا، سردار مہتاب عباسی اور غوث علی شاہ کے نام شارٹ لسٹ کیے گئے تھے بعد ازاں تین ناموں پر غور کیا جارہا ہے جن میں سرتاج عزیز کو صدارتی امیدوار بنانے کے امکانات زیاہ ہیں، اکثر لیگی رہنماؤں کا بھی فیصلہ یہی ہے کہ وہ سینئر بھی ہیں اور انہوں نے پرویز مشرف دور میں ن لیگ سے وفاداری بھی نبھائی ہے اور اس کے ساتھ ن لیگ کا انتخابی منشور تیار کرنے میں بھی ان کا اہم کردار تھا۔ جبکہ سندھ سے ممنون حسین اور جسٹس سعید الزماں صدیقی کا نام بھی زیر غور ہے۔ بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ اگرچہ حکمران جماعت کی جانب سے تین نام پیش کیے گئے

ہیں لیکن قوی امکان یہ ہے کہ ن لیگ کی جانب سے ممنون حسین صدارتی امیدوار ہوں گے۔ سندھ سے صدارتی امیداوار لانے کی صورت میں سندھ کی سیاست میں طویل عرصے سے پائے جانے والے عدم استحکام کا خاتمہ کرنے میں مدد ملے گی۔

پانی و بجلی کے وفاقی وزیر خواجہ آصف نے فون پر اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ سے رابطہ کر کے انہیں مسلم لیگ (ن) کے صدارتی امیدوار کی حمایت کرنے کی استدعا کی، جس پر خورشید شاہ نے جواباً کہا کہ وہ پارٹی سے مشاورت کے بعد جواب دیں گے۔ پیپلز پارٹی نے سینیٹر رضا ربانی کو اپنا صدارتی امیدوار بنانے کا باقاعدہ اعلان کر دیا ہے۔ خورشید شاہ نے تحریک انصاف کے نائب صدر شاہ محمود قریشی سے رابطہ کر کے انہیں رضا ربانی کی حمایت کرنے کے لیے کہا ہے۔ پیپلز پارٹی کی کوشش ہے کہ رضا ربانی کو اپوزیشن جماعتوں کی حمایت مل جائے۔ خورشید شاہ نے صدارتی امیدوار کے حوالے سے امیر جماعت اسلامی سید منور حسن سے بھی رابطہ کیا ہے اور ان کا کہنا تھا کہ مولانا فضل الرحمٰن سمیت دیگر تمام جماعتوں سے رابطہ کیا جائے گا۔ پیپلز پارٹی کے ذرائع کے مطابق اپوزیشن صدارتی انتخاب لڑے گی اور حکومت کے امیدوار پر اتفاق رائے مشکل نظر آ رہا ہے۔ دوسری طرف تحریک انصاف نے مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی کے امیدواروں کے مقابلے پر جسٹس (ر) وجیہہ کو اپنا صدارتی امیدوار نامزد کر دیا ہے۔ پیپلز پارٹی کی طرف سے اس کے امیدواروں کی حمایت کی درخواستیں مسترد کر دی

ہیں۔ اپوزیشن لیڈر سید خورشید شاہ نے کہا کہ وہ پارٹی سے مشاورت کے بعد جواب دیں گے جبکہ انہوں نے وفاقی وزیر پانی و بجلی سے کہا کہ حکومت اپوزیشن کے امیدوار سینیٹر میاں رضا ربانی کی حمایت کرے۔ مسلم لیگ (ق) کی جانب سے بھی اپنے الگ امیدوار سعید مندوخیل کو میدان میں اتار دیا گیا ہے۔ اس سے لگتا ہے کہ صدارت کے لیے اپوزیشن متفقہ امیدوار لانے میں ناکام رہے گی، اپوزیشن کے ایک سے زیادہ امیدوار میدان میں ہوں گے۔ یہ صورتحال پیپلز پارٹی کے امیدوار کو مزید نقصان پہنچائے گی۔

ایم کیو ایم کے سینئر رہنما و ایم این اے ڈاکٹر فاروق ستار نے کہا ہے کہ مسلم لیگ (ن) نے ابھی تک صدر کے ووٹ کے لیے کوئی رابطہ نہیں کیا ہے، تاہم ایم کیو ایم صدر کا ووٹ پیپلز پارٹی کے امیدوار کو دے گی۔ انہوں نے کہا کہ صدر کا عہدہ وفاق کے لیے کلیدی حیثیت رکھتا ہے تاہم جو بھی صدر منتخب ہو وہ پاکستان کی بقاء کے لیے ہو، ملک میں دہشت گردی جیسے بڑے مسائل کے خاتمے کے لیے چاروں صوبوں میں ہم آہنگی ضروری ہے، مسلم لیگ (ن) کی حکومت کو چاہیے کہ تمام صوبوں کے ساتھ مشاورت جاری رکھیں۔ وزیراعظم اور قومی اسمبلی کے سپیکر کا انتخاب بھی بڑے صوبے سے کیا گیا ہے، تاہم صدر چھوٹے صوبے سے ہونا چاہیے، مسلم لیگ (ن) نے اکثریت وزراء بڑے صوبے سے بنائے ہیں اور صرف پنجاب کی حد تک وفاقی حکومت محدود ہو گئی ہے جو اچھا شگون نہیں ہے۔ لہٰذا وزیراعظم تمام

صوبوں کے ساتھ مشاورت جاری رکھیں اور تمام سیاسی جماعتیں مل کر ملکی مسائل کا خاتمہ کر سکتی ہیں۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ پیپلز پارٹی کی جانب سے صدارتی انتخاب کی یہ ایسی جنگ ہے جس میں ان کی جیت کا امکان نہیں۔ مرکز اور پنجاب میں واضح اکثریت اور بلوچستان میں بھی اطمینان بخش صورتحال کی حامل مسلم لیگ (ن) سے شکست کھانے کے لیے رضا ربانی کی بطور صدارتی امیدوار نامزدگی یقیناً ان کی پارٹی کے لیے خدمات کا اعتراف نہیں ہے۔ مسلم لیگ (ن) سمیت تمام جماعتوں میں اچھی ساکھ رکھنے والے رضا ربانی اس وقت سخت مایوس ہوئے تھے جب چیئرمین سینیٹ کے انتخاب کے وقت فاروق نائیک کو ان پر ترجیح دی گئی۔ اس کے ردعمل میں انہوں نے صدر زرداری کی طرف سے دیگر تمام پیشکشیں ٹھکرادی تھیں۔ اس وقت وہ پارٹی چھوڑنے والے تھے اور ہر جماعت انہیں قبول کرنے کو تیار تھی۔ پی پی امیدوار کو زیادہ حمایت صرف سینیٹ اور سندھ اسمبلی سے مل سکتی ہے جو کہ رضا ربانی جیسے شخص کے لیے مایوس کن صورتحال ہے۔ نواز شریف اور مسلم لیگ (ن) کے اہم رہنما رضا ربانی کے اہم ایشوز پر غیر جانبدارانہ کردار کی وجہ سے ان کا بہت احترام کرتے ہیں تاہم اب انھوں نے انھیں صدارتی الیکشن میں بڑے مارجن سے شکست دینے کے لیے پلان بنالیا ہے۔ رضا ربانی اور اعتزاز احسن جیسی شخصیات 2008ء کے الیکشن کے بعد صدارت اور چیئرمین سینٹ کے لیے پیپلز پارٹی کا بہترین انتخاب

ہو سکتی تھیں تاہم دونوں بھٹو کی پارٹی کے ساتھ ضائع ہو گئے۔ اب وہ صدارتی اور ضمنی الیکشن میں ایک اور شکست دیکھنے کو تیار ہیں۔ پیپلز پارٹی کے مرکزی رہنما سینیٹر اعتزاز احسن نے کہا ہے کہ، وزیر اعظم، اسپیکر اور چیئرمین سینیٹ کا تعلق پنجاب سے ہے، پیپلز پارٹی نے صدر کے عہدے کے لیے رضا ربانی کا نام چھوٹے صوبے سے دیا ہے۔ اگر حکومت کو امیدوار کے انتخاب میں دشواری کا سامنا ہے تو ان سے بہتر نام کسی کا نہیں ہے۔

دوسری جانب الیکشن کمیشن نے صدارتی امیدوار کے لیے آرٹیکل 62/63 پر پورا اترنا لازمی قرار دے دیا ہے۔ سابق صدر پرویز مشرف کا بنایا ہوا آئین سے متصادم قانون مسترد کر دیا ہے۔ نامزدگی فارم میں بیان حلفی شامل کر دیا ہے۔ الیکشن کمیشن کے مطابق قرض نادہندہ دوہری شہریت کا حامل اور غیر صادق و امین صدارتی امیدوار نہیں ہو سکتا۔ غیر مسلم اور قادیانی بھی صدارتی امیدوار نہیں بن سکتا۔ صدارتی امیدواروں کو اس بارے میں حلف نامے ساتھ دینا ہوں گے ورنہ ان کے کاغذات نامزدگی مسترد ہونے کا خدشہ ہے۔ اسی طرح صدارتی امیدوار کے لیے آئین کی دفعہ 63/62 کے مطابق صادق و امین ہونا بھی لازمی ہو گا۔ امیدواروں کو بیان حلفی دینا ہو گا کہ وہ غیر مسلم، قادیانی یا احمدی نہیں، اسی طرح صدارتی امیدوار کے لیے کم از کم عمر 48 سال ہونا آئینی تقاضا ہے اس بارے بھی بیان حلفی دیا جائے گا۔

الیکشن کمیشن نے صدارتی انتخاب کی تاریخ آٹھ اگست دی تھی دو روز قبل حکومت نے اس تاریخ کو بدلنے کی درخواست دائر کی تھی کہ چونکہ الیکشن کمیشن کی جانب سے مقرر کردہ تاریخ پر لوگ حج عمرہ اور دوسری عبادات میں مصروف ہوں گے اس لیے تاریخ کو تبدیل کیا جانا چاہیے۔ حکومت کے اس موقف پر جمعیت علماء اسلام (س)، جمعیت علماء اسلام (ف)، جماعت اسلامی، جمعیت علماء اسلام پاکستان اور مجلس وحدت المسلمین سمیت کئی جماعتوں کا کہنا تھا کہ صدارتی انتخاب مقررہ وقت پر ہی ہونے چاہیے۔ جبکہ چیف الیکشن کمیشن ر فخر الدین جی ابراہیم نے کہا ہے کہ حکومتی درخواست کے حوالے سے الیکشن کمیشن نے فیصلہ کر لیا ہے تاہم صدارتی الیکشن سے متعلق حکومتی درخواست واپس کرنے سے قبل کچھ رسمی کارروائی باقی ہے۔ الیکشن کمیشن کا فیصلہ بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ صدارتی انتخاب کی تاریخ تبدیل کرنے کے لیے کوئی ٹھوس وجہ ہونی چاہیے لیکن موجودہ حکومتی درخواست میں ایسی کوئی بات نہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ الیکشن کمیشن کے باقی ارکان بھی صدارتی الیکشن کی تاریخ بدلنے کے مخالف ہیں۔ آرٹیکل 254 کے تحت الیکشن کمیشن کے باب اختیار ہے کہ وہ کسی بھی الیکشن کی تاریخ تبدیل کر دے جیسے بے نظیر کی شہادت کے بعد 2008ء کے انتخابات کے حوالے سے کیا گیا تھا اور جس طرح 2010ء اور 2011ء میں ضمنی انتخابات موخر کیے گئے تھے تاہم چیف الیکشن کمیشن رکا کہنا ہے کہ آئین ہمیں صدارتی الیکشن کی

تاریخ مقرر کرنے کی اجازت دیتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ بغیر کسی ٹھوس وجہ کے ہم ایسا کیوں کریں؟ اسی لیے ہم انہیں (حکومت) کو کہیں گے کہ صدارتی الیکشن کے لیے تاریخ کو حتمی شکل دی جا چکی ہے اور انہیں ہمارے فیصلے کا احترام کرتے ہوئے اس پر عمل کرنا چاہیے۔ آئین کے تحت صدر کا انتخاب 8 اگست تک کرانا ضروری ہے کیونکہ 8 ستمبر کو زرداری کی مدت پوری ہو رہی ہے اور اس سے ایک ماہ قبل انتخابات کرانا ضروری ہے۔ آئین کے مطابق صدر کے عہدے کے لیے انتخاب عہدے پر فائز صدر کی مدت ختم ہونے سے زیادہ سے زیادہ ساٹھ دن اور کم سے کم تیس دن قبل کرانا ہوگا۔

پاکستانی قیادت افغانستان میں قیام امن کے لیے کوشاں

افغانستان کئی دہائیوں سے بدامنی و بے سکونی کی کیفیت کا شکار ہے۔افغان نسلیں انہی شورشوں میں پل کر بڑی ہو رہی ہیں۔ پہلے روس نے افغانستان پر یلغار کر کے لاکھوں افغانوں کو موت کی وادی میں دھکیلا۔ اس کے بعد امریکا نے افغانستان پر دھاوا بولا اور جارحیت کے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔ یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔افغانستان میں امن کا قیام ایک خواب بن کر رہ گیا ہے۔پاکستان افغانستان کا پڑوسی اور اسلامی ملک ہونے کے ناطے مشکل حالات میں بھی ہمیشہ افغانستان میں قیام امن کا خواہاں رہا ہے۔ایک پر امن افغانستان ہی پورے خطے کے لیے بہتر ہے۔جس کے لیے سب سے پہلے تو افغانستان سے تمام غیر ملکی فوجوں کا نکلنا ضروری ہے،افغانستان سے غیر ملکی فوجوں کے نکلنے کی مستقبل قریب میں امید ظاہر کی جا رہی ہے۔ ان حالات میں افغانستان میں قیام امن کی کیا صورت ہو گی؟اسی حوالے سے اتوار کے روز پاکستان کے خارجہ امور اور قومی سلامتی کے لیے وزیراعظم کے مشیر سرتاج عزیز نے افغانستان کا دورہ کر کے کابل میں افغان صدر حامد کرزئی سے ملاقات کی اور اہم امور پر تبادلہ خیال کیا، انھوں نے وزیراعظم میاں نواز شریف کا پیغام بھی افغان صدر کو پہنچایا اور ان کو دورہ پاکستان کی دعوت دی جس کو حامد کرزئی نے قبول

کرلیا ہے۔ مشیر خارجہ سرتاج عزیز نے افغان وزیر خارجہ زملے خلیل سے بھی ملاقات کی اور مشترکہ پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ نیک خواہشات اور دوستی کا پیغام لے کر کابل آیا ہوں، مستحکم افغانستان پاکستان کے مفاد میں ہے۔ پاکستان امن مذاکرات کی بحالی کے لیے کوششیں کررہا ہے ،طالبان سے امن مذاکرات افغانستان کرے گا، امن مذاکرات کی بحالی میں رکاوٹ ہوئی تو پاکستان مدد کرے گا، پاکستان کی نئی حکومت افغانستان کے ساتھ تعلقات کو وسعت دینا چاہتی ہے۔ پاکستان کے وزیراعظم نے افغان قیادت کے نام اپنے پیغام میں افغان عوام کی خواہش کے مطابق مفاہمتی عمل اور تمام افغان دھڑوں کو قومی دھارے میں لانے کی حمایت کی ہے۔ افغان وزیر خارجہ زملے رسول نے پاکستان کی کوششوں کو سراہتے ہوئے کہا کہ امید ہے پاکستان میں نئی حکومت کے قیام اور سرتاج عزیز کے دورے سے دونوں ملکوں کے تعلقات میں نیا باب کھلے گا، ماضی میں دونوں ملکوں کے درمیان بہتر تعلقات کی کوششیں کامیاب نہیں ہوسکیں۔ افغان وزیر خارجہ نے افغانستان میں امن عمل کے لیے پاکستان کی کوششوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کی نئی حکومت کے ساتھ دیانتدارانہ بنیادوں پر تعلقات کے نئے باب کے آغاز کی امید کرتے ہیں۔ دونوں ممالک کے درمیان تعاون افغانستان میں امن کی بحالی میں مددگار ثابت ہوگا۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ پاکستان کی امن عمل کیلئے کوششیں افغانستان میں پائیدار امن کی راہ ہموار کریں گی۔ انہوں نے افغان سرزمین پر دیرپا قیام امن کے لیے پاکستانی کوششوں کو سراہا اور افغان

عوام کی امنگوں کے مطابق مفاہمتی عمل کو آگے بڑھانے پر زور دیا، اور یقین دلایا کہ پاکستان کے ساتھ تمام شعبوں میں تعاون کو فروغ دیا جائے گا۔

پاکستانی قیادت کی جانب سے واضح کیا گیا ہے پاکستان کسی ایک افغان گروپ کی حمایت نہیں کرتا، امن و سلامتی، تعمیر نو، امن عمل کے علاوہ پاکستان کے افغانستان کے حوالے سے کوئی عزائم نہیں ہیں۔ اس موقع پر افغانستان کے مستقبل، 2014ء میں امریکی و نیٹو افواج کے انخلاء کے بعد کی ممکنہ صورتحال، پاک افغان سرحدی امور، باہمی تعاون کے فروغ اور دوطرفہ تجارتی معاہدے پر بھی گفتگو کی گئی۔ سرتاج عزیز نے کہا کہ پاکستان چاہتا ہے کہ طالبان کے ساتھ امن مذاکرات شروع ہوں اور اگر اس حوالے سے پاکستان سے مدد مانگی گئی تو ہم تیار ہیں، امن مذاکرات افغانستان کی زیر قیادت ہونے چاہئیں۔ افغان صدر کا دورہ پاکستان انتہائی اہم ہے، اس کے علاوہ افغان صدر حامد کرزئی کے دورہ پاکستان کے لیے ایجنڈا بھی تیار کیا جائے گا، ایک سوال پر انھوں نے کہا کہ طالبان پر پاکستان کا کوئی کنٹرول نہیں ہے، ہم افغانستان میں امن واستحکام کے لیے مخلصانہ کوششیں کر رہے ہیں اور افغان حکومت کی درخواست پر 26 طالبان قیدیوں کو رہا کیا گیا ہے، آئندہ بھی پاکستان کی طرف سے کوئی مدد درکار ہوئی تو فراہم کی جائے گی۔ ہم دوستی کی پالیسی آگے بڑھائیں گے، افغانستان میں امن عمل سے متعلق افغان حکومت اپنے عوام کی خواہشات کے مطابق جو پالیسی

اختیار کرے گا، پاکستان اسی کے مطابق اپنا کردار ادا کرے گا، ہم پر امن اور مستحکم افغانستان چاہتے ہیں، مستقبل میں بھی ہمارا فوکس امن واستحکام کی بنیاد پر رہے گا، پاکستان سے افغانستان سے تجارت کو بھی فروغ دینا چاہتا ہے۔ باہمی تجارت میں اضافے سے نہ صرف دونوں ملکوں کی معیشت مضبوط ہو گی بلکہ دہشت گردی کی بنیادی وجوہات کا خاتمہ اور عوام خوشحال ہوں گے، پاکستان کی جانب سے افغان حکومت کو تعمیر نو کے عمل میں بھرپور حمایت کی بھی یقین دہانی کرائی گئی ہے اور وزیر اعظم نواز شریف نے اس امید کا اظہار کیا کہ افغان حکومت خطے میں امن و استحکام اور دوطرفہ تعلقات میں اضافے کے لیے مثبت کردار ادا کرے گی اور الزام تراشی کا سلسلہ بند کیا جائے گا، بلیم گیم کسی کے مفاد میں نہیں۔ سرتاج عزیز نے افغانستان کے "بریک اپ" یا طالبان سے پاور شیئرنگ کے ساتھ جنگ کے خاتمے کے کسی منصوبہ سے انکار کیا۔ انھوں نے افغان حکومت اور طالبان کے درمیان قطر کے مذاکرات میں بگاڑ پیدا ہونے کے حوالے سے اس امر کا اظہار کیا کہ پاکستان انہیں دوبارہ شروع کرانے کے لیے ڈپلومیسی کا دوبارہ آغاز کرنا چاہتا ہے۔

دوسری جانب افغان سینیٹروں نے الزام عائد کیا ہے کہ پاکستان افغانستان میں امن کی بحالی میں مخلص نہیں۔ سرتاج عزیز کے حالیہ دورہ افغانستان سے زیادہ امیدیں وابستہ نہیں، ایسے دورے کئی بار ہو چکے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ صدر

کرزئی نے بھی پاکستان کے 19 دورے کیے جو بے سود رہے۔ افغان سینٹ کے اجلاس میں خارجہ امور اور قومی سلامتی کے بارے میں وزیراعظم کے مشیر سرتاج عزیز کے دورہ افغانستان پر بحث کرتے ہوئے سینیٹر ہدایت اللہ ریہائی نے کہا کہ اگرچہ سرتاج عزیز کا دورہ پائیدار امن کے لیے اچھا شگون ہے تاہم انہوں نے کہا کہ وہ امن عمل کی کامیابی میں شکوک و شبہات رکھتے ہیں کیونکہ پاکستان نے افغان امن عمل کے حوالے سے اپنے کسی وعدے کو پورا نہیں کیا۔ صدر حامد کرزئی نے پاکستان کے 19 دورے کیے تاکہ پڑوسی ملک کے طالبان کو مذاکرات کی میز پر لانے کے لیے حمایت حاصل کریں مگر ان کے یہ دورے بے سود رہے۔ سینیٹر عبدالوہاب عرفانی نے کہا کہ پاکستانی وزیراعظم کے مشیر کا امن کا سفر افغانستان میں امن کی بحالی کے سلسلے میں ایک قدم ہوسکتا ہے لیکن وہ اس کو کوئی بڑی کامیابی نہیں کہہ سکتے، امن عمل کی کامیابی دونوں ممالک کے درمیان حقیقی اور مخلصانہ تعاون کا تقاضا کرتی ہے۔ جبکہ سابق آرمی چیف جنرل (ر) مرزا اسلم بیگ نے انکشاف کیا ہے کہ تحریک طالبان سے مذاکرات پر پاک فوج کو تحفظات ہیں، امریکا افغانستان میں دوبارہ خانہ جنگی کروانے کی سازش کر رہا ہے، طالبان نے شمالی اتحاد سے بھی تعلقات بہتر کر لیے تو قابض فوج کے نکلتے ہی پورے افغانستان پر کنٹرول حاصل کر لیں گے۔ پاکستانی طالبان کے ساتھ مذاکرات پر پاک فوج کو تحفظات ہیں کیونکہ فوج نے بڑی قربانیاں دی ہیں ہزاروں جوان اور آفیسرز شہید ہو چکے ہیں، باوجود اس کے حکومت، اپوزیشن اور

دینی جماعتیں سب ہی مذاکرات چاہتی ہیں لیکن اس کے لیے فوج کو رضا مند کرنا ہوگا کہ
اس مسئلے کو کس طرح حل کیا جائے۔

شام میں مساجد و مقابر کی بے حرمتی

شام گزشتہ دو سال سے بدترین سیاسی بحران اور خانہ جنگی کا شکار ہے۔ عوام نے شام پر کئی دہائیوں سے مسلط اسد خاندان کی بدترین آمریت سے جان چھڑانے کے لیے عوام تحریک کا آغاز کیا تو بیرونی قوتوں نے عوام کا ساتھ دینے کی بجائے شام کو اپنے مفاد کے کھیل کا اکھاڑا بنا لیا۔ ان قوتوں کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ شام میں معصوم عوام کس کرب میں مبتلا ہے۔ اپنے مفاد کی خاطر یہ قوتیں شام کے بے گناہ عوام کے خون کی کھیلی جانے والی ہولی پر چپ سادھے بیٹھی ہیں۔ شام میں قتل عام جاری ہے۔ اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ شام میں جاری کشیدگی کے باعث رواں سال کے آغاز سے اب تک شام سے اٹھارہ لاکھ افراد نے نقل مکانی کی ہے جو اوسطاً یومیہ چھ ہزار افراد پر مشتمل ہے، جو گزشتہ بیس برس میں مہاجرین کا بدترین بحران ہے۔ اقوام متحدہ کے ادارہ برائے مہاجرین کے سربراہ انتونیو گیٹوس کا کہنا ہے کہ 1994 میں روانڈا میں نسل کشی کے بعد سے اب تک مہاجرین کی تعداد 'اس قدر خوفناک حد تک' نہیں بڑھی ہے۔ شام میں ہر ماہ تقریباً پانچ ہزار افراد مارے جا رہے ہیں۔' اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ مارچ 2011 سے شام میں جاری کشیدگی کے باعث ایک لاکھ سے زائد افراد شہید کیے گئے ہیں۔ یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ شام میں خانہ

جنگی کا سب سے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ دشمنوں نے لڑائی کے نام پر اسلامی مقدسات پر بھی حملے شروع کر دیے ہیں۔

چند روز قبل نواسی رسول سیدہ حضرت زینب رضی اللہ عنھا کے مزار پر راکٹ حملے کیے گئے، دمشق میں گولے گرنے سے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہ کا مزار شہید ہوگیا تھا۔ اسدی حکومت نے واقعے کی ذمہ داری انقلابیوں پر عائد کی تھی۔ جبکہ انقلابیوں کا کہنا تھا کہ یہ حملہ اسد نواز فوج نے عوام کی ہمدردیاں سمیٹنے اور ہمارے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لیے کیا ہے۔ اس حملے کے خلاف ابھی دنیا بھر میں احتجاج کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ پیر کے روز شام کی سرکاری فوج نے انقلابیوں کے بیس کیمپ حمص میں وحشیانہ بمباری کرتے ہوئے جلیل القدر صحابی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مزار اور اس سے ملحقہ تاریخی جامع مسجد شہید کر دیے ہیں۔ حمص میں انسانی حقوق کے کارکنوں اور انسانی حقوق آبزرویٹری کے مطابق پیر کے روز اسد نواز فورسز نے حمص کی مرکزی کالونی الخالدیہ میں راکٹوں اور مارٹر گنوں سے حملے کیے جن کے نتیجے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مزار اور مسجد مکمل طور پر ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو گئے۔ انسانی حقوق آبزرویٹری کی جانب سے فرانسیسی خبر رساں ایجنسی "اے ایف پی" کو بھیجی گئی ایک ای میل میں بتایا کہ سوموار کو علی الصباح اسد نواز فوجیوں نے حمص میں صحابی رسول حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مزار پر راکٹ اور

مارٹر حملے کیے جس سے مزار مکمل طور پر تباہ ہو گیا ہے۔ بمباری سے مزار سے ملحقہ جامع مسجد خالد بن ولید بھی شہید ہو گئی ہے۔ یہ مسجد عثمانی دور میں تعمیر کی گئی تھی۔

انقلابیوں کی جانب سے تباہ ہونے والے مزار کی ایک ویڈیو بھی انٹرنیٹ پر لوڈ کی گئی ہے، جس میں خلافت عثمانیہ کے دور میں بنائی گئی تاریخی جامع مسجد اور مزار کو ملبے کا ڈھیر دکھایا گیا ہے۔ انقلابی کارکنوں نے سرکاری فوج کی اس جارحیت کی شدید الفاظ میں مذمت کی ہے اور بتایا ہے کہ اسد نواز فوجیں شہر پر قبضے کے لیے وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار استعمال کر رہی ہیں۔ ویڈیو میں ایک شخص یہ کہتا دکھائی دیتا ہے کہ مسجد پر گولہ باری کی گئی ہے، جس سے مزار مکمل تباہ ہو گیا ہے۔ اس وڈیو میں نامعلوم شخص مزار کی شہادت پر یہ کہتا ہے کہ میں عربوں اور مسلمانوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی مسجد شہید ہونے کے بعد اللہ کو کیا جواب دو گے؟ تم نے گھیرے میں لیے حمص کو ویران کیوں چھوڑ دیا؟۔ خالد یہ سے ایک کارکن یاران نے گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ مسجد علامتی حوالے سے بھی اہم ہے، دنیا بھر سے لوگ مزار شریف کی زیارت کے لیے آتے تھے۔

سیف من سیوف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی شہرت حربی صلاحیتوں کی وجہ سے ہے، ان کی فوج نے ہی بازنطینی دور میں دمشق فتح کیا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام اور خلائے راشدین کے ادوار میں ان کے سپہ سالار رہے۔ ان کی وفات حمص میں ہی ہوئی تھی۔ شام میں جاری خانہ جگی میں اس سے

پہلے بھی اپریل کے مہینے میں مسجد امیہ کے مینار شہید کیے گئے تھے اور اس سے ملحق قدیم بازار (سوق امیہ) جلادیے گئے تھے۔ انسانی حقوق کے ایک کارکن خضیر خشفہ نے بتایا کہ سرکاری فوج ہرآنے والے دن حمص پر پہلے سے زیادہ تباہ کن حملے کر رہی ہے تاکہ انقلابیوں کے اوسان خطا ہوں اور اسد نواز فوجیں شہر پر دوبارہ قبضہ حاصل کر سکیں۔

ماہ صیام کی حرمت کے باجود اسد نواز فوجی باغیوں کے ٹھکانوں پر ہاون راکٹوں اور مارٹرگنوں سے شیلنگ کر رہے ہیں۔ انہی تباہ کن حملوں میں حضرت خالد بن ولید کے مزار اور اس سے ملحقہ مسجد کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ انسانی حقوق کے کارکن کا کہنا تھا کہ پچھلے چند ایام سے شہر کی مرکزی کالونی "الخالدیہ" سرکاری فوج کا سب سے اہم ہدف ہے۔ کالونی میں کئی روز سے جاری بمباری میں سیکڑوں عمارتیں ملبے کا ڈھیر بنادی گئی ہیں۔

صحابی رسول کے مزار کی تباہی کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں الخضیر کا کہنا تھا کہ سرکاری فوج نے مزار پر "ہاون" راکٹوں اور مارٹرگنوں سے گولہ باری کی، جس کے نتیجے میں مزار مکمل طور پر ملبے کا ڈھیر بن چکا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مزار کی دیواروں پر قرآنی آیات کندہ کی گئی تھیں۔ بمباری کے نتیجے میں قرآنی آیات پر مبنی اور دیواروں کے ٹکڑوے دور دور تک بکھرے پڑے ہیں۔

واضح رہے کہ گزشتہ دو سال میں شام میں مقدسات کی بے حرمتی اور انہدام کا

سلسلہ جاری ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق اب تک چودہ سو مساجد اس خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں۔ انقلابی ان مساجد کی تباہی کا الزام اسدی فوج پر لگا رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اسدی فوج صرف اپنا اقتدار بچانے کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہے۔ اسی سال اپریل کے مہینے میں شام کے شہر حلب میں جھڑپوں کے دوران شامی افواج نے دنیا کی قدیم مسجد جامع الکبیر الاموی کا مینار ٹینک کے گولے فائر کرکے شہید کردیا تھا۔ حلب کی تاریخی جامع الکبیر کا یہ مینار 1090 میں تعمیر کیا گیا تھا۔ گزشتہ برس اکتوبر میں یونیسکو نے مسجد کے تحفظ کی درخواست کرتے ہوئے کہا تھا، 'یہ دنیا کی حسین ترین مساجد میں سے ایک ہے۔' یہ مسجد یونیسکو کے عالمی ثقافتی ورثے کا حصہ ہے اور یہ اس سال کے اوائل سے انقلابیوں کے قبضے میں ہے۔ تاہم مسجد کے آس پاس کا علاقہ پر غلبے کے لیے اس کی سرکاری فوج کے ساتھ جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ مسجد کے دوسرے حصے بھی بری طرح متاثر ہوئے تھے، جو 12ویں صدی میں تعمیر کیے گئے تھے۔ حلب کے رہائشی کارکن محمد الخطیب نے ایسوسی ایٹڈ پریس کو بتایا کہ ایک گولے نے 148 فٹ اونچے مینار کو مکمل طور پر' تباہ کر ڈالا۔ مسجد کو مہینوں سے جاری جنگ میں بڑا نقصان پہنچا ہے اور' اس کی قدیم دیواریں اور مزین ستون متاثر ہوئے۔ اطلاعات کے مطابق قدیم سامان چوری بھی ہوا ہے، جن میں ایک صندوق بھی شامل ہے جس میں آپ علیہ السلام کا بال تھا۔ تاہم کارکنوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے ہاتھ سے لکھے ہوئے قرآن کے قدیم نسخے محفوظ کر لیے ہیں۔

شام میں مقدسات کی بے حرمتی پر پاکستان سمیت دنیا بھر میں غم و غصہ پایا گیا ہے۔ پاکستان نے دمشق میں حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنھا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے روضہ مبارک پر حملے کی شدید مذمت کرتے ہوئے شامی ناظم الامور کو دفتر خارجہ طلب کرکے بھرپور احتجاج کیا اور باور کرایا کہ مزار مبارک پر جان بوجھ کر حملہ کیا گیا ہے، شامی حکومت مقدس مقامات کا تحفظ ہر صورت یقینی بنائے۔ ترجمان دفتر خارجہ اعزاز احمد چودھری نے بتایا کہ پاکستان میں متعین شامی ناظم الامور کو دفتر خارجہ طلب کرکے شدید الفاظ میں احتجاج کیا گیا اور احتجاجی مراسلہ سپرد کرتے ہوئے واقعہ پر پاکستان کی حکومت اور عوام کے تحفظات سے آگاہ کیا گیا۔ بیان میں کہا گیا کہ مقدس مقامات کی "تضحیک" سے پاکستان سمیت دنیا بھر کے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔ وزارت خارجہ کے ترجمان اعزاز احمد چوہدری نے تحریری بیان میں کہا کہ اس قسم کے اقدامات سے فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا ملتی ہے۔ پاکستان نے شام میں تنازع کے تمام فریقوں پر بھی زور دیا کہ وہ مقدس مقامات اور عبادت گاہوں کی حساسیت کو مد نظر رکھتے ہوئے مشترکہ انسانی ورثے کے تحفظ میں مدد کریں۔ اس ضمن میں اسلام آباد میں شام کے سفارت خانے کے ناظم الامور کو بھی دفتر خارجہ طلب کرکے ا±نھیں پاکستان کی تشویش سے آگاہ کیا گیا۔ صدر مملکت آصف زرداری نے بھی شام میں مزارات پر حملے کی پرزور مذمت کرتے ہوئے اسے انتہائی

تکلیف دہ اور قابل افسوس واقعہ قرار دیا ہے۔ صدر مملکت نے کہا کہ ایسی مذموم کارروائی کوئی نیچ اور تنگ نظر ہی کر سکتا ہے، مزاروں اور عبادت گاہوں کی بے حرمتی سے نہ صرف پاکستان اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں بلکہ اس سے فرقہ واریت کو ہوا ملنے کا بھی خطرہ ہے جس کے مسلمان متحمل نہیں ہو سکتے۔

انھوں نے کہا کہ شام میں تمام متحارب فریق اس بات کو یقینی بنائیں کہ مزاروں اور عبادت گاہوں کا تقدس برقرار رہے اور ان کی بے حرمتی نہ ہونے پائے۔ چیئرمین پاکستان علماء کونسل علامہ طاہر اشرفی نے شام میں مزارات پر حملہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ مساجد اور مزارات پر حملے کرنے والوں کے حق میں صفائیاں پیش کرنے والے ظلم عظیم کر رہے ہیں۔ مقدسات پر دہشتگردوں کے حملے انتہائی قابل مذمت ہے ں۔ ان کے علاوہ پاکستان کی اکثر سیاسی و مذہبی شخصیات نے شام میں مقدسات پر ہونے والے حملوں کی شدید مذمت کی ہے۔ علماء کرام نے کہا ہے کہ شام میں مقدسات اور اسلام کی عظیم ہستیوں کے مزارات پر حملے کرنے والے اسلام کے دشمن ہیں۔

اہلسنّت والجماعت کے مرکزی رہنما علامہ اورنگزیب فاروقی نے مرکز اہلسنّت سے جاری بیان میں کہا ہے کہ صحابہ کرامؓ اور اہلبیت عظامؑ سے محبت ہر مسلمان کے ایمان کا جز ہے مقدس شخصیات کے مزارات پر حملوں سے پورے عالم اسلام کے جذبات شدید مجروح ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ شام میں جاری جنگ میں

اب تک ایک لاکھ سے زاید اہلسنّت عوام کا قتل کیا جاچکا ہے، مسلم ممالک بالخصوص پاکستان شام میں جنگ بندی کے لے اپنا کردار ادا کریں۔ اہلسنّت والجماعت نے شام میں حضرت بی بی سیدہ زینب رضی اللہ عنھا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مزارات پر حملوں کے خلاف 26 جولائی جمعے کو ملک بھر میں یوم احتجاج اور احتجاجی مظاہرے کرنے کا اعلان بھی کیا ہے۔ رہنماؤں کا کہنا تھا کہ ان واقعات نے پورے عالم اسلام کو سخت رنج واضطراب میں مبتلا کردیا ہے۔ مسلمانوں کا کوئی بھی فرقہ اہل بیت اطہارؓ اور صحابہ کرامؓ کے مزارات کی بے حرمتی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ یقینا ان واقعات میں وہ اسلام دشمن قوتیں ملوث ہیں جو مقدس شخصیات کو نشانہ بنا کر اسلام کے خلاف اپنے خبث باطن کا اظہار کرتی آئی ہیں۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو مقدس سرزمین شام کی تباہی روکنے اور اسلامی تاریخ کی یادگاروں کے تحفظ کے لیے آواز بلند کرنی چاہیے۔

مصر میں اسلام پسندوں کی حکومت پر شب خون

منتخب جمہوری حکومت کی بساط لپیٹنے کے بعد سے مصر کے حالات کچھ اچھے نہیں ہیں۔ معزول صدر مرسی کے حامیوں اور مخالفین میں نفرتیں مزید بڑھ رہی ہیں۔ مصر مظاہروں اور نعروں کی لپیٹ میں ہے۔ الاخوان المسلمون کے متعدد رہنماؤں کو گرفتار کرلیا گیا ہے اور کئیوں کے وارنٹ جاری کیے جاچکے ہیں۔ اگرچہ مصر میں عبوری کابینہ نے حلف اٹھالیا ہے۔ اس کے باوجود مرسی کے حامی مسلسل مرسی کی بحالی کا مطالبہ کررہے ہیں اور وہ اپنے مطالبے سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔ اخوان نے مصر کی عبوری حکومت کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ "یہ غیر قانونی حکومت ہے۔ ہم اس غیر قانونی کابینہ اور غیر قانونی وزیراعظم کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔" فوج اور اخوانی دھیرے دھیرے تشدد کا راستہ اختیار کرنے کی جانب گامزن ہے ں۔ مرسی کی معزولی کے بعد سے جھڑپوں میں سو سے زائد افراد جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور کئی سیکڑوں زخمی ہوچکے ہیں۔ مصری فوج، عبوری حکومت اور امریکا سمیت کئی ممالک مصر کے معاملات کو سلجھانے کی اپنی سی کوششوں میں مصروف ہیں، لیکن ناکامی کا منہ دیکھنا پڑرہا ہے۔ خطرہ ہے کہ اگر کچھ روز میں حالات نہ سدھرے تو مصر خانہ جنگی سے دوچار ہوسکتا ہے اور اس بات کی بھی کوئی ضمانت نہیں کہ

مصر میں لگی آگ سرحد عبور کرکے مشرقی وسطی میں انقلاب کی لہر کی مانند دوسرے اسلامی ممالک تک جا پہنچے۔

جنرل عبدالفتاح السیسی نے مصر میں نوزائدہ منتخب جمہوری حکومت کا تختہ الٹ کر اچھا نہیں کیا۔ اس کے عمل سے اسلامی ممالک میں بہت سے اسلام پسندوں کا جمہوریت سے اعتماد اٹھ گیا ہے اور اب اسلامی ممالک کی اسلامی جماعتوں کے کارکنان باآسانی جہادیوں کے ساتھ مسلح جدوجہد میں شریک ہو سکتے ہیں۔ دنیا بھر میں جہادی عناصر روزاول سے اسلام پسندوں کو یہ کہہ کر برانگیختہ کرتے آئے ہیں کہ جمہوریت کے ذریعے اسلامی حکومت کا قیام ممکن نہیں ہے، کیونکہ اسلام دشمن عناصر کبھی بھی اسلام پسندوں کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اسلامی حکومت کا قیام مسلح جدوجہد سے ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن عالم اسلام کی تحریکیں و جماعتیں اپنے مقصد کے حصول کے لیے مسلح جدوجہد سے دامن بچاتی رہی ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ جب پرامن راستہ موجود ہے تو مسلح جدوجہد اور تشدد کا راستہ کیوں اختیار کریں؟۔ خود الاخوان المسلمون ریاستی ظلم وجبر کے باوجود ہمیشہ عدم تشدد کی پالیسی پر گامزن رہی ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ القاعدہ کے بہت سے جنگجوؤں نے جمہوری نظام سے مایوس ہو کر اپنے مقصد کے حصول کے لیے مسلح جدوجہد کا راستہ اختیار کیا۔ اخوان سیاسی جدوجہد کے ذریعے مصر میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کوشاں تھی لیکن جب جمال عبدالناصر کے دور

میں اخوان پر پابندی لگائی گئی تو اس پابندی نے بہت سے پرامن اخوانیوں کو مصر میں حکومت کی تبدیلی کے لیے سیاسی جدوجہد کی بجائے مسلح جدوجہد کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا اور بہت سے اخوانی پر تشدد القاعدہ کی شکل میں سامنے آئے۔ لیکن اخوان نے جمہوری طریقے سے اپنی سیاسی جدوجہد جاری رکھی۔ اخوان نے کئی بار انتخابی عمل کا حصہ بننے کی کوشش کی، حکمرانوں نے مختلف حیلے بہانوں سے اخوان کو انتخابی عمل سے دور رکھا۔ فوجی آمر حسنی مبارک کے اقتدار سے بے دخل ہونے کے بعد عام انتخابات کا اعلان ہوا تو عوامی جوش وجذبے کے پیش نظر اخوان کو انتخابی دوڑ سے باہر رکھنا ممکن نہیں تھا۔ انتخابات ہوئے توحسب توقع اخوان نے میدان مار لیا اور اخوان کے امیدوار ڈاکٹر محمد مرسی مصر کے صدر منتخب ہوگئے لیکن صرف ایک سال کے بعد ہی فوجی آمر نے ان کی منتخب جمہوری حکومت کو ملیامیٹ کردیا۔ مصری فوج کے اس عمل سے دنیا بھر کے اسلام پسندوں کو شدید دھچکا لگا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مصری منتخب حکومت کو اس وجہ سے ختم نہیں کیا گیا کہ مرسی حکومت عوام کی توقعات پر پورا نہیں اتر سکی بلکہ حکومت کو اسلام پسند ہونے کی سزا دی گئی ہے۔ ورنہ جمہوریت میں تو حکومت ووٹ کے ساتھ آتی ہے تو جاتی بھی ووٹ کے ساتھ ہے۔ کتنے ممالک ہیں جہاں حکومتیں پانچ سال میں بھی عوام کی توقعات پر پورا نہیں اترتیں، اس کے باوجود ان کی حکومت پر شب خون نہیں مارا جاتا۔

مرسی حکومت کا معاملہ باقی حکومتوں سے جدا ہے۔ اگر مصر میں اسلام پسندوں کی حکومت نہ ہوتی اور پھر منتخب جمہوری حکومت کا تختہ فوجی بغاوت کے ذریعے الٹ دیا جاتا تو صرف اتنا کہا جاتا کہ آمریت نے جمہوریت کو شکست دے دی ہے لیکن یہاں معاملہ جمہوریت اور آمریت کا نہیں بلکہ اسلام پسندوں اور جمہوریت کا ہے۔ اسلام پسند پاکستان، ترکی، سوڈان، لیبیا، صومالیہ، تیونس، الجزائر، یمن، کویت، عراق، اردن، شام، بحرین، موریطانیہ اور انڈونیشیا سمیت کئی ممالک میں جمہوری طریقے سے حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مرسی حکومت کے خاتمے سے تو وہ یہی سمجھیں گے کہ اگر ہم بھی جمہوری طریقے سے اقتدار حاصل کر لیتے ہیں تو ہمیں بھی حکومت نہیں کرنے دی جائے گی۔ جب الاخوان المسلمون جس نے مصر کی قومی اسمبلی کے انتخابات میں 70 فیصد نشستوں پر کامیابی حاصل کی، سینیٹ کے انتخابات میں 84 فیصد نشستوں پر فتح حاصل کی اور صدارتی انتخابات میں 52 فیصد ووٹوں سے اکثریت اور آئینی مسودے کے حق میں 64 فیصد ووٹ حاصل کیے ان کو حکومت نہیں کرنے دی گئی تو ہمیں کیونکر حکومت کرنے دی جائے گی؟۔

مصری فوج نے اسلام پسندوں کی منتخب حکومت کا تختہ الٹ کر جہادیوں کے اس موقف کو سچا ثابت کر دیا کہ جمہوریت کے ذریعہ تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔ اسلام پسندوں کو عسکریت کی جانب مائل کرنے کے حوالے سے صومالیہ کے جنگجو گروپ الشباب کا بیان کافی اہمیت رکھتا ہے۔ مصر میں فوجی بغاوت کے دوسرے روز

ہی صومالیہ کے جنگجو گروپ الشباب نے اپنے بیان میں کہا: "مصر میں رونما ہونے والے واقعات سے ظاہر ہے کہ اقتدار جمہوریت سے نہیں بلکہ طاقت سے حاصل ہوتا ہے۔ اسلام پسند اگر منتخب بھی ہوں تو انہیں حکومت کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ الاخوان المسلمون کو تاریخ سے تھوڑا بہت سیکھنے کی ضرورت ہے۔ ان سے قبل الجزائر میں (اسلام پسندوں) اور حماس کی منتخب حکومت کو چلتا کیا گیا تھا۔ الاخوان المسلمون کب خواب غفلت سے بیدار ہوگی اور اسے اپنی کوششوں کے بے سود ہونے کا ادراک ہوگا۔" جہادیوں کے اسی موقف کی وجہ سے اسلامی ممالک کے پرامن اسلام پسند عسکریت پسندی کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔ اگر اسلامی ممالک کے اسلام پسند پرامن راستہ چھوڑ کر عسکریت پسندی کی جانب مائل ہوجاتے ہیں تو ان کا مقابلہ کیسے کیا جاسکے گا، جبکہ اسلامی ممالک میں مسلح جدوجہد کرنے والوں کی تعداد کوئی کم نہیں ہے۔ اگر ان کی تعداد کم ہوتی تو ان کے خلاف جتنے اقدامات کیے جاچکے ہیں ان کو ختم ہوجانا چاہیے تھا لیکن لاکھ کوششوں کے باجود بھی وہ حکومتوں کے لیے دردسر بنے ہوئے ہیں۔ اگر ان میں مزید اضافہ ہوجائے تو کس قدر بڑی قیامت برپا کریں گے۔ جنرل السیسی نے صرف مصر ہی نہیں بلکہ تمام اسلامی ممالک کے اسلام پسندوں کو جہادیوں کے حوالے کردیا ہے، اب وہ اسلام پسندوں سے کوئی بھی قدم اٹھوا سکتے ہیں۔ پوری دنیا سے صرف ایک القاعدہ کا مقابلہ کرنا مشکل ہے اور اگر السیسی کے منتخب اسلامی جمہوری حکومت پر شب خون مارنے کی وجہ سے ہر اسلامی ملک میں نئی القاعدہ جنم

لے لیتی ہے تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟

صدارتی انتخاب: وجیہ الدین اور ممنون حسین میدان میں

جمعہ کے روز پاکستان پیپلز پارٹی نے تیس جولائی کو ہونے والے ملک کے صدارتی انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا ہے۔ پیپلز پارٹی کی جانب سے صدارتی امیدوار میاں رضا ربانی کا کہنا تھا کہ صدارتی انتخابات کے بائیکاٹ کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی راستہ نہیں کیونکہ سپریم کورٹ نے ہمیں اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ ہم نے جمہوریت کے تسلسل کے لیے 11 مئی کے انتخابی نتائج کو قبول کیا۔ ہم سپریم کورٹ کا فیصلہ بھی قبول کر لیتے مگر ہمارا آج کا فیصلہ فوجی اور سویلین آمریت کے خلاف ہماری جدوجہد کا حصہ ہے۔ امید تھی کے 18ویں ترمیم کے بعد الیکشن کمیشن آزاد ہو گا۔ انتخابی شیڈول دینا اور انتخابات کروانا الیکشن کمیشن کی ذمہ داری ہے۔ان کا مزید کہنا تھا کہ پیپلز پارٹی نے سنجیدگی سے انتخابی مہم میں حصہ لیا، انتخابی مہم میں تمام اپوزیشن جماعتوں سے رابطہ کیا اور اپوزیشن کا متفقہ امیدوار لانے کی بھی کوشش کی۔ ذرائع کے مطابق پیپلز پارٹی نے سپریم کورٹ کی جانب سے صدارتی انتخاب کی تاریخ میں تبدیلی کے فیصلے پر اپنے تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے انتخابات میں

حصہ لیے یا نہ لینے پر غور شروع کر دیا تھا۔ 24 جولائی کو صدارتی امیدوار رضا ربانی نے کہا تھا کہ سپریم کورٹ نے صدارتی انتخاب کی تاریخ میں تبدیلی ایک ہی فریق کو سن کر دے دی، وہ بھی صدارتی انتخاب کے امیدوار ہیں لیکن انہیں نوٹس تک نہیں بھجوایا گیا۔ اس موقع پر سینیٹر اعتزاز احسن کا کہنا تھا کہ صدارتی انتخاب کی تاریخ میں تبدیلی مسلم لیگ (ن) کی خواہش پر ہوئی۔ سپریم کورٹ کے فیصلے پر انہیں حیرت ہے کیونکہ اس فیصلے کی کوئی قانونی آئینی بنیاد نہیں اور الیکشن کمیشن سے بھی نہیں پوچھا گیا۔ دنیا میں انتخابی عمل جنگ کے دوران بھی ہوتا ہے۔ وزیر اطلاعات پرویز رشید نے کہا ہے کہ صدارتی انتخاب کے شیڈول کے بارے میں سپریم کورٹ نے جو فیصلہ دیا ہے اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ 27 ویں رمضان کی خصوصی عبادات کے پیش نظر اس روز ووٹ ڈالنا مشکل ہوتا۔ پی پی کے بائیکاٹ پر الیکشن کمیشن کا کہنا تھا کہ صدارتی انتخاب کے شیڈول میں تبدیلی عدالت عظمیٰ کے حکم پر کی گئی، پی پی کو چاہیے تھا کہ وہ عدالت جاتی، بائیکاٹ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ صدارتی انتخاب جمہوری عمل کا حصہ ہے، پی پی کے شریک نہ ہونے سے افسوس ہوا ہے۔ پی پی کے بائیکاٹ کے حوالے سے مولانا فضل الرحمٰن کا کہنا تھا کہ عدالتی فیصلوں پر ہمیں بھی تحفظات ہیں لیکن پی پی کا رد عمل سخت ترین ہے۔ پی پی کے فیصلوں سے مایوسی ہوئی ہے۔ جبکہ اس بائیکاٹ کے حوالے سے میاں نواز شریف نے کہا ہے کہ تحریک انصاف کا انتخاب میں حصہ لینا قابل تحسین ہے، جس سے جمہوریت مضبوط

ہوگی۔ پی پی کے بائیکاٹ سے مایوسی ہوئی ہے، یہ اقدام جمہوری روایات کے خلاف ہے۔ واضح رہے کہ سپریم کورٹ میں صدارتی انتخاب چھ اگست کی بجائے تیس جولائی کو کرانے کی درخواست مسلم لیگ نون نے منگل کو سپریم کورٹ میں دی تھی۔ بدھ کو سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی سربراہی میں تین رکنی بینچ نے اس درخواست کی سماعت کرتے ہوئے الیکشن کمیشن کو صدارتی انتخاب تیس جولائی کو کرانے کا حکم دیا تھا۔ درخواست میں حکمران جماعت نے موقف اختیار کیا تھا کہ صدارتی انتخاب کی تاریخ چھ اگست رمضان کے آخری عشرے میں آ رہی ہے اور تیس کے لگ بھگ ارکان پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان عمرے کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب جائیں گے جبکہ متعدد ارکان اعتکاف بھی بیٹھیں گے، اس لیے صدارتی انتخاب چھ اگست کی بجائے تیس جولائی کو کرایا جائے۔

ذرائع کے مطابق پی پی کا خیال تھا کہ متحدہ صدارتی انتخاب میں ہمارا ساتھ دے گی، اس صورت میں پی پی کا صدارتی انتخاب میں حصہ لینے کا ارادہ تھا۔ لیکن جب متحدہ کی طرف سے پی پی کا ساتھ دینے کی نفی کی گئی تو پی پی نے سمجھا کہ ہم بائیکاٹ کردیتے ہیں، متحدہ اور تحریک انصاف بھی ہمارے ساتھ بائیکاٹ کریں گی۔ پی پی نے بائیکاٹ کا اعلان کرنے سے پہلے دوسری اپوزیشن جماعتوں کو بھی انتخاب کا بائیکاٹ کرنے کا مشورہ تھا، لیکن اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کی چودھری شجاعت سے ملاقات میں صدارتی انتخاب

میں حصہ لینے یا اس کے بائیکاٹ پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ چودھری شجاعت حسین نے صدارتی انتخاب کے بائیکاٹ کے معاملے پر چیئرمین تحریک انصاف عمران خان سے مشاورت کی تجویز دی تھی۔ چودھری شجاعت حسین نے صدارتی انتخاب پر پیدا شدہ صورتحال کو جمہوری سسٹم کے حوالہ سے الارمنگ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ن لیگ کی من مانی کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ ممنون صرف نواز شریف کے ممنون رہیں اور آگے پیچھے نہ دیکھیں۔ اچھا ہوتا کہ عمران خان پیپلز پارٹی کے ذمہ داران کی اپیل پر غور کرتے اور ان کی مان لیتے ، کیونکہ مجھے نظر آ رہا ہے کہ آنے والے وقت میں ایسی ہی اپیل لے کر عمران خان کو پیپلز پارٹی کی قیادت کے پاس جانا پڑے گا۔ پیپلز پارٹی کے وفد نے قومی وطن پارٹی کے رہنما آفتاب شیرپاؤ سے بھی ملاقات کی تھی جس میں صدارتی انتخاب پر مشاورت کی گئی۔ جبکہ پیپلز پارٹی کے قائدین نے جب اے این پی کے سربراہ اسفندیار ولی سے بھی ملاقات کی تو اے این پی نے پیپلز پارٹی کا بھرپور ساتھ کا اعلان کر دیا تھا۔

اطلاعات کے مطابق پی ٹی آئی کے سینٹرل سیکریٹریٹ میں جمعہ کی سہ پہر صدارتی انتخاب کا بائیکاٹ کرنے یا حصہ لینے کے حوالے سے منعقدہ اجلاس میں عمران خان اور پرویز خٹک صدارتی انتخاب کا بائیکاٹ کرنے کے شدید ترین حامی تھے۔ اس دوران بذریعہ فون پارٹی کے وائس چیئرمین شاہ محمود قریشی، پارٹی کے صدر جاوید ہاشمی اور سینئر رہنما جہانگیر ترین سے بھی رائے لی گئی۔ صدارتی انتخاب

میں حصہ لینے یا بائیکاٹ کرنے کے فیصلہ پر تحریک انصاف کے قائدین کی گھنٹوں بحث بے نتیجہ رہی اور بالآخر عمران خان نے ذاتی اختیار استعمال کرکے نہ چاہتے ہوئے بھی جسٹس (ر) وجیہہ الدین احمد کی بزرگی اور احترام کے پیش نظران کی بات مان لی اور صدارتی انتخاب سے بائیکاٹ نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔جہانگیر خان ترین نے تو یہاں تک کہاکہ جسٹس (ر) وجیہہ الدین احمد سے درخواست کریں کہ صدارتی انتخاب میں حصہ لینے کی ضد کرکے پارٹی کیساتھ زیادتی نہ کریں جبکہ جسٹس (ر) وجیہہ الدین کسی کی سننے کو تیار نہ تھے۔ بحث جب حد سے بڑھی اور عمران خان نے محسوس کیاکہ پارٹی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ رہی، توعمران خان نے جسٹس (ر) وجیہہ الدین کی بزرگی اوراحترام میں بطور چیئرمین اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے حتمی فیصلہ صادرکیااورکہاکہ ہم الیکشن کا بائیکاٹ نہیں کریں گے۔

دوسری جانب جمعہ کے روز نوازلیگ کے وفد نے ایم کیوایم کے مرکز نائن زیرو کا دورہ کیا، دونوں وفد کے ارکان میں بات چیت ہوئی جس کے بعد ایم کیوایم نے غیر مشروط طور پر نوازلیگ کی حمایت کا اعلان کردیا۔ذرائع کے مطابق نوازلیگ کے نائن زیرو جانے سے نوازلیگ (سندھ) میں شدید اختلافات پیدا ہوگئے ہیں۔ متعدد لیگی رہنماؤں نے ممنون حسین کے ساتھ مرکز نائن زیرو جانے سے بھی انکار کردیا۔ان کا کہنا تھاکہ نوازلیگ کو سیاسی طور پر متحدہ دوستی سے

ناقابل تلافی نقصان ہوگا اور یہ کہ نائن زیرو جانے کے لیے ہمیں اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ مسلم لیگ (ن) کے وفد کی نائن زیرو آمد پر پیر پگاڑا بھی ناراض ہو گئے۔ جمعہ کو نائن زیرو آمد کے بعد اسحاق ڈار کی قیادت میں مسلم لیگ (ن) کے وفد نے پیر پگاڑا کو ملاقات کا پیغام بھیجا اور ان سے ملاقات کی درخواست کی تاہم پیر پگاڑا نے ملاقات سے معذرت کر لی اور ان کے سٹاف کی جانب سے مسلم لیگ (ن) کو جواب دیا گیا کہ پیر پگاڑا ذاتی مصروفیت کی وجہ سے آج ملاقات نہیں کر سکتے، ممنون حسین کامیاب ہو کر راجہ ہاؤس آئے تو پیر پگاڑا ملاقات کریں گے۔ حالانکہ پہلے سے افطار عشایے کا پروگرام طے تھا۔ ذرائع کے مطابق مسلم لیگ (ن) کے وفد نے ایم کیو کے مرکز جانے کے بارے میں پیر پگاڑا کو اعتماد میں نہیں لیا جس پر پیر پگاڑا ناراض ہیں۔

مصر میں مرسی کے حامی مظاہرین کو خون میں نہلا دیا گیا

مصر میں پولیس نے محمد مرسی کے حامیوں پر براہ راست فائرنگ کر کے دو سو افراد شہید اور چار ہزار سے زائد افراد کو زخمی کر دیا۔ مصر میں فوج کی جانب سے محمد مرسی کی حکومت پر شب خون مارنے کے بعد سے معزول صدر محمد مرسی کے حمایتی مسلسل ان کی بحالی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ وہ گزشتہ ایک ماہ سے محمد مرسی کے حق میں "مسجد ربا الاداویہ" کے باہر دھرنا دیے بیٹھے ہیں۔ آرمی چیف جنرل السیسی نے اپنے حامیوں کو شہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ انہیں کارروائی کا اختیار دیں اور ان کے حق میں مظاہرے کریں۔ جس پر الاخوان المسلمون نے کہا تھا کہ جنرل السیسی 'خانہ جنگی کی دعوت دے رہے ہیں'۔ جبکہ الاخوان المسلمون کے روحانی پیشوا محمد بدیع نے بھی محمد مرسی کے حق میں مظاہروں کی اپیل کرتے ہوئے کہا تھا کہ 'میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جنرل السیسی نے مصر میں جو کیا وہ اس سے بڑا جرم ہے کہ کوئی پھاوڑا لے کر خانہ کعبہ کو مسمار کرے۔' مصر میں فوج کی جانب سے نامزد وزیر داخلہ محمد ابراہیم نے کہا تھا کہ ایک ماہ سے جاری مرسی کے حامیوں کے دھرنے کو جلد از جلد ختم کیا جائے گا۔ فوج، پولیس اور محمد مرسی کے مخالفین نے کئی طرح کی دھمکیوں سے دھرنے میں بیٹھے محمد مرسی کے حامیوں کو اٹھانے کی کوشش

کی، جب ناکام ہوئے تو ان پر اندھا دند فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں دو سو افراد جاں بحق اور ساڑھے چار ہزار کے قریب زخمی ہو گئے۔

میڈیا نمائندوں کا کہنا ہے کہ اس کارروائی کے بعد ہسپتالوں میں ہر طرف خون پھیلا ہوا ہے۔ بہت سے زخمیوں کی حالت بہت خراب ہے۔ بعض کے سروں کے کچھ حصے غائب ہیں۔ بظاہر انھیں سروں میں گولیاں لگی ہیں۔ ہم نے خودکار ہتھیاروں سے فائرنگ کی آوازیں سنیں۔ فضا آنسو گیس سے بوجھل تھی اور لوگوں کو متلی ہو رہی تھی۔ ایک بچہ خون میں لت پت تھا۔ اس کی عمر 12 برس ہو گی۔ اس کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ ہسپتال کے دروازے بند تھے اس لیے وہ کسی اور زخمیوں کو داخل نہیں کر رہے تھے لیکن ایمبولنسیں پھر بھی پہنچتی رہیں۔ رابعہ العدویہ کے ارد گرد فون اور انٹرنیٹ کی سہولتیں ختم کر دی گئی ہیں تاکہ اس گھناؤنے قتل عام کو کوئی میڈیا نہ دکھا سکے۔ قاہرہ میں بی بی سی کے نامہ نگار کونٹن سمرول کہتے ہیں کہ آنسو گیس، شاٹ گن کے کارتوس اور گولیوں سمیت ہر چیز استعمال کی گئی ہے۔ معزول صدر محمد مرسی کے حامیوں نے رات بھر دارالحکومت میں مظاہرے جاری رکھے۔ شمالی قاہرہ میں الاخوان المسلمون کے حامیوں کے ایک ماہ سے جاری دھرنے کو توڑنے کی کوشش میں تصادم شروع ہوا۔ ہسپتالوں میں ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ زخمی ہونے والے افراد پر براہ راست گولیاں چلائیں گئیں اور زیادہ تر متاثرین کو چھتوں سے نشانہ باندھ کر براہ راست سر اور

سینے میں گولیاں ماری گئیں ہیں۔الاخوان المسلمون کے ترجمان جہاد الحداد کا کہنا ہے کہ مصری فوج باقاعدہ منصوبے کے تحت شر پسندوں کے ساتھ مل کر حملے کر رہی ہے۔ فوج نے باقاعدہ قتل عام شروع کر رکھا ہے۔ مظاہرین کے سروں اور سینوں کا نشانہ لے کر گولیاں چلائی جا رہی ہیں۔ الاخوان المسلمون کا کہنا ہے کہ پر تشدد ہتھکنڈوں سے ہمارے احتجاج کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ صدر مرسی کی بحالی تک ہمارا احتجاج جاری رہے گا۔'

الاخوان المسلمون کے رہنما سعد الحسینی نے بتایا کہ یہ سیکورٹی فورسز کی طرف سے مسجد کا علاقہ خالی کرانے کی کوشش تھی۔ انھوں نے کہا کہ 'میں پانچ گھنٹوں تک جوانوں کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کرتا رہا لیکن نہیں کر سکا۔ نوجوانوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے 'خون کی قربانی دی ہے اور پسپا نہیں ہونا چاہتے۔

مصر میں اس درندگی پر الاخوان المسلمون کے مخالفین بھی بول اٹھے۔ جنہوں نے مرسی کی حکومت پر فوج کی جانب سے شب خون مارنے کی حمایت کی تھی انہوں نے بھی اس تشدد کی مذمت کی ہے، جن میں مصر کی جامعہ الازہر کے سربراہ شیخ الازہر احمد الطیب سرفہرست ہیں۔ انہوں نے ایک بیان میں ہفتے کے روز پیش آئے تشدد کے واقعات میں متعدد افراد کی موت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "ان ہلاکتوں کے ذمے داروں کو ان کی وابستگی سے قطع نظر سزا دی جائے، یہ تشدد کا بدترین واقعہ ہے"۔

مصری رہنما محمد البرادی، برطانوی وزیر خارجہ

ولیم ہیگ اور یورپین یونین کی خارجہ پالیسی کی سربراہ کیتھرائن ایشٹن نے بھی مصر میں مظاہرین کے خلاف پر تشدد کارروائیوں کی مذمت کرتے ہوئے پرامن احتجاج کے حق کا احترام کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ جبکہ مسٹر اوباما انتظامیہ کا کہنا ہے کہ مصر میں حکومت کی تبدیلی کو بغاوت قرار نہیں دیا جائے گا اور مصر کی سالانہ 1.5 بلین ڈالر کی فوجی امداد جاری رکھی جائے گی۔

دوسری جانب جمعیت علماء اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے صدر مرسی کی گرفتاری اور معصوم جانوں کے ضیاع پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ یقیناً یہ قابل مذمت ہے، صدر مرسی کو رہا کیا جائے اور مرسی مخالف عناصر کو امریکا اسلحہ کی فراہمی کا سلسلہ بند کرکے معصوم انسانوں کی ضیاع کو روک دے۔ امریکا ایک جانب یہ کہتا ہے کہ وہ جمہوریت کا حامی ہے تو دوسری جانب وہ مسلم ممالک میں مداخلت کرکے وہاں پر امن و امان تباہ کرنے کا موجب بن رہا ہے۔ مصر میں ہر روز ہلاکتیں ہو رہی ہیں مگر عالمی اداروں اور انسانی حقوق کے علمبرداروں کی جانب سے کوئی آواز نہیں اٹھائی جارہی جبکہ اقوام متحدہ کی مصر کی صورت حال پر خاموشی بھی سوالیہ نشان ہے۔ امیر جماعت اسلامی پاکستان سید منور حسن نے قاہرہ میں صدر مرسی کے حامیوں پر فوج اور شرپسندوں کی فائرنگ کے نتیجے میں مزید دوسو سے زائد افراد جاں بحق اور ساڑھے چار ہزار افراد زخمی کر دیے جانے کی شدید مذمت کرتے ہوئے گہرے افسوس کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ مصری عوام جمہوریت کی بحالی کے لیے پرامن مظاہرے کر

رہے ہیں جو ان کا بنیادی حق ہے۔ مغربی حکومتیں، عالمی ادارے اور حقوق انسانی کی تنظیمیں اس قتل عام پر خاموش تماشائی بنی ہوئی ہیں۔ انہوں نے جنرل السیسی اور ان کے حامیوں کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے پیشرو حکمرانوں کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔ سرزمین مصر پر کئی فرعون عبرت کا نشان بن چکے ہیں اور اب جنرل السیسی کی باری ہے۔

واضح رہے جمعہ کے روز مصری فوج نے باقاعدہ طور پر مصر کے معزول صدر محمد مرسی کو فلسطینی تنظیم حماس کے ساتھ سازباز کرنے اور 2011ء کی بغاوت کے دوران جیل پر حملوں کی منصوبہ بندی کے الزامات کے تحت حراست میں لے لیا ہے۔ حکام ان سے فلسطینی تنظیم حماس سے تعاون کے الزامات سے متعلق تفتیش کر رہے ہیں۔ الاخوان المسلمون کا کہنا ہے کہ صدر مرسی کی حراست دیکھ کر لگتا ہے کہ حسنی مبارک کا دور واپس لوٹ آیا ہے۔ صدر مرسی کے خلاف عاید الزامات سے صدر مبارک کے انتقام کی بو آتی ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ مصر کے بر طرف صدر کے خلاف شروع ہونے والا فوجداری تحقیقات کا سلسلہ محمد مرسی اور الاخوان المسلمون کے خلاف وسیع البنیاد قانونی اقدامات کا نقطہ آغاز ہے۔ گزشتہ تین ہفتوں سے معزول صدر مرسی کی خفیہ حراست کے دوران فوجی انٹلی جنس نے ان سے ایوان صدر اور الاخوان المسلمون کے طریقہ کار کے بارے میں متعدد سوالات کیے ہیں۔ برطرفی کے بعد سے مصر کی فوجی انٹلی جنس کے سوا کسی کو ان

سے ملنے کی اجازت نہیں۔ ان سے روزانہ کی بنیاد پر تفتیش کی جاتی ہے جو بسا اوقات 5 ، گھنٹے جاری رہتی ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ فوج محمد مرسی سے حاصل ہونے والی 5 معلومات کو الاخوان المسلمون کے دیگر قائدین پر فرد جرم عاید کرنے کے لیے بطور جواز استعمال کر سکتی ہے۔ نیز خفیہ تفتیش کے نتائج کو الاخوان المسلمون پر پابندی لگانے جیسے انتہائی ڈرامائی اقدام کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور محمد مرسی کو انتقامانہ موت کی سزا بھی دے سکتی ہے۔ادھر الاخوان المسلمون کا کہنا ہے کہ محمد مرسی کے خلاف مقدمہ چلانے کا اعلان "خونی بغاوت کی راہ ہموار کرنے والی فوجی قیادت کے سیاسی اور اخلاقی دیوالیہ پن کا مظہر ہے" تاہم محمد مرسی سے کی جانے والی تفتیش کے قرائن بتاتے ہیں کہ مصری فوج 85 سالہ قدیم دینی سیاسی جماعت الاخوان المسلمون پر پابندی لگانا چاہتی ہے۔ الاخوان پر پابندی کی صورت میں اسلام پسند عوام شدید رد عمل ظاہر کر سکتے ہیں۔

بھارت نے پاکستان سے مذاکرات کی حامی بھر لی

پاکستان کے ساتھ بھارت کی چپقلش ایک عرصے سے جاری ہے۔ دونوں ملکوں کے باسیوں کے درمیان انتہا درجے کی دوریاں پائی جاتی ہیں۔ نواز شریف کی حکومت جب بھی اقتدار میں آئی تو اس نے آپس میں پینگیں بڑھائی ہیں۔ اب کی بار ایک بار پھر پاکستان کے وزیر اعظم میاں نواز شریف نے پاکستانیوں کی تمام مخالفتوں کے باوجود بھارت کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور ہر سطح پر بھارت کے ساتھ معاملات بہتر بنانے کی کوشش کی۔ اس کے لیے میاں صاحب کئی بار بھارتی حکومت کو مذاکرات کی دعوت دے چکے ہیں۔ بھارت کی جانب سے ہر بار سرد مہری برتی گئی ہے لیکن اس بار بھارتی حکومت نے بھی پاکستان سے مذاکرات کی حامی بھر لی ہے۔

بھارتی میڈیا کے مطابق بھارت نے پاکستان کے ساتھ جامع مذاکرات کی بحالی پر رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ اگست میں سیکرٹری آبپاشی کی سطح پر مذاکرات اسلام آباد میں شروع ہوں گے۔ وولر بیراج کے مسئلے پر مذاکرات 27 اور 28 اگست کو جبکہ سر کریک میری ٹائم سرحد تنازع پر 16 اور 17 ستمبر کو سروئیر جنرل کے درمیان مذاکرات ہوں گے۔ بھارتی وزیر اعظم منموہن سنگھ وزیر اعظم نواز شریف سے

ستمبر میں نیویارک میں ملاقات کریں گے۔ روڈ میپ کے مطابق خارجہ سیکرٹریوں کے درمیان کشمیر کے تنازع پر مذاکرات کے ساتھ ساتھ پاکستان پانی اور سر کریک پر بات چیت کی میزبانی کرے گا جبکہ بھارت سیاچن گلیشیر پر مذاکرات کی میزبانی کرے گا۔ پاکستان نے پانی اور سر کریک کے معاملوں پر سیکرٹریوں سطح کے مذاکرات کے تیسرے دور کے لیے تاریخیں تجویز کیں جن پر بھارت سنجیدگی سے غور کر رہا ہے۔ دونوں ملکوں کے مشترکہ کمیشن 8 ٹیکنکل گروپوں کے مذاکرات کی تاریخوں پر بھی مشاورت جاری ہے۔ 4 اجلاس نئی دہلی اور 4 اسلام آباد میں ہوں گے۔ آبی منصوبوں کے حوالے سے پاکستان بھارت حکام کے ملاقات اس سال جنوری میں طے تھی جسے بھارت نے سیکرٹری پانی و بجلی کی ریٹائرمنٹ کا کہہ کر مارچ تک معطل کر دیا تھا۔ رپورٹ کے مطابق پاکستان اور بھارت کے درمیان خارجہ سیکرٹری سطح پر مسئلہ کشمیر، سیاچن، سر کریک، اقتصادی تجارتی تعاون، باہمی دوستانہ تبادلے، دہشت گردی، منشیات کی سمگلنگ اور امن و سلامتی کے معاملات پر ستمبر میں بات چیت ہونے کے روشن امکانات ہیں۔ خارجہ سیکرٹری کی سطح پر کشمیر کے حوالے سے بات ہو گی۔ اس میں امن و سلامتی کے موضوع پر بات ہو گی۔ بھارت میں داخلہ سیکرٹریوں کی سطح پر مذاکرات ہوں گے۔ سیکرٹری دفاع کی سطح پر سیاچن پر مذاکرات ہوں گے جبکہ خارجہ سیکرٹری دونوں ممالک کے دو طرفہ تعلقات کی پیشرفت کا جائزہ لیں گے۔

واضح رہے کہ پاکستان نے سینئر اہلکاروں کی سطح پر مذاکرات کے لیے بھارت کو اگست اور ستمبر میں دو تاریخیں تجویز کی تھی۔ دونوں ممالک کے درمیان مذاکرات کا تیسرا دور ستمبر 2012ء میں شروع ہوا تاہم سرحدوں پر پیدا ہونے والی کشیدگی کے باعث یہ دور معطل ہو گیا تھا۔ پاکستان نے دونوں ممالک کے درمیان پانی و بجلی کے سیکرٹریوں کی سطح پر وولر بیراج کے حوالے سے مذاکرات کے لیے 27/28 اگست کی تاریخ دی تھی۔ سر کریک، میری ٹائم باؤنڈری کے مذاکرات کے لیے 16-17 ستمبر کی تاریخ دی گئی تھی۔ پاکستانی وزارت خارجہ نے ان تاریخوں کے بارے میں چند روز قبل بھارتی وزارت خارجہ کو اطلاع دی تھی اور اس کے جواب کا بدستور انتظار تھا۔ایک سینئر پاکستانی اہلکار کا کہنا تھا کہ اب گیند بھارت کے کورٹ میں ہے۔اب بھارت نے مذاکرات کے لیے مثبت جواب دیا ہے۔ ذرائع کے مطابق تیسرے کمپوزٹ مذاکرات کا عمل اسلام آباد اور نئی دہلی میں خارجہ سیکرٹریوں کے مذاکرات سے دوبارہ شروع ہو گا۔ مذاکرات کی بحالی کا فیصلہ اس مہینے کے آغاز میں برونائی میں وزیراعظم کے مشیر خارجہ سرتاج عزیز اور بھارتی وزیر خارجہ سلمان خورشید کے درمیان آسیان کی سائیڈ لائن ملاقات میں ہوا تھا۔ وزیراعظم نواز شریف کے انتخاب کے بعد یہ پہلے مذاکرات ہوں گے۔ یہ بھی واضح رہے کہ فاسٹ ٹریک امن عمل اور نتیجہ خیز مذاکرات کے لیے وزیراعظم نواز شریف نے سابق خارجہ سیکرٹری شہریار خان کو بھارت کے لیے اپنا خصوصی ایلچی مقرر کیا تھا۔ جامع مذاکرات کا آغاز فروری 2004ء میں شروع

ہوا تھا۔ بعد ازاں کئی بار ان میں رکاوٹیں آتی رہیں۔ جامع مذاکرات میں سیاچن، وولر بیراج، تلبل نیوی گیشن پراجیکٹ، سر کریک، اقتصادی تجارتی تعاون، دوستانہ تبادلے، دہشت گردی، منشیات کی سمگلنگ، امن و سلامتی، جموں و کشمیر کے معاملات شامل ہیں۔

بھارت کے جانب سے مذاکرات کی رضامندی پر پاکستانی حکومت اور بہت سے افراد نے خوشی کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر بھارت مذاکرات پر رضامند ہوگیا ہے تو یہ ایک اچھی بات ہے، اس سے دونوں ملکوں میں پیدا دوریاں کسی حد تک ختم ہو سکتی ہیں۔ لیکن گزشتہ روز بھارت کی جانب سے پونچھ سیکٹر پر فائرنگ کے نتیجے میں پاکستانی حدود کی خلاف ورزی اور پاکستانی سپاہی کی شہادت اور بھارت کے حالیہ الزام جس میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں نئی حکومت کے بننے کے بعد مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین کی کارروائیاں تیز ہو گئی ہیں۔ وزیر اعظم نواز شریف نے مسئلہ کشمیر پر ایک خفیہ منصوبہ تشکیل دیا ہے جس پر عمل ہو رہا ہے، اس پر مبصرین کا کہنا تھا کہ ایک طرف تو بھارت مذاکرات کی بات کرتا ہے اور دوسری جانب پاکستان کے خلاف جارحیت کا سلسلہ بھی جاری رکھا ہوا ہے۔ یہ سراسر دھوکا ہے۔ دفاعی تجزیہ نگار جنرل (ر) سعید الظفر نے کہا ہے کہ بھارت ہمارا کھلا دشمن ہے۔ وہ ہمیں نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ نہیں جانے دیتا۔ جبکہ ہم بھارت سے دوستی کی خواہش لیے بھارت کے آگے پیچھے چکر لگا رہے

ہیں۔ بھارت کی طرف سے کنٹرول لائن اور ورکنگ باؤنڈری پر گولہ باری پر انہوں نے کہا کہ بھارت سے اچھے تعلقات کی توقع رکھنا حماقت ہے۔ بھارت سے برابری کی سطح پر بات کرنی چاہیے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ کشمیریوں پر مظالم بڑھتے جا رہے ہیں اور ہم خاموش بیٹھے ہیں۔ ہم اپنے ملک اور دین کو نقصان پہنچانے والے دہشت گردوں سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔ کشمیری رہنماؤں عبدالرشید ترابی، نصیب گردیزی اور پیر عتیق الرحمٰن نے کہا ہے کہ حکومت پاکستان کی طرف سے مسلسل دوستی کی پینگیں بڑھانے کے بیانات نے بھارت کی حکومت کو شہ دی ہے کہ وہ جب چاہے پاکستان کی سرحدوں کی خلاف ورزی کرے اور افواج پاکستان کی طرف قدم بڑھائے۔ حکومت پاکستان کو اپنی خارجہ پالیسی پر نظرثانی کرتے ہوئے بھارت سے برابری کی بنیاد پر اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا ہو گی۔ پاکستان کو کمزور نہ سمجھا جائے۔ پاکستان ایک ایٹمی طاقت ہے۔ وزیر اعظم آزاد کشمیر چودھری عبدالمجید نے کہا ہے کہ بھارت نے برصغیر کے امن کو داؤ پر لگا رکھا ہے اور اس ریجن کے ڈیڑھ ارب انسانوں کے مستقبل کو داؤ پر لگا رکھا ہے۔ مہذب دنیا اس ریجن کے ڈیڑھ ارب انسانوں کے مستقبل کو محفوظ بنانے کے لیے کشمیر کا مسئلہ حل کروائے۔ اس ریجن میں امن وخوشحالی مسئلہ کشمیر کے حل سے ہی ممکن ہے۔ وزیر اعظم نے کہا کہ مسئلہ کشمیر کا حل ناگزیر ہے۔ اس خطے میں امن مسئلہ کشمیر کے حل سے مشروط ہے۔ پاکستان بھارت آبی جنگ ایٹمی جنگ سے زیادہ خطرناک ہو گی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ جب تک پاکستان کے درمیان مسئلہ

کشمیر حل نہیں ہوتا اس وقت تک دونوں ملکوں میں دوریاں ختم نہیں ہو سکتیں، بھارت نے مذاکرات کے لیے ہاں تو کر دی ہے لیکن اس قسم کے مذاکرات پہلے بھی ہو چکے ہیں کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، اب دیکھتے ہیں کہ دونوں ملکوں کے تعلقات کس سطح تک بہتر ہوتے ہیں اور اس سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

شیخ اسامہ کی لاش سے متعلق امریکی دعوؤں کا بھانڈا پھوٹ گیا

دو مئی 2011 کو پاکستان کے علاقے ایبٹ آباد میں القاعدہ کے رہنما شیخ اسامہ بن لادن کو ایک فوجی آپریشن کے ذریعے شہید کیا گیا۔ اس خبر نے اتنی زیادہ شہرت حاصل کی کہ اس سے متعلق چوبیس گھنٹوں میں 51 کروڑ سے زائد مضامین اور تبصرے آن لائن ہو گئے، جس میں 70 ہزار سے زائد نیوز اسٹوریاں تھیں۔ اس سب کے باوجود ایک سوال آج تک معمہ بنا رہا کہ آخر شیخ اسامہ بن لادن کی لاش کو دنیا کے سامنے پیش کیوں نہیں کیا گیا۔ لوگوں کے ذہنوں میں بے شمار شبہات و سوالات نے بھی جنم لیا ،اس کے باوجود امریکا شیخ کی لاش دنیا کو دکھا کر اپنی سچائی ثابت نہ کر سکا۔ اس حوالے سے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے مختلف قسم کے دعوے کیے جاتے رہے۔

ابتداً یہ خبر چلائی گئی کہ امریکی محکمہ دفاع کی جاری کردہ تفصیلات کے مطابق ونسن ائر کرافٹ کیریئر کے پبلک افیئرز افسر کی جانب سے بھیجے گئے ایک پیغام میں بتایا گیا کہ 2 مئی کو ریئر ایڈمرل چارلس گاؤٹے کی جانب سے ایڈمرل مائیک مولن اور جنرل جیمز میٹنر کو بھیجی گئی ایک ای میل میں کہا گیا تھا کہ جسد خاکی کو غسل دیا گیا پھر سفید کفن پر رکھ کر ایک بھاری بیگ میں رکھ دیا گیا ایک فوجی افسر نے پہلے سے تیار شدہ مذہبی آیات پڑھیں ،ایک مقامی

افسر نے عربی میں ترجمہ سنایا، دعا ختم ہونے کے بعد ان کا جسد خاکی پہلے سے تیار شدہ ایک بورڈ پر رکھ دیا گیا جسے خاموشی کے ساتھ سمندر میں پھینک دیا گیا۔ پھر وکی لیکس نے انکشاف کیا کہ امریکی نجی تحقیقاتی ادارے کے اعلیٰ عہدیدار کی جانب سے بھیجی گئی ایک ای میل سے متعلق انکشاف کیا ہے، جس کے مطابق اسامہ بن لادن کی لاش سمندر برد کیے جانے کی بجائے امریکا لے جائی گئی۔ انہوں نے ای میل میں ساتھیوں کو آگاہ کیا کہ اسامہ بن لادن کی لاش امریکا کے پاس ہے۔ جواب میں تحقیقاتی ادارے کے صدر فریڈ برٹن نے کہا کہ لاش سی آئی اے کے طیارے کے ذریعے امریکی ریاست ڈیلوور لائی گئی ہے۔ جگہ کا تعین نہیں کر سکے۔ پھر مغربی میڈیا نے انکشاف کیا کہ القاعدہ کے رہنما کی لاش پہلے کابل کے بگرام ائیر بیس پر پہنچائی گئی جہاں پہلے ان کے ڈی این اے سیمپل حاصل کیے گئے جس کے بعد لاش کو بحیرہ عرب میں موجود امریکی بحری جہاز کارل ونسن پر پہنچایا گیا۔ اس سارے عمل میں شریک اہلکاروں کی شناخت بھی ظاہر نہیں کی گئی۔ اسی طرح آپریشن سے اگلے سال ہی یہ خبر بھی منظر عام پر آئی کہ امریکی سیکورٹی ایجنسی اسٹار فورٹ کی خفیہ انٹیلی جنس فائلوں سے حاصل کردہ ای میل انکشافات کے مطابق القاعدہ سربراہ شیخ اسامہ بن لادن کو مارے جانے کے بعد اسلامی طریقے سے سمندر برد کرنے کی خبروں میں صداقت نہیں بلکہ شیخ کی لاش کو امریکی ریاست ڈیلویئر کے فوجی ائیر بیس بھجوادیا گیا تھا جہاں سے بعد میں لاش کو معائنے اور رپورٹ کے لیے میر لینڈ کے امریکی افواج کے

میڈیکل انسٹیوٹ لایا گیا تھا۔ای میل سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ لاش کو سی آئی اے نے خصوصی طیارے سے امریکا پہنچایا۔جب ان تمام ڈھکوسلوں سے اوباما اپنی قوم کو مطمئن نہ کرسکے تو کیلی فورنیا کے ایک مہم جو بل وارن نے کہا کہ چونکہ ہم محب وطن امریکی ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ صدر بارک اوبامہ تو کوئی ثبوت نہیں دے سکے اس لیے مجھے ہی یہ قدم اٹھانا پڑا۔ ہسپانوی اخبار ایل منڈو میں وارن کے حوالے سے شائع خبر میں کہا گیا کہ امریکی نیوی کمانڈروں کے ذریعہ سمندر میں دفنائے جانے کے بعد ایک ڈبہ میں بند یہ لاش اپنی جگہ پر ہی ہے۔وارن نے دعویٰ کیا کہ ہندوستان کے صوبہ گجرات کے شہر سورت سے 200 میل کی دوری پر اسامہ بن لادن کی لاش کو دفنایا گیا تھا۔

پیر کے روز منظر عام پر آنے والے شیخ اسامہ بن لادن کی یمنی زوجہ محترمہ "امل الصداح" کے انٹرویو نے ان تمام امریکی دعوؤں کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔شیخ اسامہ بن لادن کی یمنی زوجہ محترمہ "امل الصداح" جو ایبٹ آباد میں واقع گھر پر حملہ ہونے کے وقت شیخ کے ساتھ تھیں اور شیخ رحمہ اللہ نے ان کے سامنے شہادت پائی تھی۔سعودی اخبار عکاظ کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے امریکی حکومت کی من گھڑت داستان اور پاکستانی حکومت کی ایبٹ آباد کمیشن کی تحقیقی رپورٹ کو مسترد کرتے ہوئے پہلی مرتبہ انٹرویو دیتے ہوئے انکشاف کیا کہ شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کے قاتل ،امریکی اور پاکستانی فوجی تھے

جنہوں نے مشترکہ طور پر آپریشن کیا اور گھر پر پاکستانی وامریکی فوجیوں نے مل کر حملہ کیا تھا۔ اسامہ بن لادن کو پاکستانی فوج نے اپنے پاس رکھا جب ریٹ بڑھ گے تو سودا کر لیا گیا۔ انہوں نے آنکھوں دیکھی صورتحال بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ہیلی کاپٹروں سے اتر کر فوجیوں نے جب گھر پر حملہ کیا تو گھر میں موجود بھائیوں نے ان کے ساتھ زبردست جھڑپ کرتے ہوئے ان کا مقابلہ کیا۔ حملہ آور پاکستانی فوجی اور امریکی فوجی بہت بڑی تعداد میں تھے اور انہوں نے گھر کا چاروں اطراف سے محاصرہ کرکے سارے علاقے کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔انہوں نے مزید بتایا: "فوجی گھر میں بڑی تیزی کے ساتھ داخل ہوئے اور جھڑپ کے آغاز میں ہی شیخ اسامہ بن لادن نے اپنے ہتھیار پکڑتے ہوئے کمرے میں موجود کھڑکی سے ان کا مقابلہ کرنا شروع کردیا۔ اس دوران اچانک ایک گولی آکر ان کے چہرہ کی طرف سے سر میں لگی جس سے وہ فوراً شہید ہو کر گرگئے اور ان کی روح اپنے خالق کی طرف پرواز کر گئی۔"انہوں نے بتایا کہ: "یہ اللہ تعالی کی طرف سے شیخ کے اوپر خاص رحمت تھی کہ شیخ کا جھڑپ کرنے اور ان کی شہادت کے دوران صرف چند منٹ لگے۔ یہاں تک کہ جب ان کو گولی لگی تو وہ بغیر کسی تاخیر کے فوراً شہید ہوگئے۔ اللہ ان پر رحم کرے۔امریکی گھر میں داخل ہونے کے بعد کمرے میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ شیخ شہید ہو چکے ہیں۔ وہ فوراً شیخ کی لاش کو لے کر ہیلی کاپٹر کی طرف روانہ ہوئے اور شیخ کی لاش کے ساتھ امریکی میرینز کے افسران ہیلی کاپٹر میں سوار ہوئے۔ انہوں نے ہیلی کاپٹر کو جلدی

سے اڑایا، مگر اڑنے کے کچھ دیر بعد ہی ہیلی کاپٹر دھماکے سے تباہ ہوگیا اور اس میں سے کچھ باقی نہیں بچا۔ ہیلی کاپٹر میں جو سوار تھے، ان میں سے بھی کوئی زندہ نہیں بچا اور ان سب کے صرف جسموں کے ٹکڑے اور چیتھڑے ملے جبکہ ہیلی کاپٹر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوگئے۔ انہوں نے بتایا کہ: "اسی وجہ سے شیخ کی شہادت اور ان کی لاش کی خبر کو چھپایا گیا کیونکہ اوباما اور وائٹ ہاؤس والے کارروائی کو براہ راست دیکھ رہے تھے اور ہیلی کاپٹر کے دھماکے سے تباہ ہونے کی وجہ سے ان کے چہرے پر خوف اور حیرانگی کے اثرات نمایاں تھے۔ وہ شیخ کی لاش کو صحیح وسلامت لے کر جانا چاہتے تھے تاکہ وہ دنیا کو دکھا سکیں کہ شیخ رحمہ اللہ ان کے سامنے شہید پڑے ہوئے ہیں اور اس طرح وہ یہ ثابت کر سکیں کہ وہ کامیاب ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالی نے ان کے منصوبوں کو خاک میں ملایا اور ان کو ذلیل ورسوا کرتے ہوئے ان کی تدبیر کو ان ہی کے اوپر لٹادیا۔ اس وجہ سے انہوں نے سمندر کے اوپر شیخ کے شہید ہونے کا جشن منایا اور شیخ کے جسد مبارک کو سمندر برد کرنے کا ڈرامہ رچایا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی نے شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ کو زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں دشمنوں کی سازشوں سے محفوظ رکھا۔"

یہ خیال رہے اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ شیخ اسامہ کو شہید کرنے کے بعد ایک امریکی ہیلی کاپٹر ان کے گھر کے قریب تباہ ہوگیا تھا جس کو بعد میں

پاکستان نے محفوظ بھی کرلیا تھا اور اس تباہ شدہ ہیلی کاپٹر کی متعدد تصاویر آج بھی انٹر نیٹ پر دستیاب ہیں۔ اس بارے میں یہ کہا جاتا رہا کہ یہ ہیلی کاپٹر آپریشن سے پہلے ہی تباہ ہوگیا تھا۔ بعد میں کہا گیا کہ اسے کمپاؤنڈ میں موجود حملہ آوروں نے تباہ کیا تھا لیکن یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ شیخ اسامہ اسی میں موجود تھے۔ یہ بھی واضح ہو کہ جون دوہزار بارہ کو اسامہ بن لادن کے خاندان سے تفتیش کرنے والے ایک پاکستانی تفتیشی افسر نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ اسامہ کی بیواؤں نے انہیں بہت سے راز کی باتیں نہیں بتائیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اسامہ کو اپنی زندگی میں اپنی بیگمات پر بہت بھروسہ تھا اور بیویوں نے بھی دنیا کو مطلوب اپنے شوہر کے ساتھ بدعہدی اور بے وفائی نہیں کی۔ اسامہ کی تمام بیویاں نہایت وفا شعار ثابت ہوئیں۔ انہوں نے دوران تفتیش بہت سے رازوں سے پردہ اٹھانے سے انکار کردیا تھا۔ برطانوی خبر رساں ایجنسی "رائیٹرز" کی رپورٹ کے مطابق پاکستانی تفتیش کار جس کی شناخت ظاہر نہیں کی گئی، اس کا کہنا ہے کہ اسامہ کے قتل کے بعد ان کی زیر حراست بیواؤں سے کئی پہلوؤں سے تفتیش کی گئی، وہ کبھی کبھار نرمی اور لچک کا مظاہرہ کرتیں لیکن اکثر و بیشتر ان کا طرز عمل "کچھ نہ بتانے والا" ہوتا۔ پاکستانی خفیہ اداروں کے کسی تفتیش کار کا یہ بیان ایک ایسے وقت میں سامنے آیا تھا جب پہلے ہی ایک دوسرے تفتیش کار نے یہ انکشاف کیا تھا کہ اسامہ اپنی ایک بیوی کی بے وفائی کے باعث مارے گئے۔ تفتیش کار کا کہنا تھا کہ جب انہوں نے

یمنی نژاد بیوہ امل السادہ سے سوال جواب شروع کیے تو اس نے سخت برہمی کا اظہار کیا، جس سے انہیں اندازہ ہوا کہ وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ دیگر دو سعودی نژاد بیویوں سے جب سوال پوچھے جاتے تو ان کی جانب سے بھی نہایت مایوس کن طرز عمل کا سامنا کرنا پڑتا کیونکہ وہ بیشتر سوالوں پر خاموش رہتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اسامہ کی بیوائیں جب آپس میں بیٹھتیں تو نہایت ہمدردی اور محبت سے ایک دوسرے سے باتیں کرتیں۔ میں نے جب بھی امل السادہ سے کچھ پوچھنا چاہا تو اس نے ہمیشہ غصے کے انداز میں اس کا جواب دیا۔ تفتیشی اہلکار کا مزید کہنا تھا کہ دوران تفتیش اسامہ کی بیواؤں کا رویہ غیر لچک دار رہا، جس کے باعث ان کے ذہنوں میں کھٹکنے والے کئی سوالوں کے جواب تشنہ رہے ہیں۔

شام میں مقدس مقامات کی بے حرمتی

عالم اسلام ایک عرصے سے بے چینی و اضطراب کی کیفیت میں مبتلا ہے۔ ہر چڑھتے سورج کے ساتھ اس اضطراب کی شدت و حدت میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ مستقبل قریب میں ان حالات کے سدھرنے کی مدہم سی امید بھی سدھائی نہیں دیتی۔ عالم اسلام کے حالات خراب کرنے میں ہمیشہ بیرونی قوتوں نے کردار ادا کیا ہے کیونکہ وہ کسی بھی اسلامی ملک کو طاقتور اور پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتیں۔ بیرونی قوتیں اسلامی ممالک میں کھل کر کھیل کھیل رہی ہیں۔

شام کو ہی لے لیجیے۔ گزشتہ دو سال سے شام میں خانہ جنگی جاری ہے۔ اس خانہ جنگی میں تمام بیرونی قوتیں شامیوں کو استعمال کر رہی ہیں۔ اپنے مفادات کی خاطر روس اور چین بشار الاسد کی حکومت قائم رکھنے پر تلے ہوئے ہیں جبکہ امریکا اور اسرائیل اسے ختم کرنے کے درپے ہیں۔ ایران، حزب اللہ اور عرب ممالک پرانی رقابت اور مسلکی بنیادوں پر اس لڑائی کے فریق بنے ہوئے ہیں۔ شام میں اس وقت تین قسم کے گروہ برسرپیکار ہیں۔ پہلا گروہ تو بشار الاسد کی حکومت اور فوج کا ہے۔ چین، روس اور ایران اس گروہ کی مدد کر رہے ہیں۔ دوسرا گروہ حزب اختلاف کا ہے، جو لبرل ہے۔ یہ گروہ بشار الاسد کی حکوت سے چھٹکارہ

حاصل کرنا چاہتا ہے۔ امریکا، اسرائیل اور عرب ممالک اس کی پشت پر ہیں۔ جبکہ تیسرا کٹر مذہبی گروہ القاعدہ کا ہے۔ اگرچہ کوئی ملک اس کی پشت پر نہیں ہے بلکہ امریکا نے حزب اللہ کی طرح القاعدہ (النصرۃ) کو بھی دہشت گرد قرار دیا ہے، لیکن القاعدہ کا گروہ بھی چونکہ بشارالاسد کی حکومت ختم کرنے کے لیے لڑ رہا ہے اس لیے حزب اختلاف اور القاعدہ کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون چلتا رہتا ہے۔ عرب ممالک، امریکا اور اسرائیل کی جانب سے ملنے والی امداد ان کے حصے میں بھی آتی ہے۔ ورنہ القاعدہ کا مقصد تو الگ سے اپنی حکومت قائم کرنا ہے۔

شام میں دو سال سے جاری قتل عام میں ہر ملک اپنے مفاد کو سامنے رکھے ہوئے ہے۔ کسی ملک نے اس خانہ جنگی کو رکوانے کی کوئی سبیل نکالنے کی کوشش تک نہیں کی۔ شام میں جاری کشیدگی کے باعث ایک لاکھ سے زائد افراد مارے جا چکے ہیں۔ ہر ماہ تقریباً پانچ ہزار افراد قتل کیے جا رہے ہیں۔ صرف رواں سال کے آغاز سے اب تک شام سے اٹھارہ لاکھ افراد نقل مکانی کر چکے ہیں جو اوسطاً یومیہ چھ ہزار افراد پر مشتمل ہے۔ اس قدر نقصان کے باجود بھی بیرونی قوتوں نے بس نہیں کی بلکہ وہ پوری طرح "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ انہوں نے اسلامی ممالک کو آپس میں لڑا کر اس قدر کمزور کر دیا ہے کہ جب چاہیں اسلامی ممالک پر قبضہ کر سکتے ہیں۔ وہ مسلسل عالم اسلام کو بے

سکونی کی کیفیت میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں۔ بے سکون اور بے چین عالم اسلام ہی ان کے مفاد میں ہے۔

اگر شام یں گزشتہ دنوں رونما ہونے والے واقعات پر نظر ڈالی جائے تو ساری حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ پہلے گوشہ جگر بی بی فاطمۃ الزہرا کی صاحبزادی اور نواسی رسول بی بی زینب کے روضہ مبارک کو مسمار کرنے کی کوشش کی گئی، جس کا الزام ایک عقیدے کے لوگوں پر لگایا گیا اور مخالف فرقے کے لوگوں کے خلاف نفرت کو ہوا دی گئی۔ ابھی اس حوالے سے احتجاج جاری اور صدمہ تازہ ہی تھا کہ صحابی رسول اور نڈر سپہ سالار اسلام کے روضہ مبارک اور ملحق مسجد کو بھی شہید کر دیا گیا، جسے دوسرے عقیدے کے لوگوں کی طرف منسوب کیا گیا، جس سے ایک دوسرے کے خلاف نفرت کا جنم لینا ایک فطری عمل ہے۔ ان عظیم ہستیوں کے مزاروں پر بمباری کا مقصد مسلمانوں کو کمزور کرنا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ نواسی رسول سیدہ زینب اور جلیل القدر صحابی رسول (رض) کے مزارات پر حملے دراصل مسلمانوں کی اجتماعیت پر حملہ ہے۔ یہ واقعات امت مسلمہ کے اندر انتشار و افتراق پھیلانے اور فرقہ وارانہ و مذہبی ہم آہنگی کو ختم کرنے کی سازش ہے۔ سامراجی قوتیں اور مسلم دشمن طاقتیں امت مسلمہ کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کرنا چاہتی ہیں اور مسلمانوں کی غیرت و حمیت کا امتحان لے رہی ہیں۔ ایک دوسرے سے متنفر کرنے کے لیے گھٹیا حربے

استعمال کیے جا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ اس قدر منظم انداز میں ترتیب دیا گیا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ پورا عالم اسلام اس سوچ میں مبتلا ہے کہ کیا کوئی مسلمان ایسی حرکت بھی کر سکتا ہے؟۔

دراصل دشمن طاقتیں مسلمانوں کو ہیجانی کیفیت میں مبتلا کرکے عالم اسلام کو ایک ایسے بحران کی طرف دھکیلنا چاہتی ہےں جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ دشمن کا مقصد یہ ہے کہ ان واقعات سے ایسا اشتعال پیدا ہو کہ تمام اسلامی ممالک میں لوگ ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑے ہو جائیں۔ حالانکہ ہر مسلک کے نزدیک قبروں کی بے حرمتی کرنا حرام ہے اور جن شخصیات کے مزارات کو نقصان پہنچایا گیا ہے وہ شخصیات بھی سب کے نزدیک معتبر ہیں۔ سیدہ زینب قیامت تک کی مظلوم انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں جبکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جہاد کے وہ امام ہیں جن کو خود آپ علیہ السلام نے سیف اللہ کا لقب دیا۔

اگر بیرونی قوتوں کو نظر انداز کرکے یہ بات مان لی جائے کہ ان دونوں واقعات میں شام میں لڑنے والے گروہ ہی شامل ہیں جیسا کہ کہا جا رہا ہے تو پھر اسلام دشمن طاقتوں کو برا بھلا کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کا مقصد تو خود ہی پورا کر دیا ہے۔ یہ عمل اسلام دشمن قوتوں کی حقیقی ترجمانی ہے۔ اس سے بڑھ کر پست ذہنی و اخلاقی کا مظاہرہ اور کیا ہوگا کہ اپنی لڑائی میں اپنی

ہی مقدس شخصیات کو نشانہ بنانا شروع کر دیا جائے۔ یہ واقعہ سب کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ باہمی لڑائی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے مزارات بھی محفوظ نہیں رہے، آپس کی لڑائیاں بطور امت مسلمانوں کو کمزور کر رہی ہیں، مقدس مقامات کی بے حرمتی مابین اتفاق و اتحاد کے رویوں کی نفی کر رہی ہے۔

تمام اسلامی ممالک کو چاہیے کہ کسی طرح شام میں جاری خانہ جنگی کا کوئی سد باب نکالا جائے۔ آپس کے اختلافات سے بہت نقصان پہنچ چکا ہے۔ دنیا کے قدرتی وسائل کا 60 سے 70 فیصد حصہ مسلمان ملکوں میں ہے لیکن پھر بھی مسلمانوں کی حالت نہایت پتلی ہے۔ 57 اسلامی ممالک پر مشتمل آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس کا کردار قابل رحم ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں کا کوئی مسئلہ سامنے آتا ہے تو او آئی سی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے خاموش تماشائی کا کردار نبھاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کے برعکس صرف 27 ممالک پر مشتمل یورپین یونین ہر موڑ پر اپنے ممالک کا مکمل ساتھ دیتی ہے۔ دشمن آج بھی اپنی پرانی روش پر کاربند ہے کہ " لڑاؤ اور حکومت کرو"۔ سامراجی قوتیں یہی طریقہ کار استعمال کر کے عالم اسلام کے قدرتی وسائل پہ قبضہ جمانے کی خواہاں ہیں اور مسلمان دنیا بھر کی سب سے زیادہ قدرتی وسائل اور سب سے زرخیز زمین رکھنے کے باوجود ان سامراجی قوتوں کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے ہیں۔ اب

وقت آگیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے ناپاک عزائم کو سمجھنا ہوگا، ورنہ اسی طرح سے تحقیر وتذلیل کا نشانہ بنتے رہیں گے۔

عراق میں جہادی سات ہزار قیدی چھڑوالے گئے

عراق کی ابو غریب جیل کا نام تو آپ نے سنا ہی ہوگا بلکہ اس خوفناک او بدنام زمانہ جیل کا نام سن کر شاید آپ کانپ بھی گئے ہوں۔بغداد کے مغرب میں واقع 280 ایکڑ پر محیط اس جیل میں قیدیوں سے ہر انسانیت سوز سلوک کیا جاتا رہا۔ 2004 میں امریکی فوجیوں کی جانب سے عراقی قیدیوں سے انسانیت سوز سلوک اور ان کی عریاں تصاویر میڈیا کے ذریعے عام ہونے کے بعد ایک عالمی اسکینڈل کا موضوع بنی رہی۔ قیدیوں سے ناروا سلوک کی ننگی تصاویر منظر عام پر آنے کے بعد عراق میں مزاحمتی سرگرمیوں اور امریکا کے خلاف نفرت میں اضافہ ہوا تھا۔ یہاں ہونے والے ظلم کی داستانیں سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ کا اس جیل میں ہونے والے ظلم کے بارے میں کہنا تھا کہ اس حوالے سے سینکڑوں ایسی تصاویر اور ویڈیوز دیکھی گئی ہیں جن میں ٹارچر کے ایسے نئے طریقے سامنے آئے ہیں جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے۔ اپنے حلفیہ بیانات میں عراقی قیدیوں نے بتایا کہ انہیں مارا پیٹا گیا اور جنسی طور پر ذلیل کیا گیا۔ انہیں سور کا گوشت کھانے اور شراب پینے پر مجبور کیا گیا۔ ایک تصویر میں دکھایا گیا کہ انسانی نجاست سے لتھڑے ہوئے ایک قیدی

کو راہداری میں چلایا جا رہا ہے۔ ایک قیدی جس کے چہرے پر غلاف چڑھا ہوا ہے، تقریباً بے ہوش ہونے والا ہے اور ایک قیدی زمین پر گرا ہوا ہے اور اسے ایک امریکی فوجی مار رہا ہے۔ ایک ویڈیو میں ایک قیدی کو جیل کے دروازے کی سلاخوں سے باندھا دکھایا گیا۔ وہ بار بار اپنا سر سلاخوں میں مارتا ہے اور بالآخر بے ہوش ہو کر کیمرہ مین کے پیروں پر گر جاتا ہے۔ امین سعید الشیخ نامی ایک قیدی کا کہنا تھا کہ ایک امریکی سپاہی نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز پر یقین ہے؟ قیدی نے کہا کہ اسے اللہ پر یقین ہے۔ امریکی فوجی نے کہا لیکن مجھے تو ٹارچر پر یقین ہے اور میں تمہیں ٹارچر کروں گا۔ اس پر ایک اور سپاہی نے اس کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر ضربیں لگائیں اور اسے اسلام کو گالیاں دینے پر مجبور کیا۔ کئی قیدیوں نے بتایا کہ جیل پہنچنے پر انہیں ننگا کیا جاتا تھا۔

ابو غریب جیل میں ہونے والے بے شمار انسانیت سوز مظالم کے منظر عام پر آنے کے بعد امریکی عوام بھی کہہ اٹھے کہ عراقی قیدیوں پر تشدد نہایت ہی بہیمانہ حرکات ہیں۔ ہم امریکی اس پر بہت ہی شرمسار ہیں۔ ایک امریکی کا کہنا تھا کہ عراقی قیدیوں پر تشدد میں سپاہیوں اور افسروں سے زیادہ بہت ہی اوپری سطح پر بیٹھے ہوئے ملوث ہیں اور ان لوگوں میں رمز فیلڈ اور بش جیسے لوگ بھی آ جاتے ہیں۔ خود امریکی صدر بش نے ابو غریب جیل میں قیدیوں پر ہونے والے تشدد کو

افسوسناک قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ ابو غریب جیل میں قیدیوں پر ہونے والے تشدد کے منظر عام پر آنے سے امریکا کی ساکھ متاثر ہوئی ہے۔ قیدیوں سے بدسلوکی کے اسکینڈل کے بعد امریکی حکام نے 2006 میں ابو غریب جیل کو بند کر دیا تھا۔ اس کے بعد غالباً 2009 میں اس جیل کو عراق کے دارالحکومت بغداد کے قریب تزئین اور تعمیر نو کے بعد نئے نام کے ساتھ دوبارہ کھول دیا گیا تھا جس میں 12 سے 15 ہزار قیدی رکھنے کی گنجائش موجود تھی۔

گزشتہ دنوں عراقی مجاہدین نے عراق میں انہی ابو غریب اور تاجی جیلوں پر حملے کر کے سات ہزار قیدیوں کو رہا کرا لیا ہے۔ عراق میں فورسز نے کئی برس سے گرفتار قیدیوں کو جیلوں میں تشدد و تعذیب اور سزائے موت دینے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ عراق میں جہادیوں کے امیر ابو بکر البغدادی نے گزشتہ برس جولائی 2012 میں ایک آڈیو بیان جاری کر کے جہادیوں سے جیلوں کی دیواریں گرا کر قیدیوں کو آزاد کرانے کے لیے سرگرم ہونے کا اعلان کیا تھا۔ پورے ایک سال بعد 21 جولائی 2013 رمضان المبارک کی تیرہویں رات کو رات کے 9 بجے عراقی مجاہدین نے بیک وقت عراق کی سب سے سخت سیکورٹی والی دو جیلوں "بغداد المرکزی جیل (ابو غریب) اور الحوت جیل التاجی)" پر زبردست حملہ کیا۔ بارود سے بھری ہوئی 12 گاڑیوں کو چلاتے ہوئے جیلوں کے مرکزی دروازوں اور بیرونی دیواروں کے پاس لے کر گئے، جہاں ان گاڑیوں کو دھماکوں سے اڑا کر حملہ آوروں

کے لیے راستہ صاف کیا گیا۔ اسی دوران مجاہدین نے دونوں جیلوں کی طرف جانے والی مرکزی شاہراہ اور سڑکوں (بغداد ابو غریب سڑک اور بغداد موصل سڑک) پر واقع تمام چیک پوسٹوں اور ناکوں پر حملہ کرکے فوجی اہلکاروں کو نشانہ بناتے ہوئے ان میں سے بعض کو ہلاک کردیا جبکہ بعض جان بچاتے ہوئے بھاگ گئے۔ اس کے بعد مجاہدین نے جیلوں کی طرف جانے والی سڑکوں کو بلاک کرتے ہوئے فوج کی زمینی سپلائی اور امدادی لائن کاٹ کر پورا ایریا اپنے کنٹرول میں کرلیا جبکہ پولیس کی مدد کے لیے آنے والے فضائی فوجی طیاروں کو بھی نشانہ بناکر ان کی نقل وحرکت کو بھی مفلوج کردیا۔

اس کے ساتھ ہی مجاہدین نے دونوں جیلوں کے قریب واقع حکومتی فوج کے دو فوجی کیمپ المثنی برگیڈ اور التاجی کیمپوں پر میزائلوں اور مارٹر گولوں سے حملے کرنا شروع کردیے۔ اس طرح فورسز کی تمام زمینی وفضائی نقل وحرکت کو مجاہدین نے مکمل طور پر مفلوج بنادیا۔ اس کے بعد حملہ آوروں نے دونوں جیلوں میں گھستے ہوئے تمام پہرے دار فوجی اہلکاروں سے جھڑپ کرنا شروع کردی۔

اطلاعات کے مطابق مجاہدین نے کارروائی سے پہلے ہی قیدیوں کو اسلحہ، بارودی جیکٹیں اور ہتھیار پہنچادیے تھے۔ اس کارروائی کے آغاز کے ساتھ ہی قیدیوں نے جیل کے اندر سے ہی حملہ کرکے جیل کی تمام عمارتوں اور فوجی پوائنٹوں پر کھڑے تمام فوجی اہلکاروں اور جیلروں کو ہلاک کردیا تھا۔ اس طرح مجاہدین نے

دونوں جیلوں کا کنٹرول سنبھال کر 7000 سے زائد مسلم قیدیوں کو رہا کروایا جبکہ امریکی و حکومتی افواج اپنی تمام زمینی قوت اور فوجی طیاروں کا استعمال کرنے کے باوجود بھی مجاہدین کو ناکام کرنے میں ناکام رہی۔ اس کارروائی میں مجاہدین نے دونوں جیلوں میں سے 500 سے زائد ایسے بہترین تربیت یافتہ جنگجو قیدیوں کو رہا کرایا ہے، جو عرب خطے کے سب سے بہترین شہسوار ہیں۔ ان 500 جنگجوؤں اور دیگر تمام قیدیوں کو محفوظ مقام پر منتقل کر دیا گیا ہے۔ اس کارروائی میں دونوں جیلوں پر تعینات حکومتی فوج کے 120 سے زائد اہلکاروں کو ہلاک کیا اور بیسیوں کو زخمی کیا۔ اس کارروائی میں جہادیوں نے بڑی تعداد میں اسلحہ بھی چھینا جبکہ جیل کی عمارتوں کو تباہ اور فوجی گاڑیاں جن کو اپنی جگہ سے لیکر جانا ناممکن تھا، انہیں نذرِ آتش کر دیا۔

مغربی مبصرین اس کارروائی کو القاعدہ کی نائن الیون سے بھی زیادہ بڑی کارروائی قرار دیں رہے ہیں کہ جس میں القاعدہ نے تمام افواج، اس کے جہازوں اور تمام جنگی سازوسامان کو ناکارہ بنا کر قیدیوں کو انتہائی سخت سیکورٹی والے فوجی ایریے سے نکال کر لے گئے اور افواج گھٹنے ٹیکنے کے سوا کچھ کرنہ پائیں۔ انٹرپول نے رہا ہونے والے قیدیوں میں سزائے موت کے 2006 اور 2007 سے قید مطلوب ترین مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے مجاہدین کے رہا ہونے پر عرب خطے میں سیکورٹی ہائی الرٹ کرتے ہوئے انہیں عالمی امن کے لیے خطرہ قرار دیا

ہے۔ عراق کی وزارتِ داخلہ کا کہنا ہے کہ بغداد کے قریب واقع دو جیلوں پر حملے اور اس کے نتیجے میں قیدیوں کے فرار ہونے کے واقعات میں جیل محافظین ملوث تھے۔ وزارتِ داخلہ کی ویب سائٹ پر جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ جہاں حملہ آوروں نے باہر سے جیلوں پر مارٹر گولے برسائے، وہیں جیل کے اندر قیدیوں نے بلوہ کر دیا تھا۔ عراقی پارلیمان کے سینیئر رکن حکیم الزمیلی کا کہنا تھا کہ فرار ہونے والوں میں سے بیشتر القاعدہ کے اہم ارکان تھے جنہیں سزائے موت سنائی گئی تھی۔ انٹرنیٹ پر جاری کیے گئے ایک بیان میں القاعدہ کا کہنا ہے کہ یہ حملہ قیدیوں کو رہا کروانے اور عدلیہ کے اہلکاروں کو نشانہ بنانے کے سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ القاعدہ کے بیان میں کہا گیا ہے کہ تنظیم نے ان حملوں کی تیاری میں کئی ماہ لگائے اور فرار ہونے والوں میں تقریباً پانچ سو افراد تنظیم سے تعلق رکھنے والے تھے۔

مصر میں قتل عام کسی بڑے بحران کا پیش خیمہ بن سکتا ہے

جون 2013 کو مصر کی منتخب حکومت کا ایک سال مکمل ہوا ہی تھا کہ مصری عوام کو ایک بار پھر فوجی آمروں اور عالمی استکباری قوتوں کے نرغے میں دے دیا گیا۔ اس دن سے آج تک مصر کے گلی کوچوں میں روزانہ عوام کا خون بے دریغ بہایا جارہا ہے۔ جو لوگ امریکی سرپرستی میں کی گئی فوجی بغاوت کے خلاف آواز بلند کررہے ہیں ان کو ریاستی جبر کا سامنا ہے۔ فرعون کی جانشین کہلانے والی مصری فوج نے صرف ایک دن میں تقریباً دوہزار سے زائد اسلام پسندوں کو شہید اور دس ہزار سے زائد کو زخمی کردیا ہے۔ اس وحشیانہ کارروائی سے چند روز قبل ہی مصری فوج نے احتجاج میں شریک افراد پر فائرنگ کرکے تین سو سے زائد افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھااور ہزاروں کو زخمی کردیا تھا۔ اس سارے قضیے میں مصر کی فوج، سیکولر قوتیں، مصر کی سلفی جمہوری جماعتیں اور ان کی پشت پناہی پر امریکا، اسرائیل، یورپین یونین اور کئی عرب ممالک ہیں۔ یہ تمام کردار اس وقت ایک فرنٹ پر جبکہ اخوان المسلمین کے ساتھ بعض اسلامی جماعتیں دوسرے فرنٹ پر ہیں۔

واضح رہے کہ آج سے لگ بھگ تین سال پہلے خطہ عرب (مشرق وسطیٰ) کے عوام اپنے اوپر مغرب کی طرف سے مسلط کردہ آمروں کے خلاف نفرت کی انتہا تک پہنچ چکے

تھے اور اس نفرت کے ساتھ ساتھ ان میں کچھ کرنے کا عزم بھی پیدا ہو چکا تھا۔ مغرب عوام کے دلوں میں بڑھتی ہوئی نفرت کا رخ موڑنے کے لیے سازشیں بن رہا تھا تاکہ چہرہ بدل کر عوام کے غصے کو ٹھنڈا کیا جاسکے اور اپنا پرانا ایجنڈا نئے چہروں کے ذریعے جاری رکھا جاسکے لیکن اسی دوران تیونس سے اٹھنے والی تحریک بیداری نے پورے خطے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ نتیجتاً تیونس کے بعد مصر کے آمر کو بھی ایوان اقتدار چھوڑنا پڑا لیکن اس آمر کی مشینری یا دوسرے لفظوں میں اسٹیبلشمنٹ اپنا کام کرتی رہی۔ فوج، سیکورٹی آپریٹس، پولیس، خفیہ ادارے اور ان کے ساتھ ساتھ عدلیہ پرائیویٹ میڈیا اور بیوروکریسی کی ہمدردیاں اسی طبقے کو حاصل رہیں۔ جبکہ مصر میں، گزشتہ دو سال کے عرصے میں کل چھ مرتبہ عوام کو پولنگ اسٹیشنوں کا منہ دیکھنا پڑا۔ پہلی مرتبہ مارچ 2011 میں پھر نومبر 2011 اور جنوری 2012 میں جب ایوان زیریں اور ایوان بالا میں عوام نے اسلام پسندوں کو بالترتیب 73% اور 80% کے ساتھ کامیابی دلوائی اور بالآخر جون 2012 میں اخوان المسلمین کے محمد مرسی نے اسٹیبلشمنٹ کے احمد شفیق کو شکست سے دوچار کیا اور ملک کے پہلے جمہوری صدر بننے کا اعزاز حاصل کرلیا۔ اس تمام عرصہ میں اخوان المسلمین نے امریکا کے ساتھ اپنے تعلقات اچھے بنا کر رکھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ امریکا نے ہمیشہ جمہوریت کی رٹ لگائے رکھی ہے۔ مصر کے بارے میں بھی امریکا کا زور ہمیشہ اس نکتے پر رہا ہے کہ جمہوری اقدار کو جڑ پکڑنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ اِسی

صورت مصر میں بہتر حکمرانی کا تصور فروغ پا سکتا ہے۔اخوان نے اسی نظریے کے تحت بہت سی باتوں میں امریکا کی ہاں میں ہاں ملائی۔امریکا کی جانب سے جمہوریت کی اس حد تک حمایت کے باوجود جب سے صدر مرسی کی قیادت میں اخوان المسلمین عام انتخابات میں فتح مند رہی ہے، امریکا کو سخت تشویش تھی کہ صدر مرسی کی حکومت اہم امور میں امریکا کی پالیسیوں سے الگ اور مختلف راہ اختیار کرے گی۔اس دوران امریکا چاہتا تھا کہ اقتدار میں دوسری جماعتوں کی شراکت کے ذریعہ صدر مرسی کے اختیارات کم کیے جائیں لیکن چونکہ اخوان المسلمین کو پچاس فی صد سے زیادہ ووٹروں کی حمایت حاصل تھی لہٰذا اخوان کو اقتدار میں دوسری جماعتوں کو شریک کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور دوسری جماعتیں بھی سیاسی مصلحتوں کے تحت اخوان کی حکومت میں شامل ہونے کے لیے آمادہ نہیں تھیں۔ بالاخر امریکا نے فوقیت اسی بات کو دی کہ صدر مرسی کو اقتدار سے ہٹا دیا جائے۔امریکا کو جمہوری طریقے سے آئی حکومت بھی برداشت نہ ہوئی اور منتخب حکومت کو گرانے میں بھرپور کردار ادا کیا۔مصر کی جمہوری حکومت کے خلاف فوجی بغاوت کے بارے میں امریکا کا کہنا تھا کہ مصری فوج نے یہ سب کچھ جمہوریت کی بقا کے لیے کیا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ مصر میں ہونے والی " فوجی بغاوت " مغربی طاقتوں کی نظر میں فوجی بغاوت نہیں ہے کیونکہ یہ ایک اسرائیل کے پڑوس میں ایک مسلمان ملک میں حکومت کا خاتمہ ہے۔ایک برطانوی نامور جریدے نے کہا کہ یہ شاید دنیا (Robert Fisk) میں رابرٹ فسک

کی واحد "فوجی بغاوت" ہے جو امریکا کے نزدیک فوجی بغاوت نہیں اس لیے اب مصر محفوظ ہاتھوں میں ہے اور جمہوریت، انسانی حقوق اور آزادیِ اظہار صرف اخباری کالموں اور ٹی وی ٹاک شوز تک محدود رہیں گے۔ انسانیت کے علمبردار اور جمہوریت کا واویلا کرنے والے ممالک بھی مصر میں اسلام پسندوں کی حکومت کے خاتمے پر خاموش تماشائی بنے رہے اور اب مصر میں فوج کی جانب سے اسلام پسندوں کے خلاف کیے جانے والے ظلم پر بھی سب نے چپ سادھ لی ہے۔ امریکا، اسرائیل، مصری فوج اور مصری فوج کی حمایت کرنے والے اس بات سے نابلد ہیں کہ جب ظلم حد سے بڑھ جاتا ہے تو انتقامی جذبات جنم لیتے ہیں۔ مصر کے اسلام پسند تو اپنے مقصد پر اب بھی ڈٹے ہوئے ہیں، اخوانیوں نے ایک بار حکومت کی تنبیہ کو نظر انداز کر دیا ہے اور ایک بار پھر دھرنے دینے کے لیے جمع ہونا شروع ہوگئے ہیں۔ مصر کے دارالحکومت قاہرہ کے مختلف حصوں میں اخوان المسلمین کے حامی ریلیاں نکال رہے ہیں اور سیکورٹی فورسز کے خلاف نعرے لگا رہے ہیں، مصری فوج کے خلاف ان کے دل میں چھپی نفرت ان کے نعروں اور مظاہروں سے دیکھی جاسکتی ہے۔ القاعدہ بھی امریکا و اسرائیل کے خلاف انتقامی جذبات کی شکل میں منظر عام پر آئی تھی۔ دنیا جانتی ہے کہ جب جمال عبدالناصر کے دور میں اخوان پر پابندی لگائی گئی تو اس پابندی نے بہت سے پرامن اخوانیوں کو مصر میں حکومت کی تبدیلی کے لیے سیاسی جدوجہد کی بجائے مسلح جدوجہد کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا اور بہت سے اخوانی پر تشدد القاعدہ کی شکل میں سامنے آئے۔

امریکا اور اس کے ٹاؤٹ ایک بار پھر یہی غلطی کر رہے ہیں جس کے نتیجے میں دنیا بھر کے اسلام پسندوں میں تشدد کے جذبات جنم لیں گے۔ مصری فوج نے جمہوری طریقے سے اپنے مطالبات منوانے والے اسلام پسندوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ کر مجاہدین کے اس موقف کو سچا ثابت کر دیا کہ جمہوریت کے ذریعہ تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔ اسلام پسندوں کو عسکریت کی جانب مائل کرنے کے حوالے سے صومالیہ کے جنگجو گروپ الشباب کا بیان کافی اہمیت رکھتا ہے۔ مصر میں فوجی بغاوت کے دوسرے روز ہی صومالیہ کے جنگجو گروپ الشباب نے اپنے بیان میں کہا تھا: "مصر میں رونما ہونے والے واقعات سے ظاہر ہے کہ اقتدار جمہوریت سے نہیں بلکہ طاقت سے حاصل ہوتا ہے۔ اسلام پسند اگر منتخب بھی ہوں تو انھیں حکومت کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اخوان المسلمین کو تاریخ سے تھوڑا بہت سیکھنے کی ضرورت ہے۔ ان سے قبل الجزائر میں (اسلام پسندوں) اور حماس کی منتخب حکومت کو چلتا کیا گیا تھا۔ اخوان المسلمین کب خواب غفلت سے بیدار ہوگی اور اسے اپنی کوششوں کے بے سود ہونے کا ادراک ہوگا۔" سوچنے کی بات ہے کہ اگر اسلام پسندوں کے بے تحاشہ قتل کے بعد تمام اسلامی ممالک کے اسلام پسند اپنے مطالبات منوانے کے لیے ہتھیار اٹھا لیتے ہیں تو ان کا مقابلہ کیسے کیا جا سکے گا، جب کہ اسلامی ممالک میں مسلح جدوجہد کرنے والوں کی تعداد کوئی کم نہیں ہے۔ اگر ان کی تعداد کم ہوتی تو ان کے خلاف جتنے اقدامات کیے جا چکے ہیں ان کو ختم ہو جانا چاہیے تھا لیکن لاکھ کوششوں کے باوجود بھی

انہوں نے حکومتوں کے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اگر ان میں مزید اضافہ ہو جائے
تو کس قدر بڑی قیامت برپا کریں گے۔ پوری دنیا سے صرف ایک القاعدہ کا مقابلہ کرنا
مشکل ہے اور اگر مصر میں اسلام پسندوں کے خلاف جارحانہ اور انتقامی کارروائیوں کی
وجہ سے ہر اسلامی ملک میں نئی القاعدہ جنم لے لیتی ہے تو اس کا ذمے دار کون ہوگا؟

ہم نے کیا ریل کا سفر

دو روز قبل کی خبر کے مطابق پاکستان ریلوے نے 500 نئی بوگیاں اور 50 نئے انجن خریدنے کا فیصلہ کیا ہے جس کے لیے وفاقی حکومت نے انجنوں کے لیے 2 ارب اور بوگیوں کے لیے پہلے مرحلے میں 50 کروڑ کے فنڈز جاری کر دیے ہیں۔ ذرائع کے مطابق ریلوے انجنوں کی خریداری پر کل 12 ارب روپے کی لاگت آئے گی۔ مجھے ذاتی طور پر اس خبر سے انتہائی زیادہ خوشی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس وقت پاکستان ریلوے کی حالت انتہائی پتلی ہے، آٹھ دس گھنٹے لیٹ ہونا ٹرینوں کا معمول بن چکا ہے، انتظامیہ کا کہنا ہے یہ سب کچھ انجنوں کی کمی کی وجہ سے ہے۔ ابتدا میں پاکستان ریلوے خاصا منافع بخش محکمہ تھا لیکن گزشتہ ایک دہائی یا اس سے کچھ زیادہ عرصے سے ریلوے شدید مشکلات میں گھرا ہوا محکمہ بن چکا ہے۔ اس کے ملازمین کی تعداد 80 ہزار سے زائد ہے جب کہ اسے مالی خسارے سے نکالنے کے لیے حکومت نے کئی "بیل آؤٹ" پیکیج بھی دیے لیکن محکمے کی اندرونی بدانتظامیوں کی وجہ سے اس کی حالت بہتر نہیں ہو سکی۔ اس کے مسائل کی وجہ کو حکومت کی عدم توجہ، جدید اور بہتر کارکردگی کے حامل انجنوں کی قلت سے اور مختلف نوع کی بد عنوانیوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔

پاکستان ریلوے کی قابل رحم حالت کا اچھی طرح اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب عید الفطر کے موقع پر میرا اپنے آبائی علاقہ میں جانا ہوا۔ سفر چونکہ کافی لمبا تھا اس لیے اپنی سہولت کو دیکھتے ہوئے میں نے سال رواں ہی میں شاندار افتتاح کرنے والی نجی شعبے کی ریل نائٹ کوچ کا انتخاب کیا۔ اس ریل کے بارے میں بہت سے لوگوں سے تعریفیں سنی تھیں، اس لیے ہم نے بھی سب سے زیادہ کرایہ ہونے کے باوجود اسی ریل میں سفر کرنے میں عافیت جانی اور عید سے تین ہفتے پہلے ہی ٹکٹ بک کروا لیا تھا۔ اس بات کی خوشی تھی کہ اچھی ٹرین کا ٹکٹ مل گیا ہے، جو سولہ، اٹھارہ گھنٹے میں منزل مقصود پر پہنچا دے گی۔ میں نے تین اگست کو روانگی اور چودہ اگست کو واپسی کا ٹکٹ ایک ساتھ کراچی سے ہی لے لیا تھا تاکہ بعد میں مشقت نہ ہو۔ دفتر سے احتیاطاً تین اگست کی چھٹی بھی لے لی تاکہ ریل کی روانگی کے وقت سے دیر نہ ہو جائے۔ تین اگست کے دن دوپہر بارہ بجے کے قریب بارش شروع ہو گئی، ہم نے اسٹیشن جانے کے لے چار بجے سہ پہر کے قریب ایک رکشا کرائے پر لیا اور تقریباً پانچ بجے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ بارش ابھی تک جاری تھی، نائٹ کوچ کے پلیٹ فارم پر مسافروں کے بیٹھنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ وہاں جا کر پتا چلا کہ ابھی تو اس سے پہلے روانہ ہونے والی کئی ٹرینیں بھی روانہ نہیں ہوئیں۔ ہم نے عصر کی نماز پڑھی۔ اتنی دیر میں چھ بج گئے لیکن چھ بجے ریل آنے کی بجائے اچانک میرے موبائل پر ایک میسج آیا جس میں کہا گیا "باکمال سروس، لاجواب لوگ" کا سلوگن رکھنے والی اس ٹرین سروس کی جانب سے

تھا کہ شام 6 بجے کینٹ اسٹیشن سے لاہور کے لیے روانہ ہونے والی نائٹ کوچ ٹرین اپنے مقررہ وقت سے لیٹ ہوچکی ہے لہٰذا گاڑی رات نو بجے روانہ ہوگی۔ ہم چونکہ روزے سے تھے، لہٰذا افطاری کا انتظام کرنے لگے اور ساتھ ساتھ نو بجنے کا انتظار کرنے لگے۔ ہم نے افطاری کی، مغرب کی نماز پڑھی اور تقریباً دو گھنٹے کے بعد عشا کی نماز پڑھی۔ اللہ اللہ کرکے نو بج گئے لیکن اس وقت ہماری خوشی خاک میں مل گئی جب ہم نے دفتر سے ٹرین کی روانگی کا وقت معلوم کیا اور انہوں نے بتایا کہ ٹرین ابھی تک پہنچی ہی نہیں، لہٰذا گیارہ بجے سے پہلے نہیں چل سکتی۔ اسٹیشن پر چونکہ مسافروں کے بیٹھنے کا کوئی خاص انتظام نہیں ہے اس لیے لوگ نیچے زمین پر ہی بیٹھے انتظار کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ ریلوئے انتظامیہ کو صلواتیں بھی سنا رہے تھے۔ رات گیارہ بجے ایک بار پھر انتظامیہ سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ٹرین ابھی تک نہیں پہنچی۔ مسافروں کے غصے کی انتہا نہیں تھی کیونکہ وہ شام چھے بجے سے بھی پہلے کے اسٹیشن پر آئے ہوئے تھے۔ تھکے ماندے مسافر کافی انتظار کے بعد مجبوراً زمین پر ہی لیٹ کر ٹرین کا انتظار کرنے لگے۔ رات کے دو بجے کے قریب پتا چلا کہ نائٹ کوچ اسٹیشن پر پہنچ چکی ہے، مسافروں کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ مسافر ریل کے چلنے کا انتظار کرنے لگے لیکنتین اگست شام چھ بجے روانہ ہونے والی نائٹ کوچ اگلے دن صبح ساڑھے تین بجے کراچی سے روانہ ہوئی۔ سبنے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ریل چل پڑی۔ ٹرین اتنی آہستہ چل رہی تھی کہ ایک گھنٹہ کا سفر چار گھنٹے میں طے

کر رہی تھی۔ٹرین نے ہمیں شام چار بجے کے قریب روہڑی پہنچایا۔ابھی گھوٹکی پہنچے ہی تھے کہ ٹرین کا انجن دم توڑ گیا۔انتظامیہ سے اس بارے میں مسافروں نے بات کی تو انہوں نے کہا کہ انجن کراچی سے آئے گا تو ریل چلے گی۔اس بات سے مسافر شدید غصے میں آ گئے۔ کیونکہ پہلے ہی اتنے زیادہ لیٹ تھے۔مسافروں نے شدید احتجاج شروع کر دیا۔ انتظامیہ اور مسافروں ہاتھا پائی کے بعد مجبوراً انتظامیہ کو گھوٹکی اسٹیشن پر کھڑا مال گاڑی کا ایک انجن لگا کر ٹرین کو چلانا پڑا۔ ریل آہستہ آہستہ چلتی رہی اور بالآخر اگلے دن صبح ساڑھے پانچ بجے فیصل آباد اسٹیشن پر پہنچی۔ ویسے فیصل آباد اسٹیشن پر اس کے پہنچنے کا مقررہ وقت گزشتہ دن صبح دس بجے تھا یہ مقررہ وقت سے صرف انیس گھنٹے دیر سے فیصل آباد پہنچی تھی۔

واپسی پر بھی مجھے اسی ٹرین میں سفر کرنا تھا کیونکہ میں نے کراچی سے ہی روانگی کے ساتھ واپسی کا ٹکٹ بھی خرید لیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ٹرین روز روز تو ایسا خوار نہیں کرے گی جیسا اس نے ایک بار کیا ہے لیکن میری تمام امیدوں پر واپسی کے موقع پر پانی پھر گیا۔ میں نے ٹرین کی روانگی کے مقررہ وقت سے تین گھنٹے پہلے ہی ریلوئے انتظامیہ کو فون کے کے روانگی کا وقت معلوم کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ ریلوئے انتظامیہ کے جتنے بھی میسر آئے ان پر فون کیا لیکن کسی نے فون ہی نہ اٹھایا، بالآخر ڈیڑھ گھنٹے کے بعد

فیصل آباد اسٹیشن کی انتظامیہ نے فون اٹھایا اور بتایا کہ نائٹ کوچ ابھی تک کراچی سے واپس ہی نہیں پہنچی۔ رات گیارہ بجے سے پہلے چلنا ممکن نہیں ہے۔ لاہور ریلوے اسٹیشن پر نائٹ کوچ انتظامیہ سے کافی دیر کے بعد رابطہ ہوا تو انہوں نے کہا کہ ٹرین رات ساڑھے گیارہ کے بعد چلنے کا امکان ہے۔ میں ساڑھے گیارہ بجے فیصل آباد اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ وہاں جا کر پتا چلا کہ ریل تو ابھی تک واپس نہیں پہنچی۔ کوئی پتا نہیں تھا کہ ٹرین کتنے بجے آئے گی اور کتنے بجے چلے گی۔ انتظامیہ کو بھی معلوم نہیں تھا۔ تمام مسافر شدت سے ٹرین کا انتظار کر رہے تھے۔ انتظار کرتے کرتے نماز فجر کا وقت آگیا لیکن ریل صاحبہ نہ آئی۔ ساری رات آنکھوں میں گزاری، اذان فجر کے بعد مسجد میں جا کر نماز ادا کی لیکن ٹرین آ کر نہ دی۔ بالآخر چودہ اگست شام چھے بجے چلنے والی نائٹ کوچ صبح ساڑھے پانچ بجے کے بعد فیصل آباد اسٹیشن پر آئی اور ساڑھے چھے بجے روانہ ہوئی۔ ساری رات کے بے حال تھکے ماندے مسافر اس میں جلدی سے بیٹھے گئے۔ ٹرین انتہائی سست رفتار سے چلنا شروع ہوئی۔ کراچی تک ٹرین اپنی اسی رفتار سے چلتی رہی اور کراچی میں سولہ اگست کی صبح نماز فجر کے قریب پہنچایا۔ حالانکہ کراچی پہنچنے کا اس کا مقررہ وقت پندرہ اگست صبح تقریباً دس بجے کا تھا۔ یاد رہے نائٹ کوچ ایک پرائیوٹ اور پاکستان کی سب سے بہتر ٹرین شمار ہوتی ہے جس میں کھانے کا انتظام اتنا اچھا نہ سہی لیکن ہے۔ بجلی، پنکھے اور پانی بھی وقفے وقفے سے میسر آ ہی جاتا ہے لیکن پاکستان کی سرکاری ٹرینوں میں نہ تو

کہیں پانی میسر آتا ہے اور نہ ہی ٹرین میں لائٹ کا کوئی تصور ہے۔
پاکستان ریلوے اگرچہ خسارے میں جارہا ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ ریلوے کو بحران سے نکالا نہیں جاسکتا، ضرورت صرف اپنی ترجیحات طے کرنے کی ہے۔اب بھی اگر اس ادارے پر محنت کی جائے تو یہ ایک انتہائی منافع بخش ادارہ بن سکتا ہے۔اگرچہ خواجہ سعد رفیق کے نئے وزیر ریلوے بننے کے بعد کافی بیانات سامنے آرہے ہیں اور کافی ہلچل بھی دکھائی دے رہی ہے لیکن کوئی بڑی تبدیلی نظر نہیں آرہی۔ وزیر ریلوے خواجہ سعد رفیق نے اپنا چارج سنبھالنے کے فوری بعد ہی یہ اعلان کیا تھا کہ پاکستان ریلوے کو ایک کارپوریشن میں تبدیل کردیا جائے گا اور اس کو ایک خودمختار بورڈ چلایا کرے گا۔حالانکہ ریلوے بورڈ کے قیام کی تجویز پہلی مرتبہ سامنے نہیں آئی تھی۔اس سے قبل 2005ء میں وزیر مملکت اسحاق خان خاکوانی نے ایک خودمختار ریلوے بورڈ کے قیام کے لیے آواز ±ٹھائی تھی۔ا±ن کے بعد پاکستان ریلوے کے چار ریٹائرڈ پرنسپل آفیسروں نے میں خاکوانی کی تجویز کی حمایت کی تھی۔پاکستان ریلوے کے چار ریٹائیرڈ 2011ء پرنسپل انجینئروں نے 2011ء کے دوران ایک رپورٹ میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ پرانے تنظیمی ڈھانچے کو بدل کر ایک ریلوے بورڈ قائم کیا جائے۔اس سب کچھ کے باوجود کوئی ریلوے کے محکمے میں بہتری ہوتی دکھائی نہیں دے رہی۔رہی سہی کسر اب آئے دن ٹرینوں پر ہونے والے قاتلانہ حملوں نے پوری کردی ہے۔چند دنوں میں

متعدد ٹرینوں پر ہونے والے حملوں میں کئی افراد مارے گئے اور بہت سے زخمی بھی ہو چکے ہیں۔ حکومت کو سوچنا چاہیے کہ عوام کی اکثریت ہمیشہ سے لمبا سفر ٹرینوں میں کرنے کو ترجیح دیتی آئی ہے، اس کے پیش نظر اس ادارے کو مستحکم و مضبوط بنانے کے لیے فوری اور مثبت اقدامات کرنے ضرورت ہے۔

سیلاب نے سینکڑوں دیہاتوں میں تباہی مچادی

پاکستان ان دنوں سیلاب کی آفت میں گھرا ہوا ہے۔ پنجاب اور سندھ کے ہزاروں دیہات پانی میں ڈوب چکے ہیں۔ چھتیں گرنے، ڈوبنے اور دیگر حادثات میں متعدد افراد جاں بحق جبکہ کئی زخمی ہو چکے ہیں۔ سیلاب کے باعث بے گھر ہونے والے افراد کی تعداد بھی ہزاروں میں ہے۔ دریائے راوی میں اس وقت اکانوے ہزار کیوسک کا ریلا گزر رہا ہے اور پانی کے بہاؤ میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ سیلابی پانی سے ملحقہ علاقوں میں سینکڑوں ایکڑ اراضی ڈوب گئی ہے۔ نالہ ڈیک میں دوبارہ آنے والی طغیانی میں کوٹ پنڈی داس، ٹھٹھہ قریشیاں اور دیہات لوھاراں والا، چوڑا راجپوتاں، قرشی پورا، ماڑی چھلاں، مدنگنا والا، پنڈی ماچھیاں میں تباہی مچادی جبکہ دریائے راوی میں پانی چڑھ جانے کی بناء پر سرحدی دیہات میرووال، مقبول پور میانی اور طوطی میں سینکڑوں ایکڑ اراضی پر کھڑی فصلیں تباہ ہو گئی ہیں جبکہ کامونکی کی طرف سے آنے والے سیلابی ریلے نے شیخوپورہ کے درجنوں دیہات میں تباہی مچادی ہے۔ سیلابی ریلے کی زد میں آکر دیہات ونڈالہ ناصر، خوشحال پورہ، جنڈیارہ ورکاں میں سینکڑوں ایکڑ اراضی پر کھڑی فصلیں ریلے کے ساتھ بہہ گئی ہیں۔ کئی مکانات میں پانی داخل ہوگیا اور کئی کچے مکان زمین بوس ہوگئے۔ دریائے راوی میں طغیانی سے نارنگ منڈی کے

متعدد سرحدی دیہات شتاب گڑھ رمیدیاں پسیانوالہ مقبول پور میانی وغیرہ دیہات کا سینکڑوں ایکڑ رقبہ زیر آب آ گیا جبکہ نالہ ڈیک اور نکا سونے زبردست تباہی مچادی ہے۔ نواحی دیہات مردانہ کیرانوالی جیون گورایہ باٹھانوالہ وغیرہ درجنوں دیہات زیر آب آ گئے۔ دریائے راوی میں بغیر اطلاع پانی کا بڑا ریلا آنے سے مانگا منڈی، سندر، چوہنگ، شامکی بھٹیاں، نتھے خالصہ کے درجنوں دیہات کمہارانوالہ ڈھانہ، کھوکھرانوالہ ڈھانہ، چاہ آرائیاں، ڈیرہ شیخ غلام محمد، بالو کی جھگیاں، نول وغیرہ اور اس کی ملحقہ آبادیوں کے ہزاروں لوگ متاثر ہوئے اور لاکھوں ایکڑ کھڑی کروڑوں مالیت کی فصلیں تباہ ہو گئیں۔ دریائے راوی میں طغیانی سے سینکڑوں ایکڑ پر کھڑی فصلیں تباہ ہو گئیں۔ شرقپور میں دریائے راوی کا بند ٹوٹنے سے درجنوں دیہات ڈوب گئے، دریائے چناب میں آنے والا سیلابی ریلا ملتان کی حدود میں داخل ہو چکا ہے۔ پانی کی سطح بلند ہونے سے 16 دیہات اور 60 ہزار ایکڑ سے زائد رقبے پر کھڑی فصلیں تباہ اور باغات زیر آب آ گئے جبکہ بڑا سیلابی ریلا ضلع ملتان کی حدود میں تقریباً 4 روز تک گزرتا رہے گا جبکہ چناب کی سطح بلند ہونے سے ملتان شجاع آباد اور جلالپور پیروالا سے درجنوں بستیاں زیر آب آ گئیں۔ یاد رہے کہ دریائے راوی کی سطح مسلسل بند ہو رہی ہے۔ اس وقت دریائے راوی میں پانی کی آمد ایک لاکھ ایک ہزار کیوسک ہے پانی کی بلند ترین سطح کی وجہ سے ،ڈھاناں کھوکھراں والا

ماتماں والا، گگہ سرائے، نتھے جاگیر، لکھنکے، کامونکی، سوے والا، مراٹی والا، ڈھاناں بوڑھا والا ہفت مدر وغیر زیر آب ہیں۔ شرقپور کے نواحی علاقہ پولے شاہ کے درجنوں دیہات دریائے راوی کا بند ٹوٹنے سے زیر آب گئے۔ متاثر ہونے والے دیہاتوں میں پولے شاہ، چکھاں دیاں جھگیاں، نانوں ٹھٹھا سمیت درجنوں دیہاتوں میں چاول، تمباکو اور چارے کی تیار فصلیں تباہ ہوگئیں۔ سیلاب زدہ پچاس سے زائد دیہات میں گزشتہ تین روز سے بند بجلی تاحال بحال نہ ہو سکی۔ تونسہ کے مقام پر اگلے 24 گھنٹے میں پانی کا بہاؤ 4 لاکھ 70 ہزار کیوسک ہوگا۔ ایس ڈی او' راول ڈیم رانا بلال کے مطابق اس وقت راول ڈیم میں پانی کا ذخیرہ 37 ہزار ایکڑ فٹ ہے جبکہ اس کا اخراج 3 ہزار 600 کیوسک فٹ ہے۔ رانا بلال کا کہنا ہے کہ گزشتہ روز ڈیم میں 2 ہزار 500 ایکڑ فٹ پانی کا اضافہ ہوا جس وجہ سے ایک فٹ تک راول ڈیم کے اسپل ویئر کھولے گئے ہیں۔

دریائے چناب میں سیلاب سے پنڈی بھٹیاں کے علاقے میں پچیس دیہات کا زمینی رابطہ منقطع ہو گیا اور اشیائے خوردونوش کی قلت ہو گئی ہے۔ منڈی بہاوالدین، حافظ آباد اور قادرآباد کے 72 دیہات اور ہزاروں ایکڑ زرعی رقبہ دریائے چناب کے پانی سے متاثر ہوا۔ گڑھ مہاراجہ میں ہیڈ تریموں میں اونچے درجے کے سیلاب کے پیش نظر بند توڑنے سے 30 دیہات زیر آب آ گئے جس سے نقل مکانی کے باعث ہزاروں افراد بے گھر ہو گئے ہیں۔ دریائے سندھ میں گڈو کے مقام پر پانی کا

بہاؤ بڑھ گیا۔ جام پور کے قریب دریائے سندھ میں کٹاؤ سے پانی اطراف کے دیہات میں داخل ہو رہا ہے۔ دریائے سندھ کا مشوری حفاظتی بند ٹوٹنے سے کوٹ مٹھن میں قصبہ وانگٹ کے قریب بیس دیہات پانی میں ڈوب گئے۔ سندھ میں دریائے سندھ کا پانی کچے کے علاقوں میں داخل ہوگیا۔ لاڑکانہ میں لوگ محفوظ مقام پر منتقل ہونے لگے جبکہ شکارپور اور خیرپور میں متاثرین نے حفاظتی بندوں پر پناہ لے لی۔ دریائے سندھ میں پانی کی سطح بلند ہونے سے سندھ کے کچے کے کئی علاقے زیر آب آ گئے۔ کندھ کوٹ کے قریب ہیبت بچاؤ بند کے مقام پر طغیانی ہے۔ لاڑکانہ میں نصرت اور عاقل آگانی لوپ بندوں پر پانی کی سطح بلند ہو گئی۔ دیہات میں پانی داخل ہونے کے بعد لوگوں نے نقل مکانی شروع کردی۔ خیرپور اور شکارپور میں کچے کے علاقے زیر آب آ گئے۔

دوسری جانب بھارت نے سنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہری کے ہیڈ ورکس سے دریائے ستلج میں ایک لاکھ 15 ہزار 590 کیوسک پانی چھوڑ دیا جس کے باعث دریا میں طغیانی آ گئی اور پانی کی سطح مزید بلند ہو گئی جس کی وجہ سے گنڈا سنگھ کے گرد و نواح کی مزید بستیاں، آبادیاں اور دیہات زیر آب آ گئے۔ تربیلا ڈیم اور راول ڈیم کے سپل وے کھول دیے گئے ہیں جبکہ لوگوں کو محفوظ مقامات پر منتقلی کی ہدایت کردی گئی ہے۔ پانی کی سطح مزید بلند ہو کر کیکر پوسٹ کے مقام پر بائیس فٹ، تلوار پوسٹ پر ساڑھے دس فٹ، باقر کے پوسٹ پر سولہ فٹ اور

کوٹھی فتح محمد کے مقام پر پندرہ فٹ سے بلند ہو گئی۔ فیروز پور ہیڈ ورکس (گنڈا سنگھ) کے مقام پر پانی کا بہاؤ 80448 کیوسک ہے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف نے کہا ہے کہ بھارت کی جانب سے سیلابی پانی چھوڑے جانے کی پیشگی اطلاع نہیں دی جارہی۔ سیلابی ریلوں سے جھنگ، ملتان اور کامونکی میں 500 سے زائد دیہات ڈوب گئے۔ صدر آصف علی زرداری نے ملک میں سیلاب سے انسانی و مالی نقصان پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے متعلقہ حکام اور صوبائی حکومتوں کو امدادی کام تیز کرنے اور متاثرین کی بحالی کیلئے حکمت عملی تیز کرنے کی ہدایت کردی ہے۔ این ڈی ایم اے کے مطابق بارشوں اور سیلاب سے اب تک 108 ہلاکتیں ہوئیں۔ ملک بھر میں سیلاب سے گھر تباہ ہوئے، تین لاکھ سے زائد افراد متاثر ہوئے سیلاب سے 770 دیہات 2427 متاثر ہوئے 44 ریلیف کیمپوں میں 2800 افراد رہائش پذیر ہیں۔ سیلاب سے زیادہ اموات اور تباہی پنجاب میں ہوئی اور خیبر پی کے میں فصلیں تباہ ہوئیں۔ وزیر اعظم نواز شریف نے وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف کو ہدایت کی ہے کہ صوبے میں سیلاب اور باعشوں سے متاثرہ افراد کی بحالی میں کوئی کمی نہ اٹھا رکھی جائے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب محمد شہباز شریف نے جاتی عمرہ رائیونڈ میں وزیر اعظم محمد نواز شریف سے ملاقات کرکے پنجاب میں شدید بارشوں اور سیلاب سے متاثر ہونے والے افراد کی فوری امداد اور بحالی کے لئے اٹھائے جانے

والے اقدامات سے آگاہ کیا۔ بتایا گیا ہے کہ شہباز شریف نے وزیر اعظم کو بتایا کہ وہ اس ساری صورتحال کی خود مانیٹرنگ کر رہے ہیں اور حکومت متاثرین کی فوری امداد اور انکی بحالی کیلئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھے گی۔ نواز شریف نے پنجاب حکومت کی طرف سے اٹھائے جانے والے بروقت اقدامات کو سراہتے ہوئے ہدایت کی کہ امدادی کارروائیوں میں مزید تیزی لائی جائے اور اس کے لیے تمام محکمے اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔ وزیراعلیٰ پنجاب شہباز شریف نے خیبر پختونخوا کے علاقے چترال میں سیلاب سے متاثرہ افراد کے لیے امدادی اشیاء کے 23 ٹرک روانہ کر دیے جن میں ایک ہزار ٹینٹ، 6 ہزار کمبل، آٹا، چینی، گھی، دالیں، چاول، چائے کی پتی، موم بتیاں، نہانے اور کپڑے دھونے کا صابن اور مختلف قسم کی ادویات شامل ہیں۔ وزیراعلی پنجاب نے کہا کہ خیبر پختونخوا کے سیلاب متاثرین کی ہر ممکن مدد کی جائے گی۔ اس سلسلے میں وزیراعلیٰ خیبر پختونخوا سے بھی رابطہ کروں گا اور جس چیز کی بھی ضرورت ہو وہ بھیجی جائے گی۔ ان کا کہنا تھا کہ ابھی اس بات کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ اس سال سیلاب نے 2010 کے سیلاب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے یا کم تاہم ہم نے احتیاطی تدابیر اپنائی ہیں۔

سندھ میں بلدیاتی نظام کا تماشا جاری

سندھ اسمبلی میں نئے بلدیاتی نظام کا بل کثرت رائے سے منظور کر لیا گیا ہے۔ مجوزہ بلدیاتی قانون کے مطابق کراچی، حیدرآباد، سکھر اور لاڑکانہ میں میٹروپولیٹن کارپوریشن ہوں گی۔ کراچی میں پانچ ضلع کاؤنسلوں کا قیام عمل میں لایا جائے گا اور سندھ کے دیگر اضلاع میں ضلع کاؤنسل اور تحصیل سطح پر تحصیل متعلقہ کاؤنسل قائم کی جائیں گی۔ اس مجوزہ قانون کے مطابق کاسموپولیٹن اور میٹروپولیٹن کے سربراہ میئر اور ڈپٹی میئر جبکہ ضلعے کاؤنسل، تحصیل کاؤنسل اور یونین کاؤنسل کے چیئرمین اور وائس چیئرمین ہوں گے۔ یونین کاؤنسل بنیادی اکائی ہوگی، جو چیئرمین، وائس چیئرمین، چار عام نشستوں، کسانوں یا مزدوروں، عورتوں، اور اقلیتوں کے لیے ایک ایک نشست مختص ہوگی۔ ضلعے کاؤنسل اور میٹروپولیٹن میں 22 فیصد نمائندگی خواتین، 5 فیصد اقلیتوں اور 5 فیصد مزدوروں اور کسانوں کو دی جائے گی۔ ان بلدیاتی حکومتوں کی مدت چار سال ہوگی اور امیدوار کی عمر کم سے کم 21 سال مقرر کی گئی ہے۔ صوبے کی سرکاری جامعات کے وائس چانسلروں کے تقرر کا اختیار گورنر کی بجائے وزیراعلیٰ کو سونپ دیا گیا۔ اس سے قبل گورنر وائس چانسلروں کی تقرری کرتے تھے۔

سندھ میں پاکستان پیپلز پارٹی جنرل ضیاالحق کے دور میں 1979 میں متعارف کرائے گئے بلدیاتی نظام اور متحدہ قومی موومنٹ جنرل پرویز مشرف کے دور کے بلدیاتی نظام کی حامی رہی ہیں۔ اس سے پہلے دو بار یہ قانون اسمبلی سے منظور کیا گیا۔ آخری بار گزشتہ حکومت میں پاکستان پیپلز پارٹی اور متحدہ قومی موومنٹ کی باہمی رضامندی سے یہ قانون منظور ہوا۔ مسلم لیگ فنکشنل، مسلم لیگ ن، تحریک انصاف اور قوم پرست جماعتوں نے اس قانون کو مسترد کیا تھا اور اس کے خلاف کئی روز تحریک چلائی گئی۔ معاملہ سپریم کورٹ تک جا پہنچا اور عدالت نے حکم امتناعی جاری کر دیا، جس کے بعد حکومت نے وہ قانون واپس لے لیا۔ پاکستان میں سابق فوجی صدر پرویز مشرف کے بلدیاتی نظام کی مدت سال 2008 میں پوری ہونے کے بعد بلدیاتی انتخابات نہیں ہو سکے۔ چاروں صوبائی حکومتیں اس نظام میں تبدیلی کی خواہشمند تھیں، بالآخر سپریم کورٹ نے فوری انتخابات کرانے کے احکامات جاری کیے، جس کے بعد صوبوں نے تیاری شروع کی۔

پیر کے روز سندھ اسمبلی میں کثرت رائے سے بل منظور ہوا، مسلم لیگ (ن)، تحریک انصاف، فنکشنل لیگ نے بل کی حمایت کی، جبکہ ایم کیو ایم نے مخالفت کی اور سخت احتجاج کی دھمکی بھی دی ہے۔ بل پیش ہونے کے بعد ایم کیو ایم کے ارکان نے احتجاج کیا اور اسمبلی میں شیم شیم کے نعرے لگائے۔ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے کہا ہے کہ سندھ میں پیپلز پارٹی کے بلدیاتی نظام کو مسترد

کرتے ہیں۔ پیپلز پارٹی 1973 سے شہری اور دیہی فرق بڑھاتی آئی ہے۔ وہ سندھ کو تقسیم کرنا چاہتی ہے۔ پیپلز پارٹی نے سندھ میں برطانوی راج نافذ کر دیا۔ پیپلز پارٹی کی تقسیم کا آغاز ہو گیا۔ پیپلز پارٹی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ انہوں نے کہا ہم نے پیپلز پارٹی کا 5 سال ساتھ دیا آج یہ صلہ ملا ہے۔ سندھ اسمبلی میں ایم کیو ایم کے رہنما فیصل سبزواری کا کہنا تھا کہ قانون کو آئین کے تابع ہونا چاہیے اور آئین کے آرٹیکل 140 میں واضح ہے کہ مقامی حکومتیں وہ ہوں جن کے پاس، سیاسی، انتظامی اور مالی اختیارات ہوں لیکن یہ ذمہ داریاں 1979 کا نظام یا مجوزہ نظام نہیں دیتا۔ فیصل سبزواری نے کہا کہ متحدہ قومی موومنٹ کا موقف ہے کہ مقامی حکومتوں کو توانا اور موثر ہونا چاہیے، جو گزشتہ مقامی حکومتیں رہی ہیں، عوام کی خواہش بھی یہ ہی ہے۔ ایم کیو ایم کے رہنماء سردار احمد نے کہا کہ 1979 کا قانون فوجی ڈکٹیٹر کا قانون ہے۔ جو بل ہمیں دیا گیا اور جو بل اسمبلی میں پیش کیا گیا اس میں کوئی مماثلت نہیں ہے اور نہ ہی قانون کے مطابق ہے۔ نئے بلدیاتی نظام میں شہری و دیہی علاقوں میں برطانوی راج کی طرح تقسیم کی گئی۔ یہ اصول تو انگریزوں کا ہے کہ تقسیم کرو اور حکومت کرو۔ بل 1979 کے بلدیاتی نظام کا چربہ ہے۔ اکثریت کسی کی بھی ہو وہ اقلیت کو دبانے کی کوشش کرتا ہے۔

دوسری جانب سندھ اسمبلی سے خطاب میں پیپلز پارٹی کے رہنما صوبائی وزیر نثار

کھوڑو کا کہنا تھا کہ بل سے متعلق تمام جماعتوں سے بات چیت کی۔ لوکل بل کی تمام کاپیاں ارکان کو دی گئی ہیں اور کئی جماعتوں کی تجاویز کو بل میں شامل کیا گیا۔ لوکل گورنمنٹ بل کو ویب سائٹ پر بھی جاری کر دیا گیا تھا۔ نئے بلدیاتی نظام کا بل کسی آمر کا نہیں ہے۔ صوبائی وزیر شرجیل انعام میمن نے کہا کہ کافی مثبت اور کارآمد تجاویز سامنے آئی ہیں، ان سب کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک بہتر قانون بنانے کی کوشش کی ہے۔ تمام جماعتیں اس قانون پر متفق ہیں۔ اگر ایک جماعت کو اعتراض ہے تو یہ اس کا حق ہے، جمہوریت میں کسی کو زبردستی قائل نہیں کیا جاسکتا۔ جمہوری دور میں جماعتی بنیادوں پر ہی انتخابات ہونے چاہئیں۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو جماعتیں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں جماعتی بنیادوں پر شرکت کرتی ہیں کیا وجہ ہے کہ وہ بلدیاتی انتخابات غیر جماعتی بنیادوں پر چاہتی ہیں۔ شرجیل میمن نے کہا کہ اس نظام کے تحت ہم عوام کی بہتر خدمت کر سکیں گے۔ بل منظور ہونے پر عوام کو مبارکباد دیتا ہوں۔

یاد رہے کہ ایک زمانہ بیت گیا سندھ میں نظام کے حوالے سے سندھ کی دونوں بڑی سیاسی جماعتوں میں دھینگا مشتی جاری ہے۔ 31 دسمبر 2010ء کے بعد سندھ میں کئی بار نظام تبدیل کیا گیا ہے۔ 31 دسمبر 2010 تک جنرل پرویز مشرف والے سندھ لوکل گورنمنٹ آرڈیننس (ایس ایل جی او) 2002ء کو آئینی تحفظ حاصل رہا اور سندھ

میں شہری ضلعی حکومتوں کا نظام نافذ رہا۔ یکم جنوری 2011ء کو ایس ایل جی او از خود غیر موثر ہوگیا اور پرانا ایس ایل جی او 1979ء بحال ہوگیا لیکن پیپلز پارٹی اور متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیوایم) کی باہمی رضامندی سے جنرل پرویز مشرف والے نظام کو آرڈیننس کے ذریعہ 8 جولائی 2011 تک جاری رکھا گیا اور 7 اگست 2011ء کو سندھ میں دو بلدیاتی نظام نافذ کرنے کا آرڈیننس جاری کردیا گیا جس کے تحت کراچی میں ایس ایل جی او 2002ء والا نظام دوبارہ بحال کیا گیا جبکہ سندھ کے دیگر اضلاع کے لیے ایس ایل جی او 1979ء والا بلدیاتی نظام برقرار رکھا گیا۔ اس دہرے بلدیاتی نظام کے خلاف سندھ بھر میں زبردست احتجاج ہوا اور ایک ہی دن میں یہ آرڈیننس واپس لے کر 8 اگست 2011 کی صبح ایک نیا آرڈیننس جاری کیا گیا جس کی مدت 6 نومبر 2011ء کو ختم ہو گئی اور ایس ایل جی او 1979ء والا نظام بحال ہوگیا اور 10 ماہ بعد 7 ستمبر 2012ء کو گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد خان نے سندھ پیپلز لوکل گورنمنٹ آرڈیننس (ایس پی ایل جی او) 2012ء جاری کیا۔ یکم اکتوبر 2012ء کو سندھ اسمبلی نے اس آرڈیننس کو قانون کی شکل دینے کے لیے قانون منظور کرلیا اور یہ سندھ پیپلز لوکل گورنمنٹ ایکٹ (ایس پی ایل جی اے) 2012ء بن گیا جسے 21 فروری 2013 کو منسوخ کردیا گیا اور ایس ایل جی او 1979ء بحال ہوا۔ سندھ میں نظام کی تبدیلی کا یہ سلسلہ تاحال جاری و ساری ہے۔ کبھی ایک نظام لاگو ہوتا اور کبھی دوسرا۔ کبھی ایک جماعت شور مچاتی اور کبھی دوسری جماعت۔ کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ کب موجودہ

نظام بدل دیا جائے گا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ لندن میں موسم اور بیوی کا کوئی اعتبار نہیں کہ کب بدل جائیں، بالکل اسی طرح کراچی کے نظام کے بارے میں بھی یہ کہنا درست ہوگا کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں کہ کب بدل دیا جائے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ یہ سارا یہاں کی سیاسی جماعتوں کا تماشا ہے۔ سندھ میں عوام کو بے وقوف بنانے کا کھیل کھیلا جارہا ہے۔ یہ سب ملی بھگت سے ہورہا ہے۔ کبھی ایک نظام اور کبھی دوسرا نظام۔ جیسے کوئی مداری ڈگڈگی بجا کر تماشا دیکھنے والوں کو مصروف رکھتا ہے اور بعد میں ان سے داد وصول کرتا ہے۔ اپنی اپنی سیاست چمکانے کے لیے اسی قسم کا تماشا سندھ میں عوام کو دکھایا جارہا ہے۔

عالم اسلام کے دو زخم: شام اور مصر

شام میں گزشتہ ایک زمانے سے موت کا رقص جاری ہے۔انسانیت لاشیں رگڑ رگڑ کر جان دے رہی ہے۔لوگ کیڑے مکوڑوں کی طرح مارے جارہے ہیں۔ کسی کا کوئی پرسان حال نہیں۔کب کس کی زندگی کو موت دبوچ لے کوئی کچھ نہیں جانتا۔اسدی فوج عوام پر ظلم کرنے کے تمام ہنر آزمارہی ہے۔لوگوں کو قتل کرنے کے روز نئے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ گولیوں اور بموں سے عوام کو قتل کرکے تھک گئے تو کیمیائی ہتھیار استعمال کیے جانے لگے۔ گزشتہ روز شام کے دارالحکومت دمشق کے مضافات میں انقلابیوں کے خلاف لڑائی میں بشار الاسد کی وفادار فوج نے میزائل حملے کیے ہیں جن سے مہلک گیس کے اخراج سے بڑے پیمانے پر شہریوں کے مارے کی اطلاعات ملی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق دمشق کے نواحی علاقے عین ترما میں مہلک گیس کے میزائل حملوں میں کم سے کم پندرہ سو کے قریب افراد جاں بحق اور چھ ہزار کے لگ بھگ شدید زخمی ہوئے ہیں جبکہ "جوبر" اور "زملکا" کے مقامات پر م±ہلک گیس پھیلنے سے بچوں اور خواتین کی بڑی تعداد شہید ہو گئی۔ انسانی حقوق کے کارکنوں کے مطابق مہلک گیس کے نتیجے میں جاں بحق ہونے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو سکتی ہے کیونکہ کئی علاقوں سے زمینی اور مواصلاتی رابطے منقطع ہیں اور گیس وہاں بھی پھیل چکی ہے۔ "سانا الشورہ" نے

طبّی ماہرین کے حوالے سے بتایا ہے کہ دمشق اور اس کے مضافات میں انقلابیوں کے خلاف میزائل حملوں میں مہلک ترین گیس استعمال کی گئی ہے۔ دمشق کے ایک فیلڈ ہسپتال میں لائے گئے زخمیوں اور میتوں کو اسی گیس سے متاثر بتایا جا رہا ہے۔ اسدی فوج کی تازہ کارروائی میں مارے جانے والے زیادہ تر عام شہری خاص طور پر کم عمر بچے شامل ہیں۔ شام میں سماجی کارکنوں نے ویب سائٹ پر ایک ویڈیو فوٹیج اپ لوڈ کی ہے جس میں عین ترما، زملکا اور جوبر میں زہریلی گیس سے متاثرہ بڑی تعداد میں بچوں اور خواتین کو بے ہوش دکھایا گیا ہے۔ اس ویڈیوں میں واقعہ کے مختلف مناظر دکھائے گئے ہیں جن میں ایک جگہ نوجوانوں کی بڑی تعداد زمین پر پڑی تڑپ تڑپ کر جان دے رہی ہے جبکہ دوسرے منظر میں معصوم بچوں کی کافی تعداد کو دکھایا گیا ہے جو تڑپ رہے ہیں اور تڑپتے ہوئے ان کے منہ سے آواز بھی نہیں نکل رہی۔ ڈھائی منٹ کی یہ ویڈیو دیکھ کر کوئی بھی شخص نارمل حالت میں نہیں رہ سکتا، اس پر ایک بار سکتہ ضرور طاری ہو جاتا ہے۔ خیال رہے کہ مہلک گیس سے لیس میزائل حملوں کا ہدف بنائے گئے یہ تینوں قصبے دمشق کے جنوب میں واقع ہیں اور جغرافیائی طور پر باہم مربوط ہیں۔ زملکا میں ایک سماجی کارکن نے بتایا کہ مہلک گیس پھیلانے والے بم حملوں کے نتیجے میں علاقے میں خوفناک انسانی المیہ رونما ہو چکا ہے۔ متاثرہ علاقوں میں زہریلی گیس سے متاثرہ سینکڑوں بچے اور خواتین بے یار و مددگار سسک سسک کر مر رہے ہیں۔ انسانی حقوق کے کارکن کا کہنا تھا کہ اب تک ہسپتالوں میں

لائی جانے والی میتیں اور تمام زخمی عام شہری ہیں۔ سڑکوں اور گلیوں میں اب بھی بڑی تعداد میں میتیں اور زخمی پڑے ہوئے ہیں۔ زملکا کے موبائل ہسپتال کے ایک ڈاکٹر نے بتایا کہ چند گھنٹوں کے دوران ہسپتال میں زخمیوں کی ایک بڑی تعداد لائی گئی ہے جن میں بیشتر بچے شامل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ زملکا قصبے میں صرف دو موبائل ہسپتال ہیں، جن کے پاس ادویہ، ڈاکٹر اور ایمبولینس سروسز کی شدید قلّت ہے، جس کے باعث وہ زخمیوں کا مناسب علاج نہیں کر پا رہے ہیں۔ ڈاکٹر نے خدشہ ظاہر کیا کہ مہلک گیس سے متاثرہ شہریوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو سکتا ہے کیونکہ ہسپتال میں مسلسل زخمیوں کو لایا جا رہا ہے۔ شام میں سرکاری فوج نے مہلک گیس خارج کرنے والے میزائل حملے ایک ایسے وقت میں کیے ہیں جب اقوام متحدہ کے کیمیائی معائنہ کاروں کا ایک مشن کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کی تحقیقات میں بھی مصروف ہے۔ واضح رہے کہ تین ماہ پہلے بھی اسدی فوج نے شام میں بڑے پیمانے پر کیمیائی ہتھیاروں سے حملے کیے تھے، جن میں بڑی تعداد جاں بحق ہوئی تھی۔ اس وقت فرانسیسی وزیر خارجہ لوراں فیبیوس نے کہا تھا کہ اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ شامی حکومت نے اپنے ملک میں جاری بحران کے دوران سارین گیس استعمال کی ہے۔ لوراں فیبیوس کا کہنا تھا کہ پیرس میں کیے گئے تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ کئی بار نروایجنٹ نامی کیمیائی استعمال کیا گیا ہے اور مطالبہ کیا کہ جنہوں نے ان ہتھیاروں کا استعمال کیا ہے انہیں سزا ملنی چاہیے۔ اس سے بھی قبل اقوامِ متحدہ کی

ایک رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ 'یقین کرنے کے شواہد' ملے ہیں کہ شام میں حکومتی فورسز نے کیمیائی ہتھیار استعمال کیے ہیں اور "اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ شام کی حکومت اور اس کے آلہ کار اس (سارین گیس کے استعمال) کے ذمہ دار ہیں۔" یاد رہے کہ سارین ایک بے رنگ اور بے بو گیس ہے جس کا استعمال کئی ممالک کی جانب سے ممنوع ہے۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ میں ایسی معلومات سامنے آئی ہیں جس میں مارچ اور اپریل میں چار مواقع ایسے تھے جن میں کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کی طرف نشاندہی ہوتی ہے۔ "اتنے شواہد موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سرکاری سیکورٹی فورسز نے انیس مارچ کو حلب میں خان الاصل، انیس مارچ کو دمشق میں اوتیبا، تیرہ اپریل کو حلب میں شیخ مقصود کے مضافات اور انتیس اپریل کو صوبہ ادلیب میں سراکب پر حملوں کے دوران محدود مقدار میں زہریلا کیمیائی مواد استعمال کیا"۔ رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ شام میں کشیدگی 'ظلم اور سربریت کی نئی حدوں کو چھو رہی ہے۔

دوسری جانب مصر میں فوج کی جانب سے امریکا اور اسرائیل کی سرپرستی میں لگائی گئی آگ بھی مزید بھڑکائی جارہی ہے۔ اپنے حق کا مطالبہ کرنے والے چار ہزار مظاہرین کو شہید اور پندرہ ہزار کو ٹینکوں تلے روندنے کے بعد بھی اسلام دشمنوں کی آتش نمرود ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ امریکا اور اسرائیل کی سرپرستی میں مصر سے اسلام پسندوں کو ملیامیٹ کرنے کی بھرپور کوشش جاری ہے۔ انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ

کر تلاش کیا جاتا ہے اور لامتناہی مدت تک کے لیے جیل کی کال کوٹھری میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ویسے تو اپنے آپ کو فرعون کے جانشین کہلانے والوں کی پہلی کارروائی کے بعد سے ہی مصر میں اسلام کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والوں کو پابند سلاسل کیا جارہا ہے۔ اب تک ان کی تعداد سینکڑوں نہیں ہزاروں میں جا پہنچی ہے۔ ان قربانی دینے والوں میں کارکنان بھی ہیں اور رہنماء بھی۔ پیر کے روز مصر کی سیکورٹی فورسز نے الاخوان المسلمون کے ستر سالہ مرشد عام ڈاکٹر محمد بدیع کو گرفتار کیا اور ان کی توہین کی۔ مصر کے سرکاری اور نجی ٹیلی وژن چینلز نے محمد بدیع کی سیکورٹی فورسز کی حراست میں تصاویر جاری کر دی ہیں۔ سیکورٹی فورسز اس سے پہلے الاخوان المسلمون کے نائب مرشد عام خیرت الشاطر اور معزول صدر ڈاکٹر محمد مرسی اور اخوان کے درجنوں دوسرے رہنماوں اور ہزاروں کارکنوں اور حامیوں کو بھی گرفتار کر چکی ہے۔ وزارت داخلہ کے مطابق مرشد عام محمد بدیع کو مسجد رابعہ العدوایہ کے قریب ایک اپارٹمنٹ سے گرفتار کیا گیا ہے۔ جہاں چند روز پہلے تک مرسی کی بحالی کے لیے طویل دھرنا جاری تھا تاہم سیکورٹی فورسز نے ایک خونی کارروائی میں تین ہزار افراد کو شہید اور دس ہزار کو زخمی کرکے اس دھرنے کو ختم کر دیا تھا۔ یاد رہے کے ہفتے کے روز رمسیس چوک میں ہونے والے ایک حکومت مخالف مظاہرے کے دوران اخوان کے کرشد عام محمد بدیع کے چھتیس سالہ بیٹے عمار بدیع کو مصر کی سیکورٹی فورسز نے گولی مار کر شہید کر دیا تھا۔ تین جولائی کو محمد مرسی کو اقتدار سے الگ

کیے جانے بعد ہی سے وہ مسلسل روپوش تھے۔ کارکنوں کو مظاہروں پر اکسانے سمیت دیگر کئی الزامات کے تحت دس جولائی کو ان کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا گیا تھا۔ قبل ازیں عبوری انتظامیہ کی جانب سے ان کے تمام اثاثہ جات بھی منجمد کر دیے گئے تھے۔ محمد بدیع کی تمام عمر جدوجہد سے عبارت رہی ہے۔ وہ اس سے قبل بھی کئی بار سیاسی وجوہات کی بنا پر گرفتار ہو چکے ہیں۔ مصر کی سرکار نے بر طرف صدر محمد مرسی کو تشدد آمیز کارروائیوں میں حصہ لینے کی پاداش میں مزید پندرہ روز تک زیر حراست رکھنے کا حکم دیا ہے اور اس دوران ان سے مظاہرین کی ہلاکتوں میں ملوث ہونے کے الزامات کی تفتیش کی جائے گی۔ مصری حکام نے اخوان المسلمون کے ترجمان سمیت مزید دو عہدیداروں کو حراست میں لے لیا۔ گرفتار ہونے والے رہنماؤں میں اخوان المسلمون کے ترجمان مراد علی بھی شامل ہیں۔ اخوان المسلمون کے دوسرے رہنما سفوت حجازی کو لیبیا کی سرحدی چیک پوسٹ پر حراست میں لیا گیا۔ جبکہ مصر میں اخوان المسلمون کے نائب مرشد عام دوم محمود عزت کو قائم مقام مرشد عام مقرر کر دیا گیا ہے، انہیں یہ اہم ذمہ داری ایک ایسے وقت میں دی گئی ہے جب اخوان المسلمون کو مصری فورسز کے سخت ترین کریک ڈاون کا سامنا ہے اور مرشد عام کو سیکورٹی فورسز نے حراست میں لے لیا ہے۔ محمود عزت اس سے پہلے اخوان المسلمون کے سیکرٹری جنرل کے منصب پر فائز رہنے کے علاوہ مصر کی سب سے بڑی اسلام پسند جماعت کی اعلیٰ ترین رہنما کونسل کے بھی رکن رہے ہیں۔ وہ ان دنوں اخوان المسلمون کے نائب

مرشد عام دوم کے طور فرائض انجام دے رہے تھے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ مصری حکومت کو اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی کہ اخوان المسلمین کے ساتھ کیسے نمٹا جائے۔ اب اگر حکومت کسی قسم کی نرمی دکھاتی ہے تو اسے اخوان کے آگے گھٹنے ٹیکنے کے مترادف سمجھا جائے گا۔ حالیہ دنوں میں حکومت نے اشارہ دیا ہے کہ اخوان پر پابندی لگائی جا سکتی ہے۔ پیر کے روز حکام نے کہا کہ اخوان کی سیاسی شاخ حریت و عدل پارٹی کا سیاسی لائسنس منسوخ کر دیا جائے گا۔ اس قسم کی پابندیوں سے ان مصریوں کی تشفی تو ہو سکتی ہے جو اخوان کو فاشٹ دہشت گرد تنظیم سمجھتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی اخوان حسبِ سابق زیرِ زمین چلی جائے گی۔ اگر ایسا ہوا تو تو یہ بڑی غلطی ہو گی کیوں کہ تاریخ بتاتی ہے کہ اخوان کے ساتھ اس صورت میں نمٹنا آسان ہوتا ہے جب وہ سیاسی عمل میں شامل ہو۔ فی الحال حکومت اخوان کے خلاف بڑے پیمانے پر کارروائی کر رہی ہے۔ اس کے ہزاروں کارکنوں کو گرفتار کر لیا جا چکا ہے، جس میں اخوان کی اعلیٰ قیادت بھی شامل ہے۔ اس کے اثاثے منجمد کیے جا چکے ہیں، اور اس سے منسلک میڈیا بند کر دیا گیا ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اخوان کی بیخ کنی نہیں کی جا سکتی۔ ماضی میں ایسی بہت سی کوششوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ مصر کے سابق صدر جمال عبدالناصر جنرل اسیسی سے کہیں زیادہ مقبول اور طاقت ور تھے۔ لیکن وہ بھی اخوان کے بین العرب

نظریات اور معاشرے کو اسلامی بنیادوں پر سدھارنے پر ایمان کو نہیں مٹانا سکے اور ان کی وفات کے بعد اخوان دوبارہ ابھر کر سامنے آ گئی۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اخوان خود ہی ہاتھ جھاڑ کر پیچھے ہٹ جائے۔ اس کے حامیوں کا محرک مذہب ہے۔ وہ انتقام چاہتے ہیں اور انھیں اس بات کا شدید دکھ ہے کہ ان سے ناانصافی برتی گئی ہے۔ فوج کے ہاتھوں اخوان کے حمایت یافتہ صدر محمد مرسی کی معزولی اس ناانصافی کی علامت بن گئی ہے۔ بہت سے لوگ جو بغاوت سے قبل اخوان سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے، وہ بھی اب اپنے مشترکہ دشمن فوج کے خلاف ان کے حامی بن گئے ہیں۔ اگرچہ اخوان کے بطن سے کئی شدت پسند تنظیمیں پھوٹیں، خود اس نے کئی عشرے پہلے تشدد کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ اس کے بعد سے وہ کسی بھی دوسری امن پسند سیاسی جماعت کی طرح کام کرتی رہی ہے اور اس کے رہنما نظم و ضبط کی شہرت رکھتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اعلیٰ رہنماؤں کی گرفتاری اور موت سے ممکن ہے کہ تنظیم کی قیادت کا جذباتی کارکنوں پر سے کنٹرول مکمل طور پر ختم ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو اخوان کے بہت سے ارکان اسے چھوڑ کر جہادی تنظیموں کا رخ کر سکتے ہیں۔ اس سے مصر میں 1971 سے قبل کے زمانے کی دہشت گردی جیسا ماحول لوٹ آئے گا، جب فوجی تنصیبات، سرکاری اداروں اور سیاسی قیادت کو نشانہ بنایا جاتا تھا۔ ان دنوں مصر میں ہتھیاروں کی فراہمی زیادہ مشکل کام نہیں ہے اور لیبیا اور وادیِ سینا دونوں سے وافر مقدار میں اسلحہ آ سکتا ہے۔ اسی دوران حکومت پورا زور لگا رہی ہے کہ اخوان

کو دہشت گرد تنظیم کے روپ میں پیش کیا جائے۔ماضی کی فوجی حکومتوں کی طرح حالیہ حکومت کے کرتا دھرتا بھی اخوان کو اپنے کاموں پر پردہ ڈالنے کے لیے قربانی کا بکرا بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں۔

سعودی وزیر خارجہ شہزادہ سعود الفیصل کا کہنا ہے کہ اگر مغربی ممالک مصر میں برطرف صدر محمد مرسی کے حامیوں کے خلاف کریک ڈاؤن پر اس ملک کے لیے امدادی رقوم کو روکتے ہیں تو عرب اور اسلامی ممالک اس کو امداد دینے کو تیار ہوں گے۔سعودی عرب اور کئی دوسرے عرب ممالک امریکا کی ایما پر مصری فوج کی مکمل حمایت اور امداد کررہے ہیں۔ جبکہ تمام عالم اسلام کے علماء کران تو ایک طرف اسی سعودی عرب کے بے شمار علماء کرام نے بھی برملا کہا ہے کہ سعودی حکومت کا ظالم مصری فوج کی حمایت کرنا سراسر ناجائز ہے۔اس وقت مظلوم مصری عوام کی حمایت کرنا ضروری ہے۔ جو اس معاملے میں خاموشی اختیار کرے گا وہ ظلم کرے گا۔جبکہ مصری عوام کے حق میں صرف ایک ترکی کا واضح اور دوٹوک موقف سامنے آیا تھا جس میں ترک وزیراعظم نے مصر کے حوالے سے عالم اسلام بالخصوص خلیجی ملکوں کے کردار کو 'شرمناک' قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ مصریوں کے ساتھ ان ملکوں نے وہی سلوک کیا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اس کے بھائیوں نے کیا تھا۔بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ذریعے حضرت یوسف کو بچالیا اور ان کے بھائیوں کو سب کے سامنے ذلیل اور رسوا کیا تھا۔ترک وزیراعظم

کا کہنا ہے کہ مصر کے ساتھ برادران یوسف کا رویہ اپنانے والی مسلمان حکومتیں بھی آخرکار پوری دنیا میں ذلیل و رسوا ہوں گی۔ مصر میں فوجی کی چھتری تلے قائم عبوری حکومت ترک وزیراعظم رجب طیب ایردوآن کے بیانات پر سخت سیخ پا ہے۔ عبوری صدر منصور العدلی کے مشیر اطلاعات نے احمد المسلمانی نے طیب ایردوآن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "مغربی ایجنٹ ہمیں جمہوریت اور قومیت کا درس نہ دیں۔" وزیراعظم رجب طیب ایردوآن نے اپنے بیان میں مصر میں منتخب حکومت کا تختہ الٹنے کو صریح فوجی بغاوت قرار دیا تھا۔

جس نے کوشش کی اس نے پالیا

مشہور و معروف امریکی کمپنی میکڈونلڈ، دنیا میں فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ کی سب سے بڑی چین ہے۔ اس کمپنی کے 121 ممالک میں 40 ہزار سے زائد ریسٹورنٹ کام کر رہے ہیں۔ ہر سال میکڈونلڈ کمپنی دنیا بھر میں دو ہزار مزید نئی برانچیں قائم کرتی ہے۔ اس کمپنی کے ملازمین کی تعداد 121 ممالک میں 17 لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہر آٹھ امریکیوں میں سے ایک ایسا ضرور ہوتا ہے، جس نے اپنی زندگی کے کسی مرحلے میں میکڈونلڈ میں کام کیا ہوتا ہے۔ اس فاسٹ فوڈ کمپنی کے زیر اہتمام کئی مختلف ادارے بھی کام کر رہے ہیں جن میں میکڈونلڈ ریسٹورنٹ، ہیم برگر یونیورسٹیز، میک برگرز، میک کیفےز، میکڈونلڈ یو ایس اے میوزیمز، روک میکڈونلڈ، رونالڈ میکڈونلڈ چیئریٹی ہاؤسز زیادہ مشہور ہیں۔ میکڈونلڈ کمپنی کی سالانہ آمدنی اٹھائیس ہزار پچھتر ملین ڈالر ہے جو 2014 میں بڑھ کر تیس ہزار ملین ڈالر سالانہ ہونے کی توقع ہے۔ اس کمپنی سے روزانہ 68 ملین کسٹمرز استفادہ کرتے ہیں اور اس کمپنی کی برانڈ ویلیو 90.3 ارب ڈالر سے زائد ہے۔

آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ آج پوری دنیا میں لاکھوں کروڑوں لوگوں کی روزی کا ذریعہ بننے والی میکڈونلڈ فاسٹ فوڈ کمپنی کی ابتدا ایک ٹھیلے سے

ہوئی تھی۔آج میکڈونلڈ دنیا میں فاسٹ فوڈ کی سب سے بڑی چین ہے۔جبکہ آج سے سال پہلے 1937 میں امریکا کے ایک غریب شخص "پیٹرک میکڈونلڈ" نے اپنی 76 روزی کا سامان کرنے کے لیے کیلی فورنیا ریاست کے علاقے منرویا میں "منرویا ائیرپوٹ" کے قریب برگر بیچنے کے لیے ایک ٹھیلا لگایا، وہ غریب آدمی ہر روز صبح ٹھیلا لے کر گھر سے نکلتا، سارا دن ائیرپورٹ کے باہر برگراور اورنج جوس بیچتا، شام کو ٹھیلا گھسیٹتے ہوئے اپنے گھر لوٹ جاتا۔ وہ تین سال تک مسلسل اسی طرح دن بھر محنت کرتا رہا۔ پھر تین سال کے بعد 1940 میں جب پیٹرک میکڈونلڈ کے دو بیٹے رچرڈ میکڈونلڈ" اور "موریس میکڈونلڈ" نے اپنے والد کا ہاتھ بٹانے کا فیصلہ کیا۔انہوں نے سوچا کہ اب ہمیں اپنے کام کو ٹھیلے سے آگے بڑھانا چاہیے۔ لہٰذا انہوں نے کیلی فورنیا میں "میکڈونلڈ باربی کیو" کے نام سے ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ کی بنیاد رکھی۔جہاں وہ اپنے والد کی طرح بھرپور محنت اور لگن سے کام کرتے رہے۔ محنت، لگن، جہد مسلسل اور بلند ہمتی جیسے اصولوں کو مکمل طور پر اپنا شعار بنایا۔ان رہنما اصولوں پر عمل کرنے سے کچھ ہی عرصے میں ان کا ریسٹورینٹ علاقے میں مشہور ہوگیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ترقی کی منزلیں طے کرنے لگے۔ دونوں بھائیوں نے اپنے کاروبار کو وسعت دینے کے لیے مزید محنت کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اسقدر محنت اور ترقی کرنا شروع کردی کہ صرف تیرہ سال بعد 1953 میں میکڈونلڈ ریسٹورنٹ کی برانچیں کیلی فورنیا سے باہر دوسرے کئی شہروں میں بھی کھول لیں۔

وہ اپنے کام میں محنت اور تندہی سے جُتے رہے اور ترقی کی مزید سیڑھیاں چڑھتے رہے۔ صرف چھ سال بعد 1959 میں امریکا میں میکڈونلڈ ریسٹورینٹس کی کل تعداد 102 ہو گئی۔ ایک سال بعد ان کی کمپنی کا کام اس قدر پھیل چکا تھا کہ انہیں اپنے ریسٹورینٹس کو تربیت یافتہ ملازمین فراہم کرنے کے لیے ایک یونیورسٹی قائم کرنا پڑی۔ 1961 میں میکڈونلڈ کمپنی نے اپنی تمام فرانچائز کو ملازمین فراہم کرنے کے لیے ہیم برگر کے نام سے ایک بہت بڑی یونیورسٹی قائم کی جس سے صرف تیس سالوں میں چالیس ہزار افراد نے بیچلر آف ہیم برگرلی کی ڈگری حاصل کی۔ میکڈونلڈ ریسٹورینٹ کمپنی کو ملازمین فراہم کرنے کے لیے اسی کارپوریشن نے ٹوکیو، جرمنی، لندن سمیت دنیا بھر میں کمپنی کی ایسی مزید سات یونیورسٹیاں قائم کیں۔ 1969 میں یہ کمپنی پچاس ریاستوں تک پھیل گئی۔ میکڈونلڈ نے یونائٹڈ اسٹیٹ سے باہر اپنی پہلی برانچ 1967 میں برطانیہ میں قائم کی۔ جبکہ 1990 تک میکڈونلڈ فاسٹ فوڈ کمپنی 58 بیرونی ممالک میں اپنے چھتیس سو ریسٹورنٹ کھول کر ان ممالک کی مارکیٹ پر چھا چکی تھی۔1939 میں کیلی فورنیا ریاست کے علاقے منرویا میں ایک غریب شخص کے ٹھیلے سے شروع ہونے والا کام میں 121 ممالک میں پھیل چکا ہے۔ماہرین کا خیال ہے کہ میکڈونلڈ کو دنیا بھر 2013 میں مقبول بنانے میں رہنما اصولوں محنت، لگن، جہد مسلسل اور بلند ہمتی کا بے حد عمل دخل ہے۔ جن کی وجہ سے "میکڈونلڈ فاسٹ فوڈ کمپنی" ایک

گلوبل برانڈ بننے میں کامیاب ہوئی۔

کوئی انسان کسی بھی شعبے سے وابستہ ہو اس پر ایک ہی دھن سوار ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح ترقی کرلے۔ عربی کا مشہور محاورہ ہے "من جدّ وجد" "جس نے کوشش کی اس نے پالیا"۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو ناممکن ہو۔ محنت اور مسلسل جدوجہد سے ہر ناممکن کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ غیر معمولی اور کارہائے نمایاں سرانجام دینے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی سچی لگن کا مالک ہو، اس پر کام کی دھن سوار ہو۔ جب سر میں کسی کام کا سوادا سما جائے تو وہ ضرور انجام پذیر ہوتا ہے۔ اس کی راہ میں حسد رکاوٹ بنتا ہے نہ دھوکا آڑے آتا ہے۔ سازش خلل ڈالتی ہے نہ کوئی اور چیز مانع ہوتی ہے۔ اپنے کام سے عشق لگن اور دھن کامیابی کی کنجی ہے۔ لگن ہو تو اسباب وسائل فراہم ہو جاتے ہیں، اپنے مقصد سے محبت کرنے والا کبھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھتا۔ بند راستے، پرخار وادی اور کھڑی رکاوٹیں اس کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہیں کرسکتیں۔ بعض لوگ ابتداً بڑے پرجوش ہوتے ہیں، لیکن جب رکاوٹ سامنے آتی ہے تو ناامید ہو جاتے ہیں۔ ان میں آگے بڑھنے کی امنگ دم توڑ جاتی ہے۔ چناچہ وہ اپنا منصوبہ نامکمل چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسے افراد قابل ذکر ترقی نہیں کرپاتے۔ دراصل یہ لوگ عزم و

ہمت سے عاری ہوتے ہیں۔

عزم و ہمت کا حامل شخص بزدل ہوتا ہے نہ سست، ٹوٹتا ہے نہ ڈرتا ہے۔ دائیں بائیں متوجہ ہوتا ہے نہ پیچھے کی طرف التفات کرتا ہے۔ جو کوئی بھی جتنا بھی مشکل کام کرنا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اپنے اندر لگن اور دھن پیدا کرے۔ پھر اپنے منصوبے پر جُت جائے۔ جھلسا دینے والی گرمی ہو یا یخ بستہ سردی، موسم خزاں ہو یا آمد بہار۔ اس کے معمولات میں فرق نہ آنے پائے۔ وہ لوگوں کی بے جا تنقید، حوصلہ شکنی اور ملامت سے دل برداشتہ نہ ہو۔ بس اپنے کام میں مگن رہے جس کا ثمر اسے کامیابی کی صورت میں حاصل ہو کر رہے گا۔ حالات جیسے بھی ہوں انسان اپنی منزل کی طرف سفر جاری رکھے۔ اگر کسی موڑ پر اس کی محنت اور ہمت کا شیرازہ بکھر بھی جائے تب بھی وہ ناامیدی کے اندھیرے کو جہدِ مسلسل اور بلند ہمتی سے روشن کر دے تو ترقی اور کامیابی اس کے قدم ضرور چومے گی۔

شام میں عوام پر کیمیائی حملہ اور عالمی برادری کا رد عمل

شام میں بدھ کے روز بشارالاسد کی فوج کی جانب سے ہونے والے کیمیائی حملے میں دوہزار سے زائد افراد شہید اور چھ ہزار کے لگ بھگ افراد شدید متاثر ہوئے تھے۔ متاثرہ علاقوں میں قیامت کا سا منظر ہے۔ جگہ جگہ لاشیں بکھری پڑی ہیں اور عمارتیں بھی لاشوں سے بھری ہوئی ہیں۔ ذرائع کے مطابق دمشق کے مضافات میں کیمیائی ہتھیاروں کے حملے کے بعد لاشیں ملنے کا سلسلہ جاری ہے۔ سیرین نیشنل کولیشن کے ترجمان خالد صالح نے کہا "ہمیں خدشہ ہے شہدا کی تعداد میں مزید اضافہ ہوگا کیونکہ ہمیں ایسے گھر ملے ہیں جو شہدا کی لاشوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ شہدا کی تعداد میں 500 سے لے کر اس سے دگنا تک اضافے کا خدشہ ہے۔ اگر تعداد یہاں تک پہنچ جاتی ہے تو یہ کیمیائی حملے کے نتیجے میں ہونے والی اموات کی سب سے بڑی تعداد ہوگی۔ کیمیائی حملے میں مارے جانے والوں میں 331 بچے اور اس سے زیادہ تعداد خواتین کی ہے۔ بدھ کے روز اسدی فوج نے مخالفین کے تین علاقوں پر وحشیانہ کیمیائی حملے کیے تھے اور بدھ کے بعد سے مسلسل ان علاقوں کو گھیرے میں لے کر ان پر فضائی حملے کیے جارہے ہیں۔ سرکاری فوج نے تازہ حملے دمشق کے شمال میں "قابون" نامی علاقے اور جنوب میں فلسطینی پناہ گزینوں کی خیمہ بستی "یرموک" پر کیے ہیں۔ تازہ حملوں میں بھی ایک بڑی تعداد جام شہادت نوش کرچکی

ہے۔ عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ زمالقہ میں راکٹ کے حملے صاف سنائی دے رہے ہیں۔ متعدد علاقے تازہ حملوں کی لپیٹ میں ہیں اور انقلابی دستے محفوظ مقامات کی جانب کوچ کر رہے ہیں تاکہ مزید ممکنہ کیمیائی حملوں سے بچا جاسکے۔

شامی فوج کی جانب سے کیمیائی حملوں کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے اسرائیلی وزیر دفاع موشے یالون نے کہا ہے کہ "شام میں حکومت نے کے میائی ہتھیاروں کا استعمال کیا ہے اور یہ پہلی بار نہیں ہے۔" جبکہ ایران اور روس نے بشار الاسد اور شامی فوج کو بے گناہ قرار دے دیا۔ ایران کے مطابق اگر شام میں انسانی جانوں کا ضیاع ہوا بھی ہے تو یہ شامی انقلابیوں کی کارروائی ہے۔ روس نے بھی کیمیائی حملے کو انقلابیوں کی سوچی سمجھی کارروائی قرار دیا ہے۔ امریکی اخبار وال اسٹریٹ جرنل میں ایک امریکی اہلکار کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ اس بات کے 'ٹھوس اشارے' موجود ہیں کہ حکومت نے کیمیائی ہتھیار استعمال کیے ہیں۔ خیال رہے کہ اس واقعے میں مرنے والے افراد کی تعداد ماضی میں کسی بھی کیمیائی حملے میں مرنے والوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔ اتنی بڑی تعداد میں جعلی طور پر مرنے اور زخمی ہونے والوں کو دکھانا بہت مشکل ہے۔ ان کے جسموں پر زخموں کے نشانات نہیں ہیں، وہ تڑپ تڑپ کر جان دے رہے تھے اور ان کے منہ سے جھاگ بھی نکل رہی تھی۔ شام میں 1988 میں عراقی کردوں پر کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال جس کے نتیجے میں ہزاروں کردوں کی ہلاکت کے بعد یہ پہلا

بڑا واقعہ ہے جس میں اتنی بڑی تعداد میں لوگ مارے گئے ہیں۔ گزشتہ برس شامی حکومت سے منحرف ہونے والے نواف فارس نے بتایا تھا کہ اسد کی حکومت ضرورت پڑنے پر کیمیائی ہتھیار استعمال کرنے سے نہیں ہچکچائے گی۔

دوسری جانب سلامتی کونسل نے حملے کی تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے جبکہ شامی حکومت پر وقوعہ تک اقوام متحدہ کے معاینہ کاروں کو رسائی دینے کے لیے دباؤ بڑھ رہا ہے۔ ترکی کے وزیرِ خارجہ احمد داؤد اوگلو نے کارروائی کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ' تمام سرخ لائنوں کو عبور کیا جا چکا ہے لیکن ابھی تک اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے'۔ اقوام متحدہ کے مطابق شام میں اب تک ایک لاکھ سے زیادہ لوگ مارے جا چکے ہیں۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے شام کے معاملے پر کافی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا ہے، جس کے سبب وہاں خونریزی جاری ہے۔ انہوں نے کہا اگر ہم پابندیاں منظور نہ کر پائے تو ہم وہاں خونریزی کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے میں" ناکام ہو جائیں گے۔" ترک وزیر خارجہ نے متنبہ بھی کیا کہ اگر فیصلہ کن اقدامات نہیں اٹھائے گئے، تو شام میں مزید خونریزی ہو سکتی ہے۔ برطانیہ، فرانس اور ترکی سمیت چھتیس ممالک نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون سے تحریری طور پر شام میں کیمیائی حملے میں بے شمار افراد کی ہلاکت پر سخت عالمی رد عمل کا مطالبہ کیا ہے۔

برطانیہ نے مطالبہ کیا ہے کہ شام میں

پہلے سے موجود اقوام متحدہ کے معائنہ کاروں کو دارالحکومت دمشق کے نواح میں اس مقام تک رسائی دی جائے جہاں پر ہلاکتیں ہوئی ہیں۔ فرانس کے وزیرِ خارجہ لورنٹ فیبیس کا کہنا ہے کہ اگر حملہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا 'طاقت سے ردعمل' ہونا چاہیے۔ اسی حوالے سے کیمیائی حملے کی خبر کے بعد اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا بدھ کو ایک ہنگامی اجلاس بھی ہوا۔ جس کے بعد اقوامِ متحدہ کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل جین الیاسن نے کہا ہے یہ واقعہ شام کی صورتحال میں ایک اہم اور سنجیدہ تبدیلی ہے۔ سلامتی کونسل کے اجلاس میں واقعے کی فوری اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کا مطالبہ کیا گیا۔ اقوامِ متحدہ کے لیے ارجنٹائن کی سفیر ماریا کرسٹینا پرویسال نے بتایا کہ 'کونسل کے ارکان کو ان الزامات پر سخت تشویش ہے، یہ عمومی تاثر یہی ہے کہ اس معاملے کی حقیقت جانی جائے۔' اقوام متحدہ کے انسپکٹر اتوار کو شام پہنچے ہیں اور وہ وہاں اس سے پہلے ہونے والے کیمیائی ہتھیاروں کے حملوں سے متعلق الزامات کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ ان معائنہ کاروں کا کہنا ہے کہ اگر انہیں اجازت دی جاتی ہے تو وہ تازہ حملے کی تحقیقات کے لیے بھی تیار ہیں۔ اس سے قبل شامی حزبِ اختلاف نے کہا تھا کہ مہلک کیمیائی ہتھیاروں سے لیس راکٹوں سے دمشق کے مضافاتی علاقے غوتہ پر بدھ کی صبح حملے کیے گئے۔ شام کے بارے عام خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے پاس اب تک بڑی غیر اعلانیہ مقدار میں کیمیائی ہتھیار ہیں جن میں سارین گیس اور اعصاب کو شل کرنے والے ایجنٹ شامل ہیں۔

اقوام متحدہ کے ترجمان نے کہا ہے کہ سلامتی کونسل نے سیکرٹری جنرل بان کی مون کے اس مطالبے کی حمایت کی ہے جس میں انہوں نے شام سے کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے الزامات کی بلاتاخیر، مکمل اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کا کہا تھا۔ اس سے قبل نیویارک میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا ہنگامی اجلاس ہوا جس کے دوران شام میں کیمیائی ہتھیاروں کے مبینہ استعمال پر سخت تشویش کا اظہار کیا گیا۔ اجلاس میں روس اور چین نے سلامتی کونسل کے ایک سخت بیان کو روک دیا جس میں شام میں موجود کیمیائی ہتھیاروں کے معائنہ کاروں سے اس واقعے کی تحقیقات کروانے کا کہا گیا تھا۔ وائٹ ہاؤس کے ترجمان کے مطابق شام میں شہریوں کے خلاف کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال ناقابل قبول ہے۔ اقوام متحدہ کو دمشق میں قتل عام بند کرانا ہوگا۔ اقوام متحدہ کے حکام نے کہا ہے کہ شام میں موجود ادارے کے معائنہ کاروں کو دمشق کے کیمیائی حملے سے متاثرہ مقام تک رسائی دلوانے کے لیے سفارتی کوششیں جاری ہیں۔ پاکستان نے بھی کیمیائی حملے پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ شام میں کیمیائی ہتھیاروں کے حالیہ الزام کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کے اقدام کی مکمل حمایت کرتا ہے، پاکستانی سفیر مسعود خان نے سلامتی کونسل کے ہنگامی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اپوزیشن کی طرف سے کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے دعوے پر یہ انتہائی ضروری ہے کہ غیر جانبدارانہ تحقیقات کے ذریعے حقائق سامنے لائے

جائیں۔

یہ واضح رہے کہ شام میں گزشتہ دو سال سے لڑائی جاری ہے جس میں اب تک ڈیڑھ لاکھ افراد جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور زخمی ہونے والوں کی تعداد کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔اس لڑائی میں متاثر ہونے والے افراد کی تعداد لاکھوں میں ہے، بشار الاسد کی فوج کے مظالم سے شام سے نقل مکانی کرنے والے صرف بچوں ہی کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ اقوامِ متحدہ کے ادارے برائے مہاجرین اور یونیسف کا کہنا ہے کہ شام میں جاری لڑائی کے باعث وہاں سے بھاگنے پر مجبور بچوں کی تعداد دس لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ اب تک بیس لاکھ سے زائد بچے بے گھر ہو چکے ہیں۔ شام سے بھاگنے والے تین چوتھائی بچوں کی عمریں گیارہ سال سے کم ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے ہائی کمشنر برائے مہاجرین اینٹونیو کا کہنا ہے کہ شام کے نوجوان اپنے گھروں، خاندان کے افراد اور مستقبل کھو رہے ہیں۔ شام سے بھاگنے والے بچے لبنان، اردن، ترکی، عراق اور مصر پہنچ رہے ہیں اور ان کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔اقوامِ متحدہ کے ادارے برائے مہاجرین اور یونیسف کا کہنا ہے کہ وہ ان بچوں کی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہیں۔یونیسف کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر ہینتھونی لیک کا کہنا ہے کہ ہمیں اس شرمندگی کو بانٹنا چاہیے۔اقوامِ متحدہ کا کہنا ہے کہ شام میں جاری بحران گزشتہ بیس سالوں میں سب سے بڑا بحران ہے۔

دنیا کی روح

ایک بار فیثا غورث سے کسی نے سوال کیا کہ وقت کی حقیقت کیا ہے؟ فیثا غورث نے جواب دیا، "وقت اس دنیا کی روح ہے۔" کسی دانشور نے ایک بار یاران نکتہ داں سے پوچھا کہ بتاؤ! اس کائنات میں مہنگی ترین چیز کیا ہے؟ کسی نے سونے کو مہنگی چیز کہا، کسی نے ہیرے کو مہنگی شے قرار دیا۔ دانشور کو کسی کا بھی جواب درست نہیں لگا تو خود ہی فرمایا کہ دنیا میں قیمتی ترین شے "وقت" ہے۔ مشہور فرانسیسی فلسفی ادیب وولٹائر نے اپنی کتاب "زیڈگ۔۔۔ تقدیر کا ایک بھید" میں وقت کے متعلق ایک دلچسپ سوال و جواب کا ذکر کیا ہے۔ کسی نے زیڈگ سے سوال کیا: "وہ کون سی چیز ہے جو سب سے زیادہ طویل ہے مگر سب سے مختصر بھی، سب سے تیز رفتار بھی اور سست ترین بھی، سب سے زیادہ تقسیم ہو جانے والی بھی اور سب سے زیادہ کھنچ جانے والی بھی، سب سے زیادہ نظر انداز بھی کی جاتی ہے مگر سب سے زیادہ افسوس بھی اسی کا ہوتا ہے۔ ایسی چیز جو معمولی چیزوں کو ختم کر دیتی ہے مگر غیر معمولی چیزوں کو دوام بخش دیتی ہے؟۔" زیڈگ نے بلاتردد جواب دیا "وقت" اور مزید کہا: "وقت سے زیادہ طویل کوئی چیز نہیں کیونکہ یہ ابدیت کا پیمانہ ہے۔ اس سے زیادہ مختصر شے کوئی نہیں، کیونکہ یہ ہماری آرزؤں کی تکمیل کے لیے ہمیشہ ناکافی ثابت ہوتا ہے۔ جو کسی امید کے انتظار میں ہو اس کے لیے اس

سے زیادہ سست رفتار کوئی چیز نہیں۔ جو خوشی و مسرت کے لمحات میں ہو اس کے لیے اس سے زیادہ تیز رفتار کوئی شے نہیں۔ طول میں یہ ابدیت تک پہنچتا ہے اور چھوٹا ہونے کی بات ہو تو سیکنڈ کے کروڑویں، اربویں حصے میں بھی تقسیم ہو سکتا ہے۔ ہر شخص اسے نظر انداز کرتا ہے اور سب ہی اس کے ضائع ہونے پر افسوس کرتے ہیں۔ یہ ہر معمولی واقعے کو آئندہ نسل میں منتقل ہونے سے قبل ہی طاق نسیان کے حوالے کر دیتا ہے اور ہر ایسے عمل کو لافانی بنا دیتا ہے جو واقعی عظیم ہو۔

قرآن مجید میں جا بجا "وقت" کی قدر و اہمیت کے روشن حوالے ملتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ الفجر میں وقتِ فجر اور عشرہ ذوالحجہ کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: فجر کے وقت کی قسم اور دس راتوں کی قسم۔" سورۃ الضحیٰ میں وقت چاشت کی قسم" کھاتے ہوئے فرمایا: "قسم ہے وقتِ چاشت کی اور قسم ہے رات کے وقت کی جب وہ چھا جائے۔" سورۃ العصر میں عصر کے وقت کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: "قسم ہے زمانے کی، انسان خسارے میں ہے۔" یہ حقیقت ہے کہ گزرا "وقت" واپس نہیں آتا مگر آنے والا ہر لمحہ اور ہر صبح، طلوع ہونے والے سورج کی کرنوں سے پھوٹنے والی روشنی "امید" کا پیغام ضرور دیتی ہے۔انسان کے پاس سب سے نفیس ترین اور سب سے قیمتی چیز وقت ہی ہے۔ ہم اپنے عمل اور کوشش سے جو بھی حاصل کرنا چاہیں اس کی کامیابی کا راز وقت کے درست استعمال میں

ہی پوشیدہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بالکل بجا ہے کہ وقت گزرتے ہوئے واقعات کا ایک دریا ہے، اس کا بہاؤ تیز اور زبردست ہے، جونہی کوئی چیز اس کی زد میں آتی ہے اس کی لہریں اسے اپنے ساتھ بہالے جاتی ہیں۔ پھر اور کوئی شے اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ لیکن وہ بھی اسی طرح بہہ جاتی ہے، صدیاں ریت کے ذروں کی طرح گرتی جاتی ہیں۔ عربی کی مثال ہے "الوقت سیف قاطع" وقت کاٹنے والی تلوار ہے۔ حکماء فرماتے ہیں کہ وقت سیال ہے، اسے کسی آن سکون نہیں۔ وقت ہمارے پاس اسی طرح آتا ہے جیسے کوئی دوست چپ چاپ بیش قیمت تحفہ جات اپنے ساتھ لاتا ہے لیکن اگر ہم ان سے فائدہ نہ اٹھائیں تو وہ اپنے تحائف سمیت چپکے سے واپس چلا جاتا ہے اور پھر کبھی واپس نہیں آتا۔ کھوئی ہوئی دولت محنت اور کفایت شعاری سے حاصل ہو سکتی ہے۔ کھویا ہوا علم مطالعہ کے ذریعے پا سکتے ہیں۔ کھوئی ہوئی تندرستی دوا سے مل سکتی ہے لیکن کھویا ہوا وقت لاکھ کوششوں کے باوجود بھی دوبارہ حاصل نہیں ہو سکتا، بعد میں انسان کو یہ سبق حاصل ہوتا ہے "پن چکی" اس پانی سے نہیں چل سکتی جو بہہ گیا ہو۔ وقت گزر جانے پر افسوس بے نتیجہ ہے، پھر پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں جگ گئیں کھیت، وقت کے فوت ہونے پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد ایک جگہ رقمطراز ہیں: "عرب کے فلسفی ابوالعلاء معری

نے زمانہ کا پورا پھیلاؤ تین دنوں کے اندر سمیٹ دیا ہے۔ کل جو گزچکا ہے، آج جو گزر رہا ہے، کل جو آنے والا ہے۔ لیکن تین زمانوں کی تقسیم میں نقص یہ تھا کہ جسے ہم "حال" کہتے ہیں وہ فی الحقیقت ہے ہی کہاں؟ یہاں وقت کا جو احساس بھی ہمیں میسر ہے، وہ یا تو "ماضی" کی نوعیت رکھتا ہے یا "مستقبل" کی اور انہی دونوں زمانوں کا ایک اضافی تسلسل ہے جسے ہم "حال" کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ماضی اور مستقبل کے علاوہ وقت کی ایک تیسری نوعیت بھی ہمارے سامنے آتی رہتی ہے۔ لیکن وہ اس تیزی کے ساتھ آتی اور نکل جاتی ہے کہ ہم اسے پکڑ نہیں سکتے، ہم اس کا پیچھا کرتے ہیں، لیکن ادھر ہم نے پیچھا کرنے کا خیال کیا اور ادھر اس نے اپنی نوعیت بدل ڈالی، اب تو ہمارے سامنے "ماضی" ہے جو جاچکا، یا "مستقبل" ہے جو ابھی آیا ہی نہیں، لیکن خود "حال" کا کوئی نام ونشان دکھائی نہیں دیتا، جس وقت ہم نے پیچھا کرنا چاہا تھا وہ "حال" تھا اور جو ہماری پکڑ میں آیا ہے، وہ "ماضی" ہے اور اگر حقیقت حال کو اور زیادہ نزدیک ہو کر دیکھیں تو واقعہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کی پوری مدت ایک صبح شام سے زیادہ نہیں، صبح آنکھیں کھلیں، دوپہر امید وبیم میں گزری، رات آئی تو پھر آنکھیں بند۔

ہر طلوع ہونے والا دن پکار پکار کر کہتا ہے: "اے انسان! میں ایک نوپید مخلوق ہوں، میں تیرے عمل پر شاہد ہوں، مجھ سے کچھ حاصل کرنا ہے تو کرلے

میں تو اب قیامت تک لوٹ کر نہیں آؤں گا۔" حدیث میں ہے: "مومن کے لیے دو خوف ہیں، ایک عاجل، جو گزر چکا ہے، معلوم نہیں خدا اس کا کیا کرے گا اور ایک آجل جو ابھی باقی ہے، معلوم نہیں اللہ اس میں کیا فیصلہ صادر فرمائے۔ انسان کو چاہیے کہ اپنی طاقت سے اپنے نفس کے لیے دنیا سے آخرت کے لیے جوانی سے بڑھاپے کے لیے اور زندگی سے قبل از موت کچھ نفع حاصل کرلے۔" وقت سے کام لینے والے اس تھوڑی سی زندگی میں کیا سے کیا بن گئے، اس کے برخلاف جنہوں نے اپنا وقت ضائع کیا وہ ساری زندگی پچھتاتے رہے۔

الغرض وقت ایک ایسی دولت ہے جو ہر شخص کو یکساں عطا ہوئی ہے۔ جو لوگ اس سرمائے کو معقول طور سے اور مناسب موقع پر کام میں لاتے ہیں، جسمانی راحت اور روحانی مسرت انہیں کو نصیب ہوتی ہے۔ وقت ہی کے صحیح استعمال سے ایک وحشی مہذب بن جاتا ہے، جاہل عالم بنتا ہے، مفلس تونگر بنتا ہے، ناداں دانا بنتا ہے۔ وقت ضائع کرنا ایک طرح کی خودکشی ہے، فرق اتنا ہے کہ خودکشی ہمیشہ کے لیے زندگی سے محروم کردیتی ہے اور اوقات کا ضیاع ایک محدود زمانے تک زندہ کو مردہ بنادیتا ہے۔

پاکستان کی امن پیشکش بھارتی جارحیت کی زد میں

بھارت ان دنوں شدید بوکھلاہٹ کا شکار ہے۔ بھارتی حکومت بری طرح سٹھیائی ہوئی ہے۔ پاگل پن میں بھارت گزشتہ کئی روز سے متعدد بار پاکستانی حدود کی خلاف ورزی کرچکا ہے۔ اتوار کے روز ایک بار پھر کوٹلی آزاد کشمیر میں بھارتی فوج نے نکیال سیکٹر لنجوٹ کے مقام پر بھرپور گولہ باری اور فائرنگ کی جس سے ایک خاتون سمیت دو افراد شہید اور ایک بچہ زخمی ہوگیا ہے جبکہ ایک گھر اور دو گاڑیاں مکمل طور پر تباہ ہو گئے۔ بھارتی فوج کی جانب سے شدید گولہ باری اور فائرنگ کے بعد علاقے میں خوف وہراس پھیل گیا۔ لوگ گھروں میں محصور ہو گئے۔ بھارتی فوج کی فائرنگ اور گولہ باری کا پاکستانی فوج نے جواب دیا جس کے بعد بھارت کی جانب سے فائرنگ اور گولہ باری کا سلسلہ رک گیا۔ بھارتی وزارت خارجہ کے ترجمان نے کہا ہے کہ پاک بھارت سرحد پر ہونے والی سیز فائر کی خلاف ورزیاں دہلی اور اسلام آباد کا آپس کا معاملہ ہے عالمی مسئلہ نہیں۔ سیز فائر کی خلاف ورزیوں کا مسئلہ دوطرفہ بات چیت سے حل کیا جا سکتا ہے۔اس معاملے پر بین الاقوامی سطح پر بات چیت کی کوئی ضرورت نہیں،دونوں اطراف سے سیز فائر کی خلاف ورزیاں ہوتی ہیں تاہم میڈیا کو ایسے واقعات کی ذمہ دارانہ رپورٹنگ کرنی چاہیے۔

پاکستان کی جانب سے شدید احتجاج کے باوجود بھارتی فوج کی جارحیت کا سلسلہ کئی روز سے جاری ہے۔ بھارتی فوج نے ہفتہ کی شام کنٹرول لائن پر نکیال سیکٹر کے علاقے ترکنڈی، داتوٹ، کلر گالا اور چارانی پر بلااشتعال فائرنگ اور گولہ باری کی۔ جمعہ کے روز بھارتی فوج نے کنٹرول لائن پر محاذ آرائی کرتے ہوئے پونچھ سیکٹر کے علاقے تروٹی میں بلااشتعال فائرنگ اور گولا باری کی جس سے ایک شہری زخمی اور ایک گھر تباہ ہوا۔ جمعرات کے روز راولاکوٹ کے رکھ چکری سیکٹر میں بھارتی فوج کی فائرنگ سے ایک سپاہی شہید جبکہ تتہ پانی سیکٹر میں بھارتی فوج کی بلااشتعال فائرنگ سے ایک اور فوجی جوان شہید ہوا۔ جبکہ نکیال سیکٹر میں بھی بھارتی فائرنگ سے دو افراد شدید زخمی ہوئے۔ بدھ کے روز لائن آف کنٹرول پر بھارت نے گزشتہ 15 روز کے دوران سب سے بڑی خلاف ورزی کی، شمالی علاقہ جات میں کارگل سیکٹر میں بدھ کو بھارتی فوج نے بلااشتعال فائرنگ اور شیلنگ کرکے پاک فوج کے کیپٹن سرفراز کو شہید اور سپاہی یاسین کو شدید زخمی کیا۔ منگل کو بھارتی افواج نے جارحیت کرتے ہوئے کوٹلی نکیال سیکٹر کے علاقے دوتھال میں مقامی آبادی پر شدید فائرنگ اور گولا باری شروع کر دی اور لائن آف کنٹرول اور سیز فائر کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پاکستان پر ہلکے اور بھاری ہتھیاروں سے فائرنگ کی جس دوران بڑے ہتھیاروں سے فائرنگ کی اور لوگ گھروں میں محصور ہوگئے۔ واضح رہے کہ بھارت ماہ رواں میں 40 سے زاید بار

کنٹرول لائن کی خلاف ورزی کر چکا ہے۔ بھارت کی طرف سے مسلسل جارحیت کرنے پر پاکستان اسلام آباد میں بھارتی ڈپٹی ہائی کمشنر کو متعدد مرتبہ دفتر خارجہ طلب کرکے احتجاج کر چکا ہے۔ تمام پاکستانی سیاستدان بھی بھارت کی جانب سے اس کے پاگل پن کی شدید الفاظ میں مذمت کر چکے ہیں۔ اس کے باوجود بھارتی کی جانب سے جارحیت جاری ہے۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بھارتی حکومت سرحدی خلاف ورزی کا الزام ہر بار الٹا پاکستان پر عاید کرکے خود کو بے گناہ ثابت کرنے کا ڈرامہ رچاتی ہے۔ بھارتی حکومت کے عہدیدار سرحدی خلاف ورزیوں پر غیر ذمے داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اشتعال انگیز بیانات دینا شروع کر دیتے ہیں جس سے حالات میں مزید تناؤ اور کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ بھارتی حکومت کی غیر ذمے داری کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ گزشتہ دنوں بھارتی وزیر دفاع نے یہ کہہ کر کہ بھارتی افواج حالات کے مطابق مناسب جواب دینے میں آزاد ہیں، تناؤ کو مزید بڑھا دیا۔ بھارتی میڈیا بھی عوام میں مزید اشتعال پھیلانے میں کسی سے پیچھے نہیں رہتا۔ اس کے برعکس پاکستانی حکومت اور میڈیا نے انتہائی ذمے داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے حالات کو مزید بگڑنے سے روکنے کی کوشش کی ہے۔ وزیراعظم نواز شریف نے برسراقتدار آنے کے بعد بھارت سے تنازعات کے حل کے لیے مذاکرات کا عندیہ تھا، جس کا بھارت کی جانب سے مثبت جواب نہیں دیا گیا۔ جبکہ پاکستان

بھارت سے تعلقات بڑھانے کا خواہاں ہے تاکہ خطے میں امن قائم ہو مگر بھارتی حکومت جواب میں سرحد پر مسلسل گولیاں برسا رہی ہے۔ بھارتی فائرنگ اور گولہ باری سے پاکستانی فوجی اور شہری شہید اور زخمی ہو رہے ہیں جب کہ پاکستانی افواج کی جانب سے صرف رد عمل کے طور پر فائرنگ کی جا رہی ہے۔ پاکستان نے ہمیشہ امن کی بات کی ہے اور آج بھی اپنے اس موقف پر کاربند ہے۔ پاکستانی وزیر اعظم میاں نواز شریف بھارت کو مذاکرات کی پیشکش بھی کر چکے ہیں لیکن بھارت نے ان کی پیشکش کا مثبت جواب نہیں دیا۔ بھارت پاکستانی حکومت کے امن کے پیغام کا جواب اگر اسی طرح گولی سے دیتا رہا تو خطے میں امن قائم کرنے کی تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ بھارتی فوج کی جانب سے سرحدی خلاف ورزیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے بھارتی وزارت خارجہ چور مچائے شور کے مصداق الٹا پاکستان پر الزامات عائد کر کے اسے عالمی برادری میں بدنام کرنا شروع کر دیتی ہے۔ بعض سیاسی ماہرین کا کہنا ہے کہ جب تک عالمی برادری کو بھارت کی جانب سے خطے کے امن کو تہہ و بالا کرنے کی مذموم سازشوں سے آگاہ نہیں کیا جائے گا وہ اپنے اوچھے ہتھکنڈوں سے باز نہیں آئے گا۔ بھارت کی ان مکارانہ حرکتوں کے باعث خطے کا امن داؤ پر لگ چکا ہے اور سرحدی کشیدگی پیدا ہونے سے جنگ کے خطرات منڈلانے لگے ہیں۔ خطے میں امن کے قیام کو پاکستان کی پالیسی میں ترجیحی حیثیت حاصل ہے۔ پاکستان تمام تر اختلافات کے باوجود افغانستان اور بھارت سے مذاکرات کے ذریعے مسائل حل کرنا چاہتا ہے۔ پاکستان کی پالیسی

گولی کے جواب میں گولی نہیں پر امن مذاکرات کا پیغام ہے۔ خطے میں امن کے قیام کے لیے بھارت کو جارحانہ رویہ ترک کرکے پاکستان کے دوستانہ پیغام کا جواب دوستانہ انداز میں دینا ہوگا، بغل میں چھری منہ میں رام رام کی منافقانہ پالیسی سے بھارت عالمی دنیا کی آنکھوں میں زیادہ دیر تک دھول جھونکنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

بھارت کی جانب سے مسلسل جارحیت کرنے پر متعدد پاکستانی رہنماؤں نے کہا ہے فوجی جوانوں کی شہادت پر صرف بھارتی ہائی کمشنر کی دفتر خارجہ طلبی کافی نہیں۔ حکمرانوں کو بھارت کے سامنے بھیگی بلی بننے کی بجائے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا ہوگی، حکمران ملکی سرحدوں کی حفاظت نہیں کر سکتے تو اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہوگی۔

جاسوس بھارتی طیاروں کی آئے روز پاکستانی سرحدوں کی خلاف ورزی لمحہ فکریہ ہے اور اس سے بڑا لمحہ فکریہ اس پر پاکستانی حکمرانوں کی خاموشی ہے۔ بھارت ہوش کے ناخن لے اسے لینے کے دینے پڑ سکتے ہیں۔ میاں نواز شریف کی طرف سے بھارت سے بار بار مذاکرات کی بھیک مانگنا اور تعلقات میں بہتری کی خواہش کا اظہار پاکستانی قوم کی توہین اور سبکی ہے۔ بھارت نے ایک بار بھی نواز شریف کی پیشکش کا مثبت جواب نہیں دیا، بلکہ نہایت ہی رعونت اور متکبرانہ انداز میں مذاکرات کی دعوت کو ٹھکرا دیا ہے اور سرحدوں پر بلا اشتعال فائرنگ کرکے پاکستانی فوج اور شہریوں کو

نشانہ بنا رہا ہے۔ وزیر اعظم پاکستان کا رویہ " ہم ہیں مشتاق اور وہ بے زار" والا ہے۔ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ بھارت تعلقات میں بہتری اور اس کا خواہش مند نہیں بلکہ بھارتی حکمران اور میڈیا جنگ کے شعلے بھڑکانے میں مصروف ہے۔ بھارت امن مذاکرات کو ہماری کمزوری نہ سمجھے۔

پاکستان میں شیعہ سنی فسادات کی سازش کی جارہی ہے

بھکر میں شیعہ سنی تنازع شدت اختیار کرتا جارہا ہے۔اس تنازع کی وجہ سے اب تک پندرہ افراد مارے جاچکے ہیں ، چودہ افراد لاپتا ہیں اور کئی افراد زخمی بھی ہوئے ہیں۔ مرنے والوں میں تین شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ باقیوں کا تعلق سنی مسلک سے ہے۔ بھکر تنازع اس وقت شروع ہوا، جب اہلسنت والجماعت کے ایک کارکن کا قتل ہوا تھا جس کے بعد جمعے کو اہلِ سنت والجماعت نے ایک احتجاجی جلوس نکالا، جب لوگ یہ جلوس ختم کرکے واپس جارہے تھے تو نعرے بازی کی وجہ سے شیعہ اور اہلسنت والجماعت کے کارکنوں کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ ہوگیا۔اس کے بعد معاملہ مزید بگڑگیا۔ واقعے کے بعد ضلع بھر میں صورت حال انتہائی کشیدہ ہوگئی، سیکورٹی ہائی الرٹ کردی گئی اور کشیدگی کے باعث ضلع بھر کے تعلیمی ادارے بند رکھنے کا اعلان بھی کیا گیا۔ مسلح افراد شہر کے مختلف علاقوں میں وقفے وقفے سے فائرنگ کرتے رہے۔ مکین گھروں میں محصور ہوگئے، بازاروں میں ہو کا عالم تھا۔ تمام مساجد میں اعلان کروائے گئے تھے کہ لوگ گھر سے باہر نہ نکلیں۔ واقعے کے خلاف اہلسنت والجماعت اور وحدت المسلمین نے احتجاج کیا۔ اہلسنّت والجماعت کے تحت نکالی گئی ریلی سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے کہا کہ اہلسنّت والجماعت پرامن

جماعت ہے۔ ہمارے شہداء کے قاتل گرفتار نہ ہوئے تو آئندہ ہفتے مونثر لائحہ عمل اختیار کریں گے۔ انتظامیہ ہمیں انصاف فراہم کرنے کی بجائے بند گلی میں دھکیل رہی ہے۔ ہم نے ضلع سے 11 جنازے اٹھا کر بھی ضلع کے امن کو برقرار رکھا انصاف نہ ملنے اور قاتلوں کی عدم گرفتاری کے باوجود ہم نے قانون کو ہاتھ میں نہیں لیا لیکن اب ضلعی انتظامیہ ایسے حالات پیدا کر رہی ہے کہ ہم قانون ہاتھ میں لیں۔ تصادم کے باعث کوٹلہ جام اور دریا خان میں کشیدگی کے باعث کاروبار بند رہا اور ضلع بھر میں کرفیو نافذ کیا گیا۔ اہلسنّت والجماعت کے سربراہ مولانا احمد لدھیانوی نے کہا ہے کہ انتظامیہ کو دہشت گردوں کی موجودگی کا پہلے سے علم تھا۔ حکومت پنجاب نے امن و امان کی بحالی کے لے آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کی ہدایت کی ہے۔ کوٹلہ جام میں اہلسنّت والجماعت کے 6 کارکنان کے قتل کرنے پر وحدت المسلمین، شیعہ علماء کونسل، 79 نامزد اور 70 نامعلوم کے خلاف تھانہ صدر بھکر نے مقدمہ درج کرلیا۔ پولیس نے ایف آئی آر میں دہشت گردی ایکٹ کے دفعات لگا کر مقدمہ درج کرلیا۔ جبکہ دوسری جانب بھکر پولیس نے اہلسنّت والجماعت کے مرکز جامعہ خلفاء راشدین پر چھاپا مارا اور موجود تمام اساتذہ اور طلبہ کو گرفتار کرلیا۔

اسی طرح اسلام آباد میں نامعلوم دہشتگردوں نے فائرنگ کرکے مدرسہ مدینۃالعلم کے استاذ سمیت دو افراد کو شہید کردیا تھا جس پر اہلسنت والجماعت نے اسلام آباد ہائی وے پر واقع مدرسے میں جمعے کی رات فائرنگ کے خلاف اتوار کے

روز پورے ملک کی اہم شاہراوں پر دھرنے دینے کا اعلان کیا ہے۔اسی سلسلے میں اتوار کے روز کراچی میں اہلسنت والجماعت کے ترجمان مولانا اکبر سعید احتجاجی ریلی سے واپس آ رہے تھے کہ نامعلوم افراد نے ان پر فائرنگ کردی، جس سے وہ شدید زخمی ہوگئے، انہیں ہسپتال لے جایا گیا تو وہ شہید ہو گئے۔ ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بننے والے اہلسنت و الجماعت کے ترجمان مولونا اکبر سعید فاروقی کی نماز جنازہ مولانا اورنگزیب فاروقی نے پڑھائی جس میں اہلسنت والجماعت کے رہنماؤں کے علاوہ لوگوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی، نماز جنازہ سے قبل شرکاء نے قائد آباد پر احتجاجی دھرنا دیا اور حکومت کے خلاف نعرے بازی کی، تاہم نماز جنازہ سے کے بعد مقتول کی میت انتہائی سخت سیکیورٹی میں نجی ایرلائن کے ذریعے ان کے آبائی علاقے مہمند ایجنسی روانہ کردی
گئی۔ مولانااورنگزیب فاروقی کا کہنا تھا کہ اہلسنت والجماعت رہنماؤں کو سیکورٹی فراہم نہیں کی جارہی۔ وزارت داخلہ کی جانب سے چند روز قبل حکومت سندھ کو 17 علماء کی فہرست دی تھی، جن میں ان پر قاتلانہ حملوں کی نشاندہی کی گئی تھی لیکن سندھ حکومت نے دہشت گردوں کی یہ وارننگ نظر انداز کردی، جبکہ اہلسنت والجماعت کے سربراہ مولانا احمد لدھیانوی نے مولانا اورنگزیب فارقی کے قاتلانہ حملے میں ملوث دہشت گردوں کی گرفتاری کے لیے حکومت کو پیر تک کی ڈیڈ لائن دی ہے۔

پاکستان میں متعدد سیاسی و مذہبی رہنماؤں نے بھکر، اسلام آباد اور کراچی واقعہ کی شدید مذمت کی اور ان واقعات کو ملک میں فرقہ وارانہ سازش کا حصہ قرار دیا۔

اہلسنت والجماعت کے سربراہ مولانا محمد احمد لدھیانوی نے کہا کہ پاکستان میں بھی ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت شام اور عراق جیسے حالات پیدا کیے جارہے ہیں اور حکومت کو اس کا نوٹس لینا چاہیے۔ا ±نہوں نے کہا کہ حکومت کو شدت پسندی کے واقعات کو روکنے کے لیے سنجیدہ کوششیں کرنی چاہیے۔اتوار کے روز ایک نجی ٹی وی پر جماعۃ الدعوہ کے سربراہ سے جب بھکر واقعہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ پاکستان میں بھارت، اسرائیل اور امریکا شیعہ سنی لڑائی کرانا چاہتا ہے۔اس مقصد کے لیے وہ بے بہا پیسہ بہا رہا ہے۔ان کا کہنا تھا کہ پاکستان میں شیعہ سنی کو لڑانے کی سازش کی جارہی ہے۔ بھارت و امریکا منظم سازشوں اور منصوبہ بندی کے تحت پاکستان میں شیعہ سنی فسادات کو ہوا دے رہے ہیں۔ پاکستان کے ہر گلی محلّہ میں باہمی لڑائی جھگڑے کی فضا پیدا کرکے ملک میں خانہ جنگی کی صورتحال پیدا کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ پاکستانی قوم اسلام دشمن قوتوں کی سازشوں کو سمجھے اور ملک میں اتحاد و یکجہتی کا ماحول پیدا کیا جائے۔ امریکا و بھارت نے پاکستان کے خلاف باقاعدہ جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ مذہبی و سیاسی جماعتیں اور علماء کرام عوام الناس کو اصل حقائق سے آگاہ کرتے ہوئے قوم کو متحد و بیدار کرنے کا فریضہ سرانجام دیں۔ امریکا اور اس کے اتحادی

افغانستان میں بدترین شکست پر اپنی آخری گیم کھیل رہے ہیں۔ کوئٹہ، کراچی اور دیگر شہروں میں فرقہ وارانہ دہشت گردی، لسانیت و علاقیت کو پروان چڑھایا جا رہا ہے۔ بیرونی قوتوں کی سازشوں سے باخبر رہنے کی ضرورت ہے۔اسی طرح سندھ پولیس نے کہا کہ کراچی میں شیعہ اور سنی علماء کرام کی جان کو شدید خطرات لاحق ہیں کیونکہ ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کی کوشش کی جارہی ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ پاکستان میں شیعہ سنی کو لڑانے میں امریکا و اسرائیل ملوث ہیں۔ وہ ہمیشہ سے اپنی اسی پالیسی پر عمل کرتے آئے ہیں۔امریکا نے عراق میں بھی شیعہ سنی کو لڑانے کی پالیسی پر پوری طرح عمل کیا۔ امریکاکے معروف تھنکٹ ٹینک رینڈ کارپوریشن نے عراق پر حملے کے بعد امریکا کی فوجی قیادت کی ہدایت پر "مسلم دنیا نائن الیون کے بعد" کے عنوان سے ایک تحقیقی رپورٹ تیار کی تھی۔ اس کا خلاصہ "نائن الیون کے بعد مسلم دنیا میں امریکی حکمت عملی" (US strategy in the Muslim World after 9/11) کے عنوان سے 2004ء میں جاری کیا گیا۔ اس رپورٹ میں امریکی حکومت کو مشورہ دیا گیا تھا کہ "عالم اسلام میں امریکی اہداف کے حصول کے لیے شیعہ سنی اور عرب غیر عرب اختلافات کو استعمال کیا جائے۔" معروف امریکی تجزیہ کار مائک وٹنی کے مطابق اس تحقیقی مطالعے کا بنیادی مقصد "فرقہ وارانہ، نسلی، علاقائی اور قومی سطحوں پر پائے جانے والے کلیدی اختلافات اور تنازعات کا تعین کرنا اور یہ اندازہ لگانا تھا کہ یہ اختلافات امریکا کو اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے

کیا مواقع فراہم کرتے ہیں۔"حیرت انگیز طور پر اس رپورٹ کی سفارشات کے عین مطابق عراق میں قابض استعماری قوتوں نے یہی حکمت عملی اختیار کی۔ اپریل 2004 ء میں بصرہ میں قابض افواج نے مجاہدین کا بہروپ بھر کر عام شہریوں کو بم دھماکوں کا نشانہ بنایا۔ اس کے دو ماہ بعد عراقی نیشنل گارڈز نے دو برطانوی سپاہیوں کو بارود سے بھری ہوئی ایک گاڑی، دہشت گردی کے لیے لے جاتے ہوئے پکڑا۔ یہ سپاہی روایتی عرب لباس میں تھے اور انہیں تحفظ فراہم کرنے کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ معروف تجزیہ کار کرٹ نمو نے اپنی ویب سائٹ پر 22 فروری 2006ء کو منظر عام پر آنے والے اپنے تجزیے میں ان واقعات کا حوالہ دیا تھا۔ یہ وہ واقعات ہیں جن میں سازش کھل گئی اور بات منظر عام پر آ گئی۔ تاہم ظاہر ہے کہ ایسے بیشتر سازشی اقدامات کو کامیابی سے خفیہ رکھا گیا ہوگا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ طریقہ ایک مستقل حکمت عملی کے طور پر اختیار کیا گیا۔ شیعوں اور ان کی عبادت گاہوں کو نشانہ بنا کر انہیں یہ تاثر دیا گیا کہ یہ سنیوں کا کام ہے۔ اسی طرح سنیوں اور ان کی عبادت گاہوں کو ہدف بنا کر انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ یہ شیعوں کی سازش ہے۔ عراق میں اس حکمت عملی کے مطابق حالات مسلسل خراب کیے جاتے رہے یہاں تک کہ 22 فروری 2006 ء کو سامراء کی مسجد عسکری میں بم رکھ کر وہ بڑا دھماکا کر ڈالا گیا جس میں اہل تشیع کے دو محترم ائمہ کے مزارات کو بھی نقصان پہنچا۔ اس بات نے شیعہ آبادی کو سنیوں کے خلاف بری طرح مشتعل کر دیا اور اس واردات کے

رد عمل میں چند گھنٹوں میں ہزاروں سنی مسلمان اور ان کی سینکڑوں مسجدیں تشدد کا نشانہ بن گئیں۔ اس واردات کے بعد عراق میں شیعہ سنی تصادم کے واقعات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا اور حالات کسی کے قابو میں نہ رہے۔ سامراء کی مسجد عسکری کے بم دھماکوں کو متعدد معروف امریکی تجزیہ نگاروں نے امریکی فوج اور ایجنسیوں کی کارروائی قرار دیا۔ کرٹ نمو (Kurt Nimmo) نے بدھ 22 فروری 2006ء کو اپنے تجزیے میں لکھا کہ سامراء کے مقدس مقامات میں بم دھماکوں کا مقصد اس اسرائیلی منصوبے کے اہداف کا حصول ہے جو پچھلی صدی کی آٹھویں دہائی میں Oded Yinon نے تیار کیا تھا۔ اس منصوبے کا ہدف "بلقانائزیشن آف عرب اینڈ مسلم سوسائٹی اینڈ کلچر" قرار دیا گیا تھا۔ یعنی جس طرح پہلی جنگ عظیم کے بعد بلقان کے مسلمانوں کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بانٹ کر ان کی طاقت ختم کردی گئی اسی طرح موجودہ عرب اور مسلم ملکوں کے بھی حصے بخرے کردیے جائیں تاکہ اسلام دشمن قوتوں کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ عراق کے اس تجربے کو پیش نظر رکھتے ہوئے پاکستان میں شیعہ سنی کو باہم لڑانے کی عین وہی سازش ہے جس پر عراق میں کامیابی سے عمل کیا جاچکا ہے۔

امریکا اور اسرائیل ہمیشہ سے اسلامی ممالک میں خانہ جنگی کو ہوا دیتے آئے ہیں۔ گزشتہ دنوں بیرون ملک جنگوں میں حصہ لینے والے سابق فوجیوں کے نیشنل کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے خود امریکا کے ریپبلکن سینیٹر رینڈ پال نے

واشنگٹن کی دفاعی پالیسیوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا ہے: "امریکا دنیا کے ہر کونے میں ہونے والی خانہ جنگی میں ملوث رہا ہے۔ وفاقی حکومت کے لیے آئین اور قوم کے دفاع سے بڑھ کر کوئی بڑی ترجیح نہیں ہوتی لیکن بعض اوقات میں سوچتا ہوں ہمارا دفاع دنیا کے کسی بھی کونے میں خانہ جنگی میں ملوث ہونے کی خواہش سے کمزور ہوا۔ اس نے پاکستان، لیبیا، مصر اور شام میں امریکی مداخلت کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ ہم کوئی بھی عملی قدم اٹھانے سے پہلے سوچتے نہیں کہ اس کا ردعمل کیا ہوگا، ہمارے ملک اور قوم کی بقاء کے لیے امن واشنگٹن کی اولین ترجیح ہونی چاہیے اور دنیا پر تھانیداری سے پرہیز کرنا چاہیے۔" ان حالات کو دیکھتے ہوئے فریقین کو چاہیے کہ ہر واقعہ کی ذمہ داری مخالفین پر نہیں ڈالنی چاہیے، ہوسکتا ہے ان واقعات میں کوئی تیسری قوت شامل ہو۔

افغانستان اور پاکستان ایک دوسرے سے تعاون کرنے پر متفق

امریکا کے افغانستان پر جارحیت کے بعد سے پورے خطے کے حالات انتہائی خراب ہیں۔جہاں ایک طرف افغانستان سے ملحق ممالک خصوصاً پاکستان کی معیشت کا پہیہ جام ہوگیا ہے، وہیں ان ممالک میں امن و سکون بھی مفقود ہے۔ پورے خطے کو بے شمار مسائل کا سامنا ہے۔اس حوالے سے افغانستان پورے خطے کے لیے دل کی حیثیت رکھتا ہے، اگر افغانستان مستحکم ہوگا تو دوسرے ممالک بھی مستحکم ہو سکتے ہیں،اور افغانستان کا استحکام پاکستان کے تعاون کے ساتھ بندھا ہے۔اس طرح افغانستان اور پاکستان کا آپس میں تعاون کرنا ایک دوسرے کی مجبوری بھی ہے اور ضرورت بھی۔فی الحال افغان حکومت کو پاکستان کے تعاون کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ وہاں غیر ملکی قابض افواج نے سب کچھ ملیامیٹ کرکے رکھ دیا ہے اور بہت سی مشکلات پیدا کردی ہیں، ان مشکلات سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے انتہائی زیادہ محنت اور توجہ کی ضرورت ہے۔ویسے بھی اگلے سال افغانستان میں موجود تقریبا 87 ہزار نیٹو فوجی ملک چھوڑنے کے وعدے کررہے ہیں جس کے بعد وہاں امن قائم کرنا افغان حکومت کے لیے ایک بڑے چیلنج سے کم نہیں ہوگا۔اسی حوالے سے حامد کرزئی اپنے تازہ اور غالباً بطور صدر آخری دورہ پاکستان سے بہت کچھ حاصل کرنے کی امید اور چند مطالبات کے ساتھ

اتوار کے روز اسلام آباد آئے۔ جہاں وزیراعظم کے مشیر برائے خارجہ امور سرتاج عزیز نے ان کا استقبال کیا۔ ان کے جہاز کو چکلالہ ائیر بیس پر اتارا گیا اور حامد کرزئی کو اکیس توپوں کی سلامی دی گئی۔ روایتی لباس میں ملبوس بچوں نے پھولوں کے گلدستے پیش کیے۔ یاد رہے کہ صدر حامد کرزئی نے پاکستان کا آخری دورہ تقریباً ڈیڑھ سال قبل کیا تھا۔ صدر کرزئی تقریباً 19 مرتبہ پاکستان آ چکے ہیں لیکن گیارہ مئی کے عام انتخابات میں پاکستان مسلم لیگ (ن) کی واضح اکثریت سے کامیابی اور میاں محمد نواز شریف کے وزیراعظم بننے کے بعد پہلی بار حامد کرزئی پاکستان آئے ہیں۔ صدر کرزئی کا کہنا تھا کہ پاکستان آ کر بہت خوشی ہوئی ہے۔

افغان صدر حامد کرزئی نے پاکستانی وزیراعظم اور صدر سے ملاقات کی اور دوطرفہ تعلقات اور خطہ کی ابھرتی ہوئی صورتحال سمیت باہمی دلچسپی کے تمام امور پر توجہ مرکوز کی گئی۔ صدر آصف علی زرداری کا کہنا تھا کہ افغانستان میں پائیدار امن و سلامتی پاکستان کے مفاد میں ہے۔ صدر زرداری کے بقول پاکستان افغانستان میں پائیدار امن کا خواہاں ہے۔ جبکہ وزیراعظم محمد نواز شریف نے بھی کہا ہے کہ پاکستان مستحکم اور مضبوط افغانستان کو انتہائی ناگزیر سمجھتا ہے، پرامن افغانستان ہی پاکستان کے مفاد میں ہے۔ پیر کی دوپہر اسلام آباد میں ایک مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے افغان صدر نے

کہا کہ ان کے وزیرِ اعظم پاکستان نواز شریف سے جامع مذاکرات ہوئے ہیں۔ پاکستان کی طرف سے مذاکرات میں وزیرِ خزانہ اسحاق ڈار، وزیرِ اعظم کے مشیر برائے خارجہ امور سرتاج عزیز، وزیرِ اعظم کے معاونِ خصوصی طارق فاطمی اور سیکرٹری خارجہ جلیل عباس جیلانی، پاکستانی فوج کے سربراہ جنرل اشفاق پرویز کیانی اور ڈی جی آئی ایس آئی بھی شریک تھے، جبکہ پاکستانی وفد کی سربراہی وزیرِ اعظم نواز شریف نے کی۔ افغانستان کی طرف سے مذاکرات میں ملک کے وزیرِ خزانہ، نائب وزیرِ خارجہ اور افغان اعلیٰ امن کونسل کے چیئرمین شریک ہوئے اور افغان وفد کی سربراہی صدر حامد کرزئی نے کی۔

پاکستان اور افغانستان نے تجارتی و اقتصادی تعاون کے فروغ اور دوسرے کئی معاملات کے معاہدے پر دستخط وزیر خزانہ اسحٰق ڈار اور ان کے افغان ہم منصب حضرت عمر زخیل وال نے دستخط کیے۔ وزیرِ اعظم نواز شریف اور افغان صدر حامد کرزئی بھی اس موقع پر موجود تھے۔ افغان صدر حامد کرزئی نے آمد کے فوری بعد وزیرِ اعظم نواز شریف سے ون آن ون ملاقات کی جو ایک گھنٹے سے بھی زیادہ دیر تک جاری رہی، ملاقات میں دونوں ممالک کے درمیان تعمیری رابطوں کے عمل کو آگے بڑھانے کے طریقوں پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ دونوں رہنماؤں نے پاکستان اور افغانستان کو درپیش مشترکہ چیلنجوں پر گفتگو کرتے ہوئے ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے عزم کا اظہار کیا۔ اس موقع پر پاکستان اور افغانستان نے

مشترکہ چیلنج کے خلاف مل کر لڑنے، تجارت، توانائی اور مواصلات کے شعبوں میں تعاون کو فروغ دینے کا فیصلہ کیا، افغان صدر نے وزیراعظم کو افغانستان کے دورے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کرلی۔ افغان صدر حامد کرزئی نے اس موقع پر کہا کہ بڑی امیدوں اور توقعات کے ساتھ پاکستان کا دورہ کر رہا ہوں، مجھے امید ہے کہ پاکستان طالبان کے ساتھ مذاکرات میں افغانستان کی مدد کرے گا۔ انتہا پسندی مشترکہ چیلنج ہے۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ پاکستان انتہا پسندی کے خلاف لڑائی، افغانستان میں امن و مفاہمت اور افغان امن کونسل اور طالبان کے درمیان مذاکرات کے لیے جو کچھ کر سکتا ہے کرے گا، اس ایجنڈے کے ساتھ ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔ افغان صدر نے یقین دہانی کرائی کہ کسی بھی نازک موڑ پر افغانستان پاکستان کے ساتھ کھڑا ہوگا، پاکستان سے بھی توقع رکھتے ہیں کہ مشکل وقت میں ہمارا ساتھ دے گا۔ افغان صدر حامد کرزئی نے پاکستان میں قید طالبان رہنماؤں جن میں ملا برادر سرفہرست ہیں کی رہائی پر زور دیا۔ ان کا کہنا تھا طالبان رہنماؤں کی رہائی کے بعد مذاکرات کا عمل آسانی سے آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔

وزیراعظم میاں نواز شریف نے کہا کہ افغان عوام کی مرضی اور خواہش کے مطابق افغانستان میں قیام امن کے لیے بھرپور کردار ادا کرنے کو تیار ہیں۔ افغان عوام کے مفاد کا تحفظ چاہتے ہیں، ہم نے تجارتی، توانائی اور مواصلاتی

رابطوں کو تقویت دینے کے لیے مل کر کام کرنے کا فیصلہ کیا ہے، ان اقدامات سے پاکستان، افغانستان اور پورے خطے کو ثمرات ملیں گے۔ وزیراعظم نے مواصلاتی منصوبہ جات، بجلی کے منصوبہ جات، ریل کے منصوبہ جات سمیت باہمی طور پر متفقہ چند منصوبہ جات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مواصلات کے شعبے میں طورخم جلال آباد اضافی کیرج وے کی جلد تکمیل اور دیگر شاہراتی منصوبے شامل ہیں، توانائی کے منصوبوں میں کاسا 1000" کی جلد تکمیل اور دریائے کنڑ پر مشترکہ ہائیڈل پاور منصوبے کی تعمیر" جبکہ ریل منصوبہ جات میں طورخم اور جلال آباد کے ساتھ ساتھ چمن سے سپین بولدک تک نئے ریل رابطے استوار کرنا شامل ہے۔ ان منصوبوں کے علاوہ ہم نے پاک افغان راہداری تجارت معاہدے پر جلد اور بھرپور عملدرآمد پر بھی اتفاق کیا ہے۔

انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان تعمیری رابطہ دونوں ممالک کے عوام، خطے اور دنیا کے لیے بہتر ہے۔ نواز شریف نے کہا کہ افغانستان نہ صرف پاکستان کا پڑوسی ملک ہے بلکہ دوست بھی ہے اور دونوں ممالک کے لوگوں کے درمیان محبت کا رشتہ قائم ہے۔ پاکستان کا مستقبل مستحکم افغانستان سے منسلک ہے، ہم افغانستان سمیت تمام ہمسایہ ممالک کے ساتھ بہتر تعلقات چاہتے ہیں اور افغانستان میں مفاہمتی عمل کی حمایت، قیام امن اور استحکام کے لئے کوششیں جاری رکھیں گے۔ پاکستان افغانستان کو متحد، پرامن اور مستحکم دیکھنا چاہتا ہے۔ واضح رہے کہ چند ماہ پہلے یہپاکستان کے وزیراعظم نواز شریف کے خارجہ

امور اور قومی سلامتی کے خصوصی مشیر سرتاج عزیز نے افغانستان میں قیام امن کے حوالے سے افغانستان کا دورہ کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر افغان رہنما چاہیں تو پاکستان افغانستان میں استحکام کے لیے افغان دھڑوں کے درمیان مذاکرات میں مدد دینے کے لیے تیار ہے۔ان کا کہنا تھا کہ افغان امن کونسل کی درخواست پر ہم نے طالبان کے 26 قیدیوں کو رہا کیا اور انھیں محفوظ راستہ بھی فراہم کیا۔سرتاج عزیز نے کہا تھا کہ 'پرامن اور مستحکم افغانستان پاکستان کے اپنے مفاد میں ہے'۔ افغانستان میں امن اور سلامتی کے بغیر پاکستان میں امن اور سلامتی کی گارنٹی نہیں دی جا سکتی۔

خیال رہے کہ وزیراعظم نواز شریف کی درخواست پر صدر حامد کرزئی نے پاکستان میں ایک دن مزید قیام کیا ہے۔ صدر حامد کرزئی کا دورہ پاکستان صرف ایک روز کا تھا صدر زرداری سے ملاقات کے بعد وطن روانہ ہونا تھا تاہم سفارتی ذرائع کا دعویٰ ہے صدر کرزئی نے مذاکرات میں پاکستانی قیادت سے بعض گرفتار افغان رہنماؤں کی رہائی کا مطالبہ کیا ان میں ملا عبدالغنی برادر شامل ہیں۔ کرزئی ملا برادر کی فوری رہائی چاہتے ہیں۔ حامد کرزئی مفاہمتی عمل کی کامیابی میں پاکستان کا بھرپور تعاون چاہتے ہیں۔اس لیے انھوں نے اپنے دورے کا وقت بڑھا دیا ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اگر دونوں ممالک آپس میں تعاون کریں تو یہ ایک اچھی بات ہے۔پاکستان کو بھی چاہیے کہ افغان صدر کے مطالبے پر عمل کرتے ہوئے

طالبان رہنماؤں کو رہا کرے تاکہ امن کا عمل آگے بڑھے۔ طالبان رہنماؤں کی قید کے صورت میں امن کے قیام میں دشواری ہو سکتی ہے۔

آمروں کی بے سکونی

شہنشاہ ایران "رضا شاہ پہلوی" 38 سال تک ایران کا حکمران رہا۔22 سال کی عمر میں پوری دنیا اسے شاہ ایران کے نام سے پکارنے لگی تھی۔1953 میں شاہ نے ڈاکٹر محمد مصدق کی منتخب حکومت کو ملیامیٹ کرکے محمد مصدق کو قید میں ڈال دیا اور اس کے بعد 25 سال ایران پر قابض رہا۔ یورپی پریس اسے "امریکن گورنر" کہتا تھا۔شاہ ایران کے دفتر میں "امریکی گرین فون" موجود تھا، امریکا سے جو ہدایت ملتی، اس پر فوری عمل درآمد کرتا۔ امریکی اشاروں پر اس نے ایران میں داڑھی اور پردہ جرم بنادیا اور عصر کی نماز کی ادائیگی پر پابندی لگادی۔ وہ اپنی سلطنت کو تین ہزار سال پرانی سلطنت قرار دیتا تھا،اس نے یہودیوں کو اسرائیل کے قیام میں مدد دی۔ 1948 میں ایران سے اسرائیلیوں کو اسرائیل میں جا کر بسنے کی قانونی اجازت دی۔ اسرئیل کی" موساد "کو تہران میں دفتر کھولنے کی بھی اجازت دی تاکہ یہودیوں کی آبادی کو اسرئیل منتقل کیا جاسکے۔ اسرائیل کو ایک آزاد ریاست کے طور پر قبول کرنے کے لیے اس نے 50,000ڈالر بھی وصول کیے۔

شاہ ایران کی امریکا نواز پالیسیوں کے خلاف ایرانی عوام نے احتجاج شروع کیا

تو شاہ نے ملت ایران کی صدائے احتجاج کو خاموش کرنے کے لیے ہزاروں جوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، قید میں ڈال دیا، یا شہر بدر کر دیا۔ درجن بھر شہروں میں مارشل لاء لگا کر ظلم و ستم کے کئی ریکارڈ قائم کیے۔ عوام نے ہمت نہ ہاری، تین برس مسلسل بپھرے عوام شاہ سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے صدائے احتجاج بلند کرتے رہے۔ بالآخر عوام نے اس آمر کو ملک چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ شاہ کا خیال تھا امریکا اب اس کی وفاداریوں کا بدلہ دے گا لیکن جوں ہی شاہ ایران کا طیارہ ایران کی حدود سے نکلا، امریکا نے آنکھیں پھیر لیں۔ شاہ پہلے مصر گیا، پھر مراکش، پھر بہاماس اور پھر میکسیکو۔ وہ اس دوران امریکا سے مسلسل مدد مانگتا رہا لیکن وائٹ ہاؤس نے اس کا ٹیلی فون تک نہ سنا۔ شاہ ایران مارا مارا پھرتا رہا، کسی نے اس کی مدد نہ کی۔ اس دوران شاہ نے مصر کے "صدر انور سادات" کو خط لکھا جس میں اس نے کہا کہ "میں دنیا کا سب سے بڑا بھکاری ہوں، خدا کے واسطے مجھے مصر میں آنے دو اور میری پہلی بیوی "ثریا" کے پہلو میں دفن ہونے دو" اس خط کو پڑھ کر "انور سادات" کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس نے یہ درخواست قبول کر لی۔ چند روز بعد شاہ نے "صدر انور سادات" سے ملاقات کی درخواست کر دی، جب "انور سادات" اس سے ملنے آیا تو شاہ نے کہا "جناب صدر! "آپ کے خیال میں میری آخری خواہش کیا ہو سکتی ہے؟ اس پر انور سادات نے جواب دیا کہ تم شہنشاہ رہے ہو، ہو سکتا ہے تم دوبارہ بادشاہت کی خواہش کرو، اس پر "رضا شاہ پہلوی" نے انکار میں سر ہلا

دیا۔ پھر کہا ہو سکتا ہے کہ تم اپنا آخر وقت آرام سے گزارنے کے لیے بہت ساری دولت کی تمنا کرو، لیکن "رضاشاہ پہلوی" نے اس پر بھی انکار میں سر ہلا دیا۔ تیسری مرتبہ "انور سادات" نے کہا کہ ہو سکتا ہے تم صحت اور آرام کی خواہش کرو؟ اس مرتبہ بھی رضاشاہ پہلوی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا کہ "میری آخری خواہش یہ ہے کہ اگر اللہ تعالی نے میری زندگی میں مہلت دینی ہے تو اتنی مہلت ضرور دے کہ میں سکون سے مر سکوں۔" ٹھیک تین دن بعد شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی کا قاہرہ میں اس قدر بے بسی کے عالم میں انتقال ہوا کہ انتقال کے وقت اس کے پاس اس کی تیسری بیوی کے سوا کوئی نہ تھا، لوگ اس کا جنازہ تک پڑھنے نہ آئے، چنانچہ اسے اس کے بیڈ روم ہی میں امانتاً دفن کر دیا گیا۔

یہ صرف ایک آمر کی کہانی نہیں بلکہ عوام پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ کر اپنے اقتدار کو طول دینے والا ہر آمر اور ڈکٹیٹر حکمران اسی انجام کا شکار ہوتا ہے۔ منتخب حکومتوں پر شب خون مار کر عوام کو تہہ و تیغ کرنے والا ہر ڈکٹیٹر ہی "سکون کی موت" کو ترستا ہے لیکن موت سکون سے نہیں مل پاتی۔ لوگوں کا سکون چھیننے والوں سے ہمیشہ کے لیے سکون چھین لیا جاتا ہے۔ ایڈولف ہٹلر کے جرمن قوم کی نسلی برتری کے فلسفے کے سبب ایک کروڑ 10 لاکھ لوگ موت کے منہ میں چلے گئے لیکن وہ خود سکون کی موت کو ترستا ترستا میں خود کشی 1945

کرلیتا ہے۔ یوگنڈا کا آمر عیدی امین اپنے ملک میں احتجاج کو کچلنے کے دوران تقریباً 5 لاکھ افراد کی ہلاکت کا سبب بنا۔ سکون کی موت اسے بھی نصیب نہ ہوئی اور جلا وطنی کی موت مرا۔ چلی کے آمر "جنرل اگارتے اگستو پنوشے" نے سی آئی اے کی مدد سے منتخب حکومت پر شب خون مارا، امریکا کے کہنے پر ہزاروں شہری قتل کرائے، جب عوام پنوشے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ لندن فرار ہوگیا، لندن آتے ہی پولیس نے اسے گرفتار کیا اور اس کے گھر میں نظر بند کردیا، اس کے خلاف مقدمہ چلا، اسے ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ دم توڑ گیا۔ اپنے مخالفین کی بستیوں کو صفحہ ہستی سے مٹادینے والے آمر صدام حسین نے زندگی کے آخری ایام ایک قبر نما گڑھے میں گزارے اور پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ عوام کا سکون چھیننے والا کرنل قذافی عوام کے ہی انتقام و غضب کا نشانہ بن کر مرا۔ انور سادات کو گولی ماری گئی۔ زین العابدین کو ملک بدر کردیا گیا ہے۔ حسنی مبارک زندگی کے آخری ایام ذلت و رسوائی کے ساتھ گزارنے پر مجبور ہے۔ پرویز مشرف عدالتوں کے چکر کاٹ رہا ہے۔ ان کے علاوہ بھی آمروں کی ایک لمبی فہرست ہے جن کی آخری عمر میں سکون ان کا مقدر نہ بنا سکا۔

اب مصر میں جنرل سیسی نے بھی ایک منتخب حکومت پر شب خون مار کر اور اپنا جمہوری حق مانگنے والے بے شمار لوگوں کو اپنی آمرانہ فطرت کی بھینٹ چڑھا کر بے سکون موت مرنے والے آمروں کی اقتدا کی ہے۔ سیسی نے اسلامی ملکوں میں

خانہ جنگی کی آگ لگانے والے امریکا اور اسرائیل کے اشارے پر یہ سب کچھ کیا ہے۔اس نے عوام کو اپنا حق مانگنے کی پاداش میں خون میں نہلا دیا ہے۔ان کو ٹینکوں کے تلے روند ڈالا۔پر امن عوام کو ٹینکوں تلے روندنے والے یہ تو بھول ہی گئے کہ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ ظلم کا اندھیر ہمیشہ نہیں رہتا۔آج اگر یہ عوام کو ٹینکوں تلے روند رہے ہیں تو کل یہی لوگ اپنے پیشوا آمروں کی طرح عوام کے پاؤں تلے روندے جائیں گے۔ان کو بھاگنے کی راہ نہیں ملے گی،پھر نہ تو امریکا ان کو بچائے گا اور نہ اسرائیل۔ قدرت کا ضابطہ یہی ہے۔آج تک کوئی بھی عوام کا قاتل آمر سکون کی موت نہیں مرا اور نہ کل مرے گا۔ شاہ ایران کے نقش قدم پر چلنے والوں کا انجام بھی شاہ ایران سے مختلف نہیں ہوگا۔ صرف سیسی ہی نہیں بلکہ نہتے شہریوں پر گولیاں اور گولے برسانے والی ظالم فوج کو امن کا پیامبر اور اپنے حق کا مطالبہ کرنے والے پر امن شہریوں کو دہشت گرد کہہ کر ظالم فوج پر اربوں ریال نچھاور کرنے والے لمبی قباؤں میں چھپے ہوئے بھی انہی کے ساتھ روندے جائیں گے۔جنرل سیسی یہ بات یاد رکھے کہ عوام کا سکون چھیننے والے آمروں کو کبھی سکون نہیں ملا۔ وہ آخری وقت بھی سکون کو ترستے ترستے مرجاتے ہیں لیکن ان کی آخری خواہش "سکون کی موت" بھی پوری نہیں ہو پاتی۔

اسلامی ممالک میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکانے والے

میں کئی روز سے اداسیوں کے سمندر میں غوطہ زن ہوں۔افسردگی کی لہریں میرا گھیراؤ کیے ہوئے ہیں۔ امیدیں دم توڑتی دکھائی دے رہی ہیں۔ اسلامی ممالک ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی مانند ایک ایک کرکے دشمن کی سازشوں کا شکار ہوتے چلے جارہے ہیں۔ایک کے بعد دوسرا اسلامی ملک خانہ جنگی کی جانب گامزن ہے۔ اب شام کے بعد مصر بھی دشمن کے نشانے پر ہے۔ کسی بھی اسلامی ملک کو مستحکم و مضبوط نہیں ہونے دیا جاتا۔ دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک کوئی بھی اسلامی ملک امن وآشتی کا گہوارا نہیں ۔بدامنی ،جنگ وجدل اور قتل وغارتگری کے دبیز میں لپٹی امت مسلمہ خود اپنی داستان الم سنا رہی ہے ۔ عالم اسلام کے زخموں سے رستا ہوا خون ہر کھلی آنکھ کو دکھائی دے رہا ہے۔ہر طرف لاشیں بکھری پڑی ہیں اور گولہ و بارود کی بو سے دماغ کی رگیں پھٹنے کو ہیں۔ عالم اسلام میں سکون و چین عنقا ہوچکا ہے۔اسلامی ممالک شورش زدہ ممالک میں تو سرفہرست جبکہ پرامن ممالک کی فہرست کی آخری سطروں میں بھی نام نظر نہ آتا۔ پیار ومحبت کا درس دینے والے مذہب کے پیروکار آپس میں ہی دست و گریباں ہیں۔ دنیا میں اور بھی بہت سی قومیں آباد ہیں لیکن ہر عتاب کا شکار ہم اور سب سے ارزاں خون مسلمان کا ہی ہے۔

امتیں اور بھی ہیں ، ان میں گنہگار بھی ہیں
عجز والے بھی ہیں ، مستِ مئے پندار بھی ہیں
ان میں کاہل بھی ہیں، غافل بھی ہشیار بھی ہیں
سینکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بیزار بھی ہیں
رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
.برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

میں اسلامی ممالک میں آپس میں قتل و غارت گری کی اصل وجہ کھوجنے کی کوشش میں مصروف تھا کہ ایک خبر نے میرے سامنے عالم اسلام میں خانہ جنگی کی آگ لگانے والے اصل ماسٹر مائنڈ کے چہرے کو بے نقاب کردیا۔ گزشتہ دنوں بیرون ملک جنگوں میں حصہ لینے والے سابق فوجیوں کے نیشنل کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے خود امریکا کے ریپبلکن سینیٹر رینڈ پال نے واشنگٹن کی دفاعی پالیسیوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا ہے: "امریکا دنیا کے ہر کونے میں ہونے والی خانہ جنگی میں ملوث رہا ہے۔ وفاقی حکومت کے لیے آئین اور قوم کے دفاع سے بڑھ کر کوئی بڑی ترجیح نہیں ہوتی لیکن بعض اوقات میں سوچتا ہوں ہمارا دفاع دنیا کے کسی بھی کونے میں خانہ جنگی میں ملوث ہونے کی خواہش سے کمزور ہوا۔ اس نے لیبیا، مصر اور شام میں امریکی مداخلت کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ ہم کوئی بھی عملی قدم اٹھانے سے پہلے سوچتے نہیں کہ

اس کا ردعمل کیا ہوگا، ہمارے ملک اور قوم کی بقاء کے لیے امن واشنگٹن کی اولین ترجیح ہونی چاہیے اور دنیا پر تھانیداری سے پرہیز کرنا چاہیے۔" اس بیان کے بعد میرے سامنے ساری حقیقت آشکارہ ہو گئی۔ مجھے اسلامی ممالک امریکا کی اس شرارت سے سب سے زیادہ متاثر نظر آئے ہیں۔ بہت سے اسلامی ممالک میں مسلمان سے مسلمان جنگ کرتا نظر آتا ہے۔ افغانستان، عراق، صومالیہ اور شام میں ایک نبی، ایک قرآن اور ایک مذہب کے ماننے والے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ایک دوسرے کے خلاف لڑ رہے ہیں اور دشمن اب مصر، ترکی، ایران، پاکستان اور سعودی عرب سمیت تمام اسلامی ممالک میں خانہ جنگی کی آگ سلگانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔

سوال یہ ہے کہ امریکا اسلامی دنیا کو خانہ جنگی کی طرف کیوں دھکیلنا چاہتا ہے؟ واضح ہو کہ امریکا یہ اقدام دو وجہ سے کرنا چاہتا ہے۔ پہلی وجہ تو یہ کہ خانہ جنگی کی صورت میں دونوں فریقوں کو اسلحہ کی ضرورت ہوتی ہے اور امریکا اس وقت دنیا میں اسلحہ کی مارکیٹ کے ایک بڑے حصے پر قابض ہے۔ امریکا سے اسلحہ خریدنے والے سب سے بڑے تاجر اسلامی ممالک ہی ہیں۔ نیویارک ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق 2012 میں ارب 30 کروڑ ڈالر مالیت کے ہتھیار فروخت کرکے امریکا دنیا میں اسلحہ فروخت 66 کرنے والا سب سے بڑا ملک رہا۔ اسلحے کی 85 ارب 30 کروڑ ڈالر کی مجموعی عالمی مارکیٹ میں صرف امریکا کے ہتھیاروں کی فروخت

فیصد سے زاید تھی۔ امریکی اسلحے کی سب سے زیادہ خریداری سعودی عرب، متحدہ 75 عرب امارات اور اومان کی طرف سے کی گئی جو ایک سال میں ہتھیاروں کی فروخت کا امریکی تاریخ کا سب سے بڑا ریکارڈ ہے۔ ان ممالک نے امریکا سے قیمتی جنگی طیارے اور میزائل ڈیفنس سسٹم خریدا۔ سعودی عرب نے امریکا سے 33 ارب 4 کروڑ ڈالر کے ہتھیاروں کی خریداری میں 84 ایف 15 لڑاکا طیارے، میزائل اور دیگر اسلحے سمیت اپنی فضائی بیڑے میں موجود 70 ایف 15 طیاروں کی اہلیت میں اضافہ کیا۔ متحدہ عرب امارات نے 3 ارب 49 کروڑ ڈالر کا میزائل دفاعی نظام اور راڈار جبکہ 939 کروڑ ڈالر کے چنیوک ہیلی کاپٹر خریدے۔ اومان نے 1 ارب 4 کروڑ ڈالر کے 18 ایف 16 لڑاکا طیارے خریدے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے اسلامی ممالک بھی اس فہرست میں شامل ہیں۔ ترقی پذیر ممالک نے 71 ارب 5 کروڑ ڈالر کے اسلحے کی خریداری میں سے 56 ارب 3 کروڑ ڈالر کے ہتھیار اور اسلحہ امریکا سے خریدا۔ امریکا ہر سال اسلحہ کی تجارت میں مزید ترقی کر رہا ہے۔ وہ اسلامی ممالک کو جنگ کی بھٹی میں جھونک کر اپنا اسلحہ بیچنے سے جس قدر سرمایا کماتا ہے شاید کسی اور ذریعے سے اتنا نہ کماتا ہو۔

اسلامی ممالک کو خانہ جنگی کی طرف دھکیلنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ امریکا اسلامی ممالک کو خانہ جنگی کے ذریعے اسقدر کمزور کر دینا چاہتا ہے کہ مستقبل میں کبھی بھی یہ ممالک اس کے لیے خطرہ نہ بن سکیں۔ اسلامی ممالک ہمیشہ

امریکا کے کاسہ لیس بنے رہیں اور کمزور اسلامی ممالک پر وہ باآسانی قبضہ کرلے۔ اگر کوئی مسلم لیڈر امریکا کے اس خواب کی راہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش کرتا بھی ہے تو اسے راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ 1974 کو ذوالفقار علی بھٹو، شاہ فیصل، معمر قذافی، صدام حسین سمیت چند مسلم رہنماؤں نے اسلامی بلاک کے حوالے سے سنجیدگی سے کوشش کی تھی جس پر امریکا سمیت سامراج پیچ وتاب کھانے لگا، آخر کار سازشوں کے تانے بانے بن کر اسلامی بلاک کے نام لیواؤں کو راستے سے ہٹا دیا گیا۔ آج شاید عالم اسلام کے متحدہ اسلامی بینک کے قیام کے خواہاں، پیٹرول کی سپلائی کے حوالے سے اہم پیشرفت کرنے والے، اسلامی بلاک کے ذریعے مسلم ملکوں کے وقار اور مضبوط معیشت کے حامی رہنماؤں میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہیں بچا۔

امریکا اور عالم اسلام کے تمام بدخواہوں کی یہی خواہش ہے کہ کسی طرح تمام مسلمان آپس میں دست و گریباں ہوجائیں۔ ہر اسلامی ملک خانہ جنگی کی بھٹی میں جھونک دیا جائے۔ لیکن اسلامی ممالک کو دشمن کی چالوں کو سمجھ کر اس کی ہر ناپاک کوشش کو ناکام و نامراد لوٹانا ہوگا۔ اس کے لیے اتحاد سے بڑھ کر کوئی قوت نہیں ہے۔ خدا گواہ ہے کہ اگر مسلمان آپ علیہ السلام کی حدیث: "تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں" پر عمل کرلیں تو دنیا کی کوئی طاقت بھی انہیں زیر نہیں کرسکتی۔ دنیا میں مسلم ممالک کے وقار کو بحال کرنے اور اقوام

متحدہ کی کاسہ لیسی سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے تمام اسلامی ممالک کا متحدہ بلاک وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اگر اسلامی ممالک آج ہاتھوں میں ہاتھ دے کر سنجیدہ فیصلے نہیں کریں گے تو کل تمام اسلامی ممالک خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ سکتے ہیں۔

کراچی آپریشن : ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی میں ٹھن گئی

پاکستان کا معاشی مرکز کراچی بدامنی و بے سکونی کا استعارہ بن چکا ہے۔اس شہر بے اماں میں ہر طرح کے جرائم ہوتے ہیں۔روشنیوں کا شہر تاریکیوں میں ڈوب گیا ہے۔ہر آنے والا دن ان زخموں میں اضافہ اور آتش فشاں بننے کی نوید سناتا ہے۔اس کی سوگوار فضائیں آہ و بکا اور سسکیوں سے گونج رہی ہیں۔پورے شہر میں خوف و ہراس کا سماں اور ہو کا عالم ہے، دن بہ دن حالات بد سے بدتر ہوتے جارہے ہیں، بھتہ مافیا اور لینڈ مافیا کا راج ہے، دن دیہاڑے ٹارگٹ کلنگ کے نتیجے میں بے شمار گھروں کے چراغ گل ہوچکے ہیں۔ کبھی کراچی کے نام سے روشنیوں، رونقوں اور رعنائیوں کا تصور انگڑائی لیتا تھا، آج کراچی کا نام سنتے ہی سفید چادروں میں لپٹی لاشوں، بین کرتی ماوں، بہنوں، شعلوں میں لپٹی گاڑیوں، بے ہنگم برستی گولیوں، سائرن بجاتی ایمبولینسوں کا منظر نگاہوں میں ابھرتا ہے۔اس وقت صورتحال اس قدر ابتر اور ناگفتہ بہ ہوچکی ہے کہ کراچی میں اس وقت مختلف مافیاؤں کی غیر قانونی سرگرمیوں کے علاوہ سیاسی جماعتوں کی طرف سے شہر پر قبضے کے رجحان نے بھی اس شہر کو بے اماں کیاہے۔ پھرمافیاؤں کے کارندے سیاسی جماعتوں کی صفوں میں گھس کر شہر میں مسائل کو دوچند کرنے کا سبب بنے ہوئے ہیں۔کراچی کے شہری تو ایک

عرصے سے یہی کہتے آ رہے ہیں کہ کراچی میں قانون نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا تاجر بھی بھتا دینے پر مجبور ہے۔ اگر بھتا نہ دے تو قتل کر دیا جاتا ہے۔ قتل وغارتگری کا یہ حال ہے کہ بعض علاقے تو ایسے ہیں جہاں روز ہی ٹارگٹ کلنگ کا کوئی نہ کوئی واقعہ پیش آتا ہے۔ صرف گزشتہ دس روز میں ایک سو سے زائد شہری اندھی گولیوں کو نشانہ بن چکے ہیں۔

کراچی کے حالات کے پیش نظر گزشتہ چند دن سے ایم کیو ایم کراچی میں فوج بلانے کا مطالبہ کر رہی ہے۔ جبکہ صوبے میں حکمرانی کرنے والی پیپلز پارٹی اور تقریباً تمام سیاسی جماعتوں کا کہنا ہے کہ کراچی میں فوج کو بلانا کوئی بڑی سازش معلوم ہوتی ہے۔ گزشتہ روز صدر آصف علی زرداری نے کہا ہے کہ وفاق اور صوبوں میں منتخب حکومتیں اپنا کام کر رہی ہیں، منتخب ایوانوں کی موجودگی میں فوج بلانے کے مطالبے کا کوئی جواز نہیں، صوبائی حکومت عوام کے جان ومال کے تحفظ کیلئے جرائم پیشہ عناصر کو نشان عبرت بنائے، عوام کا تحفظ ہماری اولین ذمہ داری ہے۔ اس میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کی جائے گی۔ پیلز پارٹی کے رضا ربانی کا کہنا ہے کہ کراچی میں فوج آئی تو بنیادی حقوق معطل ہو جائیں گے۔ پیپلز پارٹی کے بعض رہنماؤں کا کہنا تھا کہ کراچی میں آپریشن کے لیے نصیر اللہ بابر جیسی مضبوط شخصیت کی ضرورت ہے۔ کراچی کے حالات بہت بگڑ چکے ہیں، ان کو سمیٹنے کے لیے سیاسی جماعتوں کا ایک نکتے پر

اکٹھا ہونا ضروری ہے۔ کراچی کو اسلحہ سے پاک کرنا ضروری ہے۔امیر جماعت اسلامی پاکستان سید منور حسن نے بھی کہا ہے کہ کراچی کو فوج کے حوالے کرنے سے پہلے سوات، وزیرستان اور کوئٹہ میں ہونے والے فوجی آپریشن کی رپورٹ قوم کے سامنے پیش کی جائے۔ فوج کو کراچی میں اتارا گیا تو پاکستان ایک ایسی دلدل میں پھنس جائے گا جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا، کراچی میں فوجی آپریشن کا مطالبہ ایسے وقت کیا گیا ہے، جب دشمن ملک بھارت نے لائن آف کنٹرول پر غیر اعلانیہ جنگ چھیڑ رکھی ہے جو بڑھ بھی سکتی ہے۔ جبکہ متحدہ قومی موومنٹ کا کہنا ہے کہ کراچی میں فوج کا بلانا انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ حکومت عوام کو تحفظ دینے میں بری طرح ناکام ہوچکی ہے۔

سپریم کورٹ کراچی رجسٹری میں کراچی بدامنی عمل درآمد کیس کے دوران چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے آئی جی سندھ اور چیف سیکرٹری کی رپورٹ پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ناحق خون کی ذمہ دار وفاقی اور صوبائی حکومت ہے، چیف جسٹس افتخار چودھری نے ریمارکس دیے کہ جب تک ادارے غیر جانبدار نہیں ہوں گے امن قائم نہیں ہوسکتا، کراچی پورٹ پر 19 ہزار کنٹینر غائب ہوئے، یہ ہزار کنٹینر افغانستان نہیں پہنچے، کنٹینروں میں موجود جدید ہتھیار کراچی، بلوچستان 19 اور دیگر شہروں میں استعمال ہورہے ہیں، سماعت کے دوران وفاقی حکومت نے کراچی کی صورتحال اور امن وامان سے متعلق

تجاویز پر مشتمل رپورٹ عدالت میں پیش کی۔جب ڈی آئی جی ساؤتھ امیر شیخ سے پوچھ گچھ کی گئی تو اس نے کہا ہے کہ میں اپنی ناکامی کا اظہار کرتا ہوں کیونکہ 1992 ءآپریشن میں حصہ لینے والے پولیس افسران و اہلکار چن چن کر مار دیے گئے۔ سنی تحریک، کچھی، بلوچ، متحدہ کے ملزمان پکڑتے ہیں تو مسلح افراد شہر جلانے لگتے ہیں، لیاری میں کرمنلز کے پیچھے جاتے ہیں تو بلوچ خواتین اور بچے سامنے آجاتے ہیں، اس وجہ سے پولیس افسران اور اہلکار خوفزدہ ہیں۔ ڈی آئی جی ساؤتھ نے عدالت کو بتایا کہ اگر اصولوں پر کام کریں تو ٹرانسفر کردیا جاتا ہے، میری پوسٹنگ دیکھ لیں کہیں 2 ماہ اور کہیں 4 ماہ کام کرنے دیا گیا۔ میں اس صورت حال میں خود کہہ رہا ہوں کہ نتیجہ نہیں دے سکتا۔ ہمیں کرمنلز کے خاتمے کے لیے مدد چاہیے، پوسٹنگ اور ٹرانسفر میرٹ پر ہونا چاہیے۔ چیف جسٹس پاکستان افتخار محمد چودھری نے ریمارکس دیے کہ آپ سمیت کسی پولیس افسر نے سپریم کورٹ کو کوئی لیٹر نہیں لکھا، کسی پولیس افسر نے نہیں لکھا کہ اسے کام کرنے کی بنیاد پر ہٹایا گیا، پولیس افسران حوصلہ دکھائیں، آپ بہادری سے کام کریں، اگر کوئی رکاوٹ ڈالے یا ہٹائے تو عدالت کو بتائیں، آئی جی صاحب ! آپ کچھ نہیں کر سکتے تو بتا دیں۔

وفاقی وزیر داخلہ نے کراچی آپریشن کی نگرانی کے لیے تمام اسٹیک ہولڈروں پر مشتمل کمیٹی بنانے کی تجویز دے دی ہے، چودھری نثار کا کہنا ہے کراچی میں فوج

بلانا سندھ حکومت کے ساتھ زیادتی ہوگا، پورے کراچی میں آپریشن کی ضرورت نہیں، ٹارگٹڈ کارروائی کی جائے گی۔ بھتا خوروں اور جرائم پیشہ افراد کے خلاف بلا امتیاز ٹارگٹڈ آپریشن کی ضرورت ہے، آپریشن کی سربراہی وزیراعلیٰ سندھ ہی کریں گے۔ وفاقی حکومت اور تمام سول آرمڈ فورسز اور خفیہ ادارے ان کے ساتھ تعاون کریں گے۔ عوامی نیشنل پارٹی نے کہا کراچی میں کسی مخصوص گروپ کے خلاف نہیں بھتا خوروں کے خلاف بلا تفریق آپریشن ہونا چاہیے۔ جماعت اسلامی کے رکن اسمبلی صاحبزادہ طارق اللہ نے کہا کہ کراچی کی صورتحال پر وزیر داخلہ کی بریفنگ خوش آیند ہے۔ جمعیت علماء اسلام (ف) کے رکن اسمبلی اکرم درانی نے کہا جمعیت علماء اسلام (ف) کراچی میں جرائم پیشہ افراد اور بھتا خوروں کے خلاف آپریشن کی بھرپور حمایت کرتی ہے۔ شاہ گل آفریدی نے کہا کہ کراچی کے حالات ٹھیک کرنے کے لیے مشترکہ حکمت عملی اپنانا ہوگی اس کے بغیر کراچی میں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ عوامی نیشنل پارٹی کے رکن امیر حیدر ہوتی نے کہا کہ کراچی میں بلوچ' پختون' سندھی اور پنجابی آباد ہیں' کوئی مخصوص گروپ نہیں ہے۔ سب سے پہلے بھتا خوروں کے گروپ کے خلاف آپریشن کریں۔

وفاقی حکومت کی جانب سے آپریشن کی بات ہونے سے پہلے ہی صوبائی حکومت نے کراچی میں ٹارگٹڈ آپریشن شروع کردیا تھا جس میں سو کے قریب ایم کیو ایم کے کارکنان اور ستر کے لگ بھگ اے این پی کے کارکنان شامل تھے۔ جس پر ایم کیو

ایم اور اے این پی نے بھرپور احتجاج کیا۔ متحدہ قومی موومنٹ نے کراچی میں اپنے کارکنوں کی گرفتاریوں پر حکومت سندھ کے خلاف علامتی واک آؤٹ کیا۔ ایم کیو ایم کے پارلیمانی لیڈر ڈاکٹر فاروق ستار نے کہا کہ گزشتہ رات حکومت سندھ کی جانب سے ایم کیو ایم اور اہلیان کراچی کے ساتھ متعصبانہ اور بدترین سلوک کیا گیا۔ بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کی گئی ہے ہم نے فوج کا مطالبہ تحفظ کے لیے کیا تھا۔ ہمارے جن کارکنوں کو گرفتار کیا گیا ان کے خلاف ماضی میں کوئی ایف آئی آر نہیں، ہمارے آئینی حقوق مانگنے کو جمہوریت کے منہ پر طمانچا قرار دیا تو جو انتقامی کارروائیاں ہمارے کارکنوں کے خلاف ہو رہی ہیں یہ جمہویت کے منہ پر گھونسے کے مترادف ہیں۔ متحدہ کے رہنما فاروق ستار نے کہا ہے کہ اگر 1990ء کی دہائی کی سیاست کو دہرایا گیا تو پاکستان کی سیاست کے لیے برا ہو گا۔ ایم کیو ایم کا حزب اختلاف کا کردار ہضم نہیں ہو رہا۔ سندھ حکومت کو تعمیراتی اپوزیشن برداشت نہیں۔ سندھ میں حکومتی طرز عمل آمرانہ ہے۔ نمائشی جمہوریت قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ایک طرف صوبائی حکومت ٹارگٹڈ آپریشن کرنے کی کوشش کر رہی ہے جبکہ دوسری طرف ایم کیو ایم کا پرزور مطالبہ ہے کہ کراچی میں فوج بلائی جائے۔

انسان کی تلاش

مشہور انگریزی ادیب آسکر وائلڈ نے 1890 میں "پکچر آف ڈورین گرے" کے نام سے ایک ناول لکھا، جس میں ایک 18 سالہ نوجوان ڈورین گرے کی صورت میں ایک ایسا کردار پیش کیا جو جرم اور گناہ کی دلدل میں دھنس جاتا ہے اور پھر اپنی تصویر بنانے والے مصور "باسل ہال ورڈ" کو قتل کر دیتا ہے۔ مگر یہ گناہ اسے چین نہیں لینے دیتا۔ جب بھی وہ اپنی تصویر کو دیکھتا ہے تو اسے اس میں اپنا بھیانک چہرہ نظر آتا ہے اور اسے اپنے قاتل ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ یہی احساس آخر کار اسے ایک دیوانگی میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ خودکشی کر لیتا ہے۔ اس ناول سے آسکر وائلڈ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسان بنیادی طور پر معصوم اور نیک فطرت ہوتا ہے۔ اگر نفرت، غصے یا وقتی لالچ کی بدولت وہ کسی انسان کا خون کر بھی بیٹھے تو اسے اس کا ضمیر چین سے نہیں رہنے دیتا۔ وہ ساری عمر پشیمان رہتا ہے اور یہ بوجھ لیے اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ دوسری طرف برطانوی افسانہ اور ڈرامہ نگار "سمرسٹ ماہم" آسکر وائلڈ کے اس نظریے سے اتفاق نہیں کرتا کہ قتل کرنے والے مجرم قتل کرنے کے بعد پشیمان ہوتے ہیں۔ اس کی لکھی ہوئی کہانیوں کے کردار قتل کرنے کے بعد شرمندہ نہیں ہوتے۔ ان کہانیوں میں خاص طور پر "این آفیشل پوزیشن" شامل ہے۔ یہ ایک ایسے پولیس آفیسر کی کہانی ہے جو اپنی

بیوی کو قتل کر دیتا ہے اور اسے بارہ سال کے لیے قید کی سزا سنائی جاتی ہے، مگر اسے اپنے کیے پر ذرا بھی پشیمانی نہیں ہوتی اور وہ اپنی زندگی کی تمام مصیبتوں کا ذمہ دار اپنی بیوی کو قرار دیتا ہے اور اس کے قتل کو درست فیصلہ سمجھتا ہے۔

مجھے سمرسٹ ماہم کے مقابلے میں آسکر وائلڈ کا نظریہ کچھ وزنی لگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ کرہ ارض پر لاکھوں قسم کی مخلوقات موجود ہیں، لیکن وہ سوچ سمجھ سے محروم ہیں۔ انسان وہ واحد جاندار ہے جو سوچ، سمجھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قدم قدم پر ٹوکنے والے ایک زندہ ضمیر سے نوازا ہے۔ یہ ضمیر ہی غلط کام کرنے پر انسان کو ہمیشہ ملامت کرتا ہے۔ لیکن حقائق آسکر وائلڈ کے نظریے کو جھٹلا کر سمرسٹ ماہم کے نظریے کو درست ثابت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دنیا میں رونما ہونے والے واقعات یہ بتلاتے ہیں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے نوزا ہے، اسے ہر قدم پر ٹوکنے والا ضمیر عنایت کیا ہے، وہ اچھے برے کی تمیز بھی کر سکتا ہے لیکن وہ انسانوں کو قتل کرنے کے بعد شرمندہ و پیشمان نہیں ہوتا۔ اگر وہ پیشمان ہوتا تو تواتر کے ساتھ دنیا میں انسانوں کا بے دریغ قتل عام نہ کرتا، انسان درندگی کی تمام سرحدیں عبور نہ کر جاتا۔ تمام اعلیٰ صفات کے باوجود انسان

کی تاریخ درندگی سے بھری پڑی ہے۔ چیر پھاڑ کرنے والے جنگل کے درندے تو اپنے پیٹ کی بھوک مٹانے کے لیے بیک وقت صرف ایک دو جانور کو ہی مارتے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی جنگل میں درندوں نے ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں جانوروں کو مار ڈالا ہو۔ لیکن اشرف المخلوقات مخلوق "انسان" بیک وقت لاکھوں انسانوں کو مار ڈالتا ہے اور اسے کسی قسم کی شرمندگی بھی نہیں ہوتی۔ ہیروشیما، ناگاساکی اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ جہاں لمحوں میں لاکھوں انسانوں کو موت کے منہ میں دھکیل دیا گیا تھا۔ یہ انسان ہی ہے جو انسانوں کی تباہی کے لیے لاکھوں افراد پر مشتمل فوج اور اربوں، کھربوں روپوں کے ہتھیار خریدتا اور بیچتا ہے۔ انسان کی درندگی میں انسان کی ترقی کے ساتھ ساتھ اضافہ ہی ہوا ہے۔ صلیبی جنگوں، پہلی اور دوسری عالمی جنگوں، 1947 کے قتل عام، ویت نام، کوریا کی جنگوں، فلسطین، کشمیر کی خونریزیوں، عراق، افغانستان پر جارحیت، شام، صومالیہ، مصر، لیبیا، پاکستان اور دنیا کے ہر کونے میں انسانوں کے ہاتھوں اب تک کروڑوں انسان مارے گئے ہیں۔ انسان، انسان کو قتل کرنے کی دھن میں پتھر کے ہتھیاروں سے لے کر ایٹمی ہتھیاروں تک پہنچ گیا۔ انسان سائنس ٹیکنالوجی سمیت زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کی اس معراج پر کھڑا ہے ماضی میں جس کا تصور بھی ممکن نہ تھا لیکن اس ترقی کے ساتھ اس کی درندگی میں اسی شدت سے اضافہ ہوا ہے۔

اشرف المخلوقات کی پوری تاریخ جنگوں، قتل و غارت سے بھری ہوئی ہے۔ پتھر کے دور سے سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور تک، جہل کے دور سے تہذیب وترقی کے اس دور تک، انسان انسان کا خون بہاتا آرہا ہے۔ جنگوں اور انسان کے ہاتھوں انسان کے قتل کا ہزاروں سال پر مشتمل بادشاہتوں کا دور رہا ہے، اس دور میں درندگی کے ایسے ایسے مظاہرے کیے گئے کہ اس کے تصور سے انسان کے سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔ جنگوں میں قتل عام کے شاہی حکم کے نتیجے میں بچوں، بڑوں، عورتوں، مردوں کو جس درندگی کے ساتھ قتل کیا گیا اور انسانی سروں کے مینار بنائے گئے۔ یہ اشرف المخلوقات کی تاریخ کا اس قدر بھیانک اور بدنما چہرہ ہے کہ جس کے تصور سے گھن آتی ہے۔ ہم اگر ان ادوار کو جہل کا نام دے کر درگزر کرنا چاہیں تو اکیسویں صدی کی ترقی یافتہ اور مہذب دنیا میں ہونے والی تاریخ کی بدترین جنگوں، عراق، افغانستان، فلسطین، بوسنیا، شام اور بے شمار علاقوں میں قتل عام کو کیا نام دیں جن میں لاکھوں بے گناہ انسان قتل کردیے گئے اور خونریزی کے اس عفریت کا کیا جواز پیش کریں جو تیزی سے ساری دنیا کو ہڑپ کرتا ہی جارہا ہے۔ مقدس مقامات تک اس کی ستم رانیوں سے محفوظ نہیں۔ پوری دنیا میں قتل و غارت گری کی ایسی آگ لگی ہوئی ہے جو بجھنے کا نام نہیں لے رہی۔ معمولی معمولی بات پر انسان، انسان کو قتل کررہا ہے۔ ہر طرف سے رونے کی آوازیں آرہی ہیں، ہر چہرہ مرجھایا سالگ رہا ہے، کہیں مایوسی بکھری نظر آتی ہے تو کہیں اداسی چھائی نظر آتی ہے، آنکھیں اشکبار اور دل مضطرب، آخر اس

کائنات کا کیا بنے گا؟ تہذیبی ترقی کا فطری تقاضا تو یہ تھا جہل کی ان یادگاروں کا خاتمہ ہو جاتا لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ پتھر کے دور کے ہتھیار تہذیبی ترقی کے ساتھ ترقی کر کے ٹینک، بحری اور فضائی جنگی جہازوں، راکٹوں، میزائلوں اور ایٹمی ہتھیاروں تک پہنچ گئے ہیں۔ ایٹمی ملکوں کے پاس ایٹمی ہتھیاروں کے اتنے ذخیرے موجود ہیں کہ دنیا کو کئی بار تباہ کر سکتے ہیں۔ کیا یہ سب کچھ صرف انسان کو قتل کرنے کے لیے نہیں ہے؟

انسان کو انسان بنانے کے لیے اب تک سیکڑوں فلسفے روشناس کرائے گئے۔ ہزاروں کتابیں لکھی گئیں۔ بے شمار نظریات پیش کیے گئے۔ سوا لاکھ پیغمبر انسان کو سدھارنے کے لیے تشریف لائے۔ آسمانی کتابوں کا نزول ہوا۔ مسجد، مندر، گرجا تعمیر ہوئے۔ علمائ، پنڈت، پادری، وعظ و نصیحت کے پھول بکھیرتے رہے۔ افلاطون، ارسطو، سقراط، بقراط سے لے کر مارکس، اینجلز، ہیگل تک سیکڑوں مفکرین اور فلسفیوں نے انسان کو انسان بنانے کے لیے مختلف فلسفے پیش کیے۔ لیکن ان ساری کوششوں کے باوجود انسان وحشی درندوں کی مانند انسانوں کے خون کی ہولی کھیلتا ہی رہا۔ دنیا میں انسان کی درندگی کو دیکھ کر مجھے مولانا رومی کا ایک شعر یاد آگیا۔ مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں:

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دیو و دد ملولم و انسانم آرزوست

شیخ کل شہر بھر میں چراغ لے کر پھرتا رہا کیونکہ وہ (کہہ رہا تھا کہ میں) جنوں، بھوتوں اور وحشی درندوں سے رنجیدہ خاطر ہوں اور انسان کی تلاش میں ہوں۔

عوام پر پھر پیٹرول حملہ

نواز حکومت بھی پیش روؤں کے نقش قدم پر

موجودہ حکومت نے اقتدار سنبھالنے کے بعد تیسری بار پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کرکے غریب عوام پر مہنگائی کا ایک اور ڈرون بم گرا دیا ہے۔ اوگرا نے پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کا نوٹیفکیشن جاری کردیا ہے۔ ملک میں پیٹرول کی قیمت تاریخ کی بلند ترین سطح پر جا پہنچی ہے۔ پیٹرول کی قیمت میں 4 روپے 64 پیسے لیٹر اضافہ کردیا گیا جس کے بعد پیٹرول کی نئی قیمت 109 روپے 14 پیسے فی لیٹر ہو گئی ہے۔ ہائی اسپیڈ ڈیزل کی قیمت 2 روپے 50 پیسے بڑھادی گئی، اب نئی قیمت 112 روپے 20 پیسے فی لیٹر مقرر کی گئی ہے۔ لائٹ ڈیزل کی قیمت 2 روپے 31 پیسے اضافے کے بعد 98 روپے 43 پیسے فی لیٹر کردی گئی۔ مٹی کا تیل 4 روپے 70 پیسے اضافے کے بعد اب 105 روپے 98 پیسے فی لیٹر ملے گا۔ ہائی اوکٹین کی قیمت میں 5 روپے 89 پیسے فی لیٹر اضافہ کیا گیا۔ ایچ او بی سی کی نئی قیمت 138 روپے 33 پیسے فی لیٹر ہوگی جب کہ جہازوں کے ایندھن جے پی ون کی قیمت میں 10 روپے فی لیٹر اضافہ کیا گیا۔ جے پی ون کی نئی قیمت 99 روپے 88 پیسے فی لیٹر مقرر کی گئی ہے۔ اوگرا کے

نوٹیفکیشن کے مطابق پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں کا اطلاق ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب رات 12 بجے سے ہوگیا ہے۔ ذرائع کے مطابق ہائی اسپیڈ ڈیزل کی قیمت میں ساڑھے 3 روپے اضافے کی تجویز دی گئی تھی جسے مسترد کردیا گیا۔ ادھر پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کے پیش نظر کئی شہروں میں پیٹرول پمپ بند رہے جس کے باعث لوگوں کو شدید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ عوام کے مطابق پیٹرول پمپ مالکان نے منافع کے چکر میں پٹرول پمپ بند رکھے۔ پیٹرولیم مصنوعات قیمتیں بڑھانے سے ریل، ٹرانسپورٹ کے ساتھ جہازوں کے کرائے بھی بڑھیں گے۔

یاد رہے کہ ن لیگ کی حکومت کو اقتدار سنبھالے ابھی ساڑھے 3 ماہ ہی ہوئے ہیں لیکن انہوں نے اس مختصر سے عرصے میں مسلسل تیسری بار پیٹرولیم مصنوعات میں اضافہ کرکے عوام کے لیے مزید مشکلات پیدا کردی ہیں۔ حکومت نے اپنے اقتدار کے پہلے 90 دنوں میں پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں 13 روپے 94 پیسے فی لیٹر کا اضافہ کردیا ہے۔ اس سے پہلے بھی ن لیگ کی حکومت 2 مرتبہ پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کرچکی ہے۔ وفاقی حکومت نے 31 جولائی کی رات کو بھی پیٹرولیم کی مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کا اعلان کیا تھا۔ پیٹرول 2 روپے 73 پیسے فی لیٹر اور ڈیزل کی قیمت میں 3 روپے فی لیٹر کا اضافہ کیا گیا تھا۔ ڈیزل کی ایکس ڈپو قیمت 106 روپے 76 پیسے سے بڑھ کر 109 روپے 76

پیسے فی لیٹر ہو گئی تھی۔ ریٹیل کی قیمتیں بڑے آئل ڈپو سے فاصلے کی بنیاد پر ایکس ڈپو قیمتوں سے 10 سے 40 پیسے بڑھ گئی تھیں۔ پیٹرول کی ایکس ڈپو قیمت میں 2 روپے پیسے کے اضافے کے بعد اس کی قیمت 101 روپے 77 پیسے سے بڑھ کر 104 73 روپے 50 پیسے فی لیٹر ہو گئی تھی۔ مٹی کے تیل کی ایکس ڈپو نرخ میں 4 روپے 99 پیسے اضافے کے بعد 101 روپے 28 پیسے فی لیٹر ہو گئے تھی، جو پہلے 96 روپے 29 پیسے تھے۔ ہائی اوکٹین بلینڈنگ کمپونٹ (ایچ او بی سی) کی قیمت 123 روپے 46 پیسے سے بڑھ کر 129 روپے فی لیٹر ہو گئی تھی۔ لائٹ ڈیزل کی قیمت 3 روپے 95 پیسے فی لیٹر کے اضافے کے بعد 96 روپے 12 پیسے فی لیٹر ہو گئی تھی، جو پہلے 92 روپے 17 پیسے فی لیٹر تھی جبکہ اس سے پہلے حکومت کی جانب سے جاری کیے گئے نوٹی فکیشن کے مطابق پیٹرول کی قیمت میں 2 روپے 66 پیسے، ایچ او بی سی کی قیمت میں 2 روپے 36 پیسے، مٹی کے تیل کی قیمت میں 2 روپے 50 پیسے، ہائی اسپیڈ ڈیزل 3 روپے 66 پیسے اور لائٹ ڈیزل کی قیمت میں 3 روپے 4 پیسے اضافہ کیا گیا تھا۔ اس طرح اب کی بار پیٹرول مصنوعات کی قیمت تاریخ کی بلند ترین سطح پر پہنچ گئی ہے۔ اس کے علاوہ جون میں حکومت نے پیٹرولیم مصنوعات میں ایک ماہ میں ہی دو مرتبہ اضافہ کیا تھا جس پر اپوزیشن نے شدید احتجاج کیا تھا۔ اپوزیشن کے احتجاج کے بعد سپریم کورٹ کو از خود نوٹس لینا پڑا تھا۔ جس کے بعد حکومت کو چوتھی بار کیا جانے والا اضافہ واپس لینا پڑا تھا۔

گزشتہ روز ملک کی اپوزیشن جماعتوں نے حکومت کی جانب سے پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں حالیہ اضافہ مسترد کردیا ہے۔ تحریک انصاف، پیپلز پارٹی، ایم کیو ایم اور عوامی نیشنل پارٹی نے پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں حالیہ اضافہ بلاجواز اور عوام دشمن قرار دیا ہے۔ پیپلز پارٹی کے ارکان سندھ اسمبلی کی جانب سے جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ مسلم لیگ (ن) کی حکومت عوام سے کیے گئے وعدوں کو پورا کرنے میں ناکام ہوگئی۔ پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتیں فوری کم کرکے عوام کو جینے کا حق دیا جائے۔ متحدہ قومی موومنٹ کی رابطہ کمیٹی نے پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ اسے واپس لے کر عوام کو سبسڈی دی جائے۔ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کا حکومتی اقدام شرم ناک ہے۔ اس سے عوام براہ راست متاثر ہوتے ہیں۔ عمران خان نے کہا کہ تحریک انصاف حکومت کے اس فیصلے کے خلاف قومی اسمبلی کے اندر اور باہر احتجاج کرے گی۔ عوامی نیشنل پارٹی کے سینیٹر زاہد خان نے سینیٹ میں تحریک التوا جمع کرانے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ حکومت نے 3 ماہ میں 4 مرتبہ پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کرکے عوام کی کمر توڑ دی ہے۔ جماعت اسلامی کے سربراہ سید منور حسن نے کہا ہے کہ مسلم لیگ (ن) کو ووٹ دینے والے مزید مہنگائی کے لیے تیار رہیں۔ اپوزیشن کا کہنا تھا کہ پیٹرولیم مصنوعات

کی قیمتوں میں اضافہ مہنگائی اور بے روزگاری کا سیلاب لائے گا۔ ن لیگ اقتدار میں آنے سے پہلے غریب عوام کو ریلیف دینے کا ڈھنڈورا پیٹتی رہی لیکن اقتدار میں آنے کے بعد ہر روز غریب عوام پر مہنگائی کا بم برسایا جارہا ہے جو انتہائی ظالمانہ اقدام ہے۔

دوسری جانب مختلف شہروں میں عوام نے پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کے خلاف احتجاج کیا۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ حکومت فوری طور پر حالیہ اضافے کو واپس لے اور عوام کو ریلیف دے۔ حکومت کی جانب سے پیٹرولیم مصنوعات میں مسلسل اضافے سے عوام شدید متاثر ہیں۔ ایک صارف کا کہنا تھا کہ پیٹرول کی قیمت میں اضافہ مزید مہنگائی کا سبب بنے گا۔ "اس کو مہنگا کرنے سے کرائے سے لے کر روزمرہ استعمال کی ہر چیز مہنگی ہوجاتی ہیں۔" ایک اور شخص نے ن لیگ کی حکومت کو ہدف تنقید بناتے ہوئے کہا کہ "ہماری حکومت اپنے سارے اخراجات پیٹرول (پر محصولات سے حاصل ہونے والی آمدن) سے پورے کرنا چاہ رہی ہے۔" ملک میں ٹرانسپورٹروں کی تنظیموں نے پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کو مسترد کرتے ہوئے حکومت سے اسے واپس لینے کا مطالبہ کیا ہے اور کہا ہے کہ ایسا نہ کیا گیا تو وہ کرائے بڑھانے پر مجبور ہوں گے۔

واضح رہے کہ ایک رپورٹ کے مطابق پاکستانی عوام دنیا میں سب سے مہنگا پیٹرول خریدنے پر مجبور ہیں۔ ایک گیلن کی قیمت عام شہری کی ڈیڑھ دن کی تنخواہ کے

برابر ہے۔ پاکستان میں ایک گیلن پیٹرول 5 ڈالر 13 سینٹ کا ملتا ہے جو عام مزدور کی روزانہ آمدنی سے 40 فی صد زاید ہے۔ اس طرح 60 ممالک کی فہرست میں پاکستان ٹاپ پر آگیا۔ بھارت میں ایک گیلن پٹرول کی قیمت 4 ڈالر 67 سینٹ ہے جب کہ بھارتی شہری کی اوسط آمدنی 3 ڈالر 97 سینٹ ہے۔ اس طرح وہ سوا یوم کی تنخواہ دے کر ایک گیلن پیٹرول خریدتا ہے جو پاکستان سے بہتر ہے۔ جب کہ چین میں ایک گیلن پیٹرول کی قیمت 4 ڈالر 87 سینٹ ہے۔ پیٹرول پمپ پر ایک چینی صارف کو اپنی روزانہ کی آمدنی کا 30 فی صد دینا پڑتا ہے۔ پاکستان میں گیسولین کی فروخت میں 22 فی صد کا اضافہ ہوا ہے۔ ایک امریکی اپنی آمدنی کا صرف 3 فی صد دے کر ایک گیلن پیٹرول خرید سکتا ہے۔ ناروے میں قیمت تو ساڑھے 10 ڈالر کے قریب ہے مگر یہ ایک شہری کی آمدنی کا صرف 4 فی صد ہے۔ واضح ہو کہ پیٹرول واحد ایسا پروڈکٹ ہے جس کے داموں میں ہونے والا اضافہ براہ راست عوام کو متاثر کرتا ہے۔ ایک زنجیر کی طرح، یکے بعد دیگرے پیٹرول کی قیمتوں کے اضافے سے پہلے نقل و حمل کے ذرائع یعنی کار، بس، موٹر سائیکل وغیرہ پر اثر پڑتا ہے۔ بسوں کے اور ٹیکسیوں کے کرائے میں اضافہ ہوتا ہے، پھر مال بردار گاڑیوں کے کرائے بڑھتے ہیں جس سے بازار میں گھریلو ضروریات، پھل سبزی وغیرہ کی قیمتوں میں اضافہ اور اس طرح جنگل کی آگ کی طرح ہر چیز مہنگائی کی لپیٹ میں گھر جاتی ہے۔ واضح رہے کہ پاکستان میں حکومت کسی کی بھی ہو سزا عوام کو ہی ملتی ہے، اس سے پہلے پیپلز پارٹی کی حکومت تھی تو وہ

بھی آئے دن پیٹرولیم مصنوعات میں اضافہ کرتے رہتے تھے، اس وقت نواز شریف کہتے تھے کہ پیپلز پارٹی عوام پر ظلم کر رہی ہے لیکن اب خود بھی نواز شریف صاحب اپنے پیش روؤں کے نقش قدم پر چل پڑے ہیں۔

بھارت میں خواتین کی آبروریزی میں ہندو مہنت بھی پیش پیش

بھارت، جہاں کی حکمران جماعت کی سربراہ خود ایک خاتون ہیں۔ وہاں خواتین کے لیے صورتحال کافی تشویش ناک ہے۔ کئی ملکی اور غیر ملکی خواتین وہاں اجتماعی زیادتی کا نشانہ بن چکی ہیں۔ جس کے بعد اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ بھارت خواتین کے لیے جہنم بنتا جارہا ہے۔ گزشتہ دنوں امریکا سے بھارت آئی ایک طالبہ نے کھلے الفاظ میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ "بھارت سیاحوں کے لیے جنت، پر خواتین کے لیے جہنم۔۔۔" یہ الفاظ ہیں ایک امریکی طالبہ کے، جس نے یہ جملے بھارت کا دورہ کرنے کے بعد لکھے۔ Cross Michaela جو خود مغربی تہذیب کے سائے میں پلی بڑھی۔ اس کے لیے بحیثیت خاتون بھارت جانے کا تجربہ کتنا تلخ رہا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ وہاں سے ذہنی مریضہ بن کر لوٹی اور اسکول سے غیر حاضر ہے۔ اسٹڈی ٹور پر وہاں جانے والی "مشعلا" کے لیے بھارت اب ایک ڈراؤنا خواب ہے۔ وہاں گزرے تین مہینوں کے بارے میں وہ بتاتی ہے کہ وہاں اس کے ساتھ دو دن کے دوران دو بار زیادتی کی کوشش کی گئی۔ بازاروں میں لوگ اسے چھونے اور ٹکرانے کی کوشش کرتے رہے اور کچھ مرد تو گھنٹوں بری نظروں سے اسے گھورتے رہے۔ فیسٹیولز کے دوران لڑکے اس کی وڈیو بناتے رہے اور اس پر فقرے کستے رہے۔ امریکی طالبہ کے

مطابق جب صورتحال برداشت سے باہر ہوئی تو وہ واپس لوٹ گئی۔

امریکی طالبہ ہی نہیں بھارتی خواتین بھی ہوس کا نشانہ بنتی رہی ہیں۔ بھارت میں خواتین کی حالت زار کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہوں کہ بھارتی اخبارات میں خواتین کے ساتھ جنسی زیادتی کی کوئی خبر نہ آتی ہو۔ بھارت میں اس صورتحال کی ایک بڑی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بھارتی "مذہبی" پیشوا بھی اس گھناؤنے فعل میں ملوث پائے جاتے ہیں۔ جس ملک کے مذہبی پیشوا ہی برائی میں پیش پیش ہوں پھر وہاں سے برائی کو کیسے ختم کیا جاسکتا ہے۔ گزشتہ دنوں بھارت میں 72 سالہ سنت آسارام نے سولہ سالہ لڑکی کو ہوس کا نشانہ بنا ڈالا۔ چودہ اگست کو آسارام کے چیلے اپنی بیٹی کو آسارام کے "آشرم" میں روحانی علاج کروانے کے لیے لے کر گئے تو اس نے علاج کروانے کے لیے آنے والی سولہ سالہ لڑکی کو ہوس کا نشانہ بنا ڈالا، زیادتی کے بعد سادھو نے اس واقعہ سے متعلق کسی کو بتانے پر لڑکی کو سنگین نتائج کی دھمکی دی، لیکن لڑکی نے سب کچھ اپنے والدین کو بتادیا، جس سے لڑکی کے والدین کا اعتماد اپنے گرو سے اٹھ گیا اور لڑکی کے والدین نے 20 اگست کو نئی دہلی میں واقعے کی رپورٹ درج کرادی، پولیس نے ہندو گرو کو گرفتار کرنے کی کوشش کی تو پہلے تو اس نے واقعہ سے ہی انکار کردیا، لیکن جب واقعہ ثابت ہوگیا تو اس نے اپنی بیماری کا بہانہ کردیا لیکن ڈاکٹروں نے جب چیک اب کیا

تو وہ بالکل صحت مند تھا۔اس کے بعد راجستھان پولیس نے ملک کے سرکردہ ہندو مذہبی رہنما سنت آسارام باپو کو ریپ کے الزام میں مدھیہ پردیش میں اس کے آشرم سے گرفتار کر لیا۔ اسے اس کے آشرم سے انتہائی ڈرامائی حالات میں گرفتار کیا گیا ہے۔ آشرم میں آسارام کے ہزاروں پیروکار جمع تھے اور صورتِ حال پر قابو رکھنے کے لیے وہاں سیکڑوں پولیس اہل کار تعینات کیے گئے تھے۔ آسارام کے حامی احتجاج کرنے کے لیے ایئر پورٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سنت آسارام کے خلاف اتر پردیش کی ایک نابالغ لڑکی اور ان کے والدین نے 20 اگست کو دلی میں رپورٹ درج کرائی تھی جس میں الزام لگایا گیا تھا کہ لڑکی کے والدین اسے آسارام کے پاس علاج کے لیے لے گئے تھے۔ رپورٹ کے مطابق سنت آسارام نے اپنے آشرم میں بچی کے ساتھ ریپ کیا اور اس بارے میں کسی کو نہ بتانے کی تنبیہ کی۔ آسارام نے ریپ کے الزام کی تردید کی تھی اور گزشتہ دنوں یہ الزام لگایا تھا یہ کانگریس کی صدر سونیا گاندھی اور ان کے بیٹے راہول گاندھی کی سازش ہے۔ انھیں جے جے پی کے کئی اعلی رہنماؤں کی حمایت حاصل رہی ہے۔ آسارام کے صاحبزادے اور وکیل نے ان کے دفاع میں متاثرہ لڑکی کو بھی نشانہ بنایا تھا اور یہ دعویٰ کیا تھا کہ ریپ کا یہ واقعہ ہوا ہی نہیں ہے۔ واضح رہے کہ سنت آسارام بھارت کا معروف مذہبی پیشوا ہے۔ سنت آسارام کا نام پہلے بھی کئی تنازعات میں سامنے آچکا ہے۔ کچھ عرصے پہلے گجرات میں ان کے آشرم سے بھی 2 بچوں کی لاشیں ملی تھیں۔ کئی اعلیٰ سیاسی رہنماؤں اور اہم

شخصیات سمیت سنت آسارام کے لاکھوں پیروکار ہیں اور راجستھان دلی، گجرات، مدھیہ پردیش، اتر پردیش اور اتراکھنڈ ریاستوں میں اس کے بڑے بڑے آشرم اور مراکز ہیں۔ ریپ کا مبینہ واقعہ راجستھان کے جودھ پور شہر کے آشرم میں میں پیش آیا ہے۔ ریپ کی رپورٹ لکھانے کے کئی روز بعد بھی پولیس نے انہیں گرفتار کرنے کی کوشش نہیں کی لیکن ممبئی کے حالیہ ریپ کے بعد میڈیا میں یہ بحث چھڑ گئی کہ آسارام کو ان کے اثرورسوخ کی وجہ سے بچایا جا رہا ہے۔ ادھر متاثرہ لڑکی کے والد نے ان کی گرفتاری کے لیے بھوک ہڑتال شروع کر دی تھی اور پولیس پر ان کی گرفتاری کے لیے دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ جمعے کے دن آسارام کے حامیوں نے آشرم کے باہر جمع صحافیوں پر حملہ کیا تھا جس میں میں متعدد صحافی اور کیمرہ مین زخمی ہو گئے تھے۔ پولیس نے انہیں خود کو حکام کے حوالے کرنے کے لیے 30 اگست تک کا وقت دیا تھا۔ لیکن وہ جمعہ کی شام سے اپنے آشرم میں روپوش ہوگیا۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ بھارت میں پنڈتوں، پجاریوں اور سادھوؤں کی جانب سے عقیدت مند خواتین کے ساتھ زیادتی کے واقعات عام ہیں۔ خواتین کے حقوق کی تنظیموں کا کہنا ہے کہ بھارت میں "مذہب" کے معاملات سے جڑے سادھوؤں، پجاریوں اور پنڈتوں کی ایک بہت بڑی تعداد زیادتوں کے واقعات میں ملوث ہے۔ حالیہ واقعہ میں بھی اگرچہ "آسو رام سیرومالانی "عرف" باپو آسارام" کو جیل بھیج دیا گیا ہے لیکن ملک بھر میں اس کے بیس لاکھ چیلے ہیں جن میں کئی اعلیٰ سرکاری افسران، عہدیدار اور سیاست دان شامل ہیں، پولیس اور افواج کے

اہلکار بھی شامل ہیں، اس لیے یہ امکان کم ہی کہ اسے سزا دی جائے گی۔

بھارت میں عورتوں کی آبروریزی کے واقعات میں تشویشناک حد تک اضافہ ہوگیا ہے۔ بھارت کے نیشنل کرائم بیورو (این سی آر بی) نے جاری کی گئی رپورٹ میں انکشاف کیا ہے کہ بھارت میں ایک گھنٹے میں دو عورتوں کو آبروریزی کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور گزشتہ سال ملک میں آبروریزی کے واقعات میں 7.2 فیصد اضافہ ہوا۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ گزشتہ سال 133 معمر عورتوں کو بھی آبروریزی کا نشانہ بنایا گیا۔ خواتین کو عصمت ریزی اور جنسی تشدد کا نشانہ بنانے کے حوالے سے ریاست مدھیہ پردیش سرفہرست ہے۔ پولیس اور سرکاری اعداد و شمار کے مطابق گزشتہ سال بھارت میں آبروریزی کے 20737 کیس درج کیے گئے۔ بھارتی دارالحکومت نئی دہلی میں 602 عورتوں کو آبروریزی کا نشانہ بنایا گیا جبکہ ریاست اترپردیش، مغربی بنگال اور راجستھان میں بھی اسی بارے میں صورتحال انتہائی خراب ہے۔ آزاد ذرائع کا کہنا ہے کہ بھارت میں ہر سال لاکھوں عورتوں کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے تاہم بیشتر واقعات میں ملزمان کے خلاف مقدمہ درج نہیں ہوتا اور بیشتر لوگ معاشرتی مسائل کے باعث پولیس کے سامنے مقدمات درج کرانے سے گھبراتے ہیں۔ "بھارت میں جرائم" کے موضوع پر تیار کی جانے والی رپورٹ میں نیشنل کرائم بیورو نے کہا ہے کہ درج ہونے والے 20737 مقدمات میں سے 19188 کیسوں میں ملزمان کی شناخت کے باوجود زیادہ تر

کے خلاف کارروائی کو آگے نہیں بڑھایا گیا۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ زیادتی کا نشانہ بننے والی 11984 عورتوں کی عمریں 18 سے 30 برس کے درمیان تھیں۔

بھارت میں خواتین کے ساتھ پیش آنے والے جنسی زیادتی کے مسلسل واقعات نے ملک کی بڑی سیاحتی صنعت کو شدید متاثر کیا ہے۔ اس حوالے سے وہاں کاروباری حلقوں میں شدید تشویش پائی جا رہی ہے۔ گزشتہ تین ماہ سے بھارت میں خواتین کے ساتھ جنسی زیادتی کے واقعات مسلسل بین الاقوامی ذرائع ابلاغ کی شہ سرخیاں بن رہے ہیں جس کی وجہ سے بھارت میں خواتین سیاحوں کی آمد میں 35 فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔ بھارتی ایوان صنعت و تجارت کی جانب سے جاری کیے گیے اعداد و شمار کے مطابق بھارت میں سیاحتی سرگرمیوں میں مجموعی طور پر 25 فیصد کمی آئی ہے۔ تعطیلات کیلئے بھارت آنے والے غیر ملکی سیاح اب دیگر ایشیائی ممالک کا رخ کر رہے ہیں۔ پچھلے دنوں اقوامِ متحدہ کی جانب سے بھارت بھیجے جانے والے وفد کی رپورٹ کے مطابق بھارت میں جنسی تشدد اور ہراساں کیے جانے کے واقعات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور ایسی واقعات پورے بھارت میں پھیلے دکھائی دیتے ہیں۔ اقوامِ متحدہ کا وفد اپنے دس روزہ دورے میں بھارت کی مختلف ریاستوں میں گیا اور وہاں پر حالات کا جائزہ لیا۔ اقوامِ متحدہ کی سفارتی نمائندہ راشدہ منجو کہتی ہیں کہ بھارتی خواتین کو عوامی جگہوں، خاندانوں اور دفتروں میں ہراساں اور جنسی تشدد کا نشانہ بنانا ایک معمول ہے۔ ان کے الفاظ، "ہر

جگہ عدم تحفظ کی فضاء ہے۔ عوامی مقامات ہوں یا پھر پبلک ٹرانسپورٹ، عورتوں کو
کہیں بھی جنسی طور پر ہراساں کر لیا جاتا ہے یا پھر جنسی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا
ہے۔" واضح رہے کہ بھارت اپنے اس گندے کلچر کو پاکستان میں بھی پھیلانا چاہتا ہے،
بھارتی فلمیں، ڈرامے اور میڈیا پر دکھایا جانے والا گند اسی سازش کا حصہ ہے تاکہ
پاکستان بھی بھارت کی راہ پر چل نکلے اور سونیا گاندی کی اس بات کو سچ ثابت
"کر دکھائے کہ "ہم پاکستان کو جنگ لڑے بغیر فتح کر لیں گے۔

تین فدائیوں نے نیٹو فوج کے چھکے چھڑا دیے

260 ٹینک اور گاڑیاں افغان طالبان کے ایک ہی حملے میں تباہ

یوں تو افغانستان میں امریکی جارحیت کے بعد سے ہی طالبان نے قابض افواج کی ناک میں دم کیا ہوا ہے لیکن جوں جوں امریکا اپنے اتحادیوں کو لے کر افغانستان سے بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے، توں توں طالبان کے حملوں میں بھی تیزی آ رہی ہے۔آئے دن طالبان قابض افواج پر اس قدر خوفناک حملے کر رہے ہیں کہ جن کی تاب لانا بھی امریکی حکومت کے لیے مشکل ہے۔ان حملوں میں جارح افواج کے ہونے والے نقصان کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔پیر کے روز طالبان نے کچھ اسی طرح کا خوفناک و خطرناک حملہ کرکے نیٹو افواج کے چھکے چھڑا دیے۔طالبان کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد کے مطابق خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے جہادی آپریشن کے سلسلے میں پیر کے روز 2013-02-09 کی علی الصبح پاکستانی سرحد کے ساتھ واقع افغان صوبہ ننگرہار کے سرحدی شہر طورخم میں واقع امریکی فوجوں کے مرکز اور گاڑیوں کے پارکنگ ایریا میں طالبان نے حملہ کیا، جہاں امریکی فوجوں کی فرار کے اموال کو رکھا جاتا ہے، طالبان کی جانب سے کیا جانے والا آپریشن 5 گھنٹے تک جاری رہا۔طالبان کے اس حملے میں 3 جانثار نوجوانوں شہید

محمد یاسین صوبہ ننگرہار، شہید عبدالرحمٰن صوبہ کنڑ اور شہید فاروق جان صوبہ قندھار کے باشندوں نے حصہ لیا تھا، جنہوں نے خاص حکمت عملی کے تحت پارکنگ ایریا میں متعدد دھماکے کرانے کے بعد حملہ شروع کیا، دونوں مقامات پر 154 امریکی ٹینک، بارودی سرنگوں کی نشاندہی کرنے والی گاڑیاں، سامان سے لدے ہوئے 85 ٹریلر 12 اور 9 اہم فوجی ساز و سامان سے بھرے ہوئے 9 کنٹینر مکمل طور پر جل کر خاکستر ہوئے، جن کی مکمل تعداد 260 بنتی ہے۔ مجاہدین کامیاب حکمت عملی اور 3 فدائین کی قربانی دینے سے اس پر قادر ہوئے کہ مذکورہ اشیاء کو پارکنگ سمیت تباہ کردے۔ اس دوران فدائیوں نے جارح وکٹھ پتلی فوجوں کی قیام گاہوں پر تابڑ توڑ حملوں کا سلسلہ شروع کیا، دستی بموں اور راکٹوں سے حملے کیے اور فائرنگ کی جس کے نتیجے میں 13 امریکی اور افغان فوجی ہلاک ہوئے۔ افغان طالبان کے ترجمان ذبیح اللہ نے کہا ہے کہ حملے میں بہت سے امریکی مارے گئے ہیں۔ حملہ آور مجاہدین نے منصوبے کے تحت پہلے اڈے میں کھڑی بعض گاڑیوں میں مقناطیسی بم نصب کیے تھے اور اس سے دھماکے کروائے جس سے آگ بھڑک اٹھی، جو مرکز کے دیگر مقامات تک تیزی سے پھیل گئی، اس کے بعد مجاہدین نے مرکز میں تعینات فوجیوں کو نشانہ بنایا۔ آپریشن دن ساڑھے بجے آخری فدائی کی شہادت کے بعد اختتام کو پہنچا۔ جبکہ اسی دن ملک کے دیگر 10 علاقوں میں مجاہدین کے حملوں میں مزید 25 امریکی و افغان اہلکار ہلاک، درجنوں زخمی اور ایک ٹینک اور 2 فوجی گاڑیاں تباہ ہوگئیں۔ 6 نیٹو ٹینکروں کو آگ لگ گئی۔ فرانسیسی خبر

رساں ادارے کی رپورٹ کے مطابق پیر کی علی الصبح بیس پر وقفے وقفے سے دھماکوں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ افغان گورنر کے ترجمان احمد ضیاء عبدالرئی کا کہنا تھا کہ طالبان خودکش حملہ آوروں نے پولیس کی وردیاں پہنی ہوئی تھیں۔ یہ بیس فوجی ساز و سامان کی منتقلی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

طالبان ترجمان نے بتایا کہ مذکورہ اڈے پر افغانستان سے انخلا کے حوالے سے بڑی تعداد میں فوجی ساز و سامان رکھا گیا تھا اور مجاہدین نے خاص حکمت عملی کے تحت اس فوجی مرکز کو نشانہ بنایا۔ صوبائی حکومت کے ترجمان احمد ضیاء عبدالغیاظ نے تصدیق کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ایک خودکش حملہ آور گروپ نے امریکی فوجی اڈے پر اچانک حملہ کیا اور فائرنگ شروع کردی جبکہ حملہ آوروں نے بڑی تعداد میں دھماکے بھی کیے جس کے نتیجے میں فوجی اڈے پر کھڑے درجنوں کنٹینروں اور ٹرالروں کو آگ لگ گئی اور وہ جل کر راکھ ہوگئے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ اتحادی فورسز اور حملہ آوروں کے درمیان مقابلہ کئی گھنٹوں تک جاری رہا۔ ہلاکتوں کا خدشہ بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ بی بی سی کے مطابق اس حملے میں نیٹو کا سامان لے جانے والے ٹرالروں کو نشانہ بنایا گیا ہے جن پر زیادہ تر فوجی گاڑیاں لدی ہوئی تھیں۔ اس فوجی اڈے پر دیگر غیر ملکی فوجیوں کے علاوہ 66 ہزار امریکی فوجی موجود ہوتے ہیں۔ خبر رساں ادارے اے پی کے مطابق ننگرہار صوبے کے گورنر کے ترجمان احمد ضیا عبدالرئی نے بتایا کہ حملے کے

فوری بعد نیٹو کی رسد کا ایک اہم راستہ طورخم جلال آباد روڈ کو بند کر دیا گیا تھا۔ ایساف فورسز کے ترجمان کے مطابق فوجی اڈے پر سلسلہ وار دھماکے ہوئے۔ عالمی میڈیا کے مطابق طالبان فدائی حملہ آوروں کے ننگرہار میں امریکی فوجی مرکز پر حملے کے بعد وقفے وقفے سے دھماکوں کی آوازیں سنائی دی گئیں اور فائرنگ کا تبادلہ کئی گھنٹوں تک جاری رہا۔ جدید ہتھیاروں سے لیس حملہ آوروں نے بیس پر موجود نیٹو کنٹینروں اورامریکی گاڑیوں کو بھی تباہ کر دیا۔ افغان حکام کا کہنا ہے کہ علاقے کی مرکزی شاہراہ نیٹو سپلائی کرنے والے ٹرکوں کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے۔ نیٹو کے ہیلی کاپٹر بھی فوجی اڈے کے اوپر پروازیں کرتے رہے۔

طالبان ترجمان کے مطابق حملہ آور مجاہدین اپنے ساتھ وائرلیس سیٹ اور موبائل بھی لے گئے تھے تاکہ اندر ہونے والی کارروائی سے مکمل اور تفصیلی طور پر مرکز کو مطلع رکھا جاسکے۔اور یہ پہلا موقع تھا کہ حملہ آور اس طرح رابطے کے آلات اپنے ساتھ لے کر گئے۔طالبان نے رابطے کے آلات سے اپنے کامیاب حملوں کی اطلاع دی اور ان کا کہنا تھا کہ ہم کامیابی سے ہمکنار ہوئے ہیں۔ہمارے حوصلے بلند ہیں۔دشمن ناکام ہوچکا ہے، اس کے بعد حملہ آور طالبان کا رابطہ منقطع ہوگیا۔طالبان کے مطابق مجاہدین نے پہلے سے ہی حملہ کی پلاننگ شروع کردی تھی۔جب حملے کے لیے تیاری مکمل ہو گئی تو اس زور سے حملہ کیا کہ دشمن کے حوصلے پست ہوگئے، ان کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں، اسی بھگدڑ

میں ان کا کافی سارا نقصان ہوا۔ عینی شاہدین کے مطابق انہوں نے طالبان کے حملے کے بعد آگ کے بڑے بڑے شعلے بھی دیکھے۔ جب کہ اسی دن صوبہ ننگرہار کے ضلع چپر ہار میں ضلعی مرکز کے قریب گشت پر مامور امریکی ٹینک کے بارودی سرنگ دھماکے میں تباہ ہونے سے اس میں سوار 5 فوجی ہلاک ہوگئے۔ ضلع مہمند درہ میں افغان فوجی قافلے پر مجاہدین کے گھات حملے میں 3 اہلکار ہلاک اور 7 زخمی جبکہ ایک ٹینک اور 2 گاڑیاں تباہ ہوگئیں۔ صوبہ ہلمند کے ضلع سنگین میں سارروان قلعہ کے مقام پر مجاہدین کے ساتھ جھڑپ میں 2 افغان اہلکار مارے گئے۔ صوبہ زابل کے ضلع شاہ جوئی میں زاڑہ نورک کے علاقے میں پیدل گشت پر مامور پولیس اہلکاروں پر ریموٹ کنٹرول بم حملے میں 3 اہلکار ہلاک اور ایک زخمی ہوگیا۔ صوبہ میدان وردک کے صدر مقام میدان شہر میں مجاہدین کے گھات حملے میں 2 افغان اہلکار ہلاک اور متعدد زخمی ہوگئے۔ قندھار کے ضلع ارغسان میں امریکی فوجی مرکز پر میزائل حملے میں 2 فوجی مارے گئے۔ ضلع خاکریز میں سڑک کنارے نصب بم کے دھماکے میں 2 افغان فوجی ہلاک ہوئے۔ ضلع میوند میں بھی اسی نوعیت کے واقعے میں مزید 2 پولیس اہلکار مارے گئے۔ صوبہ پکتیا کے صدر مقام گردیز شہر میں پے در پے 2 دھماکوں میں 4 پولیس اہلکار ہلاک اور 2 زخمی ہوگئے۔

مغربی میڈیا کے مطابق اب تک طالبان کے حملوں میں ہزاروں غیر ملکی فوجی ہلاک

ہو چکے ہیں۔ نیٹو فورسز کے افغانستان سے انخلاء کا وقت قریب آنے کے ساتھ ساتھ طالبان کے حملوں میں تیزی آ رہی ہے اور سال 2011ء سے اب تک طالبان حملوں میں پولیس اور فوجی ہلاکتوں میں 15 سے 20 فیصد تک اضافہ ہوا ہے۔ دوسری جانب افغان حکومت اور امریکا کو طالبان کا خوف کھائے جا رہا ہے۔ موجودہ افغان صدر حامد کرزئی گزشتہ دنوں پاکستان بھی یہ استدعا لے کر آئے تھے کہ پاکستانی حکومت کسی طرح طالبان رہنماؤں کو رہا کر دے تاکہ طالبان ان کے ساتھ مذاکرات کر لیں اور ان پر حملے نہ کریں۔ کچھ یہی حال امریکا کا بھی ہے۔ امریکا طالبان سے انتہائی زیادہ خوفزدہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہم اگرچہ افغانستان سے نکل جائیں گے لیکن مجاہدین اس کے بعد بھی ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔ اسی حوالے سے ایک امریکی افسر نے انکشاف کیا ہے کہ القاعدہ اور دیگر عسکریت پسند گروپ امریکی حساس اداروں کے اندر تک گھس گئے ہیں۔ اس امر کا انکشاف امریکی حساس اداروں میں ملازمت کے لیے کوشاں افراد کے ڈیٹا اور حساس اداروں میں موجود اہلکاروں کے کمپیوٹر استعمال سے متعلق ریکارڈ کے حوالے مرتب کردہ دستاویز کی بنیاد پر امریکی بھگوڑے جاسوس ایڈورڈ سنوڈن نے کیا ہے۔ اس انکشاف کے مطابق سی آئی اے نے پتہ چلایا ہے کہ کچھ عرصے سے امریکی حساس اداروں میں ملازمت کے لیے کوشش کرنے والوں میں سے ہر پانچویں فرد کے رابطے، رجحانات یا پس منظر مشکوک تھا۔ ان میں سے زیادہ تر کا جھکاؤ مجاہدین کے حوالے سے رہا ہے۔ امریکا کی نیشنل سیکورٹی ایجنسی نے ان امکانی مشکوک افراد کا پتہ ان کے کمپیوٹر کے

استعمال میں رجحانات سے چلایا ہے۔ ذرائع کے مطابق اس سلسلے میں حساس اداروں کے اہلکاروں کے کمپیوٹرز کے کی بورڈز پر لگنے والے اسٹروکس نے بھی مدد کی ہے، یہ عناصر کس قسم کے رجحانات رکھتے تھے اور کن موضوعات اور شخصیات کے ساتھ ان کی دلچسپی اور لگاؤ ہوتا تھا۔ لیکن تاخیر اور امتیازی عمل درآمد نے لاکھوں ڈالر کی کوششوں کے باوجود امریکی حساس ادارے ایڈورڈ سنوڈن کا پتا نہ چلا سکے جو حساس ترین اور انتہائی خفیہ دستاویز کے ریکارڈ کی کاپی کرتا رہا۔

افغان حکومت ملا برادر کی فوری رہائی چاہتی ہے

پاکستان نے ہفتے کے روز سات افغان طالبان قیدیوں کو رہا کر دیا ہے، جن قے دے وں مے ں منصور داد اللہ، سے د ولی، عبد المنان، کرے م آ غا، شے ر افضل، گل محمد اور محمد زئی شامل ہے ں۔ منصور داداللہ افغان طالبان کے کمانڈر اور سید ولی طالبان کے ایسوسی ایٹ رہے ہیں۔ کریم آ غا کا تعلق افغان طالبان سے اور محمد زئی قندھار شیڈو گورنمنٹ میں رہے جبکہ گل محمد طالبان شوریٰ کے رکن اور شیر افضل کا تعلق مولوی یونس گروپ سے ہے۔ پاکستان 26 طالبان قے دے وں کو اس سے پہلے بھی گزشتہ سال رہا کر چکا ہے۔ پاکستان کی جانب سے سات طالبان کی رہائی پر ابھی تک طالبان کی جانب سے کوئی رد عمل سامنے نہیں آ یا۔ واضح ہو کہ یہ عمل ایک ایسے موقع پر سامنے آ یا ہے کہ جب تقریباً دو ہفتے پہلے افغان صدر حامد کرزئی نے افغان امن عمل کو آگے بڑھانے کے لیے پاکستان کا دورہ کیا تھا جس میں دونوں ملکوں کی اعلی قیادت نے دوطرفہ تعلقات کو فروغ دینے کے عزم کا اعادہ کیا تھا۔ افغان صدر حامد کرزئی نے طالبان سے مذاکرات کے حوالے سے پاکستان سے تعاون کی اپیل کی تھی، پاکستان نے افغانستان کے ساتھ مکمل تعاون کرنے کی یقین دہانی بھی کروائی تھی۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ افغان صدر حامد کرزئی کا مقصد نیٹو فورسز کے انخلا کو پر امن

بنانا ہے، اسی لیے وہ طالبان سے مذاکرات کے لیے کوشاں ہے۔طالبان رہنماؤں کو رہا کرکے ان سے امن مذاکرات کیے جا سکتے ہیں۔اسی لیے افغان صدر حامد کرزئی متعدد بار طالبان کے اہم لیڈر ملا عبدالغنی برادر کی پاکستانی قید سے رہائی کا مطالبہ کر چکے ہیں۔لیکن پاکستان حکومت نے طالبان رہنما ملا عبدالغنی برادر کی رہائی کے بارے میں تاحال کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ملا عبدالغنی برادر کو پاکستان کے شہر کراچی سے 2010ء میں پاکستان کے فوجی خفیہ ادارے انٹر سروسز انٹیلی جنس (آئی ایس آئی) اور امریکا کے خفیہ ادارے سی آئی اے کی ایک مشترکہ کارروائی میں گرفتار کیا گیا تھا۔وہ تب سے پاکستانی حکام کے زیر حراست ہیں۔تاہم ان کے بارے میں یہ نہیں بتایا گیا کہ انھیں کہاں رکھا جا رہا ہے؟ملا برادر طالبان کے امیر ملا محمد عمر کے دست راست رہے تھے۔وہ ماضی میں افغانستان پر قابض غیر ملکی فوج کے خلاف مزاحمتی جنگ کی قیادت کرتے رہے تھے۔افغان حکام اور امریکا کو توقع ہے کہ ملا برادر ملک میں جاری جنگ کے خاتمے کے لیے طالبان مزاحمت کاروں کو مذاکرات کی میز پر لانے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

ترجمان دفتر خارجہ اعزاز احمد چودھری کے مطابق سات طالبان قیدیوں کی رہائی کا فیصلہ افغان مفاہمتی عمل میں مزید مدد دینے کیلئے کیا گیا ہے۔ جبکہ افغان امن جرگے کا کہنا ہے کہ ان طالبان کو رہا کرنے سے پہلے ان سے نہ تو

مشاورت کی گئی اور نہ ہی پیشگی اطلاع دی گئی۔ افغان صدر حامد کرزئی کے ترجمان نے کابل میں ان رہائیوں کا خیر مقدم تو کیا مگر کہا کہ افغان حکومت اہم رہنماؤں کی رہائی چاہتی ہے۔ افغان امن کونسل نے بیان میں کہا کہ ہم اس وقت رہائیوں کا خیر مقدم کریں گے جب رہا ہونے والوں کی فہرست ہماری فہرست کے مطابق ہو گی۔ جب آخری بار حکومتِ پاکستان نے طالبان قیدیوں کو رہا کیا تھا تو افغان طالبان نے ان رہائیوں کا خیر مقدم کیا تھا مگر اس بار کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا گیا۔ افغان حکومت اور افغان امن جرگے کے ارکان کا کہنا تھا کہ پاکستان حکومت نے ان طالبان کو رہا کرنے سے پہلے ان سے کوئی مشاورت نہیں کی اور انھیں اس کی پیشگی اطلاع بھی نہیں دی۔ افغان حکومت کا اصرار ہے کہ لندن میں ہونے والے سہ فریقی برطانیہ، پاکستان افغانستان مذاکرات میں پاکستان نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ اگر طالبان قیدی رہا کیے جائیں گے تو اس کے بارے میں افغان حکومت کو اعتماد میں لیا جائے گا اور ان رہائیوں میں ان کی مرضی شامل ہو گی۔ انھوں نے کہا کہ افغان امن جرگے کے ایک رکن کا کہنا تھا کہ پچھلے سال پاکستان نے جن چھبیس افغان طالبان رہنماؤں کو رہا کیا تھا ان میں سے ایک کا نام بھی اس فہرست میں شامل نہیں تھا جو افغان حکومت نے پاکستان حکومت کے حوالے کی ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ 'ان سات افراد کی رہائی سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا اور اس کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے ان میں سے منصور داد اللہ کے علاوہ سب غیر معروف ہیں۔ منصور داد اللہ کے بھائی ملا داد

اللہ دو ہزار سات میں افغانستان میں شہید ہو گئے تھے جس کے بعد ان کے چھوٹے بھائی منصور نے ان کے گروپ کی سربراہی سنبھال لی تھی۔ منصور داد اللہ دو ہزار آٹھ سے پاکستان کی قید میں تھے۔ انھیں دو ہزار آٹھ میں افغانستان سے پاکستان آتے ہوئے صوبہ بلوچستان میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔افغان ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کے مطابق رہائی پانے والے طالبان یا تو اب تک پاکستان میں ہی قیام پذیر ہیں اور یا انھوں نے نیٹو اور امریکی افواج سے برسرِپیکار طالبان گروہوں میں شمولیت اختیار کر لی ہے۔انھوں نے کہا کہ پاکستان کی طرف سے اب تک رہا کیے جانے والے افغان طالبان کا امن کے عمل پر کوئی مثبت اثر نہیں ہوا ہے۔افغان حکومت کی طرف سے فراہم کردہ فہرست میں سب سے اہم نام ملا عبدالغنی برادر کا ہے۔ افغان حکومت چاہتی ہے کہ ملا برادر کو سعودی عرب یا عرب امارات منتقل کر دیا جائے تاہم پاکستانی دفترخارجہ کے ترجمان نے اس قسم کی کسی تجویز کی تصدیق نہیں کی۔حامد کرزئی چاہتے ہیں کہ پاکستان طالبان کے ساتھ مذاکرات میں ثالث کا کردار ادا کرے کیوں کہ اس کا طالبان پر اثر و رسوخ ہے۔ واضح رہے کہ پاکستانی حکومت نے گزشتہ سال کہا تھا کہ پاکستان میں قید باقی کو جلد آزاد کر دیا جائے گا۔پاکستانی حکام سے جب سوال کیا گیا تھا کہ "کیا طالبان مزاحمت کاروں کے نائب امیر اور ملا محمد عمر کے سابق دست راست ملا

عبدالغنی برادر بھی رہائی پانے والوں میں شامل ہوں گے؟" اس سوال پر ان کا جواب تھا کہ "ہمارا مقصد سب کی رہائی ہے۔" تاہم انھوں نے اپنے اس بیان کی وضاحت نہیں کی تھی۔ وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات پرویز رشید نے گزشتہ روز کہا ہے کہ یہ تاثر غلط ہے کہ فوج طالبان سے مذاکرات نہیں چاہتی، ملک میں حکومت کی رٹ ہے، حکومت جو بھی فیصلہ کرے گی اور پالیسی بنائے گی، تمام ادارے اس پر عمل درآمد کے پابند ہوں گے۔ اے پی سی کسی ایک جماعت کے مفاد میں نہیں بلکہ ملک کے مفاد میں بلائی جارہی ہے اور کوئی بھی سیاسی لیڈر اے پی سی میں شرکت سے انکار کرکے خود کو قوم سے الگ کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ پرویز رشید نے کہا کہ مفروضوں پر باتیں نہیں ہونی چاہیے۔ جہاں تک طالبان کے ساتھ مذاکرات کا تعلق ہے تو اس حوالے سے حکومت اور فوج میں کسی قسم کے کوئی اختلافات نہیں اور ویسے بھی حکومت جو فیصلہ کرتی ہے تمام ادارے اس پر عمل کے پابند ہوتے ہیں اور انہیں اس پر عمل کرنا بھی ہوگا۔ افغان امن کونسل نے بھی مفاہمتی عمل میں معاونت کا اعلان کیا ہے۔ صلاح الدین ربانی کی قیادت میں افغان امن کونسل جلد طالبان سے مذاکرات کرے گی۔ افغان ذرائع کے مطابق پاکستان افغان صدر کرزئی کی ملا برادر کی رہائی کی درخواست پر بھی غور کر رہا ہے۔ دوسری جانب افغان حکومت نے چار خواتین کو دو بچوں سمیت رہا کردیا ہے۔ جن کے

متعلق افغانی طالبان کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد کے مطابق کابل انتظامیہ کے خفیہ ادارے نے عرصہ دراز سے چار خواتین اور دو بچوں کو صرف اس جرم میں گرفتار کرلیا تھا کہ وہ امارت اسلامیہ کے بعض مجاہدین کے رشتہ دار تھے اور ان میں سے بعض دس برس سے کابل رژیم کے عقوبت خانوں میں ظلم کی چکی میں پیسے جارہے تھے اور مستقبل میں ان کے رہائی کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔امارت اسلامیہ کے مجاہدین نے مجبورا اپنے مجاہد بھائیوں کی مظلوم خواتین رشتہ داروں کی رہائی کے سلسلے میں کچھ عرصہ قبل کابل پارلیمنٹ کے خاتون رکن فریبا احمد کو صوبہ غزنی کے مربوطہ علاقے میں گرفتار کرلیا تھا۔جب افغان حکومت نے چار خواتین کو دو بچوں سمیت رہا کیا تو امارت اسلامیہ نے بھی اس کے تبادلے کی صورت میں فریبا احمد کو نہایت احترام کی ساتھ ان کے خاندان کے حوالے کردیا اور یہ تبادلہ صوبہ غزنی میں انجام پایا، اس بات کی وضاحت ضروری ہے، کہ امارت اسلامیہ کے مجاہدین نے قید کے دوران رکن پارلیمنٹ کی ساتھ کابل انتظامیہ کے اعمال کے برعکس نہایت اسلامی اور انسانی رویہ اپنایا۔

کل کا پرامن شہر آج دنیا کا "خطرناک میگا سٹی" قرار

70 کی دہائی میں کراچی کا شمار دنیا کے بہترین اور پرامن شہروں میں ہوتا تھا۔ دنیا جہاں کے سفارت کار، سیاح شہر میں کھلے عام پھرتے تھے۔ یورپ، امریکا، مشرق بعید، عرب ممالک، سوویت یونین، جاپان اور بھارت جانے والے تمام جہاز کراچی اترتے تھے اور مسافر کراچی کے بازاروں میں ایک دو گھنٹے گزار کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوجاتے تھے۔ کراچی کے رہائشی شہر کے امن پر فخر کرتے تھے۔ کراچی روشنیوں کا شہر کہلاتا تھا۔ کراچی کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ملک بھر سے آنے والوں کو اس شہر نے اپنے دامن میں جگہ دی اور روزگار فراہم کیا۔ رفتہ رفتہ اس شہر کی رونقیں اجڑنے لگیں اور اس شہر کی روشنیاں ماند پڑنے لگیں۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم ہونے لگا، لوگوں کو اغوا کیا جانے لگا، ان سے بھتا لیا جانے لگا جس سے لوگوں کے کاروبار اجڑ گئے۔ یوں اس شہر کا امن برباد ہوتا گیا۔ 2010 میں ایک آن لائن امریکی جریدے "Blaze" نے دنیا کے دس خطرناک ترین شہروں کی فہرست جاری کی تھی۔ ان شہروں میں پاکستان کا سب سے بڑا شہر اور معاشی مرکز کراچی دنیا کے دس خطرناک ترین شہروں کی فہرست میں چھٹے نمبر پر تھا۔ اس کے بعد بھی حالات کچھ بہتر نہیں ہوئے بلکہ دن بدن خراب ہی ہوتے رہے۔

دو روز قبل امریکی جریدے "فارن پالیسی" نے اپنی رپورٹ میں کراچی کی ابتر صورت حال پر کہا ہے کہ کراچی دنیا کا سب سے خطرناک میگا سٹی بن چکا ہے، جہاں ایک لاکھ افراد میں 12.3 افراد کو قتل کرنے کی شرح ہے، جو کہ دنیا کے کسی بھی بڑے شہر سے 25 فی صد زیادہ ہے، 2011 میں ممبئی میں 202 افراد قتل ہوئے جب کہ 2011 میں کراچی میں 1723 افراد اور 2012 میں 2 ہزار سے زائد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ سیاسی جماعتوں سے وابستہ گینگ کافی عرصے سے اس شہر میں سرگرم ہیں، جو بھتہ اور زمینوں پر قبضوں کے گروہ چلا رہے ہیں۔ بلوچستان کی بے امنی اور افغانستان کے خراب حالات بھی کراچی پر اثر انداز ہوئے، اس کی بندرگاہ نارکوٹکس اور ہتھیاروں کی سمگلنگ کے لیے استعمال کی جارہی ہے، ڈرگز گینگز بھی اس شہر میں شامل ہو گئے ہیں، کراچی منشیات کی سمگلنگ اور فروخت بھی ڈرگز مافیا کے لیے ایک جنت ہے۔ یورپ اور امریکا میں بھیجی جانے والی افغان منشیات کے لیے بنیادی منڈی کراچی کی پورٹ ہے۔ جریدے نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ کراچی کی بندرگاہ کو ایک نئی ڈرگ میتھا مفٹامین کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ دنیا بھر میں ہیروئین کی طلب میں کمی جب کہ میتھا مفٹامین کی طلب میں اضافہ ہوا اور خطے میں اس کا سب بڑا پیدا کنندہ ملک ایران ہے لیکن ملائشیا اور آسٹریلیا کو اس کی فراہمی کیلئے پاکستان ہی روٹ استعمال ہوتا ہے۔ اس کی تیاری کیلئے ایفیڈرین یا سوڈو فیڈرین کیمیکل کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کیمیکل کھانسی، الرجی، زکام یا دیگر ادویات کی تیاری

استعمال میں ہوتا ہے لیکن کراچی میں اسے جرائم پیشہ سرگرمیوں کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ میتھامفیٹا مین کو کراچی میں کرسٹل کہتے ہیں۔ ایک گرام کرسٹل پانچ سو سے آٹھ سو میں مل جاتی ہے۔ یہ ہیروئن سے زیادہ مہنگی ہے لیکن اس کا نشہ ہیروئن سے زیادہ تیز ہے۔ کراچی میں گینگ لڑکوں کو گلیوں سے اٹھاتے ہیں انہیں کرسٹل کا عادی بناتے ہیں اور پھر جرائم کراتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے مطابق آج بھی افغان ہیروئن کی سمگلنگ کے لیے کراچی کی بندرگاہ استعمال کی جارہی ہے۔ پاکستان میں افیون اور بھنگ سب سے زیادہ پی جارہی ہے، ایک فی صد ہیروئن پیتے ہیں جب کہ 41 لاکھ پاکستانی منشیات پر انحصار کرتے ہیں۔ 12 لاکھ منشیات کے عادی اس شہر میں رہتے ہیں۔ جریدے کے مطابق کراچی کی آبادی میں 2000 سے 2010 میں 80 فی صد سے زیادہ اضافہ ہوا جو کہ ایک دہائی میں نیویارک کی کل آبادی سے زیادہ اضافہ ہے، نیویارک کی کل آبادی تقریباً 85 لاکھ سے زیادہ ہے۔

کراچی پاکستان کا دارالحکومت رہ چکا ہے اور اب بھی اسے پاکستان کا 'تجارتی دارالحکومت' کہا جاتا ہے لیکن اگر یہاں ہونے والے جرائم پر نظر ڈالی جائے تو اسے 'جرائم کا دارالحکومت' کہنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ شہر بے اماں کراچی پر قبضے کی جنگ جاری ہے۔ بھتا، اغوا، قبضہ، لوٹ مار، اسٹریٹ کرائم اور پولیس گردی سمیت دیگر جرائم میں روزانہ شہریوں کا خون نچوڑا جاتا ہے۔

کراچی کے عوام سے روزانہ 83 کروڑ روپے زبردستی وصول کیے جاتے ہیں۔ شہر کی ساڑھے پانچ سو چھوٹی بڑی مارکیٹوں سے بھتا اور پرچی کے نام پر روزانہ ایک کروڑ روپے جمع کیے جاتے ہیں۔ اغواء برائے تاوان گزشتہ چند سال سے بینک ڈکیتی کی طرح کی مہنگی ترین وارداتیں بن چکی ہیں، جو عموماً خوف کی وجہ سے منظر عام پر بھی نہیں آتی، کبھی ڈر کے مارے تو کبھی مشہور ہونے کے ڈر سے تاجر و صنعت کار برادری اور بااثر شخصیات اس مد میں روز کئی کئی لاکھ روپے دینے پر مجبور ہیں، جن سے مطالبے بھی لاکھوں کروڑوں میں ہوتے ہیں،اس دھن کا حصہ روزانہ کم و بیش پانچ کروڑ روپے ہے۔ پارکنگ مافیا نے شہر بھر میں 5 سو سے زاید پارکنگ لاٹ بنا رکھی ہیں، جو سڑکوں پر موٹر سائیکلیں اور گاڑیاں گھیر گھار کر بناتی ہے، 24 لاکھ روپے روزانہ، شہر کے بازاروں میں 55 ہزار سے زیادہ ٹھیلے اور پتھارے لگتے ہیں جو مختلف بیٹرز کو فی کس سے 200 روپے دیتے ہیں،اس کی کل رقم بنتی ہے روزانہ 82 لاکھ 50 ہزار 100 روپے۔ کس کی جیب میں جاتے ہیں کچھ معلوم نہیں۔ پانی چوری، ٹینکرز سے کمائی ہویا ہائیڈرنٹس سے چوری 272 ملین گیلن پانی بیچ کر روزانہ 10 کروڑ روپے پیسے جاتے ہیں۔ کراچی میں جوئے اور منشیات کے چھوٹے بڑے 15 ہزار اڈوں سے روزانہ پندرہ کروڑ روپے بیٹ جمع ہوتی ہے۔ شہر میں قبضہ مافیا نے ایک سال میں 80 ارب روپے مالیت کی تقریباً 30 ہزار ایکڑ سرکاری اراضی پر قبضہ کیا، قبضے کی مد میں ماہانہ 7 ارب اور روزانہ تقریباً 23 کروڑ روپے ریونیو سے چرا لیے گئے۔ پبلک ٹرانسپورٹ سے ایک کروڑ

لاکھ روپے روزانہ وصول کیے جاتے ہیں، 25 ہزار بسوں، کوچز اور ویگنوں سے 48 یومیہ 2 سو سے 3 سو روپے بھتا وصولی ہوتی ہے۔ 4 ہزار چنگچی، 20 ہزار آٹو رکشہ اور 7 ہزار ٹیکسیاں بھی یومیہ 40 روپے فی گاڑی پولیس کو غنڈہ ٹیکس دیتے ہیں۔ مال برداری کے ٹرک، کنٹینرز اور آئل ٹینکرز سے فی کس ایک ہزار سے تین ہزار ہڑپ کیے جاتے ہیں اور اس کا تخمینہ بنتا ہے یومیہ 75 لاکھ روپے۔ بجلی کی چوری میں روزانہ ڈیڑھ کروڑ روپوں کا جھٹکا لگتا ہے، چار سے پانچ لاکھ کنڈے، فی کنڈا ماہانہ 3 ہزار سے 5 سو روپے، ماہانہ 45 کروڑ اور یومیہ ڈیڑھ کروڑ کی بجلی چوری۔ طبّی لٹیرے روزانہ 30 لاکھ روپے غریب مریضوں سے نچوڑ لیتے ہیں روزانہ سرکاری ہسپتالوں میں 20 ہزار مریض آتے ہیں، 5 سے 20 روپے کی پرچی بنواتے ہیں لیکن ان سے دواؤں اور آلات کی مد میں یومیہ 30 لاکھ روپے کا ٹیکہ لگادیا جاتا ہے۔ کراچی کے شہری روزانہ 40 سے 50 موٹر سائیکلوں اور 20 سے 25 گاڑیوں سے محروم کردیے جاتے ہیں، رواں برس کے صرف پہلے تین ماہ کے دوران کراچی میں 5,236 موٹر سائیکلیں اور 1,200 کاریں چھینی یا چوری کی گئیں۔ اوسطاً 71 گاڑیاں یا موٹر سائیکلیں روزانہ چھینی یا چوری کی گئیں۔ جو گاڑیاں بازیاب ہوتی ہیں وہ بھی ڈھانچے کی شکل میں ملتی ہیں، اس مد میں شہری روزانہ تقریباً ڈھائی کروڑ روپے گنوا بیٹھتے ہیں۔

بات ہو اسٹریٹ کرائم کی تو شاید ایسا خوش قسمت کراچی والا اب ڈھونڈنا ناممکن

ہوگیا ہے جو خود یا اس کا قریبی عزیز گن پوائنٹ پر نہ لوٹا گیا ہو، کراچی میں رواں سال کے صرف پہلے تین ماہ کے دوران 5,179 افراد کو ان کے موبائل فونز سے محروم کیا گیا تھا یعنی روزانہ 57 افراد اپنے موبائل فونز سے ہاتھ دھو بیٹھے جن میں 31 افراد کو روزانہ گن پوائنٹ پر اپنے موبائل فونز ڈاکوؤں کے حوالے کرنا پڑے تھے۔ روزانہ سوا سو سے ڈیڑھ سو موبائل فون، ان کے ساتھ نقد رقم، زیورات اور دیگر قیمتی اشیاء چھیننے جانے میں شہریوں کو روز 52 لاکھ سے زیادہ رقم سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں اور یہ وہ اعداد و شمار ہیں جو رپورٹ ہوتے ہیں۔ شارٹ ٹرم کڈنے پنگ۔ یعنی جز وقتی اغواء جس میں شہریوں کو اغواء کرکے گاڑی میں گھمایا پھرایا جاتا ہے، نقد رقم، اے ٹی ایم اور کریڈٹ کارڈ سے ہاتھ صاف کرنے کے بعد فون کرکے گھر سے رقم منگوائی جاتی ہے، شہر کے پوش علاقوں میں روزانہ دس سے پندرہ وارداتیں ہوتی ہیں، جن میں 30 لاکھ سے زاید رقم سے شہری ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور اب بات ہو جائے شہر میں پولیس کے نظام کی 112 تھانے اور 69 ٹریفک سیکشن، ایس ایچ او، ہیڈ محرر اور دیگر عملے اور بیٹ سمیت ہی نہیں بلکہ ضلع ایس ایس پی سطح کی تعیناتی پر پانچ سے پچاس لاکھ روپے کے ٹینڈر کھلتے ہیں۔ اس کھیل میں پولیس اہلکار سے اعلیٰ حکام تک کی حصہ پتی ہوتی ہے، ماہانہ اربوں روپے کی اس نیلامی کی جمع تفریق بتاتی ہے، اس مشق سے روزانہ 21 کروڑ روپے بنائے جاتے ہیں ۔، شہر میں کوئی جرم روکنا ہو تو پولیس غائب لیکن ہر سڑک پر صبح کے وقت ہر چھوٹی بڑی گاڑی سے کم از کم پچاس

روپے پولیس "بھتا" کی مد میں لیتی ہے۔ عوام سے پولیس کی جانب سے لیا جانے والا بھتا الگ رہا۔ اس طرح تمام کو ملا کر ایک مہینے کے بنتے ہیں پچیس ارب روپے، جو عوام کی جیب سے زبردستی نکلوائے جاتے ہیں۔

بھارت میں انتہا پسند ہندو مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے

بھارتی ریاست اتر پردیش کے ضلع مظفر نگر میں انتہا پسند ہندؤں کی جانب سے مسلمانوں پر ظلم و ستم کا سلسلہ جاری ہے۔ فوج اور پولیس کی موجودگی بے لگام ہندو مسلمانوں پر لگاتار حملے کر رہے ہیں۔ تین روز کے حملوں میں پینتیس سے زائد مسلمان شہید کیے جا چکے ہیں۔ سو کے لگ بھگ مسلمانوں کو جلانے کی کوشش کی گئی ہے اور متعدد مساجد و مدارس کو بھی جلادیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی متعدد دکانوں اور مکانات کو بھی آگ لگادی گئی ہے۔ پورے ضلع میں حالات خاصے کشیدہ ہیں۔ پورے شہر میں غیر معینہ مدت کے لیے کرفیو نافذ کردیا گیا ہے اور حفاظتی ذمے داریاں فوج کے سپرد کردی گئی ہیں۔ اطلاعات کے مطابق فوجی دستوں نے شہر میں مارچ بھی کیا۔ اس کے باوجود بدمست ہندو مسلمانوں کو قتل کرتے رہے۔ مظفر نگر کی متعدد مسلم بستیوں سے کم از کم دس ہزار مسلمان نقل مکانی کر چکے ہیں، جس کے بعد ہندوؤں کی جانب سے ان کے خالی مکانات میں لوٹ مار کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ ایک مسلمان نوجوان کا کہنا تھا کہ بے شمار ہندو لاٹھیوں، برچھوں، بندوقوں، پستولوں اور ہر قسم کے اسلحہ سے لیس دندناتے پھر رہے ہیں، ان کو روکنے والا کوئی نہیں ہے۔ ظالموں نے مسلمان بچوں، معمر حضرات اور خواتین تک کو معاف نہیں کیا، ان پر بھی حملے کیے ہیں۔

حکام کے مطابق ضلع مظفر نگر میں ایک ہوٹل میں جھگڑے کے دوران تین نوجوانوں کے قتل کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ جبکہ بعض حکام کے مطابق فسادات کا سبب ایک مبینہ ویڈیو بنی ہے جس میں علاقے سے تعلق رکھنے والے ان دو ہندو نوجوانوں کو کوڑے مارے جا رہے ہیں جنہیں مبینہ طور پر گزشتہ ماہ قتل کر دیا گیا تھا۔ پولیس حکام کا کہنا ہے کہ مذکورہ ویڈیو جعلی ہے۔ علاقے کے ایک عہدیدار کوشال راج شرما نے "نیویارک ٹائمز" کو بتایا ہے کہ ویڈیو کے علاقے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جانے کے بعد ہفتے کو پانچ ہزار سے زائد کسانوں نے احتجاج کیا تھا جو بعد ازاں مشتعل ہو گئے اور قتل و غارت شروع کر دی۔ علاقہ حکام کے مطابق مشتعل مظاہرین نے ہفتے کو مختلف مقامات پر حملے کر کے 13 افراد کو قتل کر دیا تھا جس کے بعد چاقوؤں، لاٹھیوں اور سلاخوں سے مسلح گروہوں کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ نزدیکی دیہات تک پھیل گیا۔ فسادات کے دوران میں متاثرہ علاقوں میں کئی گھروں اور دیگر املاک کو بھی نذرِ آتش کر دیا گیا۔ اس حوالے سے ہفتے کے روز پنچایت کا انعقاد کیا گیا۔ آئی جی وشو کرما کے مطابق جانسٹھ کے علاقے میں منعقدہ پنچایت کے دوران رہنماؤں نے بے حد غیر ذمہ دارانہ بیانات دیے جس کی وجہ سے لوگ مشتعل ہو گئے اور تشدد کے واقعات رونما ہوئے۔ وزیر مملکت برائے ویلفیئر محمد اعظم کا کہنا ہے کہ پنچایت کے دوران اشتعال انگیز تقاریر کی گئیں جس

میں مسلمانوں کے قتل کرنے پر بھی اکسایا گیا۔ مقامی پولیس نے بھی پنچایت کے اس موقف کی تائید کی۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق پر تشدد واقعات کا آغاز کاوال گاؤں سے ہوا جس کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے مظفر نگر کے دیگر علاقے بھی اس کی زد میں آ گئے اور مسلمانوں پر حملے اور ان کی املاک کو جلانے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ رپورٹس کے مطابق پنچایت میں شرکت کے لیے آنے والے ہجوم نے راستے میں ایک مسلمان کو مار مار کر قتل کردیا تھا اور پنچایت سے واپسی پر منصوبہ بندی کے تحت مسلمان آبادی والے علاقوں پر حملے شروع کردیے گئے۔ اترپردیش کے سیکرٹری داخلہ کمل سکسینا نے میڈیا کو بتایا کہ ہفتے کے روز 11 افراد مارے گئے جبکہ اتوار کو مزید آٹھ لوگوں کو قتل کردیا گیا۔ بھارتی حکومت نے پنچایت کا انعقاد کرنے والے حکمراں جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کے مقامی رہنماؤں سمیت متعدد افراد کے خلاف ایف آئی درج کرکے وارنٹ گرفتاری جاری کردیے ہیں جبکہ متعدد افراد کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ مظفر گڑھ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے تین روز تک ضلع بھر میں تعلیمی ادارے بند رکھنے کا اعلان کیا۔

فسادات سے متاثرہ علاقے کا رخ کرنے والے ایک وفاقی وزیر سمیت حزبِ اقتدار اور اختلاف سے تعلق رکھنے والے کئی سیاست دانوں کو پولیس نے علاقے کا دورہ کرنے سے یہ کہہ کر روک دیا کہ ان کے جانے سے تشدد کی آگ مزید بھڑک سکتی

ہے۔ان فسادات پر بھارتی سیاست دانوں کی جانب سے ایک دوسرے کے خلاف الزامات کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا ہے۔وزیرِ داخلہ سشیل کمار شنڈے نے اترپردیش کے وزیرِ اعلیٰ اکھیلیش یادیو پر وفاق کی جانب سے دی جانے والی وارننگز سے غفلت برتنے اور فسادات کو روکنے کے لیے مناسب اقدامات نہ کرنے کا الزام عائد کیا ہے۔جب کہ مسلمان ووٹوں پر بڑی حد تک انحصار کرنے والے ریاستی حکمران جماعت "سماج وادی پارٹی" کے رہنماؤں نے فسادات کا ذمہ دار حزبِ اختلاف کی مرکزی جماعت "بھارتیہ جنتا پارٹی" کو ٹھہرایا ہے جو ان کے بقول ہندو مسلم فسادات کرا کے آئندہ عام انتخابات میں فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔اطلاعات کے مطابق بھارتیہ جنتا پارٹی کے متعدد ایم پی اے اور ایم ایل اے نے مل کر یہ سازش بنائی ہے۔کیونکہ آئندہ برس انتخابات ہونے والے ہیں، بھارت میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے سے زیادہ ووٹ ملتے ہیں،اسی لیے یہ سیاسی شخصیات بھی مسلمانوں کو قتل کرکے آئندہ انتخابات میں کامیاب ہونا چاہتی ہیں۔ بھارتی وزیر داخلہ ششی کمار شند کا کہنا ہے کہ آئندہ برس انتخابات کے دوران فسادات میں مزید شدت آسکتی ہے اس لیے تمام 28 ریاستوں کو الرٹ رہنا ہوگا۔

بھارت میں مسلمانوں کی حالت کافی قابل رحم ہے۔ گزشتہ سال امریکی اخبار وال اسٹریٹ نے اپنی رپورٹ میں اس بات کا اقرار کھلے الفاظ میں کیا تھا۔اخبار

وال اسٹریٹ جرنل" میں ماضی کی ایک سرکاری رپورٹ کے حوالے سے کہا تھا کہ "بھارتی مسلمان تعلیم اور سرکاری نوکریوں کے معاملے میں صرف اونچی ذات کے ہندووں ہی نہیں بلکہ دلتوں سے بھی پیچھے ہیں جنہیں تاریخی طور پر بھارتی معاشرے میں سب سے پسماندہ اور نچلی ذات تصور کیا جاتا ہے۔" وال اسٹریٹ جرنل" کے مطابق بھارت کے کئی شہروں میں ہندو اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمانوں تک کو کرایے پر گھر دیتے ہوئے ہچکچاتے ہیں جب کہ یہ بھی حقیقت ہے کہ بھارتی تاریخ میں جتنے ہندو مسلم فسادات ہوئے ہیں ان میں مسلمانوں کی جان و مال کا نقصان ہندووں سے کہیں زیادہ ہوا ہے۔ بھارت میں ہندو مسلم فساد نئی بات نہیں ہے۔ قیام پاکستان کے بعد بھارت کے اکثر شہروں میں ایسے فسادات ہوئے ہیں جن میں بڑی تعداد میں ہلاکتیں ہوئیں۔ اترپردیش ماضی میں بھی مسلم کش فسادات کا مرکز رہا ہے۔ دسمبر 1992ء میں ہندو انتہا پسندوں نے ایودھیا میں 16ویں صدی کی تعمیر کردہ بابری مسجد کو شہید کردیا تھا اور اس کی جگہ مندر تعمیر کروایا گیا تھا۔ ان فسادات کے دوران سیکڑوں مسلمانوں کو شہید کردیا گیا تھا۔ حکومت نے متنبہ کیا ہے کہ بھارت میں ہندو مسلم فسادات کے واقعات میں اضافہ ہورہا ہے اور رواں سال اب تک 451 واقعات رونما ہوچکے ہیں جبکہ گزشتہ سال ہندو مسلم جھڑپوں کے 410 واقعات رپورٹ ہوئے تھے۔ بھارت کی گنجان ترین لیکن غریب ریاست اترپردیش کا شمار ملک کی مذہبی طور پر انتہائی حساس ریاستوں میں ہوتا ہے جہاں گزشتہ تین برسوں میں مذہبی فسادات کے دوران میں

ملک میں سب سے زیادہ ہلاکتیں ریکارڈ ہوئی ہیں۔

افسوسناک امر یہ ہے کہ فسادات میں ہمیشہ مسلمانوں کا زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ بھارت کی ریاست گجرات میں بھی گودھرا ٹرین حادثے کے نتیجے میں مسلمانوں کا حملوں کا آغاز ہوا۔ المیہ یہ تھا کہ اس وقت ریاست گجرات کے وزیراعلیٰ نریندر مودی نے فسادیوں کو مکمل سپورٹ فراہم کی۔اس وجہ سے مسلمانوں کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔ بعد میں تحقیقات کے نتیجے میں گودھرا ٹرین حادثے میں مسلمانوں کے ملوث ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملا لیکن اس کے باوجود مسلمانوں پر حملوں کے ذمے داروں کو سزائیں نہیں دی گئیں۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ بھارت میں فسادات کے دوران انتظامیہ ہندوؤں کی حمایت کرتی ہے۔ اب مظفر نگر میں جو واقعہ ہوا ہے، اس سے فسادات مزید پھیلنے کا خطرہ ہے۔ مظفر نگر میں فسادات کی اصل وجہ کیا ہے اس کے بارے میں فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ میڈیا میں مختلف نوعیت کی اطلاعات موجود ہیں تاہم ایک بات ثابت ہے مظفر نگر ضلع کے مختلف علاقوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کشیدگی موجود ہے۔ اب تک متعدد مسلمان مارے جا چکے ہیں۔ اشتعال انگیزی مزید بڑھی تو فسادات پھیلنے کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اتر پردیش میں مسلمانوں کی بھاری تعداد آباد ہے۔ بھارتی حکومت کو ضلع مظفر نگر میں کشیدگی ختم کرانے کے لیے فوری اقدامات کرنے چاہئیں۔ فسادات میں ملوث بلوائیوں کو گرفتار کرکے قانون کے

مطابق سزا دی جائے تاکہ اس شہر میں امن قائم ہو سکے۔

ماضی کا پر امن شہر دنیا کا "خطرناک میگا سٹی" قرار

70 کی دہائی میں کراچی کا شمار دنیا کے بہترین اور پر امن شہروں میں ہوتا تھا۔ دنیا جہاں کے سفارت کار، سیاح شہر میں کھلے عام پھرتے تھے۔ یورپ، امریکا، مشرق بعید، عرب ممالک، سوویت یونین، جاپان اور بھارت جانے والے تمام جہاز کراچی اترتے تھے اور مسافر کراچی کے بازاروں میں ایک دو گھنٹے گزار کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوجاتے تھے۔ کراچی کے رہائشی شہر کے امن پر فخر کرتے تھے۔ کراچی روشنیوں کا شہر کہلاتا تھا۔ کراچی کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ملک بھر سے آنے والوں کو اس شہر نے اپنے دامن میں جگہ دی اور روزگار فراہم کیا۔ رفتہ رفتہ اس شہر کی رونقیں اجڑنے لگیں اور اس شہر کی روشنیاں ماند پڑنے لگیں۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم ہونے لگا، لوگوں کو اغوا کیا جانے لگا، ان سے بھتا لیا جانے لگا جس سے لوگوں کے کاروبار اجڑ گئے۔ یوں اس شہر کا امن برباد ہوتا گیا۔ 2010 میں ایک آن لائن امریکی جریدے "Blaze" نے دنیا کے دس خطرناک ترین شہروں کی فہرست جاری کی تھی۔ ان شہروں میں پاکستان کا سب سے بڑا شہر اور معاشی مرکز کراچی دنیا کے دس خطرناک ترین شہروں کی فہرست میں چھٹے نمبر پر تھا۔ اس کے بعد بھی حالات کچھ بہتر نہیں ہوئے بلکہ دن بدن خراب ہی ہوتے رہے۔

دو روز قبل امریکی جریدے "فارن پالیسی" نے اپنی رپورٹ میں کراچی کی ابتر صورت حال پر کہا ہے کہ کراچی دنیا کا سب سے خطرناک میگا سٹی بن چکا ہے، جہاں ایک لاکھ افراد میں 12.3 افراد کو قتل کرنے کی شرح ہے، جو کہ دنیا کے کسی بھی بڑے شہر سے 25 فی صد زیادہ ہے، 2011 میں ممبئی میں 202 افراد قتل ہوئے جب کہ 2011 میں کراچی میں 1723 افراد اور 2012 میں 2 ہزار سے زائد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ سیاسی جماعتوں سے وابستہ گینگ کافی عرصے سے اس شہر میں سرگرم ہیں، جو بھتہ اور زمینوں پر قبضوں کے گروہ چلا رہے ہیں۔ بلوچستان کی بے امنی اور افغانستان کے خراب حالات بھی کراچی پر اثر انداز ہوئے، اس کی بندرگاہ نارکوٹکس اور ہتھیاروں کی سمگلنگ کے لیے استعمال کی جارہی ہے، ڈرگز گینگز بھی اس شہر میں شامل ہو گئے ہیں، کراچی منشیات کی سمگلنگ اور فروخت بھی ڈرگز مافیا کے لیے ایک جنت ہے۔ یورپ اور امریکا میں بھیجی جانے والی افغان منشیات کے لیے بنیادی منڈی کراچی کی پورٹ ہے۔

جریدے نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ کراچی کی بندرگاہ کو ایک نئی ڈرگ میتھا مفٹامین کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ دنیا بھر میں ہیروئین کی طلب میں کمی جب کہ میتھا مفٹامین کی طلب میں اضافہ ہوا اور خطے میں اس کا سب بڑا پیدا کنندہ ملک ایران ہے لیکن ملائشیا اور آسٹریلیا کو اس کی فراہمی کیلئے پاکستان ہی روٹ استعمال ہوتا ہے۔ اس کی تیاری کیلئے ایفیڈرین یا سوڈو فیڈرین کیمیکل کی

ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کیمیکل کھانسی، الرجی، زکام یا دیگر ادویات کی تیاری استعمال میں ہوتا ہے لیکن کراچی میں اسے جرائم پیشہ سرگرمیوں کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔

میتھامفیٹا مین کو کراچی میں کرسٹل کہتے ہیں۔ ایک گرام کرسٹل پانچ سو سے آٹھ سو میں مل جاتی ہے۔ یہ ہیروئن سے زیادہ مہنگی ہے لیکن اس کا نشہ ہیروئن سے زیادہ تیز ہے۔ کراچی میں گینگ لڑکوں کو گلیوں سے اٹھاتے ہیں انہیں کرسٹل کا عادی بناتے ہیں اور پھر جرائم کراتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے مطابق آج بھی افغان ہیروئن کی سمگلنگ کے لیے کراچی کی بندرگاہ استعمال کی جارہی ہے۔ پاکستان میں افیون اور بھنگ سب سے زیادہ پی جارہی ہے، ایک فی صد ہیروئن پیتے ہیں جب کہ 41 لاکھ پاکستانی منشیات پر انحصار کرتے ہیں۔ 12 لاکھ منشیات کے عادی اس شہر میں رہتے ہیں۔ جریدے کے مطابق کراچی کی آبادی میں 2000 سے 2010 میں 80 فی صد سے زیادہ اضافہ ہوا جو کہ ایک دہائی میں نیویارک کی کل آبادی سے زیادہ اضافہ ہے، نیویارک کی کل آبادی تقریباً 85 لاکھ سے زیادہ ہے۔

کراچی پاکستان کا دارالحکومت رہ چکا ہے اور اب بھی اسے پاکستان کا 'تجارتی دارالحکومت' کہا جاتا ہے لیکن اگر یہاں ہونے والے جرائم پر نظر ڈالی جائے تو اسے 'جرائم کا دارالحکومت' کہنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ شہر بے اماں کراچی پر قبضے کی جنگ جاری ہے۔ بھتا، اغوا، قبضہ، لوٹ مار، اسٹریٹ کرائم

اور پولیس گردی سمیت دیگر جرائم میں روزانہ شہریوں کا خون نچوڑا جاتا ہے۔ کراچی کے عوام سے روزانہ 83 کروڑ روپے زبردستی وصول کیے جاتے ہیں۔ شہر کی ساڑھے پانچ سو چھوٹی بڑی مارکیٹوں سے بھتا اور پرچی کے نام پر روزانہ ایک کروڑ روپے جمع کیے جاتے ہیں۔ اغواء برائے تاوان گزشتہ چند سال سے بینک ڈکیتی کی طرح کی مہنگی ترین وارداتیں بن چکی ہیں، جو عموماً خوف کی وجہ سے منظر عام پر بھی نہیں آتی، کبھی ڈر کے مارے تو کبھی مشہور ہونے کے ڈر سے تاجر و صنعت کار برادری اور بااثر شخصیات اس مد میں روز کئی کئی لاکھ روپے دینے پر مجبور ہیں، جن سے مطالبے بھی لاکھوں کروڑوں میں ہوتے ہیں،اس دھن کا حصہ روزانہ کم و بیش پانچ کروڑ روپے ہے۔ پارکنگ مافیا نے شہر بھر میں 5 سو سے زاید پارکنگ لاٹ بنا رکھی ہیں، جو سڑکوں پر موٹر سائیکلیں اور گاڑیاں گھیر گھار کر بناتی ہے، 24 لاکھ روپے روزانہ، شہر کے بازاروں میں 55 ہزار سے زیادہ ٹھیلے اور پتھارے لگتے ہیں جو مختلف بیٹرز کو فی کس 100 سے 200 روپے دیتے ہیں،اس کی کل رقم بنتی ہے روزانہ 82 لاکھ 50 ہزار روپے۔ کس کی جیب میں جاتے ہیں کچھ معلوم نہیں۔ پانی چوری، ٹینکرز سے کمائی ہو یا ہائیڈرنٹس سے چوری ملین گیلن پانی بیچ کر روزانہ 10 کروڑ روپے پیسے جاتے ہیں۔ کراچی میں جوئے 272 اور منشیات کے چھوٹے بڑے 15 ہزار اڈوں سے روزانہ پندرہ کروڑ روپے بیٹ جمع ہوتی ہے۔ شہر میں قبضہ مافیا نے ایک سال میں 80 ارب روپے مالیت کی تقریباً 30 ہزار ایکڑ سرکاری اراضی پر قبضہ کیا، قبضے کی مد میں ماہانہ 7 ارب اور

روزانہ تقریباً 23 کروڑ روپے ریونیو سے چرا لیے گئے۔ پبلک ٹرانسپورٹ سے ایک کروڑ لاکھ روپے روزانہ وصول کیے جاتے ہیں، 25 ہزار بسوں، کوچز اور ویگنوں سے 48 یومیہ 2 سو سے 3 سو روپے بھتا وصولی ہوتی ہے۔ 4 ہزار چنگچی، 20 ہزار آٹو رکشہ اور 7 ہزار ٹیکسیاں بھی یومیہ 40 روپے فی گاڑی پولیس کو غنڈہ ٹیکس دیتے ہیں۔ مال برداری کے ٹرک، کنٹینرز اور آئل ٹینکرز سے فی کس ایک ہزار سے تین ہزار ہڑپ کیے جاتے ہیں اور اس کا تخمینہ بنتا ہے یومیہ 75 لاکھ روپے۔ بجلی کی چوری میں روزانہ ڈیڑھ کروڑ روپوں کا جھٹکا لگتا ہے، چار سے پانچ لاکھ کنڈے، فی کنڈا ماہانہ 3 ہزار سے 5 سو روپے، ماہانہ 45 کروڑ اور یومیہ ڈیڑھ کروڑ کی بجلی چوری۔ طبّی لٹیرے روزانہ 30 لاکھ روپے غریب مریضوں سے نچوڑ لیتے ہیں روزانہ سرکاری ہسپتالوں میں 20 ہزار مریض آتے ہیں، 5 سے 20 روپے کی پرچی بنواتے ہیں لیکن ان سے دواؤں اور آلات کی مد میں یومیہ 30 لاکھ روپے کا ٹیکہ لگا دیا جاتا ہے۔ کراچی کے شہری روزانہ 40 سے 50 موٹر سائیکلوں اور 20 سے 25 گاڑیوں سے محروم کر دیے جاتے ہیں، رواں برس کے صرف پہلے تین ماہ کے دوران کراچی میں 5,236 موٹر سائیکلیں اور 1,200 کاریں چھینی یا چوری کی گئیں۔ اوسطاً 71 گاڑیاں یا موٹر سائیکلیں روزانہ چھینی یا چوری کی گئیں۔ جو گاڑیاں بازیاب ہوتی ہیں وہ بھی ڈھانچے کی شکل میں ملتی ہیں، اس مد میں شہری روزانہ تقریباً ڈھائی کروڑ روپے گنوا بیٹھتے ہیں۔

بات ہو اسٹریٹ کرائم کی تو شاید ایسا خوش قسمت کراچی والا اب ڈھونڈنا ناممکن ہوگیا ہے جو خود یا اس کا قریبی عزیز گن پوائنٹ پر نہ لوٹا گیا ہو، کراچی میں رواں سال کے صرف پہلے تین ماہ کے دوران 5,179 افراد کو ان کے موبائل فونز سے محروم کیا گیا تھا یعنی روزانہ 57 افراد اپنے موبائل فونز سے ہاتھ دھو بیٹھے جن میں 31 افراد کو روزانہ گن پوائنٹ پر اپنے موبائل فونز ڈاکوؤں کے حوالے کرنا پڑے تھے۔ روزانہ سوا سو سے ڈیڑھ سو موبائل فون، ان کے ساتھ نقد رقم، زیورات اور دیگر قیمتی اشیاء چھیننے جانے میں شہریوں کو روز 52 لاکھ سے زیادہ رقم سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں اور یہ وہ اعداد و شمار ہیں جو رپورٹ ہوتے ہیں۔ شارٹ ٹرم کڈنے پنگ۔ یعنی جز وقتی اغواء جس میں شہریوں کو اغواء کرکے گاڑی میں گھمایا پھرایا جاتا ہے، نقد رقم، اے ٹی ایم اور کریڈٹ کارڈ سے ہاتھ صاف کرنے کے بعد فون کرکے گھر سے رقم منگوائی جاتی ہے، شہر کے پوش علاقوں میں روزانہ دس سے پندرہ وارداتیں ہوتی ہیں، جن میں 30 لاکھ سے زاید رقم سے شہری ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور اب بات ہو جائے شہر میں پولیس کے نظام کی 112 تھانے اور 69 ٹریفک سیکشن، ایس ایچ او، ہیڈ محرر اور دیگر عملے اور بیٹ سمیت ہی نہیں بلکہ ضلع ایس ایس پی سطح کی تعیناتی پر پانچ سے پچاس لاکھ روپے کے ٹینڈر کھلتے ہیں۔ اس کھیل میں پولیس اہلکار سے اعلیٰ حکام تک کی حصہ پتی ہوتی ہے، ماہانہ اربوں روپے کی اس نیلامی کی جمع تفریق بتاتی ہے، اس مشق سے روزانہ 21 کروڑ روپے بنائے جاتے ہیں۔، شہر میں کوئی جرم روکنا ہو تو

پولیس غائب لیکن ہر سڑک پر صبح کے وقت ہر چھوٹی بڑی گاڑی سے کم از کم پچاس روپے پولیس "بھتا" کی مد میں لیتی ہے۔ عوام سے پولیس کی جانب سے لیا جانے والا بھتا الگ رہا۔ اس طرح تمام کو ملا کر ایک مہینے کے بنتے ہیں پچیس ارب روپے، جو عوام کی جیب سے زبردستی نکلوائے جاتے ہیں۔

مدارس دینیہ کے طلبہ کل اور آج

پاکستان میں مدارس دینیہ اور ان میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کرام کی تعداد دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔کچھ سالوں سے مدارس میں اس حد تک اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ ماضی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ایک اندازے کے مطابق اس وقت پاکستان میں مدارس دینیہ کی تعداد بیس ہزار سے متجاوز ہے اوران میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کرام کی تعداد بھی لاکھوں میں ہے۔الحمدللہ وقت کے ساتھ ساتھ مدارس دینیہ نے معاشرے میں اپنے پاؤں مضبوط کیے ہیں۔کچھ ہی عرصے میں بے انتہا ترقی کی ہے۔اس سب کے باجود یہ ایک حقیقت ہے کہ زمانے کے ساتھ ساتھ جہاں مدارس دینیہ اور طلبہ کی تعداد بڑھی ہے وہیں مدارس دینیہ میں ماضی اور حال کے مقابلے میں علمی اور عملی اعتبار سے کھلا فرق بھی نظر آنا شروع ہوا ہے۔

ماضی میں مدرسہ استاذ اور طالب علم کا نام ہوتا تھا۔مدارس کی عمارتیں کوئی بڑی شاندار نہیں ہوتی تھیں،جہاں پڑھانے کے لیے جگہ میسر آ گئی وہیں تعلیم کا سلسلہ شروع کردیا جاتا تھا۔نہ بجلی کا انتظام اور نہ بیٹھنے کے لیے کوئی اعلیٰ قسم کے قالین ہوتے تھے۔گرمیوں میں ائیر کولر اور اے سی کی سہولت اور سردیوں میں ہیٹر بھی مدارس میں نہ ہوتے تھے۔بلکہ بہت سے مدارس تو ایسے بھی

ہوتے تھے کہ ان میں طلبہ کو کھانے اور رہائش کے بھی بے پناہ مسائل سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ طلبہ کو مدارس دینیہ میں اب جتنی بھی سہولیات مہیا ہیں ان کا شاید ماضی میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ نہ ہی طلبہ ان سہولیات کی جانب التفات کرتے تھے کیونکہ ان کا مقصد صرف علم دین حاصل کرنااور حاصل کیے ہوئے علم پر عمل کرنا ہوتا تھا۔ وہ تمام مشکلات برداشت کرکے بھی علم دین حاصل کرتے تھے۔ تمام مشکلات کے باوجود مدارس دینیہ کے طلبہ علم دین کے حصول میں اس قدر منہمک ہوتے تھے کہ انہیں تعلیم وتعلم کے علاوہ دنیا و مافیھا کی کوئی فکر نہ ہوتی تھی۔ بلاوجہ کی چھٹی کا مدارس میں کوئی تصور نہ تھا، طلبہ اپنا فارغ وقت بھی علم کے حصول میں صرف کرتے تھے۔

اگر کوئی شخص مدارس کا معائنہ کرنے آتا تو دیکھ کر حیران رہ جاتا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنا سب کچھ قربان کرکے عوام الناس کی بھلائی کے لیے علم دین حاصل کررہے ہیں۔ مدارس میں ہر طرف تعلیم وتعلم کا سلسلہ ہی جاری ہوتا تھا۔ کہیں طلبہ استاذ سے سبق سمجھنے کی کوشش کررہے ہیں تو کہیں اپنے دوسرے ساتھیوں کو سمجھانے کی کوشش کررہے ہیں۔ ایک طرف کچھ طلبہ تکرار کررہے ہیں تو دوسری طرف پورے غور و خوض سے مطالعہ میں مشغول ہیں۔ ایک طرف تفسیر اور اصول تفسیر پر بحث ہورہی ہے تو دوسری طرف حدیث اور اصول حدیث کے نکات بیان کیے جارہے ہیں۔ اسی طرح فقہ، اصول فقہ اور دوسرے کئی علوم کے

حصول کے لیے تگ و دو کی جاتی تھی۔ طلبہ مدارس میں صرف یہی مقصد لے کر آتے تھے کہ ہم نے اپنی پوری زندگی اللہ کے دین کے لیے وقف کرنی ہے۔طالب علم زمانہ طالب علمی میں ہی وہ وہ کتابیں پڑھ چکے ہوتے تھے جن کو سمجھنے کے لیے بہت مہارت درکار ہوتی ہے۔طالب علم جب فراغت حاصل کرتے تو نصابی کتابوں کے ساتھ سیکڑوں مفید خارجی کتب کا مطالعہ بھی کر چکے ہوتے تھے۔استاذ کا ادب طلبہ کے ذہنوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا تھا۔ کوئی طالب علم ادب کی وجہ سے اپنے استاذ کے سامنے سے نہیں گزرتا تھا۔ ان سب کا ایک دوسرے سے صرف ایک ہی مفاد وابستہ ہوتا تھا اور وہ تھا تعلیم و تعلم۔استاذ بھی طلبہ کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔استاذ اپنے طلبہ کی تربیت کرنا اپنا دینی فریضہ سمجھتے تھے۔ طلبہ کو مکمل دین کے رنگ میں رنگنا اور ان کی مکمل اصلاح کرنا استاذ کے ذمہ ہوتا تھا۔ گویا کہ استاذ اور شیخ ایک ہی شخصیت کے نام ہوتے تھے۔

جوں جوں زمانہ گزرتا رہا توں توں طلبہ میں علمی و اخلاقی سطح پہ بھی انحطاط آتا گیا۔بہت سے طلبہ جدید سہولیات کی رو میں بہہ گئے۔مدارس میں ہر قسم کی سہولت میسر آئی۔ موبائل انٹرنیٹ اور آئی پیڈ جیسے نجانے کیا کچھ مدارس میں عود آیا۔انتظامیہ کی جانب سے ان کے استعمال کی کھلی اجازت دی گئی۔ان کے فوائد اپنی جگہ لیکن ان تمام چیزوں نے طلبہ کی علمی سوچ کو بے پناہ نقصان پہنچایا ہے۔اب اگر کوئی شخص مدارس کا معائنہ کرنے آئے تو ایک طرف طلبہ

موبائل سے کھیلتے نظر آئیں گے اور دوسری طرف کان سے موبائل لگائے بہت سے طلبہ محو گفتگو ہوں گے۔کچھ لیب ٹاپ میں مشغول اور کچھ کرکٹ کی باتیں کرتے پائے جائیں گے۔کچھ گپیں ہانکتے نظر آئیں گے۔اب طلبہ فارغ وقت تو فضولیات میں گزارتے ہی ہیں، اپنی تعلیم کا بھی بہت سارا وقت بھی موبائل وغیرہ کی نظر کردیتے ہیں۔طلبہ میں نہ تو نصابی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق رہا اور نہ ہی خارجی کتابوں سے کوئی سروکار۔اکثر طلبہ کو زمانہ طالب علمی میں ہی اپنے مستقبل کا فکر کھائے جاتا ہے۔بہت سے تو درمیان تعلیم کوئی کاروربار بھی شروع کردیتے ہیں، جس کی وجہ سے طلبہ میں علمی استعداد پیدا نہیں ہوتی نہ وہ صحیح طریقے سے علم حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی کاروبار۔بے شمار ایسے بھی ہوتے ہیں جو دینی علوم کا حق تو صحیح طرح ادا کر نہیں پاتے، اس کے ساتھ نجانے کس کس فیلڈ میں ٹانگ اڑا لیتے ہیں۔حالانکہ اگر تعلیم کا سلسلہ شروع کیا تھا تو اس کو پایہ تکمیل تک تو پہنچانا چاہیے تھا۔اساتذہ کا ادب بھی رفتہ رفتہ دم توڑتا جارہا ہے۔آٹھ دس سال مدارس میں گزارنے کے باوجود فرائض و واجبات میں بھی سستی آنا شروع ہوجاتی ہے۔طلبہ نے علمی و ادبی شوق کی بجائے بہت سے ایسے شوق پال لیے ہیں، جس کی وجہ سے اکثر طلبہ میں علوم و فنون میں مضبوطی نہیں آتی۔اور ایسے بہت ہی کم طلبہ سامنے آتے ہیں جو اکابر کے مزاج کے مطابق چلیں اور ایسا علمی کام کریں جس کی امت مسلمہ کو ضرورت ہے۔اگر طلبہ کے مزاج میں اسی طرح زمانے کے ساتھ انحطاط آتا گیا تو مستقبل

میں یہ معاملہ بہت ہی بھیانک صورت اختیار کرسکتا ہے۔صاحب فکر و دانش کو اس طرف ضرور توجہ دینی چاہیے۔

حضرت مولانا ابرارالحق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ہمارا نام طالب العلم والعمل تھا، مگر اختصار کے لیے صرف طالب علم بولا جاتا ہے۔ ہم عمل کو اب مقصود ہی نہیں سمجھتے، طالب علمی ہی سے اعمال میں مشغول ہونے کا اہتمام اہل مدارس کو کرنا چاہیے۔ آج اساتذہ طلبہ کی تربیت اور اصلاح نفس کی فکر نہیں کرتے، صرف ان کی رہائش اور روٹیوں کی فکر ہوتی ہے، پس صورت تو طالب علم کی ہے اور روح اور حقیقت غائب یعنی تعلق مع اللہ اور خشیت اور اساتذہ کا ادب واکرام سب ختم، پھر اسٹرائیک اور، بغاوت نہ ہوگی تو کیا ہوگا؟ ہرچہ برماست از ماست۔ہر کوتاہی اور معصیت کا رد عمل ہوتا ہے۔ طلبہ ہماری کھیتی ہیں، ہم ان کے قلوب میں اگر محبت اور تعلق مع اللہ اور خشیت اور اتباع سنت کے درخت نہ لگائیں گے تو دوسرے صحرائی خار دار درخت نکلیں گے ۔مدارس دینیہ کے اندر اگر ہم طلبہ اور اساتذہ کو تکبیر اولیٰ سے جماعت کی مشق نہ کرائیں گے تو پھر صالح ماحول سے نکلنے کے بعد جب یہ غیر صالح ماحول میں جائے گا وہاں ان کا کیا حال ہوگا؟۔

کراچی میں "آپریشن مانیٹرنگ کمیٹی" کے قیام کا فیصلہ

وفاق اور سندھ حکومت نے ایک بار پھر کراچی ٹارگٹڈ آپریشن کو تیز کرنے کا عزم ظاہر کیا ہے۔ ہفتے کے روز وزیر داخلہ چودھری نثار علی خاں نے وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کو ٹیلیفون کیا۔ دونوں رہنماؤں نے کراچی میں ٹارگٹڈ آپریشن جاری رکھنے اور اسے مزید متحرک کرنے پر اتفاق کیا۔ وزیر داخلہ چودھری نثار علی خاں اور وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ نے پولیس اور رینجرز کے درمیان تعاون اور موثر رابطے پر اطمینان کا اظہار کیا۔ وزیر داخلہ نے قائم علی شاہ کو شہر میں قیام امن کے لیے مکمل تعاون کی یقین دہانی کرائی ہے۔ جبکہ وفاقی وزیر احسن اقبال نے کہا ہے کہ وفاقی حکومت کراچی میں امن و امان کے قیام کے لے خاموش تماشائی نہیں بن سکتی، کراچی میں امن قائم کرنے کے لے وفاقی حکومت اپنا بھرپور کردار ادا کرے گی اور اس سلسلے میں سندھ حکومت کی بھرپور مدد کی جائے گی، صوبے میں قیام امن کی ذمہ داری صوبائی معاملہ ہے تاہم وفاقی حکومت امن و امان کے قیام کے لے صوبائی حکومت کو مدد فراہم کرنے کی پابند ہے۔

دوسری جانب وزیر اعلیٰ سندھ نے پنجاب سے آئے 34 رکنی وفد سے مخاطب ہوتے

ہوئے کہا ہے کہ کراچی شہر تجارتی سرگرمیوں کا مرکز اور ملکی معیشت کے لیے ریڑھ کی ہڈی جیسی حیثیت رکھتا ہے، ہم نے کراچی کو امن کا گہوارہ اور معاشی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کا تہیہ کیا ہوا ہے۔ کراچی میں ٹارگٹڈ آپریشن تمام سیاسی جماعتوں اور متعلقہ فریقین کو اعتماد میں لے کر شروع کیا گیا ہے۔ یہ آپریشن بلا تفریق کیا جا رہا ہے، پولیس اور رینجرز کو مجرموں کے خلاف کارروائی کے لیے فری ہینڈ دیا گیا ہے۔ جرائم پیشہ افراد کے خلاف بلا تفریق کارروائی کی جا رہی ہے، اگر کوئی مجرم حکمران پارٹی سے تعلق ظاہر کرتا ہے تو اس کے خلاف بھی کارروائی کی جائے گی۔ ٹارگٹڈ آپریشن میں ہم کسی قسم کی مداخلت کرتے ہیں نہ ہی امن و امان کے قیام کے عظیم مقصد میں مصروف عمل قانون نافذ کرنے والوں اداروں کو پیچھے ہٹایا جائے گا۔ وزیر اعلیٰ سندھ نے کہا کہ ٹارگٹڈ آپریشن کے حوصلہ افزا اور مثبت نتائج سامنے آئے ہیں۔ کراچی میں مستقل بنیادوں پر امن کے قیام کے لیے سندھ پولیس کو مستحکم کرنے اور افسروں کی تعداد بڑھانے، تربیت فراہم کرنے، جدید اسلحہ، مراعات، قانونی تحفظ دینے اور پولیس فورس میں خصوصی ونگز قائم کرنے کی حکمت عملی مرتب کی جا رہی ہے۔ دو روز قبل بھی وزیر اعلیٰ سندھ کی زیر صدارت اجلاس میں سندھ حکومت نے کراچی میں جاری آپریشن کی رفتار میں اضافے کا فیصلہ کیا تھا اور وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ نے کراچی میں جاری آپریشن کی اب تک کی کارروائیوں پر اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ وزیر اعلیٰ کا کہنا تھا کہ جتنا جلد

ممکن ہو شہر کو دہشت گردوں اور جرائم پیشہ افراد سے صاف کیا جائے۔ آپریشن میں شریک افسران کی بھرپور انتظامی، قانونی اور اخلاقی مدد کی جائے گی اور عام شہری کی جان اور مال کو محفوظ بنایا جائے۔ کراچی میں امن کے قیام کے حوالے سے 19 سال قبل عارضی طور پر بلوائی گئی رینجرز جسے ہر سال ایک نوٹی فکیشن کے ذریعے ایکسٹینشن دی جاتی تھی اسے اب مستقل کرنے کی منصوبہ بندی بھی کرلی گئی ہے۔ ذرائع کے مطابق سندھ کے انتظامی حلقوں کی جانب سے سندھ حکومت کو سفارشات دی گئیں کہ سندھ بالخصوص کراچی میں امن و امان کے حوالے سے رینجرز کی جانب سے کی جانے والی کارروائیوں سے واضح فرق آیا ہے، تاہم کہیں ایسا نہ ہو کہ جب ان کی کارروائیاں ختم ہوں تو وہ عناصر جو ان کارروائیوں کے بعد پس پردہ چلے گئے ہیں پھر سے منظم نہ ہوجائیں جس پر سندھ حکومت کی جانب سے بھی اس پر رضامندی ظاہر کردی گئی ہے۔ واضح ہو کہ رینجرز کو 1994ء میں امن و امان کے لیے سندھ میں امن و امان کے لیے عارضی طور پر بلوایا گیا تھا اور ان کے اختیارات میں ہر 3 ماہ بعد توسیع کی جاتی ہے اور ان کی رہائش کے لیے بھی ہر سال نوٹیفیکیشن جاری ہوتے ہیں تاہم اب انہیں سندھ میں مستقل بنیادوں پر تعینات کردیا جائے گا۔ سندھ محکمہ داخلہ سندھ میں رینجرز کے رہنے کی درخواست وفاق کو بھیجتی ہے اور وہاں سے منظوری کے بعد ان کے اختیارات اور رہائش میں توسیع کی جاتی ہے تاہم اس سفارشات کے بعد وہ سندھ حکومت کے ماتحت ہوجائے گی اور ان کے اخراجات اور معاوضوں کا کچھ

حصہ وفاق سے دیا جاتا تھا اب وہ سندھ حکومت دے گی۔ اس فیصلے کو قانونی حیثیت دینے کے لیے سندھ اسمبلی کے اجلاس میں اسے پیش کیا جائے گا اور اس کی منظوری کے بعد اسے قانونی شکل دے کر منظور کرلیا جائے گا۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ حکومت سندھ کی جانب سے جاری کیا گیا آپریشن اتنا کامیاب نہیں ہو رہا، حکومت سندھ جتنا اسے کامیاب کہہ رہی ہے۔ اور نہ ہی یہ آپریشن اپنے اہداف کو حاصل کرتا ہوا دکھائی دے رہا۔ کیونکہ آپریشن سے پہلے ہی بہت سے جرائم پیشہ افراد یا تو کراچی سے چلے گئے تھے یا پھر زیرزمین چلے گئے تھے۔ آپریشن شروع ہونے کے بعد بھی کراچی میں جرائم کی شرح معمولی سی ہی کم ہوئی ہے۔ آپریشن کے باوجود بھی کراچی میں روزانہ معموم کے مطابق ٹارگٹ کلنگ ہو رہی ہے اور دوسرے جرائم بھی اسی طرح ہو رہے ہیں۔ ہفتے کے روز ماڈل کالونی میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ممتاز شاہ کے قتل سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپریشن کس حد تک کامیاب ہو رہا ہے۔ کراچی آپریشن میں سب سے بڑی غلطی یہ ہو رہی ہے کہ اسے محض کراچی کا داخلی مسئلہ سمجھ کر حکمت عملی ترتیب دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ حالانکہ کراچی محض داخلی مسئلہ نہیں بلکہ یہ بین الاقوامی سیاست کے ساتھ بھی جڑا ہوا ہے۔ سابق وزیر داخلہ سمیت انٹیلی جنس کی تنظیمیں اعتراف کرتی ہیں کہ کراچی کے حالات کو بگاڑنے میں کچھ غیر ملکی قوتوں کا بھی ہاتھ ہے۔ پھر وہ غیر ملکی قوتیں چاہیں اندرونی قوتوں کو استعمال کریں یا

پھر خود بدامنی پھیلائیں۔ کراچی میں جو ٹارگٹڈ آپریشن کرنا چاہتے ہیں اس میں ان کا انحصار صوبائی حکومت کی انتظامیہ اور پولیس پر ہے۔ کراچی کی پولیس اور انتظامیہ کے بارے میں کئی رپورٹوں میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ غیر جانبدار نہیں۔ کراچی کی سب سے بڑی سیاسی جماعت ایم کیو ایم بھی اس آپریشن سے کچھ مطمئن نہیں ہے۔ ذرائع کے مطابق گورنر سندھ کا استعفیٰ بھی اسی ناراضگی کی ایک کڑی تھی۔ چودھری نثار نے بابر غوری کو یقین دہانی کرائی کہ کسی بے گناہ کو نہیں پکڑا جائے گا۔ کراچی میں آپریشن کی غیر جانبداری پر حرف نہیں آنے دیں گے، انہوں نے گورنر سندھ اور بابر غوری کے تحفظات دور کرنے کی یقین دہانی کرائی ہے۔

دوسری جانب ذرائع کے مطابق کراچی میں جرائم پیشہ عناصر کے خلاف جاری ٹارگٹڈ آپریشن پر مختلف اعتراضات کو ختم کرنے اور اس کو مکمل طور پر شفاف بنانے کے لیے اعلیٰ سطح کی مانیٹرنگ کمیٹی قائم کرنے پر وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان اتفاق ہوگیا ہے۔ یہ کمیٹی آپریشن مانیٹرنگ کمیٹی کہلائے گی۔ اس کمیٹی میں سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے ایک ایک نمائندے، پولیس اور دیگر قانون نافذ کرنے والے اداروں کے افسران، وفاقی اور سندھ حکومت کا ایک ایک نمائندہ، سندھ کابینہ کے ایک وزیر، تاجر تنظیموں کے نمائندے، پراسیکیوشن، وکلا، سول سوسائٹی، انسانی حقوق کی تنظیموں اور میڈیا کا ایک ایک نمائندہ شامل ہوگا۔ یہ

کمیٹی آپریشن کی مکمل نگرانی کرے گی اور آپریشن کے دوران گرفتار ہونے والے کسی بھی بے گناہ شخص کی دادرسی کے لیے کام کرے گی اور اگر کسی بھی جانب سے آپریشن پر کوئی تحفظات یا اعتراضات سامنے آتے ہیں تو یہ کمیٹی وفاقی اور صوبائی حکومتوں سے رابطہ کرکے ان کو دور کرے گی۔ ذرائع کے مطابق کمیٹی میں شامل افراد کے ناموں کو حتمی شکل دی جارہی ہے اور آئندہ ہفتے اس کا باضابطہ اعلان کردیا جائے گا اور اس کمیٹی کو قانون کے مطابق اختیارات تفویض کیے جائیں گے۔

تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ کراچی کے حالات میں بہتری پیدا کرنے کے لیے چند بڑے اقدامات کی فوری ضرورت ہے۔ مثلاً کراچی کو اسلحہ سے پاک کرنا ہوگا، ریاستی اداروں کے علاوہ سب سے اسلحہ واپس لینا ہوگا، کراچی میں موجود ہر جماعت کی طرف سے بنائے گئے نو گو ایریاز کا خاتمہ کرنا ہوگا۔ کراچی میں قبضہ مافیا کے خلاف ایک بڑے انتظامی آپریشن کی ضرورت ہے، اس آپریشن کے بغیر کراچی میں مافیا کی سیاست کو کمزور نہیں کیا جاسکتا۔ کراچی میں پولیس اور انتظامیہ میں وسیع پیمانے پر تبدیلیاں کرنا ہوں گی اور سیاسی بنیادوں پر لگائے گئے افسران کو فارغ کرکے میرٹ کی پالیسی کے تحت لوگوں کو سامنے لاکر قانون نافذ کرنے والے اداروں کو مکمل فری ہینڈ دینا ہوگا۔ بھتہ خوری اور ٹارگٹ کلنگ میں ملوث لوگوں کی فہرست انٹیلی جنس اداروں کے پاس موجود ہے، ان

کے خلاف بلا تفریق کارروائی کرنا ہوگی اور ان لوگوں کے قبضے میں موجود سرکاری
املاک چھڑانی ہوں گی۔

حکومت اور میڈیا نے مدارس دشمنی کا ثبوت دیا

اتوار کے روز صبح 8 بجے کے قریب جب کہ بخاری شریف کا سبق جاری تھا پولیس کی بھاری نفری نے جے یو آئی کے سابق ایم این اے قاضی حمید اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ گوجرانوالہ کی قدیم دینی درسگا مدرسہ مظاہر العلوم پر چھاپا مارا اور گلگت اور چلاس سے تعلق رکھنے والے مدرسے کے بائیس طلبہ کو اپنے ساتھ لے گئی۔ پولیس حکام کا کہنا تھا کہ پچھلے دنوں چلاس میں قتل ہونے والے ایس پی ہلال خان اور ان کے دیگر رفقاء کے قتل کے کیس کی تفتیش کے سلسلہ میں انہیں مدرسہ انوار العلوم کے کچھ طلبہ پر شک ہے، اس لیے چلاس اور گلگت سے تعلق رکھنے والے طلبہ کو وہ تفتیش کے لیے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ اس پر گلگت وغیرہ سے تعلق رکھنے والے طلبہ کو الگ کر دیا گیا اور پولیس اس علاقہ کے 22 طلبہ کو یہ کہہ کر اپنے ساتھ لے گئے کہ ان میں سے جو طلبہ ملوث پائے گئے انہیں متعلقہ پولیس کے حوالہ کر دیا جائے گا اور جو بے گناہ ہوئے انہیں مدرسہ میں واپس پہنچا دیا جائے گا۔ مدرسہ کی انتظامیہ نے تفتیش کے سلسلے میں ان طلبہ کے شناختی کارڈ بھی پولیس کے حوالے کر دے ے۔ پولیس نے ضروری کارروائی کی اور اس کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم گوجرانوالہ کے طلبہ کو بے گناہ قرار دیتے ہوئے مدرسہ کے اساتذہ کے حوالے کر دیا۔

ابھی پولیس طلبہ کو اپنے ساتھ لے ہی گئی تھی کہ کچھ دیر بعد مختلف ٹی وی چینلز نے یہ خبر نشر کرنا شروع کردی کہ مدرسہ انوار العلوم سے بائیس غیر ملکیوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔پولیس کی جانب سے طلبہ کو واپس مدرسے چھوڑنے کے بعد بھی چینلز طلبہ کو غیر ملکی بتاتے رہے اور بعض اخبارات نے بھی طلبہ کو غیر ملکی لکھا۔میڈیا نے مدارس سے بغض کا ثبوت دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ گوجرانوالہ کے مدرسے سے پکڑے جانے والے غیر ملکی طلبہ کے پاس شناختی کارڈ اور ضروری دستاویزات نہیں تھیں۔میڈیا نے انتہائی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے طلبہ کو غیر ملکی ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔حالانکہ مدرسہ انتظامیہ کا کہنا ہے کہ تمام طلبہ پاکستانی ہیں۔ کوئی بھی غیر ملکی نہیں تھا ہم نے طلبہ کے شناختی کارڈ اور ضروری دستاویزات بھی پولیس کے حوالے کردی تھیں ۔اسی لیے پولیس تفتیش کے بعد طلبہ کو خود ہی واپس مدرسے میں چھوڑ گئی ہے۔مدرسہ انوار العلوم کی انتظامیہ کا کہنا تھا کہ شناختی کارڈ کے بغیر کسی طالب علم کا داخلہ نہیں ہوتا، یہ سب کے سب طلبہ پاکستانی ہیں، شمالی علاقہ جات سے تعلق رکھتے ہیں اور سب کے پاس شناختی کارڈ موجود ہیں، مگر میڈیا نے خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے۔ مدرسہ انوار العلوم کے مہتمم مولانا داؤد خان کی طرف سے گرفتار شدہ بائیس طلبہ کے ناموں کی فہرست بھی جاری کی گئی، جس کے مطابق بھی تمام طلبہ پاکستانی ہیں۔جن کے نام درج ذیل ہیں۔ارشاد

بن بدر خان (بشام)، دلبر خان بن کشکر (دیامر)، شیر افضل بن مواد خان (دیامر) سلطان بن بک چک (دیامر)، عبد الغیاث بن وھاب شاہ (دیامر)، ذبیح اللہ بن کاؤس، دیامر)، صلاح الدین بن عبد الودود (دیامر) ، عطاء الرحمٰن بن رضوان اللہ) دیامر) ، عبد الحمید بن عامر شاہ (کوہستان) ، عبد الحق بن جمعہ دین (کوہستان) ،) حسن شاہ بن محبت خان (کوہستان) ، سید میون بن جمدر (چلاس) ، شیر زادہ (دیامر) گل زرین بن سلم گہر (چلاس) ، محمد ریاض بن محمد نواز (چلاس) ، عبد الرحیم بن ، فقیر محمد (چلاس) ، عبد الخالق بن نور خان (چلاس) ، عبد الہادی بن محمد مصطفیٰ چلاس) ، مستقیم بن صنویر۔ (چلاس) ، برکت اللہ بن ابراہیم (چلاس)۔)

پاکستان بھر کے علماء کرام اور متعدد سیاسی و مذہبی رہنماؤں نے مدرسے کے تقدس کو پامال کرنے اور میڈیا کی جانب سے مدارس کو بدنام کرنے کی مذمت کی ہے۔ وفاق المدارس العربیہ کے رہنماؤں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان، مولانا محمد حنیف جالندھری، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا انوار الحق اور مولانا حافظ فضل الرحیم نے اپنے مشترکہ بیان میں کہا کہ کسی بھی دینی مدرسہ سے غیر ملکی طلبہ کو گرفتار نہیں کیا گیا، ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مدارس کو بدنام کرنے کی مہم چلائی جارہی ہے جو افسوسناک ہے۔ اس کا سلسلہ فی الفور بند ہونا چاہیے۔ مدارس دینیہ کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا

بند کیا جائے، حکمران اپنی ناکامی چھپانے کے لیے مدارس پر یلغار کرنے کے طرز عمل پر نظر ثانی کریں، گلگت بلتستان کے علاقے چلاس کے ایس پی کے قتل کے واقعہ کی آڑ میں گوجرانوالہ میں سابق ایم این اے مولانا قاضی حمید اللہ کے ادارے مدرسہ انوار العلوم پر چھاپا اور 22 طلبہ کی گرفتاری افسوسناک بھی ہے اور ناقابل فہم بھی، حکمران حالات خراب کرنے سے گریز کریں۔ حکمران اپنی ناکامی چھپانے کے لیے مدارس پر چھاپے مارنے اور طلبہ کی بلاجواز گرفتاریوں کی روش ترک کر دیں۔ وفاق المدارس کے ذمہ داروں نے حکمرانوں کو خبردار کیا کہ وہ مدارس پر چھاپوں اور علماء وطلبہ کی بلاجواز گرفتاریوں کے ذریعے حالات مزید خراب کرنے سے باز رہیں۔ دریں اثناء گوجرانوالہ میں مدرسے پر چھاپے کے بعد علماء کرام اور عوام الناس میں اشتعال اور غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اس سلسلے میں علماء کرام نے جامع مسجد گوجرانوالہ میں وفاق المدارس کے زیر اہتمام ہنگامی اجلاس طلب کر لیا ہے جس میں تمام دینی مدارس کے ذمہ داران اور مختلف دینی جماعتوں کے قائدین شرکت کریں گے۔ وفاق المدارس نے تمام دینی مدارس کے ذمہ داران کے نام ہدایات جاری کی ہیں کہ وہ اس اجلاس میں اپنی شرکت یقینی بنائیں۔ اجلاس میں طے پانے والے فیصلوں کی روشنی میں وفاق المدارس کے ذمہ داران مرکزی اور صوبائی حکومتوں سے بات چیت کریں گے۔

متعدد رہنماؤں کا کہنا ہے کہ حکومت ، سیکورٹی ادارے اور میڈیا مدارس کو

بدنام کرکے اسلام دشمنی کا ثبوت دے رہے ہیں۔مدارس کو بدنام کرنے کے پیچھے یہودی اور عیسائی سوچ کارفرما ہے، کیونکہ ان کو پتا ہے کہ اگر اسلامی دنیا میں یہ مدارس قائم و دائم رہے تو اسلام پوری دنیا پر غالب آ کر رہے گا۔اور یہ بات ان کو گوارا نہیں ہے، اسی لیے م مدارس کو منظم سازش کے تحت بدنام کیا جا رہا ہے۔ دینی مدارس کی بقاء سے تبلیغ دین کا سلسلہ آگے بڑھے گا۔عیسائی ، یہودی اپنے مذہبی پیشواوں کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور ان کے مذہبی علوم سیکھنے والوں کو ہر ممکن سہولیات مہیا کرتے ہیں لیکن المیہ یہ ہے کہ اسلامی ملک کہلانے والے پاکستان میں اسلام اور مذہب کا نام لینے والوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے،انہیں وہ مقام نہیں دیا جاتا جس کے وہ حقیقی حقدار ہیں۔ قوم کی دینی اور اخلاقی رہنمائی کرنے والے اداروں کے ساتھ حکومت، پولیس اور کے ساتھ میڈیا کا رویہ انتہائی دشمنانہ ہے، جو انتہائی قابل مذمت ہے۔ چیف جسٹس صاحب کو اس بات کا ازخود نوٹس لے کر مدارس کو بدنام کرنے والے گروہوں کو سخت سزا دینی چاہیے۔اس وقوعہ میں سب سے زیادہ قصوروار میڈیا ہے جو جان بوجھ کر یہود کے آلہ کار کا رول ادا کرتا رہا۔مدارس کے بارے میں غلط باتیں پھیلا کر نجانے یہ میڈیا قوم کی کونسی خدمت کر رہا ہے۔ایسے تمام عناصر کے خلاف فوری ایکشن ہونا چاہیے جو مدارس کو بدنام کرنے کے درپے ہیں۔ مدارس پر یوں چھاپا مارنا اور میڈیا کے ذریعے ان کو بدنام کرنے کی نہ تو قانون و آئین اجازت دیتا ہے اور نہ ہی اخلاقی طور پر درست ہے۔ آئین و قانون کی خلاف

ورزی کرنے والوں کو سخت سے سخت سزا دی جانی چاہیے۔حکومت کو بھی چاہیے کہ اوچھے ہتھکنڈوں سے باز آجائے، مدارس کو بدنام کرنا اور ان کو اپنے بغض کا نشانہ نہ بنائے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اسلام امن کا دین اور مدارس دینی، اسلام کی شان و شوکت ہیں۔مدارس نے ہمیشہ قوم کی خدمت کی ہے۔مدارس و مساجد بند ہو گئے تو نقصان معاشرے کو اور اسلام کو پہنچے گا۔ کلمہ کی بنیاد پر حاصل کیے گئے ملک پاکستان میں یورپی و امریکی ایماء پر اور ان ممالک سے ایڈ حاصل کرکے مدارس دینیہ کو بدنام کرنے کی سازش جاری ہے۔ دشمن قوتوں کو دینی مدارس سے خطرہ لاحق ہے، کیونکہ مدارس دینیہ کا اسلحہ قرآن و حدیث ہے۔مدارس دینیہ کا پیغمبری مشن ہے۔ پاکستان بھر میں نا خواندگی کا خاتمہ مدارس دینیہ نے کیا ہے۔ مدارس دینیہ کو صرف اس بات کی سزا دی جا رہی ہے کہ انہوں نے اپنے محدود وسائل میں رہتے ہوئے طلبہ کو شعور دیا، جس کو گھر والے ناکارہ سمجھ کر مدرسے میں پھینک جاتے تھے،ان مدرسوں کے اساتذہ نے محنت کرکے انہیں دنیا کا سب سے بڑا علم قرآن و حدیث یاد کروا کر شیخ القرآن و شیخ الحدیث بنایا۔ان کا مشن اسلام کے پیغام کو عام کرنا ہے۔

صرف ایک شخص نے امریکا کو خوف وہراس میں مبتلا کر دیا

ایک بار پھر امریکا پر خوف کے بادل گہرے ہوگئے۔ پیر کے روز امریکی وقت کے مطابق صبح 8 بج کر 20 منٹ اور پاکستانی وقت کے مطابق شام 6 بجکر 20 منٹ پر واشنگٹن میں واقع امریکی نیول ہیڈ کوارٹر میں جدید اسلحہ سے مسلح شخص نے اندھا دھند فائرنگ کردی جس کے نتیجے میں امریکی حکام کے مطابق 13 افراد ہلاک اور کئی زخمی ہوگئے۔ امریکی نیول ہیڈ کوارٹر پر کئی گھنٹے فائرنگ جاری رہی۔ عینی شاہدین کے مطابق حملے کے وقت ہر کوئی اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا، لوگ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ اس واقعے کی ایک عینی شاہد پیٹریشیا وارڈ کا کہنا تھا کہ 'سب کچھ بہت تیزی سے ہوا، میں تو بھاگ کھڑی ہوئی۔ امریکی بحریہ کے کمانڈر ٹم جیورس نے کہا کہ وہ عمارت کی چوتھی منزل پر تھا، جب اس نے گولیوں کی آوازیں سنی۔ اس واقعے کے بعد امدادی اداروں کی درجنوں گاڑیاں عمارت کے گرد جمع ہوگئیں جبکہ ہیلی کاپٹروں نے علاقے کی نگرانی شروع کر دی۔ حملے سے پورا واشنگٹن مفلوج ہو کر رہ گیا جبکہ امریکا کے شہری ایک بار پھر نائن الیون جیسی خوف کی کیفیت کا شکار ہو کر رہ گئے۔ عوام کو اس خوف کی کیفیت سے نکالنے کے لیے بحریہ کے ایمرجنسی اہلکار جائے وقوعہ پر پہنچے اور پولیس نے عمارت میں داخل ہو کر حملہ آوروں کو تلاش کرنا شروع

کر دیا۔ لاؤڈ سپیکرز کے ذریعے عمارت کے اندر لوگوں سے کہا گیا وہ جہاں موجود ہیں وہاں پناہ لے لیں۔ فائرنگ کے بعد بوئنگ فضائی اڈے بند کر دیے گئے جس سے ریگن انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر جہازوں کی آمدورفت کا شیڈول متاثر ہوا اور ایئرپورٹ پر پروازوں کی روانگی روک دی گئی، صرف طیاروں کو اترنے کی اجازت دی گئی۔ حملہ آوروں کی گرفتاری کے لیے امریکی پولیس کے خصوصی دستے طلب کیے گئے۔ پولیس کی مدد کے لیے انسداد دہشت گردی ٹیم کے علاوہ ایف بی آئی نے بھی اس کارروائی میں حصہ لیا۔ بحریہ کے اڈے پر حملے کے چند گھنٹوں بعد وائٹ ہاؤس کو سیکورٹی خدشات کے باعث تالا لگا دیا گیا۔ سیکورٹی اہلکاروں نے وائٹ ہاؤس کے سامنے لیفیٹی پارک کو گھیرے میں لے لیا جو امریکی صدر کی رہائش گاہ دیکھنے والوں سے بھرا رہتا ہے۔

واضح رہے کہ حملہ واشنگٹن میں "نیول سی سسٹمز کمانڈ" کے ہیڈ کوارٹر کی عمارت میں کیا گیا، جو امریکی کانگریس کی عمارت "کیپٹل ہل" سے تقریباً دو کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور اس عمارت میں لگ بھگ تین ہزار افراد کام کرتے ہیں۔ یہ ادارہ بحری جہازوں اور آبدوزوں کی خریداری، تیاری اور دیکھ بھال کرتا ہے۔ اس کمپلیکس میں ایک ایسی رہائش گاہ بھی ہے جسے امریکی بحریہ کے سربراہ گھر کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ امریکی نیوی کے مطابق واشنگٹن نیوی یارڈ بحریہ کا سب سے پرانا ساحلی ٹھکانا ہے، اسے پہلی بار 19 ویں صدی

میں کھولا گیا تھا۔ صدر اوباما نے واقعے کو "بزدلانہ کارروائی" قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اب امریکی فوجیوں کو اپنی ہی سرزمین پر حملوں کا سامنا ہے، وجہ کچھ بھی ہو، ایسا ہونا نہیں چاہیے۔ واشنگٹن میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے امریکی صدر اوباما نے واقعہ کی فوری تحقیقات کا حکم دیا اور کہا کہ ملزمان کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔ امریکی صدر نے کہا کہ حملہ آوروں نے فوجی اور سول اداروں کو نشانہ بنایا، جو "بزدلانہ کارروائی" ہے۔ نیز امریکی صدر اوباما نے اس واقعے میں مارے جانے والے امریکیوں کے اہلِ خانہ سے اظہارِ افسوس کے لیے جمعے تک واشنگٹن ڈی سی میں سرکاری عمارات پر امریکی پرچم سرنگوں کرنے کے احکام بھی صادر کیے اور امریکی بحریہ ہیڈ کوارٹر واقعہ کا نوٹس لیتے ہوئے امریکی بحریہ، ایف بی آئی اور مقامی انتظامیہ کو وائٹ ہاؤس سے رابطے میں رہنے کی ہدایت کی ہے۔ امریکی پولیس کا کہنا ہے کہ ایف بی آئی واقعہ کی تحقیقات کرے گی۔ پیر کی دوپہر واشنگٹن میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے میئر گرے اور پولیس چیف کیتھی لینیئر نے فائرنگ کے واقعے میں 13 افراد کے ہلاک ہونے کی تصدیق کی۔ میئر گرے نے صحافیوں کو بتایا کہ انتظامیہ صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی ہے۔ واشنگٹن شہر کے پولیس چیف کیتھی لینیئر نے بتایا کہ بحریہ کے اڈے پر فائرنگ کا سبب تاحال معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ فائرنگ میں زخمی ہونے والا ایک پولیس اہلکار بھی شامل ہے۔ اس سے قبل ابتدائی اطلاعات میں واشنگٹن پولیس نے بتایا تھا کہ 'نیوی یارڈ' کی

عمارت میں مسلح شخص نے کئی افراد فائرنگ کرکے مار دیے ہیں۔
امریکی حکام کا حملے کے بعد ابتدائی رپورٹ میں کہنا تھا کہ حملہ آور کئی ہیں جن میں سے تین کو مار دیا گیا ہے اور باقیوں کی تلاش جاری ہے۔ جبکہ بعد میں پتا چلا کہ امریکی نیول ہیڈ کوارٹر میں فائرنگ کرکے 12 افراد کو قتل کرنے والا سیاہ فام حملہ آور نیوی کا سابق ملازم تھا۔ واشنگٹن میں بحریہ کے ایک اڈے پر 13 افراد کو قتل کرنے والا "ایرن الیکسز" بحریہ کا سابق ملازم تھا، 34 سالہ ایرن 2007 سے 2011 تک نیوی میں ملازمت کرتا رہا، جس کا تعلق امریکی ریاست ٹیکساس کے علاقے فورٹ ورتھ سے ہے۔
ابتدائی تحقیقات کے مطابق ایرن نے نیوی کی عمارت میں گھسنے کے لیے بحریہ کا سیکرٹ سیکیورٹی کلیرنس کارڈ استعمال کیا۔ اس کارڈ کی وجہ سے اسے حساس عمارت میں داخل ہونے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی اور یہ شخص فوجی ٹھیکے دار سے وابستہ تھا اور انفارمیشن ٹیکنالوجی سے متعلق اس ملازم نے مبینہ طور پر اکیلے ہی یہ حملہ کیا۔ حملہ آور نیوی کے دفاتر میں ایک آئی ٹی کمپنی کی جانب سے نئی مشینوں کی تنصیبات کا پرائیویٹ کانٹریکٹر تھا۔ واشنگٹن پولیس کی سربراہ کیتھی لینیئر نے واقعے کے چند گھنٹوں بعد صحافیوں کو بتایا کہ ایسے شواہد نہیں ملے کہ ایرن الیکس نامی اس شخص کے ساتھ کوئی اور بھی اس واقعے میں ملوث تھا۔ چونتیس سالہ ایرن الیکس ریاست ٹیکساس کے علاقے فورٹ ورتھ کا رہائشی تھا اور وہ

حملے کے کچھ ہی دیر بعد پولیس کے ساتھ فائرنگ کے تبادلے میں مارا گیا۔ اس حملے میں امریکی کافر ہلاک ہوئے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ الیکس نیوی یارڈ میں مصدقہ شناختی 13 کارڈ کے ذریعے داخل ہوا اور اس کے پاس فوجی طرز کی خودکار رائفل ایک شاٹ گن اور ایک ہینڈ گن تھی۔ اس نے 'نیول سی سسٹم کمانڈ' میں داخل ہوتے ہی فائرنگ شروع کردی۔ یہ واضح نہیں کہ اس نے بحریہ کیوں چھوڑی تاہم امریکی بحریہ کے ایک افسر نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر خبر رساں ادارے رائٹرز کو بتایا کہ اسے متعدد واقعات کے بعد نکالا گیا تھا۔

خیال رہے کہ امریکی حکومت اور امریکی عوام ان دنوں سخت پریشانی میں مبتلا ہے، ایک بار پھر حملوں کا خوف ان کا سایہ بن چکا ہے ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نائن الیون کو بارہ سال مکمل ہونے پر القاعدہ کے امیر دکتور ایمن الظواہری نے امریکا پر حملوں کا حکم دیا تھا، جس کے بعد سے امریکا میں سیکورٹی بڑھادی گئی تھی اور ہر قسم کی احتیاط کی جارہی تھی، بہت سے امریکی تجزیہ کار واشنگٹن حملے کو اسی تناظر میں دیکھ رہے ہیں اور نیول ہیڈ کوارٹر پر حملہ بھی القاعدہ امیر کے حکم کے چند روز ہی بعد ہوا ہے جس نے امریکا کو ایک بار پھر حقیقی خوف میں مبتلا کردیا ہے۔ اس حملے کے بعد امریکی میڈیا نے مزید حملوں کا خدشہ بھی ظاہر کیا ہے۔ جس کے بعد اہم عمارتوں، حساس تنصیبات اور ہوائی اڈوں سمیت ملک بھر میں سیکیورٹی الرٹ کردی گئی ہے۔ امریکی حکام کا

کہنا ہے کہ القاعدہ اپنے امیر کے بیان کے بعد ایک بار پھر امریکا پر کوئی بڑا حملہ کر سکتی ہے۔ اسی لیے امریکی صدر اوباما نے پریس کانفرنس میں کہا ہے کہ امریکی اب اپنی سرزمین پر بھی محفوظ نہیں رہے، ان کو یہاں بھی نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

یورپ میں اسلام فوبیا بڑھنے لگا

یورپ میں مسلمانوں مختلف حیلوں بہانوں سے تنگ کرنے کا سلسلہ ایک عرصے سے جاری ہے۔ کبھی حجاب کو بہانہ بنا کر مسلمانوں کو تنگ کیا جاتا ہے اور کبھی اسلام کو دہشت گردی کی طرف منسوب کرکے ان پر حملے کیے جاتے ہیں۔ان دنوں بھی یورپ میں مسلمانوں کو ستانے کا سلسلہ زور پکڑتا جارہا ہے۔فرانس، ہالینڈ کی طرح برطانیہ میں بھی حجاب پر پابندی لگانے کی منصوبہ بندی کی جارہی ہے۔برطانیہ میں حکومت کی سرپرستی میں حجاب پر پابندی لگانے کے سلسلہ میں باقاعدہ تحریک چلائی جارہی ہے۔ برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون اور اعلیٰ حکام بھی حجاب پر پابندی لگانے کی اس تحریک کا حصہ ہیں۔برطانوی ہوم آفس کی جانب سے مسلم خواتین کے حجاب کو سیکورٹی رسک قرار دے دیا گیا ہے اور برطانوی حکومت بھی ہوم آفس کی سفارش پر حجاب کو غیر ضروری قرار دے رہی ہے۔برطانوی ہوم منسٹر جریمی براؤن کا دعویٰ ہے کہ ان سمیت برطانوی حکومت اور پارلیمنٹ حجاب پر پابندی کے حق میں ہیں۔یورپی میڈیا بھی حجاب کے خلاف اسلام دشمن حکومت کے شانہ بشانہ ہے۔

گزشتہ دنوں لندن کے ادارے برمنگھم کالج کی انتظامیہ نے طالبات کو نقاب

اٹھنے سے روک دیا تھا۔ برطانوی وزیر اعظم نے کالج کے اس تعصب سے بھرپور اقدام کا خیر مقدم کیا تھا۔ اسی طرح سترہ سالہ مسلمان طالبہ ایمان علی کو ان کے کالج کے سیکورٹی گارڈ نے کالج کے گیٹ پر یہ کہتے ہوئے روک لیا تھا کہ نقاب اتار کر آنا چاہو تو آؤ ورنہ اجازت نہیں ہے۔ برطانوی وزیر اعظم کے ترجمان نے بھی کالج انتظامیہ کو ان الفاظ میں تھپکی دی کہ کالج انتظامیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس کو چاہیں روکیں اور قانون پر عمل کروائیں۔ جس پر مسلم طالبات نے شدید احتجاج کیا اور ان کا کہنا تھا کہ یہ ہماری کھلی بے عزتی ہے۔ یہ ہمارے ساتھ امتیازی سلوک برتا جا رہا ہے۔ اگر یورپ میں ہی سکھ اور دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہے تو ہمیں کیوں نہیں؟۔ احتجاج کے بعد میٹروپولیٹن کالج کے ترجمان کی جانب سے کالج کے فیس بک کی سائٹ پر جاری کیے گئے بیان میں کہا گیا تھا کہ میٹروپولیٹن کالج اپنے طالب علموں کو اعلیٰ معیار کی تعلیم فراہم کرنے کا ذمے دار ہے تاہم اساتذہ فکر مند ہیں کہ حالیہ دنوں میں میڈیا پبلسٹی کے باعث تعلیمی عمل متاثر ہو رہا ہے، کالج نقاب پر پابندی کا حکم واپس لیتے ہوئے ذاتی لباس کی اضافی اشیا جو ثقافتی اقدار کی عکاسی کرتی ہیں۔ انھیں پہننے کی اجازت دیتا ہے تاہم طالب علموں کو انفرادی شناخت ظاہر کرنے کا پابند رہنا ہوگا۔ لیکن یہ صرف بیان فیس بک تک ہی محدود تھا۔ ان کے باوجود بھی برطانیہ میں حجاب کو تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور حجاب پر پابندی لگانے کی

کوشش کی جارہی ہے۔اسی طرح گزشتہ دنوں ایک مسلم طالبہ شعور عائشہ کو کینیڈا کے ایک اسکول سے صرف حجاب کرنے کی بناپر نکال دیا گیا۔ جس کی بنیاد پر کلاس کی دیگر طالبات میں بے چینی پھیل گئی۔ جبکہ کینیڈا کے اسلامی مراکز کے ذمہ دارافراد نے اس مسئلہ پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ مسلمانوں کے ساتھ تعصب انگیز رویہ برتا جارہا ہے۔ واضح رہے کہ اس سے پہلے بھی ایک بار کنیڈا کے ایک اسکول سے طالبہ کو حجاب کرنے کی بناپر نکال دیا گیا تھا۔ کینیڈا میں ہی حجاب اور عمامہ پر مکمل پابندی کی تجویز پیش کی گئی ہے ۔جس سے کینیڈا میں احتجاج کا سلسلہ شروع کردیا گیا ہے۔ کینیڈا میں سرکاری ملازمین کے حجاب اور عمامہ پہننے پر مجوزہ پابندی کے خلاف ہزاروں افراد سڑکوں آ گئے۔ مانٹریال میں ہونے والے مظاہرے میں مسلمان، یہودی، عیسائی، سول سوسائٹی اور سیاسی پارٹیوں کے ارکان سب ہی شریک ہوئے۔ شرکا کا کہنا تھا کہ مجوزہ پابندی شہری آزادی کا مسئلہ ہے جسے وہ قبول نہیں کریں گے۔ کینیڈا کے صوبے 'کیوبیک' کی ایک پارلیمانی جماعت سرکاری ملازمین پر حجاب، عمامہ اور دیگر مذاہب کی علامات سمجھی جانے والی اشیا پہننے پر پابندی کا بل تیار کر رہی ہے۔ بل منظور ہوا تو اس کا اطلاق اساتذہ، پولیس اہل کاروں، ہسپتال عملے، ججز اور دیگر سرکاری ملازمین پر ہوگا۔ادھر جرمنی میں مسلم طالبات کے لیے لڑکوں کے ساتھ سوئمنگ کرنے کو ضروری قرار دیا ہے، جس پر مسلم طالبات نے احتجاج بھی کیا لیکن ان کے احتجاج کو رد کردیا گیا ہے۔جرمنی عدالت نے بھی مسلم طالبات

کے خلاف فیصلہ دیا۔ جرمن اخبارات و جرائد کے مطابق جرمن چانسلر انجیلا مارکیل نے کہا ہے کہ جرمنی میں بسنے والے مسلمانوں کو یہ سوچ لینا چاہیے کہ جرمنی میں قیام اور ملازمت کت دوران اسلامی شریعت نہیں جرمنی کا قانون چلے گا۔

یورپ میں مسلمانوں پر حملوں کا سلسلہ بھی جاری ہے جس کی تازہ مثال کچھ روز ہی قبل برطانیہ کے شہر لیسٹر میں سامنے آئی، جہاں ایک مسلمان پاکستانی کے گھر کو نامعلوم افراد نے آگ لگادی تھی جس میں تین بچوں سمیت چار افراد جاں بحق ہوگئے جاں بحق ہونے والوں میں ایک حافظ قرآن بھی تھا۔ آگ لگنے کا واقعہ ووڈ ہل کے علاقے میں پیش آیا۔ جاں بحق ہونے والے چاروں افراد اپنے اپنے کمروں میں مردہ پائے گئے۔ واقعے سے چند گھنٹے قبل اسی روڈ پر ایک شخص پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تھا جسے علاج کے لیے اسپتال منتقل کیا گیا لیکن وہ جانبر نہ ہو سکا، پولیس نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ آگ لگنے کا واقعہ اور اس شخص کا قتل ایک ہی واقعے کی دو کڑیاں ہیں، پولیس کا کہنا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ گھر میں آگ اس قتل کا بدلہ لینے کے لیے لگائی گئی۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے یہ حملہ بھی ان حملوں کی کڑی ہے جو ایک عرصے سے یورپ میں مسلمانوں پر جاری ہیں۔ گزشتہ ماہ اگست میں منظر عام پر آنے والی رپورٹ کے مطابق یورپ میں مسلم برادری کے خلاف حملوں کا رجحان بڑھ رہا ہے لیکن تاحال یورپی یونین

کی جانب سے ایسے حملوں کے اعداد و شمار درج کرنے یا اورانھیں جاری کرنے سے متعلق کوئی موثر حکمت عملی سامنے نہیں آئی۔اپنی شناخت مخفی رکھنے کی شرط پر ایک عورت نے برطانیہ میں فعال ٹیل ماما نامی ایک ویب سائٹ کو بتایا کہ مجھ پر کئی مرتبہ حملہ کیا جاچکا ہے، مجھ پر تھوکا گیا، مجھے مارا پیٹا گیا حتی کہ جب میں حاملہ تھی مجھے میرے بیٹے اور میرے خاوند کے سامنے روندھا تک گیا۔یہ ویب سائٹ برطانیہ میں مسلمانوں کیخلاف ہونے والے حملوں کا ریکارڈ رکھتی ہے۔ٹیل ماما نامی یہ ادارہ 2012 سے برطانیہ میں رہنے والے مسلمانوں کی ایک ٹیلی فون ہیلپ لائن کے ذریعے مدد کر رہا ہے۔ٹیل ماما کے ڈائریکٹر فیاض مغل نے بتایا کہ پچھلے 18 ماہ کے دوران مسلمان اقلیت سے تعلق رکھنے والے افراد کے خلاف مجموعی طور پر 1200 حملے کیے گئے، رواں سال 22 مئی کو لندن میں لی رگبی نامی برطانوی فوجی کے قتل کے واقعے کے بعد مسلمانوں کے خلاف ہونے والے حملوں میں کوئی 8 گنا اضافہ ریکارڈ کیا جاچکا ہے۔ دریں اثنا ایلسا رے نے ای یو آبزرور نامی ایک اخبار میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف حملوں کا رجحان فرانس میں بھی تیزی سے بڑھ رہا ہے، فرانسیسی اور یورپی سیاستدان اس مسئلے سے منہ موڑ رہے ہیں اور عوام کے مابین اسلام مخالف جذبات کو تسلیم کرتے ہیں۔یورپی یونین کی ایجنسی برائے بنیادی حقوق سے تعلق رکھنے والی کاٹیا اینڈروسز کے بقول ایسا لگتا ہے کہ برطانیہ اور فرانس مسلمانوں کے خلاف ہونے والے حملوں کا مرکز ہیں۔میڈیا کے مطابق یورپ میں اسلام فوبیا کی فضا بہت

خطرناک ہوتی جارہی ہے۔ ان کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جاتا ہے۔ ان کے خلاف حملے تیز کردیے گئے ہیں۔ مساجد کے باہر نعرے بازی، مساجد کے اندر سور کا گوشت پھینکنا اور مساجد کی دیواروں پر اسلام مخالف نعرے درج کرنے جیسے واقعات معمول بن چکے ہیں۔

مبصرین اور تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ یورپ میں اسلام فوبیا کی اصل وجہ یہ ہے کہ یورپی ملکوں میں نو مسلموں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے اور اسلام کو خطہ کا سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب قرار دیا جارہا ہے۔ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد ہی اسلام دشمنوں کو گوارا نہیں ہے۔ اسلام کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر یورپ کے اسلام دشمن اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سرگرم ہوجاتے ہیں، مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو تنگ کرنے کا سلسلہ شروع کردیا جاتا ہے۔ اسلام دشمنی میں وہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ ہم ہی دنیا میں آزادی کا نعرہ لگانے والے ہیں، مسلمانوں کو آزادی نہ دینا ہمارے نعروں کو جھٹلاتا ہے۔ یورپ میں مسلمانوں کو ہر وقت یہ خوف رہتا ہے کہ کوئی کسی بھی وقت ان کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ محمد حسن عسکری لکھتے ہیں: "یورپ میں جو مسلمان ہیں، وہ عموماً اپنے اسلامی نام نہیں لکھتے اور نہ اپنے اسلام کا عام طور پر اعلان کرتے ہیں۔ جیسے ہی یورپ کے لوگوں کو پتہ چلتا ہے کہ فلاں شخص مسلمان ہوگیا ہے، "فوراً اس کی مخالفت شروع ہوجاتی ہے۔

اس وقت دنیا کی آبادی 7 ارب کے قریب پہنچ چکی ہے جس میں سے ایک ارب 60 کروڑ سے زائد آبادی مسلمانوں کی ہے، عالمی سطح پر اسلام دنیا کا دوسرا بڑا مذہب جب کہ دنیا کا ہر چوتھا فرد مسلمان ہے، دنیا کی آبادی کا 25 فیصد حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے جس میں آئندہ 20 برس میں 35 فیصد اضافہ ہو جائے گا۔ مختلف عالمی اداروں کی رپورٹس کے مطابق دنیا بھر میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس وقت کینیڈا میں 9 لاکھ 40 ہزار مسلمان آباد ہیں جو 2030 تک 20 لاکھ 70 ہزار تک پہنچ جائیں گے۔ امریکا میں اس وقت مسلمانوں کی آبادی 30 لاکھ کے قریب ہے جو 2030 تک بڑھ کر 20 لاکھ 20 ہزار تک پہنچ جائیں گے۔ شمالی امریکا میں 1990 سے 2010 تک 60 مسلمانوں کی آبادی میں 91 فیصد کی رفتار سے اضافہ ہوا اور مسلم افراد کی تعداد 10 لاکھ 80 ہزار سے بڑھ کر 30 لاکھ 50 ہزار تک پہنچ گئی جب کہ آنے والے 20 سالوں میں شمالی امریکا میں مسلم افراد کی تعداد 80 لاکھ 90 ہزار ہونے کا امکان ہے۔ برطانیہ میں مسلمانوں کی آبادی 20 لاکھ 30 ہزار سے بڑھ کر 50 لاکھ 60 ہزار اور فرانس میں 40 لاکھ 70 ہزار سے بڑھ کر 60 لاکھ 90 ہزار کے قریب پہنچ جائے گی جب کہ فرانس میں اس وقت بھی مساجد کی تعداد کیتھولک چرچ سے زائد ہے۔ 2010 تک یورپ میں مسلمانوں کی آبادی 5 کروڑ کے قریب تھی جو 2030 تک بڑھ کر 6 کروڑ کے قریب پہنچ جائے گی۔

فورم آن ریلیجن اینڈ پبلک لائف نامی ایک امریکی ادارے نے عالمی سطح پر بین المذاہب شرح آبادی کا ایک سروے کیا ہے، جس کے مطابق 2030ء میں جب دنیا کی آبادی تقریباً 8ارب 3 کروڑ سے تجاوز کر جائے گی اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی 2ارب 20 کروڑ ہوگی۔ اسلام کے پھیلتے دائرہ کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ مغربی خاتون صحافی "اوریانہ فلاسی" کہتی ہے کہ آنے والے بیس سالوں میں پورے یورپ کے کم از کم چھ بڑے شہر اسلام کی کالونی بن جائیں گے، کیونکہ ان شہروں میں مسلمان کل آبادی کا تیس سے چالیس فیصد تک ہو جائیں گے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں میں بڑی تعداد عورتوں کی ہے، یورپ میں اگر چار افراد اسلام قبول کرتے ہیں تو ان میں تین خواتین ہوتی ہیں۔ یورپ میں مسلمانوں کی اسی بڑھتی ہوئی تعداد سے پورا یورپ خوفزدہ ہے اور مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے تنگ کر رہا ہے۔

شاطر و چالاک دشمن

تمام مخالفتوں کے باوجود امریکا شام پر جنگ ٹھونسنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے۔ جنگ کے منڈلاتے بادل دن بدن مزید گہرے ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ امریکا کی جانب سے لگائی گئی خانہ جنگی کی آگ اب تک ڈیڑھ لاکھ شامیوں کی زندگیوں کو نگل چکی ہے اور ان گنت دربدر اور بے گھر ہیں۔ طویل عرصے بعد امریکا کو شامی عوام کے دکھ درد کا احساس ہوا تو وہ شام کو "سبق سکھانے" اور کھنڈرات و ویرانے میں تبدیل کرنے کے لیے بے چین، بلکہ پورے مشرق وسطی کو جنگ کی بھٹی میں جھونکنے کے لیے کوشاں ہے۔ بہانہ وہی جو صدر صدام حسین کے خلاف تراش کر عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ بے شک شامی عوام پر کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال کرکے ظلم کیا گیا ہے۔ ایران کے صدر "حسن روحانی" سمیت ساری دنیا نے کیمیائی حملہ کرنے والوں کی کھلے الفاظ میں مذمت کی ہے۔ یقیناً اس ظلم کے ذمہ داروں کے خلاف عالمی عدالت میں مقدمہ چلنا چاہیے۔ لیکن اس کا یہ مطلب کس کتاب میں لکھا ہے کہ اس حملے کی آڑ میں امریکا شام پر چڑھ دوڑے۔

شام میں جاری خانہ جنگی سے بے شمار لوگ اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، اگر امریکا کو یہ " نیک" کام کرنا ہی تھا تو پہلے کیوں نہ کر دیا۔ شام میں متعدد بار اس سے پہلے بھی کیمیائی ہتھیار استعمال کیے گئے، لیکن امریکا کو عوام کا درد اس وقت محسوس نہ ہوا۔ درحقیقت کیمیائی ہتھیاروں کا تو اک بہانہ ہے، ورنہ امریکا شام پر حملہ کرنے کا منصوبہ تو بہت پہلے سے تیار کیے بیٹھا تھا۔ بس وہ اس انتظار میں تھا کہ امریکا کے لیے شام میں یلغار کرنے کے لیے حالات کب سازگار ہوتے ہیں۔اسی لیے وہ اکیلا ہی جنگی میدان میں کودنے کو فخر محسوس کر رہا ہے، عین ممکن ہے کہ حالات سازگار دیکھ کر "شامی فوج کو سبق سکھانے کے لیے" امریکا نے خود ہی شام میں کیمیائی حملہ کروایا ہو۔ جنگ کے لیے حالات سازگار بنانے کے لیے امریکا نے جان بوجھ کر عوامی بغاوت کو خانہ جنگی میں تبدیل کیا اور خانہ جنگی کو طول دینے کے لیے بے تحاشہ اسلحہ فراہم کرتا رہا، تاکہ فریقین کی طاقت کا شیرازہ اچھی طرح بکھر جائے۔ امریکا نے بہت ہی شاطرانہ مہارت سے آمریت اور عوام کی لڑائی کو فرقہ وارانہ جنگ میں تبدیل کر دیا، آج شام کی جنگ شیعہ اور سنی ، عرب اور ایران کی جنگ بنادی گئی ہے۔ اسی لیے شام پر امریکی حملے پر بہت سے اسلامی ممالک نے چپ سادھ لی ہے یا امریکا کو ہلہ شیری دے رہے ہیں۔ شام کی عوام کو بشارالاسد سے چھٹکارہ دلا کر امریکا کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا بھلا کہاں کی عقلمندی ہے؟۔ درحقیقت شام کی جنگ امریکا اور روس کے مفادات کی جنگ ہے۔ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے

اسلامی ممالک میں پھوٹ ڈالنا امریکا کے شاطرانہ ذہن کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ امریکا کا پرانا طریقہ واردات ہے۔ امریکا اسلامی ممالک کا ایک شاطر و چالاک دشمن ہے، وہ کسی صورت بھی اسلامی ممالک میں امن اور ترقی نہیں دیکھ سکتا۔ تمام اسلامی ممالک میں مختلف قسم کی لڑائیاں کروادینا اس کا پسندیدہ مشغلہ ہے تاکہ اسلامی ممالک آپس میں ہی لڑ بھڑ کر کمزور ہوجائیں۔ عراق میں بھی امریکا نے شیعہ سنی لڑائی کرواکر اپنے مقاصد حاصل کیے تھے۔ جو قوت امریکا کے خلاف استعمال ہونی چاہیے تھی وہ آپس میں استعمال ہوئی اور امریکا نے اس لڑائی کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔

امریکا کے معروف تھنک ٹینک "رینڈ کارپوریشن" نے امریکا کی فوجی قیادت کی ہدایت پر مسلم دنیا نائن الیون کے بعد" کے عنوان سے ایک تحقیقی رپورٹ تیار کی تھی۔ اس کا" خلاصہ "نائن الیون کے بعد مسلم دنیا میں امریکی حکمت عملی" کے عنوان سے 2004 میں جاری کیا گیا۔ اس رپورٹ میں امریکی حکومت کو مشورہ دیا گیا تھا کہ "عالم اسلام میں امریکی اہداف کے حصول کے لیے شیعہ سنی اور عرب غیر عرب اختلافات کو استعمال کیا جائے۔" معروف امریکی تجزیہ کار" مائک وٹنی" کے مطابق اس تحقیقی مطالعے کا بنیادی مقصد "' فرقہ وارانہ، نسلی، علاقائی اور قومی سطحوں پر پائے جانے والے کلیدی اختلافات اور تنازعات کا تعین کرنا اور یہ اندازہ لگانا تھا کہ یہ اختلافات امریکا کو اپنے مفادات

کی تکمیل کے لیے کیا مواقع فراہم کرتے ہیں۔" اس رپورٹ کی سفارشات کے عین مطابق عراق میں قابض استعماری قوتوں نے یہی حکمت عملی اختیار کی۔ بصرہ میں قابض افواج نے مجاہدین کا بہروپ بھر کر عام شہریوں کو بم دھماکوں کا نشانہ بنایا۔ اس کے دو ماہ بعد عراقی نیشنل گارڈز نے دو برطانوی سپاہیوں کو بارود سے بھری ہوئی ایک گاڑی، دہشت گردی کے لیے لے جاتے ہوئے پکڑا۔ یہ سپاہی روایتی عرب لباس میں تھے اور انہیں تحفظ فراہم کرنے کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ معروف تجزیہ کار "کرٹ نمو" نے اپنی ویب سائٹ پر منظر عام پر آنے والے اپنے تجزیے میں ان واقعات کا حوالہ بھی دیا تھا۔ اسی طرح شیعوں اور ان کی عبادت گاہوں کو نشانہ بنا کر انہیں یہ تاثر دیا گیا کہ یہ سنیوں کا کام ہے اور سنیوں اور ان کی عبادت گاہوں کو ہدف بنا کر انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ یہ شیعوں کی سازش ہے۔ اسلامی ممالک یہ بات نجانے کیوں نہیں سمجھتے کہ دشمن نہ تو کسی شیعہ کو چھوڑتا ہے اور نہ ہی کسی سنی کو معاف کرتا ہے۔ ان کا دشمن متفق ہے لیکن یہ خود دشمن کے مقابلے میں مختلف ہو چکے ہیں۔

امریکا کی پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ امریکا جنگ سے پہلے ہی شام میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا ہے۔ امریکا کا مقصد یہ ہے کہ وہ اسلامی ممالک کے باشندوں کو آپس میں دست و گریباں کر کے اسلامی ممالک کو خانہ جنگی کی دلدل میں دھنسا کر اس قدر کمزور کر دے کہ

اس دلدل سے نکلتے نکلتے بھی برسوں بیت جائیں۔ شام کو خانہ جنگی سے جس قدر نقصان پہنچ چکا ہے، اگر شام پوری محنت و کوشش سے بھی مستحکم ہونا چاہے تو برسوں کی مشقت درکار ہے۔ یہی حال افغانستان، لیبیا اور عراق کا ہے۔ لاکھوں مسلمانوں کو قتل کر دینا اور ان ممالک کو دس بیس سال پیچھے دھکیل دینا ہی امریکا کی کامیابی ہے۔ ان جنگوں سے امریکا میں تو کسی امریکی کو خراش تک نہیں آئی جبکہ اسلامی ممالک کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہیں۔

اگر دیکھا جائے تو شام کے معاملے میں اسلامی ممالک ہی قصوروار ہیں۔ کسی نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ اسلامی ممالک کو چاہیے تھا کہ شام کے معاملے کو گفت و شنید سے حل کراتے۔ یہ ممالک معاملہ تو کیا حل کراتے خود اس خانہ جنگی کے فریق بن کر اس جنگ کو مزید بھڑکاتے رہے ہیں۔ اگر اسلامی ممالک اس معاملے کو سنجیدگی سے لیتے اور اس جنگ کی آگ کو مزید نہ بھڑکاتے تو یہ معاملہ یقینا سلجھ جاتا۔ ان گنت لوگ موت کے منہ میں نہ جاتے۔ حالانکہ صاحب عقل و دانش تو ایک عرصے سے یہی کہتے آ رہے ہیں کہ جب تک اسلامی ممالک اپنے فیصلے خود نہیں کریں گے، اپنے اندر اتحاد و اتفاق پیدا نہیں کریں گے اور اپنے مسائل کو باہم مل کر سنجیدگی کے ساتھ حل نہیں کریں گے، اس وقت تک سب ایک ایک کرکے دشمن کی سازشوں کا شکار ہوتے رہیں گے۔ دور اندیش لوگ افغانستان کے حملے کے بعد سے دہائی دے رہے ہیں کہ اس کے بعد عراق، شام، ایران، پاکستان

اور سعودی عرب امریکا کا ہدف ہوں گے۔ لیکن کوئی اس مسئلے کو سنجیدگی سے لے تو تب ہے نہ۔ ان کو کون سمجھائے کہ آنکھیں موند لینے سے کبوتر اپنی جان نہیں بچا سکتا۔ تین متحدہ بیلوں کو تو شیر بھی شکست نہ دے سکا۔ اگر اتحاد کا درس دینے والے دین برحق کے پیروکار متحد ہوں تو ان کو کوئی کس طرح شکست دے سکتا ہے۔

دینی مدارس میں دم توڑتا تحقیقی ذوق اور حوصلہ افزائی کا فقدان

اس بات میں ہر گز دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ مدارس دینیہ اسلام کے وہ قلعے ہیں کہ جن کے کمزور ہونے سے اہل اسلام کا کمزور ہونا یقینی امر ہے اور جن کے مستحکم ہونے سے اسلام کی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں اور اہل اسلام بھی مستحکم ہوتے ہیں۔ جس معاشرے میں دینی مدارس نے اپنی ذمہ داریاں پوری کیں، وہ معاشرہ ہمیشہ دینی اقدار کا علمبردار رہا ہے اور اس معاشرے میں احکام الٰہی کی حاکمیت کی برکت سے انسانوں نے پ±رامن زندگی گزاری ہے اور جب بھی کسی مسلمان معاشرے میں انسانی قدروں کی پامالی، گناہوں کی بہتات، نیکیوں کا فقدان، ظالموں وستم گروں کی حکمرانی، مکار وعیاروں کی بھرمار، جاہل ونادان افراد کا مسند علم وفتویٰ پر قبضہ، جھوٹ موٹ کے دانشوروں اور اسکالروں کی مذہبی اجارہ داری اور اہل علم و تقویٰ کی قدر کم ہو جائے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس معاشرے میں دینی مراکز سے کہیں نہ کہیں اور کچھ نہ کچھ اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی ضرور ہو رہی ہے۔ علماء کرام اور اسلامی مراکز کی سب سے بڑی ذمہ داری اسلامی معاشرے کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ دینی احکام کی نشرواشاعت اور لوگوں کی زندگی کو اسلامی احکام کے سانچے میں ڈھالنا، اسلام کے خلاف کھلنے والے ہر محاذ کا مقابلہ

کرتے ہوئے دین برحق اسلام کو قرآن اور سنت کے سر چشمہ سے لے کر بغیر کسی کمی بیشی کے آئندہ نسلوں تک منتقل کرنا اور اسلام میں ہر قسم کی بدعت کے دروازے بند کرکے اس الٰہی امانت کو تحریف و تبدل کے خطرات سے محفوظ رکھنا ہے۔ دینی مدارس جہاں بیانات کے ذریعے اسلام کی نشرواشاعت کے امین ہیں، وہاں قلم کے ذریعے بھی اسلامی ورثے کو محفوظ رکھنے کے ذمہ دار بھی ہیں۔اِن مراکز میں درس وتدریس کے ساتھ ساتھ اسلامی موضوعات میں تحقیق و تصنیف کاکام انتہائی ضروری ہے۔ ہمارے اسلاف واکابر نے جو علمی ورثہ ہمارے لیے چھوڑا ہے اور جن عظیم الشان علمی ذخیروں کے بل بوتے پر آج ہمارا دینی وعلمی تشخص قائم ہے۔ وہ انہی مدارس دینیہ کے اندر درس وتدریس کرنے والے علماء کرام کی دن رات کی محنت کا نتیجہ ہے جنہوں نے ناکافی وسائل کے باوجود عظیم الشان کتابیں تالیف کیں اور اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر سوال کا مسکت علمی و تحقیقی جواب دیا ہے۔ کسی بھی دور میں معاندین کے شبہات کا جواب دینے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ کا شکار نہیں ہوئے۔

آج مدارس اور طلبہ میں علمی و تحقیقی ذوق کی جس قدر ضرورت واہمیت محسوس کی جارہی ہے، شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ آج باطل کی جانب سے دین اسلام پر بہت ہی منظم انداز میں علمی و تحقیقی سطح کے شاطرانہ اعتراضات کی بوچھاڑ ہے۔ اس دور میں بھی اگر امت کے رہنمائے دین فقط درس وتدریس اور وعظ وبیان تک محدود

رہے اور تحقیق و جستجو کا میدان خالی چھوڑ دیا تو بعید نہیں کہ اغیار اور دشمنان اسلام اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے اس میدان کو پ ±ر کرنے کی کوشش کرنے لگیں ، جیسا مستشرقین کے ہاتھوں یہ کام بہت بڑے پیمانے پر کیا جارہا ہے اور علم و عمل سے عاری نام نہاد محققین اور مستشرقین کی اسلامی تحقیقات سے متاثر اذہان دین کے بارے میں کھل کر اظہار رائے کرنے لگے ہیں اور دینی علوم وفنون پر روشن خیالی اور جدیدیت کی آفات حملہ آور ہو چکی ہیں۔ مستشرقین اہل اسلام کو اسلام سے بد ظن کرنے کے لیے جس محنت اور جستجو سے کام کررہے ہیں، اس تحقیق و جستجو کے ساتھ تو ہم بھی شاید کام نہیں کررہے۔ مستشرقین نے اسلام، قرآن، حدیث، سیرت، تفسیر، فقہ اور اسلامی علوم پر اعتراضات کرنے کے لیے اپنی پوری زندگیاں وقف کردیں ہیں اور بے شمار کتابیں لکھ چھوڑی ہیں۔ اسلامی علوم میں خامیاں ڈھونڈنے کے لیے اسلامی علوم کو اتنا زیادہ پڑھا کہ ہمارے ہی متعدد علوم پر ہم میں سے بہت سوں سے زیادہ عبور حاصل کرلیا ہے۔ بلکہ اسلام کی دشمنی میں انہوں نے اسقدر تحقیق کی کہ بہت مرتبہ ان کی کی ہوئی تحقیق ہمارے لیے بھی مفید ثابت ہوجاتی ہے۔ مستشرقین کا مقصد تو فقط لوگوں کو اسلام سے دور کرنا ہوتا ہے۔ پھر یہی لوگ مسلمانوں کی غلط رہنمائی کرتے ہیں۔ قوم کو الٹی پٹیاں پڑھا کر راہ راست سے ہٹا دیتے ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ سب کچھ فقط دینی مراکز اور اسلامی مدارس کی اپنی دینی و علمی ذمہ داریوں سے بے توجہی سے ہی صحیح، غفلت کا نتیجہ ہے۔ مدارس اور

طلبہ نے اپنی ذمہ داریوں سے کچھ ہی پہلو تہی کی تو تجدد پسند لوگ آ گئے۔ڈاکٹروں، پروفیسروں اور نام نہاد دانشوروں کی کھیپ کی کھیپ میدان میں آ گئی اور آ کر قوم کو دین سکھانے کے ٹھیکے دار بن بیٹھے۔

سالہا سال تک دقیق ترین اسلامی علوم وفنون میں سر کھپانے والے علمائے دین کی ذمہ داری یہی نہیں کہ وہ صرف کتابیں پڑھ لیں اور بس، بلکہ ان کی سب سے بڑی مسولیت دین اسلام کا تحقیقی انداز میں علمی، وفکری میدان میں دفاع ہے۔ ہمارے اسلاف نے بھی علمی و تحقیقی محاذ کو سنبھالا تھا اور ہر ہر علم پر مکمل تحقیق کرکے امت مسلمہ کے لیے ایسے ایسے علمی ذخیرے چھوڑ کر گئے ہیں، جنہیں دیکھ کر آج سوچ دنگ رہ جاتی ہے کہ ایک ایسے دور میں جب وسائل نہ ہونے کے برابر تھے، اتنا علمی و تحقیقی کام کیا جو وسائل سے اس بھرپور دور میں کیا جانا ممکن نظر نہیں آتا۔آج اغیار کی کوشش ہے کہ وہ اس دنیا پر اپنا مادی فلسفہ مسلط کر دیں۔ لہٰذا دینی مدارس کی ذمہ داری اس لحاظ سے بہت ہی سنگین ہو جاتی ہے، ا±نہیں علمی، تحقیقی و نظریاتی محاذ پر چومکھی جنگ لڑنی ہے اور ہمارے مدارس کو ہر قسم کے علمی اسلحہ سے لیس کرنا ان اداروں کے منتظمین کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ہمارے دینی مدارس میں اس وقت علمی و تحقیقی کام کی جتنی ضرورت ہے۔ اگر ہمارے مدارس کے ذمہ دار افراد کو اس ذمہ داری کی سنگینی کا احساس ہو جائے تو وہ تمام طلبہ کرام کو علمی و تحقیقی کام میں زبردستی

لگادیں۔اگرچہ ہمارے دینی مدارس گوناں گوں مشکلات ومسائل کا شکار ہیں، وسائل کی کمی ہے لیکن یہ بھی تو حقیقت ہے کہ ہمارے اسلاف نے بھی وسائل کی کمی کے باوجود ہی اتنے بڑے علمی و تحقیقی ذخیرے چھوڑے ہیں، اس دور میں ہمارے پاس کم از کم ان سے تو زیادہ ہی وسائل ہیں۔

اس دور میں تحقیقی ذوق کے فقدان کی کئی وجوہات ہیں۔اگر کوئی عالم دین یا طالب علم اپنی ذاتی دلچسپی اور کاوش کی بناپر کوئی تحقیقی کام کرتا بھی ہے، ایک تو اسے منظر عام پر لانے کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے اور دوسرا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی اس قدر حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی جس کا وہ مستحق ہے۔کوئی بھی قوم تحقیقی ذوق اور حوصلہ افزائی کے بغیر ترقی نہیں کرسکتی۔آپ یورپ کو ہی دیکھ لیں کہ آج پوری دنیاپر حکمرانی کررہا ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ یورپ میں طلبہ کی ہر لحاظ سے حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔انہیں تحقیقی کام کرنے کے مکمل مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔طلبہ کے تحقیقی کام کو منظر عام پر لانے اور ان کی حوصلہ افزائی کے لیے کئی ادارے قائم کیے ہوئے ہیں،ان اداروں کا کام صرف یہی ہے کہ وہ طلبہ میں تحقیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرتے ہیں،اور پھر طلبہ جو تحقیقی سامنے لاتے ہیں اس کی مکمل حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور اسے منظر عام پر لایا جاتا ہے۔یہ ادارے صرف طالب علموں کو تعلیم کے مختلف ذرائع ہی فراہم نہیں کرتے، بلکہ ان کے لیے تحقیق کے دروازے بھی کھولتے ہیں۔

یہ ادارے طلبہ کو ہر ممکن امداد فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہےں۔ یہ ادارے تحقیق میں طلبہ کی دلچسپی بڑھانے کے لیے ہر سال مقابلہ جات بھی کرواتے ہیں۔ مقابلہ جات میں حصہ لینے والے طلبہ کو بیش بہا انعامات سے نوازا جاتا ہے اور ان کی بے انتہا حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ایک طرف تو مدارس دینیہ کے طلبہ کرام میں مطالعہ و تحقیق کا ذوق ختم ہوتا جارہا ہے۔ طلبہ محنت طلب کام سے دل چرانے لگے ہیں۔ دوسری طرف مدارس کی جانب سے بھی نہ تو ان کو اس حوالے سے کوئی خاص ترغیب دی جاتی ہے اور نہ ہی تحقیقی کام کرنے پر ان کی کوئی حوصلہ افزائی کی جاتی۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ مدارس میں جو رہا سہا تحقیق کا ذوق ہے اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ جو طلبہ کرام علمی و تحقیقی کام کرتے ہیں ان کا کام منظر عام پر لایا جائے، جو کام اتنا بہتر ہو کہ جس سے قوم استفادہ کر سکتی ہے اسے شائع کروانے کا بھی کوئی انتظام ہونا چاہیے۔ تاکہ دوسرے طلبہ میں بھی شوق پیدا ہو اور قوم کو بھی پتا تو چلے کہ ابھی بھی ہم میں بہت سے ہیرے چھپے ہوئے ہیں۔ ابھی بھی اپنے فرض منصبی کو پورے حق اور محنت کے ساتھ ادا کرنے والے نوجوان اس ملت میں موجود ہیں، جو اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس امت کو علم و تحقیق کا بہت بڑا خزانہ دینا چاہتے ہیں۔ سرکاری سطح پر نہ صحیح کم از کم مدارس کی سطح پر ہی کوئی ایسا متفقہ ادارہ قائم کیا جائے، جو پاکستان بھر کے مدارس کے طلبہ

میں تحقیقی ذوق کو جانچے اور سال میں وقتاً فوقتاً ایسے پروگرام کرواتا رہے، جن میں طلبہ کا تحقیقی کام منظر عام پر لایا جائے اور اس پروگرام میں شریک طلبہ کو انعامات سے نوازا جائے۔اس سے یقیناً تمام طلبہ میں تحقیقی کام کا ذوق پروان چڑھے گا۔اور یہی سلسلہ ہر مدرسے کی سطح پر بھی ہونا چاہیے، اساتذہ اپنی نگرانی میں طلبہ سے مختلف موضوعات کا مطالعہ کروائیں،اور مختلف موضوعات پر مقالاجات لکھوائیں، اگر کوئی تحقیقی کام اچھا کیا ہوا اور وہ قوم وملت کا لیے نفع بخش ہوسکتا ہے تو اسے شائع کروانے کی بھی کوئی ترتیب بنائی جائے۔اہل یورپ نے اپنے طلبہ میں تحقیقی ذوق کو پروان چڑھایا اور اپنے طلبہ کی حوصلہ افزائی کی جس سے تاریک ماضی رکھنے والے یورپین آج پوری دنیا پر حکمرانی کررہے ہیں جبکہ ہم جن کا ماضی شاندار و روشن ہے، جب ہم اپنے اکابر کے نقش قدم پر نہ چلے اور تحقیقی اور علمی ذوق کو خیرباد کہا تو پستی کی گہرائیوں میں جاگرے۔ اغیار ہماری روشن روایات پر عمل پیرا ہوکر کامیابی حاصل کررہے ہیں اور ہم اغیار کی تاریک روایات کی راہ پر چل کر ناکامی کا منہ دیکھ رہے ہیں۔

ملا برادر کی رہائی سے پاکستانی اور افغان حکام پر امید

پاکستانی حکومت نے افغان طالبان رہنما ملا عبدالغنی برادر کو رہا کر دیا ہے۔ پاکستان کے دفترِ خارجہ کے ترجمان اعزاز چودھری کے مطابق ملا عمر کے نائب ملا عبدالغنی برادر کو ہفتے کی صبح رہا کیا گیا ہے اور طالبان رہنما ملا برادر کو افغان مصالحتی عمل میں آسانی پیدا کرنے کے لیے رہا کیا گیا ہے۔ جمعہ کو پاکستانی وزارت خارجہ کے ترجمان اعزاز احمد چودھری ایک مختصر بیان میں اعلان کیا تھا کہ ملا برادر کو ہفتے کے روز اس لیے رہا کر دیا جائے گا کہ افغانستان میں قیام امن کی کوششوں میں مدد کی جا سکے۔ اطلاعات کے مطابق ملا برادر کی رہائی سے قبل آرمی چیف، آئی ایس آئی سربراہ اور وزیراعظم کی آپس میں ایک گھنٹہ مشاورت کے بعد ملا برادر کی رہائی کا فیصلہ کیا گیا۔

افغان صدر حامد کرزئی نے ملا برادر کی رہائی کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ ملا برادر کی رہائی اہم پیشرفت ہے۔ ملا برادر افغان حکومت کے خلاف کام کرتے رہے، لیکن پھر بھی ہم نے امن عمل کو آگے بڑھانے کے لیے ان کی رہائی کی درخواست دی۔ پاکستان سے ملا برادر کی رہائی کی درخواست اس لیے کی تھی کہ وہ

افغان شہری ہیں اور طالبان کے اہم رہنما ہیں۔ افغان حکام نے ملا برادر کو امن کا سفیر قرار دیا ہے۔ افغان وزارت خارجہ کے ترجمان موسیٰ زئی نے کہا ہے کہ اگر ملا برادر پاکستان ہی میں رہتے ہیں تو بھی افغان حکام کو ان تک رسائی لازماً حاصل ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ ان کا کوئی ایسا محفوظ اور طے شدہ پتہ بھی ہونا چاہیے جو افغان حکام کے علم میں ہو جبکہ افغانستان کی اعلیٰ امن کونسل نے ملا برادر کی رہائی کا خیر مقدم کرتے ہوئے امید ظاہر کی ہے کہ یہ رہائی طالبان کے ساتھ مذاکرات اور قیام امن کے عمل میں اہم کردار ادا کرے گی۔ افغان امن کونسل کے ایک رکن محمد اسماعیل قاسم یار نے ملا برادر کی رہائی کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ حکومت کو قوی امید ہے کہ ملا برادر کی رہائی طالبان کے ساتھ مذاکرات اور قیام امن کے عمل میں اہم کردار ادا کرے گی جبکہ طالبان دور حکومت میں افغانستان کے وزیر خارجہ رہنے والے وکیل احمد متوکل نے بھی ملا برادر کی رہائی کا خیر مقدم کیا ہے۔ انہوں نے کہا پاکستان کو ملا برادر کے رہا کیے جانے کے بعد ان کی نقل و حرکت کو کنٹرول کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ پاکستانی حکام کو ملا برادر کو یہ اجازت دینا ہو گی کہ وہ طالبان رہنماشں کے ساتھ رابطہ کر سکیں اور افغانستان میں قیام امن کی کوششوں میں معاون ثابت ہو سکیں۔ افغان صدر حامد کرزئی نے بھی ملا عبدالغنی برادری کی رہائی کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ ملا برادر کی رہائی افغان حکومت کی جانب سے مسلسل درخواست پر عمل میں آئی

ہے، امید ہے کہ اس سے افغان امن عمل میں مدد ملے گی۔افغان صدر کے ترجمان ایمل فیضی کی طرف سے جاری بیان میں کہا گیا کہ ملا برادر کی رہائی سے متعلق پاکستانی حکومت کا فیصلہ خوش آئند ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس اقدام کا خیر مقدم کرتے ہیں اور امید ہے کہ اس سے افغان امن عمل میں مدد ملے گی۔دوسری جانب جے یو آئی ف کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے حکومت کی جانب سے ملا برادر کو رہا کرنے کے اقدام کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے افغانستان میں مصالحت کے لیے راہ ہموار ہوگی۔ اگر دوسرے طالبان بھی بات چیت کے عمل کا حصہ بننا چاہتے ہیں تو انھیں بھی رہا کر دینا چاہیے تاکہ مصالحت کی کوششوں کو آگے بڑھایا جاسکے۔ طالبان رہنماؤں کی رہائی سے افغان طالبان کی ان کوششوں کو تقویت ملے گی جن کا ہدف بات چیت کو آگے بڑھانا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ملا برادر طالبان کے اہم رہنما رہے ہیں اور پاکستان کو افغان مصالحت کے لیے نہ صرف زیر التوا دوحا مذاکرات دوبارہ شروع کرنے کی کوششیں تیز کرنی چاہئیں بلکہ افغانستان کی داخلی مصالحتی بات چیت میں بھی تعاون فراہم کرنا چاہیے۔ جبکہ افغان ٹی وی کی رپورٹ کے مطابق امریکی حکام اور بعض افغان سیکورٹی ماہرین نے پاکستان کی جانب سے طالبان قیدیوں کی رہائی پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے کہ مناسب شرائط اور میکنزم کے بغیر قیدیوں کی رہائی کے باعث وہ آسانی سے دوبارہ جنگ کا حصہ بن سکتے ہیں۔

واضح رہے کہ افغان حکومت کافی عرصے سے پاکستان سے مطالبہ کر رہی تھی کہ ماضی میں طالبان کے نائب سربراہ رہ چکنے والے ملا برادر کو رہا کیا جائے۔ سینیئر مشیر برائے خارجہ امور سرتاج عزیز نے کہا تھا کہ ملا برادر کو رہا کیا جائے گا۔ پاکستان اس سے پہلے تینتیس طالبان قیدیوں کو رہا کر چکا ہے۔ لیکن افغان حکومت اور افغان امن کونسل کے رہنماؤں کا کہنا تھا کہ رہا کیے گئے طالبان میں کوئی بھی بڑا رہنما نہیں ہے۔ وزیراعظم کے مشیر برائے خارجہ امور نے ملا برادر کی رہائی کا اعلان ایسے وقت کیا تھا جب پاکستان میں کل جماعتی کانفرنس میں فیصلہ کیا گیا کہ پاکستانی طالبان کے ساتھ مذاکرات کیے جائیں۔ رواں سال کے شروع میں پاکستان نے کہا تھا کہ افغانستان اور طالبان کے مفاہمتی عمل میں مددگار ثابت ہونے والے طالبان کی رہائی کا عمل جاری رہا تو تمام افغان طالبان رہا ہو جائیں گے۔ رواں ماہ وزیراعظم پاکستان نے بھی کہا تھا کہ پاکستان نے افغان طالبان رہنما ملا عمر کے نائب ملا عبدالغنی برادر کی رہائی کا فیصلہ کر لیا ہے۔

فروری دو ہزار دس میں پاکستان کی فوج نے ملا برادر کی گرفتاری کی تصدیق کی تھی۔ ملا برادر کو پاکستانی حکام نے مبینہ طور پر امریکی سی آئی اے کے ایجنٹوں کے ساتھ مل کر کی گئی ایک کارروائی کے نتیجے میں 2010ء میں کراچی سے گرفتار کیا تھا۔ افغان امور کے ماہر رحیم اللہ یوسف زئی کا کہنا ہے کہ ملا

عمر اور ملا برادر ایک ہی مدرسے میں درس دیتے تھے اور انیس سو چورانوے میں قائم ہونے والی تنظیم طالبان کے بانی قائدین میں سے تھے۔ ملا برادر طالبان دور میں ہرات صوبے کے گورنر اور طالبان کی فوج کے سربراہ رہے ہیں۔ ملا عبدالغنی برادر افغانستان میں طالبان کارروائیوں کی نگرانی کے علاوہ تنظیم کے رہنماوں کی کونسل اور تنظیم کے مالی امور چلاتے تھے۔ ان کا تعلق بنیادی طور پر افغانستان کے جنوبی ضلع اورزگان سے بتایا جاتا ہے لیکن وہ کئی سال طالبان کے مرکز کے طور پر مشہور افغان صوبہ قندھار میں مقیم تھے۔ افغانستان پر کام کرنے والے اکثر صحافیوں اور ماہرین کا کہنا ہے کہ ملا محمد عمر نے جب افغانستان میں طالبان تحریک کا آغاز کیا تو ملا برادر ان چند افراد میں شامل تھے جنھوں نے بندوق اٹھا کر طالبان سربراہ کا ہر لحاظ سے ساتھ دیا اور تحریک کی کامیابی تک وہ ان کے ساتھ ساتھ رہے۔ تاہم جب طالبان کی حکومت قائم ہوئی تو ان کے پاس کوئی خاص عہدہ نہیں تھا۔ بعد میں انھیں ہرات کا گورنر بنا دیا گیا۔ ملا برادر طالبان تحریک میں اہم فوجی کمانڈر کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ وہ طالبان کے آرمی چیف بھی رہ چکے ہیں۔ طالبان نے 1998 میں جب افغان صوبے بامیان پر قبضہ کیا تو اس حملے کے وقت ملا برادر طالبان کے کمانڈر تھے۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے انہوں نے طالبان کمانڈروں کے لیے ایک کتابچے کی صورت میں ضابطہ اخلاق بھی تحریر کیا تھا جس میں جنگی گر، قیدیوں اور غیر ملکیوں سے سلوک اور دیگر طریقے بتائے گئے

تھے۔اس ساری پیش رفت کے باوجود کچھ اطلاعات کے مطابق افغان طالبان کا کہنا ہے کہ یہ ساری کوششیں بے سود ثابت ہوں گی کیونکہ ایک طویل قید کی وجہ سے ان کی طالبان میں وہ حیثیت نہیں رہی جو پہلے تھی، ان کی حیثیت ایک عام آدمی کی سی ہو گی جس کا طالبان کے نیٹ ورک میں کوئی اثر و رسوخ نہیں ہو گا۔افغان حکام طالبان کے ساتھ مذاکرات کرنا چاہ رہے ہیں مگر طالبان کرزئی حکومت کو امریکیوں کی کٹھ پتلی حکومت قرار دے کر امریکا ہی سے مذاکرات چاہتے ہیں۔

افغان اور پاکستانی حکام نے اس قدم سے بہت سی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں کیونکہ ان کا ماننا ہے کہ اگر وہ طالبان کی شوریٰ تک رسائی والے کسی شخص کے ذریعے مذاکرات کا پیغام بھیجیں گے تو شاید افغان طالبان ہتھیار ڈال کر مذاکرات کی میز پر بیٹھ جائیں۔ کرزئی حکومت ملا برادر کی رہائی کے لیے کافی کوششوں میں تھی کہ انہیں رہا کیا جائے تاکہ طالبان کے ساتھ امن مذاکرات کو کامیاب بنایا جاسکے۔ ملا برادر کو معتدل مزاج تصور کیا جاتا ہے، افغانستان میں امن قائم کرنے کے لیے انہوں نے ایک مرتبہ حامد کرزئی کے بھائی سے بھی رابطہ کیا تھا، افغانستان میں موجود بہت سارے کمانڈروں کے ساتھ ان کے رابطے ہیں۔ اس وقت تمام بڑے کمانڈر ماضی میں ان کی زیر نگرانی روسی فوج کے خلاف جہاد کر چکے ہیں اس لیے امید ہے کہ طالبان کو مذاکرات پر آمادہ کرنے میں وہ تاریخی کردار ادا کریں گے لیکن پاکستانی حکام اس بات کو یقینی بنائیں کہ

ملا برادر کو ثالث کے کردار پر تیار کرکے مذاکرات کو کامیاب بنایا جاسکے۔

پشاور حملہ کہیں کوئی سازش تو نہیں؟

پشاور کے علاقہ کوہاٹی گیٹ چرچ روڈ میں واقع عیسائیوں کی سب سے قدیم عبادت گاہ آل سینٹس چرچ میں اتوار کے روز یکے بعد دیگرے دو خود کش دھماکے ہوئے جس کے نتیجہ میں 81 سے زائد افراد موقع پر ہی ہلاک ہوگئے جن میں 7 بچے، 34 خواتین اور دو پولیس اہلکار شامل تھے اور 150 سے زائد افراد زخمی ہوئے۔ پشاور کے مصروف بازار کوہاٹی گیٹ میں واقع گرجا گھر میں تقریبا 400 سے 500 کے قریب عیسائی لوگ ہفتہ وار عبادت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اس دوران دو دھماکے ہوئے، عینی شاہدین کے مطابق سب سے پہلے چرچ کے باہر سے ایک کریکر اندر پھینکا گیا جو زوردار دھماکہ سے پھٹ گیا اور جس کے چند لمحوں بعد مسیحی برادری کی بڑی تعداد جو عبادت ختم ہونے کے بعد اندر سے باہر نکل رہی تھی تو خود کش حملہ آور نے اپنے آپ کو بارودی مواد سے اڑا دیا۔ دھماکا اتنا شدید تھا کہ ہر طرف انسانی اعضاء بکھر گئے اور چیخ وپکار کی آوازیں آنے لگی۔ اطلاعات کے مطابق بم ڈسپوزل یونٹ کے اے آئی جی کے مطابق گرجا گھر میں ہونے والے دونوں دھماکوں میں کم از کم چودہ کلوگرام بارودی مواد استعمال کیا گیا۔ حملہ آوروں نے چرچ کے داخلی دروازے کے قریب جس مقام پر دھماکے کیے وہاں دیوار کے ساتھ بڑی تعداد میں خواتین اور بچے کھڑے تھے کیونکہ اس وقت

وہاں کھانا تقسیم ہو رہا تھا۔ دو حملہ آور چرچ کے بڑے دروازے سے داخل ہوئے تھے اور انہوں نے تقریباً دو منٹ کے وقفے سے اپنے آپ کو اڑایا۔ دونوں حملہ آوروں کے درمیان فاصلہ پانچ سے چھ فٹ تک تھا اور چرچ کے صحن میں اس کے واضح نشانات دیکھے جا سکتے ہیں۔ پشاور کے گرجا گھر میں خودکش حملوں کی ابتدائی تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق ایک خودکش حملہ آور کی عمر 20 جبکہ دوسرے کی 22 سال کے درمیان تھی، دونوں خودکش حملہ آوروں نے نائن ایم ایم پستول، بال بیرنگ، دستی بم، سیفٹی پن، اور 6 کلو بارود مواد حملوں میں استعمال کیا، رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ پہلا خودکش حملہ آور گیٹ پر تعینات پولیس کانسٹیبل پر فائرنگ کرکے اندر داخل ہوا، جبکہ دوسرے نے دستی بم پھینک کر خود کو چرچ کے اندر دھماکے سے اڑالیا۔ پولیس کے مطابق ایک حملہ آور غیر ملکی لگتا ہے، دھماکے کی تحقیقات کے لیے پولیس کی مختلف ٹیمیں تشکیل دے دی گئی ہیں۔ خیبر پی کے حکومت نے خودکش حملے میں ہلاک ہونے والوں کے ورثا اور زخمیوں کیلئے امداد کا اعلان کرتے ہوئے وزیر اطلاعات خیبر پی نے کہا کہ مرنے والوں کے ورثا کو فی کس 5 لاکھ روپے اور زخمیوں کو فی کس دو لاکھ روپے دیے جائیں گے۔ واقعہ کے بعد پشاور کے تمام سرکاری ہسپتالوں میں ایمرجنسی لگا دی گئی۔ پولیس کی بھاری نفری نے علاقہ کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور چرچ روڈ کو ہر قسم کی ٹریفک کے لیے بند کر دیا گیا۔ ادھر ہلاک شدگان کی تدفین کا عمل اتوار کی رات بھر جاری رہا اور شہر کے تین قبرستانوں وزیر باغ، گورا

قبرستان اور شریف آباد قبرستان میں 80 افراد کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ یہ حملہ پاکستان کی تاریخ میں عیسائی برادری پر ہونے والے بدترین حملوں میں سے ایک ہے۔ پشاور چرچ پر ہونے والے حملے کی تمام پاکستانی سیاسی و مذہبی شخصیات نے مذمت کی ہے۔ صدر ممنون حسین نے پشاور میں خودکش حملے کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے اسے گھناؤنا واقعہ قرار دیا اور کہا کہ دہشت گرد کسی بھی مذہب کا احترام نہیں کرتے۔ وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے پشاور میں بم دھماکے پر انتہائی دکھ اور صدمے کا اظہار کرتے ہوئے سخت الفاظ میں واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ دہشتگردوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، وہ اسلام کی تعلیمات کے برعکس بے گناہ افراد کو نشانہ بنا کر قتل کر رہے ہیں۔ ایسے واقعات بدقسمتی سے مذاکرات کے لیے نیک شگون نہیں ہیں، طالبان کے ساتھ مذاکرات نیک نیتی سے بڑھانے کی کوشش کی، طالبان سے مذاکرات کے لیے تمام جماعتوں کی حمایت حاصل ہے۔ گورنر پنجاب چودھری محمد سرور نے بم دھماکوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ملک دشمن عناصر سے آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے گا، اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کرنا اولین ترجیح ہے۔ وزیراعلیٰ محمد شہباز شریف نے پشاور میں گرجا گھر پر خودکش حملے کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ معصوم انسانوں کا خون بہانے والے انسانیت کے دشمن ہیں اس واقعہ کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم

ہے۔ سابق صدر آصف علی زرداری نے دھماکوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا معصوم شہریوں کی جانوں کے ساتھ کھیلنے والے ملک وقوم کے دشمن ہیں۔ پی پی پی کے چیئرمین بلاول بھٹو نے دھماکوں کی مذمت کرتے ہوئے سوگوار خاندانوں سے اظہار ہمدردی کیا، زخمیوں کا مفت علاج کرنے کا مطالبہ کیا۔ پشاور چرچ پر ہونے والے خود کش حملہ کی وجہ سے تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان پارٹی کی مجلس عاملہ کا اجلاس ادھورا چھوڑ کر پشاور چلے گئے۔ تحریک انصاف کے ترجمان کے مطابق پارٹی کی مجلس عاملہ نے پشاور میں ہونے والے خود کش حملوں کی شدید الفاظ میں مذمت کی۔ عمران خان نے کہا وہ چرچ میں دہشت گردی کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ جوں جوں طالبان کے ساتھ مذاکرات کامیاب ہونا شروع ہوتے ہیں توں توں دہشتگردی کے واقعات میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن نے چرچ پر حملے کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ کوئی بھی مذہب عبادت گاہوں پر حملے کی اجازت نہیں دیتا اور ایسے واقعات سے صرف مذہبی ہم آہنگی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ امیر جماعت اسلامی سید منور حسن نے کہا کہ دہشت گردی کے واقعات کے پیچھے اسلام اور ملک دشمن عناصر کا ہاتھ ہے۔ بھارت پاکستان میں انتہا پسندی اور تخریب کاری پھیلا رہا ہے، پشاور چرچ دھماکوں میں بھی اسی کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے رہنماو ں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان اور مولانا محمد حنیف جالندھری و دیگر علماء نے ن مشترکہ بیان میں کہا کہ پشاور میں چرچ پر حملہ افسوسناک اور قابل مذمت ہے، تحقیق

کے بغیر واقعے کو اسلام پسندوں سے نتھی نہ کیا جائے۔ اس واقعے کی ٹائمنگ قابلِ غور ہے، عین ایسے وقت میں جب مذاکرات کی بات چل رہی ہے پشاور شہر میں اس سانحہ کا رونما ہونا بہت سے سوالات جنم دیتا ہے اس لیے اس واقعہ کی غیر جانبدارانہ اور منصفانہ تحقیقات کروا کر ذمہ داران کو قرار واقعی سزا دی جائے اور تحقیقات کے نتائج سے پوری قوم کو آگاہ کیا جائے۔ اہلسنّت والجماعت کے سربراہ علامہ محمد احمد لدھیانوی نے کہا ہے کہ واقعہ انتہائی افسوس ناک ہے اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ اسلام ہمیں اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کرنے کا حکم دیتا ہے، ایسے واقعات سے مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ جماعت اسلامی کے سیکرٹری جنرل لیاقت بلوچ اور رکن پنجاب اسمبلی اور امیر جماعت اسلامی پنجاب ڈاکٹر سیّد وسیم اختر نے کہا کہ پاکستان میں دہشت گردی میں امریکی بلیک واٹر تنظیم اور ریمنڈ ڈیوس نیٹ ورک ملوث ہے، ملک میں دہشت گردی کے عفریت کو قابو پانے کے لیے امریکا کی بڑھتی ہوئی مداخلت کے آگے بند ھ باندھنا ہو گا۔ ق لیگ کے صدر سینیٹر چودھری شجاعت حسین، چودھری پرویز الٰہی نے چرچ پر حملہ کے بہیمانہ واقعہ پر دلی رنج و غم کا اظہار کیا۔ وفاقی وزیر اقلیتی امور کامران مائیکل نے کہا ہے کہ گرجا گھر میں خودکش دھماکے انتہائی افسوسناک ہیں، دھماکے مذاکرات ناکام کرنے کی کوشش ہو سکتی ہے۔ پاکستان عوامی تحریک کے قائد ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے پشاور چرچ میں خودکش حملوں کی شدید ترین مذمت کی ہے۔ ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے بم

دھماکوں کی مذمت کرتے ہوئے 3 روزہ یوم سوگ کا اعلان کیا۔ جمعیت علمائے اسلام س) کے سربراہ مولانا سمیع الحق، مسلم لیگ (ن) کے سیکرٹری اقبال ظفر جھگڑا، جمعیت) علمائے پاکستان (نورانی گروپ) ابوالخیر زبیر، مجلس وحدت المسلمین کے رہنما امین شہیدی، شیعہ علماء کونسل کے علامہ عارف واحدی، مسلم لیگ (ضیائ) کے سربراہ اعجاز الحق، عوامی مسلم لیگ سربراہ شیخ رشید احمد، نیشنل پارٹی بلوچستان کے امیر حاصل بزنجو نے بم دھماکوں کی بھی مذمت کی۔ گورنر خیبر پی کے انجینئر شوکت اللہ نے بم دھماکوں کی شدید مذمت کی ہے۔ خیبر پی کے کے وزیر اعلیٰ پرویز خٹک نے چرچ پر حملے کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس بہیمانہ حرکت میں ملوث عناصر انسانیت کے دشمن ہیں۔ جے یو آئی کے مرکزی سیکرٹری جنرل مولانا عبدالغفور حیدری نے دھماکوں کی شدید مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ واقعات ملک میں انتشار پیدا کرنے کی گہری سازش ہے، ملزمان کو گرفتار کرکے قرار واقعی سزا دی جائے۔ جے یو آئی کے مرکزی ترجمان مولانا محمد امجد خان، رہنماؤں ملک سکندر خان ایڈووکیٹ، مولانا قاری فیاض الرحمٰن علوی، شمس الرحمٰن شمسی، عبدالرزاق عابد لاکھو، عبدالجلیل جان نے بھی گرجا گھر میں ہونے والے دھماکوں کی شدید الفاظ میں مذمت کی۔ علما کونسل کے چیئرمین طاہر اشرفی نے سانحہ پشاور کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ جب تک دہشت گردوں کو سزا نہیں ملے گی اس وقت تک دہشت گردی بڑھتی جائے گی۔ علامہ راغب نعیمی نے کہا یہ ملک کا امن تباہ کرنے کی سازش ہے۔ان کے علاوہ بے شمار

رہنماؤں نے پشاور حملے کی کھلے الفاظ میں مذمت کی ہے اور اس حملے کو ملک و مذہب کے خلاف گھناؤنی سازش قرار دیا ہے۔ متعدد رہنماؤں نے اس حملے کو طالبان اور حکومت کے درمیان ہونے والے مذاکرات کو ناکام بنانے کی سازش قرار دیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ امریکا، بھارت اور اسرائیل پاکستان میں امن تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ چرچ پر حملہ پاکستان کو بدنام کرنے کی سازش ہے۔پشاور میں گرجا گھر میں ہونے والے خودکش دھماکوں کی کیتھولک عیسائیوں کے پیشوا پوپ فرانس نے مذمت کی ہے اور 2 کہا ہے کہ یہ حملہ افسوسناک اور قابل مذمت ہے۔ پوپ نے مزید کہا کہ نفرت اور جنگ کا راستہ درست نہیں، امن کا راستہ ہی بہتر دنیا کی تعمیر کرسکتا ہے۔ انھوں نے ہلاک ہونے والے مسیحیوں سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔ متعدد علماء کرام کا کہنا تھا کہ کہ ہم عیسائیوں کے دکھ درد میں شریک ہیں لیکن مسلمان رہنماؤں کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ شرعی طور پر عیسائیوں کو بھائی قرار دینا جائز نہیں ہے۔ہمارے بہت سے لیڈر اور میڈیا کے افراد یہ کہتے نظر آرہے ہیں کہ ہم عیسائی بھائیوں کے ساتھ ہیں، حالانکہ اایسا کہنا جائز نہیں ہے۔

پاکستانی طالبان نے پشاور واقعے سے اظہار لاتعلقی کرتے ہوئے اسے مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کی سازش قرار دے دیا۔ دوسری جانب سیکورٹی اداروں نے وزیراعظم کی اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لے ے روانگی کے فوری

بعد پشاور میں چرچ پر ہونے والے خودکش حملے میں غیر ملکی ہاتھ کے ملوث ہونے کی بڑے پیمانے پر تحقیقات شروع کردی۔ ذمہ دار سیکورٹی ذرائع نے بتایا کہ بھارتی فوج میں پاکستان کے اندر دہشت گردانہ کارروائیوں کے لیے بننے والے اسپیشل یونٹ اور اس کی پاکستان میں کئی کارروائیوں کے سنسنی خیز انکشافات کے بعد سیکورٹی اداروں کو یقین ہے کہ پاکستان کے اندر ہونے والے بیشتر دہشت گردانہ حملوں میں بھارتی اور دیگر پاکستان دشمن عناصر ملوث ہیں۔ ذرائع کے مطابق سیکورٹی ادارے چرچ پر ہونے والے دہشت گردانہ حملے کا کئی پہلوؤں سے جائزہ لے رہے ہیں۔ حملہ پاکستان دشمن عناصر کی طرف سے اقلیتوں کو نشانہ بنا کر پاکستان کو بدنام کرنے کی بڑی سازش بھی ہوسکتا ہے۔ یہ حملہ ایسے موقع پر کیا گیا ہے جب ملک میں نئی جمہوری حکومت کے سربراہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لیے امریکا گئے ہوئے ہیں۔ حملہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں پاکستانی قیادت کو عالمی دنیا کے سامنے شرمندہ کرنے کے لیے بھی کیا جاسکتا ہے۔ واضح رہے کہ دو روز قبل بھارتی اخبار "ہندوستان ٹائمز" نے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ بھارت کے سابق آرمی چیف وی کے سنگھ کی طرف سے قائم آرمی یونٹ نے ماضی میں پاکستان میں کئی خفیہ آپریشن کیے۔ بھارتی ملٹری انٹیلی جنس یونٹ پاکستان میں حساس خفیہ کارروائیوں میں ملوث رہا۔ یونٹ نے Public Interest Litigation (PIL) موجودہ سربراہ جنرل بکرم سنگھ کے خلاف درخواست شروع کرنے کے لیے خفیہ سروس فنڈز استعمال کیے

جیسا کہ اکتوبر 2012ء میں بکرم سنگھ کی تقرری روکنے کی کوشش میں خفیہ فنڈز ایک این جی او کو دیے گئے، بھارتی فوج کئی ایسے خفیہ آپریشن کر چکی ہے جن میں کشمیر میں آپریشن رہبر ون، ٹو اور تھری، شمال مشرق میں آپریشن سیون سسٹر اور پاکستان میں آپریشن ڈیپ اسٹرائیک شامل ہیں۔ وفاقی وزیر اطلاعات پرویز رشید نے کہا ہے کہ ہم سب دہشت گردی کے واقعات کی مذمت کرتے ہیں۔ مذاکرات کو دہشت گردی کے واقعات سے نہیں جوڑنا چاہیے۔ مذاکرات کی بات سے قبل بھی دہشت گردی ہو رہی تھی، مسائل کے حل کے لیے ہمیں تمام آپشنز استعمال کرنا چاہئیں۔ دنیا میں کہیں بھی مذاکراتی عمل کی تفصیلات سے آگاہ نہیں کیا جاتا چین اور امریکا کے درمیان دس سال مذاکرات چلتے رہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ عیسائیوں پر ہونے والے قابل مذمت ہیں۔ تمام قومی، مذہبی، سیاسی اور عالمی رہنماؤں نے ان حملوں کی مذمت بھی کی ہے۔ لیکن یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اقلیتوں کے لیے پاکستان کس قدر محفوظ ملک ہے جہاں کسی کو کوئی تکلیف بھی پہنچتی ہے تو پورا ملک چاہے کسی بھی مسلک سے تعلق ہو ان کے درد میں ایک ہو جاتا ہے۔ لیکن دوسرے ممالک میں مسلمانوں پر آئے روز حملے ہوتے ہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ آئے روز یورپ میں کبھی پردے کو بہانہ بنا کر مسلمانوں کو تنگ کیا جاتا ہے اور کبھی اسلام کو دہشتگردی کے ساتھ نتھی کرکے مسلمانوں کو تنگ کیا جاتا ہے۔ ان کے خلاف قوانین بنائے

جاتے ہیں۔ مساجد کے باہر نعرے بازی کی جاتی ہے اور اس کے علاوہ ہر طرح سے مسلمانوں کو تنگ کیا جاتا ہے۔ برما میں مسلمانوں پر جو قیامت ڈھائی گئی وہ سب کے سامنے ہے۔ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان موت کے منہ میں دھکیل دیے گئے، زندہ جلادیے گئے، مساجد اور مدارس کو مسمار کردیا گیا، یہی کچھ بھارت میں آئے روز ہوتا ہے۔ بھارت میں تو مسلمانوں کے خلاف اب بھی ظلم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں۔ بھارت کے علاقے مظفر نگر میں کئی ہزار مسلمان شہید کردیے گئے اور ہزاروں بے گھر ہیں، یہ سب کچھ حکومتوں کی سرپرستی میں ہوتا ہے۔ اس وقت نہ تو کوئی عالمی برادری بولتی ہے اور نہ ان ملکوں کی حکومتیں کچھ کرتی ہیں، بلکہ الٹا مسلمانوں کے مخالفین کو ہی مدد دی جاتی ہے۔ یہ کھلا ظلم ہے۔

مولانا عبدالعزیز تمام مقدمات سے بری

اسلام آباد کے سول جج اور جوڈیشل مجسٹریٹ اسلام آباد نوید خان نے لال مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز کے خلاف درج ہونے والے آخری مقدمہ میں بھی الزامات ثابت نہ ہونے پر پیر کے روز باعزت بری قرار دیا ہے۔ مولانا عبدالعزیز کے خلاف ستائیس مقدمات 2001ء سے قائم تھے جن میں سے آخری مقدمہ یکم اپریل 2007ء میں کوہسار پولیس نے درج کیا تھا، جبکہ مولانا عبدالعزیز اور ان کے ساتھیوں کے خلاف پہلا مقدمہ اٹھائیس ستمبر 2001ء کو ایک تقریر کرنے پر قائم کیا گیا تھا۔ 2001ء سے 2005ء کے درمیان پولیس نے ان کے خلاف دس مزید مقدمات درج کیے تھے جن میں سے پانچ مقدمات انسداد دہشت گردی ایکٹ کے تحت درج تھے۔ ان میں سے پانچ مقدمات 2007ء سے پہلے واپس لے لیے گئے تھے۔ تاہم مولانا عبدالعزیز کے خلاف جنوری تا جولائی 2007ء کے دوران بائیس مزید مقدمات درج کیے گئے تھے۔ مولانا عبدالعزیز پر قائم مقدمات میں سے ایک مساج سینٹر سے چینی شہریوں کا اغواء، پولیس اہلکاروں کا اغواء، اس وقت کی حکومت کے خلاف اشتعال انگیز تقاریر اور آبپارہ مارکیٹ میں سی ڈیز کی دوکان کو نذر آتش کرنا شامل ہیں۔ ان کے خلاف آخری درج مقدمے میں ان پر الزام تھا کہ انہوں نے آب پارہ اور جناح سپر مارکیٹ کے علاقوں میں غیر مناسب مواد پر مشتمل فلموں کی فروخت پر دھمکیاں دی تھیں۔ اس حوالے

سے استغاثہ نے ان کے خلاف ساٹھ گواہوں کو پیش کیا تھا۔ تاہم ان تمام گواہوں نے استغاثہ کے بیان کی نفی کرتے ہوئے کہا کہ انہیں کبھی بھی مولانا عبدالعزیز کی جانب سے دھمکیاں موصول نہیں ہوئیں اور نہ ہی انہوں نے کبھی ان کی د±کانوں کا دورہ کیا۔

کوہسار پولیس نے مقدمہ درج ہونے کے وقت سے ہی مقدمہ نمبر2007/148زیر دفعہ 147, 149, 506, 452, 188, 109, 7 Ata کے تحت درج کرکے تحقیقات شروع کی گئی تھیں۔

مولانا عبدالعزیز کے وکیل مولانا محمد وجیہ اللہ خان ایڈووکیٹ نے عدالت کے روبرو حتمی دلائل دیتے ہوئے موقف اختیار کیا کہ ابھی تک پولیس نہ تو کوئی ٹھوس ثبوت پیش کر سکی ہے اور نہ ہی کوئی ایسا گواہ لا سکی ہے جس سے یہ الزامات ثابت ہو سکیں، اس موقع پر فاضل جج نے فریقین کے وکلاء کے حتمی دلائل سننے کے بعد پہلے فیصلہ محفوظ کر لیا تھا جو بعد ازاں سنا دیا گیا۔ مولانا عبدالعزیز کے وکیل، مولانا وجیہہ اللہ نے عدالت کی جانب سے مولانا عبدالعزیز کی رہائی کے بعد گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مولانا عبدالعزیز اور ان کے خاندان والوں کے خلاف مقدمات قائم کرنے کے لیے سابق صدر جنرل ر) پرویز مشرف نے پولیس پر دباو ڈالا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ خدا کے فضل سے) مولانا اور ان کے گھر والے تمام جھوٹے مقدمات سے بری ہو گئے ہیں جبکہ پرویز مشرف ابھی بھی مقدمات کا سامنا کر رہے ہیں۔ مولانا عبدالعزیز کئی بار کہہ چکے ہیں

کہ میرے خلاف قائم کیے گئے مقدمات جھوٹے اور بے بنیاد ہیں، میں انشاء اللہ ایک دن تمام مقدمات سے بری ہو جاؤں گا۔ مولانا عبدالعزیز نے سولہ جولائی دوہزار سات کو اپنے بیان میں کہا تھا کہ تمام مقدمات جھوٹے ہیں، بے بنیاد ہیں میں اپنے موقف پر قائم ہوں۔ اسی طرح جنوری دوہزار تیرہ کو بھی مولانا عبدالعزیز نے کہا تھا کہ فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے، سابق آمر کی ایما پر میرے خلاف جھوٹے مقدمات درج کئے گئے تھے۔ میں ان شاء اللہ عنقریب تمام مقدمات سے بری ہو جاؤں گا۔

دوسری جانب شہداء فاؤنڈیشن آف پاکستان اور صاحبزادہ ہارون الرشید غازی نے عبدالرشید غازی قتل کیس کی تفتیش کے لیے بننے والی جے آئی ٹی کے سربراہ ڈی آئی جی اسلام آباد خالد خٹک او سینئر رکن ایس پی جمیل احمد ہاشمی کی طرف سے خوفزدہ ہو کر جے آئی ٹی سے الگ ہونے کے معاملے پر اسلام آباد ہائیکورٹ میں معروف وکیل طارق اسد کے ذریعے رٹ پٹیشن دائر کردی ہے۔ مذکورہ مشترکہ تحقیقاتی ٹیم، 2007 میں لال مسجد آپریشن کے دوران سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کی جانب سے غازی رشید کے قتل کی تحقیقات کرنے کے لیے قائم کی گئی ہے۔ اس سے پہلے ہارون الرشید نے مشرف کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کے لیے ایک پٹیشن دائر کی تھی جس کے بعد، اسلام آباد ہائی کورٹ نے بارہ جولائی 2013ء کو ان کی پٹیشن منظور کرتے ہوئے پرویز مشرف کے خلاف ایف آئی آر درج کرنے کا حکم جاری

کیا تھا۔ شہداء فاؤنڈیشن آف پاکستان کی طرف سے پٹیشنر حافظ احتشام احمد ہیں۔

شہداء فاؤنڈیشن آف پاکستان اور ہارون الرشید غازی کی طرف سے دائر کی جانے والی پٹیشن میں سیکرٹری داخلہ کے ذریعے وفاقی حکومت، وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خاں، آئی جی اسلام آباد، ڈی آئی جی اسلام آباد خالد خٹک اور ایس پی جمیل احمد ہاشمی کو فریق بنایا گیا ہے۔ پٹیشن میں کہا گیا ہے کہ "پولیس نے پرویز مشرف کے خلاف عدالت کے حکم پر علامہ عبدالرشید غازی اور ان کی والدہ کے قتل کا مقدمہ درج کیا، اس کے بعد تفتیش کی ذمہ داری ایک سب انسپکٹر اور پھر بعدازاں ایک جے آئی ٹی کو دی گئی جس پر پٹیشنر نے اعتراض کر دیا۔ اس کے بعد آئی جی نے ہارون الرشید غازی کی جانب سے دیے گئے سات ناموں کی روشنی میں ڈی آئی جی خالد خٹک کی سربراہی میں پانچ رکنی جے آئی ٹی تشکیل دے دی، اس پر پٹیشنرز آئی جی کے مشکور ہیں، جے آئی ٹی کی تشکیل کے کچھ دنوں بعد ہی ڈی آئی جی اسلام آباد خالد خٹک اور ایس پی جمیل احمد ہاشمی نے جے آئی ٹی میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق ڈی آئی جی اسلام آباد خالد خٹک اور ایس پی جمیل احمد ہاشمی کے اہلخانہ کو مشکوک افراد ہراساں کر رہے تھے اس لیے وہ جے آئی ٹی سے الگ ہو گئے، اس سے قبل پٹیشنر ہارون الرشید غازی کو بھی ہراساں کرنے کے لیے مشکوک افراد ان کے گھر کے باہر مشکوک سرگرمیاں کر رہے تھے"۔ رٹ پٹیشن میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسلام آباد پولیس کے سینئر افسر ہی خوفزدہ ہو گئے ہیں تو یہ پولیس کس طرح

سے غیر جانبدارانہ تفتیش کر سکتی ہے۔ یہ پولیس عوام کو کس طرح سے تحفظ فراہم کرے گی۔

پٹیشن میں خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ "امریکی خفیہ ایجنسی بلیک واٹر سمیت دیگر غیر ملکی ایجنسیوں کے اہلکار پرویز مشرف کو بچانے کے لیے پولیس افسروں اور پٹیشنرز کو ہراساں کر رہے ہیں"۔ شہداء فاؤنڈیشن اور صاحبزادہ ہارون الرشید غازی کی طرف سے دائر کی جانے والی پٹیشن میں عدالت سے استدعا کی گئی ہے کہ آئی ایس آئی اور دیگر خفیہ اداروں کو حکم دیا جائے کہ وہ عدالت میں جامع رپورٹ پیش کریں کہ کون لوگ پولیس افسروں اور درخواست گزار کو ہراساں کرکے پرویز مشرف کے خلاف قتل کے مقدمے میں تفتیش کی راہ میں رکاوٹ بن رہے ہیں؟ پٹیشن میں استدعا کی گئی ہے کہ وزارت داخلہ کو ہدایت کی جائے کہ آئی جی اسلام آباد اگر ڈی آئی جی کراچی ثناءاللہ عباسی، سی پی او گجرات راجا بشارت اور اے ڈی خواجہ سمیت کسی بھی افسر کو دوسرے صوبوں سے لا کر پرویز مشرف کے خلاف تفتیش کے لیے جے آئی ٹی میں شامل کرنا چاہتے ہوں تو وزیر داخلہ بلاتاخیر آئی جی کی سفارش کو منظور کرے۔

اگر اسلام اور انصاف کا نظام ہوتا تو ہمارے خلاف مقدمے قائم نہ ہوتے
پرویز مشرف کے خلاف کارروائی ہوتی نظر نہیں آتی

مولانا عبدالعزیز سابق خطیب لال مسجد اسلام آباد سے عابد محمود عزام کی خصوصی گفتگو

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمام جھوٹے اور بے بنیاد مقدمات سے بری کر دیا ہے۔ میں تو پہلے دن سے یہی کہتا آ رہا تھا کہ تمام مقدمات جھوٹے اور بے بنیاد ہیں۔ تمام مقدمات سے بری ہونا حق اور سچ کی فتح ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ملک میں موجود انگریز کا طاغوتی نظام ہر چیز کا ذمہ دار ہے جس میں لوگوں کے خلاف جھوٹے مقدمات درج کر دیے جاتے ہیں۔ لوگوں کی نسلیں اس طاغوتی نظام کے مسلط کردہ جھوٹے مقدموں میں گزر جاتی ہیں۔ اگر اسلام اور انصاف کا نظام ہوتا تو ہمارے خلاف کوئی جھوٹا مقدمہ نہ ہوتا اور ہم کب سے بری ہو جاتے۔ میرے اور اہل خانہ اور کئی علماء کے خلاف 27 بڑے مقدمات کے علاوہ کئی چھوٹے مقدمات بھی تھے جن کو ملا کر کل 31 مقدمات بنتے ہیں جو کہ تمام جھوٹے ثابت ہوئے۔ جس سے معلوم ہوگیا کہ ملک میں اسلام اور انصاف کا نظام انتہائی ضروری ہے۔

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا ہمارا آج بھی وہی موقف ہے جو کل تھا، ہم کل بھی کہتے تھے کہ ملک میں اسلامی نظام ہونا چاہیے، آج بھی ہم یہی کہتے ہیں۔ اگر ملک سے امریکا اور برطانیہ (انگریز) کا طاغوتی نظام ختم کرکے اسلام کا نظام نافذ کر دیا جائے تو طالبان بھی حکومت کی بات مان لیں گے اور

کوئی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔ بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ملک میں موجودہ نظام اسلامی ہے، یہ کیسا اسلامی نظام ہے جس میں ہر کام سودی ہوتا ہے؟ تمام لین دین سود کے مطابق ہوتے ہیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے سود خود کے خلاف اعلان جنگ کیا ہے، جب اعلان جنگ کیا ہے تو ملک میں امن کیسے آئے گا؟

مولانا عبدالعزیز نے کہا ہم غازی عبدالرشید شہید کے قتل کا اصل مجرم اس ملک کے طاغوتی نظام کو کہتے ہیں، جب تک ملک میں یہ طاغوتی نظام رہے گا اس وقت تک لوگ اسی طرح پستے رہیں گے، ہم کئی سال سے یہی کہتے آرہے ہیں کہ قصوروار طاغوتی نظام ہے اور آج بھی یہی کہتے ہیں۔ پرویز مشرف تو اس طاغوتی نظام کا ایک مہرہ تھا جو ختم ہوچکا ہے۔ اگر موجودہ طاغوتی نظام کو ختم کرکے اسلام کا نظام لایا جائے گا تو پرویز مشرف جیسے مجرم خود سزا پائیں گے۔ اور اگر یہ طاغوتی نظام رہا تو پرویز مشرف کے بعد کوئی اور پرویز مشرف آجائے گا۔ جو قوم پر مسلط ہوجائے گا۔ ہمیں پرویز مشرف کے خلاف کوئی کارروائی ہوتی نظر نہیں آرہی، حالاں کہ وہ مجرم ہے اور ثابت بھی ہوچکا ہے کہ وہ مجرم ہے۔ اس کو اب تک سزا نہ ملنا نظام کی خرابی ہے۔ جب تک ملک میں یہ طاغوتی نظام ہے کسی مجرم کو سزا نہیں مل سکتی۔ سزا دینے والے بھی اس طاغوتی نظام میں مجبور ہیں وہ سزا نہیں دے سکتے۔ پورے ملک میں جو کچھ ہورہا ہے چاہے وہ کراچی ہو یا کوئٹہ یا کوئی اور علاقہ ہو وہاں بدامنی نظام کی خرابی کی وجہ سے ہے۔ نظام کی خرابی کی وجہ سے پرویز مشرف کو سزا نہیں مل سکتی نہ ہمیں اس کو سزا

ملنے کی کوئی امید ہے۔

"کوچوان منگو" اور حکومت کا "ہنی مون"

مطالعہ کا ذوق رکھنے والے یقیناً سعادت حسن منٹو کے نام سے واقف ہوں گے۔ سعادت حسن منٹو اردو ادب کے عظیم افسانہ نگار اور خاکہ نویس ہو گزرے ہیں۔ ان کی تحریریں آج بھی ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ وہ اپنی ننگی آنکھوں سے زندگی کی تلخ، بے رحم سچائی اور حقیقت کو افسانے کا موضوع بنا کر پیش کرتے ہیں۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ اپنی تصنیف "جدیدیت کے بعد" میں سعادت حسن منٹو کے افسانوی ادب کا Doxa کے ضمن میں اپنے خیالات و تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے: "منٹو "نقاب اسی لیے نوچ پھینکتا ہے کہ وہ اشرافیہ کو ننگا کر سکے۔

نیا قانون" سعادت حسن منٹو کا پہلا شاہکار افسانہ ہے۔ منٹو کے یہاں ان کی سیاسی" شعور کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔" نیا قانون" بھی اسی نوعیت کا افسانہ ہے، جو ہمیں دعوتِ فکر دیتا ہے۔ "استاد کوچوان منگو" اس افسانے کا مرکزی کردار ہے۔ وہ ایک محب وطن شہری ہے جو اپنے مرتبے کے لوگوں میں بہت دانشور سمجھا جاتا ہے۔ اس کا سیاسی شعور بیدار ہے اور یہ احساس کہ وہ ایک غلام قوم کا فرد ہے اس کے دل میں نفرت کا سمندر بن چکا ہے۔ اسے انگریزوں سے شدید نفرت ہے۔ کوچوان منگو مظلومیت کا شکار ایک محنت کش غریب انسان ہے۔ دن رات

وہ تانگا چلاتا اور اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ کوچوان منگو اپنی سواریوں کی گفتگو بڑے غور سے سنتا اور اس سے جو کچھ اخذ کرتا، وہ اپنے ساتھیوں کو بھی سناتا ہے۔ ایک دن تانگے کی سواریوں کی گفتگو سے اسے نئے قانون یعنی انڈیا ایکٹ کے نفاذ کا علم ہوتا ہے ۔استاد منگو "نیا قانون" کی خبر سن کر یہ خبر دوسروں تک پہنچانے کے لیے بے قرار نظر آتا ہے۔ اسے یہ سن کر بے انتہا خوشی محسوس ہوتی ہے کہ "پہلی اپریل" کو اس نئے قانون کے نفاذ کے نتیجے میں وہ اور اس کا ملک آزاد ہو جائیں گے۔ اس کا خیال ہے کہ نیا قانون ظالموں کے لیے کھولتا ہوا پانی ہوگا۔ اس خبر کے ساتھ اس کے ذہن میں ایک خوشگوار انقلاب کا تصور انگڑائیاں لینے لگتا ہے۔

آخر یکم اپریل کا سورج اس کے تصور کے مطابق حریت کے متوالوں کے لیے نوید سحر لے کر طلوع ہوتا ہے۔ وہ اپنے حسین تصورات میں گم اپنے تانگے پر شہر والوں کی بدلی کیفیات دیکھنے کے لیے نکلتا ہے، مگر اسے کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آتی۔ گھومتے گھومتے وہ ایک جگہ سواری کی تلاش میں رک جاتا ہے۔ ایک انگریز سواری اسے آواز دیتی ہے۔ قریب پہنچ کر وہ اسے پہچان لیتا ہے کہ ایک بار پہلے بھی اس کی تکرار اس انگریز سے ہو چکی تھی۔ منگو اس سے بہت حقارت بھرے لہجے میں پوچھتا ہے: "کہاں جانا ہے؟" انگریز منگو کے اس رویے کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکا اور اس نے منگو کو چھڑی کے اشارے سے تانگے سے نیچے

اترنے کے لیے کہا۔ انگریز کا فرعون صفت رویہ منگو کے دل میں آگ لگا دیتا ہے۔ اس نے انگریز کو تانگے سے اتر کر بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔ متحیر و ششدر گورے نے ادھر ادھر سمٹ کر منگو کے وزنی گھونسوں سے بچنے کی کوشش کی اور زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ اسی چیخ و پکار نے منگو کا کام اور تیز کر دیا جو گورے کو جی بھر کر پیٹ رہا تھا اور ساتھ ساتھ کہتا جا رہا تھا: پہلی اپریل کو بھی وہی آکڑ فوں۔ اسے پتہ نہیں تھا کہ قانون میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس بات کا احساس اسے تب ہوا جب استاد منگو کو پولیس کے سپاہی گورے کو پیٹنے کے جرم میں تھانے لے گئے۔ راستے میں اور تھانے کے اندر استاد منگو 'نیا قانون'، 'نیا قانون' چلاتا رہا، مگر کسی نے اس کی ایک نہ سنی۔ "نیا قانون" نیا قانون کیا بک رہے ہو۔ قانون وہی ہے پرانا۔" ....اور منگو کو حوالات میں "بند کر دیا جاتا ہے۔

سعادت حسن منٹو کے افسانے 'نیا قانون' میں ہمیں اپنے ملک میں موجودہ دور کے ساتھ کافی حد تک مشابہت نظر آتی ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں کوچوان منگو کا کردار ملک کا ہر باشندہ ادا کر رہا ہے۔ عوام ایک عرصے سے مصائب کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ملک میں پھیلے مسائل نے ان کا جینا دوبھر کیا ہوا ہے۔ انہیں کرپشن کا اژدھا ڈس رہا ہے۔ مہنگائی کا عفریت منہ کھولے ہڑپ کرنے کو تیار ہے۔ بے روزگاری سے تنگ عوام خودکشیاں کرنے پر مجبور ہیں۔ غریب کا چولہا دن بدن

بجھتا جارہا ہے جبکہ امیر ہر دن کے ساتھ امیری کی سیڑھیاں چڑھ رہا ہے۔ بدامنی کی وجہ سے عوام کا چین و سکون چھن چکا ہے اور امریکی غلامی سے یہ عوام بری طرح دوچار ہے۔ پاکستانی قوم کے دل یہ ان مصائب کے خلاف نفرت کا سمندر ٹھاٹیں مار رہا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ کسی طرح بھی ممکن ہو ان مسائل سے چھٹکارا مل جائے، لیکن کچھ کر نہیں سکتے۔

ملک میں مئی کے مہینے میں انتخابات ہوئے تو مسلم لیگ (ن) برسر اقتدار آئی۔ میاں نواز شریف ملک کے وزیر اعظم بنے۔ وزیر اعظم بننے کے بعد میاں صاحب نے قوم سے وعدہ کیا کہ ہم صرف سو دن میں عوام کے بہت سے مسائل حل کر دیں گے۔ عوام کو اندازہ ہو جائے گا کہ مسائل حل ہوئے ہی چاہتے ہیں۔ بے شمار مسائل سے دوچار عوام نے سوچا واقعی حکومت کے سو دن تمام مسائل کے لیے کھولتا ہوا پانی ثابت ہوں گے۔ ان کے ذہن میں ایک خوشگوار تصور انگڑائیاں لینے لگا۔ سب خوشگوار حیرت میں ڈوب گئے۔ ان کا خیال تھا کہ حکومت کے سو دن بعد ہم سکون کی زندگی گزار سکیں گے۔ مہنگائی ہو گی نہ بے روزگاری۔ کرپشن ہو گی نہ ہی امریکی غلامی۔ دہشت گردی ختم ہو جائے گی، خود کش بمبار ہمارا ملک چھوڑ دیں گے، بدامنی کا دور دور تک نام و نشان نہیں ہو گا۔ کراچی کے لوگوں کو بھی بدامنی اور ٹارگٹ کلنگ سے خلاصی مل جائے گی، بھتہ مافیا کو چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی۔ ڈرون حملے رک جائیں گے۔ بلوچستان کے حالات بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔

بالآخر حکومت کے ابتدائی سو دن گزر گئے۔ جسے سیاسیات کی زبان میں کسی جمہوری حکومت کا "ہنی مون پیریڈ" کہا جاتا ہے۔ لیکن عوام کے مسائل میں کوئی فرق نہ پڑا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہوگیا۔ غریب کا چولہا پہلے سے بھی زیادہ بجھ گیا۔ مہنگائی کے ریکارڈ توڑ دیے گئے۔ حکومت کے ابتدائی سودنوں میں پیٹرول کی قیمتوں میں 3 سے 4 مرتبہ اضافہ کیاگیا ہے، جبکہ بجلی کی قیمتوں میں اضافے کی بھی یہی شرح رہی۔ نئی حکومت کے آنے کے بعد پٹرول 99 روپے 77 پیسے سے بڑھ کر 109 روپے 14 پیسے تک پہنچ گیا ہے، بجلی 5 روپے یونٹ سے بڑھ کر 12 روپے فی یونٹ ہو گئی ہے۔ سی این جی 73 روپے سے 84 روپے، موبائل ری چارج پر ٹیکس 17 فیصد سے بڑھا کر 25 فیصد کر دیا گیا ہے، ڈالر کی قیمت 98 روپے سے 106 روپے کو جا لگی ہے۔ ان کے علاوہ تمام عام استعمال کی چیزوں میں بھی کئی فیصد مہنگائی کی گئی۔ موجودہ حکومت نے قرضے لینے میں سابقہ حکومت کو بھی مات دے دی ہے۔ دوسری جانب ڈرون حملے اب بھی جاری ہیں۔ بلوچستان اور کراچی کے حالات بھی جوں کے توں ہیں۔ ن لیگ کی حکومت سابق حکمرانوں کی طرح صرف اور صرف زبانی جمع خرچ سے کام لے رہی ہے۔ ان تمام باتوں کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حکومت کے سو دن عوام کے لیے اسی طرح ثابت ہوئے ہیں جیسے استاد منگو کے لیے نیا قانون ثابت ہوا تھا۔ جس سے سوائے مایوسی کے کچھ بھی ہاتھ نہیں آیا۔

دنیا کی سب سے بڑی مویشی منڈی کراچی میں سج گئی

عید الاضحیٰ کی آمد سے قبل دنیا بھر میں قربانی کے جانوروں کی خریداری کے لیے مختلف قسم کی چھوٹی بڑی مویشی منڈیاں سجائی جاتی ہیں۔ جہاں قربانی کے لیے خوبصورت اور تندرست جانور فروخت کے لیے لائے جاتے ہیں۔ پاکستان اس اعتبار سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ پاکستان کے تقریباً ہر شہر میں قربانی کے جانوروں کی منڈیاں لگائی جاتی ہیں اور دنیا کی سب سے بڑی مویشی منڈی لگانے کا اعزاز بھی پاکستان کے حصے میں آیا ہے۔ گزشتہ کئی سالوں سے کراچی کے علاقے سہراب گوٹھ سپر ہائی وے پر سات سو ایکڑ سے زائد رقبے پر دنیا کی سب سے بڑی مویشی منڈی لگائی جاتی ہے، جس میں مختلف علاقوں سے چھوٹے بڑے ہر نسل کے تقریباً تین لاکھ سے زائد جانور بیچنے کے لیے لائے جاتے ہیں۔ جن میں ایک لاکھ 75 ہزار بڑے جانور اور تقریباً ایک لاکھ 25 ہزار چھوٹے جانور ہوتے ہیں۔ امسال 17 ستمبر کو کراچی میں دنیا کی سب سے بڑی مویشی منڈی کا باقاعدہ افتتاح کیا گیا۔ ویسے تو افتتاح سے بھی ایک مہینہ قبل پاکستان کے مختلف علاقوں سے بیوپاری اپنے جانور مویشی منڈی میں لانا شروع ہوگئے تھے۔ جمعرات کے روز تک ملک کے مختلف علاقوں سے منڈی میں پہنچنے والے قربانی کے جانوروں کی تعداد پچپن ہزار تک تھی۔ جن میں سے تقریباً تین ہزار چھوٹے جانور اور باقی بڑے جانور تھے۔ جانوروں کی خرید و

فروخت کے لیے ابھی خریداروں کا زیادہ رش نہیں ہوا۔ بیوپاریوں کا کہنا ہے کہ دوسرے شہروں سے ابھی کم جانور منڈی میں لائے گئے ہیں۔ عید کے قریب جب پورے جانور منڈی میں آ جائیں گے اس وقت خریداروں کا رش بھی بڑھے گا۔

منڈی مویشیاں سہراب گوٹھ کا انتظامی کنٹرول کینٹ بورڈ ملیر کے پاس ہے۔ کچھ سال قبل کراچی کی مویشی منڈی میں بہتر انتظامات نہ ہونے کے باعث مویشی منڈی جرائم پیشہ عناصر کے لے جنت بنی ہوئی تھی تاہم اس کا کنٹرول کینٹ بورڈ ملیر کے سنبھالنے کے بعد مویشی منڈی میں کافی حد تک بہتری آئی، لیکن اس کے باوجود کافی حد تک جرائم تھے۔ انتظامیہ کے مطابق پچھلے سال کی بنسبت اس سال انتظامات میں کافی حد تک بہتری لائی گئی ہے۔ گزشتہ برسوں کی بنسبت شہریوں کو بہتر ماحول میں خریداری کرنے کے لیے اقدامات کیے گئے ہیں۔ قربانی کے جانوروں کے اس عارضی شہر کے انتظامی معاملات سنبھالنے کے لیے 500 کے لگ بھگ اہلکار اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ جبکہ عارضی شہر میں ہر قسم کی سہولت مہیا کی گئی ہے۔ جانوروں کی رہائش کے لیے انتظامیہ کی جانب سے خوبصورت قناتیں لگائی گئی ہیں ہیں۔ ایک مانیٹرنگ سیل بھی بنایا گیا جہاں سے 24 گھنٹے نگرانی کا عمل جاری ہے اور کسی بھی غیر معمولی نقل و حرکت کی اطلاع مویشی منڈی میں موجود سیکورٹی پر مامور افسران و اہلکاروں کو دی جائے تو وہ فوری کارروائی کرتے ہیں۔ منڈی میں غیر معمولی سرگرمی سے نمٹنے کے لیے

سیکورٹی اہلکار دن میں کئی بار چکر بھی لگاتے ہیں۔ مویشی منڈی میں ایک شکایتی سیل بھی بنایا ہے جو 24 گھنٹے فعال ہے۔ بیوپاری یا کسی بھی خریداری کی جانب سے کی جانب والی جائز شکایت پر فوری ایکشن بھی لیا جاتا ہے۔ بورڈ کے تحتمنڈی کے مرکزی گیٹ کے قریب گزشتہ تین سال سے ایک میڈیا سینٹر بھی قائم کیا گیا ہے، جہاں بیٹھے میڈیا کے افراد باہر سے آنے والے صحافیوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور منڈی میں پیش آنے والی ہر غیر معمولی صورتحال کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ منڈی میں کسی بھی شخص کو کوئی شکایت ہو تو میڈیا کے افراد ان کی شکایت متعلقہ شعبہ کے سربراہان تک بھی پہنچاتے ہیں۔ مویشی منڈی میں بیوپاریوں کو رقم جمع کرانے کے لیے نجی بینک قائم کیا گیا ہے جبکہ خریداروں کے باآسانی رقم نکلوانے کے لیے دو اے ٹی ایم مشینیں بھی نصب کی گئی ہے ں۔ کیونکہ اے ٹی ایم مشین کے بغیر خریداروں کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا، رقم لاتے ہوئے خریداروں کے کروڑوں روپے لوٹ لیے جاتے تھے، اب خریدار اے ٹی ایم مشینوں کے ذریعے اس مشکل سے محفوظ ہیں۔ مویشی منڈی کی مانیٹرنگ کے لیے پچاس کے قریب کلوز سرکٹ نصب کیے گئے ہیں۔ مویشی منڈی میں روشنی کا بہترین انتظام کیا گیا ہے۔ مویشی منڈی میں پانچ سو سرچ لائٹوں کے علاوہ ستر ہزار ٹیوب لائٹس بھی لگائی گئی ہیں جس کے باعث مویشی منڈی رات میں بھی دن کا منظر پیش کر رہی ہوتی ہے۔ پوری منڈی میں اسٹریٹ لائٹ فری ہے اور اگر کوئی شخص انتظامیہ کی جانب سے مہیا کی گئی اسٹریٹ لائٹ سے زائد روشنی

حاصل کرنا چاہے تو اس کے لیے اسے زائد پیسے ادا کرکے انتظامیہ سے زائد بجلی حاصل کرنا پڑتی ہے۔ مویشی منڈی میں موبائل فون کمپنیز کے موبائل ٹاورز کی تنصیب بھی کی گئی ہے تاکہ مویشی منڈی میں ملک بھر سے آنے والے بیوپاریوں اور خریداروں کو ایک دوسرے سے موبائل فون کے ذریعے رابطہ کرنے میں کسی بھی قسم کی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ایک درجن سے زائد ڈاکٹروں کی ٹیم مویشی منڈی میں 24 گھنٹے اپنی خدمات انجام دینے کے لیے تیار ہے۔ منڈی میں کوئی بھی شخص اپنا قربانی کا جانور کسی بھی وقت ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹروں کی ٹیم سے چیک کرا سکتا ہے۔ مویشی منڈی میں لائے جانے والے تمام جانوروں کو دن میں دو بار فی جانور سولہ لیٹر کے حساب سے مفت پانی فراہم کیا جاتا ہے۔ آٹھ لیٹر صبح کے وقت اور آٹھ لیٹر شام کے وقت، جس پانی کو بیوپاری اپنے برتنوں میں محفوظ کر لیتے ہیں، ضرورت پڑنے پر استعمال کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو انتظامیہ کی جانب سے مہیا کیے گئے پانی سے زیادہ کی ضرورت ہو تو وہ نوے پیسے فی لیٹر کے حساب سے خرید سکتا ہے۔ بیوپاریوں کا کہنا تھا کہ اگرچہ ہمیں اب کسی قسم کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں لیکن آخری دنوں میں انتظامیہ کی توجہ کم ہو جاتی ہے جس سے مسائل بھی بڑھ جاتے ہیں۔

منڈی میں بے شمار مختلف قسم کی اشیاء کی دکانیں بھی بنائی گئی ہیں، دکان بنانے کے لیے انتظامیہ سے پہلے بات کرنی پڑتی ہے اور فی دکان کا اندازاً

تیس ہزار روپے کرایہ دینا پڑتا ہے۔ منڈی میں لوگوں کی تعداد کے مطابق متعدد ہوٹل بھی بنائے گئے ہیں، ان ہوٹلوں سے دور دراز سے آئے ہوئے بیوپاری اور خریدار کھانا خریدتے ہیں۔ انتظامیہ نے منڈی میں قائم تمام سیلرز کو طے شدہ نرخ سے زائد قیمت پر اشیا فروخت کرنے پر پابندی لگائی ہے۔ گزشتہ ہفتے منڈی انتظامیہ نے مویشی منڈی میں برف اور ٹھنڈے مشروب کی سپلائی کا ٹھیکا حاصل کرنے والے ادارے کا ٹھیکا طے شدہ نرخ سے زائد فروخت کرنے پر منسوخ کر دیا تھا جو کہ معاہدے کی کھلی خلاف ورزی کر رہا تھا، مویشی منڈی انتظامیہ نے تمام سپلائرز اور ٹھیکیداروں کو خبردار کیا ہے کہ وہ طے شدہ نرخ سے زائد پر اشیا فروخت نہ کریں اور عوام کو زیادہ سے زیادہ سہولت فراہم کریں ورنہ ان کے خلاف نہ صرف سخت کارروائی عمل میں لائی جائے گی بلکہ ان کے ٹھیکے بھی فوری طور پر منسوخ کر کے انھیں بلیک لسٹ کر دیا جائے گا۔ منڈی میں تقریباً ستر کے قریب عارضی مساجد قائم کی گئی ہیں جن کا سارا انتظام کراچی کے مدارس اور بڑی مساجد کی انتظامیہ کے پاس ہے۔ ان مساجد کو پانی اور لائٹ منڈی انتظامیہ کی طرف سے فراہم کیا جاتا ہے اور مساجد قائم کرنے کے لیے انتظامیہ کی جانب سے جگہ کا کوئی کرایہ بھی نہیں لیا جاتا۔ ایک عارضی مسجد کے امام نے بتایا کہ کبھی ہمیں پانی وغیرہ مول بھی لینا پڑتا ہے، اس کے علاوہ ہمارا ایک مہینے کا خرچہ اندازاً تیس ہزار ہو جاتا ہے۔ مویشی منڈی میں آنے والوں کی سہولت کے لیے بیت الخلا بھی بنائے گئے ہیں۔ بڑے جانوروں کی فروخت کے لیے کل

بلاکس ہیں اور تقریباً سات بلاک چھوٹے جانوروں کی فروخت کے لیے بنائے گئے 21 ہیں۔اور منڈی میں بے شمار کیٹل فارم ہیں، ہر بیوپاری اپنے کیٹل فارم کا نام خود ہی دیتا ہے۔انتظامیہ کی جانب سے فی بڑے جانور کے منڈی میں انٹری فیس ایک ہزار جبکہ چھوٹے جانور کی انٹری فیس چھ سو روپے لیے جاتے ہیں۔ مویشی منڈی میں موٹر سائیکل کی پارکنگ فیس 10 روپے جبکہ کار کی 30 روپے مقرر کی گئی ہے۔ایک وسیع رقبہ گاڑیوں اور موٹر سائکلوں کی پارکنگ کے لیے مختص کیا گیا ہے۔

منڈی میں جگہ کی تقسیم پہلے آئیں پہلے پائیں کی بنیاد پر کی گئی ہے،وی آئی پی جگہ کے مختلف ریٹ مقرر کیے گئے ہیں، جو جگہ جتنی بہتر اسی حساب سے اس کا کرایہ بھی مہنگا ہے۔ وی آئی پی جگہ کا کرایہ تیس ہزار سے ڈیڑھ لاکھ روپے تک ہے جبکہ وی آئی پی جگہ کے علاوہ باقی ساری منڈی کی جگہ مفت ہے۔منڈی میں وی آئی پی بلاک بھی قائم کیے گئے ہیں۔ جہاں قیمتی اور نایاب قربانی کے جانور فروخت کے لیے لائے گئے ہیں۔ وی آئی پی بلاک میں لائے جانے والے قربانی کے جانوروں کی قیمتیں دو لاکھ روپے سے 30 لاکھ روپے تک ہیں۔ مویشی منڈی میں لائے جانے والے قیمتی اور نایاب جانور عوام کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ جبکہ اس کے علاوہ بکرا سکیشن کے وی آئی پی بلاک میں ہزار سے 3 لاکھ روپے مالیت کے بکرے بھی ہیں۔ مذکورہ جانوروں کے بیوپاریوں 50 کا کہنا ہے کہ جو

قیمتیں جانوروں کی مانگی جارہی ہیں وہ ان کی پرورش کے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں۔
جانوروں کی پرورش میں انہیں بے انتہا محنت کے ساتھ ساتھ کثیر رقم بھی خرچ کرنی پڑتی ہے۔ بیوپاریوں نے بتایا کہ ہم وی آئی پی جانوروں کو چنے، گندم کا دلیہ، سرسوں کا تیل اور مکھن کھلاتے ہیں، ان کے علاوہ ہمیں اپنے جانوروں کی دیکھ بھال میں کئی قسم کے خرچے کرنا پڑتے ہیں۔ بیوپاریوں کا کہنا تھا کہ عام جانور کو کھل چوکر ونڈا کھلایا جاتا ہے جس پر روزانہ کا تقریباً پانچ سو روپے جبکہ وی آئی پی جانور پے اس سے کہیں زیادہ خرچہ ہوتا ہے۔ مویشی منڈی سہراب گوٹھ کے وی آئی پی بلاک میں اکثر شہر کے معروف تاجروں کی جانب سے جانور فروخت کے لیے لائے جاتے ہیں۔ جن میں زبردست مقابلہ بازی بھی ہوتی ہے۔ اس سال مویشی منڈی کی اس مقابلہ بازی میں پاکستان کے موجودہ صدر ممنون حسین کے دو بیٹیوں نے بھی مویشیوں کا اسٹال سجایا ہے۔ مویشی منڈی کے وی آئی پی بلاک کو برقی قمقموں سے سجایا گیا ہے اور جانوروں کو خوبصورت پنڈالوں میں رکھا گیا ہے۔ پنڈالوں میں شادی بیاہ کی تقریبات کی طرح انتہائی قیمتی ڈیکوریشن لگایا گیا جاتا ہے اور ڈرائنگ روم سیٹ اپ تک لگایا جاتا ہے جہاں جانور فروخت کے لیے رکھے گئے ہیں۔ وی آئی پی جانوروں کی آؤ بھگت کے لیے بیوپاریوں نے کثیر تعداد میں ملازمین بھی رکھے ہوئے ہیں جو جانوروں کی صفائی ستھرائی اور دیگر دیکھ بھال میں مصروف رہتے ہیں۔ وی آئی پی بلاک میں فروخت کے لیے لائے جانے والے قیمتی جانوروں کو بیوپاریوں نے دلہن کی طرح

سجایا ہوا ہے اور لاکھوں روپے جانوروں کی سجاوٹ پر خرچ کردیتے ہیں۔ مویشی منڈی کے بیوپاریوں کے مطابق جانوروں کو مویشی منڈی میں لانے کے بعد ان کا ہار سنگھار کیا جاتا ہے۔ جس میں گھنگرو، گلے کے ہار، تاج اور پیٹ پر باندھنے والا پٹا شامل ہے۔ بیوپاریوں کا کہنا ہے کہ جانوروں کے ہار سنگھار پر لاکھوں روپے خرچ کردیے گئے ہیں۔اکثر بیوپاریوں کا کہنا تھا کہ ہم اپنے جانور کراچی کی منڈی میں اس لیے بیچنے کے لیے لاتے ہیں کیونکہ کراچی کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال زیادہ دیا ہے اور یہ لوگ ہمارے جانوروں کی اچھی قیمت لگاتے ہیں۔ منڈی میں اگرچہ ہر قسم کا امن ہے، لیکن منڈی سے باہر سپرہائی وے پر چور ڈاکوؤں نے قربانی کے جانور خریدنے کے لیے آنے والوں کو لوٹنے کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ پولیس نے اس حوالے سے کوئی خاص انتظام نہیں کیا۔

بلوچستان: زلزلہ متاثرین تاحال امداد کے منتظر

منگل کو آنے والے زلزلے سے متاثرہ بلوچستان کے علاقے آواران میں ہفتے کی دوپہر ایک اور شدید زلزلے نے تباہی مچادی، جس سے مشکے کے نواحی علاقے 'نوک جو' میں پچیس افراد جاں بحق اور بیسیوں زخمی ہوگئے ہیں۔ ریکٹر اسکیل پر آنے والے اس زلزلے کی شدت 7.2 ریکارڈ کی گئی۔ شدید زلزلے کی وجہ سے علاقے میں رہا سہا مواصلاتی نظام بھی درہم برہم ہوگیا، منگل کے روز آنے والے زلزلے میں تباہ ہونے سے جو مکان اور عمارتیں بچ گئی تھیں، ہفتے کے روز آنے والے زلزلے کے شدید جھٹکوں سے وہ بھی گر گئیں۔ اس سے پہلے اسی علاقے میں پانچ روز قبل شدید زلزلہ آیا تھا جس میں بے پناہ نقصان ہوا تھا۔ غیر سرکاری اطلاعات کے مطابق ایک ہزار سے زاید افراد جاں بحق ہوگئے تھے۔ بے گھر ہونے والے افراد کی تعداد تو لاکھوں میں ہے۔ زلزلوں کی وجہ سے آواران کا سب کچھ تباہ ہوگیا ہے۔ کوئی گھر ہی سلامت نظر آتا ہے۔ ایک طرف تو آواران کے لوگ اپنے پیاروں کو یاد کرکے رو رہے ہیں اور دوسری جانب زخمی ہونے والے بے شمار لوگوں کی تکلیف بھی انہیں چین لینے نہیں دے رہی۔ زلزلوں کے باعث بلوچستان میں زلزلے سے بچ جانے والوں کی زندگی ہر گزرتے دن کے ساتھ مشکل سے مشکل تر ہوتی جارہی ہے۔

متاثرہ علاقوں میں وبائی امراض پھوٹنے کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔ زلزلے نے کتنی ہی جانیں لے لیں۔ اب خوراک کی قلت، گندا پانی اور گرد آلود ہوائیں بچ جانے والے متاثرین کی جان لینے پر تلی ہیں۔ عموماً زلزلے جیسی قدرتی آفت کے بعد مقامی اسکول اور اس جیسی دیگر سرکاری عمارتیں متاثرین کا مسکن بنتی ہیں لیکن آواران میں یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ اول تو کوئی عمارت کھڑی ہی نہیں رہ سکی اور جو بچی ہیں ان میں اتنی دراڑیں پڑی ہوئی ہیں کہ وہاں کسی کو ٹھہرانا خطرے سے خالی نہیں۔ متاثرہ علاقوں کے رہائشی اپنے ہونے والے نقصان کے صدمے سے دوچار ہیں جس میں اپنے پیاروں سے ہمیشہ کی جدائی اور اپنے گھروں کی تباہی کا صدمہ ہے۔ ان کا سب کچھ برباد گیا ہے، ان کے گھروں سے کئی کئی لاشے اٹھے ہیں، ابھی بھی کئی کئی زخمی ہر گھر میں کراہ رہے ہیں۔ ان زخمیوں میں بچے اور خواتین بھی شامل ہیں۔ اس سب کے باوجود متاثرین اپنی مدد آپ کے تحت اپنے تباہ حال گھروں کا ملبہ ہٹانے پر مجبور ہیں۔ حکومت کی جانب سے متاثرین کی دادرسی کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ حکومت کی جانب سے امدادی سامان کی ترسیل بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ زلزلے کو آئے کتنے دن گزر گئے لیکن ابھی تک متاثرین امداد کے منتظر ہیں، انہیں کوئی امداد نہیں دی جارہی۔ زلزلے سے متاثرہ آواران' مشکے اور کیچ میں زندگی اب بھی سسک رہی ہے۔ تباہ شدہ مکانات کے ملبے کو ہٹانے کے لیے حکومت کی جانب سے کوئی اقدامات نہیں

کیے گئے ہیں۔لوگوں کے پاس شدید گرمی میں سر چھپانے کے لیے جگہ بھی موجود نہیں ہے۔ متاثرین شدید گرمی میں کھلے آسمان تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ متاثرہ افراد نے اپنے ٹوٹے پھوٹے گھروں کے باہر ہی چادروں اور چٹائیوں کے سائبان بنا کر رہنا شروع کر دیا ہے۔ ان افراد کے پاس خوراک، پانی اور دواؤں کی شدید قلّت ہے۔

زلزلے سے متاثرہ بلوچستان کے ضلع آواران میں لاکھوں متاثرین تاحال امداد کی فراہمی کے منتظر ہیں۔ متاثرین میں بڑی تعداد عورتوں اور بچوں کی بھی ہے جو شدید گرم موسم میں کھلے آسمان تلے بیٹھے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ خیمے تو دور کی بات ان کے پاس کپڑے کے ایسے ٹکڑے بھی نہیں جنہیں سر پر تان کر وہ دھوپ کی تپش سے بچ سکیں۔ متاثرین کے پاس نہ راشن ہے اور علاقے میں پینے کے پانی کی بھی شدید قلّت ہے۔

زلزلے سے متاثرہ افراد کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے جبکہ امدادی کاموں میں مصروف فلاحی اداروں کے مطابق ڈسٹرکٹ انتظامیہ تاحال بہت سے متاثرہ علاقوں تک رسائی ہی حاصل نہیں کر سکی ہے۔ حالانکہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی پاکستانیوں نے اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کے لیے امداد کے انبار لگا دیے لیکن انتظامیہ کی جانب سے مناسب اقدامات نہ ہونے کے سبب امداد کی تقسیم نہیں ہو پا رہی۔ مختلف علاقوں میں اب تک امداد پہنچ ہی نہیں پائی۔ زلزلے سے کئی کنویں بھی بند ہو گئے جس کی وجہ سے پینے کا پانی بھی

دستیاب نہیں۔آلودہ پانی کے استعمال سے متاثرین پیٹ کے امراض میں مبتلا ہو رہے ہیں۔سب سے زیادہ متاثر ہونے والے ضلع آوران کی تحصیل مشکے میں متاثرین کھلے آسمان تلے پڑے ہیں، ان کے پاس نہ خیمے پہنچے نہ امدادی سامان۔ بلوچستان حکومت ، پاکستانی عوام ، غیر سرکاری تنظیموں کی جانب سے بھیجا گیا امدادی سامان ، ایف سی اور پاک فوج کے کیمپوں میں جمع کیا جارہا ہے۔ جہاں سے امدادی سامان کی ترسیل تو جاری ہے۔ لیکن راستے ناہموار اور بند ہونے کے باعث متاثرین تک نہیں پہنچ پارہا اور متاثرین امداد کے منتظر ہیں۔ بعض متاثرہ علاقوں میں کچھ غیر سرکاری فلاحی تنظیمیں ضرور ہیں جو یہاں کام کر رہی ہیں۔ لوگ انفرادی طور پر بھی سامان لائے ہیں لیکن سیکورٹی خدشات کی وجہ سے انہیں متاثرہ علاقے میں جانے سے روک دیا گیا ہے۔ بعض غیر سرکاری فلاحی تنظیموں کا کہنا ہے کہ انہیں ایف سی چوکیوں پر تنگ کیا کارہا ہے۔ ایف سی کا کہنا ہے کہ سامان ان کے حوالے کیا جائے کیونکہ اس کی تقسیم صرف وہ کریں گے۔ حالانکہ ان کے پاس پہلے سے بہت سامان موجود ہے اور وہ ابھی تک آگے لے کر ہی نہیں جارہے۔ کئی دن گزرنے کے باوجود امداد نہ ملنے پر اس زلزلے سے سب سے زیادہ متاثر علاقے آواران میں لوگوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جارہا ہے۔ جس کے نتیجے میں امداد کے منتظر لوگوں نے خیموں سے بھرے ہوئے دو ٹرکوں سے خود ہی سامان چھیننا شروع کر دیا تو لیویز کے اہلکاروں نے فائرنگ کرنا شروع کر دی۔ جس پر متاثرین لوگ غصے کا اظہار کرنے لگے۔ کچھ دیر میں پولیس اہلکار پہنچ گئے

جنھوں نے ڈی سی آفس کے داخلی راستے کو بند کر دیا اور لوگوں کو ڈنڈے دکھانے اور مارنے لگے۔اس گرما گرمی میں کچھ متاثرین کو چوٹیں آئیں ، انہوں نے انتظامیہ کے رویے کو توہین آمیز قرار دیتے ہوئے کہا کہ خیمے نہیں چاہئیں، امداد نہیں دیتے تو نہ دیں مارے تو نہیں، گالی کیوں دیتے ہو۔ ہم بلوچ یہ برداشت نہیں کر سکتے۔ متاثرین کا کہنا تھا کہ یہ بڑے صاحبان ان کی امداد ہضم کرنا چاہتے ہیں۔زلزلے سے متاثرہ علاقوں میں غیر سرکاری اداروں کی بھی سرگرمیاں محدود ہیں۔ متاثرین کا کہنا ہے کہ میڈیا کا کردار بھی مددگار نہیں، ٹی وی چینل ایسی رپورٹیں دے رہے ہیں جس سے ایسا لگتا ہے کہ امدادی سامان لانے والی ٹیموں پر حملے ہو رہے ہیں۔ یہ خیال رہے کہ بلوچستان میں آنے والا حالیہ زلزلہ پاکستان میں آنے والے پہلے پانچ بڑے زلزلوں میں سے ایک ہے۔ جن میں زیادہ نقصان ہوا ہے۔ پہلا بڑا زلزلہ 28 دسمبر 1974 کو صوبہ خیبر پختونخوا کے اضلاع ہنزہ، ہزارہ اور سوات میں آیا تھا جس کی شدت 6.2 ریکارڈ کی گئی تھی۔ دوسرا بڑا زلزلہ 8 اکتوبر 2005 صوبہ خیبر پختونخواہ کے ہی اضلاع مظفر آباد اور آزاد کشمیر میں آیا تھا جس کی شدت 7.8 ریکٹر سکیل ریکارڈ کی گئی تھی۔ تیسرا بڑا زلزلہ 28 اکتوبر 2008 کو زیارت اور کوئٹہ کے اضلاع میں آیا جس کی شدت ریکارڈ کی گئی تھی۔ چوتھا بڑا زلزلہ 18 جنوری 2011 کو آیا جس کی شدت 6.4 ریکٹر سکیل تھی۔ جبکہ پانچواں بڑا زلزلہ حالیہ 24 ستمبر 2013 کا زلزلہ ہے 7.2 جس کی شدت 7.8 ریکارڈ کی گئی ہے۔اتنے بڑے زلزلے

کے باوجود ابھی تک زلزلہ متاثرین کے لیے امداد کا کوئی خاص انتظام نہیں کیا گیا، جس سے وبائی امراض کے پھیلنے کا خدشہ ہے جو مزید نقصانات کو جنم دے سکتا ہے۔

نواز، منموہن ملاقات نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی

اتوار کے روز پاکستانی وزیراعظم میاں محمد نواز شریف اور بھارتی وزیراعظم منموہن سنگھ کے درمیان پہلے "ون آن ون" اور پھر وفود کی سطح پر ملاقات ہوئی۔ دونوں رہنماؤں نے ایک دوسرے کو رسمی طور پر اپنے اپنے ملک میں آنے کی دعوتیں دیں جن کو دونوں نے قبول کرلیا۔ 75 منٹ کی ملاقات کے دوران وزیراعظم نواز شریف نے منموہن کے سامنے کشمیر، سیاچن، سر کریک، بلوچستان میں بھارتی مداخلت سمیت دوسرے مسائل اٹھائے۔ لیکن صرف کشروئن پر کشیدگی میں کمی لانے پر اتفاق ہو سکا۔ اس کے علاوہ کسی مسئلے پر بات پایہ تکمیل تک نہیں پہنچی۔ بھارت اور پاکستان کے رہنماؤں نے بہتر تعلقات کی خواہش تو ظاہر کی مگر وہ کسی ٹھوس معاہدے پر نہ پہنچ سکے۔ منموہن نے نواز شریف سے سرحد پار سے ہونے والی دہشت گردی کی شکایت کی اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ سرحد پار سے دہشت گردی کی روک تھام کے لیے اقدامات کریں۔ وزیراعظم نواز شریف نے اس پر کہا کہ پاکستان خود بھی دہشت گردی کا شکار ہے۔ وزیراعظم نواز شریف نے بلوچستان میں بھارتی مداخلت کا معاملہ اٹھایا اور اس پر تشویش کا اظہار کیا۔ منموہن نے کہا کہ پاکستان نے ابھی تک بمبئی حملوں کے ملزموں کو سزا نہیں دی، جس پر میاں نواز شریف نے کہا کہ ابھی تک بھارت نے ان

حملوں میں پاکستان کے ملوث ہونے کا کوئی ٹھوس ثبوت ہی پیش نہیں کیا۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ میاں نواز شریف اور منموہن کی ملاقات زیادہ نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی اور اسے کسی طرح کامیاب بھی نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ اس ملاقات میں سوائے کنٹرول لائن پر کشیدگی کم کرنے کے اور کچھ بھی طے نہیں پایا۔ واضح رہے کہ وزیر اعظم نواز شریف نے ملاقات سے پہلے ہی کہا تھا کہ کسی بڑے بریک تھرو کا امکان ہے نہ ہی مجھے ان کے ساتھ ملاقات سے کوئی زیادہ امیدیں وابستہ ہیں۔

کل جماعتی حریت کانفرنس (گ) کے چیرمین سید علی گیلانی نے بھارت اور پاکستان کے وزرائے اعظم کے مابین ملاقات کو دہائیوں سے چلی آنے والی ایک سفارتی رسم قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ جب تک دونوں ممالک کشمیر کے ایشو کے بارے میں سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کرتے اور بھارت اس سلسلے میں اپنی روائتی ہٹ دھرمی ترک نہیں کرتا، اس وقت تک یہ ملاقاتیں اور مذاکرات ایک لاحاصل عمل ہیں اور ان سے کسی بریک تھرو کی امید نہیں کی جاسکتی ہے۔ جبکہ واشنگٹن میں سینٹر فار سٹریٹجک اینڈ انٹرنیشنل سٹڈیز سے وابستہ امریکی صحافی کا کہنا ہے کہ دونوں رہنماؤں کی یہ ملاقات بروقت ہے۔ پاکستان اور بھارت اسلحے کے دو بڑے خریدار ہیں، پاکستان بھارت بہتر تعلقات سے اسلحے کی دوڑ ان دو ملکوں میں ختم ہو سکتی ہے۔ اس سے جنوبی ایشیاء میں امن کا بول بالا ہو گا اور کشیدگی

کا خاتمہ دونوں ملکوں کے عوام کے لیے خوشحالی لائے گا۔ دونوں رہنما اس امر سے آگاہ ہیں کہ پاکستان بھارت تعلقات کی بہتری کی کوششوں میں بے شمار رکاوٹیں حائل ہو سکتی ہیں۔ 1998ء میں پاکستان کے ایٹمی تجربات کے بعد نواز شریف نے فروری ء میں اس وقت کے بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کی میزبانی کی تھی۔1999 اس موقع پر کسی ایٹمی تنازعے سے بچنے اور ایک پاکستان بھارت بس سروس شروع کرنے کے ایک تاریخی اعلامیے پر بھی دستخط کیے گئے تھے۔ تاہم تعلقات بہتر کرنے کی اس کوشش کو تین ہی مہینے بعد اس وقت شدید دھچکا پہنچا تھا، جب کشمیر میں کارگل کے مقام پر دونوں ملکوں کے درمیان جھڑپیں شروع ہو گئی تھیں۔ پانچ ماہ بعد ہی فوج نے نواز شریف کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ تیسری مرتبہ وزیراعظم بننے کے بعد سے نواز شریف ایک بار پھر بھارت کے ساتھ بہتر تعلقات اور سرحد کے آر پار تجارت میں اضافہ کرتے ہوئے پاکستانی معیشت کو مستحکم بنانے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ دیکھتے ہیں اس کا انجام کیا ہوگا؟۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ میاں نواز شریف اگرچہ بھارت سے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کر رہے لیکن بھارت کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ کوشش نتیجہ خیز ثابت ہوتی نظر نہیں آ رہی۔ دوسری جانب بھارتی وزیر خارجہ سلمان خورشید نے الزام عائد کیا ہے کہ پاکستانی فوج اور آئی ایس آئی وزیراعظم نواز شریف کی بھارت سے بات چیت کی کوششوں کو سبوتاژ کر رہی ہیں۔ وزیراعظم نواز شریف ان اداروں کو گرفت میں رکھیں، وزیراعظم منموہن سنگھ نے جنرل

اسمبلی کے اجلاس سے جو کچھ کہا یہ بھارت کی پاکستان سے جائز شکایات ہیں۔ ماضی کی غلطیوں کا کچھ مداوا ہو تب ہی نیا آغاز ممکن ہے۔ پاکستانی وزیر داخلہ چودھری نثار نے بھارتی وزیر خارجہ سلمان خورشید کے پاک فوج اور آئی ایس آئی سے متعلق الزامات پر اپنے رد عمل میں کہا، سلمان خورشید کا بیان غیر ضروری، بلاجواز اور سفارتی آداب کے منافی ہے۔ بھارتی حکمرانوں کا وطیرہ بن گیا ہے بے بنیاد الزامات سے نہیں کتراتے۔ بھارتی وزیر خارجہ بھارتی فوج کے کشمیر میں کرتوتوں پر توجہ دیں۔ بھارتی حکام کے ایسے بیانات سے حالات میں بہتری نہیں آ سکتی۔ دو طرفہ تعلقات کی بہتری کے وقت ایسے بیانات سے گریز کیا جائے۔ بھارتی وزیر خارجہ کو سابق آرمی چیف کے بیان پر فکرمند ہونا چاہیے۔ یہ بھی واضح رہے کہ دیرینہ تنازعات کے حل کیلئے مذاکرات کا شور مچانے والے منموہن سنگھ نواز شریف سے ملاقات سے ایک روز پہلے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کے خلاف زہر اگلتے رہے۔ انہوں نے سرحد پار سے دہشتگردی کا رونا روتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ پاکستان جنوبی ایشیاء میں دہشتگردی کا مرکز ہے۔ کشمیر سمیت تمام تنازعات کے حل کی خواہش کا ڈھونگ رچایا لیکن ساتھ ہی پاکستان سے دہشتگردی کے مراکز ختم کرنے کی شرط بھی رکھ دی تھی۔ اور کہا کہ کشمیر تو بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ اپنی سلامتی پر سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ جس پر پاکستانی وزیر اعظم نے مزاحاً کہہ دیا تھا کہ منموہن سنگھ دیہاتی عورت کی طرح میری شکایتیں اوباما کو لگانے آئے تھے۔ اس پر

بھارتی میڈیا اور متعصب بھارتیوں نے طوفان کھڑا کر دیا۔ گجرات میں مسلم کش فسادات کرانے والے بی جے پی کے لیڈر نریندر مودی نے کہا کہ وزیر اعظم نواز شریف نے ممنوہن کو 'دیہاتی عورت' کہہ کر بھارت کی توہین کی ہے اور بھارتی عوام یہ توہین برداشت نہیں کریں گے۔ نواز شریف نے بھارتی اور پاکستانی صحافیوں سے 'آف دی ریکارڈ' بات چیت کے دوران مبینہ طور پر کہا تھا کہ جب ممنوہن سنگھ نے صدر اوباما سے ملاقات کے دوران پاکستان کی شکایت کی تو یہ بات ایسے ہی تھی جیسے کوئی دیہاتی عورت اپنے ذاتی اختلافات میں دوسرے لوگوں کو شامل کر لیتی ہے۔ یہ بات سینئر پاکستانی صحافی نے 'لیک' کر دی لیکن اس ملاقات میں موجود این ڈی ٹی وی کی ایڈیٹر برکھا دت کا کہنا ہے کہ نواز شریف نے یہ بات اس انداز اور سیاق و سباق میں نہیں کہی تھی جس میں یہ پیش کی جا رہی ہے یہ بات مذاق میں کہی گئی تھی۔

بھارتی وزیر اعظم کے پاکستان کو براعظم ایشیا میں دہشتگردی کا مرکز اور کشمیر کو اٹوٹ انگ قرار دینے پر پر پاکستان کے متعدد مذہبی و سیاسی جماعتوں کے قائدین و رہنماؤں نے رد عمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ بھارتی وزیر اعظم کا یہ بیان صرف چور مچائے شور کا مصداق ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ مسئلہ کشمیر سے توجہ ہٹانے کے لیے بھارت پاکستان کے خلاف جھوٹے اور بے بنیاد الزامات لگا رہا ہے۔ کشمیر کو اٹوٹ انگ اور پاکستان کو دہشت گردی کا مرکز کہنا بھارت کی

پرانی رٹ ہے۔ بھارت پاکستان کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈہ اور الزام تراشی کرکے اپنا دہشت گردی والا مذموم چہرہ چھپانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بھارت بے بنیاد الزام تراشیوں کی بجائے پاکستان میں تخریب کاری اور دہشت گردی بند کرے۔ مسئلہ کشمیر حل کیے بغیر جنوبی ایشیا میں کسی صورت امن قائم نہیں ہو سکتا۔ بلوچستان، خیبر پی کے، سندھ اور دیگر علاقوں میں بھارتی دہشت گردی کو پوری دنیا کے سامنے بے نقاب کرنے کی ضرورت ہے۔ مسئلہ کشمیر کے حل اور بھارتی دہشت گردی ختم ہونے تک خطے میں کسی صورت امن قائم نہیں ہو سکتا۔ پاکستان کو دہشت گردی کا مرکز کہنے والے بھارت کے قومی ایوانوں میں بڑی بڑی ہندو دہشت گرد جماعتوں کے رہنما بیٹھے ہوئے ہیں جن کا دہشت گردی میں ملوث ہونا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے بھی کہا کہ بھارت پاکستان کا دوست ہے اور نہ ہی کبھی ہو سکتا ہے۔ بھارت مذاکرات میں سنجیدہ ہے تو سب سے پہلے مسئلہ کشمیر کا حل اور مقبوضہ کشمیر میں مظالم کا سلسلہ بند کیا جائے۔ بھارت کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اس کو جب بھی موقع ملتا ہے پاکستان کے خلاف ضرور سازش کرتا ہے اور یہاں کے حالات خراب کرنے میں بھی بھارت کا ہاتھ ہے۔ میرے خیال میں بھارت کے ساتھ کسی بھی صورت مذاکرات کامیاب ہو سکتے ہیں اور نہ ہی کبھی بھارت پاکستان کا دوست ہو سکتا ہے۔

بلوچستان میں زلزلہ متاثرین بے یار و مددگار

دنیا میں قدرتی آفات کا سلسلہ روزاول سے جاری ہے۔برفانی و سمندری طوفان، موسلادھار بارشیں، قیامت خیز زلزلے وقفوں وقفوں سے قدرت کی مکمل بالادستی کا ثبوت دیتے رہتے ہیں۔ گزشتہ ہفتے بلوچستان میں آنے والے زلزلے اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ان زلزلوں سے بلوچستان کے کئی علاقے ملیامیٹ ہوگئے۔آواران تو مکمل تباہ ہوچکاہے۔ دوسرے علاقوں میں بھی تقریباً اسی فیصد مکانات گر چکے ہیں، جو موجود ہیں ان میں بھی دراڑیں پڑی ہوئی ہیں۔ مدرسہ، اسکول، ہسپتال سمیت ہر عمارت زمین بوس ہو چکی ہے۔غیر سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ان زلزوں میں ایک ہزار سے زائد افراد جاں بحق اور اس سے دگنے زخمی ہوئے ہیں۔ ایک ابتدائی تجزیے کے حوالے سے حکام کا کہنا ہے کہ ایک لاکھ 80 ہزار سے دو لاکھ افراد زلزلے سے متاثر ہوئے۔ تقریباً 35 ہزار مکانات منہدم ہوگئے یا بری طرح ٹوٹ پھوٹ گئے۔ آواران اور کیچ کے کچھ گاؤں اس قدر تباہی سے دوچار ہوئے ہیں کہ وہاں کی تمام تعمیرات مسمار ہو گئی ہیں اور سطح زمین ہموار دکھائی دیتی ہے۔زلزلہ سے متاثرہ علاقے آثار قدیمہ کے کسی شہر کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔لوگ خوف کا شکار ہیں۔ بعض کی حالت دیکھکر ایسا لگتا ہے کہ وہ زلزلے کے ایک ہفتہ گزرجانے کے بعد بھی ابھی تک اسی صدمے کی کیفیت میں

مبتلا ہے ں۔ بعض ایسے بھی ہیں جن کے خاندان میں سے کوئی بھی نہ بچا اور کسی کے خاندان کی خواتین زندہ رہی ہیں تو بچے زلزلے کی نذر ہوگئے اور اگر بچے زندہ بچ گئے تو تمام مرد حضرات ہمیشہ کی نیند سو گئے۔ لوگ اپنے پیاروں کی جدائی کے صدمے سے دوچار ہیں۔

بلوچستان میں زلزلہ آئے ایک ہفتے سے زیادہ گزر گیا ہے لیکن متاثرین ابھی تک امداد کے منتظر ہیں۔ لاکھوں افراد جن کے گھر زلزلے سے زمیں بوس ہوگئے تھے، اب تک بے گھر ہیں، اس کے علاوہ زلزلے سے کنوؤں اور پانی کے حصول کے دیگر ذرائع کو بھی شدید نقصان پہنچا ہے، اس لیے متاثرین زلزلہ پینے کے پانی کے لیے بھی شدید مشکلات سے دوچار ہیں۔ بلوچستان میں زلزلے سے تباہ ہونے والے علاقوں کے رہائشیوں کی مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے اور متاثرہ علاقوں میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بیماریاں پھیلنے کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ زلزلے سے متاثرہ ضلع آواران کی تحصیل مشکے میں پینے کے صاف پانی کی شدید قلّت ہے اور ڈاکٹروں کے مطابق آلودہ پانی پینے سے متاثرین بیمار پڑ رہے ہیں۔ مشکے میں پینے کا پانی کنوؤں سے حاصل کیا جاتا تھا جو زلزلے کے بعد مٹی سے بھر گئے ہیں اور لوگ اب برساتی نالوں اور ندی کا پانی استعمال کر رہے ہیں۔ مشکے میں قائم طبّی کیمپ میں موجود ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ آلودہ پانی پینے سے لوگوں میں اسہال اور دست کی بیماری پھیل رہی ہے جب کہ متاثرین خوراک کی کمی کا

بھی شکار ہیں۔ کچھ غیر سرکاری تنظیموں نے علاقے میں راشن تقسیم کیا ہے لیکن ان میں بچوں اور حاملہ خواتین کی خوراک کا انتظام نہیں ہے۔ یاد رہے کہ متاثرین میں خواتین اور بچوں کی اکثریت ہے۔ گزشتہ روز خود صوبائی حکومت نے یہ اعتراف کیا ہے کہ سیکورٹی کی وجوہات اور سڑکوں کی ٹوٹی پھوٹی حالت کی وجہ سے بہت سے علاقوں میں امدادی سامان پہنچایا نہیں جا سکا ہے۔ مشکے کے قریب سب سے بڑا ہسپتال آواران ہے، جہاں صرف ایک لیڈی ڈاکٹر ہے اور لیبارٹری اور ایکسرے مشین بھی دستیاب نہیں جبکہ پانچ گھنٹے کے اس سفر میں پتھریلی ناہموار سڑکوں سے گزرنا پڑتا ہے اور ڈاکٹروں کے مطابق یہ سفر حاملہ خواتین کی زندگی کو خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ علاقے میں ملیریا کے علاوہ سانپ اور بچھو کے کاٹنے کے مریض بھی سامنے آ رہے ہیں کیونکہ لوگ منہدم گھروں کے باہر زمین پر سو رہے ہیں لیکن ابھی تک تریاق کسی بھی علاقے میں دستیاب نہیں۔ مشکے میں ڈاکٹروں نے رضاکارانہ طور پر کیمپ لگایا ہے، جہاں بیڈ بھی دستیاب نہیں اور مریضوں کو پتھریلی زمین پر چٹائی پر لٹا کر طبّی امداد فراہم کی جا رہی ہے۔ اطلاعات کے مطابق آواران کے مختلف علاقوں میں ہر طرف تباہی کے مناظر دکھائی دے رہے ہیں، لاکھوں متاثرین کے لیے امداد کے نام پر چند ہزار امدای پیکٹس ہی پہنچائے گئے ہیں۔ نجی فلاحی تنظیمیں محدود پیمانے پر امدادی کاموں میں مصروف ہیں۔ بند راستے کھولنے اور ملبہ صاف کرنے کے لیے اب تک متاثرہ علاقوں میں مشینری بھی نہیں پہنچی متاثرین اپنی مدد آپ کے تحت ہی ملبہ

اٹھانے میں مصروف ہیں۔

تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ بلوچستان میں اب تک امدادی کام نہ ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ بلوچ حکومت سے امداد نہیں لینا چاہتے۔ان کا کہنا ہے کہ پاکستان کی ریاست اور فوج زلزلے میں امداد اور تعاون کے نام پر فنڈ بٹورنا اور سیاست کرنا چاہتی ہے اور وہ اس کی ہر گز اجازت نہیں دیں گے۔ وہ حکومت کی طرف سے کوئی مدد قبول نہیں کریں گے۔ان کا کہنا ہے کہ بلوچستان کو ایک ایسا مفلوج علاقہ ظاہر کرنے کی مسلسل کوشش کی جا رہی ہے جہاں جاہل، بدعنوان، سست و کاہل اور غیر مونژ قبائلی سردار ہیں۔ یہ سوچ اسلام آباد کو بلوچستان میں اپنا سامراجی حکومت قائم و دائم رکھنے میں مدد دیتا ہے اور اس سے وہ بلوچستان میں حکمرانی کے ہر پہلو یعنی سیکورٹی، قدرتی وسائل، سرحدیں، ساحل اور حتکہ آفات کو بھی صفائی کے ساتھ سنبھالے ہوئے ہیں۔ بلوچستان میں زلزلے سے متاثرہ علاقوں میں امدادی سامان کی تقسیم فرنٹیئر کور کی نگرانی اور حفاظت میں کی جا رہی ہے، جس کی مزاحمت کار مخالفت کر رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستانی فوج چاہے ایف سی کی شکل میں کیوں نہ ہو، مدد کے لیے نہیں بلکہ انہیں مارنے کے لیے آ رہی ہے۔ حکومت کے علاوہ کوئی بھی دوسری فلاحی تنظیم امداد کر سکتی ہے۔اسی لیے اب تک بلوچستان میں کئی غیر سرکاری فلاحی تنظیمیں امدادی کام شروع کیے ہوئے ہیں۔یہ بھی یاد رہے کہ بلوچستان میں این

جی اوز سے امداد نہایت ہی محتاط انداز سے لی جارہی ہے۔ اگر کوئی این جی او امداد لے کر جاتی بھی ہے تو وہاں کے باشندے ان سے امداد نہیں لیتے بلکہ ان کو اپنے سرداروں کے پاس بھیج دیتے ہیں،اور وہ سردار ان سے امداد لے خود تقسیم کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ این جی اورز ان کے علاقوں میں آکر امداد کے بہانے ہمارے علاقوں میں ارتداد پھیلائیں گی۔ بہت سی عیسائی مشنریاں اس کام میں آگے آگے ہیں۔ جیسا کہ بالاکوٹ وغیرہ میں دیکھا گیا تھا۔ دوہزار پانچ میں کشمیر اور بالاکوٹ میں زلزلہ آیا تو اس وقت متعدد غیر ملکی این جی اوز نے کھل کر اپنے مشن کی تکمیل کا کام کیا۔ سرعام ارتداد پھیلایا۔ لہٰذا ان خطرات کے پیش نظر بلوچستان میں متاثرین نے غیر ملکی این جی اوز سے امداد لینے سے اسی لیے انکار کردیا ہے۔ جبکہ حکومت اور ایف سی خود امداد دینے پر مصر ہیں۔ اور حکومت غیر ملکی این جی اوز کو بھی دعوت دے رہی ہے۔ وزیراعلیٰ بلوچستان ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ نے حال ہی میں کہا تھا کہ جتنی بڑی تباہی آئی ہے وہ اکیلے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اس کے لیے بین الاقوامی مدد کی بھی ضرورت ہوگی۔ حکومت نے قوم سے اپیل کی ہے کہ اپنے زلزلہ زدگان بھائیوں کی ایک بار پھر بالاکوٹ اور کشمیر زلزلہ زدگان کی طرح دل کھول کر امداد کریں۔

دینی مدارس میں بزم ادب، ایک دم توڑتی روایت

مدارس دینیہ نے اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھتے ہوئے ہمیشہ معاشرے کی فلاح و اصلاح کے لیے مختلف اقدام کیے ہیں۔ کیونکہ معاشرے کا مدارس سے گہرا اور براہِ راست تعلق ہی معاشرے کی کامیابی کا ضامن ہے۔ مضبوط اور خالص دینی مزاج کا حامل معاشرہ وجود میں لانے کے لیے معاشرے کو تربیت یافتہ افراد فراہم کرنا انتہائی ضروری ہے اور ایسے افراد تیار کرکے معاشرے کو فراہم کرنا جوان کی دینی ضرورت کو ہر لحاظ سے پورا کریں، انہی مدارس دینیہ کی ذمہ داری ہے۔اسی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے مدارس میں طلبہ کی خطیبانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے ہفتہ واری بزم ادب منعقد کرنے کی روایت بہت پرانی ہے۔ اس بزم کے لیے اکثر جمعرات کا دن مقرر کیا جاتا ہے۔اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلبہ میں تقریر وخطابت کی ہچکچاہٹ کو دور کرکے ان میں ایسا ملکہ پیدا کیا جائے کہ وہ اچھے انداز میں اپنی بات عوام تک پہنچا سکیں۔اس قسم کی بزم میں مدارس کے طلبہ کو اپنی بات بہتر انداز میں لوگوں تک پہنچانے کے لیے تقریر و بیان کے تمام اسلوب سکھائے جاتے تھے۔ جن میں درس قرآن و درس حدیث کا طریقہ، جمعہ کے خطاب کا طریقہ، اصلاحی بیان کا طریقہ، جلسہ عام کے خطاب کا اور کئی دوسرے طریقوں سے ان کو روشناس کرایا جاتا تھا۔ طلبہ ان تمام اصنافِ خطابت پر مکمل دسترس

حاصل کر لیتے تھے جس سے ان میں اپنی تقریر سے عوام کے دلوں میں گھر کر لینے کا گُر ہاتھ لگ جاتا تھا۔اس سے ایک طرف تو عوام ان کا خطاب دلجمعی سے سنتے تھے اور دوسری طرف اس اقدام سے معاشرے کا منبر و محراب سے تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جاتا تھااور جس معاشرے کا منبر و محراب کے ساتھ تعلق گہرا ہو تو وہاں دنیا کی کوئی طاقت معاشرے سے پختہ دینی مزاج و سوچ کو نکالنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔یہی وجہ ہے کہ ماضی میں بہت سی اقوام نے مختلف منصوبہ بندیوں کے ساتھ مسلمانوں سے ان کا دینی تشخص چھیننے کی کوشش کی لیکن ہزارہا کوششوں کے باجود ان سے ان کا دین نہ چھین سکے،اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے معاشرے میں منبر و محراب کا کردار انتہائی مضبوط اور طاقتور تھا۔جب تک منبر و محراب کا معاشرے کے ساتھ تعلق مضبوط رہا اس وقت تک کوئی بھی طاقت مسلمانوں کے دینی معاملات میں دخل اندازی کی کوشش نہ کر سکی اور نہ ہی معاشرے نے کبھی کسی نااہل اور نام نہاد اسکالروں کا منبر پر قبضہ کرنے کی اجازت دی۔ لیکن اب کچھ عرصے سے معاشرے اور منبر کا تعلق کمزور ہوتا جارہا ہے۔ ایک طرف تو نام نہاد دانشور و اسکالر منبر کے وارث بن بیٹھے ہیں، جن کو سننے والوں کی تعداد میں تو روز بروز اضافہ ہورہا ہے جبکہ دوسری طرف مدارس میں ایک طویل عرصہ علم دین حاصل کرنے والوں کو سننے والوں کی تعداد دن بدن کم ہوتی جارہی ہے۔

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اکثر مدارس نے طلبہ کو خطاب و بیان سکھانے کے لیے اپنے اکابر سے چلی ہوئی ہفتہ واری بزم کے سلسلے کو ہی خیر باد کہہ دیا ہے۔ بہت ہی کم مدارس میں طلبہ کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے اب بھی ہفتہ واری بزم کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ تمام مدارس سے یہ روایت ختم ہوتی جارہی ہے۔ اگر کچھ مدارس میں اس سلسلے کے کچھ نقوش باقی بھی ہیں تو ان مدارس میں بھی بزم ادب پر مکمل توجہ نہیں دی جاتی۔ اس طرح ان کی نگرانی نہیں کی جاتی جس طرح کی جانی چاہیے اور نہ ہی طلبہ کو تقریر وخطاب کی تمام انواع سکھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اب صرف یہ ہوتا ہے کہ مدارس کے اکثر طلبہ جلسوں میں جن خطباء کی تقاریر سنتے ہیں انہی کی نقل کرتے ہیں، ہر طالب علم کسی مخصوص انداز کو سیکھنے پر مکمل توجہ دے کر اس پر دسترس حاصل کرلیتا ہے، اس انداز کا تعلق صرف جلسے کی حد تک تو ٹھیک ہے لیکن ہر جگہ یہ انداز کارآمد ثابت نہیں ہوسکتا۔ جب طلبہ کرام صرف ایک ہی انداز میں کامیابی حاصل کرتے ہیں تو انہیں کوئی دوسری طرح سے بیان کرنا آتا ہی نہیں، وہ جہاں بھی بیان کرتے ہیں اسی ایک مخصوص انداز میں کرتے ہیں۔ جس کو جلسے کے علاوہ عوام کی اکثریت پسند نہیں کرتے اور رفتہ رفتہ خطیب صاحب کی تقریر سننے سے ہی کنی کترانے لگتے ہیں۔ اب تو اکثر مساجد میں جمعہ کے دن ایسا ہوتا ہے کہ خطیب صاحب ایک ڈیڑھ گھنٹہ تقریر کرتے رہتے ہیں کوئی سننے کے لیے نہیں آتا۔ جب تقریر ختم ہوجاتی ہے اور جمعہ کی نماز کا وقت آن پہنچتا ہے تو اس آخری وقت

میں نماری حضرات مسجد میں آتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر خطباء حضرات جمعہ کے بیان کے لیے مکمل تیاری کرکے نہیں آتے ہیں بلکہ خطیب صاحب جمعہ کے دن بھی اپنے مخصوص انداز میں رٹی رٹائی تقریر دیر تک کرتے رہتے ہیں۔جو کوئی ایک بار سننے کے لیے وقت پہ آجاتا ہے تو آئندہ وہ نماز جمعہ سے پہلے نہیں آتا۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ ہر خطیب کو جمعہ کے دن ہونے والے خطاب کے لیے بھرپور تیاری کرنی چاہیے اور اپنے مخصوص انداز سے ہٹ کر مختصر وقت کے لیے خطاب کرنا چاہیے جس سے لوگ اکتاہٹ کا شکار نہ ہوں۔ان چیزوں کا خیال رکھنا بھی خطباء حضرات کی ذمہ داری ہے۔تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ بیانات میں شرکت کریں۔دوسری طرف ورثاء انبیاء نے درس قرآن دینا چھوڑ دیا ہے، کیونکہ طلبہ کو درس قرآن کا طریقہ بتایا نہیں جاتا، اس لیے اکثر طلبہ درس قرآن دے نہیں سکتے۔ ہر سال ہزاروں فضلاء مدارس سے فارغ ہوتے ہیں لیکن درس قرآن دینے والوں کی تعداد اتنی کم ہوتی ہے شاید ان کو ہاتھ کی انگلیوں پر گنا جاسکے۔انہی تمام چیزوں کو دیکھتے ہوئے آج بہت سے نام نہاد دانشور اور اسکالروں نے منبروں پر براجمان ہوگئے ہیں جن کا مبلغ عمل چند اردو کی کتابوں کے سوا کچھ نہیں، ان کے بیانات اور درس قرآن میں شریک ہونے والے لوگوں کی تعداد بھی ہزاروں میں ہوتی ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ مدارس کے خطباء حضرات کی کمزوریوں کو نہیں دہراتے ، اپنے بیان کو بہتر سے بہتر انداز میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر طرح سے تیاری کرکے آتے ہیں اور موقع کی مناسبت سے بہت

ہی دھیمے اور موثر انداز میں بیان کرتے ہیں۔ وہ کوئی زیادہ لمبی تقریر نہیں کرتے ہیں کہ جس سے کسی کو کوئی اکتاہٹ ہو۔ان کے بیان میں نہ تو حد سے زیادہ جوشیلا پن ہوتا ہے اور نہ ہی زوردار نعرے بازی۔ وہ حضرات اس بات کو سمجھ چکے ہیں کہ ہر بات ہر انداز میں ہر جگہ نہیں کہی جاسکتی۔ اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے وہ بیانات کرتے ہیں جس سے ان کے بیانات سننے والوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے اور ان کے بیانات میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے فضلاء کرام ان باتوں کو نظر انداز کرتے ہیں تو ان کو سننے والوں کی تعداد دن بدن کم ہورہی ہے۔اگر دینی مدارس کو دوبارہ معاشرے کے ساتھ تعلق مضبوط کرنا ہے تو مدارس کے طلبہ کو بیان کی ہر نوع کی مکمل تربیت دینے کے لیے مدارس میں مکمل رہنمائی میں ہفتہ واری بزم کے انعقاد کا سلسلہ دوبارہ سے بھرپور انداز میں شروع کرنا ہوگا۔

بلوچستان میں بھارتی مداخلت، ثبوت منموہن کے حوالے

بھارت نے ایک بار پھر اپنی روایتی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دہشت گردی کا الزام پاکستان پر تھوپ کر پاک بھارت مذاکرات کو بھی دہشتگردی کو ختم کرنے کے ساتھ نتھی کردیا ہے۔ بھارتی صدر پرناب مکھرجی نے ترکی کے معروف اخبار "ٹوڈیز زمان" کو انٹرویو میں پاکستان پر سرحد پار دہشت گردوں کی حمایت کا الزام عائد کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے پاکستان سے مطالبہ کیا کہ دہشت گردوں نے آپ کی سرزمین پر جو دہشت گردی کے کیمپ قائم کر رکھے ہیں ان کو ختم کیا جائے۔ پاکستان جب تک اپنی سرزمین پر دہشت گردوں کے کیمپ اور دہشت گردی کا انفراسٹرکچر ختم نہیں کرتا تب تک اس کے ساتھ جامع مذاکرات میں پیشرفت ممکن نہیں۔ پاکستان دہشت گردی انفراسٹرکچر کے خاتمے کے حوالے سے بھارت کے ساتھ کیے گئے وعدوں کی پاسداری کرے۔ پرناب نے کہا توقع ہے نواز شریف منموہن کے ساتھ کیے گئے وعدے پورے کریں گے۔ موجودہ ماحول میں پاکستان کے ساتھ مذاکرات آگے بڑھنا مشکل ہیں۔ نواز شریف کی جانب سے بھارت کے لیے خیر سگالی کے جذبے کا خیر مقدم کرتے ہیں، پاکستان کے ساتھ تجارت، سرمایہ کاری اور معاشی شعبوں میں تعاون کو فروغ دینا چاہتے ہیں، بھارت پاکستان کے ساتھ پر امن، دوستانہ اور تعاون پر مبنی تعلقات کا خواہاں ہے اور اس کے لیے

دہشت گردی اور تشدد سے پاک ماحول کی ضرورت ہے۔ جب تک دہشت گردی اور خوف کا ماحول پیدا کیا جاتا رہا تو اس صورت میں آپ مذاکرات میں دوسرے نئے امور پر کیا بات کریں گے۔ پاکستان کی جانب سے اس معاملے پر سنجیدہ کوششوں کی ضرورت ہے کیونکہ بھارت کے خلاف زیادہ تر دہشت گردی کی کارروائیاں پاکستان کے زیر کنٹرول علاقوں سے ہوتی ہیں۔ مذاکرات سے پہلے مناسب ماحول پیدا کیا جائے۔ اصل لائن آف کنٹرول ہے جہاں سیز فائر کا معاہدہ ہے، اس کی اکثر خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ بھارتی صدر نے کہا کہ شملہ معاہدہ وہی ٹائم فریم ہے جس کے تحت ہم تمام مسائل مذاکرات کے حل کر سکتے ہیں تاہم اس کے لیے امن ضروری ہے۔ بھارت سرحد پار دہشت گردی کے مکمل خاتمے کے لیے پر عزم ہے۔

بھارتی میڈیا نے بھی پاکستان مخالف پروپیگنڈا جاری رکھتے ہوئے کہا ہے کہ بھارت کے خلاف سرد جنگ پاکستان کی پالیسی اور اس کا وژن ہے، رواں سال کے آخر میں سبکدوش ہونے والے پاکستانی آرمی چیف بھارت مخالف ایجنڈا اور وژن اپنے جانشین کو سونپ کر رخصت ہوں گے۔ بھارتی اخبار ہندوستان ٹائمز نے پاکستانی پالیسیوں اور آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی کی ریٹائرمنٹ اور لائن آف کنٹرول کی صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ موسم سرما کے آغاز سے قبل سرحدوں پر دراندازی کے واقعات میں اضافہ اس بات کا عندیہ ہے کہ پاکستانی فوج اپنی بھارت مخالف سرگرمیوں کو آگے بڑھانے کی کوشش کر رہی ہے۔

اخبار میں شائع ایک رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ پاکستانی آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی اپنی ریٹائرمنٹ سے قبل فوج کا ایجنڈا اپنے آنے والے جانشین کو منتقل کرنے پر غور کر رہے ہیں اور یقینی طور پر کشمیر اور بھارت مخالف سرد جنگ کا ایجنڈا منتقل کر کے ہی رخصت ہوں گے۔ اخبار کے مطابق جنرل کیانی ممکنہ طور پر وزیراعظم نواز شریف کو یہ پیغام بھی دے رہے ہیں کہ سویلین لیڈر شپ نہیں بلکہ فوجی قیادت ہی کشمیر کے ایجنڈے پر ڈکٹیٹ کرے گی۔ جبکہ بھارت کے اپنے ہی سابق آرمی چیف جنرل ریٹائرڈ وی کے سنگھ نے بھارت کی مرکزی حکومت کو کڑی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا ہے کہ پاک بھارت سرحد پر کشیدگی کی صورتحال کی ذمے دار بھارت کی مرکزی حکومت ہے۔ وہ فوج کو اپنی مرضی سے نہیں چلنے دے رہی۔

بھارت میں پاکستان کے ہائی کمشنر سلمان بشیر نے کہا ہے کہ بھارت کو پاکستان کے خلاف بے بنیاد الزامات لگانے سے باز رہنا چاہیے کیونکہ اس سے دوطرفہ تعلقات کو نقصان پہنچا ہے اور دونوں ملکوں کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ دونوں ملکوں کے درمیان اچھے ہمسایوں جیسے تعلقات علاقے میں امن، ترقی اور خوشحالی کے لیے بہت اہم ہیں۔ پاکستان بھارت کے ساتھ دوستانہ تعلقات کا خواہاں ہے کیونکہ یہ دونوں ملکوں کے عوام کے بہترین مفاد میں ہے۔ سلمان بشیر نے دونوں ملکوں کے درمیان کشمیر سمیت تمام حل طلب معاملات کے حل کے لیے

اعتماد سازی کے اقدامات اور بات چیت کی ضرورت پر زور دیا۔ دوسری جانب ہفتے کے روز سیکرٹری خارجہ جلیل عباس جیلانی نے کہا ہے کہ بلوچستان اور دیگر علاقوں میں بھارتی مداخلت کے ثبوت بھارت کو فراہم کر دیے ہیں۔ بلوچستان میں بھارتی مداخلت کو ہر فورم پر اٹھایا جائے گا۔ بھارت واویلا اور الزام تراشی کی بجائے مذاکرات کی طرف قدم بڑھائے، دہشت گردی سے بھارت کم پاکستان زیادہ متاثر ہے۔ بھارت کے ساتھ مسئلہ کشمیر سمیت تمام تنازعات مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کے خواہاں ہیں۔

بلوچستان میں دہشت گردی سے متعلق بھارت کو اپنی تشویش سے آگاہ کیا ہے، اگر بھارت کے پاکستان کے بارے میں تحفظات ہیں تو ہمیں ان سے زیادہ تحفظات ہیں لیکن الزام تراشی سے معاملات حل نہیں ہوتے۔ خلوص نیت سے ہی مسائل حل ہو سکتے ہیں مذاکرات سے مسائل حل ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔

اس حوالے سے وزیراعظم نے بھی ہر فورم پر بات کی ہے۔ بلوچستان میں دہشت گردی کے بھارت کے ملوث ہونے کے ٹھوس ثبوت ہیں اور یہ ثبوت جنہیں فراہم کرنے تھے، فراہم کر دیے ہیں، ان ثبوتوں کو ہر فورم پر اٹھایا جائے گا۔ بھارت کے ساتھ کشمیر، پانی اور دہشت گردی سمیت تمام معاملات ہر فورم پر اٹھائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ مسائل کے حل کے لیے مذاکرات کا کوئی نعم البدل نہیں، مذاکرات سے ہی اختلاف ختم ہوتے ہیں، بھارت سے مسائل مذاکرات سے ہی حل ہونے چاہئیں۔

بھارت الزامات کی بجائے بات چیت کا عمل شروع کرے، کشمیر سر کریک اور سیاچن کے مسائل کے حل کے لیے آگے بڑھے۔ بلوچستان میں دہشت گردی کے معاملے پر پاکستان کو بھارت سے تحفظات ہیں۔ وزیراعظم نواز شریف نے نیویارک میں اپنے بھارتی ہم منصب منموہن سنگھ سے ملاقات میں یہ معاملہ اٹھایا تھا۔ بلوچستان میں مداخلت کے ثبوت متعلقہ بھارتی حکام کو دے چکے ہیں، اس حوالے سے ثبوت سینٹ اجلاس میں بھی پیش کیے جا چکے ہیں۔ بھارت کے ساتھ مذاکرات کا کوئی متبادل نہیں، مذاکرات ہونے چاہئیں کیونکہ مذاکرات سے ہی بات آگے بڑھے گی۔ دہشت گردی جتنی بھارت کے لیے تشویشناک ہے اس سے زیادہ پاکستان کے لیے بھی باعث تشویش ہے۔ ایک دوسرے پر الزام تراشی سے مسئلے کا حل نہیں نکلے گا۔ دہشت گردی کے خاتمے کے لیے دونوں ممالک کو مل کر سنجیدگی سے کام کرنا ہوگا۔ وزیراعظم نواز شریف نے منموہن سنگھ سے کہا تھا کہ مذاکرات کے ذریعے کشمیر سمیت تمام مسائل حل کرنے چاہئیں۔

صوبائی وزیر قانون رانا ثناء اللہ خان نے کہا ہے کہ بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں خود کش حملے بھارتی بدنام زمانہ خفیہ ایجنسی "را" کروا رہی ہے، بھارت کی بدنام زمانہ ایجنسی را" خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں حالات خراب کر رہی ہے، حکومت کے پاس اس" کے ٹھوس ثبوت ہیں۔ پاکستان کے خلاف بھارت کا واویلا بے بنیاد ہے۔

آرمی چیف کا فیصلہ، حکومت آزمائش سے بچ گئی

آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے 29 نومبر کو اپنی مدت ملازمت پوری ہونے پر اپنے آرمی چیف کے منصب سے ریٹائرمنٹ کا اعلان کرکے اندرون ملک اور بیرون ملک پھیلی افواہوں کا خاتمہ کردیا ہے۔ حال ہی میں غیر ملکی ذرائع ابلاغ میں ایسی خبریں آئی تھیں جن میں جنرل کیانی کی مدتِ ملازمت میں توسیع یا انہیں حکومت کی جانب سے کوئی اور اہم عہدہ دینے کے امکانات ظاہر کیے گئے تھے۔ جس کے بعد جنرل اشفاق کیانی کی ریٹائرمنٹ کے حوالے سے مختلف قسم کی افواہیں گردش کرنے لگی تھیں، جو اتوار کے روز آرمی چیف کے بیان سے دم توڑ گئیں۔ اپنے مستقبل کے بارے میں میڈیا کی طرف سے اٹھائے گئے سوالات کا جواب دیتے ہوئے جنرل اشفاق کیانی نے کہا ہے: "کچھ مدت سے میری موجودہ ذمہ داریوں اور آئندہ کے منصوبوں کے بارے میں افواہیں گردش کر رہی تھیں، قیاس آرائیاں کی جارہی تھیں، متعدد رپورٹوں میں مجھے نئی ذمہ داریاں سونپے جانے کا بھی ذکر کیا گیا، میں پاکستان کی سیاسی قیادت، قوم اور فوج کا ممنون ہوں کہ انہوں نے ملکی تاریخ کے اس نازک موقع پر مجھ پر اعتماد کا اظہار کیا۔ میں اس عمومی رائے سے متفق ہوں کہ ادارے اور روایات افراد سے زیادہ قیمتی ہوتی ہیں اور انہیں اہمیت دی جانی چاہیے۔ اب جب کہ

میں اپنے منصب سے سبکدوش ہو رہا ہوں، اس وقت ملک میں عوامی رائے جڑیں پکڑ چکی ہے، دستور کام کر رہا ہے۔ پاک فوج نے واضح سوچ کے ساتھ اور پاکستان کو درکار درست سمت کا ادراک کرتے ہوئے ملک کی حتمی منزل کی جانب سفر میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔ فوج نے لاتعداد مواقع پر اپنی لازوال قربانیوں کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ ملکی خوشحالی اور دفاع ہی ان کی اولین ترجیح ہے۔ مجھے اس عظیم قوم کی خدمت کرنے اور دنیا کی شاندار ترین فوج کی چھ برس تک کمان کرنے کی عزت ملی۔ اب یہ دوسروں کے لیے موقع ہے کہ بانیان پاکستان کے خوابوں کے مطابق وہ پاکستان کو خوشحال، مضبوط اور جمہوری ملک بنانے کا عمل آگے بڑھا سکیں۔ میری مدت ملازمت 29 نومبر 2013ء کو ختم ہو جائے گی۔ یہ میری ریٹائرمنٹ کا دن ہے میں اپنی آئینی مدت پوری کر چکا ہوں۔ میں نے عظیم قوم کی خدمت اور عظیم فوج کی قیادت کی، اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔
"

تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ جنرل اشفاق کیانی نے حکومت کو بھی اپنے اعلان سے سکھ کا سانس لینے کا موقع فراہم کیا ہے کیونکہ حکومت پر ان سوالات کا دباؤ تھا کہ کیا جنرل کیانی کو توسیع دی جا رہی ہے یا انہیں کوئی نیا عسکری عہدہ دیا جا رہا ہے۔ان کے مطابق حکومت کو اس حوالے سے کافی پریشانی لاحق تھی لیکن آرمی چیف نے اعلان کرکے حکومت کی پریشانی ختم کردی ہے، مبصرین کا کہنا ہے کہ آرمی چیف کے اعلان ریٹائرمنٹ سے حکومت آزمائش سے بچ گئی ہے۔ حکمران

اور اپوزیشن جماعتوں سے تعلق رکھنے والے سیاسی و دینی رہنماؤں نے چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی کی طرف سے ریٹائرمنٹ کے اعلان کا خیر مقدم کیا ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مخدوم امین فہیم نے کہا کہ حکومت کو نئے چیف آف آرمی سٹاف کا اعلان کر دینا چاہیے، یہ جمہوری حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ وقت پر اور پوری ذمہ داری نبھائے۔ امید ہے کہ آنے والا چیف آف آرمی اسٹاف بھرپور صلاحیتوں کا مالک ہو گا اور ملک کو بحران سے نکالنے میں جمہوریت کی حمایت کرے گا۔ پاکستان تحریک انصاف کی رہنما ڈاکٹر مہرالنساء شیریں مزاری نے کہا کہ جنرل اشفاق پرویز کیانی نے ریٹائرمنٹ کا فیصلہ کرکے بہت اچھا کیا کیوں کہ فوج میں سارے پروفیشنل اور تربیت یافتہ افسر ہوتے ہیں اور ان پر بہت اہم ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ نئے چیف آف آرمی سٹاف کو بہت سے مسائل کا سامنا ہو گا جس میں 2014ء میں امریکی فوج کا انخلائ، کراچی آپریشن اور بلوچستان کے حالات ان کے لیے سب سے بڑا چیلنج ہوں گے، ان پر ذمہ داری عائد ہو گی کہ وہ ملک کو کس طرح مسائل کے بھنور سے نکالتے ہیں۔ عوامی نیشنل پارٹی کے ترجمان سینیٹر زاہد خان نے کہا کہ آرمی چیف کی ریٹائرمنٹ کا اعلان مثالی فیصلہ ہے، جمہوریت کو ڈی ریل کرنے کی افواہیں اس فیصلے کے بعد خود بخود دم توڑ گئیں۔ سابقہ حکومت میں مختلف مراحل پر جمہوریت پر شب خون مارنے کے مواقع آئے لیکن اسٹیبلشمنٹ نے خاموشی اختیار کی۔ مسلم لیگ ن کے ترجمان سینیٹر مشاہداللہ نے کہا آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی

کا ریٹائرمنٹ کا فیصلہ اچھا اقدام ہے، ان کے اعلان سے افواہیں دم توڑ گئی ہیں۔ ماضی میں اس طرح کی مثالیں نہیں ملتیں، جنرل کیانی کے بیان سے ادارے مزید مضبوط ہوں گے، ان کے بیان سے آنے والا ہر جنرل اپنی سنیارٹی پر جگہ بنائے گا۔ وزیراعظم کے پولیٹیکل سیکرٹری آصف کرمانی نے کہا جنرل کیانی کا ریٹائرمنٹ کا فیصلہ خوش آئند ہے۔ آرمی چیف نے روشن روایات کی بنیاد رکھی۔ وزیراعظم کی خواہش ہے تمام ادارے آئینی حدود میں رہ کر کام کریں۔ قومی اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر سید خورشید شاہ نے ریٹائرمنٹ کے اعلان کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ جنرل اشفاق پرویز کیانی کے بیان کے بعد گومگو کی صورتحال کا خاتمہ ہوگیا۔ جمہوری اداروں کے بعد دیگر اداروں میں بھی اچھی روایات قائم ہورہی ہیں۔ الطاف حسین نے کہا جنرل اشفاق پرویز کیانی کی قیادت میں مسلح افواج نے ڈٹ کر ملک کا دفاع کیا۔ اشفاق پرویز کیانی نے ریٹائرمنٹ کا اعلان کرکے مثبت روایت قائم کی۔ سید منور حسن نے ریٹائرمنٹ کے فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ اشفاق پرویز کیانی کے فیصلے سے فوج کے ادارے پر اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔ جے یو آئی کے مرکزی سیکرٹری جنرل مولانا عبدالغفور حیدری اور مرکزی ترجمان مولانا محمد امجد خان نے آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی کی جانب سے مقررہ مدت پر ریٹائرمنٹ کے اعلان کو خوش آئند قرار دیا ہے اور کہا کہ آرمی چیف نے اچھی روایت قائم کی ہے۔ عوامی مسلم لیگ کے سربراہ شیخ رشید نے کہا آرمی چیف کے فیصلے سے پاک فوج پر مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔ حکومت نئے

آرمی چیف کی تقرری سنیارٹی کی بنیاد پر کرے۔ اگر حکومت نے سنیارٹی پالیسی پر عملدرآمد نہ کیا تو حکومت کا اچھا اقدام نہیں ہوگا۔

جنرل اشفاق پرویز کیانی کو 29 نومبر 2007 کو اس وقت کے فوجی صدر جنرل پرویز مشرف نے اپنی جگہ پاکستان کی بری فوج کا سربراہ مقرر کیا تھا۔ گزشتہ حکومت کے دور میں چوبیس جولائی 2010 کو اس وقت کے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے ان کی مدتِ ملازمت میں تین برس کی توسیع کی تھی۔ جنرل اشفاق پرویز کیانی اپریل 1952 ء کو جہلم میں پیدا ہوئے۔ 1971ء میں انہوں نے بلوچ رجمنٹ کے تحت پاکستان ملٹری اکیڈمی سے کمیشن حاصل کیا۔ وہ فورٹ بیننگ (امریکا) کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کوئٹہ، کمانڈ اینڈ سٹاف کالج فورٹ لیون ورتھ (امریکہ) ایشیا پیسفک سینٹر فار سیکورٹی سٹڈیز ہوائی امریکا) اور نیشنل ڈیفنس کالج اسلام آباد کے گریجویٹ ہیں۔ انہیں کمانڈ، انسٹرکشنل) اور سٹاف تقرریوں میں وسیع تجربہ حاصل ہے۔ وہ انفنٹری بٹالین، انفنٹری بریگیڈ، انفنٹری ڈویژن اور کورز کے کمانڈر رہے۔ وہ اسکول آف انفنٹری اینڈ ٹیکٹس کوئٹہ، آفیسر ٹریننگ اسکول منگلا، کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کوئٹہ اور نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی اسلام آباد کی فیکلٹی میں رہے۔ چیف آف سٹاف کور کے علاوہ وہ ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز رہے، اس کے علاوہ وہ ڈی جی آئی ایس آئی بھی رہے۔ ان کی خدمات پر انہیں نشان امتیاز (ملٹری) اور ہلال امتیاز دیا گیا۔ پرویز مشرف نے آرمی کا

عہدہ چھوڑنے سے قبل جنرل کیانی کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا، 28 نومبر 2008ء کو صدر مشرف کے وردی اتارنے کے ساتھ ہی راولپنڈی میں جنرل کیانی چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے پر فائز ہوگئے جہاں پرویز مشرف نے چیف کی چھڑی کیانی کو تھمائی۔ ذرائع نے دعویٰ کیا ہے کہ وزیراعظم نے نئے چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی اور آرمی چیف کی تعیناتی کے لیے مشاورت شروع کردی ہے۔ وزیراعظم نواز شریف اپنے اختیارات کو بروئے کار لا کر کسی جونیئر لیفٹیننٹ جنرل کو بھی فوج کا نیا سربراہ مقرر کر سکتے ہیں تاہم وہ ماضی قریب میں اشارے دے چکے ہیں کہ نئی تقرری سنیارٹی کی بنیاد پر عمل میں آئے گی۔ سنیارٹی اور فوج میں مقبولیت کے اعتبار سے تین لیفٹیننٹ جنرل سرفہرست ہیں۔اس پہلو سے دیکھا جائے تو کوئی گمنام لیفٹیننٹ جنرل بھی نیا آرمی چیف بن سکتا ہے جس سے وزیراعظم سلامتی اور دفاع کے تصورات و موجودہ پالیسیوں میں اہم تبدیلیاں لانے کی توقع رکھتے ہوں۔ جی ایچ کیو میں تعینات چیف آف جنرل سٹاف لیفٹیننٹ جنرل راشد محمود کو لاہور سے تعلق، سابق صدر رفیق تارڑ کے ملٹری سیکرٹری ہونے اور آرمی چیف جنرل کیانی کا معتمد ہونے کے باعث متوقع امیدواروں کی فہرست میں سب سے اوپر سمجھا جاتا ہے۔ میجر جنرل شبیر شریف کے بھائی لیفٹیننٹ جنرل راحیل شریف کو فوج میں پیشہ ورانہ مہارت کے باعث بعض حلقے

موزوں امیدوار گردانتے ہیں جبکہ کور کمانڈر منگلا لیفٹیننٹ جنرل طارق خان بھی اسی فہرست میں شامل ہیں۔تاہم ذرائع کے مطابق چیئرمین جوائنٹ چیفس کیلئے ایڈمرل آصف سندھیلہ، ائر مارشل طاہر رفیق بٹ اور جنرل ہارون کا نام بھی زیر غور ہے۔

پاکستانی حکومت پالیسی پر مکمل عمل نہ کر سکی

حج انتظامات 2013ئ

پاکستان سے فرزندان اسلام جوق در جوق نو ستمبر کی صبح سے حج بیت اللہ کے لیے رواں دواں ہیں۔آج شام (نو اکتوبر) تک حج کے لیے جانے والے پاکستانیوں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ 43 ہزار 368 ہو جائے گی۔پہلے سے طے شدہ پاکستانی عازمین کی تعداد 1 لاکھ 79ہزار210 تھی لیکن مکہ مکرمہ میں واقع مسجد الحرام اور مدینہ میں مسجد نبوی کی توسیع کے سلسلے میں بڑے پیمانے پر تعمیراتی کام جاری ہے جس کے سبب اس سال سعودی حکومت کی جانب سے ہر ملک کے عازمین کی مجموعی تعداد میں 20 فیصد کمی کی گئی ہے۔جس کے بعد پاکستان کی وزارت مذہبی امور نے عازمین حج سے رضاکارانہ طور پر اپنے نام واپس لینے کی اپیل کرتے ہوئے کہا تھا کہ کمزور، ضعیف مرد و خواتین اور بچے اس سال حج پر روانہ نہ ہوں اور جو لوگ اس سے قبل حج کر چکے ہیں وہ بھی اس سال حج پر روانہ نہ ہوں ۔لہٰذا جو عازمین رضاکارانہ طور پر اپنا نام واپس لیں گے انہیں اگلے سال یقینی طور پر اور بغیر کسی اضافی اخراجات کے حج پر بھیجا جائے گا۔جس کے بعد پاکستانی عازمین کی تعداد1 لاکھ 43ہزار 368رہ گئی ہے۔ جن میں 86 ہزار 21 سرکاری اور

ہزار 347 پرائیویٹ طور پر حج ادا کریں گے۔ حاجیوں کو تین کیٹگریز میں تقسیم 57 کیا گیا ہے۔ بلیو کیٹگری جن کی رہائش میں مجموعی طور پر 2 ہزار 500 عازمین ہیں جس کا حرم سے فاصلہ 900 میٹر کے اندر ہے جبکہ گرین کیٹگری کا فاصلہ 9 سو میٹر سے 2 کلومیٹر تک ہو گا، جس میں 7 ہزار عازمین کی رہائش ہے جبکہ 2 کلومیٹر سے باہر کا ایریا وائٹ کیٹگری میں آتا ہے، جو مختلف علاقوں میں ہیں جہاں سے انہیں حرم آنے اور جانے کے لیے خصوصی طور پر بسیں فراہم کی جائیں گی۔ بلیو کیٹگری کے لیے حج 4 لاکھ ہزار، گرین کیٹگری کے لیے 3 لاکھ 18 ہزار اور وائٹ کیٹگری کے لیے 2 لاکھ 61 10 ہزار کا خرچ آئے گا۔

پی آئی اے حکام کے مطابق سیالکوٹ سے اس سال تین ہزار پانچ سو اکیانوے، پشاور سے پندرہ ہزار چھ سو باسٹھ، کراچی سے چھ ہزار سات سو اڑتیس، لاہور سے آٹھ ہزار نو سو انچاس، اسلام آباد سے بارہ ہزار چار سو پانچ اور کوئٹہ سے دس ہزار ایک سو ننانوے عازمین حج نے پاکستان کی قومی ایئر لائن سے سفر کے معاملات طے کیے ہیں، جبکہ باقی افراد نے سعودی ایئر لائن اور دوسری فضائی کمپنیوں کے ذریعے سفر کا معاملہ طے کیا ہے۔اس سال پاکستانی عازمین حج کے لیے مکہ مکرمہ میں 125 عمارتیں حاصل کی گئی ہیں۔ رواں برس پاکستانی حکومت نے سعودی عرب سے سرکاری کیٹگری والے حجاج کے لیے ٹرین سروس بھی مانگی، جبکہ نجی حج آپریٹرز اپنے حجاج کو بسوں کے ذریعے سفر کرائیں گے۔ڈائریکٹر جنرل حج

کا کہنا ہے کہ شہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حج خدمات فراہم کرنے والے گروپس کی تعداد 10 ہے۔ زیادہ سے زیادہ گروپس کی خدمات حاصل کی گئی ہیں تاکہ بہتر طور پر خدمات فراہم کر سکیں اور پاکستانی عازمین کو کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ سعودی ائیر لائن اور پی آئی اے کے علاوہ ایئر بلیو اور شاہین ایئر لائن بھی حج آپریشن میں شامل ہوں گی۔ ہر حاجی کو ایک ہزار ریال جائے وقت ساتھ رکھنا ہوں گے۔

رواں برس 40 ہزار حاجی مدینہ میں پہنچیں گے حج کرایہ جنوب سے 87 ہزار 500 روپے ہوگا جبکہ شمال سے 97 ہزار 500 روپے ہوگا۔ اس سال قربانی کے لیے سعودی حکومت کو ہر حاجی کی جانب سے 450 ریال ادا کیے گئے ہیں۔

وفاقی وزیر مذہبی امور سردار محمد یوسف کا دعویٰ ہے کہ حج 2013ء پاکستان کی تاریخ کا مثالی حج ہوگا۔ عازمین حج کی سہولیات کے لیے پہلی بار الیکٹرانک مانیٹرنگ کا نظام متعارف کروایا گیا ہے۔ اس بار حج انتظامات میں واضح تبدیلی نظر آئے گی۔ حجاز مقدس میں جو عازمین خود قربانی کرنا چاہیں انہیں پیسے واپس کر دیے جائیں گے۔ عازمین کی مشکلات کے ازالے کے لیے موثر منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ حجاج کی پاکستان اور سعودی عرب میں شکایات کا فوری ازالہ کیا جائے گا۔ 1900 معاونین پاکستانی حاجیوں کی خدمت کے لیے متعین کیے ہیں جبکہ 432 افراد پر مشتمل میڈیکل مشن بھی خدمات انجام دے گا۔ نئے سسٹم کے ذریعے

حج ٹور آپریٹرز کو بھی مانیٹر کیا جارہا ہے۔ حاجیوں کو سہولت فراہم کرنے کے لیے دو ٹول فری نمبرز بھی متعارف کروائے گئے ہیں۔ پاکستان کے لیے یہ نمبر 0800-77000 اور سعودی عرب کے لیے 08001166622 ہے۔ حاجی ان نمبرز پر اپنی شکایات درج کرا سکتے ہیں۔ جن کا فوری ازالہ ہوگا۔ کسی حادثے کی صورت میں بھی آن لائن ڈیٹا دستیاب ہے۔ وزارت مذہبی امور کی ویب سائٹ پر بھی حج سے متعلق ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ تمام حاجیوں سے ان کے موبائل نمبرز لیے گئے ہیں اور ان کو ایس ایم ایس بھی کیے جارہے ہیں تاکہ ان کے مسائل حل ہوں۔ ہر حاجی کی شکایت وزیر یا سیکرٹری تک بھی براہ راست جائے گی۔ ان فون نمبرز پر ایسے آپریٹر لگائے گئے ہیں جو ایک سے زائد مقامی زبانوں پر عبور رکھتے ہوں گے۔ ان کے مطابق سابقہ ادوار کی مشکلات کے ازالے کے لیے یہ نیا نظام لایا گیا ہے اور اب معاونین کی تصاویر بھی نظر آئیں گی تاکہ پتہ چلے کہ وہ درست کام کررہے ہیں یا نہیں۔ سعودی عرب میں حرم کی توسیع کے کام کے باعث بعض ہدایات بھی حجاج کرام کو پہنچتی رہیں گی۔ سبز اور سرخ بلبلوں کے ذریعے سے حجاج کو آگاہ کیا جاتا رہے گا کہ حرم میں گنجائش ہے کہ نہیں۔ سرخ بتی روشن ہونے پر حجاج کو پتہ چل جائے گا کہ اندر جگہ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں مکہ اور مدینہ میں تمام متعلقہ افسران اور افراد سے بھی فرداً فرداً ملاقاتیں کی گئی ہیں تاکہ حجاج کے مسائل حل ہوں۔ عازمین حج کو ٹرانسپورٹ کی بہتر سہولت فراہم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ سہولیات کی فراہمی میں کوتاہی

برداشت نہیں کی گئی۔ سرکاری اسکیم کے تحت جانے والے جن حاجیوں کو حرم سے دور رہائش گاہیں فراہم کی گئیں انہیں 30 سے 35 ہزار روپے واپس کیے جائیں گے۔ فوت ہونے والے حاجی کے ورثاء کو پانچ لاکھ روپے ملیں گے اور زخمی کو ڈیڑھ لاکھ روپے ملیں گے۔ عازمین حج کو اس سال کوئی موبائل فون یا سم فراہم نہیں کی جائے گی، جبکہ جانوروں کی قربانی کے لئے بھی حجاج کو اپنی مرضی سے اسلامی ترقیاتی بینک کے ذریعے ٹوکن خریدنے یا نہ خریدنے کا اختیار ہوگا۔

اطلاعات کے مطابق پاکستانی حکومت کے تمام دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے ہیں، ڈائریکٹر جنرل حج کی جانب سے کیے گئے ناقص انتظامات کے باعث حجاج کرام جدہ پہنچ کر ذلیل و خوار ہوئے ہیں۔ حجاج 16, 16 گھنٹے بسوں کے انتظار میں رہے لیکن" دلہ " کمپنی کی بسیں بروقت نہیں پہنچ سکیں۔ اپنے مکتب تک پہنچنے میں بعض حاجیوں کو گھنٹے لگے ہیں۔ جہاں سے 12 کلو میٹر دور رہائش ہے۔ اس کے علاوہ سعودی عرب 36 میں اس بار بھی پاکستانی عازمین حج ماضی کی طرح حج مشن کی کرپشن اور ناقص انتظامات کی وجہ سے سخت مشکلات سے دوچار ہیں۔ مہنگے کرائے وصول کرنے کے باوجود حجاج کو حرم سے کافی دور رہائش گاہیں دی گئیں ہیں۔ وہ حجاج کرام جن کی رہائش مکۃ المکرمہ کی آبادی عزیزیہ میں لی گئی وہاں پاکستانی حجاج کی اکثریت کی عمارتیں لی گئیں ہیں، یہ علاقہ حرم سے چھ سے سات کلومیٹر پر ہے، وہاں سے حجاج کے لیے ٹرانسپورٹ کا انتظام کیا گیا ہے

مگر ٹرانسپورٹ تاخیر سے آنے اور فاصلہ طویل ہونے کی بنا پر اکثر حجاج کی نمازیں رہ جاتی ہیں جس پر حجاج سخت احتجاج کرتے ہیں، حجاج کی دیکھ بھال کرنے والا پاکستان کی سرکار کا عملہ حجاج سے پوشیدہ رہنے کی کوشش کرتا ہے، پاکستانی حجاج کے مرکزی دفتر پر مکۃ المکرمہ میں پاکستان حج مشن کے ذمہ داران کی خواہش پر مقامی سیکورٹی تعینات کردی گئی ہے تاکہ حجاج اپنی مشکلات لے کر وہاں نہ آسکیں، پاکستان سے آئے ہوئے خدام الحجاج کے ذمہ داران حجاج کی مشکلات دور کرنے کے لیے کوشاں ہیں اوران سے وعدہ کرتے ہیں کہ صورتحال کو بہتر کرلیا جائے گا، پاکستانی حجاج کے مطابق پاکستان حج مشن کے ذمہ داران ناقص انتظامات کرکے رقم اپنی جیبوں میں بھر چکے ہیں اور حجاج انہیں اپنے مسئلے بتانے کے لیے ڈھونڈتے ہیں مگر وہ نہیں ملتے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ حکومت اپنے دعوؤں میں ناکام ثابت ہوئی ہے، حکومت اپنی بیان کردہ پالیسی پر عمل نہیں کرسکی۔

دوسری جانب اطلاعات کے مطابق وزارت مذہبی امور نے رواں سال بھی سرکاری حج اسکیم کا کوٹہ محض من پسند حج کمپنیوں کو نوازنے کے لیے دو ہزار رجسٹرڈ کمپنیوں میں سے 19 کمپنیوں میں تقسیم کیا ہے۔ سیکرٹری مذہبی امور نے سرکاری حج اسکیم میں سے 325 حجاج کا کوٹہ کاٹا، جبکہ حج پالیسی میں نئی حج کمپنیوں کو کوٹہ نہ دینے کی پالیسی اختیار کی گئی تھی، اس کے باوجود 19 حج کمپنیوں

کو پچاس پچاس کا کوٹہ دیا گیا۔ وفاقی حکومت سرکاری حج پالیسی کو ترجیح دینا چاہتی ہے جبکہ وزارت کی بیوروکریسی کو اس بات کی کوئی غرض نہیں وہ صرف حج کوٹہ میں دلچسپی رکھتی ہے جس کے لیے سرکاری اسکیم کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ رواں سال حج پالیسی کے برعکس جن 19 حج کمپنیوں کو مبینہ مالی سازباز کے تحت حج کوٹہ دیا گیا ہے ان میں اکثر مالکان کے پاس پہلے ہی دو یا اس سے زائد حج کمپنیاں موجود ہیں، عدالتی احکامات کے باوجود جن کمپنیوں کو حج کوٹہ دیا گیا ہے۔ ان کی مطلوبہ دستاویزات بھی پورے نہیں۔ وزارت کی بیوروکریسی وفاقی وزیر مذہبی امور سردار یوسف اور وزیر مملکت کو بھی سرکاری حج اسکیم کے حوالے سے درست معلومات فراہم نہیں کی گئی۔

مدارس دینیہ میں مقصدیت کو اجاگر کرنے کی ضرورت

اس بات میں شک کی ہر گز کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مدارس دینیہ ملک و ملت کے لیے قابل فخر ادارے ہیں۔ ان میں اخلاقیات کی ایسی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے، جس کی مثال ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتی۔ دین کی خدمت، دین کا مکمل دفاع ہی ان مدارس دینیہ کی فکر کا محور و مرکز ہے۔ مدارس دینیہ نے ہمیشہ معاشرے میں اسلامی مزاج کو فروغ دینے کی بھرپور تگ و دو کی ہے اور بے شمار لوگوں کی زندگیوں کو خالص اسلامی طرز میں ڈھالا ہے۔ اس کے ساتھ انھوں نے دین متین سے متعلق تمام علوم اسلامیہ کو قیامت تک کے لیے نسل در نسل منتقل کرنے کو اپنا مقصد بنایا اور اس میں کماحقہ کامیاب بھی ہوئے ہیں۔جب ہندوستان میں برطانوی حکومت باضابطہ قائم ہوئی ، تو اس برطانوی ظالم حکومت نے مسلمانوں سے اسلامیت کو خارج کرنے کے لیے معاشرے سے مدارس کے اثر و رسوخ کو مٹانے کی کوشش شروع کردی۔ دفتروں اور عدالتوں سے فارسی اور عربی زبان کی بساط لپیٹ دی،اس کے ساتھ ساتھ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول حدیث، اصول تفسیر اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم دینے والے مدارس کے معاشرتی کردار پر بھی خطِ نسخ کھینچ دیا گیا۔ اسلام دشمنوں کے دل میں یہ منحوس تمنا اور خواہش پیدا ہوئی کہ اپنے انگریزی اقتدار کی بدولت مسلمانوں کے دینی ، ملی، تہذیبی اور تمدنی ورثے اور کلچر کو سرے سے ہی ملیا

میٹ کر دیا جائے اور مسلمانوں کے دلوں سے دین وایمان، شرافت ودیانت اور اسلامی اخلاق واقدار کے آثار وعلامات کو کھرچ کھرچ کر صاف کر دیا جائے۔ ایسے سنگین حالات میں مدارس نے دین اور اسلامی علوم کو آخری انسان تک مکمل و محفوظ پہنچانے کے اپنے مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے بھرپور منصوبہ بندی اور بیدار مغزی کے ساتھ محنت و تگ ودو کی۔اس کے لیے پوری دنیا میں مدارس کی تعداد کو بڑھانے پر خصوصی توجہ دینا شروع کی۔جس سے مدارس نہ صرف اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے بلکہ انہوں نے اپنے وجود کو مکمل محفوظ رکھتے ہوئے دن بدن ترقی کی بلند و بالا منازل بھی طے کیں ۔علوم اسلامیہ کو مکمل طور پر محفوظ رکھنے کے لیے پوری دنیا میں مدارس دینیہ کا جال بچھا دیا۔ مدارس کو پوری دنیا کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں کھولنے کا مقصد یہی تھا کہ اس سے ہمارا دینی ورثہ مکمل طور پر محفوظ رہے۔

انگریز کی ظالم حکومت کے مقابلے میں کامیاب ہونا اگرچہ انتہائی مشکل کام تھا لیکن مدارس نے ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا۔ دین اسلام اور علوم اسلامیہ کی حفاظت ان کا مقصد تھا جس کی خاطر یہ طلبہ مدرسے میں داخل ہونے سے لے کر قبر میں جانے تک اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی فکر میں مگن رہتے۔انہوں نے اپنے مقصد کے حصول میں کبھی بھی سستی وکاہلی سے کام نہ لیا۔جس کام کے لیے وقف ہوئے اسی پر جان نچھاور کی۔وہ مدرسے میں داخل ہوتے ہیں پہلے روز اپنا مقصد

متعین کر لیتے تھے۔ اسلامی علوم کو مکمل طور پر محفوظ رکھنا ان کا مقصد تھا۔ان کو اللہ تعالیٰ نے بے بہا نعمتوں سے نوازا تھا، وہ تقویٰ، ذہانت، فکر و دیگر کئی بے مثال صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ اس لیے ہر طالب علم نے اپنی ذات کی حد تک پورے پورے اسلامی ورثہ کو محفوظ کرنے کی ٹھانی، ہر اسلامی علم و فن پر مہارت حاصل کرتے گئے۔اس لیے ان میں سے ہر ایک طالب علم فقیہ بھی ہوتا تھا، مجتہد بھی، قاری بھی، محدث بھی، استاد بھی، متکلم بھی۔ اگر کوئی کسی ایک پہلو سے کمزور بھی ہوتا تو اس کے چاروں طرف متعدد افراد ایسے موجود ہوتے تھے جو اس کمی کو آناً فاناً پورا کر دیتے تھے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہر شخص حتی المقدور سب کچھ کر گزرنے کو تیار رہتا تھا۔ اس بامقصد زندگی میں کوئی اپنے کو کمزور محسوس نہیں کرتا تھا۔لیکن اب حالات ویسے نہیں ہیں۔اب مدارس تو ماشاء اللہ بہت زیادہ ہیں۔ مدارس میں پڑھائی پر بہت محنت سے ہو رہی ہے، تعلیم پر کافی توجہ بھی دی جا رہی ہے۔امتحانات میں اچھے نمبر حاصل کرنے والوں کو انعامات سے بھی نوازا جاتا ہے۔ لیکن انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ طلبہ کی اکثریت ایک طویل عرصہ پڑھ تو لیتی ہے لیکن وہ اپنے مقصد سے نابلد ہی رہتی ہے۔ بے شمار طلبہ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں پورے تعلیمی دورانیے میں اپنے مقصد تک کا علم نہیں ہوتا کہ ہم کیوں پڑھ رہے ہیں اور ہمارا مقصد کیا ہے۔ بس ایک روایتی طریقے پر سب کچھ چل رہا ہے۔ کسی بڑے نے مدرسے میں داخل کروا دیا اور طالب علم نے داخلہ لے لیا، مدرسے کا

پورا دورانیہ مکمل کرلیا لیکن اپنے مقصد تک سے نابلد رہے۔اکثر طلبہ کرام کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا مقصد تو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنا ہے۔یہ بہت اچھی بات ہے کہ کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کوئی کام کرے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا یقینا بہت ہی بڑی چیز ہے۔ لیکن پھر یہاں یہ سوال اٹھے گا کہ اگر مدرسے میں پڑھنے سے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہی مقصود ہے تو یہ خوشنودی تو بہت سے دوسرے دین کے کاموں کے ذریعے بھی حاصل ہو سکتی ہے، وہ کیوں نہیں کرلیے؟اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے صرف مدرسے میں داخلہ ہی کیوں لیا کوئی اور کام کیوں نہیں کیا؟یقینا مدرسے میں داخلہ لینے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہی ہے لیکن صرف داخلہ لے لینا ہی تو کافی نہیں بلکہ مدرسے میں داخلہ لے کر وہاں کچھ ایسا کام کرنا بھی ضروری ہے جو دین متین کی حفاظت کا ذریعہ بنے۔وہ کام علوم دین کی مکمل طور پر حفاظت کرنا ہے۔دین کو آئندہ آنے والے لوگوں تک محفوظ حالت میں پہنچانا ہے۔

اب ہر طالب علم ہر ہر علم پر مکمل دسترس تو حاصل نہیں کرسکتا۔ہر طالب علم ہر فن مولا نہیں بن سکتا۔نہ اکابر جیسا تقویٰ ہے اور نہ ہی ویسی صلاحیتیں۔لیکن اپنے ورثہ یعنی اسلامی علوم کو مکمل طور پر محفوظ تو کرنا ہے۔اس کے لیے بہتر راستہ تو یہی ہے کہ ہر طالب علم پڑھے تو تمام علوم لیکن

مہارت اتنے علوم پر حاصل کرے جتنے پر حاصل کر سکتا ہے۔بڑوں کی ذمہ داری ہے کہ جب طلبہ کرام مدارس میں داخلہ لیتے ہیں اور وہاں ایک طویل عرصہ گزارتے ہیں۔ اس دوران ہر طالب علم کی ذاتی رغبت و دلچسپی کو سامنے رکھتے ہوئے کسی ایک علم میں تخصیص کرنے کا مشورہ دیں۔ طالب علم پڑھے تمام علوم لیکن خصوصی توجہ کسی ایک پر دے جس میں اس کی زیادہ دلچسپی ہو۔تاکہ ایک لمبا عرصہ پڑھنے کے بعد جب وہ مدرسے سے فارغ ہو تو وہ کسی خاص علم میں مہارت حاصل کر چکا ہو۔ایک عرصے کے بعد تفسیر، حدیث، فقہ، اصول تفسیر، اصول حدیث، اصول فقہ اور دوسرے تمام اسلامی علوم کے بے شمار ماہر مدارس کو مل جائیں گے۔اب جبکہ طلبہ کے سامنے کوئی مقصد بھی نہیں ہوتا اور وہ ایک روایتی انداز میں علم حاصل کرتے رہتے ہیں اس سے علوم و فنون کے چند ہی ماہر سامنے آتے ہیں، حالانکہ ہر سال مدارس سے ہزاروں طلبہ کرام فارغ ہوتے ہیں، اس کے باوجود یہ سب کچھ کیوں؟۔ہر کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنے مقصد کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔اسکول میں کسی چھوٹی سی کلاس کے اسٹوڈینٹ سے بھی پوچھا جائے کہ آپ بڑے ہو کر کیا بنیں گے تو فوراً کوئی جواب دیتا ہے کہ میں انجینئر بنوں گا، کوئی کہتا ہے میں بڑا ہو کر پائلٹ بنوں گا۔ ہر اسٹوڈینٹ اپنی زندگی کے مقصد کو بچپن سے ہی اپنے سامنے رکھ لیتا ہے اور پھر اپنی تعلیم کا مکمل دورانیہ اپنے اسی مقصد کو سامنے رکھ کر طے کرتا ہے اور اپنے مقصد کو حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن اگر ہمارے مدارس کے طلبہ کی طرف دیکھا جائے تو وہ ایک طویل عرصہ پڑھ

تو لیتے ہیں لیکن اپنے مقصد سے نابلد نظر آتے ہیں۔ اگرچہ ان کی تعلیم کا مقصد یہ ہر گز نہیں کہ ان میں سے کوئی پائلٹ بنے اور کوئی انجینئر بنے لیکن دنیا میں ایک عظیم شخصیت بن کر دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنا تو ہر طالب علم کا مقصد ہو سکتا ہے۔ لیکن مدرسے کا کوئی طالب علم دوران تعلیم اس بات کا اظہار تک نہیں کرتا کہ میں بڑا ہو کر اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شیخ الاسلام بنوں گا، مفتی اعظم بنوں گا اور دین کا بہت بڑا داعی بنوں گا۔ مانا کہ ایسے مناصب کسی نہیں ہوتے بلکہ وھبی ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی طالب علم ان بڑے مناصب کو اپنا مقصد زندگی بنائے تو اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، ان کی سی صفات اپنائے تو ان مقاصد کو حاصل بھی کر سکتا ہے۔ جب مقصد سامنے ہوگا تو انسان اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا لیکن اگر کوئی مقصد ہی سامنے نہیں تو اسے کیسے حاصل کرے گا۔

قوم کا مجرم انجام کو پہنچ پائے گا؟

سابق آمر پرویز مشرف نے اکبر بگٹی قتل کیس میں رہائی کے بعد دبئی بھاگنے کی تیاری کرلی تھی کہ غازی عبدالرشید اور ان کی والدہ کے قتل کے کیس میں گرفتار کرلیا گیا۔نام ای سی ایل میں ڈال دیا گیا۔جس پر آل پاکستان مسلم لیگ کے سیکریٹری جنرل ڈاکٹر امجد کا کہنا تھا کہ پرویز مشرف کی بے نظیر بھٹو قتل کیس، ججز نظر بندی کیس اور اب اکبر بگٹی کیس میں بھی ضمانت ہو گئی ہے۔پرویز مشرف کا نام ای سی ایل سے نکالا جائے۔ اگر نام ای سی ایل سے نہیں نکالا گیا تو ہم سپریم کورٹ جائیں گے۔ہفتے کے روز وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان نے واضح الفاظ میں پرویز مشرف کے خلاف غداری کا مقدمہ چلانے کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ پرویز مشرف کے خلاف آرٹیکل 6 کی کارروائی جاری رہے گی۔پرویز مشرف کا نام ای سی ایل میں ہے اور عدالتی احکامات آنے تک ای سی ایل میں رہے گا، اس کا نام ای سی ایل سے نہیں نکال رہے۔پرویز مشرف سے تحقیقات میں فوج یا کسی اور کا کوئی دباؤ نہیں۔ کئی سابق فوجی افسر غداری کیس میں تعاون کر رہے۔پرویز مشرف سمیت کچھ اور جرنیلوں سے بھی تفتیش ہوگی۔ سابق آمر کی گرفتاری ایف آئی اے کی تحقیقات میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔پرویز مشرف جب بھی رہا ہوئے آئین توڑنے کی تحقیقات کی

جائیں گی۔

پوری قوم نے بارہ اکتوبر 1999ء میں ڈکٹیٹر پرویز مشرف کی طرف سے منتخب حکومت پر شب خون مارنے کی شدید الفاظ میں مذمت کی۔ مسلم لیگ (ن) کے رہنماؤں نے کہا کہ پرویز مشرف کے اقدامات سے ملک میں مشکلات پیدا ہوئیں۔ پرویز مشرف نے ملک کو دہشت گردی کی جنگ میں دھکیل دیا جو ہماری جنگ نہیں تھی۔ منتخب حکومت کا تختہ الٹنے والے جنرل مشرف آج اپنے ہی تعمیر کردہ محل میں جیل کی کال کوٹھڑی سے بھی بدتر اذیت کی زندگی گزار کر اپنے کیے کی سزا بھگت رہے ہیں جبکہ نواز شریف عوام کے ووٹ کی طاقت سے ایک بار پھر وزیراعظم بن کر عوام کی ترقی اور خوشحالی کے سفر کا از سر نو آغاز کر چکے ہیں۔ پاکستان کے عوام اور تاریخ جنرل مشرف کو کبھی معاف نہیں کر سکتی۔ سابق ڈکٹیٹر مشرف قوم کا مجرم ہے۔ پورا یقین ہے کہ عدلیہ اسے کیفر کردار تک ضرور پہنچائے گی۔ 12 اکتوبر کا دن جمہوریت میں سیاہ دن کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ قوم کو مکا دکھانے والا آج انگلی بھی نہیں دکھا سکتا۔ یہ مکافات عمل ہے۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے کہا ہے کہ 12 اکتوبر 1999ء کو جمہوریت پر شب خون مار کر جمہوری نظام کو لپیٹ دیا گیا جس کے اثرات آج بھی محسوس ہو رہے ہیں، فوجی آمر کے اقدام کے نتیجے میں ملک کی ترقی سست روی سے دوچار ہوئی، ایک فوجی آمر کی طرف سے جمہوری حکومت کو گرانا مستقبل میں ملک کی ترقی کے

لیے کوئی اچھا شگون نہیں تھا، اس کی وجہ سے اداروں کی ترقی جمود اور سست روی سے دوچار ہو گئی۔ اب وہ حالات نہیں کہ 12 اکتوبر 1999ء کی طرح ملک پر دوبارہ شب خون مارا جاسکے، مارشل لاء دور گزر گیا ہے، اب آئین کی خلاف ورزی برداشت نہیں کریں گے۔ بلوچ رہنماؤں کا کہنا تھا کہ نواب اکبر خان بگٹی ایک قدر آور سیاسی شخصیت تھے لیکن اس کے ساتھ وہ بلوچ بھی تھے۔ جہاں تک نواب بگٹی قتل کیس میں پرویز مشرف کی ضمانت کی درخواست کی منظوری ہے تو ہم پہلے ہی یہ کہہ چکے ہیں اس ملک میں ایسا کوئی قانون موجود نہیں جو نئی یا پرانی وردی کو سزا دینے کی کوئی استعداد رکھتا ہو، اگر اس ملک میں کوئی قانون ہوتا تو جرنیلوں نے ہمیشہ اس ملک کے آئین و قانون کا قتل کیا جمہوریت پر شب خون مارا، جو آئین اپنے قاتل کو انصاف کے کٹہرے میں لانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اس آئین یا اس کے اداروں سے کوئی بلوچ یہ توقع کیونکر رکھے کہ اس کے قومی مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے گا۔

دوسری جانب عبدالرشید غازی قتل کیس میں سابق صدر پرویز مشرف کی جانب سے دائر کی جانے والی درخواست ضمانت سماعت کے لیے منظور کرلی گئی۔ پرویز مشرف کی جانب سے درخواست ضمانت ان کے وکیل الیاس صدیقی نے اسلام آباد کی سیشن کورٹ میں دائر کی، جس میں موقف اختیار کیا گیا ہے کہ سابق صدر کی اس کیس میں گرفتاری بلاجواز ہے لہٰذا انہیں ضمانت پر رہا کیا جائے۔ واضح رہے کہ 10

اکتوبر کو سپریم کورٹ کی جانب سے اکبر بگٹی قتل کیس میں سابق صدر پرویز مشرف کی ضمانت پر رہائی کے احکامات کے بعد پولیس نے انہیں عبدالرشید غازی قتل کیس میں گرفتار کرلیا گیا تھا اور مقامی عدالت نے عبدالرشید غازی قتل کیس میں ہی سابق صدر کا دن کا جوڈیشل ریمانڈ دیا تھا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ پرویز مشرف پوری قوم کا مجرم 14 ہے، اس کو ملک سے بھگانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ پاکستان کے جابر ترین اور آمر حکمران (ر) جنرل پرویز مشرف نے میاں محمد نواز شریف کی حکومت کا تختہ الٹ کر خود ناجائز قبضہ کیا اور گیارہ سال پاکستان کو لہولہان کرتا رہا۔ پرویز مشرف کا دورہ پاکستانی تاریخ کا سیاہ ترین اور خون آلودہ دور ثابت ہوا۔ نائن الیون کے بعد اس آمر حکمران نے امریکا کا پٹھو بننا پسند کیا اور پاکستان کو امریکی کالونی بنا کر رکھ دیا۔ ہزاروں بیگناہ پاکستانیوں کو امریکا کے حوالے کردیا۔ ڈرون حملوں کی اجازت دے کر اپنے ہوائی اڈے امریکا کے حوالے کرکے معصوم اور بے گناہ پاکستانیوں کے خون سے ہولی کھیلنے کی کھلی چھٹی دے دی۔ کون سا ایسا ظلم ہے جو پرویز مشرف نے نہیں کیا، فوج کی ساکھ اور عزت خاک میں ملا کر رکھ دی۔ دہشتگردی کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ بھی پرویز مشرف دور ہی کی دین ہے جو آج تک پوری شہرت سے جاری ہے اور پاکستان دہشت گردی کی آگ میں جل رہا ہے۔ اس نے امریکی ڈالروں کے عوض قوم کی بیٹیوں کو امریکا جیسے درندے کے حوالے کردیا۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی آج تک امریکا کی قید میں ہے۔ میاں نواز شریف کو دس سال اس شخص نے

پاکستان میں قدم نہیں رکھنے دیا اور جمہوریت گیارہ برس معطل رہی۔ بینظیر قتل کیس، اکبر بگٹی قتل کیس، ججز کی نظر بندی کا کیس اور لال مسجد کیس.... ان میں سے ہر کیس کی سزا پھانسی ہے لیکن کچھ غیر ملکی قوتیں اس کوشش میں ہیں کہ ریمنڈ ڈیوس کی طرح پرویز مشرف کو بھی بھگا کر لے جایا جائے بہت ممکن ہے کہ یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو جائیں لیکن ایسا ہونا نہیں ہو چاہیے۔ اس خونخوار حکمران کو اس کے کیے کی قرار واقعی سزا ملنی چاہیے اور عدالت کو چاہیے کہ ایسے ظالم شخص کو عبرت کا نشان بنادے تاکہ آئندہ کسی فوجی حکمران کو ملک پر آمریت مسلط کرنے اور جمہوریت کو قتل کرنے کی جرات نہ ہو۔ وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کو ملکی اور عوامی سطح پر بہت سے گھمبیر مسائل کا سامنا ہے جنہیں حل کرنے کی وہ مسلسل کوشش کر رہے ہیں لیکن انہیں اپنے ہی نہیں ملک و قوم کے اس ناقابل معافی مجرم پرویز مشرف کی طرف سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ وزیراعظم کو چاہیے کہ پرویز مشرف کے خلاف آرٹیکل چھ غداری) کے مقدمے کی پیروی وفاقی سطح پر شروع کریں اور اس کی خود نگرانی کریں) اور حتیٰ المقدور کوشش کریں کہ پرویز مشرف کو عدالتی سطح پر غدار قرار دلوا کر کڑی سے کڑی سزا دلوائی جائے۔

عید قرباں بھی گزر گئی ....!

پاکستان میں عید قرباں کا تیسرا دن بھی روایتی جوش و خروش کے ساتھ گزر گیا۔ دنیا کے بیشتر ممالک میں مسلمانوں نے منگل کے روز عید الاضحیٰ منانے کا آغاز مساجد میں نماز عید کی ادائیگی کے ساتھ کیا ہے، جن میں سعودی عرب سمیت پوری عرب دینا، افریقی ممالک، امریکا کے علاوہ یورپ اور ایشیا کے بعض ممالک بھی شامل ہیں، جبکہ پاکستان اور بعض دیگر ممالک میں عید قرباں کو منانے کا آغاز بدھ کے دن کیا گیا۔ ملک بھر میں لوگوں نے عید قرباں کو انتہائی عقیدت و احترام سے گزارا اور سنت ابراہیمی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے محبوب جانوروں کی قربانیاں کیں۔ پورے پاکستان کی مساجد میں نماز عید الاضحیٰ کے بڑے بڑے اجتماعات منعقد کیے گئے۔ ان اجتماعات میں مسلمانوں نے اتحاد، ترقی و خوشحالی اور پاکستان سمیت پوری دنیا کے لیے امن و چین کی دعاؤں کے ساتھ اسلام کے فروغ اور سربلندی کی دعائیں کیں اور امت کو درپیش چیلنجوں کے علاوہ ظلم کا شکار بنی نوع انسان کے لیے بھی خصوصی دعائیں کی گئیں۔

حکومت نے نماز عید کے چھوٹے بڑے اجتماعات میں کسی بھی ناخوشگوار واقعے سے

نمٹنے کے لیے سیکورٹی کے انتہائی سخت انتظامات کیے۔پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکاروں کی اضافی نفری حساس مقامات کے علاوہ مساجد اور عیدگاہوں کے باہر تعنیات رہی۔عید کے موقع پر صرف کراچی میں انیس ہزار سے زائد سیکورٹی اہلکار تعینات کیے گئے۔انٹیلی جنس کلیکشن و شیئرنگ و دیگر انٹیلی جنس ایجنسیوں سے مستقل روابط کے علاوہ تمام اہم مقامات پر ٹیکنکل سوئپنگ اور کلیئرنس کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کیے گئے۔آئی جی سندھ کے مطابق عید الاضحیٰ کنٹی جنسی پلان کے مطابق کراچی میں کم و بیش 3987 مساجد، 315 امام بارگاہوں، 330 سے زائد عیدگاہوں اور تقریباً 270 نماز عید کے کھلے مقامات پر 19400 سے زائد سیکورٹی اہلکاروں نے فرائض انجام دیے۔علاوہ ازیں تمام پبلک مقامات اور عبادت گاہوں کے اندرونی حصوں اور اطراف میں سادہ لباس پولیس افسران اور جوانوں کی تعیناتیوں کے اقدامات کیے گئے۔جبکہ تمام ضلعوں کے ایس ایس پیز، ڈویژنل ایس پیز، ایس ڈی پی اوز اور ایس ایچ اوز کو مساجد، امام بارگاہوں ، دیگر کھلے مقامات، اہم تنصیبات اور عوامی مقامات کے اطراف اپنی اپنی سربراہی و نگرانی میں پولیس گشت اور اسنیپ چیکنگ جیسے ضروری امور کی انجام دہی اور بالخصوص ٹیکنکل سوئپنگ اور کلیئرنس کے حصول کا بھی پابند کیا گیا تھا، شہر میں پٹرولنگ، اسنیپ چیکنگ اور پکٹنگ کے لیے 560 موبائلوں اور 187 موٹر سائیکل سوار پولیس افسران و جوانوں کو ذمہ داریاں تضویض کی گئیں۔عید سے دو روز قبل ہی پولیس کو ہدایت کردی گئی تھی

کہ امن و امان کے حالات پر گرفت کو مضبوط کرنے اور شہریوں کی جان و مال کے یقینی تحفظ کے لیے نہ صرف ممکنہ حساس علاقوں پر توجہ دے بلکہ پولیس گشت، اسنیپ چیکنگ، پکٹنگ، ناکہ بندی، ریکی، نگرانی وغیرہ کے اقدامات کو ٹھوس بناتے ہوئے ڈپلائمنٹ پر باقاعدہ ویجلنس کے عمل کو بھی یقینی بنائے اور شر پسندوں کی کڑی نگرانی کے ضمن میں انتہائی ٹھوس اور موثر اقدامات کیے جائیں۔ پاکستانیوں کی بڑی تعداد کا ماننا تھا کہ ہم سب خوشی تو منا رہے ہیں، ہم نے عید بھی بڑے اجتماعات میں ادا کی۔ تاہم عید کی نماز پڑھتے ہوئے اس خوف کا بھی سامنا رہا کہ کہیں کوئی دہشت گردی کا واقعہ نہ ہو جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمیں اصل خوشی اس وقت ہو گی جب ملک سے دہشت گردی کا خاتمہ ہو گا۔

ایک سروے کے مطابق امسال مہنگائی کی وجہ سے ملک بھر میں قربانی کرنے کی شرح کم رہی ہے۔ بہت سے لوگوں نے بکرے کی قربانی کرنے کی بجائے صرف بڑی قربانی میں حصہ لینے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ بہت سے شہریوں کا کہنا تھا کہ بڑھتی ہوئی مہنگائی نے عید کی خوشیوں کو گہنا کر رکھ دیا ہے۔ عید تو خوشیوں کا تہوار ہے۔ لیکن انہیں اصل خوشی تب ہو گی جب ملک کے اندرونی حالات بہتر ہوں گے، مہنگائی ختم ہو گی اور سارے ہم وطن عید کی خوشیوں میں شریک ہو سکیں گے۔ کوئی قصائی پانچ چھ ہزار روپے سے کم پر جانور ذبح کرنے کو تیار ہی نہیں ہے۔ قربانی کرنے کے ساتھ ساتھ ایک افسوس ناک یہ بات سامنے آئی کہ پاکستان کے

اکثر علاقوں میں جگہ جگہ آلائشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ اگرچہ بہت سے علاقوں میں حکومت کی جانب سے صفائی کا کافی بہتر انتظام کیا گیا تھا لیکن لوگوں نے اپنی سطح پر جانوروں کی قربانی کرتے وقت صفائی کا خاص انتظام نہیں کیا۔ قربانی کے جانور کا خون چھوٹے محلوں، گلیوں اور بڑی سوسائٹیوں میں لان اور گیراج میں بہا دیا گیا، شام ڈھلنے تک اتنی بدبو پھیل چکی تھی کہ ہر گلی ایک بہت بڑے مذبح خانے کا منظر پیش کرتی رہی۔ حالانکہ اگر قربانی سے پہلے مٹی میں گڑھا کھود کر اس میں قربانی کا خون دبا دیا جائے تو نا صرف بو سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے بلکہ مختلف النوع حشرات اور اڑنے والے مچھر مکھیوں کا بندوبست بھی کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح جانوروں کے اندرونی اعضاء خالی پلاٹوں میں پھینک دیے گئے، جو جگہ جگہ آوارہ کتے بلیوں کو دعوت عام دے تے رہے۔ حکومت کی جانب سے اگرچہ ان کو ٹھکانے لگانے کا بندوبست بھی کیا جاتا ہے لیکن ایک طرف محدود عملہ اور وسائل کے ساتھ نمٹنا آسان کام نہیں ہے۔ جب تک ہر شخص خود صفائی کا بندوبست نہ کرے اس وقت تک بہتر انتظام نہیں کیا جا سکتا۔

قربانی کیے جانے کے بعد سے مختلف قسم کے کھانے پکانوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ فوڈ اسٹریٹ پر ویسے تو سارا سال کھانے فروخت کرنے کا سلسلہ جاری رہتا ہے مگر عید قرباں کے موقع پر قربانی کے گوشت سے مختلف انواع و اقسام کے پکوان

تیار کرکے دیے جاتے ہیں۔قربانی کے گوشت سے مختلف اقسام کے چٹ پٹے کھانے بنانے کا رواج گھروں میں تو عام ہے جہاں خواتین کھانوں کی تیاری کے لیے کچن میں جت جاتی ہیں مگر اس سال ہوٹلوں اور پکوانوں کی دکانوں سے بھی ذائقے دار کھانے آرڈر پر تیار کرنے کے رجحان میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ مشہور فوڈ اسٹریٹ پر عیدِ قرباں کے گوشت سے پکوان تیار کرکے دینے کا اہتمام کیا جاتا رہا۔ جہاں شہریوں کی بڑی تعداد اپنے گھر سے قربانی کا گوشت لاکر کھانے تیار کرنے کے آرڈر بک کرواتی رہی۔ مشہور فوڈ اسٹریٹ پر عیدِ قرباں کے موقع پر قربانی کے گوشت سے مختلف انواع و اقسام کے پکوان تیار کرکے دیے گئے، جس میں سیخ کباب، گولا کباب، ہنٹر بیف، ملائی بوٹی، تکے، کٹاکٹ، بھجی اور دیگر چٹ پٹے کھانے شامل ہیں۔ آرڈر پر سجّی تیار کرنے والے ہوٹل کے ایک مالک کا کہنا تھا کہ ایک سجّی تیار کرنے کے 250 روپے لیتے ہیں جس میں مصالحے اور بنائی شامل ہوتی ہے جبکہ سجّی بنانے کا آرڈر ایک دن پہلے ب ±ک کرتے ہیں کیوں کہ سجّی کے لیے کئی گھنٹے پہلے مصالحے لگا کر رکھا جاتا ہے، اس کے بعد سجّی کو دہکتے کوئلوں پر تیار کیا جاتا ہے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ ویسے تو لوگ گھروں میں پکوان تیار کرتے ہیں مگر باہر سے بنوا کر کھانے کا ایک الگ ہی مزہ ہوتا ہے۔ کباب فروخت کرنے والے دکاندار کا کہنا تھا کہ سیخ کباب فی کلو گوشت پر 200 روپے کے حساب سے چارج کیے ہیں۔ عید کے دوسرے اور تیسرے دن ان آرڈرز میں اضافہ ہوتا رہا۔آرڈر پر کھانے تیار کروانے کے لیے آئے ایک شہری

کا کہنا تھا کہ گھروں میں تیار کیے ہوئے پکوانوں میں وہ روایتی ذائقے کی کمی رہتی ہے جس کے باعث وہ ہوٹلوں اور مختلف پکوان تیار کرنے والوں کا رخ کرتے ہیں جہاں گوشت دیگر بنے بنائے پکوان مل جاتے ہیں، اگر بڑے پیمانے پر دعوتوں کا اہتمام کرنا ہو تو یہ طریقہ بہت اچھا ہے کہ باہر سے کھانے بنوالیے جائیں۔اس کے ساتھ ملک بھر میں قربانی کرنے والے اکثر افراد نے قربانی کا گوشت کئی دنوں کے لیے محفوظ کرلیا، بہت سے غربا کو عید کے تینوں دنوں میں گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ملا۔اطلاعات کے مطابق عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے گوشت کو محفوظ رکھنے کے لیے ڈیپ فریزر اور یفریجریٹر کی فروخت میں عام دنوں کی نسبت اضافہ دیکھاگیا۔ الیکٹرانکس مصنوعات کی سب سے بڑی مارکیٹ ریگل چوک صدر میں عید الاضحیٰ سے ایک روز قبل تک ڈیپ فریزر اور ریفریجریٹر کی خریداری کے لیے عوام کا رش رہا اور لوگ قربانی کے گوشت کو طویل عرصے تک محفوظ رکھنے کے لیے ڈیپ فریزر اور ریفریجریٹر کی خریداری میں مصروف رہے۔تاجروں کا کہنا تھا کہ عید پر زیادہ تر مائیکروویو اوون، الیکٹرانک گرل، جوسر بلینڈرز، چوپرز، ڈیپ فریزرز اور ریفریجریٹرز فروخت کیے جاتے ہیں، اس سال ڈیپ فریزرز کی قیمت میں اگرچہ گزشتہ سال کے مقابلے میں 4500 روپے تک کا اضافہ ہوا ہے اس کے باوجود ڈیپ فریزرز کی فروخت میں اضافہ ہوا ہے۔

تحریک انصاف کا فوری مذاکرات کرنے پر زور

پاکستان میں عید کے روز بھی خودکش حملے نہ رکے۔ عید کے روز خودکش حملہ ہوا جس میں خیبر پی کے کے وزیر قانون اسرار اللہ گنڈاپور سمیت دس افراد جاں بحق اور بیس سے زائد زخمی ہوئے۔ خودکش حملہ آور دو محافظوں کو مار کر ان کے حجرے میں داخل ہوا اور مغرب سے تھوڑی دیر پہلے خودکش بمبار نے خود کو اس وقت اڑایا جب وہ سردار اسرار اللہ خان سے بغل گیر ہونے کے لیے آگے بڑھا۔ دھماکہ سے حجرے میں کھڑی گاڑیوں اور عمارت کے شیشے ٹوٹ گئے جس کے بعد گنڈاپور کامپ میں کہرام مچ گیا اور ہر طرف زخمیوں کی چیخ و پکار سنائی دینے لگی جبکہ صوبائی وزیر قانون موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔ ان کے بڑے بھائی چیف آف گنڈاپور سردار اکرام اللہ خان گنڈاپور جو کہ موقع پر موجود تھے محفوظ رہے۔ عینی شاہدین کے مطابق خودکش حملہ آور کی عمر 18 سال سے 20 سال تھی۔ بم ڈسپوزل سکواڈ کے مطابق دھماکے میں 8 کلو وزنی بارود استعمال کیا گیا۔ اطلاعات ہیں کہ صوبائی وزیر قانون سردار اسرار اللہ خان گنڈاپور کی رہائش گاہ پر ہونے والے خودکش حملے کی ذمہ داری انصار المجاہدین ابو بصیر گروپ نامی تنظیم نے قبول کرتے ہوئے موقف اختیار کیا ہے کہ انہوں نے ڈی آئی خان جیل میں اپنے بعض ساتھیوں کی ہلاکت کا بدلہ لیا ہے۔ خودکش دھماکہ میں جاں بحق ہونے والے اسرار اللہ گنڈاپور نے آزاد

امیدوار کی حیثیت سے جیت کر تحریک انصاف میں شمولیت اختیار کی تھی۔ صوبائی وزیر کی ہلاکت پر وزیراعظم نواز شریف، سید منور حسن، الطاف حسین سمیت سیاسی و مذہبی قائدین نے گہرے دکھ کا اظہار کیا۔ سربراہ جے یو آئی (ف) مولانا فضل الرحمٰن صوبائی وزیر قانون مرحوم اسرار اللہ گنڈاپور کے گھر گئے اور اہل خانہ سے اظہار تعزیت کیا۔ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ میں ایک اچھے دوست اور ساتھی کی رفاقت سے محروم ہوگیا ہوں۔ تحریک انصاف کے رہنما عمران خان نے اس واقعہ میں مرنے والوں کو شہید قرار دیا اور وفاقی حکومت پر زور دیا وہ کل جماعتی کانفرنس میں ہونے والے فیصلے پر عملدرآمد کرے۔ کیونکہ خیبر پی کے صوبے کے لوگ اور حکومت دہشت گردی کا نشانہ ہیں۔

تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے کہا ہے کہ وہ اب بھی طالبان سے مذاکرات کے حامی ہیں، لہٰذا فوری مذاکرات شروع ہونے چاہیے۔ مذاکرات کے بغیر امن کا قیام ممکن نہیں ہے۔ تحریک انصاف کے چیرمین عمران خان نے کہا ہے کہ امن کے لیے مذاکرات ہی سب سے بہترین حل ہے۔ ہمیں بزدلی کا طعنہ دینے والے چاہتے ہیں کہ طالبان سے ہمیشہ جنگ ہوتی رہے۔ خودکش حملے میں جاں بحق صوبائی وزیر قانون اسرار اللہ گنڈاپور کے لواحقین سے اظہار تعزیت کے موقع پر عمران خان نے کہا کہ خیبر پختونخوا حکومت کو شدید ترین دہشت گردی کا سامنا ہے، دوسروں کی جنگ میں شامل ہونے کا نقصان ہمیں برداشت کرنا پڑ رہا ہے، وفاقی حکومت امن

وامان کے قیام میں مکمل طور پر ناکام ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے خیبر پختونخوا میں صوبائی حکومت کو اپنے طور پر حفاظتی انتظامات کرنے پڑ رہے ہیں۔ ملک کی تمام سیاسی جماعتوں نے طالبان سے مذاکرات کا مینڈیٹ وفاق کو دیا تھا لیکن افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ حکومتی اے پی سی کے مقاصد پورے نہیں ہوئے کیونکہ حکومت تاحال مذاکرات شروع نہیں کر سکی۔ وہ نواز شریف سے کہتے ہیں کہ آگے آئیں اور مذاکرات کے راستے کو اختیار کریں اور اگر طالبان کا دفتر قائم ہو جائے تو مذاکرات آسان ہو جائیں گے۔ عمران خان کا کہنا تھا خیبر پختونخوا اور فاٹا میں گزشتہ کئی برسوں سے آپریشن ہو رہا ہے لیکن اس سے مسئلہ حل نہیں ہوا جس کی وجہ سے اب مذاکرات سے حل نکالا جا رہا ہے کیونکہ امن کے لیے مذاکرات ہی سب سے بہترین حل ہے۔ امن پسندی کی خواہش کے باعث ہمیں بزدلی کا طعنہ دیا جا رہا ہے، ہمیں بزدل کہنے والے چاہتے ہیں کہ علاقے میں دوبارہ جنگ ہو۔ انہوں نے کہا کہ پشاور میں ایک ہفتے کے دوران تین دھماکے ہوئے لیکن طالبان نے تردید کر دی، یہ سمجھ سے بالاتر ہے کہ اگر طالبان نے حملہ نہیں کیا تو کس نے کیا۔ خودکش حملے سے اگلے روز بھی خیبر پی کے کابینہ نے اپنے ہنگامی اجلاس میں طالبان سے مذاکراتی عمل سست روی کا شکار ہونے پر شدید تحفظات کا اظہار کیا تھا اور بیرونی ایماء پر صوبہ میں دہشت گردی کرنے والوں کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کا فیصلہ کیا تھا۔ خیبر پی کے کابینہ نے وفاق سے ڈرون حملے بند کرانے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا ہے

وفاقی حکومت طالبان سے باقاعدہ مذاکرات کا آغاز کرے، طالبان سے مذاکراتی عمل پر ہمیں اعتماد میں لے اور مذاکراتی عمل سے لحہ بہ لحہ باخبر رکھا جائے۔ مذاکراتی عمل تیز کیا جائے تاہم مذاکراتی عمل سبوتاژ کرنے والوں سے نمٹنے ۔ عوامی نیشنل پارٹی کے مرکزی رہنماؤں نے بھی عید کے روز ہونے والے خودکش حملے کے بعد اپنے ایک بیان میں کہا، لگتا نہیں کہ طالبان سے مذاکرات ہو رہے ہیں۔ ایسا ہوتا تو دھماکے نہ ہوتے اور جنگ بندی ہو چکی ہوتی۔ کوئی مذاکرات ہو بھی رہے ہیں تو وہ ذمہ دار لوگوں سے نہیں ہو رہے۔ فوری طالبان سے مذاکرات ہونے چاہیے۔ کئی اور بھی سیاسی رہنماؤں نے طالبان سے فوری مذاکرات شروع کرنے پر زور دیا ہے۔ دوسری جانب تحریک طالبان پاکستان کے مرکزی ترجمان شاہد اللہ شاہد نے کہا ہے کہ پچھلے نو سال سے آپریشن جاری ہے اس لیے ہم ان دھمکیوں سے نہیں ڈرتے کیونکہ اب طالبان کے تمام گروپ پہلے سے زیادہ مضبوط اور منظم ہیں۔ طالبان حکومت کے ساتھ مذکرات کے لیے تیار ہیں لیکن حکومت کو سیز فائر میں پہل کرنی ہوگی۔ حکومت مذاکرت کے لیے ہر گز سنجیدہ نہیں۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ پاکستان کے صوبہ خیبر پختونخوا میں عمران خان کی جماعت تحریک انصاف کی حکومت کو بنے ہوئے صرف چند ماہ ہوئے ہیں لیکن اس عرصے میں ان کے تین منتخب نمائندے ا±س جنگ کی نذر ہو چکے ہیں۔ تحریک انصاف کے متعدد رہنما اس بات پر برہم ہیں کہ آخر وفاقی حکومت کل جماعتی کانفرنس میں ملک کی

سیاسی جماعتوں اور عسکری قیادت سے پورا اختیار لینے کے بعد بھی مذاکرات کے عمل کو تیز کیوں نہیں کرتی؟۔ان میں سے بعض اس مخمصے کا شکار ہونے کے علاوہ پریشان بھی ہیں کہ انہیں کون نشانہ بنا رہا ہے اور کیوں نشانہ بنا رہا ہے۔ انتخابات سے کچھ عرصہ قبل جن لوگوں نے دہشت گردی کے حملوں سے جان بچانے کی خاطر اے این پی اور پیپلز پارٹی کو چھوڑا تھا اور کچھ مذہبی جماعتوں اور تحریک انصاف میں شمولیت اختیار کی تھی، انھیں بھی سمجھ آ چکی ہے کہ معاملہ اتنا آسان بھی نہیں جتنا انہوں نے سمجھ رکھا تھا۔ وہ کچھ سماجی فلاحی پروگراموں کے ذریعے تعلیم اور صحت جیسے اداروں میں لوگوں کو ریلیف دے کر ثابت کرنا چاہتی تھی کہ وہ تبدیلی لا چکی ہے۔ تحریک انصاف کا خیال تھا کہ وہ صرف ڈرون حملوں اور نیٹو سپلائی کی مخالفت کرکے اپنی جان بچالیں گے۔اور انہوں نے قوم سے یہ وعدے کیے تھے کہ وہ حکومت سنبھال کر ڈرون حملے رکوا دیں گے اور نیٹو سپلائی کو بھی روک دیں گے۔ یہ وعدے ابھی تک وفا نہیں ہوسکے، اور یہ سپلائی آج بھی وزیرِ اعلیٰ کے نوشہرہ میں آبائی حلقے اور پشاور سے ہو کر گزرتی ہے۔ تحریک انصاف یقیناً موجودہ صورت حال میں پڑنے والی اس نئی افتاد کے لیے تیار نہیں تھی۔اس جنگ کی حمایت کرنے کے بعد اے این پی کو اکیلے جس بری طرح نشانہ بنایا گیا تحریک انصاف اس کے انجام سے بھی خائف ہے اور وہ کھل کر کسی کا نام بھی اسی وجہ سے نہیں لے رہی۔اس کی مخالف جماعتوں کی نظریں تحریک انصاف تو ان حالات کے لیے تیار ہی نہیں تھی اور بہت جلد ہی خود

حکومت چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گی۔ تحریک انصاف کو ابھی بہت کچھ سیکھنا باقی ہے۔ وہ نہ ہی تو اب تک دہشت گردی سے نمٹنے کا کوئی بڑا منصوبہ متعارف کرا سکی ہے اور نہ ہی یہ پیغام دے سکی ہے کہ وہ اتنے ماہ گزرنے کے بعد سمجھ پائی ہے کہ دستیاب وسائل کو ٹھیک طرح سے استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ عام ووٹر کی اس حمایت کو بھی اپنے ان مقاصد کے لیے کام میں لائے جو اس کے لیے بڑے بڑے بتوں سے بھڑ گئے تھے۔ تحریک عجیب انصاف مخمصے کا شکار ہے۔

نواز شریف دورہ امریکا سے پر امید نہیں ہیں

میاں محمد نواز شریف وزیر اعظم بننے کے بعد پہلی بار امریکا کے چار روزہ دورے پر گئے ہیں۔ جہاں بدھ کے روز اوباما کے ساتھ ملاقات کریں گے۔ میاں صاحب نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ اوباما کے سامنے ڈرون حملوں کو روکنے کے حوالے سے کھل کر بات کریں گے، اوباما کے سامنے یہ واضح کریں گا کہ ڈرون حملے پاکستان کی سالمیت کے خلاف ہیں۔ لیکن نیویارک ٹائمز نے وزیر اعظم نواز شریف کے دورہ امریکا پر ایک آرٹیکل میں لکھا ہے کہ دورہ امریکا پر نواز شریف کو کوئی بڑی توقعات نہیں ہیں۔ ملاقات کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ دونوں ملکوں کے تعلقات کا نیا دور شروع ہونے والا ہے۔ دونوں ملکوں کے درمیان مسائل بہت گہرے ہیں۔ دونوں ملکوں کے درمیان ایک اہم مسئلہ ڈرون کا ہے۔ پاکستان چاہے گا کہ ڈرون حملے روک دیے جائیں مگر اس کی توقع نہیں کیونکہ پاکستان میں بنیادی ڈھانچہ وہی ہے، صرف شخصیات تبدیل ہوئی ہیں۔ ماضی میں یہ مذاکرات کبھی کامیاب نہیں ہوئے، اس لیے اس دفعہ بھی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ میاں نواز شریف کے دورہ پر بھی امریکا کا کہنا ہے کہ پاکستان کے ساتھ امریکا کے تعلقات اچھے ہونے چاہیے لیکن ضروری نہیں کہ ڈرون حملوں کے بارے میں بھی بات ہو۔

امریکا پاکستان میں ہونے والے ڈرون حملے روکنا نہیں چاہتا۔اس لیے اس نے اپنی ایجنسیوں کو پاکستان میں ڈرون حملے کرنے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔واشنگٹن پوسٹ کی رپورٹ کے مطابق امریکا کے دو خفیہ ادارے نیشنل سیکورٹی ایجنسی (NSA) گہرے تعاون کے ساتھ ڈرون حملوں کو ترتیب (CIA) اور سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی دیتی ہیں۔ ان حملوں کے لیے یہ ادارے الیکٹرانک آلات کا استعمال بھی کرتے ہیں۔ بسا اوقات مشتبہ افراد کو ٹارگٹ کرنے کے لیے انتہائی حساس الیکٹرانک آلات کا استعمال بھی کیا جاتا ہے۔ اسی نیٹ ورک کے ذریعے قبائلی علاقوں میں روپوش اور سرگرم عسکریت پسندوں کے ٹھکانوں کا سراغ ان کے موبائل ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو سے لگایا جاتا رہا ہے۔ رپورٹ کے مطابق نیشنل سیکورٹی ایجنسی کے سائبر جاسوسی کے شعبے نے القاعدہ کے ایک سینیئر رہنما حسان غول کو کامیابی سے ڈھونڈ کر سو فیصد درست معلومات سی آئی اے کو فراہم کی تھیں۔ انہی شواہد کی بنیاد پر سی آئی نے اے نے ایک ڈرون حملے میں یمنی نژاد حسان غول کو پاکستانی قبائلی علاقے میں اکتوبر 2012 کو مار دیا تھا۔ واشنگٹن پوسٹ نے رپورٹ میں واضح کیا ہے کہ اس کے پاس ٹارگٹ کرکے مارے جانے والے کئی اور افراد کی تفصیلات بھی موجود ہیں۔ یہ تفصیلات خفیہ اداروں کے افسران کی درخواست پر روک لی گئی ہیں۔ نیشنل سیکورٹی ایجنسی کی ترجمان وانی وینس نے سنوڈین کی حالیہ دستاویزات کو مسترد کرنے کے بجائے ایک بیان

میں کہا ہے کہ این ایس اے ان مشتبہ شدت پسندوں کی جاسوسی کرتی ہے جو امریکا کے لیے خطرہ ہیں۔ ہماری توجہ درست عالمی انٹیلی جنس اہداف اور ان کی تیاری پر مرکوز ہے، جو دہشت گردوں، انسانی اسمگلنگ اور منشیات کے اسمگلروں سے متعلق ہیں۔ ہماری سرگرمیاں امریکی رہنماؤں کی ضروریات اور عسکریت پسندوں سے عوام کے تحفظ کے سلسلے میں عالمی انٹیلی جنس اہداف اور بڑی تباہی والے ہتھیاروں کے خلاف ہیں۔ امریکی ڈرون حملے صدر بارک اوباما کی القاعدہ کے خلاف بنیادی حکمتِ عملی ہیں جس کو سی آئی اے کے سپرد کیا گیا ہے۔ لیکن واشنگٹن پوسٹ کی رپورٹ میں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نیشنل سیکورٹی ایجنسی نے سی آئی اے کو متنازع ڈرون کارروائیوں میں انٹیلی جنس معلومات فراہم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ نیشنل سیکورٹی ایجنسی نے مشتبہ شدت پسندوں کی جاسوسی کے وسائل پر توجہ مرکوز کرنے کے لیے ایک خفیہ یونٹ بھی قائم کیا جو انسدادِ دہشت گردی کا ایک جانبدار سیل گنا جاتا ہے۔ غیر ملکی خبر رساں ادارے کے مطابق ایک امریکی اخبار میں شائع ہونے والی اِس رپورٹ کو نیشنل سیکورٹی ایجنسی کے سابق ملازم اور کئی اہم راز افشا کرنے والے ایڈورڈ سنوڈن کی فراہم کردہ دستاویزات سے تیار کیا گیا ہے۔اور ایڈورڈ سنوڈین جاسوسی کے الزام میں امریکا کو مطلوب ہیں، لیکن انہوں نے روس میں پناہ حاصل کی ہوئی ہے۔

دوسری جانب امریکی تجزیہ کار کوین ہارٹ نے ڈرون حملوں کو امریکی جارحیت

قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ امریکا کئی برسوں سے دہشتگردی کے خلاف جنگ اور القاعدہ سے نمٹنے کے نام پر ڈرون حملوں میں بے گناہ افراد کو قتل کر رہا ہے۔ ایرانی ٹی وی کو انٹرویو میں کوین ہارٹ نے کہا کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں امریکا کے ڈرون حملے امریکی جارحیت کی واضح علامت ہیں۔ امریکا دہشتگردوں کے تعاقب کے نام پر بے گناہ افراد کا قتل عام کرتا ہے۔ اگر یہی عمل امریکا میں دہرایا جائے تو امریکا کا کیا رد عمل ہوگا؟۔ کوین ہارٹ نے کہا کہ ڈرون حملوں کے سدباب کا بہترین راستہ یہی ہے کہ ان حملوں کے خلاف بھرپور احتجاج کیا جائے اور عالمی سطح پر امریکی پالیسیوں کی مذمت کی جائے۔ جبکہ جمعہ کے روز اقوام متحدہ نے ایک بار پھر امریکا کو خبردار کیا ہے کہ ڈرون حملے عالمی سلامتی کے لیے سنگین خطرہ ہیں جبکہ یہ حملے دیگر ممالک کو ڈرون طیاروں کے حصول کی جانب راغب کر رہے ہیں۔ یو این کے ماورائے عدالت قتل یا سزائے موت کے خصوصی نمائندے کرسٹوف پاٹنز نے سلامتی کونسل میں پیش کی گئی رپورٹ میں کہا ہے ڈرون حملوں کا استعمال کرنے والے ممالک ان کی شفافیت اور طریقہ کار کی وضاحت کریں۔ ڈرون حملے عالمی قوانین کی بھی خلاف ورزی ہے۔

پاکستان نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی خصوصی کمیٹی میں ڈرون حملوں کے مسئلہ کو ایک بار پھر پوری قوت سے اٹھاتے ہوئے کہا ہے ڈرون حملے پاکستان کی سلامتی اور خودمختاری کے لیے خطرہ اور دہشت گردی میں اضافہ کا باعث ہیں،

اقوام متحدہ پاکستان پر ہونے والے غیر قانونی ڈرون حملوں کا نوٹس لے اور ان کو روکنے کے لیے ضروری اقدامات اٹھائے۔ اقوام متحدہ میں پاکستان کے خصوصی نمائندے ضمیر اکرم نے خصوصی کمیٹی کو بتایا جنگی زون سے باہر کسی بھی ملک کے خلاف ڈرون حملوں کا استعمال بین الاقوامی قانون کے منافی ہے۔ ڈرون حملے پاکستان کی سلامتی اور خود مختاری کے لیے چیلنج ہیں اور ان میں خواتین اور بچوں سمیت بے گناہ افراد کے جاں بحق ہونے کی وجہ سے دہشت گردی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جس کے بعد اقوام متحدہ کے ایک خصوصی نمائندے نے امریکا سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ پاکستان سمیت دیگر ممالک میں ڈرون حملوں کے نتیجے میں جاں بحق ہونے والے عام شہریوں کے اعداد و شمار کو منظر عام پر لائے۔ اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندے بین ایمرسن کے بقول پاکستانی حکام نے تصدیق کی ہے کہ قبائلی علاقوں میں سال 2004 سے ہونے والے ڈرون حملوں میں 2200 افراد جاں بحق اور 600 شدید زخمی ہوئے جبکہ جاں 330 بحق ہونے والوں میں 400 عام شہری شامل ہیں۔ انسداد دہشت گردی اور انسانی حقوق کے لیے اقوامِ متحدہ کے خصوصی نمائندے بین ایمرسن کی اقوامِ متحدہ کے لیے ابتدائی تحقیقاتی رپورٹ کی مزید تفصیلات کے مطابق اس تحقیقاتی رپورٹ میں جائزہ لیا گیا کہ کہیں ڈرون حملوں میں عام شہریوں کی اموات غیر متناسب تو نہیں اور کس حد تک قانونی ہیں۔ اقوام متحدہ نے پاکستان اور دیگر ملکوں میں ڈرون حملوں کے نتیجے میں عام شہریوں کی ہلاکت اور ٹارگٹ کلنگ پر تحقیقات جنوری سے شروع کی تھیں۔ اس تحقیق کے

دوران بین ایمرسن نے ڈرون حملوں کے لیے ذمہ دار امریکی افسروں سمیت ان ملکوں کے اہلکاروں سے بھی بات چیت کی ہے جن کی سرزمین پر امریکا ڈرون طیاروں کے ذریعے لوگوں کو نشانہ بنا رہا ہے۔ اقوام متحدہ کے لیے اپنی رپورٹ کی تیاری کے دوران بین ایمرسن نے ابتدائی معلومات جاری کی ہیں جن کے مطابق امریکی ڈرون طیارے، کم سے کم ساڑھے چار سو شہریوں کی اموات کا سبب بنے البتہ ان کا کہنا ہے اس سلسلے میں مزید کام کی ضرورت ہے۔ بین ایمرسن کا کہنا ہے پاکستانی حکام نے انہیں بتایا امریکی جاسوس طیاروں کے حملوں میں کم سے کم چار سو شہری مارے گئے۔ بین ایمرسن کے بقول ان کی تفتیش میں سب سے بڑی رکاوٹ امریکی خفیہ ادارے سی آئی اے کی رازداری ہے جس کے نتیجے میں ڈرون حملوں کے نقصانات کا شفاف تخمینہ لگانا مشکل ہے۔ پاکستان اور یمن میں ہونے والے ڈرون حملوں کی نگرانی سی آئی اے کرتی ہے۔ بین ایمرسن کے خیال میں ان ڈرون حملوں سے ہونے والے جانی نقصان کے اعداد و شمار کو منظرِ عام پر لانے سے امریکی سلامتی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ امریکا، اسرائیل اور برطانیہ سمیت ڈرون طیارے استعمال کرنے والے تمام ممالک سے مطالبہ کیا وہ عام شہریوں کے جانی نقصان کی معلومات دینا اور اس کی قانونی وضاحت کرنا اپنا فرض سمجھیں۔ اقوامِ متحدہ کے خصوصی نمائندے نے اپنی ابتدائی رپورٹ میں اعتراف کیا ہے ڈرون طیارے انتہائی محتاط حکمت عملی کے تحت استعمال کیے جائیں تو دوسری ہر قسم کی فوجی کارروائی کی نسبت ڈرون حملے کم جانی نقصان

کرتے ہیں۔ بین ایمرسن کے بقول اس سلسلے میں حملہ کرنے والے اور جہاں حملہ ہو رہا ہو دونوں ملکوں کے درمیان معاہدہ ہونا ضروری ہے۔ پاکستان کا سرکاری مو ٔ قف رہا ہے کہ امریکا کے ڈرون حملے ملکی سالمیت اور خود مختاری کی خلاف ورزی ہیں۔ پاکستان متعدد بار اعلیٰ سطح پر قبائلی علاقوں میں امریکی ڈرون حملوں پر احتجاج کر چکا ہے اور ان حملوں کے خلاف دائیں بازو کی اور مذہبی جماعتیں احتجاجی مظاہرے کر چکی ہیں۔

وزیراعظم نواز شریف نے گزشتہ ماہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں اپنے خطاب میں ڈرون حملوں کو تمام عالمی قوانین کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے امریکا سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ یہ حملے بند کریں تاکہ مزید شہریوں کی ہلاکت نہ ہو۔ میاں نواز شریف کا کہنا تھا کہ ڈرون حملے سود مند سے نقصان دہ ہیں کیونکہ ان حملوں میں شہریوں کی ہلاکت بھی ہوتی ہے۔

اے این این کے مطابق انسانی حقوق اور انسداد دہشت گردی کے بارے میں اقوام متحدہ کے خصوصی نمائندے بین ایمرسن نے ڈرون حملوں میں ہلاکتوں سے متعلق عبوری رپورٹ تیار کی جسے 25 اکتوبر کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں بحث کے لیے پیش کیا جائے گا۔ بین ایمرسن نے کہا ہے کہ ڈرون حملے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں کیے گئے۔ دشوار گزار علاقے ہونے کی وجہ سے ہلاکتوں کی اصل تعداد سامنے نہیں آئی۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ امریکی ڈرون حملوں میں کم

از کم 450 شہری مارے گئے اور یہ اعداد و شمار امریکا کی جانب سے شہریوں کی ہلاکتوں کے اعتراف سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ دوسری جانب برطانوی جریدے "اکانومسٹ" نے دعویٰ کیا ہے حکومت پاکستان نے سی آئی اے کے پروگرام کو اپنی خفیہ آشیرباد دے رکھی ہے۔ جریدے کی رپورٹ کے مطابق قومی سروں میں پاکستانیوں کی اکثریت افغان سرحد کے قریب قبائلی پٹی میں مشتبہ عسکریت پسندوں کے خلاف سی آئی اے کے ڈرون حملوں کی مخالفت میں نظر آتے ہیں اور زیادہ تر پاکستانی ڈرون حملوں کو امریکی تکبر سمجھتے ہیں۔

بھارت کا کشمیر کے معاملے پر ثالثی قبول کرنے سے بھی انکار

بھارت کی جانب سے جنگ بندی کی خلاف ورزی مسلسل جاری ہے۔اتوار کے روز بھارتی فوج نے ایک بار پھر جنگ بندی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پسرور سیکٹر میں رہائشی علاقوں پر گولہ باری کی۔ جس کے نتیجے میں تین شہری زخمی ہوئے۔ چناب رینجرز نے منہ توڑ جواب دیا جس پر دشمن کی گنیں خاموش ہو گئیں۔بھارت کی اس جارحیت پر پاکستان کی سرحدی عوام نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کی تنظیموں کو بھارت کی اس جارحیت کا فوری نوٹس لینا چاہیے۔

متعدد پاکستانی رہنماؤں نے کہا ہے کہ بھارت منظم سازشوں و منصوبہ بندی کے تحت سرحدوں پر جنگ کا ماحول پیدا کر رہا ہے اور نہتے شہریوں کو نشانہ بنا کر دہشت گردی کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ حکومت پاکستان کو اس مسئلہ پر کسی صورت خاموشی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ امریکا کے خطہ سے نکلنے کے بعد بھارت مقبوضہ کشمیر پر اپنا غاصبانہ قبضہ برقرار نہیں رکھ سکے گا۔ پاکستان کو مسئلہ کشمیر، کنٹرول لائن پر جارحیت اور دیگر امور پر بھارت و امریکا کے کسی دباؤ میں نہیں آنا چاہیے۔انہوں نے بھارت اور پاکستان کے درمیان سرحدی کشیدگی کو اس پورے خطے کے امن کے لیے تشویشناک صورتحال قرار دیتے ہوئے دونوں ممالک کی قیادت پر زور دیا ہے کہ وہ اس

کشیدگی کی بنیادی وجہ کے حامل مسائل خصوصاً مسئلہ کشمیر کے مستقل حل کے لیے بامعنی مذاکراتی عمل کا آغاز کریں۔ بھارت کی جانب سے لائن آف کنٹرول پر مسلسل یک طرفہ عسکری جارحیت، مقبوضہ کشمیر میں پر تشدد کارروائیوں اور پاکستان میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی، بدامنی کے خلاف چھٹیاں ہونے کے باوجود آزاد کشمیر میں بھی احتجاجی ریلی اور مظاہرہ کیا گیا۔ مظاہرین نے بھارت کے خلاف اور آزادی کے حق میں زبردست نعرے بازی کی۔

دفتر خارجہ کے ترجمان اعزاز احمد چودھری نے کہا ہے کہ پاکستان اور بھارت کو کنٹرول لائن کشیدگی پر ایک دوسرے پر الزام تراشی کی بجائے مذاکرات بحال کرنے چاہئیں، پاکستان جنگ بندی پر سختی سے کاربند ہے اور صرف جوابی کارروائی کرتا ہے۔ پاکستان، بھارت اور امریکا سمیت تمام ملکوں سے اچھے تعلقات چاہتا ہے۔ پاکستان کو دہشت گردی جیسے کئی مسائل کا سامنا ہے اور ان مسائل کے حل سے علاقے میں قیام امن میں مدد ملے گی۔ دونوں ملکوں کو جنگ بندی کے معاہدے کا احترام کرتے ہوئے تمام مسائل کے پائیدار حل کے لیے پیشرفت کرنی چاہیے۔ بھارت سے ایل او سی کشیدگی کے خاتمے کے لیے بیک ڈور ڈپلومیسی کی جارہی ہے۔ جنگ وجدل کسی کے فائدے میں بھی نہیں۔ وزیراعظم میاں نواز شریف نے انتخابات سے قبل یہ واضح طور پر کہا تھا کہ پاکستان بھارت اور دیگر علاقائی ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات چاہتا ہے۔ امریکی حکام نے کہا کہ پاکستان

اور بھارت کے درمیان تعلقات میں بہتری سے حوصلہ ملا۔ پاکستان اور بھارت دوطرفہ مذاکرات کے عمل کے ذریعے مسئلہ کشمیر حل کریں۔

دوسری جانب پاکستانی حکومتی ذرائع کا کہنا ہے کہ لائن آف کنٹرول پر جاری بھارتی جارحیت کے معاملے کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اٹھانے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے۔ اس حوالے سے پاکستان کے دفاعی پیداوار کے وفاقی وزیر رانا تنویر حسین نے کہا ہے کہ اگر ایل او سی پر بھارتی جارحیت جاری رہی اور مسئلہ خوش اسلوبی سے حل نہ ہوا تو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں معاملے کو اٹھایا جائے گا۔ پاکستان کو ایل او سی کے دونوں اطراف اپنے مظلوم کشمیری بھائیوں کا احساس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان نے اب تک صبر سے کام لیا ہے۔ کوشش ہے کہ معاملہ خوش اسلوبی اور بات چیت سے حل ہوجائے، لیکن صبر اور امن کی کوششوں کا مطلب پاکستان کی کمزوری سمجھنا غلط اور خوش فہمی پر مبنی بھارتی مفروضہ خواب ہے۔ پاکستان اور بھارت دونوں ایٹمی قوتیں ہیں۔ اب بھارت کو اس کا احساس ہونا چاہیے کہ انتخاب جیتنے کے لیے وہ ایسے منفی ہتھکنڈے استعمال نہ کرے جس کے نتیجے میں چنگاری بھڑک اٹھے جو نہ صرف دونوں ممالک، بلکہ پورے خطے کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ انہوں نے کہا کہ الیکشن سے پہلے پاکستان کے خلاف اپنے ملک کے اندر نفرت اور جنگی ماحول پیدا کرکے ووٹ حاصل کرنا ہر بھارتی سیاسی جماعت کا ماضی میں طریقہ کار رہا ہے۔ غالباً یہی وجہ

ہے کہ موجودہ برسر اقتدار پارٹی بھی لائن آف کنٹرول پر بلا اشتعال فائرنگ اور گولہ باری کو ایک سیاسی ہتھکنڈے کے طور پر الیکشن کے موقع پر استعمال کرنا چاہتی ہے۔

دونوں ممالک کے وزرائے اعظم کی خوشگوار ملاقات کے باوجود فائرنگ اور گولہ باری کا سلسلہ جاری رہنا افسوس ناک ہے۔ ذرائع کے مطابق لائن آف کنٹرول پر حالیہ کشیدگی کے پیش نظر دونوں اطراف کے ڈی جی ملٹری آپریشنز کی ملاقات بھی آئندہ چند دنوں میں متوقع ہے، تاکہ بارڈر لائن کے دونوں اطراف موجود ہزاروں کشمیریوں کی مشکلات ختم ہو سکیں، جن کا سامنا وہ بھارتی فورسز کی بلااشتعال اور بے وقف فائرنگ سے کر رہے ہیں۔

لائن آف کنٹرول بنیادی طور پر سیز فائر لائن تھی۔ جب 1948 کے دوران بھارت یہ مسئلہ یو این او میں لے گیا تو عالمی طاقتوں اور اداروں نے پاکستان اور بھارت کے درمیان سیز فائر کرایا۔ یہی سیز فائر لائن اب لائن آف کنٹرول کہلاتی ہے۔ گزشتہ پچاس برسوں میں بلاوجہ اور بلااشتعال فائرنگ کا سلسلہ بھارتی بارڈر فورسز نے مستقل جاری رکھا۔ یہاں تک کہ چھبیس نومبر 2003 میں دونوں ممالک کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس میں طے پایا کہ ایل او سی پر بلاوجہ اور بلااشتعال فائرنگ اور گولہ باری نہیں کی جائے گی اور نہ ہی کسی بھی صورت سویلین آبادی کو نشانہ بنایا جائے گا۔

لائن آف کنٹرول پر رہنے والے مقامی افراد کو غلطی سے لائن آف کنٹرول پار کر لینے کی صورت میں رعایت

دی جائے گی، دونوں اطراف کے کمانڈرز کے درمیان جب بھی ضروری ہوا فلیگ میٹنگ کرکے معمولی نوعیت کے مسائل فوری طور پر حل کر لیے جائیں گے۔ اس معاہدے کے باوجود بھارتی بارڈر فورسز نے متعدد بار اس معاہدے کی خلاف ورزی کی، نہتے شہریوں کو جب چاہا نشانہ بنایا۔ فائرنگ کرکے انہیں شہید کر دیا، یا زخمی کیا۔ یہاں تک کہ قابض بھارتی فورسز موقع ملنے پر ایل او سی کے قریب سے آزاد کشمیر کے شہریوں کو بھی لے گئیں۔ ان واقعات پر پاکستان نے ہمیشہ بھارت سے بھرپور احتجاج کیا۔ اس بار اگست کے دوسرے ہفتے سے بھارتی فورسز، سیکڑوں میل طویل لائن آف کنٹرول کے مختلف مقامات اور پوسٹوں سے بلاناغہ اندھا دھند فائرنگ اور گولہ باری کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ آزاد کشمیر کا کل رقبہ تقریباً چار ہزار مربع میل ہے اور اس کے سارے اضلاع سیکڑوں میل طویل لائن آف کنٹرول پر واقع ہیں۔ مقبوضہ جموں جو ہمارے اضلاع نارروال اور سیالکوٹ سے متصل ہے، وہاں سے لائن آف کنٹرول شروع ہو کر مقبوضہ کشمیر کے اندر ایک ضلع کپواڑہ سے ہوتی ہوئی گلگت بلتستان تک جاتی ہے۔ بھارتی بارڈر فورسز کی فائرنگ سے جہاں آزاد کشمیر کے تمام اضلاع متاثر ہیں، وہیں اب تقریباً چودہ سال بعد کارگل، دراس سیکٹر پر بھی فائرنگ کرکے ان علاقوں کو بھی میدان جنگ میں بدل دیا ہے۔ بھارتی فورسز کی کارروائیوں میں کیپٹن سرفراز کے شہید ہونے کے بعد دفاعی پیداوار کے وفاقی وزیر رانا تنویر حسین نے قومی اسمبلی میں اس واقعے کے خلاف قرار داد مذمت پیش کی، جسے اتفاق رائے سے منظور کیا گیا۔

بھارتی ڈپٹی ہائی کمشنر کو بھی دفتر خارجہ طلب کرکے ان واقعات خصوصاً کیپٹن سرفراز کی شہادت پرپُرزور احتجاج کیا گیا، تاہم بھاری فورسز کی یہ کارروائیاں مسلسل جاری ہیں اور اسی سبب اس معاملے کو جنرل اسمبلی میں اٹھانے کا بھی فیصلہ کیا گیا ہے۔ جبکہ بھارت نے کشمیر کے معاملے پر ہر قسم کی ثالثی قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔ وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کی طرف سے کشمیر کے مسئلے کے حل کے لیے امریکی مداخلت کے مشورے پر بھارتی وزیر خارجہ سلمان خورشید نے بھارتی ٹی وی چینل این ڈی ٹی وی کو دیے گئے ایک انٹرویو میں وزیراعظم نواز شریف کے بیان کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس معاملے پر کسی کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، ہم بار بار واضح کرچکے ہیں شملہ سمجھوتے کے تحت کشمیر کا مسئلہ دوطرفہ ہے۔ کشمیر کے معاملے پر کسی تیسرے فریق کی مداخلت کو قبول نہیں کریں گے، شملہ معاہدے کے تحت مسئلہ کشمیر دوطرفہ تنازع ہے، کشمیر ہمارا اٹوٹ انگ ہے جس پر کسی کو بھی سوال نہیں اٹھانا چاہیے۔ مسئلہ کشمیر پر بات چیت وقت کا ضیاع ہوگا چاہے وہ کتنی بھی اہم شخصیت کرے۔ پاکستان کے لیے اہم بات یہ ہے وہ اپنا رویہ درست کرے اور 2003ء کے جنگ بندی معاہدے پر عمل کرے، انہوں نے کہا کہ کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں جنگ بندی کی خلاف ورزیوں سے یہ سمجھوتہ ختم ہوگیا ہے، یہ معمولی خلاف ورزیاں ہیں تاہم یہ بھی قابل قبول نہیں، فوج بہتر جانتی ہے کہ وہ کس طریقہ کار پر عمل کر رہی ہے، ہم نے علاقہ اور اس کی صورتحال فوج پر

چھوڑ رکھی ہے، میں اپنے ان فوجیوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں جو مادر وطن کے تحفظ کے لیے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

ملالہ یوسف زئی، کتنی حقیقت کتنا فسانہ؟

ان دنوں ملالہ یوسف زئی پر غیر ملکی انعامات، اعزازات اور ایوارڈز کی موسلادھار بارش ہورہی ہے۔ وہ کچھ ہی عرصے میں نامور اور عالمی سطح کی شخصیت بن گئی ہے۔ وہ سلسل میڈیا کی زینت بنی ہوئی ہے۔ نیویارک ٹائمز نے ملالہ پر دستاویزی فلم تیار کی۔ امریکا کے وائٹ ہاؤس سے لے کر برطانیہ کے برمنگھم پیلس تک پورا مغرب ملالہ کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ ملالہ کو نوبل پرائز کا مضبوط حق دار قرار دیا جارہا تھا۔ اس کا نام 159 نامزدگان میں سر فہرست تھا۔ نوبل امن پرائز کے اعلان سے صرف ایک دن پہلے یورپی یونین کا انسانی حقوق کا سخاروف ایوارڈ بھی ملالہ کو دیا گیا۔ 2013ء میں بچوں کا بین الاقوامی امن کا انعام ملا۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ملالہ کو "ضمیر کا سفیر" بنایا جبکہ ملالہ کو گلوبل سٹیزن ایوارڈ بھی دیا گیا۔ ہارورڈ یونیورسٹی نے بھی انسانیت کے نام پر ایک اور اعزاز ہیومنٹیرین ایوارڈ ملالہ یوسف زئی کو دیا۔ ان کے علاوہ اور نجانے کون کون سے انعامات سے ملالہ کو نوازا گیا ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بانکی مون، برطانوی وزیراعظم ڈیوڈ کیمرون، ملکہ برطانیہ اور امریکی صدر اوباما سمیت کئی مغربی شخصیات اپنی مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر ملالہ یوسف زئی سے یوں خصوصی ملاقات کرچکے ہیں جیسے کسی

بہت بڑے مشنری سے ملاقات کی جاتی ہے۔ متعدد ملکوں کے سربراہان ملالہ کے ساتھ کھڑے ہو کر تصویریں بنوانے کو اپنے لیے باعث عزت محسوس کرتے ہیں۔ ملالہ کے بارے میں یہ معاملہ تو مغرب کا ہے جبکہ ہمارے یہاں بھی ملالہ کے حوالے سے دو مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ایک طرف کچھ لوگوں کے نزدیک ملالہ سے عظیم شخصیت شاید اس روئے زمین پر کوئی نہیں۔ وہ ملالہ کو اس دھرتی کی عزت، قوم کی بیٹی اور علم کی علامت گردانتے نہیں تھکتے۔ بعض تو اسے پوری دنیا کی خواتین کے لیے رول ماڈل کے طور پر پیش کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔

دوسری جانب پاکستان کی اکثریت ورطہ حیرت میں ڈوبی ہوئی ہے کہ آخر ملالہ نے ایسا کون سا کارنامہ انجام دے دیا ہے جس کی وجہ سے ایک کم عمر بچی دیکھتے دیکھتے شہرت کی بلندیوں پر اڑنے لگی؟ مغرب کی جانب سے ملالہ کو ہیرو کے طور پر پیش کرنے اور بے بہا انعامات و اعزازات کی بھرمار کو دیکھتے ہوئے ایک عام آدمی بھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوگیا ہے کہ معاملہ کیا ہے؟۔اسلامی دنیا کے بے شمار اسکولوں اور مدرسوں کو خطرناک ہتھیاروں سے تباہ و برباد کرکے لاکھوں کروڑوں مسلمان بچوں کو تعلیم سے محروم کرنے والے مغرب کو آخر پاکستان کے سوات میں بچوں کی تعلیم سے اچانک اتنی دلچسپی کیوں پیدا ہو گئی؟۔ متعدد مسلم ممالک پر جنگیں مسلط کرکے اور کئی مسلم ممالک میں خانہ جنگی کی آگ لگا کر بے شمار معصوم مسلمان بچوں کو خون میں لتھڑا اور سسکتا

ہوا چھوڑ کر آخر مغرب کو پاکستان میں ایک زخمی ہونے والی بچی کی ہی اتنی فکر کیوں لاحق ہوئی کہ پورا مغرب اس کی تکلیف پر تلملانے لگا۔اپنے ہاں لے جا کر اس کا علاج کیا اور پھر اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہوئے مسلم دنیا کی لیڈر کے طور پر پیش کیے جانے کی تیاریاں کی جانے لگیں۔ان باتوں کو دیکھتے ہوئے میڈیا کی پہنچ سے بھی دور کسی گاؤں میں بیٹھے دیہاتی کے ذہن میں بھی یہ بات آنے لگی ہے کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے یا پھر پوری دال ہی کالی ہے؟۔

مغرب کی جانب سے ملالہ کو مختصر سے عرصے میں حد سے زیادہ پذیرائی دینے کی وجہ سے پاکستان کی اکثریت ملالہ کے معاملے کو ہمارے خلاف ایک گھناؤنی سازش قرار دیتے ہیں۔سوشل میڈیا پہ اس حوالے سے آئے روز رنگا رنگ تبصرے پڑھے جا سکتے ہیں۔گزشتہ دنوں پاکستان اسمبلی کے سینئر ممبر جمشید دستی نے ایک ٹاک شو میں واشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ ملالہ کا معاملہ ایک ڈرامہ ہے جسے اب بند ہونا چاہیے۔ملالہ کا ڈرامہ صرف اسلام، مسلمان اور پاکستان کو بدنام کرنے کے لیے رچایا گیا ہے۔ان کے علاوہ بھی بے شمار اعلیٰ شخصیات نے ملالہ کے معاملہ کو مغربی ڈرامہ قرار دیا ہے۔ان تمام لوگوں کی بات کو گزشتہ دنوں معاصر ڈان کی رپورٹ نے سچ کر دیا ہے۔11 اکتوبر 2013 بروز جمعہ کو ملالہ کے بارے میں پاکستان کے سب سے بڑے اور معروف اخبار ڈان نے ایک ہوش ربا انکشاف

کیا ہے کہ اپریل میں چند اخبار نویس پانچ ماہ کے لیے وادی سوات میں ملالہ کے معمے کو کھوجنے گئے۔ ان کی مشترکہ کاوش میں بے شمار باتیں طشت از بام ہوئیں جن کے مکمل ثبوت بھی مہیا کیے جا سکتے ہیں اور یہ کہانی کا رخ یکسر بدلتے اور تصویر کا دوسرا پہلو نمایاں کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ کہانی ملالہ کے بچپن سے شروع ہوتی ہے جب وہ کان کے درد سے ایک کلینک پر گئی تو وہاں اس کا ڈی این اے بھی لیا گیا تھا۔اخبار کے مطابق ملالہ نہ پشتون ہے اور نہ ہی پاکستانی ہے بلکہ وہ پولینڈ کے ایک عیسائی مشنری خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور اسے 2000ء میں اس وقت سوات بھیجا گیا تھا جب امریکا افغانستان پر حملہ کرنے جا رہا تھا۔ملالہ واقعہ کے منظر عام پر آنے کے بعد ملالہ کی حقیقت کو جاننے والے ڈاکٹر نے ملالہ کے باپ کو پیغام بھجوایا کہ وہ جانتا ہے کہ ملالہ اصل میں کون ہے تو ملالہ کا باپ دم بخود رہ گیا اور منت سماجت کرتے ہوئے اس معاملے کو دبانے کا مطالبہ کیا۔ ڈاکٹر نے اس شرط پر خاموشی کا وعدہ کیا کہ اگر وہ ملالہ کے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتائے گا تو ہی وہ یہ راز، راز رکھے گا۔ ملالہ کے باپ نے اس ڈاکٹر کو بتایا کہ اس لڑکی کا اصل نام جین ہے اور وہ ہنگری میں 1997 کو پیدا ہوئی۔ اس کے اصل ماں باپ عیسائی مشنری سے وابستہ ہیں جو 2002ء میں سوات کے سفر میں ملالہ کو یہیں چھوڑ گئے تھے،جب وہ خود خفیہ طور پر عیسائی ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ وہ یہ بھی ثابت کر سکتا ہے کہ جس نوجوان نے ملالہ پر گولی چلائی تھی وہ بھی نہ تو پشتون تھا

نہ ہی طالبان۔ کیونکہ اس کا ڈی این اے بھی ایک کیس کے دوران اکٹھا کرنے کا اتفاق ہوا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اٹلی کا باشندہ ہے۔ مزید براں اس ڈاکٹر نے ان اخبار نویسوں کو ڈی این اے کے وہ نمونے بھی دکھائے۔ ڈان کی رپورٹ میں ملالہ کی سہیلیوں اور حملے کے بعد ملالہ کی کچھ تصاویر اور ویڈیوز اور ان کے علاوہ بھی کئی انکشافات کیے گئے ہیں۔ جن کو طوالت کی وجہ سے نہیں لکھا جارہا۔ ایسی سب تحقیقات اور روز بروز عیاں ہونے والے حقائق اپنی جگہ بہت سارے سوالات چھوڑ رہے ہیں کہ گولی دائیں لگی یا بائیں، دماغ کے اندر تک گھس جانے والی گولی کا آپریشن کیسے ہوا اور پھر ایک میجر آپریشن کے بعد ملالہ جی جھٹ پٹ آکسفورڈ کی کتاب پکڑے انٹرویو دینے کیسے آ ٹپکیں۔

ڈان کی رپورٹ میں کس قدر صداقت ہے یہ تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن ایک بات تو طے ہے کہ ملالہ اب مغرب کے ہاتھوں میں جاچکی ہے۔ اب وہ اسے کھل کر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا ایک ثبوت تو ملالہ کی منظر عام پر آنے والی کتاب ہے جس میں اس نے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف زبان استعمال کی ہے۔ حتی کہ پاکستان کو بھی نہیں بخشا۔ 21 اکتوبر کو ملالہ کی کتاب کے حوالے سے معروف کالم نگار اور بیوروکریٹ اوریا مقبول جان لکھتے ہیں جس کو اختصار کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے: ملالہ کی کتاب 276 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں مسلمانوں اور پاکستان پر وہ تمام الزامات لگائے گئے ہیں جو مغرب ایک عرصے سے لگاتا آیا

ہے۔ مغرب کے تمام الزامات اور پھر ملالہ کی کتاب کے اقتباسات سامنے رکھیں تو آپ کے ذہن میں یہ سوال ابھرے گا کہ اس کمسن بچی کے منہ میں دین، مسلمان اور پاکستان کے لوگوں کے بارے میں ذلت آمیز الفاظ کس نے ڈالے اور کس مقصد کے لیے ڈالے گئے؟۔اس کتاب میں سب سے پہلے جس شخص کا تذکرہ ہے، وہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، امہات المومنین اور اہل بیت کے خلاف غلیظ الفاظ استعمال کرنے والا سلمان رشدی ہے، جو مغرب کی آنکھوں کا تارا ہے۔ اس کے بارے میں ملالہ لکھتی ہے:

پاکستان میں اس کتاب کے خلاف مضامین سب سے پہلے ایک ایسے مولوی نے لکھنے شروع جو ایجنسیوں کے بہت نزدیک تھا۔" (صفحہ 30)۔تاریخ کا یہ بدترین جھوٹ اسے کس نے لکھنے پر مجبور کیا کہ سلمان رشدی کو "آزادی اظہار" کے تحت یہ پورا حق تھا؟۔

اس کے بعد ملالہ کی کتاب میں ضیاء الحق کا ایک مضحکہ خیز قسم کا حلیہ بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی وہ شور جو اس ملک میں مچایا جاتا ہے کہ "عورتوں کی زندگی ضیاء الحق کے زمانے میں بہت زیادہ محدود ہو گئی تھی۔" (صفحہ 24)

ایسے لگتا ہے کہ ان فقروں میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے جیسے تمام اسکول، یونیورسٹیاں، کالج بند کر دیے گئے تھے اور عورتیں پس دیوار قید ہو گئی تھی۔ حالاں کہ ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔اس کے بعد امریکا کے صدر بش کی زبان ملالہ کے منہ میں ڈال دی گئی اور وہ صفحہ 71 پر پرویز مشرف اور پاکستانی

سیکورٹی ایجنسیوں کو ایک ساتھ لپیٹتے ہوئے لکھتی ہے "ہر کوئی سمجھتا ہے کہ مشرف ڈبل کراس کر رہے تھے، امریکا سے پیسے لیتے تھے اور جہادی لوگوں کی مدد بھی کرتے تھے۔ آئی ایس آئی انہیں اسٹریٹیجک اثاثہ سمجھتی تھی۔" امریکا کی شہ پر ملالہ نے پاکستان کی ایجنسیوں کو محب اسلام اور محب طالبان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ وہی فوج تو طالبان کے خلاف لڑ رہی تھی۔ ملالہ کی کتاب میں پاکستان اور اسلام کے ساتھ تمسخر کا وہی انداز ہے جو پوری مغربی دنیا اور اس کے سیکولر حوالی موالی اپنی گفتگو میں اپناتے ہیں۔ ملالہ نے اسلام کی ساری تعلیمات کو، جو ہماری نصابی کتب میں پڑھائی جاتی ہیں، ضیاء الحق کی اختراع قرار دیا ہے۔ صفحہ 24 پر اس نے لکھا ہے کہ یہ سارا نصاب ضیاء الحق کے دور میں ہمیں یہ بتانے کے لیے ترتیب دیا گیا ہے کہ پاکستان کا اسلام کا قلعہ ہے۔ ملالہ کو قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا دکھ بھی بہت ہے کہ اس کے نزدیک یہ کام تو پارلیمنٹ کا تھا ہی نہیں۔ اس کے نزدیک بچوں کو یہ پڑھانا بھی غلط ہے کہ ہم ایک مضبوط قوم ہیں اور بھارت سے جنگ جیتنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ملالہ نے اپنے بچپن کا ہیرو سکندر اعظم بتایا ہے (صفحہ 20)۔ اس لیے کہ اس "معصوم" نے سکندر کا جو چہرہ انگریزی نصابی کتب میں پڑھا، وہ ایسا ہے کہ بچے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ پورے مغرب میں بچوں کو کوئی نہیں پڑھاتا کہ سکندر وہ ظالم تھا جس نے تھیبس شہر کے تمام شہریوں اور معصوم بچوں کو صرف اس لیے قتل کر دیا تھا کہ انہوں نے دیواروں پر اس کے خلاف

نعرے لکھے تھے۔ ملالہ کی کتاب میں اسی طرح بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ جو صرف مغرب کا ہاتھ ہی لکھ سکتا ہے۔ جن کی ہمیشہ کوشش یہ رہی ہے کہ اسلامی دنیا سے اسلام کو نکال دیا جائے۔ اس کے لیے مغرب ہمیشہ اپنے ایسے لوگوں کو استعمال کرتا آیا ہے جس کو ہم اپنا سمجھتے ہیں لیکن اصل میں وہ مغرب کے ہوتے ہیں۔

سابق آمر کی رہائی پر قوم برہم

سابق آمر پرویز مشرف کی ججز نظر بندی کیس میں ضمانت کے بعد 5 لاکھ روپے کے دو اور غازی عبدالرشید قتل کیس میں ایک ایک لاکھ کے دو مچلکے جمع کرانے کے بعد بدھ کی شام پرویز مشرف کو رہا کر دیا گیا۔ جبکہ جمعرات کے روز انسپکٹر جنرل اسلام آباد پولیس سکندر حیات نے بھی سابق آمر پرویز مشرف کو لال مسجد کیس میں بے گناہ قرار دے دیا ہے، تاہم غازی عبدالرشید قتل کیس ختم کرنے کے تاثر کو رد کرتے ہوئے کہا کہ جنرل (ر) پرویز مشرف غازی عبدالرشید اور ان کی والدہ کے قتل کیس میں ضمانت پر رہا ہوئے ہیں مقدمے سے بری نہیں ہوئے۔ رہائی کے احکامات جاری ہونے کے بعد پرویز مشرف ملک میں آزادی سے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔ لیکن ملک سے باہر نہیں جا سکتے کیونکہ ان کا نام بدستور ای سی ایل میں شامل ہے۔ وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے ایک مہینے پہلے اسلام آباد میں ایک پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ پرویز مشرف کا نام اس وقت تک ای سی ایل میں رہے گا جب تک عدالت اس پر حکم جاری نہیں کرے گی۔

سابق قابض فوجی صدر پرویز مشرف گیارہ مئی کے عام انتخابات سے قبل ساڑھے چار سال کی خود ساختہ جلاوطنی ختم کرکے جب واپس پاکستان آئے تھے تو اس وقت

انہیں تین مقدمات میں ملزم نامزد کیا گیا تھا، جن میں عدالت نے ان کی ضمانت منظور کرتے ہوئے بری کر دیا تھا۔ ابتدائی طور پر جن تین مقدمات میں پرویز مشرف کی ضمانت منظور ہوئی ان میں ججز نظر بندی کیس، بے نظیر قتل کیس اور اکبر بگٹی قتل کیس شامل تھے۔ لیکن اس کے فوری بعد چوتھے مقدمے یعنی لال مسجد کیس میں بھی پرویز مشرف کا نام داخل کیا گیا جس کی وجہ سے تین مقدمات میں ضمانت منظور ہونے کے باوجود بھی ان کی رہائی عمل میں نہ آ سکی تھی۔ پرویز مشرف 1999ء سے لے کر اگست 2008ء کو طویل عرصے تک ملکی اقتدار پر زبردستی قابض رہے۔ 24 مارچ 2013ء کو چار سال خود ساختہ جلاوطنی گزارنے کے بعد واپس پاکستان آئے۔ پرویز مشرف کی غیر موجودگی میں عدالتوں نے مشرف اور شوکت عزیز کے وارنٹ گرفتاری جاری کر رکھے تھے۔ جون 2010ء میں انہوں نے سیاسی پارٹی آل پاکستان مسلم لیگ تشکیل دی اور یکم اکتوبر 2010ء کو باقاعدہ پارٹی لانچ کرنے کا اعلان کیا۔ پرویز مشرف کو 2013ء کے انتخابات میں چترال میں ٹریبونل نے انتخاب لڑنے کے لیے نااہل قرار دیا۔ 18 اپریل 2013ء کو اسلام آباد ہائیکورٹ نے 2007ء میں ججز گرفتاری کے الزامات پر مشرف کو گرفتاری کے الزامات پر مشرف کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ دوسرے روز پرویز مشرف کو نظر بندی میں رکھا گیا۔ بعدازاں پرویز مشرف کو پولیس ہیڈ کوارٹر منتقل کر دیا گیا۔ 26 اپریل 2013ء کو عدالت نے پرویز مشرف کو بے نظیر کے قتل کے الزام میں گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ 20 مئی کو عدالت نے پرویز مشرف کی ضمانت منظور کی۔ 25 جون 2013ء کو

پرویز مشرف پر دو الگ مقدمات اور بے نظیر بھٹو قتل اور اکبر بگٹی قتل میں نامزد کیا گیا۔ 20 اگست 2013ء کو عدالت نے پرویز مشرف پر بے نظیر کے قتل کی سازش کا الزام عائد کیا۔ 2 ستمبر 2013ء کو مشرف کے خلاف لال مسجد آپریشن 2007ء کی ایف آئی آر کاٹی گئی تھی۔پرویز مشرف نے مجموعی طور پر 6 ماہ 20 دن تک اپنے گھر میں ہی قید کاٹی۔

پرویز مشرف کی رہائی کے احکامات جاری ہونے کے بعد جہاں ایک طرف پرویز مشرف کے حامی خوشی منا رہے ہیں وہیں دوسری جانب قوم کی اکثریت کو سابق آمر کی رہائی کا شدید دکھ ہوا ہے۔ متعدد رہنماؤں کا کہنا ہے پرویز مشرف ملک کا مجرم ہے اور پوری قوم اس سے نفرت کرتی ہے۔اس کے جرائم کی فہرست ویسے تو کافی طویل ہے لیکن چیدہ چیدہ جرائم میں دو مرتبہ آئین میں بگاڑ پیدا کرنا، پاکستانی شہریوں بشمول ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو امریکا کے ہاتھ فروخت کرنا، لال مسجد کا قتل عام، نواب اکبر بگٹی کا قتل، 12 مئی 2007ء کا خون خرابہ، اعلیٰ عدلیہ کے ججوں کو معطل اور گرفتار کرانا، پاکستانی میڈیا کو زیر عتاب لانا شامل ہیں۔ کیا پرویز مشرف کی یہ غلطیاں یا ان کے جرائم ایسے ہیں کہ انہیں معاف کیا جا سکتا ہے؟۔ شہداء فاؤنڈیشن آف پاکستان نے کہا ہے کہ لال مسجد کے نائب خطیب علامہ عبدالرشید غازی اور ان کی والدہ کے قتل کے مقدمے میں پرویز مشرف کی درخواست ضمانت پر ایڈیشنل اینڈ سیشن جج واجد علی کا

تحریر کردہ فیصلہ آئین و قانون کے خلاف ہے۔ ایڈیشنل اینڈ سیشن جج واجد علی نے پرویز مشرف کی درخواست ضمانت پر جو فیصلہ تحریر کیا ہے وہ ان کے اپنے اختیارات سے تجاوز ہے۔ ایڈیشنل اینڈ سیشن جج واجد علی پرویز مشرف کی درخواست ضمانت کی سماعت کر رہے تھے اور درخواست ضمانت پر انہیں فیصلہ صرف اس بات پر دینا تھا کہ کیا درخواست ضمانت منظور ہے یا نہیں۔ واجد علی نے پرویز مشرف کو ٹرائل سے پہلے ہی مقدمے سے بری کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ عبدالرشید غازی قتل کیس میں پرویز مشرف کے ٹرائل کے لیے پہلی سماعت 11 نومبر کو واجد علی کی ہی عدالت میں فکس ہے۔ بتایا جائے کہ ایڈیشنل اینڈ سیشن جج واجد علی 11 نومبر سے عبدالرشید غازی قتل کیس میں اب کیا کریں گے، کس کا ٹرائل کریں گے۔ ایڈیشنل اینڈ سیشن جج واجد علی عبدالرشید غازی قتل کیس کا ٹرائل کرنے کی اہلیت کھو چکے ہیں۔

دوسری جانب سینٹ میں متحدہ اپوزیشن نے سابق صدر مشرف کے خلاف آرٹیکل 6 کے تحت کارروائی کرنے کی قرارداد منظور کر لی۔ رضا ربانی نے پرویز مشرف کے خلاف غداری کا مقدمہ فوری درج کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا ایف آئی اے آرٹیکل 6 پر تحقیقات نہیں کر سکی۔ تحقیقات کی ضرورت نہیں سپریم کورٹ کا فیصلہ موجود ہے کہ پرویز مشرف نے ذاتی طور پر ایمرجنسی لگائی اور آئین کو پامال کیا۔ آرٹیکل 6 کے تحت کارروائی کی جائے، حکومت امریکی دباو میں آ کر

پرویز مشرف کے خلاف تمام مقدمات ختم کرکے اسے راہ فرار دے رہی ہے۔ حکومت نے امریکی دباؤ پر پرویز مشرف کو رہا کیا جبکہ پرویز مشرف محترمہ شہید، اکبر بگٹی شہید، لال مسجد اور عدلیہ کا مجرم ہے۔ قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف خورشید شاہ نے پرویز مشرف کی ضمانت کو این آر او کے تحت قرار دے دیا۔ کہتے ہیں طریقے کے ساتھ مقدمات کمزور کرکے پرویز مشرف کی ضمانتیں ہوئیں، رہائی خفیہ ڈیل کا نتیجہ ہے۔

اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ نے کہا کہ پرویز مشرف کا جانا طے ہو چکا تھا۔ 20 دن پہلے کہہ دیا تھا کہ مشرف رہا ہو جائے گا۔ پرویز مشرف کی ضمانت پر رہائی این آر او کے تحت کی گئی جس این آر او پر عدلیہ اور ن لیگ نے شور مچایا آج خود وہی کام کیا ہے۔ آزاد رکن قومی اسمبلی جمشید دستی نے کہا ہے کہ ہم گیدڑ، کمزور اور بے حس ہو چکے ہیں، ہماری قراردادیں دو نمبر ہیں جن پر عمل نہیں ہوتا۔ ہماری پارلیمنٹ سچ نہیں بولتی۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم کمزور، گیدڑ نہ ہوتے تو آج ایک آمر کو رہا نہ کرتے۔ مسلم لیگ ن کے سینیٹر مشاہد اللہ خان نے کہا ہے کسی قاتل، ڈاکو اور لٹیرے کی عدالت سے ضمانت ہو جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں کو وہ قاتل ڈاکو اور لٹیرا نہیں، بلکہ یہ نظام کی کمزوری ہے، پرویز مشرف اس ملک کے عوام کے مجرم ہیں اور ان کی رہائی نظام کی کمزوری ہے۔ عوامی نیشنل پارٹی کے مرکزی رہنما و رکن قومی اسمبلی غلام احمد بلور کہتے ہیں کہ سابق آمر مشرف کا پاکستانی سیاست میں کوئی مستقبل نہیں، پرویز مشرف آمر کی جگہ کوئی غریب ہوتا تو وہ ابھی تک جیل

میں سڑ رہا ہوتا۔ صدر جمہوری وطن پارٹی شاہ زین بگٹی نے کہا کہ پرویز مشرف نے اس ملک کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے ملک مشرف کو معاف نہیں کرے گا۔ عدلیہ نے ضمانت کیسے لی یہ ہمیں نہیں پتہ لیکن پرویز مشرف نے کئی مرتبہ خود اقرار کیا کہ ہم ان کو وہاں سے ماریں گے کہ ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔لال مسجد کے سابق خطیب مولانا عبدالعزیز نے کہا ہے کہ ہمارے ملک کا نظام ہی غلط ہے،اگر نظام درست ہوتا تو ہر ظالم کو سزا ملتی۔صرف ایک پرویز مشرف کا مسئلہ نہیں ہے اگر مسئلہ ہے تو سسٹم کا ہے جب سسٹم نہیں چلتا توری ایکشن پیدا ہوتا ہے اور طالبان بھی ری ایکشن ہی ہے۔ سسٹم درست ہو تو کوئی بھی ظالم نہیں بچے گا، چاہے وہ پرویز مشرف ہو یا کوئی اور۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ سابق صدر و سابق آرمی چیف جنرل (ر) پرویز مشرف خوش قسمت شخص ہیں کہ انہوں نے بحیثیت آرمی چیف جس منتخب وزیراعظم کا تختہ الٹا تھا اس شخص نے ایک مرتبہ پھر وزیراعظم منتخب ہو جانے کے باوجود پرویز مشرف کی قسمت کا فیصلہ عدالتوں پر چھوڑ دیا۔ وزیراعظم نواز شریف بدلہ لینا چاہتے تو ان کو اختیار حاصل تھا کہ پرویز مشرف کے خلاف آئین کے آرٹیکل 6 کے تحت غداری کا مقدمہ چلاتے لیکن "فوج کو خاندان" سمجھنے والے فوجیوں کی پرویز مشرف کو ہمدردی حاصل تھی۔ عدالتوں سے اپنے خلاف مقدمات میں ضمانت کے بعد رہا ہو کر پرویز مشرف واپس بیرون ملک چلے جاتے ہیں تو یہ ظاہر ہو جائے گا کہ

وہ ایک طے شدہ بین الاقوامی ایجنڈے کے مطابق پاکستان آئے تھے اور عدالتوں سے ان
کا نام ای سی ایل سے نکالا جانا معمول کی کارروائی ہوگا۔

پنجاب حکومت سے نامزدگی فارم میں ختم نبوت کا حلف نامہ شامل کرنے کا پرزور مطالبہ

ملک بھر میں بلدیاتی انتخابات کے حوالے سے تیاریاں کی جارہی ہیں۔ سپریم کورٹ کے احکامات کی روشنی میں سندھ میں 27 نومبر، پنجاب اور بلوچستان میں سات دسمبر کو بلدیاتی انتخاب ہونے ہیں جبکہ خیبر پختونخوا کی حکومت ابھی تک تاریخ کا تعین نہیں کر سکی ہے۔کاغذات نامزدگی کی وصولی بھی آج سے شروع ہورہی ہے۔سندھ ، پنجاب اور بلوچستان میں نامزدگی فارم میں اگرچہ کافی یکسانیت پائی جاتی ہے، لیکن کچھ فرق بھی ہیں۔بلوچستان میں اقلیتوں کے لیے علیحدہ نامزدگی فارم ہے، جس میں حلف لیا گیا ہے کہ وہ اسلام کے نظریات کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں گے۔ نامزدگی فارم میں امیدوار سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بطور آخری پیغمبر ایمان رکھنے، قادیانی فرقے کی نفی اور پاکستان کے نظریے پر یقین رکھنے کا حلف نامہ لیا گیا ہے۔صوبہ سندھ میں امیدواروں کو ان شرائط کے ساتھ یہ بھی حلف نامہ دینا ہوگا کہ اس پر یا مرد ہونے کی صورت میں اس کی بیوی پر اور عورت ہونے کی صورت میں اس کے شوہر پر پچاس ہزار سے زائد مالیت کا کسی بھی حکومتی ادارے کا قرضہ واجب الادا نہیں ہے اور اس سلسلے میں ثبوت بھی فراہم کرنا ہوگا۔امیدوار کو یہ بھی یقین دہانی کرانی ہوگی کہ امیدوار یا اس کے زیر کفالت کسی فرد پر بجلی، گیس اور

پانی کی مد میں دو ہزار سے زائد کوئی رقم واجب الادا نہیں ہے۔ پنجاب کے نامزدگی فارم میں کچھ تبدیلی کی گئی ہے۔ ماضی میں ناظم، خواتین، مزدوروں اور اقلیتوں کے لیے الگ الگ نامزدگی فارم شائع کیے گئے تھے، جبکہ اس بار سب کے لیے ایک ہی فارم شائع کیا گیا ہے۔ پنجاب کی جانب سے جاری کیے گئے نامزدگی فارم میں ختم نبوت کے حلف نامے کو شامل نہیں کیا گیا، حالانکہ یہ فارم مسلم امیدواروں کے لیے الگ اور غیر مسلم امیدواروں کے لیے الگ ہوتے ہیں، لیکن پنجاب میں اکٹھا شائع کیے گئے ہیں۔ جس سے مسلم اور غیر مسلم نمایندوں کی پہچان مشکل ہے اور امتناع قادیانیت آرڈیننس غیر موثر ہونے کا بھی خدشہ ہے۔

حکومت پنجاب کے اس عمل سے پاکستان بھر میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے۔ انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ نے کہا ہے کہ کہ پاکستان میں ممکنہ منعقدہ بلدیاتی الیکشن 2013ء کے لیے جو کاغذات نامزدگی فارم برائے امیدوار الیکشن کمیشن (پنجاب) کی طرف سے جاری کیے گئے ہیں ان میں ختم نبوت کے حلف نامے کو شامل نہیں کیا گیا حالانکہ یہ فارم مسلم امیدواروں کے لیے علیحدہ طور پر اور غیر مسلم امیدواروں کے لیے علیحدہ طور پر ہوتے ہیں جیسا کہ دوسرے صوبوں (سندھ، بلوچستان، خیبر پختونخوا) کی مقامی حکومتوں نے علیحدہ شائع کیے ہیں لیکن پنجاب گورنمنٹ نے دونوں کو اکٹھا شائع کیا ہے جس سے مسلم اور غیر مسلم

نمایندوں کی پہچان مشکل ہو گئی ہے اور امتناع قادیانیت آرڈیننس غیر موثر ہونے کا خدشہ ہے۔انٹر نیشنل ختم نبوت موومنٹ کے ترجمان مولانا قاری شبیر احمد عثمانی نے کہا کہ سابق صدر ضیاء الحق مرحوم اور پرویز مشرف کے زمانہ اقتدار میں بھی یہ مذموم حرکت کی گئی اور فارم سے ختم نبوت کے حلف نامے کو ختم کیا گیا۔ مسلمانان پاکستان کی عظیم ترین جدوجہد سے یہ قادیانیت نواز کوششیں ناکام بنادی گئیں۔ ان کا کہنا تھا کہ تاریخ گواہ ہے کہ پرنٹ شدہ فارموں کو گورنمنٹ نے ضائع کیا اور نئے فارم جن میں ختم نبوت کا حلف نامہ شامل تھا ان کو شائع کیا۔ اب ہمارا مطالبہ ہے کہ ان پرنٹ شدہ فارموں کو ضائع کرکے نئے فارم شائع کیے جائیں۔ نئے فارم شائع کرنا گورنمنٹ کی شرعی وآئینی ذمہ داری ہے اور مسلمانان پاکستان کا تسلیم شدہ مطالبہ ہے لہٰذا اس پر عمل کیا جائے۔ لہٰذا ہمارا مطالبہ ہے کہ باقی صوبوں کی طرح صوبہ پنجاب کے فارموں میں ختم نبوت کے حلف نامہ کو شامل کیا جائے تاکہ منکرین ختم نبوت (مرزائی وقادیانی گروپ) کا کوئی آدمی مسلمانوں کے نمایندہ کے طور پر بلدیاتی الیکشن میں حصہ نہ لے سکے، حضور ﷺ سے محبت کا یہی تقاضا ہے۔

جماعت اسلامی پاکستان کے سیکرٹری جنرل لیاقت بلوچ نے پنجاب حکومت کی طرف سے بلدیاتی انتخابات میں امیدواروں کی نامزدگی کیلئے تیار کردہ فارم سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کے حوالے سے حلف نامہ کو ختم کردینے

کی شدید مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ اس حلف نامہ کو فوری طور پر دوبارہ فارم میں شامل کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ اس حلف نامہ کو نامزدگی فارم سے نکالنا بہت بڑی جسارت ہے۔ فارم سے حلف نامہ کے نکالے جانے کی وجہ سے بہت سی خرابیاں اور غلط فہمیاں پیدا ہونے کا دروازہ کھل جائے گا۔ انہوں نے اس ضمن میں الیکشن کمیشن سے بھی فون پر بات کی اور ان کی توجہ اس اہم مسئلے کی طرف مبذول کروائی۔ انہوں نے کہا کہ یہ صرف پنجاب حکومت کی طرف سے کیا گیا ہے، باقی تمام صوبائی حکومتوں نے اس حلف کو مذکورہ فارم میں شامل رکھا ہے۔ لیاقت بلوچ نے اس خدشہ کا بھی اظہار کیا کہ کہیں یہ حرکت بیوروکریسی میں موجود قادیانی لابی کی نہ ہو اور یوں وہ اپنے لیے راستہ ہموار کرنے کی کوشش نہ کر رہی ہو۔ ان کے علاوہ بھی متعدد رہنماؤں نے بلدیاتی انتخابات میں امیدواروں کی نامزدگی کے لیے تیار کردہ فارم سے ختم نبوت کے حلف نامہ کے خاتمے پر اظہار افسوس کیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ پنجاب میں بلدیاتی انتخابات میں کاغذات نامزدگی سے ختم نبوت کے حلف نامہ کے خاتمہ کا مقصد قادیانیوں کو الیکشن لڑنے کا حق دینا ہے۔ حالانکہ قادیانی کبھی ملک و اسلام کے وفادار نہیں ہو سکتے۔ قادیانی پاکستان نہیں ملک دشمن عناصر کے وفادار ہیں، ان کا مرکز قادیان بھارت میں موجود ہے، قادیانیوں کا ہیڈ کوارٹر تل ابیب میں ہے، ا±مّت مسلمہ نے ہمیشہ ناموسِ رسالت کے تحفظ اور عقیدہ ختم نبوت کی پاسبانی کے لیے قربانیاں دی ہیں اور اب بھی ہم اپنے لہو سے قانونِ

ناموسِ رسالت کی حفاظت کریں گے۔ بلدیاتی انتخابات میں نامزدگی فارم سے ختم نبوت کا حلف نامہ ختم کرنا انتہائی قابل مذمت فعل ہے۔حکومت کو اپنا فیصلہ واپس لینا ہوگا۔اگر حکومت نے اپنا فیصلہ واپس نہ لیا تو ملک گیر احتجاج کیا جائے گا۔

دوسری جانب مولانا فضل الرحمٰن نے اسی حوالے سے وزیراعلیٰ پنجاب شہباز شریف کو ٹیلی فون کیا اور بلدیاتی انتخابات کے نامزدگی فارم میں ختم نبوت کا حلف نامہ ختم کرنے پر تشویش ظاہر کی۔جس پر میاں شہباز شریف نے توجہ دلانے پر مولانا فضل الرحمٰن سے اظہار تشکر کیا اور بتایا کہ انہوں نے صورتحال کا نوٹس لے لیا ہے۔اور جمعیت علمائے اسلام ف کے رہنما مولانا فضل الرحمٰن کو اس معاملے کو نمٹانے کی یقینی دہانی کرادی ہے۔مبصرین کا کہنا ہے کہ حکومت پنجاب کو ہر ایسے فیصلے سے اجتناب کرنا چاہیے جو امت مسلمہ کے لیے تکلیف کا باعث ہو، ختم نبوت کے حوالے سے ہر مسلمان انتہائی حساس ہے۔اگر حکومت اپنے فیصلے کو واپس نہیں لیتی تو یہ پنجاب حکومت کی سیاسی موت ہوگی۔قوم یہ سمجھے گے کہ پنجاب حکومت قادیانیوں کی حمایت کررہی ہے، قوم کسی صورت یہ برداشت نہیں کرے گی۔

ملک میں جاڑے نے دستک دے دی

پاکستان میں اکتوبر کے مہینے کا اختتام موسم سرما کی آمد کا پیغام ہے۔ دسمبر اور جنوری میں سردی اپنے جوبن پر ہوتی ہے۔ اس دوران شہروں اور دیہاتوں دونوں کے منظر تبدیل ہوجاتے ہیں۔ پاکستان میں سردیوں میں درجہ حرارت کم سے کم 4 سینٹی گریڈ (39 F) سے لے کر شمالی علاقہ جات اور بلوچستان میں درجہ حرارت منفی زیرو ڈگری بھی ہو جاتا ہے۔ پاکستان کے کچھ حصوں میں صرف بارش ہوتی ہے اور کچھ حصوں میں برفباری بھی ہوتی ہے۔ شدید سردیوں میں یہاں دھند بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ دھند کے لپیٹے میں زیادہ تر پنجاب، سندھ اور شمالی علاقہ جات کے کچھ حصے آتے ہیں۔ سردیوں کے آتے ساتھ ہی پاکستان میں فیشن بھی بدل جاتا ہے۔ ہر طرف نت نئے ملبوسات اور سوئٹرز، مفلرز، کوٹ وغیرہ نظر آتے ہیں۔ آئس کریم اور قلفی بیچنے والوں کی سائیکلیں کچھ ماہ کے لیے گھروں میں چلی جاتی ہیں اور ان کی جگہ ڈرائی فروٹ کے ٹھیلے سڑکوں پر گھومتے اور گلیوں کے کونوں پر نظر آنے لگتے ہیں۔

اکتوبر کا مہینہ اختتام پذیر ہوچکا ہے اور ملک کے متعدد علاقوں میں موسم سرما نے پہلی بارش کے ساتھ دستک بھی دے دی ہے۔ جس کے ساتھ ہی ملک بھر میں

کہیں زیادہ اور کہیں کم سردی شروع ہوچکی ہے۔ وادی سوات، ناران اور ملحقہ بالائی علاقوں میں وقفے وقفے سے ہونے والی ہلکی برفباری سے سردی کا زور بڑھ گیا۔ آزاد کشمیر کے بالائی پہاڑوں پر برفباری جبکہ باجوڑ ایجنسی اور شمالی وزیرستان میں ہونے والی بارش نے موسم کو مزید سرد کردیا ہے۔ جبکہ اس بارش نے راولپنڈی، گوجرانوالہ، لاہور، سرگودھا، پشاور، ساہیوال، کوہاٹ، بنوں، مالاکنڈ، ہزارہ ڈویژن، کشمیر، گلگت بلتستان، کوئٹہ، ژوب، قلات ڈویژن، ڈی آئی خان اور ملتان ڈویژن میں بھی سردی میں کافی اضافہ کردیا ہے۔ جبکہ کراچی میں بھی زیادہ نہ سہی لیکن سردی کا آغاز تو ہو ہی گیا ہے۔ ملک کے بیشتر علاقوں میں سردی کی پہلی دستک کے ساتھ ہی لوگوں نے رضائیاں اور کمبل نکال لیے ہیں۔ جبکہ معروفیت کے باعث روئی دھننے والوں اور لحاف گدے بیچنے والوں کے پاس وقت کی کمی ہوگئی ہے۔ کمبل اور دلائیاں فروخت کرنے والوں کی مصروفیت بھی بڑھ گئی ہے۔ لوگوں نے گرم کپڑے نکال کر باریک کپڑے کچھ ماہ کے لیے رکھ دیے ہیں۔ گرم ملبوسات خریدنے کے لیے لوگوں کی اکثریت لنڈا بازاروں کا رخ کرنے لگی ہے۔ موسم میں ابھی کچھ زیادہ خنکی تو نہیں آئی لیکن موسم کے مکمل تبدیل ہونے سے قبل ہی لنڈا بازار مکمل آباد ہوگئے ہیں۔ خریداروں میں مرد، خواتین اور بچے شامل ہیں۔ لنڈا بازاروں میں سویٹر، گرم کپڑے، موزے، جوتے اور کوٹ دستیاب ہیں۔ لنڈا بازار میں استعمال شدہ اشیا اور اترن کا یہ بازار ملک کے متوسط یا غریب طبقے کی ضرورت کو پوری کرتا ہی ہے، لیکن غریبوں کے ساتھ ساتھ

امیروں کی بھی ایک بڑی تعداد انہی لنڈا بازاروں سے اپنے پسند کی اشیاء خریدتے ہیں۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ مہنگائی کا جن یہاں بھی بے قابو ہے لیکن باقی دوکانوں کی بنسبت یہاں اشیاکافی سستی ہوتی ہیں۔ ایک طرف کمر توڑ مہنگائی نے جہاں شہریوں کی مشکلات میں اضافہ کیا ہے تو دوسری طرف انہیں اطمینان ہے کہ کم از کم وہ لنڈا بازار میں سستے ملبوسات توخرید سکتے ہیں۔ لنڈا بازار میں صرف پرانے کپڑے ہی نہیں ملتے، بیگ قالین، پردے، میز کور اور برتنوں جیسی گھریلو استعمال کی اشیاء بھی مناسب قیمت پر آسانی سے مل جاتی ہیں۔ نوجوان بھی جدید فیشن کی ٹائیاں، جینز، ٹی شرٹس، لیدر جیکٹس ، اوور کوٹ، جوتے اور سوئیٹرز تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔ لنڈا بازار میں بہت سے لوگوں کی ضرورت بھی پوری ہوتی ہے اور ان کا بھرم بھی رہ جاتا ہے۔

ملک میں سردیاں اپنے ساتھ بہت سی کھانے کی چیزیں بھی لاتی ہیں۔لوگوں کا پسندیدہ پھل اورنج ہوتا ہے جوکے کئی قسموں میں پایا جاتا ہے۔ کینو، مالٹا، مسمّی، فروٹر وغیرہ ۔اس کے ساتھ سریوں میں جلیبی کافی مقبول ہو جاتی ہے اور اس کا مزا دوبالا ہو جاتا ہے۔ ٹھنڈی یا گرم اسے دونوں طرح سے کھانا پسند کیا جاتا ہے بلکہ پاکستان کے کچھ حصوں میں تو اسے گرم دودھ میں بھگو کر رکھا جاتا ہے اور پھر کھایا جاتا ہے اور کچھ لوگ اسے ٹھنڈے دودھ میں بھگو کر کھانا پسند کرتے ہیں۔ چپلی کباب بھی سردیوں میں کافی پسند کیے

جاتے ہیں۔ ریوڑی کا استعمال بھی سردیوں میں بڑھ جاتا ہے۔ گرما گرم چکن کارن سوپ اور شکر قندی کا استعمال بھی بڑے شوق سے کیا جاتا ہے۔ دکانوں پر اسے چاٹ مصالحے، کالی مرچ اور لیموں کے رس کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ سریوں میں ڈرائی فروٹ کی دکانیں بھی خوب چلتی ہیں۔ سردیوں کے آتے ساتھ ہی مختلف قسم کے خوش میواجات، خوبانی، اخروٹ، چلغوزے، بادام، کشمش، مونگ پھلی، انجیر، پستے خشک کھوپرا وغیرہ دکانوں پر اور ریڑھیوں پر نظر آتے ہیں۔ پاکستان خشک میوہ ایکسپورٹ بھی کرتا ہے۔ سردی میں اضافے سے مونگ پھلی سمیت خشک میوہ جات کی ڈیمانڈ اور قیمت بڑھ گئی ہے، عوام ڈارئی فروٹس کی قیمت سن کر ہی کانپ جاتے ہیں۔ کراچی میں سردیوں کی ابتدائی لہر آتے ہی بادام، پستہ، اخروٹ، کشمش، کاجو اور دیگر خشک میوہ جات کی قیمتوں میں 100 سے 300 روپے فی کلو کا اضافہ ہوگیا ہے۔ سردیوں کی آمد کے ساتھ مونگ پھلی کی ڈیمانڈ سب سے زیادہ بڑھی ہے۔ بہت سے لوگوں کے لیے سردیوں کی یہ سوغات ہزاروں خاندانوں کے لیے عارضی روزگار کا وسیلہ بھی ہے۔ مونگ پھلی سردیوں کی خاص سوغات ہے۔ تاجروں نے کہا ہے کہ خشک میووں میں سب سے زیادہ مانگ مونگ پھلی کی ہے، اس کی کاشت زیادہ ہو تو قیمت کم اور اگر کاشت کم ہو تو ریٹ بڑھ جاتے ہیں۔ مونگ پھلی بھوننے اور صاف کرنے والے کئی محنت کش نسل در نسل اسی کام سے وابستہ ہیں۔ مونگ پھلی ہر کسی کو مرغوب ہے، سردیوں میں گلی محلے مونگ پھلی کی ریڑھیوں اور دکانوں سے سج جاتے ہیں۔ بے شمار طبّی فواعد سے لبریز مونگ پھلی قدرت کا

ایک لذیذ تحفہ ہے۔ سردی اور مونگ پھلی لازم وملزوم ہیں، جبھی تو موسم بدلتے ہی اس میوے کا کاروبار عروج پر پہنچ گیا ہے۔

ایسے میں حلوائیوں کے پاس گاجر کے حلوے کی ڈیمانڈ بھی دوگنی ہو گئی ہے۔ تازہ اور میٹھی گاجروں، دودھ، بادام، اخروٹ، چھوٹی الائچی اور کھوئے کی موٹی موٹی پرتوں سے سجا گرما گرم گاجر کا حلوہ سردیوں کی خاص الخاص لذت ہے۔ پاکستان کے ہر شہر اور ہر کونے میں لوگ اس حلوے کو شوق سے کھاتے ہیں،اور اب تو 'شوگرفری' گاجر کا حلوہ بھی مارکیٹ میں آگیا ہے، اس لیے ذیابیطس کے مریضوں کو بھی اب کوئی خوف نہیں رہا۔ سردیوں کا ایک تحفہ کافی اور گرما گرم مگر سدا بہار' دودھ پتی چائے' بھی ہے۔ سرد موسم میں یہ دودھ پتی کراچی بھر کے 'پشاور، کوئٹہ اور پشین' کے ہوٹلوں کی اسپیشلٹی ہے۔ لوگ بار بار 'چینک پہ چینک' پی جاتے ہیں۔ ان کے لیے سردی سے بچنے اور جسم کو گرم رکھنے کا سب سے سستا نسخہ ہے یہ۔ کچھ لوگ جو چائے اور کافی کے بعد بھی انڈے خریدنے کی استطاعت رکھتے ہیں وہ نمک اور کالی مرچ کے ساتھ 'فارمی' اور 'دیسی ۔۔مگر۔۔ ابلے ہوئے انڈے کھا کر سردی بھگاتے ہیں۔'

دوسری جانب سرد موسم کی آمد کے ساتھ ہی بعض علاقوں میں دمہ کی بیماری بھی شدت اختیار کر گئی ہے۔ محکمہ صحت کے ترجمان پروفیسر ڈاکٹر مختار زمان کے

مطابق موسم سرما کے ساتھ پشاور سمیت شمالی علاقوں میں دمہ کی بیماری بھی بڑھ گئی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ دمہ کی بیماری کا حملہ کسی بھی موسم اور عمر میں ہو سکتا ہے۔ تاہم سردی کی شدت اور فضائی آلودگی کے باعث دمہ، سانس اور سینے کے امراض میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جبکہ سردیوں میں نزلہ، فلو، زکام، کھانسی، نمونیا، جسمانی خشکی، ہاتھ پاؤں کا پھٹ جانا اور سوزش کا ظاہر ہونا، دردوں کے امراض کا بڑھ جانا شامل ہے۔

ماہرین طب کے مطابق پاکستان میں درجہ حرارت میں فرق کافی پایا جاتا ہے جو کہ گرمیوں میں 50 ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے اور سردیوں میں دس درجہ سینٹی گریڈ تک آ جاتا ہے۔ 40 ڈگری سینٹی گریڈ کا فرق انسانی جسم پر کافی مضر اثرات مرتب کر سکتا ہے اور ان مضر اثرات کو زائل کرنے اور موسم کی مطابقت کے لحاظ سے خوراک اور جسم کو ڈھانپنے کے ساتھ لباس اور اس کے ساتھ کچھ احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا نہایت ضروری ہے۔ اگر احتیاطی تدابیر اختیار نہ کی جائیں تو انسان کے جسم میں نائٹروجن کا عدم توازن منفی توانائی اور جسم میں پانی کی کمی جیسی بیماریوں سے واسطہ پڑ سکتا ہے اور اس کے ساتھ جسمانی درجہ حرارت کو قائم رکھنا، چکنائی کا ہضم نہ ہونا، اساسی و تیزابی تبدیلی، دھاتی آئنز کا توازن، عضلات کے گائی گوجن کے ذخیرہ میں کمی، عضلات و اعصاب کی حرکت کا کام کرنے کی صلاحیتوں کا ختم ہو جانا کی تبدیلیاں جسم میں وقوع پذیر ہو جاتی ہیں جو مختلف عوارض کا باعث بنتی ہیں۔ لہٰذا موسم کی تبدیلی کے منفی اثرات کو

زائل کرنے کے لیے لہسن، چنے، مٹر، مچھلی دودھ،، تل، گاجر، مالٹا، کینو، گرے فروٹ کا استعمال کافی مفید ہے۔ یہ تمام اشیاء سردیوں میں وافر مقدار میں میسر بھی آتی ہیں۔

ملک بھر میں محرم الحرام کو پرامن بنانے کی بھرپور کوشش

وطن عزیز پاکستان میں نئے اسلامی سال محرم الحرام کی آمد کے ساتھ ہی امن وامان کے حوالے سے حالات پریشان کن ہو جاتے ہیں۔ حکومتیں، مذہبی و سیاسی جماعتیں اور پاکستان کا ہر فرد ایک انجانے خوف کے احساس سے دو چار ہو جاتا ہے اور ہر زبان پر یہ دعا ہوتی ہے کہ اللہ خیر کرے۔اس سال بھی محرم الحرام کا ایک ہفتہ گزر چکا ہے اور ہر طرف وہی انجانا خوف جو گزشتہ کئی سالوں سے ہمارا مقدر بنا ہوا ہے۔حکومت نے اس بار ملک بھر میں محرم الحرام کو پرامن بنانے کے لیے اپنی سی کوشش کی ہے۔ ملک بھر میں محرم الحرام کے لیے سیکورٹی انتظامات سخت کیے جارہے ہیں۔اسلام آباد، کراچی، لاہور، ملتان، پشاور، ٹانک، نوشہرہ، کوہاٹ اور پاراچنار، ایبٹ آباد میں محکمہ داخلہ نے نو اور دس محرم کے لیے ڈبل سواری پر پابندی لگادی ہے۔ جبکہ ڈی آئی خان میں یکم محرم سے سات محرم تک ڈبل سواری پر پابندی اور سات محرم سے دس محرم تک موٹر سائیکل چلانے پر ہی پابندی لگادی گئی ہے۔ڈیرہ اسماعیل خان میں محرم الحرام کے دوران سیکورٹی کی ذمہ داری پاک فوج کے حوالے کردی گئی ہے، امن وامان برقرار رکھنے کے لیے شہر کے اندر اور باہر پولیس اور فوج کی 35 مشترکہ چیک پوسٹیں بھی قائم کی گئی ہیں۔ محرم الحرام میں سیکورٹی خدشات اور شہریوں کے مطالبے کو پیش نظر رکھتے ہوئے شہر کے

داخلی اور خارجی راستوں پر پولیس کے ساتھ پاک فوج کے جوان تعینات کر دیے گئے ہیں۔ آٹھویں محرم سے دفعہ 144 کے تحت شہریوں کو گھروں سے نکلنے پر بھی پابندی ہوگی، صرف جلوسوں اور مجالس میں شرکت کر سکیں گے، انتظامیہ نے مساجد، عوامی مقامات اور گلیوں کے باہر بینر بھی آویزاں کر دیے ہیں جن پر کسی بھی ممکنہ ہنگامی صورت کے لیے پولیس کے ایمرجنسی نمبر درج ہیں۔

حکومت پنجاب نے تعزیرات پاکستان کی دفعہ 144 (6) کے تحت پنجاب کے تمام ڈسٹرکٹ کوآرڈینیشن افسران کو اپنے اضلاع میں مذہبی نوعیت کے اجتماعات کے علاوہ یا زاید افراد کے اجتماع پر ایک ماہ کے لیے پابندی کی ہدایت کر دی۔ قابل اعتراض یا 5 نفرت انگیز مواد کی کسی بھی شکل میں اشاعت یا الیکٹرانک یا مکینیکل طریقے سے اس کی انفارمیشن کی سٹوریج اور ریٹریول سسٹم، آڈیو یا ویڈیو سی ڈیز اور کیسٹوں کے استعمال، خریداری اور فروخت، لٹریچر، پوسٹروں، پمفلٹوں کی طباعت اور تقسیم، بینروں کی نمائش، وال چاکنگ، اشتعال انگیز تقاریر یا نعرے بازی جس سے دوسروں کے جذبات مجروح ہوں اور کسی دوسرے عقیدے فرقے یا کمیونٹی و گروپ کی دل آزاری کرنے پر بھی پابندی ہوگی، اسلحہ بشمول آتشیں اسلحہ، لاٹھی، چاقو، خنجر، برچھا اور اس طرح کے دیگر ہتھیاروں اور آتشیں مواد کی نمائش ماسوائے جن کی مجاز اتھارٹی نے اجازت دی ہو محرم کے کسی جلوس کو روکنا جس کی مجاز اتھارٹی نے اجازت دی ہو اور اس،

کا لائسنس حاصل کیا گیا ہو، محرم کے جلوس کے راستے میں واقع مکانوں یا دیگر عمارتوں کی چھتوں پر مورچوں کی تعمیر، پتھروں اور اینٹوں کے جمع کرنے، اذان اور خطبے کے سوا مجاز حکام کی اجازت کے بغیر، لاؤڈ سپیکر کے استعمال پر پابندی کو بھی یقینی بنانے کی ہدایت کی گئی ہے۔

بلوچستان میں بھی سیکورٹی کے انتظامات مکمل کر لیے گئے ہیں۔ کوئٹہ میں سخت حفاظتی اقدامات کیے گئے ہیں۔ جلوس کو جانے والے تمام راستے سیل کر دیے جائیں گے۔ دسویں محرم کے دوران کوئٹہ میں تین ہزار 8 سو پولیس اہلکار، پولیس کانسٹیبلری کی 70 پلاٹون، ایف سی کی 62 پلاٹون جبکہ پاک فوج کی ایک بریگیڈ کو بھی تعینات کیا جا رہا ہے۔ فوج کی یہ ایک بریگیڈ حساس مقامات پر تعینات ہو گی۔ دسویں محرم کے جلوسوں کی فضائی نگرانی بھی کی جائے گی۔ جبکہ جلوس کے ہمراہ 25 جامرز بھی چلیں گے۔ فرنٹیئر کور کی باقاعدہ 62 پلاٹون کو لگایا جائے گا۔ پولیس اور بلوچستان کانسٹبلری کے ساتھ فوج کا ایک بریگیڈ اسٹینڈ بائی ہے۔ ان میں سے کچھ نفری حساس مقامات پر تعینات ہو گی۔ خیبر پختونخوا حکومت کا کہنا ہے کہ ہم نے محرم الحرام میں امن کے قیام کے حوالے سے تمام انتظامات مکمل کر لیے ہیں۔ اس سال محرم الحرام میں مثالی امن قائم کر کے دکھائیں گے۔

سندھ حکومت نے محرم الحرام میں سیکورٹی انتظامات بہتر بنانے کے لیے صوبے

بھر میں دفعہ 144 کے تحت لائسنس یافتہ اسلحہ لے کر چلنے پر پابندی عائد کردی ہے، یہ پابندی یکم محرم سے 12 محرم تک کے لیے لگائی گئی ہے، محرم الحرام میں اشتعال انگیز تقاریر کرنے اور مذہبی منافرت پھیلانے والے لٹریچر اور وال چاکنگ کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ محرم الحرام میں کراچی میں 12 ہزار سے زائد پولیس اور دیگر قانون نافذ کرنیوالے اداروں کے اہلکاروں کو مرکزی جلوسوں کی سیکورٹی کے لیے تعینات کیا جائے گا، شہر بھر میں محرم کے جلوسوں کی نگرانی 1250 سی سی ٹی وی کیمروں کی مدد سے کی جائے گی، محرم الحرام میں کسی بھی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے پولیس اور رینجرز کے 500 کمانڈوز پر مشتمل کوئیک رسپانس فورس بھی کام کرے گی، یہ رسپانس فورس مرکزی جلوس اور حساس علاقوں میں تعینات کی جائے گی۔ سیکورٹی پلان کے تحت کراچی کو ایسٹ، ویسٹ اور ساؤتھ زونز میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر زون کا سیکورٹی انچارج متعلقہ ڈی آئی جی ہوگا جبکہ اس کے ماتحت متعلقہ اضلاع کے ایس ایس پی اور ایس پی لیول کے افسران ڈویژن کی سطح پر سیکورٹی امور کے انچارج ہوں گے۔ محکمہ داخلہ سندھ نے 8 محرم سے 10 محرم تک مرکزی جلوسوں کے لیے سیکورٹی کے مربوط انتظامات کی ہدایت جاری کی ہے اور ان انتظامات کے تحت متعلقہ تھانوں اور خفیہ اداروں کے اہلکاروں کو ہدایت جاری کی گئی ہے کہ انتہائی حساس مقامات کے اطراف بیں زیادہ بیدار رہیں۔ انسپیکٹر جنرل پولیس سندھ شاہد ندیم بلوچ نے پولیس حکام کو ہدایت کی ہے کہ دہشت

گردانہ حملوں، سنگین جرائم اور امن وامان پر موثر کنٹرول کے لیے کچی آبادیوں، مضافاتی علاقوں، تجارتی علاقوں کے جائزوں، سروے، حساس مقامات، روٹس اور اہم شخصیات کی سیکورٹی کی حکمت عملی پر خصوصی توجہ دی جائے۔ سیکورٹی پلان کی تیاری میں تمام مکتبہ فکر کے علمائے کرام کے ساتھ ہر سطح پر باقاعدہ شیڈول اجلاس اور بعد ازاں ان کی تجاویز و سفارشات کو لازمی طور پر پلان میں شامل کیا جائے۔ کنٹی جینسی پلان کے تحت صوبے بھر میں ممکنہ دل آزار وال چاکنگ ختم کرکے ایسے بینرز، پمفلٹس کی تقسیم اور اشتعال انگیز تقاریر کی روک تھام کی جائے۔ ذاکرین، منتظمین مجالس، جلوسوں کو ڈی آئی جیز تا ایس ایچ اوز، مرکزی کنٹرول روم ودیگر پولیس کنٹرول رومز کے فون نمبرز پر مشتمل فہرستیں فراہم کی جائیں تاکہ فوری اور بروقت پولیس رسپانس کے تحت محرم سیکورٹی پلان کے جملہ اقدامات کو ٹھوس اور موثر بنایا جائے۔ بس ٹرمینلز، ٹرک اڈوں، ریلوے اسٹیشنوں وغیرہ کے علاوہ صوبے اور شہروں کے داخلی و خارجی راستوں اور سرحدی علاقوں کے میدانی راستوں کی کڑی نگرانی، ناکا بندی کو یقینی بنایا جائے۔ محرم کنٹی جینسی پلان میں بم ڈسپوزل اسکواڈ کے جملہ امور کا بھی احاطہ کیا جائے۔ حساس علاقوں میں قائم امام بارگاہوں، مرکزی مجالس اور جلوسوں کی مانیٹرنگ، ویڈیو ریکارڈنگ کے اقدامات کے علاوہ خصوصی اسٹیکرز کی حامل گاڑیوں کو بھی جلوسوں میں شرکت کی اجازت جیسے انتظامات کو بھی کنٹی جینسی پلان کا حصہ بنایا جائے۔ محرم الحرام میں ایم

اے جناح روڈ کو تین دن کے لیے کنٹینرز، بسیں اور دیگر رکاوٹیں کھڑی کرکے عام ٹریفک کے لیے بند کردیا گیا ہے جبکہ جلوس کے راستے میں آنے والی تمام دکانیں اور کاروباری مراکز بھی بند کردیے گئے ہیں۔ جلوس کی سیکورٹی کے لیے رینجرز کی 100 گاڑیوں کو، حساس اداروں کی 30، پولیس کی 290 سے زائد اور شہری حکومت سمیت دیگر ایمبولنسز سروسز کی 65 گاڑیوں کو خصوصی اسٹیکرز جاری کیے گئے ہیں۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ محرم الحرام میں امن کے قیام کے حوالے سے سب سے بڑی ذمہ داری تو حکومت کی ہے کہ وہ اہل سنت اور اہل تشیع کے جلسے جلوسوں کو نہ صرف مکمل تحفظ فراہم کرے بلکہ ان میں شریک ہونے والے عوام اور واعظین، خطباء، مقررین اور ذاکرین کو بھی اس بات کا پابند بنائے کہ وہ کسی کے مسلک کو چھیڑے نہیں اور اپنے مسلک کو چھوڑے نہیں کے ضابطے کے تحت رہیں گے اور اگر کوئی اس ضابطے کی خلاف ورزی کرتا ہے اور کسی کے مکتب یا مسلک یا مقدس شخصیات کی توہین کرتا ہے تو اس کے خلاف قانون کے مطابق بلا تفریق کارروائی کی جائے گی پھر ذمہ داری عوام کی ہے کہ وہ ایسے مقررین اور واعظین کا مکمل بائیکاٹ کریں جو عوام کو فساد پر ابھارتے ہیں یا فرقہ وارانہ نفرت پھیلاتے ہیں اور آخری اور بڑی ذمہ داری مذہبی قائدین پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اپنے مکتبہ فکر کے علماء، ذاکرین، واعظین اور خطباء کو اس بات کا پابند کریں

کہ وہ کسی کے مسلک اور مقدس شخصیات کی ہر گز توہین نہ کریں، یہ وہ نکتہ ہے جس پر عمل کرنے سے بہت سارے مسائل پیدا ہی نہیں ہوتے۔ جو مسائل مقامی سطح پر مختلف مکاتب فکر کے لوگوں کے درمیان پیدا ہوئے ہوں ان کو انتظامیہ حل کرنے کی کوشش کرے۔

قومی وطن پارٹی اور تحریک انصاف میں ٹھن گئی

بدھ کے روز وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا پرویز خٹک نے صوبائی وزیر محنت بخت بیدار، وزیر جنگلات ابرار حسین اور وزیر مواصلات یوسف ایوب خان کو وزارتوں سے سبکدوش کردیا۔ تینوں وزرا پر کرپشن اور غیر تسلی بخش کارکردگی کے الزامات عاید کیے گئے، جبکہ وزیر مواصلات یوسف ایوب خان کو سپریم کورٹ نے جعلی ڈگری کیس میں نااہل قرار دیا تھا۔

بخت بیدار اور ابرار حسین کا تعلق قومی وطن پارٹی جبکہ یوسف ایوب خان کا تعلق تحریک انصاف سے ہے۔ خیبر پختونخوا حکومت کی جانب سے وزرا کو سبکدوش کرنے کے بعد سے قومی وطن پارٹی اور تحریک انصاف کے درمیان الزامات کی ایک جنگ چھڑ گئی ہے۔

قومی وطن پارٹی کے تحریک انصاف کی مخلوط صوبائی حکومت سے علیحدگی اور خیبر پختونخوا اسمبلی میں اپوزیشن بنچوں پر بیٹھنے کے اعلان کے ساتھ کرپشن کے الزام میں برطرف قومی وطن پارٹی کے صوبائی وزیر نے اپنے خلاف الزامات اور برطرفی پر سپریم کورٹ جانے کا اعلان کیا ہے۔ قومی وطن پارٹی کے صوبائی صدر اور رکن صوبائی اسمبلی سکندر شیرپاؤ نے کہا کہ قومی وطن پارٹی عوامی جماعت

ہے اور ہمیں حکومت میں شامل ہونے کا کوئی شوق نہیں تھا، تحریک انصاف نے خود حکومت میں شمولیت کی دعوت دی تھی اس لیے مخلوط حکومت میں شمولیت اختیار کی۔ قومی وطن پارٹی کرپشن سے پاک اور عوامی خدمت کا جذبہ رکھتی ہے۔ مخلوط حکومت میں شامل ہونے کے بعد ہم نے خود تحریک انصاف کو کرپشن کے خاتمے کے لے ے واضح اور جامع پالیسی بنانے کا کہا تھا لیکن تحریک انصاف نے کرپشن کے خاتمے کے لے ے پالیسی بنانے پر کوئی توجہ نہیں دی بلکہ خود کرپشن میں مصروف ہو گئی۔ تحریک انصاف سیاسی دباؤ کا شکار ہے اور وہ اس صوبے میں مزید کام نہیں کر سکتی اس لیے عوام کو بے وقوف بنانے کے لے ے قومی وطن پارٹی کے وزرا پر بے بنیاد الزامات لگا رہی ہے حالانکہ ان الزامات کا تحریک انصاف کے پاس کسی قسم کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ اگر ثبوت موجود ہوتا تو اسے پیش کیا جاتا اور بے بنیاد الزامات پر کسی کے خلاف کارروائی نہیں کی جا سکتی۔ قومی وطن پارٹی اب اسمبلی میں اپوزیشن میں بیٹھ کر اپنا کردار ادا کرے گی۔ انہوں نے خیبر پختونخوا کی مخلوط حکومت سے علیحدہ ہونے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ تحریک انصاف کی حکومت کا کردار اب بہت جلد عوام کے سامنے آ جائے گا، صوبائی حکومت اب کرپشن کے خاتمے کے لے ے کیا عملی اقدامات اٹھائی گی۔

سکندر شیرپاؤ نے جمعرات کو اخباری کانفرنس میں پاکستان تحریک انصاف کا ایک خط دکھایا جو بظاہر عمران خان کی جانب سے تھا اور اس میں خیبر پختونخوا میں

تیل اور گیس کے محکمے میں چیف ایگزیکٹو کی تعیناتی کے لیے ایک شخص کی سفارش کی گئی تھی۔انھوں نے کہا کہ ان کے پاس ایسے ثبوت ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تحریک انصاف کی قیادت اس طرح کے کاموں میں ملوث ہے جبکہ ان کی پارٹی کے جن وزرا پر الزامات عاید کیے گئے ہیں اس بارے میں کوئی شواہد پیش نہیں کیے گئے۔ان سے جب پوچھا کہ یہ الزامات تحریک انصاف کے اقدامات سے پہلے کیوں نہیں عاید کیے گئے تو انھوں نے کہا کہ ابھی مزید ثبوت ان کے پاس موجود ہیں جو وقت آنے پر ظاہر کریں گے۔

دوسری جانب تحریک انصاف نے قومی وطن پارٹی کے الزامات مسترد کردے ہے۔ ترجمان تحریک انصاف شیریں مزاری نے کہا کہ سکندر شیرپاؤ نے جعلی دستاویز کے سہارے عمران خان پر بے بنیاد الزامات لگائے ، قومی وطن پارٹی کا جعلی دستخطوں کے ساتھ جھوٹا خط شرمناک ہے ، خط پر دکھائے گئے دستخط عمران خان کے نہیں ہیں۔ قومی وطن پارٹی کے رہنما کرپشن چھپانے کے لیے ذاتیات پر اتر آئے ، تحریک انصاف کرپشن کے خلاف کسی قسم کی مصلحت کا شکار نہیں ہوگی۔ کرپشن کرنے والے وزرا جس بھی پارٹی میں ہوں،برداشت نہیں کریں گے بلکہ ان کے خلاف مقدمات درج کیے جائیں گے۔ اتحادی ہونے کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ ہم بے ضابطگیوں پر آنکھیں بند کرلیں۔

چیئرمین پاکستان تحریک انصاف عمران خان نے قومی وطن پارٹی کے رہنماؤں کی جانب سے کرپشن کے الزامات کے جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ میری سیاسی زندگی اور سماجی خدمت کھلی کتاب کی مانند ہے۔ قوم نے میری دیانت کی وجہ سے شوکت خانم ہسپتال کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر معاونت کی۔ شوکت خانم اور نمل کالج میانوالی بہترین ساکھ اور علمی معیار کے حامل ادارے ہیں۔ دونوں اداروں کو کرپشن سے یکسر پاک اور مداخلت سے بالکل آزاد رکھا ہے۔ چیلنج کرتا ہوں کہ کوئی شخص دونوں اداروں میں میری کسی قسم کی مداخلت یا کرپشن ثابت کرکے دکھائے۔ انہوں نے کہا خیبر پختونخوا حکومت کو بھی انتہائی مونیٹر بنانے اور بدعنوانی سے یکسر پاک کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ صوبائی حکومت میں بدعنوان عناصر بالکل برداشت نہیں کروں گا۔ سیاسی مصلحتیں بدعنوانی کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوششوں میں حائل نہیں ہو سکتیں۔

خیبر پختونخوا میں کرپشن کی وجہ سے وزرا کی سبکدوشی پر بہت سے لوگ تو تحریک انصاف کی تعریف کررہے ہیں اور اس عمل کو پی ٹی آئی کی گڈ گورننس کا نتیجہ بتلارہے ہیں جبکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ صرف کرپشن کا معاملہ ہی نہیں بلکہ وزرا کو ہٹانا ان اختلافات کا اظہار ہے جو تحریک انصاف اور قومی وطن پارٹی میں کچھ مہینوں سے چل رہے تھے۔ صداقت کیا ہے یہ تو اللہ ہی جانتے ہیں، لیکن ایک بات ضرور ہے کہ اگر کے پی کے کی حکومت نے صرف کرپشن اور نااہلی کی وجہ سے وزرا کو فارغ کیا ہے تو یہ تحریک انصاف کا ایک اچھا اور مثالی

اقدام قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اگر کوئی اور وجہ ہے تو اس اقدام کے اچھے نتائج برآمد نہیں ہوں گے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ خیبر پختونخوا حکومت سے قومی وطن پارٹی کی 'علیحدگی' سے صوبائی حکومت کو فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں، یہاں اسمبلی کے کل ارکان کی تعداد 124 ہے تاہم تحریک انصاف کے رکن یوسف ایوب کے جعلی ڈگری پر نااہل ہونے اور اسرار اللہ گنڈاپور کے خودکش حملے میں جاں بحق ہونے کے بعد اس وقت صوبائی اسمبلی کے ارکان کی تعداد 122 ہے جس میں سپیکر اسد قیصر بھی شامل ہیں۔ یوں حکومت سازی کیلئے سادہ اکثریت 62 ارکان بنتی ہے۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ تحریک انصاف اور اس کے اتحادیوں کی تعداد قومی وطن پارٹی کے حکومت سے الگ ہونے کے بعد 66 ہے۔ اس طرح ان کے پاس 4 ارکان ابھی بھی زیادہ ہیں۔ ان 66 ارکان میں سے 53 تحریک انصاف، 8 جماعت اسلامی اور 5 عوامی جمہوری اتحاد سے تعلق رکھتے ہیں۔ قومی وطن پارٹی کے ارکان کی تعداد 10 ہے جو اب اپوزیشن میں چلے گئے ہیں۔ اسمبلی میں مسلم لیگ ن اور جے یو آئی (ف) کو 13، 13 نشستیں حاصل ہیں جبکہ اے این پی کے پاس 4، پیپلز پارٹی کے پاس 3 اور اے پی ایم ایل کے پاس ایک ایک نشست ہے۔

اس سب کے باوجود یہ واضح رہے کہ صوبائی حکومت میں 5 ماہ میں ہی شکست دریخت

کا عمل شروع ہونے سے خیبر پی کے میں سیاسی سطح پر نئی صف بندی شروع ہو گئی ہے۔ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے کچھ روز قبل ہی اس بات کا عندیہ دے دیا تھا کہ وہ دو تین صوبائی وزرا کا ناشتہ کرنے والے ہیں۔ بدمزگی کے ماحول میں دو سیاسی قوتوں کے راستے جدا ہوئے ہیں۔ عمران خان نے خیبر پی کے حکومت سے اتحادیوں کو نکال باہر کرکے غیر سیاسی فیصلہ کیا ہے۔ اگرچہ انہوں نے کرپشن کے بارے میں زیرو ٹالرنس کا دعویٰ کیا ہے اور قومی وطن پارٹی کے دو وزراء پر کرپشن کا الزام عاید کیا ہے جس کے جواب میں سبکدوش کیے جانے والے وزرا نے عمران خان اور صوبائی حکومت کو کرپشن کے حوالے سے عدالت میں لے جانے کا اعلان کیا ہے۔ قومی وطن پارٹی اور تحریک انصاف کے درمیان یہ تنازع اگر بڑھتا ہے تو دونوں کی جگ ہنسائی ہو گی۔ عمران خان کے فیصلے سے خیبر پی کے اسمبلی میں اپوزیشن کو تقویت ملی ہے۔ اپنی صوبائی حکومت برقرار رکھنے کے لیے اب تحریک انصاف کا جماعت اسلامی اور آزاد ارکان پر انحصار بڑھ جائے گا۔

سانحہ راولپنڈی: کوئی منظم سازش تو نہیں؟

راولپنڈی میں واقع مدرسہ تعلیم القرآن میں جو کچھ بھی ہوا وہ انتہائی افسوسناک ہے۔اطلاعات کے مطابق دس محرم بروز جمعہ کو نکالے گئے جلوس کے شرکاء نے ایک چھوٹے سے واقعے کی بنیاد پر راول پنڈی کے علاقے راجا بازار کی معروف دینی درس گاہ جامعہ تعلیم القرآن پر دھاوا بول دیا، متعدد معصوم طلبہ کو بے دردی سے شہید کردیا اور سو سے زائد زخمی ہوئے، لاپتا ہونے والے طلبہ ان کے علاوہ ہیں۔شرپسندوں نے مسجد اور مدرسے کو آگ لگادی، یہ آگ قرب وجوار کی دکانوں تک پھیل گئی جس سے سو سے زاید دکانیں اور اربوں روپے کا مال واسباب جل کر راکھ ہوگیا۔ مسلح جلوس کے شرکاء نے اس موقع پر پولیس اہلکاروں سے کلاشنکوفیں حاصل کرلیں اور موقع واردات کی ویڈیو بنانے والے میڈیا اہلکاروں پر تشدد کرکے ان کے کیمرے توڑ دیے۔ اس المناک اور انتہائی افسوس ناک سانحے کے بعد راول پنڈی شہر کو عملاً فوج کے حوالے کرکے کرفیو نافذ کردیا گیا۔ذرائع کے مطابق ہر سال یہ جلوس تقریباً چار بجے کے قریب اس مقام پر پہنچتا ہے، لیکن اس برس یہ جلوس عین اس وقت پہنچا جب جمعہ کا خطاب جاری تھا، جلوس کے شرکاء نے مطالبہ کیا کی جمعہ جلدی ختم کیا جائے ، جبکہ مسجد کی انتظامیہ کا موقف تھا کہ جلوس کو اپنے وقت پر آنا چاہیے۔ جلوس کو نصف گھنٹہ پیچھے ہی روکا جائے تاکہ جمعہ

ختم کیا جاسکے۔اسی دوران نعرہ بازی شروع ہو گئی اور تقریبا دس افراد نے پولیس سے کلاشنکوفیں حاصل کرلیں۔مدرسہ کی انتظامیہ کا کہنا ہے کہ مسلح افراد نے آتے ہی فائرنگ شروع کردی اور اس کے کچھ ہی دیر بعد خنجر، چھرے اور لوہے کے راڈ لیے کچھ اور افراد بھی مسجد میں گھس گئے، طلبہ چونکہ نہتے تھے اس لیے کچھ نہ کرسکے۔متعدد طلبہ موقع پر ہی شہید ہوگئے۔ایک پولیس افسر افضل حسین نے امریکی خبر رساں ادارے ایسوسی ایٹڈ پریس کو بتایا کہ جلوس کے شرکاء نے مدرسے سے 3 افراد کو باہر گھسیٹ لیا اور تشدد کرکے انہیں قتل کردیا۔ افضل حسین کا کہنا تھا کہ انہوں نے مدرسے کے باہر دکانوں کو بھی آگ لگادی۔ ایک اور پولیس افسر وسیم احمد کا کہنا تھا کہ جلوس کے گزرتے وقت مسجد میں نماز جمعہ کا خطبہ دیا جارہا تھا جس پر جلوس کے شرکاء نے دھاوا بول دیا۔اسی دوران کچھ اور افراد پیٹرول کی بوتلیں لیے اندر آئے اور آگ لگادی،اس کے بعد انہوں نے دکانوں کو بھی آگ لگائی۔اس سارے وقعہ میں پولیس کافی دیر کے بعد پہنچی۔ سانحہ راولپنڈی کے بعد کئی شہروں میں مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ایبٹ آباد روڈ ٹریفک کے لیے بند کردیا گیا۔ پشاور میں سانحہ راولپنڈی کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ ساہیوال میں تاجر تنظیموں اور سول سوسائٹی نے احتجاجی ریلی نکالی۔ مانسہرہ میں مظاہرین نے ایبٹ آباد روڈ کو ٹریفک کے لیے بند کر دیا اور نعرے بازی کی۔ بٹگرام میں بھی مختلف مذہبی اور سیاسی جماعتوں کے کارکنوں نے احتجاج کیا، ہزاروں مظاہرین نے شٹر ڈاؤن کرکے

شاہراہ ریشم پر دھرنا دیا۔رہنماؤں نے کہا کہ مدرسہ تعلیم القرآن پر حملہ کھلم کھلا دہشت گردی ہے۔ اگر ملوث ملزمان کو گرفتار نہ کیا گیا تو ہم احتجاج کا دائرہ وسیع کریں گے ۔جبکہ اس سے اگلے ہی روز صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخی کے خلاف مذہبی جماعتوں کی اپیل پر چشتیاں میں مکمل شٹر ڈاؤن ہڑتال کی گئی۔ملتان، ہارون آباد میں بھی ہنگامے پھوٹ پڑے جس کے نتیجے میں چالیس کے لگ بھگ افراد زخمی اور کئی جان سے بھی گئے۔ فیصل آباد اور ملتان میں دفعہ ایک سو چولیس نافذ کردی گئی۔

سانحہ راولپنڈی کی تقریبا تمام سیاسی و مذہبی شخصیات نے مذمت کی اور مجرموں کڑی سزا دینے کی اپیل کی گئی۔ وفاق المدارس ،جمعیت علماء اسلام ،اہلسنّت والجماعت اور جمعیت اہلسنّت سمیت کئی جماعتوں کے قائدین نے کہا کہ سانحہ راولپنڈی قومی سانحہ ہے، ذمہ داران کو راجا بازار میں سرعام پھانسی دی جائے، اس وقت بیانات کی نہیں اقدامات کی ضرورت ہے، اگر حکومت نے صرف بیانات پر اکتفاء کیا تو ہم امن کی ضمانت نہیں دے سکتے۔ نااہل انتظامیہ کو فی الفور برطرف کیا جائے، یہ سانحہ اتفاقی نہیں بلکہ طے شدہ منصوبے کے نتیجے میں رونما ہوا، سانحہ کے ذمہ داروں کو کیفر کردار تک پہنچانے تک جدوجہد جاری رہے گی۔ سینئر ججوں سے اس واقعے کی غیر جانبدارانہ اور منصفانہ تحقیقات کروائی جائے ں، مسجد ومدرسہ اور مارکیٹ کی تعمیر نو اور متاثرین کے اربوں روپے کے

نقصان کا معاوضہ ادا کیا جائے، قوم کو اصل حقائق سے آگاہ کیا جائے۔ یہ حکومت کی ناکامی اور راولپنڈی انتظامیہ کی نااہلی کا ثبوت ہے جس وحشت و بربریت کا راولپنڈی میں مظاہرہ کیا گیا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی، صرف بے گناہ لوگوں کو شہید نہیں کیا گیا بلکہ ان کی لاشوں کو مسخ بھی کیا گیا، ان کے اعضاء کاٹے گئے، ان کی آنکھیں نکالی گئیں، ڈیڑھ سو کے قریب دکانوں کو نذر آتش کیا گیا، فائر بریگیڈ اور ایمبولینس کو جائے وقوع پر نہیں جانے دیا گیا۔ پولیس اور قانون نافذ کرنے والے ادارے خاموش تماشائی بنے رہے۔ میڈیا حقائق کو چھپانے میں حکومت کے ساتھ برابر کا شریک ہے اور بدترین جانبداری کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اس سانحہ کے خلاف لاہور کے جید علماء کرام اور 300 سے زاید مدارس کے سربراہان اور مساجد کے ائمہ کرام نے پنجاب حکومت سے استعفے کا مطالبہ بھی کیا۔ علماء کرام نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ راولپنڈی میں جلوس کی جانب سے اہلسنّت والجماعت کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم تعلیم القرآن راجا بازار پر حملے کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ ہم جمعیت اشاعت التوحید والسنہ، وفاق المدارس العربیہ اور اہلسنّت والجماعت کے مشترکہ فیصلے کے انتظار میں ہیں، اگر انہوں نے حکم دیا تو ہم پر امن انداز میں لاہور کی شہروں پر دھرنے دیں گے، احتجاج کریں گے اور اس وقت تک اپنا احتجاج جاری رکھیں گے جب تک ہمارے مطالبات پورے نہیں ہوتے۔ اہلسنّت والجماعت کے سربراہ علامہ محمد احمد لدھیانوی نے راولپنڈی میں پیش آنے والے واقعہ کو

انتہائی افسوس ناک قرار دے تے ہوئے تین روزہ سوگ کا اعلان کے ا۔ ان کا کہنا ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے مکمل طور پر ناکام رہے، چیف جسٹس اس قتل عام پر از خود نوٹس لیں، تمام مذہبی جلسے جلوسوں کو عبادت گاہوں تک محدود کیا جائے، شفاف انکوائری کرا کے قاتلوں اور دہشت گردوں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ مولانا سمیع الحق نے راولپنڈی واقعے کو انتظامی نااہلی قرار دیتے ہوئے واقعے کی تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ سانحہ راولپنڈی کے بعد مولانا فضل الرحمٰن نے وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف، صوبائی وزیر قانونی رانا ثناءاللہ، چیف سیکرٹری پنجاب، آر پی او راولپنڈی کو ٹیلی فون کر کے سانحہ پنڈی سے متعلق تفصیلات معلوم کیں۔ مولانا فضل الرحمٰن کا کہنا تھا کہ پنڈی سانحہ فرقہ واریت کو ہوا دینے کی سازش ہے۔ عوام صبر و تحمل کا مظاہرہ کریں اور ان سازشوں کو ناکام بنا دیں۔ سانحہ میں ملوث عناصر کو فوری گرفتار کیا جائے۔اتوار کے روز سانحہ راولپنڈی کی تحقیقات کے لیے پنجاب حکومت کی درخواست پر جسٹس مامون رشید کی سربراہی میں عدالتی کمیشن قائم کر دیا گیا، جو تحقیقات کر کے ذمہ داروں کا تعین کرے گا۔ کمیشن آج سے راولپنڈی میں انویسٹی گیشن شروع کرے گا، انکوائری کے لیے تیس روز کا ابتدائی وقت مقرر کیا گیا ہے۔ کمیشن اپنی رپورٹ مکمل کر کے پنجاب حکومت کو دے گا۔ رپورٹ کو منظر عام پر لانے یا نہ لانے کا فیصلہ پنجاب حکومت کا استحقاق ہو گا۔

دوسری جانب راولپنڈی میں دس محرم کی شام ہونے والے واقعے کی تحقیقات ابھی شروع نہیں ہوئیں لیکن بعض انٹیلی جنس ادارے اس واقعے میں سرکاری اداروں کے بعض اہلکاروں کے ملوث ہونے کو خارج از امکان قرار نہیں دے رہے۔ ایک سینیئر سیکورٹی اہلکار کے مطابق اس سانحے کی مجوزہ تحقیقات میں اس پہلو کا بھی بغور جائزہ لیا جائے گا کہ اس روز شرپسندی اور تشدد میں ملوث افراد کو خاص طور پر پولیس اہلکاروں کی مدد تو حاصل نہیں تھی۔ بعض سرکاری ذرائع کا کہنا ہے کہ اس بارے میں راولپنڈی کی اعلیٰ انتظامی اہلکار اور سیاسی قیادت، جن میں وزیراعلیٰ اور بعض وزرا بھی شامل ہیں، شدید تشویش کا شکار ہیں کہ اس واقعے میں بعض پولیس اہلکار بھی ملوث ہو سکتے ہیں جو سرکاری فرائض کی ادائیگی کی بجائے اپنے مسلکی مفادات کے تحت تشدد کو بڑھاوا دیتے رہے۔ پاکستان میں فرقہ واریت کا زہر سرکاری اور ریاستی اداروں میں سرایت کر جانے کے خدشات طویل عرصہ سے ظاہر کیے جا رہے ہیں لیکن یہ غالباً پہلا موقع ہے کہ بڑے پیمانے پر ہونے والے فرقہ وارانہ جارحیت میں اس ریاستی مشینری کے بعض پرزوں کے ملوث ہونے کے بعض شواہد سامنے آئے ہیں۔ ایک سینیئر سیکورٹی اہلکار کے مطابق عین جمعے کی نماز کے وقت جلوس کا ایک خاص مسجد کے سامنے سے گزرنا، فائرنگ میں سرکاری اسلحے کا استعمال، آتش زنی کے لیے وافر مقدار میں پیٹرول کی دستیابی، فائر بریگیڈ اور مزید نفری کے آمد کے ممکنہ راستوں کی بندش اور نذر آتش ہونے والی مدینہ مارکیٹ کا گیٹ کھول دینا، ایسے واقعات ہیں جن سے

صرف نظر کرنا ممکن نہیں۔ جمعے کے روز راولپنڈی کے جس مقام پر تشدد کا واقعہ پیش آیا وہ روایتی طور پر فرقہ وارانہ کشیدگی کے لحاظ سے فلیش پوائنٹ مانا جاتا ہے۔ یہاں ہر سال محرم کے موقع پر اس مسجد کے گرد خصوصی حفاظتی انتظامات کیے جاتے ہیں۔ اس بار فرق یہ تھا کہ جمعہ کا دن تھا اور مسجد میں نماز جمعہ کی تیاری کی جا رہی تھی۔ مقامی انتظامیہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھی کہ جمعے کی مناسبت سے یہ جلوس ایسے وقت میں اس مسجد کے قریب سے گزرنا چاہیے جب نماز جمعہ کی ادائیگی میں رخنہ نہ پڑے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔۔۔ مزید یہ کہ جلوس کے قریب پہنچنے کے باوجود پولیس اہلکاروں نے 'ایس او پی' یعنی روایتی حفاظتی انتظامات کے پیش نظر مسجد کا لاوڈ سپیکر بھی بند نہیں کرایا۔ یہ تمام باتیں سیکورٹی اداروں میں انگلی اٹھنے کا موقع دے رہی ہیں۔ اسی وجہ سے خفیہ ادارے نے سانحہ راولپنڈی کی رپورٹ پنجاب حکومت کو ارسال کر دی ہے جس میں راولپنڈی کی ضلعی انتظامیہ اور پولیس کو ذمے دار ٹھہرایا گیا ہے۔ رپورٹ میں نشاندہی کی گئی ہے کہ پولیس کے سینئر حکام جائے وقوعہ پر اس وقت پہنچے جب حالات انتہائی خراب ہو چکے تھے۔ رپورٹ کے مطابق انتظامیہ اور پولیس نے امن کمیٹی کے اراکین کو اپنے ساتھ نہیں رکھا اور جب واقعہ پیش آیا تو امن کمیٹی کے اراکین کو تلاش کر کے لایا گیا جس کے باعث وقت کا زیاں ہوا۔ بعض سرکاری اہلکار اس بات پر بھی حیران ہیں کہ تشدد شروع ہونے کے بعد نذر آتش ہونے والی مدینہ مارکیٹ کے داخلی راستے کو بعض پولیس اہلکاروں نے کیوں

کھولا؟ راولپنڈی پولیس کے بعض اہلکاروں نے جان بچانے کے لیے اسی مسجد میں 'پناہ' کیوں لی جو حملے کی سب سے زیادہ زد میں تھی؟ شر پسندوں کے ہاتھوں اپنی بندوقیں کھونے والے پانچ اہلکار تو موقعے سے فرار ہو گئے، لیکن وہ اہلکار کہاں گئے جن کے پاس آنسو گیس کے گولوں کا ذخیرہ تھا؟ تشدد شروع ہونے کے ابتدائی ایک گھنٹے میں پولیس کی مداخلت نظر کیوں نہیں آئی؟۔ یہ وہ سوال ہیں جن کے جواب عدالتی تحقیقات میں تلاش کیے جا سکتے ہیں۔

بعض ذرائع کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ سارا معاملہ منصوبہ بندی سے پہلے ہی تشکیل دے دیا گیا تھا، جس میں لوگ باہر سے منگوائے گئے تھے۔ اس حوالے سے عوامی مسلم لیگ کے سربراہ شیخ رشید احمد نے کہا ہے کہ سانحہ راولپنڈی ایک بڑی سازش تھا، ہنگامے میں ملوث لوگ شناسا نہیں تھے۔ ہنگامے میں ملوث افراد اس علاقے کے نہیں تھے انہیں پہلے کبھی یہاں دیکھا نہیں گیا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ مشتعل افراد کے پاس اتنی جلدی پیٹرول کی بوتلیں کہاں سے آ گئی اور پولیس کے اہلکار تو یہ کہہ رہے تھے کہ بندوقیں فائر کرکے ہمیں واپس ضرور کر دینا۔ شیخ رشید احمد نے واقعے کا ذمہ دار پنجاب حکومت کو قرار دیتے ہوئے کہا کہ انتظامیہ کی نا اہلی کا یہ عالم تھا کہ خوف زدہ پولیس اہلکاروں نے خود رائفلیں سرنڈر کر دیں۔ انتظامیہ بتائے عمارتوں کو آگ لگانے کیلئے پیٹرول کے کین کیسے پہنچے۔ ذرائع کے مطابق عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ فساد

میں غیر مقامی افراد متحرک تھے، یوم عاشورہ کو پیش آنے والے واقعے میں پولیس اور مقامی انتظامیہ کی جانب سے بنائی گئی حکمت عملی میں نقائص اور جلوس کے ساتھ ساتھ چلنے والے تین تین افراد کی چار ٹولیاں فساد کا سبب بنیں، عاشورہ کے جلوس کے ساتھ موجود افراد اور سانحے کے عینی شاہدین کا دعویٰ ہے کہ عین اس وقت جائے وقوعہ پر پہنچا تھا جب راجا بازار کی بڑی مسجد میں نماز جمعہ کی ادائیگی کا وقت تھا، جلوس کب کس جگہ ہوگا اور کتنے بجے مخصوص مقامات سے آگے بڑھے گا، امسال اس امر کو نظر انداز کر دیا گیا۔ حتی کہ جس جگہ فریقین کے مابین تنازعے نے جنم لیا اس مقام پر جلوس کے دیر تک پڑاؤ کے معاملے کو شاہدین حیران کن قرار دیتے رہے، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ پولیس کے گرد مختلف نوعیت کے افراد نے اہلکاروں سے رائفلیں ہی نہیں چھینی بلکہ بعض اہلکاروں کو جلوس کے افراد نے کھینچ کر سڑک پر گرالیا۔ عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ راجا بازار کے ایریا میں ایسے افراد بھی دیکھے گئے جنہیں کسی صورت پنجاب کا باسی قرار نہیں دیا جاسکتا، یہ افراد اس وقت زیادہ متحرک دکھائی دیے جب معاملہ تلخی کی طرف جارہا تھا، مشتعل افراد کو لیڈ کرنے والے بھی یہی افراد تھے۔ اطلاعات کے مطابق کچھ نامعلوم افراد 333 کے نمبر والی ایک گاڑی میں پیٹرول، بوتلیں اور اسلحہ پہنچا رہے تھے، یہ گاڑی دو مرتبہ پیٹرول لے کر اندر آتی دیکھی گئی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پہلے سے ہی منصوبہ بندی کی گئی تھی، ورنہ اتنی جلدی پیٹرول کا میسر آجانا مشکل

ہے۔ نجانے یہ غیر مقامی لوگ کس ملک سے لائے گئے تھے۔ یہ سب کچھ تو سامنے آ سکتا ہے اگر حکومت سامنے لانا چاہے۔

پرویز مشرف کے خلاف غداری کا مقدمہ چلانے کا حکومتی اعلان

پاکستان کے سابق آمر پرویز مشرف کے خلاف آئین کے آرٹیکل چھ کے تحت غداری کے مقدمے کے سلسلے میں وفاقی حکومت نے ذوالفقار عباس نقوی ایڈووکیٹ کو پیرکے روز اسپیشل پراسیکیوٹر مقرر کر دیا ہے۔ جبکہ سندھ ہائی کورٹ نے سابق فوجی صدر کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ سے خارج کرنے کی درخواست کی سماعت 22 نومبر تک ملتوی کر دی ہے۔ وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان نے اتوار کے روز سابق آرمی چیف پرویز مشرف کے خلاف آرٹیکل 6 کے تحت کارروائی شروع کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا کہ ملکی دستور کے مطابق غداری کا الزام ثابت ہو گیا تو پرویز مشرف کو سزائے موت یا عمر قید کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ 3 نومبر کے اقدام سے متعلق ایف آئی اے کی کمیٹی نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔ 26 جون کو حکومت پاکستان نے سپریم کورٹ کی ہدایت کی روشنی میں ایک کمیٹی بنائی تھی جس نے جنرل (ر) مشرف کے خلاف مقدمہ درج کرنے کے لیے 16 نومبر کو اپنی رپورٹ پیش کر دی ہے۔ چودھری نثار علی نے کہا کہ پرویز مشرف 1999ء میں ہماری حکومت کے خلاف بغاوت کر کے حکومت میں آئے تھے مگر میاں نواز شریف نے ذاتی رنجش اور تلخی جو پرویز مشرف کے ساتھ تھی، وہ صاف کر دی، مگر آئین اور قانون کی جس طرح خلاف ورزی ہوئی اور پاکستان کی عدلیہ کو پابند سلاسل کیا گیا، ججز کے بال نوچے گئے، اب

پرویز مشرف پاکستان کے آئین اور قانون کے سامنے جوابدہ ہے۔ ایف آئی اے کی ٹیم میں چاروں ایسے لوگ لگائے گئے جو انتہائی اچھی شہرت کے مالک تھے ان میں سے ایک ستمبر میں ریٹائرڈ ہوگئے ہیں۔ ہم نے اس ٹیم پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا اور انصاف کے تقاضے کے مطابق کارروائی کی ہدایت کی۔

یہ خیال رہے کہ اطلاعات کے مطابق پرویز مشرف کے خلاف آئین سے غداری کے مقدمے کی کارروائی کے سلسلے میں خصوصی عدالت کے قیام کے لیے وزارت قانون نے وزارت داخلہ کے خط پر کارروائی شروع کردی ہے۔ وزارت داخلہ کی جانب سے وزارت قانون کو لکھے گئے خط میں کہا گیا ہے کہ 3 نومبر 2007 کے غیر آئینی اقدامات پر سابق صدر اور اس وقت کے آرمی چیف جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف کے خلاف کیس کی سماعت کے لیے خصوصی ٹریبونل قائم کیا جائے جو ملک کے 3 ہائی کورٹس کے چیف جسٹس صاحبان پر مشتمل ہو۔3 نومبر 2007 کے پرویز مشرف کے غیر آئینی اقدامات کے بارے میں ایف آئی اے نے تفتیش میں (ق) لیگ دور حکومت کی 25 اہم شخصیات کے بیان قلم بند بھی کیے ہیں جبکہ سابق گورنر پنجاب خالد مقبول نے "تنہا" پرویز مشرف کو 3 نومبر کے غیر آئینی اقدامات کا ذمہ دار قرار دے دیا ہے۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق ایف آئی اے کو بیان میں سابق گورنر پنجاب خالد مقبول نے کہا اعلی عدلیہ پرویز مشرف کو 3 نومبر کے اقدامات کا ذمہ دار ٹھہرا چکی ہے اور 3 نومبر کے اقدامات کے صرف پرویز مشرف ذمہ دار ہیں۔ مجھ سے اس حوالے

سے کوئی مشورہ نہیں کیا گیا جبکہ سابق سیکرٹری قانون میاں محمد اجمل نے بھی کہا کہ مجھ سے پرویز مشرف نے 3 نومبر کے غیر آئینی اقدامات کے حوالے سے کوئی مشورہ کیا اور نہ ہی مجھے اس حوالے سے کچھ پتا ہے اور سابق اٹارنی جنرل ملک قیوم نے بھی ان اقدامات سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے۔ واضح رہے کہ پرویز مشرف پر الزام ہے کہ انہوں نے 2007ء میں بطور فوجی سربراہ ملکی دستور کو معطل کرتے ہوئے ایمرجنسی کا نفاذ کیا اور اعلیٰ ملکی عدلیہ کے ججوں کو برطرف کر دیا تھا۔ اب حکومت سابق آمر پر آئین کے آرٹیکل چھ کے تحت غداری کا مقدمہ چلانے کا اعلان کیا ہے۔ پاکستانی آئین کا آرٹیکل چھ یہ ہے:

الف) کوئی شخص جو طاقت کے استعمال یا طاقت سے یا دیگر غیر آئینی طریقے سے) دستور کی تنسیخ کرے یا تنسیخ کرنے کی سعی یا سازش کرے، تخریب کرے یا تخریب کرنے کی سعی یا سازش کرے سنگین غداری کا مجرم ہوگا۔

ب) کوئی شخص جو شق (الف) میں مذکورہ افعال میں مدد دے گا یا معاونت کرے) گا، اسی طرح سنگین غداری کا مجرم ہوگا۔

پ) مجلس شوریٰ (پارلیمان) بذریعہ قانون ایسے اشخاص کے لیے سزا مقرر کرے گی) جنہیں سنگین غداری کا مجرم قرار دیا گیا ہو۔

حکومت نے پرویز مشرف کے خلاف غداری کا مقدمہ ایک ایسے وقت میں چلانے کا اعلان کیا ہے جب رواں برس مارچ میں خودساختہ جلاوطنی ختم کرکے پاکستان

پہنچنے والے پرویز مشرف کو دیگر کریمنل مقدمات میں ضمانت پر رہا کیا جا چکا ہے۔
دوسری جانب سابق آمر کے خلاف آرٹیکل چھ کے تحت غداری کا مقدمہ چلانے کے حوالے سے پاکستان کے رہنماؤں نے ملے جلے رد عمل کا اظہار کیا ہے۔ چیئرمین پیپلز پارٹی بلاول بھٹو زرداری نے پرویز مشرف کے خلاف آرٹیکل 6 کے تحت کارروائی کے لیے حکومت کی حمایت کرتے ہوئے کہا صرف 2007ء کی ایمرجنسی کو ہی بنیاد نہ بنایا جائے، 12 اکتوبر 1999ء کے اقدام پر بھی کارروائی ہونی چاہیے۔ امید ہے حکومت آرٹیکل 6 کے تحت کارروائی میں سنجیدہ ہے۔ پرویز مشرف کے خلاف آرٹیکل 6 کی کارروائی کی حمایت کرتے ہیں۔ قومی اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ نے کہتے ہیں حکومت آرٹیکل 6 کی کارروائی میں سنجیدہ ہوتی تو کیس چل رہا ہوتا۔ ایمرجنسی کے نفاذ کی بجائے حکومت ہٹانے کا مقدمہ چلایا جائے، آرٹیکل 6 کا اطلاق 12 اکتوبر کے واقعہ پر کیا جائے، آرٹیکل 6 کے زمرے میں بہت سے لوگ آئیں گے، پکڑنا ہے تو سب کو پکڑیں، حکومت خود کو بچانے کے لیے ایسے اقدامات کر رہی ہے، پرویز مشرف کے ساتھیوں کو بھی پکڑا جائے۔ عوامی مسلم لیگ کے سربراہ شیخ رشید نے بیان دیا ہے کہ پرویز مشرف کے خلاف آرٹیکل 6 کے تحت کارروائی کے حکومتی اعلان سے نیا پنڈورا باکس کھل جائے گا، حکومت سانحہ راولپنڈی سے توجہ ہٹانا چاہتی ہے۔ وزیراعظم نواز شریف ملک میں کم اور بیرون

ملک زیادہ ہوتے ہیں، فوج نہیں چاہے گی ان کے سابق آرمی چیف کے خلاف کیس کھلے، فوج آرمی ایکٹ کی تضحیک نہیں چاہے گی۔ آنے والے دس گیارہ دن بہت اہم ہیں، حکومت کو دانتوں سے گانٹھیں کھولنا پڑیں گی۔ سربراہ جمہوری وطن پارٹی نوابزادہ طلال بگٹی نے پرویز مشرف کے خلاف آرٹیکل 6 کے تحت کارروائی کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ پرویز مشرف کے خلاف آرٹیکل 6 کی کارروائی ملک بچانے کے مترادف ہے، سابق آمر نے اپنے دور میں نفرتوں کے فروغ اور ملک توڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ عوامی نیشنل پارٹی کے سینیٹر زاہد خان نے کہا ہے عوامی نیشنل پارٹی وفاقی حکومت کے فیصلہ کی حمایت کرتی ہے کہ پرویز مشرف کے خلاف آرٹیکل 6 کے تحت کارروائی ہونی چاہیے۔ حکومت واقعہ راولپنڈی سے توجہ ہٹانے کے لیے پرویز مشرف کے خلاف آرٹیکل کی کارروائی پر تیار ہو گئی ہے، پرویز مشرف کے خلاف آرٹیکل 6 لگتا ہے تو پاکستان 6 میں جمہوریت کے لیے مثال قائم ہو جائے گی اور دہشت گردی کے معاملے بھی ختم ہو جائیں گے۔ پاکستان تحریک انصاف کے جنرل سیکرٹری جہانگیر ترین نے کہا ہے پرویز مشرف کے خلاف کارروائی ہونی چاہئے کہیں حکومت اصل ایشو کو چھوڑ کر نیا مسئلہ تو نہیں کھڑا کر رہی۔ واقعہ راولپنڈی نے پوری قوم اور حکمرانوں کو افسردہ کر دیا ہے حکومت واقعہ راولپنڈی کے مجرموں کو پکڑنے کی بجائے آرٹیکل 6 کی کارروائی چھیڑ رہی ہے۔

وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات سینیٹر پرویز رشید نے کہا ہے ملک کے آئین کو جس شخص نے روندا اس کو سزا ضرور ملنی چاہیے، پرویز مشرف نے غلطی اور قصور کیا وہ سزا کا مستحق ہے اور یہ قومی مجرم ہیں، اب یہ فیصلہ عدالتوں نے کرنا ہے۔ جمعیت علماء اسلام (ف) کے سینیٹر مولانا عبدالغفور حیدری کہتے ہیں کہ حکومت نے اس وقت راولپنڈی کے واقعہ کو پس پشت ڈالنے کے لیے پرویز مشرف کے خلاف کارروائی کا شوشہ چھوڑا ہے۔

پرویز مشرف کے تمام کرداروں کو سزا ملنی چاہیے۔ امیر جماعت اسلامی پاکستان سید منور حسن نے وفاقی حکومت کی طرف سے مشرف کے خلاف آئین کی دفعہ 6 کے تحت غداری کا مقدمہ قائم کرنے اور ہائیکورٹس کے جسٹس صاحبان کی نگرانی میں تین رکنی انکوائری کمشن قائم کرنے کے بیان کا خیر مقدم کرتے ہوئے اسے دیر آید درست آید قرار دیا ہے۔

اطلاعات یہ بھی ہیں کہ ایف ائی اے کی تحقیقاتی ٹیم نے آرٹیکل 6 کے تحت کارروائی کی خاطر انکوائری میں پرویز مشرف کو متعدد مرتبہ بیان ریکارڈ کروانے کے سمن جاری کیے جبکہ مشرف کی جانب سے مسلسل عدم تعاون پر ایف آئی اے نے 3 سرکاری محکموں سے بعض ریکارڈ حاصل کرکے رپورٹ مکمل قرار دے کر بھجوائی جس میں ابھی یہ بھی دیکھنا باقی ہے کہ جس نے حکم دیا اس پر تو آرٹیکل 6 لگے اور جنھوں نے اس پر حقیقی معنوں میں عملدرآمد کرایا ان کیساتھ کیا سلوک ہوگا؟ کیا یہ معاملہ مجوزہ خصوصی عدالت جس نے پرویز مشرف کیخلاف باضابطہ مقدمے کی

سماعت کرنا ہے نے واضح کرنا ہے؟ اس گومگو کی کیفیت کا شکار رہنے کے بعد ایف آئی اے کی انکوائری کمیٹی جس نے چند یوم میں عجلت میں رپورٹ مکمل کرکے حکومت کے حوالے کی ابھی تک اسی کشمکش میں ہے کہ اسوقت کے آئی جی پولیس، چیف کمشنر، ڈپٹی کمشنر، ایس ایس پی آپریشنز اسلام آباد حتیٰ کہ ماتحت پولیس وانتظامیہ کے افسران کے بھی بیانات ریکارڈ کیے جانا تھے کہ نہیں؟ ذرائع کا یہ بھی کہنا ہے کہ حکم پر عملدرآمد ایگزیکٹیو اتھارٹی نے کرانا ہوتا ہے جس میں اسوقت کے وزیراعظم سے لیکر اسوقت کے سابق وزیر داخلہ، سیکریٹری داخلہ سمیت مذکورہ بالا دیگر افسران پر بھی سوالیہ نشان باقی ہے۔

عہد افتخار سرمایہ افتخار

پاکستان کے بیسوے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری 3 ہزار 60 روز اپنے عہدے پر متمکن رہنے کے بعد سبکدوش ہو گئے ہیں۔ ان کے جانے پر جہاں بے شمار لوگ ملک و قوم کے لیے عہد افتخار کو باعث افتخار بتلا رہے ہیں، وہیں ان پر تنقید کرنے والوں کی بھی کچھ کمی نہیں ہے۔ دنیا میں ہر انسان کے حامی و ناقد تو ہوتے ہی ہیں، لیکن کسی انسان کی تمام خوبیوں کو نظرانداز کرکے صرف خامیوں کو ہی نظر میں رکھنا ایک سطحی اور غیر مناسب سوچ معلوم ہوتی ہے۔ چلیے ! ہزار بار مان لیتے ہیں کہ افتخار محمد چوہدری سے بہت سی غلطیاں سرزد ہوئیں، جو انہیں کرنا چاہیے تھا یا وہ کر سکتے تھے وہ سب کچھ نہ کرپائے، اس سب کچھ کے باوجود کیا یہ ایک حقیقت ہے کہ افتخار محمد چوہدری سب سے اچھے نہ سہی مگر بہت سے لوگوں سے کافی بہتر ضرور ثابت ہوئے ہیں، کیونکہ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی سربراہی میں اعلیٰ عدلیہ ماضی کے برعکس پاکستان کا سب سے مضبوط اور طاقتور ادارہ بن کر ابھرا۔ انہوں نے ایک وقت میں بزدل سمجھی جانے والی عدلیہ کو آج کی بے خوف اور دنیا کی مضبوط ترین عدلیہ بنانے میں اہم ترین کردار ادا کیا۔ انہوں نے "آسمان گرے یا زمین پھٹے، ہر صورت قانون پر عمل ہوگا۔" پر عمل کرکے دکھایا۔

کہا جاتا ہے کہ ماضی میں عدلیہ انتظامیہ اور اسٹیبلشمنٹ کا گٹھ جوڑ ہوا کرتا تھا، سب ایک دوسرے کے مفادات کا تحفظ کرتے تھے۔ حکومتی وزیر، مشیر، فوج اور ایجنسیاں اعلیٰ عدلیہ کے ججوں کو فون کرکے اپنی مرضی کے فیصلے دینے کا حکم جاری کیا کرتے تھے، لیکن چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے سب کچھ بدل کے رکھ دیا اور صدر، وزیراعظم، اعلیٰ فوجی جرنیل، خفیہ ایجنسیوں کے سربراہ، فوجی آمر، بااثر ترین کاروباری افراد، اہم سرکاری افسران اور اعلیٰ عدالتوں کے ججز سمیت سب کو قانون کی پکڑ میں لیا۔ کئی وفاقی اور صوبائی وزرا، مشیران اور اراکین پارلیمنٹ کو بدعنوانی، جعلی ڈگریوں اور دہری شہریت کے مقدمات میں عدالت کی مداخلت کے بعد گھر بھی جانا پڑا۔ اسی کو حقیقت میں قانون اور عدلیہ کی بالادستی کہتے ہیں۔ کیا ماضی میں کوئی سوچ بھی سکتا تھا کہ پاکستان میں عدالتی احکامات نہ ماننے پر وزیراعظم کو گھر بھیج دیا جائے گا، ایک ڈکٹیٹر کو جیل میں ڈال کر اس کے خلاف غداری کا مقدمہ چلانے کی ہدایت کی جائے گی، ایجنسیوں کو ان کے غیر قانونی کام پر سخت پوچھ گچھ کا سامنا ہوگا، عدلیہ کا اس قدر طاقتور ہونا افتخار محمد چوہدری کے مرہون منت ہی تو ہے۔

افتخار محمد چوہدری کے سارے دور میں سیاست دان، بیوروکریٹ، جرنیل اور ہر بڑی شخصیت گلہ کرتی نظر آتی رہی کہ ہمارے کام میں مداخلت ہو رہی ہے۔ ہر

ادارے کو اپنی حدود میں رہ کر کام کرنا چاہیے۔ حالانکہ انصاف کے نفاذ کی کوئی حدود وقیود متعین نہیں کی جا سکتیں ،اس لیے کہ بددیانتی اور لاقانونیت زندگی کے ہر شعبے میں موجود ہوتی ہیں اور عدالتوں کا دائرہ کار ان تمام شعبوں پر محیط نہ ہو تو انصاف کی فراہمی رک جاتی ہے۔ اگر کہیں انصاف کا قتل ہو جائے ، بااثر اور بڑے لوگ کمزور عوام کو دبانے کی کوشش کریں اور غریبوں کی کوئی نہ سنے کیا پھر بھی بے بس عوام کو انصاف دینے کی بات کرنا اپنی حدود سے تجاوز شمار ہوگا؟اگر ملک میں کہیں کوئی زیادتی، جبر یا ظلم ہو اور سپریم کورٹ مظلوم کی حمایتی بن کر میدان میں کود پڑے تو کیا یہ حدود سے تجاوز ہے؟ اگر یہ حدود سے تجاوز ہے تو پھر یہی تجاوز ملک کی اکثریت کی ضرورت ہے۔اسی لیے تو اب ملک کے کسی دور دراز گاؤں میں ظلم کا نشانہ بننے مظلوم فرد بھی سپریم کورٹ کو اپنا محافظ سمجھ کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔

ملک و قوم اور عوام کی بھلائی کے لیے ہی تو چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے آئین کے آرٹیکل۔ 184-3 کے تحت از خود نوٹس کا اختیار بارہا استعمال کیا۔"این آر او"، ایکوڈک کیس، این آئی ایل سی ایکنڈل، رینٹل پاور پروجیکٹس، حج اسکینڈل، بینک آف پنجاب کیس، پاکستان اسٹیل ملز اسکینڈل کیس، شوگر مافیا کیس میں کرپشن اور بدعنوانی کرکے قومی خزانے پر ڈاکا ڈالنے والوں پر ہاتھ ڈالا اور بااثر لوگوں سے قومی خزانے کے کھربوں روپے بچائے۔ دہری شہریت اور

جعلی ڈگری ہولڈروں کی نااہلی، میموگیٹ، کراچی بدامنی کیس، مہران بینک اسکینڈل، لاپتا افراد کیس میں چھپے ہوئے چہروں کی اصلیت عوام کے سامنے لائے، اعلیٰ فوجی حاضر سروس عہدیداروں، سویلین آفیسرز، سابق آرمی چیف جنرل اسلم بیگ، جنرل اسد درانی سمیت بہت سے بڑوں کو عدالت میں حاضر کیا۔ انہوں نے عدالتی فعالیت کے ذریعے طاقتوروں کو نکیل ڈالی۔ چیف جسٹس کے ازخود نوٹس لینے پر تنقید کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ ایک ایسے ملک میں جہاں حکومتیں براہ راست یا بالواسطہ طور پر کرپشن، لاقانونیت، خراب گورننس میں ملوث ہوں یا اس پر قابو پانے میں ناکام رہیں تو ایسے معاشرے میں عدالتی فعالیت اور ازخود نوٹس لینا ملک اور عوام کے لیے ضروری ہوجاتا ہے، جہاں عام آدمی طاقتور کے خلاف شکایت نہ کرسکتا ہو، وہاں عدالت کا ازخود نوٹس اس کے لیے نعمت سے کم نہیں ہوتا اور مایوس پاکستانیوں کے لیے یہ روشنی کی کرن ثابت ہوتا ہے۔ اگر افتخار محمد چوہدری ازخود نوٹس نہ لیتے تو غالب گمان ہے کہ وقت کی حکومتوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس تک نہ ہوتا۔

اکستان میں تواتر کے ساتھ فوجی مداخلتیں ہوئیں اور ہر مرتبہ عدلیہ نے آمروں کی طرفداری کی، لیکن 9 مارچ 2007ء کو جب پرویز مشرف جیسے آمر نے پانچ باوردی جرنیلوں اور انٹیلی جنس سربراہان کی موجودگی میں ان سے استعفاء مانگا تو انہوں نے آمروں کے سامنے باعث افتخار کارنامہ سرانجام دیتے ہوئے "ناں" کی

ایک منفرد روایت رقم کر چھوڑی۔ پرویز مشرف،ا±س کے جرنیلوں اور خفیہ ایجنسیوں کے سربراہوں نے ڈرا دھمکا کر کوشش کی کہ جسٹس افتخار استعفیٰ دے دیں، مگر انہوں نے کہا جو مرضی کر لو میں استعفیٰ نہیں دوں گا۔ استعفیٰ نہ دینے پر چیف جسٹس سے بدتمیزی تک کی گئی، پولیس اہلکاروں نے انہیں بالوں سے پکڑ کر ان کی کار میں دھکیلا تو یہ مناظر پوری قوم نے اپنی ٹی وی اسکرینوں پر براہ راست دیکھے ۔ا±ن کو پیسے کا لالچ دیا گیا، انہیں ملک کے اندر اور ملک سے باہر اعلیٰ عہدوں کا لالچ بھی دیا گیا، مگر وہ جھکنے کے لیے تیار تھے اور نہ ہی میدان چھوڑ کر بھاگے۔

چیف جسٹس کا کہنا تھا: "حکمران جو مرضی کرلیں، مجھے جہاں مرضی اٹھا کر لے جائیں، میں کسی غیر آئینی فیصلے کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ میں ہی اس ملک کا قانونی اور آئینی چیف جسٹس ہوں۔" چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے بھرپور طریقہ سے یہ ثابت کیا کہ وہ آہنی اعصاب کے مالک ہیں اور ان کو کوئی بااثر اور طاقتور شخص ڈرا نہیں سکتا۔ 9 مارچ 2007کے بعد جسٹس افتخار چوہدری کی سربراہی میں کام کرنے والی عدلیہ نے 3 نومبر 2007 کے مارشل لا کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ اسے غیر آئینی اور غیر قانونی بھی قرار دیا اور اپنے فیصلے پر ڈٹ گئے اور 16 مارچ 2009ء کو عدلیہ کی بحالی تک اپنے فیصلے پر پختگی کے ساتھ ڈٹے رہے۔ سپریم کورٹ آف پاکستان کی تاریخ میں جناب افتخار محمد چودھری

کی سربراہی کا طوفانی اور ہنگامہ خیز دور تو اپنے اختتام کو پہنچ چکا، لیکن یہ دور آنے والی نسلوں کے لے ایسی یادیں چھوڑ گیا ہے جن کا تذکرہ کیے بغیر ملک کی سیاسی تاریخ مکمل نہیں ہوسکے گی۔

ہمیں کس جرم میں قتل کیا گیا؟

عالم اسلام پر چھائی ظلم و ستم کی تاریک رات اس قدر گہری ہو چکی ہے کہ قریب و دور کچھ بھی سدھائی نہیں دیتا۔ چہار سو خوف و ہراس کا بسیرا ہے۔ ہر طرف موت رقص کرتی دکھلائی دیتی ہے۔ ہر جانب گولیاں، بم دھماکے، بارود اور لاشے ہیں۔ کہیں ہم خود ہی خود کو قتل کر رہے ہیں اور کہیں دشمن کے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں۔ دنیا کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک قتل کرنے والا کوئی بھی ہو لیکن قتل ہونے والے ہم ہی ہیں۔ شام کو ہی لے لیجیے! مارچ 2011 کے بعد سے اب تک تقریباً ڈیڑھ لاکھ افراد مارے جا چکے ہیں۔ 22 لاکھ سے زاید شامیوں نے اس دوران ہمسایہ ممالک میں پناہ لی ہے جبکہ ساڑھے 42 لاکھ شامی ملک کے اندر ہی مجبوراً نقل مکانی کر چکے ہیں۔ شام میں انسانیت زندگی کو ترس رہی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کی کس موڑ پہ موت آ دبوچے۔ ایک ہی ملک کے باسی ایک دوسرے کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کے لیے لڑھی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ کوئی بھی نہ تو ہار ماننے کے لیے تیار ہے اور نہ ہی امن کی راہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ دونوں جانب موت کے سوداگر ہیں۔ جو شام سے انسانیت کو نیست و نابود کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ جبکہ تلخ حقیقت یہ ہے کہ اپنی جنگ کوئی بھی نہیں لڑ رہا، دونوں جانب لڑانے والے دشمن ہیں۔ اسلحہ دشمن فراہم کرتا ہے اور لڑتے یہ خود ہیں۔ جی ہاں! دشمن کے اسلحہ و

بارود کے ساتھ اپنے ہی ملک کے باسیوں کو موت کے منہ میں دھکیلا جارہا ہے۔اپنے ہی ملک کے شہروں اور بستیوں کو صفحہ ہستی سے مٹایا جارہا ہے۔ دوسرے کی جنگ لڑنے والے یہ ناعاقبت اندیش مسلح جنگجو تعصب و نفرت میں اس قدر آگے جاپہنچے ہیں کہ اپنے مخالفین کے علاقے میں بنی ہوئی عبادت گاہوں کو بھی نہیں بخشتے۔ لیکن اب تو معاملہ اس سے بھی بہت دور جاچکا ہے۔

شام میں اغیار کی جنگ لڑنے والے ظالم و سفاک جنگجو اب تو معصوم بچوں کو بھی اپنے مختلف مقاصد کے لیے استعمال کررہے ہیں۔جس کی وجہ سے ان بچوں کی اموات میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے۔ شام میں فریقین کی لڑائی میں مارے جانے والے بچوں کی خوفناک حد تک تعداد کا اندازہ چند روز قبل منظر عام پر آنے والی "برطانوی تھنک ٹینک آکسفرڈ ریسرچ گروپ" کی اس رپورٹ سے لگایا جاسکتا ہے جس کے مطابق شام میں مارچ 2011 سے اگست 2013 تک 11420 شامی بچے جنگ کی بھینٹ چڑھا کر قتل کردیے گئے ہیں۔ ان میں سے 389 کو نشانہ بازوں نے دور مار بندوقوں سے قتل کیا ہے اور تقریباً 764 کو فوری موت کا حکم نامہ سنایا گیا اور ایک سو کے قریب بچوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ درندگی کی انتہا دیکھیے کہ لڑائی کے دوران مارے جانے والے ان بچوں میں ایک اور دو سال کی عمر کے بچے بھی شامل تھے، جن کو درندہ صفت جنگجوؤں نے انتہائی سفاکیت کے ساتھ ہمیشہ کی نیند سلادیا اور قتل کرنے سے پہلے ان بچوں کو تشدد کا نشانہ

بھی بنایا گیا، تشدد کے ذریعے قتل کیے جانے والوں میں ایک سالہ بچے بھی شامل تھے۔ جبکہ زیادہ تر بچوں کی موت بموں یا شیلنگ میں ہوئی ہے۔

رپورٹ کی شریک مصنفہ " ہانا سلمہ " کا کہنا ہے کہ جس طرح سے بچوں کو قتل کیا گیا ہے، وہ پریشان کن ہے۔ ان کی موت گھروں میں ہوئی اور قتل کیے جانے والے بچوں کی اکثریت روز مرہ کے کاموں میں مشغول تھی۔ جیسے کہ روٹی کے حصول کے لیے قطار میں کھڑے ہونا، اسکولوں میں جاتے ہوئے یا اسکولوں میں پڑھتے ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس رپورٹ میں دیے گئے اعداد و شمار کو حتمی نہ تصور کیا جائے۔ یہ اعداد و شمار نامکمل ہیں کیونکہ ایسے علاقوں کی تعداد بھی کافی زیادہ ہے جہاں تک رسائی ممکن نہ ہو سکی اور ان علاقوں میں بچے کافی زیادہ تعداد میں قتل کیے گئے۔ یہاں انتہائی قابل حیرت بات یہ ہے کہ اپنی جنگ میں بچوں کو کیوں جھونکا گیا۔ حالانکہ بچے تو کسی کے ساتھ لڑ بھی نہیں سکتے اور نہ ہی جنگ میں کسی کا ساتھ دے سکتے ہیں اور خصوصاً ایک دو سال کے بچے تو بالکل معصوم ہوتے ہیں جو اپنی توتلی زبان کے ساتھ اگر کسی سے بات بھی کریں تو ان پر سب کو ہی پیار آ جاتا ہے۔ بچے تو کسی دشمن کے ہوں یا پھر اپنے، سب قابل رحم ہوتے ہیں۔

بچے تو خدا تعالیٰ کے گھر کے پھول ہوتے ہیں اور ان پھولوں کو مسلنے کا

سلسلہ صرف شام تک ہی محدود نہیں بلکہ سرزمین مقدس فلسطین میں بھی بچوں کو اسی درندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مقبوضہ فلسطین میں صیہونیوں کے ہاتھوں فلسطینی بچے مظلومیت کی انتہاؤں کو چھو رہے ہیں، یرغمال ہونا، قید ہونا، حتیٰ کہ قتل ہونا، معمول، بن چکا ہے۔ فلسطینی بچے جن کو تحفظ دینے کی بجائے صیہونی صرف ان کی زندگی کا سکون ہی نہیں چھینتے بلکہ پوری زندگی چھین لیتے ہیں۔ ایک فلسطینی "جہان عبداللہ" لکھتا ہے: سیکڑوں فلسطینی بچے اسرائیلی فوج کے ہاتھوں ہر سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں، معصوم بچے اکثر خوف و ہراس کی وجہ سے راتوں کو کپڑے گیلے کر دیتے ہیں، اچانک ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتے ہیں، چیخ و پکار کرتے ہیں۔" ملٹری کورٹ کے پراسیکیوٹر کے بیان کے مطابق اسرائیلیوں نے فلسطینیوں کی وہ نسل جو ابھی پوری طرح 12 سال کی عمر تک نہیں پہنچی یا 13 سال کی عمر کو پہنچ رہے ہیں، اسرائیلیوں کی طرف پتھر پھینکنے کے جرم میں گرفتار کیے گئے۔ پتھر پھینکنے کے جرم میں کل آبادی کا 98% جیلوں کے لاک اپ میں بند کیے جاتے ہیں اور یہ کہ ان بچوں پر مقدمات ملٹری کورٹس میں چلائے جاتے ہیں اور سرسری سماعتوں کے ذریعے ان کو جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ ان تمام قیدی بچوں کا رہائی کے بعد طرح طرح کے نفسیاتی مسائل کا شکار ہونا، اسرائیلی درندوں کے خوف و ہراس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق 2000ء کے بعد سے صرف بارہ سالوں میں 8000 سے زاید فلسطینی بچے مغربی کنارے سے پکڑے گئے، کچھ قتل کر دیے گئے اور

کچھ بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔

جنگ زدہ تمام مسلم ممالک میں بچوں کے ساتھ شام اور فلسطین کے بچوں سے مختلف سلوک نہیں کیا جاتا، جو سراسر انسانیت کے خلاف ہے۔انتہائی افسوسناک بات تو یہ ہے کہ موجودہ دور میں انسان نے بہت ترقی تو کرلی ہے اور وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ مہذب ثابت کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ انسانی اصولوں کی پاسداری نہ کرسکا۔حالانکہ قدیم جاہلی ادوار میں بھی جب جنگیں ہوتی تھیں تو بچوں پر ہاتھ نہ اٹھانے کا اعلان کیا جاتا تھا،چہ جائے کہ انہیں قتل کیا جائے،لیکن چونکہ اب تہذیب و تمدن" کا دور دورہ ہے، دنیا عالمی" دیہات" بن چکی ہے۔آج کے انسان" نے ماضی کے" جاہل" اور"اجڈ" انسان سے اپنا پیچھا چھڑا کر ترقی کی تمام حدود تو پار کرلی ہیں،لیکن یہ ترقی آج کے انسان کو یہ نہ سکھا سکی کہ اپنی جنگ کی سزا بچوں کو نہیں دیا کرتے۔ان پھول سے بچوں کو مسل کر ہمیشہ کی نیند سلانے والے روز قیامت کیا جواب دیں گے جب یہ مقتول بچے اپنے ہاتھوں میں اپنے قاتلوں کا گریبان پکڑ کر پوچھ رہے ہوں گے :"ہمیں کس جرم میں قتل کیا گیا؟"

مستقل فیصلوں کی ضرورت

شنید ہے کہ چند روز قبل افغانستان کے جنوبی صوبہ نمروز میں امریکی و نیٹو افواج نے ایک ڈرون حملہ کیا، جس کے نتیجے میں ایک بچہ جاں بحق اور دو خواتین زخمی ہوئیں۔ افغانستان کے صدر حامد کرزئی نے اس ڈرون حملے پر سخت ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے تحقیقات کرنے کا مطالبہ کردیا۔امریکی اخبار" نیویارک ٹائمز" کے مطابق حامد کرزئی کی ناراضگی کے بعد افغانستان میں امریکا اور نیٹو افواج کے کمانڈر جنرل "جوزف ایف ڈنفورڈ" نے جنوبی صوبہ نمروز میں ڈرون حملے میں ہونے والے جانی نقصان پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے افغانستان کے صدر حامد کرزئی کو ٹیلی فون کرکے باقاعدہ معافی مانگی اور اس حملے میں ہونے والے جانی نقصان کی مشترکہ تحقیقات کا وعدہ بھی کیا۔اس خبر کو جاننے کے بعد مجھے لگا کہ امریکا کے نزدیک پاکستان کی وقعت افغانستان اور ہمارے حکمرانوں کی اوقات حامد کرزئی سے بھی کم تر ہے، یہ بات بحثیت قوم ہمارے لیے رسوائی و شرمندگی کا باعث ہے، کیونکہ پاکستان دنیا کی ساتویں اور مسلم ممالک کی پہلی ایٹمی قوت ہے، اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانے والی دنیا کی طاقتور اور بہترین فوج ہمارا قیمتی سرمایہ ہے۔ہمارے پاس عمدہ جنگی جہاز، بہترین میزائل اور ہر قسم کا جدید اسلحہ

موجود ہے، اب تو ہم نے "براق" اور "شہ پر" ڈرون طیارے بھی بنا کر اپنی فضائیہ کے حوالے کر دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر قسم کی نعمت سے مالا مال کیا ہے۔ جبکہ افغانستان پوری دنیا کی نظر میں ایک غیر مستحکم اور کمزور ترین ملک شمار ہوتا ہے، کیونکہ ایک عرصے سے افغانستان خانہ جنگی کا شکار ہے۔ وہاں آج تک کوئی مضبوط حکومت برسر اقتدار نہیں آ سکی، قائم ہوتی بھی ہے تو "کٹھ پتلی کمزور حکومت"۔ اب بھی افغانستان میں برائے نام حکومت قائم ہے اسی لیے افغانستان میں دن کے وقت افغان حکومت جبکہ رات کو طالبان حکمرانی کرتے ہیں۔

ہمارے حکمران اپنے آپ کو "باختیار" اور "انتہائی مضبوط" خیال کرتے ہیں۔ جبکہ حامد کرزئی کی حکومت کو ساری دنیا "برائے نام اور کٹھ پتلی حکومت" کا نام دیتی ہے۔ اس سب کے باوجود امریکا نے اس "کمزور ترین" اور "غیر مستحکم" افغانستان میں ڈرون حملہ کیا، جس کے نتیجے میں صرف ایک جاں بحق اور دو خواتین زخمی ہوئیں تو "کٹھ پتلی حکومت کے کمزور صدر حامد کرزئی" نے اس امریکی حملے پر اسقدر سخت رد عمل کا اظہار کیا کہ افغانستان میں امریکا اور نیٹو فوج کے کمانڈر جنرل "جوزف الیف ڈنفورڈ" کو کم از کم ایک بار رسمی ہی صحیح، ڈرون حملے پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے افغانستان کے صدر حامد کرزئی کو ٹیلی فون کر کے باقاعدہ معافی مانگنا پڑی اور جانی نقصان

کی مشترکہ تحقیقات کا وعدہ بھی کرنا پڑا۔دوسری جانب امریکا 2004 سے ہمارے ملک پر ساڑھے تین سو کے لگ بھگ ڈرون حملے کرچکا ہے،ان حملوں میں مرنے والوں کی تعداد ڈھائی ہزار سے متجاوز ہے، جن میں ایک بڑی تعداد عام شہریوں کی بھی ہے۔انسانی حقوق کی عالمی تنظیم "ایمنسٹی انٹرنیشنل" سمیت متعدد غیر ملکی تنظیمیں امریکا کی جانب سے پاکستان پر ہونے والے ڈرون حملوں کو ماورائے عدالت قتل، غیر قانونی اور انسانی حقوق کے خلاف قرار دے چکی ہیں۔ایمنسٹی انٹرنیشنلکا کہنا ہے کہ اسے ملنے والے ثبوت سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ امریکا نے ڈرون حملوں کے ذریعے پاکستان میں غیر قانونی طور پر شہریوں کو قتل کیا جس میں سے بعض جنگی جرائم کے زمرے میں بھی آتے ہیں۔یہاں تک کہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل" بان کی مون" نے اپنے دورہ پاکستان کے دوران دوٹوک الفاظ میں کہا کہ ڈرون حملے عالمی قوانین کی سراسر خلاف ورزی ہیں اور انہیں کسی طور پر جائز نہیں قرار دیاجاسکتا، جبکہ پاکستان کی تمام سیاسی و مذہبی جماعتیں ہر لحاظ سے امریکی ڈرون حملوں کو غیر قانونی اور ملکی سالمیت و خودمختاری کے خلاف خیال کرتی ہیں۔اتوار کے روز تو دفاع پاکستان کونسل نے لاہور میں مظاہرے کے دوران حکومت سے امریکی ڈرون طیاروں کو مار گرانے کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ سابق اور موجودہ حکمران کئی بار امریکا سے ڈرون حملوں کو روکنے کا مطالبہ کرکے احتجاج بھی ریکارڈ کرواچکے ہیں، لیکن امریکا ڈرون حملے روک کر ہم سے معافی مانگنے کی بجائے ہر بار ڈرون حملوں کی تعداد میں

اضافہ کر دیتا ہے۔

اسی حوالے سے ان دنوں پاکستان تحریک انصاف کی جانب سے نیٹو سپلائی کی بندش کا معاملہ موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ پی ٹی آئی کا کہنا ہے کہ ڈرون حملوں کے خلاف احتجاج کے طور پر انہوں نے نیٹو سپلائی روکے رکھنے کا تہیہ کیا ہوا ہے۔ جب تک امریکا پاکستان میں ڈرون حملے نہیں روکتا، اس وقت تک نہ تو دھرنے ختم ہوں گے اور نہ ہی نیٹو سپلائی کھلے گی۔ بہت سے سیاست دان عمران خان پر تنقید کرتے ہوئے نیٹو سپلائی کی بندش کے عمل کو غیر دانشمندانہ قرار دے رہے ہیں۔ حکمران جماعت کا کہنا ہے کہ عمران خان ڈرون حملوں کی آڑ میں اپنی سیاسی دکان چمکانے کی کوشش کر رہے ہیں، اگر وہ سیاسی پوائنٹ اسکورنگ کی بجائے سنجیدگی اور دیانتداری کے ساتھ اس موضوع پر حکومت کا ہاتھ بٹائیں تو ڈرون کے معاملے پر ایک مضبوط قومی موقف دنیا کے سامنے آ سکتا ہے، لیکن انہیں ڈرون کے نتیجے میں معصوم اور بیگناہ انسانوں کی ہلاکتوں سے کیا سروکار؟ قومی خود مختاری کے معاملات سے کیا لینا دینا، انہیں محض اپنے انفرادی اور جماعتی مفادات سے واسطہ ہے۔ تحریک انصاف سیاست دانوں کی تمام مخالفتوں کے باوجود اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کو بالکل تیار نہیں ہے۔

ان حالات میں قابل حیرت بات تو یہ ہے کہ ملک کی ہر جماعت اور ہر فرد ڈرون

حملوں کو وطن عزیز کی سالمیت و خود مختاری کے خلاف تصور کرتا ہے اور ڈروں حملوں کے خلاف اپنا احتجاج بھی کسی درجے میں ریکارڈ کروا چکا ہے۔ اس کے باوجود امریکا اپنے فیصلے پر ہٹ دھرمی دکھا رہا ہے اور اپنے ڈرون حملوں کے فیصلے سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہے، کئی بار احتجاج کرنے کے باوجود امریکا کے کان پر جوں نہیں رینگی۔ ڈرون حملوں کے ذریعے کی جانے والی جارحیت کا احساس ہوا اور نہ امریکا نے معافی مانگی، لیکن ہم امریکا کے خلاف محاذ کھولنے کی بجائے ایک دوسرے کے خلاف مورچے لگائے بیٹھے ہیں، حالانکہ ڈرون حملوں کی وجہ سے ملکی سالمیت و خود مختاری کا پامال ہونا پوری قوم کا متفقہ مسئلہ ہے، بحثیت قوم ہم سب کے لیے یہ شرمندگی و رسوائی کا مقام ہے۔

اگر ہم اپنے ملک کی خود مختاری و سالمیت کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں اور مزید رسوائی سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں ایک دوسرے پر بیان داغنے کی بجائے مل کر قومی مسائل سے نمٹنا ہوگا اور مستقل بنیادوں پر کچھ فیصلے کرنے ہوں گے۔ ہمیں اپنے مذہبی، سیاسی اور دیگر اختلافات بھلا کر ایک ہونا ہوگا، پوری قوم کو ایک دماغ بن کر سوچنا ہوگا، ایک ہاتھ بن کر کام کرنا ہوگا اور ایک زبان بن کر بولنا ہوگا۔ دیرپا اور مضبوط اقدامات کے ذریعے ملکی معیشت کو اتنا مضبوط کرنا ہوگا کہ ہمیں کسی سے قرض لینے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ اپنے فیصلوں میں جرات اور خودداری پیدا کرنا ہوگی۔ اگر قوم اور حکمران یہ کام کرلیں تو دنیا کی

کوئی بھی طاقت ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔اس طرح ہم مشکل ترین حالات سے بھی نمٹ سکتے ہیں، مشکل حالات ہی قوموں کی بیداری کا سبب بنتے ہیں اور قوم کی بیداری ہی امریکا کی غلامی سے نجات کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔اگر ہم مذہبی اور سیاسی سطح پر آپس میں دست و گریباں رہے، خود پر انحصار کرنے کی بجائے امریکا و دوسرے ممالک کے قرضوں تلے دبے رہے اور سر اٹھا کر جینے کا سلیقہ نہ سیکھا تو پھر ہم نعروں، دھرنوں اور ایک دوسرے کے خلاف بیانات دینے سے آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔

بچپن اے بچپن

بچپن کا زمانہ بڑی نایاب اور انمول شے ہے۔ یہ دور انسان کی وہ قیمتی متاع ہے، جس کے کھو جانے کا غم انسان کو ہمیشہ ستاتا ہے۔ انسان کتنے ہی بلند مقام و مرتبے یا کسی بھی عمر کو پہنچ جائے، لیکن ضرور کبھی کبھار مٹی میں کھیلتے ہوئے ننگ دھڑنگ بچپن کی شرارتوں سے مزین معصوم و سہانی یادیں اس کی آنکھوں سے آنسو بن کر بہہ پڑتی ہیں اور انسان ایسی وادیوں میں گم ہو جاتا ہے، جن سے واپس لوٹنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ انگریزی کے مشہور شاعر "جان ملٹن" نے تو بچپن کو "جنّتِ گمشدہ" یعنی کھوئی ہوئی جنّت کہا ہے۔ بچپن کی حسین یادیں تا عمر انسان کے دل و دماغ کے نہاں خانوں میں جگمگاتی رہتی ہیں۔ "بچپن" کہنے کو تو صرف چار حروف ہیں، لیکن ان حروف میں خدا جانے کیا کچھ چھپا ہے۔ معصومیت، نادانیاں، اٹھکیلیاں، حماقتیں، بے وجہ ضد اور بے شمار دلچسپ، دلکش اور دلربا یادیں۔ اسکول ہوم ورک نہ کرنے پر امی ابو کی شفقت بھری ڈانٹ ڈپٹ، مار پڑنے پر والدین سے ناراض ہو جانا اور پھر ان کا پیار سے منانا، اپنی مرضی کی کوئی چیز فوری لانے کی ضد کرنا، چیز نہ آنے پر اسکول نہ جانے کی دھمکی دینا، اپنی کوئی نئی چیز آنے پر تفاخرانہ انداز میں سب کو دکھانا، بہن بھائیوں کا آپس میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑ

پڑنا اور پھر کچھ ہی دیر میں صلح کر کے اکٹھے کھیلنے لگ جانا، گرمیوں کی چھٹیوں میں ننھیال جانے کے لیے خوشی خوشی تیاری کرنا، نانا ابو کی انگلی پکڑ کر باہر گھومنے جانا، نانی اماں کا دیر دیر تک کہانیاں سنانا، سارا دن کھیلتے رہنا، گھنٹوں گھنٹوں تتلیاں پکڑنے کی کوشش کرنا، ریت کے گھروندے بنا کر خود ہی انہیں ختم کر دینا، کاغذ کے جہاز بنا کر اڑانا اور کاغذ کی کشتیاں بنا کر بارش کے پانی میں چلانا، بارش کے بعد چھت پر چڑھ کر چڑیوں کو دانا ڈال کر پکڑنے کی کوشش کرنا اور اسی قسم کی بے شمار یادیں انسان کی زندگی کا جزلاینفک ہے، جسے بھلانا انسان کے بس میں نہیں ہے۔ شاعر کہتا ہے

یہ دولت بھی لے لو، یہ شہرت بھی لے لو
بھلے چھین لو مجھ سے میری جوانی
مگر مجھ کو لوٹا دو بچپن کا ساون
وہ کاغذ کی کشتی، وہ بارش کا پانی

بچپن میں ذرا ذرا سی بات پر دوستوں سے کٹی کر بیٹھتے، لیکن کچھ ہی دیر بعد کسی بہانے دوبارہ ایک ساتھ کھیلنے لگتے اور پھر انہی دوستوں سے جن کے ساتھ کچھ دیر پہلے لڑائی ہوئی تھی، کھیل میں اس قدر مگن ہو جاتے کہ کھانا پینا اور اپنے گھر جانا بھی بھول جاتے تھے۔ گھر سے ملنے والے جیب خرچ سے اگر

کھانے کی کوئی چیز خریدتے تو ہر گز بخل سے کام نہیں لیتے تھے، بلکہ اس چیز میں سے کچھ ہی خود کھاتے اور باقی اپنے دوست کو دے دیتے تھے۔ بچپن میں جیبیں تو پیسوں سے خالی ہوتی ہیں، لیکن دل دولت محبت سے لبالب بھرے ہوتے ہیں۔ نہ کسی کو دولت کے انبار لگانے کی حرص ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی اپنے مستقبل کو روشن کرنے کے لیے دوسروں کا مستقبل تاریک کرتا ہے اور اپنے فائدے کی خاطر دوسروں کو نقصان بھی نہیں پہنچاتا۔ بچپن دشمنی، کینہ، بغض، حسد، تکبر، لالچ اور ان تمام برائیوں سے دور ہوتا ہے، جو انسان سے خوشیاں چھین لیتی ہیں۔ بچپن ایسی ہی معصوم یادوں سے عبارت ہے۔ اسی لیے تو بچوں کو فرشتہ کہا جاتا ہے۔ ہر قسم کے دکھلاوے، خود پسندی اور خود نمائی سے بالکل پاک زندگی، نہ جاہ و جلال کا شوق اور نہ شہرت کی طلب۔ نہ دنیا کی تنقید کی فکر اور نہ اپنی رسوائی کا خوف۔ والدین سے جو مطالبہ کیا، رو رو کر پورا کروا لیا، لیکن بڑا ہو کر تو انسان رسوائی کے خوف سے ایک آنسو بھی نہیں بہا سکتا۔ بہ قول شاعر

اب تو اک آنسو بھی رسوا کر دیتا ہے
بچپن میں جی بھر کے رویا کرتے تھے

ہمارا بچپن دیہات میں گزرا۔ چھپن چھپائی، اونچ نیچ کا پہاڑ، پٹھو گرم، بارہ ٹہنی، چاری کھڈا، بنٹے، بندر کلا اور کرکٹ کھیلتے بچپن خواب کی مانند

گزر گیا۔ جب اسکول جانا شروع ہوئے تو لکڑی کی تختی، لوہے کی سلیٹ، سیاہی کی دوات، سیاہ اور سفید سلیٹیاں، تختی کو لگانے کے لیے کچی مٹی (گاچی)، سرکنڈوں سے بنے ہوئے کچھ قلم اور کچھ کتابیں، یہ سب کچھ گھر میں سلے ہوئے کپڑے کے ایک بستے کا مخزن ہوتا تھا۔ تختی پر سیاہی کے ساتھ قلم سے لکھ کر استاد صاحب کو دکھاتے اور پھر تختی کو دھو کر اس کے اوپر گاچی لگا کر دھوپ میں خشک کرتے کرتے کافی وقت گزر جاتا تھا۔ اس وقت شاید دنیا کا سب سے مشکل کام روز صبح سویرے اسکول جانا لگتا تھا اور اسکول سے چھٹی کے دن تو عید کی سی خوشی ہوتی تھی۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں ماسٹر صاحبان لکھنے کے لیے اتنا زیادہ کام دیتے تھے کہ کتاب کو دیکھتے ہی بوریت محسوس ہونے لگتی تھی۔ درختوں کی چھاؤں میں بیٹھ کر اسکول کا کام کرنے کی غرض سے چارپائی لے کر کھیتوں میں جاتے، لیکن وہاں جا کر کتاب کھول کر بھی نہ دیکھتے اور کھیتوں میں اپنے مالٹے کے باغ، آم، جامن اور امرود کے درختوں کی پرسکون چھاؤں میں بیٹھے کھیلتے کھیلتے سارا دن گزار دیتے۔ جب گرمیوں کی چھٹیاں ختم ہونے کو قریب ہوتیں، یہ سوچ کر ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے کہ اسکول کا کام نہ کرنے پر ماسٹر صاحبان بہت پٹائی کریں گے۔ آخری بیس پچیس چھٹیوں میں دن رات ایک کر کے اپنا کام مکمل کرتے۔ کچھ بڑے ہوئے تو کرکٹ کی ایسی لت پڑی کہ اسکول سے آنے کے بعد جتنا وقت بھی فارغ ملتا، وہ گیند بلے کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ پنجاب میں جون جولائی کے مہینے میں بے تحاشہ گرمی پڑنے کے باوجود صبح سے

شام تک کرکٹ کھیلنے میں ہی محو رہتے۔

اندازہ کریں کہ بچپن پر سکون دیہات میں گزارنے والا شخص، پاکستان کے خطرناک ترین شہر کراچی جہاں خوف و ہراس کا بسیرا ہو، میں ڈیرے ڈال کر صحافت سے منسلک ہو جائے اور اسے عالم اسلام اور پاکستان میں بدامنی، بے سکونی، غربت، ناخواندگی، دھوکا دہی، مسلکی و سیاسی قتل و غارتگری، ہر شعبہ میں بے انتہا کرپشن، ملکی سالمیت و خودمختاری کی پامالی اور اسی قسم کی بے شمار دل و روح کو چھید کر چھلنی کر دینے والی خبریں پڑھنی پڑیں، تو ان حالات میں پر سکون و ہر فکر سے آزاد بچپن کی یادیں کیا قیامت ڈھاتی ہوں گی؟ ہر خبر کو پڑھ کر پریشانی میں اضافہ ہوتا ہے، تو بے اختیار بچپن کا زمانہ یاد آ جاتا ہے، کیونکہ بچپن میں نہ کسی خبر کو پڑھتے تھے اور نہ حالات پر کڑھتے تھے۔ صرف مجھے ہی نہیں، ہر شخص کو اپنے بچپن کے بیتے ہوئے لمحات کے چھن جانے کا بے انتہا افسوس ہوتا ہے، کاش پھر سے لوٹ آئیں بچپن کے وہ سہانے دن، لیکن خدا تعالیٰ کا ایسا قانون نہیں۔ اگر شمس و قمر کی گردش اور رات دن کا لوٹنا ممکن ہوتا تو رو دھو کر خدا تعالیٰ سے اپنا پر سکون بچپن مانگ لیتے، لیکن اب نہ تو شمس و قمر کی گردش بدل سکتی ہے اور نہ ہی ماضی لوٹ سکتا ہے۔ اب تو بس یادیں ہی یادیں ہیں قبر تک۔

جن کو یاد کر کے بے اختیار زبان سے نکلتا ہے

میرے بچپن کے دن، کتنے اچھے تھے دن

آج بیٹھے بٹھائے کیوں یاد آ گئے

اقتدار کی ہوس

اقتدار کی ہوس انسان کو اندھا کر دیتی ہے، دیوانہ اور سنگدل بھی، لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ اس ہوس کا انجام برا ہے۔ مشہور ہے: " اہل یونان نے ایک دیوی بنائی، بہت ہی عمدہ و خوبصورت۔ سفید مرمریں بدن پر تیکھے نقوش کھودے گئے۔ قامت میں نخرا اور کاٹھ میں ایک غرور بھرا۔ دیوی کو اٹھا کر " ایتھنز" کے مرکزی چوک میں رکھ دیا گیا۔ لوگ جمع ہوئے، سراپا ناز کے حسن اور اعضاء کے توازن پر بے شمار داد دی گئی۔ تحسین کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ کسی نے آواز لگائی۔ "لوگو! دیکھو دیوی کی تو آنکھیں ہی نہیں۔" لوگوں نے چونک کر دیکھا، واقعی آنکھوں کی جگہ ہموار تھی۔ لوگ اعضاء کے توازن اور نقوش کی جادوگری میں اتنے کھو گئے تھے کہ انہیں آنکھوں کی کمی کا احساس ہی نہیں ہوا۔ "ارے ارے اس کے تو پاؤں بھی غیر انسانی ہیں۔" کسی نے ہانک لگائی۔ لوگوں کی نظریں بے اختیار دیوی کے قدموں میں آپڑیں۔ دیوی کے پاؤں نہیں تھے۔ بت تراش نے پنڈلیوں کے فوراً بعد پنکھ تراش دیے تھے۔ چیل کے لمبے لمبے بدصورت پنکھ۔ "اوئے اس کا دل...." مجمعے میں سے آواز آئی۔ سب کی نظریں سینے پر جا الجھیں۔ وہاں عین دل کے مقام پر ایک سوراخ تھا اور اس سوراخ میں لوہے کا ایک بدصورت ٹکڑا۔ لوگ سنگ تراش کو ڈھونڈنے لگے۔ بت ساز حاضر ہو گیا۔ لوگوں نے مذمت شروع کر دی۔ جب لوگ چیخ

چیخ کر تھک گئے تو بت تراش نے اداس لہجے میں کہا۔ "حضرات ! یہ اقتدار کی دیوی ہے۔ اقتدار کی آنکھیں نہیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا اقتدار کا پجاری اندھا ہوتا ہے۔ اقتدار کے سینے میں دل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہر وہ شخص جس میں رحم ہو، وہ بھی اقتدار تک نہیں پہنچ سکتا اور حضرات ! اقتدار کے پاؤں بھی نہیں ہوتے، یہ اڑتا ہوا آتا ہے اور اڑتا ہوا واپس چلا جاتا ہے۔"

حقیقت یہی ہے کہ اقتدار کی ہوس ہر دور میں انسانوں کو اندھا، سنگدل اور دیوانہ بناتی آئی ہے۔ جس پر اقتدار کا بھوت سوار ہوجائے تو پھر اقتدار کو حاصل کرنا اور اسے قائم رکھنا ہی اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بن جاتا ہے۔ بہت دفعہ ایسا بھی ہوا کہ اقتدار کے نشے نے بھائی کو بھائی کے سامنے لا کھڑا کیا اور ایک دوسرے کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔ مغلیہ دور حکومت میں اورنگزیب عالمگیر سب سے زیادہ پارسا بادشاہ گزرے ہیں، ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ سلطنت ہند کی سیاہ و سفید کے مالک ہونے کے باوجود اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں بنتے تھے اور قرآن مجید کی کتابت کرتے تھے۔ ان کی پارسائی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے:"

اورنگ زیب عالمگیر کے دور حکومت میں دہلی کے بزرگ حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنی وفات سے پہلے وصیت لکھ کے بند کی اور کہا: نماز جنازہ سے پہلے وصیت کھول کر پڑھی جائے۔ ان کی وفات کے بعد وصیت پڑھی گئی تو اس میں درج تھا کہ

ان شرائط پر پورا اترنے والا شخص ہی میرا جنازہ پڑھائے گا۔ وہ شرائط یہ ہیں: اس شخص نے پوری زندگی ہر نماز باجماعت پڑھی ہو۔ ساری زندگی نماز عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہو۔ زندگی میں کبھی بھی نماز عصر کی چار موکدہ سنتیں نہ چھوڑی ہوں۔ وصیت سننے کے کافی دیر بعد اشک بار آنکھوں کے ساتھ بادشاہ وقت اورنگزیب عالمگیر آگے بڑھے اور حضرت نظام الدین اولیاء کی نماز جنازہ پڑھائی اور کہا: " آپ نے آج اس بھرے مجمعے میں میرا پردہ چاک کر دیا ہے۔" ایسے پارسا انسان اورنگزیب عالمگیر کی زندگی کا بھی ایک حصہ اقتدار کے حصول کے لیے اپنے والد شاہجہان اور اپنے بھائیوں مراد بخش، شجاع اور دارا سے لڑتے گزرا۔

آج تک اقتدار نے کسی کے ساتھ وفا نہیں کی، اقتدار آتا بہت مشکل سے ہے، لیکن جاتے ہوئے پتا بھی نہیں چلتا۔ فرعون کو جب اس کے نجومیوں نے بتایا کہ ایک بچہ تمہارے اقتدار کے لیے خطرہ بنے گا تو فرعون پر یہ بہت شاق گزرا، اپنا اقتدار بچانے کی خاطر اس نے سفاکیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بے شمار نومولود بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، لیکن اقتدار اس کا پھر بھی نہ بچ سکا اور فرعون دریا میں ڈوب کر عبرت ناک انجام سے دوچار ہوا۔ نمرود کو جب اپنا اقتدار ڈولتا ہوا نظر آیا تو وہ بھی اقتدار کی ہوس میں ایسا اندھا اور دیوانہ ہوا کہ مقرب پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا، لیکن اس کا اقتدار انتہائی ذلت و رسوائی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

فرانس کے بادشاہ لوئی شانزدہم بڑے ٹھاٹھ باٹھ اور شان و شوکت کے ساتھ ایک عرصہ اقتدار پر براجمان رہا، لیکن عوام نے شاہی محل پر حملہ کرکے بادشاہ اور ملکہ کو قید کیا، بعد ازاں دونوں کو موت کی سزا دے دی گئی۔ عالم اسلام کے دو عظیم فاتح تیمور لنگ اور بایزید یلدرم جب تقریباً آدھی دنیا فتح کر چکے تو بلاشرکت غیرے پوری دنیا کے اقتدار کا مالک بننے کے لیے دونوں نے آپس میں لڑ کر لاکھوں مسلمانوں کو خون میں نہلا دیا، لیکن برا ہو اس اقتدار کا، یہ پھر بھی جاتا رہا۔

اگر ماضی قریب میں جھانکیں تو تاریخ کی گواہی کھل کر سامنے آتی ہے۔ ایران کے رضا شاہ پہلوی نے بڑی عیاشی، دبدبے اور جبر کے ساتھ حکومت کی، لیکن اس کا کا انجام عبرت سے لبریز ہے۔ اقتدار کی محبت میں غرق حسنی مبارک نے طویل عرصہ تکبر و نخوت کے ساتھ مصر پر راج کیا، لیکن عوام کے ہاتھوں ذلت سے دوچار ہوا۔ کرنل معمر قذافی نے نصف صدی جابرانہ طریقے سے لیبیا کے اقتدار کے مزے لوٹے، وہ بھی عوام کے انتقام کا نشانہ بنا۔ صدام حسین نے بھی اقتدار کی ہوس میں عراق کو ہائی جیک کیے رکھا۔ جب قدرت نے حساب برابر کیا تو صدام حسین کو پھانسی کے پھندا ملا۔ پرویز مشرف نے زبردستی اقتدار چھینا، اقتدار کو طول دینے کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقہ اختیار کیا، لیکن کل کا صدر آج عدالتوں کے چکر کاٹ رہا ہے۔

اقتدار کی ہوس کے باعث جو شام اور مصر کو جلا رہے ہیں، تاریخ سے سبق سیکھیں، اس ہوس کا انجام برا ہے۔ اقتدار کی ہوس کی وجہ سے جنہوں نے پاکستان کو دولخت کیا سب کا انجام غیر طبعی موت کے ذریعے ذلت و رسوائی پر منتج ہوا اور یہ جو بنگال کی حسینہ اپنے ہی ملک کو آگ لگا بیٹھی ہے عبدالقادر ملا کو پھانسی دے کر اور بے تحاشہ مظالم کا سلسلہ شروع کرکے، یہ سب صرف پاکستان سے نفرت نہیں بلکہ بیچ کی بات یہ ہے کہ یہ بھی اقتدار کی ہوس میں ہو رہا ہے۔ حسینہ کو آئندہ الیکشن میں اپنا اقتدار جاتا نظر آیا، حسینہ واجد خالدہ ضیاء سے رقابت کی آگ میں جھلس رہی ہے اور جماعت اسلامی کی حمایت خالدہ ضیاء کے ساتھ رہی ہے۔ حسینہ کو خطرہ تھا کہ جماعت اسلامی، خالدہ ضیاء کے ساتھ مل کر ایسا اتحاد نہ بنالے جس سے حسینہ واجد سیاسی طور پر تنہا نظر آئے، اس لیے یہ سب کچھ کیا گیا، لیکن انجام اس کا بھی حسب روایت ہوگا، کیونکہ جب قدرت کی مار پڑتی ہے تو اقتدار، طاقت، عیش و طرب، حاکمیت اور فرعونیت کاسہ گدائی میں بدل جاتی ہے۔ سچ ہے کہ اقتدار کی ہوس ہے ہی بری۔

مصر میں اخوان کو راستے سے ہٹانے کی کوششیں تیز

آمر اور قابض مصری فوج و حکومت نے مصر میں سیکولرزم کے نفاذ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ دنیا کی منظم ترین اور ملک کی سب سے قدیم مذہبی وسیاسی جماعت الاخوان المسلمون کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے سابق ظالم آمروں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ظلم و جبر کی تمام حدود پار کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ذرائع کے مطابق اسرائیل کے تعاون سے مصر کی سیکولر فوج اور حکومت نے اخوان کے خلاف خطرناک منصوبہ بندی کی، جس کے مطابق اخوان پر پابندی لگانے کے بعد دھڑا دھڑ کارکنوں کو جیلوں میں دھکیلنا اور قتل کر دینا طے پایا ہے۔ اپنے منصوبے پر عمل کا آغاز مصری حکومت نے گزشتہ دنوں باضابطہ طور پر ملک کی سب سے قدیم مذہبی وسیاسی جماعت الاخوان المسلمون کو دہشت گرد تنظیم قرار دے کر، اس کے زیر اہتمام ملک بھر میں احتجاجی مظاہروں پر پابندی عاید کرکے اور اس کی سرگرمیوں، مالی معاملات اور رکنیت تک کو بھی جرم قرار دے کر کر دیا ہے۔ مصر میں الاخوان المسلمون تنظیم کے 231 ارکان اور تنظیم کے زیرِ انتظام ایک ہزار پچاس انجمنوں کے مالی اثاثے ضبط کر لیے گئے ہیں۔ تقریباً ایک ہزار ایک سو تیس اداروں کے مالی اثاثوں کو ضبط کرنے کا فیصلہ کیا گیا، جس میں سے ملک کی سب سے بڑی امدادی تنظیم انجمن اسلامی کی گیارہ سو شاخوں میں سے ایک 138 کے مالی اثاثوں کا

بالواسطہ تعلق الاخوان المسلمون سے ہے۔

منصورہ شہر میں ایک سیکورٹی عمارت پر خودکش بم حملے کو جواز بنا کر اخوان کو دہشتگرد قرار دیا گیا ہے، حالانکہ الاخوان المسلمون نے اس بم دھماکے کی مذمت کی تھی اور اسلام پسندوں کو بدنام کرنے کی سازش قرار دیتے ہوئے اس واقعہ کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کا مطالبہ بھی کیا تھا۔ دھماکے کے اگلے روز ہی القاعدہ سے متاثر ایک گروہ "انصار بیت المقدِس" نے اس دھماکے کی ذمے داری قبول بھی کر لی تھی، اس کے باوجود مصر کی عبوری حکومت نے ذمہ داری اخوان پر ڈال کر اسے دہشتگرد قرار دیا اور اخوان کے کارکنان کی پکڑ دھکڑ شروع کر دی، جس سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ مصری حکومت نے فوج اور دیگر اسلام مخالف قوتوں کے ساتھ مل کر اخوان کو راستے سے ہٹانے کا منصوبہ پہلے سے ہی تیار کیا ہوا تھا۔ الاخوان المسلمون نے اس حکومتی فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے اپنے بیان میں کہا کہ حکومت نے منگل کے حملے میں اخوان المسلمین کے ملوث ہونے کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا اور دہشتگرد قرار دے دیا۔ حکومتی اعلان سے پارٹی کی کارکردگی اور نظریات پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، کیونکہ اسے مسلسل حکومتوں کی جانب سے دباؤ کا سامنا رہا ہے۔ حکومتی فیصلہ کاغذ کا صرف ایک ٹکڑا ہے۔ دور اور قریب سے اس کا ہم پر کوئی فرق نہ ہوگا، کیونکہ غلط الزامات سے خیال مرا نہیں کرتے۔ ہم صرف خدا سے فریاد کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ مصری حکومت کی جانب سے اخوان کو دہشتگرد قرار دیے جانے کے بعد مصری پولیس نے اخوان کے خلاف کریک ڈاؤن تیز کر دیا ہے۔ جبکہ "اخوان المسلمون" کے ساتھ اتحاد میں شامل دائیں بازو کی جماعتوں نے مصر کی عبوری حکومت کے اس فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے فوج کی جانب سے صدر محمد مرسی کی حکومت کا تختہ الٹنے کے خلاف چھ ماہ سے جاری احتجاجی تحریک جاری رکھنے کا اعلان کیا ہوا ہے۔ جمعہ کے روز بھی مصری حکومت کے فیصلے کے خلاف بڑے پیمانے پر احتجاج کیا گیا تو مصری پولیس نے ان کے خلاف طاقت کا استعمال کیا جس سے 147 افراد زخمی اور متعدد افراد جاں بحق ہو گئے، اسی دوران پولیس نے الاخوان المسلمون کے 265 کارکنوں کو گرفتار بھی کیا۔ حراست میں لیے جانے والے افراد میں 28 خواتین بھی شامل تھیں۔ جب کہ اس سے ایک دن پہلے ہی حکومت نے اخوان کے 16 کارکنوں کو حراست میں لیا تھا۔ ہفتے کے روز بھی مصر کے دارالحکومت قاہرہ کی جامعہ الازہر میں پولیس نے اخوانی طلبہ پر تشدد کیا، ایک اسلام پسند طالب علم کو شہید کر دیا گیا اور 60 کو گرفتار کر لیا۔ اسی دوران قاہرہ کی جامعہ الازہر میں دو عمارتوں کو آگ لگا دی گئی، سرکاری ذرائع ابلاغ کا کہنا ہے کہ اخوان کے حامی طلبہ نے یہ آگ لگائی ہے جبکہ طلبہ نے اس الزام کو مسترد کر دیا ہے۔ مصر کی وزارتِ داخلہ کے ایک ترجمان ہانی عبدالطیف کے مطابق اخوان کو دہشت گرد تنظیم کا درجہ ملنے کے بعد ہر اس شخص کو پانچ سال تک قید کی

سزا ہوسکے گی جو اخوان کے مظاہروں میں بھی شریک ہوگا اور تنظیم کی قیادت کرنے والوں کو موت تک کی سزا ہو سکتی ہے۔

اخوان کو دہشتگرد قرار دینے کا مصری حکومت کا فیصلہ سراسر خلاف قانون اور بے بنیاد ہے، دنیا بھر میں اس فیصلے کی مذمت کی گئی ہے۔امریکی وزیر خارجہ جان کیری نے بھی مصر کی سب سے بڑی سیاسی جماعت اخوان المسلمون کو دہشت گرد قرار دینے کے بعد اخوان کے خلاف عبوری حکومت کے شروع کیے گئے تازہ کریک ڈاون پر تشویش ظاہر کی اور مصری حکومت کو الاخوان المسلمون کو دہشت گرد جماعت قرار دینے پر امریکی تحفظات سے آگاہ کیا اور کہا کہ امریکی صدر اوباما کی انتظامیہ الاخوان المسلمون کو دہشت گرد تنظیم قرار دینے کا ارادہ نہیں رکھتی ہے، نہ ایسی کوئی تجویز زیر غور ہے۔ جبکہ حریت کانفرنس (گ) کے چیئرمین نے بھی مصر کی فوجی حکومت کی طرف سے اخوان المسلمون کو دہشت گرد تنظیم قرار دینے کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ عاقبت نااندیش حکمرانوں نے اپنے ملک کی نصف سے زیادہ آبادی کو دہشت گرد قرار دے کر ایک تاریخی حماقت کی ہے، اس مجرمانہ فیصلے کے اس ملک کے مستقبل پر انتہائی منفی اور سنگین نتائج مرتب ہوں گے۔دنیا بھر کے مختلف اخبارات نے اخوان کے خلاف مصری حکومت کے تازہ تشدد پر مبنی اقدامات پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ مصر میں پہلی مرتبہ آزاد انتخابات میں منتخب ہونے والے صدر محمد مرسی کی حکومت

کا تختہ الٹے جانے کے بعد، اخوان المسلمین کے خلاف فوجی حکومت نے جو سنگین قدم اٹھائے ہیں، "انٹرنیشنل نیویارک ٹائمز" کے مطابق انہیں اور کڑا کر دیا گیا ہے اور ملک کے نئے لیڈروں نے اس بات کا واضح اشارہ دیا ہے کہ انہوں نے اخوان کی ہر قسم کی سرگرمیوں کے خلاف ایک طویل جنگ کا آغاز کر دیا ہے۔ فوجی حکومت نے اس تنظیم کو بیرونی ملکوں سے آنے والی امداد سے اور ملک سے باہر پناہ لینے سے بھی محروم کرنے کے لئے قدم اٹھائے ہیں اور عرب حکومتوں سے درخواست کی ہے کہ وہ انسداد دہشت گردی کے معاہدوں کا احترام کرتے ہوئے، اس تنظیم سے کسی قسم کا واسطہ نہ رکھیں۔ ان فیصلوں کا نزلہ جن اداروں پر پڑا ہے، ان میں 1970ء کی دہائی میں قائم کی گئی 'اسلامی میڈیکل ایسوسی ایشن' شامل ہے۔ اس کے ملک بھر میں کئی اسپتال ہیں، جہاں سالانہ بیس لاکھ تنگدست بیماروں کا علاج ہوتا ہے۔ اخبار کہتا ہے کہ اخوان کو بنیادی طور پر ایک ایسی غیر ملکی تنظیم کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے، جس کے عزائم دہشت گردانہ ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کے ارکان کی مصر کی اقتصادی اور معاشرتی زندگی میں گہری جڑیں ہیں اور 2011ء کی عوامی تحریک کے بعد، جمہوری انتخابات میں وہ سب سے زیادہ کامیاب قوت کی حیثیت سے ابھری تھی۔ اس تنظیم پر دہشت گردی کا الزام لگنے کے بعد ملک کے متعدّد شہروں میں بے تحاشہ گرفتاریاں کی گئی ہیں۔ مصر کی صورت حال پر "واشنگٹن پوسٹ" کے ایڈیٹوریل بورڈ نے ایک خصوصی اداریے میں کہا ہے کہ دنیائے عرب میں جمہوریت کی تحریک تین سال قبل

شروع ہوئی تھی۔ اِس کے بعد آمرانہ حکومتوں کے خلاف بغاوت کی ایسی روک کا آغاز ہوا تھا، جس سے یہ امّید پیدا ہو گئی تھی کہ جمہوریت سے محروم اس خطّے میں نمائندہ حکومتوں کا قیام ممکن ہو جائے گا، لیکن پچھلے ہفتے کے واقعات سے ظاہر ہے کہ مصر نے جمہوریت کی راہ سے منہ موڑ لیا ہے۔ اخبار کہتا ہے کہ سب سے نقصان دہ بات بدھ کو ہوئی، جب مصر کی عبوری حکومت نے یہ اعلان کہ وہ الاخوان المسلمین کو ایک دہشت گرد تنظیم قرار دے رہی ہے، یہ قدم منصورہ شہر میں ایک بم دھماکے کے بعد اٹھایا گیا، حکام نے بغیر کسی ثبوت کے اخوان کو اس کا ذمّہ دار ٹھہرایا، جس نے اس دھماکے کی مذمّت کی تھی۔ تشدّد ایک قابل مذمّت فعل ہے، لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ مصر کی فوجی حکومت اسے الاخوان المسلمین کے خلاف استعمال کر رہی ہے۔ اخوان کو ایک دہشت گرد تنظیم قرار دینے کے سنگین نتائج نکلیں گے اور اخوان سے وابستہ سینکڑوں خیراتی ادارے اور غیر سرکاری تنظیمیں بند ہو جائیں گی۔ یہ پیچھے کی طرف جانے والا اتنا بڑا قدم ہے کہ اس سے وسیع سماجی تحریک کے ساتھ عداوت میں اضافہ ہوگا۔ مصر کے اخبار "مصر ٹوڈے" نے تبصرہ کیا ہے: "فوج اور سیاست دانوں بالخصوص اعتدال پسند مذہبی جماعتوں کے ساتھ مفاہمت ناگزیر ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مصر کا مستقبل تاریک ہو سکتا ہے۔

واضح رہے کہ اخوان المسلمین کے بانی شیخ حسن البنا نے اس تحریک کا آغاز

میں کیا تھا مگر 1929ء میں اسے باقاعدہ شکل دی گئی۔ اس کا منشا اسلام کے 1923 بنیادی عقائد کا احیا اور ان کا نفاذ تھا۔ مگر بعد میں یہ جماعت سیاسی شکل اختیار کر گئی۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر اس کے اراکین کی تعداد بیس لاکھ کے لگ بھگ تھا۔اب دنیا بھر میں اخوان کے حامیوں کی تعداد دس کروڑ سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ روز اول سے یہ جماعت زیر عتاب رہی ہے۔ جماعت کے بہت سے اراکین کو جیلوں میں بند کیا گیا اور سید قطب شہید جیسے لوگوں کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ اخوان المسلمون کو 1954 ء میں فوجی حکومت نے کالعدم قرار دے دیا تھا۔ تاہم اس تنظیم نے اپنے سماجی کاموں کا سلسلہ جاری رکھا۔ 2011 ء میں جمہوری طریقوں سے اخوان نے اقتدار سنبھالا تو صرف ایک سال کے بعد ہی منتخب حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور اس کے بعد سے اخوان کے ہزاروں ارکان کو شہید اور ہزاروں کو زخمی کر دیا گیا ہے اور اب اخوان کو دہشتگرد جماعت قرار دے کر اخوان کے خلاف بے تحاشہ ظلم و جبر کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے، لیکن یہ بات واضح ہے کہ اخوانی رہ نماؤں اور کارکنوں کے لیے جیلیں کاٹنا اور پابندیوں کا سامنا کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے، ان کی تربیت ہی ایک ایسے ماحول میں ہوئی ہے کہ وہ ان کی کم ہی پرواہ کرتے ہیں۔ اخوان کی صف اول اور دوم کی قیادت قید یا نظربند کی جاچکی ہے، مگر اس کے باوجود متحرک کارکنوں نے ایمرجنسی قوانین اور احتجاجی مظاہروں پر پابندی کے عبوری قوانین کو ہوا میں اڑا دیا ہے۔ مصری حکومت اور فوج کے مقرب "خیال کیے جانے والے اخبار "الاھرام

نے بجا طور پر اعتراف کیا ہے کہ فوج اپنی طاقت کے استعمال کے باوجود مرسی کے حامیوں کی "روح احتجاج" کو کچلنے میں ناکام رہی ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ پہلے ہفتے میں ایک یا دو مرتبہ مرسی کے حامی سڑکوں پر نکلتے تھے اور اب کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ قاہرہ، اسماعیلیہ، اسکندریہ، بنی سویف، شرم الشیخ اور دوسرے بڑے شہروں میں حکومت کے خلاف ریلیاں نہ نکالی جاتی ہوں۔

پاکستان بھی تو کچھ کرے

عالمی ثالثی عدالت کا فیصلہ آ جانے کے بعد کشن گنگا ڈیم کو کافی اہمیت اور شہرت حاصل ہو گئی ہے۔ "کشن گنگا ندی" سنسکرت زبان کا لفظ ہے، جو دریائے نیلم کے لئے بولا جاتا ہے۔ بھارت نے 2007ء میں 330 میگا واٹ بجلی پیدا کرنے کے لئے 3600 کروڑ روپے کی مالیت کے ساتھ مقبوضہ کشمیر میں دریائے نیلم پر کشن گنگا ڈیم کی تعمیر شروع کی، جس کی تکمیل 2017ء میں ہونی ہے۔ یہ بھارتی منصوبہ پاکستان کے نقصان میں ہے، اس لیے پاکستان نے اس ڈیم کی تعمیر پر اعتراضات اٹھائے کہ بھارت کی جانب سے کشن گنگا دریا کا رخ موڑنا اور پاور ہاؤس کے گیٹ نچلی سطح پر نصب کرنا سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزی ہے اور اس سے پاکستان کا نیلم جہلم بجلی گھر 30 فیصد پیداوار اور وادی نیلم کا ایک حصہ دو ہزار کیوسک پانی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائے گا۔ پاکستان نے بات چیت کے ذریعے معاملہ سلجھانے کی کوشش کی، لیکن بھارت کی جانب سے معقول جواب نہ ملنے پر مئی 2010ء کو عالمی ثالثی عدالت میں کشن گنگا پن بجلی گھر کی تعمیر کے خلاف درخواست دائر کردی۔ جس کے بعد عالمی ثالثی وفد نے متنازع کشن گنگا بجلی گھر کا معائنہ کرکے 2011ء میں بھارت کو اس منصوبے پر کام کرنے سے روک دیا، لیکن بھارت نے پاور پلانٹ ٹنل کی تعمیر جاری رکھی۔

رواں سال فروری میں ہیگ کی بین الاقوامی عدالت نے زیرِ تعمیر کشن گنگا ہائیڈرو الیکٹرک پروجیکٹ کے سلسلے میں یہ تو تسلیم کیا کہ یہ پروجیکٹ پاکستان کے لیے نقصان دہ ہے، لیکن اس بات کو نہیں مانا کہ بھارت کے اس پروجیکٹ سے سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ گزشتہ دنوں عالمی ثالثی عدالت نے کشن گنگا ڈیم کیس کے حوالے سے سنائے جانے والے فیصلے میں بھارت کو ڈیم سے متعلق دیگر معاملات سے روکتے ہوئے کشن گنگا ڈیم سے فی سیکنڈ 9 مکعب میٹر پانی چھوڑنے کا حکم دیا ہے اور کہا کہ بھارت مقبوضہ کشمیر میں کشن گنگا ڈیم بنا تو سکے گا، مگر وہ پاکستان کو آدھا پانی دے گا اور بھارت کشن گنگا پن بجلی منصوبے کیلئے بنائے جانیوالے ڈیم میں پانی کا لیول انتہائی سطح کے نیچے نہیں لے جاسکے گا۔ابھی عالمی عدالت کے اس فیصلے کو چوبیس گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ بھارت نے آزاد کشمیر کے دو دریاؤں نیلم اور جہلم کا پانی روک لیا اور کہا کہ وہ دریا کشن گنگا پر بجلی پراجیکٹ کی تعمیر کے معاملے پر سندھ طاس معاہدے کی کوئی خلاف ورزی نہیں کررہا، جبکہ سندھ طاس کونسل پاکستان کے چیئرمین کا کہنا ہے کہ کشن گنگا ڈیم کے حوالے سے بھارتی اقدام سندھ طاس معاہدے کی صریحاً خلاف ورزی ہے، بھارت سندھ طاس معاہدے کے تحت دریائے نیلم کا رخ کسی صورت نہیں موڑ سکتا، کشن گنگا پروجیکٹ پر عالمی ثالثی عدالت نے پاکستان کے اٹھارہ کروڑ عوام کی حق تلفی کی ہے۔

واضح ہو کہ 1960ء میں پاکستان کے صدر ایوب خان اور بھارتی وزیراعظم نہرو لال کے دستخط سے پاکستان اور بھارت کے مابین دریاوں کی تقسیم پر ہونے والا سندھ طاس معاہدہ (انڈس واٹر ٹریٹی) اگرچہ پاکستان کے مفاد میں نہیں ہے۔ اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ کشن گنگا ڈیم کی تعمیر سے بھارت سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہے۔ اس معاہدے کے تحت دونوں ممالک کے درمیان چھ بڑے دریاوں کی تقسیم عمل میں آئی تھی، جو بھارت سے پاکستان کی طرف بہتے ہیں۔ اس معاہدے میں یہ واضح ہے کہ کچھ شرائط کے ساتھ تین مغربی دریاؤں (سندھ، جہلم اور چناب) کے پانی پر پاکستان کا حق ہوگا ور اور دیگر تین مشرقی دریاؤں (راوی، ستلج اور بیاس) کا حق دار بھارت ہوگا۔ پاکستان میں داخل ہونے والے تمام دریاؤں کے پانی اور ان ذیلی دریاؤں کے پانی پر جو اپنی قدرتی گزرگاہوں سے ہوتے ہوئے مرکزی ستلج اور مرکزی راوی میں ضم ہوجاتے ہیں، پاکستان میں داخل ہونے کے بعد پاکستان کا حق ہوگا اور بھارت کسی بھی طرح ان کا بہاؤ روکنے کا مجاز نہیں ہے۔ اب پاکستانی حق پر بھارت کا ڈیم تعمیر کرنا کس طرح معاہدے کی خلاف ورزی شمار نہیں ہوگا؟

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ کشن گنگا ڈیم کے حوالے سے بھارت کے حق میں ہونے والے عالمی عدالت کے فیصلے کو ہماری حکومت نے بہت بڑی فتح قرار دے اہے،

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کشن گنگا کیس پر عالمی عدالت کی جانب سے ہونے والا فیصلہ پاکستان کی 60 سے 65 فیصد، جبکہ بھارت کی 30 سے 35 فیصد فتح ہے۔ عالمی عدالت نے بھارتی حکومت کو کشن گنگا ڈیم کی تعمیر سے روکا نہیں، بلکہ اس کا ڈیزائن تبدیل کرنے کا کہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ مقدمہ جیتنے کے باوجود پاکستان کو دریائے نیلم کا پورا پانی نہیں مل سکے گا۔ یہ فیصلہ پاکستان کے نیلم جہلم ہائیڈرو پراجیکٹ کو کم از کم 10 فیصد تک نقصان پہنچائے گا اور پاکستان کو اپنے اہم ترین منصوبے نیلم جہلم پاور پروجیکٹ پر نظرثانی کی ضرورت بھی پیش آ سکتی ہے۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنے دریاؤں کو بھارتی تسلط سے آزاد کرانے کے لئے فوری طور پر معاہدہ سندھ طاس کے ثالث کو ساتھ ملا کر مستقل بنیادوں پر مذاکرات کے ذریعے بھارت کی آبی جارحیت کو روکنے کا کوئی حل نکالا جائے اور بھارت کی طرف سے متنازع ڈیموں کی تعمیر بند کر دینے کا عملی مظاہرہ کیے جانے تک یہ مذاکرات جاری رہنے چاہیے۔ اگر جلد ہی بھارتی منصوبوں کا توڑ نہ کیا گیا تو ہمارا زرعی شعبہ مکمل تباہی سے دو چار بھی ہو سکتا ہے۔ بھارت سے تمام متنازع پروجیکٹ کی تعمیر رکوانے کیلئے باضابطہ طور پر عالمی عدالت میں پٹیشن بھی دائر کی جائے، تاکہ عالمی عدالت اور دیگر ادارے بھارت کو آبی جارحیت سے باز رکھنے کے لئے دباؤ ڈالیں۔ اس کے ساتھ سب سے ضروری یہ ہے کہ

پاکستان کو بھی بھارت کی طرح پانی کا ذخیرہ کرنے اور پانی سے بجلی بنانے کے لیے بہت تیز رفتاری کے ساتھ جنگی بنیادوں پر پیش رفت کرنا ہوگی، چاروں صوبوں کو ہوش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمام اختلافات جلد از جلد ختم کرکے اس معاملے کو آگے بڑھانا چاہیے، کیونکہ اب مزید تاخیر اور لیت و لعل کی کوئی گنجائش نہیں۔

ہمارے ساتھ آزاد ہونیوالے بھارت نے آزادی کے بعد سو سے زاید ڈیم سمیت سیکڑوں بجلی پیدا کرنیوالے ہائیڈرو الیکٹرک پراجیکٹ تعمیر کرلیے ہیں، جبکہ درجنوں میگا پراجیکٹ زیر تعمیر ہیں۔ تقریباً 14 ڈیم تو صرف پاکستان کی ملکیتی دریاؤں پر بنالیے ہیں، لیکن ہم سیاسی چپقلش اور حکومتوں کی نااہلی کے باعث اپنی ضرورت کے مطابق بھی ڈیم نہیں بناسکے ہیں اور ایک طویل عرصے سے کالا باغ ڈیم کو سیاست کی بھینٹ چڑھا کر اپنی جیبیں بھری جارہی ہیں۔ حالانکہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ پانی کی اہمیت و ضرورت بھی بڑھتی جارہی ہے، آنیوالے دنوں میں دنیا میں پانی کے مسئلہ پر جنگیں بھی ہوسکتی ہیں۔ اس سب کے باوجود اب تک جتنی بھی حکومتیں آئیں، سب نے عملی اقدام کی بجائے صرف نعرے لگائے۔ حکمران طبقے نے بھارتی آبی جارحیت کا راگ آلاپنے کے سوا کچھ نہیں کیا، حالانکہ صرف شور مچانے سے تو کچھ نہیں ہوگا، جس طرح بھارت نے دوراندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سیکڑوں ڈیم تعمیر کرلیے ہیں، اس طرح

پاکستان بھی تو کچھ عملی اقدام کرے۔جب تک غور و فکر اور مستقل و مضبوط بنیادوں پر
کام نہیں کیا جاتا، ملک میں پانی اور بجلی کی کمی کا روگ اسی طرح رہے گا۔

غداری مقدمہ: پرویز مشرف مشکل میں پھنس گئے

یہ تو آپ نے سنا ہی ہوگا: "بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی؟" بچنے کی لاکھ کوشش کرے ایک دن تو قابو میں آنا ہی ہوتا ہے، لیکن ان دنوں بکرے کی جگہ بقول سابق صدر زرداری "بلا" قابو میں آیا ہوا ہے، جسے چھوڑنا نہیں چاہیے۔ عدالت میں غدای کیس زیر سماعت ہے اور غداری کے مقدمہ کی سماعت کے لیے قائم خصوصی عدالت نئے سال کے آغاز پر پرویز مشرف پر فرد جرم عاید کرے گی۔ عدالت نے سابق آمر کو یکم جنوری بدھ کے روز طلب کر رکھا ہے، جبکہ عدالت نے چوبیس دسمبر کو سماعت کے دوران رجسٹرار خصوصی عدالت عبدالغنی سومرو کو ہدایت کی تھی کہ مقدمے کے ملزم کی سیکورٹی یقینی بناتے ہوئے آئندہ سماعت پر عدالت میں پیش کرنے کے اقدامات کیے جائیں، کیونکہ دوران سماعت پرویز مشرف کے وکلاء کی ٹیم کی جانب سے موقف اختیار کیا گیا تھا کہ ان کے موکل کو سیکورٹی خدشات ہیں، چونکہ سماعت سے پہلے سابق آمر کے گھر کے قریب سے دھماکا خیز مواد برآمد ہوا تھا، جو بعض مبصرین کے مطابق سماعت سے بچنے کے لیے خود پرویز مشرف کی ہی منصوبہ بندی تھی، مبصرین کا یہ بھی کہنا تھا کہ مستقبل میں بھی پرویز مشرف اپنے بچاؤ کے لیے ایسا کچھ کر سکتے ہیں۔ اسی سیکورٹی کا بہانہ بنا کر اس نے عدالت سے استثنا طلب کیا تھا، اور عدالت نے ایک روزہ استثنٰی دیتے ہوئے آئندہ سماعت پر پیش ہونے کا حکم

دیا تھا۔پرویز مشرف کو اپنے بچنے کے امکانات چونکہ کم ہی نظر آ رہے ہیں، اس لیے وہ بوکھلائے ہوئے ہیں اور اپنے اوپر بنائے جانے والے مقدمے کو انتقامی کارروائی قرار دے ڈالا اور ساتھ ہی پوری فوج کو بھی اپنے جرم میں گھسیٹ لیا۔سابق صدر جنرل ر) پرویز مشرف نے کہا ہے کہ غداری کا مقدمہ بنا کر میرے خلاف انتقامی کارروائی) ہو رہی ہے ، میرے خلاف غداری کے الزامات اور کیس پر پوری فوج ناراض ہے، اس معاملے میں فوج میری پشت پر ہے ، اپنے دور اقتدار میں جو کچھ بھی کیا اس کے لیے پوری فوج کی حمایت حاصل تھی، 3 نومبر کے اقدام کی منظوری کابینہ نے دی ، غداری مقدمے کے لیے ٹریبونل کی تشکیل میں وزیراعظم اور سابق چیف جسٹس کے کردار نے ثابت کیا کہ یہ انتقامی کارروائی ہے۔ مانیٹرنگ سیل کے مطابق سابق آمر پرویز مشرف نے کہا کہ مجھے جانچنے کے لیے میری پرفارمنس دیکھیں ، مجھے انصاف ملنا چاہیے۔پرویز مشرف نے مزید کہا کہ اپنے خلاف آرٹیکل 6کے تحت مقدمہ چلنے کی توقع نہیں تھی اور ڈر کر بھاگ جانے کا تاثر پیدا کرنے والا کوئی آپشن قبول نہیں کروں گا، سزا ہوئی تو معافی نہیں مانگوں گا، والدہ کا خیال رکھنا جانتا ہوں، والدہ کے لیے کسی سے بھی بھیک مانگ سکتا ہوں ، نواز شریف سے نہیں۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ سابق آمر پرویز مشرف نے اتوار کو جس ڈرامائی انداز میں بین الاقوامی میڈیا کے سامنے اپنے خلاف غداری کے مقدمے کو ذاتی انتقام اور فوج کی اپنے لیے حمایت کا دعویٰ کیا ہے، اس سے ان کی مایوسی کا اظہار

ہوتا ہے، جو انہیں اب اپنے مستقبل سے اور اپنے بین الاقوامی ضامنوں سے ہوئی ہے۔
مقامی میڈیا کو نظرانداز کرنا بھی اسی جانب اشارہ کرتا ہے کہ انہیں اب صرف ایک امید باقی ہے کہ ان کے بیرونی دوست اپنا کردار ادا کریں اور انہیں قانون کے پنجوں سے چھڑا لیں، لیکن مشکل تو یہ ہے کہ حکومت نے ان کے فرار کے تمام راستے ایک ایک کرکے بند کر دیے ہیں۔ وزیر اطلاعات پرویز رشید نے یہ پیشکش کرکے ان کی آخری امید پر بھی پانی پھیر دیا کہ حکومت ان کی بیمار اور ضعیف والدہ کو دبئی سے پاکستان لانے کے لیے خصوصی جہاز بھیجنے کے لیے بھی تیار ہے۔ (ن) لیگ کے سیکرٹری اطلاعات سینیٹر مشاہد اللہ خان کہتے ہیں کہ انتقام تو جب ہوتا جب انہیں طیارہ ہائی جیک کرنے کے مقدمے کا سامنا کرنا پڑتا، انہیں ہتھکڑیاں لگا کر جیل بھیج دیا جاتا، جبکہ انہوں نے وزیراعظم نواز شریف پر کیا کیا ظلم روا رکھے تھے، لیکن انہوں نے پاکستان آتے ہی پرویز مشرف سے تمام ذاتی گلے ختم کر دیے تھے، لیکن جو مقدمہ اب ان کے خلاف چل رہا ہے اس کا حکم تو سپریم کورٹ نے دے رکھا ہے، بلکہ سپریم کورٹ نے تو اپنے فیصلے میں قرار دیا ہے کہ پرویز مشرف ہی 12 اکتوبر 1999ء کی فوجی بغاوت کا واحد ذمے دار ہے۔
پرویز مشرف کے بیان کے حوالے سے سابق ڈائریکٹر جنرل انٹر سروسز انٹیلی جنس جنرل حمید گل کا کہنا تھا کہ یہ بالکل احمقانہ سوچ ہے کہ پاک فوج کسی جنرل

کے ایسے عمل کی حمایت کرے گی جو قانون کے خلاف ہو۔ ملک کی عدالتیں آزادانہ فیصلے کرتی ہیں اور انہیں اس مقدمے کی سماعت اور فیصلہ کرنے دیا جانا چاہیے۔ پرویز مشرف خود کو ہمیشہ کمانڈو کہتے رہے ہیں، اب اپنے کیے ہوئے غلط اور صحیح کاموں کی ذمہ داری بھی انہیں ہی لینی چاہیے۔ حمید گل نے اس بات کی بھی سختی سے تردید کی کہ فوج پرویز مشرف کو سزا ملنے کی صورت میں کسی ردعمل کا اظہار کرے گی۔ انہوں نے یاد دلایا کہ ایڈمرل منصور کو عدالت سے سزا ملنے پر پاک نیوی نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا، اب پاک فوج بھی ایسا نہیں کرے گی۔ دراصل پرویز مشرف فوج کو یہ پیغام دیا چاہتے ہیں کہ میرے لیے پریشان ہو جاؤ اگر پریشان نہیں بھی ہو تو کم از کم پریشان ہونے کا تاثر تو دے دو، تاکہ میری جان بخشی ہو جائے۔ حالانکہ ایسا کچھ نہیں ہوگا، جو پرویز مشرف نے بویا ہے اسے ہی کاٹنا پڑے گا۔ لیکن بعض تجزیہ کاروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ خفیہ ہاتھوں نے پرویز مشرف کی فریاد پر اس کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے منظم مہم شروع کر دی ہے، شاید یہی خفیہ ہاتھ اسے پاکستان سے نکالنے کی بھرپور کوشش کریں اور پرویز مشرف کو والدہ کا بہانہ بنا کر ملک سے فرار کروادیں۔ ممکن ہے پرویز مشرف اس میں کامیاب بھی ہو جائیں۔ سابق وفاقی وزیر قانون سینیٹر بابر اعوان کی صاحبزادی ڈاکٹر خدیجہ نے ایک تقریب کے دوران اسی حوالے سے کہا ہے کہ سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف آئندہ سال بیرون ملک چلے جائیں گے، ان کی بیرون ملک روانگی میں ملکی اور بین الاقوامی شخصیات کا

بڑا اہم کردار ہوگا۔ سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف جو ان دنوں غداری کے الزامات کا پاکستان میں سامنا کر رہے ہیں، کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ سے خارج کر کے بیرون ملک جانے کی خصوصی اجازت دی جائے گی۔ یہ خصوصی اجازت انہیں ان کی علیل والدہ سے ملاقات کے نام پر ملنے کا امکان ہے۔ بعض ذرائع کا یہ بھی کہنا تھا کہ دو خلیجی ممالک ایک ملک کے اشارے پر پرویز مشرف کو ان کی والدہ کی عیادت کے نام پر پاکستان سے باہر لے جانے کے لیے پورا سفارتی دباؤ پاکستان کی موجودہ حکومت پر ڈالے گی۔ وزیراعظم نواز شریف اور ان کی حکومت یہ دباؤ قبول کرتے ہیں یا نہیں یہ وقت بتائے گا، لیکن یہ طے ہے کہ اگرچہ پرویز مشرف کے آرمی چیف جنرل راحیل شریف کے ساتھ کافی قریبی تعلقات ہیں لیکن وہ عسکری روایات واصولوں کو ذاتی تعلقات کی بھینٹ نہیں چڑھنے دیں گے۔ پرویز مشرف کے حوالے سے تجزیہ کار مختلف تجزیے کر رہے ہیں، انجام کیا ہوتا ہے، یہ وقت ہی بتائے گا۔

بنگلہ دیش میں خانہ جنگی کا خطرہ

بھارت نواز حسینہ واجد کی جانب سے محب پاکستان عبدالقادر ملا کو پھانسی دیے جانے کے بعد سے بنگلا دیش احتجاج اور مظاہروں کی زد میں ہے۔ بدامنی کے باعث سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے مسلسل بند رہنے سے ملکی معیشت کا جنازہ نکلنے کو ہے۔ بنگلہ دیش کی تاجر برادری احتجاج کو ختم کرنے کا مطالبہ کر رہی ہے۔ پورا ملک مفلوج ہو کر رہ گیا ہے۔ حکومت کے خلاف مظاہروں میں دن بدن تشدد بڑھتا جا رہا ہے۔

حکمران جماعت کی انتقامی کارروائیوں کے خلاف مظاہروں کے نتیجے میں رواں سال اب تک 273 لوگ مارے جا چکے ہیں، جن میں سے بیشتر افراد آخری دو ماہ حکمران جماعت کے مسلح کارکنوں اور پولیس کی جارحیت کا نشانہ بنے ہیں۔ ذرائع کے مطابق حسینہ واجد اپنی شکست سے بچنے کے لیے فسادات کے ذریعے بنگلا دیش کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونکنے کی سازش کر رہی ہے۔ عوامی لیگ کے مسلح کارکن اپنے مخالفین کے خلاف بے دریغ اسلحے کا استعمال کر رہے ہیں۔ جماعت اسلامی اور بی این پی کے رہنماوں کے گھروں پر حملے اور ان کی املاک کو نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ جوں جوں حسینہ واجد کی جانب سے انتخابات کے انعقاد کا مقررہ دن 5 جنوری قریب آ رہا ہے، توں توں احتجاج، ہڑتالوں اور جلاؤ گھیراؤ

میں مزید اضافہ ہو رہا ہے اور ہلاکت خیز کیفیت بڑھ رہی ہے، کیونکہ سابق وزیر اعظم خالدہ ضیاء کی سربراہی میں 18 جماعتی بنگلا دیشی اپوزیشن اتحاد کا مطالبہ ہے کہ آئندہ پارلیمانی انتخابات سے قبل شیخ حسینہ واجد کی حکومت مستعفی ہو جائے اور ایک عبوری حکومت کے زیر انتظام انتخابی عمل مکمل کرایا جائے۔ بی این پی کے ترجمان فرخ الاسلام کا اپنے ایک بیان میں کہنا تھا کہ "حسینہ واجد کی حکومت میں الیکشن منصفانہ نہیں ہو سکتے ہیں، اس لیے انہیں مستعفی ہو جانا چاہیے۔ ہم انتخابات کے شیڈول کو مسترد کرتے ہیں۔ ہم الیکشن کمیشن سے مطالبہ کرتے ہوئے کہ جب تک ملکی سیاسی جماعتیں کسی سیاسی سمجھوتے پر نہیں پہنچ جاتیں، تب تک انتخابی عمل معطل کر دیا جائے۔" شیخ حسینہ واجد عبوری حکومت کے قیام کے مطالبے کو مسترد کر چکی ہے۔ گزشتہ دنوں ایک کثیر الجماعتی کابینہ تشکیل دی تھی، جس میں زیادہ تر حکمران پارٹی عوامی لیگ کے ہی سیاستدان شامل تھے، بی این پی کو اس کابینہ میں شامل ہونے کی درخواست کی تھی، تاہم اپوزیشن نے اس عبوری کابینہ کو بھی مسترد کر دیا تھا۔

اپوزیشن اتحاد نے اپنا مطالبہ پورا نہ ہونے تک الیکشن کے بائیکاٹ کا اعلان کیا ہے۔ بائیکاٹ اتنا موثر ہے کہ عوامی لیگ کو اپنے مقابل کرائے کے امیدوار بھی دستیاب ہونے مشکل ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں حسینہ واجد کو اپنی اتحادی جاتیو پارٹی کی حمایت بھی حاصل نہیں ہے۔ اس بائیکاٹ کے باعث عوامی لیگ اکثر

نشستوں پر اپنے مقابل امیدوار کی غیر موجودگی پر پریشان ہے۔ بائیکاٹ کے اعلان کے بعد سے خالدہ ضیاء کو نظر بند کر دیا گیا تھا، حکومت ان کو بلیک میل کرکے زبردستی الیکشن میں شریک کرانا چاہتی ہے، لیکن اپوزیشن نے حسینہ واجد کی ہٹ دھرمی کو قبول نہ کرتے ہوئے حکمران جماعت کے خلاف طویل احتجاج کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔اپوزیشن کے احتجاج سے نمٹنے کے لیے شیخ حسینہ واجد کی حکومت نے ملک کے 64 میں سے 59 اضلاع میں فوجیوں کو تعینات کر دیا ہے۔ فوج اور الیکشن کمیشن کے عہدیداروں کا کہنا ہے کہ فوجی اہلکار ملک بھر میں نو جنوری تک تعینات رہیں گے۔ حکومت کے خلاف اپنے احتجاج کے تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے اپوزیشن نے اتوار کے روز "جمہوریت کے لیے مارچ" کے نام پر مارچ کیا، جس میں امید ظاہر کی جارہی تھی کہ لاکھوں افراد شریک ہوں گے، مارچ کو ناکام بنانے کے لیے حکومت نے سخت انتظامات کر رکھے تھے، تقریباً گیارہ ہزار پولیس اہلکاروں اور ایلیٹ ریپڈ ایکشن کے افسران مارچ کو روکنے کے لیے دارالحکومت میں گشت کرتے رہے۔ پولیس نے سیکڑوں مظاہرین کو احتجاج شروع ہونے سے قبل ہی گرفتار کرلیا تھا جبکہ گیارہ سو مظاہرین کو اتوار کے روز گرفتار کیا گیا۔ پولیس نے احتجاج کرنے والوں پر تیز دھار پانی پھینکنے کے ساتھ ساتھ فائرنگ کا سہارا بھی لیا۔ حکام نے ڈھاکا آنے والی بس، کشتی اور ٹرین سروس بھی معطل کر دی تھی۔ حکومت کے اس اقدام سے ڈھاکا ملک کے دوسرے شہروں سے عملاً کٹ کر رہ گیا تھا۔ سپریم کورٹ اور پریس کلب کے باہر مظاہرہ کرنے

والے اپوزیشن کے حامی وکلاء اور کارکنان کو لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے مسلح عوامی لیگ کے غنڈوں نے تشدد کا نشانہ بنایا جبکہ پولیس بھی اس تشدد میں عوامی لیگ کے مسلح لوگوں کا ساتھ دیتی رہی۔ تصادم کے نتیجے میں متعدد افراد مارے بھی گئے۔ نائب وزیر قانون قمر الاسلام نے حکمران پارٹی کے حامیوں پر زور دیا تھا کہ وہ احتجاج کا مقابلہ لاٹھیوں سے کریں۔ پولیس اور دوسری سیکورٹی ایجنسیوں نے مارچ سے پہلے اپوزیشن حامیوں کو گرفتار کرنے کے غرض سے ملک بھر میں چھاپے مارنے کے ساتھ ساتھ ٹرینوں اور بسوں کی بھی تلاشی لینے کے علاوہ ڈھاکا شہر کے داخلی رستوں پر خصوصی چیک پوسٹیں بھی قائم کی تھیں۔ اس کے باوجود ہزاروں کی تعداد میں مظاہرین ڈھاکا میں اپوزیشن جماعت کے صدر دفتر اور دیگر مقامات پر جمع ہونے کی کوششوں میں پولیس سے ٹکرا گئے۔

جمہوریت مارچ سے اپوزیشن لیڈر خالدہ ضیاء نے خطاب کرنا تھا لیکن وہ کئی روز سے اپنے گھر میں نظر بند ہیں، ان کو خطاب سے روکنے کے لیے حکومت نے بے شمار سیکورٹی اہلکار اور ریت سے بھرے پانچ ٹرک خالدہ ضیاء کے گھر کے باہر کھڑے کیے گئے تھے، تاکہ وہ اپنے گھر سے نہ نکل سکیں۔ برطانوی ہائی کمشنر روبرٹ گبسن نے ان سے گھر میں ہی ملاقات کی ہے۔ سیکورٹی فورسز نے سابق وزیراعظم اور اپوزیشن رہنما خالدہ ضیا کو مظاہرے کی قیادت سے روکنے کے لیے گھر سے باہر نہیں نکلنے دیا تو خالدہ ضیا کی پولیس اہلکاروں سے لفظی جھڑپ بھی ہوئی۔ انہوں نے

اپنے گھر کے گیٹ پر جمع ہونے والے اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ حکومت غیر قانونی ہے اور جمہوریت مردہ ہو چکی ہے۔ اس لیے حکومت فوری طور پر مستعفی ہو جائے۔ لہٰذا اتوار کے روز مارچ ناکام ہونے پر خالدہ ضیاء نے اگلے روز بھی مارچ کال دی۔ پیر کے روز بھی حکومت مخالفین نے بھرپور احتجاج کیا، اس احتجاج میں پولیس اور حکمران جماعت کے ارکان نے مظاہرین پر تشدد کیا، جس سے سیکڑوں مظاہرین زخمی ہو گئے۔ جماعت اسلامی کے ایک مقامی رہنما کو عوامی لیگ کے غنڈوں نے شہید کر دیا۔ دوسرے روز بھی تجارتی مراکز، ٹرانسپورٹ اور دوسرے ادارے بند رہے۔ مارچ کے دوسرے روز اپوزیشن جماعت بی این پی کی تین خواتین رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا۔ بی این پی کی نائب چیئرپرسن سلیمہ ہاشمی، اراکین پارلیمنٹ رشیدہ بیگم اور نواز حلیمہ کو سابق وزیراعظم خالدہ ضیاء کی رہائش گاہ کے سامنے سے اس وقت گرفتار کیا گیا جب انہوں نے پولیس کی رکاوٹیں توڑ کر گھر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی۔ احتجاج کے دوران عوامی لیگ کے مسلح کارکنوں نے اپوزیشن مظاہرین میں شامل کچھ خواتین کی بے حرمتی کی اور ان کو زدکوب کیا۔ دوسری جانب عوامی لیگ کے کارکنوں نے ڈھاکا میں انتخابات کے حق میں ریلی نکالی، اپوزیشن کے کارکن بھی میدان میں آ گئے، ڈھاکا ہائیکورٹ کے باہر بی این پی اور عوامی لیگ کی خواتین کارکنوں نے ایک دوسرے پر پتھراؤ کیا۔ حکومتی اور اپوزیشن کارکنوں نے ایک دوسرے پر ڈنڈے بھی برسائے۔ 18 جماعتی اپوزیشن اپنے فیصلے پر قائم ہے اور غیر معینہ مدت تک پہیہ

جام ہڑتاک اور احتجاج جاری رکھنے کا اعلان کر چکی ہے۔ حسینہ واجد اپنی ضد پر قائم ہیں جبکہ اپوزیشن جماعتیں ہزاروں کارکنان کی گرفتاریوں اور حکومت کے تشدد کے باوجود اس ضد کو ماننے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں ہیں، احتجاج میں شدت آتی جارہی ہے، مبصرین کا کہنا ہے کہ بنگلادیش کے حالات انتہائی خطرناک صورت اختیار کرتے جارہے ہیں، اگر یہ سلسلہ یونہی جاری رہا تو بنگلادیش میں کانہ جنگی شروع ہو سکتی ہے۔

بے روزگاری کا ناسور

28 لاکھ افراد کچھ کم نہیں ہوتے ، وہ بھی صرف پانچ سال میں۔ رپورٹ بتاتی ہے کہ گزشتہ صرف پانچ سال کے دوران پاکستان سے اٹھائیس لاکھ افراد روزگار کی تلاش میں دوسرے ممالک جا چکے ہیں اور 2008ء سے 2013ء کے درمیان غیر ملکی آجروں کی جانب سے منتخب ہو کر بیرون ملک جانے والے ان اٹھائیس لاکھ افراد میں زیادہ تر فنی مہارتیں رکھنے والے نوجوان تھے۔ آبادی کے لحاظ سے پاکستان کے سب سے چھوٹے صوبے بلوچستان سے بھی 32 ہزار افراد روزگار کے لیے بیرون ملک جانے والوں میں شامل ہیں اور صرف گزشتہ برس 41,500 پروفیشنل اور ٹیکنکل افراد بیرون ملک گئے ہیں۔ صرف پانچ سال میں فنی مہارت رکھنے والے اٹھائیس لاکھ پاکستانیوں کا دوسرے ممالک سدھار جانا غیر معمولی اور قابل غور بات ہے اور پاکستان کے لیے سود مند بھی نہیں ہے۔ کوئی لاکھ دلائل دے کہ پاکستانیوں کا بیرون ملک جانا ملک کے مفاد میں ہے اور بیرون ممالک جانے والے پاکستانیوں کی بھیجی ہوئی رقم سے ملکی معیشت مضبوط ہوتی ہے، لیکن اس بات کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ ملک کی باصلاحیت افرادی قوت اگر اپنے ملک کی بجائے دوسرے ممالک کی ترقی کے لیے وقف ہو جائے تو اس سے کسی حد تک معاشی فائدہ تو ہو سکتا ہے، مگر مجموعی طور پر ملک کے نقصان میں ہے۔ یہ اٹھائیس لاکھ تو وہ ہوئے جو صرف آخری پانچ سالوں

میں ملک سے گئے، ورنہ اب تک نجانے ملک کے کتنے ہی ہیرے ہوں گے جو ملک کے لیے بہت کچھ کر سکتے تھے، لیکن اپنی صلاحتوں اور محنتوں کو دوسرے ممالک کی تعمیر و ترقی کے لیے بروئے کار لا رہے ہیں۔ الحمد للہ ملک میں باصلاحیت افراد کی کوئی کمی نہیں ہے، اس کے باوجود ملک سے اتنی بڑی باصلاحیت افرادی قوت کا دوسرے ممالک جانے سے ملک کے تمام اداروں میں باصلاحیت افراد کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔

بیرون ملک جانے والے لاکھوں باصلاحیت افراد کو اگر ملک کے اندر روزگار فراہم کیا جائے اور وہ اپنی خدمات و صلاحیتوں کو اپنے ملک کے لیے وقف کریں تو یقیناً یہ ملکی معیشت و ترقی کو چار چاند لگا سکتے ہیں۔ اگر اپنے ملک کے اندر ہی لوگوں کو روزگار ملے، تو کس کا دل چاہتا ہے کہ اپنا ملک، خاندان اور اپنے علاقے کو چھوڑ کر ہزاروں میل دور چلا جائے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ماہرین فن و باصلاحیت افراد کے لیے ملک میں ہی ایسے مواقع پیدا کیے جائیں جس سے ملک کی معیشت مضبوط ہو، ایسی منصوبہ بندی کی جائے کہ جتنا پیسا یہ لوگ دوسرے ممالک سے ملک میں بھیجتے ہیں، اس سے بھی زیادہ ملک کے اندر رہ کر کمائیں، قومیں دوسروں کی دولت سے ترقی نہیں کیا کرتیں، ہمیشہ اپنے ہی لوگوں کی صلاحیت و محنت سے ترقی ہوتی ہے۔ جب کسی قوم و ملک سے اس کے باصلاحیت و اہل فن حضرات ہی سدھار جائیں تو وہ ملک ترقی کی منازل کیونکر طے کرے

گا؟ قابل حیرت بات یہ ہے کہ جو لوگ اپنا بچپن پاکستان میں گزاریں، تعلیم یہاں حاصل کریں، مختلف فنون میں مہارت یہاں حاصل کریں اور جب جوان ہو کر ملک کے لیے کچھ کرنے کے قابل ہوں تو ان کے لیے روزگار میسر نہیں اور روزگار کے لیے انہیں دوسرے ملک جانا پڑے۔ سرکاری نوکریاں تو اب خواب و خیال کی باتیں ہو کر رہ گئیں ہیں۔ کسی سرکاری محکمے میں نوکری کا حصول جوئے شیر لانے کے برابر ہو گیا ہے۔

نوجوانوں کو زندگی کے اٹھارہ اٹھارہ سال تعلیم کے حصول میں صرف کرنے کے باوجود نوکری نہیں ملتی۔ سرکاری محکموں کی حالتِ زار تو یہ ہے کہ بہت سے ادارے شدید مالی بحران سے دوچار ہیں اور مسلسل خسارے نے انھیں سفید ہاتھی بنا دیا ہے۔ایسے تمام اداروں کی حیثیت ملکی خزانے پر بوجھ کے سوا اور کچھ نہیں رہی۔ اپنی زبوں حالی کے باعث یہ ادارے مزید افراد کو نوکریاں دینے کے قابل نہیں رہے۔ رہی سہی کسر سفارش و رشوت نے نکال دی ہے، جس کے باعث اکثر جگہوں پر نااہل لوگ قبضہ جمائے بیٹھے ہیں۔

یہ مانا کہ ہر فرد کو ملازمت دے نا حکومت کے لیے ممکن نہیں ہے، لیکن وہ ایسے حالات تو پیدا کر سکتی ہے جس سے عوام کے لیے ملازمت کے مواقع پیدا ہو سکیں۔ مختلف غیر سرکاری انڈسٹریز کو سہولیات مہیا کر کے بہت ساری نوکریاں دی جا سکتی ہیں۔ وہ ممالک جہاں شرح خواندگی کم اور آبادی زیادہ ہو، وہاں غیر سرکاری انڈسٹریز لوگوں کو نوکریاں دینے اور معیشت کو مضبوط کرنے کا

بہترین ذریعہ ہوتی ہیں، لیکن گزشتہ کئی برسوں سے ملک کے صاحب اقتدار حضرات توانائی بحران، دہشت گردی، کرپشن، نااہل انتظامی ڈھانچے اور اقتصادی منصوبہ بندی کی زبوں حالی جیسے مسائل پر قابو نہیں پاسکے، جس کے باعث غیر سرکاری انڈسٹریز بھی زبوں حالی کا شکار ہیں، پاکستان کی معیشت سست روی کی جانب گامزن ہے اور بے روزگاری میں اضافہ ہورہا ہے۔ حکومت خود تو سرکاری نوکریاں دینے سے قاصر ہے جبکہ غیر سرکاری اداروں کے مسائل بھی حل نہیں کیے کہ یہی نجی ادارے کافی حد تک، بے روزگاری کو کم کردیتے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ کسی بھی ملک کے نوجوان اس کی افرادی قوت ہوتے ہیں۔ یہی افرادی قوت قوم کا اصل قیمتی سرمایہ ہے اور اگر± بہتر تعلیم کے بعد اس کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے مواقع فراہم کردیے جائیں تو یہ لوگ ملک کے روشن مستقبل کی یقینی ضمانت دے سکتے ہیں، لیکن یہ باصلاحیت اور قابل افراد روزگار نہ ملنے کی وجہ سے اقتصادی، معاشرتی، معاشی، اور سماجی مسائل سے دوچار ہوتے ہیں، جس سے سماج میں افراتفری کا عالم پیدا ہوجاتا ہے۔ جب ایک طویل عرصہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی نوکری نہیں ملتی تو ملک میں بیروزگار نوجوانوں کی بڑی تعداد میں سے اکثر حالات کی سختیوں اور مشکلات سے گھبرا کر مایوسی کے اندھیروں میں گم ہو جاتی ہے، پھر یہ اندھیرے انھیں جرائم کی دنیا کی طرف دھکیل دیتے ہیں اور خودکشی، دہشتگردی، چوری، لوٹ مار جیسے بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں۔

روزگار فراہم کرنا کسی بھی ملک کی حکومت کی اولین ذمہ داری ہوتی ہے۔ اگر روزگار کے مواقع نہیں ہیں تو ملک و قوم کے مفاد میں طویل المعیاد پالیسیاں بنا کر روزگار کے مواقع پیدا کرنا بھی حکومت پر فرض ہے، لیکن ہمارے ہاں حکومتیں اپنی تمام ذمہ داریوں کو سیاسی مفاد کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ موجودہ حکومت بھی سیاسی مفاد کی خاطر بے روزگار نوجوانوں کو نوکریاں دینے کی بجائے سودی قرضے دے کر اپنی جان چھڑانا چاہتی ہے، جس سے بے روزگاری کا خاتمہ تو کیا ہوگا، حکومت اور ان بے روزگاروں کے مسائل مزید بڑھ جائیں گے۔ ہزار بکھیڑوں کے بعد اگر کسی کو قرض مل بھی جاتا ہے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جہاں بے شمار مسائل کے باعث بڑے بڑے اور پرانے کاروبار ٹھپ ہو چکے ہیں، وہاں یہ نووارد نوجوان کاروبار میں کامیاب ہو پائیں گے اور اگر کاروبار میں ناکام ہو جاتے ہیں تو اپنی بقیہ زندگی قرض اتارنے میں صرف کریں گے یا پھر اپنے لیے محنت مزدوری کرنے میں؟ حکومت کو چاہیے روزگار کی فراہمی کے لیے ہر ممکن سنجیدہ کوشش کرے اور روزگار کی راہ میں رکاوٹ بننے والے مسائل تو نائی بحران، دہشت گردی، کرپشن، نااہل انتظامی ڈھانچے اور اقتصادی منصوبہ بندی کی زبوں حالی کا خاتمہ کرے۔ جب تک حکومت مستقل بنیادوں پر منصوبہ بندی کرکے مسائل کا مستقل حل تلاش نہیں کرتی، اس وقت تک مسائل کا حل ہونا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔

شام میں وحشت کی طویل ہوتی رات

یہ دنیا کی بہت بڑی سچائی اور حقیقت ہے کہ جنگ و جدل اور کشت و خون سے سوائے بربادی و تباہی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ممالک برباد اور شہر کھنڈرات بن جاتے ہیں۔ یہ خونریزی انسان کو ماؤف العقل بنادیتی ہے اور انسان نہ چاہتے ہوئے بھی ظلم و ستم کی تمام حدود پار کرکے ہر سفاکانہ و جابرانہ امر انتقامی بنیادوں پر انجام دے تا ہے۔ انسانوں کا بے دریغ قتل، بچوں اور عورتوں کو اذیت ناک زندگی سے دوچار کرنا اس کا بہترین مشغلہ ہوتا ہے۔ اپنے اقتدار کو طوالت اور من کو سکون دینے کے لیے وہ اپنے ہی کمزور لوگوں کو غیض و غضب کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے اور وہ یہ بھی بھول جاتا ہے کہ جنگوں کے دوران بچوں اور عورتوں کو درندگی کا نشانہ بنانا سراسر بزدلی اور تمام مذاہب ہی نہیں، انسانیت کے بھی خلاف ہے۔ دنیا کی اس سچائی اور حقیقت کو واضح کرنے کے لیے شام کا قضیہ بہترین مثال ہے، جہاں ہر طرف موت رقص کرتی دکھائی دیتی ہے اور مخالفین پر ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ اتار کر ان کی بستیوں کو تہس نہس کردینے کا بھوت سوار ہے۔

شام میں ظلم و ستم کی شام مزید گہری ہوتی ہوئی وحشت ناک تاریک رات میں بدل

چکی ہے۔ بس اندھیرا ہی اندھیر چار سو اور سناٹا۔ دور دور تک کہیں سویرے کی کرن پھوٹنے کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔ رات کی تاریکی تو اپنے مقررہ وقت پر چھٹ جاتی ہے، لیکن شام میں چھائی خوفناک اور جان لیوا شب تاریک خدا جانے کب ختم ہو گی۔

پونے تین سال میں خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھنے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کو چھونے لگی ہے، جن میں مردوں اور عورتوں کے علاوہ ہزاروں بچے بھی شامل ہیں، مجموعی طور پر ہر ماہ اوسطاً کم از کم 5 ہزار افراد ابدی نیند سو رہے ہیں اور اب تک تیس لاکھ کے قریب افراد شام سے دوسرے ممالک کی جانب ہجرت کر چکے ہیں، جن میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ تعداد بچوں کی ہے۔ ہر روز کم از کم پانچ ہزار افراد شام کو خیرباد کہہ رہے ہیں اور جو شام کو مستقر بنائے بیٹھے ہیں، وہ روز مرتے ہیں یا پھر قید محصوریت پر مجبور ہیں۔ دس لاکھ افراد ملک کے مختلف علاقوں میں محصور ہیں، جہاں وہ دن بدن تڑپ تڑپ کر جان دے رہے ہیں، لیکن ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ مختلف محصور علاقوں میں بھوک سے مرتے شامیوں کے حرام جانوروں کو کھانے کے واقعات تو سامنے آ ہی چکے ہیں، لیکن اب یرموک کیمپ میں محصور افراد کی حالت اس سے بھی زیادہ تشویشناک ہے۔

شام میں سب سے بڑا فلسطینی "یرموک کیمپ" تقریباً سات ماہ سے سرکاری افواج کے محاصرے میں ہے۔ اس کیمپ میں فلسطینی مہاجرین گزشتہ 57 سال سے پناہ گزین ہیں، شام کی خانہ جنگی کے ابتدائی دنوں میں یرموک کیمپ کے بہت سے باشندے شام

سے نکلنے میں کامیاب ہوئے، لیکن جو خاندان نکل نہ سکے، وہ جیتے مرتے اپنی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ فی الوقت اس کیمپ میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ فلسطینی اور جنگ کی وجہ سے بے گھر ہونے والے شامی رہتے ہیں، جن میں سے بیشتر فلسطینی ہیں۔ اس کیمپ کے ایک ہزار کے لگ بھگ افراد پے در پے حملوں میں جاں بحق ہو چکے ہیں، جبکہ حملوں اور اس کیمپ کا محاصرہ بدستور جاری رہنے کے سبب 80 فیصد افراد اسے چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ خانہ جنگی سے متاثرہ علاقوں میں پہلے ہی کھانے پینے کی اشیاء اور ادویات کا فقدان تھا، تاہم اب صورتحال مزید تشویشناک ہوتی جا رہی ہے۔ ناکہ بندی کی وجہ سے محصور علاقوں میں "یرموک" میں ہزاروں افراد بیک وقت مہلک امراض، قحط اور بھوک و افلاس کا سامنا کر رہے ہیں، بھوک کی وجہ سے یرموک کیمپ میں محصور پچاس کے قریب فسلطینی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ محاصرہ کیے گئے علاقوں میں امدادی سامان اور خوراک اندر لے جانے کی اجازت نہیں دی جا رہی۔ اشیائے خوراک اور ادویات کی رسائی ملفوج ہو کر رہ گئی ہے، جو چیزیں دستیاب ہیں وہ اس قدر مہنگی کہ فلسطینی مہاجرین اور دوسرے شہریوں کے لیے ان کی خریداری ناممکن ہے۔ مہنگائی کا یہ عالم ہے کہ ایک کلو گرام چاول 42 ڈالر یعنی 6000 لیرہ تک جا پہنچے ہیں۔ سوشل میڈیا پر ایک ویڈیو میں محصور علاقے میں ایک خاتون کو اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ کیمپ کے آس پاس کھیتوں میں اگی ہوئی خودرو گھاس اور زمین پر اگنے

والے پودوں کے پتے توڑ کر تھیلی میں جمع کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ خاتون کا کہنا ہے کہ کھانے کی اشیاء کے فقدان کے سبب وہ بھوک سے نڈھال ہیں، کئی دنوں سے کیمپ کی خواتین گھاس اور پتے توڑتی ہیں، اس میں نمک اور پانی ڈال کر ابالا جاتا ہے اور اس پانی کو پی کر بھوک مٹانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ نزلہ، کھانسی اور بیماریوں کے علاج اور بھوک مٹانے کا ان کے پاس یہی واحد سہارا رہ گیا ہے۔ ایک دوسری ویڈیو میں ایک خاتون کو یرموک کیمپ کی بھوک اور افلاس کی ماری ایک ننھی بچی کو اٹھائے دکھایا گیا ہے۔ یہ ننھی کلی آلا المصری گردوں کی کمزوری، قحط اور مسلسل بھوک کے باعث ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکی ہے، جسے دودھ تو دور کی بات کسی بھی قسم کی غذا میسر نہیں ہے۔ بچی کو اٹھائے خاتون آبدیدہ ہو کر استفسار کرتی ہے "اس ننھی کلی کا کیا قصور ہے؟ جسے بھوک اور قحط کے جہنم میں ڈال دیا گیا۔ کیمپ میں بھوک کے باعث دسیوں بچے اور عورتیں روزانہ مر رہے ہیں، ہماری فریاد سننے والا کوئی بھی نہیں ہے۔" اور ایک دوسرا شخص کہہ رہا ہے کہ آلا المصری کی حالت دیکھنے کے بعد عالمی اداروں کو کیمپ کے دیگر بچوں اور بھوک، پیاس سے مرنے والوں کی مشکلات کا اندازہ کر لینا چاہیے۔ ہم اس ویڈیو کے ذریعے عالمی اداروں سے محصورین کی جانیں بچانے میں مدد کی اپیل کرتے ہیں۔

شام میں فریقین اغیار کے اسلحہ و بارود کے ساتھ ملک کی تباہی اور شامی عوام

کی بربادی کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ عالمی برادری اور اسلامی ممالک اس خونریزی کو روکنے کی غیر سنجیدہ اور رسمی سی کوششیں کر رہے ہیں۔ رواں ماہ کی بائیس تاریخ کو سوئٹزرلینڈ میں ''جنیوا ٹو امن کانفرنس'' کا انعقاد بھی انہی کوششوں کی ایک کڑی ہے، جس میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ممالک یعنی امریکا، روس، چین، برطانیہ، فرانس اور یورپی یونین، عرب لیگ، اسلامی تعاون تنظیم اور مزید تیس ممالک کو مدعو کیا گیا ہے۔ اس کانفرنس میں ایران کی شرکت یقینی نہیں ہے، کیونکہ وہ اس کانفرنس میں غیر مشروط شرکت کرنے کا خواہاں ہے اور امریکا ایران کو جنیوا اعلامیہ کا پابند کرنا چاہتا ہے۔ اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ اس کی بھرپور کوشش ہے کہ شام کے تمام متحارب گروہ اور ایران اس کانفرنس میں شرکت کریں۔ جنیوا ٹو امن مذاکرات اِس لحاظ سے واقعی اہم ہیں کہ بڑی تعداد میں ممالک مل کر شام میں خانہ جنگی کے خاتمے کے حوالے سے غور و فکر کریں گے، لیکن اس سب کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ اس کانفرنس کی کامیابی کے بعد بھی شام میں تشدد ختم ہونے کے آثار کم دکھائی دے رہے ہیں، کیونکہ یہ معاملہ اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا، جب تک شام میں لگی خانہ جنگی کی آگ کو بڑھکانے والے مرکزی کردار اپنے مفادات کو پس پشت ڈال کر حقیقت میں اس آگ کو بجھانے کی کوشش نہ کریں اور جب تک سعودی عرب اور ایران اپنی ذاتی رقابتیں بھلا کر روس اور امریکا کی عیاری کو بے نقاب نہیں کرتے اس وقت تک شام میں وحشت کی طویل ہوتی رات سویرے میں بدلتی نظر نہیں آتی۔

ڈبل سواری پر پابندی سے غریب و متوسط طبقہ متاثر ہوتا ہے

معاملہ کوئی بھی اور کسی بھی نوعیت کا ہو، پاکستان میں ہر اہم موقع پر باقی تمام عوامل کو نظرانداز کرکے انتہائی سرعت کے ساتھ بیشتر شہروں میں موٹر سائیکل کی ڈبل سواری پر پابندی لگادی جاتی ہے۔ عید، عاشورہ، بارہ ربیع الاول اور ہر غیر معمولی موقع پر ڈبل سواری پر پابندی لگانا حکومت اور وزارت داخلہ کی پریکٹس بن چکی ہے، گویا یہ پابندی لگائے بنا امن قائم نہیں ہوسکتا، جیسے موٹر سائیکل پر پابندی لگانے سے پورا ملک ہر قسم کے خطرے سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اس سال بھی موجودہ حکومت نے اپنے پیش روؤں کی روایت کو زندہ رکھتے ہوئے بارہ ربیع الاول کے موقع پر کراچی، کوئٹہ، اسلام آباد، پشاور، راولپنڈی اور گلگت بلتستان سمیت متعدد شہروں میں موٹر سائیکل کی ڈبل سواری پر پابندی عاید کی، جبکہ ڈیرہ اسماعیل خان میں موٹر سائیکل چلانے پر ہی پابندی لگائی گئی۔ کسی بھی حکومت کا اپنے ملک کے شہریوں کے لیے حفاظتی انتظامات کرنا اچھی بات ہی نہیں، فرض کے درجے میں ہے، ان کے مال و جان کی حفاظت کیے بغیر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوا جاسکتا، لیکن کسی بہانے اپنی ذمہ داریوں سے جان چھڑانا اور پہلو تہی اختیار کرنا حکومت وقت کی نااہلی و کاہلی سمجھی جاتی ہے۔

موٹر سائیکل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ غریب اور متوسط طبقے کی سواری ہے، یہ بات حقیقت پر بھی مبنی ہے، لیکن آئے دن ڈبل سواری پر پابندی عاید کرکے ملک کے شہریوں کے لیے اس کی افادیت کو شجر ممنوعہ بنادیا جاتا ہے۔ عصر حاضر میں سب سے سستا اور مطلوبہ مقام تک فوری رسائی کا واحد ذریعہ موٹر سائیکل ہی کو قرار دیا جاتا ہے۔ پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتیں آسمان سے باتیں کررہی ہیں، اکثر سی این جی بھی بند ہوتی ہے، جس کی وجہ سے سڑکوں پر بسیں چیدہ چیدہ ہی دکھائی دیتی ہیں۔ خصوصاً جن مواقعوں پر موٹر سائیکل کی ڈبل سواری پر پابندی لگائی جاتی ہے، اس دوران پبلک ٹرانسپورٹ تو پہلے ہی بند رہتی ہے۔، ایسے حالات میں صرف رکشا یا ٹیکسی کے ذریعے ہی منزل مقصود تک پہنچا جاسکتا ہے، جو عوام کے لیے اس مہنگائی کے دور میں بڑا بوجھ ہے۔ ایسے میں یہ سواری کم آمدنی اور متوسط گھرانے کے دو افراد کے لیے انتہائی موزوں اور باکفایت ذریعہ آمد و رفت ثابت ہوا ہے۔ ویسے بھی ایک ایسے ملک میں جہاں ٹرانسپورٹ کی شدید قلّت ہو، وہاں شہریوں کے لیے ڈبل سواری کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہیں۔ موجودہ صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر شخص یہ کہنے پر مجبور ہے کہ موٹر سائیکل پر ڈبل سواری کی پابندی کے باعث ملک کے شہری ناکردہ گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔ کم آمدنی والے حضرات، ملازم پیشہ افراد اور چھوٹے کاروباری حضرات مشکلات کا سامنا کررہے ہیں۔

ملک میں اس وقت موٹر سائیکلوں کی تعداد محتاط اندازے کے مطابق اگر کروڑ سے اوپر بتائی جائے تو مبالغہ آرائی نہیں ہوگی۔ جبکہ صرف کراچی شہر میں روزانہ 12 لاکھ سے زاید موٹر سائیکلیں سڑکوں پر رواں دواں ہوتی ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ساڑھے چھ لاکھ موٹر سائیکلوں پر ڈبل سواری کی جاتی ہے، لیکن ڈبل سواری پر پابندی لگنے کے بعد سرکاری اور نجی اداروں میں عملے کی بروقت حاضری تو بری طرح متاثر ہوتی ہی ہے، اس پابندی سے غریب عوام پر کئی گنا اضافی مالی بوجھ بھی بڑھ جاتا ہے۔ ڈبل سواری سے ایک عام آدمی کو اور مجموعی طور پر قومی خزانے کو بے حد نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ایک موٹر سائیکل استعمال کرتے ہوئے غریب گھرانے کے دو تین افراد بیک وقت سفر کرکے اپنے کام پر پہنچتے ہیں۔ اگر یہ افراد ڈبل سواری کی وجہ سے موٹر سائیکل استعمال نہ کریں تو کم سے کم ساڑھے چھ لاکھ سے زاید افراد کو بسوں میں دھکے کھانا پڑتے ہیں، وہ بھی اگر میسر ہوں، ورنہ منزل تک پہنچنے کے لیے متبادل انتظام کرنا پڑے گا، جو یقیناً کافی مہنگا پڑتا ہے۔ صرف کراچی میں ایک دن کی ڈبل سواری پر پابندی سے دو کروڑ 60 لاکھ روپے یومیہ مجموعی طور پر قومی خزانے پر مزید بوجھ بڑھتا ہے۔اس کی صورت یہ ہے کہ اگر سفر سیدھا ہے تو کم سے کم 30 روپے اور اگر ایک سے زاید بسیں تبدیل کرنی پڑیں تو پھر 60 روپے تک کا یومیہ خرچ بڑھ جاتا ہے۔ اسے 40 روپے اوسطاً رکھا جائے تو 40 روپے ضرب ساڑھے چھ

لاکھ.... دو کروڑ 60 لاکھ روپے یومیہ مجموعی طور پر قومی خزانے پر 78 کروڑ روپے کا مزید بوجھ بڑھتا ہے۔اس کے علاوہ بس نہ ملنے کی صورت میں (ایسے مواقع پر اکثر ہوتا ہے) رکشا، ٹیکسی وغیرہ میں اگر جانا پڑے تو خرچ کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ ڈبل سواری پر پابندی کی صورت میں ایک غریب آدمی پر بے وجہ کا بوجھ بڑھ جاتا ہے۔ ڈبل سواری پر پابندی کا فائدہ ٹرانسپورٹ مافیا اور پولیس کو ہوتا ہے۔ ایک متعین حصہ ان حکام بالا کی جیبوں میں بھی جاتا ہے جن کے رحم و کرم پر موٹر سائیکل سواری پر پابندی برقرار ہے۔ اسی طرح سی این جی اور چنگ چی رکشے بھی ایسے مواقع پر بڑے بڑے نوٹ چھاپتے ہیں۔ شہریوں کے حصے میں صرف نقصان ہی آتا ہے اور اگر باامر مجبوری کہیں ڈبل سواری پر جانا ہی پڑ جائے تو پولیس کے پکڑنے کی صورت میں جو ان کی جیب گرم کرنا پڑتی ہے وہ الگ رہی۔

موٹر سائیکل کی ڈبل سواری پر پابندی لگنے کے بعد ٹریفک پولیس سے زیادہ اس معاملے میں کالی وردی والے مستعد ہوتے ہیں، ہر واردات اور عوام کو تحفظ کی فراہمی میں ہمیشہ موقعے سے غائب رہنے والی پولیس اس پابندی کے لگتے ہی حفاظتی ناکے چھوڑ چھاڑ کر گلی ، محلوں ، بازاروں اور نکڑوں پر چکر کاٹتی نظر آ رہی ہوتی ہے۔ وہ اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر موٹر سائیکل اور سواروں کو گاڑی میں ٹھونس کر پہلے اِدھر ا±دھر گھماتے ہیں.... مک مکا ہو جائے تو چھوڑ دیتے

ہیں ورنہ تھانے لے جاتے ہیں اور کارکردگی میں شمار ہوجاتا ہے۔ پھر نئے شکار کی تلاش میں چلے جاتے ہیں۔ ان کی ڈیوٹی کے مقام پر اس دوران کوئی بم بھی رکھ سکتا ہے اور کوئی واردات بھی ہوسکتی ہی، لیکن ان کی بلا سی.... وہ تو ڈبل سواری والوں کو پکڑ رہے ہوتے ہیں۔ دہشت گردی، لوٹ مار یا کسی خطرناک موقع پر پولیس ہمیشہ دیر سے ہی پہنچتی ہے لیکن بھلا ہو اس ڈبل سواری پر پابندی کا جس کے لگتے ہی پولیس شہریوں کو اس پابندی کی خلاف ورزی کی مد میں ہر جانب ڈھونڈتی نظر آتی ہے، لیکن دہشت گرد اور ٹارگٹ کلرز ان سے ڈبل سواری کی وجہ سے کبھی نہیں پکڑے گئے۔ کیا ہماری پولیس ان مجرموں کو دیکھ نہیں پاتی؟، پولیس کی ساری مستعدی صرف شہریوں کو تنگ کرنے تک محدود نظر آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جو پاکستان میں ہر موقع پر موٹر سائیکل پر ڈبل سواری ممنوع قرار دے دی جاتی ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اب مجرم نہیں آئیں گے اور کوئی واردات نہیں کریں گے کیونکہ انتظامیہ نے ڈبل سواری پر پابندی جو لگادی ہے۔ لیکن پھر واردات ہوجاتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ گزشتہ کئی برس سے کوئی بڑی واردات موٹر سائیکل پر ڈبل سواری کرنے والوں نے نہیں کی بلکہ یا تو وارداتی پیدل آتے ہیں، گاڑیوں میں آئے یا بسوں میں بیٹھے ہوتے ہیں، یا پھر بم رکھ کر چلے جاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود حکومت پھر ہر بار بے چارے موٹر سائیکل پر پابندی لگادیتی ہے۔

قانون کے مطابق صرف بچے ، عورتیں ، بوڑھے اور صحافی ہی اس پابندی سے مستثنیٰ ہوتے ہیں ؟لیکن کیا کسی ہسپتال ، ایمر جنسی وارڈ کے کمپاؤڈر یا کسی مدرسے ، اسکول ، کالج ، یونیورسٹی کے استاد کو ڈبل سواری سے روکنے کا کوئی اخلاقی جواز ہے؟اور کیا کوئی دہشتگرد اس پابندی کی مد میں پکڑا جاتا ہے ؟اگر نہیں تو پھر اس پابندی کا مقصد کیا ہے؟صرف غریب عوام کو تنگ کرنا۔بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ پولیس ایسے چھوٹے اور غیر معروف اخبارات میں کام کرنے والے صحافیوں کو تنگ کرتے ہیں،حالانکہ جس کے پاس بھی پریس کارڈ ہے قانونی طور پر اسے ڈبل سواری کی اجازت ہوتی ہے اس کے باوجود ان پولیس والوں سے کوئی نہیں پوچھتا کہ وہ کس قانون کے تحت ان کو تنگ کرتے ہیں۔ موٹر سائیکل کی ڈبل سواری پر پابندی کے حوالے سے حکومت ہمیشہ سے یہی راگ الاپتی نظر آئی ہے کہ اس اقدام سے دہشت گردی کے واقعات کی روک تھام میں مدد ملتی ہے،اس لیے یہ پابندی عاید ہونی چاہیے۔ عوام الناس کے نزدیک حکومت کا یہ موقف "عذر گناہ بدتر از گناہ" کے مترادف ہے۔ امن و امان کی صورتحال کو بہتر بنانے کے لیے ٹھوس اقدامات کرنے کی بجائے ڈبل سواری پر پابندی لگا دینا بالکل لغو سوچ ہے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ دہشت گرد باآسانی اپنی کارروائیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔حکومت کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جو لوگ خوف و ہراس اور دہشت گردی کی وارداتوں کے لیے موٹر سائیکل پر جدید و خودکار اسلحہ لے کر نکلتے ہیں انھیں اس بات سے کیا ڈر و خوف ہو سکتا ہے کہ حکومتی

اہلکار انھیں روکیں گے۔ بم دھماکے، خود کش حملے اور قتل وغارت گری کی بڑی وارداتیں۔ کئی دہائیوں سے یہ عذاب کسی نا کسی طرح ہمارے عوام سے چمٹا ہوا ہے، لیکن ڈبل سواری پر پابندی سے ان میں سے کچھ بھی نہیں رکتا۔ کیا ڈبل سواری کی پابندی سے اس طرح کی کاروائیوں کو روکا جاسکتا ہے؟ یا ان معاملات میں بھی ڈبل سواری کا استعمال محض ایک ڈھال کے طور پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ جرائم کی وارداتیں کرنے والے افراد کار اور دیگر گاڑیوں کا بھی استعمال کرتے ہیں، اس طرح تو ان پر بھی پابندی لگادینی چاہیے، صرف موٹر سائیکل پر ڈبل سواری کی پابندی سے تو براہ راست صرف متوسط اور غریب طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد متاثر ہوتے ہیں۔ ڈبل سواری پر پابندی لگا کر قانون نافذ کرنے والے ادارے محض ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ حکومت کو اور کچھ نہیں سوجھتا تو لے دے کر موٹر سائیکل کی ڈبل سواری پر پابندی عاید کرکے اس کبوتر کی طرح خود کو خطرے سے محفوظ تصور کرنے لگتی ہے جو بلی کو سامنے دیکھ کر بجائے اپنا بچاؤ کرنے کے آنکھیں بند کرلیتا ہے۔

اس لیے اس تدبیر کو مسئلے کا مستقل حل قرار دینا ہر گز درست نہیں۔ ایک طرف حکومت اپنی نااہلی چھپانے کے لیے ڈبل سواری پر پابندی لگادیتی ہے جبکہ دوسری طرف حکومت عوام کے مسائل حل کرنے کے بلند و بانگ دعوے کرتی نظر آتی ہے۔ حالانکہ اس طرح کے اقدامات سے حکومت کے مسائل میں مزید اضافہ ہوتا چلا

جاتا ہے۔ ڈبل سواری پر پابندی اور اس کے نقصانات وفوائد اپنی جگہ لیکن یہ بات طے ہے کہ حکومت کے اس قسم کے فیصلے حکومت اور انتظامیہ کی ناکامی پر مہرثبت کردیتی ہے۔

جے یو آئی (ف) کے اسمبلی رکن کی گرفتاری لمحہ فکریہ

ہفتے کے روز پولیس نے پاکستان کے جنوب مغربی صوبہ بلوچستان کی صوبائی اسمبلی کے رکن اور جمعیت علمائے اسلام (ف) سے تعلق رکھنے والے سردار عبدالرحمٰن کھیتران کو تحویل میں لیا۔ ڈی آئی جی لورالائی عمران منہاس کے مطابق رکن صوبائی اسمبلی سردار عبدالرحمٰن کھیتران کی قائم کردہ نجی جیل سے خواتین اور بچوں سمیت ایک درجن کے قریب افراد کو بازیاب کرایا گیا اور موصوف کے گھر سے بھاری مقدار میں اسلحہ بھی برآمد ہوا۔ سردار عبدالرحمٰن کھیتران اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مختلف گاڑیوں میں سوار ہو کر بازار بارکھان آئے، جہاں پولیس اہلکار گشت اور ناکہ پر ڈیوٹی دے رہے تھے، جن سے انہوں نے سرکاری اسلحہ ایمونیشن چھین لیا اور پولیس کانسٹیبل محسن بشیر طاہر علی عبدالرحیم وغیرہ کو اغواء کرنے کے بعد نامعلوم مقام پر چھوڑ دیا۔ ایس ایچ او پولیس اہلکاروں پر تشدد کیا گیا، ایس ایچ او نے تمام حالات سے افسران بالا کو آگاہ کیا، جنہوں نے صوبائی حکومت سے رابطہ کیا۔ صوبائی حکومت نے سردار عبدالرحمٰن اور دوسرے دیگر ملزمان کے خلاف مقدمہ درج کرنے کی ہدایت کی، جن کی ہدایت پر امان اللہ ایس ایچ او کی مدعیت میں مقدمہ درج ہوا، ملزمان کی گرفتاری کے لیے کوئٹہ سے ایس پی اے ٹی ایف فاضل بٹ کی قیادت میں

پولیس ٹیم بارکھان پہنچی اور عبدالغفور مری ڈی پی او نے بارکھان حاجی کوٹ میں چھاپا مارا۔

دوران چھاپہ سردار عبدالرحمٰن نے اپنی گرفتاری خود پیش کی اور کوئی مزاحمت نہیں ہوئی۔ ملزم عبدالرحمٰن کے قلعہ کی تلاشی لینے پر ملزم کی نجی جیل سے محمد ولد شاہ میر قوم وگر محمد صفدر ولد فرید خان پنجاب کا رہائشی اور عبدالرحمٰن ولد فیض محمد جو زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے، بازیاب ہوئے۔ اس کے علاوہ شیر محمد، سلطانہ بی بی، شاہ بی بی، حاجرہ بی بی، شیر بانو، سعید احمد، بشیر احمد دیگر کو رہائی دلائی گئی۔ بازیاب کروائے گئے افراد میں سے متعدد دو سال سے سردار عبدالرحمٰن کی قید میں تھے۔ چھاپے کے دوران قلعہ سے 46 پیٹیوں میں موجود ہزاروں گولیاں، راکٹ لانچر کے 57 گولے، 71 فیوز مارٹر گولے، 2 میزائل، 2 کلاشنکوفیں، تین اینٹی کرافٹ گنیں بمعہ سٹینڈ 52ایس10 ایم جی رائفلز، چھ عدد دوربین، 5 عدد واکی ٹاکی سیٹ، دستی بموں کی چار پیٹیاں، 5 ہتھکڑیاں اور چودہ عدد گاڑیوں کی نمبر پلیٹیں برآمد کرکے قبضے میں لی گئیں۔ گرفتاری کے بعد بلوچستان کے ضلع بارکھان کی پولیس انتظامیہ نے جمعیت علمائے اسلام کے رہنما رکن صوبائی اسمبلی سردار عبدالرحمٰن کھیتران کو جوڈیشل مجسٹریٹ بارکھان محمد قاسم کبزئی کی عدالت میں پیش کیا۔ عدالت نے دو دن کا جسمانی ریمانڈ دیتے ہوئے سردار عبدالرحمٰن کھیتران کو پولیس کے

حوالے کر دیا۔ عدالت میں سردار عبدالرحمٰن کھیتران کی نجی جیل سے بازیاب کرائے جانے والے خواتین و بچوں کو بھی پیش کیا گیا، جوڈیشل مجسٹریٹ نے ضلعی انتظامیہ کو حکم دیا کہ سردار عبدالرحمٰن کھیتران کی نجی جیل سے بازیاب کرائے جانے والے تمام افراد کو بحفاظت ان کے گھروں تک پہنچایا جائے۔ اس سلسلے میں ڈی پی او بارکھان غفور مری نے کہا کہ رکن صوبائی اسمبلی سردا عبدالرحمٰن کھیتران کے گھر سے برآمد ہونے والے اسلحہ کا مقدمہ نمبر 2014/60 بجرم ایکسپلوڑو ایکٹ کے تحت ان کا بیٹے میر قاسم کھیتران، بھتیجے عبدالغفور کھیتران کے خلاف درج کیا۔ بدھ کے روز سیکورٹی خدشات کے پیش نظر رکن بلوچستان اسمبلی سردار عبدالرحمٰن کھیتران کی رہائش گاہ کو سب جیل قرار دے کر انہیں کوئٹہ منتقل کر دیا تھا۔

دوسری جانب سردار عبدالرحمٰن کھیتران کا کہنا تھا کہ ان کے خلاف یہ کارروائی سیاسی بنیادوں پر کی گئی ہے اور چھاپے میں ان کی گرفتاری کا پولیس کا بیان بھی سراسر غلط ہے، کیونکہ ان کے بقول انھوں نے خود گرفتاری پیش کی۔ یہ سب ٹوپی ڈرامہ ہے، بلدیاتی انتخابات میں میرے سات بندے کامیاب ہوئے اور ضلعی ناظم بھی میرا ہی بندہ تھا۔ مجھے پتا چلا کہ میرے خلاف ایف آئی آر ہے تو میں قانون پسند شہری ہوں، میں آٹھ بجے گرفتاری دے دی، لیکن انھوں نے بعد میں میرے گھر میں کارروائی کی اور چادر و چار دیواری کے تقدس کو پامال کیا۔

پولیس کی طرف سے ان کی نجی جیل سے بازیاب کیے جانے والے افراد کے بارے میں سردار عبدالرحمٰن کھیتران کا کہنا تھا کہ جب پیر کو یہ لوگ عدالت میں پیش ہوئے تو ان میں ایک نے خود عدالت کو بتایا کہ وہ تو ان کا مہمان تھا اور چھاپے کے وقت وہاں سویا ہوا تھا۔ دیگر افراد کے متعلق بھی ان کا الزام تھا کہ پولیس نے کہیں اور سے یہ لوگ پکڑ کر ان کے خلاف استعمال کیے ہیں۔ ادھر جمعیت علمائے اسلام کے دفتر سے جاری بیان میں کہا گیا کہ ایم پی اے سردار عبدالرحمٰن کھیتران کے خلاف یہ الزامات بے بنیاد ہیں اور انہیں سیاسی چال میں پھنسانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جے یو آئی سمجھتی ہے کہ ایم پی اے سردار عبدالرحمان کھیتران کے خلاف پروپیگنڈا بے بنیاد ہے۔ اگر کوئی بھی رکن یا کارکن کسی بھی غیر قانونی سرگرمی میں ملوث پایا گیا تو پارٹی کبھی اس کی حمایت نہیں کرے گی، لہٰذا سردار عبدالرحمٰن کھیتران کو عدالت میں اپنے دفاع کا پورا موقع دیا جائے۔ واضح رہے کہ بارکھان ضلع کی سرحدیں پنجاب کے ضلع ڈیرہ غازی خان سے ملتی ہیں اور یہ علاقہ تیل و گیس کے ذخائر سے مالا مال ہے۔ یہاں کی بیشتر آبادی کا تعلق کھیتران قبیلے سے ہے جن کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی ہے۔ کھیتران قبیلے کی دو شاخیں ہیں، جن میں سے ایک کے سربراہ سردار عبدالرحمٰن کھیتران ہیں، جو کہ جمعیت علمائے اسلام کے سرگرم رکن ہیں۔ بلوچستان میں وڈیرا شاہی، قبائلی، جاگیرداری اور سرداری نظام کا دور دورہ ہے اور بااثر قبائلی سردار کسی ملکی قانون سے ماوراء اپنے مخالفین کو قید و بند

میں ڈالتے رہتے ہیں اور بہت سے قبائلی سرداروں پر اپنی نجی جیلیں قائم کرنے اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے الزامات عاید کیے جاتے رہے ہیں۔

اگرچہ جمعیت علمائے اسلام اور عبدالرحمٰن کھیتران نے نجی جیل والے معاملے کو اپنے خلاف ایک سازش قرار دیا ہے، لیکن پولیس عبدالرحمٰن کھیتران کو اس واقعہ میں ملوث قرار دیا ہے۔ جس کے بعد جمعیت علمائے اسلام پر سخت تنقید کی جارہی ہے، کیونکہ جمعیت علمائے اسلام پاکستان کی ایک پرانی اور بڑی مذہبی سیاسی جماعت ہے، جس کے منتخب شدہ رکن کے غیر قانونی سرگرمی ملوث پائے جانے سے ملک کی مذہبی جماعتوں کو شدید دھچکا لگا ہے، کیونکہ اس سے نہ صرف یہ کہ جمعیت علمائے اسلام کی بدنامی ہوئی ہے بلکہ ملک میں تمام مذہبی حلقوں کی جانب انگلی اٹھانا بھی آسان ہوگیا ہے۔ جمعیت علمائے اسلام کو چاہیے کہ وہ ایک مذہبی جماعت ہونے کے ناطے ایسے لوگوں سے سختی سے بازپرس اور ان کے خلاف کارروائی کرنے میں قانون کی مدد کرے، جو مذہبی طبقے کی بدنامی کا سبب بن رہے ہیں۔

اس واقعہ سے جہاں ملک میں قانون بنانے والے ارکان پارلیمنٹ کی "قانون کی پاسداری" سامنے آئی ہے وہیں پاکستان میں ملازموں اور مزدور طبقے پر ہونے والے مظالم کی قلعی بھی کھل گئی ہے۔ ملک میں اکثر غریب مزدور اور گھریلو

ملازمین غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ صرف دوہزار تیرہ میں مجموعی طور پر پانچ سو سے زاید ایسے مزدور بچوں، عورتوں اور مردوں کو بھٹا مالکان، جاگیرداروں، زمینداروں اور وڈیروں کی نجی جیلوں سے بازیاب کروایا گیا، جن کو اپنی محنت کا معاوضہ مانگنے پر قید کر دیا گیا تھا۔ اس وقت ملک میں گھریلو ملازمین اور مزدوروں کی تعداد لاکھوں میں ہے، جنہیں صحت، اجرت اور اپنی ملازمت سے متعلق کوئی تحفظ مہیا نہیں اور بیشتر مواقع پر ان کے حقوق کو یکسر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ آئی ایل او کی رپورٹ کے مطابق گھروں میں کام کرنے والے ملازمین کی تعداد کا 81 فیصد خواتین پر مشتمل ہے، صرف 3 فیصد کو ہفتے میں ایک چھٹی کی سہولت حاصل ہے، جبکہ باقی خواتین کو زچگی کے دوران بھی چھٹیاں یا کوئی مالی مراعات مہیا نہیں کی جاتیں۔ نوعمر بچوں اور بچیوں سے سولہ سولہ گھنٹے کام لینے، تین وقت کا بچا ہوا کھانا اور تنخواہ کے نام پر قلیل رقم دینے کو بالکل جائز سمجھا جاتا ہے اور ذرا سی چوں چرا پر گالیوں اور تشدد سے نوازا جاتا ہے۔ حیرت انگیز اور قابل غور بات تو یہ ہے کہ اس ظلم میں وہی لوگ آگے آگے ہوتے ہیں، جو اسی غریب و مزدور طبقے کی محنت کی وجہ سے صاحب مال و دولت ہوئے ہیں اور یہی جاگیر دار اور سرمایہ دار ان کے حق میں کوئی قانون بننے کی راہ میں رکاوٹ ہیں، جو دو وقت کھانے کے عوض پورے خاندان سے غلاموں کی طرح کام لیتے ہیں۔

ہمارے ملک آئے روز مزدور طبقے پر ظلم و ستم کے واقعات منظر عام پر آتے رہتے ہیں۔ گزشتہ دنوں لاہور کے پوش ایریا میں ایک مالکن نے صرف ڈھائی ہزار روپے ماہوار پر کام کرنے والی ایک دس سالہ غریب اور یتیم بچی ارم کو تشدد کرکے ماردیا تھا۔ ارم کو دو دن تک ہاتھ پاؤں باندھ کر پانی کے پائپ کے ساتھ تشدد کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ جب ارم کو ہسپتال لایا گیا تو اس کے پورے جسم پر زخموں کے نشانات تھے اور اس کی موت واقعہ ہوچکی تھی۔ اسی طرح دو روز قبل کراچی کے علاقے کلفٹن میں ایک دس سالہ ملازم بچے کو مالک نے چھٹے فلور سے دھکا دیا، اس پر تشدد کیا۔ اسی طرح عرصہ دراز سے ہمارے ملک میں شہروں یا دیہات میں نوعمر بچوں سے دفتروں، فیکٹریوں، کھیتوں، بھٹوں میں نوعمر بچوں اور بچیوں سے محنت مزدوری کرائی جاتی ہے، کوئی قانون کوئی این جی او اور کوئی سرکاری ادارے بڑے بڑے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود اس بے رحمانہ طریقہ غلامی کو ختم نہیں کرا سکا۔ پاکستان کو اس حوالے سے ان ممالک کی پیروی کرنی چاہیے جہاں ملازمین کے لیے حفاظتی قوانین نافذ کردیے گئے ہیں۔ گزشتہ دنوں ملازمین کے حقوق کی خلاف ورزی کرنے پر امریکا نے بھارتی سفیر سے بھی کوئی رعایت نہیں برتی۔ امریکی قانون کے مطابق اپنی ملازمہ کو معاوضہ نہ دینے پر بھارتی سفیر کو ہتھکڑی پہنا کر عدالت میں پیش کیا گیا۔ پھر اڑھائی لاکھ ڈالر کی ضمانت پر رہا کیا گیا۔ بھارت کے ساتھ تعلقات خراب ہونے کے باوجود امریکا نے اپنے قوانین کی پاسداری کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ گزشتہ سال سعودی عرب

میں خواتین، بچوں اور گھریلو ملازمین پر تشدد کے خلاف قانون پاس کیا گیا ہے۔ پاس کیے گئے اس 17 نکاتی بل کے مطابق اگر کوئی شخص خواتین، بچوں اور گھریلو ملازمین پر نفسیاتی اور جسمانی تشدد میں ملوث پایا گیا تو اس کو ایک سال قید کی سزا کے ساتھ 50 ہزار سعودی ریال جرمانہ کیا جائے گا۔ تمام ممالک نے اگرچہ لفظی طور پر غلامی کو ختم کر دیا ہے اور پاکستان کا آئین بھی کہتا ہے کہ غلامی کسی بھی شکل میں قابلِ قبول نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود ملک میں انسانوں کی بہت بڑی تعداد غلامی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ موجودہ دور میں مزدور اور گھریلو ملازمین کا استحصال ایک انتہائی شرمناک بات ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ مزدور اور غریب گھریلو ملازمین کے حقوق کے لیے کوئی مضبوط قانون نافذ کرے۔ مزدور طبقے پر مظالم ڈھانے والوں کو سخت سزا دی جائے، چاہیے یہ لوگ کسی اسمبلی کے ارکان ہوں، وڈیرے، سردار، جاگیردار یا کوئی اور بااثر شخصیت ہی کیوں نہ ہوں۔

ہر سال ہزاروں افراد ٹریفک حادثات کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں

پاکستان بھر میں دن بدن ٹریفک حادثات کی بڑھتی ہوئی شرح لمحہ فکریہ ہے، جس میں لاتعداد قیمتی جانیں تسلسل کے ساتھ لقمہ اجل بن رہی ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان بھر میں اوسطاً 15 سے 30 افراد روزانہ ٹریفک حادثات کا شکار ہو کر اپنی قیمتی جانیں گنواتے ہیں اور متعدد افراد ہمیشہ کے لیے معذور بھی ہو جاتے ہیں۔ پیر کے روز ملک کے مختلف شہروں میں متعدد افراد ٹریفک حادثات کا شکار ہوئے، جن میں دس سے زاید جاں بحق ہوئے اور بیس سے زاید زخمی ہوئے۔ اس سے ایک روز قبل بھی ملک کے مختلف شہروں میں تقریباً پندرہ افراد ٹریفک حادثات میں جاں بحق ہوئے۔ اس کے علاوہ آئے روز ملک کے مختلف حصوں میں ٹریفک کے بڑے بڑے حادثات بھی پیش آتے رہتے ہیں، جن میں بیک وقت دسیوں، بیسیوں افراد جان کی بازی ہار جاتے ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ ہفتے صوبہ سندھ کے ضلع نواب شاہ میں سڑک کے ایک حادثے میں سترہ طالب علموں سمیت بائیس افراد جاں بحق جبکہ 11 افراد شدید زخمی ہوئے، جن کو فوری طور پر پیپلز میڈیکل کالج ہسپتال منتقل کیا گیا۔ نواب شاہ کراچی سے چار گھنٹے کی مسافت پر قومی شاہراہ پر واقع ہے۔ یہ حادثہ نوابشاہ میں قاضی آباد کے علاقے میں پیش آیا تھا، جہاں بچے اساتذہ کے ہمراہ اسکول سے کسی دوسری

جگہ تقریب میں شرکت کے لیے جا رہے تھے کہ ایک تیز رفتار ہیوی ڈیوٹی ڈمپر ٹرک نے بچوں کی وین کو ٹکر ماردی۔ اسی حادثے کا شکار دوسری بس کے مسافروں کے مطابق حادثہ ڈمپر ڈرائیور کی غفلت کے باعث پیش آیا تھا۔ جاں بحق ہونے والے تمام بچوں کی عمریں 10 سے 15 سال کے درمیان تھیں۔ اسی طرح دو ہفتے قبل مری کے علاقے سالگراں کے مقام پر دو مسافر بسیں آپس میں ٹکرا کر 150 فٹ گہری کھائی میں جا گریں تھیں، جس کے نتیجے میں مجموعی طور پر بیس سے زاید مسافر جاں بحق جبکہ متعدد زخمی ہوئے۔ دونوں بسوں میں 60 کے قریب مسافر سوار تھے۔ چند روز پیشتر باراتیوں سے بھری بس الٹنے کے واقعہ سمیت کئی ٹریفک حادثات منظر پر آتے رہے ہیں اور گزشتہ سالوں میں ٹریفک کے کئی ایسے حادثات بھی پیش آتے رہے ہیں، جن میں ایک ایک واقعہ میں بیسویں افراد کو موت کا منہ دیکھنا پڑا۔

پاکستان کا شمار دنیا کے ان ممالک میں ہوتا جہاں ٹریفک حادثات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں ہر سال اوسطاً تیس ہزار کے لگ بھگ افراد ٹریفک حادثات میں جاں بحق ہوتے ہیں، جبکہ بعض رپورٹوں کے مطابق تقریباً سترہ ہزار سے زاید افراد ہر سال حادثات کا شکار ہو کر جاں بحق ہو جاتے ہیں اور 40 ہزار سے زاید لوگ زخمی ہوتے ہیں۔ صرف صوبہ پنجاب میں سال گزشتہ 1 لاکھ 67 ہزار حادثات میں 11 ہزار کے قریب افراد جاں بحق ہوئے، جبکہ 9 ہزار کے قریب لوگ معذور ہوئے۔ حادثات میں زخمی اور جاں بحق ہونے والے

افراد میں سب سے زیادہ نوجوان نسل ہے۔ سرکاری دستاویزات کے مطابق 41 ہزار خواتین بھی ٹریفک حادثات کا شکار ہوئیں، جن میں سے بہت سی خواتین جاں 297 بحق ہوئیں اور ہزاروں کی تعداد میں زخمی ہوئیں۔ بلوچستان کا آر سی ڈی ہائی وے، اسلام آباد کا سپر وے، مری کے پر پیچ راستے، سندھ میں نیشنل ہائی وے اور داخلی سڑکیں غرض یہ کہ ہر جگہ ہمیں نہ صرف حادثات کے واقعات کثیر تعداد میں نظر آتے ہیں، بلکہ تمام حادثات کی وجوہات بھی یکساں ہوتی ہیں۔ پاکستان میں ٹریفک حادثات ہونا ایک معمول کی بات ہے اور ٹریفک حادثات میں خوفناک حد تک اضافہ ہوتا جارہا ہے، جس کی روک تھام کے لیے حکومتی سطح پر کبھی بھی خاطر خواہ انتظامات نہیں کیے گئے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ حادثات میں بے پناہ اضافے کی عمومی وجوہات قانون کی خلاف ورزی، مخدوش سڑکیں، ٹرانسپورٹ کی خراب حالت، ڈرائیوروں کی غفلت، تیز رفتاری سے گاڑیاں چلانا اور گاڑیوں میں گنجائش سے زیادہ مسافر سوار کرنا، منصوبہ بندی سے ہٹ کر بنائے گئے خطرناک موڑ اور دو رویہ سڑک کے درمیان اور اطراف میں حفاظتی جنگلے کا نہ ہونا حادثات کا موجب بنتا ہے، سی این جی کٹس کا پھٹ جانا بھی حادثات کا ایک محرک ہے۔

واضح رہے کہ 1985ء میں ٹرانسپورٹ اینڈ روڈ ریسرچ لیبارٹری، کروک تھارن برک شائر، برطانیہ کے اشتراک سے پاکستان میں ٹریفک حادثات پر مبنی رپورٹ پیش کی

نے "روڈ ایکسیڈنٹس ان پاکستان اینڈ دی نیڈ فار امپرومنٹس A.J. Downing، گئی تھی ان ڈرائیور ٹریننگ اینڈ ٹریفک انفورسمنٹ" کے تحت اپنی مفصل رپورٹ میں نہ صرف حادثات کی وجوہات پر روشنی ڈالی تھی، بلکہ وہ نکات بھی پیش کیے تھے جن پر اگر دس فیصد بھی عمل کیا جاتا تو ٹریفک کے ان بڑھتے ہوئے حادثات کو کنٹرول کیا جا سکتا تھا۔ 1985ء سے اب تک ٹریفک کی صورت حال یکسر تبدیل ہو چکی ہے اور اس تناظر میں مزید ریسرچ کی ضرورت ہے۔ حکومت کو نہ صرف ٹریفک حادثات کی روک تھام کے لیے موثر اقدامات کرنے چاہئیں، بلکہ ایک ریسرچ ٹیم بھی اس سلسلے میں قائم کی جائے جو موجودہ دور کے ٹریفک مسائل پر مبنی رپورٹ اور گزارشات مرتب کر سکے۔ کسی بھی قوم کی تہذیب و تمدن کا اندازہ اس کے ٹریفک نظام پر ایک نظر ڈالنے سے لگایا جا سکتا ہے۔ مہذب معاشروں میں ٹریفک قوانین پر عملدرآمد کے لیے نہ صرف سخت قوانین موجود ہیں، بلکہ عوامی شعور کی بیداری کے لیے مختلف ادارے بھی قائم ہیں۔ معاشرے کی اخلاقی ترقی میں انسانی شعور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ امریکا اور یورپی ممالک میں ٹرانسپورٹ کا نظام جدید خطوط پر استوار ہے۔ اگر کوئی فرد کسی پبلک ٹرانسپورٹ میں سفر کر رہا ہو تو اسے پہلے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی منزل تک کب پہنچے گا۔ اس کے برعکس پاکستان میں معاملہ الٹ ہے۔ آپ پبلک ٹرانسپورٹ میں اندرون شہر کسی لوکل روٹ پر بھی سفر کر رہے ہوں تو ڈرائیور کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ مسافروں کا مقررہ وقت تک منزل پر پہنچنا تو دور کی بات بلکہ

گھنٹوں ذلیل و خوار ہونا پڑتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ٹریفک قوانین پر عملدرآمد نہ ہونا ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک اپنے ملکی اور ٹریفک قوانین کی پاسداری کرتے ہیں جبکہ ہماری قوم میں قوانین پر عملدرآمد کی پاسداری نہیں کی جاتی۔

پاکستان کے بڑے اور چھوٹے شہروں میں اندرون اور بیرون شہر لاکھوں افراد پبلک ٹرانسپورٹ کا استعمال کرتے ہیں۔ ملک میں ٹریفک نظام کے مسائل سے ہر خاص و عام پریشان ہے۔ ٹریفک کے نظام کا یہ حال ہے کہ بعض اوقات موٹر سائیکلیں وغیرہ فٹ پاتھوں پر چلتی نظر آتی ہیں، جبکہ راہگیر سڑک پر چل رہے ہوتے ہیں۔ ٹریفک پولیس اہلکاروں کا کام ٹریفک کو سنبھالنا ہوتا ہے مگر اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ ٹریفک پولیس کے اہلکار اپنی جگہ پر موجود نہیں ہوتے۔ دن میں متعدد بار ٹریفک جام ہونے سے شہریوں، صنعت کاروں، محنت کشوں اور راہ گیروں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ڈرائیور حضرات قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اکثر اوقات اشارے بھی توڑ دیتے ہیں۔ ٹریفک حادثات کے اعداد و شمار اور حادثوں کے مشاہدات اس بات کے غماز ہیں کہ ٹریفک کے زیادہ تر حادثات حد سے زیادہ رفتار اور ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہی رونما ہوتے ہیں۔ مغربی ممالک میں ٹریفک قوانین کے لیے ہر ممکن اقدامات کیے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے ان ممالک کی دنیا بھر میں مثالیں دی جاتی ہے، جبکہ

پاکستان میں ٹریفک مسائل انتظامیہ کی ناقص کارکردگی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ملک میں ٹریفک جام، غلط پارکنگ جیسے مسائل میں بھی دن بدن اضافہ ہو رہا ہے جس کی بنیادی وجہ لوگوں کی اکثریت میں ٹریفک قوانین کے شعور سے ناواقفیت ہے۔ ٹریفک قوانین کی پابندی ہر شہری پر لازم ہے۔ قانون والے سے نہیں بلکہ قانون سے ڈرنا چاہیے۔

پورے ملک میں ایسے ادارے قائم کیے جائیں جہاں ڈرائیور اور کنڈیکٹر حضرات کی مناسب تربیت ہو سکے۔ ان تربیتی اداروں میں نہ صرف ا±ن میں ٹریفک قوانین سے متعلق شعور بیدار کیا جائے بلکہ ا±نہیں مہذب اور بااخلاق بھی بنایا جائے۔ ادارہ سے تربیت کے بعد انہیں باقاعدہ سرٹیفکیٹ کا اجراء کیا جائے۔ اس کے علاوہ پبلک ٹرانسپورٹ کے مالکان کو بھی پابند کیا جائے کہ اس سرٹیفکیٹ کے حامل افراد کو ہی کنڈیکٹر اور ڈرائیور رکھا جائے، بصورت دیگر مالکان کے خلاف بھی قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔ اگر ایک ڈرائیور تربیت یافتہ ہوگا تو یقینی بات ہے کہ نہ صرف ٹریفک کے مسائل ختم ہوں گے بلکہ حادثوں میں بھی خاطر خواہ کمی واقع ہوگی۔ پبلک ٹرانسپورٹ میں گنجائش سے زاید مسافروں کو سوار کرنے پر پابندی عاید کی جائے، مسافروں کو اتارنے یا سوار کرنے کے قواعد پر سختی سے عملدرآمد کرایا جائے، مختلف روٹس پر چلنے والی گاڑیوں کے اسٹاپس پر خفیہ کیمرے نصب کیے جائیں جن سے نہ صرف مشکوک افراد پر نظر رہے

گی بلکہ قانون کی خلاف ورزی کرنے والی ٹرانسپورٹ کے خلاف کارروائی میں بھی مددگار ثابت ہوں گے، غیر ضروری پریشر ہارن یا ممنوعہ ایریا میں ہارن بجانے پر جرمانے کیے جائیں۔ ڈرائیونگ لائسنس کے اجراء کا طریقہ کار آسان بنایا جائے اور مختلف مقامات پر لائسنس کے حصول کے لیے مراکز بنائے جائیں، عوام اور ٹریفک پولیس کے درمیان رابطوں کا فقدان ہے اس لیے عوامی شکایات دور کرنے کے لیے نہ صرف ٹول فری نمبر مشتہر کیا جائے بلکہ ٹریفک پولیس ہیلپ لائن کا اجراء بھی کیا جائے جس کے ذریعے عوامی شکایات سنی اور حل کی جائیں۔ فنی طور پر اَن فٹ، ناقص، خستہ حال اور سست رفتار گاڑیوں کو سڑک پر آنے سے روکا جائے۔ کمسن بچوں کو گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں چلانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ جو بھی بچہ گاڑی یا موٹر سائیکل چلاتے پکڑا جائے ا±س کے والدین سے رابطہ کرکے انہیں سخت تنبیہہ کی جائے۔ اگر حکومت چاہتی ہے کہ ملک میں ٹریفک حادثات کنٹرول ہو جائی تو اس حوالے سے سخت قوانین بنانے ہوں گے اور ان پر سختی سے عمل کرنا ہوگا۔

کراچی آپریشن: تیسرا مرحلہ فاسٹ ٹریک پالیسی پر مبنی ہوگا

کراچی میں گزشتہ سال ستمبر کے مہینے سے سندھ حکومت کی سربراہی میں شروع کیے جانے والے رینجرز اور پولیس آپریشن کے دو مراحل مکمل ہو چکے ہیں، جن میں غیر سرکاری اعداد شمار کے مطابق اب تک بارہ ہزار سے زاید ملزمان گرفتار کیے جا چکے ہیں۔ اگرچہ آپریشن کی وجہ سے کراچی کے حالات میں کچھ بہتری آئی ہے، لیکن دہشت گرد اب بھی کراچی میں بے گناہ لوگوں کو خون میں نہلا کر موت کی نیند سلانے میں مشغول ہیں۔ مختلف تنظیموں اور گروہوں کے دہشتگرد عوام اور خواص پر آزادانہ طور پر پے در پے حملے کر رہے ہیں۔ سال نو کے پہلے ہی ماہ کے پون حصہ میں اب تک ایس ایس پی سے لے کر سپاہی تک ہر عہدے کے اہلکاروں سمیت 18 پولیس اہلکار قاتلوں کا نشانہ بن چکے ہیں۔ نئے سال کا سب سے پہلا واقعہ 4 جنوری کو پیش آیا جس میں 3 پولیس اہلکار گولیوں کا نشانہ بنے۔ 5 جنوری کو کریکر حملے میں پولیس اہلکار عبدالرحیم اور محمد خان کو ابدی نیند سلا دیا گیا۔ 7 جنوری کو پولیس اہلکار عبدالخالق نامعلوم افراد کی گولیوں کا نشانہ بنا۔ 9 جنوری ایس پی سی آئی ڈی چودھری اسلم کو دو محافظوں کامران اور عرفان سمیت قتل کر دیا گیا۔ 13 جنوری کو پولیس انسپکٹر ملک اقبال کو نشانہ بنایا گیا۔ 15 جنوری کو سب انسپکٹر اللہ دتا اور اے ایس

آئی ولی محمد جاں بحق ہوئے۔16 جنوری کو ہیڈ کانسٹیبل جاوید اور سپاہی آصف سے جینے کا حق چھین لیا گیا۔ 19 جنوری کو پولیس کانسٹیبل محمد نعمان اندھی گولی کا نشانہ بنا۔ 20 جنوری کو چکرا گوٹھ میں نامعلوم افراد کی فائرنگ سے اے ایس آئی کامران شاہ قتل ہوا۔

کراچی میں دہشتگردی کی بڑھتی ہوئی لہر کے پیش نظر دہشتگردوں کی کمر توڑنے اور کراچی سے جرائم کا قلع قمع کرنے کے لیے وفاقی اور صوبائی حکومت نے آپریشن کا تیسرا اور حتمی مرحلہ آئندہ چند روز میں شروع کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ذرائع کے مطابق آپریشن کی حکمت عملی مرتب کرنے کے لیے قانون نافذ کرنے والے اداروں میں مشاورت کا سلسلہ جاری ہے۔ سندھ حکومت نے قانون نافذ کرنے والے اداروں کو ہدایت کردی ہے کہ حساس اداروں میں کالعدم تنظیموں اور دہشت گردوں کا نیٹ ورک توڑنے کے لیے جامع حکمت عملی کے تحت آپریشن کیا جائے۔ منگھوپیر،اورنگی ٹاؤن ، کورنگی ،لانڈھی ، سہراب گوٹھ ، کٹواری کالونی سمیت اہم علاقوں میں جرائم پیشہ افراد کی سرگرمیوں کے حوالے سے قانون نافذ کرنے والے اداروں نے صوبائی اور وفاقی حکومتوں کو آگاہ کیا ہے ، جس کے بعد کراچی میں جرائم پیشہ افراد کے خلاف آپریشن میں تیزی لانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ذرائع کے مطابق 378اہم ملزمان کے سروں کی قیمتیں مقرر کرنے کے حوالے سے بھی حکمت عملی مرتب کرلی گئی ہے۔پہلے مرحلے میں اہم ملزمان کے سروں کی100

قیمتیں مقرر کی جائیں گی، جو 5 لاکھ سے شروع ہو کر 50 لاکھ تک ہوں گی۔ آپریشن کا تیسرا اور حتمی مرحلہ فاسٹ ٹریک پالیسی پر مبنی ہوگا، جس کے تحت قانون نافذ کرنے والے ادارے مکمل اطلاعات کی روشنی میں بڑے پیمانے پر چھاپہ مار کارروائیاں کریں گے اور ان کو جدید آلات سمیت تمام لاجسٹک سپورٹ حاصل ہوگی۔

آپریشن کے حتمی مرحلے میں پولیس اور دیگر قانون نافذ کرنے والے اداروں کو تمام سہولیات مہیا کی جائیں گی اور یہ آپریشن شہر کے تمام علاقوں میں بلاامتیاز کیا جائے گا۔

کراچی ٹارگٹڈ آپریشن وزیراعلیٰ سندھ کی نگرانی میں جاری ہے۔ اس آپریشن کے پہلے دو مراحل قریب الاختتام ہیں۔ اب سندھ حکومت نے تیسرے مرحلے کے لیے وزارت داخلہ سے جدید بکتر بند گاڑیاں، بلٹ پروف جیکٹس، ہیلمٹ، موبائل جیمر، جی ایس ایم لوکیٹرز، سی سی ٹی وی کیمرے، نائٹ ویژن گوگلز سمیت دیگر آلات فراہم کرنے کی درخواست کی ہے، کیونکہ جدید آلات کے بغیر کراچی میں تربیت یافتہ مسلح عناصر کی سرکوبی نہیں کی جا سکتی۔ اس سلسلے میں سندھ پولیس کو مزید مستحکم کرنے کے لیے 300 بلٹ پروف موبائل اور 100 اے پی سی آرمڈ گاڑیاں فوری طور پر مہیا کی جائیں گی، جبکہ ایسی 5 گاڑیاں کراچی جیل اتھارٹیز کو بھی مہیا کی جائیں گی۔ سندھ پولیس میں کمانڈوز طرز پر ایک الگ اسپیشل فائٹر فورس قائم کی جائے گا جس کو جدید تربیت اور اسلحے سے لیس کیا جائے گا۔ پہلے پلان کے تحت 2000 ریٹائرڈ فوجیوں کو بھرتی کرنے کے علاوہ مزید ریٹائرڈ فوجیوں کو بھرتی کرنے کے لیے اشتہارات بھی دیے جائیں

گے، جبکہ اس وقت تک 2000 میں سے 1200 فوجی بھرتی کیے جا چکے ہیں۔
پراسیکیوشن برانچ کو زیادہ موثر اور مضبوط بنانے کے لیے فیصلہ کیا گیا ہے کہ 200 انویسٹی گیشن افسر اور 200 لیگل پراسیکیوشن افسروں کو بھرتی کیا جائے گا، جبکہ سندھ پولیس میں ڈی آئی جی رینک کے پولیس افسر کی نگرانی میں ایک علیحدہ پراسیکیوشن سیل قائم کیا جائے گا، جس کو پرائیوٹ وکیلوں کی معاونت بھی مہیا کی جائے گی، تاکہ ٹارگٹڈ آپریشن کے تحت گرفتار کیے گئے ملزمان کے کیس ہر طرح سے مکمل کرکے عدالتوں میں پیش کیے جا سکیں اور انہیں یقینی طور پر سزا دلائی جاسکے۔
یہ یاد رہے دو روز قبل وزیراعلیٰ سندھ قائم علی شاہ نے قانون نافذ کرنے والے اداروں کو کراچی میں جاری ٹارگٹڈ آپریشن کو مزید تیز کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے کہا تھا کہ سندھ پولیس کو دہشتگردوں سے نمٹنے اور آپریشن کو کامیابی تک پہنچانے کے لیے مزید مضبوط اور موثر بنایا جارہا ہے۔ وزیراعلیٰ سندھ کا کہنا تھا کہ ٹارگٹڈ آپریشن کے دوران ہمیں کافی کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں، جرائم کی رفتار میں کمی آئی ہیں، لیکن پھر بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ دہشتگردوں کے ٹھکانوں کا سراغ لگا کر ان پر انتہائی ماہرانہ انداز میں ریڈ کرکے انہیں نیست و نابود کیا جائے۔ جبکہ ایڈیشنل آئی جی کراچی شاہد حیات نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اسٹریٹ کرائمز کی وارداتوں میں اضافہ ضرور ہوا

ہے، تاہم قتل و غارت گری کی وارداتوں، اغوا برائے تاوان اور گاڑیوں کی چھینا جھپٹی میں کمی واقع ہوئی ہے، انھوں نے اسٹریٹ کرائمز کی وارداتوں پر بھی قابو پانے کے لیے مزید بہتر کارکردگی کے عزم کا اظہار کیا اور کہا ہے کہ آپریشن کا تیسرا مرحلہ زیادہ سخت ہوگا، جس سے کراچی کے حالات مزید خراب ہو سکتے ہیں۔ ایڈیشنل انسپیکٹر جنرل پولیس شاہد حیات نے ٹارگٹڈ آپریشن کی کارکردگی کے متعلق میڈیا کو تفصیلات بھی بتائیں، جس کے مطابق یکم اپریل سے 7 ستمبر 2013ء کے دوران 1228 کلنگ کے مقابلے میں 8 ستمبر سے 2013 سے 15 جنوری 2014 تک صرف 630 کلنگ رپورٹ ہوئے۔ اسی طرح بیان کیے گئے وقت کے دوران بھتاخوری کے 651 کیسز کے مقابلے میں آپریشن کے دوران 393 کیسز رپورٹ ہوئے اور اغوا برائے تاوان کے 99 کیسز کے مقابلے میں 42 کیس رپورٹ ہوئے، اس طرح ٹارگٹڈ آپریشن کے دوران جرائم میں کافی کمی آئی ہے۔ اس آپریشن کے دوران گرفتار کیے گئے ملزمان 7148 کو مختلف کورٹوں میں چالان کیا گیا اور 97 کو سزا ہوئی۔ 221 مجرموں کے ساتھ 188 کیسز انسداد دہشتگردی کورٹوں میں چالان کیے گئے ہیں، جبکہ 50 دہشتگردوں کو تفتیش کے لیے 90 روز کے لیے بند کیا گیا ہے۔

دوسری جانب آپریشن کے تیسرے مرحلے کے پیش نظر کراچی میں حملوں کے خطرات بھی بڑھ گئے ہیں، اسی لیے کراچی میں جیلوں کی سیکورٹی بڑھادی گئی ہے۔ حملوں کے خطرے کے پیش نظر جیلوں کی قریبی سڑکیں بند کردی گئی ہیں، کراچی سینٹرل جیل کے

اطراف لگائے گئے موبائل فون جیمرز ہٹادیے گئے ہیں۔ بکتر بند گاڑیوں کو بھی سینٹرل جیل کے راستوں پر متعین کردیا گیا ہے۔ جیل کی طرف آنے والی شاہراہوں کو بھی بلاکس رکھ کر بند کیا گیا ہے۔ جیل کی حفاظت پر ساڑھے تین سو پولیس اہل کاروں اور کمانڈوز کو تعینات کردیا گیا۔ واضح رہے کہ وزیراعظم محمد نواز شریف نے کراچی میں امن وامان کی صورت حال یقینی بنانے کے لیے جاری آپریشن کا تیسرا مرحلہ شروع کرنے کی اصولی منظوری گزشتہ ماہ اور اس کے بعد رواں سال کے جنوری میں دے دی تھی۔ وزیراعظم نے وزارت داخلہ کی رہنمائی میں صوبائی حکومت کی قیادت میں جاری آپریشن کے اب تک کے نتائج پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے تیسرے مرحلے کی منظوری دی تھی۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ کراچی میں بارسوخ سیاسی جماعتوں نے بے پناہ غیر قانونی، ناجائز اور دور مار تباہ کن اسلحہ سے لیس اپنے عسکری ونگ قائم کر رکھے ہیں، جن کی نشاندہی کراچی بدامنی کیس کی سماعت کے دوران سپریم کورٹ میں بھی کی گئی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جن جماعتوں کے مسلح ونگز ہیں، ان سے بات چیت کی جائے کہ وہ ان مسلح ونگز کی سرپرستی ترک کردیں اور سیکورٹی اداروں کو پوری قوت اور عزم سے جرائم پیشہ افراد کے خلاف کارروائی کرنے دیں اور کوئی بھی سیاسی جماعت جرائم پیشہ افراد کے خلاف کارروائی میں سیاسی ہمدردی کی بنیاد پر مداخلت نہ کرے، تاکہ کراچی کا امن بحال ہوسکے۔ کراچی کے لاکھوں شہری جس ذہنی کرب اور اذیت سے گزر رہے ہیں، اس کو ختم کرنے

کے لیے سیاسی جماعتیں اپنا مثبت کردار ادا کریں، تاکہ کراچی پھر عروس البلاد بن سکے
اور اس شہر کی وہ روشنیاں دوبارہ اسی طرح چمکنے لگیں۔

سڑکوں پر رکھے "پیٹرول بم" شہریوں کی جان کے لیے خطرہ ہیں

ایک عرصے سے پاکستان کے مختلف شہروں، علاقوں اور مضافاتی بستیوں میں جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی دکانوں اور سڑک کے کناروں پر غیر قانونی کھلے پیٹرول کی فروخت میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں ضافے کے ساتھ ملک کے تمام صوبوں بلوچستان، خیبر پختون خوا، سندھ اور پنجاب میں پیٹرول کی غیر قانونی فروخت انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ غیر قانونی فروخت ہونے والے اس کھلے پیٹرول میں سب سے زیادہ ایرانی پیٹرول ہوتا ہے۔ وفاقی تحقیقاتی ادارے کی جانب سے گزشتہ سال حکومت کو بھیجی گئی ایک رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ ملک میں استعمال ہونے والے تیل میں 22 فیصد ایران سے اسمگل ہو کر پاکستان آ رہا ہے، جس سے قومی خزانے کو اربوں روپے کا سالانہ نقصان ہو رہا ہے۔ آئل کمپنیز ایڈوائزری کمیٹی کے سیکرٹری کا کہنا ہے کہ ایران کے مقابلے میں پاکستانی پیٹرول اعلیٰ کوالٹی کا ہے، ایرانی پیٹرول گاڑیوں کے انجن کے لیے نقصان دہ بھی ہے۔ ایرانی پیٹرول کے مسلسل استعمال سے انجن میں ناکنگ کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ پیٹرول زیادہ تر ایسے کنٹریکٹرز اور ڈرائیور استعمال کرتے ہیں جن کی اپنی گاڑیاں نہیں ہوتیں۔

عوام کے لیے خطرے کا باعث بننے والے کھلے پیٹرول کے حوالے سے ہم نے کھلے پیٹرول کے کچھ پتھارے داروں، پیٹرول پمپ مالکان، کھلا پیٹرول خریدنے والوں اور پولیس والوں سے بات کی ہے، جو پیش خدمت ہے۔ایک پتھارے پر کھلا پیٹرول فروخت کرنے والے محمد زمان کا کہنا تھا" ایک عرصے سے میں اسی جگہ پر کھلا پیٹرول فروخت کر رہا ہوں، آج تک کسی نے بھی ہمیں یہاں سے اپنا ٹھیہ ہٹانے کو نہیں کہا۔ہاں پولیس اور کے ایم سی والوں کو تو پیسے دینا پڑتے ہیں۔ اگر ان کو نہیں دیں گے تو پھر وہ ہمیں ٹھیہ نہیں لگانے دیں گے۔ پولیس والوں کو لگے بندھے پیسے تو نہیں دیتے لیکن مہینے کے ہزار پندرہ سو تو وہ لے ہی جاتے ہیں اور کبھی کبھار پولیس والے ہم سے زبردستی اپنے موٹر سائیکلوں میں پیٹرول بھی ڈلواتے ہیں، اگر ہم ان کے موٹر سائیکلوں میں پیٹرول نہ ڈالیں تو تھانے لے جانے کی دھمکی دیتے ہیں، ہم غریب لوگ ہیں، ان سے لڑ تو نہیں سکتے، پیسے دینا پڑتے ہیں۔کے ایم سی والوں کو مہینے کے ہزار پندرہ سو روپے تو سب ہی دیتے ہیں، ہمیں بھی دینا پڑتے ہیں، کیونکہ یہ ان کا حق ہے، اگر نہ دیں گے تو وہ "ہمیں بیٹھنے نہیں دیں گے۔

ایک دوسرے پتھارے دار شیر خان نے بتایا: " مجھے اس جگہ پیٹرول کا ٹھیہ لگاتے ہوئے تقریباً 2 سال تو ہوگئے ہیں، کبھی کبھی پولیس والے آکر کہہ دیتے ہیں کہ اپنا غیر قانونی ٹھیہ یہاں سے ہٹاؤ، ورنہ پیسے دو، اپنا ٹھیہ بچانے کے

لیے ہمیں ان کو پانچ سو، ہزار روپے دینے پڑتے ہیں، کبھی ریجنرز والے ہمارا ٹھیہ تھوڑی دیر کے لیے اٹھوا دیتے ہیں، لیکن ان کے جانے کے بعد ہم دوبارہ وہیں لگا لیتے ہیں۔ ہمارے پاس اصلی پیٹرول بھی ہے اور ایرانی بھی ہے۔سب لوگ جانتے ہیں کہ ایرانی پیٹرول کا معیار اچھا نہیں ہوتا، اس کے باوجود زیادہ لوگ سستا ہونے کی وجہ سے ایرانی پیٹرول ہی ڈلواتے ہیں، کیونکہ پیٹرول ڈلوانے والے بھی ہماری طرح ہی غریب لوگ ہوتے ہیں ،اس میں ہمارا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ لوگ اپنی ضرورت کے مطابق کوئی 20، 25 روپے کا پیٹرول ڈلوا لیتے ہیں۔ سب ٹھیے والے یہ پیٹرول مارکیٹ سے سستے داموں لاتے ہیں، مارکیٹ میں سب کچھ وافر مقدار میں مل جاتا ہے۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ یوں سڑک پر پیٹرول بیچنا خطرناک کام ہے، کوئی یہاں بم پھینک سکتا ہے اور آگ بھی لگا سکتا ہے، جس سے یہاں موجود لوگوں کو بھی نقصان ہو سکتا ہے؟ تو اس نے کہا کہ خطرہ تو ہوتا ہے، روزی بھی تو کمانی ہے۔ جان کا خطرہ تو اب ہر جگہ ہوتا ہے، جب موت آنی ہوگی آ جائے گی۔" ایک اور ٹھیے والے محمد شبیر سے بات کی تو اس نے بتایا کہ" وہ پنجاب سے روزی کمانے کراچی آیا ہوا ہے۔ یہ ٹھیہ مالک کا ہے، میں ماہانہ تین ہزار روپے اور دو وقت کی روٹی کے بدلے یہاں سارا دن پیٹرول بیچتا ہوں۔ میرے مالک کے کئی ٹھیے ہیں ،جہاں اسی طرح لوگ تین ، چار ہزار روپے پر سارا دن کام کرتے ہیں۔ اگرچہ یوں بوتلوں میں کھلے عام پیٹرول بیچنے سے ہمیں بھی خطرہ ہوتا ہے اور شہریوں کو بھی خطرہ ہوتا ہے، لیکن روزی کمانے کے لیے یہ

خطرناک کام بھی کرنا پڑتا ہے۔" کھلے پیٹرول کے ایک ٹھیے والے محمد نعمان سے بات کی تو اس نے بتایا کہ ہم پی ایس او کے پیٹرول پمپ سے بڑے کین میں روز کی ضرورت کے مطابق اصلی پیٹرول لے کر آتے ہیں۔ جس حساب سے ہمیں یہ وہاں سے ملتا ہے، ہم اس سے 10، 15 روپے مہنگا عام شہریوں کو بیچتے ہیں۔ مثلاً ہم پی ایس اور کے پیٹرول پمپ سے اگر 113 روپے لیٹر لاتے ہیں تو عام شہریوں کو 120 سے 135 روپے تک بیچتے ہیں۔ ہمارا پیمانہ بھی چھوٹا ہے اور کچھ مہنگا بھی دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے کچھ منافع ہو جاتا ہے۔ اگر اسی قیمت پر دیں تو پھر ہمیں کچھ نہ بچے۔ روز 20-25 لیٹر پیٹرول بک جاتا ہے، جبکہ ہڑتال کے دن میں 60-70 لیٹر بھی بک جاتا ہے۔ ہڑتال کے دنوں میں لوگ ہمیں دعائیں دیتے ہیں، کیونکہ ان دنوں میں پیٹرول پمپ بند ہوتے ہیں، کہیں سے پیٹرول نہیں ملتا، ہم سے لوگوں کی بہت بڑی ضرورت پوری ہو رہی ہے، کیونکہ کسی بھی شخص کی موٹر سائیکل میں کہیں بھی پیٹرول ختم ہو سکتا ہے، اب ہر جگہ تو پیٹرول پمپ نہیں ہوتے، لوگ پھر ہم سے پیٹرول ڈلواتے ہیں۔ جب محمد نعمان سے پوچھا گیا کہ یوں سڑک پر سرعام کھلا پیٹرول رکھ کر بیچنا خطرے کا باعث بن سکتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اس خطرے کا احساس ہمیں بھی ہے، ہم نے کاؤنٹر پر پیٹرول نہیں رکھا ہوا ہوتا، بلکہ یہ تو لوگوں کو دکھانے کے لیے رنگ ملا پانی ہے، جو پیٹرول کی طرح نظر آتا ہے۔ ہم نے پیٹرول کاؤنٹر کے نیچے بڑے ڈبے میں رکھا ہوتا ہے اور کچھ کاؤنٹر کے اوپر ہوتا ہے۔"

کھلے پیٹرول کے سرعام سڑکوں پر بکنے کے حوالے سے پیٹرول پمپ مالکان سے جب بات کی تو ایک پیٹرول پمپ مالک تنویر احمد کا کہنا تھا کہ جگہ جگہ ٹھیہ لگا کر ایرانی پیٹرول بیچنے والوں کی وجہ سے ہمارا کاروبار متاثر ہوتا ہے۔ متعدد علاقوں کے لوگ راستے میں بیٹھے ان پتھارے والوں سے دو نمبر پیٹرول خریدتے ہیں، کیونکہ وہ سستا ہوتا ہے اور ان سے قریب بھی پڑتا ہے۔ حالانکہ سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ کھلا پیٹرول دو نمبر ہوتا ہے، جو گاڑیوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ صرف ان کا پیٹرول ہی غیر معیاری نہیں ہوتا بلکہ ان کا پیمانہ بھی عام پیمانوں کی نسبت چھوٹا ہوتا ہے۔ یوں جگہ جگہ ٹھیہ لگا کر پیٹرول بیچنا بھی غیر قانونی ہے۔ یہ کام پولیس کی سرپرستی میں چلایا جاتا ہے، کیونکہ پولیس ان سے بھتا لیتی ہے اور بھتا لے کر ان کو کاروبار جاری رکھنے کی اجازت دیتی ہے۔ جگہ جگہ رکھے پیٹرول کے یہ کین کسی بھی خطرناک صورتحال کا باعث بن سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ پولیس کی ملی بھگت کا نتیجہ ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ اس غیر قانونی کاروبار کے خلاف سختی سے ایکشن لے۔"

کھلا پیٹرول خریدنے والے ایک موٹر سائیکل سوار سے جب اس حوالے سے یہ پوچھا کہ آپ پیٹرول پمپ کی بجائے یہاں سے کھلا پیٹرول کیوں ڈلواتے ہیں جبکہ یہ پیٹرول اصلی بھی نہیں ہوتا؟، تو اس نے جواب دیا کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ

پیٹرول اصلی نہیں ہے، اس کے باوجود یہ پیٹرول اس لیے خریدتے ہیں کیونکہ یہ سستا ہوتا ہے، مہنگا پیٹرول خریدنے کی ہم میں استطاعت نہیں ہے اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ موٹر سائیکل سے پیٹرول تو کہیں بھی ختم ہو سکتا ہے، اس صورت میں یہ ایمرجنسی پیٹرول پمپ جگہ جگہ ہماری ضرورت کو پورا کر دیتے ہیں، کون پیٹرول پمپ کو ڈھونڈتا پھرے، جو میسر آ جائے وہی بہتر ہے۔" جب اس حوالے سے ایک پولیس والے سے بات کی تو اس نے کہا کہ" ہم نہ تو کسی پتھارے والے سے پیسے لیتے ہیں اور نہ ہی ہمارا ان کے ساتھ کوئی ایگریمنٹ ہوتا ہے، بس یہ سوچ کر انہیں چھوڑ دیتے ہیں کہ ان کی روزی خراب نہ ہو۔ جو نقصان قسمت میں لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر ہی رہتا ہے، جب "موت آنی ہو آ ہی جاتی ہے۔

واضح رہے اسمگل ہونے والا ایرانی پیٹرول پاک ایران سرحد سے بلوچستان پہنچتا ہے، جہاں سے کنٹینرز اور آئل ٹینکروں کے علاوہ بسوں کے ذریعے بھی ملک کے دیگر علاقوں میں پہنچایا جاتا ہے۔ بلوچستان رقبے کے لحاظ سے ملک کا سب سے بڑا صوبہ ہے، تاہم یہاں آبادی بہت کم ہے۔ بلوچستان کو کالے دھن پر مبنی عالمی معیشت کی ایک اہم راہداری تصور کیا جاتا ہے۔ یہاں اسلحہ، منشیات، ڈیوٹی فری سگریٹ اور استعمال شدہ ٹویوٹا گاڑیوں سمیت کئی غیر قانونی کاروبار بہت عرصے سے جاری ہیں اور ڈیزل کی اسمگلنگ بھی اسی کا ایک حصہ ہے، لیکن ڈیزل کی اسمگلنگ دوسرے غیر قانونی کاروبار کی نسبت بہت زیادہ منافع

بخش ہو چکی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کاروبار میں اس قدر پیسہ ہے کہ افیون کے کئی اسمگلر بھی اب غیر قانونی طور پر درآمد ہونے والے کم قیمت پیٹرول کی تجارت کرنے لگے ہیں۔ ایران کی سرحد سے ملحق پاکستانی علاقے مند کو اسمگلنگ کا گڑھ سمجھا جاتا ہے۔ ماضی میں یہاں پر افیون کے کاروبار سے منسلک لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم اب افیون کیوں اسمگل کریں، جبکہ ہمیں ایرانی پیٹرول کی اسمگلنگ سے اتنا ہی پیسہ مل جاتا ہے، یہ کام افیون کے کاروبار سے کہیں زیادہ محفوظ ہے۔ اس کام کی وجہ سے انہیں اب کامیاب کاروباری شخصیت سمجھا جاتا ہے نہ کہ پہلے کی طرح منشیات فروش۔ اس طرح سے پیٹرول لانا انتہائی سستا اور زیادہ منافع بخش ہے، یہاں تمام سرحدی علاقوں میں سیکورٹی چیک پوسٹیں موجود ہیں، لیکن ہمیں کبھی کسی نے کچھ نہیں کہا تو ہم یہ کام کیوں نہ کریں؟ ذرائع کے مطابق روزانہ ایک لاکھ لیٹر کے قریب ایرانی پیٹرول غیر قانونی طور پر اسمگل ہو کر نیو کراچی، سرجانی ٹاؤن، بلدیہ ٹاؤن، منگھو پیر، اورنگی ٹاؤن، ملیر، بن قاسم، گلشن اقبال، کورنگی، لانڈھی، لیاقت آباد، لیاری، سائٹ ایریا، ماڑی پور، ہاکس بے روڈ، کیماڑی، گڈاپ، شرافی گوٹھ اور کراچی کے دیگر علاقوں میں میں آٹھ سو سے زاید غیر قانونی ڈپنگ اسٹیشنوں پر بک رہا ہے، جن میں سے ساڑھے پانچ سو سے زاید غیر قانونی ڈپنگ اسٹیشن چلانے میں حکومت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی بااثر شخصیات ملوث ہیں۔ ہر پتھارے پر 20 لیٹر سے لے کر 100 لیٹر تک پیٹرول نہایت غیر محفوظ

انداز میں ہوتا ہے، پیٹرول سے بھری یہ بوتلیں کبھی بھی پیٹرول بم میں تبدیل ہو کر بڑی تباہی پھیلا سکتی ہیں، لیکن اس کے باوجود شہر بھر میں قائم اس غیر قانونی کاروبار کے خلاف کسی قسم کی کارروائی نہ ہونا پولیس، انتظامیہ کی ملی بھگت اور غفلت کا واضح ثبوت ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق آئی جی سندھ آفس کی مبینہ اجازت پر کراچی پولیس ایرانی پٹرول اور ڈیزل کے 15 ڈیلروں سے ماہانہ 7 کروڑ روپے بھتہ وصول کررہی ہے، ایران سے کراچی آنے والے راستوں میں پولیس اور قانون نافذ کرنے والے دیگر اداروں کی اہم چیک پوسٹیں قائم ہیں، مگر ایک بھی چیک پوسٹ پر ان گاڑیوں کو روکا نہیں جاتا، کراچی کے صنعتی علاقوں میں ایرانی پیٹرول اور ڈیزل کے ڈپنگ اسٹیشن قائم ہیں، ان ڈپنگ اسٹیشنوں سے بھی پولیس لاکھوں روپے بھتہ وصول کرتی ہے، ان ڈپنگ اسٹیشنوں سے کراچی کے تمام علاقوں میں پولیس کی سرپرستی میں کھلے عام ایرانی پیٹرول فروخت کیا جارہا ہے۔ ایران سے اسمگل ہونے والے ایرانی پیٹرول اور ڈیزل کے ڈیلروں کو سی پی او سے خاص اور خفیہ اجازت نامہ حاصل ہے، کراچی پولیس ایرانی پیٹرول اور ڈیزل کے ڈیلروں سے لاکھوں روپے یومیہ بھتہ وصول کررہی ہے، کراچی کے بڑے ٹرانسپورٹرز ایران سے کراچی آنے والے زمینی راستوں کے ذریعے ایرانی پیٹرول اور ڈیزل اسمگل کررہے ہیں جو شہر میں کھلے عام سستے داموں فروخت کیا جارہا ہے۔

ذرائع کے مطابق سی پی او سے ایرانی پیٹرول اور ڈیزل کی 50 سے 70 گاڑیاں کراچی لانے کی اجازت ہے، اس سے زیادہ گاڑیاں لانے کی اجازت نہیں ہے۔ ایران کے علاقے "چاہ بہار" اور "بندر عباس روڈ" کے قریب علاقوں سے ایرانی پیٹرول اور ڈیزل لایا جاتا ہے، ان علاقوں سے کراچی کے ایرانی پٹرول اور ڈیزل کے ڈیلروں کے نمائندے مسافر بسوں کے خفیہ خانوں، ٹریلروں، پانی کے ٹینکروں اور دیگر ہیوی گاڑیوں میں رکھ کر کراچی اسمگل کرتے ہیں، یہ گاڑیاں ایران سے مند بلو وہاں سے تربت اور حب پہنچائی جاتی ہیں، حب میں پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی تین چیک پوسٹوں پر تعینات پولیس اہلکاروں اور ایندھن اسمگل کرنے والوں میں زبانی کوڈ اور ڈی کوڈ کا تبادلہ ہوتا ہے، جس کے بعد ایرانی پٹرول یا ڈیزل سے بھری گاڑی، ٹینکر یا ٹریلر کو کراچی میں داخلے کی اجازت دے دی جاتی ہے، جہاں سے یہ گاڑیاں ماڑی پور روڈ اور ناردرن بائی پاس روڈ سے شہر کے مختلف علاقوں میں بنائے گئے ڈمپنگ اسٹیشنوں میں جاتی ہیں، ایرانی پٹرول اور ڈیزل کی گاڑیاں جب ان سڑکوں پر آتی ہیں تو ان کا سامنا ماڑی پور، شیر شاہ، منگھوپیر، بغدادی، ڈاکس اور جیکسن تھانوں کی پولیس سے پڑتا ہے، ان گاڑیوں کے ڈرائیور یہاں بھی پولیس اہلکاروں کے ساتھ خفیہ کوڈ کا تبادلہ کرتے ہیں، یہاں ایک پرچی پولیس اہلکاروں کو پیش کی جاتی ہے اور پولیس اہلکار اس پرچی پر لکھے نمبر اپنے ریکارڈ میں چیک کرکے اطمینان کے بعد

گاڑی کو آگے جانے کی اجازت دے دیتے ہیں، تھانے کا موبائل افسر ایس ایچ اوز سے رابطہ کرکے آگاہ کرتا ہے کہ مذکورہ گاڑی اس نے اپنے علاقے سے کلیئر کروادی ہے۔بتایا جاتا ہے کہ روزانہ ایرانی پیٹرول اور ڈیزل کی 50 گاڑیاں کراچی آتی ہیں، فی گاڑی پولیس 5ہزار روپے مبینہ بھتا وصول کرتی ہے، ایک ہفتے میں 350 گاڑیاں کراچی آتی ہیں، اس طرح پولیس ایک ہفتے میں مبینہ طور پر ایک کروڑ 75 لاکھ روپے اور ماہانہ کروڑ روپے بھتہ وصول کررہی ہے۔اس کے علاوہ ہر علاقے میں قائم کیے گئے ڈپنگ 7 اسٹیشنوں سے بھی پولیس علیحدہ لاکھوں روپے بھتہ وصول کرتی ہے اور بھتے کے عوض ان کے ڈپنگ اسٹیشنوں کی نگرانی بھی کرتی ہے۔

ڈسکاؤنٹ سیل کا مقصد خریداروں کو شاپنگ مراکز تک لانا ہوتا ہے"

متعدد ممالک میں سال کے اختتام پر گرینڈ سیلز لگائی جاتی ہیں، جس میں ہر برانڈ کی معیاری اشیاء سستے نرخوں پر فراہم کی جاتی ہیں۔ بیرون ممالک میں چونکہ کسی بھی چیز کے فروخت کرنے کا ایک مقررہ اور متعین وقت ہوتا ہے،اس وقت کے بعد کوئی تاجر اس چیز کو فروخت نہیں کر سکتا، چاہے وہ کافی اچھی حالت میں ہی کیوں نہ ہو۔ اس خسارے سے بچنے کے لیے وہاں کے تاجر حضرات ایسا کرتے ہیں کہ جو معیاری سامان وقت مقررہ میں بک نہیں پاتا، اسے بعدازاں ڈسکاؤنٹ سیل کے نام پر سستے داموں عوام کو فروخت کردیتے ہیں۔ یا پھر بیرون ممالک میں سال کے اختتام میں گرینڈ سیلز لگا کر ہر برانڈ کی اشیاء سستے نرخوں پر اس لیے فروخت کی جاتی ہیں، تاکہ اس سامان سے وہ لوگ بھی مستفید ہو سکیں جن کے پاس مہنگی اشیاء خریدنے کی گنجائش نہیں ہوتی،ان لوگوں کی سہولت کے لیے بہت سی کمپنیاں اور شخصیات شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنے طور پر عین معیاری سامان ڈسکاؤنٹ سیل کے نام پر فروخت کرتے ہیں۔ پاکستان میں بھی وقتاً فوقتاً مختلف کمپنیوں اور دکانوں کی جانب سے مختلف برانڈ کے حوالے سے چینلز، اخبارات ، سائن بورڈز اور پینا فلیکس کے ذریعے سیل سیل سیل کی تشہیر کی جاتی ہے۔ تشہیر کے دوران اکثر 50 فیصد

ڈسکاؤنٹ، 70 فیصد ڈسکاؤنٹ، 75 فیصد ڈسکاؤنٹ، 90 فیصد ڈسکاؤنٹ کے الفاظ آویزاں ہوتے ہیں۔ عوام کو اپنی اشیاء کی جانب راغب کرنے کے لیے اس قسم کی تشہیر پر بے تحاشہ پیسا خرچ کیا جاتا ہے۔ اشتہار کے مطابق اتنے زیادہ ڈسکاؤنٹ کو دیکھ کر ایک عام شہری ان اشیاء کو خریدنے میں دلچسپی لیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مختلف کمپنیوں اور دکانوں کی جانب سے مختلف برانڈ کو ڈسکاؤنٹ سیل کے نام پر فروخت کرنے کے لیے کہیں تو پورا سال اور کہیں ہر سیزن کے اختتام پر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ کچھ شاپنگ مراکز پر واقعی معیاری اشیاء مجبوری کے تحت رعایتی نرخوں پر فروخت کی جاتی ہیں، جب کہ اکثر جگہوں پر ناقص اور غیر معیاری اشیاء کو سستا کرکے سیل کے نام پر بیچا جاتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ جگہ اشیاء کو بے حد مہنگا کرنے کے بعد چند سو روپے سستا کرکے اسے سیل کا نام دے دیا جاتا ہے، جب کہ سب سے اہم بات یہ ہوتی ہے کہ سیل لگانے والے چند مراکز کے سوا کہیں بھی خریدا ہوا مال واپس نہیں لیا جاتا، چاہے اس میں کتنا ہی بڑا کوئی نقص پایا جائے، لیکن اس کے ساتھ بہت سے شاپنگ مراکز پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہاں واقعی لوگوں کی سہولت کے لیے سیل لگائی جاتی ہے اور 10 سے 20 فیصد ڈسکاؤنٹ دیا جاتا ہے۔اس قسم کی لگنے والی سیلز کے حوالے سے معروف کمپنیوں کی جانب سے سیل لگانے والے دکان مالکان، لوکل دکان مالکان اور شہریوں سے بات چیت کرنے کا موقع ملا جس میں انہوں نے ملے جلے تاثرات کا اظہار کیا۔

ایک معروف جوتا کمپنی کی ایک دکان کے مالک جاوید احمد سے بات ہوئی تو ان کا کہنا تھا کہ سال میں وقتاً فوقتاً سیل اس لیے لگائی جاتی ہے تاکہ جو مال کسی سیزن میں نہیں بک سکا، وہ مال سیل کے نام پر سستا کرنے سے بک جائے۔ کمپنی اپنا اصل منافع چونکہ سیزن کے اندر ہی حاصل کرلیتی ہے اور جو مال سیزن میں نہیں بک سکتا وہ اگر سیزن کے بعد سستا بھی بک جائے تو اس سے اشیاء بھی آسانی سے فروخت ہوجاتی ہیں اور کمپنی یا دکان کو کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے مختلف کمپنیاں اور دکانیں سال میں وقتاً فوقتاً سیل لگاتی رہتی ہیں۔ ہر کمپنی و دکان کے سیل لگانے کا اپنا الگ طریقہ کار ہوتا ہے۔ ہماری کمپنی کی تمام برانچیں ایک سال میں 3 بار مقررہ وقت پر سیل لگاتی ہیں، کمپنی سیل لگانے کے لیے پورے ملک کے لیے ایک ہی وقت مقرر کرتی ہے، کمپنی کی تمام برانچوں کے لیے اسی مقررہ وقت میں سیل لگانا ضروری ہوتا ہے۔ کمپنی ہی پورے ملک میں اپنی کمپنی کی تمام دکانوں پر سیل کا سامان (جوتے) فراہم کرتی ہے اور کمپنی ہی ہر سیمپل کا ریٹ مقرر کرتی ہے کہ کتنا ڈسکاؤنٹ دینا ہے۔ کمپنی کی طرف سے اکثر 75 یا 50 فیصد ڈسکاؤنٹ کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اس ڈسکاؤنٹ کا مطلب یہ نہیں کہ کمپنی کے تمام جوتوں میں 70 یا 75 فیصد ڈسکاؤنٹ ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ چند جوتوں میں 75 فی صد ڈسکاؤنٹ ہے، باقی میں اس سے کم ہوتا ہے، یعنی ڈسکاؤنٹ ایک فی صد سے لے کر 75 فیصد کے درمیان تک ہوتا

ہے۔ زیادہ تر جوتوں میں ڈسکاؤنٹ 30 فی صد سے کم ہوتا ہے۔ اعلان چونکہ 75 فی صد کا لگا ہوتا ہے اس لیے لوگ 75 فی صد ڈسکاؤنٹ دیکھ کر لپکے آتے ہیں اور جب ایک بار کسٹمر دکان پر آگیا تو وہ کچھ نہ کچھ خرید کر ہی جاتا ہے، کیوں کہ اکثر خریدار گھر سے پیسے خرچ کرنے کے مقصد سے ہی آتے ہیں اور کچھ نہ کچھ لینے ہی آتے ہیں۔ اگر انہیں سیل میں لگے سامان سے کچھ پسند نہ آئے تو وہ ریگولر قیمت پر اشیاء خریدتے ہیں۔ اسے یہ بھی کہا جاسکتا کہ سیل لگانے کا مقصد کسٹمرز کو شاپنگ مراکز تک لانا ہوتا ہے کیوں کہ جب ایک بار کسٹمرز شاپنگ مراکز تک آجاتے ہیں پھر کچھ تو انہیں خریدنا ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی کاروبار کا ایک طریقہ ہے۔ بہت سے لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوتی ہے کہ سیل کا مال سستا ملتا ہے، اسی وجہ سے بہت سے لوگ سیل لگنے کا انتظار کرتے ہیں، اکثر یہ لوگ مستقل گاہک ہوتے ہیں۔ کمپنی سیل کے حوالے سے اخبار و ٹی وی اشتہارات کے ذریعے بہت تشہیر کرتی ہے۔ جب اس قسم کے لوگ ان اشتہارات کو دیکھتے ہیں تو خود بخود شاپنگ مراکز تک آجاتے ہیں تو پھر ہمارا مال آسانی سے بک جاتا ہے۔ ایک دوسری معروف جوتا کمپنی کی ایک دکان کے مالک آصف کا اس حوالے سے کہنا تھا کہ ہماری کمپنی سال میں چار بار ملک بھر میں سیل لگاتی ہے۔ سیل لگانے کا مقصد یہ ہوتا ہے، کہ جو غیر معیاری یا معیاری مال سیزن میں نہیں بک سکا

سیزن کے بعد اس کو اگر سستا کرکے بیچیں گے تو ظاہر ہے لوگ سستا مال خریدتے ہیں۔ کسی بھی چیز کے فیشن کا ایک سیزن ہوتا ہے، جب وہ سیزن نکل جاتا ہے تو فیشن بھی ختم ہوجاتا ہے، اب اس سیزن میں پروان چڑھنے والے فیشن کا جو مال ہمارے پاس بچ گیا ہے، اگر وہ کچھ اور وقت نہ بکے تو اس کے بکنے کی امید ختم ہوجاتی ہے اور یہ ہمارے لیے گویا کہ ناکارہ ہوجاتا ہے، کیوں کہ لوگ پرانے فیشن کی چیزیں نہیں خریدتے۔اب اس سامان کو بیچنے کے لیے ہمیں مجبوراً ان اشیاء کو سستا کرکے بیچنا پڑتا ہے۔جب وہ اشیاء سستی ہوجاتی ہیں تو وہ لوگ جو سیزن میں فیشن کے مطابق مہنگی چیز خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے، وہ سیزن کے بعد ان ہی چیزوں کو سستے داموں خرید کر اپنا شوق پورا کرلیتے ہیں۔وقتاً فوقتاً سیل لگانے کا ایک مقصد عوام کو اپنی کمپنی کی اشیاء کی طرف راغب کرنا بھی ہوتا ہے، تاکہ سیل کے نام پر زیادہ سے زیادہ لوگ کمپنی کا مال خریدیں۔جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ سیل کے مال میں ناقص اور گھٹیا مال بھی ہوتا ہے یا صرف عمدہ اور معیاری مال ہی ہوتا ہے؟ تو ان کا کہنا تھا کہ بہت سے لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوتی ہے کہ سیل مراکز پر مال گھٹیا اور غیر معیاری ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ بات سو فیصد درست نہیں ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ سیل میں سارا مال عمدہ ہی ہوتا ہے، کچھ ناقص اور گھٹیا مال بھی ہوتا ہے، کیوں کہ کمپنی کو تو اپنا سارا مال ہی نکالنا ہوتا ہے، کمپنی ایسا تو نہیں کرسکتی کہ عمدہ مال بیچ دے اور ناقص مال ضائع کردے، اس سے تو کمپنی کو

نقصان ہو جائے گا۔ ویسے بھی جو پروڈکٹس معروف و مشہور کمپنیوں کی ہوتی ہیں ان میں عوام کو کم ہی دھوکا دیا جاتا ہے، کیوں کہ یہاں ہر کام کمپنی کی نگرانی میں ہو رہا ہوتا ہے، جب کہ لوکل اور عام دکانوں کی لگی سیلوں میں عوام سے سیل کے نام پر کافی زیادہ فراڈ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ لوکل دکانیں جہاں سارا سال سیل لگائی جاتی ہے وہاں بھی اکثر عوام سے دھوکا کیا جاتا، جس کا مقصد عوام کو بے وقوف بنانا اور زیادہ سے زیادہ مال بٹورنا ہوتا ہے۔ وہاں اکثر ناقص اور گھٹیا مال سیل کے نام پر فروخت کیا جاتا ہے۔

جوتوں کی ایک لوکل دکان کے مالک رمضان نے بتایا کہ ہم سیزن میں اپنا مقرر کردہ منافع حاصل کرکے نیا مال لانے کے لیے بچا ہوا پرانا مال جلدی بیچنے کی غرض سے سیل لگا دیتے ہیں اور یہ سیل اس وقت تک لگا کر رکھتے ہیں جب تک یہ سارا مال بک نہیں جاتا۔ بچا ہوا مال سستے داموں فروخت کرنا ہماری مجبوری ہوتی ہے، کیوں کہ یہ مال آؤٹ آف فیشن ہوتا ہے یا پھر ناقص اور گھٹیا مال رہ جاتا ہے، اس لیے ہم اسے جلدی جلدی نکالنا چاہتے ہیں اور سستا بھی بیچتے ہیں، اگر ہم سستا نہیں بیچیں گے تو لوگ اسے خریدیں گے ہی نہیں اور کچھ عرصے کے بعد یہ دکان میں جگہ گھیرنے کے سوا کسی کام کا نہیں رہے گا، اس لیے اسے جلدی نکالنا ضروری ہوتا ہے۔ لوگ بھی سیانے ہوتے ہیں، ان کو بھی پتا ہوتا ہے کہ سیل میں وہ اشیاء بیچی جاتی ہیں جو غیر معیاری رہ جاتی ہیں، اس لیے لوگ سیل

لگائی ہوئی اشیاء کی مقرر کردہ قیمت سے بھی کم میں خریدنے پر بحث کرتے ہیں کیوں کہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ سیل لگائی ہوئی اشیاء بیچنا ہماری مجبوری ہوتی ہے۔ ایک لوکل دکان کے مالک جواد نے بتایا کہ ہم دو قسم کا سامان لے کر آتے ہیں۔ جو اعلیٰ قسم کا مال ہوتا ہے اس کو مہنگا اور زیادہ قیمت پر فروخت کرتے ہیں، جو گھٹیا، دو نمبر اور سستا مال لاتے ہیں، اس کو سیل کے نام پر فروخت کرتے ہیں۔ لوگ بھی چونکہ دو قسم کے ہوتے ہیں، کچھ لوگ مہنگا سامان خریدنے کی استطاعت رکھتے ہیں، جب کہ کچھ غریب لوگ ہوتے ہیں وہ مہنگا مال نہیں خرید سکتے، اس لیے وہ سیل سے مال خریدتے ہیں۔ مہنگائی چونکہ زیادہ سے زیادہ ہو رہی ہے، اس لیے اکثر لوگوں کے پاس اتنی استطاعت نہیں ہے کہ وہ مہنگا مال خریدیں، اس لیے وہ سستا اور سیل کے نام پر ہی مال خریدتے ہیں، چاہے وہ ناقص اور گھٹیا ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے سستے داموں ان کا شوق پورا ہو جاتا ہے۔ سیل لگائے ہوئے ایک کپڑے کی دکان کے مالک نسیم سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا کہنا تھا کہ ہمارا سیل لگانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے ریگولر کسٹمرز کے لیے سہولت فراہم کی جائے، اسی لیے ہم جب سیل لگاتے ہیں تو اپنے ریگولر کسٹمرز کو موبائل اور ای میل کے ذریعے ضرور مطلع کرتے ہیں، ان میں سے اکثر سیل شدہ مال خرید بھی لیتے ہیں۔ سیل کا مقصد مزید نئے کسٹمرز کو اپنی طرف راغب کرنا بھی ہوتا ہے، کیوں کہ جب کوئی ایک بار ہمارے پاس آ جاتا ہے تو اسے ایک بار مال سستے داموں دے کر آئندہ بھی آنے کی ترغیب دیتے

ہیں، بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ایک بار ہم سے سامان لے کر گیا، لیکن بعد میں وہ ہمارا ریگولر کسٹمر بن گیا۔

ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور کے ملازم نے بتایا کہ متعدد ڈیپارٹمنٹل اسٹورز پر ایسا بھی ہوتا ہے کہجب کسی چیز کی مدت استعمال (ایکسپائرڈیٹ) ختم ہونے کے قریب ہوتی ہے تواسٹور انتظامیہ ان اشیاء کو سیل کے نام پر بیچنا شروع کردیتی ہے اور سب سے پہلے اپنے ریگولر کسٹمرز کو موبائل یا ای میل کے ذریعے اسٹور میں سیل لگنے کی اطلاع دیتی ہے، جس کے بعد بہت سے خریدار اسٹور سے ایکسپائر سامان سستا ہونے کی بنا پر خرید لیتے ہیں، ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس سامان کی مدت استعمال ختم ہوچکی ہے، اسی ناقابل استعمال سامان کو یہ لوگ عرصہ تک استعمال کرتے رہتے ہیں، حالانکہ اس کی مدت استعمال اسی وقت ختم ہوچکی تھی جب اسٹور والوں نے یہ سامان انہیں فروخت کیا تھا۔ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسی قسم کے ڈیپارٹمنٹل اسٹور پر پیک سامان کو مدت استعمال ختم ہونے پر کھول کر سیل کے نام پر سستا بیچ دیا جاتا ہے، کیونکہ پیک شدہ سامان کو کھول کر بیچنے سے اس کی مدت استعمال کا پتا نہیں چل سکتا۔

اس حوالے سے مختلف سیل پوئنٹ پر آئے خریداروں سے بھی بات ہوئی۔شہریوں نے مختلف تاثرات کا اظہار کیا۔ایک دکان پر آئے محمد نبیل کا کہنا تھا کہ

دکانوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً سیل لگانے سے عوام کو کافی فائدہ ہوتا ہے، کیوں کہ ہر شخص تو مہنگی چیز نہیں خرید سکتا اور ہر ایک کو اپنی ضرورت بھی پوری کرنا ہوتی ہے۔اس حوالے سے وقتاً فوقتاً سیل لگانا اچھا اقدام ہے۔ یہاں اگرچہ مال کچھ ناقص ہی ہوتا ہے لیکن ضرورت تو پوری ہو جاتی ہے۔اعجاز احمد کا کہنا تھا کہ وقتاً فوقتاً سیل لگانے سے بہت سے لوگوں کا بھلا ہو جاتا ہے، اگر کوئی چیز ایک ہزار روپے کی ہے تو سیل میں وہ پانچ سو روپے کی مل جاتی ہے۔ ہر شخص اپنے پیسے بچانا چاہتا ہے۔اسی لیے لوگ سیل کے مراکز سے دھڑا دھڑ سامان خریدتے ہیں۔ نعمان منیر کا کہنا تھا کہ " سیل " میں کچھ اشیاء بڑھیا اور کچھ گھٹیا ہوتی ہیں۔ سیل میں خریدی گئی مہنگی اور معیاری اشیاء سستے داموں مل جاتی ہیں اور آنے والے دنوں میں ان کی ہی قیمت بڑھ جاتی ہے، کچھ پیسوں کی بھی بچت ہو جاتی ہے۔ جب کہ کچھ حضرات کا کہنا تھا کہ "سیل" کی وجہ سے لوگ وہ چیزیں بھی خرید لیتے ہیں جن کی انہیں ضرورت نہیں ہوتی،اس سے فضول خرچی بڑھتی ہے، غیر ضروری اشیاء گھر کا بجٹ بھی ڈسٹرب کرتی ہیں۔ سیلز کا مقصد عوام کو بے وقوف بنانا ہوتا ہے، پہلے اشیاء مہنگی کر دی جاتی ہیں اور پھر کچھ سو روپے کم کرکے انہیں سیل کا نام دے دیا جاتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ سیل کے نام پر انتہائی گھٹیا مال فروخت کیا جاتا ہے، اگر اس گھٹیا سامان پر اعتراض کیا جائے تو کہتے ہیں کہ سیل میں تو ایسا ہی مال ہوتا ہے، تھوڑے پیسوں میں اعلیٰ قسم کا سامان تو نہیں دے سکتے۔

حکومت و طالبان مذاکرات پر متفق ہوگئے

گزشتہ روز برطانوی اخبار "گارجین" نے پنجاب کے وزیر قانون رانا ثناء اللہ کے حوالے سے دعویٰ کیا تھا کہ انہوں نے طالبان کے خلاف فوجی آپریشن کا فیصلہ کرلیا ہے، لیکن آپریشن کی نوعیت کا اختیار فوج کو دیا جائے گا۔ رانا ثناء اللہ کے اس بیان کو جہاں متعدد شخصیات کی جانب سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا، وہیں اس بات کا بھی سنگین خدشہ ظاہر کیا جارہا تھا کہ واقعی حکومت طالبان کے خلاف فوجی آپریشن کرنے جارہی ہے اور یہ فیصلہ ملک کو کسی بڑے بحران سے دوچار کرسکتا ہے، لیکن بدھ کے روز قومی اسمبلی میں خطاب کے دوران وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے مذاکرات کو ترجیح دینے کی بات کی تو تمام خدشات خود بخود دم توڑ گئے۔ وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کا کہنا تھا کہ امن کے حصول کے لیے تمام قوم یکسو ہوچکی ہے، ہم ماضی کے تلخ تجربات کو پس پشت رکھتے ہوئے پر امن حل کو ایک اور موقع دینا چاہتے ہیں، مذاکرات کی پیش کش کی ہے، لیکن مذاکرات کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ دہشتگردی کی وارداتوں کو فوری طور پر بند کردیا جانا چاہیے۔ ملک میں امن کا قیام ہمارا مشترکہ قومی مشن ہے کہ اس میں ہم سب کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ ہم امن کی خواہش میں 7 ماہ سے لاشیں اٹھا رہے ہیں، لیکن ایک بار پھر مذاکرات

کی راہ ہموار کی جارہی ہے اور اس سلسلے میں ایک کمیٹی تشکیل دی جارہی ہے جس میں عرفان صدیقی، میجر ریٹائرڈ محمد عامر، رحیم اللہ یوسف زئی او افغانستان میں پاکستان کے سابق سفیر رستم مہمند شامل ہوں گے، چودھری نثار روز مرہ معاملات پر کمیٹی کی معاونت کریں گے اور وہ خود اس کی نگرانی کریں گے۔ان کا مزید کہنا تھا کہ دہشتگردی کے خاتمے کے لیے حکومت واضح موقف اور حکمت عملی پر پہنچ چکی ہے۔ اس مسئلے پر تمام اسٹیک ہولڈرز سے مشاورت اور تمام سیاسی جماعتوں کی رائے لی گئی، ریاستی اداروں کے ذمہ داران سے بھی رابطہ رہا، اجتماعی دانش کو سامنے رکھتے ہوئے حکومت اس نتیجے پر پہنچی ہے۔ اقتدار اللہ کا کرم اور عوام کی امانت ہے، ہم اپنے کاموں پر اپنے رب اور عوام کے سامنے جواب دہ ہیں، حکومت کا بنیادی فریضہ ہے کہ عوام کو جان و مال کا تحفظ فراہم کیا جائے، پاکستان کے عوام اور ادارے دہشتگردی کی زد میں ہیں، اس صورت حال میں وہ اسے اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں کہ عوام کے جان و مان کو ہر قیمت پر تحفظ دیا جائے، اسلام میں ایک شخص کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے، دنیا کا کوئی مفتی اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دے سکتا، اسلام کا دہشتگردی سے کوئی واسطہ نہیں، وہ ہر انسان کی جان کو محترم قرار دیتا ہے، ریاست کا فرض ہے کہ اگر کسی کی جان ناحق لی گئی ہو تو ریاست اس کی داد رسی کرے۔ قوم 14 سال سے دہشتگردی کا عذاب برداشت کررہی ہے، یہ ایک آمر کے فیصلوں کا نتیجہ ہے جس نے پاکستان کو فساد کا گڑھ بنادیا ہے، ہزاروں پاکستانیوں کی جان لے

لی گئی۔ اس میں عام شہری، سیکورٹی فورسز کے جوان اور علما بھی شامل ہیں، اس کے باوجود ہم نے ایسے عناصر کو موقع دیا کہ وہ امن کا راستہ اختیار کرے، اے پی سی میں سیاسی جماعتوں نے ہمیں مذاکرات کا مینڈیٹ دیا تاکہ وہ لوگ عام شہریوں کے جان و مال سے نہ کھیلیں اور ملک کے آئین کی پاسداری کریں، ڈرون حملوں کو رکوانے کے لیے حکومت ہر ممکن کوشش کر رہی ہے، لیکن ہم ان لوگوں کو بھی صرف نظر نہیں کر سکتے جو اسے جواز بنا کر انسانی جانوں سے کھیلتے ہیں۔

واضح رہے کہ امریکی ڈرون حملے میں طالبان کے سربراہ بیت اللہ محسود کی موت کے بعد مذاکرات کی امید موہوم ہوتی جا رہی تھی، لیکنسال نو کی ابتدا میں جمعیت علمائے اسلام س) کے سربراہ مولانا سمیع الحق نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ وزیراعظم میاں محمد) نواز شریف نے مجھے طالبان سے مذاکرات کرنے کو کہا ہے، جس کے بعد مذاکرات کے حوالے سے امید ظاہر کی جا رہی تھی، لیکن رواں مہینے کے تیسرے ہفتے وزیراعظم کے دفتر سے جاری ہونے والے ایک مختصر تحریری بیان میں کہا گیا کہ مولانا سمیع الحق سے دہشت گردی کے خاتمے کے سلسلے میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے کے لیے عمومی بات ہوئی تھی۔ انھیں کوئی متعین مشن نہیں سونپا گیا تھا۔ اس کے رد عمل میں جمیعت علمائے اسلام کے ترجمان کی جانب سے جاری ہونے والے وضاحتی بیان میں کہا گیا کہ 20 سے دن کی مکمل خاموشی کے بعد وزیراعظم ہاؤس سے جاری ہونے والی تردید انتہائی 22 حیران کن

ہے۔ مولانا سمیع الحق یہ معاملہ اب قوم پر چھوڑتے ہیں اور وہی یہ فیصلہ کرے کہ کون سچ اور کون جھوٹ بول رہا ہے۔اس کے بعد مولانا سمیع الحق نے مذاکرات سے علیحدگی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ میں وزیراعظم کی جانب سے مثبت ردعمل نہ ملنے کی وجہ سے طالبان کے ساتھ مجوزہ مذاکراتی مشن سے الگ ہو رہا ہوں۔ مسلسل رابطے کی کوشش کے باوجود نواز شریف کی طرف سے کوئی جوابی رابطہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس بارے میں وزیراعظم کو بھیجے گئے خط کا جواب دیا گیا۔ مولانا سمیع الحق کا وزیراعظم کو لکھے گئے ایک خط میں کہنا تھا کہ میں نے آپ (وزیراعظم) سے ملاقات کے دو دن بعد ہی تحریک طالبان پاکستان کے متعلقہ اہم افراد سے رابطے کیے، انھوں نے مذاکرات کے سلسلے میرے اور آپ کے اعلانات اور کوششوں کو بے حد سراہا اور کہا کہ ہم سنجیدہ، مستحکم، پائیدار، بامعنی اور مثبت مذاکرات کے حامی ہیں۔ پہلے بھی کبھی ہم نے انکار نہیں کیا لیکن ہمیشہ ہمیں موردِ الزام ٹھہرایا گیا اور مذاکرات سبوتاژ کرانے والوں کا کسی نے سراغ نہ لگایا۔ خط کے علاوہ ایک بیان میں سمیع الحق کا کہنا تھا کہ انھوں نے طرفین سے جنگ بندی کی اپیل کی تھی۔ جس کے بعد گزشتہ ہفتے تحریک طالبان پاکستان نے حکومت پر مذاکرات میں سنجیدہ نہ ہونے کا الزام لگاتے ہوئے کہا تھا کہ مولانا سمیع الحق کا اس عمل سے علیحدہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ یہ حکومتی حربے سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ مولانا سمیع الحق اور حکومت کے درمیان مذاکرات کے بارے میں متضاد بیانات اور تردیدوں کے بعد تحریک طالبان

کے ترجمان شاہد اللہ شاہد کا بیان ذرائع ابلاغ کو ارسال کیا گیا، جس میں طالبان نے حکومت کے ان دعووں کو سختی سے رد کیا کہ طالبان مذاکرات کے لیے سنجیدہ نہیں ہیں۔ بیان میں کہا گیا ہے: 'ہم پاکستان کے مسلمانوں پر یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ تحریک طالبان نے کبھی سنجیدہ اور بامقصد مذاکرات سے انکار نہیں کیا، لیکن یہ منافق حکمران مذاکرات کے نام پر آپ کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔' طالبان کے ترجمان نے کہا کہ سمیع الحق کی دستبرداری یہ ثابت کرتی ہے کہ حکومت بات چیت کے لیے سنجیدہ اور مخلص نہیں ہے۔

واضح رہے کہ رواں ہفتے افغان سرحد سے ملحقہ اس قبائلی علاقے میں سیکورٹی فورسز نے جیٹ طیاروں کی مدد سے کارروائی کی تھی جس میں کم از کم 50 افراد مارے گئے تھے، حکومت اور فوج کی جانب سے وزیرستان میں ممکنہ آپریشن کے بعد سے وزیرستان سے نقل مکانی شروع ہوچکی تھی جو کہ ابھی تک جاری ہے۔ قبائلی علاقے شمالی وزیرستان میں سیکورٹی فورسز کی جانب سے بمباری کے بعد پچیس ہزار سے زیادہ افراد

خیبر پختونخواہ کے مختلف علاقوں میں منتقل ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ کوہاٹ، ڈی آئی خان اور پشاور منتقل ہوئے ہیں۔ ابھی تک لاکھوں افراد شمالی وزیرستان میں موجود ہیں اور وہ منتظر ہیں کہ شاید کوئی معاہدہ ہو جائے یا دونوں طرف سے فائربندی ہو جائے۔ بہرحال وزیراعظم نواز شریف کی

جانب سے آنے والے بیان کے بعد وزیر اعظم کی طرف سے مذاکرات کی دعوت دیے جانے کے بعد پنجابی طالبان کے امیر عصمت اللہ معاویہ کا کہنا ہے کہ وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کی جانب سے مذاکرات کی پیشکش کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ مذاکراتی کمیٹی کی تشکیل سے بھی وزیر اعظم کی سنجیدگی کا اظہار ہو رہا ہے۔ پنجابی طالبان کے امیر کا کہنا تھا کہ حکومت کی جانب سے تشکیل دی گئی چار رکنی کمیٹی میں باخبر اور جہاندیدہ افراد کو شامل کیا گیا ہے جو طالبان کی بات سننے اور سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اگر حکومت مزید سنجیدگی کا مظاہرہ کرے تو وہ بھی خیر مقدمی اقدامات کریں گے۔ دوسری جانب کالعدم تحریک طالبان پاکستان کے ترجمان شاہد اللہ شاہد نے بھی کہا ہے کہ مذاکرات کیلئے حکومتی کمیٹی کے قیام کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ وزیر اعظم محمد نواز شریف کی جانب سے طالبان سے مذاکرات کیلئے قائم کمیٹی کے ارکان پر کوئی خاص تحفظات نہیں ہیں۔ امید ہے کہ حکومت مذاکرات میں سنجیدگی دکھائے گی۔±

امیر جماعت اسلامی سید منور حسن نے کہا ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف نے خود طالبان سے مذاکراتی عمل سبوتاژ کیا اور حکومت میں اتنا دم بھی نہیں آپریشن کا فیصلہ کرسکے۔ 6 ماہ قبل بلائی گئی اے پی سی میں وزیر اعظم کو تمام مسائل سے آگاہ کیا گیا تھا، لیکن اس کے باوجود وہ کوئی فیصلہ نہ کرسکے، جس کی وجہ سے مذاکراتی عمل سبوتاژ ہوا اور اس معاملے پر سبوتاژ بھی لفظ چھوٹا ہے، مگر

اس سے بہترین لفظ وہ استعمال نہیں کر سکتے۔ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے قومی اسمبلی اجلاس کے دوران خطاب میں وزیر اعظم نواز شریف کو خوش آمدید کہا، انھوں نے کہا کہ وزیراعظم کی باتیں سن کر خوشی ہوئی، ہم واقعی وزیراعظم کو مس کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ وزیر اعظم کے بیان کی ابھی مزید وضاحت کی ضرورت ہے۔ رانا ثناء اللہ کے بیان سے صوبوں کے درمیان انتشار پھیل سکتا ہے۔ وزیر اعظم رانا ثناء اللہ کے بیان کا نوٹس لیں، رانا ثناء اللہ کے بیان سے لگا کہ پنجابی آرمی پشتون کے خلاف کارروائی کرے گی۔ خیبر پختونخوا میں ان کے بیان پر شدید رد عمل ہے، مذاکرات کو خفیہ نہ رکھا جائے۔ وزیر اعظم کی مذاکرات کی خود نگرانی کرنے کے فیصلے کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ پہلے بھی انہیں خود ہی نگرانی کرنی چاہیے تھی۔ جبکہ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ وزیراعظم نے طالبان سے مذاکرات کا برملا اور واضح نقشہ پیش کر دیا لیکن بہتر ہوتا اس فیصلے سے پہلے حکومت کا اتحادی ہونے کے ناطے ہم سے مشاورت کر لی جاتی تو ہم وزیراعظم کو حساس معاملات سے بھی آگاہ کرتے، اگر وزیراعظم آج جنگ کا طبل بجا دیتے تو ہمارا لب و لہجہ کچھ اور ہوتا، ملک کی موجودہ صورتحال پر تمام سیاسی جماعتیں اختلافات کے باوجود متحد ہیں۔ حکومت کے پاس اختیارات نہیں اہم فیصلے کہیں اور ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے پارلیمنٹ میں طے پانے والے معاملات اور فیصلوں پر اتفاق رائے کے باوجود عمل درآمد نہیں ہوتا۔ ملک نازک صورتحال سے گزر رہا ہے اور ہمیں یہ بات چھپانی نہیں

چاہیے اور اس وقت پہلا سوال ملک کی سلامتی کا ہے، 30 سال سے ہماری مغربی سرحدوں پر جنگ ہو رہی ہے جس کی وجہ سے بہت خون بہہ چکا، سویت یونین کے خاتمے اور نائن الیون کے بعد ہمیں امریکا کی وہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک کی جغرافیائی حدود حتمی نہیں۔ ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے جب امریکا نے کہا تھا کہ 20 ویں صدی تاج برطانیہ کی تھی اور 21 صدی ہماری ہے اور دنیا کی جغرافائی تقسیم از سر نو ہمارے مفادات کے مطابق بنے گی۔

ناکارہ سی سی ٹی وی کیمرے۔۔۔ شواہد محفوظ نہ ہونے سے مجرمان محفوظ

پاکستان میں بدامنی، قتل و غارت گری اور جرائم کی شرح میں روز بروز ہوتے اضافے کو کنٹرول کرنے میں حکومت ناکام دکھائی دے رہی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جرائم پر قابو پانے کے لیے ہر طرح سے جرائم پیشہ عناصر کی نگرانی کرکے ان کی گرفت نہیں کی جارہی۔ اکثر ممالک میں خفیہ کیمروں (سی سی ٹی وی کیمرے) سے مدد لے کر جرائم میں ملوث افراد کو کیفر کردار تک پہنچایا جاتا ہے۔ یہ خفیہ کیمرے کافی حد تک جرائم پیشہ عناصر کی سرکوبی میں معاون بھی ثابت ہوتے ہیں۔ ان کیمروں کے ذریعے مختلف قسم کے جرائم پیشہ عناصر پر کڑی نگاہ رکھی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ٹریفک کے مسائل کی بھی نگرانی کی جاتی ہے۔ سی سی ٹی وی کیمروں کا مقصد سیکورٹی کو یقینی بنانا اور جرائم پیشہ لوگوں کو کنٹرول کرنا ہوتا ہے۔ اسی لیے بیرون ممالک سی سی ٹی وی کیمروں پر بھاری بھر کم لاگت خرچ کی جاتی ہے۔ بگ بردر واچ کے مطابق برطانیہ میں برمنگھم کونسل نے چند برسوں میں 636 سی سی ٹی وی کیمروں پر 14.29 ملین پونڈ کے اخراجات کیے ہیں، برطانیہ میں موجود دیگر سیکڑوں سٹی کونسلوں نے مجموعی طور پر سیکورٹی کے لیے لگائے گئے کیمروں پر 500 ملین پونڈ لگائے ہیں، جب کہ برمنگھم کے لندن کی ویسٹ منسٹر کونسل جہاں برطانیہ کے شاہی خاندان کے محلات،

ہاؤس آف کامنز، ویسٹ منسٹر ایبی اور دیگر اہم تاریخی مقام واقع ہیں، وہاں گزشتہ چند برس میں 10 ملین پونڈ خرچ ہوئے۔ اسی طرح سڑکوں پر ہونے والے جرائم کی روک تھام کے لیے صرف برطانیہ میں سی سی ٹی وی کیمرے روزانہ کی بنیاد پر سڑکوں پر کاروں کی 26 ملین تصاویر کھینچتے ہیں۔ برطانوی حکومت کے پاس ہر کار کی 472 سی سی ٹی وی تصاویر موجود ہیں اور یہ تصاویر 8 ہزار کیمروں پر مشتمل نیٹ ورک سے کھینچی جاتی ہیں۔ آٹومیٹک نمبر پلیٹ ریکگنیشن کیمروں سے کھینچی گئی تصاویر کو جرائم سے نمٹنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ 2018ء تک ہر روز تقریباً گاڑیوں کی 75 ملین تک تصاویر کھینچی جائیں گی۔ 26 ملین تصاویر فی روز کے حساب سے تصاویر کی شرح 2012ء کے مقابلے میں 61 فیصد زیادہ ہے۔ 2012ء میں ہر روز 16 ملین تصاویر کیمروں میں محفوظ کی جاتی تھیں۔ اسی طرح برطانیہ میں اسکولوں میں جرائم کی روک تھام کے لیے بھی سی سی ٹی وی کیمروں کا استعمال کیا جارہا ہے۔ بگ برادر واچ کی ایک رپورٹ کے مطابق جرائم کی روک تھام کے لیے ایک لاکھ سے زاید سی سی ٹی وی کیمرے سیکنڈری اسکولوں اور اکیڈمیوں میں نصب کیے گئے ہیں۔ اسی لیے یورپ میں جرائم پیشہ عناصر بالکل آزاد نہیں ہیں، بلکہ سی سی ٹی وی کیمروں کے ذریعے ان کی نگرانی کرکے انہیں گرفتار بھی کیا جاتا ہے۔

دوسری طرف پاکستان میں دن بدن بڑھتی جرائم کی شرح کے باوجود سی سی ٹی وی

کیمروں پر کوئی توجہ ہی نہیں دی جارہی۔ ملک کے تقریباً تمام شہروں میں بہت سے سی سی ٹی وی کیمرے ایک عرصے سے خراب ہیں، جن کو ٹھیک کرنے کی طرف حکومت کی کوئی توجہ نہیں ہے۔ تازہ اطلاع کے مطابق گوجرانوالہ میں جوڈیشل کمپلیکس کے 24 میں سے 8 سی سی ٹی وی کیمرے خراب ہیں۔ 7 سی سی ٹی وی کیمرے بالکل بھی کام نہیں کر رہے، جبکہ آٹھواں کیمرا کچھ حد تک کام کرتا ہے اور یہ تمام کیمرے گزشتہ تین سے چار ماہ سے خراب ہیں۔ حالانکہ جوڈیشل کمپلیکس میں واقعہ جوڈیشل لاک اپ (بخشی خانہ) اور سیشن کورٹ میں خطرناک مجرموں کے فرار اور گزشتہ 6 ماہ میں دو افراد کے قتل کے واقعات کے بعد سیشن کورٹ اور جوڈیشل کمپلیکس میں سیکورٹی اقدامات میں اضافہ تو کیا گیا ہے، تاہم خراب سی سی ٹی وی کیمروں کو ٹھیک کروانے اور جوڈیشل کمپلیکس میں لگائے گئے 24 کیمروں کے نیٹ ورک کو سیشن کورٹ کمپلیکس میں بنائے گئے مرکزی کنٹرول روم میں شفٹ کرنے کا کام نہیں ہو سکا۔ یہی حال کراچی کا ہے، جہاں روز قتل و غارت گری، اسٹریٹ کرائم اور لوٹ مار کے متعدد واقعات رونما ہوتے ہیں اور ملزمان آسانی سے فرار ہو جاتے ہیں، اس کے باوجود سی سی ٹی وی کیمروں کی بحالی کی جانب کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ جبکہ گزشتہ ماہ گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد خان یہ کیمروں CCTV کہہ چکے ہیں کہ جرائم کی وارداتوں میں ملوث عناصر کی گرفتاری میں کیمروں کا جال بچھانے کی رفتار کو CCTV سے اہم مدد ملی ہے۔ اس لیے شہر بھر میں تیز کیا جائے۔ جہاں جرائم کی شرح زیادہ ہے، ان علاقوں کو فوکس

کیا جائے، خاص طور پر شہر کے اطراف کے علاقوں میں بھی ان کیمروں کی تنصیب کی جائے۔ گورنر عشرت العباد نے 20 دسمبر تک تمام کیمرے فعال کرنے کا حکم جاری کیا تھا، اس کے باوجود کراچی میں سی سی ٹی وی کیمروں کو ٹھیک نہ کیا جاسکا۔ گورنر سندھ کے اس حکم کے بعد کراچی میں دو بڑے واقعات رونما ہوئے، جن میں ایک جمعیت علمائے اسلام (س) کے رہنما مفتی عثمان یار خان کا قتل اور دوسرا ایکسپریس نیوز کے تین کارکنوں کا قتل، دونوں واقعات میں قاتل قتل کرنے کے بعد آسانی سے فرار ہوگئے اور واقعہ کی سی سی ٹی وی فوٹیج حاصل نہیں کی جاسکی، کیونکہ ان دونوں مقامات پر لگے سی سی ٹی وی کیمرے خراب تھے۔ گزشتہ سال کراچی انتظامیہ کی جانب سے کراچی میں امن و امان کی صورتحال کا جائزہ لینے اور جرائم پیشہ افراد پر نگاہ رکھنے کے لیے فوری طور پر مزید 600 سی سی ٹی وی کیمرے نصب کیے جانے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس فیصلے کے تحت کراچی میں شاہراہ فیصل، آئی آئی چندریگر روڈ، ماڑی پور روڈ، ایم اے جناح روڈ، شاہراہ لیاقت، شاہراہ پاکستان، یونیورسٹی روڈ سمیت اہم شاہراہوں اور مقامات پر مزید سی سی ٹی وی کیمرے نصب کیے جانے تھے۔ ان کیمروں میں 250 کیمرے 600 ساؤتھ زون، 200 کیمرے ویسٹ زون اور 150 کیمرے ایسٹ زون میں نصب کیے جانے تھے۔ اسی طرح گزشتہ ہفتے سندھ کے وزیر اطلاعات و بلدیات شرجیل انعام میمن نے بھی اپنے بیان میں کراچی میں سی سی ٹی وی کیمروں کو ٹھیک کرنے کی ہدایت کی ہے، لیکن اس سب کے باوجود کراچی کے بہت سے کیمرے ابھی تک خراب ہیں

اور نہ ہی ان احکامات پر عمل ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ گزشتہ مہینوں کی رپورٹ کے مطابق شہر کراچی کے مختلف علاقوں میں لگائے گئے 194 سیکورٹی کیمرے کئی ماہ سے بند پڑے ہیں، مرمت نہ ہونے کے سبب 40 مقامات پر لگائے گئے کئی کیمرے ناکارہ ہوگئے ہیں۔ شہر کے اہم مقامات اور شاہراہوں کی نگرانی نہیں ہوپارہی، دہشت گردی اور تخریب کاری کی وارداتوں کے بنیادی شواہد محفوظ نہیں کیے جاسکتے، دہشت گرد، خفیہ کیمروں کی خرابی کا بھرپور فائدہ اٹھانے لگے، جرائم کی شرح بڑھ گئی ہے۔

بلوچستان پولیس دہشت گردی کے واقعات کی روک تھام کے لیے جدید ٹیکنالوجی سے مستفید ہونے کی بجائے روایتی پرانے طریقوں پر عمل پیرا ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ سی سی ٹی وی کیمرے نہ لگانے سے جرائم پر کنٹرول نہیں ہورہا۔ کوئٹہ شہر ایک عرصے سے دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے، بم دھماکے، ٹارگٹ کلنگ، اغوابرائے تاوان سمیت مختلف جرائم کا ہونا عام سی بات بن گئی ہے، ایسے میں جرائم پر قابو پانے کے لیے سی سی ٹی وی کیمروں کی تنصیب انتہائی ضروری ہے۔ امن وامان کی صورت حال بہتر بنانے کے لیے کوئٹہ میں تقریباً چھ سال قبل صوبائی حکومت نے 529 سی سی ٹی وی کیمرے لگانے کی منظوری دی تھی، جس پر تاحال عمل نہیں ہوسکا۔ اس وقت پورے شہر میں چند سی سی ٹی وی کیمرے لگے ہوئے ہیں اور ان میں سے بھی کچھ کام ہی نہیں کررہے، دہشت گرد اور ٹارگٹ کلر آزادی سے پورے شہر

میں جب چاہیں جہاں چاہیں کارروائی کرکے آسانی سے فرار ہوجاتے ہیں۔ یہ خیال رہے کہ جرائم کے بڑھتے ہوئے رجحان کے پیش نظر صوبہ خیبر پختونخوا کی انتظامیہ نے گزشتہ ہفتے سی سی ٹی وی کیمروں کی تنصیب کا کام شروع کرنے کا عندیہ دیا تھا۔ پشاور میں ہائی ریزولوشن کیمروں کی تنصیب پر 6 کروڑ روپے لاگت آئے گی۔ پشاور شہر کے 40 چوکوں اور چوراہوں پر جدید کیمرے لگیں گے، متعدد مقامات پر برقی آنکھیں لگ چکی ہیں، جدید کیمروں کی مدد سے غیر رجسٹرڈ گاڑیوں کا پتہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔ حکام کے مطابق ٹریفک معاملات کے ساتھ ساتھ ان کیمروں کو مشتبہ گاڑیوں، افراد اور دیگر سیکیورٹی مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

عدالتی فیصلہ: پرویز مشرف اپنے انجام کی جانب گامزن

ان دنوں سابق آمر پرویز مشرف بری طرح پھنستے چلے جارہے ہیں اور غداری کیس میں بچ نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، لیکن اب وہ آسانی سے بچتے ہوئے نظر نہیں آرہے، بلکہ آہستہ آہستہ اپنے انجام کی طرف گامزن ہیں۔ جمعرات کے روز سپریم کورٹ نے سابق آمر پرویز مشرف کی 31 جولائی 2009ء کے اس فیصلے پر نظرثانی کی درخواستوں کو مسترد کر دیا، جس میں بطور صدر اور آرمی چیف پرویز مشرف کے تین نومبر 2007ء کے اقدامات کو غیر آئینی قرار دیا گیا تھا۔ چیف جسٹس تصدق حسین جیلانی کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے چودہ رکنی لارجر بنچ نے یہ فیصلہ ان نظرثانی درخواستوں کی چار روز تک مسلسل سماعت کے بعد جمعرات کو سنایا۔ عدالت نے اپنے 31 جولائی دو ہزار نو کے فیصلے کو برقرار رکھتے ہوئے کہا کہ یہ درخواستیں مقررہ مدت کے چار سال نو ماہ بعد دائر کی گئی ہیں اور یہ میرٹ کے بھی خلاف ہیں۔ پرویز مشرف کے وکیل نے 31 جولائی 2009ء کے عدالتی فیصلے کے خلاف نظرثانی کی درخواست کے حوالے سے یہ دلائل دیے تھے کہ ان کے موکل اور اس وقت کے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کے درمیان اختلافات اس وقت شروع ہوگئے تھے جب پرویز مشرف نے انہیں آرمی ہاؤس میں طلب کیا تھا۔ جس پر جواد ایس خواجہ نے پرویز مشرف کے وکیل شریف الدین پیرزادہ کو مخاطب کرتے ہوئے

کہا کہ وہ اپنی نظرثانی کی درخواست میں وہ پیرا دکھائیں جس میں سابق چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کے متعصب ہونے کا ذکر ہو، تاہم پرویز مشرف کے وکیل ایسا کرنے میں ناکام رہے۔ پرویز مشرف کے وکلاء نے ان کے علاوہ اور بھی کئی دلائل دیے لیکن دلائل کی کمزوری کے باعث عدالت نے تمام دلائل مسترد کرتے ہوئے نظرثانی کی درخواستیں مسترد کر دیں۔

قانونی ماہرین کے مطابق سپریم کورٹ سے نظرثانی اپیل خارج ہونے کے بعد خصوصی عدالت میں پرویز مشرف کے وکلاء کی یہ دلیل کمزور پڑ گئی ہے کہ پرویز مشرف نے تین نومبر کو آئین منسوخ یا پامال نہیں کیا تھا، بلکہ اس کو معرض التواء میں رکھا تھا۔ ان وکلاء کے مطابق آئین کی پامالی یا منسوخی تو غداری کے زمرے میں آتی ہے، لیکن اسے التوا میں رکھنا غداری نہیں۔ تاہم سپریم کورٹ 31 جولائی 2009ء کے اپنے فیصلے میں آئین کی عارضی معطلی یا منسوخی کو بھی آئین کی پامالی قرار دے چکی ہے۔ عدالت کی جانب سے 31 جولائی 2009ء کے فیصلے پر نظرثانی کی درخواستوں کے مسترد ہونے اور اس کے ساتھ پرویز مشرف پر پے در پے آپڑنے والی مشکلات کے بعد یہ انکشاف بھی ہوا ہے کہ سپریم کورٹ میں اپنے دفاع کے لیے وکلا کو کروڑوں روپے دینے کے باوجود مقدمہ ہارنے سے سابق صدر پرویز مشرف کی پریشانیوں میں مزید اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ پرویز مشرف نے 3 نومبر 2007ء کے اقدام کے دفاع کے لیے ایمرجنسی کے نفاذ کے خلاف عدالتی فیصلے

پر نظرثانی اپیل کے لیے شریف الدین پیرزادہ، ڈاکٹر خالد رانجھا، احمد رضا قصوری اور ابراہیم ستی و دیگر کی خدمات حاصل کی تھیں۔ پرویز مشرف کی قانونی ٹیم نے خصوصی عدالت میں زیر سماعت آئین سے غداری کے مقدمے میں ٹھوس دلائل دینے کے لیے خصوصی مشاورت کا فیصلہ کیا، تاکہ پیشہ وارانہ ساکھ کو مزید متاثر ہونے سے بچایا جاسکے اور مقدمہ جیتنے کے لیے ٹھوس دلائل دیے جائیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ ممکنہ طور پر پرویز مشرف کی قانونی ٹیم میں شامل 2 سینئر وکلا کسی بھی وقت مقدمہ سے دستبردار ہو سکتے ہیں۔ سینئر قانون دان شریف الدین پیرزادہ اور سابق وفاقی وزیر قانون ڈاکٹر خالد رانجھا مقدمات کی سماعت کے لیے ایک ایک کروڑ روپے فیس وصول کرتے ہیں، جب کہ احمد رضا قصوری 70 لاکھ اور ابراہیم ستی 50 لاکھ روپے فیس وصول کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ پاکستانی عوام بھی پرویز مشرف پر غداری کیس چلانے اور اسے سزا دینے کے حق میں ہیں۔ گزشتہ دنوں آنے والی گیلپ سروے کی رپورٹ کے مطابق پاکستانی عوام کی اکثریت نے سابق صدر پرویز مشرف کے خلاف آئین کے آرٹیکل 6 کے تحت غداری مقدمہ چلانے کی حمایت کی ہے۔ 42 فیصد افراد نے غداری مقدمے میں پرویز مشرف کو سزائے موت کی حمایت کی، تاہم 50 فیصد نے پرویز مشرف کو سزائے موت کی بجائے عمر قید کی سزا کی حمایت کی ہے۔ گیلپ سروے نے سابق صدر پرویز مشرف کے خلاف غداری مقدمے اور سزاؤں سے متعلق چاروں صوبوں کے 25 سو

سے زاید افراد سے رائے لی، جس میں سوال پوچھا گیا کہ کیا پرویز مشرف کے خلاف آرٹیکل 6 کے تحت غداری مقدمہ چلنا چاہیے یا نہیں؟ جس پر 65 فیصد افراد نے غداری مقدمہ چلانے کی حمایت کی، صرف 32 فیصد افراد نے مخالفت کی۔ 3 فیصد افراد نے رائے نہیں دی۔ عوام سے پوچھے گئے دوسرے سوال کہ سابق صدر کو غداری مقدمے میں سزائے موت ہونی چاہیے یا نہیں؟ پر صرف 42 فیصد افراد نے حمایت کی، 47 فیصد افراد سزائے موت کے فیصلے پر غیر مطمئن نظر آئے۔ عوام سے پوچھا گیا کہ کیا پرویز مشرف کو غداری مقدمے میں عمر قید کی سزا ہونی چاہیے؟ جس پر 50 فیصد افراد نے ہاں میں جواب دیا۔ 39 فیصد رائے کنندگان نے نہیں میں، 11 فیصد افراد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سروے میں سابق صدر کو غداری مقدمے کے تحت جلا وطنی کے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں 50 فیصد عوام نے حمایت کی، 11 فیصد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حیرت انگیز طور پر پرویز مشرف کو غداری مقدمے میں سزا ملنے کے بعد عام معافی دینے کے معاملے پر 46 فیصد افراد نے مخالفت کی۔

دوسری جانب جمعہ کے روز خصوصی عدالت نے پرویز مشرف کی علاج کے لیے بیرون ملک جانے کی درخواست مسترد کرتے ہوئے قابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کردیے ہیں اور انہیں 7فروری کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم صادر کیا ہے۔ خصوصی عدالت کے 6 صفحات پر مشتمل عدالتی فیصلے میں کہا گیا ہے کہ پرویز مشرف نے

عدالت میں حاضر نہ ہونے کے بارے میں کوئی معقول وجہ نہیں بتائی، جس کے باعث عدالت نے پرویز مشرف کی علاج کے لیے بیرون ملک جانے کی درخواست مسترد کرتے ہوئے ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کردیے اور آئی جی اسلام آباد کو ہدایت کی ہے کہ عدالتی حکم کی تعمیل کی جائے۔ پرویز مشرف کے خلاف غداری مقدمے کی سماعت جسٹس فیصل عرب کی سربراہی میں 3 رکنی خصوصی عدالت نے کی۔ سماعت کے دوران پرویز مشرف کے وکیل انور منصور کی جانب سے سابق صدر کی عدالت میں حاضری سے استثنیٰ کی درخواست دی گئی، جس پر پراسیکیوٹر اکرام شیخ نے عدالت سے استدعا کی کہ پرویز مشرف کی حاضری سے استثنیٰ کی درخواست پر فیصلے کا عدالت کو اختیار نہیں، لہٰذا اسے مد نظر رکھتے ہوئے حاضری سے استثنیٰ سے متعلق فیصلہ کیا جائے۔ انور منصور کا کہنا تھا کہ انہیں آرمڈ فورسز انسٹیٹیوٹ آف کارڈیالوجی کے میڈیکل بورڈ کی رپورٹ پر کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن اکرم شیخ کے اعتراضات پر اعتراض ہے۔ انور منصور نے کہا کہ اکرم شیخ نے اپنے اعتراضات میں امریکی ڈاکٹر کی رائے شامل کی، حالاں کہ اس ڈاکٹر نے مریض کا چیک اپ کیے بغیر ہی اپنی رائے دی۔ خصوصی عدالت نے پرویز مشرف کی صحت سے متعلق آرمڈ فورسز انسٹیٹیوٹ آف کارڈیالوجی کی رپورٹ کا جائزہ لینے کے بعد فیصلہ محفوظ کیا تھا۔

یہ خیال رہے کہ جمعرات کے روز سابق آمر پرویز مشرف نے علاج کے لیے امریکا

جانے کے لیے خصوصی عدالت سے باضابطہ طور پر اجازت طلب کی تھی۔ درخواست میں استدعا کی گئی تھی کہ عدالت پرویز مشرف کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ سے نکالنے کا حکم جاری کرے۔ سابق صدر علاج کے لیے باہر جانا چاہتے ہیں، ای سی ایل میں نام ہونے کی وجہ سے علاج کے لیے باہر نہیں جا سکتے۔ جسٹس فیصل عرب کی سربراہی میں رکنی خصوصی عدالت نے سابق صدر پرویز مشرف کے خلاف غداری کیس کی سماعت 3 کی۔ پراسیکیوٹر اکرم شیخ کا کہنا تھا کہ پرویز مشرف 15 منٹ کی مسافت پر موجود عدالت نہیں آ سکتے، مگر 18 گھنٹے کا سفر کرکے کیسے امریکا جانے کو تیار ہیں، وہ وہاں کیسے جا سکتے ہیں؟ اکرم شیخ نے اے ایف آئی سی کی میڈیکل رپورٹ پر اعتراض کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ میڈیکل رپورٹ غیر پیشہ وارانہ ہے، میڈیکل رپورٹ بیان حلفی اور تائیدی دستاویزات کے ساتھ پیش ہونی چاہیے تھی، لیکن رپورٹ کے ساتھ متعلقہ ٹیسٹ کا کوئی ریکارڈ منسلک نہیں، اس میں عدالتی سوالات کے جوابات بھی نہیں دیے گئے، اس صورت حال میں اس کی حیثیت کاغذ کے ٹکڑے سے زیادہ نہیں۔ میڈیکل رپورٹ کے مطابق پرویز مشرف کا کوئی نیا ٹیسٹ بھی نہیں لیا گیا، حالانکہ مریض کی حالت سنگین ہو تو سے 72 گھنٹوں میں ای سی جی اور انجیو گرافی ہوتی ہے، لیکن 28 روز بعد بھی 48 ملزم کی ای سی جی نہیں کی گئی، دل کے مریض کو علاج کے بغیر 3 دن سے زیادہ ہسپتال میں نہیں رکھا جا سکتا، پرویز مشرف کو دل کا دورہ نہیں پڑا، وہ ہسپتال میں لوگوں سے ملاقاتیں کر رہے ہیں اور پورا وارڈ بلاک ہے۔ اے ایف آئی سی کی رپورٹ کی

تائید کے لیے انجیو گرافی اور انزائم رپورٹ ضروری ہے، عدالت میڈیکل رپورٹ پر فیصلہ کرنے کی مجاز ہے، اس کے علاوہ عدالت کسی کارڈیالوجسٹ کو بلا کر رپورٹ کا تجزیہ بھی کرا سکتی ہے، اے ایف آئی سی کے سربراہ کو بلا کر پوچھا جائے کہ ہسپتال میں کتنی انجیو گرافی ہوئیں اور اس دوران کتنے لوگوں کی اموات ہوئیں۔ یہ خیال رہے پرویز مشرف علاج کے لیے بیرون ملک جانے کی مسلسل ناکام کوشش میں ہیں لیکن ماہرین قانون پرویز مشرف کی اس خواہش کو مسترد کرتے آ رہے ہیں، ان کا کہنا ہے اگر پرویز مشرف کے دلائل مان لیے جائیں تو اس طرح تو کوئی مجرم بھی پاکستان میں نہ رہے۔ جمعرات کے روز ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان بھی اس حوالے سے یہ کہہ چکے ہیں کہ میں جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف کو مشورہ دوں گا کہ وہ ملک سے باہر نہ جائیں، پاکستان میں انجیو گرافی کرنے والے بہترین سرجن موجود ہیں، ماضی میں میری بھی انجیو گرافی انھی ڈاکٹرز نے کی۔

کچھ قوتیں مذاکراتی عمل کو سبوتاژ کر سکتی ہیں

ایک طویل عرصے سے ملک میں امن کے قیام کی کوششوں کے کامیاب ہونے کی امید پوری ہوتی نظر آ رہی ہے۔طالبان کے ساتھ مذاکرات کو عملی جامہ پہنائے جانے کی کوشش عملی طور پر شروع ہو چکی ہے۔

حالانکہ ملک دشمن عناصر اور ان کے بہت سے آلہ کار طالبان کے خلاف آپریشن کرنے پر مصر تھے، کافی حد تک تو وہ عناصر اپنے مشن میں کامیاب بھی ہو چکے تھے۔ قریب تھا کہ حکومت کی جانب سے باضابطہ طور پر آپریشن کا اعلان کر دیا جاتا۔اسی لیے مذاکرات کے فیصلے سے چند گھنٹوں قبل تک حکومت کے اعلیٰ حلقوں میں ہر ایک کو یقین تھا کہ وزیراعظم بڑے پیمانے پر فوجی آپریشن کی شروعات کا اعلان کرنے جا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ قومی اسمبلی میں ان کا پالیسی بیان بھی فوجی آپریشن کے جواز میں تھا اور پنجاب کے وزیر قانون رانا ثناء اللہ نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ فوجی آپریشن کا فیصلہ کر لیا گیا ہے اور اسے 10 سال قبل کر لیا جانا چاہیے تھا، لیکن اچانک وزیراعظم نے مذاکرات کا فیصلہ کر کے سب کو حیران کر دیا۔ یہ سب کچھ امریکا کے محفوظ انخلاء کے لیے ہوا ہے یا پھر واقعی وزیراعظم میاں نواز شریف ملک میں امن کے قیام کے خواہاں ہیں، یہ تو

وقت ہی بتائے گا، لیکن یہ ضرور محسوس کیا جارہا ہے کہ مذاکرات کے حوالے سے ہونے والی تازہ کوشش میں سنجیدگی اور امن کی خواہش دکھائی دے رہی ہے۔اسی لیے وزیر اعظم نے فوری طور پر چار رکنی مذاکراتی ٹیم بھی تشکیل دے دی۔

وزیراعظم کی طرف سے تشکیل دی گئی اس کمیٹی میں عرفان صدیقی، میجر عامر، رحیم اللہ یوسف زئی اور رستم شاہ مہمند شامل ہیں۔ عرفان صدیقی کی معاملہ فہمی اور مذہبی حلقوں میں پذیرائی سے ایک زمانہ واقف ہے۔ میجر عامر کی قوت عمل بھی اپنے آپ کو منوا چکی ہے۔ ان کے والد مولانا محمد طاہر ایک ممتاز عالم دین تھے، مولانا عبداللہ سندھیؒ کے حلقہ بگوش اور مفتی محمد شفیعؒ کے ہم سبق تھے۔ رحیم اللہ یوسف زئی صوبہ خیبر پختونخوا کی سیاست پر گہری نظر رکھنے والے اخبار نویس ہیں۔ رستم شاہ مہمند صوبہ سرحد کے چیف سیکرٹری اور وفاقی سیکرٹری داخلہ رہے ہیں، افغانستان میں پاکستان کے سفیر کے طور پر بھی کام کیا۔ اب تحریک انصاف میں شامل ہیں، لیکن طالبان کے معاملات پر گہری نظر رکھتے۔ وزیراعظم نواز شریف نے طالبان سے مذاکرات کے لیے معتدل غیر سرکاری شخصیات پر مشتمل کم درجہ کی کمیٹی جان بوجھ کر تشکیل دی ہے، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اہم وفاقی وزرا یا فوجی افسران کو کمیٹی میں شامل کرنے سے طالبان کو غلط پیغام جاتا ہے اور ان کی حوصلہ افزائی ہو سکتی تھی۔ وزیراعظم نواز شریف نے تحریک طالبان پاکستان (ٹی ٹی پی) کے ساتھ مذاکرات کے لیے تشکیل

دی جانے والی چار رکنی کمیٹی کو یقین دہانی کرائی ہے کہ ان کی حکومت ٹی ٹی پی کے ساتھ امن معاہدے کے لیے سنجیدہ ہے اور امن کے لیے کیا جانے والا یہ اقدام دھوکا نہیں ہے۔ وزیراعظم نے کمیٹی کو اجازت دی ہے کہ وہ براہِ راست طالبان رہنماؤں کے ساتھ رابطہ قائم کر سکتے ہیں اور وزیراعظم نے کمیٹی کو یہ اختیارات بھی دیے کہ وہ کسی بھی سرکاری ادارے یا محکمے سے معاونت حاصل کر سکتے ہیں۔ جس کے بعد حکومتی مذاکراتی کمیٹی کے کوآرڈینیٹر عرفان صدیقی نے عزم ظاہر کیا کہ ملک و قوم کے وسیع تر مفاد کی خاطر تمام خطرات کو پس پشت ڈال کر جان کی پروا کیے بغیر طالبان سے مذاکرات کے لیے شمالی وزیرستان بھی جانا پڑا تو ضرور جائیں گے، طالبان بھی نتیجہ خیز مذاکرات چاہتے ہیں اور ہم بھی یہی چاہتے ہیں، کمیٹی بے اختیار ہے نہ ڈاک خانے کا کردار ادا کرے گی، بلکہ مطالبات پر بحث بھی کر سکتی ہے، کوشش ہو گی بات چیت مہینوں یا سالوں نہیں بلکہ دنوں پر محیط ہو، ہم کوشش کریں گے کہ باریکیوں میں نہ جائیں۔ ہمارا کام امن کے قیام کا ہدف پورا کرنا ہے، اگر طالبان یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ کمیٹی سے کسی کو نکال دیا جائے تو ہم ضد نہیں کریں گے۔ ذرائع کے مطابق وزیراعظم نواز شریف کی طرف سے طالبان کے ساتھ مذاکرات کو کامیابی سے ہمکنار کرانے کے لیے جہاں معروف اور سینئر صحافیوں کو کمیٹی میں شامل کیا گیا ہے، وہیں فریقین میں رابطہ کار کے لیے انصار الامہ کے امیر مولانا فضل الرحمٰن خلیل سے بھی معاونت طلب کی ہے اور انہیں مذاکرات میں اہم کردار دینے کے لیے

سعودی عرب سے جہاں وہ عمرہ کی ادائی کے لیے گئے ہوئے تھے، خصوصی طور پر واپس بلایا ہے۔طالبان نے حکومتی پیشکش کو قبول کرتے ہوئے حکومت کی سنجیدگی کو سراہا اوراسی روزحکومتی چاررکنی کمیٹی پر اطمنان کا اظہار کیا، جبکہ ہفتے کے روز شیخ خالد کی قیادت میں طالبان شوریٰ کا اجلاس ہوا جس میں فاٹا سے تعلق رکھنے والے 20 سے زاید طالبان کمانڈروں نے شرکت کی اور طالبان شوریٰ نے حکومت سے مذاکرات کے لیے 5 افراد نامزد کیے، ان میں تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان، جے یو آئی س) کے سربراہ مولانا سمیع الحق، جماعت اسلامی کے پروفیسر ابراہیم، جمعیت علماء اسلام ف) کے مفتی کفایت اللہ اور لال مسجد کے مولانا عبدالعزیز شامل ہیں۔ جن میں سے) اکثر نے کھلے یا دبے لفظوں میں طالبان کی مذاکراتی کمیٹی میں شمولیت کی تصدیق کرتے ہوئے آمادگی کا اظہار کیا ہے، جبکہ تحریک انصاف نے عمران خان نے اس حوالے سے کور کمیٹی کا اجلاس (آج) پیر کو طلب کیا ہے۔

حکومتی ذرائع کا کہنا ہے کہ حکومتی کمیٹی سے طالبان کے باضابطہ مذاکرات آئندہ چند روز میں شروع ہوجائیں گے۔حکومتی ذرائع کے مطابق اعلیٰ حکومتی شخصیت کی جانب سے گرین سگنل ملنے کے بعدحکومتی مذاکراتی کمیٹی کے ایک اہم رکن رکن میجر (ر) محمد عامر نے ایک مذہبی شخصیت کے توسط سے طالبان قیادت تک حکومتی پیغام پہنچادیا ہے،اس پیغام میں کہاگیاہے کہ باضابطہ مذاکرات کے آغاز کے

بعد حکومت یہ یقین دہانی کراتی ہے کہ مذاکرات کے نتائج تک اگر طالبان کی جانب سے کوئی حملہ نہیں کیا جاتا ہے تو حکومت طالبان کے خلاف کسی بھی قسم کی کارروائی نہیں کرے گی،اس مثبت پیغام کے بعد طالبان نے بھی حکومتی ذرائع کو یقین دہانی کرائی ہے کہ شوریٰ کے حتمی فیصلے کے بعد باضابطہ طور پر اعلان کیا جائے گا کہ مذاکراتی عمل کے دوران کوئی حملہ نہیں ہوگا۔ اطلاعات کے مطابق مذاکرات میں سب سے پہلے دونوں جانب سے سینر فائر کے اعلان کے بعد طالبان کے بعض رہنماؤں کی رہائی اور ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے حوالے سے باضابطہ بات چیت ہوگی، ان مذاکرات کو کامیاب بنانے میں ملک کے چند جید علما اہم کردار ادا کر رہے ہیں اور مسلسل فریقین سے رابطے میں ہیں ابتدائی مذاکراتی عمل کے بعد فاٹا کے کسی مقام پر باضابطہ ملاقات کی جائے گی، ذرائع کا، یہ بھی کہنا ہے کہ طالبان شوریٰ نے اپنی مذاکراتی کمیٹی کو مکمل اختیارات دینے کا بھی فیصلہ کیا ہے اور حکومتی کمیٹی کے ایک اہم رکن جلد پشاور روانہ ہوں گے اور اگر طالبان کی جانب سے اعلان کردہ پانچوں ارکان کمیٹی میں شامل ہوجاتے ہیں تو پھر پشاور سے ہی مذاکرات کا آغاز ہوگا، دونوں جانب سے بیک ڈور چینل کے ذریعے شرائط طے کی جارہی ہیں، شرائط نامہ مکمل ہونے کے بعد اعلیٰ حکومتی قیادت کی جانب سے گرین سگنل ملنے کے بعد باضابطہ طور پر رابطہ کیا جائے گا۔ طالبان کے بڑے رہنماء ملا فضل اللہ کے ساتھ مذاکرات کا آغاز جلد ہونے کا سگنل مل گیا ہے۔ملا فضل سے باقاعدہ رابطہ ہوگیا

ہے، لیکن وزیراعظم کی طالبان سے رابطہ کے لیے بنائی گئی کمیٹی کے ایک اہم رکن جلد افغانستان کے نامعلوم مقام پر مولوی فضل اللہ سے ملنے جائیں گے اور دیگر طالبان رہنماؤں سے وزیراعظم کی بنائی گئی کمیٹی کے ارکان جلد وزیرستان کے نامعلوم مقام ان رہنماؤں سے ملاقات کریں گے۔ یہ اطلاعات بھی ہیں کہ کمیٹی کے کچھ ارکان نے مختلف طالبان رہنماؤں کے ساتھ رابطے کیے تھے، جن میں انہوں نے مطالبہ کیا ہے کہ مذاکرات میں کسی بھی سطح پر انٹیلی جنس سے وابستہ کوئی شخص شامل نہیں ہوگا۔ چار رکنی کمیٹی کے دو ارکان نے پہلے ہی ٹی ٹی پی کو یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ کسی بھی سطح پر مذاکرات میں کسی بھی انٹیلی جنس عہدیدار کو شامل نہیں کریں گے۔ادھر طالبان کے لیڈروں نے سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات اور قطر کے حکمرانوں سے نئی صورت حال کے بعد باقاعدہ رابطہ کیا جا رہا ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ طالبان نے سیاسی قیادت کو مذاکرات کا مینڈیٹ دے کر ایک تیر سے دو شکار کیے ہیں۔ ایک طرف تو حکومت کو مخمصے میں ڈال دیا ہے تو دوسری طرف عمران خان کو شش و پنج میں مبتلا کر دیا ہے۔ طالبان نے حکومتی مذاکراتی کمیٹی کے جواب میں ڈپلومیسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بال ایک مرتبہ پھر سیاسی قیادت کے کورٹ میں پھینک دی۔ تحریک طالبان پاکستان کے ترجمان شاہد اللہ شاہد کے مطابق پانچوں کمیٹی ممبران کی منظوری مرکزی شوریٰ نے دی۔ پانچوں ممبران کو نام شامل کرنے سے پہلے اعتماد میں لیا گیا، جبکہ 22 نکاتی شرائط کمیٹی کے ذریعے حکومتی کمیٹی کو بھجوا دی

جائیں گی۔ حکومت اور طالبان دونوں نے اپنے تئیں بھرپور سیاسی چال کا مظاہرہ کیا۔ کمیٹیوں کے اصل فریقین نے اپنے آپ کو مذاکراتی عمل میں براہ راست شمولیت سے دور رکھا ہے۔ کمیٹی میں جہاں خیبر پختونخوا کی تینوں بڑی سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کو شامل کیا گیا ہے، وہاں دو جید علمائے کرام کو بھی حصہ بنایا گیا ہے۔ اب اس صورتحال میں مذاکرات میں کوئی بھی اونچ نیچ ہو گی تو دونوں طرف سے ذمہ دار سیاسی قیادت ہو گی۔ تحریک طالبان پاکستان کے ذرائع کے مطابق اب اگر حکومتی کمیٹی کی جانب سے کوئی بدنیتی دکھائی گئی تو وہ ذمہ دار حکومتی جماعت مسلم لیگ (ن) کو سمجھیں گے۔ اسی طرح حکومتی کمیٹی کے ممبران بھی تحریک انصاف اور جماعت اسلامی و دیگر پر مشتمل کمیٹی کو ہدف بنا سکتے ہیں۔

دوسری جانب ملک کے جید علمائے کرام نے حکومت اور تحریک طالبان کی مذاکرات پر آمادگی کا خیرمقدم کرتے ہوئے اس مقصد کے لیے بنائی گئی کمیٹی کو مثبت قدم قرار دیا اور یہ اپیل کی کہ ہر طرح کی مسلح کارروائیوں، خوں ریزی اور تخریب کاری کے ہر اقدام کو فوری طور پر بند کیا جائے، مذاکرات سنجیدگی، حقیقت پسندی اور ملک و ملت کی خیر خواہی کے ساتھ کیے جائیں۔ علمائے کرام نے کہا ہے کہ جو دشمن طاقتیں لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کے تحت ملک کو خانہ جنگی کا شکار دیکھنا چاہتی ہیں، وہ مختلف حربوں سے ان مذاکرات کو

سبوتاژ کرنے کی کوشش کریں گی، جیسا کہ ماضی میں کیا ہے، ہم فریقین سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ایسی ملک دشمن کوششوں کو اپنے اخلاص کے ذریعے ناکام بنائیں اور جذبات پر قابو رکھ کر قیام امن کی کوشش کو ہر قیمت پر جاری رکھیں۔ جہاں ایک طرف مذاکرات کے حوالے سے کی گئی کوشش ثمر آور ہوتی نظر آ رہی ہے، وہیں یہ خدشہ بھی ظاہر کیا جا رہا ہے کہ دشمن ملک عناصر ان مذاکرات کو ثبوتاژ کرنے کی کوشش کریں گے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ اگرچہ امریکا نے سرتاج عزیز کو اس بات کی یقین دہانی کرائی ہے کہ مذاکرات کے دوران ڈرون حملہ نہیں کریں گے، لیکن اس کے باوجود ملک میں بلیک واٹر جیسی خفیہ تنظیموں کے ذریعے کارروائی کی جا سکتی ہے۔ ان مذاکرات کو ناکام بنانے کے لیے دشمن عناصر کسی بھی قسم کی کارروائی کر سکتے ہیں۔ ملک میں بڑے پیمانے پر دشمن کے خفیہ عناصر اپنی کارروائیاں جاری رکھے ہوئے ہیں، ذرائع کے مطابق بلیک واٹر ملک میں مقامی این جی اوز اور ملکی اداروں میں اپنے بہت سے کارندوں کو بھرتی کروا چکی ہے۔ مذاکرات کے حوالے سے وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان نے بھی اس خطرے کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مذاکرات کے عمل کو سبوتاژ کرنے کے لیے کچھ قوتیں اپنا کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں اندرونی اور بیرونی سازشی عناصر کی کوششوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ امیر جماعت اسلامی سید منور حسن نے بھی اس سے ملتا جلتا بیان دیا ہے کہ امریکا و بھارت طالبان سے مذاکرات کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کریں گے اور مذاکرات کو سبوتاژ کرنے

کے لیے ہر حربہ استعمال کریں گے۔ لہٰذا طالبان سے مذاکرات کے مخالف گروپوں، لابیوں، بیرونی و اندرونی قوتوں کی قوت اور اثر و رسوخ کے باعث حکومت کی تشکیل کردہ کمیٹی کے چاروں ارکان کو سلامتی کے سنگین خطرات ہیں، حکومت نے انہیں مکمل سیکورٹی دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ طالبان سے مکالمے کی پاکستانی حکومت کی خواہش پر بعض غیر ملکی حکومتوں نے اپنی کھلی ناراضی کا اظہار بھی کیا ہے اور بات چیت کو عملاً روکنے یا ناکامی کے لیے کوشاں ہیں، ان بیرونی قوتوں کے نمائندے پاکستان کے اندر تقریباً تمام شعبوں میں موجود ہیں، انتہائی طاقتور خفیہ کھلاڑیوں کی مدد سے یہ لابیاں نہ صرف اپنے مخالفین کو بزور قوت منظر سے ہٹا دیتی ہیں، بلکہ پاکستان میں مذاکراتی عمل کو نقصان پہنچانے میں ہمیشہ کامیاب رہتی ہیں، وفاقی حکومت ان حقائق سے بخوبی واقف ہے اور طالبان سے بات چیت کا عمل دوبارہ شروع کرنے کے لیے تشکیل کردہ کمیٹی کے چاروں ارکان کے تحفظ کے لیے مؤثر اقدامات کرے گی۔

مشرف غداری کیس تماشا بن کر رہ گیا

پرویز مشرف غداری کیس پر پوری قوم شش و پنج کی کیفیت میں مبتلا ہے۔پرویز مشرف کے حامی ان کو راتوں رات ملک سے باہر بھجوانے کی خواہش لیے بیٹھے ہیں تو مخالف فوری انصاف کا تقاضا کرتے ہوئے ان کی سزا کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ استغاثہ کے وکلاء بھی یہی چاہتے ہیں، پرویز مشرف کے وکلاء کیس ہیں سرے سے پیشرفت ہی نہیں ہونے دے رہے۔ وہ حاضری سے استثنیٰ کی درخواست پر درخواست دے رہے ہیں۔ عدالت ان کو سماعت کے لیے عدالت بلاتی ہے لیکن وہ ہسپتال میں ہی ڈیرے ڈالے بیٹھے ہیں۔ہر بار ان کو کوئی نئی مہلت مل جاتی ہے۔31 جنوری کو ہونے والی سماعت میں خصوصی عدالت نے علاج کے لیے بیرون ملک جانے کی درخواست کو مسترد کرتے ہوئے سابق فوجی صدر کے قابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کیے تھے۔ سابق فوجی صدر کے خلاف غداری سے متعلق مقدمے کی سماعت کرنے والی تین رکنی خصوصی عدالت نے پرویز مشرف کو جمعہ کو طلب کر رکھا تھا اور اس موقع پر سیکورٹی کے انتہائی سخت انتظامات بھی کیے گئے تھے، لیکن سابق صدر اس بار بھی عدالت میں پیش نہ ہوئے۔ سماعت کے دوران پرویز مشرف کے وکیل انور منصور خان نے عدالت کو یقین دہانی کرائی کہ سابق صدر 18 فروری کو پیش ہوں گے، جس پر سابق صدر کو پیشی کے لیے 18فروری تک پیشی کی آخری مہلت دیتے ہوئے عدالت کا کہنا تھا کہ پرویز مشرف 18فروری کو بھی

عدالت پیش نہ ہوئے تو نا قابل ضمانت وارنٹ جاری اور زر ضمانت ضبط کر لی جائے گی، جبکہ پرویز مشرف کے وکیل انور منصور نے کہا کہ عدالت سابق صدر کی پیشی تک اختیار سماعت کا فیصلہ کر لے، ہمیں سنے بغیر کسی قسم کی کارروائی زیادتی ہو گی۔ جسٹس فیصل عرب نے کہا عدالت کے سامنے جو کیس آتا ہے، اسے سننا ہماری ذمہ داری ہے، آپ کی وجہ سے سماعت تین بار ملتوی کرنا پڑی، پرویز مشرف پیش نہیں ہو رہے۔

اس سے قبل خصوصی عدالت نے پرویز مشرف کے قابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کیے تھے، تاہم سابق صدر نے خصوصی عدالت کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی تھی جبکہ قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ پرویز مشرف اگر عدالت میں پیش نہ ہوئے تو ان کے نا قابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کیے جا سکتے ہیں۔ خصوصی عدالت نے کہا کہ اگر ملزم پیش ہو کر یہ استدعا کرے کہ عدالت کی تشکیل اور اس کے دائرہ اختیار سے متعلق دائر درخواستوں پر فیصلہ آنے تک ان کے خلاف فرد جرم عاید نہ کی جائے تو اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔ پرویز مشرف پر غداری کیس میں تاحال فرد جرم بھی عاید نہیں کی جا سکی ہے کیوں اس کے لیے ملزم کا عدالت کے روبرو پیش ہونا ضروری ہے۔ اس بارے میں وکیل صفائی بیرسٹر محمد علی سیف نے بتایا کہ "ہم نہیں سمجھتے کہ عدالت ان پر فرد جرم عاید کر سکتی ہے، جب تک کہ عدالت ہمارے اعتراضات پر فیصلہ نہ کر دے۔" مقدمے کی

آئندہ سماعت 10 فروری کو ہو گی، لیکن اس موقع پر پرویز مشرف کی حاضری ضروری نہیں ہے۔ سابق صدر کے وکلاء کا موقف ہے کہ ان کے موکل کے خلاف کارروائی صرف فوجی عدالت ہی میں چلائی جا سکتی ہے اور عدالت نے مشرف کے قابل ضمانت وارنٹ گرفتاری میں ان کے ضامن میجر جنرل (ر) راشد قریشی کو بھی 18 فروری کو طلب کیا ہے جبکہ اس مقدمے کی سماعت 10 فروری کو ہو گی۔ اس دن پرویز مشرف کی وکلا ٹیم میں شامل ڈاکٹر خالد رانجھا اپنے موکل کے 3 نومبر 2007ء کے اقدام کو خصوصی عدالت میں چلانے کی بجائے فوجی عدالت میں چلانے سے متعلق دلائل دیں گے۔

سابق صدر تاحال خصوصی عدالت میں کسی ایک بھی پیشی پر حاضر نہیں ہوئے اور دو جنوری سے راولپنڈی میں امراض قلب کے ایک فوجی اسپتال میں زیر علاج ہیں۔ کیس کی سماعت سے ایک دن قبل پرویز مشرف کے وکیل احمد رضا قصوری نے سرپرائز کا اعلان کیا تھا۔ جب احمد رضا قصوری سے پوچھا گیا کہ سابق صدر کے حوالے سے پیشی پر سرپرائز کی بات کی تھی، وہ کیا تھی؟ جس پر احمد رضا قصوری نے کہا سابق صدر پرویز مشرف کا وارنٹ گرفتاری ہونے کے باوجود خصوصی عدالت میں پیش نہ ہونا ہی تو سب سے بڑا سرپرائز ہے۔ جبکہ پرویز مشرف کے وکیل انور منصور نے عدالت کے سامنے یہ انکشاف کیا ہے کہ سابق آرمی چیف کو ہسپتال جانے کا راستہ چودھری نثار نے دکھایا تھا۔ انور منصور نے عدالت کو بتایا پرویز مشرف عدالت آ رہے تھے، گاڑی وزیر داخلہ کے حکم پر ہسپتال کی طرف موڑی گئی۔ انور منصور اپنے دعوے میں اتنے با اعتماد تھے کہ انہوں نے سب کو کھلا چیلنج

دے دیا۔ ان کا کہنا تھا کسی کو شک ہو تو وائرلیس پیغامات کے ذریعے تصدیق کی جا سکتی ہے کہ گاڑی کس کے حکم پر ہسپتال کی طرف موڑی گئی۔ پرویز مشرف کے بار بار عدالت سے غیر حاضری پر بعض سیاسی رہنماؤں نے انھیں تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا ہے کہ ہر صورت آئین اور قانون کے مطابق کاروائی ہونی چاہیے اور اگر مشرف عدالت میں نہیں آتے تو پرویز مشرف کے ٹرائل کیلیے عدالت "اے ایف آئی سی" ہسپتال میں قائم کر دی جائے۔

پرویز مشرف فرد جرم سے بچنا چاہتے ہیں اس بات کا اظہار چیف پراسیکیوٹر اکرم شیخ بھی کر چکے ہیں کہ پرویز مشرف عدالتی فیصلے کا احترام نہیں کر رہے اور وہ عدالت میں پیش نہ ہونے کا بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ کیس قانونی تقاضا پورا کیے بغیر کیس آگے نہیں چل سکتا۔ آخر قوم کے اعصاب کا کب تک امتحان لیا جائے گا۔ جمعہ کے روز پرویز مشرف کی متوقع پیشی کیلیے آرمڈ فورسز انسٹیٹیوٹ آف کارڈیالوجی' عدالت کے باہر اور راستے میں گیارہ سو سے زاید سیکورٹی حکام اور اہلکار تعینات کیے گئے تھے اور ہر بار اسی طرح روٹ لگایا جاتا ہے اور گیارہ سو سے زاید پولیس اہل کار تعینات کیے جاتے ہیں جو سرکاری خزانے پر بوجھ ہے۔ یہ پریکٹس ہر تاریخ پر ہوتی ہے۔ اگر پرویز مشرف اتنے بیمار ہیں تو مناسب علاج ان کا استحقاق ہے جو وہ غیر ملکی ڈاکٹروں سے کرانا چاہتے ہیں، حکومت اور عدالت ان کو بیرون ملک جانے کی اجازت نہیں دے رہی تو

مشرف کو جس معالج پر اعتبار ہے اسے پاکستان بلا لیا جائے۔ ایک طرف کمانڈو 18 گھنٹے کی مسافت پر امریکا سے علاج کرانے کی درخواست کر رہے ہیں تو دوسری طرف چند میل پر موجود عدالت جانے سے گریز کیا جا رہا ہے۔ اس سے کوئی کیا سمجھے؟ بہتر ہے کہ مشرف 18 فروری کو ہر صورت عدالت پیش ہو جائیں جس کا ان کے وکلاء نے وعدہ بھی کیا ہے۔ موجودہ حالات میں تو مشرف غداری کیس تماشا بن کر رہ گیا ہے۔ اگر پرویز مشرف اٹھارہ فروری کو بھی کوئی بہانہ بنا کر عدالت سے غیر حاضر رہتے ہیں تو کیا واقعی ان کے ناقابل ضمانت وارنٹ جاری کیے جائیں گے یا پھر عدالت میں حاضری کے لیے کوئی اور تاریخ دے دی جائے گی؟

حکومت طالبان مذاکرات میں خوش آئند پیش رفت

حکومت اور طالبان کے درمیان ہونے والا مذاکرات کا سلسلہ خوش اسلوبی سے آگے بڑھ رہا ہے، جو پوری قوم کے لیے ایک خوش آئند بات ہے۔ حکومت اور طالبان کی مذاکراتی کمیٹی کے درمیان خوشگوار ماحول میں گزشتہ جمعرات کو پہلی باقاعدہ کامیاب ملاقات ہوئی تھی۔ مذاکرات کی کامیابی کے حوالے سے وزیر اعظم میاں نواز شریف دو روز قبل اس بات کا اظہار بھی کر چکے ہیں کہ حکومت اور طالبان کی کمیٹیاں ٹھیک کام کر رہی ہیں اور مذاکرات درست سمت میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ وزیر اعظم کی اس بات کی تصدیق طالبان کی مذاکراتی کمیٹی کے دورکنی وفد کی طالبان کے ساتھ باقاعدہ دو روزہ ملاقات سے سامنے آنے والی صورتحال سے ہو گئی ہے۔ طالبان کی مذاکراتی کمیٹی اور طالبان سربراہوں کی دو روزہ مشاورت خوش اسلوبی اور کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہے۔ طالبان کی مذاکراتی کمیٹی کے رکن اور جماعتِ اسلامی کے رہنما پروفیسر ابراہیم اور کمیٹی کے سربراہ مولانا سمیع الحق کے ترجمان مولانا یوسف شاہ پر مشتمل مذاکراتی وفد طالبان سے بات چیت کے لیے ہفتے کی صبح آٹھ سے نو بجے کے درمیان ہیلی کاپٹر کے ذریعے پہلے پشاور اور پھر میران شاہ تک پہنچایا گیا۔ میران شاہ پولیٹیکل ایجنٹ ہاؤس سے پروفیسر ابراہیم اور مولانا یوسف شاہ کو سرکاری گاڑی میران شاہ کی حدود میں

ہی نامعلوم مقام پر چھوڑ گئی، وہاں سے تحریک طالبان پاکستان کی گاڑی دونوں معزز رہنماؤں کو لے کر نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہوئی، جہاں پر ہفتہ کی رات تاخیر سے مذاکرات کا آغاز ہوا، جس میں طالبان سیاسی شوریٰ کے امیر حافظ شکیل و دیگر شریک ہوئے، پہلی ملاقات میں تحریک طالبان پاکستان کے نائب امیر خالد شیخ حقانی شریک نہیں ہوئے تھے۔ ذرائع کے مطابق مذاکراتی اجلاس کے دوران طالبان تحریک کے سربراہ مولانا فضل اللہ بھی فون کے ذریعے رابطے میں رہے، مشاورت کے دوران متعدد بار نہیں فون کیا گیا۔

اس دوران میڈیا یہ خبر چلاتا رہا کہ طالبان نے مذاکرات کے لیے پندرہ شرائط عاید کردی ہیں اور میڈیا کی جانب سے ان شرائط کی فہرست بھی جاری کردی گئی، جن میں ڈرون حملوں کی فوری بندش، عدالتوں اور تعلیمی اداروں میں شرعی نظام نافذ، طالبان قیدیوں کو رہا، ڈرون حملوں میں تباہ مکانوں کی تعمیر اور نقصان کا ازالہ، جبکہ قبائلی علاقوں کا کنٹرول مقامی فورسز کے حوالے، قبائلی علاقوں سے فوج واپس، چیک پوسٹیں ختم، تحریک طالبان کے خلاف تمام مقدمات ختم، امیر اور غریب کو یکساں حقوق کی فراہمی، ڈرون حملوں میں جاں بحق افراد کے لواحقین کو نوکریوں کی فراہمی، طالبان کمانڈروں کو عام معافی، امریکا کے ساتھ تعاون ختم، شرعی نظام کا نفاذ اور پورے ملک سے سودی نظام کا خاتمہ شامل تھا، لیکن طالبان ذرائع نے مقامی ذرائع ابلاغ میں اتوار کو

سامنے آنے والی ان 15 شرائط کی نفی کرتے ہوئے کہا کہ طالبان کا اصرار ہے کہ وہ ایسی شرائط ابتدا میں نہیں رکھیں گے، جن سے معاملات آگے نہ بڑھ سکیں اور تلخیاں پیدا ہوں۔ ذرائع کا یہ بھی کہنا تھا کہ ممکن ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ طالبان باضابطہ طور پر حکومت کے سامنے اپنی شرائط پیش کرتے رہیں۔ مشاوراتی کمیٹی کا کہنا تھا کہ طالبان کچھ چیزوں کی وضاحت کرنا چاہتے تھے اور انھیں کچھ وضاحتیں درکار تھیں۔ ذرائع نے مجموعی طور پر اس دو روزہ مشاورتی عمل کو مثبت اور کامیاب قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ کچھ نہ کچھ پیش رفت ہوئی ہے۔ طالبان کی نمائندہ کمیٹی کے سربراہ مولانا سمیع الحق کو ان کے ترجمان اور طالبان سے مشاورت کے لیے جانے والے مولانا یوسف شاہ نے بھی بتایا کہ حالات اچھے ہیں اور بات آگے بڑھی ہے۔ طالبان کی کمیٹی کے اراکین کی قبائلی علاقوں سے مذاکرات کے بعد واپسی کے بعد پیر کے روز مولانا سمیع الحق کا کہنا تھا کہ طالبان کی جانب سے حکومتی تجاویز پر حوصلہ افزا جواب آیا ہے، جس پر حکومتی کمیٹی سے بات کی جائے گی۔ یہ قومی مسئلہ ہے اور تمام باتیں قوم کی امانت ہیں، اس لیے وہ انہیں سب کے سامنے نہیں رکھ سکتے۔ جمعیت علمائے اسلام (س) کے سربراہ نے مزید کہا کہ طالبان نے حکومت کے چار نکات پر مثبت رد عمل دیا ہے، لیکن اس معاملے پر جذبات سے کام نہ لیا جائے۔ انہوں نے طالبان کی سیاسی شوریٰ سے

مذاکراتی عمل کے بارے کہا کہ پروفیسر ابراہیم، مولانا یوسف شاہ اور مولانا عبدالحسیب نے طالبان کی سیاسی شوریٰ سے نامعلوم مقام پر مذاکرات کیے اور طالبان کی جانب سے مثبت رد عمل آیا ہے۔ ذرائع کے مطابق طالبان نے مذاکرات کے ابتدا میں ہی حکومتی کمیٹی سے تین بنیادی مطالبات رکھے تھے۔ جن میں قیدیوں کی رہائی کا معاملہ سر فہرست تھا۔جب کہ طالبان کی سیاسی شوریٰ نے مذاکراتی کمیٹی کو قانون نافذ کرنے والے اداروں کے زیر حراست قیدیوں کی فہرست بھی فراہم کی تھی۔طالبان کمانڈر کے مطابق اتوار کی صبح مذاکرات کا دوبارہ آغاز ہوا، جس پر پروفیسر ابراہیم نے مطالبہ کیا کہ طالبان قیادت جنگ بندی کا اعلان کرے اور پوری دنیا کو امن مذاکرات میں پہل کا آغاز کرے۔ جس پر شوریٰ نے دونوں کمیٹی اراکین سے معذرت کرتے ہوئے واضح کیا کہ قیدیوں کی رہائی جب تک عمل میں نہیں لائی جاتی ،جنگ بندی کا اعلان ممکن نہیں ہے۔طالبان کا کہنا تھا کہ وہ فوری طور پر ایسی کوئی کڑی شرائط نہیں لگائیں گے جن کا پورا کرنا حکومت کے لیے فوری طور پر ناممکن ہو۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اس مذاکراتی عمل میں سب سے خوش آئند بات یہ ہے کہ طالبان نے ملک کے آئین کے دائرے میں رہتے ہوئے مذاکرات کے عمل کو آگے بڑھانے پر آمادگی کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ پہلے یہ کہا جارہا تھا کہ طالبان ملک کے آئین کو مانتے ہی نہیں ہیں۔ اس لیے آئین کے تحت ان کا مذاکرات کرنا بھی ناممکن ہے، لیکن طالبان کی جانب سے اس آئین کے تحت مذاکراتی عمل کو آگے بڑھانے کے اظہار نے تمام خدشات کو ختم

کر دیا ہے۔ جبکہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی سمیت ملک بھر کے بڑے علمائے کرام نے بھی ملک کے آئین کے اسلامی ہونے کی توثیق کی ہے، جس سے مذاکراتی عمل کی کامیابی کی مزید امید کی جا سکتی ہے، کیونکہ بڑے علمائے کرام کی یہ توثیق حکومت اور طالبان مذاکرات کے درمیان ایک پیل کا کردار ادا کر سکتی ہے۔ مبصرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر اسی طرح مذاکرات کا سلسلہ کامیابی سے چلتا رہے تو امن کے قیام کی امید کی جا سکتی ہے، اگرچہ مذاکرات کے مکمل کامیاب ہونے میں وقت لگے گا، یک دم تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا، بہرحال پہلی مشاورت قوم کے لیے امید کی کرن ثابت ہوئی ہے۔

دوسری جانب یہ خدشہ بھی ظاہر کیا جا رہا ہے کہ ملک دشمن عناصر کی جانب سے ان مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔ جس کی کوئی بھی صورت ہو سکتی ہے۔ طالبان کمیٹی اور شوریٰ میں مشاورت کے دوران امریکی ڈرون طیاروں کی مسلسل پروازیں بھی اسی کوشش کی ایک کڑی ہو سکتی ہے، شمالی وزیرستان کے مختلف علاقوں میں ڈرون طیاروں کی نچلی پروازوں کا سلسلہ وقفے وقفے سے جاری ہے، ڈرون طیاروں کی پروازوں کے باعث علاقے میں خوف وہراس ہے۔ مشاورتی عمل کے دوران ڈرون طیاروں کی مسلسل پروازوں کے باعث مذاکرات کے مقامات کو کئی بار تبدیل کرنا پڑا۔ اتوار کو مذاکراتی کمیٹیوں نے واپس پہنچنا تھا، جس کے باعث وزیر داخلہ چودھری نثار نے مولانا سمیع الحق سے رابطہ کر کے وجہ دریافت کی

تو وزیر داخلہ کو بتایا گیا کہ مشاورت کے دوران علاقے میں کثرت سے ڈرون پروازوں کے باعث کمیٹی کو بار بار جگہ تبدیل کرنا پڑ رہی ہے، جس پر وزیر داخلہ نے کہا کہ اگر کسی بیرونی طاقت نے مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی تو یہ سب سے بڑی پاکستان دشمنی ہوگی۔ مذاکرات کے دوران فوج کی جانب سے خاموشی بھی اس بات کی نوید ہے کہ مذاکرات کامیابی کی جانب گامزن ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ دونوں جانب سے پورے مذاکراتی عمل کو شفاف بنا کر اس کی کامیابی کے لیے اپنی جانب سے مخلصی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے، جس سے بہتری کی امید کی جا سکتی ہے۔ قوم اس بات کی خواہاں ہے کہ آخر تک یہ سلسلہ کامیابی کے ساتھ چلتا رہے اور ملک امن کا گہوارہ بن جائے۔

مذاکرات کی مخالفت آخر کیوں؟

حکومت اور طالبان کے درمیان ہونے والے مذاکرات کا سفر کافی بہتر طریقے سے جاری ہے۔ حکومت اور طالبان کی کمیٹیاں امن کے قیام کے حوالے سے اچھی امید کی نوید سنا رہی ہیں۔ دونوں فریق بھی لچک کا مظاہرہ کرتے ہوئے مذاکرات کو کامیاب بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پوری قوم کی نظریں حکومت طالبان مذاکرات پر لگی ہوئی ہیں اور ہاتھ ان مذاکرات کی کامیابی کی دعا کے لیے اٹھے ہوئے ہیں۔ ملک کی اکثریت ان مذاکرات کے حوالے سے نیک تمنا رکھتی ہے، کیونکہ ایک طویل عرصے بعد اغیار کی جنگ سے نکلنے کا شاید ان مذاکرات کے ذریعے ہی کوئی راستہ میسر آ جائے۔ پیپلز پارٹی سمیت کچھ قوتیں ان حالات میں بھی مذاکرات کی مخالفت کرتے ہوئے آپریشن کا راگ الاپ رہی ہیں۔ ان قوتوں کا تناسب آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ یہ قوتیں اس بات کی خواہاں ہیں کہ کسی طرح یہ مذاکرات ناکام ہو جائیں اور آپریشن کیا جائے۔ پیپلز پارٹی کے رہنما اور سینیٹ میں قائد حزب اختلاف اعتزاز احسن نے ایوان بالا میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حکومت تذبذب کا شکار ہے۔ طالبان حکومت کو مات پہ مات دے رہے ہیں اور لگتا ہے کہ چند ہفتوں میں شہ مات دیں گے۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ خانہ جنگی میں ملوث گروپ کے ساتھ حکومت نے برابری

کی سطح پر مذاکرات کیے ہوں۔ ہم ایک مسلک کے مطابق سفارشات اور مذاکرات کے نتیجے میں پاکستان کی عورت، مزدور اور عام شہریوں کے حقوق کو پامال نہیں ہونے دیں گے، جبکہ اس سے ایک روز قبل جب پارلیمنٹ کے متعدد ارکان اور پیپلز پارٹی کے رہنما خورشید شاہ نے مذاکرات کی حمایت میں تقاریر کیں تو بی بی کی پارٹی دو حصوں میں بٹ گئی۔ پی پی کے کچھ ارکان مذاکرات کی مخالفت پر کمربستہ آپریشن کا راگ الاپنے لگے اور اپنے ہی رہنما خورشید شاہ کے مخالفت پر اتر آئے اور پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو نے مذاکرات کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ طالبان کے حوالے سے پیپلز پارٹی کی پالیسی واضح ہے۔ سابق وزیر داخلہ اور پیپلز پارٹی کے رہنما سینیٹر عبدالرحمٰن ملک کا کہنا تھا کہ وزیراعظم کو سمجھنا چاہیے کہ اس صورتحال میں مذاکرت کا کیا نتیجہ نکلے گا۔

مذاکرات کے حامی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ طالبان سے مذاکرات کی مخالفت کرنے والے امن کو موقع نہیں دینا چاہتے۔ دنیا میں جنگیں بالآخر بات چیت پر ہی ختم ہوتی ہیں۔ حکومت نے حالات کا ادراک کرکے مذاکرات کی ابتدا کی ہے، جس کے دوررس اثرات مرتب ہوں گے۔ امید ہے ان مذاکرات کے بعد ملک امن کا گہوارہ بن جائے،

مذاکرات مخالف قوتیں آپریشن کے ذریعے نجانے کس طرح امن قائم کرنا چاہتی ہیں۔ آپریشن کا راگ الاپنے والوں کو یہ بات مدنظر رکھنا چاہیے کہ آپریشن تو طالبان کے خلاف ایک عرصے سے جاری ہے۔ خود پیپلز پارٹی بھی اپنے

دور حکومت میں آپریشن میں الجھی رہی ہے۔ متعدد بار طالبان کے خلاف چھوٹے بڑے آپریشن کیے جا چکے ہیں، اس کے باوجود نہ تو ابھی تک ملک میں امن قائم ہوا ہے اور نہ ہی طالبان اپنے موقف سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹے ہیں، بلکہ امریکا کی اس جنگ کے نتیجے میں اب تک پچاس ہزار کے لگ بھگ افراد اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر چکے ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ملک میں بدامنی میں اضافہ ہی ہوا ہے، امن نہیں آیا۔ اگر مزید طاقت استعمال کی گئی تو اس سے بدامنی میں مزید اضافہ ہی ہوگا، کیوں کہ یہ بات تو طے ہے کہ بڑے سے بڑے آپریشن کے ذریعے بھی پاکستان سے طالبان کا وجود ختم نہیں کیا جاسکتا، طالبان چند افراد کا کوئی چھوٹا سا گروپ نہیں، جنہیں آسانی سے ختم کر دیا جائے۔ جب ان کو ملک سے ختم کرنا ممکن نہیں اور متعدد آپریشن بھی ان کے سامنے ناکام ہوئے ہیں، تو اب ایک بار پھر آپریشن کرکے کیسے ان کو ختم کیا جاسکتا ہے؟ اور اس صورت میں ملک کو جو نقصان ہوگا اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟

ویسے بھی خون ریزی کبھی بھی کسی مسئلے کا مستقل حل نہیں ہوا کرتی۔ لڑائی کے ذریعے کبھی بھی لڑائی کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ جس ملک میں بھی آج تک لڑائی کو لڑائی کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے، وہاں سوائے بربادی کے کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ خانہ جنگی اور طاقت کے استعمال سے کہیں بھی امن قائم نہیں ہوسکا۔ دنیا میں سب سے زیادہ ہیروں اور قیمتی لکڑی کے وسائل سے مالامال ملک

لائبیریا نے جب لڑائی کو لڑائی کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی تو ملک برباد ہوگیا تھا اور دارالحکومت کے لوگ دو سال تک پانی اور بجلی کے بغیر زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے تھے، یہاں تک کہ دنیا اس ملک کو عالمی قبرستان کا نام دینے پر مجبور ہوئی۔ انگولا سے روزانہ بیس لاکھ بیرل تیل نکلتا تھا، یہ دنیا میں ہیروں کا دوسرا بڑا مرکز بھی تھا، خانہ جنگی اس ملک کے 20 لاکھ لوگوں کو کھا گئی اور ملکی معیشت کو 40 ارب ڈالر کا نقصان ہوا۔ یوگنڈا کی فی کس آمدنی 949 ڈالر تھی، بدامنی کی وجہ سے پانچ سال بعد اس کی فی کس آمدنی 31 ڈالر رہ گئی۔ اریٹریا کا اسمارہ دنیا کا واحد مقام تھا کہ امریکا سمیت پوری دنیا ٹیلی کام کے جدید نظام کے لیے اس کی محتاج تھی، مگر یہ ملک بھی اندرونی تنازعات کا شکار ہوا اور کوڑی کوڑی کا محتاج ہوگیا۔ ایسے متعدد ممالک ہیں جہاں لڑائی کو لڑائی کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ برباد ہوگئے۔ آج بھی جن ممالک میں دنگا فساد ہو رہا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے آپریشن کی بات کی، اگر آج وہ بھی مذاکرات کی بات کریں تو امن قائم ہوسکتا ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ مذاکرات ہی امن قائم کرنے کا پہلا اور آخری حل ہے ں۔ جنگوں کا انجام مکمل تباہی یا پھر مذاکرات پر ہی ہوتا ہے۔

تاریخ ہمیں یہی بتاتی ہے کہ بہت سے ممالک میں برسوں جاری رہنے والی جنگ و جدل کے بعد بھی مذاکرات ہی کے ذریعے امن کا قیام ممکن ہوا۔ آج تک بہت سے

ممالک نے امن کے قیام کے لیے خطرناک دشمنوں سے بھی مذاکرات کیے ہیں۔ الجیریا میں دس سالہ خانہ جنگی میں ایک لاکھ لوگ مارے گئے، پورا ملک برباد ہوگیا، دس سال بعد متحارب گروپوں سے مذاکرات ہوئے، معاہدے ہوئے، معافی تلافی ہوئی اور الجیریا میں ایک بار پھر امن قائم ہوگیا۔ امریکا کو پہلے ویت نام اور اب گیارہ سال جنگ کے بعد اپنے خطرناک دشمنوں طالبان کے ساتھ بالآخر مذاکرات کرنے پڑ رہے ہیں۔ برطانیہ، سری لنکا، فلپائن، بھارت اور بہت سارے ممالک مسلح گروپوں کے ساتھ مذاکرات کے ذریعے طویل لڑائی کو ختم کرکے امن سے رہ رہے ہیں۔ اب جبکہ پاکستان کی اکثریت اس بات پر متفق ہوچکی ہے کہ ملک میں امن کے قیام کے لیے مذاکرات انتہائی ضروری ہیں اور مذاکرات کا عمل کامیابی کے ساتھ جاری بھی ہے تو اس کوشش کو کامیاب ہونے دینا چاہیے، آپریشن کی بات ہی نہیں کرنی چاہیے، تاکہ ملک میں امن قائم ہو۔ اصل مقصد تو ملک میں امن کا قیام ہے، دشمن تو کسی حال میں بھی ہمارے ملک میں امن نہیں چاہتا، وہ مذاکرات کو ناکام بنانے کی کوشش میں ہے۔ مذاکرات کے مخالفین اغیار کے طرز عمل کو اپنائے ہوئے ہیں تو انہیں یہ رویہ ترک کردینا چاہیے اور ملک کی بہتری کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ ان حالات میں مذاکرات کی مخالفت کرتے ہوئے آپریشن کا راگ الاپنے سے ملک کا فائدہ نہیں، نقصان ہی ہوگا۔

زندگی کا سفر

زندگی کیا ہے؟ یہ معدوم سے وجود اور وجود سے معدوم ہونے تک کرب و خوشی کے بے شمار لمحات، امیدوں اور مایوسیوں کے تسلسل، محبتوں اور نفرتوں کی داستان، خوش گمانیوں اور بدگمانیوں کے طویل سلسلے سے بھرپور محدود و متعین وقت کا نام ہے۔ ایک ایسی مسافت جس کی منزل (موت) تو متعین، لیکن راہیں جدا جدا ہیں۔ زندگی ایک طویل انتظار اور ہر گزرتے پل ایک نئے امتحان کا نام ہے۔ ایک چیلنج ہے جسے ہر کسی کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ ایک شمع ہے جسے پگھلتے پگھلتے آخر کار ختم ہونا ہے۔ ایک بلبلہ ہے جو ابھرتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے۔ ایک چراغ ہے جو کسی بھی وقت بجھ سکتا ہے۔ ایک ایسی عمارت ہے جو کبھی نہ کبھی مسمار ہو کر ہی رہتی ہے۔ ایک ایسی خواہش کا نام ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی ہے۔ ایک ایسا فریب ہے جس کی حقیقت موت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بہت کچھ حاصل کرکے اور بہت کچھ کھو کر انسان نہ چاہتے ہوئے بھی ہر قدم اپنی منزل کی طرف اٹھاتا چلا جاتا ہے۔ کبھی زندگی کا یہ سفر اتنا خوبصورت محسوس ہوتا ہے کہ انسان چاہتا ہے زندگی کے یہ خوبصورت لمحات ہمیشہ کے لیے یہیں تھم جائیں، مگر انسان ان خوبصورت لمحوں کو ہر قدم پیچھے چھوڑتے ہوئے بھی زندگی کے سفر پر گامزن رہتا ہے اور کبھی یہ سفر اتنا کٹھن ہو جاتا ہے کہ انسان اسے جلدی سے طے کرکے اپنی منزل کو پانے

کی خواہش کرتا ہے۔

یوں کہا جائے تو بالکل بجا ہے کہ زندگی نت نئی تبدیلیوں کا نام ہے۔ زندگی اگر گلاب کی مانند ہے تو کانٹے کی چبھن بھی ہے۔ ہوشربا خوبصورتی ہے تو گھائل کرنے والا نشتر بھی ہے۔ دل کو بھانے والی صبح کی روشنی ہے تو رات کی خوفناک تاریکی کا نام بھی ہے۔ زندگی ایک ایسی لڑائی کا نام ہے جس میں جیت بھی اپنی اور ہار بھی اپنی ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی کو جس زاویے سے بھی دیکھا جائے وہ اپنی سچائی کی گواہی دیتا نظر آتا ہے، کیونکہ زندگی ہر انسان کی اپنی سوچ کا نام ہے، اس کا کوئی صورت اختیار کرنا ہر انسان کے عقل اور عمل کے تابع ہوتا ہے۔ ایک غریب مزدور شخص زندگی کو دکھوں کا میلہ کہتا ہے۔ فقیر زندگی دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کو ہی سمجھتا ہے۔ طالب علم کے لیے زندگی ایک بڑی کتاب کا نام ہے۔ نامراد عاشق کے نزدیک زندگی حسرتوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ملاح موجوں کی روانی کو زندگی خیال کرتا ہے۔ مریض کہتا ہے کہ زندگی ڈاکٹروں اور دوائیوں کا نام ہے۔ ایک قیدی جیل کو زندگی کا نام دیتا ہے۔ قاتل کے نزدیک زندگی دوسروں کا خون بہانے کا نام ہے اور مجاہد راہ حق میں لڑ کر شہید ہونے یا فتح پا کر غازی بننے کو زندگی کا نام دیتا ہے۔ شاعر کہتا ہے

زندگی کا سفر ہے یہ کیسا سفر

کوئی سمجھا نہیں، کوئی جانا نہیں
ہے یہ کیسی ڈگر چلتے ہیں سب، مگر
کوئی سمجھا نہیں، کوئی جانا نہیں

معروف ادیب و افسانہ نگار سعادت حسن منٹو کہتے ہیں: " زندگی کیا ہے؟.... یہ میری سمجھ میں نہیں آتا، میں سمجھتا ہوں کہ یہ اونی جراب ہے، جس کے دھاگے کا ایک سرا ہمارے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔ ہم اس جراب کو ادھیڑتے رہتے ہیں، جب ادھیڑتے ادھیڑتے دھاگے کا دوسرا سرا ہمارے ہاتھ میں آ جائے گا تو یہ طلسم جسے زندگی کہا جاتا ہے ٹوٹ جائے گا۔ زندگی کو تم استعارہ کہو، تیرگی کا اک نظارہ کہو یا شبنم کا وہ قطرہ جو سورج نکلنے تک باقی رہا یا پھر وصل و فراق کے بیچ الجھتا لمحہ، افلاس سے لڑتا ہوا سکہ، تمہارے قانون کی ایک حد یا مردہ تہذیبوں کی لحد، تم اسے جو بھی کہو، کوئی بھی نام دو، مگر میں بس اتنا ہی کہوں گا کہ "زندگی" صرف موت تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے اور مجھے اس سے "انتہا کا پیار ہے۔

زندگی تیرے تعاقب میں لوگ
اتنے چلتے ہیں کہ مر جاتے ہیں

اس زندگی کا سب سے قابل افسوس پہلو یہ ہے کہ اس میں انسان انتہا کا مفاد

پرست اور دنیا میں پائے جانے والے پتھروں سے کہیں زیادہ کٹھور اور سخت قلب واقع ہوا ہے۔ اس کے سامنے سنگ دلی کا لفظ تو بہت چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ انسان کے دل کی سختی تو پتھروں کو بھی مات دے دیتی ہے۔ پتھروں کی نرم خوئی اور دلوں کی سنگ خوئی کی گواہی خود قرآن دیتا ہے۔ ارشادِ باری ہے: "پھر اس کے بعد تمھارے دل سخت ہوگئے، گویا کہ وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور بعض پتھر تو ایسے بھی ہیں، جن سے نہریں پھوٹ کر نکلتی ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں، جو پھٹتے ہیں، پھر ان سے پانی نکلتا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں" (البقرۃ)۔ اپنی زندگی کی جنگ جیتنے کے لیے انسان کچھ بھی کر سکتا ہے۔ دھوکا دہی، قتل و غارت گری، ڈاکا، نفرت، دشمنی، منافقت اور ہر طرح کی برائی اختیار کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ وہ اپنی فتح کے لیے تمام انسانی ضابطوں کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہوئے دوستی، محبت، انس اور سب رشتوں کو مفادات اور مطلب کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے۔ ایک دوسرے کا خون بہاتا ہے۔ اپنے مطلب اور اغراض کی خاطر انسان ایک پیٹ سے جنم لینے والے اپنے بہن بھائیوں سے دشمنی مول لے لیتا ہے اور اپنے ماں باپ سے بھی بغض اور نفرتیں پال لیتا ہے۔ ہر چیز مطلب پر قائم ہو جاتی ہے۔ محبت آمیز باتوں، مسکراہٹوں، مہربانیوں، شفقتوں کی تہہ میں کوئی نہ کوئی غرض پوشیدہ ہوتی ہے اور بعض لوگ تو خدا کو بھی اپنے مطلب کے لیے یاد کرتے ہیں۔

اگر یہ زندگی مسکراتی ہوئی گزر جایا کرے، جس میں خود غرضی، خود پسندی، پست خیالی، نفرت، دشمنی، دغا، مفاد پرستی اور وہ سب کچھ نہ ہو جو زندگی کے مزے کو کرکرا اور پوری زندگی کو ہی بدمزہ کر دیتا ہے تو کیا ہی خوب ہو، لیکن کوئی کتنی ہی کوشش کرے ایسا ہر گز نہیں ہوتا۔ یہاں عزت انسان کی نہیں، دولت و مرتبے کی ہوتی اور دولت و مرتبہ حاصل کرنے کے لیے ساری زندگی جنگ لڑنا پڑتی ہے، مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ مقابلے میں جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ دھوکا دینا پڑتا ہے اور دنیا کو نقصان پہنچانا پڑتا ہے۔انسان دولت و مرتبے کے حصول کی خاطر ساری زندگی اسی جدوجہد اور تگ و دو میں گزار دیتا ہے۔ایک اطالوی شاعر کہتا ہے:

اے میرے بچے
زندگی کرسٹل کی سیڑھیاں تو نہیں
یہ تو بہت سخت ہے
مانند لوہے کی میز کے
مانند بغیر قالین کے فرش کے
مگر اے میرے بچے
تو نے رکنا نہیں
کہ رکنا زیادہ اذیت ناک ہوگا
تجھے آگے بڑھنا ہے

تجھے زندہ رہنا ہے

انسان بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے تک اپنی پوری زندگی خود کو لوگوں کی نظر میں باوقار اور قابل عزت بنانے کی کوشش و فکر میں مگن رہتا ہے، لیکن دنیا اس سے کبھی خوش نہیں ہوتی۔ اگر سادہ لوح ہو تو دنیا مذاق اڑاتی ہے۔ اگر عقلمند ہو تو حسد کرتی ہے۔ الگ تھلگ رہے تو متکبر اور اگر ہر ایک سے گھل مل رہے تو خوشامدی گردانا جاتا ہے۔ دنیا کو خوش رکھنے کی اسی جدوجہد میں اس کی زندگی تمام ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن آتا ہے، وہ چپکے سے دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے۔ جاتے ہوئے اس کو یہ سوچنے کا موقع بھی نہیں ملتا کہ یہ سارا کیا تماشا تھا اور وہ جاتے ہوئے یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ زندگی کا سفر ہے یہ کیسا سفر، کوئی سمجھا نہیں کوئی جانا نہیں۔

پھر یوں ہوا کہ راحتیں کافور ہو گئیں

یہ تقریباً تین سال پہلے کی بات ہے۔ فیصل آباد سول لائن ایریا میں زبردست تباہی مچی تھی۔ایک خوفناک دھماکے کے نتیجے میں 25 افراد نے موت کا لباس زیب تن کرلیا تھا اور ڈیڑھ سو سے اوپر زخمیوں کی فہرست میں شامل ہو گئے۔ فیصل آباد نے اتنی خوفناک اور بڑی تباہی شاید پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ شہر بھر میں خوف اور سوگ کا عالم تھا۔ بہت سے چہروں پر وحشت ناچ رہی تھی اور آنکھیں اشکبار تھیں۔ اس قیامت صغریٰ نے سب کو غمزدہ اور افسردہ کردیا تھا۔ان دنوں میں فیصل آباد میں تھا اور چند دوستوں کے ہمراہ اکثر ایک ہوٹل میں چائے پینے جایا کرتا تھا، جہاں ایک ستر اسی سالہ بابا جی بھی اکثر آجایا کرتے تھے۔ اتنی زیادہ عمر کے باوجود وہ بے حد ہشاش بشاش اور چست و توانا دکھائی دیتے تھے۔ بابا جی نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ فوج میں گزارا تھا، وہ بہت ہی سنجیدہ اور پر مغز گفتگو کیا کرتے تھے۔ ہم ان کی پر مغز باتوں سے محظوظ ہوا کرتے۔

دھماکے سے اگلے ہی روز جب ہم چائے پینے ہوٹل میں گئے تو بابا جی بالکل گم سم اور افسردہ بیٹھے تھے۔ ہم نے جب ان سے افسردگی اور خاموشی کی وجہ دریافت کی تو وہ دل گرفتہ لہجے میں گویا ہوئے۔ "بیٹا پاکستان کے حالات دیکھ کر

کلیجہ منہ کو آتا ہے، ہم جب ہندوستان کو چھوڑ کر پاکستان آئے، اس وقت میں کافی کم عمر تھا، پھر بھی ایک ایک بات میرے ذہن میں گزرے ہوئے کل کی طرح محفوظ ہے۔ ہمارے محلے دار ہمیں بھارت نہ چھوڑنے پر راضی کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہے اور میرے ابا جی ہم پانچوں بہن بھائیوں کو لے کر پاکستان آ گئے۔ جبکہ میرے تایا جی اپنی فیملی کے ساتھ بھارت میں ہی رہے۔ وہ ہمارے بھارت چھوڑنے پر ناخوش تھے، انہوں نے میرے ابا کو بہت سمجھایا کہ بھارت کو چھوڑ کر نہ جائیں، یہیں ایک ساتھ اپنی زندگی گزارتے ہیں، لیکن میرے ابا کا کہنا تھا کہ بھارت ہمارا ملک نہیں ہے۔ اب ہمارا اپنا ملک پاکستان بن گیا ہے، ہمیں وہیں جانا چاہیے، آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔ وہاں ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل جل کر پیار و محبت اور امن و سکون سے رہ سکیں گے۔ بیٹا! ہمیں بتایا جاتا تھا کہ نیا بننے والا ملک پاکستان "جنت ہو گا جنت"۔ وہاں مسلمانوں کی جان، مال، عزت و آبرو بالکل محفوظ ہو گی۔ سب آزادی اور امن و سکون کے ساتھ زندگی گزار سکیں گے۔ ہندوستان سے آتے ہوئے ہمارے کئی رشتے دار شہید ہوئے۔ مسلمانوں کے ایک ایک گاؤں اور ایک ایک گھر پر دھاوا بولا گیا۔ مردوں کو اذیتیں دے دے کر اور عورتوں کو وحشیانہ عصمت دری کے بعد قتل کیا گیا۔ ہمارا مقدس ورثہ قرآن اور دیگر اسلامی کتابیں جلادی گئیں۔ ہم نے آتے ہوئے بہت دکھ جھیلے ہیں۔ ہجرت کے بعد کئی دن ٹھوکریں کھاتے، بھوک و پیاس کی حالت میں ہم پاکستان پہنچے تھے۔ اب تم ہی بتاؤ ، یہ سارا دکھ ہم نے کیا ایک ایسے پاکستان

کے حصول کے لیے جھیلا تھا جو غیر محفوظ اور بدامنی کا شکار ہو اور وہاں موت کا بسیرا ہو؟ کیا ہر وقت موت و وحشت کی چھتری تلے سانس لیتے زندگی گزارنے کے لیے پاکستان بنایا گیا تھا؟ ہم نے تو سکون، امن اور آزادی کے لیے ہجرت کی تھی۔ وہ سکون، امن اور آزادی آج کہاں ہے؟ کم از کم پاکستان میں تو نہیں ہے۔ بخدا پاکستان کے حالات دیکھ کر دل دکھتا ہے، دل پر چھریاں چل جاتی ہے ں۔ یہاں کوئی بھی محفوظ نہیں ہے، سب بپھری ہوئی موت کے حصار میں ہے ں۔ بابا جی کے آنسو چہرے سے بہتے ہوئے داڑھی کو تر کرنے لگے اور میں خاموشی سے سفید ریش بابا جی کے جھریوں بھرے چہرے کو تکنے لگا۔

اس واقعہ کو آج تین سال ہونے کو آئے ہیں، ہر سال کی ابتدا اسی آس کے ساتھ کرتا ہوں کہ شاید پاکستان کے قیام کا مقصد حاصل ہو جائے، مگر سال اپنے معمول کے مطابق گزر جاتا ہے اور ملک میں سکون، امن، آزادی اور تحفظ نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ ملک کے حالات میں رتی بھر بھی بہتری نہیں آتی، بلکہ حالات بہتری کی بجائے مسلسل تنزلی کی جانب گامزن ہیں۔ روز اخبارات دل چھیدنے والی خبروں سے بھرے ہوتے ہیں۔ ہر خبر کسی نئے سانحے کا پتا دے رہی ہوتی ہے اور کوئی نئی قیامت اور افتاد وارد ہونے کو تیار دکھائی دیتی ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب دھماکوں اور قتل و غارت گری کی خبریں نہ آتی ہوں۔ پورا پاکستان خون میں لت پت ہے۔ ملک میں کھل کر خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ کچھ

پتا نہیں چل رہا ہے، کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے؟ پہلے ہفتے میں ایک آدھ دھماکا ہوتا تھا، اب روزانہ بھی نہیں، صبح شام دھماکے ہوتے ہیں۔ پہلے پہل کہا جاتا تھا کہ فلاں شہر محفوظ ہے، فلاں علاقہ محفوظ ہے، لوگ غیر محفوظ شہروں کو چھوڑ کر محفوظ شہروں کی طرف ہجرت کر جاتے تھے۔ اب تو ہر طرف موت کا بسیرا ہے۔ کوئی شہر بھی محفوظ نہیں ہے۔ دہشت نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

میرے وطن میں موت کی تیز ہوا کے تھپیڑے ایسے آئے کہ ہر ذی شعور انسان کو رلا کے رکھ دیا۔ نہ سفر محفوظ، نہ گھر محفوظ، نہ بازار اور نہ اسکول و ہسپتال محفوظ، ہر جگہ دہشت کی حکمرانی ہے۔ زندگی کی سانسیں پھول گئی ہیں۔ زندگی، موت کے سامنے بے بس دکھائی دے رہی ہے۔ ہر طرف قتل و غارتگری کا بازار گرم ہے اور اس بازار میں سب سے سستی و ارزاں چیز موت ہی ہے۔ ڈاکٹروں، پروفیسروں، انجینئروں اور صحافیوں کو چن چن کر تہہ تیغ کیا جا رہا ہے۔ دن دہاڑے مختلف مسالک کے علمائے کرام کو بے دردی کے ساتھ قتل کیا جا رہا ہے، ملک میں فرقہ واریت کا عفریت منہ کھولے معاشرے کو ہڑپ کرنے کو تیار ہے۔ لوگ عبادت گاہوں میں جانے سے بھی خوفزدہ ہیں کہ عبادت گاہیں قتل گاہوں میں بدل گئی ہیں۔ شہریوں کی نہ عزت محفوظ ہے نہ جان و مال۔ میرے ملک کے شہری کہیں بم دھماکوں کی نذر ہو جاتے ہیں اور کہیں انہیں تاک تاک کر سیاست کی بھینٹ

چڑھادیا جاتا ہے۔ گھروں سے نکلتے وقت ذہن میں یہ خوف اور وسوسہ ہوتا ہے کہ کیا خیریت سے گھر واپس پہنچ پائیں گے یا پھر خدانخواستہ کسی ٹارگٹ کلر کی اندھی گولیوں کا شکار ہوجائیں گے۔ شوہر کی واپسی کے لیے بیوی، باپ کی واپسی کے لیے بچے دست بہ دعا ہوتے ہیں۔ بھائیوں کی خیریت سے واپسی کے لیے بہنوں کی آنکھوں میں غیر یقینی کی پرچھائیں اور آنسو ہیں اور ہونٹوں پر دعائیں ہیں۔

ہر بستی، ہر محلے، ہر علاقے میں لاشیں ہیں۔آہ و زاریاں، دھاڑیں اور آنسو ہیں۔ قاتل، دہشت گرد اور جرائم پیشہ افراد بے خوف وخطر دھڑلے سے ڈاکے ڈال رہے ہیں۔ بینک لوٹ رہے ہیں اور بھتا لے کر لوگوں کے کاروبار اجاڑ رہے ہیں۔ بے گناہ شہریوں کو اغوا و قتل کیا جارہا ہے۔ شاید کوئی بڑا شہر ایسا نہیں جہاں بدقماش عناصر معصوم شہریوں کو اغوا کرکے ہر ماہ ان کے اعزا و اقربا سے تاوان کی مد میں کروڑوں روپے اپنی جیبوں میں نہ بھر رہے ہوں۔ سیاستدان حالات کو سدھارنے کی بجائے قوم کو آپس میں لڑا کر بگاڑنے میں مصروف ہیں۔ اربابِ اختیار صرف بیانات کے ذریعے بہادری کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ ملک کی ڈوبتی ناؤ کو بچانے میں ناکام ہوچکے ہیں یا پھر بچانا نہیں چاہتے!

شاید سرور ارمان کے یہ اشعار ہی کچھ میرے جذبات کی ترجمانی کرسکیں

پھر یوں ہوا کہ وقت کے تیور بدل گئے

پھر یوں ہوا کہ راستے یکسر بدل گئے
پھر یوں ہوا کہ حشر کے ساماں ہو گئے
پھر یوں ہوا کہ شہر بیاباں ہو گئے
پھر یوں ہوا کہ راحتیں کافور ہو گئیں
پھر یوں ہوا کہ بستیاں بے نور ہو گئیں
پھر یوں ہوا کہ غلبہ ز آفات ہو گیا
پھر یوں ہوا کہ قتل مساوات ہو گیا

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ایک ایسی قوم جو چاروں طرف سے خوف، بدامنی، بے سکونی اور وحشت میں گھری ہو، بے شمار مصائب، آلام اور مسائل کا شکار ہو، ہر روز قتل غارتگری، دھماکوں اور دہشت گردی کی خبریں سن سن کر جس کے کان پک گئے ہوں، جاگیردار، وڈیرے اور سیاستدان ہمیشہ اپنی سرداری، حکمرانی اور کرسی کو سلامت رکھنے کی خاطر اس قوم کو بے روزگاری، غربت اور پسماندگی میں الجھا کر مایوسی اور نومیدی میں مبتلا رکھنا چاہتے ہوں، ان حالات سے نکلنے کی کوئی راہ بھی سدھائی نہ دے اور دشمن انہیں مختلف قسم کے طعنوں اور القابات سے نوازتے ہوں، دشمن کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے خود اس قوم کے بہت سے افراد یوں سمجھنے لگیں کہ شاید یہ قوم اس قابل نہیں کہ دوسری قوموں کے مدمقابل آسکے اور کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دے سکے کہ جس سے قوم کا سر فخر سے بلند ہو جائے۔ ایسے میں اس قسم کی ہر بات کو جھٹلانے اور اپنی قوم کو ملنے والے ہر طعنے کا جواب دینے کے لیے اس قوم کے بڑے نہیں، بلکہ صرف نوجوان اور بچے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا کر پوری دنیا پر اپنی فوقیت کو ثابت کر کے قوم کا سر فخر سے بلند کر دیں اور پوری دنیا کو یہ باور کرا دیں کہ ہماری قوم کو طعنے دینے والے بالکل جھوٹ بولتے ہیں، پاکستانی قوم ترقی یافتہ اقوام کا صرف مقابلہ ہی نہیں، بلکہ ان سے بھی بڑھ کر کردار

ادا کر سکتی ہے۔ یہ قوم دنیا کی بہتر ہی نہیں ، بلکہ بہترین قوم ہے، جو تمام رکاوٹوں کے باوجود وہ کچھ کر سکتی ہے جسے دیکھ کر پوری دنیا کی عقل دنگ رہے بغیر نہیں رہ سکتی اورجب اس طرح ایک بار نہیں، بلکہ وقفے وقفے سے جاری رہے تو پوری دنیا ورطہ حیرت میں ڈوب کر پاکستانی قوم کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے خود اپنے ہاتھوں سے انہیں انعامات سے نوازے اور انہیں طعنے دینے والوں کی زبانیں گنگ ہوجائیں تو واقعی یہ ملک و قوم کے لیے باعث افتخار اور بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔

گزشتہ دنوں میرے ملک پاکستان کے ایک طالب علم عمر انور جہانگیر نے عالمی اقتصادی فورم کے سب سے کم عمر مندوب ہونے کا اعزاز حاصل کرکے پاکستانی قوم کا سر فخر سے بلند کردیا ہے۔ عالمی اقتصادی فورم کے دروازے سب کے لیے آسانی سے نہیں کھلتے، عمر انور جہانگیر نے نہ صرف اس دروازے کو وا کیا، بلکہ اس فورم کے مخصوص فورم "گلوبل شیپر" یعنی دنیا کو نئی شکل و سمت عطاء کرنے والے لوگوں میں بھی شامل ہو گئے ہیں، جس میں دنیا کے بہترین 50 نوجوان تیز ذہنوں کو شامل کیا جاتا ہے۔ عالمی اقتصادی فورم میں شامل ہونے والوں میں ایک طرف تقریباً 40 ممالک کے سربراہوں سمیت سو سے زاید ممالک کے ڈھائی ہزار سے زیادہ سیاسی اور تجارتی لیڈر ہیں جبکہ دوسری طرف صرف 21 سالہ پاکستانی طالب علم عمر انور ہیں، جنہوں نے دوست طالب علموں کے ساتھ مل کر کراچی میں "بحریہ

میڈکس" نام کی ایک تنظیم بنائی ہے، جو طبّی میدان میں فلاحی کام کرتی ہے۔ عمر انور جہانگیر اس تنظیم کے اہم پالیسی ساز اور منتظم ہیں۔ خوشگوار حیرت کی بات یہ ہے کہ جس دن عمر انوار جہانگیر نے سب سے کم عمر مندوب کا منفرد اعزاز حاصل کیا، اسی روز ایک اور پاکستانی طالب علم رائے حارث منظور نے بھی اپنی کم عمری کے باوجود دنیا بھر کے سامنے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا کر پاکستانی قوم کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ چنیوٹ کے رہائشی رائے حارث منظور نے صرف 9 سال کی عمر میں او لیول کے امتحان میں 90 ممالک کے 20 لاکھ بچوں میں پہلی پوزیشن حاصل کرکے عالمی ریکارڈ قائم کیا۔ حارث منظور نے چوتھی کلاس تک اسکول میں تعلیم حاصل کی، پھر کیمرج یونیورسٹی سے 15 ماہ میں او لیول کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کرکے وہ کام کر دکھایا جو عموماً 18 سال کی عمر کے طالب علم کرتے ہیں۔

اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر پوری دنیا سے داد وصول کرنا اور اعزازات سمیٹنا صرف عمر انور جہانگیر اور رائے حارث منظور تک ہی محدود نہیں ہے اور نہ ہی یہ پہلی بار نہیں ہوا ہے، بلکہ پاکستانی طلباء وقتاً فوقتاً اپنے ملک کے لیے باعث افتخار بنتے رہتے ہیں۔ حارث منظور سے پہلے بھی کم ترین عمر میں او لیول کے امتحان میں ٹاپ کرنے کا اعزاز چنیوٹ کی ہی 11 سالہ طالبہ ستارہ بروج کے پاس تھا۔ کم سن ستارہ نے 9 سال کی عمر میں کیمسٹری کے مضمون میں او

لیول، جبکہ دس سال کی عمر میں بائیولوجی میں او لیول کرکے بھی ریکارڈ قائم کیا تھا۔ اسی طرح پاکستانی طالبعلم ہارون طارق کیمبرج یونیورسٹی کے تحت منعقد ہونے والے او/اے گریڈ لینے کا عالمی ریکارڈ قائم کرچکے ہیں، جبکہ A لیول امتحانات میں سب سے زیادہ ان سے پہلے بھی عالمی ریکارڈ پاکستانی طالب علم ذوہیب اسد کے پاس تھا۔ پاکستانی طالب علم ابراہیم شاہد نے او لیول میں اے گریڈز حاصل کرکے ورلڈ ریکارڈ بنایا ہوا ہے۔

پاکستانی طالب علم علی معین نوازش نے اے لیول کے امتحان میں اے گریڈز حاصل کرکے ورلڈ ریکارڈ قائم کیا، جبکہ ان سے پہلے اے لیول میں سب سے زیادہ اے گریڈز حاصل کرنے کا اعزاز پاکستانی شہیر جواد گل کے پاس تھا۔

اوکاڑہ کے 15 سالہ طالب علم محمد عمار افضل نے کمپیوٹر کے امتحان او ریکل نائن میں سب سے زیادہ نمبر لے کر ورلڈ ریکارڈ قائم کیا۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے بابر اقبال نے کا امتحان پاس کرکے اپنی ہم وطن ارفع کریم (MCP) مائیکروسافٹ سرٹیفائیڈ پروفیشنل رندھاوا کا ریکارڈ توڑ کر عالمی اعزاز حاصل کیا۔ مانانوالہ شیخوپورہ کے دوردراز گاؤں کوٹ جگجیت سنگھ کے رہائشی دو بھائیوں رانا حامد سلام اور رانا ماجد سلام نے مکینکل انجینئرنگ کی دنیا میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ 2012 میں آسٹریلیا میں ہونے والے ریاضی کے مقابلے میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والا 13 سالہ بچہ موسیٰ فیروز بھی پاکستانی ہی

تھا۔ اس مقابلے میں دنیا بھر کے 231 ممالک سے کل 52 ہزار 82 اسکولوں کے 60 لاکھ بچے اس ایونٹ کا حصہ بنے تھے، لیکن تحصیل پھالیہ کے 13 سالہ موسیٰ فیروز نے ایک منٹ میں اوسطاً 16 اور 50 منٹ میں 4405 صحیح جوابات دے کر ریاضی کی دنیا کا مشکل ترین مقابلہ اپنے اور اپنے ملک کے نام کیا۔ اس فتح کے بعد موسیٰ فیروز کو آسٹریلیا نے اپنا ریاضی کا سفیر مقرر کرکے پاکستان کو اعزاز بخشا۔

پاکستانی طلباء ہر میدان میں کچھ انوکھا کرکے ملک کا نام روشن کرتے رہتے ہیں۔ کم سن پاکستانی طالبہ آسیہ عارف کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے متعدد عرب ممالک کے سفیر آسیہ سے سے ملاقات کرچکے ہیں۔ آسیہ عارف نے سات سال کی عمر پہلی پاکستانی عربی شاعرہ ہونے کے ساتھ سات سال کی عمر میں پاکستان کی کم ترین یونیورسٹی طالبہ ہونے کا اعزاز بھی حاصل کیا اور اس کے ساتھ آسیہ عارف نے آٹھ سال کی عمر میں عربی زبان میں ایک کتاب بھی لکھی جو کہ از خود کسی پاکستانی کے لیے اس کم عمری میں کسی غیر ملکی زبان میں کتاب لکھنا ایک ریکارڈ ہے۔ پاکستانی طالب علم محمد نفیل عرفان نے امریکی ادارے "سپیس فاؤنڈیشن" کے تحت ہونے والے عالمی مقابلہ برائے آرٹ میں پہلا انعام حاصل کرکے عالمی سطح پر پاکستان کا نام روشن کیا۔

یہ تو وہ پاکستانی طلباء ہیں جو منظر عام پر آ گئے، ورنہ" دو چار سے دنیا واقف ہے گمنام نجانے کتنے ہوں گے۔" اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ قدرت نے پاکستان کو انتہائی زیادہ باصلاحیت افرادی قوت سے مالا مال کیا ہے، اسی لیے آئے دن مختلف شعبوں میں پاکستانی طلباء نہ صرف عالم گیر شہرت حاصل کرتے ہیں، بلکہ ملک و قوم کا وقار بھی بلند کرتے ہیں۔اس نعمت سے فائدہ اٹھا کر پاکستان زبردست ترقی حاصل کر سکتا ہے۔شرط یہ ہے کہ صاحب اقتدار طبقہ ان کی صلاحیتوں کی قدر کرے اور انہیں کچھ کرنے کے آسان مواقع فراہم کرے، پھر دیکھے یہ نوجوان ملکی ترقی کو کیسے چار چاند لگاتے ہیں۔ شاعر مشرق نے انہی کے لیے تو فرمایا تھا

نہیں ہے نومید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

یورپ میں اسلام کا خوف

اب یہ بات تو عیاں ہو گئی ہے کہ یورپ میں مسلمانوں کی تعداد میں روزافزوں اضافہ ہی بہت سے متعصب اہل مغرب کو خوفزدہ کیے ہوئے ہے، حالانکہ انہیں امن و آشتی کے مذہب اسلام سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ برطانوی سیاسی جماعت یوکے انڈیپنڈنٹ پارٹی کے رہنما گیرارڈ بیٹن نے اس خوف کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ "برطانیہ میں مقیم مسلمان قرآن مجید کے بعض حصوں سے اظہار لاتعلقی کریں۔ مسلمانوں کو جہاد سے متعلقہ قرآنی حصوں سے اپنے آپ کو الگ کرنا ہوگا اور یہ کہنا چاہیے کہ یہ ناقابل عمل، غلط اور غیر اسلامی ہے۔" گیرارڈ بیٹن کے مطابق "مغربی ممالک نے مسلمانوں کو اپنے ہاں مساجد تعمیر کرنے کی اجازت دے کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اس اجازت کے نتیجے میں پورے مغرب کی سرزمین پر مساجد پھیل گئی ہیں۔" یہی سیاستدان 2006 میں قرآن مجید کے بعض حصوں پر پابندی اور 2010 میں مساجد کی تعمیر پر پابندی لگانے کا مطالبہ کر چکا ہے۔

ایک زمانہ تھا جب مسلمان یورپ، برطانیہ وغیرہ میں اجنبی تھے۔ اہل یورپ نے مسلمانوں کے لیے دروازے ضرور کھولے، مگر ان کے دل نہیں کھلے تھے، لیکن آج اسلام امریکا و برطانیہ سمیت پورے یورپ میں بڑے جوش و خروش سے پھیل رہا ہے،

جگہ جگہ شراب خانے اور چرچ خوبصورت مساجد میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ اسلامی لٹریچر تقسیم ہو رہا ہے۔ لوگ قرآنی تعلیمات، حقائق، سچائی اور دلائل پر مبنی ریسرچ اور تحقیق کے بعد اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ برطانوی جریدے اکانومسٹ کی گزشتہ سال کی رپورٹ کے مطابق مغربی ممالک میں لوگ تیزی سے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ نائن الیون کے بعد صرف برطانیہ میں ایک لاکھ لوگ اپنا پرانا مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ ویلز یونیورسٹی کے محقق کیون بروس کے مطابق ہر سال 5200 افراد دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ اسلام قبول کرنے والوں میں زیادہ تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ قابل ذکر وقت گزارا اور ان سے متاثر ہوئے۔ برطانیہ میں نسلی امتیاز اور اخلاقی اقدار کے فقدان کی وجہ سے لوگ اسلام جیسے امن پسند مذہب کی جانب راغب ہو رہے ہیں۔ انگلینڈ میں تقریباً ساڑھے 7 ملین، فرانس میں 5 ملین اور جرمنی میں چار ملین سے زاید مسلمان موجود ہیں، ان بڑے ممالک کے علاوہ اسپین، اٹلی، ڈنمارک، ناروے، ہالینڈ، یونان وغیرہ میں بھی مسلمان موجود ہیں، جن میں سے اکثر پاکستان، بھارت، بنگلا دیش سے تعلق رکھتے ہیں۔

یورپ میں اچھی خاصی تعداد ان نو مسلموں کی بھی ہے، جو مسلمان تو ہو چکے ہیں، مگر انگریزی رسم و رواج کی وجہ سے انہوں نے اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے، کیونکہ انگریزی سماج آج بھی اسلام قبول کرنے والوں کو ناپسندیدگی کی نظر سے

دیکھتا ہے۔ گیرارڈ بیٹن جیسے لوگوں کی سرپرستی میں میڈیا بلاوجہ مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کرتا نہیں تھکتا۔ مسلمانوں کے خلاف ہر طرح کا تعصب برتا جاتا ہے، لیکن ان تمام سختیوں اور پروپیگنڈے کے باوجود اسلام یورپ میں بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ اس بڑھتی ہوئی آبادی اور اسلام کی مقبولیت سے امریکا و برطانیہ سمیت پورا یورپ خاصا پریشان دکھائی دیتا ہے، اسی لیے آئے دن گیرارڈ بیٹن اور ٹیری جونز جیسے متعصب لوگ یورپ میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے خوفزدہ ہو کر اسلام کی توہین پر اتر آتے ہیں۔ کبھی نعوذ باللہ دنیا کی مقدس ترین کتاب قرآن مجید کو آگ لگا کر اپنے بغض کا اظہار کیا جاتا ہے اور کبھی قرآن مجید کے بعض حصوں سے لاتعلقی کے اظہار کا کہا جاتا ہے۔ کبھی خانہ کعبہ و مدینہ منورہ پر حملے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں اور کبھی مساجد کے مینار گرانے، مساجد کو مسمار کرنے اور مساجد کی تعمیر پر پابندی لگانے کے مطالبہ کیا جاتا ہے اور کبھی حجاب پر پابندی لگا کر مسلمانوں کو ستایا جاتا ہے۔ مغربی ممالک میں مسلم برادری کے خلاف حملوں کا بڑھتا ہوا رجحان بھی اسی نفرت کے اظہار کا ایک طریقہ ہے۔ چند ماہ قبل برطانیہ میں ٹیل ماما نامی ادارے کی ایک رپورٹ کے مطابق صرف 18 ماہ کے دوران اقلیت مسلمانوں کے خلاف مجموعی طور پر 12 سو سے زاید حملے کیے گئے اور حملوں کا یہ رجحان وقت کے ساتھ ساتھ بڑھ رہا ہے۔ برطانیہ میں ایک مسلمان عورت نے ٹیل ماما ادارے کو بتایا کہ مجھ پر کئی مرتبہ حملہ کیا گیا، مجھ پر تھوکا گیا، مجھے

مارا پیٹا گیا، حتی کہ جب میں حاملہ تھی، مجھے میرے بیٹے اور میرے خاوند کے سامنے روندھا تک گیا۔ یورپی یونین کی ایجنسی برائے بنیادی حقوق سے تعلق رکھنے والی کاٹیا اینڈروسز کے بقول ایسا لگتا ہے کہ برطانیہ اور فرانس مسلمانوں کے خلاف ہونے والے حملوں کا مرکز ہیں۔ یورپ میں مسلمانوں کے ساتھ اس امتیازی سلوک کو دیکھتے ہوئے سابق برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر کی نو مسلم خواہر نسبتی اور ممتاز صحافی بوتھ نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ برطانوی مسلمانوں کی تعداد میں اضافے سے کسی کو خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں، انہیں چاہیے کہ مسلمانوں سے خوش رہیں۔ اگر مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے تو یہ ملک کے لیے اچھی بات ہے، مسلمان پرامن لوگ ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ اسلام امن و آشتی اور انسانیت کی بھلائی کا درس دیتا ہے، اسی عالمگیر سچائی کی جانچ پڑتال کے بعد یورپ میں اسلام کے دامن عافیت میں پناہ لینے والوں کی اکثریت مشہور و معروف اور پڑھے لکھے لوگوں پر مشتمل ہے۔ یورپ میں گزشتہ سال اسلام کے دائرے میں داخل ہونے والے صرف چند معروف نام ذکر کیے جاتے ہیں۔

عرب ٹیلنٹ ایوارڈ میں دوسری پوزیشن حاصل کرنے والی امریکی پاپ گلوکارہ 23 سالہ جنیفر گراوٹ، بین الاقوامی شہرت رکھنے والے فلپائن کے شہرہ آفاق گلوکار فریڈی ایگوئلر، جرمنی کی طرف سے تھائی لینڈ میں بطور سفیر کام کرنے والی یاسمین، فرانس کی معروف گلوکارہ میلنئی جارجیادیس المعروف

دیام، فتنہ فلم کے پروڈیوسر ارناؤ ڈفانڈورن، ان سب کے مطابق اسلام کے مکمل مطالعہ کے بعد ہم نے اسلام قبول کیا۔ ان کے علاوہ بے شمار ایسے نام بھی ہیں جو منظر عام پر نہ آسکے۔ محمد علی کلے، ایوان ریڈلی مریم، محمد یوسف مبلغ یورپ، سمیرا نامی معروف عیسائی رہنما، ماہر تعلیم پروفیسر کارل مارکس، ڈاکٹر ولیمز، برطانوی ماڈل کارلے والٹس اور معروف پاپ سنگر مائیکل جیکسن کے ایک بھائی اور بہن سمیت سیکڑوں ایسے معروف افراد تھے جنہوں نے مختلف ادوار میں اسلام کی ابدی صداقت اور حقانیت کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ معروف پاپ سنگر مائیکل جیکسن اور شہزادی ڈیانا کے بارے میں بھی ان کے نہایت قریبی حلقوں کی طرف سے بار ہا کہا جاتا رہا ہے کہ وہ بھی مسلمان ہوگئے تھے۔

ان بڑی بڑی سمجھدار شخصیات سمیت مسلمان ہونے والوں کے اپنی مرضی سے اسلام قبول کرنے کے بعد مسٹر گیرارڈ بیٹن کے اسلام کے معاملے میں بغض و عناد سے کام لینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر انہیں زبردستی اسلام قبول کروایا جاتا یا پھر یورپ میں اسلام قبول کرنے والے افغانستان و عراق سمیت اسلامی ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجانے والے گیرارڈ بیٹن کے ہم مذہبوں کی طرح یورپ میں خون کی ہولی کھیلتے تو شاید اس بغض کی کوئی وجہ تراشی جاسکتی تھی، لیکن جب ایسا کچھ بھی نہیں تو گیرارڈ بیٹن کو اسلام سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ حالانکہ یورپ کے نو مسلموں سے جب پوچھا جاتا ہے کہ آپ کو کونسی چیز

اسلام کی طرف کھینچ لاتی ہے تو جواباً کہتے ہیں کہ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے، اس سے ہمیں روحانی سکون ملتا ہے۔ جب یورپ کے لوگ خود امن و سکون کی زندگی قبول کر رہے ہیں تو گیرارڈ بیٹن ان کی زندگی کا سکون کیوں چھیننا چاہتا ہے؟

غداری کیس: مشرف عدالت حاضر

سابق آمر پرویز مشرف 2 جنوری سے راولپنڈی میں امراض قلب کے ایک فوجی ہسپتال آرمڈ فورس انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی (اے ایف آئی سی) میں چھپے بیٹھے ہیں، ابھی تک وہ خصوصی عدالت میں کسی ایک بھی پیشی پر حاضر نہیں ہوئے۔ 31 جنوری کو ہونے والی سماعت میں خصوصی عدالت نے علاج کے لیے بیرون ملک جانے کی درخواست کو مسترد کرتے ہوئے سابق فوجی صدر کے قابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کیے اور اپنے حکمنامے میں پرویز مشرف کو 7 فروری کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم دیا تھا، وہ 7فروری کو بھی عدالت میں حاضر نہ ہوئے تو سابق آمر کو پیشی کی آخری مہلت دیتے ہوئے عدالت کا کہنا تھا کہ پرویز مشرف 18فروری کو ہر حال میں عدالت حاضر ہوں، اگر وہ 18فروری کو بھی عدالت پیش نہ ہوئے تو نا قابل ضمانت وارنٹ جاری اور زر ضمانت ضبط کر لی جائے گی۔ عدالت سے مسلسل غیر حاضری کے بعد اپنی آخری مہلت پر آخرکار پرویز مشرف نے غداری کیس میں خصوصی عدالت کے روبرو پیش ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے، ذرائع کے مطابق سابق آمر نے یہ فیصلہ اپنے قریبی دوستوں اور وکلاء سے مشاورت کے بعد کیا اور ساتھ ہی آج عدالت میں پیش ہونے کے لیے ایک اپیل بھی تیار کی ہے۔ بعض صحافیوں کا کہنا ہے کہ پرویز مشرف نے خصوصی عدالت میں حاضر ہونے کا فیصلہ نا قابل ضمانت وارنٹ جاری ہونے اور

زرضمانت ضبط ہونے کے خوف سے کیا ہے۔ سابق آمر کے وکیل احمد رضا قصوری کا اس حوالے سے کہنا ہے کہ آئندہ سماعت پر پرویز مشرف کی پیشی کے حوالے سے ایک اور سرپرائز دیں گے۔ واضح رہے کہ گزشتہ سماعت سے ایک روز قبل بھی پرویز مشرف کے وکیل احمد رضا قصوری نے سرپرائز کا اعلان کیا تھا۔ جب احمد رضا قصوری سے پوچھا گیا تھا کہ سابق صدر کے حوالے سے پیشی پر سرپرائز کی بات کی تھی، وہ کیا تھی؟ جس پر احمد رضا قصوری نے کہا سابق صدر پرویز مشرف کا وارنٹ گرفتاری ہونے کے باوجود خصوصی عدالت میں پیش نہ ہونا ہی تو سب سے بڑا سرپرائز ہے۔ بعض تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ پرویز مشرف کے وکیل بظاہر ان سے وفاداری کا اعلان کررہے ہیں اور پرویز مشرف پر جان نچھاور کرنے کی باتیں کررہے ہیں، دوروز قبل غداری مقدمے کی سماعت کے دوران پرویز مشرف کی وکلا ٹیم میں شامل رانا اعجاز نے سماعت شروع ہوتے ہی کہا تھا کہ وہ پرویز مشرف کے دوست ہیں اور ان کے دور میں پنجاب حکومت میں وزیر قانون بھی رہے ہیں۔ ان کے دوست اس وقت مشکل میں ہیں، اس لیے دوستی کا تقاضا ہے کہ پرویز مشرف کی جگہ انھیں غداری کے مقدمے میں پھانسی یا پھر عمر قید کی سزا دی جائے۔ عدالت اگر انھیں سزا دے گی تو یہ ان کے لیے فخر کی بات ہوگی اور ویسے بھی وہ جیل کی ہوا کھانا چاہتے ہیں۔ اس سب کے باجود یوں معلوم ہوتا ہے کہ پرویز مشرف کے وکیل ہی اسے سزا دلوانے کا سبب بنیں گے، یہ وکیل ہی اس سزا کو طول دے رہے ہیں، جو اس سے کروڑوں کی فیس حاصل کررہے ہیں۔ مشرف کے وکلاء اس انداز میں

مقدمہ لڑ رہے ہیں جس انداز میں ذوالفقار علی بھٹو کے وکلاء نے ان کا مقدمہ لڑا تھا اور یہ احمد رضا قصوری میڈیا کو "سرپرائز" دیتے دیتے خود پرویز مشرف کو ایک دن عظیم سرپرائز دیں گے۔

دوسری جانب مسلسل سعودی عرب کی جانب سے اس امکان کا اظہار کیا جا رہا تھا کہ شاید وہ پرویز مشرف کی رہائی کا سبب بن جائے، جب بھی کوئی سعودی رہنما پاکستان کے دورے پر پاکستان آتا ہے تو مختلف حلقوں کی جانب سے ملک میں چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا کہ شاید اس بار سعودی عرب حکومت سے پرویز مشرف کی رہائی کی بات کرے اور پرویز مشرف کی رہائی کا کوئی سامان کیا جائے، لیکن اس بار سعودی ولی عہد شہزادہ سلمان بن عبدالعزیز کی آمد پر وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات پرویز رشید کے بیان سے سارے خدشات دور ہو گئے۔ غداری کیس میں پراسیکیوٹر اکرم شیخ بھی سعودی ولی عہد سلمان بن عبدالعزیز کے اعزاز میں عشائیے میں موجود تھے۔ اس موقع پر لوگ پوچھتے رہے کہ سعودی ولی عہد نے پرویز مشرف کے معاملے پر کوئی بات کی ہے؟ تو پرویز رشید نے اکرم شیخ کا ہاتھ پکڑ کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا کہ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سعودی ولی عہد یا کسی سعودی سفارت کار نے پرویز مشرف کا ذکر تک نہیں کیا۔ سعودی ولی عہد شہزادہ سلمان بن عبدالعزیز سابق صدر پرویز مشرف کے بارے میں بات کرنے نہیں آئے۔ جبکہ اس سے ایک روز قبل وزیر اعظم میاں نواز شریف کا بھی

کہنا تھا کہ پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان تعلقات انتہائی برادرانہ ہیں، سعودی شاہ عبداللہ کا دورہ پاکستان باہمی رابطوں کو مزید مضبوط کرنے کے لیے ہے، ان کے دورے کو پرویز مشرف کے تناظر میں نہ دیکھا جائے، سعودی عرب کو پرویز مشرف کے حوالے سے پیغام پہنچانا ہوتا تو وہ کسی دوسری شخصیت کو بھیج سکتے تھے۔ یہ خیال رہے جب گزشتہ ماہ سعودی وزیر خارجہ سعود الفیصل پاکستان کے دورے پر آئے تھے تو اس وقت بھی یہی باتیں کی جارہی تھیں کہ اس دورے کا کچھ نہ کچھ، کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی مقام پر پرویز مشرف کو فائدہ پہنچے گا۔ مشرف نے سعودی حکومت کی خواہش پر نواز شریف کو قید سے نکال کر جدہ پہنچا دیا تھا، یہ ہو نہیں سکتا کہ مشرف جب مشکل میں ہوں تو سعودی عرب کی طرف سے کسی خواہش کا اظہار نہ کیا جائے، لیکن اس وقت بھی یہی ہوا کہ سعودی وزیر خارجہ نے پرویز مشرف کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ ان حالات میں جب کہ پرویز مشرف کے جرائم کی فہرست طویل ہو اور کسی جانب سے اسے کسی تعاون کی امید بھی نہ ہو تو ان کا قدرت کے انتقام سے بچنا مشکل نظر آتا ہے۔ پرویز مشرف نے پاک فوج کے قابل احترام ادارے کو اپنی ہی قوم کی نظروں میں متنازعہ بنانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، ایک جعلی ریفرنڈم میں خود کو پاکستان کا صدر منتخب کروایا۔ نائن الیون کے بعد ایک فون کال پر قومی غیرت کو امریکا کے قدموں میں ڈال دینے کا

جرم بھی پرویز مشرف نے کیا تھا، جس کی سزا ملک میں خودکش حملوں کی صورت سب کو بھگتنا پڑ رہی ہے، 50 ہزار سے بھی زیادہ تعداد میں شہید ہونے والے بے گناہ پاکستانی شہریوں کے خون ناحق کے اصل ذمے دار امریکا اور جنرل پرویز مشرف ہیں۔ لال مسجد میں بے گناہ اور معصوم بچیوں کو فاسفورس اور بارود سے جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دینا، قومی ہیرو ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کی تذلیل اور طویل عرصہ تک ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو قید میں رکھنا، صرف اور صرف اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے تمام عدالتی سسٹم کو تباہ کرکے رکھ دینا اور ججوں کو غیر آئینی طریقے سے ان کے عہدوں سے محروم کر دینا یقیناً پرویز مشرف کے بہت بڑے جرائم ہیں۔اس کے علاوہ پاکستانی شہریوں بشمول ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو امریکا کے ہاتھ فروخت کرنا، نواب اکبر بگٹی کا قتل ، کراچی میں 12 مئی 2007 کا خون خرابہ، پاکستانی میڈیا کو زیر عتاب لانا بھی سابق آمر جرائم میں شامل ہے۔اگرچہ پرویز مشرف اکثر مقدمات میں بری ہو چکے ہیں لیکن مکافات عمل سے انکار ممکن نہیں ہے۔قدرت انتقام لے کر رہتی ہے۔

کشمیر پر بھارت کی مسلسل ہٹ دھرمی

بھارت کی مسلسل ہٹ دھرمی سے ثابت ہوگیا کہ وہ کشمیر کا معاملہ حل کرنا ہی نہیں چاہتا، بلکہ مسلسل پاک بھارت تعلقات کو کشیدگی کی بھینٹ چڑھائے رکھنا چاہتا ہے۔ بھارت کی ہٹ دھرمی ہی پاکستان کے ساتھ مذاکرات اور دوستی کی کوششوں کو سبوتاژ کرنے کے لیے کافی ہے۔ ایک طرف مذاکرات کا راگ الاپنا اور دوسری جانب ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیے جانا " بغل میں چھری منہ میں رام رام " کا مصداق ہے۔ بھارت اگر کشمیر کے معاملے کو حل کرنے میں دلچسپی رکھتا تو کشمیر کے معاملے پر اقوام متحدہ کی ثالثی کی پیشکش کا مثبت جواب دیتا۔ گزشتہ دنوں اقوام متحدہ نے کہا کہ دنیا کے دیگر تنازعات کی طرح ہمارے دفاتر مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے ثالثی کا کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جس کے جواب میں بھارت نے اقوام متحدہ کی جانب سے ثالثی کے بیان کو مسترد اور مقبوضہ کشمیر کو اٹوٹ انگ کہنے کا راگ الاپتے ہوئے کہا کہ وہ اس مسئلے پر کسی تیسرے فریق کی مداخلت برداشت نہیں کرے گا۔ بھارتی وزارت خارجہ کے ترجمان کا مزید کہنا تھا کہ ماضی میں بھی پاکستان کی جانب سے کشمیر کے بارے میں اس طرح کے بیانات دیے گئے، جنھیں بھارت نے بار بار مسترد کیا ہے۔ اقوام متحدہ کے ترجمان کے بیان کو بھی ہم ماننے کے لیے تیار نہیں اور اسے ردی کی ٹوکری میں ڈالتے ہیں۔

گزشتہ سال بھی اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے پیشکش کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر پاکستان اور بھارت کشمیر کے دیرینہ تنازع کو حل کرنے کے لیے انہیں ثالث بنانے پر اتفاق کریں تو وہ اس سلسلے میں کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہیں، لیکن اس وقت بھی بھارت نے اسی طرح ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تھا، بلکہ بھارت ہمیشہ پاکستان کی جانب سے مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ میں اٹھانے کی بھی مذمت کرتا آیا ہے۔ حالانکہ بھارت خود کشمیر کے معاملے کو سب سے پہلے اقوام متحدہ میں لے کر گیا تھا۔ 1947 میں جب بھارت نے تحریک آزادی کشمیر کے تقاضوں اور تقسیم برصغیر کے اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہندو مہاراجہ ہری سنگھ کے نام سے الحاق کی ایک جعلی دستاویز کو بنیاد بنا کر 27 اکتوبر 1947ء کو ریاست جموں و کشمیر کے بھارت کے ساتھ جبری الحاق کا ڈراما رچاتے ہوئے اپنی فوجیں کشمیر میں اتار دیں، تو کشمیر کے غیور عوام نے اس جبری الحاق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، ڈوگرہ مہاراجہ اور بھارتی افواج کے خلاف علم جہاد بلند کرتے ہوئے ریاست کے بڑے حصے کو آزاد کروا لیا۔ ممتاز برطانوی مورخ لارڈ برڈ وووڈ کے مطابق مجاہدین کی کارروائیوں کے مقابلے میں بھارتی فوجیں شدید دباؤ کا شکار تھیں۔ چنانچہ جب بھارت کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ اگر یہ جہاد جاری رہا تو مجاہدین بہت جلد پوری ریاست کو اس کے قبضے سے آزاد کرالیں گے، تو اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے 1948 کے

آغاز میں بھارت کے اس وقت کے وزیر اعظم جواہر لال نہرو کشمیر کا تصفیہ کرانے خود اقوام متحدہ میں جا پہنچے تھے۔

سلامتی کونسل نے اپنی 13 اگست 1948 اور 5 جنوری 1949 کی قراردادوں کے مطابق طے کیا کہ کشمیر میں فوری جنگ بندی کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے زیر اہتمام آزادانہ اور غیر جانب دارانہ رائے شماری کا اہتمام کیا جائے۔ بھارت نے خود بھی اقوام متحدہ میں کشمیر کے لیے دی گئی اپنی درخواست میں کہا تھا کہ "حالات معمول پر آنے کے بعد اہل کشمیر بین الاقوامی نگرانی میں استصواب رائے کے ذریعے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہوں گے۔" پاکستان نے مسئلہ کشمیر کے پرامن حل کے لیے اقوام متحدہ کی تمام تجاویز کو قبول کیا، تاکہ کشمیریوں کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق مل سکے۔ اس کے برعکس بھارت ان قراردادوں کو تسلیم کرنے اور ان پر عمل درآمد کرنے کی یقین دہانیوں کے باوجود ان قراردادوں سے منحرف ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ اس نے یہ غیر حقیقت پسندانہ دعویٰ کیا کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ بھارت کا یہ دعویٰ تاریخی حقائق کے منافی، قانونی اصولوں کے خلاف اور جھوٹ پر مبنی ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ مسلم اکثریتی ریاست جموں وکشمیر کے سوا کروڑ انسانوں کا معاملہ ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے، جو عالمی سطح پر تسلیم شدہ ہے۔ مسلم اکثریتی ریاست جموں

وکشمیر نظریاتی اور علاقائی دونوں لحاظ سے پاکستان کا جزو لاینفک ہے۔ پاکستان کے نام میں حرف " ک " اس حقیقت کا مظہر ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کے بغیر پاکستان نامکمل ہے۔ معاشی اور دفاعی لحاظ سے کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔ پاکستان اور کشمیر کے مسلمانوں کے صدیوں پرانے خونی رشتوں کے علاوہ جغرافیائی اعتبار سے بھی کشمیر پاکستان کا قدرتی حصہ ہے، کیونکہ اس کے دریاوں اور شاہراہوں کا رخ ماسوائے پاکستان کہیں اور نہیں جاتا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ بھارت کی نیت قیام پاکستان کے وقت سے ہی پاکستان کو کشمیر سے محروم کرنے کی تھی، اسی لیے بھارت نے اپنی بھاری افواج کے ذریعے اس پر اپنا تسلط جما لیا اور پھر اس تسلط کو جائز تسلیم کرانے کے لیے مقبوضہ کشمیر کو باقاعدہ بھارتی ریاست کا درجہ دے دیا گیا۔ اگر بھارتی لیڈر شپ نے خلوص دل کے ساتھ یو این سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی کی قراردادوں کو عملی جامہ پہنا کر کشمیر میں استصواب کا اہتمام کیا ہوتا تو آج پاکستان اور بھارت ایک اچھے پڑوسی کی طرح پ±رامن بقائے باہمی کے فلسفے کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ علاقائی تعاون کے ذریعے اپنی اپنی اقتصادی ترقی کی منزلیں طے کر رہے ہوتے، جبکہ علاقائی اور عالمی امن کو بھی کسی قسم کا خطرہ لاحق نہ ہوتا، لیکن بھارت نے اپنی ہٹ دھرمی جاری رکھتے ہوئے کشمیری عوام پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنا شروع کر دیے، جس کے جواب میں کشمیری عوام نے مقبوضہ

کشمیر پر بھارتی تسلط کے خلاف اپنی جدوجہد کا آغاز کیا، جو بھارتی سیکورٹی فورسز کی جانب سے دی جانے والی ہر قسم کی اذیتوں اور صعوبتوں کو برداشت کرتے اور لاکھوں جانوں کے نذرانے پیش کرتے ہوئے آج بھی جاری ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ بھارت کی جانب سے دنیا کو دکھانے کے لیے تو پاکستان کے ساتھ مذاکرات کی میز پر ہر تنازعہ کے حل کی بات کی جاتی ہے، مگر جیسے ہی مذاکرات کے حوالے سے کشمیر کا تذکرہ ہوتا ہے تو بھارت کی ہٹ دھرمی والی رگ پھڑکنے لگتی ہے اور اسے اٹوٹ انگ کے سوا مسئلہ کشمیر پر کسی دوسرے لفظ کا استعمال سجھائی ہی نہیں دیتا۔ یہی بھارتی ہٹ دھرمی اب تک پاکستان بھارت کے درمیان تین جنگوں کی نوبت لا چکی ہے۔ بھارت کے پیدا کردہ تنازعہ کشمیر کی وجہ سے ہی پاکستان اور بھارت کے مابین کشیدگی کی فضا استوار ہوئی ہے، جس سے علاقائی ہی نہیں عالمی امن کو بھی خطرہ لاحق ہے۔ ان حالات میں مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے اقوام متحدہ سے زیادہ معتبر ادارہ اور کونسا ہو سکتا ہے، جس کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے ہی خود بھارت سب سے پہلے کشمیر کا تصفیہ کرانے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں جا پہنچا تھا۔ اگر بھارت کشمیر کے معاملے پر کسی کی بات سننے کو تیار نہیں تو پھر حریت کے متوالے کشمیری مجاہدین کی کاری ضربوں پر واویلا بھی نہ کیا کرے۔ وہ خود ہی کشمیر کا فیصلہ کرلیں گے۔

مشرف غداری کیس کا کوئی منطقی انجام نہیں ہے

سابق ڈپٹی اٹارنی جنرل آف پاکستان راجا ارشاد کیانی سے خصوصی گفتگو

پرویز مشرف کے خلاف غداری کیس خصوصی عدالت میں زیر سماعت ہے۔ سابق صدر کے خلاف وفاق کی درخواست پر گزشتہ سال 24 دسمبر کو تین ججوں پر مشتمل خصوصی عدالت نے آئین کے آرٹیکل 6 کے تحت غداری کے مقدمے کی کارروائی شروع کی تھی تاہم وہ مختلف وجوہات کو جواز بناتے ہوئے عدالت میں پیش نہیں ہوئے جس پر 31 جنوری کو عدالت نے ان کے قابل ضمانت وارنٹ جاری کیے اور بعد ازاں 18 فروری کو حاضر نہ ہونے پر ناقابل ضمانت وارنٹ جاری اور فرد جرم عاید کیے جانے کا امکان تھا جس پر وہ پہلی بار منگل کے روز عدالت میں پیش ہوئے لیکن ان کے خلاف فرد جرم عاید نہیں کی جا سکی۔ ملکی تاریخ کے اس اہم ترین کیس کے حوالے سے اب تک کی صورت حال اور آیندہ ممکنہ فیصلے کی بابت ملک کے معروف قانون دان اور سابق ڈپٹی اٹارنی جنرل جناب راجا ارشاد کیانی سے کی گئی گفتگو نذر قارئین ہے

عابد محمود عزام: پرویز مشرف کے خلاف غداری کیس میں اب تک ہونے والی کارروائی کے بارے میں آپ کا کیا تبصرہ ہے؟

راجا ارشاد کیانی: اسپیشل کورٹ میں تو غداری کیس قانون کے مطابق چل رہا ہے، جہاں تک فرد جرم کا تعلق ہے وہ ایک اہم مرحلہ ہے، ملزم کے خلاف چارج شیٹ میں درج الزامات کو دیکھتے ہوئے فرد جرم کا تعین ہوگا، لیکن اس کے نکات اب تک سامنے نہیں آئے اور یہ کہ ان پر کون سا مخصوص الزام لگایا گیا ہے، مشرف کا پہلی دفعہ عدالت میں حاضر ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ دراصل عدالت نے اپنے حکم پر عمل درآمد کرایا ہے، یعنی عدالت نے اپنی جوڈیشل اتھارٹی قائم کی ہے، کچھ چیزیں ابھی تک پس پردہ ہیں اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، ہم صرف اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کوئی خاص بات ہے جس کی بنا پر فرد جرم عاید نہیں کی جا سکی، لیکن جیسا کہ پیشی کے موقع پر اسیکیوٹر اکرم شیخ نے کہا کہ مشرف پر فرد جرم عاید کی جائے، لیکن نہیں ہو، اس ملک میں قیام سے لے کر آج تک بڑے بڑے ڈرامے سامنے آئے ہیں، اس ملک میں قانون اگر ہے تو وہ اس پسے ہوئے طبقے کے لیے ہے جس کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ اس ملک کے جو طاقتور طبقے ہیں ان کے لیے یہ قانون ٹیڑھا ہوتا ہے، ایسے لوگوں کے لیے قانون میں راستے بنا لیے جاتے ہیں۔ طاقت ور لوگوں کے لیے یہ قانون نہیں ہے، طاقت ور لوگ اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں اور اب بھی اس ملک میں یہ ہی صورت حال ہے۔

عابد محمود عزام : متعدد ساعتوں میں غیر حاضر رہنے کے بعد پرویز مشرف خصوصی عدالت حاضر ہوئے، اس کے باوجود ان کے خلاف فرد جرم کیوں عاید نہ ہو سکی؟

راجا ارشاد کیانی: پرویز مشرف کے کیس میں عدالت میں اب تک جتنی ساعت ہوئی ہے، اگر کوئی عام آدمی ہوتا تو اس کے ساتھ کیا سلوک ہوتا اور جو شخص ملک کا صدر رہا ہے اس کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے؟ یہ آپ خود دیکھ سکتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس کے کچھ نتائج سامنے آئیں گے۔ یہ صرف ایک "آئی واش" ہے۔

عابد محمود عزام :آپ نے فرمایا کہ اس معاملے کے پیچھے پس پردہ کچھ ضرور ہے، اس کی وضاحت فرما سکتے ہیں؟

راجا ارشاد کیانی: اس کیس میں اب تک جو کچھ ہوا ہے یہ میرا اندازہ ہے کہ اس کے پیچھے کچھ قوتیں موجود ہیں، لیکن میں وثوق کے ساتھ یہ بات نہیں کہہ سکتا۔ گزشتہ دنوں ملکی اور غیر ملکی سطح پر جو سرگرمیاں اس کیس کے حوالے سے ہوئی ہیں، ان سے یہ بات بالکل عیاں ہیں۔

عابد محمود عزام : مشرف وکلاء کے مطابق غدای کیس کی سماعت فوجی عدالت میں ہی ہو سکتی ہے اور پرویز مشرف بھی یہی خواہش رکھتے ہیں کہ ان کے خلاف سماعت فوجی عدالت میں ہو، کیا واقعی قانون کے مطابق ان کے خلاف سماعت فوجی عدالت

میں ہی ہو سکتی ہے؟

راجا ارشاد کیانی: یہ بات بالکل غلط ہے کہ پاکستان آرمی ایکٹ کے تحت یہ ٹرائل ہو، کیوں کہ یہ کسی آرمی ایکٹ کی نہیں بلکہ آئین کی پامالی ہے اور اس کے لیے خاص قانون یعنی آرٹیکل 6 موجود ہے۔ اس لیے ایسا کہنا درست نہیں ہے کہ یہ کیس فوجی عدالت میں چلنا چاہیے، بلکہ یہ سب کچھ دراصل کیس کو کمزور اور سست کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اس حوالے سے فیصلہ آجانا چاہیے تھا اور اس کا اختیار خصوصی عدالت کو حاصل ہے۔

عابد محمود عزام: مشرف کے وکیل انور منصور کے مطابق آرٹیکل 6 کے تحت کسی سول کے خلاف بھی مقدمہ فوجی عدالت میں چلایا جاسکتا ہے تو پرویز مشرف کے خلاف کیوں نہیں، اس بات میں کس حد تک صداقت ہے؟

راجا ارشاد کیانی: اس سے پہلے کس کے خلاف مقدمہ چلایا گیا؟ یہ تو پہلی دفعہ ایسا ہو رہا ہے، آرٹیکل 6 کے تحت پرویز مشرف پر جو الزام ہے اس کو انگریزی میں جو بھی کہیں، لیکن اردو میں اس کو غداری ہی کہتے ہیں کہ کسی شخص نے طاقت کا استعمال کرتے ہوئے ایسا کیا، یہ بھی خصوصی عدالت ہی کا کہنا ہے۔ اگر تھوڑا پیچھے جائیں کہ جس سپریم کورٹ نے انہیں اجازت دی تھی تو انہوں نے اس قوم پر کتنا بڑا ظلم کیا تھا؟ آپ کو یاد ہوگا کہ رمدے صاحب بھی اس عدالت میں تھے، جنہوں نے پرویز مشرف کو الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت دی تھی۔

عابد محمود عزام :پرویز مشرف اور ان کے وکلاء یہ کیس فوجی عدالت میں کیوں چلوانا چاہتے ہیں، اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟

راجا ارشاد کیانی: میرا خیال یہ ہے کہ خصوصی عدالت ہو یا فوجی عدالت اس کیس کا کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں ہے۔ یہ صرف ایک سعی لا حاصل ہے، مجھے نہیں لگتا کہ یہ اس ملک کی کوئی خدمت ہے۔

عابد محمود عزام :کیا مشرف کے وکلاء کا یہ کہنا درست ہے کہ جب تک عدالت کے خلاف دائر درخواستوں اور پراسیکیوٹر کے متعلق فیصلہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک غداری کیس کا فیصلہ ممکن نہیں؟

راجا ارشاد کیانی: وہ درخواست مسترد ہو چکی ہے، لہٰذا ایسا کہنا درست نہیں ہے، کیوں کہ خصوصی عدالت کو یہ کیس سننے کا اختیار حاصل ہے۔

عابد محمود عزام :پرویز مشرف کے وکیل انور منصور کا کہنا ہے کہ ججز پرویز مشرف کے حوالے سے تعصب اور جانبداری کا مظاہرہ کر رہے ہیں، کیا واقعی ایسی کوئی بات ہے؟

راجا ارشاد کیانی: اس قسم کے الزامات لگانا ایک عام سی بات ہے۔ سیاست دان بھی اکثر ایسا کہتے ہیں کہ فلاں جج متعصب ہے، اسی طرح پیپلز پارٹی والے بھی

ججوں کے حوالے سے ایسا کہتے رہے ہیں۔ یہ بے بنیاد باتیں ہیں اور اس کی سپورٹ میں ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔

عابد محمود عزام : بعض میڈیا رپورٹوں میں بتایا گیا ہے کہ پرویز مشرف کی عدالت میں پیشی دراصل طبّی وجوہ پر ملک سے باہر جانے کی درخواست دینے کا جواز پیدا کرنے کے لیے تھی، کیا غداری کے مقدمے میں طبّی وجوہ پر ملک سے باہر جانے کی گنجائش ہوتی ہے؟

راجا ارشاد کیانی: اگر انسانی جان کو خطرہ ہے یا میڈیکل بورڈ لکھ کر دے کہ ایسی کوئی خاص طبّی وجہ ہے یا مرض کی نوعیت ایسی ہے کہ اس کا علاج یہاں ممکن نہیں ہے، تو ایسی صورت میں عدالت ملزم کو باہر جانے کی اجازت دے سکتی ہے۔ کچھ ملکی اور غیر ملکی عناصر دراصل ایسا چاہتے ہیں کہ پرویز مشرف ملک سے باہر چلے جائیں، جیسا کہ ماضی میں نواز شریف باہر چلے گئے تھے، لیکن نواز شریف اپنے خلاف سزا کے بعد بیرون ملک گئے، جب کہ یہاں تو اب تک کیس زیر سماعت ہے اور ٹرائل ہی مکمل نہیں ہوا، لیکن جن کی گارنٹی پر یہ پاکستان واپس آئے تھے ان ہی کی گارنٹی پر یہ ملک سے باہر چلے بھی جائیں گے۔

عابد محمود عزام :آپ پرویز مشرف غداری کیس کا کیا انجام دیکھتے ہیں؟

راجا ارشاد کیانی: اس کیس کا کوئی منطقی انجام نہیں ہے، اگرچہ اس کیس کی

سماعت کے لیے ایک خصوصی عدالت بنائی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود مجھے یہ بے مقصد
کوشش لگ رہی ہے، میرا تجزیہ یہ ہی ہے کہ پرویز مشرف کو کچھ نہیں ہوگا اور یہ
باآسانی واپس چلے جائیں گے۔

ناکام ہونا کوئی بڑی بات نہیں

کہا جاتا ہے کہ زندگی میں کامیاب ہونے کے لیے انسان میں خود اعتمادی کا ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا دن کے لیے سورج کا ہونا ضروری ہے۔ خود اعتمادی کو کامیابی کی کنجی کہا جاتا ہے اور کامرانی کی پہلی سیڑھی سمجھا جاتا ہے۔ خود اعتمادی اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ کسی بھی انسان کا اس کے بغیر کامیابی کے راستوں پر گامزن ہونا انتہائی مشکل ہوتا ہے اور خود اعتمادی کے ساتھ مشکلات سے لڑنا انتہائی آسان ہوتا ہے۔ کامیاب افراد کی ترقی کا راز ان کی خود اعتمادی میں ہی چھپا ہوتا ہے، جو لوگ اپنی زندگی کے مقاصد کا تعین کر لیتے ہیں اور مستقل مزاجی کے ساتھ اپنے مقاصد کی تکمیل میں لگ جاتے ہیں وہ لوگ ہی کامیابی تک پہنچ پاتے ہیں۔ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ انسان کی عملی زندگی میں ناکامی کی بنیادی وجہ خود اعتمادی میں کمی کا ہونا ہے، جن لوگوں میں خود اعتمادی کی کمی ہوتی ہے ان کے دلوں میں یقین کی پختگی بھی نہیں ہوتی۔ جو انسان اپنی صلاحیتوں پر یقین رکھتا ہے، وہ ناکامی کو آخری و حتمی ماننے سے انکار کر دیتا ہے اور مقصد کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد کرتا رہتا ہے۔ وہ بالآخر کامیاب ہو جاتا ہے، لیکن جس شخص میں خود اعتمادی نہیں ہوتی وہ اپنی ہر ناکامی کو تقدیر کا لکھا سمجھ کر خود کو پستی میں دھکیل دیتا ہے۔ حالانکہ اپنی

ناکامیوں کو تقدیر کا لکھا سمجھ لینا حالات سے فرار ہوتا ہے۔

خود اعتمادی ایک ایسی انسانی صفت ہے جس سے ہر شخص مالامال ہونے کی خواہش رکھتا ہے۔ چونکہ خود اعتمادی ایک مثبت رویہ ہے، اس لیے دیگر مثبت رویوں کی طرح یہ بھی انسانی زندگی میں بہت سی مثبت اور خوش آئند تبدیلیاں لے کر آتی ہے۔ خود اعتمادی خوف کی ضد ہے اور خوف انسان کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیتا، یہ خوف ہی ہے جو کسی منزل کا تعین کرنے سے پہلے ہی راہی کو راستے کی دشواریوں کے وسوسوں اور اندیشوں سے خائف کرتے ہوئے عزائم اور ارادوں کو متزلزل کر دیتا ہے۔ اندیشے اور خوف خود اعتمادی کو سخت چوٹ پہنچاتے ہیں، ان اندیشوں اور خوف سے ہی انسان میں احساس کمتری پیدا ہوتی ہے، جبکہ خود اعتمادی سے سرشار شخص زندگی کی مشکلات پر قابو پا کر کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ اگر انسان خود ہی اپنی صلاحیتوں کے بارے میں تشکیک کا شکار ہو اور اسے اس بات پر اعتماد ہی نہ ہو کہ میری کامیابی یقینی ہے تو وہ کیونکر کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس لیے کامیاب ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کی ہوئی صلاحیتوں کا ادراک اور ان پر مکمل اعتماد ہونا ضروری ہے۔ کسی انسان میں صلاحیتوں کی کمی نہیں ہوتی، بلکہ خود اعتمادی کی کمی ہوتی ہے۔ ہر انسان میں صلاحیتیں ضرور ہوتی ہیں چاہے مخفی طور پر ہی موجود ہوں، لیکن وہ خود اعتمادی میں کمی کی وجہ سے اس جوہر کو ابھرنے کا موقع نہیں دیتا، نتیجاً ناکام رہتا

ہے۔ اگر انسان کو اپنی ذات پر مکمل اعتماد ہو تو وہ بڑے سے بڑا کارنامہ بھی بآسانی سر انجام دے سکتا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ کسی بھی شعبے میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرنے والے کسی بھی شخص کی کامیابی کا راز اس کا اعتماد ہی ہوتا ہے۔ تاریخ میں متعدد بار ایسا بھی ہوا کہ مٹھی بھر جنگجوؤں نے بھاری بھر کم فوج کو آن کی آن میں ملیامیٹ کرکے رکھ دیا، یہ سب خود اعتمادی کا نتیجہ تھا۔ جنگ یرموک میں مسلمانوں نے رومیوں کے لشکر جرار کے مقابلے میں ایک شاندار کامیابی حاصل کی، یہاں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے ساتھ مسلمانوں کی خود اعتمادی کا گراف بھی انتہائی بلند سطح پر تھا۔ اس جنگ کے سپاہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خود اعتمادی کا یہ عالم تھا کہ اکیلے ہی لاکھوں رومیوں کے مقابلے میں بھڑنے کو تیار تھے۔ ان کی سپاہ کے اعتماد سے بھرے ہوئے تیس ہزار مسلمانوں کے لشکر نے لاکھوں رومیوں کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا۔ انسان کو جیسا اعتماد ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس کو کامیابی دیتا ہے۔ اعتماد دل کی حکومت میں سپہ سالار کی حیثیت رکھتا ہے۔ تمام قومیں اس کا حکم مان کر چلتی ہیں۔ جو شخص خود اعتمادی، خدا پر یقین اور بھروسے سے آگے بڑھتا ہے، اسے کامیابی مل کر ہی رہتی ہے۔ بہت سے انسانوں کا یہ المیہ ہے کہ وہ دوسروں کی کامیابیاں دیکھنے میں اپنا سارا وقت کھو دیتے ہیں، حسد میں خود کو جلا ڈالتے ہیں،

حالانکہ دوسروں کی کامیابی کو دیکھ کر خود بھی کامیاب ہونے کی تگ و دو کرنا چاہیے۔
خود اعتمادی کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہر کام میں کامیابی حاصل ہو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مشکل کا سامنا ہو تو یہ معلوم ہو کہ محنت اور کوشش سے اس مشکل پر قابو پایا جاسکتا ہے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تب بھی شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔
خود اعتمادی دراصل مختلف شعبوں میں انسان کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا اندازہ لگانے کا موثر پیمانہ ہے۔ جس شعبے میں انسان کی معلومات بہتر ہوں گی اسی میں خود اعتمادی بھی زیادہ ہوگی۔ اس لیے جب انسان کسی شعبے میں ناکام ہوتا ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس شعبے میں اس کی معلومات ناکافی ہیں تو اپنی اس ناکامی پر کڑھنے کے بجائے اس شعبے میں اپنی صلاحیتوں اور معلومات میں اضافہ کرنا چاہیے۔ ماہرین نفسیات کے مطابق "ایک کامیاب شخصیت بننے کی کنجی یہ ہے کہ اپنی قابلیت اور صلاحیت کے شعبوں میں اعتماد پیدا کیا جائے اور جس شعبے میں بھی قابلیت کم ہو اس کے بارے میں عدم اعتماد کا شکار ہونے کی بجائے اپنی قابلیت کو بڑھاوا دیا جائے۔" ناکام ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے، ناکامی تو ہماری استاد ہوتی ہے۔ وہ ایک نشانِ راہ ہوتی ہے۔ اگر ہم ناکام ہوتے ہیں تو اس سے ہمیں ایک نیا اعتماد حاصل ہونا چاہیے، کیونکہ اہم اور کامیاب ترین لوگ بارہا ناکامی سے

دوچار ہوتے ہیں اور ہمیشہ مقصد کے حصول کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ خود اعتمادی بھی ہمیں عموماً سابقہ صورتحال میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ ہمیں بتاتی ہے کہ ہم نے سابقہ کام کس طرح سے سرانجام دیے تھے اور آئندہ کیسے سرانجام دینے چاہیے۔

ہم اکثر یہ بات نظرانداز کر جاتے ہیں کہ غلطیوں کے باوجود بھی اپنے آپ کو بہتر طور پر پرکھا جاسکتا ہے۔ جس طرح ہم اپنی کارکردگی کے بارے میں سوچتے ہیں، اسی طرح ہمیں اپنی غلطیوں سمیت اپنی قدر کرنا سیکھنا چاہیے۔ ہم اپنی اچھی کارکردگی کے بارے میں ضرور سوچیں، لیکن اس کے ساتھ ہمیں اپنی غلطیوں سے بھی لطف اندوز ہونا چاہیے۔

خود اعتمادی کا فقدان "کہیں میں ناکام نہ ہوجاؤں" یا "لوگ کیا کہیں گے" سے شروع ہوتا ہے۔ کامیاب ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ ان وسوسوں اور اوہام کو دل سے باہر نکال کر پھینک دینا چاہیے اور امید و یقین کی زندگی بسر کرنا شروع کر دینا چاہیے۔ اپنی ذات کے کمزور پہلوؤں کو نظرانداز کر دینا چاہیے۔ جب کوئی شخص اپنی قوت و کارکردگی کے کمزور پہلو دیکھتا ہے تو پھر اپنی صلاحیت کا اعتماد کھو دیتا ہے اور وہ ناکام ہوجاتا ہے۔ خود اعتمادی کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ شک کو قریب بھی نہ پھٹکنے دیا جائے۔ اپنے آپ کو ہر وقت یہ یقین دلاتے رہنا چاہیے کہ ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔ یقین کی طاقت اور خدا تعالیٰ کی مدد کی بدولت ہم ہر قسم کی مشکلات کا

مردانہ وار مقابلہ کر سکتے ہیں اور کامیابی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

یک طرفہ جنگ بندی کا مطالبہ درست نہیں

رہنما جماعت اسلامی ،طالبان مذاکراتی کمیٹی کے رکن پروفیسر محمد ابراہیم سے خصوصی گفتگو

حکومت اور طالبان کے درمیان مذاکرات کا عمل تعطل کا شکار ہے،جس سے ملک میں ایک طرح کی غیر یقینی کی صورتحال پیدا ہو گئی ہے اور بہت سے قومی حلقے ملک کے امن و سلامتی کے مستقبل کے حوالے سے مختلف اندیشے ظاہر کر رہے ہیں۔مذاکرات میں تعطل کے اسباب کیا ہیں اور امن و مصالحت کے عمل کی بحالی کی کیا سبیل ہو سکتی ہے؟ یہ جاننے کے لیے روزنامہ "اسلام" نے طالبان مذاکراتی کمیٹی کے اہم رکن اور جماعت اسلامی کے رہنما پروفیسر محمد ابراہیم سے خصوصی گفتگو کی ہے جس کا احوال پیش خدمت ہے

عابد محمود عزام: حکومت اور طالبان مذاکرات کے حوالے سے کس حد تک سنجیدہ ہیں؟

پروفیسر محمد ابراہیم: ہماری ملاقاتیں حکومتی کمیٹی کے ساتھ ہوتی رہی ہیں۔ شروع میں تو سنجیدگی دکھائی دیتی تھی، لیکن کچھ واقعات ہونے کے بعد پھر انہوں نے مذاکرات کو ختم کر دیا۔ مذاکرات کے تعطل کا عمل فریقین نہیں صرف

حکومتی کمیٹی کی طرف سے ہوا۔

عابد محمود عزام: آپ کا بیان چھپا ہے کہ بمباری کے باوجود طالبان مذاکرات کے لیے تیار ہیں، حکومت ہی سرد مہری کا مظاہرہ کر رہی ہے، کیا اس سے یہ تاثر نہیں ابھر رہا کہ حکومت مذاکرات میں سنجیدہ نہیں ہے؟

پروفیسر محمد ابراہیم: بالکل ایسے ہی ہے۔ حکومت مذاکرات میں سنجیدگی نہیں دکھا رہی۔ متعدد رابطوں کے باوجود حکومتی کمیٹی طالبان کمیٹی سے ملاقات نہیں کر رہی، ایسا لگتا ہے کہ انہیں حکومت سے اجازت نہیں مل رہی۔ اس طرح یہ کمیٹیاں بے معنی ہو گئی ہیں۔

عابد محمود عزام: تو پھر طالبان کمیٹی کے رکن مولانا یوسف شاہ صاحب کس بنیاد پر یہ کہہ رہے ہیں کہ مذاکرات کی کامیابی کی دو سو فی صد امید ہے؟

پروفیسر محمد ابراہیم: ابھی مذاکرات نہیں ہو رہے، مذاکرات تو کب سے معطل ہیں۔ ہاں اگر مذاکرات ہوئے تو پھر مذاکرات کامیاب ہو سکتے ہیں اور اس صورت میں مذاکرات کے لیے پرامید ہیں۔

، عابد محمود عزام: طالبان اور حکومت سیز فائر میں پہل کرنے کو تیار نہیں ہیں

تو ایسے حالات میں کیا مذاکرات کی کامیابی کی امید رکھنی چاہیے؟

پروفیسر محمد ابراہیم: سیز فائر تو ہمیشہ بیک وقت دونوں طرف سے ہوتا ہے، ایک طرف سے تو کہیں بھی نہیں ہوتا۔ حکومت جب بھی یہ کہتی ہے کہ یکطرفہ سیز فائر ہو تو اس کا مطلب ہے کہ سنجیدگی نہیں ہے۔ ہاں طالبان نے یہ کہا ہے کہ وہ جنگ بندی کے لیے تیار ہیں، حکومت یہ یقین دہانی کرائے کہ حکومت کے پاس طالبان کے جو قیدی ہیں ان کو قتل نہ کیا جائے۔ یہ آئینی اور قانونی مطالبہ ہے، لیکن حکومت اس بارے میں کوئی واضح جواب نہیں دے رہی۔ حکومتی اہلکار تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے کسی کو نہیں مارا لیکن مستقبل کے حوالے سے کوئی یقین دہانی نہیں کرائی جاتی۔ یہ آئینی اور قانونی مطالبہ ہے کہ نہ ہی طالبان کسی قیدی کو ماریں اور نہ ہی حکومت مارے، لیکن حکومت کی شرط یہ ہے یک طرفہ طالبان جنگ بندی کریں۔ طالبان کہتے ہیں ہم جنگ بندی کے لیے تیار ہیں، لیکن ہمیں یقین دہانی کرائی جائے کہ ہمارے قیدیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد سیز فائر کے لیے تیار ہیں۔

عابد محمود عزام: ایک تو طرف وزیر داخلہ کا کہنا ہے کہ مذاکرات کے بغیر امن ممکن نہیں ہے، جبکہ دوسری طرف طالبان کے خلاف بمباری بھی کی جارہی ہے، یہ تضاد کیا پیغام دیتا ہے؟

پروفیسر محمد ابراہیم: یہ سب کچھ ان سے پوچھنا چاہیے کہ وہ کیا پیغام دینا چاہتے ہیں، تضادات تو ہیں۔

عابد محمود عزام: طالبان کا کہنا ہے کہ حکومت مذاکرات کی آڑ میں ہم سے آئین منوانا چاہتی ہے، کیا واقعی ایسا ہے؟

پروفیسر محمد ابراہیم: طالبان کہتے ہیں کہ آئین کی بات کو ابھی نہ چھیڑا جائے۔ پہلے قرآن و سنت کو سامنے رکھ کر بات کی جائے۔ قرآن و سنت کی حدود کے اندر مذاکرات کیے جائیں۔ قرآن و سنت کی حدود میں مذاکرات کے لیے ہم تیار ہیں اور حکومت ہمارے ساتھ کسی نکتے پر متفق ہو جائے، مذاکرات شروع کر دے، آئین کی بات بعد میں کی جائے۔

عابد محمود عزام: آپ کا کہنا ہے کہ طالبان اور فوج براہ راست مذاکرات کریں تو امن قائم ہو سکتا ہے، کیا دونوں کا براہ راست مذاکرات کرنا ممکن ہے؟

پروفیسر محمد ابراہیم: ایسا بالکل ممکن ہے کہ دونوں براہ راست مذاکرات کریں۔ یہ صورت ہی زیادہ فائدہ مند ہے۔

عابد محمود عزام: آپ کا بیان شائع ہوا ہے کہ حکمران ملک میں اسلامی نظام نافذ کریں طالبان کو ہم راضی کرلیں گے، کیا حکمران ملک میں اسلامی نظام نافذ کرنے پر راضی ہو جائیں گے؟

پروفیسر محمد ابراہیم: اصل میں بات آئین پر عمل درآمد کی ہے، اسلامی نظام کا نفاذ آئین کا تقاضا ہے اور یہ آئینی تقاضا اگر حکمران پورا کردیں اور قرآن و سنت کے نظام کو آئین کے مطابق نافذ کردیں تو طالبان اس آئین کو مان لیں گے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ طالبان آئین کو نہیں مانتے، اگر وہ نہیں مانتے تو حکمرانوں نے کب اس آئین کو مانا ہے۔ کیا حکمران اس آئین پر عمل درآمد کے لیے تیار ہیں؟ طالبان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ قرآن و سنت کو مانتے ہیں، آئین کو نہیں مانتے۔ حکمران کہتے ہیں کہ ہم آئین کو مانتے ہیں۔ ہم تو قرآن و سنت کو بھی مانتے ہیں اور قرآن و سنت کی روشنی میں آئین کو بھی مانتے ہیں، لیکن حکمرانوں نے آج تک آئین پر کیا عمل درآمد کیا؟ یہ بتائیں۔ اگر وہ آئین پر عمل درآمد کرکے ملک میں قرآن و سنت کے نظام کو نافذ کردیں تو طالبان بھی اس آئین کی تائید کریں گے۔ سب مانیں گے۔

عابد محمود عزام: بعض حلقے مذاکرات کا پراسس خفیہ رکھنے پر زور دے رہے ہیں، آپ کے خیال میں میڈیا میں کمیٹی ارکان کی روزانہ کی بنیاد پر مذاکرات

کے حوالے سے گفتگو اس عمل پر کس طرح اثر انداز ہو رہی ہے؟

پروفیسر محمد ابراہیم: اب تو مذاکرات ہی میڈیا پر ہو رہے ہیں اور کہیں مذاکرات ہو ہی نہیں رہے۔ بالکل مذاکرات خفیہ ہونے چاہئیں۔ میڈیا کو تو وہ فیصلے جاری کیے جا سکتے ہیں جو دونوں جانب سے طے ہو جائیں۔ یہی طریقہ بہتر ہے۔

عابد محمود عزام: ان دنوں یہ بات کئی بار سامنے آ چکی ہے کہ کوئی تیسری قوت مذاکرات کو سبوتاژ کرنا چاہتی ہے، آپ کے خیال میں یہ تیسری قوت کون ہے اور وہ وہ ایسا کیوں کرنا چاہتی ہے؟

پروفیسر محمد ابراہیم: ایک قوت نہیں بہت ساری قوتیں ہیں، وہ سب دشمن قوتیں ہیں۔ ہر کسی کے اپنے اپنے مفادات ہیں اور دشمن دشمن ہوتا ہے، وہ نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ ایسی قوتیں طرفین میں ہیں۔ کراچی میں کچھ غیر ملکی پکڑے گئے ہیں، سب کے سامنے ہے۔ عابد محمود عزام: جب سب جانتے بھی ہیں کہ ایسی قوتیں ہیں تو پھر کیوں مذاکرات کو سبوتاژ ہونے دیتے ہیں؟

پروفیسر محمد ابراہیم: اس کا جواب تو حکومت ہی دے سکتی ہے کہ مذاکرات کو

کیوں سبوتاژ ہونے دیا جاتا ہے، حالانکہ کچھ دنوں قبل وزیر داخلہ صاحب کا بیان بھی سامنے آچکا ہے کہ مذاکرات مخالف کچھ قوتیں مذاکرات کو سبوتاژ کرنا چاہتی ہیں۔

عابد محمود عزام: کچھ حلقے ابھی تک مذاکرات کی مخالفت اور آپریشن کی حمایت کر رہے ہیں، وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟

پروفیسر محمد ابراہیم: ان کا جواب تو میرے پاس نہیں ہے۔ میں تو یہی کہہ سکتا ہوں کہ خدانخواستہ اگر آپریشن کیا گیا تو اس کے ممکنہ نتائج کیا ہوں گے۔ ماضی کے تجربات سے ہمیں معلوم ہے کہ جب 10 سالوں کے کسی آپریشن کا مثبت نتیجہ سامنے نہیں آیا تو مستقبل میں نتیجہ کیسے مثبت آسکتا ہے۔ پرویز مشرف نے 2004ء سے وانا میں آپریشن شروع کیا، پرویز مشرف نے یہ کہا تھا کہ ان چند افراد کا صفایا چند ہفتوں کی بات ہے، پھر وہ چند افراد ہزاروں میں تبدیل ہوگئے اور چند ہفتے کئی سالوں میں تبدیل ہوگئے۔ جب ماضی کا تجربہ یہ ہے تو پھر مستقبل میں کسی بھی مثبت نتیجے کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ ہمیں اس وقت بھی جو نتائج دکھائی دیتے ہیں، وہ یہ ہیں کہ باجوڑ، مہمند، خیبر ایجنسی، باڑہ، کرم اورکزئی، شمالی وزیرستان، جنوبی وزیرستان میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ بے گھر ہوگئے ہیں۔ آپریشن کی صورت میں دونوں جانب سے ہزاروں افراد

قتل ہوں گے، مہاجر بنیں گے، ہزاروں بستیاں اجڑیں گی، تباہی ہوگی اور ملک کے اندر دہشت گردی کی خطرناک اور شدید لہر اٹھے گی اور اس کے بعد جب اس تباہی سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا تو تنگ آ کر حکومت پھر مذاکرات کرے گی۔ اگر اتنی بڑی تباہی کے بعد مذاکرات ہونے ہیں تو پھر آج کیوں نہیں ہو سکتے؟ اس لیے اس کیوں کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔ میں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ جو لوگ مذاکرات کی مخالفت اور آپریشن کی حمایت کر رہے ہیں وہ یہ دیکھیں کہ ماضی میں آپریشن کا کیا نتیجہ نکلا ہے اور مستقبل میں کیا نکل سکتا ہے؟

عابد محمود عزام: مذاکرات مخالف جماعتیں کیا عوام کی نمائندگی کر رہی ہیں؟

پروفیسر محمد ابراہیم: پاکستانی عوام میں سے تو میں نے ایسا کوئی نہیں پایا جو مذاکرات کی مخالفت کر رہا ہوں۔ ہر جگہ سے ہمیں پیغام مل رہا ہے کہ ہم آپ کے لیے دعا گو ہیں، مذاکرات کامیاب ہونے چاہئیں۔ عوام مذاکرات کی کامیابی کی دعائیں کر رہے ہیں۔ ہر کوئی اس کا خواہش مند ہے کہ ملک کے اندر امن قائم ہو اور امن کے قیام کا مذاکرات کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ آپریشن کے نتیجے میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

عابد محمود عزام: بعض حلقے شروع دن سے آپریشن کا خدشہ ظاہر کر رہے ہیں، میرانشاہ میں بھی فوجی گشت بڑھا دیا گیا ہے، خدانخواستہ کیا واقعی یہ

خدشات درست ثابت ہونے جارہے ہیں؟

پروفیسر محمد ابراہیم: بالکل! یہ خدشات ثابت ہوتے نظر آرہے ہیں۔ بالکل یہ سلسلہ آپریشن کی طرف جارہا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ حکومت نے آپریشن کا فیصلہ کرلیا ہے۔

عابد محمود عزام: یہ تاثر یہ بھی سامنے آرہا ہے کہ دونوں فریق مذاکرات کی آڑ میں کچھ وقت گزارنا چاہتے ہیں؟

پروفیسر محمد ابراہیم: اس بات کا جواب تو فریقین ہی دے سکتے ہیں۔ ہم تو مذاکراتی کمیٹی کے ارکان ہیں۔ ہمیں تو مذاکرات کے لیے مقرر کیا گیا ہے، ہم کسی کی صفائی نہیں دے سکتے۔

عابد محمود عزام: آپ مذاکرات کا مستقبل کیا دیکھ رہے ہیں، قوم اس حوالے سے کیا امید رکھے؟

پروفیسر محمد ابراہیم: مذاکرات تو معطل ہیں، دوبارہ اسی طرح ہوتے نظر نہیں آرہے۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپریشن کا فیصلہ کرلیا گیا ہے۔

دینی جماعتوں نے متحدہ کا مطالبہ مسترد کردیا

متحدہ قومی موومنٹ نے سندھ اسمبلی میں جماعت اسلامی اور دیگر طالبان حامی جماعتوں پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا ہے، جب کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے اس مطالبے کی حمایت کی ہے۔ ایم کیو ایم کے رکن اسمبلی کامران اختر نے جماعت اسلامی اور دیگر طالبان حامی جماعتوں پر پابندی کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ شہر کی 33 یونین کونسلوں میں طالبان موجود ہیں۔ طالبان اسلام، ملک اور انسانیت کے دشمن ہیں، الطاف حسین نے طالبان کے خطرے کا پہلے ہی بتا دیا تھا لیکن ان کی باتوں کا مذاق اڑایا گیا۔ جب کہ صوبائی وزیر اطلاعات شرجیل میمن کا کہنا تھا کہ طالبان لاتوں کے بھوت ہیں، جو باتوں سے نہیں مانیں گے۔ ہر وہ تنظیم جو براہ راست یا بالواسطہ طالبان کی حمایت کرتی ہے اس پر پابندی لگنی چاہیے۔ اس تناظر میں مذہبی و سیاسی رہنماؤں سے کی گئی مختصر بات چیت نذر قارئین ہے

حافظ حسین احمد

مرکزی رہنما جمعیت علمائے اسلام (ف)

یہ مطالبہ ناقابل فہم ہے، جن جماعتوں پر پابندی لگی ہے ان سے تو بات چیت

ہو رہی ہے، جمہوری جماعتوں پر پابندی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے، مطالبہ کرنے والے یہ بتائیں کہ یہ مطالبہ کس سے کر رہے ہیں، حکومت سے یا فوج سے کر رہے ہیں۔ اس وقت ایسی باتیں بالکل نہیں کرنی چاہیے کہ فلاں فلاں پر پابندی لگا دی جائے۔ ملکی صورت حال کا تقاضا یہ ہے کہ سب کو یکجہتی کے ساتھ رہنا چاہیے۔ ایک دوسرے پر الزامات لگانے کا ملک متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہ جو کہہ رہے ہیں کہ طالبان کا جو یار ہے غدار ہے غدار ہے۔ یہ بتائیں یہ غدار کس کو کہہ رہے ہیں۔ حکومت خود طالبان سے مذاکرات کر رہی ہے، کیا وہ بھی غدار ہے؟ اے پی سی میں تو تمام جماعتوں نے مذاکرات کی حمایت کی تھی، ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی نے بھی مذاکرات کی حمایت کی تھی، اس طرح وہ بھی غدار ہوئیں۔ ناقابل فہم بات تو یہ ہے کہ یہ سب مطالبے میڈیا پر ہو رہے ہیں، حالاں کہ سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا چاہیے، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر پی پی بھی ان جماعتوں پر پابندی کی حمایت کر رہی ہے، تو وہ بتائے کہ اس نے بھی تو طالبان کے ساتھ مذاکرات کی حمایت کی تھی۔ حکومت طالبان کے خلاف جو آپریشن کر رہی ہے، وہ ناقابل فہم ہے، کیوں کہ اس سے کتنے لوگ بے گناہ مارے جا رہے ہیں۔ ہماری حکومت فضائیہ کو استعمال کر رہی ہے، بھارت کشمیر پر کب سے قابض ہے، لیکن اس نے آج تک وہاں فضائیہ استعمال نہیں کی، لیکن ہماری حکومت فضائیہ استعمال کر رہی ہے۔ میڈیا پر کچھ نہیں بتایا جا رہا کہ وہاں کون لوگ مر رہے ہیں۔ حالانکہ میڈیا پر یہ بھی بتانا چاہیے، میڈیا والے وہاں جا نہیں

سکتے۔ حکومت کو قوم کو غیر یقینی صورت حال سے نکالنا چاہیے، آج قوم اندھیرے میں ہے اور غیر یقینی صورت حال میں ہے۔

اصل میں جماعتوں پر یہ مطالبے آپس کی کھینچا تانی ہے، اگر ایم کیو ایم وزیرستان میں آپریشن کا مطالبہ کر رہی ہے تو پھر کراچی میں بھی آپریشن کا مطالبہ کرنا چاہیے، یہ بات ناقابل فہم ہے کہ متحدہ وزیرستان میں تو آپریشن کا مطالبہ کر رہی ہے جبکہ کراچی میں آپریشن کی مخالفت کر رہی ہے، یہاں اپنا نقصان ہوتا ہے، اس لیے واویلا کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ آپریشن تو آپریشن ہوتا ہے، چاہے کہیں بھی ہو۔ کسی جماعت پر پابندی کا یہ طریقہ کار بالکل غلط ہے، ہر چیز کا ایک طریقہ ہوتا ہے، کسی جماعت پر پابندی کے لیے ریفرنس دائر کیا جاتا ہے اور ایک لمبا پراسس ہوتا ہے، لیکن یہاں مسئلہ یہ ہے کہ ہر چیز ہی میڈیا پر ہوتی ہے، اگر کسی پر پابندی کا مطالبہ ہو تو وہ بھی میڈیا پر، مذاکرات بھی میڈیا پر ہوتے ہیں اور گالی گلوچ بھی میڈیا پر ہوتی ہے۔ یہ سب ہوائی باتیں ہوتی ہیں۔ آج سب کچھ ہوا و خلا میں ہو رہا ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ سب کو سنجیدگی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر معراج الہدی صدیقی

(امیر جماعت اسلامی سندھ)

جماعت اسلامی اور مذہبی جماعتیں ملک میں امن کی بات کرتی ہیں۔ اگر امن کی بات کرنا کوئی جرم ہے تو ہم یہ جرم کرتے رہیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ملک میں بے گناہ لوگوں کا خون نہ بہے، ان کا قتل نہ ہو، ہم ملک میں مثبت قوتوں میں ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتے ہیں، ہماری کوشش ہے کہ ملک ترقی کرے، لیکن یہ بات امریکی ایجنڈے پر کام کرنے والوں کو برداشت نہیں ہے، وہ لوگ پاکستان کو امریکی قلعہ بنانا چاہتے ہیں۔ امریکی کالونی بنانا چاہتے ہیں۔ وہ ملک میں اسلام کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھنا چاہتے۔ اس لیے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ صرف متحدہ ہی نہیں، اس کے ساتھ پیپلز پارٹی اور اے این پی بھی امریکی ایجنڈے پر کام کر رہی ہیں۔ یہ سب ایک ہیں، یہ ملک کو آگ لگانا چاہتے ہیں۔ ان پر امریکی ڈالر برس رہے ہیں، انہی ڈالروں کی بدولت یہ سب کچھ ہو رہا ہے، جب یہ تینوں جماعتیں "ملت واحدہ" ہیں تو اگر وہ ایک دوسرے کا ساتھ دیتی ہیں تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔

ان کے پس پردہ امریکی ڈالر ہیں، یہ امریکا کے ایجنٹ ہیں۔ الطاف حسین پر برطانیہ میں دباؤ بڑھ رہا ہے۔ پاکستان میں عمران فاروق کے قاتل موجود ہیں۔ برطانیہ ان سے وہ قاتل مانگ رہا ہے، یہ ڈر رہے ہیں کہ کہیں انہیں برطانیہ کے حوالے نہ کر دیا جائے۔

کراچی میں ہونے والی تحفظ پاکستان ریلی اصل میں تحفظ الطاف حسین ریلی تھی۔ جماعت اسلامی اور دیگر جماعتوں پر پابندی کا یہ

مطالبہ بالکل درست نہیں ہے۔ کسی آئین و قانون کے مطابق درست نہیں ہے۔ افسوس تو اس بات پر ہوتا ہے کہ دہشت گردی کی جنگ میں دہشت گردوں کو ساتھ ملایا جارہا ہے۔ ساری دنیا اور سارا میڈیا جانتا ہے کہ متحدہ دہشت گرد جماعت ہے۔ برطانیہ کے اداروں نے رپورٹس دی ہیں کہ متحدہ دہشت گرد ہے۔ پاکستان میں ایک نہیں سینکڑوں بار مختلف ادارے یہ رپورٹس دے چکے ہیں کہ متحدہ دہشت گرد ہے۔ ان کے کتنے قاتل دہشت گرد میڈیا پر آکر خود اعتراف کر چکے ہیں کہ انہوں نے سو سو قتل کیے ہیں، ساری دنیا اجمل پہاڑی اور اس طرح کے متعدد ایم کیو ایم کے دہشت گردوں کو جانتی ہے۔ حیرت ہوتی ہے اس کے باوجود اس نام نہاد دہشت گردی کی جنگ میں اتنے بڑے دہشت گردوں کو ساتھ ملایا جارہا ہے، ان حالات میں عوام کو بھی اور وفاقی حکومت کو بھی آنکھیں کھول لینی چاہیے۔

مولانا محمد یونس قاسمی

(ترجمان سربراہ اہلسنت والجماعت)

ہمارا موقف ہمیشہ یہی رہا ہے کہ پابندی کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ پابندی لگانے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تمام کارکن متشدد ہوتے جاتے ہیں، وہ کسی کے ہاتھ میں نہیں رہتے۔ اگر کسی جماعت پر یہ الزام ہے کہ وہ مسلح جدوجہد کی حامی ہے تو قانون و آئین کے دائرے میں رہتے ہوئے ان سے بات ہونی چاہیے۔ ایسے مطالبوں کے پس پردہ دراصل اسلام دشمن طاقتوں کا ایجنڈا ہے۔ اسلام پسند

جماعتوں کو کنٹرول کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں تاکہ ملک میں اسلام پسندوں کو کمزور کیا جاسکے۔ آئین و قانون کسی بھی ایسی جماعت پر پابندی کی اجازت نہیں دیتا، جو اس کے دائرے میں رہتے ہوئے کام کررہی ہے۔ جماعت اسلامی پر بھی اگر پابندی کا مطالبہ کیا جارہا ہے تو وہ بھی ایک آئینی جماعت ہے اور آئین پاکستان میں بھی اس کا بڑا کردار رہا ہے اور پاکستان میں اس کی سیاسی سرگرمیاں آئین و قانون کے دائرے میں ہیں۔

نئی قومی سلامتی پالیسی.... مذاکرات یا ملٹری آپریشن؟

وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان نے قومی اسمبلی میں سلامتی پالیسی پیش کردی۔ سلامتی پالیسی پیش کرتے ہوئے وزیر داخلہ کا کہنا تھا کہ سلامتی پالیسی کے تین حصے ہیں، پالیسی کا پہلا حصہ خفیہ رکھا جائے گا، جس کا تعلق سیکورٹی پالیسی کے انتظامی معاملات سے ہے۔ دوسرا مرحلہ اسٹریٹیجک ہے کہ موجودہ حالات سے آگے کیسے بڑھنا ہے۔ اسٹریٹیجک حصے میں کئی آپشنز ہیں۔ ایک یہ کہ 13 سال سے جیسا چل رہا ہے سب کچھ ویسے ہی چلنے دیا جائے۔ دوسرا آپشن مذاکرات ہیں، تیسرا آپشن ملٹری آپریشن اور چوتھا آپشن مذاکرات کے ساتھ ساتھ ملٹری آپریشن ہے۔ اس پالیسی کا مسودہ ایک سو صفحوں پر مشتمل ہے، وفاقی وزیر داخلہ نے کہا ہے کہ امریکا کے بعد پاکستان میں سب سے زیادہ 26 عسکری اور سویلین انٹیلیجنس ایجنسیاں ہیں، لیکن ان کا آپس میں رابطہ نہیں اور معلومات کی شیئرنگ نہیں ہوتی۔ نیشنل کاؤنٹر ٹیررزم اتھارٹی یعنی نیکٹا کو فوکل پوائنٹ بنایا جائے گا۔ ایک ریپڈ رسپانس فورس بھی تشکیل دی جائے گی، جو ہر صوبے میں ہو گی اور یہ فورس پولیس کے ماتحت ہو گی۔ ایک کاؤنٹر ٹیررزم فورس بھی بنائی جائے گی جو خفیہ معلومات کے حصول پر کارروائی کرے گی۔

چودھری نثار کا کہنا تھا کہ موجودہ حکومت نے وزیر اعظم کی رہنمائی میں جس طرح معاملات کو حل کرنے کی کوشش کی اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ پہلے مرحلے میں مذاکرات کا راستہ بنایا، علمائے کرام کی کمیٹی بنائی گئی جس کے بارے میں سیاسی جماعتوں کے پارلیمانی لیڈرز کو آگاہ کیا، لیکن حکیم اللہ محسود کی موت کے بعد یہ عمل ختم ہوگیا، جس کے بعد خفیہ مذاکرات شروع ہوئے، جس کے بہت سے فائدے تھے، لیکن بنوں واقعے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اب مذاکرات خفیہ نہیں ہوں گے، لہٰذا ایک اور کمیٹی بنی جس نے 17 دن کام کیا، اسی دوران کراچی میں پولیس اہلکاروں اور مہمند ایجنسی کے مغوی اہلکاروں کو قتل کیا گیا۔ مسلح افواج نے انٹیلی جنس اطلاعات کی روشنی میں 23 پاک فضائیہ کے طیاروں کے ذریعے میر علی، شوال میرانشاہ اور دیگر قبائلی علاقوں میں انتہائی حملے کیے۔ البتہ شمالی اور جنوبی وزیرستان سے پرامن شہریوں کی نقل مکانی کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ حکومت نیک نیتی سے سیاست کو ایک جانب رکھتے ہوئے اس پورے عمل کو آگے بڑھا رہی ہے، لیکن افسوس ہے کہ کچھ سیاسی جماعتیں اب کہہ رہی ہیں کہ انہیں اعتماد میں لیا ہی نہیں گیا۔ عمران خان کی منظوری کے بعد حکومت نے مذاکرات میں ان کا نمائندہ شامل کیا، لیکن اس کے باوجود ان کی جانب سے الزامات لگائے جارہے ہیں کہ انہیں اعتماد میں نہیں لیا گیا تو یہ بہت غلط بات ہے۔ اس سے پہلے نئی قومی سلامتی پالیسی 20 جنوری کو وفاقی

کابینہ کے اجلاس میں پیش کی گئی تھی، لیکن اسے بوجوہ منظور نہیں کیا گیا تھا۔ بعدازاں 23 جنوری کو قومی سلامتی کمیٹی کے اجلاس میں سلامتی پالیسی کا از سر نو جائزہ لیا گیا اور 29 جنوری کو وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف نے امن کو ایک اور موقع دینے کی بات کرتے ہوئے مذاکراتی کمیٹی کا اعلان کیا تھا۔

واضح رہے کہ یہ پالیسی ایسے موقع پر سامنے لائی گئی ہے جب حکومت اور طالبان کے درمیان مذاکراتی کمیٹیوں کے مذاکرات تعطل کا شکار ہو چکے ہیں اور طالبان کے خلاف ٹارگیٹڈ کارروائیاں کی جارہی ہیں۔ کابینہ نے طالبان کو غیر مشروط طور پر جنگ بندی کے لیے کہتے ہوئے یہ باور کرایا کہ طالبان پہلے جنگ بندی کریں، اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ مذاکرات کرنے ہیں یا آپریشن۔ نئی قومی سلامتی پالیسی پر انسانی حقوق کی تنظیموں اور بعض سیاسی جماعتوں کی طرف سے تنقید بھی کی گئی ہے۔ قائد حزب اختلاف خورشید شاہ نے وزیر داخلہ کی سلامتی پالیسی کو غیر واضح قرار دیتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ طالبان سے مذاکرات یا جنگ کے اقدام پر اپوزیشن اور سیاسی جماعتوں کو اعتماد میں لے۔ اس پر وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم خورشید شاہ کے جذبات کی قدر کرتے ہیں۔ قومی پالیسی پر ہماری سوچ واضح ہے، وزیر داخلہ کے بیان سے اگر کوئی ابہام پیدا ہوا تو اس کو دور کریں گے۔ مستقبل

میں طالبان کے معاملے اور قومی سلامتی پالیسی کے متعلق اپوزیشن لیڈر اور دیگر جماعتوں کو ساتھ لے کر چلیں گے اور ان کے خدشات کو دور کیا جائے گا۔

نئی پالیسی کے بعد پاکستانی عسکری حکام نے کہا ہے کہ طالبان نے مذاکرات کے حوالے سے سنجیدگی کا مظاہرہ نہ کیا تو شمالی وزیرستان سمیت جہاں بھی ضروری ہوا بھرپور فوجی آپریشن کیا جائے گا، فوج آپریشن کے لیے مکمل طور پر تیار ہے۔ غیر ملکی خبر رساں ایجنسی کے مطابق ایک سینئر پاکستانی عسکری عہدیدار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ شمالی اور جنوبی وزیرستان کے بعض حصے طالبان کے مراکز بن چکے ہیں، پاک فضائیہ کے جیٹ طیاروں نے شمالی وزیرستان اور جنوبی وزیرستان کے علاقوں میں شدت پسندوں کے ٹھکانوں کو نشانہ بنایا، فی الحال طالبان کی جانب سے 23 ایف سی اہلکاروں کے قتل اور سیکورٹی اداروں پر پے در پے حملوں کے خلاف جوابی کارروائیاں کی جارہی ہیں۔

عسکری حکام کا مزید کہنا تھا کہ آپریشن کی صورت میں حقانی نیٹ ورک، تحریک طالبان اور القاعدہ کا مکمل طور پر صفایا کیا جائے گا۔ امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ نے بھی دعویٰ کیا ہے کہ شمالی وزیرستان میں آپریشن کا آغاز کسی بھی دن ہو سکتا ہے۔ذرائع کے مطابق واشنگٹن پوسٹ کو انٹرویو میں پاکستانی حکومتی عہدیدار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ آپریشن کے منصوبے پر اعلیٰ امریکی عہدیداروں سے مشاورت مکمل ہو گئی ہے۔ حکومت نے ابھی تک طالبان سے مذاکرات کی

ناکامی کا اعلان نہیں کیا ہے۔اخبار کے مطابق طالبان کے خلاف آپریشن ہوا تو یہ بلا امتیاز ہو گا اور حقانی نیٹ ورک کا بھی خاتمہ کیا جائے گا۔ جبکہ عسکری حکام اور نئی پالیسی میں آپریشن کے آپشن کے جواب میں کالعدم تحریک طالبان پاکستان کے ترجمان شاہداللہ شاہد کا نا معلوم مقام سے جاری اپنے ایک بیان میں کہنا تھا کہ طالبان حکومت کی جانب سے غیر مشروط جنگ بندی کی پیش کش کو مسترد کرتے ہیں، اگر حکومت نے فوجی آپریشن کا فیصلہ کر لیا ہے تو وہ اپنا شوق پورا کر لے۔ حکومت نے ہمارے خلاف جنگ شروع کی تو ہم بھی اس کا جواب دیں گے، فوجی آپریشن میں طالبان کا نقصان کم اور حکومت کا زیادہ ہو گا، حکمران اعداد و شمار جمع کرنے کا اپنا شوق پورا کر کے دیکھ لیں۔

دوسری جانب طالبان مذاکراتی کمیٹی کے رکن مولانا یوسف شاہ نے میڈیا کو بتایا کہ مذاکراتی کمیٹی کا طالبان شوریٰ سے رابطہ ہوا ہے۔ طالبان نے مذاکرات جاری رکھنے کا عندیہ دیا ہے۔ حکومت ڈیڈ لاک ختم کرنے میں ہٹ دھرمی کا رویہ ترک کرے۔ حالیہ بمباری اور نقل مکانی سے صورت حال گھمبیر ہو چکی ہے۔ مولانا سمیع الحق کے عمرے سے واپسی پر مذاکرات میں بریک تھرو ہو گا۔ وزرا کے بیانات غیر ضروری اور اشتعال انگیز ہیں۔ حکومت اور طالبان دونوں سیز فائر کریں۔ حکومتی مذاکراتی کمیٹی قومی مفاد میں اہم کردار ادا کرے۔ یہ خیال رہے کہ دو روز قبل وزیر داخلہ چودھری نثار سے دونوں کمیٹیوں کی خفیہ

ملاقات ہوئی تھی۔ میٹنگ میں وزیر داخلہ کا اصرار تھا کہ طالبان جنگ بندی کا اعلان کریں اور دہشت گرد گروپوں سے ناطہ توڑیں۔ وزیر داخلہ کے اصرار پر طالبان کمیٹی نے دو روز کا وقت مانگتے ہوئے مثبت جواب کی یقین دہانی کرائی تھی۔ اب طالبان کی مذاکراتی کمیٹی کی جانب سے مثبت بیان آیا ہے، طالبان کی کمیٹی کے رکن مولانا یوسف شاہ نے کہا ہے کہ کمیٹی نے سیاسی شوریٰ سے رابطہ کیا ہے جس میں مذاکرات جاری رکھنے کا اشارہ دیا گیا ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ قومی اسمبلی میں پیش کی گئی پالیسی امن و امان کے حوالے سے کچھ مثبت پیش رفت نہیں ہے۔ نئی پالیسی سے طالبان کے خلاف آپریشن کی راہ ہموار ہوتی نظر آرہی ہے، اس پالیسی کے بعد ملک کے عسکری اداروں نے بڑے آپریشن کی تیاریاں بھی شروع کردی ہے ں۔ اگر حکومت نے طالبان کے خلاف آپریشن کا فیصلہ کرلیا ہے تو اس سے ملک کا امن برباد ہوجائے گا، کیونکہ طالبان یہ اعلان کرچکے ہیں کہ اگر ہمارے خلاف آپریشن کیا گیا تو بھرپور جواب دیں گے۔ ملک کے امن و امان کے حوالے سے سب سے بہتر مذاکرات ہی ہیں۔ حکومت کو مذاکرات کا سلسلہ فوری بحال کرنا چاہیے، کیونکہ ملک میں امن وامان کا واحد راستہ مذاکرات ہی ہیں، کیونکہ ہمیشہ جنگوں کا انجام مذاکرات پر ہی ہوتا ہے۔ اگر جنگ کے بعد مذاکرات کرنے ہیں تو پھر ابھی سے مذاکرات کیوں نہیں ہو سکتے۔ ممکنہ آپریشن کی صورت میں وزیرستان سے لاکھوں کی تعداد میں لوگ ہجرت

کرنے پر مجبور ہو جائیں گے ، جس کا سلسلہ پہلے ہی شروع ہو چکا ہے، لوگوں کی اتنی بڑی تعداد میں نقل مکانی سے لاتعداد مسائل جنم لیں گے۔ جبکہ پاکستان پہلے ہی بڑے سماجی و معاشی مسائل کا شکار ہے، جن میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

مغربی تہذیب اور فحاشی کلچر کا مقابلہ ضروری ہے

انٹرویو: عابد محمود عزام

مظفر گڑھ سے تعلق رکھنے والے رکن قومی اسمبلی جمشید احمد دستی قومی پارلیمان میں غریب طبقے کے ترجمان سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے بیانات عام سیاسی ڈگر سے ہٹ کر ہونے کی وجہ سے عوامی طبقات میں مقبول ہوتے ہیں۔ حالیہ دنوں جمشید احمد دستی کی جانب سے پارلیمنٹ لاجز میں غیر اخلاقی سرگرمیوں سے متعلق انکشافات نے ملکی سیاست میں ہلچل کی صورت حال برپا کر دی۔ ان انکشافات کا پس منظر و پیش منظر جاننے کے لیے عابد محمود عزام نے جمشید احمد دستی سے خصوصی گفتگو کا اہتمام کیا جس کا احوال درج ذیل ہے۔

رکن قومی اسمبلی جمشید احمد دستی سے خصوصی گفتگو

عابد محمود عزام: ان دنوں پارلیمنٹ لاجز میں غیر اخلاقی سرگرمیوں سے متعلق آپ کے انکشافات کا بڑا چرچا ہے۔ آپ ایک عرصے سے پارلیمنٹ کے رکن ہیں، اس کے باوجود آپ نے پہلے کبھی ایسے انکشافات نہیں کیے، اس تاخیر کی کیا وجہ ہے؟

جمشید احمد دستی: دراصل بات یہ ہے کہ جب کوئی چیز سامنے آتی ہے اس وقت ہی اس کو بیان کیا جاتا ہے۔ جب میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تو اسے بیان کر دیا، پہلے میں اسے کیسے بیان کر سکتا تھا۔ میں ایک ذمہ دار شخص ہوں، میں نہ

کسی پر تہمت لگائی ہے اور نہ ہی کسی پر کوئی الزام لگا رہا ہوں، جو دیکھا بیان کر دیا۔ میری کسی سے نہ تو کوئی دشمنی ہے اور نہ ہی ذاتی عناد ہے اللہ سب جانتا ہے۔ یہ سب کچھ یقیناً سیکورٹی ایجنسی والوں کو بھی پتا ہوگا۔ مان سارے رہے ہیں، اندر سے سب جانتے ہیں، اوپر اوپر سے پردہ پوشی کر رہے ہیں۔ میرے انکشافات کے بعد ایک طوفان برپا ہوگیا ہے، حالانکہ میں نے اپنا فرض سمجھتے ہوئے اس حقیقت کو بیان کیا ہے۔ میں نے یہ کہا ہے کہ پارلیمنٹ میں جو دھندے ہو رہے ہیں، انہیں روکا جائے۔ میں نے حکومت سے صرف عرض کی ہے، لیکن وہ چیخ چلا رہے ہیں، جیسے نجانے کیا ہوگیا ہے، خدا جانے وہ کیا کیا رنگ دے رہے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، یہاں کچھ نہیں ہوا ہے، حالانکہ میرے بیان کے بعد وہاں سے اعلیٰ اور قیمتی قسم کی شراب کی سینکڑوں بوتلیں ملی ہیں۔ ہمارے ملک میں معاملہ یہ ہے کہ صرف غریب کو پکڑا جاتا ہے، بڑے لوگوں کو کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا، ان کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔ اب دیکھ لیں کہ میں نے صرف ایک بیان دیا کیسے ہنگامہ برپا ہوگیا، حالانکہ میں نے تو کسی کا نام بھی نہیں لیا، میں نے حکومت سے صرف یہ کہا کہ مجرموں کو پکڑیں اور ان کے خلاف ایکشن لیں۔ میرے بیان پر حکومت کے لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ یہاں بدقسمتی یہ ہے کہ اگر کوئی سچ کہے تو وہ مجرم بن جاتا ہے، یہاں تو سچ بولنا عذاب ہے۔ سب شور مچا رہے ہیں، کوئی کہہ رہا ہے کہ یہ جمہوریت کے خلاف سازش ہے، کوئی کہہ رہا ہے کہ میں ایجنسیوں کا آلہ کار

ہوں، مختلف قسم کے الزامات لگائے جارہے ہیں۔

عابد محمود عزام :آج تک کسی دوسرے رکن پارلیمنٹ نے بھی اس معاملے کو نہیں اٹھایا، کیا اسمبلی میں آپ کے علاوہ کوئی ایک رکن بھی ایسا نہیں جو حقائق سامنے لائے؟

جمشید احمد دستی: یہی میرا قصور ہے کہ میں بول پڑا ہوں، اگر میں بھی خاموش ہو جاتا تو پھر کیا تھا، اگر کسی دوسرے نے انکشاف نہیں کیا، اس میں تو میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ بہت سوں کو پتا تھا، انہوں نے بیان بھی دیا ہے، نبیل گبول، اعجاز الحق، طلحہ محمود اور دوسرے کئی ارکان کہہ رہے ہیں کہ جمشید احمد دستی کی بات درست ہے۔ ایم این اے نعمان نے بھی یہی بات کی ہے۔ کچھ لوگ تو بالکل صاف صاف بات کر رہے ہیں۔ برائی کا خاتمہ کرنا ہی ہماری ذمہ داری ہے۔ یہاں صرف غریب ہی مظلوم بنتا ہے۔ ماضی میں کتنے بے گناہ لوگوں پر ظلم ہوا ہے، ان کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے، لیکن بڑے لوگوں کو کوئی نہیں پوچھتا اور چھوٹے لوگوں پر ظلم ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کئی لوگ پکڑے بھی گئے، ان کو چھڑا لیا گیا۔ انویسٹی گیشن تو حکومت نے کرنی ہے، حکومت کرے۔ میں نے کوئی جرم تو نہیں کر دیا۔ حقیقت ہی بیان کی ہے۔ جو مجھ سے بات کرنا چاہتا ہے کرے، بات صحیح ہو یا غلط انویسٹی گیشن کریں۔ میں تیار ہوں، میرے پاس پورے ثبوت ہیں، میں وہ دینے کو تیار ہوں، میں کہہ چکا ہوں کہ ہائی کورٹ کے کسی جج سے اس کی

انویسٹی گیشن کروا لی جائے۔ ماضی میں بھی تو یہاں سے شراب پکڑی جاتی رہی ہے، لیکن کبھی کسی کو سزا نہیں دی گئی۔

عابد محمود عزام : بعض سیاسی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ آپ کا یہ بیان میڈیا میں شہرت پانے کے لیے ہے، اس حوالے سے آپ کیا کہتے ہیں؟

جمشید احمد دستی: میں نے سچی بات کہہ دی تو اب مجھے کہا جارہا ہے کہ یہ سب کچھ میں نے شہرت کے لیے کیا ہے، حالانکہ میں نے اربوں پتی جاگیرداروں کو شکست دی ہے۔ اللہ نے مجھے ہمت دی ہے تو مجھے کیا ضرورت ہے اس طرح کی شہرت کی۔ شہرت تو ہمارے حکمران چاہتے ہیں اور صرف اپنی ناموری اور شہرت کے لیے قوم کے اربوں روپے خرچ کررہے ہیں۔ میاں نواز شریف قوم کے ایک ارب روپے کے ساتھ اپنی بیٹی مریم کی شہرت کرارہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت دی ہے، ساری قوم ہمارے ساتھ ہے۔ یہ حکمران تو اپنی اپنی باریاں اور دیہاڑیاں لگا رہے ہیں۔ "چھو لو آسمان" کے نام پر قوم کو بے غیرت بنایا جارہا ہے۔ اِدھر لڑکیوں کو نچوا رہے ہیں اور اُدھر گانے بج رہے ہیں۔ قوم کے اربوں روپے لگا کر ڈانس کروائے جارہے ہیں۔ یہ حکمران اپنے آپ کو روشن خیال بنانا چاہتے ہیں۔ اپنی قوم کی بیٹیوں کو سرعام نچوانا یہ کون سی روشن خیالی ہے۔ یہ بے حس، بے ضمیر اور دین دشمن لوگ ہیں۔ کراچی جل رہا ہے، خیبر پختونخوا میں آگ لگی ہوئی ہے۔ بلوچستان کا مسئلہ انتہائی حساس سطح تک پہنچا ہوا ہے۔ جنوبی پنجاب

میں اغواء برائے تاوان کی وارداتیں بڑھتی ہی جارہی ہیں۔ ایک پٹاخہ بھی چل جائے تو غریب عوام کو پکڑ کر جیل میں ڈال دیا جاتا ہے اور امیر لوگوں کو کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے۔ بلاول بھٹو، حمزہ شہباز اور نواز شریف نے "چھو لو آسمان" کے نام پر بے حیائی اور فحاشی کا اڈہ کھولا ہوا ہے۔ یہ اس کی خود دعوت دیتے ہیں۔ یہ ملک اسلامی نظریے کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آیا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی سے تو اس کا تحفظ ضرور کروائے گا۔

عابد محمود عزام: بقول اسمبلی اسپیکر آپ کو ایسی گفتگو پارلیمنٹ میں نہیں کرنی چاہیے تھی، آپ اس حوالے سے کیا کہتے ہیں؟

جمشید احمد دستی: یوں تو جیلوں میں یہ جتنے بھی قیدی ہیں ان کے جرائم پر بھی پردے ڈالنے چاہیے، ان کو کیوں ظاہر کرتے ہو، ان کو تو بے نقاب کرتے ہیں اور خود کو کہتے ہیں کہ ہماری بات خفیہ کی جائے، کیا یہ اتنے ہی معزز اور بزرگ لوگ ہیں؟ ان کی بات کو پردے میں کیا جائے اور باقیوں کے گھر میں داخل ہوجائیں، واہ کیا بات ہے۔ قانون سب کے لیے ایک ہونا چاہیے، اگر غریب جرم کرتا ہے اس کو حکمران ذلیل کرتے ہیں تو ان کے ساتھ بھی تو وہی ہونا چاہیے۔ جب غریب کی بات خفیہ نہیں کی جاتی تو حکمرانوں کی بات کس قانون کے تحت خفیہ کی جائے۔

عابد محمود عزام : جوالزام آپ نے لگایا ہے اس کے دفاع میں آپ کے پاس ثبوت ہیں بھی یا نہیں، اگر واقعی ہیں تو کس نوعیت کے ہیں اور آپ کو یہ ثبوت کن ذرائع سے حاصل ہوئے ہیں؟

جمشید احمد دستی: ثبوت سامنے ہیں، شراب سامنے ہے، سب ان کی سیکورٹی ایجنسیوں کے سامنے ہے، ویڈیو بھی ہیں، میں تمام ثبوت ان کو دوں گا، انشاءاللہ تعالیٰ۔ غیر اخلاقی سرگرمیوں کے مکمل ثبوت فراہم کروں گا، جس کے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا۔ صبح کے وقت صفائی کرنے والے خاکروب شراب کے خالی ڈبے اور بوتلیں تھیلیوں میں بھر کر لے جاتے دیکھے جاسکتے ہیں۔ کئی بار ایسے لوگ پکڑے بھی گئے مگر وہ چھوڑ دیے گئے۔جب ثبوت دیں گے تو پھر یہ لوگ خود ہی گرفتار کریں گے، جو یہاں کمروں میں رہتے ہیں اور ان کو جو شراب سپلائی کرتے ہیں۔ فیصلے کا ایک دن مقرر ہے آج نہیں تو کسی نہ کسی دن یہ ضرور پکڑے جائیں گے۔،

عابد محمود عزام :اگر آپ اس حوالے سے ثبوت پیش کردیتے ہیں تو ملوث افراد کے خلاف ممکنہ کیا کارروائی ہوسکتی ہے؟

جمشید احمد دستی: میرا کام تو ثبوت فراہم کرنا ہے، حکومت اور طاقت تو میرے پاس نہیں ہے، اگر میرے پاس طاقت ہوتی تو تمام مجرموں کا قصہ تمام ہوچکا ہوتا، یہ تو سمجھتے ہیں کہ یہ جو مرضی کرتے رہیں، بس انہیں جنت کا سرٹیفکیٹ

ہی دے دیا جائے۔

عابد محمود عزام: پارلیمنٹ لاجز کی سیکورٹی سسٹم کس کے ہاتھ میں ہے اور ایسے معاملات پر ابھی تک ایکشن کیوں نہیں لیا گیا؟

جمشید احمد دستی: پارلیمنٹ لاجز کی سیکورٹی وزیر داخلہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے، ان چیزوں کی روک تھام بھی انہیں کے ذمے ہے، لیکن وہ تو کہہ رہے ہیں کہ یہاں کچھ نہیں ہوا، حالانکہ میرے بیان کے بعد میڈیا کی ٹیم وہاں گئی اور وہاں سے شراب کی بہت سی بوتلیں برآمد ہوئی ہیں۔

عابد محمود عزام: اطلاعات ہیں کہ آپ کے بیان کے بعد پارلیمنٹ لاجز میں سرچ آپریشن کیا گیا ہے، اس حوالے سے کیا آپ کے پاس کچھ اہم معلومات ہیں؟

جمشید احمد دستی: آپریشن کیا ہونا تھا، نہ کسی کو پکڑنا تھا اور نہ کسی کو بھی پکڑا ہے۔ بس وہاں کی صفائی کر دی ہے، آؤ بھگاؤ کیا ہے، شراب صاف کی ہے، ہاں یہ شکر ہو گیا کہ وہاں سے منچلے بھاگ گئے ہیں۔

عابد محمود عزام: آپ کے انکشافات کے بعد کچھ ارکان پارلیمنٹ نے آپ کے خلاف بیانات دیے ہیں، کیا کچھ ارکان پارلیمنٹ آپ کی سپورٹ بھی کر رہے ہیں؟

جمشید احمد دستی: مجھے مخالفین کے بیانات کی کوئی پروا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ

جانتا ہے، مجھ پر اللہ کا احسان ہے، میں تو ہمیشہ اللہ پر بھروسہ رکھتا ہوں، اب اللہ ہی میری مدد کرے گا اور ایسے مجرموں کو پکڑے گا، یہ کبھی نہ کبھی تو پکڑے جائیں گے۔ الحمدللہ بہت سے ارکان میرے ساتھ بھی ہیں، بہت سے ارکان ان چیزوں کو برا کہہ رہے ہیں، تحقیقات کا کہہ رہے ہیں، وہ میرے ساتھ ہیں۔ قوم کہہ رہی ہے کہ اس معاملے کی انویسٹی گیشن ہونی چاہیے، جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں، وہ میرے ساتھ ہی تو ہیں۔

عابد محمود عزام: چودھری نثار کہتے ہیں کہ پارلیمنٹ کے داخلی و خارجی راستوں پر 23 کیمرے نصب ہیں اور سخت چیکنگ کی جاتی ہے، اس طرح کی سرگرمیاں پارلیمنٹ میں ہونا ناممکن ہے، آپ کیا تبصرہ کرتے ہیں؟

جمشید احمد دستی: چودھری صاحب سے پوچھیں شراب کی یہ جو بوتلیں میڈیا کے سامنے آئی ہیں وہ کہاں سے آ گئی ہیں، کیسے اندر گئی ہیں، کیا کیمرے بند تھے یا توڑ دیے گئے تھے، کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟۔ اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو یہ بتائیں کہ لاجز میں آپریشن کیوں کروایا گیا، کچھ تو تھا جس وجہ سے آپریشن کروایا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سچ کہنے والا اس ملک میں مجرم ہے، جو بڑا ہوتا ہے وہی اپنی بات منوانے کی کوشش کرتا ہے۔

عابد محمود عزام: وزیر داخلہ نے کہا ہے کہ اگر جمشید احمد دستی درست ہوں تو

میں ان کا ساتھ دوں گا، کیا وہ ایسا کر پائیں گے؟

جمشید احمد دستی: اگر یہ بات ہے تو وہ پہلے مجھ سے پوچھ لیتے۔ میں ایک ذمہ دار انسان ہوں، وزیر داخلہ نے تو پہلے ہی کہہ دیا کہ یہاں کچھ نہیں ہوا، اس نے کہا کہ میرا سیکورٹی افسر متقی و پرہیزگار ہے، وہ کسی قطب الدین کی اولاد میں سے ہے۔ اس نے اگر مگر کہنا شروع کر دیا اور سب کو کلین چٹ دے دی۔ سب کو کلیئر کر دیا۔ اگر ساتھ دینا تھا تو ایسے بیانات دینے سے پہلے وہ مجھ سے پوچھ لیتے۔

عابد محمود عزام: اسپیکر قومی اسمبلی کی جانب سے کہا جا رہا ہے کہ معاملے کی مکمل تحقیقات کی جائیں گی، آپ کے خیال میں کیا واقعی ایسا ہوگا یا معاملے کو دبا دیا جائے گا؟

جمشید احمد دستی: اب یہ سب کچھ کریں گے، اگر معاملے کو دبانے کی کوشش کی گئی تو میں عدالت سے رجوع کروں گا، اگر اسپیکر قومی اسمبلی نے آزادانہ انکوائری نہ کرائی تو چیف جسٹس آف پاکستان کو خط لکھوں گا، جو میرا فرض تھا وہ میں نے ادا کر دیا، اب اللہ جانے کیا ہوتا ہے۔

عابد محمود عزام: بلاول بھٹو زرداری نے سندھ میں کلچرل فیسٹول کا انعقاد کیا، اب وہ پنجاب کا دورہ شروع کرنے والے ہیں، اپنی سابقہ پارٹی کے قائد کی

ان سرگرمیوں پر آپ کیا کہیں گے؟

جمشید احمد دستی: بلاول بھٹو زرداری پنجاب میں ڈانس کلچر متعارف کروانے جا رہے ہے۔ وہ ہم جنس پرستی کلب کا ممبر ہے، وہ پاکستان میں عیسائی وزیراعظم لانا چاہتا ہے۔ سندھ کے بعد اب پنجاب میں بھی بلاول بے حیائی، فحاشی اور گانا کلچر کو عام کرے گا۔ پنجاب میں پیپلز پارٹی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ پنجاب کی غیرت مند عوام اب بیدار ہو چکی ہے، وہ پیپلز پارٹی کی عوام دشمن پالیسیوں سے واقف اور آگاہ ہے۔ اب وہ کسی کے ہتھکنڈے میں نہیں آئے گی۔ اب مسلم قوم ایسے فراڈی، مکاری اور امریکی دلالی کرنے والے کے خوش نما نعروں میں نہیں آئے گی۔ ایسے لوگوں کا کردار قوم کے سامنے واضح ہو چکا ہے۔ پنجاب میں ایسے لوگوں کی کوئی ضرورت اور جگہ نہیں ہے اور نہ ہی ان کا کوئی مستقبل نظر آ رہا ہے۔

عابد محمود عزام: دستی صاحب! کیا آپ نے پاکستان تحریک انصاف میں شمولیت کا فیصلہ کر لیا ہے؟

جمشید احمد دستی: میں نے کسی جماعت میں شمولیت کا فیصلہ نہیں کیا۔ میں ایک آزاد ممبر ہوں، غریب اور مظلوم طبقے کا نمایندہ ہوں۔ میں مزدور کا بیٹا ہوں اور میں قومی اسمبلی میں غریب اور مظلوم طبقے کی بھرپور نمایندگی کرتا رہوں گا، ان شاء اللہ۔ ہمیشہ حق و صداقت کی آواز بلند کرتا رہوں گا۔ غریب کے حقوق

کی بات کرتا رہوں گا، چاہے حکمران ٹولہ ناراض ہی کیوں نہ ہو جائے۔ غریب عوام کی توقعات اور امیدیں میری ذات سے وابستہ ہیں۔ اب تک میں نے حق و سچ کی بات کی ہے اور آیندہ بھی کرتا رہوں گا۔ میں کسی پر کوئی تہمت نہیں لگا رہا۔ ان سیاست دانوں کے بہت سارے سیاہ کارنامے ہیں۔ میں ان سیاہ دھندوں کے خلاف اس لیے آواز اٹھاتا ہوں، تاکہ آیندہ ہمیں کوئی اچھا اور مخلص حکمران مل جائے، جو اس ملک و قوم کو بہتر راستے پر لے کر چلے، جو تعصب، قومیت اور علاقائیت سے پاک ہو، ملک و قوم کے لیے خیر خواہ اور دو قومی نظریے کا پاسدار ہو اور سچا مسلمان ہو۔ ہم ایسے حکمرانوں کی تلاش میں ہیں۔ ان شاء اللہ ایسے حکمرانوں سے ملک و ملت کی تقدیر بدل جائے گی۔

عابد محمود عزام : دستی صاحب ! آپ پاکستانی قوم کو کیا پیغام دینا چاہیں گے ؟

جمشید احمد دستی: میں پاکستانی قوم سے یہ کہوں گا کہ یہ ملک خالصتاً اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا تھا، اس میں کوئی دو رائے نہیں۔ اس ملک کو حاصل کرنے کے لیے بہت بڑی قربانیاں دی گئی ہیں، جن میں عام لوگ، علمائ، طلبہ اور دیگر مسلمانوں کی قربانیاں شامل ہیں، اس لیے آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مسلمان اپنی صفوں میں اتحاد و یکجہتی پیدا کریں۔ عام طبقے سے خصوصاً نوجوانوں سے میری یہ اپیل ہے کہ اپنے اخلاق کو بہتر کریں، اپنا کردار سنواریں، خصوصاً مغربی تہذیب اور یورپی کلچر جو آج بے حیائی، فحاشی

اور ناچ گانے کی صورت میں عام ہوتا جارہا ہے، اس سے بچیں اور ہم بحیثیت مسلمان متحد ہو کر اس ملک کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کریں اور جو حکمران ملک دشمن پالیسیوں پر چل رہے ہیں ،ایسے ناسوروں کے خلاف ہمیں ڈٹ جانا چاہیے اور ان کے خلاف ہر فورم پر آواز اٹھانی چاہیے۔ جو حکمران ہمارے اس اسلامی ملک میں یورپی کلچر کو فروغ دینا چاہتے ہیں اور جو غیر مسلم طاقتیں پاکستان کے خلاف سازشیں کررہی ہیں، ہمیں ان کے خلاف متحد ہونا چاہیے، تاکہ ہم پاکستانی قوم ان کا صحیح معنوں میں مقابلہ کرسکیں۔ اس لیے کہ اس وقت ملک بڑی نازک اور خطرناک صورت حال کا شکار ہے۔ پاکستان کی سلامتی کو بہت زیادہ خطرہ ہے، اس لیے آج ضرورت ہے کہ پہلے ہم اپنے اخلاق و کردار کو درست کریں، نماز کا اہتمام کریں، جو ہماری بنیاد ہے اور قرآن و سنت ہمارا آئین ہے، اس پر عمل کریں، خاص طور پر نوجوان طبقہ دین کے پیغام حیات کو پڑھے اور اپنی عملی زندگی میں اسلامی تعلیمات کو عام کرے۔ اس طرح ہم ان شاءاللہ اس ملک کو ایک مضبوط اور مستحکم پاکستان بنائیں گے۔ پاکستان مسلم امہ کا کمانڈر ملک ہے۔ پوری مسلم قوم امید بھری نظروں سے پاکستان کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اس طرح صحیح معنوں میں یہ ملک مسلم امہ کا نمایندہ ملک ثابت ہوگا۔

اسلام آباد حملہ: مذاکرات مخالف قوتیں ایک بار پھر متحرک

کچھ قوتیں پہلے دن سے ہی مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کی سرتوڑ کوششوں میں سرگرداں ہیں۔ جن کی ایک بار نہیں کئی بار متعدد رہنماؤں کی جانب سے نشاندہی کی گئی ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب طالبان اور حکومت جنگ بندی کا باقاعدہ اعلان کر چکے ہیں، پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد کی محفوظ ترین جگہ ضلع کچہری میں انتہائی منظم انداز میں ہونے والا حملہ مذاکرات مخالف قوتوں کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کے لیے کافی ہے۔ پیر کے روز اسلام آباد میں ایک زوردار حملے کے نتیجے میں 12 افراد جاں بحق اور 35 کو زخمی ہو گئے۔ اسلام آباد میں ایف ایٹ کچہری میں صبح نو بجے کے قریب حملہ آوروں نے دستی بم پھینکے اور گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ اس واقعے میں ایڈیشنل اینڈ سیشن جج رفاقت اعوان بھی جاں بحق ہو گئے۔ عینی شاہدین کے مطابق آٹھ سے دس لینڈ کروزروں میں گیارہ سے بارہ مسلح لوگ تھے۔ انہوں نے مختلف اطراف سے حملے کیے۔ پولیس اور حملہ آوروں کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ ہوا، مگر پولیس ان کو کنٹرول نہیں کر پائی۔ عمومی طور پر دو سو سے زاید پولیس اہلکار ہر وقت ضلع کچہری میں موجود ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ خفیہ اداروں کے اہلکاروں کی موجودگی بھی ضرور ہوتی ہے، لیکن پیر کے روز ہونے والے واقعہ کے دوران ایسا

محسوس ہوتا تھا، جیسے یہاں پر پولیس اہلکار کبھی تعینات ہی نہیں تھے۔ پولیس کے مطابق بیس سے پچیس سال کی عمر کے یہ مسلح افراد کچہری ضلعی عدالتوں میں داخل ہوئے، پتلون شرٹ میں ملبوس ایک 25 سالہ نوجوان دیگر ساتھیوں کو حملے کی ہدایات دے رہا تھا۔ اسلام آباد پولیس کے ایس ایس پی ڈاکٹر رضوان کا کہنا تھا کہ یہ بہت سنگین اور پیچیدہ دہشت گرد حملہ تھا۔ حملے کی نوعیت اور سنگینی سے اندازہ ہوتا ہے کہ حملہ آور اعلیٰ تربیت یافتہ تھے۔ چالیس پولیس اہلکار اور دو کمانڈوز دستے اس علاقے کی حفاظت پر مامور ہیں، ضلع کچہری کا پورا علاقہ ایک طرح کی بھول بھلیاں ہیں۔ ایسے میں اعلیٰ تربیت یافتہ حملہ آور ہی اس طرح کی کارروائی کر سکتے تھے۔

دوسری جانب تحریک طالبان پاکستان کے ترجمان شاہد اللہ شاہد نے اس حملے کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمارا ان واقعات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم جنگ بندی کا اعلان کر چکے ہیں اور اس کارروائی سے ٹی ٹی پی کا کوئی تعلق نہیں۔ طالبان جنگ بندی کی کسی صورت خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ حالیہ دہشت گرد حملوں کو ہم سے نہ جوڑا جائے اور ہم آج کے واقعہ کی مذمت کرتے ہیں۔ تحریک طالبان سیز فائر کا اعلان کر چکی ہے اور اس اعلان پر تحریک طالبان کے تمام گروپ امیر فضل اللہ کی اطاعت کے پابند ہیں۔ طالبان کے ترجمان شاہد اللہ شاہد کا مزید کہنا تھا کہ اسلام آباد میں نہ تو ہم نے حملہ کیا اور نہ ہی ہمارا

کوئی ساتھی اس میں ملوث ہے، لیکن ہمارے واضح اعلان کے باوجود ہمارے خلاف پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ دہشت گردی کے پیچھے موجود ہاتھوں کو تلاش کرنا ہماری ذمہ داری نہیں ہے۔ طالبان کمیٹی کے رکن پروفیسر ابراہیم نے اسلام آباد ضلع کچہری میں ہونے والے واقعہ کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حملہ جس نے بھی کیا وہ درندے انسانیت کے مجرم ہیں، اس حملے کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے اس کی تحقیقات ہونی چاہیے۔طالبان کی جانب سے جنگ بندی کا اعلان کیا جا چکا ہے، پر امید ہوں کہ اس میں طالبان ملوث نہیں ہوں گے، لیکن اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ حملہ طالبان نے کیا تو میں اپنے آپ کو مذاکراتی کمیٹی سے علیحدہ کر لوں گا۔ جبکہ جمعیت علمائے اسلام (س) کے سربراہ اور طالبان مذاکراتی کمیٹی کے رکن مولانا سمیع الحق نے کہا ہے کہ طالبان کی جانب سے اسلام آباد کچہری حملے سے لاتعلّقی کا اعلان خوش آئند ہے۔ کچہری حملے سے ثابت ہو گیا کہ ملک میں اور کئی ایسی قوتیں موجود ہیں جو امن نہیں چاہتیں، ہم سب کو مل کر امن دشمنوں کو بے نقاب اور ان کی سازشوں کو ناکام بنانا ہوگا۔ طالبان کی جانب سے حملے سے فوری طور پر لاتعلّقی کا اظہار کرنے پر خوشی ہے، طالبان کو ایسے دہشت گردی کے واقعات پر فوری لاتعلّقی ظاہر کرنا ہو گی ۔ امن دشمنوں کو بے نقاب کرنا ہو گا۔ امریکا، بھارت مذاکراتی عمل کو سبوتاژ کرنا چاہتے ہیں۔ حکومت بغیر تحقیق کسی کارروائی کو طالبان کے کھاتے میں نہ ڈالے۔ مذاکرات ضرور کامیاب ہوں گے، مذاکراتی عمل کو داخلی سازشوں سے

بچایا جائے۔ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کا کہنا تھا کہ کہ پاکستان میں امن قائم کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ امریکا ہے، جو یہاں امن دیکھنا نہیں چاہتا، وہ ہمارا دشمن ہے۔ ہم طالبان کے ساتھ مذاکرات کرنے کے فیصلے کی تائید کرتے ہیں، مذاکرات کا مطلب ان عناصر کو الگ کرنا ہے جو ملک میں امن نہیں چاہتے، بیرونی قوتوں کے ایجنڈے پر کام کرنے والوں کو علیحدہ کرنا چاہیے۔

واضح رہے کہ ہفتے کے روز تحریک طالبان پاکستان نے ایک ماہ کے لیے غیر مشروط یکطرفہ جنگ بندی کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ اعلان جید علمائے کرام کی اپیل اور طالبان کمیٹی کے احترام میں کیا گیا ہے۔ تحریک طالبان پاکستان کے مرکزی ترجمان شاہد اللہ شاہد کا کہنا تھا کہ طالبان نے نیک مقاصد اور سنجیدگی کے ساتھ حکومت کے ساتھ مذاکرات کا آغاز کیا ہے، ہم ہر فیصلہ شوریٰ کے اتفاق اور امیر کی تائید کے ساتھ کرتے ہیں، مذاکراتی عمل میں ڈیڈ لاک کے خاتمے اور جنگ بندی کے لیے ہماری طرف سے اپنی مذاکراتی کمیٹی کو دی گئی تجاویز کا حکومت کی طرف سے مثبت جواب دیا گیا ہے اور ان تجاویز پر عمل درآمد کی پر اعتماد یقین دہانی کرائی جاچکی ہے۔ حکومت اور طالبان مذاکراتی کمیٹیوں نے طالبان کی جانب سے جنگ بندی کے اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ مذاکرات کا سلسلہ وہیں سے شروع ہوگا جہاں سے ٹوٹا تھا۔ جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام اور تحریک انصاف کے رہنماؤں سمیت متعدد سیاسی و مذہبی

شخصیات نے بھی طالبان کی جانب سے جنگ بندی کے عمل کو سراہاتے ہوئے حکومت سے بھی جنگ بندی کی اپیل کی تھی۔ جنگ بندی کے بعد مذاکرات مخالف پیپلز پارٹی کے رہنما خورشید شاہ نے بھی مذاکرات کی حمایت کی تھی۔ جس کے بعد اگلے روز ہی وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار نے اپنے ایک بیان میں طالبان کی جانب سے جنگ بندی کے اعلان کو مثبت قرار دیتے ہوئے حکومت کی جانب سے بھی جنگ بندی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ طالبان کی جانب سے جنگ بندی کے بعد فضائی کارروائیاں معطل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ طالبان مذاکراتی کمیٹی کے کوآرڈینیٹر مولانا یوسف شاہ کا کہنا تھا کہ جنگ بندی کا اعلان عوام کے لیے خوش خبری ثابت ہوگا۔ کسی گروپ نے حملہ کیا تو اس کا سراغ لگائیں گے۔ دوبارہ شروع ہونیوالے مذاکرات کی کامیابی کے لیے پرامید ہیں۔ کوشش کررہے ہیں کہ مذاکراتی عمل آگے بڑھے اور دوبارہ شروع ہونیوالے مذاکرات کامیاب ہوں گے۔ حکومتی مذاکراتی کمیٹی کے سربراہ عرفان صدیقی کا کہنا تھا کہ طالبان کی جنگ بندی ایک اچھی پیش رفت ہے، مذاکرات کی راہ میں رکاوٹ بننے والا پتھر ہٹ گیا ہے، مذاکرات کے معاملے پر فوج اور حکومت میں کوئی اختلاف نہیں۔ جبکہ حکومتی کمیٹی کے رکن رستم شاہ نے طالبان کی جانب سے جنگ بندی کے اعلان کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے کہا کہ طالبان کے مخالفین مذاکرات کو ڈیل ریل کر سکتے ہیں۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ اسلام آباد حملے کے بعد مذاکرات مخالف قوتوں کی سازشیں بے نقاب ہو گئی ہیں۔ جو دشمن طاقتیں لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کے تحت ملک کو خانہ جنگی کا شکار دیکھنا چاہتی ہیں، وہ مختلف حربوں سے ان مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ملک دشمن قوتیں روز اول سے مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ جب مذاکرات کامیاب ہوتے نظر آتے ہیں، تو ملک دشمن قوتیں متحرک ہو جاتی ہیں۔ جب بھی مذاکرات کی بات کی جاتی ہے تو مختلف حربوں سے انہیں ناکام بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پہلے مذاکرات کی کامیابی کی امید نظر آئی تو امریکا نے حکیم اللہ محسود پر حملہ کرکے مذاکرات کو سبوتاژ کر دیا، اس کے بعد مذاکرات کا عمل کچھ آگے بڑھنے لگا تو ملک میں متعدد حملے کرکے مذاکرات کو پٹری سے اتار دیا گیا۔ حالانکہ طالبان کی جانب سے ان حملوں سے بھی اظہار لاتعلقی کیا گیا تھا۔ اب ایک بار پھر اسلام آباد میں حملہ کیا گیا ہے جس سے طالبان اظہار لاتعلقی کر چکے ہیں۔ اس حملے کا اس کے علاوہ کوئی اور مقصد نظر نہیں آتا کہ مذاکرات کو ایک بار پھر پٹری سے اتارا جائے۔ حالانکہ کئی بار پہلے بھی وزیر داخلہ سمیت متعدد رہنما اس بات کی نشاندہی کر چکے ہیں کہ مذاکرات مخالف قوتیں مذاکرات کو ناکام بنانے کی کوشش کر سکتی ہیں۔ مذاکرات کو ناکام بنانے کے لیے ملک میں بلیک واٹر جیسی خفیہ تنظیموں کے ذریعے کارروائی کی جا سکتی ہے۔ ملک میں بڑے پیمانے پر دشمن کے خفیہ عناصر اپنی کارروائیاں جاری رکھے ہوئے ہیں، ذرائع کے مطابق

بلیک واٹر ملک میں مقامی این جی اوز اور ملکی اداروں میں اپنے بہت سے کارندوں کو بھرتی کروا چکی ہے۔ اس سلسلے میں اندرونی اور بیرونی سازشی عناصر کی کوششوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ امریکا و بھارت کسی صورت طالبان سے مذاکرات کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کر سکتے اور مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ ان حالات میں جب کہ حکومت اور طالبان جنگ بندی کا اعلان بھی کر چکے ہیں اور طالبان اسلام آباد حملے سے اظہار لاتعلقی بھی کر چکے ہیں، حکومتی کمیٹی اور طالبان کمیٹی برملا اس بات کا اظہار بھی کر چکی ہیں کہ کچھ قوتیں مذاکرات کو ناکام بنا سکتی ہیں، اس کے باجود اگر کوئی حملہ ہوتا ہے تو سب کی ذمہ داری ہے کہ ان حملوں میں ملوث قوتوں کو بے نقاب کرکے ان کی بیخ کنی کی جائے، ورنہ یہ دشمن قوتیں ملک میں امن کے ہر موقع کو بدامنی میں بدلتی رہیں گی اور یہ کبھی نہیں چاہیں گی کہ پاکستان میں امن قائم ہو۔

امریکا کا انوکھا و نرالا آئین

بلاوجہ کسی بھی فرد کی جاسوسی کرنا ہر معاشرے، ہر مذہب اور ہر دور میں ایک معیوب عمل رہا ہے۔ جاسوسی سے انسان کی آزادی سلب ہو کر رہ جاتی ہے۔جب انسان کو ہر وقت یہی فکر دامن گیر رہے کہ کوئی میرے تعاقب میں ہے اور میرے نجی معاملات میں دخل اندازی کر رہا ہے تو ان حالات میں کوئی بھی شخص نارمل اور پرسکون حالت میں نہیں رہ سکتا، وہ محسوس کرتا ہے کہ اس سے وہ بہت کچھ چھینا جا رہا ہے، جو وہ کسی کو دینا نہیں چاہتا۔اس کا بہت کچھ چرایا جا رہا ہے اور کسی بھی شخص سے اس کی ملکیت کی کوئی بھی چیز چرانے کا کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ جاسوسی کرنا متفقہ طور پر دنیا بھر میں قابل سزا عمل ہے، اسی لیے دنیا میں جاسوسوں کو سخت سے سخت سزائیں دینے پر کہیں کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا۔ دنیا میں ایسا تو ہوتا آیا ہے کہ کوئی ملک اپنے حریف ملک کی اہم معلومات چرالے، لیکن ایسا نہیں کہ کسی ملک پر اپنے ہی شہریوں کی جاسوسی کا بھوت سوار ہو جائے، ایسا صرف افسانوں یا کہانیوں میں ہی لکھا ہوتا تھا، لیکن دنیا بھر میں شخصی آزادیوں کا ڈھنڈورا پیٹنے والے امریکا نے ہر مذہب، ہر معاشرے اور ہر دور کی تمام روایات کو پاؤں تلے روندتے ہوئے اپنے ہی شہریوں کی نجی زندگی کی جاسوسی کے ذریعے ان کی آزادی

سلب کرنے کو جائز قرار دیتے ہوئے اسے اپنے آئین و قانون کا حصہ قرار دیے دیا ہے۔
ایک عرصے سے امریکا میں حکومتی سطح پر مسلمانوں کی بڑے پیمانے پر جاسوسی کی جارہی ہے۔ ان کی گفتگو سے لے کر نقل و حرکت تک نوٹ کی جاتی ہے، جس کی روک تھام کے لیے مسلمان کئی بار احتجاج بھی کرچکے ہیں اور اس عمل کے خلاف عدالت میں درخواست بھی دائر کرچکے ہیں۔ گزشتہ دنوں نیوجرسی میں پولیس کی جانب سے نگرانی کے عمل کے خلاف مسلمانوں کی جانب سے ایک درخواست دائر کی گئی، جس کی سماعت ایک فیڈرل عدالت نے کی۔ جج ولیم مارٹینی نے درخواست پر فیصلہ سناتے ہوئے مساجد، دینی مدارس اور مسلمانوں کی جاسوسی کو آئین کے مطابق قرار دیتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کی جاسوسی ملکی مفاد میں کی جاتی ہے۔ اس عدالتی فیصلے کے خلاف سراپا احتجاج مسلمانوں کا کہنا ہے کہ مساجد، دینی مدارس، کاروباری مراکز اور تعلیمی اداروں میں مسلمانوں کی کڑی نگرانی سے ان کی ساکھ متاثر ہورہی ہے۔ یہ عمل ہر لحاظ سے قابل مذمت ہے۔

امریکا کے اس اقدام سے نہ صرف مسلمانوں کے خلاف امریکی دشمنی کی ایک اور مثال سامنے آ گئی، بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا ہے کہ امریکا اپنے مفاد کی خاطر دنیا کا ہر متفقہ قانون و اصول پامال کرسکتا ہے۔ اپنے مفاد کی خاطر امریکا نے صرف ایک بار ہی دنیا کے اس متفقہ قانون کی دھجیاں نہیں اڑائیں

بلکہ اس پر تو جاسوسی کا بھوت اس قدر سوار ہے کہ وہ ایک عرصے سے دنیا بھر کے انسانوں کی بھی جاسوسی کرنے میں مگن ہے۔ حالانکہ دیگر ممالک کے معاملات میں مداخلت، بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کے علاوہ ان اصولوں کے بھی متصادم ہے جن کے ذریعے اقوام عالم کے درمیان تعلقات قائم کیے جاتے ہیں، اس کے باوجود 1952 میں امریکی صدر نے ایک خفیہ آرڈر کے ذریعے نیشنل سیکورٹی ایجنسی (NSA) قائم کی تھی، جس کا مقصد مختلف ممالک کے مواصلاتی نظام میں دخل اندازی کرکے ان کی کو تیسری دنیا کے بیشتر ممالک کی جاسوسی میں NSA خفیہ دفتری زبان کا پتا چلانا تھا۔ توقعات سے بھی زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اسے مختلف ملکوں کے کوڈ اور دفتری خفیہ زبان کے ترجمہ کرنے پر عبور حاصل ہوگیا۔ پہلے کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ امریکا بڑے پیمانے پر جاسوسی کررہا ہے،، لیکن امریکا کی نیشنل سیکورٹی ایجنسی سے وابستہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ماہر ایڈورڈ سنوڈن نے 2013 میں امریکی جاسوسی کے حوالے سے ہوش ربا انکشافات کرکے پوری دنیا کے عام لوگوں سے لے ترقی یافتہ ممالک کے سربراہان تک کو ہلا کر رکھ دیا۔

ایڈورڈ سنوڈن نے بتایا کہ امریکا کی نیشنل سیکورٹی ایجنسی نے صرف مارچ 2013 میں چند ممالک سے ٹیلی فون اور انٹرنیٹ ریکارڈ کی 97 ارب انٹیلی جنس معلومات حاصل کیں، باقی معلومات کتنی ہوں گے اس کا اندازہ خود ہی لگا سکتے

ہیں۔ سنوڈین کے مطابق 2002 میں دنیا بھر کی 99 فی صد انٹرنیٹ بینڈ وتھ اور میں دنیا بھر کی 33 فیصد فون کالز امریکی کمپنیوں کے تعاون یا بنا تعاون کی 2003 بدولت امریکی نگرانی سے گزری ہیں اور امریکی جاسوسی پروگرام کا کم از کم 1970 سے باقاعدہ آڈٹ اور چیک اینڈ بیلنس کا نظام موجود ہے اور امریکا کی نیشنل سیکورٹی ایجنسی نے فیس بک، یوٹیوب، ٹوئٹر، لنکڈ ان، اسکائپ، ایپل، پال ٹاک، گوگل، مائیکروسافٹ اور یاہو کے ذریعے دنیا بھر سے انتہائی حساس ڈیٹا چرایا ہے۔اس انکشاف کے بعد امریکی ٹیکنالوجی کے اہم اداروں نے صدر براک اوباما اور کانگریس سے امریکی جاسوسی پروگرام پر روک لگانے کے لیے نئی قانون سازی کا مطالبہ کیا۔ ٹیکنالوجی کے اداروں کے بقول اس طرح کی جانے والی جاسوسی سے فرد کے حقوق سلب ہو رہے ہیں، جاسوسی کا پروگرام آزادی کے ا±ن حقوق کی خلاف ورزی ہے، جِن کے سب متمنی ہیں۔ نیشنل سیکورٹی ایجنسی کی جانب سے بڑے پیمانے پر شہریوں کی جاسوسی سے ان کی نجی زندگی متاثر ہوتی ہے۔

امریکا اپنے ہی شہریوں کی جاسوسی میں اس حد تک آگے چلا گیا کہ تنگ آ کر اس کے اپنے ہی ایک ملازم ایڈورڈ سنوڈن نے امریکا کا جاسوسی پروگرام دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ سنوڈین کا کہنا تھا: " امریکا کی حکومت اتنے بڑے پیمانے پر امریکیوں کی جاسوسی کر رہی ہے کہ امریکا میں فرد کی نجی زندگی کا وجود ہی

نہیں رہا۔ امریکا کی حکومت اپنے شہریوں کی ڈاک پڑھ رہی ہے، ٹیلی فون کالز سن رہی ہے، ان کی ای میلز ملاحظہ کر رہی ہے۔ امریکا ایک ایسی جگہ ہے جہاں وسیع پیمانے پر عام شہریوں کی معلومات جمع کی جاتی ہیں، ایک ایسی جگہ جہاں امریکی قانون اور پالیسی ملک سے باہر غیر ملکیوں کی پرائیویسی کے حق کے بارے میں نہیں جانتی، ایک ایسی جگہ جہاں اسے جدید جمہوری ریاستوں کی بنیادی آزادی "بولو، سوچو زندہ رہو اور تخلیقی بنو، تعلقات بناؤ اور آزادی سے رہو، کے خطرے میں ہونے کا یقین ہے۔ امریکا میں حکومت اور نگرانی کے مابین ایک مخصوص رشتہ ہے۔ نگرانی کا یہ پروگرام شہریوں کی نجی "زندگی کی جڑیں کاٹنے کے مترادف ہے۔

امریکا کے انہی گھناؤنے اقدامات کی بنا پر ہیومن رائٹس واچ نے اپنی سالانہ رپورٹ میں امریکا کو دنیا میں عوام کی جاسوسی اور ان کی ذاتی زندگی میں دخل اندازی اور خلاف ورزی کرنے والا ملک قرار دیا ہے۔ ہیومن رائٹس واچ کے مطابق امریکا جاسوسی کے پروگراموں اور اپنی نگرانی کے ذریعے دنیا کے لیے ایک خطرناک مثال شمار ہوتا ہے اور وہ دنیا کی حکومتوں کو یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ بھی خفیہ معلومات میں دخل اندازی کریں۔ ایک امریکی واچ ڈاگ پینل کا تو یہاں تک کہنا تھا کہ واشنگٹن کی طرف سے عوام کی جاسوسی کے ذریعے ڈیٹا جمع کرنے کا عمل غیر قانونی ہے اور اسے روک دینا چاہیے۔ اس سے شہری آزادی کو

شدید خطرات لاحق ہیں۔ قابل حیرت بات ہے کہ ساری دنیا میں شخصی آزادی کا ڈھنڈورا پیٹنے والا امریکا جاسوسی کے ذریعے اپنے ہی شہریوں کی آزادی سلب کرنے کو اپنے ملک کا آئین اور قانون قرار دے رہا ہے۔ اگر اپنے ہی شہریوں کی جاسوسی کرنا امریکا کا آئین ہے تو پھر واقعی امریکا کا آئین ایک انوکھا و نرالا آئین ہے۔

افغانستان میں امریکا کا ڈراما ختم ہو چکا ہے

انٹرویو: عابد محمود عزام

امریکا اور دیگر عالمی طاقتوں نے نائن الیون کے بعد افغانستان پر حملہ کرکے طالبان کی اسلامی حکومت کا خاتمہ کیا اور حامد کرزئی کی قیادت میں ایک کٹھ پتلی حکومت افغان عوام پر مسلط کردی۔ اب 12 برس کے بعد جب امریکا افغانستان سے انخلاء پر مجبور ہو چکا ہے، حامد کرزئی مسلسل امریکا مخالف بیانات دے رہے ہیں۔ گزشتہ روز بھی افغان صدر حامد کرزئی نے اپنے بیان میں کہا کہ "افغان جنگ امریکی و مغربی مفادات کے لیے لڑی گئی اور امریکی فوج افغان شہریوں پر حملے کرتی ہے۔" افغان صدر کے بیانات کے پس منظر و پیش منظر اور افغانستان سے متعلق سوالات کے جوابات جاننے کے لیے عابد محمود عزام نے آئی ایس آئی کے سابق چیف اور معروف دفاعی تجزیہ کار لیفٹیننٹ جنرل (ر) حمید گل سے خصوصی گفتگو کا اہتمام کیا، جو نذر قارئین ہے۔

عابد محمود عزام: افغان صدر حامد کرزئی کے تازہ بیان "افغان جنگ امریکی و مغربی مفادات کے لیے لڑی گئی ہے"، کا کیا پس منظر ہے؟

جنرل حمید گل: اس بات میں تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ امریکی مفادات کی جنگ ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ یہ امریکا کے مفادات کی جنگ ہے۔امریکا کب سے افغانیوں کو نشانہ بنارہاہے، ان کا قتل عام کررہاہے۔ اتنے سال کے بعد حامد کرزئی کو یاد آئی ہے کہ یہ امریکا کے مفادات کی جنگ ہے۔ امریکا کے ہاتھوں افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بج جانے کے بعد، اپنے ملک کو غیر ملکی قابضوں کے ہاتھوں فتح کروائے جانے کے بعد ان کو یہ سب کچھ یاد آیا ہے۔ یہ تو خود جہادی تھے، کوئی حامد کرزئی سے پوچھے کہ انہوں نے یہ کیا کیا؟ امریکا کو افغانستان پر مسلط کیے رکھا اور اس کا ساتھ دیتا رہا، آج 12 سال کے بعد ان کو یاد آگیا کہ یہ امریکا کے مفادات کی جنگ ہے۔ ان کو سوچنا چاہیے تھا کہ پاکستان اور افغانستان اکٹھے ملک ہیں، دونوں مسلمان ہیں۔ ان کے آپس میں رشتے داریاں ہیں، لیکن انہوں نے بھارت اور امریکا کے ساتھ مل کر یہاں وارداتیں کروانا شروع کردیں، بھارت اور امریکا کو کیوں اتنی گنجائش دی کہ وہ یہاں حملے کرے۔ کوئی ان سے کہے کہ خدا کا خوف کرو آپ یہ کیا کروارہے ہیں۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

عابد محمود عزام: امریکا کا کہنا ہے کہ افغان جنگ ہمارے مفاد میں کس طرح ہوسکتی ہے، کیونکہ اس میں خود ہمارا بے حد جانی و مالی نقصان ہوا ہے؟

جنرل حمید گل: بالکل افغانستان میں امریکا کا بہت نقصان ہوا ہے، کیا کسی نے

ان پر دباؤ ڈالا تھا کہ وہ افغانستان میں جنگ کرے، وہ خود یہاں آیا ہے۔ اب نقصان بھی برداشت کرے۔ نائن الیون کو تو امریکا نے بہانہ بنایا ہے۔ ساری دنیا مانتی ہے امریکا جھوٹا ہے۔ وہ ظالم ہے۔ اس نے افغانستان میں ظالمانہ حملہ کیا ہے۔ جب امریکا افغانستان میں جھوٹ کی بنیاد پر آیا تو حامد کرزئی نے جھوٹ کا ساتھ کیوں دیا۔ کرزئی صاحب نے کیوں امریکا سے معاہدات کیے، کیوں ان کے ایجنٹ بنے؟ اتنے سال اس جنگ کا حصے رہنے کے بعد اور امریکا کا ایجنٹ بنے رہنے کے بعد ان کو آج یاد آگیا ہے کہ یہ امریکا کے مفادات کی جنگ ہے۔ یہ جنگ افغانوں کے خلاف تھی، افغانوں کو مروانے کی جنگ ہے، مسلمانوں کو قتل کروانے کا ایک طریقہ ہے۔ صرف افغانوں کو ہی نہیں مسلمانوں کو مروانے کا ذمہ بھی حامد کرزئی پر ہے، اس پر پاکستانیوں کو بھی مروانے کا ذمہ ہے اور آج بھی وہ پاکستانیوں کو مروارہے ہیں۔ پاکستان کی سرزمین پر بیٹھ کر کیا انہوں نے سوویت یونین کے ساتھ جنگ نہیں کی تھی؟ سوویت یونین کے ساتھ جنگ میں پاکستان کی حمایت ان کو بہت اچھی لگتی تھی؟ آج وہ اس پاکستان پر حملے کروارہے ہیں۔ امریکا کو اکسارہے ہیں کہ پاکستان پر حملہ کرو۔ وہ ہمارے ساتھ بہانے بنارہے ہیں؟ وہ انڈیا کی گود میں بیٹھے ہیں، ان سے پوچھا جائے کہ وہ ایسا کیوں کررہے ہیں؟ انڈیا نے انہیں کیا دیا ہے اور کیا دے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ بھارت ان کا دوست نہیں ہوسکتا، کافر کبھی بھی مسلمان کا دوست نہیں ہوسکتا۔

عابد محمود عزام: افغان صدر تو اس جنگ کو امریکا کی جنگ کہہ رہے ہیں، جبکہ ہمارے بعض حلقے کہتے ہیں یہ ہماری جنگ ہے، وہ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟

جنرل حمید گل: اب تو بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ یہ ہماری جنگ نہیں ہے، یہ امریکا کی جنگ ہے۔ نہ ہی یہ پہلے ہماری جنگ تھی اور نہ ہی اب ہے۔ پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے، یہ سب کچھ بھارت کروا رہا ہے اور امریکا کروا رہا ہے۔ یہ دھماکے اور خود کش حملے سب امریکا کروا رہا ہے۔ یہ جو اسلام آباد کچہری میں ہولناک سانحہ پیش آیا ہے، اس میں بھی بھارت و امریکا ملوث ہے ں،ان لوگوں کو یہ سب کچھ نظر نہیں آ رہا؟ یہ بھی کرزئی صاحب کے ذمے ہے، اس لیے کہ کرزئی صاحب امریکا اور انڈیا کو افغانستان میں بٹھا کر ہمارے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ان کو یہ نظر نہیں آتا کہ ہم نے ابھی تک تیس لاکھ افغانیوں کو پناہ دی ہوئی ہے۔ یہ سب افغانستان کے شہری ہیں، لیکن ہم نے ان کو سینے کے ساتھ لگا کر رکھا ہوا ہے۔ ان کو محبت سے رکھا ہوا ہے۔ کرزئی صاحب کو ہمارے خلاف باتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ان کو پاکستان کے خلاف سرگرمیاں کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔

عابد محمود عزام: ہمارے ہاں اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ ملک میں دہشتگردی میں امریکا ملوث ہے، ایسے بیانات میں کتنی حقیقت ہے؟

جنرل حمید گل: بالکل حقیقت ہے، سو فی صد حقیقت ہے، یہ تو سب کو معلوم ہے کہ ملک میں دہشتگردی میں ان لوگوں کا ہی ہاتھ ہے۔ یہ تو حکومت نے بھی کہا ہے کہ ملک میں ہونے والی کارروائیوں میں کوئی اور ہاتھ ملوث ہے۔ ان کو یہ سب کچھ نظر نہیں آتا؟ حکومت نے پاکستان کے دشمنوں کے ساتھ یاریاں لگائی ہوئی ہیں، ان کو دشمنوں کے ساتھ تو مذاکرات کی فکر پڑی رہتی ہے۔ وہ ہمارے دوست کیسے ہو سکتے ہیں؟ آئے روز بھارت کے ساتھ مذاکرات کی رٹ لگا کر رکھتے ہیں اور پاکستان میں طالبان کے ساتھ مذاکرات کرتے ہوئے ان کو تکلیف ہوتی ہے، ان کو مسلمان بن کر سوچنا چاہیے۔ ان کو پاکستانی قوم کا نمایندہ بن کر سوچنا چاہیے۔

عابد محمود عزام: افغان صدر حامد کرزئی کا بیان ہے کہ القاعدہ حقیقت سے زیادہ افسانہ ہے، آپ اس حوالے سے کیا کہتے ہیں؟

جنرل حمید گل: درحقیقت جہاں جہاں مسلمانوں کو نقصان پہنچ رہا ہے وہ اپنے آپ کو القاعدہ بتا رہے ہیں۔ پہلے تو یہ القاعدہ نہیں تھی، یہ سب مجاہدین تھے، جو مسلمانوں کے مفاد کے لیے جہاد کرتے تھے۔ آج یہ سب دہشتگرد بن گئے اور ایجنٹ بن گئے ہیں؟ آج کرزئی صاحب شور مچا رہے ہیں۔ پہلے تو کرزئی صاحب اقتدار کے پیچھے لگے رہے۔ اقتدار کی خاطر سب کچھ کیا، آج کہتے ہیں کہ یہ ہماری نہیں امریکا کی جنگ ہے۔ ان سے پوچھا جائے کہ تم اس جنگ میں شریک کیوں

ہوئے؟ پہلے نظر نہیں آتا تھا کہ یہ امریکا کی جنگ ہے۔

عابد محمود عزام: حامد کرزئی شروع دن سے امریکا کے ٹاؤٹ سمجھے اور کہے جاتے ہیں، اب کچھ عرصے سے وہ امریکا مخالف بیانات دے رہے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

جنرل حمید گل: کرزئی صاحب ایسے بیانات اس لیے دے رہے کہ جاتے ہوئے وہ اپنی قوم کے ہیرو بننا چاہتے ہیں، وہ احمد شاہ ابدالی نمبر 2 بننا چاہتے ہیں۔ احمد شاہ ابدالی کو "احمد شاہ بابا" کہا جاتا ہے۔ حامد کرزئی اپنے آپ کو "کرزئی بابا" کہلوانا چاہتے ہیں، یہ کرزئی بابا بننا چاہتے ہیں، لیکن اب ایسا نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے جو کام کیے ہیں، جو ان کا کردار رہا ہے، وہ بالکل غلط ہے۔ قوم کیسے بے وقوف بن سکتی ہے، ایک عرصہ وہ امریکا کے اتحادی بنے رہے اور اب امریکا مخالف بیانات دے کر قوم کے ہیرو بننا چاہتے ہیں۔

عابد محمود عزام: افغان صدر حامد کرزئی امریکا کے ساتھ ہونے والے سیکورٹی معاہدے پر دستخط کیوں نہیں کر رہے؟

جنرل حمید گل: اس کی وجہ یہی ہے کہ کرزئی صاحب کو پتا ہے کہ اگر میں دستخط نہیں کروں گا تو کوئی دوسرا آکر کرے گا، اس طرح میری عزت بچ جائے گی۔ میں نے جو کیا کمایا، سب معاف ہوجائے گا۔ آرام سے کھاتا کماتا اور مزے کرتا رہوں گا میں اور دستخط کرے گا کوئی اور نیا آنے والا۔ ویسے افغان قوم کے بارے

میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کرائے پر تو لیے جا سکتے ہیں، لیکن خریدے نہیں جا سکتے۔ حامد کرزئی کے امریکا مخالف بیانات سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ کرزئی کو کرائے پر تو لیا گیا تھا، بہر حال افغان ہے اس لیے خریدا نہیں گیا۔ ابھی تو اور بھی بہت سے لوگ نکل کر امریکا پر ٹوٹ پڑیں گے۔ سارے افغان امریکا پر ٹوٹ پڑیں گے۔ افغانوں کی تاریخ ہی یہ رہی ہے کہ وہ بھاگتے دشمن کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ اب امریکا افغانستان سے بھاگ رہا ہے۔ یہ افغانی ان امریکیوں کی وردیاں تک اتروالیں گے۔ بد قسمتی سے یہ افغانی اکٹھے تو نہیں ہوتے، ہاں لوٹنے میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ ابھی تو انہوں نے امریکا کے کیمپ لوٹنے ہیں۔ امریکا کا سامان چھیننا ہے، ان کے ٹینکوں کو سکریپ میں فروخت کرنا ہے۔ ان کا اسلحہ چھیننا ہے۔ افغانستان میں مال غنیمت تو بہت پڑا ہوا ہے، وہ سب کچھ انہوں نے ہی تو چھیننا ہے۔

عابد محمود عزام: امریکا افغانستان سے جانے کے لیے وقت دے چکا ہے، کیا واقعی وہ اپنے مقررہ وقت پر افغانستان سے چلا جائے گا؟

جنرل حمید گل: امریکا افغانستان سے ضرور جائے گا۔ 2014ء میں ہی جائے گا یا 2015ء میں چلا جائے گا۔ افغانستان میں دو، چار ہزار فوج رکھ کر اس نے کیا لینا ہے، اس کا جانا ضروری ہے۔ اب امریکا کا ڈرامہ ختم ہو چکا ہے۔ اس کی توانائیاں بھی اختتام کو پہنچ چکی ہیں۔ اس کی حالت کمزور ہو چکی ہے۔ اب وہ

اپنے ہی درد اٹھا رہا ہے۔ وہ اپنے ہی زخم چاٹنے کی کوشش کرے گا۔

عابد محمود عزام: امریکا کے افغانستان سے چلے جانے کے بعد پاکستان پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

جنرل حمید گل: امریکا افغانستان سے مکمل طور پر نکل کر پاکستان میں بیٹھنا چاہتا ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ وہ اپنے قدم پاکستان میں جمالے۔ اسی لیے تو وہ بڑے بڑے حساب کتاب کر رہا ہے، بڑے بڑے منصوبے بنا رہا ہے، وہ پاکستان میں پنجے گاڑنا چاہتا ہے۔ فوج تو ان کی اتنی زیادہ یہاں نہیں آئے گی، لیکن وہ قبضہ ضرور رکھنا چاہتا ہے۔ ہماری معیشت پر قبضہ، ہمارے اداروں پر کنٹرول اور ہمارے سیاست دانوں کی سوچ کو اپنے قابو میں رکھ کر وہ پاکستان پر قابض ہونا چاہتا ہے۔

عابد محمود عزام: افغانستان سے امریکا کے چلے جانے کے بعد آپ افغانستان کا مستقبل کیا دیکھتے ہیں؟

جنرل حمید گل: امریکا کے افغانستان سے چلے جانے کے بعد افغانستان تو بالآخر پاکستان کے ساتھ آملے گا۔ وہ مسلمان ہیں، ہم بھی مسلمان ہیں، ہم ایک ہی ہیں، ہماری تاریخ ایک ہے، ہمارے ہیروز ایک ہیں، ہمارے صوفی اور ہمارے اولیائے کرام سب ایک ہیں۔ امریکا کے جانے کے بعد ہم میں اور افغانستان میں

محبتیں بڑھیں گی اور نفرتیں ختم ہوں گی۔

ملک میں غربت اور ٹیکس نادہندگان

وفاقی وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے کہا ہے کہ پاکستان میں 54 فیصد لوگ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں، اگر ہمیں آگے بڑھنا ہے تو ٹیکس دہندگان کی تعداد میں اضافہ کرنا ہوگا۔وزیر خزانہ صاحب نے بالکل بجافرمایا ہے۔ملک میں خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے والوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے اور خط غربت سے مراد عالمی بینک کا وہ پیمانہ ہے جس کے مطابق روزانہ 1.25 ڈالر یا اس سے کم آمدنی والے افراد خط غربت سے نیچے تصور کیے جاتے ہیں۔اس طرح پاکستانی حالات کے مطابق وہ لوگ جن کی آمدنی اندازاً روزانہ 130 روپے یا اس سے کم ہو وہ خط غربت سے نیچے تصور کیے جاتے ہیں۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستان کی یہ 54 فیصد آبادی کتنی معاشی مشکلات کا شکار ہے کہ یہ لوگ دن بھر میں 130 روپے بھی نہیں کما پاتے، جبکہ اس دور میں اتنی قلیل آمدنی کے ساتھ گزارا کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن نظر آتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بڑھتی ہوئی غربت کی بدولت پاکستان میں بھوک کی شکار آبادی کی صورت حال نیپال، سری لنکا، فلپائن، انڈونیشیا، زمبابوے، تاجکستان، مالی، یوگنڈا، انگولا، کینیا اور شمالی کوریا سمیت 98ممالک سے ابتر ہے، جو انتہائی خطرناک صورتحال ہے۔اس طرح غربت ملک کا سب سے بڑا نہ سہی، بہت بڑا مسئلہ ضرور ہے۔اگرچہ ملک میں امن و امان

کی صورتحال انتہائی تکلیف دہ اور پریشان کن ہے، لیکن اس کے باوجود اگر عوام سے دامن گیر بڑی پریشانی کے بارے میں پوچھا جائے تو اکثریت معاشی حالات کی وجہ سے فکر مند و پریشان نظر آئے گی۔ ملک کی اکثریت کا روگ معیشت ہے۔ غربت نے یہاں کی اکثریت کو کئی نفسیاتی الجھنوں میں مبتلا کر دیا ہے اور انہی الجھنوں نے ملک کے 80 فیصد لوگوں کو ذہنی دباؤ میں مبتلا کر دیا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو غربت کی اصل وجہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہے جس کی وجہ سے غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ دولت کی غیر مساوی تقسیم کی وجہ سے ایک خاص طبقہ اس قدر امیر ہے کہ ان کے اثاثوں کا اندازہ لگانا مشکل ہے، جبکہ دوسری طرف لوگوں کی ایک کثیر تعداد اتنی غریب ہے کہ ان کے لیے خوراک کا حصول بھی مشکل ہے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جن کو پیسہ خرچ کرنے کے ذرائع نہیں ملتے اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جن کو پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے خوراک میسر نہیں۔

ملک میں محنت مزدوری کرنے والے غریب خواتین و مرد کربناک صورتحال سے دوچار ہیں۔ فیکٹریوں میں ملازمت کرنے والوں سے لے کر گھروں میں کام کرنے والی ملازماؤں تک استحصال اور مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی اندوہناک داستانیں منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔ ملک میں سرمایہ دار و دولت مند گروہ غریب کی مجبوری کا فائدہ ا±ٹھا کر انسانی محنت کے تمام فوائد کو اپنی ذات تک محدود رکھے ہوئے ہیں اور دولت کے انبار لگا رہے ہیں، لیکن

اس کے مقابل عوام کی غالب اکثریت غربت کی نچلی سطح پہ ہے اور ہوشربا مہنگائی کی وجہ سے انہیں اپنی زندگی کی سانسیں جاری رکھنے کی فکر لاحق ہے۔ پاکستان میں سیاسی لیڈروں، وڈیروں، جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور امیر کلاس کے لوگوں کے لیے بدعنوانیوں کے وسیع میدان ہیں۔ پاکستان میں دولت، وسائل اور اقتدار پر ایلیٹ طبقہ قابض ہے، جس کے نتیجے میں امیر اور غریب میں خلیج روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔

پارلیمنٹ میں اکثریت امرا کی ہے، جو قانون سازی میں اپنے مخصوص مفادات مد نظر رکھتے ہیں اور انھیں ریاست یا غریب عوام کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔

پاکستان میں ٹیکس کی وصولی کے کمزور اور غیر مربوط نظام کی وجہ سے بہت سے بڑے لوگ بغیر ٹیکس ادا کیے بڑے بڑے اثاثے تشکیل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ریاست اپنی کمزوری کی وجہ سے بڑے بڑے نادہندگان سے ٹیکس وصول نہیں کر سکتی۔ اس سے ایک طرف تو دولت چند مخصوص ہاتھوں میں مرتکز ہوتی ہے اور دوسری طرف حکومت ٹیکسوں کی بھاری رقوم سے محروم ہو جاتی ہے۔ حکومت کے پاس ٹیکس کی یہی رقوم ہوتی ہیں جن سے غریب لوگوں کی بہتری کے لیے اقدامات کیے جا سکتے ہیں۔ اس طرح امیروں کے ٹیکس ادا نہ کرنے سے غریب لوگ ترقی کے سفر میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اگر حکومت تمام امیر لوگوں سے ٹیکس کی وصولی کو یقینی بنائے تو حکومت کے وسائل میں خاطر خواہ اضافہ ہو سکتا ہے۔ اس سے ایسے منصوبے بنائے

جا سکتے ہیں، جو غربت میں نمایاں کمی لا سکتے ہیں۔ پاکستان میں آمدنی پر ٹیکسوں سے بچنے کا یہ حال ہے کہ کم از کم ایک کروڑ افراد کی آمدن قابل ٹیکس ہے، تاہم صرف 25 لاکھ افراد ٹیکس دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کا شمار دنیا کے ان ممالک میں ہوتا ہے جہاں کی مجموعی قومی پیداوار پر ٹیکس کی شرح نہایت کم ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ پاکستان میں کم از کم 5 ہزار ارب کے ٹیکس اکٹھے کیے جا سکتے ہیں، جبکہ ملک میں آج تک 2 ہزار ارب تک ٹیکس وصولیاں کی جا سکی ہیں۔

سینیٹ، قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے بہت سے ارکان ٹیکس نہیں دیتے۔ پارلیمنٹ ٹیکسیشن کے حوالے سے ایسی قانون سازی کرتی ہے اور اس میں ایسے سقم چھوڑ دیتی ہے جس سے بہت سے بااثر لوگوں کو قانونی طور پر ٹیکس سے استثنیٰ حاصل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دوسری طرف غریب اور مڈل کلاس پاکستانی جن پر انکم ٹیکس کا اطلاق نہیں ہوتا وہ اشیائے صرف پر سیلز ٹیکس کی صورت میں بھاری ٹیکس دینے پر مجبور ہیں۔

درحقیقت یہاں کا ٹیکس سسٹم، ایلیٹ نے ایلیٹ کے لیے ہی بنایا ہے۔ اس سسٹم کے تحت غریب آدمی، امیر آدمی کو سبسڈی دے رہا ہے۔ حقیقی ٹیکس بیس کی عدم موجودگی میں حکومت غیر ملکی امداد اور قرضوں کے لیے کشکول پکڑنے پر مجبور ہے۔ ملکی ٹیکس ریونیو میں کمی کے باعث حکومت، تعلیم، صحت اور انفرااسٹرکچر جیسی بنیادی سہولتوں میں مناسب سرمایہ کاری کرنے سے

قاصر ہے۔اس لیے ریاست کو ملک میں کاروبار یا دیگر امور سے دولت کمانے والے طبقات کو ملک کے قانون کے مطابق ٹیکس کی ادائی پر مجبور کرنا چاہیے اوراس کے ساتھ حکومت کو ٹیکس سے حاصل ہونے والی رقوم کا استعمال بھی درست طریقے سے غریبوں کی بھلائی والے منصوبوں پر کرنا ہو گا۔

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دنیا بھر کی حکومتوں کا دارومدار عوام و خواص کی طرف سے قومی خزانے میں جمع کرائے گئے ٹیکسوں پر ہوتا ہے، مگر پاکستان میں سب سے زیادہ ٹیکس عوام دیتے ہیں۔ان میں سے بیشتر "خطِ غربت" سے بھی نیچے زندگی گزارنے والے لوگ ہیں، جنہیں دو وقت کی روٹی کے ہی لالے پڑے رہتے ہیں۔ان بے بسوں اور بے کسوں پر مختلف قسم کے نجانے کتنے ٹیکس عاید ہیں۔ ہمارے ہاں بے لگام ٹیکسوں کے نام پر غریبوں کا خون تو نچوڑا جاتا ہے، جبکہ دوسری طرف بیشتر ایلیٹ کلاس کو ہر طرح کی چھوٹ دے دی جاتی ہے، جن میں بڑے جاگیر دار، سرمایہ دار، سیاستدان اور وڈیرے شامل ہیں، حالانکہ دنیا کے کئی ملکوں میں امیروں سے ٹیکس لے کر وہ رقوم غریبوں کی فلاح بہبود پر خرچ کی جاتی ہیں، مگر ہمارے ہاں غریبوں سے ٹیکس لے کر امیروں بالخصوص حکمرانوں کی موج مستیوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔اسے کہتے "ہیں" یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔

سندھ: تھر پارکر میں قحط سالی.... حکومت کہاں ہے؟

کوئلے، چائنا کلے، گرینیٹ پتھر اور نمک کے ذخائر سے بھرپور صحرائی علاقے تھر کو ان دنوں بدترین قحط کا سامنا ہے، قحط سالی کے باعث انسانی جانیں تیزی سے ضائع ہو رہی ہیں۔ اس علاقے کی چودہ لاکھ سے زیادہ آبادی کا گزر بسر مال مویشیوں یا بارش کے پانی کی وجہ سے زراعت پر ہے۔ چارہ اور خوراک دستیاب نہ ہونے کے باعث پہلے مور بیماری کا شکار ہوئے، جس کے بعد ہزاروں کی تعداد میں بھیڑیں اور بکریاں مر گئی ہیں۔ سرطانوی دور حکومت میں 15 اگست تک بارشیں نہ ہوتیں تو علاقے کو سرکاری طور پر قحط زدہ قرار دے کر تمام ٹیکس معاف اور رعایتی قیمت پر گندم کی فراہمی کی جاتی تھی۔ اب ایک بار پھر تھر کا علاقہ قحط سالی کی لپیٹ میں آگیا ہے۔ صحرائے تھر میں دو سال سے بارش نہ ہوئی، قطرے قطرے کو ترسے تھر کے باشندوں پر بھوک و افلاس نے ڈیرے ڈال دیے ہیں، تھر کی پیاسی زمین سے پرندوں نے تو ہجرت کر لی، لیکن بڑی تعداد میں مال مویشیوں کی ہلاکت کے بعد انسان بھی مرنے لگے ہیں۔ ضلعی ہیڈ کوارٹر مٹھی کے سرکاری ہسپتال میں گزشتہ تین ماہ کے دوران علاج کے لیے لائے گئے 121 بچے جاں بحق ہو چکے ہیں۔ دسمبر 2013ء میں 42، جنوری میں 40 بچے، فروری میں 36 اور مارچ کے ابتدائی 5 دنوں میں 3 بچے ہسپتال میں دم توڑ گئے، جبکہ بعض ذرائع کے

مطابق گزشتہ تین ماہ کے دوران تھر کے علاقے میں غذائی قلت کے باعث 193 بچے جاں بحق ہو چکے ہیں۔ اس سلسلے میں حکومت سندھ نے 5 ماہ سے تھر کو آفت زدہ علاقہ قرار دے کر امدادی سرگرمیاں شروع کرنے کا اعلان کیا تھا جس کے بعد صرف ایک بار 60 ہزار بوری گندم آدھی قیمت پر دینے کا اعلان تو کر دیا لیکن وہ ساٹھ ہزار بوریاں بھی عوام میں تقسیم نہ ہو سکیں۔ حکومت نے صحرائے تھر کو آفت زدہ قرار دے کر سرکاری گوداموں کو ساٹھ ہزار گندم کی بوریوں سے تو بھر دیا لیکن یہ گندم فاقوں کی ماری تھر کی عوام میں تقسیم نہ ہو سکی، یوں گندم سرکاری گوداموں میں پڑی سڑتی رہی، لیکن مقامی آبادی کے کام نہ آ سکی۔ تھرپارکر میں قحط سالی میں سندھ حکومت کی غیر سنجیدگی دیکھنے میں آئی ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ تھرپارکر میں گندم کی فراہمی ٹرانسپورٹرز کو کرایہ نہ ملنے کے باعث تاخیر کا شکار ہوئی، حکومت سندھ کے محکمہ خوراک نے گندم کی 60 ہزار بوریاں مٹھی پہنچانا تھیں، مگر حکومت کی جانب سے ٹرانسپورٹرز کو کرائے کی مد میں 30 لاکھ روپے کی ادائیگی کرنا تھی، کرائے کی عدم ادائیگی کے باعث گندم کی فراہمی تاخیر کا شکار ہو گئی۔ محکمہ خوراک کا کہنا ہے کہ اس کے پاس گندم کی نقل و حمل کے لیے فنڈز نہیں کہ دور دراز علاقوں تک پہنچائی جا سکے۔ بڑھتی ہوئی تعداد انتہائی تشویشناک ہے۔ بھوک و افلاس سے بچنے کے لیے تھر کی 6 تحصیلوں کے 40 فیصد باشندے اپنے مال مویشیوں سمیت بیراجی علاقوں کی طرف نقل مکانی کر چکے ہیں۔

اتنے بڑے نقصان اور میڈیا کی جانب سے مسلسل متوجہ کرنے کے بعد تھرپارکر میں قحط سالی سے بچوں کی ہلاکت پر حکومت سندھ نیند سے جاگ گئی اور وزیراعلیٰ سید قائم علی شاہ مٹھی پہنچ گئے اور متاثرین کے لیے امداد کی بجائے مٹھی کے گوداموں میں گلنے سڑنے والی 60 ہزار بوریاں گندم کو تقسیم کرنے کا اعلان کیا۔ وزیراعلیٰ سندھ قائم علی شاہ نے تھرپارکر میں قحط سالی سے ہلاکتوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ بھوک سے جاں بحق ہونے والے بچے 5 سال سے کم عمر ہیں۔ اس سال سخت سردی پڑی جس کی وجہ سے بچے نمونیا میں مبتلا ہوگئے، جب کہ دوسری وجہ خوراک کی کمی ہے، جس کے باعث بچوں کو دودھ نہیں ملا۔ وزیراعلیٰ کا مزید کہنا تھا کہ یہ حقیقت ہے کہ سرکاری گندم کی درست تقسیم نہیں ہو سکی تھی، جس وجہ سے بھی غذا کی کمی میں اضافہ ہوا، گندم کی تقسیم ریلف کمشنر کے ذریعے ہونی تھی جو بیمار تھے، جس وجہ سے تقسیم متاثر ہوئی۔ صرف تھر کے ضلعی ہیسپتال مٹھی میں سہولیات موجود ہیں، پورے ضلعے کے علاقہ دیگر علاقوں سے بھی یہاں مریض لائے جاتے ہیں۔ مٹھی ہسپتال کے ایم ایس کا یہ فرض تھا کہ جب بچوں میں غذائی قلت کی تشخیص ہو رہی تھی تو ڈائریکٹر اور سیکریٹری کو بتاتا، اس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ان بچوں کو فوری طور پر حیدرآباد یا کراچی منتقل ہونا چاہیے تھا۔ دوسری جانب سندھ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مشیر عالم نے تھر میں قحط سالی میں بچوں کی ہلاکت کا از خود نوٹس لے لیا ہے اور 14 مارچ کو

متعلقہ حکام سے اس سلسلے میں جواب طلب کیا ہے۔ ہائی کورٹ نے متعلقہ حکام سے سوال کیا ہے کہ تھر میں قحط سالی کی صورتحال کیوں پیدا ہوئی اور علاقے میں سرکاری گندم کی تقسیم کا کیا نظام ہے، اس سے عدالت کو آگاہ کیا جائے۔

واضح رہے کہ قحط سالی کا شکار علاقہ تھرپارکر قدرت کی جانب سے عطا کیے ہوئے بہت سے ذخائر سے مالا مال ہے۔ یہاں کوئلے، چائنا کلے، گرینیٹ پتھر اور نمک کے بڑے ذخائر موجود ہیں۔ تھر کے ریگستان میں ہی کوئلے کا دنیا میں اب تک کا سب سے بڑا ذخیرہ دریافت ہوا تھا۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا ذخیرہ 10 ہزار کلومیٹر میں پھیلا ہوا ہے۔ اس علاقے میں تقریباً سارا سال ہی پانی کا بحران رہتا ہے۔ آئی آر آئی این کی رپورٹ کے مطابق ضلع کا مجموعی رقبہ 22 ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ علاقے میں چودہ لاکھ افراد اور پچاس لاکھ مویشی موجود ہیں جبکہ یہاں سالانہ نو ملی میٹر سے بھی کم بارش ہوتی ہے۔ علاقے کے صرف پانچ فیصد لوگوں کو مہینے میں صرف 2 بار میٹھے پانی کی سہولت میسر آتی ہے۔ وہ بھی صرف تعلقہ مٹھی کے لوگوں کو جو تھرپارکر کا صدر مقام ہے۔ تھرپارکر ڈسٹرکٹ کے ایک سو چھیاسٹھ دیہہ میں سے صرف نو دیہہ ایسے ہیں جو ایک بیراج سے سیراب ہونے والے علاقے میں واقع ہیں۔ اس ڈسٹرکٹ میں باقی تمام علاقے کے لوگوں کو اپنی خوراک اور مویشیوں کے چارے کی فصلوں کی کاشت کے لیے بارش پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ حالیہ موسم کے آغاز میں معمولی سے بوندا باندی کے سوا

اس علاقے میں بالکل بھی بارش نہیں ہوئی ہے۔ پانی کے تقریباً تمام ذخائر سوکھ گئے ہیں۔ ہر دو یا تین سال کے بعد تھرپارکر خشک سالی سے متاثر ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے خوراک کی قلت پیدا ہوتی ہے، نتیجے میں یہاں کے لوگوں کو بیماریاں اور اموات جیسی مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں۔ بچے اور حاملہ خواتین سب سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ مٹھی کے سول ہسپتال میں صحت کی دیکھ بھال کی مناسب سہولتیں موجود نہیں ہیں۔ بارش پر انحصار کرنے والے اس ضلع میں بھیڑوں، اونٹوں اور گائے بکریوں کی ایک بڑی تعداد خشک سالی کی وجہ سے ہلاک ہوچکی ہیں۔ بہت سے دیہاتوں میں موروں کی بڑی تعداد مرچکی ہے، لیکن اس صورتحال میں بہتری کے لیے حکومت سندھ نے کوئی قابلِ ذکر اقدام نہیں کیا ہے۔ ڈیپلو، چھاچھرو، اسلام کوٹ، ڈہلی اور ننگرپارکر سے موصول ہونے والی اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ بہت سے غریب تھری خاندان اپنے مویشیوں کے ساتھ ہیراج کے علاقوں میں چلے گئے ہیں۔ مٹھی کے ہسپتال میں داخل مریضوں کے رشتہ داروں کا کہنا ہے کہ ہسپتال کی انتظامیہ دوائیں فراہم نہیں کررہی ہے اور انہیں مہنگی دوائیں خریدنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ ہم اپنے بچوں کو کھانا تو کھلا نہیں سکتے، دوائیں کیسے خرید سکتے ہیں؟ مبصرین کا کہنا ہے کہ تھر کے علاقے میں لوگوں کے لیے سہولیات کا انتظام کرنا حکومت سندھ کے ذمے ہے، ان کی خوراک اور ضروریات زندگی کی فراہمی ہر صوبائی حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے، وہاں کے لوگ خوراک کے لیے تڑپ تڑپ کر جان دے رہے ہیں، لیکن حکومت سندھ کو اس کی

کوئی پروا نہیں ہے۔ حکومت سندھ ایک طرف سندھ کی ثقافت بچانے کے نام پر لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کر رہی ہے، جبکہ دوسری جانب سینکڑوں لوگ بھوک کے باعث مر رہے ہیں اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔ حکومت سندھ نے کروڑوں روپے خرچ کرکے سندھ کی ثقافت تو بچالی، لیکن تھر میں بھوک سے مرنے والے انسانوں کو نہ بچا سکی۔ لہٰذا حکومت سندھ کو چاہیے کہ وہ خشک سالی کے باعث خوراک کی قلّت اور وبائی بیماریوں پر قابو پانے کیلئے ہنگامی بنیادوں پر اقدامات کرے۔

تھرپارکر میں موت کا رقص جاری، متاثرین تاحال امداد سے محروم

تھرپارکر میں موت کا رقص جاری ہے۔ گزشتہ چوبیس گھنٹوں کے دوران مزید دو بچے دم توڑ گئے ہیں، اس طرح گزشتہ تین ماہ کے دوران تھرپارکر میں قحط سالی کی بھینٹ چڑھنے والے بچوں کی تعداد 200 سے تجاوز کرچکی ہے، گزشتہ 24 گھنٹوں کے دوران قحط کا شکار ہو کر مختلف بیماریوں میں مبتلا ہونے والے 375 سے زاید بچے ہسپتال بھی لائے گئے ہیں۔ یہ اعداد و شمار صرف سرکاری ہسپتال میں لائے جانے والے بچوں کے ہیں، دور دراز کے علاقوں میں پنجے گاڑے قحط کے عفریت نے کیا تباہی پھیلائی ہے، اس سے فی الحال کوئی واقف نہیں، مقامی افراد کا کہنا ہے کہ سرکاری ہسپتال کا ریکارڈ سامنے آنے پر لوگوں کو صورتحال معلوم ہوئی، لیکن اصل صورت حال اس سے زیادہ خراب ہے، کیوں کہ بچوں کی بڑی تعداد ایسی بھی ہے جو دور دراز ہونے یا وسائل نہ ہونے کے باعث ہسپتال نہیں پہنچ سکی۔ زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے لوگ تھرپارکر سے دوسرے علاقوں کی جانب نقل مکانی کررہے ہیں، جس کے نتیجے میں گاشس کے گاؤں خالی ہوگئے ہیں، اطلاعات کے مطابق خشک سالی کے سبب تقریباً پونے دو لاکھ تھری باشندے اپنا گھربار چھوڑ کر دیگر اضلاع کی طرف نقل مکانی کرچکے ہیں۔ نقل مکانی کرنے والے افراد شہروں میں جگہ جگہ بے یارومددگار پڑاؤ ڈالے

بیٹھے ہیں۔ متاثرین کا کہنا ہے کہ خشک سالی کی وجہ سے ان کے مویشی مر چکے، اب ان کے پاس کھانے کے لیے ہی کچھ نہیں، ایسی صورت حال میں وہ بیمار بچوں کا علاج کیسے کرا سکتے ہیں۔ تھرپارکر میں قحط سالی کی وجہ سے بچوں کی ہلاکتوں پر صوبائی حکومت کی جانب سے مجرمانہ غفلت کے اعتراف کے بعد چیف جسٹس آف پاکستان تصدق حسین جیلانی نے اس واقعے کا ازخود نوٹس لیتے ہوئے دس مارچ کو سندھ کے چیف سیکرٹری سے رپورٹ طلب کر لی تھی، جبکہ سابق چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے بھی موجودہ چیف جسٹس کو ایک خط میں تھر میں قحط سالی سے بچوں کی ہلاکتوں پر عوامی مفاد میں از خود نوٹس لینے کا مطالبہ کیا تھا۔اس خط میں کہا گیا تھا کہ تھرپارکر میں غذائی قلت اور قحط سالی کے باعث درجنوں بچے جاں بحق ہو چکے ہیں، جبکہ ایک لاکھ 75 ہزار سے زاید خاندان متاثر ہوئے ہیں۔

اگرچہ وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ نے تھرپارکر میں قحط سالی سے متاثرہ افراد کے لیے امدادی کارروائیاں شروع کرنے کی ہدایت کی تھی، لیکن اطلاعات ہیں کہ انتظامی سطح پر کی جانے والی امدادی کارروائیاں صرف شہروں تک ہی محدود ہیں۔ ضلع تھرپارکر میں بے شمار علاقے اب بھی ایسے ہیں جہاں سندھ حکومت ابھی تک امداد نہیں پہنچا سکی۔ بے بس لوگ اپنے بیمار بچوں کے ساتھ منتظر ہیں کہ انہوں نے جنہیں ووٹ دے کر اقتدار کے ایوانوں میں بھیجا تھا، انہوں

نے کبھی پلٹ کر ان کی خبر تک نہیں لی۔ الیکشن میں جن سیاست دانوں نے سنہرے مستقبل کے سہانے خواب دکھائے تھے۔ وہ خواب بھی ریزہ ریزہ ہوئے اور خوابوں کی دنیا میں لے جانے والے بھی اقتدار کے ایوانوں میں پہنچ کر لمبی تان کر سو گئے ہیں۔ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے سندھ حکومت کی مجرمانہ غفلت اور نااہلی کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے تھرپارکر میں قحط زدہ شہریوں کی حالت زار پر تشویش کا اظہار کیا اور کہا ہے کہ صوبائی حکومت کلچر کے فروغ کے نام پر ناچ گانے میں لگی رہی، جبکہ دوسری طرف ہزاروں شہری غذائی قلت کا شکار، جبکہ معصوم بچے بھوکے مر رہے ہیں۔ تھرپارکر میں جنم لینے والے بدترین المیے کی ذمہ دار براہِ راست صوبائی حکومت ہے، جس کی انتظامی نااہلی کی وجہ سے سو سے زیادہ شہری بدترین انجام کا شکار ہو چکے ہیں۔ خیال رہے کہ وزارت صحت کا قلمدان وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کے پاس ہے اور انہوں نے اپنے داماد کو اس کا صوبائی سیکرٹری مقرر کر رکھا ہے۔ قائم علی شاہ کے پاس وزارت اعلیٰ کے قلمدان کے علاوہ محکمہ صحت، قانون، داخلہ، لینڈ یوٹیلائزیشن، خزانہ، سروسز اینڈ جنرل ایڈمنسٹریشن، محکمہ کوآپریٹی، منصوبہ بندی و ترقیات، کھیل، امور نوجوانان، ثقافت، سیاحت، بیورو آف سپلائی اینڈ پرائسز کنٹرول اور محکمہ اسٹیویٹا سمیت ڈیڑھ درجن اداروں کی سربراہی ہے۔ جن کے کرتا دھرتا انہوں نے اپنے ہی گھر والوں کو مقرر کر رکھا ہے۔ میڈیا کی جانب سے تھر میں قحط اور ادویہ کی کمی کی نشان دہی پر کئی افسران کی معطلی اور

تبادلے ہوئے، لیکن وزیراعلیٰ سندھ صاحب کے داماد اقبال درانی اپنے عہدے پر ہی موجود ہیں۔

قابل حیرت بات ہے کہ اس دور میں انسان ترقی کی معراج پر جا پہنچا ہے، لیکن اس کے باوجود ملک میں رہنے والے افراد کا قحط، فاقوں اور بیماریوں کی وجہ سے ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر موت کے منہ میں چلے جانا نہ صرف قابل، افسوس بلکہ کوتاہی برتنے والوں کے لیے شرمناک بات بھی ہے۔ تھر کے سانحے پر میڈیا کوریج کی وجہ سے خوابِ غفلت کا شکار سندھ حکومت نے آنکھیں کھولیں اور امدادی سرگرمیاں شروع کرنے کے احکامات جاری کیے۔ اس صورتِ حال میں یہ سب کچھ نہایت تاخیر سے اور بہت کم محسوس ہوتا ہے۔ سندھ حکومت نے تھری باشندوں کے لیے گندم کی جو ساٹھ ہزار بوریاں دینے کا وعدہ کیا تھا، وہ اب تک انہیں فراہم نہیں کی جا سکی ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ گندم کی یہ مقدار خوراک کی درکار ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ناکافی ہے۔ ایسی بات نہیں کہ خشک سالی اور قحط کوئی نیا رجحان ہے، اس علاقے میں ہر دو تین برس کے بعد یہ صورتِ حال جنم لیتی رہتی ہے۔ قیام پاکستان سے اب تک تھرپارکر میں چودہ بار قحط نے ڈیرے ڈالے ہیں، جس کے نتیجے میں ہزاروں لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے، لاتعداد مویشی ہلاک ہوئے۔ صحرائے تھر میں بارشیں نہ ہوں تو وہاں موت کا رقص شروع ہو جاتا ہے۔ 1961ئ، 1966ئ، 1969ئ، 1974ئ، 1984ئ، 1987ئ، 1991ئ، 1994ئ،

ئی، 2002ئی، 2004ئی، 2007ئی، 2009ء اور اب 2014ء میں بارشیں 1999 نہ ہونے کے باعث قحط آیا۔ ہر بار قحط کے باعث صحرائی علاقوں سے بڑی تعداد میں لوگ بیراجی علاقوں میں نقل مکانی کر جاتے ہیں، جو رہ جاتے ہیں ان کے گھروں پر بھوک اور پیاس کے ساتھ موت ڈیرے ڈال دیتی ہے۔ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ ایسے شدید موسمیاتی حالات سے نمٹنے کی منصوبہ بندی ریاست کی ترجیحات کا حصہ نہیں ہوتی۔ پچھلے پانچ برس تک پی پی پی سندھ پر حکمران رہی اور گزشتہ برس منعقدہ عام انتخابات کے بعد بھی اس کی حکومت بدستور برقرار ہے اور پیپلز پارٹی نے تھرپارکر سے انتخابات میں چار میں سے تین نشستیں بھی حاصل کی تھیں۔ اس پر یقین کرنا بہت ہی مشکل ہے کہ پارٹی کے صوبائی اور قومی ارکانِ قانون ساز تھر کے زمینی حقائق سے لاعلم تھے۔ اگر مسئلہ رقم کا ہے تو پھر وفاقی حکومت یا امدادی اداروں سے رابطہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جبکہ یہ اطلاعات ہیں کہ تھر میں قحط سالی سے ہلاکتوں کے معاملے پر سندھ حکومت نے پنجاب حکومت کی جانب سے امداد اور تعاون کی پیشکش ٹھکراتے ہوئے کہا ہے کہ انہیں ابھی امداد کی ضرورت نہیں ہے۔ جبکہ وزیر اطلاعات سندھ شرجیل انعام میمن نے کہا ہے کہ پنجاب حکومت کی جانب سے تھر کے متاثرین کے لیے امداد کی کوئی پیشکش نہیں ہوئی۔ ہم وزیراعظم میاں نواز شریف اور وفاقی حکومت کے مشکور ہیں کہ انہوں نے تھر کے لیے اقدامات کیے۔

دوسری جانب خیبرپی کے حکومت نے تھر کے متاثرین قحط کے لیے ہنگامی طور پر 10 کروڑ روپے کے غذائی پیکیج کا اعلان کرتے ہوئے پی ڈی ایم اے کو ہدایت کی کہ چاول، آٹا، دالیں، چینی، چائے، کوکنگ آئل، کھجوریں، نمک، پانی، بچوں کے لیے دودھ، ادویہ اور دیگر ضروری اشیا مقامی مارکیٹ سے ہنگامی بنیادوں پر خرید کر فوری طور پر
تھرپارکر متاثرین میں تقسیم کی جائیں۔ چیئرمین بحریہ ٹاؤن ملک ریاض حسین کی جانب سے بھی تھرپارکر کے قحط زدگان کے لیے 20 کروڑ روپے کی امداد کے اعلان کے بعد بحریہ ٹاؤن کی متاثرین بحالی ایکشن ٹیم، ایمبولینس، موبائل ہسپتال، واٹر ٹینک سے بھرے ٹرک لے کر متاثرہ علاقے میں پہنچ گئی۔ ملک ریاض نے کہا ہے کہ متاثرہ علاقوں کے گھرانوں کو 10 سے 50 ہزار تک امدادی رقوم بھی ان کے گھروں پر مہیا کی جائیں گی اور امداد کا یہ سلسلہ ابتدائی طور پر ہنگامی بنیادوں پر چھ ماہ تک جاری رہے گا۔ کچھ دوسری بھی اکا دکا فلاحی تنظیمیں تھرپارکر میں امدادی سامان لے کر پہنچ چکی ہیں۔
مقامی ذرائع کا کہنا ہے کہ تھرپارکر میں حکومت اور فلاحی اداروں کی جانب سے کی جانے والی امدادی سرگرمیاں ناکافی ہیں، موجودہ قحط میں سب کو مل جل کر اور دل کھول کر متاثرین کے ساتھ تعاون کرنا ہوگا۔ تھرپارکر میں غذائی قلت، خشک سالی اور قحط کی وجہ سے تقریباً پونے دو لاکھ تھری باشندے اپنا گھربار چھوڑ کر شہروں میں جگہ جگہ بے یارومددگار پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ ان کی مدد کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

تھرپارکر: صورتحال انتہائی سنگین.... امدادی سرگرمیاں محدود

یہ صوبہ سندھ کا ضلع تھرپارکر ہے، جس کا کل رقبہ 19،638 مربع کلومیٹر ہے۔ آخری مردم شماری 1998ء کے مطابق اس ضلع کی کل آبادی 955812 ہے، جس میں سے صرف 4.54 فیصد ہی شہروں میں مقیم ہے۔ اس کے شمال میں میرپور خاص اور عمرکوٹ کے اضلاع، مشرق میں بھارت کے بارمیر اور جیسلمیر کے اضلاع، مغرب میں بدین اور جنوب میں رن کچھ کا علاقہ ہے۔ 1990ء تک عمرکوٹ اور میرپورخاص کے اضلاع ضلع تھرپارکر کا حصہ تھے، جس کا صدر مقام میرپور خاص شہر تھا۔ 31 اکتوبر 1990ء کو اسے دو اضلاع میرپور خاص اور تھرپارکر میں تقسیم کر دیا گیا۔ تھرپارکر کا ضلعی صدر مقام مٹھی ہے۔ عمرکوٹ کو 17 اپریل 1993ء کو ایک الگ ضلع بنایا گیا۔ تھرپارکر کا بیشتر علاقہ صحرائے تھر پر مشتمل ہے۔ جس کا شمار دنیا کے نویں بڑے صحرا کے طور پر کیا جاتا ہے، جو بنیادی طور پر ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں سے آباد ہے۔ اس ضلع میں تھرکول سمیت متعدد معدنیات کے بڑے بڑے ذخائر موجود ہیں۔ سندھ کے اس علاقے کے مکینوں کی زندگی میں بارش کا عمل دخل کافی زیادہ ہے، اگر کسی سال اس علاقے میں بارش نہ ہو تو یہاں قحط کی سی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں یہ سلسلہ ایک طویل عرصے سے جاری ہے۔ قیام پاکستان کے بعد سے اب تک بارش نہ ہونے کے

باعث چودہ بار یہ علاقہ قحط کی زد میں آ چکا ہے۔ اس بار بھی اس علاقے میں بارش نہ ہوئی تو گزشتہ تین ماہ سے علاقہ قحط سالی کا شکار ہے۔ اب تک سوا دو سو کے لگ بھگ بچے اس قحط سالی کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں اور ہزاروں لوگ بھوک، پیاس اور دواؤں کی قلت کا شکار ہیں۔ 25 سو سے زاید بیمار افراد اب بھی ہسپتالوں میں زیرعلاج ہیں۔ لوگ موت کے پنجوں سے اپنی جان چھڑانے کے لیے متاثرہ علاقے سے نقل مکانی کرنے پر مجبور ہیں۔ تھرپارکر کے 42 سو دیہات میں سے سینکڑوں نقل مکانی کی وجہ سے خالی ہو چکے ہیں اور مقامی ذرائع کے مطابق تھرپارکر کے 2 لاکھ خانداں موجودہ قحط سے متاثر ہوئے ہیں۔ گزشتہ تین ماہ سے تھرپارکر میں موت کا رقص جاری ہے، لیکن سندھ کا صاحب اقتدار اور حکمران طبقہ فیسٹیول منانے میں مشغول تھا، تھرپارکر میں جنم لینے والے المیے کی انہیں کوئی خبر تک نہ ہوئی، جب میڈیا نے سندھ کے کرتا دھرتا حضرات کو اس قحط کی جانب متوجہ کیا تو اس پر بھی وزیراعلیٰ سندھ قائم علی شاہ نے میڈیا کو ہی ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا کہ میڈیا بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہا ہے۔

حکومت نے متاثرین قحط کی مدد کرنے کا اعلان تو کیا تھا، لیکن اس کے باوجود تھر میں بدانتظامی اور حکومتی بے حسی کے باعث انسانی المیے کی صورتحال سنگین سے سنگین تر ہوتی جارہی ہے۔ تھرپارکر کے گوداموں میں پڑی گندم کی ہزاروں بوریوں میں سے صرف 9 سو بوریاں ہی تقسیم ہو سکی ہیں۔ انتظامی نااہلی

اور بے حسی کے باعث سرکاری عملدار ضلع میں موجود گندم تقسیم کرنے میں بھی ناکام رہے ہیں۔ تھرپارکر کے دیہات کے مکینوں نے ڈاکٹرز کی موبائل ٹیموں کو علاقے میں بھیجنے کا مطالبہ کیا ہے۔ حکومت تحصیل ہسپتالوں اور دیہی مراکز صحت میں بچوں کے ڈاکٹر بھیجنے میں ناکام رہی ہے، صرف ایک ضلعی ہسپتال میں ڈاکٹرز کی سہولت موجود ہے۔ مزید 2500 افراد کو مقامی ہسپتال میں داخل کرادیا گیا ہے۔ عمرکوٹ کے پچیس دیہات میں ایمرجنسی نافذ کردی گئی ہے۔ نجی فلاحی تنظیموں کی جانب سے امداد کی صورتحال قدرے بہتر ہے۔ بحریہ فاؤنڈیشن کے سرپرست ملک ریاض کی جانب سے بھیجی گئی امداد کے 3 ٹرک تھرپارکر کی تحصیل اسلام کوٹ کے دیہاتوں میں بھیجے گئے ہیں۔ صحرائے تھر میں امدادی سرگرمیوں کا مرکز ضلعی ہیڈ کوارٹر مٹھی بنا ہوا ہے، جہاں سندھ حکومت، پاک فوج اور رینجرز کے علاوہ مختلف سیاسی، مذہبی اور سماجی جماعتوں نے اپنے اپنے امدادی کیمپ لگا رکھے ہیں، تاہم ضلع کے 2 ہزار 700 سے زاید دیہات میں صورتحال بدتر ہے، جہاں اب تک نہ تو امداد پہنچی ہے اور نہ ہی میڈیکل ٹیمیں پہنچ پائی ہیں، جس کے باعث یہاں کے مکینوں کی حالت بھوک و بیماری سے انتہائی خراب ہے۔ چاچھرو کے دیہاتوں بھگی سر، الداد جوتڑ، بھونئار، نارنو کولہی، نھرو بھیل اور دیگر گاؤں سے لوگ مویشیوں اور خاندان سمیت بیراجی علاقوں کی جانب نقل مکانی کرنے لگے ہیں، لیکن ہزاروں افراد اس سفر سے بھی قاصر ہیں اور وہ امداد کے سہارے اپنی سانسیں کاٹ رہے ہیں اور موت ان کا تعاقب کررہی ہے۔

مٹھی سول ہسپتال کے ڈاکٹروں کے مطابق روزانہ 50 سے زاید بچے ہسپتال میں داخل ہوتے ہیں، ہسپتال میں مریضوں کی بڑی تعداد کو سہولتیں فراہم کرنے کی گنجائش نہیں، جس کے باعث علاج میں مشکلات کا سامنا ہے۔ صحرا میں یہ کوئی خاص موقع نہیں کہ بچے بیمار ہو رہے ہوں، یہاں سال بھر یہی سلسلہ رہتا ہے۔ سول ہسپتال میں بچوں کے علاج کے لیے سہولتیں بہت کم ہیں اور افسوس ناک بات تو یہ ہے کہ یہاں انتہائی نگہداشت کا وارڈ ہی موجود نہیں ہے۔ مقامی ذرائع کا کہنا ہے کہ سندھ حکمران جماعت پیپلز پارٹی، قوم پرست پارٹیوں، سول سوسائٹی کے نمایندوں، مسلم لیگ (ن)، این جی اوز اور تھر میں عرصے سے غریب تھریوں کے ووٹ سے کامیاب ہو کر اقتدار کے مزے لوٹنے والے ارباب خاندان اور دیگر سیاستدانوں نے قحط کے دوران تھری بھائیوں کو بالکل تنہا چھوڑ دیا اور اس مشکل گھڑی میں کوئی بھی ان کا پرسان حال نہیں ہے، مٹھی شہر سمیت کسی بھی علاقے میں انہوں نے امدادی کیمپ نہیں لگائے اور نہ ہی ارباب خاندان کے لوگ کسی امدادی سرگرمی میں نظر آ رہے ہیں۔ دوسری جانب تھر میں غریب تھریوں کے نام پر کروڑوں روپے کے فنڈز حاصل کرنے والی این جی اوز بھی غائب ہیں، یہ سب اپنے اپنے مفادات کے لیے متحرک ہیں اور غریب قحط زدہ متاثرین کی مدد کے لیے کوئی اقدامات نہیں کیے۔ بلکہ سرکار کا تو یہ حال ہے کہ تھر میں بھوک اور افلاس کے شکار لوگوں کی مدد کے لیے آنے والے وزیر اعلیٰ اور دیگر وزرا کی سرکٹ ہاؤس آمد پر شادی کی دعوت کا سماں دیکھا گیا۔ ایک ایسے وقت میں جب تھر

کے 42 سو دیہات میں بچے، خواتین اور بوڑھے بھوک، پیاس اور دواؤں کی قلّت کا شکار ہیں، وہیں سرکٹ ہاؤس میں ہونے والی دعوت کے دوران وزرا کی کوفتوں، مچھلی، بریانی، وائٹمیٹ اور دیگر ڈشوں سے تواضع کی گئی، تھر کے قحط زدہ عوام کی دیکھ بھال کے لیے آئے ہوئے وزرا مختلف ڈشوں پر ٹوٹ پڑے۔ ٹھنڈے کمروں میں اس شاندار ضیافت کی ستم ظریفی یہ ہے کہ جن لوگوں کے دکھ درد بانٹنے یہ وزرا آئے ہیں، ان میں سے 25 سو مریض مٹھی ہسپتال میں بدستور ٹھنڈے پانی سے بھی محروم ہیں۔ تھرپارکر کی سول سوسائٹی نے وزیراعلیٰ کی شاندار دعوت پر تشویش کا ظہار کرتے ہوئے متنبہ کیا ہے کہ اس طرح کی بے حسی سے بڑی تباہی رونما ہو سکتی ہے۔ پیر کے روز جب وزیراعظم نواز شریف اور پاکستان پیپلز پارٹی کے سرپرست اعلیٰ بلاول بھٹو زرداری امدادی کارروائیوں کی صورتحال کے جائزے کے لیے مٹھی پہنچے تو اس وقت بھی اعلیٰ ترین سیاسی شخصیات کی آمد کی وجہ سے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر مٹھی میں گلیوں اور بازاروں کی صفائی ستھرائی کی گئی۔ ان کی آمد سے پہلے پولیس نے پورے شہر کو ہی حصار میں لے لیا تھا، کوئی بھی پبلک ٹرانسپورٹ شہر میں داخل نہیں ہو سکی، جبکہ شہر کے بازار بند رہے۔ سرکاری میڈیا کے مطابق نواز شریف نے تھر میں سیکورٹی وجوہات کی بنا پر دکانیں بند ہونے اور کاروباری سرگرمیاں معطل ہونے کا نوٹس لیتے ہوئے سندھ کے چیف سیکرٹری کو تمام سرگرمیاں بحال کرنے کا حکم دیا۔ پیر کے روز وزیراعظم نواز شریف نے تھرپارکر کے دورے کے موقع پر کہا کہ وزیراعلیٰ سندھ

سید قائم علی شاہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ آئندہ تھر میں ایسی صورتحال پیدا نہ ہو اور جن عناصر کے باعث صورتحال اس نہج تک پہنچی ہے، ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے، تاکہ مستقبل میں اس قسم کی صورتحال سے بچا جاسکے۔ اس بات کی تحقیق کی جائے کہ تھر میں بھیجی گئی گندم کی تقسیم کیوں نہیں ہوئی، چولستان اور تھرپارکر کے حالات ایک جیسے ہیں تو تھرپارکر میں اموات کیوں ہوئیں؟ اس موقع پر وزیر اعظم نواز شریف نے تھر کے متاثرین کے لیے ایک ارب روپے امداد کا بھی اعلان کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ علاج کے لیے تھرپارکر سے باہر نہیں جا سکتے انھیں یہیں علاج کی سہولیات فراہم کی جائیں اور اس میں وفاقی اور پنجاب حکومت سندھ کے ساتھ مکمل تعاون کرے گی۔

دوسری جانب چیف جسٹس تصدق حسین جیلانی کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے 3 رکنی بینچ نے تھر میں بچوں کو اموات سے متعلق ازخود نوٹس کیس کی سماعت کی، سماعت کے دوران چیف جسٹس نے کہا کہ سندھ میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے دیکھ کر سر شرم سے جھک جانے چاہییں، تھر میں صورت حال کی ذمہ دار سندھ حکومت ہے۔ سماعت کے دوران ایڈووکیٹ جنرل سندھ نے کہا کہ تھر میں صورتحال اتنی خراب نہیں جتنا میڈیا نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا، جس پر چیف جسٹس نے کہا کہ اگر میڈیا نہ بتاتا تو یہ معاملہ دب جاتا۔ چیف سیکرٹری سندھ اور ایڈووکیٹ جنرل سے استفسار کیا گیا کہ یہ خشک سالی پہلی دفعہ نہیں ہوئی، کیا آپ کو پتا ہے کہ

اب تک تھر میں کتنے بچے مرے ہیں؟، خوراک کا ذخیرہ آپ کے پاس ہے اور بچے بھوک سے بلک بلک کر مر رہے ہیں، یہ ہی بتادیں کہ کتنے بچے مرنے پر صاحب اقتدار حرکت میں آتے ہیں۔ ایڈووکیٹ جنرل سندھ نے عدالت کو بتایا کہ اصولی طور پر ساری صورت حال کی ذمہ دار حکومت سندھ ہے۔ بعد ازاں سپریم کورٹ نے از خود نوٹس کی سماعت 17 مارچ تک ملتوی کردی۔ بعض صحافیوں نے یہ قانونی نکتہ اٹھایا ہے کہ اگر ریگستانی علاقوں میں 16 اگست تک ضرورت کے مطابق بارشیں نہ ہوں تو اسے دو ستمبر سے آفت زدہ قرار دیدیا جانا چاہیے تھا، مگر اس مرتبہ بارشیں نہ ہونے کے باوجود ایسا نہ ہوا، خشک سالی کے باعث پہلے چرند پرند اور پھر مال مویشی متعدد بیماریوں کا شکار ہو کر مرنے لگے اور پھر بات انسانی جانوں تک آ گئی، اطلاعات کے مطابق ضلعی انتظامیہ نے سندھ حکومت کو صورتحال سے چار ماہ بعد آگاہ کیا اور چند ہفتے قبل اس علاقہ کو آفت زدہ قرار دیا گیا، مگر بہت دیر ہو چکی تھی۔ اکیس ہزار مربع کلو میٹر کے وسیع رقبے میں 2345 رجسٹرڈ اور مزید پانچ ہزار غیر رجسٹرڈ دیہات میں خشک سالی کا عفریت اپنے پنجے گاڑ چکا تھا، جس کے نتیجے میں جو انسانی المیے رونما ہوئے انہیں اب حکومت بھی تسلیم کر چکی ہے، سول ہسپتال مٹھی میں غذائی قلت کے باعث مختلف بیماریوں میں مبتلا بچوں کی ہلاکتوں میں غیر معمولی اضافہ دسمبر سے ہی شروع ہو چکا تھا، مگر ہسپتال انتظامیہ نے مریض بچوں کی تعداد اور ہلاکتوں میں اضافے کو سنجیدہ نہیں لیا اور اپنے تک محدود رکھا، جس سے ان

اموات کا سلسلہ بے قابو ہو گیا، اگر سندھ حکومت تھر کو دو ستمبر تک آفت زدہ قرار دے دیتی تو تھر میں غذا کی قلت پیدا ہوتی، نہ بچوں کی ہلاکتیں ہوتیں۔

روپے کی قدر مصنوعی طریقے سے بڑھائی جارہی ہے

معروف ماہر اقتصادیات ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی سے خصوصی گفتگو

موجودہ حکومت کے اقتدار سنبھالنے کے بعد ڈالر کی قیمت میں ہونے والے مسلسل اضافے نے ملکی معیشت کو شدید متاثر کیا، ڈالر کی قیمت 110 روپے تک پہنچ گئی لیکن خلاف توقع گزشتہ ایک ماہ کے دوران اور خصوصاً ایک ہفتے میں ڈالر کی قدر میں ریکارڈ کمی نے معاشی حلقوں سمیت عام آدمی کو بھی حیران کردیا ہے۔ ڈالر کی مسلسل گراوٹ اور روپے کی قدر میں ہونے والا یہ اضافہ کس قدر حقیقی یا غیر حقیقی ہے، روپے کی قدر میں ہونے والے اس اچانک اضافے کے پس پردہ عوامل کیا ہیں اور ملکی معیشت پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے، اس حوالے سے معروف معاشی ماہر اور تجزیہ کار جناب ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی سے کی گئی خصوصی گفتگو نذر قارئین ہے

انٹرویو عابد محمود عزام

عابد محمود عزام: ان دنوں ڈالر کی قیمت میں مسلسل کمی واقع ہورہی ہے، پانچ روز میں ڈالر کی قیمت پانچ روپے کم ہوگئی، اس کی کیا وجوہات ہیں؟

ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی: جب روپیہ گرا تھا تو اس وقت سٹے بازوں نے اسے ضرورت سے زیادہ گرایا تھا، تو اس وقت ڈالر 110 تک پہنچ گیا تھا، حالاں کہ اس کو 104 سے زیادہ نہیں بڑھنا چاہیے تھا۔ سٹے بازوں نے روپے کی قیمت کو ضرورت سے زیادہ گرا کر خوب دولت کمائی، حکومت تماشا دیکھتی رہی، شاید جو لوگ حکومت میں شامل ہیں ان کا بھی اس میں ہاتھ تھا، سب نے خوب دولت کمائی، ڈار صاحب نے کہا تھا کہ روپے کی قدر کی کمی میں سٹے باز ملوث ہیں، ہم ان کے خلاف ایکشن لیں گے، مگر کسی کے خلاف ایکشن نہیں ہوا۔ جب روپیہ ضرورت سے زیادہ گر گیا تو حکومت نے مصنوعی طریقے سے ایسے اقدامات کیے، جن سے روپے کی قدر میں بہتری آ گئی، حکومت کے پاس تو بہت سارے طریقے ہوتے ہیں، انہی طریقوں سے روپے کی قدر کو بہتر بنادیا گیا ہے۔ اس سے حکومت کو بہت سارے نقصانات ہوں گے۔ مثلاً ہمارا وائیلن گیس کمپنی) اور پاکستان پیٹرولیم 209 ارب روپے سالانہ منافع کمارہے ہیں۔ حکومت اس) کے شیئرز غیر ملکیوں کو فروخت کررہے ہیں۔ اسی طرح حبیب بینک اور یونائیٹڈ بینک کے شیئرز فروخت کررہے ہیں۔ اس سے یہ ڈالر کمانا چاہتے ہیں تو جب یہ ڈالر آ جائیں گے تو آپ کا اس سال کا مسئلہ تو حل ہوجائے گا، لیکن یہ جو 209 ارب روپے سالانہ کما کر دے رہے تھے، اس کا ایک بڑا حصہ اگلے برسوں میں ہمیں نہیں ملے گا۔ یہ تو قومی مفادات کے خلاف ہے کہ ایک سال کا خرچا کرنے کے لیے تو آپ نے زیور بیچ دیا، لیکن اگلے سال کیا ہوگا جب یہ منافع نہیں آ رہا ہوگا؟ یہ تو ملک کے لیے سراسر تباہی ہے اور جن غیر

ملکیوں کو یہ شیئرز بیچ رہے ہیں، خریدنے والے یہ شیئرز اگر کسی ہندو اور یہودی کو بیچ دیں تو آپ کی معیشت تو ہندوؤں اور یہودیوں کے قبضے میں چلی جائے گی۔ ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حبیب بینک وغیرہ منافع کمارہے ہیں اور جب یہ غیر ملکیوں کو بیچیں گے تو آئندہ اس کا منافع ڈالر میں باہر جائے گا، اس سے ڈالر کہاں سے آئیں گے۔ انہوں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ مسلم لیگ (ن) کے منشور میں یہ تھا کہ ہر قسم کی آمدنی پر ٹیکس لگائیں گے۔ اگر وہ ٹیکس لگادیتے تو کئی ہزار ارب سالانہ آمدنی ہوتی اور یہ آمدنی ہر سال ہوتی رہتی۔ انہوں نے یہ ٹیکس نہیں لگایا کیوں کہ جو لوگ ٹیکس نہیں دینا چاہتے وہ ان کی حکومت میں بھی شامل ہیں۔ یہ قدم انہوں نے منشور کے خلاف اُٹھایا ہے اور یہ جو منافع بخش ادارے بیچ رہے ہیں، یہ بھی ان کے منشور میں نہیں تھا۔ منشور کے خلاف پالیسی بناکر انہوں نے طاقتور طبقوں کو کئی ہزار ارب روپے کا فائدہ پہنچایا اور منشور کے خلاف نج کاری کرکے یہ ڈالر حاصل کررہے ہیں۔ انہوں نے مصنوعی طریقے سے روپے کی قدر کو بہتر بنایا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کو ڈالر 104 تک ہی رکھنا چاہیے تھا۔ نجکاری سے قومی سلامتی کو خطرہ ہوگا، کیوں کہ ہمارے اثاثے دشمن کے ہاتھ میں جاسکتے ہیں۔ قومی معیشت کو نقصان ہوگا اور کل کو جب ڈالر ہمارے پاس نہیں ہوں گے اور یہ سارا منافع باہر لے جائیں گے تو اس وقت معیشت تباہ ہوجائے گی، یہ تو بڑے خسارے کا سودا ہے۔

عابد محمود عزام: مارکیٹ ڈیلر کا کہنا ہے کہ آیندہ چند روز میں ڈالر کی قیمت مزید کمی واقع ہو سکتی ہے، آپ اس حوالے سے کیا کہتے ہیں؟

ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی: ایک دو روپے کی کمی کا تو حکومت کے پاس طریقہ ہوتا ہے، جنہوں نے سٹے بازی کرکے پیسا کمایا تھا حکومت ان کو کہے کہ تھوڑے دن کے لیے ہمارے ساتھ تعاون کریں تو وہ تعاون کرلیں گے، یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے، لیکن اس حد تک کمی کرنا قومی مفاد کے خلاف ہے۔ ان کو ڈالر 103 سے 104 تک روک دینا چاہیے تھا۔

عابد محمود عزام: کیا ڈالر کی قیمت میں ہونے والی گراوٹ عارضی ثابت ہوگی؟

ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی: یہ گراؤٹ عارضی تو ہوگی، لیکن حکومت کے پاس اتنی طاقت ہے کہ اگر وہ چاہے تو اسے چند مہینوں تک روک سکتی ہے۔ پرویز مشرف نے اپنے زمانے میں کئی سال تک روکی تھی۔ اکنامک اصول کے مطابق ڈالر 100 تک نہیں آسکتا تھا۔ کیوں کہ ہمارا کرنٹ اکاؤنٹ کا خسارہ دو ارب ڈالر تک ہے اور ہماری افراط زر دوسرے ملکوں سے زیادہ ہے۔ ہماری معیشت ترقی نہیں کر رہی، معاشی اصول کے مطابق یہ نہیں ہو سکتا تھا۔

عابد محمود عزام: یہ کہا جارہا ہے کہ روپے کی قدر میں کمی میں اسمگلرز اور

سٹہ باز ملوث تھے، اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی: سٹہ بازی کرکے انہوں نے روپے کو پہلے ضرورت سے زیادہ گرایا ہے اور ڈالر کو 110 تک لے گئے اور اب سٹہ بازی کرکے مصنوعی طریقے سے روپے کو اوپر کی طرف لے کر جا رہے ہیں۔ یہ غیر پائیدار طریقہ ہے، غیر ملکیوں کو اپنے اثاثے بیچ کر ہی یہ ممکن ہوگا، جس کی قیمت بہت زیادہ ہے، اس کی قیمت قوم دے گی اور اس سے قوم کی سلامتی کو بھی خطرات لاحق ہوں گے۔ اگر یہ ملکی اثاثے اسی طرح بیچتے رہیں گے تو کام کیسے چلے گا؟

عابد محمود عزام: یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ روپے کی قدر میں کمی کے حوالے سے بعض سیاست دانوں نے بھی اسمگلرز اور سٹے بازوں کی حمایت کی تھی، کیا قانون اس کی اجازت دیتا ہے؟

ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی: ظاہر ہے اس بات کی تو کوئی گنجائش نہیں ہے اور ڈالر کی قیمت کم ہونا بہت اچھی بات ہے۔ اس پر ہمیں خوش ہونا چاہیے، لیکن یہ کمی معاشی اور حقیقی طریقے سے ہو، مصنوعی طریقے سے نہ ہو، اثاثے بیچ کر نہ کی جائے، اگر معیشت بہتر ہوتی تو بڑی خوشی کی بات تھی۔ اگر یہ سب کچھ معیشت کے اصولوں کے مطابق ہوتا تو بہتر تھا، لیکن یہ تو سب کچھ مصنوعی طریقے سے کر رہے ہیں۔ قومی اثاثے باہر بیچ رہے ہیں۔ قومی اثاثوں کی وجہ سے پیسہ آنے کی جو توقعات ہیں، اس کو کم کر رہے ہیں۔ اس سے ملک نقصان میں رہے گا۔

عابد محمود عزام: ڈالر کی قیمت میں ہونے والی مسلسل کمی کے پاکستانی مارکیٹ پر کیا اثرات مرتب ہوں گے اور عوام اس سے کس طرح فائدہ حاصل کر سکتے ہیں؟

ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی: اس سے عوام کو فائدہ تو ہونا چاہیے، حکومت کو فوری طور پر پیٹرولیم کی قیمت میں کمی کر دینی چاہیے۔ اب اگر قیمتوں کی کمی میں اعلان کے لیے یہ ایک مہینہ انتظار کرتے ہیں تو الگ بات ہے۔ مگر اصولی طور پر ان کو کل سے ہی یہ قیمت کم کر دینی چاہیے۔ بجلی کے نرخ ان کو کم کرنے چاہیے، ٹرانسپورٹ کا کرایہ کم ہونا چاہیے، درآمد کی گئی چیزوں کی قیمت بھی کم ہونی چاہیے۔ یہ تمام فائدے تو ہونے چاہیے، حکومت قیمتیں کم کرتی ہے یا نہیں، یا پھر ایک مہینہ لگا دیتے ہیں، یہ دیکھنا پڑے گا۔ اصولاً یہ سب کچھ تو آج ہی کر دینا چاہیے تھا۔

عابد محمود عزام: یہ کہا جا رہا ہے کہ ڈالر کی قیمت میں حالیہ اضافے میں آئی ایم ایف کو کی جانے والی ادائیگیاں، زر مبادلہ کے کم ذخائر، رقم کی آمد کے محدود ذرائع اور معیشت کی کمزوریاں شامل تھیں، اب ڈالر کی قیمت میں کمی واقع ہو رہی ہے، کیا یہ تمام مسائل حل ہو گئے ہیں؟

ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی: حکومت نے آئی ایم ایف سے کہا تھا کہ ہم اپنے اثاثے غیر ملکیوں کو بیچ دیتے ہیں، آئی ایم ایف کا مقصد ہی پاکستان کو تباہ کرنا

ہے، پاکستانی معیشت کو استعماری طاقتوں کے حوالے کرانا ہے۔ امریکا کی حمایت میں یہ اس کا منشور ہے۔ اگر ڈالر کا ریٹ کم نہیں ہوتا تو اس پر خاموش رہیں گے۔ بشرط یہ کہ آپ پاکستان کی معیشت تباہ کرکے اثاثے دوسروں کو بیچ دیں۔ اس پر وہ خوش ہو جائیں گے۔

عابد محمود عزام: جمہوری دنیا میں ڈالر کی قیمت میں مسلسل کمی واقع ہو رہی تھی، اس وقت ہمارے ملک میں اس کی قیمت بڑھ رہی تھی، اس کی کیا وجہ ہے؟

ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی: اس کی وجہ تو یہ ہے کہ ہماری معیشت کمزور ہے، امریکا میں افراط زر اگر دو فی صد ہے تو ہمارے ہاں دس فی صد ہے، اس سے روپے کی قیمت کو تو گرنا ہی تھا۔ یہاں مہنگائی بھی زیادہ ہے، اس سے روپے کی قدر میں کمی واقع ہونا فطری بات ہے۔

عابد محمود عزام: جن دنوں ملک میں ڈالر کی قیمت زیادہ ہو رہی تھی، وزیر مملکت برائے سرمایہ کاری کا کہنا تھا کہ ڈالر کی قیمت میں اضافہ سمجھ سے بالاتر ہے، اب ڈالر کی قیمت میں کمی لانے میں حکومت کا کچھ کردار ہے؟

ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی: کردار کیا ہونا تھا، یہ تو اپنے اثاثے بیچ کر ڈالر کما رہے ہیں۔

عابد محمود عزام: ڈالر کی کمی کے رجحان نے بینکوں، امپورٹرز اور ایکسپورٹرز کو کس طرح متاثر کیا ہے؟

ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی: ڈالر کی قیمت میں کمی سے ایکسپورٹرز کا تو نقصان ہوگا، کیوں کہ پہلے اگر سو ڈالر پر انہیں ایک سو آٹھ روپے کا منافع ہوتا تھا تو اب صرف ایک سو ایک روپے کا منافع ہوگا، یہ تو ان کا نقصان ہوا اور امپورٹرز بہرحال فائدے میں ہیں۔

عابد محمود عزام: ایک عام صارف کے لیے اوپن اور انٹر مارکیٹ کے فرق کی وضاحت فرمادیجیے؟

ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی: اوپن مارکیٹ اور انٹر مارکیٹ میں اب تو روپے کا فرق ختم ہی ہوگیا، مثلاً اگر سو ڈالر عام مارکیٹ سے ایک ہزار کے ملتے تھے تو بلیک مارکیٹ میں ایک ہزار پچاس کے ملتے تھے، اب چوں کہ ڈالر کی ڈیمانڈ ہی نہیں رہی، اس لیے فرق بھی ختم ہوگیا ہے۔

غداری کیس: بچاؤ کی تدبیریں ناکام، مشرف کے ناقابل ضمانت وارنٹ جاری

پاکستان کی تاریخ کے سب سے اہم اور سنگین مقدمے "غداری کیس" کے آمر ملزم اور سابق فوجی سربراہ پرویز مشرف کے جمعہ کے روز بھی خصوصی عدالت میں پیش نہ ہونے کے باعث ان کے وکلاء کی طرف سے دائر کردہ متفرق درخواست پر عدالت نے فیصلہ سنا دیا ہے۔ سابق آمر کے خلاف سنگین غداری کے مقدمے کی سماعت میں عدالت نے پرویز مشرف کے ناقابلِ ضمانت وارنٹ جاری کرتے ہوئے انہیں 31 مارچ کو طلب کیا ہے اور عدالتی کارروائی 20 مارچ تک ملتوی کر دی گئی ہے۔ غداری کیس میں خصوصی عدالت نے سابق صدر کو 11 مارچ کو فردِ جرم عاید کرنے کے لیے عدالت میں پیش ہونے کا حکم دیا تھا، تاہم پرویز مشرف عدالت میں پیش نہیں ہوئے، جس پر عدالت نے انہیں 14 مارچ بروز جمعہ کو طلب کر رکھا تھا۔ اسی لیے جمعہ کے روز غداری کیس میں سابق صدر پرویز مشرف کی خصوصی عدالت میں ممکنہ پیشی کے موقع پر آرمڈ فورسز انسٹیٹیوٹ آف کارڈیالوجی راولپنڈی (اے ایف آئی سی) سے نیشنل لائبریری اسلام آباد میں قائم کی جانے والی خصوصی عدالت تک پولیس اور رینجرز اہلکاروں کی بھاری نفری تعینات کی گئی، جب کہ وفاقی پولیس پرویز مشرف کو عدالت میں پیش کرنے کے لیے اے ایف آئی سی بھی پہنچی اور اس موقع پر اے ایف آئی سی سے خصوصی عدالت تک 2 ہزار سے زاید سیکورٹی اہلکاروں کو تعینات کیا گیا، لیکن جب وہ عدالت حاضر نہ

ہوئے، تو عدالت نے ان کے ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کر دیے۔ واضح رہے کہ وفاق کی درخواست پر پرویز مشرف کے خلاف تین نومبر 2007ء کو ملک کا آئین معطل کرنے اور ایمرجنسی نافذ کرنے کے الزام میں آئین کے آرٹیکل 6 کے تحت غداری کے مقدمے کی کارروائی گزشتہ 24 دسمبر سے خصوصی عدالت میں شروع ہوئی تھی۔ سابق صدر پرویز مشرف 2 جنوری 2014ء کو اپنی رہائش گاہ سے عدالت جاتے ہوئے راستے میں اچانک راولپنڈی میں امراض قلب کے ایک فوجی ہسپتال میں منتقل ہو گئے تھے اور اب تک وہ وہیں پر رہائش پذیر ہیں، عدالت کے بار بار حاضری کا حکم دینے کے باوجود اب تک ہونے والی 20 سے زاید سماعتوں میں سابق فوجی صدر صرف ایک بار ہی عدالت کے روبرو پیش ہوئے ہیں۔ سابق صدر کو عدالت اب تک آٹھ بار طلب کر چکی ہے اور ان کی عدالت میں بحفاظت حاضری کے لیے قومی خزانے سے گزشتہ آٹھ سماعتوں پر بیس کروڑ روپے خرچ کیے جا چکے ہیں۔

عدالتی حکم میں کہا گیا ہے کہ اگر ملزم خود حاضر نہ ہوئے تو انہیں گرفتار کر کے پیش کیا جائے۔ اس عدالتی حکم کا مطلب ملزم کے ناقابل ضمانت وارنٹ جاری کیے گئے ہیں۔ تاہم گرفتاری کے لیے جاری کیے گئے ان احکامات کا اطلاق 31 مارچ کی صبح سے ہوگا۔ ملزم کے وکلاء نے 10 مارچ کو جاری کیے گئے وزارت داخلہ کے " الرٹ " کے حوالے سے ایک نئی متفرق درخواست دائر کرتے ہوئے مطالبہ کیا تھا کہ ملزم کے عدالت تک آنے جانے کے راستوں پر تعینات تقریباً 1600

پولیس اہلکاروں کی سیکورٹی کلیرنس یقینی بنائی جائے، تاکہ پرویز مشرف اپنی ہی حفاظت پر مامور کسی اہلکار کی گولی کا نشانہ نہ بن جائیں۔ تمام سیکورٹی اہلکاروں کی فزیکل اسکریننگ ہونی چاہیے اور اس کے لیے 6 سے 8 ہفتے درکار ہیں، 10 مارچ کو سیکورٹی تھریٹ کا خط لکھا گیا، صرف قریبی گارڈز کی تبدیلی کافی نہیں، سنجیدہ سیکورٹی خطرات ہیں، مشرف مجرم نہیں ملزم ہیں، جان کا تحفظ بنیادی حق ہے۔ نیز جب تک پولیس اہلکاروں کی سیکورٹی کلیرنس اور چھان بین مکمل نہیں ہوتی ملزم کو عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ قرار دیا جائے، لیکن عدالت نے اس متفرق درخواست کو اسی روز مسترد کر دیا۔ عدالت نے پرویز مشرف کو سیکورٹی اہلکاروں کی چھان بین تک عدالت میں حاضری سے استثنا دینے اور ان کی عدم موجودگی وکیلوں کے سامنے فرد جرم عاید کرنے کے بارے میں سماعت میں وقفے کے بعد دونوں طرف کے دلائل سننے کے بعد فیصلہ محفوظ کر لیا تھا۔

واضح رہے تین رکنی خصوصی عدالت کے سربراہ فیصل عرب جنہوں نے 11 مارچ کے اپنے حکم کو برقرار رکھتے ہوئے 14 مارچ کو ملزم پرویز مشرف کو عدالت میں حاضر ہونے کے لیے کہا تھا۔ انہوں نے وکلاء صفائی کی جمعہ کے روز سامنے آنے والی متفرق درخواست پر پراسیکوٹر اکرم شیخ کے اعتراضات کے تناظر میں وکلاء صفائی کو نصف گھنٹے کی مہلت دیتے ہوئے کہا کہ 11 بجے تک کے عدالتی وقفے کے بعد بتائیں کہ پرویز مشرف اگر عدالت میں آنا اپنی حفاظت کے لیے اچھا

نہیں سمجھتے تو کیا فرد جرم ان کے وکلاء کی موجودگی میں عاید کر دی جائے؟انور منصور نے کہا کہ معلوم کیا جائے سیکورٹی اہلکاروں کی کن افراد سے دوستی ہے اور وہ کن لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ اس مرحلے میں چھ سے آٹھ ہفتے لگ سکتے ہیں اور تصدیقی عمل مکمل ہونے کے بعد رینجرز اور ٹاسک فورس کے سربراہان عدالت میں بیان جمع کروائیں جس کے بعد پرویز مشرف عدالت میں پیش ہو جائیں گے۔ وکیل استغاثہ اکرم شیخ نے اس موقع پر کہا کہ پرویز مشرف کی ذاتی سیکورٹی پر تعینات اہلکاروں کا انتخاب خود پرویز مشرف نے کیا ہے، جس میں حکومت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اس مقدمے میں گزشتہ 8 سماعتوں کے دوران ملزم پرویز مشرف کی عدالت میں متوقع پیشی کے حوالے سے کیے جانے والے سیکورٹی اقدامات پر سرکاری خزانے سے 20 کروڑ روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ سیکورٹی پر اتنے زیادہ اخراجات کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ گویا اس حوالے سے یہ پاکستانی تاریخ کا مہنگا ترین مقدمہ بن چکا ہے۔ جمعہ کے روز بھی اس مقدمے کی سماعت کے دوران سابق صدر کی حفاظت کے لیے 2500 اہلکاروں کو مختلف روٹس پر تعینات کیا گیا۔ اس موقع پر سیکورٹی کے انتظامات سخت کیے گئے۔ اے ایف آئی سی کے راستے میں کنٹینرز لگائے گئے۔

غداری کیس کے ملزم پرویز مشرف کے وکلا نے عدالت کے اٹھائے گئے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کہا: حاضری کے موقع پر درپیش خطرات سے عدالت کو آگاہ کیا جا

چکا ہے، اس بارے میں ایک تحریری درخواست بھی عدالت کو دی گئی ہے، تاکہ پولیس اہلکاروں کی چھان بین کرائی جائے۔ اس لیے ایسا ہونے سے پہلے پرویز مشرف عدالت میں حاضر نہیں ہو سکتے۔ عدالت کے دوسرے سوال کے بارے میں ان وکلاء نے موقف پیش کیا کہ پرویز مشرف کی غیر حاضری میں ان کے وکلا کی موجودگی میں فرد جرم عاید کرنے کی تجویز پراسیکیوٹر اکرم شیخ نے دی ہے، جبکہ وکلاء صفائی نے پہلے ہی ان کی تقرری چیلنج کر رکھی ہے۔ اس لیے ایسے پراسیکیوٹر کی تجویز سے اتفاق کیسے کیا جا سکتا ہے۔اس پر عدالت کی طرف سے کہا گیا "پراسیکیوشن میں اکرم شیخ اکیلے نہیں ہیں اور بھی وکیل ہیں۔" تاہم پرویز مشرف کے وکلاء نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا اور اٹھارہ وکلاء کی پراسیکیوشن کے لیے خدمات کو سرکاری خزانے پر بوجھ قرار دیا۔ عدالتی فیصلہ سنائے جانے کے بعد پرویز مشرف کے وکلاء نے موقف اختیار کیا ہے کہ عدالت کو وارنٹ جاری کرنے کی بجائے پہلے فرد جرم کے بارے میں حکم دینا چاہیے تھا۔ عدالتی کارروائی اس کے ساتھ ہی 20 مارچ تک ملتوی کر دی گئی ہے۔

تھرپارکر: امدادی کارروائیاں سست روی کا شکار

تھر میں قحط کی وجہ سے انسانی اموات کا سلسلہ تھم نہ سکا، بھوک اور بیماری کے باعث مزید کئی بچے دم توڑ گئے۔ قحط کی بھینٹ چڑھنے والے بچوں کی تعداد دوسو سے تجاوز کرچکی ہے۔ کئی روز قبل تھرپارکر میں امدادی سرگرمیاں شروع کرنے کا سلسلہ شروع تو کیا گیا تھا، لیکن ابھی تک بہت سے علاقوں میں کسی قسم کی امداد نہیں پہنچ سکی۔ تھرپارکر میں امدادی کارروائیاں انتہائی سست روی کا شکار ہیں۔ تحصیل ڈپلو، مٹھی، اسلام کوٹ، ڈاھلی اور نگرپارکر کے دور دراز علاقوں میں لوگ ابھی تک امداد کے منتظر ہیں۔ متاثرین نے امداد نہ ملنے پر شدید احتجاج بھی کیا ہے۔ مقامی افراد کا کہنا ہے کہ سرکاری راشن اور گندم مقامی وڈیرے اپنے ہی لوگوں میں بانٹ رہے ہیں۔ ان تک نہ کوئی حکومتی کارندہ پہنچا ہے اور نہ ہی کسی ادارے یا تنظیم کی طرف سے امداد فراہم کی گئی ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ سندھ حکومت کی جانب سے صحرائے تھر میں قحط سالی کا شکار لوگوں کی امداد کے لیے بلند و بانگ دعوے کیے جارہے ہیں، لیکن صورت حال یہ ہے کہ ضلع بھر کے سرکاری گوداموں میں گندم کا ایک دانہ بھی نہیں، جس کی وجہ سے سرکاری امداد کی ترسیل ایک مرتبہ پھر رک گئی ہے اور لاکھوں افراد کا دارومدار نجی اداروں پر رہ گیا ہے۔ بھوک، پیاس

اور افلاس کا شکار لوگ ہر پل جی اور مر رہے ہیں، لیکن حکمران ہیں جو میں نہ مانوں کی رٹ لگا کر میڈیا کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں۔ تھر کے اکثر دیہات میں لوگ اب تک امداد کے منتظر ہیں، ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر مٹھی سمیت تھر پارکر کے مختلف شہروں اسلام کوٹ، چھاچھرو، نگر پارکر اور ڈیپلو میں واقع سرکاری گوداموں میں گندم کا ایک دانہ بھی نہیں۔ اس صورتحال میں قحط متاثرین کو سندھ حکومت کی طرف سے گندم کی فراہمی بند ہو گئی ہے اور کم و بیش ایک لاکھ خاندانوں تک اب بھی امداد نہیں پہنچی۔ تھر کے ایک دور دراز گاوں روہی راٹرو کے بعض لوگوں کے مطابق ان کے علاقے میں کوئی امدادی کاروائی نہیں کی جارہی۔ شہر کے لوگ اور حکومت ان کے حال سے بے خبر ہیں، کیونکہ جس پر پڑتی ہے وہی جانتا ہے۔ جس سال بارشیں ہوتی ہیں، ۱±سی سال میٹھا پانی دستیاب ہوتا ہے، ورنہ کنویں کا کڑوا اور ناقابلِ استعمال پانی پینا پڑتا ہے۔ ساتھ ہی، غذا، پانی اور دوا کی عدم موجودگی کے باعث حاملہ مائیں بیمار ہوجاتی ہیں اور ان کے بچے بیمار پیدا ہوتے ہیں، مویشی مرجاتے ہیں، بچوں کو نہ ماں کا دودھ ملتا ہے اور نہ مویشیوں کا اور یوں ان علاقوں میں بس بے بسی اور موت ہی نظر آتی ہے۔ اگر دل پر پتھر رکھ کر یہ مان بھی لیں کہ مرنے والے مرگئے تو کم از کم ان کی موت کی وجہ معلوم کرکے جو زندہ ہیں، ان کو تو بچایا جا سکتا ہے۔

سول ہسپتال مٹھی میں گنجائش سے زیادہ مریض آجانے کی وجہ سے چارپائی رکھنے

کی جگہ بھی نہیں رہی، ایک بیڈ پر دو دو بچوں کو لٹا کر طبّی امداد دی جا رہی ہے۔ متاثرہ افراد کی تعداد بہت زیادہ ہے، جبکہ علاقے میں طبّی مراکز اور عملہ بہت کم ہے۔ صحت کے عالمی ادارے ڈبلیو ایچ او کے مطابق تھر میں حالیہ اموات میں اضافے کا تعلق عوام کا صحت کی سہولتوں تک عدم رسائی سے ہے۔ تھر میں قریبی صحت مرکز تک پہنچنے کے لیے ایک ہزار سے چار ہزار روپے درکار ہوتے ہیں اور یہ سفر دو سے چار گھنٹوں میں طے ہوتا ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق تھر میں ایک ضلعی ہسپتال، تین تحصیل ہسپتال، دو دیہی صحت مرکز، 34 بنیادی صحت مرکز، دو ماں اور بچہ صحت مرکز اور ڈسپنسریاں موجود ہیں، جن میں 29 اسپیشلسٹ، 165 ڈاکٹروں، 27 لیڈی 82 ڈاکٹروں کی آسامیاں خالی ہیں۔ اسی طرح تین نرسنگ اسٹاف، 50 لیڈی ہیلتھ وزیٹرز اور 26 پیرامیڈیکل اسٹاف کی آسامیاں خالی ہیں۔ پندرہ لاکھ کی آبادی میں کوئی بھی ایسا انتظام نہیں جس کے تحت بلڈ بینک میں ایمرجنسی کے لیے خون دستیاب ہو۔ مٹھی ضلعی ہسپتال میں بھی مریض اپنے ساتھ ڈونر لاتے ہیں اور صرف خون کی منتقلی کی جاتی ہے۔

واضح رہے کہ ضلع تھرپارکر میں قحط سالی کی وجہ سے سینکڑوں جانوں کے ضیاع پر صوبائی حکومت کی جانب سے مجرمانہ غفلت کا اعتراف کرنے پر عوامی سطح اور میڈیا پر صوبائی انتظامیہ کو شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا ہے، کیونکہ تھرپارکر کے موجودہ حالات کے حوالے سے زیرِ بحث آنے والا ایک اہم عنصر

حکومت کی جانب سے گندم کی تقسیم میں 'غفلت' تھا۔ میڈیا رپورٹوں کے مطابق گندم سرکاری گوداموں میں پڑی رہی اور عوام کو بروقت میسر نہ آ سکی تھی، اس لیے تھرپارکر میں اتنا زیادہ جانی نقصان ہوا ہے، لیکن سندھ کے وزیر اعلیٰ قائم علی شاہ نے تمام میڈیا رپورٹس مسترد کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ تھر میں قحط سے نہیں بلکہ ٹھنڈ پڑنے سے بچوں کی اموات ہوئی ہیں، جن کی تعداد صرف 55 ہے۔ وزیر اعلیٰ سندھ کا کہنا تھا کہ بارشیں نہ ہونے کے باعث ہر سال تھر میں قحط آتا ہے، اس سال بھی بارشیں نہیں ہوئیں، جبکہ سردی بھی تاخیر سے ہوئی، جس سے حاملہ خواتین و بچوں میں نمونیا اور ڈائریا کی بیماریاں پھیلیں۔ تھر میں بھیڑوں کے علاوہ کوئی اور جانور نہیں مرا۔ سندھ حکومت نے دعویٰ کیا تھا کہ انہوں نے ایک لاکھ خاندانوں میں گندم کی تقسیم کر دی ہے، جبکہ سابق وزیر اعلیٰ سندھ ارباب غلام رحیم نے کہا ہے کہ سندھ حکومت کا ایک لاکھ خاندانوں کو گندم تقسیم کرنے کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ امدادی گندم کی تقسیم سیاسی بنیادوں پر ہو رہی ہے۔ پی پی کے جیالے متاثرین کا امدادی سامان فروخت کر رہے ہیں۔ قدرتی آفات سے نمٹنے کے ادارے نیشنل ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی کے مطابق تھر میں خشک سالی سے 11 لاکھ لوگ متاثر ہوئے ہیں، جبکہ ڈیڑھ لاکھ سے زاید لوگ نقل مکانی کر چکے ہیں۔ سندھ حکومت نے حالیہ بحران کے پیشِ نظر علاقے میں گندم کی ایک لاکھ ہزار بوریاں تقسیم کرنے کا اعلان کیا تھا۔ ابھی تک اس سے آدھی بوریاں بھی 20 تقسیم نہیں کی جا سکیں۔ سندھ حکومت نے

ء کی مردم شماری کی بجائے موجودہ آبادی کے تحت گندم کی تقسیم کا فیصلہ کیا 1998 ہے، جس کے تحت تھر میں 2 لاکھ 59 ہزار خاندان رجسٹرڈ ہیں اور ہر گھرانہ 10 سے افراد اور بچوں پر مشتمل ہے۔ حکومت فی خاندان 50 کلو گرام گندم فراہم کر رہی 15 ہے، جو حکام کے خیال میں ایک ماہ کے لیے کافی ہے۔ غیر سرکاری تنظیموں کا کہنا ہے کہ سیلاب اور زلزلے میں جس طرح لوگوں کو حکومت آٹا، دال، چاول، گھی فراہم کرتی ہے یہاں بھی ایسے ہی پیکیج کی ضرورت ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ اربابِ اختیار کو تھر کی یاد تب ہی آئی جب وہاں بے شمار مور، مویشی اور انسان بھوک، پیاس اور بیماری کی وجہ سے تکالیف جھیل رہے ہیں۔ کیا تھر صحرائی علاقہ نہیں ہے؟ کیا کم بارشیں ہونے کی صورت میں وہاں خشک سالی کا خدشہ نہیں رہتا؟ کیا قحط کی وجہ سے اموات واقع نہیں ہوتیں؟ اور اگر یہ سب کچھ سچ ہے تو پھر پہلے سے ہی احتیاطی تدابیر کیوں نہیں کی جاتیں؟ خوراک کی قلت تو تھر میں ہر سال ہی ہوتی ہے، ، کبھی کبھار یہ صورتحال بہت ہی زیادہ سنگین ہوجاتی ہے اور اسی وجہ سے کم بارشیں ہونے کی صورت میں کئی مرتبہ تھر کو پہلے ہی قحط زدہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ من حیث القوم ہمارا رویہ یہ ہو چکا ہے کہ جب کوئی حادثہ ہوجاتا ہے تو ہم اس کے بعد سوچتے ہیں، لیکن کسی قدرتی آفت سے نبرد آزما ہونے کی بروقت کوئی تدبیر کرنا ہمیشہ ہماری دسترس سے باہر معلوم ہوتی ہے۔ تھر میں بچوں کی

اموات کی خبریں روز میڈیا پر آتی رہی ہیں، ہر طرف سے یہ خبریں آ رہی تھیں کہ امدادی قافلے تھر کے علاقے مٹھی کے لیے روانہ پہنچ چکے ہیں۔ اس کے باوجود تھرپارکر کے بہت سے علاقوں میں امدادی سرگرمیاں جاری نہیں ہوئی ہیں، امدادی کارروائیوں کا مرکز مٹھی کا بنا ہوا ہے، تھر تو بہت وسیع علاقہ ہے جس کے دور دراز علاقوں میں کوئی امدادی کاروائی نظر نہیں آتی اور اسی وجہ سے قحط سے متاثرہ لوگ میرپورخاص، سانگڑ، بدین اور دوسرے علاقوں میں نقل مقانی کرنے پر مجبور ہیں، لیکن بدقسمتی سے اب تو خیرپور اور ضلع سانگڑ میں بھی قحط کے خطرات پیدا ہو چکے ہیں۔ صوبہ سندھ کی حکومت نے ضلع خیرپور کے 14 دیہاتوں اور ضلع سانگڑھ کے سات دیہاتوں کو قحط سالی جیسی صورتحال کے پیشِ نظر آفت زدہ علاقہ قرار دے دیا ہے۔ پاکستانی سرکاری خبر رساں ادارے کے مطابق صوبائی حکومت نے ان علاقوں کی ضلعی انتظامیہ کو امدادی کارروائیاں شروع کرکے لوگوں تک اشیائے خوردونوش اور طبّی سہولیات پہنچانے کا حکم جاری کیا ہے، لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہاں بھی اسی طرح امدادی سرگرمیاں کی جاتی ہیں جس طرح تھر میں کی گئیں، تھر میں تو پانچ ماہ پہلے علاقے کو آفت زدہ قرار دیا گیا تھا، لیکن پانچ ماہ کے بعد امدادی سرگرمیاں شروع کی گئیں، وہ بھی محدود علاقوں تک۔ جس کی ساری ذمہ داری سندھ حکومت پر عاید ہوتی ہے۔

لاڑکانہ میں قرآن مجید کی بے حرمتی....ایک نئی سازش؟

لاڑکانہ کے علاقے مراد وہن میں میں ہفتے کی رات قرآن مجید کی مبینہ بے حرمتی کی وجہ سے جنم لینے والے ہنگاموں کے بعد پیر کے روز صورتحال معمول پر آ گئی۔ تمام کاروباری مراکز اور بازار کھل گئے ہیں۔ لاڑکانہ صوبہ سندھ کا ایک ضلع ہے۔ ضلعی صدر مقام لاڑکانہ شہر ہے، جو سندھ کے بڑے شہروں میں سے ایک ہے۔ وادی سندھ کی قدیم تہذیب کا سب سے بڑا مرکز موئن جو دڑو یہیں واقع ہے۔ پولیس حکام کے مطابق شہر لاڑکانہ میں ایک شخص نے ہفتے کو مقدس اوراق کی مبینہ طور پر بے حرمتی کی، جس کا تعلق ہندو برادری سے ہے، جبکہ اطلاعات کے مطابق بعض عینی شاہدین نے بتایا کہ انہوں نے بے حرمتی کرنے والے شخص کے گھر کے باہر قرآن مجید کے جلے ہوئے اوراق دیکھے۔ قرآن مجید کی بے حرمتی کی خبر پھیلنے کے بعد شہر میں کشیدگی بڑھ گئی اور جگہ جگہ ہنگامہ آرائی ہوتی رہی۔ جس کے بعد 20 موٹر سائیکلوں پر سوار نامعلوم مسلح افراد نے شہر کے مختلف علاقوں میں جا کر ہندوؤں کی املاک، مندر اور دھرم شالہ پر حملہ کیا اور لوٹ مار کی۔ نامعلوم مشتعل افراد نے لاڑکانہ شہر میں جمع ہو کر علاقے میں واقع دھرم شالا کو آگ لگا دی، جس کے نتیجے میں دھرم شالہ جزوی طور پر جل گیا ہے۔ اسی دھرم شالا کے اندر ایک مندر بھی واقع ہے، جس میں گھس

کر نا معلوم افراد نے توڑ پھوڑ کی۔ مندر پر حملے کی کوشش کے بعد اس سے متصل دھرم شالا میں آتشزدگی کی اطلاع ملتے ہی فائر بریگیڈ کی گاڑیاں آگ بجھانے کے لیے موقع پر پہنچ گئیں، تاہم بہت سے لوگوں نے قرآن مجید کی بے حرمتی کرنے والے مبینہ ہندو کے گھر کا محاصرہ کر لیا، گھر کے باہر شدید نعرے بازی کی، تاہم مکان پر تالہ لگا ہونے اور اہل مکان کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ اس واقعے کے فوری بعد شہر کے مختلف علاقوں میں ہوائی فائرنگ شروع ہو گئی۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکاروں نے بھی آنسو گیس کی شیلنگ اور ہوائی فائرنگ کی، لیکن پولیس نے قرآن مجید کی مبینہ بے حرمتی کے الزام میں ایک شخص کو گرفتار کے حالات پر قابو پالیا اور اسے پولیس کی وردی پہنا کر اس کو اس علاقے سے نکال کر نا معلوم مقام پر لے گئے۔ مراد واہن محلے میں قرآن مجید کی بے حرمتی کے خلاف اتوار کو ضلع بھر میں مکمل ہڑتال رہی۔ تمام کاروباری مراکز، پیٹرول پمپ، اور ٹرانسپورٹ مکمل طور پر بند رہی، انتظامیہ نے صورتحال قابو میں رکھنے کے لیے ضلع بھر میں موٹر سائیکل کی ڈبل سواری پر پابندی لگا دی تھی۔ داخلی و خارجی راستوں پر خصوصی دستے مقرر کیے گئے۔ پولیس اور رینجرز اہلکار پورا دن شہر میں گشت کرتے رہے۔ لاڑکانہ میں پیش آنے والے واقعے کے خلاف گڑھی خیرو کی مذہبی جماعتوں کی کال پر گڑھی خیرو شہر میں شٹر بند ہڑتال کی گئی اور لاڑکانہ میں پیش آنے والے واقعے کی شدید الفاظ میں مذمت کی اور واقعے میں ملوث

ملزمان کی فوری گرفتاری اور سخت سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ نامعلوم افراد کی جانب سے مندر جلائے جانے اور دیگر املاک کو نقصان پہنچائے جانے پر اگرچہ ہندو برادری میں سوگ کی کیفیت پائی جاتی ہے، تاہم ہندو رہنماؤں نے اپنی ہم وطن مسلم برادری کے رنج و غم میں ان سے یکجہتی کا اظہار کرتے ہوئے قرآن مجید کے اوراق جلانے کے عمل کو سنگین گھناؤنا جرم قرار دیا ہے اور اس کے ذمہ دار کو کڑی سزا دینے کا مطالبہ بھی کیا۔ ہندو رہنماؤں نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاک اوراق کی بے حرمتی پر ہمیں اتنا ہی دکھ ہوا ہے جتنا مسلمانوں کو دکھ ہوا ہے۔ حالات کو کنٹرول کرنے کے لیے اتوار کے روز لاڑکانہ سرکٹ ہاؤس میں پیپلز پارٹی کے رکن قومی اسمبلی محمد ایاز سومرو، رکن قومی اسمبلی رمیش لال، لاڑکانہ ڈویژن اور ضلعی انتظامی افسروں، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان، جماعت اہلسنت، شیعہ علماء کونسل، پاکستان سنی تحریک، جسقم سمیت دیگر سیاسی اور مذہبی جماعتوں کا ایک گھنٹے تک اجلاس ہوا، جس میں مذہبی جماعتوں کے مقامی رہنماؤں نے انتظامیہ پر واضح کیا کہ مندر پر حملہ کرنے والے شرپسندوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، سازش کو بے نقاب کیا جائے۔ ہندوؤں کے ہولی کے دن ہندو اور مسلمانوں کو لڑانے کی سازش کی گئی۔ انہوں نے عوام سے اپیل بھی کی کہ شرپسندوں کی نشاندہی کی جائے، تاکہ اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جاسکے۔ اسلام کسی کے مذہبی مقامات پر یوں حملوں کی اجازت نہیں دیتا، یہ کون لوگ تھے، ان کا پتا لگایا جائے، یہ یقیناً سازشی

عناصر تھے، جن کے خلاف کارروائی ہونا ضروری ہے۔ مذہبی رہنماؤں کا کہنا تھا کہ قرآن مجید کے اوراق کی بے حرمتی کے بدلے میں کچھ لوگوں نے مندر پر حملہ کیا ہے، جس کی اسلام میں اجازت نہیں ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اس قسم کے واقعات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

سرکاری ذرائع کے مطابق وزیراعظم میاں نواز شریف نے لاڑکانہ کے واقعے کا نوٹس لیتے ہوئے سندھ حکومت کو یہ ہدایت کی کہ ذمہ داروں کے خلاف سخت کاروائی کی جائے، اس کے ساتھ وزیراعظم نے لاڑکانہ جیسے واقعات کے تدارک کے لیے تمام صوبائی حکومت کو سخت انتظامات اور اقلیتوں کے مقدس مقامات کے لیے سیکورٹی انتظامات کرنے کی بھی ہدایت کی۔ پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے بھی لاڑکانہ واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ عبادت گاہیں امن کی علامت اور قابل احترام مقامات ہیں حکومت سندھ لاڑکانہ واقعہ کے حقائق کا جائزہ لے کر ذمہ داروں کے خلاف سخت، کارروائی کرے، لاڑکانہ میں قرآن مجید کے اوراق اور مذہبی عبادت گاہوں کی بے حرمتی انتہائی افسوسناک ہے۔ ان کے علاوہ بھی کئی رہنماؤں نے لاڑکانہ میں پیش آنے والے واقعات کی مذمت کی ہے۔ وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ نے لاڑکانہ میں مبینہ طور پر قرآن مجید کی بے حرمتی اور ہندو برادری کے مندروں پر حملے کی سخت مذمت کرتے ہوئے ڈویژنل کمشنر اور ڈی آئی جی پولیس لاڑکانہ سے واقعہ کی تفصیلی رپورٹ طلب کر لی۔

وزیر اعلیٰ ہاؤس سے جاری کردہ اعلامیہ کے مطابق لاڑکانہ میں پیش آنے والے افسوسناک واقعہ کے بعد وزیر اعلیٰ سندھ نے ڈویژنل کمشنر اور ڈی آئی جی لاڑکانہ سے فوری رابطہ کرتے ہوئے ہدایت دی کہ لوگوں کے جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے اور امن و امان کی فضا کو ہر صورت برقرار رکھنے کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کیے جائیں۔ وہ واقعہ میں ملوث افراد کے خلاف فوری طور پر سخت قانونی کارروائی کرکے ان کو عدالت کے کٹہرے میں لائیں، تاکہ ان کو سزا سنائی جائے۔ سندھ کے وزیر اطلاعات شرجیل میمن نے لاڑکانہ واقعہ کو مسلمانوں اور ہندوؤں کو لڑانے کی ساش قرار دیتے ہوئے کہا کہ اسلام امن و محبت کا مذہب ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ لاڑکانہ واقعہ کوئی بڑی سازش معلوم ہوتی ہے، قرآن مجید کی بے حرمتی سے تمام مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں، اس کے پس پردہ کیا ہے اس کا بھی پتا لگانا چاہیے۔ واضح رہے کہ گزشتہ ہفتے امریکی حکومت کے مشاورتی کمیشن برائے بین الاقوامی مذہبی آزادی نے پاکستان سے آئین میں تبدیلی اور توہین مذہب قانون میں اصلاحات کرنے کا مطالبہ کیا تھا اور ساتھ ہی کمیشن کی رپورٹ میں مذہبی آزادی کے حوالے سے ممالک کو دو درجات میں تقسیم کیا گیا تھا۔ پہلے درجے میں پندرہ ممالک ہیں جن میں سے ایک پاکستان بھی ہے، امریکا کو ان ممالک پر تشویش تھی۔ دوسرے درجے میں آٹھ ممالک ہیں جن

میں افغانستان اور بھارت بھی شامل ہیں۔اب قابل غور بات ہے کہ عین انہی دنوں لاڑکانہ میں توہین مذہب کا واقعہ پیش آجانا، اس کے نتیجے میں نامعلوم افراد کی جانب سے ہندؤں کے مندر کو آگ لگانے کی کوشش کرنا کوئی خاص معنے رکھتا ہے۔کیا اسی قسم کے واقعات کو بنیاد بنا کر قانون توہن مذہب کو متنازعہ بنانے کی کوشش تو نہیں کی گئی؟ ویسے بھی جب تمام مذہبی رہنماؤں نے لاڑکانہ میں مندر کو آگ لگانے سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے تو پھر وہ کون نامعلوم افراد تھے جنہوں نے مندر کو آگ لگانے کی کوشش کی؟اور حالات میں کشیدگی پیدا کی؟ان کو ڈھونڈنا حکومت کی ذمہ داری ہے،ان حالات میں تو مذہب کی حفاظت کی خاطر آئین و قانون پر عمل کرنا اور بھی زیادہ ضروری ہوگیا ہے، کیونکہ جب قانون پر عمل ہوگا تو کوئی شخص بھی خود سے کارروائی نہیں کرے گا۔

چولستان خشک سالی: حکومت ایک اور انسانی المیے کی منتظر....؟

تھرپارکر کے بعد چولستان میں بھی قحط نے اپنے پنجے گاڑنا شروع کردیے ہیں۔ صحرائے تھر کی طرح صحرائے چولستان میں بھی قحط کا خطرہ بڑھ گیا ہے۔ درجنوں جانور ہلاک ہوگئے ہیں، جب کہ صرف ایک بستی کھیر سر میں پچھلے ایک ماہ کے دوران چھ اموات واقع ہوچکی ہیں۔ انسانوں اور جانوروں میں وبائی امراض پھیل رہی ہیں۔ رحیم یار خان کا صحرائی سلسلہ چولستان بارشیں نہ ہونے سے خشک سالی کا شکار ہے۔ 2010ء کے بعد سے بارشیں تسلسل کے ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے صورتحال بگڑتی جارہی ہے۔ حالیہ خشک سالی کی وجہ سے بارشوں کا پانی جمع کرنے کے اکثر ذخائر خشک ہوگئے ہیں۔ چراگاہیں خشک ہو جانے سے مال مویشیوں کی خوراک کے مسئلے کی وجہ سے روہی کے لوگوں نے مال مویشیوں کے ساتھ آبادی کی جانب نقل مکانی شروع کردی ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق چولستان میں تقریباً دولاکھ افراد رہائش پذیر ہیں، جن کا روزگار جانوروں کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ غیر سرکاری اعداد وشمار کے مطابق بہاولپور ڈویژن سے ملحق صحرائے چولستان میں 20 لاکھ جانور ہیں، جن میں اونٹ، گائے، بھیڑ بکریاں اور دیگر جانور ہیں۔ 66 لاکھ ایکڑ رقبہ پر محیط ڈویژن بہاولپور کے 16 لاکھ ایکڑ پر پھیلے صحرائے چولستان کی سرحدیں بھارتی صحرائی صوبے راجستھان اور

پاکستانی صوبے سندھ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ سندھ میں اسے " تھر " اور پنجاب کے ملتان اور ڈیرہ غازی خان کی ڈویژنوں میں " تھل " کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ بہاولپور ڈویژن میں یہ "چولستان " اور "روہی " کہلاتا ہے۔ چولستان شمال کی طرف سے زیریں غطے سے گھرا ہوا ہے، جسے مقامی طور پر ہاکڑہ کہتے ہیں، جہاں 200 فٹ تک بلند ٹیلوں کی ایک قطار چلی آتی ہے۔ ان ٹیلوں میں اگنے والی خاص طرز کی سَر، سروٹ، تیلے، سرکانے، ملھے اور ایسی ہی جھاڑیاں ملتی ہیں۔ اس علاقے میں طرح طرح کے ٹیلے بنتے رہتے ہیں، زیر زمین 80 فٹ کی گہرائی میں کڑوا پانی ملتا ہے۔ یہاں اکثر پانی کی کمی ہوتی ہے۔ چولستان میں ون ایل، کنڈے رڈسٹی، ون آر آب حیات، چمن چھوٹی نہریں ہیں جو قرب و جوار میں ہی جا کر ختم ہو جاتی ہیں۔

پانی کی قلّت کے باعث بارش کے پانی کو محفوظ کرنے کے لیے ذخائر بنائے جاتے ہیں۔ جنہیں ٹوبہ کہا جاتا ہے۔ جب اس علاقے میں بارشیں نہ ہوں یا پھر پانی کو جمع کرنے کے لیے بنائے گئے ٹوبے خشک ہوں جائیں تو قحط کی سی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے۔ محکمہ موسمیات کے مطابق چولستان میں سالانہ 3 سے 5 انچ بارش ہوتی ہے، جو حالیہ چند سالوں سے کم ہو کر 2 سے 3 انچ ریکارڈ کی گئی ہے۔ چولستان میں کل 12 ہزار ٹوبے ہیں۔ عرصہ دراز سے چولستان ڈویلپمنٹ اتھارٹی کی جانب سے بھل صفائی نہ ہونے کے باعث کٹنی والی، کھوکھرانوالی، بھالا، اکمل

والا، بھوچھراں، کمال والی، کھرانی سمیت دیگر علاقوں میں 99 فیصد ٹوبے خشک ہو چکے ہیں۔ مقامی لوگوں کے مطابق سی ڈی اے کا ادارہ پانی فراہم کرنے کا ذمہ دار ہے، لیکن یہ ادارہ پانی کی فراہمی اور دیگر ترقیاتی کاموں میں مکمل طور پر ناکام ہوچکا ہے۔ روہی میں بارشیں نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہونے والی صورتحال سے بچنے کے لیے متبادل نظام موجود ہے، لیکن 6 سال سے یہ نظام بند پڑا ہے۔ پمپنگ اسٹیشنز پر پائپ لائنیں بے کار، جب کہ جنریٹروں سے مشینری غائب ہوچکی ہے۔ میٹھے پانی کی فراہمی کے لیے بچھائی گئی 4 بڑی پائپ لائنیں دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے ناکارہ ہو کر رہ گئی ہیں، چولستان میں 1999ء میں بدترین خشک سالی اور قحط سے 150 افراد اور 5 ہزار مویشی ہلاک ہوئے تھے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق حکومت پنجاب ہر سال چولستان سے دو ارب روپے کا ریونیو اکٹھا کرتی ہے، مگر چولستانیوں کو آج کے اس جدید دور میں بھی پینے کے لیے صاف پانی بھی میسر نہیں ہے، بارشوں سے اکٹھا ہونے والا پانی جہاں انسان پیتے ہیں، اسی پانی سے جانور بھی اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ ان کے لیے نہ تو ویٹرنری ڈاکٹرز کی سہولت ہے اور نہ ہی انسانوں کے لیے موبائل ڈسپنسری کارآمد ہے، بہت سے بچے اور بزرگ بشمول خواتین صحت کی سہولیات نہ ہونے کے باعث زندگیوں سے ہاتھ دھو رہے ہیں، جو کسی ناگہانی آفت سے کم نہیں، دور دراز کے صحرائی علاقوں سے بزرگوں بچوں اور عورتوں کا شہر کی جانب آنا مشکل دکھائی دیتا ہے۔

دوسری جانب میڈیا پر چولستان میں قحط سالی سنگین ہونے کی خبروں پر پنجاب سمبلی میں کھلبلی مچ گئی۔ اپوزیشن کی جانب سے صوبائی اسمبلی میں تحریک التواجمع کروادی گئی، صوبائی اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر محمود الرشید کہا کہنا تھا کہ چولستان میں بھی تھر جیسی صورتحال کا سامنا کرناپڑ سکتا ہے۔،حکومت فوری توجہ دے۔جب کہ وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے چولستان میں خشک سالی اور بچوں کی ہلاکتوں کی خبروں کا نوٹس لیتے ہوئے صورتحال کے جائزے کے لیے کمیٹی تشکیل دے دی ہے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب نے چولستان میں خشک سالی کی خبروں پر چولستان ڈیولپمنٹ اتھارٹی سے رپورٹ طلب کرتے ہوئے صورت حال سے نمٹنے کے لیے فی الفور موثر اقدامات کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے اعلیٰ سطح کی کمیٹی تشکیل دے دی ہے، جو چولستان کا دورہ کرکے وزیراعلیٰ کو رپورٹ پیش کرے گی۔

مقامی ذرائع کا کہنا ہے کہ حکومت کو چولستان میں تھرپارکر کی طرح کسی انسانی المیے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے، بلکہ فوری اقدامات کرکے قحط کی صورتحال کو ختم کرنا چاہیے۔ حکومت پنجاب کو چاہیے کہ ڈے ٹا جمع کرے اور چولستان کے لیے منصوبہ بندی کی جائے۔ اربوں روپے کا ریونیو چولستان سے اکھٹا کیا جاتا ہے، مگر اس کے بدلے میں چولستانیوں کو زندگی کی بنیادی

سہولیات تک میسر نہیں ہیں ، اگر حکومت نے ہنگامی بنیادوں پر اقدامات نہ کیے تو گرمیوں میں چولستانیوں کی زندگی مزید اذیت کا شکار ہو جائے گی اور خدانخواستہ کہیں چولستان میں بھی تھرپارکر جیسی صورتحال نہ پیدا ہو جائے، جہاں ابھی تک لوگ موت کی آغوش میں پناہ لے رہے ہیں ، اس کے باوجود حکومت سندھ ابھی تک تھرپارکر میں متاثرین کو امداد نہیں پہنچا سکی۔ منگل کے روز تھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے خلاف درخواستوں کی سماعت کے دوران سیشن جج مٹھی اور سیکرٹری خوراک نے اپنی انکوائری رپورٹس پیش کیں، جن کے مطابق تھر میں 80 ہزار خاندانوں کو ابھی تک امداد نہیں ملی، سرکاری ہسپتال میں ادویات بھی دستیاب نہیں ہیں، جب کہ ڈاکٹروں کی غیر حاضری کی شکایات بھی دور نہیں ہو سکیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق تھرپارکر کی چھ تحصیلوں کے دور دراز دیہاتوں میں امدادی سامان تا حال نہیں پہنچ سکا ، سرکاری اور نجی ہسپتالوں میں مریضوں کی تعداد تین سو پچہتر سے زیادہ ہو گئی ، حکومت سندھ کی طرف سے دی جانے والی گندم جیالوں اور مقامی وڈیروں کی بھینٹ چڑھ گئی ہے۔ تھرپارکر کے بیشتر علاقوں سے نقل مکانی کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا ہے۔ تھرپارکر میں سنگین قحط کی وجہ سے ہونے والی ہلاکتوں پر چیف جسٹس تصدق جیلانی نے کہا ہے کہ سندھ حکومت سوتی رہی اور لوگ بھوک سے مرتے رہے۔ تھرپارکر کے واقعات سنگین غفلت کا نتیجہ ہیں، درجنوں معصوم دنیا سے چلے گئے اور حکام سیاست کرنے میں مصروف ہیں،جب کہ جسٹس عظمت سعید کا کہنا تھا

کہ تھرپارکر کے لوگوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا، پہلے کہا گیا کہ لوگ بیماری سے مرے ہیں، اب غذائی قلت سے اموات کا انکشاف کیا جا رہا ہے، تھر کی صورتحال پر پہلے اقدامات کیوں نہیں کیے گئے؟ خدشے کے باوجود حکومت سندھ غافل رہی، تھرپارکر کی آبادی گیارہ لاکھ ہے، شاید اب تک ایک لاکھ افراد کو امداد ملی ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ تھرپارکر چونکہ حکومت سندھ کے ماتحت ہے، اس لیے مناسب اقدامات نہ کرنے کی وجہ سے سب نے حکومت سندھ کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے، پنجاب حکومت نے بھی حکومت سندھ کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا، اب چولستان میں قحط کی صورتحال پیدا ہونے کا خدشہ ہے، چولستان کی ذمہ داری پنجاب حکومت پر عاید ہوتی ہے۔ حکومت پنجاب کو چاہیے کہ پہلے سے ہی وہاں ایسے اقدامات کرے جس سے تھرپارکر جیسی صورتحال پیدا ہی نہ ہو۔ خدانخواستہ اگر وہاں بھی تھر جیسی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے تو اس جدید ترین دور میں یقیناً یہ حکومت پنجاب سمیت سب کے لیے باعث افسوس و شرم بات ہوگی۔

تھر میں مستقل حل کی ضرورت

گزرے زمانوں کی بات ہے، کسی بادشاہ نے اپنے تین گورنروں کو انعامات سے نوازنا چاہا۔ طریقہ یہ اختیار کیا کہ ایک سال کے بعد بادشاہ خود ہر گورنر کی سلطنت میں جاکر معاینہ کرے گا، جس گورنر کی کارکردگی اتنی بہتر، عمدہ اور قابل تعریف ہو جسے دیکھ کر بادشاہ خوش ہوجائے تو اس گورنر کو بھاری بھر کم انعامات سے نوازا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد تینوں گورنر انعام حاصل کرنے کی مختلف تدبیریں کرنے لگے۔

ایک گورنر نے اپنی ریاست میں عمارتوں کی تعمیرات پر خصوصی توجہ دی، جگہ جگہ بلند و بالا عمارتوں کی تعمیرات شروع کردیں، تاکہ انہیں دیکھ کر بادشاہ خوش ہوجائے۔

دوسرے گورنر نے اپنی ریاست کو خوبصورت بنانے پر خاص توجہ صرف کی اور پورے علاقے کو خوبصورت اور رنگ برنگے پھولوں سے سجادیا، تاکہ یہ خوبصورت پھول بادشاہ کے دل کو موہ لیں۔ تیسرے گورنر نے اپنی تمام تر توجہ کا محور و مرکز اپنے عوام کو بنایا، عوام کو بہتر کھانے، بہتر لباس اور بہتر زندگی فراہم کرنے کی فکر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا، اس کے خیال میں رعایا کے خوش ہونے سے بادشاہ سلامت بھی خوش ہوجائیں گے۔

ایک سال گزر گیا، تینوں گورنر اپنی کارکردگی پر اپنی تئیں مطمئن تھے۔ بادشاہ سلامت اپنے گورنروں کے علاقوں کا دورہ کرنے نکلے۔ پہلے گورنر کی ریاست میں ہر طرف بلند و بالا عمارتیں نظر آئیں، لیکن عوام پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس تھے، کسی کے چہرے پر خوشی عیاں نہیں، بھوک کی وجہ سے ان کے چہروں کے رنگ پیلے پڑے ہوئے ہیں۔

دوسرے گورنر کی ریاست میں ہر جانب خوبصورت و رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے ہیں، پوری ریاست خوبصورت باغیچے کا منظر پیش کر رہی ہے لیکن عوام میں سے کسی کا چہرہ کھلا دکھائی نہ دیا۔ چار سو مرجھائے چہرے ہیں۔ بادشاہ سلامت نے جب تیسرے گورنر کے علاقے کا دورہ کیا تو اسے پوری ریاست میں بڑی بڑی عمارتیں دیکھنے کو ملیں اور نہ ہی رنگ برنگے پھول کھلے نظر آئے، لیکن ہر طرف عوام کے چہرے کھلے دکھائی دیے۔ بچے، جوان، بوڑھے سب خوش خرم نظر آئے۔ ہر فرد آسودہ پیٹ اور عمدہ لباس دکھائی دیا۔ عوام کے ہنستے مسکراتے چہروں نے بادشاہ سلامت کو خوش کر دیا۔ بادشاہ سلامت نے تینوں گورنروں کو بلا کر کہا کہ چاہے کوئی کتنی ہی بڑی عمارتیں بنالے اور ملک کو خوبصورت پھولوں سے سجا دے لیکن جب تک عوام خوش نہیں ہوں گے، اس وقت تک سب کچھ بے فائدہ ہے۔

گزشتہ ماہ سندھ کے "بادشاہ سلامت" قائم علی شاہ صاحب فیسٹیول پر کروڑوں روپے خرچ کرنے میں مشغول رہے، لیکن جناب کی رعایا تھرپارکر میں بھوک کی وجہ سے ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر جان دیتی رہی، تھرپارکر میں موت کا رقص جاری

رہا۔ غذائی قلت کے باعث تھری باشندوں کے ہزاروں مویشی مر چکے اور سینکڑوں بچے جان کی بازی ہار گئے۔ ہزاروں اب بھی ہسپتالوں میں ایڑھیاں رگڑ رہے ہیں، لاکھوں جان بچانے کی خاطر تھرپارکر سے نقل مکانی کر چکے ہیں۔اس سب کے باوجود سندھ کے بادشاہ سلامت "کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ روم کے بادشاہ نیرو کے بارے میں" مشہور انگریزی مقولہ "روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا" ان حالات میں یہ مقولہ کچھ ان پر بھی ثابت آتا ہے۔ میڈیا کے بار بار جھنجوڑنے کے بعد بالآخر وہ بیدار ہوئے اور میڈیا کو ہی ڈانٹ پلادی کہ میڈیا تھرپارکر کے معاملے کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اب بھی اگر میڈیا صاحب اقتدار حضرات کی توجہ اس جانب مبذول نہ کراتا تو خدا جانے اس قحط کے بطن سے کتنا بڑا المیہ جنم لیتا۔ قابل تعریف اور قابل تحسین ہیں وہ میڈیا گروپ جنہوں نے "بادشاہ سلامت" کو جھنجوڑ کر بیدار کیا۔ طرفہ تماشا یہ کہ موت کا رقص گزشتہ تین ماہ سے جاری ہے، لیکن حکمران بے خبر رہے۔کیا کوئی یہ پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ ان مفلوک الحال و قحط زدہ لوگوں کی دیکھ بھال کرنا کس کی ذمہ داری ہے؟یقینا یہ ذمہ داری اسی کی ہے، جو صوبے کا بڑا ہے اور اس صوبے کے وزیراعلیٰ تو قائم علی شاہ صاحب ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو فرمایا تھا: "اگر فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر گیا تو قیامت کے دن عمر سے اس کی بھی بازپرس ہو گی۔" وہ خود

رات کے وقت بھیس بدل کر غریبوں کی مدد کے لیے نکل کھڑے ہوتے اور خود اپنی کمر پر سامان لاد کر محتاج لوگوں تک پہنچاتے تھے، لیکن یہاں معاملہ بالکل الٹ ہے۔

وزیراعلیٰ صاحب سے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا جارہا ہے کہ وہ بھی اپنے کاندھے پر سامان لاد کر غریبوں میں تقسیم کریں، بلکہ صرف یہ گزارش ہے کہ عوام کی خبر گیری رکھنا اور ان کی ضروریات زندگی پوری کرنا تو وزیراعلیٰ صاحب کی ذمہ داری ہے، بھوک وپیاس سے جان دیتے بچوں کو موت کے منہ سے نکالنا تو ان ہی کی ذمہ داری ہے، کیا اس سانحے کے جنم لینے سے پہلے ہی حالات کو کنٹرول کرنا حکومت سندھ کی ذمہ داری نہیں تھی؟ بقول وزیراعلیٰ سندھ صاحب کے تھر میں اموات صرف بھوک اور قحط سالی سے نہیں ہوئیں، بلکہ بیماریوں کی وجہ سے بھی ہوئی ہیں، یہ بھی تو حقیقت ہے کہ خوراک کی قلت ہی مختلف بیماریوں کو جنم دیتی ہے۔ ہسپتالوں کی سہولت مہیا کرنا اور محکمہ صحت کی کوتاہیوں کا تدارک کرنا بھی تو جناب وزیراعلیٰ صاحب کی ہی ذمے داری ہے۔ اگر ایسا سانحہ کسی دوسرے ملک میں پیش آتا تو تصور کیجیے کہ وہاں کس کس سے استعفیٰ لے کر گھر کو چلتا کردیا جاتا، لیکن یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے ہمیشہ ہی اپنے فرائض سے پہلو تہی برتی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد سے اب تک تھرپارکر میں چودہ بار قحط اپنے پنجے گاڑ چکا ہے، ہر بار قحط کے باعث صحرائی علاقوں سے بڑی تعداد میں لوگ بیراجی علاقوں میں نقل مکانی کرجاتے ہیں، جو رہ جاتے ہیں ان کے گھروں پر بھوک اور

پیاس کے ساتھ موت ڈیرے ڈال دیتی ہے۔ تھریوں کا نصیب تو بارش کے ساتھ بندھا ہے، ہو گئی تو پانی جمع کرنے کے لیے کنویں کھودتے ہیں، نہ ہوئی تو قبریں کھودنا پڑتی ہیں۔ یہ سب ان کی مجبوری ہے، کیونکہ وہاں کسی قسم کی سہولت میسر نہیں ہے۔ ضلع تھر پارکر میں معاشی ذرائع بہت کم ہیں۔ صرف ریت ہی ریت ہے، ہر طرف مٹی کے ٹیلے ہی ٹیلے نظر آتے ہیں۔ زیرزمین پانی انتہائی نمکین اور وہ بھی 150 سے 200 فٹ گہرائی میں جاکر ملتا ہے۔ ایسے مسائل سے نمٹنے کی منصوبہ بندی ریاست کی ترجیحات کا حصہ ہی نہیں ہوتی۔ سیاستدان اس پسیماندہ علاقے کو اپنی سیاست چمکانے اور دوسرے ممالک سے بھاری رقم بٹورنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، دو چار سال کے بعد وہاں قحط کی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے،اس کے لیے کوئی مستقل حل نہیں سوچا جاتا۔ تھر کے مسائل کا حل صرف چند ہفتوں کی امدادی مہم سے نہیں نکالا جاسکتا، مستقل طور پر تھر کے عوام کے مسائل حل کرنے کی ضرورت ہے، عوام کو ریلیف دینے کے لیے مستقل طور پر بڑے انتظامی فیصلوں کی ضرورت ہے۔ حکومت کو معاش کے ذرائع کے حوالے سے ایسے اقدامات کرنے چاہئیں جن سے تھر کے عوام مستقل طور پر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔ اگر مستقل طور پر تھر کے عوام کے مسائل حل نہیں کیے جاتے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ حکومت ان کے مسائل حل ہی نہیں کرنا چاہتی۔

مذہبی طبقہ مدارس دینیہ کے تحفظ کے لیے پر عزم

ان دنوں ملک میں قومی سلامتی پالیسی اور دینی مدارس کا معاملہ زیر گردش ہے۔ حکومت نے رواں سال فروری کے آخر میں اس پالیسی کا اعلان کیا تھا، جس میں دینی مدارس کے حوالے سے بھی کافی زیادہ شقیں ہیں،ان شقوں میں دینی مدارس کے نظام تعلیم اور فنڈنگ سسٹم پر اعتراضات اٹھائے گئے ہیں اور تعین کیے بغیر "بعض مدارس" پر دہشتگردی کا الزام لگاتے ہوئے اس نئے قانون کے تحت ملک بھر کے دینی مدرسوں پر نظر رکھنے کی بات کی گئی ہے۔ اس پالیسی کے اعلان کے وقت ہی بعض مذہبی رہنماؤں نے کہا تھا کہ یہ سب مسلم لیگ (ن) کا نہیں، بلکہ کسی اور کا ایجنڈہ ہے ۔برطانوی ہائی کمشنر فلپ بارٹن نے اس پالیسی کو سراہاتے ہوئے خوش آئند قرار دیا تھا، جبکہ دوسری جانب دینی مدارس اور متعدد دینی جماعتوں نے اس پالیسی کو ملک میں مدارس کی آزادی کو سلب کرنے سے تعبیر کرتے ہوئے قومی سلامتی پالیسی کو مسترد کیا اور اس پالیسی کے خلاف احتجاج کا اعلان بھی کیا۔ دینی مداس کا کہنا ہے کہ قومی سلامتی پالیسی کے نام پر حکومت بلاوجہ مدارس دینیہ پر الزام تراشی کر رہی ہے، حالانکہ وفاق المدارس العربیہ کے بارہا پوچھنے کے باوجود حکومت کسی ایک بھی ایسے مدرسے کی نشاندہی نہیں کر سکی جو دہشتگردی میں ملوث ہو۔ لہٰذا اس

پالیسی کا مقصد صرف اور صرف مدارس دینیہ کو بلاوجہ تنگ کرنا اور مالی طور پر ان کا تعاون کرنے والوں کا ہراساں کرنا ہے۔ اسی حوالے سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی جانب سے مدارس کی حفاظت کے پیش نظر ملک کے مختلف شہروں میں کانفرنسوں کے انعقاد کا اعلان کیا گیا۔ انہی کانفرنوں کی کڑی کے سلسلے میں جمعرات کے روز وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر اہتمام قلعہ کہنہ قاسم باغ اسٹیڈیم میں ایک عظیم الشان کانفرنس کا اہتمام کیا گیا، انتظامیہ کے مطابق جس میں 50 ہزار دے نی اساتذہ و طلبہ نے شرکت کی۔ "تحفظ مدارس دینیہ و اسلام کا پیغام امن کانفرنس" میں مختلف مدارس کے پوزیشن ہولڈر طلبہ و طالبات کو انعامات دیے گئے۔ پنجاب کے 94 مدارس کے 278 طلبہ و طالبات کو شیلڈ اور انعامات سے نوازا گیا۔ مختلف درجات کے ملکی سطح پر پوزیشن ہولڈر طلبہ 79 اور 116 طالبات جبکہ مختلف درجات کے صوبائی پوزیشن ہولڈر 41 طلبہ اور 68 طالبات شامل تھیں، طلبہ نے خود جبکہ طالبات کے انعامات اُن کے سر پرستوں نے وصول کیے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر اہتمام قلعہ کہنہ قاسم باغ اسٹیڈیم میں منعقدہ تحفظ مدارس دینیہ اور اسلام کا پیغام امن کانفرنس" میں مولانا فضل الرحمٰن، مولانا" سمیع الحق، مولانا محمد حنیف جالندھری، مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکند، مولانا عبدالحفیظ مکی، مولانا محمد

احمد لدھیانوی، مولانا عطاء المومن شاہ بخاری، مولانا عطاء المہیمن شاہ، مولانا عبید اللہ خالد، مولانا قاضی عبدالرشید، مولانا زبیر احمد صدیقی، مفتی کفایت اللہ، مولانا حافظ حسین احمد سمیت دیگر متعدد قائدین اور رہنماؤں نے شرکت کی۔کانفرنس کے شرکاء نے قومی سلامتی پالیسی میں مدارس سے متعلق شقوں کو مسترد کردیا۔کانفرنس کے مقررین نے دینی مدارس کو اس ملک کے استحکام اور بقا کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ آج اس خطے کے مسلمانوں کا ایمان دینی مدارس کے مرہون منت ہے، اس لیے ہم مدارس کے خلاف کسی کو بھی میلی آنکھ سے نہیں دیکھنے دیں گے اور مدارس کی حریت وآزادی کا ہر قیمت پر تحفظ کیا جائے گا۔ حکمران ہمیں آئے روز دفاعی پوزیشن پر لانے کی کوشش کرتے ہیں، آج ہم اقدامی انداز سے جدوجہد کا اعلان کر رہے ہیں کہ مدارس کے نصاب ونظام کی بات نہ کرو، ہم کسی کو اپنی قوم کے بچوں کو سیکس پر مشتمل نصاب پڑھانے دیں گے اور نہ ہی اپنی تعلیم گاہوں کو مغرب زدہ این جی اوز کی چراگاہ بننے دیں گے۔ ہر ایسا آرڈیننس اور کوشش جس سے کسی بھی شکل میں مدارس پر کوئی زد پڑے یا کوئی قدغن لگے، ہم ایسی ہر پالیسی کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں۔ اگر حکمران مدارس کے خلاف اپنے مذموم مقاصد سے باز نہ آئے تو ہمارا حکومت کے خلاف اعلان جنگ ہوگا، مدارس کی آزادی وحریت پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ مقررین نے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ مدارس دینیہ کے دفاع وتحفظ کے لیے وفاق المدارس کی طرف سے ملنے والی ہر ہدایت پر دل وجان سے عمل پیرا ہوں گے۔ مدارس دینیہ

کے خلاف کسی بھی قسم کی سازش وشرارت کو کسی طور پر کامیاب نہیں ہونے دیا جائے گا۔ عالمی قوتیں دینی مدارس کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہی ہیں، دنیا جو بھی کہے دینی مدارس میں تعلیم کے فروغ کا سلسلہ جاری رہے گا۔ خدانخواستہ اگر پاکستان پر برا وقت آیا تو اہل مدارس اور دیندار طبقہ پاکستانی فوج سے بھی اگلی صفوں میں ہوگا۔ تحفظ مدارس دینیہ واسلام کا پیغام امن کانفرنس میں ملک میں قیام امن کے لیے اسلامی نظام کے نفاذ، وفاقی شرعی عدالت کو ایک خودمختار اور حتمی فیصلے کی اتھارٹی کی حیثیت دینے کے لیے قانون سازی کرنے، ملک میں بدامنی کے حقیقی اسباب تلاش کرنے، غیر ملکی سازشوں کو بے نقاب کرنے، عافیہ صدیقی کی رہائی، دینی مدارس کے خلاف مختلف ایجنسیوں اور حکومتی اداروں کی جانب سے مسلسل کارروائیوں کو روکنے، دینی مدارس کے بے گناہ طلبہ اور مختلف مذہبی جماعتوں کے کارکنوں کو ماورائے عدالت قتل، ہراساں اور اغوا کرنے جیسے اقدامات کو روکنے سمیت مختلف اقدامات کے حوالے سے قرارداد یں متفقہ طور پر منظور کی گئیں۔ 22

واضح رہے کہ وزارت مذہبی امور کے ریکارڈ کے مطابق اس وقت ملک بھر میں رجسٹرڈ دینی مدارس کی تعداد 22 ہزار 52 ہے۔ پنجاب کے رجسٹرڈ دینی مدارس کی تعداد 14 ہزار 954، سندھ کے مدارس کی تعداد 4 ہزار 264، کے پی کے میں 1400، بلوچستان میں 1247 اور اسلام آباد میں 187 ہیں، جن کو ملکی معاشرے میں اور

متعدد اسلامی ممالک میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ گزشتہ روز ایک پریس کانفرنس کے دوران سعودی عرب کے نائب وزیر مذہبی امور شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ العمار نے کہا ہے کہ اسلام ایسا دین ہے، جو دنیا بھر میں بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے اور لوگوں کے دلوں میں گھر کر رہا ہے۔ پاکستان میں وفاق المدارس العربیہ کے زیر اہتمام چلنے والے مدارس پاکستان میں اسلام کا پیغام پھیلانے میں اپنا کردار بھرپور طریقے سے ادا کر رہے ہیں، ہم پاکستان میں ان دینی مدارس کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ سعودی عرب کو ان مدارس کے دینی کردار پر بہت خوشی ہے۔ وفاق المدارس کے زیر اہتمام دین کا علم حاصل کرنے والے طلبہ اور طالبات کو علمائے دین اسلام سے روشناس کرا رہے ہیں، ان علماء کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ علمائے دے وبند کا دنیا بھر میں اسلام پھیلانے میں بہت اہم کردار ہے، مجھے ایسے محسوس ہو رہا ہے کہ میں آج دوبارہ مسلمان ہو رہا ہوں۔اس سے پہلے بھی گزشتہ دنوں سعودی عرب کے نائب وزیر مذہبی امور عبدالعزیز بن عبداللہ العمار نے وفاق ہاؤس اسلام آباد کے دورے کے موقع پر وفاق المدارس کے ذمہ داروں اور سرکردہ علمائے کرام سے ایک ملاقات کے دوران کہا تھا کہ پاکستانی مدارس دینیہ کا نظام پوری دنیا کے لیے رول ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے، وفاق المدارس کی خدمات قابلِ تعریف ہیں ، وفاق المدارس کا تعلیمی نظام دیکھ کر کوئی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس وقت امت کو فروعی اختلافات میں الجھانے کی بجائے دین کی اساسی

تعلیمات کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ اس سب کے باوجود حکومت کی جانب سے ایسی پالیسیاں بنائی جارہی ہیں، جن کو مدارس دینیہ اپنی آزادی کے سلب ہونے سے تعبیر کررہے ہیں۔ گزشتہ دنوں ملک کے بیشتر مدارس میں دوسرے ممالک سے علم حاصل کرنے کے لیے آنے والے طلبہ کو گرفتار کیا گیا تھا، حالانکہ یہ طلبہ یہاں کے مدارس سے فارغ ہونے کے بعد اپنے ممالک میں جاکر یقیناً پاکستان کے سفیر کا کردار ادا کرتے ہیں اور ملک کی نیک نامی کا باعث بنتے ہیں، لیکن مدارس کے خلاف اس قسم کی سرگرمیاں کسی طور بھی مفید ثابت نہیں ہوسکتیں۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ دینی مدارس کو شک کی نگاہ سے نہ دیکھے، بلکہ ان کو محب وطن اور محافظ وطن سمجھے۔

امن کے دشمن

آج بدامنی کو ملک کا سب سے بڑا مسئلہ بتایا جاتا ہے۔ شہر شہر لوٹ مار، ڈاکا زنی، بھتا خوری، اسٹریٹ کرائم، قتل و قتال اور غارتگری کا راج ہے۔ شاید ہی ملک کے کچھ علاقے ان جرائم سے پاک ہوں، ورنہ اب تو یہ مسائل ملک کے پرامن و محفوظ ترین سمجھے جانے والے علاقوں میں بھی ڈیرے ڈال چکے ہیں۔ انہی مسائل کی وجہ سے لوگ امن و سکون کو ترس گئے ہیں۔ پہلے گھروں کو محفوظ تصور کیا جاتا تھا، لیکن اب تو گھر میں رہتے ہوئے بھی لوٹ مار کا انجانا سا خوف ستاتا رہتا ہے۔ کوئی باہر محفوظ ہے، نہ ہی گھر کے اندر۔ کوئی کتنا ہی بہادر و طاقتور ہو اور تعداد میں بھی زیادہ، لیکن کسی امن کے دشمن کے ہاتھ میں تھما ہوا ایک چھوٹا سا پستول اوسان خطا کرنے کے لیے کافی ہے ، کیونکہ اب انسان کی طاقت کا انحصار بازو کی بجائے اسلحے پر ہے۔ دنیا میں جس کے پاس اسلحہ ہے وہی طاقتور ہے۔ اسی کا حکم چلتا ہے۔ اسی کی بات مانی جاتی ہے۔ سب پر اسی کا خوف سوار ہے۔ صرف ایک مسلح شخص سو غیر مسلح انسانوں پر بھی بھاری ہوتا ہے اور سو غیر مسلح انسان اپنے آپ کو اس مسلح شخص کے سامنے کمزور تصور کرتے ہوئے اس کی بات ماننے پر مجبور پاتے ہیں، لیکن اگر ملک کا امن برباد کرنے والے ان مسلح افراد سے ان کی یہ طاقت چھین لی جائے، ان کا اسلحہ ضبط کر لیا جائے، ان تک اسلحہ پہنچنے ہی نہ دیا

جائے تو کوئی بھی ملک کا امن برباد نہیں کر سکتا۔

یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ اسلحہ امن کا دشمن ہے۔ ملک میں پائی جانے والی بدامنی کی سب سے بڑی وجہ اسلحے کا عام ہونا ہے۔ ملک میں کونسا ایسا جرم ہے جس میں اسلحہ استعمال نہیں ہوتا۔ اسلحے نے جرائم کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دی ہے، اسی اسلحے کی طاقت نے انسانیت کے پرخچے اڑا کر رکھ دیے۔ انسان کو خون میں نہلا دیا ہے، انسان کا سکون غارت کر دیا ہے۔ ڈکیتی، لوٹ مار، باہمی رنجشوں، اپنے سیاسی، مذہبی، گروہی، لسانی و علاقائی نظریات کو زبردستی دوسروں پر مسلط کرنے کے لیے اسلحے کے زور پر انسان ایسا شتر بے مہار بن جاتا ہے کہ اپنے بے قابو جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لیے قتل کا بازار گرم کرنا اپنا حق سمجھتا ہے اور آہ و بکا، خون، ہچکیاں اور لاشیں سب کچھ اس کے لیے بے معنی ہو جاتی ہیں۔ اسلحہ بات کو خوش اسلوبی سے سلجھانے کی بجائے خون خرابے کو جنم دیتا ہے۔ جب انسان کے ہاتھ میں اسلحہ آ جائے تو اس کی طاقت کا گھمنڈ اسے ہر انسانی قانون کو اپنے پاؤں تلے روندنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ہتھیاروں کے پھیلاؤ کی بدولت نہ صرف خاندانی، سیاسی، گروہی، لسانی اور مذہبی جھگڑوں میں اضافہ ہوا ہے، بلکہ انہی ہتھیاروں کی وجہ سے امن دشمنوں نے ملک بھر میں سیکورٹی اداروں کو بھی دیوار سے لگا رکھا ہے اور ملک میں روز کسی نئے سانحے کا سبب بنتے ہیں، جس سے روز بروز ملک میں ہلاکتوں

کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

ملک میں امن کا قیام اسی صورت میں ممکن ہے کہ تمام جرائم کی جڑ اسلحے پر سخت ترین پابندی لگا کر پورے ملک کو اسلحے سے پاک کر دیا جائے۔جب اسلحہ ہی نہیں ہوگا تو دہشتگردوں اور امن کے دشمنوں کی ساری طاقت بھی سلب ہو کر رہ جائے گی۔ ایک مشہور کہاوت ہے کہ "چور کو مت مارو...چور کی ماں کو مارو" کیونکہ چور کو اسی ماں نے جنم دیا اور چور کی پرورش کی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بدامنی و دہشتگردی کی ماں اسلحہ ہے، اگر ملک کو اسلحے سے پاک کرکے بدامنی و دہشتگردی کی ماں کو مار دیا جائے تو ملک میں امن کے قیام میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ ملک کو ہتھیاروں سے پاک کرنا وقت کا تقاضا ہے۔ اسلحے کی بہتات اس وقت پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ یہ مجرمانہ فعل ہی نہیں یا صرف یہ وہ رجحان ہی نہیں کہ جو دہشت گردی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ مسئلہ معاشرے کے بدلتے رویوں اور رجحانات کا عکاس بھی ہے۔ اگر ہاتھوں میں بندوق ہو تو پھر اس بات کا غالب امکان ہوتا ہے کہ معاملہ دلائل کی بجائے گولیوں سے طے کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ایسا معاشرہ جہاں تفریح فراہم کرنے والے ٹی وی اسکرین پر مار دھاڑ اور گولیاں چلانے کے مناظر بچے بھی دیکھتے ہیں۔ یہ کچے ذہنوں کو اپنے سحر میں جکڑ لیتے ہیں۔ وہ بھی ہاتھوں میں پستول، بندوق تھام کر گولیاں چلا کر ہیرو بننا چاہتے ہیں۔ بچوں کے اندر پنپتے اس طرح کی

تصوراتی دنیا کے خیالات کے نتائج حقیقت میں نہایت بھیانک اور المناک ہوتے ہیں۔ آئین کہتا ہے کہ صرف حکومت ہی مسلح فوج کا اختیار رکھتی ہے، لیکن عملی طور پر صورتِ حال برعکس ہے۔ یہاں بے شمار گینگ اور گروہ دن دہاڑے بلاخوف وخطر اسلحہ اٹھائے پھرتے ہیں۔ پاکستان میں ہتھیار لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کے پاس ہیں، جن میں زیادہ تر غیر قانونی ہیں۔ ملک میں 1998ء کی مردم شماری کے دوران شہریوں کے پاس کروڑ کے قریب ہتھیار پائے گئے تھے۔ جس میں سے صرف 20 لاکھ ہتھیار لائسنس 2 یافتہ تھے، باقی ایک کروڑ 80 لاکھ ہتھیار بغیر لائسنس کے تھے۔ اس طرح ان غیر قانونی ہتھیاروں کی تعداد سرکاری اداروں کے پاس موجود اسلحے سے بھی زیادہ بنتی ہے۔ اب سولہ سال گزرنے کے بعد ان کی تعداد میں یقیناً اضافہ ہوچکا ہے، کیونکہ 1998ء کے بعد کئی حکومتوں نے دھڑا دھڑ اسلحہ لائسنس بانٹے ہیں۔ سرکاری اعداوشمار کے مطابق صرف 2009ء میں تقریباً ساٹھ ہزار لائسنس جاری کیے گئے۔ ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان کے تقریباً ہر شہر میں خودکار رائفلوں اور پستولوں سمیت چھوٹے غیر قانونی ہتھیار آسانی سے دستیاب ہوتے ہیں اور مختلف سیاسی ومذہبی گروہوں کے کارکنوں کے پاس ایسا غیر قانونی اسلحہ وافر مقدار میں موجود ہے۔ ان غیر قانونی ہتھیاروں کے بڑے خریداروں میں سیاسی، لسانی، گروہی عناصر اور جرائم سے منسلک افراد شامل ہیں، جبکہ ان

کی ترسیل اور کاروبار میں سرکاری اداروں کے ملازمین اور سیاستدان بھی شامل ہوتے ہیں۔ پاکستان میں سیاسی جماعتیں غیر قانونی اسلحے کی روک تھام کا مطالبہ تو کرتی ہیں، لیکن ہتھیاروں کی نمائش میں اکثر سیاسی رہنما اور ان کے کارکن نمایاں ہوتے ہیں اور ہر جماعت کے کارکنوں کے پاس بڑی تعداد میں ہتھیار بھی پائے جاتے ہیں۔ پاکستان میں ہتھیاروں کی اسمگلنگ میں اضافے پر بعض حلقوں کو بہت تشویش ہے۔ سلامتی امور کے تجزیہ کاروں کے مطابق صرف لائسنس رکھنے والے افراد اور فروخت کنندگان کو ہتھیار فروخت کرنے کا نظام رائج کیے بغیر حکومت کے لیے غیر قانونی اسلحے کے کاروبار کو روکنا مشکل ہے۔

اس بات کی حقیقت جان لینے کے بعد کہ ملک کا امن برباد کرنے میں اسلحے کا مرکزی کردار ہے، نجانے کیوں حکومت اب تک ملک سے اسلحے کو ختم کرنے میں ناکام رہی ہے؟ حالانکہ 2012ء میں قومی اسمبلی میں ملک کو اسلحے سے پاک کرنے کے حوالے سے قرارداد کثرت رائے سے منظور کی جاچکی ہے۔ گزشتہ دنوں پنجاب اسمبلی میں کھلونا اسلحے پر بھی پابندی کی قرارداد منظور ہوچکی ہے، تاکہ بچوں میں جارحانہ جذبات جنم نہ لیں۔ ابھی تک ان قراردادوں پر عمل نہ ہونا قابل افسوس ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ اس حوالے سے سخت قوانین متعارف کرائے اور ان قوانین پر سختی سے عمل کرے، دھڑا دھڑ اسلحہ لائسنس بھی جاری نہ کرے۔ انسان کے بنیادی حق زندگی کے تحفظ کے لیے اسلحے سے پاک معاشرہ ہی وقت کی ضرورت

ہے، کیونکہ اسلحے کی فراوانی نے انسانوں سے ان کا سکون چھین کر انہیں خوف کی وادیوں میں دھکیل دیا ہے۔جب تک ملک سے اسلحے کا خاتمہ نہیں ہوتا، اس وقت تک امن و سکون کا لوٹنا بھی مشکل ہے۔

کراچی: کامیاب کانفرنس مدارس "اصلاحات" کے خلاف ریفرنڈم قرار

رواں سال فروری کے آخر میں حکومت پاکستان کی جانب سے قومی سلامتی پالیسی میں مدارس دینیہ کے حوالے سے متنازع شقوں کے سامنے آنے کے بعد سے دینی مدارس ان شقوں کی مخالفت کر رہے ہیں۔ چونکہ مدارس دینیہ کے ذمہ دار حضرات قومی سلامتی پالیسی کو مدارس کے نظام تعلیم اور فنڈنگ سسٹم کے لیے خطرہ اور مدارس کی آزادی کو سلب کرنے سے تعبیر کرتے ہیں، اس لیے دینی مدارس اور مذہبی جماعتوں کی جانب سے قومی سلامتی پالیسی کے خلاف منظم انداز میں احتجاج کا سلسلہ جاری ہے۔اس پالیسی کے خطرناک پہلوؤں کو قوم کے سامنے آشکارا کرنے اور معاشرے میں مدارس دینیہ کے مثبت کردار و اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے مدارس کی جانب سے ملک بھر بڑے بڑے اجتماعات اور کانفرنسوں کے انعقاد کا سلسلہ جاری ہے۔ ملتان میں "تحفظ مدارس دینیہ و اسلام کا پیغام امن کانفرنس" کے بعد گزشتہ روز دارالعلوم کراچی میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر اہتمام اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سربراہ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان کی صدارت میں "تحفظ مدارس دینیہ و اسلام کا پیغام امن" کے عنوان سے ایک عظیم الشان کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ کانفرنس کا آغاز صبح نو بجے ہوا اور شام تک مقررین کے خطابات کا سلسلہ چلتا رہا۔ اتوار کے روز کانفرنس کے موقع پر دارالعلوم کراچی میں ہر جانب انسانوں

کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دکھائی دے رہا تھا، چار سو سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ ذرائع کے مطابق دارالعلوم کراچی میں منعقدہ کانفرنس میں 25 سے 30 ہزار افراد نے اس کانفرنس میں شرکت کی، جن میں سندھ کے تقریباً 4 ہزار مدارس کے مہتممین بھی شامل تھے۔ اس کانفرنس کا مقصد چونکہ مدارس دینیہ میں نمایاں کارکردگی دکھانے والے اہل مدارس کو انعامات سے نوازنا بھی تھا، اس لیے کانفرنس میں 340 طلبہ و طالبات میں انعامات و اسناد تقسیم کی گئیں۔ جن میں میں 200 طالب علموں کو امتیازی کارکردگی پر انعامات و اسناد دی گئیں، جبکہ 140 طالبات کی شیلڈ ان کے سرپرستوں نے وصول کیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سندھ بھر کے 4 ہزار مدارس میں سے کے مہتممین کو بھی بہتر کارکردگی پر اسناد دی گئیں۔ انعامات حاصل کرنے والے 76 تمام طلبہ و مہتممین حضرات کو وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ نے کانفرنس کی جانب سے انعام حاصل کرنے پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے نیک تمناؤں کا اظہار بھی کیا۔

دارالعلوم کراچی میں منعقد ہونے والی کانفرنس میں مفتی محمد رفیع عثمانی، شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، اہلسنّت والجماعت کے سربراہ مولانا محمد احمد لدھیانوی، جے یو آئی کے رہنما مولانا حافظ حسین احمد، وفاق المدارس کے سیکرٹری قاری محمد حنیف جالندھری، مولانا

اسفند یار خان، جامعۃ الرشید کے شیخ الحدیث و رئیس دارالافتاء مفتی محمد، وفاقی وزیر مولانا عبدالغفور حیدری، مفتی ابوہریرہ محی الدین، مولانا حق نواز، مولانا ادریس، مولانا سعد یوسف، مولانا قاضی محمود الحسن اشرف، مولانا سید عدنان کاکاخیل، قاضی عبدالرشید سمیت ہزاروں جید علمائے کرام اور رہنماؤں نے شرکت کی، جن میں سے متعدد علمائے کرام نے کانفرنس سے خطاب بھی کیا۔کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن کا کہنا تھا کہ آئے دن حکومتیں مغرب کے اشاروں پر مدارس کے حوالے سے نئی نئی پالیسیاں بناتی ہیں۔ 1994ء سے تک مدارس کی رجسٹریشن پر مکمل پابندی تھی۔ وفاق ہائے مدارس اور حکومت 2004 کے تعاون سے نیا قانون بنا، جس کے تحت مدارس کی رجسٹریشن کی گئی۔ اب اس مسئلے کو دوبارہ کیوں اٹھایا جارہا ہے؟۔ اس کا مطلب ہے کہ کہیں اسلام اور پاکستان دشمن قوتیں موجود ہیں، جو پاکستان کو غیر مستحکم کرنا چاہتی ہیں۔ حالات اچھے نہیں ہیں۔ دنیا نے طے کرلیا ہے کہ مدارس کے حوالے سے کچھ کیا جائے، لیکن ہم نے بھی طے کیا ہے کہ ہم مدارس کا ہر محاذ پر تحفظ کریں گے۔ آج آئین کی بات کی جاتی ہے۔ جتنے بڑے مجرم آئین کو نہ ماننے والے ہیں، اتنے ہی بڑے مجرم آئین پر عمل نہ کرنے والے بھی ہیں۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی نے بھی کانفرنس سے خطاب کیا جس میں انہوں نے کہا کہ مدارس نے ہمیشہ اپنے نصاب میں تبدیلی کی ہے اور وقت کے ساتھ تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ لوگ مدارس

میں بدامنی قرار دیتے ہیں، مگر عصری تعلیمی اداروں کے مقابلے میں کوئی ایک مثال پیش نہیں کی جاتی۔ مدارس امن کا گہوارہ ہیں۔ یہاں دنیا بھر کے طلبہ وطالبات دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ ہم نے عصری تعلیم کے خلاف کبھی بات نہیں کی، بلکہ خود بیشتر مدارس میں دین کے ساتھ دنیاوی تعلیم بھی دی جارہی ہے۔مدارس کا ماحول جدید دور کے تقاضوں کے مطابق معیاری اور اعلیٰ ہے۔

اہلسنت والجماعت کے سربراہ مولانا احمد لدھیانوی نے کانفرنس سے اپنے خطاب میں کہا کہ مدارس کا ہر ممکن تحفظ کریں گے۔ حکومت مدارس کی آزادی کو چھیننے کی کوشش کررہی ہے اور بعض قوتیں مدارس کو ختم کرنا چاہتی ہیں۔ ہم ان کو آگاہ کرتے ہیں کہ دشمن کی گولیاں اور بم دھماکے گزشتہ دو دہائیوں سے کراچی میں مدارس کی راہ میں رکاوٹ بن سکے اور نہ ہی اب حکومتی اقدام رکاوٹ بن سکیں گے۔ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے ملک میں مدارس عربیہ کی بھیک مانگنا افسوسناک ہے۔ پاکستان جس نظریے کے تحت بنا اس کے حقیقی محافظ علمائ، طلبہ اور مدارس ہی ہیں اور یہی لوگ نظریہ پاکستان کے محافظ بھی ہیں۔ ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر نے کہا کہ مدارس میں وحی کے علوم پڑھائے جاتے ہیں اور یہی علوم ہماری بقاء کا ذریعہ ہیں۔ اگر دین نہ ہوتا تو آج پاکستان بھی نہ ہوتا۔ مسلمانوں کو دین اور مدارس کے ساتھ اپنا رشتہ مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ تحفظ

مدارس دینیہ اور اسلام کا پیغام کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے کہا کہ دنیا کی کوئی طاقت استاد اور شاگرد کے تعلق کو ختم نہیں کر سکتی۔ پروپیگنڈوں کے باوجود مدارس قائم ہیں اور آیندہ بھی رہیں گے، کوئی بھی ان کو ختم نہیں کر سکتا۔ مدرسہ کسی عمارت کا نام نہیں بلکہ یہ استاد اور شاگرد کے باہمی تعلق کا نام ہے، جہاں بھی جگہ ملے گی علمائے کرام دین کی خدمات انجام دے تے رہیں گے۔مدارس کی خدمات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، مدارس کے خلاف اگر کوئی اقدام ہوا تو ہر ممکن اس کا دفاع اور تحفظ کیا جائے گا اور ہم مرتے دم تک اپنی اس جدوجہد کو جاری رکھیں گے۔ مدارس کے نصاب میں جدید دور کے تقاضوں کے مطابق چیزیں شامل ہیں۔ وفاق المدارس ایک عظیم چھتری ہے جس کے نیچے مختلف الخیال جماعتیں اور رہنما بیٹھ کر فیصلے کرتے ہیں۔ وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ قاری محمد حنیف جالندھری نے کہا کہ مدارس کے خلاف ہونے والی سازشوں کے خلاف احتجاج کا سلسلہ جاری رہے گا، اس حوالے سے ملک کے مختلف حصوں میں اسی طرح کے بڑے اجتماعات منعقد کیے جاتے رہیں گے۔ مدارس کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں جہاں پر علم و تحقیق کے شناور پیدا ہوئے اورانہوں نے اصلاح امت کے لیے اپنا کردار ادا کیا۔ اسلام دشمن عناصر مدارس کو ناکام بنانے کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں، تاہم یہ اجتماع اس بات کا اعادہ کرتا ہے کہ اس طرح کی تمام سازشوں کو ناکام بنادیا جائے گا۔ اجتماع اس حقیقت کا اعادہ کرتا ہے کہ

پاکستان کا استحکام، امن وامان اور ملک میں نفاذ اسلام ہر شہری کا بنیادی مقصد ہونا چاہیے۔

کانفرنس کے بعد متعدد مذہبی وسیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے وفاق المدارس کے زیر اہتمام دارالعلوم کراچی میں اتوار کے روز عظیم الشان تحفظ مدارس واسلام کا پیغام امن کانفرنس کی کامیابی پر پوری قوم کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے اسے قومی سلامتی پالیسی میں مدارس اصلاحات کے خلاف ریفرنڈم قرار دیا اور کہا کہ کراچی کی موجودہ پیچیدہ صورتحال کے باوجود ہزاروں افراد کی تعداد میں کانفرنس میں شرکت کرکے حکمرانوں پر واضح کردیا کہ مدارس کے تحفظ کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ علمائے کرام نے حکمرانوں کو واضح پیغام دیا کہ مدارس کی خودمختاری پر کوئی سودہ بازی نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی کو اجازت دیں گے کہ وہ مغرب کے ایجنڈے پر عمل درآمد کرتے ہوئے مدارس کی خودمختاری پامال کریں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ پاکستان میں دینی مدارس ہزاروں کی تعداد میں ہیں، جن کی تاریخ طویل ہے، ان مدارس نے ہمیشہ بغیر کسی لالچ اور دباؤ کے اسلام اور وطن کی خدمت کی ہے۔ اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جنگ آزادی اور آزادی پاکستان سمیت ہر تحریک میں یہ مدارس ہراول دستہ رہے ہیں، جنہوں نے قوم کے ایمانوں اور ان کی جانوں کی حفاظت کی ہے۔ دوسری جانب اسلام دشمن قوتیں ہمیشہ ان مدارس کی مخالف رہی ہیں، کیونکہ یہی مدارس

ہمیشہ ان قوتوں کے گھناؤنے مشن کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں، ان کی عیاری و منافقت کو قوم کے سامنے عیاں کردیتے ہیں، یہی بات ان قوتوں کو کھٹکتی ہے اور وہ مختلف حیلوں بہانوں کے ساتھ معاشرے میں مدارس دینیہ کا امیج خراب کرنے کی تگ ودو میں مگن ہیں۔ ہماری ہر آنے والی نئی حکومت کبھی انجانے میں اور کبھی جان بوجھ کر مدارس دینیہ کے خلاف مختلف قسم کے قوانین بناکر ان قوتوں کے مشن کو آگے بڑھاتی ہیں ۔حالانکہ مدارس کے حوالے سے قومی سلامتی پالیسی میں جو شقیں زیر بحث ہیں، وہ گزشتہ حکومتوں میں کئی بار زیر بحث رہ چکی ہیں اور مدارس کی جانب سے ہر بار حکومت کے تحفظات بھی دور کروائے جاتے رہے ہیں، اس کے باوجود ہر نئی آنے والی حکومت کا مدارس کے خلاف پروپیگنڈا کرنا اور بلاوجہ ان کو مورد الزام ٹھہرانا عقل سے ماورا ہے۔ ملک میں مدارس دینیہ کا ایک بہت بڑا تعلیمی نیٹ ورک ہے، جس کو تمام عصری تعلیمی اداروں کی طرح وزارت تعلیم کے تحت اثر ہونا چاہیے، لیکن حکومت نے مدارس دینیہ کو وزارت داخلہ کے تحت دیا ہوا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ حکومت ان مدارس کو تعلیمی ادارے ہی نہیں سمجھتی اور مدارس کے ساتھ تعلیمی اداروں کا سا سلوک ہی نہیں کرنا چاہتی۔ حکومت کو چاہیے کہ مدارس کے ساتھ امتیازی سلوک نہ کرے، کیونکہ یہ مدارس ہی اسلام کے قلعے اور وطن کے محافظ ہیں۔

کانفرنس کا اعلامیہ

تحفظ مدارس دینیہ کانفرنس میں 17 مختلف قراردادیں منظور کی گئیں، جن میں مطالبہ کیا گیا کہ ملک میں بلاتاخیر اسلامی نظام نافذ کیا جائے، اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو مدنظر رکھتے ہوئے قانون سازی کی جائے، مدارس امن، اخوت کی تعلیم دے رہے ہیں، مدارس اصلاحات کے نام پر ہونے والے اقدامات کو مسترد کرتے ہیں، اسلام کا انتہاپسندی سے کوئی تعلق نہیں، مدارس کے خلاف تمام الزامات مسترد کرتے ہیں، امن قائم کرنے کے لیے سپریم کورٹ کے ججوں پر مشتمل کمیشن تشکیل دیا جائے جو ماہ میں بدامنی کے اسباب کا سراغ لگا کر سفارشات مرتب کرے، دینی مدارس میں 3 ایجنسیوں کی مداخلت اور طلبہ و علماء کی ٹارگٹ کلنگ بند کی جائے، ڈرون حملوں کی مذمت کرتے ہیں، فاٹا میں شہید ہونے والے مدارس و مساجد کو حکومت ازسرنو تعمیر کیا جائے، میڈیا کے لیے ضابطہ اخلاق جاری کیا جائے، بے حیائی کو اسلامی اقدار کی خلاف ورزی قرار دیا جائے، ایک قرارداد میں طالبان اور حکومت کے مابین مذاکرات کا خیر مقدم کرتے ہوئے مطالبہ کیا گیا کہ مذاکرات کو بامقصد اور نتیجہ خیز بنانے کے لیے پارلیمنٹ کی منظور کردہ قراردادوں اور قبائل کے جرگے میں طے شدہ امور کو مدنظر رکھا جائے۔ مذاکرات کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے خواتین اور بچوں کی فوری رہائی ممکن بنائی جائے۔ امریکا اور نیٹو سے گزشتہ 12 سالوں میں ہونے والے نقصانات کے ازالے کا مطالبہ کیا جائے اور ڈرون حملوں میں جاں بحق ہونے والے افراد کے ورثاء کو دیت دی جائے۔ مدارس کی سند کو ایم فل اور پی ایچ ڈی میں داخلے

کے لیے تسلیم کیا جائے۔ ایک قرارداد میں ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی کا مطالبہ اور وفاق المدارس پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا گیا۔

مغربی دنیا نے پاکستانی ایٹمی اثاثوں کو محفوظ تسلیم کرلیا

ہالینڈ کے دارالحکومت" ہیگ" میں دو روز تک جاری رہنے والی تیسری عالمی جوہری کانفرنس گزشتہ روز اختتام پذیر ہو گئی۔ کانفرنس میں امریکی صدر اوباما اور پاکستانی وزیراعظم میاں نواز شریف سمیت 53 ممالک کے سربراہان نے شرکت کی اور پاکستان کے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کو بطور خاص امریکی صدر اوباما کے ساتھ نشست دی گئی۔ تیسری جوہری عالمی نفرنس سے پہلے ہیگ میں سیکڑوں افراد نے ایٹمی ہتھیاروں کے خلاف پیدل مارچ کرتے ہوئے یہ مطالبہ بھی کیا کہ ایٹمی ہتھیاروں پر خرچ ہونے والے کروڑوں ڈالر بھوک سے مرتے لاکھوں بچوں پر خرچ کیے جانے چاہئیں۔ اعلامیے کے مطابق تیسری دو روزہ عالمی جوہری سلامتی کانفرنس میں شریک 53 ممالک نے جوہری تحفظ کے لیے عالمی قوانین کو مقامی قوانین کے طور پر اپنانے، آئی اے ای اے کے معیار کی پابندی اور جوہری سلامتی کو مزید محفوظ بنانے پر اتفاق کیا۔ اعلامیے میں مزید کہا گیا کہ جوہری توانائی والے ممالک افزودہ یورینیم کے ذخیرے کو کم کریں۔ ایٹمی ہتھیار والی یورینیم کو کم افزودگی والی یورینیم میں تبدیل کیا جائے، جوہری ممالک مستقبل میں ایٹمی تحفظ کو مقدم رکھنے کے لیے اقدامات کریں۔ جوہری سلامتی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وزیراعظم میاں نواز شریف کا کہنا

تھا کہ پاکستان نیوکلیئر سیکورٹی بڑھانے کے لیے پر عزم ہے اور جوہری سیکورٹی کے لیے عالمی برادری کے ساتھ ہے۔ پاکستان کے جوہری اثاثے مکمل محفوظ ہیں، جوہری اثاثوں کی حفاظت ہماری قومی ذمہ داری ہے اور اس کے لیے ہم خصوصی طور پر حفاظتی انتظامات کرتے رہتے ہیں۔ جوہری سلامتی کے کلچر کو فروغ دینے میں پاکستان نے اہم کردار ادا کیا ہے، ہمارے فیصلے اور عزم سے تمام اقوام جوہری سلامتی کے لیے متحرک ہوئیں۔ آئی اے ای اے کے فریم ورک کے اندر رہتے ہوئے نیوکلیئر سیکورٹی کے لیے تمام ممالک کو تعاون بڑھانا چاہیے۔ پاکستان کی جوہری سلامتی کا نظام 5 ستونوں پر مشتمل ہے۔ نیشنل کمانڈ اتھارٹی کے تحت جوہری مواد، تنصیبات کے تحفظ اور ممکنہ تابکاری سے بچاؤ کے لیے سخت نظام موجود ہے، جوہری برآمدات کے بارے میں پاکستان کا نظام نیوکلیئر سپلائرز کے معیار کے مطابق ہے۔ نیوکلیئر سپلائرز گروپ اور دیگر برآمدی کنٹرول کے اداروں کی رکنیت کے اہل ہیں، غیر امتیازی طور پر رکن بنایا جائے۔ پاکستان کو توانائی کے بحران کا سامنا ہے، پاکستان کو نیوکلیئر سپلائرز گروپ میں شامل کیا جائے۔

جرمنی نے پرامن مقاصد کے لیے ایٹمی توانائی کے حصول کے پاکستانی مطالبے کی حمایت کی۔ وزیراعظم نواز شریف اور جرمن چانسلر انجیلا مرکل کے مابین 45 منٹ تک جاری رہنے والی ملاقات میں دو طرفہ باہمی دلچسپی کے امور کے علاوہ پاکستان کے دہشت گردی کے خلاف اقدامات اور افغانستان کی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ جرمن چانسلر نے پاکستان کی اقتصادی بحالی اور ترقی کے لیے

اپنے ممکنہ تعاون کی بھی یقین دہانی کرائی اور کہا کہ جرمنی دہشت گردی کے خاتمے کے لیے پاکستان کے اقدامات کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وزیراعظم محمد نواز شریف نے پاکستان کو جی ایس پلس کا درجہ دلانے کے سلسلے میں پاکستان کی حمایت پر جرمنی کا شکریہ ادا کیا، جبکہ پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کو محفوظ تسلیم کرتے ہوئے امریکی وزیر خارجہ جان کیری کا کہنا تھا کہ پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کی سیکورٹی پر مکمل اعتماد ہے۔امریکا پاکستان کے ساتھ مل کر کام کر رہا ہے، پاکستان میں توانائی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی تعاون جاری رکھیں گے۔دفاعی اور سیاسی تجزیہ کاروں کا کہنا تھا کہ امریکا کے کسی ایک بیان کے بعد یہ معاملہ ختم نہیں ہوسکتا،امریکا اور پاکستان کے درمیان جوہری معاملات پر شکوک و شبہات چلتے رہیں گے، عالمی میڈیا مفروضوں کی بنیاد پر خبریں دیتا ہے، کوئی بھی پاکستان کے نیوکلیئر اثاثے نہیں چرا سکتا، امریکی پاکستان آ کر ہمارے ایٹمی اثاثے اٹھا کر لے جائیں، ایسا کسی طور ممکن نہیں۔ جوہری معاملے پر پاکستان کو ایک کامیابی مل گئی، مغربی دنیا اور امریکا کو باور کرالیا گیا کہ جوہری اثاثوں کی حفاظت کے لیے اقدامات تسلی بخش ہیں، امریکا نیوکلیئر پروگرام کی حفاظت سے متعلق اقدامات پر مطمئن ہوگیا ہے۔

کانفرنس میں امریکی صدر بارک اوباما نے اعلان کیا کہ جوہری تحفظ کانفرنس 2016 ء شکاگو میں منعقد ہوگی ۔واضح رہے کہ ایٹمی اثاثوں کی سیکورٹی کے لیے

پیشگی اقدامات پر عمل درآمد کے ایک طویل سلسلے کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ براہ راست یا بلواسطہ ایٹمی مواد، تابکار ذرائع، متعلقہ تنصیبات یا اس سے متعلق دیگر سرگرمیوں کو لاحق اندرونی و بیرونی خطرات کا سدباب کیا جاسکے۔ ان میں غیر قانونی سرگرمیوں کا سراغ لگانا اور ان کی روک تھام کے علاوہ حادثات کے ذریعے ہونے والے نقصانات کو کم سے کم کرنے کے لیے انتظامی اور تکنیکی اقدامات بھی شامل ہوتے ہیں۔ ایٹمی سیکورٹی کا مقصد ایٹمی مواد کی راستے میں غیر قانونی لوٹ مار اور ضبطی کی روک تھام کرتے ہوئے ایٹمی ایندھن کی سپلائی کو یقینی بنانا ہوتا ہے۔ 1960ء کی دہائی کے اواخر میں پرامن مقاصد کے لیے ایٹمی توانائی کے استعمال میں اضافے کے ساتھ ایٹمی مواد کی منتقلی بڑھ گئی تھی، سوویت یونین کے سقوط کے ساتھ ہی سابق سوویت یونین کے علاقے میں موجود ایٹمی مواد اور تنصیبات کی دیکھ بھال کا مسئلہ ابھر کر سامنے آیا، جس نے تخفیف اسلحہ، ایٹمی اسلحہ اور ان کی تنصیبات کی تعداد میں کمی کی ضرورت پر زور دیا۔ ایٹمی اثاثوں کی سیکورٹی کے پیش نظر 2010ء میں پہلی ایٹمی سیکورٹی سربراہ کانفرنس امریکی صدر اوباما کی ہدایت پر واشنگٹن میں منعقد کی گئی۔ پہلی کانفرنس میں 47 ممالک اور تین بین الاقوامی تنظیموں نے شرکت کی تھی، اس کانفرنس کا مقصد تعاون میں اضافے، ایٹمی مواد اور تنصیبات کے بہتر تحفظ کے لیے ٹھوس معاہدے کرکے دنیا بھر میں ایٹمی سیکورٹی کو بہتر بنانا تھا، سربراہ کانفرنس کے نتائج، پلان میں ٹھوس منصوبوں اور ایکشن پوائنٹس کی شکل میں درج

کیے گئے تھے۔ تمام شرکا ممالک کانفرنس میں ایٹمی مواد کو محفوظ بنانے پر متفق ہوئے تھے۔2012ء میں دوسری ایٹمی سربراہ کانفرنس سئیول میں منعقد ہوئی، جس میں 55 ممالک اور 4 بین الاقوامی تنظیموں کو مدعو کیا گیا تھا۔اس کانفرنس میں نئے عزائم شامل کیے گئے، جن میں شرکاء نے ایٹمی تحفظ، سلامتی اور ریڈیولوجیکل یورینیز (تابکاری کے ذرائع) کی چوری اور ناجائز استعمال سے بہتر حفاظت کے درمیان ہم آہنگی بڑھانے کی ضرورت کو تسلیم کیا تھا اور اب ہیگ میں تیسری دوروزہ کانفرنس کے انعقاد کا مقصد گزشتہ برسوں کی کامیابیوں کا جائزہ لینا اور یہ پتا لگانا تھا کہ گزشتہ اعلامیوں میں طے کردہ کون سے مقاصد پورے نہیں ہو پائے۔

یہ خیال رہے کی ایک طرف امریکا سمیت 53 ممالک کے سربراہان دنیا کو ایٹمی دہشت گردی سے بچانے کے لیے ہالینڈ کے شہر دی ہیگ میں جمع ہوئے اور امریکا ہی ایٹمی سربراہی کانفرنسوں کی سربراہی کرتا چلا آ رہا ہے، جبکہ دوسری جانب "بلیٹن آف دی اٹامک سائنٹسٹس" کی ایک رپورٹ کے مطابق 1945ء سے لے کر اب تک بنائے گئے سوا لاکھ ایٹمی ہتھیاروں میں 97 فیصد امریکا اور روس نے بنائے ہیں۔ 1945ء میں قائم امریکی مین ہٹن پروجیکٹ کے تحت پہلا ایٹم بم بنایا گیا تھا۔ اس وقت دنیا میں ایٹمی ہتھیاروں کی تعداد تقریباً 19 ہزار ہے، ان میں سے 420 ایٹمی ہتھیاروں سے مسلح ممالک کے پاس اور باقی ایٹمی طاقتوں کے

پاس ہیں۔ ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق ایٹمی مسلح ممالک میں اسرائیل 200 ایٹمی ہتھیاروں کے ساتھ سرفہرست ہے، جبکہ پاکستان اور بھارت میں سے ہر ایک کے پاس ایٹمی ہتھیار ہیں۔ برطانیہ کے پاس مسلمہ ایٹمی قوتوں میں شامل ہونے کے باوجود 100 صرف 225 ایٹمی ہتھیار ہیں۔ اسی رپورٹ کے مطابق بھارت، اسرائیل، شمالی کوریا، پاکستان اور جنوبی افریقا نے تحدید ایٹمی اسلحہ معاہدے سے باہر رہتے ہوئے چھوٹے اور کم ہلاکت خیز ایٹمی ہتھیار بنائے اور اس کے لیے تجربات بھی کیے۔ مسلمہ ایٹمی طاقتوں، امریکا، روس، برطانیہ، فرانس اور چین سے کم کیے، لیکن مذکورہ رپورٹ مرتب کرنے والے سمجھتے ہیں کہ چین کے پاس ایٹمی ہتھیاروں کا ذخیرہ برطانیہ کے مقابلے میں زیادہ بڑا ہے۔ گو کہ امریکا اور روس کے پاس ایٹمی ہتھیاروں کے ذخائر میں کمی واقع ہو رہی ہے، لیکن اب انہیں جدید یا اپ گریڈ کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ جنوری 2007ء میں بلیٹن نے اس انتباہ کے ساتھ دنیا میں ہلچل مچادی تھی کہ دنیا میں اس وقت موجود 27 ہزار ایٹمی ہتھیاروں میں سے دو ہزار، منٹوں میں داغے جانے کے لیے تیار ہیں۔ جنوری 2014ء کی ایک رپورٹ کے مطابق امریکا کے پاس ایٹمی ہتھیاروں کی تعداد 4650 ہے، جنہیں 800 سے زاید بیلسٹک میزائلوں اور طیاروں سے چھوڑا جاسکتا ہے، جبکہ 2700 ایٹمی ہتھیار "ریٹائرڈ" اور تلف کیے جانے کے منتظر ہیں۔ تمام ایٹمی ہتھیاروں کی مجموعی تعداد 7400 ہے، جس میں 2130 آپریشنل وار ہیڈز، تقریباً آبدوزوں سے چھوڑے جانے والے بیلسٹک میزائل اور 470 بین براعظمی 1150 میزائل شامل ہیں۔ ایک اندازے

کے مطابق 300 اسٹریٹجک ہتھیار امریکی جنگی فضائی اڈوں پر ذخیرہ ہیں۔ 200 نان اسٹریٹجک وار ہیڈز یورپ میں اور 2530 اسٹوریج یہں میں۔ صدر اوباما کی امریکی انتظامیہ ایٹمی ہتھیاروں کے پورے نظام کو گزشتہ دہائی میں 200 ارب ڈالرز کی لاگت سے اپ گریڈ کرنے کا منصوبہ بنارہی ہے۔

مدارس کے خلاف جاری پروپیگنڈے کی بھرپور مزاحمت کا اعلان

ملک بھر تحفظ مدارس دینیہ کانفرنسوں کا سلسلہ جاری ہے، جس کا اختتام 24اپریل کو اسلام آباد میں ہونے والی کانفرنس پر ہوگا۔ وفاق المدارس العربیہ کے تحت پہلی کانفرنس کا انعقاد20مارچ کو ملتان میں کیا گیا، 23مارچ کو کراچی میں، 25 مارچ کو کوئٹہ میں اور 27مارچ کو پشاور میں عظیم الشان تحفظ مدارس دینیہ کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ جمعرات کے روز وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر اہتمام ملک گیر تحفظ مدارس دینیہ واسلام کا پیغام امن کانفرنسوں کے سلسلے میں جامعہ عثمانیہ پشاور میں منعقدہ چوتھی کانفرنس میں ہزاروں کی تعداد میں علمائے کرام اور طلبہ نے شرکت کی، جہاں جامعہ عثمانیہ کے مہتمم مفتی غلام الرحمٰن نے جامعہ کی طرف سے ممتاز آئی اسپیشلسٹ حفیظ اللہ، پشاور یونیورسٹی کے ڈاکٹر حسانات، مفتی رفیع عثمانی، ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا سمیع الحق، مولانا فضل الرحمٰن، قاری محمد حنیف جالندھری اور دیگر شخصیات کو دینی اور سیاسی خدمات پر توصیفی شیلڈ پیش کیں، جبکہ صوبہ خیبر پختونخوا کے 134 پوزیشن ہولڈر طلبہ وطالبات کو جامعہ اکوڑہ خٹک کے نائب مہتمم مولانا انوارالحق اور مولانا سید الرحمٰن اوگی نے شیلڈ اور انعامات سے نوازا۔ اسی کانفرنس میں مختلف جماعتوں کے رہنماؤں کی طرف سے اتحاد ویکجہتی کا بھرپور

مظاہرہ بھی کیا گیا، جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن اور جمعیت علمائے اسلام (س) کے سربراہ مولانا سمیع الحق نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کر بلند کرتے ہوئے اظہار یکجہتی کا اظہار کر دیا اور ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہوئے گلے بھی ملے۔ مولانا سمیع الحق نے مولانا فضل الرحمٰن کو طالبان سے ہونے والے مذاکرات سے آگاہ کیا، جبکہ مولانا فضل الرحمٰن نے بھی انہیں مذاکرات کے حوالے سے تجاویز پیش کیں۔ اس موقع پر جمعیت علمائے اسلام کے مرکزی رہنما مفتی کفایت اللہ نے کانفرنس میں شریک ہزاروں علمائے کرام سے پوچھا کہ جمعیت علمائے اسلام کے دونوں دھڑوں کو ایک ساتھ دیکھنا چاہتے ہیں؟ تو شرکاء نے کھڑے ہو کر ان کی اس بات کی تائید کی اور نعرے لگائے، جس سے پنڈال نعروں سے گونج اٹھا۔ واضح رہے کہ دونوں رہنماؤں کے درمیان کافی عرصے سے کچھ دوریاں تھیں، پشاور میں ہونے والی کانفرنس میں دونوں نے ایک دوسرے کے گلے مل کر ان دوریوں کو قربتوں میں بدل دیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق دونوں رہنماؤں کے درمیان دوریاں ختم کرنے میں وفاق المدارس کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد حنیف جالندھری کی کافی کوششیں شامل ہیں۔ کانفرنس سے مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا فضل الرحمٰن، مولانا سمیع الحق، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا انوار الحق، مفتی غلام الرحمٰن، مفتی کفایت اللہ، مولانا قاضی عبدالرشید، مولانا حسین احمد اور دیگر علمائے کرام

نے خطاب کیا۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیع عثمانی نے اپنے بیان میں کہا کہ دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں، آج انہی مدارس کی وجہ سے پوری دنیا میں دین کا کام ہو رہا ہے۔ تشدد کے راستے پر چل کر اسلام نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ تمام خوبیوں کے باوجود امت مسلمہ کی ناکامی کا سبب اتحاد اور اتفاق کی کمی ہے۔ اس لے ہمیں آپس کے اختلافات کو بھولنا ہوگا۔ مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر کا کہنا تھا کہ آج پاکستان بلکہ پوری دنیا میں اسلام کی ترویج انہی دینی مدارس کی وجہ سے ہے، اس لے مدارس کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں، جسے ہمیں مل کر ناکام بنانا ہوگا۔ وفاق المداس العربیہ کے ناظم اعلیٰ قاری محمد حنیف جالندھری نے کہا کہ مدارس کا دہشت گردی، فرقہ واریت سے کوئی تعلق نہیں، مدارس وہ کام سرانجام دے رہے ہیں، جو حکومت کو کرنا چاہیے تھا، دینی مدارس ملک کی شرح خواندگی بڑھانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ دینی مدارس یہاں قومی اور ملی وحدت کو فروغ دیا جاتا ہے۔ ایک مدرسے میں پشتون، پنجابی سرائیکی اور مہاجر ایک چھت کے نیچے بیٹھتے اور پڑھتے ہیں، لیکن آج تک ان میں، قومیت یا زبان کی تفریق کا کوئی واقعہ سامنے نہیں آیا۔ قومی سلامتی پالیسی کی آڑ میں ہماری آزادی، خود مختاری اور نصاب کو چھیڑا گیا تو اسے ہم برداشت نہیں کریں گے۔ جمعیت علمائے اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ مدارس کی حفاظت اپنے خون سے کریں گے۔ آج کل مدارس کے خلاف ہر طرف سے سازشیں ہو رہی ہیں اور یہ بین الاقوامی ایجنڈا ہے۔ علماء نے کانفرنس

کاانعقاد کرکے دنیاکو آج پیغام دیاہے کہ وہ امن کے داعی ہیں۔ جمعیت علمائے اسلام س) کے سربراہ مولانا سمیع الحق نے کہاکہ حکمران دینی مدارس کے خلاف غیر ملکی) آقاؤں اور ان کے نمک خواروں کے جھانسوں میں نہ آئیں ، دینی مدارس کے خلاف اقدامات اٹھانے والوں کا آج کوئی نام ونشان نہیں ۔ملک آج کل فتنوں کی زد میں ہے، اس نازک مرحلے میں وفاق العربیہ کے علمائے کرام نے امن کا جھنڈا اٹھا کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ امن کے داعی ہیں ،شروع دن سے مغربی قوتیں اسلام کے خلاف ہر محاذ پر نبرد آزما ہے ں، لیکن پہلے بھی انہیں ناکامی ہوئی تھی اور اب بھی ناکام ہوں گی۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان پشاور کانفرنس میں شریک نہ ہوسکے، لیکن انہوں نے اپنے بیٹے مولانا عبیداللہ خالد کے ذریعے پشاور کانفرنس کے شرکاء کے نام اپنا تحریری پیغام بھیجا، جسے مولانا عبیداللہ خالد نے پڑھ کر اجتماع کے شرکاء کو سنایا۔ صدر وفاق نے اپنے تحریری بیان میں حکمرانوں کو خبردار کیا کہ وہ مدارس کے بارے میں اپنے مذموم اور منفی عزائم سے باز رہیں۔ مدارس میں مداخلت کے منصوبے بنانے والے صفحہ ہستی سے مٹ کر رہ گئے۔ ارباب مدارس مدارس میں اخلاص وللّٰہیت کو رواج دیں۔ علماء وطلبہ بھی تقویٰ وپرہیزگاری اور اتباع سنت کو اپنا شعار بنائیں۔

وفاق المدارس العربیہ نے اپنے اعلامیہ میں کہا ہے کہ وفاق المدارس العربیہ

پاکستان اہل سنت والجماعت کا نہ صرف تعلیمی نیٹ ورک ہے، بلکہ اہل سنت والجماعت کے اتحاد کی علامت ہے۔ یہ اجتماع ضروری سمجھتا ہے کہ ملک جو نظریاتی اور سرحدوں کے بندھنوں کا حسین امتزاج ہے، ملک کے ہر فرد کو نظریاتی اور سرحدی حدود کی حفاظت کے لے اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ مدارس دینیہ چونکہ نظریاتی سرحدوں کے محافظ ہیں، اس لے ہم ایک لمحے کے لے اپنے فرائض سے غافل نہیں اور وعدہ کرتے ہیں بغیر کسی تامل و توقف کے یہ فرائض سرانجام دیتے رہیں گے۔ ہم یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ دینی مدارس ہدایت کے عظیم مقاصد کے لے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اگرچہ بعض قوتیں دہشت گردی اور انتہا پسندی کے ساتھ ہماری اصلاحی خدمات کو نتھی کر رہے ہیں مگر ہم انشاء اللہ بغیر اشتعال میں آئے ہدایت کے ذرائع، اصلاحی خدمات اور خالق و مخلوق کے رابطے کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں گے۔ جہالت کے خلاف جہاد کرتے، اندھیروں کی جگہ روشنیوں کا انتظام کرتے رہیں گے۔ ہم اتحاد کی دعوت کو ضروری سمجھتے ہیں کہ ملک میں انتشار نہیں اتحاد کی ضرورت ہے۔ تمام وابستگیوں سے بالاتر ہو کر دین اور ملک کی حفاظت کے لے اتحاد پیدا کیا جائے۔ یہ اجتماع پاکستان کے تمام باشندوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ داخلی اور خارجی خطرات سے ملک و ملت کی حفاظت کے لے رجوع الی اللہ کا اہتمام کریں۔ ہم قیام امن کے لے مذاکرات کا راستہ ضروری سمجھتے ہیں اور حالیہ طالبان اور حکومت کے مذاکرات کا خیر مقدم کرتے ہیں اور حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس عمل کو

پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ سے باہر نکلا جائے اور خطے میں امن کے لئے مثبت کردار ادا کیا جائے۔ کراچی کے دینی مدارس عدم تحفظ کا شکار ہیں، حکومت دینی مدارس کے علماء و طلبہ کی حفاظت کو یقینی بنائے۔ ملک میں شریعت مطہرہ کا نفاذ کیا جائے، ہم اس کو ملک کے قیام کا اساسی مطالبہ ضروری سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شریعت کا نفاذ تمام مسائل کا حل ہے۔ ملک کی سرحدی اور نظریاتی حدود کی حفاظت کا وعدہ کرکے ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو امن کا گہوارہ بنائے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ وفاق المدارس العربیہ کی جانب سے ملک بھر میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں کا سلسلہ کامیابی سے جاری ہے، ہزاروں کی تعداد میں افراد ہر کانفرنس میں شریک ہو کر ملک میں مدارس دینیہ کی اہمیت اور ضرورت کو اجاگر کررہے ہیں، لیکن چند ایک اخبارات کے سوا مکمل ملکی میڈیا صحافت کے اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان خبروں کو کوریج نہ دے کر جانبداری کا مظاہرہ کررہا ہے، نہ کسی چینل پر ان کانفرنسوں کو کوئی کوریج دی جارہی ہے اور نہ ہی اخبارات میں نمایاں جگہ دی جارہی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ میڈیا بھی مدارس مخالفین کا کردار ادا کررہے ہیں، میڈیا کو چاہیے ملک میں اتنے بڑے ہونے والے پرامن اجتماعات کو نظرانداز نہ کرے بلکہ ان کو کوریج دے کر حقیقت میں صحافیانہ ذمہ داری پوری کرے۔

کانفرنس میں متفقہ منظور کی گئی قرارداد

کانفرنس میں متفقہ طور پر منظور کی گئی قرارداد میں کہا گیا کہ حکومت اور تمام سرکاری ادارے تمام اہل پاکستان اور علمائے کرام کے تحفظ کے سلسلے میں سنجیدہ کوشش کریں۔ حکومت مغرب کی اسلام دشمن حکومتوں کے اتباع کی بجائے اسلامی ممالک سے مخلصانہ روابط بڑھائے۔ حکومت مصلحت کوشی چھوڑ کر جرات مندانہ اقدامات سے عروس پاکستان کراچی کو پر امن شہر بنائے۔ وفاق المدارس العربیہ کا اجتماع مدارس اسلامیہ پر بے جا پابندیوں کی پر زور مذمت کرتا ہے اور نت نئے ضوابط و قوانین اور اپنے اسلامی حقوق کے سلسلے میں پابندیوں اور مشکلات کو ختم کیا جائے۔ یہ اجتماع جامعہ امداد العلوم پشاور کے مہتمم جناب حاجی محمد اسحاق بن مولانا فقیر محمد رحمہ اللہ اور ان کے بھائی حاجی عبد الودود بن مولانا فقیر محمد رحمہ اللہ کے بہیمانہ قتل پر گہرے دکھ کا اظہار کرتا ہے اور دونوں مرحوم بھائیوں کے لیے مغفرت اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ میڈیا پر آئے دن فحاشی اور عریانی کی ترغیب کو گہری تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اسے آئین پاکستان کی واضح خلاف ورزی قرار دیتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ میڈیا کو مادر پدر آزاد فحاشی پھیلانے پر پابندی لگائی جائے اور میڈیا کو اسلامی معاشرے کی تشکیل میں معاون کردار ادا کرنے کا پابند کیا جائے اور قومی اسمبلی میں اس کے لیے ضروری قانون سازی کی جائے۔ پاکستان کے اساسی مقاصد کی تکمیل کے لیے شریعت مطہرہ کا نفاذ

اور آئینی ادارہ اسلامی نظریاتی کونسل کی تمام سفارشات پر آئین کے مطابق کارروائی کی جائے، یہ اجتماع اس امر پر بھی تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ غیر ملکی طلبہ جو پاکستان میں نبوی علوم کی تشنگی بجھانا چاہتے ہیں، ان کو سفری دستاویزات ویزا وغیرہ میں بہت مشکلات پیدا کی جاتی ہیں۔ حکومت سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ غیر ملکی طلبہ کے تعلیمی ویزوں میں سہولت پیدا کرے۔ یہ اجتماع اس امر کو بھی تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ مدارس میں طلبہ کے کوائف کے بہانے حکومت کی مختلف ایجنسیاں مدارس کے داخلی نظام میں، مداخلت کرتی ہیں، جو تعلیمی نظام کی بقاکے لیے انتہائی پریشانی کا باعث ہے، اس سلسلے کو ختم کر دیا جائے۔ یہ اجتماع مملکت خداداد پاکستان کو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھتا ہے اور اس کی سرحدوں کی حفاظت بہت ضروری سمجھتا ہے، ابھی حال ہی میں پڑوسی ملک یاممالک کی طرف سے سرحدی خلاف ورزی کی دھمکیوں پر اپنی تشویش کا اظہار کرتا ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ قومی سلامتی پر کوئی سمجھوتا نہ کیا جائے۔ یہ اجتماع حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ آئینی تقاضوں کی تکمیل میں پورے ملک میں اسلامی نظام تعلیم و نصاب تعلیم نافذ کیا جائے۔

تھرپارکر: امداد سے محروم متاثرین سراپا احتجاج

تھرپارکر میں ہفتے کے روز مزید تین بچوں سمیت چار افراد غذائی قلت کی نذر ہوگئے، جبکہ اس سے ایک روز قبل ہی یہاں آٹھ افراد نے اسی وجہ سے دم توڑا تھا۔ یوں 3 ماہ کے دوران تھرپارکر میں قحط سالی سے ہلاکتوں کی تعداد 222 تک پہنچ گئی ہے اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ جبکہ وزیراعلیٰ سندھ کے کوآرڈی نیٹر اور تھر میں ریلیف سرگرمیوں کے انچارج تاج حیدر یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ تھرپارکر میں ہونے والی ہلاکتیں بھوک سے ہوئی ہیں، ان کا کہنا ہے کہ تھر میں یکم دسمبر 2013ء سے 28 مارچ 2014ء تک 201 اموات ہوئی ہیں۔ ان میں 51 مرد، 34 خواتین اور 116 بچے شامل ہیں۔ تھرپارکر میں اموات کی وجہ بھوک نہیں، بلکہ شدید سردی، نمونیا اور دیگر بیماریاں ہیں اور بچوں میں اموات کی بڑی وجہ قوت مدافعت کی کمی اور قبل از وقت پیدائش ہے، جب کہ خواتین کی اموات کی زیادہ تر وجوہ زچگی کے پیچیدہ مراحل ہیں۔ تاج حیدر کہتے ہیں کہ تھر میں ہسپتالوں میں ڈاکٹروں کی کمی کو پورا کرنے کے لیے 150 ڈاکٹرز مزید بھرتی کیے جائیں گے، جبکہ 70 کروڑ روپے کی لاگت سے تھر میں جدید ہسپتال قائم کرنے کے علاوہ 47 ہزار راشن بیگ مزید تقسیم کیے جائیں گے۔ تھر میں 1998ء کی مردم شماری کے مطابق ایک لاکھ 75 ہزار خاندان رجسٹرڈ

تھے، تاہم 2011-12 کے ریکارڈ کے مطابق اب ان خاندانوں کی تعداد 2 لاکھ 60 ہزار ہو گئی ہے۔ 2 لاکھ 60 ہزار خاندانوں میں 80 فیصد گندم کی تقسیم کا کام مکمل کرلیا گیا ہے۔ ایک لاکھ 71 ہزار 50 کلو گرام گندم کے بیگ تقسیم کیے گئے ہیں۔ نگر پارکر، اسلام کوٹ اور چھاچھرو میں 7 ہزار سے زاید گندم کے 50 کلو کے بیگ مزید تقسیم کیے جارہے ہیں، جب کہ صوبائی ڈیزاسٹر منیجمنٹ اتھارٹی نے 27 ہزار راشن کے بیگ تقسیم کیے ہیں، جن میں 14 غذائی اشیا شامل ہیں جب کہ ذرائع کا کہنا ہے کہ حکومتی دعوؤں کے برعکس اب بھی تقریباً 40 ہزار خاندان امدادی گندم سے محروم ہیں۔ دور دراز علاقوں میں بے سر و سامان لوگوں تک تاحال امدادی سامان نہیں پہنچ پایا۔ مٹھی ہسپتال میں 49 بچوں سمیت 86 افراد زیرعلاج ہیں، جب کہ ڈیپلو میں 2، اسلام کوٹ میں 62، نگر پارکر میں 28 اور چھاچھرو میں 18 مریض زندگی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اس کے ساتھ امدادی سامان میں بڑے پیمانے پر گھپلے بھی شروع ہوگئے ہیں اور جو راشن بیگ متاثرین میں تقسیم کیے گئے ہیں، ان کا وزن بھی درج مقدار سے کم ہے، تھرپارکر کے دور افتادہ علاقے چھاچھرو میں امدادی گندم نہ ملنے پر علاقہ مکینوں نے احتجاج بھی کیا ہے اور امداد فراہم کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ صورتحال سے تنگ آکر متاثرین نے امداد کی غیر منصفانہ تقسیم اور غبن کے خلاف سیشن کورٹ میں شکایتی درخواستیں جمع کروادی ہیں، اسلام کوٹ، ڈیپلو سمیت دیگر علاقوں کے کئی خاندان امدادی گندم اور چارہ نہ ملنے کی وجہ سے سندھ کے دیگر اضلاع کی طرف نقل

مکانی کر رہے ہیں، تاکہ وہاں فصلوں کی کٹائی کے عمل میں مزدوری کر کے کچھ معاوضہ کما سکیں۔ سرکاری امدادی سرگرمیاں سست روی کا شکار ہیں، جبکہ مویشیوں کے لیے فراہم کیے جانے والے چارے کے وزن میں بھی گھپلا سامنے آگیا ہے۔

دوسری جانب وفاقی حکومت نے متاثرین کے دکھوں پر مرہم رکھنے کے لیے ایک ارب روپے کی امداد کا اعلان کیا ہے۔ تھر میں بے نظیر انکم سپورٹ کارڈ رکھنے والے 77 ہزار خاندانوں کے اکاؤنٹس میں فی کس 6 ہزار 4 سو روپے کی پہلی قسط منتقل کی گئی، یہ رقم نجی بینکوں کی اے ٹی ایم مشینوں اور پرائیویٹ اومنی سینٹروں کے ذریعے نکالی جا سکتی ہے، وفاقی حکومت کی جانب سے بھیجی گئی امدادی رقم کا حصول متاثرین تھر کے لیے سراب بن گیا، وفاقی حکومت کی رقم کی اطلاع ملتے ہی ہزاروں افراد میلوں کا سفر طے کر کے مٹھی پہنچے، مگر یہاں پہنچ کر انہیں سوائے مایوسی کے کچھ نہیں ملا۔ مٹھی شہر کی چاروں اے ٹی ایم مشینیں بند تھیں، ان بند پڑی مشینوں کے باہر بھی لوگ آس و امید کے سہارے طویل قطاروں میں کھڑے رہے، شکایت کرتے بھی تو کس سے، ہفتہ وار تعطیل پر بینکوں پر بھی تالے پڑے تھے۔ شدید گرمی اور دھوپ میں خواتین اپنے بچوں کے ہمراہ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کے کارڈ اٹھائے بیٹھی رہیں۔ ان میں زیادہ تر خواتین نے نہ کبھی بینک دیکھے تھے اور نہ یہ جانتی تھیں کہ اے ٹی ایم مشین کیا ہوتی ہے۔ چیئرمین بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام انور بیگ کا کہنا تھا

کہ رقم تھر کے متاثرین کے اکاؤنٹ میں جمع ہو چکی ہے۔ اے ٹی ایم کے لیے رقم حیدرآباد اور کراچی سے تھرپارکر آتی ہے، تھر میں 3 اے ٹی ایم ہیں، 18 مراکز سے بھی رقم متاثرین میں تقسیم ہوتی ہے۔ 52 ہزار متاثرین اکٹھے آ جائیں تو اے ٹی ایم خالی ہو جاتی ہیں۔ حکومتی وعدے اور دعوؤں کے باوجود متاثرین دو وقت کی روٹی کے لیے مجبور ہیں۔ وزیراعظم میاں نواز شریف نے تھر متاثرین کو رقوم نہ ملنے کی شکایات کا نوٹس لیا اور ہدایت کی کہ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کے حکام فوری طور پر امدادی رقم کی فراہمی یقینی بنائیں۔ وزیراعظم نے یہ بھی ہدایت کی کہ رقوم کی تقسیم کے لیے اضافی مراکز قائم کیے جائیں۔ وزیراعظم کے نوٹس لینے پر مٹھی میں ایک اے ٹی ایم بحال کی گئی۔ مشین کے بحال ہوتے ہی متاثرین کا رش لگ گیا۔ تقریباً 13 لاکھ آبادی والے ضلع تھرپارکر میں صرف تین سے پانچ اے ٹی ایم ہیں، جن میں چار ضلعی ہیڈکوارٹر مٹھی اور ایک چھاچھرو میں ہے، جبکہ ڈیپلو، اسلام کوٹ اور نگرپارکر شہروں میں تو اے ٹی ایم مشین کا تصور بھی نہیں ہے۔ ماضی میں ضلع کی چند اے ٹی ایم مشینوں پر ایجنٹ مافیا کا قبضہ تھا، جو کمیشن لے کر بے نظیر انکم سپورٹ کارڈ کے تحت غریب لوگوں کو رقم نکال کر دیتے تھے۔ اب نجی بنکوں نے اے ٹی ایم بند کر دیں، جبکہ پرائیویٹ اومنی سنٹرز پر ادائیگی کے لیے تین ہزار روپے تک وصول کیے جا رہے ہیں۔ متاثرہ افراد نے کشمیر چوک میں دھرنا دیتے ہوئے ادائیگی کا طریقہ کار شفاف بنانے کا مطالبہ کیا ہے۔

واضح رہے کہ حکومت سندھ تھرپارکر میں جنم لینے والے المیے کو اپنی ذمہ داری ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہے،ان کا کہنا ہے کہ وہاں سب کچھ سردی کی وجہ سے ہوا ہے،حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ضلع تھرپارکر کے بعض حصوں کی آبادی کو تین طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے: ایک تو یہ کہ اس بار قحط زیادہ شدید تھا، سردی بھی اس بار غیر معمولی پڑی، تیسرے یہ کہ متاثرہ آبادی کو کھانے پینے کے سامان اور طبّی امداد کی فراہمی ناکافی اور غیر موثر تھی۔ان تمام مصائب کی وجہ قدرتی عناصر نہیں ہیں،مسلسل قحط سالی کی وجہ سے پانی کی قلّت کا ہوجانا قدرتی امر ہے، لیکن لوگ روایتی طور پر عارضی نقل مکانی کے ذریعے اس مشکل کا مقابلہ کرتے آئے ہیں۔ سردی کی شدت کی وجہ سے بچے اس لیے بیمار پڑے کہ انھیں صحت کی مناسب سہولتیں حاصل نہیں تھیں اور صورت حال جو بدتر ہوئی اس کی وجہ انتظامیہ کی ناکامی تھی، جس کی ذمہ داری حکومت سندھ پر ہے۔حکومت سندھ مانے یا نہ مانے لیکن تھرپارکر میں قحط، کمسن بچوں کی اموات اور علاج معالجے کا ناقص انتظام حکومت سندھ کی نااہلی اور" فرض ناشناسی" کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اگر حکومت پر عزم ہو تو پھر برسہا برس تک جاری لوگوں کی تکالیف کا خاتمہ کرنا بھی نا ممکن نہیں ہے، لیکن یہاں تو حکومت لوگوں کے مسائل حل کرنے میں پر عزم ہی نہیں تھی۔

سابق آمر پھنس گیا

پاکستان کی تاریخ کے غیر معمولی مقدمے "غداری کیس" میں پیر کے روز اس وقت بامعنی پیش رفت سامنے آئی، جب سابق آمر پرویز مشرف نے پولیس کی حراست میں عدالت میں پیش ہونے کی بجائے خود پیش ہونے کو ترجیح دی۔ 14 مارچ کو غداری کیس کی سماعت میں خصوصی عدالت نے پرویز مشرف کے ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کرتے ہوئے انہیں 31 مارچ کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم دیا تھا۔ لہٰذا پیر کے روز غداری کیس کی سماعت کرنے والی خصوصی عدالت کے احکامات کی تعمیل کے لیے پولیس کی خصوصی ٹیم آرمڈ فورسز انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی پہنچی، جہاں سے انہوں نے سابق صدر کو سیکورٹی کے سخت ترین انتظامات کے تحت عدالت پہنچایا۔ سیکورٹی کے لیے اے ایف آئی سی سے خصوصی عدالت تک کے راستے میں رینجرز، پولیس کمانڈوز اور حساس اداروں کے 2 ہزار سے زاید اہلکار تعینات کیے گئے تھے۔ اس کے علاوہ عدالت کے اطراف رینجرز کی بھاری نفری نے بھی سیکورٹی کے فرائض سرانجام دیے، جبکہ ریڈ زون میں غیر متعلقہ افراد کے داخلے پر پابندی عاید کی گئی۔ سابق جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف غداری کے مقدمے کی سماعت کے دوران صبح خصوصی عدالت میں پہنچے تو بینچ میں شامل جج صاحبان کمرہ عدالت میں موجود نہ تھے۔ کچھ دیر بعد ججوں کی

آمد ہوئی۔ ججوں کی آمد پر عدالت میں موجود دیگر افراد کے ساتھ ساتھ پرویز مشرف بھی کھڑے ہوئے، لیکن انھوں نے عدالت کو سلیوٹ نہیں کیا۔ سنگین غداری کیس کی سماعت جسٹس فیصل عرب کی صدارت میں تین رکنی بنچ نے کی۔ سابق صدر کی جانب سے بیرسٹر فروغ نسیم نے اپنا وکالت نامہ جمع کرایا۔ فروغ نسیم نے اپنے طور پر بہت کوشش کی کہ پرویز مشرف پر فرد جرم عاید نہ ہو، لیکن جب عدالت نے اسے تسلیم نہیں کیا تو پھر سابق فوجی صدر کے وکیل نے موقف پیش کیا کہ بے شک عدالت ان کے موکل پر فرد جرم عاید کر دے، لیکن چونکہ پرویز مشرف کی والدہ بیمار ہیں، اسے لیے ان کی تیمار داری کے لیے انھیں باہر جانے دیا جائے۔ علاج کے بعد وہ رضاکارانہ طور پر وطن واپس آ جائیں گے۔

خصوصی عدالت جب پرویز مشرف پر اس مقدمے میں فرد ج±رم عاید کرنے لگی تو عدالت نے براہِ راست پرویز مشرف سے نہیں کہا کہ وہ اپنی سیٹ پر کھڑے ہو جائیں، بلکہ بینچ کے سربراہ جسٹس فیصل عرب نے ملزم کے وکیل سے کہا کہ چونکہ قانونی تقاضا ہے کہ فرد جرم عاید کرتے وقت ملزم کو اپنی نشست سے کھڑا ہونا پڑتا ہے، اس لیے وہ پرویز مشرف سے کہیں کہ وہ کھڑے ہو جائیں۔ سابق فوجی صدر اپنی نشست پر کھڑے ہو گئے، جس کے بعد بینچ میں موجود جسٹس طاہرہ صفدر نے 5 نکاتی فرد جرم پڑھ کر سنائی، جس میں کہا گیا کہ پرویز مشرف نے بطور آرمی چیف 3 نومبر 2007ء کو ایمرجنسی نافذ کی، بنیادی حقوق معطل کیے، غیر آئینی اور

غیر قانونی طور پر پی سی او جاری کیا اور سنگین غداری کے مرتکب ہوئے۔ غیر آئینی اور غیر قانونی طور پر پاکستان کے آئین کو معطل کیا۔ غیر آئینی اور غیر قانونی حکم جاری کیا۔ A، کو شامل کیا گیا۔ آرڈر کے تحت آرٹیکل 175، 186 A آئین میں 270 ٹرپل میں ترمیم کی گئی۔ 20 نومبر 2007ء کو بطور صدر 270 C، 270 B، 218، 198 غیر آئینی و غیر قانونی طور پر آئینی ترمیمی آرڈر جاری کیا۔ پی سی او کے تحت چیف جسٹس پاکستان سمیت اعلیٰ عدلیہ کے کئی ججز کو برطرف کیا۔ بطور صدر ججوں کے حلف کا غیر آئینی اور غیر قانونی حکم جاری کیا۔ عدالت نے پرویز مشرف سے اس فرد جرم پر ان کے دستخط بھی لیے اور انھیں اپنے دفاع میں بولنے کی اجازت بھی دی۔ پرویز مشرف نے صحت جرم سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے جو کچھ بھی کیا ملک اور قوم کی بہتری کے لیے کیا اور ان پر عاید تمام الزامات بے بنیاد ہیں۔ انھوں نے ملک کو زراعت سے لے کر آئی ٹی کے شعبے تک ترقی دی، ملک کو آئی ایم ایف سے نجات دلائی، ڈالر کے مقابلے میں روپے کو مستحکم کیا۔ وہ قانون کی حکمرانی پر پختہ یقین رکھتے ہیں ،اب تک 16 مرتبہ مختلف عدالتوں میں پیش ہو چکے ہیں۔ ملک کے لیے اپنا خون بہایا ہے، وطن کے دفاع کے لیے دو جنگیں لڑی ہیں، اپنی زندگی کے 44 سال انھوں نے پاک فوج کو دیے۔ 1999ء میں جب انھوں نے اقتدار سنبھالا تو ملک دیوالیہ ہونے کے قریب تھا، لیکن انھوں نے ملک کا وقار بلند کیا۔ ان تمام باتوں کے باوجود انہیں غدار کہا جا رہا ہے، جس پر انہیں دکھ ہے۔ ان کے خلاف جو مقدمہ ہے وہ

انگریزی میں 'ہائی ٹریزن' تو کسی حد تک ٹھیک لگتا ہے، لیکن اس کا اردو ترجمہ یعنی غداری" کسی طور پر بھی مناسب نہیں ہے۔ ان کے اقتدار چھوڑنے کے بعد جن لوگوں" نے ملک کو بے دریغ لوٹا ان کے خلاف بھی کارروائی کی جائے۔ سابق صدر نے عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ عدالت میں پیش نہ ہونا ان کی انا کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ سیکورٹی خدشات کے ساتھ ساتھ ان کے صحت کا بھی مسئلہ تھا، جس کی وجہ سے وہ عدالت نہیں آ سکے۔ سابق فوجی صدر تمام نکات کاغذ پر لکھ کر عدالت لائے تھے اور عدالت ان کے بیان کو انتہائی انہماک سے سن رہی تھی۔ عدالت نے پرویز مشرف کے بیان کو عدالتی ریکارڈ کا بھی حصہ بنایا۔ اس موقع پر وکیلِ استغاثہ اکرم شیخ کا کہنا تھا کہ مقدمہ یہ نہیں کہ پرویز مشرف نے ملک یا قوم سے غداری کی ہے، بلکہ معاملہ آئین شکنی کا ہے اور ہم پرویز مشرف کی ملک و قوم سے وفاداری پر کیس نہیں کر رہے۔ فردِ جرم عاید کرنے اور فردِ جرم پڑھ کر سنانے میں فرق ہے اور پرویز مشرف کو بیرونِ ملک جانے کی اجازت دینے کا اختیار خصوصی عدالت کے پاس نہیں ہے۔ سابق فوجی صدر کو نومبر 2007ء میں ملک میں ایمرجنسی نافذ کرکے آئین کو پامال کرنے کے الزام میں آئین پاکستان کے آرٹیکل 6 کے تحت غداری کے مقدمے کا سامنا ہے اور اس مقدمے کی سماعت جسٹس فیصل عرب کی سربراہی میں خصوصی عدالت کا تین رکنی بینچ کر رہا ہے۔ انہیں 31 مارچ کو ہر صورت عدالت کے سامنے حاضر ہونے کا حکم دیا تھا تاکہ ان پر فردِ جرم عاید کی جاسکے۔ عدالت نے فیصلہ دے رکھا تھا کہ اگر

پرویز مشرف عدالتی احکامات ماننے سے انکار کرتے ہیں تو پولیس انہیں گرفتار کرکے عدالت میں پیش کرے اور اس سلسلے میں اسلام آباد پولیس کے افسران کی ٹیم بھی تشکیل دی گئی تھی۔ دوسری جانب اسلام آباد کی خصوصی عدالت نے سابق صدر پرویز مشرف کی بیرون ملک جانے کی درخواست نمٹا دی ہے۔ خصوصی عدالت کے فیصلے میں کہا گیا ہے کہ وفاقی حکومت نے سابق صدر پرویز مشرف کا نام ای سی ایل میں ڈالا تھا۔ ای سی ایل سے نام خارج کرنے کا کام عدالت کا نہیں بلکہ حکومت کا ہے۔

اطلاعات کے مطابق عدالت پیشی سے واپسی پر سابق صدر پرویز مشرف کی طبیعت دوبارہ خراب ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے سابق صدر کو دوبارہ آئی سی یو میں دوبارہ منتقل کر دیا۔ جنرل ریٹائرڈ پرویز مشرف کو ہسپتال میں داخل ہوئے 90 دن ہو چکے ہیں، مرض تو دل کا ہے لیکن ابھی تک کسی میڈیکل رپورٹ میں یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کا کیا علاج کیا جا رہا ہے۔ سنگین غداری کیس کے ساتھ " دل کا عارضہ " بھی طویل ہو کر رہ گیا ہے۔

آرمڈ فورسز انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی عدالت میں ان کی 7 جنوری کو جمع کرائی گئی رپورٹ میں 9 بیماریاں گنوائی گئی تھیں۔ ان میں سر فہرست تھی دل کی بائیں مرکزی شریان سے خون کی فراہمی کا غیر مستحکم ہونا۔ 24 جنوری کو پرویز مشرف کی میڈیکل رپورٹ میں بتایا گیا کہ انہیں مستقل نگہداشت کی ضرورت ہے، لیکن پرویز مشرف محسوس کرتے ہیں کہ

انجیو گرافی ہوئی تو غیر معمولی صورت حال پر قابو پانے کے لیے ملک میں جدید اسپورٹ سسٹم موجود نہیں، تاہم ماہر امراض قلب تو کچھ اور ہی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ دونوں سسٹم موجود ہیں۔ سی ٹی انجیو گرافی تو بیسک سریکنگ ہے، اس کے بعد تو انجیو گرافی ہوتی ہے، جو اے ایف آئی سے میں روزانہ 50 تک ہوتی ہوں گی۔پرویز مشرف 2 جنوری سے اے ایف آئی سی میں داخل ہیں، ان کا یہاں علاج معالجہ کیا ہو رہا ہے، لوگ نہیں جانتے۔تاہم ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ کسی مریض کے اتنا لمبا عرصہ ہسپتال میں رہنے سے ڈیپریشن سمیت نفسیاتی مسائل ہو سکتے ہیں، لیکن جو خود اپنی مرضی سے رہے، اسے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ بیمار شخص کے لیے ہسپتال میں رہنا پڑے تو مجبوری ہے، لیکن اگر خود کی مرضی بھی شامل ہو تو نفسیاتی اثرات نہیں پڑتے۔پرویز مشرف اتنے طویل عرصے سے ہسپتال میں کیوں رہ رہے ہیں یہ تو وہ خود ہی جانتے ہیں۔ وہ فوجی ہسپتال اے ایف آئی سی میں علاج کا سرکاری حق رکھتے ہیں اور وہ روم چارجز، ڈاکٹرز کی فیس، ٹیسٹ اور ادویات کے خرچے سے مبرا ہیں۔

واضح رہے کہ پرویز مشرف کا معاملہ گزشتہ سال سے زیر التوا ہے۔ گزشتہ سال 24 جون کو وفاقی حکومت نے سابق فوجی صدر پرویز مشرف کے خلاف غداری کا مقدمہ چلانے کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا کہ حکومت اس ضمن میں سپریم کورٹ کے فیصلے پر عمل درآمد کرے گی، جس کے تحت تین نومبر 2007ء کو اس وقت کے صدر اور آرمی

چیف جنرل پرویز آئین کو معطل کرکے غداری کے مرتکب ہوئے تھے، 27 جون کو حکومت نے پرویز مشرف کے خلاف غداری کا مقدمہ چلانے سے متعلق ایک چار رکنی تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دی تھی۔ نومبر میں وفاقی حکومت نے سابق فوجی صدر پرویز مشرف کے خلاف آئین کے آرٹیکل 6 کے تحت غداری کے مقدمے کی سماعت کے لیے جسٹس فیصل عرب، جسٹس یاور علی اور جسٹس طاہرہ صفدر پر مشتمل تین رکنی خصوصی عدالت تشکیل دی تھی۔ خصوصی عدالت نے وفاقی حکومت کی جانب سے پرویز مشرف کے خلاف غداری کے مقدمے کی سماعت کی درخواست منظور کرتے ہوئے انھیں 24 دسمبر کو طلب کیا تھا۔ سال رواں 2 جنوری کو خصوصی عدالت میں پیشی کے لیے جاتے ہوئے دورانِ سفر اچانک پرویز مشرف کو راولپنڈی میں فوج کے ادارہ برائے امراض قلب (آرمڈ فورسز انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی) میں داخل کروا دیا گیا تھا۔ پرویز مشرف کی میڈیکل رپورٹ کا جائزہ لینے کے بعد عدالت نے حکم دیا تھا کہ انھیں دل کی تکلیف نہیں اور وہ 16 جنوری کو عدالت حاضر ہوں۔ جنوری کے آخر میں خصوصی عدالت نے ان کے قابلِ ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کر دیے۔ خصوصی عدالت نے سابق صدر پرویز مشرف کو 18 فروری کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم دیتے ہوئے کہا تھا کہ عدم تعمیل کی صورت میں ناقابلِ ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کیے جائیں گے۔ لہٰذا سابق فوجی صدر پرویز مشرف پہلی مرتبہ 18 فروری کو اپنے خلاف غداری کے مقدمے کی سماعت کرنے والی خصوصی عدالت میں پیش ہوئے۔ 14 مارچ کو خصوصی عدالت نے ملزم پرویز مشرف کے پیش نہ ہونے پر ان

کے ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کر دیے اور انہیں 31 مارچ کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم دیا۔31 مارچ کو اسلام آباد میں خصوصی عدالت میں پرویز مشرف حاضر ہوئے تو ان پر فرد جرم عاید کر دی گئی ہے۔ پرویز مشرف پر فرد جرم عاید ہونے کے بعد پیپلز پارٹی کے رہنما شرجیل میمن کا کہنا تھا کہ غداری کیس میں وفاقی حکومت خود فریق ہے، جسے اس کیس کو انجام تک پہنچانا ہو گا۔ پرویز مشرف کا معاملہ وفاقی حکومت کے لیے کڑا امتحان ہو گا، دیکھنا یہ ہے کہ مشرف کو منطقی انجام تک پہنچایا جاتا ہے یا یہ سب کچھ عوام کے دکھاوے کے لیے ہے۔ جبکہ وزیر دفاع خواجہ آصف نے کہا ہے کہ آئین اور قانون کو توڑنا گھناؤنا جرم ہے اور پرویز مشرف کو اس کی سزا ضرور ملے گی۔پرویز مشرف کے معاملے پر حکومت پر کوئی دباؤ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی دباؤ قبول کریں گے، فوج اور حکومت ایک پیج پر ہیں۔ پرویز مشرف غدار ہیں انہیں آئین توڑنے کی سزا ضرور ملے گی، عدلیہ نے پرویز مشرف پر فرد جرم عائد کرکے ایک نئی تاریخ رقم کردی، فرد جرم جمہوریت کی مضبوطی کے لئے اہم سنگ میل ہے، غداری کیس میں عدالت جو بھی فیصلہ کرے گی حکومت اس پر عملد رآمد کرے گی جب کہ ایمرجنسی کے نفاذ کی حمایت کرنے والوں کو بھی کٹہرے میں لانا چاہیے۔ ایسے افراد سے جیلیں بھری پڑی ہیں جن کے رشتے دار بیمار ہیں، آئین انسانی ہمدردی کی بنیاد پر پرویز مشرف کو باہر اجازت نہیں دیتا ہم عدلیہ کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہیں۔ پرویز مشرف کی والدہ بیمار ہیں تو انہیں ایئر ایمبولینس کے ذریعے

پاکستان لانے کی پیش کش کرتے ہیں۔

پرویز مشرف پر فردِ جرم کی تفصیل

پہلا جرم: فوجی سربراہ کی حیثیت سے 3 نومبر 2007ء کو 1973 کے آئین کو معطل کر کے ملک میں غیر آئینی اور غیر قانونی ایمرجنسی کا نفاذ جو آئین میں غداری سے متعلق آرٹیکل 6 کی شق 2 کے تحت قابلِ سزا جرم ہے۔

دوسرا جرم: تین نومبر 2007ء کو عبوری آئینی حکم نامہ پی سی او 1 جاری کیا اور اعلی عدالتوں کے ججوں کو پی سی او کے تحت حلف اٹھا کر فرائض ادا کرنے کا پابند کیا اور ایسا نہ کرنے پر چیف جسٹس سمیت اعلی عدالتوں کے دیگر جج برطرف ہوئے۔

تیسرا جرم: تین نومبر 2007ء کو ملک کے صدر کو وقتاً فوقتاً 1973ء کے آئین میں ترمیم کا اختیار دیا۔ آئین کے آرٹیکل 9، 10، 15، 17، 19 اور 25 میں درج بنیادی شہری حقوق کو بھی معطل کر دیا۔

چوتھا جرم: 20 نومبر 2007ء کو بطور صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک آئینی ترمیمی کو آئین میں شامل کیا اور مختلف آئینی A حکم نامہ نمبر 5 جاری کیا، شق 270 ٹرپل آرٹیکلز میں ترامیم کیں جو آرٹیکل 6 کے تحت قابلِ سزا جرم ہے۔

پانچواں جرم: 14 دسمبر 2007 کو انہوں نے بطور صدر آئینی حکم نامہ نمبر 6 جاری کیا، جس کے تحت آئین میں مزید ترمیم کی گئی جو کہ غیر آئینی اقدام

تھا۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے سیکولر حلقوں کے اعتراضات مسترد کردیے

اسلامی نظریاتی کونسل کی جانب سے دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کی اجازت کو غیر ضروری قرار دیے جانے کے بعد ملک میں ایک نئی بحث کے آغاز کے ساتھ سیکولر حلقوں اور سندھ اسمبلی کی جانب سے اسلامی نظریاتی کونسل کو تحلیل کرنے کا مطالبہ بھی سامنے آچکا ہے۔اسلامی نظریاتی کونسل کے کردار، مخالفین کے اعتراضات اور دوسری شادی کے سلسلے میں مذہبی، قانونی اور تحقیقی پہلوؤں کے حوالے سے عابد محمود عزام نے اسلامی نظریاتی کونسل کے شعبہ تحقیق کے سربراہ الیاس خان اور رکن مولانا قاری حنیف جالندھری سے خصوصی گفتگو کی، جو نذر قارئین ہے

گفتگو: عابد محمود عزام

الیاس خان، سربراہ شعبہ تحقیق اسلامی نظریاتی کونسل

سوال: ان دنوں دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینے کے قانون کا ذکر بار بار کیا جارہا ہے، جبکہ اسلامی نظریاتی کونسل کا کہنا ہے کہ دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا ضروری نہیں ہے، ملکی قوانین کی رو سے یہ بات کس حد تک درست ہے؟

جواب: اسلامی نظریاتی کونسل کے مخالفین کہہ رہے ہیں کہ پہلے سے قانون موجود تھا کہ دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے پوچھا جائے گا، اب اسلامی نظریاتی کونسل نے کہا ہے کہ اس قانون کی ضرورت نہیں ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ 1961 کا جو فیملی لا ہے اس میں یہ بات سرے سے موجود ہی نہیں ہے، یہ قانون میں ہے ہی نہیں کہ دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینی ہوگی۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ سیکشن 6 میں قانونی سقم ہے اور وہ اسلامی تعلیمات کے خلاف بھی ہے۔ ایک بات تو یہ ہے کہ جو سیکشن 6 جس کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ ایک (ڈیڈلا) مردہ قانون ہے۔ ایوب خان کا بنیادی جمہوریتوں کا 1969 کا جو قانون تھا، اسی کے تحت ثالثی کونسل بنی ہوئی تھی، وہ ڈی سی کے انڈر ہوتی تھی، وہ اسی کا حوالہ دیتے ہیں، اب جو قانون کا نسٹیٹیوٹ بک میں ہے ہی نہیں تو اس پر عمل درآمد کیسے ہوگا، دوسری بات یہ ہے کہ اگر آپ نے دوسری یا تیسری شادی کرنی ہے تو اس کے لیے آپ کو ثالثی کونسل میں درخواست دینی ہوگی، اب اگر آپ نے اس صورت میں دوسری یا تیسری شادی کر لی کہ آپ نے اس کے لیے درخواست نہیں دی تھی تو پھر ایک سال قید اور پانچ ہزار روپے جرمانہ ہوگا۔ جب یہ ہو جائے گا تو اس قانون کے مطابق پہلی بیوی کے ساتھ انصاف ہو گیا۔ اب اس بات کی وضاحت کہیں موجود نہیں ہے کہ پہلی بیوی کے حقوق کیسے پورے ہوں گے، جو عدل کا تقاضا ہے، اس قانون میں پہلی بیوی کے ساتھ اس عدل کا کہیں ذکر ہی نہیں ہے۔ اب پہلی بیوی کو تو نان نفقے سے محروم ہو گئی، لیکن اس ظلم کے حوالے سے کوئی کچھ

نہیں بولتا، اب یہ قانون کہتا ہے کہ اس طرح دوسری شادی جائز ہونے کے باوجود اس کی رجسٹریشن نہیں ہوگی، اب ایک تو آپ نے "جرم" کرنے والے کو دو سزائیں ایک ساتھ دے دیں، یعنی وہ سزا بھی کاٹے، جرمانہ بھی بھرے اور دوسری بیوی کو قانونی بھی ثابت نہیں کرسکتا، اب آپ نے ان لوگوں کو بھی سزا دے دی جو جرم میں شریک نہیں تھے، اس میں دوسری بیوی کا کیا قصور ہے، اس طرح تو آپ نے اس کی شناخت بھی چھین لی۔ اب دوسری بیوی سے جو اولاد ہوگی، ان کے نہ تو شناختی کارڈ بن سکیں گے، نہ ہی پاسپورٹ اور نہ ہی دوسری ضروری دستاویزات بن سکتیں، اس طرح آپ نے ان بچوں سے ابوت کی شناخت بھی چھین لی۔ دوسری بیوی کا اس خاوند سے جو زوجیت کا تعلق ہے، قانون اس کی بھی نفی کرتا ہے۔ جبکہ یہی قانون دوسری شادی کو ناجائز یا باطل بھی قرار نہیں دے رہا، تیسری بات یہ ہے کہ ایوب خان کے بنیادی جمہوریتوں کا قانون جس کے تحت غیر منتخب نمائندے ہوتے تھے، اسی قانون کے تحت اس ثالثی کونسل کے فیصلے کے خلاف اپیل سننے کا حق بھی ڈپٹی کمشنر کو دیا ہوا ہے، جبکہ موجودہ بلدیاتی لاکے مطابق ڈپٹی کمشنر اور ضلعی پولیس افسر ضلعی ناظم کے ماتحت ہیں، احکامات بھی اسی سے لینے ہیں، جب خاوند سزا کاٹ کر آئے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ اس کے ذمے جو بیوی کا مہر ہے اسے دے، اگر وہ نہیں دے گا تو اس سے بطور ریونیو (بقایا جات) کے طور پر وصول کیا جائے گا، اب اگر اس طرح مہر کی رقم ریونیو کے طور پر حاصل کی جائے گی، تو وہ پہلی بیوی کو تو نہیں ملے گی، کیونکہ ریونیو کے

طور پر جو رقم وصول ہوتی ہے وہ کبھی کسی فرد کو نہیں مل سکتی۔ اب ایک تو اس سیکشن کے تحت کئی قانونی سقم بھی سامنے آتے ہیں اور دوسرا یہ کہ اس صورت میں عدل کے تقاضے بھی پورے نہیں ہوتے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس قانون کے تحت زیادہ سزا اس فرد کو ملی جس نے کوئی جرم سرے سے کیا ہی نہیں۔

سوال: بعض ارکان سندھ اسمبلی کا کہنا ہے کہ شادی کی کم سے کم حد مقرر نہ کرکے اسلامی نظریاتی کونسل نے بے حسی کا مظاہرہ کیا ہے، شادی کی کم سے کم عمر کے حوالے سے اسلامی نظریاتی کونسل کا کیا موقف ہے ؟

جواب: اسلامی نظریاتی کونسل نے صرف یہ کہا ہے کہ اولیا نکاح کروا سکتے ہیں، شادی نہیں۔ شادی تب ہوگی جب وہ بالغ ہوں گے، کونسل نے کہا ہے کہ ان کو خیار بلوغ حاصل ہے، بالغ ہونے کے بعد وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں یہ شادی منظور نہیں ہے۔ کونسل نے صرف نکاح پڑھانے کی بات کی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر آپ کم عمری کی شادی کو جرم قرار دے رہے ہیں، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا نکاح بھی تو کم عمری میں ہوا تھا، ان کا نکاح 6 یا 9 سال کی عمر میں ہوا تھا۔ اگر رشتے داروں کی آپس میں اپنے بچوں کی نکاح کروانے کی خواہش ہو، دونوں بچوں کے والدین بھی راضی ہوں، اگر وہ ان بچوں کا نکاح کروادیتے ہیں اس پر تو پابندی نہیں ہے، لیکن ان کو رخصت کرنا ظلم ہے۔ کونسل نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ ان کو خیار بلوغ حاصل ہوگا۔ بچے بڑے ہو کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ.

ہمیں یہ نکاح منظور نہیں ہے۔

سوال: اسلامی نظریاتی کونسل کا کردار کیا ہے اور آپ شعبہ تحقیق کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے کونسل کے کردار سے کس حد تک مطمئن ہیں؟

جواب: میں اس شعبے کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس کونسل کا کوئی بھی فیصلہ اسلامی احکامات کے خلاف نہیں ہوتا، اس میں معاشرتی مسائل کا ہر طرح کا ادراک ہوتا ہے، آئینی اور قانونی نقطہ نظر بھی سامنے رکھا جاتا ہے، جو مسائل اور فیصلے معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں، ان پر بحث ہوتی ہے، اس لیے میں اس ادارے کی کارکردگی سے مکمل طور پر مطمئن ہوں۔

رکن اسلامی نظریاتی کونسل مولانا قاری حنیف جالندھری

سوال: ان دنوں ملک میں اسلامی نظریاتی کونسل کی مخالفت زور پکڑتی جارہی ہے، سندھ اسمبلی میں اس کونسل کو ختم کرنے کی قرارداد بھی منظور کی جاچکی ہے، آپ اس حوالے سے کیا کہتے ہیں؟

جواب: اسلامی نظریاتی کونسل ایک آئینی اور قانونی ادارہ ہے، اس کو تحلیل کرنے کا مطالبہ اور قرار داد ملک کو سیکولر بنانے کی ناکام کوشش ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی مخالفت اس پس منظر میں کی جارہی ہے تاکہ ملک اسلامائزیشن کی بجائے سیکولزم کی طرف جائے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے جو سفارشات دی ہیں،

وہ قرآن و سنت کی روشنی میں دی ہیں، ہونا تو یہ چاہیے کہ پارلیمنٹ ان سفارشات پر بحث کرے اور ان پر غور کرے، لیکن آج تک اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر غور نہیں کیا گیا۔

سوال: بعض حلقے اسلامی نظریاتی کونسل کی جانب سے زیادتی کے واقعات میں ڈی این اے رپورٹ کو شہادت تسلیم نہ کرنے اور دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کی اجازت کو ضروری قرار نہ دینے پر تحفظات کا اظہار کر رہے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: مختلف این جی اوز اور متعدد ممالک پاکستان میں اسلامائزیشن، اسلامی ثقافت اور اسلامی تہذیب و تمدن کو پسند نہیں کرتے، وہ ہی اسلامی نظریاتی کونسل اور اسلامائزیشن کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل تو قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لیتی ہے، وہ کسی کی خواہش کی پابند نہیں ہے، اس قسم کی خواہشات دراصل ہمارے ملک کے داخلی اور مذہبی معاملات میں کھلی مداخلت ہے۔

سوال: اقوام متحدہ کے ایلچی گورڈن براؤن نے کہا ہے کہ جدید دنیا میں کم سنی کی شادی قبول نہیں، اس کے ساتھ انہوں نے پاکستان کو کم سنی کی شادی سے پاک کرنے کے لیے امداد کی پیشکش بھی کی ہے، آپ ان کے اس بیان کو کس نظر سے

دیکھتے ہیں؟

جواب: اصولی بات یہ ہے کہ اقوام متحدہ کا چارٹرڈ اس بات کا پابند بناتا ہے کہ ہر ملک کو آزادی حاصل ہو، خود مختاری ہو، ان کے ایسے بیانات ہمارے ملک کے ریاستی نظام اور ہمارے دین و مذہب میں کھلی مداخلت ہیں۔ یہ اقوام متحدہ کے چارٹرڈ کی بھی کھلی خلاف ورزی ہے۔ جس طرح وہ خود ہر چیز میں آزاد ہیں، اسی طرح ہم پاکستانیوں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ اپنے ملک کے اندر جو نظام پسند کریں وہی نظام رائج اور نافذ کریں۔ حکومت پر لازم ہے کہ وہ ہر ایسی مداخلت جس سے ملک کی آزادی، خود مختاری اور سلامتی متاثر ہو اس مداخلت کو روکے اور ایسی امداد جس سے ہمارے ملک کے نظریے اور دینی تشخص پر کمپورمائز اور سمجھوتا کرنا پڑتا ہو، ایسی کوئی امداد قبول نہیں کرنی چاہیے۔

سوال: بعض ارکان سندھ اسمبلی کا کہنا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل ناکام ہوچکی ہے، اس سے جان چھڑا لینی چاہیے، اس قسم کا مطالبہ کیوں کیا جارہا ہے؟

جواب: یہ صرف جذباتی باتیں ہیں، ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، وہ ہوائی باتیں کررہے ہیں، وہ یہ حوالہ دیں کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی فلاں سفارش قرآن و سنت کے خلاف ہے۔ کونسل کے خلاف قرار داد منظور کرنے والے حضرات اس حوالے سے کوئی دلیل نہیں دیتے ہیں۔ کونسل اسلامی ادارہ ہے، جو کہ قرآن و

سنت کے مطابق کام کرتا ہے۔ اس کی مخالفت کرنے والے لوگ جو بھی قرار داد پیش کریں وہ قرآن و سنت کی روشنی میں ہونی چاہیے، ہوائی باتیں نہ کریں۔ یہ لوگ اگر اسلامی نظریاتی کونسل کے حوالے سے اپنا موقف دینا چاہتے ہیں تو متعلقہ فورم پر دیں۔

سوال: آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اسلامی نظریاتی کونسل کو ختم کرنے کے مطالبے پر عمل ہو سکتا ہے؟

جواب: اسلامی نظریاتی کونسل کی جو مخالفت ہو رہی ہے، یہ سب کچھ ملک کو اسلامائزیشن سے سیکولرازم کی طرف لے جانے کی کوشش ہے، اسلامی نظریاتی کونسل کی مخالفت کرنے والوں کا یہ خواب ان شاءاللہ کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا، ملک کو اسلامی بنانا، اٹھارہ کروڑ عوام کی آواز ہے۔

سوال: جس طرح بعض حلقے اسلامی نظریاتی کونسل کی مخالفت کر رہے ہیں، اس کونسل کی اسپورٹ میں کون لوگ ہیں؟

جواب: پاکستان کی اکثریت اسلامی نظریاتی کونسل کی حمایت کرتی ہے، یہاں اکثریت مسلمان ہے، سب مسلمان ملک میں اسلامی نظام چاہتے ہیں۔ اٹھارہ کروڑ عوام اسلامی نظریاتی کونسل کے ساتھ ہے اور ملک میں اسلام چاہتے ہیں۔ صرف چند لوگ ہی اپنی خواہشات یا کسی کے ایجنڈے پر کام کرتے ہوئے ملک کو سیکولزام کی

طرف لے جانا چاہتے ہیں۔انشاءاللہ وہ ضرور ناکام ہوں گے۔

سوال: اسلامی نظریاتی کونسل کا اچانک میڈیا ٹرائل کیوں شروع ہوگیا ہے، کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟

جواب: اسلامی نظریاتی کونسل اب زیادہ متحرک اور فعال ہے، اب وہ اپنا بہتر کردار ادا کررہی ہے، غیر اسلامی قوانین کے بارے میں سفارشات دے رہی ہے، روشن خیالی کے دور میں بنائے گئے غیر اسلامی قوانین کا اسلامی نظریاتی کونسل جائزہ لے رہی ہے، قرآن وسنت کی روشنی میں ان کو تبدیل اور مسترد کررہی ہے، اس وجہ سے کچھ لوگوں کو تکلیف ہورہی ہے اور وہ شور مچارہے ہیں۔

غیر اخلاقی ٹی وی پروگراموں کی بندش کی قرارداد منظور

منگل کے روز قومی اسمبلی نے ملک میں نجی اور سرکاری ٹی وی چینلوں پر غیر اخلاقی پروگراموں پر پابندی عاید کرنے کے حوالے سے جماعت اسلامی کے ایم این اے صاحبزادہ طارق اللہ کی جانب سے پیش کردہ قرارداد اتفاق رائے سے منظور کرلی گئی ہے۔ صاحبزادہ طارق اللہ نے قرارداد پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ جب ٹی وی کھولیں فحش پروگرام دیکھنے کو ملتے ہیں، جو آئین کے آرٹیکل 37 کے منافی ہے۔ پیمرا کے ضابطہ اخلاق کی شق میں بھی کہا گیا ہے کہ غیر اخلاقی اور فحش پروگرام نہیں دکھائے جا سکتے، لیکن اس پر عمل نہیں کیا جا رہا۔ جماعت اسلامی کے شیر اکبر خان نے قومی اسمبلی میں کہا کہ ملک میں 100 سے زاید چینل چل رہے ہیں، جن پر فحاشی و عریانی ہوتی ہے، یہ آئین کی متعدد شقوں کے خلاف ہے۔ اس وقت میڈیا پر فحاشی و عریانی کا بازار گرم ہے، جو پیمرا کے قواعد کے خلاف ہے۔ ٹی وی کے بعض پروگرام ہمارے کلچر اور اخلاقیات کے خلاف ہیں، حکومت فحاشی روکنے کے لیے اقدامات کرے۔

واضح رہے کہ متعدد بار عدالت میں چینلز پر فحاشی اور بداخلاقی پر مبنی مواد کی روک تھام کے لیے درخواست دائر کی جاچکی ہے، جس کے بعد متعدد بار عدالت

نے غیر اخلاقی ٹی وی پروگرامز کے حوالے سے پیمرا کے خلاف نوٹس بھی لیا اور سپریم کورٹ نے اپنے ایک فیصلے میں "پیمرا" کو اس بات کا پابند بھی کیا تھا کہ کیبل پر دکھائے جانے والے غیر قانونی انڈین اور دوسرے فحش چینلوں کو بند کیا جائے، مگر پاکستان بھر میں چینلوں پر ہر قسم کی گندگی بلا روک ٹوک دکھائی جارہی ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ میڈیا کے ذریعے قوموں کو بگاڑا بھی جاسکتا ہے اور سنوارا بھی جاسکتا ہے۔ اگر میڈیا مثبت کردار ادا کرے تو اس کے نتائج مثبت مرتب ہوتے ہیں اور اگر منفی کردار ادا کرے تو اس کے نتائج بھی منفی ہی برآمد ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک میں میڈیا کو مثبت کی بجائے منفی کردار کے لیے زیادہ استعمال کیا جارہا ہے۔ ملک بھر میں کیبل نیٹ ورک کے ذریعے درجنوں غیر قانونی چینل دکھائے جارہے ہیں، جن کو دیکھنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے، یہی مادر پدر آزاد چینلز ملک میں فحاشی کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کررہے ہیں، الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی تشہیر سامعین اور ناظرین کے اذہان پر دیگر طریقوں کی نسبت زیادہ اثرات مرتب کرتی ہے۔ تشہیر کی صنعت میں ناظرین کی آنکھوں کو خیرہ کرنے کے لیے عورت کو بطور آلہ اور ذریعہ استعمال کیا جارہا ہے۔ اشیاء اور خدمات کے سستے داموں استعمال کی ترغیب و تحریص کے لیے نیم برہنہ لباس میں ملبوس خواتین کا بطور آلہ استعمال ایک گھٹیا اور عالمی سطح پر مستعمل طریقہ تشہیر ہے۔ پردہ اسکرین پر جاذبیت میں اضافے کے لیے عورت کے استعمال اور اسے مال تجارت کے مساوی کر

دینے سے اس کی عزت نفس ختم ہو جاتی ہے۔

ہمارے ملک میں میڈیا کا احتساب نہ ہونے کے سبب میڈیا اس قدر آزاد ہوگیا ہے کہ چند ٹکوں کے عوض ٹی وی پر فحش اشتہارات کی بھرمار ہے، ٹی وی چینلز پر بھارتی تہذیب و ثقافت پر مبنی عریاں پروگرام نشر ہوکیے جاتے ہیں، جس سے نئی نسل کا اخلاقی دیوالیہ نکل گیا۔ چند سالوں سے تو ایک منظم منصوبے کے تحت فحاشی، عریانی کو فروغ دینے میں الیکٹرانک میڈیا بھرپور کردار ادا کر رہا ہے۔ اخلاقی اقدار سے گرے ہوئے اشتہارات اور فحاشی و عریانی پر مبنی پروگرامات نے قوم کی غیرت کا جنازہ نکال دیا ہے۔ سازش کے تحت مذہبی کلچر کو کچل کر فحاشی پر مبنی مغربی تہذیب کو ملک میں مسلط کیا جا رہا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا اور نجی ٹی وی اداروں نے قومی غیرت کی لوٹ سیل لگا دی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا میں فحاشی و عریانی پر مبنی اشتہارات، پروگرامات نہ صرف ہماری ثقافت و تہذیب پر حملہ ہے، بلکہ ہمارے آئین و قوانین کی بھی خلاف ورزی ہے۔

پاکستان کے دستور کے سیکشن دوئم میں لکھا ہے کہ ریاست پاکستان کا مذہب اسلام ہو گا اور قراردادِ مقاصد کی شقیں اس کا ایک اہم حصہ ہوں گی۔ آئین کا سیکشن 31 اسلامی طرز زندگی سے متعلق ہے، جس میں لکھا ہے کہ حکومت ایسے اقدامات اٹھائے گی جن کی بدولت پاکستان کے مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگیاں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں قرآن اور سنت کے مطابق

بسر کر سکیں گے۔ آئین کے سیکشن 37 میں سماجی انصاف دینے اور سماجی برائیاں ختم کرنے کا ذکر ہے، جس کے سب سیکشنز جی اور ایچ میں بڑے واضح انداز میں لکھا گیا ہے کہ پاکستان میں جسم فروشی یا بدکاری، جوا کھیلنے، نشہ آور دواؤں کے استعمال اور یعنی اسلام کی رو سے غیر شرعی بے حیائی، قابل حقارت اور بیہودہ لٹریچر Obscene اور اشتہاروں کے استعمال کی ریاست میں بالکل اجازت نہیں ہو گی۔

اسی قسم کی بے ہودگی اور فحاشی کو کنٹرول کرنے کے لیے ہمارے ملک میں "پیمرا" کے نام سے ایک ایسا ادارہ ہے، جو میڈیا کو نشریات کا لائسنس جاری کرنے کا کام کرتا ہے۔ یہ ادارہ لائسنس کے لیے ناگزیر چیزوں کو واضح کرتا ہے، جن میں نشر ہونے والے پروگرامات اور اشتہارات کے حوالے سے قواعد وضوابط شامل ہیں۔پیمرا قوانین کے تحت کسی بھی پروگرام کے مشتملات ،اس کے بنیادی خاکے اور تصورات کی رہنمائی کے لیے قواعد وضع کیے گئے ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا میں نشر کیے گئے پروگرامات کے مندرجات پر عوامی حلقوں کی جانب سے اٹھائے گئے اعتراضات کو جاننے اور قواعد پر عمل درآمد کے لیے مجالس شکایات (کونسلز آف کمپلینٹس) بھی قائم کی گئی ہیں۔

میڈیا کی تشہیر اور کیبل آپریٹرز کے حوالے سے پیمرا کا ضابطہ اخلاق یہ ہے کہ بدکاری کی حوصلہ افزائی کرنا یا کسی بھی طریقے سے بے شرمی پر ابھارنا، شہوانی جذبات بھڑکانا

اور غیر اسلامی اقدار کو فروغ دینے کی کسی بھی تشہیر کی اجازت نہیں ہے۔ ہر قسم کا ایسا مواد جو گھر، خاندان اور شادی کے تقدس کو پامال کرے یا غیر شائستہ، فحش یا توہین آمیز خیالات اور برتاؤ پر مشتمل ہو، وہ بھی ممنوع ہے۔اسی طرح ایسی تشہیر جو نظریہ پاکستان اور اسلامی اقدار کے منافی مواد پر مشتمل ہو اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔اس قانون کے تحت تشہیر کرنے والا اپنی تشہیر کو آئین پاکستان اور ملکی قوانین کو مد نظر رکھتے ہوئے اس انداز میں ترتیب دے کہ اس میں اخلاقیات ،شائستگی اور پاکستان کے مذہبی طبقات کے جذبات کی توہین کا کوئی پہلو نہ ہو۔ ہمارے آئین و قوانین میں اس قسم کے قواعد و ضوابط ہونے کے باوجود آج تک سختی سے ان پر عمل نہیں ہو سکا اور نہ ہی سرکاری سطح پر اس جانب کبھی توجہ دی گئی۔میڈیا پر غیر قانونی مواد کو کنٹرول کرنے کے لیے اگرچہ پیمرا نام کا ادارہ قائم ہے لیکن وہ بھی غیر متحرک و جامد۔حالانکہ میڈیا پر غیر اخلاقی و فحش مواد کو کنٹرول کرنے کے لیے دنیا کے بیشتر ممالک میں سخت قوانین مرتب کیے گئے ہیں، جن کے مطابق بے حیائی کے فروغ، غیر مہذب مواد اور تصاویر کی اشاعت اور عوام کے ذوق سلیم کو زک پہچانے والے مواد کی تشہیر پر سزا کا تعین کیا گیا ہے۔ کسی ایسے اشتہار کو شائع کرنے کی اجازت نہیں، جس میں عورت کے تحقیر آمیز امیج کو سامنے لایا جائے۔ خواتین کی ایسی تصویر کشی نہیں ہونی چاہیے جو خاندان اور معاشرے میں ان کے ماتحت اور ثانوی حیثیت کے کردار کی حوصلہ افزائی کا باعث ہو۔ اکثر

ممالک میں کیبل آپریٹر اس بات کی ضمانت دینے کے پابند ہیں کہ وہ کیبل پر نشر ہونے والے اپنے پروگرامات میں خواتین کی ایسی نمائندگی کریں گے جو ذوق سلیم اور شائستگی کے معیارات پر پوری اترتی ہوں۔ ہمارے ہاں قانون اور اس کے نفاذ کے نظام کی اصلاح اور قوانین پر سختی سے عمل کی ضرورت ہے۔ قومی اسمبلی میں اگرچہ میڈیا پر غیر اخلاقی ٹی وی پروگرامات کے خلاف قرارداد منظور ہو چکی ہے، لیکن اس پر عمل کروانے کے لیے سخت اور طویل جدوجہد درکار ہے۔

مصنوعی خول میں بند معاشرہ

مطالعے کا ذوق رکھنے والے یقیناً "غلام عباس" کے نام سے واقف ہوں گے۔ غلام عباس اردو ادب کے عظیم اور منفرد افسانہ نگار ہو گزرے ہیں۔ ان کی تحریریں آج بھی ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ ان کے افسانے دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ فنی طور پر بھی مکمل ہوتے ہیں، جن میں صداقت، واقعیت اور حقیقت پسندی کا وہ جوہر جھلکتا ہے جو افسانہ نگاری کی جان ہوتا ہے۔ غلام عباس نے اردو زبان کو ایسی عظیم تحریریں دیں کہ ان کا نام اردو زبان کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ انہوں نے اپنے افسانوں کی مدد سے نہایت سیدھے سادھے انداز اور سادہ سے الفاظ میں انسانی معاشرے کے تضادات اور منافقتوں کو انتہائی مہارت سے بے نقاب کیا ہے۔ ان کی زبان نہایت سادہ اور سیدھی ہے۔ کوزے میں دریا کو بند کرنا انہیں خوب آتا ہے۔ اختصار ان کی تحریر کا خاصہ اور جامعیت ان کی تحریر کا حسن ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑی بڑی باتیں کہہ جانا ان کی عادت ہے۔ وہ اپنی ننگی آنکھوں سے زندگی کی تلخ ، بے رحم سچائی اور حقیقت کو افسانے کا موضوع بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ان کی تحریریں انسانی خامیوں اور منافقوں کو اس انداز میں نمایاں کرتی ہیں کہ کوئی پہلو یا نشیب و فراز پوشیدہ نہیں رہ پاتا اور انسانی زندگی کے ظاہر و باطن کے

تضادات ، منافقتون اور انسانی معاشرے کے متضاد پہلوؤں کو اس بالغ نظری اور فنکارانہ بصیرت سے بے نقاب کرنا ہی ان کے مشاہدے کی گہرائی و گیرائی کا بین ثبوت ہے۔ ان کی تحریر تکلف، تصنع اور بناوٹ سے پاک ہوتی ہے۔ معاشرے کے رستے ہوئے ناسوروں کو کریدنے اور انہیں اجاگر کرنے کے لیے وہ معاشرے ہی کی زبان اور لب و لہجہ استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ انھوں نے افسانے کم ہی لکھے ، لیکن بہت خوب لکھے ہیں۔ انہی افسانوں میں "اور کوٹ" غلام عباس کا شاہکار افسانہ ہے ، جو ہمیں سبق حاصل کرنے اور سدھرنے کی دعوتِ فکر دیتا ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار تو" ایک خوش پوش نوجوان" ہے، لیکن حقیقت میں یہ افسانہ بحثیت مجموعی ہمارے معاشرے کا نقاب نوچ پھینکتا ہے، جس سے پورے معاشرے کی بدنمائی نمایاں ہوجاتی ہے کہ کس طرح ہم اپنی حقیقت کو چھپا کر جھوٹے نام و نمود اور دکھلاوے کی خاطر اپنی ذات کو ایک مصنوعی خول میں بند کیے رکھتے ہیں۔

اور کوٹ ایک خوش پوش اور فیشن ایبل نوجوان کے بارے میں ہے۔ لمبی لمبی قلمیں، چمکتے ہوئے بال، باریک باریک مونچھیں، سخت سردی میں بادامی رنگ کا گرم اوور کوٹ پہنے ہوئے جس کے کاج میں شربتی رنگ کے گلاب کا ایک ادھ کھلا پھول اٹکا ہوا، سر پر سبز فلیٹ ہیٹ ایک خاص انداز سے ٹیڑھی رکھی ہوئی، سفید سلک کا گلوبند گلے کے گرد لپٹا ہوا، ایک ہاتھ کوٹ کی جیب میں، دوسرے میں بید کی ایک چھوٹی چھڑی پکڑے ہوئے جسے یہ نوجوان کبھی کبھی مزے میں آ کے گھمانے

لگتا۔ یہ فیشن ایبل نوجوان اپنی مصنوعی شکل و صورت ، بادامی رنگ کے اوور کوٹ، فلیٹ ہیٹ، سفید سلک کے گلوبند اور ہاتھ میں تھامی ہوئی بید کی چھڑی سے اپنے آپ کو ایک مالدار گھرانے کا شخص ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ نوجوان لاہور کے مال روڈ پر اٹھکیلیاں کرتا اور دوکانوں سے مختلف اشیاء کی قیمتیں معلوم کرتا مٹر گشت میں محو تھا کہ اسی دوران اچانک اس کا ایکسڈنٹ ہوجاتا ہے۔ ایکسیڈنٹ کے بعد جب اس کے کپڑے اتارے گئے تو بظاہر خوش پوش اور مالدار نظر آنے والا نوجوان حقیقت میں بالکل برعکس ثابت ہوا۔ نوجوان کے گلوبند کے نیچے نکٹائی اور کالر کیا سرے سے قمیص ہی نہیں تھی۔ اوور کوٹ کے نیچے سے ایک بوسیدہ اونی سویٹر نکلا جس میں جا بجا بڑے بڑے سوراخ تھے۔ ان سوراخوں سے سویٹر سے بھی زیادہ بوسیدہ اور میلا کچیلا ایک بنیان نظر آ رہا تھا۔ جسم پر میل کی تہیں بھی خوب چڑھی ہوئی تھیں، البتہ گردن خوب صاف تھی اور اس پر ہلکا ہلکا پاؤڈر لگا ہوا تھا۔ پتلون کو پیٹی کی بجائے ایک پرانی دھجی سے خوب کس کے باندھا گیا تھا۔ بٹن اور بکسوے غائب تھے۔ دونوں گھٹنوں پر سے کپڑا مسک گیا تھا اور کئی جگہ کھونچیں لگی تھیں۔ بوٹ تو پرانے ہونے کے باوجود خوب چمک رہے تھے، مگر ایک پاؤں کی جراب دوسرے پاؤں کی جراب سے بالکل مختلف تھی اور دونوں جرابیں کافی زیادہ پھٹی ہوئی بھی ہوئی تھیں۔ اس کے اوور کوٹ کی مختلف جیبوں سے جو چیزیں برآمد ہوئیں وہ یہ تھیں۔ ایک چھوٹی سی سیاہ کنگھی، ایک رومال، ساڑھے چھ آنے، ایک بجھا ہوا سگریٹ، ایک چھوٹی سی

ڈائری، نئے گراموفون ریکارڈوں کی ایک ماہانہ فہرست اور کچھ اشتہار جو مٹر گشت کے دوران اشتہار بانٹنے والوں نے اس کے ہاتھ میں تھما دیے تھے۔

غلام عباس کے افسانے "اور کوٹ" میں ہمیں اپنے معاشرے کے ساتھ کافی حد تک مشابہت نظر آتی ہے۔ ہمارا معاشرہ بھی اس نوجوان کی طرح ایک مصنوعی خول میں بند دکھائی دیتا ہے، جس میں ہر فرد کی ساری توجہ جیب میں کچھ نہ ہونے کے باوجود اپنی حقیقت کو چھپا کر جھوٹی عزت حاصل کرنے کی خاطر تصنع اور دکھلاوے پر صرف ہوتی ہے۔ ہر فرد دوسروں کو خوش کرنے اور ان کی واہ واہ سننے کی تگ و دو میں مگن ہے۔ معاشرے میں اکثر معروف رسوم و رواج اسی دکھلاوے کی بدولت ہیں۔ آج کا انسان بے شمار ایسی رسومات میں بندھا ہوا ہے، جن کا مقصد صرف اور صرف دوسروں سے داد وصول کرنا ہے۔ ان رسومات میں صرف مالدار لوگ ہی شامل نہیں، بلکہ فاقوں زندگی گزارنے والے حضرات بھی پیش پیش ہوتے ہیں۔ مالدار گھرانوں میں شادی کرنے کے لیے اکثر و بیشتر سچائی کو چھپا کر جھوٹ اور دھوکا دہی سے کام لیا جاتا ہے۔ غریب گھرانے بھی مختلف رسومات میں اپنی غربت کو چھپانے کی غرض سے ہزاروں لاکھوں روپے اڑا دیتے ہیں، چاہے اس کے لیے کتنے ہی پیسے ادھار لینا پڑیں۔ شادی بیاہ پر بے تحاشہ خرچ کیا جاتا ہے۔ شادی کے موقع پر قیمتی سے قیمتی جوڑوں اور شاہی دستر خوان کا ہونا ضروری ہے۔ بیٹی کو اتنا جہیز دینا ضروری ہے جس سے علاقے میں شہرت ہو جائے، اگرچہ زیور گروی رکھ کر

انتظام کرنا پڑے۔ اگر اتنا جہیز نہ دیں تو ناک سلامت نہیں رہتی۔ حالانکہ شادی بیاہ میں بے جا رسوم، غیر ضروری نمود و نمائش اور اخراجات میں جذبہ تفاخر کے سبب معاشرے میں بے شمار برائیاں جنم لے رہی ہیں۔ اپنی ناک بچانے کی خاطر ایک غریب انسان کو اپنی بیٹی کے ہاتھ پیلے کرنے کے لیے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے یا پھر انہی رسوم کی وجہ سے غریب کی بیٹی کی شادی نہیں ہو پاتی۔ بچوں کی پیدائش اور کسی فرد کی وفات کی رسوم پر ناک بچانے کی غرض سے غریب گھرانوں کو بھی مجبوراً اندھا دھند پیسا خرچ کرنا پڑتا ہے۔

آج ہمارا پورا معاشرہ نمائش و نمود کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ آدمی اپنی ناک اونچی کرنے کی خاطر اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ نمود و نمائش کے لیے آدمی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی سوچ میں اپنی حقیقت کو چھپا کر اپنی استطاعت سے زیادہ خرچ کرتا ہے، جس کے لیے اسے قرض کے بوجھ سے پریشان رہنا پڑتا ہے یا ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے کی فکر کرنی پڑتی ہے۔ جس سے معاشرے میں منفی سرگرمیاں جنم لیتی ہیں۔ انسان ظاہری شان و شوکت اور ٹھاٹھ باٹھ کے ذریعے اپنی شخصیت کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ "حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے، خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے"۔

امن کو ترستا شہر

23 مارچ جہاں پورے ملک کے لیے خوشی کا دن ہے، وہیں اس سال 23 مارچ کو اہل کراچی کو یہ خوشی بھی نصیب ہوئی کہ شہر قائد میں کوئی شخص بھی ٹارگٹ کلنگ کا شکار نہیں ہوا اور کراچی میں ایک دن کا بھی ٹارگٹ کلنگ سے پاک گزر جانا کسی غنیمت سے کم نہیں ہے۔ قتل و غارت گری سے پاک دن قائد کے شہر کو کبھی کبھی ہی نصیب ہوتا ہے، کیونکہ بدامنی نے کراچی کے باسیوں کا جینا اجیرن کیا ہوا ہے۔ اس شہر بے اماں میں ہر وقت موت کے سائے منڈلاتے رہتے ہیں۔ روز نجانے کتنے لوگ اندھی گولیوں کا نشانہ بنتے ہیں۔ ہر فرد اپنی آنکھوں میں سجے ڈھیروں سارے سپنوں کی تکمیل چاہتا ہے، لیکن ہر چڑھتے سورج کے ساتھ مزید تلخ ہوتے حالات تمام خواب چکنا چور کردیتے ہیں۔ بکھرتے خوابوں کا یہ شہر برسوں سے قتل و غارت گری اور بے سکونی کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ ان حالات میں اگر یہاں صرف ایک دن بھی امن نصیب ہوجائے تو انہونی بات معلوم ہوتی ہے۔ کسی دور میں یہ شہر امن کا گہوارہ ہوا کرتا تھا، لیکن آج اس قدر بدامنی ہوچکی ہے کہ ٹارگٹ کلنگ سے پاک صرف ایک دن ہی نصیب ہوجانے پر بے انتہا خوشی محسوس ہوتی ہے، ماضی بتاتا ہے کہ کسی دور میں یہاں ہر دن ہی قتل و غارت گری اور بدامنی سے پاک ہوتا تھا، ہر طرف پیار و محبت

کا دور دورہ تھا، جب بھی کراچی کا ذکر آتا تھا تو اس کی محبت، اخوت، وسعت دامانی اور بھائی چارے کا تصور ذہن میں ابھرتا تھا۔ نہ دن کو کوئی خوف ہوتا تھا اور نہ ہی رات کو کسی کا ڈر۔ اس شہر کے دن اور رات یکساں جاگتے تھے۔ یہاں کے فٹ پاتھ اور پارک دن میں لوگوں کے لیے آمد و رفت اور تفریح کے مواقع فراہم کرتے اور رات کو غریب اور مزدوروں کا آشیانہ بن جاتے تھے۔ شہر میں بس سکون ہی سکون تھا، بدامنی کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

قیام پاکستان کے وقت کراچی تین لاکھ آبادی کا ایک انتہائی پرسکون تجارتی مرکز تھا، بعد ہندوستان اور ملک کے مختلف حصوں سے لاکھوں افراد نے کراچی میں پڑاؤ ڈالا۔ قیام پاکستان کے وقت اس شہر نے اپنے دامن میں بے شمار مہاجرین کو پناہ دی۔ انصار اور مہاجر ایک دوسرے کے دست و بازو بنے، جس سے شہر کی رونقیں دوچند ہوئیں، شہر نے ترقی کی اور دنیا کے نصف درجن کے قریب عظیم شہروں میں اس کا شمار ہونے لگا۔ اس کے دامن وسعت کو دیکھتے ہوئے پاکستان کے کونے کونے سے لوگ یہاں آئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس شہر کی آبادی دو کروڑ کو چھونے لگی۔ اس شہر نے ہمیشہ ایثار و محبت کو فروغ دیا اور ہر آنے والے کو اپنے دامن میں پناہ دی۔ ملک بھر سے کراچی کا رخ کرنے والے رزق کے متلاشیوں کو اس شہر نے کبھی مایوس نہیں لوٹایا، ایک ماں کی طرح اپنی آغوش میں پناہ دی۔ بیشتر لوگ تلاش معاش کے لیے کراچی میں آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

کراچی میں پاکستان کی تقریباً ہر نسل اور ہر قوم کے لوگ آباد ہیں۔خدا جانے اس شہر کو کس کی نظر بد لگ گئی، محبتوں کے شہر میں نفرتیں جنم لینے لگیں۔ روشنیوں کا شہر تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ جو شہر کبھی عروس البلاد کے نام سے مشہور تھا، "شہروں کی دلہن" زخموں سے چور چور اور لہولہان ہو گئی۔ ہر آنے والا دن ان زخموں میں اضافہ اور آتش فشاں بننے کی نوید سنانے لگا۔ اس کی سوگوار فضائیں آہ و بکا اور سسکیوں سے گونجنے لگیں، آشیانے ویران، بچے یتیم، بیویاں بیوہ اور ماؤں کی آنکھیں تاریک ہونے لگیں۔ اب تو ہواؤں میں تخریب کی ایک بو سی رچی بسی ہے، سرِراہ موت ننگا ناچ ناچتی ہے۔ دن میں تیرگی چھائی رہتی ہے اور سر شام ہی خوف کی حکمرانی قائم ہو جاتی ہے۔اسٹریٹ کرائم عروج پر ہے ں۔ بھتہ مافیا اور لینڈ مافیا کا راج ہے۔خوف کے سائبان تلے زندگی گزارنے والے ہزاروں تاجر زیادہ تر سرمایہ کاری بیرون کراچی منتقل کر چکے ہیں۔ ٹارگٹ کلنگ کے نتیجے میں ہزاروں گھروں کے چراغ گل ہو چکے ہیں۔ کراچی میں انسانی جان سمندر کے ساحل پہ بکھری ریت کے ذروں سے بھی ارزاں معلوم ہوتی ہے۔

کبھی کراچی کے نام سے روشنیوں، رونقوں اور رعنائیوں کا تصور انگڑائی لیتا تھا، آج کراچی کا نام سنتے ہی شعلوں میں لپٹی گاڑیوں، بے ہنگم برستی گولیوں، سائرن بجاتی ایمبولینسوں کا منظر نگاہوں میں ابھرتا ہے۔ کراچی کی

صورتحال اس قدر ابتر اور ناگفتہ بہ ہوچکی ہے کہ بعض بستیاں صرف لسانی بنیادوں پر قائم ہیں۔ مختلف مافیاؤں کی غیر قانونی سرگرمیوں کے علاوہ سیاسی جماعتوں کی طرف سے شہر پر قبضے کے رجحان نے بھی اس شہر کو بے اماں کیا ہے۔ مافیاؤں کے کارندے سیاسی جماعتوں کی صفوں میں گھس کر شہر میں مسائل کو دوچند کرنے کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ سیاسی بنیادوں پر جرائم پیشہ عناصر کی سرپرستی کی اطلاعات کئی بار میڈیا پر آچکی ہیں اور بعض سیاسی ارکان اس بات کا اقرار بھی کرچکے ہیں۔ اب تو آئی ایس آئی کے افسران نے بھی واضح الفاظ میں بتادیا ہے کہ کراچی میں لاقانونیت اور برائی کی ایک بڑی وجہ قانون شکن اور جرائم پیشہ عناصر کے سیاسی جماعتوں کے ساتھ روابط ہیں۔ کہاجاتا ہے کہ اس شہر میں نفرت کے بیج تو آمروں نے بوئے بعد میں ان بیجوں کو پانی دے کر تناور درخت سیاسی جماعتوں نے کیا ہے۔ یہاں سیاسی جماعتیں آپس میں دست و گریباں ہیں۔ حالانکہ پوری دنیا کا یہ اصول ہے کہ جب قوم، ملک یا کسی شہر پر مشکل اور کڑا وقت آجائے، اندرونی اور بیرونی سازشیں ہونے لگیں، سلامتی خطرے میں پڑجائے تو ان گمبھیر حالات میں تمام افراد، خواہ ان کا تعلق کسی بھی مکتب فکر، کسی بھی جماعت، کسی بھی حلقے سے ہو متحد ہوجاتے ہیں۔ اپنے ذاتی مفادات اور لڑائی جھگڑوں کو ختم کردیتے ہیں، باہم مل بیٹھ کر غور و فکر کرتے ہیں، سوچتے ہیں اور ملک وملت کی تعمیر کرتے ہیں، لیکن یہاں سارا معاملہ ہی الٹ ہے۔

موجودہ حالات میں کراچی کو امن کی انتہائی زیادہ ضرورت ہے۔اگرچہ وفاقی اور صوبائی حکومتوں نے کراچی میں ٹارگٹڈ آپریشن شروع کیا ہوا ہے، روزانہ کی بنیادوں پر کثیر تعداد میں مجرموں کی گرفتاری کی اطلاعات بھی اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں،اس کے باوجود جرائم و قتل وغارت گری کی شرح میں کوئی نمایاں کمی نظر نہیں آ رہی، اس بدامنی کا سد باب کرنا ضروری ہے۔ یہاں امن کی فراہمی سب سے پہلے حکومتوں کی ذمہ داری بنتی ہے، لیکن افسوس ! حکومتیں بھی اپنے مفادات کی تلاش میں ہی سرگرداں نظر آتی ہیں۔ یہاں قائم ہونے والی حکومتوں نے ہمیشہ اپنے فرائض سے پہلو تہی برتی اور کراچی میں امن کا مستقل قیام شاید کبھی حکومت کی ترجیحات کا حصہ ہی نہیں رہا۔ حکام مفادات کے مورچوں میں بیٹھے چین کی بانسری بجانے میں مصروف رہے۔ اس شہر کے لیے وسیع البنیاد ماسٹر پلان تیار نہیں کیا گیا،اگر کوئی ماسٹر پلان بنا اس پر عمل نہیں ہوا۔ حکومت کو چاہیے کہ اپنے مفادات کو پس پشت ڈال کر اور تمام سیاسی جماعتوں کو اپنے ساتھ ملا کر حقیقت پسندی، دانشمندی اور حب الوطنی کے ساتھ کراچی سے جرائم کا قلع قمع کرکے امن قائم کرے اور تمام سیاسی جماعتیں بھی اپنے اندر چھپی کالی بھیڑوں کو بے نقاب کرکے ہمیشہ کے لیے کراچی سے بدامنی کو ملیامیٹ کردیں اور امن کے قیام کا سبب بنیں۔ سب مل جل کر ہی کراچی میں امن قائم کر سکتے ہیں۔

صدارتی انتخاب: صرف شمالی افغانستان میں گہما گہمی رہی

ہفتے کے روز افغانستان بھر میں صدارتی انتخاب ہوا۔ صدراتی انتخاب کے لیے 11 امیدواروں نے کاغذات نامزدگی جمع کرائے تھے، مگر دو امیدواروں نے صدارتی امیدوار زلمے رسول کی حمایت کر دی، جس کے بعد آٹھ امیدوار انتخاب میں مدِمقابل رہے، جن میں عبداللہ عبداللہ، اشرف غنی احمد زئی، زلمے رسول، محمد داؤد سلطان زوی، قطب الدین ہلال، گل آغا شیر زئی، عبدالرب رسول سیاف، ہدایت امین ارسلہ تھے۔ افغان الیکشن کمیشن کے سربراہ احمد یوسف نورستانی کا دعویٰ ہے کہ ٹرن آؤٹ 50 فیصد سے زیادہ تھا، کیونکہ تقریباً 70 لاکھ افراد نے ووٹ کا حق استعمال کیا۔ مغربی میڈیا کے مطابق ہفتے کے روز افغانستان میں ہونے والا صدارتی انتخاب کامیاب رہا ہے، اس کے ساتھ مغربی میڈیا پر ووٹنگ کے لیے طویل قطاریں بھی دکھائی جارہی ہیں، جن میں افغان باشندے اپنے نئے صدر کو منتخب کرنے کے لیے اپنا حق رائے دہی استعمال کررہے ہیں اور شمالی افغانستان اور قابل میں ووٹنگ کے لیے بنائی گئی ان قطاروں کی تصاویر دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ افغان عوام نے طالبان کو مسترد کردیا ہے، جو انتہائی خوف کے عالم میں بھی ووٹ ڈالنے کے لیے نکلے ہیں۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ افغانستان میں اس انتخاب سے جمہوریت کامیاب ہوگئی ہے۔ حامد کرزئی نے صدارتی انتخاب کے انعقاد

کو ایک کامیابی قرار دیتے ہوئے کہا کہ افغان عوام نے جمہوریت کے لیے حمایت ظاہر کر دی ہے۔ وائٹ ہاوس سے جاری بیان کے مطابق امریکی صدر براک اوباما نے کہا ہم انتخاب کے لیے ٹرن آوٹ پر افغان عوام، سیکورٹی فورسز اور الیکشن حکام کو خراج" تحسین پیش کرتے ہیں۔ یہ انتخاب افغانستان کے جمہوری مستقبل کے تحفظ اور بین الاقوامی حمایت جاری رکھنے کے لیے ضروری تھے۔" برطانیہ کے وزیر خارجہ ولیم ہیگ نے ایک بیان میں کہا یہ افغان عوام کی ایک عظیم کامیابی ہے کہ تشدد کے خطرے کے باوجود بچے بوڑھے، جوان، مرو اور خواتین اتنی بڑی تعداد میں نکلے اور ملک کے مستقبل کے لیے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ نیٹو کے فوجی اتحاد آنیرس فوراس موسن نے افغانستان کے انتخاب کو تاریخی موقع قرار دیتے ہوئے کہا کہ میں لاکھوں افغان مرد و خواتین کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، کے انہوں نے اس قدر پرجوش انداز میں اتنا بڑا ٹرن آوٹ دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ افغانستان میں ہونے والے صدارتی انتخاب کو کامیاب قرار دینا اور ملک میں طالبان کی شکست قرار دینا کسی طور بھی درست نہیں ہے، مغربی میڈیا افغان الیکشن میں آدھا سچ بول رہا ہے، کیونکہ افغانستان کے تمام علاقوں میں لوگوں نے یوں بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیا جس طرح تصاویر میں دکھایا جارہا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کی جانب سے بیان کردہ ٹرن آؤٹ پورے ملک کا نہیں ہے، بلکہ صرف شمالی افغانستان یا قابل کا ہے اور جنوبی افغانستان

میں ٹرن آؤٹ انتہائی کم رہا ہے، اگرچہ شمالی افغانستان کے بعض حصوں میں لوگوں نے انتخاب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے، لیکن جنوبی افغانستان میں اکثریت نے طالبان کا ساتھ دیتے ہوئے یا ان کی دھمکیوں سے ڈرتے ہوئے انتخاب میں حصہ نہیں لیا۔ افغانستان کی آبادی اندازاً 28 ملین ہے، جس میں رجسٹرڈ ووٹروں کی تعداد 13.5 ملین تھی، جو کہ ایک کروڑ 35 لاکھ بتائی جاتی ہے۔ ملک کے کل 398 اضلاع میں سے پانچ اضلاع میں تمام انتخابی مراکز سلامتی کی وجوہات کی بنا پر بند رہے۔ افغانستان بھر میں 21 ہزار سے زاید پولنگ اسٹیشن قائم کیے گئے تھے۔ 211 پولنگ اسٹیشنز کو بند کرنا پڑا، مجموعی طور پر سیکورٹی خدشات کی وجہ سے 959 پولنگ اسٹیشنز پر ووٹ نہیں ڈالے جاسکے۔ بعض اطلاعات کے مطابق ملک بھر میں 10 فیصد پولنگ اسٹیشن بند رہے۔ ووٹنگ کا وقت صبح 7 بجے شروع ہو کر سہ پہر 5 بجے تک تھا، لیکن طالبان کے حملوں کے خوف سے دن کے شروع حصے میں ٹرن آؤٹ انتہائی کم رہا، جس کی وجہ سے ووٹنگ کے لیے ایک گھنٹہ مزید آگے بڑھانا پڑا۔ واضح رہے کہ ہفتے کے روز انتہائی خوف و ہراس کے عالم میں افغانستان میں صدارتی انتخاب کا انعقاد ہوا تھا۔ انتخاب کے لیے ملک بھر میں سیکورٹی کے سخت اقدامات کیے گئے تھے، پولیس، آرمی اور خفیہ اداروں کے تقریباً 4 لاکھ اہلکار مختلف مقامات پر تعینات تھے، تین ہزار گدھوں کو سامان کی ترسیل کے لیے استعمال کیا گیا۔ ملک بھر میں موبائل سروس معطل رکھی گئی، جب کہ کابل میں ٹریفک کا داخلہ بند رہا۔ پاکستان نے افغانستان میں

صدارتی انتخابات کے پیش نظر ہفتہ کو اپنی سرحد ہر طرح کی آمد و رفت کے لیے بند رکھی جبکہ فضائی نگرانی بھی کی گئی۔ پاکستانی فوج کے شعبہ تعلقات عامہ کے مطابق پاک افغان سرحد پر تمام "کراسنگ پوائنٹس" جمعہ کو ہی بند کر دیے گئے تھے۔ سرحد پر 20 مارچ سے ہی اضافی دستے تعینات کر دیے گئے تھے اور اس کا مقصد افغانستان میں پرامن انتخابات کو یقینی بنانے کے لیے افغان حکام کے اقدامات میں معاونت کرنا تھا۔ افغانستان میں الیکشن سے قبل طالبان نے دھمکی دیتے ہوئے خبردار کیا تھا کہ ووٹ ڈالنے والوں کو حملوں کا نشانہ بنایا جائے گا،اسی دھمکی کے پیش نظر افغانستان میں سینئر امریکی کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل مارک ملی کا کہنا تھا کہ افغانستان میں الیکشن کے دوران حیران کن اور خطرناک حملے کر سکتے ہیں۔ طالبان کا اولین مقصد یہ ہے کہ نیٹو افواج کو خوف زدہ کیا جائے اور پورے افغانستان میں دہشت زدہ ماحول پیدا کیا جائے، لیکن اس کے باوجود افغانستان میں طالبان کی جانب سے الیکشن کے دوران اکا دکا ہی حملے کیے گئے۔ یہ ایک اہم سوال ہے کہ الیکشن سے قبل طالبان کی جانب سے دھمکی دیے جانے کے باوجود حملے نہیں کیے گئے،اس کے جواب میں بعض مبصرین کا کہنا ہے کہ طالبان کی جانب سے ووٹروں کو نشانہ نہ بنانے کا مطلب یہ نہیں کہ افغانستان میں طالبان بڑی قوت میں نہیں ہیں۔ بلکہ طالبان افغانستان کی ایک بڑی قوت ہیں، ان کے ساتھ

مصالحت کے بغیر افغانستان میں دیرپا امن قائم نہیں ہو سکتا۔ جو بھی نئی حکومت سامنے آئے، اس کے لیے سب سے بڑا چیلنج طالبان ہی ہوں گے، اس لیے انتخابی عمل کی کامیابی کے زعم میں مبتلا ہو کر طالبان کو نظرانداز کرنے یا کچلنے کی کوشش انتہائی نقصان دہ ہوگی۔ طالبان نے حکمت عملی کے تحت افغان انتخابات میں حملے نہیں کیے، ورنہ انہوں نے افغان انتخابات سے قبل ملک بھر میں 1088 حملے کیے ہیں، جن میں سیکڑوں سیکورٹی اہلکار ہلاک ہوئے، حالیہ دنوں میں بھی انہوں نے کابل اور دوسرے انتہائی اہم اور حساس مقامات پر بڑے بڑے حملے کیے ہیں، جس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ طالبان حملوں کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں، اگر وہ انتخابات سے پہلے الیکشن کمیشن اور دوسری اہم جگہوں پر حملے کر سکتے ہیں تو عام پولنگ اسٹیشنوں پر ان کے لیے حملے کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ اب اگر انہوں نے حملے نہیں کیے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ طالبان خود ہی انتخابات کو سبوتاژ نہیں کرنا چاہتے تھے، طالبان ان انتخابات کو اس لیے بھی سبوتاژ نہیں کرنا چاہتے تھے تاکہ امریکی نیٹو افواج کو اس جنگ زدہ ملک میں مزید قیام کا بہانہ ہاتھ نہ آسکے۔

تجزیہ کاروں کے مطابق طالبان کی انتخابات کو سبوتاژ کرنے کی دھمکیوں کے برعکس عمل اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ طالبان اس تاثر کو ختم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ بیرونی افواج کے خلاف سینہ سپر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے

عوام کے بھی خلاف ہیں اور عوام پر حملے کرنے ان کی پالیسی ہی نہیں ہے، اگر عوام پر حملے کرتے ہیں تو اس سے عوام کے اندر طالبان کا امیج کچھ اچھا نہ بنتا، اس لیے انہوں نے عوام کو بچانے کے لیے اور اپنی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے الیکشن پر حملے نہیں کیے۔ الیکشن کے بعد طالبان کی جانب سے جاری ہونے والے بیان سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عوام کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے ہیں، طالبان رہنماؤں کا کہنا تھا کہ وہ جمہوری نظام کو تسلیم نہیں کرتے، افغانستان کو طاقت کے زور پر آزاد کروا کر اسلامی نظام نافذ کریں گے۔ جن لوگوں نے انتخابی جلسوں میں شرکت کی وہ سیاسی امور کا ادراک نہیں رکھتے اور شہروں میں دشمن کی چھتریوں کے تلے زندگی گزار رہے ہیں۔ غیر ملکی فوجوں کی موجودگی میں انتخابی عمل محض ڈرامہ ہے۔ لوگوں کی جلسوں میں شرکت کا یہ مطلب نہیں کہ طالبان، جنہوں نے گزشتہ تیرہ برسوں میں دنیا کی سب سے بڑی قوت کا مقابلہ کیا اور ان کو شکست سے دوچار کیا، ختم ہو گئے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ افغان صدر حامد کرزئی نے طالبان کو اپنے عمل سے یقین دلایا تھا کہ وہ ان کے خلاف نہیں ہیں اور انہیں مستقبل کی سیاسی قیادت کا حصہ بنانے پر بھی تیار ہیں۔ افغان صدر نے کچھ ایسے پیغامات بھی طالبان تک پہنچائے جن سے طالبان کو تسلی ہو گئی کہ ان کی جگہ جو بھی کابل میں اقتدار سنبھالے گا ان کی پالیسیوں سے انحراف نہیں کرے گا، خاص طور پر امریکا کے فوجی انخلاء کے بعد چند ہزار فوج وہاں رکھنے کے معاہدے پر دستخط نہیں کرے گا۔

مذاکرات مخالف قوتیں ایک بار پھر متحرک

ایک جانب حکومت طالبان مذاکرات خوش اسلوبی سے کامیابی کی جانب گامزن ہیں ،فریقین کی مذاکراتی کمیٹیاں مستقبل کو محفوظ بنانے کے لیے کوشاں و سرگرداں ہیں جبکہ دوسری جانب مذاکرات مخالف قوتوں کو یہ کامیابی ہضم ہوتی نظر نہیں آ رہی، وہ ان مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کے لیے ملک خداد پاکستان کو خون میں نہلانے کا عزم کر چکی ہیں۔ملک دشمن عناصر کی جانب سے متعدد بار مذاکرات کو تہ و تیغ کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے، لیکن ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔اس بار دہشتگردوں نے تباہی مچانے کے لیے پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد کو چنا ہے۔ بدھ کے روز اسلام آباد میں سیکٹر ایچ 11 میں واقع سبزی منڈی کے اندر صبح کے مصروف اوقات میں دھماکا ہوا ہے، جس سے اب تک کی اطلاعات کے مطابق 23 افراد جاں بحق اور 120 سے زیادہ زخمی ہوگئے۔زخمیوں میں بعض ایسے افراد ہیں جن کی حالت انتہائی تشویش ناک ہے۔اسلام آباد پولیس کے آئی جی خالد خٹک کے مطابق یہ سبزی منڈی علاقے کی بڑی منڈیوں میں سے ایک ہے اور یہاں کئی مختلف علاقوں سے پھلوں اور سبزیوں کے تاجر آتے ہیں۔ اس منڈی میں صبح سویرے ہی نیلامی شروع ہو جاتی ہے اور آج بھی یہ واقعہ ایک نیلامی کے دوران پیش آیا۔ اسسٹنٹ آئی جی اسلام آباد کے مطابق اس حملے میں تقریباً پانچ کلو دھماکا

خیز مواد استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے ایک روز قبل ہی منگل کو دن ایک بج کر دس منٹ پر کوئٹہ سے راولپنڈی جانے والی جعفر ایکسپریس جیسے ہی سبی ریلوے جنکشن پر پہنچی تو اس کی بوگی نمبر 9 میں زوردار بم دھماکا ہوا، جس کے نتیجے میں بوگی مکمل طور پر تباہ ہو گئی۔ دھماکے کے بعد ٹرین میں آگ لگ گئی۔ بم دھماکے کے بعد تین بوگیوں میں آگ بھڑک اٹھی، نعشیں جھلس کر ناقابل شناخت ہو گئیں۔ جعفر ایکسپریس میں بم دھماکے سے خواتین اور بچوں سمیت 17 مسافر مارے گئے اور 50 زخمی ہوئے۔ ڈی آئی جی سبی کے مطابق دھماکے میں 20 سے 25 کلو دھماکا خیز مواد استعمال کیا گیا۔ اس کے ساتھ منگل کے روز کراچی سمیت سندھ بھر میں 14 سے زاید دستی بم حملے ہوئے، جن میں اگرچہ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا لیکن متعدد افراد زخمی ہوئے اور شدید خوف و ہراس پھیل گیا۔ منگل کے روز ہی یونائیٹڈ بلوچ آرمی کے ترجمان نے جعفر ایکسپریس پر ہونے والے حملے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ بلوچ ترجمان کا کہنا تھا کہ یہ کارروائی پیر کے روز فرنٹیئر کور کی طرف سے تربت اور خضدار میں ہونے والی کارروائیوں کا ردعمل ہے، جبکہ انھوں نے پاکستانی عوام کو متنبہ کیا کہ فی الحال ٹرین کے سفر سے گریز کریں، کیونکہ ایف سی کی جانب سے ہونے والی کارروائیوں کے نتیجے میں وہ دوبارہ ٹرینوں کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔

دوسری جانب کالعدم تحریک طالبان پاکستان کے ترجمان شاہد اللہ شاہد نے

نامعلوم مقام سے جاری کیے گئے بیان میں سبی ریلوے اسٹیشن اور اسلام آباد دھماکوں سے لاتعلقی اور اس کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ تحریک طالبان جنگ بندی پر کاربند ہے، ماضی میں بھی تحریک طالبان کے نام سے خفیہ ہاتھ دھماکے کرتے رہے، لاہور اور پشاور سمیت کئی شہروں میں دھماکے کیے جاتے رہے اور ان دھماکوں بھی یہی خفیہ ہاتھ ملوث ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بلوچستان اور سندھ کے مظلوم افراد ہمارے بھائی ہیں، بے گناہ افراد پر حملے شرعاً ناجائز اور حرام ہیں جن کی ہم شدید مذمت کرتے ہیں۔ ریاستی عناصر کی جانب سے ظلم کا جواب ایسے حملوں سے دینا بھی ظلم ہے۔ عوامی مقامات پر حملوں میں بے گناہ افراد کی اموات افسوسناک ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ایسے حملوں میں خفیہ ہاتھوں کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ وفاقی وزیر اطلاعات پرویز رشید نے کہا ہے کہ طالبان کے اسلام آباد واقعے سے لاتعلقی کے اظہار کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معصوم زندگیوں سے کھیلنے والے دہشت گرد اب تنہا ہوتے جا رہے ہیں۔ واقعہ انتہائی افسوسناک ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے، ہم یقین دلاتے ہیں کہ مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے اور اگر انتظامیہ کی غفلت ہوئی تو اس کی بھی بازپرس کی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ طالبان نے واضح طور پر کہا کہ دھماکے سے ان کا کوئی تعلق نہیں، جس سے یہ اطمینان ہوتا ہے کہ جن سے مذاکرات کر رہے ہیں وہ بھی اب ایسے واقعات کی مذمت کر رہے ہیں۔ پرویز رشید کا کہنا تھا کہ حکومتی پالیسیوں کی وجہ سے طویل

عرصے تک ایسے واقعات نہیں ہوئے اور طالبان کے واقعے سے لاتعلقی کے اظہار کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معصوم زندگیوں سے کھیلنے والے اب تنہا ہوتے جا رہے ہیں، سے قبل پاکستان ایک محفوظ ملک تھا اور ہم عوام سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ 1999 انہیں اسی طرح کا محفوظ ملک دے کر جائیں گے۔ بعض رہنماؤں نے کہا ہے کہ ملک میں ہونے والے بم دھماکوں، تخریب کاری اور دہشت گردی میں بھارت اور ملک دشمن عناصر ملوث ہیں۔

واضح رہے کہ عین اسی روز (بدھ) جس دن اسلام آباد میں تباہی مچی، اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ خفیہ ایجنسیوں نے پولیس کو خبردار کیا کہ حکومت اور طالبان کے درمیان مصالحتی عمل کے مخالف شدت پسند اسلام آباد، پشاور اور کوئٹہ میں شدت پسند سرگرمیوں کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ خفیہ ایجنسیوں اور وزارتِ داخلہ کے حکام کے مطابق اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا شدت پسند کب حملے کریں گے، لیکن حکام نے ایک نئے گروپ انصار الہند کے بارے میں بتایا جو ان حملوں کی ذمہ داری قبول کریں گے۔ اس امکان کے باوجود کہ تین شہروں میں ممکنہ حملوں کے بڑھتے ہوئے خطرات سے ٹی ٹی پی کی ہمدرد قیادت حکومت پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کر سکتی ہے، پولیس ذرائع کا کہنا تھا کہ انتظامیہ ان دھمکیوں کو سنجیدگی سے لے رہی ہے۔ ایک عہدیدار کا کہنا تھا کہ اگرچہ امن مذاکرات جاری ہیں، لیکن ہم ان شہروں میں سیکورٹی کو یقینی بنانے

کے لیے اقدامات کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے اور ایجنسیاں ان حملوں کا اہم ہدف ہیں اور ان کی ناکامی کی وجہ سے ان حملوں کا ہدف دوسری عوامی اور سرکاری تنصیبات ہو سکتی ہیں۔ سیکورٹی ذرائع کا کہنا ہے کہ منظر نامے سے ایسا لگ رہا ہے کہ اس مرتبہ بھی اسی طرز کے حملے کیے جا سکتے ہیں، جو گزشتہ مہینے ٹی ٹی پی کی جانب سے ایک مہینے کی جنگ بندی کے اعلان کے بعد کیے گئے۔

واضح رہے کہ جس دن یہ خبر شائع ہوئی اسی دن اسلام آباد میں تباہ کن حملہ ہوا، اور بدھ کے روز ہی پولیس نے صادق آباد کے علاقے میں ریلوے ٹریک کو دھماکا خیز مواد سے تباہ کرنے کی کوشش ناکام بناتے ہوئے 2 دہشت گردوں کو گرفتار کرکے 6 کلو بارودی برآمد کیا۔ دہشتگرد صادق آباد کے قریب ریلوے ٹریک پر بم نصب کر رہے تھے، کچھ دیر بعد قراقرم اور جعفر ایکسپریس نے اس ٹریک سے گزرنا تھا۔ اسی روز دہشتگردوں کی جانب سے کراچی میں بھی بڑی تباہی پھیلانے کا منصوبہ بنایا گیا تھا، جسے پولیس نے بم برآمد کرکے ناکام بنا دیا، جبکہ اس سے ایک روز قبل ہی جعفر ایکسپریس کو نشانہ بنایا گیا تھا، جس میں متعدد افراد جاں بحق ہوئے تھے، مبصرین کا کہنا ہے کہ اس قسم کے تمام حملوں میں ملک دشمن عناصر ملوث ہیں جو مختلف شہروں میں حملے کرکے ایک طرف خوف و ہراس پھیلانا چاہتے ہیں جبکہ دوسری جانب مذاکرات کو سبوتاژ کرنا چاہتے ہیں،

چونکہ مذاکرات کی ملکی مفاد میں ہیں، جب سے مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس وقت سے ملک میں امن و سکون کی کیفیت ہے اور ملک دشموں کو یہ امن کہاں گوارا ہے، اس لیے وہ مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کے لیے لڑھی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، مبصرین کے مطابق مذاکرات کو سبوتاژ کرنے والوں میں بیرونی ہاتھ ملوث ہیں، اس کی تصدیق کچھ روز قبل شائع ہونے والی رپورٹ سے بھی ہوجاتی ہے، کچھ روز قبل ہے ایک رپورٹ میں ملک میں پولیو ورکرز پر حملوں میں بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کے ملوث ہونے کا انکشاف ہوا تھا۔ ذرائع کے مطابق رپورٹ میں انکشاف کیا گیا تھا کہ بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کو کراچی اور خیبر پی کے کے مختلف علاقوں میں ایسے گروپس اور تنظیموں کا تعاون حاصل ہے جنہوں نے ٹارگٹ کلرز ونگ قائم کر رکھے ہیں۔ بھارتی خفیہ ایجنسی اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے افغان انٹیلی جنس سے روابط رکھنے والے بعض چھوٹے گروپس کو پولیو ورکرز پر حملوں کیلئے فنڈز بھی فراہم کر رہی ہے۔ بھارت پولیو کے خلاف مہم چلا کر پاکستان کو عالمی سطح پر تنہا کرنے کی سازشیں کر رہا ہے۔ ان حقائق کے سامنے آجانے کے بعد حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان بیرونی ہاتھوں کو تلاش کرے جو ملک کے بے گناہ عوام کو خون میں نہلانا چاہتی ہیں۔

میڈیا "فاسٹ" ہوگیا

اس بات میں کوئی دورائے نہیں کہ میڈیا موجودہ دور کی طاقتور ترین، بااثر اور متاثر کن حقیقت بن چکا ہے۔ حکومتوں کو بنانے اور گرانے کی کنجی عرصہ دراز سے میڈیا کی جیب میں ہے، اسی لیے میڈیا کی قوت سے خوفزدہ نپولین بونا پاٹ نے کہا تھا کہ مجھے سو سنگینوں سے زیادہ ایک اخبار کا خوف ہوتا ہے۔ تحریک آزادی سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد کے "الہلال" اور مولانا ظفر علی خان کے "زمیندار" نے منصہ شہود پر جلوہ گر ہو کر اہل برصغیر کی توجہات کو اپنی جانب مبذول کیا، لوگ جلسوں میں اجتماعی طور پر ان اخبارات کو پڑھتے تھے، پھر ایسے ہی اخبارات نے برصغیر میں بیداری کی روح پھونکی، آزادی کی چنگاری سلگائی، گوروں کے کشتوں کے پشتے لگائے اور انہیں دیس نکالا دے کر چھوڑا۔ یہ تو سب پرانے ادوار کی باتیں ہیں، اب نیا دور ہے اور نئے دور کے نئے تقاضے۔ اب تو قوموں کے مزاج و اطوار بھی میڈیا کے اشاروں پر رقص کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ قوموں کی تہذیب و ثقافت اور رہن سہن کے معیارات بھی اب تو میڈیا ہی بناتا اور بتلاتا ہے۔ میڈیا نے جو دکھایا، وہی قوم میں رواج پایا۔ چونکہ زمانہ فاسٹ ہوچکا ہے، اتنا فاسٹ کہ پکڑائی نہ دے اور جوں جوں زمانہ تیز سے تیزتر ہورہا ہے، میڈیا بھی اس سے دو چار قدم آگے ہی ہے۔ میڈیا بھی اتنا فاسٹ ہوگیا کہ ہر چیز کو روندتے ہوئے

فرلانگیں بھرتا ہوا یہ جا وہ جا، کیونکہ اب وہ دور تو رہا نہیں کہ کسی خبر کو جاننے کے لیے صبح تک اخبار کا انتظار کرنا پڑے، اب الیکٹرانک میڈیا کا دور ہے۔ ادھر کوئی واقعہ رونما ہوا، ادھر شور مچاتی ہوئی بریکنگ نیوز۔ اب تو چینلوں کا طوطی بولتا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا پرنٹ میڈیا سے کئی گنا زیادہ طاقتور اور بااثر بھی ہے۔ چینل پر دیکھا جانے والا کوئی بھی سین اخبار میں پڑھی جانے والی کسی بھی خبر کے مقابلے میں کہیں زیادہ دیر ذہن پر سوار رہتا ہے۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ جو چیز بیک وقت دیکھی اور سنی جائے، اس چیز کے مقابلے میں جلدی ذہن نشین ہوتی ہے، جو صرف دیکھی یا صرف سنی جائے، الیکٹرانک میڈیا کا تو کام ہی دکھانا، سنانا اور ذہن بنانا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا اس دور میں اکیلا وہ کام دنوں میں کرسکتا ہے جو کوئی ادارہ شاید برسوں میں بھی نہ کرپائے، کیونکہ الیکٹرانک میڈیا اب وہاں پہنچ چکا ہے، جہاں کسی دوسرے کا دخل نہیں۔ ٹی وی ملک کے لاکھوں نہیں، کروڑوں گھرانوں کا شوق بن چکا ہے، بلکہ اب تو ہر گھر کی ضرورت بھی کہلایا ہے۔

اب ملک میں چینل ایک نہیں، سو کے لگ بھگ ہیں۔ وہ زمانہ لد گیا، جب ملک بھر میں صرف ایک سرکاری چینل "پی ٹی وی" ہی بے تاج بادشاہ ہوا کرتا تھا، چینل انتظامیہ جو دکھانا چاہتی بادل نخواستہ ہر ایک کو وہ دیکھنا پڑتا تھا، اگر کوئی سرکاری چینل کو نہ دیکھنا چاہے تو اس کے پاس دو ہی آپشن ہوتے تھے، ٹی وی بند کردے یا پھر وہاں سے اٹھ کر چلا جائے، لیکن ملک میں الیکٹرانک میڈیا

کا انقلاب آیا تو ٹی وی چینلوں کی لائنیں لگ گئیں۔ لائسنس کے ساتھ انہیں ہر قسم کی آزادی بھی ملی، جسے چینلز کا عروج کہا جاسکتا ہے، لیکن اس عروج کے ساتھ ساتھ بہت سی چیزوں پر زوال بھی آنا شروع ہوگیا۔ چونکہ میڈیا نے صنعت کی شکل اختیار کی، اشتہارات اس صنعت کی نشوونما و تزئین و آرایش کا میٹریل بنے اور اشتہارات کی سالانہ مالیت تقریباً 30 ارب روپے کا تعین ریٹنگ پر ہوتا ہے، اس لیے ریٹنگ کی دوڑ میں بازی لے جانے کے لیے دوسرے چینلوں کو چت کرنا ضروری ٹھہرا، مقابلے کی اس دوڑ میں چینل خود تو آگے نکل گئے، لیکن مقصدیت کو کہیں پیچھے چھوڑ گئے۔ دوسرے چینلز کو شکست دینے کے لیے ہر وہ چیز دکھائی جانے لگی جس سے ریٹنگ بڑھتی ہو، خواہ قوم کے اذہان پر منفی اثرات ہی مرتب ہوں۔

ریٹنگ کی اس دوڑ میں ایک طرف تو چینلز نے گرماگرم ٹاک شوز اور چیختی چنگھاڑتی بریکنگ نیوز کا سلسلہ شروع کیا، جبکہ دوسری جانب ناظرین کی آنکھوں کو خیرہ کرنے کے لیے عورت کو بطور آلہ اور ذریعہ استعمال کرتے ہوئے ٹی وی اسکرین پر اخلاقی اقدار سے گرے ہوئے اشتہارات اور مغربی و بھارتی تہذیب میں گندھے ہوئے پروگرام دکھائے جانے لگے۔ حالانکہ ریٹنگ کی جانچ کا خودکار نظام "پیپل میٹر" کسی چینل کی مقبولیت کے معیار کے لیے معتبر نہیں ہو سکتا۔ اس میں آبادی کے نمائندہ نمونے کو لے کر 9 شہروں میں تقریباً 700

گھرانوں میں ایک آلے کے ذریعے معلوم کیا جاتا ہے کہ کون سا چینل کس وقت دیکھا جا رہا ہے۔ ان گھرانوں سے رپورٹ خودکار طریقے سے میڈیا لاجک کے دفتر میں لگے کمپیوٹروں میں جمع ہوتی رہتی ہے، جس کے بعد میڈیا صنعت سے منسلک کمپنیوں کو بھیج دی جاتی ہے اور اسی رپورٹ کی بنا پر چینلوں کو کم یا زیادہ اشتہارات ملتے ہیں، اسی لیے ہر چینل میں بعض لوگوں کی دل کی دھڑکن ریٹنگ کے ساتھ اوپر نیچے ہوتی ہے، ریٹنگ کی خاطر ان کے ہاں مداری بننا بھی کوئی عیب نہیں۔ حالانکہ ریٹنگ کا لفظ صحافی کے لیے کسی طور بھی مناسب نہیں ہے، کیونکہ صحافی کو تو ہر چیز سے مبرا ہو کر خبر دینی اور تجزیہ کرنا ہے، لیکن چینلز کی آپسی مسابقت میں جہاں میڈیا نے عوام میں قائم اپنے اعتماد، اعتبار اور وقار کا گلا گھونٹا، وہیں ریٹنگ کی اس دوڑ میں ملک کے بہت سارے اہم مسائل کو خاطر خواہ جگہ نہ مل سکی۔

گزشتہ دنوں قومی اسمبلی میں قرارداد منظور کرکے ریٹنگ کے خبط میں مبتلا الیکٹرانک میڈیا کے گھوڑے کو لگام ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ متفقہ قرارداد کے مطابق پیمرا کو چینلوں پر چلنے والے غیر اخلاقی پروگراموں کو کنٹرول کرنے کا کہا گیا ہے۔ پاکستانی ادارہ پیمرا" میڈیا کو نشریات کا لائسنس جاری کرتا ہے اور لائسنس کے لیے ناگزیر چیزوں" کو واضح کرتا ہے، جن میں نشر ہونے والے پروگرام اور اشتہارات کے حوالے سے قواعد وضوابط شامل ہیں۔ پیمرا

قوانین کے تحت کسی بھی پروگرام کے مشتملات، اس کے بنیادی خاکے اور تصورات کی رہنمائی کے لیے قواعد وضع کیے گئے ہیں۔ میڈیا کی تشہیر اور کیبل آپریٹرز کے حوالے سے پیمرا کا ضابطہ اخلاق یہ ہے کہ کسی بھی طریقے سے بے شرمی پر ابھارنے، شہوانی جذبات بھڑکانے، غیر شائستہ اور توہین آمیز خیالات کی تشہیر کی اجازت نہیں ہے۔ ایسا مواد جو نظریہ پاکستان اور اسلامی اقدار کے منافی ہو وہ بھی ممنوع ہے۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ پاکستانی قوم تہذیب و تمدن اور مذہب کے حوالے سے کسی بھی قسم کا سمجھوتا کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتی۔ اس لیے پیمرا کی ذمہ داری ہے کہ وہ ذرائع ابلاغ کو ناشائستگی، قومی اقدار کے منافی میڈیائی تفریح سے محفوظ رکھے، ملکی مفاد میں دنیا کے بیشتر ممالک میں میڈیا کے حوالے سے سخت قوانین مرتب کیے گئے ہیں، جن کے مطابق غیر مہذب اور عوام کے ذوق سلیم کو زک پہچانے والے مواد کی تشہیر پر سزا کا تعین کیا گیا ہے۔ کسی ایسے اشتہار کو شایع کرنے کی اجازت نہیں، جس میں عورت کے تحقیر آمیز امیج کو سامنے لایا جائے۔ اس کے ساتھ مار دھاڑ، پر تشدد اور مادر پدر آزاد پروگراموں کو سنسر کرنے کا مضبوط نظام بھی موجود ہے۔

پاکستان میں اپنی ذمہ داری کا ادراک و احساس کرتے ہوئے الیکٹرانک میڈیا کو چاہیے کہ متوازن اور صحت مند تفریحی سہولتوں کے ساتھ شعور کی بیداری پر مبنی ایسے پراگرام قوم

کو دکھائے جو ہماری قومی شناخت، ملکی اقدار اور فکری یکجہتی میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ قوموں اور ملکوں کی ترقی میں جو کردار میڈیا ادا کر سکتا ہے وہ کوئی اور ادا نہیں کر سکتا۔

مذاکرات کامیابی کی طرف گامزن

ایک بار پھر مذاکرات کے حوالے سے تمام خدشات اور افواہوں نے دم توڑ دیا ہے، کیونکہ طالبان اور حکومت کے درمیان ہونے والے مذاکرات خوش اسلوبی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔ فوج اور حکومت میں ہلکے پھلکے تناؤ کو بڑھا چڑھا کر پیش کرکے مذاکرات کے تعطل کی افواہیں پھیلائی جارہی تھیں، مذاکرات کے مخالفین اس قسم کی افواہیں ایک عرصے سے پھیلارہے ہیں، لیکن ہر بار مذاکرات کے طے شدہ مراحل کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہوتے ہےں۔ اب کی بار مذاکرات کے تعطل کے بارے میں پھیلائی جانے والی افواہوں کا وزیر داخلہ چودھری نثار نے یہ بیان دے کر گلا گھونٹ دیا ہے کہ طالبان کے ساتھ مذاکرات میں ڈیڈ لاک کا تاثر درست نہیں، مذاکرات میں کوئی تعطل نہیں ہے۔ تنقید کے تیر پھینکنے والے یاد رکھیں کہ دہشتگردی کے واقعات میں کمی آئی ہے۔ کئی کئی ہفتے کوئی دھماکا نہیں ہوتا، یہ حکومت کی کامیابی ہے۔ اسلام آباد سبزی منڈی واقعہ سے طالبان نے لاتعلقی کا اعلان کیا، بلکہ انہوں نے اسے غیر اسلامی اور غیر اخلاقی قرار دیا ہے۔ یہ بہت بڑی مثبت پیش رفت ہے۔ حکومت کا ایک ہی ایجنڈہ ہے اور وہ ہے ملک میں امن اور آئین کی بالادستی قائم ہوسکے۔ اس بارے میں تمام سیاسی جماعتوں کو بھی چاہیے کہ وہ ملک وقوم کے مفاد میں اپنی ذمہ

داری پوری کریں۔ بعض ملکی اور غیر ملکی طاقتیں مذاکرات کو سبوتاژ کرنا چاہتی ہیں۔
فوج کے حوالے سے وزیر داخلہ چودھری نثار نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ فوج اور حکومت مل کر مذاکراتی عمل کو آگے لے جا رہے ہیں، دونوں میں اختلاف رائے تو ہو سکتا ہے، لیکن پالیسی پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ فوج اور حکومت ایک پیج پر ہیں، فوج کی 100 فیصد حمایت حاصل نہ ہوتی تو دہشتگردی کے حوالے سے حکومت اتنی بڑی کامیابی حاصل نہ کر پاتی۔ میں مطمئن ہوں دونوں اطراف سے قبلہ درست ہے، فوج اور سول قیادت میں تھوڑا اختلاف ضرور پیدا ہوا، تاہم اس پر قابو پا لیا گیا ہے۔ فوج پارلیمنٹ، عدلیہ، میڈیا، حکومت، سیاسی لیڈر شپ جب ایک پیج پر ہوں گے تو ہم یہ جنگ جیت سکیں گے۔ فوج کو اعتماد میں لے کر فیصلے کر رہے ہیں، قیدیوں کی رہائی پر بھی فوج کو اعتماد میں لیا اور خفیہ اداروں کی مشاورت سے غیر جنگجو قیدیوں کو رہا کیا گیا، طالبان نے عسکری قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ نہیں کیا۔ طالبان کے جن غیر عسکری قیدیوں کو چھوڑا گیا وہ فوج کی تحویل میں تھے۔ 19 غیر عسکری قیدی اب تک رہا ہوئے ہیں، ان کی رہائی فوج سے طویل مشاورت کے بعد ہی عمل میں آئی۔ اب مزید 13 غیر عسکری قیدی بھی فوجی کی رضامندی کے بعد آئندہ چند دنوں میں رہا ہو جائیں گے۔
دوسری جانب طالبان مذاکراتی کمیٹی کے رابطہ کار مولانا یوسف شاہ نے کہا ہے

کہ مذاکراتی عمل میں کوئی تعطل نہیں، مذاکرات بتدریج آگے بڑھ رہے ہیں۔ طالبان کے تمام گروپ مذاکرات کے حامی ہیں، ان میں کوئی اختلاف نہیں اور سب ایک ہی چھتری تلے اکٹھے ہیں۔ ان کے حکومت اور طالبان شوریٰ دونوں سے رابطے ہیں، ماضی میں بھی مذاکرات کے تعطل کی خبریں گردش کرتی رہیں ہیں، جو بے بنیاد ثابت ہوئی ہیں۔ انہیں حکومت کی جانب سے قیدیوں کی رہائی کے بارے میں کوئی علم نہیں، البتہ دونوں کمیٹیوں کے ایک دو دن میں ملاقات کا امکان ہے، جس میں قیدیوں کی رہائی اور طالبان شوریٰ سے براہ راست مذاکرات کے دوسرے دور کے لیے جگہ کے تعین پر بات ہو گی۔ کمیٹی کے رکن پروفیسر ابراہیم کا کہنا تھا کہ انہیں حکومت کی جانب سے رہا کیے گئے قیدیوں کی فہرست نہیں ملی۔ وہ طالبان پر دباؤ ڈالیں گے کہ وہ پروفیسر اجمل خان، سابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی و سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے صاحبزادوں اور دیگر غیر عسکری قیدیوں کو رہا کریں۔ مولانا یوسف شاہ کا کہنا ہے کہ حکومت کی طرف سے علی حیدر گیلانی اور شہباز تاثیر کی رہائی کا باضابطہ مطالبہ نہیں کیا گیا۔ طالبان کی آپسی چپقلش کو بنیاد بنا کر مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کی کوششیں بھی طالبان ترجمان کی وضاحت سے دم توڑ گئی ہیں۔ ترجمان کالعدم تحریک طالبان شاہد اللہ شاہد کا کہنا تھا کہ میڈیا پر چلنے والے بعض عناصر تحریک طالبان کے درمیان معمولی تلخی کو بنیاد بنا کر پروپیگنڈہ مہم میں مصروف ہیں، ہم اس بات کو واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ وزیرستان میں جاری دو گروپوں کے

درمیان لڑائی سے پوری تحریک کا کوئی تعلق نہیں ہے، صرف اس علاقے میں کچھ کی مرکزی TTP ساتھیوں کے درمیان غلط فہمی کی وجہ سے تلخی پیدا ہوئی تھی، جس کو شوری نے فوری طور پر مداخلت کرکے حل کر دیا، حکومت کے ساتھ مذاکرات اور جنگ بندی کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ طالبان، حکومت اور مذاکراتی کمیٹیوں کی مذاکرات کے حوالے سے وضاحت آ جانے کے بعد مذاکرات میں تعطل کے پروپیگنڈے کی کوئی حقیقت نہیں ہے، حالات یہ بتا رہے ہیں کہ مذاکرات کا عمل بہتر طریقے سے آگے بڑھ رہا ہے، جہاں حکومت مذاکرات میں بھرپور دلچسپی لے رہی ہے، وہیں طالبان بھی مذاکرات کو کامیاب کرنے کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ طالبان کی جانب سے جنگ بندی ختم ہونے کے بعد خود ہی اس میں اضافہ کرنا اور اب تک کسی بھی حملے کا ارتکاب نہ کرنا طالبان کی مذاکرات میں دلچسپی کی واضح دلیل ہے۔ جبکہ مذاکرات میں حکومت کی دلچسپی اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ19 قیدیوں کو رہا کر چکی ہے، اگرچہ طالبان کا کہنا ہے کہ ان کی فہرست سے ان رہا ہونے والوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ طالبان کی اس وضاحت کے بعد وفاقی وزیر داخلہ کی طرف سے فہرست میں شامل 12 سے 13 لوگوں کو رہا کرنے کا کہا گیا ہے اور اطلاعات ہیں کہ طالبانی کمیٹی کو یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ جب وہ مذاکرات کے لیے دوبارہ بیٹھیں گے تو اس سے پہلے ان رہا کیے جانے والے لوگوں کی فہرست دے دی جائے

گی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ طالبان حکومت مذاکرات اب حتمی اور آخری مرحلے کی طرف کامیابی کے ساتھ جا رہے ہیں اور ان کی کامیابی کی امید کی جا سکتی ہے۔ ملک کی سیاسی و مذہبی جماعتوں کی جانب سے مذاکرات کا مینڈیٹ ملنے کے بعد وزیر اعظم کی طرف سے مذاکرات کے لیے جس سنجیدگی کا اظہار کیا گیا، وہ کوئی مخفی نہیں ہے۔ وزیر اعظم کی طرف سے مذاکراتی کمیٹی کے قیام کے ساتھ مذاکرات کا دروازہ کھولا اور اس کے نتیجے میں جو جنگ بندی ہوئی اس سے مذاکراتی عمل کو تقویت ملی۔ اگرچہ اس دوران بعض واقعات کی وجہ سے اس مذاکراتی عمل کو بعض حلقوں کی جانب سے شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا، لیکن وزیر اعظم پاکستان اور ان کی حکومت نے مذاکراتی عمل کو جاری رکھنے میں ہی بہتری سمجھی اور اس عمل کو آگے بڑھایا۔ تجزیہ کاروں کے مطابق اگرچہ طالبان کے ساتھ مذاکرات سے یقیناً عوام کی بہت سی توقعات وابستہ ہیں، مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ جنگ دس سال پرانی ہو چکی ہے اور اس میں خاصی پیچیدگیاں اور مصلحتیں کارفرما ہیں، اس لیے ان کی تکمیل میں کچھ زیادہ وقت لگ سکتا ہے، تاہم یہ بات طے ہے کہ حکومت کو اس مسئلے کو بات چیت ہی کے ذریعے حل کرنا ہے۔ مذاکرات کی بہتری کے لیے ضروری ہے کہ طالبان کے ساتھ مذاکراتی عمل کو مذاکراتی کمیٹیوں کی زبان بندی سے مشروط کیا جائے، زبان بندی نہ ہونے سے افواہیں جنم لیتی ہیں۔ بعض تجزیہ کاروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگرچہ وفاقی وزیر داخلہ اور دیگر اہم افراد کے مطابق حکومت اور طالبان کے مابین

مذاکراتی عمل میں کسی قسم کا تعطل نہیں آیا، لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ حکومتی مذاکراتی کمیٹی، طالبان رابطہ کار کمیٹی اور طالبان شوریٰ کی کمیٹی کے مابین رابطے کا فقدان ضرور ہے۔ فریقین میں رابطے کا فقدان مذاکرات کے لیے نقصان دہ ہے، اگر دونوں کمیٹیوں میں آپس میں مستقل رابطہ رہے تو بہت سے مسائل جلد حل ہو سکتے ہیں۔

واضح رہے کہ پیر کے روز طالبان نے جنگ بندی میں توسیع کرکے مذاکرات کو مزید کامیابی کا موقع دیا ہے۔ ذرائع کے مطابق نامعلوم مقام پر ہونے والے طالبان شوریٰ کے اجلاس میں طالبان دھڑے سینز فائر پر آمادہ ہوگئے ہیں، جس کا باقاعدہ اعلان ترجمان شاہد اللہ شاہد کریں گے۔ طالبان شوریٰ اجلاس وزیرستان کے نامعلوم مقام پر نائب امیر شیخ خالد حقانی کے زیر صدارت ہوا، جس میں اہم کمانڈر شریک ہوئے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ تحریک طالبان کی شوریٰ کے اہم اجلاس میں مختلف گروپوں نے حکومت کی جانب سے غیر عسکری قیدیوں کی عدم رہائی اور امن زون قائم نہ ہونے پر تحفظات کا اظہار کیا۔

دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

حکومت کی عدم توجہی اور عوام کی جہالت کی بدولت ملک میں ڈبہ پیروں اور جعلی عاملوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ جعلی پیروں اور عاملوں کی بڑھتی ہوئی یہ تعداد یقینا ملک و قوم کے لیے نقصان کا باعث ہے، کیونکہ ملک میں سادہ لوح عوام اپنے مسائل کے حل کے لیے ان جاہلوں کے حکم پر چلتے ہیں، جس کی وجہ سے اب تک نجانے کتنے لوگ جان، مال اور عزت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق پیر کے روز مری میں ایک ظالم ماموں نے ایک جعلی عام کے کہنے پر اپنی مراد پانے کے لیے سفاکیت کی تمام حدیں عبور کرتے ہوئے اپنی ہی بہن کی گود اجاڑ دی۔ ظالم ماموں نے ایبٹ آباد کے نواحی علاقے چٹہ پل سے تعلق رکھنے والے اپنے ہی تین بھانجوں کو ذبح کرکے جنگل میں پھینک دیا، جن میں سے دو بھانجے جعلی پیر کی جہالت کی بھینٹ چڑھ کر موت کی وادی میں جا سوئے، جبکہ اپنے ماموں کی درندگی کا شکار تیسرا بھانجا زخمی حالت میں موت سے جنگ لڑ رہا ہے۔ اطلاعات کے مطابق بچوں کو قتل کرنے والا شخص ندیم کسی سفلی عامل کا معتقد ہے اور اس سے جادو ٹونا سیکھنا چاہتا تھا، مذکورہ عامل نے ہی اسے یہ حکم دیا تھا کہ اگر تم ماہر عامل بننا چاہتے ہو تو تین بچوں کو قتل کرو۔ بچوں کے والد ضیاء الدین کا کہنا ہے کہ ہماری

ندیم سے یا کسی اور سے کوئی دشمنی نہیں۔ دوسری جانب اس واقعہ سے ایک روز قبل ہی ملتان میں ایک نوجوان جعلی اور جاہل پیر کے "فرمان" پر عمل کرتے ہوئے اپنی جان گنوا بیٹھا تھا۔ جعلی عامل و پیر نے اس نوجوان سے کہا کہ ان کے گھر کے نیچے خزانہ دفن ہے۔اس نوجوان نے اس "مدفون خزانے" کو نکالنے کے لیے تقریباً 30 فٹ لمبی اور ٹیڑھی میڑھی تنگ سرنگ کھود کر اس میں خزانہ ڈھونڈنے جا گھسا۔ اس نوجوان کو خزانہ تو نہ ملا لیکن موت کا پروانہ ضرور مل گیا۔ امدادی ٹیموں نے دو روزہ مشقت کے بعد اس نوجوان کی لاش اس سرنگ سے برآمد کی۔اسی طرح ماہ رواں کی ابتدا میں بھی میانوالی میں اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا تھا، جس میں جعلی عامل و پیر نے اپنے بے اولاد مرید کو یہ ہدایت کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ کسی بچی کو قتل کرے گا تو اس کے اولاد ہوگی، جس پر اس ظالم و سفاک شخص نے اپنے رشتہ دار کی ایک چار سالہ بچی کو قتل کر دیا۔

واضح رہے ملک میں جعلی عاملوں اور جعلی پیروں کی بڑی تعداد عوام کی جان، مال، عزت و آبرو کے ساتھ کھیلنے میں مصروف ہے۔آئے دن ان عاملوں کے حوالے سے رونگٹے کھڑے کر دینے والا کوئی واقعہ پیش آ جاتا ہے۔انتہائی قابل افسوس بات یہ ہے کہ 21ویں صدی میں بھی ملک میں بہت سے لوگ توہم پرستی کا شکار ہیں، سادہ لوح افراد دھڑا دھڑ ان عاملوں کے آستانوں کا رخ کرتے ہیں جن کی بدولت ان کے یہ آستانے آباد ہیں۔ جعلی عاملوں اور جعلی پیروں کے جال میں

پھنسنے والوں میں خواتین پیش پیش ہوتی ہیں۔ گھریلو جھگڑوں سے نجات، شوہر کو راہ راست پر لانے، مقدمہ بازی، کاروباری بندش، اولاد کے حصول، بیرون ملک رہائش ودیگر مقاصد کے حصول کے لیے خواتین کی بڑی تعداد جعلی عاملوں اور جعلی پیروں کے آستانوں کا رخ کرتی ہیں۔ گلی گلی میں پھیلے عاملوں کے دعوے، اشتہاری مہم، وال چاکنگ، ہورڈنگز، بینرز، پمفلٹ اور اشتہارات کی بھرمار سے متاثر ہو کر مسائل کے گرداب میں پھنسی مختلف طبقات کی تعلیم یافتہ، ان پڑھ، ہر عمر کی خواتین انہیں اپنے مسائل کا" واحد حل" سمجھنے لگ جاتی ہیں۔ "عاملین" چٹکی بجاتے میں ان کے مسائل کو حل کرنے کا جھانسہ دے کر ان سے بھاری رقوم بٹورتے ہیں اور سادہ لوح مایوس خواتین ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر مسائل کے حل کے لالچ میں اپنی جمع پونجی سے محرومی سمیت عزت گنوانے جیسے مسائل کا بھی شکار ہو جاتی ہیں۔ ملک میں متعدد بار جعلی عاملوں اور پیروں کے ہاتھوں خواتین کی عصمت دری کے واقعات بھی پیش آ چکے ہیں۔

معاشرے میں جعلی عاملوں اور جعلی پیروں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور ان کے ہاتھوں لوگوں کو پہنچنے والے جانی ومالی نقصان پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ملک کے متعدد علمائے کرام نے ماہ رواں حکومت سے اپیل کی تھی کہ ملک بھر میں جعلی پیروں اور عاملوں کے گھناؤنے کاروبار کو روکنے کے لیے موثر قانون سازی کی جائے اور لوگوں کی جانوں سے کھیلنے والے سفاک درندوں

کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے ایسی عبرتناک سزائیں دی جائیں، جن سے دوسرے عبرت پکڑیں۔ علمائے کرام کا کہنا تھا کہ ضعیف العقیدہ افراد اپنے مسائل کے حل کے لیے شارٹ کٹ کی تلاش میں جعلی عاملوں سے رجوع کرتے ہیں اور ان کے تمام مطالبے پورے کرنے کے باوجود مقصد کے حصول سے محروم رہتے ہیں۔ کم علمی اور ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے جعلی عاملوں کا کاروبار پھل پھول رہا ہے اور اسے روکنے کے لیے حکومت کو ان کے خلاف ملک گیر آپریشن کرنا چاہیے اور ایسے واقعات میں ملوث افراد کو سنگین سزا دینے کے لیے موثر قانون وضع کرنا چاہیے۔ ضعیف الاعتقادی کمزور ایمان کی علامت ہے، جہالت کی وجہ سے جعلی عاملوں کا کاروبار وسعت اختیار کر رہا ہے، جو معصوم لوگوں کی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اللہ کے در کو چھوڑنے والا در در بھٹکتا ہے، اگر ہم قرآن و سنت پر عمل پیرا ہوں تو ایسے واقعات پیش نہیں آئیں گے۔ مستقبل میں ایسے واقعات کی روک تھام کے لیے حکومت اور علمائے کرام کے علاوہ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ ان جعلی عاملوں کے خلاف کریک ڈاؤن کرے۔

دوسری جانب مری میں عامل کے کہنے پر ماموں کے ہاتھوں بھانجوں کے قتل اور ملتان میں عامل کے کہنے پر نوجوان کی موت کے بعد عوام کی اکثریت نے ملک میں پھیلے جعلی عاملوں اور پیروں کے خلاف آپریشن کا مطالبہ کیا ہے۔ محمد سلیم

کا کہنا تھا کہ 65 سالوں میں جعلی عاملین، جعلی پیروں اور جادوگروں کے خلاف کچھ نہیں کیا گیا، اس وقت ملک بھر میں ہزاروں عامل عوام کے مال وجان سے کھیل رہے اور کھلے عام مکروہ دھندے کی تشہیر میں مصروف ہیں، کوئی انہیں پوچھنے والا نہیں، حکومت خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے، ان جاہل عاملوں کے کہنے پر جہالت کے مارے ان کے معتقد دوسروں کو قتل کر رہے ہیں اور ماؤں کی گودیں اجاڑ رہے ہیں، حکومت کو چاہیے فوری طور پر ان عاملوں کے خلاف آپریشن کرے۔ طالب اعوان کا کہنا تھا کہ جعلی عامل اور جعلی پیر ہمارے معاشرے کا ناسور ہیں، جو جاہل عوام کو جرائم پر ابھارتے ہیں، اسی قسم کے جاہل عامل خواتین کو مسائل کے حل کا جھانسہ دے کر ہزاروں خواتین کی عزتیں پامال کر چکے ہیں، جبکہ بعض عورتیں عاملوں کے کہنے پر جادو کے لیے بچے کا خون، دل، جگر اور کھوپڑی حاصل کرنے کے لیے معصوم بچوں کے اغوا اور بہیمانہ قتل تک کے واقعات میں ملوث ہو جاتی ہیں۔ یہ سب انہی عاملوں کا کیا دھرا ہے، حکومت کو ان سے نمٹنے کی سخت ضرورت ہے۔ اصغر منیر کا کہنا تھا کہ ماؤں کی گودیں اجاڑنے والے ان جاہل عاملوں اور ڈپہ پیروں کے خلاف کریک ڈاؤن ہونا ضروری ہے، یہ ملک کے ہر شہر میں عوام کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔ طاہر وسیم کا کہنا تھا کہ مری میں عامل کے کہنے پر بچوں کے قتل کے بعد اب کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ حکومت ان جاہل عاملوں کے خلاف کریک ڈاؤن نہ کرے، اس قسم کے کئی واقعات منظر عام پر آ چکے ہیں جن میں ان عاملوں نے خواتین کی عصمت دری کی، کئیوں کو

خود قتل کیا اور کئیوں کے قتل کا حکم دیا ہے، اگر حکومت انہیں مسلسل یونہی چھوٹ دیتی رہے گی تو یہ ملک میں مزید پھیلتے رہیں گے۔ عوام کی اکثریت نے حکومت سے جعلی پیروں اور جعلی عاملوں کے خلاف کریک ڈاؤن کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے والے ان عاملوں کے جگہ جگہ بنے ٹھکانے فوری طور پر ختم کرکے ان پر پابندی لگائی جائے۔ واضح رہے کہ لوگوں کو بدھو بنانے والے جعلی عاملوں کے خلاف مختلف ادوار میں صوبائی اسمبلیوں میں قراردادیں منظور ہوتی رہی ہیں، لیکن اس کے باجود ان کے خلاف کوئی موثر قانون سازی نہیں ہو سکی اور نہ کوئی سخت کارروائی ہو سکی۔ جعلی عامل عوام کو بے وقوف بنانے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ چار سال قبل لاہور میں جعلی عامل کے قبرستان سے بچے کی لاش نکالنے کے واقعہ کے بعد پولیس نے لاہور میں نجومیوں اور عاملوں کے خلاف کریک ڈاؤن کرتے ہوئے متعدد جعلی عاملوں کو گرفتار کیا تھا اور عاملوں کے بہت سے اڈے بند بھی کردیے تھے۔ اس کے باوجود اب بھی ملک کے تقریباً ہر شہر میں جعلی عاملوں اور جعلی پیروں کی بھرمار ہے، ان کی وجہ سے پے در پے سانحات رونما ہو رہے ہیں، لیکن حکومت ان کے خلاف ایکشن نہیں لے رہی۔

غداری کیس: سابق آمر تنہا رہ گئے....؟

سابق آمر پرویز مشرف کا معاملہ طویل سے طویل تر ہوتا جارہا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سابق آمر پرویز مشرف کے خلاف چلنے والے غداری کیس کا انجام مبہم ہوتا جارہا ہے، ان پر فرد جرم عاید ہوچکی ہے، لیکن یہ معلوم نہیں کہ ان کو سزا ہوپائے گی یا نہیں۔ معاملہ مزید الجھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ منگل کے روز سابق آمر پرویز مشرف کے وکیل بیرسٹر فروغ نسیم نے خصوصی عدالت سے مطالبہ کیا کہ ایمرجنسی کے نفاذ کے حوالے سے 3 نومبر کے نوٹیفکیشن میں سابق صدر کی معاونت کرنے والے ان کے جن ساتھیوں کا ذکر ہے، انہیں نوٹس جاری کرکے ٹرائل میں باقاعدہ شامل کیا جائے۔ آئین کے آرٹیکل 6 کی خلاف ورزی کرنے والے تمام ملزمان کا ٹرائل 1956ء سے شروع کیا جائے اور 3 نومبر 2007ء کے اقدامات میں پرویز مشرف کے ساتھ شریک دیگر شخصیات کو بھی شامل تفتیش کیا جائے، کیونکہ صرف ایک شخص کا ٹرائل بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی ہے۔ خصوصی عدالت نے پرویز مشرف کے وکیل کی جانب سے 1956ء سے غداری کا مقدمہ چلانے کی درخواست مسترد کردی۔ خصوصی عدالت کے سربراہ جسٹس فیصل عرب نے وکیل صفائی کی استدعا مسترد کرتے ہوئے قرار دیا ہے کہ خصوصی عدالت کا قیام صرف اس مقدمہ کے ٹرائل کے لیے عمل میں لایا گیا ہے۔ ہمارا اختیار سماعت صرف موجودہ غداری کیس تک محدود ہے۔ 1956ء سے آئین

شکنی کے مقدمات نہیں کھول سکتے۔ جبکہ پراسیکوٹر اکرم شیخ نے اپنے دلائل میں کہا کہ دیگر افراد کے خلاف مقدمے کے حوالے سے عدالت 7 مارچ کو فیصلہ دے چکی ہے۔ اب کیس میں مزید متفرق درخواستوں کی گنجائش نہیں رہی، یہ غیر ضروری بات ہے کہ لوگوں کو شامل کیا جائے یا 200 لوگوں کو شامل کیا جائے۔ شریک ملزموں 100 سے متعلق مشرف کی درخواست کارروائی کو الجھانے کی کوشش ہے۔ ایف آئی اے کی تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق صرف پرویز مشرف کے خلاف ثبوت ملے ہیں۔ وزیر اعظم کے دفتر میں ایمرجنسی کے نفاذ کے لیے مشاورت یا ایڈوائس کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں، ایمرجنسی کا مشورہ دینے والوں کی نشاندہی صرف پرویز مشرف ہی کر سکتے ہیں، وہی بتا سکتے ہیں کہ ان کے مشیر کون کون لوگ تھے۔ ایمرجنسی کے فرمان میں جن افراد کا تذکرہ ہے ان کے خلاف شواہد پیش کرنا مشرف کی ذمہ داری ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ ایمرجنسی آرڈر میں پرویز مشرف کے دستخط موجود ہیں۔ اس مقدمے میں اب تک جتنی بھی تفتیش ہوئی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سابق فوجی صدر نے ملک میں 3 نومبر 2007ء میں ملک میں ایمرجنسی لگانے کا اقدام ذاتی حیثیت میں کیا تھا۔ خیال رہے کہ 7 مارچ 2014ء کے اپنے ایک فیصلے میں خصوصی عدالت اس معاملے کو پہلے سے سلجھا چکی ہے۔ خصوصی عدالت نے اپنے فیصلے میں کہا تھا کہ ملزم کے خلاف جو مواد ہمارے سامنے رکھا گیا ہے، وہ اس بات کے لیے ناکافی ہے کہ ملزم نے ایمرجنسی کے نفاذ کے لیے دیگر ریاستی اداروں سے مشاورت کی تھی۔

واضح رہے کہ پرویز مشرف کے مطابق انھوں نے 3 نومبر کو ایمرجنسی سابق وزیراعظم شوکت عزیز کی ایڈوائس پر لگائی تھی، اقدام سول اور فوجی حکام کے مشورے سے بھی کیا تھا۔ جبکہ دوسری جانب ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت کے صدر مملکت اور وزیراعظم کے اہم گورنر، اٹارنی جنرل، اہم وفاقی سیکرٹریز اور سینئر اسٹاف ممبران سمیت میں سے کسی بھی اہم گواہ نے ایف آئی اے کی انکوائری ٹیم کے روبرو جنرل 14 پرویز مشرف کے اس دعوے کی توثیق نہیں کی کہ ان کا 3 نومبر 2007ء کا اقدام سینئر فوجی اور سویلین قیادت کے ساتھ مشاورت کا نتیجہ تھا۔ پرویز مشرف کے خلاف سنگین غداری کے مقدمے کی وجہ بننے والی ایف آئی اے کی خفیہ انکوائری رپورٹ میں اس وقت کے وزیراعظم، کابینہ یا پھر حکومت کے کسی بھی رکن کے اس اقدام میں معاون ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ اس وقت کے سیکرٹری کابینہ، سیکرٹری برائے صدر مملکت (پرویز مشرف)، پرنسپل سیکرٹری لا، سیکرٹری داخلہ وغیرہ سب ہی نے دوٹوک انداز میں اس وقت کے وزیراعظم، کابینہ یا سرکاری عہدیداروں کے ملوث ہونے کی تردید کی ہے کہ انہوں نے ایمرجنسی کے نفاذ کا حکم نامہ تیار کیا تھا۔ پرویز مشرف کے دعویٰ کہ اس وقت کے وزیراعظم شوکت عزیز، کابینہ، گورنر صاحبان، فوجی کمانڈرز وغیرہ سے 3 نومبر 2007 کا اقدام کرنے سے قبل مشورہ کیا گیا تھا، کا ایک بھی گواہ حتیٰ کہ مشرف کے اس وقت کے اپنے ہی سیکرٹری اور اس وقت کے گورنر لیفٹیننٹ جنرل

ر) خالد مقبول تک نے بھی توثیق نہیں کی۔ اس وقت کے اٹارنی جنرل ملک قیوم نے) بھی اپنے بیان میں کہا تھا کہ انہوں نے پرویز مشرف کو مشورہ نہیں دیا تھا کہ وہ 3 نومبر کا ماورائے آئین حکم نامہ جاری کریں۔ انہیں تو ایمرجنسی کے نفاذ کے آرڈر کا علم ہی نہیں تھا۔ شوکت عزیز کے پرنسپل سیکرٹری خالد سعید نے بھی ایف آئی اے کو یہ بتایا کہ ایمرجنسی کے نفاذ سے قبل پرویز مشرف اور شوکت عزیز کے درمیان کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی اور سابق وزیراعظم شوکت عزیز بھی ایک بیان میں انکار کر چکے ہیں کہ انہوں نے ایمرجنسی کے نفاذ کی کوئی تجویز دی تھی۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اس سلسلے میں ان سے کوئی مشورہ نہیں لیا گیا تھا۔

دوسری جانب ایک فوجداری اپیل میں اسلام آباد ہائیکورٹ کی توجہ سابق صدر پرویز مشرف کے مقدمے میں مبینہ بیرونی مداخلت پر دلائی گئی ہے۔ اپیل میں کہا گیا ہے کہ پرویز مشرف کا ایک خارجی مددگار عدالت سے باہر فریقین میں سمجھوتے کے لیے کوشاں ہے اور خصوصی عدالت کی کارروائی اسی کے نسخے پر چل رہی ہے۔ سابق صدر گزشتہ کئی برس سے اپنے مددگار کے ساتھ سیاسی سودے بازی میں ملوث رہے ہیں اور سیاسی اتار چڑھاؤ کے باوجود انہیں اس مددگار کی مسلسل تائید و حمایت حاصل رہی ہے۔ صدارت سے استعفے کے بعد ان کے مابین بدستور رابطہ رہا ہے۔ اس مددگار کی منشاء کے مطابق جاری مقدمہ سزائے موت کی

بجائے عمر قید پر منتج ہوگا، البتہ دکھاوے کی سزا بھی صدارتی معافی کے آرٹیکل 45 کی بھینٹ چڑھ جائے گی۔ وفاقی حکومت اعلانیہ کہہ رہی ہے کہ خصوصی عدالت کے فیصلے کو تسلیم کیا جائے گا، جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ جنرل مشرف کی بریت کے خلاف اپیل سے گریز کیا جائے گا۔ پرویز مشرف کی بریت قوم سے ایک مہنگا مذاق ہوگا، کیونکہ وفاق اب تک ان کے حفاظتی اقدامات پر 20 کروڑ سے زاید رقم صرف کرچکا ہے۔

درخواست گزار شاہد اورکزئی نے زور دے کر کہا کہ خصوصی عدالت کی تمام تر کارروائی کی اصل قانونی ذمہ داری اسلام آباد ہائیکورٹ پر ہی آئے گی، کیونکہ جب تک ہائیکورٹ سزائے موت پر مہر نہیں لگاتی، اس کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل نہیں ہوسکتی۔ اپیل پرویز مشرف کے خلاف فرد جرم میں ترمیم کے لیے دائر کی گئی، تاکہ قومی خودمختاری پر سمجھوتہ کرنے پر سابق صدر پر گرفت کی جائے۔ خصوصی عدالت کے سربراہ جسٹس فیصل عرب نے بقلم خود درخواست اس بنا پر رد کردی کہ درخواست گزار فریق مقدمہ نہیں ہے۔ غداری کے مقدمے کا اصل مقصد تو آئین کا دفاع ہے، جبکہ خصوصی عدالت وفاقی کی سہولت پر عمل پیرا ہے۔ لہٰذا اسے فرد جرم میں بڑے جرم کے اضافے اور اس الزام کی پراسیکیوشن کی ہدایت کی جائے، تاکہ عدالتی کارروائی معطل رکھی جائے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ غداری کیس میں مشرف کے حوالے سے ملکی و غیر ملکی قوتیں سرگرم ہیں، حکومت پر مشرف کیس کے حوالے سے کافی زیادہ دباؤ ہے،اس تمام تر دباؤ کے باجود پرویز مشرف تنہا ہوتے جارہے ہیں، کیونکہ اب ان کے تمام ساتھی بھی ان

کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں اور بیرونی مداخلت کے خلاف بھی درخواست دی جاچکی ہے۔
تجزیہ کار وزیر اعظم میاں نواز شریف اور پی پی رہنما آصف زرداری کی ملاقات کو بھی
اسی تناظر میں دیکھ رہے ہیں۔

اہم فیصلے .... خوش آیند پیش رفت !..

جمعرات کے روز وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کی زیر صدارت قومی سلامتی سے متعلق کابینہ کمیٹی کے ہنگامی اجلاس میں ملکی مسائل کو حل کرنے کے حوالے سے کافی خوش آیند پیش رفت ہوئی ہے۔ اجلاس میں وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان، وزیر دفاع خواجہ آصف، وزیر خزانہ اسحاق ڈار، وزیراعظم کے مشیر برائے قومی سلامتی سرتاج عزیز کے علاوہ چیف آف آرمی اسٹاف جنرل راحیل شریف، ڈائریکٹر جنرل آف انٹر سروسز انٹیلی جنس (آئی ایس آئی اور ڈائریکٹر جنرل آف انٹیلی جنس بیورو آفتاب سلطان نے اہم ملکی امور کو سلجھانے کی بات کی ہے۔اجلاس میں طالبان سے مذاکرات کی حکمت عملی، افغانستان میں انتخابات کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال اور ایران سے حالیہ سرحدی معاملات پر کشیدگی، ایرانی قیادت کے پاکستان پر الزامات اور دھمکیوں پر مشتمل ایجنڈے پر غور کیا گیا، گزشتہ کچھ ہفتوں سے سول اور ملٹری قیادت کے درمیان کشیدگی پر بھی بات چیت ہوئی۔ ذرائع کے مطابق اجلاس میں آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے دو ٹوک اعلان کیا کہ فوج ملکی سلامتی اور تحفظ کے لیے ہر طرح کے چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے تیار ہے، اپنی سرحدوں پر کسی کو بھی چھیڑ خانی کی اجازت نہیں دیں گے، نہ کسی کے معاملات میں مداخلت کر رہے ہیں، نہ کسی کو اپنے معاملات میں مداخلت کرنے

دیں گے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق اجلاس کی کامیابی سے کافی حد تک یہ واضح ہوگیا کہ حکومت اور فوج میں تناؤ نہیں ہے، اگر کچھ تناؤ تھا تو وہ بھی وقتی تھا اور فوج پر تنقید سمیت اہم امور پر اختلاف رائے کے نتیجے میں تناؤ کی کیفیت عارضی ثابت ہوئی۔ وسیع تر قومی مفاد سول ملٹری اختلافات پر غالب آ گیا، فوج اور حکومت ایک بار پھر ایک صفحے پر آ گئے ہیں۔ ذرائع کے مطابق سیاسی و عسکری قیادت نے اتفاق کیا ہے کہ تمام معاملات کو ملکی بقا، سلامتی کی نظر سے دیکھتے ہوئے ہی آگے بڑھنا ہے، کوئی بھی ایسی بات جس سے ملکی بقا، سلامتی کو خطرہ لاحق ہو، اسے ہر صورت طے کرنا ہے اور خرابی کو ٹھیک کرنا ہے، مزید خراب نہیں کرنا۔ جیسے مشرف کیس سے جڑے حکومتی وزراء سمیت مختلف حلقوں کی طرف سے دیے گئے سخت بیانات کو بادی النظر میں فوج پر تنقید سمجھا گیا، جس کے نتیجے میں جنم لینے والی بے چینی اور تحفظات کا سفر پاک فوج کے افسروں، جوانوں سے ہوتا ہوا عسکری قیادت تک پہنچا تو بات سول ملٹری تعلقات میں تناؤ تک پہنچ گئی۔ رپورٹ کے مطابق اسی حوالے سے ایک فوجی عہدیدار کا کہنا تھا کہ اہم ایشوز پر مشاورتی عمل کے دوران فریقین کی رائے ایک جیسی نہیں ہوتی، اس عمل کے دوران بعض مواقع پر اختلاف رائے اختلافات کی شکل بھی اختیار کر جاتا ہے، مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ فریقین میں کوئی میچ پڑ گیا ہے۔ وزیر اعظم کے زیر صدارت قومی سلامتی کمیٹی کے اہم اجلاس جیسی میٹنگز میں ملکی دفاع کے معاملے پر پایا جانے والا اتفاق ایک اچھا شگون ہے۔ اختلافات کا یہ

مطلب نہیں کہ کوئی مارشل لاء آ رہا ہے، اگر رائے میں کوئی فرق ہو یا کسی معاملے پر اختلاف رائے ہو بھی جائے تو اس کا فوری طور پر یہ مطلب نہیں نکالنا چاہیے کہ سسٹم کو کوئی خطرہ ہو گیا ہے۔ دونوں اطراف سے بالغ نظری، معاملہ فہمی اور ملکی مفاد کو مقدم رکھنے کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

وزیر اعظم نے اجلاس میں کہا کہ پاکستان کسی قسم کے تنازعات میں الجھنے کی بجائے ترقی کے راستے کو اپنائے گا، دنیا میں پاکستان کی متاثرہ ساکھ کو دوبارہ نیک نامی میں تبدیل کیا جائے گا۔ حکومت اور طالبان کے درمیان مذاکراتی عمل میں پیش رفت اور اس کے مستقبل پر بھی خاصا غور کیا گیا۔ اجلاس سے ایک روز قبل ہی طالبان نے حکومت کی جانب سے جنگ بندی کا مثبت جواب نہ دینے کے الزام پر جنگ بندی میں توسیع نہ کرنے کا اعلان کیا تھا، جس کے بعد معاملات کچھ شدت کی جانب مبذول ہوتے نظر آ رہے تھے۔ لیکن اجلاس میں مذاکرات کے حوالے سے مثبت پیشرفت دیکھنے میں آئی ہے۔ ذرائع کے مطابق اجلاس میں عسکری قیادت نے حکومت کو یقین دلایا کہ طالبان سے مذاکرات پر حکومت جو بھی فیصلہ کرے گی، وہ اس کے ساتھ ہیں، مذاکرات پر کوئی اعتراض نہیں۔ جبکہ وزیر اعظم کی زیر صدارت قومی سلامتی کمیٹی کے اجلاس میں طالبان سے مذاکرات جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ذرائع کے مطابق وزیر اعظم نے وزیر داخلہ کو ہدایت کی ہے کہ وہ طالبان کمیٹی کے ارکان سے رابطے کرکے مذاکرات میں حائل

تعطل کو دور کریں، مگر اس میں یہ بھی خیال رکھا جائے کہ طالبان کو مذاکرات کے دوران مکمل سیز فائر کا اعلان کرنا پڑے گا، اگر ایسا نہیں ہوا تو اس سے مذاکرات کے عمل کو نقصان پہنچے گا۔ وزیر اعظم نے وزیر داخلہ کو کہا کہ حکومت کی قیام امن کی کاوش ملک و قوم کے وسیع تر مفاد میں ہے، حکومت آگ اور خون کی ہولی کی بجائے ملک میں امن اور ترقی چاہتی ہے، جس کے بعد اطلاعات ہیں کہ وفاقی حکومت نے طالبان کو مذاکرات کے دوران جنگ بندی پر قائل کرکے ان سے باقاعدہ اعلان کروانے کے لیے مولانا سمیع الحق کو ٹاسک دے دیا ہے۔ وزیر داخلہ نے حکومتی کمیٹی کے ارکان اور طالبان کمیٹی کے سربراہ مولانا سمیع الحق کے ساتھ جمعرات کو بات چیت میں یہ واضح کیا کہ وہ طالبان سے مذاکرات کے عمل کے دوران مکمل فائر بندی کرنے کا اعلان کروائیں۔

وزیر داخلہ نے کہا ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ حکومت مذاکرات میں سنجیدہ نہیں، چند ماہ میں حکومت نے انتہائی سنجیدگی، خلوص اور بردباری سے مذاکرات کے راستے میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور کیا ہے۔ اگر مذاکرات میں سنجیدگی نہ ہوتی تو حکومتی ٹیم خود جنوبی وزیرستان کیوں جاتی؟ اگر طالبان کو بعض معاملات میں اعتراضات ہیں تو بہت سے تحفظات ہمیں بھی ہیں، مگر اس کے باوجود ہم نے مذاکرات کے عمل کو خلوص نیت سے آگے بڑھایا۔ دونوں اطراف سے اعتراضات اور تحفظات مذاکرات کی میز پر ہی دور ہو سکتے ہیں۔ میڈیا میں بیانات سے نہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اگر فائر بندی ختم کر دی جائے تو بامقصد مذاکرات آگے بڑھ سکیں گے۔ جبکہ طالبان کا

کہنا ہے کہ انہوں نے مذاکرات کے دروازے کھلے رکھے ہیں، لیکن جنگ بندی میں توسیع اس لیے نہیں کی کہ حکومت نے ہمارے مطالبات پورے نہیں کیے، جنگ بندی کے باوجود ہمارے پچاس ساتھیوں کو ماورائے عدالت قتل کیا گیا ہے۔ برطانوی نشریاتی ادارے کو انٹرویو میں حکومتی کمیٹی کے رکن رستم شاہ نے بھی کہا کہ طالبان سے مذاکرات کے حوالے سے حکومت کی جانب سے معاملات میں تاخیر ہوئی، حکومت کو جن معاملات پر عملدرآمد کرنا ہے، جلد سے جلد کرنا چاہیے، تاکہ بات چیت کا عمل راستے پر آ سکے۔ مولانا سمیع الحق نے ایک بیان میں کہا ہے کہ موجودہ صورتحال میں دونوں حلقوں کو صبر و تحمل اور وسعت ظرفی کا مظاہرہ کرنا چاہیے، مذاکرات میں اتار چڑھاؤ، تاخیر، تعطل، ناراضی اور گلے شکوے معمول کی بات ہے۔

دوسری جانب طالبان کمیٹی کے رکن پروفیسر ابراہیم نے کہا ہے کہ اس بات کا امکان ہے کہ طالبان شوریٰ کو جنگ بندی میں توسیع پر آمادہ کرنے کے لیے کمیٹی کے ارکان خود وزیرستان جائیں۔ قیدیوں کی رہائی کے معاملے بارے طالبان کو شدید تحفظات ہیں، اگر ان کی شکایات کا ازالہ کر دیا جائے تو جنگ بندی میں توسیع کا امکان ہے۔ حکومت کو بھی قیدیوں کی رہائی کے معاملے پر طالبان کے تحفظات سے آگاہ کیا جا چکا ہے، جنگ کسی صورت نہیں ہونی چاہیے، طالبان کی جانب سے جنگ بندی میں توسیع کے لیے کوشش جاری ہے۔ پروفیسر ابراہیم نے یہ

بھی کہا کہ طالبان سے براہ راست کوئی رابطہ نہیں، میڈیا پر چلنے والی خبروں کے بعد طالبان کی جانب سے جنگ بندی میں توسیع نہ کرنے کے فیصلے کا معلوم ہوا۔ دونوں کمیٹیاں مذاکرات کے حوالے سے رابطے میں ہیں اور جب معاملات کسی اہم نقطے پر پہنچ جائیں گے تو دونوں کمیٹیاں فاٹا میں ملاقات کرکے معاملات کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں گی۔ واضح رہے کہ جمعہ کے روز وفاقی کابینہ کے اجلاس میں بھی وزیر اعظم نے کابینہ کو طالبان کے ساتھ ہونے والے مذاکرات میں پیشرفت کے حوالے سے اعتماد میں لیا اور وفاقی کابینہ نے قیام امن کے لیے طالبان سے مذاکراتی عمل جاری رکھنے کے فیصلے کی تائید کی ہے۔ کابینہ ارکان کا کہنا تھا کہ قوم قیام امن کے لیے حکومت کی جانب دیکھ رہی ہے، اس لیے مذاکراتی عمل کو جاری رکھا جائے۔

پاکستان میں انسانی اسمگلنگ کا بڑھتا ہوا رجحان

گزرتے وقت کے ساتھ دنیا بھر کی طرح پاکستان میں بھی انسانی اسمگلنگ کا رجحان بڑھ رہا ہے۔انسانی اسمگلنگ سے مراد بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خفیہ طور پر یا دھوکا دہی کے ذریعے کسی شخص کو دوسرے ملک کی سرحد عبور کرتے ہوئے اس ملک میں داخل کرانا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر اسمگلنگ ایک منظم اور بھیانک جرم ہے، اس جرم سے کسی قسم کا فائدہ حاصل کرنا یا کسی قسم کی معاونت کرنا بھی جرم ہے۔ یہ ایک منظم جرم اور بڑا منافع بخش کاروبار اور پیسہ کمانے کا آسان طریقہ ہے، جس میں ایجنٹس کے پورے پورے نیٹ ورکس ملوث ہوتے ہیں۔ بہتر معاشی مستقبل، غربت کی وجہ سے اکثر لوگ بیرون ملک جانے کی کوششیں کرتے ہیں۔ ایجنٹس نیٹ ورکس ان کو قانونی طریقے سے باہر لے جانے کی بجائے غیر قانونی طریقوں سے سرحد عبور کرانے کا انتظام کرتے ہیں اور اس انتظام کرنے پر بھاری رقوم بھی حاصل کرتے ہیں۔ غیر قانونی طریقے سے دوسرے ملک میں داخل ہونا انتہائی مشکل اور ایک بہت اذیت ناک سفر ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ دوسرے ممالک کی سرحد عبور کرتے ہوئے مختلف طرح سے اپنی جان گنوا بیٹھتے ہیں۔ غیر قانونی سرحد عبور کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد راستے میں ہی یا تو گرفتار ہوجاتی ہے یا پھر سرحدی فوجیوں کی گولیوں کا نشانہ بن جاتی ہے۔ کچھ لوگ مختلف ممالک میں

صحرائی علاقوں سے داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن طویل صحرا میں پانی اور کھانے کی اشیاء کے ختم ہو جانے اور مسلسل چلنے کی وجہ سے راستے میں ہی دم توڑ دیتے ہیں۔ بہت سے افراد بحری جہازوں کے تہہ خانوں میں دم گھٹنے سے یا پھر پکڑے جانے کے خوف سے ایجنٹس کے ہی ہاتھوں سمندر برد کر دیے جانے سے مر جاتے ہیں۔ اقوام متحدہ نے اپنی رپورٹ میں پاکستان میں انسانی اسمگلنگ کے بڑھتے رجحان پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان میں بڑھتی ہوئی غربت، بے روزگاری اور عدم تحفظ کے باعث انسانی اسمگلنگ کی صورتحال سنگین ہوتی جا رہی ہے۔ دیگر جرائم کے ساتھ ساتھ انسانی اسمگلنگ کا گھناؤنا کاروبار بھی خوب پھل پھول رہا ہے۔ صورت حال میں تبدیلی نہ آئی تو خدشہ ہے کہ پاکستان کو ملنے والی بین الاقوامی امداد میں کٹوتی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان پڑھ و غریب عوام کنبے کی کفالت اور بہتر مستقبل کے لیے آئے دن انسانی اسمگلرز کا شکار بن کر نہ صرف اپنی عمر بھر کی جمع پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، بلکہ دیار غیر میں صعوبتیں بھی برداشت کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ کو اس بات پر تشویش ہے کہ پاکستان میں انسانی اسمگلنگ کے جرائم میں ملوث افراد کے وسائل میں اضافہ، جبکہ ان کی روک تھام کرنے والے اداروں کے وسائل میں کمی واقع ہو رہی ہے۔

بلاشبہ انسانی اسمگلنگ کا جرم پاکستان کے لیے مستقل دردِ سر ہے۔ گزشتہ ماہ

انسانی اسمگلنگ کے حوالے سے پاکستان کو عالمی اداروں کی ٹیئر 2 واچ لسٹ میں شامل کیے جانے کا خدشہ ظاہر کیا گیا تھا۔ بہتر ذریعہ معاش کے متلاشی نوجوانوں اور جنسی تجارت کے لیے زیادہ تر خواتین و بچوں کی اسمگلنگ میں ملوث گروہوں کے لیے پاکستان بدستور ایک منزل مقصود، راہداری اور منبع مانا جاتا ہے۔ انسانی اسمگلنگ کی دیگر اقسام کے مقابلے میں پاکستان میں زیادہ تر ایسے افراد کی اسمگلنگ کے واقعات پیش آتے ہیں جو بہتر روزگار کی تلاش میں غیر قانونی طریقوں سے یورپ اور مشرق وسطی کے ملکوں کا سفر کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ ملک میں انسانی اسمگلنگ میں اضافے کی ایک وجہ پاکستان کا جغرافیہ اور کئی ممالک سے منسلک اس کی طویل سرحدیں بھی ہیں۔ ایران کے ساتھ پاکستان کی سرحد 900 کلومیٹر طویل ہے، جہاں سے انسانی اسمگلنگ میں ملوث نیٹ ورکس کی سرگرمیاں سب سے زیادہ ہیں، کیونکہ صرف تافتان کے مقام پر دونوں ملکوں کے درمیان امیگریشن مرکز ہے اور وہ بھی سہولتوں کے فقدان کا شکار ہے۔

پاکستان میں بلوچستان سے ایران پھر ترکی اور پھر وہاں سے یونان یہ ایک روایتی راستہ رہا ہے اور جب اسمگل کیے جانے والے افراد مطلوبہ ملک میں پہنچ جاتے ہیں، بشمول یورپی ملکوں میں تو وہاں موجود ایجنٹس انھیں ان کی مرضی کی منزلوں پر بھیج دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بلوچستان کی سرحد پر ایران میں مند بیلو کا علاقہ انسانی اسمگلروں کے زیر استعمال ہے۔ یہاں سے یہ بڑے بحری جہازوں یا کشتیوں میں مسقط جاتے ہیں اور پھر وہاں سے یہ مشرق وسطی کی

ریاستوں میں نکل جاتے ہیں۔ ایران سے سالانہ تقریباً 15 ہزار جب کہ عمان سے لگ بھگ سات آٹھ ہزار پاکستانیوں کو گرفتاری کے بعد ملک بدر کرکے پاکستانی حکام کے حوالے کیا جاتا ہے۔ تاہم انسانی اسمگلنگ کا شکار ہونے والے افراد کی سالانہ مجموعی تعداد کے بارے میں سرکاری طور پر کوئی اعداد و شمار جمع کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ لیکن ملک میں انسانی اسمگلنگ کے مطلوب خطرناک ملزمان کی تعداد 4 سال میں 89 سے بڑھ کر تک جا پہنچی ہے، جن کے تقریباً 8ہزار ایجنٹ ہیں، 2009 سے 2014 تک 141 افراد کو بیرون ملک جانے کی کوشش پر پاک ایران اور پاک افغان سرحد پر 61200 پکڑا گیا، جبکہ یہ لوگ 8ہزار سے زاید افراد کو مشرق وسطی، یورپی اور افریقی ممالک اسمگل کر چکے ہیں۔ انسانی اسمگلر عموماً گلستان، چمن، نوشکی، چاغی، مند بلو، پنج گور، تافتان اور تربت کے راستے استعمال کرتے ہیں۔ ایف آئی اے بعض انتہائی مطلوب انسانی اسمگلروں کے ریڈ وارنٹ جاری کرچکا ہے، ان کی تعداد میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ ایف آئی اے کی ریڈ بک کے مطابق بیشتر انتہائی مطلوب انسانی اسمگلروں کا تعلق گجرات اور گوجرانوالہ سے ہے۔ کچھ انسانی اسمگلر سیالکوٹ، راولپنڈی، منڈی بہاؤ الدین اور آزاد جموں و کشمیر سے ہے۔ یہ ایجنٹ لوگوں کو انتہائی تھوڑی رقم میں دوسرے ممالک میں بھیجنے کا جھانسا دیتے ہیں اور ان سے پیسے لے کر انہیں کسی دوسرے ایجنٹ کے ہاتھوں فروخت کردیتے ہیں۔ محتاط اندازوں کے مطابق پاکستان میں سرگرم عمل انسانی اسمگلر اس غیر قانونی کاروبار سے تقریباً15 کروڑ ڈالر

سالانہ کماتے ہیں۔

پاکستان اس غیر قانونی عمل سے شدید طور پر متاثر ہوا ہے، یہاں سے نہ صرف انسانی اسمگلنگ ہوتی ہے ،بلکہ اس سرزمین کو گزرگاہ کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں بنگلا دیش، سری لنکا، برما اور انڈیا سے خواتین، بچوں اور مردوں کو غیر قانونی طور پر خلیجی ممالک، ترکی، ایران اور یورپ میں اونٹوں کی دوڑ، جسم فروشی اور جبری مشقت کے لیے ہوائی، سمندری اور زمینی راستوں سے اسمگل کیا جاتا ہے۔ افغانستان کے باشندوں کو بھی مغربی اور خلیجی ممالک کی طرف اسمگل کرنے کے لیے پاکستان کو راہداری کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ دونوں ملکوں کے درمیان 2400 کلومیٹر طویل سرحد پر صرف چمن اور طورخم کے مقام پر دو امیگریشن پوسٹیں ہیں اور ان پر بھی محض پانچ فیصد افراد بین الاقوامی مسافر ہوتے ہیں۔ پاکستانی حکام کے مطابق یورپ میں ویزا اور امیگریشن کے نظام میں موثر تبدیلیوں کے بعد حالیہ برسوں میں اہم قانون سازی کے علاوہ امریکا، برطانیہ اور آسٹریلیا جیسے ممالک کے تعاون سے خصوصاً ہوائی اڈوں پر جدید مشینری کی تنصیب کی مدد سے جعلی سفری دستاویزات کی بنیاد پر ہوائی راستوں سے پاکستان سے انسانی اسمگلنگ کو مشکل بنا دیا گیا ہے۔انسانی حقوق کی تنظیموں کا کہنا ہے کہ پاکستانی حکومت کو چاہیے کہ انسانی اسمگلنگ کے بڑھتے ہوئے رجحان کی وجوہات کا سدباب کرے ،

انسانی اسمگلروں کی بیخ کنی کے ساتھ ساتھ ملک سے بے روزگاری اور غربت کا خاتمہ کرے، تاکہ غریب عوام کسی دھوکے باز کے ہاتھوں اپنا مال اور جان نہ گنوا بیٹھے۔

واضح رہے کہ انسانی اسمگلنگ اور تارکین وطن صرف پاکستان کا ہی نہیں، بلکہ پوری دنیا کا مسئلہ ہے۔ دنیا بھر میں انسانی اسمگلنگ اور غیر قانونی طور پر ترک وطن کرنے والوں میں زبردست اضافہ ہوا ہے، قانون نافذ کرنے والے اداروں کے درمیان عدم تعاون اور وسائل کی عدم دستیابی نے اس مسئلے کو مزید پیچیدہ بنادیا ہے۔ اس وقت دو سو ملین لوگ اپنا وطن ترک کرکے مہاجرین کی طرح زندگی گزار رہے ہیں، یہ انسانی آبادی کا تیسرا حصہ ہے۔ ہر 35 میں سے ایک فرد نقل مکانی کی صورتحال سے دوچار ہے، ہر سال 45 ملین لوگ نقل مکانی کے عمل سے گزرتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے مطابق انسانی اسمگلنگ کا کاروبار سالانہ 7 ارب ڈالر سے زیادہ کا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق صرف امریکا میں سالانہ پانچ لاکھ لوگ غیر قانونی طریقے سے داخل ہوتے ہیں۔ تقریباً پندرہ کروڑ لوگ وہ ہیں، جو اپنے ملکوں سے باہر کے ملکوں میں روزگار کمانے پر مجبور ہیں، جن میں سے بہت سے اس مقصد کے لیے 35 ہزار ڈالر تک خرچ کرتے ہیں۔ یو ایس کانگریس کی ریسرچ سروس کا اندازہ ہے کہ ہر سال دس لاکھ سے بیس لاکھ لوگ ناجائز اور غیر قانونی طریقے سے سرحدیں پار کرتے ہیں، جن میں اکثریت عورتوں

اور بچوں کی ہوتی ہے۔ یورپی یونین میں انسانی اسمگلنگ کے سب سے زیادہ متاثرین کا تعلق رومانیہ، بلغاریہ اور ہنگری سے ہوتا ہے۔ یورپی کمیشن میں انسانی اسمگلنگ کی روک تھام کے ادارے کی رابطہ کار مائریا وسیلیادو کہتی ہیں: "ہم اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ متاثرہ افراد کا تعلق غیر یورپی ممالک سے ہوتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، ان میں زیادہ تر یورپی یونین کے شہری ہی ہوتے ہیں، جرائم پیشہ گروہ ان سرگرمیوں میں ملوث ہیں اور یہ کاروبار یورپی یونین کی سرحدوں کے اندر ہی ہوتا ہے اور زیادہ تر خریدنے والے بھی یورپی شہری ہی ہوتے ہیں۔" یورپی یونین میں اعداد و شمار کے ادارے یوروسٹیٹ کے مطابق 2013ء کے دوران انسانی اسمگلنگ کا شکار ہونے والے 61 فیصد افراد کا تعلق یورپی ممالک سے تھا۔ متاثر ہونے والے سب سے زیادہ یعنی چالیس فیصد رومانیہ کے باسی تھے۔ اس کے بعد 18 فیصد کے ساتھ ہنگری کا نمبر آتا ہے، جبکہ بلغاریہ 11 فیصد کے ساتھ تیسرے نمبر پر رہا۔ انسانی اسمگلنگ کی روک تھام کے حوالے سے امریکا نے چین اور روس کو دنیا کے بدترین ممالک قرار دیا ہے، جس درجہ بندی کے نتیجے میں دونوں ملکوں کے خلاف پابندیاں عاید کی جا سکتی ہیں۔ امریکی محکمہ خارجہ کی رپورٹ کے مطابق چین اور روس کے ساتھ ساتھ ازبکستان کو انسانی اسمگلنگ کے حوالے سے بدترین درجے کے ممالک قرار دیا گیا ہے۔ انہیں 'ٹیئر تھری' کی نچلی ترین سطح پر رکھا گیا ہے۔ ایران، شمالی کوریا، کیوبا، سوڈان اور زمبابوے وہ دیگر ممالک ہیں جنھیں 'ٹیئر تھری' کا

درجہ دیا گیا ہے۔

بڑھتے ہوئے ٹریفک حادثات.... ذمے دار کون؟

ہفتہ اوراتوار کی درمیانی شب سندھ کے علاقے پنو عاقل کے قریب قومی شاہراہ پر ہولناک ٹریفک حادثے میں ایک بڑی تعداد میں قیمتی انسانی جانوں کے ضیاع کی خبر سے ہر دردمند پاکستانی کا دل بے چین ہے۔ ٹریفک کے اس حادثے میں 42 مسافر جاں بحق اور30 سے زاید شدید زخمی ہوئے۔ ٹریفک حادثے کی نذر ہونے والوں میں 12 بچے اور13 خواتین بھی شامل ہیں۔ اطلاعات ہیں کہ قومی شاہراہ پر ڈرائیور کی غلطی اور تیز رفتاری کے باعث ڈیرہ غازی خان سے کراچی جانے والی مسافر بس اوورٹیکنگ کے دوران آگے جانے والے ٹرالر میں جا گھسی، جس سے بس کی باڈی مکمل طور پر پچک جانے سے مسافر پھنس کر رہ گئے اور انتظامیہ کے بر وقت نہ پہنچنے پر بس میں پھنسے مسافروں کو باہر نکالنے اور ہسپتال پہنچانے میں کافی مشکلات کا سامنا رہا اور کئی زخمی تڑپ تڑپ کر دم توڑ گئے۔ مقامی صحافیوں کے مطابق قومی شاہراہ کا یہ حصہ گھوٹکی سے سکھر تک زیر تعمیر ہے، جس کی وجہ سے تمام گاڑیوں کو کئی مقامات پر سنگل سڑک پر چلنا پڑتا ہے۔

پاکستان بھر میں دن بدن ٹریفک حادثات کی بڑھتی ہوئی شرح باعث تشویش ہے، جس

کی بدولت لاتعداد قیمتی جانیں تسلسل کے ساتھ لقمہ اجل بن رہی ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان بھر میں اوسطاً 15 سے 30 افراد روزانہ ٹریفک حادثات کا شکار ہو کر اپنی قیمتی جانیں گنواتے ہیں اور متعدد افراد ہمیشہ کے لیے معذور بھی ہو جاتے ہیں۔ پاکستان میں سالانہ ہونے والے ٹریفک حادثات کی تعداد اندازاً تین لاکھ بتائی جاتی ہے، جن میں سالانہ 13 ہزار افراد موت کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور پچاس ہزار سے زاید زخمی ہو جاتے ہیں۔ آئے روز ملک کے مختلف حصوں میں ٹریفک کے بڑے بڑے حادثات پیش آتے رہتے ہیں، جن میں بیک وقت دسیوں، بیسیوں افراد جان کی بازی ہار جاتے ہیں۔ 2010ء سے لے کر اب تک پاکستان میں چند بڑے ٹریفک حادثات میں سیکڑوں افراد جاں بحق ہوئے ہیں۔ 16 اپریل 2010ء کو ہرموش چوٹی کے قریب مسافر بس دریا میں گرنے سے 12 افراد جاں بحق اور 7 زخمی ہوئے۔ 23 جنوری 2011ء کو ایک بس آئل ٹینکر سے ٹکرا گئی، جس کے نتیجے میں 32 افراد زندہ جل گئے اور 9 شدید زخمی ہوئے۔ جون 2011ء میں ایک نجی اسکول کی وین نہر میں گرنے سے بچے جاں بحق ہوئے۔ ستمبر 2011ء میں کلر کہار میں ایک ٹریفک حادثے کے نتیجے 12 میں اسکول کے 35 بچے جان کی بازی ہار گئے اور سو کے قریب بچے زخمی بھی ہوئے تھے۔ 3 مئی 2012ء کو بس حادثے میں 17 افراد جاں بحق ہوئے اور 14 زخمی ہو گئے۔ 16 مارچ 2013ء کو کوہستان ڈسٹرکٹ میں ایک بس کھائی میں گرنے سے 24 سیاہی جاں بحق اور 5 زخمی ہوئے۔ اسی ماہ 23 مارچ کو بس اور ٹرک کے تصادم میں افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، جبکہ 25

مارچ کو بس اور ٹرالر کے تصادم کے نتیجے میں 7 افراد موت کے منہ میں چلے گئے 26 اور متعدد زخمی ہوئے۔ اس سے اگلے روز 27 مارچ کو بس حادثہ میں 12 افراد زندگی سے محروم ہو گئے۔ 5 اپریل 2013 ء کو بس اور کار کی ٹکر سے 5 افراد لقمہ اجل بن گئے اور 7 زخمی ہوئے۔ جون 2013ء میں ایک مسافر بس دریائے نیلم میں جا گری، جس کے نتیجے میں 22 افراد جاں بحق ہو گئے تھے۔ 8 نومبر 2013ء کو بس کے ایک حادثے میں 5 افراد کی زندگیوں کے چراغ گل ہو گئے۔ 8 جنوری کو مری میں دو بسوں کے کھائی میں گرنے کے باعث دس افراد جاں بحق ہو گئے تھے، جبکہ اس حادثے میں افراد زخمی بھی ہوئے تھے۔ 15 جنوری 2014ء کو صوبہ سندھ میں اسکول وین 23 سے ایک ٹرک ٹکرا گیا، جس کے نتیجے میں 18 طالب علموں سمیت 3 اساتذہ بھی ہمیشہ کے لیے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس حادثے میں 11 طالبعلم زخمی بھی ہوئے۔ 22 مارچ 2014 ء کو حب میں بس اور ٹینکر میں تصادم سے 25 افراد جان سے گئے اور اپریل کو پنو عاقل کے قریب ہونے والے حادثے میں 42 افراد اپنی جان سے 20 ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور 30 افراد زخمی بھی ہوئے ہیں۔

پاکستان کا شمار دنیا کے ان ممالک میں ہوتا ہے، جہاں ٹریفک حادثات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق اگر ایک لاکھ گاڑیاں سڑک پر ہیں تو ان میں سے گاڑیاں ٹریفک حادثات کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ٹریفک حادثات روکنے کے لیے 2300 حکومت پاکستان کی طرف سے کوئی واضح اقدامات سامنے نہیں آئے ہیں اور

ٹریفک حادثات میں آئے روز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ پاکستان میں ٹریفک حادثات کا پیش آنا معمول کی بات ہے۔ ان کی عمومی وجوہات مخدوش سڑکیں، ٹرانسپورٹ کی خراب حالت، ڈرائیوروں کی غفلت، ٹریفک قوانین سے لاعلمی اور گاڑیوں میں گنجائش سے زیادہ مسافر سوار کرنا بتائی جاتی ہیں۔ ٹریفک قوانین کا احترام نہ کرنے کا چلن بھی حادثات میں بے پناہ اضافے کا سبب بن رہا ہے۔ اول تو نجی بس یا ٹینکر سروس کے ڈرائیور اپنی طویل ڈیوٹی کے اوقات جو بعض اوقات سولہ یا اٹھارہ گھنٹے بھی ہوتے ہیں، تھکاوٹ کا شکار ہوتے ہیں اور بہت سے ڈرائیور نشے کے عادی ہوتے ہیں۔ ٹرانسپورٹ کمپنی کے مالکان اپنی مالی بچت کی خاطر دو ڈرائیوروں کی جگہ ایک ڈرائیور سے کام لیتے ہیں۔ ڈرائیور حضرات کی اکثریت ان پڑھ افراد پر مشتمل ہوتی ہے، ٹریفک قوانین سے عدم آگاہی بھی حادثات کا بنیادی سبب ہے، اگر ڈرائیور حضرات کی ڈیوٹی کے اوقات کار طے ہوں تو حادثات میں نمایاں حد تک کمی واقع ہو سکتی ہے۔ پبلک ٹرانسپورٹ میں چلنے والی گاڑیاں فٹنس کے مسائل کا شکار ہوتی ہیں، متعلقہ محکمہ ناکارہ گاڑیوں کو رشوت کے عوض فٹنس سرٹیفکیٹ جاری کر دیتا ہے۔ گاڑیوں میں نصب غیر معیاری سلنڈر پھٹنے کے باعث حادثات کی شرح میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ڈرائیور حضرات کا اوور اسپیڈنگ اور اوور ٹیکنگ کا شوق بھی جان لیوا حادثات کا سبب بنتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ روڈ ٹریفک حادثے میں مختلف عناصر ملوث ہوتے ہیں۔ ٹریفک حادثہ یا تو ڈرائیور کی غلطی، گاڑی کی خرابی، روڈ کی تعمیر میں کمی و کوتاہی یا

پھر سڑک کو استعمال کرنے والے کی غلطی سے وقوع پذیر ہوتا ہے، لیکن ہم ٹریفک حادثے کو اس انداز میں لیتے ہیں، جیسے اس نے ہونا ہی تھا۔ کوئی یہ نہیں سوچتا کہ ایک موٹر سائیکل سوار جس کی موٹر بائیک کی اسپیڈ 80 سے 100 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار ہو اور وہ بیچ سڑک موبائل فون نکال کر سننا شروع کر دے تو یقیناً یا تو اس کی بائیک سامنے کسی تیز رفتار گاڑی سے ٹکرائے گی یا پھر وہ پیچھے سے آنے والی گاڑی کا شکار ہوگا۔ اگر کوئی بس ڈرائیور بس چلانے کے دوران حد سے زیادہ اسپیڈ کرے گا یا وہ نشے میں ہوگا یا روڈ ٹوٹا ہوا ہوگا تو، پھر بھی حادثے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ جب تک بحیثیت قوم ہم سب ٹریفک قوانین پر عمل نہیں کریں گے تو اس وقت تک کیسے ان سانحات میں کمی واقع ہو سکتی ہے۔ پاکستان میں روڈ اینڈ سیفٹی کا قانون صرف لکھا ہوا موجود ہے، لیکن اس پر عمل درآمد شاذ ہی ہوتا نظر آتا ہے۔ ہر ٹریفک حادثے کے بعد حکومت کی جانب سے تحقیقات کے آرڈر جاری کیے جاتے ہیں اور ٹریفک حادثات پر قابو پانے کی باتیں ہوتی ہیں، لیکن اس کے بعد کچھ بھی نہیں کیا جاتا اور کچھ روز بعد کوئی اور بڑا حادثہ رونما ہو جاتا ہے۔ مہذب معاشروں میں ٹریفک قوانین پر عملدرآمد کے لیے نہ صرف سخت قوانین موجود ہیں، بلکہ عوامی شعور کی بیداری کے لیے مختلف ادارے بھی قائم ہیں۔ معاشرے کی اخلاقی ترقی میں انسانی شعور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ پبلک ٹرانسپورٹ میں اندرون شہر کسی لوکل روٹ پر بھی سفر کر رہے ہوں تو ڈرائیور کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ اس کی

بنیادی وجہ ٹریفک قوانین پر عملدرآمد نہ ہونا ہے۔ ملک میں ٹریفک نظام کے مسائل سے ہر خاص و عام پریشان ہے۔ ڈرائیور حضرات قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اکثر اوقات اشارے بھی توڑ دیتے ہیں۔ ٹریفک حادثات کے اعداد و شمار اور حادثوں کے مشاہدات اس بات کے غماز ہیں کہ ٹریفک کے زیادہ تر حادثات حد سے زیادہ رفتار اور ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہی رونما ہوتے ہیں۔

ملک میں ٹریفک حادثات پر قابو پانے کے لیے ٹریفک قوانین کی پابندی ہر شہری پر لازم ہے۔ پورے ملک میں ایسے اداروں کا قیام ضروری ہے، جہاں ڈرائیور اور کنڈیکٹر حضرات کی مناسب تربیت ہو سکے۔ ایسے اداروں سے تربیت کے بعد ہی ڈرائیور حضرات کو باقاعدہ سرٹیفکیٹ کا اجراء کیا جائے۔ اس کے علاوہ پبلک ٹرانسپورٹ کے مالکان کو بھی پابند کیا جائے کہ اس سرٹیفکیٹ کے حامل افراد کو ہی کنڈیکٹر اور ڈرائیور رکھا جائے، بصورت دیگر مالکان کے خلاف بھی قانونی چارہ جوئی کی جائے۔ پبلک ٹرانسپورٹ میں گنجائش سے زاید مسافروں کو سوار کرنے پر پابندی عاید کی جائے۔ فنی طور پر ناقص اور خستہ حال گاڑیوں کو سڑک پر آنے سے روکا جائے۔ کم عمر افراد کو گاڑیاں اور موٹر سائیکلیں چلانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ اگر حکومت چاہتی ہے کہ ملک میں ٹریفک حادثات کنٹرول ہو جائیں تو اس حوالے سے سخت قوانین بنانے ہوں گے اور ان پر سختی سے

عمل کرنا ہوگا۔ ٹریفک حادثات کا معاملہ صرف پاکستان کا نہیں، ساری دنیا کا ہے، دنیا کے دوسرے ممالک ان حادثات کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں سالانہ 13 لاکھ افراد ان ٹریفک حادثات کی نذر ہوتے ہیں، جبکہ 5 کروڑ لوگ زخمی یا پھر معذور ہوجاتے ہیں۔ دنیا بھر میں ہونے والی اموات میں سے دسویں بڑی وجہ ٹریفک حادثہ ہی ہے اور ان ٹریفک حادثات کی وجہ سے سالانہ دنیا بھر میں 518 بلین ڈالر کا نقصان ہوتا ہے اور ہر ملک کے جی ڈی پی پر اس کا اثر 1 سے 3 فیصد پڑتا ہے۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزشن کے مطابق تقریباً 46 فیصد جوان افراد ٹریفک حادثات کا شکار ہوتے ہیں۔ دنیا بھر میں ٹریفک حادثات کی وجوہات پر غور کرکے انہیں کنٹرول کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، پاکستان کو بھی چاہیے ٹریفک حادثات کی وجوہات معلوم کرکے ترجیحی بنیادوں پر انہیں کنٹرول کرنے کی کوشش کرے۔

میڈیا آزاد یا بے لگام....؟

اس بات سے انکار کی گنجائش ہی کہاں ہے کہ میڈیا موجودہ دور کی طاقتور اور متاثر کن حقیقت بن چکا ہے۔ میڈیا کو ریاست کا چوتھا ستون کہا جاتا ہے۔ ہر دور میں ذمہ دار صحافیوں نے مشکل ترین حالات میں بھی جان جوکھوں میں ڈال کر حقائق عوام تک پہنچاتے ہوئے اپنے فرائض کو نبھایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اصول پسند صحافت کے لیے غیر جانبداری اور آزادی کا ہونا انتہائی ضروری ہے، لیکن افسوس ! کچھ عرصے سے ملک میں صحافیوں کی آزادی کو سلب کرنے کی بھرپور کوششیں کی جارہی ہیں، اگر کوئی صحافی حق بات کرے تو وہ کسی نہ کسی کو تو کڑوی محسوس ہوتی ہی ہے، جس کا خمیازہ بھی اس صحافی کو قتل، حملے اور دھمکیوں کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے۔ ہمارے یہاں خبر دینے والے صحافی ہی مسلسل خبر بنے ہوئے ہیں، کبھی اپنے ساتھیوں کے قتل، کبھی ان کی تحقیقات اور کبھی مزید ہلاکتوں کی کوریج۔ ان الجھے ہوئے حالات اور غیر واضح صورتِ حال میں اکثر درست اور غیر جانبدارانہ رپورٹنگ کی قیمت صحافی اپنے خون سے ادا کرتے ہیں۔ ستم یہ ہے کہ قانون کے آہنی ہاتھ کبھی قاتلوں تک نہیں پہنچتے۔ گزشتہ ایک دہائی میں ملک کے 23 صحافی ہدف بنا کر قتل کیے گئے ہیں اور حملے تو کئیوں پر ہوئے، لیکن ابھی تک کسی ایک بھی مجرم کو کیفر کردار تک نہیں پہنچایا جاسکا۔ انہی حالات کی بدولت

صحافیوں کے تحفظ کی عالمی تنظیم کمیٹی ٹو پروٹیکٹ جرنلسٹس نے پاکستان کو دنیا میں صحافیوں کے لیے بدترین ملک قرار دیا تھا۔ سی پی جے کے مطابق پاکستان 2003ء کے بعد سے پریس کے بدترین ممالک میں سے ایک ہے۔ اسی بنا پر پاکستان کے صحافتی حلقے کھلم کھلا یہ بات کہتے ہیں کہ تشدد اور دباؤ کے نتیجے میں رپورٹنگ کے درست معیارات پر کافی حد تک سمجھوتہ کیا جا چکا ہے، جس کے نتیجے میں اکثریت تک حقائق پہنچنے کے امکانات معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ پاکستانی حکمران اس تشدد کو روک سکتے نہیں یا پھر روکنا چاہتے نہیں۔ پیشہ ور صحافیوں کے لیے کام کرنے کے حالات صرف بہت مشکل ہی نہیں، ناممکن ہوتے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں قانون کی آہنی ہاتھوں کی گرفت سے آزاد قاتلوں کے رحم و کرم پر پاکستانی صحافیوں کی زندگی اب کئی قسم کے خطرات میں الجھ کر رہ گئی ہے۔

گزشتہ دنوں پاکستان کے معروف صحافی حامد میر کو کراچی میں چھ گولیاں ماردی گئیں، جس کے نتیجے میں وہ شدید زخمی ہوگئے۔ ان پر ہونے والے حملے نے نہ صرف صحافتی حلقوں میں کھلبلی مچادی، بلکہ عوامی سطح پر بھی ان کے ساتھ اظہار یکجہتی کیا گیا۔ پوری قوم اور تقریباً تمام ملکی رہنماؤں نے حامد میر پر ہونے والے حملے کی مذمت کرتے ہوئے حملہ آوروں کی گرفتاری کا مطالبہ کیا۔ تمام صحافتی اداروں نے بھی حامد میر پر ہونے والے حملے کی بھرپور مذمت کرتے

ہوئے حامد میر کے خلاف اظہار یکجہتی کیا۔ ایسے حملوں میں عام طور پر طالبان کا نام لیا جاتا ہے، لیکن تحریک طالبان نے اس حملے سے اظہار لاتعلقی کر دیا۔ حملے کے حوالے سے ابھی کوئی پیش رفت نہ ہوئی تھی کہ حامد میر کے صحافی بھائی عامر میر نے اس حملے کا الزام پاکستان کے باوقار اور اہم ادارے آئی ایس آئی پر لگاتے ہوئے ذمہ داری آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل ظہیر الاسلام پر ڈالی۔ آئی ایس آئی کے سربراہ کو سارا دن جیو نیوز چینل پر ایک مجرم کے طور پر پیش کیا جاتا رہا۔ جس سے نہ صرف یہ کہ سربراہ آئی ایس آئی پر سوالیہ نشان لگانے کی کوشش کی گئی، بلکہ اس عمل سے ملک کے باوقار اور اہم حساس ادارے اور ملک کی بھی جگ ہنسائی ہوئی اور بھارتی میڈیا نے حامد میر پر حملے کی آڑ میں پاکستان کے سب سے بہترین انٹیلی جنس ادارے آئی ایس آئی اور سیکورٹی اسٹیبلشمنٹ کے خلاف بھرپور انداز میں ہرزہ سرائی کی۔ جنگ گروپ کی طرف سے پاکستانی فوج اور ملک کی سب سے بڑی خفیہ ایجنسی پر بلاسوچے سمجھے الزام تراشی سے گویا بھارتی میڈیا کی دلی مراد بر آئی اور اس نے چیخ چیخ کر زخمی صحافی سے اظہار یکجہتی سے زیادہ آئی ایس آئی کو ملوث کرنے کے پہلو کو نمایاں کیا۔ ٹائمز آف انڈیا، انڈیا ٹوڈے، ہندوستان ٹائمز سمیت تمام بڑے بھارتی اخباروں اور کئی بڑے چینلز نے پاکستانی ایجنسی پر الزامات کو یوں ہوا دی، جیسے شاید وہ ایسی ہی کسی خبر کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ کوئی موقع ملے تو وہ پاکستان اور اس کی سیکورٹی کے ذمے دار اداروں پر الزامات کی

بوچھاڑ کر سکیں اور کرتے بھی کیوں نہ جب پاکستان کے صحافتی ادارے جیو نے بنا کسی ثبوت کے آئی ایس آئی پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ جس طرح دفاعی اداروں کو الزامات کا نشانہ بنایا گیا، اس کی مثال کسی اور ملک میں نہیں ملتی۔

دوسری جانب حامد میر پر ہونے والے حملے سے جیو، جنگ گروپ کو ملنے والی تمام ہمدردیاں تشویش میں بدل گئیں اور عوام اور قومی رہنماؤں نے آئی ایس آئی پر الزام تراشی جنگ گروپ کی جانب سے گہری سازش قرار دیتے ہوئے اس کی بھرپور مذمت کی۔

سوشل میڈیا پر بھی عوام نے کھل کر جیو نیوز کی خبر لی اور اسے یہود و ہنود ممالک کا ایجنٹ گردانا۔ ایکس سروس مین سوسائٹی نے پاک فوج اور بالخصوص آئی ایس آئی کے خلاف جیو ٹی وی کے پراپیگنڈے کا سخت نوٹس لیتے ہوئے اس کی مذمت کی اور اجلاس میں کہا گیا کہ حامد میر پر حملے کے فوری بعد چینل پر آئی ایس آئی کے ڈی جی کو اس واقعہ کا براہ راست ذمہ دار ٹھہرانا اور ان کی فوٹو کو اسکرین پر بار بار دکھانا تشویشناک امر تھا۔ شرکاء اجلاس کے مطابق ایسا دکھائی دے رہا تھا کہ آئی ایس آئی کے وقار کو مجروح کرنے کے لیے خصوصی اسٹیج تیار کیا گیا۔ یہ بات سب پر واضح ہو جانی چاہیے کہ آئی ایس آئی پاک فوج کی پہلی دفاعی لائن کا کردار ادا کرتی ہے۔ آئی ایس آئی پاکستان دشمن فورسز کے خلاف ایک ڈھال ہے۔ خفیہ ہاتھوں نے ملک کو ناقابل تلافی نقصان

پہنچایا۔ دشمنوں کے ایجنٹ ملک کو کمزور کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ میڈیا کے کچھ حلقے بھی ان دشمنوں کے ہاتھوں کھلونا بنے ہوئے ہیں اور وہ پاکستان کے عوام اور فوج کے تعلقات کو کشیدہ کرنے پر جلتی پر تیل کا کام کر رہے ہیں۔ ایک ایسے وقت میں جب ملک حالت جنگ میں ہو اور ملک کی بقا بیرونی دشمنوں کے خطرے میں ہو، عوام، پاک فوج کے خلاف کسی بھی ایسی میڈیا مہم کی متحمل نہیں ہو سکتی، جس سے پاک فوج پر غیر ضروری دباؤ پڑ رہا ہو۔ ایکس سروس مین سوسائٹی نے پیمرا سے مطالبہ کیا کہ وہ زرد صحافت کے ذریعے پاکستان کے اہم اداروں کے خلاف کردار کشی کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کرنے کا فرض ادا کرے۔ میڈیا ہاؤسز کو ریاست کے اداروں کے مابین یکجہتی کو فروغ دینے اور سوسائٹی میں پائی جانے والی خلیج کو ختم کرنے کے لیے مثبت کردار ادا کرنا چاہیے۔ روزنامہ اسلام سے بات کرتے ہوئے آئی ایس آئی کے سابق چیف جنرل حمید گل نے کہا کہ آئی ایس آئی کے خلاف پروپیگنڈا غیر ملکی ایجنڈا لگتا ہے۔

انتہائی اہم ریاستی ادارے کے سربراہ پر جنگ وجیو کی جانب سے الزامات عاید کیے جانے کے بعد آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے اظہار یکجہتی کے لیے آئی ایس آئی کے ہیڈ کوارٹر کا دورہ کیا اور ملکی سلامتی کے لیے آئی ایس آئی کے کردار کو قابل تعریف ٹھہرایا۔ میاں نواز شریف سمیت تمام سیاسی و مذہبی رہنماؤں نے جنگ گروپ کے اس اقدام کی بھرپور مذمت کی۔ جبکہ سیکرٹری دفاع آصف یاسین ملک

نے نجی نیوز چینل جیو کے خلاف ریفرنس وزیر دفاع خواجہ آصف کو بھجوایا، جس کی وزیر دفاع نے منظوری دے دی۔ پیمرا کو جیو نیوز کے خلاف بھیجے گئے ریفرنس میں آئی ایس آئی اور فوج کے خلاف مہم چلانے کا حوالہ دیا گیا ہے، ریفرنس میں جیو کی جانب سے کی گئی پیمرا رولز کی خلاف ورزیوں کی بھی نشاندہی کی گئی۔ ریفرنس میں کہا گیا ہے کہ واقعہ کے بعد جیو نے دفاعی ادارے پر جھوٹے الزامات کا سلسلہ شروع کر دیا، جو جیو کی ادارتی نا اہلی ہے، ریفرنس میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ آئی ایس آئی ملکی وقار، خودمختاری اور دفاع کے لیے کام کرتی ہے، جبکہ جیو نیوز کی تاریخ پاکستان مخالف پراپیگنڈے سے بھری ہوئی ہے، جس کے ثبوت بھی پیش کیے جا سکتے ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ حقائق پیش کرنے کے لیے صحافت کے لیے آزدی ضروری ہے، مگر اس آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے قومی سلامتی کے اداروں کو ہی مورد الزام ٹھہرانا سراسر ناانصافی اور ظلم ہے۔ ایسے اقدامات سے ملک اور ملکی سیکورٹی اداروں کی عزت مجروح ہوتی ہے، کسی بھی میڈیا گروپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ آزادی کی آڑ میں دانستہ یا نادانستہ اپنے ہی ملک کی عزت کو نقصان پہنچائے۔ جنگ ملک کا ایک سب سے بڑا صحافتی گروپ ہے، حملے کے بعد پوری قوم کی ہمدردیاں اس کے ساتھ تھیں، لیکن آئی ایس آئی پر الزام تراشی سے وہ ساری ہمدردیاں نفرت میں بدل گئیں۔

جدید ٹھگ

انسان ترقی کی منازل طے کرتا ہوا اس مقام تک جا پہنچا ہے، ماضی میں جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ انسان کا یوں مسلسل ترقی کی سیڑھیاں چڑھتے چلے جانا اس کی غور و فکر اور تدبر کی واضح دلیل ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ غور و فکر اور علوم و فنون کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی بہت سے لوگ جہالت پر مبنی اقدامات کی بدولت تنزلی کی گہری گھاٹیوں میں گرتے جارہے ہیں اور جعلی عاملوں و جعلی پیروں کے ہاتھوں استعمال ہو کر بلاسوچے سمجھے جان، عزت و آبرو اور مال برباد کرنے میں مشغول ہیں۔ آئے روز ملک میں جعلی عاملوں اور پیروں کے حوالے سے ایسے ایسے واقعات رونما ہورہے ہیں، جنہیں سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، بلکہ ایسے واقعات کی صداقت پر یقین ہی نہیں آتا، کیونکہ کسی بھی عقل مند انسان سے ایسے گھناؤنے افعال کا صادر ہونا ناممکن معلوم ہوتا ہے، لیکن کیا کیا جائے، کسی انسان سے جن احمکانہ حرکتوں کے صدور کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، جعلی عاملوں اور جعلی پیروں کی "برکت" سے وہ سب کچھ ہورہا ہے۔"

گزشتہ دنوں مری میں ماموں کے ہاتھوں دو بھانجوں کے لرزہ خیز قتل کے بعد ملک بھر میں جعلی عامل اور جعلی پیر موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔ مبینہ طور پر ظالم

ماموں نے معصوم بھانجوں کو ایک "جاہل عامل" کے کہنے پر اپنی مراد پانے کے لیے سفاکیت کے ساتھ ذبح کیا، جبکہ اس واقعہ سے ایک روز قبل ہی ملتان میں بھی ایک نوجوان جعلی اور جاہل پیر کے "فرمان" پر عمل کرتے ہوئے اپنی جان گنوا بیٹھا تھا۔ کسی جعلی پیر نے نوجوان کو بتایا کہ ان کے گھر کے نیچے خزانہ دفن ہے۔ نوجوان اس "مدفون خزانے" کو نکالنے کے لیے تقریباً 30 فٹ لمبی اور ٹیڑھی میڑھی تنگ سرنگ کھود کر اس میں خزانہ ڈھونڈنے جا گھسا۔ اس نوجوان کو اس سرنگ سے خزانہ تو نہ ملا، لیکن موت کا پروانہ ضرور مل گیا۔ اسی طرح ماہ گزشتہ کے آخر میں بھی میانوالی میں جعلی عامل کی کرتوت سامنے آئی تھی۔ جعلی عامل نے اپنے بے اولاد مرید کو یہ ہدایت کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر وہ کسی بچی کو قتل کرے گا تو اس کے اولاد ہوگی، جس پر ظالم و سفاک مرید نے جاہل پیر کے حکم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے ہی پڑوسی کی ایک چار سالہ بچی کو ذبح کر دیا تھا۔ یہ تو صرف تین واقعات پیش کیے گئے ہیں، ورنہ پورے ملک کا سروے کرنے سے تو سالانہ اس قسم کے سیکڑوں واقعات سامنے آ سکتے ہیں۔

ملک کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں اس قسم کے "مذہب فروش" اپنا دھندا چلانے کے لیے عوام کو "الو" بنانے میں مشغول ہیں۔ متعدد بار جعلی عاملوں اور پیروں کی جعل سازی سامنے آ جانے کے بعد بھی عوام کی بڑی تعداد ان دھوکا بازوں کی "دکانوں" کو چار چاند لگانے کا سبب بن رہے ہیں۔ زیادہ افسوس کی بات تو یہ ہے

کہ ان دھوکا بازوں کے ہاتھوں صرف کم پڑھے لکھے یا جاہل افراد ہی استعمال نہیں ہوتے، بلکہ اچھے خاصے تعلیم یافتہ افراد بھی بڑی تعداد میں ان دھوکے بازوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں، لیکن ان کے آستانے آباد کرنے والوں میں خواتین پیش پیش ہوتی ہیں۔ دھوکا باز عاملین چٹکی بجاتے میں خواتین کے مسائل کو حل کرنے کا جھانسہ دے کر ان سے بھاری رقوم بٹورتے ہیں اور سادہ لوح خواتین ان کی باتوں میں آکر مسائل کے حل کے لالچ میں اپنی جمع پونجی سے محرومی سمیت عزت بھی گنوا بیٹھتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں ہر انسان کو مختلف قسم کے پریشان کن عوارض پیش آتے رہتے ہیں اور انسان کا ان عوارض سے پریشان ہونا ایک فطری بات ہے، لیکن ہر پریشانی سے نکلنے کا بہترین حل بہتر پلاننگ ہوتا ہے۔ معاشرتی، معاشی و سماجی مسائل تو ہر معاشرے میں ہوتے ہی ہیں، ایسے مسائل تب ہی حل ہو سکتے ہیں جب انہیں طریقے کے مطابق حل کیا جائے۔ اگر کسی کو نوکری نہیں مل رہی، کوئی اچھا رشتہ نہیں مل رہا، کاروبار نہیں چل رہا، گھریلو ناچاقی ہے، گھر میں بیماری ہے اور اسی قسم کا کوئی مسئلہ ہے تو ان مسائل کے اسباب پر غور کرنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ کسی کو نوکری اس لیے نہ مل رہی ہو کہ اس کمپیٹیشن کے دور میں وہ نوکری کے معیار پر پورا ہی نہ اترتا ہو۔ ممکن ہے کاروبار اس لیے نہ چل رہا ہو کہ کاروبار چلانے والے کو کاروبار کا صحیح طریقہ اور

تجربہ ہی حاصل نہ ہو۔ بیٹی کے رشتے میں رکاوٹ اس لیے بھی ہو سکتی ہے کہ اس کی عمر زیادہ ہو گئی ہو اور زیادہ عمر میں لڑکیوں کے رشتے ویسے ہی کم آتے ہیں۔ گھر میں ناچاقی فریقین میں سے کسی کے مزاج کی بدولت بھی ہو سکتی ہے۔ طویل بیماری اس لیے ہو کہ ابھی تک کسی مستند ڈاکٹر سے علاج ہی نہ کروایا ہو یا ڈاکٹر مرض کی تشخیص ہی نہ کر پایا ہو۔ اس قسم کے مسائل کا عاملوں اور پیروں سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ حقائق کو نظرانداز کر کے ایسے مسائل کا حل عاملوں اور پیروں کے پاس جا کر ڈھونڈنا سراسر عقل کے منافی ہے۔ اسی طرح بہت سے لوگوں کو نفسیاتی مسئلہ ہوتا ہے، جنہیں کسی سائکاٹرسٹ، سائیکالوجسٹ کی ضروت ہوتی ہے، لیکن لوگ ایسے مسائل کا حل بھی عاملوں اور پیروں کے پاس جا کر ڈھونڈتے ہیں۔ کچھ لوگ محنت کیے بغیر عاملوں کے ذریعے شاٹ کٹ طریقے سے امیر بننا چاہتے ہیں، حالانکہ اگر اس طرح راتوں رات امیر بننا ممکن ہوتا تو دوسروں کو امیر بنانے والا یہ عامل یوں آستانہ بنا کر مکھیاں نہ مارتا۔ یہ صرف اور صرف عوام میں شعور اور فہم کی کمی ہے جو ہر بات کا سرا عاملوں اور پیروں کے ہاتھ میں پکڑا دیا جاتا ہے۔

معاملہ یہ ہے کہ مسائل اور پریشانیوں سے دوچار ہو جانے کے بعد لوگ اتنے بد حواس ہو جاتے ہیں کہ انہیں جہاں بھی امید کی تھوڑی سی کرن دکھائی دیتی ہے، اسی جانب چل پڑتے ہیں۔ جبکہ عامل حضرات لوگوں کی نفسیاتی کمزوریوں سے فائدہ

اٹھا کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ جعلی عامل و جعلی پیر لوگوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے بلند و بانگ دعوے کرتے ہوئے خود کو روحانی اسکالر، روحانی ڈاکٹر اور پیر کامل ظاہر کرتے ہیں۔ اپنی ہنر مندی، قابلیت کا ایسا نقشہ کھینچتے ہیں کہ مجبور لوگ ان سے مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، ان کے دعوؤں کو سن کر مسائل کے گرداب میں پھنسے لوگ یہی خیال کرتے ہیں کہ ہماری پریشانی کا حل یقینی طور پر ان کے پاس ہے۔ یہ جعلی عامل اور جعلی پیر اپنی مہارت کا پروپیگنڈا نہایت تکنیک کے ساتھ کرتے ہیں، لوگوں کو ورغلانے کے لیے وال چاکنگ، بینرز، پمفلٹ اور اسٹیکرز کے علاوہ اب یہ اپنے کاروبار کی تشہیر کے لیے انٹرنیٹ اور الیکٹرانک میڈیا کا بھی استعمال کرنے لگے ہیں۔ زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ معاشرے میں اس قسم کے دھوکا بازوں کی تعداد میں بھی بے پناہ ترقی ہو رہی ہے، جو معاشرے کے لیے نقصان کا باعث ہے۔ دنیا کے تمام مہذب اور تعلیم یافتہ ممالک اور معاشروں میں اس قسم کے گھناؤنے کاروبار پر مکمل طور پر پابندی عاید ہوتی ہے، لیکن بدقسمتی سے پاکستان میں ان لوگوں کا کاروبار عروج پر ہے، جو عوام کو دھوکا دے کر نہ صرف انہیں لوٹ رہے ہیں، بلکہ موت سے بھی ہمکنار کر رہے ہیں۔ معاشرے میں ایسے رستے ناسوروں کی صفائی کی ضرورت ہے۔ تمام صوبائی حکومتوں کو چاہیے کہ جعلی عاملوں اور جعلی پیروں پر پابندی کی سخت قانون سازی کریں، تاکہ آیندہ کوئی جاہل شخص کسی جعلی عامل اور جعلی پیر کے حکم پر کسی ماں کی گود نہ

اجاڑ سکے۔

قوم مذاکرات کی کامیابی کی منتظر

حکومت اور طالبان کے درمیان ہونے والے مذاکرات ایک عرصے سے نشیب و فراز کو عبور کرتے ہوئے اپنی منزل کی جانب گامزن ہیں۔ وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات پرویز رشید کہتے ہیں کہ حکومت امن و امان کے فروغ کے لیے طالبان سے مذاکرات کر رہی ہے اور پارلیمنٹ میں موجود تمام جمہوری قوتیں طالبان کے ساتھ بات چیت کے عمل پر حکومت کی مدد کر رہی ہیں۔ جبکہ میڈیا کے کچھ ذرائع مسلسل ایسی خبریں پھیلاتے رہے کہ حکومت طالبان مذاکرات ناکام ہو رہے ہیں۔ 28 اپریل کو پاک فضائیہ کے سربراہ سے منسوب ایک اہم بیان اردو اخبارات میں شائع کیا گیا، جس میں کہا گیا تھا کہ "طالبان کے خلاف آپریشن کے لیے تیار ہیں" لیکن اگلے ہی روز پاک فضائیہ کے ترجمان کی طرف سے نہ صرف اس بیان کی تردید سامنے آ گئی، بلکہ اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ رپورٹنگ پر خفگی کا اظہار بھی کیا گیا۔ اس قسم کی صورتحال پر ہی گزشتہ دنوں طالبان مذاکراتی کمیٹی کے سربراہ نے کہا تھا کہ مذاکرات میں جب بھی پیشرفت ہو تو مصنوعی بحران پیدا کیے جاتے ہیں۔ وزیر اعظم نواز شریف کا مذاکرات کے حوالے سے حالیہ بیان بھی بدامنی سے متاثرہ پاکستانی قوم کے لیے ایک خوشگوار جھونکے سے کم نہیں۔ وزیر اعظم نے برطانیہ کے تین روزہ سرکاری دورے پر لندن پہنچ کر میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ طالبان کے ساتھ مذاکرات کا آغاز نیک

نیتی سے کیا، بات چیت آگے بڑھانا چاہتے ہیں، امید ہے ملک میں امن قائم ہو گا، پوری دنیا میں مذاکرات کے ذریعے ہی مسائل حل کیے جاتے ہیں۔ ان بیانات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حکومت، طالبان مذاکراتی عمل میں مثبت پیش رفت ضرور ہو رہی ہے اور اس کے ساتھ حکومت اور فوج کے درمیان ہم آہنگی بھی پائی جاتی ہے۔ اسی کے پیش نظر گزشتہ دنوں وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان نے بھی واضح کیا تھا کہ طالبان سے مذاکرات پر سیاسی قیادت اور فوج میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ملکی سلامتی پر دونوں ایک پلیٹ فارم پر متحد ہیں۔

مذاکرات کی کامیابی کے حوالے سے ہی جمعرات کے روز قبائلی جرگے نے طالبان اور حکومت سے مذاکراتی عمل کو نتیجہ خیز بنانے کی اپیل کی اور کہا کہ امن کی چابی اسلام آباد میں ہے، جس دن حکومت نے کھیل ختم کرنا چاہا کوئی مسئلہ باقی نہیں رہے گا، آئین شکنی کرنے والے قبائلی علاقوں میں نہیں، اسلام آباد میں بیٹھے ہیں، مذاکرات کی کامیابی پاکستان کی کامیابی اور ناکامی پاکستان کی ناکامی ہے۔ جرگے نے فریقین پر زور دیا کہ وہ امن مذاکرات میں تاخیر نہ کریں اور اس عمل کو آگے بڑھائیں۔ پشاور میں صوبائی دارالحکومت کی تاریخ کے سب سے بڑے اور نمائندہ قبائلی امن جرگا میں شریک ایک ہزار سے زاید قبائلی مندوبین سے خطاب کرتے ہوئے مولانا سمیع الحق کا کہنا تھا کہ غاروں میں بیٹھے ہوئے طالبان سے ان کا رابطہ ہو جاتا ہے، مگر اسلام آباد والوں سے رابطہ

نہیں ہوتا۔ اگر جنگ سے کامیابی ممکن ہوتی تو امریکا اور روس افغانستان میں جنگ جیت جاتے۔ اگر امریکا بھی یہ کہہ رہا ہے کہ مذاکرات ہی واحد حل ہے تو پھر دوسرے طریقوں سے مسئلے کو حل کیوں کیا جائے؟ پروفیسر ابراہیم نے کہا کہ پاکستان آرمی اور طالبان امن مذاکرات کے حقیقی فریق ہیں۔ موجودہ تنازعے کو کسی فوجی آپریشن یا جنگجوؤں کے حملوں سے حل نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کو پرامن مذاکرات کے ذریعے ہی حل کیا جاسکتا ہے۔ طالبان مذاکراتی کمیٹی کے ارکان پروفیسر محمد ابراہیم اور مولانا سمیع الحق نے واضح کیا کہ طالبان ملک کے آئین کو تسلیم کرلیں گے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ دونوں مذاکرات کاروں نے گزشتہ دوماہ کے دوران طالبان سے بات چیت کے عمل میں انھیں ملکی آئین کو تسلیم کرنے پر آمادہ کرلیا ہے اور ان کی کوششوں کے نتیجے میں حکومت اور طالبان کے درمیان جنگ بندی کی ڈیڈلائن گزر جانے کے باوجود اس پر عمل درآمد کیا جارہا ہے اور تنازعے کو مذاکرات کے ذریعے طے کرنے پر زور دیا جارہا ہے۔ واضح رہے کہ گزشتہ روز آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے یہ کہا تھا کہ باغی آئین کو تسلیم کرلیں، بصورت دیگر ان سے نمٹ لیں گے۔

دوسری جانب تجزیہ کاروں کے مطابق اگرچہ حکومت اور طالبان دونوں ہی مذاکرات کی کامیابی کے لیے کوشاں اور اس کے خواہاں ہیں اور طالبان رابطہ کار کمیٹی

کے رکن مولانا یوسف شاہ نے کہا ہے کہ قوم امن معاہدے کی منتظر ہے، ایک دو روز میں فریقین کی مذاکراتی کمیٹیوں کی ملاقات ہو جائے گی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام تر کوششوں کے باوجود طالبان اور حکومت کے درمیان ہونے والے مذاکرات میں سقم ضرور پایا جا رہا ہے۔ حکومت اور طالبان ایک دوسرے سے نالاں ہیں اور مذاکرات کی کامیابی کے اقدامات میں سستی پائی جا رہی ہے۔ طالبان شوریٰ اور حکومتی کمیٹی کے مابین پہلی ملاقات کو 36 روز گزر گئے، آئندہ ملاقات کب ہو گی، کسی کو کچھ پتا نہیں۔ 23 اپریل کو حکومتی اور طالبان رابطہ کار کمیٹی کی ملاقات میں کسی اگلی ملاقات کا ایجنڈا طے کرنے کی بجائے دونوں جانب کی شکایات پر غور کرنے اور ان کا حل نکالنے کے لیے ایک ذیلی کمیٹی بنانے پر اکتفا کیا گیا تھا۔ ابھی تک اس ذیلی کمیٹی کی بھی کوئی کارکردگی سامنے نہیں آ سکی۔ اندرونی حلقوں کے مطابق حکومت کہتی ہے کہ طالبان نے جنگ بندی میں توسیع کا معاملہ لٹکا رکھا ہے۔ جبکہ طالبان اس بات پر ناراض ہیں کہ اعلانات کے باوجود حکومت کی جانب سے ان کا کوئی مطلوبہ قیدی رہا نہیں کیا گیا۔ اس دوران سرکاری کمیٹی کے ایک معاون میجر (ر) عامر کی امن بات چیت کے عمل سے علیحدگی بھی اسی فرسٹریشن کی وجہ سے ہے۔ 23 اپریل کو وزیر داخلہ کی صدارت میں دونوں کمیٹیوں کا اجلاس دراصل فریقین کے مابین براہِ راست ملاقات کے اگلے دور کے لیے ایجنڈے کی تیاری کے لیے تھا، لیکن حکومتی کمیٹی کی جانب سے جنگ بندی میں توسیع تک مزید بات چیت نہ کرنے کا عندیہ دیا گیا، پھر اطراف

نے اس بات کا اظہار کیا کہ مخالف فریق ان یقین دہانیوں پر عمل پیرا نہیں ہے، جو دونوں کے مابین پچھلی ملاقات میں طے ہوئی تھیں۔ اب تحریک طالبان کے ترجمان شاہداللہ شاہد نے کہا ہے کہ حکومت مذاکرات کے ساتھ جنگ اور دھمکی کی سیاست پر عمل پیرا ہے، ہم مذاکرات کو سیاسی جنگی ہتھیار کے طور پر قبول نہیں کریں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ طالبان کے خلاف ملک بھر میں کارروائیاں تیز کردی گئی ہیں۔ مذاکرات میں حکومتی سنجیدگی اور خودمختاری نظر نہیں آرہی اور اس بات کا تعین بھی مشکل ہوگیا ہے کہ مذاکرات کس سے کیے جائیں۔ کیا جنگ اور مذاکرات ایک ساتھ چل سکتے ہیں اور مذاکراتی عمل کو کامیاب بنانا صرف طالبان کی ہی ذمے داری ہے؟ تجزیہ کاروں کے مطابق اس حقیقت کو مان لینے کے بعد کہ مذاکرات کے بغیر کہیں بھی امن کا قیام تقریباً ناممکن ہے، حکومت اور طالبان دونوں کو ملک میں قیام امن کے لیے سنجیدہ اور بامقصد جدوجہد کرنی چاہیے۔ جس سے امن کو موقع مل سکے اور بدامنی کی بیخ کنی ہو، یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اگر فریقین اپنی شرائط میں نرمی کا مظاہرہ کریں۔ اگر دونوں فریق اپنی شرائط سے پیچھے ہٹنے کو تیار ہی نہ ہوں تو اس صورت میں ان شرپسند عناصر کو مذاکرات کے خلاف پروپیگنڈا کرنے اور امن کو سبوتاژ کرنے کا موقع ملتا رہے گا۔ اسی قسم کے شرپسند عناصر متعدد بار بڑے حملے کرکے مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کی کوشش بھی کرچکے ہیں، لیکن ان کی تمام کوششیں نامراد لوٹی ہیں۔ فریقین کو چاہیے کہ مذاکرات کو کامیابی سے ہمکنار کریں اور قوم کو خوشخبری

دیں، کیونکہ قوم ایک عرصے سے مذاکرات کی کامیابی کی خوشخبری سننے کے لیے بے تاب
ہے۔

امریکا کی قادیانیت نوازی پاکستان کے معاملات میں کھلی مداخلت ہے

وزارت مذہبی امور کے باوثوق ذرائع کے مطابق چند روز قبل امریکی صدر بارک اوباما کے خصوصی ایلچی اور اسلامی ممالک کی تنظیم او آئی سی کے لیے نمایندہ ارشاد حسین نے 4 رکنی وفد کے ہمراہ وفاقی وزیر مذہبی امور سردار یوسف سے ملاقات میں قادیانیوں کی تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھنے کی کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ اقلیتی برادری خصوصاً قادیانیوں کے ساتھ پاکستان میں اچھا برتاؤ نہیں ہو رہا، جس پر امریکا کو تشویش ہے اور ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ قادیانیوں کو تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھنے کی اجازت دی جائے اور ان پر عاید قدغن ختم کی جائے، جس پر وفاقی وزیر سردار محمد یوسف نے اوباما کے خصوصی نمایندہ کو کہا کہ ملک میں تمام اقلیتی برادری کو تحفظ حاصل ہے اور حکومت اقلیتی برادری کے تحفظ کے لیے ہر ممکن اقدامات اٹھا رہی ہے۔ قادیانیت سمیت تمام مذاہب کے لیے قانون وضع ہے اور اس کے مطابق ہی سب سے پیش آیا جاتا ہے، جبکہ اقلیتی برادری کے عدم تحفظ کے حوالے سے محض پروپیگنڈا کیا جارہا ہے جس پر مزید کوئی وضاحت نہیں دی جاسکتی۔ دہشت گردی سے صرف اقلیتی برادری نہیں، بلکہ مسلم اکثریت بھی اس کا شکار اقلیتوں سے زیادہ ہوئی ہے۔ ذرائع کے مطابق امریکی صدر کے نمایندہ خصوصی کی وفاقی وزیر

سے ملاقات کا بڑا مقصد قادیانیوں کو پاکستان میں مذہبی آزادی دلانے کے لیے دباؤ ڈالنا تھا۔ عابد محمود عزام نے اسی حوالے سے ملک کی بڑی مذہبی و سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں سے مختصر گفتگو کی، جو نذر قارئین ہے

مرکزی رہنما مجلس تحفظ ختم نبوت مولانا اللہ وسایا

امریکا کی جانب سے قادیانیوں کی تبلیغی آزادی کے مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنما مولانا اللہ وسایا کہا کہ ہماری پارلیمنٹ کا فیصلہ ہے کہ کسی ملک کی پارلیمنٹ کے فیصلے کو نظر انداز کرکے اس ملک میں مداخلت کرنا کسی طور ٹھیک نہیں ہے۔ امریکا کی کوشش رہی ہے کہ وہ پاکستان میں قادیانیوں کے حوالے سے بنے ہوئے قانون کو ختم کرائے، یہ قانون جمہوری جدوجہد کے نتیجہ میں بنا تھا۔

قادیانیوں کے متعلق جتنے بھی قوانین ہیں، رہتی دنیا تک کوئی مائی کا لعل انہیں منسوخ نہیں کرسکتا۔ انشاء اللہ۔ قادیانی امریکا کی لابی ہیں اور امریکا ہر اس لابی کی سپورٹ کرتا ہے جو مسلمانوں اور اسلام کے مخالف ہو، قادیانی اسلام دشمنی اور مسلمان دشمنی میں صف اول میں ہیں، اس لیے امریکا ان کو تھپکی دیتا ہے اور ان کو مکمل تعاون فراہم کرتا ہے۔

امریکا کا یہ کہنا کہ پاکستان میں اقلیتیں محفوظ نہیں ہیں، سراسر غلط ہے۔

پاکستان میں قادیانیوں کی عبادت گاہیں محفوظ ہیں، پاکستان میں قادیانیوں کے بڑے بڑے کاروبار ہیں، یہ لوگ پاکستان میں گورنمنٹ کے محکموں کے اندر بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ یہ مطالبہ پاکستان کے حالات کو خراب کرنے کی کوشش اور بہانہ ہے۔ پاکستان میں ہندو، عیسائی، سکھ اور دوسرے کئی مذاہب کے لوگ بستے ہیں، سب محفوظ ہیں۔ حالاں کہ بھارت میں عیسائیوں کو قتل کیا گیا، ان کی عبادت گاہوں کو جلایا گیا، مسلمانوں کا بھارت میں قتل عام جاری ہے۔ امریکا اس ظلم کے خلاف آواز کیوں بلند نہیں کرتا۔ صرف پاکستان میں قادیانیوں کی بات ہی کیوں کرتا ہے، حالاں کہ ہماری حکومت امریکا کے الزامات کو مسترد کر چکے ہیں۔ امریکا کا ایسا مطالبہ کرنا پاکستان کے اندرونی معاملات میں کھلی مداخلت ہے۔ ہماری پارلیمنٹ کے فیصلے کو نظر انداز کرنا کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ حالانکہ قادیانی خود پاکستان کے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ انہوں نے خود کو مسلمانوں سے علیحدہ کیا، یہ مسلمانوں کا جنازہ نہیں پڑھتے۔ انہوں نے پاکستان کے بانی قائداعظم کا جنازہ نہیں پڑھا، جب ان کا سب کچھ مسلمانوں سے علیحدہ ہے، تو اب ان کا مسلمانوں سے کیا تعلق رہا، قادیانی قادیانیت کو قادیانیت کے نام پر پیش کریں اسلام کے نام پر پیش نہ کریں، اس سے اسلام کا تشخص برباد ہوتا ہے، اگر کوئی آدمی اسلام کے نام پر یہودیت کو پھیلائے گا اور عیسائیت کو پھیلائے گا تو اس سے اسلام کا تشخص برباد ہوگا، مسلمان اس کو کسی صورت قبول نہیں کریں گے۔

(مولانا گل نصیب خان مرکزی نائب امیر جمعیت علمائے اسلام (ف

جمعیت علمائے اسلام کے نائب امیر مولانا گل نصیب خان کا پاکستان میں قادیانیوں کو تبلیغی سرگرمیوں کی اجازت کے امریکی مطالبے کے تناظر میں کہنا تھا کہ اس بات میں کوئی دورائے نہیں ہیں کہ قادیانی ملک کے آئین اور قانون کے مطابق غیر مسلم ہیں۔ اس حوالے سے ریاستی موقف بھی واضح ہے اور جے یو آئی سمیت تمام مذہبی و سیاسی جماعتوں کا موقف بھی واضح ہے۔ جب یہ واضح ہے کہ قادیانی غیر مسلم ہیں تو پھر انہیں یہاں تبلیغ کی اجازت کیوں دی جائے؟ تبلیغ کی اجازت دینے کا مطلب تو ملک میں کفر کی تبلیغ کی اجازت دینا ہے، وہ کسی طور پر قبول نہیں ہے۔ امریکا ایسے مطالبات کرکے اسلامی ممالک اور خصوصاً پاکستان میں انتشار پھیلانا چاہتا ہے۔ امن اسی میں ہے کہ امریکا اپنی گھناونی سرگرمیوں سے باز رہے، امریکا کی وجہ سے ہی ہمارا ملک بدامنی کا گہوارا بنا ہوا ہے۔ اگر امریکا کو زیادہ ہی شوق ہے تو وہ قادیانیوں کو پاکستان سے امریکا لے جائے، وہاں ان کو اپنی مرضی سے کھلی آزادی دینا چاہے تو دے، لیکن اپنے ملک میں ہم ایسے مطالبے بالکل برداشت نہیں کریں گے۔ ہم ایسے مطالبات کی پرزور مذمت کرتے ہیں۔ قادیانی امریکا اور برطانیہ کے ٹاؤٹ ہیں، اس لیے امریکا ان کے ذریعے ہمارے ملک میں انتشار پھیلانا چاہتا ہے، امریکا ہمارا دشمن ہے، اس لیے وہ کبھی بھی ہمیں امن و سکون میں نہیں دیکھنا

چاہے گا۔ امریکا وقتاً فوقتاً اسلامی ممالک خصوصاً پاکستان کے خلاف سازشوں کے جال بنتا ہے، مقصد صرف اسلامی ممالک کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے۔

جے یو آئی کے رہنما مولانا گل نصیب کا مزید کہنا تھا کہ امریکا کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ پاکستان میں اقلیتوں کو تحفظ نہیں ہے۔ پاکستان میں تمام اقلیتوں کو مکمل تحفظ حاصل ہے، قیام پاکستان کے وقت سے ہی اقلیتیں یہاں رہ رہی ہیں۔ مسلمان کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ ان کی عبادت گاہیں محفوظ ہیں، بلکہ وہ تو عام مسلمانوں سے بھی زیادہ محفوظ ہیں۔ حالانکہ امریکا میں مسلمان غیر محفوظ ہیں، ساری دنیا میں مسلمان غیر محفوظ ہیں۔ ان کے لیے امریکا آواز کیوں نہیں اٹھاتا؟ وہ صرف قادیانیوں کی بات کیوں کرتا ہے؟ یہ امریکا کی سراسر اسلام دشمنی ہے۔ ہم ریاستی اداروں سے مطالبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امریکا کا ایسے مطالبات کرنا سراسر پاکستان کے آئین اور قانون کی خلاف ورزی اور ہمارے ملک کے اندرونی معاملات میں کھل کھلا مداخلت ہے۔ ریاستی اداروں کو چاہیے کہ امریکا کے ایسے مطالبات کا سختی سے نوٹس لیں اور ان کو خبردار کریں کہ ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرے۔

سربراہ اہل سنت والجماعت مولانا احمد لدھیانوی

اہل سنت والجماعت کے سربراہ مولانا احمد لدھیانوی نے کہا ہے کہ قادیانیوں

کے حوالے سے پاکستان کی پارلیمنٹ فیصلہ کرچکی ہے کہ قادیانی اور ان کے پیروکار دائرہ اسلام سے خارج ہیں، ضیاء دور میں آرڈیننس جاری ہوا تھا، اس آرڈیننس کی روشنی میں قادیانیوں کو اسلامی شعار استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قادیانیوں نے ابھی تک پاکستان کی پارلیمنٹ کے فیصلے کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ جب وہ پارلیمنٹ کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتے تو جو ان کے حق میں بات کرنے والے ہیں، وہ بھی پاکستانی پارلیمنٹ کا مذاق اڑانا چاہتے ہیں۔ ناموس رسالت اور ختم نبوت کا عنوان بڑا حساس ہے، اس عنوان پر پاکستان میں متعدد تحریکیں چل چکی ہیں۔ 1953ء اور 1973ء میں بڑی تحریکیں چل چکی ہیں، ان تحریکوں میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان اپنی جانوں کے نذرانے دے کر جام شہادت نوش کرچکے ہیں۔ یہ بڑا حساس معاملہ ہے۔ سردار یوسف صاحب اور پیر امین الحسنات صاحب کو میں خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے جرات مندانہ موقف اختیار کرتے ہوئے امریکی وفد کو جواب دیا۔

مولانا احمد لدھیانوی نے مزید کہا کہ امریکا دنیا کا سب سے بڑا بدمعاش ہے، امریکا مسلمانوں کا بڑا دشمن ہے۔ اسلام کا دشمن ہے۔ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف سازشیں کرنا امریکا کا وطیرہ ہے، جبکہ قادیانی امریکا کے ٹاونٹ بھی مسلمانوں اور اسلام کے دشمن ہیں، تو امریکا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے قادیانیوں کی پشت پناہی کرتا ہے۔ مسلمانوں اور اسلام کو نقصان پہنچانا

اس کا مقصد ہے، لیکن امریکا کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمان ہر چیز برداشت کر سکتے ہیں لیکن ناموس رسالت پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ مسلمان اپنی جانوں پر کھیل کر بھی ناموس رسالت کا تحفظ کریں گے۔ امریکا اپنی سازشوں میں ناکام ہوگا۔ ان شاءاللہ۔ مولانا احمد لدھیانوی کا کہنا تھا کہ پاکستان میں اقلیتیں اکثریت سے زیادہ محفوظ ہیں، حالانکہ یہاں تو کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ یہاں تو ملک کا صدر، وزیراعظم محفوظ نہیں ہے۔ علماء محفوظ نہیں ہیں، پروفیسر محفوظ نہیں ہیں، ڈاکٹر محفوظ نہیں ہیں۔ عوام محفوظ نہیں ہے، کوئی طبقہ محفوظ نہیں ہے۔ اس کے باوجود امریکا کا یہ کہنا کہ صرف اقلیتیں غیر محفوظ ہیں، سراسر غلط ہے۔ حالاں کہ یہاں اقلیت اکثریت سے زیادہ محفوظ ہے۔ امریکا کا قادیانیوں کی پشت پناہی کے لیے اسی قسم کے مطالبات کرنا ہمارے مسلک کے معاملات میں کھلی مداخلت ہے۔ جس کو ہم کسی صورت برداشت نہیں کریں گے۔ جب امریکا ہمیں اپنے ملک میں مداخلت کی اجازت نہیں دے سکتا تو ہمارے ملک میں مداخلت کیوں کرتا ہے۔ پاکستان کی حکومت کو چاہیے کہ اس کا سخت نوٹس لے۔

سابق امیر جماعت اسلامی سید منور حسن

سابق امیر جماعت اسلامی سید منور حسن نے قادیانیوں کی تبلیغی آزادی کے حوالے سے امریکی مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ قادیانیوں کے حوالے سے کچھ بھی وضاحت کی گنجائش نہیں ہے، سب کچھ طے شدہ ہے۔ ملک میں اس حوالے سے

قانون بنا ہوا ہے، آئین کے مطابق وہ غیر مسلم ہیں۔ اس کے باوجود ان کو تبلیغی سرگرمیوں کی آزادی کے کیا معنی ہیں؟ ان کو مذہب کی تبلیغ کی اجازت کسی صورت نہیں دی جاسکتی۔ ہمارا آئین اور قانون قادیانیوں کے معاملے میں خاموش نہیں، بلکہ بالکل واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ قادیانی امریکا اور برطانیہ کا خود کاشت پودا ہے۔ انہوں نے ہی یہ پودا یہاں پر لگایا تھا، اس لیے وقتاً فوقتاً کبھی یورپ کی طرف سے اور کبھی امریکا کی طرف سے ان کی آزادی کا واویلا کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ پاکستان میں قادیانیوں کو تمام حقوق آئین اور قانون کے دائرے کے اندر ملے ہوئے ہیں، لیکن انہوں نے ملکی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ملک میں پھر بھی سرگرمیاں جاری رکھی ہوئی ہیں، ان کی عبادت گاہوں کو مسجد نہیں کہہ سکتے، ان کی عبادت گاہوں کو مسجد کہنا ملکی قانون کی خلاف ورزی ہے۔ وہ مسلمانوں کے شعار کو استعمال نہیں کر سکتے۔ حکومت کو امریکی مطالبے پر سے سخت ایکشن لینا چاہیے۔ ہماری حکومت کی طرف سے امریکا کو سخت جواب ملنا چاہیے۔ سید منور حسن کا مزید کہنا تھا کہ امریکا اسلام دشمن اور مسلمان دشمن ہے، مسلمانوں کے معاشرے میں جتنا بھی انتشار ہوسکے، وہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ مسلمانوں کو تقسیم کیا جاسکے، ان میں پھوٹ ڈالی جاسکے۔ مختلف حیلوں بہانوں سے امریکا اور یورپ ایسے اقدامات کرتے رہتے ہیں جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے، ویسے تو مسلمانوں کو نہ توڑا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان کو شکست دی جاسکتی ہے، لیکن امریکا و یورپ

نت نئے طریقوں سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔
سید منور حسن نے کہا کہ پاکستان میں امریکی ڈرون حملوں، امریکی ایجنٹوں کی کارروائیوں اور اس کی سازشوں کی بدولت کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ اس کے باوجود یہاں پر اکثریت سے زیادہ اقلیتیں زیادہ محفوظ ہیں۔ ان کی بستیاں محفوظ ہیں، ان کی عبادت گاہیں محفوظ ہیں، پوری دنیا میں مسلمان ہی ایسی قوم ہے، جو دوسروں کے حقوق کے حوالے سے بہت زیادہ حساس ہے۔ دوسروں کے حقوق کا احترام کرتی ہے، اپنے حقوق کو نظر انداز کرکے دوسروں کے حقوق کو پامال ہونے سے بچاتی ہے۔ حالانکہ ساری دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ ظلم ہورہا ہے۔ بھارت میں دیکھ لیں، مسلمان اقلیتوں کے ساتھ کیا ہورہا ہے۔ چند دنوں میں 32 مسلمان شہید کردیے گئے ہیں اور سو سے زاید گھر جلادیے گئے ہیں اور بھارت میں وقتاً فوقتاً مسلمانوں پر ظلم کیا جاتا ہے، امریکا اور یورپ میں بھی مسلمان اقلیت محفوظ نہیں ہیں، ساری دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ ظلم ہورہا ہے، اس طرف امریکا کی کوئی توجہ نہیں ہے، مسلمانوں کے لیے کوئی آواز نہیں اٹھاتا، ساری دنیا میں مسلمانوں کو نظر انداز کرکے قادیانیوں کی بات کرنا جو بالکل محفوظ ہیں، سراسر اسلام دشمنی ہے۔ امریکا کے اس قسم کے مطالبات کرنا پاکستان کے آئین اور قانون کے خلاف ہیں اور پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت ہے، جو کسی طور بھی برداشت نہیں کی جاسکتی۔

انسان سے انسانیت تک

دنیا میں آنے والا ہر نیا فرد اپنی کھلی آنکھوں وقتاً فوقتاً خود غرضی اور مفاد پرستی کے مظاہر دیکھتا رہتا ہے۔ ہر دور میں قابیل کی قبیل کا انسان اپنے مفادات کی خاطر اپنے ہی ہم جنسوں کو نقصان پہنچاتا نظر آتا ہے۔ انسان کی اکثریت مفاد پرستی اور خود غرضی کی بھٹی میں اس قدر پک چکی ہے کہ یہ عیوب اس کی فطرت کا جزلاینفک دکھائی دیتے ہیں۔ یہ مفاد پرستی اور خود غرضی ہی انسان کو دھوکا دہی، چوری چکاری، ڈاکازنی، قتل و غارت گری اور دیگر جرائم پر اکساتی و ابھارتی ہے اور دنیا کا سکون چھین کر اسے بے سکونی کا تاج پہناتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں صرف مفاد پرست اور خود غرض انسان ہی بستے ہیں۔ لوگ یہی خیال کرتے ہیں کہ دنیا سے مخلص، دوسروں کے کام آنے والے اور دوسروں کی مدد کرنے والے انسان بالکل معدوم ہو چکے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں کہ دنیا مخلص اور دردمند انسانوں سے بالکل خالی ہو گئی ہے، بلکہ آج بھی اپنی غرض سے بالاتر ہو کر انسانیت کے لیے کام کرنے والے بہت سے مخلص انسان دنیا میں موجود ہیں۔ آج بھی ایسے بہت سے انسان اس دھرتی پر چلتے پھرتے ہیں، جنہیں دوسروں کی مدد کرکے دلی خوشی اور سکون حاصل ہوتا ہے۔

اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ انسان چاہے جتنا بھی خود غرض اور مفاد پرست ہو جائے، لیکن انسانیت اس دھرتی پر ہمیشہ زندہ رہے گی۔ لندن میں اسی قسم کے ایک واقعے نے یہ بتادیا کہ دنیا میں سارے انسان مفاد پرست اور خود غرض نہیں ہوتے، بلکہ انسان سے بے لوث محبت کرنے والے انسان بھی اس دھرتی پر بستے ہیں۔ مشرقی لندن میں نیو ہیم کے "رائل ڈوکس کمیونٹی اسکول" کی ایک تیرا سالہ طالبہ عالیہ احمد علی کے گردوں نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ دماغ میں پانی بھر جانے کی وجہ سے عالیہ کی یکھنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں شدید متاثر ہو رہی تھیں۔ ان حالات میں عالیہ کو ایک گردے کے عطیہ کی اشد ضرورت تھی، لیکن اس کا حصول ناممکنات میں سے دکھائی دے رہا تھا، جو عالیہ اور اس کے والدین کے لیے بڑی پریشانی کا باعث بنا، لیکن عالیہ کے اسکول میں ہی انسانیت کے مضبوط رشتے اور بے لوث قربانی پر یقین رکھنے والے "53 سالہ مسٹر رے" کو جب عالیہ کی مشکل کا پتا چلا تو اس نے بغیر کسی لالچ کے زبان و مذہب کے مختلف اور ایک دوسرے سے بالکل اجنبی ہونے کے باوجود بلا توقف عالیہ کے لیے اپنا ایک گردہ عطیہ کرکے اس کی جان بچالی۔ جس سے جہاں ایک طرف عالیہ کی بہت بڑی پریشانی حل ہو گئی، وہیں دوسری طرف یہ بھی ثابت ہوگیا کہ انسان سے انسانیت تک کا سفر قربانیوں اور ایثار کے کٹھن راستوں سے گزرتا ہوا آج تک جاری ہے، اگر کہیں بے غرض اور سچے ایثار کی کہانی جنم لیتی ہے، تو یہ

احساس دلاتی ہے کہ انسانیت ہر دور میں زندہ تھی اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔ برے لوگوں کی اکثریت کے بیچ بہت سے ایسے اچھے افراد بھی ہمیشہ جنم لیتے رہتے ہیں جو انسانیت کے تقاضوں پر حقیقی معنوں میں عمل پیرا ہو کر انسان کا سر فخر سے بلند کر دیتے ہیں۔

جب سے یہ دنیا وجود پذیر ہوئی ہے، خود غرضی اور مفاد پرستی کے ساتھ انسان کا دوسرے انسانوں کے لیے ایثار اور قربانی کا جذبہ بھی ایک اٹل حقیقت رہا ہے۔ قرن ہا قرن کے سفر میں ان سچے جذبوں کے اظہار کو ہر ذی روح محسوس بھی کرتا ہے اور ان سے خود میں راحت اور توانائی کی دنیا بھی بساتا ہے۔ دوسرے افراد کی خاطر اپنا وقت اور متاع قربان کر دینا کارِ ہر دیوانہ نیست والا معاملہ ہوتا ہے۔ انسانیت کے درد کو اپنے دل میں جگہ دینے والے انسانوں کو انہی لافانی جذبوں کی بدولت انسانیت کی ایسی بلند و بالا مسند عطا ہوتی ہے، جس پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ انسانوں کی بے لوث قربانی انسان دوستی کے بیش قیمت جذبوں کی ترجمانی کا فریضہ سر انجام دیتی ہے اور انھیں دوسرے انسانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ انسانیت سے بے لوث محبت اور اس کی خدمت ہر انسان کی ازلی خواہش تو ہوتی ہے، لیکن اس کے اظہار کی اسے جرات، ہمت اور استطاعت نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ ذاتی مفادات کی اسارت دوسروں کی خدمت کی بجائے مفاد پرستی اور خود غرضی کے محور میں چکر لگانے پر آمادہ کرتی رہتی

ہے۔ حالانکہ انسانوں کے لیے انسانوں کا ایثار ہی اس دنیا کا حقیقی حسن ہے، لیکن نفسا نفسی کے اس دور میں جہاں پر مفادِ عاجلہ نے ایک روگ کی شکل اختیار کر لی ہے، دوسروں کی خدمت اور فلاح و بہبود کے لیے اپنی توانائیوں کو صرف کرنا انہونی سی بات لگتی ہے۔ ہر انسان اپنی ہی ذات میں اتنا مگن ہے کہ اسے دوسروں سے کوئی غرض نہیں ہے۔ وہ اپنے مسائل اور ضروریات میں الجھ کر اپنے ہی ہم جنسوں سے نہ صرف دور ہو گیا، بلکہ ان کو نقصان پہنچانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ وہ لوگ واقعی بڑے باہمت، قابل داد اور قابلِ ستائش ہیں جو دوسروں کے لیے اپنا وقت نکالتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اگرچہ کم ہیں، لیکن ہیں ضرور، جو اس مصرع کی عملی تصویر پیش کرتے نظر آتے ہیں

درد دل کے لیے پیدا کیا گیا انسان کو
ورنہ اطاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اس دور میں بھی وقتاً فوقتاً درد دل رکھنے والے افراد کے انسانوں کے لیے قربانیوں کے بے بہا واقعات سننے کو ملتے رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں اچھے اور برے انسان ضرور ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ انسان دوسروں کی خود غرضی اور مفاد پرستی کو دیکھتے ہوئے خود بھی ان کی راہ پر چل پڑے۔ بلکہ انسان کو فی زمانہ جتنی انسانیت کی ضرورت ہے، شاید پہلے کبھی نہیں

تھی۔ ہر انسان اگر یہ عہد کرلے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق جہاں ضرورت پڑے اور موقع ملے تو ضرور دوسروں کی مدد کرے گا، مجبور اور ضرورت مند لوگوں کی چھوٹی بڑی ضروریات حل کرنے میں مکمل تعاون کرے گا۔ کسی غریب طالب علم کی تعلیم کا خرچ، کسی غریب کی بیٹی کی شادی کا خرچ، کسی بے روزگار کی نوکری کا انتظام، کسی غریب بیمار کے علاج کا انتظام اور موقع ملنے پر ہر ایسا کام کرے گا، جس سے کسی انسان کی ضرورت پوری ہوتی ہو، یقین کیجیے اس سے دنیا بدل جائے گی۔ دنیا میں سکون ہی سکون کا راج ہوگا اور محبت کی حکمرانی ہوگی۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ دوسروں کی مدد کرنا صرف دوسروں کے لیے ہی فائدہ مند نہیں ہے، بلکہ اس سے مدد کرنے والے کو بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ کینیڈا میں یونیورسٹی آف بریٹش کولمبیا کی تحقیق کے مطابق رضا کارانہ طور پر دوسروں کی مدد کرنے سے انسان کا دوسرے انسانوں کے ساتھ رابطہ بڑھتا ہے، انسان کے جسم میں ایسے کیمیکلز خارج ہوتے ہیں، جن کی وجہ سے انسان کا ذہنی دباؤ کم ہوتا ہے۔ دوسروں کا درد رکھنے والوں کے دل زیادہ صحت مند ہوتے ہیں۔ دل اور شریانوں کی صحت بہتر ہوتی ہے اور دل مختلف امراض سے محفوظ رہتا ہے۔ دوسروں کے کام آنے سے انسان کی روح کو سکون ملتا ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ہماری ضرورت کے وقت کام آئے تو ہمیں دوسروں کی ضرورت کے وقت بھی کام آنا ہوگا۔

بھارتی مسلمان ایک بار پھر زیر عتاب

بھارت میں انتخابات کا عمل آخری مرحلے میں ہے۔ 16 مئی کو نتائج کا اعلان کیا جائے گا، لیکن الیکشن 2014 کا آخری مرحلہ مکمل ہوتے ہوتے بھارت میں مسلمان ایک بار پھر انتہا پسند ہندو دہشت گردوں کے نشانے پر آ چکے ہیں۔ بھارتی ریاست آسام میں جمعرات سے جمعہ کی شام تک 24 گھنٹوں میں بوڈو علاقوں کے تین گاؤں میں بوڈو قبائل کے مسلح افراد نے 34 سے زاید مسلم دیہی باشندوں کو قتل کیا۔ ان میں بیشتر خواتین اور بچے تھے۔ حملے کے بعد پورے خطے میں خوف وہراس کے عالم میں بعض گاؤں سے مسلمان محفوظ مقامات پر منتقل ہوگئے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں پر حملہ یہ کہہ کر کیا گیا کہ انہوں نے پارلیمانی انتخابات میں بوڈو امیدوار کو ووٹ نہ دے کر ان کے حریف امیدوار کو ووٹ دیا ہے۔ آسام کے وزیر برائے ترقی و سرحدی امور صدیق احمد کا کہنا تھا کہ مسلمانوں کے قتل عام میں انتہا پسند باغی گروپ بوڈو لینڈ پیپلز فرنٹ ملوث ہے، جو ریاست میں برسر اقتدار حکومت کا اتحادی ہے، 30 اپریل کو اس جماعت کی رہنما پرامیلا رانی براہما نے بھی کہا تھا کہ بھارت میں جاری پارلیمانی انتخابات کے دوران علاقے کے مسلمانوں نے ان کے حامی امیدوار کو ووٹ نہیں دیا اور اسی بنیاد پر مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ کوکراجھار،

چرانگ، پرانک، بکسا اور بوڈو دہشت گردوں کے سرحدی علاقوں میں محض اس لیے بے دریغ مسلم بستیوں میں آگ لگانا انتہائی افسوسناک ہے کہ انھوں نے پارلیمانی انتخابات میں بوڈو امید وار کو ووٹ نہ دیے۔ حالانکہ جمہوری ملک کے ہر باشندے کا یہ آئینی حق ہے کہ وہ اپنے من پسند امید وار کو ووٹ دے، اس پر کسی کی کوئی زبردستی نہیں ہے، اس کے باوجود بھارتی حکومت و انتظامیہ بے بس و ناکارہ بن کر انھیں دیکھ رہی ہے۔ بلکہ درپردہ مسلمانوں کے قتل عام میں دہشت گرد قاتلوں کی مدد کر رہی ہے۔ اس سے بھی افسوس ناک بات یہ ہے کہ بھارتی میڈیا اس جانب سے بالکل لاپرواہ ہے۔ بھارتی میڈیا جمعے کی رات مسلمانوں کے اس قتل عام پر خاموش رہا اور قومی ٹیلی ویژن کی ساری بحث نریندر مودی کے ایک انٹرویو کے ایک حصے پر مرکوز رہی۔ بیشتر قومی اخبارات میں بھی مسلمانوں کے قتل کے اس بہیمانہ واقعے کی خبر بہت سرسری طور پر معمولی جرم کے ایک چھوٹے سے واقعہ کے طور پر شائع کی گئی۔

واضح رہے کہ مسلمانوں پر حملے کرنے والے بوڈو قبائلی ایک عرصے سے اس خطے میں ایک علیحدہ ریاست کے قیام کی جد وجہد کرتے رہے ہیں اور انہوں نے مسلح شورش میں بھی حصہ لیا۔ مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق ان کی آبادی 33 فی صد ہے۔ باقی 67 فی صد آبادی غیر بوڈو لوگوں پر مشتمل ہے، جن میں 30 فی صد مسلم ہیں۔ بنگالی اور آسامی بولنے والے یہ مسلمان اس خطے میں مختلف

مرحلوں میں اور اکثر آسام ریاست کے وجود میں آنے سے قبل یہاں آکر آباد ہوئے۔ بیشتر مسلمان زراعت سے وابستہ ہیں اور زرعی زمینوں کے مالک ہیں۔ بنگلا دیش کی سرحد پر واقع ہونے کے سبب روزی کی تلاش میں بہت سے بنگلا دیشی مسلمان بھی یہاں آکر آباد ہوئے ہیں۔ انتہا پسند ہندوؤں کو یہ بات گوارا نہیں ہے، اسی لیے انتخابی مہم کے دوران بھارت کی ہندو قوم پسند جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی کے وزارت عظمیٰ کے امیدوار گجرات کے قصائی نریندر مودی نے دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ وزیراعظم بننے کے بعد غیر قانونی بنگلا دیشی تارکین وطن کو ملک بدر کر دیں گے اور بنگلا دیش کے ساتھ سرحد پر واقع بھارتی ریاست مغربی بنگال کی حکومت غیر قانونی بنگلا دیشی تارکین وطن کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کر رہی ہے، کیونکہ وہ نسلی اور مذہبی اقلیتوں کے ووٹ حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ایسے تارکین وطن بھارتی نوجوانوں کے روزگار پر ڈاکے ڈال رہے ہیں۔ آسام مختلف قبائل اور نسلی گروپوں کی ریاست ہے اور ہر بڑا گروپ ایک علیحدہ ریاست یا ایک علاقائی کونسل کی تخلیق چاہتا ہے۔ اس وقت ریاست میں بوڈو سمیت تین علاقائی کونسلیں اور 24 مقامی کونسلیں ہیں، جو نسلی اور قبائلی بنیاد پر تشکیل دی گئی ہیں۔ اس کے نتیجے میں ان علاقوں میں بہت سے نسلی گروپ سیاسی اعتبار سے طاقتور ہوئے ہیں اور اکثر وہ اپنی برادری کو اپنے پیچھے یکجا کرنے کے لیے دوسری برادریوں کے بارے میں یہ بھرم پیدا کرتے ہیں، وہ ان کی زمینوں کو غصب کر رہے ہیں۔

آسام کے بوڈو قبائل والے چار اضلاع پر مشتمل ان علاقوں میں مسلمانوں اور غیر بوڈو آبادی پر یہ اس نوعیت کا پہلا حملہ نہیں ہے۔ بلکہ جولائی 2012 میں بھی مسلمانوں پر اسی قسم کے شدید حملے ہوئے تھے، جن میں سو سے زیادہ مسلمان جاں بحق اور کئی سو زخمی ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے سیکڑوں مکانوں اور کھیتوں کو جلا دیا گیا تھا۔ کم از کم چار لاکھ مسلمانوں نے اپنے گھر بار چھوڑ کر امدادی کیمپوں میں پناہ لی تھی۔ دو برس گزر جانے کے بعد بھی ان میں سے کم از کم 30 ہزار مسلمان اپنے گھروں کو واپس نہیں آ سکے ہیں۔ ان کے گھر اور زمینیں واپس ملنے کے امکانات ختم ہو چکے ہیں۔ 1996 اور 98 میں بھی بوڈو قبائل کے مسلح افراد نے خطے کے مسلمانوں کو تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ کئی لاکھ قبائلی اپنا گھر بار چھوڑ کر یہاں سے چلے گئے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگ واپس نہیں لوٹے۔ ان کی زمینیں، مکان اور کھیتوں پر اب بوڈو قبائل کا قبضہ ہے۔

بھارت میں مسلمانوں پر ظلم کی تاریخ پرانی ہے۔ بستور، بدوباہاب اور بوربور کے ہزاروں لوگ 18 فروری، 1983 کی تاریخ کبھی نہیں بھول سکتے۔ اس دن بستور، بدوبا، ہاب اور آس پاس کے گاؤں کے قریب ساڑھے چھ ہزار مسلمان صرف تین چار گھنٹوں کے اندر ہی قتل کر دیے گئے تھے۔ کچھ فاصلے پر واقع بوربور گاؤں میں مرنے والوں کی تعداد بھی تقریباً 550 تھی۔ یہ سب اس وقت ہوا جب آسام میں بوڈو تحریک اپنے عروج پر تھی۔ 1983 کے قتل عام میں بچ جانے والے

مسلمانوں کے مطابق صبح کے وقت ہی سیکڑوں کی تعداد میں قبائلیوں اور مقامی بدمعاشوں نے ہمارے گھروں میں آگ لگانا شروع کر دی اور چاروں طرف سے فائرنگ شروع کر دی تھی۔ جبکہ افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ اس دن پولیس اور نیم فوجی دستے کچھ گھنٹے کے لیے غائب ہو گئے تھے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت میں ایک طرف آسام میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے جس پر بھارتی میڈیا چپ سادھے بیٹھا ہے، جبکہ دوسری طرف کشمیری طالب علموں کو پاکستان کی مخالفت میں نعرے نہ لگانے کی وجہ سے ایک بار پھر تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ بھارتی سورماؤں کی پاکستان دشمنی کا تازہ واقعہ ریاست اترپردیش کے علاقے گریٹر نوئیڈا کی ایک نجی یونیورسٹی کے ہاسٹل میں پیش آیا، جہاں رات گئے نشے میں دھت انتہا پسند ہندوؤں نے کشمیری مسلمان طلباء کو پاکستان کے خلاف نعرے لگانے کا حکم دیا، تاہم کشمیری نوجوانوں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا، جس پر ہندو طلبا نے کشمیر سے تعلق رکھنے والے طلبا کو بری طرح تشدد کا نشانہ بنایا۔ بھارت کے انتہا پسندوں کی مسلمان دشمنی اور پاکستان دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ اسی انتہا پسندی کے باعث بھارتی میڈیا انتخابات میں بھی ہر اس شخص کی حمایت کرتا ہے جو مسلمانوں اور پاکستان کے خلاف جارحانہ رویہ رکھے۔ اسی لیے بھارتی میڈیا ہزاروں مسلمانوں کے قاتل نریندر مودی جسے

گجرات کا قصائی بھی کہا جاتا ہے، کو بھارت کا وزیر اعظم بنانے پر تلا ہوا ہے۔ حالانکہ وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ نے علی الاعلان کہا ہے کہ مودی کا برسر اقتدار آنا ملک کے لیے تباہ کن ہوگا، جس نے احمد آباد کی سڑکوں اور کوچوں میں معصوموں کے قتل عام کی سر پرستی کی تھی۔ ممتاز کنڑا ادیب اور گیان پیٹھ ایوارڈ یافتہ انند مورتی نے مودی کی مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر مودی برسر اقتدار آتے ہیں تو ملک نسل کش فسادات اور تشدد کی لپیٹ میں آ جائے گا۔ امریکا اور برطانیہ کی یونیورسٹیوں کے 75 سے زاید پروفیسر صاحبان نے جن میں بیشتر غیر مسلم ہیں، ایک مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ بی جے پی نے جس شخص کو بطور وزیر اعظم پیش کیا ہے، وہ آر ایس ایس اور اس کی ہندو قوم پرست تحریک کی پیداوار ہے، جس کی تاریخ مذہبی اقلیتوں کے خلاف تشدد کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ بھارتی ریاست گجرات میں 2002ء کے واقعات میں مودی کی سرپرستی میں ہزار مسلمان قتل کیے گئے تھے۔ غیر ملکی میگزین "اکنامسٹ" کی رائے ہے کہ مودی بھارتی سماج میں ایک زبردست انتشار پسند قوت ثابت ہوں گے، مودی میں جدت پسندی، ایمانداری یا انصاف پسندی جیسا کوئی عنصر شامل نہیں ہے۔ ہندوستان کو اس سے بہتر لیڈر ملنا چاہیے۔ مودی کی حقیقت سامنے آ جانے اور اس کے وزیر اعظم بننے سے پہلے ہی بھارت میں مسلمانوں کے قتل عام سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر وہ بھارت کا وزیر اعظم بن جاتا ہے تو بھارتی مسلمانوں کے لیے کس قدر نقصان دہ ہو سکتا ہے۔

توانائی بحران اور بجلی کے پیداواری منصوبے

ملک میں گرمی کی شدت کے ساتھ ساتھ بجلی کا بحران بھی مزید شدت اختیار کرتا جارہا ہے۔ توانائی کے بحران کی بدولت مختلف شہروں اور دیہات میں 12 سے 18 گھنٹے تک لوڈشیڈنگ کی جارہی ہے۔ بجلی کی پیداوار میں کمی کے بعد صنعتوں کے لیے بجلی کی لوڈشیڈنگ 6 سے بڑھا کر 10 گھنٹے کر دی گئی ہے، جبکہ اپٹما کے عہدیداروں کا کہنا ہے کہ پہلے ہی معاشی بحران کا شکار ٹیکسٹائل انڈسٹری کے لیے بجلی کی لوڈشیڈنگ میں مزید اضافہ ظالمانہ اقدام ہے، جس کے خلاف ہڑتال کے ساتھ ساتھ احتجاج بھی کیا جائے گا۔ لوڈشیڈنگ میں اضافے کے باعث ملک کے مختلف شہروں میں روز بروز مظاہروں میں بھی شدت آتی جارہی ہے۔ ترجمان این ٹی ڈی سی کے مطابق شارٹ فال بڑھ کر 3 ہزار 500 میگاواٹ ہوگیا ہے، تربیلا سے پانی کا اخراج 47 ہزار کیوسک سے گھٹا کر 30 ہزار کیوسک اور منگلا سے 45 ہزار کیوسک سے کم کرکے 30 ہزار کیوسک کر دیا گیا ہے۔ جبکہ ملک میں لوڈشیڈنگ کی بڑھتی ہوئی اسی صورتحال کے تناظر میں وزیراعظم نواز شریف نے وزارت پانی و بجلی کے حکام کی سخت سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ انہیں اعداد و شمار نہیں، نتیجہ چاہیے، لوڈشیڈنگ کے خاتمے کا قابل عمل پلان دیا جائے۔ ملک کو درپیش سنگین مسائل میں توانائی بحران یقیناً سرفہرست ہے، یہ بحران ملکی

معیشت کو سالانہ 46 ارب روپے کا نقصان پہنچا رہا ہے، موجودہ حکومت اس پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائے تو مہنگائی، لوڈشیڈنگ اور بیروزگاری جیسے اہم مسائل سے نجات ممکن ہے۔ کسی بھی ملک کی ترقی کا دار و مدار اس کی مضبوط معیشت پر ہوتا ہے، مگر پاکستانی صنعتیں گزشتہ کئی سالوں سے توانائی بحران کی شکار ہیں۔ ایشین ڈویلپمنٹ بینک کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کو توانائی بحران کے باعث سالانہ 46 ارب روپے کا نقصان ہوتا ہے، گزشتہ 5 سال میں ملک کو 230 ارب کا نقصان ہو چکا ہے۔ بجلی کی پیداوار میں کمی اور لوڈشیڈنگ سے صنعتوں کا پیداواری عمل شدید متاثر رہا، جس کا اثر براہ راست برآمدات پر پڑا۔ موجودہ حکومت نے کچھ عرصے میں 5 سو ارب کا سرکلر ڈیٹ تو ختم کیا، مگر ملک کو ترقی کی راہ پر لانے کے لیے ابھی مزید شارٹ اور لانگ ٹرم پروجیکٹس کی اشد ضرورت ہے، جبکہ توانائی بحران پر قابو پانے کے لیے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ پاکستان میں بجلی کی طلب 15000 میگاواٹ ہے، جب کہ پیداوار اس سے کہیں کم ہے۔ موسم گرما میں بعض اوقات یہ بحران 6 ہزار میگا واٹ تک پہنچ جاتا ہے، صنعتیں اور گھریلو صارفین کو 20، 20 گھنٹوں تک کی لوڈ شیڈنگ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس سے نمٹنا حکومت کے لیے ایک بڑا چیلنج ہونے کے علاوہ معیشت کے لیے بڑا خطرہ بھی ہے۔ توانائی بحران کے خاتمے کے لیے موجودہ حکومت سنجیدہ نظر آ رہی ہے اور نئے انرجی پلانٹس لگانے کے لیے ملکی سرمایہ کاروں کے ساتھ بیرونی سرمایہ کاروں کو آسان مواقع فراہم کر رہی ہے، جس سے آنے والے چند سالوں میں

مثبت نتائج سامنے آنے کی امید کی جاسکتی ہے۔ ملک میں لوڈشیڈنگ کا خاتمہ ہوگا تو صنعتیں بھی بلا تعطل چلیں گی، جس سے ملک میں موجود لاکھوں بیروزگاروں کو روزگار بھی ملے گا۔

توانائی بحران سے نمٹنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے منگل کے روز وزیر اعظم نواز شریف نے پورٹ قاسم کراچی میں 1320 میگاواٹ بجلی کے منصوبے کا سنگ بنیاد رکھا ہے۔ مذکورہ منصوبہ چین اور قطر کے المرکاب گروپ کے تعاون سے شروع کیا گیا۔ المرقاب گروپ کو کوئلے سے بجلی پیدا کرنے کے منصوبوں پر کام کرنے میں چین کے ماہر کاروباری گروپ سائینوہائیڈرو ریسورسز لمیٹڈ کی تکنیکی معاونت حاصل ہے۔ المرقاب گروپ نے اس سے قبل امریکا، یورپ، ایشیا اور مشرق وسطی میں اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کر رکھی ہے۔ ان کی کاروباری دلچسپی کے شعبوں میں ہوٹلنگ، بینکنگ، رئیل اسٹیٹ مخصوص صنعتیں ہیں، مگر پہلی بار المرقاب گروپ نے پاکستان میں توانائی اور انفراسٹرکچر کے شعبے میں اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف نے توانائی بحران پر قابو پانے اور توانائی منصوبوں پر سرمایہ کاری کرنے پر چین اور قطر کا شکریہ ادا کیا ہے۔ وزیر اعظم میاں نواز شریف کا کہنا تھا کہ کوئلے کے ذریعے پہلے مرحلے میں 660 میگاواٹ بجلی پیدا ہوگی اور دوسرے مرحلے میں بھی میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کا منصوبہ مکمل ہوگا۔ اس طرح اس منصوبے سے 660

میگا واٹ بجلی پیدا کی جائے گی اور یہ منصوبہ ایک ارب بیس کروڑ روپے کی 1320 لاگت سے 2017ء میں مکمل ہوگا۔ وزیراعظم نے مزید کہا کہ پاکستانی عوام بجلی کے بحران پر صبر سے کام لیں، ملک بھر میں 10 سال کے دوران 21 ہزار میگاواٹ بجلی کے منصوبے بروقت مکمل ہونے سے توانائی بحران پر قابو پانے کا خواب شرمندہ تعبیر ہوجائے گا۔ ہماری پوری کوشش ہے ملک میں وافر اور سستی بجلی پیدا کی جائے۔ موجودہ حکومت 21 ہزار میگاواٹ کے منصوبوں پر تیزی سے کام کررہی ہے۔ گڈانی میں 10 منصوبے شروع کیے جائیں گے، جبکہ پنجاب میں 4 منصوبے لگائے جائیں گے۔ جامشورو میں 1320، پنجاب سے 2600 جبکہ خیبر پختونخوا سے 4500 میگاواٹ بجلی حاصل کریں گے۔ بہاولپور میں سولر پاور پارک قائم کیا جائے گا، جس کا افتتاح آئندہ ماہ ہوگا۔ تھر میں بھی 6 ہزار میگاواٹ کے 10 منصوبوں پر کام ہوگا۔ رحیم یار خان، مظفر گڑھ، ساہیوال اور جھنگ میں بھی توانائی کے 4 منصوبے مکمل کیے جائیں گے اور آئندہ 5 سال میں زیادہ سے زیادہ بجلی پیدا کرنے کی بنیاد رکھی جائے گی۔ بھاشاڈیم سے 4ہزار5 سو میگاواٹ بجلی حاصل کی جائے گی، نیلم جہلم کا منصوبہ بھی زیر تکمیل ہے۔ 10 سال بعد 21ہزار میگاواٹ بجلی حاصل کرکے ایکسپورٹ کرنے کی پوزیشن میں ہوں گے۔ ان تمام منصوبوں میں پاک چین دوستی کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

دوسری جانب ماحولیاتی ماہرین کا کہنا ہے کہ اگرچہ ملک میں لگنے والے کول

پاور پلانٹس سے توانائی کے بحران پر کسی حد تک قابو پایا جاسکتا ہے، لیکن کوئلے سے چلنے والے پاور پلانٹس کثیر مقدار میں گرین ہاؤس گیسز سمیت فضائی آلودگی کا سبب بننے والے ٹاکسک فضلے اور راکھ کے اخراج کا باعث بنتے ہیں۔ عالمی سطح پر مذکورہ پلانٹس ماحولیاتی آلودگی کے حوالے سے سب سے خطرناک تصور کیے جاتے ہیں۔ 660 میگا واٹ بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت والے کوئلے سے چلنے والے ایک پلانٹ کو اپنے کولنگ سسٹم کے لیے سالانہ تین ارب گیلن پانی کی ضرورت پڑتی ہے، جس کے سمندری ماحولیات پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چین کے علاوہ عالمی سطح پر کوئلے سے چلنے والے مذکورہ پاور پلانٹس پر انحصار میں مسلسل کمی واقع ہو رہی ہے۔ ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس قسم کے منصوبوں سے خارج ہونے والا تیزابی اور ٹاکسک فضلہ، جس میں سلفر ڈائی آکسائڈ، نائٹروجن آکسائڈ، آرسینک، بورون، جست، سیلینیم، پارہ، کرومیم وغیرہ شامل ہوتی ہیں، فضا میں شدید آلودگی پھیلانے کا سبب بنتے ہیں۔ سلفر کے صرف ایک فیصد اخراج کا مطلب ہے، صرف چند شہروں کی فضاؤں میں 3 لاکھ 12 ہزار 2 سو 6 ٹنز سلفر کا اضافہ، جس سے یقیناً صحت اور رہائش کی جگہوں پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس لیے ماہرین کا کہنا ہے کہ پاکستان کو چاہیے کہ وہ کوئلے اور تیل کے متبادل ذرائع سے توانائی کے بحران پر قابو پانے کی کوشش کرے۔ پاکستان میں توانائی کی طلب کا 45 فی صد گیس، 35 فی صد درآمدی تیل، 12 فی صد آبی ذخائر، 6 فی صد کوئلے اور 2 فی صد ایٹمی پاور سے پورا کیا

جاتا ہے۔ جبکہ آج دنیا بھر میں متبادل ذرائع سے بجلی کے حصول پر توجہ دی جارہی ہے۔ تیل اور کوئلے سے چلنے والے بجلی گھر برقی توانائی کے حصول کا سب سے پرانا اور روایتی ذریعہ ہیں۔ تیل کی درآمد پر آنے والی بھاری لاگت اور کوئلے کے بجلی گھروں سے پھیلنے والی آلودگی کے باعث دنیا بھر میں متبادل ذرائع سے بجلی پیدا کرنے کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔ تیل اور کوئلے سے چلنے والے بجلی گھروں پر عالمی ماحولیاتی ادارے بھی تنقید کرتے چلے آرہے ہیں، کیوں کہ ان سے خارج ہونے والی گیس بالخصوص کاربن ڈائی آکسائیڈ گلوبل وارمنگ میں اضافہ کرتی ہے۔ گلوبل وارمنگ سے مراد دنیا کے درجہ حرارت میں ہونے والا اضافہ ہے، جس کی وجہ سے عالمی آب و ہوا میں تغیر رونما ہورہے ہیں۔ ان تغیرات کے باعث کہیں تو شدید بارشیں ہوتی ہیں اور کہیں قحط جیسی صورت حال پیدا ہوجاتی ہے۔ خوش قسمتی سے پاکستان قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔ دیگر قدرتی وسائل کی طرح یہاں متبادل ذرائع سے بجلی پیدا کرنے کے بھی وسیع مواقع موجود ہیں۔ پاکستان میں متبادل ذرائع سے بجلی پیدا کرنے کی وسیع گنجائش موجود ہے۔ ایک تخمینے کے مطابق ہوا سے 340000 میگا واٹ، شمسی توانائی سے 900000 میگا واٹ، بڑے ہائیڈل پروجیکٹس سے 50000 میگا واٹ، چھوٹے ہائیڈل پروجیکٹس سے 3100 میگاواٹ، کچرے سے 500 میگا واٹ اور جیو تھرمل ذرائع سے 1350 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ واضح رہے کہ بجلی کی قیمتوں میں مزید اضافہ ہورہا ہے، جس سے بجلی چوری میں بھی اضافہ ہورہا ہے، جو

یقیناً ملک اور عوام کے لیے نقصان کا باعث ہے۔ اب حکومت کے لیے جہاں ایک طرف توانائی کے بحران سے نمٹنا ایک بڑا چیلنج ہے، وہیں دوسری جانب بجلی چوروں سے نمٹنے اور بجلی کی قیمتوں کو کنٹرول کرکے عوام کی پہنچ تک لانا بھی چیلنج ہے، جس سے حکومت کو ہی نمٹنا ہے۔

ایک اور امریکی ایجنٹ کی رہائی ....!

کراچی سے گرفتار کیے گئے ایف بی آئی کے ایجنٹ جوئیل کاکس کو دس لاکھ روپے کی ضمانت پر جمعرات کے روز رہا کر دیا گیا۔ جوئیل کاکس کو پیر کے روز کراچی کے جناح انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر نائن ایم ایم پستول کی پندرہ سے زاید گولیوں، میگزین، چاقو، ایک آہنی مکے، جاسوسی کے آلات پین، کیمرا اور آفیشل کارڈ سمیت گرفتار کیا گیا تھا۔ امریکی ذرائع ابلاغ کے مطابق کراچی کے انٹرنیشنل ایئرپورٹ سے اسلحہ سمیت گرفتار ہونے والا امریکی شہری ایف بی آئی کا ایجنٹ ہے اور ترجمان محکمہ خارجہ جین پاسکی کے مطابق بھی جوئیل کاکس ایف بی آئی کا ایجنٹ ہے، وہ امریکی سفارتخانے کے لیگل اتاشی کے ساتھ عارضی ڈیوٹی پر تھا۔ اس کی تعیناتی امریکی ریاست میامی کے فیلڈ آفس سے کی گئی تھی۔ اطلاعات ہیں کہ جوئیل کاکس سے ایف آئی اے کی تحقیقات میں یہ بھی معلوم ہوا کہ امریکی ایجنٹ نے لیپ ٹاپ سے کراچی کے حوالے سے اہم معلومات ٹرانسفر کی ہیں۔ تفتیشی حکام کا کہنا ہے کہ امریکی ایجنٹ سے ملنے والی معلومات اہم ہیں۔ جب کہ ملزم سے کچھ ایسے خفیہ آلات بھی ملے، جنہیں پاکستان میں ڈی کوڈ کرنا مشکل ہے۔ ترجمان دفتر خارجہ تسنیم اسلم کا کہنا تھا کہ کراچی سے حراست میں لیا گیا امریکی شخص سفارت کار نہیں، بلکہ ایف بی آئی کا اہلکار ہے، جس کے باعث اسے کسی قسم کا

استثنیٰ حاصل نہیں۔ صرف امریکی کونسلر کو ایف بی آئی کے اہلکار سے ملنے کی اجازت دی گئی، جب کہ کسی سفارت کار کو بھی اسلحہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ جبکہ وزیر مملکت برائے پانی و بجلی عابد شیر علی نے کہا ہے کہ کراچی میں گرفتار ہونے والے امریکی اہلکار کو قانون کے مطابق تحقیقات کا سامنا کرنا ہوگا، کسی بھی غیر ملکی شہری کو پاکستان میں غیر قانونی سرگرمیوں کی اجازت نہیں دیں گے، ماضی کی طرح غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث کسی بھی غیر ملکی شہری کو تحقیقات کے بغیر بیرون ملک نہیں بھیجا جائے گا۔ پیر کے روز ایئر پورٹ سے گرفتاری کے بعد امریکی ایجنٹ کے خلاف سندھ آرمز ایکٹ کے تحت مقدمہ درج کیا گیا اور جوڈیشل مجسٹریٹ ملیر نے اس ایجنٹ کو دس مئی تک چار روزہ ریمانڈ پر پولیس کے حوالے کر دیا، لیکن ایف بی آئی ایجنٹ کو پولیس حراست میں بھی خصوصی پروٹوکول فراہم کیا جاتا رہا۔ صبح ہوتے ہی "موصوف" کو غیر ملکی ریسٹورنٹ کا ناشتہ پیش کیا گیا۔ ملزم کو لاک اپ کی بجائے کمرے میں رکھا گیا، جبکہ پولیس کو تفتیش میں مشکلات کا سامنا بھی رہا، کیوں کہ امریکی ایجنٹ صرف انگریزی بولتے ہوئے ہر سوال کے جواب میں یہی کہتا رہا کہ ان کی ایمبیسی سے رابطہ کریں۔ امریکی شہری کے باعث آر ٹلری تھانے کی سیکورٹی کے بھی غیر معمولی انتظامات کیے گئے اور میڈیا سمیت شہریوں کا داخلہ بند کر دیا گیا تھا۔

دوسری جانب امریکی اہلکار کو جمعرات کو ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ملیر کی عدالت میں پیش کیا گیا تو ان کے وکیل نے موقف اختیار کیا کہ ان کا موکل کسی مجرمانہ کارروائی میں ملوث نہیں رہا، ان سے صرف میگزین اور گولیاں برآمد ہوئی ہیں، خودکار ہتھیار نہیں۔ وکیل کا کہنا تھا کہ ایف آئی آر میں شامل دفعات قابل ضمانت ہیں، لہٰذا ان کے موکل کی ضمانت منظور کی جائے۔ کراچی کی مقامی عدالت نے گرفتار ایف بی آئی اے ایجنٹ جوئیل کاکس کی دس لاکھ روپے کے مچلکوں کے عوض ضمانت منظور کر لی، جس کے بعد اسے رہا کر دیا گیا۔ اس سے پہلے حکومت نے ملزم تک امریکی قونصلر کی رسائی کی اجازت دے دی تھی۔ نجی ٹی وی کے مطابق جوئیل کاکس کو عدالتی حکم نامہ موصول ہونے سے قبل ہی رہا کیا گیا۔ ذرائع کے مطابق حکومت کو امریکا کی جانب سے شدید دباؤ تھا، جبکہ پولیس پر وزارت داخلہ کی جانب سے شدید دباؤ تھا۔ اعلیٰ حکام نے جوئیل کاکس کی رہائی کے لیے پولیس کو فوری اقدامات کرنے کی ہدایت کی تھی، جس کے بعد امریکی ایجنٹ کو ضمانت پر رہا کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ امریکی قونصلیٹ کا ایف بی آئی ایجنٹ کی گرفتاری اور پھر رہائی پر ردعمل میں کہنا تھا کہ ایف بی آئی ایجنٹ کے مقدمے سے متعلق پاکستانی حکام سے رابطے میں ہیں۔ قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ ایف بی آئی ایجنٹ جوئیل کاکس کو ضمانت پر چھوڑنے سے قبل اس کا نام سب سے پہلے ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل کیا جانا چاہیے تھا، تاکہ وہ فرار نہ ہوسکے، لیکن حکومت کی جانب سے ایسا کوئی مظاہرہ نہیں کیا

گیا۔ آئینی ماہر جسٹس (ر) وجیہ الدین کا کہنا تھا کہ ایف بی آئی کے ایجنٹ جوئیل کاکس کی زر ضمانت قبول کرکے ریمنڈ ڈیوس کی کہانی دہرائی گئی ہے۔ امریکی ایجنٹ کو جوڈیشل مجسٹریٹ ملیر نے دس مئی تک جسمانی ریمانڈ پر پولیس کی تحویل میں دیا تھا، لیکن تفتیشی ادارے کے اہلکاروں نے متعلقہ عدالت کے فیصلے کو بائی پاس کرتے ہوئے پولیس رپورٹ جمع کروائی، حالانکہ قانون کے مطابق جس عدالت میں ملزم کا ریمانڈ ہوتا ہے، اسی عدالت میں ملزم کی درخواست ضمانت بھی لگائی جاتی ہے، لیکن اس کیس میں ایسا نہیں کیا گیا۔ ملزم کی جانب سے درخواست ضمانت ضلعی جج کی عدالت میں دائر کی گئی، امریکی ایجنٹ کا معاملہ انتہائی سنجیدہ نوعیت کا تھا، لیکن اس معاملے میں سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا، ملزم کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں نہیں ڈالا گیا۔ یاد رہے کہ اس سے پہلے بھی امریکی جاسوس ریمنڈ ڈیوس کو پاکستانی حکومت نے رہا کردیا تھا، حالانکہ امریکی جاسوس ریمنڈ ڈیوس نے 27 جنوری 2011ء کو لاہور میں دو پاکستانی نوجوانوں فہیم اور فیضان کو گولی مار کر قتل کردیا تھا، جبکہ قتل کرکے بھاگتے ہوئے ایک نوجوان عبادالحق کو اپنی گاڑی کے نیچے کچل کر مارڈالا تھا، جس کے بعد پولیس نے ریمنڈ کو گرفتار کرلیا تھا۔ لاہور کی عدالت نے ریمنڈ کو ملک سے باہر بھیجنے پر پابندی لگاتے ہوئے جیل میں رکھنے کا حکم دیا تھا۔ ڈیوس کے ہاتھوں قتل ہونے والے ایک نوجوان کی بیوہ نے انصاف نہ فراہم ہونے کے خدشہ پر 6 فروری کو احتجاجاً خودکشی کرلی تھی اور مقتول کے

دیگر لواحقین نے بھی انصاف نہ ملنے کی صورت میں خود کشی کی دھمکی دی تھی۔ اس کے باجود 16 مارچ 2011ء کو ریمنڈ ڈیوس کو بری کر دیا گیا اور رہائی کے فوراً بعد امریکی ریمنڈ ڈیوس کو بذریعہ ہوائی جہاز افغانستان لے گئے تھے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ تازہ واقعہ میں امریکی ایجنٹ جوئیل کاکس کو یوں چھوڑ دینا کسی طور بھی درست اقدام نہیں ہے، کیونکہ امریکی ایجنٹ کا معاملہ حساس نوعیت کا تھا، یہ ایجنٹ کسی بڑی تباہی کا سبب بھی بن سکتا تھا اور اس سے اہم معلومات بھی ملی ہیں جو اس نے پاکستان سے چرا کر بھیجی ہیں۔ یہ بات تو کئی بار سامنے آ چکی ہے کہ ملک میں ہونے والی تباہی میں غیر ملکی ہاتھ ملوث ہیں، متعدد بار شواہد سامنے آنے کے علاوہ وزیر داخلہ سمیت کئی اہم شخصیات کے بیانات بھی اس حوالے سے منظر عام پر آ چکے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ امریکا ہر دور میں جاسوسی کے ذریعے پاکستان کو نقصان پہنچانے کے درپے رہا ہے۔ گزشتہ سال برطانوی اخبار "دی گارڈین" نے ایک رپورٹ شائع کی تھی کہ امریکا نے پاکستان سے صرف مارچ 2013ء کے دوران ساڑھے 13 ارب خفیہ معلومات چرائیں۔ یہ معلومات ٹیلی فون اور کمپیوٹر نیٹ ورک سے لی گئیں تھیں۔ مبصرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ قانون سب کے لیے برابر ہونا چاہیے، اگر امریکا میں کوئی پاکستانی شہری اس طرح کی سرگرمیوں میں ملوث پایا جاتا تو اس کے ساتھ کسی طور بھی یوں نرمی کا معاملہ نہ کیا جاتا جس طرح پاکستان میں امریکی

ایجنٹوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ پاکستان تو رہا ایک طرف امریکا نے اپنے اتحادی اسرائیل کے جاسوس کو بھی متعدد بار مطالبات کے باوجود رہا نہیں کیا، اسرائیلی جاسوس جوناتھن پولارڈ کو 1980ء کے عشرے کے اوائل میں عرب اور پاکستانی ہتھیاروں کے بارے میں امریکا کے خفیہ راز اسرائیل کو پہنچانے کے جرم میں سزا سنائی گئی تھی، امریکی نژاد اس اسرائیلی جاسوس کو 1987ء میں شمالی کیرولینا میں عمر قید کی سزا سنائی گئی تھی۔ اسرائیل متعدد مرتبہ امریکی صدر سے پولارڈ کی رہائی کا مطالبہ کر چکا ہے، لیکن امریکی صدر براک اوباما کا کہنا ہے کہ اسرائیلی جاسوس جوناتھن پولارڈ کی رہائی سے متعلق ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ دوسری جانب پاکستان میں امریکیوں کو ہر قانون کو پامال کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

سوئس بینکوں میں پاکستانیوں کا کالا دھن

ان دنوں سوئس بینکوں میں پاکستانیوں کی بھاری بھر کم رقم کا معاملہ سر اٹھائے ہوا ہے۔ جمعہ کے روز سوئٹزر لینڈ کے بینکوں سے پاکستانیوں کے ڈالر واپس لانے کا اعلان کرتے ہوئے پارلیمانی سیکرٹری برائے خزانہ واقتصادی امور رانا محمد افضل خان نے کہا کہ "سوئٹزر لینڈ کے گیارہ بینکوں میں پاکستانی شہریوں کی جانب سے غیر قانونی طور پر رکھے گئے 200 ارب ڈالر واپس لانے کے سلسلے میں سوئٹزرلینڈ کی حکومت کے ساتھ رابطے میں ہے ں۔ کابینہ کی جانب سے پاکستان اور سوئٹزرلینڈ کے درمیان موجودہ ٹیکس معاہدے پر نظرِ ثانی کی منظوری دی جاچکی ہے۔ اس معاہدے پر دوبارہ غور کرنے کے اقدام سے ان پاکستانیوں کی نشاندہی ہوگی، جن کی سوئس بینکوں میں غیر قانونی طور پر رقوم رکھی ہوئی ہیں۔ پاکستانی وفد نام اور اکاؤ نٹ نمبر لینے اور سوئٹزرلینڈ اور پاکستان کی حکومتوں کے درمیان ٹیکس معاہدے میں ترامیم کے لیے اگست میں دورہ کرے گا۔ دنیا بھر کے لوگ ٹیکس سے رقم چھپاکر سوئٹزرلینڈ اور دوسرے ملکوں کے بینکوں میں جمع کراتے ہیں، دنیا بھر کے بینکوں میں یہ رقم 32 ٹریلین ڈالر ہے، جس میں سے صرف سوئس بینکوں میں سات ٹریلین ڈالر (7000 ارب ڈالر) ہے۔ سوئس ونیر کے مطابق ان میں سے 200 ارب ڈالر

پاکستانیوں کا ہے۔ جبکہ دوسری جانب لاہور ہائیکورٹ نے 63 سیاستدانوں، بیوروکریٹس اور وکلاء کی بیرون ملک موجود 300 بلین ڈالر رقم وطن واپس لانے کے لیے دائر درخواست سماعت کے لیے منظور کرتے ہوئے 19 مئی کے لیے نوٹسز جاری کیے ہیں۔ درخواست گزار بیرسٹر جاوید اقبال جعفری نے موقف اختیار کیا کہ ملک کے 63 ممتاز سیاستدانوں، بیوروکریٹس اور وکلاء نے ملکی دولت لوٹ کر منی لانڈرنگ کے ذریعے بیرون ملک منتقل کی، جس سے قومی خزانے کو اربوں روپے نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر یہ دولت ملک میں واپس لائی جائے تو پاکستان کو کسی بیرونی قرضے کی ضرورت نہ پڑے اور اس رقم سے ملک کے قرضے اتار کر قومی معیشت کو ترقی دی جا سکتی ہے۔ اس بات کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ پاکستان کی اہم شخصیات کے اربوں ڈالر سوئس بینکوں میں پڑے ہیں، جو غیر قانونی طریقے سے منتقل کیے گئے۔ اس وقت ملک شدید مالی بحران کا شکار ہے، جس کی وجہ سے ملک میں سرکاری سطح پر کی جانے والی لوٹ مار ہے۔ اس قدر بھاری پیمانے پر کی جانے والی منی لانڈرنگ کا ازالہ عوام کی جیب پر بوجھ ڈال کر نہیں کیا جا سکتا۔ واضح رہے کہ 1991ء تک پاکستان کو فارن کرنسی اکاؤنٹ رکھنے کی اجازت نہیں تھی، لیکن نواز شریف حکومت نے 1992ء میں اکنامک لبرالائزیشن اسکیم کے تحت پہلی مرتبہ فارن کرنسی اکاؤنٹ کھلوانے کی اجازت دی تھی، جس کے بعد اہم افراد نے پاکستان سے کالا دھن سوئس بینکوں میں رکھوانا شروع کر کے سابق صدر اے بی شاہد کے مطابق نواز حکومت کا یہ غلط (BEEI) دیا۔ بی ای ای آئی

فیصلہ تھا، حالانکہ یہ سہولت صرف غیر ملکی تجارت کرنے والوں کو ہی ملنی چاہیے تھی۔
سابق چیئرمین سیکیورٹیز ایکسچینج کمیشن آف پاکستان رضی الرحمٰن نے تصدیق کی تھی کہ پاکستانیوں کی سوئس بینکوں میں پڑی رقم اربوں ڈالر میں ہے اور دو سال قبل ہی ایک رپورٹ کے ذریعے اس بات کا انکشاف ہوگیا تھا کہ سوئس بینکوں میں پاکستانیوں کے دو سو ارب ڈالرز کے اکاؤنٹس ہیں، لیکن ابھی تک اس کے حوالے سے کوئی حتمی کارروائی نہیں کی جا سکی۔ اقتصادی ماہرین کا کہنا ہے کہ سوئس بینکوں میں پاکستانیوں کی جانب سے چھپائے گئے تقریباً 200 ارب ڈالر کا بڑا حصہ گزشتہ 15 سال میں ملک سے باہر منتقل ہوا ہے، بدعنوانی اور ٹیکس چوری اس کالے دھن کا بڑا سبب ہے۔ خیال رہے کہ کالے دھن سے مراد ہر ایسا پیسہ ہے جو غیر قانونی طریقے سے کمایا جائے۔
کی ایک رپورٹ کے مطابق سوئٹزرلینڈ ایسے (ICIJ) تحقیقاتی صحافت کے عالمی کنسوریشم لوگوں اور کمپنیوں کے لیے جنت ہے جو ٹیکسوں سے بچنا چاہتے ہیں۔ سوئس بینکس میں اکاونٹ کھولنے کے لیے وہاں جانا ضروری نہیں، صرف خط وکتابت ہی کافی ہے۔ کرنٹ اور سیونگ اکاؤنٹس کے علاوہ سوئس بینک نمبر اکاؤنٹس کھولنے کے لیے بھی مشہور ہیں۔ ایسے اکاؤنٹ میں نام نہیں ہوتا، صرف نمبر یا کسی پاس ورڈ سے اکاؤنٹ آپریٹ ہوتا ہے۔ گریٹ کونسل آف جنیوا نے 1713ء میں بینکوں کے لیے رازداری رکھنے کا جو قانون بنایا تھا، وہ سوئٹزرلینڈ میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ نافذ العمل ہے۔ 300 سال پرانے قانون پر عمل درآمد

کی وجہ سے سوئس بینک ہر قسم کے پیسے سے اکاؤنٹ کھول دیتے ہیں اور یہ کسی اکاؤنٹ ہولڈر کی تفصیلات کسی کو بتانے کے پابند نہیں ہیں، لیکن سوئس حکومت ٹیکس چوری کو بڑا جرم تصور کرتی ہے اور اس کے ٹھوس ثبوت فراہم کیے جانے کی صورت میں اکاؤنٹس کی تفصیلات فراہم کی جا سکتی ہیں۔ سوئس بینکرز ایسوسی ایشن کے مطابق ورثہ اور طلاق جیسے سول کیسوں، قرضے کی ریکوری اور دیوالیہ ہونے کے کیس، منی لانڈرنگ، کریمنل تنظیم سے تعلق، چوری اور بلیک میل جیسے الزامات کے مقدمات کی صورت میں بھی کھاتہ دار کی تفصیلات فراہم کرنا بینک کی ذمہ داری ہے۔ سوئس قانون کے مطابق سوئس عدالت کی تحقیقات میں جرم دونوں ملکوں میں قابل سزا ثابت ہو جائے تو ملزم کے اثاثے منجمد کرکے متعلقہ حکومت کے حوالے کیے جا سکتے ہیں۔ سوئس بینکوں کا دعویٰ ہے کہ ان کے ہاں گمنام اکاؤنٹس نہیں۔ نمبر والے اکاؤنٹ ہولڈر کو بھی بینک کا کم از کم ایک اہلکار جانتا ہے۔ سیاستدانوں کے اکاؤنٹس کھولنے میں بہت احتیاط برتی جاتی ہے اور مشکوک رقم کی صورت میں انکار کر دیا جاتا ہے۔ سوئس حکومت نے چند سال قبل سوئس بینکوں تک رسائی کا قانون بنایا تھا۔ یکم اکتوبر 2010ء کو سوئس پارلیمنٹ کی منظوری دی، جس کے تحت Return of Illicit Assets Act نے تاریخی پاکستان سمیت ترقی پزیر ملکوں کو سوئس بینکوں کے خفیہ اکاؤنٹس تک قانون و آئینی رسائی اور ایف بی آر حکام و دفتر خارجہ کے اقدامات کے ذریعے ڈبل ٹیکسیشن گریز کے معاہدہ کی روشنی میں بھی کامیابی کے امکانات روشن ہو سکتے

ہیں۔ سوئس آئین کے آرٹیکل 25 (1) کے تحت خفیہ اکاؤنٹ کی اطلاعات، اکاؤنٹ ہولڈرز کے نام و دستاویزات کے حصول اور ان کے سرکاری طور پر افشا کی راہ میں کوئی قانونی رکاوٹ بھی نہیں ہو گی، بھارت سوئس حکام سے اس نوعیت کا نہ صرف معاہدہ کر چکا ہے، بلکہ بھارتی حکومت انڈین بیوروکریٹس، صنعتکاروں، سیاست دانوں اور سیٹھوں کے تقریباً 1.4 ٹریلین ڈالر کالے دھن کی واپسی کی کوششیں کر رہی ہے۔حکومت سے مدد لینے پر (RIAA) پاکستان غیر قانونی اثاثوں کو واپس لانے کا ایکٹ 2010 سنجیدگی سے غور کر رہی ہے، کیونکہ یہ قانون اجازت دیتا ہے کہ سوئس حکومت بینکنگ انڈسٹری میں جمع کردہ ناجائز رقوم کے بارے میں خفیہ معلومات کا تبادلہ کر سکتی ہے، لیکن سوئس قوانین کا فائدہ موجودہ پاک سوئس ٹیکس معاہدہ میں ترامیم کرکے ہی اٹھایا جاسکتا ہے، کیونکہ موجودہ دوطرفہ ٹیکس معاہدہ غیر تسلی بخش ہے۔اقتصادی ماہرین کے مطابق ملک کے بیرونی قرضوں کے مقابلے میں تقریباً 3 گنا زیادہ پیسہ سوئس کھاتوں میں پڑا ہے، اگر حکومت حاصل کرنے کے لیے سنجیدہ ہے تو اس کے لیے ضروری ہے پاکستان بھی سوئس حکومت کے ساتھ بات چیت کو آگے بڑھائے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ سوئس بینکوں سے پاکستانی پیسہ لانے کا حکومتی اعلان بلاشبہ خوش آئند ہے اور اس سمت میں سوئس حکام سے رابطہ، معاہدہ کے حوالے سے پیش قدمی خلوص نیت اور ملکی معیشت کی صورتحال کو دیکھتے ہوئے ٹھوس قانونی

طریقوں سے ہوئی تو امید کی جا سکتی ہے کہ لوٹی ہوئی رقوم کا یہ شرمناک ڈرامہ اپنے منطقی انجام تک جلد پہنچ سکتا ہے، اگر 200 ارب ڈالر کی لوٹی ہوئی رقم مل جائے تو کئی بیمار ادارے اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ ایک طرف عالمی مالیاتی اداروں سے قرضے لیے جاتے رہے، دوسری طرف سوئس بینکوں میں جمع شدہ رقم کی بازیابی کے ہمہ جہتی دعوؤں سے آسمان سر پر اٹھا لیا گیا، مگر رقوم واپس نہیں آئی، اب جب کہ حکومت اس محاذ میں ممکنہ پیشرفت کا عندیہ دے رہی ہے تو کچھ نہ کچھ ہو کر رہنا چاہیے، ورنہ عوام یہی سمجھیں گے کہ ان کے دکھوں کا مداوا سوئس بینکوں میں رکھی ہوئی رقوم سے نہیں ہو گا۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ سوئس بینکوں میں لوٹی ہوئی رقوم پاکستان کے اقتصادی نظام میں مضمر کرپشن، بد دیانتی، لوٹ کھسوٹ اور کاروباری اور تجارتی معاملات میں اعلیٰ سطح پر ہونے والی "ڈیل" کا شاخسانہ ہے، جس نے ملکی اقتصادی نظام کے استحکام اور انتظامی و ریاستی اداروں میں موثر چیک اینڈ بیلنس اور مالیاتی شفافیت کے سارے خواب بکھیر کر رکھ دیے۔ جن سیاست دانوں، سرمایہ داروں اور بیوروکریٹس نے اتنی دولت وہاں کے بینکوں میں چھپا کر رکھی ہے، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ قومی وقار، مروت، حیا، قوم پرستانہ جذبات اور ملکی ترقی و عوامی خوشحالی کے اہداف سے ان طبقات کا کوئی تعلق نہیں، یہ اہل زر اسیر حرص ہیں۔

خان و قادری کا حکومت کے خلاف احتجاج کیوں؟

ایک ایسے وقت میں جب ملک عدم استحکام کا شکار ہے، ایک طرف طالبان کے ساتھ مذاکرات کا معاملہ مزید طوالت اختیار کرتا جارہا ہے، اس معاملے کا انجام کیا ہوگا کسی کو کچھ معلوم نہیں۔ دوسری جانب ملک کے سب سے بڑے میڈیا گروپ اور خفیہ ادارے کے درمیان چپقلش بھی کئی روز سے اخبارات اور چینلز میں نمایاں ہے، اسی ضمن میں حکومت اور فوج میں بھی اتفاق نہ ہونے کی باتیں کی جارہی ہیں، اس کے ساتھ ملک میں کئی بڑے مسائل بھی بدستور اپنی جگہ قائم ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر مصر، شام، بنگلا دیش اور دیگر کئی ممالک میں مسلمانوں کی حالت زار کو بھی کسی طور تسلی بخش نہیں کہا جاسکتا۔ ان حالات میں پہلی بار جمہوریت سے جمہوریت کی جانب منتقل ہونے والی موجودہ حکومت کی پہلی سالگرہ گیارہ مئی پر اس کے خلاف بڑے پیمانے پر احتجاج کیا گیا۔ ایک طرف ڈاکٹر طاہر القادری کی جماعت پاکستان عوامی تحریک نے ملک کے مختلف شہروں میں احتجاج کیا، احتجاج میں ویڈیو لنک کے ذریعے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری نے کہا کہ آئین پاکستان کی رو سے موجودہ حکومت اور نظام کا خاتمہ واجب ہو چکا، ملک کا انتظامی ڈھانچہ مکمل طور پر تبدیل کرنا ہوگا۔ خیال رہے کہ قادری صاحب الیکشن سے قبل بھی اسلام

آباد میں اپنے کارکنوں کو حسینی اور حکومت کو یزیدی قرار دیتے ہوئے پانچ روز تک دھرنا دینے کے بعد "حسینی" لشکر کے سربراہ قادری صاحب نے "یزیدی" گروہ حکومت سے مذاکرات کر لیے تھے اور ہاتھ کچھ نہ آیا تھا۔ دوسری جانب گیارہ مئی کو تحریک انصاف نے ڈاکٹر طاہر القادری کی جماعت پاکستان عوامی تحریک اور شیخ رشید کی عوامی مسلم لیگ کے ساتھ مل کر عوامی طاقت کا مظاہرہ وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے واقع ڈی چوک میں کیا۔ احتجاجی مظاہرے سے خطاب کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ جب تک نئے الیکشن کمیشن کی تشکیل کا مطالبہ پورا نہیں کیا جاتا، تب تک ہر جمعہ کو الیکشن کمیشن کے سامنے مظاہرہ کرتے رہیں گے۔ گزشتہ سال گیارہ مئی کو دھاندلی کر کے نئے پاکستان کا راستہ روکا گیا۔ پی ٹی آئی اور اس کی ہمنوا جماعتوں نے ریلی کے شرکا کی تعداد ہزاروں میں بتائی ہے، لیکن سرکاری حکام اور میڈیا کے نمائندوں کے مطابق ریلی کے شرکا کی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ مسلم لیگ ن کے وفاقی و صوبائی وزرا نے تحریک انصاف اور ڈاکٹر طاہر القادری کے جلسوں کو فلاپ شو قرار دیتے ہوئے کہا کہ عوام نے احتجاج کی سیاست کو مسترد کر دیا، سونامی اور کنٹینر بابا کے شو بری طرح ناکام ہو گئے ہیں، صرف چند ہزار افراد کی شرکت نے دونوں کو اصلیت یاد کرا دی۔ احتجاج کرنے والے عناصر قوم پر رحم کریں، عوام کے لیے طاہر القادری کینیڈا کی سرد فضاؤں اور عمران خان محل کو چھوڑیں۔

گیارہ مئی کے احتجاجی جلسوں کے پیش نظر سیاستدان اور مبصرین کا کہنا تھا کہ کہیں غیر جمہوری طاقتوں کو آپس میں ملانے میں وہ خفیہ عناصر ملوث تو نہیں جو پاکستان میں جمہوریت کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے رہے ہیں۔ ان کے مطابق ان حالات میں کسی طور بھی حکومت کو گرانے کی کوشش کرنا درست نہیں ہے۔ طاہر القادری تو شہریت ہی غیر ملکی رکھتے ہیں اور نہ ہی ان کی کوئی سیاسی جماعت ملک میں رجسٹرڈ ہے، پھر وہ کس طرح موجودہ حکومت اور موجودہ سیاسی نظام کے خاتمے کی بات کر سکتے ہیں؟ اس قسم کی کوششوں سے جمہوریت کو نقصان پہنچتا ہے اور بالآخر انجام حکومت کے خاتمے پر ہوتا ہے۔ برطانیہ کے اخبار دی میل نے تو اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ عمران خان کے احتجاج کا مقصد حکومت کو کمزور کرنا ہے۔ فوج اور سویلین حکومت میں مشترکہ طور پر امن کے حصول کے لیے بندوق کی بجائے بات چیت کا راستہ اپنانے پر اتفاق ہے۔ انتخابی کمیشن سے ریٹرننگ افسران تک، میڈیا سے عدلیہ تک، گزشتہ حکومت سے لے کر موجودہ حکومت تک عمران خان کو ہر ایک کے ساتھ مسئلہ ہے۔ عمران خان کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہر دعوے کے لیے ثبوت چاہیے۔ مبصرین کا خیال ہے کہ عمران خان کو خود جمہوریت کا حصہ ہوتے ہوئے وفاقی حکومت کو کمزور کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے اور اس کے ساتھ ان کو الیکشن کمیشن اور چار سیٹوں پر دھاندلی کو بنیاد بنا کر واویلا بھی نہیں کرنا چاہیے، اتنے بڑے پیمانے پر انتخابی اصلاحات کے لیے

احتجاج اس وقت کرنا سمجھ سے بالاتر ہے، بلکہ اپنے کارکنوں کی توانائیوں کو ضائع کرنے کے مترادف ہے، اگر یہ سب کچھ اگلے انتخابات سے کچھ عرصہ قبل کیا جاتا تو اس کا اثر بھی پڑتا، لیکن پی ٹی آئی کے سربراہ عمران خان کا کہنا ہے کہ تحریک انصاف نے صرف چار حلقوں میں دھاندلی کی تحقیقات کا مطالبہ کیا تھا، لیکن سال گزرنے کے باوجود کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ جس کے جواب میں وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان کہتے ہیں کہ عمران خان کے مطالبات حکومت سے نہیں ہیں، مگر پھر بھی حکومت کے دائرہ اختیار میں جو کچھ ہے وہ کرنے کو تیار ہیں۔ انھیں اعتراضات ہیں، تو الیکشن ٹربیونلز سے، الیکشن کمیشن سے ہیں، کوئی ایسا اختیار حکومت کے پاس نہیں ہے۔ اعلیٰ عدالتوں کے پاس ہے، اعلیٰ عدالتیں آزاد ہیں۔ حکومت تو کچھ نہیں کر سکتی۔ فافین کے سربراہ مدثر رضوی نے بھی واضح کیا ہے کہ الیکشن کمیشن کی جانب سے درخواستیں ٹربیونلز کو تاخیر سے بھجوائی گئیں۔ تاخیر کی تین وجوہات ہیں۔ ٹربیونلز کے فیصلے پر اعلیٰ عدلیہ نے حکمِ امتناعی دیا ہوا ہے۔ پنسٹھ سے ستر فیصد درخواستیں ایسی ہیں جو تصدیق کے لیے حکومتی اداروں جیسے نادرا یا ہائیئر ایجوکیشن کمیشن میں گئی ہوئی ہیں اور بعض معاملات میں درخواست گزار ہی سستی کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر الیکشن کمیشن میں کوئی خامی ہے بھی تو اس کو پارلیمانی طریقے سے ختم کرنا چاہیے، نہ کہ احتجاج کے ذریعے۔

قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کی سب سے بڑی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کے خیال میں بھی انتخابات میں دھاندلی کے خلاف احتجاج پارلیمان میں رہ کر کیا جانا چاہیے نہ کہ سڑکوں پر۔ گیارہ مئی کو ملک میں احتجاجی جلسوں کے بارے میں پیپلز پارٹی کے سینیٹر فرحت اللہ بابر کا کہنا تھا کہ غیر جمہوری عناصر کا متحد ہونا کسی خطرے سے کم نہیں۔ تحفظات کے باوجود ہم نے انتخابی نتائج تسلیم کیے، کیونکہ جب بھی انتخابی نتائج کو تسلیم نہ کیا گیا اور سڑکوں پر احتجاج ہوا، اس سے فائدہ غیر جمہوری طاقتیں نے ا±ٹھایا اور جمہوریت کو نقصان پہنچا ہے۔ وزیر اعلی سندھ سید قائم علی شاہ کا بھی کہنا تھا کہ دھاندلی کا شور مچانے والے عدالتوں سے رجوع کریں، ملک کو تہس نہس نہ کریں، جمہوریت کے خلاف کسی سازش کا حصہ نہیں بنیں گے ، احتجاج کرنے والے عوام کے مسائل میں اضافہ نہ کریں، 4 سال بعد عوام اپنے ووٹ کے ذریعے اپنا فیصلہ دے دیں گے۔

پاکستان میں جمہوریت پر کام کرنے والی غیر سرکاری تنظیم پلیڈیٹ کے چیئرمین کے خیال میں الیکشن کمیشن اور انتخابی نظام کو شفاف بنانے کے لیے پارلیمان میں رہتے ہوئے کوشش کرنی چاہیے۔ مسئلہ ہے تو ا±سے حل کرنے کے لیے قانون بنانا پڑے گا۔ کوئی ترمیم لانا پڑے گی۔ پارلیمنٹ میں تو تحریک انصاف خود بھی ہے، وہ ترمیم لا سکتے ہیں، قانون لا سکتے ہیں، لیکن یہ راستہ انھوں نے بالکل چھوڑ دیا ہے۔ ماضی میں سڑکوں سے شروع ہونے والی تحریکوں کو جمہوریت کی بساط لپیٹنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ وزیرِ قانون رانا ثناء اللہ

کے مطابق بھی اس طرح کی تبدیلیوں کے لیے صرف پارلیمنٹ ہی واحد فورم ہے، تحریک انصاف کو ایوان میں اپنی موجودگی کو استعمال میں لانا چاہیے۔ اس کام کے لیے ملک بھر سے لوگوں کو جمع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

مبصرین کے مطابق تحریک انصاف نے جلسے میں لوگ تو جمع کر لیے، لیکن کئی چیزیں غیر واضح محسوس ہوئیں کہ آخر وہ کیا چاہتے ہیں۔ کیا وہ چار انتخابی حلقوں میں ووٹوں کی دوبارہ گنتی چاہتے تھے؟ یا پھر وہ ان حلقوں میں دوبارہ انتخابات کا انعقاد چاہتے تھے؟ یا پھر بعض ناقدین کے بقول عمران خان اس نظام کو پٹری سے اتارنے کی کوشش کر رہے ہیں؟ چار انتخابی حلقوں میں ووٹوں کی دوبارہ گنتی کے مطالبے کو دیکھا جائے تو یہ سمجھنا مشکل ہے کہ آخر اپنے اس مطالبے کو لے کر پی ٹی آئی کو ملک بھر میں جلسوں کے ایک سلسلے کا منصوبہ بنانے کی ضرورت کیوں پڑی ہے۔ حالانکہ پی ٹی آئی کی پارلیمنٹ میں ایک موثر موجودگی ہے، الیکشن کمیشن اور انتخابی عمل کی اصلاح اور اس کو مضبوط بنانے کے لیے آخر وہ قانون میں تبدیلیوں کو کیوں نہیں متعارف کرواتی؟ اس کی بجائے وہ کیوں اسٹریٹ پاور کا سہارا لے رہی ہے؟ مزید یہ کہ اس کے مطالبات میں کچھ کا مفہوم بھی واضح نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اٹھارویں ترمیم کے ذریعے اب اس بات کو یقینی بنا دیا گیا ہے کہ مرکز اور صوبوں میں نگران حکومتوں کا انتخاب کے لیے حکومت اور حزب اختلاف مشترکہ طور پر فیصلہ کریں گے۔ کیا

عمران خان کے الفاظ کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ وہ اتفاقِ رائے ناکافی تھا؟ آخر وہ پارلیمنٹ کا استعمال کرتے ہوئے ان معاملات کو اجاگر کیوں نہیں کرتے؟ اسی طرح بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کو ووٹ کا حق دینے کا مطالبہ وہ پارلیمنٹ میں لے جا سکتے تھے۔ اس طرح کے مطالبات کے لیے ملک گیر احتجاج کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ نجانے پھر بھی عمران خان کیوں احتجاج کا سہارا لے رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے جلسوں سے سیاست ایک بار پھر نوے کی دہائی میں لوٹ جانے کا خطرہ ہے، حالانکہ اب آگے بڑھنے کا وقت ہے، ان حالات میں تو یہ ہونا چاہیے کہ وہ خود خیبر پختونخوا میں اور مسلم لیگ (ن) کو وفاق میں کام کرنے دیں، چار سال بعد فیصلہ عوام خود ہی کر دیں گے۔

ملک میں طوفانی بارشیں....احتیاطی تدابیر ناپید!

ہر سال کی طرح اس سال بھی ملک کے مختلف حصوں میں بارشوں کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے، جو محکمہ موسمیات کے مطابق ہفتے کے آخر تک جاری رہنے کا امکان ہے۔ پیر کی شام شیخوپورہ، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، گجرات، حافظ آباد، پسرور، ڈسکہ اور لالہ موسیٰ میں موسلادھار بارش ہوئی، جنوبی پنجاب کے بیشتر علاقوں میں تیز آندھی کے ساتھ ابر رحمت برسی، بہاولنگر میں آندھی سے مختلف مقامات پر درخت اکھڑ گئے، ملتان، ڈیرہ غازی خان، لیہ، تونسہ، خانیوال، چیچہ وطنی اور دیگر علاقوں میں بادل خوب جم کر برسے، چنیوٹ اور گردونواح میں بارش کے بعد جہاں موسم خوشگوار ہوا، وہیں گندم کی کٹائی میں مصروف کاشتکاروں کو بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسری جانب پشاور میں صبح سے گہرے بادل چھائے رہے اور شام کے وقت بارش سے درجہ حرارت 10 درجے تک کم ہوگیا، ڈیرہ اسماعیل خان، کرک اور سوات میں بھی وقفے وقفے سے بارش ہوتی رہی، کرک میں شدید بارش سے بعض افراد برساتی نالے میں بہہ گئے۔ ادھر گلگت بلتستان کے ضلع استور میں پہاڑوں پر برفباری اور بارش کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا، جس کے باعث نظام زندگی مفلوج ہو کر رہ گیا، مری میں کالی گھٹاؤں کے ساتھ موسلادھار بارش سے موسم پھر سے سرد ہوگیا، ملک کے معاشی حب کراچی کے

علاقے طارق روڈ پر بھی ہلکی ہلکی بوندا باندی ہوئی۔ اسی طرح سندھ کے بعض علاقوں میں بھی بارشیں ہوئیں، جن میں ٹنڈو الٰہیار، مٹیاری، جوہی، دولت پور، میر واہ گورچانی، نوبشاہ شامل ہیں۔ سب سے زیادہ بارش مالم جبہ میں 37، راولپنڈی 19 اور اسلام آباد میں 20 ملی میٹر ریکارڈ کی گئی۔ پیر کے روز ہونے والی بارشیں کافی تباہ کن ثابت ہوئیں، جن کے نتیجے میں ملک بھر میں مجموعی طور پر پندرہ افراد جاں بحق اور پینتیس کے لگ بھگ زخمی ہوئے۔ تیز ہواؤں، گرج چمک اور بارشوں کے باعث کئی گھروں کی چھتیں اور دیواریں گر گئیں، سڑکوں کے کنارے لگے سائن بورڈ، بجلی کے پول اور درختوں کے اکھڑنے کے باعث نقصان میں مزید اضافہ ہوا اور بجلی کا نظام درہم برہم ہوگیا، جس کی وجہ سے متعدد علاقے کئی گھنٹے بجلی سے محروم رہے۔

دوسری جانب کراچی میں جمعرات سے بارشیں ہونے کی پیشگوئی کی گئی ہے۔ دو روز قبل کراچی میں ہلکی سی بارش ہونے کی وجہ سے بارشوں کا پانی سمندر تک لے جانے والی ملیر ندی کچرا کنڈی میں تبدیل ہوچکی ہے۔ ذرائع کے مطابق کراچی میں بارشیں ہونے سے سیلاب کا خطرہ ہے، کیونکہ ملیر ندی میں کچرے کے باعث پانی کے بہاؤ کا راستہ بند ہوتا جارہا ہے۔ شہر میں 12 ملی میٹر سے زاید بارش ان علاقے کے مکینوں کے لیے تباہی لاسکتی ہے۔ بلدیہ عظمیٰ ذرائع کے مطابق شہر کے بیشتر برساتی نالے کچرے کے ڈھیر میں تبدیل ہوچکے ہیں۔ یہی

نہیں، شہر میں 13 برساتی نالوں اور دو ندیوں کا حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ کورنگی انڈسٹریل ایریا کے عہدیدار کا کہنا ہے کہ وہ حکومت اور انتظامیہ کو مطلع کر چکے ہیں، مگر کہیں شنوائی نہیں ہوئی۔ واضح رہے کہ ملک میں گزشتہ سال اگست کے مہینے میں بھی ملک بھر میں موسلادھار بارشوں اور دریاؤں میں آنے والے سیلاب نے تباہی مچائی تھی۔ سیلابی پانی سے ہزاروں دیہات متاثر ہوئے تھے، جب کہ بارشوں سے شہروں اور دیہات میں چھتیں اور مکانات وغیرہ گرنے سے متعدد ہلاکتیں بھی ہوئی تھیں۔

سیلاب کے باعث پنجاب اور ملک کے دیگر حصوں میں لاکھوں ایکڑ اراضی متاثر ہوئی اور کھڑی فصلیں تباہ ہو گئی تھیں۔ نیشنل ڈیزاسٹر منیجمنٹ اتھارٹی (این ڈی ایم اے) نے گزشتہ سال اگست میں سیلاب اور بارشوں سے ڈیڑھ سو کے لگ بھگ افراد کی ہلاکتوں، افراد کے زخمی ہونے اور 5 لاکھ 44 ہزار سے زاید افراد کے متاثر ہونے کی 812 تصدیق کی تھی۔ جب کہ 4 لاکھ 12 ہزار ایکڑ زرعی اراضی بھی متاثر ہوئی تھی اور مون سون بارشوں اور سیلاب سے مکمل یا جزوی طور پر 27 ہزار سے زاید گھروں کو نقصان پہنچا تھا، سیلاب سے ایک ہزار 746 دیہات متاثر ہوئے اور 9 ہزار 215 افراد ریلیف کیمپوں میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں بارشیں اور سیلاب اچانک نہیں آتے، بلکہ یہ ایسا موسمیاتی عمل ہے جو ہر سال پیش آتا ہے اور صدیوں سے یہ عمل جاری وساری ہے۔

ہر سال دنیا بھر کی طرح پاکستان میں بارشیں ہوتی ہیں۔ پھر ان بارشوں کی وجہ سے ہی دریاؤں میں سیلاب آتے ہیں، لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اچانک آنے والی قدرتی آفت ہے۔ پاکستان میں برسر اقتدار آنے والی حکومتیں اگر موسمی تغیر، بارشوں اور سیلاب کے سالانہ ریکارڈ کو سامنے رکھ کر اقدامات کریں تو یہ موسم زحمت اور تباہی کی بجائے رحمت میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ بارشوں اور سیلاب کے باعث ہر سال لاکھوں ایکڑ فٹ پانی ضایع ہوتا ہے۔ ہر سال ہونے والی بارشوں کے بے پناہ پانی کو محفوظ کرنے اور اسے خشک سالی کے موسم کے لیے ذخیرہ کرنے کے لیے بہتر منصوبہ بنایا جا سکتا ہے اور اگر اس قدر اہم مسئلے کی طرف حکومت کی توجہ مبذول نہیں ہوتی تو کیا اسے مجرمانہ غفلت کا نام نہیں دیا جا سکتا؟ ہمارے ارباب بست و کشاد جہاں کشکول تھامے ترقی یافتہ ممالک کے سرکاری دورے کرتے ہیں تو کیا ان سرفراز ممالک سے سیلاب سے بچاؤ کا کوئی طریقہ نہیں پوچھ سکتے؟ یورپی ملکوں میں ہالینڈ نے تو اس حوالے سے ایک ایسا جدید ترین اسٹیٹ آف دی آرٹ نظام وضع کر لیا ہے جس سے وہ اس معاملے میں دیگر ممالک کی بھی رہنمائی کر سکتا ہے۔ پاکستان میں جتنی بارشیں ہوتی ہیں، دنیا میں کئی ملکوں میں اس سے کئی گنا زیادہ بارشیں ہوتی ہیں۔ وہاں دریاؤں میں پانی ہمارے دریاؤں سے کئی گنا زیادہ آتا ہے، لیکن ان حکومتوں نے ایسے اقدامات کیے ہیں جس سے نقصان نہیں ہوتا۔ لندن شہر کے درمیان میں بہنے والے دریائے ٹیمز میں یقینی طور پر بعض ایام میں پانی کا حجم بہت بڑھ جاتا ہو

گا، لیکن کبھی یہ نہیں سنا کہ دریائے ٹیمز میں آنے والے سیلاب کے باعث لندن شہر میں کوئی نقصان ہوا یا اس کے ارد گرد دیہات پانی میں ڈوب گئے۔ اسی طرح پیرس میں دریائے سین بہتا ہے۔ وہاں سے بھی کبھی بری اطلاعات نہیں آئیں، امریکا میں سینڈی جیسے بڑے بڑے طوفانی سیلاب آتے ہیں، جس کے بارے میں ہمارے معاشرے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ امریکا کو بہالے جائیں گے، لیکن انتظامات کی بدولت ہمارے مقابلے میں انتہائی کم نقصان ہوتا ہے۔

پاکستان ان ملکوں میں شامل ہے جہاں ہر سال بارشوں اور سیلاب سے قیمتی جانوں کا بھی نقصان ہوتا ہے اور فصلیں بھی تباہ ہوجاتی ہیں، لوگ بے گھر ہو جاتے ہیں۔ شہروں میں بارشوں کے باعث معمولات زندگی معطل ہو جاتی ہے، گلیاں ندی نالوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، سیوریج سسٹم بیٹھ جاتا ہے اور گندے نالے ابلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ سڑکوں پر لگے سائن بورڈ اور بجلی کے پول اکھڑ جاتے ہیں، جس سے جگہ جگہ بجلی کی تاروں کا جال بچھا دکھائی دیتا ہے اور اس سے بہت زیادہ جانی نقصان بھی ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ حکومتی نا اہلی کے زمرے میں آتا ہے۔ اگر حکومت عوامی اداروں کو مضبوط کرے تو ایسی صورت حال پیدا نہ ہو۔ کراچی، لاہور، فیصل آباد، ملتان، راولپنڈی اور پشاور جیسے شہروں میں لوگوں نے ایسی جگہ آبادیاں قائم کی ہوئی ہیں جہاں سیلاب آتا ہے یا وہ نشیبی علاقے ہیں جہاں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ حکومت نے اس جانب توجہ نہیں دی اور

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معمولی بارشوں سے بھی نشیبی آبادیاں پانی سے بھر جاتی ہیں۔ گندے نالوں کی صفائی کا بندوبست نہیں کیا جاتا۔ دیہات میں جو سیم نالے بنائے گئے تھے، انھیں بھی کبھی صاف نہیں کیا جاتا۔ راولپنڈی میں نالہ لئی برسوں سے تباہی مچا رہا ہے، اس حوالے سے بھی کوئی کام نہیں ہوا۔ سیالکوٹ نارووال میں نالہ ڈیک ہر سال تباہی مچاتا ہے۔ کراچی میں ملیر ندی تباہی مچاتی ہے، لیکن اس حوالے سے حکومتوں نے کوئی ماسٹر پلان تیار نہیں کیا۔ کراچی جیسے بڑے شہروں میں نکاسی کے بہتر نظام کے نہ ہونے کی وجہ سے بھی سیلاب کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں مسئلہ یہ ہے کہ بارشیں اور سیلاب جہاں غریبوں کے لیے مصائب و آلام لاتے ہیں، وہاں امراء کے لیے یہ تفریح کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں کوئی نقصان نہیں اٹھانا پڑتا اور انہیں ان کی تباہی کا ادراک بھی نہیں ہوتا۔ تمام صوبائی حکومتوں کو چاہیے کہ بارشوں کے سیلاب کی صورت اختیار کرنے سے قبل ہی ایسے انتظامات کریں جس سے نقصان سے بچا جا سکے۔

مجوراً غیر سودی قرض اسکیم کی منظوری

منگل کے روز وزیر اعظم کی زیر صدارت سود سے پاک قرضہ اسکیم پر پیش رفت کے حوالے سے جائزہ اجلاس ہوا، جس میں وزیر خزانہ اسحاق ڈار، "وزیر اعظم یوتھ اسکیم" کی چیئرپرسن مریم نواز اور سیکرٹری خزانہ ڈاکٹر وقار مسعود کے علاوہ دیگر اعلیٰ حکام نے شرکت کی۔ اس موقع پر وزیر اعظم نے ساڑھے 3 ارب روپے مالیت کی سود سے پاک اسکیم کی منظوری دی۔ سود سے پاک قرضوں کی تقسیم اس سال جون کے تیسرے ہفتے میں شروع ہو گی۔ وزیر اعظم نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ پوری طرح قائل ہیں کہ اگر نوجوانوں کو چھوٹے قرضوں کی اسکیموں اور جدید ٹیکنالوجی تک بہتر رسائی کے ذریعے مناسب رہنمائی اور مالیاتی معاونت فراہم کی جائے تو وہ ملک کی ترقی میں مثبت کردار ادا کر سکتے ہیں۔ مریم نواز نے وزیر اعظم کو بریفنگ دیتے ہوئے کہا کہ آج ہم نے وزیر اعظم پاکستان کا نوجوانوں سے کیا گیا ایک اور وعدہ پورا کر دیا۔ شفاف پن اور میرٹ ہمارے پروگرام کا طرہ امتیاز ہے اور ہم اپنے نوجوانوں کو سرمائے کی فراہمی اور ہنر مند بنانے پر یقین رکھتے ہیں۔ حکومت نے ملک بھر سے ٹارگٹ افراد کے لیے ساڑھے 3 ارب روپے سود سے پاک قرضہ مختص کیا ہے، جو پاکستان تحفیف غربت فنڈ کے ذریعے تقسیم کیا جائے گا۔ دیہی علاقوں پر بنیادی

توجہ مرکوز کرتے ہوئے این ایف سی ایوارڈ کے مطابق ہر وفاقی اکائی کو حصہ دیا جائے گا۔ اسکیم کے تحت ہر فرد کو 50 ہزار روپے تک سرمایہ فراہم کیا جائے گا۔ اس اسکیم سے استفادہ کرنے والوں کے لیے قرضہ مرکز اور بزنس سپورٹ سینٹر قائم کیا جائے گا۔ مریم نواز کا کہنا تھا کہ یوتھ لون اسکیم کی اگلی قرعہ اندازی آئندہ ماہ ہو گی۔ وہ اس پروگرام کی ذاتی طور پر نگرانی کر رہی ہیں اور بہتر کارکردگی کے لیے تمام محکموں کے درمیان رابطے کو یقینی بنایا جا رہا ہے۔

وزیر اعظم کی طرف سے شروع کی گئی اس اسکیم کی انچارج وزیر اعظم نواز شریف کی بیٹی مسز مریم نواز ہیں، جن کا نام ابتداء میں وزارت خارجہ کے لیے آ رہا تھا۔ مریم نواز گزشتہ دو ڈھائی سال سے سیاست میں سرگرم ہیں۔ پارٹی میں کوئی عہدہ نہ رکھنے کے باوجود وہ سرگرمی سے پارٹی کا کام کرتی رہی ہیں۔ 11 مئی کے انتخابات میں لاہور کے قومی اسمبلی کے ایک حلقے سے میاں نواز شریف امیدوار تھے۔ یہاں وہ اپنے والد کی انتخابی مہم چلا چکی ہیں اور اپنی بیمار والدہ کے ساتھ انہوں نے اس حلقے میں انتھک کام کیا ہے۔ اس حوالے سے وہ لاہور کے شہریوں کے لیے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ مسلم لیگ ن) کے میڈیا سیل اور بعض دوسری کمیٹیوں کی رکن کی حیثیت سے وہ ملک بھر کے) پارٹی حلقوں میں مقبول ہیں۔ وزیر اعظم میاں نواز شریف نے گزشتہ سال 21 ستمبر کو جب نوجوانوں کے

لیے بیک وقت 6 اسکیموں کا اعلان کیا تھا، اسی وقت نوجوانوں کے لیے قرضوں کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا کہ 20 ارب روپے لاگت کے شروع کیے جانے والے 6 پروگراموں میں سے بلاسود قرضوں کی اسکیم بھی ہے، اس کے لیے موجودہ مالی سال کے بجٹ میں ساڑھے تین ارب روپے رکھے گئے ہیں، ان پر کوئی سود نہیں لیا جائے گا، چھوٹے کاروباری قرضوں میں تعلیم یافتہ نوجوان 5 لاکھ سے لے کر 20 لاکھ روپے تک کے قرضے حاصل کر سکیں گے، ان میں 50 فیصد قرض خواتین کو دیا جائے گا۔ نوجوان کو اس قرض کے عوض 8 فیصد مارک اپ ادا کرنا پڑے گا، باقی حکومت ادا کرے گی، اس اسکیم کے لیے 5 ارب روپے رکھے گئے ہیں۔ گزشتہ سال دسمبر کے مہینے میں اس اسکیم کی باقاعدہ افتتاحی تقریب وزیر اعظم سیکرٹریٹ میں منعقد کی گئی تھی، جس میں قرضہ پروگرام کی چیئرپرسن مریم نواز سمیت متعدد ارکان پارلیمنٹ و دیگر اہم شخصیات نے شرکت کی تھی۔ تقریب سے خطاب میں وزیر اعظم نے کہا تھا کہ یوتھ بزنس لون اسکیم کے تحت ہر ماہ 15 ہزار خوش نصیب درخواست دہندگان کو بذریعہ قرعہ اندازی ایک لاکھ روپے سے لے کر 20 لاکھ روپے تک کے قرضے دیے جائیں گے۔ مجوزہ منصوبے کی 10 فیصد رقم یا اس کے مساوی اثاثہ جات بر ائے کاروبار ظاہر کرنا ہوں گے۔ قرض کے خواہش مند نوجوانوں کے لیے عمر کی حد 21 سال سے 45 سال مقرر کی گئی ہے، جبکہ تعلیم یافتہ ہونا ضروری نہیں۔ وزیر اعظم میاں نواز شریف کی طرف سے اس اسکیم کو کامیاب کرانے کے لیے انتھک کوشش کی گئی اور کافی زیادہ تشہیر کی گئی تھی اور ان کا کہنا تھا کہ قرضہ

اسکیم میں کسی صوبہ کے ساتھ نا انصافی نہیں ہوگی، کسی کی سفارش نہیں چلے گی، اقتدار میں ہوں یا نہ ہوں، انصاف کا دامن نہیں چھوڑیں گے، سیاست سے بالاتر ہو کر میرٹ پر قرضہ دیا جائے گا۔ اس کے باوجود یہ اسکیم کامیاب نہ ہو سکی تھی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ حکومت نے قرضوں کو بلاسود قرار دیا تھا اور قرض پر 8 فیصد سروس چارجز لاگو کرنے کی بات کی تھی، لیکن ملک کے متعدد حلقوں نے اسے صرف سودی ہونے کی وجہ سے مسترد کر دیا تھا۔ کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ اسکیم کے تحت یہ قرضہ 8 فیصد شرح سود پر دیا جارہا ہے، اسے چاہے کوئی نام بھی دے لیں۔ پاکستان کی اکثریت کا خیال تھا کہ ملک کی نئی نسل کو سودی نظام کے شکنجے میں کسا جارہا ہے۔ پوری قوم پہلے ہی اس فاسد نظامِ معیشت کی تباہ کاریوں کو بھگت رہی ہے، اب مستقبل کے معماروں کو بھی اس شکنجے میں کس دیا گیا ہے، جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے کھلی جنگ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جنگ میں کسی کی کامیابی کا رتی بھر امکان نہیں ہے۔ دنیا کے جدید معاشرے ظالمانہ سودی نظام کے ثمراتِ بد سمیٹ رہے ہیں۔ یہ خرابی ہمارے ہاں بھی موجود ہے اور اب اس کا دائرہ مزید وسیع کیا جارہا ہے اور نئی نسل کو اپنے کام کے نقطہ آغاز پر ہی سودی نظام کا اسیر بنایا جارہا ہے۔

مذہبی و سیاسی رہنماؤں نے وزیر اعظم کی قرضہ اسکیم کے بارے میں کہا تھا کہ

حکومت کا نواجوانوں کے لیے سودی قرض کرپشن کے نئے دروازے کھولنے کے مترادف ہے، وزیر اعظم نواز شریف قوم کے ساتھ مخلص ہیں تو نوجوانوں کو سودی قرضوں کی بجائے قرض حسنہ یا کاروبار کے مواقع فراہم کرنا ہوں گے، سودی قرض کے اجراء میں موجود کڑی شرائط سے لگتا ہے کہ حکومت نے قرض نہیں بلکہ کرپشن کے نئے مواقع فراہم کرنے کی کوشش کی ہے، جو کہ اسلام کے نام پر معارض وجود میں آنے والے ملک کے آئین و نظریہ سے متصادم اور ملکی معیشت کی تباہی کے اسباب ہیں۔ جس کام میں اللہ کی ناراضی شامل ہو اس میں برکتیں اور ترقی نہیں، زوال آتا ہے، قرآن مجید سورہ بقرہ کی آیت نمبر 279 میں سود کو اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ قرار دیا گیا ہے، جبکہ بہت سی احادیث مبارکہ میں بھی سود کے حوالے سے سخت وعیدیں آئی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، سود کا حساب لکھنے والے پر لعنت کی ہے۔اس اسکیم کی مذمت کرتے ہوئے مختلف علمائے کرام نے کہا تھا کہ حکومت کا"یوتھ لون اسکیم "سودی ہونے کی وجہ سے خالص حرام ہے، لون اسکیم لینے اور دینے والے دونوں گناہ کبیرہ کے مرتکب اور اعلانیہ اللہ سے بغاوت کا جرم کر رہے ہیں، اس لیے عوام الناس سے اپیل ہے کہ وزیراعظم یوتھ لون اسکیم لینے سے اجتناب کریں، ہماری بداعمالیوں کے وجہ سے ملک پہلے ہی طرح طرح کے آفات کا شکار ہے، سودی قرض پر مبنی اسکیم اللہ تعالی کی ناراضی کا سبب بن کر ملکی معیشت کی مزید تباہی کا باعث بنے گا۔ دو ماہ قبل

جماعت اسلامی پاکستان سے تعلق رکھنے والے ممبران قومی اسمبلی شیر اکبر خان، صاحبزادہ طارق اللہ، صاحبزادہ محمد یعقوب اور خاتون ممبر محترمہ عائشہ سید نے "وزیر اعظم یوتھ لون اسکیم" کے تحت سود پر قرضے دینے کے خلاف تحریک التوا قومی اسمبلی میں جمع کرائی تھی۔ تحریک التوا میں کہا گیا تھا کہ وزیر اعظم پاکستان کے نام سے منسوب "وزیر اعظم یوتھ لون پروگرام" کے حوالے سے متعدد دفعہ اعلان کیا گیا ہے کہ حکومت اس اسکیم کے تحت سود سے پاک قرضے فراہم کرے گی، لیکن قرضہ لینے والے کو سالانہ آٹھ فیصد سود دینا ہوگا، جبکہ باقی ماندہ سات فیصد سود حکومت خود ادا کرے گی۔ تحریک التوا میں مزید کہا گیا تھا کہ 15 فیصد سود پر حکومت نے "وزیر اعظم یوتھ لون پروگرام" کے نام (F) سے جو اسکیم شروع کی ہے، وہ قرآن و سنت کے منافی ہے۔ جبکہ آئین کی دفعہ 38 میں واضح طور پر درج ہے کہ سود کو ملک سے ختم کردیا جائے گا۔ یہ قرضہ چونکہ وزیراعظم کے عنوان سے منسوب ہے اور آئین کے آرٹیکل 91 (5) کے تحت وزیر اعظم پاکستان نے قرآن وسنت کی تعلیمات اور تقاضوں پر یقین اور پورا کرنے کا حلف اٹھایا ہے، لہٰذا یہ اس حلف کے تقاضوں کے بھی خلاف ہے۔ ممبران نے تحریک التوا میں یہ موقف بھی اختیار کیا تھا کہ لاکھوں پاکستانی نوجوان مرد و خواتین اس سودی اسکیم کی وجہ سے پروگرام سے استفادہ کرنے سے محروم ہیں۔ بہت سے نوجوان صرف سودی ہونے کی وجہ سے قرض نہیں لے رہے۔ لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ قرض کے سودی ہونے کی وجہ سے اسکیم کے ناکام ہونے اور ملک کے مذہبی حلقوں

اور علمائے کرام کی مخالفت کی وجہ سے وزیر اعظم میاں نواز شریف کو اس اسکیم کو غیر سودی کرنا پڑا ہے، گزشتہ روز اسی لیے انہوں نے غیر سودی قرض اسکیم کی منظوری دی ہے۔

تالے ہیں لبوں پر

معمول کے مطابق دنیا بھر کی طرح پاکستان میں بھی آزادی صحافت کا دن زور شور سے منایا گیا۔ پاکستان بھر کی نمائندہ صحافتی تنظیموں کے زیر اہتمام سیمینارز اور مختلف تقاریب میں آزادی صحافت کی اہمیت، افادیت اور صحافتی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی گئی۔ 1993 میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 3 مئی کو ہر سال "پریس فریڈم ڈے یعنی آزادی صحافت کا دن" منانے کا اعلان کیا تھا۔ اس دن کو منانے کا مقصد دنیا بھر میں آزادی صحافت کی اہمیت و افادیت کو اجاگر کرنا اور اس عزم کا اعادہ کرنا ہے کہ آزادی صحافت کی راہ میں کوئی رکاوٹ برداشت نہیں کی جائے گی۔ اس سال "ورلڈ پریس فریڈم ڈے" کے موقع پر یورپی یونین نے پاکستان میں میڈیا کی آزادی کے لیے بگڑتی ہوئی صورتحال پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے حکومت پاکستان پر زور دیا: "ملک میں ایسا ماحول قائم کیا جائے جہاں میڈیا آزادانہ اور موثر طور پر بلا خوف و خطر اپنا کام کرسکے، کیونکہ یہ آزادی اظہار کا اہم جزو ہے، جس کی صراحت شہری اور سیاسی حقوق کے بین الاقوامی معاہدے (آئی سی سی پی آر) کے آرٹیکل 19 میں کی گئی ہے، جس کا پاکستان بھی ایک فریق ہے۔" پاکستان میں متعین برطانوی ہائی کمشنر فلپ مارٹن نے بھی اسی حوالے سے کہا: "اظہار رائے آزادی ایک

مضبوط جمہوریت کی بنیاد ہے، آزاد اور موثر میڈیا طویل مدت کے لیے سماجی، سیاسی اور معاشی استحکام کے ماحول کو بہتر بنانے کے لیے کام کرتا ہے۔ پاکستان میں صحافیوں، میڈیا کے اداروں، انفرادی درجہ بندی اور بلاگز کو انٹرنیشنل روایات کے مطابق آزادانہ اور حفاظت کے ساتھ لکھنے اور بولنے کی اجازت ہونی چاہیے۔" وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے بھی اپنے پیغام میں کہا: "پریس کی آزادی کا دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ پریس جمہوریت کا لازمی و ضروری عنصر ہے۔ ہماری حکومت پریس کی آزادی کو برقرار رکھنے پر پختہ یقین رکھتی ہے۔ صحافی برادری کی پاکستان میں پریس کی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے جدوجہد قابل ستائش ہے۔" ان کے علاوہ بھی اکثر قومی و بین الاقوامی رہنماؤں نے "ورلڈ پریس فریڈم ڈے" کے موقع پر آزادی صحافت کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

پاکستان میں صحافت کو ریاست کا چوتھا ستون کہا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود اگر کوچہ صحافت کے راہی جان ہتھیلی پر رکھ کر حقائق کو عوام کے سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں تو انہیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ صحافت یوں تو متاع حیات کو ہتھیلی پر لے کر چلنے کا نام ہے، لیکن اگر حالات سازگار نہ ہوں اور اس متاع حیات کے قدم قدم پر لٹنے کے خطرات موجود ہوں تو ان حالات میں صحافت کا چراغ جلائے رکھنا کوہکن کے جوئے شیر لانے سے بھی کہیں زیادہ

خطرناک اور مشکل ہے، آفریں تو پاکستان کے ان صحافیوں پر ہے جو کوچہ قاتل میں بھی شاہانہ انداز میں نقد جاں لے کر چلنے اور اپنے خون سے شمع مقتل کی لو کو تیز کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ پاکستان جس قسم کی اندرونی و بیرونی سازشوں کا شکار ہے اور جس نوعیت کی مسلط کی گئی جنگوں میں الجھا ہوا ہے، وہ نہ تو کسی تعمیری کار کے لیے سازگار ہیں اور نہ ہی صحافتی فرائض کی ادائیگی کے لیے معاون، لیکن اس کے باوجود صحافیوں کا طبقہ اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں تن من دھن سے مصروف اور ہر رکاوٹ کو عبور کرتا ہوا رواں دواں ہے۔ پاکستان میں برسرپیکار صحافیوں کے لیے یہ کہنا کہ وہ تلوار کی دھار پر چل رہے ہیں غلط نہ ہوگا، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہی تلوار کی دھار پر چلتے رہے ہیں۔ اب تو وہ شعلہ بداماں اور پا بہ جولاں ہو کر اس خارزارِ رزم گاہ کی بادیہ پیمائی کر رہے ہیں۔

پاکستان میں صحافی برادری کی مشکلات کا اندازہ اس حقیقت سے کر لیجیے کہ 1992 سے لے کر 2014 تک صرف پاکستان میں 78 صحافی و میڈیا ورکرز اپنی ذمے داریاں نبھاتے ہوئے جان کی بازی ہار چکے ہیں اور صرف گزشتہ 6 سال میں 34 صحافیوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ قتل کی دھمکیاں تو بہت سوں کو ملتی رہی ہیں۔ پاکستان صحافیوں کے لیے دنیا کے 20 خطرناک ممالک میں سے چھٹے نمبر پر ہے اور سال 2000ء کے بعد تو یہ صحافیوں کے لیے خطرناک ترین ممالک

میں شمار ہونے لگا ہے۔ 2002، 2005 اور 2013 میں پاکستان چوتھے نمبر پر صحافیوں کے لیے خطرناک ترین ملک رہا، جبکہ 2007 اور 2012 میں تیسرے نمبر پر، 2008 میں دوسرے نمبر پر، جبکہ 2010 اور 2011 میں پاکستان صحافیوں کے لیے دنیا کا سب سے خطرناک ترین ملک رہا۔ صحافیوں کے تحفظ کے لیے کام کرنے والی بین الاقوامی تنظیم رپورٹرز وداؤٹ بارڈرز کے مطابق پاکستان اب بھی صحافیوں کے لیے بدستور ایک خطرناک ملک ہے۔ حقوق انسانی کی تنظیم "ایمنسٹی انٹرنیشنل" کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں صحافی تشدد، قتل اور ہراساں کیے جانے جیسے خطرے میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور بڑی حد تک گھیرے میں ہیں۔ اسی بنا پر پاکستان کے صحافتی حلقے کھلم کھلا یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ تشدد اور دباؤ کے نتیجے میں رپورٹنگ کے درست معیارات پر کافی حد تک سمجھوتہ کیا جا چکا ہے، جس کے نتیجے میں اکثریت تک حقائق پہنچنے کے امکانات معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔ پاکستانی حکمران اس تشدد کو روک نہیں سکتے یا پھر روکنا نہیں چاہتے۔ پیشہ ور صحافیوں کے لیے کام کرنے کے حالات صرف بہت مشکل ہی نہیں، ناممکن ہوتے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں قانون کی گرفت سے آزاد قاتلوں کے رحم و کرم پر پاکستانی صحافیوں کی زندگی اب کئی قسم کے خطرات میں الجھ کر رہ گئی ہے۔ ہر دور میں ذمہ دار صحافیوں نے مشکل ترین حالات میں بھی جان ہتھیلی پر رکھ کر حقائق عوام تک پہنچاتے ہوئے اپنے فرائض کو نبھانے کی کوشش کی ہے۔ حقیقت اور سچ بات کسی کو کتنی ہی کڑوی لگے، انہوں

نے صحافت کے اصولوں کے مطابق وہ کڑوی بات بھی برملا کہی ہے۔ اگر کوئی صحافی حق بات کرے یا حقیقت کو بے نقاب کرنا چاہے تو وہ یقیناً کسی نہ کسی کو تو کڑوی محسوس ہوتی ہی ہے، جس کا خمیازہ بھی صحافی برادری کو قتل، حملے اور دھمکیوں کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عوام میڈیا کو اپنے مسائل کے حل کے لیے اہم ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ ذمہ دار صحافی معاشرے میں ہونے والی ناانصافیوں اور بدعنوانیوں کی درست انداز میں نہ صرف نشاندہی کرتے ہیں، بلکہ مسائل کا حل اور تجاویز بھی پیش کرتے ہیں، اس ضمن میں عوامی رائے کو بھی برابر اہمیت دی جانے لگی ہے، اسی لیے سنجیدہ ٹاک شوز اور تجزیوں میں مسلسل عوام کی دلچسپی بڑھ رہی ہے، جس سے ہر شہری میں سیاسی شعور پیدا ہوا ہے۔ حکومتی عہدوں پر فائز بعض کرپٹ اعلیٰ شخصیات، ملک میں پھیلے ہوئے جرائم پیشہ افراد اور ملک دشمن عناصر کے "سیاہ کارنامے" تواتر کے ساتھ عوام کے سامنے لائے جاتے ہیں جو معاشرے میں مثبت اقدام کے ساتھ ساتھ بے نقاب ہونے والے چہروں کے لیے ناقابل برداشت بھی ہے، بلاشبہ قلم کی چبھن اور زبان کی نوک تلوار کی دھار سے زیادہ کاٹ رکھتی ہے، جو ان چہروں کو یقیناً بے چین کیے دیتی ہے اور پھر یہی لوگ اپنی بدنمائی ظاہر ہونے پر مختلف حیلوں سے آزادی صحافت کی دھجیاں اڑانا چاہتے ہیں، جسے یوں بیان کیا جاسکتا ہے

پہرے ہیں خیالات پہ تالے ہیں لبوں پر
کہنے کو میرے پاؤں میں زنجیر نہیں ہے

کراچی آپریشن: ٹیسٹ میچ سے ٹی ٹوئنٹی تک....!

4 ستمبر 2013ء سے جرائم پیشہ افراد کے خلاف کراچی میں شروع ہونے والا آپریشن اپنے حتمی مراحلے کی جانب گامزن ہے۔ فائنل راؤنڈ کو نتیجہ خیز اور کامیاب بنانے کے لیے بدھ کے روز کراچی میں وزیراعظم میاں نواز شریف کی زیر صدارت ایک اعلیٰ سطح کا اجلاس منعقد ہوا، جس میں آرمی چیف جنرل راحیل شریف، آئی ایس آئی چیف لیفٹیننٹ جنرل ظہیر الاسلام، وزیراعلیٰ سندھ قائم علی شاہ، پاکستان پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین اور سابق صدر آصف علی زرداری، گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد، وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان، ڈی جی آئی جی ڈی جی رینجرز قائمقام آئی جی سندھ، ایڈیشنل آئی جی کراچی سمیت اعلیٰ حکام اور ایم کیو ایم، جماعت اسلامی، عوامی نیشنل پارٹی، مسلم لیگ (ن) کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اجلاس میں کراچی آپریشن کے حتمی مرحلے کو تین سے چار ماہ میں کامیاب بنانے کے لیے متعدد اہم فیصلے کیے گئے ہیں۔ وزیراعظم نے اس موقع پر شہریوں کے جان و مال کے تحفظ کو ہر قیمت پر یقینی بنانے کے عزم کو دہرانے کے ساتھ جرائم پیشہ عناصر سے آہنی ہاتھ سے نمٹنے کی ہدایت کرتے ہوئے کراچی آپریشن کے کپتان سندھ کے وزیراعلیٰ قائم علی شاہ کو مشورہ دیا ہے کہ وہ ٹیسٹ میچ نہ کھیلیں، بلکہ ٹی ٹوئنٹی کھیل کر نتائج دیں، جس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وفاقی حکومت کراچی

میں جاری ٹارگٹڈ آپریشن میں کس قدر تیزی اور فوری نتائج چاہتی ہے۔ وزیراعظم کی کراچی آپریشن میں دلچسپی اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ وزیراعظم کی گزشتہ آٹھ ماہ میں تمام سیاسی فریقین سے یہ دوسری ملاقات تھی، جس میں ایک بار پھر تمام فریقین کی تجاویز اور تحفظات سنے گئے۔ وزیراعظم نواز شریف اور سیاسی و عسکری قیادت نے بدھ کے روز اجلاس میں اس امر پر اتفاق کیا کہ کراچی میں ٹارگٹڈ آپریشن بلا امتیاز اور کسی دباؤ کے بغیر جاری رکھا جائے گا اور ملزمان کی سیاسی سرپرستی کرنے والے افراد اور جماعتوں کے خلاف بھی بھرپور کارروائی عمل میں لائی جائے گی، آپریشن کے دوران عسکری اور انٹیلی جنس ادارے کراچی پولیس اور رینجرز کی مکمل معاونت کریں گے، ٹارگٹڈ آپریشن کے حتمی مرحلے کی منظوری دیتے ہوئے وزیراعظم نے آپریشن کے دوران شکایات کے ازالے کے لیے ایک اعلیٰ سطح کی کمیٹی قائم کرنے کی ہدایت بھی کی ہے۔ مذکورہ اجلاس میں بیرون ملک فرار ہونے والے لیاری گینگ وار اور دیگر جماعتوں کے جرائم پیشہ عناصر کی گرفتاری کے لیے فوری طور پر ریڈ وارنٹ جاری کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا، چھاپہ مار کارروائیوں کو تیز کرنے اور انٹیلی جنس شیئرنگ کے نظام کو مربوط بنانے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ وزیراعظم نے دوٹوک انداز میں کہا کہ رینجرز اور قانون نافذ کرنے والے ادارے قیام امن کے لیے آزاد ہیں، امن کے لیے کوئی سیاسی دباؤ قبول نہ کیا جائے، اس موقع پر آرمی چیف نے بھی اپنے خطاب میں کہا کہ فوج کراچی کے امن کے لیے حکومت سے مکمل

تعاون کرے گی اور سو فیصد خلوص کے ساتھ اپنا کردار ادا کرے گی۔

اجلاس کے شرکا کو ڈی جی رینجرز اور قائمقام آئی جی نے 4 ستمبر 2013 سے شروع ہونے والے آپریشن کی کامیابیوں کے بارے میں بریفنگ بھی دی۔ ترجمان سندھ رینجرز کی جانب سے جاری کیے جانے والے اعلامیے کے مطابق 5 ستمبر 2013 سے جرائم پیشہ عناصر کے خلاف شروع کیے جانے والے آپریشن کے دوران رینجرز نے 2 ہزار 370 چھاپہ مار کارروائیوں کے نتیجے میں 2 ہزار 295 ملزمان کو حراست میں لیا۔ حراست میں لیے جانے والے ملزمان میں 12 دہشت گرد، 142 ٹارگٹ کلرز، بھتہ خور اور 27 اغوا کار تھے۔ حراست میں لیے گئے ملزمان کے قبضے سے مختلف 102 اقسام کے چھوٹے بڑے 4 ہزار 102 ہتھیار برآمد کیے گئے، جن میں مشین گنز، ایل ایم جیز، آر پی جی، آوان لانچر، ایس ایم جیز، ایم 16، آوان گرینیڈ، ہینڈ گرینیڈ اور ایک لاکھ 71 ہزار 666 گولیاں برآمد کی گئیں۔ رینجرز نے مختلف کارروائیوں کے دوران مغویوں کو بھی بازیاب کرایا۔ رینجرز کے ساتھ ہونے والے 82 مقابلوں میں 30 ملزمان ہلاک، جبکہ 102 کو گرفتار کیا گیا۔ اس کے ساتھ گزشتہ 7 ماہ سے 115 جاری ٹارگٹڈ آپریشن میں رینجرز کے 8 اہلکار شہید اور 32 زخمی ہوئے۔ ذرائع کے مطابق کراچی آپریشن کا حتمی مرحلہ عنقریب شروع کردیا جائے گا، اس آپریشنل پالیسی کو اینٹی کرائم اینڈ پیس کراچی " (جرائم سے پاک اور پرامن کراچی) سے تجویز کیا گیا ہے، " یہ آپریشن "کوئیک اینڈ فاسٹ

ٹریک پالیسی" پر مبنی ہوگا۔ واضح رہے کہ فروری کے مہینے میں وفاقی اور صوبائی حکومت نے اس بات پر اتفاق کیا تھا کہ تیسرا اور آخری مرحلہ عنقریب شروع کردیا جائے گا، لیکن چار ماہ بعد بھی کراچی آپریشن کا حتمی مرحلہ شروع نہ کیا گیا، بدھ کے روز ہونے والے اہم اجلاس کے بعد امید ہے عنقریب اس مرحلے کا آغاز کردیا جائے۔ ذرائع کے مطابق ٹارگٹڈ آپریشن کے حتمی مرحلہ کے لیے انتہائی مطلوب 500 سے زاید جرائم پیشہ افراد کی فہرستیں تیار کر لی گئی ہیں، انتہائی مطلوب ملزمان کی گرفتاری اور غیر قانونی اسلحہ برآمدگی کے لیے سخت اقدامات کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ یہ فیصلہ کراچی آپریشن کا جائزہ لینے اور آیندہ لائحہ عمل کے حوالے سے ڈائریکٹر جنرل پاکستان رینجرز سندھ میجر جنرل رضوان اختر کی زیر صدارت اجلاس میں کیا گیا۔ ذرائع کے مطابق اجلاس میں بتایا گیا ہے کہ کراچی میں سب سے بڑا مسئلہ زمینوں پر قبضے اور بھتا خوری کا ہے، جنہوں نے مافیا کی صورت اختیار کر لی ہے، ان مافیاؤں کی سرپرستی میں مختلف سیاسی جماعتوں کے افراد ملوث ہیں، اس کے علاوہ شہر میں اسمگل شدہ ایرانی ڈیزل، واٹر ہائیڈرنٹ، تجاوزات، ٹارگٹ کلنگ مافیا اور دیگر چھوٹے بڑے جرائم پیشہ گروہ کام کر رہے ہیں، آپریشن کے دوران بعض ایسے ملزمان کی گرفتاری بھی عمل میں آئی ہے، جنہوں نے انکشاف کیا ہے کہ وہ بیک وقت سیاسی اور فرقہ وارانہ تنظیموں کے لیے کام کر رہے ہیں اور ان تنظیموں کی آڑ لے کر ٹارگٹ کلنگ کے علاوہ فرقہ وارانہ قتل کی وارداتوں میں

بھی ملوث ہیں، شہر میں ہائی پروفائل ٹارگٹ کلرز، بھتا مافیا، ڈرگ مافیا اور بعض سیاسی جماعتوں کے جرائم پیشہ افراد اور دیگر ملزمان کی فہرستوں کو فائنل کرلیا گیا ہے۔ ذرائع کا دعویٰ ہے کہ ان ملزمان کی تعداد 500 سے زاید ہے، حتمی مرحلے میں ان ملزمان کی گرفتاری کی ہر ممکن جدوجہد کے لیے مشترکہ آپریشنل ٹیمیں چھاپا مار کارروائیاں کریں گی، جبکہ جرائم پیشہ افراد کے پاس موجود غیر قانونی اسلحہ کی برآمدگی کے لیے بھی سخت اقدامات کیے جائیں گے۔

مبصرین کے مطابق اجلاس میں سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کی موجودگی یہ واضح کرتی ہے کہ آپریشن کو نتیجہ خیز بنانے کے سلسلے میں انہوں نے ایک بار پھر حکومت سے تعاون کا عزم ظاہر کیا ہے، البتہ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ بعض جرائم پیشہ عناصر کو اب بھی بعض جماعتوں کی سرپرستی حاصل ہے، رینجرز اور پولیس کے اعلیٰ حکام نے بھی بریفنگ کے دوران اس طرف خصوصی اشارہ کیا ہے، تاہم وزیراعظم کی جانب سے رینجرز کو قیام امن کے لیے جس طرح فری ہینڈ دیا گیا اور کسی قسم کا سیاسی دباؤ قبول نہ کرنے کے لیے کہا گیا، اس کی روشنی میں یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اب متعلقہ ادارے زیادہ آزادی اور عزم کے ساتھ قیام امن کے لیے اپنا کردار ادا کریں گے، گزشتہ ستمبر سے شروع ہونے والے آپریشن کی کامیابیوں کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جن دہشت گردوں، مجرموں اور امن کے دشمنوں کو گرفتار کیا گیا ہے، انہیں جلد از جلد

کیفر کردار کو پہنچایا جائے، اس ضمن میں سندھ حکومت کو اجلاس کے فیصلوں کے مطابق جلد از جلد مطلوبہ اقدامات بروئے کار لانے ہوں گے، آپریشن کو تیز تر کرنے کا فیصلہ یقیناً خوش آئند ہے، لیکن اس کے لیے سندھ حکومت کو بھی اپنی کارکردگی کی رفتار تیز کرنا ہوگی۔ اگرچہ ستمبر سے جاری آپریشن سے کراچی کے حالات میں کچھ بہتری آئی ہے، مگر اسے اونٹ کے منہ میں زیرے کے مترادف ہی قرار دیا جا سکتا ہے، کیونکہ آج بھی کراچی میں ٹارگٹ کلنگ، بھتہ مافیا اور دیار غیر سے بیٹھ کر بھتہ مافیا کراچی کے صنعت کاروں، ڈاکٹرز، انجینئرز اور دیگر معاشرتی ترقی میں کردار ادا کرنے والے افراد کو ہراساں کر رہے ہیں۔ کراچی میں آج بھی کشت و خون کی ہولی جاری ہے۔ روزانہ کراچی میں پانچ سے چھ افراد کے اوسطاً ناحق قتل ہو جانے اور ٹارگٹ کلنگ کے واقعات سے اخبارات بھرے پڑے ہوتے ہیں۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں اور سیاسی جماعتوں دونوں کو اپنی کوتاہیاں ترک کرکے خلوص نیت سے کراچی آپریشن کو کامیاب بنانے کی ضرورت ہے۔ وزیراعلیٰ سندھ کو وزیراعظم نے آپریشن کا کپتان قرار دیا ہے، وزیراعلیٰ سندھ اپنی بھرپور توانائیاں صرف کریں اور اس کا عملی مظاہرہ کریں۔ سب سے اہم ذمہ داری ان پر عاید ہوتی ہے، ان کی طرف سے برتی جانے والی معمولی سی عدم توجہی آپریشن کی ناکامی کا سبب بن سکتی ہے۔

بھارت میں انتہا پسندی کی فتح

بھارتی جنتا پارٹی اور اس کے اتحادیوں (نیشنل ڈیمو کریٹک الائنس) نے 543 رکنی لوک سبھا میں 339 نشستیں جیت لی ہیں۔ ووٹروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور 66.38% کا ریکارڈ ٹرن آؤٹ رہا، 55 کروڑ ووٹروں نے ووٹ ڈالا جو کہ 2009ء کے مقابلے میں 32 فیصد زیادہ تھا۔ بعض بڑی ریاستوں جیسے مغربی بنگال میں ٹوٹرن آؤٹ 81 فیصد، اوڈیشا میں 74 فیصد اور آندھرا پردیش میں 74.2 فیصد رہا۔ بی جے پی اور ان کے اتحادیوں کے ووٹوں کی تعداد 17 کروڑ 14 لاکھ 59 ہزار 286 (171,459,286) ہے اور یوں کل ڈالے جانے والے ووٹوں کا 31 فیصد اس اتحاد کو حاصل ہوا ہے۔ کانگریس اور اس کے اتحادی یو پی اے (یونائیٹڈ پروگریسو الائنس) کے نام سے انتخابات میں حصہ لے رہے تھے۔ ان کے حصے میں صرف 59 نشستیں آئی ہیں۔ 2009ء میں یہ اتحاد 262 حلقوں میں جیتا تھا۔ یو پی اے کو 10 کروڑ 67 لاکھ 60 ہزار ایک (106,760,001) ووٹ پڑے ہیں، یوں اس نے کل ڈالے گئے ووٹوں کا 19.4 فیصد حاصل کیا ہے۔ کانگریس اور اس کے اتحادیوں یونائیٹڈ پروگریسو الائنس کو 58 اور دیگر جماعتوں کو 144 نشستیں ملی ہیں۔ 543 نشستوں کے ایوان میں حکومت سازی کے لیے 272 نشستوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بی جے پی اور اتحادیوں کو پہلے سے 198 نشستیں زیادہ ملی ہیں، جبکہ کانگریس

اور اس کے اتحادیوں کو پہلے کی نسبت 176 نشستیں کم ملیں۔ اسی طرح دیگر جماعتوں کی نشستیں کم ہوئی ہیں۔ عام آدمی پارٹی انتخابات میں بری طرح ناکام رہی اور 22 صرف 4 نشستیں حاصل کر سکی ہے۔ بھارت میں تیس برس بعد پہلی بار کسی جماعت نے حکومت سازی کے لیے تن تنہا اکثریت حاصل کی ہے۔ نریندر مودی کی قیادت میں بی جے پی نے اپنی تاریخ کی سب سے بڑی جیت رقم کی ہے اور اب مودی ملک کے نئے وزیر اعظم ہوں گے۔ وزیر اعظم منموہن سنگھ اپنے عہدے سے مستعفی ہو چکے ہیں۔ بی جے پی نے یہ غیر معمولی فتح ملک گیر سطح پر حاصل کی ہے۔ پہلی بار ملک کے ان علاقوں میں کامیابی حاصل ہوئی ہے، جہاں پہلے رسائی نہیں مل سکی تھی۔ ان چھوٹی بڑی جماعتوں کو بھی زبردست کامیابی ملی جنھوں نے بی جے پی سے اتحاد کیا۔ اتر پردیش اور بہار میں اس نے حریف جماعتوں کا پوری طرح صفایا کر دیا ہے۔ بنگال، آندھرا اور تمل ناڈو جیسی ریاستوں میں اس نے اپنے پیر جما لیے ہیں۔

اگر غور کیا جائے تو مودی کی کامیابی میں دو فیکٹر نمایاں تھے، پہلا فیکٹر تو یہ تھا کہ کانگریس کی حکومت عوام کی توقعات پر پوری نہیں اتر پائی تھی، کانگریس ایک طویل عرصہ بھارت میں برسر اقتدار رہی، لیکن عوام کے مسائل حل نہ کر پائی، جس سے عوام کانگریس سے ناامید ہوگئے اور مودی نے بھارتی عوام کو ترقی اور خوشحالی کے خواب دکھائے، اس بنا پر عوام مودی کے دام میں آ گئے اور

مودی کو کامیاب کروا دیا۔ جبکہ دوسری نمایاں فیکٹر مذہبی تھا، نریندر مودی کی سیاسی پرورش ہندو نظریاتی تنظیم آر ایس ایس کی سرپرستی میں ہوئی ہے۔ انھیں ایک ہندو قوم پرست اور سخت گیر رہنما تصور کیا جاتا ہے اور گجرات میں ان کے اقتدار کے ابتدائی دنوں کا ماضی کافی متنازع رہا ہے۔ گجرات میں 2002ء کے فرقہ وارانہ فسادات میں دو ہزار مسلمان مارے گئے تھے۔ جن میں مودی کے ملوث ہونے کی بنا پر 2005ء میں امریکا نے انہیں ویزہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ مودی مسلمانوں اور پاکستان کے خلاف سخت بیانات دینے میں کافی مشہور ہے۔ نریندر مودی کی جانب سے کبھی اقتدار میں آنے کے بعد تمام بنگلا دیشی مسلمانوں کو ملک سے بے دخل کرنے کے اعلانات کیے جاتے رہے تو کبھی گائے کے ذبیحہ پر پابندی لگانے اور بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر کی باتیں کی جاتی رہیں۔ انتخابات کے دوران مودی نے بیان دیا کہ اقتدار میں آ کر وہ پاکستان میں چھپے داؤد ابراہیم کو اسی طرح اٹھا کر لے آئیں گے، جیسا کہ امریکا اسامہ بن لادن کو لے گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارت کے سیکولر حلقے بھی مودی کو انتہائی متعصب اور انتہا پسند تصور کرتے ہیں، مودہ ہمیشہ پاکستان کے خلاف بھی سخت پالیسی پر کاربند رہے ہیں اور بھارتی حکومت پر اسی حوالے سے تنقید کرتے آئے ہیں کہ وہ پاکستان سے دب کر رہی ہے۔

بی جے پی نے 543 رکنی پارلیمنٹ کے لیے اپنی جماعت سے محض ایک یا دو مسلم

امیدواروں کو ٹکٹ دیا، جس پر بھارت میں زبردست بحث چھڑی ہوئی ہے اور مسلمانوں سمیت ملک کا ایک بہت بڑا طبقہ اس تشویش میں مبتلا ہے کہ مودی کی جیت کا مطلب کہیں یہ تو نہیں کہ ملک کا سیکولر نظام بدل جائے گا۔ کہیں یہ ملک سیکولر جمہوریت کی جگہ ایک ہندو جمہوریت میں تو نہیں تبدیل ہو رہا؟ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ بی جے پی ایک قدامت پسند اور ہندو قوم پرست جماعت ہے اور بھارت کی تاریخ میں غالباً یہ پہلا موقع ہے، جب دنیا میں سب سے زیادہ آبادی والے مسلمانوں کے خطے اتر پردیش سے ایک بھی مسلم رکن پارلیمان منتخب ہو کر دلی نہیں پہنچا۔ بھارت کی تاریخ میں پہلی بار سب سے کم مسلمان پارلیمنٹ میں پہنچے ہیں، لیکن جمعیت علمائے ہند کے مولانا محمود مدنی کا کہنا ہے کہ ہمیں اس بات کا احساس تو انتخابی مہم کے دوران ہی ہو گیا تھا کہ اس بار سیکولر پارٹیاں، کانگریس یا یو پی اے حکومت نہیں بنا پائے گی اور بی جے پی حکومت میں آئے گی۔ تاہم اس بات کا خدشہ ہے کہ اگر بی جے پی اپنے ایجنڈے پر قائم رہتی ہے تو ان کے نشانے پر اقلیت اور ان کے مسائل ہوں گے۔ ایگزٹ پولز میں نریندر مودی کی جیت میں مسلمانوں کے ووٹوں کے بھی کردار کو دکھایا گیا ہے۔ پہلے بھی مرکز میں بی جے پی قیادت میں این ڈی اے کی حکومت تھی۔ اس کے علاوہ کئی ریاستوں میں بی جے پی کی حکومت ہے اور وہاں مسلمانوں کی خاصی آبادی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہاں انھوں نے اپنا ایجنڈا نافذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مودی حکومت میں کئی اہم مسئلے پیدا ہو سکتے ہیں، جیسے کہ

یکساں سول کوڈ یا رام مندر کی تعمیر یا دفعہ 370، لیکن اس بار لوگوں نے ان مسائل سے ہٹ کر ترقی کے نام پر ووٹ دیا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ بی جے پی نے جس شخص کو وزیر اعظم کے امیدوار کے طور پر سامنے رکھا ان کی کامیابی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ انھوں نے ایک ہندو لیبارٹری کے طور پر گجرات کو تیار کیا تھا۔ اس کے علاوہ 2002ء کے فسادات ان کے اکاؤنٹ میں ہیں۔ ان کو آگے بڑھانے میں یہ ایک بڑا فیکٹر تھا۔ بہر حال یہ دکھایا گیا کہ ملک کی آبادی صلح و آشتی اور امن چاہتی ہے۔ اگر واقعی بی جے پی یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ وہ ایک مستحکم حکومت دے سکتی ہے تو اسے ان تمام مسائل سے خود کو علیحدہ رکھنا ہوگا۔ جبکہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سید قاسم رسول الیاس کا کہنا ہے کہ مسلمان نہ کبھی ڈرا ہے اور نہ آئندہ کبھی ڈرے گا۔ کوئی آئے اور کوئی جائے ہمیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اتحاد، بھائی چارہ اور امن قائم کرنا، لوگوں کو ترقی کے یکساں مواقع فراہم کرنا کسی بھی حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ نئی حکومت اپنی اس ذمہ داری کو کس طرح ادا کرتی ہے، اس کا تو کچھ دن بعد ہی پتہ چلے گا۔ اسی کے بعد یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ حکومت کیسی ہے، کیسی نہیں ہے۔ دوسری جانب نیویارک ٹائمز نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ بھارت میں مسلمانوں کے ساتھ تعصب کی انتہا ہے، انہیں ملازمتیں دینے سے انکار کر دیا جاتا ہے، انہیں بینک قرضہ تک نہیں دیتے۔ جب ہندو قوم پرست جماعت بی جے پی بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی تو مسلمان سہم کر رہ گئے۔ ان کے بابری مسجد

کی شہادت اور گجرات میں قتل عام کے زخم ہرے ہوگئے۔ گجرات میں مسلمانوں کے قتل عام پر مودی کو "قصاب" کے طور پر جانا جاتا ہے۔ کئی تجزیہ کار مودی کی کامیابی کو بھارتی سیکولرازم کے لیے خطرہ قرار دے رہے ہیں۔

بجٹ2015ء- 2014ئ، خدشات کی زد میں....!

مالی سال 2014-2015کے لیے بجٹ پیش کرنے کی تیاریاں کی جارہی ہیں۔ منگل کے روز سینیٹ و قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹیوں کا مشترکہ اجلاس ہوا، جس میں وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے بریفنگ دیتے ہوئے بتایا کہ نئے سال کا بجٹ 3 جون کو پیش کیا جائے گا، آئندہ سال کا بجٹ 3864 اور 3937 ارب روپے کے درمیان ہوگا۔ ٹیکس محاصل کا ہدف 2810 ارب روپے رکھنے کی تجویز دی گئی ہے۔ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں 10 سے 15 فیصد اضافہ کریں گے۔ این ایف سی سے صوبوں کو 1703 ارب روپے دینے کی تجویز ہے۔ دفاعی اخراجات کے لیے بجٹ میں 10 فیصد اضافہ تجویز کیا گیا ہے، جو رواں برس 715 ارب روپے تک ہونے کا امکان ہے۔ بجلی کی سبسڈی کے لیے 226 ارب روپے رکھنے کی تجویز ہے۔ وفاقی وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے ملک بھر کے چیمبرز آف کامرس کی مشترکہ بجٹ تجاویز کو بھی نئے بجٹ 2014-15 میں شامل کرنے کی یقین دہانی کراتے ہوئے کہا کہ تاجر برادری کی تجاویز پر غور کرتے ہوئے ممکنہ کوشش کی جائے گی کہ ا±ن کی تجاویز کو آنے والے بجٹ کا حصہ بنایا جاسکے۔ تاجر برادری نے وفاقی وزیر خزانہ کی جانب سے مشاورتی اجلاس بلانے اور خوشگوار ماحول میں بجٹ تجاویز پر تبادلہ خیال کرنے کے عمل کو سراہتے ہوئے کہا کہ تاجر برادری کو بجٹ کی تیاری کے حوالے سے اعتماد میں لینا خوش آئند ہے۔ تاجر برادری

کاروبار دوست بجٹ کی خواہاں ہے، تاکہ کاروباری و صنعتی سرگرمیوں کو فروغ حاصل ہو سکے اور ملک معاشی طور پر ترقی کر سکے۔ تاجر برادری نے وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف سے مطالبہ کیا ہے کہ آئندہ مالی سال کے بجٹ میں معاشی بحران کے حل کے لیے تاجروں کو خصوصی ریلیف دینے کے علاوہ توانائی بحران پر قابو پانے کے لیے چھوٹے ڈیموں کی فوری تعمیر کا اعلان کرتے ہوئے عوام دوست بجٹ بنایا جائے۔ ملک میں جاری توانائی و گیس بحران سمیت پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے نے معیشت کا برا حال کر دیا ہے۔ حکومت کو سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بجٹ عوام اور تاجر دوست بنانا ہوگا۔ ہر بجٹ میں عوام اور تاجر برادری کو حکومت وقت سے بہت سی توقعات وابستہ ہوتی ہیں، جو ہمیشہ رائیگاں جاتی ہیں، کیونکہ بجٹ میں صرف الفاظ کی ہیرا پھیری کر کے امرا کو نوازا اور غریب پر مہنگائی کا مزید بوجھ ڈال دیا جاتا ہے۔

مالی سال 2014-2015 کے بجٹ کے حوالے سے مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے بات چیت کرتے ہوئے تجاویز دیں اور مختلف خدشات کا اظہار کیا ہے۔ قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف سید خورشید شاہ نے کہا ہے کہ اسحاق ڈار کے بس دعوے ہی ہیں، ان کی تقریروں اور اشاروں سے نہیں لگتا کہ آنے والے بجٹ میں کوئی بہتری ہو گی۔ عوام دوست بجٹ آتا نظر نہیں آ رہا، جہاں تھے وہی کھڑے ہوں

گے۔ بجٹ میں نہ تنخواہوں میں اضافہ ہوگا، نہ بجلی کی لوڈ شیڈنگ اور قیمتوں میں کمی ہوگی، نہ مہنگائی پر کنٹرول ہوگا اور نہ ہی قرضے کم ہوں گے، تاہم دعا گو ہوں کہ معیشت کی بہتری کے لیے جو باتیں اسحاق ڈار کر رہے ہیں، وہ سچ ثابت ہوں۔ پیپلز پارٹی نے بجٹ کے لیے اپنی تجاویز حکومت کو ارسال کردی ہیں، تجاویز میں مزدور کی اجرت 12 ہزار روپے اور سرکاری ملازمین کی تنخواہوں اور پنشنرز کی پنشن میں 50 فیصد اضافے کی سفارش کی گئی ہے۔ سینیٹر طلحہ محمود کا کہنا تھا کہ حکومتی منصوبوں سے لگتا ہے کہ مہنگائی اور بیروزگاری مزید بڑھے گی، جبکہ آفتاب شیرپاؤ نے کہا کہ ہر سال اسی طرح اعداد و شمار دیے جاتے ہیں، ہم مطمئن نہیں ہیں۔ دوسری جانب مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کا کہنا تھا کہ پاکستان میں سب سے اہم مسئلہ تعلیم، صحت اور امن کا ہے، حکومت کو اس طرف توجہ دینی ہوگی، اس کے بغیر ملک کا چلنا مشکل ہے، ہر حکومت اس جانب سے صرف نظر کرتی آئی ہے۔ وزیر مملکت برائے ریلوے اور مسلم لیگ (ن) کے رہنما عبدالحکیم بلوچ نے کہا کہ بنیادی مسائل کی طرف آج تک توجہ نہیں دی گئی، اگر تعلیم اور صحت کا مسئلہ حل کرلیا جائے تو ملک کے دیگر مسائل کافی حد تک حل ہو سکتے ہیں، کسی حکومت نے بھی اس پر کام نہیں کیا، دوسرے ممالک میں تعلیم و صحت پر فوکس کیا جاتا ہے، لیکن بدقسمتی سے پاکستان کے بجٹ کا ایک بڑا حصہ کہیں اور خرچ ہوتا ہے۔ آئندہ بجٹ میں امید ہے کہ تعلیم اور صحت پر فوکس کیا جائے، بجائے اس کے کہ سرکاری سطح پر علاقوں میں چھوٹی چھوٹی

ڈسپنسریاں قائم کی جائیں، بلکہ تحصیل لیول پر ایک ایک بڑا ہسپتال قائم کر دیا جائے اور اس میں تمام سہولتیں فراہم کر دی جائیں تو صحت کے مسائل پر قابو پایا جا سکتا ہے، حکومت ہماری ہو یا کسی اور کی، لیکن صحت کے مسائل پر توجہ ضروری ہے، اسی طرح جن اسکولوں میں بہتر تعلیم دی جاتی ہے، ان کو مزید فعال کیا جانا چاہیے، نئے اسکول بنانے کی بجائے موجودہ اسکولوں میں سہولیات فراہم کر دی جائیں تو بہتر ہے، تھر جیسے علاقوں میں بھی اچھے اسکولوں کی ضرورت ہے۔ متحدہ قومی موومنٹ کے رکن قومی اسمبلی ریحان ہاشمی نے کہا کہ آئندہ بجٹ میں تعلیم کے لیے 2 سے 4 فیصد رکھنا چاہیے، اسکولز کی حالت زار دیکھی نہیں جاتی، تمام صوبوں میں نصاب ایک ہونا چاہیے، بجٹ میں تعلیم اور صحت کو پہلی ترجیح دی جائے، ٹیکس جمع کرنے کے لیے فوری اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ پی پی پی کے رہنما کریم احمد خواجہ نے کہا کہ موجودہ حالات میں عوام مہنگائی اور بدامنی سے تنگ ہیں، عوام کو ریلیف دینے کے لیے مہنگائی میں کمی کرنا ہوگی اور اس کے لیے آئندہ بجٹ میں روزمرہ کی اشیا پر حکومت کو سبسڈی دینی چاہیے، حکومت اگر مہنگائی میں کمی نہیں کر سکتی، تو مزدوروں کی تنخواہوں کا تعین مہنگائی کے مطابق کیا جائے، تعلیمی معیار کو بھی بہتر بنایا جائے، آئندہ بجٹ میں تعلیم اور صحت کے لیے زیادہ فوکس کیا جائے، موجودہ حکومت میں گیس اور بجلی کے نرخوں میں بہت زیادہ اضافہ کیا جا چکا ہے، یہ عوام کی بنیادہ ضروریات ہیں، حکومت گیس اور بجلی کے نرخوں میں کمی کرے۔

مسلم لیگ فنکشنل کے رہنما پیر صدر الدین شاہ نے کہا کہ ملک میں مہنگائی اور بد امنی بہت بڑھ چکی ہے، مہنگائی کم کرنے کے لیے فوری اقدامات کی ضرورت ہے، بجٹ میں تجاویز دیں گے جو کہ مہنگائی کم کرنے کے لیے ہوں گی، تنخواہ نہیں بڑھائی جاتی تو مہنگائی میں کمی کی جائے، ورنہ تنخواہیں مہنگائی کے تناسب سے بڑھائی جائیں۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ گزشتہ سال پیش کیا جانے والا بجٹ عوام کے لیے انتہائی مایوس کن تھا، لیکن عوام نے اس وقت اس مایوس کن بجٹ کو اس لیے برداشت کرلیا تھا کیونکہ گزشتہ سال بجٹ پیش کیے جانے کے وقت ابھی حکومت کو آئے تقریباً ایک ماہ ہی گزرا تھا اور حکومت نے تمام ناکامی کا ملبہ پیپلز پارٹی کی سابقہ حکومت پر ڈالا تھا، گزشتہ سال کے بجٹ کے موقع پر مسلم لیگ (ن) کا کہنا تھا کہ عنقریب تمام مسائل حل کردیں گے اور آئندہ سال کا بجٹ عوام دوست ہوگا، لیکن حکومت کو ایک سال گزر چکا ہے، ابھی تک عوام کے مسائل جوں کے توں ہیں۔ ملک میں غربت، بے روزگاری، مہنگائی، صحت، لوڈشیڈنگ، بدامنی، جہالت اور دیگر مسائل ڈیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ حکومت بدستور سبز باغ دکھانے میں مصروف ہے، حکومت ابھی تک بدامنی پر کنٹرول حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے جس سے ملک کی معیشت تباہ ہو کر رہ گئی ہے، لوڈشیڈنگ کی وجہ سے بھی ملکی معیشت کو کافی حد تک نقصانات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ملک میں تعلیم کا بجٹ بھی ہمیشہ کم رکھا جاتا

ہے، حالانکہ تعلیم پر توجہ دے کر بہت سے مسائل پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ اس سال بھی بجٹ کے حوالے سے حوصلہ افزا خبریں نہیں آ رہیں۔ الفاظ کے گورکھ دھندے میں الجھانے کی بجائے حقیقت میں تمام مسائل کا حل حکومت کی ترجیحات میں شامل ہونا ضروری ہے۔

احتجاج

پاکستانی سیاست کا معاملہ شاید سب سے جدا ہے۔ صحرائے سیاست کی تمازت میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا رہتا ہے اور وقتاً فوقتاً اچانک سیاسی انگارے پوری حدت و شدت سے دہکنا شروع ہوجاتے ہیں، اسی گرمی کے باعث ایک دوسرے کے خلاف الزامات اور طعن و تشنیع کی گولہ باری بھی جاری رہتی ہے۔ دوسروں کی آنکھ کا تنکا بھی نظر آجاتا ہے، اپنی آنکھ کا شہتیر بھی کسی کو سدھائی نہیں دیتا۔ اگر یہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے کہ آج ساری سیاست ہی مفادات کی بھینٹ چڑھ چکی ہے، بلکہ مفادات کی چکی میں پس کر گرینڈ ہوچکی ہے۔ اپنے مفادات کی خاطر مختلف حیلوں بہانوں سے عوام کو ورغلایا جاتا ہے، ہر آنے والا سیاستدان ایک نیا ہی تماشا سجاتا ہے اور اپنی پٹاری سے کچھ نہ کچھ نکال کر عوام کو بہلانے وپھسلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے مفادات کی خاطر پاکستان کے عوام کو ان کی ہمدردی کا جھانسا دے کر ہر کوئی استعمال کرتا ہے، لیکن عوام کے دکھوں کا مداوا کوئی نہیں کرتا، ہر اقدام کی ڈور کا سرا مفادات کے کھونٹے سے ہی بندھا ملتا ہے۔ 11 مئی کو ملک بھر میں عوامی لیگ کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری اور تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کی سربراہی میں حکومت کے خلاف بھرپور احتجاج کیا گیا، کینیڈا میں بیٹھے قادری صاحب نے

ٹیلیفون کے ذریعے موجودہ حکومت کا خاتمہ واجب قرار دیتے ہوئے عنقریب انقلاب کی حتمی کال دینے کا اعلان بھی کیا، جسے حکومتی ارکان نے یہ کہتے ہوئے مسترد کردیا کہ جو شخص اپنی کینڈا کی شہریت ترک کرکے ملک آنے کے لیے تیار نہ ہو وہ انقلاب کیا خاک لائے گا۔ سیاسی حلقوں کی جانب سے قادری صاحب کے موجودہ نظام کے خاتمے کی بات کو ناپسند کرتے ہوئے جمہوریت کے خلاف کسی گھناؤنی سازش کا حصہ سمجھا گیا۔ دوسری جانب اسی روز ملک کی تیسری بڑی سیاسی جماعت تحریک انصاف نے بھی گزشتہ سال ہونے والے عام انتخابات میں چار سیٹوں پر دھاندلی کو بنیاد بنا کر عوام کو حکومت کے خلاف اسلام آباد میں جمع کیا، نئے الیکشن کمیشن کی تشکیل سمیت متعدد مطالبات کیے اور مطالبات منظور نہ ہونے تک احتجاج جاری رکھنے کا اعلان کرتے ہوئے فیصل آباد میں بھی بڑے جلسے کی تاریخ دے دی۔

اگرچہ خان صاحب کو اس قسم کے احتجاج کا حق حاصل ہے، لیکن جمہوری و سیاسی حلقوں نے اس طرز کو جمہوریت کے لیے نقصان دہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ انتخابات میں دھاندلی کے خلاف احتجاج سڑکوں پر نہیں، پارلیمان میں رہ کر کیا جانا چاہیے، کیونکہ جب بھی انتخابی نتائج کو تسلیم نہ کیا گیا اور سڑکوں پر احتجاج ہوا، اس سے فائدہ غیر جمہوری طاقتوں نے اٹھایا اور جمہوریت کو نقصان پہنچا ہے، اس قسم کے احتجاج کے نتائج بھیانک نکل سکتے ہیں اور اگر تحریک انصاف الیکشن کمیشن میں ترمیم یا کوئی اور مطالبہ منظور کرانا چاہتی ہے تو

وہ خود پارلیمان میں ایک بڑی جماعت کی حیثیت سے موجود ہے، اس لیے پارلیمانی طریقے سے مطالبات منظور کیوں نہیں کرواتی؟

برطانوی اخبار دی میل کے مطابق عمران خان کے احتجاج کا مقصد حکومت کو کمزور کرنا تھا، لیکن یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ بات بات پر اس قسم کے احتجاج کرکے حکومت کو کمزور کرنے کا مطلب جمہوریت کی عمارت میں دراڑ ڈالنا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ملک خداداد کی تاریخ جمہوریت اور آمریت کی کشمکش اور ٹکراؤ سے عبارت ہے۔ ہماری قومی زندگی کا بڑا حصہ طالع آزماؤں اور آمران وقت کی تگ وتاز کی نذر ہوچکا ہے۔ حصول آزادی کے بعد ریاست میں جمہوری روایات اور سیاسی اقدار کو استحکام، ثبات اور مضبوطی حاصل نہ ہوسکی، کیونکہ ہمارے ہاں تاحال عمومی طور پر سیاسی جماعتوں اور ان سے وابستہ قائدین اور عام کارکنان میں وہ سیاسی شعور، پختہ فکری اور بالغ نظری پیدا نہیں ہوسکی، جو ملک وقوم کے حقیقی مفادات کا تحفظ کرنے اور موجودہ مسائل و مصائب کی دلدل سے نکلنے میں مدد ومعاون ثابت ہوسکتی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں یہ افسوس ناک روایت قائم ہوچکی ہے کہ سیاست دان عوامی جذبات واحساسات کو اپنے سیاسی مفادات واغراض کی بھینٹ چڑھانے سے نہیں چوکتے۔ جب تک ہمارے سیاسی قائدین اور رہنما اس منفی طرز عمل کی اصلاح کے لیے قرار واقعی سنجیدگی اور خلوص کا اظہار نہیں کریں گے، صورت حال میں کسی مثبت اور خوش کن تبدیلی کی

امید رکھنا بے جا امر ہوگا۔ سر دست وطن عزیز کو بدامنی، مہنگائی، لوڈشیڈنگ اور بے روزگاری سمیت مختلف النوع بحرانوں اور مسائل کا سامنا ہے، جن سے بحسن وخوبی اسی صورت نمٹا جاسکتا ہے، جب تمام سیاسی جماعتیں اور سیاسی رہنما ملک وملت کے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے بیدار مغزی اور باہم اتحاد کا مظاہرہ کریں، لیکن تحریک انصاف دھاندلی کو عنوان بنا کر حکومت کے خلاف موچہ زن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ گزشتہ انتخابات میں دھاندلی کے حوالے سے بہت ساری جماعتوں کو شکایات ہیں۔ پی ٹی آئی پنجاب اور کراچی میں دھاندلیوں کی شکایت کررہی ہے، ن لیگ اور جمعیت علمائے اسلام کو خیبر پختونخوا میں، جبکہ فنکشنل لیگ کو سندھ میں اسی نوعیت کے اعتراضات ہیں۔ ق لیگ اور اے این پی بھی انتخابات کو شفاف ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ پیپلز پارٹی کا موقف ہے کہ پنجاب میں ہماری سیٹیں ہتھیائی گئی ہیں۔ متحدہ قومی موومنٹ کے رہنماؤں نے بھی دھاندلی کے الزامات لگائے تھے۔ کوئی بھی سیاسی جماعت عام انتخابات کو شفاف ماننے کے لیے تیار نہیں ہے، یہاں تک کہ چیف الیکشن کمیشن نے ہی اس بات کا اظہار کردیا تھا کہ بعض علاقوں میں الیکشن شفاف نہیں ہوئے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ الیکشن میں جس کا جہاں جتنا بس چلا، اس نے وہ کیا، لیکن اس کا یہ طریقہ کسی طور بھی درست نہیں کہ ہر جماعت حکومت کے خلاف محاذ سنبھال لے اور جمہوریت کا نعرہ لگانے والی سیاسی جماعتیں خود ہی جمہوریت کی عمارت کو احتجاجوں اور دھرنوں کے کدالوں سے زمین بوس کرنے کے لیے کوشاں ہوجائیں۔

یہ شاید ہمارے ہی معاشرے کا خاصہ ہے کہ یہاں شکست کھانے والا ہر امیدوار دھاندلی کا شور مچاتا ہے اور حکومت کو ملیا میٹ کرنے کے درپے ہوتا ہے، حالانکہ دنیا کے اکثر ممالک میں جمہوری نظام رائج ہے، وہاں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ الیکشن میں ہارنے والے بھی ملکی مفاد میں فاتح جماعت کا ساتھ دیتے ہیں، ایک دوسرے پر نہ تو دھاندلیوں کے الزامات لگتے ہیں اور نہ ہی حکومت کو گرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دنیا کے سب سے بڑے جمہوریت والے پڑوسی ملک بھارت کو ہی لے لیجیے ! اب تک وہاں سولہ بار انتخابات ہو چکے ہیں، لیکن شاید ایسی کوئی مثال نہ ملے کہ منتخب سیاسی جماعت کو گرانے کی کوشش کی گئی ہو اور نہ ہی وہاں کبھی فوج نے جمہوری حکومت پر شب خون مارا۔ جب تمام جمہوری جماعتیں ہی جمہوریت کو بچانے کے لیے متفق ہوں تو کوئی اس پر قبضہ کیونکر کرے گا، لیکن یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ شکست خوردہ جماعتوں کے حکومت کو ناکام ثابت کرنے میں گزر جاتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ عمران خان کے مطالبات غلط ہیں، ان کے مطالبات بالکل درست، لیکن طریقہ درست نہیں ہے۔ ان کے مطالبات کو پورا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ دھاندلی کے الزامات کی آئینی اور قانونی طریقہ کار کے تحت چھان بین ہونی چاہیے اور اس کے ساتھ انتخابات کا طریقہ ہر طرح کی دھاندلی سے صاف و شفاف بنانے کی اہم ضرورت ہے، انتخابی اصلاحات کا مطالبہ صرف عمران خان کا نہیں، بلکہ پوری قوم کا ہے۔

لاہور میٹرو ٹرین منصوبہ.... ترقی کے نئے سفر کا آغاز

لاہور میں ایک ارب ساٹھ کروڑ ڈالر کی لاگت سے ملک میں پہلا میٹرو ٹرین منصوبہ شروع کرنے کے لیے چین کے ساتھ معاہدہ طے پا گیا ہے۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ شہباز شریف اور چین کے ترقیاتی اصلاحات سے متعلق قومی کمیشن کے چیئرمین نے شنگھائی میں اس معاہدے پر دستخط کیے۔ پاکستانی صدر ممنون حسین اور ان کے چینی ہم منصب شی جن پنگ بھی دستخطوں کی تقریب میں موجود تھے۔ منصوبے کو "اورنج لائن میٹرو ٹرین" کا نام دیا گیا ہے، جو رواں سال کے آخر میں شروع اور سوا دو سال میں مکمل ہو گا۔ میٹرو ٹرین کا ٹریک 27.1 کلومیٹر طویل ٹھوکر نیاز بیگ سے ڈیرہ گجراں تک ہو گا، جس کا زیادہ تر حصہ یعنی تقریباً 25 کلومیٹر کا حصہ فلائی اوورز پر بنایا جائے گا۔

منصوبے کے لیے سرمایہ کاری اور کام کی نگرانی چین کرے گا۔ شہباز شریف نے کہا کہ میٹرو ٹرین منصوبہ پاکستان میں اپنی نوعیت کا پہلا اور منفرد پراجیکٹ ہے، جو ملک کی تاریخ میں اہم سنگ میل ثابت ہو گا اور آمد و رفت کے نظام میں انقلاب لائے گا۔

اورنج لائن میٹرو ٹرین منصوبہ ہمارے عوامی خدمت کے ایجنڈے کا حصہ ہے، جسے تیز رفتاری، شفافیت اور اعلیٰ معیار کے ساتھ مقررہ مدت کے اندر مکمل کیا جائے گا۔

میٹرو ٹرین منصوبے کا دائرہ کار بھی دیگر بڑے شہروں تک بڑھایا جائے گا۔ لاہور اور نج لائن میٹرو ٹرین کے آغاز

میں روزانہ تقریباً اڑھائی لاکھ شہری سفر کریں گے اور 2025 تک مسافروں کی تعداد بڑھ کر پانچ لاکھ ہو جائے گی۔

ملک میں میٹرو ٹرین کا منصوبہ ایک قابل تحسین اور قابل قدر منصوبہ ہے۔ اس قسم کے منصوبے ہر ملک کی ضرورت ہیں۔ آج کے دور میں اس ملک کو ترقی یافتہ ملک نہیں تصور کیا جاتا، جہاں ٹریفک کا جدید نظام موجود نہ ہو۔ کسی بھی ملک کے ٹریفک کا نظام اس کی معاشی اور سماجی خوشحالی کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ آج دنیا کے تمام بڑے شہروں میں زیر زمین ریلوے نظام میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ پاکستان اسلامی دنیا کی پہلی ایٹمی طاقت ہے، مگر اس کے باوجود یہ ہماری بڑی بدقسمتی ہے کہ ہم ابھی تک ریلوے نظام میں ترقی کرنے اور اس میں جدت لانے کی بجائے اسے صحیح طریقے سے برقرار بھی نہیں رکھ سکے۔ پاکستان میں انگریز دور کے بچھائے گئے ریلوے ٹریک میں گزشتہ چھ دہائیاں گزرنے کے بعد بھی ہم اس میں خاطر خواہ اضافہ نہیں کر سکے۔ کراچی میں ایک عرصہ قبل سرکلر ریلوے کا نظام شروع کیا گیا تھا اور روزانہ ہزاروں لوگ اس سے افادہ حاصل کر رہے تھے، مگر بعد میں حکومت اسے جاری نہ رکھ سکی۔ ملک بھر میں ہمارا جو ریلوے سسٹم اب چل رہا ہے اس کی حالت بھی قابل رحم ہے، جسے بہتر کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ آج پاکستان کے تقریباً تمام بڑے شہروں میں گاڑیوں کی تعداد میں ہوشربا اضافے کے باعث ٹریفک کا دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ پاکستان میں ٹریفک کی

حالت زار دیکھنا ہو تو کراچی کی ٹریفک کو دیکھا جاسکتا ہے، جس کا کوئی پراسان حال نہیں ہے۔ ٹریفک کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے پیش نظر ہمیں بہت پہلے ہی ملک بھر میں جدید طرز کے میٹرو ریلوے سسٹم کو متعارف کروادینا چاہیے تھا، جو کہ مہنگائی کے اس دور میں ایک عام آدمی کے لیے یقیناً مفید ہے۔ان حالات میں جدید طرز کے میٹرو ٹرین سسٹم کی ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے۔ دنیا میں اس قسم کے منصوبے بہت پہلے سے شروع کیے جاچکے ہیں۔ دنیا میں انڈر گراونڈ ریلوے کا نظام سب سے پہلے انگریزوں نے 1863ء میں برطانیہ میں لندن انڈر گراؤنڈ ریلوے سسٹم کے نام سے بنایا، جو آج تک بڑی کامیابی سے چل رہا ہے۔ فرانس میں اس انڈر گراؤنڈ ریلوے سسٹم کو میٹرو کا نام دیا گیا۔ اسی طرح یہ نظام امریکا کے بڑے شہروں میں بھی بہت کامیاب رہا ہے۔ ان ممالک میں نہ صرف عوام بلکہ وزراء اور امراء بھی زیر زمین چلنے والی ٹرینوں میں سفر کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ یہ سفر محفوظ ہونے کے ساتھ ساتھ آرام دہ بھی ہے۔ آج کے دور میں کسی ملک کے ترقی یافتہ ہونے کا اندازہ اس ملک کے انڈر گراؤنڈ یا میٹرو ریلوے سسٹم سے لگایا جاسکتا ہے۔ ہانگ کانگ، سنگاپور، بینکاک اور دہلی جیسے شہر جنہوں نے بعد میں اس ریلوے نظام کی ابتدا کی اور وہ جگہ کی قلت کی وجہ سے انڈر گراؤنڈ نہیں بناسکے، انہوں نے اسے اوور ہیڈ برج کی طرز پر بنایا اور یہ سسٹم وہاں بڑی کامیابی سے چل رہا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو ہمارا ملک ترقی میں دنیا سے بہت ہی پیچھے ہے، جو کام ہمیں بیس سال پہلے کرنا چاہیے تھا، وہ کام ہم آج کر رہے ہیں۔ ہمارے ساتھ آزادی حاصل کرنے والے ملک بھارت نے دارالحکومت دہلی میں 2002 میں وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کے دور میں دو ارب پچیس کروڑ ڈالر کی لاگت سے بننے والی زیر زمین میٹرو ریل کا افتتاح کر دیا تھا۔ اس وقت اس میٹرو ٹرین کا یک طرفہ کرایہ صرف سات روپے رکھا گیا تھا، جبکہ اس سے بھی دو عشرے قبل یعنی 1982 میں بھارت نے کلکتہ میں زیر زمین میٹرو ٹرین متعارف کروا دی تھی، جس کی 28 کلو میٹر مسافت کی تکمیل 1984 میں ہوئی تھی۔ اس وقت سے بھارت میں میٹرو ٹرین مستقل اور بہتر انداز میں عوام کی خدمت میں مصروف ہے، جس سے نہ صرف یہ کہ بھارت میں کاروں اور بسوں میں کمی آئی ہے، بلکہ آلودگی بھی کم ہوئی ہے، جس سے بھارت کو صاف فضا ملی ہے۔ اسی طرح ستمبر 2009ء کو 8 ارب ڈالر کی لاگت سے 4 سال کی قلیل مدت میں "گلف 9 ریجن" کی پہلی آٹومیٹک میٹرو ٹرین کا افتتاح دبئی میں کیا جا چکا ہے۔ بغیر ڈرائیور کے چلنے والی اس ٹرین کی اس وقت رفتار 110 کلو میٹر فی گھنٹہ تھی، دبئی میں 52 کلو میٹر لمبی اور 29 اسٹیشنز پر مشتمل دبئی میٹرو کا 25 فیصد حصہ انڈر گراؤنڈ اور 75 فیصد حصہ اوور ہیڈ برج پر بنایا گیا تھا، جو کہ دبئی میٹرو حکام کے مطابق 2020ء تک میٹرو کے ذریعے روزانہ ساڑھے چار ملین مسافروں کو لے جانے کا منصوبہ تھا۔

پاکستان نے جس چین کے ساتھ میٹرو ٹرین کا معاہدہ کیا ہے، وہی چین اس شعبے میں شاید ساری دنیا کو ہی مات دے چکا ہے۔ چین تو کچھ سال قبل "چین سپر ہائی اسپیڈ ٹرین" کا آغاز بھی کر چکا ہے، جو کہ 500 کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتی ہے۔ یہ برق رفتار ٹرین روٹ اب تجارتی سرگرمیوں کے مرکزی شہر گوانگ ژو سے محض آٹھ گھنٹوں میں مسافروں کو دارالحکومت بیجنگ تک پہنچا دے گی۔ ان دونوں شہروں کا درمیانی فاصلہ قریب تین ہزار کلو میٹر ہے۔ اس کے باوجود کہ چین میں ٹرینوں کے ہائی اسپیڈ نیٹ ورک کو کئی مسائل کا سامنا ہے، یہ شعبہ ترقی کرتا جا رہا ہے۔ چین میں تیز رفتار ریل گاڑیوں کا نیٹ ورک 2007ء میں قائم کیا گیا تھا، مگر یہ انتہائی تیزی سے اس ضمن میں دنیا کا سب سے بڑا نیٹ ورک بن گیا ہے۔ سرکاری ذرائع کے مطابق چین میں برق رفتار ریلوے نیٹ ورک اب 9300 کلو میٹر پر محیط ہے۔ اخبار چائنا ڈیلی کے مطابق 2020ء تک اس میں مزید 50 ہزار کلو میٹر تک کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ چین نے ریلوے کے شعبے میں ترقی کرتے ہوئے دنیا کو ایک تیز رفتار ٹرین سے منسلک کرنے کا منصوبہ بھی بنا لیا ہے۔ اس منصوبے میں 13000 کلو میٹر پر مبنی چین کو امریکا سے منسلک کرنے والا زیر آب رابطہ بھی شامل ہے۔ بیجنگ ٹائمز کے مطابق "چائنیز اکیڈمی آف انجینئرنگ" کی تجویز کردہ یہ پٹری چین سے روس اور وہاں سے امریکا جائے گی۔ اس کا آغاز چین کے شمال مشرق سے ہو گا۔ یہ سائبیریا سے ہوتی ہوئی آبنائے الاسکا کے پار جائے گی اور وہاں سے کینیڈا اور پھر اس کے

ہمسائے میں واقع ریاست ہائے متحدہ امریکا پہنچ جائے گی۔ منصوبے میں شامل دوسری پٹریاں جن کی تعمیر کے اندرون چین پہلے ہی آغاز کی خبریں آ رہی ہیں، ان میں سے ایک پٹری چین کو ماسکو، برلن اور پیرس کے ذریعے لندن سے جوڑے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ یورپ جانے والی ایک دوسری پٹری شاہراہ ریشم سے شروع ہو کر ایران اور ترکی سے ہوتے ہوئے جرمنی جائے گی۔ چین کے سرکاری اخبار کی رپورٹ کے مطابق اس پٹری کی دیگر بین الاقوامی شاخوں پر اقوام عالم سے مذاکرات جاری ہیں۔ایک چوتھی پٹری جو سارے ایشیاء سے گزرے گی، وہ چین کو ویتنام، کمبوڈیا، تھائی لینڈ اور ملائشیا کے ذریعے سنگاپور سے ملائے گی۔ اس پٹری کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ یہ پہلے ہی زیر تعمیر ہے۔ چین سے افریقا جانے والی پٹریوں سے متعلق تجاویز بھی ان دنوں زیر غور ہیں۔ ان تمام زیر غور ٹریکس میں سے ساختی حوالے سے سب سے زیادہ اہم امریکا کو چین سے ملانے والی پٹری ہے، جسے روس اور آبنائے الاسکا کے درمیان فاصلے کو پر کرنے کے لیے تقریباً 200 کلومیٹر طویل سرنگوں کی ضرورت ہوگی۔ چین کے اخبار چائنا ڈیلی کے مطابق چین عنقریب 150 کلومیٹر لمبی زیر آب سرنگ کے ذریعے اپنے ملک کو ایک تیز رفتار ٹرین کے ذریعے تائیوان سے جوڑ لے گا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ دنیا ریلوے نظام کو بہت زیادہ مضبوط کر چکی ہے، لیکن ہمارا ریلوے نظام قابل رحم ہے،اگرچہ ملک میں میٹرو ٹرین کا منصوبہ متعارف کروایا گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ،ساتھ حکومت ریلوے نظام کی بہتری کی جانب بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے

کیونکہ میٹرو ٹرین اور میٹرو بس کے منصوبے صرف لاہور کے لیے ہیں، لیکن ریلوے کا نظام پورے ملک کے لیے ہے، پورے ملک کے ریلوے نظام کو میٹرو ٹرین طرز پر چلانے کی ضرورت ہے۔

وزیر اعظم نواز شریف کا دورہ بھارت .... کون کیا کہتا ہے!

بھارت کے حالیہ انتخابات میں بڑی کامیابی حاصل کرنے والی جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی کے نو منتخب وزیر اعظم نریندر مودی کی پیر کے روز نئی دہلی میں تقریب حلف برداری کے موقع پر پاکستان کے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے بھی شرکت کی۔ تقریب حلف برداری میں شرکت کے لیے نریندر مودی نے جہاں عالمی رہنماؤں کو دعوت دی، وہیں پاکستان کے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ پاکستانی وزیر اعظم کے بھارتی وزیر اعظم کی تقریب حلف برداری میں شرکت نے ملکی و عالمی میڈیا میں کافی پذیرائی پائی اور یہ دورہ عوام و خواص، مذہبی و سیاسی رہنماؤں اور سرمایہ کار حلقوں کے لیے موضوع بحث بنا رہا۔ میاں نواز شریف کے دورہ بھارت کو اتنی پذیرائی اس لیے ملی، کیونکہ دونوں ملکوں کی 67 سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی وزیر اعظم نے دوسرے ملک کے وزیر اعظم کی تقریب حلف برداری میں شرکت کی ہے۔ گزشتہ سال اسلام آباد کی طرف سے اس وقت کے بھارتی وزیر اعظم منموہن سنگھ کو ایسی ہی دعوت دی گئی تھی، مگر انھوں نے شرکت سے معذرت کر لی تھی۔ نواز شریف کا بطور وزیر اعظم نئی دہلی کا یہ پہلا دورہ ہے۔ 2008ء کے ممبئی حملوں کے بعد سے دونوں ہمسایہ ممالک میں جامع امن مذاکرات تاحال مکمل طور پر بحال نہیں ہو

سکے ہیں۔ اب نریندر مودی کی جانب سے پاکستانی وزیراعظم کو دعوت دینے کے اس اقدام کی ستائش کی گئی اور پوری دنیا میں اسے مودی حکومت کے ایک مثبت آغاز کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ بھارت کو امید ہے کہ گزشتہ کئی برسوں کے ضیاع کے بعد ٹوٹی ہوئی کڑیوں کو اس ملاقات سے ایک بار پھر جوڑنے کا موقع مل سکے گا۔ 10 برس قبل سابق وزیراعظم منموہن سنگھ سے جب پوچھا گیا تھا کہ وزیراعظم کے طور پر وہ کون سے اہم کام ہیں جو وہ کرنا چاہیں گے، تو ان کا جواب تھا کہ اگر وہ اپنے دور اقتدار میں صرف بھارت اور پاکستان کے رشتوں کو بہتر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ سمجھیں گے کہ انھوں نے اپنے اقتدار کا مقصد حاصل کر لیا۔ منموہن سنگھ اپنے دور اقتدار میں بی جے پی کی مخالفت کے خوف سے پاکستان کا دورہ کرنے تک کی ہمت نہ کر سکے۔ اب پاکستانی وزیراعظم نواز شریف نے یہ ہمت کی ہے اور اس دورہ بھارت سے قبل اتوار کو پاکستان نے خیر سگالی کی بنیاد پر اپنے ہاں قید 151 بھارتی ماہی گیروں کو رہا کیا۔ یہ بھارتی ماہی گیر پاکستان کی سمندری حدود کی خلاف ورزی پر جیل میں تھے۔

میاں نواز شریف کا دورہ بھارت بھارتی میڈیا میں مختلف انداز میں چھایا رہا اور بھارتی میڈیا کی رپورٹس میں وزیراعظم نواز شریف کے دورہ بھارت کی خصوصی طور پر تشہیر کی گئی۔ بھارتی ٹی وی چینل پر پاکستان بھارت تعلقات پر سیاستدان، سول سوسائٹی کے ارکان اور تجزیہ کار طویل گفتگو کرتے رہے۔ بعض

بھارتی میڈیا رپورٹس میں کہا گیا کہ وسیع تر مفاد میں تعلقات کو فروغ ملنا چاہیے، باہمی مفاد کے حوالے سے یہ بہترین موقع ہے۔ بھارتی ٹی وی چینلز اور اخبارات کے تبصروں، حالات حاضرہ کے پروگراموں، اداریوں اور کالموں میں پاکستان بھارت تعلقات کے خصوصی طور پر تذکرے کیے گئے ہیں۔ نواز شریف کے بھارت جانے کے حوالے سے مثبت رسپانس ملا۔ ہندوستان ٹائمز کے ہندی ایڈیشن کے سینئیر مدیر پرتاپ سبھوانشی نے پاکستانی وزیراعظم کے دورہ کو مثبت قدم قرار دیتے ہوئے کہا کہ ملاقات کے بعد دونوں ملکوں میں تجارت اور کاروباری شعبے میں کچھ پیش رفت ممکن ہے۔ اگر نواز شریف صاحب نہ آتے ان (نریندر مودی) پر دباؤ پڑتا کہ پاکستان کے حوالے سے اپنی حکمت عملی واضح کریں، تو انھوں نے سیاسی (طور پر) چالاکی سے اسے مثبت موڈ میں تبدیل کر دیا۔ اگر کل کچھ ہوا تو یہ کہیں گے کہ دیکھا ہم نے تو دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا، مگر انھوں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ بھارتی سیاست دانوں نے وزیر اعظم نواز شریف کی جانب سے دورہ بھارت کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ دونوں ملکوں میں تمام معاملات پر بات چیت ہونی چاہیے۔ سابق بھارتی وزیر خارجہ نٹور سنگھ نے وزیر اعظم نواز شریف کے دورہ بھارت پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان سب سے بڑا پڑوسی ہے، دونوں ملک تعلقات کو بہتر بنانا چاہتے ہیں۔ بھارت کے سابق سفیر و سیاسی تجزیہ کار جی پارتھا سارتھی نے بھی نواز شریف کے دورہ بھارت اور نریندر مودی کی جانب سے انہیں بھارت آنے کی دعوت کو سراہتے ہوئے کہا کہ

نریندر مودی نے نواز شریف کو بھارت آنے کی دعوت دے کر ایک ڈپلومیٹک سکسر چھکا) مارا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ بی جے پی پڑوسی ملکوں میں تعلقات کو مضبوط دیکھنے کی) خواہاں ہے۔ بی جے پی کا موقف ہے کہ میاں نواز شریف نے دعوت قبول کرکے پاک بھارت دوستی کے نئے باب کا آغاز کیا ہے۔ جبکہ انتخابات میں ناکامی پر دل برداشتہ کانگریس نے نئی حکومت کو مشورہ دیا کہ نواز شریف سے سبھی معاملات پر بات کرنی چاہیے۔ بھارتی جنتا پارٹی (بی جے پی) کے سابق صدر ڈپٹی وزیراعظم و مرکزی وزیر داخلہ ایل کے ایڈوانی نے کہا کہ وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف نے نریندر مودی کی تقریب حلف وفاداری میں آنے کا اچھا فیصلہ کیا ہے، میں اسے اچھے پیرائے میں دیکھتا ہوں، گو کہ ہمارے ہاں انہیں بلانے پر اختلاف تھے، لیکن مجموعی طور سے بی جے پی نے فیصلہ کیا کہ سارک کے تمام ممالک کے سربراہان کو بلایا جائے، میں نواز شریف کے فیصلے کا خیر مقدم کرتا ہوں، ہمیں امید ہے کہ وہ اپنے دورے کے دوران دونوں ملکوں کے باہمی رابطوں کے بارے میں اپنی رائے ضرور دیں گے۔ جبکہ بھارتی اخبار انڈین ایکسپریس" کی رپورٹ کے مطابق پاکستان پر دہشت گردوں کی پشت پناہی کا" الزام عاید کرنے والی ہندو انتہا پسند جماعت شیو سینا کے رہنماؤں سے جب نواز شریف کے دورہ بھارت سے متعلق پوچھا گیا تو اس پر شیو سینا کے رہنماؤں نے کسی بھی قسم کا تبصرہ کرنے سے انکار کیا۔ ادھر جموں کشمیر ڈیموکریٹک فورم کے سربراہ پنڈت بھوشن .بزاز نے نریندر مودی کی تقریب حلف برداری میں میاں نواز شریف کی

شرکت کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ اب دونوں ملکوں کے درمیان نئے دور کا آغاز ہوگا۔ مقبوضہ کشمیر کے وزیراعلیٰ عمر عبداللہ نے بھی میاں نواز شریف کے دورہ بھارت کو خوش آیند قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس اقدام سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ دونوں ممالک تعلقات کے نئے دور کے آغاز کے لیے پر عزم ہیں اور ہندوستان کے زیر انتظام کشمیر میں پی ڈی پی کے سرپرست اعلیٰ نے نریندر مودی کی حلف برداری کی تقریب میں وزیر اعظم میاں نواز شریف کی شرکت کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان اور پاکستان کو اپنے مسائل بات چیت کے ذریعے حل کرنے کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیے، تاکہ خطے میں امن و امان کو بحال کیا جاسکے۔ پاکستانی وزیر اعظم کے بھارت کا دورہ کرنے سے دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کو مثبت سمت ملے گی۔ جموں کشمیر کی اپوزیشن لیڈر محبوبہ مفتی نے بھی بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی کی حلف برداری کی تقریب میں پاکستان کے وزیر اعظم نواز شریف کی شرکت کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ اس سے دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کو مثبت سمت ملے گی۔ سبھی کی نگاہیں پاکستانی وزیر اعظم کے ردِ عمل پر مرکوز تھیں۔ یہ جموں کشمیر کے عوام کے لیے نو منتخب وزیر اعظم کا سب سے بڑا تحفہ ہوگا اور ان کی حکومت کی طرف سے اعتماد سازی کا سب سے بڑا قدم ثابت ہوگا۔ دوسری جانب بھارت میں عام تاثر یہ ہے کہ پاکستان کے سیاسی ادارے اور سویلین حکومت پہلے روز سے ہی دہلی کے دورے کے حق میں تھی اور اسے وہ ایک مثبت آغاز تصور کرتی ہے، لیکن ان کے خیال میں

پاکستان کی فوج دہلی کے دورے کے حق میں نہیں تھی۔ بلکہ بھارتی تجزیہ نگار جمعے کو ہرات میں بھارت کے قونصل خانے پر حملے کو بھی پاکستانی فوج کے حمایت یافتہ حملے سے "منسوب" کر رہے ہیں اور اسے مودی کی دعوت کا پاکستان کی فوج کا "جواب" قرار دیا جا رہا ہے۔

دوسری جانب ملک کی 4 بڑی سیاسی جماعتوں پیپلز پارٹی، تحریک انصاف، جمعیت علمائے اسلام (ف) اور عوامی نیشنل پارٹی نے وزیراعظم نواز شریف کے نامزد بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کی تقریب حلف برداری میں شرکت کے فیصلے کی مکمل حمایت کرتے ہوئے اسے ملکی مفاد میں قرار دیا ہے۔ جماعت اسلامی، جماعۃ الدعوہ اور شیخ رشید نے بھارتی دورے کے حوالے سے وزیراعظم پر تنقید کی ہے اور سابق صدر زرداری نے فیصلے کو دانشمندانہ قرار دیتے ہوئے خیر مقدم کیا ہے۔ جبکہ امریکی اخبار واشنگٹن پوسٹ نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ پاکستانی اور بھارتی قائدین کی حلف برداری کی تقریب میں اکٹھا ہونا دونوں مخالف ملکوں کے لیے ایک تاریخی موقع ہوگا۔ دی نیویارک ٹائمز کی دہلی سے فائل شدہ خبر میں کہا گیا کہ نئی دہلی کی خیر سگالی دعوت اور اسلام آباد کی جانب سے مودی کی حلف برداری کی تقریب میں شرکت دونوں ممالک کے تعلقات میں ایک فیصلہ کن موڑ ثابت ہوگا، جو 2013ء کے ابتدا سے جمود کا شکار ہیں، ہندو انتہا پسند رہنما نریندر مودی نے آسیان کے تمام رکن ممالک سے اعلیٰ عہدیداروں کو دعوت دے

کرایک نئی تاریخ رقم کی ہے، کیونکہ بھارت میں روایتی طور پر حلف برداری کی تقریب میں کسی غیر ملکی رہنما کو شریک نہیں کیا جاتا۔ جبکہ دوسری جانب پاکستان اور بھارت کی سیاسی جماعتوں کے علاوہ دنیا بھر کے سرمایہ کار حلقے اور صنعتی گروپوں نے وزیر اعظم نواز شریف کے بھارت جانے کے فیصلے کو اچھا قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے خطے میں قیام امن میں مدد ملے گی، بھارتی ویب سائٹ آؤٹ لک انڈیا کے مطابق لندن سے تعلق رکھنے والے صنعتی این آر آئی کپارو گروپ کے بھارت نژاد چیئرمین لارڈ سوراج پال نے کہا ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف کا نامزد بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی کی تقریب حلف برداری میں شرکت کا فیصلہ خوش آیند ہے، اس سے دونوں پڑوسی ممالک کے درمیان تعلقات کو بہتر بنانے اور برصغیر میں قیام امن میں مدد ملے گی۔ تمام بھارتی پاکستانی اور خیر سگالی کے جذبات رکھنے والے اس بات پر خوش ہیں کہ نواز شریف خوشی کے اس موقع پر پاکستان کی نمایندگی کریں گے۔ مودی نے نواز شریف کو دعوت دے کر دلیرانہ اقدام اٹھایا، جس کا جواب بھی شاندار طریقے سے ملا ہے۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ دونوں رہنما اپنی ساکھ کو مزید بہتر کریں گے، جس سے دوطرفہ تنازعات کے حل میں مدد ملے گی۔

دنیا کے پہلے ایٹمی دھماکے سے یوم تکبیر تک

یوم تکبیر پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم دن ہے، جب 28 مئی 1998ء کو پاکستان صوبہ بلوچستان کے تین لاکھ آبادی والے سب سے بڑے ضلع چاغی کے مقام پر دن سوا تین بجے پانچ کامیاب ایٹمی دھماکے کرکے دنیا کی پہلی مسلم ایٹمی طاقت بنا تھا۔ اس دن پاکستان کا ہر فرد خوشی سے سرشار تھا اور ان کے چہروں پر نہ صرف خوشی کی لہر دوڑ رہی تھی، بلکہ ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بھی جاری تھے اور فضا نعرہ تکبیر اللہ اکبر سے گونج رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں غیر معروف سا علاقہ چاغی دنیا کے کونے کونے میں مشہور ہو گیا، پاکستانی ایٹمی دھماکوں نے چاغی کو چار چاند لگا دیے تھے۔ 28 مئی کو ایٹمی دھماکوں نے پاکستان کو دنیا بھر میں سرخرو و سربلند کر دیا تھا۔ نہ صرف پاکستان دنیا کی ساتویں ایٹمی طاقت بن گیا تھا بلکہ پہلی مسلم ایٹمی طاقت بن کر ڈیڑھ ارب کے قریب مسلمانوں کے سر بھی فخر سے بلند کر دیے تھے۔ ایٹمی دھماکے کرنے سے ایک روز میں محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور اس وقت کے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف قوم کے ہیرو بن گئے تھے، جنہوں نے تمام رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود ایٹمی دھماکے کیے تھے، کیونکہ دشمن طاقتیں روز اول سے ہی پاکستان کے ایٹمی طاقت بننے کے خلاف تھیں۔ پاکستان اسلامی

دنیا کی پہلی اور عالمی دنیا کی ساتویں ایٹمی طاقت بنا، پاکستان سے پہلے چھ ممالک ایٹمی طاقت حاصل کر چکے تھے، جس کی ابتدا امریکا نے کی تھی۔

امریکا نے 16 جولائی 1945ء کو پہلا ایٹمی دھماکا کرکے دنیا میں پہلا ایٹمی ملک ہونے کا اعلان کیا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب جنگ عظیم دوم اپنے عروج پر تھی اور جاپان کی افواج ملکوں پر ملک فتح کر رہی تھیں۔ امریکا نے 6 اگست 1945ء کو پہلا ایٹمی حملہ جاپان کے شہر ہیروشیما پر اور 9 اگست 1945ء کو دوسرا حملہ ناگاساکی پر کرکے دونوں شہروں کو تباہ کردیا۔ لاکھوں لوگ چند لمحوں میں راکھ کا ڈھیر بن گئے۔ لاکھوں لوگوں کی جان ہی نہ گئی، بلکہ وہ زمین بھی ہمیشہ کے لیے بانجھ ہو گئی۔ امریکا کی اس وحشیانہ سفاکیت کو روکنے کے لیے دنیا کے دوسرے ملکوں نے بھی ایٹمی طاقت حاصل کرنے کے لیے رات دن تگ ودو شروع کردی۔ اب ہر جانب ایٹمی تجربوں کا آغاز ہو گیا۔ روس نے ایٹمی قوت بننے کے لیے دن رات ایک کردیا اور 24 اگست 1949ء کو روس نے ایٹمی تجربہ کرکے دنیا کی دوسری ایٹمی طاقت ہونے کا اعلان کیا۔ جب روس بھی ایٹمی طاقت بن گیا تو پھر طاقتور سمجھے جانے والے ممالک کی ایٹمی طاقت بننے کی خواہش مزید بڑھنے لگی اور صرف تین برس بعد 1952ء میں برطانیہ نے بھی ایٹمی دھماکا کرکے ایٹمی قوت بننے کا اعزاز حاصل کرلیا۔ فرانس نے 1960ء میں ایٹمی طاقت حاصل کی، جبکہ چین اس دوڑ میں پانچویں نمبر پر رہا اور اس نے 16 اگست 1964ء کو نیوکلیئر ٹیسٹ

کرکے ایٹمی عالمی کلب کی رکنیت حاصل کی۔ جب ان پانچ ممالک نے ایٹمی قوت حاصل کر لی تو طاقت کے بل بوتے پر دنیا کو اپنے ماتحت بنائے رکھنے کے لیے انہی ممالک کی ملی بھگت سے یکم جولائی 1968ء میں ایک معاہدہ تیار کیا گیا، جس پر دستخط کرنے والے ممالک اس بات کے پابند تھے کہ وہ کبھی ایٹمی طاقت نہیں بنیں گے۔ بھارت اور اسرائیل نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کیا، کیونکہ بھارت کا ایٹمی انرجی کمیشن تو 1948ء میں ہی قائم ہو گیا تھا۔ پاکستان نے بھی بھارت کے خطرناک ارادوں کو بھانپتے ہوئے اس معاہدے پر دستخط نہ کیے۔ بھارت چونکہ روز اول سے ہی پاکستان کو اپنا دشمن سمجھتا آیا ہے، اس لیے اس نے پاکستان کو دباؤ میں رکھنے کے لیے 18 مئی 1974ء کو پہلا ایٹمی تجربہ راجستھان کے علاقے پوکھران میں کیا۔

بھارت کے ایٹمی دھماکے کے بعد پاکستان کے خلاف اس کے عزائم مزید خطرے کی گھنٹیاں بجانے لگے، پاکستان نے سوچا کہ اگر ہم بھی ایٹمی قوت نہیں بنتے تو یہ ہمارے لیے خسارے کا سودا ہوگا۔ اس وقت کے لیڈر ذوالفقار علی بھٹو نے 18 مئی 1974ء کو بھارت کے ایٹمی دھماکے کے بعد بیان دیتے ہوئے کہا: "صاحبو.... ہندوؤں نے بم بنا لیا ہے۔ اب ہمیں بم بنانا ہوگا۔ خواہ گھاس پر گزارہ کرنا پڑے اور یوں پاکستان کی بہادر اور غیور عوام نے بھی حالات کی تنگ دستی میں رہ کر بھی اپنے رہنماؤں کا ساتھ دیا۔ بھٹو نے محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر

خان کو پاکستان بلایا اور ڈاکٹر خان مغرب کی سہولیات سے آراستہ پر تعیش زندگی اور مراعات قربان کرکے اپنے مشن پر ساتھیوں سمیت جت گئے۔ مغرب اورامریکا نے انہیں بازرکھنے کے لیے عالمی عدالت میں ان پر مقدمہ درج کروایا اور روزاول سے ان کامطالبہ رہاکہ ڈاکٹر خان ہمارے حوالے کیا جائے، لیکن قدرت نے ہر حال میں ان کی مدد کی۔ بالآخرجون 1984ء میں صدرضیاءالحق شہیدکے دور میں بحمداللہ ہم نے ایٹمی قوت حاصل کر لی۔ اب پاکستان اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بھارت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہا تھا۔ پاکستان 1979ء میں بھی این پی ٹی پر دستخط کرنے کے لیے اس شرط پرآمادہ ہوا تھاکہ پاکستان کی سلامتی کا دشمن بھارت بھی اس پر دستخط کرے، لیکن بھارت نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔ 1992ء میں پاکستان نے جنوبی ایشیاء کو تین مرحلوں میں زیرو میزائل زون کے لیے تجویزدی، تاکہ اس خطے کو میزائلوں کی دوڑ سے پاک کر دیا جائے۔ بھارت نے اس تجویز کو ماننے کی بجائے پرتھوی، ارجن اور اگنی سے برصغیر کو بربادی سے دوچار کرنے کو ترجیح دی۔ 1997 ء میں پاکستان نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں جنوبی ایشیا کوایٹمی ہتھیاروں سے پاک کرنے کی قراردادپیش کی تواس کے حق میں 153 ووٹ ڈالے گئے، جبکہ مخالفت میں صرف بھارت اور بھوٹان کے ووٹ آئے۔ بھارت کے سرپر چونکہ پاکستان کا خوف سوار تھا، اس لیے وہ ایٹمی دوڑ میں شامل ہوگیا اور بھارت نے13 مئی 1998ء میں ایٹمی دھماکے کرکے جنگ کاماحول بنایا تو پاکستان کے غیور عوام کے شدید دباؤ پر چاغی

بلوچستان میں چھ ایٹمی دھماکوں سے بھارت کو منہ توڑ جواب دیا گیا۔ امریکی صدر نے دھمکی، تحریص اور اربوں ڈالر کی امداد کی پیشکش کرکے پاکستان کو دھماکے کرنے سے باز رکھنا چاہا، مگر وہ ناکام رہا۔ دنیا کے شدید دباؤ کے باوجود الحمدللہ پاکستان نے 28 مئی 1998 کو ایٹمی دھماکے کرکے قوم کا سر فخر سے بلند کردیا، جبکہ پاکستان کے بعد شمالی کوریا 2006 میں ایٹمی دھماکا کرکے ایٹمی ملک بنا۔

امریکا نے افغانستان میں ہاتھ کھڑے کر دیے

13 سال غیور افغانوں کے ہاتھوں پٹنے کے بعد بالآخر امریکا کو افغانستان سے نکلنے کا باضابطہ اعلان کرنا ہی پڑا ہے۔ امریکی صدر اوباما نے کہا ہے کہ 2016ء میں افغانستان سے تمام فوجی نکال لیں گے۔ 2015ء تک افغانستان میں 9800 فوجی افغانستان میں رہ جائیں گے، جبکہ 2016ء میں صرف امریکی سفارتخانے کی حفاظت کے لیے چند فوجی رہ جائیں گے۔ یہ سب اسی صورت میں ممکن ہوگا جب افغان حکومت سے دفاعی معاہدہ طے پا جائے گا۔ نئے افغان صدر سے سیکورٹی معاہدہ کریں گے۔ خودمختار اور مستحکم افغانستان چاہتے ہیں، افغانستان میں جاری امن عمل کی حمایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم تسلیم کرتے ہیں افغانستان بہترین جگہ نہیں اور اسے بہترین جگہ بنانا امریکا کی ذمہ داری نہیں ہے۔ افغانستان کے مستقبل کا فیصلہ افغان عوام نے کرنا ہے، امریکی افواج نے افغانستان میں بے شمار قربانیاں دیں۔ جنگ شروع کرنا آسان مگر ختم کرنا دشوار ہوتا ہے۔ جب اقتدار سنبھالا ایک لاکھ 18 ہزار امریکی فوجی افغانستان میں موجود تھے۔ واضح رہے کہ اب افغانستان میں امریکی اور اتحادی ممالک کے 51 ہزار فوجی موجود ہیں۔ غیر ملکی ذرائع کے مطابق 2014 کے بعد امریکی افواج افغانستان میں اسی صورت میں رہ سکتی ہیں، جب افغان سیکورٹی

معاہدہ طے پا جائے۔ امریکی حکام نے امریکا افغان سیکورٹی معاہدہ ہونے پر یقین دلایا ہے کہ 2016 کے بعد کابل میں امریکی سفارتخانے کے لیے ضروری سیکورٹی کے علاوہ اور کوئی اہلکار افغانستان میں قیام نہیں کرے گا۔ جبکہ افغان صدر حامد کرزئی بدنامی اور طالبان کے خوف سے امریکا کے ساتھ سیکورٹی معاہدے پر دستخط کرنے سے انکار کر چکے ہیں، امریکا افغان صدر حامد کرزئی پر متعدد بار دباؤ ڈال چکا ہے کہ 2014 میں نیٹو افواج کے انخلا کے بعد افغانستان کی سیکورٹی کے لیے امریکی افواج کی موجودگی کے حوالے سے معاہدے پر دستخط کردے، تاہم حامد کرزئی نے معاہدے پر دستخط کرنے سے انکار کرتے ہوئے معاملہ آئندہ منتخب ہونے والے صدر کی صوابدید پر چھوڑ دیا تھا۔

امریکی صدر اوباما نے چند روز قبل افغانستان کا اچانک دورہ کیا، تو حامد کرزئی نے اوباما کا استقبال تک نہ کیا۔ امریکا اس وقت نئے افغان صدر کی آمد کا منتظر ہے، جس کا انتخاب جلد ہونے کو ہے، کیونکہ موجودہ صدر حامد کرزئی نے اوباما انتظامیہ کے ساتھ سیکورٹی معاہدے پر دستخط سے یکسر انکار کردیا تھا، لیکن افغان صدارتی انتخاب کے دو صف اول کے امیدواروں عبداللہ عبداللہ اور اشرف غنی نے صدارتی منصب سنبھالنے کے ساتھ ہی سیکورٹی معاہدے پر دستخط کا وعدہ کیا ہے۔

دوسری جانب طالبان کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے اپنے بیان میں امریکی صدر

اوباما کے تازہ بیان پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمارے خیال میں یہ بہت حیران کن بات ہے کہ 13 سالہ عبرتناک جنگ اور بھاری جانی ومالی نقصانات کے باوجود بھی وائٹ ہاؤس کے حکمران حقائق کو سمجھ نہ سکے اور افغانستان پر قبضے کو طول دینے کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں۔ اوباما کو سمجھنا چاہیے کہ حریت پسند افغانوں کو کسی صورت میں دھوکا نہیں دیا جا سکتا کہ جارحیت کے عنوان میں تبدیلی لاکر انہیں جہاد سے پھیر دیں، افغانستان میں غیر ملکی استعماری قوتوں کی موجودگی جس عنوان کے تحت بھی ہو، ہمارا یقین ہے کہ ان کے خلاف جہاد فرض عین ہے اور افغان مومن عوام استعمار کو بھگانے کی شرعاً ذمہ دار ہیں۔ ذبیح اللہ مجاہد کا کہنا تھا کہ اوباما نے بگرام میں اپنی افواج کی کامیابیوں کی ستائش کی ہے، لیکن وہ ایسے غیر ذمہ دارانہ اظہار کی بجائے اپنی شکست کا اعتراف کرتا، کیونکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ افغان جنگ کو امریکی اپنی مرضی کے مطابق ختم کرنا نہیں چاہتے، بلکہ یہ افغان مجاہد عوام کی قربانی اور سرفروشی ہے، جس نے اوباما کو مجبور کر دیا کہ انہوں نے میدان چھوڑ کر فرار کی راہ اپنائی ہے اور بغیر کسی کامیابی کے اپنی استعماری افواج کو افغانستان سے نکالنے کے لیے پر تول رہا ہے۔ اوباما کا خفیہ اور اندھیرے کا دورہ افغانستان اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اس ملک میں امریکی افواج شکست کھا چکی ہے ں، امریکی افواج یہاں کسی علاقے پر تسلی بخش قبضہ کرنے پر قادر نہیں ہے ں، تو اسی لیے امریکی حکمران غیر اعلانیہ خفیہ

دوروں پر آتے رہتے ہیں۔ خود مختار ملک پر قبضہ، قانونی حکومت کو گرانا، بندوق کی نوک پر مغربی سیاسی، فوجی اور ثقافتی پروگراموں کا لاگو کرنا، لاکھوں انسانوں کا قتل عام کرنا، متحد ملت کی نوجوان نسل میں گمراہی اور نفاق کی کوشش کرنا، املاک کی قبضہ گیری، اجتماعی بے حیائی کی ترویج اور دنیا کے نقشے میں سب سے سربلند ملک کے عوام پر پہلے درجے کی کرپٹ انتظامیہ کا مسلط کرنا وغیرہ امریکی جارحیت سے جنم لینے والے مصائب نا قابل برداشت ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ امریکی افواج کے فرار کے لمحات میں امریکی سیاستدانوں کی نمائندگی میں اوباما افغان عوام سے ان مظالم اور وحشتوں پر معافی مانگتا، جو گزشتہ ساڑھے بارہ برس سے امریکی قیادت میں مظلوم عوام پر جاری ہے۔ کابل انتظامیہ کے ساتھ اوباما کے سیکورٹی معاہدے کا تذکرہ پھر امریکی صدر کے ذہن میں جارحیت کو طول دینے کا خواب ہے، جسے افغانی کسی طرح بھی سچ ہونے نہیں دیں گے، جس طرح گزشتہ 13 سال سے امریکا کی ہر قسم کی موجودگی کے خلاف اپنی مزاحمت کو جاری رکھا، اس صورت میں بھی جنگ طبعا ختم نہیں ہوگی۔

تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ افغانستان میں امریکا نے تیرہ سال میں مہنگی ترین شکست خریدی ہے۔ کیونکہ امریکا افغانستان میں شکست کھا چکا ہے۔ گزشتہ سال برطانوی افواج کے سربراہ جنرل سر پیٹر وال نے بھی اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ افغانستان میں نیٹو افواج کو اپنے مقاصد حاصل کرنے میں بری طرح

ناکامی ہوئی ہے۔ اسی طرح نیٹو کے متعدد افسران اس بات کا بارہا اعتراف کر چکے ہیں کہ وہ افغانستان میں جنگ ہار چکے ہیں۔ مبصرین کے مطابق امریکا نائن الیون کے بعد افغانستان میں کامل فتح حاصل کرنے آیا تھا، لیکن افغانستان میں تو امریکا اپنے تمام اتحادیوں سمیت شکست سے دوچار ہوا ہے۔ افغانستان میں امریکا اور مجاہدین کے مقابلے میں کسی طور بھی مطابقت نہیں تھی، کیونکہ طالبان بالکل نہتے اور امریکا ہر قسم کے اسلحے سے لیس اور تین درجن سے زاید ممالک کی افواج کو اپنے ساتھ لاکر افغانستان پر چڑھ دوڑا تھا۔ اس کے باوجود نہتے طالبان نے دنیا کی سپر پاؤر کہلانے والے امریکا کو چاروں خانے چت کر دیا۔ امریکا افغانستان میں طالبان کو ختم کرنے آیا تھا، لیکن تیرہ سال بعد صورت حال یہ ہے کہ افغانستان کے تقریباً 70 فیصد علاقوں پر طالبان کا کنٹرول ہے، آدھے سے زیادہ افغانستان میں ان کی موجودگی اس بات کی علامت ہے کہ انہیں عوامی حمایت بھی حاصل ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ امریکا نہ صرف یہ کہ طالبان کو عسکری طور پر شکست نہیں دے سکا، بلکہ وہ طالبان اور مقامی آبادی کے تعلق کو بھی ایک حد سے زیادہ متاثر نہیں کر سکا۔ امریکی کہتے تھے: ہم افغانستان میں صرف جنگ جیتنے نہیں آئے بلکہ ہم افغان عوام کے دل بھی جیتنے آئے ہیں، مگر وہ تیرہ سال میں نہ جنگ جیت سکے نہ دل جیت سکے۔ افغانستان میں امریکا کو ہر لحاظ سے بدترین شکست ہوئی ہے۔ امریکا کے قومی سلامتی سے متعلق 16 ادارے اپنی تجزیاتی رپورٹ میں یہ خطرہ ظاہر کر چکے ہیں

کہ 2017ء تک افغانستان پر دوبارہ طالبان کا قبضہ ہو سکتا ہے۔ اس کے معنی اِس کے سوا کیا ہیں کہ امریکا کی جڑیں نہ کل افغانستان میں تھیں اور نہ 2017ء میں افغانستان میں ہوں گی۔ امریکی رپورٹ بتاتی ہیں کہ امریکا نے تیرہ سال میں افغانستان پر 600 ارب ڈالر سے زیادہ خرچ کیے ہیں۔ آزاد ذرائع کا اصرار ہے کہ امریکا نے افغانستان میں تیرہ سال میں ایک ہزار ارب ڈالر سے زیادہ جھونک ڈالے ہیں۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو امریکا نے ایک ہزار ارب ڈالر میں شکست خریدی ہے اور بلاشبہ یہ انسانی تاریخ کی مہنگی ترین شکست ہے۔ امریکا میں ہونے والے سروے کے مطابق 60 فیصد کے قریب امریکیوں کا خیال ہے کہ امریکا افغانستان میں جنگ ہار رہا ہے۔ امریکا افغانستان میں آیا تھا تو 87 فیصد امریکی افغانستان کے خلاف جارحیت کے حق میں تھے، انہیں امریکا کی مکمل فتح کا یقین تھا، لیکن آج اکثر امریکی اپنے ملک کو افغانستان میں پٹتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، چنانچہ امریکیوں کی اکثریت اپنی فوج کو افغانستان سے نکالنا چاہتی ہے۔ یہ امریکا اور اس کے اتحادیوں کی مکمل شکست نہیں تو اور کیا ہے؟

بھارت میں سیکولرازم کی شکست

یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ نریندر مودی کی حکومت میں پاک بھارت تعلقات اور بھارتی مسلمانوں کا مستقبل کیا ہوگا، لیکن بھارت میں بھارتی جنتا پارٹی کی تاریخی کامیابی نے بھارتی حکمرانوں کے اس دعوے کی نفی ضرور کردی ہے کہ بھارت ایک سیکولر اسٹیٹ ہے۔ دنیا کی دوسری بڑی آبادی رکھنے والی ریاست بھارت اپنے آئین کو سیکولر قرار دیتی ہے، لیکن انتخابات میں ایک انتہا پسند متعصب شخص کی کامیابی نے یہ واضح کردیا کہ یہ ریاست اپنے سماج کو Secularize کرنے میں عملی طور پر ناکام رہی ہے اور یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ بھارت کا سیکولر چہرہ صرف دنیا کو دکھانے کے لیے ہے، لیکن "حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے" سچ یہ ہے کہ بھارتی عوام پاکستانی عوام سے کہیں زیادہ انتہا پسند واقع ہوئے ہیں۔ اسی لیے پاکستانی سیاست میں مودی طرز کا کوئی انتہا پسند سیاست دان کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا، کیونکہ عوام اسے مسترد کردیتے ہیں، یہاں مذہبی جماعتوں کے بارے میں انتہا پسندی کا تاثر دیا جاتا ہے، اسی لیے یہ جماعتیں آج تک ملک میں حکومت بنانے میں ناکام رہی ہیں، لیکن بھارت میں عوام انتہا پسندوں کا ساتھ دیتے ہیں اور انتہا پسندی سے دور کجریوال جیسے سیاست دان کو پورے بھارت سے صرف چار سیٹیں ہی مل

پاتی ہیں۔انتخابات میں بھارتی میڈیا نے بڑھ چڑھ کر انتہاپسند نریندر کا ساتھ دیا، جو بھارتی عوام کی سوچ کی عکاسی کرنے کے لیے کافی ہے۔

نریندر مودی کا بھارت کا وزیر اعظم بننا کسی طور بھی انتہا پسندی سے خالی تصور نہیں کیا جاسکتا۔نریندر مودی کی نظریاتی اور سیاسی پرورش آر ایس ایس کی سرپرستی میں ہوئی ہے اور انھیں ایک ہندو قوم پرست اور سخت گیر رہنما تصور کیا جاتا ہے۔ مودی نے جوانی میں ہی ہندو انتہاپسند تنظیم "آر ایس ایس" میں شمولیت اختیار کر لی تھی اور 70 کی دہائی سے ہندو پرچارک یا تنظیم کے مبلغ کے طور پر کام کرنے لگے تھے، جبکہ بی جے پی کی سیاست کا روز اوّل ہی سے محور و مرکز پاکستان دشمنی اور مسلم بیزاری رہا ہے۔ اس جماعت کی بنیاد "ہندوتوا" پر ہے۔ اسی جماعت کے لیڈر ایل کے ایڈوانی نے 1992ء میں ایودھیا میں تاریخی بابری مسجد کو مسمار کرکے اس کی جگہ مندر کی تعمیر کے لیے رتھ یاترا کی تھی۔ مسجد کی شہادت کے بعد پورے بھارت میں مسلم کش فسادات کے دوران ہزاروں مسلمانوں کو شہید کیا گیا تھا، پھر مودی کے دور حکومت میں 2002ء میں گودھرا اسٹیشن کے واقعہ کو جواز بنا کر گجرات میں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا اور اس دوران مختلف واقعات میں ہزاروں مسلمانوں کو بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنا کر فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اگرچہ نریندر مودی اس میں ملوث ہونے سے انکار کرتے رہے ہیں، مگر بطور وزیر اعلیٰ یہ ان کی ذمہ داری تھی کہ

وہ اس طرح کے واقعات نہ ہونے دیتے۔ عالمی برادری نریندر مودی کو ہندوستان میں مسلمانوں کے قاتل کی حیثیت سے جانتی ہے، اسی بنا پر امریکا نے اپنے ملک میں مودی کے داخلے پر پابندی بھی لگادی تھی۔

بھارت میں ہندو قوم پرست جماعت بی جے پی کی بھاری اکثریت سے کامیابی پر جہاں ایک طرف بھارتی مسلمان سہمے ہوئے ہیں، وہیں دوسری جانب کئی تجزیہ کار مودی کی کامیابی کو بھارتی سیکولر ازم کے لیے خطرہ قرار دے رہے ہیں اور سیکولر بھارت کے مستقبل کے بارے میں متفکر نظر آتے ہیں۔ بھارت کے ایک معتبر دانشور، سابق سفارتکار اور دو بھارتی ریاستوں کے سابق گورنر گوپال کرشنا گاندھی نے نریندر مودی کے نام اپنے کھلے خط میں خدشات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جہاں لاکھوں لوگ مسرور ہیں کہ آپ وزیراعظم بن رہے ہیں، وہیں اس سے کئی گنا زیادہ لوگ اس بات سے پریشان ہیں، بلکہ بہت زیادہ پریشان ہیں۔" "آپ نے 31 فیصد لوگوں کی توجہ ضرور حاصل کی ہے، لیکن 69 فیصد لوگوں کا یہ خیال نہیں ہے کہ آپ دیش کے بہترین رکھوالے ہیں۔ ان لوگوں نے تو "دراصل" اس بات سے بھی اختلاف کیا ہے کہ ہمارے دیش کی ہئیت کیا ہے اور جناب مودی! دیش کا تصور ہی وہ بات ہے جہاں اصل اہمیت ہمارے آئین کی ہے۔ میں آپ پر زور دیتا ہوں کہ "دیش" کے نظریہ پر نظرثانی فرمایئے۔ اقلیتوں کے بارے میں آئین کے وژن کو اپنایئے، اسے تبدیل، کمزور یا اپنے لیے موافق مت بنایئے۔ اقلیتوں کو

یقین دہانی کروائیں، ان کے سرپرست مت بنیں، ترقی تحفظ کا نعم البدل نہیں ہے۔ آپ نے "ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں لیپ ٹاپ" یا کچھ ایسی ہی بات کی، لیکن ان تصاویر نے اقلیتوں کو احساس تحفظ نہیں دیا، کیونکہ اس کے جواب میں سامنے آنے والی تصاویر نے انہیں خوفزدہ کر دیا ہے، جن میں ایک غنڈے نے ایک ہندو کا روپ دھار رکھا ہے اور اس کے ایک ہاتھ میں ہندو صحیفے کا ڈی وی ڈی ہے اور دوسرے میں دھمکی آمیز ترشول۔ کچھ ماہ قبل مظفر نگر میں 42 مسلمانوں کی ہنگاموں میں ہلاکت نے اقلیتوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ "خبردار! تمہارے ساتھ یہ کیا جائے گا۔"" ایک جمہوریت میں کسی کو بھی اس دھمکی کا خوف نہیں ہونا چاہیے۔ صرف مسلمان ہی نہیں، تمام اقلیتیں زخموں سے چور ہیں۔ دلت اور ادی واسی، خصوصاً عورتیں، اپنی زندگی کا ہر لمحہ ذلت اور استحصال میں گزار رہے ہیں۔ اس مسئلہ کے حل کے لیے کھل کر سامنے آئیں۔ آپ سے منسوب ایودھیا میں رام مندر اور ہندو مسلم پناہ گزینوں کے فرق کے بیانات خوف پیدا کرتے ہیں، نا کہ اعتماد۔ اجتماعی خوف مملکت بھارت کی خوبی نہیں ہو "سکتا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بھارت میں مذہبی انتہا پسندی کے بڑھتے ہوئے چیلنج کے سامنے اس ملک کا سیکولرازم مختلف قسم کے خوابوں اور امیدوں میں جیتا رہا۔ ایک امید تو کانگریس جیسی پارٹی سے رہی کہ وہ کتنی بھی کمزور اور ضعیف ہو جائے، لیکن ،وہ ملک کو مذہبی جنونیت سے بچا ہی لے گی

کیونکہ اس کے اندر مہاتما گاندھی، نہرو، پٹیل، مولانا آزاد مرحوم اور آزادی کی جدوجہد کے دیگر رہنماؤں کی وراثت دفن ہے، جو وقتاً فوقتاً کھڑی ہو جاتی ہے۔ دوسری توقع علاقائی عصبیت میں مبتلا جماعتوں سے وابستہ رہی، جو وقتاً فوقتاً بی جے پی کی مخالفت میں کھڑی ہوتی رہی ہیں۔ تیسری امید اس ملک کے عوام سے تھی، جنہیں سیکولرازم کا نعرہ سنایا جاتا رہا ہے، لیکن ان سے سیکولر جماعتوں سے زیادہ ہندو نظریاتی جماعتوں نے فائدہ اٹھایا۔ اس دوران ایک اور امید اس نئی نویلی پارٹی "عام پارٹی" سے بھی وابستہ رہی جو سیاست کی نئی گرامر لکھنے کا دعویٰ کر رہی تھی۔ مجموعی طور پر سیکولرازم کو امید تھی کہ اس ملک کی قوموں، ثقافتوں اور زبانوں کی مختلف قسم کے ہندوتوا کی "سونامی" کیخلاف ایک دیوار کی طرح کام کرے گی اور اس کی بنیاد پر اقلیتوں کی یکجہتی تیار کرے گی، لیکن سیکولرازم یہ بھول گیا کہ اس کا روکھا پھیکا رنگ روپ لوگوں کو مشکل سے ہی متوجہ کرتا ہے اور جو خوبی عوام کے لیے کشش کا باعث تھی، وہ معدوم ہو چکی ہے، بھارت کے عوام کے لیے اصل کشش کا باعث مذہبی انتہا پسندی اور پاکستان مخالفت ہے۔ یہی سوچ بھارت میں سیکولرازم کی عمارت کو دھڑام سے نیچے گرانے میں معاون ثابت ہوئی ہے۔

کرپشن اسکینڈلز....اہم شخصیات کے گرد گھیرا تنگ

اسپیشل اینٹی کرپشن کورٹ نے ٹریڈ ڈیولپمنٹ اتھارٹی آف پاکستان (ٹی ڈی اے پی) میں اربوں روپے کی کرپشن کیس میں سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی اور رکن قومی اسمبلی امین فہیم سمیت 7 ملزمان کے ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کر دیے ہیں۔ ایف آئی اے نے گرفتاری کے لیے ٹیمیں تشکیل دی جاچکی ہیں، جن میں ایک ٹیم ملتان، جبکہ دوسری ٹیم اندرون سندھ جائے گی اور ملزمان کو 17 جون تک گرفتار کرکے پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جمعرات کے روز اینٹی کرپشن کورٹ کے جج محمد عظیم نے ٹریڈ ڈیولپمنٹ اتھارٹی کیس کی سماعت کی، ایف آئی اے نے دونوں اعلیٰ سیاسی شخصیات کے خلاف چالان جمع کرایا جس میں دونوں کے 25 مقدمات میں ملوث ہونے کے واضح ثبوت بھی پیش کیے گئے ہیں اور دونوں اعلیٰ شخصیات کو 25 مقدمات میں ملزمان بنا کر پیش کردیا۔ تحقیقات کے بعد ملزمان کے خلاف ایف آئی اے کی جانب سے عدالت میں جمع کروائے گئے حتمی چالان میں یوسف رضا گیلانی اور ان کے فرنٹ مین فیصل صدیق، امین فہیم اور ان کے فرنٹ میں فرحان احمد جونیجو، محمد زبیر، میاں طارق، مہر رشید رئیسانی، انیس الحسنین اور عمران صابر کو مفرور قرار دیا ہے۔ ذرائع کے مطابق ایف آئی اے نے یوسف رضا گیلانی اور امین فہیم پر اختیارات کے ناجائز استعمال اور اپنے فرنٹ مینوں

کے ذریعے فرنٹ سبسڈی کی مد میں اربوں کی کرپشن کے الزامات عاید کیے، چالان کے مطابق فریٹ سبسڈی کی مد میں گزشتہ دور میں جاری کیے جانے والے اربوں کے فنڈز کاغذی ایکسپورٹ کمپنیوں کو جاری کیے گئے، بعد ازاں 80 فیصد رقم مختلف اکاؤنٹس کے ذریعے کیش کراکے اعلیٰ افسران، سابق وزیراعظم اور سابق وفاقی وزیر کے منظور نظر افراد اور ان کی کمپنی کے اکاؤنٹس میں منتقل کی گئی، عدالت کو بتایا گیا کہ فیصل صدیق شخص نے 2008 میں وزیراعظم جا کر 50 لاکھ روپے کا چیک دیا جو محمد زبیر نے وصول کیا، اس طرح جعلی کمپنیوں کے نام پر ایکسپورٹ سبسڈی کی مد میں کروڑوں روپے وصول کیے گئے اور باقاعدہ کمیشن سابق وزیراعظم کے اکاؤنٹ میں منتقل کیا گیا، امین فہیم نے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے معطل سرکاری افسر فرحان جونیجو کو ٹداپ میں تعینات کرنے کے لیے حکومت سندھ کو حکم دیا اور نو ستمبر کو ڈائریکٹر مقرر کردیا، ملزم نے جعلی کمپنیوں کے مہرہارون رشید رئیسانی، میاں محمد طارق، انیس الحسنین و دیگر کے ساتھ ساز باز کرکے سبسڈی کی مد میں کروڑوں روپے حاصل کیے اور 5 کروڑ لاکھ 52 ہزار 848 روپے کمیشن وفاقی وزیر کے منظور نظر افراد کے اکائنٹس میں 87 منتقل کیے، سابق سی ای او ٹڈاپ جاوید اکبر نے 48 کمپنیوں کے لیے سبسڈی کلیم کی، جن میں 22 جعلی کمپنیاں تھیں، جبکہ جو رجسٹرڈ تھیں وہ بھی قواعد و ضوابط کے مطابق نہیں تھیں، اربوں روپے جعلی دستاویزات کے ذریعے خورد برد کیے۔

سابق وزیر اعظم گیلانی نے کہا ہے کہ حکومت اتنا ہی کرے جتنا وہ خود برداشت کر سکتی ہے۔ پاکستان میں کوئی بھی مقدمہ ان کے نام شامل کیے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتا۔ این آر او عملدرآمد کیس میں آٹھ ہزار سے زاید لوگ نامزد تھے، حالانکہ میں اِس (این آر او) سے مستفید ہونے والوں میں سے بھی نہیں تھا، پھر بھی میرا نام اس میں شامل کیا گیا۔ دوسری جانب قومی احتساب بیورو (نیب) راولپنڈی اسلام آباد ہیں ریجنل پاور سمیت 7 میگا کرپشن مقدمات کی تحقیقات آخری مراحل میں داخل ہو گئی ہے۔ اطلاعات کے مطابق گدو ریجنل منصوبے کا ریفرنس بھی تیار ہو چکا ہے اور سابق وزیر اعظم راجا پرویز اشرف چوتھے ریفرنس میں بھی ملزم نامزد ہیں۔ نیب ذرائع کے مطابق نیب راولپنڈی اسلام آباد میں 77 شکایات کی تحقیقات کی جا رہی ہیں، 147 انکوائریاں آخری مراحل میں ہیں اور 49 انویسٹی گیشن کیسوں میں نیب افسران رپورٹ مرتب کر رہے ہیں۔ 125 تفتیشی افسران 267 مختلف شکایات، انکوائریاں اور انویسٹی گیشنز کو نمٹانے میں مصروف ہیں۔ نیب ریفرنس میں کہا گیا ہے کہ کارکے کے ذمہ مارک اپ سمیت 128 ملین ڈالرز کی رقم واجب الادا ہے۔ انفرا سٹرکچر کی مد میں نقصان پہنچانے والے ذمہ داران سے 79.27 ملین کی ریکوری باقی ہے۔

واضح رہے کہ پاکستان میں کرپشن کرنا عام سی بات ہے۔ گزشتہ دنوں دنیا بھر میں حکومتوں کی کارکردگی میں شفافیت اور کرپشن کا جائزہ لینے والی عالمی

تنظیم ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل (ٹی آئی) نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ جنوبی ایشیا کا خطہ سب سے زیادہ بدعنوانی کا شکار ہے، جس میں حکومتوں کی ذمے داری ہے کہ وہ کرپشن اور بدعنوانی کو روکنے والے اپنے اداروں کو مضبوط کریں اور ان اداروں کی کارکردگی میں سیاسی مداخلت کی دخل اندازی کو سختی سے روکنے کی کوشش کریں، رپورٹ میں سرفہرست چھ بدعنوان ملکوں میں پاکستان کو شامل کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ ان ممالک میں انسداد بدعنوانی کی کوششوں کی راہ میں بڑی سنگین رکاوٹیں حائل ہیں۔ یہاں اگرچہ انسداد کرپشن کے لیے باقاعدہ سرکاری ادارے قائم ہیں، مگر ان اداروں کے اندر بھی کرپشن داخل ہو چکی ہے، جس کی بڑی وجہ ان اداروں میں سیاسی مداخلت ہے، بااثر افراد بھی اپنی بدعنوانی کی بنا پر گرفت میں نہیں آتے۔ انسداد بدعنوانی کے افسروں کو بھی اپنی کارکردگی دکھانے کی پوری طرح آزادی حاصل نہیں ہے، ان اداروں میں تقرریاں سیاسی بنیادوں پر ہونے کے باعث بدعنوانی پر پوری طرح گرفت نہیں کی جا سکتی۔ حکومتوں میں اس عزم اور ہمت کا بھی فقدان ہے جو کرپشن پر قابو پانے کے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کرپشن کے انسداد کے لیے جو نیم دلی سے کوششیں کی جاتی ہیں، وہ موثر ثابت نہیں ہوتیں۔ گزشتہ سال بھی ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل نے دعویٰ کیا تھا کہ دیگر ممالک کے مقابلے میں پاکستان کے اداروں میں ساٹھ فیصد زیادہ کرپشن ہے، لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ یہاں بڑے لوگ کرپشن بچ نکلتے ہیں،اینٹی کرپشن ادارے تو قائم ہیں، لیکن کرپشن پر قابو

نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ بانی پاکستان محمد علی جناح نے تو 11 اگست 1947ء کی تقریر میں بڑے واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ "ہمارا سب سے بڑا مسئلہ رشوت اور کرپشن ہے، "اسمبلی کو اس زہر کے خاتمے کے لیے موثر اقدامات کرنے ہیں۔

کرپشن ختم کرنے کے لیے ہمیں ان ملکوں کی پیروی کرنے کی ضرورت ہے، جہاں کرپشن کے خلاف سخت نظام رائج ہے۔ بہت سے ملکوں میں جب کسی طاقتور اور اعلیٰ شخصیت کا بدعنوان ہونا ثابت ہو جاتا ہے تو اسے قانون کے کٹہرے میں لا کھڑا کرنے میں ایک لحظہ کی تاخیر بھی روا نہیں رکھی جاتی۔ دو ہفتے قبل ہی اسرائیلی عدالت نے سابق وزیراعظم ایہود اولمرٹ کو کرپشن کے الزام میں چھ سال قید کی سزا سنائی ہے۔ تل ابیب کی ڈسٹرکٹ عدالت کے جج ڈیوڈ روزن کا کہنا تھا کہ پبلک سرونٹ کا رشوت قبول کرنا غداری کے مترادف ہے۔ اسی طرح گزشتہ ہفتے مصر میں لگ بھگ تیس سال تک مطلق العنان حکمران کے طور پر برسر اقتدار رہنے والے حسنی مبارک کو مصر کی عدالت نے کرپشن کے مقدمے میں تین سال قید کی سزا سنائی ہے۔ اسی مقدمے میں ان کے شریک مجرم بیٹوں جمال مبارک اور علا مبارک کو چار چار سال قید کی سزا سنائی گئی اور صرف ایک ہفتہ قبل ہی ایران میں کرپشن ثابت ہونے پر ایران میں ایک ارب پتی تاجر مہافرید امیر خسروی اور اس کے 3 ساتھیوں کو سزائے موت سنائی گئی ہے، اگرچہ ملزمان نے حکومت سے رحم کی اپیل کی تھی، لیکن ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ علی خامنہ

ای کی جانب سے سزا کی توثیق کے بعد مہافرید کو پھانسی کی سزا دی گئی۔ ایران دنیا کے ان ممالک میں شامل ہے، جہاں کرپشن کی سزا موت ہے۔ دوست ملک چین میں تو کرپشن کی کوئی گنجائش نہیں ہے، چینی قانون کے مطابق ایک لاکھ سے زاید کی کرپشن کرنے والے کو سزائے موت دی جاتی ہے۔ وہاں تو کرپشن کے خاتمے کے لیے باقاعدہ حراستی نظام قائم ہے، 1990ء میں متعارف کرایا جانے والے "شوآنگ گوئی" نامی حراستی نظام کا مقصد ہی بدعنوان سرکاری اہلکاروں کو سزا دینا تھا، تاکہ رشوت ستانی اور کرپشن کے رجحان کو ختم کیا جاسکے، اس نظام کے تحت کسی بھی مشتبہ فرد یا ملزم کی حراست غیر معینہ عرصے تک جاری رہ سکتی ہے۔ چین میں بیجنگ کی عدالت سابق وزیر ریلوے Liu Zhijun کو اختیارات کے ناجائز استعمال اور کرپشن کا جرم ثابت ہونے پر سزائے موت سنا چکی ہے اور کرپشن کے الزام میں دو سابق ڈپٹی میئرز کو بھی سزائے موت سنائی جا چکی ہے۔

کرپشن سے پاک پاکستان

کرپشن (corruption) انگریزی زبان کا لفظ ہے، جو ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اردو میں اس کے معنے بد عملی، بد عنوانی، بداخلاقی، بگاڑ اور بدکاری استعمال ہوتے ہیں، جبکہ عربی میں "کرپشن" کا لفظ الفساد، انحراف اور مفسد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کرپشن کا لفظ ہر زبان، ہر ملک اور ہر معاشرے میں گھناؤنے اور منفی کاموں کے لیے بولا جاتا ہے اور ناپسندیدگی کے ساتھ اس کا اظہار کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ کسی صورت بھی اچھا عمل نہیں ہے۔ کرپشن کو "ام الخبائث" بھی کہا جا سکتا ہے، کیونکہ بے بہا برائیاں اس کی کوکھ سے جنم لیتی ہیں۔ کرپشن اعلیٰ اقدار کی دشمن ہے، جو معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ کر اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح چمکتی دمکتی اور عیاں ہے کہ قوموں کی تباہی میں مرکزی کردار ہمیشہ کرپشن کا ہی ہوتا ہے، چاہے یہ کسی بھی صورت میں ہو، جس قوم میں جتنی زیادہ کرپشن ہو وہ قوم اتنی ہی جلدی بربادی کے گڑھے میں جا گرتی ہے۔ اگر کسی قوم کے رگ و پے میں کرپشن سرایت کر جائے تو وہ اپنی شناخت و ساخت اور مقام و مرتبہ سے یوں ہاتھ دھو بیٹھتی ہے، جیسے کوئی بلند مقام کبھی اس قوم کو ملا ہی نہیں تھا۔ کرپشن کینسر کی مانند خطرناک اور سماج کو سماجی موت سے ہمکنار کرنے والا بھیانک مرض ہے، جس معاشرے کو لگ

جائے تو اس معاشرے کی بربادی یقینی سمجھیں۔ کرپشن معاشرے میں ایک اچھوت مرض کی طرح پھیلتی ہے اور زندگی کے ہر پہلو کو تباہ کرکے رکھ دیتی ہے اور جس طرح آکاس کی زرد بیل درختوں کو جکڑ کر ان کی زندگی چوس لیتی ہے، اسی طرح اگر ایک بار کرپشن کسی صحت مند و توانا معاشرے پر بھی آ گرے تو ایک ادارے سے دوسرے ادارے کو جکڑتی چلی جاتی ہے، حتیٰ کہ زرد ویرانی کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا اور آباد اور کامیاب اداروں میں بھی کچھ ہی عرصے بعد الو بولنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ معاشرے کی اخلاقی صحت کے محافظ ادارے بھی کرپشن کا شکار ہو کر رہزن بن جاتے ہیں۔

گزشتہ دنوں دنیا بھر میں حکومتوں کی کارکردگی میں شفافیت اور کرپشن کا جائزہ لینے والی عالمی تنظیم ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل (ٹی آئی) نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ جنوبی ایشیا کا خطہ سب سے زیادہ بدعنوانی کا شکار ہے، جس میں حکومتوں کی ذمے داری ہے کہ وہ کرپشن اور بدعنوانی کو روکنے والے اپنے اداروں کو مضبوط کریں اور ان اداروں کی کارکردگی میں سیاسی مداخلت کی دخل اندازی کو سختی سے روکنے کی کوشش کریں اور مزید کہا گیا ہے کہ پاکستان سمیت چھ ملکوں (بھارت، بنگلہ دیش، مالدیپ، نیپال اور سری لنکا) میں انسداد بدعنوانی کی کوششوں کی راہ میں بڑی سنگین رکاوٹیں حائل ہیں، ان ممالک میں اگرچہ انسداد کرپشن کے لیے باقاعدہ سرکاری ادارے قائم ہیں، مگر ان اداروں

کے اندر بھی کرپشن داخل ہو چکی ہے، جس کی بڑی وجہ ان اداروں میں سیاسی مداخلت ہے، بااثر افراد بھی اپنی بدعنوانی کی بنا پر گرفت میں نہیں آتے۔ انسداد بدعنوانی کے افسروں کو بھی اپنی کارکردگی دکھانے کی پوری طرح آزادی حاصل نہیں ہے، ان اداروں میں تقرریاں سیاسی بنیادوں پر ہونے کے باعث بدعنوانی پر پوری طرح گرفت نہیں کی جا سکتی۔ متذکرہ ممالک کی حکومتوں میں اس عزم اور ہمت کا بھی فقدان ہے جو کرپشن پر قابو پانے کے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کرپشن کے انسداد کے لیے جو نیم دلی سے کوششیں کی جاتی ہیں، وہ موثر ثابت نہیں ہوتیں۔ واضح رہے کہ ماضی میں بھی ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل سمیت عالمی اداروں کی رپورٹوں میں کرپشن میں مسلسل اضافے کی نشاندہی کی جاتی رہی ہے، لیکن پاکستان میں جن حلقوں پر حالات سدھارنے کی ذمہ داری عاید ہوتی ہے، ان کے رویے سے ایسا معلوم نہیں ہوتا کہ انہیں کرپشن سے ملک کو پہنچنے والے نقصان یا عوام کے مسائل میں روز افزوں اضافے کی کوئی پروا ہے، اگر انہیں کسی قسم کی کوئی فکر دامن گیر ہوتی تو کرپشن اور بدعنوانی کو روکنے والے اداروں سے سیاسی مداخلت کا قلع قمع کرکے کرپشن کے خلاف موثر و منظم اقدامات کیے جاتے اور افسران کو بلا خوف و خطر بڑے بڑے کرپٹ مگرمچھوں پر ہاتھ ڈالنے کی مکمل آزادی دی جاتی اور حکومت کرپشن کو ختم کرکے دم لیتی، لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہے، کیونکہ ان کی مصلحتیں آڑے آجاتی ہیں اور معاشرے کے ناسور یونہی رستے رہتے ہیں۔

پاکستان کے لیے نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب وطن عزیز ان گنت مشکلات سے دوچار ہے۔ مصائب کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ملک کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ ملک کو درپیش اندرونی و بیرونی مسائل کی کتھا اس قدر طویل ہے، جن کا شمار ناممکن کے قریب ہے۔ ان حالات میں اسی سرزمین کے بعض کرپٹ باسی اپنے سیاہ کرتوتوں سے ملک کے پاکیزہ نام کو دنیا میں بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہیں، جو بے حسی کی اس گہری گھاٹی میں جا گرے ہیں کہ صرف اپنے اللے تللوں اور اپنی تجوریوں کا پیٹ بھرنے کی خاطر اس خطہ پاک کی ناموس کو داؤ پر لگانے سے بھی نہیں چوکتے۔ حالانکہ ہمارے بزرگوں نے اس ملک کے حصول کی لیے لاکھوں جانوں کے نذرانے اس لیے نہیں دیے تھے، ان کی قربانیوں کا مقصد تو کرپشن سے پاک معاشرے کا حصول تھا، بلکہ شاید بانیان پاکستان کے تخیل میں کبھی اس بات کے تصور کا گزر بھی نہ ہوا ہو کہ بعد میں آنے والے کچھ نااہل لوگ ہماری قربانیوں اور ملک کے حصول کے مقصد کو طاق نسیان میں ڈالتے ہوئے مملکت خداداد کو یوں رسوائی کے ہار پہنائیں گے اور کوئی ان کا احتساب کرنے والا بھی نہ ہوگا۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے تو 11 اگست 1947ء کی تقریر میں بڑے واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ:

ہمارا سب سے بڑا مسئلہ رشوت اور کرپشن ہے، اسمبلی کو اس زہر کے خاتمے کے لیے" موثر اقدامات کرنے ہیں۔" لیکن اب کرپٹ لوگ تمام قوانین کو پس پشت ڈال کر آزادی

سے کرپشن کر رہے ہیں اور ملک کی بدنامی و تباہی کا سبب بن رہے ہیں۔ نہایت ہی شرمندگی کا مقام تو یہ ہے کہ اب کرپشن ہمارے معاشرے کا ایک ایسا ناسور بن گیا ہے، جس کی شاخوں نے ہر سو کرپشن کی مختلف النوع اقسام کی منڈیاں کھول دی ہیں، جس کی جڑیں ہر شعبہ زندگی میں پھیل چکی ہیں۔

اگرچہ ہر جگہ ایسے افراد کی ایک بڑی تعداد موجود ہے، جو کرپشن پر کڑھتے ہیں، اس کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں اور کرپشن کو اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ سمجھتے ہیں، لیکن نقارخانے میں طوطی کی آواز کی طرح ان کی صدا بھی کوئی نہیں سنتا، کیونکہ اس معاشرے میں کرپشن کرنے والوں کی جڑیں بہت مضبوط اور گہری ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ ہی قوم و ملک کی بدنامی کا سبب بنتے ہیں۔ ملک کے کروڑوں لوگ کرپشن نہیں کرتے، لیکن کرپشن کے جبر کا شکار ضرور رہتے ہیں، سب سے بڑا ظلم تو یہ ہے کہ ان کرپٹ لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچانے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ حالانکہ ترقی یافتہ ممالک میں جب کسی طاقتور اور اعلیٰ شخصیت کا بدعنوان ہونا ثابت ہو جاتا ہے تو اسے قانون کے کٹہرے میں لا کھڑا کرنے، قرار واقعی سزا دے کر نشانِ عبرت بنانے میں ایک لحظہ کی تاخیر بھی روا نہیں رکھی جاتی، مگر ہمارے ہاں گنگا الٹی بہہ رہی ہے۔ اینٹی کرپشن ادارے تو قائم ہیں، لیکن کرپشن پر قابو نہیں پایا جاتا۔ کرپشن پر قابو پانے کے لیے ضروری ہے کہ "کرپشن سے پاک" ممالک کی پیروی کرتے ہوئے، تمام مصلحتوں کو پاؤں تلے

روند کر ہر کرپٹ شخص پر ہاتھ ڈالنا ہوگا، بصورت دیگر ملک کی بدنامی یونہی ہوتی رہے گی۔

حکومت کے خلاف "معرکے" کی تیاری

مسلم لیگ ق اور عوامی تحریک حکومت کے خلاف میدان میں اتر چکی ہیں۔ ہفتے کے روز لندن میں بیٹھ کر دونوں جماعتوں کے سربراہان چودھری برادران اور ڈاکٹر طاہر القادری نے دس نکاتی ایجنڈے کی کاپی پر دستخط کیے ہیں اور پاکستان میں نئی عوام حکومت کے قیام کو ناگزیر قرار دیا ہے۔ لندن میں ہونے والی میٹنگ کے دوران ڈاکٹر طاہر القادری نے رواں ماہ پاکستان واپسی کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ٹیک اوور آرمی نہیں عوام کریں گے، یہ ٹیک اوور عوامی و جمہوری ہوگا اور سب کچھ آئین کے مطابق ہوگا۔ میری پاکستان آمد کے بعد دھن، دھونس، دھاندلی کی حکومت کے خاتمے اور عوام کی شراکتی جمہوریت کی جدوجہد کا آغاز ہو جائے گا۔ جبکہ اس موقع پر مسلم لیگ (ق) کے مرکزی رہنما پرویز الٰہی نے کہا کہ یہ انقلاب ظلم کے خلاف ہے، اقتدار میں آ کر نچلی سطح تک انصاف فراہم کریں گے اور (ق) لیگ کے سربراہ چودھری شجاعت حسین کا کہنا تھا کہ طاہر القادری کے خیالات سے ق لیگ مکمل اتفاق کرتی ہے، مذہبی و سیاسی جماعتوں اور تمام شخصیات سے رابطے شروع کر دیں گے اور صرف زبانی جمع خرچ نہیں، بلکہ تبدیلی کے لیے عملی اقدامات کریں گے۔ ذرائع کے مطابق لندن میں ہونے والی اہم ملاقات میں گرینڈ الائنس کے لیے ایم کیو ایم، مجلس وحدت المسلمین اور سنی اتحاد کونسل سے بھی

رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے اور تحریک انصاف کو بھی گرینڈ الائنس میں شمولیت کی باقاعدہ دعوت دی جائے گی، تاہم اس کے شامل نہ ہونے پر بھی الائنس بنایا جائے گا، مزید یہ کہ نظام بدلنے کی خواہش مند جماعتوں کا الائنس بنایا جائے گا اور اس سلسلے میں ڈاکٹر طاہر القادری حکومت کے خلاف حتمی معرکے کے لیے کسی پر انحصار کرنے کو تیار نہیں ہیں اور آئندہ چند روز میں ڈاکٹر طاہر القادری ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین سے بھی ملاقات کریں گے۔ جبکہ حکومت کے خلاف بننے والے الائنس میں شمولیت کی دعوت ملنے سے پہلے ہی تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ ہماری پارٹی اپوزیشن کے کسی گرینڈ الائنس کا حصہ نہیں بنے گی۔ جبکہ تحریک انصاف کے صدر جاوید ہاشمی نے کہا ہے کہ کچھ دوست بہت جلدی میں ہیں، ابھی اس کا وقت نہیں۔ نواز شریف جمہوریت کی طرف بڑھیں، جمہوریت کے ساتھ کھڑے ہوں گے، حکومت گرانا نہیں چاہتے، سیاسی فیصلے پاکستان کی سرزمین پر ہوں گے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ عمران خان کے انکار سے لندن میں بیٹھ کر پاکستانی حکومت گرانے کی کوشش کرنے والوں کو دھچکا لگا ہے، کیونکہ طاہر القادری اور چودھری برادران اس حوالے سے کافی پرامید تھے کہ عمران خان حکومت کے خلاف بننے والے الائنس میں شمولیت اختیار کرکے ان کا ساتھ دیں گے، لیکن انہوں نے سیاسی بلوغت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس الائنس میں شمولیت سے انکار کردیا ہے۔

دوسری جانب پاکستانی حکومت کے خلاف لندن میں ہونے والی میٹنگ کو ملک کی

سیاسی جماعتیں جمہوریت کے خلاف خطرہ گردان رہی ہیں۔ اسی لیے عمران خان نے اس اتحاد میں شامل ہونے سے انکار کیا ہے اور اپوزیشن پارٹی جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق نے بھی کہا ہے کہ کچھ لوگ جمہوریت ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لندن میں بیٹھ کر لندن کی بات ہوگی، پاکستان کی نہیں۔ تمام سیاسی جماعتوں نے حکومت کو قیام امن کے لیے مینڈیٹ دیا ہے۔ ایسے لوگ مارشل لاء کے دور میں جمہوریت اور جمہوریت کے دور میں مارشل لاء کی باتیں کرتے ہیں۔ اس وقت سیاست کی بجائے قوم کی خدمت کرنی چاہیے۔ جبکہ پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین اور سابق صدر آصف علی زرداری نے کہا ہے کہ جو کھیل کھیلا جا رہا ہے اس سے واقف ہیں، لیکن کسی کو جمہوریت پر شب خون نہیں مارنے دیں گے۔ ہم جمہوریت کا تسلسل اور استحکام چاہتے ہیں۔ جمہوریت کو کمزور نہیں ہونے دیں گے۔ ہم ڈرائنگ روم کی سیاست نہیں کرتے۔ وزیراعظم محمد نواز شریف نے کہا ہے کہ کوئی کینیڈا سے اعلان کر رہا ہے اور کوئی لندن میں اجلاس بلا رہا ہے، احتجاج کرنے والوں کا مقصد اور ایجنڈا سمجھ میں نہیں آ رہا۔ خدا کے واسطے ترقی کے خلاف یہ احتجاج کرنے والے ملک کو چلنے دیں۔ یہ پاکستان کی ترقی کا ایجنڈا ہے یا تباہی کا۔ انہوں نے کہا کینیڈا اور لندن میں بیٹھ کر ہمارے خلاف منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔ احتجاج کرنیوالے لوگ پاکستان کی تباہی کے ایجنڈے پر عمل پیرا ہیں۔ وزیر اطلاعات پرویز رشید نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ طاہر القادری اور چودھری برادران سیاسی بے روزگار ہیں، ان میں سے ایک

اپوزیشن اور دوسرا پارلیمنٹ میں نہیں آسکے گا۔ مشرف کی باقیات ان کے پیاروں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ جبکہ وزیر مملکت برائے پانی و بجلی عابد شیر علی کا کہنا تھا کہ کینیڈین شہریت کا حامل ایک شخص پاکستانی عوام کو انقلاب کے سبق دیتا ہے، طاہر القادری نے لندن میں ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر چارٹر آف ڈیمانڈ پیش کیا جو بلدیاتی انتخابات بھی نہیں جیت سکتے، جن کے خلاف اربوں روپے کے مالیاتی اسکینڈلز ہیں اور عمران خان بھی ماضی میں انہیں پاکستان کے سب سے بڑے ڈاکو قرار دے چکے ہیں۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ اختلاف رائے، احتجاج اور جلسے جلوس جمہوریت کا حسن کہلاتے ہیں، ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ اپنا حق حاصل کرنے کے لیے احتجاج کر سکتا ہے، لیکن اگر کوئی تحریک جمہوریت کی ہی بساط لپیٹتی نظر آئے، تو اس کو کسی طور بھی جمہوریت کا حسن نہیں کہا جاسکتا۔ لندن میں ہونے والی چودھری برادران اور طاہر القادری کی میٹنگ سے بھی جمہوریت کے حوالے سے کوئی خیر برآمد ہوتی نظر نہیں آرہی، بلکہ اس سے جمہوریت کو نقصان ہوسکتا ہے۔ کیونکہ بے شمار مسائل میں گھرا ملک جمہوری حکومت کے خلاف چلنے والی کسی تحریک کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ملک خداداد کی تاریخ جمہوریت اور آمریت کی کشمکش اور ٹکراؤ سے عبارت ہے۔ ہماری قومی زندگی کا بڑا حصہ طالع آزماؤں اور آمران وقت کی تگ وتاز کی نذر ہوچکا

ہے۔ حصول آزادی کے بعد ریاست میں جمہوری روایات اور سیاسی اقدار کو استحکام، ثبات اور مضبوطی حاصل نہ ہو سکی، کیونکہ ہمارے ہاں تاحال عمومی طور پر سیاسی جماعتوں اور ان سے وابستہ قائدین اور عام کارکنان میں وہ سیاسی شعور، پختہ فکری اور بالغ نظری پیدا نہیں ہو سکی، جو ملک و قوم کے حقیقی مفادات کا تحفظ کرنے اور موجودہ مسائل و مصائب کی دلدل سے نکلنے میں مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہے، لیکن بعض سیاست دان عوامی جذبات واحساسات کو اپنے سیاسی مفادات و اغراض کی بھینٹ چڑھانے سے نہیں چوکتے۔ جب تک ہمارے سیاسی قائدین اور رہنما اس منفی طرز عمل کی اصلاح کے لیے قرار واقعی سنجیدگی اور خلوص کا اظہار نہیں کریں گے، صورت حال میں کسی مثبت اور خوش کن تبدیلی کی امید رکھنا بے جا امر ہوگا۔ وطن عزیز کو درپیش مختلف النوع بحرانوں اور مسائل کا سامنا تمام سیاسی جماعتیں ملک وملت کے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے بیدار مغزی اور باہم اتحاد کا مظاہرے سے کر سکتی ہیں، لیکن اگر جمہوری پارٹیاں ہی جمہوریت کے خلاف موچہ زن ہو جائیں تو جمہوریت کسی طور بھی محفوظ نہیں رہ سکتی، جو سراسر مسائل کی چکی میں پسے ملک کے لیے نقصان دہ ہے۔

اہم رہنماؤں کی رہائی طالبان کی عظیم فتح قرار

طالبان کے ہاتھوں امریکیوں کی ہزیمت کا سلسلہ طویل سے طویل تر ہوتا جارہا ہے۔ امریکا کو ابھی پرانے زخموں پر مرحم لگانے سے فرصت نہیں مل پاتی کہ نئے زخم درد کی ٹیسوں میں مزید اضافہ کردیتے ہیں۔ افغانستان سے فرار کی راہ لیتے ہوئے امریکا کو کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا۔ ابھی افغانستان سے نکلنے کے منصوبوں کی تکمیل بھی نہ ہوئی تھی کہ افغان طالبان نے ایک بار پھر امریکا کو چت کردیا۔ ایک امریکی فوجی کے بدلے پانچ انتہائی اہم طالبان رہنماؤں کی رہائی امریکا پر طالبان کی برتری کا صاف پتا دے رہی ہے۔ طالبان نے اپنی قید میں ایک امریکی فوجی کے بدلے گوانتاناموبے میں قید ملا محمد فاضل اخند، ملا نوراللہ نوری، مولوی محمد نبی عمری، ملا خیراللہ خیرخوا اور ملا عبدالحق وثیق کو رہا کروا کر بڑی فتح حاصل کی ہے، رہا ہونے والے پانچوں افراد طالبان کے اہم رہنما ہیں، جو گزشتہ 13 برس سے امریکا کی قید میں تھے اور طالبان دور حکومت میں اہم عہدوں پر فائز بھی رہ چکے ہیں۔ امریکا کی قید سے رہا ہونے والوں میں ملا خیراللہ خیرخوا طالبان حکومت کے سابق وزیر داخلہ اور گورنر ہرات کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ ملا محمد فاضل اخند طالبان حکومت کے نائب وزیر دفاع تھے۔ ملا نوراللہ

نوری صوبہ بلخ کے گورنر رہ چکے ہیں۔ چوتھے رہنما ملا عبدالحق وثیق طالبان کی حکومت میں انٹیلی جنس سروس کے نائب سربراہ تھے۔ رہائی پانے والے پانچویں قیدی مولوی محمد نبی عمری کا تعلق حقانی نیٹ ورک سے بتایا جاتا ہے، وہ بھی طالبان کے اہم رہنما ہیں۔ طالبان نے ایک امریکی سارجنٹ کے بدلے اپنے پانچ اہم رہنماؤں کی رہائی کو بڑی کامیابی قرار دیتے ہوئے تمام مسلمانوں کو مبارکباد دی ہے۔ تحریک طالبان کے سربراہ ملا محمد عمر مجاہد نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ: "گوانتانا موبے جیل سے امارت اسلامیہ کے پانچ اہم مجاہد رہنماوں کی رہائی کے متعلق، افغان مسلم عوام، سرفروش مجاہدین، قیدیوں کے اقرباء اور خاندانوں کو اس عظیم فتح کی مناسبت سے دل کی گہرائیوں سے مبارک باد کہتا ہوں۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ مجاہدین کی بے دریغ قربانیوں کی برکت اور امارت اسلامیہ کے سیاسی دفتر کی مدبرانہ جدوجہد کے نتیجے میں امارت اسلامیہ کے پانچ رہنما گوانتانا موبے جیل سے اللہ تعالی کی نصرت سے سالم حالت میں رہا ہوئے۔ اس عظیم کامیابی اور واضح فتح سے تمام مجاہدین رب منان کی بارگاہ میں سربسجود ہوں، جس نے اپنا اثر ہمارے مجاہد عوام کی قربانیوں پر مرتب کیا اور دشمن کی چنگل سے ہمارے مجاہدین کو نجات دلائی۔ یہ عظیم کامیابی ہمیں تمام ملک کی آزادی کی نوید سناتی ہے اور ہمیں مزید تسلی دیتی ہے کہ ان شاءاللہ افغان مجاہد عوام کی آرزوں سے بھری کشتی ساحل کی جانب قریب پہنچ چکی ہے۔" ملا محمد عمر مجاہد نے اپنے اہم رہنماؤں کی رہائی پر

مملکت قطر اور اس کے امیر جناب شیخ تمیم بن حمد بن خلیفہ آل ثانی کا بھی شکریہ ادا کیا، جنہوں نے مذکورہ رہنماوں کی رہائی میں مخلصانہ جدوجہد، ثالثی اور میزبان کا کردار ادا کیا۔

واضح رہے کہ طالبان نے اپنے پانچ اہم رہنما صرف ایک امریکی فوجی بووی برگڈل کے بدلے میں رہا کروائے ہیں، بووی برگڈل کو 30 جون 2009ء کو مشرقی افغانستان میں طالبان نے اغوا کرلیا تھا۔ امریکی سارجنٹ برگڈل امریکی فوجی افغان طالبان کے زیر حراست تھا۔پینٹا گون کے مطابق بووی برگڈل مشرقی افغانستان کے صوبہ پکتیا میں متعین الاسکا سے تعلق رکھنے والی انفنٹری رجمنٹ سے متعلق تھا۔ وہ افغانستان پہنچنے کے پانچ ماہ بعد ہی اپنے اڈے سے لاپتا ہوگیا تھا۔ امریکا کی جانب سے بووی برگڈل کی محفوظ بازیابی پر انعام بھی مقرر کیا گیا تھا۔ رواں سال جنوری سے امریکی کانگرس میں اس امریکی سارجنٹ کی رہائی کا معاملہ زیرِ بحث تھا، جس کے بعد امریکا نے طالبان کے سامنے یہ شرط رکھی تھی کہ سارجنٹ بووی برگڈل کے زندہ ہونے کا ثبوت پیش کیا جائے۔ طالبان نے اسی ماہ امریکی فوجی کی ویڈیو جاری کی تھی۔ رواں سال فروری میں افغان طالبان نے اعلان کیا تھا کہ امریکا کے ساتھ قیدیوں کے تبادلے پر ہونے والے مذاکرات معطل کر دیے گئے ہیں۔ ان مذاکرات میں 2009 سے طالبان کی قید میں موجود امریکی فوجی سارجنٹ بووی برگڈل کے بدلے امریکا کے بدنام زمانہ حراستی مرکز گوانتانا موبے میں قید پانچ طالبان قیدیوں کی رہائی کے معاملے پر بات چیت

ہو رہی تھی۔ ذرائع کے مطابق امریکا نے طالبان سے اپنے ایک فوجی کو چھڑانے اور طالبان کے پانچ اہم رہنماؤں کو چھوڑنے کے بارے میں معاہدہ انتہائی خفیہ رکھا اور افغان حکومت کو بھی اعتماد میں نہیں لیا گیا، جبکہ معاہدے کے تحت یہ طے پایا ہے کہ رہا کیے گئے طالبان رہنما ایک سال تک سفر نہیں کر سکیں گے اور ان کی سیاسی سرگرمیوں پر بھی پابندی ہو گی۔

دوسری جانب ایک امریکی سارجنٹ کے بدلے اپنے پانچ اہم رہنماؤں کی رہائی کے معاملے پر طالبان کو بڑی فتح ملنے سے امریکا کی بڑی سیاسی جماعتوں کے درمیان نئی بحث جاری ہے اور امریکی صدر اوباما شدید تنقید کی زد میں ہیں۔ بہت سے ریپبلکن رہنماؤں نے طالبان کے اہم رہنماؤں کی رہائی کے معاہدے پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے ایک خراب روش قائم ہوئی ہے۔ امریکا کی اہم جماعت ریپبلکن پارٹی نے کہا ہے کہ طالبان کے اہم رہنماؤں کی رہائی سے امریکیوں کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں گی، جبکہ سابق صدارتی امیدوار سینیٹر جان میک کین کا کہنا تھا کہ جن قیدیوں کو قطر کے حوالے کیا گیا ہے، وہ انتہائی خطرناک قسم کے لوگوں میں شامل ہوتے ہیں۔ جو طالبان رہا کیے گئے ہیں، وہ ممکنہ طور پر دوبارہ جنگ میں شامل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہاؤس انٹیلی جنس کمیٹی کے سربراہ ریپبلکن مائک روجرس نے کہا کہ واشنگٹن نے القاعدہ کے تاوان کے لیے اب ایک قیمت طے کر دی ہے۔ ریپبلکن پارٹی کے نمائندے ایڈم کنزنجر کا کہنا تھا کہ وہ اپنے سارجنٹ برگڈل کی واپسی کا جشن منائیں

گے، لیکن افغان قیدیوں کی رہائی "افسوسناک" ہے۔ ریپبلیکنز کے کانگریس کے رکن مائیک روگرز نے اہم طالبان رہنماؤں کی رہائی کے فیصلے کو امریکی پالیسی میں بنیادی تبدیلی قرار دیا اور کہا کہ اس سے دنیا بھر میں "شدت پسندوں" کی حوصلہ افزائی ہوگی اور انہیں اشارہ ملے گا کہ وہ امریکا کو یرغمال بنا سکتے ہیں۔ جبکہ امریکا کے وزیر دفاع چیک ہیگل نے اپنے ایک فوجی کی رہائی کے بدلے میں پانچ افغان طالبان رہنماؤں کو چھوڑنے کے فیصلے کا دفاع کرتے ہوئے کہا ہے کہ توقع ہے قیدیوں کے تبادلے سے طالبان سے تعلقات میں مدد ملے گی۔ تاہم طالبان کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے کہا کہ یہ صرف جنگی قیدیوں کا تبادلہ ہے، جس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس کا امن کے عمل سے کوئی تعلق ہے۔ ہم اپنے لوگوں کو بے گناہ سمجھتے ہیں اور ہمیشہ ہم نے ان کی رہائی کا مطالبہ کیا ہے، امریکا نے انہیں رہا کرکے ایک دانشمندانہ فیصلہ کیا ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ ایک امریکی قیدی کے بدلے طالبان کا اپنے پانچ اہم رہنماؤں کو رہا کروانا واقعی ایک بڑی کامیابی ہے، ان رہنماؤں کی رہائی سے افغانستان میں غیر ملکی افواج سے برسرپیکار طالبان کی قوت کو مزید تقویت ملے گی۔ ویسے بھی امریکا افغانستان سے نکل رہا ہے اور طالبان بھی تابڑ توڑ حملوں کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں، جس سے مستقبل میں طالبان کی فتح کے آثار نمایاں دکھائی دے رہے ہیں۔ امریکا کی قید سے آزاد ہونے والے طالبان کے کمانڈروں سے تمام طالبان اور مجاہدین کو حوصلہ ملے گا اور وہ

اپنے مقصد کے لیے جم کر لڑ سکیں گے۔

خوشحال پاکستان . . . . ہنوز دلی دور است

مالی سال 2014 کے اقتصادی سروے کے مطابق پاکستان میں اقتصادی شرح نمو 6 سال بعد پہلی مرتبہ چار کے ہندسے کو عبور کر گئی ہے۔ رواں مالی سال کے دوران مجموعی صنعتی ترقی، ملکی برآمدات، زرمبادلہ کے ذخائر، ترسیلات زر، سرمایہ کاری، قومی محصولات اور روپے کی قدر میں اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔ وفاقی وزیر خزانہ سینیٹر اسحاق ڈار کے مطابق حکومت کی اقتصادی پالیسیوں کے نتیجے میں ملکی معیشت میں بہتری آئی ہے۔ گزشتہ 6 سال کے دوران پہلی دفعہ اقتصادی شرح نمو 4 فیصد سے بڑھی ہے اور جون 2017ء تک اس کو 7 فیصد سے بڑھایا جائے گا۔ گزشتہ مالی سال میں صنعتوں کی شرح ترقی 1.37 فیصد تھی، جو رواں سال بڑھ کر 5.84 فیصد تک پہنچ گئی ہے۔ وزیر خزانہ کے مطابق دنیا بھر کے اور ملکی معاشی پنڈت ڈالر کی قیمت کو 120 تا 130 روپے تک بڑھا چکے تھے، جبکہ گزشتہ سال کے مقابلے میں رواں سال کے دوران ڈالر کے مقابلے میں روپے کی قدر میں 89 پیسے کی بہتری ہوئی ہے۔ رواں مالی سال کے دوران حکومت کی معاشی کارکردگی پچھلے سال کی نسبت تو بہتر رہی ہے، لیکن خود حکومت نے اپنے لیے جو اہداف مقرر کیے تھے ان میں سے بیشتر حاصل نہیں کیے جاسکے۔ پچھلے سال بجٹ تقریر کے دوران اقتصادی ترقی کی شرح کا ہدف 4.4 مقرر کیا گیا تھا، جبکہ ترقی کی ریکارڈ شدہ رفتار 4.1 رہی ہے۔ ٹیکس

وصولی کی مد میں بھی حکومت اپنے مقرر کردہ ہدف تک نہیں پہنچ سکی اور مئی کے مہینے تک 1955 ارب روپے کے ٹیکس جمع کیے، جبکہ پورے سال کے لیے 2475 ارب روپے کا ہدف مقرر کیا گیا تھا۔ زرعی شعبے کے لیے ترقی کا ہدف 3.8 فیصد مقرر کیا گیا تھا، جبکہ اس شعبے نے 2.12 فیصد کی رفتار سے ترقی کی۔ حکومت سرمایہ کاری کا ہدف فیصد بھی پورا نہیں کر پائی اور اس ملک میں سرمایہ کاری کی شرح کل مقامی 15.1 پیداوار کا 14 فیصد رہی۔ مہنگائی یا افراط زر کی شرح حکومت کے مقرر کردہ ہدف 8 فیصد سے زیادہ یعنی 8.6 فیصد تک رہی۔ پچھلے سال ملک میں مہنگائی کی شرح 9.6 فیصد ریکارڈ کی گئی تھی۔

وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے اقتصادی سروے رپورٹ میں خود اعتراف کیا کہ ملک میں غربت کی شرح پچاس فیصد سے زاید ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ملک کی نصف آبادی غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہی ہے۔ انہوں نے غربت کی اصطلاح کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ہر وہ پاکستانی جس کی روزانہ آمدن دو ڈالر سے کم ہے، وہ خط غربت سے نیچے تصور کیا جاتا ہے۔ جائزہ رپورٹ میں دیے گئے عالمی بینک کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان کی 60 فیصد آبادی کی یومیہ آمدن دو ڈالر سے کم ہے۔ وزیر خزانہ کا کہنا تھا کہ غربت سے ملک کو نجات دلانے کے لیے روزگار کے زیادہ مواقع پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے والوں پر توجہ دیں گے اور انہیں رعایتی نرخ (سبسڈیز) دی جائیں گی۔

حکومت غربت کے خاتمے کے منصوبوں پر خام ملکی پیداوار کا 4.5 فیصد مختص کرنے میں ll سنجیدہ ہے، درمیانے درجے کے اخراجات کے منصوبہ کے لیے تخفیف غربت پروگرام میں غریبوں کی بھلائی کے 17 شعبوں کو ترجیحی حیثیت دی ہے۔ غریبوں کی بھلائی کے منصوبوں پر سال 2013-14ء میں 588.105 ارب روپے خرچ کیے گئے ہیں، اس عرصے میں بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کے لیے 75 ارب روپے مختص کیے گئے اور ملین خاندانوں میں 48.18 ارب روپے تقسیم کیے جا چکے ہیں، جبکہ پچھلے 5.25 سال 4.8 ملین افراد میں 42.8 ارب روپے تقسیم کیے گئے تھے۔ پاکستان تخفیف غربت فنڈ کے تحت جولائی سے دسمبر 2013-14ء میں 8.42 ارب روپے خرچ کیے گئے۔

دوسری جانب اقتصادی جائزے کے مطابق ملک میں خواندگی کی شرح تو 60 فیصد ہے، لیکن پانچ سے نو سال کی عمر کے 67 لاکھ بچے اسکول ہی نہیں جا پاتے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسکول نہ جانے والوں میں 39 فیصد لڑکے اور 46 فیصد لڑکیاں ہیں۔ سروے کے مطابق بچوں کو پرائمری کی سطح پر تعلیم دلوانے کا سب سے زیادہ رجحان پنجاب میں ہے، جہاں 93 فیصد بچے اسکول جاتے ہیں، جبکہ بلوچستان میں پانچ سے نو سال کے عمر کے اسکول جانے والے بچوں کا تناسب 65 فیصد ہے۔ بچوں کے اسکولوں میں اندارج کے حکومتی منصوبے کے تحت 2013 سے 2016 تک پچاس لاکھ بچوں کو اسکولوں میں داخل کروایا جائے گا۔ پاکستان اپنی خام

ملکی پیداوار کا دو فیصد تعلیم پر خرچ کرتا ہے اور حکومت کا کہنا ہے کہ 2018 تک تعلیم کے لیے مختص فنڈ دوگنا کر دیا جائے گا۔ سروے میں فراہم کیے جانے والے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں آٹھویں جماعت تک 1000 طلبہ کے لیے 42 اسکول ہیں، جبکہ طلبہ کے لیے صرف ایک ڈگری کالج ہی موجود ہے۔ پاکستان میں ڈگری جاری 1000 کرنے کا اختیار رکھنے والے اداروں اور جامعات کی تعداد صرف 156 ہے۔ ان میں سرکاری اداروں کی تعداد 88 اور نجی کی 69 ہے۔ ڈگری جاری کرنے والے اداروں میں 12 لاکھ 30 ہزار طلبا و طالبات زیر تعلیم زیر تعلیم ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ پاکستان میں صحت کے شعبے میں بھی سہولتوں کا فقدان ہے۔ پاکستان میں صحت عامہ پر خام ملکی پیداوار کا محض چار فیصد ہی خرچ کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں رجسٹرڈ ڈاکٹروں کی تعداد ایک لاکھ 67 ہزار سات سو 69 ہے۔ یعنی ایک ہزار 99 افراد کے علاج معالجے کے لیے صرف ایک ڈاکٹر ہے، جبکہ صرف سرکاری ہسپتالوں میں موجود وسائل اس قدر محدود ہیں کہ 1647 افراد کے علاج کے لیے ایک بستر ہے۔ اکنامک سروے کے مطابق پاکستان میں ایک لاکھ لیڈی ہیلتھ ورکرز ہیں، جو گھر گھر جا کر خواتین اور بچوں کو طبّی سہولتیں فراہم کر رہی ہیں، لیکن ملک میں 1000 نوزائیدہ بچوں میں 66 بچے اپنی پیدائش کے فوراً بعد مر جاتے ہیں اور صرف 52 فیصد بچے تربیت یافتہ طبّی عملے کی نگرانی میں پیدا ہوتے ہیں، جبکہ ملینیم ڈویلپمنٹ کے اہداف کے مطابق یہ شرح 90 فیصد سے زیادہ ہونی چاہیے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ مسلم لیگ ن کی ایک سالہ کارکردگی رپورٹ بہتر ہے، لیکن اس میں سب کچھ حقائق کے مطابق نہیں۔ اقتصادی سروے میں جو ترقی دکھائی گئی ہے، وہ خوردبین سے ہی دیکھی جا سکتی ہے۔ ترسیلات زر میں اگر 11.5 فیصد اضافہ ہوا ہے تو وہ نظر بھی آنا چاہیے، اگر بازاروں میں دیکھا جائے تو ضروریات زندگی کی اشیا میں کمی کی بجائے اضافہ ہو رہا ہے۔ حکومت کو آئے کو ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے لیکن حکومت ابھی تک اپنے نعرے خوشحال پاکستان کو عملی جامہ نہیں پہنا سکی،

ضروریات زندگی کی اشیاتک عوام کی پہنچ سے دور ہیں، یوں معلوم ہوتا ہے کہ خوشحال پاکستان کا نعرہ صرف عوام کے دل لبھانے کے لیے ہے۔ گزشتہ حکومت نے عوام کے لیے کچھ نہیں کیا، عوام کو مسلم لیگ (ن) سے توقعات تھیں کہ وہ کچھ کرے گی لیکن وہ بھی عوام کی توقعات پر پوری نہ اتر سکی۔ جبکہ اقتصادی ماہرین نے وفاقی حکومت کے اقتصادی سروے برائے 2013-14ء کے بارے میں کہا ہے کہ فنانشل بیلنس شیٹ میں بہتری آئی ہے، مگر معیشت کی بیلنس شیٹ کافی مایوس کن ہے۔ ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی کے مطابق اقتصادی سروے میں حکومت نے خود اعتراف کیا ہے کہ بیشتر اقتصادی اہداف حاصل نہیں ہوسکے۔ سابق چیف اکانومسٹ ڈاکٹر راشد امجد نے کہا کہ فنانشل بیلنس شیٹ میں بہتری آئی، لیکن پاکستان کی معیشت کی بیلنس شیٹ کافی مایوس کن ہے۔ تاہم کسی بھی حکومت کا پہلا سال شکوک و شبہات کا ہوتا ہے، اس لیے زیادہ

تنقید نہیں کرنی چاہیے، حکومت کو ایک اور موقع دینا چاہیے۔

ملکی تاریخ کا سب سے بڑا بجٹ .... عوام دوست یا عوام دشمن؟

موجودہ حکومت نے ملکی تاریخ کے سب سے بڑے سالانہ قومی بجٹ کا اعلان کر دیا ہے۔ مالی سال 15-2014ء کے میزانیے کا کل حجم 39 کھرب 60 ارب روپے ہے، جو گزشتہ برس کے 3597 ارب روپے سے 10 فیصد زیادہ ہے۔ قومی محاصل میں صوبوں کا حصہ پچھلے سال کے 1413 ارب روپے سے بڑھ کر 1720 ارب روپے ہو جائے گا، جو کہ 22 فیصد اضافہ ہے۔ صوبوں کو ان کے وسائل دینے کے بعد وفاقی حکومت کے پاس 2225 ارب روپے بچیں گے۔ مالی سال 2014-15ء کے دوران وفاقی مالیاتی خسارے کا تخمینہ 1711 ارب روپے ہے، جبکہ 14-2013 کے دوران یہ 1660 ارب روپے رہا ہے۔ بجٹ میں ریٹائرڈ سرکاری ملازمین کی پنشن میں ایک ہزار روپے کا اضافہ کرکے کم سے کم پنشن چھ ہزار مقرر کی گئی ہے اور مزدوروں کی اجرت کو کم از کم بارہ ہزار روپے کیا گیا ہے۔ آئندہ مالی سال کے دوران قومی ترقیاتی پروگرام کا حجم 1175 ارب روپے ہوگا، جس میں وفاق کا حصہ 525 ارب روپے اور صوبوں کا حصہ 650 ارب روپے ہوگا۔ قومی ترقیاتی پروگرام کا حجم رواں مالی سال سے 13 فی صد زیادہ ہے اور اس میں 192 ارب روپے کی غیر ملکی امداد بھی شامل ہے۔ 231 ارب روپے کے نئے ٹیکس عاید کیے گئے ہیں۔ انکم ٹیکس میں 108ارب روپے، سیلز ٹیکس میں 16ارب روپے اور کسٹم ڈیوٹی میں 4 ارب روپے کے نئے ٹیکس اقدامات کیے گئے ہیں۔ کسٹم

ڈیوٹی میں 32 ارب روپے، جنرل سیلز ٹیکس میں 35 ارب روپے اور انکم ٹیکس میں ارب روپے کی ٹیکس رعایات ختم کی گئی ہیں، اس طرح ٹیکس رعایات کے خاتمے 36 اور نئے ٹیکسوں کے نفاذ سے مجموعی طور پر آئندہ مالی سال میں 231 ارب روپے کا بوجھ عوام کو اٹھانا پڑے گا۔ خیال رہے کہ گزشتہ سال 35 کھرب 97 ارب روپے کا وفاقی بجٹ پیش کیا گیا تھا، جس میں سیلز ٹیکس 16 فی صد سے 17 فیصد کیا گیا تھا۔ بجٹ خسارے کا تخمینہ 1600 ارب روپے لگایا گیا تھا، سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا گیا تھا، جبکہ مزدوروں کی کم سے کم اجرت دس ہزار روپے مقرر کی گئی تھی اور پنشن میں تین ہزار روپے کا اضافہ کرکے کم سے کم پنشن چھ ہزار روپے مقرر کی گئی تھی۔

بجٹ 2014-15 آنے کے بعد حکومتی اور سرمایہ کار حلقے اس بجٹ کو عوام دوست قرار دے رہے ہیں، جبکہ اپوزیشن، سرکاری ملازمین اور عوامی و سماجی حلقوں نے نئے بجٹ کو عوام دشمن قرار دیا ہے۔ متعدد اپوزیشن رہنماؤں نے بجٹ کو الفاظ کا ہیر پھیر اور گورکھ دھندہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ مہنگائی کے خاتمے کے لیے اس بجٹ میں کوئی پلان نہیں دیا گیا۔ بجٹ غریب کش ہے۔ سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ اونٹ کے منہ میں زیرے کے مترادف ہے۔ بجٹ سرمایہ داروں کا ہے۔ بجٹ میں مٹھی بھر مراعات یافتہ طبقے کو نوازا گیا ہے۔ اس بجٹ سے غربت، بیروزگاری اور مہنگائی بڑھے گی اور عوامی مسائل میں اضافہ ہوگا۔ دوسری جانب سرکاری ملازمین کی متعدد تنظیموں نے حکومت کی جانب سے تنخواہوں میں دس فیصد

اضافے کو مسترد کرتے ہوئے اضافے کو اونٹ کے منہ میں زیرے کے برابر قرار دیا ہے۔ سرکاری ملازمین کے مطابق جس قدر مہنگائی ہے، اس لحاظ سے تو تنخواہوں میں فیصد اضافہ ہونا چاہیے، لیکن تنخواہوں میں 10 فیصد ایڈہاک ریلیف نامنظور 100 ہے۔ یہ بجٹ سیاسی ہیرا پھیری کا بجٹ ہے۔ عوامی و سماجی حلقوں نے بھی بجٹ کو روایتی قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ حکومت نے عام آدمی کو اس بجٹ میں کوئی ریلیف نہیں دیا، بلکہ مراعات یافتہ طبقوں کو ہی نوازا گیا ہے۔ حکومت نے مہنگائی پر قابو پانے کے لیے کوئی اقدام نہیں کیا۔ جن لوگوں کی ماہانہ آمدنی 8 ہزار روپے ہے، حکومت ان کا بجٹ بنا کر دے۔

تجزیہ کاروں کے مطابق کسی بھی حکومت کا بجٹ جہاں اگلے مالی سال کے حوالے سے تفصیلی پلان کو ظاہر کرتا ہے، وہاں اس سے حکومتی معاشی پالیسیوں کی سمت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ نئے پیش کیے جانے والے بجٹ سے بھی کچھ مثبت اور کچھ منفی ٹرینڈ سامنے آتے ہیں، لیکن بدقسمتی سے منفی علامات زیادہ دکھائی دے رہی ہیں۔ بجٹ میں سرکاری ملازمین، پنشنرز اور مزدوروں کے لیے یکم جولائی سے دس فیصد ایڈہاک ریلیف دیا جائے گا۔ حالانکہ ملک میں جس قدر مہنگائی ہے، اس حساب سے تو بیس فیصد اضافہ بھی کم تھا۔ اگر غور کیا جائے تو مہنگائی کے اس دور میں بارہ ہزار روپے سے ایک مہینہ گزارنا مشکل ہی نہیں ناممکن نظر آتا ہے۔ ملک کی نصف سے زاید آبادی خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔

غریب عوام کو تو اسی بجٹ سے فائدہ ہوگا جس سے ان کی آمدنی میں اضافہ ہو اور ان کے گھر کا چولہا جل سکے، لیکن ہر بار بجٹ میں ملک کی اکثریت کو نظر انداز کر کے بجٹ پیش کیا جاتا ہے۔ ملک کے عوام کو مسلم لیگ ن سے بہت زیادہ امیدیں وابستہ تھیں، لیکن وہ بھی عوام کی امیدوں پر پوری نہ اتر سکی۔ گزشتہ سال پیش کیے جانے والے بجٹ میں کم از کم یہ تسلی تو تھی کہ حکومت ابھی نئی نئی آئی ہے، آئندہ سال عوام کو بھرپور ریلیف دے گی، لیکن ایک سال گزر جانے کے باوجود عوام کو کچھ ریلیف نہ مل سکا۔ نئے بجٹ میں بعض اچھی پالیسیاں بھی موجود ہیں، مگر مجموعی طور پر مایوسی کا عنصر غالب ہے۔ دراصل پاکستان اس وقت جن گمبھیر مسائل میں الجھا ہوا ہے، ان سے نکلنے کے لیے روٹین کے بجٹ سے کام نہیں چل سکتا، ملک کو ایک ایسے بجٹ کی ضرورت ہے جو غیر روایتی اقدامات سے بھرپور ہو۔ جبکہ ہمارا بجٹ ایک روایتی، عمومی یا عام لگا بندھا سا بجٹ ہے۔ ہمیں انقلابی نوعیت کی پالیسیوں کی ضرورت ہے، لیکن حالیہ بجٹ میں کوئی انقلابی نوعیت کی پالیسی نہیں، بہت سے معاملات میں وہی سٹیٹس کو، روٹین کے اعلانات، دل خوش کن وعدے، اعداد و شمار کی جادوگری، اصطلاحات کے گورکھ دھندے ہیں۔ بجٹ میں ٹیکس محصولات کا اندازہ 28 سو ارب کے لگ بھگ (2810 ارب روپے) ہے، یہ ٹیکس حاصل ہوتا نظر نہیں آ رہا۔ گزشتہ سال کے حوالے سے وزیر خزانہ اسحٰق ڈار نے خود اعتراف کیا ہے کہ حکومت ٹیکس وصولی کا ہدف حاصل نہیں کر سکی۔ ہماری حکومت کی 2013-14 میں ٹیکس وصولی کی کارکردگی بدترین رہی اور

ارب روپے کے ہدف کے مقابلے میں 2050 ارب کا نظرثانی شدہ ہدف دیا 2381 گیا، جبکہ وصولی میں 381 ارب روپے کی کمی ہونا تھی، لیکن تخمینہ 1940 ارب لگایا گیا اور ٹیکس وصولی میں صرف 3 فیصد اضافہ ہوسکا۔ دنیا کے مہذب ممالک میں زیادہ زور ڈائریکٹ ٹیکس پر دیا جاتا ہے، تاکہ امیر اور دولت مند طبقات سے وصولی ہوسکے اور غریب آدمی اس ٹیکس کی زد میں نہ آئے، لیکن ہمارے ہاں اس کے برعکس ان ڈائریکٹ ٹیکسز پر زور دیا جاتا ہے، اس سے عام آدمی پس جاتا ہے۔ ملکی معیشت میں ترقی کے لیے ٹیکس نیٹ ورک بڑھاتے ہوئے بڑے بڑے زمین داروں اور جاگیرداروں پر ان کی آمدنی کے حساب سے ٹیکس لیا جائے، پراپرٹی کے ذریعے لکھ، کروڑ اور ارب پتی بننے والوں کو بھی ٹیکس نیٹ میں لایا جائے اور اسٹاک مارکیٹ کے مگرمچھ بھی کسی ڈسپلن میں آئیں۔ اس کے ساتھ ہمارے بجٹ کا ایک بہت خطرناک پہلو قرضوں کا بوجھ ہے۔ بیرونی اور اندرونی قرضوں کے سود کی ادائیگی پر 13 سو ارب روپے (تقریباً تیرہ ارب ڈالر) ہر سال ضائع ہوتے ہیں۔ کوئی یہ نہیں سوچتا کہ ہماری ٹیکس انکم کا تقریباً نصف حصہ تو صرف سود کی ادائیگی میں جا رہا ہے، اوپر سے مزید قرضے لیے جا رہے ہیں، جو سراسر ملکی معیشت کے لیے زہر قاتل ہے۔

جرم ضعیفی کی سزا

معاملہ صرف ایک مقتولہ فرزانہ اور اس کے قاتل بھائیوں کا نہیں ہے، بلکہ دو طبقات کی طویل داستان ہے، جن میں سے ایک طبقہ طاقتور اور دوسرا ضعیف ہے۔ فرزانہ کا "سنگین جرم" تو یہ تھا کہ اس نے عاقل بالغ ہونے کے ناطے اپنی مرضی سے اپنا نکاح کرلیا تھا، جس کی پاداش میں اس کے خاندان والوں نے اس "بے غیرت" کو "غیرت" کی بھینٹ چڑھا دیا اور اینٹیں مار مار کر اس کے پیٹ میں پلنے والے بچے سمیت اس کو دوسرے جہاں بھیج کر اپنی "عزت" بچالی۔ فرزانہ نے اپنی مرضی کو خاندان کی مرضی پر ترجیح دے کر جو "جرم" کیا تھا، بلاشبہ اس کی سزا تو اسے دے دی گئی۔ وہ یہ نہ جانتی تھی کہ وہ جس معاشرے میں جی رہی ہے، وہاں روایات کس قدر مضبوط ہیں، جو بھی خاندانی ثقافت، تہذیب و روایات پر حرف آنے کا باعث بنے اس کے ساتھ وہی کچھ ہوتا ہے، جو فرزانہ کے ساتھ ہوا۔ جو بھی عورت خاندان کی ناک کٹوائے، اس کی گردن کاٹ دی جاتی ہے۔ ایک بابا جی کہنے لگے کہ اس خاتون "فرزانہ" نے مشرقی ثقافت کو پامال کیا اور اپنے والدین کی عزت کو بٹا لگایا ہے، اگر عورتیں خود ہی اپنی شادیاں کرنے لگیں تو پھر ہم میں اور مغرب میں فرق ہی کیا رہ گیا۔ عرض کیا کہ بالکل بجا کہ اپنی بچیوں کے لیے جو فیصلہ خاندان کے سمجھدار بزرگ کر سکتے ہیں، نا سمجھ

لڑکی کا فیصلہ اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن اگر کوئی نا سمجھی کر ہی بیٹھے تو کیا اس کی وہ سزا ہے جو فرزانہ کو ملی؟ فرزانہ نے ثقافت کو ہی پامال کیا ہے، شریعت کو تو نہیں روند ڈالا؟ کیا ثقافت شریعت سے بھی بڑھ کر ہے؟ کیا روایات کی قدر و قیمت انسانی جان سے بھی اعلیٰ ہوئی؟ اسلام تو کہتا ہے: "انسانی جان کی حرمت بیت اللہ سے بھی بڑھ کر ہے۔" ہاں! معاشرے میں حیا و پاکدامنی اور اپنی اقدار بھی ضروری ہیں، لیکن وہ یوں تو نافذ نہیں ہوتیں، جس طرح فرزانہ پر نافذ کی گئی، یوں تو کوئی کسی جانور کو بھی نہیں مارتا کہ اینٹیں مار مار بھیجے کے ساتھ جان ہی نکال دے۔ اگر کوئی کھلی بدکاری بھی کرے تو قانون ہاتھ میں لینے کی کسی کو اجازت نہیں، سزا ریاست دے، اگر لوگ فیصلے خود ہی کرنے لگیں تو پھر یہ ملک و ریاست تو نہیں، بلکہ جنگل ہی بن گیا۔ جہاں قانون اس کا ہی چلتا ہے جو طاقتور ہو۔ دنیا بھی شاید جنگل کا روپ دھارنے ہی چلی ہے۔ یہ جو ہر سال "غیرت" کا ڈھونڈورا پیٹ کر کئی عورتوں کو ہمیشہ کی نیند سلادیا جاتا ہے، یہ جنگل ہی تو ہوا۔ پاکستان میں کس قانون کے تحت 2012 میں 913 اور 2013 میں 900 سے زاید خواتین کو "غیرت" کی بھینٹ چڑھایا گیا؟ یہ سلسلہ نجانے کب سے رواں ہے۔ بس غیرت محفوظ رہے، "جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی کوئی بات نہیں" لیکن اس حقیقت سے انکار کیسے کیا جاسکتا ہے کہ قتل تو قتل ہوتا ہے، اس کو غیرت کے ساتھ نتھی کر دینے سے کیا اس کی قباحت کم ہو جاتی ہے، ہر گز نہیں۔

فرزانہ کی بہن کا دعویٰ ہے کہ الزام بھائیوں پر ناحق لگا، قتل تو اقبال نے خود کیا ہے۔ جو بھی ہو سزا تو ضعیف فرزانہ کو ہی ملی۔ قتل بھائیوں نے کیا یا شوہر نے، قتل تو فرزانہ ہی ہوئی ہے، وہ عورت ذات ہے، کمزور ہے، ضعیف ہے اور یہی اس کا جرم ہے۔ عورت تو معاشرے میں "غیرت مندوں" کی جاگیر ہے۔ یہ روایت ہے، جو برس ہا برس سے چلی آ رہی ہے۔ برادریوں کو اس روایت پر فخر ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ضعیف عورت پر اپنی طاقت و جبر کے اظہار کے لیے کسی "غیرت" کا واسطہ ہی ڈھونڈنا پڑے، بلکہ اس ناتواں پر جبر تو بغیر کسی بہانے کے بھی ہو سکتا ہے۔ مرد طاقتور جو ہے، عورت اس کے ماتحت ہے، کمزور ہے۔ طاقتور اپنے ہر حکم کی بجاآوری چاہتا ہے، ہر حال میں اپنی سوچ کی تکمیل چاہتا ہے۔ کمزور کی جان بھی اس کی راہ میں چیونٹی سے ارزاں۔ کیا فرزانہ کے شوہر اقبال کو اپنی سابقہ بیوی عائشہ کو قتل کرنے کے لیے کسی "غیرت" کا سہارا لینا پڑا؟ بالکل نہیں۔ اس نے تو اپنی سابقہ بیوی عائشہ کو صرف اس لیے موت کے گھاٹ اتار دیا کہ وہ اس سے پیچھا چھڑا کر فرزانہ سے بیاہ رچانا چاہتا تھا۔ اپنی خواہش کی تکمیل چاہتا تھا، عورت ذات اس کی خواہش کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ کیسے بن جائے۔ اس کی کیا مجال۔ عورت کے نشانہ بننے کی لیے تو کسی بڑی وجہ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بس مرد کے ذہن میں یہ خیال آیا چاہیے کہ عورت میری رٹ کو چیلنج کر رہی ہے۔ پھر تو عورت کی سزا کے لیے سالن میں نمک زیادہ

ڈالنا، گھر میں چھوٹی موٹی لڑائی اور ناچاقی ہوجانا، بچے کی بجائے بچی کی پیدائش ہوجانا اور شوہر کی دوسری شادی پر ناراضی کا اظہار ہی کافی ہے۔ پھر کبھی بیوی کے چہرے پر تیزاب پھینک دیا جاتا ہے، کبھی بیوی کو فائرنگ کرکے قتل کردیا جاتا ہے، کبھی گلا دبا کر ماردیا جاتا ہے اور کبھی لوہے کے راڈ سے اس کا سر پھاڑ دیا جاتا ہے۔ جرم صرف ضعیف و کمزور ہونا ہی ہے۔

کسی دانا کا کہنا ہے کہ" اگر کسی معاشرے کا تجزیہ کرنا مقصود ہو تو اس معاشرے میں عورت کی سماجی حیثیت دیکھ لو۔" ہمارے معاشرے میں روز عورتوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات چیخ چیخ کر ہمارے معاشرے کا خوفناک تجزیہ خود ہی پیش کر رہے ہیں۔ روز ملک میں خواتین کے ساتھ بھیانک کھیل کھیلا جاتا ہے، آئے روز خواتین کی عصمت دری کے واقعات "غیرت" والے معاشرے کا نقاب نوچ رہے ہیں۔ ابھی زیادہ مہینے نہیں گزرے کہ پنجاب کے علاقے چنیوٹ میں مسلح افراد نے ایک بے کس و مجبور نوجوان لڑکی کو اس کے گھر سے اٹھایا اور چار افراد برہنہ حالت میں اپنی حویلی کے باہر درخت سے باندھ کر اس کی عزت سے کھیلتے رہے۔ معاشرے میں کمزور خواتین کے ساتھ اس قسم واقعات کون سی" غیرت" کا پیغام دے رہے ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ سب جرم ضعیفی کی ہی سزا ہے۔ معاشرے میں عورت کے استحصال کی کہانی پرانی ہے، جو زمانے کے ساتھ مزید تلخ ہورہی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ملک میں خواتین کے خلاف تشدد کے واقعات میں اضافہ

ہو رہا ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیم ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے مطابق صرف 2013ء کے دوران ملک بھر میں 56 خواتین کو بیٹی پیدا ہونے کے جرم میں موت کی نیند سلا دیا گیا۔ حالانکہ آفاقی حقیقت یہ ہے کہ ماں، بہن، بیٹی اور بیوی سمیت ہر روپ میں عورت انتہائی عزت و احترام کی مستحق ہے اور اسلام نے نہ صرف عورت کو انسانی معاشرے میں اس کا جائز مقام دیا، بلکہ اسے وہ حقوق بھی عطا کیے، جن کا اس سے پہلے کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ افسوس یہ ہے کہ ہم ان حقوق کا زبانی تذکرہ تو بہت کرتے ہیں، لیکن انھیں عملی جامہ پہنانے کے معاملے میں بہت پیچھے ہیں، آفاقی قوانین کی راہ میں ہماری ثقافت آڑے آ جاتی ہے۔ ان حالات میں "علامہ اقبال" مرحوم کا یہ شعر ہی پڑھا جا سکتا ہے

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات!

سی آئی اے چیف پر قتل کا مقدمہ .... ڈرون حملوں کے متاثرین کی فتح

دسمبر 2013ء کے بعد سے پاکستان میں امریکا کی جانب سے ایک بھی ڈرون حملہ نہیں ہوا، گزشتہ سال کے آخر میں وزیراعظم نواز شریف نے شدید عوامی دباؤ پر امریکا سے ڈرون حملوں کو رکوانے کی کوششیں تیز کیں تو امریکا نے ڈرون حملوں کو روک دیا، جس کے باعث پاکستان میں امن و امان کی صورتحال کافی حد تک بہتر ہوئی ہے۔

اس سے پہلے 2004ء سے 2013ء تک امریکا کی جانب سے پاکستان میں 354 ڈرون حملے کیے گئے ہیں، جن میں اڑھائی ہزار سے زاید افراد مارے گئے اور سیکڑوں زخمی ہوئے، جن میں اکثریت بے گناہ لوگوں کی تھی۔ مختلف اداروں کی جانب سے کی گئی تحقیق کے مطابق 2004ء سے شروع کیے گئے ڈرون حملوں میں صرف 2 فیصد لوگ ہی امریکا کے مطلوب تھے، باقی بے گناہ لوگ تھے۔ روز اول سے ہی پاکستان میں ڈرون حملوں کی شدت سے مخالفت کی جاتی رہی ہے، جبکہ پاکستانی حکومت نے بھی متعدد بار امریکی انتظامیہ سے ان حملوں پر احتجاج کرتے ہوئے موقف اختیار کیا تھا کہ اس قسم کے حملوں سے پاکستان میں امریکا مخالف جذبات کو تقویت مل رہی ہے۔

اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کی بین الاقوامی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل سمیت متعدد بین الاقوامی تنظیموں نے پاکستان میں امریکی ڈرون حملوں کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ ڈروں حملے پاکستان کی خود مختاری کی پامالی اور بین

الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کے ساتھ ایسے بے گناہ پاکستانی شہریوں کو بھی قتل کر رہے ہیں، جن کا دہشتگردی کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ امریکی ڈرون حملوں کا نشانہ بننے والے بے گناہ لوگوں میں وزیرستان کے رہنے والے کریم خان کا بیٹا ذہین اللہ اور بھائی آصف اقبال بھی تھے، جو 31 دسمبر 2009ء کو شمالی وزیرستان میں ہونے والے ایک ڈرون حملے میں جاں بحق ہوگئے تھے، جس کے بعد کریم خان نے امریکا کی جانب سے قبائلی علاقوں میں ڈروں حملوں کے خلاف بھرپور آواز اٹھانا شروع کی اور 2010ء میں ڈرون حملوں کے خلاف ایک درخواست دائر کی، جس میں سی آئی اے کے چیف جوناتھن مینکس اور لیگل کونسل کو نامزد کیا تھا، اس درخواست کے دائر ہونے کے بعد سی آئی اے چیف جوناتھن مینکس دسمبر 2010ء میں اپنا نام ظاہر ہونے پر پاکستان سے چلے گئے تھے، لیکن کریم خان نے برطانیہ کی بنیادی انسانی حقوق کی فاؤنڈیشن کے قانونی تعاون سے ڈرون حملوں کے خلاف اپنی کوشش جاری رکھی۔

کریم خان کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے کئی قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے، وہ بیرون ممالک احتجاج کرنے کے ساتھ ساتھ جنگی جرائم کی بین الاقوامی عدالت میں ڈرون حملوں کا معاملہ لے جا چکے، لیکن وہاں پر ان کی شنوائی نہیں ہوئی۔ کریم خان کی جانب سے سی آئی اے کے چیف اور ممبر سی آئی اے کے خلاف دائر کی گئی درخواست پر گزشتہ سال وزارت خارجہ کی جانب سے کوئی

جواب موصول نہ ہونے پر ایس ایچ او تھانہ سیکرٹریٹ نے موقف اختیار کیا تھا کہ ڈرون حملے وزیرستان میں ہو رہے ہیں جو ہماری حدود میں نہیں ہیں، جبکہ پبلک پراسیکیوٹر چودھری حسیب کا کہنا تھا کہ سی آئی اے کے اسٹیشن چیف اور ممبر اس وقت اسلام آباد میں مقیم نہیں ہیں، مقدمہ درج کرنے کا حکم عدالت کے دائرہ اختیار میں نہیں آتا۔ دلائل سننے کے بعد عدالت نے درخواست کو ناقابل سماعت قرار دے کر خارج کردیا تھا۔ اس کے بعد کریم خان کو اپنے اس اقدام سے روکنے کے لیے رواں سال فروری میں راولپنڈی میں یورپ روانگی سے چند روز پہلے اغواء بھی کر لیا گیا تھا۔ وہ اپنے اس دورے میں جرمنی، ہالینڈ اور برطانیہ کے ارکان پارلیمنٹ سے ڈرون حملوں کے بارے میں بات چیت کرنے والے تھے، لیکن اغواء کے چار روز بعد اغواء کار انہیں آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسلام آباد کی ایک سڑک کنارے پھینک گئے تھے۔ کریم خان کی طویل جدوجہد کی بدولت ہی گزشتہ سال نومبر کے مہینے میں پاکستان تحریک انصاف نے بھی امریکا کی خفیہ ایجنسی سی آئی اے کے ڈائریکٹر اور پاکستان میں ایجنسی کے سربراہ کو قبائلی علاقوں میں ڈرون حملوں میں مرنے والوں کے مبینہ قاتلوں کے طور پر نامزد کیا تھا۔ رواں ماہ فروری میں یورپی پارلیمنٹ میں ڈرون حملوں کے خلاف قرارداد منظور کی گئی، جس کے بارے میں مغربی میڈیا کا کہنا ہے کہ اس کی بڑی وجہ ڈرون حملوں کے خلاف کریم خان کی درخواست بنی تھی۔ یورپی پارلیمنٹ کے کل 583 ارکان میں سے 534 ارکان نے ڈرون حملوں کے خلاف ووٹ دیا تھا، جبکہ قرارداد کی

مخالفت میں صرف 49 ووٹ آئے تھے۔ قرارداد کے متن میں کہا گیا تھا کہ ڈرون حملوں سے شہریوں کی ہلاکتوں کی مذمت کرتے ہیں۔ پاکستان اور یمن میں ڈرون حملوں سے بے گناہ شہری جاں بحق ہوئے۔ یورپی یونین کے رکن ممالک غیر قانونی ٹارگٹڈ ہلاکتوں کے ارتکاب میں حصہ لیں اور نہ ہی دوسرے ملکوں کو ایسی ہلاکتوں میں سہولت دیں اور وہ ایسی ماورائے عدالت ہلاکتوں کی مخالفت کریں۔ واضح رہے کہ اطلاعات کے مطابق اقوام متحدہ کے دباؤ پر امریکا نے ڈرون پروگرام ختم کردیا ہے۔ گزشتہ ماہ امریکی میڈیا کے دعویٰ کے مطابق سی آئی اے نے پاکستان میں ڈرون پروگرام ختم کردیا۔ امریکی میڈیا کے مطابق پاکستان میں ڈرون حملوں کے اختتام کا باقاعدہ اعلان نہیں کیا گیا، تاہم شواہد سے واضح ہوتا ہے کہ سی آئی اے نے پاکستان میں ڈرون حملے ختم کردیے۔ رپورٹ میں امریکی صدر اوباما کی ایک تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا گیا تھا کہ امریکی صدر نے القاعدہ کے خلاف صومالیہ اور یمن میں ڈرون حملے جاری رکھنے کا اعلان کیا، تاہم پاکستان میں ڈرون حملوں سے متعلق پالیسی پر کوئی بات نہیں کی گئی، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان میں ڈرون پروگرام بند کردیا گیا ہے۔ امریکی صدر کے رویے سے لگتا ہے، پاکستان میں ڈرون مشن مکمل ہوگیا۔ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ڈرون اب بھی پرواز کرتے ہیں، مگر کسی حملے کا مکان نہیں۔ خیال رہے کہ امریکا کو ڈرون پروگرام پر سفارتی حساسیت، عوامی اور عالمی سطح پر شدید تنقید کا سامنا رہا ہے۔

دوسری جانب جمعرات کے روز اسلام آباد ہائی کورٹ نے پاکستان میں امریکی سی آئی اے کے سابق اسٹیشن ہیڈ اور ان کے قانونی مشیر کے خلاف ڈرون حملے پر قتل کا مقدمہ درج کرنے کی ہدایت کی ہے، پاکستان کی کسی بھی عدالت نے پہلی بار سی آئی اے کے سابق اہل کاروں کے خلاف مقدمہ درج کرنے کا حکم دیا ہے۔ عدالت نے یہ حکم اسلام آباد پولیس کے افسر کو دیا ہے، جبکہ پولیس کا کہنا ہے کہ وہ اس ضمن میں لیگل برانچ سے رائے لے کر قانونی کارروائی کرے گی۔ درخواست گزار کے وکیل شہزاد اکبر نے درخواست کے حق میں دلائل دیتے ہوئے کہا کہ ان کے موکل کا بیٹا ذہین اللہ اور ان کے بھائی آصف کریم دسمبر 2009ء میں میر علی میں ہونے والے ڈرون حملے میں شہید ہوگئے تھے۔ ان کے موکل کے عزیزوں کا نہ تو کسی شدت پسند تنظیموں سے تعلق تھا اور نہ ہی وہ کسی مقدمے میں مطلوب تھے۔ ڈرون حملوں میں بے گناہ افراد کی ہلاکت قتل کے زمرے میں آتی ہے اور ذمہ دار افراد کے خلاف مقدمہ درج کیا جائے۔ شہزاد اکبر کے مطابق ان کے موکل کے رشتہ داروں کے قتل کی ذمہ داری پاکستان میں سی آئی اے کے اسٹیشن ہیڈ جوناتھن بینکس اور ان کے قانونی مشیر جان ایروز پر عاید ہوتی ہے۔ جبکہ کریم خان کے وکلا نے عدالتی حکم کو ڈرون حملوں میں مارے جانے والے عام لوگوں کی فتح قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ان لوگوں کے لیے ایک بڑی جیت ہے، جو ڈرون حملوں سے متاثر ہیں اور گزشتہ چار پانچ سال سے اس مسئلے کو لے کر مختلف

عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹا رہے ہیں۔ عدالتی حکم سے نہ صرف یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ڈرون حملے غیر قانونی ہیں، بلکہ یہ ایک پولیس فوجداری نوعیت کا جرم ہے۔ اگر عدالتی حکم پر عمل نہ کیا گیا تو وہ متعلقہ افسران کے خلاف توہین عدالت کی کاروائی کریں گے۔ دوسری جانب بین الاقوامی امور کے ماہرین کا کہنا ہے کہ سی آئی اے کے دو اعلیٰ اہلکاروں کے خلاف مقدمے کے اندراج کا عدالتی حکم قابل ذکر پیشرفت ہے۔ جبکہ ڈپٹی اٹارنی جنرل فضل الرحمٰن کے مطابق سابق اسٹیشن چیف دسمبر 2010ء میں پاکستان چھوڑ گئے تھے، بظاہر یہ مشکل نظر آتا ہے کہ مقدمہ درج ہونے کی صورت میں وہ الزامات کا سامنا کرنے کے لیے پاکستان واپس آئے۔

حکومت مخالف کامیاب جلسے ....خطرے کی گھنٹی!

ملک میں موسم کی گرمی کی شدت کے ساتھ ساتھ سیاست کی گرمی میں بھی دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ کئی سیاسی پارٹیاں حکومت کے خلاف جنگ کا طبل بجا کر میدان میں اتر چکی ہیں، بلکہ کئی جماعتیں تو موجودہ حکومت کے خاتمے کو واجب بھی قرار دے چکی ہیں۔ حکومت چونکہ ایک سال سے زاید عرصہ میں بھی عوام کی توقعات کے مطابق ان کے مسائل حل کرنے میں ناکام رہی ہے، اس لیے عوام کی اکثریت ہر اس آواز کا ساتھ دیتی نظر آ رہی ہے، جو حکومت کو ناکام بتا کر عوام کے مسائل کو حل کرنے کی بات کرے۔ مسائل سے دوچار یہی عوام تحریک انصاف کے جلسوں میں عمران خان کو اتنی پذیرائی بخش رہی ہے کہ حکومت کے خلاف سب سے توانا آواز "کپتان" کی ہی سنائی دے رہی ہے۔ تحریک انصاف ملک بھر میں بھرپور اور کامیاب طریقے سے جلسے منعقد کر رہی ہے۔ پی ٹی آئی اسلام آباد، لاہور، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں عوام کی اکثریت کو جمع کرنے میں کامیاب رہی ہے، جبکہ اب بہاولپور سمیت ملک بھر میں حکومت مخالف جلسوں کی کامیابی کے لیے کوشاں ہے۔ شدید گرمی کے باوجود بھی لوگوں کی بڑی تعداد تحریک انصاف کے جلسوں میں شرکت کر رہی ہے۔ ہفتے کے روز بھی سیالکوٹ میں منعقد ہونے والے تحریک انصاف کے جلسے میں عوام کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ جلسہ عام سے خطاب

کرتے ہوئے تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے کہا کہ (ن) لیگ کی پنجاب میں گزشتہ پانچ سالہ حکومت میں نہ روزگار کے مواقع بڑھے، پولیس کا نظام ٹھیک ہوا اور نہ ہی ہسپتالوں کا نظام، جبکہ نہ لوگوں کو بجلی ملی، نہ پانی اور لوڈ شیڈنگ کا عذاب الگ جھیلنا پڑا۔ بھارت میں ایک انسان ووٹ سے اپنے لیڈروں کو منتخب کر سکتا ہے اور نکال سکتا ہے، پاکستان میں عوام ووٹ کسی کو ڈالتے ہیں اور منتخب کوئی اور ہو جاتا ہے۔ جب تک اس ملک میں حقیقی جمہوریت نہیں آئے گی، اس وقت تک پاکستانیوں کا حال بدلے گا اور نہ خوشحالی آئے گی۔ عمران خان نے بجٹ کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ یہ بجٹ صرف پیسوں والوں، کرپٹ اور ٹیکس دیے بنا بڑے بڑے گھروں میں رہنے والے 30 لاکھ لوگوں کے لیے بنا ہے، یہ مزدوروں، غریبوں اور کسانوں کا بجٹ نہیں ہے۔

تجزیہ کاروں کے مطابق تحریک انصاف کے جلسوں میں عوام سخت گرمی کو جھیل کر بھی میں شرکت کر رہے ہیں، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عوام میں حکومت کے خلاف مایوسی بڑھ رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ن لیگ کی حکومت بالکل ہی ناکام ہو گئی ہے، بلکہ اپنے تئیں وہ کامیابی کے لیے کوشاں ہے اور اسی لیے آئے روز نئے نئے منصوبوں کا آغاز بھی کیا جا رہا ہے، لیکن معاملہ یہ ہے کہ عوام کو جو توقعات اس حکومت سے تھیں وہ پوری نہ ہو سکیں اور چونکہ تحریک انصاف عوام کے حقوق کی بات کر رہی ہے، اس لیے عوام بھی اس کا ساتھ دے رہے

ہیں۔ حکومت کو اس بات کو سامنے رکھنا چاہیے کہ عوام کا حکومت مخالف جلسوں اور مظاہروں کو بے پناہ پذیرائی بخشنا حکومت کے لیے یقیناً خطرے کی گھنٹی ہے۔ اس خطرے سے عوامی توقعات پر پورا اتر کر ہی نمٹا جاسکتا ہے، اگر حکومت عوام کے مسائل حل نہیں کرتی تو یہ حکومت کے لیے گھاٹے کا سودا ہوگا۔ آہستہ آہستہ حکومت سے عوام کا اعتماد اٹھ رہا ہے۔ گزشتہ دنوں آنے والی سروے رپورٹ سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ عوام کی اکثریت مسلم لیگ (ن) کی حکومت سے خوش نہیں ہے۔ ماہنامہ ہیرالڈ اور تنظیم سبسٹنشل ڈیولپمنٹ انسٹیٹیوٹ (ایس ڈی پی آئی) کے اشتراک سے کیے گئے ایک سروے کے مطابق عوام میں موجودہ دور کے اہم سیاسی مسائل پر گہرا اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ سروے میں صرف 10.49 فیصد افراد کے مطابق ملک کے وزیراعظم نواز شریف متحرک اور سرگرم چیف ایگزیکٹو کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ ایک بڑی تعداد 45.72 فیصد لوگوں کا خیال ہے کہ مرکز میں برسراقتدار (ن) لیگ انتخابات سے قبل کیے گئے وعدوں پر عمل کرنے میں بری طرح ناکام رہی ہے۔ سندھ کے عوام نے وفاقی حکومت کے خلاف سخت بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ 26.52 فیصد جواب دہندگان نے وفاقی حکومت کی کارکردگی کو انتہائی خراب قرار دیا ہے۔ سروے میں عوام کی اکثریت کا کہنا تھا کہ وہ آئندہ انتخابات میں اپنی سابقہ پارٹیوں کی بجائے دوسری جماعتوں کو ووٹ دیں گے۔ سروے کے نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر فوری طور پر انتخابات کرا دیے جائیں تو قومی سطح کی پارٹیوں میں پاکستان تحریک انصاف پہلے، پاکستان پیپلز پارٹی

دوسرے اور موجودہ حکمران جماعت تیسرے نمبر پر آئے گی۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ عوام میں حکومت کے خلاف مایوسی اس لیے بڑھ رہی ہے، کیونکہ مسلم لیگ (ن) نے الیکشن کے دنوں میں عوام سے بڑے بڑے وعدے کیے تھے، جس بنا پر عوام نے نہ صرف مسلم لیگ (ن) کو منتخب کیا، بلکہ عوام نے مسلم لیگ (ن) سے یہ امید بھی لگا لی تھی کہ اس کے اقتدار کے بعد پاکستان میں خوشحالی کا دور آنے والا ہے۔ بیروزگاری، مہنگائی، دہشت گردی اور لوڈشیڈنگ کا خاتمہ ہوا ہی چاہتا ہے، لیکن گزشتہ سال نواز شریف کے وزیراعظم کی کرسی پر بیٹھنے کے نو دن بعد ہی بجٹ آگیا، جو کسی طور بھی عوام دوست بجٹ نہیں تھا، لیکن (ن) لیگ نے عوام کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ ابھی ہماری حکومت کو آئے چند روز ہی ہوئے ہیں، لہٰذا ایک سال بعد ہماری حکومت عوام کے تمام مسائل حل کر دے گی، لیکن حکومت کو ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر گیا، عوام کے مسائل کم ہونے کی بجائے بڑھتے ہی چلے گئے اور عوام صرف صبر ہی کرتے رہے۔ اب حکومت کی جانب سے پیش کیے جانے والے بجٹ نے بھی عوام کی توقعات پوری نہ کیں اور عوام پر مہنگائی کا مزید بوجھ بڑھ گیا، حکومت نے مزدور کی کم سے کم اجرت بارہ ہزار روپے طے کہ حالانکہ بارہ ہزار روپے میں ایک مہینہ گزارنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ عوام چونکہ ایک عرصے سے مسائل کی چکی میں پس رہے ہیں اس لیے وہ فوری طور پر اپنے مسائل کا حل چاہتے ہیں۔ جب حکومت عوام

کے مسائل حل نہیں کر پاتی تو عوام میں حکومت کے خلاف مزید ناامیدی بڑھ جاتی ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک طرف تحریک انصاف عوام کو اپنے ساتھ ملا کر کامیاب جلسے کر رہی ہے، جبکہ دوسری طرف متعدد جماعتیں مل کر حکومت کے خاتمے کے لیے کوشاں ہیں۔ مسلم (ق) لیگ سندھ کے صدر حلیم عادل شیخ نے انکشاف کیا ہے کہ موجودہ حکومت کو ختم کرنے کے لیے لندن میں ق لیگ، عوامی مسلم لیگ اور تحریک انصاف کے درمیان اتفاق ہو گیا ہے۔ عوامی طاقت کے ذریعے قوم کو موجودہ حکومت سے نجات دلائی جائے گی۔ پاکستان تحریک انصاف کے ساتھ الیکشن کمیشن کے معاملے پر بھی اتفاق رائے ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں تمام سیاسی جماعتوں ماسوائے مسلم لیگ (ن) رابطے کیے جائیں گے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق اگرچہ مسلم لیگ (ن) کے رہنما تحریک انصاف کے جلسوں ناکام بتا رہے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حکومت سے مایوس عوام حکومت مخالف قوتوں کا ساتھ دے رہے ہیں، جو یقیناً حکومت کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ اگر وہ ان خطرات سے نکلنا چاہتی ہے تو عوام کے مسائل حل کرے، صرف صبر کی تلقین نہ کرے، ورنہ حکومت کسی بڑے بحران سے دوچار ہو سکتی ہے۔

جان لیوا گرمی.... بدترین لوڈشیڈنگ

پاکستان ان دنوں شدید گرمی کی لپیٹ میں ہے۔ صوبہ سندھ اور پنجاب کے مختلف شہروں میں درجہ حرارت میں جان توڑ اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے۔ گرمی نے نظام زندگی معطل کرکے رکھ دیا ہے۔ مختلف شہروں میں گرمی نے سابقہ ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ اتوار کے روز ملک میں سب سے زیادہ درجہ حرارت جیکب آباد میں 50 ڈگری سینٹی گریڈ رہا، جو کہ 1919ء کے دوران جیکب آباد میں ہی ملک میں سب سے زیادہ درجہ حرارت 53 ڈگری سینٹی گریڈ کے قریب تر ہے۔ موہنجوداڑو، دادو، سبی میں 49 ڈگری سینٹی گریڈ ریکارڈ کیا گیا۔ سکھر، پسنی، قصور، بھکر، نور پور تھل، لسبیلا 48 سینٹی گریڈ ریکارڈ کیا گیا ہے، واضح رہے کہ پسنی میں اس سے پہلے 23 جون 1992 کو زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت 47 ڈگری سینٹی گریڈ ریکارڈ کیا گیا تھا۔ پڈعیدن، اوکاڑہ، لاڑکانہ، رحیم یار خان، بہاولنگر 47، ڈی آئی خان، لاہور، ڈی جی خان، ساہیوال، بہاولپور، خان پور، روہڑی، ملتان، میانوالی، گوادر 46 ڈگری سینٹی گریڈ ریکارڈ کیا گیا۔ اتوار کراچی میں رواں برس کا گرم ترین دن رہا، جہاں زیادہ سے زیادہ درجہ حرات 43 ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ گیا۔ ان کے علاوہ ملک کے دوسرے تمام شہروں میں بھی گرمی کی شدت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے ملک کے

کئی علاقوں سے متعدد افراد کے جاں بحق اور بے ہوش ہونے کی اطلاعات بھی ہیں۔ جبکہ گرمی کی وجہ سے بیمار ہونے والوں کی تعداد بھی کافی زیادہ ہے۔ محکمہ موسمیات کے مطابق چند روز تک گرمی کی شدت میں مزید اضافے کا امکان ہے، جبکہ تاحال مون سون کی بارشوں کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ملک کے شہریوں کے لیے گرمی کا موسم انتہائی کرب میں گزر رہا ہے۔ ایک طرف گرمی کی شدت اور سخت گرم لو چلنے کی وجہ سے گھروں سے باہر نکلنا محال ہے، جبکہ دوسری جانب شہریوں کے لیے اس گرم ترین موسم میں گھر میں بیٹھنا بھی محال ہے، کیونکہ جوں جوں گرمی میں شدت آ رہی ہے، توں توں ملک میں لوڈشیڈنگ میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ گرمی کی شدت میں اضافے کے ساتھ ساتھ لوڈشیڈنگ کے دورانیے میں بھی اضافہ کیا جا رہا ہے۔ جب سے گرمی کی شدت میں اضافہ ہوا ہے، تب سے ملک کے مختلف شہری علاقوں میں لوڈشیڈنگ کا دورانیہ 12 سے 14 گھنٹے، جبکہ دیہی علاقوں میں 17 سے 19 گھنٹے کر دیا گیا ہے۔ طویل لوڈشیڈنگ کے باوجود بجلی آنے کے دوران بھی وقفے وقفے سے بجلی میں تعطل کا سلسلہ جاری ہے، جس سے عوام کے کروڑوں روپے کے الیکٹرانک آلات ضائع ہو رہے ہیں۔ کراچی اور دیگر شہروں میں کئی علاقے ایسے بھی ہیں جہاں کئی کئی روز سے بجلی غائب ہے، لیکن ابھی تک عوام کو بجلی فراہم نہیں کی گئی۔ جان لیوا گرمی میں اتنی طویل لوڈشیڈنگ کے باعث عوام کی زندگی اجیرن ہو چکی ہے۔

اطلاعات کے مطابق اتوار کے روز ملک میں بجلی کی مجموعی پیداوار 13 ہزار 350 میگاواٹ، جبکہ طلب 16 ہزار 900 میگاواٹ اور بجلی کے شارٹ فال میں 550 میگاواٹ کے اضافے کے بعد 3 ہزار 550 میگاواٹ ہو گیا۔ منگلا ہائیڈل پاور اسٹیشن کے یونٹ نمبر 4 کے پاور ٹرانسفارمر میں فنی خرابی کی وجہ سے پاور اسٹیشن کے 5 یونٹس بند کر دیے گئے، جبکہ بجلی کی پیداوار مزید تین سو پچاس میگا واٹ کم ہو گئی۔ بجلی کا شارٹ فال ساڑھے چار ہزار میگاواٹ ہوگیا ہے۔ سرکاری تھرمل پاور پلانٹس ایندھن کی پوری مقدار فراہم کیے جانے کے باوجود چار ہزار کی بجائے ایک ہزار چھ سو میگا واٹ بجلی پیدا کر رہے ہیں۔ بجلی کی تقسیم کار کمپنیاں لوڈشیڈنگ کا دورانیہ کم کرنے کے لیے کم وولٹیج فراہم کر رہی ہیں۔ آئیسکو ذرائع کے مطابق بجلی کا جتنا کوٹہ ملتا ہے، اس کو لوڈشیڈنگ کے دورانیے میں پورا نہیں کیا جا سکتا، جس کی وجہ سے بعض علاقوں میں وولٹیج کم کرنے پڑ رہے ہیں۔ وولٹیج کم نہ کیے گئے تو لوڈشیڈنگ کا دورانیہ سولہ گھنٹے تک بڑھ سکتا ہے۔
ذرائع کے مطابق منگلا ڈیم کے 5 یونٹ فنی خرابی کی وجہ سے بند ہونے اور بجلی کی پیداوار میں مزید 500 میگاواٹ کی کمی کے بعد گزشتہ روز بجلی کی بدترین لوڈشیڈنگ کی گئی۔
واپڈا ترجمان نے کہا کہ منگلا ہائیڈل پاور اسٹیشن یونٹس ٹرپ کرنے کی وجہ آتش زدگی نہیں بلکہ فنی خرابی تھی۔ دوسری جانب بجلی کی بیشتر تقسیم کار کمپنیاں غیر تسلی بخش کارکردگی کے باعث حکومت کے لیے درد سر بنی ہوئی ہیں، حکومت کو مجموعی طور پر 25 فیصد لائن لاسز

کا سامنا ہے، بیشتر کمپنیوں کے لائن لاسز 35 فیصد سے بھی زیادہ ہیں، نیپرا نے بھی خراب کارکردگی کی حامل تقسیم کار کمپنیوں کو مراعات، جبکہ غیر تسلی بخش کارکردگی کی حامل کمپنیوں کو سزا دینے کی تجویز دی ہے، کمپنیوں کی نااہلی کا بوجھ زیادہ تر صارفین جبکہ کسی حد تک حکومت کو اٹھانا پڑتا ہے، سبسڈی کی مد میں حکومت گزشتہ دس سال میں 1.7 ٹریلین روپے ادا کرچکی ہے، جو کہ دیامر بھاشا ڈیم کی تعمیر کی مجموعی لاگت سے کہیں زیادہ ہے۔ حکومت بجلی کی تقسیم کار کمپنیوں کا فرسودہ نظام اور ان کمپنیوں میں لائن لاسز کے نام پر ہونے والی اربوں روپے کی چوری کا خاتمہ کرنے کی بھی کوشش کررہی ہے، اس سلسلے میں حکومت نے 2017 تک تمام کمپنیوں کو لائن لاسز 16 فیصد تک لانے کا ہدف دیا ہے۔ حکومتی اقدامات سے آئندہ 4 سال میں 16564 میگاواٹ بجلی حاصل ہوگی۔

ملک میں لوڈشیڈنگ میں اضافے کی وجہ سے ملک بھر کے مختلف چھوٹے بڑے شہروں میں حکومت کے خلاف احتجاج کو سلسلہ شروع ہے۔ مختلف شہروں میں شہری سڑکوں پر نکل آئے اور حکومت کے خلاف شدے د احتجاج اور مظاہر ے کے ے اور حکومت کے خلاف نعرے بازی کی گئی۔ عوام نے دھرنے بھی دیے جس کی وجہ سے مختلف شاہراہوں پر ٹریفک بند ہوگیا۔ عوام کا کہنا تھا کہ لوڈ شیڈ نگ نے ہمیں ذ ہنی مر یض بنا دیا ہے۔ موجودہ حکومت نے عوام کو ذلیل و خوار کرنے میں سابقہ حکو متوں کے ریکارڈ بھی توڑ دیے ہیں۔ گھروں میں نہ بجلی ہے، نہ پا نی ہے۔ایسے

حالات میں عوام کہاں جائیں۔ عوام نے لوڈشیڈنگ کے عذاب سے عاجز آ کر ہی مسلم لیگ (ن) کو اقتدار سونپا تھا، لیکن اب بھی ماضی کی طرح شہریوں کا سکون غارت ہے۔ عمران خان کے 11 مئی والے جلسے سے 3 دن پہلے لوڈشیڈنگ ختم کردی گئی تھی، تب بجلی کہاں سے آئی تھی۔ حکمرانوں کی نیت اگر ٹھیک ہو تو معاملات درست ہو سکتے ہیں، لیکن ہمارے پالیسی سازوں کی نیتوں میں فتور ہے، جس کے باعث معاملات گھمبیر سے گھمبیر ہو رہے ہیں۔ عوام کا مزید کہنا تھا کہ حالانکہ گزشتہ ماہ مئی میں ہی وزیر اعظم کی حکم پر محکمہ بجلی کے سرکاری عہدیدار نے اعلان کیا تھا کہ "توانائی کی طلب اب پوری ہوچکی ہے، لہٰذا اب ملک میں کسی جگہ بھی لوڈشیڈنگ نہیں کی جائے گی۔ اس وقت بجلی کی طلب گیارہ ہزار ایک سو میگاواٹ ہے، جو ملک میں بجلی کی ضرورت کو پورا کر سکتی ہے۔" پنجاب میں لوڈشیڈنگ کے خلاف مظاہرے کے دوران مظاہرین کا یہ بھی کہنا تھا کہ وزیر اعلیٰ پنجاب گزشتہ وفاقی حکومت کے خلاف مینار پاکستان جا کر بجلی کی لوڈشیڈنگ کے خلاف دھرنے دیتے تھے، آج خاموش کیوں ہیں، صرف اس لیے کہ آج وفاق میں ان کے بھائی کی حکومت ہے۔

منی بجٹ بم" عوام کی زندگی اجیرن کرنے کو تیار"

خط غربت سے بھی نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ساٹھ فیصد آبادی والے ملک پاکستان میں آئی ایم ایف کی شرائط پر تیار کردہ بجٹ نے عوام کو ریلیف دینے کی بجائے ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبا کر ان کی زندگی کو مزید تلخ کردیا ہے۔ دو ڈالر یومیہ سے بھی کم کمانے والے افراد کے لیے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنا تو ناممکن کے قریب تھا ہی، جبکہ خط غربت سے اوپر شمار ہونے والے عوام بھی ٹیکسوں سے مزین بجٹ کے ستم کا اس قدر شکار ہوئے ہیں کہ ان سے بھی بجٹ میں ٹیکسوں کا بوجھ برداشت نہیں ہو رہا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ٹیکسوں سے لدے اس بجٹ کو حکومت روایتی انداز میں عوام دوست قرار دے رہی ہے، حالانکہ حقیقت بالکل اس سے مختلف ہے۔ سینئر بینکار اور معاشی تجزیہ نگار کہتے ہیں کہ ہمیشہ کی طرح حکومت کا کہنا ہے کہ ہمارا پیش کردہ بجٹ عوام دوست اور غریب دوست بجٹ ہے، ملازمین کی تنخواہوں میں 10 فیصد اضافہ، مزدور کی کم از کم تنخواہ 12 ہزار روپے ماہانہ، عوام کو 2 کھرب 3 ارب کی سبسڈی دی جائے گی اور بقول حکومت ہمارے معاشی ترقی کے ایجنڈے کو قوم کی حمایت حاصل ہے، لیکن یہ کیسی حمایت ہے جس میں عوام اس بجٹ کے خلاف سراپائے احتجاج ہیں۔ تجزیہ کاروں کے مطابق بجٹ کی بارے کیوں کا حقیقی پتا یکم جولائی اور اس کے

بعد چلے گا، جب یہ عوام پر اپنے پنجے نکال کر شکنجہ کسے گا اور ضرورت زندگی کی تمام اشیاء مہنگی ہو جائیں گی۔ بجٹ ہندسوں کا ہیر پھیر اور تضادات کا مجموعہ ہے۔ ضعیفوں اور ریٹائرڈ لوگ جنہوں نے اپنی ساری جوانی اپنے اپنے اداروں کو دیے رکھی اور 60 سال کی عمر ہونے پر ان کے اداروں نے انہیں چند ٹکے دے کر مرنے کے انتظار کے لیے چھوڑ دیا، حکومت نے بھی کسی اچھی اور بہتر پنشن اسکیم کا اعلان نہیں کیا۔ مہنگائی کے تناسب سے ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ نہیں کیا گیا۔ سانس لینے اور کچرے سے روٹی اٹھانے کے علاوہ ہر چیز پر ٹیکس لگا دیا گیا ہے۔ 12 ہزار روپے میں تو ایک بکری نہیں پالی جا سکتی، یہاں گھر چلانے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ اس پر بھی مزید ستم یہ کہ وفاقی حکومت نے وفاقی بجٹ کی منظوری سے پہلے ہی منی بجٹ کی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ حکومت نے بجلی کی قیمت میں 3 روپے یونٹ تک جبکہ گیس کی قیمتوں میں 100 روپے فی ایم ایم بی ٹی یو تک اضافہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ وفاقی حکومت نے آئی ایم ایف اور عالمی بینک کی شرائط کے تحت وفاقی بجٹ میں بجلی پر سبسڈی کے لیے مختص کردہ رقم میں بھی کمی کر دی ہے۔ نیپرا کی طرف سے بجلی کی تقسیم کار کمپنیوں کی طرف سے رواں مالی سال کے لیے بجلی کی قیمتوں میں مانگے جانے والے اضافے کی بھی نہ صرف منظوری دی جا چکی ہے، بلکہ اطلاق کے لیے نوٹیفکیشن جاری کرنے کے حوالے سے وزارت پانی و بجلی کو تمام ڈیسکوز کے کیس بھجوائے جا چکے ہیں اور اگر حکومت صرف رواں مالی سال کے لیے ہی نیپرا کا منظور کردہ

ٹیرف لاگو کرنے کا نوٹیفکیشن جاری کرتی ہے تو اس صورت میں ہی بجلی کی قیمتوں میں تین روپے فی یونٹ تک اضافہ ہوجائے گا۔ دوسری جانب گیس کمپنیوں کی طرف سے گیس کی قیمتوں میں مانگے جانے والے اضافے کی درخواستوں کی سماعت بھی مکمل ہوچکی ہے اور اوگرا نے اب صرف فیصلہ دینا ہے۔ ذرائع کے مطابق اگرچہ بجلی کی قیمتوں میں اضافے کے حوالے سے بھی لائف لائن ٹیرف استعمال کرنے والے اور بجلی کے چھوٹے صارفین پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جائے گا، اسی طرح گیس کی قیمتوں میں متوقع اضافے کا بھی گھریلو صارفین پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔ گیس کمپنیوں کی طرف سے رواں مالی سال 2013-14 کے لیے مانگا جانے والا ٹیرف بھی ابھی لاگو نہیں ہوا ہے۔

ذرائع کے مطابق وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے عوامی ردعمل کے باعث رواں مالی سال کے لیے گیس کمپنیوں کے ٹیرف میں یہ اضافہ روک رکھا ہے۔ اب آئندہ مالی سال 2014-15 کے لیے بھی گیس کمپنیوں نے ٹیرف میں اضافہ مانگا ہے، جس پر اوگرا اپنی سماعت مکمل کرچکا ہے، اگلے مالی سال کے لیے بھی گیس کمپنیوں نے 123 روپے فی ایم ایم بی ٹی یو تک اضافہ مانگ رکھا ہے اور اگر حکومت دونوں برسوں کے ٹیرف کا اطلاق کرنے کی منظوری دیتی ہے تو یہ اضافہ دو سو روپے فی ایم ایم بی ٹی یو تک پہنچنے کی توقع ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ حکومت آئی ایم ایف اور عالمی بینک کی شرائط کے تحت

منی بجٹ کی تیاریاں کر رہی ہے۔ عوام کی زندگی پہلے ہی مہنگائی کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے، حکومت منی بجٹ کے ذریعے اس پر مزید ستم ڈھانا چاہتی ہے۔ سبسڈی کی کمی سے بجلی و گیس کی قیمتوں میں اضافے سے عوام کی زندگی مزید تلخ ہو جائے گی اور ملک میں جس قدر بھی مہنگائی ہو رہی ہے، یہ سارا آئی ایم ایف کی شرائط کی وجہ سے ہے، ہمارے حکمران آئی ایم ایف سے قرض لیتے ہیں اور آئی ایم ایف اپنا قرض حاصل کرنے کے لیے حکومت کو اشیاء کی قیمتوں میں مہنگائی کرنے کی تجویز دیتا ہے، جس کو ہماری حکومت لازمی مانتی ہے۔ ذرائع کے مطابق بجٹ آنے سے دو ماہ قبل آئی ایم ایف نے حکومت پاکستان سے آئندہ مالی سال 2014-15 کے وفاقی بجٹ کے ابتدائی خدوخال طلب کیے تھے۔ وفاقی حکومت نے وفاقی بجٹ کے حوالے سے مکمل خدوخال آئی ایم ایف کو پیش کیے تھے، جس کے بعد بجٹ آنے سے صرف دو ہفتے قبل ہی بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) نے پاکستان کی اقتصادی و معاشی کارکردگی پر مکمل اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ اس کے بعد پھر حکومت نے آئی ایم ایف کی مرضی سے بجٹ طے کیا اور ایک بار پھر منی بجٹ کی تیاریاں کی جارہی ہیں۔ حالانکہ جہاں پہلے سے ہی مہنگائی کی وجہ سے دو وقت کی روٹی حاصل کرنا انتہائی مشکل ہو، وہاں آئی ایم ایف کی شرائط کو مان کر بجٹ میں بے بہا ٹیکس شامل کرنا کسی طور بھی درست نہیں ہے اور بجٹ آنے کے بعد اس مہنگائی میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ وفاقی ادارہ شماریات کی طرف سے جاری کردہ اعداد و

شمار کے مطابق آٹھ ہزار روپے ماہانہ تک آمدنی رکھنے والے طبقے کے لیے گزشتہ ہفتے کے دوران حساس قیمتوں کے اشاریے کے لحاظ سے مہنگائی (افراطزر) کی شرح میں سب سے کم اضافہ ہوا جو کہ 0.03 فیصد ہے، جبکہ آٹھ ہزار ایک روپے ماہانہ سے زاید آمدنی رکھنے والے تمام طبقات کے لیے مہنگائی کی شرح میں 0.04 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ ملک میں پانچ جون 2014 کو ختم ہونے والے ہفتے کے دوران انیس اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں اضافہ واقع ہوا ہے۔ اسی مہنگائی کے پیش نظر گزشتہ روز سوؤ موٹو کیس کی سماعت کے دوران عدالت نے معاملے سے متعلق تمام متعلقہ اداروں اور وزارتوں کو لوگوں کو بنیادی اشیائے ضروریہ کی سستے داموں فراہمی یقینی بنانے اور کیے جانے والے اقدامات کی پراگرس رپورٹ 10 روز میں طلب کرلی ہے۔ دوران سماعت جسٹس گلزار احمد کا کہنا تھا کہ حکومت اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں غفلت کا مظاہرہ کر رہی ہے، ایک طرف اربوں روپے بانٹے جارہے ہیں، جبکہ دوسری طرف عام لوگوں کو بنیادی اشیائے ضروریہ بھی دستیاب نہیں، ورکرز ویلفیئر فنڈ اور ای او بی آئی نے اربوں کھربوں روپے اکٹھے کر رکھے ہیں، مگر ان پیسوں سے ورکرز کے لیے سستے مکانات بنانے کی بجائے بڑی بڑی پجیرو اور لگژری گاڑیاں خریدی جاتی ہیں، حکمران بیرون ملک کانفرنسوں میں شرکت کرتے ہیں، فائیو سٹار ہوٹلوں میں عیش و عشرت کرتے ہیں، حالانکہ یہ رقم اتنی ہے کہ اس سے ویلفیئر کے متعدد کام اور کئی شہر بسائے جا سکتے ہیں۔

وزیرستان: آپریشن کے خوف سے نقل مکانی میں تیزی

وزیرستان اور اس سے ملحقہ علاقوں کے عوام ایک طویل عرصے سے اغیار کی مسلط کردہ جنگ کی سزا بھگت رہے ہیں۔ کارروائی ملک کے کسی حصے میں بھی ہو، بمباری، تباہی اور نقل مکانی کا عذاب وزیرستان کے عوام کو ہی سہنا پڑتا ہے۔ یوں تو کئی ماہ سے ہی وہاں کے عوام آپریشن کے خوف سے نقل مکانی کرنے پر مجبور ہیں، لیکن تفتان میں زائرین کی بس اور کراچی میں ائیرپورٹ پر حملے کے بعد ایک بار پھر وزیرستان کے عوام پر آپریشن کی تلوار لٹکنے لگی ہے۔ ذرائع کے مطابق منگل کے روز وزیراعظم نواز شریف کی زیر صدارت اجلاس میں شمالی وزیرستان میں آپریشن کا فیصلہ ہو گیا ہے، اجلاس میں فوجی اور سیاسی قیادت نے وزیرستان میں بھرپور کارروائی کرنے پر اتفاق کر لیا ہے اور بعض علاقوں میں فضائی بمباری شروع بھی کر دی گئی ہے۔ جس کے بعد خوف و ہراس کی چادر نے وزیرستان کے عوام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور ممکنہ آپریشن سے بچنے کے لیے عوام نے نقل مکانی کا عمل تیز کر دیا ہے۔ یہ خیال رہے کہ گزشتہ دنوں حکومت نے پندرہ روز میں شمالی وزیرستان سے جنگجوؤں کو علاقے سے نکالنے کی ڈیڈ لائن دی تھی اور شمالی وزیرستان میں ایک جرگے کے دوران گورنر خیبر پختونخوا سردار مہتاب احمد خان کو یقین بھی دلایا گیا تھا کہ

غیر ملکی جنگجو 15 روز کے اندر علاقہ خالی کر دیں گے، جبکہ امن کی بحالی کے لیے تمام تر اقدامات کیے جائیں گے، جبکہ دوسری جانب حافظ گل بہادر کی قیادت میں پاکستانی طالبان نے شمالی وزیرستان میں فوجی کارروائی کا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے مقامی آبادی کو 10 جون سے قبل محفوظ علاقوں کی جانب نقل مکانی کی ہدایت کی تھی۔ طالبان کی جانب سے قبائلی علاقوں میں تقسیم کیے جانے والے ایک پمفلٹ میں کہا گیا تھا کہ حکومت پاکستان طالبان کے ساتھ کیے جانے والے جنگ بندی کے معاہدے کی پاسداری نہیں کر رہی اور فضائی بمباری میں علاقے کے بے گناہ عوام کو نشانہ بنا رہی ہے۔
حکومت نے علاقے میں فوجی کارروائی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ لہٰذا شمالی وزیرستان کے عوام متوقع آپریشن کے پیش نظر 10 جون سے قبل اپنے اہل و عیال کو محفوظ مقامات کی طرف منتقل کر دیں۔
اب ایک طرف شمالی وزیرستان میں سرگرم حافظ گل بہادر گروپ نے علاقہ خالی کرنے کے لیے شہریوں کو دی گئی مہلت میں 20 جون تک توسیع کر دی ہے، جبکہ دوسری جانب حکومت کی طرف سے دی گئی پندرہ روزہ ڈیڈ لائن ختم ہونے کے بعد قبائلی علاقے شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کا خوف و ہراس بہت بڑھ گیا ہے اور نقل مکانی میں تیزی آ گئی ہے۔ اطلاعات ہیں کہ صرف گزشتہ دو ہفتوں کے دوران 80 ہزار سے زاید افراد وزیرستان سے نقل مکانی کر چکے ہیں۔ فرانس پریس کی رپورٹ کے مطابق شمالی وزیرستان کے عوام نے علاقے کو تیزی سے چھوڑنا شروع کر دیا ہے اور گزشتہ گھنٹوں کے دوران 25 ہزار سے زیادہ افراد نے اس علاقے 48

کو خالی کر دیا ہے۔ ذرائع کے مطابق سرکاری اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ شمالی وزیرستان سے بنوں کی جانب نقل مکانی کرنے والے اب تک رجسٹرڈ افراد کی تعداد 50 ہزار سے زاید ہے۔ نقل مکانی کرنے والوں میں 15 ہزار چار سو چھیاسٹھ خواتین اور 23 ہزار چار سو انچاس بچے شامل ہیں۔ لوگ اس قدر زیادہ تعداد میں نقل مکانی کر رہے ہیں کہ شمالی وزیرستان کا صدر مقام میران شاہ ایک ویران سا منظر پیش کرنے لگا ہے، بہت سے دوکاندار اپنی دوکانوں کو بند کرنے اور قیمتی چیزوں کو گھروں میں منتقل کرنے میں مصروف ہیں۔ شمالی وزیرستان کے ایک اہم علاقے میر علی میں لوگ پہلے ہی نقل مکانی کر چکے ہیں، لوگ اپنی جان بچانے کی خاطر بے سروسامانی کی حالت میں بھی گھروں سے نکل رہے ہیں، لیکن بہت سے خاندانوں کو ٹرانسپورٹ کی عدم موجودگی کی وجہ سے نقل و حمل میں مشکلات کا سامنا ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے ٹرانسپورٹ کی جانب سے بھاری کرائے لیے جانے کی وجہ سے بھی مقامی افراد کو مشکلات کا سامنا ہے۔ اطلاعات کے مطابق بنوں سے میران شاہ کا کرایہ ایک ہزار روپے سے بڑھ کر دو ہزار روپے ہوگیا ہے۔ ٹرانسپورٹر مجبور لوگوں سے من مانے کرائے وصول کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ وزیرستان میں بہت سے ایسے خاندان ہیں جن کے رشتے دار افغانستان میں رہتے ہیں، جن میں سے ایک بڑی تعداد نے سرحد پار نقل مکانی شروع کر دی ہے۔ تاہم سیکورٹی فورسز کی جانب سے غلام خان روڈ کو بند کر دیا گیا ہے، جو پاک افغان سرحد پر ایک اہم چیک پوائنٹ ہے۔ سرکاری طور پر بنوں میں بکاخیل کے

مقام پر کیمپ قائم کیا گیا ہے، لیکن وہاں پر سہولیات نہ ہونے، شدید گرمی اور وزیرستان کے لوگوں کی روایات کے باعث کوئی رہنے کو تیار نہیں اور متاثرہ افراد اپنے عزیز و اقارب اور کرائے کے گھروں میں رہنے لگے ہیں۔ بڑی تعداد میں لوگوں کی نقل مکانی کے باعث بنوں میں گھروں کے کرائے پانچ گنا بڑھ گئے ہیں۔ لوگوں کی بڑی تعداد میں منتقلی کے باعث ضلع بھر میں اشیا خور و نوش کی قلت کا خدشہ پیدا ہوگیا ہے۔ مقامی قبائل کا کہنا ہے کہ متعدد راستوں سے لوگوں کی بڑی تعداد خیبر پختونخوا کے دیگر اضلاع اور افغانستان منتقل ہو رہی ہے۔ نقل مکانی کرنے والے ہزاروں قبائلی متعدد پہاڑی راستوں کے ذریعے بھی منتقل ہو رہے ہیں، جن کو ایک طرف سخت گرمی اور دوسری جانب رہائش کے لیے مکانات کے حصول میں بھی مشکلات کا سامنا ہے۔ صوبائی ڈیزاسٹر منیجمنٹ اتھارٹی (پی ڈی ایم اے) کے عہدیدار کے مطابق ضلع بنوں میں رجسٹریشن کا سلسلہ جاری ہے، جبکہ مزید لوگوں کے آنے کا سلسلہ بھی جاری ہے، نقل مکانی کرنے والے افراد دھڑا دھڑ آ رہے ہیں۔

تجزیہ کاروں کے مطابق وزیرستان میں ممکنہ آپریشن کے پیش نظر بڑے پیمانے پر نقل مکانی کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے، جو یقینی طور پر ملک و قوم کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ طالبان کے حوالے سے جو پالیسی بھی اپنانا چاہے، اس سے پہلے وزیرستان سے بڑے پیمانے پر ہونے والی نقل

مکانی کے ملک پر پڑنے والے اثرات کو سامنے رکھے اور اس کے بعد کوئی پالیسی اپنائے۔ ابھی تو وزیرستان سے ہزاروں لوگ نقل مکانی کر رہے ہیں، لیکن جس تیزی سے نقل مکانی ہو رہی ہے، جلد ہی یہ تعداد ہزاروں سے لاکھوں میں تبدیل ہو جائے گی۔ اس صورت میں ایک طرف تو نقل مکانی کرنے والے ان لاکھوں شہریوں کے لیے مہاجرت کی زندگی گزارنا کسی طور بھی آسان نہیں ہوگا۔ نقل مکانی کرنے کے بعد یہ مہاجرین بے یارومددگار کھلے آسمان تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہوں گے۔ اسی طرح ایک بار پہلے بھی پاکستان میں مالاکنڈ ڈویژن آپریشن کے باعث پاکستان کی دوسری بڑی ہجرت کی صورت میں ہو آ چکا ہے۔ اس وقت فوجی آپریشن کی صورت میں تیس لاکھ کے لگ بھگ افراد مالاکنڈ ڈویژن سے نقل مکانی کرکے بے یارومددگار زندگی گزارنے پر مجبور CARE ہوئے تھے، جن کے بارے میں ضرورت مند انسانوں کی مدد کرنے والی تنظیم کے ترجمان ٹوماس شوارٹس نے کہا تھا کہ "پاکستان میں تین ملین کے قریب مہاجرین کو ایسے حالات کا سامنا ہے، جو انسانی زندگی اور وقار کے منافی ہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسی صورت حال پہلے شاید ہی کبھی دیکھی ہو۔ پاکستان میں تین ملین کے قریب مہاجرین کی صورت حال کو دیکھ کر اسے لاکھوں انسانوں کو درپیش تباہ کن حالات کے علاوہ کوئی دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا۔" اس کے ساتھ حکومت کے لیے اپنے ملک میں ہی ہجرت کرنے والے شہریوں کو ایڈجسٹ کرنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہوگا۔

حکومت کو یہ بات سامنے رکھنی چاہیے کہ جن لوگوں نے مالاکنڈ ڈویژن سے ہجرت کی تھی

وہ لوگ ابھی تک ملک بھر میں مارے مارے پھر رہے ہیں، گھر بار ان کے تباہ ہو چکے ہیں اور ملک میں کسی دوسری جگہ ان کا ٹھکانا نہیں ہے، ابھی بھی بہت سے خاندان کھلے آسمان تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اب بھی اگر وزیرستان میں آپریشن کیا جاتا ہے تو سخت گرمی کے موسم میں لاکھوں بے گناہ لوگ ملک بھر عورتوں اور بچوں سمیت خوار ہوں گے، اس سے بہتر ہے کہ کوئی ایسی پالیسی اپنائی جائے جس سے لاکھوں بے گناہ لوگوں کو اپنے ہی ملک میں ہجرت نہ کرنی پڑے۔

مشرف کا معاملہ حکومت کے لیے کڑا امتحان

سندھ ہائی کورٹ نے سابق آمر پرویز مشرف کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ "ای سی ایل" سے نکالنے کے حوالے سے جمعرات کے روز درخواست مشروط طور پر منظور کی۔
درخواست گزار کے مطابق جنرل مشرف نے مختلف عدالتوں سے ضمانت حاصل کر رکھی ہے اور کسی بھی ٹرائل کورٹ نے ان کے بیرون ملک جانے پر پابندی عاید نہیں کی، جبکہ خصوصی عدالت نے بھی ان کی نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہیں لگائی اور وہ جب چاہے انھیں طلب کر سکتی ہے۔ لہٰذا جنرل پرویز مشرف کا نام ای سی ایل سے خارج کیا جائے۔ جبکہ وفاقی حکومت کا موقف تھا کہ پرویز مشرف پر بے نظیر بھٹو قتل کیس، نواب اکبر بگٹی کیس، لال مسجد اور آرٹیکل 6 کے مقدمات زیرِ سماعت ہیں، وہ ان مقدمات میں عدالتوں کے روبرو پیشی سے استثنا چاہتے ہیں۔ پرویز مشرف کی درخواست بدنیتی پر مبنی ہے، اگر ان کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ سے خارج کیا گیا تو وہ پھر وطن واپس نہیں آئیں گے۔ جمعرات کے روز سندھ ہائی کورٹ کے جسٹس مظہر علی کی سربراہی میں دو رکنی بینچ نے پرویز مشرف کا نام ای سی ایل سے ہٹائے جانے کے سلسلے میں درخواست کی سماعت کرتے ہوئے پرویز مشرف کو بیرون ملک جانے کی اجازت دی، تاہم انہیں اس عدالتی فیصلے کے مطابق حکومت یا دوسرے فریقین کی طرف سے پندرہ دن تک اپیل کے حق کا انتظار کرنا ہوگا۔ یہ اپیل حکومت یا

کوئی دوسرا فریق سپریم کورٹ میں دائر کرسکے گا۔ جبکہ اس فیصلے کے اگلے روز ہی سابق صدر نے اپنے وکیل بیرسٹر فروغ نسیم کے توسط سے ای سی ایل کیس سے فوری نام نکلوانے کی درخواست سندھ ہائی کورٹ میں دائر کرتے ہوئے موقف اختیار کیا کہ سابق صدر والدہ کی تیمار داری کے لیے جلد لندن جانا ہے، لہٰذا ان کا نام ای سی ایل سے نکالے جانے کے فیصلے پر جلد عملدرآمد کراتے ہوئے وفاق کو عدالتی فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ سے رجوع کرنے کے لیے دی گئی 15 دن کی مہلت کم کی جائے، لہٰذا عدالت سندھ نے پرویز مشرف کا نام ای سی ایل سے فوری نکالنے کی درخواست سماعت کے لیے منظور کرتے ہوئے آج شام چار بجے تک ملتوی کردی ہے۔ خیال رہے کہ پرویز مشروف جن پر غداری کیس کے علاوہ ملک کی مختلف عدالتوں میں کئی دوسرے مقدمات بھی ان دنوں زیر سماعت ہیں، کا نام سپریم کورٹ کے 8 اپریل 2013 کو دیے گئے ایک بالواسطہ حکم کی بنیاد پر وفاقی حکومت نے ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں شامل کیا تھا۔ واضح رہے کہ اعلیٰ عدلیہ 31 جولائی 2009 کے اپنے تاریخی فیصلے میں نہ صرف پرویز مشرف کو غاصب قرار دے چکی ہے، بلکہ گزشتہ سال ان کے خلاف غداری کا مقدمہ درج کرنے کا بھی حکم دے چکی ہے۔ 31 جولائی کے فیصلے میں عدالت نے تمام شواہد اور ریکارڈز کے معائنے کے بعد دو ٹوک انداز میں کہا تھا کہ تنہا پرویز مشرف ہی نے 3 نومبر کا غیر آئینی قدم اپنی ذاتی حیثیت سے اٹھایا، جس کا واحد مقصد جسٹس وجیہ 2007 الدین کے مقدمے میں متوقع طور پر ان کے خلاف ہونے والے عدالتی فیصلے کو روکنا تھا۔

جولائی کے اپنے فیصلے میں سپریم کورٹ نے لکھا تھا "ایک بار پھر 3 نومبر 2007 کو 31 ریٹائرڈ جنرل پرویز مشرف نے بطور چیف آف آرمی اسٹاف اپنی ذاتی حیثیت میں ایمرجنسی کے نفاذ کے پردے میں آئین کو معطل کیا، 2007 کے عبوری دستور نمبر 1 جاری کیا، جس کے بعد ججوں کے حلف کا آرڈر 2007 پاس کیا اور اعلیٰ عدلیہ کے 61 ججوں بشمول چیف جسٹس سپریم کورٹ اور تین ہائی کورٹس کے چیف ججوں کو جو حلف اٹھانے پر تیار نہ ہوئے یا جنہیں حلف کی دعوت نہ دی گئی، ان کو غیر فعال کیا۔

تجزیہ کاروں کے مطابق پرویز مشرف کا نام ای سی ایل سے نکالنے کے عدالتی فیصلے کے بعد (ن) لیگ کی حکومت کا کڑا امتحان شروع ہو گیا ہے۔ حکومت کے مخالفین یہ توقع کر رہے ہیں کہ حکومت پرویز مشرف کو بیرون ملک نہیں جانے دے گی، مسلم لیگ (ن) کی حکومت جس کو پہلے عمران خان کے احتجاجی دھرنوں، شیخ رشید کے آمدہ ٹرین مارچ، طاہر القادری کی 23 جون کو ملک آمد اور طالبان جیسے مسائل کا سامنا ہے، پرویز مشرف کے ملک سے باہر چلے جانے کے بعد حکومت مخالفین کے ہاتھ ایک اور ایشو آ جائے گا، حکومت مخالفین یہ کہیں گے کہ پرویز مشرف کا ملک سے باہر جانا حکومت مشرف کی ڈیل تھی۔ اس سے حکومت مخالفین کے ہاتھ ایک پروپیگنڈا لگ جائے گا، جسے وہ حکومت کے خلاف استعمال کریں گے، جس سے حکومت کی ساکھ متاثر ہوگی۔ ذرائع کے مطابق ان حالات کے پیش نظر حکومت کی

جانب سے حال ہی میں اپیل دائر کرنے کا فیصلہ اس وقت کرلیا گیا تھا، جب اس بات پر بحث ہوئی تھی کہ سندھ ہائی کورٹ ممکنہ طور پر پرویز مشرف کو باہر جانے کی اجازت دے سکتی ہے۔ حکمران جماعت کے سینئر رہنماؤں کے ایک اعلیٰ سطح کے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ اگر سندھ ہائی کورٹ نے پرویز مشرف کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ (ای سی ایل) سے ہٹانے کے لیے کہا تو اس فیصلے کو چیلنج کیا جائے گا۔ حکومت سمجھتی ہے کہ سابق آمر کو اگر کوئی رعایت دی گئی تو اس سے پاکستان میں قانون کی بالادستی کو سنگین دھچکا لگے گا اور اگر مشرف کو رعایت دی گئی تو یہ بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کے ساتھ عوامی مفادات کے خلاف اقدام بھی ہوگا۔ یاد رہے کہ اپریل میں وزیراعظم نواز شریف کی زیر صدارت اجلاس میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ پرویز مشرف کو غداری کیس سمیت مقدمات کا سامنا کیے بغیر ملک سے باہر جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ تاہم اگر سپریم کورٹ سندھ ہائیکورٹ کے فیصلے کو برقرار رکھتی ہے تو حکومت مجبور ہو گی اور سابق آمر ملک سے نکل جائیں گے۔ قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ پرویز مشرف کو بیرون ملک بھیجنے کا معاملہ انتہائی پیچیدہ ہے اور اسے سپریم کورٹ میں ہی شفاف طریقے سے حل ہونا چاہیے، اگر حکومت نے سپریم کورٹ سے رجوع نہ کیا اور پرویز مشرف باہر چلے گئے تو اس سے اس تاثر کو مزید تقویت ملے گی کہ ملک میں بڑے لوگوں کے لیے الگ قانون اور چھوٹے لوگوں کے لیے الگ قانون نافذ ہے، ملک میں غریب لوگوں کا کوئی حال نہیں ہے، اگر کوئی چھوٹا شخص جرم کرے

تو سالوں جیلوں میں سڑتا ہے اور بڑے لوگوں کو فوری ریلیف مل جاتا ہے۔ قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر پرویز مشرف ملک سے باہر چلے گئے تو اپنی زندگی کو خطرات کا حوالہ دے کر وہ کسی بھی پاکستانی عدالت میں پیش ہونے سے گریز کر سکتے ہیں۔

دوسری جانب سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف پر سے سفری پابندیاں اٹھانے کے سندھ ہائیکورٹ کے فیصلے کو بڑی سیاسی جماعتوں نے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ پیپلز پارٹی کے رہنما سینیٹر رضا ربانی کا کہنا ہے کہ انہیں سندھ ہائیکورٹ کے فیصلے سے مایوسی ہوئی۔ قانون کی بالادستی کا اطلاق ہر شہری پر بلا تفریق ہونا چاہیے اور ضمن میں کسی طاقتور کو خاطر میں نہیں لانا چاہیے، اگر سویلین وزیراعظم کو پھانسی دی جاسکتی ہے تو پھر دیگر افراد کو عدالتوں میں کیوں طلب نہیں کیا جاسکتا، ایک آمر کو قانون کا سامنا کیوں نہیں کرنا چاہیے؟ اے این پی کے سینیٹر نائب صدر حاجی عدیل کا کہنا ہے کہ مشرف کو اپنے خلاف کیسز کا سامنا بہادری سے کرنا چاہیے، وہ اپنے آپ کو کمانڈو کہا کرتے تھے، اب انہیں بزدلوں کی طرح ملک سے فرار نہیں ہونا چاہیے۔ جماعت اسلامی کے رہنما لیاقت بلوچ کا کہنا ہے کہ سندھ ہائیکورٹ کا فیصلہ سپریم کورٹ کے مشرف کے حوالے سے سابقہ فیصلوں سے متصادم ہے۔ ماضی میں عدالت عظمیٰ ان پر سفری پابندیاں عاید کرچکی ہے۔ سینئر سیاستدانوں کے مطابق مشرف کے خلاف سنگین

غداری کے مقدمے کو اپنے منطقی انجام تک پہنچنا چاہیے، تاکہ ملک میں قانون کی بالادستی کی مثال قائم ہو۔

"میرٹ کا" قتل عام

پروفیسر صاحب کا سوال کافی دلچسپ تھا۔ ملک کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ کیا ہے؟ میں ذہن پر زور ڈال کر اس کا جواب سوچنے لگا تو مسائل کا ایک انبار میری سوچ کے گرد طواف کرنے لگا، ہر مسئلہ ایک سے بڑھ کر ایک، جو ملکی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہونے کا حق دار تھا۔ دہشت گردی، توانائی کا بحران، مہنگائی، بے روزگاری، غربت اور جہالت سمیت بہت سے مسائل اپنی پہلی پوزیشن کا حق جتلا رہے تھے۔ میں ابھی مسائل کی نمبرنگ کر ہی رہا تھا کہ پروفیسر صاحب نے دوبارہ اسی سوال کو دہرایا "آپ کے خیال میں کونسا مسئلہ ملک کو ترقی نہیں کرنے دیتا؟ میں پھر سوچ و بچار کرنے لگا اور قبل اس کے کہ پروفیسر صاحب سوال کو تیسری بار دہراتے، میں بول پڑا کہ ملک کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ "دہشتگردی وبدامنی" ہے۔ دہشتگردی کے باعث ملک کا ہر شہری غیر محفوظ ہے، چار سو خوف کے سائے منڈلا رہے ہیں، اسی لیے دوسرے ممالک کے صنعتکار یہاں انویسٹمنٹ نہیں کرتے، غیر ملکی سرمایہ کار ہمیں ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ رہے ہیں، جبد ہشتگردی و بدامنی کے باعث ملکی معیشت کا بٹھا بیٹھ جائے تو ملک ترقی کیسے کر سکتا ہے۔ پروفیسر صاحب میرا جواب سن کر مسکرائے اور ناں میں سر ہلاتے ہوئے بولے آپ کا جواب درست نہیں ہے۔

پروفیسر صاحب کچھ دیر کے لیے خاموش ہوئے تو میں نے دوبارہ عقل کے گھوڑے دوڑائے اور پر اعتماد لہجے میں کہا کہ "توانائی کا بحران" ملک کو ترقی نہیں کرنے دیتا۔ توانائی کے بحران کی وجہ سے ملکی صنعتوں کا پہیہ جام ہے، ملک کی بے شمار ملیں، فیکٹریاں اور کاروبار برباد ہو چکے ہیں، ملک کی آدھی انڈسٹری ملک سے باہر منتقل ہو چکی ہے، جس کی وجہ سے ایک طرف ملک میں بے روزگاری بڑھ رہی ہے اور دوسری جانب ملکی ترقی کا پہیہ سست سے سست ہوتا جا رہا ہے۔ میرا جواب سن کر پروفیسر صاحب نے ایک بار پھر ناں میں سر ہلاتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا کہ چلیں آپ تیسری بار کوشش کریں۔ میرے پاس اب آخری تیر تھا، جسے میں ہر حال میں نشانے پر لگانا چاہتا تھا، لہٰذا کافی دیر غور و فکر کے بعد میں نے کہا کہ "غربت" ملک کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ غربت کی وجہ سے لوگ چوریاں کرتے ہیں، ڈاکے مارتے ہیں، قتل کرنے سے بھی نہیں چوکتے اور غربت کی وجہ سے ہی ملک میں جہالت بڑھتی ہے، لوگ اپنے بچوں کو تعلیم نہیں دلوا سکتے، لاکھوں بچے اسکول نہیں جا سکتے اور ترقی کرنے کے لیے ملک کا تعلیمی معیار انتہائی اعلیٰ ہونا انتہائی ضروری ہے، جبکہ ہمارے ملک کا تعلیمی معیار انتہائی پست ہے، جس کی وجہ صرف غربت ہے، لہٰذا جب تک ملک سے غربت کا خاتمہ نہیں کیا جاتا، اس وقت تک ملک ترقی نہیں کر سکتا، ملکی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ غربت ہی ہے۔

پروفیسر صاحب مسکراتے ہوئے بولے آپ تیسرے چانس میں بھی ناکام رہے ہیں۔
پروفیسر صاحب میرے چہرے پر بنے سوالیہ نشان کے ساتھ شرمندگی کے نمایاں آثار دیکھ کر بلا تعامل کہنے لگے، بیٹا! دہشتگردی، توانائی کا بحران اور غربت سمیت دیگر مسائل واقعی ملک کے لیے بہت نقصان دہ ہیں، لیکن ملک کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ "میرٹ کا قتل عام" ہے۔ دنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیے! جو قوم بھی ترقی نہیں کر پائی یا ترقی سے تنزلی کی گھاٹیوں میں جا گری ہے، اس کی بنیادی وجہ اس قوم میں میرٹ کا قتل عام ہی ہوگا۔ اگر کسی ملک میں میرٹ پر کام نہیں ہوتے، میرٹ کی بجائے سفارشوں اور تعلقات کی بنیاد پر تقرریاں ہونے لگیں تو پھر آہستہ آہستہ نااہل لوگ ہی زندگی کے ہر شعبے میں حکمرانی کرتے ہیں اور اگر کسی جگہ اہل لوگوں کی جگہ نااہل لوگ براجمان ہو جائیں، تو یہ یقینی بات ہے کہ یہ نااہل لوگ اس طرح بہتر کام نہیں کر سکتے، جس طرح ایک اہل اور باصلاحیت شخص کر سکتا ہے۔ نااہل شخص کو با اختیار بنانے کا مطلب بندر کے ہاتھ میں استرا تھمانا ہے، نااہل لوگ اچھے بھلے آباد اور ترقی کرتے اداروں کو دنوں میں برباد کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں، یہ ممکن نہیں کہ کسی جگہ نااہل لوگوں کے ہوتے ہوئے ترقی کی جاسکے اور تنزلی سے بچا جاسکے، بلکہ نااہل شخص کے ہوتے ہوئے اسباب و وسائل بھی کام نہیں آتے۔ ہمارے ملک میں کس چیز کی کمی ہے، یہ ملک طویل و عریض سرسبز و شاداب میدانی

علاقوں پر مشتمل ہے، زراعت کے ذریعے پاکستان اپنی اور بیرونی دنیا کی اجناسی ضروریات کو بخوبی پورا کر سکتا ہے، اس ملک میں سنہرے ریگستانوں کے طویل قطعے موجود ہیں، جن کی بیش بہا معدنی پیداوار سے یہ ملک ایشیاء کا "شہنشاہ" بن سکتا ہے، اس ملک میں جہاں نیلا بحر عرب موجزن ہے، جس کے طویل ساحلوں سے خوشحالی کے نئے باب کھل سکتے ہیں تو وہیں پر میٹھے پانیوں کے تا حد نگاہ جال بھی رواں دواں ہیں، جس کے آب حیات جیسے پانی سے طویل المیاد فائدے اٹھائے جا سکتے ہیں، اس ملک میں اگر خشک کوہ اور پہاڑوں کے سلسلے پائے جاتے ہیں تو سرسبز اور گھنے جنگلات کی بھی کوئی کمی نہیں ہے اور ایک سال میں چاروں موسم ہیں، اس ملک کی زمین اگر گیس، کوئلے، نمک، جپسم سے قیمتی وسائل اگلتی ہے، تو وہیں پر یہ مہربان زمین سونے، چاندی، زمرد، یاقوت جیسے ذخائر کا سینہ کھولے ہوئی ہے، وہ کونسی نعمت ہے جو قدرت نے اس ملک کو نہیں دی ہے، لیکن ترقی پھر بھی ہمارا مقدر نہیں ہے۔

دنیا کے بہت سے ممالک میں پاکستان کے مقابلے میں وسائل انتہائی کم ہیں، لیکن وہ ترقی کی بلندیوں کو چھو رہے ہیں۔ اس کی وجہ صرف اور صرف میرٹ پر عمل درآمد ہے۔ پاکستان میں اگر ہر شعبے میں فیصلے میرٹ پر ہونے لگیں تو یہ ملک کچھ ہی عرصے میں ترقی کی منازل طے کرتا ہوا بہت بلندیوں پر پہنچ سکتا ہے، لیکن قدرت کے عطا کردہ قیمتی اور بیش بہا وسائل سے لبریز ملک کی موجودہ

ابتر حالت نہایت ہی باعث شرم ہے، کیونکہ ہمارے اداروں میں میرٹ کا قتل عام ہو رہا ہے، کسی سرکاری و غیر سرکاری ادارے میں بغیر سفارش اور بغیر تعلقات کے کسی کام کا ہونا ناممکن کے قریب ہے۔ اگرچہ کوئی شخص وقت کا سقراط و بقراط ہی کیوں نہ ہو، اپنے کام میں بلا کی مہارت رکھتا ہو، تمام شرائط پر سو فیصد پورا اترتا ہو، بلکہ شرائط سے بھی زیادہ کوالیفائیڈ اور طویل تجربہ رکھتا ہو، لیکن اگر اس کے پاس سفارش نہیں ہے تو وہ شخص ناکام ہے۔ کسی بھی شعبے اور ادارے میں ترقی کرنے کے لیے پرفیکٹ شخص وہی ہے، جو بڑی سفارش اور بڑے تعلقات رکھتا ہو، جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں ایسا نہیں ہے، وہاں تعلقات و سفارش کی بنا پر کام نہیں کیے جاتے، بلکہ کام میرٹ پر ہوتے ہیں، ہر شخص کی صلاحیتوں کو جانچ کر اس کے مطابق ہر ایک کو مقام دیا جاتا ہے، افسوس! ہم لوگ مجموعی طور پر کسی کی صلاحیتوں کو پرکھنے کی صلاحیت سے محروم واقع ہوئے ہیں، حق دار کو اس کا حق نہیں دیتے اور تعلقات والوں کو ناحق نواز دیتے ہیں، اسی لیے ہم ملکی سطح پر بھی ترقی کرنے کے لیے دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات کا سہارا لے رہے ہیں اور دنیا بغیر کسی سہارے کے ترقی کی منازل طے کر رہی ہے۔ پروفیسر صاحب بات کرکے خاموش ہوئے تو میرے پاس ان کی حقائق پر مبنی گفتگو کی تائید کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

کراچی میں فرقہ وارانہ سازش

وہ دن خواب ہوئے جب شہر قائد کی راتیں بھی جاگتی تھیں اور زندگی کی رعنائیوں سے بھرپور اس شہر کے باسی باہم محبت و یگانگت کے ساتھ نہ صرف رہتے تھے، بلکہ جینے کا لطف بھی اٹھاتے تھے، لیکن اب تو یہاں جینا بھی کسی سزا سے کم نہیں رہا۔ چہار سو خوف و دہشت کے سیاہ بادل منڈلاتے ہیں اور بدامنی کی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔ ایک عرصے سے جاری بدامنی نے شہر کی ترقی کے عمل کو روک رکھا ہے، جرائم پیشہ گروہوں اور طاقت ور مافیاز نے شہر کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ کراچی ایک طویل عرصے سے تشدد کے گرداب میں پھنسا ہوا ہے، یہاں جرم، سیاست اور انتہاپسندی آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے پاس وسائل محدود ہیں اور مجرموں کو قانون کے دائرے میں لانے کی رفتار بھی کم ہے۔ یہ شہر ملک کا معاشی حب کہلاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بالکل بجا ہوگا کہ ملک کے بہت بڑے حصے کی معاشی نبض کراچی کی معیشت کے ساتھ چلتی ہے۔ کراچی کے حالات کے ڈانواں ڈول ہونے سے پورے ملک کی معیشت ڈانواں ڈول ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ یہاں پیش آنے والے واقعات پورے ملک کو متاثر کرتے ہیں۔ ایسے میں کراچی کو فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھا کر قتل و غارتگری کی گہری گھاٹی میں دھکیلنے کی کوشش کی جارہی ہے اور ملک کا سب سے بڑا شہر کراچی ایک

بار پھر فرقہ وارانہ تشدد کی لپیٹ میں آ رہا ہے۔ ہفتے کے روز کراچی میں مختلف واقعات کے دوران سنی اور شیعہ مسالک کے مذہبی لوگوں کو نشانہ بنا کر قتل کیا گیا ہے۔ پہلے ایک مسلک کے افراد اور پھر دوسرے مسلک کے افراد کو ہدف بناتے ہوئے شہر کو فرقہ وارانہ قتل و غارت کی آگ میں جلانے کی سازش کے تانے بانے بنے گئے ہیں، جس کا واضح مطلب کراچی میں فرقہ وارانہ تشدد کو ہوا دینا معلوم ہوتا ہے۔ ہفتے کے روز ایم اے جناح روڈ نمائش چورنگی چھیپا بوتھ کے قریب موٹر سائیکل سوار 2 ملزمان جامعہ بنوری ٹاؤن کے 2 موٹر سائیکل سوار طلبہ پر اندھا دھند فائرنگ کرکے فرار ہوگئے، فائرنگ کے نتیجے میں 28 سالہ عاطف اللہ ولد امیر نواب اور 26 سالہ لطف اللہ ولد انعام اللہ شدید زخمی ہوئے، جن کو پولیس نے سول ہسپتال منتقل کیا، تاہم ہسپتال میں دوران علاج عاطف اللہ دم توڑ گیا، جبکہ لطف اللہ کی حالت تشویش ناک بتائی جاتی ہے۔ پولیس کے مطابق عاطف اللہ اور زخمی لطف اللہ قائد اعظم کے مزار سے واپس آ رہے تھے کہ نامعلوم ملزمان نے فائرنگ کردی۔ مقتول اور مضروب کا آبائی تعلق مردان سے ہے اور دونوں جامعہ بنوری ٹاؤن کے دورہ حدیث کے طالب علم تھے۔ پولیس کے مطابق اس سے قبل گلستان جوہر میں 2 افراد قتل ہوئے، یہ اس واقعہ کی کڑی معلوم ہوتی ہے۔ پولیس کو شبہ ہے کہ واردات فرقہ وارانہ ٹارگٹ کلنگ ہے۔ جبکہ دوسری جانب اسی روز شاہراہ فیصل تھانے کی حدود گلستان جوہر بلاک نمبر 15 ایسٹرن پرائڈ میں قائم قلندری ڈیکوریشن پر موٹر سائیکل سوار 2

ملزمان کی فائرنگ کے نتیجے میں دکان کا مالک 56 سالہ قیصر عباس زیدی ولد ابن رضا زیدی اور 28 سالہ شعیب رضا زیدی ولد اعظم رضا زیدی شدید زخمی ہوئے۔ زخمیوں کو فوری دارالصحت ہسپتال منتقل کیا گیا، تاہم دوران علاج دونوں دم توڑ گئے۔ ڈی ایس پی چن زیب کے مطابق مقتولین حال ہی میں متحدہ قومی موومنٹ چھوڑ کر مجلس وحدت المسلمین میں شامل ہوئے تھے، جبکہ مجلس وحدت المسلمین کے ترجمان نے اس بات کی تردید کی ہے۔ اسی طرح ہفتے کے روز ہی پی آئی بی تھانے کی حدود پریس کوارٹر میں واقع فہد کمیونیکیشن کی دکان کے باہر موٹر سائیکل سوار ملزمان کی فائرنگ کے نتیجے میں 28 سالہ شہریار عباس ولد سردار عباس کو 5 گولیاں لگیں اور وہ شدید زخمی ہوگیا۔ زخمی کو پہلے جناح بعد ازاں نجی ہسپتال منتقل کیا گیا، تاہم وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسا۔ پولیس کے مطابق یہ واقعہ بھی بظاہر فرقہ واریت کا شاخسانہ معلوم ہوتا ہے۔

تجزیہ کاروں کے مطابق ایک ایسے وقت میں جب شام و عراق سمیت عالم اسلام کے متعدد ممالک فرقہ وارانہ تشدد و قتل غارتگری کی دہکتی بھٹی میں جل کر بھسم ہونے کو ہیں، مخالف مسالک کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار اٹھائے بے دریغ خون کی ندیاں بہا رہے ہیں، ایک دوسرے کو شکست سے دوچار کرنے کے لیے لیڑھی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور اپنے مخالفین پر ہر قسم کا خطرناک و تباہ کن اسلحہ استعمال کرکے اب تک شام میں دو لاکھ افراد کو موت کے منہ میں دھکیلا

جاچکا ہے اور اس سے کچھ اوپر اپاہجی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اور عراق کی تازہ صورتحال نے اس مسلکی تناؤ میں مزید اضافہ کردیا ہے، سیاسی جنگ کو مذہبی بنیادوں پر لڑنے کے لیے کمربستہ ہونے کے لیے مخالفین کے خلاف جہاد کے فتوے دیے جارہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سیاسی جنگ کو سیاست سے نکال کر مسلک کے دائرے میں لانے والوں میں بہت سے اغیار اپنے اسلحے و بارود کے ذریعے کوشاں ہیں، جو شیعہ سنی کے اختلاف کو عالم اسلام کے تمام ممالک میں بڑے فسادات کی شکل میں داخل کرنا چاہتے ہیں، ایسے وقت میں پاکستان اور خصوصاً پاکستان کے سب سے بڑے اور اہم شہر کراچی میں مسلکی بنیادوں پر قتل و قتال اور تشدد کی لہر کا جنم لینا کسی بڑے بحران کا سبب بن سکتا ہے، اگر ذمہ داران نے اس قسم کے واقعات پر قابو نہ پایا تو خدانخواستہ یہ بحران پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے، جو بے شمار بحرانوں کی دلدل میں دھنسے ملک کے لیے انتہائی نقصان کا باعث ہوگا۔ کراچی کو فرقہ وارانہ تشدد کی جانب دھکیلنے والوں کا پتا لگا کر کیفر کردار تک پہنچانا قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ذمہ داری ہے۔ معلوم کیا جائے کہ ایسے واقعات میں کوئی تیسری قوت تو ملوث نہیں ہے، جو اپنے مفادات کی خاطر مذہبی کلنگ کے ذریعے شہر کو فرقہ وارانہ فسادات کی بھٹی میں جلانا چاہتی ہو، اس سے پہلے متعدد بار کراچی سے ہی ایسے کئی ٹارگٹ کلر گرفتار کیے گئے ہیں، جو ایک ہی اسلحے کے ساتھ تیسری قوت کے اشاروں پر شیعہ و سنی مذہبی شخصیات کو نشانہ بناتے رہے

ہیں۔ ایسے بھی کئی ٹارگٹ کلر پکڑے گئے ہیں جنہوں نے دونوں اطراف کی مذہبی شخصیات کے قتل کا اعتراف کرتے ہوئے بتایا کہ ان کا مقصد فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا دینا تھا۔ اس قسم کے دہشتگرد گرفتار کیے جانے کے باوجود بھی شہر میں اس قسم کے واقعات پر قابو نہ پانا حکومت کی نااہلی و کاہلی کی واضح مثال ہے۔ کراچی میں ایک عرصے سے آپریشن جاری ہے، لیکن اس کے باوجود ہفتے کو شہر میں ٹارگٹ کلنگ اور پرتشدد واقعات میں دو مختلف مسالک کے افراد کا قتل ہو جانا کراچی آپریشن کی کامیابی کے ناقص ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے صرف خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ کراچی میں فرقہ وارانہ بنیادوں پر قتل و قتال کا بازار گرم کرنے والے عناصر پر ہاتھ ڈالنا حکومت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ہی ذمہ داری ہے، اگر حکومت اور یہ ادارے ان عناصر کی بیخ کنی نہیں کرتے تو خطرہ ہے کہ یہ عناصر پورے ملک میں آزادانہ اپنی کارروائیوں میں کامیاب ہو کر اپنے مقصد کو پاتے رہیں گے، لہٰذا اگر حکومت ملک کو فرقہ واریت سے پاک معاشرہ فراہم کرنا چاہتی ہے تو کراچی میں مسلکی بنیادوں پر تشدد و قتل و قتال کو روکنا ہوگا اور مسلکی تشدد کو جنم دینے والے عناصر کا پتا لگا کر ان کی سرکوبی کرنا ہوگی۔

وزیرستان آپریشن....خدشات و مضمرات

باالآخر وہی کچھ ہوا دور اندیش شخصیات جس کا خدشہ روز اول سے ظاہر کر رہی تھے ں، طاقت کی بجائے بات چیت کے ذریعے قیام امن کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ ایک عرصے تک طالبان کے ساتھ مذاکرات کا ڈھونگ رچا کر عوام کو شش و پنج کی کیفیت میں مبتلا رکھنے کے بعد وزیرستان میں "ضرب عضب" کے نام سے باقاعدہ اور بھرپور آپریشن شروع کر دیا گیا ہے۔ پاکستانی فوج نے اتوار کے روز اعلان کیا کہ شمالی وزیرستان میں باقاعدہ آپریشن کا آغاز کر دیا گیا ہے، جو کہ مقامی اور غیر ملکی جنگجوؤں کے خلاف کیا جائے گا۔ آئی ایس پی آر کے مطابق یہ آپریشن حکومت کی ہدایت پر شروع کیا گیا ہے۔ اطلاعات ہیں آپریشن شروع ہونے کے بعد سے شمالی وزیرستان میں پاک فضائیہ کی کارروئی جاری ہے، جس میں مارے جانے والے عسکریت پسندوں کی تعداد 150 سے تجاوز کر چکی ہے۔ ذرائع کے مطابق آپریشن کے پیش نظر جڑواں شہروں اسلام آباد اور راولپنڈی میں سیکورٹی خدشات کے باعث اڈیالہ جیل کے اطراف فوج تعینات کر دی گئی ہے۔ اڈیالہ، اٹک، جہلم، چکوال اور دیگر جیلوں کی سیکورٹی بھی ریڈ الرٹ کر کے جیلوں کو فوج کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح کراچی سمیت تمام بڑے شہروں میں ریڈ الرٹ کر دیا گیا ہے۔ وزیر دفاع خواجہ آصف نے کہا ہے کہ آپریشن

کا فیصلہ وقت کی ضرورت تھی اور "دہشت گردوں" کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑی جائے گی۔ فیصلہ کن جنگ کی ابتدا ہو چکی ہے اور دشمنوں کے منطقی انجام تک آپریشن جاری رہے گا۔ اطلاعات کے مطابق وزیراعظم نواز شریف نے قومی سلامتی کے اجلاس میں آپریشن کی منظوری دی تھی، وزیراعظم نے حکام کو ہدایات جاری کی ہیں کہ آخری دہشت گرد" کے خاتمے اور قیام امن تک آپریشن جاری رکھا جائے۔ ذرائع کے مطابق" وزیراعظم نواز شریف آپریشن کی منظوری دینے کو تیار نہیں تھے، ان کو خدشہ تھا کہ اگر وزیرستان میں آپریشن کیا گیا تو اس کا سیاسی طور پر مسلم لیگ (ن) کو بے حد نقصان ہو سکتا ہے، لیکن پھر کچھ واقعات اور مقتدر قوتوں کے دباؤ پر اس آپریشن کی منظوری دینے پر رضامندی ظاہر کرنا پڑی۔

تجزیہ کاروں کے مطابق موجودہ حالات میں ملک پر آپریشن کے منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ انتظامات کیے بغیر شمالی وزیرستان میں آپریشن کا فیصلہ حیران کن ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب ملک بے شمار بحرانوں کی دلدل میں دھنسا ہوا ہے، وزیرستان میں آپریشن شروع کر دینا ملک کے لیے انتہائی نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ حالات و واقعات کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ وزیرستان آپریشن کی کامیابی کے امکانات انتہائی کم ہیں۔ اس سے پہلے بھی متعدد آپریشن ہو چکے ہیں، لیکن کسی میں بھی فوائد کی بجائے نقصانات زیادہ ہوئے ہیں۔ راہ راست، راہ نجات اور کوہ سفید جو کہ سوات اور مالاکنڈ، جنوبی وزیرستان اور کرم ایجنسی میں کیے

گئے تھے، کیا ان سے سوات، ملاکنڈ ڈویژن، جنوبی وزیرستان اور کرم ایجنسی میں امن قائم ہو گیا ہے؟ نہیں۔ اگر یہ آپریشن بھی ناکام ہو جاتا ہے تو اس کے اثرات کیا ہوں گے اور کتنے خطرناک ہوں گے، اِس کا تصور بھی محال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے ہونے والے آپریشنز کا نقصان ہمیشہ بے گناہ عوام کو ہی ہوتا ہے، فوج جن کے خلاف آپریشن کرنا چاہتی ہے وہ تو آپریشن سے پہلے ہی محفوظ مقامات تک پہنچ جاتے ہیں، جبکہ نشانہ ہمیشہ بے گناہ عوام ہی بنتے ہیں۔ غیر ملکی میڈیا سمیت متعدد ذرائع یہ بتا چکے ہیں کہ طالبان کی اہم شخصیات محفوظ مقامات میں منتقل ہو چکی ہیں، بعد میں عوام ہی پیچھے رہ گئے ہیں، جن میں اکثریت عورتوں اور بچوں کی ہے۔ ان میں سے بہت سے بمباری کی زد میں بھی آ رہے ہیں، دوسری جانب اس آپریشن سے عوام کے لیے مزید مشکلات پیدا ہو گئی ہیں، وزیرستان کے عوام کی ایک بڑی تعداد سخت گرمی اور مشکلات جھیل کر نقل مکانی کرنے پر مجبور ہے۔ ذرائع کے مطابق جمعہ کی شام سے علاقے میں کرفیو نافذ ہے، جس کی وجہ سے لاکھوں افراد گھروں کے اندر محصور ہیں، جبکہ بے گھر افراد کے لیے تاحال کوئی باقاعدہ کیمپ بھی قائم نہیں کیا جا سکا ہے۔ مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ حکومت کی جانب سے آپریشن کے اعلان کے ساتھ ہی مقامی باشندوں میں سخت تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ شمالی وزیرستان میں گزشتہ ماہ ہونے والی فضائی کاروائیوں کے بعد مقامی لوگوں نے علاقے سے نقل مکانی کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ بیشتر بے گھر افراد قبائلی علاقے سے متصل خیبر پختون

خوا کے ضلع بنوں اور آس پاس کے شہروں کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔ بنوں میں حکام کا کہنا ہے کہ اب تک کوئی ساٹھ ہزار افراد گھر بار چھوڑ کر خواتین اور بچوں سمیت محفوظ مقامات پر پناہ لے چکے ہیں اور کوئی چھ ہزار کے قریب افراد نے سرحد پار کر کے افغانستان کے صوبے خوست میں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ہاں پناہ لی ہے، تاہم لاکھوں افراد اب بھی علاقے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ دوسری جانب حکومت کی طرف سے ابھی تک بے گھر ہونے والے افراد کے لیے کوئی باقاعدہ متاثرین کیمپ قائم نہیں کیا گیا ہے۔ مقامی انتظامیہ کے مطابق ایف آر بکاخیل کے علاقے میں پناہ گزین کیمپ بنایا گیا ہے، لیکن مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ وہاں بنیادی ضروریات کا شدید فقدان پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس علاقے کی طرف ابھی تک ایک متاثرہ خاندان بھی نہیں جا سکا ہے۔ سرکاری اہلکار اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں کہ فنڈ کی عدم دستیابی اور سہولیات کی کمی کے باعث متاثرین کیمپ میں کوئی نہیں جا رہا۔

تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ اگر آپریشن کرنا ہی ہے تو ٹھوس شواہد کی بنیاد پر ان غیر ملکی شرپسند عناصر کے خلاف کیا جائے جو ملک میں شرپسندی پھیلا رہے ہیں اور مختلف کارروائیوں میں ملوث ہیں۔ اگر یقینی طور پر اس آپریشن کا نشانہ ایسے شرپسند عناصر ہی بنیں تو امید کی جا سکتی ہے کہ یہ آپریشن ملک کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے، لیکن اگر آپریشن کی لپیٹ میں شرپسند عناصر کی

بجائے عوام آتے رہیں تو یہ ملک و قوم کے مفاد کی بجائے نقصان میں ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب پوری قوم اور آپریشن سے متاثرہ علاقوں سے تعلق رکھنے والی سیاسی جماعتیں اس آپریشن پر خدشات کا اظہار کر رہی ہیں، یہ آپریشن کس طرح کامیاب ہوسکتا ہے؟ جے یو آئی (ف) کے مطابق اگر آپریشن ضروری ہے تو اسے محدود ہونا چاہیے۔ اطلاعات ہیں کہ اس میں گناہ گار اور بے گناہ دونوں مارے جارہے ہیں۔ قبائلی علاقوں میں وقتاً فوقتاً آپریشن جاری رہے ہیں، آپریشن سے دہشت گردی میں اضافہ ہوا ہے، کمی نہیں ہوئی۔ مفاہمت اور مذاکرات کے راستے سے دستبردار نہیں ہونا چاہیے تھا۔ جے یو آئی کے امیر مولانا فضل الرحمٰن کہتے ہیں کہ اگر حکومت نے شمالی وزیرستان میں طاقت کا استعمال کرنا تھا تو پھر مذاکرات کا ڈھونگ کیوں رچایا۔ حکومت پر حیرانی ہے کہ شمالی وزیرستان میں مذاکرات کرتی ہے تو کبھی آپریشن کردیتی ہے، حکومت مذاکرات کی بجائے طاقت کے استعمال پر یقین رکھتی ہے، جس سے ہمیشہ خرابیاں ہوتی ہیں۔ حکومت غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کررہی ہے۔ جماعت اسلامی کی جانب سے اس خوف کا اظہار کیا گیا ہے کہ آپریشن کا نشانہ صرف معصوم لوگ بنیں گے۔ اس سارے معاملے میں دہشت گردوں کے ساتھ کوئی نہیں، لیکن قبائلیوں کو ایک بار پھر بے گھر ہونا ہوگا اور حکومت نے انھیں بالکل نظرانداز کیا ہے۔ جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق نے کہا ہے کہ " حکومت شروع ہی سے مذاکرات کے حوالے سے مخلص نہیں تھی۔ یہ آپریشن شروع کرنے سے پہلے حکومت کو چاہیے تھا کہ وہ ملک کی سیاسی

قیادت اور خیبر پختونخوا کی حکومت کے ساتھ مشاورت کرتی۔" پی ٹی آئی کے سربراہ عمران خان نے گزشتہ دنوں کہا تھا کہ شمالی وزیرستان میں آپریشن ایک مریضانہ مشورہ ہے اور حکومت کو چاہیے کہ وہ صرف ان گروپس کے خلاف کارروائی کرے جو مذاکرات پر آمادہ نہیں تھے۔ تحریک انصاف کی ترجمان شیریں مزاری نے سماجی رابطے کی ویب سائٹ ٹوئٹر پر ایک مختصر پیغام میں کہا ہے کہ کس قدر شرمناک بات ہے کہ حکومت شمالی وزیرستان میں آپریشن کے حوالے سے سیاسی لیڈرشپ کو اعتماد میں لینے میں ناکام ہوئی۔ جب عوام اور بااثر جماعتوں کی اس آپریشن کو حمایت حاصل نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ فیصلہ قوم پر مسلط کیا گیا ہے اور یہ سب کچھ اغیار اور بیرونی قوتوں کے دباؤ پر کیا جارہا ہے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق ایک طرف تو عوام اور بااثر جماعتوں کی حمایت نہ ملنے سے اس آپریشن کی کامیابی کے آثار انتہائی کم ہیں اور معصوم عوام اس سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں، جبکہ دوسری جانب اس آپریشن سے پورے ملک کو خطرات لاحق ہوگئے ہیں، طالبان وزیرستان سے نکل کر محفوظ مقامات میں منتقل ہو چکے ہیں اور وہ پورے ملک میں کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ کالعدم تحریک طالبان کے ترجمان شاہد اللہ شاہد نے کہا ہے کہ شمالی وزیرستان میں جیٹ طیاروں کی بمباری سے معصوم لوگ نشانہ بنے، ظلم کا ایک ایک باب محفوظ ہے، مؤثر جوابی کارروائیاں مظالم کا بدلہ اور رد عمل ہوں گی۔ اب ایک ایسے وقت میں جب حکومت کراچی ائیرپورٹ جیسے حساس مقام کی حفاظت نہیں کر سکتی، وزیرستان میں آپریشن

شروع کرکے اس کے رد عمل میں ہونے والے حملوں سے ملک و قوم کو کیسے محفوظ رکھ سکتی ہے؟

لاہور واقعہ۔۔۔۔ جمہوری حکومت کا آمرانہ اقدام!

ایک ایسے وقت میں جب ملک بدامنی کی لپیٹ میں ہے، وزیرستان آپریشن کے ردعمل کا خوف سیاہ بادل بنا ملک بھر پر منڈلا رہا ہے، ملک کو انتہائی سخت سیکورٹی اور احتیاطی تدابیر کی ضرورت ہے، ان حالات میں پنجاب کی جمہوری حکومت نے غیر جمہوری طریقہ اپناتے ہوئے لاہور میں خون کی ہولی کھیل کر ملک کو مزید عدم استحکام کی جانب دھکیل دیا ہے۔ لاہور میں پولیس کی طرف سے تحریک منہاج القرآن اور پاکستان عوامی تحریک کے قائد ڈاکٹر طاہر القادری کی رہائش گاہ کے باہر سے حفاظتی رکاوٹیں ہٹانے سے شروع ہونے والے قضیے میں کم از کم 8افراد جاں بحق اور 80 سے زاید زخمی ہوئے ہیں۔ ذرائع کے مطابق پیر کی رات سے جاری اس جھڑپ میں منگل کی صبح اس وقت شدت آئی، جب پولیس نے ماڈل ٹاؤن کے علاقے میں واقع اس رہائش گاہ کے سامنے رکاوٹیں ہٹانا شروع کیں، جس کی پاکستان عوامی تحریک کے کارکنوں نے مزاحمت کی۔ پولیس کی جانب سے صورتحال کو کنٹرول کرنے کے لیے شدید لاٹھی چارج، آنسو گیس اور ہوائی فائرنگ کا استعمال کیا گیا، جس کے نتیجے میں متعدد اموات ہوئیں۔ جاں بحق ہونے والوں میں دو خواتین سمیت پاکستان عوامی تحریک کے پانچ کارکن بتائے جاتے ہیں۔ ذرائع کے مطابق یہ کارکن پولیس کی جانب سے کی جانے والی

فائرنگ کی زد میں آ کر جاں بحق ہوئے ہیں۔ میڈیا رپورٹس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جھڑپ کے دوران 29 پولیس اہلکار بھی زخمی ہوئے ہیں۔ اس دوران پولیس نے صورتحال کو کنٹرول کرنے کے لیے 63 افراد کو حراست میں بھی لیا ہے۔ پی ٹی اے سربراہ کے مطابق کارکنوں کی اموات اس سے زیادہ ہوئی ہیں جو بتائی جا رہی ہیں اور اس کے علاوہ چالیس کارکنان زخمی اور سیکڑوں لاپتا بھی ہیں۔

وزیراعلیٰ پنجاب شہباز شریف نے واقعہ کے فوری بعد منہاج القرآن کے سیکرٹریٹ سے رکاوٹیں ہٹانے کے دوران پاکستان عوامی تحریک کے کارکنوں پر فائرنگ کے نتیجے میں ہونے والی اموات کی عدالتی تحقیقات کرانے کا حکم دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر وہ ذمہ دار ثابت ہوئے تو مستعفی ہو جائیں گے۔ انہیں واقعے پر دلی افسوس ہے اور وہ تمام متاثرہ خاندانوں کے افراد اور ڈاکٹر طاہر القادری سے تعزیت کرتے ہیں۔ جب تک کمیشن دودھ کا دودھ پانی کا پانی نہ کردے، میں چین سے نہیں بیٹھوں گا، واقعے میں ملوث افراد کو قرار واقعی سزا دی جائے گی۔ اس موقع پر انہوں نے لاہور کے عوام سے امن کی اپیل کرتے ہوئے کہا کہ عوام تحمل اور برداشت سے کام لیں۔ لواحقین میں غم و غصہ ہے، لیکن میں متاثرہ افراد کو انصاف دلاؤں گا۔ انہوں نے واقعے کو اپنے سیاسی کیریئر کا سب سے بڑا سانحہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ میں نے کبھی لاٹھی اور گولی کی سیاست نہیں کی۔ اگر کسی نے ان کے خلاف ایف آئی آر درج کروانی ہے تو شوق سے کروائے، کیونکہ یہ

ان کا حق ہے۔ پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری نے واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ منہاج القرآن سیکرٹریٹ کے باہر کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور جو بیریئرز لگے ہوئے ہیں، وہ گھر کی حدود میں ہیں، جس سے آنے جانے والے لوگوں کو کوئی شکایت نہیں اور نہ ہی گزشتہ 4 سالوں کے دوران اس پر کسی نے اعتراض کیا۔ یہ رکاوٹیں چار سال پہلے ہائی کورٹ کے حکم پر لگائی گئی تھیں اور حکومت اگر چاہتی تو بات چیت کرکے معاملہ حل کر سکتی تھی۔ احتجاج کے دوران مظاہرین پر پولیس کی جانب سے سیدھی فائرنگ کی گئی اور پولیس اہلکاروں نے منہاج القرآن سیکرٹریٹ میں داخل ہو کر وہاں قبضہ کرلیا۔ لہٰذا میری آرمی چیف جنرل راحیل شریف اور قومی اداروں سے درخواست ہے کہ وہ فوری نوٹس لیتے ہوئے ان دہشت گردوں سے سیکرٹریٹ کا قبضہ چھڑوائیں اور نہتے کارکنوں کو بچانے کے لیے علاقے کی سیکورٹی سنبھالیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کا خاتمہ ضرور ہوگا، آج جن کارکنوں کا خون بہایا گیا وہ ان حکمرانوں کی تباہی کا باعث بنے گا۔ جبکہ صوبائی وزیر قانون پنجاب رانا ثناءاللہ کا کہنا ہے کہ منہاج القرآن کے کارکنوں نے پولیس پر پہلے فائرنگ کی، جس پر پولیس کو جوابی کارروائی کرنا پڑی۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے ریاست کے اندر ریاست بنا رکھی تھی، لوگوں سے قرآن پاک پر ملک میں فتنہ پھیلانے کے حلف لیے جا رہے تھے، سیکرٹریٹ کے مسلح افراد تعینات کرکے پولیس کا کنٹرول ختم کر دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے خود تو اپنے لیے فول پروف سیکورٹی کے انتظامات

کر رکھے ہیں، لیکن اگر ان کے تماشے میں شریک عام لوگوں کو کچھ ہوگیا تو اس کی ساری ذمہ داری صوبائی اور وفاقی حکومت پر ہی عاید ہوگی، اس لیے پنجاب حکومت نے کینیڈین مولوی کو بہت اچھے طریقے سے روکنے کا پورا بندوبست کرلیا ہے۔ دوسری جانب ذرائع کا کہنا ہے کہ صوبائی دارلحکومت میں پیر کے روز ہونے والی ایک میٹنگ میں رانا ثنا ءاللہ نے انتظامیہ کو منہاج القرآن میں کارروائی کرنے کے حکم دیا، تاہم کمشنر لاہور نے کارروائی کی مخالفت کرتے ہوئے آپریشن میں نہ جانے کا مشورہ دیا، جبکہ رانا ثناءاللہ کارروائی پر بضد تھے اور انہوں نے ہدایت کی کہ مستقبل میں عوامی تحریک کو کنٹرول کرنے کے لیے کارروائی ناگزیر ہے۔ رانا ثناءاللہ کے احکامات پر آدھی رات کے بعد پولیس کی مختصر نفری منہاج القرآن پہنچی اور بیریئر ہٹانے کی کوشش کی، جس پر متعلقہ حکام کو لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کی کاپی دکھائی گئی، لیکن رکاوٹیں ہٹانے کا کام جاری رکھنے پر پولیس اور ہاسٹل میں مقیم لڑکوں میں جھڑپ ہوگئی۔ تصادم کے بعد پولیس کی کچھ نفری واپس لوٹ گئی، تاہم کچھ موقع پر موجود رہے، جبکہ آخری وقت تک وزیراعلیٰ پنجاب کو واقعے سے لاعلم رکھا گیا۔ منگل کی صبح ڈی سی او لاہور اور ڈی آئی جی بھاری مشینری کے ساتھ تازہ دم دستوں کے ہمراہ موقع پر پہنچے اور بیریئر ہٹانے لگے، جس کے بعد طاقت کا استعمال کیا گیا۔

لاہور واقعے کے بعد پاکستان عوامی تحریک کے کارکنوں نے اسلام آباد، فیروزوالا، فیصل آباد، راولپنڈی، بہاولپور، لیہ، ملتان، میانوالی، بھکر، جھنگ اور دیگر شہروں میں پنجاب حکومت کے خلاف احتجاجی مظاہرے کیے۔ پنجاب اسمبلی میں اپوزیشن ارکان نے پاکستان عوامی تحریک کے کارکنوں پر وحشیانہ تشدد پر بھرپور احتجاج کیا اور منگل کے روز قومی اسمبلی سے اپوزیشن نے واک آؤٹ کیا۔ اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ کا کہنا تھا کہ لاہور میں کارکنوں کو مار کر حکمران جمہوریت کی کون سی خدمت کر رہے ہیں؟ کیا حکمران جمہوریت کی بساط لپیٹنا چاہتے ہیں؟ تحریک انصاف کے رکن قومی اسمبلی جاوید ہاشمی نے کہا کہ پنجاب حکومت نے شب خون مارا ہے، یہی صورتحال رہی تو جمہوریت کہاں جائے گی۔ پاکستان مسلم لیگ ق کے چودھری پرویز الٰہی نے بھی واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ جمہوریت کے خلاف اقدام سے ثابت ہو گیا ہے کہ حکومت کے دن گنے جا چکے ہیں۔ سربراہ تحریک انصاف عمران خان نے وزیر اعلیٰ پنجاب اور رانا ثناءاللہ سے استعفے کا مطالبہ بھی کیا۔ ایم کیوایم کے لیڈر فاروق ستار نے پنجاب حکومت کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ لاہور میں خون کی ہولی کھیلی گئی۔ ایم کیو ایم پنجاب پولیس گردی کے خلاف ملک بھر میں یوم سوگ منانے کا اعلان کرتی ہے۔ جبکہ لندن سے جاری بیان میں ایم کیو ایم سربراہ الطاف حسین نے کہا کہ ملک میں اس وقت آپریشن جاری ہے، ایسے میں جہاں اتحاد کی ضرورت ہے، اس موقع پر تحریک منہاج القرآن کے سیکرٹریٹ کا گھیراؤ کرکے کارکنوں پر تشدد کرنا غیر

دانشمندی ہے۔

تجزیہ کاروں کے مطابق ملک اس وقت انتہائی مشکل حالات سے دوچار ہے، ایسے میں پنجاب حکومت کے غیر جمہوری اقدام کی وجہ سے پی اے ٹی کے کارکنوں کی اموات ملک کو عدم استحکام کی جانب دھکیل سکتی ہے ں۔ حکومت ایک جانب تو جمہوریت کو پروان چڑھانے کی باتیں کرتی ہے، جبکہ دوسری جانب آمرانہ اقدام کرتے ہوئے لوگوں کی جان لینے سے بھی گریز نہیں کیا جارہا، یہ کس قسم کی جمہوریت ہے؟ جمہوریت میں تو عوام پر زور زبردستی نہیں کی جاتی۔ اگر حکومت واقعی جمہوریت کو پروان چڑھانا چاہتی ہے تو اسے جمہوری طرز کے اقدام ہی کرنے چاہیے تھے، نہ کہ آمرانہ اقدام۔ حکومت اگر سمجھتی ہے کہ مرکز منہاج القرآن کے سامنے رکاوٹیں ہٹانا واقعی عوام کے حق میں تھا اور عوام کو اس سے مشکلات کا سامنا تھا، تو یہ کام تو حکومت کو بات چیت کے ذریعے پہلے ہی کر لینا چاہیے تھا، لیکن حکومت نے بات چیت کی بجائے طاقت کا استعمال کیا ہے، جو جمہوریت کے لیے انتہائی نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ اب یہ معاملہ سیاسی معاملہ بن گیا ہے، 23 جون کو ڈاکٹر طاہر القادری ملک واپس آرہے ہیں، لہٰذا وہ اس معاملے سے بھرپور سیاسی فائدہ اٹھائیں گے، وہ پہلے ہی حکومت کو ختم کرنے کی باتیں کررہے ہیں، اس واقعہ کے بعد حکومت کے لیے مزید مشکلات پیدا ہوجائیں گی، اب تو اپوزیشن بھی متحد ہوکر حکومت کے خلاف صف آرا نظر آرہی ہے، جو حکومتی مشکلات پیدا کرنے

کے لیے کافی ہے۔ اس واقعہ سے نہ صرف حکومت مخالفین سیاسی فائدہ اٹھائیں گے، بلکہ ان عناصر کو بھی بھرپور تقویت ملے گی، جو جمہوریت کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور متعدد بار پہلے بھی جمہوریت کو ڈی ریل کرنے کی کوشش کر چکے ہیں۔ خدانخواستہ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر یہی عناصر ایک بار پھر جمہوریت کو ڈی ریل کرنے کے لیے متحرک ہو جاتے ہیں تو پنجاب حکومت ان سے کس طرح نمٹ سکتی ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ قادری صاحب کے ملک میں آنے سے چند روز قبل یہ واقعہ پیش آیا ہے، جس کا مکمل فائدہ قادری صاحب کو ہوگا۔ لہٰذا اس واقعہ کی ٹائمنگ پر غور کرنا بھی ضروری ہے۔ قادری صاحب حکومت کو ختم کرنے کی باتیں کر رہے ہیں اور گزشتہ ماہ ہی کینیڈا میں وہ چودھری برادران کو ساتھ لے کر ایک دس نکاتی ایجنڈا تیار کر چکے ہیں اور حکومت کا خاتمہ واجب قرار دے چکے ہیں۔ ان حالات میں پنجاب حکومت کی کوتاہی کی وجہ سے ملک بہت بڑے بحران سے دوچار ہو سکتا ہے۔

لاہور واقعہ . . . . پس منظر و پیش منظر

منگل کے روز لاہور کے علاقے ماڈل ٹاؤن میں پیش آنے والے غیر دانشمندانہ و آمرانہ فعل سے بے شمار بحرانوں میں گھرا ملک مزید ایک اور بحران کی لپیٹ میں آگیا ہے۔ صرف تجاوزات کے معاملے کے حل کے لیے آٹھ افراد کی ہلاکت اور سو کے لگ بھگ افراد کا زخمی ہو جانا ناقص نظام کی واضح دلیل ہے، جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ ملک کی تقریباً تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں نے اس واقعہ کی نہ صرف کھلے الفاظ میں مذمت کی ہے، بلکہ متعدد سیاستدانوں نے پنجاب حکومت کو واقعہ کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے ان سے مستعفی ہونے کا مطالبہ بھی کیا ہے اور اپوزیشن جماعتیں حکومت کی مخالفت میں ڈاکٹر طاہر القادری کا بھرپور ساتھ دے رہی ہیں، جبکہ وزیراعلیٰ پنجاب کا کہنا ہے کہ لاہور واقعہ کی عدالتی تحقیقات کا حکم دے دیا ہے، اگر ذمہ دار ٹھہرا تو ایک منٹ میں استعفیٰ دے دوں گا۔ اگرچہ پنجاب حکومت نے اس واقعہ میں مرنے والے ہر فرد کے لواحقین کے لیے تیس لاکھ روپے کی امداد کا اعلان کیا ہے، لیکن ڈاکٹر طاہر القادری کا کہنا ہے کہ "شہدا" کا قصاص حکومت کا خاتمہ ہے۔ "یہ سارا معاملہ نہ صرف حکومت کو بہت بڑی بحرانی کیفیت میں مبتلا کر سکتا ہے، بلکہ ملک کے لیے بھی سنگین حالات کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے، جو حکومت کے

لیے انتہائی پریشان کن معاملہ ہے۔ اگرچہ اس واقعہ کی تمام تر ذمہ داری پنجاب حکومت پر ڈالی جارہی ہے، لیکن پنجاب حکومت اس واقعہ کی ذمہ داری منہاج القرآن و عوامی تحریک کے کارکنان پر ڈال رہی ہے۔ پنجاب کے وزیر قانون رانا ثناء اللہ کا کہنا ہے کہ جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ میں پتا چل جائے گا کہ ہلاک ہونے والوں کو پولیس کی" گولیاں لگیں یا کسی اور کی، اگر پولیس گنہگار ثابت ہوئی تو جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ کے بعد کارروائی کی جائے گی۔ منہاج القرآن مرکز میں مسلح لوگوں اور اسلحے کی موجودگی کی شکایات تھیں، جس پر پولیس اور مقامی انتظامیہ نے فیصلہ کیا کہ ابتدائی طور پر صرف بیریئرز ہٹائے جائیں گے، پولیس صرف بیریئرز کو ہٹانے کے لیے وہاں گئی۔ پولیس نے علی الصبح یہ کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا، جو زیادہ سے زیادہ 35 سے 40 منٹ کی کارروائی تھی، تاہم پولیس کے پہنچنے پر جس طرح کا ردعمل سامنے آیا اس کے نتیجے میں یہ واقعہ پیش آیا۔"پولیس کے مطابق دوران احتجاج پہلے پولیس نے نہیں، بلکہ منہاج القرآن کے کارکنوں نے گولیاں چلائیں۔ منہاج لقرآن سیکرٹریٹ سے 53 آٹو میٹک ہتھیار برآمد کیے گئے ہیں۔ منہاج القرآن کے مرکز کے باہر ہمارے خلاف انتہائی منظم انداز میں مزاحمت کی گئی، ہم پر گولیاں چلائی گئیں اور پیٹرول بم پھینکے گئے۔

ذرائع کے مطابق تحریک منہاج القرآن کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری نے تقریباً

سال سے ماڈل ٹاؤن ایم بلاک کی سڑکوں اور پارکوں پر قبضہ کر رکھا ہے اور 14 پولیس ایلیٹ فورس سے ملتی جلتی سیاہ وردیوں میں ملبوس مسلح گارڈز نے طاہر القادری کے گھر کے سامنے والے پارک میں اپنے رہائشی کیمپ لگا رکھے ہیں، جبکہ پارک کے ایک بڑے حصہ کو کار پارکنگ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ طاہر القادری کے گھر اور مرکزی دفتر کی جانب جانے والی سڑکوں پر بیریئرز لگا کر مسلح گارڈز کو تعینات کیا گیا تھا۔ پولیس وہاں موجود بیریئرز کو ہٹوانا چاہتی تھی، لیکن منہاج القران کے کارکنان کسی صورت ان کو ہٹانے نہیں دینا چاہتے تھے۔ پولیس ابتدا میں محتاط رہی حتیٰ کہ پتھر برسائے جانے پر وہ پیچھے بھی ہٹ گئی، جس کے نتیجے میں متعدد پولیس اہلکار زخمی ہوئے۔ ضلعی انتظامیہ نے 4 سال قبل منہاج القرآن مرکز کے اطراف کھڑی رکاوٹیں دور کرنے کا فیصلہ کیا۔ پہلی کارروائی میں صرف 10 پولیس اہلکار شریک ہوئے، اس دوران عوامی تحریک کے کارکنوں نے پتھر برسا کر پولیس کو فرار پر مجبور کیا۔ عینی شاہدین کے مطابق منہاج القرآن مرکز کے اطراف کے 4 مکانات عوامی تحریک نے کرائے پر لے رکھے ہیں، جن کو ویمن ہاسٹلز کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، جبکہ مرکز میں ملازم افراد نے قریبی مارکیٹ کے ساتھ فلیٹس میں رہائش اختیار کر رکھی ہے۔ پولیس کے وہاں پہنچنے پر فوری طور پر سب کو جمع کر لیا گیا، اندازاً جن کی تعداد چار سو سے چھ سو کے درمیان تھی، جنہوں نے پولیس پر خشت باری کی۔ اس موقع پر خواتین اور بچوں کو بطور ڈھال آگے آگے رکھا گیا۔ ذرائع

کا یہ بھی کہنا ہے کہ رات کے وقت ہی قریبی علاقوں اور شہروں سے منہاج القرآن کے کارکنان کو فون کرکے بلالیا گیا اور کہا گیا کہ قائد کا حکم ہے فوری پہنچیں، چند سو طلبا بغداد ٹاؤن سے بھی کچھ ہی دیر میں پہنچ گئے۔ جو ہر قسم کی مزاحمت کے لیے تیار تھے۔ نماز فجر کے لیے عوامی تحریک کے کارکنوں کی تعداد مزید بڑھنے لگی تو منگل کی صبح 5:30 بجے پولیس واپس آئی تو پھر سے اس کا پتھر برسا کر استقبال کیا گیا۔ جس کے جواب میں پولیس نے آنسو گیس کی شیلنگ کی۔ اس دوران طاہر القادری نے صبح 5 بجکر 30 منٹ پر اپنے ایک ٹوئٹر پیغام میں کارکنوں کو ہر قسم کی مزاحمت سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار رہنے کی ہدایت بھی کردی تھی۔ ٹوئیٹر پیغام میں ان کا کہنا تھا کہ "یہ میرے کارکنوں کی پہلی آزمائش ہے، وہ اپنی جانیں قربان کردیں گے، لیکن سر نہیں جھکائیں گے" جس نے کارکنوں کو مزید مزاحمت کرنے پر اکسایا اور کارکن پولیس پر پتھراؤ، جبکہ پولیس آنسو گیس شیلنگ سے اس کا جواب دیتی رہی۔ ذرائع کے مطابق منہاج القرآن مسجد میں منہاج القرآن کے ایک رہنما شعلہ بیان مقرر مولانا صادق قریشی کارکنوں کو "شہادت" کی تحریک دیتے رہے۔ لاؤڈ اسپیکر پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا "آج پھر یہاں ایک کربلا سجے گا، حسینیت کو زندہ کرنے کا وقت آگیا ہے، میدان میں نکلو کہ یہی تو شہادت کا وقت ہے، باہر نکلو اور شہادت کو گلے لگاؤ یا پھر غازی بن کر لوٹو"۔ یہ تقریر پون گھنٹے تک جاری رہی۔ اس تقریر نے جلتی پر آگ کا کام کیا اور کارکنوں نے دوبارہ

پولیس پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ یہ بھی ہوا کہ کچھ کچھ دیر بعد منہاج القرآن کے مقامی رہنما آ کر کارکنوں کو جوش دلاتے رہے، جس سے معاملہ مزید بگڑتا گیا۔ صبح 9:30 بجے پولیس 100 اہلکاروں کے ساتھ جب تیسری بار موقع پر پہنچی، اس بار بھی ان پر پتھر برسائے گئے۔ اس بار بھی وہ پسپا ہوئے، پولیس حکام کے مطابق جب پولیس چوتھی بار مقابلے کے لیے پہنچی تو ان پر پتھراؤ کے ساتھ ساتھ فائرنگ بھی کی گئی، جس سے تقریباً 29 پولیس اہلکار زخمی ہو گئے۔ جوابی فائرنگ میں 8 افراد جاں بحق ہوئے، جن میں 6 کارکن اور دو راہگیر بتائے جاتے ہیں۔ عوامی تحریک کا دعویٰ ہے کہ ان کے کارکن غیر مسلح تھے، جبکہ عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ پولیس نے موقع سے گرفتار کارکنوں کے قبضے سے اسلحہ برآمد کیا ہے۔ عینی شاہدین کے مطابق فائرنگ کا سلسلہ صبح ہی شروع ہو گیا تھا فائرنگ دونوں جانب سے کی جا رہی تھی، حتمی طور پر یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ فائرنگ کی ابتدا کس جانب سے ہوئی اور فائرنگ دونوں جانب سے جاری تھی اس لیے یہ بھی نہیں بتایا جا سکتا کہ مرنے والے کس جانب کی فائرنگ سے جاں بحق ہوئے ہیں۔

دوسری جانب لاہور واقعے سے متعلق انٹیلی جنس اداروں کی جانب سے تیار کی جانے والی ابتدائی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ واقعہ کے دن طاہر القادری نے ویڈیو لنک کے ذریعے اشتعال انگیز خطاب کیا، جس کی وجہ سے صورتحال میں

کشیدگی پیدا ہو گئی اور یہی وجہ تھی کہ منہاج القرآن کے کارکنوں نے پولیس پر حملہ کیا، جو وہاں سے رکاوٹیں ہٹانے گئی تھی۔ رپورٹس سے معلوم ہوا ہے کہ پولیس پر فائرنگ کے لیے بنکر بنائے گئے تھے، جبکہ منہاج القرآن کی عمارت میں اسلحہ بھی موجود تھا۔ پولیس نے کچھ اسلحہ برآمد کرلیا ہے۔ وہاں موجود نوجوانوں نے چھاپے کے لیے آئے ہوئے اہلکاروں پر پتھراؤ کیا اور ان پر اینٹیں برسائیں۔ اہلکار اس طرح کے رد عمل کے لیے تیار نہیں تھے۔ میونسپل اسٹاف کی جانب سے رکاوٹیں ہٹانے کے لیے اپنی کارروائی کا آغاز کیا، لیکن طلبہ اور نوجوان انتہائی مشتعل تھے، کیونکہ انہوں نے طاہر القادری کا پرجوش خطاب سنا تھا، جس کی وجہ سے جنگ شروع ہو گئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ نوجوانوں کو لاٹھیاں، پتھر، اینٹیں اور اسلحہ انتہائی منظم انداز سے فراہم کیا گیا تھا۔ پولیس نے اپنے دفاع میں کارروائی کی۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ لاہور واقعہ ملکی تاریخ کا بدترین واقعہ ہے، اس واقعہ میں حکومت اور عوامی تحریک کے کارکنان دونوں شریک جرم ہیں، ایک طرف کارکنان نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اور اس پر جلتی کا کام عوامی تحریک کے لیڈر کی تقریر نے کیا، جبکہ دوسری جانب حکومت نے آمرانہ انداز میں اس معاملے سے نمٹنے کی کوشش کی اور آٹھ قیمتی جانیں چھین لیں، حالانکہ صرف تجاوزات کا معاملہ تھا، جسے گفت و شنید کے ذریعے بھی حل کیا جاسکتا تھا، لیکن حکومت نے طاقت کا استعمال کیا جو ملک و قوم کے لیے نقصان کا باعث ہے۔

سیکورٹی

کیا اسلامی ممالک کی پہلی اور دنیا کی ساتویں ایٹمی طاقت میں سیکورٹی نام کی کوئی چیز ہے یا سیکورٹی کا صرف نام باقی ہے؟ ذمے داران ملک کے اہم مقامات کی بھی حفاظت کرنے کی صلاحیت سے عاری ہیں یا پھر کاہلی و نااہلی کا شکار؟ مستحکم جمہوری حکومت میں ایسی ایسی کارروائیاں باآسانی پایہ تکمیل تک پہنچ رہی ہیں، جو کسی مکمل جنگ زدہ ملک میں ہی ممکن ہو سکتی ہیں۔ ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا ٹارگٹ یوں آسانی سے نشانہ بنایا جارہا ہے، جیسے کوئی معمولی سا کام ہو۔ ان حالات میں ملک پر خوف و وحشت کے منڈلاتے بادل اب مزید گہرے ہو رہے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ دہشت صرف نہتے اور پرامن شہریوں کا ہی مقدر ہے، مسلح لوگ ہر قسم کی دہشت سے بے نیاز و آزاد۔ کراچی ائیرپورٹ پر لگی آگ ابھی بجھی بھی نہ تھی کہ ائیرپورٹ سے ملحقہ ASF کے ہیڈ کوارٹر پر بھی بلا خوف وخطر حملہ کیا گیا۔ اگرچہ کچھ نقصان نہ ہوا، لیکن دیدہ دلیری تو دیکھیے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ سندھ حکومت و وفاق کئی ماہ سے تواتر کے ساتھ کراچی میں کامیاب آپریشن کا راگ الاپ رہے ہیں۔ عرصہ دراز سے رینجرز اور پولیس کے علاوہ خفیہ ادارے بھی ریڈالرٹ بتائے جاتے ہیں۔ ہر قسم کی کارروائی سے نمٹنے کے بلند و بانگ دعوے بھی بڑے زور و شور سے کیے

جارہے ہیں۔ منہ توڑ جواب دینے کی باتیں بھی کی جاتی ہیں، لیکن کراچی ایئرپورٹ پر خوفناک اور اعصاب شکن حملے نے ایک طرف تو حکومت کی اہلیت و قابلیت کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے، جبکہ دوسری جانب شہر اور حساس مقامات کی سیکورٹی کا بھی بھانڈا بیچ چوراہے پھوڑ دیا ہے۔ سب ڈینگیں ہوا میں تحلیل ہوگئیں اور دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے ہیں۔ اب تو سب کو وفاقی و صوبائی حکومت کے دعوؤں کی حقیقت کا ادارک ہو ہی جانا چاہیے۔

حملہ آور نہایت اطمینان سے ایئرپورٹ میں داخل ہوئے، تہی دست نہیں، بلکہ راکٹ لانچروں، خودکش جیکٹوں اور خطرناک اسلحے سمیت، ایئرپورٹ کے حساس ترین آلات بھی انھیں پکڑ نہ سکے اور اگر اسلحہ پہلے ہی پہنچا دیا گیا تھا تو وہاں متعین سیکورٹی کی نظر سے بچا کیوں؟ حملہ آوروں نے بھرپور طاقت سے کارروائی کرکے خوب تباہی مچائی، اربوں روپے کا نقصان تو رہا ایک طرف، تیس کے لگ بھگ لاشے اور اس سے کچھ کم زخمی، شہر پر خوف و ہراس کی تنی چادر اور ملک کا سب سے بڑا ایئرپورٹ آگ میں لپٹا چھوڑا اور دنیا بھر میں جو جگ ہنسائی ہوئی اس کا کوئی بدل ہی نہیں۔ اگرچہ حملہ آور خود بھی مارے گئے، لیکن یہ ان کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ وہ تو آئے ہی مرنے کے لیے تھے۔ پھر ان کی موت پر شاداں و فرحاں ہونے کا کیا مطلب؟ اگر بہت بڑے نقصان کے بعد وہ مارے بھی گئے تو یہ کوئی بڑا کارنامہ تو نہیں۔ حیرانگی ہے کہ ایک عام شہری

تو شہر میں بھی آزادی سے نہ گھوم سکے، اس کے لیے لاکھوں پابندیاں، لاتعداد ناکے، سیکورٹی کے نام پر شہریوں کے حقوق تک سلب کر لیے جاتے ہیں، جبکہ حملہ آور بلا دھڑک جا گھسے۔ حالانکہ ائیرپورٹ جیسے اہم مقام پر انتہائی سخت سیکورٹی تعینات ہونی چاہیے، لیکن حکومتی نااہلی کا حال یہ کہ شنید ہے یہاں حفاظتی اقدامات کی نگرانی کے انچارج چیف سیکورٹی افسر سول ایوی ایشن اتھارٹی کراچی کا عہدہ ہی گزشتہ 6 ماہ سے خالی تھا۔ سیکورٹی کے حوالے سے اس قسم کے سقم ہوں تو پھر وقتاً فوقتاً "جناح ائیرپورٹ" جیسے سانحات بھی رونما ہوتے رہتے ہیں۔ یہ کوئی پہلا حملہ تو نہیں تھا، بلکہ اس سے پہلے بھی کئی بار ایسی آفتیں آ چکی ہیں۔ اکتوبر 2009 میں راولپنڈی میں پاکستانی فوج کے صدر دفتر پر بھرپور انداز میں ہلا بولا گیا۔ مئی 2011 کو کراچی میں پاکستانی بحریہ کی مہران بیس پر تباہ کن حملہ ہو چکا۔ اگست 2012 ضلع اٹک میں پاک فضائیہ کے کامرہ ایئر بیس کو منظم کارروائی کا نشانہ بنایا جا چکا اور دسمبر 2012 میں پشاور میں باچا خان ہوائی اڈہ بھی انہی حالات سے دوچار ہو چکا ہے۔ ان تمام حملوں میں حملہ آوروں نے جدید اسلحے سے لیس ہو کر انتہائی منظم انداز میں حملے کیے، جس کے نتیجے میں ملک کی ساکھ اور قیمتی جانوں کے ساتھ ساتھ بے پناہ مالی نقصان بھی ہوا۔ جب یہ سب کچھ پہلے ہو چکا، اس کے بعد بھی سخت حفاظتی انتظامات کیوں نہ کیے؟

یہ تو دہشتگردوں کی "عنایت" کہ روز روز اور ہر جگہ ایسے حملے نہیں کرتے، ورنہ ان کے سامنے کونسی رکاوٹ ہے۔ جب ملک کا سب سے بڑا ائیرپورٹ محفوظ نہیں تو اس سے کم اہم مقامات پر حملے کرنا ان کے لیے کیا مشکل ہے۔ اب تو معلوم ہوتا ہے کہ ملک کا کوئی مقام بھی محفوظ نہیں ہے، جبکہ ہمارے وزراء ہر حملے کے بعد میٹنگز میں دہشتگردوں کے ساتھ سختی سے نمٹنے کے دعوے کرتے ہیں، حسبِ سابق کچھ ہنگامی اجلاس ہوتے ہیں۔ کچھ دن تک میڈیا میں باتیں ہوتی ہیں۔ ذمہ داروں کے دعوے نشر ہوتے ہیں اور پھر حسبِ روایت معاملے پر خاموشی کی دبیز چادر ڈال دی جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ عناصر کسی دوسری جگہ ایسی خطرناک کارروائی کر چکے ہوتے ہیں، لیکن یہاں نہ مستقبل کا کوئی پلان اور نہ ہی ماضی پر کچھ پشیمانی۔ نہ کوئی استعفا دیتا ہے اور نہ کسی سے استعفا لیا جاتا ہے۔ اپنی ذمہ داری سمجھنے کو کوئی بھی تیار نہیں ہوتا۔ جیسے کراچی ائیرپورٹ حملے کے معاملے میں سندھ حکومت وفاق کو قصور وار ٹھہرا رہی ہے، جبکہ وفاق سندھ حکومت کی ذمہ داری بتا رہا ہے۔ حالانکہ قصوروار سب ہی ہیں۔ ذمہ دار سب ہیں۔ دوسرے ممالک میں ایسے کسی بھی واقعہ کے بعد ذمہ دار ران خود ہی شرمندگی میں استعفا پیش کر دیتے ہیں، لیکن یہاں گنگا الٹی بہتی ہے، استعفا تو رہا ایک طرف، اُس وقت تک عملی طور پر بھی کچھ نہیں کیا جاتا، جب تک کوئی اور اس نوعیت کا سانحہ رونما نہیں ہو جاتا، شاید ہم وہ قوم ہیں جو پیاس لگنے پر ہی کنواں کھودتی ہے۔

کم از کم اگر گزشتہ صرف ایک سال کے دوران ہی تمام صوبائی حکومتیں اور وفاق مل جل کر مستقل بنیادوں پر ایسے واقعات کی روک تھام کے لیے سخت انتظامات کرتے اور وسائل کا رخ دہشت گردی کی روک تھام، عوام کے جان و مال، عزت و آبرو اور قومی تنصیبات و اثاثوں کی حفاظت کی طرف موڑا جاتا، آئی پی پیز کو اربوں روپے دان کرنے کی بجائے وہی رقم کسی نئی سریع الحرکت فورس کے قیام، تربیت، جدید اسلحے کی فراہمی کے لیے مختص کی جاتی اور حکمران صرف چند بڑے شہروں میں سڑکوں کے بناؤ سنگھار، بلٹ ٹرین کے خیالی منصوبوں اور سیاسی داؤ پیچ پر قومی وسائل ضائع کرنے کی بجائے دہشت گردی پر خصوصی توجہ دیتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی، مگر حکمرانوں کے سر پر نام و نمود اور اپنی سیاست چمکانے کا بھوت سوار ہے۔ جہاں قوم کی حفاظت سے زیادہ اپنی حکومت کی حفاظت عزیز ہو اور حکمرانوں کو قوم کی جان و مال کی بجائے اپنے نام و نمود کی زیادہ فکر ہو تو وہاں یہی کچھ ہوتا ہے، جو کچھ ہو آیا۔ ملک کے تمام مقامات کی سیکورٹی فول پروف بنانا، تخریب کاری و دہشت گردی کے خاتمے اور ملک میں قیام امن پر توجہ دینا انتہائی ضروری ہے، جس کو صرف اور صرف اسی صورت عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے، جب حکمران اپنے نام و نمود کی بجائے ملک و قوم کے مفاد کو ترجیح دینے کی حکمت عملی بروئے کار لائیں۔

بے یار و مددگار متاثرین وزیرستان آپریشن

اقوامِ متحدہ کے ادارہ برائے مہاجرین کا کہنا ہے کہ دنیا بھر میں جنگ یا لڑائی کے باعث جبراً نقل مکانی کرنے والوں کی تعداد پانچ کروڑ تک پہنچ گئی ہے، جو دوسری جنگ عظیم کے بعد سب سے بڑی تعداد ہے۔ مہاجرین کی مجموعی تعداد پانچ کروڑ بیس لاکھ ہے، جو گزشتہ سال کے مقابلے میں 60 لاکھ زیادہ ہے۔ 63 لاکھ افراد ایسے ہیں، جو برسوں سے مہاجر ہیں۔ اگر ان میں آئی ڈی پیز یعنی اپنے ہی ملک میں بے گھر ہونے والے افراد کو شامل کرلیا جائے تو یہ تعداد مزید بڑھ جاتی ہے۔ پاکستان کے علاقے وزیرستان کے لوگ بھی ان دنوں اپنے ہی ملک میں نقل مکانی کرنے پر مجبور ہیں۔ گزشتہ دنوں شروع ہونے والے فوجی آپریشن "ضربِ عضب" کے نتیجے میں وزیرستان کے لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر دربدر اور انتہائی مشکلات و کرب میں مبتلا ہیں۔ لوگوں کی مشکلات میں زیادہ اضافہ اس وجہ سے بھی ہو رہا ہے کہ اس آپریشن کی ابتدا ایک ایسے وقت میں کی گئی ہے، جب ملک تیرا سال کے بعد شدید گرمی کی لپیٹ میں ہے، جان لیوا گرمی میں اب تک بہت سے لوگ اپنی جان گنوا چکے ہیں اور اس کے ساتھ ہی کچھ روز کے بعد رمضان المبارک کی بھی آمد آمد ہے، سخت گرمی اور دربدری کی حالت میں متاثرین کے لیے رمضان المبارک گزارنا نہ صرف مشکل، بلکہ

انتہائی تکلیف دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ وزیرستان کے لوگ اپنے گھربار اور مال مویشی کو چھوڑ چھاڑ کر گزشتہ ایک ماہ سے مسلسل نقل مکانی کر رہے ہیں۔ آپریشن میں فوج کی جانب سے کرفیو میں پہلی مرتبہ تین دن کی نرمی ملنے کے بعد نقل مکانی کے اس سلسلے میں مزید تیزی آ گئی۔ کرفیو میں نرمی کی ڈیڈ لائن جمعہ کے روز ختم ہوئی ہے، جبکہ کرفیو میں نرمی ہوتے ہی میر علی کے علاقے سے سیکڑوں خاندانوں نے محفوظ مقامات کی جانب رخ کیا۔ کرفیو میں نرمی کے دنوں میں بنوں، میران شاہ سڑک متاثرین کی گاڑیوں کے رش کے باعث کسی جلوس کا منظر پیش کرتی رہی اور اس دوران نقل مکانی کرنے والے افراد ٹرکوں، ٹریکٹروں، ہائی ایس گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں پر خواتین اور بچوں سمیت قافلوں کی صورت میں وقفے وقفے سے بنوں پہنچتے رہے۔ بنوں میران شاہ روڈ ٹریفک کے لیے بند ہے، تاہم نقل مکانی کے باعث صرف آمدورفت کے لیے کھولا گیا ہے۔ نقل مکانی کرنے والے افراد کا حکومت سے مطالبہ ہے کہ ہمیں مزید دس روز اور دیے جائیں، تاکہ باآسانی محفوظ مقام پر منتقل ہو سکیں۔ کرفیو میں نرمی کے دوسرے روز تک نقل مکانی کرنے والوں کی تعداد ایک لاکھ 71 ہزار تھی، شمالی وزیرستان میں کرفیو میں نرمی کے بعد صرف چوبیس گھنٹوں میں ایک لاکھ نو ہزار چار سو چھیاسی افراد نے شمالی وزیرستان سے نقل مکانی کی، نقل مکانی کرنے والوں میں 38 ہزار خواتین، جبکہ ہزار آٹھ سو چھیاسی مرد اور 45 ہزار پانچ سو بچے شامل تھے۔ شمالی وزیرستان 55 میں تیسرے روز بھی نقل مکانی کا سلسلہ جاری رہا۔ ذرائع

کے مطابق گزشتہ صرف چھ روز میں سوا دو لاکھ سے زاید افراد نے وزیرستان سے نقل مکانی کی ہے، جن میں بچوں اور خواتین کی تعداد زیادہ ہے۔ بہت سے متاثرین اپنے مال مویشی کے ہمراہ نقل مکانی کرتے رہے۔ آپریشن کے مارے ہوئے کئی قبائلی جگہ نہ ہونے کے باعث گاڑیوں کی چھتوں پر بھی سفر کرتے رہے۔ میر علی کے ایک رہائشی کے مطابق آپریشن کی وجہ سے زیادہ تر علاقوں میں عام شہریوں کے مکانات نشانہ بنے ہیں اور ان کا کافی زیادہ نقصان بھی ہوا ہے۔ کرفیو کے دوران قیامت جیسا منظر تھا، تمام بازار اور تجارتی مراکز بند رہے، جس کی وجہ سے کھانے پینے کی اشیا اور ادویات کی شدید قلت رہی۔ اس سے بہتر تھا کہ ایک ہی وقت میں سارے وزیرستان پر ایٹم بم گرایا جاتا اور اس طرح قصہ ہی ختم ہو جاتا اور حکومت کی خواہش بھی پوری ہو جاتی۔ ذرائع کے مطابق شمالی وزیرستان کے علاقے میر علی، میرانشاہ اور گردونواح میں محسود قبیلے کے بیس سے پچیس ہزار افراد محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔ داوڑ وزیر قبائل کے ٹرانسپورٹرز ترجیحی بنیادوں پر اپنے قبیلے کے لوگوں کو علاقے سے نکالنے میں مشغول رہے، جبکہ سرکاری گاڑیوں کے ڈرائیوروں نے متاثرین کو اپنا سامان بھی ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا۔ دوسری جانب ٹرانسپورٹروں نے کرایوں میں کئی گنا اضافہ بھی کر دیا۔ عام حالات میں میر علی اور میرانشاہ سے بنوں کے لیے ڈاٹسن پک اپ کا کرایہ چھ سے آٹھ ہزار روپے ہوتا ہے، جو اب چالیس سے پچاس ہزار روپے وصول کیا جا رہا ہے۔ بیشتر متاثرین اس کی سکت نہیں رکھتے، اس لیے بڑی تعداد پیدل

اور خیچروں پر سامان منتقل کرنے پر مجبور ہے۔

اگرچہ وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا پرویز خٹک کا دعویٰ ہے کہ آپریشن کے نتیجے میں نقل مکانی کرنے والوں کے لیے انتظامات مکمل کر دیے گئے ہیں۔ آئی ڈی پیز وفاق کا مسئلہ ہے، پھر بھی ہم نے ان کے لیے 35 کروڑ روپے رکھے ہیں۔ خیبر پختونخواہ کے گورنر مہتاب احمد خان کے مطابق تمام متعلقہ اداروں کو نقل مکانی کرکے آنے والوں کے لیے عارضی رہائش اور دیگر ضروریات مہیا کرنے کے اقدامات کو یقینی بنانے کی ہدایت کی ہے۔

وفاقی حکومت کے عہدیدار بھی یہ کہہ چکے ہیں کہ شمالی وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والوں کی ہر ممکن مدد اور انھیں زندگی کی بنیادی ضروریات مہیا کی جائیں گی، جبکہ دوسری جانب میر علی سے بے گھر ہونے والے اکثریتی قبائلی خاندان بنوں، کرک، کوہاٹ، ڈیرہ اسمٰعیل خان اور ملک کے دیگر شہروں کا رخ کر رہے ہیں، جہاں وہ اپنے طور پر کرائے کے مکانات، رشتہ داروں اور دوستوں عزیزوں کے ہاں پناہ لینے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والے گل نعیم وزیر کا کہنا ہے کہ بنوں کے قریب ایک کیمپ بنایا گیا ہے، جہاں دس پندرہ خیمے لگائے گئے ہیں، لیکن اس میں کوئی بھی سہولت دستیاب نہیں ہے۔ وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والے زیادہ تر لوگوں کو کرائے کے گھر حاصل کرنے میں بھی مشکلات کا سامنا ہے۔ سرکاری سرپرستی میں ڈیرہ اسماعیل خان اور بنوں میں بنائے گئے کیمپوں میں قبائلی روایات، سہولیات کے فقدان اور شدید گرمی کی وجہ سے لوگ یہاں رہنے کے لیے

تیار نہیں ہیں۔ نہ یہاں بجلی ہے اور نہ ہی پانی ہے، یہاں تک کہ بیت الخلا کا انتظام نہیں ہے۔ اس سخت گرمی میں ان ضروری چیزوں کے بغیر کس طرح گزارہ ہو سکتا ہے۔

لوگوں کو بہت مشکلات کا سامنا ہے۔ مقامی صحافیوں کے مطابق شمالی وزیرستان سے بنوں تک تقریباً 40 کلومیٹر کے فاصلے پر محیط سڑک پر حکومت کی طرف سے متاثرین کے لیے کسی قسم کا کوئی ریلیف کیمپ یا فوڈ پوائنٹ نظر نہیں آیا۔ تاہم بنوں میران شاہ سڑک پر بعض مذہبی جماعتوں اور مقامی افراد کی طرف سے بعض مقامات پر چھوٹے چھوٹے کیمپ بنائے گئے ہیں، جہاں بے گھر افراد کے لیے شربت اور ٹھنڈے پانی کا انتظام کیا گیا ہے۔

شمالی وزیرستان سے بے گھر ہونے والے افراد کے لیے نیم خود مختار قبائلی ایف آر بکاخیل کے علاقے میں ایک متاثرین کیمپ قائم کیا گیا ہے، تاہم سہولیات کی کمی کے باعث وہاں ابھی تک کوئی متاثرہ خاندان نہیں جا سکا ہے۔ اس کیمپ تک ابھی تک میڈیا کو بھی رسائی نہیں دی گئی ہے۔ جس علاقے میں کیمپ بنایا گیا ہے، وہ علاقہ سانپ اور بچھوؤں کے لیے مشہور ہے، اس وجہ سے وہاں کوئی نہیں جائے گا اور نہ وہاں سہولیات مہیا کی گئی ہیں۔ ضلع بنوں کی حدود میں حکومت کی جانب سے تاحال متاثرین کے رہنے کا کوئی بندوبست نہیں کیا گیا ہے۔ کیمپوں میں صرف وہی لوگ جائیں گے جو کہ گھروں کے کرائے دینے کی استطاعت نہیں رکھتے یا پھر انھیں شہری علاقوں میں جگہ نہیں ملی۔

دوسری جانب خیبر پختونخوا حکومت نے صوبے میں امن وامان کی صورتحال اور آئی ڈی پیز کے انتظامات پر آل پارٹیز کانفرنس بلانے کا فیصلہ کرلیا، جبکہ حکومت بلوچستان نے صوبے کے داخلی و خارجی راستوں پر ایف سی کی اضافی نفری تعینات کردی ہے، تاکہ پاک فوج کی جانب سے آپریشن سے متاثرہ علاقے شمالی وزیرستان سے نقلِ مکانی کرنے والے افراد کو صوبہ میں داخل ہونے سے روکا جاسکے۔ یہ فیصلہ وزیراعلیٰ کی زیر صدارت اجلاس میں کیا گیا ہے۔ مبصرین کے مطابق وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والے لوگ ان دنوں انتہائی سخت مشکلات کا شکار ہیں، ان کے ساتھ تعاون کرنا وفاق اور تمام صوبوں کی ذمہ داری ہے۔ جبکہ وفاق کے پی کے پر ذمہ داری ڈال رہا ہے جبکہ کے پی کے کا کہنا ہے یہ ذمہ داری وفاق کی ہے۔ وزیرستان میں سب لوگ تو عسکریت پسند نہیں ہیں، وہاں کی اکثریت امن پسند ہے، لیکن اس کے باوجود آپریشن کی وجہ سے نقل مکانی کی وجہ سے لاکھوں لوگ سخت گرمی میں ایک طرف تو دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہیں اور دوسری جانب حکومت ان کی سہولت کے لیے کوئی اقدامات نہیں کر رہی ہے، متاثرین آپریشن میں بہت سے لوگ اپنے علاقوں میں معزز لوگ بھی ہیں، لیکن نقل مکانی کی وجہ سے انہیں انتہائی زیادہ خواری اٹھانا پڑتی ہے، باپردہ عورتیں اور معصوم بچے بھی اس خواری کا شکار ہوتے ہیں، ان تمام مسائل کے حل کے لیے بہت اقدامات کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، لیکن نہ تو حکومت ہی اقدامات کر رہی ہے اور نہ ہی وہ سیاستدان اس حوالے سے آواز اٹھا رہے ہیں جن کی سیاست کا

دارومدار روز اول سے ہی وزیرستان آپریشن کی مخالفت پر رہا ہے۔ بلوچستان وغیرہ میں ان کے داخلے پر اسی طرح پابندی لگادی گئی ہے، جس طرح گزشتہ سالوں میں سندھ میں مہاجرین سوات کے داخلے پر پابندی لگا کران کے خیمے اکھاڑ دیے گئے تھے۔ اس سے نقل مکانی کرنے والوں میں احساس محرومی بڑھے گا کہ وہ اپنے ملک میں ہی دربدر ہو کر رہ گئے ہیں۔ حکومت نے آپریشن تو شروع کردیا ہے، اب آپریشن سے متاثرین کے مسائل بھی کرے، یہ اسی کی ذمہ داری ہے۔

طاہر القادری کی آمد....ایک بار پھر انقلاب کا نعرہ؟

ڈاکٹر طاہر القادری کینڈین شہری ہیں، وہ جب بھی پاکستان واپسی کا اعلان کرتے ہیں تو پاکستانی سیاست اور سیاستدانوں میں "بھونچال" آجاتا ہے۔ ان کے ماضی و حال کے معاملات و تنازعات کا پنڈورا باکس کھل جاتا ہے، بعض ان کی شخصیت کو کرشماتی اور بعض پراسرار سمجھتے ہیں، ان سے متعلق سیاسی و غیر سیاسی اور مذہبی حلقوں میں بھی دلچسپ بحثیں چھڑ جاتی ہیں۔ اس بار ان کی پاکستان آمد ایک ایسے وقت میں ہو رہی ہے، جب ایک طرف سخت گرمی کے موسم میں کوئی بھی تحریک چلانا انتہائی مشکل ہے، جبکہ دوسری جانب پاک فوج نے وزیرستان میں آپریشن شروع کیا ہوا ہے، جس کے باعث ملک میں بدامنی بڑھنے کا شدید خدشہ ہے۔ اگرچہ خفیہ اداروں نے ڈاکٹر طاہر القادری کی آمد سے قبل ہی متنبہ کردیا تھا کہ ڈاکٹر طاہر القادری کا اسلام آباد ائیرپورٹ سے لاہور تک بذریعہ زمینی سفر سیکورٹی کے پیش نظر ٹھیک نہیں ہے، اگر طاہر القادری جی ٹی روڈ پر سفر کرنا چاہتے ہیں تو ان کو فل پروف سیکورٹی دینا ہوگی، کیونکہ طاہر القادری کی جان کو خطرات ہیں۔ جس کے پیش نظر حکومت کی جانب سے عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری کی راولپنڈی آمد سے قبل بے نظیر ائیرپورٹ اور اس کے نواح میں ہر قسم کے جلسے جلوسوں، ریلیوں پر پابندی عاید کر دی گئی تھی، راولپنڈی میں دفعہ 144 نافذ

کرتے ہوئے ایئرپورٹ میں جھنڈے اور بینرز لے جانے ،اس دوران اسلحے کی نمائش، موٹر سائیکل کی ڈبل سواری اور لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر پابندی عاید کردی گئی تھی، جبکہ طاہر القادری کا کہنا تھا کہ حکومت ان کے طیارے کا رخ موڑنے کی سازش کررہی ہے، لیکن وہ 23 جون کو وطن واپس ضرور آئیں گے۔ پولیس نے گرفتار کرنا چاہا تو ایسا نہیں کرنے دیں گے، پاک فوج نے پکڑنا چاہا تو مزاحمت نہیں کریں گے۔ اگر حکومت نے تشدد کا راستہ اپنایا تو انقلاب آج ہی آجائے گا۔ تجزیہ کاروں کے مطابق طاہر القادری ایک بار پھر انقلاب اور موجودہ سیاسی نظام کے خاتمے کا نعرہ لگاتے ہوئے ملک میں وارد ہورہے ہیں۔ سانحہ لاہور کے بعد نہ صرف ڈاکٹر طاہر القادری بلکہ ان کے حامی بھی بڑے مشتعل ہیں۔ بعض سیاسی عناصر جو طاہر القادری کے ساتھ ہیں یا جنہوں نے ان کے ساتھ زبانی طور پر یکجہتی کا اظہار کیا وہ نواز شریف حکومت کے لیے مشکلات کھڑی کرنے کی غرض سے کشیدگی کو ہوا دینا چاہتے ہیں، تاکہ صورتحال کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے۔ 17 جون کو لاہور میں تباہ کن بدانتظامی کے بعد پنجاب انتظامیہ کسی ممکنہ صورتحال سے نمٹنے میں نہایت محتاط ہے۔ جو دفاعی پوزیشن میں چلی گئی ہے۔ وزیراعلیٰ شہباز شریف کہہ چکے ہیں کہ وہ سانحہ لاہور کے براہ راست ذمہ دار نہیں ہیں۔ ان حالات میں پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری کی اسلام آباد آمد وفاقی اور پنجاب انتظامیہ کے لیے حقیقی چیلنج ہے۔ کینیڈا سے طاہر القادری کی آمد پر ان کے پرجوش حامیوں کو

اسلام آباد ایئرپورٹ پر قابو پانا انتظامیہ کی اہلیت، مہارت اور پیشہ ورانہ قابلیت کی کڑی آزمائش ہے۔

تجزیہ کاروں کے مطابق عوامی تحریک کے سربراہ علامہ طاہر القادری بڑی دھوم دھام سے یہ نعرہ لگا کر اور اس دعویٰ کے ساتھ وطن واپس پہنچ رہے ہیں کہ ان کی آمد پر ملک میں "پرامن جمہوری انقلاب کا آغاز" ہوگا۔ علامہ طاہر القادری ایک مدت سے سیاست نہیں ریاست بچاؤ ق کی بات کر رہے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ ان کی تمام تر" تحریک نہ صرف پرامن ہے، بلکہ آئین اور قانون کے مطابق ہے۔ پاکستان عوامی تحریک کے کارکن اپنے رہنما کی اس آمد کو ملک میں پرامن جمہوری انقلاب کا آغاز قرار دے رہے ہیں۔ اگرچہ طاہر القادری بڑے محترم ہیں۔ مغرب کے گڑھ میں بیٹھ کر اپنی تنظیم اور تحریک کو کامیابی سے چلانا قابل تحسین بھی ہے، لیکن وہ چاہتے کیا ہیں، یہ بات کوئی بھی نہیں سمجھ سکا۔ وہ کس انقلاب کی بات کرتے ہیں اور کس طریقے سے چاہتے ہیں، یہ کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے۔ ان کی سیاسی جماعت کے پاس نہ تو انتخابی نشان اور نہ ہی انہوں نے انتخابی عمل میں حصہ نہیں لیا، طاہر القادری کی پارلیمنٹ میں کوئی سیٹ نہیں ہے جو ایک غیر ملکی بھی ہیں۔ قادری صاحب کے انقلابی مارچ جس کی کوئی سمت بھی مقرر نہیں ہے کہ یہ مذہبی انقلاب ہوگا، سیاسی انقلاب ہوگا یا پھر معاشی یا کسی اور نوع کا انقلاب ہوگا۔ کینیڈا میں مقیم طاہر القادری اس

سے پہلے دسمبر 2012ء میں پاکستان آ کر ملک کی موجودہ سیاست کے خلاف شدید انداز میں آواز اٹھاتے ہوئے انقلاب کا نعرہ لگا چکے ہیں، لیکن ناکام لوٹے تھے۔ اب ایک بار پھر انقلاب کا نعرہ لگاتے ہوئے پاکستان وارد ہو رہے ہیں، لیکن اب کی بار بھی وہ کامیاب ہوتے دکھائی نہیں دیتے، کیونکہ وہ سیاست میں ناکام شخصیت ہیں۔ طاہر القادری نے عملی سیاست میں قدم رکھتے ہوئے 1989ء میں پاکستان عوامی تحریک کی بنیاد رکھی تھی۔ 2002ء میں وہ وزیراعظم بننا چاہتے تھے۔ پاکستانی صحافی محسن رضا خان کے مطابق ڈاکٹر قادری کا یہ منصوبہ ناکام ہوا، کیونکہ انتخابات میں ان کی جماعت صرف ایک نشست ہی حاصل کر سکی۔ بعد ازاں سابق صدر پرویز مشرف نے وزارت عظمیٰ کے عہدے کے لیے ان کے بارے میں سوچا بھی نہیں۔ اس ناکامی کے نتیجے میں ڈاکٹر قادری نے اپنا مینڈیٹ واپس کرتے ہوئے کینیڈا منتقل ہونے کا فیصلہ کیا۔ گو کہ ڈاکٹر طاہر القادری اس وقت ذرائع ابلاغ کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں، لیکن کب تک؟ کرسٹیان واگنر کے بقول ڈاکٹر قادری زیادہ عرصے تک اپنی پوزیشن برقرار نہیں رکھ سکیں گے۔ سیاست دانوں کا کہنا طاہر القادری غیر آئینی مطالبات کر کے عوام میں مایوسی پھیلا رہے ہیں، ڈاکٹر طاہر القادری کی باتیں بڑی خوبصورت ہیں مگر ان سے کچھ نہیں ہونے والا، بہتر ہے، وہ پاکستان آنے کی بجائے کینیڈا میں ہی رہیں۔ بعض سیاست دانوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ طاہر القادری جمہوریت کے خلاف سازش کر

رہے ہیں، لیکن وہ گزشتہ سال کی طرح اس بار بھی ناکام ہوں گے۔ جو لوگ لاشوں پر سیاست کر رہے ہیں، وہ اپنے مذموم عزائم میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ملک میں جب بھی بحران آئے اور عوام قدرتی آفات سے دوچار ہوئے تو لاشوں کی سیاست کرنے والے سیاستدان عوام کے ساتھ کھڑا ہونے کی بجائے بیرون ممالک برفانی فضاؤں کا لطف اٹھاتے رہے، عوام ان کے اس کردار سے بخوبی آگاہ ہیں۔ تحریک انصاف اور پیپلز پارٹی کو سانحہ لاہور پر عوامی تحریک سے ہمدردی ہے، لیکن وہ طاہر القادری کے لیے کوئی بڑا قدم اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ پیپلز پارٹی کے رہنما شرجیل میمن نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ وہ طاہر القادری کے احتجاج کا حصہ نہیں بنیں گے۔ دوسری جانب اگرچہ پاکستان تحریک انصاف اور عوامی تحریک کے درمیان خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اور عمران خان نے کہا ہے کہ تحریک انصاف عوامی تحریک کے غم میں برابر کی شریک ہے، لیکن ماہرین کی رائے ہے کہ تحریک انصاف اتنی جلدی عوامی تحریک کے گرینڈ الائنس کا حصہ نہیں بنے گی۔ ان کے علاوہ عوامی تحریک کی اتحادی جماعت مسلم لیگ ق رہ جاتی ہے، جو خود بے یارومددگار ہے، وہ انقلاب کی راہ کیسے ہموار کر سکتی ہے۔ لہٰذا اس بار بھی وہ ملک سے ناکام لوٹیں گے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق ایک جمہوری ملک ہونے کی حیثیت سے پاکستان میں کسی بھی سیاسی جماعت کو اپنے لیڈر کا ساتھ دینے کی اگرچہ مکمل آزادی حاصل ہے۔ عوامی تحریک کے رہنماء اور کارکن اپنے لیڈر کا ساتھ ضرور دیں، لیکن اس بات کو بہر طور مد نظر

رکھا جائے کہ ملکی قوانین کا پوری طرح احترام کیا جائے اور درپیش حالات میں ملک کی سلامتی کے تقاضوں کے مطابق جن احتیاطوں کی ضرورت ہے، انہیں پیش نظر رکھا جائے۔ ملک کے حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ عوامی تحریک ہی نہیں تمام سیاسی و مذہبی جماعتیں بھی اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ ملک اس وقت حالت جنگ میں ہے اور پاک فوج نے شمالی وزیرستان میں ضرب عضب آپریشن شروع کردیا ہے۔ اس وقت قومی اتحاد کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ اس وقت قومی اتحاد کو ہر صورت برقرار رکھا جائے اور ایسے کسی بھی اقدام سے گریز کیا جائے، جس سے اس اتحاد میں دراڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔

طاہر القادری کا انقلاب۔۔۔۔اک ادھورا خواب

"انقلاب" کے نعرے کے ساتھ ملک لوٹنے والے پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ طاہر القادری کا طویل اور ڈرامائی سفر کینیڈا، لندن، دبئی اور راولپنڈی سے ہوتا ہوا پیر کے روز لاہور میں اختتام پذیر ہوا۔ان کی آمد پر راولپنڈی اور اسلام آباد میں حکومت کی جانب سے زبردست حفاظتی انتظامات کیے گئے تھے۔اس دوران راولپنڈی میں پاکستان عوامی تحریک کے کارکنوں کی پولیس سے کئی جگہوں پر جھڑپیں بھی ہوئیں، جس میں پولیس کے سو سے زاید اہلکار زخمی ہوئے۔ پیر کے روز جب طاہر القادری امارات فضائی کمپنی کی ایک پرواز کے ذریعے دبئی سے اسلام آباد پہنچے تو ان کے طیارے کو بینظیر انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اترنے کی اجازت نہ مل سکی اور جہاز کو لاہور کے علامہ اقبال انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اترنے کا حکم ملا۔ پاکستان روانگی سے قبل طاہر القادری کا کہنا تھا کہ اگر حکومت نے میرے انقلاب کی راہ میں رکاوٹ ڈالی، تو انقلاب اسی وقت آجائے گا، لیکن برا ہو اس انقلاب کا جو یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی نہ آیا۔

طاہر القادری نے ہوائی جہاز کے لاہور پہنچنے پر ضد کرتے ہوئے طیارے سے باہر آنے سے انکار کردیا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ اسی صورت میں طیارے سے باہر آئیں گے جب فوج کا کوئی افسر آکر ان سے

بات چیت کرے گا، لیکن فوج کی جانب سے کسی افسر تو کیا، کوئی صوبیدار بھی ان سے ملنے نہ آیا اور قادری کی جانب سے کیے جانے والے مطالبے پر آئی ایس پی آر کی جانب سے ایک بھی لفظ نہیں کہا گیا۔ حالانکہ میڈیا کے اندر سے یہ رائے سامنے آ رہی تھی کہ آئی ایس پی آر کو چاہیے کہ وہ ڈاکٹر قادری کے مطالبات کو مسترد کردے، لیکن فوج نے خود کو اس پورے تنازع سے دور رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ذرائع کے مطابق پاکستان آرمی نے 2013ء میں بھی ڈاکٹر طاہر القادری کی مدد کے لیے درخواست مسترد کردی تھی اور ان سے کہا تھا کہ وہ متعلقہ وزارت سے رابطہ کریں۔ پیر کے روز طاہر القادری طیارے میں "منفرد دھرنا" دیے مسلسل فون پر مصروف رہے اور چند نمبروں سے جواب "موصول نہ ہونے پر جب وہ مایوس ہوگئے تو گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد" نے انہیں خبردار کیا کہ ان کا طیارے میں بیٹھ کر دھرنا دینا "ہائی جیکنگ" کا کیس بن سکتا ہے، جس سے عالمی سطح پر صرف پاکستان کے لیے ہی نہیں بلکہ کینیڈین شہریت کے حامل قادری کے لیے بھی معاملات پیچیدہ ہوجائیں گے اور انہوں نے واضح کردیا کہ کسی فوجی نمائندے کے آنے کی کوئی امید نہ رکھیں۔

انقلاب" لانے کے لے طیارے کے اندر میڈیا سے بات چیت کے دوران طاہر" القادری نئے نئے مطالبات پیش کرتے رہے اور ہر مطالبے کے ساتھ وہ اس بات کا اعادہ کرتے کہ جب تک اسے تسلیم نہیں کیا جائے گا میں طیارے سے باہر نہیں

آؤں گا، لاہور لینڈنگ ہونے کے بعد جب کور کمانڈر لاہور کو ایئرپورٹ پر بلانے کا مطالبہ پورا نہ ہوا تو، تھوڑی دیر بعد ان کا کہنا تھا کہ حکومت بلٹ پروف گاڑی فراہم کرے، ان کے ذاتی گارڈز کو ایپرن پر آنے دیا جائے تو وہ گھر چلے جائیں گے، میڈیا کو اس کی براہ راست کوریج کرنا ہوگی، طاہر القادری نے اس کے بعد طیارے سے اترنے کے لیے 24 گھنٹوں میں اپنے گھر کے باہر توڑے گئے بیریئرز دوبارہ لگانے کی شرط لگا دی، اس کے تھوڑی دیر بعد ان کی طرف سے کہا گیا کہ وہ گھر جانے سے پہلے اپنے زخمی کارکنوں کی ہسپتال جا کر عیادت کریں گے، ایئرپورٹ سے کارکنوں کو ساتھ لے کر جاؤں گا، اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے تمام کارکنوں کے خلاف درج مقدمات ختم کرنے کا مطالبہ بھی کیا۔ طاہر القادری نے جہاز کے اندر ان سے گورنر سندھ عشرت العباد کے ٹیلی فونک رابطوں کے بعد " فیس سیونگ " کے لیے گورنر پنجاب چودھری محمد سرور کے آنے کا مطالبہ کیا۔ واضح رہے کہ طاہر القادری نے صرف پیر کے روز ہی فوج کو مدد کے لیے نہیں پکارا، بلکہ وہ فوج سے امداد کے لیے اپیلیں کینیڈا سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔ جب لاہور میں ان کے کارکن جاں بحق ہوئے تب بھی وہ بار بار فوج کو پکار رہے تھے کہ وہ کردار ادا کرے اور ان کے سیکرٹریٹ کے تحفظ کے لیے پہنچ جائے، لیکن آئین کے تحت حکومتی احکامات کی پابند فوج نے نہ آنا تھا نہ آئی۔ صرف یہی نہیں، بلکہ منہاج القرآن سیکریٹریٹ کے باہر اجتماع میں موجود کارکنوں کی بیشتر تعداد بھی فوج کی امداد کی خواہاں تھی۔

تجزیہ کاروں کے مطابق طاہر القادری چاہتے ہیں کہ فوج حکومت کا تختہ الٹ دے اور ان کی خواہش ہے کہ فوجی آمریت میں انھیں ایک روحانی پیشوا کا درجہ حاصل ہو جائے اور ان کے جاری کردہ احکامات پر ملک بھر میں عملدرآمد ہو، لیکن ایسا ہوگا نہیں۔ ان حالات میں طاہر القادری کا ساتھ دینے کے لیے مسلم لیگ قاف کی لیڈر شپ چودھری برادران اور عوامی مسلم لیگ کے رہنما شیخ رشید میدان عمل میں ہیں۔ یہ وہ مسلم لیگی ہیں جو فوجی حکمرانی کے دور میں اقتدار میں آئے۔ آمر پرویز مشرف کے دور میں چودھری شجاعت نگران وزیر اعظم، چودھری پرویز الٰہی وزیر اعلی پنجاب اور شیخ رشید احمد وفاقی وزیر اطلاعات کے عہدوں پر متمکن رہے، لیکن بعد میں فوجی حکمران کی سرپرستی کے بغیر ہونے والے دو عام انتخابات کے نتائج نے ان کی انتخابی اہلیت کا پول کھول دیا ہے۔ یہ رہنما بمشکل اپنی اپنی نشستوں پر ہی کامیاب ہو پائے۔ جو رہنما بمشکل صرف اپنی نشست پر کامیابی حاصل کر سکیں، وہ انقلاب کیا لائیں گے؟ جبکہ دوسری جانب طاہر القادری کے تعاون کا دم بھرنے والے عمران خان پیر کے روز نہ تو قادری صاحب کا استقبال کرنے کے لیے گئے اور ان کا کوئی تعاون کیا، جس سے قادری انقلاب کی قلعی مزید کھل گئی ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ یہ تو ثابت ہوگیا کہ طاہر القادری اپنے ساتھ تعاون کرنے والوں کے ذریعے کوئی بھی انقلاب لانے سے قاصر ہیں، تو پھر قادری صاحب چاہتے کیا ہیں؟ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ طاہر

القادری نواز شریف کے گرد جال بچھا رہے ہیں کہ وہ غلطیاں کریں، وزیراعظم اسٹیل کے تین پایوں والی کرسی پر بیٹھے ہیں، سیاسی، قانونی اور اخلاقی۔ نواز شریف کا سیاسی جواز ارکان قومی اسمبلی ہیں، قانونی جواز اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین ہے۔ طاہر 190 القادری کے پاس نہ سیاسی جواز ہے نہ آئینی۔ یقیناً وہ وزیراعظم کی سیاسی اور آئینی حیثیت، قانونی جواز کو ختم نہیں کر سکتے، ان کا اصل مقصد حکومت کو کنفیوژ کرکے اخلاقی غلطیاں کرانا اور وزیراعظم کی کرسی کے اخلاقی جواز کو ختم کرانا ہے، یہ اخلاقی پایا ٹوٹتا ہے تو نواز شریف کی معاملات سے نمٹنے کی صلاحیت کم یا ختم ہو جائے گی اور ایسا ہوا تو وزیراعظم کھلے حملوں کا آسان ہدف بن جائیں گے۔ طاہر القادری اپنی سیاسی بساط کو پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں، جبکہ وزیراعظم اپنی بساط کو بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تاہم ماڈل ٹاؤن سانحہ نے ان کے اخلاقی جواز کو شدید متاثر کیا ہے۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن میں بھی کچھ نادیدہ قوتیں بظاہر متحرک نظر آتی ہیں، اس حوالے سے وزیراعلیٰ شہباز شریف کی اس بات کو اہمیت دینے کی ضرورت ہے کہ گزشتہ ہفتے ان کے منع کرنے کے باوجود پولیس نے نہ صرف آپریشن نہیں روکا، بلکہ الٹا براہ راست فائرنگ کی، جس کے نتیجے میں ان کی ایک عرصے کی محنت پر پانی پھر گیا اور ان کی ساکھ پر برا اثر پڑا ہے۔ اسمبلی میں پارلیمنٹ لیڈر خورشید شاہ کا بھی کہنا ہے کہ ایسا کوئی ضرور ہے جو نواز شریف کی حکومت کو آئینی مدت سے پہلے ختم کرانا چاہتا

ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ طاہر القادری کی ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ کس انقلاب کی بات کرتے ہیں جو وہ ہر دوسرے دن کینڈا سے لے کر آ جاتے ہیں۔ یہ بات تو واضح ہے کہ انقلاب تو انقلاب ہی ہوتا ہے، چاہے دنیا کے جس ملک میں بھی برپا ہو، اس کے اثرات بھی تقریباً ایک ہی جیسے ہوتے ہیں اور جو لوگ انقلاب کی رہنمائی کرتے ہیں، وہ موت سے نہیں ڈرتے، بلکہ موت ان سے ڈرتی ہے اور وہ عوام کے اندر رہ کر جدوجہد اور کوشش کرتے ہیں اور وہ گولیاں پیچھے سے نہیں کھاتے، بلکہ سینے پر کھاتے ہیں اور پر تعیش زندگی ترک کر کے عام بندے کی مشکلات کو اپنے اوپر جھیلتے ہیں، مگر قادری صاحب انقلاب کنٹینر اور ہوائی جہاز ہی میں کیوں لاتے ہیں؟ عوام سردی اور گرمی میں مرتے ہیں اور قادری صاحب کبھی گرم کنٹینر میں مزے لیتے ہیں اور کبھی ائر کنڈیشنر جہاز میں تشریف رکھتے ہیں۔" انقلابی" لیڈر طاہر القادری جان دینا تو کجا اپنے کپڑے میلے نہیں ہونے دیتے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ صرف دعوؤں سے ملک میں انقلاب برپا نہیں ہوتا۔ اس کے لیے حقیقی رہنما بن کر سالوں محنت کرنا پڑتی ہے، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں، شر انگیز بیانات سے قوم کو بھڑکانے کی بجائے بے خوفی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ طاہر القادری کہتے ہیں کہ وہ انقلاب لائے بغیر پاکستان سے نہیں جائیں گے۔ آخر وہ

کس قسم کے انقلاب کی بات کر رہے ہیں، انھوں نے کچھ لوگ تو اکھٹے کر لیے، مگر وہ ابھی تک ایسی سیاست نہیں کر سکے کہ ووٹ کے ذریعے پارلیمان کا حصہ بننے میں کامیاب ہو سکیں، وہ اپنی کینیڈا کی شہریت تو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں، انقلاب کیسے لائیں گے۔ ان کا انقلاب یہی ہے کہ ووٹ کی بجائے فوج کے کندھے پر پاکستان پر حکمرانی کریں، لیکن ایسا ہوگا نہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ قادری صاحب جس ملک سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور جس عوام کے مسیحا بننے کی کوشش کرتے ہیں، اس وقت یہی ملک کینیڈی انقلاب کا متحمل نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ وطن عزیز اس وقت بدامنی کی مہلک بیماری سے انتہائی لاگر ہونے کے ساتھ ساتھ مزید کئی مسائل کے گرداب میں پھنسا ہوا ہے اور فوج اس وقت شمالی وزیرستان میں آپریشن شروع کیے ہوئے ہے۔ اگر قادری صاحب اس ملک سے واقع مخلص ہیں تو ملک میں مزید مسائل پیدا کرنے کی بجائے ان کو حل کرنے میں حکومت کے ساتھ تعاون کریں۔

آپریشن متاثرین کی تعداد میں مسلسل اضافہ.....ایک اور انسانی المیے کا جنم؟

18 جون سے وزیرستان میں فوج کا آپریشن جاری ہے، جس کی زد میں عسکریت پسندوں کے ساتھ عوام بھی آرہے ہیں۔ منگل کے روز فوج کی بمباری سے ایک ماں اپنے پانچ بچوں سمیت زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ اس سے پہلے بھی ڈرون حملوں کی طرح فوجی آپریشن میں بھی عوام نشانہ بنتے رہے ہیں۔ پاک فوج کے وزیرستان میں آپریشن "ضرب عضب" شروع کرنے کے بعد سے وزیرستان کے عوام کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ لوگ اپنی جان بچانے کے لیے بے یقینی، خوف اور مایوسی کی کیفیت میں اپنا گھر بار چھوڑ کر جوق در جوق وزیرستان سے نکل کر ایسی منزل کی جانب رواں دواں ہیں، جس منزل کا انہیں خود بھی کچھ علم نہیں ہے۔ فوج کی جانب سے نقل مکانی کے لیے دی گئی مہلت میں گاڑیوں کا بھاری بھر کم کرایہ ادا کرکے اپنے سامان سمیت بہت سے لوگ وزیرستان سے نکلنے میں کامیاب ہوئے، جان لیوا گرمی میں بہت سے خاندان انتہائی بے چارگی و بے سروسامانی کی حالت میں پیدل 18 سے 20 گھنٹوں کی مسافت طے کرکے خواتین، بچوں اور مال مویشیوں سمیت بنوں پہنچے۔ راستے میں بھوک پیاس اور دیگر مشکلات کے باعث متعدد بچوں کی اموات بھی ہوئیں اور مسلسل پیدل چلنے کی وجہ سے بہت سے بیمار بھی پڑگئے۔ چند دنوں میں ہی ہزارہا گھرانے پاکستانی فوج کی

بمباری سے بچنے کے لیے شمالی وزیرستان سے نکلنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق آپریشن کے باعث اب تک پانچ لاکھ کے لگ بھگ افراد وزیرستان سے نقل مکانی کر چکے ہیں۔ پاکستان میں وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقوں میں آفات سے نمٹنے کے علاقائی ادارے فاٹا ڈیزاسٹر مینیجمنٹ اتھارٹی کی طرف سے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق شمالی وزیرستان سے اب تک نقل مکانی کرنے والوں میں ایک لاکھ 90 ہزار سے زاید بچے، جب کہ ایک لاکھ 43 ہزار خواتین شامل ہیں۔ حکومت نے باضابطہ طور پر منگل کے روز یہ اعلان کیا کہ شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن آگے بڑھنے سے یہ تعداد چھ لاکھ تک پہنچ سکتی ہے۔ جبکہ مہاجرین کے حوالے سے کام کرنے والے اقوام متحدہ کے ادارے (عالمی ادارہ برائے مہاجرین) یونائٹڈ نیشنز ہائی کمیشن فار رفیوجیز کے مطابق وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والے افراد کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔

نقل مکانی کرنے والوں میں بہت سے ایسے خاندان بھی ہیں جنہیں بنوں میں داخلے سے پہلے شدید گرمی میں بھوکوں پیاسوں کئی کئی گھنٹے شہر سے باہر قائم حکومتی مرکز پر شناختی عمل سے بھی گزرنا پڑا ہے۔ افراتفری میں بہت سے لوگوں نے اپنے خاندان سمیت وزیرستان سے نقل مکانی تو کر لی ہے، مگر ایسے بزرگ افراد جو چلنے پھرنے سے معذور ہیں، انہیں زیادہ تکلیف کا سامنا ہے۔ مسلسل چلنے کی وجہ سے اکثر و بیشتر بزرگ حضرات بیمار پڑ گئے ہیں۔

نقل مکانی کرنے والے افراد کی بے چارگی کا یہ عالم ہے کہ خلیل وزیر شمالی وزیرستان کے ایک فلاحی ورکر، جو 1500 رضاکاروں اور بلڈ ڈونرز پر مشتمل ایک فلاحی ادارے شمالی وزیرستان ایکشن کمیٹی کے صدر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پہلے وہ خود دیگر افراد کی امداد کرتے تھے، مگر اب انہیں خود مدد کی ضرورت ہے۔ ذرائع کے مطابق عوام کی ایک بڑی تعداد ابھی تک وزیرستان میں پھنسی ہوئی ہے۔ نقل مکانی کرکے بنوں پہنچنے والے افراد کا کہنا ہے کہ جو لوگ کرایہ ادا کر سکتے تھے، وہ تو قبائلی علاقے سے نکل گئے ہیں، مگر بہت سے لوگ تاحال شمالی وزیرستان میں موجود ہیں اور وہاں سے نہ نکل پانے کی صورت میں فوجی بمباری کے دوران ان کے مارے جانے کا خدشہ ہے۔ فوج کی جانب سے نقل مکانی کے لیے ملنے والی مہلت کے دوران ڈرائیوروں نے کرایہ اتنا زیادہ بڑھا دیا تھا کہ غریب لوگ کرایہ ادا کر ہی نہیں سکتے تھے اور حکومت نے بھی ان کی مدد کے لیے مناسب اقدامات نہیں کیے۔ میران شاہ سے بنوں پہنچنے والے غلام رسول کہتے ہیں: "میرے گھر کے افراد ابھی تک وہاں پھنسے ہوئے ہیں۔ میرے کچھ رشتہ داروں کو یہاں آنے کے لیے میلوں پیدل چلنا پڑا ہے۔" غلام رسول کا کہنا ہے کہ بمباری شروع ہونے سے پہلے عسکریت پسند میر علی اور میران شاہ سے نکل چکے تھے۔ اب اس فوجی کارروائی کا کیا فائدہ ہے؟ یہ کسے مارنے کی کوشش کر رہے ہیں؟ طالبان جنگجوؤں کو، ازبکوں کو یا چیچن کو؟ زیادہ تر عسکریت پسند تو کافی عرصہ پہلے ہی علاقے سے نکل چکے تھے۔ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان

نے بھی اتوار کے روز اسی حوالے سے بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ کچھ وقت کے لیے آپریشن کو روکنا چاہیے، کیونکہ وہاں عورتیں اور بچے محصور ہیں۔ ایسے میں شہری آبادی کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے۔

دوسری جانب وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والے متاثرین سخت گرمی کے علاوہ دیگر بہت سی مشکلات کا شکار ہیں۔ انہیں رہائش کے لیے کوئی جگہ میسر نہیں ہے۔ حکومت دعویٰ کر رہی ہے کہ وہ متاثرین کی ہر مدد کرے گی، وزیر اعظم اور دیگر رہنماؤں نے تمام صوبوں سے متاثرین کے ساتھ تعاون کرنے کی اپیل بھی کی تھی، لیکن حکومت کی جانب بنائے گئے کیمپ ہر قسم کی سہولت سے محروم ہیں، بجلی، پانی کی ضروت کو پورا کرنا تو ایک طرف رہا، ان متاثرین کی خوراک کا انتظام بھی نہیں کیا جا رہا۔ اگرچہ عالمی پروگرام خوراک (ڈبلیو ایف پی) نے پیر کو مقامی امدادی گروپ کی مدد سے متاثرین میں خوراک تقسیم کرنا شروع کر دی تھی، لیکن خوراک کی تقسیم میں تعطل پر ان افراد میں شدید اشتعال پھیل گیا۔ تاہم منگل کو ان مشتعل افراد کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور انہوں نے بنوں سے پشاور جانے والی مرکزی شاہراہ کو بند کر کے شدید احتجاج کیا۔ تقریباً 500 افراد نے سڑک بند کر کے احتجاجاً سیکورٹی فورسز پر پتھراؤ کیا، جس کے باعث پولیس کو انہیں منتشر کرنے کے لیے ہوائی فائرنگ کرنا پڑی۔ حکومتی کیمپوں میں بے شمار مشکلات کے پیش نظر متاثرین کی بڑی تعداد یا تو

اپنے طور پر مہنگے کرایوں پر مکان لے کر رہ رہے ہیں یا پھر اپنے رشتہ داروں کے گھروں میں پناہ لینے پر مجبور ہیں۔ دوسری جانب شمالی وزیرستان سے اپنے گھروں کو خیرباد کہنے والوں کے لیے صرف گھر چھوڑنے کا غم، رہائش اور کھانے پینے کی آزمائش ہی نہیں، سفری مشکلات کی وجہ سے مختلف امراض بھی نقل مکانی کرنے والوں کے لیے امتحان بن کر سامنے آ رہے ہیں۔ وومن اینڈ چلڈرن ہسپتال بنوں کا ایک بڑا ہسپتال ہے، جہاں تقریباً 130 بستروں کی گنجائش ہے۔ یہ گنجائش بنوں کی 9 لاکھ آبادی کے لیے پہلے ہی ناکافی تھی، لیکن شمالی وزیرستان میں آپریشن کے بعد نقل مکانی کرنے والوں کے دباؤ نے اس ہسپتال کے لیے بے ہنگم کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اس وقت اس ہسپتال میں تقریباً سو مریض زیرعلاج ہیں۔ درد اور تکلیف سے کراہتے بچے پیٹ کی بیماری، سفر کی وجہ 8 سے بخار کی شکایت، جسم درد، ڈائریا اور دیگر بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ مریضوں کی بھرمار کی وجہ سے بستر مل جانا خوش قسمتی سمجھا جاتا ہے۔ اکثر مریضوں کو صحن میں فرش پر ہی علاج کے لیے لٹا دیا جاتا ہے۔ یہاں بڑی تعداد خواتین مریضوں کی بھی لائی جا رہی ہے۔ حاملہ خواتین کے لیے یہ سفر اور اس سے جڑی ہر مشکل مزید سخت ہو رہی ہے۔

واضح رہے کہ سیکورٹی فورسز کو فاٹا اور خیبر پختونخواہ میں جنگ شروع کیے کو ایک دہائی سے زاید عرصہ ہو گیا ہے۔ اس دوران نو بڑے آپریشن کیے گئے، مالاکنڈ

اور سوات میں 2009 میں ہونے والی کاروائی کے باعث 25 لاکھ کے قریب افراد بے گھر ہونے پر مجبور ہوئے تھے، جو ملک کی تاریخ کی ریکارڈ نقل مکانی تھی، گزشتہ برسوں میں کسی حد تک پہلے سے متاثرین کے لیے کچھ نہ کچھ انتظامات کیے گئے تھے، لیکن وزیرستان میں آپریشن اچانک شروع کر دیا گیا ہے اور نہ ہی حکومت متاثرین کے لیے پیشگی انتظامات کیے، جس سے متاثرین کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ مبصرین اور کچھ اعلیٰ حکومتی عہدیداران نے موجودہ نقل مکانی کو ایک انسانی المیہ قرار دیا ہے۔ قبائلی علاقوں میں ماضی کے فوجی آپریشنز کا نتیجہ بڑے پیمانے پر تباہی کی صورت میں نکلا تھا۔ وزیرستان کے افراد کو درپیش اس مشکل صورتحال کا خاتمہ کب تک ہوگا اس بارے میں ابھی تک کسی نے کوئی اقدام نہیں کیا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والے چھ لاکھ افراد کی ضروریات کو پورا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، ایک جانب ملک بھر میں سخت گرمی ہے، جبکہ دوسری جانب چند روز کے بعد ہی رمضان المبارک شروع ہو رہا ہے، ان حالات میں متاثرین کی مشکلات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ جب ہم اس قسم کے حالات میں رہنا پسند نہیں کرتے تو اپنے وزیرستانی بھائیوں کو بھی ان حالات سے بچانے کی کوشش کریں۔ حکومت کو چاہیے جلد از جلد آپریشن مکمل کرے، تاکہ تمام متاثرین اپنے گھروں کو واپس لوٹ سکیں۔

یہ امت مسلمہ ہے!

یہ پاکستان ہے۔ ایک طویل عرصے سے یہاں خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے، اس خونی کھیل میں خودکش حملوں، بم دھماکوں، ٹارگٹ کلنگ اور ڈرون حملوں سے اب تک پچاس ہزار سے زاید مسلمان جانوں کی بازی ہار چکے ہیں، یہاں انسان کی جان ساحل پر پڑے ریت کے ذروں سے بھی ارزاں معلوم ہوتی ہے۔ ملک کا چین و سکون عنقا ہو کر رہ گیا ہے۔ اک انجانا سا خوف پورے ملک پر تلوار کی طرح لٹک رہا ہے۔ ان حالات کی وجہ نہ صرف دنیا بھر میں پاکستان بدنام ہو رہا ہے، بلکہ ملک کی معیشت بر باد ہو چکی ہے۔ ملک ترقی کی منازل طے کرنے کی بجائے تنزلی کی گھاٹیوں میں گرتا جارہا ہے۔ یہ پڑوسی مسلم ملک افغانستان ہے۔ کئی دہائیوں سے مسلسل خانہ جنگی کی لپیٹ میں اس ملک کی چوتھی نسل گولا و بارود ہاتھوں میں تھامے پروان چڑھ رہی ہے۔ شاید ہی اس ملک کا کوئی گھرایسا ہو جس سے خانہ جنگی نے جانیں نہ لی ہوں۔ برطانیہ، روس اور امریکا کی جارحیت میں لاکھوں افغانوں کے شہادت کی قبا پہننے کے علاوہ آپسی خونریزی میں بھی لاکھوں گھائل و مقتول ہوئے۔ یہ معاملہ اپنے روایتی انداز میں جاری و ساری ہے۔ وراثت میں جنگیں حاصل کرنے والے یہاں کے باسی قتل و قتال کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ اب یہ خونریزی ہی ان کی زندگی کا مشغلہ بن چکی ہے،

کیونکہ جب سے آنکھ کھولی دھرتی پر یہی کچھ دیکھا ہے۔ خوفناک بات یہ ہے کہ مستقبل بھی ماضی سے کچھ مختلف دکھائی نہیں دیتا۔ آگے چلتے ہیں۔ خانہ جنگی کی دہکتی بھٹی میں جلتا تیل کی دولت سے مالا مال مسلم ملک عراق امریکا کے تاریخی ظلم کے بعد سے خونریزی کی دلدل میں بری طرح سے دھنسا ہوا ہے۔ لاکھوں مسلمان خلعت شہادت سے سرفراز ہو چکے ہیں۔ امریکا نے یہاں خونریزی کی آگ جلائی تھی، جبکہ کلمہ گو انسانوں نے اسے مزید بڑھکایا، جس کے بعد یہاں خودکش حملوں اور بم دھماکوں نے بہت سے بے گناہ مسلمانوں کو زندگی سے محروم کر دیا۔ بے شمار بحرانوں میں پھنسی یہ دھرتی اب ایک نئے اندرونی تباہ کن بحران کی لپیٹ میں ہے۔ قتل و قتال اب تازہ انگڑائی لے کر ایک بار پھر پورے ملک کو بدامنی کی چادر میں لپیٹنے جا رہا ہے۔ "آئی ایس آئی ایس" کے کارکنان مار کاٹ کرتے ہوئے عراقی علاقوں پر قبضہ کرتے ہوئے چلے جا رہے ہیں، ان کے سامنے حکومت اور فوج بھی بے بس۔ پشت پہ کون ہے یہ تو خدا جانے، لیکن اس معاملے میں فرقہ وارانہ آمیزش ہو جانے سے موت کا یہ الاؤ مزید بھڑکنے کا شدید خدشہ ہے۔ یہ خونی بحران نہ صرف لاکھوں عراقیوں کی زندگیاں نگل سکتا ہے، بلکہ پھیلتا پھیلتا آس پاس کو بھی اپنے خونی شکنجے میں جکڑ سکتا ہے، جو مسلم امہ کو مزید ایک اور بحران کی جانب دھکیل سکتا ہے۔

عراق سے متصل ہی شام واقع ہے۔ یہاں بھی سیاسی انقلاب کے نام سے شروع ہونے

والا بحران ایک عرصہ ہوا مسلکی آمیزش سے خونی انقلاب میں بدل کر شام کو خون میں نہلا رہا ہے۔ خانہ جنگی شام کو تباہ و برباد کر چکی ہے۔ دو لاکھ سے اوپر زندگیاں داؤ پر لگی چکیں، لاکھوں اپاہج اور بے گھر ہونے والوں کی تعداد ان گنت۔ طرفین خون کے آخری قطرے تک لڑنے اور مخالفین کی بستیاں، شہر اور علاقے برباد کرنے کا عہد کر چکے ہیں۔ روز یہ بحران ہزاروں نہیں تو سیکڑوں انسانوں کی اموات میں اضافہ ضرور کر رہا ہے۔ ایک عرصے سے یہ معاملہ مسلسل جاری ہے اور مستقبل قریب میں امید کی کوئی کرن دکھائی بھی نہیں دیتی۔ یہ اسلامی دنیا کا امیر ترین ملک لیبیا ہے۔ یہاں کے باسی بھی ایک عرصے سے سکون کو ترسے ہوئے ہیں۔ تین سال قبل خونی انقلاب کے نتیجے میں آمریت سے تو چھٹکارہ حاصل کر لیا، لیکن خونریزی سے چھٹکارہ حاصل نہ کیا جا سکا۔ صرف تین سالوں میں خونریزی پچاس ہزار سے زاید افراد کی جانیں لے چکی ہے۔ افسوس لیبیا میں بھی قتل و قتال کا یہ سلسلہ زمانہ قریب میں تھمتا دکھائی نہیں دیتا۔ یہ مسلمانوں کا قدیم ملک مصر ہے۔ جہد مسلسل اور بہت سی جانوں کے ضیاع کے بعد ایک طویل آمرانہ ستم سے چھٹکارہ حاصل کرنے میں کامران ہو کر پہلی جمہوری حکومت بنانے میں کامیابی حاصل ہوئی، جو اس سرزمین کو راس نہ آئی اور ایک سال میں ہی منتخب حکومت کا تیاپانچا کر کے اس پرامن ملک کو بھی بدامنی کی دلدل میں دھکیل دیا گیا۔ سال سے زیادہ عرصہ ہوا یہ ملک بھی سکون کو ترس رہا ہے۔ صرف ایک سال میں ہی ہزاروں جنازوں اور سیکڑوں پھانسیوں کی سزا کے

باوجود بدامنی کے سبب مصر کا بحران مزید خونخوار ہو رہا ہے۔ یہاں قتل و قتال کے ساتھ بم دھماکوں کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا ہے، جس سے بدامنی نے ملک کو مزید بدامنی میں جکڑ لیا ہے اور یہاں بھی جلدی حالات بہتر ہوتے دکھائی نہیں دے رہے۔ یہ نمونے کے طور پر چند مسلم ممالک کی درد ناک کتھا سنائی ہے، ورنہ اس وقت دنیا میں موجود اسلامی ممالک کو اپنی انگلی کے پوروں پر ایک ایک کرکے گنتے جایئے اور دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک نظر دڑایئے، شاید ہی کوئی ایسا اسلامی ملک نظر آئے جو بدامنی و خونریزی کی نحوست سے پاک ہو۔ انتہائی قابل افسوس بات یہ ہے کہ مسلم ممالک میں مسلمان ہی خونریزی میں ملوث ہیں، طاغوتی طاقتیں تو صرف تلی چھینکتی ہیں، آگ بڑھکانے والے خود مسلمان ہیں۔ "اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے" قتل کرنے والے بھی ایک خدا، ایک رسول اور ایک کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور قتل ہونے والے بھی۔ دونوں اپنے قلب و نطق سے "لاالہ الا اللہ" کی گواہی دیتے ہیں۔ ایک جانب مسلح مسلم گروہ ہیں، جبکہ دوسری جانب مسلم حکومتیں۔ حکمران اپنی حکومت بچانا چاہتے ہیں، جبکہ مسلح گروہ اسلحہ کے زور پر اپنی حکمرانی قائم کرنا چاہتے ہیں، طرفین اپنے مقصد کے حصول کے لیے سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہیں۔ یہ سوچنے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں کہ اس لڑائی سے فائدہ اغیار کا اور نقصان امت مسلمہ کا ہو رہا ہے، جبکہ

اگر غیر مسلم ممالک کا جائزہ لیا جائے تو شاید ہی دنیا کے نقشے پر ایسا ملک دکھائی دے، جہاں مسلم ممالک کی طرح خانہ جنگی کی لپیٹ میں ہو، جہاں ایک ملک کے لوگ ہی ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہوں۔ ان ممالک میں مسلح گروہ اپنی حکمرانی کے حصول کے لیے بے گناہ انسانوں کی جانیں نہیں لے رہے، جبکہ مسلم ممالک میں انسانی جان موسم خزاں میں بکھرے پتوں سے بھی کم قیمت ہے۔ حالانکہ اسلام کے نزدیک انسانی جان کی حرمت بیت اللہ سے بھی بڑھ کر ہے۔

تاریخ انسانی میں اگرچہ ہمیشہ سے طاغوتی قوتیں بڑی کامیابی سے امت مسلمہ کی باہمی قوت و اتحاد کو تقسیم کرکے ان میں فتنہ و انتشار کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرتی رہی ہیں۔ پہلے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت امت مسلمہ کو نقصان پہنچایا جاتا تھا، لیکن اب یہ مسلمان خود ہی مختلف ہو کر ایک دوسرے کو قتل کرکے ان کے مقاصد کو پورا کر رہے ہیں۔ اسلامی ممالک بیرونی قوتوں کے مفادات کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔ مسلم ممالک میں ہونے والے کشت و خون کی صورت میں طاغوتی قوتوں کا ادھورا خواب پورا ہو رہا ہے۔ افسوس صد افسوس! پوری امت مسلمہ یہاں ان حالات کے خاتمے کے لیے مشترکہ طور پر کوئی بھی کوشش نہیں کی جارہی۔ ہر کسی کے اپنے مفادات، اپنی ترجیحات اور اپنے اصول ہیں۔ مخالفت حق اور باطل کی بنا پر نہیں، بلکہ فائدے اور نقصان کی بنا پر کی جارہی ہے۔ اسی باطل اصول نے امت مسلمہ کو آگ کی بھٹی بنایا ہوا ہے۔

رمضان کی آمد کے ساتھ ہی مہنگائی کا جن بے قابو

ہمارے سروں پر نہایت عظیم الشان مہینہ سایہ فگن ہے، جس میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، سرکش شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں اور نیکیوں کا اجر و ثواب بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس ماہ کی ہر گھڑی خیر و برکت سے بھرپور ہوتی ہے۔ جو شخص بھی اس قدر عظیم اور بابرکت ماہ کی خیر سے محروم رہا، وہ واقعی محروم رہا۔ بزرگان دین برکات سمیٹنے کے لیے سارا سال اس ماہ بابرکت کی آمد کا انتظار کیا کرتے رہتے تھے، لیکن بدقسمتی سے اس دور میں سارا سال اس ماہ کا انتظار ہر چیز مہنگی کر کے کمائی سمیٹنے اور اپنی جیبیں بھرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ لوگوں کے ذہن پر ایک ہی تصور مسلط ہوتا ہے کہ " رمضان المبارک کمائی کا مہینہ ہے"۔ بھلا کوئی ان کو کیسے سمجھائے کہ یہ مہینہ کمانے کا ضرور ہے، لیکن لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر چند ٹکے کمانے کا نہیں، بلکہ ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے گناہ بخشوانے اور نیکیاں کمانے کا مہینہ ہے، لیکن یہاں تو رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ہی ضرورت کی ہر چیز کی قیمت میں بے تحاشہ اضافہ کر کے عام آدمی کی پہنچ سے دور کر دیا جاتا ہے۔ حکومت بھی تمام تر بلند و بانگ دعوؤں کے باوجود اس مہنگائی پر قابو پانے میں ناکام

دکھائی دیتی ہے۔ قابل افسوس بات تو یہ ہے کہ جس قدر اس مہینے کا احترام کرنا مسلمانوں پر لازم ہے، اسی قدر اس مہینے کی بے احترامی کی جاتی ہے۔ رمضان المبارک کی آمد پر ہر فرد کو اپنی استطاعت کے مطابق دوسروں کے لیے حتی الامکان آسانیاں پیدا کرنا چاہئیں، لیکن یہاں مہنگائی بڑھا کر عوام کے لیے زیادہ سے زیادہ مشکلات پیدا کی جاتی ہیں۔

ابھی رمضان المبارک کا آغاز ہوا ہی ہے کہ ملک بھر میں اشیائے صرف کی قیمتوں میں ہوشربا اضافہ کردیا گیا ہے اور ہر سال کی طرح اس مہنگائی میں مزید اضافے کا خدشہ ہے۔ رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ہی مہنگائی کا جن بوتل سے باہر آگیا ہے، سبزیوں اور پھلوں کی قیمتوں میں 50 سے 150 فیصد تک اضافہ ہوگیا ہے۔ کھجور کی قیمت بھی آسمان سے باتیں کر رہی ہے، ماہ رمضان میں کھجور سے روزہ افطار کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر روزہ دار بالخصوص افطاری میں کھجور کا استعمال کرتے ہیں، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ سنت کے پیش نظر رمضان المبارک میں کھجور کے نرخ کم کردیے جاتے، لیکن کھجور کی قیمت میں سوگنا اضافہ کردیا گیا ہے۔ رمضان المبارک جیسے بابرکت مہینے میں اب کھجور بھی عام آدمی کی پہنچ سے دور ہو چکی ہے۔ دالیں، چینی، مرغی، چھوٹا اور بڑا گوشت، چائے کی پتی، دودھ، انڈے، مشروبات، چاول، گھی، بیسن، آٹا، سبزی، فروٹ اور ہر قسم کی ضروریات زندگی مہنگے داموں

فروخت کرنا شروع کردی گئی ہے۔ دوسری جانب اس مہنگائی میں مزید اضافہ کرنے کے لیے ذخیرہ اندوز بھی متحرک ہوگئے ہیں۔ ذخیرہ اندوزوں نے رمضان المبارک کے آگے بڑھنے کے ساتھ مزید مہنگائی کرنے کا منصوبہ بھی تیار کرلیا ہے۔ مصنوعی قلت پیدا کرکے خفیہ گوداموں میں اشیائے ضروریہ کئی دن پہلے ہی سے اسٹاک کرنا شروع کردی گئی تھیں، چھوٹی بڑی مارکیٹوں اور نام نہاد ہفتہ بازاروں میں ضروریات زندگی کی تمام چیزوں کو بھی ذخیرہ کیا جاتا رہا، تاکہ اشیاء ضروریہ کی قلت پیدا کرکے اسے مہنگے داموں فروخت کیا جاسکے۔ اس صورتحال سے اشیاء خورونوش کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں، جو کہ ابھی مزید بڑھنے کا احتمال ہے۔ آڑھتیوں نے سبزیوں، پھلوں سمیت متعدد اشیا کو ذخیرہ کرکے گوداموں میں رکھا ہوا ہے۔ قیمتوں میں از خود اضافہ کے لیے کئی اہم سبزیوں کو منڈی سے غائب کیا جاچکا ہے۔ مہنگائی بڑھانے کے لیے آڑھتیوں کی جانب سے کسانوں کو متعدد سبزیوں کی خریداری کے لیے ایڈوانس میں رقم ادا کردی گئی تھی، تاکہ صرف 30 فیصد مال سبزی منڈی پہنچے، جبکہ باقی 70 فیصد مال کو گوداموں میں ذخیرہ کرلیا جائے۔

عوام نے رمضان المبارک کے ساتھ ہی تمام اشیاء ضرورت میں مہنگائی کی سخت الفاظ میں مذمت کرنے کے ساتھ حکومت کو بھی قصوروار گردانا ہے۔اس حوالے سے ایک شہری محمد ایوب کا کہنا تھا کہ رمضان المبارک مسلمانوں کے لیے انتہائی

قابل احترام مہینہ ہے، جس کا جتنا بھی ادب و احترام کیا جائے کم ہے، لیکن بد قسمتی سے ہمارے ہاں ہر سال اس بابرکت مہینے میں ہر چیز مہنگی کر دی جاتی ہے، حالانکہ دوسرے کئی مذاہب کے لوگ اپنے مقدس تہواروں کے مواقع پر نہ صرف اشیاء کی قیمتوں میں کمی کر دیتے ہیں، بلکہ بعض دفعہ اشیاء مفت بھی تقسیم کی جاتی ہیں، لیکن ہمارے یہاں لوگ اس مہینے کو صرف مال بنانے کا مہینہ سمجھتے ہیں، حکومت کو رمضان المبارک میں بڑھتی مہنگائی کو کنٹرول کرنے کے لیے سخت نوٹس لینا چاہیے۔ ایک دوسرے شہری طاہر انصاری نے کا کہ رمضان المبارک میں کسی کو بھی اپنی مرضی سے اشیاء مہنگی کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے، حکومت کو چاہیے جو بھی خود بخود اشیاء مہنگی کرے، اس کو کڑی سزا دی جائے۔ ناصر جمال کا کہنا تھا کہ رمضان المبارک تو لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کا مہینہ ہے، لیکن یہاں چیزیں فروخت کرنے والا کوئی بھی شخص اپنی مرضی کے مطابق اشیاء مہنگی کرکے لوگوں کے لیے مشکلات پیدا کرتا ہے، مہنگائی پہلے ہی اس قدر زیادہ ہے کہ لوگوں کے لیے دو وقت کا کھانا حاصل کرنا مشکل ہے، اس مہینے میں اس مہنگائی میں مزید اضافہ کر دیا جاتا ہے، جو انتہائی افسوس ناک عمل ہے، حکومت ہر سال رمضان المبارک میں مہنگائی کو کنٹرول کرنے کے صرف دعوے کرتی ہے، عملاً کچھ بھی نہیں کر پاتی۔ احسان جمیل نے کہا کہ جہاں کوئی قانون نہ ہو پھر وہاں اسی طرح لوگ اپنی مرضی سے اپنے قوانین لاگو کرتے ہیں، اگر حکومت رمضان المبارک میں عوام کی سہولت کے لیے اشیاء ضروریہ کی سستی

قیمتیں مقرر کرکے ان پر سختی سے عمل کروائے تو کوئی کس طرح ان قیمتوں سے ہٹ کر اپنی مرضی سے اس قیمت سے بڑھ کر بیچ سکتا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حکومت نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ حکومت صرف عوام کو ریلیف دینے کی باتیں کرتی ہے، لیکن ریلیف دیا نہیں جاتا۔ رمضان المبارک میں عوام کو سستی اشیاء فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، لیکن حکومت اپنی اس ذمہ داری سے کنارہ کشی کرتی ہے۔

علمائے کرام کے مطابق رمضان المبارک اللہ تعالی کی رحمتوں کا موسم بہار ہے، اس ماہ میں مہنگاہی اور خورونوش کی قیمتوں میں اضافہ انتہائی افسوسناک عمل ہے۔ اس بابرکت مہینے کی آمد کا انتظار ہر مسلمان کو ہوتا ہے، کیونکہ یہ مہینہ تمام انسانوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں اللہ تعالی اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں اور شیاطین کو قید کیا جاتا ہے، لیکن یہاں اس بابرکت مہینے کو بھی لوٹ مار میں گزارا جاتا ہے، چزیں مہنگی کرکے عوام کے لیے مزید مشکلات پیدا کی جاتی ہیں۔ رمضان المبارک میں خود ساختہ مہنگائی کو کنٹرول کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، لیکن حکومت عوام کو بابرکت گھڑیوں میں بھی ریلیف دینے میں ناکام رہتی ہے۔ ایک طرف مہنگائی میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے اور دوسری جانب منافع خور اور ذخیرہ اندوز نہ صرف سرگرم ہو چکے ہیں، بلکہ آزادی کے ساتھ اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں۔

حکومت عوام کو ریلیف دینے کے سنجیدہ اقدامات کرنے کی بجائے زبانی جمع خرچ سے کام لے رہی ہے۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسی کمیٹیاں تشکیل دے جو مارکیٹ کی مانیٹرنگ کرکے منافع خوروں اور ذخیرہ اندوزوں کے خلاف کارروائی عمل میں لائے۔

وزیرستان: انخلا مکمل.... متاثرین تاحال مشکلات کا شکار

وزیرستان میں شہری انخلا مکمل ہوچکا اور آپریشن ضربِ عضب کا نیا مرحلہ شروع ہوگیا ہے۔ میرانشاہ اور نواحی علاقوں میں زمینی کارروائی کا باقاعدہ آغاز کردیا گیا ہے۔ فوج کے انفنٹری اور اسپیشل سروسز گروپ کے اہلکار میرانشاہ میں گھر گھر تلاشی لے رہے ہیں۔ پاک فوج کے مطابق تمام شہریوں کے انخلا کے بعد شمالی وزیرستان میں میرانشاہ اور اردگرد کے علاقوں میں زمینی کارروائی کا آغاز کیا گیا ہے۔ جبکہ دوسری جانب جن افراد کی ابھی تک رجسٹریشن نہیں کی گئی، فاٹا ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی (ایف ڈی ایم اے) خیبر پختونخوا کے مختلف علاقوں میں ان افراد کی رجسٹریشن کا کام چند روز میں شروع ہوجائے گا۔ ایف ڈی ایم اے بنوں، پشاور اور خیبر پختونخوا کے دیگر علاقوں میں اس مقصد کے لیے رجسٹریشن کے مراکز قائم کرے گا۔ واضح رہے کہ شمالی وزیرستان میں آپریشن ضرب عضب کے آغاز سے قبل بڑی تعداد میں خاندان خیبر پختونخوا آئے تھے، جنہیں رجسٹرڈ نہیں کیا گیا تھا۔ ان خاندانوں نے صوبے کے مختلف علاقوں میں اپنے رشتہ دار خاندانوں یا کرائے کے گھروں میں پناہ لی تھی۔ آپریشن کے آغاز سے پہلے لگ بھگ باسٹھ ہزار افراد شمالی وزیرستان سے نکل گئے تھے۔ صوبائی ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی (پی ڈی ایم اے) نے ایک اعلامیہ میں کہا ہے کہ 37 ہزار سات سو ستاون گھرانے جو چار لاکھ

چھیاسٹھ ہزار دو سو ستاسی افراد پر مشتمل ہیں، کو بنوں کے سرحدی علاقے میں سید گئی کے مراکز پر رجسٹرد کرلیا گیا تھا۔ ایف ڈی ایم اے نئے آئی ڈی پیز کی فہرست نیشنل ڈیٹا بیس رجسٹریشن اتھارٹی (نادرا) کو تصدیق کے لیے فراہم کرے گی۔

دوسری جانب ذرائع کے مطابق وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والوں کو بے شمار مشکلات کا سامنا ہے۔ بنوں کے کیمپوں میں مقیم آئی ڈی پیز کی بڑی تعداد سرکار کی جانب سے اعلان کردہ امداد سے محروم ہے، کیمپوں اور خیموں میں رہنے والے متاثرین کے لیے نہ صرف کھانے پینے بلکہ دیگر بنیادی سہولیات بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ہزاروں متاثرین روزانہ امداد اور اشیاء کے بغیر ہی زندگی گزار رہے ہیں۔ متاثرین کے مطابق ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا جارہا ہے۔ رمضان شروع ہونے کے باجود بھی متاثرین امداد سے محروم ہیں، بہت سے متاثرین روزہ صرف پانی سے افطار کرنے پر مجبور ہیں۔ ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ کیمپوں میں مقیم متاثرین کے لیے امداد کی تقسیم روزانہ ایک کڑا امتحان ثابت ہوتی ہے۔ متاثرین روزانہ راشن کے حصول کے لیے بنوں اسپورٹس کمپلیکس راشن سینٹر پہنچتے ہیں، لیکن راشن کارڈ نہ ہونے کی وجہ سے انہیں شدید پریشانی کا سامنا ہے۔ پیر کے روز بنوں کے اسپورٹس کمپلیکس میں شمالی وزیرستان کے متاثرین میں راشن کی تقسیم کے دوران ہنگامہ آرائی کے دوران پولیس اہلکار

سمیت 2 افراد زخمی ہوگئے۔ جبکہ اس کے علاوہ بیمار افراد، خواتین، بچوں اور بزرگ حضرات سمیت بہت سے لوگ متعدد مسائل کا شکار ہیں۔ خصوصاً خواتین کو علاج معالجے کے حوالے سے متعدد پریشانیوں کا سامنا ہے۔ ہسپتالوں میں لیڈی ڈاکٹرز کی سہولت میسر نہیں ہے۔ نقل مکانی کرنے والوں میں بڑی تعداد حاملہ خواتین کی بھی تھی، لیکن ان کو بروقت طبّی امداد نہ ملنے کی وجہ سے بہت سے نومولود بنا کھلے ہی مرجھا گئے اور بہت سی حاملہ خواتین کو نقل مکانی کے دوران طبّی امداد سے محروم رہنے کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ متاثرین کی مشکلات کے حوالے سے اقوام متحدہ نے کہا ہے کہ شمالی وزیرستان متاثرین کے لیے ماہانہ 3670 میٹرک ٹن خوراک کی ضرورت ہے۔ خواتین کے علاج و معالجے کے لیے لیڈی ڈاکٹرز کی تعداد انتہائی کم ہے۔ شمالی وزیرستان سے افغانستان میں ہجرت کرنے والے افراد کی تعداد ایک لاکھ پانچ ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ پاک فوج نے زمینی کارروائی شروع کرنے سے پہلے کرفیو میں نرمی کرکے لوگوں کو باہر نکل آنے کی اجازت دی تھی۔ اس وقت تک 4 لاکھ 68 ہزار افراد نے شمالی وزیرستان سے نقل مکانی کی۔ اقوام متحدہ کے ادارے "اوچا" کی رپورٹ کے مطابق زیادہ تر لوگ پہلے ہی شمالی وزیرستان چھوڑ چکے ہیں۔ 30 جون تک ایف ڈی ایم اے کے پاس 38 ہزار خاندانوں پر مشتمل 468048 لوگوں کی رجسٹریشن ہوئی ہے۔ بڑی تعداد میں لوگوں کی رجسٹریشن نہیں کی جا سکی ہے۔ پاک فوج متاثرین میں راشن کے 30 ہزار پیکٹس تقسیم کر چکی ہے۔ اقوام متحدہ کے عالمی ادارہ برائے

خوراک (ڈبلیو ایف پی) نے کہا ہے کہ وہ شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کے باعث نقلِ مکانی کرنے والے خاندان جو بنوں، لکی مروت، ڈی آئی خان، ٹانک اور صوبے کے دیگر علاقوں میں مقیم ہیں، انہیں غذائی اشیاء کی فراہمی جاری رکھے گا۔ واضح رہے کہ وفاقی حکومت نے خیبر پختونخوا آنے والے آئی ڈی پیز کے لیے اقوامِ متحدہ کی شراکت سے اضافی 25 ٹن گندم فراہم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ ڈبلو ایف پی کی جانب سے فراہم کی جانے والی اس امداد میں آٹا، گندم، دالیں، سبزیاں، تیل اور نمک کے ساتھ ساتھ بچوں کے لیے توانائی پیدا کرنے والے بسکٹس شامل ہیں۔ یہ تمام اشیاء بنوں اور لکی مروت میں قائم کیمپوں تک پہنچائی جارہی ہے ں، جہاں سے ان کو متاثرین میں تقسیم کیا جارہا ہے۔

تجزیہ کاروں کے مطابق صوبوں کی جانب سے شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کے باعث بے گھر ہونے والے افراد کو فوری امداد کی فراہمی سے انکار وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقے (فاٹا) کے رہائشیوں کو "دوسرے درجے" کی حیثیت دینے کے مترادف ہے۔ نقل مکانی کرنے والے افراد پاکستان کے شہری ہیں اور پاکستان کے شہری چاہے کہیں بھی ہوں، انہیں آئینی حقوق حاصل ہیں، ان حقوق کو عام قانون سازی یا انتظامی احکامات کے ذریعے بھی ختم نہیں کیا جا سکتا۔ شمالی وزیرستان میں جاری فوجی آپریشن، ءکے بعد سے اب تک کی بائیسویں کارروائی ہے، جو جنوبی وزیرستان سے محسود2001 قبائل کے دو بار بے گھر ہونے سمیت پچیس

مرتبہ لوگوں کے انخلاء کا باعث بنی ہیں۔ وہاں کے لوگوں کا بے گھر ہونا پرانا مسئلہ بن چکا ہے، مگر ایسے افراد کے لیے ہمارے سالانہ بجٹ میں بمشکل ہی فنڈز مختص کیے جاتے ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ ان سب مسائل کے باوجود پاکستان کولیشن سپورٹ فنڈ کی مد میں اربوں ڈالرز حاصل کرتا ہے، جنہیں بے گھر افراد کی امداد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ شمالی وزیرستان میں غیر اعلانیہ فضائی کارروائی اور زمینی حملے کے اعلان کے درمیان اتنا وقت ضرور موجود تھا جس میں لوگوں کے بے گھر ہونے کے معاملے پر منصوبہ بندی کی جاسکتی تھی، جبکہ اس وقت ہر سطح پر یہاں تک تجربہ کار ڈیزاسٹر منیجمنٹ اداروں کی بدانتظامی اور افراتفری نے انتظامی معاملات کو بدتر بنا دیا ہے۔ ایسے افراد جنہیں مجبوراً اپنے گھروں کو چھوڑنا پڑا، انہیں تو پہلے بھی عدم توجہی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ پھر جان بوجھ کر ان کے ذاتی وقار سے محروم کرنے کی کوشش کی گئی اور اس کے بعد صوبوں نے انہیں خوش آمدید کہنے سے انکار کردیا، جو اس بات کا اشارہ ہے کہ وہ فاٹا کے لوگوں کو ایک پاکستانی جتنی حیثیت دینے کے لیے تیار نہیں۔ شمالی وزیرستان کے داور قبیلے کے ایک بزرگ کے مطابق "تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم نے اپنی زمین سے دو ہزار سال سے زاید عرصے سے نقل مکانی نہیں کی اور جب ہمیں ایسا کرنا پڑا تو وہ پاکستان کے تحفظ کے لیے تھا، مگر اب صوبے ہمارے ساتھ ایسا سلوک کررہے ہیں، جیسے "ہم پاکستانی شہری نہیں۔

سیاسی مبصرین کا کہنا ہے کہ بے گھر افراد میں یہ تاثر عام پایا جاتا ہے کہ ماضی میں انہیں نظر انداز کیا گیا تھا، انہیں تباہ شدہ گھروں میں لوٹنا پڑا اور نقصانات کا کوئی معاوضہ دینے کی بجائے ان کے ساتھ مشتبہ دہشتگرد سمجھ کر سلوک کیا گیا اور اب بھی ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ شمالی وزیرستان سے بے گھر ہونے والے افراد کو خیبر پختونخوا کے سات اضلاع تک محدود کر دیا گیا ہے اور انہیں دیگر صوبوں میں جانے کی اجازت نہیں۔ "لگتا ہے جیسے انہیں ویزے کی ضرورت ہے یا شاید کہ وہ دوسرے درجے کے شہری ہیں۔" اس وقت جب چھ لاکھ کے لگ بھگ افراد بے گھر ہوگئے ہیں، خیبر پختونخوا میں حکومت کرنے والی جماعت پاکستان تحریک انصاف کی اعلیٰ قیادت کی توجہ جلسوں پر مرکوز ہے، جبکہ میڈیا "قادری سرکس" کا پیچھا کر رہا ہے اور جہاں تک بے گھر افراد کی بات ہے تو لگتا ہے "وہ پاکستان کے کسی اور کونے میں رہ رہے ہیں۔" مبصرین نے اس جانب بھی اشارہ کیا کہ اس وقت جب صوبے بے گھر افراد سے منہ موڑ رہے ہیں، انہیں سرحد پار افغانستان میں خوش آمدید کہا جا رہا ہے، جس کو تجزیہ کار مستقبل میں ملک کے لیے خطرات کا آلارم سمجھ رہے ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ وزیرستان کے لوگ محب وطن اور پاکستان کے شہری ہیں، ان کے ساتھ پاکستانیوں جیسا سلوک ہی کرنا چاہیے۔ ان دنوں آپریشن کی وجہ سے لاکھوں لوگ بے گھر ہیں، جنہیں بہت سی مشکلات کا سامنا ہے۔ سخت گرمی میں رمضان المبارک کی آمد اور

ضروریات زندگی کی عدم فراہمی کی وجہ سے ان کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ متاثرین کی مشکلات کے پیش نظر جلد از جلد آپریشن مکمل کرکے عید سے پہلے آئی ڈی پیز کی واپسی یقینی بنائی جانی چاہیے۔

تحفظ پاکستان بل کی منظوری اور تحفظات

سینیٹ کے بعد قومی اسمبلی میں تحفظ پاکستان بل 2014 منظور ہو چکا ہے، جو کہ صدر کے دستخط کے بعد دو سال تک نافذ العمل رہے گا۔ اس بل کے تحت سیکورٹی فورسز کے اہلکار گریڈ 15 کے افسر کی اجازت سے مشتبہ افراد کو گولی مار سکیں گے اور مشتبہ افراد کے موبائل فون کے ڈیٹا کو بھی عدالت میں ثبوت کے طور پر پیش کیا جاسکے گا۔ تحفظ پاکستان ایکٹ امریکا کے پیٹریاٹ ایکٹ سے زیادہ مختلف نہیں ہے، جو 11/9 کے بعد بش انتظامیہ کے کانگریس میں پیش کرنے سے قانون کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ پیٹریاٹ ایکٹ کے ذریعے قانون نافذ کرنے والے اداروں کو بغیر وارنٹ تلاشی، مالی معاملات کی مانیٹرنگ، جاسوسی، کسی کو حراست میں لینے یا بے دخل کرنے کے وسیع تر اختیارات دیے گئے تھے۔ پیٹریاٹ ایکٹ کانگریس میں پیش کیے جاتے ہی بش انتظامیہ کو شدید تنقید، مزاحمت اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس قانون کے ذریعے اگست 2002 میں 1200 افراد کو کوئی قانونی معاونت فراہم کیے بغیر حراست میں رکھا گیا تھا اور امریکی عدالت نے ایسی خفیہ حراستوں کو غیر آئینی قرار دیا تھا۔ پاکستان میں بھی پیٹریاٹ ایکٹ طرز کا قانون "تحفظ پاکستان بل" ایک عرصے سے زیر بحث ہے اور مسلسل اس بل پر تنقید کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ تین ماہ قبل جب حکومت نے تحفظ پاکستان بل منظوری کے

لیے سینیٹ میں پیش کیا تو پاکستان پیپلز پارٹی، پاکستان تحریک انصاف، ایم کیو ایم، عوامی نیشنل پارٹی، جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام، بلوچ قوم پرست سیاسی جماعتوں اور سول سوسائٹی کے ارکان نے تحفظ پاکستان بل کو کالا قانون قرار دیا تھا۔ ساتھ ان جماعتوں نے اس بل کی منظوری کی صورت میں اس کے خلاف ملک گیر احتجاجی تحریک چلانے کا اعلان بھی کیا تھا اور سماجی جماعتوں نے اس بل کی مخالفت کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ اگر پارلیمنٹ نے تحفظ پاکستان قانون کو منظور کیا تو سیاسی جماعتوں کے ساتھ ساتھ سول سوسائٹی کے ارکان بھی سڑکوں پر ہوں گے اور کسی صورت بندوق کے اس قانون کو نافذ نہیں ہونے دیں گے۔ بارہا سیاسی جماعتیں اس بل کے خلاف اسمبلی سے واک آؤٹ بھی کر چکی ہیں۔ دو جولائی کو ماضی میں اس بل کی مخالفت کرنے والی پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کی حمایت سے یہ بل منظور ہوگیا ہے، لیکن ایم کیو ایم کے سربراہ نے اس بل کی منظوری کے بعد اس کی حمایت سے ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا ہے کہ تحفظ پاکستان بل کالا قانون ہے، ساتھیوں نے مشاورت کے بغیر عجلت میں حمایت کی ہے۔ جبکہ پیپلز پارٹی نے بھی مشروط حمایت کا اعلان کیا ہے۔

تحفظ پاکستان بل" کی منظوری کے بعد سیاسی و سماجی حلقوں کی جانب سے اس پر سخت" تنقید کی جارہی ہے۔ جمعرات کے روز جے یو آئی کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے ایک بیان میں کہا ہے کہ ان کی پارٹی کو تحفظ پاکستان قانون پر

ابھی بھی شدید تحفظات ہیں اور ہم اسے کالا قانون سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پارٹی ارکان نے نہ تو اس بل پر بحث میں حصہ لیا، نہ ہی ووٹنگ کے وقت وہ ایوان میں موجود تھے۔ جماعت اسلامی کے سربراہ سراج الحق نے بھی اس بل پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ سینیٹ سے تحفظ پاکستان کے نام سے شہریوں کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم کرنے کے بل کی منظوری انتہائی افسوس ناک ہے۔ یہ بل آئین کی اس بنیادی روح کے خلاف ہے، جس میں شہریوں کے بنیادی حقوق کی حفاظت کی ضمانت دی گئی ہے۔ تحفظ پاکستان بل سویلین حکومت کا ایسا فیصلہ ہے جس کی مثال آمرانہ دور حکومت میں بھی نہیں ملتی۔ عدالت عظمیٰ کو کسی صورت بھی اس بل کو قبول نہیں کرنا چاہیے۔ جبکہ پاکستان تحریک انصاف نے تحفظ پاکستان بل کو سپریم کورٹ میں چیلنج کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ تحفظ پاکستان بل کو سپریم کورٹ میں چیلنج کرنے کے لیے ایم کیو ایم اور جماعت اسلامی کی حمایت حاصل کر لی ہے۔ جلد ہی تحفظ پاکستان بل کو عدالت عظمیٰ میں چیلنج کریں گے۔ تحفظ پاکستان بل کی کئی شقیں آئین سے متصادم ہیں۔ بلوچستان نیشنل پارٹی کے سربراہ سردار اختر جان مینگل کا کہنا تھا کہ تحفظ پاکستان جیسے قانون کی منظوری کے بعد اب عدالتوں کو تالے لگا دینے چاہیئں۔

انسانی حقوق کی عالمی تنظیم ہیومن رائٹس واچ نے بھی تحفظِ پاکستان بِل کو

جابرانہ قرار دے کر حکومت پاکستان سے اسے واپس لینے کا مطالبہ کیا ہے۔ ہیومن رائٹس واچ کی جانب سے جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ دو جولائی کو پاکستان کی قومی اسمبلی اور سینیٹ کی جانب سے منظور ہونے والا انسداد دہشت گردی کا یہ قانون بنیادی انسانی حقوق اور آزادی کے متعلق پاکستان کی بین الاقوامی ذمہ داریوں کی خلاف ورزی ہے۔ ہیومن رائٹس واچ میں ایشیائی امور کے ڈائریکٹر فیلم کائن نے کہا کہ انسدادِ دہشت گردی کا یہ قانون مبہم اور اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہے، جو حراست میں موجود مشتبہ افراد کے استحصال کا موقع فراہم کرے گا اور ایسا استحصال پاکستان میں پہلے ہی بہت عام ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ اس قانون کی بجائے ایسا قانون لائیں جو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں بنیادی انسانی حقوق کی حفاظت کرتا ہو۔ ہیومن رائٹس واچ کی جانب سے اس قانون کی مخالفت کی بنیاد بظاہر انٹرنیشنل کوونٹ آن سول اینڈ پولیٹیکل رائٹس یا آئی سی سی پی آر ہے، یعنی شہری اور سیاسی حقوق کا بین الاقوامی معاہدہ، جس کی پاکستان نے 2010 میں توثیق کی تھی۔ ہیومن رائٹس واچ نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ تحفظِ پاکستان قانون آزادیِ اظہار، ذاتی زندگی اور پ±رامن اکٹھے ہونے جیسے بنیادی حقوق کو پامال کرے گا، جبکہ آئی سی سی پی آر ان حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔ ہیومن رائٹس واچ نے اپنے بیان میں تحفظِ پاکستان کی پانچ شقوں کی نشاندہی کی ہے، جن کے باعث بقول تنظیم کے شہری اور سیاسی حقوق کے بین الاقوامی معاہدے آئی

سی سی پی آر کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ ایک دہشت گردی کی کارروائی کی تعریف مبہم ہے، مثلاً قتل، اغوا یا اغوا برائے تاوان میں یہ نہیں بتایا گیا کہ کس صورت میں ایسی کارروائیاں دہشت گردی ہوں گی اور تحفظ پاکستان بل کے زیرِ اثر ہوں گی۔ اسی طرح انٹرنیٹ یا انفارمیشن ٹیکنالوجی سے منسلک جرائم، ہیومن رائٹس واچ نے شبہ ظاہر کیا ہے کہ اس شق کے ذریعے انٹرنیٹ پر ہونے والے کسی بھی پرامن احتجاج پر پاکستان کی سلامتی کے لیے خطرے کا ٹھپہ لگا کر دہشت گردی قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہیومن رائٹس واچ کے نزدیک پولیس اور سیکورٹی فورسز کو بغیر وارنٹ کے گرفتار کرنے کا اختیار دے دینا بھی آئی سی سی پی آر کی شق 17 کی خلاف ورزی ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیم کے مطابق اس طرح تحفظِ پاکستان بل میں، ثبوت فراہم کرنے کی ذمہ داری، ملزم پر عاید کر دی گئی ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سے بے گناہ ہونے کا وہ حق چھین لیا گیا ہے، جب تک وہ مجرم ثابت نہ ہو اور اِس بے گناہی کی ضمانت آئی سی سی پی آر کی شق چودہ میں دی گئی ہے۔ پانچویں شق جس پر سوال اٹھایا گیا ہے، وہ ہے حکومت کے پاس حراست، تفتیش، تحقیق اور مقدمے کی کارروائی کے مقام چننے کا اختیار۔ ہیومن رائٹس واچ کا کہنا ہے کہ تحفظِ پاکستان بِل میں یہ موجود یہ اختیار موجودہ عدالتی نظام کو نظرانداز کر سکتا ہے، جو بین لاقوامی شہری اور سیاسی حقوق کے معاہدے کی شق نو کی خلاف ورزی ہو گی۔

دوسری جانب قانونی ماہرین نے تحفظ پاکستان ایکٹ کی بیشتر شقوں کو بنیادی حقوق سے متصادم قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس قانون کی موجودگی میں آئے روز ماڈل ٹاؤن جیسے سانحے جنم لیتے رہیں گے۔ اگرچہ دہشت گردی کے خلاف سخت قوانین وقت کی اہم ضرورت ہیں، لیکن ایکٹ سے بنیادی حقوق کے متصادم شقوں کو ختم کرنا بھی ناگزیر ہے۔ قانونی ماہرین کے مطابق تحفظ پاکستان بل میں قانونی حلقوں سے مشاورت نہیں کی گئی، بعدازاں پارلیمنٹ میں بھی اس پر اس طرح بحث نہیں ہوئی، جیسے ہونی چاہیے تھی، اسے اعلیٰ عدالتوں میں چیلنج کیا جائے گا۔ تحفظ پاکستان بل کا جائزہ لینا اعلیٰ عدلیہ کی ذمہ داری ہے، کیونکہ پولیس پہلے ہی شہریوں کے حقوق کی پامالی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ تجزیہ کاروں کے مطابق بعض حلقوں نے اسے سپریم کورٹ میں چیلنج کرنے کا اعلان کیا ہے۔ یہ بل آنے والے دنوں میں حکومت کے لیے دو محاذوں پر بڑا امتحان ہے، پہلا یہ اگر اسے اعلیٰ عدلیہ میں چیلنج کر دیا گیا تو اس کا دفاع کیسے کرے اور اس قانون کی منظوری کے بعد دہشت گردی پر قابو پانے کے لیے سیکورٹی ایجنسیوں کے کام کو کیسے مانیٹر کیا جائے۔ پھر دہشت گردی کے واقعات سے متعلق مقدمات چلانے کے لیے خصوصی عدالتیں قائم کرنا، کیوں کہ ایک ایسا قانون جس پر ملک کے ایک بڑے حلقے کے تحفظات ہونے کے باوجود اگر اس پر عملدرآمد نہیں ہوتا تو یہ حکومت کی بہت بڑی بدنامی کا باعث ہوگا۔

تاریخ کی پیشانی پر کندہ حقیقت

موجودہ دور میں "انقلابی لیڈروں" کی ایک بھیڑ لگی ہے، چہار سو انقلاب کا اس قدر شور بپا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے۔ "انقلابی لیڈر" ملک کی بقا و سلامتی اور ترقی کا راز صرف انقلاب میں ہی پنہاں بتاتے ہیں، اس کے ساتھ گرانی، غربت، بے روزگاری، ملکی خودمختاری و سالمیت اور تمام مسائل کا واحد سبب حکومت وقت کو گردانتے ہوئے اس کو للکارنے میں مصروف ہیں اور حکمرانوں کو ڈرانے کے لیے فرانس، روس اور ایران کے خونی انقلابات سے ہوتے ہوئے مصر، تیونس، لیبیا اور شام تک کے انقلابات کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں اور ماضی قریب میں عوام کے ہاتھوں زین العابدین، حسنی مبارک، معمر قذافی اور بشار الاسد کے آمرانہ اقتدار کے خاتمے کی داستانیں بھی سنائی جاتی ہیں، جبکہ دوسری جانب حکمران طبقہ تمام تر ناکامیوں کے باجود گوند کی طرح اقتدار سے چپکے رہنا فرض خیال کرتا ہے، بلکہ کوئی بھی حکمران اپنے اقتدار کے سورج کو غروب ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا، جس کے لیے حکمران عوام کی خواہش کے مطابق مختلف النوع ہلکی پھلکی اصلاحات بھی وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں، کیونکہ سماج کی نبض جاری رکھنے اور نظام و اقتدار کی معیاد طویل کرنے کے لیے کچھ اصلاحات کا ہونا اشد ضروری ہوتا ہے، لیکن جب رائج الوقت نظام کے اندر اصلاحات ناکام اور بے سود ہونا شروع

ہو جاتی ہیں اور سماج میں بہتری کے لیے کی جانے والی ہر اصلاح اپنے منفی اثرات مرتب کرتی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب اصلاحات کی ہر گنجائش ختم ہو چکی ہے اور جب سماج میں اصلاحات کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے، تب انقلاب کی گنجائش پیدا ہوتی ہے اور پھر تحریکیں جنم لیتی ہیں، بغاوتیں ابھرتیں ہیں، ماضی کی ہر قدر، ریت و روایت، سماجی، معاشی، سیاسی فلسفے اور رشتے غرض پورا نظام اور اس کا ترتیب و تشکیل دیا ہوا ماضی کا دیو ہیکل اور ناقابل تسخیر سماج ریت کی دیوار کی طرح زمین بوس ہوتا چلا جاتا ہے۔ پورے سماج کو انارکی، سیاسی، معاشی، سماجی مسائل کا اژدھا نگلنا شروع کر دیتا ہے۔ ایک بے چینی اور انتشار ہر طرف پھیل جاتا ہے۔ سماجی بربادی ہوتی ہے، جو بڑھتی ہی چلی جاتی ہے، یہ کسی بھی نظام کی ناکامی، تباہی اور موت کی آخری ہچکیاں ہوتی ہیں، جب نظام ناکام اور حکمران نامراد ہوتے ہیں تو پھر انقلاب کا میدان لگتا ہے اور انقلاب سماج کو نئی جہتوں سے آشکار کرتا ہے۔

ماضی بتاتا ہے کہ انقلاب فرانس اور انقلاب روس ایسے ہی حالات میں خونریزی مچاتے ہوئے واقع ہوئے تھے۔ 1789ء میں فرانس میں خونی انقلاب برپا ہوا۔ ملکہ میری انٹونیٹ، جس نے بھوکے فرانسیسیوں کو کہا تھا کہ روٹی نہیں ملتی تو کیک کھالیں، شاہ لوئی اور ان دونوں کی اولاد، سب کا انجام انتہائی بھیانک طریقے سے ہوا۔ فرانسیسی انقلاب میں بیس لاکھ بے گور و کفن لاشیں سڑکوں پر پڑی تھیں

اور انقلاب کے بعد معتوب قرار دیے جانے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ایسی مشینیں بنانا پڑیں، جو تیزی کے ساتھ انسانوں کے سر کاٹنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ اسی طرح روس میں ہوا۔ زار روس نکولس دوم حکومتی معاملات میں اپنی شہزادی زارینہ الیگزنڈرا کی بے جا مداخلت کے سامنے بے بس تھا۔ وہ پہلی جنگ کی تباہ کاریوں اور ہولناکیوں سے سنبھل نہ پایا تو روس میں ہر چیز کی قیمت کئی گنا بڑھ گئی۔ لوگ پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے لوٹ مار کرنے لگے تو پولیس ان کی لاشیں گرانے لگی۔ 11 مارچ ء کو احتجاج کرنے والے 200 افراد کو فائرنگ کرکے ہلاک کر دیا گیا تو عوامی قہر 1917 کی بدولت 1917ء میں نکولس دوم کو تخت سے دستبردار ہونا پڑا۔ 16 اور 17 جولائی 1918ء کی درمیانی شب 2 بجے پورے خاندان کو ان کے ملازموں سمیت جگا کر لباس تبدیل کرکے تہہ خانے میں لے جا کر فائرنگ کا نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ روس کے کمیونسٹ انقلاب میں "زار" بادشاہوں کی قبروں کو کھود کر ہڈیاں تک جلا دی گئی تھیں۔

انقلاب کہنے اور سننے کو جس قدر عمدہ اور خوشنما لفظ ہے، حقیقت میں اسی قدر خوفناک اور بھیانک ہے۔ انقلاب کا معنی ہے، پلٹ دینا اور ہر چیز تہہ و بالا کر دینا، انقلاب میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ جب انقلاب آتے ہیں تو انسانی جانوں کا بے تحاشہ ضیاع ہوتا ہے اور انسانی خون ندیوں کی طرح بہتا ہے۔ انقلاب ایک جوئے کی مانند ہے، اس تخصیص کے ساتھ کہ اس میں اکثر دونوں فریق ہار جاتے

ہیں اور فتح تباہی و بربادی کی ہوتی ہے۔ انقلاب ایک تابکاری عمل ہے کہ جس کا شروع کرنا تو اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے، مگر روکنا اپنے ہاتھ میں نہیں ہوتا۔ جب تک بات بنتی نظر آتی ہے، اس وقت تک بات دور نکل چکی ہوتی ہے۔ تصادم کسی کو راس نہیں آتا۔ عجب افراتفری کا سماں برپا ہوتا ہے۔ مارنے والے غازی، مرنے والے شہید۔ زمین سرخ، آسمان سرخ، شاہراہیں اور تاریخ لہو میں ڈوبی ہوئیں۔ اخبارات کے صفحات سے ٹپکتا لہو انسانی جذبات کو لہو رنگ کرتا چلا جاتا ہے۔ انقلاب میں خوراک اور لباس کا ہی قحط نہیں پڑتا، بلکہ انسانی سرشت بھی ناپید ہو جاتی ہے۔ انقلابات اپنی کامیابی کے لیے بے حساب خون کا خراج مانگتے ہیں۔ ایرانی انقلاب کو تو اگرچہ کچھ زیادہ عرصہ بیت گیا، جس میں خانہ جنگی پر قابو پانے میں تین برس صرف ہوئے اور یہ تین برس ہزاروں انسانوں کا لہو چاٹ گئے تھے، لیکن مصر، تیونس، لیبیا اور شام کے اچانک رونما ہونے والے انقلابات تو ابھی تازہ مثالیں ہیں، ان کو تو زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا۔ انقلاب کے وقت جو لوگ بے موت مارے گئے سو مارے گئے، لیکن انقلاب کی بدولت ابھی تک ان ممالک میں موت کا رقص جاری ہے اور یہ ممالک خانہ جنگی کی بھٹی میں دہک رہے ہیں۔ ابھی تک یہاں خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے۔ یہ تمام ممالک بدامنی و بے سکونی اور بے شمار مسائل کی دلدل میں بری طرح دھنستے چلے جارہے ہیں۔ یاد رہے کہ تاریخ کی پیشانی پہ یہ حقیقت جلی حروف میں کندہ ہے کہ انقلاب آتا تو آسانی سے ہے، لیکن جاتا بہت مشکل سے ہے

یعنی اس کے اثرات سے چھٹکارہ برسوں میں بھی نہیں پایا جاسکتا۔

آج ملک خداد داد میں بھی حالات کافی حد تک دگرگوں ہیں۔ لوگ جمہوری حکومتوں کے رویوں سے عاجز آ کر آمرانہ حکومت اور انقلاب کی باتیں کر رہے ہیں۔ عام آدمی کی مشکلات میں بے تحاشہ اضافہ ہو رہا ہے، لوگ سڑکوں پر نکل رہے ہیں۔ پاکستان کی سیاست ہمیشہ سے چند سیاسی گھرانوں کی میراث رہی ہے۔ عوام اقتدار پر مخصوص سیاسی گھرانوں کی میراث سے جان چھڑا کر تبدیلی چاہتے ہیں اور جب عوام کسی بھی تبدیلی کے لیے کھڑے ہو جائیں تو وہ تبدیلی آ کر رہتی ہے، کیونکہ اگر عوام کسی ملک میں انقلاب لانا چاہتے ہیں تو پھر اس کو کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ اس حقیقت کے باوجود یہ ضروری نہیں کہ تبدیلی خونی انقلاب کی صورت میں ہی آئے۔ انقلاب سے تو فوائد کم اور نقصانات زیادہ ہوتے ہیں۔ پرامن طریقے سے بھی تبدیلی رونما ہو سکتی ہے۔ اگر تبدیلی ہی مقصود ہو تو جنوبی افریقہ میں نیلسن منڈیلا اور ملائشیا میں مہاتیر محمد کی مثال بھی سامنے رکھی جاسکتی ہے، جو خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر تبدیلی لائے۔ ہمارے لیے انقلابِ روس و فرانس نہیں، نیلسن منڈیلا اور مہاتیر محمد کا لایا ہوا انقلاب رول ماڈل ہونا چاہیے۔

سری لنکا: امریکی گروپ قادیانیوں کی حمایت میں سرگرم

ان دنوں سری لنکا میں گرفتار کیے گئے 142 قادیانیوں کی ملک بدری کا معاملہ ملکی و مغربی میڈیا میں نمایاں ہے۔ ذرائع کے مطابق سری لنکا میں گزشتہ ماہ کے دوران پولیس نے ملکی سلامتی کے پیش نظر چھاپا مار کارروائیوں کے دوران 142 پاکستانی قادیانیوں کو حراست میں لیا تھا اور اب ان کا ملک بدر کیا جانا متوقع ہے، کیونکہ انہیں سیاسی پناہ حاصل نہیں ہے اور یہ لوگ بغیر اجازت وہاں رہ رہے تھے۔ ان افراد نے بغیر سیاسی پناہ حاصل کیے سری لنکا میں رہائش اختیار کی ہوئی تھی۔ سری لنکا کے متوقع فیصلے کے خلاف عالمی میڈیا اور امریکی گروپ ان متوقع ڈی پورٹ کیے جانے والے قادیانیوں کی حمایت میں بڑھ چڑھ کر سامنے آیا ہے۔ ایک جانب یورپی میڈیا نے سری لنکا میں گرفتار کیے گئے 142 قادیانی افراد کو مسلمانوں کی اقلیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور بار بار مسلمان اقلیت کے طور پر پیش کیا جاتا رہا۔ حالانکہ قادیانی متفقہ طور پر غیر مسلم قرار دیے جاچکے ہیں۔ جبکہ دوسری جانب امریکی حقوق انسانی گروپ ہیومین رائٹس واچ نے سری لنکا پر زور دیا ہے کہ وہ پاکستان سے تعلق رکھنے والے قادیانی برادری کے افراد کو اس وقت تک ملک بدر نہ کرے، جب تک اقوام متحدہ ان تک مکمل رسائی حاصل کرکے ان کے تحفظ کے اقدامات نہیں کرلیتی۔ اس امریکی تنظیم کا کہنا ہے کہ اقوام

متحدہ کے ادارہ برائے مہاجرین یا یو این ایچ سی آر کو اب تک ان قیدیوں تک مکمل رسائی نہیں مل سکی ہے، جو بوسہ حراستی مرکز میں رکھے گئے ہیں، تاہم یو این کے ادارہ نے کم از کم چھ گروپس کو پناہ گزینوں کی حیثیت سے شناخت کیا ہے۔ میڈیا رپورٹ میں بھی امیگریشن کنٹرول شولنداپریرا کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ سری لنکن حکومت ان گرفتار پاکستانیوں کو ڈی پورٹ کردے گی، کیونکہ انہیں سیاسی پناہ گزینوں کی حیثیت سے رجسٹر نہیں کیا گیا ہے۔ سری لنکا کے مغربی ساحلی شہر نگومبو میں پاکستانی نژاد افراد کے خلاف کارروائی کا آغاز سیکورٹی خدشات پر 9 جون کو ہوا تھا، کیونکہ پاکستانی قادیانیوں کی کی آمد میں اضافہ ہوا، جس کی وجہ سے سری لنکن حکام اسے سیکورٹی کے لیے تشویش ناک قرار دینے لگے۔ یہ شہر پاکستانی پناہ گزینوں کی جنت بھی کہا جاسکتا ہے، جہاں گزشتہ برس یو این ایچ سی آر نے پندرہ سو کے قریب پاکستانی اقلیتوں کی رجسٹریشن کی تھی۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ سری لنکا حکومت 142 قادیانیوں کی ملک بدری کا فیصلہ بلا وجہ تو نہیں کیا ہوگا۔ اگر گرفتار کیے گئے افراد غیر قانونی طور پر وہاں رہیں گے تو سری لنکا حکومت تو انہیں ڈی پورٹ تو کرے گی، کیونکہ قادیانی دوسرے ممالک میں اپنا نیٹ ورک پھیلا رہے ہیں، اس کے لیے وہ قانونی و غیر قانونی دونوں طریقے استعمال کر رہے ہیں۔ ایک جانب قادیانی دوسرے

ممالک میں اپنے نمائندوں کو امریکا کی سرپرستی میں سیاسی پناہ دلواتے ہیں، بعض ممالک میں تین تین لاکھ روپے دے کر بھی سیاسی پناہ دلوائی جارہی ہے، اس کا مقصد امریکا کے مفادات کے لیے کام کرنا ہے۔ بعض ممالک میں قادیانی اسمگلنگ میں اور ٹریفکنگ میں بھی ملوث ہیں اور متعدد افراد جیلوں میں بھی بند ہیں۔ جبکہ بعض ممالک میں غیر قانونی طور پر بھی پناہ رکھے ہوئے ہیں۔ قادیانی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے غیر قانونی طریقوں سے دوسرے ممالک میں جاکر اپنی سیاسی و تبلیغی سرگرمیوں کا دائرہ کار بڑھاتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اب متعدد ممالک اس حوالے سے محتاط ہورہے ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ سری لنکا میں بھی ملکی سلامتی کے پیش نظر ایسا کیا گیا ہے اور اگر واقعی سری لنکا حکومت کا 142 قادیانیوں کو ڈی پورٹ کرنے کا فیصلہ غیر قانونی ہے تو حکومت پاکستان کو اس معاملے میں مداخلت کرنی چاہیے، لیکن امریکی گروپ کا ہر جگہ قادیانیوں کی حمایت میں سرگرم ہوجانا عقل سے بالاتر ہے۔ امریکا اور دیگر کئی ممالک دنیا بھر میں کسی بھی جگہ قادیانیوں کا چھوٹا سا معاملہ بھی سامنے آجائے تو اس پر تو بول پڑتے ہیں، لیکن انہیں پوری دنیا میں مسلمانوں پر ہونے والا ظلم کیوں نظر نہیں آتا؟ دنیا کے بیشتر ممالک میں مسلمانوں پر ظلم ہورہا ہے۔ برما میں ایک عرصے سے مسلمانوں پر بدھ دہشت گردوں کے ہاتھوں بدترین ظلم کی داستان رقم کی جاری ہے، فلسطین میں بھی یہودی، مسلمانوں کے ساتھ تاریخ ساز ظلم جاری رکھے ہوئے ہیں اور ان کے علاوہ بھی متعدد اسلامی

ممالک میں مسلمان ظلم کا نشانہ بن رہے ہیں، لیکن نہ تو امریکا ان مظلوموں کے لیے کوئی کوشش کرتا ہے اور نہ ہی انسانی حقوق کی عالمی تنظیمیں ظلم ختم کروانے کے لیے آواز بلند کرتی ہیں، بلکہ کئی اسلامی ممالک میں تو امریکا خود بھی مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہا ہے، لیکن اگر دنیا میں کہیں قادیانیوں کا چھوٹا سا بھی معاملہ سامنے آجائے تو امریکا اس کی پشت پر آ کھڑا ہوتا ہے۔ امریکا ہمیشہ سے قادیانیوں کی پشت پناہی کرتے ہوئے انہیں استعمال کرتا رہا ہے۔ گزشتہ مہینوں بھی امریکا قادیانیوں کو مسلم قرار دلوانے کے لیے کھل کر سامنے آچکا ہے۔ امریکی صدر اوباما کے نمائندہ خصوصی برائے او آئی سی بھارتی نژاد ارشاد حسین اور او آئی سی کے لیے امریکا کے نائب سفیر ارسلان، سلیمان کو ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ پاکستان میں قادیانیوں کو مسلم قرار دلوانے کے لیے حکومتی ذمہ داران سے ملاقاتیں کرکے ان پر دباؤ ڈالیں، لیکن امریکی حکومت کی تمام تر کوششیں ناکام و نامراد لوٹیں تھیں۔ اس سے پہلے بھی کئی بار امریکا قادیانیوں کو مسلمان قرار دلوانے کے لیے سرگرم ہوچکا ہے۔ حالانکہ پاکستان کی پارلیمنٹ متفقہ طور پر قادیانیوں کو کافر قرار دے چکی ہے۔ قادیانیوں کے حوالے سے وقتاً فوقتاً امریکی کوششیں علمائے کرام اور دینی حلقوں کے اس الزام کو سچ کر دکھاتی ہیں کہ قادیانی امریکا اور اسرائیل کا مہرہ ہیں، امریکی سرپرستی کچھ کچھ وقفے کے ساتھ اس حقیقت کو طشت از بام بھی کرتی رہتی ہے۔

نئے چیف جسٹس سے عوام کی توقعات

چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چودھری کی ریٹائرمنٹ کے بعد 12 دسمبر 2013 کو حلف اٹھانے والے 65 سالہ جسٹس تصدق حسین جیلانی بحیثیت چیف جسٹس آف پاکستان کم و بیش 7 ماہ خدمات سرانجام دے کر اپنے عہدے سے سبکدوش ہوگئے اور جسٹس ناصر الملک نے ایوان صدر میں صدر مملکت ممنون حسین، وزیراعظم نواز شریف، تینوں مسلح افواج کے سربراہان، چیئرمین جوائنٹ چیف آف اسٹاف کمیٹی، چیئرمین سینیٹ نیئر بخاری اور متعدد وفاقی وزرا کی موجودگی میں ملک کے 22 ویں چیف جسٹس کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔ جسٹس ناصر الملک کا تعلق مینگورہ سے ہے، ان کے بزنس مین والد کامران خان سوات میں اپنے انسانی بھلائی کے کاموں کے باعث جانے جاتے تھے۔ قانونی حلقوں کے مطابق جسٹس ناصر الملک انتہائی پیشہ ور اور ماہر جج کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ وہ 16 اگست 2015 تک اس عہدے پر فائز رہیں گے، جو ایک سال 10 دن کا عرصہ بنتا ہے۔ سپریم کورٹ کے نئے چیف جسٹس ناصرالملک 17 اگست 1950 کو سوات کے شہر مینگورہ میں پیدا ہوئے۔ ایبٹ آباد پبلک اسکول سے میٹرک اور ایڈورڈز کالج پشاور سے گریجویشن کیا۔ 1977ء میں لندن سے بار ایٹ لا کرنے کے بعد پشاور میں وکالت شروع کی۔ 1981 میں پشاور ہائیکورٹ بار کے سیکرٹری اور 1991ء اور 1993ء میں صدر منتخب ہوئے۔ 4 جون 1994ء کو پشاور

ہائیکورٹ کے جج بنے اور 31 مئی 2004ء کو چیف جسٹس پشاور ہائیکورٹ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ 5 اپریل 2005ء کو انہیں سپریم کورٹ کا جج مقرر کیا گیا۔ جسٹس ناصر الملک نے نہ صرف 3 نومبر 2007ء کے پی سی او کے تحت حلف اٹھانے سے انکار کیا تھا، بلکہ وہ 3 نومبر کی ایمرجنسی کے خلاف حکم امتناع جاری کرنے والے سات رکنی بینچ میں شامل تھے۔ پی سی او کے تحت حلف نہ اٹھا کر وہ معزول قرار پائے اور ستمبر 2008ء میں دوبارہ حلف اٹھا کر جج کے منصب پر بحال ہوئے۔ جسٹس ناصر الملک پی سی او، این آر او اور اٹھارویں ترمیم کے خلاف درخواستوں کی سماعت کرنے والے بینچوں کا حصہ اور سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کو توہین عدالت کے جرم میں سزا سنانے والے بینچ کے سربراہ بھی رہے۔

قانونی ماہرین کے مطابق جسٹس ناصر الملک شاذونادر ہی عدالتی سماعت میں وکلاء سے سوالات کی صورت میں مداخلت کرتے ہیں۔ ایسے جج جو کبھی اپنے آپے سے باہر نہیں ہوتے، وہ وکلاء کو مساوی مواقع فراہم کرتے ہیں، مگر کسی بھی فریق کو مقدمے سے ہٹ کر سیاسی میدان میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ پاکستان کا اسٹرکچر اسی صورت میں مضبوط ہوسکتا ہے، جب ریاست کے تمام ادارے قانون کے مطابق کام کریں اور حاصل اختیارات کو عوام کی بہبود کے لیے استعمال کریں۔ سابق چیف جسٹس تصدق حسین جیلانی کی ریٹائرمنٹ کے موقع پر فل کورٹ ریفرنس سے خطاب کرتے ہوئے جسٹس ناصر الملک کا کہنا تھا کہ "ریاست کے ستونوں کو ایک

دوسرے کے امور میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ آئین میں تمام اداروں کے اختیارات کا تعین ہو چکا ہے۔ آئین صرف لفظوں کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ یہ قوم کی اجتماعی سوچ اور اس کی خواہشات کا عکاس ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں عدلیہ کے کردار پر سوالات اٹھتے رہے ہیں۔ آمرانہ حکومتوں کی عدالتوں نے ماضی میں "نظریہ ضرورت" کے تحت حکمرانی کا مجاز قرار دیا۔ اس کے علاوہ عدالیہ کے کردار کے حوالے سے ادارتی تجاوزات بھی ایک اہم عنصر رہا ہے۔ اگر ادارے ایک دوسرے کے مینڈیٹ کا احترام نہیں کریں گے تو اس سے عوامی حقوق متاثر ہوں گے۔ مقدمات کو التوا میں رکھنے کی روش کو ترک کرنا ہوگا، تاکہ لوگوں کو جلد از جلد انصاف مل سکے۔" قانونی ماہرین کے مطابق نئے چیف جسٹس ایک اچھے منتظم اور نظم و ضبط پر عمل کرنے والے جج ہیں، جو جانتے ہیں کہ عدالتوں کو کیسے چلایا جانا چاہیے۔ لاپتا افراد کے مقدمات کی سماعت کے دوران جسٹس ناصر الملک ہمیشہ ثابت قدم رہے، جس کا نتیجہ متعدد گمشدہ افراد کی بازیابی کی صورت میں نکلا۔ سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کے سابق صدر طارق محمود ایڈووکیٹ کے خیال میں ہوسکتا ہے کہ جسٹس ناصر الملک کو عدالتی نظام سنبھالنے میں مشکلات کا سامنا ہو، تاہم وہ ان کے 24 مئی کے فیصلے کو سراہتے ہیں، جس میں خیبر پختونخوا حکومت کو نجی تعلیمی اداروں میں طالبعلموں کے لیے رعایتی فیس کے قانونی تنازعے پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ جسٹس ناصر الملک کو اپنی تیرہ ماہ کی مدت کے دوران متعدد چیلنجز کا سامنا ہوگا، کیونکہ ان سے ملک کی موجودہ سیاسی کشیدگی کی صورتحال میں کافی توقعات وابستہ ہیں۔ انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والی مبصر عاصمہ جہانگیر کا کہنا ہے کہ جسٹس ناصر الملک کو سول فوجی تعلقات میں غیر جانبدار رہنا ہوگا، نئے چیف جسٹس کے لیے سب سے بڑا چیلنج سابق چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کے طے کردہ معیار کا سامنا ہوگا، جو اب تک چلا آ رہا ہے۔ مبصرین کے مطابق نئے چیف جسٹس ناصر الملک نے اپنے عہدے کا حلف اٹھالیا ہے، دعا ہے کہ وہ ملک و قوم کی توقعات پر پورا اتریں، امیر اور غریب سب کو یکساں انصاف فراہم کریں اور اسی طرح عوام کے حقوق کی بات کریں، جس طرح چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے کی۔ اگرچہ کسی کے اپنے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد لوگ اس پر اعتراضات کرتے ہیں، لیکن افتخار محمد چودھری نے ایک قابل تقلید روایت قائم کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ماضی میں عدلیہ انتظامیہ اور اسٹیبلشمنٹ کا گٹھ جوڑ ہوا کرتا تھا، سب ایک دوسرے کے مفادات کا تحفظ کرتے تھے، لیکن چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے صدر، وزیراعظم، اعلیٰ فوجی جرنیل، خفیہ ایجنسیوں کے سربراہ، فوجی آمر، بااثر ترین کاروباری افراد، اہم سرکاری افسران اور اعلیٰ عدالتوں کے ججز سمیت سب کو قانون کی پکڑ میں لیا۔ کئی وفاقی اور صوبائی وزرا، مشیران اور ارکان پارلیمنٹ کو بدعنوانی، جعلی ڈگریوں اور دہری شہریت کے مقدمات میں عدالت کی

مداخلت کے بعد گھر بھی جانا پڑا۔ اسی کو حقیقت میں قانون اور عدلیہ کی بالا دستی کہتے ہیں۔ ملک و قوم اور عوام کی بھلائی کے لیے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے آئین کے آرٹیکل 184-3 کے تحت از خود نوٹس کا اختیار بارہا استعمال کیا۔ "این آر او"، ایکوڈک کیس، این آئی ایل سی ایکٹڈل، رینٹل پاور پروجیکٹس، حج اسکینڈل، بینک آف پنجاب کیس، پاکستان اسٹیل ملز اسکینڈل کیس، شوگر مافیا کیس میں کرپشن اور بدعنوانی کرکے قومی خزانے پر ڈاکا ڈالنے والوں پر ہاتھ ڈالا اور بااثر لوگوں سے قومی خزانے کے کھربوں روپے بچائے۔ دہری شہریت اور جعلی ڈگری ہولڈروں کی نااہلی، میموگیٹ، کراچی بدامنی کیس، مہران بینک اسکینڈل، لاپتا افراد کیس میں چھپے ہوئے چہروں کی اصلیت عوام کے سامنے لائے، اعلیٰ فوجی حاضر سروس عہدیداروں، سویلین آفیسرز، سابق آرمی چیف جنرل اسلم بیگ، جنرل اسد درانی سمیت بہت سے بڑوں کو عدالت میں حاضر کیا۔ انہوں نے عدالتی فعالیت کے ذریعے طاقتوروں کو نکیل ڈالی۔ جبکہ ان کے بعد آنے والے چیف جسٹس آف پاکستان تصدق حسین جیلانی نے کم و بیش 7 ماہ خدمات سرانجام دیں، لیکن وہ اس طرح سے کام نہیں کرسکے، جس طرح سے افتخار محمد چودھری نے کیا۔ جسٹس تصدق حسین جیلانی کے دور میں 3 ہزار 700 سے زاید درخواستیں دائر کی گئیں، جن میں سے 2 ہزار کے لگ بھگ درخواستوں کو نمٹایا گیا اور ان کے دور میں سپریم کورٹ میں نہ کوئی وزیراعظم آتا دکھائی دیا اور نہ ہی کوئی وزیر۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اب نئے چیف جسٹس صاحب کو چاہیے

کہ وہ اس راستے پر چلیں جس سے عوام کی توقعات زیادہ سے زیادہ پوری ہوں۔
پاکستان کا شمار دنیا کے ان ممالک میں ہوتا ہے، جہاں انصاف کا حصول مشکل سے ہوتا ہوا ناممکن کی حدوں کو چھو رہا ہے، غریب عوام اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لیے کچہری کے فرسودہ کلچر میں خوار ہونے کے باوجود انصاف سے محروم رہتے ہیں۔ غریب عوام کے حقوق ہمیشہ بااثر افراد غصب کر لیتے ہیں، تمام کوششوں کے باوجود غریب عوام کے لیے انصاف کا حصول دشوار ترین ہے۔ ان حالات میں عوام نئے چیف جسٹس آف پاکستان ناصر الملک سے توقع کرتے ہیں کہ وہ عوام کو انصاف فراہم کریں گے اور انصاف کی فراہمی کی وہی روایت برقرار رکھیں گے، جو افتخار محمد چودھری نے شروع کی تھی۔

افغانستان: کابل کا سیاسی بحران اور خطے پر اثرات ....!

افغانستان ایک ایسا ملک ہے، پورے خطے پر جس کے حالات انتہائی زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ اڑوس پڑوس کے ممالک کے حالات افغانستان کے حالات کے ساتھ نتھی ہیں۔ ایک پر امن اور مستحکم افغانستان ہی پڑوسی ممالک کے مفاد میں ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب افغانستان ایک عرصے سے امریکی جارحیت کا نشانہ بن رہا ہے، اسی جارحیت کی وجہ سے افغانستان کا اسٹرکچر مکمل طور پر تباہ ہو کر رہ گیا ہے، طالبان امریکا کو اپنے ملک سے نکالنے کے لیے برسرپیکار ہیں اور سال کے آخر تک امریکا افغانستان سے نکلنے کا ٹائم بھی دے چکا ہے، ان حالات میں افغانستان میں ہونے والا صدارتی الیکشن تمام ممالک کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ افغان الیکشن کمیشن کے مطابق صدارتی الیکشن کے دوسرے مرحلے میں اشرف غنی 56.44 فیصد ووٹ حاصل کر کے ملک کے نئے صدر منتخب ہوگئے ہیں، جبکہ ان کے حریف امیدوار عبداللہ عبداللہ نے 43.56 فیصد ووٹ حاصل کیے۔ افغان الیکشن کمیشن کے جاری کردہ بیان کے مطابق اگرچہ الیکشن کے دوران کچھ دھاندلیوں کے کیس سامنے آئے، تاہم تمام مرحلہ شفاف طریقے سے مکمل کیا گیا ہے اور 14 جون کو ہونے والے انتخاب کے دوسرے مرحلے میں ایک کروڑ 35 لاکھ ووٹرز میں سے 80 لاکھ افراد نے اپنا حق رائے دہی استعمال کیا۔ اشرف غنی کے حاصل کردہ کل ووٹوں کی تعداد 48

لاکھ 85 ہزار 888 رہی، جبکہ ان کے حریف عبداللہ عبداللہ نے 34 لاکھ 61 ہزار ووٹ حاصل کیے ہیں۔ ووٹنگ میں مسائل کی وجہ سے ان نتائج میں تبدیلی کے 639 امکانات موجود ہیں۔ صدارتی الیکشن کے دوسرے مرحلے کی 14 جون کو ہونے والی رائے دہی میں کل ساڑھے تیرہ ملین رجسٹرڈ افغان ووٹروں میں سے آٹھ ملین سے زاید نے حصہ لیا تھا اور یہ شرح عمومی توقعات سے کہیں زیادہ ہے۔ حتمی نتائج کا اعلان اسی مہینے کی 22 تاریخ کو کیا جائے گا، جس کے بعد دو اگست کو ملک کے نئے صدر کو اپنے عہدے کا حلف اٹھانا ہوگا۔ افغان الیکشن کمیشن کے مطابق افغان الیکشن میں کامیاب قرار پانے والے امیدوار افغانستان کے معروف سیاستدان اشرف غنی احمد زئی ہیں، جو 2002ء سے 2004ء تک وزیر خزانہ رہے۔ وہ کابل یونیورسٹی کے چانسلر بھی رہ چکے ہیں۔ وہ افغانستان کے بارے میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے خصوصی نمائندے لخذار براہیمی کے خصوصی مشیر رہے ہیں۔

اشرف غنی کے ترجمان کے مطابق انہیں اب بھی 7000 پولنگ اسٹیشنز کے نتائج پر تحفظات ہیں، تاہم انہوں نے مشروط طور پر نتائج کو تسلیم کیا ہے۔ دوسری جانب افغانستان کے صدارتی انتخاب کے امیدوار عبداللہ عبداللہ نے اپنے حریف اشرف غنی کی برتری کے اشاروں کے باوجود گزشتہ ماہ ہونے والے الیکشن میں اپنی کامیابی کا دعویٰ کیا ہے۔ کابل میں اپنے حامیوں سے خطاب میں انھوں نے ایک

بار پھر انتخاب کو متاثر کرنے کا الزام دہرایا۔ عبداللہ عبداللہ نے کہا ہے کہ وہ دھوکے باز حکومت کو کبھی قبول نہیں کریں گے۔ انھوں نے دوسرے اور حتمی دور کے نتائج کو چیلنج کیا ہے، جن میں ان کے حریف اشرف غنی کو سبقت حاصل ہے۔ عبداللہ عبداللہ کو سب سے بڑا اعتراض ٹرن آؤٹ کے بہت بڑی تعداد پر ہے، کیونکہ یہ پہلے مرحلے کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ بعض حلقوں میں امیدواروں کو مشتبہ حد تک زیادہ ووٹ ملے اور خواتین کے ووٹوں کی تعداد بھی بہت زیادہ رہی جو مقامی روایات کے خلاف ہے۔ اس سے قبل عبداللہ عبداللہ نے کہا تھا کہ وہ اپنے مخالف امیدوار کی جیت کا احترام کریں گے، تاہم یہ صرف اسی صورت میں ہوگا، اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ یہ انتخاب شفاف ہے۔ دونوں امیدواروں نے ووٹنگ میں دھاندلی کے الزامات عاید کیے تھے، جس کے بعد انتخاب کے صوبائی نتائج ووٹوں کی جانچ کے لیے ایک ہفتے تک کے لیے موخر کر دیے گئے تھے۔ واضح رہے کہ افغان صدارتی انتخاب کا پہلا مرحلہ اپریل میں منعقد ہوا تھا، جس میں عبداللہ عبداللہ نے برتری تو حاصل کی تھی، لیکن مطلوبہ تعداد میں ووٹ نہیں لے سکے تھے۔ اس پر انتخاب کے دوسرے مرحلے کا انعقاد 14 جون کو ہوا، جس میں عبداللہ عبداللہ اور ان کے قریب ترین حریف اشرف غنی مدِمقابل تھے۔ دوسرے مرحلے کی ضرورت افغان آئین کے مطابق اس لیے ہے کہ اگر کسی امیدوار کو ڈالے گئے ووٹوں میں سے پچاس فیصد سے زیادہ ووٹ نہیں ملتے تو ایسی صورت میں پہلے دو نمبر پر آنے والے امیدواروں کے بیچ

چناؤ کا دوسرا مرحلہ کروانا لازمی ہے۔ افغان الیکشن کے نتائج کے اعلان کے بعد عبداللہ عبداللہ کی جانب سے اپنی کامیابی کے دعوے کے بعد تصادم کی کیفیت کے پیش نظر امریکا کے وزیر خارجہ جان کیری نے متنبہ کیا ہے کہ غیر قانونی طریقے سے اقتدار کی کسی بھی کوشش سے افغانستان امریکا کی طرف سے فراہم کی جانے والی "مالی اور سیکورٹی" اعانت سے محروم ہو سکتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ انھیں ایک "متوازی حکومت" کی سامنے آنے والی آراء پر انھیں شدید تشویش ہے۔ انھیں توقع ہے کہ افغانستان کے انتخابی ادارے تمام الزامات اور بے قاعدگیوں کا معقول انداز میں جائزہ لیں گے، لیکن ان کے بقول تشدد اور غیر قانونی اقدام کی دھمکیوں کا کوئی جواز نہیں ہے۔ انھوں نے افغان رہنماؤں سے امن برقرار رکھنے کا مطالبہ بھی کیا۔

تجزیہ کاروں کے مطابق افغانستان میں صدارتی انتخاب کے دوسرے مرحلے کے نتائج کے اعلان سے ملک میں ایک نیا بحران پیدا ہو گیا ہے۔ دو صدارتی امیدواروں میں سے ایک طرف سے انتخابی عمل پر عدم اعتماد کے اظہار اور الیکشن کمیشن کی طرف سے ابتدائی نتائج کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال کے تناظر میں جنگ سے تباہ حال ملک مزید انتشار کا شکار ہو سکتا ہے اور خدشہ ہے کہ افہام و تفہیم سے اس کا کوئی قابل قبول حل نہ نکالا گیا تو یہ بحران آگے چل کر سیاسی عدم استحکام ہی نہیں، خانہ جنگی کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے اور اس کے اثرات

پاکستان سمیت پورے خطے پر مرتب ہو سکتے ہیں۔ اگر اس مسئلے پر اتفاق رائے ممکن نہ ہوا تو اس سے نسلی منافرت کو ہوا ملے گی، جو تصادم کی صورت اختیار کر سکتی ہے، جس سے افغانستان میں بڑے پیمانے پر خونی تصادم کا خدشہ ہے۔ مبصرین کے مطابق عبداللہ عبداللہ چونکہ شمالی اتحاد کے حمایت کردہ ہیں اور شمالی اتحاد آسانی سے کرسی صدارت پر اپنے دعوے سے دستبردار نہیں ہوگا اور معاملہ علیحدگی تک جا سکتا ہے۔ افغانستان میں ایک اور سول وار اور اس کے نتیجے میں مغربی ملکوں کی مداخلت ہمارے لیے نئی مشکلات کا سبب بنے گی۔ افغانستان ایک طویل عرصے سے حالت جنگ میں ہے، ان حالات میں تصادم کی راہ افغانستان کے مستقبل کے لیے نقصان دہ ہوگی اور افغانستان کے حالات مزید پیچیدہ ہو جائیں گے۔ یہ بھی واضح رہے کہ ذرائع کے مطابق بھارت اور دیگر ممالک افغانستان میں بیٹھ کر پاکستان میں دہشتگردی کروا رہے ہیں۔ اس پس منظر میں کئی سوالات سامنے ہیں۔ پہلا سوال تو یہ کہ کیا نئی افغان حکومت پاکستان کے بارے میں دوستی اور تعاون پر مبنی نئی پالیسی اختیار کرے گی یا حامد کرزئی کی معاندانہ دوغلی اور بھارت نواز پالیسی کو جاری رکھے گی۔ دونوں ملک شدید بدامنی کا شکار ہیں، ایسے میں انہیں ایک دوسرے کی سلامتی، امن اور بھارتی چارے کے فروغ کے لیے باہمی تعاون کو بڑھانے پر توجہ دینا ہوگی۔ اسی میں دونوں کا مفاد اور اس خطے میں پائیدار امن کا انحصار ہے۔ مبصرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ افغانستان میں سب سے زیادہ طاقت طالبان کے پاس ہے، متعدد ممالک

نے 13 سال طالبان سے جنگ لڑ کر ان کی طاقت کا اندازہ کر ہی لیا ہوگا کہ تمام کوششوں کے باوجود تمام طاقتیں طالبان کو شکست نہ دے سکیں، طالبان کی طرف سے گزشتہ چند دنوں میں ہونے والے بڑے پیمانے پر حملے ان کی طاقت کی تازہ مثالیں ہیں۔ تجزیہ کاروں کے مطابق افغانستان میں کوئی بھی حکومت اسی صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے جب اسے طالبان کی حمایت حاصل ہوگی۔ آئندہ آنے والے افغان صدر کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ امریکا کی جاری کردہ ظالمانہ پالیسیوں کو ترک کرے اور امریکا کے ساتھ ہونے والے اس سیکورٹی معاہدے پر دستخط نہ کرے جس کی طالبان مخالفت کرتے رہے ہیں، لیکن اگر افغانستان کا آئندہ صدر بھی طالبان کے ساتھ تصادم کی پالیسی پر گامزن رہا تو افغانستان مزید بحرانوں کا شکار ہو جائے گا۔

پاکستان میں تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ پڑوسی ملک افغانستان میں صدارتی انتخاب کے نتائج پر تنازع بڑھا تو اس کے پاکستان سمیت پورے خطے پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ پاکستان نے سرکاری طور پر تو ابھی تک افغان صدارتی انتخابات سے متعلق کوئی بیان جاری نہیں کیا، تاہم دفتر خارجہ کے ذرائع کے مطابق پاکستان افغان صدارتی انتخاب کے نتیجے میں ہونے والی پیشرفت پر گہری نظر رکھے ہوئے ہے۔ افغان امور کے ماہر تجزیہ کار رحیم اللہ یوسفزئی کا کہنا ہے کہ افغان انتخاب پہلے مرحلے سے ہی متنازع ہو گئے تھے، کیونکہ دونوں

امیدواروں نے ایک دوسرے پر دھاندلی کے الزمات لگانے شروع کر دیے تھے۔دونوں میں سے کوئی بھی بر سر اقتدار آ جائے، وہ ایک کمزور حکمران ہوگا، کیونکہ پاور شیئرنگ کیے بغیر حکومت کرنا کسی ایک کے لیے بھی آسان نہیں ہوگا۔ان کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر عبد اللہ شاید پاکستان کے لیے زیادہ ناپسندیدہ تھے اور اشرف غنی چونکہ پشتون اور اکانومسٹ ہیں تو یہ شاید پاکستان کے لیے زیادہ بہتر ہوگا۔ اشرف غنی افغانستان کے مفادات کا زیادہ خیال کریں گے۔ کرزئی حکومت میں عبداللہ عبداللہ وزیر خارجہ اور اشرف غنی وزیر خزانہ رہے، اس لیے یہ کہنا کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی کرزئی حکومت کی پا کستان پالیسی سے خود کو بالکل الگ رکھے گا تو یہ شاید درست نہ ہو۔ خارجہ امور کی رپورٹنگ کرنے والے سینیئر صحافی متین حیدر کا کہنا ہے کہ افغانستان کی موجودہ صورتحال پاکستان، امریکا اور اتحادی ممالک کے لیے پریشانی کا باعث ہے۔ اسلام آباد یہ توقع کر رہا تھا کہ کابل میں نئی حکومت آئے گی، اس کے ساتھ پاکستان کے بہت سے سیاسی اور سیکورٹی ایشوز پر بات کرنا تھی، لیکن کابل میں سیاسی بحران شروع ہوگیا، اگر یہ بحران آگے بڑھا تو اس کے پورے خطے پر اثرات مرتب ہوں گے۔

وزیر اعظم کا دورہ .... کراچی دوبارہ روشنیوں کا شہر بنے گا؟

وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے حالیہ دورہ کراچی کے موقع پر ملک کے معاشی حب کراچی کی ترقی و سیکورٹی کے حوالے سے اہم اور قابل تعریف فیصلے کیے ہیں۔ ذرائع کے مطابق وزیر اعظم نے دورہ کراچی کے دوران مختلف پروجیکٹس کے لیے 82 ارب روپے کا اعلان کیا، جس سے توقع کی جاسکتی ہے کہ کراچی ایک بار پھر ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے دوبارہ روشنیوں کا شہر بن جائے گا۔ وزیر اعظم کی زیر صدارت کراچی کے میگا پروجیکٹس کے حوالے سے اعلیٰ سطح کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ وفاقی حکومت کراچی میں 15 ارب روپے کی لاگت سے گرین لائن بس منصوبہ مکمل کرے گی اور اس کے تمام اخراجات وفاقی حکومت برداشت کرے گی، اس منصوبے کا ٹریک 24.5 کلومیٹر طویل ہوگا، جو سرجانی ٹاؤن سے شروع ہو کر سٹی سینٹر کراچی (ٹاور) پر مشتمل ہوگا، اس سہولت سے ساڑھے تین لاکھ افراد استفادہ کر سکیں گے۔ وزیر اعظم کے مطابق منصوبے پر ہنگامی بنیادوں پر کام شروع ہوگا۔ علاوہ ازیں وزیر اعظم نے کراچی سے لاہور تک جانے والے موٹر وے کی تعمیر کے لیے بھی نیشنل ہائی ویز اتھارٹی کو 55 ارب روپے جاری کرنے کی تصدیق کی اور کہا کہ اس منصوبے پر بھی جلد کام کا آغاز ہوجائے گا، جبکہ وزیر اعظم نے ملیر موٹروے کے لیے 42 ارب روپے کی اصولی طور پر منظوری دی۔ ذرائع کے مطابق منصوبہ M9 کا حصہ ہوگا اور

دونوں بندرگاہوں کو ملائے گا، منصوبے پر 42 ارب روپے لاگت کا تخمینہ لگایا گیا ہے، منصوبے پر کام کے آغاز کے لیے نیشنل ہائی وے اتھارٹی (این ایچ اے) کو ہدایت جاری کردی گئی ہے۔ وزیراعظم نے کراچی سرکلر ریلوے، لیاری ایکسپریس وے اور دیگر میگا پروجیکٹس میں حائل رکاوٹوں کو لاپرواہی کا شاخسانہ قرار دیتے ہوئے چیف جسٹس سندھ کو فوری اقدامات کی ہدایت کی ہے۔ اس کے ساتھ وزیراعظم نے کراچی کے لیے ملین گیلن اضافی پانی کی فراہمی کے لیے رقم کی منظوری دے دی۔ وزیراعظم کی 260 جانب سے صاف پانی کی فراہمی کے لیے ایک بڑے منصوبے کے تحت کراچی کو کینجھر منصوبے پر 13 ارب روپے لاگت آئے K-IV، جھیل سے پانی کی فراہمی کی جائے گی، جس میں 50 فیصد رقم وفاق ادا کرے گا۔ کراچی و سندھ کے سیاسی رہنماؤں نے وزیراعظم نواز شریف کی جانب سے کراچی کے لیے مختلف ترقیاتی منصوبوں کے اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ کراچی کا مسئلہ یہی رہا ہے کہ ہر دور حکومت میں کراچی کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ گزشتہ دہائیوں میں شہر کی آبادی کئی سو گنا بڑھی، لیکن آبادی کے تناسب سے اس کے لیے فنڈز مختص نہیں کیے جاتے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پورے ملک کو کما کر دینے والا کراچی خود ترقی و خوشحالی کے میدان میں محرومی میں مبتلا ہے۔ لہٰذا یہ امر خوش آئند ہے کہ وزیراعظم نے کراچی کے لیے ٹرانسپورٹ، سرکلر ریلوے کی بحالی، پانی کی فراہمی کے منصوبوں کا اعلان کیا ہے، وہ خوش آئند ہے، امید ہے کہ ،وزیراعظم اس کو صرف اعلان کی حد تک محدود نہیں رکھیں گے

بلکہ اس کو عملی شکل بھی دیں گے۔

دوسری جانب وزیر اعظم کے دورہ کراچی کے دوران کراچی کے حالات کی بہتری کے حوالے سے سنجیدگی کے ساتھ غور کیا گیا ہے۔ وزیر اعلیٰ قائم علی شاہ اور گورنر سندھ عشرت العباد نے کراچی آپریشن کو نتیجہ خیز، صحافیوں نے کراچی آپریشن کو بے نتیجہ قرار دے دیا۔ اس کے ساتھ کراچی کے تاجروں کی طرف سے کراچی آپریشن پر عدم اطمنان کا اظہار کرتے ہوئے حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ کراچی میں قیام امن کے لیے آئین کے آرٹیکل 245 کے تحت شہر کو فوج کے حوالے کر دیا جائے، صحافیوں کی طرف سے اس مطالبے کی مخالفت کی گئی۔ تاجروں کا کہنا تھا کہ بڑے صنعت کاروں اور تاجروں کو ہی نہیں، دکانداروں کو بھی بھتہ وصولی کے لیے فون آ رہے ہیں۔ تاجروں کا کہنا تھا کہ اجلاس میں وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کی جانب سے کہا گیا کہ شہر کے حالات ٹھیک ہیں، حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ بد قسمتی سے کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ سچ بولے کہ صرف اغوا برائے تاوان کی وارداتیں اتنی بڑھ گئی ہیں جس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی۔ کراچی چیمبر کے صدر نے کہا کہ وزیر اعظم کراچی میں بدامنی کا سنجیدگی سے نوٹس لیں، گرین لائن بس ضرور چلائیں، لیکن اس سے پہلے شہر کا سکون تو واپس لائیں۔

کراچی میں بدامنی کی شکایات پر وزیر اعظم نے ایک بار کراچی کو روشنیوں کا شہر بنانے کی یقین دہانی کروائی اور آپریشن کے لیے وفاقی حکومت کے بھرپور تعاون کا یقین دلاتے ہوئے حکم دیا ہے کہ آپریشن کو مزید تیز کیا جائے اور گرفتار ملزمان کو جلد عدالتوں سے سزاوں کو یقینی بنانے کے لیے تفتیش کے عمل کو بہتر اور تیز کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کراچی میں بھتہ خوری کرنے والوں کا تعلق خواہ کسی بھی سیاسی جماعت یا کالعدم تنظیم یا گروپ سے ہو ،ان کے اور ان کی سرپرستی کرنے والوں سے دہشتگردوں کی طرح نمٹا جائے۔ چیف سیکرٹری سندھ سجاد سلیم ہوتیانہ نے اجلاس میں بتایا کہ کراچی میں کامیاب ترین ٹارگٹڈ آپریشن کے باعث ٹارگٹ کلنگ کے واقعات میں کمی ہوئی ہے، آپریشن درست سمت میں جاری ہے، 7 ہزار سے زاید پولیس اہلکاروں کی بھرتی مکمل کرلی گئی ہے، انہیں دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے جدید ٹریننگ فراہم کی جائے گی۔ کراچی آپریشن کے کمانڈر ڈی جی رینجرز میجر جنرل رضوان اختر نے کراچی میں ہونے والے ٹارگٹڈ آپریشن کی 10 ماہ کی بیلنس شیٹ پیش کرتے ہوئے مجرموں کو سزائیں نہ ہونے پر تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ مجرموں کی گرفتاری کی شرح 67 فیصد، جبکہ سزا کی شرح صرف 5 فیصد ہے۔ ڈی جی رینجرز میجر جنرل رضوان اختر کے مطابق گزشتہ دس ماہ کے دوران قانون نافذ کرنے والے اداروں سے مقابلوں میں جرائم پیشہ افراد مارے گئے، جبکہ 31336 ملزمان گرفتار بھی کیے گئے۔ گرفتار 392 شدگان میں سے 336 بھتہ خور اور 83 اغواءکار شامل ہیں اور

ملزمان سے 7000 سے زاید ہتھیار بھی برآمد کیے گئے ہیں۔ دس ماہ کے آپریشن میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کے 148 اہلکار بھی مارے گئے ہیں، جن میں سب سے زیادہ کراچی پولیس کے 130 سے زاید اہلکاروں کو قتل کیا گیا۔ وزیرا عظم نے وزیر اعلیٰ سندھ کو ہدایت کی کہ سندھ پولیس کو جدید اے پی سی، بلٹ پروف جیکٹس اور اسلحہ جلد خرید کر دیں، اس حوالے سے جو تعاون وفاق سے چاہیے وفاق انہیں فراہم کرے گا۔ وزیرا عظم نے کراچی آپریشن کے دائرہ کار کو بڑھانے اور پراسیکیوشن کے نظام کو فعال کرنے کے علاوہ بھتہ خوروں اور اغواء برائے تاوان سمیت لینڈ مافیا کے خلاف پاکستان رینجرز کو سخت ترین کارروائی کی ہدایت کی اور کہا کہ اس کریک ڈاؤن میں خفیہ اداروں اور پولیس کے اسپیشل ونگ کا بھرپور تعاون پاکستان رینجرز کو حاصل رہے گا۔ ذرائع کے مطابق کراچی میں ٹارگٹڈ آپریشن کے بعد ایک بڑا آپریشن کلین اپ کرنے کی تیاریاں اور حکمت عملی ترتیب دینے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے۔ اس آپریشن میں کراچی میں غیر ملکی مداخلت، ایجنٹس، سپاہی، مذہبی، دینی و سیاسی جماعتوں کے عسکری ونگز اور مختلف گروپوں کے گینگسٹرز اور ان کے سربراہوں کے خلاف بڑے پیمانے پر ممکنہ آپریشن کیا جائے گا۔ حساس اور خفیہ اداروں کی معلومات پر ان کے نیٹ ورک کو توڑنے کے لیے آپریشن کیا جائے گا۔ مبصرین کے مطابق وزیر اعظم نے کراچی کے حوالے سے اہم فیصلے کیے ہیں، جن کی موجودہ وقت میں کراچی کو حقیقت میں ضرورت ہے، اگر وزیر اعظم کے فیصلوں پر عمل ہوجائے تو امید ہے

کہ کراچی دوبارہ روشنیوں کا شہر بن جائے۔ کراچی کا سب سے بڑا مسئلہ بدامنی ہے، جس کی وجہ سے یہاں کے سکون کے ساتھ معیشت بھی تباہ ہو چکی ہے اور کراچی چونکہ ملک کا معاشی حب ہے، اس لیے اس کے حالات کا پورے ملک پر اثر پڑتا ہے، وزیراعظم نے کراچی آپریشن کے حوالے سے خصوصی دلچسپی لے کر آپریشن کی بہتری کی جانب اہم قدم اٹھایا ہے۔ اس کے علاوہ وزیراعظم نے کراچی دورہ میں ٹرانسپورٹ اور پانی کے منصوبوں کے لیے بھاری بھرکم لاگت کی منظوری دی ہے، جو کہ وزیراعظم کا ایک انتہائی اچھا اقدام ہے، کیونکہ ٹرانسپورٹ اور پانی کی قلت کراچی کے شہریوں کے لیے بہت بڑے مسائل ہیں، آئے روز کراچی کے مختلف علاقوں میں پانی کی عدم فراہمی سے شہریوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اسی طرح ٹرانسپورٹ کی کمی بھی کراچی کے شہریوں کی زندگی میں بہت بڑا مسئلہ ہے۔ وزیراعظم نے کئی اہم منصوبوں کے لیے لاگت کی منظوری کا اعلان تو کر دیا ہے، لیکن کراچی کے شہریوں کو یہ تشویش لاحق ہے کہ کہیں دوسرے کئی زیر التوا منصوبوں کی طرح موجودہ منصوبے بھی تعطل کا شکار نہ ہو جائیں، اس لیے وزیراعظم کو خصوصی دلچسپی لیتے ہوئے جلد از جلد ان منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہیے۔

لارنس آف عریبیہ" کی واپسی"

عراق میں جو کچھ ہونے جارہا ہے، وہ طے پا چکا۔ بہت ہی بھیانک و خوفناک کھیل کھیلنے کی منصوبہ بندی کی جاچکی ہے۔ پہلے امریکی خفیہ اداروں کے انتہائی قریب سمجھے جانے والے امریکی میگزین "ٹائم" نے "عراق کا خاتمہ" کے عنوان سے عراق کی تقسیم پر ایک مفصل رپورٹ شائع کی اور بعد میں آئی ایس آئی ایس نے نقشہ جاری کردیا۔ نہ صرف عراق کی تقسیم، بلکہ "خلافت اسلامیہ" نامی نقشے میں متعدد اسلامی ممالک کی تقسیم کا پلان بھی محفوظ ہے، لیکن فی الحال عراق کے حصے بخرے کرنا مقصد ٹھہرا۔ اپنے اپنے مقاصد کے لیے عراق کی تقسیم دونوں کی اولین ترجیح ہے۔ عراق کے پہلو میں اسرائیل اس معاملے سے نہ صرف بے حد خوش، بلکہ ایک طویل عرصے سے کردستان کی صورت میں عراق کی تقسیم کے لیے شاں بھی۔ اسرائیلی وزیراعظم بنجمن نیتن یاہو نے گزشتہ دنوں واشگاف الفاظ میں اعلان بھی کیا کہ "اسرائیل عراق میں ایک آزاد اور خود مختار ریاست کا حامی ہے، جو اپنی حفاظت اور دفاع کرسکتی ہو۔" عین ان دنوں جب آئی ایس آئی ایس عراق میں دہشت پھیلاتی ہوئی قبضے پہ قبضہ کیے جارہی ہے، کردستان کی علاقائی حکومت کے صدر مسعود بارزانی کی جانب سے کردستان کی آزادی کے لیے ریفرینڈم کے اعلان کا واضح مطلب ہے کہ عراق کی تقسیم کے لیے کوشاں تمام متحرک طبقوں کی زنجیر

کہیں اور سے مشترکہ طور پر ہلائی جا رہی ہے۔ مقصد عراق کی تقسیم ہے، جس کے لیے بیک وقت مذہب اور قومیت کو استعمال میں لایا جا رہا ہے۔ اچانک اور بیک وقت عراق میں سخت گیر گروپوں کا قوت پکڑ جانا بہت ہی خوفناک کھیل کا حصہ ہے۔ آئی ایس آئی ایس اٹھی اور چند روز میں ہی عراق کے بڑے حصے پر قابض ہو گئی، عراقی افواج تمام اسباب کے باوجود ناکام۔ یہ کیسے ممکن؟ کیا دنیا میں کسی آنکھ نے استعماری قوتوں کی پلاننگ کے بغیر کبھی ایسا ہوتا دیکھا کہ کسی ملک کی مسلح افواج ایک گروپ کے سامنے انتہائی برے طریقے سے پسپا ہو جائے؟ آئی ایس آئی ایس کے پاس اچانک اتنی قوت کہاں سے آ گئی؟ اس راز کی کھوج لگانا انتہائی ضروری ہے۔

میڈیا کے مطابق چند روز میں یورپ سے چار ہزار کے لگ بھگ جنگجو "خلافت" کے قیام کے لیے عراق پہنچے۔ کیا یورپ کا نظام اتنا کمزور ہے کہ وہ جنگجوؤں کو نہ روک پائے۔ ہاں روکنا چاہے تو یقیناً ممکن ہے، لیکن روکا نہیں گیا، کیونکہ عراق میں خونریزی کی آگ بھڑکا کر عراق کو تقسیم کرنا مقصود ہے۔ استعماری قوتیں روز اول سے امت مسلمہ کی تقسیم کے نت نئے حربے آزماتی آئی ہیں اور یہی حربے ایک بار پھر نئی شکل میں سامنے آئے ہیں۔ مسلمان کو مسلمان سے لڑا کر، مگر پلاننگ یقیناً کسی "لارنس آف عریبیہ" کے دماغ کی اختراع معلوم ہوتی ہے۔ مشرق وسطیٰ کے تجزیہ کاروں کے مطابق عراقی تقسیم کے ایجنڈے"

کو آگے بڑھانے میں متعدد علاقائی اور بین الاقوامی طاقتیں ملوث ہیں، جو خاص منصوبے کے تحت عراق میں جاری خونریزی کو ہوا دے رہی ہیں۔ یہ منصوبہ نہ صرف عراق اور قریبی مسلم ممالک کے لیے خطرہ ہے، بلکہ پورے مشرق وسطیٰ کی سلامتی کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔" پوری اسلامی دنیا کو خانہ جنگی کی جانب دھکیلنے کے لیے نہایت عیاری کے ساتھ قومیت کے ساتھ عراق میں لڑائی کو مذہبی رنگ میں رنگا گیا اور دو مختلف فرقوں کو آمنے سامنے لا کھڑا کیا گیا، جس سے اب ایک کلمہ پڑھنے والوں کے درمیان یہ تصادم بہت دور تک پھیلتا نظر آ رہا ہے۔ سامراجی قوتوں کی روز اول سے یہی چال رہی ہے کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کبھی مذہب اور کبھی قومیت کو استعمال کیا گیا ہے، یہ شاطرانہ طریقہ کار تا حال جاری ہے۔

عراق میں استعماری قوتوں کے بنے جانے والے تانے بانے سمجھنے کے لیے اگر ہم ایک صدی پیچھے کو سفر طے کریں تو معاملہ آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ خلافت عثمانیہ تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی۔ جنوب مشرقی یورپ، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کا بیشتر حصہ اس کے زیر نگیں تھا۔ اس عظیم سلطنت کی سرحدیں مغرب میں آبنائے جبرالٹر، مشرق میں بحیرہ قزوین اور خلیج فارس اور شمال میں آسٹریا کی سرحدوں، سلوواکیہ اور کریمیا سے جنوب میں سوڈان، صومالیہ اور یمن تک پھیلی ہوئی تھیں۔ مالدووا، ٹرانسلوانیا اور ولاچیا کے

باجگذار علاقوں کے علاوہ اس کے 29 صوبے تھے۔ خلافت عثمانیہ نے اگرچہ عربوں کو بہت مایوس کیا، جس سے عربوں میں خلافت سے کوئی دلچسپی نہ رہی اور خلافت خود بھی بہت کمزور ہو چکی تھی، لیکن سامراجی قوتوں کی آنکھوں میں امت مسلمہ کے اتحاد کی صورت میں کھٹک رہی تھی، جسے وہ کسی صورت بھی ایک جھنڈے تلے نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ لہٰذا ان حالات میں خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے کے لیے لارڈ کرزن نے ہوگرتھ کو مخصوص انگریز چال " تقسیم کرو اور حکومت کرو" پر عمل کرنے کی ہدایت کی۔ اس مشن کے لیے برطانوی فوج کے ایک لیفٹیننٹ کرنل تھامس ایڈورڈ لارنس، جسے ٹی ای لارنس کے طور پر جانا جاتا تھا، کو خلافت عثمانیہ کے زیر تسلط عرب علاقوں میں بغاوت پھیلانے کا فریضہ سونپا گیا۔ اس شخص نے عربی زبان پر عبور حاصل کیا اور اپنے آپ کو ایک عرب کے طور پر ظاہر کرتے ہوئے بصرہ کی ایک مسجد میں ہزاروں مسلمانوں کے روبرو صرف دکھاوے کی لیے اسلام قبول کر کے یہ تاثر دیا کہ وہ سچے دل سے اسلام قبول کر رہا ہے۔ "لارنس آف عریبیہ" نے نہایت ہی شاطرانہ طریقے سے عربوں میں قوم پرستی کے جذبات کو جگا کر خلافت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کو منظم کیا، جس کے نتیجے میں جنگ عظیم کے بعد عرب علاقے سلطنت عثمانیہ کی دسترس سے نکل گئے۔ خلافت عثمانیہ تو 1923 میں اختتام پذیر ہوئی، لیکن خلافت عثمانیہ کے بقایاجات کو 1916 میں "سائیکس بیکو" معاہدے کے ذریعے استعماری قوتوں برطانیہ اور فرانس نے روسی شہنشاہ سے مل کر آپس میں بانٹ لیا۔ بعد ازاں

کے آرٹیکل 62 تا 64 کے 111ء میں معاہدہ سیورے طے ہوا، جس کے سیکشن 1920 مطابق کردستان کو بھی آزادی ملنا تھی، لیکن جب معاہدہ لوزان طے پایا تو کردستان کے قیام کا خواب پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا، لیکن کردستان کو عراق سے علیحدہ کرنے کی کوششیں جاری رہیں۔ اگرچہ کردستان کبھی بھی ایک علیحدہ ملک کے طور پر نہیں رہا، لیکن سامراجی قوتوں کو اسے بہر حال عراق سے علیحدہ کرنا تھا، اسی لیے مسلسل کردستان کی علیحدگی کا معاملہ زندہ رکھا گیا۔

اب خفیہ امریکی ادارے مذہب اور قومیت کی بنیاد پر عراق کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ ایک طرف سخت گیر سنی تنظیم آئی ایس آئی ایس عراق کے بڑے حصے پر قابض ہو کر مخالفین کی عبادت گاہوں کو دھماکوں سے اڑانے لگی ہے، جبکہ دوسری جانب شیعہ جنگجو میدان میں اتر رہے ہیں، جس سے عراق میں خوفناک خونریزی کا خدشہ ہے اور تیسری جانب کردستان کی علیحدگی کا معاملہ بھی زور پکڑ رہا ہے۔ عراق مکمل طور پر غیر مستحکم ہو چکا ہے۔ عراق کو ان حالات تک پہنچانے کے پیچھے یقیناً کوئی لارنس آف عریبیہ" چھپا ہے، جو ایک صدی پہلے قومیت کی آگ بھڑکا کر خلافت عثمانیہ" کو تقسیم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اب مذہب و قومیت کی آڑ میں عراق کی تقسیم کا منصوبہ روبہ عمل ہے۔ اس بھیانک منصوبے کی لپیٹ میں صرف عراق ہی نہیں، بلکہ بیشتر اسلامی ممالک بھی آ سکتے ہیں۔ اگر اسلامی ممالک اب بھی استعمار کی سازشوں کو نہ

سمجھ پائے تو خدانخواستہ سامراجی سازشیں تمام اسلامی ممالک کو عراق بنا سکتی ہیں۔

وزیرستان آپریشن: متاثرین کی مشکلات میں مسلسل اضافہ

فوج کی طرف سے شمالی وزیرستان میں آپریشن شروع کیے ایک ماہ مکمل ہونے والا ہے اور نقل مکانی کا سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔ اب تک کی اطلاعات کے مطابق وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والوں کی تعداد نو لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ نو لاکھ افراد کی رجسٹریشن مکمل ہو چکی ہے۔ ہفتے کے روز تک ایف ڈی ایم اے نے 73 ہزار 871 خاندانوں کی رجسٹریشن مکمل کی تھی، جس میں سے 29 ہزار 857 خاندانوں میں 35 کروڑ 82 لاکھ روپے تقسیم کیے گئے۔ نقل مکانی کرنے والوں میں 2 لاکھ 32 ہزار 438 خواتین، جبکہ 3 لاکھ 85 ہزار 214 بچے شامل ہیں۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں 80 ہزار سے زاید متاثرین کی امداد کے لیے 3 مراکز قائم ہیں۔ پشاور میں 7 جولائی سے قائم رجسٹریشن کیمپ گورنمنٹ کامرس کالج میں ہفتے کے روز تک پانچ ہزار سے زاید خاندانوں کی رجسٹریشن کی گئی، جن کی مجموعی تعداد 29 ہزار پانچ سو 16 بنتی ہے۔ رجسٹریشن کا یہ عمل 14 جولائی تک جاری رہے گا۔ ذرائع کے مطابق وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والوں کی تعداد تو مسلسل بڑھ رہی ہے، لیکن حکومت کی جانب سے متاثرین کو دی جانے والی امداد ناکافی ہے۔ اکثر متاثرین کا کہنا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ وزیرستان میں چھوڑ کر آئے ہیں، لیکن یہاں انہیں بروقت امداد نہیں دی جارہی۔ قبائلی علاقوں کی یونین کے صدر نور بہرام

کے مطابق انفرادی سطح پر چند با حیثیت افراد نے متاثرین کی مدد کی، مگر حکومت کی جانب سے کوئی ریلیف نہیں ملا۔ ان کے مطابق وہ اپنے خاندان کے ہمراہ گھنٹوں پیدل چلنے کے بعد صدقی چیک پوسٹ پر اس امید کے ساتھ پہنچے کہ بچوں کو کچھ کھانے پینے کو ملے گا، مگر انھیں حکومتی انتظامات دیکھ کر مایوسی ہوئی۔ صرف ہم ہی نہیں ہزاروں کی تعداد میں لوگ پچیس گھنٹے کا پیدل سفر طے کرکے جب پہنچے تو حکام نے پانی کی ایک بوتل اور جوس کے پانچ ڈبے دیے، جبکہ گرمی سے تنگ بچے بھوک سے بھی نڈھال تھے۔

لوگ راشن کے لیے دن رات قطار میں کھڑے رہتے ہیں۔ بعض مقامات پر تو بے گھر افراد پر لاٹھی چارج کیا گیا۔ نقل مکانی کرنے والے بعض افراد کے مطابق وزیرستان سے نقل مکانی کرنے کے بعد ہمیں بہت سی مشکلات کا سامنا ہے، امداد لینے کے لیے گھنٹوں گھنٹوں قطاروں میں کھڑا رہنا پڑتا ہے اور پولیس کی لاٹھیاں کھانا پڑتی ہیں، اس خواری کے بعد جو امداد ملتی بھی ہے، وہ ہمارے کے لیے ناکافی ہوتی ہے۔

مبصرین کے مطابق سخت گرمی کی وجہ سے نقل مکانی کرنے والوں کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو رہا ہے، جبکہ رمضان المبارک میں امداد کی اس کمی کی وجہ سے متاثرین کی زندگی مزید اجیرن ہو کر رہ گئی ہے، کیونکہ سولہ گھنٹے کا روزہ رکھنے کے بعد جب شام کو افطار کیا جاتا ہے، تو متاثرین آپریشن کے پاس افطاری کا کوئی بہتر انتظام نہیں ہوتا۔

اطلاعات ہیں کہ متاثرین میں خوراک

اور ادویہ کی کمی کی وجہ سے بہت سے افراد بیمار پڑ رہے ہیں، ان کے علاج معالجے کا کوئی معقول انتظام بھی نہیں ہے، لیکن حکومت محدود سطح پر انتظامات کر رہی ہے۔ زیادہ قابل افسوس بات تو یہ ہے کہ وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والوں کا دکھ کوئی بھی نہیں سمجھ رہا، ان مشکل حالات میں بھی ذمہ دار حضرات اپنی سیاست چمکانے میں مصروف ہیں، سیاست دانوں میں کوئی انقلاب لانے کے خواب دیکھ رہا ہے، تو کوئی انتخابی اصلاحات کا مطالبہ کر رہا ہے، لیکن نقل مکانی کرنے والوں کا اصل مسئلہ کسی کے ذہن میں نہیں ہے، سب کو اپنی ہی پڑی ہوئی ہے۔ وفاقی حکومت کا کہنا ہے کہ ہم متاثرین آپریشن کو امداد تو دیں گے، لیکن ان کی کفالت کرنا خیبر پختونخوا حکومت کی ذمہ داری ہے، جبکہ کے پی کے حکومت یہ ذمہ داری وفاق پر ڈال رہی ہے۔ کے پی کے میں برسر اقتدار جماعت پاکستان تحریک انصاف تمام مہاجرین کو بھول کر اپنی سیاست میں مگن ہے اور اپنے جلسوں کی تیاریاں کر رہی ہے، حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تحریک انصاف رضاکارانہ طور پر اپنے کارکنوں کو متاثرین کی خدمت کے لیے وقف کر دیتی اور بڑے پیمانے پر متاثرین کے لیے امدادی کیمپ لگائے جاتے اور ان کو بروقت امداد فراہم کر کے ان کی مشکلات کو حل کیا جاتا، یہ سب کچھ کرنا تحریک انصاف کی اس لیے ذمہ داری ہے، کیونکہ ایک تو وہ صوبہ خیبر پختونخوا میں برسر اقتدار ہے اور دوسری وجہ یہ کہ تحریک انصاف نے روز اول سے اپنی سیاست کا محور وزیرستان میں آپریشن کی مخالفت کو بنایا ہے، اب جبکہ

آپریشن شروع ہوچکا ہے، تو اس سے متاثر ہونے والے افراد کی مشکلات کو حل کرنے کی زیادہ ذمہ داری تحریک انصاف پر عاید ہوتی ہے، لیکن تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کا کہنا ہے کہ خیبر پختونخوا میں ان کی جماعت بغیر امداد کے بے گھر ہونے والے افراد کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ہے۔ امداد کے بغیر ان کی حکومت صورتحال سے نمٹنے میں کامیاب نہیں ہوسکے گی، جبکہ وزیراعلیٰ خیبر پی کے کا کہنا ہے کہ بڑی تعداد میں آئی ڈی پیز کے آنے کے باعث صورت حال تشویشناک ہے، لہٰذا عالمی ادارے شمالی وزیرستان سے نقل مکانی کرکے آنے والے آئی ڈی پیز کی انسانی بنیادوں پر مدد کریں۔

دوسری جانب متاثرین کی مشکلات میں اضافے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہیں صرف خیبر پختونخوا تک ہی محدود رکھا جارہا ہے، سرکاری سطح پر انہیں کے پی کے میں کیمپوں میں ہی رہنے پر مجبور کیا گیا ہے، اگر کوئی اپنے طور پر دوسرے صوبوں میں مختصر مدت کے لیے رہنے کی کوشش کرتا ہے تو دوسرے صوبوں میں ان کو عزت نہیں دی جارہی، بلکہ روکا جارہا ہے۔ بلوچستان اور سندھ کی حکومتوں کی جانب سے تو انہیں اپنے صوبوں میں داخل ہونے سے باقاعدہ طور پر منع بھی کیا گیا تھا، اگرچہ بعد میں تردید کی گئی، لیکن حقائق یہی ہیں کہ انہیں دوسرے صوبوں میں داخلے کی آزادی نہیں ہے۔ اسی سلسلے میں جمعہ کے روز متاثرین کی اندرون سندھ آبادکاری کے خلاف قوم پرست جماعتوں کی جانب سے احتجاج کیا گیا۔

مظاہرین نے سندھ میں آئی ڈی پیز کی آمد کو سوچی سمجھی سازش قرار دیا اور کہا کہ یہاں پہلے ہی آبادی کا دباؤ ہے، ایسے میں لاکھوں آئی ڈی پیز کی آمد سے سندھ کے عوام کے مسائل میں مزید اضافہ ہوجائے گا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ شمالی وزیرستان کے لاکھوں مکین بے گھر ہوچکے ہیں، شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کی وجہ سے ایک انسانی سانحہ" جنم لے رہا ہے، ملک کے تمام لوگوں کو چاہیے کہ دل کھول کر متاثرین" کے ساتھ تعاون کریں، کیونکہ ان افراد نے ملک کی خاطر اپنے گھربار چھوڑے ہیں، اس لیے سب کا فرض ہے کہ ان بے گھر افراد کی دل کھول کر مدد کریں۔ مشکل کی اس گھڑی میں شمالی وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والوں کی امداد کرنا صرف بڑی نیکی ہی نہیں، بلکہ قومی فریضہ بھی ہے۔

مشرف سے مبینہ ڈیل.... ملک میں سیاسی عدم استحکام کا خطرہ

پرویز مشرف کے حوالے سے سابق وزیر اعظم اور پیپلز پارٹی کے رہنما یوسف رضا گیلانی کے انکشافات کے بعد پاکستانی سیاست میں ایک بھونچال آگیا ہے۔ سابق وزیر اعظم نے یہ انکشاف کرکے سب کو چونکا دیا ہے کہ آصف زرداری، نواز شریف اور تمام سیاسی قوتوں نے ابتداً پرویز مشرف کے مواخذے کا فیصلہ کیا تھا، جس کے بعد اسٹیبلشمنٹ سے ان کے مذاکرات ہوئے۔ مذاکرات میں طے ہوا کہ اگر مشرف صدارت سے مستعفی ہوجاتے ہیں تو انہیں باوقار اور محفوظ راستہ فراہم کیا جائے گا۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ ملک کا ایک فوجی صدر اسٹیبلشمنٹ کی مرضی کے بغیر مستعفی نہیں ہوسکتا تھا، جب اسٹیبلشمنٹ نے سیاسی قوتوں کو یہ حمایت فراہم کی تو انہوں نے ان سے بھی وعدے لیے ہوں گے کہ آپ آگے چل کر انہیں تنگ نہیں کریں گے۔ ان کے مطابق وزیر اعظم نواز شریف کو سابق صدر پرویز مشرف کے خلاف اقدامات نہیں، بلکہ ان کے ساتھ کیے گئے معاہدے کی پاسداری کرنی چاہیے۔ مشرف کے معاملے پر (ن) لیگ کا رویہ نامناسب ہے، حکومت کو پرویز مشرف کے خلاف مقدمہ نہیں چلانا چاہیے۔ یوسف رضا گیلانی کے پرویز مشرف سے ڈیل والے بیان کے بعد کچھ سیاستدان اس بیان کی تصدیق کر رہے ہیں جبکہ بہت سے تردید کر رہے ہیں، سیاستدان ایک دوسرے پر الزام تراشی کر رہے ہیں۔ پرویز مشرف کے ساتھ ڈیل کے معاملے پر ایک

طرف تو پیپلز پارٹی دو حصوں میں بٹ گئی ہے اور اس کے اندر ہی دو رائے پائی جاتی ہیں۔ پیپلز پارٹی کے ترجمان سینیٹر فرحت آ بابر نے سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کے پرویز مشرف سے معاہدے سے متعلق بیان پر وضاحت دیتے ہوئے کہا ہے کہ پرویز مشرف نے مواخذے کے ڈر سے استعفیٰ دیا، تاہم پیپلز پارٹی نے کسی کے ساتھ کوئی ڈیل نہیں کی۔ سابق صدر آصف زرداری نے پرویز مشرف کے مواخذے کی دستاویز تیار کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی تھی، جس میں مجھ سمیت رضا ربانی اور شیری رحمٰن، جبکہ مسلم لیگ (ن) کی جانب سے اسحاق ڈار اور احسن اقبال شامل تھے، صوبائی اسمبلیوں کی جانب سے قراردادیں منظور ہونے کے بعد مشرف کو پیغام بھجوایا گیا۔ پرویز مشرف نے نوشتہ دیوار پڑھ لینے کے بعد مواخذے کے ڈر سے استعفیٰ دینے کا فیصلہ کیا۔

جبکہ قمر زمان کائرہ کا کہنا ہے کہ پرویز مشرف کے ساتھ اقتدار چھوڑنے سے متعلق سمجھوتا ہوا تھا اور نواز شریف بھی اس سمجھوتے کا حصہ تھے۔ نواز شریف سمجھوتے کا حصہ نہیں تھے تو پرویز مشرف کے خلاف کیس کیوں نہیں بنایا؟ مقدمہ عدالت کے ذریعے بنا، بااختیار پرویز مشرف کو ہٹانے کے لیے سمجھوتا ضروری تھا۔ پرویز مشرف کے پاس اس وقت 58 ٹو بی کا اختیار تھا، اس وقت سپریم کورٹ کے چیف جسٹس عبدالحمید ڈوگر سمیت عالمی طاقتیں پرویز مشرف کو اقتدار سے الگ کرنے کی حامی نہیں تھیں، ایم کیو ایم اور مسلم لیگ (ق) ان کی ٹیم کا حصہ تھی، لیکن پھر بھی پیپلز پارٹی نے کامیاب سیاسی حکمت عملی سے مشرف کو اقتدار سے نکال باہر کیا،

چار جماعتوں نے مل کر مشرف کو محفوظ راستہ دینے کا فیصلہ کیا، آصف زرداری، نواز شریف، مولانا فضل الرحمٰن اور اسفندیار ولی نے اتفاق کیا۔ دوسری طرف وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات پرویز رشید کا کہنا ہے کہ پیپلز پارٹی پرویز مشرف کو استثنیٰ دینا چاہتی تھی، لیکن مسلم لیگ ن رکاوٹ بنی رہی، اسٹیبلشمنٹ، یوسف رضا گیلانی اور پرویز مشرف میں کوئی معاہدہ تھا تو ہم اس کا حصہ نہیں، ہم نے تو نہ مشرف کو اغوا کیا، نہ ہتھکڑی لگائی، نہ ہی جلا وطن کیا، ان کی قسمت کا فیصلہ عدالتوں نے کرنا ہے، آمریت میں لا قانونیت اور جمہوریت میں قانون اپنا راستہ بناتا ہے، اگر کوئی معاہدہ ہے تو پرویز مشرف عدالت میں پیش کریں۔ ان کے بقول پرویز مشرف کے خلاف غداری کے مقدمے کے فیصلے کی ذمہ داری عدالت پر ہے اور عدالتیں آزاد ہیں۔ وفاقی وزیر ریلوے خواجہ سعد رفیق کے مطابق پرویز مشرف کے خلاف مقدمہ عدالت کی ہدایت پر درج کرایا گیا تھا، حکومت نے یہ اقدام اپنے طور پر نہیں کیا۔ جبکہ عوامی نیشنل پارٹی کے رہنما سینیٹر زاہد خان نے کہا ہے کہ پیپلز پارٹی آپس کے ذاتی جھگڑے میں اے این پی کا نام لینے سے اجتناب کرے، جبکہ فرحت اللہ بابر نے جو کہا وہ درست ہے۔

تجزیہ کاروں کے مطابق سابق وزیراعظم کا کہنا ہے کہ میاں نواز شریف کو پرویز مشرف سے کیے گئے معاہدے کی پاسداری کرنی چاہیے، لیکن اگر سابق وزیراعظم

اپنے بیان میں سچے ہیں تو بھی 2008 میں اگر پیپلز پارٹی کی حکومت نے پرویز مشرف کے ملک سے باہر جانے دینے کے لیے ان کے عہدہ صدارت سے مستعفی ہونے سے قبل کوئی ''ڈیل'' کی بھی تھی تو عدالت عظمیٰ کے 2009 کے تاریخی فیصلے سے اس ڈیل کے وہ حصے ختم ہوگئے، جن پر عمل درآمد نہیں ہو سکا تھا۔ 31 جولائی 2009 کو عدالت عظمیٰ کے تمام ججز نے 3 نومبر 2007 کو ایمرجنسی کے نفاذ کو آئین کی خلاف ورزی قرار دیا تھا، جس سے سابق آمر آئین کے آرٹیکل 6 کے تحت بحیثیت آرمی چیف آئین کی معطلی کی پاداش میں سنگین غداری کے مقدمے کا سامنا کرنے کے مستحق بن گئے۔ اگر کوئی معاہدہ اب بھی باقی ہے تو پرویز رشید کہہ چکے ہیں کہ پرویز مشرف کو عدالت سے رجوع کرنا چاہیے، عدالت جو فیصلہ کرے ہم اس پر عمل کریں گے۔ جبکہ مبصرین کا کہنا ہے کہ سابق وزیراعظم کا بیان سامنے آنے کے بعد سے ن لیگ اور پیپلز پارٹی کے متعدد سینئر ارکان کی جانب سے اس معاہدے کی تردید کی جارہی ہے۔ پرویز مشرف کا معاملہ درمیان میں اٹکا ہوا ہے، اس حوالے سے کئی بار اسمبلی میں بحث ہوچکی ہے اور سیاستدان مشرف کے حوالے سے دو حصوں میں تقسیم ہیں، گزشتہ دنوں چودھری نثار علی خان کی حکومت سے طویل ناراضگی میں ایک وجہ پرویز مشرف کا معاملہ بھی بتایا جارہا ہے، پرویز مشرف کیس بھگت رہے ہیں اور اسٹیبلشمنٹ سابق صدر پرویز مشرف کو مکمل آزادی کے ساتھ بیرون ملک بھیجنا چاہتی ہے، لہٰذا معلوم ہوتا ہے ان حالات میں سابق وزیراعظم کے حالیہ بیان کے پس پردہ بھی اسٹیبلشمنٹ ہی کار

فرما ہے، اس سے ایک طرف تو موجودہ حکومت اور سیاستدانوں کے لیے مشکلات پیدا کرنا مقصود ہو سکتا ہے، جبکہ دوسری جانب دباؤ بڑھا کر پرویز مشرف کی ملک سے بحفاظت واپسی کا راستہ بنانا۔ ایک تاثر یہ ہے کہ جنرل مشرف کے خلاف غداری کا مقدمہ ریاست کے کلیدی اداروں کے درمیان کشیدگی کا سبب بنا ہوا ہے اور ملک میں سیاسی عدم استحکام کا خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے۔ ملکی حالات انتہائی گھمبیر ہیں، ملک کو بے شمار مسائل و مشکلات کا سامنا ہے، اداروں کے درمیان ٹکراؤ اور سیاسی عدم استحکام سے ملک مزید مسائل کا شکار ہو سکتا ہے، ان حالات میں ایک طرف ملک کو مسائل سے نکالنا ضروری ہے اور اس کے لیے آئینی اور جمہوری نظام کی مضبوطی کے لیے ملک کو اس خطرے سے بچانا ناگزیر ہے۔ لہٰذا آئین کی بالادستی کو برقرار رکھتے ہوئے کوئی ایسا راستہ تلاش کیا جانا ضروری ہے، جس کے نتیجے میں ریاستی اداروں کے درمیان کشیدگی کا تاثر ختم ہو اور ملک عدم استحکام سے محفوظ رہ سکے۔ کسی نئے بحران سے ملک کو بچانے کے لیے ہماری سیاسی قیادت، آئینی ماہرین اور اسٹیبلشمنٹ سب کو یہ راستہ تلاش کرنا ہوگا۔ اس کے لیے پرویز مشرف کے معاملے کو جلد از جلد نمٹانا انتہائی زیادہ مفید ہے۔

لوڈ شیڈنگ نے رمضان گزارنا دوبھر کر دیا

ملک بھر میں بدترین لوڈشیڈنگ کا سلسلہ جاری ہے، جس میں دن بدن تیزی آ رہی ہے۔ شہروں میں لوڈشیڈنگ کا دورانیہ 13 سے 15 گھنٹے اور دیہی علاقوں میں 17 سے 19 گھنٹے تک پہنچ گیا ہے۔ سحر و افطار کے دوران بجلی بند نہ ہونے کے دعوے بھی دھرے کے دھرے رہ گئے ہیں، حالانکہ حکومت نے اعلان کیا تھا کہ گرمی کی شدت کے پیش نظر رمضان المبارک میں دن میں بھی صرف 5 سے 7 گھنٹے لوڈشیڈنگ ہوگی اور سحر و افطار کے دوران بجلی بالکل بند نہیں ہوگی۔ ایک اطلاع کے مطابق بجلی کا شارٹ فال سات ہزار میگاواٹ ہوچکا ہے۔ اس سے گھریلو صارفین تو بری طرح متاثر ہوئے ہی ہیں، اس کے ساتھ پانی کی قلت بھی پیدا ہو رہی ہے، تجارتی اور زرعی ضروریات بھی پوری نہیں ہو رہیں، جس کے نتیجے میں دیہاڑی کی بنیاد پر روزی کمانے والے لاکھوں مزدور بے روزگار ہوگئے ہیں، وولٹیج کی کمی بیشی ایک الگ مسئلہ ہے، جس سے بجلی کی موٹریں اور گھروں میں استعمال ہونے والے دوسرے برقی آلات جل کر ناکارہ ہوجاتے ہیں۔ طویل اور غیر اعلانیہ لوڈشیڈنگ کے خلاف راولپنڈی، اسلام آباد سمیت ملک کے مختلف شہروں میں وقفے وقفے سے مظاہروں کا سلسلہ جاری ہے۔ گرمی سے ستائے لوگ لوڈشیڈنگ کے خلاف احتجاج کے دوران توڑ پھوڑ کرنے سے بھی گریز نہیں کر رہے۔ ایسے حالات میں وفاقی وزیر پانی و بجلی خواجہ محمد آصف

نے طویل لوڈشیڈنگ پر قوم سے معافی مانگتے ہوئے عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ بارش کے لیے دعا کریں۔ پاکستان میں سارے کام اللہ کی مدد سے ہی چل رہے ہیں، ایک دو روز میں باران رحمت برسنے سے باقی روزے اور عید اچھی گزر جائے گی، توانائی بحران کے خاتمے کے لیے قوم کو ٹائم فریم نہیں دے سکتے، ڈسٹری بیوشن نظام کی بہتری، لائن لاسز اور چوری کی روک تھام کے لیے قوم ہمارا ساتھ دے۔ ا±نہوں نے کہا کہ ملک میں آئندہ سال ایل این جی کے آنے سے بجلی کے نظام میں بہتری آئے گی اور لوڈشیڈنگ میں کمی ہو گی۔ ہمارا سسٹم 15 ہزار میگاواٹ سے زیادہ لوڈ برداشت نہیں کر سکتا۔ پورے سسٹم کو ٹھیک کرنے میں 3 سے 4 سال لگ سکتے ہیں۔ متعدد منصوبے زیر غور ہیں، جن میں سے چھ سے سات ہزار میگاواٹ بجلی ہمارے سسٹم میں آ جائے گی۔ لائن لاسز پر بھی کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ وزیر بجلی و پانی خواجہ آصف کے لوڈ شیڈنگ پر قوم سے معافی مانگنے سے ایک روز قبل ہی وزیراعظم محمد نواز شریف نے رمضان المبارک میں طویل لوڈ شیڈنگ پر سخت برہمی کا اظہار کیا تھا اور وزارت پانی و بجلی سے رپورٹ طلب کرتے ہوئے وزارت پانی و بجلی کو ہدایت کی تھی کہ رمضان المبارک میں لوڈ شیڈنگ کا دورانیہ کم کیا جائے، جبکہ وزیر اعظم نے ہنگامی بنیادوں پر سسٹم کی اپ گریڈیشن کا بھی حکم دیا تھا۔

دوسری جانب ماہرین کا کہنا ہے کہ بجلی کا ٹرانسمیشن سسٹم بہت بوسیدہ اور

پرانا ہو چکا ہے، جب تک اسے تبدیل نہیں کیا جائے گا، لوڈشیڈنگ پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ بعض ذرائع کے مطابق پیک آور میں بجلی کی ڈیمانڈ 22 ہزار میگاواٹ تک جا پہنچتی ہے، جب کہ اس دوران سپلائی 14 سے 15 ہزار میگاواٹ ہو رہی ہوتی ہے، جب کہ ٹرانسمیشن لائن کمزور ہونے کے باعث 13 ہزار میگاواٹ سے زیادہ سپلائی نہیں ہو پاتی، اطلاعات کے مطابق وزارت پانی و بجلی اور ڈسٹری بیوشن کمپنیوں کی جانب سے بجلی کا لوڈ شیڈنگ شیڈول صرف کاغذوں تک ہی رہ گیا۔ بجلی کی بڑھتی ہوئی طلب کا بوجھ اٹھانے میں بجلی کا ترسیلی نظام مکمل طور پر ناکام ہو چکا ہے۔ حکام کے مطابق سنٹرل پاور کنٹرول سنٹر اور مقامی ڈسٹری بیوشن کمپنی کی جانب سے بار بار بجلی کی بندش کی جا رہی ہے، تاکہ سسٹم کو بڑے بریک ڈاؤن سے بچایا جا سکے۔ وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات پرویز رشید یہ بیان دے چکے ہیں کہ ہماری ٹرانسمیشن لائنز اور سسٹم 13 ہزار میگاواٹ سے زیادہ کا لوڈ برداشت نہیں کر سکتا اور اگر ہم زیادہ بجلی بنا بھی لیں تو اسے آگے سپلائی نہیں کیا جا سکتا، حکومت اس سلسلے میں ٹرانسمیشن لائنز کمپنی بنا رہی ہے۔ وفاقی وزیر ریلوے خواجہ سعد رفیق نے بھی اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہا تھا کہ بجلی کی پیداوار میں اضافے کے بعد بھی ناقص ٹرانسمیشن سسٹم کی وجہ سے مطلوبہ بجلی صارفین تک نہیں پہنچائی جا سکتی، معیاری ٹرانسمیشن لائنز بچھانے کے لیے اربوں ڈالر درکار ہیں۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ توانائی کے پیداواری منصوبے چند ہفتوں یا چند مہینوں میں مکمل نہیں

ہو سکتے، بلکہ اس کے لیے ایک طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔ حکومت کا کہنا ہے کہ بھاشا ڈیم کی تکمیل میں کم از کم دس سال کا عرصہ درکار ہے۔ حکومت بجلی کے بحران پر قابو پانے کے لیے متعدد منصوبوں پر تیزی سے کام کر رہی ہے، نندی پور پراجیکٹ کا افتتاح ہو چکا ہے، سولر سسٹم سے بھی بجلی پیدا کرنے کے منصوبوں پر کام ہو رہا ہے، مگر انھیں پایہ تکمیل تک پہنچنے میں ایک مدت لگے گی۔ ایک طرف بجلی کے منصوبوں کے ذریعے بجلی کی پیداوار میں اضافے کا مسئلہ درپیش ہے تو دوسری جانب ٹرانسمیشن لائنز اور سسٹم کی تبدیلی کے لیے بھی حکومت کو اربوں ڈالر درکار ہیں۔ بجلی کی چوری اور لائن لاسز کا مسئلہ بھی اپنی جگہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ توانائی کے پیداواری منصوبوں کے ساتھ ساتھ ٹرانسمیشن لائنز بچھانے کا کام بھی کرے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت بجلی کی پیداوار بڑھانے کے لیے بیک وقت کئی منصوبوں پر کام کر رہی ہے اور یہ بھی درست ہے کہ حکومت کو اس مسئلے کی سنگینی کا پوری طرح احساس ہے، اسی لیے اس نے اقتدار سنبھالتے ہی سب سے پہلے اس پر توجہ دی، لیکن ابھی تک ملک میں لوڈ شیڈنگ کا مسئلہ حل نہیں ہوا۔ لوڈشیڈنگ کم ہونے کی بجائے بڑھ رہی ہے۔ وقفے وقفے سے کبھی اعلانیہ اور کبھی غیر اعلانیہ طویل لوڈشیڈنگ کی جا رہی ہے۔ عام طور پر بجلی کا شارٹ فال زیادہ ہو جائے تو حکومتیں اس کے استعمال کا شیڈول بنالیتی

ہیں۔ لازمی خدمات کے شعبوں کے سوا صنعتوں، کاروباری مراکز اور مارکیٹوں کے اوقات کار محدود کر دیتی ہیں، تاکہ گھریلو صارفین اور ضروری پیداواری شعبوں کو بجلی بلا تعطل ملتی رہے، لیکن حکومت نے ایسا کچھ نہیں کیا، پچھلی حکومت پر الزام تھا کہ اس نے توانائی خصوصاً بجلی کا بحران حل کرنے میں بد عملی اور بد نظمی کا مظاہرہ کیا، جس سے عوام کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ملکی معیشت پر بھی زوال آیا۔ موجودہ حکومت کو سابقہ حکومت کے تجربات اور ناکامیوں سے سبق سیکھنا چاہیے تھا، لیکن موجودہ حکومت پہلے ملک بھر سے لوڈ شیڈنگ کو ختم کرنے کے دعوے کرتی رہی، لیکن اب معافی مانگتے ہوئے بارش کی دعا کی اپیل کر رہی ہے، جب پہلے ہی معلوم تھا کہ حکومت لوڈ شیڈنگ پر قابو نہیں پا سکتی تو عوام کو بہکانے کی کیا ضرورت تھی۔ عوام نے اپنے مسائل حل کرنے کے حوالے سے جو توقعات حکومت سے وابستہ کر رکھی تھیں، وہ ہنوز تشنہ تکمیل ہیں۔ اگرچہ حکومت توانائی کے بحران پر قابو پانے کے لیے کوشاں ہے، لیکن جب تک توانائی کے بحران پر قابو نہیں پایا جاتا، اس وقت تک عوام کو اندھیروں کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ حکومت کو ایسے اقدامات ضرور کرنا پڑیں گے، جن سے بجلی کی لوڈشیڈنگ کے خاتمے میں مدد ملے۔ خاص طور پر رمضان المبارک میں سحر اور افطار کے اوقات میں لوڈشیڈنگ ختم کرنا ہوگی اور یہ کام قوم سے بارش کی دعا کی اپیل کرنے سے نہیں ہوگا، بلکہ اس کے لیے عملی اقدامات کرنے ہوں گے۔

"فلسطینیوں کا" ہولوکاسٹ

دوسری جنگ عظیم کے دوران ہٹلر کے ہاتھوں یہودیوں کے قتل کو افسانوی انداز میں پیش کیا گیا۔ ہزاروں نظمیں، ڈرامے اور ناول لکھوائے گئے اور اس واقعے کو "ہولوکاسٹ" کا نام دیا گیا۔ ہولوکاسٹ کے مرنے والوں کو اس قدر مقدس درجہ عطا کیا گیا کہ ان کے خلاف لب کشائی کرنے والا نفرت پھیلانے والا قرار دے کر قابل تعزیر بنا دیا گیا۔ ہولوکاسٹ کی نہ صرف تردید کرنا جرم ٹھہرا، بلکہ یہودیوں کی جانب سے بیان کردہ "مقتولین" کی ساٹھ لاکھ تعداد میں چند ایک کی کمی کرنا بھی قابل سزا جرم بنا دیا گیا۔ متعدد یورپین صحافی، مصنف اور کالم نگار ہولوکاسٹ میں یہودیوں کی جانب سے بیان کردہ تعداد کو صرف غلط کہنے کی پاداش میں جیلوں میں بند کر دیے گئے۔ ہولوکاسٹ کے خلاف زبان کھولنے والے دانشوروں کے صرف ملکی ہی نہیں، بلکہ عالمی سطح پر وارنٹ جاری کیے گئے۔ حالانکہ تحقیق کا دروازہ کبھی اور کسی ملک میں بند نہیں ہوتا، لیکن ہولوکاسٹ پر تحقیق کرنا اور آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کرنا بھی قابل تعزیر جرم قرار پائے ہیں۔ بہت سے ممالک میں ہولوکاسٹ پر زبان بندی کے حوالے سے سخت قانون سازی کی گئی، صرف یورپ کے تقریباً تین درجن ممالک میں ہولوکاسٹ کے حوالے سے قوانین موجود ہیں، جن کے تحت اس بارے میں

ہر نوعیت کا منفی اظہار رائے جرم ہے، جس پر قید اور جرمانے کی سزا دی جا سکتی ہے۔
برطانیہ کی لبرل پارٹی کے ممبر پارلیمنٹ ڈیوڈ وارڈ نے اپنے بلاگ میں صرف یہ لکھ دیا تھا کہ "میں ہولوکاسٹ کے دور میں یہودیوں کے لیے پیش آئے ناقابل یقین واقعات پڑھ کر غم زدہ ہو جاتا ہوں، لیکن یہودی جنھوں نے یہ مصائب و آلام برداشت کیے ہیں، وہ کیونکر فلسطینیوں کے خلاف مظالم ڈھا رہے ہیں۔" اس بلاگ کے بعد ڈیوڈ وارڈ پر اس قدر دباؤ بڑھا کہ اسے مجبوراً معافی مانگنا پڑی۔ دوسری جانب ہولوکاسٹ کے حوالے سے اسرائیل کی پارلیمنٹ حکومت کو یہ اختیار دے چکی ہے کہ وہ دنیا میں کہیں بھی، کسی بھی جگہ کوئی شخص اگر 60 لاکھ کی تعداد کو کم بتانے کی کوشش کرے، اس پر Hate مقدمہ چلا سکتی ہے اور اس ملک سے اسے نفرت پھیلانے کے جرم میں کے طور پر مانگ سکتی ہے، گرفتار کر سکتی ہے، سزا دے سکتی ہے۔ عالمی Criminal برادری نے ہولوکاسٹ کے حوالے سے بغیر تحقیق کیے سخت سے سخت تر قوانین بنا دیے، لیکن کسی نے یہ پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ کیا دوسری جنگ عظیم کے وقت جرمنی میں ساٹھ لاکھ یہودی آباد بھی تھے یا نہیں؟ اور جو آباد بھی تھے ان میں سے بیشتر کو ہٹلر کے حکم پر جنگ عظیم کے شروع ہونے سے پہلے ہی ملک بدر نہیں کر دیا گیا تھا؟
عالمی برادری کی ناانصافی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک طرف یہودیوں کے افسانوی واقعہ "ہولوکاسٹ کے حوالے سے تقریباً پون صدی بعد بھی"

سخت قوانین نافذ ہیں، لیکن دوسری جانب اپنی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹنے والے انہی یہودیوں کے ہاتھوں گزشتہ 66 سالوں سے مظلوم فلسطینیوں کا ہولوکاسٹ جاری ہے، انہیں تہہ و تیغ کیا جا رہا ہے، بمباری کرکے بے گناہ فلسطینیوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے، ان کے گھروں کو مسمار اور ان کی زمینیں ہتھیائی جا رہی ہیں، اس سب کچھ کے بعد بھی عالمی برادری کی زبانیں گنگ ہیں، آخر کیوں؟۔ ایک طویل عرصے سے فلسطین پر قابض اسرائیل نے مظلوم فلسطینیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے، لیکن عالمی برادری نے اپنے لب سی لیے ہیں، آخر کیوں؟۔ عالمی برادری کہاں ہے؟ یہودیوں کے ہولوکاسٹ کے حوالے سے قوانین بنانے والے ممالک کیا اسرائیل سے یہ نہیں پوچھ سکتے کہ فلسطینیوں پر کس جرم کی پاداش میں بربریت کی تاریخ رقم کی جا رہی ہے؟ گزشتہ دنوں نامعلوم افراد کے ہاتھوں مارے جانے والے صرف تین یہودیوں کے بدلے سیکڑوں فلسطینیوں کو گرفتار کیا گیا۔ ایک فلسطینی نوجوان کو اغوا کر کے زندہ جلا دیا گیا اور پھر غزہ پر گولا بارود کی بارش کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ معصوم بچوں اور خواتین سمیت فلسطینیوں کی ایک بڑی تعداد کو شہید کیا گیا۔ غزہ میں انسانیت سوز اور نسل کش ظلم ڈھاتے ہوئے اسرائیل کو عالمی برادری کا رتی بھر خوف نہیں ہے۔ بلکہ اسرائیلی وزیر اعظم بینجمن نیتن یاہو کا کہنا ہے کہ "غزہ پر حملوں کو روکنے کے لیے ان پر کوئی عالمی دباؤ نہیں اور اگر کوئی ایسا دباؤ ڈالا گیا تو اس کی مزاحمت کی جائے گی اور غزہ پر

پہلے سے زیادہ طاقت کے ساتھ حملے کریں گے۔" حقیقت یہ ہے کہ روز اول سے ہی فلسطینیوں پر ظلم کرنا اسرائیل کا مقصد ٹھہرا ہے۔ اسرائیل کے سابق وزیراعظم منانم بیگن کی کتاب "انقلاب" میں یہ الفاظ درج ہیں کہ "اے اسرائیلو تم پر ضروری ہے کہ اپنے دشمنوں کو قتل کرنے میں کبھی نرم نہ پڑو اور ان پر ترس نہ کھاؤ، تاکہ ہم عربی کلچر نام کی چیز ختم کر دیں اور اس کے کھنڈروں پر اپنی تہذیب کھڑی کریں، فلسطینی محض کیڑے ہیں، جن کو ختم کر دینا چاہیے۔"

انسانیت سوز مظالم پر عالمی برادری کی خاموشی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وقفے وقفے سے اسرائیل کی جانب سے مظلوم فلسطینیوں پر بربریت کا سلسلہ تیز کر دیا جاتا ہے، جو کہ ایک عرصے سے جاری ہے۔ اب جہاں اسرائیل ہے، وہاں صدیوں تک فلسطین اور مسلمان تھے۔ 1948 سے اسرائیل نے فلسطینیوں کو فلسطین سے بے دخل کرنے کا سلسلہ شروع کر کے اسرائیل کے قیام کے لیے فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کیا گیا، ان کی بستیوں کو تاراج کیا گیا اور انہیں دربدری کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا گیا، یہاں تک کہ پڑوسی ملکوں میں ان کے کیمپوں کو وقتاً فوقتاً حملوں کا نشانہ بنایا گیا۔

2002 میں اسرائیلی فوج نے فلسطینی کیمپ جنین کا 15 دن تک محاصرہ اور اس پر ہوائی جہازوں اور ٹینکوں سے حملہ کر کے ایک ہزار فلسطینی شہید اور نہ جانے کتنے زخمی کیے۔ اس کے علاوہ اسرائیل نے 1948 میں دیر یاسین کا قتل عام، 1956 میں قصر قاسم کا قتل عام،

میں صابرہ اور شتیلہ کا قتل عام، 1990 میں مسجد اقصیٰ کا قتل عام، 1994 1982 میں مسجد اقصیٰ کا دوسرا قتل عام اور 1996 میں مسجد ابراہیم کا قتل عام کیا۔ سرزمین انبیاء فلسطین میں اسرائیل گزشتہ 66 برسوں سے خون کی ندیاں بہا رہا ہے، لیکن عالمی طاقتوں نے مجرمانہ خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ عالمی سامراجی طاقتوں کے جہاں کہیں مفادات ہوتے ہیں وہاں تو جنگ سے لے کر مذاکرات اور کانفرنسوں سمیت ہر قسم کے اقدامات عمل میں لائے جاتے ہیں، لیکن یہاں زبانیں گنگ ہیں۔ یہودیوں کے ہولوکاسٹ پر شور مچانے والی عالمی برادری کی جانب سے فلسطینیوں کے قتل عام پر ہمیشہ اسرائیلیوں کو قانون کے کٹہرے سے آزاد رکھا جاتا ہے۔ فلسطینیوں کے سفاکانہ قتل عام پر اسرائیل کو نہ عالمی برادری کی کسی کارروائی کا خدشہ ہوتا ہے، نہ بڑی طاقتوں کی طرف سے کسی روک ٹوک کا اندیشہ ہوتا ہے، کیونکہ اسرائیل مغرب کا سرکش و مغرور بچہ بنا ہوا ہے، اسرائیل کو ظالمانہ کارروائیوں میں امریکا اور مغرب کی مکمل حمایت حاصل ہوتی ہے، مغرب صہیونیت کے دفاع میں ہمہ وقت تیار رہتا ہے، اسی لیے مظلوم فلسطینیوں پر مظالم ڈھاتے ہوئے اسرائیل کو نہ کسی عالمی برادری کے دباؤ کا خوف ہوتا ہے اور نہ ہی کسی عالمی قانون کا پاس ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کا تمام قوانین سے آزاد خیال کرتے ہوئے فلسطینیوں کا قتل عام کرتا ہے۔

ایک اور امریکی ایجنٹ کی گرفتاری و رہائی

ایئرپورٹ سیکورٹی فورس (اے ایس ایف) نے جمعہ کے روز بے نظیر ایئر انٹر نیشنل ایئرپورٹ سے امریکی سفارت خانے کے ایک ملازم کو اسلحہ سمیت گرفتار کیا۔ سیکورٹی ذرائع کے مطابق گرفتار ہونے والے شخص کی شناخت امریکی فوج کے میجر ولیم جونز کے نام سے ہوئی۔ ولیم جونز ہوسٹم جس کا پاسپورٹ نمبر 821149572 ہے۔ اے ایس ایف نے راولپنڈی ایئرپورٹ سے براستہ ابو ظہبی امریکا جانے والے امریکی سفارت خانے کے ملازم ولیم جونز کے سامان کی تلاشی لی تو اس کے پاس سے ایک 9 ایم ایم پستول اور 15 گولیاں برآمد ہوئیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ گرفتار ہونے والا شخص امریکی سفارتخانے میں ٹرینی کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ اے ایس ایف حکام کا کہنا تھا کہ امریکی سفارت خانے کے ملازم کی جانب سے اسلحہ سمیت سفر کرنے کی کوشش کو انتہائی سنجیدگی سے لیا جا رہا ہے اور پتہ لگانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ امریکی شہری لوڈڈ پستول کے ساتھ کیوں ایئرپورٹ آیا۔ دوسری جانب امریکی سفارت خانہ اپنے فوجی کو رہا کروانے کے لیے متحرک ہوگیا اور سفارت خانے کے ترجمان کا کہنا تھا کہ ولیم جونز کی گرفتاری کا علم ہے اور اس حوالے سے متعلقہ حکام سے مسلسل رابطے میں ہیں۔ لہٰذا امریکی سفارت خانے کے بیان آنے کے کچھ ہی دیر

بعد ملکی قانون توڑنے والے امریکی میجر کو چھوڑ دیا گیا۔ حالانکہ سول ایوی ایشن کے ایک اہلکار مبارک احمد کا کہنا تھا کہ اگر کوئی مسافر بیرون ملک اسلحہ لے کر جانا چاہتا ہے تو اس کو اس ضمن میں پہلے اجازت لینے کے ساتھ ساتھ اسلحے کو آف لوڈ کرکے اسے کارگو کروانا پڑتا ہے۔ اسلحہ کو دستی سامان میں نہیں لے کر جایا جا سکتا۔ امریکی ایجنٹ اسلحہ کو اپنے سامان میں ہی چھپا کر لے جا رہا تھا، جو سراسر غیر قانونی ہے۔

واضح رہے کہ 2 ماہ قبل کراچی ایئرپورٹ سے بھی ایف بی آئی کے ایک ایجنٹ جوئیل کاکس کو اسلحہ سمیت گرفتار کیا گیا تھا، لیکن امریکی حکومت کے دباؤ پر معمولی کارروائی کے بعد اسے رہا کر دیا گیا تھا۔ گرفتار کیے گئے جوئیل کاکس کو کراچی کے جناح انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر نائن ایم ایم پستول کی پندرہ سے زاید گولیوں، میگزین، چاقو، ایک آہنی مکے، جاسوسی کے آلات پین، کیمرا اور آفیشل کارڈ سمیت گرفتار کیا گیا تھا۔ امریکی ذرائع ابلاغ کے مطابق جوئیل کاکس ایف بی آئی کا ایجنٹ تھا اور وہ امریکی سفارتخانے کے لیگل اتاشی کے ساتھ عارضی ڈیوٹی پر تھا۔ اس کی تعیناتی امریکی ریاست میامی کے فیلڈ آفس سے کی گئی تھی۔ جوئیل کاکس سے ایف آئی اے کی تحقیقات میں یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ امریکی ایجنٹ نے لیپ ٹاپ سے کراچی کے حوالے سے اہم معلومات ٹرانسفر کی تھیں۔

تفتیشی حکام کے مطابق امریکی ایجنٹ سے ملنے والی معلومات اہم

تھیں۔ جب کہ ملزم سے کچھ ایسے خفیہ آلات بھی ملے تھے، جنہیں پاکستان میں ڈی کوڈ کرنا مشکل تھا۔ کراچی ایئر پورٹ سے گرفتاری کے بعد امریکی ایجنٹ کے خلاف سندھ آرمز ایکٹ کے تحت مقدمہ درج کیا گیا اور جوڈیشل مجسٹریٹ ملیر نے اس ایجنٹ کو چار روزہ ریمانڈ پر پولیس کے حوالے کیا، لیکن ایف بی آئی ایجنٹ کو پولیس حراست میں بھی خصوصی پروٹوکول فراہم کیا جاتا رہا۔ صبح ہوتے ہی "موصوف" کو غیر ملکی ریسٹورنٹ کا ناشتہ پیش کیا گیا۔ ملزم کو لاک اپ کی بجائے کمرے میں رکھا گیا تھا۔ امریکی شہری کے باعث آر ٹلری تھانے کی سیکورٹی کے بھی غیر معمولی انتظامات کیے گئے اور میڈیا سمیت شہریوں کا داخلہ بند کر دیا گیا تھا۔ امریکی اہلکار کو جب ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ملیر کی عدالت میں پیش کیا گیا تو ان کے وکیل نے موقف اختیار کیا تھا کہ ان کا موکل کسی مجرمانہ کارروائی میں ملوث نہیں رہا، ان سے صرف میگزین اور گولیاں برآمد ہوئی ہیں، خودکار ہتھیار نہیں۔ کراچی کی مقامی عدالت نے گرفتار ایف بی آئی اے ایجنٹ جوئیل کاکس کی دس لاکھ روپے کے مچلکوں کے عوض ضمانت منظور کرتے ہوئے اسے رہا کر دیا تھا۔ ذرائع کا کہنا تھا کہ جوئیل کاکس کو عدالتی حکم نامہ موصول ہونے سے قبل ہی رہا کر دیا گیا تھا، کیونکہ حکومت کو امریکا کی جانب سے شدید دباؤ تھا، جبکہ پولیس پر وزارت داخلہ کی جانب سے شدید دباؤ تھا۔

مبصرین کے مطابق امریکا اور دیگر پاکستان دشمن ممالک کی سازشیں آہستہ آہستہ کھل کر سامنے آ رہی ہیں، وقفے وقفے سے ملک سے امریکی ایجنٹ گرفتار کیے جاتے ہیں، جن کو ہماری حکومتیں امریکا کے دباؤ پر آسانی سے چھوڑ دیتی ہے۔ حالانکہ حکومت کو یہ بات سوچ لینی چاہیے کہ ملک کے حالات دن بدن خراب ہو رہے ہیں اور حالات کی خرابی میں غیر ملکی عناصر کی مداخلت کے کئی ثبوت سامنے آ چکے ہیں۔ حکومت بھی اس بات کا اعتراف کر چکی ہے کہ ملکی حالات خراب کرنے میں غیر ملکی عناصر ملوث ہیں، اس کے باوجود جب بھی ملک سے کوئی فسادی گرفتار کیا جاتا ہے تو حکومت تمام قوانین کو بالائے طاق رکھتے ہوئے صرف امریکا کے ایک حکم پر ان کو رہا کر دیتی ہے، حالانکہ دنیا میں کوئی ملک بھی امریکا کے حکم پر اپنے قوانین کو پس پشت نہیں ڈالتا، لیکن ہمارے ہاں سب کچھ کیا جاتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ ملک سے کسی بھی غیر ملکی ایجنٹ کے گرفتار ہونے کی صورت میں ان کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے، تاکہ آئندہ کسی کو ملک میں شر و فساد پھیلانے کی ہمت نہ ہو۔ ایک بار پھر امریکی ایجنٹ کی رہائی قابل افسوس ہے، وہ اسلحے سمیت گرفتار کیا گیا تھا جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس کا کوئی اچھا ارادہ نہیں تھا، حالانکہ جب کراچی سے امریکی ایجنٹ گرفتار کیا گیا تھا تو اس وقت یہ کہا جا رہا تھا کہ اس سے صرف گولیاں برآمد ہوئی ہیں، خودکار اسلحہ برآمد نہیں ہوا ہے، اس لیے اسے چھوڑ دینا چاہیے، لیکن اب راولپنڈی سے گرفتار ہونے والے امریکی ایجنٹ سے تو خودکار اسلحہ بھی برآمد

ہوگیا تھا، اس کے باوجود اس صرف امریکا کے دباؤ پر چھوڑ دینا کسی صورت بھی درست نہیں ہے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ صرف تین روز قبل نندی پور پاور پروجیکٹ کے قریب سے چار امریکی جاسوس گرفتار کیے گئے تھے۔ اطلاعات کے مطابق سی آئی اے نے ایک مشکوک گاڑی کو روکا، جس میں غیر ملکی سوار تھے، جن سے شناخت مانگی گئی، لیکن کوئی ثبوت نہ دے سکے، جس پر فوری سی آئی اے ہیڈ کوارٹر بلایا گیا، جن کے ساتھ حساس اداروں نے کارروائی کرتے ہوئے غیر ملکیوں کو حراست میں لے لیا اور گاڑی کو قبضہ میں لے لیا۔ اطلاعات کے مطابق نندی پور پاور پروجیکٹ سے گرفتار ہونے والے امریکی ایجنٹ چینی انجینئرز کی ریکی پر مامور تھے، ان کے پاس سے کیمرے اور دیگر سامان برآمد ہوا تھا۔ یہ ایجنٹ کچھ روز قبل ہی پاکستان میں آئے تھے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صرف نندی پاور پروجیکٹ کے حوالے سے کوئی منصوبہ بندی کرنے کے پاکستان آئے تھے۔ اس قسم کے کئی واقعات سامنے آچکے ہیں جن میں امریکا ایجنٹ گرفتار کیے گئے اور بعد میں رہا کردیے گئے۔ اس سے پہلے بھی امریکی جاسوس ریمنڈ ڈیوس کو پاکستانی حکومت نے رہا کردیا تھا، حالانکہ امریکی جاسوس ریمنڈ ڈیوس نے 27 جنوری 2011ء کو لاہور میں دو پاکستانی نوجوانوں فہیم اور فیضان کو گولی مار کر قتل کردیا تھا، جبکہ قتل کرکے بھاگتے ہوئے ایک نوجوان عبادالحق کو اپنی گاڑی کے نیچے کچل کر

مارڈالا تھا، لیکن 16 مارچ 2011ء کو ریمنڈ ڈیوس کو بری کر دیا گیا اور رہائی کے فوراً بعد امریکی ریمنڈ ڈیوس کو بذریعہ ہوائی جہاز افغانستان لے گئے تھے۔

فلسطین پر صیہونی جارحیت.... عالم اسلام کی مجرمانہ خاموشی

مظلوم فلسطینیوں پر اسرائیل کی جاری درندگی تیسرے ہفتے میں داخل ہو چکی ہے۔ اس دوران اسرائیل کی خونخوار اور درندہ صفت افواج چھ سو فلسطینیوں کو شہید اور چار ہزار کے لگ بھگ کو زخمی کر چکی ہے ں۔ فلسطین میں اقوام متحدہ کے ادارے کے مطابق گزشتہ دو ہفتوں کے دوران اسرائیلی جارحیت سے بے گھر ہونے والے فلسطینیوں کی تعداد ایک لاکھ سے تجاوز کر گئی ہے۔ اسرائیلی بہیمیت کے سلسلے میں وقت گزرنے کے ساتھ مزید شدت آ رہی ہے، روز غزہ پر آتش و آہن کی بارش کر کے سیکڑوں معصوم فلسطینیوں کو موت کی نیند سلایا جا رہا ہے۔ غزہ کی مشرقی کالونی الشجاعیہ اور خان یونس میں ہزاروں اسرائیلی فوجیوں نے ظلم و سفاکیت کی نئی تاریخ رقم کر کے درندگی کی تمام حدود پار کر لی ہیں۔ اسرائیلی افواج نے ان فلسطینی علاقوں میں ہیلی کاپٹروں، جیٹ طیاروں اور ٹینکوں سے آگ و بارود برساتے ہوئے بلا تخصیص بچوں، خواتین اور بوڑھوں سمیت ان گنت افراد کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ اکثر عمارتیں کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ غزہ کے علاقے الشجاعیہ اور خان یونس کی گلیاں اور سڑکیں مظلوم فلسطینی شہدا کی لاشوں اور زخمیوں سے بھری گئیں۔ اسرائیلی افواج نے جان بچانے کے لیے محفوظ مقام پر منتقل ہونے کی کوشش کرنے والے فلسطینیوں پر بھی بمباری کر کے ان کو موت کی نیند سلا دیا۔ اسرائیل نے

تمام جنگی قوانین کو بالائے طاق رکھتے ہوئے زخمی فلسطینیوں کو اٹھانے کے لیے جانے والی ایمبولینس گاڑیوں کو بھی نشانہ بنایا، ہسپتالوں اور فلاحی مراکز کو بھی نشانہ بنا کر کئی ڈاکٹروں کو اپاہج کر دیا اور متعدد زخمیوں کو موت کا پروانہ دے دیا ہے۔ الجزیرہ ٹی وی کے مطابق اسرائیلی فوج نے غزہ پر حملوں میں سفید فاسفورس بموں کا استعمال کیا ہے۔ اسرائیلی فوج نے بھی اس کے استعمال کی تصدیق کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ فاسفورس کا استعمال سموک اسکرین کے لیے کیا گیا تھا۔ حالانکہ عالمی قوانین کے مطابق جنگوں میں بھی سفید فاسفورس کا استعمال ممنوع ہے، لیکن اسرائیل غزہ میں نہتی آبادیوں کے خلاف اس کا استعمال کر رہا ہے۔

ان حالات میں امریکا و یورپ سمیت عالمی برادری تو فلسطینیوں کے ساتھ تعاون کرنے کی بجائے اسرائیل کو کھلے عام جارحیت جاری رکھنے کا سرٹیفکیٹ عنایت کر رہی ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم بھی یہ بیان دے چکا ہے کہ اسرائیل کو مضبوط عالمی اور امریکی حمایت حاصل ہے، لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ عالم اسلام نے بھی اپنے لبوں پر گوند لگا کر مجرمانہ خاموشی اختیار کر لی ہے۔ امت مسلمہ کے اکثر ممالک غزہ کے حوالے سے اپنے لب سی چکے ہیں۔ پاکستان میں فلسطین کے سفیر ولید ابو علی نے اسلامی دنیا کے 57 ممالک، اقوام متحدہ، او آئی سی اور انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں پر زور دیا ہے کہ وہ غزہ میں نہتے فلسطینی عوام پر اسرائیلی افواج کی وحشیانہ کارروائیوں کا فوری نوٹس لیتے ہوئے

صورتحال کی بہتری کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔ فلسطینی سفیر نے دنیا کے ڈیڑھ ارب مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس وقت عرب دنیا سمیت تمام مسلمان ملکوں کو اپنے اندرونی اور علاقائی تنازعات ختم کرکے یک جان ہو کر اسرائیلی سفاکیت کا شکار فلسطینی عوام کا ساتھ دینا ہوگا۔ اسرائیل معصوم اور نہتے فلسطینیوں کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کر رہا ہے، جبکہ عالمی برادری فلسطینیوں کے قتل عام کی مذمت کرنے سے بھی گریزاں ہے۔ فلسطینیوں کی اپیل کے باوجود عالم اسلام کے حکمران لمبی تان کر سوئے ہوئے ہیں، عالم اسلام کی سب سے بڑی تنظیم او آئی سی نے اسرائیلی جارحیت کو مسلسل دو ہفتے گزرنے کے باوجود ابھی تک غزہ پر اسرائیلی بربریت کو رکوانے کے لیے کوئی اجلاس تک نہیں بلایا، او آئی سی لمبی خاموشی اختیار کیے ہوئے ہے۔ جبکہ اطلاعات کے مطابق اس سے پہلے مصر نے جنگ بندی کی تجویز کے ذریعے پس پردہ اسرائیل کو سپورٹ کرنے کی کوشش کی تھی، جس میں بغیر کسی شرط کے حماس پر زور دیا گیا تھا کہ وہ فوری مزاحمت ترک کردے، لیکن حماس نے مصر کی اسرائیل نواز حکومت کی اس تجویز کو مسترد کردیا۔ تجزیہ کاروں کے مطابق اس تجویز کا مقصد اسرائیل کو فائدہ پہنچانا اور حماس کو نقصان پہنچانا تھا۔ مصر کی اس تجویز کو سعودی عرب، بحرین، متحدہ عرب امارات کی حمایت بھی شامل تھی۔ دوسری جانب بیس سے زاید عرب ممالک کی نمائندہ تنظیم "عرب لیگ" نے فلسطینیوں کے زخموں کا مداوا کرنے کی بجائے ان کے زخموں پر نمک ہی چھڑکا ہے۔ عرب لیگ نے

اسرائیل کی بجائے حماس پر زور دیا ہے کہ وہ مصری تجویز کو قبول کرتے ہوئے مزاحمت ترک کرتے ہوئے فوری جنگ بندی کردے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق عالم اسلام کے متعدد ممالک کے اسرائیل کے ساتھ مضبوط تجارتی تعلقات ہیں، ان ممالک کی سالانہ اربوں کی تجارت اسرائیل کے ساتھ وابستہ ہے، بعض کے تو خفیہ طور پر سفارتی تعلقات بھی اسرائیل کے ساتھ ہیں۔ اس لیے عالم اسلام کے بیشتر ممالک اسرائیل کی جارحیت پر خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ بلکہ اخوان کے بعد اندر کھاتے حماس کو ختم کرنے کے لیے کوشاں بھی ہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ دنیا میں ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے ہوتے ہوئے چند لاکھ یہودیوں کا اسرائیل، سرزمین انبیاء فلسطین پر بلا خوف وخطر سفاکیت و بربریت کی تاریخ رقم کرے، مسلم دنیا کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی قوت سے مالامال کیا ہے، ان کے پاس افرادی قوت بھی وافر مقدار میں موجود ہے۔ اگر ڈیڑھ ارب مسلمانوں پر مشتمل 57 ممالک اسرائیل کو صرف ایک دھمکی ہی دے دیں تو بھلے ہی وہ امریکا کی سرپرستی میں یہ سارا ظلم روا رکھے ہوئے ہے، اس کے باوجود اس میں اتنا دم نہیں کہ مسلم فلسطینی بھائیوں پر جارحیت کی انتہا کرے، لیکن مسلم ممالک گنگ بنے ہوئے ہیں۔ عالم اسلام کی مجرمانہ خاموشی کے پیش نظر حماس کے رہنما اسماعیل ہنیہ نے کہا ہے کہ اسرائیلی جارحیت پر عالمی برادری اور مسلم ممالک کی خاموشی پر حیرانگی نہیں ہے، ہمیں کسی سے کوئی امید نہیں ہے۔ فلسطینی عوام خود اسرائیلی جارحیت کا مقابلہ کریں گے۔ گزشتہ روز امیر جماعت اسلامی سراج الحق

کا کہنا تھا کہ اسرائیلی فوج نے غزہ میں ہر طرف مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا دی ہیں، لیکن اس کے باوجود اسلامی ممالک کی تنظیم (او آئی سی) یہود کی آلہ کار بنی ہوئی ہے۔ فلسطین میں مسلمانوں کا قتل عام کیا جارہا ہے، آج وہاں جان، مال اور عزت کچھ بھی محفوظ نہیں ہے، اہل فلسطین عالم اسلام کی جانب دیکھ رہے ہیں۔ وقت آگیا ہے کہ مسلم حکمران جاگیں اور اپنے فلسطینی بھائیوں کی مدد کریں، لیکن افسوس کی بات ہے کہ آج مسلم حکمرانوں میں کوئی صلاح الدین ایوبی نظر نہیں آ رہا۔ وزیراعظم نواز شریف کو بھی چاہیے کہ وہ اسرائیل کے خلاف میدان میں آئیں اور عالم اسلام کے قائدین سے رابطے کرکے انھیں ایک پلیٹ فام پر اکٹھا کریں۔ پاکستان کے 18 کروڑ مسلمان قبلہ اول کی حفاظت اور اپنے فلسطینی بھائیوں کی مدد کے لیے کٹ مرنے کو تیار ہیں۔ مسلم ممالک کے عوام غزہ کی طرف دیکھ رہے ہےں، جب کی حکمرانوں کا جھکاو ¿ امریکا کی طرف ہے۔ مسلم ممالک تیل کی دولت سے مالا مال ہیں، ہمیں چاہیے کہ ہم اسرائیل کا بائیکاٹ کریں اور تیل کا ہتھیار استعمال کریں اور امریکی بینکوں سے پیسہ نکلوائیں۔ ہم اقوام متحدہ سے کیا امید رکھیں، وہ تو خود مجرموں اور کفن پوشوں کا ٹولہ ہے، امریکا کے ہاتھوں کا ایک کھلونا ہے، یہودی لابی کے لیے کام کر رہا ہے۔ اقوام متحدہ نے اپنی ذمہ داریاں ادا نہیں کیں، جب کہ او آئی سی کا بھی اب تک کوئی اجلاس نہیں ہوا۔

فلسطینیوں کے لیے دنیا اندھی گونگی بہری

میں آگ برساتے ان "انسانوں" میں انسانیت کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، لیکن مجھے ان میں انسانیت کی ایک رتی بھی دکھائی نہیں دیتی، چہرے اگرچہ ان کے بالکل انسانوں کی طرح ہیں، ویسے ہی منہ، کان، ناک، ہاتھ اور دوسرے اعضاء بھی، لیکن انسانوں کی سی شکل و صورت ہونے کے باوجود یہ انسانیت سے بالکل محروم دکھائی دیتے ہیں۔ اگر کسی کو اس بات سے اختلاف ہو تو وہ غزہ اور سدیروت کے مناظر دیکھ کر خود فیصلہ کر سکتا ہے۔ یہ اٹھارہ لاکھ افراد کو محصور کیے ہوئے 362 مربع کلومیٹر پر محیط دنیا کی سب سے بڑی جیل غزہ ہے، جس کی مشرقی کالونی الشجاعیہ میں ہزاروں اسرائیلی فوجیوں کی زمینی کارروائی کا آغاز ہے۔ اسرائیلی افواج ہیلی کاپٹروں، جیٹ طیاروں اور ٹینکوں سے مسلسل آگ و بارود برساتے ہوئے بلا تخصیص بچوں، خواتین اور بوڑھوں سمیت تمام افراد کو موت کے گھاٹ اتارتی چلی جا رہی ہے۔ الشجاعیہ میں اکثر عمارتیں کھنڈرات میں تبدیل کی جا چکی ہیں۔ اس کالونی کی گلیاں اور سڑکیں مظلوم فلسطینی شہدا کی لاشوں اور زخمیوں سے بھری پڑی ہیں۔ ہزاروں فلسطینی جان بچانے کے لیے اپنے معصوم بچوں کو اپنے سینوں سے چمٹائے جلد از جلد اس بستی کو چھوڑ کر محفوظ مقام پر منتقل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں، اسرائیلی افواج جائے پناہ تلاشتے فلسطینیوں پر بھی بمباری کرکے ان

کو موت کی نیند سلا رہی ہے ں۔ بمباری کے خوف سے کوئی شخص اسرائیلی جارحیت کی بھینٹ چڑھنے والے فلسطینیوں کی جگہ جگہ بکھری پڑی جلی کٹی لاشوں کو اٹھانے کے لیے آگے بھی نہیں بڑھ رہا۔ دوسری جانب الشجاعیہ کی سڑکوں پر سیکڑوں کی تعداد میں زخمی فلسطینی تڑپ تڑپ کر جان دے رہے ہیں، 2014 کا "مہذب اسرائیل" تمام جنگی قوانین کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس بستی میں زخمیوں کو اٹھانے کے لیے جانے والی ایمبولینس گاڑیوں کو بھی نشانہ بنا رہا ہے، صرف یہی نہیں، بلکہ صیہونی وحشی و خونخوار فوجی، زخمی فلسطینیوں کا علاج کرنے والے ہسپتالوں اور فلاحی مراکز کو بھی نشانہ بنا کر کئی ڈاکٹروں کو اپاہج اور متعدد زخمیوں کو موت دے چکے ہیں اور یہ حملے عالمی قوانین کے مطابق ممنوع قرار دیے گئے فاسفورس بموں اور کیمیائی ہتھیاروں کے ساتھ بلا خوف وخطر کیے جا رہے ہیں۔ اس کالونی میں حرکت کرتا دکھائی دینے والا ہر انسان اسرائیلی بمباری کی زد میں ہے۔ دنیا کا قانون ہے کہ صحافی برادری ہر جگہ آزادی سے اپنی ذمہ داریاں نبھا سکتی ہے، لیکن یہاں تو اسرائیلی بمباری کی زد میں آ کر جان جان آفریں کے حوالے کرنے والے معصوم فلسطینی بچوں، پاک دامن خواتین، کمزور بوڑھوں اور نہتے نوجوانوں کی رپورٹنگ کرنے سے بھی دنیا بھر کے صحافیوں کو اسرائیل نے روک دیا ہے۔

دوسری جانب یہ "اسرائیلی انسانوں" کا علاقہ سدیروت ہے، جہاں ایک پہاڑی پر

ہوٹل کے باہر تفریحی کیمپ کی شکل میں کرسیوں اور صوفوں پر بہت سے لوگ براجمان ہیں۔ یہ لوگ اسرائیل کی جانب سے غزہ پر ہونے والی بمباری کا نظارہ کرنے کے لیے یہاں جمع ہیں، غزہ کی پٹی پر اسرائیلی میزائل گرنے کے بعد ان کے چہرے خوشی سے کھلکھلا اٹھتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو مکئی کے بھنے ہوئے دانوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور بعض حقے کے کش لگا کر محظوظ ہو رہے ہیں اور ساتھ اسرائیلی درندگی کا نظارہ کر رہے ہیں۔ ان کی خوشی کا عالم اس وقت دیدنی ہوتا ہے جب اسرائیلی میزائل غزہ میں کسی فلسطینی خاندان کو شہادت کی قبا پہناتے ہیں، فلسطینیوں کی اموات سے یہ "انسان" بے پایاں خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ سی این این کی بین الاقوامی نمائندہ ڈیانا میگنے وہیں سے رپورٹ کرتی ہیں: "آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہاں بہت سے اسرائیلی جمع ہیں اور وہ جب اسرائیلی حملوں کو دیکھتے ہیں تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ جونہی غزہ پر بم گرتا ہے تو سدیروت کی پہاڑی پر بیٹھے اسرائیلی خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔" الشجاعیہ اور سدیروت کے مناظر دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صرف شکل و صورت انسانوں جیسی ہونے سے انسانیت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو غزہ میں جاری بہیمیت انسانیت سے عاری انسانوں کی درندگی و حیوانیت کا نوحہ نہ سنا رہی ہوتی۔

غزہ میں فلسطینیوں پر جاری ننگی اسرائیلی فوجی جارحیت تیسرے ہفتے کو بھی

سمیٹنے والی ہے۔ بے قصور بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو نہایت سفاکی کے ساتھ مسلسل شہید کیا جارہا ہے۔ اسرائیلی درندگی کی بھینٹ چڑھ کر سیکڑوں شہید اور ہزاروں زخمی ہو چکے ہیں اور اسرائیل کی سفاکانہ اور جارحانہ کارروائیوں میں روز افزوں شدت اور اس کا نشانہ بننے والے مظلوم فلسطینیوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، لیکن اس سب کچھ کے باوجود اسے روکنے کے لیے کسی بھی سطح پر کسی مو ثر اقدام کی کوئی کوشش کہیں ہوتی نظر نہیں آ رہی ہے۔ کوئی اسے روکتا تو کیا، عالمی طاقتیں اس ظلم عظیم پر اسے تھپکی دے رہی ہیں۔ امریکا اور یورپ تو کھل کر اس کی حمایت میں کھڑے ہو چکے ہیں۔ صہیونی وزیر اعظم بنجمن نیتن یاہو اعلان کرتا ہے کہ غزہ کے باسیوں کو خون میں نہلانے کا حق اسے بین الاقوامی لیڈروں نے عطا کیا ہے، اس سلسلے میں اس کو بہت مضبوط بین الاقوامی اور واشنگٹن کی حمایت حاصل ہے۔ جبکہ امریکی صدر اوباما مسلم ممالک کے سفراء کے سامنے غزہ پر اسرائیلی حملوں کو پہلے ہی جائز اور دفاعی ضرورت کا حق دے تے ہوئے یہ کہہ چکا ہے کہ: " میں سمجھتا ہوں اسرائیل پر راکٹ حملے نا قابل معافی ہیں اور اسرائیل کو اپنے دفاع کا پورا حق حاصل ہے۔" اقوام متحدہ میں فلسطین کے مندوب ریاض منصور نے آنسوؤں سے لبریز آنکھوں اور بھرائی ہوئی آواز میں اقوام عالم سے یہ سوال کیا ہے کہ: "اپنے دفاع کا یہ کیسا حق ہے کہ جو اہالیاں "غزہ کو صفحہ ہستی سے مٹا کر پورا کیا جا رہا ہے؟

اسرائیل تاریخی بربریت کرکے فلسطینیوں کو اس خطے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کرنا چاہتا ہے، عالمی برادری کی جانب سے دکھاوے کے چند مذمتی بیانات کو اسرائیل ہوا میں اڑا چکا ہے۔ عالمی طاقتوں سے تو خیر گلہ ہی کیا، کیونکہ وہ تو ہمیشہ سے اسرائیل کی پشتی بان رہی ہیں اور ہر محاذ پر اسرائیل کو تھپکی دیتی آئی ہیں۔ افسوس تو دنیا کے نقشے پر دو درجن عرب اور تین درجن سے زاید غیر عرب مسلم ممالک پر ہے۔ اگر اتنے ممالک اپنے ہم مذہب مظلوم بھائیوں کی خاطر صرف اسرائیل کی طرف گھور ہی دیں تو کیا ڈرپوک اسرائیل کی اتنی جرات کہ وہ فلسطینیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے؟، لیکن اکثر مسلم ممالک اسرائیل کے ساتھ سالانہ اربوں روپے کی تجارت کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں، تجارتی رشتہ ٹوٹنے کے خوف سے وہ صرف خالی خولی اور پھسپھسے بیانات دے کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجانا چاہتے ہیں، او آئی سی اور عرب لیگ جیسی مسلم تنظیمیں تو اپنی بنا کا مقصد ہی بھول چکی ہیں، ان سے تو امید ہی کیا۔ چلیں یہ تو سب عیش کوش ٹھہرے، لیکن کیا صرف مسلم ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجا کر "اسلامی خلافت" قائم کرنے والی کئی درجن جہادی تنظیموں کے ہتھیاروں کو بھی مظلوم فلسطینیوں پر ظلم ڈھانے والے صیہونیوں پر استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے؟ کیا وہ صرف مسلمانوں کے خلاف ہی استعمال ہو سکتے ہیں؟ تمام مسلم و غیر مسلم دنیا مظلوم فلسطینیوں پر ہونے والے ظلم و ستم پر لبوں پر گوند

لگائے یہ پیغام دے رہی ہے کہ فلسطینیوں اپنے بچے ذبح کرواتے رہو اور خود ہی اپنے
لاشے اٹھاتے رہو، کیوں کہ ساری دنیا آندھی، گونگی اور بہری ہو چکی ہے۔

فلسطین: صہیونی درندگی کی انتہا.... پاکستان میں یوم سوگ

فلسطین میں صہیونیوں کی جانب سے مظلوم فلسطینیوں کی نسل کشی میں مزید شدت آتی جا رہی ہے۔ غزہ میں فلسطینیوں کے قتل عام کا سلسلہ آٹھ جولائی سے شروع ہو کر تا حال جاری ہے۔ صہیونیوں کی فرعونیت اٹھارہ جولائی سے اب تک آٹھ سو سے زاید مظلوم فلسطینیوں کی جان لے چکی اور پانچ ہزار سے زاید کو زخمی بھی کر چکی ہے۔ صہیونیت کا خونخوار بھیڑیا مسلسل نہتے اور بے آسرا فلسطینیوں کی جان لے رہا ہے۔ جمعرات کے روز اسرائیلی فوج نے بمباری کرکے ایک سو سے زاید فلسطینی افراد کو موت کی نیند سلادیا۔ ایک پناہ گزین کیمپ پر حملہ کرکے 30 افراد کو شہید کیا، جبکہ 200 سے زاید کو زخمی کردیا۔ اسی طرح غزہ کی پٹی کے شمال میں واقع قصبے بیت حانون میں اقوام متحدہ کی فلسطینی مہاجرین کے لیے امدادی ایجنسی انروا کے زیر انتظام ایک اسکول پر بھی گولہ باری کرکے صہیونی فوج نے پندرہ افراد کو شہید اور ایک سو سے زیادہ کو زخمی کیا۔ بیت حانون میں ا±نروا کے اسکول میں سیکڑوں فلسطینیوں نے اسرائیلی جارحیت سے بچنے کے لیے پناہ لے رکھی تھی، لیکن صہیونی فوجیوں نے وہاں بھی ان کو سکون سے نہیں رہنے دیا اور گولہ باری کا نشانہ بنا کر ان کی جان لے لی۔ اقوام متحدہ کے فلاحی ادارے کے تحت چلنے والے اسکول کو نشانہ بنانے پر اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے

اگرچہ اسرائیلی حملے پر افسوس کا اظہار کیا ہے، لیکن اس افسوس کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ اسرائیل پہلے ہی فلسطین میں آگ و خون کا کھیل بند کرنے کے حوالے سے اقوام متحدہ کی اپیلوں کو ٹھکرا چکا ہے۔ اتروا کے اسکول میں پناہ گزین فلسطینیوں پر گولہ باری سے قبل ایک صہیونی وزیر یا کوو پیری کا کہنا تھا کہ غزہ سے آیندہ چند روز میں فوج کے انخلاء کا کوئی امکان نہیں ہے اور اسرائیلی فوج انسانی بنیاد پر کسی جنگ بندی کے باوجود فلسطینی علاقے میں موجود سرنگوں کے خلاف کارروائی جاری رکھے گی۔ فلسطینی حکام کے مطابق اسرائیلی بمباری کے نتیجے میں 475 مکانات مکمل طور پر تباہ ہو چکے ہیں، جبکہ 2600 سے زاید مکانات کو جزوی نقصان پہنچا ہے۔ اس کے علاوہ 46 اسکولوں، 56 مساجد اور سات ہسپتالوں کو بھی نقصان پہنچا ہے۔

ذرائع کا کہنا ہے کہ غزہ میں بدترین قتل و غارت گری کے بعد اسرائیلی فوج نے مغربی کنارے میں بھی فلسطینیوں کے خون سے ہولی کھیلنا شروع کر دی ہے اور فلسطینی عوام سے احتجاج کا حق بھی چھین لیا ہے۔ غزہ میں جاری اسرائیلی جارحیت کی مذمت کے لیے جمعہ کے روز مغربی کنارے میں جمع ہونے والے ہزاروں مظاہرین پر بھی اسرائیلی درندہ فوج نے تشدد کی انتہا کر دی، مقبوضہ یروشلم اور مغربی کنارے کے درمیان ہونے والے احتجاجی مظاہرے میں کم از کم دس ہزار فلسطینی مظاہرین نے شرکت کی، جن پر اسرائیلی فوج نے درندگی کا مظاہرہ کرتے

ہوئے گولی چلا دی۔ اسرائیلی فوج نے بھی اپنی درندگی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس نے مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے طاقتی حربوں کا استعمال کیا ہے۔ احتجاجی مظاہروں پر اسرائیلی فوج کی تشدد آمیز کارروائی سے بعض فلسطینی شہید، جبکہ 150 زخمی ہوئے۔ زخمیوں میں سے کئی کے زخم خطرناک ہیں اور ان کی حالت نازک ہے۔ اطلاعات کے مطابق اسرائیلی درندگی کی وجہ سے غزہ میں بسنے والے لوگوں کے لیے 40 فیصد علاقہ "نو گو" یا ممنوعہ علاقہ بن گیا ہے اور شہریوں کی خوراک کا ذخیرہ تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔ 118000 ہزار افراد اقوام متحدہ کے اسکولوں میں پناہ لینے پر مجبور ہیں، جبکہ بہت سے افراد کو خوراک کی قلت اور پانی کی کمی کا بھی سامنا ہے۔

دوسری جانب دنیا بھر کی طرح پاکستان میں بھی صہیونی درندگی کے خلاف مختلف تنظیموں کی جانب سے مسلسل بھرپور احتجاج کیا جا رہا ہے، جبکہ جمعہ کے روز پاکستان نے فلسطینی عوام سے یکجہتی اور اسرائیل کی جارحیت کے خلاف رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو سرکاری سطح پر یوم احتجاج منایا اور سرکاری عمارتوں پر قومی پرچم سرنگوں رہا، فلسطین پر اسرائیلی خونخواری کے خلاف کانفرنسز کا اہتمام بھی کیا گیا، جن میں اسرائیلی جارحیت کی شدید الفاظ میں مذمت کی گئی۔ اس کے علاہ فلسطینیوں پر اسرائیلی بمباری اور اسرائیلی جارحیت کے خلاف ملک بھر میں مختلف تنظیموں اور جماعتوں کی طرف سے ریلیاں نکالی

گئیں، احتجاجی مظاہرے کیے گئے اور فلسطین کے مظلوم عوام کے ساتھ بھرپور اظہار یکجہتی کے لیے "رمضان المبارک" کے جمعۃ الوداع کے موقع پر یوم احتجاج پورے جوش و خروش سے منایا گیا۔ بعض جماعتوں نے اس احتجاج کو یوم القدس کا نام دیا اور بعض نے فلسطینیوں سے اظہار یکجہتی کو یوم عزم کے طور پر منایا۔ جبکہ بعض جماعتوں نے جمعۃ المبارک کو غزہ کے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے سلسلہ میں "یوم دعا" کے طور پر منایا، جبکہ اہلسنت والجماعت نے جمعہ کو فلسطینی عوام سے اظہار یکجہتی کے طور پر منایا۔ مقررین نے فلسطین میں اسرائیل کی جارحیت کی شدید الفاظ میں مذمت کی اور اقوام متحدہ سے اپیل کی کہ نہتے فلسطینیوں پر ظلم و ستم بند کرائے۔ مقررین کا کہنا تھا کہ اسرائیلی جارحیت پر انسانی حقوق کے نام پر ڈھنڈورا پیٹنے والی عالمی تنظیمیں کیوں خاموش ہیں؟ اسرائیل بربریت کی بدترین مثال قائم کر رہا ہے، عالمی برادری کیوں گنگ ہے؟ فلسطین میں اسرائیل کے مظالم نے انسانی حقوق کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ دنیا میں اسرائیل کا وجود دہشت گردی کی علامت بن چکا ہے۔ آج انسانی حقوق کے علمبردار کیوں خاموش ہیں؟

فلسطینیوں کے حق میں یوم احتجاج منانے سے ایک روز قبل ہی غزہ کی صورت حال پر وزیراعظم نواز شریف کی جانب سے یوم سوگ منانے کا اعلان کرنے کے ساتھ غزہ کے متاثرین کے لیے 10 لاکھ ڈالر امداد دینے کا بھی اعلان کیا تھا اور

پاکستان نے غزہ میں اسرائیلی جارحیت سے معصوم فلسطینیوں کی اموات پر شدید مذمت کی تھی۔ سیکرٹری خارجہ اعزاز احمد چودھری کا کہنا تھا کہ پاکستان فلسطینی کاز کی مکمل حمایت کرتا ہے، 1947 سے قیام پاکستان کے بعد ہم فلسطینی عوام کے حقوق کے ساتھ کھڑے ہیں، ہمارے پیش نظر قائداعظم محمد علی جناح کے خطاب کی سوچ بھی ہے، جس سے ہم رہنمائی حاصل کر رہے ہیں اور فلسطینی عوام کے ساتھ ہیں۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں بھی ہم نے اس موقف کو اٹھایا ہے اور ہم مطالبہ کرتے ہیں اسرائیلی جارحیت کو فوری طور پر بند کرکے غزہ سے اسرائیلی فوجیوں کو فوراً واپس بھیجا جائے، مذاکراتی عمل بحال کیا جائے، غزہ کا محاصرہ ختم کرکے سرحدوں کو کھولا جائے اور فلسطین کے قیدیوں کو رہا کیا جائے۔ خونریزی سے مسائل حل نہیں ہوتے، 67ء کی پوزیشن پر فلسطین ریاست قائم کی جانی چاہیے، جس کا دارالخلافہ بیت المقدس ہو۔ انھوں نے غزہ میں اسرائیلی بمباری اور زمینی فوج کی کارروائی کو غیر انسانی قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی اور اسرائیلی بمباری سے بے گناہ شہریوں خاص کر خواتین اور بچوں کی اموات پر تشویش کا اظہار کیا۔ انھوں نے کہا کہ اس کے علاوہ پاکستان نے اسلامی ممالک کی تنظیم اوآئی سی) اور دیگر ہم خیال ممالک سے کہا ہے کہ وہ غزہ میں فوری اور غیر مشروط) جنگ بندی کے لیے مشترکہ حکمت عملی کے تحت اسرائیلی افواج کے انخلا کے لیے دباؤ ڈالیں۔ واضح رہے کہ وزیر اعظم نواز شریف نے سعودی عرب کے ساحلی شہر جدہ میں سعودی فرمانروا شاہ

عبداللہ بن عبدالعزیز سے ملاقات کی ہے۔ دونوں رہنماؤں کے درمیان کوئی ایک گھنٹہ تک جاری رہنے والی ملاقات میں شاہ عبداللہ کے علاوہ دیگر اہم حکومتی عہدیداروں نے بھی شرکت کی۔ اس ملاقات میں بھی فلسطین پر جاری اسرائیلی جارحیت کا معاملہ زیر غور رہا۔ یہ خیال رہے کہ کئی روز سے درندہ صفت اسرائیل غزہ میں اپنی درندگی کا مظاہرہ کر رہا ہے، لیکن عالمی برادری کے ساتھ ساتھ عالم اسلام بھی خاموشی اختیار کیے ہوئے ہے، ان حالات میں پاکستان نے سرکاری سطح پر فلسطین کے حق میں یوم احتجاج منا کر ایک نہایت ہی قابل تعریف قدم اٹھایا ہے، اس سے پہلے ترکی حکومت بھی کھلے عام فلسطین کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتی رہی ہے۔

اسلام آباد میں فوج طلبی کا فیصلہ.... حکومت کی ناکامی؟

ایک ایسے وقت میں جب 14 اگست کو تحریک انصاف نے اسلام آباد میں لانگ مارچ کی تاریخ دے رکھی ہے، وفاقی حکومت نے وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کو تین ماہ کے لیے فوج کے حوالے کرنے کی منظوری دے ڈالی۔ وزیر داخلہ چودھری نثار خان نے کہا ہے کہ اسلام آباد میں آئین کے آرٹیکل 245 کی ریکوزیشن کردی گئی ہے، اس آرٹیکل کے تحت اسلام آباد فوج کے حوالے کردیا جائے گا، یکم اگست سے تین ماہ کے لیے فوج کو اختیارات دیے گئے ہیں۔ وزیر داخلہ کے مطابق پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کی لانگ مارچ سے متعلق ڈی سی اسلام آباد کو کوئی درخواست موصول نہیں ہوئی، درخواست موصول ہونے کے بعد اس پر فیصلہ کیا جائے گا۔ پی ٹی آئی کو احتجاج کی اجازت دینے کا فیصلہ وزیراعظم کی وطن واپسی پر ہوگا۔ اسلام آباد کو فوج کے حوالے کرنے کی منظوری دینے کے بعد وفاقی حکومت پر مختلف حلقوں کی جانب سے سخت تنقید کی جارہی ہے۔ قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف خورشید شاہ نے اسلام آباد میں فوجی طلبی کے حکومتی فیصلے پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ چودھری نثار کا اسلام آباد کو فوج کے حوالے کرنے کا بیان افسوسناک ہے، اس بیان سے وہ اپنی ناکامی کا اعتراف کررہے ہیں، جن لوگوں سے ایک شہر نہیں سنبھل سکتا، وہ ملک کیا سنبھالیں گے؟ عمران خان کو جلسہ کرنے سے روکا گیا تو جمہوریت کو

خطرہ لاحق ہوگا۔ سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کا کہنا تھا کہ 14 اگست کے آزادی مارچ سے قبل حکومت کو فوج طلب نہیں کرنی چاہیے تھی، موجودہ حالات میں فوج کو بلانا سیاست میں ملوث کرنے کے برابر ہے۔ حکمران پریشان نہ ہوں احتجاج کرنا سیاسی جماعتوں کا حق ہے۔ مارچ کے لیے فوج بلانے والے خود بھی تو لانگ مارچ کر چکے ہیں۔ پی پی پی کے ترجمان سینیٹر فرحت اللہ بابر کی جانب سے جاری کیے گئے بیان میں کہا گیا ہے کہ وفاقی دارالحکومت فوج کے حوالے کرنے سے عالمی سطح پر پاکستان میں سیکورٹی کی صورتحال کا درست تاثر نہیں جائے گا۔ پاکستان مسلم لیگ (ن) کی حکومت کا ہر معاملے میں سیکورٹی اسٹیبلشمنٹ کی طرف جھکاؤ نظر آتا ہے، اس فیصلے سے سول اور فوجی انتظامیہ میں تقسیم اختیارات میں مزید پیچیدگی آ جائے گی۔ فرحت اللہ بابر نے مسلم لیگ (ن) کو میثاق جمہوریت (چارٹر آف ڈیموکریسی) کی یاد دہانی کرواتے ہوئے کہا کہ میثاق جمہوریت کے آرٹیکل 32 سے 36 میں ان عوامل کا تذکرہ ملتا ہے، جس میں سول اور فوجی انتظامیہ میں تعلقات میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، اسلام آباد کو فوج کے حوالے کرنے سے غیر متوازن صورتحال مزید بگڑ جانے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ فرحت اللہ بابر کا مزید کہنا تھا کہ حکومتی فیصلے سے ملک اور عوام کے لیے سنگین نتائج سامنے آئیں گے، اس سے یہ مطلب بھی اخذ کیا جائے گا کہ سول انتظامیہ مکمل طور پر ناکام ہو گئی ہے، جبکہ اس کے ساتھ ساتھ ہائی کورٹ کا دائرہ اختیار بھی معطل ہو جائے گا، فیصلے فوجی عدالتوں میں ہوں گے۔

پاکستان پیپلز پارٹی نے ہمیشہ کراچی سمیت ملک کے کسی بھی حصے میں آرٹیکل 245 کے تحت سول انتظامیہ کے دائرہ اختیار میں فوج طلب کرنے کی مخالفت کی ہے۔ اسلام آباد کی صورتحال ملک کے دیگر علاقوں سے زیادہ خراب نہیں ہے، جس کے لیے عدالتی دائرہ اختیار سے باہر سیکورٹی اسٹیبلشمنٹ کو طلب کیا جائے۔ حکومت نے فوج کو طلب کرکے ناکامی کا ثبوت دیا ہے، اگر آرٹیکل 245 کے تحت آج اسلام آباد میں فوج طلب کی جارہی ہے تو کل کراچی، پشاور، کوئٹہ، لاہور حتی کہ پورا ملک فوج کے حوالے کیا جا سکتا ہے اور عملی طور پر ہائی کورٹس معطل ہو جائیں گی۔ ملک میں انسانی حقوق کی صورتحال پہلے ہی بہت خراب ہے، ایسے میں شہریوں کے لیے ہائی کورٹس کے دروازے بند ہونے پر صورتحال مزید بگڑ جائے گی۔

قانونی ماہرین کے مطابق سول انتظامیہ آئین کے آرٹیکل 245 کے تحت فوج کو طلب تو کر سکتی ہے، لیکن اسلام آباد میں آئین کے آرٹیکل 245کے تحت فوج کی طلبی کے بعد متعلقہ علاقوں میں بنیادی انسانی حقوق سے متعلق ہائیکورٹ کے اختیارات معطل ہو جائیں گے۔ آرٹیکل 245 میں واضح طور پر درج ہے کہ فوج کی طلبی سے متعلق وفاقی حکومت کی جاری شدہ کسی ہدایت کو کسی عدالت میں زیر اعتراض نہیں لایا جائے گا اور ہائیکورٹ کسی ایسے علاقے میں جہاں آرٹیکل 245 کے تحت مسلح افواج، شہری حکام کی مدد کے لیے کام کر رہی ہوں، آرٹیکل 199 کے

تحت کوئی اختیار سماعت استعمال نہیں کرے گی اور اگر ہائیکورٹ میں ایسی کوئی پٹیشن زیر سماعت بھی ہو تو فوج کی موجودگی تک اس پر عدالتی کارروائی معطل رہے گی۔ جہاں تک آرٹیکل 199 کا تعلق ہے، اس میں بھی ایسے تمام مقامات جہاں شہری نظم و نسق آرٹیکل 245 کے ذریعے مسلح افواج کے سپرد کیا جائے گا۔ عدالتی اختیارات کو محدود کیا گیا ہے۔ فوج کے احکامات کو عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکے گا اور عدالت کسی درخواست پر فوج کو کام کرنے سے روکنے کے لیے حکم امتناعی جاری نہیں کرسکے گی۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ آرٹیکل 245 کے نفاذ سے فوج کو اسلام آباد کی سیکورٹی کے لیے غیر معمولی اختیارات ملیں گے اور جب تک فوج 245 کے تحت تعینات رہے گی بنیادی شہری حقوق عملی طور پر معطل رہیں گے۔ واضح رہے کہ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ گورنر جنرل ملک غلام محمد نے 1935 کے ایکٹ کے تحت حاصل کردہ اختیار استعمال کرتے ہوئے سول انتظامیہ کی مدد کے لیے فوج طلب کرکے لاہور میں سول ایمرجنسی کا نفاذ کیا تھا، اس ایمرجنسی کے نفاذ کے پورے تین ماہ بعد ملک میں مارشل لا نافذ ہوگیا تھا۔ اب دوسری بار یکم اگست سے فوج کو ایک بار پھر اسی آرٹیکل کے تحت بلایا جارہا ہے۔ ذرائع کے مطابق وفاقی دارالحکومت میں فوج طلبی کا فیصلہ ایک ماہ قبل وزیراعظم کی زیر صدارت اجلاس میں کیا گیا تھا، جس کی وزیراعظم نواز شریف، بیشتر وفاقی وزرا سمیت مسلم لیگ ن کے کئی سینئر رہنماؤں نے مخالفت کی تھی، مگر چودھری نثار اور میاں شہباز شریف نے وزیراعظم کو اس حوالے سے قائل کیا۔

فوج کی دارالحکومت میں موجودگی کے حوالے سے حتمی حکمت عملی 14 اگست کے مارچ کے بعد تشکیل دی جائے گی۔ آزادی مارچ کے پرامن طور پر منتشر ہونے کی صورت میں آرٹیکل 245 کا شہر میں نفاذ ختم بھی کیا جاسکتا ہے۔ وگرنہ تاحکم ثانی برقرار رہے گا۔

تجزیہ کاروں کے مطابق وفاقی حکومت نے اسلام آباد میں سلامتی کی ذمہ داریاں فوج کو دینے کا یہ فیصلہ ایسے وقت میں کیا ہے جب حزب مخالف کی جماعت تحریک انصاف نے مئی 2013ء کے عام انتخابات میں مبینہ دھاندلی کے خلاف 14 اگست کو اسلام آباد میں ایک بڑی احتجاجی ریلی کا اعلان کر رکھا ہے، جس سے واضح ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کو عمران خان کی طرف سے کافی سیاسی دباؤ ہے، حکومت اسلام آباد میں فوج کو بلا کر یہ تاثر دینا چاہتی ہے کہ فوج حکومت کے ساتھ ہے، اس لیے کوئی حکومت کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔ اگرچہ تحریک انصاف کے مرکزی صدر جاوید ہاشمی کا کہنا ہے کہ حکومت کے اسلام آباد میں فوج کو طلب کرنے سے ان کے لانگ مارچ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، لیکن تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ اگر آرٹیکل 245 کا اطلاق رہا تو عمران کا جلسہ نہیں ہوسکے گا، کیونکہ لا اینڈ آرڈر متاثر ہونے کا اندیشہ ہے۔ عمران خان نے پہلے ہی اعلان کیا ہے وہ پارلیمنٹ اکھاڑنے جارہے ہیں۔ یہ امن و امان کا ایک سنجیدہ ایشو بن رہا ہے۔ یہ ایک منی مارشل لا ہے اور اسے کسی قانونی جواز کی ضرورت نہیں۔ اس کا مطلب

ہے کہ عدالت اس معاملے کو ہاتھ نہ لگائے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق اسلام آباد کو فوج کے حوالے کرنا سول انتظامیہ کی ناکامی ہے، اگر تین ماہ کے لیے شہر کو فوج کے حوالے کرنا ہے تو وہاں کی سول انتظامیہ کی تنخواہیں اتنے عرصے کے لیے بند کر دی جائیں۔ کیا یہ گورننس ہے کہ شہر نہیں چل رہا تو اسے فوج کے حوالے کر دیا جائے؟ اس کا مطلب ہے کہ سول گورننس پر حکومت کو شکوک ہیں کہ وہ تحفظ فراہم نہیں کر سکتی۔

کراچی: سمندر 50 زندگیاں نگل گیا....ذمے دار کون؟

ماہ مبارک کے روزوں کے بعد ڈھیروں ساری خوشیاں، مسرتوں اور الفتوں کا پیغام لے کر آنے والی عید الفطر جاتے جاتے سمندر کے کنارے بسے شہر کراچی کے باسیوں کے لیے غم، رقت آمیز مناظر، آہ و بکا اور بہت سے لاشے چھوڑ گئی ہے۔ کراچی میں عید الفطر کے موقع پر پکنک کے لیے جانے والے 50 افراد سمندر میں ڈوب کر اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اب تک کی اطلاعات کے مطابق ڈوبنے والے 50 افراد میں سے 36 افراد کی نعشوں کو نکال لیا گیا ہے، جبکہ بقیہ ڈوبنے والے افراد کی نعشوں کو نکالنے کے لیے سرچ آپریشن جاری ہے۔ سرچ آپریشن میں پاک بحریہ کے ہیلی کاپٹر، غوطہ خور اور اسپیڈ بوٹس حصہ لے رہی ہیں۔ ریسکیو حکام کے مطابق سمندر سے نکالی جانے والی نعشیں مسخ شدہ ہیں، اس لیے ان کی شناخت کپڑوں سے کی جارہی ہے۔ ذرائع کے مطابق ڈوبنے کے زیادہ واقعات عید کے دوسرے روز سی ویو، کلفٹن اور ہاکس بے پر پیش آئے۔ لاشیں ملنے پر رقت آمیز مناظر دیکھنے میں آئے۔ عید کی خوشیاں ماتم میں تبدیل ہوگئیں۔ موت کی اطلاع ملنے والے گھروں میں کہرام بپا ہوتا رہا۔ عید کے موقع پر شہر کے مختلف علاقوں سے ساحل سمندر پر تفریح کی غرض سے ہزاروں افراد سی ویو، کلفٹن، دو دریا، ہاکس بے، کیپ ماؤنٹ اور سنہرا پوائنٹ پر امڈ آئے، بیشتر افراد نے سمندر میں نہانے پر

پابندی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سمندر میں نہانے کا لطف اٹھایا۔ اس موقع پر کچھ منچلے سمندر کی بپھری ہوئی لہروں کی پروا کیے بغیر گہرے پانی کی طرف چلے گئے اور پھر ڈوبنے کے واقعات کا سلسلہ شروع ہو گیا، لیکن اس کے باوجود بھی نہ تو انتظامیہ کی جانب سے شہریوں کو روکنے کے سخت انتظامات کیے گئے اور نہ ہی منچلے سمندر میں نہانے سے باز آئے، بلکہ وہ سمندر کی بپھری لہروں میں جا گھسے اور پھر واپس نہ آئے۔ وزیر اعظم میاں نواز شریف نے سمندر میں نہانے کے دوران ہونے والی اموات کو انتظامیہ کی غفلت اور لاپرواہی کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے اس بارے میں صوبائی حکومت سے رپورٹ طلب کی اور انتظامیہ کو سی ویو پر مناسب انتظامات کرنے کے احکامات صادر کیے۔ جبکہ وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان کا کہنا ہے کہ کراچی کا سانحہ مجرمانہ غفلت ہے اور اس غفلت کے مرتکب افراد کو سخت سزا دی جائے۔ وزیر داخلہ نے سندھ کے چیف سیکرٹری سے رابطہ کرکے واقعے کی تحقیقات کی ہدایت کی ہے۔ جبکہ کمشنر کراچی شعیب صدیقی کا کہنا ہے کہ ساحل سمندر بہت طویل ہے اور انتظامیہ کی جانب سے پابندی کے باوجود لوگوں کو سمندر میں جانے سے روکنا ممکن نہیں ہے۔ سندھ حکومت نے سمندر میں ڈوب کر مرنے والوں کے ورثا کو فی کس دو دو لاکھ روپے معاوضہ دینے کا اعلان کیا ہے۔

مبصرین کے مطابق کراچی میں عید کے موقع پر اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کا

سمندری لہروں کی نذر ہوجانا انتہائی افسوس ناک بات ہے۔ اس سانحے میں شہریوں اور حکومت دونوں کی جانب سے غفلت کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ کراچی ایک ایسا شہر ہے، دیگر بہت سے مقامات کے ساتھ ساحل سمندر خاص طور پر اس کی وجہ شہرت ہے۔ صرف مقامی افراد ہی نہیں، بلکہ ملک بھر کے دیگر شہروں سے کراچی آنے والوں کی بھی پہلی خواہش ساحل سمندر کا نظارہ کرنا ہی ہوتی ہے اور جب عید جیسا تہوار ہو تو ہزاروں افراد خدا کی اس نعمت سے لطف اٹھانے کلفٹن، منوڑا، ہاکس بے اور پیراڈائز پوائنٹ کا رخ کرتے ہیں۔ اس بات کا حکومت اور ضلعی انتظامیہ کو بخوبی علم ہے۔ ان حقائق کے باوجود ہر سال حکومت اور انتظامیہ کی جانب سے حفاظتی انتظامات نہ ہونے کے برابر کیے جاتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ انتظامیہ کے نزدیک سی ویو صرف کمائی کا ذریعہ ہے، وہاں کے حفاظتی انتظامات اس کے ذمے ہی نہیں ہیں۔ سی ویو پر کروڑوں روپے کا ٹیکس لینے والے ادارے ذمہ داریوں سے کنی کتراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کراچی کے شہریوں کے لیے تفریح گاہ ساحل سمندر کا کلفٹن سے دو دریا تک ساحل کی تمام زمین کی دعوے دار ڈی ایچ اے ہے، جبکہ ساحل سمندر پر آنے والے لوگوں سے پارکنگ فیس کنٹونمنٹ بورڈ وصول کرتا ہے۔ پارکنگ فیس وصول کرنے کے لیے ساحل سمندر کا ایک بہت بڑا روڈ پارکنگ ایریا بنا کر بند کردیا گیا ہے۔ اس سڑک کے داخلی اور خارجی راستوں پر بیریئرز موجود ہیں اور وہاں پر تعینات عملہ ساحل سمندر میں داخل ہونے والی گاڑیوں سے کارکنگ فیس کی مد میں پرچی تھما دیتا ہے۔ ان کے علاوہ ساحل

سمندر پر انتظامیہ کے بہت سے کاروبار ہیں، جن کا پیسہ انتظامیہ کی جیب میں جاتا ہے۔ ساحل سمندر سے کروڑوں روپے کمائی کے باوجود کوئی بھی ادارہ ایسا نہیں ہے جو شہریوں کو اگاہ کرسکے کہ پانی میں کس حد تک جانا ہے اور اس کے بعد خطرہ ہے، کم از کم انتظامیہ کی جانب سے عوام کی رہنمائی کے لیے کوئی سائن بورڈ ہی لگادیا جائے، لیکن ہر سال سمندر میں لوگوں کے ڈوب جانے کے باوجود ایسا کچھ بھی نہیں کیا جاتا۔اس سے بھی بڑی نااہلی کی بات یہ ہے کہ ساحل سمندر پر کسی ناخوشگوار حالت سے نمٹنے کے لیے لائف گارڈز ہی متعین نہیں کیے گئے تھے،اتنے افراد سمندر کی لہروں کی نذر ہوگئے لیکن کہیں لائف گارڈز نظر نہ آئے۔ بلکہ ذرائع کے مطابق تو بلدیہ عظمیٰ کراچی اور محکمہ میونسپل سروسز کے افسران کی ملی بھگت سے ساحل سمندر پر شہریوں کی جان بچانے والا عملہ گھر بیٹھے تنخواہیں وصول کررہا ہے، اسٹیشن آفیسر نے رشوت لے کر پورے عملے کو رخصت دے رکھی ہے۔ لہٰذا سمندر میں ڈوب کر مرنے والوں کے اہلخانہ اعلیٰ حکام سے سوال کرتے ہیں کہ ان کے پیاروں کی ہلاکت کا ذمے دار کون ہے؟ انتظامیہ سی ویو پر آنے والوں سے معاوضہ تو وصول کرتی ہے، حفاظت کے لیے ٹھوس اقدامات کیوں نہیں کیے جاتے، انتظامیہ کی اس نااہلی کا خمیازہ شہریوں کو اپنی جانیں گنوا کر برداشت کرنا پڑتا ہے۔ انتظامیہ کی کاہلی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ذرائع کے مطابق حکومت عید الفطر کے موقع پر سمندر میں نہانے پر پابندی سے متعلق نوٹیفکیشن جاری کرنا ہی بھول

گئی تھی،جب سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہونے والوں کی تعداد بڑھی تو کمشنر کراچی کو دفعہ 144 کے نفاذ کے نوٹیفکیشن جاری کرنے کا خیال آیا، جس پر انہوں نے اپنے ماتحت عملے کو فوری طور پر نوٹیفکیشن جاری کرنے کا حکم صادر کیا۔ جبکہ دوسری جانب ذرائع کے مطابق محکمہ داخلہ سندھ نے سمندر میں نہانے پر پابندی 13 جون سے 13 جولائی تک ایک ماہ کے لیے عاید کی تھی، پابندی ختم ہونے کے بعد اس میں توسیع کا کوئی نوٹس نہیں ملا۔

مبصرین کے مطابق سانحہ کراچی دل دکھا دینے والا ہے، لیکن اس سے بہت سی خامیاں اور کوتاہیاں واضح ہو گئی ہیں، پاکستان میں حکومتیں اختیارات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پابندیاں تو عاید کر دیتی ہیں، لیکن ان پر عملدرآمد کرانا بھول جاتی ہیں۔ کراچی کے ساحل پر یہ حادثہ پہلا نہیں ہے، ماضی میں بھی ایسے حادثات ہوتے رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود ساحلوں پر فول پروف حفاظتی اقدامات نہیں کیے گئے اور نہ ہی عوام میں شعور بیدار کرنے کے لیے کوئی مہم چلائی گئی۔ متعلقہ حکام کو کم از کم اس حادثے کے بعد ہی ہوش کے ناخن لینے چاہئیں، تاکہ مستقبل میں ایسے حادثات سے بچا جاسکے۔ اگر دنیا کے دیگر ممالک کی بات کی جائے تو وہاں یہ صورتحال پیدا نہیں ہوتی، سمندر میں طغیانی وہاں بھی آتی ہے، لیکن حفاظتی اقدامات ایسے ہوتے ہیں کہ حادثات کی شرح انتہائی کم ہوتی ہے، بلکہ ان مقامات پر تفریحی سہولتوں کی فراہمی کو

مزید بہتر بنایا جاتا ہے اور کسی ممکنہ حادثے کے پیش نظر لائف گارڈز کی تعداد بڑھا دی جاتی ہے۔ یورپ کی تو بات ہی کیا ہے، متحدہ عرب امارات کے ساحلوں پر بھی نہ صرف لائف گارڈز کی سہولت میسر ہے، بلکہ صفائی ستھرائی کا بھی خاص انتظام کیا جاتا ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ سمندر میں ڈوب کر مرنے والوں کی ساری ذمہ داری صرف حکومت اور انتظامیہ پر ہی نہیں ڈالی جاسکتی، بلکہ اس میں سمندر میں نہانے والوں کا بھی قصور ہے۔ انتظامیہ کے مطابق سندھ حکومت نے کسی بھی ناخوشگوار واقعے سے نمٹنے کے لیے ساحل سمندر پر دفعہ 144 نافذ کی تھی، لیکن چڑھتے سمندر کی طغیانی کے پیش نظر نہانے پر پابندی عاید کیے جانے کے بعد بھی تفریح پر آنے والی فیملیز نے پابندی کو درخور اعتنا نہ سمجھا، عوام کی طرف سے یہ بھی لاپرواہی دیکھنے میں آئی کہ جب گارڈز پکنک منانے آئے لوگوں کو خطرناک پوائنٹ سے دور ہٹا دیتے تو گارڈز کے جانے کے بعد وہی فیملیز واپس ان جگہوں کا رخ کرلیتیں۔ عوام کے اس طرز عمل کا نتیجہ المناک سانحے کی شکل میں نکلا۔ منچلے اپنی گاڑیوں سمیت سمندر میں اتنی دور تک جا گھسے جہاں سے نکلنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک انتظامیہ اور عوام دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کریں اس وقت تک کسی بھی حادثے پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے۔ حالیہ حادثے میں عوام اور انتظامیہ دونوں ذمے دار ہیں۔

یہ عالم اسلام کیا ہوتا ہے ! !

غزہ میں آٹھ جولائی سے شروع ہونے والی اسرائیلی درندگی کے بعد تواتر کے ساتھ جو لفظ سنا، لکھا اور پڑھا جا رہا ہے، وہ ہے عالم اسلام۔ گزشتہ تین ہفتوں میں ہم یہ لفظ جتنی بار سن چکے ہیں، اتنی بار تو شاید گرمیوں میں لوڈ شیڈنگ کے دوران حکومت اور حکمرانوں کو گالیاں بھی نہ پڑتی ہوں۔ "مجاہدین سوشل میڈیا" عالم اسلام کی بے حسی کی نشاندہی کرتے ہوئے مسلسل بڑی محنت اور لگن کے ساتھ اس کو بیدار کرنے میں مگن ہیں اور اس کے ساتھ مختلف تنظیموں کے رہنما بار بار عالم اسلام کو بیداری، اتحاد اور جرات کی تلقین کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ " فلسطین کو صہیونیت کے پنجے سے آزاد کرانا عالم اسلام کی اولین ذمہ داری ہے، مظلوم فلسطینی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں عالم اسلام کو دیکھ رہی ہیں کہ شاید وہ بیدار ہو کر ہم پر مظالم کے پہاڑ توڑنے والے اسرائیل کو روک دے، شاید عالم اسلام ہماری بستیوں کو ملیامیٹ کرکے ہمیں لاشوں کے تحفے دینے والے اسرائیل کا حساب چکتا کردے۔ لہٰذا عالم اسلام مشترکہ کوششوں، اسلحہ اور فوج کے ساتھ اسرائیل کے خلاف ڈٹ جائے۔" افغانستان میں طویل عرصے سے امریکا و نیٹو افواج سے برسرپیکار ملا محمد عمر نے بھی اپنے تازہ بیان میں فلسطین پر صیہونی جارحیت کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ مظلوم فلسطینیوں پر اسرائیل کی ظالمانہ

کارروائیوں پر عالم اسلام کا خاموشی اختیار کرنا انتہائی بے انصافی ہے۔ ان مظالم کی روک تھام کے لیے عالم اسلام کو عملی اقدامات کرنا ہوں گے۔ اس سب کچھ کے باوجود نہ تو ابھی تک ہمیں کہیں دور دور ہی سہی، عالم اسلام کے عملی اقدامات دکھائی دیے اور نہ ہی عالم اسلام کی بیداری کے آثار نظر آئے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ عالم اسلام سے عملی اقدامات کی اپیلوں کا معاملہ کوئی نیا نہیں ہے، بلکہ بچپن سے ہم اسی طرح سنتے چلے آئے ہیں۔ پہلی کلاس سے ماسٹر تک پہنچتے پہنچتے بلامبالغہ لاکھوں نہیں تو ہزاروں بار ضرور مسلمانوں کو عالم اسلام سے عملی اقدامات کی اپیل کرتے سنا ہوگا۔

کچھ یاد پڑتا ہے کہ ہم نے پہلی بار پہلی کلاس میں عالم اسلام کا لفظ سنا تھا۔ دنیا میں مسلمانوں کے حوالے سے کہیں کوئی معاملہ پیش آتا تو لوگوں سے سنتے کہ عالم اسلام کو اس معاملے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے، اس معاملے کا نوٹس لینا چاہیے، اس معاملے کو سنجیدگی سے لینا چاہیے، عالم اسلام کو ہر حال میں مسلمانوں پر ہونے والا ظلم رکوانا چاہیے اور اس کے ساتھ اکثر و بیشتر یہ بھی سنتے کہ موجودہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے عالم اسلام کا بیدار ہونا ضروری ہے۔ ہم چونکہ ابھی بچے تھے اور یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ عالم اسلام ہے کیا شے، بار بار جس کا تذکرہ کیا جاتا ہے، اس لیے خود ہی اندازہ لگاتے کہ عالم اسلام ضرور کوئی دبنگ شخصیت ہے، جو بہت زیادہ پاؤر فل

اور پہلوان قسم کی ہوگی، سب اس سے ڈرتے ہوں گے، تبھی تو بار بار عالم اسلام سے نوٹس لینے کی فریاد کی جاتی ہے۔ ان دنوں اسکول میں ہمارے ایک لمبے تڑنگے استاد تھے، جن کے ہاتھ میں ہمارے قد سے بھی بڑھا سوٹا ہوتا تھا، جس کو وہ جب گھماتے تو بچوں کے اوسان خطا ہو جاتے۔ اگر کسی بچے کو لڑتے جھگڑتے دیکھ لیتے تو بس پھر لڑنے والے دونوں بچوں کی ایسی دھلائی کرتے کہ ان کو نانی اور نانا دونوں یاد آ جاتے۔ بچے ان استاد صاحب سے اس طرح ڈرتے تھے، جس طرح چوہا بلی سے خوف کھاتا ہے اور اسرائیلی لوگ موت سے ڈرتے ہیں۔ اپنی معصومانہ اور بچگانہ سوچ میں ہم یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ عالم اسلام ضرور ہمارے استاد کی طرح کا کوئی لمبا تڑنگا ہوگا۔ پھر ایک دور وہ بھی آیا کہ جب ہم نے اپنی جیب خرچ سے مختلف قسم کی کہانیاں خرید کر پڑھنا شروع کیں، جن میں "ٹارزن" اور "سپر مین" کی کہانیاں سر فہرست تھیں۔ "ٹارزن" اکیلا ہی جنگلات میں مختلف بڑے بڑے اور خطرناک جانوروں اور اچانک نمودار ہونے والی ماورائی مخلوقات کے ساتھ لڑتا ہے اور شیر، چیتا، ہاتھی اور دیگر جانوروں کو اکیلا ہی سبق سکھا دیتا ہے، بڑی بڑی اور مشکل مہمات سر کرنا اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ جبکہ "سپر مین" بھی اسی طرح کا ایک دبنگ قسم کا کردار تھا، جو ہر ایک کے ساتھ لڑ کر فتح حاصل کر لیتا ہے، بڑے سے بڑے محاذ پر بھی کوئی طاقت "سپر مین" کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہم جب اس قسم کی کہانیاں پڑھتے تو خیال کرتے کہ عالم اسلام شاید ٹارزن" اور "سپر مین" کی طرح کے جنگجو اور"

طاقتور بندے ہوں گے۔ ایک زمانے میں ہم عالم اسلام کو سلطان راہی ٹائپ کا کوئی ہیرو خیال کرنے لگے تھے، کیونکہ فلموں میں اس کا گنڈاسا سیکڑوں غنڈوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ وہ اپنی ماں کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے "ولایت" سے گھوڑے کو دوڑا کر پی آئی اے جہاز سے بھی جلدی پاکستان اپنی ماں کی مدد کے لیے پہنچ جاتا ہے۔

عالم اسلام کے حوالے سے ہمارے تمام اندازے تو اسی وقت غلط ثابت ہوئے جب ایک بار خود ہی استاد صاحب نے عالم اسلام کی وضاحت کی، لیکن بعد میں بڑی کلاسوں میں جا کر معلوم ہوا کہ واقعی عالم اسلام بہت بڑی طاقت کا نام ہے۔ دنیا میں عالم اسلام کی آبادی 1.62 ارب کے لگ بھگ ہے، جو پوری دنیا کی کل آبادی کا تقریباً 23 فیصد ہے اور اس کے ساتھ دنیا کے کل رقبے میں 21.7 فیصد رقبہ عالم اسلام کے پاس ہے۔ عالم اسلام کے ممالک کی تعداد پانچ درجن کے قریب ہے، جن میں ترکی، سعودی عرب، ایران، انڈونیشیا، قطر، عمان، ملائیشیا، پاکستان، برونائی دارالسلام اور کویت جیسے بے بہا وسائل سے مالامال ممالک شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کو بے شمار نعمتوں، بے پناہ قدرتی وسائل اور متنوع انسانی وسائل سے نوازا ہے۔ عالم اسلام کی نمائندہ تنظیم او آئی سی اقوام متحدہ کے بعد دنیا کی سب سے بڑی اور نمائندہ تنظیم ہے، لیکن میں جب کئی روز سے فلسطین پر جاری صیہونی درندگی پر تمام وسائل، افواج اور قوت و

طاقت کے باوجود عالم اسلام کی مجرمانہ خاموشی کو دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ عالم اسلام سے تو ہمارے بچپن کے سلطان راہی، ٹارزن اور سپرمین ہی بہتر تھے، جو اکیلے ہی اپنے دشمن کا مقابلہ کر لیتے تھے، لیکن یہاں پانچ درجن مسلم ممالک میں بستے ڈیڑھ ارب سے زاید مسلمان ایک چھوٹی سی صیہونی ریاست کے ہاتھوں اپنے فلسطینی مسلمان بھائیوں کو چھٹکارا نہیں دلا سکتے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "دنیا کے تمام مسلمان ایک انسانی جسم کی مانند ہیں، اگر جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہو تو پورا جسم بے چین ہو جاتا ہے۔" اسی طرح دنیا میں کسی مسلمان کو تکلیف پہنچنے سے تمام عالم اسلام کو بے چین ہو جانا چاہیے، لیکن عالم اسلام کی بے حسی کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ عالم اسلام کسی کا دکھ محسوس کرنے والی حس سے ہی محروم ہو چکا ہے، جس کو اپنے مسلمان بھائیوں پر صیہونیوں کی جانب سے ڈھائے جانے والے مظالم کا رتی بھر بھی احساس نہیں ہے۔

کراچی: بارش نے حکومتی دعوؤں کی قلعی کھول دی

چند روز سے ملک کے مختلف حصوں میں طوفانی بارشوں کا سلسلہ جاری ہے۔ جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب بھی ملک کے بیشتر علاقوں میں کہیں کم اور کہیں زیادہ بارش ہوئی۔ سب سے زیادہ بارش گوجرانوالہ میں 63 ملی میٹر ریکارڈ کی گئی۔ کراچی صدر 39، فیصل آباد 15، مالم جبہ 34، بدین 23، قصور 20، پاراچنار 19، سبی، سیالکوٹ میں 17 ملی میٹر بارش ہوئی، مظفر آباد 13، مری، بالاکوٹ 12، منگلا 11، شہید بینظیر آباد، میرپور خاص 09، چکوال 08، چھور، ایبٹ آباد میں 7 ملی میٹر بارش ہوئی۔ راولاکوٹ 06، ٹھٹھہ، لاہور، جہلم 04، رسالپور 03، گجرات، کوٹلی 02 ملی میٹر بارش ریکارڈ کی گئی۔ تمام شہروں میں بارش کے باعث عوام کا کافی حد تک ناقابل تلافی نقصان بھی ہوا۔ بارش کے بعد تقریباً پورے ملک میں ہی حکومت کی نااہلی و کاہلی کھل کر سامنے آئی، لیکن ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی میں تو بارش ہونے پر یوں معلوم ہوا جیسے حکومت نام کی کوئی چیز کراچی میں کبھی تھی ہی نہیں۔ جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب کراچی میں ہونے والی مون سون کی پہلی بارش نے ہی انتظامیہ کی کارکردگی کا پول کھول کر رکھ دیا۔ کراچی کے مختلف علاقوں میں بارش کے باعث 11 افراد جاں بحق ہوئے اور طوفانی بارش کے نتیجے میں آئی آئی چندریگر روڈ، گلشن اقبال،

ملیر، ایئرپورٹ، لیاری اور اطراف کے علاقوں کی سڑکیں ندی نالوں کا منظر پیش کرنے لگیں۔ بارش کے باعث کے الیکٹرک کے کئی فیڈر جواب دے گئے، جس سے شہر کے بیشتر علاقے تاریکی میں ڈوب گئے، کراچی میں بارش کے بعد کے۔ الیکٹرک کے بیس گرڈ اسٹیشن نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ ترجمان کے الیکٹرک کے مطابق کراچی میں 1375 فیڈرز کام کرتے ہیں، جن میں سے صرف 100 فیڈرز نے ٹرپ کیا۔ صرف 39 ملی میٹر بارش سے نظام زندگی مفلوج ہوگیا۔ شہر کے مختلف علاقوں، مرکزی شاہراہوں اور بازاروں کے باہر برساتی پانی جمع ہوگیا۔ مختلف علاقوں میں گٹر ابل پڑے، نشیبی علاقے زیر آب آ گئے۔ صفائی کے ناقص انتظامات اور شہر میں جا بجا بکھرے کچرے کے باعث سخت بدبو اور تعفن پھیل گیا۔ سڑکوں پر پانی اور کیچڑ کے باعث گاڑیاں خراب ہو گئیں، جبکہ موٹر سائیکل سوار پھسل کر زخمی بھی ہوئے، بارش کے بعد کے ایم سی اور ڈی ایم سیز کے افسران و عملہ سڑکوں سے غائب رہا اور شہریوں کو شدید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ شہریوں کا انتظامیہ کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہنا تھا کہ ان کی نا اہلی ہے کہ شہر میں جگہ جگہ پانی کھڑا ہونے کے باعث لوگوں کو پریشانیوں کا سامنا ہے۔

تجزیہ کاروں کے مطابق گزشتہ چار برسوں سے کراچی میں منتخب شہری حکومت نہ ہونے کے باعث پورے شہر کا انفرااسٹرکچر تباہی کا شکار ہے، کراچی شہر کی ذمہ داری کس پر ہے؟ یہ وہ سوال ہے جو شہر کراچی کے باسی ایک دوسرے سے

پوچھتے ہیں، لیکن اس کا جواب تا حال کسی نے نہیں دیا۔ ملک اور سندھ کی دو بڑی سیاسی جماعتیں اس وقت سندھ حکومت میں شامل ہیں اور اس کے باوجود کراچی میں ترقیاتی کاموں کا نہ ہونا، بجلی اور پانی کی عدم دستیابی ایک بڑا سوالیہ نشان ہے۔ کراچی میں بسنے والا ہر شہری، سیاسی جماعتیں، مذہبی جماعتیں، غیر سرکاری تنظیمیں سب کراچی کو اپنا شہر مانتی ہیں، لیکن شہر کی ترقی میں ان اداروں کا کردار نظر نہیں آتا۔ جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب کراچی میں مون سون کی ہونے والی پہلی بارش نے کراچی کی صورتحال کو جس طرح واضح کیا ہے، وہ صاحب ارباب کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے، صرف ملی میٹر بارش نے جہاں بجلی کے نظام کو تباہ کر دیا تو وہیں 11 افراد کراچی کی 39 انتظامیہ کی غفلت کے باعث اپنی قیمتی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ بارش کے بعد شہر بھر کی سڑکیں کھنڈر کا نظارہ پیش کر رہی ہیں، کیونکہ فروری 2014ء میں منتخب شہری حکومت کے خاتمے کے بعد سے اب تک کوئی شہری حکومت عمل میں نہ آ سکی۔ موجودہ صوبائی حکومت بلدیاتی الیکشن کرانے کے لیے تیار نہیں، جس کے باعث کراچی کا کوئی پرسان حال نہیں۔ کراچی کے نظام کو چلانے کے لیے شہر میں کمشنر بھی ہیں اور ایڈمنسٹریٹر بھی، لیکن یہ کیا کام کر رہے ہیں، وہ کہیں نظر نہیں آتا۔ بارش کے بعد شہر کے بیشتر علاقوں میں پانی جمع ہے اور کچرا نہ اٹھائے جانے کے باعث جگہ جگہ کیچڑ کی بھرمار ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ کراچی میں کوئی انفرااسٹرکچر موجود نہیں۔ پورا انفرااسٹرکچر موجود ہے،

لیکن اس کو چلانے والی منتخب حکومت دستیاب نہیں، اس لیے کوئی کام کرنا ہی نہیں چاہتا۔ عوام شکایت کریں تو کس سے۔ کمشنر کراچی اور ایڈمنسٹریٹر کی کارکردگی صرف اخبارات میں بیانات کی حد تک ہی نظر آتی ہے۔ وزیر بلدیات کی جانب سے کراچی میں بلدیاتی نظام کو بہتر بنانے کے لیے کوئی نمایاں اقدامات نہیں کیے گئے۔ سابقہ شہری حکومت جو 24 فروری 2014ء کو اپنی مدت پوری کرکے چلی گئی، اس کے بعد سے کراچی میں نہ صرف ترقیاتی کام سست روی کا شکار ہوئے، بلکہ جو ترقیاتی کام سابق سٹی ناظم کرکے گئے تھے، وہ بھی مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کے باعث تباہی کا شکار ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ کراچی میں انتظامیہ کا کہیں مثبت کردار نظر نہیں آتا۔ جب بھی بارش ہوتی ہے پورا نظام ہی درہم برہم ہوجاتا ہے۔ ایک تو بارش کے پہلے قطرے کے ساتھ ہی بجلی کا سسٹم جواب دے دیتا ہے اور پورا کراچی اندھیرے میں ڈوب جاتا ہے، جبکہ دوسری جانب ہر جگہ پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔ پورا شہر تعفن زدہ ہوجاتا ہے، جگہ جگہ کچرے کے ڈھیر اس تعفن میں مزید اضافہ کرتے ہیں، انتظامیہ ان ڈھیروں کا اٹھانے کا انتظام بھی نہیں کرسکتی۔ کراچی کی انتظامیہ اتنی بے بس نظر آتی ہے کہ اکثر گندے نالوں پر قبضہ مافیا کنٹرول کیے ہوئے ہے ں، لیکن حکومت ان نالوں سے قبضہ نہیں چھڑوا سکتی یا چھڑوانا نہیں چاہتی۔ گندے نالوں پر سے قبضہ چھڑوانے کے لیے حکومت اخبارات میں لاکھوں روپے صرف کرکے اشتہارات دیتی ہے، لیکن خود سے قبضہ چھڑوانے کی سکت نہیں رکھتی ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ فوری

گندے نالوں پر ہونے والے قبضے کو چھڑوائے، بصورت دیگر مستقبل میں کسی بڑی آفت کا پیش خیمہ بھی بن سکتے ہیں، کیونکہ اب وقت کے ساتھ ساتھ موسمی تبدیلیوں کی وجہ سے بارشوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے، اس لیے اگر حکومت گندے نالوں پر کنٹرول حاصل کر کے پانی کی روانی میں بہتری نہ لائی تو بہت زیادہ نقصان ہو سکتا ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کسی بھی ملک میں بارشیں اچانک نہیں آتیں، بلکہ یہ ایسا موسمیاتی عمل ہے جو ہر سال پیش آتا ہے اور صدیوں سے یہ عمل جاری وساری ہے۔ ہر سال دنیا بھر کی طرح پاکستان میں بھی بارشیں ہوتی ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اچانک آنے والی قدرتی آفت ہے۔ پاکستان میں برسر اقتدار آنے والی حکومتیں اگر موسمی تغیر، بارشوں اور سیلاب کے سالانہ ریکارڈ کو سامنے رکھ کر اقدامات کریں تو یہ موسم زحمت اور تباہی کی بجائے رحمت میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ ہر سال ہونے والی بارشوں کے بے پناہ پانی کو محفوظ کرنے اور اسے خشک سالی کے موسم کے لیے ذخیرہ کرنے کے لیے بہتر منصوبہ بنایا جاسکتا ہے۔ دوسرے کئی ممالک میں اس حوالے سے جدید ترین اسٹیٹ آف دی آرٹ نظام وضع کیے جاچکے ہیں۔ پاکستان میں جتنی بارشیں ہوتی ہیں، دنیا میں کئی ملکوں میں اس سے کئی گنا زیادہ بارشیں ہوتی ہیں، لیکن ان حکومتوں نے ایسے اقدامات کیے ہیں جس سے نقصان نہیں ہوتا۔ پاکستان ان ملکوں میں شامل ہے جہاں ہر سال بارشوں اور سیلاب سے قیمتی جانوں کا بھی

نقصان ہوتا ہے اور شہروں میں بارشوں کے باعث معمولات زندگی معطل ہو جاتی ہے، گلیاں ندی نالوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، سیوریج سسٹم بیٹھ جاتا ہے اور گندے نالے ابلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ سڑکوں پر لگے سائن بورڈ اور بجلی کے پول اکھڑ جاتے ہیں، جس سے جگہ جگہ بجلی کی تاروں کا جال بچھا دکھائی دیتا ہے اور اس سے بہت زیادہ جانی نقصان بھی ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ حکومتی نا اہلی کے زمرے میں آتا ہے۔ اگر حکومت عوامی اداروں کو مضبوط کرے تو ایسی صورت حال پیدا نہ ہو۔

حکومت مخالف احتجاج .... جمہوریت کی بساط لپٹ سکتی ہے؟

ملک میں سیاسی آگ کے شعلے دن بدن بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے ہیں، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعلے ہر چیز جلا کر خاکستر کر دیں گے۔ حکومت کے گرد گھیرا تنگ کرنے کے لیے عمران خان اور ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنے ممکنہ احتجاجی پروگراموں کے پتے شو کرنا شروع کر دیے ہیں۔ تحریک انصاف کے کارکنان اپنے قائد کی سربراہی میں چودہ اگست کو حکومت کو ملیامیٹ کرنے اسلام آباد جا رہے ہیں۔ چیئرمین تحریک انصاف عمران خان کا کہنا ہے کہ 14 اگست کو شریف خاندان کی بادشاہت ختم کرنے کے لیے نکلیں گے، رکاوٹیں ڈالنے کا انجام بہت برا ہوگا، اگر مجھے نظر بند کرنے کی کوشش کی گئی تو پورا پاکستان بند کر دیں گے، نیا پاکستان بنانے تک وفاقی دارالحکومت سے نہیں اٹھیں گے۔ ملکی تاریخ کا سب سے بڑا سیلاب اسلام آباد آ رہا ہے، جسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ جبکہ پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری نے 10 اگست کو ماڈل ٹاؤن لاہور میں یوم شہدا منانے کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ انقلاب پتھر پر لکیر ہے، اگست ختم ہونے سے پہلے حکومت ختم ہو جائے گی، اگر دس اگست کو ہمارے خلاف کوئی کریک ڈاؤن ہوا تو یوم شہدا ماڈل ٹاؤن کی بجائے جاتی امراء کے محل میں منائیں گے۔ طاہر القادری نے اپنے کارکنوں کو

ہدایت کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ کارکن حملہ کرنے والے پولیس اہلکاروں کی لسٹیں تیار کریں، جتھہ بنا کر حملہ کرنے والے اہلکاروں کے گھروں میں گھس جائیں۔ حکومت مخالفت ٹیم میں شامل مسلم لیگ (ق) کے صدر چودھری شجاعت حسین بھی حکومت کو دھمکی دیتے ہوئے کہہ چکے ہیں کہ (ن) لیگ کے اقتدار کے خاتمے کے لیے الٹی گنتی شروع ہو چکی ہے، ملک میں انقلاب کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ جبکہ عمران خان کے خاص اتحادی شیخ رشید کا کہنا ہے کہ خدشہ ہے کہ اگر ملک کے حالات خراب ہوئے تو فوج مداخلت کر سکتی اور 1999 کی فلم دوبارہ چل سکتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ فوج 14 اگست سے پہلے ہی کوئی قدم اٹھالے۔ 14 اگست کے بعد یا اپوزیشن جماعتوں کی سیاست دفن ہونے جا رہی ہے یا نواز شریف کی، لانگ مارچ کے بعد یا نواز شریف زیادہ طاقتور ہو جائیں گے یا گھر چلے جائیں گے۔

دوسری جانب وزیراعظم نواز شریف نے کہا ہے کہ ا±ن کی حکومت کو کسی احتجاج یا لانگ مارچ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ سیاسی مسائل مظاہروں یا مارچوں کے ذریعے نہیں، بلکہ مذاکرات اور مفاہمت سے حل ہوتے ہیں۔ بعض عناصر احتجاج کا راستہ اپناتے ہوئے تشدد اور لاقانونیت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ "دو انقلابیوں" کے احتجاج کے حوالے سے وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات پرویز رشید نے کہا ہے کہ عمران خان یوٹرن کے بادشاہ ہیں، عمران خان کو 11 مئی کو ناکامی ہوئی، 14 اگست

کو بھی ناکامی ہوگی، عمران خان کے ارکان اسمبلی نے پہلی بار اسمبلیاں دیکھی ہیں، انہوں نے اگر استعفے مانگے تو ان کی پارٹی میں بغاوت پیدا ہو جائے گی۔ جبکہ طاہر القادری کی دھمکیاں کنٹینر والی گیدڑ بھبھکیاں ہیں۔ انقلاب کی سیاست اب آخری سانسیں لے رہی ہے۔ چودھریوں کے کندھے پر فساد کی سیاست کرنے والا کینیڈا بھاگنے والا ہے۔ قومی اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ نے کہا ہے کہ عمران خان کے مارچ سے حکومت نہیں جائے گی، وزیراعظم نواز شریف کو خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے، عمران خان اور طاہر القادری کو توڑ پھوڑ کی بجائے بیٹھ کر احتجاج کرنا چاہیے، پیپلز پارٹی جمہوریت کے خلاف سازشوں کو ناکام بنانے کی کوشش کرے گی، کیونکہ اس نے ہمیشہ ہی آمریت کے خلاف لازوال قربانیاں پیش کی ہیں۔ سربراہ جے یو آئی مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ دھرنوں اور احتجاجوں کے ذریعے تبدیلی کی بات کرنے والے ملک میں انار کی پھیلانا چاہتے ہیں، حکومت کو ان مٹھی بھر لوگوں سے پریشان ہو کر بلیک میل نہیں ہونا چاہیے۔ تحریک انصاف صوبہ کے پی کے میں اپنے انتخابی وعدے پورے کرنے میں بری طرح ناکامی کی خفت مٹانے کے لیے مرکزی حکومت پر الزامات لگا رہی ہے۔

تجزیہ کاروں کے مطابق اگرچہ حکومت مخالف جماعتیں حکومت کو گرانے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں، لیکن ان کی ان کوششوں سے وہ کچھ ہونے والا

نہیں ہے، جو وہ کرنا چاہتی ہیں۔ حکومت بھی بیدار مغزی کے ساتھ مخالفین کے احتجاج پر توجہ مرکوز کیے ہوئے ہے۔ حکومت اس احتجاج سے نمٹنے کی بھرپور تیاری کر چکی ہے۔ ذرائع کے مطابق ایک طرف تو حکومت نے فوج کی مشاورت سے اسلام آباد کو فوج کے حوالے کیا ہے، جس سے یہ بات سامنے آ چکی ہے کہ فوج حکومت مخالفین کی حمایت نہیں کرے گی، بلکہ وہ حکومت کا ساتھ دے گی۔اس لیے اسلام آباد میں فوج کے ہوتے ہوئے حکومت مخالفین کوئی بڑا قدم نہیں اٹھا سکتے، یہ واضح ہوجانا چاہیے کہ 14 اگست کو کچھ بڑا نہیں ہونے جارہا۔ اس کے علاوہ حکومت نے اسلام آباد میں ہونے والے احتجاج کو کمزور کرنے کے لیے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے عمران خان اور ڈاکٹر طاہر القادری کو یکجا نہیں ہونے دیا۔ حکومت کی گزشتہ کئی دنوں سے جاری عمران خان اور ڈاکٹر طاہر القادری کے متحد نہ ہونے کی کوششیں کامیاب ہوچکی ہیں۔ دوسری جانب عوامی تحریک کی جارحانہ پالیسی کی وجہ سے عوامی تحریک میں پھوٹ پڑنا شروع ہوگئی ہے۔ عوامی تحریک راولپنڈی کے 5 ضلعی عہدیداران نے استعفیٰ دے دیا۔ مستعفی ہونے والے عہدیداران نے کہا ہے کہ طاہر القادری نے عوامی تحریک کو تشدد کی طرف گامزن کر دیا ہے، دھوکہ دیا جارہا ہے۔ پہلے نعرہ تھا کہ گردنیں کاٹیں گے، انقلاب لائیں گے اور اب گردنیں اڑائیں گے، انقلاب لائیں گے کے نعرے سے متفق نہیں۔

تجزیہ کاروں کے مطابق تحریک انصاف بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہوتی دکھائی نہیں دے رہی، کیونکہ ایک طرف تو یہ بات ممکن ہوتی معلوم نہیں ہوتی کہ تحریک انصاف استعفے دینے کی دھمکی پر عمل کر دکھائے گی، کیونکہ تحریک انصاف کے استعفے دینے سے متفق نظر نہیں آتے، دوسری جانب وفاقی حکومت نے بھی عمران خان کی جانب سے اعلان کردہ آزادی مارچ کے جواب میں تحریک انصاف کی صوبائی حکومت کو ٹف ٹائم دینے کا فیصلہ کر لیا ہے، مسلم لیگ ن نے وزیراعلیٰ خیبر پختونخوا کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کرنے کی تیاری کر لی ہے، صوبے میں اپوزیشن جماعتوں سے رابطے مکمل کر لیے گئے ہیں۔ گورنر سردار مہتاب کو خصوصی ٹاسک دے دیا گیا ہے، تحریک عدم اعتماد پیش کرنے کا مقصد صوبائی اسمبلی کی تحلیل کو روکنا ہے، تحریک کی کامیابی کے لیے صرف آٹھ ارکان کی حمایت درکار ہے۔ جبکہ امیر جماعت اسلامی سراج الحق یہ کہہ چکے ہیں کہ خیبر پختونخوا میں شامل جماعت اسلامی اور عوامی جمہوری اتحاد نے خیبر پختونخوا اسمبلی کو تحلیل کرنے کی تجویز کو سختی سے رد کر دیا ہے اور متفقہ مؤقف کا اظہار کیا ہے کہ خیبر پختونخوا اسمبلی صوبے کے عوام کی امانت ہے اور صوبے کے عوام نے صوبائی اسمبلی توڑنے کی تجویز کو پسند نہیں کیا، پی ٹی آئی اگر صوبائی حکومت چھوڑنا چاہتی ہے تو یہ اس کا حق ہے، لیکن جماعت اسلامی اور عوامی اتحاد اسمبلی توڑنے کے حق میں نہیں۔ تجزیہ کاروں کے مطابق کے پی میں حکومت کے تحریک عدم اعتماد کی وجہ سے تحریک انصاف کی کوشش بے کار چلی جائے

گی، جبکہ سندھ اور بلوچستان میں پی ٹی آئی کے اتنے کامیاب ارکان نہیں ہیں جو حکومت پر اثر انداز ہو سکیں، جبکہ پنجاب میں بھی پی ٹی آئی کے استعفوں سے کوئی خاص فرق پڑنے والا نہیں ہے۔ وفاقی وزیر اطلاعات پرویز رشید کے بقول تحریک انصاف نے خیبر پی کے حکومت چھوڑ دی تو اس کی جگہ نئی حکومت آ جائے گی اور تحریک انصاف کے ارکان قومی و صوبائی اسمبلی کے استعفوں سے خالی ہونے والے حلقوں پر ضمنی انتخابات کرا دیے جائیں گے، چیئرمین الیکشن کمیشن کا بھی یہی کہنا ہے کہ چند سیٹوں کی وجہ سے عام انتخابات نہیں کروا سکتے۔

مبصرین کے مطابق ملک میں سیاسی درجہ حرارت بڑھتا جا رہا ہے،، اس میں کشیدگی اور اشتعال کا عنصر شامل ہونے سے سسٹم کی بقا کے لیے بھی خطرات لاحق ہو سکتے ہیں، اس لیے اس موقع پر اپوزیشن اور حکومت دونوں کو فہم و تدبر سے کام لینا چاہیے۔ ایک طرف حکومت کو چاہیے کہ ایسی کوئی غلطی کی جائے نہ دہرائے جو ماضی کی طرح ماورائے آئین اقدام والوں کو جمہوریت کی بساط لپیٹنے کا کوئی جواز مہیا کرے۔ اگر حکومت سابقہ روایات کے مطابق جشن آزادی کے موقع پر قوم میں ملی جذبہ ابھارنے کے لیے جشن آزادی کی تقریبات اور پروگراموں کو ترتیب دیتی، جن میں یہ عندیہ موجود نہ ہوتا کہ ان تقریبات کا اہتمام عمران خان کے آزادی مارچ یا طاہر القادری کے انقلابی ایجنڈے کا توڑ کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے تو یقیناً قوم اسی جذبہ کے تحت جشن آزادی کی تقریبات میں حصہ

لیتی، مگر حکومتی اعلانات اور بیانات میں یہ واضح اشارے موجود ہوتے ہیں کہ یہ سب بندوبست عمران خان کے آزادی مارچ، طاہر القادری کے انقلاب کو روکنے کے لیے کیا جا رہا ہے، چنانچہ اس حکومتی پالیسی سے ہی اپوزیشن کو حکومت مخالف تحریک کے لیے صف بندی کا موقع ملتا ہے۔ دوسری جانب اپوزیشن کو بھی چاہیے کہ وہ ایسا رویہ نہ اپنائے، جس سے ظاہر ہو کہ وہ جمہوریت کو ڈی ریل کرنے کی کوشش کرنے جا رہے ہیں، ملک کئی گھمبیر مسائل سے دوچار ہے، ان حالات میں ملک میں سیاسی عدم استحکام سے مزید مسائل جنم لیں گے، جو ملک کے لیے سراسر نقصان دہ ہے۔

بلدیاتی انتخابات میں تاخیر.... عوامی مسائل میں اضافہ

تقریباً سوا سال میں متعدد بار سپریم کورٹ کے احکامات کے باوجود بھی ملک میں بلدیاتی انتخابات کا انعقاد ممکن نہیں ہو پایا اور قریب قریب یہ انعقاد ہوتا دکھائی بھی نہیں دے رہا۔ ذرائع کے مطابق الیکشن کمیشن آف پاکستان کی جانب سے بلدیاتی انتخابات کے انعقاد میں مزید مہلت کے لیے سپریم کورٹ سے رجوع کیے جانے کا امکان ہے۔ رواں ماہ سپریم کورٹ میں درخواست دائر کرکے عدالت کو موجودہ صورت حال سے آگاہ کیا جائے گا، جبکہ بلدیاتی انتخابات کے لیے صوبے اور وفاق حلقہ بندیوں کے لیے تاحال قانون سازی نہیں کرسکے، جس کے باعث 15 نومبر تک بلدیاتی انتخابات کا انعقاد مشکل ہوگیا ہے۔ سپریم کورٹ نے وفاق، پنجاب، سندھ اور خیبر پختونخوا میں بلدیاتی انتخابات کے لیے 15 نومبر تک کی ڈیڈ لائن دی تھی اور قانون سازی کا عمل اگست کے آغاز میں مکمل کرنے کی ہدایت کی تھی۔ صوبوں کی جانب سے بلدیاتی انتخابات کے حوالے سے قانون سازی نہ ہونے اور دیگر معاملات کے التواء کی وجہ سے الیکشن کمیشن نے سپریم کورٹ سے رجوع کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، اس سلسلے میں سپریم کورٹ میں باقاعدہ درخواست دائر کی جائے گی۔ یاد رہے کہ سابق صدر مشرف کے دور حکومت میں نافذ کیا جانے والا بلدیاتی نظام 2009 میں اپنی مدت پوری کرنے کے بعد ختم

ہو گیا تھا اور پھر اٹھارویں ترمیم کی منظوری کے بعد بلدیاتی انتخابات کا انعقاد صوبائی حکومتوں کی ذمہ داری قرار دی گئی تھی، لیکن گزشتہ حکومت کے پانچ سال کے دوران ملک بھر میں بلدیاتی انتخابات نہیں کروائے گئے اور اس وقت کی صوبائی حکومتیں امن وامان کی خراب صورت حال کا کہہ کر بلدیاتی انتخابات کے انعقاد سے کنی کتراتی رہیں اور اب موجودہ حکومت کو آئے بھی ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے اور اس دوران سپریم کورٹ کی جانب سے حکومت پر بلدیاتی انتخابات کروانے کے حوالے سے دباؤ بھی ڈالا جاتا رہا ہے، لیکن ابھی تک اس حوالے سے کوئی مثبت پیش رفت سامنے نہیں آئی۔

گزشتہ سال 17 جولائی کو سپریم کورٹ نے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی سربراہی میں ملک بھر میں بلدیاتی انتخابات کروانے سے متعلق وفاق اور صوبائی حکومتوں سے حتمی تاریخ مانگتے ہوئے کہا تھا کہ "اگر حکومتیں بلدیاتی انتخابات کے انعقاد کی تاریخ دینے میں ناکام رہیں تو سپریم کورٹ ان انتخابات کے انعقاد کی تاریخ دے گی۔ کنٹونمنٹ بورڈ میں انتخابات سے متعلق سیکرٹری دفاع سپریم کورٹ میں یہ یقین دہانی کروا چکے ہیں کہ 15 ستمبر 2013 تک ملک بھر کے کنٹونمنٹ بورڈ میں انتخابات کروا دیے جائیں گے۔" سپریم کورٹ کے ان احکامات کے بعد پنجاب اور سندھ گورنمنٹ نے عدالت سے بلدیاتی انتخابات کروانے کے لیے نوے دن کی مہلت مانگی تھی، جبکہ صوبہ خیبر پختونخوا کی حکومت

کا کہنا تھا کہ وہ کسی بھی وقت بلدیاتی انتخابات کروانے کے لیے تیار ہے۔ 18 جولائی 2013 کو سپریم کورٹ نے صوبہ پنجاب اور سندھ کی حکومتوں کی طرف سے بلدیاتی انتخابات کروانے کے لیے نوے دن کی مہلت دینے کی استدعا کو مسترد کرتے ہوئے وفاقی دارالحکومت کی انتظامیہ اور چاروں صوبائی حکومتوں سے کہا تھا کہ وہ ستمبر تک ان انتخابات کے انعقاد کو یقینی بنائیں۔ بلدیاتی انتخابات کو ایک روز کے لیے بھی ملتوی کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ پنجاب اور سندھ میں ان جماعتوں کی حکومت ہے، جو گزشتہ پانچ سالوں سے اقتدار میں ہیں اور ان حکومتوں کی طرف سے تین ماہ کی مہلت مانگنا اچھا نہیں لگتا۔ واضح رہے کہ بلدیاتی انتخابات سے متعلق صوبہ پنجاب اور بلوچستان کی حکومتوں کا کہنا تھا کہ وہ 7 دسمبر کو صوبے میں بلدیاتی انتخابات کروانے کو تیار ہیں، جبکہ صوبہ سندھ کی حکومت نے سپریم کورٹ کو 27 نومبر کو صوبے میں بلدیاتی انتخابات کروانے کی یقین دہانی کروائی تھی اور خیبر پختونخوا کی حکومت نے سپریم کورٹ کو بلدیاتی انتخابات سے متعلق کوئی متعین تاریخ نہیں دی تھی، جبکہ سپریم کورٹ بلدیاتی انتخابات گزشتہ سال ستمبر میں ہی کروانے پر مصر تھی۔ اس کے بعد گزشتہ سال نومبر کے مہینے میں قومی اسمبلی نے بلدیاتی انتخابات کے شیڈول پر نظرثانی سے متعلق ایک قرارداد بھی متفقہ طور پر منظور کی تھی، جس میں کہا گیا تھا کہ موجودہ حالات میں شفاف انتخابات ممکن نہیں ہیں، اس لیے ایسا فریم ورک دیا جائے جس میں آزادانہ اور شفاف انتخابات

کے انعقاد کو یقینی بنایا جائے۔ اس قرارداد کے بعد الیکشن کمیشن نے بلدیاتی انتخابات کی تاریخ میں توسیع کروانے کے حوالے سے عدالت میں درخواست دائر کی تھی، لیکن الیکشن کمیشن کی درخواست اعتراضات لگا کر واپس کرتے ہوئے سپریم کورٹ کے رجسٹرار کے دفتر کا کہنا تھا کہ عدالت بلدیاتی انتخابات کے انعقاد پر فیصلہ دے چکی ہے، لہٰذا الیکشن کمیشن متفرق درخواست نہیں دے سکتا۔ تمام صوبائی حکومتوں کے بے حد اصرار پر سپریم کورٹ نے بلدیاتی انتخابات کی تاریخوں میں تبدیلی کا اختیار الیکشن کمیشن کو دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ تمام صوبائی حکومتوں کی مشاورت کے بعد انتخابات کے انعقاد کی تاریخ مقرر کرے۔ لہٰذا 6 نومبر کو الیکشن کمیشن آف پاکستان نے بلدیاتی انتخابات کی تاریخوں کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا کہ سندھ میں 27 نومبر اور پنجاب میں 7 دسمبر کو پولنگ ہو گی، بلوچستان میں پہلے ہی 7 دسمبر کو بلدیاتی انتخابات کے انعقاد کا اعلان کیا جا چکا ہے، لیکن ایک بار پھر حکومتوں اور الیکشن کمیشن کے اصرار پر 19 نومبر کو عدالت نے بلدیاتی انتخابات کے حوالے سے دی گئی تاریخوں کو تبدیل کیا تھا اور قائم مقام الیکشن کمشنر جسٹس تصدق حسین جیلانی کا کہنا تھا کہ بلدیاتی انتخابات صوبہ سندھ میں 18 جنوری، پنجاب میں 30 جنوری اور خیبر پختونخوا، کنٹونمنٹ بورڈ اور اسلام آباد میں فروری میں ہوں گے، لیکن تمام صوبائی حکومتیں بار بار تبدیل کی گئی تاریخوں پر بھی ،بلدیاتی انتخابات نہ کروا سکیں اور ایک بار پھر درخواست دے کر پنجاب، سندھ

خیبر پختونخوا اور وفاق میں بلدیاتی انتخابات کا انعقاد سال رواں 15 نومبر تک کو کروانے کی مہلت لی تھی، لیکن اب ذرائع کا کہنا ہے کہ ایک بار پھر تینوں صوبے اور وفاق تاحال حلقہ بندیوں کے لیے قانون سازی نہیں کرسکے، جس کے باعث 15 نومبر تک پنجاب، سندھ، خیبر پختونخوا اور وفاق میں بلدیاتی انتخابات کا انعقاد مشکل ہوگیا ہے۔

واضح رہے کہ 1985ء میں برطانوی حکومت نے برصغیر پاک و ہند میں میونسپل کارپوریشن کے نظام کا آغاز کیا، جس کے کل 27 ممبران تھے، جن میں 26 ممبران میونسپل کمیشنر اور 27 واں میئر کہلائے۔ اس نظام کی م±دت 10 سال مقرر کی گئی تھی، قیام پاکستان کے بعد ایوب خان نے 1962ء میں اسی نظام کو بی ڈی ممبر کے نام سے متعارف کروایا، بعدازاں بھٹو دَور میں (BasicDemocratic) دوبارہ کونسلرز سسٹم رائج ہوا، 1979ء اور 1980ء میں یہ نظام نافذ کیا گیا، اس کے بعد 1998ء میں بلدیاتی انتخابات کروائے گئے۔ بلدیاتی نظام کا جو سب سے کامیاب دَور گزرا، وہ مشرف کا تھا، جس نے 2001ء اور 2005ء میں یہ نظام مضبوط بنیادوں پر نہ صرف استوار کیا، بلکہ ناظمین کو مفاد عامہ اور انتظامی امور کے میدان میں لامحدود اِختیارات سونپے گئے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ بلدیاتی انتخابات عوام کے لیے زیادہ سود مند ثابت ہوتے ہیں۔ بلدیاتی نظام ایک ایسا نظام ہے جس میں عوام براہ راست منسلک ہوتے ہیں، عوام اپنے نمائندوں کا انتخاب خود کرتے ہیں

اور انہیں نہ صرف وہ عرصہ دراز سے جانتے ہیں، بلکہ ان پر اعتماد بھی کرتے ہیں، جبکہ قومی و صوبائی نمائندے محض انتخابات کے دنوں میں ہی عوام میں نظر آتے ہیں، وہ نہ تو علاقے کے مسائل کو جانتے ہیں اور نہ ہی عوام سے شناسائی رکھتے ہیں۔ جبکہ بلدیاتی نظام میں عوام اپنے نمائندے اہل علاقہ سے منتخب کرتے ہیں ملکی سطح پر چھوٹے چھوٹے وارڈ/ یونٹ میں الیکشن کروائے جاتے ہیں اور وہی امیدوار کامیاب ہوتے ہیں، جنہیں عوام براہ راست چنتے ہیں۔ بلدیاتی نظام میں نمائندوں کا اپنے علاقہ سے منتخب ہونے کی وجہ سے وہ نہ صرف چوبیس گھنٹے عوام کی خدمت پر مامور رہتے ہیں۔ اب بھی ملک کے بیشتر شہروں میں عوامی مسائل جوں کے توں ہیں، ان کو حل کرنے والا ہی کوئی نہیں ہے، سیوریج اور صفائی سسٹم سے لے کر سڑکوں پر لگی لائٹوں تک جلد از جلد بلدیاتی انتخابات کے انعقاد کے متقاضی ہیں، مبصرین کا کہنا ہے کہ یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ پاکستان کی جمہوری حکومتیں ملک میں بلدیاتی انتخابات منعقد کرانے پر ٹال مٹول سے کام لے رہی ہیں۔ ملک گیر سطح پر بلدیاتی نظام کی عدم موجودگی کے سبب صحت عامہ اور نکاسی آب و گنداب سمیت عوامی خدمات کے بنیادی شعبوں میں متعدد مسائل پیدا ہو چکے ہیں۔ اگر جمہوریت نچلی سطح تک نظام کے ثمرات پہنچاتی ہے تو پھر عوام کے لیے مقامی سطح پر اپنے نمائندوں کو منتخب کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ صوبائی سطح پر اس حوالے سے بنیادی مسئلہ ایسی قابلِ عمل قانون سازی کا فقدان ہے، جو صوبائی حکومتوں کو بلدیاتی انتخابات کے انعقاد

اور اس کے بعد نظام کو قوانین کے تحت اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے اور چلانے کی اجازت دیتا ہو۔ بلدیاتی نظام کی ان ہی خصوصیات کی بناء پر آمروں نے ہمیشہ کسی نہ کسی صورت میں اس نظام کو رائج کیے رکھا۔ آمروں کے دور میں اس نظام کی وجہ سے عوام کے مسائل جلد اور بہتر طریقے سے حل ہوتے ہیں، اس لیے عوام میں میں یہ تاثر عام ہے کہ آمریت جمہوریت سے بہتر ہے، کیونکہ آمریت میں عوام کے مسائل زیادہ بہتر طریقے سے حل ہوتے ہیں۔ موجودہ حالات میں بلدیاتی انتخابات کا انعقاد انتہائی ضروری ہے، تاکہ عوامی مسائل جلدی حل ہوں۔

مخالفین کا طبل جنگ.... حکومت کی مشکلات میں اضافہ

تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان اور عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری حکومت کے خلاف طبل جنگ بجانے کے بعد اب حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لیے بے چین دکھائی دیتے ہیں۔ 14 اگست کو پاکستان تحریک انصاف کے "آزادی مارچ" اور پاکستان عوامی تحریک کے "انقلاب مارچ" کے اعلانات کے بعد سے ملک کے سیاسی درجہ حرارت میں مسلسل بے تحاشہ اضافہ ہو رہا ہے۔ دونوں "انقلابی لیڈر" حکومت کو تہہ و تیغ کیے بغیر ایک قدم بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہیں۔ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان اعلان کر چکے ہیں کہ 14 اگست کو بادشاہت ختم کر کے ملک میں حقیقی جمہوریت قائم کریں گے۔ عوام اپنے بچوں اور ملک کے مستقبل کی خاطر 14 اگست کو باہر نکلیں، اب حکومت کی جانب سے ہمیں منانے کا وقت گزر چکا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ پنجاب حکومت کو متنبہ کرتا ہوں کہ ہمارے کارکنان جذبات سے بھرے ہوئے ہیں، ہمارا راستہ نہ روکا جائے۔ اگر حکومت نے ہمارے کارکنوں اور عہدیداروں کو نظر بند کیا تو یہ حکمرانوں کی سیاسی خودکشی کے مترادف ہوگا۔ جبکہ دوسرے "انقلابی لیڈر" ڈاکٹر طاہر القادری کا کہنا ہے کہ بہت جلد جابر، ظالم اور 18 کروڑ عوام کے معاشی قاتل حکمران انقلاب کے بعد جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوں گے، میں ظلم کے اقتدار اور ظالمانہ فرسودہ نظام کے خاتمے اور

حکمرانوں کا احتساب کرنے آیا ہوں۔ انقلاب کے بغیر اس ملک سے جانے والا نہیں ہوں۔ طاہر القادری نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر ان کے حامیوں کو ڈرانے دھمکانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور گرفتاریوں کا عمل نہیں رکتا تو ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوگا کہ وہ عوام کو ملکی اور صوبائی دارالحکومتوں کی طرف مارچ کرنے کی حتمی اپیل کر دیں، تاکہ موجودہ حکومت کا تختہ الٹا جاسکے۔ ان دو" انقلابیوں" کے "انقلاب" میں مسلم لے گ (ق) کے صدر چودھری شجاعت حسے ن اور عوامی مسلم لیگ کے سربراہ شیخ رشید بھی پیش پیش ہیں۔ چودھری شجاعت کہہ چکے ہیں کہ انقلاب سے پہلے کوئی مذاکرات نہیں ہوں گے۔ حکومت جو کام کر رہی ہے، اس کے دن گنے جا چکے ہیں۔ لانگ ے آزادی مارچ سے فوج آئے گی تو اسے کوئی نہیں روکے گا، ہم حمایت کا فیصلہ حالات دیکھ کر کریں گے، فوج ملک کی "چوکے دار" ہے۔ جبکہ شیخ رشید بھی کچھ روز قبل حکومت کے جانے کی "خوشخبری" سنا چکے ہیں، ان کا مزید کہنا ہے کہ حکومت سے نجات کے لیے عمران خان اور طاہر القادری کو متحد ہونا ہوگا۔ آزادی اور انقلاب مارچ کے خلاف قومی سلامتی کانفرنس بلانا انتہائی غیر ذمے دارانہ بات ہے۔ ان حالات میں اب ایک طرف تو ڈاکٹر طاہر القادری "انقلاب" لائے بغیر پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں، جبکہ دوسری جانب عمران خان بھی اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ حکمران جماعت ن لیگ کی طرف سے تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کے موقف میں لچک لانے کے لیے تمام کوششیں بے سود رہی ہیں۔ اس بارے میں سیاسی حلقوں کا کہنا ہے کہ

دراصل حکومت نے اپنی ناقص حکمت عملی اور فیصلوں میں تاخیر کے باعث عمران خان کو اس مقام پر پہنچا دیا، جہاں سے ان کے لیے لانگ مارچ کا فیصلہ واپس لینا ممکن نہیں رہا، کیونکہ اس وقت عمران خان پوائنٹ آف نو ریٹرن پر آ پہنچے ہیں۔ اب اگر تحریک انصاف کے سربراہ لانگ مارچ کا فیصلہ واپس لیتے ہیں تو اس کی انہیں بڑی سیاسی قیمت ادا کرنا پڑ سکتی ہے۔

موجودہ حالات میں حکومت انتہائی بوکھلاہٹ کی شکار نظر آ رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کو بند گلی میں دھکیلا جا رہا ہے۔ بعض سنئیر تجزیہ کاروں کے مطابق طاہر القادری اور عمران خان کا جو کردار اس وقت ہے وہ یہی چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح فوج اس معاملے میں ملوث ہو جائے۔ براہ راست نہیں، بلکہ وہ پس پردہ طنابیں کھینچتے رہیں۔ غالباً وہ لوگ جو یہ سمجھ رہے ہیں کہ حکومت جا رہی ہے، وہ یہ چاہتے ہیں کہ کوئی لمبا سا نگران دور آئے، جس میں ٹیکنوکریٹ انتخابی نظام کو ٹھیک کریں اور پھر انتخابات ہوں، لیکن اس نظام کی اپنی پیچیدگی ہے۔ عمران خان 14 اگست کو جن قوتوں کو کھولنے جا رہے ہیں وہ ضروری نہیں ان کے قابو میں رہیں۔ 1977 میں پی این اے کی تحریک میں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ تحریک تو بھٹو صاحب کو ہٹانے کے لیے تھی، لیکن پھر ضیا الحق آ گئے، جو 11 سال حکمران رہے۔ جماعت اسلامی کے جنرل سیکرٹری لیاقت بلوچ نے بھی اسی قوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے پہلے کہ تیسرا فریق

آ کر سب کو گھر بھیج دے، بہتر ہے کہ ہم اپنی ضد اور انا کو چھوڑ کر ملک و ملت کے مفاد میں مثبت فیصلے کریں۔ تجزیہ کار کہتے ہیں کہ (ن) لیگ نے پہلے تو عمران خان کے مطالبات اور احتجاج کی دھمکیوں کو سنجیدگی سے لیا ہی نہیں، لیکن معاملات بہت آگے جا چکے ہیں اور حکومت واضح طور پر دباؤ کا شکار دکھائی دے رہی ہے۔ لہٰذا اب حکومت کی جانب سے آزادی مارچ سے نمٹنے کے لیے کثیر جہتی حکمت عملی بنائی گئی ہے۔

ایک طرف حکومت نے جمہوریت کو ڈی ریل ہونے سے بچانے کے لیے طویل سیاسی رابطے شروع کیے ہوئے ہیں۔ وزیراعظم اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ، جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن، پشتونخوا میپ کے محمود خان اچکزئی، قومی وطن پارٹی کے آفتاب شیرپاؤ، جماعت اسلامی کے سراج الحق، مسلم لیگ (ضیائی) کے محمد اعجاز الحق، جمعیت اہل حدیث کے سینیٹر ساجد میر، فاٹا کے ایم این اے غازی گلاب جمال سے ملاقاتیں کر چکے ہیں اور پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف زرداری سمیت کئی رہنماؤں سے بھی ٹیلیفون پر اس حوالے سے تبادلہ خیال کیا جا چکا ہے۔ جبکہ ایم کیو ایم کا وفد بھی وزیراعظم سے ملاقات کر چکا ہے۔ آصف علی زرداری نے بھی ملکی سیاسی حالات کو نارمل کرنے کے لیے وزیراعظم نواز شریف سے ٹیلیفون پر بات چیت کرنے کے علاوہ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان اور پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری سے رابطے کیے ہیں۔ تجزیہ

کاروں کا کہنا ہے کہ ملک میں پیدا ہونے والے سیاسی ٹمپریچر کے نقطہ ابال پر پہنچنے سے پہلے پانی چھڑکنے کے لیے اہم سیاسی جماعتوں اور رہنماؤں کی کوششیں امید افزا اور قابل قدر ہیں۔ ان ملاقاتوں میں بہت سی مثبت باتیں سامنے آئی ہیں۔ پاکستان کی مختلف سیاسی جماعتوں کے وفود نے وزیر اعظم نواز شریف سے ملاقات کے بعد ا ± نھیں اسلام آباد میں فوج طلب کرنے کے فیصلے پر نظر ثانی کرنے، سیاسی کارکنوں کی گرفتاریوں سے باز رہنے اور تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کو مذاکرات کے ذریعے اپنے مطالبات منوانے کا مشورہ دیا ہے۔ جبکہ قائد حزب اختلاف خورشید شاہ کا کہنا ہے کہ کسی نے جمہوریت کے خلاف قدم اٹھایا تو اس کا نام بھی آمروں کی فہرست میں تصور کیا جائے گا، حکومت کو سیاسی لڑائی بھی لڑنا نہیں آتی، 14 اگست آئی نہیں اور پکڑ دکھڑ کا سلسلہ شروع ہوگیا اور سراج الحق کا کہنا تھا کہ 14 اگست کے بعد کوئی بھی حادثہ ہو سکتا ہے، ماضی میں بھی ہم نے ایسا ہی دیکھا ہے۔ تمام جمہوری قوتیں تماشائی بننے کی بجائے آگے بڑھ کر مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ اس لمحے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے کہ لوگ ثالثی کے لیے پھر سعودی سفارت خانے کی طرف دیکھیں۔ اس کے علاوہ وزیر اعظم نواز شریف نے قومی سلامتی کانفرنس بھی طلب کر لی ہے، وزیر اعظم محمد نواز شریف کی زیر صدارت اسلام آباد میں ہونے والی قومی سلامتی کانفرنس میں چاروں وزرائے اعلیٰ، آرمی چیف جنرل راحیل شریف، وفاقی کابینہ کے اہم وزراء اور ڈائریکٹر جنرل انٹر سروسز انٹیلی جنس

لیفٹیننٹ جنرل ظہیر الاسلام شریک ہوں گے۔ دیگر سیاسی جماعتوں کے پارلیمانی لیڈرز کو بھی دعوت دی گئی ہے، تجزیہ کاروں کے مطابق وجودہ حالات کے پیش نظر قومی سلامتی کانفرنس سے مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔

دوسری جانب پاکستانِ تحریکِ انصاف کے "آزادی مارچ" کے پیشِ نظر اسلام آباد پولیس کی چھٹیاں منسوخ کردی گئی ہیں۔ اسلام آباد میں دفعہ 144 کے نفاذ میں دو ماہ کی توسیع کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا گیا ہے، ریڈ زون سمیت شہر بھر ہر قسم کے جلسے جلوس کرنے، ہر قسم کے اسلحے کی نمائش اور پانچ یا پانچ سے زاید افراد کے اکٹھے ہونے پر پابندی ہوگی۔ جبکہ اسلام آباد کی انتظامیہ کی جانب سے اسلام آباد داخل ہونے کی صورت میں عوامی تحریک کے قائدین اور کارکنوں کی گرفتاری سمیت تمام وسائل استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔ انتظامیہ کا موقف ہے کہ عوامی تحریک کے قائد اپنی تقریروں میں انتشار پھیلا رہے ہیں۔ عوامی تحریک نے پاکستان کے آئین اور جمہوریت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے، پولیس ذرائع کے مطابق آئین کو نہ ماننے والے عناصر کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے گا۔ 10 اگست کو ریڈ زون سیل کر دیا جائے گا۔ 900 کنٹینرز اسلام آباد اور راولپنڈی پہنچا دیے گئے، جبکہ 13 اور 14 اگست کو ریڈ زون کی سیکورٹی فوج کے حوالے ہو گی۔ جبکہ جمعہ کے روز لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس خواجہ امتیاز احمد نے 14 اگست کو پاکستان تحریک انصاف کے اعلان کردہ آزادی مارچ

کو روکنے کے لیے دی گئی درخواست کی سماعت کے لیے تین رکنی فل بینچ تشکیل دے دیا۔ امکان ہے کہ یہ بینچ اگلے ہفتے کے آغاز میں اس کیس کی سماعت کرے گا۔ چند روز قبل لاہور کے ایک شہری کامران نے ہائی کورٹ میں درخواست دائر کی تھی کہ 14 اگست کو تحریک انصاف کے اسلام آباد کی جانب روانہ ہونے والے مارچ کو روکا جائے، کیونکہ یوم آزادی پر اس طرح کے مارچ سے نقضِ امن کا خطرہ ہے۔ درخواست گزار کا موقف ہے کہ ایسا مارچ ملک کو یرغمال بنانے کی کوشش ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ موجودہ حالات ملک کے لیے کسی طور بھی سود مند نہیں ہیں، ملک پہلے ہی بہت سے بحرانوں میں بری طرح سے پھنسا ہوا ہے، اس کو مزید بحرانوں کی جانب دھکیلنا ملک کے لیے مزید نقصان کا باعث ہوگا، اگر فریقین نے بالغ نظری کا مظاہرہ نہ کیا تو کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ پیش آ سکتا ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ صورتحال کو کنٹرول کرنے کے لیے طاقت کا استعمال نہ کرے، کیونکہ اس صورت میں مزید انتشار پھیل سکتا ہے اور حکومت مخالف مارچ کرنے والوں کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے کہ ان کی وجہ سے جمہوریت ہی ڈی ریل نہ ہو جائے۔

ملک میں بڑھتی ہوئی کشیدگی.... جمہوری سیاست بند گلی کی جانب گامزن؟

ان دنوں ملک بے یقینی و انتشار کی جس خوفناک کیفیت میں مبتلا ہے، وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ حکومت اور دو "انقلابیوں" کے درمیان کشمکش بڑھتی جارہی ہے، تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان اور عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری ملک میں انقلاب لائے بغیر کسی کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ایک طرف تحریک انصاف کے رویے سے سیاسی تقسیم، افراتفری اور تشدد کے امکانات کو بڑھاوا مل رہا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ ہم نواز شریف سے کوئی مذاکرات نہیں کریں گے، 14 اگست سے پہلے کوئی بات نہیں ہوگی۔ حکومت جو مرضی حربے استعمال کرلے 14 اگست کو ہمارے کارکنوں کا سمندر اسلام آباد پہنچے گا، اسلام آباد پہنچ کر ہی اپنے آیندہ کے لائحہ عمل کا اعلان کریں گے۔ اگر مجھے کچھ ہوا تو کارکن شریف خاندان سے بدلہ لیں گے۔ اگر جمہوریت ڈی ریل ہوئی تو ذمہ دار حکمران ہوں گے، نواز شریف کو ہر حال میں استعفا دینا ہوگا۔ حکومت اور تحریک انصاف کے درمیان مصالحتی کردار ادا کرنے والے امیر جماعت اسلامی سراج الحق کا کہنا ہے کہ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے حکومت سے کسی بھی قسم کی بات کرنے سے انکار کرتے ہوئے ان سے ملاقات سے معذرت کرلی ہے۔ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کی ملاقات قومی سلامتی اجلاس کے بعد امیر جماعت اسلامی سراج الحق کے

ساتھ طے تھی، تاہم 3 سے زاید مرتبہ وقت کی تبدیلی کے باوجود ملاقات نہیں ہو سکی۔ جبکہ دوسری طرف پاکستانی نژاد کینیڈا کے شہری ڈاکٹر طاہر القادری آگ بگولہ ہو کر نعرے لگا رہے ہیں کہ ان کا انقلاب 14 اگست کے بعد تمام سیاسی نظام کو بھسم کر دے گا اور پاکستان کا موجودہ سیاسی جمہوری نظام 30 اگست کا سورج نہیں دیکھے گا۔ ذرائع کے مطابق عوامی تحریک کے سربراہ انتہائی سخت رویہ اپناتے ہوئے اپنے کارکنوں کو پولیس کی وردیاں پھاڑنے کا حکم دے چکے ہیں، جس کے بعد ہفتہ کے روز پنجاب بھر میں پولیس اور عوامی تحریک کے کارکنوں میں جنگ جاری رہی اور عوامی تحریک کے کارکنوں نے کئی تھانے اور پولیس گاڑیاں جلادیں اور کئی پولیس اہلکاروں کے بھی یرغمال بنا لیا۔ پولیس اور عوامی تحریک کے کارکنوں کے درمیان ہونے والے تصادم میں تقریباً ساڑھے پانچ سو افراد زخمی ہوئے، جن میں تقریباً تین سو پولیس اہلکار شامل ہیں۔ ملکی میں تصادم کی کیفیت کے پیش نظر یوم آزادی کے موقع پر اشتعالی صورتحال کے حوالے سے دونوں رہنماؤں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے شہریوں کی اکثریت نے تحریک انصاف کے آزادی لانگ مارچ کے لیے منتخب کیے گے وقت کو غلط، جبکہ طاہر القادری کے انقلاب پروگرام کو ڈراما قرار دیا ہے۔ پاکستان انٹرنل سیچویشن سینٹر آف ریسرچ (پیس کور) کی جانب سے کیے جانے والے سروے میں ملک بھر میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے 3281 افراد نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ 59 فیصد پاکستانیوں کا خیال ہے کہ عمران خان اور تحریک انصاف نے آزادی

مارچ کے لیے غلط وقت کا انتخاب کیا ہے، 14 اگست یوم آزادی ہے اور یہ ایک ایسا دن ہے جب ہمیشہ پورا پاکستان یک جان ہوتا ہے، لیکن عمران خان کے لانگ مارچ کی وجہ سے اس دن کے باعث ملک میں پائی جانے والی یکجہتی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ دوسری جانب طاہر القادری کے انقلاب پروگرام کو 71 فیصد پاکستانیوں نے ملک کے خلاف سازش قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ موجودہ حالات میں طاہر القادری کا انقلاب پروگرام ملک کو صرف اور صرف افراتفری کی جانب ہی لے جا سکتا ہے، جس سے پاکستان بھی عرب ملکوں کی طرح خانہ جنگی کا شکار ہو سکتا اور طاہر القادری کا انقلاب ملک کے حالات بدتر کردے گا، کیونکہ ان کے پاس انقلاب کا کوئی وژن نہیں ہے، جبکہ 16 فیصد پاکستانی طاہر القادری کو غیر سنجیدہ قرار دیتے ہوئے ان کے کسی بھی پروگرام پر بات کرنا ہی فضول قرار دیتے ہیں۔

ان حالات میں حکومت نے انگریزی محاورے کے مطابق "گاجر اور ڈنڈا" استعمال کرنے کی پالیسی بنائی۔ حکومت کی جانب سے عمران خان کو سیاسی طریقے سے جبکہ کینڈین شہری ڈاکٹر طاہر القادری کے ساتھ قانونی طریقے سے نمٹنے کی پالیسی طے کی۔ ایک طرف حکومت نے طاہر القادری کی کینڈین شہریت منسوخ کرانے کے لیے قانونی ماہرین کے تعاون سے کینیڈا کی حکومت کو ایک ایسا خط لکھنے کی تیاری کی ہے، جس میں لکھا جائے گا کہ کینڈین شہری طاہر القادری پاکستان میں غیر

آئینی اور غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث ہے، لہٰذا اس کی شہریت منسوخ کی جائے اور دوسری جانب حکومت نے طاہر القادری کو سبق سکھانے کے لیے عوامی تحریک کے ہاتھوں جاں بحق ہونے والے پولیس اہلکاروں کے قتل کا مقدمہ ڈاکٹر طاہر القادری کے خلاف درج کرلیا ہے۔ جبکہ حکومت عمران خان کے ساتھ سیاسی طور پر نمٹنے کی کوشش میں ہے۔ حکومت کا کہنا ہے کہ ملک میں فساد پھیلانے کے لیے انقلاب کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ذرائع کے مطابق حکومت نے معاملات کو سلجھانے کے لیے قانونی راستہ نکالنے کے لیے 10 حلقوں میں دوبارہ گنتی کی پیشکش کی، جسے تحریک انصاف نے مسترد کردیا ہے۔ حکومت کا کہنا ہے کہ یوم آزادی پر محاذ آرائی سے بچنے کے لیے پیچھے ہٹنے کے لیے تیار ہیں، لیکن حالات و واقعات یہ بتا رہے ہیں کہ اس کے باوجود معاملات قابو میں آتے ہوئے نظر نہیں آرہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ بدقسمتی سے نواز شریف بطور وزیرِ اعظم اس دانائی اور سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کرنے میں ناکام رہے، جو ان سے اس مرتبہ، جبکہ وہ تیسری مدت کے لیے مسندِ وزارتِ اعظمیٰ پر فائز ہیں، متوقع تھی، چنانچہ وہ آج مسائل کی بے پناہ دلدل میں گھرے دکھائی دیتے ہیں۔ اگر کچھ معاملات کی وجہ سے عسکری اداروں اور حکومت میں تناؤ کا تاثر موجود نہ ہوتا تو عمران خان یا ڈاکٹر قادری کو اس طرح کی مہم جوئی کی جرات نہ ہوتی۔ نواز شریف نے قومی سلامتی کانفرنس کے عنوان سے دارلحکومت میں اپنے حلیفوں اور سیاسی حریفوں کے ساتھ ملاقات کرکے عمران خان اور طاہر القادری

کو سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ وہ ہوا کے بگولے سے اتر کر میز پر بیٹھ کر بات کرلیں۔ ملک میں اس وقت قومی سطح پر اتفاقِ رائے پایا جاتا ہے کہ فوجی مداخلت کو کسی صورت قبول نہیں کیا جائے گا۔

مبصرین کے مطابق پاکستان میں بدقسمت جمہوریت کو کبھی فوجی ڈکٹیٹروں سے اور کبھی انقلابیوں سے خطرہ ہوتا ہے۔ ملک میں پہلی مرتبہ جمہوری حکومت نے اپنا دورِ اقتدار ختم کرنے کے بعد اقتدار منتخب ہونے والی اگلی جماعت کو منتقل کیا، مگر جمہوریت کی ریس میں پیچھے رہ جانے والوں کو یہ خوشگوار منتقلی ہضم نا ہوئی اور انھوں نے اس مظلوم جمہوریت کو ستانا شروع کردیا۔ باعث افسوس بات ہے کہ پاکستان میں جب بھی جمہوری طور پر منتخب شدہ حکومت اقتدر سنبھالتی ہے تو حکومت جانے کی چہ مگوئیاں شروع ہوجاتی ہیں۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کے پانچ سالہ دور میں بھی متعدد بار ایسی صورتحال پیدا ہوتی رہی، لیکن زرداری صاحب سیاسی بصیرت اور انتہائی چلاکی و ہوشیاری کے ساتھ ان حالات سے نمٹتے رہے۔ موجودہ دور میں تحریک انصاف اور عوامی تحریک کی کوششوں سے جمہوریت کے ڈی ریل ہونے کے خدشات جنم لینے لگے۔ موجودہ حالات نواز لیگ میں حوصلے اور برداشت کا فقدان دکھائی دے رہا ہے۔ حکومت میں برداشت کی کمی اور واضح خوف نظر آرہا ہے۔اسی لیے اقتدار سنبھالنے کے بعد یہ پہلا موقع ہے جب حکومتی عہدیداروں کی جانب سے اپوزیشن جماعتوں سے کہا جارہا ہے کہ

وہ

عمران خان کے ساتھ لانگ مارچ کو رکوانے کے لیے مذاکرات میں اپنا کردار ادا کریں۔ موجودہ حالات و واقعات کو دیکھا جائے تو بظاہر مشکل لگتا ہے کہ کوئی بھی سیاسی جماعت عمران خان کو لانگ مارچ کرنے سے روک پائے گی، لیکن اگر خان صاحب کسی بھی جمہوری یا غیر جمہوری قوت کے کہنے پر لانگ مارچ ملتوی کرتے ہیں تو خان صاحب کی کیا سٹینڈنگ رہ جائیگی اور تحریک انصاف کے جیالے مستقبل میں خان صاحب کے کہنے پر کیوں سڑکوں پر آئیں گے؟ پہلے ہی انصافیے کے پی کی حکومت سے دلبرداشتہ نظر آرہے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے خان صاحب لانگ مارچ اسلام آباد لے جانے میں کامیاب ہوجائیں، مگر وہاں جاکر کریں گے کیا!؟ کب تک تپتی گرمی اور برسات میں "انقلابیوں" کو لیے بیٹھے رہیں گے؟ مسئلہ یہ نہیں کہ تحریک انصاف کا لانگ مارچ کامیاب ہوتا ہے یا نہیں، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ حکومت اس لانگ مارچ کی وجہ سے پیدا ہونے والی صورتحال کو کیسے سنبھالتی ہے، کیونکہ خان صاحب اسلام آباد میں دس لاکھ جیالوں کو جمع کرنے کا کہہ چکے ہیں، لیکن وہ یہ بتانے سے قاصر ہیں کے دس لاکھ لوگوں کے ساتھ اسلام آباد دھرنا دینے کے بعد ان کا لائحہ عمل کیا ہوگا۔ حکومت ہٹانے کے لیے آئین پاکستان میں تمام طریقے موجود ہیں، ایسا کوئی بھی طریقہ نہیں جس کے لیے دس لاکھ لوگوں کا دھرنہ درکار ہو۔ تجزیہ کاروں کے مطابق تحریک انصاف کے لانگ مارچ سے جو حالات بنتے دکھائی دے رہے ہیں، وہ بالکل 1977 جیسے ہی ہیں۔ جب پی این اے نے بھٹو کو ہٹانے کے لیے تحریک چلائی تھی۔ تحریک تو بھٹو کو

ہٹانے کے لیے تھی، مگر آ ضیا الحق گئے۔ جو گیارہ سال تک مسلط رہے۔ اس منظر نامے کے کسی بڑے تصادم کا پیش خیمہ بننے کے خدشات یکسر بے وزن نہیں ہیں۔ خدانخواستہ ایسا ہوا تو اس کے نتائج ملک کی بقا و سلامتی اور آئینی و جمہوری نظام کے وجود کے لیے جس قدر مہلک ثابت ہو سکتے ہیں، کسی بھی ہوشمند شخص کے لیے ان کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ یہ بات قابل اطمینان ہے کہ ملک کی بیشتر بڑی سیاسی جماعتیں صورتحال کی سنگینی محسوس کرتی ہوئی اور معاملات کو اس انتہا تک جانے سے روکنے کے لیے کوشاں ہیں۔ ان حالات میں حکومت کے خلاف تحریک چلانے والوں اور خود حکومت کے ذمہ داروں کو بھی احتیاط کا دامن ہر صورت تھامے رکھنا چاہیے اور کسی بھی فریق کی جانب سے ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا جانا چاہیے جو ملک کی سلامتی کے لیے خطرہ اور آئینی نظام کی بساط لپیٹے جانے کا باعث بن سکتا ہو۔ تمام حلقوں اور فریقوں پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ ملکی سلامتی کے تقاضے بہر صورت مد نظر رکھیں اور سیاسی اختلافات کو ملک کے لیے خطرہ نہ بننے دیں۔

حکومت مخالف قوتوں کا اتحاد.... جمہوریت خطرے میں؟

جوں جوں پاکستان کا یوم آزادی قریب آ رہا ہے، توں توں ملک پر خوف و بے چینی کے منڈلاتے بادل مزید گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ ہر صبح نکلنے والا سورج ملکی سیاست میں مزید کشیدگی کی خبر دے رہا ہے۔ ملک میں جمہوری سیاست دن بدن بند گلی کی جانب رواں دواں دکھائی دے رہی ہے۔ انقلاب کا نعرہ لگانے والے دو لیڈر ڈاکٹر طاہر القادری اور عمران خان، شیخ رشید، چودھری برادران سمیت حکومت کے مدمقابل کھڑے ہیں۔ مصالحتی حلقوں کی ہر دو فریق کے درمیان تمام مصالحتی کوششیں ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ تحریک انصاف اور عوامی تحریک کے دعوے کے مطابق دونوں جماعتوں کے سربراہان عوام کی طرف سے منتخب کی گئی موجودہ حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے اپنے تئیں ہر قسم کا انتظام کر چکے ہیں۔ پہلے یہ خیال کیا جا رہا تھا کہ یوم آزادی کے موقع پر عمران خان اور ڈاکٹر طاہر القادری الگ الگ اپنا اپنا "انقلاب" لائیں گے، لیکن پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ کے مطابق "انقلاب مارچ" اور 'آزادی مارچ" اکٹھے چلیں گے۔ 14 اگست کو "انقلاب مارچ" شروع ہو گا، جس کے لیے سب کو باہر نکلنا ہو گا۔ جبکہ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے طاہر القادری کے اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ تحریک کے ذریعے شریف خاندان کی بادشاہی ختم ہونے والی ہے۔ عوامی تحرے ک نے اپنے قائد ڈاکٹر

طاہر القادری کے "انقلاب مارچ" کے لیے 2 کروڑ روپے کی لاگت سے بلٹ پروف "ٹرک" تیار کرلے ا ہے، جس میں بے ڈکے ساتھ ساتھ واش روم سمیت تمام سہولتیں موجود ہوں گی، چودھری برادارن کا بھی اسی ٹرک میں بیٹھنے کا امکان ہے، جبکہ ٹرک پر "لوگو اٹھو! قادری کا ساتھ دو" کے ساتھ مزید 8 نعرے بھی تحریر کیے گئے ہیں۔ طاہر القادری نے اپنے کارکنوں کو ہدایت کی ہے کہ اگر کوئی پولیس والا ان پر ہاتھ اٹھائے تو اس کے ہاتھ توڑ دیے جائیں۔ اگر کوئی راستے سے واپس مڑے تو اسے بھی مار دیا جائے۔ دو کروڑ روپے کا شہادت پروف کنٹینر تیار کروانے کے بعد طاہر القادری نے کہا کہ اب یا تو شہادت ہو گی یا پھر انقلاب آئے گا۔ انقلاب پھولوں کی سیج نہیں، ملک کی حالت بدلنے کے لیے قربانیاں دینا ہوں گی۔ پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ طاہر القادری نے اپنے پیروکاروں کو بار بار قسمیں دلوا کر عہد لیا کہ وہ ان کے مارچ میں ان کا ساتھ دیں گے۔ انقلاب کی جدوجہد میں وہ قسمیں دینے سے پہلے فرانس، چین، روس اور برطانیہ کے انقلابات کی تاریخ بیان کرکے اس سے خود کو ملاتے رہے۔ قادری نے یہ بھی کہا کہ اگر وہ قتل کردیے جائیں تو نواز شریف، شہباز شریف اور ان کے خاندان کے مرد ارکان سے انتقام لیا جائے اور انہیں زندہ نہ چھوڑا جائے۔ یاد رہے اس سے پہلے عمران خان بھی اپنے قتل ہونے کی صورت میں اپنے کارکنوں کو اس بات کی ہدایت کرچکے ہیں کہ کارکن شریف برادران سے انتقام لیں۔ تحریک انصاف نے وزیر اعظم نواز شریف سے مستعفی ہونے کے اپنے مطالبے کو دوہراتے ہوئے

خبردار کیا ہے کہ اگر جمہوریت کو کوئی نقصان پہنچا تو اس کے ذمہ دار بھی وزیراعظم اور ان کی حکومت ہو گی۔ اگر حکومت نے عمران خان کو گرفتار کرنے یا حفاظتی تحویل میں لینے کی کوشش کی تو اس کے خلاف پارٹی کے کارکن مزاحمت کریں گے۔ حکومت کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا۔ آزادی مارچ ہر حال میں ہوگا، جب ہم اسلام آباد پہنچ جائیں گے تو حکومت کی روکاوٹیں ناکام ہوں گی۔

ان حالات میں وزیراعظم نواز شریف کہتے ہیں کہ حکومت پر یلغار کرنے والے بتائیں کہ ہمارا قصور کیا ہے، ہماری ٹانگیں کھینچنے والے دراصل قوم کی ٹانگیں کھینچ رہے ہیں۔

گزشتہ ایک سال میں ملکی معیشت میں نمایاں بہتری آئی ہے اور اس میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک سال میں کینیڈا سے بھاگ کر انقلاب لانے کے لیے بے تاب لوگ جب انتخابات میں حصہ لیتے ہیں تو انہیں کہیں 100 اور کہیں 200 ووٹ ملتے ہیں۔ اور 400 ووٹوں سے انقلاب نہیں آتا، انقلاب کا کہنے والے ملک میں فساد 200 پھیلانا چاہتے ہیں۔ سمجھ نہیں آتی کہ ان کو ایجنڈا کس نے دیا ہے؟ دنیا میں کسی بھی ملک کو کبھی آمریت راس نہیں آئی، قوموں نے ہمیشہ جمہوریت سے ہی ترقی کی ہے۔

جبکہ قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف سید خورشید شاہ کا کہنا ہے کہ تحریک انصاف کے کچھ لوگ عمران خان کو استعمال کر رہے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ عمران خان کے بعد وہ لیڈر بن سکتے

ہیں۔ عمران خان اور طاہر القادری ایک ہیں اور دونوں ملک کو تباہی کی طرف لے کر جارہے ہیں، ملک یا نظام کو کوئی نقصان پہنچا تو عمران اور طاہر القادری ہی ذمہ دار ہوں گے۔ گزشتہ انتخابات کے بعد ملک کی تمام جماعتوں نے نواز شریف کو وزیراعظم تسلیم کیا، 14 ماہ بعد نواز شریف کو وزیراعظم کیسے نہ تسلیم کیا جائے۔ موجودہ معاملات پر خاموش رہنا بے حسی ہے، جو تباہی کی طرف لے جائے گی۔ ملک کا مستقبل جمہوریت ہے اور پیپلزپارٹی غیر جمہوری اقدام کے خلاف مزاحمت کرے گی۔ جبکہ اس سے پہلے خورشید شاہ یہ بیان دے چکے ہیں کہ ملک کے حالات خطرناک ہوتے جارہے ہیں، کہیں پورا نظام ہی ختم نہ ہو جائے۔ طاہر القادری نے اعلانات کرکے نہایت خطرناک حالات پیدا کر دیے ہیں، جس سے زیادہ خطرہ ان جماعتوں کے لیے ہے جنہوں نے جمہوریت کی بقاکے لیے اپنے لیڈرز کی قربانیاں دیں، اب ان حالات کے بعد خون خرابہ ہوا تو ذمے دار کون ہوگا۔ ملک میں تصادم کی صورتحال بنتی جارہی ہے، اگراس وقت ملک میں کچھ ہوا تواس کی ذمہ داروہ اپوزیشن جماعتیں ہوں گی جو یہ سب کچھ کرا رہی ہیں۔ آئی ایس آئی کے سابق سربراہ لیفٹیننٹ جنرل (ر) حمید گل نے دوٹوک الفاظ میں کہا ہے کہ ڈاکٹر طاہر القادری کے انقلاب کی سمت متعین نہیں ہے، طاہر القادری کے کارکنوں نے پولیس اہلکاروں کو مارا اور ریاستی طاقت سے ٹکرائے، یہ خطرناک رجحان ہے۔ انہوں نے کہا دشمن ممالک اپنے ایجنٹوں کے ذریعے پاکستان کو جوہری اثاثہ جات سے محروم کرنا چاہتے ہیں، جو بھارتی وزیراعظم نریندر مودی

اسرائیلی وزیراعظم اور ایک سپر پاؤر طاقت کو کھٹک رہے ہیں۔ امریکا 31 اگست 2014 تک افغانستان سے جارہا ہے، وہ پاکستان کو نارمل حالات میں دیکھنا نہیں چاہتا، امریکا پاکستان کو ڈی نیو کلیئرائز کرنے کے درپے ہے، پاکستان میں مارچوں کے ذریعے خانہ جنگی کرانے کی کوشش ناکام ہوگی، خانہ جنگی ہوئی تو پاکستان آرمی کو آنا پڑے گا۔

دوسری جانب لاہور ہائیکورٹ کے فل بینچ نے پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کے چودہ اگست کو ہونے والے آزادی مارچ کو روکنے کے لیے دائر درخواستوں کی سماعت کے دوران پی ٹی آئی کے چیئرمین عمران خان کو طلب کرتے ہوئے وفاقی اور پنجاب حکومت کو ہدایت کی ہے کہ وہ پی ٹی آئی کے جلسے کے حوالے سے اپنے اقدامات سے عدالت کو آگاہ کریں۔ درخواست گزار نے درخواست میں موقف اختیار کیا تھا کہ آزادی مارچ سے ملک میں انتشار اور قتل وغارت کا خدشہ ہے، لہٰذا عدالت اسے رکوانے کے لیے وفاقی حکومت کو اقدامات اٹھانے کا حکم دے۔ جبکہ ایک رپورٹ کے مطابق لال مسجد شہداء فاؤنڈیشن کی جانب سے پاکستان عوامی تحریک کو کالعدم جماعت قرار دینے کے حوالے سے ایک درخواست جمع کرائی گئی ہے۔ درخواست میں یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ پی اے ٹی کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری اپنی تقاریر میں کارکنوں کو اشتعال دلا رہے ہیں۔ طاہر القادری کے اس بیان کہ "15 کارکنوں کے بدلے 15 پولیس اہلکاروں کو قتل کردو" کے بعد دو

اہلکاروں کو زخمی کر دیا گیا۔ طاہر القادری عوام کو خانہ جنگی کی طرف لے جا رہے ہیں، لہٰذا ملکی سالمیت اور شہریوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے پی اے ٹی کو کالعدم قرار دیا جائے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ منہاج القرآن اور عوامی تحریک کے کارکنوں کے پولیس تھانوں پر بلوؤں، تشدد، گھیراؤ جلاؤ اور توڑ پھوڑ پر مبنی اقدامات سے تین پولیس اہلکاروں کے جاں بحق ہونے، سی پی او سمیت سیکڑوں پولیس اہلکاروں کے زخمی ہونے اور اسی طرح پولیس اہلکاروں کو اغوا کرکے ادارہ منہاج القرآن میں یرغمال بنانے کے اقدام سے 25 ڈاکٹر طاہر القادری کی فسطائی سیاست کا چہرہ ضرور بے نقاب ہو گیا ہے، چنانچہ ملک کا ہر دردمند شہری یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ اگر ڈنڈے کے زور پر ریاست کے اندر ریاست بنانے والی اس سیاست کو فروغ دینے کی اجازت دی گئی تو ملک خانہ جنگی کی جانب دھکیل دیا جائے گا۔ اس حوالے سے تقریباً کسی بھی سیاسی اور عوامی حلقے کی جانب سے گھیراؤ جلاؤ اور قتل و غارت گری پر مبنی ڈاکٹر طاہر القادری کی سیاست کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا، جبکہ ڈاکٹر طاہر القادری کی جانب سے سیاسی اختلافات کو ذاتی دشمنی میں بدلنے اور اپنے کارکنوں کو جتھہ بند ہو کر پولیس تھانوں پر حملے کرنے کے اعلانات کو عملی جامہ پہنا کر ادارہ منہاج القرآن اور عوامی تحریک کے کارکنوں اور ان کی قیادتوں نے جس تخریبی سیاست کی بنیاد رکھی ہے، اس کا خمیازہ قوم کو ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچنے کی صورت میں

بھگتنا پڑ سکتا ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ حکومت مخالف سیاست دانوں کو تعمیری تنقیدی سیاست کا ضرور حق حاصل ہے، جس پر حکومت کو بھی کسی قسم کی قدغن عاید نہیں کرنی چاہیے اور اپوزیشن کی جانب سے جن غلطیوں، کوتاہیوں اور غیر قانونی حکومتی اقدامات کی نشاندہی کی جا رہی ہو، حکمران جماعت اور اتحاد کو اصلاحی اقدامات اٹھا کر ان غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہیے، جس سے جمہوریت کی گاڑی ٹریک پر رہ کر استحکام کی منزل حاصل کر سکتی ہے۔ تاہم اگر کوئی حکومت مخالف تحریک کی آڑ میں پورے سسٹم اور ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو تو اس کے ساتھ بہتر انداز میں آہنی ہاتھوں سے نمٹ کر ہی قانون و آئین کی حکمرانی کو غالب کیا جا سکتا ہے، ورنہ کل کو کوئی بھی پریشر گروپ اٹھ کر ڈنڈوں، بندوق اور بارود کے سہارے اور اپنی غنڈہ گردی کی بنیاد پر حکومتی ریاستی اتھارٹی کو غیر موثر بنا سکتا ہے اور اپنی من مرضی کا ایجنڈا مسلط کر سکتا ہے۔ ملک کے موجودہ حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ سسٹم کو ڈی ٹریک کرنے کا ایجنڈا رکھنے والے عناصر کو کسی صورت ان کے مقاصد میں کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔ سیاست دانوں کو بھی ہوش کے ناخن لینے چاہئیں کہ وہ اپنے اقتدار کی خاطر جس ملک میں اپنی سیاسی دکانداری چمکا رہے ہیں، اس کی سالمیت کو کوئی گزند نہ پہنچنے دیں۔ اگر خدانخواستہ ملک ہی نہ رہا یا ماضی کی طرح ملک پر طویل عرصے کے لیے جرنیلی آمریت مسلط ہو گئی تو وہ اپنی حریصانہ سیاست کہاں چمکائیں گے۔

کسے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں؟

مسلم ممالک کے معاملات میں وقتاً فوقتاً ٹانگ اڑانے والی اقوام متحدہ کی اپنی حیثیت کا اندازہ لگایے کہ صرف دس روز میں اسرائیلی افواج بے لگام و خبطی گھوڑے کی مانند تین بار غزہ میں یو این کے زیرِ اہتمام ایک ایسے اسکول پر چڑھ دوڑیں، جہاں اسرائیلی درندگی سے بچنے کے لیے لگ بھگ تین ہزار فلسطینی پناہ گزیں ہیں۔ اسرائیلی "سورماؤں" نے ان نہتے پناہ گزینوں پر عین اس وقت میزائل داغ کر دس افراد کو شہید اور دو سو سے زاید کو زخمی کیا، جب وہ خوراک کے حصول کے لیے قطار میں کھڑے تھے۔ اگرچہ اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے اسرائیلی فضائیہ کی جانب سے اس وحشیانہ اور غیر انسانی حملے کو "اخلاقی زیادتی اور مجرمانہ فعل" قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ حملہ "بین الاقوامی قوانین کی فاش خلاف ورزی ہے"، جبکہ امریکی دفترِ خارجہ نے بھی اسرائیل کی جانب سے یو این کے زیرِ انتظام اسکول کو نشانہ بنائے جانے کو "شرمناک" قرار دیا، لیکن اس دکھلاوے کی مذمتوں سے مغرب کے سرکش اور مغرور لونڈے کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ پچھلی بار یو این کے تحت چلنے والے اسی اسکول پر اسرائیلی بمباری کے بعد بھی اقوام متحدہ نے یہ بیان دیا تھا کہ اسرائیل جان بوجھ کر بین الاقوامی اصولوں کی خلاف ورزی کر رہا ہے، اسرائیل کو اسکولوں، ہسپتالوں، گھروں اور

اقوامِ متحدہ کی عمارات پر حملے کرنے پر ممکنہ طور پر جنگی جرائم کا مرتکب قرار دیا جانا چاہیے، لیکن اس بیان کا اسرائیل پر یہ اثر ہوا کہ اس نے اقوام متحدہ کے تمام قوانین کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہوئے ایک بار پھر اسی پناہ گاہ اسکول پر میزائل داغ دیے۔ اگر اسرائیل پر اقوام متحدہ کے بیانات کا رتی برابر بھی اثر ہوتا تو وہ انسانی اور بین الاقوامی قوانین کی یوں دھجیاں اڑاتے ہوئے بے آسرا فلسطینیوں پر آتش و آہن کی بارش کرکے انہیں لاشوں کے "تحفے" نہ دیتا۔ امریکا اور اسرائیل کے اشاروں پر رقصاں اقوام متحدہ نامی مجلس کی اگر اسرائیل کے نزدیک کوئی وقعت ہوتی تو مغرب کا یہ سرپھرا بغل بچہ کم از کم غزہ میں اپنی سرپرست اقوام متحدہ کے زیر اہتمام چلنے والے اسکول پر حملہ کرکے خون کی ہولی نہ کھیلتا، حالانکہ پچھلی بار فلسطینیوں کی اسی پناہ گاہ پر اسرائیلی حملے کے وقت غزہ میں اسرائیلی بربریت سے متاثرہ خاندانوں کی مختلف اسکولوں اور خیمہ بستیوں میں دیکھ بھال پر متعین یو این آر ڈبلیو کے ترجمان "کرس گنیس" نے براہ راست انٹرویو کے دوران پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہا تھا کہ صہیونی فوج کی جانب سے پناہ گزینوں کے کیمپوں کو بھی نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ غزہ میں انسانی حقوق کی کھلے عام خلاف ورزی جاری ہے۔ اقوام متحدہ کی جانب سے بار بار تنبیہ کے باوجود بھی اسرائیل نے ایک بار پھر غزہ میں یو این کے اسکول پر حملہ کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے قوانین کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھتا

ہے۔

اسرائیل کو اقوام متحدہ کے قوانین کی فکر دامن گیر ہو بھی کیونکر، جب سارا مغرب اسرائیل کی پشت پر ہو اور اسے ہر قسم کا تعاون فراہم کر رہا ہو۔ امریکا اور اقوام متحدہ خود کئی بار اسرائیل کو جارحیت سے باز رکھنے کی بجائے اسرائیلی بربریت کی صرف مزاحمت کرنے والی تنظیم حماس کو قصور وار ٹھہرا چکے ہیں، بلکہ کچھ روز قبل ہی امریکا نے نہتے و بے گناہ فلسطینیوں پر مظالم کی نئی داستانیں رقم کرنے والی بغل بچہ صہیونی ریاست اسرائیل کی کھلی حمایت کرتے ہوئے اس کی تمام ضروریات پوری کرنے کا اعلان کیا تھا اور اقوام متحدہ نے جنگ بندی کے خاتمے کی ذمے داری حماس کے سر ڈالی تھی۔ حالانکہ جنگ بندی کے خاتمے کی ذمہ داری حماس پر ڈالنے والی "آپا اقوام متحدہ" کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جنگ بندی کا خاتمہ حماس کی جانب سے نہیں، بلکہ اسرائیل کی جانب سے کیا جاتا ہے۔ 4 اگست کو صبح کے وقت اسرائیل نے غزہ میں 7 گھنٹوں کی جنگ بندی کا اعلان کیا تھا، لیکن ابھی ایک گھنٹہ بھی پورا نہ گزرا تھا کہ صہیونی افواج نے روایتی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اور جنگ بندی کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے صہیونی توپوں نے معصوم فلسطینیوں پر آگ کے گولے برسانے شروع کر دیے۔ جبکہ اس سے قبل بھی اسرائیل اور حماس کے مابین تین روزہ جنگ بندی کا عارضی معاہدہ طے پا جانے کے باوجود حسب سابق صہیونی افواج نے صرف 4

گھنٹوں بعد ہی عہد شکنی، وعدہ خلافی، تکبر و ہٹ دھرمی اور انانیت و جارحیت کی روش اپناتے ہوئے از خود اس معاہدے کی دھجیاں اڑا کر 100 سے زاید فلسطینیوں کو شہید کر کے اپنی منافقانہ فطرت کا کھل کر اظہار کیا تھا۔ اس کھلی حقیقت کے آشکارہ ہو جانے کے بعد بھی اقوام متحدہ کا جنگ بندی کے خاتمے کی ذمہ داری حماس پر ڈالنا صہیونیت نوازی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اقوام متحدہ اور امریکا سمیت پورا مغرب اسرائیل کا محافظ بنا ہوا ہے۔ اہل مغرب قدم قدم پر اسرائیل کو حمایت کی یقین دہانی کرواتے ہوئے ہر قسم کا تعاون فراہم کرتے ہیں۔ امریکی صدر اسرائیل کے دفاع کے لیے 225 ملین ڈالر کی امریکی امداد کی منظوری دے چکے ہیں، جس کے ذریعے اسرائیل کے اینٹی میزائل سسٹم آئرن ڈوم کی تقویت کے لیے اضافی 225 ملین ڈالر ادا کیے جائیں گے۔ جبکہ دوسری جانب برطانیہ کی ایک ڈیلی ویب سائٹ نے یہ انکشاف کیا ہے کہ اسرائیلی فوج کے ہاتھوں استعمال ہونے والا اسلحہ برطانوی رسد پر مشتمل ہے اور اسرائیل کو ستر ملین ڈالر کی مالیت کے اسلحے اور دیگر جنگی ساز و سامان کی فروخت کے لیے برطانوی اسلحہ سازوں کو 2010 میں لائسنس دیا گیا تھا۔ دو برطانوی کمپنیوں کی طرف سے اسرائیل کو جنگی سامان بشمول ڈرون فروخت کیے گئے ہیں۔ اسرائیل ان ڈرونز کو غزہ میں اپنی جنگ کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی طرح اہم قرار دیتا ہے۔ برطانوی اسلحہ سازوں کی طرف سے اسرائیل کو

فروخت کیا جانے والا دوسرا اہم ترین بی اے ای سسٹم ہے، جو امریکی فراہم کردہ ایف سولہ طیاروں کی کارروائی کو موثر بناتا ہے۔ مغرب کی اسی مسلمان دشمن اور کٹر اسرائیل نواز پالیسی پر برطانوی کابینہ کی رکن پاکستانی نژاد برطانوی شہری سعیدہ وارثی نے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے احتجاجاً استعفیٰ دیا ہے۔ اس کے علاوہ غزہ پر اسرائیلی جارحیت کے حوالے سے مغربی میڈیا نے جو یاوا گوئی کی ہے، وہ بھی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اس حقیقت کے بعد اب یہ بات تو کھل کر سامنے آچکی ہے کہ عالمی برادری جس سے رات دن فلسطین پر اسرائیلی درندگی کو رکوانے کی اپیلیں کی جاتی ہیں، وہ سب متحدہ طور پر اسرائیل کی حمایت میں کمربستہ ہیں۔ ورنہ کیا وجہ کہ ایک ناجائز ریاست فلسطینیوں کے علاقوں میں ہی گھس کر مسلسل ایک مہینہ بمباری کرکے دو ہزار فلسطینیوں کو شہید اور دس ہزار سے زاید کو زخمی کردے اور ان کے گھر، عمارتیں، سڑکیں، اسکول، مساجد، ہسپتال، ایمبولینسیں، مہاجر کیمپ، ماہی گیروں کی کشتیاں، کھیل کے میدان، موٹرگاڑیوں اور ہر جگہ پر بمباری کرکے تباہ و برباد کردے اور بات بات پر مسلم ممالک کے معاملات میں دخل اندازی کرنے والی اقوام متحدہ گنگ ہوجائے۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ آپس میں دست و گریبان ہم لوگ اسرائیل کی پشت پناہ اسی عالمی برادری کو ہی اپنے معاملات میں اپنا منصف بناتے ہیں اور یہی عالمی برادری ہمارے فیصلے کرتی ہے۔ ان حالات کے پیش نظر برسوں پہلے فیض احمد فیض کا کہا ہوا اک شعر یاد آتا ہے

بنے ہیں اہل ہوس مدعی بھی منصف بھی
کسے وکیل کریں، کس سے منصفی چاہیں؟

تشویشناک ملکی صورت حال.... کون کیا کہتا ہے !!....

مختلف محب وطن سیاسی حلقوں کی جانب سے ملک میں پیدا بے یقینی و تصادم کی کیفت پر قابو پانے کی سر توڑ کوششوں کے باوجود بد قسمتی سے ملک کے سیاسی افق پر روز بروز افراتفری، انتشار، لاقانونیت اور بدامنی کے گہرے سیاہ بادل امنڈتے چلے آ رہے ہیں اور عوام کی روز مرہ مشکلات میں بے تحاشا اضافہ ہو رہا ہے۔ یوم آزادی 14 اگست کو ایک طرف حکومت کی جانب سے مختلف النوع تقریبات کے اہتمام کا اعلان کیا گیا ہے، جبکہ دوسری جانب حکومت مخالف ڈاکٹر طاہر القادری اور عمران خان نے اسی روز اپنے اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے حکومت کے خاتمے کی تیاریاں بھی تیز کر دی ہیں۔ پاکستان عوامی تحریک کے انقلاب اور تحریک انصاف کے آزادی مارچ کو اکٹھا کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ ان مارچوں کو پرامن رکھنے کے دعوؤں کے ساتھ انتقام، بدلے اور جانیں لینے کے اعلانات کیے جا رہے ہیں، طاہر القادری کی جانب سے انقلاب لائے بغیر جانے والوں کی بھی جان لینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ ان نعروں سے جہاں ایک طرف حکومت کی تشویش بڑھ رہی ہے، وہیں دوسری جانب عوام میں بھی بے چینی کا بڑھنا فطری امر ہے۔ موجودہ حالات میں یوم آزادی کا منظر نامہ بھیانک صورت میں سامنے آتا دکھائی دے رہا ہے۔ امریکی اخبار نیویارک ٹائمز نے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ طاہر القادری کا

احتجاج فوجی بغاوت پر منتج ہو سکتا ہے۔ امریکی اخبار نیو یارک ٹائمز کا کہنا ہے کہ یہ ایک کھلا راز ہے کہ پرویز مشرف کو پاکستان سے جانے کی اجازت نہ دینے پر آرمی چیف جنرل راحیل شریف، وزیراعظم نواز شریف سے ناراض ہیں، جبکہ طاہر القادری اور فوج کے درمیان قریبی تعلقات کی اطلاعات نے عوام میں یہ خدشات پیدا کر دیے ہیں کہ قادری کا احتجاج ملک کو فوجی بغاوت کی طرف لے جا سکتا ہے۔ عمران خان نے بھی اپنے دھرنے کی ناکامی کی صورت میں فوجی مداخلت کا عندیہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر فوج آئی تو اس کی ذمہ داری نواز شریف پر ہوگی۔ امریکی اخبار کے مطابق پنجاب بھر میں پولیس اور نواز شریف کے مخالفین کے درمیان پر تشدد جھڑپوں میں کئی پولیس اہلکاروں کی اموات ہوئیں اور سینکڑوں زخمی ہوئے ہیں۔ ان پر تشدد کارروائیوں کا مقصد منصوبہ بندی کے تحت نواز شریف کی حکومت کا خاتمہ ہے۔ قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف سید خورشید شاہ نے بھی اس بات کا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے کہ حالات تیزی سے بگڑ رہے ہیں اور جمہوری نظام کی بساط لپیٹ دیے جانے کے خطرات موجود ہیں۔ اسپیکر سندھ اسمبلی آغا سراج درانی نے عمران خان اور طاہر القادری کو خبردار کیا ہے کہ افراتفری کی سیاست سے گریز کریں، ورنہ جمہوری نظام کو نقصان پہنچے کے ذمہ دار وہ ہوں گے۔ ملک میں جمہوریت بڑی قربانیوں اور جد و جہد کے بعد آئی ہے۔ وفاقی وزیر برائے منصوبہ بندی، ترقی اور اصلاحات، احسن اقبال کا کہنا ہے کہ ملک میں پھیلائی گئی افراتفری کے پیچھے سابق صدر مشرف

کے دوستوں کا ہاتھ ہے۔ سارا ڈرامہ صرف اس لیے کیا جا رہا ہے، کیونکہ حکومت نے سابق صدر کے خلاف آئین کے آرٹیکل 6 کے تحت کاروائی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے پیچھے خفیہ قوتیں موجود ہیں۔ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے مسلم لیگ ن) کے چیئرمین سینیٹر راجہ ظفر الحق نے کہا ہے کہ ملک میں سارا ڈرامہ پرویز مشرف) کی رہائی کے لیے رچایا جا رہا ہے اور وہی طاقتیں دباؤ ڈال رہی ہیں، جو قانون کے مطابق ان کے خلاف کارروائی نہیں چاہتیں۔ پرویز مشرف کی رہائی کے لیے وزیر اعظم محمد نواز شریف پر شدید دباؤ ہے۔

ملک کے سیاسی حلقوں نے موجودہ حالات پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ملک کا مستقبل جمہوریت سے وابستہ ہے، عمران خان اور طاہر القادری ملک کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ امیر جماعت اسلامی سراج الحق نے کہا ہے کہ ملک کا منظر نامہ انتہائی خطرناک بنتا جا رہا ہے۔ سیاسی مسائل کو سیاسی انداز میں حل کرنے کی ضرورت ہے۔ ملک کو نقصان پہنچانے والے کسی اقدام کی حمایت نہیں کریں گے۔ نہیں چاہتے کہ پاکستان کا ہر چوراہا کربلا بن جائے۔ کچھ لوگ جلتی پر تیل ڈالنا چاہتے ہیں، جسے ناکام بنانا ہوگا۔ کچھ لوگ تماشا لگا کر مارکیٹ میں جگہ بنانے کے چکر میں ہیں۔ جمعیت علمائے اسلام ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ طاہر القادری کے مطالبات) غیر جمہوری ہیں، غیر جمہوری تبدیلی کسی صورت قبول نہیں کریں گے۔ وزیر مملکت پانی و بجلی

چودھری عابد شیر علی کہتے ہیں کہ فوج کو متنازع بنانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں، حکومت کسی کو احتجاج کے لیے اسلام آباد آنے سے نہیں روکے گی، لیکن کسی کو امن و امان تباہ کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی۔ سینیٹ میں قائد حزب اختلاف سینیٹر اعتزاز احسن نے کہا ہے کہ کسی بھی قسم کے تشدد سے دور رہنا چاہیے، اگر کوئی برا واقعہ پیش آتا ہے تو اس کی ذمہ حکومت نہیں، بلکہ عمران خان اور طاہر القادری ہوں گے۔ نواز شرف کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، پارلیمنٹ حکومت کے ساتھ کھڑی ہے۔ قومی وطن پارٹی و سابق وزیر داخلہ آفتاب احمد شیرپاؤ نے کہا ہے کہ جمہوریت کو خطرات لاحق ہیں، اب بھی وقت ہے کہ 14 اگست سے پہلے پہلے مذاکرات کے ذریعے معاملات کو حل کیا جائے، جمہوریت اور نظام کے بقاء کے لیے دونوں طرف سے لچک کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ وزیر اعلیٰ بلوچستان ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ کا کہنا ہے کہ پاکستان میں جمہوریت برقرار اور مضبوط ہونی چاہیے، کیونکہ اس میں ہم سب کی بقا ہے، جمہوریت کو نقصان پہنچا تو اس سے جمہوری قوتوں اور پاکستان کو بھی نقصان پہنچے گا۔ مسلم لیگ فنکشنل کے رہنما امتیاز شیخ کا کہنا ہے کہ ملک میں انقلاب جمہوریت اور انتخابات کے ذریعے ہی آسکتا ہے، حکومت کو ختم کرنا ہے تو اس کا آئینی راستہ ہے، سازش کے تحت جمہوریت کو ڈیل ریل کیا جا رہا ہے۔

موجودہ حالات میں جمہوریت کو لاحق خطرات کے پیش نظر قومی اسمبلی نے جمہوریت

کے تحفظ اور آئین کی بالادستی کے حق میں متفقہ قرارداد منظور کی ہے۔ اسپیکر سردار ایاز صادق کی زیر صدارت قومی اسمبلی کا اجلاس منگل کو پارلیمنٹ ہاؤس میں ہوا۔ ترقی اور منصوبہ بندی کے وفاقی وزیر احسن اقبال کی جانب سے جمہوریت کے تحفظ اور آئین کی بالادستی کے حق میں پیش کی گئی قرارداد کو ایوان نے متفقہ طور پر منظور کیا۔ قرارداد میں کہا گیا کہ "ہم قوم کو یوم آزادی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔" "ہم قائداعظم کے وژن کے مطابق ووٹ کے ذریعے قائم ہونے والے ملک میں جمہوریت کا تحفظ کریں گے اور آئین کی بالادستی کو برقرار رکھنے کے لیے اپنا کردار ادا کرتے رہیں گے۔" "حکومت ملک میں جمہوری اداروں کی بالادستی کے لیے کام کر رہی ہے اور ملکی سلامتی اور بقاء جمہوریت سے ہی وابستہ ہے۔" پختون خوا ملی عوامی پارٹی کے محمود خان اچکزئی کا کہنا تھا کہ ہم ہمیشہ سے بادشاہت کے خلاف رہے ہیں۔ اگر کسی طاقت نے پارلیمنٹ اور ہمارے مینڈیٹ کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں پھوڑ دیں گے۔ محمود خان اچکزئی نے کہا کہ "فتوی دیتا ہوں آئین کو چھیڑنے والے کے خلاف بغاوت جائز ہے، جو آئین اور جمہوریت کا مخالف ہے، میں اس کے خلاف لڑوں گا اور جو بھی آئین اور جمہوری نظام کو تسلیم کرتا ہے، ہم اس کے ساتھ ہیں۔" انھوں نے کہا کہ عمران خان ایوان میں آ کر بات کریں، وہ ایوان میں اچھے لگتے ہیں۔ دوسری جانب پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کے مراد سعید کا کہنا تھا کہ اگر جمہوریت کو پٹڑی سے اتارنے کی کوشش کی گئی تو اس کی ذمہ

دار وفاقی حکومت ہو گی۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ ملکی حالات دن بدن خراب ہو رہے ہیں، لانگ مارچ اور انقلاب مارچ ہوتا ہے یا حکومت روک دیتی ہے، دونوں صورتوں میں یہ حکومت کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتا ہے۔ تحریک انصاف اور عوامی تحریک کے مارچ کے حوالے سے جارحانہ عزائم واضح ہیں۔ طاہر القادری جوش کا زیادہ مظاہرہ کر رہے ہیں، وہ کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس کھونے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ ان کے پاس کبھی قومی اسمبلی کی ایک نشست ہوا کرتی تھی، اب وہ بھی نہیں ہے، وہ ایک غیر جمہوری لیڈر ہیں، وہ مروجہ جمہوریت کا پودا ہی اکھاڑنے کے درپے ہیں۔ عمران خان کے پاس لوز کرنے کے لیے کافی کچھ ہے۔ ان کی پارلیمنٹ میں نمائندگی اور خیبر پی کے میں حکومت ہے، اگر وہ بھی غیر جمہوری طاہر القادری کی طرح اقدام کریں گے تو اس سے ان کو سیاسی طور پر نقصان سے دوچار ہونا پڑ سکتا ہے، کیونکہ طاہر القادری کا امیج معاشرے میں بہتر نہیں ہے، اگر عمران خان بھی ان طرح کے اقدامات کریں گے تو ان کا امیج بھی معاشرے میں اسی طرح ہو سکتا ہے۔ موجودہ حالات کی وجہ سے ملک کو نقصان ہو رہا ہے۔ اسٹاک مارکیٹ بھی گر گئی ہے، ملک کی تجارتی سرگرمیوں کو بھی دھچکا پہنچا ہے۔ ان بگڑتے ہوئے حالات کا تقاضا ہے کہ حکومت اور اپوزیشن خصوصاً احتجاجی مارچوں اور دھرنوں پر بضد پارٹیاں ملک کو بچانے کی فکر کریں اور اپنے رویوں

میں لچک پیدا کریں۔ ملک مستحکم ہوگا تو یہاں سیاست ہوگی، جمہوریت ہوگی اور انتخابات بھی ہوں گے۔ حکومت اور سیاسی پارٹیوں کو ضد اور انا کو ترک کرتے ہوئے اور ٹکراؤ سے بچتے ہوئے مسائل کے سیاسی حل کی طرف بڑھنا چاہیے۔

آزادی و انقلاب مارچ ....انجام گلستاں کیا ہوگا؟

14 اگست کے روز لاہور سے چلنے والے آزادی مارچ اور انقلاب مارچ کے شرکا حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے پر عزم ہیں۔ حکومت کے مطابق لاہور سے نکلتے وقت انقلاب مارچ میں شریک افراد کی تعداد 7 ہزار اور آزادی مارچ میں 10 ہزار تھی، جبکہ پی ٹی آئی کے مطابق 50 ہزار اور پی اے ٹی کا دعویٰ ایک لاکھ افراد کا تھا۔ جوں جوں دونوں مارچ اسلام آباد کی جانب بڑھتے رہے توں توں ان کی تعداد میں اضافہ بھی ہوتا گیا۔ آل پاکستان مسلم لیگ کے چیئرمین و سابق صدر پرویز مشرف نے بھی ڈاکٹر طاہر القادری کے انقلاب مارچ کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے کارکنوں کو ہدایت کی کہ کارکن انقلاب مارچ میں بھرپور شرکت کریں۔ راستے میں کچھ ناخوشگوار واقعات بھی پیش آئے۔ گوجرانوالہ شہر میں پاکستان تحریک انصاف کے آزادی مارچ کے شرکاء اور مسلم لیگی کارکنوں میں مختلف مقامات پر تصادم ہوا، جس میں کئی افراد زخمی بھی ہوئے۔ اس واقعے کے بعد عوامی مسلم لیگ کے سربراہ شیخ رشید کا کہنا تھا کہ آزادی مارچ پر حملے سے ملک میں خانہ جنگی کا آغاز ہو چکا ہے، اب فوج کو مداخلت کرنی ہی پڑے گی۔ پہلے تو مجھے شک تھا کہ کہیں یہ قربانی کا بکرا بھاگ نہ جائے، لیکن اب یقین ہو چکا ہے کہ یہ قربانی ہر حال میں ہو کر رہے گی۔ خیال رہے کہ یوم آزادی کے موقع پر بلوچستان میں قائداعظم محمد

علی جناح کی ریزیڈینسی کی بحال شدہ عمارت کا افتتاح کرتے ہوئے پاکستان کے وزیراعظم محمد نواز شریف کا کہنا تھا کہ اصل آزادی مارچ بلوچستان میں فوجی اور سیاسی قیادت نے مل کر منایا ہے۔ زیارت کے دورے کے دوران پاکستانی فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف بھی وزیراعظم کے ہمراہ تھے۔ وزیراعظم نواز شریف نے تحریک انصاف کے آزادی مارچ اور عوامی تحریک کے انقلاب مارچ کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے انھیں منفی اقدام قرار دیا۔ واضح رہے کہ حکومت کسی حال میں بھی دونوں مارچوں کو اجازت دینے پر رضامند نہیں تھی۔ لیکن تجزیہ کاروں کے مطابق اجازت دیتے وقت حکومت کافی حد تک مطمئن نظر آ رہی تھی۔ دونوں جماعتوں اور حکومت کے درمیان کسی طرح کے معاہدے کی تصدیق تو نہیں ہوئی، لیکن غور کرنے سے حکومت کے مطمئن ہونے کی دو وجوہات سامنے آتی ہیں، جن کی وجہ سے حکومت کو کھویا ہوا اعتماد واپس ملا۔ اول، لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ، جس کی وجہ سے واضح طور پر وزیراعظم کے استعفے، موجودہ الیکشن کمیشن کے ممبران کو ہٹانے، قومی اسمبلی کو تحلیل کرنے اور ٹیکنو کریٹس کی حکومت کے قیام کے مطالبات کو مسترد کر دیا گیا۔ لاہور ہائی کورٹ کے مطابق ان مطالبات کے حصول کے لیے کیے جانے والے لانگ مارچ غیر آئینی ہیں اور ان کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ جبکہ جمعہ کے روز عدالت عظمیٰ نے کہا ہے کہ کوئی ریاستی ادارہ ماورائے آئین اقدام کرے تو یہ آئین سے غداری ہوگی۔ عدالت مین دائر کی گئی درخواست میں موقف اختیار کیا گیا تھا کہ ملکی حالات خراب اور بنیادی

حقوق معطل ہیں۔ درخواست گزار نے موقف اختیار کیا کہ مظاہرین منتخب حکومت کے خاتمے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ عدالت نے قرار دیا کہ تمام ریاستی ادارے اور عہدیدار آئین اور قانون کے علاوہ اکتیس جولائی دو ہزار نو کے عدالتی فیصلے کے بھی پابند ہیں، اس فیصلے میں عدالت پہلے ہی ماورائے آئین اقدامات کے خلاف حکم امتناعی دے چکی ہے۔

تجزیہ کاروں کے مطابق مارچوں کو اجازت ملنے کی دوسری وجہ مارچوں سے قبل 24 گھنٹوں کے دوران وزیراعظم نواز شریف اور آرمی چیف راحیل شریف کی تین سرکاری تقریبات میں ہونے والی ملاقاتوں کی وجہ سے پر اعتماد ہونا ہے۔ ان تقریبات میں وزیراعظم نے عوامی تحریک اور تحریک انصاف کے موضوعات پر بھی بات کی۔ تقریب میں موجود فوجی افسران اور جرنیلوں نے وزیراعظم کے خطاب کی تعریف کی۔

وزیراعظم نواز شریف اور نواز لیگ کے چند سینئر رہنما بھی جنرل راحیل کی پیشہ واریت پر مکمل بھروسے کا اظہار کر رہے ہیں۔ وزیراعلیٰ پنجاب اور وزیر داخلہ کی جانب سے بدھ کو جنرل راحیل سے کی جانے والی ملاقات اور اس کے بعد وزیراعظم اور آرمی چیف کی یکے بعد دیگرے تین سرکاری تقریبات میں ایک ساتھ شرکت بھی ایسے لوگوں کے لیے ایک پیغام سمجھا جا رہا ہے، جو ناراض عناصر ہیں اور فوجی اور سویلین قیادت میں کشیدگی چاہتے ہیں۔ مبصرین کے مطابق اب عمران خان اور طاہر القادری کے لیے سب سے بڑا چیلنج کیے گئے وعدوں کو سچ کر

دکھانا ہے۔ حالانکہ وہ جس راستے کا انتخاب کر چکے ہیں، لاہور ہائی کورٹ کے مطابق وہ غیر قانونی اور غیر آئینی ہے۔ لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے باوجود، عمران خان مسلسل وزیراعظم کے استعفے کا مطالبہ کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ الیکشن کمیشن آف پاکستان کے ممبران کو ہٹایا جائے۔ عمران خان اور طاہر القادری نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے، جب تک حکومت کا تختہ نہیں الٹ جاتا۔ قادری نے تو اپنے مقلدین سے یہ تک کہہ دیا تھا کہ اگر لانگ مارچ میں عمران خان اور طاہر القادری میں سے کوئی بھی خالی ہاتھ واپس لوٹے تو اسے قتل کر دیا جائے، لیکن ذرائع کے مطابق پاکستان تحریک انصاف اور ن لیگ کے درمیان معاہدے کے بعد تحریک انصاف کے لانگ مارچ کو اسلام آباد میں داخلے کی اجازت عمران خان کے مائنس نواز شریف فارمولا چھوڑنے پر رضامند کی وجہ سے ملی ہے۔ ذرائع کے مطابق مذکورہ اپوزیشن جماعت وفاقی دارالحکومت میں ایک یا دو روز دھرنا دے گی۔ کامیاب مذاکرات کے بعد شرکاء پرامن طور پر منتشر ہو جائیں گے۔ وفاقی دارالحکومت میں اعلیٰ سطح کے حکومتی ذرائع کے مطابق حکومت اور پاکستان تحریک انصاف وفاقی دارالحکومت میں کسی قسم کی گڑبڑ نہ ہونے اور کسی مائنس فارمولے کے بغیر پرامن دھرنے سے متعلق سمجھوتے تک پہنچ گئے ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ "دونوں فریق حکومت کے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہ کرنے اور کچھ مطالبات تسلیم ہونے کے بعد پرامن طور پر منتشر ہونے پر متفق ہو گئے ہیں۔ حکومت نے بیک چینل مذاکرت کے ذریعے تحریک

انصاف کو یقین دہانی کرا دی ہے کہ تحریک انصاف کے کچھ مطالبات پر پوری طرح عمل کیا جائے گا، جبکہ نواز شریف کے استعفے کے ان کے مطالبے پر کبھی عمل نہیں ہوگا۔ وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف اس بات کا اظہار بھی کر چکے ہیں کہ وزیر اعظم کے استعفیٰ دینے یا مڈ ٹرم انتخابات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ذرائع کا کہنا تھا "موجودہ سیاسی انتشار ن لیگ یا تحریک انصاف کا مسئلہ نہیں، بلکہ ہر دوسرے اداروں اور صوبوں کے لیے بڑا مسئلہ پیدا کر رہا ہے۔ یہ تمام قوتیں اس ایشو کو مزید بڑھنے کی اجازت نہیں دے سکتیں، کیونکہ بالآخر نقصان ملک کو ہوگا اور عمران خان کو بھی اس بات کو سمجھنا ہوگا" اگر محاذ آرائی یا انتشار کے کوئی امکانات موجود ہوتے تو کم از کم جاوید ہاشمی جو چھوڑ کر جا چکے تھے، اس کے بعد کبھی لانگ مارچ میں واپس نہ آتے۔ جاوید ہاشمی کے ایک قریبی ذرائع کے مطابق انہوں نے عمران خان کی اس یقین دہانی کے بعد مارچ میں جانے پر رضامندی ظاہر کی کہ وہ سسٹم پٹری سے نہیں اتاریں گے اور ان کا لانگ مارچ اور دھرنا پر امن رہے گا۔

دوسری جانب دنیا کا معتبر برطانوی جریدہ اکنامسٹ "خان کے غضب" نامی مضمون میں لکھتا ہے کہ سابق کرکٹر اور ایک "عالم" ملک (پاکستان) کی نازک جمہوریت کو لپیٹنے کی سازش کر رہے ہیں۔ ایک سابق پلے بوائے کرکٹر عمران خان ایسے سیاستدان کے طور پر ابھر کر سامنے آئے جو اچھے نظریات رکھنے کی بجائے لوگوں

کے جذبات کو ابھار کر حمایت حاصل کرتا ہے۔ وہ فوج کی حمایت سے اسلام آباد پر قبضہ کرنے کے پر تول رہا ہے۔ 2011 میں قاہرہ کے تحریر چوک کی طرح عمران خان کے ساتھی شاطرانہ انداز میں احتجاج کو طوالت دیں گے۔ عمران خان کے مارچ کی طرح ماضی کے لانگ مارچز کی حقیقت یہ رہی کہ انہوں نے حکومتوں کو عدم استحکام کا شکار کرکے آخر کار حکومتوں کو ختم کر دیا۔ اس مارچ کی جو بات نا قابل یقین ہے وہ طاہر القادری کا اس میں کودنا ہے۔ جریدے کے مطابق اگر حالات پر تشدد ہو گئے تو فوج کے آنے کے امکان ہیں۔ گزشتہ دور کے طرز عمل سے فوج اقتدار لینے میں ہچکچاہٹ کا شکار ہوگی، کیوں کہ وہ شمالی وزیرستان میں طالبان کے ساتھ آپریشن میں مصروف ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ امکان ہے کہ فوجی بغاوت سے اربوں ڈالر کی واپسی ہو جائے گی، جو اس وقت فوج کی امداد کے لیے ضروری ہے۔ اس کے باجود فوج کے پاس مصیبت میں گھرے وزیراعظم کو مزید کمزور کرنے کا موقع ہے۔ جریدہ لکھتا ہے کہ جب گزشتہ برس نواز شریف نے بھاری اکثریت سے انتخابات میں کامیابی حاصل کی تو کئیوں نے یہ امید لگالی کہ پاکستان اب نئے جمہوری دور میں داخل ہوچکا ہے، اب گلیوں میں کوئی افراتفری نہیں ہوگی، جس سے جرنیلوں کو دخل اندازی کی ضرورت پڑتی تھی۔ یہ انتخابات تاریخ کے ایک سنگ میل تھے کہ ایک منتخب جمہوری حکومت نے دوسری جمہوری قوت کو اقتدار منتقل کیا۔ قابل افسوس کہ پاکستان کے جمہوری عمل میں بار بار مداخلت سے سیاسی منظر نامے پر کوئی حکومت اپنا دور مکمل نہیں کر پائی۔

محاذ آرائی کی سیاست.... بحران کی جانب پیش قدمی؟

ان دنوں دو انقلابیوں کی وجہ سے ملکی صورتحال انتہائی تشویشناک ہے۔ تحریک انصاف اپنے سربراہ عمران خان کی قیادت میں، جبکہ عوامی تحریک اپنے قائد طاہر القادری کی قیادت میں گزشتہ چند روز سے اسلام آباد میں دھرنا دیے بیٹھے ہیں۔ کچھ بے آسرا چھوٹی چھوٹی جماعتیں بھی غیر آئینی و غیر جمہوری طریقے سے حکومت کو گرانے کے لیے ان دو انقلابیوں کے ساتھ کندھے ملائے ہوئے ہیں۔ تمام تگ و دو کے باوجود عمران خان و طاہر القادری اپنے دعوے کے مطابق دس دس لاکھ لوگوں کو تو کیا ایک ایک لاکھ کو بھی اسلام آباد میں جمع نہ کر پائے۔ اب ایک طرف تو جمہوری لیڈر عمران خان کو دس لاکھ افراد کے دعوے کے مقابلے میں صرف تین فیصد افراد کی آمد سے مارچ کے ناکام ہونے کی فکر دامن گیر، جبکہ دوسری جانب اس پر طرفہ تماشا یہ کہ لیڈروں کی جانب سے دور دراز سے آئے کارکنوں کو ہفتے کے روز تنہا چھوڑ دینے پر بہت سے نالاں ہیں، کیونکہ عمران خان نے اعلان کیا: "ہم اس وقت واپس نہیں جائیں گے، جب تک وزیراعظم نواز شریف مستعفی نہیں ہو جاتے، مگر وہ یہ بھول گئے کہ ان کے حامیوں خاص طور پر وہ جو دور دراز کے علاقوں سے آئے ہیں، ان کے پاس کہیں جانے کے لیے کوئی جگہ نہیں اور انہیں اپنی رات کشمیر ہائی پر ہی گزارنا پڑے

گی۔ اس کے ساتھ پی ٹی آئی کے دیگر رہنما جو شریف خاندان کی "بادشاہت" کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں، وہ بھی گھروں کو واپس چلے گئے، جاوید ہاشمی اور چیئرمین عمران خان نے سونے کے لیے بنی گالا کا رخ کیا، دونوں پارٹی رہنماؤں کے اسلام آباد کے نواح میں واقع اس خوبصورت علاقے میں رہائشگاہیں ہیں۔ وائس چیئرمین شاہ محمود قریشی اور قومی اسمبلی کے رکن اسد عمر نے آرام کے لیے ایف 8 کی ایک رہائشی عمارت کے اپارٹمنٹس کا انتخاب کیا، جبکہ سیکرٹری جنرل جہانگیر ترین کے بارے میں کہا جارہا ہے، وہ ایف 6 میں اپنے گھر چلے گئے۔ اسی طرح پی ٹی آئی کی ترجمان شیریں مزاری نے بھی ایف 6 میں اپنے گھر کا رخ کیا۔ کے پی کے کے وزیراعلیٰ پرویز خٹک اور ان کی پوری کابینہ نے میرٹ ہوٹل کے سامنے واقع کے پی کے ہاؤس کو پسند کیا، جبکہ لاہور سے پی ٹی آئی کے رکن اسمبلی شفقت محمود پارلیمنٹ لاجز جا پہنچے۔ پی ٹی آئی کی سنیئر رہنما فوزیہ قصوری اس بات سے متفق ہیں کہ اگر عمران خان کو آرام کی ضرورت تھی تو بھی دیگر رہنماؤں کو مظاہرین کے ساتھ ہی رہنا چاہیے تھا۔ یہ دانشمندانہ اقدام نہیں کہ پارٹی کارکنوں کو تنہا چھوڑ دیا جائے۔

ہفتے کے روز دونوں "انقلابی لیڈر" ملک کی روایتی سیاست کو برے طریقے سے روندتے ہوئے انتہائی جارحانہ انداز میں حکومت کو گرانے کی دھمکیاں دیتے رہے ہیں اور وزیر اعظم کو استعفا نہ دینے کی صورت میں اپنے کارکنوں کو اشتعال دلاتے ہوئے زبردستی ریڈزون میں گھس جانے کا اعلان بھی کیا ہے۔ عمران خان نے

اپنے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اب عوام کے اس سمندر کو کوئی نہیں روک سکتا، نواز شریف کے استعفیٰ سے کم پر بات نہیں ہوگی، کیونکہ ہم نواز شریف کا استعفیٰ لینے یہاں آئے ہیں، جب تک وہ استعفیٰ نہیں دیتے اسلام آباد میں ہی موجود رہیں گے اور یہاں وہ ہوگا کہ لوگ تحریر اسکوائر کو بھول جائیں گے۔ عمران خان نے کہا کہ نواز شریف یاد رکھیں کہ میں فاسٹ بولر رہا ہوں اور فاسٹ بولر کا صبر زیادہ نہیں ہوتا، اگر وزیراعظم نے استعفیٰ نہ دیا تو عوام کا سمندر ریڈزون سے ہوتا ہوا پارلیمنٹ ہاؤس اور وزیراعظم ہاؤس بھی پہنچ سکتا ہے، کیونکہ میں نے تحریک انصاف کے جنون کو کنٹرول کیا ہوا ہے اور جنون کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری جانب اس سے کچھ دیر قبل ہی طاہر القادری نے 20 نکاتی مطالبات پیش کیے، جن میں سرفہرست وزیراعظم نواز شریف اور ان کی حکومت کے استعفے سمیت ان کی گرفتاری کا مطالبہ کیا اور قومی اسمبلی اور تمام صوبائی اسمبلوں کو فوری تحلیل کرنے کی بات کی۔ وسط مدتی انتخابات کو مسترد کیا اور کہا کہ اگر 10 یا 20 حلقے کھولنے کی بات ہو تو وہ بھی نہیں مانتے۔ نئی تشکیل پانے والی قومی حکومت کے ذریعے ملک کے غریبوں کو معاشی طور پر استحصال کو ختم کرنے کے لیے 10 نکاتی سوشو اکنامک ایجنڈے کا نفاذ، عوام کو سود کے بغیر قرضے دینے، ہر شخص کو روٹی اور کپڑا مہیا کرنے، بے روزگار کو روزگار دیے جانے،، ہیلتھ پالیسی رائج کرکے ہر غریب کو مفت علاج مہیا کیے جانے، ملک کے ہر بچے اور عمر رسیدہ شخص کو مفت تعلیم فراہم

کرنے، بنیادی ضروریات کی تمام اشیا آدھی قیمت پر فراہم کیے جانے، خواتین کو گھروں کے اندر ہوم انڈسٹری کی شکل میں معاشی تحفظ دیے جانے، دہشتگردی، انتہا پسندی اور فرقہ واریت کے خاتمے، ملک میں ہزاروں امن ٹریننگ سینٹر قائم کیے جانے، تعلیمی نصاب سے انتہا پسندی پر مبنی مواد نکال کر نصاب میں امن اور برداشت کے مضامین کو شامل کیے جانے، اقلیتوں کو تحفظ فراہم کیے جانے اور ملک میں مزید صوبے بنانے کے مطالبات کیے اور اپنے مطالبات کی منظوری کے لیے حکومت کو اڑتالیس گھنٹے کا الٹی میٹم دیتے ہوئے کہا کہ اگر اڑتالیس گھنٹے میں مطالبات پورے نہ ہوئے تو پھر فیصلہ عوام کریں گے۔ مبصرین نے دونوں رہنماؤں کے بیانات کو غیر جمہوری، غیر دانشمندانہ اور غیر سنجیدہ قرار دیتے ہوئے ملک و قوم کے لیے نقصان دہ قرار دیا ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ دونوں لیڈر جو طرز اپنا رہے ہیں، اس سے اشتعال اور تصادم کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا، دونوں حکومت گرانے پر تو مصر ہیں، لیکن یہ نہیں بتا پا رہے کہ حکومت کیوں گرا دی جائے، کیا آئین میں حکومت گرانے کا یہ طریقہ لکھا ہے کہ جب چند ہزار افراد حکومت سے استعفے کا مطالبہ کریں تو حکومت کو ختم کر دیا جائے، اس طرح تو کبھی بھی کوئی حکومت قائم نہیں رہ سکتی، کیونکہ ہر بار کوئی نہ کوئی لیڈر اپنے کارکنوں کو لے کر اسلام آباد میں دھرنا دے دے اور حکومت کو ختم کرنے کا مطالبہ کر دے، دونوں لیڈروں کا یہ طرز عمل سراسر غیر جمہوری ہے۔ قادری صاحب کی تو کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ

ایک طرف تو وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ سب سے پہلے ساری حکومت کو گرفتار کر لیا جائے، جبکہ دوسری جانب مطالبات کی ایک طویل لسٹ سنا دی ہے، کوئی ان سے پوچھے جب آپ سب سے پہلے حکومت کو ہی ختم کر رہے ہیں تو پھر یہ مطالبات کون پورے کرے گا؟

دونوں رہنماؤں کے غیر آئینی و غیر جمہوری بیانات آنے کے بعد انہیں ہر طرف سے کافی تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ نامور قانون دان اور سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کی سابق صدر عاصمہ جہانگیر کا کہنا تھا کہ لوگوں کو اکٹھا کرکے حکومت کو یرغمال بنانا سنگین مذاق ہے، اس پورے کھیل میں امپائر اور کھلاڑی عمران خان ہی ہیں، تحریک انصاف کے چیئرمین سیاسی اداروں کو کمزور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور غیر آئینی مداخلت کو دعوت دے رہے ہیں، کپتان کو تہذیب کے دائرے میں رہ کر سیاست کرنی چاہیے۔
وکلاء کے اہم اجلاس میں فیصلہ ہوا ہے کہ اگر کوئی غیر آئینی اقدام ہوا تو ہم سڑکوں پر نکلیں گے۔ عمران خان اور قادری کے موقف میں یکسانیت نہیں، طاہر القادری کہتے ہیں کہ الیکشن ہی نہ ہوں، پھر آرٹیکل 62 اور 63 میں جو آئے گا، اس کے الیکشن ہوں، تو میں دعویٰ کرتی ہوں کہ عمران خان اور طاہر القادری 62 اور 63 پورا اتر کر دکھائیں، اگر وہ پورے اترتے ہیں، کسی بھی غیر جانبدار ادارے کے ذریعے الیکشن کرالیں گے۔
پیپلز پارٹی کے رہنما قمر زمان کائرہ نے کہا ہے کہ طاہر القادری نے کہا کہ وزیر اعظم استعفیٰ دیں اور اسمبلیاں تحلیل کردیں، لیکن اس کی انھوں نے کوئی

وجہ نہیں بتائی، کیا کسی کی خواہش کے مطابق یہ سب کچھ کر دیا جائے، ایسا ممکن نہیں ہے۔ جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن کا کہنا تھا کہ آزادی و سونامی مارچ کا وقت گزر چکا ہے، اب آزادی نہیں ناچ مارچ ہے، حکومت کے خلاف سازش پر مقدمات درج کیے جائیں۔ رہنما مسلم لیگ (ن) مشاہد اللہ خان کا کہنا تھا کہ چارٹر آف ڈیمانڈ ٹریڈ یونین میں ہوتا ہے۔ آپ کے کہنے پر یہ سب کیوں کریں؟ یہ آئینی ہیں یا غیر آئینی، یہ بعد کی بات ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ کس سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ حکومتیں ختم ہو جائیں، چلے جائیں یہ کس کو کہہ رہے ہیں۔ عمران خان اور طاہر القادری دونوں قلابازیاں کھانے کے ماسٹر ہیں۔

ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کا کہنا ہے کہ پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک معاملات کو مطالبات تک ہی محدود رکھیں اور حکومت کو دیے گئے اپنے الٹی میٹم واپس لیں۔ ریڈ زون میں داخل ہونے، حکومتی تنصیبات پر یلغار کرنے اور انھیں کسی قسم کا نقصان پہنچانے سے گریز کریں۔ دونوں جماعتیں تشدد کا ہر راستہ اور طریقہ اختیار کرنے سے گریز کریں۔ حکومت بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے احتجاج کرنے والی جماعتوں سے مذاکرات کا فی الفور آغاز کرے۔ امیر جماعت اسلامی سراج الحق کہتے ہیں کہ آئین نے ہی ملک کی مختلف قومیتوں اور مسالک کو جوڑ کر رکھا ہے، اس لیے کسی قیمت پر آئین کو توڑنے

اور جمہوریت کو ڈی ریل نہیں ہونے دیں گے۔ اسلام آباد میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس سے پوری قوم پریشان ہے کہ ملک کس نہج پر جا رہا ہے اور جمہوریت کا کیا مستقبل ہے۔ جبکہ اس موقع پر قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف سید خورشید شاہ کا کہنا تھا کہ ہمیں آئین اور جمہوریت سے ہر گز ناامید نہیں ہونا چاہیے، وہ پ±رامید ہیں کہ ہم بہتری کے راستے پر جائیں گے، کیونکہ لاہور سے چلنے والے دونوں لانگ مارچ انتہائی پرامن طریقے سے اسلام آباد پہنچے۔ عوامی نیشنل پارٹی کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات سینیٹر زاہد خان نے کہا کہ عوامی نیشنل پارٹی نے اس عزم کا اعادہ کیا ہے کہ آنے والے دنوں میں سیاسی حالات خواہ کچھ بھی ہوں لیکن اے این پی اپنی سیاسی روایات اور اقدار کے مطابق ہر صورت میں جمہوریت اور آئین کا تحفظ کرے گی، کیونکہ اسلام آباد میں بعض لیڈر جو مطالبات کر رہے ہیں، ان سے بحران پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عمران خان کے ساتھ ہاتھ ہو گیا ہے اور وہ کسی کے ٹریپ میں آ گئے ہیں، جن کی ایما پر وہ اسلام آباد آئے تھے، اب وہ ان سے لاتعلق ہو گئے ہیں اور لوگوں سے پوچھ رہے ہیں کہ انہیں دھکا کس نے دیا تھا۔

سول نافرمانی کا اعلان۔۔۔۔سیاسی خودکشی یا خودکش حملہ؟

ملک میں یوم آزادی سے عمران خان اور طاہر القادری کی قیادت میں شروع ہونے والے ہزاروں افراد پر مشتمل "انقلابی مارچ" دھرنوں میں تبدیل ہو کر بار بار حکومت کے خاتمے کی ڈیڈ لائنز دے رہے ہیں۔ طاہر القادری کی جانب سے وزیر اعظم اور پوری حکومت کو استعفے کے لیے دی گئی ڈیڈ لائن تادم تحریر ختم ہوئی چاہتی ہے، جبکہ عمران خان کی ایک ڈیڈ لائن ختم ہو کر دوسری دو روزہ ڈیڈ لائن جاری ہے۔ طاہر القادری کہتے ہیں کہ حکومت چند گھنٹوں کی مہمان ہے، حکمرانوں کو گرفتاری دینا ہوگی۔ انقلاب کا وقت آن پہنچا ہے، جبکہ عمران خان مسلسل حکومت کو دھمکیاں دیتے ہوئے وزیر اعظم سے استعفے کا مطالبہ کر رہے ہیں، بصورت دیگر ریڈ زون میں گھس جانے کا انتباہ کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ ذرائع کے مطابق ریڈزون کی حفاظت پر معمور سیکورٹی اہلکاروں کی تعداد شاید عمران خان کے کارکنوں سے زیادہ ہے، یا یوں کہیے کہ مارچ میں شریک پی ٹی آئی کے کارکنوں کی تعداد سیکورٹی اہلکاروں سے بھی کم ہے۔ میڈیا کے مطابق عمران خان سے تو قادری صاحب ہی زیادہ بندے لے آئے ہیں، پی ٹی آئی کا جنون کیا ہوا؟ لیکن ناکامی کی خفت سے بچنے کے لیے عمران خان نے سول نافرمانی کا اعلان کرتے ہوئے وزیر اعظم کو استعفیٰ دینے کے لیے دو دن کی مہلت دی ہے۔ دھرنے سے خطاب

کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ وقت آ گیا ہے کہ ہم سول نافرمانی کی مہم شروع کریں اور جب تک نواز شریف استعفیٰ نہیں دیتے ہم ٹیکس نہیں دیں گے، آج سے میں نہ ٹیکس دوں گا، نہ بجلی اور گیس کے بل دوں گا۔ عمران خان کی تقریر کے دوران مجمع میں موجود کارکنان نے سول نافرمانی کی تحریک پر اکتفا کرنے کی حمایت نہیں کی تو عمران خان نے پہلے وزیر اعظم کو مستعفی ہونے کے لیے سات دن اور پھر کم کرکے دو دن کی مہلت دیتے ہوئے کہا کہ نواز شریف کو دو دن کی مہلت دیتے ہیں کہ وہ استعفیٰ دے دیں، ورنہ کارکنان میرے بس میں نہیں رہیں گے اور نواز شریف اقتدار چھوڑیں، ورنہ انھیں عوام کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تو عوام ان کے ساتھ بہت برا سلوک کرے گی۔ دوران تقریر عمران خان کی جانب سے سول نافرمانی کی تحریک کے اعلان کے بعد کارکنان مایوس ہوگئے اور ان کے جھنڈے جھنڈ چیئرمین تحریک انصاف کی تقریر ختم ہونے سے قبل ہی جانا شروع ہوگئے۔ پی ٹی آئی کے بعض کارکنوں کا کہنا تھا کہ وہ دور دراز علاقوں سے اہل خانہ کے ہمراہ اس اعلان کے لیے یہاں نہیں آئے تھے، بلکہ ان کا خیال تھا کہ عمران خان ایسا اعلان کریں گے، جس سے لوڈ شیڈنگ، مہنگائی اور دیگر مسائل سے نجات ملے گی، تاہم وہ حقیقت پسند شخص نہیں ہیں۔ عمران خان کی جانب سے سول نافرمانی کے اعلان کے بعد ہر حلقے کی جانب سے انہیں تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، کیونکہ سول نافرمانی کا اعلان سراسر ملک کے نقصان میں ہے۔ ایک برطانوی میڈیا گروپ نے جب عمران خان کے سول نافرمانی کے اعلان کے حوالے سے

تاثرات جاننا چاہے تو فیض امین سبحانی نے جواب دیا "پاگل پن" ہے، جبکہ عزیز الدین کا کہنا تھا کہ "سیاسی خودکشی" شاہد رفیق نے کہا کہ "ہمیں یقیناً قانون کی پیروی کرنی چاہیے اور قانون پسند شہری ہونا چاہیے۔ محمد علی جناح نے آئین کے اندر رہتے ہوئے جدوجہد کی۔" معروف اینکر اور تجزیہ کار طلعت حسین نے ٹویٹ کی کہ 'ناقابلِ یقین۔ مجھے یقین نہیں آ رہا میں جو سن رہا ہوں عمران سے۔ سول نافرمانی؟ یہ کیا سوچ رہا ہے؟ ایک عقیدے کے رہنما کی طرح حرکتیں کرنے والا شخص، جسے اب پاکیزگی، انصاف، مساویانہ حقوق، سچائی کی علامت بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، جو ریڈ زون کے ذریعے پارلیمان پر قبضہ کرنے کی دھمکیاں دیتا ہے۔" صلاح الدین کہتے ہیں "پولیٹکل اکانومی اور اسٹیٹ سٹرکچر سے نابلد شخص کی ہوائی باتیں ہیں۔" جبکہ ضیغم مرزا نے ٹویٹ کی کہ "سول نافرمانی کی تحریک سے سرکاری خزانہ خالی ہو جائے گا اور حکومت کو پھر سے امریکا سے بھیک مانگنی پڑے گی۔ قرضے، قرضے، قرضے۔" عبیداللہ کا کہنا تھا کہ "عمران خان نے آج اس بات کو سچ ثابت کر دیا ہے کہ بشمول ان کے، ان کی جماعت میں سیاسی بصیرت کا فقدان ہے۔" پاکستان تحریکِ انصاف کے حامیوں نے بھی ردِ عمل دیا۔ واجد علی نے ٹویٹ کی کہ 'سخت مایوسی ہوئی ہے۔" فیاض معظم نے لکھا کہ "یہ بالکل اچھا خیال نہیں ہے"، جبکہ ابصار شیرازی نے ٹویٹ کی کہ "ایک بات کی سمجھ نہیں آئی کہ صوبے کی حکومت سے دستبرداری کے بغیر نظام سے بغاوت کا کیا مطلب؟" رضوان سلیم نے ٹویٹ کی کہ "سول نافرمانی لانگ مارچ سے

پہلے ہوتی ہے، الٹی گنگا کا بہنا نا ممکن ہے، صرف لانگ مارچ سے با عزت واپسی کا اقدام ہے"۔

مسلم لیگ نواز کے سینیٹر مشاہد اللہ نے عمران خان کی جانب سے سول نافرمانی کی تحریک کے اعلان کو ریاست کے خلاف "بغاوت" پر اکسانے کے مترادف قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس قسم کی تحریک چلانے سے ملک میں انتشار پھیلے گا۔ عمران خان جو کچھ کر رہے ہیں، وہ سیاسی خود کشی ہے۔ عمران خان کو اندازہ ہی نہیں ہے کہ انہوں نے کیا بات کی ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن کہتے ہیں کہ پاکستان تحریک انصاف کی طرف سے اسلام آباد میں شروع کیا گیا احتجاج سمجھ سے بالاتر ہے۔ خیبر پختونخوا میں پی ٹی آئی کی قیادت میں مخلوط حکومت کے دن گنے جا چکے ہیں اور جلد ہی اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ دس لاکھ افراد کے دعوے کی بجائے پی ٹی آئی صرف دس ہزار لوگوں کو اسلام آباد میں اکھٹا کر سکی ہے۔ غیر جمہوری حکومت کے اقتدار میں آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ جمہوریت کو پٹری سے ا ±تارنے کی اجازت کسی کو نہیں دیں گے۔ جبکہ جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق اور پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنما خورشید شاہ نے ملاقات کے دوران جمہوریت کے تحفظ پر اتفاق کرتے ہوئے کہا ہے کہ جذبات کی بجائے ٹھنڈے دماغ سے کام لینا چاہیے، قوم صورتحال پر پریشان ہے۔ دوسری جانب آل پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے صدر زکریا عثمان نے پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ

عمران خان کی جانب سے سول نافرمانی کی تحریک چلانے کے اعلان پر شدید رد عمل ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے کہ تاجر برادری ٹیکس نہ دینے کی اپیل مسترد کرتی ہے۔ چند روز میں اس ہنگامے میں تقریباً 12 ارب کا نقصان ہو چکا ہے۔ سیاستدانوں کو سوچنا چاہیے کہ ان حالات میں برآمدات کیسے کی جائیں گی۔ اگر بجلی کے بل نہ دیے اور بجلی کٹ گئی تو ملازمین کا کیا ہوگا، جو افراد یومیہ اجرت پر کام کرتے ہیں، وہ بے چارے کہاں جائیں گے۔ عمران خان کو ایسے بیانات سے گریز کرنا چاہیے اور مفاہمت کی جانب قدم بڑھانے چاہیے۔

تجزیہ کاروں کے مطابق حکومت کو مفلوج کرنے کے لیے سول نافرمانی ایک طویل المدت اقدام ہے، اگرچہ فوری طور پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا، لیکن عمران خان نے سول نافرمانی کا اعلان کرکے خودکش حملہ کیا ہے، عمران خان سول نافرمانی کے الفاظ کی سنگینی کو نہیں سمجھتے، جو لوگ اسمبلی کی سیٹیں اور صوبائی حکومت نہیں چھوڑ سکتے، وہ قوم سے اتنی بڑی قربانی مانگ رہے ہیں۔ انتخابی اصلاحات کرنے کے لیے آئینی طریقہ کار موجود ہے، اگر ایک دفعہ بھی ان جتھوں یا مجمع کے ذریعے سیاسی مطالبات کو مان لیا گیا تو بہت سے لوگ اسلام آباد آئیں گے، اس طرح ریاست پاکستان کی جو انتظامی رِٹ رہ گئی ہے، وہ بھی ختم ہوجائے گی، اس کے اثرات ریاست پاکستان پر ہوں گے۔ اگر صرف پنڈی اور آس پاس کے مدارس کے لاکھوں طلباء شریعت کے نفاذ کے لیے اسلام آباد پر چڑھ

دوڑے ں تو کیا انہیں کوئی قابو کر پائے گا؟ عمران خان مایوس ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ معاملہ ادھر جائے، جہاں حکومت کسی اہم چیز پر بات کرے، سول نافرمانی کا اعلان احمقانہ بات ہے، اگر عمران خان جیت گئے تو یہ پاکستان کی سب سے بڑی بد قسمتی ہوگی، کیونکہ پھر ہر چھ مہینے بعد لانگ مارچ ہوگا اور اگر وہ بالکل ہار گئے تو یہ دوسری بڑی بد قسمتی ہوگی کہ پھر حکمران مکمل بادشاہ بن جائیں گے۔ عمران خان اس وقت جذباتی کیفیت میں ہیں، اس لیے سوچے سمجھے بغیر باتیں کر رہے ہیں، ان کے گرد جو سیاسی بونے ہیں، وہ ان سے غلطیاں کروا رہے ہیں۔ عمران خان کا اندازہ غلط ثابت ہوا کہ وہ دس لاکھ افراد جمع کر سکیں گے، سول نافرمانی کی کال سے ان پر تنقید کا آغاز ہو گیا ہے۔ عمران خان نے اپنے لیے پیچھے جانے کا راستہ باقی نہیں چھوڑا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کی طرف سے سول نافرمانی کا اعلان ان کی جمہوریت سے مایوسی کو ظاہر کرتا ہے۔ جنوبی ایشیا کی صد سالہ تاریخ میں ایسا اقدام دوسری مرتبہ ہوا ہے۔ قبل ازیں گزشتہ صدی کے اوائل میں غیر منقسم ہندوستان پر برطانوی سامراج کے قبضے سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایسی تحریک شروع کی گئی تھی، جس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی، اس تحریک کا مقصد سات سمندر پار سے آئے غاصبوں کو ملک سے نکالنا تھا، لیکن عمران خان نے منتخب حکومت کے خلاف سول نافرمانی کا اعلان کرکے ان خدشات کو مضبوط کیا ہے کہ ملک عزیز میں جاری ایجی ٹیشن کسی ایسی غیر ملکی

طاقت کا ایجنڈا ہے، جو پاکستان کے استحکام کو مکمل طور پر نابود کر دینے کے درپے ہے، اس کے ذریعے نہ صرف ناتواں معیشت زمین بوس ہو سکتی ہے، بلکہ پاکستان کا دفاع بھی برباد ہو سکتا ہے۔ عوام جب سرکاری محصولات دینے سے انکار کر دیں گے تو اس سے ملک میں ہر قسم کی ترقی کا پہیہ رک جائے گا، ملک کے دفاع پر اٹھنے والے اخراجات عدم دستیاب ہو جائیں گے، سرکاری ملازمین کی تنخواہیں رک جائیں گی، تعلیمی ادارے اور ہسپتال بند ہو جائیں گے۔ اس لیے ایسی کسی بھی کوشش سے ملک کو نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا عمران خان کو ایسے اقدامات سے گریز کرنا چاہیے۔

خدا کے نام پر خلق خدا مٹا رہے ہیں

ان دنوں عالم اسلام کے تقریباً تمام ممالک ہی اغیار کی بیداری و عیاری اور مسلمانوں کی نااہلی و کاہلی کی وجہ سے بری طرح عدم استحکام کا شکار ہیں۔ چند ایک کے سوا ہر مسلم حکومت موجودہ حالات سے نمٹنے میں نہ صرف ناکام دکھائی دے رہی ہے، بلکہ خاصی بوکھلاہٹ کا شکار بھی ہے اور حالات بہتر ہونے کی بجائے دن بدن بدتر ہو رہے ہیں۔ "لڑاؤ اور حکومت کرو" کے استعماری فلسفے کی بدولت عالم اسلام میں سکون و چین عنقا ہو چکا ہے اور پورا عالم اسلام زخموں سے چور اور لہولہان ہے۔ ہر صبح نکلنے والا سورج ان زخموں میں اضافہ اور آتش فشاں بننے کی نوید سناتا ہے۔ بم دھماکے، خودکش حملے اور قتل و غارت گری کا عفریت منہ کھولے امت مسلمہ کو ہڑپ کرنے کو بے چین نظر آتا ہے۔ ہواؤں میں تخریب کی ایک ب±و سی رچی بسی ہے۔ عالم اسلام کی سوگوار فضائیں آہ و بکا اور سسکیوں سے گونج رہی ہیں، آشیانے ویران ہو رہے ہیں، بچے یتیم، بیویاں بیوہ اور ماؤں کی آنکھیں تاریک ہو رہی ہیں۔ مسلمانوں کی لاشیں خزاں رسیدہ پتوں کی طرح گر رہی ہیں اور انسانی جان سمندر کے ساحل پہ بکھری ریت کے ذروں سے بھی ارزاں معلوم ہوتی ہے۔ مسلم ممالک شورش زدہ ممالک میں تو سرفہرست، جب کہ پرامن ممالک کی فہرست کی آخری سطروں میں بھی نام نظر نہیں آتا۔ سب سے خوفناک و خطرناک بات

تو یہ ہے کہ ایسے تباہ کن حالات پیدا کرنے میں دشمن کم، مسلمان زیادہ ملوث ہیں۔ مسلمان خود ہی اپنے مسلمان بھائیوں کو قتل کرنے اور مسلم ممالک کو تباہ و برباد کرنے میں مشغول ہیں، قتل ہونے والے بھی اسلام کے ماننے والے اور قتل کرنے والے بھی اسلام کے پیروکار ہیں۔ دشمن کا کام صرف تیلی لگانا ہے، جبکہ ان کا باقی سارا کام خود ہی سرانجام دیتے ہوئے مسلم ممالک میں خونریزی کی بڑھکتی ہوئی آگ پر تیل بھی خود مسلمان ہی ڈال رہے ہیں۔ بقول شاعر مسلم ممالک کی حالت کچھ یوں دکھائی دیتی ہے

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

جب مسلمان خود ہی اپنے ممالک کو برباد کرنے اور اپنے ہی مسلمان بھائیوں کو تہہ و تیغ کرنے پر تلے ہوں تو پھر کسی دوسرے سے کیا گلہ۔ اگر ہم پوری دنیا پر ایک طائرانہ نظر دوڑائیں تو ہمیں قتل و قتال اور خونریزی مسلمان ممالک میں ہی دیکھنے کو ملتی ہے اور وہ بھی مسلمانوں کے ہی ہاتھوں۔ مسلم ممالک میں مسلمانوں کے ہاتھوں بے تحاشہ مسلمانوں کا خون بہایا جارہا ہے۔ گزشتہ ماہ ترکی میں منعقدہ استنبول کانفرنس کے دوران اس بات کا انکشاف کیا گیا تھا کہ "دنیا بھر میں روزانہ ایک ہزار مسلمان قتل کیے جاتے ہیں اور ان کے 90 فی صد قاتل بھی مسلمان ہی ہوتے ہیں۔ نہ صرف شام اور عراق، بلکہ لیبیا

پاکستان اور افریقہ میں مسلمانوں کو ان کے اپنے مسلمان بھائی ہی قتل کر رہے ہیں۔ بغداد اور دمشق سمیت اسلامی دنیا کے کئی علاقوں میں مصائب، تشدد اور تنازعات ہر مسلمان کے دلوں کو گہرا زخمی کرتے ہیں۔ بوکو حرام اور آئی ایس آئی ایل جیسی مذہبی تنظیموں کے واقعات جدید زمانے میں اسلامی تہذیب کو زنگ آلود کر رہے ہیں۔" اسی طرح گزشتہ دنوں سعودی عرب کے مفتی اعظم عبد العزیز آل الشیخ نے بھی مسلم ممالک میں مسلمانوں کے ہاتھوں ہونے والے قتل عام کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے: کسی مومن کا دوسرے مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنا قطعاً جائز نہیں۔ درست ایمان کا" تقاضہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگیوں کا احترام کیا جائے، قتل کرنا کمال ایمان کی ضد اور کمی کی دلیل ہے۔ آج قتل مقاتلے کی انتہائی قابل نفرت صورتیں ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔ یہ اقدامات اسلام دشمنی کا پہلا مرحلہ ہیں۔ ان جرائم کا پرچار میڈیا پر دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمانوں کو کیسے قتل کرتا ہے۔ ایسے قتل کے مرتکب افراد کے ڈانڈے بین الاقوامی خفیہ ایجنسیوں سے ملتے ہیں۔ اسلام کی داعی انتہا پسند جماعتیں بین الاقوامی خفیہ ایجنسیوں کی پیداوار ہیں، ان کا مقصد زمین میں فساد پھیلانا ہے۔ یہی مسلمانوں کا خون بہانے کے درپے ہیں اور یہی بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اسلامی شریعت کا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تمام مسلمانوں کو انہیں مسترد کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ جماعتیں اپنے جرائم کو اسلام کا نام دے کر چھپانے کی کوشش کرتی ہیں اور حتمی طور پر اسے

جہاد" قرار دیتی ہیں۔ جو لوگ اپنی غیر اسلامی حرکتوں کو جہاد کا نام دیتے ہیں، انہیں" جان لینا چاہیے کہ وہ جہاد نہیں، بلکہ ظلم اور زیادتی کا ارتکاب کر رہے ہیں، جو کسی طور جہاد قرار نہیں دی جا سکتی۔ مسلمان نوجوان ان انتہا پسند جماعتوں کا ہدف نہ بنیں، کیونکہ "ان کی نیت زمین میں فساد پھیلانا ہے۔

یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ مسلمان ملکوں میں ایسے سادہ لوح اور انتہا پسند افراد کی بہتات ہے، جو بعض انتہا پسند مذہبی پیشواؤں اور تنظیموں کے ہاتھوں اسلام کے نام پر آسانی سے استعمال ہو جاتے ہیں اور ان نوجوانوں کو استعمال کرنے والے بہت سے عناصر کی باگ ڈور بھی طاغوتی طاقتوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ میڈیا پر یہ خبریں آچکی ہیں کہ مختصر مدت میں انتہا پسند جماعتوں کی بہتات طاغوتی طاقتوں کی کاوشوں کا نتیجہ ہے، جس کا مقصد مسلم ممالک کو عدم استحکام کا شکار کرنا ہے۔ مسلم دشمن عناصر سادہ لوح مسلم افراد کو اسلامی نظام کی جدوجہد کا جھانسا دے کر اپنے دام فریب میں جکڑ لیتے ہیں اور پھر ان سے ان کے ہی مسلمان بھائیوں کو قتل کرواتے ہیں۔ اس طرح یہ سادہ لوح افراد دانستہ یا غیر دانستہ طور پر طاغوتی قوتوں کا کام آسان کر رہے ہوتے ہیں۔ اسلام نے "مسلم امہ" کو بالکل واضح الفاظ میں یہ سمجھایا ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ ایک بار ہادی

عالم نے فرمایا: "کسی مسلمان کی جان، مال اور آبرو کا تقدس کعبہ سے بھی زیادہ ہے۔ کسی مسلمان کی جان، مال اور آبرو پر ناحق حملہ آور ہونا کعبہ کو ڈھا دینے سے بھی بڑا جرم ہے، (مفہوم)۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے: "جو مسلمان پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔" نبی برحق نے یہ بھی فرمایا: "جب دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار اٹھالیں تو وہ جہنم کے کنارے پر ہوتے ہیں اور پھر جب ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کر ڈالے تو دونوں جہنم میں داخل ہوجاتے ہیں۔" صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارا سب کچھ آپ پر قربان، بات سمجھ نہیں" سکے، قاتل کا جہنمی ہونا تو سمجھ میں آتا ہے، مقتول کیسے جہنمی ہوگیا؟" تو کائنات کے کامل ترین رہنما نے فرمایا "کیونکہ ارادہ تو مقتول کا بھی اپنے مسلمان بھائی کو قتل کرنے کا تھا۔" ان کھلی مذہبی تنبیہات کے باوجود بھی مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کو مذہب کے نام پر ہی قتل کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی مذہب اسلام تو کہتا ہے کہ ایک انسان کی جان کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے۔ اس سے زیادہ افسوس کی بات کیا ہوگی کہ جو مذہب انسانی جان کی جتنی زیادہ تاکید کے ساتھ حرمت بتاتا ہے، مسلمان اسی مذہب کے نام پر اس کی اتنی ہی زیادہ بے حرمتی کر رہے ہیں۔ ان حالات میں فقیر علی زریون کا یہ شعر یاد آتا ہے

دکھا ہوا ہوں میں ان سب سے علی زریون
خدا کے نام پر خلق خدا مٹا رہے ہیں

مذاکرات پر آمادگی۔۔۔۔خطرہ ٹل گیا؟

14 اگست کے بعد سے پاکستانی قوم شدید کوفت میں مبتلا ہے۔ تادم تحریر عمران خان اور طاہر القادری اپنے "جنونی کارکنوں" کے ساتھ پارلیمنٹ کے سامنے دھرنا دیے بیٹھے ہیں۔ دونوں "انقلابیوں" کی جانب سے اپنے کارکنوں سمیت ریڈزون میں گھسنے اور حکومت کی جانب سے ریڈزون میں نہ گھسنے دینے کے اعلانات کے بعد خون خرابے کے خدشات بڑھ گئے تھے اور پوری قوم خوف و پریشانی میں مبتلا تھی، لیکن حکومت نے سمجھداری کا مظاہرہ کیا اور مظاہرین کی تعداد سے بھی زیادہ الرٹ سیکورٹی اہلکاروں کو گولی چلانے سے روک دیا، کیونکہ ذرائع کے مطابق وزیراعظم ہاؤس میں ہونے والے اجلاس میں یہ طے پایا تھا کہ عمران خان اور طاہر القادری کے "کارکنوں" پر گولی نہیں چلانی، کیونکہ دونوں صاحبان کو ضرورت ہی لاشوں کی ہے، یہ دونوں لاشوں کی سیاست کرنا چاہتے ہیں اور ہر صورت خون خرابہ کروا کر اپنے مطالبات منوانا چاہتے تھے۔ وفاقی وزرا کا کہنا تھا کہ تحریک انصاف اور عوامی تحریک نے اپنا ایک بھی وعدہ پورا نہیں کیا۔ یہ لوگ چاہتے ہیں انہیں کچھ نشستیں ملیں، لیکن ہم ایسا موقع انہیں فراہم نہیں کریں گے، حکومت طاقت کا استعمال نہیں کرے گی، ہمارے نزدیک انسانی جانیں زیادہ مقدم ہیں، کوئی تصادم ہوا تو ذمہ دار عمران

خان اور طاہر القادری ہوں گے۔ عمران خان اور طاہر القادری اپنا عہد توڑ کر ریڈزون میں داخل ہوئے۔ مذاکرات کے لیے پہلے دن سے کوشش کر رہے ہیں، لیکن یہ بات نہیں کرنا چاہتے۔ جبکہ بدھ کے روز طاہر القادری نے دھرنے کے دوران اپنے کارکنوں کو پارلیمنٹ کا گھیراؤ کرنے کا حکم دیا، جس کے بعد انقلاب مارچ کے شرکا طاہر القادری کے حکم پر پارلیمنٹ ہاؤس کے بعد وزیر اعظم ہاؤس کے قریب پہنچے۔ مردوں اور خواتین نے پارلیمنٹ کا گھیراؤ کیا اور طاہر القادری نے پارلیمنٹ کو یرغمال بناتے ہوئے کہا کہ جو اسمبلی کے اندر ہے وہ اندر رہے اور جو باہر ہے وہ باہر رہے۔ جو پارلیمنٹ سے باہر نکلے گا اسے کارکنوں کی لاشوں سے گزرنا ہوگا۔ جس کے بعد ارکان اسمبلی نے وزیر اعظم کو کسی بھی صورت میں استعفیٰ نہ دینے کا مشورہ دیا، محمود خان اچکزئی نے اپنی تقریر میں کہا یہ 20 کروڑ عوام کی نمائندہ پارلیمنٹ ہے، ہم کسی عوامی پارلیمنٹ کو نہیں صرف منتخب پارلیمنٹ کو مانتے ہیں۔ یہ بالکل غیر جمہوری و غیر آئینی و غیر قانونی طریقہ ہے، ہمیں کوئی بھی پارلیمنٹ میں آنے سے نہیں روک سکتا، اگر کوئی پارلیمنٹ میں داخل ہوا تو ہماری لاشوں پر سے گزرے گا، کسی صورت جمہوریت کو نقصان نہیں ہونے دیں گے، عمران خان اور طاہر القادری غیر آئینی و غیر قانونی طریقہ اختیار کیے ہوئے ہیں، پارلیمنٹ چند ہزار لوگوں کی جاگیر نہیں ہے، بلکہ کروڑوں پاکستانیوں کی امانت ہے، اگر آج دونوں نے چند ہزار لوگوں کو جمع کرکے پارلیمنٹ کو یرغمال بنایا ہے تو ہم بھی

کراچی سے کوئٹہ تک شہر شہر میں جلسے جلوس نکال سکتے ہیں۔ جے یو آئی (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن کا کہنا تھا کہ تمام سیاسی جماعتیں اور پارلیمنٹ آئین کے تحفظ پر متفق ہیں۔ ہم نے جمہوریت کی بقا کے لیے قربانیاں دی ہیں۔ وزیر اعظم واضح طور پر اعلان کریں کہ وہ استعفیٰ نہیں دیں گے۔ شازیہ مری کا کہنا تھا کہ طاہر القادری نظام کے خلاف بغاوت اور ریاست سے لڑ رہے ہیں۔

دوسری جانب عمران خان کا یہ اعلان تھا کہ نواز شریف اگر شام آٹھ بجے تک مستعفی نہیں ہوتے تو پارلیمنٹ میں گھس جاؤں گا، ہمیں نہ پولیس روک سکتی ہے اور نہ ہی فوج روک سکتی ہے، کارکن میرے بس میں نہیں رہیں گے۔اس کے ساتھ ہی عمران خان نے بدھ کے روز دوپہر سوا تین بجے اپنے ایک ٹویٹر پیغام میں کارکنوں کو شام تک ڈی چوک پر پہنچ جانے کا حکم دیتے ہوئے کہا کہ آج رات ڈی چوک پر آزدی کا جشن منائیں گے، چاہتا ہوں کہ پاکستانی عوام تمام رکاوٹیں توڑ کر وفاقی دارالحکومت پہنچ جائے۔ پولیس کو خبر دار کرتا ہوں کہ ہمارے گرفتار لوگوں کو چھوڑ دے، ورنہ ہم انھیں اپنے کارکنوں کو غیر قانونی طور پر حراست میں لینے پر سخت سزا دیں گے۔ جبکہ تحریر لکھے جانے کے وقت تحریک انصاف نے حکومت کے ساتھ فوری طور پر مذاکرات کرنے سے انکار کیا ہے،اس سے پہلے شاہ محمود قریشی کا کہنا تھا کہ ہم حکومت سے مذاکرات کے لیے کل بھی تیار تھے اور آج بھی تیار ہیں، لیکن یہ مذاکرات وزیر اعظم کے استعفے سے

مشروط ہیں، وزیر اعظم کے استعفے کے بعد ہی کوئی بات ہو سکتی ہے اور عمران خان کا کہنا تھا کہ مذاکرات ہو سکتے ہیں، پہلے نواز شریف استعفیٰ دیں اور استعفے کے بعد سپریم کورٹ بات چیت کی ضمانت دے۔ جبکہ ذرائع کا کہنا ہے کہ وزیر اعظم کسی صورت بھی استعفیٰ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ دوسری جانب طاہر القادری نے مذاکرات پر آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مذاکرات کا حامی ہوں، حکومت سمیت کسی کے ساتھ مذاکرات سے انکار نہیں کیا، لیکن ابھی تک حکومتی وفد بات چیت کے لیے نہیں آیا۔ تجزیہ کاروں کا کہنا تھا کہ اگر دونوں لیڈر مذاکرات کرکے معاملات حل کر لیتے ہیں تو یہی ملک کے مفاد میں ہیں، لیکن دونوں کے مارچوں کا مقصد کچھ اور ہی تھا، دونوں لیڈروں نے جان بوجھ کر تشدد کی راہ اپنائی ہے، تاکہ کارکنوں کے اشتعال کے رد عمل میں سیکورٹی اہلکار بھی مشتعل ہو کر خون خرابہ کریں، جس سے مزید انتشار پھیلے اور ان کی سیاست کو چار چاند لگ جائیں، کیونکہ ہمیشہ سیاسی لیڈر اپنی کامیابی کے لیے کارکنوں کی لاشوں کے محتاج رہتے ہیں۔ انہیں ہر حال میں اپنے کارکنوں کی لاشیں چاہیے ہوتی ہیں اور کارکن تو اپنے لیڈر کی عقیدت میں اندھے ہوتے ہیں، جنہیں لیڈر نے تیار ہی اپنے لیے استعمال کرنے کے لیے کیا ہوتا ہے۔ جیسے ماڈل ٹاؤن کی لاشوں نے طاہر القادری کی غیر جمہوری سیاست کو میڈیا میں زندہ رکھا ہوا ہے۔ دونوں لیڈروں کے دست راست شیخ رشید نے تو بدھ کے روز بھی لاشوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر ایک لاش گری تو پھر بہت زیادہ لاشیں

گریں گی اور اسی طرح وہ پندرہ اگست کو بھی گجرات میں ہلکے پھلکے تصادم کے بعد یہ کہہ چکے ہیں کہ حکومت نے خانہ جنگی کی ابتدا کر دی ہے۔ مبصرین کے مطابق خدا نخواستہ اگر دونوں رہنما اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے، تو ملک میں خانہ جنگی کا خطرہ ہے، کیونکہ لاشوں کا یہ سلسلہ کسی ایک شہر تک رکنے والا نہیں، بلکہ جہاں ان دونوں جماعتوں کے کارکن ملک بھر میں ہیں، وہیں حکمران جماعت کے کارکن بھی ملک بھر میں ہیں، یہ تصادم ملک کو کسی بڑے بحران سے دوچار کر سکتا ہے۔ ملک دشمن تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ کسی طرح پاکستان کو بھی عراق و شام کی طرح بنا کر دم لیں۔ لہٰذا دونوں رہنماؤں کا رویہ نہ صرف غیر جمہوری و غیر آئینی ہے، بلکہ سراسر غیر سنجیدہ بھی ہے، جو ملک کے لیے نقصان دہ ہے اور تشدد کی اس سیاست کے نتائج خطرناک نکل سکتے ہیں۔

حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے دوسری جانب بدھ کے روز وزیراعلیٰ پنجاب شہباز شریف سے ملاقات کے دوران جنرل راحیل شریف نے کہا کہ مذاکرات کے ذریعے جلد از جلد معاملات حل کیے جائیں۔ جبکہ اس سے پہلے پاکستان کی فوج کے ترجمان میجر جنرل عاصم باجوہ نے کہا تھا کہ موجودہ تعطل میں فریقین کو صبر تحمل اور تدبر سے کام لینا چاہیے اور معاملات کو وسیع تر قومی اور عوامی مفاد کے لیے بامقصد مذاکرات کے ذریعے حل کیا جائے۔ ریڈ زون میں واقع عمارتیں ریاست کی علامت ہیں اور ان عمارتوں کی حفاظت فوج کر رہی ہے۔ جبکہ

امیر جماعت اسلامی سراج الحق کا کہنا تھا کہ اس وقت ملک میں جمہوریت اور آئین کو شدید خطرہ ہے، سیاستدانوں کی نااہلی کی وجہ سے فیصلے کا مرکز اسلام آباد کے بجائے راولپنڈی بن گیا ہے۔ سیاستدان جب فیصلوں میں ناکام ہوں تو تیسرے فریق کی جانب دیکھا جاتا ہے۔ دارالحکومت میں موجودہ بحران نے نا صرف پاکستان اور عالم اسلام بلکہ پوری دنیا کو انتہائی تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔ چند دنوں میں ہماری معیشت، تجارت اور کرنسی بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ وزیر دفاع خواجہ آصف کا کہنا ہے کہ اگر اس ملک میں آئین پامال ہوا تو ملک کی بقاء خطرے میں پڑ جائے گی۔ فوج کی جانب سے ریاستی اداروں کے تحفظ کے حوالے سے جو بیان سامنے آیا ہے، وہ ایک متوازن بیان ہے، فوج بھی ریاست میں اسٹیک ہولڈر ہے، ان کے جو بھی فرائض ہیں، وہ انھیں بھرپور طریقے سے ادا کرے گی۔ وزیراعظم نواز شریف کو کروڑوں لوگوں نے منتخب کیا ہے، انھیں اراکین پارلیمنٹ کی اکثریت نے منتخب کیا ہے، چند ہزار لوگوں کی خواہش پر وزیراعظم نواز شریف قطعی طور پر استعفیٰ نہیں دیں گے، تمام سیاسی جماعتوں نے وزیراعظم پر اعتماد کا اظہار کیا ہے اور اس بات کا یقین دلایا ہے کہ کسی کو بھی غیر جمہوری طریقے سے وزیراعظم کو ہٹانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہ جمہوریت کی بقاء کا معاملہ ہے، ادارے اور جمہوریت برقرار رہنے چاہئیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ ملک کی معروضی صورت حال کی روشنی میں ملک کے مستقبل اور علاقائی مسائل پر توجہ دی جائے تو یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ ہر آنے

والا دن ایک مضبوط، مستحکم اور دفاعی لحاظ سے ناقابل شکست پاکستان کی ضرورت میں اضافہ کرتا جارہا ہے، چنانچہ اتحاد واتفاق اور قومی یکجہتی ہماری اولین ضرورت ہے اور ملک کو درپیش مسائل کا حل بھی باہمی موافقت، یگانگت اور قومی مفاد کے لیے وسیع تر تعاون میں مضمر ہے۔ وسیع تر قومی اتحاد اور باہمی اعتماد اور تعاون کو فروغ دینے کے لیے حکومت، سیاسی جماعتوں، ذرائع ابلاغ سے وابستہ اداروں، دینی ومذہبی حلقوں اور مسلح افواج اور ان کے ذیلی اداروں کو قومی مقاصد کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ پاکستان اس وقت کسی بھی قسم کے انتشار اور سیاسی عدم استحکام کا متحمل نہیں ہے۔ چھوٹے چھوٹے سیاسی اختلافات کے لیے ملک کے سارے نظام کو مفلوج کرنے کی سیاسی روایت ملک و قوم کے مفاد میں ہر گز نہیں ہے۔ قوم کو ایسے عناصر سے ہوشیار رہنا چاہیے جو تاریخ کے اس نازک موڑ پر قومی وحدت اور ملکی سلامتی میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور سیاست میں تشدد، بدزبانی اور دھونس دھمکی کے کلچر کو فروغ دے رہے ہیں۔

سیاسی جماعتیں متحد.... قادری و عمران تنہائی کا شکار!

14 اگست سے عمران خان اور طاہر القادری کی سربراہی میں اسلام آباد میں دھرنوں میں بیٹھے ہزاروں افراد منتخب وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف سے استعفے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ حکومت کی جانب سے بار بار معاملات کو مذاکرات کے ذریعے سلجھانے کی کوشش بھی کی جا چکی ہے، لیکن دونوں پارٹیوں کے سربراہوں نے حکومت کے خلاف دھرنوں کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ پاکستان عوامی تحریک (پی اے ٹی) کے سربراہ طاہر القادری اپنے حامیوں کو مسلسل حکومت کے خلاف ڈٹا رہنے پر اکسا رہے ہیں، جبکہ عمران خان کہتے ہیں کہ ہفتے کے روز تک ایمپائر کا فیصلہ آ جائے گا اور آزادی کا جشن منائیں گے، وزیر اعظم کو استعفیٰ دینا پڑے گا، لیکن وزیر اعظم نواز شریف نے ایک مرتبہ پھر پاکستان تحریکِ انصاف اور عوامی تحریک کی جانب سے استعفے کے مطالبے کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ استعفیٰ نہیں دیں گے، کیونکہ ان کے مستعفی ہونے سے ملک میں بحران پیدا ہو جائے گا۔ حکومت اس سیاسی مسئلے کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنا چاہتی ہے۔ ملک موجودہ صورتحال کا متحمل نہیں ہو سکتا اور اس سے ملک کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ نواز شریف نے مزید کہا کہ پارلیمان میں تمام جماعتیں ماسوائے ایک جماعت کے، حکومت کے حق میں ہیں اور تمام جماعتیں یکجا ہیں۔ جبکہ پارلیمنٹ نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ تمام

ارکان کی جانب سے وزیر اعظم نواز شریف کی حمایت جاری رکھی جائے گی اور ملک میں کسی بھی قسم کی غیر آئینی اور غیر جمہوری تبدیلی کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ قومی اسمبلی نے آئین اور قانون کی بالادستی کی قرارداد متفقہ طور پر منظور کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایوان بعض جماعتوں کی جانب سے اسمبلی کی تحلیل اور وزیر اعظم کے استعفے کے غیر آئینی مطالبے کو مسترد کرتا ہے، نواز شریف ملک کے منتخب وزیر اعظم ہیں، کبھی استعفیٰ نہیں دیں گے۔ غیر آئینی اور غیر قانونی تقاضوں کا کوئی جواز نہیں بنتا، 342 ارکان 38 ارکان کے ایوان کو ختم کرنے کا فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ اسی طرح سینیٹ میں بھی آئین اور پارلیمنٹ کی بالادستی کے لیے پیش کی گئی قرار داد متفقہ طور پر منظور کی گئی ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے سینیٹر سعید غنی نے جمعے کو سینیٹ میں قرارداد پیش کی، جس کی تمام ارکان نے حمایت کی۔ ارکان سینیٹ نے تحریک انصاف اور عوامی تحریک کے دھرنوں اور ان کے مطالبات کو غیر آئینی قرار دیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے مرکزی رہنما سینیٹر فرحت اللہ بابر کا کہنا تھا کہ احتجاج کرنے والی جماعتوں کی قیادت کی جانب سے پارلیمنٹ اور منتخب نمائندوں کے خلاف ہتک آمیز زبان کا استعمال انتہائی افسوسناک ہے۔ پارلیمانی اور جمہوری تاریخ میں یہ مثال کہیں نہیں ملتی کہ ایک ہجوم نے پارلیمنٹ کا داخلی راستہ بند کر دیا ہو۔ کسی کو پارلیمنٹ پر دھاوا بولنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی، ایوان کو اس صورتحال کا نوٹس لینا چاہیے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ

کل کو عسکریت پسند گروہ بھی اسلام آباد آ کر پاکستان میں حکومت کرنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ دوسری جانب عوامی نیشنل پارٹی کے مرکزی صدر اسفندیار ولی خان کہتے ہیں کہ اسلام آباد میں جاری پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے طویل دھرنے سے اگر جمہوریت کو کوئی نقصان پہنچا تو اس کے لیے پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان اور پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری ذمہ دار ہوں گے۔ عمران خان اور طاہر القادری دونوں ہی ریاست میں جمہوری نظام کو نقصان پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ملک کی تمام سیاسی جماعتوں اور جمہوری قوتوں نے عمران خان اور طاہر القادری کی ضد کو مسترد کر دیا ہے، منتخب وزیراعظم کو استعفیٰ دینے پر مجبور کرنا اور بندوق کی نوک پر نئے انتخابات کا اعلان کروانا ایک غیر جمہوری راستہ ہے۔ اس طرح کے مظاہرے غیر قانونی اور غیر آئینی ہیں، اس لیے کہ یہ ملک میں جمہوریت کو پٹڑی سے اتار سکتے ہیں۔ ہم ان دونوں دھرنوں کی مخالفت کرتے ہیں۔

دوسری جانب سیاسی جماعتوں کے علاوہ وکلا نے بھی تحریک انصاف اور عوامی تحریک کے دھرنوں کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ وفاقی دارالحکومت میں آزادی اور انقلاب مارچ کے خلاف پاکستان بار کونسل کی اپیل پر وکلا نے ملک بھر میں عدالتی کاروائی کا بائیکاٹ کیا، سپریم کورٹ میں ممکنہ غیر آئینی اقدام سے متعلق کیس کے علاوہ ملک بھر میں ہزاروں مقدمات کی سماعت نہ ہو سکی، ملک کے

کئی شہروں میں بار روموں پر سیاہ پرچم لہرائے گئے اور مذمتی قرار دادیں منظور کی گئیں۔ مختلف شہروں میں وکلا کے اجلاس اور احتجاج کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ وکلا نے عزم ظاہر کیا کہ آئین و قانون کی بالادستی کے لیے جدوجہد جاری رکھیں گے، موجودہ سیاسی بحران کی آڑ میں کوئی ماورائے آئین اقدام قبول نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ سپریم کورٹ لاہور رجسٹری میں پاکستان عوامی تحریک اور پاکستان تحریک انصاف پر پابندی عاید کرنے کے لیے درخواست دائر کی گئی۔ درخواست گزار نے اپنی پٹیشن میں موقف اختیار کیا کہ پی اے ٹی اور پی ٹی آئی کے دھرنوں سے اسلام آباد میں لوگوں کی نقل و حرکت متاثر ہو رہی ہے۔ لہٰذا دونوں جماعتوں پر آئین کے آرٹیکل 17 کے تحت پابندی عاید کی جائے۔ آرٹیکل 17 ہر شہری کو یونین سازی کا حق دیتا ہے، لیکن یہ حق پاکستان کے مفاد، خودمختاری اور استحکام، اخلاقیات اور پبلک آرڈر سے مشروط ہے۔ سپریم کورٹ نے ممکنہ ماورائے آئین اقدام کیس کے حوالے سے اپنے ریمارکس میں کہا کہ پاکستان تحریک انصاف اور عوامی تحریک اپنے دھرنوں کی جگہ تبدیل کریں۔ جسٹس جواد کا کہنا تھا کہ سپریم کورٹ کا دروازہ شاہراہ دستور پر کھلتا ہے اور احتجاج کے باعث ہمیں متبادل راستے سے عدالت آنا پڑا۔ شاہراہ دستور بلاک کرنے کی اور نہ ہی کسی غیر آئینی اقدام کی حمایت کرتے ہیں، کسی دوسری جگہ پر آپ لوگ اپنے مطالبات کی منظوری تک دھرنا جاری رکھیں، ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ جس پر طاہر القادری کا اپنے تحریری جواب میں کہنا تھا کہ دھرنے اور

احتجاج سیاسی معاملہ ہے، عدالتی نہیں، سیاسی معاملات میں مداخلت عدلیہ کے لیے نقصان دہ ہے۔ جبکہ عمران خان کی جانب سے جمع کروائے گئے تحریری جواب میں کہا گیا کہ عمران خان قانون اور آئین کی بالادستی چاہتے ہیں، وہ کسی غیر آئینی اور ماورائے آئین اقدام کے حامی نہیں۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ عمران خان اور طاہر القادری کی سیاست سمجھ سے بالاتر ہے۔ دونوں کے دھرنوں سے روز ملک کو کروڑوں روپے کا نقصان ہو رہا ہے اور پوری قوم بے یقینی کی کیفیت کا شکار ہے۔ موجودہ صورتحال بطور خاص عمران خان کے لیے لمحہ فکریہ ہے، کیونکہ طاہر القادری کا تو کچھ بھی داؤ پر نہیں لگا ہوا، وہ پہلے کی طرح اپنے کارکنوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر پھر کینیڈا روانہ ہو جائیں گے، مگر عمران خان کو تو مستقبل کی سیاست بھی یہیں رہ کر کرنی ہے۔ اگر وہ تخریبی سیاست کے ذریعے اپنی راہ میں خود ہی کانٹے بچھائیں گے تو ان کا وزارت عظمیٰ کی مسند پر بیٹھنے کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے گا، دھرنوں سے ان کی سیاست بند گلی کی جانب گامزن ہے۔ وہ قوم کو نیا پاکستان بنانے کا خواب دکھا رہے ہیں، مگر موجودہ پاکستان کا حلیہ بگاڑنے کی راہ پر چل رہے ہیں اور کسی قاعدے، قانون، اقدار، سسٹم اور ریاستی اتھارٹی کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔ انہیں یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ وہ سسٹم میں جو اصلاحات چاہتے ہیں، وہ خلا میں کسی ماورائی قوت کے ذریعے نہیں، بلکہ اسی پارلیمنٹ کے اندر رہ کر ممکن ہو سکتی ہیں، جس کی وہ بساط لپیٹنے کی تگ

و دو میں مصروف ہیں۔ لوگ جاننا چاہتے ہیں کہ ایک طرف پوری قوم، تمام جمہوری سیاسی پارٹیاں، تمام وکلا عمران خان اور طاہر القادری کے اقدامات کی مخالفت کر رہے ہیں، دوسری جانب دونوں حضرات اپنی ضد پر قائم ہیں، کیا پوری قوم ہی غلط ہے اور صرف دونوں انقلابی حضرات درست ہیں؟ اور کیا آئین و قانون میں کوئی ایسا طریقہ ہے کہ آپ اسلام آباد میں ہزاروں لوگوں کو جمع کرکے منتخب حکومت کو گرانے کا مطالبہ کردیں، اگر ایسا ہوجائے تو کیا یہ روایت نہیں چل نکلے گی کہ ہر بار اپوزیشن جماعتیں اسلام آباد میں اپنے لاکھوں کارکنوں کو جمع کرکے منتخب حکومت کو گرانے کی کوشش کریں گی؟ اس صورت میں ملک کا نظام کیسے چل پائے گا۔ عمران اور قادری کے اقدامات کی وجہ سے دونوں حضرات اپنی احتجاجی سیاست میں مکمل تنہا ہوتے نظر آرہے ہیں، جنہیں ماسوائے اپنی پارٹیوں کے کہیں سے بھی سپورٹ حاصل نہیں ہو رہی، جبکہ احتجاجی سیاست کے اس انداز سے ان کے اپنے پارٹی کارکن بھی اب زچ اور مایوس ہوتے نظر آرہے ہیں۔ موجودہ صورتحال میں عمران خان اور طاہر القادری کو اپنے جارحانہ تقاضوں پر اصرار کی بجائے اپنا بھرم رکھنے کے لیے معاملات کو سمیٹنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی، جس کے لیے فوری طور پر مذاکرات اور افہام و تفہیم کی راہ اپنائی جانی چاہیے۔ پوری قوم کئی روز سے غیر یقینی حالات کی اسیر ہوکر جس کربناک صورت حال سے دوچار ہے اس کے خاتمے کے لیے دونوں طرف اثر و نفوذ رکھنے والی شخصیات کو اپنی کوششیں مزید تیز کرنا ہوں گی۔

دھرنوں کی سیاست بند گلی میں؟

گزشتہ دو ہفتوں سے پاکستانی عوام بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہے اور روز بروز اس بے یقینی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ تحریک انصاف کے عمران خان اور عوامی تحریک کے ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنے اپنے کارکنوں کو جمع کرکے دارالحکومت اسلام آباد میں پارلیمنٹ ہاؤس کے گراؤنڈ کو میدان کارزار بنا رکھا ہے۔ دونوں رہنماؤں کی گفتگو ہر گزرتے دن کے ساتھ ساتھ مزید تلخ ہوتی جاتی ہے اور دونوں کارکنوں کے شور کے زور پر حکومت پاکستان اور ریاست کے دوسرے اداروں سے وہ کام کروانے پر مصر ہیں، جو بظاہر ناممکنات میں دکھائی دیتا ہے۔ دونوں حضرات آئینی اور قانونی طور پر متفقہ منتخب کیے گئے وزیراعظم کو چلتا کرنے پر بضد ہیں۔ عمران خان کہتے ہیں کہ وزیراعظم کو ہر حال میں استعفیٰ دینا ہوگا، اگر انہوں نے استعفیٰ نہ دیا تو ان کی حکومت کو نہیں چلنے دیں گے اور پہیہ جام کردیں گے۔ سول نافرمانی کا اعلان تو وہ پہلے ہی کر چکے ہیں، جبکہ حکومت کسی غیر آئینی و غیر قانونی مطالبے کو ماننے کے لیے تیار نہیں، لہٰذا حکومت کے دونوں "انقلابیوں" کے ساتھ ہونے والے اب تک کے مذاکرات بے نتیجہ ثابت ہوئے ہیں۔ حالات یہی بتاتے ہیں کہ حکومت معاملات کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنا چاہتی ہے،اسی لیے سپریم کورٹ کی جانب سے دھرنوں

کو ہٹانے کے حکم کے بعد بھی حکومت نے طاقت کا استعمال نہیں کیا۔ مبصرین کے مطابق عمران خان اپنے سخت اور غیر سنجیدہ رویے کی وجہ سے دن بدن تمام حلقوں میں تنقید کا نشانہ بن رہے ہیں، جبکہ حکومت کی اسی پرامن پالیسی نے تمام اپوزیشن جماعتوں اور تقریباً پوری پاکستانی قوم کو حکومت کا حمایتی بنا دیا ہے۔ یہ شاید ملک میں پہلا موقع ہے کہ تحریک انصاف کے سوا تقریباً اپوزیشن پارٹیاں بھی حکومت کے ساتھ کھڑی ہیں اور بھرپور تعاون کی یقین دہانی کروا رہی ہیں۔ بلکہ اکثر پارٹیاں کھلے عام پارلیمنٹ کے باہر دیے جانے والے دھرنوں پر تنقید کرتے ہوئے ان کو جمہوریت کے لیے نقصان دہ قرار دے رہی ہیں۔ سابق صدر زرداری وزیر اعظم سے ملاقات کے دوران ان کی حمایت کا اعلان کر چکے ہیں اور جماعت اسلامی پہلے سے معاملات کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ جبکہ پشتونخواہ ملی عوامی پارٹی کے سربراہ محمود خان اچکزئی کارکنوں کو اسلام آباد دھرنوں کے خلاف مظاہروں کی کال دے دی ہے اور جمعیت علمائے اسلام ف) پہلے سے اسلام آباد میں دھرنوں کے خلاف احتجاج جاری رکھے ہوئے ہے، ان) کے علاوہ کئی غیر سیاسی جماعتیں بھی اسلام آباد میں دیے جانے والے دھرنوں کے خلاف احتجاج کر چکی ہیں، لیکن عمران خان کسی کی بات ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔ تجزیہ کاروں کے مطابق وہ اب ایسی بند گلی میں پہنچ چکے ہیں کہ اس سے نکلنے کا راستہ وزیر اعظم سے استعفیٰ یا سیاسی خودکشی ہے، اس لیے عمران خان دھرنوں کی ناکامی سے مستقبل میں ملنے والی بدنامی کے خوف سے بار بار

وزیراعظم سے استعفے کا مطالبہ کررہے ہیں، حالانکہ یہ واضح ہے کہ کسی منتخب آئینی وزیراعظم سے یوں زور زبردستی استعفیٰ لینے کی آئین اجازت نہیں دیتا، لیکن وہ کسی کی بات ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔ اسی لیے وہ دن بدن بالکل تنہا ہوتے جارہے ہیں، ان کی اس تنہائی پر امریکی اخبار نیویارک ٹائمز کا کہنا ہے کہ تمام سیاسی جماعتیں عمران خان کے خلاف ہوچکی ہیں، پرجوش انداز میں کھیل کا آغاز کرنے والے عمران خان کو اب دھرنا پرامن انداز میں ختم کرنے کا راستہ ڈھونڈنا ہوگا۔ نیویارک ٹائمز لکھتا ہے کہ آزادی مارچ میں لوگوں کی تعداد تحریک انصاف کی توقعات سے کہیں کم رہی، جس کی وجہ سے احتجاج موثر اور نتیجہ خیز نہ ہوسکا۔ دباؤ کا حربہ کام نہ آنے پر عمران خان کو انتہائی اقدامات کے اعلانات کرنے پڑے۔ سول نافرمانی کے اعلان اور کارکنوں کو ٹیکس اور یوٹیلٹی بل نہ دینے کی ہدایت کو مضحکہ خیز قرار دیا گیا۔ حکومت اور تحریک انصاف دونوں پر بحران کے حل کے لیے دباؤ بڑھتا جارہا ہے۔ معاملات آگے بڑھانے کی کنجی عمران خان کے پاس ہے، جنہیں اپنے احتجاج کو پرامن طور پر ختم کرنے کا راستہ ڈھونڈنا ہوگا۔

عمران خان کی سیاسی تنہائی کا معاملہ یہی تک نہیں رکا، بلکہ اب تو ان کی اپنی جماعت میں بھی پھوٹ پڑچکی ہے۔ ذرائع کے مطابق پاکستان تحریک انصاف کے خیبر پختونخوا سے تعلق رکھنے والے ارکان قومی اسمبلی نے ایوان زیریں کی

رکنیت سے مستعفی ہونے کی مخالفت کرتے ہوئے اپنا گروپ تشکیل دیتے ہوئے اپنا چیئرمین بھی منتخب کرلیا ہے۔ 13 ارکان اسمبلی پر مشتمل اس گروپ نے گلزار خان کو اپنے لیڈر کے طور پر منتخب کیا ہے، جبکہ گروپ کے لیے ایک وائس چیئرمین کو بھی چنا گیا ہے۔ ریٹائر بیوروکریٹ گلزار خان نے پی ٹی آئی میں عام انتخابات سے ایک سال قبل شمولیت اختیار کی تھی اور وہ این اے 4 پشاور سے رکن اسمبلی منتخب ہوئے تھے۔ جب کہ ذرائع کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ پی ٹی آئی کے مزید ارکان اسمبلی اس مخالف گروپ میں شمولیت پر غور کر رہے ہیں۔ ان ناراض اراکین کا اجلاس پی ٹی آئی کور کمیٹی کے اپنے پارلیمنٹ میں موجود افراد کے استعفوں کے بیان کے بعد ہوا۔ ذرائع کے مطابق ناراض گروپ کے کچھ لوگوں نے اپنی نشستوں کو نہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے اور ناراض گروپ کے ایک رکن کا کہنا تھا کہ ہم نے عمران خان کو کہہ دیا ہے کہ ہم اسی صورت میں مستعفی ہوں گے، جب وزیراعلیٰ خیبر پختونخوا، صوبائی وزراء اور ارکان اسمبلی استعفے دے دیں گے، اس کے بغیر ہم اپنی نشستوں کو نہیں چھوڑیں گے۔ پارٹی قیادت اپنی کے پی حکومت کو بچانے کی کوشش کر رہی ہے اور اس کے ساتھ ہی ارکان قومی اسمبلی کو مستعفی ہونے کا کہہ رہی ہے، جو کہ موقع پرستی لگتا ہے۔ یہاں کوئی اصول نہیں۔" واضح رہے کہ شاہ محمود قریشی نے پی ٹی آئی ارکان کے استعفے قومی اسمبلی سیکرٹریٹ میں جمع کراتے ہوئے کہا تھا کہ انہوں نے گنتی نہیں کی کہ 34 میں سے کتنے استعفے انہوں نے جمع کرائے ہیں۔ تاہم وفاقی

دارالحکومت کے ذرائع کا دعویٰ ہے کہ پی ٹی آئی نے صرف سترہ استعفے جمع کرائے ہیں۔ دوسری جانب ماہرین نے اسلام آباد میں دیے جانے والے دھرنوں کو ملک کے لیے انتہائی نقصان دہ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر یہی صورتحال مزید کچھ دن جاری رہی تو رہی سہی کسر بھی پوری ہو جائے گی۔ تعلیمی ادارے بند ہیں، سرکاری دفاتر اور وزارتوں میں کام ٹھپ ہے، سیکورٹی فورسز خاص کر پولیس کی اکثریت دھرنوں کی حفاظت پر مامور ہے، جس سے جرائم بڑھ رہے ہیں۔ ماہرین کے بقول "لانگ مارچ" کے منفی اثرات لمبے عرصے تک پاکستان کی معیشت کا پیچھا کرتے رہیں گے۔ مالی نقصان اگر پورا ہوا بھی تو اس میں کئی سال لگ جائیں گے، جبکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ دیگر کئی نقصانات ایسے ہیں جن کی شاید کبھی تلافی نہ ہو سکے۔ ٹریڈ ڈویلپمنٹ اتھارٹی آف پاکستان کے چیف ایگزیکٹو ایس ایم منیر کے مطابق لانگ مارچ کے باعث ملکی معیشت کو یومیہ 150 ارب روپے کا نقصان ہو رہا ہے۔ اس طرح چند دنوں میں مارچوں سے ملکی معیشت کو کھربوں روپے کا نقصان ہوا، جبکہ دھرنا تاحال جاری ہے اور نہیں معلوم کہ مزید کتنے دن جاری رہے گا۔ طلبہ کی تعلیم پر بھی منفی اثر پڑ رہا ہے۔ دارالحکومت کے تعلیمی اداروں کی تعطیلات میں تیسری مرتبہ توسیع کے بعد ان کے ستمبر میں کھلنے کے امکانات ہیں۔ غیر یقینی صورتحال کے باعث ہزاروں کارخانے بند ہو چکے ہیں۔ دو غیر

ملکی سربراہ مملکت اور ورلڈ بینک کے وفد نے پاکستان کا دورہ ملتوی کر دیا ہے۔ دھرنوں کے سبب روپے کی قدر میں ایک ہفتے کے دوران دو روپے سے بھی زیادہ کی کمی ہوچکی ہے۔ دھرنے کے انسانی صحت پر بھی برے اثرات پڑ رہے ہیں، دھرنوں کی وجہ سے سیکڑوں افراد گیسٹرو "اسہال" قے اور بلڈ پریشر کم ہونے سے بیمار ہوچکے ہیں۔ ریڈ زون میں مارچ اور دھرنے کے سبب وزارتوں میں بھی کام ٹھپ پڑا ہے۔ وہاں پر سب سے زیادہ مشکلات وزرات مذہبی امور کو درپیش ہیں، کیوں کہ حج سیزن سر پر ہے، لیکن سعودی سفارتخانے کی طرف جانے والے راستے بند ہیں، جس سے حج آپریشن میں تاخیر کا خدشہ پیدا ہوگیا ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ دھرنا سیاسی جماعتوں کو چاہیے کہ اپنے مفاد کی بجائے ملکی مفاد کو مد نظر رکھیں۔ قادری صاحب تو موجودہ نظام کے ہی قائل نہیں ہیں، جبکہ عمران خان کو تو اپنے مطالبات کو آئینی حدود تک محدود رکھنا چاہیے، اگر وہ یونہی اپنی ضد پر قائم رہیں گے تو معاملہ مزید طول پکڑتا جائے گا اور ملکی کو روزبروز اربوں روپے کا نقصان ہوگا، جس سے یقینا ملک کی ترقی پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔

اسلام آباد: دھرنے جاری.... معیشت متاثر، ڈیڈلاک برقرار

اسلام آباد میں قادری و عمران کے دھرنوں کے ذریعے حکومت کو ختم کرنے کی ساری کوششیں ناکام ہوتی دکھائی دے رہی ہیں، جس کے بعد دھرنوں میں بیٹھے عوام مایوس ہورہے ہیں، لیکن دونوں رہنما بار بار وزیر اعظم سے استعفے کا مطالبہ کیے جارہے ہیں۔ عمران خان کا کہنا ہے کہ وزیر اعظم کے استعفے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ ہماری سول نافرمانی کی تحریک جاری رہے گی اور اس سے آگے ملک گیر پہیہ جام کی طرف بھی جا سکتے ہیں اور طاہر القادری نے ایک بار پھر حکومت اور پورے نظام کو آڑتالیس گھنٹے کا الٹی میٹم دیتے ہوئے کہا ہے کہ اڑتالیس گھنٹوں میں حکومت ختم کردی جائے اور اسمبلیاں تحلیل کر دی جائیں، بصورت دیگر دما دم مست قلندر ہوگا۔ وزیر اعظم نواز شریف کا کہنا ہے کہ دھرنے والوں کے ساتھ سنجیدگی سے بات چیت کے لیے تیار ہیں، مگر یہ بات واضح ہے کہ ملک کو سیاسی عدم استحکام کا شکار کرنے والے قوم کے قطعاً خیر خواہ نہیں، ہم نے تمام آئینی مطالبات تسلیم کر لیے، جس کے بعد احتجاج کا کوئی جواز نہیں رہا، ہم عوامی مینڈیٹ کا تحفظ کریں اور تمام جماعتوں سے مل کر سازشیں ناکام بنائیں گے۔ جبکہ پشتونخوا ملی عوامی پارٹی کے سربراہ محمود خان اچکزئی نے ہم خیال جماعتوں کے ساتھ مل کر جمہوریت کے دفاع کے لیے ملک گیر مظاہروں کا اعلان

کرتے ہوئے کہا ہے کہ جمہوریت کا دفاع ہر صورت کیا جائے گا۔ ڈنڈا بردار لوگ 18 کروڑ عوام کی بے حرمتی کر رہے ہیں اور نظام کو لپیٹنا چاہتے ہیں، آئین کے ساتھ چھیڑ خانی کی گئی تو ملک کا وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے، آئین کی طرف بڑھنے والا ہر ہاتھ کاٹ دیں گے۔ اگر ملک میں یہ روایت چل پڑی تو ملک کیسے چلے گا؟ عوامی نیشنل پارٹی کے صدر اسفندیار ولی خان کا کہنا ہے کہ عمران خان سیاسی طور پر شہید بننا چاہتے ہیں، مگر ہم انھیں شہید ہونے نہیں دیں گے۔ آئین میں وزیراعظم کو ہٹانے کا طریقہ موجود ہے۔ 20 سے 30 ہزار لوگ تو ہر جماعت اکٹھے کر سکتی ہے، اگر یہ سلسلہ چل پڑا تو ملک میں کوئی بھی جمہوری حکومت زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہے گی۔ انا اور ضد کی بھی کوئی حد ہوتی ہے، وزیراعظم نے 6 میں سے 5 مطالبے مان لیے ہیں پھر دھرنوں کا جواز کیا ہے۔ ہم جمہوریت، آئین اور قانون کی حکمرانی کے لیے حکومت کے ساتھ ہیں۔ مائنس ون کا فارمولہ پاکستان میں نہیں چلے گا۔

ممکنہ ماورائے آئین اقدامات اور شہریوں کے حقوق کے متعلق کیس کی سماعت کے دوران سپریم کورٹ نے تحریک انصاف اور عوامی تحریک کو شاہراہ دستور کلئیر کرنے کا حکم دیتے ہوئے کہا ہے کہ سڑکیں، گزرگاہیں عوام کی ہوتی ہیں، ان پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا۔ شاہراہ دستور کی بندش کی وجہ سے قومی اداروں کے ملازمین کو اپنے دفاتر پہنچنے میں سخت پریشانی کا سامنا ہے، دھرنے کے

شرکاء نے عدالت عظمی پر اپنے کپڑے لٹکا رکھے ہیں، سرکاری ملازمین کی تلاشی لی جا رہی ہے اور انھیں ہراساں بھی کیا جا رہا ہے۔ چیف جسٹس ناصر الملک نے کہا ہے کہ شاہراہ دستور کو کلیئر کرایا جائے، کل ہم اسی راستے سے عدالت آئیں گے۔ دوسری جانب عمران خان نے افتخار چودھری کے ہتک عزت نوٹس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ پوری قوم آپ کی جرات اور آمر کے سامنے ڈٹ جانے کی معترف ہے اور فوجی آمر کے سامنے ڈٹ جانے پر سلام پیش کرتی ہے۔ آپ کے عہد ساز فیصلوں کو سلام پیش کرتے ہیں، ممکن ہے ریٹرننگ افسران سے آپ کا خطاب منصفانہ الیکشن کے لیے ہو۔ آپ کا جولائی 2009 کا فیصلہ قابل ستائش ہے۔ آئین و قانون کی حکمرانی کے لیے افتخار 31 محمد چودھری کی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں۔ مجھ سے الفاظ کے چناؤ میں غلطی ہوئی، امید ہے سابق چیف جسٹس افتخار محمد چودھری درگزر کردیں گے۔ واضح رہے کہ عمران خان سابق چیف جسٹس افتخار محمد چودھری پر سخت تنقید اور الزامات کی بوچھاڑ کرتے رہے ہیں، انہیں ضمیر فروش تک کہہ دیا تھا۔ ماہرین معیشت دانوں کے مطابق دھرنوں کی وجہ سے ملکی معیشت روز بروز خسارے کا شکار ہو رہی ہے۔ بے یقینی کی صورتحال کے باعث انٹر بینک مارکیٹ میں کاروبار کے دوران ڈالر ایک سو تین روپے کی سطح عبور کرگیا۔ انٹر بینک مارکیٹ میں ڈالر کی قدر پانچ ماہ کی بلند ترین سطح پر پہنچ گئی، کاروبار کے دوران ڈالر ایک روپے اکسٹھ پیسے اضافے سے ایک سو تین روپے تیس پیسے کی سطح پر پہنچ گیا۔ وزارت خزانہ حکام کے مطابق پاکستان تحریک انصاف

اور عوامی تحریک کے آزادی و انقلاب مارچ اور دھرنوں سے پیدا ہونے والے حالات سے ملکی معیشت کو اب تک مجموعی طور پر سات کھرب روپے کے لگ بھگ نقصان ہو چکا ہے۔ اس وقت پاکستان کے ذمے واجب الادا قرضہ ساٹھ ارب ڈالر ہے۔اس لحاظ سے ڈالر مہنگا ہونے سے پاکستان کے ذمے واجب الادا قرضے میں 180 ارب روپے کا اضافہ ہوگیا ہے اور اگر ڈالر مزید مہنگا ہوتا ہے تو اس سے پاکستان کے ذمے قرضہ مزید بڑھ جائے گا، جبکہ ٹیکس وصولیاں بھی متاثر ہوئی ہیں، تاہم عمران خان کے اعلان کردہ سول نافرمانی کی تحریک کے ٹیکس وصولیوں پر کوئی اثرات مرتب نہیں ہوئے ہیں، مگر برآمدی و درآمدی آرڈرز منسوخ ہونے اور صنعتیں اور کاروباری سرگرمیاں متاثر ہونے سے ریونیو کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

دوسری جانب عین اس وقت جب اسلام آباد میں دونوں دھرنے اپنی موت خود مرتے دکھائی دے رہے ہیں، ایسے وقت میں سابق ایڈیشنل سیکرٹری الیکشن کمیشن افضل خان نے عام انتخابات 2013 میں دھاندلی کے "انکشافات" کرتے ہوئے کہا ہے کہ دھاندلی میں سابق چیف جسٹس افتخار محمد چودھری سمیت سابق چیف جسٹس تصدق حسین جیلانی بھی ملوث تھے، جب کہ چیف الیکشن کمشنر فخرالدین جی ابراہیم کام کرنے سے خوف زدہ تھے۔ انتخابات میں انتہائی منظم طریقے سے دھاندلی کی گئی، پہلے دن سے الیکشن میں دھاندلی کا شک تھا، لیکن اب یقین ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے الیکشن کمشنر پنجاب جسٹس ریٹائرڈ ریاض کیانی نے کہا ہے کہ افضل خان کا

انٹرویو منصوبے کے تحت تھا، جسے سال کا سب سے زیادہ فلسٹڈ میچ کہا جا سکتا ہے۔ سابق ایڈیشنل سیکرٹری افضل خان کے الزامات جھوٹ کا پلندہ ہیں، افضل خان 17 مئی کو ریٹائر ہو رہے تھے، لیکن افضل خان نے گریڈ 22 میں ترقی اور ملازمت 2013 میں توسیع کی درخواست دی تھی، جسے انہوں نے مسترد کر دیا تھا۔ انتخابات کے روز ہم نے اپنے تمام اختیارات ریٹرننگ افسران، ڈسٹرکٹ ریٹرننگ افسران اور پریزائیڈنگ افسران کو تفویض کر دیے تھے۔ جبکہ جسٹس ریٹائرڈ طارق محمود کا کہنا تھا کہ میں افضل خان سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ ریٹائرڈ ہونے کے بعد ان کو یہ سب اچانک پتہ چلا؟ جب یہ وہاں ملازم تھے، تب انہوں نے کچھ کیوں نہیں کیا۔ اسی طرح سپریم کورٹ بار کی سابق صدر عاصمہ جہانگیر کا کہنا تھا کہ اگر اس دھاندلی میں جسٹس افتخار چودھری شامل تھے تو پھر اس دھاندلی میں عمران خان بھی شامل ہوں گے، کیونکہ وہ تو ان کے پیچھے تھے اور ان کی پارٹی کے قریبی لوگ افتخار چودھری کے چاہنے والوں میں شامل ہیں۔ عمران اور قادری کو چلانے والے وزیراعظم کو گھر بھیجنا چاہتے ہیں۔ ملک میں قانون کی کوئی وقعت نہیں رہی، کوئی بھی شخص 10 لوگوں کو جمع کرکے کوئی بھی الزام لگا سکتا ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ آزادی اور انقلاب مارچ والوں کی دھرنا سیاست سے گزشتہ دو ہفتے سے امور حکومت و مملکت اور روزمرہ کاروبارِ زندگی عملاً معطل

ہے، بیرون ملک کے سفارت خانوں میں بھی پاکستانی شہریوں کے ویزوں کے اجراء و تجدید سمیت ہر قسم کی مراسلت بند ہے۔ ملک کی اسٹاک مارکیٹ عملاً کریش ہو چکی ہے، قومی معیشت کو اربوں ڈالر کا ٹیکہ لگ چکا ہے۔ دھرنے اور دھمکیوں کے ذریعے اپنی مفاداتی سیاست کو پروان چڑھانے اور ملکی سالمیت کو داؤ پر لگانے والے قائدین کو حالات کی سنگینی کا کوئی ادراک تک نہیں۔ اس مزاحمتی سیاست کے نتیجے میں لوگوں میں جو ذہنی خلجان پیدا ہو رہا ہے، وہ اپنی جگہ پر صحت مند معاشرے کے لیے زہر قاتل ہے۔

انتخابی نظام اور گورننس میں موجود خرابیوں کی نشاندہی اور اصلاح کے تقاضے کرنا بلاشبہ اپوزیشن کا استحقاق ہے، مگر یہ حق سسٹم میں رہ کر اس کی اصلاح کے لیے استعمال کیا جائے تو اس کے دوررس نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، جبکہ اپنے اس حق کی بنیاد پر پورے نظام کو تاراج کرنے کی ٹھان لی جائے تو ایسی مفاداتی سیاست حکومت کے لیے تو کجا، قوم کے لیے بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے پارلیمنٹ میں موجود اپوزیشن جماعتوں کو بھی حکومت کے ساتھ یکجہت ہو کر پارلیمنٹ، آئین اور نظام کو بچانے کی فکر لاحق ہے، جو یک زبان ہو کر عمران خان اور طاہر القادری کے فسادی ایجنڈے کو مسترد کر رہے ہیں۔ بلکہ ان کے اپنے کارکنان بھی بد دل ہو رہے ہیں، اسی لیے اپنے کارکنوں کے اضطراب کو بھانپ کر انہیں اب واپسی کے کسی ایسے راستے کی تلاش ہے جس سے ان کا بھرم قائم رہ سکے۔ قوم مفاداتی سیاست کے اسیران قائدین سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہے کہ انہیں ملک و قوم

کے مفادات کے برعکس اپنے مفادات کا کھیل کھیلنے کا حق کس نے دیا ہے۔ اگر وہ فی الواقع سسٹم کی اصلاح چاہتے ہیں تو انہیں صرف ایک شخصیت کے ساتھ ضد بازی پر مبنی اپنی سوچ ترک کرکے ملک اور قوم کے اچھے مستقبل کی بنیاد رکھنا ہو گی، بصورت دیگر وہ پاکستان میں اپنے لیے موجود تھوڑی بہت ہمدردی سے بھی محروم ہو جائیں گے اور ان کی اپنی سیاست کا بوریا بستر لپیٹ جائے گا۔

آبی جارحیت، سیز فائر کی خلاف ورزی.... بھارتی ہٹ دھرمی برقرار

پاکستان میں دراندازی اور پانی کی تقسیم کے حوالے سے بھارتی ہٹ دھرمی برقرار ہے۔ بھارت نے کئی روز پاکستانی دیہات پر فائرنگ اور گولہ باری کا سلسلہ جاری رکھا، جس سے کئی پاکستانی شہید اور زخمی ہوئے، جس کے بعد منگل کے روز اقوام متحدہ کی دو رکنی ٹیم نے کیپٹن ہانیو کی قیادت میں سیالکوٹ ورکنگ باؤنڈری لائن کے چاروا، سجیت گڑھ، باجرہ گڑھی، ہرپال سیکٹروں پر بھارتی سیکورٹی فورسز کی بلااشتعال فائرنگ و گولہ باری سے ہونے والے نقصانات کے بارے میں رپورٹ تیار کرنے کے لیے درجنوں دیہات کا دورہ کیا ہے۔ اقوام متحدہ کے وفدکے ورکنگ باؤنڈری لائن پر واقعہ ہرپال گاؤں کے دورہ کے موقع پر بھارتی سیکورٹی فورسز کی طرف سے فائرنگ بھی کی گئی۔ اقوام متحدہ کے وفد کو بھارتی فائرنگ و گولہ باری سے متاثرہ دیہات کے مکینوں نے بتایا کہ بھارتی فائرنگ و گولہ باری کی وجہ سے نو شہری جاں بحق اور درجنوں زخمی ہوئے ہیں، جبکہ درجنوں مویشی ہلاک و زخمی ہوئے ہیں اور مکانات و املاک کو بڑے پیمانے پر نقصان پہنچا ہے، بھارتی فائرنگ و گولہ باری کی وجہ سے سول آبادی اپنے اپنے گھروں کو تالے لگا کر محفوظ مقامات پر منتقل ہو چکی ہے۔ اقوام متحدہ کے وفد نے دیہات کے معائنہ کے دوران بھارتی فائرنگ و گولہ باری سے ہونے والے نقصانات کی تصاویر اپنے کیمرے میں محفوظ کیں اور

زخمی ہونے والوں سے بھی معلومات حاصل کی ہیں اور سیالکوٹ ورکنگ باؤنڈری لائن پر بھارتی سیکورٹی فورسز کی بلااشتعال فائرنگ اور گولہ باری سے ہونے والے نقصانات بارے تحقیقات شروع کر دی ہیں۔ اقوام متحدہ کے مشن کے کیپٹن ہانیو کا کہنا ہے کہ ہمیں اس سلسلہ میں شکایات ملی تھیں، جن کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ بھارتی فائرنگ وگولہ باری سے ہونے والے جانی ومالی نقصانات بارے رپورٹ تیار کریں گے۔ اقوام متحدہ کے مبصرین کے دورہ کے موقع پر چناب رینجرز ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ رینجرز آصف نے اقوام متحدہ کے مبصرین کو بھارتی بارڈر سیکورٹی فورس کی پاکستانی دیہات پر بلااشتعال فائرنگ اور شیلنگ کے حوالے سے بریفنگ بھی دی۔ جبکہ ذرائع کے مطابق پاکستان اور بھارت کے ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز نے منگل کو "ہاٹ لائن" پر رابطہ کیا۔

پاکستانی فوج کے شعبہ تعلقات عامہ "آئی ایس پی آر" سے جاری ہونے والے ایک بیان کے مطابق دونوں اطراف نے کشمیر میں لائن آف کنٹرول اور دونوں ملکوں کے درمیان ورکنگ باونڈری پر کشیدگی کم کرنے پر اتفاق کیا۔ حالیہ دنوں میں پاکستان اور بھارت کے درمیان کشمیر کو منقسم کرنے والی لائن آف کنٹرول اور سیالکوٹ کے قریب ورکنگ باونڈری پر فائر بندی کی خلاف ورزی کے متعدد واقعات پیش آ چکے ہیں۔ پاکستان اور بھارت کی اعلیٰ سیاسی قیادت کے طرف سے یہ بیانات سامنے آتے رہے ہیں کہ وہ دونوں ملکوں کے درمیان اچھے ہمسایوں جیسے تعلقات کے لیے پر عزم ہیں، لیکن اس کے باوجود رواں ماہ ایک دوسرے پر فائر بندی کی خلاف ورزی میں

پہل کرنے کے الزامات بھی سامنے آتے رہے ہیں۔ دفتر خارجہ نے حال ہی میں اسلام آباد میں نائب بھارتی ہائی کمشنر کو طلب کرکے ان سے ان واقعات پر احتجاج بھی کیا۔ دفتر خارجہ کے ایک بیان کے مطابق رواں ماہ 54 سے زاید مرتبہ بھارتی سیکورٹی فورسز کی طرف سے فائربندی کی خلاف ورزی کی گئی۔ دونوں ایٹمی ہمسایہ قوتوں کے درمیان کشمیر کا علاقہ روز اول ہی سے متنازع ہے۔ پاکستانی قیادت بھارت کے ساتھ تمام تصفیہ طلب معاملات کو بات چیت کے ذریعے حل کرنے پر زور دیتی آئی ہے، لیکن کشمیر کے مسئلے پر بھارت ہٹ دھرمی دکھائے ہوئے ہے۔ اے این این کے مطابق بھارت نے پاکستان سے ملحقہ سرحد پر اہداف کو درست نشانہ بنانے کے لیے 700 سے زاید خودکار فائرنگ سسٹم نصب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ بھارتی اخبار کے مطابق بھارت نے کنٹرول لائن اور پاکستان سے ملحقہ سرحد پر بلااشتعال فائرنگ کے دوران سول انسانی جانوں کے ضیاع کی شکایات اور پاکستان کے تحفظات کو مد نظر رکھتے ہوئے کنٹرول لائن اور ورکنگ باؤنڈری پر 769 خودکار فائرنگ سسٹم نصب کرنے کا فیصلہ کیا ہے، یہ خودکار نظام مارٹر گولے فائر کرنے اور اہداف کو درست نشانہ بنانے کی صلاحیت کا حامل ہوگا۔ اس نظام کی تنصیب کے بعد پاکستان کی فوجی چوکیوں کو درست نشانہ بنایا جاسکے گا، یہ خودکار نظام کمپیوٹر کے ساتھ منسلک ہوگا، جس میں نیوی گیشن اور گن پوائنٹنگ سسٹم بھی نصب ہوگا۔

دوسری جانب متنازعہ ڈیموں پر بھارت کی ہٹ دھرمی برقرار ہے۔ پانی کی تقسیم

پر پاکستان، بھارت انڈس واٹر کمشنرز کے تین روزہ مذاکرات ناکام ہو گئے ہیں، جس کے بعد پاکستان نے بھارت کے خلاف عالمی ثالثی عدالت جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ بھارت نے کشن گنگا ڈیم کے ڈیزائن میں تبدیلی پر لچک دکھانے سے انکار کیا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے انڈس واٹر کمشنرز کے درمیان منگل کو تیسرے اور آخری روز کے مذاکرات ہوئے۔ پاکستانی انڈس واٹر کمشنر کا کہنا ہے کہ بھارت معاہدے کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ بھارت دریائے چناب پر 3450 میگاواٹ بجلی کے پیداواری یونٹ لگا رہا ہے، جبکہ بھارت نے دریائے چناب پر جاری ڈیموں کی تعمیر روکنے سے بھی انکار کر دیا ہے۔ دریائے چناب پر ڈیم بن گئے تو پاکستان اپنے حصے کے 23 فیصد پانی سے محروم ہو سکتا ہے۔ بھارت نے کشن گنگا ڈیم کے ڈیزائن کی تبدیلی پر بھی کسی قسم کی لچک دکھانے سے انکار کر دیا ہے۔ مشیر خارجہ سرتاج عزیز نے کہا ہے کہ ہم نے بھارت کے ساتھ مذاکرات کے لیے مخلصانہ کوشش کی، لیکن افسوس ہے کہ اس کا مثبت جواب نہیں دیا گیا، اب مسئلہ کشمیر کو حل کیے بغیر بھارت سے مزید مذاکرات میں پیشرفت نہیں ہو سکتی۔ واضح رہے کہ پاکستان نے کشن گنگا ڈیم کے ڈیزائن پر اعتراض کیا اور اسے سندھ طاس معاہدے کی کھلی خلاف ورزی قرار دیا تھا، پاکستان کی طرف سے دریائے چناب کا رخ موڑنے پر اعتراض کیا گیا اور رتلی کے مقام پر 690 میگا واٹ کے ڈیم کی تعمیر، ایک ہزار میگا واٹ کے پکل ڈیم، ایک ہزار ایک سو نوے میگا واٹ کے کرتھائی ڈیم اور 600 میگا واٹ کے کیرو ڈیم کی تعمیر کو غلط اور معاہدے

کی خلاف ورزی قرار دیا۔ ان ڈیموں کی تعمیر سے پاکستان کو اس کے حصے کے پانی میں کمی واقع ہو جائے گی۔ بھارت کے ساتھ چناب اور جہلم دریاوں پر ڈیم تعمیر کرنے پاکستان کا پانی روکنے اور طے شدہ حصہ کم کرنے پر تنازعہ دیرینہ ہے۔ کشن گنگا ڈیم کے، حوالے سے تو سندھ طاس معاہدہ کے تحت ثالثی عدالت سے بھی رجوع کیا گیا تھا۔ تاہم بھارت اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہے۔ اقوام متحدہ کی جانب سے جاری بیان میں سیکرٹری جنرل بان کی مون کے ترجمان کا کہنا تھا کہ پاکستان اور بھارت اپنے مسائل پر امن طریقے سے مذاکرات کے ذریعے حل کریں۔ جبکہ بھارتی میڈیا کے مطابق چینی وزارت خارجہ کے ترجمان نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ چین پاکستان اور بھارت کے درمیان حالات کو بہتر بنانے کے لیے اپنی خدمات پیش کرنے کو تیار ہے، لیکن اس سلسلے میں یکطرفہ طور پر کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ برصغیر میں اگر امن کے بارے میں سوچنا ہے تو اس کے لیے لازمی ہے کہ ہم مسئلہ کشمیر کو ایڈریس کریں اور اس کے لیے دونوں ممالک پاکستان اور بھارت کو آپس میں بات کرنی ہوگی۔ کشمیر میں ٹھوس اور نتیجہ خیز مذاکرات کا چین حامی ہے اور اس سلسلے میں دونوں ممالک کو مدد دینے کے لیے تیار ہے۔ چینی وزارت خارجہ کے ترجمان کے مطابق حالات کو ڈگر پر رکھنے کے لیے دونوں ممالک کو فوری طور پر مسئلہ کشمیر پر بڑی پیش رفت کرنی ہوگی۔ چین کا کشمیر پر موقف اٹل ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور نہ ہی آئے گی، تاہم انہوں نے پاکستان کے ساتھ دوستی کو پائیدار بنیادوں پر

برقرار رکھنے کا اشارہ دیتے ہوئے کہا کہ چین پاکستان کا روایتی دوست ملک ہے اور کسی بھی برے وقت میں چین پاکستان کا ساتھ دے گا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ بھارتی انتخابات میں کامیاب ہونے والی قیادت نے الیکشن پاکستان دشمنی کی بنیاد پر ہی جیتا تھا اور اب بھارت کی یہی نئی قیادت پاکستان کے خلاف مسلسل اشتعال انگیز اقدامات کے ساتھ اپنے ازلی بغض وعداوت کا مظاہرہ کررہی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ بھارت خطے میں امن کی بجائے جنگ اوراطمینان کی بجائے خوف کا ماحول برقرار رکھنا چاہتاہے۔ بھارت کی طرف سے ایسے اشتعال انگیز حالات برقرار رکھنا نہ صرف دونوں ملکوں کے لیے نقصان کا باعث ہیں، بلکہ پورے خطے کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ بھارت روایتی ہٹ دھرمی ترک کرتے ہوئے پاکستان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ بند کرے اور عالمی برادری کو بھی چاہیے کہ بھارتی کو اس کے غیر قانونی رویوں سے باز رکھے۔

آرمی چیف کا کردار۔۔۔۔دھرنا سیاست کا نیا رخ

اسلام آباد میں دھرنے جاری ہیں اور فی الحال یہ واضح نہیں ہے کہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھتا ہے۔ ملک میں جاری بحران کے حوالے سے جمعرات کے روز پاک فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف سے تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان اور عوامی تحریک کے سربراہ طاہر القادری نے الگ الگ ملاقاتیں کیں، جس کے بعد پنجاب حکومت کی ہدایت پر لاہور پولیس نے ماڈل ٹاؤن لاہور کے سانحہ کا سیشن کورٹ اور لاہور ہائیکورٹ کے احکام کی روشنی میں مقدمہ درج کر لیا ہے، جس میں وزیراعظم میاں نواز شریف، وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف اور وفاقی و صوبائی وزراء سمیت 21 افراد کو نامزد کیا گیا ہے، لیکن سیاسی بحران کے حل میں آرمی چیف کی جانب سے کردار ادا کرنے کے باوجود تنازع کے فریقین ابھی تک اپنے اپنے موقف پر قائم دکھائی دے رہے ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ فوجی سربراہ سے ہونے والی ملاقات میں تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے نواز شریف اور عوامی تحریک کے سربراہ طاہر القادری نے شہباز شریف کے استعفے کی ضرورت پر زور دیا، جبکہ نواز شریف کے قریبی ذرائع کا کہنا ہے کہ ابھی تک حکومت کی طرف سے نہ کسی کے استعفے کی پیشکش کی گئی ہے اور نہ ہی ان سے ایسا کرنے کے لیے کہا گیا ہے اور وزیراعظم یا وزیراعلیٰ پنجاب کے استعفوں کا

کوئی امکان نہیں ہے۔ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے کہا ہے کہ ہمیں آرمی چیف پر مکمل بھروسہ ہے، لیکن نواز شریف پر بھروسہ نہیں ہے۔ انتخابی دھاندلی کی تحقیقات میں فوج نیوٹرل امپائر ہو گی اور انتخابات میں دھاندلی کی تحقیقات کے لیے عدالتی کمیشن قائم کیا جائے گا۔ عمران خان کا کہنا تھا کہ نواز شریف کے استعفے تک ان کا دھرنا جاری رہے گا۔ وزیراعظم نواز شریف کا کہنا ہے کہ وہ 10 حکومتیں قربان کر سکتے ہیں، لیکن اپنے نظریے اور اصول کو قربان نہیں کر سکتے، پارلیمنٹ میں منظور کی گئی قرار داد کے ایک ایک حرف کی پاسداری کریں گے۔ حکومت نے فوج کو ثالثی کی کوئی درخواست نہیں کی۔ انہیں آرمی چیف کی جانب سے فون کال آئی، جس میں کہا گیا کہ طاہر القادری اور عمران خان نے ان سے ملاقات کی درخواست کی ہے، وہ اسی صورت میں ان سے ملیں گے جب وزیر اعظم اجازت دیں گے، جس پر انہوں نے اجازت دے دی۔ ویسے بھی آرٹیکل 245 کے نفاذ کے باعث ریڈ زون کا تحفظ پاک فوج کی ذمہ داری ہے۔ آئی ایس پی آر کی جانب سے بیان بھی جاری کیا گیا تھا کہ ریڈ زون میں واقع تمام عمارتوں کی ذمہ داری ان کی ہے۔ وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان کا کہنا ہے کہ آرمی چیف نے حکومت کی اجازت سے عمران خان اور طاہر القادری کی درخواست پر ملاقات کی، دھرنا دینے والوں سے مذاکرات صرف پارلیمنٹ کی قرارداد اور آئین و قانون کی روشنی میں ہوں گے۔ موجودہ پارلیمنٹ کو اس ملک کے عوام نے ، عام انتخابات کے ذریعے منتخب کیا۔ پاکستان کی منتخب پارلیمنٹ

ایک سیاسی جماعت کے علاوہ تمام جماعتیں، عدلیہ اور ادارے ایک جانب ہیں اور دو گروہ دوسری جانب پارلیمنٹ کے دروازے پر نظام کی تبدیلی کے لیے غیر آئینی مطالبات کیے جا رہے ہیں، دھرنے والوں کا مطالبہ مان لیا تو کل کوئی اور گروہ ایسا کرے گا، لشکر کشی کرکے مطالبے نہیں منائے جا سکتے، آج یہ ریت پڑ گئی تو کیا ضمانت ہے کہ کل بڑا گروہ آ کر ایسا مطالبہ نہیں کرے گا۔ احتجاج کرنے والوں کا ایجنڈا افراتفری پھیلانا اور نظام کو لپیٹنا ہے، گولی اور لاٹھی کی سیاست کی جا رہی ہے۔

دوسری جانب جمعرات کو جس طرح عمران خان اور طاہر القادری اپنے کنٹینروں کو چھوڑ کر فوج کے سربراہ سے ملاقاتوں کے لیے گئے تھے، تمام سیاسی رہنماؤں نے اس طرح فوج کو سیاسی معاملات میں ملوث کرنے پر افسوس کا اظہار کیا ہے اور اس میں سب سے اہم ردِعمل خود پی ٹی آئی کے رہنما جاوید ہاشمی کی جانب سے آیا ہے۔ جمعہ کے روز پی ٹی آئی کے رہنما مخدوم جاوید ہاشمی فوج کے کردار ادا کرنے کے معاملے پر پارٹی قیادت سے ناراض ہو کر ملتان چلے گئے۔ جاوید ہاشمی کا کہنا تھا کہ اس کے بعد ہم سر اٹھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ یہ تمام سیاستدانوں کے لیے شرمناک لمحہ ہے، جو وقت میسر ہونے کے باوجود اپنے طور پر اس بحران کو حل نہیں کر سکے۔ حقیقی جمہوریت اس ملک میں اسی وقت پنپنے لگے گی، جب سیاستدان اپنے فیصلے خود کرنے کے قابل ہوں گے۔ جاری بحران میں

جنرل راحیل شریف کی مداخلت کے بارے میں سابق چیف جسٹس پاکستان افتخار محمد چودھری کی بحالی کی تحریک میں صف اول کے رہنما جسٹس ریٹائرڈ طارق محمود کا کہنا تھا کہ یہ ملک میں جمہوریت، آئین اور پارلیمنٹ کی بالادستی کا خاتمہ ہے۔ ملک کی وہ تمام سیاسی جماعتیں جو اس بحران کو حل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، انہیں غور کرنا چاہیے کہ فریقین کے جھگڑے میں فوجی سربراہ کے ثالثی ادا کرنے کو تمام سیاسی جماعتوں کی ذلت کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق نے اس حوالے سے کافی محتاط رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگر فوج فریقین کے درمیان مصالحت کروا سکتی ہے اور یہ بحران ختم ہوتا ہے تو یہ درست اور اچھی بات ہے، لیکن فوج کا سیاست میں کوئی کردار نہیں تھا۔ جے یو آئی ف کے ترجمان جان اچکزئی کا کہنا تھا کہ یہ سیاستدانوں کی ناکامی ہے کہ وہ اس بحران کو حل نہیں کر سکے، لیکن جمہوریت کی روح اور پاکستان کے آئین کے اندر رہتے ہوئے کسی معاہدے کا میں خیر مقدم کرتا ہوں۔ قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف خورشید شاہ نے وزیراعظم نواز شریف سے کہا ہے کہ یہ خبریں دیکھ کر کہ وزیراعظم نواز شریف نے آرمی چیف کو مذاکرات کے حل کے لیے ثالثی کا کردار ادا کرنے کا کہا ہے تو ہمیں بہت تکلیف ہوئی، لیکن آج وزیر داخلہ چودھری نثار نے اس بات کی وضاحت کر دی کہ آرمی چیف سے ملنے کی درخواست پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک کی جانب سے کی گئی تھی، جس سے ہمارے اعتماد میں اضافہ ہوا ہے۔ اگر حکومت یا دیگر جماعتیں بھی

پارلیمنٹ کی قرار کردہ قرار داد سے پیچھے ہٹ بھی جائیں تو پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹ، جمہوریت اور آئین کے تحفظ کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گی۔ اگر یہ لوگ معصوم بچوں اور خواتین کو جھوٹ بول کر پارلیمنٹ کو جلانا چاہتے ہیں تو انھیں آنے کی اجازت دی جائے اور انھیں اسلام آباد کو جلانے دیا جائے، لیکن ہم پاکستان کے آئین کا ایک حرف بھی پامال کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ ہمیں حکومت کو بچانے کا کوئی درد نہیں ہے، بلکہ ہم پارلیمنٹ کو بچانا چاہتے ہیں۔ پاک فوج اور عدلیہ بھی ہمارے ملک کے ادارے ہیں، لیکن سیاسی معاملات فوج اور عدلیہ کے ذریعہ حل کرنے کی روایت نہیں ہونی چاہیے۔ وزیر اعظم صاحب پارلیمنٹ نے جو قرار داد متفقہ طور پر منظور کی ہے، آپ اس پر ڈٹ جائیں ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ معروف قانون دان عاصمہ جہانگیر نے طاہر القادری اور عمران خان دونوں ہی کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا ہے کہ انہوں نے جس طرح پندرہ دن ضایع کیے تھے، اس کی لازماً مذمت کی جانی چاہیے۔ تقریباً تمام سیاسی جماعتوں اور سیاستدانوں نے ان سے التجا کی تھی، لیکن انہوں نے کسی کے مشورے پر کان نہیں دھرا، اب ایک ہی فون کال پر وہ آرمی ہاؤس کی جانب تیزی سے دوڑ گئے۔ عاصمہ جہانگیر نے تلخ لہجے میں تنقید کرتے ہوئے کہا کہ پرا کسی جنگ کا استعمال کرتے ہوئے نظام کو غیر مستحکم کرنے کی کوشش کی بجائے وہ براہِ راست ہی فوجی حکومت کیوں مسلط نہیں کر دیتے۔ اے این پی کے حاجی عدیل نے کہا کہ فوج کا سیاسی ضامن بننا غلط ہے، سپریم ضامن پارلیمنٹ ہے۔ یہ تمام

سیاستدانوں کی اہم ناکامی ہے۔اپوزیشن اور عمران خان کی جانب سے اس حوالے سے مطالبہ کیا گیا کہ سیاسی بحران میں کردار ادا کرنے کے حوالے سے فوج کے بیان کی وضاحت ہونی چاہیے، جس پر چودھری نثار کا کہنا تھا کہ حکومت نے کسی کو ضامن اور ثالث نہیں بنایا اور آئی ایس پی آر نے بیان جاری کیا کہ حکومت نے ہمیں سہولت کار کا کردار ادا کرنے کا کہا تھا، آئی ایس پی آر کے اس بیان کی چودھری نثار نے بھی تائید کی۔ تجزیہ کاروں کے مطابق ملکی تاریخ میں پہلی بار آرمی چیف کی کسی سیاسی معاملے میں کردار ادا کرنے کے بعد ایک بڑا سیاسی بحران کسی فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوتا نظر آ رہا ہے۔اس ساری صورتحال میں کم از کم ایک بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ ہمارے سیاست دان سیاسی معاملات کو سیاسی انداز میں حل کرنے کے اہل نہیں۔ جمہوری معاشروں میں سیاسی بحران آتے رہتے ہیں اور ان بحرانوں کو سیاست دان افہام و تفہیم اور بردباری سے حل کرکے سیاسی اور جمہوری عمل کی مضبوطی کا باعث بنتے ہیں اور عوام کا سسٹم پر اعتماد بڑھاتے ہیں۔ ہمارے ہاں اگرچہ پارلیمنٹ سسٹم کے لیے ایک آواز ہوئی، لیکن اس کی قراردادوں نے مفاہمت کی بجائے مزاحمت کی فضا پیدا کی، دوسری طرف عمران خان کا بے لچک رویہ جو پارلیمنٹ اور انتخابی عمل پر یقین تو رکھتے ہیں، لیکن پارلیمنٹ کے کسی عمل کی بجائے "لشکر کشی" کے ذریعے وزیراعظم کے استعفے کا

مطالبہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ گیلپ پاکستان سروے کے مطابق 66 فیصد عوام کا کہنا ہے کہ وزیراعظم کو استعفیٰ نہیں دینا چاہیے، 33 فیصد استعفیٰ کے حق میں تھے، ایک فیصد نے رائے نہیں دی، رائے دہندگان سے پوچھا گیا کیا پارلیمنٹ کو تحلیل کر دینا چاہیے؟ 61 فیصد پاکستانیوں نے نہیں کہا، 37 فیصد نے ہاں کہا، 2 فیصد نے جواب سے گریز کیا۔اس کے باوجود عمران خان اپنی ضد پر قائم ہیں، جبکہ طاہر القادری تو جمہوری سیاست کا حصہ ہی نہیں ہیں۔ تاہم مبصرین کا کہنا ہے کہ بلا خوف تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ سیاسی جماعتیں اور پارلیمنٹ اب اس سطح پر نہیں آ سکیں جہاں ہر مسئلے کا حل نکل سکے۔ ماضی کی طرح آج بھی "ریفری" کے طور پر فوج کی طرف دیکھا گیا، حکومت اور دھرنا والے خود کسی معاہدہ پر نہ پہنچ سکے۔ اب جو بھی معاہدہ ہوگا اس میں یقینی طور پر کچھ چیزیں حکومت کو چھوڑنا پڑیں گی۔ عمران خان اور ڈاکٹر طاہر القادری کے کچھ مطالبات بھی تسلیم نہ ہو سکیں گے۔ اس طرح کچھ دو اور کچھ لو کی بنیاد پر سیاستدان کوئی معاہدہ کر لیتے تو یہ جمہوریت سیاسی نظام اور سیاسی عہدوں کی عزت و تکریم کے لیے بھی نیک شگون ہوتا، لیکن یہ ثابت ہو گیا کہ کچھ "سیاست دانوں" کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے پوری پارلیمنٹ کے وقار پر خراش آئی ہے۔ حالانکہ سیاست میں ہٹ دھرمی اور ضد نہیں ہوتی۔

ریاستی اداروں پر دھاوا۔۔۔۔سیاست یا بغاوت؟

14 اگست سے تحریک انصاف اور عوامی تحریک کی حکومت کے خلاف شروع ہونے والی سیاسی جنگ اب حقیقی جنگ میں تبدیل ہو گئی ہے۔ ہفتے کی رات عوامی تحریک کے سربراہ طاہر القادری اور تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کی طرف سے پارلیمنٹ کے سامنے دیے ہوئے دھرنے وزیراعظم ہاؤس کے سامنے منتقل کرنے کا حکم دیا گیا تو ڈنڈوں، غلیلوں اور لوہے کے راڈوں سے مسلح شرکا وزیراعظم ہاؤس کی طرف مارچ کرتے ہوئے رکاوٹیں ہٹا کر آگے بڑھنے لگے۔ مظاہرین نے پولیس پر پتھراؤ، غلیلوں اور ڈنڈوں سے حملے کیے۔ اسلام آباد میں شاہراہ دستور میدان جنگ کا منظر پیش کرنے لگا۔ مظاہرین کیبنٹ ڈویژن کے پاس پہنچے کہ پولیس نے آنسو گیس کی شیلنگ اور ربڑ کی گولیاں چلانا شروع کردیں اور فوج نے پارلیمنٹ ہاؤس سمیت اہم عمارتوں پر پوزیشنیں سنبھال لیں۔ مظاہرین جنگلا توڑ کر پارلیمنٹ میں داخل ہوئے اور پارلیمنٹ کے سبزہ زار میں خیمے ڈال لیے۔ مظاہرین نے وزیراعظم ہاؤس کے سامنے درختوں اور گاڑیوں کو بھی آگ لگائی۔ اتوار کے روز بھی ڈنڈوں، غلیلوں اور پتھروں سے لیس مظاہرین ریڈ زون کی سیکورٹی کے لیے لگائے گئے کنٹینرز کے عقب میں چھپے وقفے وقفے سے باہر نکل کر پتھراؤ اور وزیراعظم ہاؤس کی جانب پیش قدمی کرتے رہے، تاہم

پولیس کی جانب سے ان پر آنسو گیس کی شیلنگ کی جاتی رہی۔ ہفتے کی رات سے جاری اس تصادم کے نتیجے میں اتوار تک 3 افراد جاں بحق، جبکہ 480 سے زاید زخمی ہوئے۔ مظاہرے کے دوران 100 سے زاید افراد کو حراست میں بھی لیا گیا ہے، جنہیں آبپارہ، سیکرٹریٹ، سبزی منڈی اور کوہسار پولیس اسٹیشنز میں رکھا گیا۔ جبکہ اسی تصادم میں کئی نیوز چینلز سے تعلق رکھنے والے رپورٹرز، کیمرا مین بھی زخمی ہوئے۔ ہفتے کی رات اسلام آباد میں جھڑپوں کے وقت عمران خان اپنے کنٹینر اور طاہر القادری اپنی بلٹ پروف گاڑی میں ہی رہے۔ ایک موقع پر عمران خان کنٹینر سے باہر آئے منہ پر رومال رکھ کر کچھ لمحے کھڑے رہے اور پھر دوبارہ کنٹینر کے اندر چلے گئے، جبکہ ڈاکٹر طاہر القادری کا کہنا تھا کہ میرا گاڑی سے باہر نکلنے کا کیا فائدہ ہوگا۔ مجمعے کے ساتھ چل رہا ہوں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ میری گاڑی کا گھیراؤ کرکے اٹھا لیا جائے گا۔ جبکہ دونوں حضرات کے بیٹے دھرنے جاری ہوتے ہی بیرون ملک چلے گئے تھے۔ ہفتے کی رات اسلام آباد میں حالات کشیدہ ہونے کی وجہ سے پورے ملک کے حالات میں کشیدگی آ گئی ہے، اتوار کے روز ملک کے مختلف شہروں میں احتجاجی مظاہرے کیے گئے اور صوبہ پنجاب میں امن و امان کی مخدوش صورتحال کے پیش نظر دفعہ 144 نافذ کر دی گئی ہے۔ جس کے بعد کسی بھی عوامی مقام پر 5 یا 5 سے زاید افراد کے اجتماع پر پابندی عاید ہوگی۔ شہر میں جلسے جلوس یا ریلیاں نکالنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس سلسلے میں ترجمان حکومت پنجاب نے بتایا کہ ملک میں امن

وامان کی صورتحال پہلے ہی خراب ہے اور ان حالات میں اگر ریلیاں اور جلسے جلوس نکالے جاتے ہیں تو دہشت گردوں کو اپنے مذموم مقاصد کے حصول میں مدد مل سکتی ہے۔ دفعہ 144 کا اطلاق فوری طور پر تاحکم ثانی پورے صوبے میں ہوگا۔

پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کہتے ہیں کہ وہ وزیراعظم نواز شریف اور چودھری نثار علی خان کے خلاف قتل کے مقدمے اور ان کا نام ای سی ایل میں شامل کرائیں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ حکومت سے کوئی بات نہیں ہوگی، ریاستی طاقت کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ جبکہ طاہر القادری کا کہنا تھا کہ وہ اور عمران خان مشترکہ جنگ لڑ رہے ہیں، جسے ہمیں اکٹھے ہی جیتنا ہے اور مستقبل میں بھی ہم اکٹھے ہی رہیں گے۔ قانون نواز شریف، شہباز شریف اور چودھری نثار کو پھانسی کے پھندے پر لٹکائے گا۔ وزیر داخلہ چودھری نثار نے ریڈزون کا دورہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے سامنے ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں، ایک گروہ وعدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وزیراعظم ہاؤس اور پارلیمنٹ پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، اس کے بعد کیا کیا جاسکتا ہے؟ وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات سینیٹر پرویز رشید کا کہنا ہے کہ پاکستان تحریک انصاف کے اعلیٰ ترین رہنماؤں جہانگیر ترین، جاوید ہاشمی، شاہ محمود قریشی، عارف علوی اور شفقت محمود سے ہماری گفتگو چل رہی تھی، لیکن ڈیڑھ گھنٹے میں نجانے کون سا طوفان آگیا کہ مذاکرات کا سلسلہ منقطع کرکے یلغار اور دھاوے کی سیاست کو اپنا لیا

گیا۔ طاہر القادری اور عمران خان نے اپنے پیروکاروں کو پارلیمنٹ پر حملے کا حکم دیا تھا، دھرنا دینے والی جماعتوں کے موقف کو دنیا کے کسی کونے سے پذیرائی نہیں ملی ہے، یہ لاشوں کی سیاست کرنے والے لوگ ہیں۔ دونوں جماعتوں کے رہنماؤں میں سے کس کی بہن یا بیٹی دھرنوں میں شریک نہیں۔ مسلح افراد نے خواتین اور بچوں کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ تحریک انصاف کے صدر جاوید ہاشمی نے کہا ہے کہ عمران نے آگے نہ جانے کا وعدہ کیا تھا۔ اب جمہوریت ختم ہوئی تو ذمہ داری عمران خان پر ہوگی۔ تحریک انصاف اور حکومت کی مذاکراتی کمیٹیوں کے درمیان جو بات چیت ہوئی تھی ،اس میں ہم نے حکومت کو ایک ڈرافٹ پیش کیا تھا، جس کا جواب حکومت نے ابھی ہمیں دینا تھا، پھر تحریک انصاف کی کور کمیٹی اور دیگر رہنماؤں کا کنٹینر میں اجلاس ہوا، جس میں متفقہ فیصلہ کیا کہ ہم لوگ شاہراہ دستور سے آگے نہیں بڑھیں گے، جس پر عمران خان نے بھی اتفاق کیا تھا، لیکن شیخ رشید اور سیف اللہ نیازی عمران خان کے پاس کوئی پیغام لے کر آئے اور پھر عمران خان نے مجھ سے کہا کہ ہاشمی صاحب میری مجبوری ہے کہ اب میں نے آگے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے، اگر آپ کو کوئی اختلاف ہے تو آپ جا سکتے ہیں، جس پر میں نے کہا خان صاحب تحریک انصاف کی کور کمیٹی نے اور خود آپ نے بھی یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہم آگے نہیں جائیں گے تو اس پر ان کا جواب تھا کہ میں پارٹی کا سربراہ ہوں اور میں نے آگے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جاوید ہاشمی نے کہا کہ میں نے اس پارلیمنٹ کی بالادستی کے لیے ماریں کھائیں اور

جیلیں کاٹیں ہیں، میں کیسے اس پارلیمنٹ پر دھاوے کا سوچ سکتا ہوں۔ ٹین ڈاؤننگ اسٹریٹ اور وائٹ ہاؤس میں ڈنڈوں اور غلیلوں کے ساتھ وزیراعظم اور صدارتی دفاتر کے باہر مظاہروں کی اجازت نہیں دی جاتی، موجودہ صورت حال میں ہمارے اور مارشل لاء کے درمیان بہت ہی کم فاصلہ رہ گیا ہے، اگر مارشل لاء لگ گیا تو پھر ہم 15 سے 20 سال تک صفائیاں پیش کرتے کرتے مر جائیں گے، میں خان صاحب کو اس شرمندگی سے بھی بچانا چاہتا ہوں۔ ہم اپنی نوجوان نسل کو کیا جواب دیں گے۔ میں حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اور عمران خان سے درخواست کرتا ہوں کہ تصادم کی سیاست سے گریز کیا جائے، اس سے خون خرابہ ہوگا، ہمارے بچوں کا قتل عام ہوگا اور پھر ہم اپنی ماں بہن بیٹیوں کو کیا جواب دیں گے۔

پاکستان پیپلز پارٹی، جماعت اسلامی، جے یو آئی (ف) اور دیگر جماعتوں نے وزیراعظم ہاؤس کے باہر پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک کے کارکنوں اور پولیس میں تصادم پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اسے افسوسناک قرار دیا۔ تاہم ان جماعتوں نے موجودہ صورتحال کا ذمہ دار ان دونوں جماعتوں کو قرار دیا ہے۔ قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف خورشید شاہ نے سلام آباد کی صورتحال کا ذمہ دار پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک کو قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ عمران خان اور طاہر القادری نے اپنے کارکنوں کو

آگ میں جھونک کر اچھا نہیں کیا۔ عمران خان اور طاہر القادری کی منفی سیاست کے نتیجے میں اگر ملک کسی حادثے سے دوچار ہو گیا تو اس سے نہ صرف قوم اور ملک کا نقصان ہو گا، بلکہ عمران اور طاہر القادری کی سیاست بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔ پی ایم ہاؤس کی حفاظت فوج سمیت تمام اداروں کی ذمہ داری ہے۔ امیر جماعت اسلامی سراج الحق نے صورتحال پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے بھرپور کوشش کی کہ حالات اس نہج پر نہ پہنچیں، اب بھی میرا یقین ہے کہ تشدد نہیں، بہرحال مسائل کا حل مذاکرات ہی میں ہے۔ مرکزی جمعیت اہلحدیث کے سربراہ پروفیسر ساجد میر کا کہنا تھا کہ عمران خان اور ڈاکٹر طاہر القادری نے حکومتی صبر کو ان کی کمزوری سمجھ لیا، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ حالات ایسے ہوں کہ کوئی اور تیسرا فریق اقتدار پر شب خون مارے۔ جے یو آئی (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ حکومت نے 18 سے 20 روز تک صبر کا مظاہرہ کیا۔ مظاہرین نے ریڈ لائن عبور کر لی۔ دونوں جماعتوں کی ہٹ دھرمی کے سبب ایسا ہوا۔ دونوں جماعتوں نے عورتوں، بچوں کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ یہ لوگ ملکی نظام کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ مسلم لیگ فنکشنل، استقلال پارٹی اور مسلم لیگ ضیا الحق کے رہنماؤں نے بھی اسلام آباد واقعہ کا ذمہ دار دونوں پارٹیوں کو قرار دیا ہے۔

دوسری جانب محکمہ داخلہ نے اسلام آباد میں پولیس اور مظاہرین کے درمیان ہونے والی جھڑپوں کی ابتدائی رپورٹ وزیراعظم کو پیش کر دی، جس میں بتایا

گیا کہ مظاہرین نے بغیر اطلاع دیے وزیراعظم ہاؤس کی جانب مارچ شروع کیا، بعدازاں مظاہرین نے ایوان صدر کا دروازہ توڑنے کی کوشش کی، جنھیں لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کرکے بتایا گیا کہ یہ ریڈ زون کے اندر وہ ریڈ لائن ہے، جس سے آگے جانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی، لیکن اس کے باوجود مظاہرین کی جانب سے کٹر کی مدد سے تاریں کاٹنے کی کوشش کی گئی اور دیگر اوزار استعمال کیے گئے، جس پر پولیس نے پہلے ہوائی فائرنگ کی اور اس کے بعد جب مظاہرین نے سیکورٹی اہلکاروں پر پتھراؤ شروع کیا تو پھر آنسو گیس کے ذریعے انھیں منتشر کرنے کی کوشش کی گئی، جس کی وجہ سے یہ سارا معاملہ شروع ہوا۔ وزیراعظم نواز شریف کو بتایا گیا کہ ایوان صدر اور وزیراعظم ہاؤس پر حملہ کرنے والے 85 افراد کو گرفتار بھی کیا گیا، اس کے علاوہ مظاہرین سے آہنی راڈیں، ہتھوڑے، غلیلیں، ڈنڈے اور دیگر سامان بھی اپنے قبضے میں لیا گیا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی قانون ریاستی اداروں پر یوں دھاوا بولنے کی اجازت نہیں دے سکتا، جس طرح ہفتے کی رات پی ٹی آئی اور عوامی تحریک کے کارکنوں نے اپنے قائدین کے احکامات پر دھاوا بولا۔اس طرح کے اقدامات کا مقصد صرف اور صرف ملک میں انتشار پھیلا کر اپنے مقاصد حاصل کرنا ہے۔ 2007 میں لال مسجد والوں نے صرف اپنی مسجد کے سامنے احتجاج کرتے ہوئے شریعت کا مطالبہ کیا تھا، انہوں نے سرکاری عمارتوں پر قبضے بھی نہیں کیے تھے، اس کے باوجود ان کو باغی کہا گیا اور آپریشن کرکے سب کو قتل کر دیا گیا، جب ان کا صرف مطالبہ ہی ریاست

کے خلاف بغاوت ٹھہرا تو پھر ہزاروں افراد کا اعلیٰ الاعلان سرکاری عمارتوں پر دھاوا بولتے ہوئے قبضے کی کوشش کرنا بغاوت کیوں نہیں ہوگا؟ مبصرین کا کہنا ہے کہ طاہر القادری یہ بتائیں کہ انہوں نے خود اپنے فتاویٰ میں ریاستی اداروں پر قبضے کو بغاوت قرار دیا ہے تو اب وہ خود وہی صورت اپنا کر اپنے فتوے کے مطابق باغی قرار نہیں پائیں گے؟ لہٰذا فریقین کو تحمل اور صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے، ورنہ ملک کے حالات مزید بگڑ سکتے ہیں۔

جاوید ہاشمی کی ایک اور بغاوت.... نیا پنڈورا بکس کھل گیا

حکومت مخالف جماعتوں کا اسلام آباد میں دھرنوں کا تیسرا ہفتہ جاری ہے۔ پوری قوم کے اعصاب پر مسلط پریشان کن کیفیت رفتہ رفتہ مزید پریشان کن ہو رہی ہے۔ ہفتے کے روز سے سیاست کی جنگ تشدد کی جنگ میں تبدیل ہو چکی ہے اور ملک کا دارالحکومت اسلام آباد میدان جنگ کا منظر پیش کرنے لگا ہے۔ پہلے طاہر القادری اور عمران خان کے ڈنڈوں، پتھروں، پیٹرول بموں اور غلیلوں سے لیس کارکنوں نے وزیر اعظم ہاؤس پر دھاوا بولا، اہم سرکاری عمارتوں کے گیٹ توڑ ڈالے اور روکنے پر پولیس سے جنگ ہوئی، جس کے نتیجے میں پولیس اہلکاروں سمیت چھ سو کے لگ بھگ افراد زخمی اور تین جان سے گئے۔ پیر کی صبح کو مظاہرین کی جانب سے ڈی چوک سے آگے کی جانب پیش قدمی شروع کی۔ وزیر اعظم ہاؤس کی جانب جانے والے راستے پر پاکستان سیکرٹریٹ کا علاقہ جھڑپوں کا مرکز بنا رہا۔ مظاہرین پولیس اور ایف سی کے اہلکاروں پر پتھراؤ اور غلیلوں سے کنچے برساتے رہے، شدید پتھراؤ کے بعد پولیس کی جانب سے آنسو گیس کی شیلنگ کی گئی۔ مظاہرین کی جانب سے پتھراؤ کے نتیجے میں ایس ایس پی اسلام آباد عصمت اللہ جونیجو بھی زخمی ہوئے۔ پتھراؤ کے بعد مظاہرین نے پاک سیکرٹریٹ کے مرکزی دروازے کے سامنے موجود کنٹینر کو آگ لگانے کے بعد

سیکرٹریٹ دروازہ بھی توڑ دیا اور اس کے بعد عوامی تحریک اور پی ٹی آئی کے ڈنڈابردار اور پٹرول بموں سے لیس بلوائی پاکستان ٹیلی ویژن نیوز کا گیٹ، کھڑکیوں اور دروازوں کے شیشے توڑ کر اندر داخل ہوئے۔ پی ٹی وی کے سیکورٹی سٹاف سے بندوقیں چھین کر عمارت کے اندر داخل ہو کر عملے کو یرغمال بنا لیا۔ مظاہرین نے پی ٹی وی کے آلات اکھاڑ دیے اور نشریاتی کیبلز بھی توڑ دیں، جس کے بعد پی ٹی وی ورلڈ اور پی ٹی وی نیوز کی نشریات تقریباً ایک گھنٹہ بند رہیں، قومی نشریاتی ادارے پر قبضہ کر کے مظاہرین نے پاکستان کا رابطہ پوری دنیا سے منقطع کر دیا۔ پی ٹی وی کے ایم ڈی محمد مالک کے مطابق مظاہرین نے ہیڈ کوارٹر کی کیبلز کو نقصان پہنچایا اور کروڑوں روپے کے کیمرے بھی چوری کیے ہیں۔ حالانکہ پی ٹی وی حکومت کی نہیں، ریاست کی نشانی ہے، ریاست کا چینل بند ہونے سے دنیا میں پاکستان کا غلط تاثر گیا۔ اس بلوے کو روکنے کے لیے رینجرز اور پاک فوج کو طلب کیا گیا، تو انہوں نے پہنچ کر مظاہرین کو پی ٹی وی ہیڈ کوارٹر خالی کرنے کے اعلانات کیے، جس کے بعد مظاہرین باہر نکلنا شروع ہوئے اور پی ٹی وی کی نشریات بحال کر دی گئیں۔ ذرائع کے مطابق بلوائیوں کے قومی نشریاتی ادارے پر دھاوا بولنے سے قبل دونوں جماعتوں کے لیڈروں نے اشتعال انگیز تقاریر کر کے مظاہرے ن کو مشتعل کیا تھا اور بہت سے لوگ پہلے سے ہی باقاعدہ طور پر مسلح ہو کر آئے تھے، ان کے پاس کٹر تھے، جن سے وہ خاردار تار اور لوہے کی چادریں کاٹ رہے تھے، وہ ڈنڈوں سے مسلح تھے جو

وہ سرکاری عمارتوں، پولیس اور میڈیا اداروں کی گاڑیوں پر برسا رہے تھے اور اپنے بچاؤ کے لیے پولیس اہلکاروں کی جانب بھی پھینک رہے تھے۔

بلوائیوں کے حملے کے بعد ملک بھر کے رہنماؤں نے قومی نشریاتی ادارے پر حملے کی سخت الفاظ میں مذمت کی۔ جس کے بعد دونوں لیڈروں نے یہ بیان دیا کہ قومی نشریاتی ادارے پر حملہ کرنے والے افراد ہمارے کارکنان نہیں تھے۔ مبصرین کا کہنا تھا کہ چینلز کی آنکھ سے ساری دنیا نے دیکھا کہ پی ٹی وی پر حملہ کرنے والوں کے پاس عوامی تحریک اور پی ٹی آئی کے جھنڈے تھے اور وہ اپنی جماعتوں کے حق میں اور حکومت کی مخالفت میں نعرے لگا رہے تھے، اگر وہ ان جماعتوں کے کارکنان نہیں تھے تو کیا وہ آسمان سے نازل ہوئے تھے؟ اس معاملے کے بعد قائم مقام آئی جی اسلام آباد خالد خٹک کی مدعیت میں تھانہ سیکرٹریٹ میں عمران خان اور طاہر القادری کے خلاف بغاوت کا مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔ مقدمے میں انسداد دہشت گردی، قتل، اقدام قتل اور کار سرکار میں مداخلت کی دفعات بھی شامل کی گئی ہیں، ایف آئی آر میں جتھہ بنا کر پولیس پر حملہ کرنے کی دفعات بھی شامل کی گئی ہیں۔ ایف آئی آر میں شامل تمام دفعات ناقابل ضمانت ہیں۔ عمران خان اور طاہر القادری کے علاوہ تحریک انصاف کے ڈپٹی چیئرمین شاہ محمود قریشی، صدر تحریک انصاف پنجاب چودھری اعجاز، عوامی تحریک صدر رحقیق عباسی، خرم نواز گنڈا پور اور دیگر مرکزی قائدین کے ساتھ ساتھ سیکڑوں

کارکنوں کو بھی مقدمے میں نامزد کیا گیا ہے۔ عوامی مسلم لیگ کے سربراہ شیخ رشید کو بھی ایف آئی آر میں نامزد کیا گیا ہے۔ وزیر دفاع خواجہ آصف کا اپنے ایک بیان میں کہنا تھا کہ تحریک انصاف اور عوامی تحریک کے کارکن پوری دنیا سے پاکستان کا رابطہ منقطع کرنا چاہتے ہیں، چند ہزار لوگ پاکستان کو تباہی کی کھائی میں پھینک رہے ہیں۔ جس طرح سے پاکستان کے سرکاری ٹی وی کی عمارت پر قبضے اور توڑ پھوڑ سے پتہ چل گیا کہ یہ لوگ کس قدر پر امن اور جمہوری ہیں، عمران خان نے تو جاوید ہاشمی کو اختلاف کرنے پر پارٹی سے نکال دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمران خان کس قدر جمہوری ہیں، جب کہ طاہر القادری صاحب کا تو جمہوریت سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ تو ایک ون مین شو ہے، انھوں نے مذہبی بنیاد پر ایک گروپ بنایا ہوا ہے۔ جبکہ سراج الحق نے کہا ہے کہ اسلام آباد میں مظاہرے سے عوام کرب میں مبتلا ہیں۔ تحریک انصاف کے چھ میں سے پانچ مطالبوں کو ہم نے حکومت سے منظور کرایا پھر کوشش کی کہ تحریک انصاف اور حکومت میں براہ راست ملاقات ہو، جس میں حکومت نے پانچ مطالبے تسلیم کیے اور ڈیڈ لاک ہوگئے، ہم نے پھر تعاون کیا اور وزیر اعظم کے استعفے کو دھاندلی کی تحقیقات سے مشروط کر دیا، لیکن اس کے باوجود معاملہ کو حل نہیں کیا گیا۔ ہمارے مطالبے پر حکومت نے دونوں جماعتوں کو احتجاج کی اجازت دی۔ اجتماعی مطالبے کی بدولت حکومت نے کنٹینرز ہٹائے۔ قومی قیادت تماشا کرنے کی بجائے قیادت کرے۔ ملکی معیشت تباہی کی جانب بڑھ رہی ہے۔ جس معاشرے میں تشدد کی

حکمرانی ہو وہ معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا۔ جبکہ فوج نے پیر کے روز وزیر اعظم سے ملکی معاملات کو حل کرنے کے حوالے سے طویل گفتگو کی اور اس سے ایک روز قبل بھی پاکستان آرمی نے ملک میں جمہوریت کے لیے حمایت کے عزم کا اعادہ کرتے ہوئے اسلام آباد میں جاری بحران کو جلد سے جلد سیاسی طور پر حل کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا تھا کہ کور کمانڈرز کانفرنس میں موجودہ سیاسی صورت حال کا گہری تشویش کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے اور سیاسی بحران نے تشدد کا رخ اختیار کر لیا ہے، جس کے نتیجے میں انسانی جانی نقصان ہوا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ زخمی ہوئے ہیں۔ طاقت کے مزید استعمال سے مسئلہ شدت اختیار کرے گا۔

دوسری جانب تحریک انصاف کے صدر جاوید ہاشمی نے میڈیا کے سامنے ایک نیا پنڈورا بکس کھول دیا ہے۔ پارلیمنٹ ہاؤس کے باہر میڈیا سے بات کرتے ہوئے جاوید ہاشمی نے کہا کہ اس پارلیمنٹ کے سامنے کھڑا ہوں جہاں کلمہ لکھا ہوا ہے، جھوٹ نہیں بولوں گا۔ انہوں نے کہا کہ میں کل بھی پارٹی کا صدر تھا اور آج بھی ہوں، مجھے پارٹی سے نکالنے کا آئینی راستہ اختیار نہیں کیا گیا، عمران خان پارٹی کے آئین کے خود مالک ہیں، وہ اپنی مرضی کے آدمی ہیں، لیکن اگر وہ ایک بار اسے پڑھ لیتے تو بہتر ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ کور کمیٹی کے اجلاس میں متفقہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ اس سے آگے نہیں جائیں گے، لیکن عمران

خان نے سیف اللہ کے اشارے پر بات مان لی، عمران خان کو میری اصول باتیں پسند نہیں آئیں، انہوں نے مجھ سے چلے جانے کو کہا۔ جاوید ہاشمی نے کہا کہ عمران خان نے سپریم کورٹ کو درخواست دینے کا کہتے ہوئے کہا کہ آنے والے چیف جسٹس ہمارے اپنے ہیں، ان سے طے ہوچکا ہے کہ وہ اس حکومت کو فارغ کردیں گے اور ان کے حکم پر ستمبر میں الیکشن ہوں گے، عمران خان نے سپریم کورٹ کو بدنام کیا، سپریم کورٹ کو بتانا چاہتا ہوں کہ عمران خان نے بھڑکایا۔ انہوں نے کہا کہ عمران خان نے کہا کہ ہم فوج کے بغیر نہیں چل سکتے اور جب تک طاہر القادری نہیں کہیں گے، آگے نہیں چلیں گے، کیونکہ بیچ والے کہتے ہیں کہ طاہر القادری کے ساتھ چلیں۔ ان کا کہنا تھا کہ باہر کے لوگ عمران خان کی حیثیت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، کور کمیٹی نے عمران خان کو شیخ رشید سے بچنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ ہمیں تباہ کردیں گے، جبکہ کور کمیٹی نے شیخ رشید کے خلاف قرارداد بھی پیش کیا۔ صدر تحریک انصاف کا کہنا تھا کہ ایک اغوا شدہ تحریک انصاف یہاں آئی ہے، ہم یرغمال ہوچکے ہیں، عمران خان ایک منصوبہ بندی کے تحت اسلام آباد آئے ہیں، یہ تمام اسکرپٹ لکھا ہوا ہے، لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ یہ کس نے لکھا اور عمران خان کس کی منصوبہ بندی پر کام کررہے ہیں، تاہم اس میں فوج اور آئی ایس آئی کو بھی بدنام کیا جارہا ہے۔ جاوید ہاشمی نے کہا کہ عمران خان کو ملک کے آئین و قانون کی پرواہ نہیں، انہوں نے ہر وعدہ تھوڑا ہے، میں بلا وجہ روزانہ ناراض ہوکر نہیں جاتا تھا ،

اس کے پیچھے کئی وجوہات تھیں، میری ناراضگی کے بعد میرے سامنے چیزوں کو زیادہ نہیں رکھا گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ عمران خان نے تمام ممبران اسمبلی سے زبردستی استعفے لیے اور اس وقت مجھے تشویش ہوئی، کیونکہ یہ عمل چھوٹی بات نہیں، بلکہ ایک منتخب اسمبلی پر ہتھوڑا مارنے کے مترادف تھا۔ جاوید ہاشمی نے کہا کہ اگر فوج، آئی ایس آئی اور عدلیہ کو لتھاڑ کر اقتدار لیا جائے تو میں ایسے اقتدار کا حصہ نہیں بن سکتا، میں اس سازش کا حصہ نہیں ہوں، عمران خان کی ہر قدم پر مخالفت کی، جبکہ عمران خان نے لکھ کر دیا تھا کہ مارشل لا کی حمایت نہیں کروں گا اور آئین و قانون کی بالادستی کو مانتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نواز شریف کی ٹیم تھرڈ کلاس ہے، ان کی کارکردگی سب سے زیادہ تباہی لائی ہے، ان لوگوں نے نہ پارلیمنٹ کو چلایا اور نہ ہی لوگوں کے مسائل کو حل کیا، نواز شریف نے ملک کے ساتھ زیادتی کی، وہ قوم کی امنگوں پر پورا نہیں اترے، آج پورا ملک حکومت کی نااہلی کے باعث اس دہانے پر پہنچ چکا ہے۔ جاوید ہاشمی نے کہا کہ میں آئین کی بالادستی، پارلیمنٹ اور دیگر اداروں کے تقدس کے لیے اپنی جان دے دوں گا۔ عمران خان نے سپریم کورٹ کو بدنام کیا، میں عدالت عالیہ کی توہین نہیں کر سکتا۔ ان کا کہنا تھا کہ میں اللہ تعالی کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں وہ اکیلا شخص نہیں تھا، جس نے عمران خان کو وزیراعظم ہاؤس کی جانب پیشقدمی سے روکا تھا۔ اس فیصلے میں شاہ محمود قریشی، جہانگیر ترین، اسد عمر اور پرویز خٹک کے علاوہ دیگر رہنماء بھی شامل

تھے۔ مخدوم جاوید ہاشمی نے کہا ہے کہ جو ملکی قانون اور آئین نہیں مانتا، وہ شخص پارٹی کا آئین کو کیا مانے گا؟ عمران خان نے سپریم کورٹ کو بدنام کیا۔ عمران خان نے کہا تھا کہ سپریم کورٹ نواز شریف اور شہباز شریف کو فارغ کر دے گی۔

سیاسی جماعتوں کا حکومت کے ساتھ اظہار یکجہتی

14 اگست سے ملک کے دارالحکومت میں ڈیرے لگائے بیٹھے "انقلابیوں" کا معاملہ سلجھنے کا نام ہی نہیں لے رہا، بلکہ تحریک انصاف اور عوامی تحریک کے کارکنان اپنے سربراہوں کی قیادت میں مارچ اور دھرنے سے ہوتے ہوئے لشکر کشی اور بغاوت پر اتر آئے ہیں۔ "مقبوضہ ریڈزون" کی آزادی تو کیا ممکن ہوتی "انقلابی" ریاستی اداروں پارلیمنٹ اور قومی نشریاتی ادارے پر بھی دھاوا بول چکے ہیں۔ جبکہ پی ٹی آئی قیادت شیریں مزاری، عارف علوی اور شاہ محمود قریشی اور کارکنوں نے سیکرٹریٹ پولیس اسٹیشن پر دھاوا بول کر اپنے رکنوں کو چھڑوایا، جس پر حکومت نے پی ٹی آئی اور پی اے ٹی کے رہنماؤں اور ورکرز کے خلاف مقدمہ درج کرانے کے لیے درخواست جمع کرائی تھی، جس پر بعد ازاں انسداد دہشتگردی ایکٹ، بغاوت کے لیے پاکستان پینل کوڈ کی شق 124 اے، اقدام قتل کی دفعہ 324، سرکاری ملازمین پر حملہ یا فرائض کی ادائیگی سے روکنے کے لیے طاقت کے استعمال پر دفعہ 353، توڑ پھوڑ جلاؤ گھیراؤ پر دفعہ 148، غیر قانونی اجتماع پر دفعہ 149، آتش زنی یا دھماکہ خیز مواد سے کسی املاک کو نقصان پہنچانے کا ارادے پر دفعہ 436 اور دیگر کے تحت مقدمہ درج کیا گیا ہے۔ پی ٹی آئی کے سربراہ عمران خان اور پی اے ٹی کے قائد ڈاکٹر طاہر القادری کو بھی دیگر افراد کے ساتھ اس مقدمے میں نامزد کیا

گیا۔ مارگلہ پولیس نے پی ٹی آئی کارکنوں کے خلاف آنسو گیس کے شیل فائر کرنے والے ہتھیار چھیننے اور پولیس کی ایک گاڑی نذر آتش کرنے پر دو الگ الگ مقدمات درج کیے۔ اس طرح تحریک انصاف اور عوامی تحریک کے سربراہان کے خلاف درج مقدمات کی تعداد نو ہو گئی ہے۔ مقدمات اسلام آباد میں تھانہ کوہسار میں رجسٹر کیے گیے۔ جبکہ لاہور ہائی کورٹ نے پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کی جانب سے وزیراعظم نواز شریف کو نااہل قرار دینے کے لیے دائر درخواست کو ناقابل سماعت قرار دے کرخارج کردیا ہے۔ پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان نے کہا ہے کہ ریاستی اثاثوں پر لشکر کشی ہوئی، چند ہزار لوگوں کا گروہ جمہوریت کا سہارا لے کر ایوان کے دروازے تک آ پہنچا، یہ لوگ آزادی اظہار کا سہارا لے کر ایوان کے دروازے تک آ پہنچے، دھرنے والے ہر غیر آئینی قدم اٹھا رہے ہیں، لیکن لشکر کے خلاف پارلیمنٹ اور قوم متحد ہے۔ دھرنے والے ہر غیر آئینی قدم اٹھا رہے ہیں۔ یہ احتجاج اور دھرنا سیاسی اجتماع نہیں، بلکہ پاکستان اور ریاستی اداروں کے خلاف بغاوت ہے۔ یہاں موجود ڈیڑھ سے دو ہزار لوگ باقاعدہ تربیت یافتہ ہیں اور ایک عسکری گروپ سے تعلق رکھتے ہیں۔ سپریم کورٹ کے پانچ رکنی بینچ نے منگل کو ممکنہ ماورائے آئین اقدام کے خلاف درخواستوں کی سماعت کی۔ سماعت کے دوران سپریم کورٹ نے پاکستان عوامی تحریک سمیت پندرہ پارلیمانی جماعتوں کو نوٹس جاری کر دیے ہیں، تاہم کچھ جماعتوں کے نام اس فہرست میں شامل نہیں کیے گئے۔ درخواست

گزار ذوالفقار نقوی نے موقف اختیار کیا تھا کہ تمام جماعتوں کو بلا کر اس مسئلے کا حل نکالا جائے اور اسے عدالتی حکم کا حصہ بنایا جائے، تاکہ موجودہ سیاسی بحران پر قابو پایا جا سکے۔ جن جماعتوں کو نوٹس جاری کیے گئے ہیں، ان میں صرف پاکستان عوامی تحریک پارلیمنٹ کا حصہ نہیں ہے۔ نمائندے کے مطابق جن جماعتوں کے نام نہیں دیے گئے، درخواست گزار کو ان کے نام شامل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جس کے بعد ان کو بھی نوٹس جاری کیے جائیں گے اور ان کی رائے لی جائے گی۔

دوسری جانب منگل کے روز قومی اسمبلی کے اسپیکر ایاز صادق کی زیر صدارت پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں موجودہ سیاسی بحران پر ارکان کی جانب سے پاکستان عوامی تحریک اور پاکستان تحریک انصاف کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ اجلاس میں وزیراعظم نواز شریف سمیت حکومتی وزرا اور اپوزیشن رہنماؤں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

پیپلز پارٹی کے سینیٹر اعتزاز احسن نے کہا کہ قادری اور عمران 21 روز سے قوم کو بغاوت پر اکسا رہے ہیں۔ عمران خان پرویز خٹک سے تو استعفیٰ لے نہیں سکے، وزیراعظم سے کیا استعفیٰ لیں گے۔ پرویز خٹک نے بڑی ہوشیاری سے اپنی حکومت بچائی۔ ایسی 10 ڈاؤننگ سٹریٹ کس خلا میں ہے، جہاں 2 سے 3 ہزار لٹھ بردار لوگوں کو جمع ہونے کی اجازت ہوتی ہے۔ موجودہ حکومت اور کابینہ برقرار رہے گی اور اپوزیشن جماعتیں جمہوریت اور حکومت کے ساتھ ہیں، لیکن وزیراعظم نواز شریف کو موجودہ بحران کی وجوہات

تلاش کرنا ہوں گی۔ کوئی وزیر اعظم کو استعفیٰ دینے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ حکومت اور پارلیمنٹ کے خلاف یلغار غیر قانونی ہے۔ پارلیمنٹ میں جمعیت علمائے اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن کا کہنا تھا کہ جمہوریت کی بساط لپیٹنے کی سازش پکڑ لی گئی ہے اور ملکی سیاسی قیادت جمہوریت کی بساط لپیٹنے کی کوشش کو ناکام بنا دے گی، بات نواز شریف کی نہیں، بلکہ منتخب وزیر اعظم کی ہے، جمہوریت کا تقاضا ہے کہ وزیر اعظم سے استعفیٰ نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی وہ چھٹی پر جائیں گے، بلکہ وزیر اعظم پارلیمنٹ کی نمائندگی کرتے رہیں گے۔ پوری دنیا میں پاکستان کی تذلیل ہو رہی ہے اور پوری دنیا نے دیکھا کہ سرکاری ٹی وی کی نشریات بند کر دی گئیں، آج کے بعد حکومت کی انتظامی ذمہ داری ہے کہ اسلام آباد کو جتھوں سے پاک کر دیا جائے، اگر صوفی محمد پر بغاوت کا کیس بن سکتا ہے تو پارلیمنٹ پر حملہ کرنے والوں پر بھی بغاوت کا مقدمہ درج ہونا چاہیے، کسی نے نظام لپیٹنے یا مائنس ون کا فارمولا بنایا تو وہ ناکام ہو چکا ہے۔ متحدہ قومی موومنٹ کے پارلیمانی لیڈر خالد مقبول صدیقی کا کہنا تھا کہ اگر ہم سول نافرمانی کا اعلان کرتے تو ہم پر آرٹیکل لگا دیا جاتا، لیکن دھرنا دینے والی جماعت کے سربراہ نے سول نافرمانی اور ہنڈی کے 6 ذریعے پیسے لانے کے لیے عوام کو مشورہ دیا، ان پر آرٹیکل 6 کے تحت مقدمہ درج کیوں نہیں کیا جاتا؟ اجلاس میں محمود خان اچکزئی نے کہا کہ آج سب اس بات پر متفق ہیں کہ جمہوریت کی طرف بڑھنے والے ہر ہاتھ کو روکیں گے ،

پارلیمنٹ پر حملہ بغاوت اور دہشتگردی کے زمرے میں آتا ہے، حکومت نے 50 ہزار سیکورٹی اہلکاروں کی جگ ہنسائی کرادی۔ اسلام آباد میں آرٹیکل 245 نافذ ہے، اس کے باوجود مظاہرین اسمبلی میں کس طرح داخل ہوگئے، مظاہرین کو ہر حال میں پارلیمنٹ چھوڑ کر جانا ہوگا۔ پارلیمنٹ کے باہر خیمہ زنی دیکھ کر افسوس ہو رہا ہے۔ ملکی سیاست اور سیاسی جماعتیں درست راہ پر چل پڑی ہیں، اگر تمام جماعتیں آئین کی بالادستی کے لیے احتجاج کا اعلان کردیں تو پورے ملک میں 5 کروڑ عوام سڑکوں پر نکل سکتے ہیں۔

تحریک انصاف کے صدر جاوید ہاشمی نے بھی پارلیمنٹ میں تقریر کی۔ ان کا کہنا تھا کہ ابھی بھی میں تحریک انصاف کا منتخب صدر ہوں۔ ملک کو آئین اور پارلیمنٹ سے ہی چلایا جا سکتا ہے۔ پارلیمانی نظام کو اکٹھا نہ رکھنا حکومت کی ناکامی ہے۔ ذاتی حیثیت سے عمران خان نے مجھے سب سے زیادہ عزت دی، عمران خان کے پاس نوجوانوں کی بڑی طاقت ہے۔ عمران خان اب بھی آئین اور قانون کو مانتے ہیں، جبکہ طاہر القادری تو سسٹم ہی کو گرانے کی بات کرتے ہیں۔ اس موقع پر انہوں نے کہا کہ پی ٹی آئی کے کسی رکن اسمبلی نے خوشی سے استعفیٰ نہیں دیا، لیکن میں خوشی سے پارلیمنٹ سے استعفیٰ دے کر عوام کے پاس جارہا ہوں، پارلیمنٹ کو نظرانداز کریں گے تو اسے گرانے کی آوازیں آئیں گی۔ عمران خان نے کور کمیٹی کے فیصلے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ڈی چوک سے آگے بڑھنے کا

فیصلہ کیا، اس لیے پارلیمنٹ گرانے والوں کا کس طرح ساتھ دے سکتا ہوں۔ اگر حکومت کی جانب سے پارلیمنٹ کے تقدس کا خیال نہیں رکھا جائے گا تو اسے گرانے والے لشکر آئیں گے۔ پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس کے اختتام کے بعد وزیراعظم نواز شریف اپنی نشست سے اٹھ کر جاوید ہاشمی کے پاس گئے اور ان سے بغل گیر ہوگئے۔ پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس کے دوران ارکان کے اظہار خیال پر اسپیکر قومی اسمبلی کا کہنا تھا کہ تحریک انصاف کے رہنما ان کی غیر موجودگی میں استعفے ان کے چیمبر میں جمع کرا گئے۔ وہ استعفوں کے معاملے پر مفاہمت کے منتظر تھے، قانون کی رو سے انہیں یہ دیکھنا ہے کہ کہیں انہوں نے استعفے دباؤ میں تو نہیں دیے۔ اس سلسلے میں ایوان جو فیصلہ کرے گا، وہی ان کا اپنا فیصلہ ہوگا۔ ذرائع کے مطابق حکومت نے طاہر القادری اور عمران خان سے آخری دفعہ مذاکرات کا فیصلہ کیا ہے۔ جمعرات تک اگر معاملہ حل نہ ہوا تو ریڈ زون کو ایوان کی قرارداد کے ذریعے خالی کرایا جائے گا اور ریڈ زون کو خالی کرانے کی قرارداد مشترکہ اجلاس میں پیش کی جائے گی۔ متوقع قرارداد پر قومی اسمبلی میں اپوزیشن پارلیمانی رہنماؤں سے بھی مشاورت کی جائے گی۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ قرارداد جمعرات تک پیش کی جا سکتی ہے، تاہم حتمی فیصلہ مشاورت کے بعد ہوگا۔ قرارداد میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کو ریڈ زون خالی کرانے کا کہا جائے گا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اسلام آباد میں انتشار پھیلانے والے گروہوں کا چاہیے کہ دو ہفتوں سے جاری انتشار کو فوری طور پر ختم کرکے

جلد از جلد ایک بار پھر حکومت سے بامقصد اور قابل فہم مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ حکومت کو مجبوراً سخت قدم اٹھانا پڑے جس سے بحرانوں میں گھرا ملک مزید بحرانوں کا شکار ہو سکتا ہے۔

پنجاب میں سیلاب کی تباہ کاریاں.... ہنگامی حالت نافذ

مون سون بارشوں کے بعد پنجاب میں دریائے چناب، جہلم اور راوی میں سیلابی کیفیت برقرار ہے، جبکہ سیلابی ریلے آبادیوں اور کھڑی فصلوں کو تباہ کرتے ہوئے آگے کی جانب پیش قدمی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ پنجاب میں حالیہ بارشوں کے بعد دریا اور ندی نالے بپھرے ہوئے ہیں اور سیلابی پانی اپنے سامنے ہر چیز کو تاراج کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے، جس کے نتیجے میں سیکڑوں دیہات زیر آب ہیں اور مزید ہزاروں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ بارشیں شروع ہونے کے بعد سے چند روز میں تقریباً دو سو افراد بارشوں اور سیلاب کی وجہ سے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور سیکڑوں زخمی ہوئے۔ ان کے علاوہ حالیہ صورتحال کی وجہ سے پنجاب اور کشمیر میں ہزاروں مکانات کو مکمل اور جزوی نقصان بھی ہوا ہے۔ دریائے چناب میں ہیڈ قادر آباد کے مقام پر انتہائی اونچے درجے کا سیلاب ہے، جہاں پانی کی آمد 8 لاکھ 91 ہزار کیوسک اور اخراج 8 لاکھ 90 ہزار کیوسک ہے، ہیڈ خانکی پر 9 لاکھ 47 ہزار کیوسک کا ریلا گزرا۔ خوشاب اور سرگودھا کے 300 سے زاید دیہات دریائے جہلم اور دریائے چناب کے سیلابی پانی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ سیلابی ریلے سے وزیرآباد، سودھرا، حافظ آباد، پھالیہ اور منڈی بہاوالدین کے سیکڑوں دیہات متاثر ہیں اور بڑی تعداد میں لوگ امداد کے منتظر ہیں۔ اکھنور

سے بڑا ریلا پہنچنے کے بعد ہیڈ مرالہ پر پانی کی بلند ترین سطح کا 22 سالہ ریکارڈ ٹوٹ گیا۔ پانی کی مقدار 9 لاکھ کیوسک تک پہنچنے کا امکان ہے۔ شدید سیلاب کے باعث سیالکوٹ کے مزید کئی علاقے زیر آب آ گئے۔ پھالیہ، سیدا شریف اور قادر آباد بیلہ کے قریب دریائے چناب کا حفاظتی بند دو جگہ سے ٹوٹ گیا، سیلابی پانی قادر آباد شہر سمیت 40 دیہات میں داخل ہوگیا۔ حافظ آباد میں بھی سیلابی پانی 70 سے زاید دیہات میں داخل ہوگیا ہے، ہیڈ تریموں سے 6 لاکھ کیوسک کا سیلابی ریلا پیر کی شام گزرے گا، جس کے باعث ملتان اور صادق آباد میں بھی فلڈ وارننگ جاری کردی گئی ہے۔ ملتان کے قریب بستی امروٹھ لنگڑیال اور ملانا میں زمینی کٹاؤ بھی شروع ہوگیا ہے، نارووال اور ظفروال میں نالہ ڈیک نے بھی تباہی مچادی۔ حفاظتی بند ٹوٹنے سے 40 سے زاید دیہات زیر آب آ گئے، پسرور میں بھی بند ٹوٹنے سے پانی کئی آبادیوں میں داخل ہوگیا، شکرگڑھ میں نالہ بھئیں میں بھی طغیانی کے باعث پانچ دیہات سیلاب کی زد میں آ گئے، شیخوپورہ میں نالہ ڈیک اور نالہ بھیڈ کا پانی درجنوں آبادیوں میں داخل ہوگیا، ننکانہ صاحب میں بھی دس دیہات زیر آب آ گئے۔ دریائے جہلم میں بھی انتہائی اونچے درجے کا سیلاب ہے، پنڈ دادنخان میں دریائے جہلم کے کنارے واقع دیہات بھی سیلاب کی زد میں آ گئے ہیں، لوگوں کی نقل مکانی کا سلسلہ جاری ہے، 40 ہزار سے زاید ایکڑ رقبے پر فصلیں بھی تباہ ہو گئی ہیں۔ دریائے ستلج بھی بپھرا ہوا ہے، پانی کی سطح میں مسلسل اضافے کے باعث قصور، پاکپتن

اور وہاڑی کے درجنوں دیہات کو خالی کرا لیا گیا ہے، دریائے راوی میں ہیڈ بلوکی کے مقام پر اونچے درجے کا سیلاب ہے۔ اوکاڑہ کے 46 دیہات میں وارننگ جاری کردی گئی ہے، ساہیوال، چیچہ وطنی اور دیگر علاقوں میں بھی فلڈ وارننگ جاری کی گئی ہے۔ دریائے راوی میں بلوکی اور جسڑ کے مقام پر درمیانے درجے، جبکہ شاہدرہ کے مقام پر نچلے درجے کا سیلاب ہے۔ فلڈ فورکاسٹ ڈویژن کے مطابق شاہدرہ کے مقام پر 65 کیوسک کا ریلا گزرا ہے۔

محکمہ موسمیات کی ویب سائٹ پر بتایا گیا ہے کہ سیلابی ریلوں کی وجہ سے 13 اور 14 ستمبر کے قریب گڈو بیراج میں انتہائی اونچے درجے کا سیلاب ہوگا۔ اس کے علاوہ 14 سے 15 ستمبر کے قریب سکھر بیراج کے قریب بھی یہی صورت حال ہوگی۔ محکمہ موسمیات نے تمام متعلقہ حکام کو درخواست کی ہے کہ انسانی جانوں اور املاک کو بچانے کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کرلیں۔ حالیہ پریشان کن صورتحال میں حکومت اور فوج کی امدادی سرگرمیاں جاری ہیں۔ آئی ایس پی آر کے مطابق ریلیف آپریشن سیالکوٹ، منڈی بہاؤ الدین، گوجرانوالہ، چھپّرار، بھاجوات اور قادر آباد کے علاقوں میں کیا جا رہا ہے اور ریلیف آپریشن میں 300 کشتیاں اور 5 ہیلی کاپٹر استعمال کیے جا رہے ہیں۔ آپریشن کے دوران اب تک 3000 سے زاید افراد کو محفوظ مقامات پر منتقل کیا جا چکا ہے اور کسی بھی ناگہانی صورتحال سے نمٹنے کے لیے ملتان اور ڈیرہ غازی خان میں بھی پاک فوج کے دستے الرٹ ہیں۔ جبکہ اتوار کے روز وزیر اعظم نواز شریف نے سیلاب سے

متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا اور فضائی جائزہ لیا اور کہا کہ دھرنا دینے والے سیلاب متاثرین کی مدد کے لیے حکومت کا ساتھ دیں۔ وزیر اعظم نواز شریف کو دورے کے دوران سیالکوٹ، نارووال اور سمبڑیال میں ہونے والے نقصانات پر بریفنگ دی گئی۔ وزیر اعلیٰ پنجاب محمد شہباز شریف نے سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں موبائل فلٹریشن پلانٹس بھجوانے کی ہدایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں ریسکیو اور ریلیف آپریشن مزید تیز کیا جائے اور عوام کی جان ومال کے تحفظ کے لیے تمام ضروری اقدامات اٹھائے جائیں۔ متاثرہ علاقوں سے لوگوں کے انخلا کے لیے ہیلی کاپٹرز اور کشتیوں کا استعمال کیا جائے۔ تمام متعلقہ ادارے اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے ادا کریں، کوتاہی برداشت نہیں کی جائے گی۔ دوسری جانب متعدد سیاستدانوں اور علمائے کرام نے پوری قوم سے اپیل کی ہے کہ اپنے تمام اختلافات بھلا کر اہل ثروت حضرات بارش متاثرین کی مدد کریں۔ جبکہ مبصرین کا کہنا ہے کہ بارشوں سے ہونے والا مالی اور جانی نقصان انتہائی افسوس ناک ہے۔ تمام سیاستدانوں کو اس سلسلے میں ہر قسم کے ذاتی اور سیاسی اختلافات بھلا کر متاثرین کی مدد کے لیے حکومت کا ساتھ دینا چاہیے۔ عمران خان اور طاہر القادری کو چاہیے کہ دھرنے کے لوگوں کے لیے سامان اکٹھا کرنے کی اپیل کرنے کی بجائے سیلاب میں پھنسے افراد کی مدد کے لیے اپیل کریں اور اس موقع پر محب وطن سیاستدان ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں جا کر ڈیرے لگائیں۔ متاثرین کے زخموں پر

مرہم رکھیں اور نکاسی آب کے لیے انتظامی افراد کے ساتھ اپنے کارکنان کی مدد سے کام کریں اور ان کے علاوہ بھی تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں اور پوری قوم کو چاہیے کہ دل کھول کر سیلاب سے متاثرہ اپنے بھائیوں کے لیے اس مشکل گھڑی میں مدد کریں۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ بارش اور سیلاب کی تباہ کاریاں اہل وطن کے لیے نئی بات نہیں ہیں۔ ہر سال بارشوں اور سیلابوں میں ان گنت لوگ، شہری و دیہی علاقے تباہی کی نذر ہو جاتے ہیں، مکانات منہدم، کھڑی فصلیں برباد اور لاکھوں ہم وطن بے گھر ہوتے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ بارشوں کے بعد سیلابی ریلوں میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جانے والے اقدامات و انتظامات اور اس سے پیدا شدہ مکمل انتظامی ناکامی سے متعلقہ حکومتی محکموں، ریاستی اداروں، فلڈ ریلیف کمیشن، ماحولیاتی ایجنسی اور ڈیزاسٹر مینجمنٹ کے کرتا دھرتاؤں کے ضمیر میں کوئی خلش تک پیدا نہیں ہوتی، جب کہ محکمہ موسمیات کی یومیہ پیش گوئیاں ہوتی ہیں، جن کا مقصد حکومت اور اس کے متعلقہ محکموں کو خبردار کرنا ہوتا ہے، مگر مون سون کی بارشوں کے تاریخی ریکارڈ کے مطابق پاکستان میں بارشیں اکثر باعث زحمت قرار دی گئیں۔ نہ فصلوں کے حیات نو اور زراعت کی بالیدگی کے لیے رین ایمرجنسی کام آئی، نہ سبزے، مویشیوں کے چارے، اجناس، پھل، پھول اور سبزیوں کی کاشت کے لیے فطرت کی فراخدلی اور برستے

پانی سے استفادے کا کوئی مستقل میکنزم بنایا گیا۔ ڈیموں کی تعمیر سیاست زدہ ہو گئی، نہ ٹریفک اور مواصلات کا نظام معطل ہونے کی مضحکہ خیز صورتحال کو کنٹرول کیا گیا، نہ سیوریج، ڈرین سسٹم، برساتی نالوں کی بروقت صفائی اور نکاسی آب کی جدید خطوط پر ڈیزائننگ پر توجہ دی گئی۔ اگر ماسٹر پلان بنائے جائیں تو کہیں بھی سڑکیں تالاب اور نشیبی علاقے جھیلوں کا منظر پیش کرتے دکھائی نہ دیں۔ یہ کام گڈ گورننس ہو تبھی انجام پاتے ہیں۔ ساری دنیا میں بارشیں بھی آتی ہیں اور سیلاب بھی آتے ہیں، لیکن کہیں یوں تباہی نہیں مچتی جیسے پاکستان میں ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے ممالک میں پہلے سے ہی تمام حفاظتی انتظامات مکمل کر لیے جاتے ہیں، لیکن یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے، ہر سال ملک میں خشک سالی کی وجہ سے ہزاروں ایکڑ زمینیں بنجر ہو جاتی ہیں، لیکن جب پانی جیسی نعمت بارشوں کی صورت میں انہیں ملتی ہے تو نااہلی کی وجہ سے اس نعمت سے فائدہ ہی نہیں اٹھا سکتے۔ حالانکہ ڈیم بنا کر اسی پانی کو ضائع ہونے سے بچا کر محفوظ کر کے پورے سال کے لیے استعمال کر کے فصلوں کو پانی کی کمی کا شکار ہونے سے بچایا جا سکتا ہے اور ڈیم کی وجہ سے سیلابوں کے ہر سال ہونے والے نقصانات کی حفاظت بھی ہو سکتی ہے۔ یہ معلوم ہے کہ ہر سال بھارت انہی دنوں میں پانی چھوڑتا ہے اور عرصے سے چھوڑ رہا ہے، اس کے باوجود ہم لوگ ابھی تک اس حوالے سے پانی کی اس نعمت کو محفوظ کر کے اپنے استعمال میں لانے کا کوئی حل نہیں نکال سکے۔ کالا باغ ڈیم ایک عرصے سے

صرف سیاست کی بھینٹ چڑھ کر تعمیر نہیں ہو پایا، حالانکہ اس کی تعمیر کی وجہ سے ہر سال آنے والے سیلابوں سے ہونے والے نقصانات سے چھٹکارہ پایا جاسکتا ہے۔

ہمارے سیاست دان دوسرے کئی ایشوز پر تو پارلیمنٹ میں مشترکہ اجلاس بلاتے ہیں، لیکن ہر سال بارشوں اور سیلابوں سے ہونے والی تباہ کاریوں اور پانی کو محفوظ کرکے استعمال میں لانے کے طریقوں کے حوالے سے کوئی مشترکہ اجلاس نہیں بلایا گیا۔ حالانکہ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

کیسا انقلاب؟

گزشتہ کچھ ہی عرصے میں پاکستانی قوم نے "انقلاب" کا لفظ اتنی بار سنا کہ اب تو سوتے میں خواب میں بھی انقلاب ہی آتا ہے اور سناٹے و خامشی میں بھی کانوں میں انقلاب انقلاب کی گونج سنائی دینے لگتی ہے۔ ہر روز کئی کئی بار انقلاب آنے کی خوشخبری قوم کو یوں سنائی جاتی ہے، جیسے گرمیوں میں چار پانچ گھنٹوں کے بعد لائٹ آنے کی خوشخبری سنائی جاتی ہو۔ ہزاروں بار انقلاب کا لفظ سن کر لگتا ہے کہ انقلاب کے خوف سے ہر سماجی برائی اپنی موت آپ مر جائے گی اور دھرتی پر نفرت کی بجائے محبت اور ظلم و بربریت کی بجائے امن و سکون اور انصاف کا راج ہوگا۔ غربت کا خاتمہ ہو جائے گا اور ملک کا ہر شہری دولت میں کھیلے گا۔ یوں تو انسانی زندگی ازل سے مسلسل انقلابات کی زد میں ہے اور دنیا میں ان گنت انقلابات رونما بھی ہو چکے ہیں، لیکن یہ "انقلاب میاں" ہیں کیا، یہ بات شاید "انقلابی قوم" کو معلوم نہ ہو۔ لہٰذا اس حوالے سے اگر کچھ بات ہو جائے تو بہتر ہے۔ انقلاب کا لفظ انگریزی کے لفظ "Revolution" اور عربی کے لفظ "ثورہ" کے ہم معنی ہے۔ لغت میں ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونے، تہہ و بالا ہونے اور پلٹنے کو انقلاب کہا جاتا ہے۔ محققین کے مطابق شروع میں ستاروں کی حرکت کو انقلاب کہا جاتا تھا، لیکن بعد میں رفتہ رفتہ مروجہ

اصطلاح کے لیے استعمال ہونے لگا۔ موجودہ دور میں حقوق یا بنیادی ڈھانچے میں ہونے والی بنیادی تبدیلی کو انقلاب کہا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر انقلاب کسی تبدیلی کی خواہش سے جنم لیتا ہے اور اس خواہش کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں: 1۔ انسان فطری طور پر تبدیلی کا دلدادہ ہے، چنانچہ وہ ایک مدت کے بعد کسی بھی مروجہ نظام سے اکتا کر اسے تبدیل کرنا چاہتا ہے، 2۔ کوئی بھی مروّجہ نظام جب انسان کی مادی و معنوی ضروریات کو پورا کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے تو انسان اس کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینکنے کی فکر کرنے لگتا ہے۔

چوتھی صدی قبل مسیح میں قدیم یونانی مفکر بابائے سیاست ارسطو کی کتاب "سیاست" دنیا بھر میں سیاست کے طالب علموں کے لیے ایک آدرش کا درجہ رکھتی ہے۔ 384 قبل مسیح میں پیدا ہونے والا ارسطو یونان کا وہ ممتاز فلسفی، مفکر اور ماہر منطق تھا، جس نے افلاطون جیسے استاد کی صحبت پائی اور سکندر اعظم جیسے شاگرد سے دنیا کو متعارف کروایا۔ سال کی عمر میں اس وقت علم و حکمت کے مرکز ایتھنز چلا آیا۔ یہاں 37 سال کی 18 عمر تک افلاطون کے مکتب سے وابستہ رہا۔ 53 سال کی عمر میں ارسطو نے اپنے مدینہ الحکمت کی بنیاد ڈالی، جہاں اس نے نظری و کلاسیکی طریقہ علم کی بجائے عملی اور عقلی مکتب فکر کو فروغ دیا۔ ارسطو پہلا عالم تھا جس نے سیاست و معاشرت کے لیے باضابطہ اصول ترتیب دیے۔ لہٰذا سیاست کے پہلے عالم ارسطو کے نزدیک انقلاب کے دو معنی ہیں:

1۔ ریاست

کے مروّجہ آئین میں تبدیلی، 2۔اقتدار کی منتقلی۔اسی طرح ارسطو نے انقلاب کی دو بنیادی قسمیں بھی بیان کی ہیں: 1۔ مکمل انقلاب، جس میں معاشرے کے عمومی سماجی ڈھانچے، سیاسی نظام کے ڈھانچے اور سیاسی اصولوں میں تبدیلی کا وقوع ہو، 2۔ نامکمل انقلاب، جس میں مذکورہ تین نکات میں سے صرف کسی ایک نکتے میں تبدیلی آئے۔

ارسطو کے مطابق انقلاب کے عمومی طور پر تین اسباب ہوتے ہیں: 1۔ مادی سبب: لوگوں کا ایک گروہ اپنے حقوق کا استحصال ہوتے دیکھتا ہے تو وہ حکومت سے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، 2۔ سبب فاعلہ: کچھ لوگ اپنے نقصانات کی تلافی کے لیے حکومت کی تبدیلی چاہتے ہیں، 3۔ سبب غائی: حکومتی اداروں کی من مانی، لوگوں کی بے حرمتی، لوگوں کے احساس عدم تحفظ کی وجہ سے رد عمل۔

ثابت ہوا کہ انقلاب کا لفظ حقوق یا بنیادی ڈھانچے میں ہونے والی بنیادی تبدیلی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ماضی بتاتا ہے کہ تبدیلی و انقلاب دو طرح کے ہوتے ہیں۔پہلی قسم وہ جو کم عرصے میں واقع ہو، لیکن اس کے فوائد سے زیادہ نقصانات ظاہر ہوئے، جبکہ دوسری قسم وہ جس کے وقوع میں کافی عرصہ لگے، لیکن عوام کو صرف اس کے ثمرات و فوائد حاصل ہوئے۔ پہلی قسم کے انقلاب کی مثالیں یہ ہیں۔ فرانسیسی انقلاب جس میں بیس لاکھ سے زیادہ لوگ قتل کیے گئے۔ روس کا انقلاب جس میں پورے شاہی خاندان کو ان کے ملازموں سمیت تہہ خانے میں

لے جا کر فائرنگ کا نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور "زار" بادشاہوں کی قبروں کو کھود کر ہڈیاں تک جلا دی گئی تھیں۔ ایرانی انقلاب جس میں خانہ جنگی پر قابو پانے میں تین برس صرف ہوئے اور یہ تین برس ہزاروں انسانوں کا لہو چاٹ گئے تھے۔ مشرق وسطیٰ میں یکے بعد دیگرے آنے والے انقلابات، جن کا آغاز تیونس سے ایک نوجوان کی خودکشی سے ہوا اور اس کے بعد مختصر مدت میں تیونس، لیبیا، مصر میں حکمرانوں کی بجائے قتل و قتال اور خونریزی کی حکومت قائم ہو گئی۔ شام میں بشارالاسد حکومت کے خلاف انقلابی تحریک شروع ہوئی، جو اب تک دو لاکھ افراد کا خون پی چکی۔ مذکورہ انقلابات کی بدولت ابھی تک یہ ممالک خانہ جنگی کی بھٹی میں دہک رہے ہیں۔ ان ممالک کی معیشت تباہ اور سکون غارت ہو چکا ہے۔ آج بھی عوام اپنے حقوق سے محروم ہیں۔ مختصر مدت میں آنے والی یہ تبدیلی کہنے کو تو انقلاب اور عوام کی فتح تھی، لیکن حقیقت میں بربادی اور عوام کی شکست ثابت ہوئی۔

انقلاب کی دوسری قسم وہ ہے، جس میں عوام کو صرف فوائد حاصل ہوئے اور اس کے اثرات دیر تک عوام کے لیے خوش کن ثابت ہوتے ہیں۔ اس کی ایک مثال ملائیشیا ہے۔ یہاں ملائیشیا میں غربت، افلاس اور بیروزگاری کا راج تھا۔ صرف ٹن، ربڑ اور 1980 پام آئل جیسا خام مال باہر بھیج کر ملک کی معیشت کو چلایا جاتا تھا۔ سیاست، معیشت، تعلیم اور ملک کے تمام شعبے دن بدن دم توڑ رہے تھے۔

دور دور تک ملایشیا کے حالات سنبھلتے دکھائی بھی نہ دے رہے تھے، لیکن قوم نے انقلاب لانے کی ٹھانی، مسلسل محنت کی، اپنے ملک کو اہم صنعتی اور ترقی یافتہ قوم میں بدلنے کا ایجنڈا پیش کیا، ریاست، آئین اور قانون کی پاسداری اپنے اوپر لازم کی۔ نظم و ضبط ہر ایک پر لازم قرار دیا گیا۔ اس ملک کا حال دیکھتے دیکھتے بدلنے لگا۔ ملایشین قوم نے مسلسل سال محنت کی۔ 2003 میں جو ملک صرف خام مال پر اپنا گزارا کرتا تھا، وہی 22 ملایشیا ٹیکنالوجی اور سروس انڈسٹری کے باعث ایک سو بلین ڈالر کی برآمدات کرنے لگا۔ 2300 ڈالر فی کس آمدنی کمانے والا ملایشیا 9 ہزار ڈالر کمانے لگا۔ غربت کا نام و نشان مٹ گیا۔ تعلیم سے محروم 92 فیصد لوگ تعلیم یافتہ ہوگئے۔ ملایشیا کی سیاست مستحکم اور معیشت مضبوط ہو گئی۔ اسی انقلاب کی ایک مثال ترکی بھی ہے، جو 2001 تک اقتصادی بحران میں اس بری طرح سے پھنسا ہوا تھا کہ کھلے بازار میں ترکی کرنسی لیرا کی فروخت بڑھ گئی، جس کے باعث حکومت کو لیرا کی قیمت میں 40 فیصد تک کمی کرنا پڑی، ساتھ ہی شرح سود اور اشیائے صرف کی قیمتوں میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا اور روزگار کے مواقع کم ہونے لگے، ملک غیر ملکی قرضوں پر چلنے لگا، لیکن ترک قوم نے انقلاب لانے کی ٹھانی اور 2002 کے بعد شروع ہونے والے انقلابی سفر کی بدولت ترکی آج دنیا کی 17 ویں بڑی معیشت ہے۔ انقلاب کی ان دو قسم کی مثالوں کے بعد فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہمیں مشرق وسطیٰ کی طرز پر سول نافرمانی اور مار کٹائی والا انقلاب چاہیے یا ملایشیا اور

ترکی کی مثل پر امن اور فائدہ مند انقلاب چاہیے۔

ملک میں تباہی مچاتا سیلاب

دریائے چناب، جہلم اور راوی کے سیلابی ریلوں نے آزاد کشمیر اور پنجاب کے بالائی علاقوں میں تباہی پھیلانے کے بعد حافظ آباد، چنیوٹ، سرگودھا اور ملتان کے مختلف علاقوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ ذرائع کے مطابق لوگ گھروں اور عمارات کی چھتوں سمیت بلند مقامات پر پناہ لے رہے ہیں۔ سیلابی پانی نے سیکڑوں ایکڑ پر پھیلی فصلوں کو تباہ کر دیا، جبکہ متعدد دیہات کے رہائشی اپنے مویشیوں سے بھی محروم ہوگئے ہیں۔ گوجرانوالہ، حافظ آباد روڈ کو بند کر دیا گیا۔ چنیوٹ کی تحصیل بھوآنہ اور لالیاں کے 100 سے زاید دیہات کا دیگر علاقوں سے زمینی رابطہ منقطع ہوچکا ہے، جبکہ 200 سے زاید دیہات سیلاب کے براہ راست خطرے کا شکار ہیں۔ حرسا شیخ کے قریب 30 سے زاید دیہات کو ڈوبنے سے بچانے کے لیے حفاظتی بند کو دھماکے سے تباہ کیا گیا۔ جھنگ شہر کو بچانے کے لیے تحصیل اٹھارہ ہزاری کو خالی کرا لیا گیا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بھارتی دریا سے چھوڑے جانے والے سیلابی پانی کے بعد مقامی افراد کو انخلا یا محفوظ مقامات پر منتقل ہونے کی کوئی ہدایت نہیں کی گئی تھی، حالانکہ فلڈ فورکاسٹنگ بیورو نے اس حوالے سے انتباہ بھی جاری کیا تھا۔ ایف ایف ڈی کے مطابق ہفتے کی شب ہیڈ مرالہ سے 8 لاکھ 81 ہزار کا ریلا گزرا، جو خانکی کی جانب گیا، جہاں

اتوار کی صبح یہ 9 لاکھ 47 ہزار کیوسک ریکارڈ کیا گیا۔ دریائے چناب میں سیلاب کا 9 لاکھ 42 کیوسک کا ریلا قادر آباد سے دوپہر بارہ بجے چھوڑا گیا، جس کے بعد یہاں رات نو بجے تک سطح 7 لاکھ 74 ہزار کیوسک تک پہنچ گئی۔ تریموں ہیڈ ورکس پر 6 لاکھ 75 ہزار کیوسک کا ریلا ٹکرا سکتا ہے، جس کے پیش نظر ارد گرد کے علاقوں میں تباہی کا خطرہ ہے، کیونکہ اس بیراج کی گنجائش 6 لاکھ کیوسک ہے۔ دریائے چناب میں سیلابی ریلے کی رفتار مرالہ سے قادر آباد تک بہت تیز رہی، جس کے نتیجے میں ملحقہ قصبوں اور دیہات میں بڑے پیمانے پر تباہی ہوئی۔ غیر مصدقہ اطلاعات کے مطابق خانکی میں 9 لاکھ 47 ہزار کیوسک کا ریلا گزرنے کے موقع پر دریائی پشتوں میں شگاف بھی ڈالا گیا، کیونکہ اس کی گنجائش 8 لاکھ کیوسک ہے۔ پنجاب حکام کے مطابق مرالہ، خانکی اور قادر آباد سے سیلابی ریلے کے گزرنے کے نتیجے میں 6 سو دیہات ڈوب گئے ہیں۔ رپورٹس کے مطابق سیالکوٹ ریجن میں مرالہ کے قریب 56، سمبڑیال میں 53، ظفروال میں 25، پسرور میں 56 اور چنیوٹ میں 89 دیہات ڈوب گئے۔ وزیرآباد، حافظ آباد، منڈی بہاؤ الدین، چنیوٹ، جلال پور جٹاں، پھالیہ اور پنڈی بھٹیاں سے سیلاب براہ راست ٹکرایا، جس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں سڑکیں، پل اور اہم تنصیبات کو نقصان پہنچا۔

فلڈ فورکاسٹنگ ڈویژن کے مطابق تریموں میں پانی کی سطح میں مسلسل اضافہ ہو

رہا ہے، جہاں اس وقت پانی کا بہاؤ ایک لاکھ 80 ہزار کیوسک ہے، تاہم یہاں سے 7 لاکھ کیوسک کا سیلابی ریلا گزرے گا۔ اس کے علاوہ چنیوٹ برج پر پانی کا بہاؤ 8 لاکھ 40 ہزار کیوسک ریکارڈ کیا جا رہا ہے۔ دریائے راوی میں بلوکی پر پانی کی آمد 1 لاکھ 5 ہزار اور اخراج 92 ہزار 600 کیوسک، جسڑ پر پانی کا بہاؤ 30 ہزار، شاہدرہ پر 85 ہزار اور راوی سائفن پر 86 ہزار کیوسک ہے۔ دریائے چناب کا سیلابی ریلا بالائی پنجاب میں تباہیوں کی داستان رقم کرنے کے بعد تیزی سے جنوبی پنجاب کی جانب بڑھ رہا ہے۔ تریموں ہیڈورکس اور جھنگ شہر کو بچانے کے لیے تریموں کے دائیں پشتے کو توڑنے کی خبروں پر تحصیل احمد پور سیال اور ہزاری کی 80 فیصد آبادی مال مویشیوں سمیت علاقے سے نقل مکانی کر گئی ہے۔ تریموں کے دائیں پشتے کو اس سے پہلے بھی 1973 اور 1992 میں توڑا گیا تھا اور اس سے متاثر ہونے والا علاقہ رقبے میں شمالی وزیرستان جتنا بڑا ہے اور یہاں 5 لاکھ سے زاید افراد رہائش پذیر ہیں۔ دریائے چناب اس کے بائیں سمت جبکہ دائیں جانب صحرائے تھل واقع ہے۔ زرخیز زرعی زمین کے ساتھ اس علاقے میں دو شوگر ملیں اور متعدد کاٹن جننگ کارخانے، آئل ملز، چاولوں کی فیکٹریاں اور مارکیٹیں بھی واقع ہیں۔ ملتان کی ضلعی انتظامیہ نے چناب، جہلم اور راوی کے ملنے کے مشترکہ مقام پر شدید سیلاب کا خطرہ ظاہر کیا ہے، جہاں 8 لاکھ کیوسک کا ریلا گزر سکتا ہے۔ انتظامیہ کی جانب سے دریائی پٹی پر رہائش پذیر افراد کو علاقے سے نکل کر محفوظ مقامات میں منتقل کرنے کی ہدایت

کردی گئی ہے۔ دریائے چناب میں ہیڈ مرالہ کے مقام پر پانی کا ریلا 8 لاکھ کیوسک کا ہے اور اگر دریائے جہلم اور راوی کا پانی بھی چناب میں شامل ہوگیا تو ضلع کو انتہائی اونچے درجے کے سیلاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

سیلابی تباہی کے پیش نظر پاکستان ٹیلی کمونیکیشن اتھارٹی (پی ٹی اے) نے تمام موبائل آپریٹرز کو ہدایت کی ہے کہ متعلقہ علاقوں میں سیلاب کے خطرے سے قبل از وقت آگاہ کرنے کے لیے ایس ایم ایس الرٹ سروس شروع کریں۔ پی ٹی اے کے ترجمان کے مطابق ہر شخص سیلاب کے بارے میں جاننے کے لیے ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھ کر خبریں نہیں سن رہا ہوتا، مگر متعدد لوگوں کے پاس موبائل فون کی سہولت موجود ہے اور مختصر پیغامات کے ذریعے انہیں آئندہ 72 یا 24 گھنٹوں بعد درپیش خطرے سے آگاہ کر دیا جائے تو اس سے یقیناً زندگیاں بچانے میں مدد مل سکتی ہے۔ اتوار کو موبائل کمپنیوں نے سیالکوٹ، نارووال، شیخوپورہ، گوجرانوالہ، گجرات، حافظ آباد، منڈی بہاؤ الدین، چنیوٹ، فیصل آباد، جھنگ، جہلم، ملتان، مظفرگڑھ، بہاولپور اور خانیوال کے اضلاع میں اپنے صارفین کو سیلاب کے خطرے کے حوالے سے ایس ایم ایس ارسال کیے۔ پی ٹی اے ترجمان کا کہنا تھا کہ صارفین کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ سیلابی پانی کی آمد اور تباہی سے قبل محفوظ مقامات پر منتقل ہو جائیں۔ وزیر داخلہ بلوچستان میر سرفراز بگٹی کے مطابق سیلاب کے خدشے کے پیش نظر بلوچستان میں بھی فلڈ ایمرجنسی نافذ کر

دی گئی ہے، صوبائی ڈیزاسٹر منیجمنٹ اتھارٹی کے حکام اور اہلکاروں کی چھٹیاں منسوخ کر دی گئی ہیں، کسی بھی ناخوشگوار صورت حال سے بچنے کے لیے پی ڈی ایم اے نے ایمرجنسی صورتحال کے لیے ضروری انتظامات کر لیے ہیں، آئندہ دو روز میں تمام ضروری سامان سبی اور نصیر آباد پہنچا دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ دریائے راوی، چناب اور جہلم کا سیلابی پانی دریائے سندھ میں مل کر 14 اور 15 ستمبر کو سندھ اور بلوچستان کے علاقوں میں پہنچے گا۔ جبکہ دوسری جانب سکھر بیراج 8 دروازے جام ہو چکے ہیں، جس کی وجہ سے 30 لاکھ افراد کے متاثر ہونے کا خطرہ ہے، سندھ میں اونچے درجے کے سیلاب کے خطرے سے 19 لاکھ ایکڑ اراضی کی تباہی کے خطرات بھی منڈلا رہے ہیں، جس میں سے 12 لاکھ اراضی قابل کاشت ہے۔ حکومت سندھ نے پاک فوج اور نیوی کو الرٹ رہنے کی ہدایت کر دی ہے، ساتھ ہی دریائے سندھ کے 45 حساس بندوں اور مقامات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ سکھر بیراج کے 66 دروازوں میں سے دس دروازے پہلے سے ہی بند تھے، لیکن مزید 8 بند ہو گئے ہیں، جس سے تباہی کے خطرات مزید بڑھ گئے ہیں۔

دوسری جانب وزیر اعظم نواز شریف نے آزاد کشمیر میں سیلاب سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ متاثرین کی بحالی اولین ترجیح ہے۔ اللہ تعالیٰ سندھ کو سیلاب سے محفوظ رکھے۔ وزیر اعظم کو سیلابی صورتحال پر بریفنگ کے دوران بتایا گیا کہ بارشوں سے بنیادی ڈھانچے گھر اور لینڈ سلائیڈنگ کے باعث

رابطہ سڑکیں بند ہو گئیں اور آزاد کشمیر میں بارشوں اور سیلاب سے 64 افراد جاں بحق، 1800 گھر مکمل طور پر تباہ، جبکہ 185 دکانوں کو نقصان ہوا، 12 پل متاثر ہوئے اور ٹرانسمشن لائنوں اور بجلی کے 9 منصوبوں کو بھی نقصان پہنچا۔ جبکہ وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے صوبے میں سیلاب کی صورت حال اور امدادی سرگرمیوں کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ متاثرین کی بحالی کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائے جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں کوئی کوتاہی برداشت نہیں کی جائے گی، متاثرین کی محفوظ مقامات پر منتقلی کے لیے کشتیاں اور ہیلی کاپٹر استعمال کیے جائیں، ان کے لیے خوراک، پانی اور رہائش کی کمی نہیں آنی چاہیے۔ سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں ریلیف کیمپ قائم کر دیے گئے ہیں۔ سیلاب کی صورت حال اور امدادی سرگرمیوں کو میں خود مانیٹر کر رہا ہوں۔ پنجاب حکومت آخری متاثرہ شخص کی بحالی تک چین سے نہیں بیٹھے گی۔ دوسری جانب گوجرانوالہ ڈویژن میں سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں پاک آرمی کا ریلیف آپریشن چوتھے روز بھی جاری رہا۔ پاک آرمی کی ٹیموں نے 11 ہزار 283 افراد کو کشتیوں کے ذریعے، جبکہ 771 افراد کو ہیلی کاپٹر کے ذریعے منتقل کیا۔ پاک آرمی کے 4 ہیلی کاپٹر ریسکیو آپریشن میں حصہ لے رہے ہیں، جبکہ سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں 300 کشتیاں بھی استعمال کی جا رہی ہیں، جن علاقوں میں پانی نہیں اترا، وہاں گوجرانوالہ کور ہیڈ کوارٹر سے اضافی نفری بھجوائی جا رہی ہے، تاکہ لوگوں کے جان و مال کو محفوظ بنایا جا سکے۔

احساس زیاں جاتا رہا

جشن آزادی کے بعد سے پیارے پاکستان میں جو ہوا برا ہوا۔ کسی بھی محب وطن صاحب فہم و شعور کے لیے دل چھیدنے اور دماغ ماؤف کر دینے کے لیے وہ دھماچوکڑی ہی کافی ہے جو ملک میں مچی۔ تین جماعتوں کی لڑائی کا خمیازا پوری قوم کو بھگتنا پڑا۔ ملک کو ہونے والا کھربوں کا نقصان تو رہا ایک طرف، ساری دنیا میں جو جگ ہنسائی ہوئی اس کا تو کچھ مداوا ہی نہیں۔ پریشانی کا یہ عالم کہ " قیامت صغریٰ" کے ان دنوں میں قوم کا ہر باضمیر شخص ملک و قوم کی عافیت کے لیے نہ صرف ہاتھ اٹھائے دعا گو دیکھا، بلکہ انتہائی غمگین بھی، کیوں کہ اتنی طویل پر تشدد اعصابی جنگ اور وہ بھی دار الحکومت میں شاید پہلے کبھی نہ برپا ہوئی ہو۔ ہر فریق نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر فریق مخالف کی سات پردوں میں بھی چھپی خطاؤں کو آشکار کیا اور اپنی ظاہر و باہر خامیوں کو خوبیاں بنا کر پیش کیا، حالانکہ غلطیاں تو ہر دو نے کیں۔ معاملہ حکومت کی نااہلی و کوتاہی سے شروع ہو کر مظاہرین کی غلطی و خامی پر جا ٹکا۔ یوں تو صاحب اقتدار طبقے نے حکومت کو بطرز جمہوریت نہیں، بلکہ بطرز بادشاہت ہانکا۔ میاں برادران کا غیر لچک دار رویہ، بدترین اقربا پروری، عوامی مسائل سے عدم توجہی، غیر منتخب افراد کو کلیدی عہدوں پر فائز کرنے کی روش اور امور مملکت کو کاروباری طرز پر چلانے کی سوچ

نے یقیناً کئی مسائل کو جنم دیا، لیکن معاملے کو سیاسی آگ نے دھاندلی کے نقطے پر پکڑا۔ اگر پہلے ہی 4 حلقوں کا معاملہ صاف کر لیا جاتا تو شاید ملک "جنگی کیفیت" میں مبتلا نہ ہوتا اور رہی سہی کسر ماڈل ٹاؤن واقعے نے پوری کر دی، بھلا بے وقت 14 افراد کی جان لے کر رکاوٹیں ہٹانے کی ضرورت ہی کیا تھی اور اگر اسی وقت ایف آئی آر درج کر کے شفاف تحقیقات کر دی جاتیں تو عزرائیل (ن) لیگ کی موت کا پروانہ لیے تھوڑا ہی کھڑا تھا، لیکن مسلم لیگ (ن) "میں نہ مانوں" کی تعبیر بنی رہی اور وزیر اعظم کے وزیر مشیر گردنیں اکڑا کر حکومت کو عوام کی امانت نہیں، بلکہ گھر کی لونڈی سمجھے مافوق العقل مشوروں سے نوازتے رہے۔ پھر جب تحریک انصاف اور عوامی تحریک نے مارچ کی ٹھانی تو حکومت بھی روکنے کو ڈٹ گئی اور مارچوں نے حکومت کی انتظامی صلاحیتوں کے ڈھول کا پول کھول دیا۔ پنجاب بھر کو کنٹینروں سے بند کرنے سے لے کر جا بجا خندقیں کھودنے تک حکومت نے اپنی حواس باختگی کے نہایت مضحکہ خیز نمونے جگہ جگہ بکھیر کر اپنی نااہلی کا بین ثبوت قوم کے سپرد کیا اور پی ٹی آئی کو ناتجربہ کار کا طعنہ دینے والی مسلم لیگ ن کے تین دہائیوں پر پھیلے حکومتی تجربے کا نچوڑ دیکھ کر قوم کے پاس دنگ ہوئے بغیر کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ حالانکہ اپنے حقوق کے حصول اور حکمرانوں کی غلط پالیسیوں پر احتجاج کرنا ہر فرد کا جمہوری حق ہے، جسے روکنا کسی طور بھی درست نہیں، لیکن جمہوری حکومت نے آمریت اپنائی تو نوبت یہاں تک پہنچی، جو سانپ کے منہ میں

چھچھوندر کی مثل نہ اگلی جائے اور نہ نگلی جائے۔

دوسری جانب تحریک انصاف اور عوامی تحریک نے اپنے درست اور جائز مطالبات منوانے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا اسے ملک و قوم کے مفاد میں نہیں گردانا جاسکتا۔ خیر سے کسی غیر ملکی شہری کو تو یہ حق ہی حاصل نہیں کہ پاکستانی عوام کو برانگیختہ کرکے نامعلوم و مجہول" انقلاب کا راگ آلاپے۔ جبکہ ایک جمہوری سیاسی لیڈر عمران خان" کے مطالبات نہ صرف حق پر مبنی، بلکہ ایک عرصے سے پوری قوم کی آواز بھی۔ نئے الیکشن کمیشن کی تشکیل، گزشتہ انتخابات کا احتساب، بائیومیٹرک سسٹم کے ذریعے آئندہ شفاف الیکشن کی ضمانت اور وزیر اعظم کے استعفے کے سوا باقی بھی اسی طرح جاندار۔ اتنے بھاری بھر کم مطالبات کے باوجود جمہوری لیڈر خان صاحب نووارد غیر ملکی شہری کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنی سیاست داؤ پر لگا بیٹھے۔ قادری صاحب کے پاس تو کھونے کے لیے کچھ نہیں، لیکن خان صاحب کے پاس تو کھونے اور بچانے کے لیے بہت کچھ تھا، وہ مہاتیر محمد اور طیب اردگان بن سکتے تھے، لیکن انہوں نے بننا پسند نہ کیا اور حیرت انگیز احتجاج اختیار کیا، جو انہیں کسی طور بھی زیب نہیں دیتا۔ پہلے ریڈ زون میں زبردستی داخل ہوئے، پھر وزیر اعظم ہاؤس پر چڑھ دوڑے، پولیس نے اتھارٹی کو استعمال کرتے ہوئے روکنا چاہا تو "انقلابیوں" نے ڈنڈوں، پتھروں اور لوہے کے راڈوں سے پولیس کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اس کے بعد قومی نشریاتی

ادارے پر دھاوا بول کر پاکستان کا رابطہ پوری دنیا سے منقطع کیا، جو پورے ملک کا سر جھکانے کو کافی ہے۔ اگرچہ بعد میں دونوں رہنماؤں نے ملوث ہونے کی تردید کی، جس کو تسلیم کرنا مشکل، لیکن اشتعال تو ان کی تقریروں سے ہی پھیلا۔ اس سے پہلے خان صاحب نے سول نافرمانی کا اعلان کیا، اگرچہ محب وطن قوم کے تعاون سے بری طرح ناکامی ہوئی، لیکن یہ اعلان کرنا ہی (ن) لیگ نہیں، بلکہ اقتصادی و معاشی بحران کے شکار ملک کو مزید کمزور کرنے کے مترادف ہے، حالانکہ سول نافرمانی اپنے ہی ملک نہیں، بلکہ دشمنوں اور غیروں کے خلاف کی جاتی ہے، ہندوستان میں برطانیہ کے خلاف آزادی حاصل کرنے کے لیے کی گئی تھی۔ اس اعلان کا بہر حال خان صاحب کی سیاست کو نقصان ہوا۔ "باغی" کے انکشافات اور دھرنوں میں دعوؤں کے مطابق افراد لانے میں ناکامی کی وجہ سے ان کی سیاست پر پڑنے والے منفی اثرات بھی واضح ہیں اور ایک ایسے وقت میں جب کے پی کے کے دس لاکھ سے زاید آئی ڈی پیز بے یارو مددگار ملک میں رل رہے ہوں اور کے پی کے حکومت میں پی ٹی آئی کی پوری قیادت اپنی ذمہ داریاں چھوڑ کر اسلام آباد میں مورچہ زن ہو تو کے پی کے میں پی ٹی آئی کی سیاسی کشتی میں سوراخ کا ہونا بھی فطری امر ہے۔

یہ بات بالکل عیاں ہے کہ زور زبردستی حکومتوں کو ختم کرنے کی کوشش سے صرف حکومت ہی ختم نہیں ہوتی، بلکہ ملک و قوم بھی چین و سکون سے محروم ہو جاتے

ہیں۔ مصر میں حسنی مبارک، لیبیا میں معمر قذافی، تیونس میں زین العابدین اور شام میں بشار الاسد کی حکومتوں کو زبردستی ختم کرنے کا انجام بدامنی اور بے سکونی کی شکل میں سب کے سامنے ہے۔ ان کے بعد کیا ہم بھی ملک میں وہی حالات پیدا کرنا چاہتے ہیں، جن کو سوچ کر بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں؟ لیکن جب سیاستدانوں کو ملک سے زیادہ اپنے مفادات عزیز ہوں تو یہی کہا جاسکتا ہے

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اگر بحیثیت قوم ہم اپنے رویوں میں سنجیدگی لانے میں ناکام رہے تو خدانخواستہ ملک دشمن قوتیں اپنے مقاصد میں کامیاب ہوسکتی ہیں اور پھر "اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت" والا معاملہ نہ ہو۔ تین کی سیاسی جنگ میں بہرحال ہار صرف اس قوم کا مقدر اور ہمیشہ سے ہوتا بھی یہی آیا۔ اگر "بادشاہ سلامت" میاں صاحب کی بادشاہت" سلامت رہے تو قوم کی بدقسمتی اور اگر "انقلابیوں" کی "آمرانہ" سوچ" فاتح ہو تو قوم کی اس سے بھی زیادہ بدقسمتی۔ اس قوم کا کوئی بھی پرسان حال نہیں۔ لاٹھیاں کھانے، دھرنے دینے، مارچ کرنے اور جان کی بازی لگانے کے لیے ہر جگہ پیش پیش یہ عوام، لیکن بعد میں ان کو بھلا دیا جاتا ہے۔ ان حالات میں تو قوم کو جاگ جانا چاہیے اور سیاستدان تو

نہیں، قوم ہی سنجیدگی کا دامن تھامے۔

سیلاب: ریسکیو آپریشن جاری.... سندھ کے 45 مقامات حساس قرار

دریائے چناب کی سیلابی لہروں سے تباہی کا سلسلہ جاری ہے۔ سرگودھا، خوشاب، چنیوٹ اور جھنگ کے اضلاع میں مزید 4 سو سے زاید گاؤں ڈوب گئے۔ دریائے جہلم میں بھی سیلابی صورتحال (ڈیڑھ لاکھ کیوسک سے زاید) ہے، جس نے خوشاب اور سرگودھا میں دریا کے کنارے دیہات کو متاثر کیا۔ ان دونوں دریاؤں کے تباہ کن سیلابی ریلے آئندہ 24 سے 48 گھنٹوں کے اندر تریموں ہیڈورکس میں ملیں گے۔ محکمہ موسمیات کی ویب سائٹ کے مطابق تریموں ہیڈورکس پیروان میں 12 ستمبر تک انتہائی بلند سیلابی صورتحال برقرار رہے گی، پیر کی شام کو وہاں پانی کا بہاؤ دو لاکھ 24 ہزار کیوسک تھا۔ اٹھارہ ہزاری حفاظتی پشتے میں شگاف ڈالنے کی تیاریاں مکمل کر لی گئی ہیں، تاکہ تریموں ہیڈورکس پر کچھ دباؤ کم کیا جاسکے۔ تریموں میں پانی کی گنجائش 7 لاکھ کیوسک ہے اور اسے تحفظ دینے کے لیے حفاظتی پشتے میں شگاف ڈالنے سے تحصیل اٹھارہ ہزاری کے ڈھائی ہزار دیہات میں سیلاب کا خطرہ ہے۔ اس وقت چناب اور جہلم نے تحصیل جھنگ کے علاقوں مسان اور چھیلا کو ڈبونا شروع کر دیا ہے، جبکہ 60 دیہات 6 سے 10 فٹ گہرے پانی میں ڈوب چکے ہیں اور لوگوں کو بلند مقامات پر منتقل کر دیا گیا ہے۔ سرگودھا کے 160 دیہات میں سے بیشتر پانچ فٹ گہرے پانی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ دریائے جہلم پر منگلا کے مقام پر پانی کی آمد

ہزار کیوسک اور اخراج 54864 کیوسک ہے۔ ہیڈ رسول پر پانی کی آمد 74488 8 کیوسک اخراج 71788 کیوسک ہے۔ شدید بارشوں اور بھارت کی جانب سے پانی چھوڑے جانے کے بعد دریائے راوی اور دریائے ستلج بھی بپھر گئے ہیں۔ دریائے راوی میں ہیڈ بلوکی کے مقام پر پانی کی آمد 131800 اور اخراج 118000 کیوسک ہے، جبکہ سدھنائی پر پانی کی آمد 24332 اور اخراج 11632 کیوسک ہے۔ دریائے راوی میں داد بلوچ کے مقام سے پانی کا بہاو ¿ 1 لاکھ 25 ہزار کیوسک ہے۔ دریائے ستلج میں ہیڈ سلیمانکی پر پانی کی آمد 21060، اخراج 15848 کیوسک ہے۔ دریائے ستلج میں ہیڈ سائفن کے مقام پر پانی کی آمد اور اخراج 15 ہزار531 کیوسک ہے، جبکہ ہیڈ اسلام پر بھی پانی کی آمد میں اضافہ ہو گیا ہے۔ وزیر دفاع اور وزیر برائے پانی و بجلی خواجہ آصف نے کہا ہے کہ حالیہ بارشوں کی مثال گزشتہ ایک صدی میں نہیں ملتی۔ 5 ستمبر کو منگلا میں پانی کا بہاؤ 3 گنا بڑھ گیا۔ اب تک 8 لاکھ 61 ہزار کیوسک پانی ہیڈ مرالہ سے گزر چکا ہے۔ منگلا میں پانی بڑھنے پر 5 ستمبر کو 5 لاکھ کیوسک پانی خارج کیا گیا۔ سیلاب اور بارشوں سے 8 ستمبر تک 328 ہلاکتیں ہوئیں، 1053 گاؤں، 3 لاکھ 25 ہزار ایکڑ پر پھیلی فصلیں تباہ ہوئیں۔ سیلاب سے 4 لاکھ آبادی متاثر ہوئی۔ مکان مکمل طور پر تباہ اور 1242 کو جزوی طور پر نقصان پہنچا۔ اب تک 18 191 ہزار 217 لوگوں کو محفوظ مقام پر منتقل کیا گیا اور اس وقت دو ہزار کے قریب لوگ ریلیف کیمپوں میں موجود ہیں۔ متاثرین کی مدد کے لیے 217 ریلیف کیمپ کام کر رہے ہیں، جبکہ

ہزار سے زاید افراد کو محفوظ مقام پر منتقل کر دیا گیا۔ 485 ہیلتھ کیمپ بھی فرائض 17 انجام دے رہے ہیں۔ پیر کے روز وزیر اعظم میاں نواز شریف نے پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں راولا کوٹ کے علاقے میں بارشوں سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا۔ جبکہ وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف نے سرگودھا کے سیلاب سے متاثرہ علاقے کوٹ مومن کا دورہ کرتے ہوئے انتظامیہ کو ہدایت کی کہ وہ نقصانات کا تخمینہ لگائیں، تاکہ متاثرہ افراد کو فوری ریلیف فراہم کیا جاسکے۔

پاک فوج کی سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں امدادی سرگرمیاں پانچویں روز بھی جاری رہیں۔ سیلاب میں گھرے ہزاروں افراد کو محفوظ مقامات پر منتقل کیا جا چکا ہے، متاثرہ افراد میں راشن کی تقسیم اور طبّی امداد بھی دی جا رہی ہے۔ پاک فوج کے جوان سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں متاثرین کے لیے ریسکیو آپریشن کر رہے ہیں۔ پاک فوج نے منگل تک سیلاب میں گھرے 16383 افراد کو محفوظ مقامات پر منتقل کیا۔ کور کمانڈر گوجرانوالہ لیفٹیننٹ جنرل سلیم نواز نے جلالپور بھٹیاں اور پنڈی بھٹیاں کا دورہ کیا، جہاں سے 3355 افراد کو کشتیوں اور ہیلی کاپٹروں کے ذریعے ہنگامی بنیادوں پر محفوظ مقامات پر منتقل کیا۔ فوج کی جانب سے متاثرہ افراد میں خوراک بھی تقسیم کی گئی، اب تک 5576 کلوگرام خشک راشن تقسیم کیا گیا ہے۔ وزیر آباد اور ہیڈ خانکی کے علاقوں میں

ہزار اور سیالکوٹ میں سیلاب سے متاثرہ علاقے بجوات میں ایک ہزار فوڈ پیکٹ 3 تقسیم کیے گئے۔ آرمی کے ریلیف کیمپوں میں 400 افراد کو طبّی امداد بھی دی گئی ہے۔

پیر کو فوجی اہلکاروں نے 1500 افراد کو جلال پور بھٹیاں، پنڈی بھٹیاں، حافظ آباد، وزیرآباد، وانی تارڑ، رسول نگر، چنیوٹ، کوٹ مومن اور منڈی بہاؤ الدین کے سیلاب سے متاثرہ علاقوں سے نکالا اور خوراک کے 10 ہزار پیکٹ فضا سے مختلف مقامات پر پھنسے لوگوں کے لیے گرائے۔ فوجی اہلکار ملتان، ڈیرہ غازی خان، لیہ، ساہیوال اور تریموں ہیڈورکس بھی پہنچ گئے، تاکہ کسی بحران کی صورتحال سے نمٹا جاسکے، جبکہ بہت سے دیہات میں سیکڑوں افراد تاحال انخلاء کے لیے امداد کے منتظر ہیں، یا کمر تک گہرے پانی میں اپنے مویشیوں کے ساتھ چل کر نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ متاثرین کے مطابق ان کو اتنے شدید سیلاب کی توقع نہیں تھی، سیلاب اچانک آیا اور ہمیں اپنے مال مویشی وغیرہ کو بچانے کا وقت تک نہیں ملا، اب ان اس کے پاس کھانے کو خوراک تک نہیں ہے۔

دوسری جانب صوبہ سندھ میں اگلے دو ہفتوں میں گڈو اور سکھر بیراج کے مقام پر اونچے درجے کے سیلاب کا خطرہ ہے، جہاں سے محکمہ آبپاشی کے مطابق 7 لاکھ کیوسک سے زاید پانی کا گزر ہو سکتا ہے۔ سندھ میں بحالی اور آفات کی انتظام کاری کے محکمہ نے ایک تحریری الرٹ جاری کیا ہے، جس میں 17 اضلاع کی انتظامیہ کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ دریائے سندھ کے کچے سے لوگوں کے انخلا

کی پیشگی منصوبہ بندی کرلیں اور لوگوں کو محفوظ جگہ تک پہنچانے کے لیے زیادہ سے زیادہ ٹرانسپورٹ کا بندوسبت کیا جائے۔ بحالی اور آفات کی انتظام کاری کے محکمہ نے حکام کو ہدایت کی ہے کہ کچے کے لوگوں کو صورتحال سے آگاہ کرنے کے لیے بروقت اعلان کا بھی انتظام کیا جائے اور اس سلسلے میں ایف ایم ریڈیو اسٹیشنز کی مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔ بحریہ، فضائیہ اور بری فوج کو الرٹ رہنے کی درخواست کی گئی ہے، تاکہ بوقت ضرورت لوگوں کے انخلا میں ان کی مدد حاصل کی جاسکے۔ متعلقہ اضلاع میں محکمہ صحت کے تمام مراکز میں سانپ کے کاٹنے کے بچاوٴ کی ویکسین سمیت تمام ادویات کی موجودگی کو یقین بنانے اور محکمہ لائیو اسٹاک کو جانوروں کے چارہ کا بندوبست رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ دریائے سندھ کے بائیں اور دائیں جانب حفاظتی بندوں پر 45 مقامات کو غیر محفوظ قرار دیا گیا ہے، جہاں پتھروں کی پچنگ سے حفاظتی بندوں کو مضبوط کرنے اور 24 گھنٹے گشت کو یقینی بنانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ سندھ ایریگیشن اینڈ ڈرینیج اتھارٹی یعنی سیڈا کے ایم ڈی زاہد جونیجو کے مطابق 10 ستمبر سے ستمبر تک اونچے درجے کا سیلاب رہے گا، امکان تو 7 لاکھ کیوسک سے زاید پانی کی 15 آمد کا ہے، لیکن تیاری سپر فلڈ کی ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں پہلے بھی شگاف پڑ چکے ہیں، جہاں دریا ڈائریکٹ حفاظتی بند کو ہٹ کرتا ہو، کوئی بند کمزور ہو یا وہاں سے کوئی کراسنگ ہو۔ محکمہ آبپاشی کے مطابق سکھر اور گڈو بیراج کے درمیان پانی کا دباؤ رہے گا، اس کے درمیان میں ٹوڑھی اور قادرپور

حفاظتی بند زیادہ حساس ہیں۔ یاد رہے کہ 2010 میں ٹوڑھی بند کو شگاف پڑنے سے بڑے پیمانے پر تباہی ہوئی تھی۔ گڈو بیراج سے پانی کے اخلا کی گنجائش 12 لاکھ کیوسک ہے، جبکہ 2010 کے سیلاب میں یہاں سے ساڑھے 11 لاکھ کیوسک پانی کا گزر ہوا تھا، اسی طرح سکھر بیراج سے اخلا کی گنجائش 9 لاکھ کیوسک ہے اور سپر فلڈ میں یہاں سے ساڑھے 11 لاکھ کیوسک پانی کا گزر ہوا تھا۔ بلوچستان کے پہاڑی سلسلے کوہ سلیمان سے آنے والے برساتی پانی اور موسلا دھار بارش نے 2010 میں سندھ میں صورتحال کو سنگین کر دیا تھا، سندھ میں محکمہ موسمیات کے مطابق اگلے ہفتے بارشوں کا امکان موجود ہے۔ 2010 کے سپر فلڈز کے بعد سندھ میں ہنگامی بنیادوں پر حفاظتی بندوں کی مرمت کا کام کیا گیا تھا، لیکن اگلے 3 سال سیلابی صورتحال کا سامنا نہیں ہوا۔

ہزار دیہات سیلاب کی نذر....18لاکھ افراد متاثر3

صوبہ پنجاب کے وسطی اضلاع میں تباہی مچانے کے بعد دریائے چناب میں آنے والے سیلابی پانی سے ضلع ملتان کے 300 دیہات زیرِ آب آ گئے ہیں۔ حکام کے مطابق ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے پاک فوج اور سول انتظامیہ کو ہائی الرٹ جاری کیا گیا ہے۔ پانی کا بہاؤ کم کرنے کے لیے ہیڈ محمد والا پل پر بارودی مواد نصب کر کے 100 فٹ چوڑا شگاف ڈال دیا گیا ہے، جبکہ شیر شاہ بند پر بارودی مواد نصب کیا گیا، اس عمل سے مظفر گڑھ کا ملتان سے زمینی رابطہ منقطع ہو گیا ہے۔ ہیڈ محمد والا پر دریائے چناب سے آنے والا سیلابی ریلا مظفر گڑھ میں بھی داخل ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے دوآبہ، نکی، چک چھجڑہ، چک روہاڑی سمیت متعدد نشیبی علاقے زیرِ آب آ گئے ہیں۔ دریائے چناب کا ریلا مظفر گڑھ میں داخل ہو جانے سے 80 فیصد نشیبی علاقے زیرِ آب آ گئے ہیں۔ مظفر گڑھ میں دریائے چناب کا سیلابی ریلا چک روہاڑی بند سے ٹکرایا، جس کے بعد 14 دیہاتوں میں پانی داخل ہو چکا ہے۔ جمعہ کے روز دریائے چناب میں کبیر والا کے مقام پر اونچے درجے کا سیلاب آیا، جس کے باعث 48 دیہات زیرِ آب آئے ہیں، جبکہ 6 ہزار ایکڑ سے زاید کھڑی فصلیں بھی تباہ ہو گئی ہیں۔ جبکہ ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لیے پاک فوج اور سول انتظامیہ کو ہائی الرٹ کیا گیا ہے۔ کور کمانڈر ملتان سیلابی آپریشن کی

نگرانی کر رہے ہیں، جب کہ پاک فوج کے ریسکیو آپریشن میں 7 ہیلی کاپٹرز اور 100 کشتیاں حصہ لے رہی ہیں۔ امدادی کارروائیوں کے حوالے سے آئی ایس پی آر کے جاری ایک بیان کے مطابق سیلاب سے متاثرہ جھنگ، ملتان، بہاولپور اور رحیم یار خان کے اضلاع میں پاک فوج کی امدادی کارروائیاں جاری ہیں۔ سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں ریسکیو اور ریلیف آپریشن کے دوران ہیلی کاپٹر اور کشتیوں کے ذریعے اب تک 29 ہزار افراد کو محفوظ مقام پر منتقل کیا گیا ہے۔ جھنگ میں آرمی کے 5 ہیلی کاپٹر امدادی 295 کاموں میں، جبکہ ملتان میں 2 ہیلی کاپٹر ریسکیو آپریشن میں مصروف ہیں۔ آئی ایس پی آر کے مطابق جمعے کو فوجی جوانوں نے مظفرگڑھ، احمد پور شرقیہ، پنجند اور ملتان میں سیلاب میں پھنسے 550 سے زاید افراد کو نکالا ہے۔ اس کے علاوہ فوج کے طبّی کیمپ چنیوٹ، جھنگ اور تریموں میں کام کر رہے ہیں، جبکہ ملتان اور بہاولپور میں موبائل طبّی ٹیمیں متاثرین کے علاج میں مصروف ہیں۔ سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں
ٹن راشن بھی پہنچایا گیا۔ بہاولپور اور ملتان کے سیلاب سے متاثرہ علاقوں 52.176 میں 4 موبائل میڈیکل یونٹ بھی کام کر رہے ہیں۔ صوبائی وزیر شجاع خانزادہ کا کہنا ہے کہ متاثرہ علاقوں میں امداد اور بچاؤ کا آپریشن جاری ہے، جس میں فوج ضلعی انتظامیہ کے ساتھ شریک ہے۔ ان کے مطابق امدادی کارروائیوں میں 16 ہیلی کاپٹر اور 550 سے زیادہ کشتیاں حصہ لے رہی ہیں۔

محکمہ موسمیات نے دریائے سندھ میں سیلاب کی وارننگ جاری کرتے ہوئے کہا ہے کہ 16 ستمبر کے درمیان گڈو بیراج، جبکہ 16 سے 17 ستمبر کے درمیان سکھر 15 بیراج سے 6 سے 7 لاکھ کیوسک پانی گزرے گا۔ اس صورتحال کی وجہ سے جنوبی پنجاب کے ضلعوں مظفر گڑھ، رحیم یار خان، راجن پور کے علاوہ سندھ میں جیکب آباد، شکارپور، گھوٹکی اور سکھر میں رقبہ زیر آب آنے کا خدشہ ہے۔ حکومت سندھ نے ممکنہ سیلاب کے خطرے کے پیش نظر فلڈ ایمرجنسی نافذ کر دی ہے اور متعلقہ حکام کو ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لیے ہائی الرٹ رہنے کا حکم دیا ہے اور پاک بحریہ نے بالائی سندھ میں امدادی ٹیمیں اور ضروری سامان بھیج دیا ہے۔ پاکستان میں قدرتی آفات سے نمٹنے کے قومی ادارے این ڈی ایم اے کے سربراہ نے جمعے کو وفاقی کابینہ کو بریفنگ دیتے ہوئے بتایا کہ دریائے چناب میں سیلاب کی صورتحال 1992 جیسی ہے، سیلاب سے اب تک پنجاب کے دس اضلاع متاثر ہوئے ہیں، جن میں سے جھنگ، چنیوٹ اور حافظ آباد سب سے زیادہ متاثرہ ضلعے ہیں۔ بارش اور سیلاب سے ہلاکتوں کی تعداد بڑھ کر 274 تک پہنچ گئی ہے، جبکہ 3 ہزار دیہات متاثر ہوئے اور 43 ہزار مکانات کو نقصان پہنچا ہے۔ صوبہ پنجاب کے آفات سے نمٹنے کے ادارے کے مطابق سیلاب سے پنجاب میں جاں بحق ہونے والوں کی تعداد 194 ہو گئی۔ 66 افراد پاکستان کے زیر انتظام کشمیر اور 14 گلگت بلتستان میں جاں بحق ہوئے ہیں۔ این ڈی ایم اے نے متاثرین سیلاب کی کل تعداد 11 لاکھ بتائی ہے، تاہم صوبہ پنجاب کی کابینہ کمیٹی برائے سیلاب نے

جمعرات کو یہ تعداد 18 لاکھ بتائی تھی۔ جمعرات کو حکومت پنجاب کی اس کمیٹی نے یہ بھی کہا تھا کہ اب تک سیلاب سے صوبے میں 49 افراد ہلاک ہوئے ہیں، جبکہ بقیہ افراد بارشوں کے نتیجے میں پیش آنے والے حادثات کا شکار ہوئے تھے۔ حکومتی 135 کابینہ کمیٹی کے ایک رکن کا کہنا تھا کہ پنجاب کے متاثرہ علاقوں میں 500 امدادی کیمپ لگائے گئے ہیں، جبکہ 1 لاکھ 40 ہزار متاثرین کو محفوظ مقام پر منتقل کیا گیا ہے۔ تقریباً لاکھ کے قریب مویشیوں کو بھی نکالا گیا ہے اور 704 کیمپ صرف مویشیوں کے 15 لیے لگائے گئے ہیں۔

دوسری جانب سیلاب کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے جمعہ کے روز وفاقی کابینہ کا اجلاس اسلام آباد میں وزیراعظم نواز شریف کی زیر صدارت میں ہوا، جس میں فیصلہ کیا گیا کہ سیلاب متاثرین کے لیے بین الاقوامی برادری سے امداد کی اپیل نہیں کی جائے گی۔ وزیراعظم نے سیلاب سے متاثرہ علاقوں کے منتخب نمائندوں پر مشتمل کمیٹیاں تشکیل دینے کی ہدایت کرتے ہوئے کہا کہ کمیٹیاں سیلاب متاثرین کی بحالی سے متعلق طویل اور قلیل مدتی تجاویز دیں۔ سیلاب کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کا تخمینہ لگانے کے لیے کام کو تیز کیا جائے اور یہ تخمینہ مہینوں کی بجائے ہفتوں میں لگایا جائے، جب کہ ماحولیاتی تبدیلی کے باعث قدرتی آفات سے نمٹنے کے لیے جامع ن حکمت عملی تیار کی جائے، کیوں کہ حکمت عملی کے ذریعے ہی سیلاب سے بچاو

ممکن ہے۔ انہوں نے این ڈی ایم اے کو ہدایت کہ وہ سندھ میں عوام کے جان ومال کے تحفظ کے لیے تمام احتیاطی اقدامات اٹھائے۔ اس موقع پر اراکین نے سیلاب سے متاثرہ افراد کی امداد اور بحالی کے کاموں میں مسلح افواج کے کردار کو بھی سراہا۔ جبکہ دوسری جانب یہ اطلاعات بھی ہیں کہ سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں وبائی امراض پھوٹ پڑے ہیں۔ محکمہ صحت پنجاب کے مطابق اب تک ان علاقوں میں 15 ہزار افراد سانس، 10 ہزار جلدی امراض اور 5 ہزار گیسٹرو کی بیماریوں میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ سیلاب زدہ علاقوں میں سانس کی تکلیف، جلدی امراض اور گیسٹرو تیزی سے پھیل رہا ہے۔ متاثرہ افراد میں خواتین، بچوں اور بزرگوں کی تعداد زیادہ ہے۔ سیلاب زدہ علاقوں میں سانپوں کے ڈسنے کے واقعات بھی بڑھ گئے ہیں، اب تک 20 افراد کو سانپ ڈس چکے ہیں۔ محکمہ صحت پنجاب نے متاثرہ علاقوں سے پانی کے نمونے حاصل کر لیے ہیں، تاکہ وبائی امراض سے بچاؤ کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کی جا سکیں۔ ڈی جی ہیلتھ کے مطابق متاثرین کے لیے 300 میڈیکل کیمپ قائم کیے گئے ہیں، جن میں اب تک 40 ہزار افراد کا میڈیکل چیک اپ کیا جا چکا ہے۔ جبکہ سیلاب کی وجہ سے بیشتر علاقوں کے زمینی رابطے منقطع ہونے کی وجہ سے متاثرین کھلے آسمان تلے پڑے ہوئے ہیں اور بہت سے علاقوں میں خوراک کی کمی کا سامنا بھی ہے۔

سیلاب متاثرین 2 ملین سے متجاوز.... سندھ کے 8 اضلاع میں ایمرجنسی نافذ

پاکستان میں شدید بارشوں کے بعد آنے والے سیلاب سے بڑے پیمانے پر تباہی ہو رہی ہے۔ دریائے چناب میں راوی کا 80 ہزار کیوسک پانی شامل ہونے کے بعد انتہائی اونچے کا درجہ کا سیلاب ملتان میں تباہی پھیلاتا ہوا دیگر علاقوں خاص طور پر قریب موجود پنجند کے لیے شدید خطرہ بن گیا ہے۔ منجھی وال بند میں ایک شگاف پڑنے کے بعد سیلابی پانی مظفرگڑھ کی جانب بڑھنا شروع ہوگیا تھا۔ مظفرگڑھ کے ڈی سی کا دعویٰ تھا کہ سیلابی پانی کو شہر کے نواح میں تلمیری کینال کے پشتے پر روک لیا جائے گا، حالانکہ ایسا 1993 میں نہیں ہو سکا تھا، جب شدید سیلاب نے مظفرگڑھ شہر کو ڈبو دیا تھا۔ سیلاب کی شدت سے دوآبہ پر دباؤ بڑھا، ضلعی انتظامیہ اس میں شگاف ڈالنے کے لیے تیار نہیں تھی، لیکن اتوار کے روز مظفرگڑھ کو بچانے کے لیے دوآبہ بند میں دھماکا کرکے شگاف ڈال دیا گیا ہے۔ فلڈ فورکاسٹنگ ڈویژن (ایف ایف ڈی) نے آئندہ 36 گھنٹوں کے دوران پنجند کے موقع پر 7 لاکھ کیوسک کے انتہائی اونچے درجے کے سیلاب کی پیشگوئی کی ہے، جس سے مظفرگڑھ اردگرد جنوبی پنجاب کے متعدد علاقوں کے ڈوبنے کا خطرہ ہے۔ سیلابی پانی شیر شاہ اور محمد والا پلوں کے مقامات پر جمع کو ڈالے گئے شگافوں کے باعث ملتان ڈویژن میں داخل

ہوا اور بڑے پیمانے پر علاقے کے ڈوبنے، آبادی اور فصلوں کو متاثر کرنے کا سبب بنا ہے۔ سیلانی پانی آگے بڑھ رہا ہے۔ مقامی انتظامیہ میں خوف موجود ہے۔ ہزاروں افراد اس وقت دریا کے ڈومر والا پشتے پر بیٹھے ہیں اور وہ وہاں شگاف ڈالنے کی مزاحمت کر رہے ہیں۔ محمد والا اور شیر شاہ پلوں کے قریب شگافوں سے خارج ہونے والے سیلابی پانی نے متعدد دیہات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، جس سے بڑے پیمانے پر جانی و مالی نقصانات ہوئے ہیں۔ دریائے چناب سے ملتان ڈویژن کے علاقے شجاع آباد، جلالپور پیروالا، خان پور ہمار، گھاگھرا کچھور، حاجی پور اور دیگر علاقے بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔ شیر شاہ کے قریب محمد پور گوٹھا، بکھری فلائی اوور اور ریلوے کراسنگ کے حفاظتی پشتوں کو کسی قسم کے نقصان سے پہنچانے کے لیے مضبوط بنایا گیا ہے۔ شجاع آباد میں دریائی کنارے پر واقع درجنوں دیہات کو نقصان پہنچا ہے۔ ہفتے کو پنجند سے تین لاکھ چالیس ہزار کیوسک پانی گزرا، جس سے متعدد دریائے چناب کے کناروں پر واقع متعدد دیہات غرق ہوگئے، اس کے علاوہ خشک دریائے ستلج کے کنارے پر واقع بستیاں بھی ڈوب گئیں۔ ہیڈورکس کے تمام اسپل ویز کھول دیے گئے ہیں، تاکہ سیلابی پانی کے رواں اخراج کو یقینی بنایا جاسکے۔ دریائے چناب میں سیلاب نے دوآبہ کو نشانہ بنایا، مگر ضلعی انتظامیہ وہاں شگاف ڈالنے میں ہچکچا رہی تھی، سیلاب سے شہر سلطان پور اور علی پور میں آدھی رات کو دباؤ بڑھ گیا تھا، جس کے بعد انتظامیہ نے خطرے کی زد میں آنے والے علاقوں سے لوگوں کے انخلاء کی ہدایت

جاری کردی تھی۔ یہ علاقے پہلے ہی ملتان اور جھنگ اضلاع سے کٹ چکے ہیں۔ حکام نے بتایا کہ چودہ یونین کونسلیں سیلاب سے متاثر ہوئی ہیں اور ہزاروں افراد خوراک و خیموں کے منتظر ہیں۔

فلڈ فورکاسٹنگ ڈویژن کے مطابق تربیلاڈیم میں پانی کی آمد 87 ہزار600 اور اخراج ہزار کیوسک ہے۔ منگلا ڈیم میں پانی کی آمد اور اخراج 69ہزار158 کیوسک 58 ریکارڈ کی گئی، جبکہ اس اہم ترین ڈیم میں پانی کا ذخیرہ ایک ہزار242 کی انتہائی سطح پر ہے۔ اس طرح مجموعی طور پر دونوں ڈیموں میں قابل استعمال پانی کا ذخیرہ ایک کروڑ لاکھ 34 ہزار ایکڑ فٹ پر پہنچ گیا ہے۔ دریائے راوی میں سدھنائی کے مقام پر پانی 36 کی آمد79ہزار843 اور اخراج 64ہزار843 کیوسک ہے۔ دریائے چناب میں تریموں پر پانی کا بہاؤ ایک لاکھ 52 ہزار کیوسک ہے۔ دریائے سندھ میں گڈو کے مقام پر پانی کی آمد 2 لاکھ 19 ہزار654 کیوسک اور اخراج ایک لاکھ 97 ہزار142 کیوسک، سکھر پر پانی کی آمد ایک لاکھ 35 ہزار860 اور اخراج 81 ہزار950 کیوسک جبکہ کوٹری پر پانی کی آمد 25 ہزار کیوسک ریکارڈ کی گئی ہے۔ دریائے چناب میں 6 لاکھ کیوسک کا سیلابی ریلا مظفرگڑھ اور شجاع آباد میں تباہی پھیلاتا ہوا ہیڈ پنجند کی جانب رواں دواں ہے۔ ہیڈ پنجند کے قریب 2 عارضی بند رسول پور اور بختیاری ٹوٹ گئے۔ مظفرگڑھ کے علاقے ٹھٹھہ سیالاں میں سیلابی ریلے کے باعث تلیری نہر کا حفاظتی بند

ٹوٹ گیا، جس سے درجنوں بستیاں زیرآب آ گئی ہیں۔ رحیم یار خان میں نور والا کے مقام پر سیلابی ریلے کے باعث زمیندارہ بند ٹوٹ گیا، جس سے 25 دیہات زیرآب آ گئے۔ پاکستان قدرتی آفات سے نمٹنے کے قومی ادارے نیشنل ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی این ڈی ایم اے) کے مطابق رواں سال شدید مون سون بارشوں کے باعث آنے) والے سیلاب سے متاثر ہونے والے افراد کی تعداد دو ملین سے تجاوز کر چکی ہے، جبکہ مختلف حادثات میں سیکڑوں افراد جاں بحق ہوئے ہیں۔ این ڈی ایم اے کے مطابق صوبہ پنجاب میں سیلاب اور طوفانی بارشوں سے متاثر ہونے والے علاقوں میں ریسکیو کا کام مسلسل جاری ہے، پنجاب میں سیلاب سے متاثرہ علاقوں سے پاکستان فوج، ریسکیو اور دیگر محکموں کی مدد سے 276681 افراد کو محفوظ مقامات پر منتقل کیا گیا 1122 ہے۔ پاک فوج نے ملتان اور مظفر گڑھ کے سیلاب سے متاثرہ علاقوں سے 3000 افراد کو محفوظ مقامات تک منتقل کیا ہے۔ ہیلی کاپٹروں کے ذریعے متاثرین کو خوراک بھی فراہم کی جا رہی ہے اور اب تک انھیں 15000 کلو گرام راشن مہیا کیا گیا ہے۔ اسی طرح فوج نے سیلاب کے متاثرین کو علاج کی سہولیات فراہم کرنے کے لیے ملتان اور مظفر گڑھ میں میڈیکل کیمپ بھی قائم کیے ہیں۔ این ڈی ایم کے بیان کے مطابق اقوام متحدہ کے تعاون سے سیلاب سے متاثرہ اضلاع میں ہونے والے نقصانات کا ابتدائی جائزہ لینے کے کام کا آغاز بھی کر دیا گیا ہے۔ محکمہ تعلیم کے مطابق پنجاب میں سیلاب کے باعث 21 لاکھ سے زاید بچوں کی پڑھائی متاثر ہوئی ہے۔ پنجاب کے 11 اضلاع میں

اسکول اور 51 سے زاید کالجز متاثر ہوئے، ان اسکولز و کالجز کی بحالی کے لیے سرکار کو 7 ارب 80 کروڑ روپے سے زاید درکار ہوں گے۔ سب سے زیادہ جھنگ میں 426 اسکولز متاثر ہوئے، جبکہ کئی کالجز کو بھی شدید نقصان پہنچا ہے۔ شیخوپورہ 250 سے زاید، سیالکوٹ 178، چنیوٹ 143، نارووال 80، حافظ آباد 160 اور دیگر کئی اضلاع میں متعدد اسکولز کو شدید نقصان پہنچا ہے اور کئی اسکولز ختم ہو گئے ہیں، بعض اسکولز ایسے بھی تھے جن کی عمارتوں کو خطرناک قرار دیا گیا اور ان کی دوبارہ تعمیر کے لیے اقدامات کرنے کے لیے درخواست کی گئی تھی۔ محکمہ تعلیم حکام کا کہنا ہے کہ 2 ہزار کے قریب اسکولز متاثر ہوئے ہیں۔

دوسری جانب دریائے سندھ میں سیلاب کی ممکنہ صورتحال کے تناظر میں حکومت سندھ نے 8 اضلاع میں ہنگامی صورتحال کا اعلان کر دیا ہے۔ ان اضلاع میں کشمور، جیکب آباد، گھوٹکی، لاڑکانہ، سکھر، میرپور، نواب شاہ اور دادو شامل ہیں۔ اس کے علاوہ دریائے سندھ کے کنارے کچے کے علاقے سے لوگوں کی محفوظ مقامات پر منتقلی کا عمل بھی جاری ہے اور حکومت نے لاڑکانہ میں اس مقصد کے لیے پانچ طبّی کیمپوں سمیت 22 کیمپ قائم کیے ہیں۔ محکمہ موسمیات کے مطابق 15 سے 16 ستمبر کے درمیان گڈو بیراج، جبکہ 16 سے 17 ستمبر کے درمیان سکھر بیراج سے چھ سے سات لاکھ کیوسک پانی گزرے گا۔ جبکہ محکمہ صحت سندھ نے ابتدائی طور پر 8 اضلاع کو سیلاب سے خطرہ قرار دیتے ہوئے پورے صوبے میں

ہیلتھ ایمرجنسی نافذ کردی ہے، جس میں زیادہ توجہ 8 شمالی اضلاع پر دی جائے گی۔
وزیر صحت سندھ نے جمعرات کو ہدایات جاری کی تھیں کہ صوبے بھر میں ہیلتھ ایمرجنسی نافذ کردی جائے، جبکہ ان 8 اضلاع پر زیادہ توجہ دی جائے۔ محکمہ صحت کے ایک ترجمان کے مطابق سیلابی پانی اپنے ساتھ بیماریوں اور مضر صحت عناصر بھی لے کر آتا ہے، اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے صوبائی وزیر صحت نے تمام سرکاری ہسپتالوں اور دیگر چھوٹے مراکز کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کی ہے، تاکہ قیمتی جانوں کو بچایا جاسکے۔
تعطیلات پر گئے عملے کو اپنی ذمہ داریاں سنبھالنے کی ہدایت کر دی گئی، تاکہ ہنگامی حالات کے خلاف محکمے کی تیاریوں کو بہتر بنایا جاسکے۔ حکام کا کہنا ہے کہ اگر سیلاب نے شہری علاقوں کی بجائے صرف کچے کے علاقے کو نشانہ بنایا تو ایسی حاملہ خواتین کی تعداد چند ہزار ہوگی، جن کی دیکھ بھال کے لیے بہتر آلات کی ضرورت ہوگی۔ محکمہ صحت چاہتا ہے کہ موجودہ صورتحال سے سندھ میں جاری ویکسنیشن پروگرامز متاثر نہ ہو۔ اپنے وسائل کے ساتھ ساتھ حکومت ڈونرز اور این جی اوز سے بھی رابطے میں ہے، تاکہ طے کردہ اہداف کو حاصل کیا جاسکے۔ مبصرین کے مطابق ان حالات کے پیش نظر پاکستان کو مزید ڈیمز بنانے کی ضرورت ہے۔ سیلاب نے تباہی پھیلائی اور سیکڑوں لوگ سیلاب کی نذر ہوگئے ہیں، چند روز میں پاکستان میں سیلاب کی صورت میں کتنا پانی ضائع ہوا، حالانکہ سارا سال ملک میں پانی کی قلت رہتی ہے، اگر ڈیمز بنائے جائیں تو پانی کو محفوظ کرکے سارا سال استعمال بھی کیا

جاسکتا ہے اور اتنی بڑی تباہی سے بھی بچا جاسکتا ہے۔ پاکستان ہر سال مون سون کی بارشوں سے ہونے والی تباہی سے سبق حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے۔ ہر بار آفت آنے کے بعد آئندہ کے لیے کوئی لائحہ عمل طے نہیں کیا جاتا اور ذمہ دار حضرات لمبی تان کر سو جاتے ہیں۔

اسلام آباد: دھرنا سیاست سے قانون شکنی تک!

پاکستان کے دار لحکومت اسلام آباد میں مچائی جانے والی دھماچوکڑی دوسرے مہینے میں داخل ہوچکی ہے، لیکن ابھی تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکا اور معاملہ جلدی حل ہوتا دکھائی بھی نہیں دے رہا، اس لیے کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے، عوامی تحریک اور تحریک انصاف کے سربراہان کا کہنا ہے کہ ہم حکومت کے خاتمے تک یہاں سے نہیں جائیں گے۔ دھرنے والے دونوں رہنماؤں کے کافی سخت اور مشتعل بیانات آنے کے بعد بعض تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ دنوں میں دھرنوں میں نئی جان ڈالنے کے لیے مزید کمک منگوائی جائے گی اور معاملات کو جان بوجھ کر تصادم کی جانب دھکیلا جائے گا، تاکہ حکومت مجبوراً طاقت کا استعمال کرے، جس کے نتیجے میں حکومت کو ختم کرنے کا جواز فراہم کیا جاسکے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ حکومت تو اپنے رویے میں نرمی لاکر معاملات کو کافی حد تک سدھارنے کی کوشش کرچکی ہے، لیکن دھرنا سیاست کرنے والوں کی سوئی ساڑھے پانچ مطالبات مانے جانے کے بعد بھی وزیر اعظم کے استعفے پر ہی اٹکی ہوئی ہے، حالانکہ پی ٹی آئی کے صدر جاوید ہاشمی کے مطابق اگست میں " مارچ" کے وقت وزیر اعظم کا استعفیٰ مطالبات میں شامل ہی نہیں تھا، اس کے باوجود اس مطالبے کو مرکزی مطالبہ بناکر پوری قوم کو پریشانی میں مبتلا کیا ہوا ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ اسلام آباد میں کئی دن سے دھرنے دے کر ملک کو کھربوں کا نقصان پہنچانے اور پوری قوم کو پریشانی میں مبتلا کرنے والوں کو چاہیے کہ اپنے مطالبات کو قانونی طریقے سے منوانے کی کوشش کریں نا کہ غیر قانونی طریقے سے، کیونکہ دھرنا سیاست کرنے والی جماعتوں نے اپنے مطالبات منوانے کے لیے ریاستی اداروں پر دھاوا بول کر قومی نشریاتی ادارے، پارلیمنٹ اور دیگر اہم مقامات کر حملہ کیا، جو سراسر غیر قانونی و غیر آئینی تھا۔ پی ٹی آئی اور پیٹ نے پہلے حملہ کرنے والوں سے لاتعلّقی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ریاستی اداروں پر دھاوا بولنے والوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن جب حکومت نے تصاویر اور دیگر ذرائع سے تصدیق کرنے کے بعد پی ٹی آئی اور پی اے ٹی کے کارکنوں کو گرفتار کیا اور اسلام آباد کی مقامی عدالت نے پی ٹی آئی اور عوامی تحریک کے 100 کارکنوں کو مبینہ طور پر ریاستی اداروں اور پی ٹی وی کی عمارت پر حملے اور دفعہ 144 کی خلاف ورزی کرنے پر گرفتار کرکے 14 روزہ جوڈیشل ریمانڈ پر اڈیالہ جیل بھیجا، دونوں جماعتوں نے یہ کہتے ہوئے مذاکرات کا سلسلہ معطل کردیا کہ حکومت نے ہمارے کارکنوں کو گرفتار کیا ہے، حالانکہ دونوں جماعتون نے پہلے ریاستی اداروں پر اپنے کارکنوں کے ملوث ہونے سے انکار کیا تھا۔ ہفتے کے روز پی ٹی آئی کارکنان کی گرفتاری کے وقت ان کے دیگر ارکان نے پہلے

پولیس کے ساتھ تصادم کرتے ہوئے ان کی گاڑیوں کے ٹائروں سے ہوا بھی نکال دی اور پولیس کی گاڑی کو بھی روک لیا، جو کار سرکار میں مداخت کے زمرے میں آتا ہے۔ جس پر پولیس نے پی ٹی آئی کے بعض رہنماؤں کو بھی گرفتار کیا، لیکن اتوار کے روز عدالتی حکم کے بعد اڈیالہ جیل سے پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک کے کارکنان سمیت 600 سے زاید افراد کو رہا کیا گیا۔ جبکہ اس سے پہلے ذرائع کے مطابق پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان پولیس کی تحویل سے تحریک انصاف کے ملزمان کو زبردستی چھڑا کر لے گئے تھے۔ عمران خان اور ان کے ساتھ موجود کارکنوں نے پولیس اہلکاروں پر دھونس جمائی اور زبردستی چابیاں چھین کر اپنے ساتھیوں کی ہتھکڑیاں کھولیں اور آزاد کرایا۔ عمران خان مسلسل اسلام آباد پولیس کے اہلکاروں پر برستے رہے اور ان کے کارکن قانون نافذ کرنے والوں کو دھمکیاں دیتے رہے۔ یاد رہے اس سے پہلے "نئے پاکستان" کے بانی عمران خان نے قانون نافذ کرنے والے ادارے پولیس کے سربراہ کو اپنے کارکنوں کی گرفتاری پر یہ دھمکی دی تھی کہ اسلام آباد میں کارکنوں پر تشدد کرنے والے پولیس افسران کے نام ویب سائٹ پر ڈالے جائیں گے، جبکہ آئی جی اسلام آباد طاہر عالم اور آئی جی پنجاب مشتاق سکھیرا کو جیل میں ڈالیں گے۔ جس پر پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان پر پولیس حراست سے کارکنان کو چھڑانے پر تھانہ بنی گالہ میں مقدمہ درج کر لیا گیا۔ ترجمان اسلام آباد پولیس نعیم احمد کے مطابق مقدمہ تھانہ بنی گالہ میں عمران خان

کے خلاف مقدمہ درج کیا گیا ہے۔ عمران خان نے بنی گالہ اپنی رہائش گاہ پر جاتے ہوئے پولیس کی حراست سے پی ٹی آئی کے 15 کارکنوں کو چھڑوایا تھا۔ مبصرین نے "نئے پاکستان" کے بانی کے اس قسم کے اقدامات کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس طرح کرنے سے وہ اپنے کارکنوں میں قانون کو توڑنے کا رجحان پیدا کر رہے ہیں، حالانکہ انہیں اپنے کارکنوں کو قانون کی پاسداری کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ اتوار کے روز پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ طاہر القادری نے بھی قانون شکن اقدام کرتے ہوئے کرنسی نوٹوں پر "گو نواز گو مہم" لکھ کر حکومت کے خلاف ایک اور مہم کا آغاز کیا۔ وفاقی وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے عوامی تحریک کے سربراہ طاہر القادری کے اعلان پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ تحریر شدہ کرنسی نوٹ ناقابل قبول ہوں گے، کرنسی نوٹوں پر کسی بھی قسم کی تحریر لکھنا غیر قانونی ہے۔ وفاقی وزیر ریلوے خواجہ سعد رفیق کا کہنا تھا کہ کرنسی نوٹوں پر گو نواز گو لکھنے سے اس کی قیمت صفر ہو جائے گی۔ طاہر القادری کے کرنسی نوٹوں پر گو نواز گو لکھنے کے اعلان پر اسٹیٹ بینک نے رد عمل دیتے ہوئے کہا کہ کوئی بھی شہری کرنسی نوٹ پر کسی بھی قسم کا نعرہ نہ لکھے، سیاسی نعرے لکھے ہوئے کرنسی نوٹ قبول نہیں کریں گے۔ دوسری طرف معاشی ماہرین کا کہنا تھا کہ کرنسی نوٹ پر کچھ بھی لکھنا جرم ہے، کرنسی نوٹ پر سیاسی نعرہ لکھنا حکومت نہیں، ریاست کے خلاف ہے۔ ماہرین کے مطابق طاہر القادری کا کرنسی نوٹ پر گو نواز گو کا نعرہ لکھنا بچگانہ حرکت ہے۔

شدید رد

عمل کے بعد طاہر القادری نے کرنسی نوٹوں پر "گو نواز گو" لکھنے کی مہم ختم کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ سوشل میڈیا پر ہر ایس ایم ایس، ای میل اور ہر ٹویٹ پر "گو نواز گو" لکھا جائے۔

ملک میں موجودہ سیاسی بحران میں سراج الحق فریقین کے درمیان رابطہ کار کا کردار ادا کر رہے ہیں اور فریقین سے سیاسی تعطل دور کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ کئی پارلیمانی جماعتوں کے سیاستدانوں پر مشتمل ایک چھ رکنی جرگے کے سربراہ کی حیثیت سے سراج الحق کو فریقین پر درمیانی راستے کی تلاش کے لیے زور دیتے دیکھا گیا ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ ان حالات میں موجودہ سیاسی بحران میں جس طرح شدت آتی جارہی ہے، ایسا لگتا ہے کہ جماعت اسلامی اب اپنے لیے کسی ایک فریق کا انتخاب کر سکتی ہے۔ جماعت اسلامی کے بعض عہدے داروں کے مطابق اب جبکہ احتجاجی جماعتوں اور حکومت، دونوں ہی نے انتہائی سخت مؤقف اختیار کرلیا ہے، چنانچہ جماعت اسلامی کی قیادت کو لازماً یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ اس جنگ کے میدان سے باہر رہے یا پھر کسی ایک فریق کی مکمل حمایت کا راستہ اختیار کرے۔ جماعت اسلامی کے امیر کے مطابق اس سیاسی بحران میں جماعت کے لیے غیر جانبدار رہنا بہت زیادہ ضروری تھا۔ لہٰذا مذاکرات کے ذریعے کیا جانے والا معاہدہ ہی موجودہ سیاسی تعطل کا واحد حل ہے۔

دوسری جانب پاکستان تحریک انصاف کے صدر جاوید ہاشمی نے دعویٰ کیا کہ عمران خان نے انہیں کہا تھا کہ سپریم کورٹ حکومت کو برطرف کردے گی۔ انہوں نے کہا کہ آئین میں ایسی کوئی شق نہیں، جس میں سپریم کورٹ کو حکومت کو برطرف کرکے نگراں سیٹ اپ قائم کرنے کا اختیار دیا گیا ہو۔ انہوں نے خبردار کیا کہ ملک میں مارشل لا کے نفاذ کی صورت میں بغاوت پھوٹ پڑے گی۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ موجودہ سیاسی بحران کسی "اسکرپٹ" کا حصہ ہے، تاہم کچھ ریٹائرڈ جنرل کچھ زیادہ جلدی میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جنرل (ر) حمید گل نے انہیں ایک ہفتہ قبل کال کرکے کہا تھا کہ یہ حکومت کی "آخری رات" ہے، جبکہ شاہ محمود قریشی، جہانگیر ترین اور سیف اللہ نیازی راولپنڈی کے متعدد دورے کرچکے ہیں۔ وہ عمران خان کو پہلے ہی بتاچکے تھے کہ نواز شریف استعفیٰ نہیں دیں گے۔ عمران خان کو تین ماہ کے دوران انتخابات کی امید چھوڑ دینی چاہیے۔ پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) کے شریک چیئرمین آصف علی زرداری کہنا تھا کہ جمہوریت کو عسکریت پسند سوچ سے خطرات لاحق ہیں، جو اپنا ایجنڈا تھوپنا چاہتے ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ گزشتہ ماہ سے دیے جانے والے دھرنوں کی وجہ سے ملک کو کھربوں ڈالرز کا نقصان ہوچکا ہے، جوں جوں وقت گزرتا جارہا ہے، اس نقصان میں مزید اضافہ ہورہا ہے اور قوم کی پریشانی بھی بڑھ رہی ہے، بعض سیاسی حلقوں کی جانب سے اس بحران پر قابو پانے کی لاکھ کوششوں کے باوجود بھی

دھرنے والوں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ بحران ختم نہیں ہو سکا۔ لہٰذا فریقین کو چاہیے جلد از جلد اس بحران پر قابو پا کر ملک کو ہونے والے نقصان سے چھٹکارہ دلایا جائے۔ ملک اس وقت سنجیدہ تصادم کی سیاست کا متحمل نہیں ہو سکتا، بلکہ ملک کو سنجیدہ سیاست کی ضرورت ہے۔

سیلاب کا زور برقرار، سندھ میں 8 لاکھ افراد کے متاثر ہونے کا خطرہ

ملک میں بارشوں کے بعد آنے والے سیلاب نے بڑے پیمانے پر تباہی مچائی ہے اور تباہی کا یہ سلسلہ مزید علاقوں تک پھیل رہا ہے۔ سیلابی ریلوں نے ملک کے مختلف شہروں سے ایک بڑی تعداد کو متاثر کیا ہے۔ صوبہ پنجاب میں سیلاب کے نتیجے میں اتوار تک 24 لاکھ 19 ہزار 495 افراد متاثر ہوئے، 15 لاکھ 41 ہزار 807 ایکڑ پر کھڑی فصلیں اور 2818 دیہات متاثر ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ 30021 مکانات جزوی اور 2199 مکانات مکمل طور پر تباہ ہوئے ہیں۔ جبکہ نیشنل ڈیزاسٹر منیجمنٹ اتھارٹی کے مطابق بارشوں اور سیلاب کے نتیجے میں 312 افراد جاں بحق ہو چکے ہیں، جن میں 232 کا تعلق پنجاب، 66 کا آزاد کشمیر اور 14 کا گلگت بلتستان سے تھا۔

سیلاب پنجاب کے متعدد شہروں میں تباہی مچانے کے بعد دریائے چناب کے سیلابی ریلے نے ملتان کی تحصیلوں شجاع آباد اور جلالپور پیروالہ میں بڑی تباہی مچائی ہے۔ مظفر گڑھ کے مقام پر پانی کا بہاؤ 3 لاکھ کیوسک سے زاید ہے، سیلابی ریلے نے راجو والا، دوآبہ، جام پور، لال پور، بستی چھینہ اور سلکھی سمیت دیگر سیکڑوں دیہات کا زمینی رابطہ مظفر گڑھ سے منقطع کر دیا ہے۔ جبکہ فلڈ فورکاسٹنگ ڈویژن کے مطابق تربیلا ڈیم میں پانی کی آمد 83 ہزار 100 اور اخراج 53 ہزار 500 کیوسک ہے، ڈیم میں قابل استعمال پانی کا ذخیرہ 63 لاکھ 57 ہزار ایکڑ فٹ

موجود ہے، قابل استعمال پانی کی سطح ایک ہزار 548 فٹ ہے، جو انتہائی سطح سے صرف فٹ نیچے ہے۔ منگلا ڈیم میں پانی کی آمد اور اخراج 66 ہزار 200 کیوسک ہے، ڈیم 2 میں قابل استعمال پانی کا ذخیرہ 73 لاکھ 92 ہزار ایکڑ فٹ اور پانی اپنی انتہائی سطح فٹ پر برقرار ہے۔ دریائے چناب میں پانی کا بہاؤ 4 لاکھ 30 ہزار 500 1242 کیوسک تک پہنچ گیا ہے۔ دریائے چناب کا سیلابی ریلا جنوبی پنجاب میں تباہی مچانے کے بعد سندھ کے متعدد علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لینے جارہا ہے۔ محکمہ موسمیات کی جانب سے جاری کردہ ایک حالیہ فلڈ وارننگ میں دریائے سندھ میں گڈو اور سکھر بیراج پر سے 18 ستمبر کے درمیان انتہائی اونچے درجے کے سیلاب کا امکان ظاہر کیا تھا۔ 16 پنجند ہیڈورکس سے پانی کی آمد کے بعد گڈو اور سکھر بیراج پر پانی کا بہاؤ چار لاکھ سے پانچ لاکھ کیوسک سطح تک پہنچ سکتا ہے۔ دریائے سندھ میں گڈو میں پانی کی آمد 2 لاکھ ہزار 529 اور اخراج 2 لاکھ 46 ہزار 77 کیوسک، سکھر میں پانی کی آمد 1 لاکھ 70 ہزار اور اخراج 1 لاکھ 9 ہزار 500، جبکہ کوٹری بیراج میں پانی کی آمد اور اخراج 63 ہزار 75 کیوسک ہے۔ فلڈ فورکاسٹنگ ڈویژن کے ایک اعلیٰ عہدیدار کے مطابق توقع 26 ہے کہ پانی کی سطح دریائے سندھ میں گرنے تک ساڑھے چار لاکھ کیوسک سے زاید نہیں ہوگی۔ گڈو اور سکھر میں اونچے درجے کے سیلاب کا خطرہ قادرآباد اور پنجند کے درمیان پشتوں میں شگاف ڈالے جانے سے کم ہوگیا ہے، جبکہ ان دونوں بیراجز میں پانی کو سنبھالنے کی صلاحیت بالترتیب 12 لاکھ اور 9 لاکھ

کیوسک ہے، 5 لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ کا ریلا کوئی مسئلہ نہیں۔ تریموں ہیڈ ورکس میں پانی کی سطح جو پہلے 6 لاکھ کیوسک تک پہنچ گئی تھی، اب کم ہو کر ڈیڑھ لاکھ کیوسک رہ گئی ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق سندھ میں سیلاب کے حوالے سے خطرہ قرار دیے گئے علاقوں کشمور سے سکھر تک میں 8 لاکھ سے زاید لوگ بستے ہیں۔ سندھ کے علاقے کچے کے کئی دیہات کا زمینی رابطہ منقطع ہوگیا ہے۔ 2010 کے سیلاب میں ٹوڑھی کے مقام پر حفاظتی بند میں شگاف پڑنے کے باعث لاکھوں لوگ بے گھر ہو گئے تھے۔ سندھ میں سیلابی ریلے سے نمٹنے کے لیے سندھ حکومت کی جانب سے ہنگامی بنیادوں پر اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر گھوٹکی کے مطابق ضلع بھر میں دریائی علاقے سے ہزاروں افراد کو نکال لیا گیا ہے۔ نقل مکانی کرنے والوں کے لیے قادرپور لوپ بند، اسد شاہ دمد مو اور رونتی میں خیمہ بستیاں قائم کردی گئی ہیں، جہاں راشن، مچھر دانیاں اور دیگر ضروریات زندگی مہیا کی گئی ہیں۔

اس وقت پنجاب میں سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں سول امدادی اداروں کے علاوہ بری فوج، فضائیہ اور بحریہ کی مدد سے امدادی کارروائیاں جاری ہیں۔ پنجاب میں امدادی اور 709 طبّی کیمپ کام کر رہے ہیں۔ آئی ایس پی آر کے مطابق فوجی 421 جوان ریسکیو اور ریلیف آپریشن جاری رکھے ہوئے ہیں اور مکھن بیلہ، بختیاری اور بیلا جھلاں کے دیہات سے سیلاب زدہ علاقوں کو کیمپوں اور دیگر

محفوظ مقامات میں منتقل کیا گیا ہے۔ جبکہ وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے منگل کے روز جنوبی پنجاب میں سیلاب سے متاثرہ علاقے مظفر گڑھ کا دورہ کیا اور حکومت کی جانب سے ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کروائی۔ وزیراعظم کا کہنا تھا کہ مشکل گھڑی میں سیلاب متاثرین کو تنہا نہیں چھوڑیں گے، سیلاب اچانک آیا اللہ کو ایسا ہی منظور تھا اور حکومتی لوگ اس سیلاب کو پاکستان اور پنجاب کی تاریخ کا سب سے بڑا سیلاب بتا رہے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ یہ آفت اچانک آن پڑی ہے، لیکن محکمہ موسمیات پنجاب کے سربراہ کا کہنا ہے کہ اس سے پہلے بھی دریائے چناب پر اس سے بھی بڑے سیلابی ریلے گزر چکے ہیں، ان کے بقول سیلاب کا باعث بننے والے ہر بارشی موسم کا چھتیس گھنٹے پہلے حتمی طور پر پتہ چل جاتا ہے اور بھارت سے پانی پاکستان میں پہنچنے میں بھی کافی وقت لگتا ہے۔ دوسری جانب پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کا کہنا ہے کہ اٹھارہ ہزاری کے قریب دریائے چناب کے بند کو طاقتوروں کی دو شوگر ملوں کو بچانے کے لیے توڑا گیا ہے، جس کی وجہ سے سیلابی تقصانات میں اضافہ ہوا۔ ان کے مطابق سپریم کورٹ کو حالیہ سیلاب کے نقصانات پر سوموٹو نوٹس لیا چاہیے اور دو ہزار چودہ کے سیلاب کے حوالے سے بھی ایک عدالتی کمیشن بننا چاہیے۔ جھنگ سے تعلق رکھنے والے ایک سماجی کارکن ڈاکٹر عبدالجبار کے مطابق اس بات کی بھی تحقیق ہونی چاہیے کہ دریاوں اور نہروں کی تعمیر و مرمت کے لیے ہر سال مختص کیے جانے والے فنڈز ہر سال کیوں ضائع ہو جاتے ہیں۔ حکومت آبی

گذرگاہوں کو گہرا کرنے، نئے آبی ذخائر تعمیر کرنے اور حفاظتی بندوں کو پکا کرنے کی بجائے ہر سال بند توڑنے اور مرنے والوں کی مالی امداد کرنے پر ہی کیوں تلی رہتی ہے۔

دوسری جانب ماہرین کے مطابق سیلاب کے بارے میں ذرائع ابلاغ پر دی جانے والی خبروں میں بتائے گئے اعداد و شمار سے ایک عام آدمی کو صحیح طور پر اس کی شدت اور ہیبت کا اندازہ نہیں ہو پاتا۔ اکثر خبروں میں بتایا جاتا ہے کہ اتنے لاکھ کیوسک کا ریلا فلاں جگہ سے گزرے گا۔ کیوسک کیا ہے؟ اور کتنے لاکھ کیوسک کا مطلب کتنا پانی ہے؟ اس کے بارے میں بیشتر لوگوں کو اندازہ نہیں ہے۔ اس کو یوں آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جس طرح وزن کے لیے کلوگرام، فاصلے کے لیے کلومیٹر اور رقبہ کے لیے مرلہ وغیرہ کے پیمانے استعمال کیے جاتے ہیں، اسی طرح مائع چیزوں کے بہاؤ اور خاص طور پر سیلابی ریلوں کی پیمائش کے لیے جو پیمانہ استعمال کیا جاتا ہے، اسے "کیوسک" کہتے ہیں۔ کیوسک (Cusec) دراصل مکعب فٹ فی سیکنڈ یعنی cubic foot per second کا مخفف ہے اور یہ عام طور پر دریاؤں اور نہروں وغیرہ سے گزرنے والے پانی کی مقدار کے لیے پیمانے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک مکعب یا کیوبک فٹ میں تقریباً 28.32 لیٹر پانی آتا ہے۔ لہٰذا جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں جگہ سے 5 لاکھ کیوسک کا ریلا گزرے گا تو اس کا مطلب ہے کہ وہاں سے ایک سیکنڈ میں ایک کروڑ

لاکھ 58 ہزار 423 لیٹر پانی گزرے گا اور اگر بہاؤ کا یہی تناسب برقرار رہے تو 41 وہاں سے ایک گھنٹے میں گزرنے والے پانی کی مقدار 50 ارب 97 کروڑ، 3 لاکھ 24 ہزار 600 لیٹر ہوگی۔ پانی کی یہ مقدار 13 ارب 46 کروڑ 49 لاکھ 35 ہزار 202 گیلن کے برابر ہے۔ واسا لاہور کی ویب سائٹ پر دیے گئے اعداد و شمار کے مطابق واسا اپنے 316 ٹیوب ویلوں اور 3 انچ سے 20 انچ ڈایا گرام تک کی 3 ہزار 2 سو کلومیٹر طویل پائپ لائنوں کے ذریعے فی کس 80 گیلن یومیہ کے حساب سے اپنے 41 لاکھ ہزار صارفین کے لیے روزانہ 32 کروڑ 90 لاکھ گیلن پانی فراہم کرتی ہے۔ اس 10 لحاظ سے دیکھا جائے تو 5 لاکھ کیوسک کے ایک گھنٹہ تک بہاؤ میں پانی کی جو مقدار ہوگی، وہ واسا لاہور کے شہریوں کی پانی کی تقریباً 41 دن کی تمام تر ضروریات کے لیے کافی ہوگی۔

سندھ کے کئی دیہات زیر آب، بڑے سیلاب کا خطرہ ٹل گیا

ملک میں بارشوں کے بعد سیلابی ریلے مختلف علاقوں میں تباہی مچانے کے بعد آگے ہی آگے بڑھتے جارہے ہیں۔ پنجاب میں سیلاب کی وجہ سے ہزاروں بستیاں اور لاکھوں افراد متاثر ہوئے ہیں اور لاکھوں ایکڑ اراضی پر کھڑی فصلیں تباہ ہوچکی ہیں اور سیلابی پانی سے مختلف علاقوں میں تباہی کا سلسلہ جاری ہے۔ تاہم ملتان، مظفر گڑھ اور بہاولپور کے متاثرہ علاقوں میں سیلابی پانی اترنا شروع ہوگیا ہے، جس کے بعد لوگوں نے اپنے گھروں کا رخ کرلیا ہے، لیکن کئی روز گزر جانے کے باوجود ملتان اور مظفر گڑھ کے درمیان زمینی رابطہ بحال نہیں ہوسکا ہے۔ سیلاب کے باعث جنوبی پنجاب میں رحیم یار خان، راجن پور، خان گڑھ، شجاع آباد، شہر سلطان، ٹھٹھہ سیال، مراد آباد اور بھٹہ پور سمیت مظفر گڑھ کے درجنوں علاقے پانی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ پنجاب کے مختلف علاقوں میں تباہی کی داستانیں رقم کرنے کے بعد سیلابی ریلا سندھ میں گھوٹکی اور پنو عاقل پہنچا۔ سیلابی ریلے کے ضلع گھوٹکی اور پنوں عاقم میں داخل ہونے کے باعث کچے کے متعدد علاقے زیر آب آگئے۔ کشمور، کندھ کوٹ اور گھوٹکی کے بعد سیلابی پانی شکارپور، سکھر، لاڑکانہ اور خیرپور اضلاع کے کچے کے علاقے میں داخل ہوا، جس کے باعث کئی دیہات کا زمینی رابطہ منقطع ہوگیا اور پانی کے بہاؤ میں اضافے کے باعث کچے

میں فصلیں تباہ ہوگئیں اور سو سے زاید دیہات زیر آب آ گئے۔ انتظامیہ ممکنہ صورت حال سے نمٹنے کے لیے ہائی الرٹ ہے۔ صوبائی ڈزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی کا دعویٰ ہے کہ کشمور، شکارپور، لاڑکانہ، گھوٹکی، سکھر اور خیرپور میں ممکنہ متاثرین کے لیے 122 ریلیف کیمپ قائم کیے گئے ہیں، جہاں ہزاروں افراد موجود ہیں۔ کندھ کوٹ شہر سے باہر ٹوڑھی بند کے قریب بھی دو درجن کے قریب چھوٹے خیمے لگائے گئے ہیں۔ تاہم متاثرین کے مطابق حکومت کی طرف سے قائم کے گئے ریلیف کیمپوں میں سہولتیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ انتظامیہ کے مطابق لوگ اپنے رشتے داروں کے گھروں میں جانے کو ترجیح دیتے ہیں، لیکن انھوں نے کیمپ لگا کر اپنا فرض پورا کیا ہے۔ ریسکیو ٹیموں نے اب تک ہزاروں لوگوں کو محفوظ مقامات پر منتقل کر دیا ہے، جبکہ قادرپور لوپ بند، اسد شاہ دمد مواور رونتی میں خیمہ بستیاں قائم ہیں، جنہیں بنیادی سہولیات سے آراستہ کیا جارہا ہے۔

فلڈ کنٹرول سینٹر اور محکمہ انہار کے مطابق ہیڈ پنجند پر پانی کی سطح بتدریج کمی کے بعد 3 لاکھ 90 ہزار کیوسک ہوگئی ہے۔ دریائے سندھ میں گدو بیراج کے مقام پر 24 گھنٹوں کے دوران پانی کی سطح میں 40 ہزار کیوسک کا اضافہ ریکارڈ کیا گیا، جس کے بعد بیراج میں اپ اسٹریم میں پانی کی سطح 3 لاکھ 9 ہزار اور ڈاؤن اسٹریم میں پانی کی سطح 2 لاکھ 99 ہزار کیوسک ہے۔ سکھر بیراج پر پانی کی آمد ایک لاکھ 78 ہزار کیوسک اور گھوٹکی بیراج پر

پانی کی آمد 50 ہزار 843 کیوسک تک جا پہنچی۔ واضح رہے کہ سندھ میں سیلاب کی صورتحال پر کچے کہ علاقے کو خالی کرانے کے لیے پہلے سے ہی ہدایات جاری کر دی گئی تھیں۔ ڈائریکٹر جنرل پی ڈی ایم نے الرٹ جاری کرتے ہوئے کہا تھا کہ کچے کی مجموعی آبادی 26 لاکھ ہے اور چار لاکھ کیوسک پانی سے کچے کا علاقہ ڈوب جاتا ہے۔ کچے کے علاقے زیر آب آنے کے خدشے پر مکینوں کو وارننگ جاری کردی ہے۔ محکمہ موسمیات نے صوبہ سندھ کے گدو بیراج پر سیلاب کے خطرے کی درجہ بندی کم کرتے ہوئے کہا ہے کہ اب وہاں انتہائی اونچے درجے کا نہیں، بلکہ درمیانی درجے یا پھر اونچے درجے کے سیلاب کا خدشہ ہے۔ حکام کا کہنا ہے کہ پنجاب میں مختلف مقامات پر دریا وٴں کو کٹ لگانے کی وجہ سے پانی کی رفتار اور شدت میں کمی آئی ہے، جس وجہ سے گدو کے مقام پر پانی کی آمد میں تاخیر ہوئی ہے۔ گدو کے مقام پر اس وقت (بدھ کے روز) 3 لاکھ 9 ہزار کیوسک پانی کا اخراج ہو رہا ہے، جہاں گزشتہ ہفتے 6 سے 7 لاکھ کیوسک پانی کی آمد کا امکان کا ظاہر کیا جا رہا تھا۔ وزیر اعلیٰ سندھ نے کہا کہ پنجاب سے سندھ میں چار سے پانچ لاکھ کیوسک کا سیلابی ریلا داخل ہوگا۔ کسی بھی صورتحال سے نمٹنے کے لیے سکھر، گدو اور کوٹری بیراج کے بند مضبوط کردیے گئے ہیں۔ سندھ کے کچے کے علاقوں کے مکینوں کو محفوظ مقامات پر منتقل کیا جارہا ہے۔ صورتحال دیکھ کر محسوس ہو رہا ہے کہ سیلابی پانی آسانی سے سندھ سے گزر جائے گا۔

ماہرین کے مطابق چناب میں پانی کی سطح میں کمی سے سندھ کو لاحق خطرہ کم ہوا ہے، کیونکہ دریائے چناب میں سیلابی ریلا کوئی نقصان پہنچائے بغیر گزرا۔ پنجند کے مقام پر دریائے چناب کے پانی کے اخراج کی سطح ساڑھے 4 لاکھ کیوسک رہی، جس کی وجہ اوپری بہاؤ پر متعدد مقامات اور تریموں پر زیریں بہاؤ پر متعدد شگاف ڈالنا تھی، جس سے سیلابی پانیوں کا رخ انسانی بستیوں کی جانب ہوا اور پانی کی شدت کم ہوئی۔ اس سے پہلے پنجند میں پانی کی سطح کا تخمینہ 7 لاکھ کیوسک لگایا گیا تھا۔ فلڈ فورکاسٹنگ ڈویژن نے اپنے اولین انتباہ میں گدو اور سکھر کے مقامات پر چناب میں پانی کی سطح دیکھتے ہوئے دریائے سندھ میں اونچے سے انتہائی اونچے درجے کے سیلاب کی پیشگوئی کی تھی، تاہم اب ان دونوں پلوں میں جمعرات کو درمیانے سے اونچے درجے کے سیلاب کا امکان ہے۔ دریائے چناب میں سیلاب علی پور اور جتوئی کی جانب مڑ گیا، جس کی وجہ زمیندارا اور سرکنی پشتوں میں شگاف ہیں، جس نے سینکڑوں خاندانوں کو اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا ہے۔ ضلعی حکام کے مطابق مظفر گڑھ کا 65 فیصد حصہ سیلاب کی زد میں آیا ہے۔ شہر سلطان خطرے کی زد میں ہے اور اس کے رہائشیوں کو انتظامیہ نے محفوظ مقامات کی جانب منتقل ہونے کی ہدایت کی ہے۔ 4 لاکھ 53 ہزار کیوسک کا ریلا سال پرانے پنجند ہیڈ ورکس سے آرام سے گزر گیا۔ تاہم سیلابی پانی نے احمد پور 82 ایسٹ کے 35 سے زاید دیہات کو اپنی لپیٹ میں لیا۔ انتظامیہ اور فوج نے ہیڈ ورکس کے ارد گرد سے 35 ہزار افراد کو محفوظ مقامات

اور ریلیف کیمپوں میں منتقل کر دیا تھا، مگر بیشتر افراد نے حفاظتی پشتوں پر رہنے کو ترجیح دی تھی۔ این ڈی ایم اے کے مطابق بارشوں اور سیلاب سے پنجاب، پاکستان کے زیرانتظام کشمیر اور گلگت بلتستان میں ک±ل 317 اموات ہوئی ہیں، جبکہ ساڑھے 5 سو کے قریب لوگ زخمی ہوئے ہیں۔ صرف صوبہ پنجاب میں سیلاب سے سوا 22 لاکھ لوگ متاثر ہوئے ہیں، 34 ہزار سے زیادہ مکانات کو نقصان پہنچا ہے، جبکہ 17 لاکھ ایکڑ پر کھڑی فصلیں تباہ ہوئی ہیں۔ پاک فوج کے اہلکاروں نے مظفر گڑھ کے قریب علی پور یں سیلاب میں پھنسے ہوئے لوگوں کو نکالنے کے لیے 30 کشتیاں اور دو ہیلی کاپٹر استعمال کیے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف نے کہا ہے کہ جب تک سیلاب سے متاثرہ آخری شخص بھی اپنے گھر میں دوبارہ آباد نہیں ہوجاتا، میں آرام سے نہیں بیٹھوں گا۔ سیلاب سے جن لوگوں کا نقصان ہوا انہیں ان کا حق ضرور ملے گا۔ مصیبت کی اس گھڑی میں پنجاب اور وفاقی حکومت پوری طرح چوکس ہیں۔ ذرائع کے مطابق سیلاب کی وجہ سے کچھ بچے لاپتا ہوئے ہیں، جبکہ دوسری جانب حکومت نے ہنگامی حالات میں بچھڑنے والے بچوں کے تحفظ کے لیے ایک پالیسی کو حتمی صورت دی ہے۔ نیشنل ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی (این ڈی ایم اے) کے مطابق 2010 کے سیلاب کی وجہ سے خواتین اور بچوں کو خاص طور پر ایسے چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا تھا اور قدرتی آفات کے موقع پر ردعمل ظاہر کرنے والا نظام ان چیلنجز سے نمٹنے کے لیے اچھی طرح تیار نہیں تھا۔ خواتین اور بچوں کے لیے قائم کیے گئے اس سیل

کے تحت پالیسی اور آپریشنل دونوں ہی سطح پر قدرتی آفات کے دوران کمزور گروپس کی ضروریات پر توجہ دی جائے گی۔ این ڈی ایم اے کا کہنا ہے کہ پاکستان میں مجموعی طور پر ہنگامی حالات سے نمٹنے کے دوران بچوں کے تحفظ پر توجہ نہیں دی جاتی ہے۔

کراچی: ٹارگٹ کلنگ میں اضافہ.... آپریشن کی کارکردگی پر سوالیہ نشان

کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کا سلسلہ ایک بار پھر نہ صرف تیز ہوچکا ہے، بلکہ انتہائی خطرناک اور نقصان دہ صورت اختیار کر چکا ہے۔ اب کچھ عرصے سے شاید دہشتگردوں نے اہم اور قابل ترین افراد کی ٹارگٹ کلنگ کرکے ملک کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی پالیسی اپنالی ہے۔ گزشتہ روز کراچی یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج پر گلشن اقبال میں نامعلوم افراد نے فائرنگ کرکے قتل کر دیا۔ پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج کو حکومت نے حال ہی میں تمغہ امتیاز سے نوازنے کا اعلان کیا تھا، وہ جامعہ کراچی کے شعبہ علوم اسلامی میں فقہ و تفسیر قرآن کریم کے مایہ ناز استاد تھے۔ ڈاکٹر شکیل اوج نے 2000ء میں جامعہ کراچی ہی سے ڈاکٹریٹ آف فلاسفی (پی ایچ ڈی) کی سند حاصل کی اور وہ 15 سے زاید کتابوں کے مصنف تھے۔ڈاکٹر شکیل اوج کے قتل کے بعد شہر کے مختلف تدریسی اداروں میں تعلیمی سرگرمیاں معطل کر دی گئیں اور سندھ پروفیسرز لیکچرار ایسوسی ایشن کے سربراہ نے اس واقعہ پر حکومت کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اساتذہ یونہی قتل ہوتے رہے تو شہر پڑھے لکھے لوگوں سے خالی ہو جائے گا۔ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کی حالیہ لہر کے دوران اساتذہ کو بھی دھمکیاں موصول ہوئی ہیں، تاہم ان کی حفاظت کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں کیا گیا۔ ایڈیشنل آئی جی کراچی نے ملزمان کی گرفتاری میں مدد کرنے پر بیس لاکھ روپے انعام کا اعلان کیا ہے اور واقعہ

کی تفتیش اور ملزمان کی گرفتاری کے لیے ایک خصوصی ٹیم بھی تشکیل دی ہے۔ صدر مملکت ممنون حسین، وزیراعظم نواز شریف، وزیراعلیٰ پنجاب شہباز شریف، عمران خان، سراج الحق، لیاقت بلوچ، طاہر القادری نے پروفیسر محمد شکیل اوج کے قتل کی مذمت کی ہے۔ ایک ہفتہ قبل ہی کراچی میں ملک کے معروف دینی ادارے جامعہ بنوریہ العالمیہ کے استاذ معروف عالم دین مفتی محمد نعیم کے داماد اور جامعہ کراچی کے لیکچرار مولانا مسعود بیگ کو چار موٹر سائیکل سواروں نے فائرنگ کرکے ٹارگٹ کلنگ میں قتل کیا تھا، حالانکہ ان کا تعلق کسی بھی سیاسی یا مذہبی تنظیم سے نہیں تھا۔ ان دونوں واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے اندازا لگایا جاسکتا ہے کہ کس طرح ملک کی معروف جامعات میں درس وتدریس کے فرائض انجام دینے والے اہل علم کو ایک نئی سازش کے تحت نشانہ بنایا جارہاہے۔ کراچی میں چوٹی کے ڈاکٹرز، انجینئرز، پروفیسرز، وکلائ، دانشوروں، قلمکاروں اور علمائے کرام کا قتل اب روز کا معمول بن چکا ہے۔ گزشتہ دنوں آنے والی ایک رپورٹ کے مطابق کراچی میں 2 سال کے دوران 130 ڈاکٹرز قتل اور 150 اغوا ہوئے ہیں اور دوسرے اہم شعبوں سے تعلق رکھنے والے اہم افراد کی ٹارگٹ کلنگ کے اعداد و شمار بھی اس سے مختلف نہیں ہیں۔ حکومت کی جانب سے کراچی میں ٹارگٹ کلنگ اور جرائم کی وارداتوں کو روکنے کے لیے ٹارگٹڈ آپریشن جاری تو ہے، لیکن رواں سال کے آغاز سے ہی کراچی میں پروفیشنلز اور علمائے کرام کو گھات لگا کر قتل کیا جارہا ہے اور قانون نافذ کرنے والے ادارے ٹارگٹ کلنگ کی ان وارداتوں کو روکنے میں ناکام رہے ہیں۔ 16 جنوری کو ایک معروف ڈاکٹر کو ان کے کلینک کے قریب فائرنگ کرکے قتل کیا گیا۔ 16 فروری کی شب شاہراہ فیصل

پر معروف عالم دین جمعیت علمائے اسلام کے رہنما مفتی عثمان یار خان کو قتل کیا گیا۔ 17 فروری کو ہشت گردوں کی فائرنگ سے ڈینٹل کالج کراچی کے پروفیسر ڈاکٹر جاوید قاضی جاں بحق ہوئے۔ 26 فروری کو ناظم آباد میں ایک معروف پروفیسر کو قتل کیا گیا۔ 8 اپریل کو ایک معروف ڈاکٹر کو ان کے کلینک کے باہر فائرنگ کرکے قتل کیا گیا، جبکہ دوسرے ہی روز 9 اپریل کو دارالصحت ہسپتال کے ایمرجنسی سیکشن کے ہیڈ ڈاکٹر حیدر کو ہسپتال کے باہر فائرنگ کا نشانہ بنایا گیا۔ 10 اپریل کو ایڈووکیٹ وقار الحسن اور ایڈووکیٹ غلام کشمیری کو فائرنگ کا نشانہ بنا کر قتل کر دیا گیا، جبکہ 12 اپریل کو این ای ڈی یونیورسٹی کے لیکچرار کو بھی قتل کیا گیا۔ 21 اپریل کو گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی کے پروفیسر سیف الدین کو فائرنگ کرکے قتل کر دیا گیا۔ 14 مئی کو جناح ہسپتال کے ایم ایل او ڈاکٹر منظور میمن قتل ہوئے۔ 30 مئی کو بھی ایک ڈاکٹر کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ جولائی اور اگست کے مہینوں میں بھی وکلا اور ڈاکٹر برادری سے تعلق رکھنے والوں کو قتل کیا گیا۔ 6 ستمبر کو علامہ عباس کمیلی کے بیٹے علی اکبر کمیلی کو فائرنگ کا نشانہ بنایا گیا۔ صرف چار روز بعد ہی پروفیسر مولانا مسعود بیگ کو فائرنگ کرکے شہید کر دیا گیا۔ ستمبر کو جامعہ کراچی میں اسلامک اسٹیڈیز کے ڈین پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج کو 18 فائرنگ کرکے قتل کر دیا گیا۔

دیکھا جائے تو کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کا سلسلہ ایک روز کے لیے بھی نہیں رکا۔ رپورٹ کے مطابق کراچی میں گزشتہ پانچ سال کے دوران ساڑھے آٹھ ہزار افراد کی ٹارگٹ کلنگ ہو

چکی ہے اور رواں سال صرف 8 ماہ کے دوران ہی تقریباً 1500 افراد ٹارگٹ کلنگ کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایک عرصے سے کراچی میں جرائم پیشہ افراد کے خلاف آپریشن جاری ہے، اس کے باوجود ابھی تک دہشت گردوں پر قابو نہیں پایا جاسکا، بلکہ آئے روز دہشت گرد کسی اہم شخصیت کو باآسانی نشانہ بنا لیتے ہیں، نہ تو صوبائی حکومت اور نہ ہی وفاقی حکومت ، کسی نے بھی کھلی دہشت گردی کے ان واقعات اور قتل وغارتگری کو بند کرانے کے لیے کوئی ٹھوس اور جامع اقدامات نہیں کیے ہیں اور حکومت صرف موٹر سائیکل کی ڈبل سواری پر پابندی لگا کر اپنے آپ کو ذمہ داری سے سبکدوش سمجھتی ہے یا پھر اس قسم کے بیانات دیے جاتے ہیں کہ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ میں کمی واقع ہوچکی ہے۔ چار روز قبل ہی آئی جی سندھ غلام حیدر جمالی نے دعوی کیا ہے کہ کراچی میں رواں سال ٹارگٹ کلنگ کی شرح 9 سے کم ہو کر 5 فیصد پر آ گئی ہے۔ حالات کو دیکھتے ہوئے ان کی بات پر یقین کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر ان کی بات مان بھی لی جائے تو صرف اس قسم کے بیانات سے ذمہ داری ختم نہیں ہوتی، بلکہ کراچی سے مکمل بدامنی کا خاتمہ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ یہ بات کئی بار سامنے آچکی ہے کہ کراچی میں ہونے والی دہشت گردی میں ملک دشمن غیر ملکی قوتیں ملوث ہیں، جن کا مقصد پاکستان کو عدم استحکام کا شکار کرنا ہے۔ تیسری قوت کا ذکر بعض ذمہ دار پولیس افسران بھی کرچکے ہیں، صاحب اقتدار طبقے کی ذمہ داری ہے کہ وہ دشمن ملک عناصر کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں۔ مبصرین کے مطابق کراچی میں جاری آپریشن کے باوجود ٹارگٹ کلنگ کا جاری سلسلہ کراچی میں جاری آپریشن کی کارکردگی پر واضح سوالیہ نشان ہے۔

دوسری جانب سندھ رینجرز نے شہر میں بڑھتی ہوئی ٹارگٹ کلنگ کے خلاف جاری آپریشن کی رفتار تیز کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس بات کا فیصلہ رینجرز ہیڈ کوارٹرز میں ڈی جی رینجرز میجر جنرل رضوان اختر کی زیر صدارت آپریشنل کمیٹی کے اجلاس میں کیا گیا۔ اجلاس میں امن وامان اور شہر میں ہونے والی حالیہ ٹارگٹ کلنگ کی نئی لہر کا جائزہ لیا گیا اور شہر میں بڑھتی ہوئی ٹارگٹ کلنگ کے خلاف جاری آپریشن کی رفتار مزید تیز کرنے کی بھی منصوبہ بندی کی گئی، قانون نافذ کرنے والے اداروں نے اپنے وسائل کو مربوط کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ آپریشن کی ایک نئی اور موثر مہم کا آغاز کیا جائے۔ جبکہ نئے ڈائریکٹر جنرل رینجرز سندھ میجر جنرل بلال اختر نے اپنے عہدے کا چارج سنبھال لیا ہے، اس سے قبل اس عہدے پر فرائض انجام دینے والے میجر جنرل رضوان اختر نے کمان نئے ڈی جی رینجرز سندھ کے حوالے کی۔ میجر جنرل رضوان اختر نے ڈی جی رینجرز سندھ کے عہدے پر ڈھائی سال تک خدمات انجام دیں، ان کے لیے کراچی میں امن کا قیام سب سے بڑا چیلنج رہا اور نئے ڈی جی کو بھی اسی کڑے چیلنج کا سامنا ہے۔

دھرنوں کی سیاست جاری.... ملکی معیشت سنگین خطرات کی زد میں

ملک میں تحریک انصاف اور عوامی تحریک کی طرف سے اسلام آباد میں دھرنے دیے کو ایک چلہ (چالیس دن) مکمل ہونے کو ہے۔ ان دھرنوں کے نتیجے میں ابھی تک کوئی واضح صورتحال نظر نہیں آ رہی، بلکہ دن بدن ملک و قوم کے لیے نئے نئے مسائل جنم لے رہے ہیں اور ملک ہر چڑھتے دن کے ساتھ مزید الجھن اور سیاسی طور پر عدم استحکام کا شکار تو ہو ہی رہا ہے، اس کے ساتھ پوری قوم بھی غیر یقینی صورتحال اور کشمکش میں مبتلا ہے اور سب سے افسوس کی بات یہ ہے کہ اسلام آباد میں دھرنے شروع ہونے کے بعد سے ملک کو کھربوں ڈالرز کا نقصان ہو چکا ہے اور اس نقصان میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ جبکہ دھرنا سیاست کرنے والے ابھی تک اپنی "انا" کے ہاتھوں بے بس و مجبور ہو کر اپنی ضد پر قائم ہیں اور ملکی معیشت کی بربادی کا سامان کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ خان صاحب نے تو "سول نافرمانی" کا اعلان اور پوری قوم کو سول نافرمانی کی تلقین کر کے باقاعدہ "مشن" کے تحت ملکی معیشت کو نقصان پہنچانے کی ٹھانی ہے۔ خان صاحب کے سول نافرمانی اعلان کے بعد ان کے کارکنان گرتی ہوئی ملکی معیشت کو مزید گرانے کے لیے کمربستہ ہیں۔ اقتصادی ماہرین کے مطابق ملک میں جاری سیاسی بحران ملک کو کسی بڑے معاشی بحران سے دوچار کر سکتا ہے، اگر سیاسی بحران پر جلدی قابو نہیں پایا گیا تو خطرہ ہے

کہ ملکی معیشت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے، کیونکہ ملک میں سیاسی بحران کے باعث غیر ملکی سرمایہ کاری کم ہو رہی ہے اور روپے کی قدر میں بھی دن بدن کمی واقع ہو رہی ہے۔ دھرنوں کی وجہ سے ملک کو ہونے والے نقصان کی وضاحت گزشتہ روز اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی آئندہ دو ماہ کے لیے اعلان کردہ مانیٹری پالیسی سے بھی ہوتی ہے۔ مانیٹری پالیسی کے مطابق اگرچہ ملک کی معاشی صورت حال بہتری کی جانب گامزن ہے، مالی سال 2014,15 کے آغاز سے اب تک ملک کی معیشت میں بہتری آئی ہے، لیکن اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے ملک میں جاری سیاسی تعطل کو ملکی معیشت کے لیے خطرناک قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ عوامل نجی سرمائے کی آمد، پیداوار اور غذائی اشیا کی سپلائی چین کو متاثر کر سکتے ہیں اور مہنگائی میں کمی کی کوششوں میں دشواری کا باعث ہے۔ اسٹیٹ بینک نے پالیسی ریٹ میں کوئی تبدیلی نہ کرنے اور اسے 10 فیصد رکھنے کا فیصلہ کیا ہے اور رپورٹ میں کہا ہے کہ جولائی کے زری پالیسی فیصلے کے بعد کے گرانی (headline) دور میں مستحکم معاشی حالات برقرار رہے۔ نمایاں ترین پہلو عمومی تھی، جو اگست 2014ء میں کم ہو کر 7.0 فیصد سال بسال ہو گئی، جو جون 2013ء سے اب تک پست ترین سطح ہے۔ مالی سال 14ء میں 4.1 فیصد کی بہتر شرح نمو ریکارڈ ہونے کے بعد حقیقی معاشی سرگرمی مالی سال 15ء میں جاری رہنے کی توقع ہے۔ رپورٹ کے مطابق موجودہ سیاسی تعطل، آئی ایم ایف کے چوتھے ریویو کی تکمیل میں تاخیر اور موجودہ موسلادھار بارشیں اور سیلاب جو وسطی و جنوبی

پنجاب پر چھاگئے ہیں معاشی سرگرمی میں ابتدائی بحالی کے لیے خطرے کا باعث بن رہے ہیں۔ دو اوّل الذکر عوامل نجی سرمائے کی آمد پر زیادہ اثر ڈالیں گے۔ مؤخر الذکر پیداوار اور تلف پذیر غذائی اشیا کی سپلائی چین کو متاثر کر سکتے ہیں، جو گرانی کے بصورت دیگر بہتر منظر نامے کے لیے دشواری کا باعث بن سکتا ہے۔

معاشی ماہرین کے مطابق وفاقی دارالحکومت میں جاری دھرنوں اور پنجاب میں سیلاب کے سبب ملکی معیشت کو درپیش حقیقی خطرات اسٹیٹ بینک کی جانب سے ظاہر کردہ خطرات سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ گزشتہ 2 ماہ سے سرمایہ کاری اور ٹیکس وصولی میں کمی، جب کہ زرِ مبادلہ کے ذخائر گر رہے ہیں، جس کے پیشِ نظر خدشہ ہے کہ کوئی بھی ایک بڑا اندرونی یا بیرونی دھچکا سب کچھ بہا کر لے جائے گا۔ معروف اقتصادی ماہر ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی کا کہنا ہے کہ مرکزی بینک کی جانب سے دھرنوں اور سیلاب کے پیشِ نظر ملکی معیشت کو جو درپیش خطرات ظاہر کیے گئے ہیں، حقیقت میں یہ خطرات کئی گنا زیادہ ہیں۔ زرِ مبادلہ کے ذخائر محفوظ حد سے کم ہیں، جو کسی بھی اندرونی یا بیرونی جھٹکے کی صورت میں بھاپ کی طرح اڑ سکتے ہیں۔ دھرنوں کی سیاست سے رواں مالی سال کے کوئی معاشی اہداف حاصل نہیں ہو سکتے، جس کے پیشِ نظر یہ ایک ناکام سال ثابت ہوگا۔ دھرنوں کی وجہ سے نہ صرف ملکی معیشت کو بلکہ ملکی سلامتی کو بھی خطرات لاحق ہوگئے ہیں۔ معاشی اور سیاسی طور پر کمزور پاکستان امریکا کے گریٹ گیم کا حصہ ہے، جس کے نتیجے

میں پاکستان کو کمزور کرکے ڈکٹیشن قبول کرنے پر مجبور کرنا اور شام و عراق جنگ میں پھنسانا ہے۔ ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی کا مزید کہنا تھا کہ سربراہ تحریک انصاف کی جانب سے بیرون ملک پاکستانیوں کو ترسیلات زر قانونی ذریعے سے بھیجنے سے روکنا انتہائی تشویش ناک اور عالمی جرم ہے، جس کے نتیجے میں بیرون ملک پاکستانی تحقیقات کی زد میں آ سکتے ہیں۔ ملک میں پہلے ہی ٹیکس چوری عروج پر ہے۔ عمران خان کے بیانات سے ٹیکس چوری کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔ اسی طرح خیبر پختونخوا حکومت سمیت چاروں صوبائی حکومتوں نے آئی ایم ایف سے اتفاق کیا ہے کہ 3 برسوں میں بجلی کے نرخ بڑھائے جائیں گے، جس کی دستاویز آئی ایم ایف کی ویب سائٹ پر بھی موجود ہے، لیکن اس اتفاق رائے کے باوجود عمران خان نے بجلی کا بل جلا کر عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی۔ دھرنوں کی سیاست کی وجہ سے سرمایہ کاری، بچتوں کی شرح اور ٹیکس میں کمی ہو رہی ہے، برآمدات میں اضافہ نہیں ہو رہا، معیشت کی شرح نمو متاثر ہو رہی ہے اور جاری حسابات کا خسارہ بڑھ رہا ہے۔ زر مبادلہ کے ذخائر گراوٹ کا شکار اور روپے کی قدر دباؤ میں ہے۔ جبکہ معروف معیشت دان ڈاکٹر قیصر بنگالی نے بھی دھرنوں کے ملکی معیشت پر پڑنے والے اثرات کو انتہائی خطرناک قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ کراچی کے بعد لاہور، راولپنڈی اور درمیان کے کچھ شہر معاشی لحاظ سے انتہائی اہم ہیں، لیکن حالیہ حکومت مخالف سرگرمیوں کی وجہ سے 10 روز تو مکمل طور پر ان شہروں میں صنعتی اور تجارتی سرگرمیاں

متاثر ہوئیں اور اس کے بعد بھی تاحال تجارتی و صنعتی سرگرمیاں معمول پر نہیں آسکیں۔
اس دوران 3، 4 کیسز ایسے سامنے آئے ہیں کہ برآمد کنندگان کا مال بندرگاہ پر بروقت نہیں پہنچ سکا اور جہاز خالی روانہ ہوا، جس سے ان برآمد کنندگان کو نقصان تو ہوا، لیکن اس کے ساتھ ہی ایسے کیسز میں خریدار ہاتھ سے نکلنے کی صورت میں مستقل نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ دھرنے جتنے طول پکڑتے جائیں گے، اس قسم کے کیسز مزید بڑھتے چلے جائیں گے۔ اس وقت سب سے بڑا نقصان غیر یقینی صورت حال کو دیکھتے ہوئے خریداروں کی جانب سے پاکستانی برآمد کنندگان کو آرڈرز نہ دینے کا رجحان ہے، جس کا ملکی معیشت کو بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ موجودہ حالات آئی ایم ایف کے حق میں ہیں، ملکی معاشی صورت حال کو دیکھتے ہوئے آئی ایم ایف کو پاکستان کا ہاتھ مروڑنے میں آسانی ہوگی۔ اسی طرح اقتصادی ماہر خرم شہزاد کے مطابق ملک میں جاری سیاسی صورت حال کے باعث جولائی اور اگست کے دوران جاری حسابات کا خسارہ ایک ارب 37 کروڑ 20 لاکھ ڈالر ہوگیا ہے، جو گزشتہ سال اس عرصے میں 58 کروڑ ڈالر تھا۔ اسی طرح غیر ملکی سرمایہ کاری، معاشی شرح نمو اور دیگر معاشی اعشاریے بھی دباؤ کا شکار ہیں۔ موجودہ صورت حال جتنی جلد بہتر ہوگی، نقصان کم ہوگا اور یہ حالات جتنے طول پکڑتے جائیں گے، نقصانات کا دائرہ بھی بڑھتا چلا جائے گا۔
مبصرین کے مطابق ملک میں جاری سیاسی غیر یقینی صورت حال کے منفی اثرات ملکی

معیشت پر دن بدن مرتب ہو رہے ہیں۔ صنعت کار اور ملکی و غیر ملکی تجارتی کمپنیاں سیاسی استحکام کے حوالے سے گومگو کی کیفیت کا شکار ہیں۔ انھیں یہ خدشات لاحق ہیں کہ سیاسی صورت حال میں کسی قسم کی تبدیلی سے ان کے کاروبار کو شدید نقصان پہنچے گا۔ جب سے حکومت کے خلاف دھرنوں اور مارچ کا آغاز ہوا ہے، ملک بھر میں معاشی سرگرمیوں کی رفتار سست ہو گئی ہے۔ موجودہ حکومت کو توانائی کے بحران، کمزور معاشی اشاریے اور امن و امان کی بگڑتی صورت حال سمیت بہت سے چیلنج درپیش ہیں، اب سیاسی افق پر ابھرنے والے نئے چیلنجز نے اس کے مسائل میں اضافہ کر دیا ہے۔ جس وقت موجودہ حکومت نے اقتدار سنبھالا اس وقت ڈالر کی قیمت 110 روپے سے تجاوز کر چکی تھی، جو اللہ اللہ کر کے 98 روپے پر آئی تھی لیکن دھرنوں کی "برکت" سے ایک بار پھر 103 سے تجاوز کر چکی ہے۔ گزشتہ چار ہفتوں سے پاکستان میں جاری سیاسی عدم استحکام اور دارالحکومت اسلام آباد میں دیے گئے تحریک انصاف اور عوامی تحریک کے دھرنوں نے ملک کی معیشت کو بحران سے دوچار کر دیا ہے۔ وزارت خزانہ کے حکام کے مطابق روپے کے قدر میں کمی اور ڈالر کی قیمت میں اضافے کی وجہ سے پاکستان کے ذمہ واجب ادا قرضوں میں 200 ارب روپے کا اضافہ ہو چکا ہے۔ دھرنوں کے سبب ملک کی معیشت کو اب تک مجموعی طور پر کئی کھرب روپے کا نقصان ہو چکا ہے۔ اقتصادی امور پر گہری نظر رکھنے والے تجزیہ کاروں کے مطابق دارالحکومت میں دیے گئے دھرنوں نے ملک کی معیشت پر نہایت منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس بحران کے بعد ملکی

کرنسی کی قدر چار فیصد سے زیادہ گر چکی ہے، زرمبادلہ کے ذخائر کم ہوئے اور پھر آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے وفود نے پاکستان آنے سے انکار کیا۔ اس صورت حال میں جہاں سرمایہ کار یہاں آنے سے گریزاں ہیں، وہیں تاجر سرمایہ منتقل کرنے پر غور کر رہے ہیں، جو کہ ملکی معیشت کے لیے خطرے کی علامت ہے۔ اس کے علاوہ دھرنوں کی وجہ سے ملکی معیشت کو کئی اور نقصانات بھی ہوئے ہیں، جن کا تدارک ممکن نہیں ہے۔

سیلاب کی تباہ کاریاں.... عوام کی معاشی و سماجی مشکلات میں اضافہ

پنجاب اور سندھ میں تباہی کی داستانیں رقم کرنے کے بعد سیلابی ریلے کا زور ٹوٹ گیا ہے۔ سیلابی ریلے پنجاب اور سندھ میں گھر، دیہات، فصلوں، مال مویشی اور زندگیوں کا خراج لے کر بحیرہ عرب کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ گڈو بیراج میں پانی کا بہاؤ اس وقت نارمل ہے، جہاں پانی کی آمد ایک لاکھ 95 ہزار 937، جبکہ اخراج ایک لاکھ 73 ہزار 503 کیوسک ہے۔ سکھر بیراج میں نچلے درجے کا سیلاب ہے، جہاں پانی کی آمد 2 لاکھ 55 ہزار 660 اور پانی کا اخراج دو لاکھ 3 ہزار 600 کیوسک ریکارڈ کیا گیا۔ گھوٹکی سمیت کچے کے علاقے میں سیلاب متاثرین اب ایک نئی امید اور آس کے ساتھ اجڑے آشیانوں کو پھر سے بسانے لوٹ آئے ہیں۔ مظفرگڑھ، ملتان اور علی پور سمیت جنوبی پنجاب کے متاثرہ علاقوں میں بھی سیلابی پانی بتدریج کم ہو رہا ہے، تاہم متاثرین کی مشکلات ابھی تک برقرار ہیں۔ اکثر متاثرہ علاقوں میں لوگوں نے زندگی کو پھر سے ٹریک پر لانے کی کوششیں بھی شروع کر دی ہیں، کوئی اپنی مدد آپ کے تحت سر چھپانے کا ٹھکانہ کر رہا ہے، کوئی برباد کھیتی آباد کرنے کی فکر میں ہے، بہت سے ایسے بھی ہیں جو ابھی تک امداد کی راہ تک رہے ہیں۔ جبکہ لوگوں کی بڑی تعداد کو کشتیوں میں محفوظ مقامات پر لے جایا جا رہا ہے، کیونکہ سیلابی پانی گھروں میں ٹھہرنے کی وجہ سے مکانوں میں

خطرناک دراڑیں پڑ گئی ہیں، وہ گھر اب رہنے کے قابل بھی نہیں رہے۔ سیلاب زدہ افراد اونچے مقامات پر کھلے آسمان تلے پناہ لینے پر مجبور ہیں۔ شدید حبس اور رات کو مچھروں کی وجہ سے چھوٹے بچے مختلف بیماریوں میں مبتلا ہوتے جارہے ہیں، سیلابی پانی ٹھہرنے کی وجہ سے لوگوں میں جلدی بیماریوں کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی وبائی امراض پھیلتے جارہے ہیں۔ سندھ میں دریا سے ملحقہ کچے کے علاقوں میں پانی داخل ہونے سے کھڑی فصلوں کو شدید نقصان پہنچا ہے۔

مبصرین کے مطابق سیلاب تو ملک میں تباہی کی تاریخ رقم کرکے گزر چلا ہے، لیکن اس کے ملک پر مرتب ہونے والے مضر اثرات انتہائی بھیانک ہیں۔ گزشتہ دنوں اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے سیلاب کو ملکی معیشت کے لیے خطرناک قرار دیا تھا اور تجزیہ کاروں کے مطابق ملک میں سیلاب کی تباہ کاریاں زرعی معیشت کے لیے زبردست چیلنج بن گئی ہیں، سیاسی بحران کے بعد زرعی پیداوار میں اہمیت کے حامل علاقوں میں بدترین سیلاب کے منفی اثرات ملک کی مجموعی معاشی صورتحال اور اسٹاک ایکس چینجز میں درج کمپنیوں کی مالیاتی کارکردگی پر بھی مرتب ہو رہے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ سیلاب کی وجہ سے اہم زرعی فصلوں کی پیداوار کے ساتھ پیداواری شعبوں کی سرگرمیاں بھی متاثر ہونے کے خدشات لاحق ہوگئے ہیں، جبکہ شعبہ خدمات میں ٹرانسپورٹیشن سیکٹر کی کارکردگی بھی متاثر ہوگی، جس کی وجہ سے صنعتوں کی پیداوار متاثر ہو سکتی ہے اور مصنوعات کی

قیمتیں بڑھنے کا خدشہ ہے، جس کی وجہ سے ملک میں افراط زر کی شرح میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ شعبہ خدمات کا ملک کے جی ڈی پی میں 58 فیصد حصہ ہے۔ موجودہ حالات کے تناظر میں تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ رواں مالی سال اقتصادی شرح نمو 4.5 فیصد کے ابتدائی اندازوں سے کم ہو کر 4.2 فیصد رہنے کا اندیشہ ہے، جبکہ ملک میں افراط زر کی شرح 7.5 سے 8 فیصد کے درمیان رہ سکتی ہے۔ سیلاب سے ملک میں تقریباً 15 لاکھ ایکڑ اراضی پر کھڑی فصلیں تباہ ہوئیں ہیں۔ سیلاب کے باعث پنجاب کے وسطی اور جنوبی اضلاع میں کاشت کی جانے والی نقد آور فصلوں یعنی چاول، کپاس اور گنے کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ تاحال سیلاب سے ہونے والے نقصانات کا تخمینہ لگایا جا رہا ہے، لیکن کسانوں کی ایک نمائندہ تنظیم ایگری فورم پاکستان کے سربراہ ابراہیم مغل کے مطابق لاکھوں ایکڑ پر کھڑی گنے، چاول اور کپاس کی فصلوں کے علاوہ سبزیوں اور چارے کے کھیت بھی سیلابی ریلے کی زد میں آئے، جب کہ ہزاروں مویشی بھی اس کا شکار ہوئے۔ چونکہ کپاس سے تیار کردہ مصنوعات اور چاول بڑے پیمانے پر برآمد بھی کیے جاتے ہیں، لہٰذا سیلاب سے ان فصلوں کو پہنچنے والے نقصان سے پاکستان کو تجارتی خسارے کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔ ساڑھے 16 ارب ڈالر کی کپاس اور اس کی مصنوعات کی برآمدات ہوتی ہیں، لہٰذا بڑھنے کی بجائے ان کے کم ہونے کا اندیشہ ہے، جبکہ ہمارا چاول دو ارب ڈالر کا برآمد ہوتا ہے، اس دفعہ 10 لاکھ ٹن چاول بھی نہیں ملے گا اور 10 سے 15 ہزار مویشیوں کا بھی نقصان ہوا ہے،

تیسری بڑی برآمدات چمڑے اور چمڑے کی مصنوعات کی ہوتی ہیں اور وہاں اس قدر پریشانی ہے کہ وہ برآمدات بھی متاثر ہو سکتی ہیں۔ فصلوں کی تباہی سے زرعی شعبے کو ارب روپے تک کا نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے۔ کاشتکار تنظیموں کے اعداد و شمار کے 260 مطابق پنجاب میں سیلاب سے کپاس، چاول، گنا، سبزیوں، پھلوں اور چارے کی فصلیں تباہ ہو گئیں۔

ذرائع کے مطابق ملک میں سیلاب سے معیشت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے، جس کے باعث مہنگائی میں 100 فیصد اضافے کا خدشہ ہے۔ یہ ہی صورتحال برقرار رہی تو تمام اشیاء مڈل کلاس لوگوں کی قوت خرید سے باہر ہو جائیں گی۔ ملک میں تباہ کن سیلاب نے تمام زرعی فصلوں کو بری طرح نقصان پہنچایا ہے، جس سے زرعی شعبہ کی گروتھ میں 45 فیصد تک کمی پر غور کیا جا رہا ہے۔ تاہم صوبوں کی جانب سے نقصانات کے حتمی تخمینہ جات سامنے آنے کے بعد زرعی ترقی کے اہداف ریوائز کیے جائیں گے۔ سیلاب کے باعث زرعی فصلوں کو نقصان پہنچنے سے سبزی اور پھلوں کی کمی کے باعث ان کی قیمتیں بھی آسمان پر پہنچنے کے خدشات ہیں۔ ذرائع کے مطابق سیلاب کی وجہ سے تباہ کاریوں سے میکرو اکنامک اہداف پر نظرثانی کے ساتھ ملک میں مہنگائی میں 100 فیصد تک اضافے کے خدشات ظاہر کیے جا رہے ہیں، حکومت نے جاری مالی سال کے دوران افراط زر کی شرح کا ہدف 7 فیصد مقرر کیا ہے، تاہم جتنا معیشت کو نقصان ہو چکا ہے، اس کے بعد افراط زر کی شرح 14 فیصد

کی بلند ترین سطح تک پہنچنے کا امکان ہے۔ مارکیٹ ذرائع کے مطابق جاری مالی سال کے بجٹ سے پہلے اور بجٹ کے بعد ذخیرہ اندوزوں اور ناجائز منافع خوروں نے بنیادی اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے اور آئندہ دنوں میں اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں مزید اضافے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ سیلاب کے باعث سبزیوں اور پھلوں کی سپلائی متاثر ہونے کے باعث ملک بھر میں سبزیوں کی قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے۔ ملک بھر میں سیلاب کے نام پر آڑھتیوں اور دکانداروں نے اندھیر مچاتے ہوئے سبزیاں و پھل دوگنا مہنگے کر دیے ہیں، انتظامیہ کا پورے ملک میں کوئی وجود نہیں، جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سستے بازار مہنگائی میں عام مارکیٹوں سے آگے نکل گئے۔ سستے بازاروں میں دکانداروں نے ایک ہی رٹ لگا رکھی ہے کہ سیلاب کی وجہ سے جہاں ایک جانب سبزیوں کو نقصان پہنچا، وہیں دوسری جانب راستے بند ہونے کی وجہ سے سپلائی متاثر ہو رہی ہے۔

دوسری جانب ذرائع کے مطابق سیلاب کے باعث 5 ارب روپے کے ٹیکسسز وصول نہیں کیے جا سکیں گے۔ سیلاب کی تباہ کاریوں کے بعد رواں سال کے ریونیو ٹارگٹ میں تبدیلی پر غور شروع کر دیا گیا ہے۔ آبیانہ اور زرعی انکم ٹیکس کے علاوہ تمام ٹیکسز مقررہ اہداف کے مطابق وصول کیے جائیں گے۔ بورڈ آف ریونیو کی جانب سے سیلاب سے قبل رواں سال کا ٹارگٹ 41 ارب، 26 کروڑ 60 لاکھ روپے رکھا

گیا، جس میں تبدیلی کے حوالے سے جلد سمری وزیراعلیٰ پنجاب کو بھجوائی جائے گی، جس کی منظوری کے بعد نئے اہداف رکھے جائیں گے۔ سیلاب کی تباہ کاریوں کے باعث کسانوں کو آبیانہ، زرعی انکم ٹیکس معاف کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے سیلاب سے قبل رکھے اہداف کے مطابق ریکوری ناممکن ہو گئی ہے۔ ذرائع کے مطابق سیلاب کے باعث تعلیمی نظام بھی درہم برہم ہوا ہے۔ پنجاب میں سیلاب کی وجہ سے 21 لاکھ سے زاید بچوں کی پڑھائی متاثر ہوئی ہے۔ پنجاب کے 11 اضلاع میں 1954 اسکول اور 51 سے زاید کالجز متاثر ہوئے ہیں، ان اسکولز و کالجز کی بحالی کے لیے سرکار کو 7 ارب 80 کروڑ روپے سے زاید درکار ہوں گے۔ جبکہ محکمہ تعلیم کے مطابق پنجاب میں سیلاب کے باعث 824 تعلیمی ادارے بند ہو گئے ہیں۔ بچوں کا تعلیمی سال ضائع ہونے سے بچانے کے لیے تدریسی عمل قریبی اسکولوں میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ صوبائی وزیر تعلیم رانا مشہود کا کہنا ہے کہ طالب علموں کو تمام تر سہولتیں مہیا کی جائیں گی اور متاثرہ تعلیمی اداروں کی بحالی کا کام 3 ماہ میں مکمل کرلیا جائے گا۔ مبصرین کے مطابق ملک میں حکومتوں کی جانب سے شدید بارشوں یا سیلاب سے انسانی جانوں اور املاک کے نقصان کو کم کرنے کے لیے مناسب انتظامات نہیں کیے گئے، بلکہ اس کے برعکس وہ اربوں روپے ریسکیو اور امداد کے اقدامات پر اسی وقت خرچ کرتی ہیں، جب لوگ بری طرح قدرتی آفات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر حکومت پہلے سے ہی سیلاب کے نقصانات سے بچنے کے انتظامات کرے تو کافی حد تک سیلاب کے نقصانات سے بچا

جاسکتا ہے۔ جس میں سب سے اہم مزید ڈیمز کی تعمیر ہے، نئے ڈیمز بنا کر پانی کو محفوظ کرکے سارا سال استعمال کیا جاسکتا ہے۔

وفاقی کابینہ کا اجلاس.... عوام کو بڑے فیصلوں کی نوید

ملک ایک طویل عرصے سے بے بہا سنگین مسائل و مشکلات کا شکار ہے۔ ہر نکلتے سورج کے ساتھ یہاں کے عوام کے لیے مزید مسائل جنم لے کر ان کی پریشانیوں میں اضافے کا سبب بنتے رہتے ہیں اور حکومت وقتاً فوقتاً مختلف فیصلے تو کرتی ہے، لیکن ان کا تعلق عوام کی بجائے حکومت اور حکومتی ارکان سے متعلق ہوتا ہے اور اگر حکومت کبھی عوام سے متعلق فیصلے کرتی ہے تو ان میں اکثر مہنگائی کے فیصلے ہوتے ہیں، جن سے عوام پر مثبت کی بجائے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس طرح عوام کو کبھی کبھار ہی حکومت کی جانب سے اچھے فیصلوں کی صورت میں خوشی نصیب ہوتی ہے۔ لہٰذا گزشتہ روز وزیراعظم نواز شریف کی زیر صدارت وفاقی کابینہ کے اجلاس میں متعدد اہم فیصلے کیے گئے ہیں، جو براہ راست عوام سے متعلق ہیں، جن پر عمل درآمد کرکے بے پناہ مسائل کی شکار قوم کی پریشانیوں میں کمی لائی جاسکتی ہے۔ وزیر اطلاعات و نشریات پرویز رشید کے مطابق کابینہ کے اجلاس میں چار بڑے فیصلے کیے گئے۔ پہلا فیصلہ یہ ہے کہ سرکاری ملازمتوں پر عاید پابندی اٹھالی گئی ہے، ماضی میں سرکاری نوکریوں کو میرٹ کے بغیر ذاتی پسند و ناپسند اور جماعتی وابستگیوں کے حوالے سے لوگوں کا تقرر کیا جاتا تھا۔ حکومت نے فیصلہ کیا تھا کہ نوکریاں میرٹ پر دینا عوام کا بنیادی حق ہے۔ سرکاری نوکری صلاحیت،

قابلیت، میرٹ اور شفاف طریقے سے دی جائے گی۔ جماعتی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر لوگوں کو ان کا حق دیا جائے گا۔ تمام محکمے خالی اسامیوں پر بھرتیاں کرنے میں آزاد ہوں گے۔ بھرتیوں کی نگرانی کابینہ کی ایک کمیٹی کرے گی اور کمیٹی ان اصولوں کی نگرانی کرے گی، جن کی بنیاد پر بھرتیوں کا فیصلہ کیا ہے، تاکہ کسی کو یہ شکایت نہ ہو کہ نوکری میرٹ کی بجائے سفارش پر دی گئی ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ حکومت کا سرکاری ملازمتوں سے پابندی اٹھالینا ایک عمدہ اور قابل تعریف فیصلہ ہے، وفاقی کابینہ میں کیے گئے اس فیصلے سے جہاں ایک طرف ملک کے پڑھے لکھے طبقے میں حکومت کے حوالے سے اچھے خیالات اور جذبات پیدا ہوں گے، وہیں تعلیم یافتہ طبقے میں احساس محرومی بھی ختم ہوگا، کیونکہ سرکاری نوکریوں پر پابندی کی وجہ سے ملک کا تعلیم یافتہ طبقہ انتہائی احساس محرومی کا شکار ہے، نوکریاں نہ ملنے کہ وجہ سے لوگ تعلیم حاصل کرنا چھوڑنے پر مجبور ہیں اور اس کے ساتھ نوکریاں نہ ملنے کہ وجہ سے ملک میں جرائم کی شرح میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔پڑھا لکھا طبقہ نوکری نہ ملنے کی صورت میں مزدوری کرنے پر مجبور ہوتا ہے یا پھر بہت سے تعلیم یافتہ نوجوان مزدوری پر ڈاکا اور چوری وغیرہ کو ترجیح دیتے ہیں، لہٰذا اب حکومت کی جانب سے نوکریوں پر پابندی ختم کرنے سے ملک میں تعلیم یافتہ طبقے کے بہت سے مسائل کے سامنے بند باندھنے کی کوشش کی ہے۔

کابینہ اجلاس میں کیے گئے دوسرے فیصلے کے مطابق سیلاب زدگان کو 25 ہزار روپے فی خاندان عید سے پہلے ادا کردیے جائیں گے، اس کے لیے نصف رقم صوبائی اور نصف رقم وفاقی حکومت فراہم کرے گی۔ 2010ء کے سیلاب میں بھی اسی اصول پر عمل کیا گیا تھا۔ سیلاب متاثرین کو شفاف انداز میں ادائیگیاں کی جائیں گی۔ وفاقی حکومت فصلوں، گھروں کی تعمیر، دکانوں اور مویشیوں کے نقصان کے لیے بھی رقوم فراہم کرے گی۔ وزیراعظم نے اس کے لیے ہدایات جاری کردی ہیں اور پانی اترنے کے بعد نقصانات کا تخمینہ مکمل کرلیا جائے گا اور اس میں بھی شفافیت کو یقینی بنایا جائے گا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ سال رواں ملک میں آنے والے سیلاب سے بڑے پیمانے پر تباہی مچی ہے، جہاں سیکڑوں لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، وہیں لاکھوں لوگ بے گھر اور ہزاروں مکانات تباہ ہوچکے ہیں، ان حالات میں لوگ بے یارومددگار امداد کے طلب گار ہیں، لہٰذا حکومت نے سیلاب زدگان کی امداد کا فیصلہ کرکے بہت ہی بہتر قدم اٹھایا ہے، لیکن اس امر کی ضرورت ہے کہ ان فیصلوں پر عمل درآمد بھی یقینی بنایا جائے۔

تیسرا فیصلہ بجلی کے بلوں سے متعلق ہے، جس میں گزشتہ ماہ صارفین کو اضافی یونٹس ڈال کر ایڈوانس رقوم وصول کی گئیں۔ 200 یونٹ استعمال کرنے والے جن لوگوں سے گزشتہ ماہ کے بل میں گزشتہ سال کے مقابلے میں زیادہ رقم وصول کی گئی تو ان کی رقوم واپس کردی جائیں گی۔ 200 سے زاید یونٹس استعمال کرنے والوں کا بل اگر گزشتہ سال کے مقابلے میں 5 فیصد زیادہ ہے، تو ان کی رقوم تین قسطوں میں

ایڈجسٹ کی جائیں گی۔ عابد شیر علی کا کہنا تھا کہ وزیراعظم نے بجلی کے بلوں میں اضافے کے معاملے کی تحقیقات کا حکم دے دیا ہے، بجلی چوری اور کرپشن میں ملوث افراد کے خلاف سخت کارروائی کا حکم دے رکھا ہے۔ وزیراعظم نے بلوں میں اضافے کو واپس لیتے ہوئے تین مختلف کمپنیوں کو آڈٹ کرنے کے لیے مقرر کرنے کی بھی ہدایت کی ہے۔ جس کمپنی کی طرف سے زاید بل دیے گئے اس کے خلاف سخت ایکشن لینے کا بھی کہا گیا ہے۔ بلوں میں اضافے کی رپورٹ وزیراعظم کو پیش کردی ہے، آڈٹ کے فیصلے پر وزیراعظم نے تین دنوں میں عملدرآمد کی ہدایت کی ہے۔ اضافی بل محکمے کی ملی بھگت کے بغیر ممکن نہیں۔ اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں، زاید بلوں کے معاملے میں جو بھی ملوث ہوگا، اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ بجلی چور دندناتے پھر رہے ہیں اور عدالت سے حکم امتناعی حاصل کرتے ہیں۔ 52 ارب روپے ریکوری کرنی ہیں، مگر عدالتوں کے حکم امتناعی کے باعث وصول نہیں کرپا رہے۔ وزیر مملکت عابد شیر علی نے کہا ہے کہ بجلی چوری کی ہزاروں ایف آئی آر درج ہیں۔ اپنے قانونی مشیروں کے ذریعے بجلی چوروں کی ضمانتیں منسوخ کرانے اور نئے آرڈر ختم کرائے جائیں گے۔ میٹر ریڈنگ پرائیویٹ کمپنیوں سے بھی کرائی جائے گی، تاکہ شکایات کا ازالہ کیا جاسکے۔

باخبر ذرائع کے مطابق وفاقی کابینہ کے اجلاس میں صارفین بجلی سے اضافی بل وصول کرنے کے معاملہ پر ایک بار پھر وفاقی وزارت پانی و بجلی کو شدید تنقید

کا نشانہ بنایا گیا، جس پر وفاقی وزیر پانی و بجلی خواجہ آصف نے ذمہ داری قبول کرتے ہوئے مستعفی ہونے کی پیشکش کر دی، تاہم وزیر اعظم محمد نواز شریف نے ان کے مستعفی ہونے کی پیشکش مسترد کر دی اور کام جاری رکھنے کی ہدایت کی۔ اجلاس کا نصف وقت بجلی کے زاید بلوں پر بحث کی نذر ہو گیا، ساتھی وزرا نے کم و بیش 2 گھنٹے تک بجلی کے بلوں میں اضافے پر تنقید کی، وہ زاید بلوں پر پھٹ پڑے، وفاقی وزیر پانی و بجلی خواجہ آصف زچ ہو کر اجلاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ اجلاس کے دوران وفاقی وزرا کا پانی و بجلی کے معاملات میں "بیرونی مداخلت" پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا، وزیر اعظم سے کہا گیا کہ وزارتوں کے معاملات میں "بیرونی مداخلت" کو روکا جائے۔ ذرائع کے مطابق ڈاکٹر مصدق ملک کی سربراہی میں قائم کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں اس بات کی تصدیق کی کہ صارفین سے بجلی کے زاید بل وصول کرنے کی شکایات حقیقت پر مبنی ہیں، جس پر وزیر اعظم نے 200 یونٹ بجلی استعمال کرنے والے صارفین کے بل آئندہ ماہ کے بل میں ایڈجسٹ کرنے کا حکم جاری کیا۔ ذرائع کے مطابق وفاقی کابینہ کے اجلاس میں بیرونی مداخلت کو "لاہور" سے ہونے والی مداخلت سے تعبیر کیا گیا اور کہا گیا ہے کہ کچھ دیگر افسر بھی براہ راست وفاقی وزارت پانی و بجلی کے حکام کو ہدایات دیتے ہیں۔ وفاقی کابینہ کے اجلاس میں ہونے والا چوتھا فیصلہ یہ تھا کہ مزدور کی کم از کم اجرت 12 ہزار روپے کرنے کے فیصلے کو قانونی تحفظ فراہم کیا جائے گا۔ کم سے کم اجرت کے قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں

کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ مبصرین نے اس فیصلے کو بھی بہت سراہتے ہوئے کہا ہے کہ مزدور کی اجرت کے حوالے سے کم از کم 12 ہزار روپے مقرر کرنا ایک اچھا قدم ہے، اگرچہ اس مہنگے ترین دور میں بارہ ہزار روپے بھی گزارا کرنے کے لیے کم ہیں، لیکن ملک میں بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جن کو حکومت کی جانب سے مقرر کردہ دس ہزار روپے اجرت بھی نہیں ملتی، ان حالات میں حکومت نے پندرہ ہزار روپے مقرر کرکے مزدور طبقے کی مشکلات کافی حد تک کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ مبصرین کے مطابق وفاقی کابینہ میں ہونے والے تمام فیصلے بہت ہی قابل تحسین ہیں، لیکن حقیقت میں یہ قابل تعریف اسی صورت میں بنیں گے جب ان پر عمل ہوگا، یہ نہ ہو کہ ہر بار کی طرح یہ فیصلے بھی عوام کی خوشی کا وقتی سامان ثابت ہوں۔

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

کسی بھی ملک کی تعمیر و ترقی اور عظمت و استحکام میں اس ملک کے افراد ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کسی قوم کو دنیا کی صف اول میں لا کھڑا کرنے اور عزت و شرف کی قبا پہنانے میں اس قوم کے افراد نمایاں کردار ادا کرتے ہیں، وہی ملک ترقی کے زینے چڑھتا ہوا اوج فلک پر جلوہ نما ہو کر دوسروں کے لیے مثال بنتا ہے، جس کے افراد میں محنت و جدو جہد، فہم و فراست، سمجھداری اور سنجیدگی پائی جاتی ہو۔ جس قوم کو مذکورہ اوصاف سے مزین افراد میسر آ جائیں تو ان کا ملک دنوں میں ہی پوری دنیا میں سورج کی طرح چمکتا دکھائی دیتا ہے۔ قوم افراد کے مجموعے کو کہتے ہیں اور مختلف افراد مل کر لفظ قوم کے الفاظ و مفاہیم کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔ قوموں کی ترقی و تنزلی کا فیصلہ افراد کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ شاعر مشرق کہتے ہیں

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ ! !

اس حقیقت سے بھی انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ کسی قوم کو اوج ثریا سے تنزلی کی گھاٹیوں میں گرانے میں بھی افراد ہی کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر کسی

قوم کے افراد محنت و جدو جہد، فہم و فراست، سمجھداری اور سنجیدگی سے محروم ہوں تو پھر تنزلی ہی قوموں کے مقدر میں لکھی جاتی ہے۔ ہزار ہا افسوس کہ ہمیں اپنے ملک میں غیر سنجیدگی و عدم فہم و شعور کے مظاہر زندگی کے ہر موڑ پر نظر آتے ہیں اور اس حوالے سے ہمارا نوجوان طبقہ پیش پیش دکھائی دیتا ہے، حالانکہ نوجوان طبقہ کسی بھی قوم کا انتہائی قیمتی سرمایہ ہوتا ہے۔ نوجوانوں میں قوموں کو ترقی کی راہ پر ڈالنے کا جذبہ اور اپنے ملک کا نام روشن کرنے کی امنگ ہوتی ہے۔ ان کی قابلیت و صلاحیتیں انہیں حالات کا رخ موڑ دینے کا حوصلہ عطا کرتی ہیں۔ نوجوان طبقے کی صلاحیتوں کو اگر مثبت انداز میں کام میں لایا جائے تو ترقی و کامیابی قوموں کے قدم چومتی ہے ں، لیکن اگر قوموں کے اس سرمائے کو منفی سرگرمیوں میں استعمال کیا جائے تو یہ صلاحیتیں قوموں کے لیے وبال بن جایا کرتی ہیں۔ جب یہی نوجوان طبقہ اپنے تمام اوصاف اور ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال کر غیر سنجیدگی اور کم ہمتی کا دامن تھام لے تو پھر اس طبقے سے ترقی کی امیدیں وابستہ کرنا خام خیالی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

افسوس! ہمارے ملک میں قوم کے ماتھے کے جھومر اس نوجوانوں طبقے کو غلط استعمال کیا جاتا ہے۔ سیاست دان ہر بار کسی نئے ہی نعرے کی آڑ میں ملک کے نوجوانوں کو راہ راست سے ہٹاتے ہے ں، ان کو سنجیدہ اور معتدل مزاج بنانے کی

بجائے غیر سنجیدہ اور انتہا پسند بنا دیا جاتا ہے، ان کو دوسروں کا ادب کرنے کی تعلیم دینے کی بجائے دوسروں کی توہین کرنے پر ابھارا جاتا ہے، ہر جماعت کا کارکن اپنے لیڈر کو اپنا آئیڈل سمجھتا ہے، اس کے نقش قدم پر چلتا ہے، اس کی زبان بولتا ہے اور اس کے طور طریقے اپناتا ہے، لیڈر کی حرکات و سکنات غیر شعوری طور پر اپنے کارکنوں کی تربیت کر رہی ہوتی ہیں، کیونکہ کارکن اپنے لیڈر کی ہر بات کا اثر قبول کرتے ہیں۔ ہر جماعت کا یہی معاملہ ہے۔ ان حالات میں جب کسی بھی جماعت کا لیڈر اپنے کارکنوں کے سامنے دوسرے لیڈروں پر بلا دھڑک طعن و تشنیع کرے، ان پر کیچڑ اچھالے اور ان کو برا بھلا کہے تو اس سے کارکن صرف اپنے لیڈر کو ہر خطا سے معصوم اور باقی سب کو غلط ترین انسان تصور کرنے لگتے ہیں اور غیر شعوری طور پر کارکنوں میں حریف جماعتوں کے لیڈروں کی توہین کے جذبات ابھرتے ہیں، جس سے آہستہ آہستہ ان قبیح و مکروہ جذبات کا مختلف طریقوں سے ظہور ہونا شروع ہو جاتا ہے اور دوسروں کی توہین کا دروازا کھل جاتا ہے اور پھر ملک کو مشکلات سے نکالنے کا عزم لے کر اٹھنے والا یہی نوجوان طبقہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اپنا اکثر وقت سوشل میڈیا پر بیٹھ کر اپنی حریف جماعتوں کو برا بھلا کہتے ہوئے گزارتا ہے۔ ملک میں موجودہ سیاسی بحران میں اپنے سیاسی لیڈروں کی محبت میں سرشار کارکنوں میں عدم سنجیدگی و عدم برداشت کی ایسی انتہا نظر آئی کہ الامان و الحفیظ۔ مخالف سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کو سوشل "میڈیا پر "ثواب

اور مشن سمجھ کر برا بھلا کہا گیا اور ان کی توہین کی گئی۔ مخالف سیاسی جماعتوں کے خلاف سوشل میڈیا پر "جنگ" لڑنے والے طبقے نے حریف سیاسی لیڈروں کی جو توہین کی وہ تو رہی ایک طرف، بلکہ "نئے پاکستان" کے "معماروں" نے تو "پرانے پاکستان" کے غیر جانبدار شمار کیے جانے والے بہت سے صحافیوں کے خلاف بھی وہی طوفان بد تمیزی برپا کیا، جس طوفان میں اپنے حریفوں کو نیست و نابود اور غرق کرنا چاہتے ہیں۔

حالانکہ صحافی کا کام تجزیہ کرنا ہے، اس کی بات سے اگر کسی کو اختلاف ہو تو اس کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے، سب کا صحافی کی بات سے متفق ہونا ممکن نہیں ہے۔

تمام انسانوں کی سوچ، نظریہ اور فکر کا ایک ہونا آفاقی حقیقت کے خلاف ہے، کیونکہ معاشرے میں انسانوں کی سوچ و فکر میں تفاوت کا پایا جانا قدرت کی جانب سے ہے، جس کو کسی طور بھی تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

انسانی معاشرہ ایک گل دستے کی مانند ہے، جس طرح گل دستے میں مختلف رنگ کے پھول اس کی خوبصورتی کا باعث ہوتے ہیں، بالکل اسی طرح انسانی معاشرہ بھی مختلف الخیال، مختلف سوچ اور مختلف فکر کے افراد سے مل کر ترتیب پاتا ہے اور اس کا یہی تنوع اس کی خوبصورتی کا باعث ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی جماعت، اپنے لیڈر اور اپنے نظریے کو تو مقدم رکھا جائے، لیکن مخالف نظریے، سوچ اور فکر کے حامل لوگوں کے خلاف زبان درازی سے احتراز کیا

جائے، کیونکہ عزت نفس ہر ایک کی ہوتی ہے۔ مخالفین کی توہین کرنا، ان پر کیچڑ اچھالنا، ان کے خلاف نازیبا زبان استعمال اور لعن طعن کرنا کسی طور بھی سنجیدہ سوچ نہیں ہو سکتی۔ مخالفین کے لیے عامیانہ زبان کا استعمال کرنا کوئی فخر و امتیاز کی بات نہیں، بلکہ اس سے انسان کی شخصیت اور کردار ظاہر ہوتا ہے۔ ایک معتدل سوچ یہ ہے کہ اپنی عزت کروانے کے لیے دوسرے کی عزت کرنی چاہیے۔ اپنے جذبات کی تسکین کے لیے دوسرے کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے سے بچنا چاہیے۔ ہر نقطہ نظر کا انسان اپنے جذبات کو مجروح ہونے سے بچانا چاہتا ہے۔ جو ہم خود کے لیے چاہتے ہیں دوسروں کے لیے بھی وہی چاہیں اور زندگی "جیو اور جینے دو" کے فلسفے کی عملی تعبیر ہونی چاہیے۔

ہمارا مذہب اسلام بھی ہمیں دوسروں کے احساسات اور جذبات کا احترام کرنے کی تلقین کرتا ہے، لیکن ہمارے سیاست دانوں نے صرف اپنے مفاد کی خاطر قوم کی ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھنے والے نوجوان طبقے میں عدم برداشت، عدم تحمل، اشتعال پسندی اور غیر سنجیدگی کو رواج دے کر قوم کے مستقبل کو گرہن لگایا ہے۔ ہمارے سیاست دان اپنی تقریروں میں بار بار قائد اعظم محمد علی جناح کی مثالیں تو دیتے ہیں، لیکن ان کے نقش قدم پر نہیں چلتے۔ بانی پاکستان نے کبھی نوجوانوں کو اپنے مفادات کی بھینٹ نہیں چڑھایا۔ انہوں نے ہمیشہ نوجوانوں کی کردار سازی پہ زور دیا، لیکن یہاں معاملہ بالکل الٹ ہے، اپنے مفادات سلامت رہیں، ملک و قوم کو نقصان پہنچے، اس کی کسی کو کیا فکر۔

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج

پیارے ملک کے حالات دیکھ کر کسی بھی درد دل رکھنے والے پاکستانی کی آنکھیں نم ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں اور دل غمزدہ ہوئے بغیر۔ مصائب و آفات یوں پے در پے آپڑتی ہیں، جیسے تسبیح ٹوٹنے کے بعد دانے ایک کے بعد دوسرا گرے۔ ہم مصائب جھیلنے کے عادی سے ہوگئے اور آفت و مصیبت کو اس سے بڑی آفت آنے کی وجہ سے بھول جاتے ہیں۔ اب تو حالت یہ ہے

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

ملک میں مصائب و آفات کا ایک تسلسل ہے۔ بدامنی و دہشتگردی کا عفریت تو مستقل منہ کھولے قوم کے لیے خوف طاری کیے ہوئے ہے، لیکن اس کے ساتھ کبھی تھر میں سیکڑوں بچے بھوک و پیاس سے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور کبھی وزیرستان سے لاکھوں شہری بے یارو مددگار ملک میں رلتے ہیں، کبھی اسلام آباد میں دھرنے قوم کے اعصاب شل کیے دیتے ہیں اور کبھی ملک میں آنے والا سیلاب تباہی و بربادی کی ایک نئی تاریخ رقم کرتا ہے۔ ان حالات میں ہر نئی آنے والی مصیبت کی وجہ سے پہلے والی مصیبت ذہن سے محو ہو جاتی ہے، حالانکہ

پہلی مصیبت بھی کوئی چھوٹی نہیں ہوتی۔ اب ملک میں آنے والی نئی آفت سیلاب کی وجہ سے جس قدر تباہی ہوئی ہے، اس کا اندازا لگانا بھی مشکل ہے۔ سیلاب سے لگ بھگ لاکھ ایکڑ رقبہ سیلابی پانی کی زد میں آیا اور تقریباً سوا 2 لاکھ ایکڑ رقبے پر مشتمل 18 فصلیں تباہ ہو چکی ہیں۔ 3 سو سے زاید افراد جاں بحق اور 25 لاکھ لوگ متاثر ہوئے۔ ہزاروں مکانات ملیامیٹ ہو چکے ہیں۔ سیلاب کے باعث پنجاب کے 12 اضلاع کو پانی نے اپنی لپیٹ میں لیا اور اب یہ سیلاب سندھ میں تباہی مچانے میں مشغول ہے۔ اس طرح تین ہزار سے زاید دیہات سیلاب کی لپیٹ میں آ چکے ہیں۔ پاکستان میں سیلاب کا آنا تو تکلیف دہ ہے ہی، زیادہ افسوس ناک و تکلیف دہ بات تو یہ ہے کہ پاکستان میں ہر سال سیلاب آتا ہے، لیکن اس کے مضمرات سے بچنے کا کوئی مستقل حل تلاش نہیں کیا جاتا۔ 2010 میں سیلاب نے پاکستان میں بڑے پیمانے پر تباہی پھیلائی تھی، سیلاب میں متاثر ہونے والوں کی تعداد 2004 کے سونامی، 2005 کے زلزلے اور 2010 کے ہیٹی کے زلزلے سے زیادہ تھی۔ 2010 سے 2014 تک تین ہزار جانیں سیلاب کی نذر ہو چکی ہیں اور قومی معیشت کو اندازاً 20 ارب ڈالرز کا نقصان ہو چکا ہے۔

پاکستان میں 75 فیصد بارشیں جون تا ستمبر میں ہوتی ہیں، ہماری زمین کا 60 فیصد حصہ سیلاب کی زد میں ہے، ہمارے ہاں ہر سال اگست اور ستمبر کے مہینے میں سیلاب کی وجہ سے ہزاروں ایکڑ زمین تباہ ہو جانے، سینکڑوں لوگوں کے جاں بحق ہو جانے، ہزاروں مویشیوں کے ڈوب جانے اور قوم کی ساری جمع پونجی سیلاب میں بہہ جانے

کے باوجود ہمارے حکمران چند روز کے لیے سیلابی پانی میں کھڑے ہو کر تصویریں بنواتے ہیں، لیکن کوئی مستقل حل تلاشنے کی کوشش نہیں کرتے۔

یہ بات حکمرانوں کو بھی معلوم ہے کہ ہمارے ہاں ہر سال گرمیوں میں ہمالیہ کی برف پگھلتی ہے، مون سون کی وجہ سے پانی میں اضافہ ہوتا ہے، پہاڑوں سے چشموں کا پانی دریاؤں کی طرف بہنے لگتا ہے، بھارت میں ہونے والی بارشوں کا پانی بھی ہمارے دریاؤں میں چھوڑ دیا جاتا ہے، ہماچل پردیش کی بارشوں اور پہاڑوں کا پانی بھی پاکستان کی طرف بہتا ہے، ہر سال مون سون کے موسم میں بھارت کے ڈیم بھر جاتے ہیں تو ان کے گیٹ کھول دیے جاتے ہیں اور وہ پانی کا رخ ہماری طرف کر دیا جاتا ہے، کشمیر اور مشرقی پنجاب میں ہونے والی بارشوں کا بوجھ بھی پاکستانی دریاؤں کو برداشت کرنا پڑتا ہے، ہم ان سیلابوں، بارشوں اور پانیوں کے رحم و کرم پر ہیں، ہم ہر سال سینکڑوں جانیں، ہزاروں مویشی اور لاکھوں ایکڑ اراضی کھو دیتے ہیں، لیکن ان سب طوفانوں اور مصیبتوں کی پیشگی اطلاعات کے باوجود کبھی اس کے مطابق پالیسیاں نہیں بنائی گئیں، یوں معلوم ہوتا ہے کہ حکمران سال کے دس مہینے سیلاب کا انتظار کرتے ہیں اور سیلاب آنے پر تباہی و بربادی کا رونا روتے ہیں، لیکن کچھ کرتے نہیں، حالانکہ اگر اپنے تئیں پیشگی انتظامات کر لیے جائیں تو رونا نہ پڑے۔ یہ آفاقی حقیقت ہے کہ آفات کا آنا ایک قدرتی عمل ہے، اگرچہ اس قدرتی عمل کو ختم کرنا اور اس کا

مقابلہ کرنا انسان کے بس میں نہیں ہے، لیکن انسانی عقل کو استعمال میں لاتے ہوئے اس کے نقصانات سے تو بچا جاسکتا ہے۔ دنیا میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ 1910 میں فرانس میں سیلاب آیا، فرانس کی حکومت نے اس کے لیے لائحہ عمل طے کیا اور سیلاب کے قدرتی راستے میں آنے والی ساری زمینوں کو سیلاب کا حصہ بنا دیا، اس کے بعد فرانس میں کبھی سیلاب نہیں آیا۔ اسی طرح جاپان چاروں طرف سے پانیوں میں گھرا ہوا ایک جزیرہ ہے۔ جاپانیوں نے اپنے مسائل کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور ایسا رہن سہن اور ایسی روش اختیار کی کہ اب ان کے لیے یہ قدرتی آفات ایک معمول کے کام کے طور پر ظاہر ہوتی ہیں۔ وہ اپنی حد تک ان کے نقصانات سے بچاؤ کر لیتے ہیں۔ ان کے علاوہ یورپ میں بھی بڑے بڑے سیلاب آتے ہیں، لیکن وہاں نقصانات نہ ہونے کے برابر یا کم از کم ہم سے تو بہت کم ہوتے ہیں۔ ہمارے حکمران صرف سیلاب کے دنوں میں ہیلی کاپٹروں میں دورے کرنے کی بجائے سیلاب سے نمٹنے کے لانگ ٹرم منصوبے بنانے اور ان مسائل کا کوئی مستقل حل نکالنے کے لیے جاپان سے بھی تعاون حاصل کر سکتے ہیں اور فرانس کی حکمتوں سے بھی سیکھ سکتے ہیں، لیکن یہاں ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے سے فرصت ملے تب ہی کچھ اور سوچیں۔

یہ بات بھی بار بار دہرائی جاچکی ہے کہ پاکستان ڈیمز تعمیر کرکے ان دکھوں سے نجات پاسکتا ہے۔ اگر بڑے پیمانے پر ڈیمز، بیراج اور آبی ذخائر تعمیر کیے

جاتے تو آج سیلاب نے جو تباہی مچائی ہے، ممکن ہے اس کی نوبت نہ آتی۔ پاکستان سندھ طاس معاہدے کے بعد منگلا اور تربیلا بند بنانے کے سوا کوئی بڑا ڈیم تعمیر نہ کر سکا، جبکہ چین کی طرح پنجاب اور سندھ میں چھوٹے چھوٹے ڈیم تعمیر کر لیے جاتے تو بارش کا پانی اور بھارت کی طرف سے آنے والے سیلابی پانی کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات سے بچا جا سکتا تھا۔ حالانکہ بھارت نے سندھ طاس معاہدے کو پس پشت ڈال کر سیکڑوں ڈیمز تعمیر اور پانی ذخیرہ کرنے کی وسیع پیمانے پر صلاحیت حاصل کر لی ہے، لیکن ہم کچھ نہ کر سکے۔ جب سیلاب آتا ہے، اس وقت تو ہر طرف پانی ہی پانی ہوتا ہے، لیکن سیلاب اترنے کے کچھ عرصے بعد ملک میں پانی کی قلت کی آوازیں اٹھنا شروع ہو جاتی ہیں۔ اگر حکومت سیلاب کے اس پانی کو محفوظ کرنے کی طرف توجہ دے تو یہ زحمت کی بجائے رحمت بن سکتا ہے اور نہ صرف سیلاب کے مضمرات سے بچا جا سکتا ہے، بلکہ پانی محفوظ کر کے سارا سال ملک سے پانی کی قلت کو بھی ختم کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا حکومت اگر ملک کو واقعی ترقی دینے کی خواہاں ہے تو اسے سیلاب کے مضمرات پر قابو پانے پر توجہ دینا ہو گی۔

اقوام متحدہ میں پاکستان کا موقف .... بھارتی حکومت و میڈیا سیخ پا

پاکستان اور بھارت ہمسایہ ممالک ہیں، دونوں ممالک کے درمیان اکثر تعلقات خراب رہتے ہیں، دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کی خرابی کی سب سے بڑی وجہ بھارت کا کشمیر پر غیر قانونی قبضہ ہے۔ پاکستانی حکومتوں نے کئی بار بھارت کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانے کی کوشش کی، لیکن ہمیشہ بھارت کی ہٹ دھرمی اور جارحانہ رویہ آڑے آجاتے ہیں۔ ان دنوں ایک بار پھر کشمیر کے حوالے سے بھارت کی ہٹ دھرمی موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 69 ویں اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کشمیر کا مسئلہ حل ہونا چاہیے اور اس مسئلے کا حل تلاش کرنا عالمی برادری کی ذمہ داری ہے۔ اہل کشمیر آج بھی اس حق خود ارادیت کے منتظر ہیں جس کا وعدہ اقوام متحدہ نے آج سے 66 برس پہلے ان سے کیا تھا، پاکستان مسئلہ کشمیر پر پردہ نہیں ڈال سکتا، بھارت کے سیکرٹری خارجہ مذاکرات منسوخ کرنے سے مایوسی ہوئی۔ بھارت سمیت تمام ہمسایوں سے برابری کی بنیاد پر اچھے تعلقات چاہتے ہیں۔ پاکستانی وزیر اعظم نے فلسطین، شام اور افغانستان سمیت مسلم ممالک کے حوالے سے بھی جاندار موقف اختیار کیا۔ کشمیری قیادت نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں وزیر اعظم نواز شریف کے خطاب

کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ نواز شریف نے مسئلہ کشمیر پر ایک فریق کی حیثیت سے اپنا ٹھوس موقف پیش کرکے کشمیری عوام کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ کل جماعتی حریت کانفرنس گیلانی گروپ) کے سربراہ سید علی گیلانی نے کہا کہ پاکستان نے جنرل اسمبلی میں کشمیر) کے مسئلے کو اس کے تاریخی پس منظر میں پیش کیا ہے، جس سے کشمیری عوام کے حوصلے بلند ہوئے ہیں۔ وزیراعظم نواز شریف نے کشمیر پر ٹھوس موقف اختیار کرکے کشمیری عوام کی ترجمانی کرکے ان کے زخموں پر مرہم رکھا ہے۔ خطے میں پائیدار امن کا قیام مسئلہ کشمیر سے مشروط ہے۔ مسئلہ کشمیر حل کیے بغیر امن کا حل ناممکن ہے۔ بھارت کو اپنی ہٹ دھرمی ترک کرکے اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق مسئلہ کشمیر کا حل تلاش کرنا چاہیے۔ کل جماعتی حریت کانفرنس (میر واعظ گروپ) کے چیئرمین میر واعظ عمر فاروق نے نواز شریف کے جنرل اسمبلی میں خطاب کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے دو ٹوک موقف اپنانے سے بھارت پر مسئلہ کشمیر کے حل پر دباؤ بڑھ جائے گا۔ بھارت کشمیری عوام کو حق خودارادیت دینے کا وعدہ پورا کرے۔ جموں و کشمیر ماس موومنٹ کی سربراہ فریدہ بہن جی نے بھی وزیراعظم نواز شریف کے خطاب کو سراہاتے ہوئے کہا کہ پاکستان نے کشمیر پر اپنا جاندار موقف اختیار کرکے کشمیری عوام کے دل جیت لیے اور انہیں نیا حوصلہ دیا ہے۔ جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کے چیئرمین یٰسین ملک نے کہا کہ مسئلہ کشمیر کا ایک ہی حل ہے کہ اسے بھارت سے الگ کردیا جائے۔ مسئلہ کشمیر کو ہر فورم پر اٹھایا جائے۔

وزیراعظم آزاد کشمیر عبدالمجید نے کہا کہ وزیراعظم نواز شریف کا اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں خطاب کشمیریوں کے موقف کا عکاس ہے۔ کل جماعتی حریت کانفرنس آزاد کشمیر شاخ نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں وزیراعظم میاں نواز شریف کے خطاب کو کشمیری عوام کی امنگوں اور جذبہ کا ترجمان قرار دیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی دیگر متعدد کشمیری رہنماؤں نے وزیراعظم نواز شریف کے خطاب کو سراہاتے ہوئے اسے کشمیری عوام کے لیے امید کی کرن قرار دیا ہے۔ جبکہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کا کہنا تھا کہ اگر پاکستان اور بھارت درخواست کریں تو عالمی ادارہ تنازعہ کشمیر کے حل کے لیے کردار ادا کر سکتا ہے۔

دوسری جانب بھارتی وزیراعظم نریندر مودی نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب میں کہا ہے کہ اقوام متحدہ مسئلہ کشمیر کا فورم نہیں ہے۔ کشمیر دو طرفہ معاملہ ہے، متنازعہ معاملات اقوام متحدہ میں اٹھانے سے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر مسائل اٹھانے سے فائدہ ہوگا یا نہیں اس پر کئی لوگوں کو شبہات ہیں۔ پاکستان کے ساتھ پرامن باہمی مذاکرات کے لیے تیار ہیں۔ پاکستان سے دوستی اور تعاون بڑھانے کے لیے ایسے سنجیدہ مذاکرات چاہتے ہیں، جس میں دہشت گردی کا سایہ نہ ہے۔ جبکہ اقوام متحدہ میں بھارتی مشن کے فرسٹ سیکرٹری ابھیشک سنگھ نے جنرل اسمبلی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے

کہا کہ میں اس ہاؤس کے نوٹس میں لانا چاہتا ہوں کہ کشمیری عوام نے دنیا بھر میں تسلیم شدہ جمہوری اصولوں کے مطابق اپنی قسمت کا انتخاب کیا۔ یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ کشمیری عوام ابھی تک اپنی قسمت کے فیصلے خود کر رہے ہیں۔ وزیراعظم نواز شریف کا اس فورم پر ایک بار پھر کشمیر کے حوالے سے واویلا بے سود ہے، کیونکہ اس سے دونوں ممالک کے درمیان تعلقات میں بہتری کی بجائے منفی پیغام گیا ہے۔ کشمیر کے بارے میں نواز شریف کے ریمارکس حقائق کے منافی ہیں۔ بھارتی جنتا پارٹی نے کشمیر کے بارے میں وزیراعظم نواز شریف کے ریمارکس کو کڑی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ پاکستان کو شملہ معاہدے اور لاہور اعلامیہ کے حقائق سے آگاہ ہونا چاہیے۔ نواز شریف نے جنرل اسمبلی سے خطاب کے دوران کشمیر بارے جو کچھ کہا اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ پاکستان کی یہ پرانی عادت ہے کہ اقوام متحدہ کے فورم پر راگ الاپتا ہے۔ پاکستان کو چاہیے کہ وہ شملہ معاہدے اور لاہور اعلامیہ بارے دوبارہ آگاہی حاصل کرے، تاکہ اس پر یہ واضح ہوسکے کہ مسئلہ کشمیر کے صرف دو بنیادی فریق پاکستان اور بھارت ہیں، اس پوزیشن کے بعد مسئلہ اقوام متحدہ کے فورم پر اٹھانے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ اقوام متحدہ میں پاکستانی وزیراعظم کے بیان پر بھارتی حکومت کی طرح بھارتی میڈیا بھی سیخ پا ہوگیا اور پاکستان اور پاکستانی حکومت کے خلاف شور مچانا شروع کردیا۔ بھارتی میڈیا نے پاکستانی ریاستی اداروں کے خلاف اشتعال انگیزی شروع کر دی۔ بھارتی چینلز نے پاکستانی

وزیر اعظم نواز شریف کے خطاب کو آئی ایس آئی کا لکھا ہوا اسکرپٹ قرار دیا ہے، پاک فوج اور آئی ایس آئی پر کڑی تنقید کی اور کہا کہ نواز شریف کی جانب پاکستان کی کشمیر سے متعلق پرانی پالیسی کا واضح اظہار اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستان میں طاقت آج بھی فوجی اداروں کے پاس ہے، یہی ادارے پاکستان کی خارجہ پالیسی طے کرتے ہیں، وہ کبھی بھی بھارت کے ساتھ بہتر تعلقات کے خواہاں نہیں ہیں۔

مبصرین کے مطابق کشمیر کا تنازع خود بھارت اقوام متحدہ میں لے کر گیا تھا، جہاں یہ قرارداد منظور کی گئی تھی کہ وادی کشمیر میں عوام کی رائے معلوم کی جائے کہ وہ بھارت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں۔ تاہم بھارت نے وہاں فوج بھیج کر قبضہ کر لیا۔ جب کہ مجاہدین نے کشمیر کے ایک حصے کو آزاد کرا لیا، جو آزاد کشمیر کے کہلاتا ہے۔ بھارت نے اپنے مقبوضہ علاقے میں جعلی قسم کا نام نہاد الیکشن کروا کے اعلان کیا کہ کشمیریوں نے بھارت کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے اور کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے مقبوضہ کشمیر کو بھارتی آئین کی دفعہ 370 کے تحت ایک خصوصی درجہ دیتے ہوئے بھارت میں شامل کر لیا، لیکن اس جعل سازی کو کشمیری حریت پسندوں نے مسترد کر دیا اور وہاں آزادی کی تحریک شروع ہوئی۔ واضح رہے کہ عرصے سے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی مستقل نشستوں میں

اضافے کے لیے کوششیں ہو رہی ہیں۔ تجزیہ کاروں کے مطابق امریکا اور اس کی حامی طاقتیں اس آڑ میں بھارت کو سلامتی کونسل میں ویٹو کا حق دلانا چاہتی ہیں۔ اصولی طور پر بھارت کے اپنے پڑوسی ممالک کے ساتھ طرز عمل کو دیکھتے ہوئے اس کو اس قدر اہم حیثیت ہر گز نہیں ملنی چاہیے، ورنہ تو وہ اپنے قرب وجوار کے ممالک کا ناطقہ بند کر دے گا۔ اس وقت بھارت کے اپنے کسی بھی پڑوسی ملک کے ساتھ تعلقات خوشگوار نہیں ہیں۔ لہٰذا اس حوالے سے بھی میاں نواز شریف نے بجا موقف اختیار کیا ہے۔ مبصرین کے مطابق وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے اپنی تقریر میں بالکل بجا فرمایا کہ اگر عالمی برادری متفقہ فیصلہ کرکے بھارت پر دباؤ ڈالے تو یہ تنازع انتہائی مختصر وقت میں حل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ عالمی برادری پاکستان کی بات سنے اور جنوبی ایشیا کے اس قدیم تنازع کو فوری حل کروانے کی کوشش کرے۔

پاکستان: حج آپریشن 2014ء کا پہلا مرحلہ مکمل

دنیا بھر سے فریضہ حج کی ادائی کے لیے عازمین حج کی حجاز مقدس آمد جاری و ساری ہے۔ مسجد حرام عازمین حج سے کھچا کھچ بھر رہی ہے اور فرزندان توحید بیت اللہ کے طواف میں مصروف ہیں۔ مسجد حرام میں مقامی نمازیوں اور اندرون اور بیرون ملک سے آئے عازمین حج کے رش میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ سعودی حکومت کے مطابق عازمین حج کی رہ نمائی اور ان کی ہر ضرورت پوری کرنے کے لیے تسلی بخش انتظامات کیے گئے ہیں۔ حجاج کرام کی خدمت پر مامور رضاکار اور سیکورٹی ادارے چوکس ہیں اور پوری تن دہی سے اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں۔ ذرائع کے مطابق سعودی عرب میں سیکورٹی کے غیر معمولی اور سخت حفاظتی اقدامات کیے گئے ہیں اور مکہ، منیٰ، مزدلفہ، عرفات سمیت دیگر اہم مقامات کی سیکورٹی پر ایک لاکھ سے زاید اہلکار تعینات کیے گئے ہیں۔ سخت سیکورٹی کے باعث ہی بغیر اجازت کے آنے والے 24 ہزار سے زاید افراد کو واپس بھیجا جا چکا ہے۔ سیکورٹی چیک پوائنٹس پر ایسے عازمین حج کو واپس کیا گیا، جن کے پاس حج کے لیے اجازت نامے نہیں تھے۔ رواں سال چیک پوائنٹس پر پہلے سے ہی حفاظتی انتظامات سخت کیے گئے ہیں، تاکہ اجازت کے بغیر آنے والے حاجیوں کو روکا جا سکے۔ ذرائع کے مطابق ایام حج قریب آتے ہی بیرون اور اندرون ملک سے سعودی عرب میں عازمین حج کی آمد کا سلسلہ مزید تیز

ہو گیا ہے۔ سعودی عرب کے ڈائریکٹوریٹ آف پاسپورٹ کے مطابق 26 ستمبر تک 11 لاکھ 28 ہزار 742 عازمین حج کی اندرون اور بیرون ملک سے مکہ مکرمہ آمد کی رجسٹریشن مکمل کی جا چکی ہے۔ بیرون ملک سے ہوائی جہازوں کے ذریعے 52 ہزار زمینی راستے سے 12 ہزار 616 اور سمندری راستے سے 40 ہزار 537، 109 عازمین حج حجاز مقدس پہنچے ہیں۔ یہ تعداد گزشتہ برس کی نسبت 3 فی صد زیادہ ہے۔ ذرائع کے مطابق حج کے لیے سعودی عرب پہنچنے والے والوں میں 55 ہزار سے عازمین پاکستانی ہیں۔ قومی ائیر لائن پی آئی اے کا 28 اگست سے شروع ہونے والا حج آپریشن بھی مکمل کر لیا گیا ہے۔ اس آپریشن کے ذریعے 55 ہزار سے زاید عازمین حج کو خصوصی اور معمول کی پروازوں کے ذریعے حجاز مقدس پہنچایا گیا ہے۔ پی آئی اے ترجمان کے مطابق 43 ہزار سے زاید عازمین کو 109 خصوصی اور 12 ہزار سے زاید عازمین کو معمول کی پروازوں کے ذریعے سعودی عرب پہنچایا گیا ہے۔ پروازوں کی بروقت آمدو رفت کی شرح 85 فیصد رہی۔ پی آئی اے نے کراچی سے 14 پروازوں کے ذریعے لاہور سے 17 پروازوں کے ذریعے 49 ہزار، اسلام آباد سے 14 پروازوں، 6100 کے ذریعے 6400، پشاور سے 21 پروازوں کے ذریعے 6600، کوئٹہ سے 28 پروازوں کے ذریعے 10 ہزار، ملتان سے 12 پروازوں کے ذریعے 4 ہزار اور سیالکوٹ سے 3 پروازوں کے ذریعے 1500 عازمین کو حجاز مقدس پہنچایا۔ چیئرمین پی آئی اے اور مینیجنگ ڈائریکٹر نے پی آئی اے ملازمین کو قبل از حج آپریشن کامیابی سے مکمل کرنے پر مبارکباد دیتے ہوئے ہدایت کی کہ تمام شعبہ جات بعد

ارحج آپریشن کو بھی کامیابی سے مکمل کرنے کے لیے اسی جذبے کے ساتھ کام کریں۔ ان کے مطابق حج آپریشن کے لیے پی آئی اے کے اپنے طیارے بوئنگ 747 اور بوئنگ استعمال کیے گئے۔ کوئی اور طیارہ لیز پر حاصل نہیں کیا گیا۔ حجاج کو سعودی عرب 777 سے واپس لانے کے لیے آپریشن کا آغاز 8 اکتوبر کو ہوگا، جو 8 نومبر کو مکمل کر لیا جائے گا۔ واضح رہے کہ پاکستانی عازمین حج کی تعداد میں گزشتہ سال کی طرح رواں سال بھی 20 فیصد کٹوتی کی گئی تھی۔ کٹوتی پالیسی پر وفاقی وزیر برائے مذہبی امور سردار محمد یوسف نے پاکستان، جبکہ سعودی حکومت کی جانب سے وزیر حج ڈاکٹر بندر بن محمد الحجار نے دستخط کیے تھے۔ دونوں حکومتوں کے درمیان طے پانے والے معاہدے کے تحت رواں سال ایک لاکھ 43 ہزار 368 پاکستانی فریضہِ حج ادا کریں گے، جبکہ پاکستانی عازمین صرف 40 روز سعودی عرب میں قیام کر سکیں گے۔ معاہدے کے تحت اس سال سرکاری اسکیم کے تحت حج کرنے والوں کی تین کی بجائے صرف ایک کیٹگری ترتیب دی گئی۔ جبکہ گزشتہ سال حاجیوں کو تین کیٹگریز میں تقسیم کیا گیا تھا۔ گزشتہ سال تین کیٹگریز کی تفصیل کچھ یوں تھی کہ بلیو کیٹگری جن کی رہائش میں مجموعی طور پر 2 ہزار عازمین تھے، جس کا حرم سے فاصلہ 900 میٹر کے اندر تھا، جبکہ گرین کیٹگری کا 500 فاصلہ 9 سو میٹر سے 2 کلومیٹر تک تھا، جس میں 7 ہزار عازمین کی رہائش تھی، جبکہ 2 کلومیٹر سے باہر کا ایریا وائٹ کیٹگری میں آتا تھا، جو مختلف علاقوں میں جہاں سے انہیں حرم آنے اور جانے کے لیے خصوصی طور پر بسیں فراہم کی گئی

تھیں۔

پاکستانی حج مشن کے افسر محمد سیف انور کے مطابق 80 فیصد پاکستانیوں کی رہائش کا انتظام وسطی مدینہ میں ہوا ہے۔ جہاں مسجد نبوی قریب ہے، جبکہ باقی 20 فیصد کے لیے انتظام اطراف کے علاقوں میں کیا گیا ہے۔ حاجیوں کے لیے پاکستان ہاؤس 2 نامی عارضی کلینک بھی قائم کیا گیا۔ مشن کی طرف سے شکایات کے لیے فری فون نمبر بھی فراہم کیا گیا ہے۔ ان کے مطابق پاکستانی حاجیوں کے لیے 0800-1166622 طبّی سہولیات اور 18 ریال روزانہ کے بدلے کھانے کی سہولت کا ٹھیکہ چار کمپنیوں کو دیا گیا ہے۔ دوسری جانب ذرائع کے مطابق مکہ مکرمہ میں ساڑھے چھ ہزار پاکستانی حاجیوں کے لیے قائم کینٹین ٹھیکیدار کی غفلت کے باعث سعودی حکومت نے سیل کر دی ہے، جس کے باعث مذکورہ حاجیوں کو ہفتے کے روز سے کھانے پینے کی سہولیات مکمل طور پر بند کر دی گئی ہیں، جس کی وجہ سے پاکستانی عازمین حج دور دراز علاقوں سے کھانے پینے کی اشیا لانے پر مجبور ہیں۔ ٹھیکیدار نے حاجیوں کو کھانے پینے کی سہولیات دینے کے لیے پاکستان سے کئی افراد کو بلایا تھا جن کے پاس کاغذات نہیں تھے، قواعد کی خلاف ورزی پر سعودی حکومت نے چھاپا مار کر کچن میں کئی افراد کو گرفتار کر کے کینٹین کو سیل کر دیا۔ عازمین حج نے احتجاج کیا تو سعودی عرب میں موجود ڈائریکٹر حج مشن نے اعلیٰ حکام سے ساڑھے چھ ہزار پاکستانیوں کو متبادل

کھانا فراہم کرنے کا مطالبہ کیا۔ یہ خیال رہے کہ حج 2013 کے دوران 745 حج کمپنیوں نے عازمین حج کے لیے خدمات انجام دی تھیں، ان کمپنیوں میں سے 56 کمپنیوں کے خلاف سنگین نوعیت کی شکایات سامنے آئی تھیں، جس پر سعودی حکومت نے ان کمپنیوں کو بلیک لسٹ قرار دیا تھا، جبکہ بعض کمپنیوں کو ناقص کارکردگی پر پاکستانی وزارت مذہبی امور نے بھی بلیک لسٹ قرار دیا تھا، حکومت نے بلیک لسٹ کمپنیوں کے خلاف سخت کارروائی کا فیصلہ کیا تھا، کیونکہ مذکورہ کمپنیوں نے عازمین حج سے جو تحریری معاملات طے کیے تھے، ان کے مطابق عازمین حج کو سہولتیں فراہم نہیں کیں تھیں۔ عازمین حج نے شکایت کی تھی کہ ٹورآپریٹرز نے انھیں سہولتوں سے آراستہ ہوٹلوں میں نہیں ٹھہرایا، عازمین حج کو اچھا کھانا اور بہتر سفری سہولتیں فراہم نہیں کی گئیں، جس سے عازمین حج کو شدید مشکلات کا سامنا رہا۔ سال رواں بھی اس قسم کی شکایات سامنے آرہی ہیں جن کے مطابق عازمین حج کو کافی مشکلات کا سامنا ہے۔ دوسری جانب مکہ چیمبر آف کامرس کے مطابق اس مرتبہ تقریباً 20 لاکھ مسلمان مکہ آئیں گے، جس کی وجہ سے آمدنی پچھلے سال کی نسبت تین فیصد زیادہ ہوگی۔ چیمبر آف کامرس مکہ کی جانب سے جاری کردہ ایک رپورٹ میں کہا گیا کہ 19 لاکھ 80 ہزار حاجیوں میں سے 13 لاکھ 80 ہزار ستر فیصد) حاجی بیرون ملک سے آئیں گے۔ بیرون ملک سے آنے والا ایک حاجی حج) کے پانچ دنوں میں اوسطاً 17381 ریال، جبکہ مقامی حاجی 4948 ریال خرچ کرے گا۔ ان اخراجات میں خوارک، رہائش، تحائف اور فون بل شامل ہیں۔

نہ ہو جس کو خیال اپنی حالت کے بدلنے کا

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ عالم اسلام کی تنزلی کا شروع ہونے والا سفر بہت تیزی کے ساتھ پستی کی جانب رواں دواں ہے۔ بے بہا قیمتی و نادر وسائل سے مالا مال پانچ درجن کے لگ بھگ مسلم ممالک کی بے وقعتی و بے قدری کے مناظر دل کو رنجیدہ اور دماغ کو پریشان کیے دیتے ہیں۔ عالم تمام میں عالم اسلام کو بے حیثیت قرار دیے جانے والی آوازوں کا شور و غوغا سماعت سے گولیوں کی طرح ٹکراتا ہے۔ انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ دور دور تک عالم اسلام کی اس تنزلی کو بلندی میں بدلنے کے امکانات بھی صرف موہوم ہی نہیں، بلکہ معدوم دکھائی دیتے ہیں۔ جبکہ دوسری جانب کچھ ہی صدیاں قبل دنیا میں اپنی شناخت کروانے والے اہل مغرب ہماری سوچوں سے بھی تیز اپنی ترقی کا سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ آئے روز اہل یورپ کی سامنے آنے والی نت نئی ایجادات و اختراعات ہی دنیا بھر پر اپنی فوقیت کو منوانے کے لیے کافی ہیں، جبکہ ان کی ترقی و بلندی کا سفر ہر نکلتے سورج کے ساتھ نئی منزل کو پا کر عالم اسلام کو "کچھ" کرنے کا درس دے رہا۔ دراصل اہل مغرب نے اس حقیقت کو جانچ لیا کہ قوموں کو ترقی و بلندی ہاتھوں پہ ہاتھ دھرنے سے نہیں ملتی، بلکہ اس کے لیے محنت و جدوجہد کے ساتھ علم و فنون میں کمال حاصل کرنا ضروری ہے اور

قوموں کی تقدیر اس وقت تک نہیں بدلا

کرتی، جب تک قومیں خود اپنی حالت نہ بدل لیں۔ گویا اہل مغرب نے قرآن مجید کی بیان کی ہوئی اس حقیقت کو سمجھ لیا: "بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتے، جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے" اور مولانا ظفر علی خان کی زبان میں اس کا مفہوم کچھ یوں ہے

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال اپنی حالت کے بدلنے کا

اہل مغرب نے اپنے عمل و کردار سے اس حقیقت کی صداقت کو پوری دنیا پر واضح کیا ہے کہ علم و فنون ہی قوموں کو ترقی دینے کے ساتھ تاریخ میں بھی زندہ رکھتے ہیں، جو قومیں علم و فنون سے دور ہو جاتی ہیں، انہیں نہ صرف تاریخ بھلا دیتی ہے، بلکہ وہ قومیں ذلت اور پستی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ آج مغرب کی ترقی کا راز ان کی علم و فن سے محبت میں ہی پنہاں ہے۔ گزشتہ دنوں یونیورسٹیوں کے حوالے سے کی گئی درجہ بندی نے ایک بار پھر عالم اسلام کی پستی اور اہل مغرب کی ترقی کا راز ساری دنیا کے سامنے آشکار کیا ہے۔ شنگھائی کے ایک تحقیقاتی مرکز کی طرف سے کی گئی درجہ بندی کے مطابق دنیا کی 20 بہترین یونیورسٹیوں میں مسلم دنیا کی کوئی ایک بھی یونیورسٹی اپنی جگہ نہ بنا سکی، جبکہ دنیا کی ٹاپ یونیورسٹی کا اعزاز امریکا کی "میساچوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی ایم آئی ٹی)" نے حاصل کیا ہے اور برطانیہ کی چار)

یونیورسٹیاں دنیا کی 10 بہترین جامعات میں شامل ہیں۔ اسی طرح ٹاپ 200 یونیورسٹیوں کی فہرست میں امریکا کی 51، برطانیہ کی 29، جرمنی کی 13، نیدرلینڈز کی کینیڈا اور جاپان کی 10 اور آسٹریلیا کی 8 یونیورسٹیاں شامل ہیں۔ لندن کی 5، 11 یونیورسٹیاں ٹاپ 100 میں شامل ہیں۔ بوسٹن اور ہانگ کانگ کی تین، تین جامعات بھی دنیا کی سو بہترین جامعات میں شامل ہیں۔ برطانیہ کی برسٹل اور مانچسٹر یونیورسٹی ٹاپ 30 میں شامل ہیں، جبکہ گلاسگو یونیورسٹی، وارووک، برمنگھم اور شیفلڈ یونیورسٹی ٹاپ 70 کی درجہ بندی میں جگہ حاصل کر سکی ہیں۔ کیو ایس کے مطابق رواں برس دنیا بھر سے 800 سے زاید جامعات کی عالمی رینکنگ کی گئی، پاکستان کی کسی یونیورسٹی کو ٹاپ 400 یونیورسٹیوں میں جگہ نہیں مل سکی۔

جب ہم یورپ کے مقابلے میں عالم اسلام پر نظر دوڑاتے ہیں تو پوری مسلم دنیا میں صرف 500 یونیورسٹیاں ہی نظر آتی ہیں۔ اگر عالم اسلام کی تمام یونیورسٹیوں کو مسلمانوں کی مجموعی تعداد پر تقسیم کیا جائے تو ایک یونیورسٹی 30 لاکھ مسلم نوجوانوں کے حصے آتی ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں صرف امریکا میں 5,758 یونیورسٹیاں اور ٹوکیو شہر میں 1000 یونیورسٹیاں ہیں۔ یورپ کے 40 فیصد نوجوان یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہیں، جبکہ اسلامی دنیا کے صرف دو فیصد نوجوان یونیورسٹی تک پہنچ پاتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں 21 لاکھ لوگوں میں سے صرف 230 لوگوں کو سائنس کا علم ہوتا ہے، جب کہ امریکا کے 10

لاکھ شہریوں میں سے 4 ہزار اور جاپان کے 5 ہزار شہری سائنس دان ہوتے ہیں۔ پوری عرب دنیا میں صرف 35 ہزار فل ٹائم سرچ اسکالرز ہیں، جبکہ صرف امریکا میں ان کی تعداد 22 لاکھ ہے۔ اسی طرح کمپیوٹر کے پہلے 10 بڑے ادارے امریکا میں ہیں اور دنیا کے 30 فیصد غیر ملکی طالب علم امریکا میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ چند سال قبل جاپان میں ہر 10 لاکھ کی آبادی میں 3500 سائنس دان اور انجینئر تھے، امریکا میں 2700، یورپ میں 1600، ایشیا میں (جاپان شامل نہیں) 100 اور افریقہ میں 10 لاکھ آبادی میں سائنس دانوں اور انجینئروں کی تعداد صرف 50 تھی۔ پوری دنیا میں امریکا اعلیٰ تعلیم پر سب سے زیادہ رقم خرچ کرتا ہے، امریکا اپنے جی ڈی پی کا فیصد ہائر ایجوکیشن پر صرف کرتا ہے، جبکہ پوری اسلامی دنیا اپنے جی ڈی پی کا 2.6 صرف 1.2 فیصد ریسرچ پر خرچ کرتی ہے۔

یہ سب کچھ معلوم ہونے کے بعد مغرب کی ترقی اور مسلمانوں کی پسماندگی کا سبب واضح طور پر سمجھ میں آجاتا ہے۔ مسلم ممالک کے امرا اپنی دولت بڑے بڑے محلات بنانے پر صرف کرتے ہیں، جبکہ اہل یورپ اپنی دولت کو اپنی قوم کو ترقی دینے کے اسباب پیدا کرتے ہوئے عمدہ یونیورسٹیاں اور تعلیمی و تحقیقی ادارے بناتے ہیں، جس کا نتیجہ سب کے سامنے ہیں کہ مغرب میں شرح خواندگی قابل رشک ہے، جبکہ مسلم ممالک میں شرح خواندگی قابل رحم ہے۔ مسلم افریقہ میں 70 فیصد سے زاید افراد ناخواندہ ہیں، پاکستان اور بنگلا دیش میں 65 فیصد، مصر میں 52

فیصد، ایران میں 46 فیصد اور الجزائر میں 43 فیصد افراد ناخواندہ، جب کہ دنیا بھر میں اسلامی ممالک کی مجموعی اوسط شرح خواندگی 22 تا 28 فیصد ہے۔ افسوس! مسلم 56 ممالک صرف علمی و تحقیقی میدان میں پیچھے ہی نہیں، بلکہ اہل علم و فن کی ناقدری بھی کی جاتی ہے، عظیم محقق و مصنف ڈاکٹر شکیل اوج جیسی شخصیت سے زندگی کا حق چھین لیا جاتا ہے، یہی نہیں، بلکہ صرف شہر قائد میں رواں برس اب تک 30 ماہر ڈاکٹر، علمائے دین، لیکچررز، پروفیسرز اور وکلا کو قتل کیا جاچکا ہے، ملک بھر میں یہ اعداد و شمار مزید پریشان کن ہیں۔ اسی طرح گزشتہ دنوں وطن نیوز کے مطابق عراق اور اردن میں ایک سو سے زاید سائنسدان حکام کی عدم توجہ اور سرکاری اداروں کی غفلت کے باعث پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے مزدوری کرنے پر مجبور ہیں۔ اہل علم و فن کی ناقدری کرکے عالم اسلام کا ترقی کی منازل طے کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اگر عالم اسلام نے ترقی کرنی ہے تو اہل یورپ کی طرح علم و فنون اور اہل علم و فنون سے محبت کرنا ہوگی اور تمام مسلم حکومتوں کو سب سے زیادہ توجہ تعلیم پر دینا ہوگی۔

عید قرباں آ پہنچی....آئی ڈی پیز کی واپسی ممکن نہ ہو پائی

کچھ روز بعد ہی عالم اسلام کو عید قرباں کی صورت میں ایک بہت بڑی خوشی میسر آنے والی ہے۔ پوری امت مسلمہ انتہائی خوش کن طریقے سے اس مبارک دن کے انتظار اور تیاریوں میں مشغول ہے۔ ہر سو مختلف اقسام کے جانوروں کو اللہ تعالیٰ کے حضور قربان کرنے کے لیے سجا کر تیار کیا جارہا ہے۔ عید قرباں کا انتظار ہر ملک میں اپنے روایتی انداز میں کیا جارہا ہے۔ پاکستان میں عید کی تیاری کے لیے نئے کپڑے، جوتے اور دیگر سامان کی خرید وفروخت میں اضافہ ہورہا ہے۔ عید کی خوشیاں اپنے پیاروں کے ساتھ منانے کی خاطر لوگ دور دراز کے علاقوں سے اپنے گھروں کا رخ کر رہے ہیں اور ملک کے بڑے شہروں میں مزدوری اور ملازمت کرنے والے افراد صرف عید گھر والوں کے ساتھ منانے کے لیے چھٹیاں لے کر ہی صحیح اپنے اپنے علاقوں میں آنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ وفاقی حکومت نے عیدالاضحیٰ کے سلسلے میں تعطیلات کا اعلان بھی کر دیا ہے، جس کے تحت 6 اکتوبر بروز پیر سے 8 اکتوبر تک سرکاری طور پر چھٹیاں ہوں گی اور تعطیلات کے دوران وفاق کے زیر انتظام چلنے والے ادارے، بینک اور تدریسی مراکز بند رہیں گے۔ اگرچہ ملک میں عید کی آمد کے حوالے سے انتہائی خوشی کا سماں ہے، لیکن اس کے ساتھ ملک میں آئی ڈی پیز کی صورت میں دس لاکھ سے زاید افراد ایسے بھی ہیں جو عید

قرباں پر روایتی انداز میں خوشیاں نہیں منا سکیں گے۔ وزیر ستان میں چار ماہ قبل آپریشن شروع کیا گیا تھا، جس کے نتیجے میں تقریباً ساڑھے دس لاکھ افراد بے گھر ہو گئے تھے اور ان کو ملک کے مختلف حصوں میں کیمپوں میں ٹھہرایا گیا تھا۔ آئی ڈی پیز نے رمضان المبارک سخت گرمی کی وجہ سے انتہائی مشکل حالات میں گزارا۔ رمضان المبارک کے دوران ان کے لیے کوئی بہتر انتظامات نہیں کیے گئے۔ اس کے بعد عید الفطر آئی تو آئی ڈی پیز اپنی واپسی کی دہائی دیتے رہے لیکن نہ تو ان کی واپسی کا کوئی انتظام کیا گیا اور نہ ہی ان کو عید منانے کے لیے بہتر سہولیات میسر کی گئیں۔ حالانکہ آپریشن شروع کرنے سے پہلے حکومت نے یہ وعدہ کیا تھا کہ آپریشن کو رمضان المبارک کے دوران مکمل کرکے عید الفطر تک تمام آئی ڈی پیز کی واپسی کو یقینی بنایا جائے گا، بار بار اس حوالے سے یقین دہانی بھی کروائی جاتی رہی، لیکن وفاقی اور کے پی کے کی صوبائی حکومت کے ذمہ داران نے صرف عید الفطر کے موقع پر آئی ڈی پیز کے ساتھ تصاویر بنوا کر ہی سمجھے لیا کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کر لی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ وزیر ستان آپریشن کے نتیجے میں بے گھر ہونے والوں کی مشکلات پر قابو پانا اور ان کو سہولیات فراہم کرنا وفاقی و صوبائی حکومت دونوں کی ذمہ داری ہے، لیکن دونوں نے ذمہ داری دوسرے پر ڈالنے کی کوشش کی۔ اب ایک طرف وفاقی حکومتی ارکان "کے پی کے" حکومت پر تنقید کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ خیبر پختونخوا کی حکومت کو آئی ڈی پیز کی مشکلات کی کوئی فکر نہیں، جو اس

حقیقت سے واضح ہے کہ صوبائی وزیراعلی پرویز خٹک وفاقی دارالحکومت کے ڈی چوک میں پی ٹی آئی کے دھرنے میں شرکت کر رہے ہیں۔ جبکہ دوسری جانب کے پی کے حکومت وفاقی حکومت کو تنقید کا نشانہ بنا رہی ہے اور خود کے پی کے حکومت کو سب سے زیادہ فکر صرف "گو نواز گو" کی ہے، انہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ دس لاکھ سے زاید بے یارومددگار متاثرین آپریشن کن حالات میں جی رہے ہیں۔ متاثرین کی پریشانی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اب تو متاثرین آپریشن کے کیمپ بھی محفوظ نہیں ہیں۔ گزشتہ دنوں ہنگو میں آئی ڈی پیز کے کیمپ میں بم دھماکے سے 8 افراد جاں بحق اور 14 زخمی ہوئے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آئی ڈی پیز کی دیکھ بھال کا کوئی انتظام نہیں کیا جارہا ہے۔ حالانکہ وفاقی وزیر خزانہ سینیٹر اسحاق ڈار کا کہنا ہے کہ آئی ڈی پیز کی بحالی حکومت کی اولین ترجیح ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے ہر ممکن اقدامات کیے جارہے ہیں۔

مبصرین کے مطابق عید الفطر پر تو حکومت آئی ڈی پیز کی واپسی کا وعدہ پورا کرنے میں ناکام رہی ہے، لیکن کم از کم عید قرباں پر تو ان کی واپسی کو یقینی بنانا چاہیے تھا، لیکن اپنے ہی ملک میں بے گھر ہونے والے دس لاکھ سے زاید افراد کو عید الفطر کے بعد عید قرباں بھی کیمپوں میں پریشانی کے عالم میں گزارنی پڑے گی۔ جو نہ تو خود عید کو خوشی کے ساتھ منانے کا ساماں رکھتے ہیں

اور نہ ہی حکومت کی جانب سے ان کو حق فراہم کیے جانے کی توقع ہے اور حکومت کی جانب سے ابھی تک ان کے لیے کسی پالیسی کا اعلان بھی نہیں کیا گیا۔ بے یار و مددگار متاثرین آپریشن کے پاس قربانی کے لیے وسائل کا ہونا تو دور کی بات اپنے بچوں کے لیے نئے کپڑے سلوانے کے لیے بھی وسائل نہیں ہیں۔ حالانکہ ملک بھر میں ایک مہینہ پہلے ہی عید کی تیاریاں شروع ہوجاتی ہیں۔ بچے اپنی اپنی پسند کے کپڑے اور جوتے خریدنے کی ضد کرتے ہیں، لیکن ان آئی ڈی پیز میں کئی لاکھ بچے ہیں۔ بچے تو بچے ہوتے ہیں۔ وہ معصوم ہوتے ہیں۔ ان بچوں کو بھی نہیں معلوم کہ ان کے والدین کن حالات سے گزر رہے ہیں۔ انہیں بس عید کا جوڑا چاہیے۔ جب وہ معصومانہ ضد کرتے ہوں گے، ان کے والدین پر کیا گزرتی ہوگی؟ ہم میں سے بے شمار لوگ ایسے ہیں جو عید کے تین دنوں کے لیے تین تین جوڑے خریدتے ہیں۔ جبکہ یہ مجبور حضرات ایک سوٹ سلوانے کی استطاعت سے محروم ہیں۔ حالانکہ دس لاکھ سے زیادہ آئی ڈی پیز اپنا گھر بار چھوڑ کر صرف ملک کی خاطر اپنے گھر بار کو چھوڑ کر مختلف علاقوں میں آئے۔ یہ آئی ڈی پیز کی ایسی بڑی قربانی ہے جس کا اعتراف پاکستان کے عوام، سیاسی جماعتیں اور حکومت و فوج نے بھی کیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مرکزی حکومت اور خیبر پختونخوا کی صوبائی حکومت مل کر یہ پروگرام بناتے کہ آپریشن متاثرین کو کیا کیا مشکلات پیش آئیں گی؟ لاکھوں آئی ڈی پیز کے رہنے، کھانے پینے اور ان کی صحت کا خیال کیسے رکھا جائے گا؟ بدقسمتی سے ان مسائل سے نمٹنے کے لیے کوئی ہوم ورک نہیں

ہوا اور اسلام آباد میں سیاسی ڈرامہ شروع ہونے کے بعد تو میڈیا نے بھی آئی ڈی پیز سے توجہ ہٹا کر ساری توجہ دھرنا سیاست پر مرکوز کر دی ہے، جو انتہائی افسوس کی بات ہے۔ پاکستان کی سیاسی جماعتوں کو اس آپریشن کے موقعہ پر جو کردار ادا کرنا چاہیے تھا، انہوں نے نہیں کیا۔ تحریک انصاف جس کی خیبر پختونخوا میں حکومت ہے اس کے سربراہ عمران خان کو آئی ڈی پیز سے زیادہ اسلام آباد فتح کرنے کی فکر ہے، وزیراعظم نواز شریف دس لاکھ بے گھر افراد کے لیے کچھ کرنے کی بجائے اپنی حکومت کو بچانے کی فکر میں گم ہیں۔ علامہ طاہر القادری کو صرف انقلاب لانے کی ہی فکر دامن گیر ہے اور باقی دوسری جماعتوں کو بھی صرف اپنی اپنی جماعت کی فکر ہے۔ اس وقت پوری پاکستانی قوم کو شمالی وزیرستان سے آئے پناہ گزینوں کی مدد کے لیے اپنی بھرپور کوششیں کرنے کی ضرورت ہے، جو ابھی تک خال خال ہی نظر آ رہی ہیں۔ ایک ملین آبادی کو کیمپوں میں رکھ کر تین وقت کا کھانا کھلانا، کپڑے مہیا کرنا اور علاج معالجے کی سہولیات فراہم کرنا انتظامی اور مالیاتی طور پر کافی مشکل ہے۔ جبکہ حکومت کے پاس ابھی تک کوئی ایسا ٹائم فریم بھی نہیں کہ آپریشن ضرب عضب کب ختم ہوگا اور یہ مہاجرین کب اپنے گھروں کو جائیں گے۔ لہٰذا ان متاثرین کو لامحدود عرصے کے لیے کیمپوں میں رکھنا کسی بڑے انسانی سانحے کو بھی جنم دے سکتا ہے اور اب عید کی آمد کے ساتھ ضروری ہے کہ حکومت کو مربوط انداز میں متاثرین کی بحالی اور فلاح کے لیے منصوبہ بندی کرے۔

ڈائیلاگ

کسی بھی معاشرے میں یہ ممکن نہیں کہ تمام انسان ایک ہی سوچ، فکر، مذہب، عقیدے اور مسلک کے حامل ہوں، کیونکہ انسانی معاشرہ اس گل دستے کی مانند ہے، جس کی سجاوٹ و خوبصورتی کے لیے مختلف رنگ و اقسام کے پھولوں کا ہونا ضروری ہے۔ معاشرے میں انسانی مزاج اور سوچ کا یہ تنوع فطری اور طبعی ہے، جو معاشرے کی خوبصورتی میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ شاید اسی لیے یہ اختلاف اور تنوع اسلامی روایت کا شروع سے ہی حصہ رہا۔ میثاق مدینہ کے مشمولات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ کئی مختلف قبائل کے اس میثاق میں شامل ہونے کا مقصد مختلف نظریات اور کلچر رکھنے والے طبقات پر مشتمل ایک متنوع معاشرہ تشکیل دینا تھا۔ یہ آفاقی حقیقت ہے کہ ہر دور اور ہر خطے میں مختلف نظریات اور مذاہب کے افراد کا مل جل کر رہنا معاشرے کی تکمیل کا حصہ ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ انسان ہمیشہ سے اپنے مذہبی نظریات کے متعلق انتہائی حساس واقع ہوا ہے۔ اب ایک طرف باہم مل جل کر رہنا فطری و طبعی امر ٹھہرا، جبکہ دوسری جانب انسان کا اپنے مذہبی نظریات پر کمپرومائز کرنا بھی ناممکن ہے۔ ایسے میں انسان کے سامنے دو راستے ہیں: ایک راستہ ہے تصادم اور ٹکراؤ کا، یعنی ہر شخص اپنی

مذہبی سوچ کو غالب کرنے کے لیے تصادم اور تشدد کی راہ کا چناؤ کرے، لیکن اس صورت کو اختیار کرنے سے ایک تو زور زبردستی کسی پر اپنی مذہبی سوچ کو مسلط کر دینا ناممکن ہے، جبکہ اس صورت میں امن اور انسانیت جس طرح تباہ ہوگی، وہ بھی سب پر ظاہر ہے، لہٰذا اس کی اجازت کسی بھی مذہب سے نہیں مل سکتی، جبکہ دوسرا راستہ ہے مفاہمت، ڈائیلاگ اور مکالمے کا۔ مکالمے و ڈائیلاگ کا مطلب ہے کہ مختلف خیالات و نظریات کے لوگ پر امن بقائے باہم "جیو اور جینے دو" کے فارمولے پر آپس میں معاملات طے کرتے ہوئے اپنے مذہبی معاملات کو سلجھائیں، اپنے نظریات کو تھامے رکھیں، جبکہ دوسروں کے نظریات کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنا کر تصادم کی صورت پیدا نہ کریں۔ یقیناً ہر ذی شعور انسان تصادم اور ٹکراؤ کی بجائے مکالمے اور ڈائیلاگ کو ترجیح دے گا۔

دین اسلام نے امن و سلامتی، برداشت و رواداری پر عمل کرتے ہوئے تصادم و ٹکراؤ سے گریز کرنے کی تلقین کی ہے۔ اسلام کا مزاج یہ معلوم ہوتا ہے کہ تصادم و ٹکراؤ سے بچتے ہوئے مکالمے کی پالیسی اپنائی جائے، کیونکہ اسلام قیامت تک کے انسانوں کی رہنمائی کے لیے آیا ہے اور حالات و واقعات میں جدت و تبدیلی آنے کی وجہ سے جدید اور مختلف فیہ مسائل میں اہل علم قیامت تک انسانوں کی رہنمائی اپنے اپنے انداز میں کرتے رہیں گے۔ یہ ممکن نہیں کہ تمام اہل علم عوام الناس کی رہنمائی کسی ایک ہی طریقے پر کریں، یقیناً ان کے

طریقہ کار اور دلائل میں فرق ہوگا، کیونکہ قرآن و حدیث نے بہت سے مسائل کو صراحت کے ساتھ ذکر نہ کرکے اہل علم کے سپرد کردیا ہے۔ قرون اولی میں مختلف علماء و فقہاء پیش آمدہ مسائل کو اپنے اپنے فہم کے مطابق مختلف طریقوں سے سلجھاتے آئے ہیں، لیکن کبھی تصادم اور ٹکراؤ، سب و شتم اور استہزا و توہین کی نوبت نہیں آئی۔ عہد رسالت میں مسلمانوں کے لشکر کو بنو قریظہ پہنچ کر عصر کی نماز ادا کرنے کی ہدایت کی گئی، لیکن صحابہ کرامؓ نے اپنے اپنے فہم اور اپنی اپنی تشریح کے مطابق الگ الگ عمل کیا، جس پر نہ تو صحابہؓ کے درمیان کسی قسم کا تنازع پیدا ہوا اور نہ ہی اطلاع ملنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ڈانٹا یا ناراضی کا اظہار کیا، بلکہ دونوں کی توثیق فرمائی۔ صحابہؓ کے دور میں بھی یہی صورت حال رہی کہ مختلف صحابہؓ نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق مختلف فتاویٰ دیے اور مختلف علاقوں میں جا کر جس طرح سے دین سکھایا، وہی طریقے ان علاقوں میں رواج پذیر ہوگئے، اس طرح سے دین پر عمل کرنے کی متعدد صورتیں وجود میں آئیں، لیکن یہ مختلف فتاویٰ اور متنوع عمل کبھی بھی تنازعات کا باعث نہیں بنے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں دین پر عمل کی مختلف صورتیں ختم کرکے سب لوگوں کو ایک ہی طریقے پر جمع کرنے کی تجویز پیش کی گئی تو انہوں نے نہ صرف اس تجویز کو مسترد کردیا، بلکہ اپنی قلم رو میں آنے والے تمام علاقوں میں ایک حکم نامہ بھجوایا، جس کا لب لباب دین پر عمل کی ان تمام صورتوں کو تسلیم کرنا تھا۔ انہوں نے حضرت

ابو بکرؓ کے پوتے قاسم بن محمدؒ سے یہ بھی فرمایا کہ اگر بڑی سے بڑی دولت پیش کی جائے، تب بھی میں اس بات کی تمنا نہیں کروں گا کہ صحابہؓ کے درمیان یہ اختلاف نہ ہوتا، اس لیے کہ اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو امت کے لیے وسعت و آسانی پیدا نہ ہوتی۔ جب امام مالکؒ سے خلیفہ وقت نے ان کی کتاب "موطا" کو نافذ کرکے تمام لوگوں کو اس پر عمل کا پابند بنانے کی درخواست کی تو انہوں نے خلیفہ کو اس ارادے پر عمل سے منع کرتے ہوئے فرمایا: "لوگوں تک دین کے بارے میں مختلف باتیں پہنچی ہیں، مختلف علاقوں کے لوگوں تک جس جس انداز سے دین پہنچا، وہاں کے لوگوں نے اسے اختیار کر لیا ہے اور اپنی عملی زندگی کو اس میں ڈھال لیا ہے، اب اس چیز کو وہ درست سمجھ کر اختیار کر چکے ہیں، انہیں اس سے روکنا بہت سنگین ہوگا، اس لیے لوگ جس حال میں ہیں، ان کو اسی پر رہنے دیا جائے۔" حاصل یہ کہ اختلاف کو گوارا کرنا اور اس کو اس کا صحیح درجہ دینا مسلمانوں کی علمی روایت کا حصہ رہا ہے، بلکہ جلیل القدر تابعی یحییٰ بن سعید انصاریؒ فرماتے ہیں: "اہل علم وسعت اختیار کرنے والے ہوتے ہیں، اس لیے اہل افتا ہمیشہ اختلاف رائے کرتے رہیں گے، چنانچہ بعض اوقات ایک ہی چیز کو ایک عالم اور مفتی حلال قرار دیتا ہے اور دوسرا حرام قرار دیتا ہے، اس لیے نہ تو پہلا دوسرے کو برا کہتا ہے اور نہ ہی دوسرا پہلے کو۔" یہی وجہ ہے اس دور

میں اختلاف رائے کو نہ تو کبھی منافرت اور لڑائی جھگڑے کا باعث بننے دیا جاتا تھا اور نہ ہی کسی کو اپنی رائے قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ فروعی، عملی، نظریاتی اور اصولی اختلافات کے باوجود اہل علم کے درمیان پرامن بقائے باہم، برداشت اور ایک دوسرے کے احترام کا ماحول قائم تھا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ آج ہمارا طرز عمل مجموعی طور پر اس سے بالکل مختلف نظر آتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اختلاف کو خلاف اور نزاع کا ذریعہ نہ بنایا جائے، تاکہ معاشرے میں سکون اور امن کا ماحول پیدا ہو۔

اسلام آباد دھرنا: "انقلابیوں" کی انقلاب لائے بغیر واپسی شروع

حکومت کو ختم کرکے "انقلاب" لانے والے "انقلابیوں" کے دھرنے ڈیڑھ ماہ سے اسلام آباد میں انقلاب کے انتظار میں خیمہ زن ہیں، لیکن جس انقلاب کو لانے کے لیے "دھرنا برادرز" آئے تھے، اس کا کہیں دور دور بھی نام و نشان نہیں ہے۔ دھرنا کارکنوں میں کئی روز سے مایوسی بڑھ رہی ہے اور کارکن دھرنے کو چھوڑ کر انقلاب لائے بغیر گھروں کو لوٹنا شروع ہوگئے ہیں۔ انقلاب کی بجائے عید قرباں کے آنے کی وجہ سے کارکنوں کی اس مایوسی میں مزید اضافہ ہورہا ہے۔ ذرائع کے مطابق شارع دستور پر موجود پی اے ٹی کے حامی اپنے خیمے پیک اور گھر واپسی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اگرچہ متعدد افراد گھر واپسی پر خوش نظر آ رہے ہیں، مگر وہ دارالحکومت میں اپنے قیام کے دوران کچھ حاصل نہ کرنے پر مایوس بھی ہیں۔ بہت سے لوگ دھرنوں سے انقلاب لائے بغیر جا چکے ہیں، جبکہ باقی میں سے بہت سے افراد سامان سمیٹتے نظر آ رہے ہیں۔ امید ظاہر کی جا رہی ہے کہ تقریباً ڈیڑھ ماہ سے اسلام آباد میں جاری دھرنے عید سے پہلے ختم ہو جائیں گے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق لگتا ہے کہ عمران خان اور ڈاکٹر طاہر القادری وفاقی دارالحکومت سے نکلنے کا راستہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ عمران خان کا کہنا ہے کہ وہ اپنے مقصد کی حمایت کے لیے ملک بھر میں جلسے

کرنا چاہتے ہیں۔ جبکہ عوامی تحریک کے سربراہ طاہر القادری نے کہا ہے کہ اب اس انقلاب دھرنے کو انقلاب تحریک میں تبدیل کر رہے ہیں۔ اپنے کارکنوں کو خونی انقلاب سے روکا ہوا ہے۔ خونین انقلاب میں واحد رکاوٹ میں ہوں۔ جب یہ دھرنا تحریک میں تبدیل ہوگا تو شہر شہر انقلاب ہوگا، تب دنیا دیکھے گی انقلاب کسے کہتے ہیں۔ تجزیہ کاروں کے مطابق عید قرباں کے آنے کی وجہ سے دونوں لیڈروں کے لیے دھرنے میں موجود افراد کو روکنا مشکل نظر آ رہا ہے، کیونکہ دھرنے والوں کی اکثریت جا چکی ہے اور مزید جانے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ دھرنے میں شریک سیکڑوں خاندان گزشتہ تین ہفتوں کے دوران واپس جا چکے ہیں، جبکہ مزید درجنوں خواتین اپنے علاقوں کو جلد از جلد واپس جانا چاہتی ہیں۔ پی اے ٹی کے ترجمان عمر ریاض عباسی کا کہنا ہے کہ دھرنے کی طوالت سے لوگوں کی مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ سیکڑوں خاندان اپنے ذاتی مسائل کی بنا پر دھرنے کو چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ گزشتہ دنوں اسلام آباد کی اسپیشل برانچ پولیس نے وزارت داخلہ کو ایک رپورٹ بھجوائی، جس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ عوامی تحریک کے دھرنے کی طوالت اور عید کی وجہ سے ایک ہزار سے زاید کارکن اپنے آبائی علاقوں کو واپس چلے گئے ہیں، شرکا کی تعداد آیندہ چند روز میں مزید کم ہونے کے امکانات ہیں۔ ان حالات میں ذرائع کے مطابق دھرنے کے خاتمے کے لیے بیک چینل رابطوں کے نتیجے میں دھرنے کے عیدالاضحیٰ سے قبل خاتمے کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔ باخبر ذرائع کے مطابق

طاہر القادری سے گزشتہ دنوں بیرون ملک سے آنے والی ایک اہم شخصیت نے 2 مرتبہ کنٹینر میں جا کر ملاقات کی اور اس شخصیت کے بعض حکومتی شخصیات سے بھی رابطے ہوئے ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ طاہر القادری کو دھرنے کے خاتمے کے لیے محفوظ راستہ دیا جائے گا، جو نہ صرف ان کے لیے باعزت ہوگا، بلکہ حکومت کے لیے بھی قابل قبول ہوگا اور ایک فارمولے پر بات چیت کافی آگے بڑھ چکی ہے۔ اس حوالے سے سابق وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک نے اس امید کا اظہار کیا ہے کہ عید الاضحیٰ سے قبل اسلام آباد میں جاری دھرنے ختم ہوجائیں گے۔ فریقین کو لچک کا مظاہرہ کرنا چاہیے، کیونکہ سیاست میں مذاکرات کا راستہ کسی صورت بند نہیں ہو سکتا ہے۔

تجزیہ کاروں کے مطابق پاکستان عوامی تحریک (پی اے ٹی) اور پاکستان تحریک انصاف پی ٹی آئی) کی قیادت اس بات پر غور کرنے پر مجبور ہو گئی ہے کہ دھرنوں میں شریک) افراد کو عید الاضحیٰ سے قبل گھر جانے کی اجازت دے ہی دی جائے۔ ذرائع کے مطابق گزشتہ ہفتے عوامی تحریک کے ایک رہنما کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر طاہر القادری کی جانب سے پاکستان مسلم لیگ (ن) کے خلاف چلائی جانے والی تحریک کا دائرہ کار ملک کے دیگر علاقوں تک پھیلانے کے اعلان کا مقصد یہی تھا کہ شرکا کو عیدِ قرباں سے قبل گھروں کو جانے کی اجازت دے دی جائے اور پاکستان عوامی تحریک کی قیادت یہ امید کر رہی تھی کہ دارالحکومت میں

دھرنا دینے سے حکومت پر دباؤ پڑے گا اور وزیراعظم استعفیٰ دے کر اسمبلیاں تحلیل کر دیں گے اور ایک ہفتے میں دوبارہ انتخابات منعقد کرائے جائیں گے، لیکن جب پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) نے حکومت اور جمہوری نظام کی حمایت کا اعلان کیا تو یہ سب کچھ ایک خواب بن کر رہ گیا۔ ان کے مطابق پارٹی قیادت کا خیال ہے کہ شرکا کو دھرنا دیے ایک ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، دارالحکومت میں مزید خیموں میں قیام کرنا ان کے لیے ممکن نہیں ہوگا اور یہ صورتحال اس وقت مزید خراب ہو جائے گی، جب کہ اگر پارٹی قیادت ان افراد کو بحفاظت اپنے گھروں تک پہنچانے میں ناکام ہو جائے۔ عوامی تحریک کی سی ڈبلیو سی کے رکن نے تسلیم کیا کہ شاہراہ دستور پر صفائی ستھرائی کی خراب صورتحال اور بیماریاں پھیلنے کے باعث شرکا کی تعداد میں بتدریج کمی واقع ہو رہی ہے۔ جبکہ بارشوں، سیلاب اور شرکا کی اپنے اسکولوں، کالجوں اور ملازمت سے طویل غیر حاضری سے پیدا ہونے والے مسائل بھی شرکا کی تعداد میں کمی کا باعث بن رہے ہیں۔ پی اے ٹی کے ترجمان عمر ریاض عباسی کا کہنا تھا کہ پارٹی قیادت شرکا کو درپیش مشکلات سے بخوبی آگاہ ہے اور ڈاکٹر طاہر القادری کی جانب سے ملک کے دیگر حصوں میں احتجاج کرنے کا اعلان اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ گزشتہ دنوں عوامی تحریک (پی اے ٹی) کے ترجمان عمر ریاض عباسی کا کہنا تھا کہ ان کی جماعت کا دھرنے کے مقام پر جانوروں کی قربانی کا کوئی پروگرام نہیں۔ دوسری جانب پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کی کور کمیٹی کے اہم رکن کے

مطابق جڑواں شہروں سے تعلق رکھنے والے شرکا ویک اینڈ پر دھرنے میں شریک ہوتے ہیں، جبکہ پی ٹی آئی کے کچھ حامیوں نے جڑواں شہروں کے ہاسٹلز اور گیسٹ ہاؤسز میں رہائش اختیار کر رکھی ہے۔ ڈی چوک پر دن رات رہنے والے شرکا کی تعداد نہایت کم ہے اور پارٹی ورکروں کے لیے اتنے طویل عرصے تک کرائے کے کمروں میں رہنا ممکن نہیں ہے اور ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ن لیگ کی حکومت اتنی آسانی سے مطالبات تسلیم نہیں کرے گی، یہی وجہ ہے کہ پارٹی چیئرمین عمران خان کی جانب سے تحریک کا دائرہ کار ملک کے دیگر حصوں میں بھی پھیلایا جا رہا ہے۔ پی ٹی آئی کے رکن قومی اسمبلی اسد عمر کے مطابق پارٹی قیادت نے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا کہ جڑواں شہروں کے علاوہ ملک کے دیگر حصوں میں رہنے والے شرکا کو عید سے قبل گھر جانے کی اجازت دے دی جائے۔ ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں رہنما اپنے حامیوں سے یہ وعدہ کر چکے ہیں کہ وہ اپنے مقصد کی حمایت کے لیے دیگر شہروں میں جلسے کریں گے، جس سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ دھرنے کی تھکاوٹ مظاہرین پر اثرانداز ہونا شروع ہو گئی ہے۔

دوسری جانب وفاقی حکومت نے پنجاب پولیس کے دو ہزار پانچ سو اہلکاروں کو اپنے علاقوں میں واپس بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اسلام آباد میں پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) اور عوامی تحریک کے دھرنوں میں سیکورٹی کو کنٹرول کرنے کے لیے کہ حکومت نے پنجاب پولیس سے مدد طلب کی تھی۔ اس وقت اسلام آباد

میں پنجاب پولیس کے 11 ہزار سے بھی زاید اہلکار سیکورٹی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ان اہلکاروں کو دارالحکومت میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ دوسرا موقع ہے کہ پنجاب پولیس نے وفاق سے اپنی فورس کو واپس بلانے کا مطالبہ کیا ہے۔ عید پر سیکورٹی کے لیے ان اہلکاروں کی ضرورت پڑے گی۔ اسی طرح کا مطالبہ پنجاب حکومت نے وفاق سے اس وقت بھی کیا تھا جب صوبے میں سیلاب نے تباہی مچادی تھی، لیکن وفاق نے اس مطالبے کو مسترد کردیا تھا۔ اس وقت پنجاب میں عید کے موقع پر مساجد کی سیکورٹی کے لیے اہلکاروں کی ضرورت ہے۔ اسلام آباد پولیس نے اس مطالبے پر تمام نفری کو واپس بھیجنے سے انکار کیا تھا، تاہم اب ان میں سے ڈھائی ہزار اہلکاروں کو وہ واپس بھیجنے کے لیے تیار ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ پولیس کے لیے دھرنوں کی وجہ سے پیدا ہونے والی مشکلات میں کمی واقع ہوچکی ہے اور "انقلابی دھرنے" ختم ہوئے چاہتے ہیں۔

عید قرباں: کھالوں کی چھینا چھپٹی.... ضابطہ اخلاق پر عمل درآمد ہوسکے گا؟

پاکستان میں عید قرباں کی آمد آمد ہے۔ ہر جانب عید کی تیاریاں کی جارہی ہیں۔ خرید وفروخت کی وجہ سے بازاروں کی رونق دوبالا ہورہی ہے۔ جگہ جگہ جانوروں کے چارے کی عارضی دکانیں سج گئی ہیں۔ گلی محلے میں شام ڈھلے گائیں اور بکروں کو ٹہلانے کے لیے نوجوان اور بچوں کے جمگھٹے لگنے لگے ہیں۔ بڑے چھوٹے اپارٹمنٹس کے احاطوں میں، مکانات کے آگے، میدانوں اور خالی پلاٹس پر، وقتی چھپّروں میں، گائیں، بکرے اور کہیں کہیں اونٹ اور دنبے بھی جگالی کرتے دکھائی دے رہے ہیں۔ عید قرباں پر قربانی کا جانور انتہائی زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اس سے قربانی کا جذبہ اور خوشی ملتی ہے۔ عید قرباں مسلمانوں کے لیے خوشیوں کا دوسرا نام ہے، لیکن ملک بھر میں اور خصوصاً کراچی کے باسیوں کے لیے یہ عید ہر برس خوشیوں کے ساتھ ساتھ یہ پریشانی بھی لاتی ہے کہ قربانی کے جانور کی کھال کو حق دار تک کس طرح پہنچایا جائے؟ پاکستان میں عید الاضحیٰ پر قربان کیے جانے والے جانوروں کی کھالیں جمع کرنا سیاسی اور دینی جماعتوں کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ دینی جماعتوں اور زیر انتظام چلنے والے مدارس اور سیاسی جماعتوں کے قائم کردہ رفاہی ادارے اپنی سالانہ آمدنی کا بڑا حصہ انہی کھالوں کو فروخت کرکے حاصل کرتے ہیں۔ کچھ غیر سرکاری تنظیمیں اور فلاحی اداروں کو بھی ان

کھالوں سے آمدنی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عید الاضحیٰ پر ان تمام اداروں کے درمیان زیادہ سے زیادہ کھالوں کے حصول کے لیے "رسہ کشی" ہوتی ہے۔ ہر جماعت اور تنظیم کے پیش نظر یہ نکتہ رہتا ہے کہ جتنی زیادہ کھالیں اتنی زیادہ آمدنی۔ کراچی میں حق دار تک کھالیں پہنچانا انتہائی مشکل نظر آتا ہے۔ کراچی میں عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کی کھالیں جمع کرنے کا مقابلہ رہتا ہے۔ سیاسی جماعتوں کے رفاعی شعبے، مذہبی جماعتیں اور مدارس کھالیں جمع کرنے کی اس دوڑ میں شامل ہوتے ہیں۔ کھالوں کی یہ سیاست ہر سال پر تشدد بن جاتی ہے، جس میں چھینا جھپٹی اور فائرنگ کے واقعات تک رونما ہوتے ہیں۔ کراچی میں ماضی میں عید قربان پر جانوروں کی کھالیں جمع کرنے پر مختلف سیاسی جماعتوں کے کارکنوں میں تصادم ہوتے رہے ہیں۔ عید کی آمد سے قبل ہی مختلف جماعتوں کی جانب سے شہر کے چوراہوں اور دیواروں پر بینرز اور پوسٹر لگ جاتے ہیں، جن میں ان کھالوں کا حقدار انہیں قرار دیا جاتا ہے۔ اس محاذ آرائی میں بسا اوقات شہریوں کے لیے خود اپنی کھال بچانا مشکل ہوجاتا ہے۔ ماضی میں کراچی میں ہر برس ہی "گن پوائنٹ" پر کھالوں کی زبردستی وصولی اور امدادی تنظیموں کی کھالیں لے جانے والی گاڑیوں کے چھینے جانے کے واقعات پیش آتے رہے ہیں۔ جبکہ بعض مذہبی جماعتیں گزشتہ کئی سالوں سے عید الاضحیٰ کے موقع پر "مہم چرم قربانی" کے سلسلے میں امن وامان کے قیام اور قربانی کی کھالوں کی چھینٹا جھپٹی کی وارداتوں کی روک تھام کے لیے حکومت اور قانون نافذ کرنے

والے اداروں پر زور دیتے آ رہے ہیں۔ ہر برس حکومت کی جانب سے عیدالاضحیٰ کی آمد سے قبل شہر میں دفعہ 144 نافذ کی جاتی ہے جس کے تحت کھالیں جمع کرنے پر پابندی ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود ہر سال رفاہی تنظیموں اور امدادی اداروں کی جانب سے کھالیں چھیننے جانے یا مخصوص علاقوں میں داخلے کی اجازت نہ ملنے کی شکایات سننے میں آتی ہیں۔

گزشتہ دنوں محکمہ داخلہ سندھ اور کمشنر کراچی کی جانب سے ایک ضابطہ اخلاق ترتیب دیا گیا ہے، جس کے حوالے سے دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ اب قربانی کی کھالوں کا جبری حصول مشکل ہوگا۔ کھالوں کا حصول اکثر اوقات جماعتوں اور تنظیموں یا ادارے کے درمیان کشیدگی کا باعث بن جاتا ہے۔ ایک دوسرے سے کھالیں چھیننا، قبل از قربانی ہی کھالوں کے لیے پرچیوں یا رسیدوں کے ذریعے بکنگ پر تکرار، دو لوگوں کے درمیان "پہلے میں آیا، اس لیے کھال میں لوں گا" اور "کھال پر پہلا حق میرا ہے" جیسے گرما گرم بحث مباحثے میں پہلے بات "تو تو میں میں" تک پہنچتی ہے۔ پھر ہاتھا پائی پر اور اس کے بعد ہتھیار تک نکل آتے ہیں۔ کھالوں پر تشدد اور قتل جیسے سنگین واقعات بھی ہوتے رہے ہیں۔ ان سب مسائل سے نمٹنے کے لیے رواں سال محکمہ داخلہ سندھ اور کراچی انتظامیہ نے سخت ترین ضابطہ اخلاق ترتیب دیا ہے۔ یہ ضابطہ سیکرٹری داخلہ محکمہ سندھ نیاز عباسی کی زیر نگرانی ہونے والے اجلاس میں ترتیب دیا گیا۔ کمشنر کراچی

شعیب احمد صدیقی بھی اس حوالے سے اہم ترین اجلاس منعقد کر چکے ہیں۔ کمشنر شعیب احمد صدیقی کے مطابق اس ضابطہ اخلاق کی تفصیلات یہ ہیں: کوئی بھی ادارہ، جماعت یا تنظیم گھر گھر جا کر کھالیں جمع کرنے کی مجاز نہیں۔ زبردستی کھالیں جمع کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ کھالیں جمع کرنے کے لیے کمشنر یا ڈپٹی کمشنر کی اجازت لینا لازمی ہوگا۔ کھالیں جمع کرنے کے لیے شاہراہوں پر کیمپ لگانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس مقصد کے لیے لاؤڈ اسپیکر بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ کھالوں کی منتقلی کے لیے پولیس کو آگاہ کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ عید کے تینوں دن دفعہ 144 نافذ ہوگی۔ عید پر ہر قسم کا اسلحہ لے کر چلنے پر بھی پابندی ہوگی۔ یہ ضابطہ ٔ اخلاق گزشتہ سالوں کے دوران پیش آنے والے واقعات کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے۔ کراچی میں مختلف جماعتوں کی جانب سے کھالوں کے حصول کے لیے عوام پر دباؤ ڈالنے یا جبری کھال لینے کے واقعات ریکارڈ پر ہیں۔ کمشنر کراچی شعیب احمد صدیقی کا کہنا ہے کہ کھالوں کے حصول کے لیے کسی بھی قسم کا دباؤ، زور یا زبردستی قانوناً جرم ہوں گے۔ ان کے مطابق شہر کے متعدد ایریاز ایسے ہیں جہاں گزشتہ سالوں کے دوران جبری طور پر کھالیں لینے، کھالیں چھیننے یا اسلحہ کے استعمال کی شکایات موصول ہوتی رہی ہیں۔ ان ایریاز کو "ہائی رسک" زون میں رکھا گیا ہے اور عید کے تینوں دن یہاں قانون نافذ کرنے والوں کی بھاری نفری تعینات ہوگی، تاکہ کسی بھی قسم کی صورتحال سے نمٹا جاسکے اور ماضی جیسے

واقعات روکے جاسکیں۔ کمشنر کے مطابق "شہر کے مضافاتی علاقے، سرجانی ٹاؤن، خدا کی بستی، لیاری اور لیمارکیٹ "ہائی رسک ایریاز" ہیں۔ کمشنر کراچی کے مطابق "ضابطہ ن اخلاق کی خلاف ورزی کی صورت میں تعزیرات پاکستان کے تحت سخت کارروائی کی جائے گی، جس کے تحت ایسا کرنے والے کے خلاف مقدمہ درج کیا جائے گا۔ لاؤڈ اسپیکر ایکٹ کی خلاف ورزی پر دوسال قید کی سزا ہوسکتی ہے، جبکہ جو قوانین تعزیرات پاکستان کے تحت نہیں آتے، مثلاً کھالوں کے لیے پرچیاں دینا، وہ پاکستان پینل کوڈ کی دفعہ 506 کے تحت قابل سزا ہوں گے۔ اسی طرح ڈی جی رینجرز میجر جنرل بلال اکبر کی زیر صدارت عید الاضحیٰ پر سیکورٹی کے معاملات سمیت کھالوں کے ضابطہ اخلاق پر بھی غور کیا گیا۔ ڈی جی رینجرز نے عید کے موقع پر کراچی میں فول پروف سیکورٹی یقینی بنانے کی ہدایت کی، جبکہ عید کے تینوں دن اسنیپ چیکنگ سخت کرنے اور پٹرول کو بھی جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ڈی جی رینجرز کا کہنا تھا کہ کسی کو گھر گھر جاکر قربانی کی کھالیں جمع کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، جبکہ عید کے دوران اسلحہ لے کر چلنے پر بھی پابندی ہوگی اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں سے سختی سے نمٹا جائے گا۔

مبصرین کے مطابق حکومت کی جانب سے ماضی میں بھی اسی نوعیت کے ضابطہ اخلاق کا اعلان کیا جاتا رہا ہے، لیکن اس کے باوجود عیدِ قرباں کے موقع پر شہر کی مختلف جماعتوں کے نام پر ان کے زیر اثر علاقوں میں گھر گھر جا کر کھالیں

اکٹھی کی جاتی رہی ہیں۔ شہریوں کا کہنا ہے کہ عید سے کئی روز قبل ہی بعض سیاسی جماعتوں کے کارکن گھر گھر آ کر قربانی کی کھال ان ہی کے حوالے کرنے کا کہہ کر چلے جاتے ہیں اور انہیں خوف ہوتا ہے کہ کھال نہ دینے کی صورت میں انہیں نقصان پہنچ سکتا ہے۔ عیدِ قرباں کی آمد سے قبل شہر کے کئی علاقوں کی گلیوں کو رکاوٹیں کھڑی کرکے بند کر دیا جاتا ہے اور عام تاثر یہ ہے کہ اس کا مقصد مخالفین کو اپنے زیرِ اثر علاقے میں آ کر کھال جمع کرنے اور علاقے کے کسی رہائشی کو باہر کھال لے جانے سے روکنا ہوتا ہے۔ مبصرین کے مطابق کراچی میں ضابطہ اخلاق کبھی بھی کارگر ثابت نہیں ہوا اور کبھی اس پر سختی سے عملدرآمد کرایا ہی نہیں گیا۔ ہر سال حکومت کی جانب سے نافذ ہونے والے ضابطہ اخلاق پر شاید مدارس ہی عمل کرتے ہیں، ان کے علاوہ شاذونادر ہی کوئی عمل کرتا ہے۔ دوسری جانب داخلہ پنجاب نے صوبے میں 22 کالعدم اور 2 انڈر آبزرویشن تنظیموں پر کھالیں اور چندہ جمع کرنے پر پابندی عاید کر دی ہے۔ ذرائع کے مطابق یہ پابندی گزشتہ برس سے لگائی گئی تھی، تاہم اس سال عیدالاضحیٰ کے موقع پر محکمہ داخلہ نے دوبارہ پنجاب پولیس کو مراسلہ جاری کیا ہے، جس میں پولیس کو ہدایت کی گئی ہے کہ کالعدم جماعتوں کو قربانی کی کھالیں اور چندہ جمع نہ کرنے دیا جائے اور اس حوالے سے قانون پر عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔

عید الاضحیٰ پر بھی بھارتی جارحیت کا سلسلہ جاری رہا

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ بھارت، پاکستان اور پاکستانی قوم کے ساتھ انتہائی بغض و عناد رکھتا ہے، اسی لیے وہ انہیں نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ جہاں ایک طرف وہ کشمیری عوام پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے، وہیں دوسری جانب اپنے بغض کا اظہار وقتاً فوقتاً سیز فائر کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بھارت سے ملحق پاکستانی علاقوں پر گولا باری و فائرنگ کے ذریعے دہشتگردی کی صورت میں کرتا ہے۔ سال رواں اب تک بھارت 31 بار جبکہ یکم اکتوبر سے چھ مرتبہ سیز فائر کی خلاف ورزی کر چکا ہے اور تاحال بھارتی جارحیت کا سلسلہ جاری ہے۔ بھارتی فوج پچھلے ایک ہفتے سے مسلسل کنٹرول لائن اور بین الاقوامی سرحد پر فائرنگ اور گولہ باری کر رہی ہے، بلکہ بھارتی فوجیوں نے عید الاضحیٰ کا خیال بھی نہ رکھا اور عناداً پاکستانی شہریوں کو خوشی اور بابرکت دن میں لاشوں کے "تحفے" دے کر ان کی خوشی کو غمی میں تبدیل کیا۔ بھارتی افواج کی جانب سے سیالکوٹ ورکنگ باؤنڈری پر اندھا دھند فائرنگ کے نتیجے میں اب تک 10 پاکستانی شہید، جبکہ تیس سے زاید زخمی ہو چکے ہیں۔ بھارتی افواج نے چاند رات کو پاکستانی سرحدی علاقوں میں فائرنگ کا سلسلہ شروع کیا تھا، جو عید کے تیسرے روز بھی جاری رہا، جس کے نتیجے میں شہید

شہریوں کی تعداد دس ہو گئی۔ آئی ایس پی آر کے بیان کے مطابق پنجاب رینجرز نے بھارتی فائرنگ کے جواب میں گولا باری اور بھارت کی بارڈر سیکورٹی فورس کو موثر جواب دیا۔ سرکاری بیان کے مطابق کشمیر میں لائن آف کنٹرول پر نکیال، کیرالہ کوٹ، کٹیرا ہاٹ سپرنگ اور جندروٹ سیکٹرز میں بھارت کی جانب سے شیلنگ کی گئی۔ بھارتی فائرنگ کی وجہ سے پاکستانی شہریوں نے نقل مکانی شروع کر دی ہے۔ سیالکوٹ کے مختلف سیکٹرز پر بھارتی فائرنگ سے اب تک 10 شہری اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، جن میں خواتین اور معصوم بچے بھی شامل ہیں، جبکہ درجنوں شہری زخمی ہو کر ہسپتال پہنچ چکے ہیں۔ بھارتی فائرنگ سے علاقے میں خوف و ہراس کی فضا قائم ہو گئی ہے اور لوگ اپنا گھر بار چھوڑ کر نقل مکانی کرنے پر مجبور ہیں، بھارتی ہٹ دھرمی و دراندازی کی وجہ سے چالیس دیہات خالی کروالیے گئے ہیں۔ بھارتی فورسز نے جن دیہاتی آبادیوں کو نشانہ بنایا، ان میں نند پور، رنگ پور جٹاں، پتوال، جمبھیاں، پھوکلیاں، سرگٹ پور، دھول ملانے، چپراڑ، تلسی پور، دھمالہ، کوٹلی خواجہ، جروال، ڈنڈیال، ہرپال، باجرہ گڑھی شامل ہیں۔ بھارتی فورسز نے پاکستانی چیک پوسٹوں کو نشانہ بناتے ہوئے بھاری مشین گنوں اور مارٹر گولوں کا آزادانہ استعمال کیا، چناب رینجرز کے جوان بھارتی جارحیت کا موثر جواب دے رہے ہیں۔ بھارتی گولا باری کے باعث 70 ہزار سے زاید افراد متاثر ہو رہے ہیں، جبکہ 20 ہزار سے زاید نقل مکانی کر گئے ہیں۔ واضح رہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان سیالکوٹ ورکنگ باونڈری

اور لائن آف کنٹرول پر کشیدگی کا سلسلہ سرحدوں پر کئی برس کے امن کے بعد 2013 میں شروع ہوا تھا۔ پچھلے سال اکتوبر میں بھی سیالکوٹ کی سرحد پر بھارتی گولہ باری سے ایک فوجی اور دو شہری جاں بحق اور چودہ افراد زخمی ہوئے تھے۔ حالیہ برس اگست میں ایک مرتبہ پھر سیالکوٹ ورکنگ باونڈری پر پاکستان اور بھارت کے سرحدی محافظوں کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ شروع ہوا، جس میں دو شہری ہلاک اور رینجرز اہلکاروں سمیت کئی زخمی ہوئے۔ جس کے بعد پاکستان کی وزارت خارجہ نے اسلام آباد میں تعینات بھارت کے ڈپٹی ہائی کمشنر کو طلب کرکے باقاعدہ احتجاج بھی ریکارڈ کروایا تھا، جبکہ اب ایک بار پھر بھارت نے دراندازی کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔

پاکستانی دفتر خارجہ نے بھارتی فائرنگ پر شدید احتجاج کیا ہے۔ دفتر خارجہ کے مطابق یکم اکتوبر سے اب تک بھارت چھ مرتبہ سیز فائر کی خلاف ورزی کر چکا ہے۔ وزیراعظم کے مشیر برائے قومی سلامتی اور امور خارجہ سرتاج عزیز نے کنٹرول لائن اور بین الاقوامی سرحد پر بھارتی فوج کی جانب سے جنگ بندی کی بڑھتی ہوئی خلاف ورزیوں پر شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بھارت فوری طور پر جنگ بندی کے معاہدے پر عمل درآمد کرے۔ بھارتی فوج پچھلے 7 روز سے کنٹرول لائن اور بین الاقوامی سرحد پر فائرنگ اور گولا باری کر رہی ہے۔ بھارتی فوجیوں نے عید الاضحیٰ کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے بے گناہ پاکستانی

شہریوں کو شہید کیا، لیکن اس کے باوجود پاکستان انتہائی صبر و تحمل اور ذمہ داری سے کام لے رہا ہے۔ سرتاج عزیز نے بھارتی فوج کی جانب سے سیالکوٹ میں چارواہ، بجوات، چپراڑ اور دیگر سیکٹرز پر بلا اشتعال فائرنگ اور گولا باری پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حکومت پاکستان نے بھارتی حکومت کی جانب سے اپنے فوجیوں کو نہ روکنے پر سفارتی سطح پر شدید احتجاج ریکارڈ کرایا اور بھارتی حکومت پر زور دیا کہ وہ فوری طور پر جنگ بندی پر عمل کرے اور خطے میں امن و امان کو بحال کرنے میں مدد کرے۔ مشیر خارجہ کا کہنا تھا کہ پاکستان نے بھارت کے ساتھ کئی بار ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز کے درمیان ہاٹ لائن پر رابطے اور سیکٹر کمانڈروں کے درمیان ملاقاتوں جیسے چینلز کو استعمال کرنے پر زور دیا، لیکن بد قسمتی سے کنٹرول لائن اور بین الاقوامی سرحد پر امن کی بحالی کے لیے ہماری ان کوششوں کے جواب میں بھارت کی طرف سے کوئی تعاون نہیں کیا گیا۔ پاکستان اور بھارت میں اقوام متحدہ کے فوجی مبصر گروپ کو بھی امن و امان یقینی بنانے کے لیے جنگ بندی کی نگرانی میں اپنا ضروری کردار ادا کرنا چاہیے۔

جبکہ امریکی محکمہ خارجہ کی ترجمان جین ساکی نے واشنگٹن میں نیوز بریفنگ کے دوران لائن آف کنٹرول کی صورتحال پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان اور بھارت لائن آف کنٹرول سمیت تمام معاملات مذاکرات سے حل کریں۔ کشمیر سے متعلق امریکا کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے، کشمیر کے مسئلے کے حل کے لیے دونوں ممالک کے درمیان

بات چیت ضروری ہے اور مذاکرات کے مستقبل اور اس کی نوعیت کا تعین پاکستان اور بھارت نے خود ہی کرنا ہے۔ پاکستانی فوج کے مطابق پاکستان نے فائرنگ کے ان واقعات پر اقوامِ متحدہ کے فوجی مبصر مشن سے احتجاج کیا ہے اور یہ مشن متاثرہ مقامات کا دورہ بھی کرے گا۔

پاکستان کے متعدد رہنماؤں نے بھارتی جارحیت کی مذمت کرتے ہوئے حکومت سے موثر جواب دینے کا مطالبہ کیا ہے، تاہم اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ بھارت کسی غلط فہمی میں نہ رہے، اس کے خلاف پوری پاکستانی قوم مشکل کی اس گھڑی میں سیاسی جماعتیں اختلافات بھلا کر متحد ہیں۔ افواج پاکستان اور پاکستانی قوم ہر جارحیت کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ عوامی مسلم لیگ کے سربراہ شیخ رشید احمد نے بھارتی جارحیت کو سازش قرار دیا ہے۔ جماعت الدعوۃ کے امیر حافظ محمد سعید نے کہا ہے کہ بھارت کے مقابلے میں پاکستانی قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ سرحد پر بھارتی جارحیت ناقابل برداشت ہے۔ انشا اللہ تعالیٰ ہم بھارت سے بدلہ لیں گے۔ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے کنٹرول لائن پر بھارتی جارحیت کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ بھارت کی مسلسل جارحیت پر وزیراعظم نواز شریف کاروباری مفادات کے باعث خاموش ہیں اور تحریک انصاف کے وائس چیئرمین مخدوم شاہ محمود قریشی کا کہنا تھا کہ بھارت کی اشتعال انگیز کارروائیوں پر حکومت وقت غفلت کی نیند سو رہی ہے۔ وزیراعظم اس معاملے پر

اپنے بھارتی ہم منصب سے فوری بات کریں۔ عدم استحکال پورے خطے کے لیے خطرناک ہوگا۔ وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف نے کہا ہے کہ بھارت کی جانب سے لائن آف کنٹرول پر بلا اشتعال فائرنگ کے واقعات قابل مذمت ہیں، جن میں نہ صرف بے گناہ اور معصوم انسانوں کی جانیں ضائع ہو ئی ہیں، بلکہ متعدد افراد زخمی بھی ہوئے ہیں، حکومت ان خاندانوں کے غم میں برابر کی شریک ہے اور ان سے ہمدردی کا اظہار کرتی ہے۔ جبکہ پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری نے لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باؤنڈری پر بھارتی فائرنگ پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ بھارت مسلسل لائن آف کنٹرول پر جنگ بندی کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ بھارت پاکستان کے خلاف اسرائیل جیسے حربے استعمال کر رہا ہے۔ نریندر مودی کو سمجھنا چاہیے کہ پاکستان بھارت کی ریاست گجرات نہیں ہے، ہم کسی بھی جارحیت کا بھرپور جواب دینا جانتے ہیں۔

مبصرین کے مطابق گزشتہ دنوں پاکستانی وزیر اعظم میاں نواز شریف کے اقوام متحدہ میں کشمیر کا معاملہ اٹھانے کے بعد سے بھارتی کی جانب سے کنٹرول لائن پر سیز فائر کی خلاف ورزی میں اضافہ ہوا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بھارت یہ بتانا چاہتا ہے کہ اقوام متحدہ اور عالمی برادری بھی ہمیں دراندازی سے نہیں روک سکتے۔

اجالا دھندلکوں میں گھرا ہے

ایک طویل عرصے سے بدامنی، خونریزی اور قتل و غارت گری کی بھٹی میں دھکتے افغانستان میں ابھی امید کی کوئی کرن واضح طور پر نظر نہیں آ رہی اور حالات میں جلد بہتری آتی بھی دکھائی نہیں دیتی۔ افغانستان میں ظلم و جبر کی تاریکی چھائی ہوئی ہے اور دھندلکوں میں گھرا ہوا اجالا نمودار ہونے کے لیے تمام تگ و دو کے باوجود بھی ناکام معلوم ہوتا ہے، جبکہ افغانستان نہ صرف پاکستان بلکہ پورے خطے کے لیے ہر لحاظ سے اہم ہے، کیونکہ افغانستان کے حالات میں اونچ نیچ آنے کی وجہ سے پورے خطے میں حالات کی خرابی و بہتری کا فیصلہ ہوتا ہے۔ سامراج کی سازشوں اور جارحیت کی آگ میں جلتا افغانستان برسوں سے کسی بااختیار و مضبوط حکومت سے محروم ہے اور جنگ و جدل کے اس ماحول میں کسی کامیاب حکومت کا قائم ہونا آسان بھی نہیں ہے۔ حامد کرزئی کے جانے کے بعد افغانستان میں صدارتی انتخاب کے ذریعے نیا صدر منتخب کرنے کی کوشش کی گئی۔ صدارتی انتخابات دو مرحلوں 5 اپریل 2014 اور 14 جون 2014 کو ہوئے۔ پہلے مرحلے میں عبداللہ عبداللہ نے سبقت حاصل کی اور دوسرے مرحلے میں اشرف غنی فاتح قرار پائے، لیکن عبداللہ عبداللہ نے اشرف غنی کی فتح کو ماننے سے انکار کر دیا اور اس انکار کے بطن سے تصادم و خونریزی کے جنم لینے کا خطرہ پیدا ہوا تو امریکا

کے وزیر خارجہ جان کیری نے شراکت اقتدار کا ایک نیا فارمولا متعارف کرایا، جس کے تحت صدارت اشرف غنی کے حصے میں آئی اور "سی ای او" چیف ایگزیکٹیو آفیسر جسے عرف عام میں وزیراعظم کہا جاسکتا ہے، عبداللہ عبداللہ کے لیے تخلیق ہوا۔

افغانستان کے نئے صدر اشرف غنی ایک معروف شخصیت ہیں، وہ امریکا کی "ہاپکنز یونیورسٹی" میں علم البشریات کے پروفیسر رہے۔ ورلڈ بینک اور اقوام متحدہ کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ بھی انہیں حاصل ہے۔ عالمی اداروں کی طرف سے چین، بھارت اور روس میں کئی اقتصادی منصوبوں کے ذمہ دار کی حیثیت سے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ 2002 میں پروفیسر اشرف غنی حامد کرزئی کے مشیر اعلیٰ اور پھر افغانستان کے وزیر خزانہ بنے۔ وہ کابل یونیورسٹی کے چانسلر بنے۔ چانسلر کی حیثیت سے انہوں نے یونیورسٹی میں "اسٹیٹ ایفیکٹوینس (STATE EFFECTIVNESS) کے نام سے ایک شعبہ متعارف کروایا، جس میں ایسے دس اصول وضع کیے جن کے بغیر کوئی ریاست کامیاب نہیں ہوسکتی۔ 2013 میں "پراسپیکٹ" میگزین کے سروے میں دنیا بھر کے دانشوروں میں دوسرے نمبر پر آنے والے "انٹلیکچول" قرار دیے گئے۔ پروفیسر اشرف غنی عالمی اور علاقائی سیاست پر گہری نظر بھی رکھتے ہیں اور وہ پانچ سالہ اقتصادی ایجنڈا بھی رکھتے ہیں، جس میں افغان معیشت کو جدید خطوط پر استوار کرنے کے لیے ترکی ماڈل کو اپنانے کے خواہاں ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود مبصرین کے مطابق اشرف غنی کو اپنے پیش

روحامد کرزئی کے مقابلے میں زیادہ چیلنجوں کا سامنا ہوگا اور ان کے لیے افغانستان کو کنٹرول کرنا آسان نہیں ہوگا۔

امریکی بندوبست کے زیر سایہ جو ہیئت حاکمہ تشکیل پائی ہے کہنے کو تو وہ بہ ظاہر ایک قومی حکومت ہے، مگر حقیقت میں بھان متی کا وہ کنبہ ہے، جسے کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روڑا جوڑ جوڑ کر ترتیب دیا گیا ہے اور اگر دونوں انتخابی حریفوں کے متصادم خیالات و نظریات کو دیکھا جائے جو اپنے گروہی پس منظر کے ساتھ گزشتہ مہینوں کے دوران کھل کر دنیا کے سامنے آ چکے ہیں تو یہ کوئی خوش کن صورت حال نظر نہیں آتی۔ ڈاکٹر اشرف غنی اور عبداللہ عبداللہ میں اختیارات کی جنگ شروع ہونے سے کافی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ اشرف غنی مضبوط صدر بننے کے لیے کوشاں ہوں گے، فی الحال انہوں نے امریکی دباؤ پر مفاہمتی فارمولے کو قبول تو کرلیا، لیکن ان کی رٹ چیلنج ہوئی ہے۔ عبداللہ عبداللہ کی کوشش ہوگی کہ وہ حکمرانی کے نظام میں موثر اور طاقت ور چیف ایگزیکٹو کے طور پر کام کریں اور اگر افغان صدر ڈاکٹر اشرف غنی کو روزمرہ کے افغان معاملات سے دور رکھا گیا تو یہ انھیں قبول نہیں ہوگا، جس سے تصادم کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔

اسی طرح نئی افغان حکومت کو طالبان جیسی "اپوزیشن" کے چیلنج کا بھی سامنا

ہوگا، جو پہلے ہی اس "مک مکا حکومت" کو مسترد کر چکی ہے۔اشرف غنی افغانستان کے حالات اسی صورت بہتر کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، جب طالبان کے ساتھ تصادم کی کیفیت کو ختم کر دیں اور یہ صورت مشکل نظر آ رہی ہے، کیونکہ افغان صدر کی حلف برداری کے روز ہی طالبان نے نئی افغان حکومت کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے اپنی کارروائیاں جاری رکھنے کا اعلان کیا اور طالبان لیڈر ملا عمر نے اپنے عید پیغام میں بھی قائم ہونے والی نئی افغان حکومت کو دھوکا قرار دیا۔ نئی افغان حکومت نے امریکا سے سیکورٹی معاہدہ کر کے اپنے لیے مزید مسائل پیدا کیے ہیں، کیونکہ یہ معاہدہ طالبان کو کسی صورت قبول نہیں ہوگا۔افغانستان میں اس وقت 41 ہزار غیر ملکی فوجی تعینات ہیں اور اس معاہدے کے تحت 2014 کے بعد 12 ہزار غیر ملکی فوجی افغانستان میں تعینات رہ سکیں گے۔ ان میں 9800 امریکی فوجی ہوں گے اور باقی فوجیوں کا تعلق نیٹو کے دوسرے رکن ممالک سے ہوگا۔ امریکا ہر حال میں اس سیکورٹی معاہدے پر دستخط کروانا چاہتا تھا، اسی لیے امریکا نے آگے بڑھ کر انتقال اقتدار کے لیے مفاہمت کرائی اور اشرف غنی نے صدارتی حلف اٹھاتے ہی اس معاہدے پر دستخط بھی کر دیے ہیں۔

افغان امور میں دلچسپی رکھنے والے غیر ملکی مبصرین کے مطابق امریکا کے ساتھ ہونے والا سیکورٹی معاہدہ افغانستان کو امن کی بجائے مزید بدامنی اور خونریزی کی طرف لے جانے کا سبب بن سکتا ہے۔ اشرف غنی کے پیش رو سابق صدر حامد

کرزئی نے امریکا کے ساتھ اس دو طرفہ معاہدے پر دستخط کرنے سے انکار کیا تھا۔ اسی لیے حامد کرزئی اور امریکا کے درمیان تعلقات میں کافی سرد مہری آئی تھی، تاہم افغان طالبان کی جانب سے کرزئی حکومت کو درپیش خطرات میں کمی آ گئی تھی، جس کے باعث افغانستان کے مقامی اہلکار خود کو قدرے محفوظ سمجھنے لگے تھے اور حالات امن و استحکام کی جانب بڑھنے لگے تھے۔ جبکہ نئی افغان حکومت کے امریکا سے سیکورٹی معاہدہ کرنے پر افغانستان کے اہم مزاحمتی فریق طالبان نے اس معاہدے کو مسترد کرتے ہوئے اسے امریکا اور مغربی ممالک کی افغانستان پر قبضے اور طاقت کے بل پر عالمی سطح پر اپنی ساکھ بحال کرنے کی چال قرار دیتے ہوئے کہا کہ " امریکا خود کو ایک اور خطرناک جنگ کے لیے تیار کر رہا ہے۔ امریکا اور اس کے غلاموں کے خلاف جہاد اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک افغانستان کو امریکا سے مکمل طور پر آزاد نہیں کرالیا جاتا۔" ان حالات میں مزید تلخی عبدالرشید دوستم کو نائب صدر منتخب کرنے کی وجہ سے بھی پیدا ہو سکتی ہے، کیونکہ رشید دوستم پر بڑی تعداد میں افغان طالبان کو کنٹینرز میں بند کرکے قتل کرنے کا الزام ہے۔ یوں طالبان کا رشید دوستم کے ساتھ مفاہمت پیدا کرنا بھی مشکل نظر آتا ہے اور افغانستان کے حالات بہتری کی بجائے مزید گمبھیر ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا امریکا اور بڑی طاقتوں کی سرپرستی سے میں افغانستان میں انتقال اقتدار کے مفاہمتی فارمولے سے وقتی طور پر تو بہتری آ سکتی ہے، لیکن افغانستان میں مستقل بنیادوں پر امن و استحکام کے امکانات

موہوم دکھائی دے رہے ہیں اور ابھی اجالا دھندلکوں میں گھرا ہے۔

کراچی: شراب زندگیاں نگلنے لگی .... فروخت نہ رک سکی

عیدالاضحیٰ کے موقع پر کراچی کے مختلف علاقوں میں شراب پینے سے 32 افراد موت کے منہ میں جا چکے ہیں۔ متعدد افراد دیکھنے، سننے اور بولنے کی قوت کھو بیٹھے اور کتنے ہی افراد زندگی و موت کی کشمکش میں مبتلا مختلف ہسپتالوں میں زیر علاج ہیں۔ عیدالاضحیٰ پر کراچی کے مختلف علاقوں لانڈھی، کورنگی، زمان ٹاؤن، بلوچ کالونی، محمود آباد، چنیسر گوٹھ، پریڈی اور فریئر سمیت دیگر علاقوں میں شراب پینے والے افراد کو حالت غیر ہونے کے باعث جناح ہسپتال لایا گیا، متاثرہ افراد میں سے بیشتر کی عمریں 17 سے 25 سال کے درمیان ہے ں۔ شراب پینے والوں میں 3 افراد ایسے بھی ہیں جن کے گردوں کو کافی نقصان پہنچا ہے۔ مبصرین کے مطابق 32 افراد کی ہلاکت پوری قوم کے لیے لمحہ فکریہ اور متعلقہ اداروں کی انتظامی صلاحیت پر بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔ ملک کے دیگر حصوں سے بھی وقتاً فوقتاً شراب پینے سے ہلاکتوں کی خبریں اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں، شریف اور قانون پسند شہری اپنے علاقے میں غیر قانونی چلنے والے قحبہ خانوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں، لیکن جب "سیاں بھئے کوتوال تو ڈر کاہے کا"۔ اسلام میں شراب حرام ہے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان میں شراب کی فروخت ممنوع ہے، ایک حد تک غیر مسلموں کے لیے شراب کا کوٹہ رکھا گیا ہے جس کا ناجائز فائدہ اٹھا کر مسلمان بھی شراب کی خریداری

باآسانی کرلیتے ہیں، نیز منشیات فروشوں اور بااثر افراد کے گٹھ جوڑ اور علاقہ پولیس کی ملی بھگت سے پاکستان کے مختلف شہروں و دیہات میں کھلے عام شراب فروخت کی جاتی ہے۔ آئی جی سندھ غلام حیدر جمالی نے شراب سے ہلاکتوں کا نوٹس لیتے ہوئے ایڈیشنل آئی جی کراچی کو فوری طور پر تحقیقات کا حکم دیا۔ پولیس کے مطابق کچی شراب شرافی گوٹھ اور شاہ لطیف ٹاؤن کے اڈوں سے خریدی گئی تھی۔ فرائض سے غفلت برتنے پر 5 تھانوں کے ایس ایچ اوز کو معطل کردیا گیا، جن میں لانڈھی، کورنگی، زمان ٹاؤن، شرافی گوٹھ کے ایس ایچ اوز شامل ہیں۔ وزیراعلیٰ سندھ نے کراچی پولیس کے سربراہ سے واقعہ کی فوری رپورٹ طلب کی اور ذمہ داران کے خلاف فوری کارروائی کی ہدایت کی۔ دوسری جانب کراچی میں کچی شراب پینے سے ہونے والی ہلاکتوں کے مقدمات درج کرلیے گئے۔ پولیس کے مطابق شہریوں کی جانب سے اندراج مقدمہ میں عدم دلچسپی کے باعث مقدمہ پولیس نے اپنی مدعیت میں درج کیا، جس میں اقدام قتل، دفعہ 34، دفعہ 302 اور دفعہ 322 شامل کی گئی ہیں اور مقدمات لانڈھی، کورنگی، شرافی گوٹھ اور شاہ لطیف ٹاؤن کے تھانوں میں درج کیے گئے ہیں۔

مبصرین کے مطابق آئی جی سندھ کو پولیس کے مبینہ طور پر ان منشیات فروشوں سے گٹھ جوڑ والی رپورٹ پر بھی ایکشن لینا چاہیے اور یہ بھی دیکھا جائے کہ شراب تیار کرنے اور فروخت کرنے والے کس طرح اپنا کاروبار کررہے ہیں۔ حکومت کو اس

حوالے سے پولیس اور انتظامیہ کی کوتاہی کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔ کچی زہریلی شراب سے ہلاکتوں کے بعد صوبہ سندھ کی حکومت نے میتھانول (سپرٹ) کی فروخت پر پابندی عاید کی ہے، جبکہ جن علاقوں میں ایسی شراب تیار اور فروخت کرنے کا دھندا ہو رہا تھا، وہاں تعینات محکمہ ایکسائز اور پولیس کے افسروں کو فرائض سے غفلت برتنے پر معطل کیا ہے۔ صوبہ سندھ کے وزیر ایکسائز گیان چند کے مطابق غیر قانونی طور پر سپرٹ بیچنے والوں کے خلاف تحقیقات شروع کی گئی ہے اور اس کے ذمے دار ڈیلروں کے خلاف مزید کارروائی کی جائے گی۔ پولیس نے زہریلی شراب فروخت کرنے اور اس سے ہلاکتوں پر مختلف تھانوں میں 13 مقدمات درج کر لیے ہیں۔ کراچی پولیس کے ترجمان کا کہنا ہے کہ انھوں نے مرکزی مشتبہ ملزم کا سراغ لگا لیا ہے اور اس کے خلاف قتل کے الزام میں مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔ تاہم وہ گرفتاری سے بچنے کے لیے مفرور ہو گیا ہے۔ پولیس نے بدھ کو شراب تیار کرنے والی بھٹیوں پر چھاپہ مار کارروائیاں کی تھیں اور تین افراد کو گرفتار کر لیا تھا۔ واضح رہے کہ پاکستان میں مسلمانوں کو قانونی طور پر شراب کی فروخت کی ممانعت ہے، جس کے پیش نظر کم بعض علاقوں میں جرائم پیشہ افراد خود ہی شراب تیار کرنے کا دھندا کرتے ہیں، جس کے استعمال کی صورت میں جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ ماہرین طب کے مطابق میتھانول ملی شراب پینے والا شخص اندھا ہو سکتا ہے، اس کا جگر ناکارہ ہو جاتا ہے اور نتیجتاً اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

یہ امر واضح رہے کہ چند ہفتے قبل صوبہ سندھ کے دوسرے بڑے شہر حیدر آباد میں زہریلی شراب پینے سے بیس افراد موت کے منہ میں چلے گئے تھے۔ رپورٹ کے مطابق گزشتہ سات سال میں کچی شراب کی وجہ سے صرف کراچی میں نو سو سے زاید افراد ہلاک اور سیکڑوں افراد بینائی سے محروم ہو چکے ہیں، اس کے باوجود کچی شراب کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل میتھانول کی خرید و فروخت کا سلسلہ بدستور جاری ہے اور اس پر کوئی پابندی عاید نہیں کی گئی۔ میتھانول نامی کیمیکل، کاربن مونو آکسائیڈ اور ہائڈروجن کے علاوہ کاربن آکسائیڈ اور میتھین سے بھی کشید کیا جاتا ہے۔ 2007 کے بعد سے سالانہ تقریباً ڈیڑھ سو افراد کچی شراب کی وجہ سے موت کے منہ میں جارہے ہیں۔ 2007 میں رمضان المبارک میں عید سے قبل 80 سے زاید افراد ہلاک ہوگئے تھے، 2009 میں چالیس سے زاید افراد شراب کی بھینٹ چڑھ گئے تھے، 2011 میں کراچی میں 18 سے زاید افراد کی جان شراب نے لے لی تھی اور پھر اسی سال مزید پانچ فراد موت کے منہ میں چلے گئے۔ 2013 میں عید الفطر کے موقع پر بیس سے زاید افراد ہلاک ہوئے تھے اور اس سال ایک بار تیس سے زاید افراد موت کے منہ میں چلے گئے۔ خیال رہے کہ پاکستان میں شراب بیچنے اور پینے پر پابندی عاید ہے اور صرف غیر مسلم حکومتی لائسنس سے مقرر کردہ جگہوں سے شراب خرید سکتے ہیں۔ کراچی میں شراب کی فروخت کی 100 سے زاید لائسنس یافتہ دکانیں ہیں۔

دوسری جانب متحدہ قومی موومنٹ کے رکن صوبائی اسمبلی خالد احمد اور عامر پیرزادہ نے کراچی میں کچی شراب سے ہلاکتوں پر سندھ اسمبلی سیکرٹریٹ میں تحریک التواجمع کرائی، جس میں کچی شراب سے ہلاکتوں پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے انسانی جانوں سے کھیلنے والوں کے خلاف سخت کارروائی کا مطالبہ کیا گیا۔ ایم کیو ایم کے رکن صوبائی اسمبلی خالد احمد کا کہنا تھا کہ کچی شراب پینے سے چند روز میں 30 سے زاید گھرانوں کے چراغ گل ہو چکے ہیں، لیکن باوجود لاکھ یقین دہانیوں کے اس مذموم کاروبار میں ملوث افراد کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ حکومت کی جانب سے پہلے بھی بارہا یقین دلایا گیا کہ کچی شراب کا کاروبار کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی عمل میں لائی جائے گی، لیکن ایسا کچھ نہ ہو سکا، جو انتہائی افسوسناک ہے۔ کراچی میں شراب کی وجہ سے ہلاکتوں کی خبر نئی نہیں ہے۔ اس طرح کی خبریں نظر انداز کرنے والی نہیں، کیونکہ اسلام میں شراب نوشی سختی کے ساتھ منع ہے، جبکہ ہمارا ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے، جہاں شراب نوشی پر سخت سزا دی جانی چاہیے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ شراب شرعی طور پر تو حرام ہے ہی، اس کے ساتھ ساتھ انسانی صحت کے لیے انتہائی مضر بھی ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں ہر سال شراب نوشی سے 3.3 ملین افراد موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ عالمی ادارہ صحت کی اپنی ایک رپورٹ کے مطابق الکوحل سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایڈز، ٹی بی اور

تشدد کے واقعات سے مرنے والوں سے بھی زیادہ ہے۔ شراب نوشی کے استعمال سے ہر دس سیکنڈ میں ایک شخص کی موت ہوتی ہے۔ 2012 میں الکوحل کے استعمال سے 3.3 ملین افراد کی موت ہوئی جو کہ دیگر عالمی اموات کے 5.9 فیصد کے برابر ہے۔ ایڈز کے باعث 2.8 فیصد، ٹی بی سے 1.7 فیصد اور تشدد کے واقعات سے صرف 0.9 فیصد اموات ہوئی ہیں۔ شراب نوشی 200 صحت کے اصولوں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جن میں کینسر اور جگر کی سروس شامل ہیں۔ شراب نوشی لوگوں کو ٹی بی، ایڈز اور دیگر بیماریوں کی نسبت زیادہ حساس بنا دیتی ہے۔ ان مضمر اثرات کے پیش نظر متعدد غیر مسلم میں بھی شراب نوشی کے حوالے سے سخت قوانین بنائے گئے ہیں۔ لہٰذا پاکستانی حکومت کو بھی چاہیے کہ ملک میں شراب پر پابندی لگا کر موت کے جاری رقص کو روکا جائے۔ شہریوں نے شراب کی وجہ سے ہونے والی ہلاکتوں کے ذمہ داران کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان سے شراب کی گندگی کا خاتمہ ہونا چاہیے۔

پاکستان: امریکی ڈرون حملوں میں اچانک تیزی

پاکستان میں امریکا نے اچانک ڈرون حملوں میں اضافہ کردیا ہے۔ عید قرباں کے موقع پر بھی امریکا نے ڈرونز کی یلغار کرکے پاکستانی شہریوں کی خوشی کو غمی میں تبدیل کیا۔ امریکی ڈرون حملوں کی یلغار عید الاضحیٰ سے ایک روز قبل شروع ہوئی اور تقریباً چالیس افراد کی جان لے گئی۔ گزشتہ ایک ہفتے کے دوران امریکا سات ڈرون حملے کر چکا ہے۔ پہلا ڈرون حملہ پانچ اکتوبر بروز اتوار شمالی وزیرستان کی تحصیل شوال کے علاقے کند گھڑ میں کیا گیا، جس میں پانچ افراد جاں بحق ہوئے۔ پیر 6 اکتوبر کو شوال تحصیل میں کیے گئے دوسرے ڈرون حملے کے نتیجے میں آٹھ افراد مارے گئے۔ منگل 7 اکتوبر کو دو ڈرون حملے کیے گئے۔ پہلا حملہ تحصیل شوال میں ہوا جس میں ایک مکان پر دو میزائل پھینکے گئے۔ اس ڈرون حملے نے سات افراد کی جان لی۔ جبکہ دوسرا حملہ تحصیل دتہ خیل کے علاقے ماداخیل کنر سر میں ہوا، جس میں تین افراد ڈرون حملے کا نشانہ بنے، جبکہ پانچ کے زخمی ہونے کی اطلاعات موصول ہوئیں۔ جمعرات 9 اکتوبر کو کیے گئے پانچویں امریکی ڈرون حملے میں پانچ افراد کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ جبکہ ہفتے کو امریکی ڈرون طیارے نے دو میزائل فائر کرکے متعدد افراد کی جان لے لی۔ واضح رہے گزشتہ ایک ہفتے کے دوران امریکا کی جانب سے کیا جانے والا یہ ساتواں اور رواں سال کے دوران کیا جانے والا 14 واں ڈرون حملہ تھا۔

رواں سال اب تک 90 سے زاید افراد امریکی ڈرون حملوں کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ امریکا نے ڈرون حملوں کا یہ سلسلہ کئی ماہ کے بعد اچانک شروع کیا ہے، مبصرین کا کہنا ہے کہ امریکا کا یوں اچانک پاکستان میں مسلسل ڈرون حملے کرنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس سے پہلے ڈرون حملوں میں ایک بڑا وقفہ آیا تھا تو پاکستان کے عوام یہ سمجھے کہ شاید اب ڈرون حملے ٹل گئے ہیں۔ یہ بڑا اور طویل وقفہ 26 دسمبر 2013 کے حملے کے بعد آیا تھا۔ اس حملے میں دو میزائل فائر ہوئے تھے۔ اس کے بعد اگلا حملہ 14 مئی 2014 کو ہوا، جس میں ڈرون نے 3 میزائل فائر کیے۔ اس کے بعد تقریباً ہر ماہ ایک سے تین ڈرون حملے ہوئے، لیکن پچھلے ایک ہفتے کے دوران پانچ حملے ایک ریکارڈ ہیں، اس سے پہلے کبھی ایک ہفتے میں اتنے زیادہ حملے نہیں کیے گئے تھے۔ پاکستان میں دس سال سے زاید عرصے سے ڈرون حملے کیے جارہے ہیں۔ ڈرون حملہ پہلی دفعہ 18 جون 2004 کو جنوبی وزیرستان کے شہر وانا کے نزدیک ایک گھر پر کیا گیا تھا۔ اس کے بعد مختلف وقفوں سے حملے جاری رہے۔ دسمبر 2013 تک کل 369 حملے کیے گئے، لیکن بیورو آف انویسٹیگیٹو جرنلزم کے مطابق ان حملوں کی تعداد 381 ہے۔ ان حملوں میں 3646 لوگ مارے گئے۔ مرنے والے بچوں کی تعداد 200 ہے۔ اس کے علاوہ 1557 زخمی ہوئے۔ ایک تنظیم انٹرنیشنل سیکورٹی کے تجزیے کے مطابق سابق صدر بش کے دور اقتدار میں پاکستانی علاقوں میں صرف 48 حملے کیے گئے، جبکہ صدر اوباما کے دور حکومت میں 335 سے زاید مرتبہ ڈرون حملے ہوئے۔ انٹرنیشنل

سیکورٹی نے ان اعداد و شمار سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ امریکی پالیسیاں تسلسل سے چلتی ہیں اور ان کی تبدیلی حالات و واقعات اور قومی ترجیحات کے مطابق ہوتی ہے۔ پاکستان نے ہمیشہ ڈرون حملوں کی پالیسی سے اختلاف کیا ہے اور ان کی مذمت کی ہے۔ اسے پاکستان کی سرحدی حدود کی خلاف ورزی بھی تصور کیا گیا ہے، لیکنان حملوں کی روک تھام کے لیے کوئی موثر آواز بھی نہیں اٹھائی گئی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں آنے والی حکومتیں بھی اس پالیسی سے واضح طور پر نہیں تو کم از کم خفیہ طور پر ہی اتفاق ضرور کرتی ہیں۔ مبصرین کے مطابق پاکستانی حکومتیں صرف مذمتوں سے ہی کام چلانا چاہتی ہیں۔ اب کی بار تو پاکستانی حکومت نے مسلسل ہونے والے ان سات حملوں کی مذمت تک کرنا گوارا نہیں کی۔ ابھی تک وزیر اعظم کا اس حوالے سے کوئی بیان تک نہیں آیا۔ حالانکہ یہ حملے جنگی جرائم کے زمرے میں آتے ہیں۔ بہت سی امریکی تنظیمیں بھی ان حملوں کو پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت تصور کرتی ہیں۔ اقوام متحدہ کئی بار ان حملوں کو خلاف قانون اور ناجائز قرارد ے چکی ہے۔ بہت سی تنظیمیں انہیں انسانی حقوق کے خلاف سمجھتی ہیں اور انہیں امریکی جنگی عزائم سے تشبیہ دیتی ہیں۔ جبکہ بعض تنظیموں نے تو اس حد تک کہا ہے کہ ایسے حملے کرکے امریکا دوسرے ممالک میں جنگی جرائم کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اس حوالے سے

گزشتہ سال اکتوبر کے مہینے میں ایمنسٹی انٹر نیشنل نے امریکی حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ڈرون حملے فوری بند کر دے، کیونکہ ڈرون حملے عالمی قوانین کے خلاف ورزی اور جنگی جرائم کے مترادف ہیں۔ ایمنسٹی انٹر نیشنل کی جاری رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ 2004 اب تک امریکا پاکستان کے قبائلی علاقوں میں سے زاید ڈرون حملے کر چکا ہے ہے جس میں بچوں اور معمر افراد سمیت کئی بے 400 گناہ شہری ہلاک ہو چکے ہیں۔ ایمنیسٹی انٹر نیشنل کا کہنا تھا ڈرون حملوں نے امریکا کو قتل عام کا لائسنس دے دیا ہے۔ ہلاکتوں پر امریکا کو جنگی جرائم کا مرتکب قرار دیا جا سکتا ہے۔ امریکا ڈرون حملوں کے ذمہ داران کو انصاف کے کٹہرے میں لائے۔ ایمنسٹی انٹر نیشنل نے اپنی جاری رپورٹ میں انکشاف کیا تھا کہ امریکی ڈرون حملوں میں 3600 سے 2500 افراد اور بے گناہ شہری بھی مارے گئے ہیں۔ یہ رپورٹ ایک اور عالمی انسانی حقوق کی تنظیم ہیومن رائٹس واچ کے ساتھ ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں جاری کی گئی تھی۔ ایمنٹسی کی تحقیق نے یہ ثابت کیا تھا کہ امریکی ڈرون حملوں کے نتیجے میں مارے جانے والے افراد جنگی کارروائیوں میں ملوث نہیں تھے اور نہ ہی ان سے کوئی خطرہ تھا۔ بلکہ شمالی وزیرستان کے شہری پاکستانی افواج اور مسلح جنگجوؤں کے درمیان ہونے والی لڑائی کے درمیان پھنسے ہوئے ہیں۔ مقامی آبادی مستقل خوف کے عالم میں رہتی ہے اور دونوں جانب سے تشدد سے بچ نہیں سکتی ہے۔ ان حملوں کی وجہ سے مقامی لوگ ہر وقت اڑتے ڈرون طیاروں کی جانب سے

حملے کے خوف میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ دنیا بھر کی متعدد تنظیمیں امریکی ڈرون حملوں کی پاکستان میں یلغار کو ناجائز قرار دیتی رہی ہیں۔ پاکستان میں تقریباً تمام سیاسی و مذہبی جماعتیں اور پوری پاکستانی قوم ڈرون حملوں کی مخالفت کرتی آئی ہیں۔

تجزیہ کاروں کے مطابق پاکستان کے قبائلی علاقے شمالی وزیرستان میں ایک ایسے وقت میں امریکی ڈرون حملے ہوئے جب قبائلی علاقوں کے لوگ عیدالاضحیٰ منا رہے تھے اور دوسری جانب علاقے سے نقل مکانی کرنے والے لاکھوں متاثرین اپنے گھروں سے دور بنوں، لکی مروت، ڈیرہ اسماعیل خان اور کرک سمیت صوبہ خیبر پختونخوا کے مختلف علاقوں میں مصائب ومشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کررہے ہیں، انتہائی نقصان دہ ہے۔ ان حملوں میں کون ماراجارہا ہے اور ان حملوں سے دہشت گردی کے خاتمے میں کتنی مدد مل رہی ہے اس بات سے قطع نظر پاکستان جیسے خودمختار ایٹمی ملک پر اس طرح کے حملوں کو کسی طور پر بھی جائز اور قابل تحسین نہیں قرار دیا جاسکتا۔ حکومت پاکستان اگرچہ ان ڈرون حملوں پر رسمی سا احتجاج تو کرتی ہے، تاہم حکومت نے کبھی سنجیدگی سے ان حملوں کی روک تھام کے لیے کوشش نہیں کی اور نہ ہی امریکا کو اس حوالے سے کوئی سخت پیغام دیا ہے، خود امریکی عہدیدار اور امریکی میڈیا بارہا یہ بات ڈنکے کی چوٹ پر کہہ چکے ہیں کہ ان حملوں کے لیے انہیں پاکستانی حکمرانوں کی درپردہ حمایت حاصل ہوتی

ہے۔ شمالی وزیرستان میں جاری آپریشن ضرب عضب امریکااور مغربی ملکوں کا ایک دیرینہ مطالبہ تھا اب جبکہ پاکستانی سیکورٹی فورسز شمالی وزیرستان میں کارروائی کر رہی ہے اور علاقے میں پاک فوج بھی موجود ہے، ان حملوں کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔ امریکی جاسوس طیاروں کے یہ حملے اس لیے بھی قابل مذمت ہیں کہ پاک فوج کے سربراہ ان حملوں کے موقع پر خود شمالی وزیرستان میں موجود تھے، جبکہ جس رات پانچواں حملہ ہوااس کی صبح وزیراعظم نواز شریف نے بھی شمالی وزیرستان کا دورہ کیا، جو کسی بھی سویلین وزیراعظم کا پہلا دورہ ہے ،امریکیوں نے پاک فوج کے سربراہ اور وزیراعظم پاکستان کی علاقے میں موجودگی کے باوجود پاکستانی سرحدوں کے اندر دراندازی اور حملے کرکے پاکستان کی خود مختاری اور سالمیت کو چیلنج کیا ہے۔امریکا کا ماضی اس بات پر شاہد ہے کہ اس نے ہمیشہ پاکستان کی ان کوششوں کو سبوتاژ کیا جس کی وجہ سے خطے میں قیام امن کی راہ ہموار ہونے کا امکان تھا۔ ماضی میں جب بھی حکومت پاکستان نے قیام امن کے لیے مذاکرات کیے تو امریکا نے ان مذکرات کو ڈرون حملوں سے ناکام بنادیا۔ تاہم اگرڈرون حملوں کا یہ سلسلہ جاری رہا تو خدشہ ہے کہ ان حملوں کی وجہ سے آپریشن ضرب عضب کے ثمرات ضائع ہوجائیں اور اس مقصد کے لیے پاک فوج کے جوانوں نے جو قربانیاں دی ہیں اور لاکھوں قبائلیوں نے اپنے گھر بار چھوڑے ہیں ان کی کاوشیں دریابرد ہوجائیں۔ لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ ڈرون حملوں کے حوالے سے اپنی خاموشی کو توڑ کر جاندار

موقف اپناتے ہوئے ان کی روک تھام کے لیے عملی اقدامات کرے اور امریکا پر دباؤ
بڑھائے۔

بھارتی ہٹ دھرمی برقرار....اقوام متحدہ بھی نظر انداز

پاکستان اور بھارت کے درمیان ورکنگ باؤنڈری اور لائن آف کنٹرول پر جنگ بندی معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بھارت کی جانب سے وقفے وقفے کے ساتھ گولا باری کا سلسلہ جاری ہے۔ پیر کے روز بھی بھارتی فوج نے لائن آف کنٹرول پر بلااشتعال فائرنگ کی۔ جبکہ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے کھل کر پاکستان کو دھمکیاں دینا شروع کردی ہیں۔ عوامی جلسے میں بھارتی افواج کو مخاطب کرتے ہوئے بھارتی وزیر اعظم نے حکم دیا کہ " پاکستان پر ایک ہزار گولے برساؤ، تاکہ وہ چلا اٹھے، پاکستان کو پتا چلنا چاہیے کہ وقت بدل گیا ہے، پرانی عادتوں کو مزید برداشت نہیں کیا جائے گا۔ ہمارے جوانوں نے پاکستان کا منہ بند کر دیا ہے، بارڈر پر پاکستان کو منہ کی کھانی پڑی ہے، پاکستان کو بھاری نقصان پہنچایا جائے، جب گولے پاکستان پر بارش کی طرح برسیں گے تو وہ خود ہی چلائے گا"۔ اس بھارتی انتہا پسندی کے باوجود پاکستان کی جانب سے مسلسل معاملے کو امن و سلامتی اور مذاکرات کے ساتھ سلجھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ پاکستان نے سرحدی کشیدگی کی وجوہات کی جانب توجہ دلانے کے لیے دس اکتوبر کو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون کو ایک خط بھی لکھا۔ پاکستانی وزیر اعظم کے مشیر برائے قومی سلامتی وخارجہ امور سرتاج عزیز کی جانب سے لکھے گئے اس خط میں بھارت

کے ساتھ سرحدی کشیدگی پر عالمی مداخلت کا مطالبہ کیا گیا اور بھارت کو جنگ بندی کے معاہدے کی خلاف ورزی اور سرحد پر بلااشتعال فائرنگ کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ مراسلے میں یو این سیکرٹری جنرل کو اس امر سے آگاہ کیا گیا کہ "لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باؤنڈری پر بھارت کی طرف سے جنگ بندی معاہدہ کی سوچی سمجھی خلاف ورزی کے باعث پیدا ہونے والی خطے کی سلامتی کی مخدوش صورتحال پر فوری طور پر توجہ دے کر اقوام متحدہ کو مسئلہ کشمیر کے سلامتی کونسل کی قراردادوں کی روشنی میں حل کے لیے کردار ادا کرنا چاہیے۔ بدقسمتی سے بھارت نے پاکستان کے ساتھ روابط کے اعلانات کے برعکس پالیسی اختیار کی ہے۔ بھارت نے اب تک لائن آف کنٹرول پر 20، جبکہ ورکنگ باؤنڈری پر 22 مرتبہ خلاف ورزی کی ہے، جس سے 12 شہری شہید اور 52 شہری اور 9 فوجی زخمی ہوئے ہیں، جبکہ بھارت اس سال جون سے اگست تک لائن آف کنٹرول پر 99 اور ورکنگ باؤنڈری پر 32 دفعہ جنگ بندی کی خلاف ورزی کر چکا ہے اور اس سال بھارت اب تک کنٹرول لائن پر 174 اور ورکنگ باؤنڈری پر 60 مرتبہ سیز فائر کی خلاف ورزی کر چکا ہے۔ پاکستان اپنے دفاع کے حق کے تحت اس اشتعال انگیزی کا جواب دے رہا ہے، تاہم وہ صبر اور ذمہ داری کا مظاہرہ کر رہا ہے۔" اور اقوامِ متحدہ کے سیکورٹی کونسل کے پانچ مستقل رکن ممالک یا پی فائیو کے سفیروں کو کشمیر میں لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باؤنڈری پر موجودہ صورتِ حال پر بریفنگ دیتے ہوئے وزیر اعظم پاکستان کے مشیر برائے خارجہ امور سرتاج عزیز نے سیکورٹی

کونسل کے مستقل رکن ممالک کے سفیروں سے بھی کہا کہ "وہ بھارت پر جنگ بندی کے معاہدے کی پاسداری کرنے اور پاکستان کے ساتھ بامعنی مذاکرات کرنے کے لیے زور دیں۔" لیکن معاملے کو سلجھانے کی اس پاکستانی کوشش کے جواب میں بھارت نے اقوام متحدہ سے تحقیقات کروانے کی تجویز مسترد کرتے ہوئے کہا کہ "دونوں ممالک کے درمیان تنازعات شملہ معاہدے اور لاہور اعلامیے کے تحت ہی حل ہوں گے۔ تیسرے فریق کی مداخلت قبول نہیں۔" جبکہ امریکی کانگریس کے ارکان سے ملاقات کے دوران وزیراعظم نواز شریف کا کہنا تھا کہ بھارت کی جانب سے خارجہ سیکرٹری مذاکرات کو منسوخ کرنا افسوسناک اور مایوس کن ہے۔ مسئلہ کشمیر کے حل کی بنیاد اقوام متحدہ کی قراردادیں ہونی چاہئیں، مسئلہ کشمیر کے حل میں کشمیری عوام کی مرضی شامل ہونی چاہیے اور کشمیریوں کو بھی ضرور حصہ دار ہونا چاہیے۔ اقوام متحدہ کو اپنی قراردادوں کا خود احترام کرنا چاہیے اور اپنی قراردادوں پر عملدآرمد یقینی بنایا جائے، مسئلہ کشمیر کا وہی حل قابل قبول ہوگا جس پر پاکستان، بھارت اور کشمیری متفق ہوں۔ پاکستان اور بھارت صرف مذاکرات کے ذریعے آگے بڑھ سکتے ہیں۔ مبصرین کے مطابق بھارت کی جانب سے اقوام متحدہ سے تحقیقات کروانے کی تجویز کو مسترد کیے جانے سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ بھارت اپنی ہٹ دھرمی اور عسکری طاقت کے زعم میں کشمیر کو ہڑپ کرنے کا ہی نہیں، پاکستان کی سلامتی پر اوچھا وار کرنے کا بھی تہیہ کیے بیٹھا ہے۔ بھارت نے اس تاریخی حقیقت کو بھی نظرانداز کردیا کہ جموں وکشمیر

کا مسئلہ وہ خود اقوام متحدہ میں لے کر گیا تھا اور سری نگر پر مجاہدین کی یلغار رکوانے کے لیے سلامتی کونسل سے سیز فائر کی قرار داد منظور کرائی تھی، جس میں واضح طور پر اس نے کشمیری عوام کو حق خودارادیت دینے کا وعدہ کیا تھا۔ بعد میں وہ اس وعدے سے منحرف ہوگیا، مگر اقوام متحدہ کے ایجنڈے پر آج بھی یہ مسئلہ موجود ہے۔ دونوں ملکوں میں دوطرفہ مذاکرات کی گنجائش افہام و تفہیم سے مسئلے کا حل نکالنے کا ایک راستہ ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ اقوام متحدہ کا مسئلہ کشمیر سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ عالمی ادارہ اسے بات چیت کی میز پر لانے کا پابند ہے، لیکن بد قسمتی سے اقوام متحدہ چند بڑی طاقتوں کے آلہ کار بن کر رہ گئی ہے، جو اپنے مفاد میں اس سے جو فیصلہ چاہے کروالیتی ہیں اور اس پر عملدرآمد بھی ہوجاتا ہے اور 66 سال بعد بھی مسئلہ کشمیر کا حل نہ ہونا اقوام متحدہ کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

دوسری جانب ذرائع کے مطابق پاکستان اور بھارت کے ڈائریکٹر ملٹری آپریشنز (ڈی ایم اوز) کا منگل کے روز ہاٹ لائن پر رابطہ ہوا ہے، جس میں لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باؤنڈری پر ہونے والی کشیدگی کو کم کرنے کے حوالے سے بات چیت کی گئی ہے۔ ذرائع کے مطابق پاکستان اور انڈیا کے ڈائریکٹر ملٹری آپریشنز کے مابین ہاٹ لائن پر رابطے کے دوران پاکستان نے بھارت کو لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باؤنڈری پر بلااشتعال فائرنگ کے حوالے سے اپنی تشویش سے

آگاہ کیا۔ رابطے میں یکم اکتوبر سے لے کر اب تک لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باؤنڈری کی صورتحال پر بات چیت ہوئی اور اس کشیدگی کو کم کرنے کے حوالے سے اقدامات اور تجاویز پر غور کیا گیا۔ گزشتہ دو ماہ سے وقتاً فوقتاً جاری رہنے والی سرحدی کشیدگی کے بعد دونوں ممالک کی افواج کے مابین یہ پہلا رابطہ ہے۔ رواں ماہ ایل او سی اور ورکنگ باؤنڈری پر سرحدی کشیدگی کے دوران متعدد شہری مارے گئے ہیں، جبکہ مکانات، املاک اور مویشیوں کو بھی نقصان پہنچا ہے اور ہزاروں افراد نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔ حالیہ چند ہفتوں کے دوران بھارت کی جانب سے پاکستانی سرحدی علاقے میں فائرنگ کے واقعات میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے اور متعدد بار سیز فائر معاہدے کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ گزشتہ سال دسمبر میں پاکستان اور بھارت نے ایل او سی سیز فائر معاہدے 2003 کی پاسداری کرنے کے عزم کا اظہار کیا تھا، لیکن اس کے باوجود اس قسم کے واقعات رک نہیں سکے۔ سرکاری ٹی وی پی ٹی وی نے ملک کے عسکری حکام کے حوالے سے بتایا کہ یہ ڈی جی ایم اوز کے درمیان یہ ہفتہ وار معمول کا رابطہ تھا۔ دفاعی تجزیہ کاروں کے مطابق آنے والے دنوں میں دونوں ممالک کے درمیان سرحدی کشیدگی میں کمی کی توقع ہے۔ دونوں ملکوں کو معلوم ہے کہ ان کے پاس امن کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں، کیونکہ اب دونوں جوہری طاقتیں ہیں، تو بھارت کو بھی دیکھنا پڑے گا۔ حالات بہتر بنانا پڑیں گے اور مسئلے حل کرنے پڑیں گے، تاکہ س خطے میں پر امن بقائے باہمی نظر آئے۔ آہستہ آہستہ

حالات بہتری کی طرف جائیں گے۔" مبصرین کا کہنا ہے کہ یہ تلخ حقیقت ہے کہ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے اقتدار میں آتے ہی اپنی پارٹی بی جے پی کے منشور اور ایجنڈے کے عین مطابق نہ صرف سرحدی کشیدگی میں اضافہ کیا، بھارت میں جب سے انتہا پسندانہ نظریات رکھنے والے وزیر اعظم نریندر مودی برسر اقتدار آئے ہیں، پاکستان اور بھارت کے درمیان امن کے عمل کو مسلسل نقصان پہنچ رہا ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف نے بھارت کے ساتھ بہتر تعلقات بنانے کی کافی حد تک کوشش کی، لیکن بھارت اس کا مثبت جواب دینے میں بری طرح ناکام رہا ہے۔ پہلے بھارت نے دونوں ملکوں کے خارجہ سیکرٹریوں کے طے شدہ مذاکرات منسوخ کیے۔ پھر لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باؤنڈری پر یکطرفہ جارحیت، آگ اور خون کا کھیل شروع کر دیا۔ اب جب کہ پاکستان نے معاملے کو سلجھانے کی خاطر یو این سیکرٹری جنرل کو مراسلہ لکھا، جو یقیناً حکومت کی درست پالیسی ہے، بھارتی انتہا پسند حکومت کو وہ بھی پسند نہ آیا۔ ان حالات میں پاکستانی حکومت کو چاہیے کہ بھارت کے ساتھ دوستانہ رویے پر نظر ثانی کرے اور بھارتی جارحیت کو رکوانے کے لیے عالمی برادری پر مزید دباؤ بڑھائے۔

پی ٹی آئی اور "باغی" کے مابین کانٹے دار مقابلے کا امکان

ملکی سیاست کا اہم ضمنی الیکشن ملتان کے حلقہ این اے 149 میں آج ہوگا۔ الیکشن کمیشن کے مطابق حلقہ این اے 149 میں پولنگ صبح 9 بجے سے شام 5 بجے تک ہوگی، جس میں 3 لاکھ 41 ہزار 527 رجسٹرڈ ووٹرز اپنا حق رائے دہی استعمال کر سکیں گے، جن کے لیے 286 پولنگ اسٹیشنز قائم کیے گئے ہیں اور پولنگ بوتھ کی کل تعداد 774 ہے۔ الیکشن کمیشن کی جانب سے انتخابی فہرستیں، بیلٹ باکس، مہریں، اسٹیمپ پیڈز مہیا کر دیے گئے ہیں، جبکہ ٹرانسپورٹ کی سہولت بھی فراہم کی گئی ہے۔ 286 پولنگ اسٹیشنز پر 286 پریذائیڈنگ افسر ڈیوٹی دیں گے۔ جبکہ اس موقع پر عام تعطیل کا اعلان کیا گیا ہے۔ پولیس کے مطابق حلقہ میں 106 پولنگ اسٹیشنز کو انتہائی حساس اور 97 کو حساس قرار دے دیا گیا، اندرون شہر کے تمام پولنگ اسٹیشنز کو انتہائی حساس قرار دے دیا گیا ہے۔ 4561 پولیس اہلکار خدمات سرانجام دیں گے۔ ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے رینجرز کو بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔ الیکشن کمیشن نے این اے 149 کے حوالے سے جاری کیے گئے ضابطہ اخلاق میں کہا ہے کہ پولنگ اسٹیشن سے 400 گز کے اندر ووٹر کو رشوت، دھمکی اور ترغیب، انتخاب کے روز اسلحہ کی نمائش پر بھی پابندی ہو گی۔ ڈی سی او کے مطابق ایک روز کے لیے دفعہ 144 بھی نافذ ہو گی۔ ضمنی الیکشن کے سلسلے میں رینجرز نے حساس پولنگ

اسٹیشنز کا کنٹرول سنبھال لیا ہے۔ ایس ایس پی آپریشنز کے مطابق ضمنی انتخاب کے دوران 4 ہزار سے زاید اہلکار ڈیوٹی دیں گے۔ چار سو کے قریب پولیس ویزاور سو سے زاید پولیس موٹر سائیکل سکواڈ پٹرولنگ کریں گے۔ پولنگ کے روز کسی بھی ناخوشگوار واقعہ سے بچنے کے لیے پولیس کو رینجرز اور فوج کی مدد بھی حاصل ہوگی۔ واضح رہے کہ ملتان کے حلقہ این اے-149 سے قومی اسمبلی کی نشست جاوید ہاشمی کے استعفے کے باعث خالی ہوئی تھی۔

قومی اسمبلی کا حلقہ 149 ملتان ہمیشہ سے مخدوموں، قریشیوں اور ڈوگروں جیسے اہم سیاسی خاندانوں کا سیاسی اکھاڑہ ثابت ہوا ہے۔ ووٹروں پر وڈیروں کی گرفت اس علاقے میں اب بھی قائم ہے۔ اس مرتبہ کے ضمنی انتخاب میں بھی صورتحال کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ اسی دیہی حلقے میں مئی 2013 میں 83 ہزار سے زاید ووٹ حاصل کرکے کامیاب قرار دیے جانے والے مخدوم جاوید حسین ہاشمی دوبارہ میدان میں ہیں۔ گزشتہ برس انھوں نے اسلام آباد سے بھی کامیابی حاصل کی تھی، لیکن یہ نشست انھوں نے ملتان کے حق میں چھوڑ دی تھی۔ اب وہ دوبارہ اپنے حلقے میں ووٹروں کے پاس گئے ہیں اور کامیابی کے لیے پرامید ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ میں نے جو دن رات محنت کی ہے اس کا اثر ہو رہا ہے اور لوگ حمایت کر رہے ہیں۔ ملتان الیکشن کی دلچسپ بات بڑی جماعتوں کا براہ راست اس معرکے میں سامنے نہ آنا ہے، لیکن درپردہ اپنی پسند کے امیدواروں کی مکمل حمایت جاری رکھے ہوئے

ہیں۔ ملتان کے حلقہ این اے 149 کے ضمنی انتخاب میں 18 امیدوار میدان میں ہیں، جن میں 17 آزاد حصہ لے رہے ہیں۔ جاوید ہاشمی کو مسلم لیگ نواز کی خاموش اور ملک عامر ڈوگر کو پاکستان تحریک انصاف کی کھلی حمایت حاصل ہے۔ تحریک انصاف کے شاہ محمود قریشی کہتے ہیں کہ وہ مشکل حلقوں پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں۔ تجزیہ کاروں کے مطابق اصل مقابلہ جاوید ہاشمی اور عامر ڈوگر کے درمیان ہی ہے۔ ملتان میں مسلم لیگ اور تحریک انصاف کی دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ ایک طرف تحریک انصاف نے اس الیکشن کو اپنے لیے زندگی و موت کا مسئلہ بنایا ہوا ہے، جبکہ دوسری جانب مسلم لیگ ن بھی اس حوالے سے کافی پریشان ہے۔ ذرائع کے مطابق پاکستان مسلم لیگ (ن) پنجاب حکومت نے ملتان کے حلقے این اے- 149 میں ہونے والے ضمنی انتخابات کو اپنی پہلی ترجیح قرار دیتے ہوئے تمام مصروفیات اور اہم میٹنگز ملتوی کی ہیں۔ حکومت کو مخدوم جاوید ہاشمی کی بحیثیت آزاد امیدوار شکست کا خوف نہیں ہے، بلکہ اصل خوف یہ ہے کہ ان کی شکست سے پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کو کامیابی مل جائے گی۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ تمام اہم میٹنگز اور مصروفیات اس وجہ سے منسوخ کردی گئی ہیں، کیوں کہ حکومت اس وقت ضمنی انتخابات پر توجہ مرکوز کیے ہوئے ہے۔ اگرچہ مسلم لیگ (ن) نے اس حلقے سے اپنا کوئی امیدوار کھڑا نہیں کیا، تاہم حکومت جاوید ہاشمی کی فتح کی خواہش مند ہے، تاکہ پی ٹی آئی کو نیچا دکھایا جاسکے، جو ایک دوسرے آزاد امیدوار (ملک عامر ڈوگر کی حمایت کر رہی ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی

کے امیدوار ڈاکٹر جاوید صدیقی کی فتح بھی حکومت کے لیے شرمندگی کا باعث ہوگی۔
حکومت قومی اسمبلی کی نشست کھو دینے سے خوفزدہ نہیں ہے، بلکہ اصل خوف جاوید ہاشمی کی شکست کا ہے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ حکومت نے عوامی مقبولیت کھو دی ہے۔
ملتان سے قومی اسمبلی کے حلقے این اے۔ 149 پر کل ہونے والے ضمنی انتخاب میں مسلم لیگ (ن) نے جہاں جاوید ہاشمی کو اپنی خاموش حمایت فراہم کی ہے، وہیں تحریک انصاف نے اس مقابلے کو اپنے بناؤ یا بگاڑ اور زندگی یا موت کا مسئلہ بنا لیا ہے، گو کہ دونوں جماعتوں نے مختلف وجوہ سے اس انتخاب میں اپنے امیدوار کھڑے نہیں کیے ہیں۔ تحریک انصاف نہ صرف ایک آزاد امیدوار کی کھل کر حمایت کر رہی، بلکہ انتخابی مہم بھی چلا رہی ہے۔ محدود پیمانے پر دیکھا جائے تو یہ ملتان کی ضلعی سیاست میں بنیادی طور پر دو روایتی حریفوں تحریک انصاف کے وائس چیئرمین شاہ محمود قریشی اور جاوید ہاشمی کے درمیان یہ مقابلہ ہے، ہر سیاست دان کے لیے ضلعی سیاست اولین ترجیح ہوتی ہے، قومی اور صوبائی سیاست اس کے بعد آتی ہے۔ ایک پارٹی میں رہتے ہوئے بھی ہاشمی اور قریشی بعض اوقات کھل کر اور چھپ کر بھی ایک دوسرے کے مخالف رہے ہیں۔ وسیع تر معنی میں تحریک انصاف نے اس انتخابی معرکے کو زندگی یا موت کا مقابلہ بنا لیا ہے۔ اس ضمنی انتخاب میں عامر ڈوگر کی کامیابی کو وہ اپنی ملک گیر

احتجاجی مہم کے اثرات کا نتیجہ ثابت کرنا چاہتی ہے۔ تحریک انصاف خصوصاً گزشتہ دو ماہ سے جس قسم کی سیاست کر رہی ہے، اس کی بنا پر ہارنے کی صورت دھاندلی کا الزام حیران کن نہیں ہوگا، وہ کبھی کھلے دل سے شکست قبول نہیں کرے گی، وہ یہ بھی دلیل دے سکتی ہے کہ انتخاب میں جب اس نے شرکت ہی نہیں کی تو شکست کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کھل کر حمایت نہ کرنے کے باعث مسلم لیگ (ن) بھی دعویٰ کر سکتی ہے کہ جاوید ہاشمی کی شکست اس کے لیے پریشانی کا باعث نہیں ہے، جبکہ تحریک انصاف نے آزاد امیدوار ملک عامر ڈوگر کی کامیابی کے امکان کو روشن کرنے کے لیے ملتان میں جلسہ عام بھی کیا۔ اس الیکشن میں پی ٹی آئی کا اصل ہدف جاوید ہاشمی کو شکست دینا ہے، کیونکہ جاوید ہاشمی نے عمران خان کی پالیسیوں کے خلاف بغاوت کرکے انہیں سخت نقصان پہنچایا ہے۔ ملتان کی مقامی سیاست میں وائس چیئرمین پی ٹی آئی شاہ محمود قریشی نے اپنے آبائی ضلع میں جاوید ہاشمی کو شکست دینے کے لیے کافی کام کیا ہے۔ یہ دونوں پہلے بھی ایک ہی جماعت میں ہونے کے باوجود بھی ہمیشہ ایک دوسرے کے مخالف رہے ہیں۔، شاہ محمود قریشی آبائی ضلع میں جاوید ہاشمی کو شکست دینے کے لیے کئی روز سے ملتان میں کیمپ لگائے بیٹھے ہیں۔ پی ٹی آئی حال ہی میں پیپلز پارٹی چھوڑ کر آزاد حیثیت میں الیکشن لڑنے والے ملک عامر ڈوگر کے لیے الیکشن مہم چلا رہی ہے۔ اس صورتحال کے تناظر میں پی ٹی آئی کی مخالف مسلم لیگ (ن) جاوید ہاشمی کی حمایت کر رہی ہے۔ اس حلقے میں مسلم لیگ کی اچھی پوزیشن ہونے

کے باوجود جاوید ہاشمی کی خالی کردہ نشست پر مسلم لیگ (ن) نے اپنا امیدوار بھی کھڑا نہیں کیا ہے۔ مئی 2013 کے پارلیمانی الیکشن میں پیپلز پارٹی کے امیدوار ملک عامر ڈوگر نے جاوید ہاشمی کے مقابلے میں 20 ہزار سات سو 19 ووٹ لیے تھے، جبکہ جاوید ہاشمی نے 83 ہزار چھ سو 40 ووٹ لے کر فتح حاصل کی تھی۔ ان کے مقابلے میں مسلم لیگ (ن) کے امیدوار شیخ طارق رشید 73 ہزار آٹھ سو 98 ووٹ لے کر دوسرے نمبر پر رہے تھے۔ ان حالات میں اب ایک طرف پی ٹی آئی عامر ڈوگر کی حمایت میں سرگرم ہے اور اس امیدوار کی کامیابی کے لیے پر امید بھی ہے، جبکہ دوسری طرف پی پی پی کا اپنا امیدوار میدان میں ہے۔ جہاں تک جاوید ہاشمی کا تعلق ہے تو مسلم لیگ ن ان کی حمایت کر رہی ہے۔ جاوید ہاشمی کے پاس اپنے ذاتی ووٹ بینک کے علاوہ ن لیگ کے ووٹ بھی ہیں، جو جاوید ہاشمی کو آج ہونے والے الیکشن میں کامیابی دلا سکتے ہیں۔

کراچی میں پیپلز پارٹی کا جلسہ: کیا کھویا کیا پایا؟

پیپلز پارٹی نے کراچی میں ایک شاندار جلسہ کیا ہے۔ جلسے میں شرکا کی کافی تعداد تھی، اس لیے جلسے کو ناکام نہیں کہا جاسکتا۔ پیپلز پارٹی کے جلسے کی سیکورٹی کے لیے 2 ہزار 500 پولیس اہلکاروں کے ساتھ ساتھ خفیہ اداروں کے سادہ لباس میں اہلکار بھی تعینات کیے گئے تھے۔ جلسہ گاہ کے داخلی راستوں پر 112 واک تھرو گیٹ نصب کیے گئے تھے۔ ریپڈ رسپانس فورس کے 300 سے زاید کمانڈوز کو جلسہ گاہ میں تعینات کیا گیا۔ جلسہ گاہ میں نصب 300 سے زاید سی سی ٹی وی کیمروں کا کنٹرول روم نشتر پارک میں قائم کیا گیا تھا۔ جلسے کی سیکورٹی کو مزید فول پروف بنانے کے لیے نیو ایم اے جناح روڈ سمیت کئی شاہراہوں کو کنٹینرز لگا کر بند کر دیا گیا۔ جلسے کو کامیاب بنانے کے لیے پیپلز پارٹی نے بھی تحریک انصاف کی طرح اپنے جلسے میں ناچ گانے کا انتظام کیا تھا، جس سے نوجوانوں کی بڑی تعداد نے بھی جلسے میں شرکت کی۔ ذرائع کے مطابق کراچی میں پیپلز پارٹی کے جلسے کے دوران نوجوان ڈھول کی تھاپ پر رقص کرتے ہوئے جلسہ گاہ میں داخل ہوئے اور جو خواتین دور دراز سے قافلوں میں آئی تھیں، جب جلسہ گاہ پہنچیں تو انہوں نے وہیں اپنا بناؤ سنگھار شروع کر دیا اور خواتین کی بڑی تعداد پارٹی ترانوں پر رقص بھی کر رہی تھیں، جوانوں کے ساتھ ساتھ بوڑھے اور بوڑھیاں بھی

رقص کناں تھیں۔ اس کے ساتھ پیپلز پارٹی کے چیئر مین بلاول کی سیکورٹی بھی خواتین پر مشتمل تھی۔ وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار کا کہنا تھا کہ دھرنے اور ناچ گانے ملک میں تبدیلی نہیں لا سکتے۔ تحریک انصاف کے جلسوں کے بعد پیپلز پارٹی کے جلسے میں بھی ناچ گانے کو عوامی حلقوں کی جانب سے شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ متعدد مذہبی و سیاسی رہنماؤں نے جلسوں میں ڈانس اور ناچ گانے کو مغربی کلچر کے فروغ کی مذموم کوشش قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان دو قومی نظریے پر وجود میں آیا ہے۔ مسلمانوں نے ہندوستان سے آزادی اس لیے حاصل کی تھی کہ یہاں پر قرآن وسنت کا عادلانہ نظام نافذ ہو، اس لیے پاکستان حاصل نہیں کیا تھا کہ یہاں نوجوانوں کو ناچ گانے پر لگایا جائے گا۔ کچھ لیڈر ملک کے نوجوانوں کو گمراہی کی طرف لے جا رہے ہیں، وہ اپنے مفاد اور اپنے جلسوں کی تعداد بڑھانے کی خاطر جلسوں میں ناچ گانے اور مادر پدر آزاد کلچر کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ مبصرین کا کہنا تھا کہ کچھ سیاست دان جلسوں میں مغربی کلچر کو رواج دے کر پاکستانی نوجوان نسل کو ہماری معاشرتی ثقافت سے دور لے جانا چاہتے ہیں، وہ سیاست دان ملک میں مغربی تہذیب کو رائج کرنا چاہتے ہیں۔ عمران خان نے اپنے جلسوں میں ناچ گانے اور مغربی کلچر کو روج دیا اور اب پیپلز پارٹی نے بھی اسی کے نقش قدم پر چل کر ملک کی نوجوان نسل کے لیے اچھا نہیں کیا، اس سے نوجوانوں کے اخلاق بگڑ جائیں گے۔ یہ پاکستان کے نوجوانوں کو راہ راست سے ہٹانے کی ایک مذموم کوشش

ہے، جس کی ہر لحاظ سے مذمت کی جانی چاہیے اور مشرق میں مغربی کلچر کو روکنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ مبصرین کا کہنا تھا کہ حالانکہ پیپلز پارٹی کے شرجیل انعام میمن نے عمران خان کے جلسوں اور دھرنوں میں ناچ گانے کی مذمت کرتے ہوئے سندھ اسمبلی میں خطاب کے دوران کہا تھا کہ سڑکوں پر ناچ گانے والوں کا پاکستان ہم نہیں چاہتے۔ جبکہ پاکستان تحرےک انصاف کے چیئرمے ن عمران خان نے بھی سندھ حکومت پر تنقید کرتے ہوئے کہا تھا کہ سندھ کی صوبائی حکومت کلچر کے فروغ کے نام پر ناچ گانے مے ں مصروف ہے۔ لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ اپنے مفاد کی خاطر تو دونوں جماعتیں ایک دوسرے پر تنقید کر رہی ہیں، جبکہ دوسری جانب مشترکی طور پر پاکستان میں ناچ گانے کے کلچر کو رواج دے کر ملک میں مغربی کلچر کو عام کرنے کا سبب بن رہی ہیں۔ اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ لہٰذا تمام سیاسی جماعتوں کو چاہیے کہ وہ ملک میں ناچ گانے کو فروغ دے کر نوجوان نسل کو برباد نہ کریں۔ جبکہ یہ بات بھی واضح ہے کہ انقلاب کا نعرہ لگانے والے لیڈر اپنے جلسوں میں کوئی بہتر انتظام نہیں کر پاتے ہیں۔ ان کے جلسوں میں انتظامات ناقص ہوتے ہیں، جو لوگ اپنے جلسوں میں بہتر انتظامات نہ کر سکیں وہ انقلاب کیا لائیں گے۔

دوسری جانب کراچی جلسے میں پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری نے کہا کہ وزیراعظم نواز شریف کو کس نے اجازت دی کہ وہ وفاقی حکومت کے تمام وسائل دھرنا ختم کرنے میں لگا دیں ان کے اوپر 20 کروڑ عوام کی بھی ذمہ داری

ہے، پیپلز پارٹی نے اپنے دور میں بھی دھرنے دیکھے مگر اپنی ذمہ داری نہ بھولی۔ آج ہماری خارجہ پالیسی ناکام ہو رہی ہے، شیر امریکا میں بھیگی بلی بن گیا، شہید بھٹو نے چین کو ہمارا دوست بنایا، لیکن وزیر خارجہ اور کٹھ پتلیوں کی وجہ سے چینی صدر کا دورہ منسوخ ہوا۔ آج لوگ کہتے ہیں ایک طرف پنجاب میں ترقی ہے اور دوسری طرف چھوٹے صوبوں میں ترقی نام کی کوئی چیز نہیں، لیکن لوگ سندھ کی بات کرنے سے پہلے بھول جاتے ہیں کہ پی پی کے دور کے علاوہ 68 سالہ تاریخ میں سندھ کو تباہی کے سوا کچھ نہیں دیا گیا، پنجاب میں قیام پاکستان کے پہلے سے خوشحالی تھی، سندھ کو کچھ کہنے سے پہلے صوبے کو دیکھیں کہ بھٹو کے نظام نے پاکستان کو کیا کیا دیا ہے، ہم نے غریبوں کو روزگار دیا، ہسپتال بنوائے اور تعلیم کا انتظام کیا، ہم نے سندھ میں جو کام کیا وہ دیکھنے والوں کو نظر نہیں آیا، کیونکہ چند طاقتیں اسے دکھانا نہیں چاہتیں، عوام صرف شوبازی اسکیم کو گڈ گورننس نہیں مانتے، گڈ گورننس صرف عوام کی خدمت کرنے سے آتی ہے، ہم نے عام بس کو میٹرو بنا کر عوام کو بے وقوف نہیں بنایا، کل ایک بس کو جہاز کا نام دے کر بھی عوام کو بے وقوف بنایا جائے گا۔ مبصرین کے مطابق بلاول کی ترقی کے حوالے سے حکومت پر تنقید بالکل بجا، لیکن خود سندھ حکومت نے بھی تو کچھ نہیں کیا ہے۔ پیپلز پارٹی کب تک بھٹو صاحب، بی بی بے نظیر اور دیگر کی اموات کے سانحات اور جذباتی نعروں سے زندہ رہ سکتی ہے۔ پی پی ایک عرصے سے جذباتی نعروں پر حکومت کر رہی ہے،

لیکن عوام کے لیے کچھ بھی نہ کر پائی ہے۔ سندھ میں ایک طویل عرصے سے پیپلز پارٹی برسر اقتدار ہے، لیکن ابھی تک عوام کو کوئی سہولت میسر نہ آئی۔ خود لاڑکانہ میں ہی دیکھ لیا جائے تو وہاں کی پسیماندگی کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید یہاں کوئی حکومت ہے ہی نہیں، جبکہ اس کے علاوہ سندھ کے دوسرے علاقوں کی حالت تو اس سے بھی زیادہ قابل رحم ہے۔ سندھ کے لوگ آج بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہیں، لیکن طویل عرصے سے سندھ پر برسر اقتدار پیپلز پارٹی نے ان کے لیے کچھ نہیں اور سندھ میں ترقی نام کی تو کوئی چیز دکھائی ہی نہیں دیتی۔ متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) کی رابطہ کمیٹی نے کہا ہے کہ پیپلز پارٹی نے 43 سالوں میں سندھ کے لیے کیا کیا ہے؟۔ سندھ کے غریب عوام آج بھی ٹوٹی ہوئی جھونپڑیوں میں بھوک و پیاس کی زندگی گزار رہے ہیں۔

مبصرین کے مطابق پاکستان پیپلز پارٹی نے اپنی روایت برقرار رکھتے ہوئے کراچی میں شاندار جلسہ کیا ہے، لیکن ،بڑے جلسے کرنے کی صلاحیت رکھنے والی پیپلز پارٹی کا سیاسی مستقبل انتہائی خطرے میں ہے۔ اس کی سیاسی عملداری کسی زوال پذیر سلطنت کی طرح سکڑتی جارہی ہے۔ الیکشن 2008 میں ایک کروڑ 6 لاکھ سے زاید ووٹ لے کر 119 جنرل نشستیں حاصل کرکے پہلے نمبر پر رہنے والی پیپلز پارٹی 2013 کے الیکشن میں صرف 69 لاکھ ووٹ لے کر 45 جنرل نشستیں ہی

لے سکی۔ مقبولیت کے اعتبار سے وہ تیسرے نمبر پر آئی۔ زوال کا سفر ضمنی الیکشن میں بھی جاری ہے۔ سوال یہ ہے کہ پنجاب، خیبر پی کے اور بلوچستان میں تیزی سے سکڑتی ہوئی پیپلز پارٹی کی سیاست کو کراچی کا جلسہ کتنا سہارا دے سکے گا، تو بغیر زیادہ سوچ بچار کے کہا جا سکتا ہے کہ کوئی زیادہ سہارا نہیں دے سکے گا، بلکہ اس کا اثر سیاست میں "ویک اینڈ گیٹ ٹو گیدر" سے زیادہ نہیں ہوگا۔ مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی کو جس اہم نکتے کی طرف توجہ بذول کرنے کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ "عرب سپرنگ" اور ارد گرد کے ملکوں میں مضبوط ہوتی ہوئی جمہوریتوں نے پاکستانی عوام بالعموم اور نوجوانوں کے ذہنوں پر بالخصوص اثر ڈالا ہے۔ انہیں بنیادی حقوق حاصل نہ ہونے کا غصہ ہے، انہیں مشکل سے مشکل تر ہوتی ہوئی معیشت پر غصہ ہے اور اس سب سے بڑھ کر انہیں حکمرانوں کے "شاہانہ طرزِ زندگی" پر غصہ ہے۔ مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی کو اس بات کا ادراک کرنا ہوگا کہ روایتی جلسے، جلوسوں اور جذباتی تقاریر کا دور گزر رہا ہے۔ اگرچہ عمران خان بھی کوئی حقیقی سیاسی تبدیلی اور نئی بات سیاست میں متعارف نہیں کرسکے، بلکہ اپنے ارد گرد تیزی سے دوسری پارٹیوں سے آنے والے "سٹیٹس کو" کے نمائندوں کا رش بڑھاتے جا رہے ہیں، لیکن چونکہ ایک تو وہ ابھی تک حکومت میں نہیں آسکے، (خیبر پی کے میں ان کی 15 ماہ کی کارکردگی کی بحث کو زیادہ اہمیت نہیں مل سکی) ۔ ان حالات میں مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی کی سیاسی ساکھ کو ان کے طرزِ حکمرانی میں انقلابی تبدیلیاں

ہی بچا سکتی ہیں۔ عوامی فلاح کے پروگرام لانا ہوں گے، تھانے، کچہریوں میں لوگوں کو انصاف مہیا کرنا ہوگا، صحت اور تعلیم کی سہولتیں دینا ہوں گی اور اپنے طرزِ زندگی میں تیزی سے سادگی لانا ہوگی۔ ملکی مسائل کو سنجیدگی سے حل کرنا ہوگا، بلدیاتی الیکشن کرادینے میں بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ انہیں ہی نہیں ان کے مخالفین کو بھی ایکسپوز کریں گے۔

بلوچستان: عسکریت پسندی میں اضافہ....ترقی خواب ہی رہے گی!

ایک بار پھر قومیت و لسانیت کی بنیاد پر پنجاب سے مزدوری کی غرض سے بلوچستان میں گئے ہوئے آٹھ افراد کو گولیاں مار کر قتل کر دیا گیا ہے۔ سندھ اور بلوچستان سے تعلق رکھنے والے دو مزدوروں کو رہا کر دیا گیا، جبکہ ایک مزدور زخمی حالت میں بچ نکلنے میں کامیاب رہا۔ مرنے والے آٹھوں افراد "ساکران" کے ایک پولٹری فارم میں مزدوری کرتے تھے اور دو ماہ قبل مظفر گڑھ میں سیلاب آ جانے کے باعث بے روزگار ہو کر بلوچستان میں روزگار کے لیے آئے تھے۔ بچ نکلنے والے مزدور کے مطابق ہفتے اور اتوار کی درمیانی شب سات افراد نے گن پوائنٹ پر پولٹری فارم میں کام کرنے والے 11 افراد کو اغوا کیا اور کچھ دور پیدل چلنے کے بعد ان مغوی افراد کو مسلح افراد نے دوسرے مسلح گرہوں کے حوالے کر دیا، جنہوں نے مغویوں کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر انہیں گولیاں مار کر قتل کر دیا۔ اطلاعات کے مطابق ان تمام افراد کو شناختی کارڈ چیک کرنے کے بعد قتل کیا گیا۔ وزیر اعظم نواز شریف نے واقعے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ملزمان کے خلاف سخت کارروائی کی ہدایت کی ہے اور وزیر اعلیٰ بلوچستان ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ نے "حب" میں پنجاب سے تعلق رکھنے والے 8 مزدوروں کے قتل کے واقعہ کی بھرپور الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے واقعہ کی تحقیقات کا حکم دیا ہے اور ضلعی انتظامیہ

کو قاتلوں کو فوری طور پر گرفتار کرنے کی ہدایت جاری کی ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیم ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے صوبائی عہدیدار نے اس واقعے کو صوبے میں امن و امان کے حالات خراب کرنے کی سازش قرار دیتے ہوئے اس کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ امن و امان کی خراب صورتحال کی وجہ سے صوبے میں ملک کے دیگر علاقوں سے آ کر بسنے والوں کی ایک بڑی تعداد بلوچستان سے نقل مکانی کر چکی ہے۔ محتاط اندازوں کے مطابق گزشتہ دس سالوں میں بلوچستان میں دیگر علاقوں سے آ کر آباد ہونے والے ایک لاکھ افراد بلوچستان چھوڑ چکے ہیں۔ ملک کے متعدد رہنماؤں اور عوامی حلقوں نے بھی بلوچستان میں دہشتگردوں کی جانب سے اس سفاکانہ اقدام کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے اور مزدوروں کے قتل کو ملک اور بلوچستان کے خلاف سازش قرار دیا ہے۔ مبصرین کے مطابق بلوچستان میں اس قسم کے حملے پہلے بھی ہوتے رہے ہیں اور ایک عرصے سے ہو رہے ہیں، لیکن پنجاب سے نقل مکانی کر کے بلوچستان میں مزدوری کرنے والے محنت کشوں کا قتل، نہ صرف جاری لڑائی کی مکروہ ترین شکل ہے، بلکہ اس سے بلوچ موقف کو بہت شدید نقصان پہنچا ہے۔ بلوچستان کے علاقوں میں، جہاں پہلے بھی نہایت سرگرمی سے پنجابی آبادکاروں کو نشانہ بنایا جاتا رہا ہے، وہیں اب لگتا ہے کہ پنجاب سے وقتی طور پر نقل مکانی کر کے چار پیسے زیادہ کمانے کی آس میں بلوچستان کا رخ کرنے والے ان غریب محنت کشوں پر توجہ مرکوز کی جا چکی، جو بمشکل ہی روایتی مزدوری حاصل کر پاتے ہیں۔ دہشت گرد پورے بلوچستان کو نقصان پہنچا رہے

ہیں، ان کے اس قسم کے ظالمانہ اقدامات سے ایک طرف پورے ملک میں اپنے بلوچ بھائیوں کے حوالے سے محبت کے جذبات میں تغیر آ سکتا ہے، جبکہ دوسری جانب بلوچستان میں ترقی کا سفر رک سکتا ہے، کیونکہ اب لوگ بلوچستان میں جاتے ہوئے ڈرتے ہیں، ان کو اپنی زندگی کا خطرہ ہوتا ہے، کئی بار بلوچستان میں مزدوروی کے لیے اور دوسری اغراض سے جانے والوں کی قتل کیا گیا ہے، ان حالات میں جب وہاں جانے والے لوگوں کو قتل کر دیا جاتا ہے تو لوگ کیونکر وہاں جائیں گے، یہی وجہ ہے کہ اب بلوچستان میں بہت سے شعبوں میں کام کرنے کے لیے مناسب اور ماہرین افراد نہیں ملتے، آئے روز اخبارات میں بلوچستان میں مختلف شعبوں میں کام کرنے کے لیے افراد کی ضرورت کے اشتہارات آتے ہیں، لیکن موت کا خوف لوگوں کو بلوچستان میں جانے سے روکتا ہے، جس کا نتیجہ بلوچستان کی پسماندگی کی صورت میں سامنے آ رہا ہے۔ ایک طرف تو بلوچستان کے قومیت پسند لوگ بلوچستان کی پسماندگی کا واویلا کرتے ہیں، جبکہ دوسری جانب ملک کے دوسرے علاقوں سے جانے والوں کو قتل کیا جا رہا ہے، یہ کسی طور بھی مناسب نہیں ہے۔

بلوچستان رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔ اس کا رقبہ 347190 مربع کلو میٹر ہے، جو پاکستان کے کل رقبے کا 43.6 فیصد حصہ بنتا ہے، جبکہ اس کی آبادی 1998 کی مردم شماری کے مطابق 65 لاکھ 65 ہزار 885 نفوس پر مشتمل تھی۔ اس وقت صوبے کی آبادی ایک محتاط اندازے کے مطابق 90 لاکھ سے ایک کروڑ کے

درمیان ہے۔ قدرتی وسائل سے مالا مال بلوچستان محل وقوع میں اہم ترین صوبہ ہے، جہاں معدنیات اور قدرتی گیس کے بہت زیادہ ذخائر پائے جاتے ہیں۔ اس کے شمال میں افغانستان، صوبہ خیبر پختون خواہ، جنوب میں بحیرہ عرب، مشرق میں سندھ و پنجاب اور مغرب میں ایران واقع ہے۔ اس کا 832 کلو میٹر سرحد ایران اور 1120 کلو میٹر طویل سرحد افغانستان کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ 760 کلو میٹر طویل ساحلی پٹی بھی بلوچستان میں ہے۔ اس صوبے میں بلوچ قوم پسند مقامی قدرتی وسائل سے ہونے والی آمدنی میں اپنے لیے زیادہ بڑے حصے کا مطالبہ کرتے ہیں اور قوم پسند بلوچوں کی چند عسکریت پسند تنظیموں نے وہاں صوبے کی مکمل خود مختاری کی خونریز مہم بھی شروع کر رکھی ہے۔ یہ مسلح بلوچ عسکریت پسند صوبے میں اپنی خونریز کارروائیوں کے دوران اکثر ایسے افراد کو نشانہ بناتے ہیں، جو بلوچ نہیں ہوتے اور پاکستان کے دیگر علاقوں سے وہاں جا کر کام کاج کرتے ہیں، خصوصاً پنجاب سے جانے والوں کو وقتاً فوقتاً قتل کیا جاتا ہے، کئی بار بلوچستان میں پنجاب سے مزدوری کی غرض سے جانے والوں کو قتل کیا گیا ہے۔ ایسے حملوں کا مقصد بظاہر یہ ہوتا ہے کہ غیر بلوچی کارکنوں کو بلوچستان جا کر وہاں کام کرنے سے روکا جائے۔ بلوچستان میں ایسی کئی مسلح قوم پسند تنظیموں کو حکومت کی طرف سے پابندی بھی لگائی جاچکی ہے۔ مبصرین کے مطابق یہ بالکل بجا ہے کہ صوبے کی بدحالی اور امن و امان کی صورتحال اربابِ اختیار کے لیے ایک سوالیہ نشان ہے۔ آخر اس صورتحال کا ذمہ دار کون ہے؟ بلوچ قومیت پسند

رہنما صوبے میں بڑھتے ہوئے ٹارگٹ کلنگ کے واقعات کی روک تھام میں کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟ بہت سے بلوچ قومیت پرست رہنما نوجوانوں کو ملک اور حکومت کے خلاف ابھارتے نظر آتے ہیں اور یہ رہنما وسائل کی کمی اور صوبے میں امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورتحال کا ذمہ دار پنجابیوں ہی کو ٹھہراتے ہیں۔ اس بات کا بھی چرچہ کرتے نظر آتے ہیں کہ حکومتِ پاکستان کی توجہ کا مرکز صرف اور صرف صوبہ پنجاب ہے۔ ان کے مطابق پنجابی دوسرے صوبوں کی عوام کا حق مارتے ہیں اور بلوچ عوام کے اصل دشمن ہیں، حالانکہ بلوچی اور پنجابی سب پاکستانی ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پنجابیوں کے خلاف پراپیگنڈا کا مقصد صوبہ بلوچستان اور صوبہ پنجاب کی عوام کو آپس میں لڑوانا ہے۔ اس نفرت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صوبہ پنجاب میں بسنے والے بلوچیوں کے لیے پنجابی اکثریت کے دل سے محبت اور بھائی چارے کا خاتمہ ہو جائے گا۔

مبصرین کے مطابق بلوچ عوام پاکستان سے علیحدگی کے خواہاں نہیں ہیں، لیکن صوبے میں دشمن ممالک کی خفیہ ۶ایجنسوں کی مداخلت کو کسی طور بھی نظرانداز نہیں کیاجاسکتااور یہ ایجنسیاں پیسوں کا لالچ دے کر قومیت پرست تحریکوں کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر رہی ہیں اور لسانی اور علاقائی تعصّبات کو ہوا دے کر کے صوبے میں امن و امان کی صورتِ حال کشیدہ کر رہی ہیں، اس کے علاوہ مسنگ پرسنز کی وجہ سے بھی بلوچی بھائیوں میں نفرت کے جذبات ابھرتے

ہیں، لیکن اس کی سزا پنجابی بھائیوں کو دینا کسی طور بھی درست نہیں ہے۔ لہٰذا ان حالات میں غیور بلوچوں پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے علاقے میں ملک دشمن عناصر کو اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہونے دیں، تاکہ ان کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوسکے اور حکومتِ وقت کو چاہیے کہ بلوچستان کے تمام مسائل کو حل کرکے بلوچ قوم کو قومی دھارے میں واپس لائے۔ بلوچوں کو روزگار مہیا کیا جائے۔ بلوچستان میں محب وطن قوتیں علیحدگی پسندوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔ ان کو اعتماد میں لے کر ناراض لوگوں کے ساتھ بھی طاقت کی بجائے مذاکرات سے مسائل کا حل نکالا جائے اور ان حالات میں وزیراعلیٰ بلوچستان کی سب سے ذمہ داری بنتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آزادی کے نام پر بے گناہ پنجابیوں کو قتل کرنے والے لوگ دراصل پاکستان دشمن طاقتوں کے ایجنٹ کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ بھارت بلوچستان میں اپنے مقاصد کے لیے اسلحہ فراہم کر رہا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ بلوچستان میں مختلف نسلی، لسانی، مذہبی و علاقائی گروہوں کو یکساں حقوق دے کر انہیں قومی ذمہ داریوں میں شرکت کا موقع فراہم کیا جائے۔

بلدیاتی انتخابات: کیا عدالتی احکامات پر عمل ہو پائے گا؟

سابق صدر مشرف کے دور حکومت میں نافذ کیا جانے والا بلدیاتی نظام 2009 میں اپنی مدت پوری کرنے کے بعد ختم ہو گیا تھا اور پھر اٹھارویں ترمیم کی منظوری کے بعد بلدیاتی انتخابات کا انعقاد صوبائی حکومتوں کی ذمہ داری قرار دیا گیا تھا، لیکن نہ تو گزشتہ حکومت کے پانچ سال کے دوران ملک میں بلدیاتی انتخابات منعقد کروائے جاسکے اور نہ ہی موجودہ حکومت کے ڈیڑھ سال میں بلدیاتی انتخابات کا انعقاد کیا گیا۔ سپریم کورٹ کی جانب سے حکومت پر بلدیاتی انتخابات کروانے کے حوالے سے مسلسل دباؤ بھی ڈالا جاتا رہا ہے، لیکن تمام صوبائی حکومتیں بلدیاتی انتخابات کروانے میں ناکام رہی ہیں۔ ایک بار پھر سپریم کورٹ نے خیبر پختونخواہ میں بلدیاتی انتخابات کے انعقاد کے لیے تمام تر اقدامات کی روشنی میں ایک ماہ میں الیکشن کمیشن سے بلدیاتی انتخابات کے لیے حتمی رپورٹ مانگ لی ہے، عدالت نے وفاقی حکومت سے مستقل چیف الیکشن کمشنر کی تعیناتی جبکہ سندھ اور پنجاب حکومت سے بلدیاتی انتخابات بارے قانون سازی کی رپورٹ 30 اکتوبر کو طلب کی ہے۔ حدبندیوں کے بارے میں الیکشن کمیشن کی نظرثانی کی درخواست کی سماعت بھی 30 اکتوبر کو ہوگی، جبکہ الیکشن کمیشن نے عدالت میں رپورٹ پیش کرتے ہوئے واضح کیا کہ بلدیاتی انتخابات کے انعقاد بارے ضروری

اقدامات کرنے اور دیگر متعلقہ اداروں کی ضروریات کی تکمیل کے لیے کم از کم چار سے پانچ ماہ کا عرصہ درکار ہے۔ الیکشن کمیشن جلد ہی قانون کی روشنی میں بلدیاتی انتخابات کا شیڈول جاری کردے گا، جبکہ چیف جسٹس ناصرالملک نے ریمارکس دیے ہیں کہ الیکشن کمیشن صوبوں سے مشاورت کرکے بتادے کہ وہ کب تک بلدیاتی انتخابات کرانے کی پوزیشن میں ہوگا،اس سے زیادہ وقت نہیں دے سکتے، جبکہ جسٹس امیر ہانی مسلم نے ریمارکس دیے کہ الیکشن کمیشن کے جلد از جلد اقدامات اور بلدیاتی انتخابات کرانے کا شیڈول کہیں ایک سال کا عرصہ تو نہیں ہے۔ پہلے بھی کافی وقت لگ چکا ہے، اب بلدیاتی انتخابات ہوجانے چاہئیں۔ واضح رہے کہ سپریم کورٹ کی جانب سے ایک عرصے سے تمام صوبائی حکومتوں پر دباؤ ں ہے، لیکن تمام حکومتیں مسلسل سستی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ گزشتہ سال 17 جولائی کو سپریم کورٹ نے کہا تھا کہ اگر حکومتیں بلدیاتی انتخابات کے انعقاد کی تاریخ دینے میں ناکام رہیں تو سپریم کورٹ ان انتخابات کے انعقاد کی تاریخ دے گی۔ سپریم کورٹ کے احکامات کے بعد پنجاب اور سندھ گورنمنٹ نے عدالت سے بلدیاتی انتخابات کروانے کے لیے نوے دن کی مہلت مانگی تھی، جبکہ صوبہ خیبر پختونخوا کی حکومت کا کہنا تھا کہ وہ کسی بھی وقت بلدیاتی انتخابات کروانے کے لیے تیار ہے۔ جبکہ 18 جولائی 2013 کو سپریم کورٹ نے وفاقی دارالحکومت کی انتظامیہ اور چاروں صوبائی حکومتوں سے کہا تھا کہ وہ ستمبر تک ان انتخابات کے انعقاد کو یقینی بنائیں۔ بلدیاتی انتخابات کو ایک روز کے لیے بھی ملتوی

کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ پنجاب اور سندھ میں ان جماعتوں کی حکومت ہے، جو گزشتہ پانچ سالوں سے اقتدار میں ہیں۔ صوبہ پنجاب اور بلوچستان کی حکومتوں کا کہنا تھا کہ وہ 7 دسمبر کو صوبے میں بلدیاتی انتخابات کروانے کو تیار ہیں، جبکہ صوبہ سندھ کی حکومت نے سپریم کورٹ کو 27 نومبر کو صوبے میں بلدیاتی انتخابات کروانے کی یقین دہانی کروائی تھی اور خیبر پختونخوا کی حکومت نے سپریم کورٹ کو بلدیاتی انتخابات سے متعلق کوئی متعین تاریخ نہیں دی تھی، جبکہ سپریم کورٹ بلدیاتی انتخابات گزشتہ سال ستمبر میں ہی کروانے پر مصر تھی۔ اس کے بعد 6 نومبر کو الیکشن کمیشن آف پاکستان نے بلدیاتی انتخابات کی تاریخوں کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا کہ سندھ میں 27 نومبر اور پنجاب میں 7 دسمبر کو پولنگ ہو گی، بلوچستان میں پہلے ہی 7 دسمبر کو بلدیاتی انتخابات کے انعقاد کا اعلان کیا جا چکا ہے، لیکن ایک بار پھر حکومتوں اور الیکشن کمیشن کے اصرار پر 19 نومبر کو عدالت نے بلدیاتی انتخابات کے حوالے سے دی گئی تاریخوں کو تبدیل کیا تھا اور قائم مقام الیکشن کمشنر جسٹس تصدق حسین جیلانی کا کہنا تھا کہ بلدیاتی انتخابات صوبہ سندھ میں 18 جنوری، پنجاب میں 30 جنوری اور خیبر پختونخوا، کنٹونمنٹ بورڈ اور اسلام آباد میں فروری میں ہوں گے، لیکن تمام صوبائی حکومتیں بار بار تبدیل کی گئی تاریخوں پر بھی بلدیاتی انتخابات نہ کروا سکیں اور ایک بار پھر درخواست دے کر پنجاب، سندھ، خیبر پختونخوا اور وفاق میں بلدیاتی انتخابات کا انعقاد سال رواں 15

نومبر تک کو کروانے کی مہلت لی تھی، لیکن اب سپریم کورٹ نے ایک بار پھر عدالت نے وفاقی حکومت سے مستقل چیف الیکشن کمشنر کی تعیناتی جبکہ سندھ اور پنجاب حکومت سے بلدیاتی انتخابات بارے قانون سازی کی رپورٹ 30 اکتوبر کو طلب کی ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ متعدد بار سپریم کورٹ بلدیاتی انتخابات کے انعقاد کا حکم دے چکی ہے، لیکن اس کے باوجود تمام صوبائی حکومتیں ملک میں بلدیاتی انتخابات منعقد کرانے پر ٹال مٹول سے کام لے رہی ہیں۔ اب ایک بار پھر سپریم کورٹ نے بلدیاتی انتخابات کے حوالے سے رپورٹ طلب کی ہے، لیکن اس کا انعقاد کب ہوتا ہے اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ صوبائی حکومتیں مسلسل سستی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔

مبصرین کے مطابق کسی بھی ریاست میں قائم شدہ حکومت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہوتی ہے کہ مسائل کو حل کرنے کے لیے عوام کو زیادہ سے زیادہ حکومتی امور میں شریک کیا جائے، جو کہ صرف مقامی حکومت کے قیام کے بعد ہی ممکن ہے، کیونکہ مقامی لوگ ہی مقامی وسائل کو استعمال میں لاکر مقامی مسائل کو حل کرنے کی بہتر صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں۔ مقامی حکومتوں کے اداروں کے ذریعے جمہوری قدروں کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ یہ ادارے نہ صرف عوام میں اپنے مسائل خود حل کرنے کے لیے راہیں تلاش کرنے کا شعور پیدا کرتے ہیں، بلکہ عوام مقامی طور پر نظم و نسق کا تجربہ حاصل کرتے ہیں اور پھر یہ تجربہ قومی سطح

پر بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ فی الحقیقت یہ وہ سطح ہے جہاں قوم کے مستقبل کے رہنماو
ں کو نظم و نسق کی مسلسل تربیت دی جاتی ہے، جس کی بنا پر ملک میں قومی لیڈر شپ کا خ
خلا پیدا نہیں ہوتا۔ مقامی حکومتوں میں شمولیت سے لوگوں کو نہ صرف اپنے علاقے کی
انتظامیہ کو سمجھنے اور چلانے کا شعور ملتا ہے، بلکہ لوگوں کو اعلیٰ سطح کی صوبائی اور مرکزی
انتظامیہ اور دیگر سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کی انتظامیہ کے معاملات کو سمجھنے کا
موقع بھی ملتا ہے، لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ اس نظام کی اتنی افادیت کے باوجود
ملک کے مفاد پرست حکمرانوں کی عوام دشمن پالیسیوں کی وجہ سے اقتدار کی نچلی سطح تک
منتقلی محض ایک خواب بنتا جا رہا ہے اور مقامی حکومتوں کا تصور ختم ہو کر رہ گیا ہے،
ایک طرف دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مقامی سطح پر عوام کے منتخب نمائندوں کی حکومت ہوگی تو
دوسری طرف بہت سارے اختیارات عوامی نمائندوں کے انتخاب کے بعد انہیں سونپنے
کی بجائے بیوروکریسی کو سونپ دیے گئے۔ یہ درست ہے کہ اس نظام کو چلانے کے لیے
بعض تبدیلیوں کی ضرورت ہے، لیکن اگر حکمران حقیقی معنوں میں اس نظام کو چلانے
کے لیے سنجیدہ ہوں تو یقیناً اس میں خاطر خواہ تبدیلیاں لا کر مقامی حکومتوں کے نظام کو
عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے۔ جب حکومت نچلی سطح تک اختیارات کی منتقلی کو یقینی بنا دے
گی تو یقیناً مقامی حکومتوں کے نمائندے ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے صحت و صفائی
خراب عمارات کے امور، قبرستانوں کی دیکھ بھال، پانی کی بہم رسانی، سیوریج سسٹم،

کی بحالی، تعلیمی ادارے قائم کرنے کے بعد لوگوں کی اعلی تعلیم تک رسائی دلوانا، شہری منصوبہ بندی، ترقیاتی اسکیموں کی تیاری، عمارات کے متعلق قوانین، عام سڑکوں کی تعمیر تجاوزات کی روک تھام، گلی کوچوں میں روشنی کے مناسب انتظام، عام گلیوں میں پانی، کے چھڑکاؤ کا انتظام، آمدورفت کا کنٹرول، پبلک گاڑیوں سے متعلق فرائض کی انجام دہی، صحت عامہ کو فروغ دینا، مراکز صحت وزچگی اور عورتوں اور شیر خوار بچوں کی بہبودی کے مراکز قائم کرنا، ہسپتال اور شفا خانوں کا قیام، طبّی امداد اور سہولتوں اور طبّی تعلیم عام کرنے کے اقدامات کرنا، لوگوں کو تفریح وآسائش کے لیے باغات لگانا لائبریریوں کا قیام، اپنی حدود میں رہنے والے شہریوں کی معاشرتی بہبود کے کام کرنا، اور مناسب جگہوں پر شجر کاری کے ساتھ ساتھ بہت سارے ایسے امور ہیں، جن کی نگرانی کے ذریعے مقامی حکومتوں کے عوامی نمائندے عوام تک باآسانی ثمرات پہنچا سکتے ہیں، لیکن افسوس کے ہمارے ملک کے حکمران عوام تک بنیادی سہولتوں کی فراہمی کو اپنے اختیارات میں کمی کا باعث سمجھتے ہیں۔اس لیے وہ بلدیاتی انتخابات کی راہ میں رکاوٹ بن کر مسلسل بلدیاتی انتخابات کے انعقاد میں پس وپیش سے کام لے رہے ہیں۔لہٰذا اگر حکومتیں عوام کے مسائل حل کرنا چاہتی ہیں تو انہیں سپریم کورٹ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے بلدیاتی انتخابات کا انعقاد کرنا ہوگا۔

بلوچستان: دہشت گردی میں مسلسل اضافہ....حکومت کہاں ہے؟

بلوچستان میں دن بدن بدامنی و دہشتگردی میں بڑھوتری ہورہی ہے۔ ہر نکلتے سورج کے ساتھ خوف و ہراس میں اضافہ ہورہا ہے۔ تواتر اور تسلسل کے ساتھ بلوچستان میں موت و خون کا کھیل مزید بھیانک ہورہا ہے۔ یوں تو بلوچستان میں غیر ملکی مداخلت کی وجہ سے امن و سکون ایک عرصے سے خواب بنا ہوا ہے، لیکن گزشتہ چند دنوں سے بلوچستان میں عوام پر موت کے منڈلاتے سائے مزید گہرے ہوگئے ہیں۔ پہلے رواں ہفتے اتوار کے روز بلوچستان کے صنعتی شہر حب کے نواحی علاقے ساکران میں 7 افراد نے گن پوائنٹ کے زور پر پنجاب سے مزدوری کرنے کے لیے آئے ہوئے 11 مزدوروں کو اغوا کرکے انہیں گولیاں مار کر قتل کردیا تھا۔ جبکہ جمعرات کے روز صوبہ بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ کے علاقے ہزار گنجی میں سبزی فروشوں پر حملوں اور آرچر روڈ پر جمعیت علمائے اسلام (ف) کے جلسے کے قریب خودکش حملے کے نتیجے میں کم از کم 16 افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، جبکہ 50 سے زاید زخمی ہوئے ہیں۔ حکام کے مطابق اس حملے میں خودکش حملہ آور جے یو آئی ف کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن کو نشانہ بنانا چاہتا تھا، مگر مولانا فضل الرحمٰن اس حملے میں محفوظ رہے ہیں۔ دھماکے میں جے یو آئی کے درجنوں کارکن بھی زخمی ہوئے ہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن بلٹ پروف گاڑی میں ہونے کی وجہ سے

محفوظ رہے، جبکہ گاڑی کو شدید نقصان پہنچا اور اس کے ٹائر پھٹ گئے۔ چار گاڑیاں اور دکانیں تباہ ہو گئیں۔ جبکہ کوئٹہ کے نواحی علاقے ہزارہ گنجی میں آٹھ سبزی فروشوں کو 6 شدت پسندوں نے جمعرات کی صبح ایک بس میں اس وقت نشانہ بنایا، جب وہ سبزی منڈی سے خریداری کے بعد شہر واپس جا رہے تھے۔ ایس ایس پی کوئٹہ اعتزاز احمد کے بقول دو موٹر سائیکلوں پر سوار چار مسلح افراد نے بس میں سوار 8 افراد کو سروں پر گولیاں مار کر قتل کیا۔ اس واقعے کے بعد کوئٹہ کے ایک اور علاقے کرانی روڈ پر بھی فائرنگ کے نتیجے میں مزید ایک شخص کے قتل کی اطلاعات ہیں، جبکہ کچھ ہی دیر بعد نواحی علاقے قمبرانی روڈ پر نامعلوم افراد نے سیکورٹی فورسز کی ایک گاڑی کو بم دھماکے کے ذریعے نشانہ بنایا، جس کے نتیجے میں 3 افراد قتل اور 20 افراد زخمی ہوئے۔ وزیراعظم نواز شریف، صدر ممنون حسین، قائد متحدہ الطاف حسین، پاکستان پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف زرداری، چیئرمین بلاول بھٹو زرداری، عوامی نیشنل پارٹی کے سربراہ اسفندیار ولی، آفتاب شیرپاؤ و دیگر رہنماؤں نے مولانا فضل الرحمٰن پر خودکش حملے اور ہزار گنجی اور قمبرانی میں فائرنگ اور دھماکوں کی مذمت کرتے ہوئے ہلاکتوں پر گہرے دکھ اور غم کا اظہار کیا۔ جبکہ متعدد مذہبی رہنماؤں نے مولانا فضل الرحمٰن پر قاتلانہ حملے کی مذمت کرتے ہوئے واقعے کی تحقیقات کروا کر پس پردہ حقائق سے قوم کو آگاہ کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ مولانا فضل الرحمٰن پر قاتلانہ حملہ کسی بڑے گیم پلان کا حصہ ہے۔ مولانا فضل

الرحمٰن پر حملے کی تحقیقات کروا کر واقعے میں ملوث عناصر کو سخت ترین سزا دی جائے۔
ملک دشمن عناصر پاکستان میں بدامنی پھیلانا چاہتے ہیں اور پاکستان میں فرقہ واریت کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں۔
مبصرین کے مطابق بلوچستان میں مولانا فضل الرحمٰن پر قاتلانہ حملے اور مزدوروں و سبزی فروشوں کی کلنگ ناقص حکومتی انتظامات کی چغلی کرتے دکھائی دے رہے ہیں۔
جمہوری سسٹم میں حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف ایک ہی گاڑی کے دو پہیے سمجھے جاتے ہیں اور ہر دو کی مشترکہ ذمہ داری ہے کہ ملک میں گڈ گورننس قائم کی جائے، امن و امان کی صورتحال بہتر سے بہتر بنائی جائے ،تاکہ عوام سکون کی نیند سو سکیں، لیکن بدقسمتی سے ملک میں ایسا نہیں ہے۔ امن و امان کی صورتحال بہتر ہونے کی بجائے روز بروز بگڑتی جا رہی ہے۔ بلوچستان میں بھی دہشت گردی نے امن و امان کی صورتحال کو انتہائی مخدوش کر دیا ہے۔ آئے روز دہشت گردی میں اضافہ ہو رہا ہے، لیکن اس کے سد باب کے لیے حکومت نے کوئی مستقل پلان تک نہیں بنایا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ بلوچستان میں دہشتگردی کے سب سے زیادہ واقعات کوئٹہ اور سریاب روڈ پر پیش آتے ہیں،اور ایک عرصے سے پیش آ رہے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ بلوچستان بہت زیادہ آبادی والا شہر نہیں ہے اور نہ ہی سریاب روڈ اس قدر طویل ہے کہ وہاں کی سیکورٹی انتظامات میں بہتری نہ لائی جاسکے، لیکن اس کے

باوجود کوئٹہ میں دہشتگردی کے ہر واقعہ کے بعد حکومت دہشتگردوں کو پکڑنے کے اعلانات تو کرتی ہے، لیکن سیکورٹی کے انتظامات نہیں کر پاتی، حالانکہ کم آبادی والے شہر میں سیکورٹی کے انتظامات کرنا قدرے آسان ہے، لیکن حکومت اس کے باوجود ناکام ہے۔ اگر حکومت چاہے تو کوئٹہ شہر میں بلا تفریق آپریشن کرکے دہشتگردوں کی سازشوں کو ناکام بنا سکتی ہے۔ اس کے ساتھ حکومت کو یہ بات بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ بلوچستان میں بدامنی پھیلانے میں غیر ملکی عناصر ملوث ہیں، کئی بار اس کے شواہد سامنے آچکے ہیں اور سیکورٹی ادارے بھی اس بات کا اقرار کر چکے ہیں، حکومت خود بھی کئی بار اس بات کو میڈیا کے سامنے لاچکی ہے۔ دو سال قبل آئی جی ایف سی میجر جنرل عبیداللہ خان نے کہا تھا کہ بلوچستان میں 20 دیگر ممالک کی ایجنسیاں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے سرگرم ہیں، جن کی حرکتوں کو کنٹرول کرنے کے لیے حکومتی ادارے اور انٹیلی جنس ایجنسیاں سرگرداں ہیں۔ ایسی کارروائیوں میں ملک کے اندر اور ملک سے باہر بیٹھے ہوئے عناصر ملوث ہیں۔ جب اس قسم کے حقائق سامنے آچکے ہیں تو اس کے بعد بلوچستان میں سیکورٹی کو مزید متحرک و فعال کرنے میں کیا چیز مانع ہے۔ ان حالات میں تو سیکورٹی کے انتظامات مزید بہتر کیے جانے چاہیے، لیکن حکومت تمام غیر ملکی سازشوں کے باوجود سستی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ وطن عزیز چاروں طرف سے دشمنوں کے گھیراؤ اور حصار میں

ہے۔ یہ حساس صورت حال ملک کی بقا، استحکام اور سالمیت کو لاحق خطرات وخدشات میں مسلسل اضافے کی نشان دہی کرتی دکھائی دے رہی ہے، لیکن ان پر خطر حالات وواقعات کے باوجود ملک کے اندر عمومی طور پر احساس وبیداری، یکجہتی ویکسوئی اور اجتماعیت واتفاق کی وہ فضا قائم نہیں ہو پارہی، جو وقت کا تقاضا ہے۔ اس کے برعکس یہاں ہر سطح پر انتشار، خلفشار، نفرت، مخاصمت، تعصب اور ذہنی وفکری تضاد وٹکراؤ کا افسوس ناک منظر دیکھنے کو مل رہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ عالمی قوتوں کے خطے سے وابستہ دیرینہ مفادات کی تکمیل کے راستے میں مملکت خداداد پاکستان کا وجود ایک بڑی رکاوٹ ہے، جسے دور کرنے کے لیے بیرونی طاقتیں مل جل کر زور لگا رہی ہیں اور اس مذموم ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یکبارگی وطن عزیز کو اندرونی وبیرونی محاذوں پر شدید مشکلات، بحرانوں اور پریشانیوں میں الجھایا جارہا ہے۔ بلوچستان میں مولانا فضل الرحمٰن پر حملہ اور دہشت گردی کے دیگر واقعات ملک کے خلاف کھیلے جانے والے عالمی اور طاغوتی کھیل کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ پاکستان دشمن ایجنسیاں یہاں کبھی فرقہ واریت کے عنوان سے قتل وغارت برپا کردیتی ہیں تو کبھی صوبائی اور لسانی منافرت پھیلانے کے لیے مختلف قومیتوں سے تعلق رکھنے والے افراد اور طبقات کو نشانہ بناتی ہیں، جس کے نتیجے میں ملک کا امن وسکون تہہ وبالا ہوتا ہے اور پس پردہ عالمی طاقتیں مقامی آلہ کار عناصر کے ذریعے مذموم عزائم کو یقینی بنانے کے لیے راستہ ہموار کرتی ہیں۔ بلوچستان خاص طور پر ایک

طویل عرصے سے ملک دشمن قوتوں کا ہدف بنا ہوا ہے، جہاں فرقہ وارانہ قتل وغارت بم دھماکوں اور تخریب کاری کے الم ناک واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ ایسے حالات، میں ملکی سلامتی کے حوالے سے حکومت کی ذمہ داری میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے کہ بلوچستان میں متحرک دہشتگردوں کی بلا تفریق بیخ کنی کرکے بلوچستان میں امن وامان کے قیام کو یقینی بنائے۔

کراچی: سیاسی کشیدگی اور خوف و ہراس میں اضافہ

ملک میں محرم الحرام کے مقدس مہینے کی آمد کے ساتھ ہی خوف و ہراس کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ دہشتگردی کے خطرات بڑھ جاتے ہیں اور امن و امان کا قیام بھی مشکل ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ جبکہ عوام کو امن کی فراہمی ہر حکومت کی اہم ترین ذمہ داری ہوتی ہے۔ ان حالات میں حکومت کی ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے اور حکومت اپنے تئیں امن کو قائم کرنے کے لیے اپنی سی کوشش کرتے ہوئے ملک بھر میں سیکورٹی بڑھا تو دیتی ہے، لیکن افسوس اس کے باوجود شر پسند عناصر فساد پھیلانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، اس سال بھی حکومت نے ملک بھر سیکورٹی سخت کر کے بدامنی کی روک تھام کے لیے کی کوشش کی ہے، جبکہ اس حوالے سے ملک کا سب سے بڑا شہر کراچی انتہائی زیادہ اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ کراچی کے حالات کے اثرات پورے ملک پر پڑتے ہیں۔ اس تناظر میں محرم الحرام میں امن و امان کے قیام، مذہبی ہم آہنگی کو برقرار رکھنے اور فرقہ وارانہ تصادم کو روکنے کے لیے 18 نکات پر مبنی ضابطہ اخلاق مرتب کیا گیا ہے، جس کے مطابق سیکورٹی انتظامات پولیس اور رینجرز انجام دیں گے، تاہم کسی بھی ناخوشگوار واقعے سے نمٹنے کے لیے پاک فوج کو کوئیک رسپانس فورس کے طور پر الرٹ رکھا جائے گا۔ سندھ پولیس نے حکومت سے سفارش کی کہ 9 اور 10 محرم کو کراچی سمیت صوبے بھر میں موٹر سائیکل کی ڈبل

سواری پر پابندی اور موبائل فون سروس بند رکھی جائے، تاہم صوبے بھر میں محرم الحرام کے موقع پر اسلحہ لے کر چلنے پر پابندی عاید ہوگی۔ محکمہ داخلہ نے سندھ سے تعلق رکھنے والے مختلف مکتبہ فکر کے 143 علما کے صوبے کے مختلف اضلاع میں داخلے پر پابندی لگادی ہے، پنجاب سے تعلق رکھنے والے 30 سے زاید علما کے سندھ میں داخلے پر بھی پابندی لگائی گئی ہے۔ ڈی جی رینجرز سندھ میجر جنرل بلال اکبر کا کہنا ہے کہ اسلحے کی نمائش کرنے والوں اور ساتھ لے کر چلنے والوں کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے اور شہری بھی اپنے ساتھ لائسنس یا بغیر لائسنس کے اسلحہ ساتھ لے کر نہ چلیں۔ مختلف رہنماؤں نے اس حوالے سے کہا ہے کہ محرم الحرام انسانی تاریخ میں عظیم قربانیوں سے عبارت ہے اور ملت اسلامیہ پر محرم الحرام کا احترام ہر حال میں لازم ہے۔ محرم الحرام کا مہینہ مسلم امہ کو ایک دوسرے کے عقائد اور مسالک کے احترام کا درس دیتا ہے اور محرم الحرام کے مہینے کی حرمت پامال کرنے والے عناصر کسی طرح بھی مسلم امہ کے دوست نہیں ہو سکتے۔ تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علمائے کرام اور عوام بھائی چارگی، فرقہ وارانہ اتحاد اور امن و امان کے قیام کو یقینی بنائیں۔

جب ایک طرف مذہبی حوالے سے کشیدگی کے پیش نظر خوف وہراس کے خاتمے کے لیے مختلف اقدامات کرکے امن و امان کے قیام کو یقینی بنانے کی مختلف کوششیں کی

جارہی ہیں، عین انہی دنوں کراچی میں ایک بار پھر سیاسی کشیدگی میں اضافہ ہوجانے کی وجہ سے خوف وہراس میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ متحدہ قومی موومنٹ نے اتوار کے روز ملک بھر میں یوم سیاہ منایا ہے۔ یوم سوگ کے موقع پر کراچی میں کاروبار زندگی پوری طرح معطل رہا، بازار، مارکیٹیں، کاروباری مراکز اور پیٹرول پمپس بند رہے، جبکہ سڑکوں پر پبلک ٹرانسپورٹ بھی غائب تھی۔ یوم سوگ کے باعث جامعہ کراچی میں ہونے والے انٹری ٹیسٹ ملتوی کر دیے گئے۔ اس کے علاوہ ایم کیو ایم کی جانب سے شاہراہ قائدین اور شارع فیصل کے سنگم پر احتجاجی مظاہرہ بھی کیا گیا، جبکہ سندھ کے مختلف شہروں میں بھی یوم سیاہ منایا گیا، اندرون سندھ چلنے والی پبلک ٹرانسپورٹ بند ہونے کی وجہ سے کاروباری اور تجارتی سرگرمیاں معطل رہیں۔ ہفتے کے روز ایم کیو ایم کی رابطہ کمیٹی کی جانب سے ملک بھر میں یوم سیاہ منانے کا اعلان کیا گیا اور تمام دکانداروں، تاجروں، ٹرانسپورٹرز اور تعلیمی اداروں سے اپیل کی کہ وہ یوم سیاہ کے موقع پر اپنی کاروباری و تعلیمی سرگرمیاں بند رکھیں اور یوم سیاہ کو بھرپور طریقے سے کامیاب بنائیں۔ یوم سیاہ کے اعلان کے بعد کراچی اور اندرون سندھ میں پٹرول پمپ اور کاروباری مراکز بند ہونا شروع ہوگئے، رات دیر تک کھلی رہنے والی دکانیں بھی بند ہوگئیں۔ اس کے ساتھ ہفتہ کو کراچی اور حیدرآباد میں تمام نیوز چینل کو بند کرادیا گیا تھا، تاہم شام کو نشریات بحال کردی گئیں تھیں۔ وزیر اطلاعات سندھ شرجیل میمن کا کہنا تھا کہ چینلز کی

نشریات بند کرانے کے سلسلے میں کیبل آپریٹرز کو دھمکیاں دی گئیں تھیں۔ متحدہ رہنما کا کہنا تھا کہ پیپلز پارٹی کے خورشید شاہ نے لفظ مہاجر کو گالی قرار دے کر مسلم امہ کی دل آزاری کی۔ 17 اکتوبر پاکستان کی تاریخ کا سیاہ ترین دن ہے، کیونکہ اس دن خورشید شاہ نے 4 مرتبہ لفظ "مہاجر" کو گالی قرار دیا۔ یاد رہے کہ 17 اکتوبر کو سید خورشید شاہ نے ایک بیان میں کہا تھا کہ لفظ "مہاجر" ان کے لیے گالی ہے اور سندھ میں رہنے والوں کے لیے یہ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ تاہم بعد میں خورشید شاہ نے معذرت کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں مہاجر کو گالی دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا اور میرے بیان سے اگر کسی کی دل آزاری ہوئی ہے تو میں معذرت خواہ ہوں۔ اگر یہ انصار اور مہاجرین کا معاملہ ہے تو میں خود ایک مہاجر ہوں۔ کوئی بھی مسلمان ایسی بات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ معمولی فائدے کے لیے سیاسی معاملات کو مذہبی رنگ دینے سے گریز کیا جائے۔ ایم کیو ایم نے بلاول بھٹو زرداری کی تنقید اور خورشید شاہ کی جانب سے لفظ مہاجر سے متعلق بیان پر سندھ حکومت سے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔ جس کے بعد ایم کیو ایم نے اپنے استعفے جمع کروائے تو وزیر اعلیٰ ہاؤس کراچی کے ترجمان کی جانب سے جاری بیان کے مطابق وزیر اعلیٰ نے متحدہ قومی موومنٹ سے تعلق رکھنے والے مشیر فیصل سبزواری اور عادل صدیقی، جبکہ معاون خصوصی عبدالحسیب خان کے استعفے منظور کرلیے ہیں۔ وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کہتے ہیں کہ ایم کیو ایم کے جائز مسائل کے حل کے لیے تیار ہیں، لیکن

اس سلسلے میں کوئی سودے بازی نہیں کی جائے گی۔ خورشید شاہ نے جو کچھ بھی کہا وہ اس پر معذرت کر چکے ہیں۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب محرم الحرام میں امن و امان کے قیام کی زیادہ ضرورت ہے اور کشیدگی کا خاتمہ بھی ضروری ہے۔ ایسے میں حکومت مذہبی حوالے سے تو انتظامات کر رہی ہے، لیکن سیاسی حوالے سے کشیدگی میں بڑھاوے کا سبب بن رہی ہے۔ حالانکہ ایسے حالات میں فریقین کو چاہیے کہ اپنے مسائل کو اس انداز میں خوش اسلوبی کے ساتھ حل کریں کہ جس سے ملک کو نقصان کا اندیشہ بھی نہ ہو، لیکن یہاں ایک طرف حکومت سخت بیانات دے کر کشیدگی کو ہوا دینے کا سبب بن رہی ہے، جبکہ دوسری جانب محض ایک سیاسی "لفظ" جو مذہبی رنگ دے نے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ فریقین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اپنے سیاسی مفادات کی خاطر ملکی مفادات کو نقصانات نہ پہنچائیں۔ سیاسی کشیدگی کے باعث اتوار کے روز کراچی میں منائے جانے والے یوم سوگ کی وجہ سے نہ صرف کراچی بلکہ ملک بھر کو اربوں کا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ مبصرین کے مطابق کراچی ہر لحاظ سے انتہائی اہم شہر ہے، کراچی پر پڑنے والے اچھے یا برے اثرات پورے ملک پر پڑتے ہیں، کراچی کو پاکستان کا معاشی حب بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ ملک کو کراچی کی آمدنی کا بہت سہارا حاصل ہے۔ اس کے علاوہ بھی ملک میں رونما ہونے والی بے شمار تبدیلیاں کراچی سے منسلک ہیں۔ پاکستان کے معاشی

مرکز کراچی سے پورے ملک کی معیشت کی باگ ڈور بندھی ہوئی ہے ،اگر ایک دن کاروبار زندگی معطل ہوجائے تو قومی خزانے کو اربوں روپے خسارے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ذرائع کے مطابق کراچی میں ایک دن کی ہڑتال سے پیداواری لحاظ سے آٹھ سے دس ارب روپے کا نقصان ہوتا ہے،ایک دن کی ہڑتال سے شہر بھر کی چھوٹی بڑی دو لاکھ صنعتیں بند رہتی ہیں،جس سے دو کروڑ سے زاید آبادی والے شہر میں بیس لاکھ افراد کا روزگار وابسطہ ہے، معاشی ماہرین کے مطابق ملک کی مجموعی پیداوار میں 22 فیصد جب کہ محصولات میں 62 فیصد حصہ کراچی کا ہوتا ہے۔ کراچی میں ایک دن کی ہڑتال سے آٹھ سے دس ارب روپے کا نقصان ہوتا ہے، جبکہ ملک کو محصولات کی مد میں کم از کم چار ارب کا نقصان ہوتا ہے، کراچی میں ہڑتال اور یوم سوگ کے اعلان سے 80 فیصد کاروبار اور ٹرانسپورٹ بند ہونے کی وجہ سے شہر کے دو کروڑ لوگوں کی زندگی معطل ہوجاتی ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ یوم سیاہ کے باعث شہر پر پڑنے والے کل مالی اثرات کا تخمینہ لگانا دشوار ہے۔ ملک کی معیشت پر پڑنے والے حقیقی نقصان کا تخمینہ نہیں لگا سکتے کیونکہ اس میں بہت سے عوامل ہیں۔

وزیرستان: موسم سرما کی آمد....آئی ڈی پیز مسلسل نظر انداز

ملک میں موسم سرما شروع ہوچکا ہے۔ مختلف علاقوں میں سردی کی شدت میں اضافہ ہونا شروع ہوگیا ہے۔ سال رواں کے ماہ اکتوبر کے ابتدائی دنوں میں بارشوں کی وجہ سے پہاڑوں پر برفباری بھی شروع ہوئی، جس کی وجہ سے سردی میں تیزی آنا شروع ہو گئی ہے اور 14 اکتوبر سے ملک کے مختلف حصوں میں عوام نے گرم کپڑوں، جرسیوں اور سویٹروں کا استعمال شروع کر دیا ہے، جبکہ رات کے وقت کمبل، لحاف اور رضائیاں استعمال کی جارہی ہیں۔ محکمہ موسمیات کے مطابق آئندہ دنوں سردی میں اضافہ تیزی کے ساتھ ہوگا۔ ان حالات میں پریشان کن اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ آپریشن ضرب عضب کی وجہ سے وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والے دس لاکھ سے زاید افراد ابھی تک بے یارومددگار دربدر ہیں اور تقریباً پانچ ماہ کے بعد بھی ان کی باعزت وبحفاظت واپسی کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا، جس سے موسم سرما میں شدت آنے کی وجہ سے ان کی مشکلات میں دن بدن اضافہ ہوگا اور سردی میں شدت آنے کی وجہ سے ان کے دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ بیماریوں میں بھی اضافہ ہوسکتا ہے، جو انتہائی قابل تشویش بات ہے۔ شمالی وزیرستان کے آئی ڈی پیز میں روز بروز بے چینی اور بے اطمینانی بڑھتی جارہی ہے، کیونکہ اس وقت تک یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ شمالی وزیرستان آپریشن کب تک جاری رہے گا اور اپنے ہی ملک میں نقل مکانی

کرنے والے شہری کب تک اپنے گھروں سے باہر زندگی گزارنے پر مجبور ہوں گے۔
شمالی وزیرستان کے آئی ڈی پیز کے مسائل انتہائی گھمبیر شکل اختیار کر چکے ہیں اور ہر نکلتے سورج کے ساتھ ان کے مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اسلام آباد میں دھرنوں کی وجہ سے شمالی وزیرستان کے آئی ڈی پیز کے مسائل پس پردہ چلے گئے اور حکومت کو آئی ڈی پیز پر جو توجہ دینی چاہیے تھی، وہ نہیں دی گئی، جس کی وجہ سے متاثرین کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے، جو کہ ایک تشویشناک بات ہے، حکومت شمالی وزیرستان کے متاثرین کے مسائل سے غافل ہو گئی ہے اور میڈیا نے بھی آئی ڈی پیز کے حوالے سے اپنی آنکھیں بند اور ہونٹ سی لیے ہیں۔ حالانکہ آئی ڈی پیز کی واپسی کو جلد از جلد ممکن بنانا اور اس کے لیے آواز اٹھانا میڈیا کی بھی ذمہ داری ہے۔ حکومت نے بار بار کہا ہے کہ شمالی وزیرستان کا اسی فیصد علاقہ کلیئر کیا جا چکا ہے اور آرمی چیف بھی متعدد بار کہہ چکے ہیں کہ آئی ڈی پیز بہت جلد اپنے گھروں کو واپس لوٹ جائیں گے، تو پھر کم از کم کلیئر کیے گئے علاقوں میں تو آئی ڈی پیز کو واپس جانے کی اجازت ہونی چاہیے۔ لہٰذا آئی ڈی پیز قبائل اس حوالے سے کافی فکر مند ہیں اور کئی ماہ سے مسلسل آئی ڈی پیز کی واپسی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ گزشتہ روز بھی بنوں میں آئی ڈی پیز قبائل کے مشترکہ گرینڈ جرگے سے آئی ڈی پیز مشران کا کہنا تھا کہ وہ باعزت طریقے سے واپسی چاہتے ہیں۔ ہمارے قبائلیوں کی تعداد 1 کروڑ 20 لاکھ ہے، جنہوں نے 18 کروڑ عوام کے لیے قربانی دی ہے۔ اپنے

گھر بار چھوڑ کر آج آئی ڈی پیز کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، ہمارے مسائل بہت زیادہ ہیں، ہمیں جو راشن دیا جا رہا ہے، وہ جانوروں کے کھانے کا بھی نہیں ہے۔ ہمیں ایف ڈی ایم اے جیسے کرپٹ محکمے کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ موسم کی تبدیلی کی وجہ سے ہمیں کوئی پیکج نہیں دیا گیا۔ آپریشن کا ہمیں ٹائم فریم دیا جائے، کیونکہ اس جنگ کی وجہ سے ہم 10 لاکھ سے زاید لوگ بے گھر ہوئے ہیں۔ ہمارے بچوں کی تعلیم ضائع ہو رہی ہے۔ ایسا ہی آپریشن جنوبی وزیرستان میں بھی شروع کیا گیا تھا، آج 7 سال ہوگئے، مگر وہ آئی ڈی پیز بھی ابھی تک واپس نہ جاسکے۔ ہماری واپسی پر پہلے مشران کو وہاں کا وزٹ کرایا جائے، تاکہ نقصان کا تخمینہ لگایا جاسکے، کیونکہ ہم پاکستان کی بقا کی خاطر ہجرت کرکے آئے ہیں۔ اگر ہمارے مطالبات پر عمل نہ کیا گیا تو محرم کے بعد متحد قبائل کا لاکھوں افراد کا دھرنا پشاور اور اسلام آباد میں ہوگا۔ واضح رہے کہ ماہ رواں کے دوسرے ہفتے پشاور میں منعقدہ قبائلی جرگے نے بھی حکومت سے شمالی وزیرستان کے متاثرین کی جلد از جلد اپنے گھروں میں واپسی کے لیے انتظامات اور شمالی وزیرستان میں جاری آپریشن ضربِ عضب سے تباہ ہونے والے مکانات کی ازسرِنو تعمیر کے لیے معاوضے کا بھی مطالبہ کیا تھا۔ اس کے ساتھ قبائلی عمائدین نے حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ شمالی وزیرستان کی تحصیل شوال کے نام سے یونیورسٹی اور ہر تحصیل میں ہیڈ کوارٹر ہسپتال بنائے جائیں، جب کہ حکومت کی جانب سے بنائی جانے والی کمیٹی میں قبائلی عمائدین کو بھی

شامل کیا جائے۔ سیکورٹی فورسز 80 فیصد علاقے کو کلیئر کرنے کا دعویٰ کر چکی ہیں، لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ وہ متاثرہ خاندانوں کی واپسی کے لیے فوری انتظامات کرے اور اس سے پہلے اسی ماہ محسود قبیلے نے بھی حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ وزیرستان کے جن علاقوں کو کلیئر کر لیا گیا ہے، ان علاقوں کے آئی ڈی پیز کو باعزت طور پر گھروں کو واپس جانے کی اجازت دی جائے اور ساتھ قبائلی عمائدین نے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر حکومت نے ان کے جائز مطالبات منظور نہ کیے گئے تو وہ اسلام آباد کے ریڈ زون میں دھرنا دیں گے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ متاثرین کے متعدد بار واپسی کے مطالبے کے باجود آئی ڈی پیز کی واپسی کا بندوبست نہ کرنا سمجھ سے بالاتر ہے۔

گزشتہ روز عوامی نیشنل پارٹی کے سربراہ اسفندیار ولی خان نے بھی کہا ہے کہ شمالی وزیرستان میں کلیئر کیے گئے علاقوں میں لوگوں کی واپسی کا فوری اعلان کیا جائے۔ شمالی وزیرستان میں آپریشن کے آغاز کے ساتھ ہی اسلام آباد میں کرسی کی لڑائی چل پڑی، اس دوران حکومت کو آئی ڈی پیز یاد نہ رہے اور میڈیا بھی انہیں بھول گیا۔ افسوس ہوتا ہے کہ وفاقی اور خیبر پختونخوا حکومت نے اتنے بڑے انسانی المیے کو مکمل طور پر نظر انداز کیا ہے۔ یہ مسئلہ اتنا گھمبیر ہے کہ اسے حل نہ کیا گیا، تو اس کے نتائج وہی ہوں گے جو 1971 میں بنگلا دیش میں ہوئے تھے۔ پرانے پاکستان میں بھی قبائلی علاقوں سے آئی ڈی

پیز آئے تھے، لیکن جس طرح وفاقی اور صوبائی حکومت نے انہیں عزت سے رکھا اور پھر اسی عزت کے واپس ان کے گھروں کو بھجوایا وہ قابل تحسین ہے۔ ماضی کی غلطیوں پر رونے کا کوئی فائدہ نہیں، اب ہمیں مستقبل کی بات کرنی ہے، حکومت کو چاہیے کہ وہ ان عوامل پر توجہ دے، جو شمالی وزیرستان کے آئی ڈی پیز کی آمد پر نظر انداز کر دیے گئے تھے، تاکہ ان کی واپسی پر کوئی کوتاہی نہ ہو۔ پاک فوج نے شمالی وزیرستان کے جن علاقوں کو کلیئر کر دیا ہے، ان علاقوں کے لوگوں کی واپسی کا فوری اعلان ہونا چاہیے۔ ان کا کہنا تھا کہ طالب علم ہی پاکستان کا مستقبل ہیں، صورت حال یہ ہے کہ فاٹا میں ایک بھی یونیورسٹی نہیں، جس طرح گزشتہ دور حکومت میں اس وقت کے آئی ڈی پیز کے لیے درسگاہوں میں خصوصی نشستیں رکھی گئیں تھیں، اسی طرح آج بھی ان کے لیے خصوصی نشستیں مختص کی جائیں۔ خیال رہے کہ اس سے پہلے جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے اسلام سمیت متعدد جماعتیں آئی ڈی پیز کی باعزت واپسی کا مطالبہ کر چکی ہیں اور ایک ماہ میں آئی ڈی پیز کی واپسی کو یقینی نہ بنانے کی صورت میں جماعت اسلامی نے اسلام آباد میں دھرنے اور پارلیمنٹ ہاؤس کے گھیراؤ کی دھمکی بھی دی تھی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ آپریشن شروع کرنے سے پہلے حکومت نے یہ وعدہ کیا تھا کہ آپریشن کو رمضان المبارک کے دوران مکمل کر کے عید الفطر تک تمام آئی ڈی پیز کی واپسی کو یقینی بنایا جائے گا، بار بار اس حوالے سے یقین دہانی بھی کروائی جاتی رہی، لیکن عید الفطر کے بعد عید قرباں بھی گزر گئی

اور اب موسم سرما آگیا ہے، لیکن حکومت نے آئی ڈی پیز کی واپسی کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ موسم سرما میں دس لاکھ افراد کا بے یارومددگار کیمپوں میں زندگی گزارنا صرف مشکل ہی نہیں، بالکل تقریباً ناممکن ہے اور ابھی بھی کچھ معلوم نہیں کہ یہ آپریشن کب تک چلتا ہے اور آئی ڈی پیز کی واپسی کب تک ممکن ہوتی ہے، لیکن حکومت آئی ڈی پیز کی مشکلات اور مسائل کو مسلسل نظرانداز کر رہی ہے، جس سے یقیناً بہت سے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں، لہٰذا حکومت کی ذمہ داری ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے، آئی ڈی پیز کی واپسی یقینی بنائے، وزیرستان آپریشن کے نتیجے میں بے گھر ہونے والوں کی مشکلات پر قابو پانا اور ان کی باعزت واپسی کا انتظام کرنا وفاقی و صوبائی حکومت دونوں کی ذمہ داری ہے، لیکن حکومت اپنی ذمہ داری سے پہلو تہی کر رہی ہے۔

تھر: بھوک پیاس ایک بار پھر زندگیاں نگلنے لگی!

بے بسی کی تصویر بنا سندھ کا علاقہ تھر پار کر ایک بار پھر بھوک وپیاس کی وجہ سے بچوں کی پے در پے اموات کی لپیٹ میں ہے۔ ذرائع کے مطابق رواں ماہ تھر پار کر میں مرنے والے بچوں کی تعداد 33 ہو گئی ہے، جبکہ بہت سے بیمار بچے سرکاری ہسپتالوں میں زیر علاج ہیں، جن میں سے متعدد کی حالت تشویشناک بتائی جاتی ہے۔ تھر میں بھوک پیاس کی وجہ سے باسیوں کی حالت انتہائی قبل رحم بتائی جارہی ہے۔ اطلاعات کے مطابق گزشتہ دنوں تھر میں ایک ایسے گاؤں کا پتا چلا ہے، جہاں کے لوگ مفلسی اور مجبوری کا منہ بولتا نمونہ ہے ں۔ "اسلام کوٹ" میں ایک نواحی گاؤں گوٹھ مؤ اکھیراج کے مکین ہڈیوں کی موذی بیماری میں مبتلا ہیں۔ اس گاؤں کے ہر گھر کا کوئی نہ کوئی فرد ہڈیوں کی بیماری کے باعث چارپائی سے لگ گیا ہے۔ اس گاؤں میں 25 سال کی عمر کو پہنچنے والا ہر فرد ہڈیوں کی پراسرار بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے، جس میں ان کی ٹانگیں اور جسم کے دیگر حصوں کی ہڈیاں مڑ جاتی ہے۔ متاثرہ مریض چلنے پھرنے سے ہی محروم ہو جاتا ہے، ہڈیوں کا مرض صرف تکلیف دہ ہی نہیں، بلکہ جان لیوا بھی ہے۔ اس گاؤں کے متاثرہ افراد کی اوسط عمر 40 سال سے بھی کم ہے، جبکہ بیماری میں مبتلا 30 سال کا مریض 70 سال کا دکھائی دیتا ہے۔ ڈاکٹروں کے مطابق بیماری کی بنیادی وجہ پینے کا پانی ہے،

جس میں زہریلے اجزا کی مقدار انتہائی خطرناک ہے۔ دوسری جانب تھر میں پانی کا بحران شدت اختیار کر رہا ہے، چھاچھرو اور ڈاھلی تحصیل میں 114 ٹیوب ویل ناکارہ ہونے کے بعد پانی کا بحران شدت اختیار کر گیا۔ 75 سے زاید ٹیوب ویلوں کے آلات بھی غائب ہیں۔ چھاچھرو انتظامیہ کو ملنے والی دو کروڑ کی گرانٹ شہر کے لیے 7 سال کے عرصے میں پانی کی فراہمی کا مسئلہ حل نہ کر سکی۔ شہری پانی خرید کر استعمال کرنے پر مجبور ہیں، حتی کہ نقل مکانی کرنے والے قافلوں کو بھی پانی فراہم نہیں کیا جا رہا۔ اس حالت زار پر سندھ حکومت چپ سادھے بیٹھی ہے اور سسکتے بلکتے متاثرہ افراد کی نقل مکانی کا سلسلہ جاری ہے اور اب تک سیکڑوں گاوں خالی ہو گئے ہیں اور حکومت ان حالات سے صرف نظر کیے ہوئے ہے۔ حکومت کی نا اہلی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قحط متاثرین کے لیے بھیجی گئی منرل واٹر کی لاکھوں بوتلیں انتظامیہ کی غفلت کے باعث رواں ماہ خراب ہوئی ہیں۔ تھر کے قحط زدہ متاثرین حکمرانوں کی جانب سے دیے گئے شفاف پانی ملنے کے باوجود تشنہ لب رہے، قحط زدہ مٹھی کے عوام کے لیے بھیجی گئی منرل واٹر کی لاکھوں بوتلیں انتظامیہ کی غفلت اور لاپرواہی کے باعث متاثرین کی تشنگی دور کیے بغیر ضائع ہو گئیں۔ سندھ حکومت نے قحط اور خشک سالی سے بے حال تھرپارکر میں منرل واٹر کی تین لاکھ بوتلیں بھیجی تھیں، لیکن کلچرل کمپلیکس میں پانی کی بوتلوں کے تین ہزار کارٹن پڑے پڑے خراب ہو گئے۔ تھرپارکر انتظامیہ کی بے حسی کی اطلاع ملنے پر ریلیف انسپکٹنگ جج نے

گودام پر چھاپہ مارا اور زاید المیعاد تین لاکھوں بوتلیں برآمد کیں۔ حکومت کی ایسی نا اہلی کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ ضلعی انتظامیہ قحط متاثرین کی امدادی سرگرمیوں میں سنجیدہ نہیں ہے۔

خیال رہے کہ صوبہ سندھ میں غذائی قلت کے شکار افراد کی مدد کو پاک فوج کے جوان پہنچ گئے ہیں۔ فوجی جوان اپنے ساتھ 60 ٹن سامان لے کے پہنچے ہیں، جس میں کھانے پینے کا سامان، دال، چاول اور آٹا، جبکہ متاثرین کے قیام کے لیے شامیانے اور خیمے بھی شامل ہیں اور مریضوں کے علاج کے لیے میڈیکل کیمپ بھی قائم کیے گئے ہیں، لیکن ان حالات میں وزیر اعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ یہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں کہ تھر میں بچے بھوک سے مر رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ تھر میں بچے بھوک سے نہیں، بلکہ غربت سے مر رہے ہیں۔ اس کے اسباب وہ ہیں، جن کی وجہ سے ملک کے دیگر حصوں میں بھی بچوں کی ہلاکتیں ہوتی ہیں، سول ہسپتال کراچی اور مٹھی کے ہسپتالوں میں بچوں کی اموات کے اعداد و شمار جمع کیے جائیں تو سب کو اندازہ ہو جائے گا۔ تھر کے 16 لاکھ لوگوں کے لیے 2 ارب روپے کی گندم فراہم کی اور ہم کیا کریں، غربت سے تو پنجاب میں بھی سیکڑوں بچے مرتے ہیں، تھر کے ہسپتالوں کی حالت آج سے نہیں، برسوں سے خراب ہے، پچھلی حکومتوں نے اس پر توجہ کیوں نہیں دی، آج کا میڈیا بہت ایڈوانس ہو گیا ہے، ریکارڈ سے تعداد بتائی جاتی ہے تو یہ 10 کر دیتے ہیں، ہم نے تھر میں

بہت محنت کی ہے، ماضی کی حکومتوں نے تھر میں کچھ نہیں کیا۔ تھر میں 16 لاکھ لوگ رہتے ہیں، اب 16 لاکھ لوگوں کو ایک ساتھ بٹھا کر کھانا تو کھلا نہیں سکتے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ وزیراعلیٰ سندھ کا اس قسم کے بیانات دینا انتہائی افسوس ناک بات ہے، حقیقت یہ ہے کہ تھر میں ایک عرصے سے بچوں کی ہونے والی اموات میں حکومت سندھ کی نااہلی شامل ہے، حکومت سندھ نے مسلسل اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی برتی ہے، آج تک حکومت سندھ نے تھر کے حالات کو بدلنے کی کوشش ہی نہیں کی اور نہ ہی ان کے مسائل حل کرنے ی کوشش کی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حکومت تھر پارکر کے باسیوں کے مسائل کا مستقل حل نکالتی، لیکن اس نے اس جانب کوئی توجہ ہی نہیں دی۔ حالانکہ تھر میں غذائی قلت اور بیماریوں سے صرف اس سال مرنے والے بچوں کی تعداد 278 ہو گئی ہے، جبکہ اسی عرصے کے دوران اب تک 316 بچوں کی بڑے شہروں کے ہسپتالوں میں منتقل کیا گیا ہے۔ مرنے والے تمام بچوں کی عمریں پانچ سال سے کم تھیں، جبکہ زیادہ تر اموات نوزائیدہ بچوں کی ہوئیں اور تھر میں قحط سالی کوئی پہلی بار نہیں آئی، بلکہ ہر سال تھر کو قحط کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن میڈیا کے توجہ کروانے پر حکومت وقتی طور پر تو متاثرین قحط کی کچھ امداد کر دیتی ہے، لیکن دوبارہ پھر ان کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ گزشتہ دنوں بھی متعدد رہنماؤں نے تھر میں بچوں کی اموات کے واقعات پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہر سال مرد، خواتین اور بچے قحط سالی کا شکار ہو کر سسک سسک

کر دم توڑ جاتے ہیں، اب بھی تھر میں قحط سالی کے باعث کئی خاندان نقل مکانی پر مجبور ہو چکے ہیں اور جو لوگ تھر سے نقل مکانی نہیں کر پا رہے ہیں، وہ غذا اور پانی کی شدید قلت اور طبّی سہولیات کی عدم فراہمی کے باعث زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ تھر میں برسوں سے قحط سالی کے باعث خواتین، بچوں اور مردوں کی اموات کے سیکڑوں واقعات کے باوجود حکومت سندھ کی جانب سے پانی اور غذائی ضروریات کی قلت کو ختم کرنے کے لیے کوئی عملی اقدامات نہیں کیے جا رہے ہیں اور تھر کے لوگوں کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ کر حکومت سندھ کے وزرا صرف اور صرف حکومت کے مزے لوٹ رہے ہیں، جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ اس کے باوجود وزیر اعلیٰ سندھ یہ کہتے دکھائی دے رہے ہیں کہ تھر میں بچے بھوک سے نہیں، غربت سے مرے ہیں، حالانکہ بھوک بھی تو غربت کے باعث آتی ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ حکومت نے ہمیشہ تھر کے لوگوں کو نظر انداز کیا ہے، ماضی میں بھی تھر کے لوگوں کے لیے بڑے بڑے اعلانات کیے تھے، مگر اس کے باوجود عملی طور پر جس پیمانے پر امداد اور بحالی کا عمل ہونا چاہیے تھا، وہ نہ ہو سکا۔ گزشتہ تین برسوں سے تھر میں یہ صورت حال جاری ہے، مگر اس مسئلے کے حل کے لیے حکومتی سطح پر کوئی کام نہیں کیا گیا۔ پچھلے برس وزیر اعظم نے تھر کے لوگوں کے لیے اربوں روپے امداد دینے کا اعلان کیا تھا۔

صوبائی حکومت نے بھی اس ضمن میں کئی اقدامات کرنے کا عزم ظاہر کیا تھا۔ اس میں پانی کے حصول کے لیے ٹیوب ویل لگانے، شہروں میں ہسپتالوں میں ادویات کی بڑے پیمانے پر فراہمی اور عوام کو مفت خوراک کی فراہمی، مگر ان میں سے کسی منصوبے پر عمل نہ ہونے سے عوام سخت ترین مشکل میں مبتلا ہیں۔ وزیر اعلیٰ سندھ نے سول ہسپتال مٹھی میں اعلان کیا تھا تھا کہ ہر مرنے والے بچے کے لواحقین کو 2 لاکھ روپے دیے جائیں گے، مگر اس پر بھی عمل نہیں ہوا۔ گزشتہ برس صدر زرداری کے دورے کے موقع پر صوبائی وزیر شرجیل میمن نے درجنوں مقامات پر بے نظیر دستر خوان لگانے کا اعلان کیا تھا، وہ بازار بھی کہیں نہیں لگے۔ ان حالات میں تھر کے شہریوں کے لیے وفاقی اور سندھ حکومت مل کر فوری طور پر ہنگامی امدادی پیکیج دیں۔ پانی اور راشن فوری طور پر فراہم کیا جائے، طبّی ٹیمیں بھیجی جائیں، بیمار اور کمزور بچوں کا علاج معالجہ کیا جائے، پورے ڈویژن میں جامع سروے کرکے متاثرین کی درست تعداد کا تعین کرنے کے بعد مکمل اور بھرپور امداد شروع کی جائے اور اس امر کا خیال رکھا جائے کہ ہر خاندان کو اس کے گھر جا کر امداد دی جائے۔ امداد کی خورد برد نہ کی جائے اور امدادی سامان و اشیا کو ضائع ہونے سے بھی بچایا جائے، جس طرح گزشتہ دنوں پانی کی تین لاکھ بوتلیں ضائع کر دی گئی ہیں۔ تھر کا مسئلہ کوئی ایسا لاینحل مسئلہ نہیں، جو حل نہ ہو سکے۔

نیلوفر" طوفان میں شدت....ساحلی علاقوں میں تباہی کے خطرات"

پاکستان کے جنوبی ساحلی علاقوں سے چند سو کلو میٹر دور پہنچ جانے والے سمندری طوفان "نیلوفر" سے پاکستان اور بھارت میں آئندہ چند گھنٹوں کے دوران تباہی کا خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے۔ محکمہ موسمیات کے مطابق پاکستانی ساحلی علاقوں کی صورتحال جمعے تک خطرناک ہو سکتی ہے، جس کے پیش نظر سندھ اور بلوچستان کے ماہی گیروں کو کھلے سمندر میں جانے سے روکا گیا ہے اور جو پہلے ہی کھلے سمندر پر موجود ہیں، انہیں واپسی کی ہدایت کی گئی ہے۔ نیلوفر جسے "انتہائی شدید سمندری طوفان" قرار دیا گیا ہے، ہو سکتا ہے کہ زمین سے ٹکرانے سے پہلے کمزور ہو جائے۔ ماہرین کے مطابق سمندری طوفان جمعہ کی صبح بھارت اور پاکستان کے ساحلی علاقوں سے ٹکرائے گا۔ طوفان کا "مرکز بھنور (آئی آف دی اسٹورم)" پاکستان میں شاہ بندر کے قریب واقع بھارتی علاقے جاکھن پر لینڈ کرے گا اور اس کے زیر اثر بھارتی ریاست گجرات کے ساحلی علاقوں، جبکہ پاکستان سندھ میں ننگر پارکر، مٹھی، چھور، عمر کوٹ، چھاچھرو، اسلام کوٹ میں زبردست طوفانی ہواؤں کے ساتھ 100 سے 150 ملی میٹر بارش کا امکان ظاہر کیا جا رہا ہے اور کراچی، ٹھٹھہ، جاتی، کیٹی بندر اور بدین میں بھی انتہائی تیز ہواؤں کے ساتھ موسلا دھار بارشوں کی پیشگوئی کی گئی ہے۔ بارشوں کا

سلسلہ بلوچستان کے ساحلی علاقوں تک پھیلے گا، جبکہ سندھ کے ساحلی علاقوں میں سیلاب کا خدشہ بھی ظاہر کیا جا رہا ہے۔ موسمیاتی جائزوں کے مطابق نیلوفر طوفان کیٹیگری تھری" اور جمعرات کو مزید کمی کے ساتھ "ٹو" اور پھر "ون" کے طوفان میں تبدیل" ہو جائے گا، تاہم اس میں بھی طوفانی ہواؤں کی رفتار 150 کلومیٹر فی گھنٹہ تک ہوگی۔ ڈائریکٹر محکمہ موسمیات کے مطابق نیلوفر طوفان جمعرات کو رات میں کراچی کے جنوب میں 250 کلومیٹر کے فاصلے پر موجود ہوگا، اس وقت کراچی میں تیز ہوائیں چلیں گی اور بارش ہوگی۔ کراچی میں محکمہ موسمیات کے سربراہ توصیف عالم کا کہنا ہے کہ سمندری طوفان نیلوفر، پھیٹ نامی سمندری طوفان کی مانند ہے، جو 2010ء میں سندھ سے گزرا تھا، جبکہ 2007ء میں آنے والا بہت بڑا سمندری طوفان سب سے زیادہ تباہ کن تھا، جو ساحلی علاقوں میں تیز موسلا دھار بارشوں کا سبب بنا تھا اور بلوچستان کے کچھ علاقوں کو ملک کے باقی حصے سے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ اس طوفان سے کیٹی بندر اور ٹھٹھہ کے علاقے بھی متاثر ہوئے تھے۔ واضح رہے کہ سمندری طوفان کا نام سمندری طوفانوں کی نگرانی کرنے والی دنیا کی پانچ تنظیموں کے رکن ملکوں کی جانب سے رکھا جاتا ہے۔ اس سمندری طوفان کو "نیلوفر" کا نام پاکستانی محکمہ موسمیات کی جانب سے دیا گیا ہے۔ پاکستان شمالی بحر ہند کے ناموں کی فہرست میں شامل ہیں، اس کے دیگر رکن ملکوں میں بنگلادیش، انڈیا، میانمار، اومان، سری لنکا اور تھائی لینڈ شامل ہیں۔

نیشنل ڈیزاسٹر منیجمنٹ اتھارٹی (این ڈی ایم اے) کے ترجمان کے مطابق ہم نے صوبائی سطح پر ماہی گیروں کو انتباہ جاری کیا ہے کہ وہ آئندہ چند روز تک کھلے سمندر میں شکار کے لیے جانے سے گریز کریں۔ جبکہ بلوچستان میں صوبائی ڈیزاسٹر منیجمنٹ اتھارٹی کے ڈائریکٹر جنرل نے دعویٰ کیا ہے کہ مکران ڈویژن میں کسی بھی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے ضروری انتظامات کر لیے گئے ہیں۔ مکران ڈویژن میں امدادی سامان پہنچا دیا ہے اور ہم شدید بارشوں سے پیدا ہونے والی کسی بھی قسم کی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے تیار ہیں۔ دوسری جانب کراچی اور سندھ کی صوبائی انتظامیہ نے طوفان کے بعد کی صورتحال سے نمٹنے کے لیے منصوبہ تیار کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ ڈی جی پی ڈی ایم اے سندھ کے مطابق ساحلی پٹی پر طوفان سے تین لاکھ کے لگ بھگ افراد متاثر ہو سکتے ہیں۔ کراچی، ٹھٹھہ، سجاول اور بدین میں دفعہ 144 کا نفاذ کر دیا گیا ہے اور متعلقہ اداروں کو ہائی الرٹ کر دیا گیا ہے۔ ساحلی پٹی سے ملحقہ اضلاع کے ہسپتالوں میں بھی ایمرجنسی کا نفاذ کر دیا گیا ہے اور عملے کی تعطیلات کو منسوخ کر دیا گیا ہے، جبکہ کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں ساحلی علاقوں سے فوری طور پر ماہی گیروں کو منتقل کرنے کے اقدامات پر بھی بات چیت کی جا رہی ہے۔ ساحلی علاقوں کے رہائشیوں کو کیمپس میں رکھنے کی بجائے حکومتی عمارات میں رہائش فراہم کی جائے گی، تاکہ وہ بارشوں اور گرد آلود ہواؤں سے محفوظ

رہیں، جبکہ متاثرہ افراد کو تمام ضروری سہولیات بھی فراہم کی جائیں گی۔ پی ڈی ایم اے سندھ ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے مکمل طور پر تیار ہے۔ مقامی انتظامیہ کو بھی الرٹ رہنے کی ہدایت جاری کی گئی ہے۔ کمشنر کراچی شعیب صدیقی نے پاکستان فشر فورک فورم اور دیگر این جی اوز سے درخواست کی ہے کہ وہ ماہی گیروں سے رابطہ کرکے انہیں احتیاطی اقدامات کے لیے اپنانے کا مشورہ دیں اور کنٹونمنٹ بورڈ اور بلدیاتی حکام بھی خطرناک اور بے کار سائن بورڈز کو فوری طور پر ہٹا دیں، تاکہ سمندری طوفان کے دوران وہ کسی سانحے کا سبب نہ بن سکیں۔ ایم سی، ضلعی بلدیاتی اداروں اور دیگر متعلقہ حکام بھی دفعہ 144 کے نفاذ پر عملدرآمد یقینی بنائیں اور سمندر میں نہانے پر پابندی برقرار رکھی جائے۔

پاکستانی فشر فوک فورم کے چیئرپرسن محمد علی شاہ نے این ڈی ایم اے، پی ڈی ایم اے، ڈی ڈی ایم اے اور دیگر حکومتی اداروں کی کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس طرح کے سانحات کے خطرات کے باوجود تباہی کے اثرات کو کم کرنے کے لیے کسی قسم کی منصوبہ بندی اور مناسب انتظامات نظر نہیں آتے۔ حکومت کی جانب سے کوئی بھی کشتیوں اور عملے کی مدد کرتا نظر نہیں آتا، ان کے پاس کوئی نظام نہیں، اس کے مقابلے میں وہ بس پی ایف ایف سے ہی تعاون کی درخواست کرتے ہیں۔ پی ایف ایف برادری کے رضاکار ساحلی پٹی پر ماہی

گیروں کو خبردار کرنے کے لیے سرخ جھنڈوں کو لہراتے ہیں، مگر حکومتی انتظامیہ کی جانب سے اس حوالے سے کسی قسم کی مدد اور سہولیات فراہم نہیں کی جاتی۔ اب تک کسی حکومتی نمائندے نے اس کے گاؤں کا دورہ نہیں کیا اور نا ہی انخلا کے انتظامات دیکھنے میں آئے ہیں۔ ماہی گیر گاؤں کے رہائشیوں نے طوفان کے پیش نظر اپنی کشتیاں اور چھوٹے جہاز اپنی مدد آپ کے تحت نسبتاً محفوظ علاقوں میں منتقل کر دیے ہیں۔ 23 ساحلی بستیوں کو شدید خطرات لاحق ہیں، ان بستیوں کے مکین حکومت کی جانب سے حفاظتی اقدامات نہ کیے جانے کی وجہ سے سخت پریشانی کا شکار ہیں، جن کی تعداد ایک لاکھ کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ ان حالات میں حکومت سندھ کی نااہلی کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ اسپیکر سندھ اسمبلی طوفان کے معاملے کو سنجیدگی سے لینے پر تیار نہیں۔ منگل کو سندھ اسمبلی کے اجلاس کے دوران ایک رکن اسمبلی نے کہا کہ طوفان کی آمد کے پیش نظر حکومت کو احتیاطی اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے، تو اسپیکر سراج درانی نے ان کی بات کو مذاق میں اڑاتے ہوئے کہا کہ یہ تو کسی لیڈی کا نام ہو سکتا ہے اور اسپیکر سندھ اسمبلی کا کہنا تھا کہ جب تک سمندر کنارے عبداللہ شاہ غازی کا مزار ہے، کراچی کو کچھ نہیں ہو سکتا۔ عبداللہ شاہ غازی کے مزار کی وجہ سے آج تک بچتے آئے ہیں اور انشااللہ اس مرتبہ بھی بچیں گے اور جن لوگوں کو طوفان کا خوف ہے وہ اندرون سندھ چلے جائیں۔ مبصرین کے مطابق قدرتی آفات کا مقابلہ کرنا اگرچہ ممکن نہیں، لیکن پیشگی حفاظتی

انتظامات کرکے قدرتی آفات سے ہونے والے نقصانات کو کم کیا جا سکتا ہے۔ بارشیں، سیلاب، زلزلے اور طوفان ساری دنیا میں آتے ہیں، بیشتر ممالک مثلاً یورپ وغیرہ میں قدرتی آفات کی وجہ سے نقصانات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں، وہاں بڑے بڑے طوفان بھی آتے ہیں تو جانی نقصان بہت کم ہوتا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ پیشگی حفاظتی انتظامات کر لیتے ہیں، لیکن پاکستان میں حکومتوں کی جانب سے پیشگی انتظامات نہ ہونے کی وجہ سے زلزلوں، بارشوں، سیلابوں اور طوفانوں بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے اور حکومتیں ان نقصانات سے بچنے کی کوئی سبیل نکالنے کی کوشش کرنا بھی گوارا نہیں کرتیں۔ موجودہ طوفان کے پیش نظر حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ پیشگی انتظامات کرتے ہوئے فوری طور پر حساس علاقوں کا تعین اور وہاں سے عوام کی فوری منتقلی کا انتظام کیا جائے، لیکن ابھی تک حکومت کی جانب سے کوئی حفاظتی انتظامات دیکھنے میں نہیں آ رہے، بلکہ یہاں بھی اسی قسم کی کوتاہی برتی جا رہی ہے جیسی کوتاہی تھرپارکر میں برتی گئی ہے۔

بھارت کا جارحانہ رویہ

پنجابی کے معروف صوفی شاعر سلطان باہو کہتے ہیں:

کانو دے بچے ہنس نہ تھیندے موتی چوگ چگائیے ہو

کھوہ نہ مٹھے ہوندے باہو سئے مناں کھنڈ پائیے ہو

بھارت کا معاملہ بھی کچھ اسی طرح ہے۔ پاکستان کی جانب سے بھارتی دشمنی میں بار بار دوستی کی چاشنی ملانے کی کوشش کے باوجود مٹھاس پیدا نہ ہو سکی۔ پاکستانی حکومتیں ہمیشہ سے بھارت کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے اور تلخیوں کو ختم کرنے کی کوشش کرتی آئی ہیں، لیکن اپنی شاطرانہ و جارحانہ جبلت سے مجبور بھارت کے رویے میں نرمی نہ آ سکی، بلکہ مزید جارحیت در آتی ہے۔ گزشتہ کئی دنوں سے بھارت نے پاکستانی سرحدوں پر دراندازی کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ عیدالاضحیٰ اور اس کے بعد کنٹرول لائن کی خلاف ورزی کرتے ہوئے درجن سے زاید معصوم پاکستانی شہریوں کو شہید کیا ہے۔ بھارت کے جنگی جنون کے باعث 40 ہزار سے زاید افراد کو نقل مکانی کرنا پڑی، جبکہ ستر ہزار سے زاید متاثر ہوئے ہیں۔ بھارتی جارحیت کا یہ سلسلہ ایک عرصے سے جاری ہے۔ ڈی جی رینجرز پنجاب میجر جنرل کے مطابق "پاکستانی سرحدی علاقے میں کوئی ایک بھی ایسا گاؤں نہیں ہے جس پر بھارتی فوج کی جانب سے فائرنگ اور گولہ باری نہ کی گئی ہو۔ 2010

سے لے کر 2014 تک بھارتی فوج ورکنگ باؤنڈری پر اب تک 3 لاکھ 48 ہزار سے زیادہ چھوٹے ہتھیاروں سے حملے کر چکا ہے، جب کہ 31 ہزار سے زیادہ مارٹر گولے فائر کیے جا چکے ہیں۔ اتنے بڑے پیمانے پر چھوٹے اور بڑے ہتھیاروں کا استعمال تو باقاعدہ جنگ میں بھی نہیں کیا جاتا، بھارت چھوٹے پیمانے پر جنگ لڑ رہا ہے۔" بھارتی انتہا پسندی کا اندازہ لگایے کہ پچھلے سال بھی عید کے موقع پر بھارتی فوج کی جانب سے کنٹرول لائن پر فائرنگ کر کے متعدد پاکستانیوں کو شہید کیا گیا تھا، جبکہ امسال پھر منظم منصوبہ بندی کے تحت عید کے ایام میں پاکستانی شہریوں کو خون میں نہلایا گیا ہے۔

بھارتی فوج کی طرف سے کنٹرول لائن پر فائرنگ کر کے پاکستانی فوجیوں اور سول آبادی کو نشانہ بنانے کی حرکتیں وقتاً فوقتاً جاری رہتی ہیں۔ 2003 میں دونوں ملکوں کے مابین کنٹرول لائن پر جنگ بندی کا معاہدہ ہوا تھا، مگر پچھلے ایک سے ڈیڑھ سال کے عرصہ میں بھارتی فوج نے تقریباً اڑھائی سو مرتبہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے اور جب سے انتہا پسند تنظیم بی جے پی اور نریندر مودی برسر اقتدار آئے ہیں، کنٹرول لائن پر حملے بھی شدت اختیار کر گئے ہیں۔ مودی کے حکومت سنبھالنے پر کہا جا رہا تھا کہ مودی کے وزیر اعظم بننے کے بعد وہ پاکستان سے تعلقات بگاڑنے کی کوشش نہیں کریں گے، مگر وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ سراسر خام خیالی تھی۔ بی جے پی کی حکومت آتے ہی کنٹرول لائن پر حملوں میں تیزی لائی گئی اور پاکستانی فوج و سول آبادی کو نشانہ بنا کر یہ پیغام

دیا گیا کہ وہ آنے والے دنوں میں کنٹرول لائن پر ماحول مزید بھڑکائیں گے۔ اب تو بھارتی وزیر اعظم مودی نے یہ بھی کہا ہے کہ "پاکستان کو بولی نہیں، گولی سے جواب دینے کا وقت آگیا ہے اور گولی سے جواب دیا جانا چاہیے۔ پاکستان کو سبق سکھا کر منہ بند کر دیا ہے۔"

پاکستانی وزیر اعظم بھارت سرکار سے دوستی کی بہت کوششیں کر رہی ہے۔ کبھی ساڑھی اور کبھی آموں کے تحفے بھیجے جاتے ہیں، مگر اس کا جواب بھارتی آبی دہشت گردی اور کنٹرول لائن پر حملوں کی صورت میں ملتا ہے۔ موجودہ حکومت بھارت کے ساتھ اس حد تک دوستی کی پینگیں بڑھانے میں مصروف ہے کہ وہ دوستی اور تعلقات کے لیے اولین شرط برابری کو بھی فراموش کر چکی ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت سامنے رہنی چاہیے کہ انگریز برصغیر کے نقشے پر پاکستان کا قیام دیکھنا نہیں چاہتا تھا، لیکن قائدِ اعظم محمد علی جناح نے جب جدوجہد شروع کی تو اپنی بصیرت، قوت ارادی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار سے انگریز کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کیا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہے اور انہیں ایک علیحدہ عظیم مملکت خداداد پاکستان کی ضرورت ہے، تو برصغیر کے نقشے پر واحد نظریاتی اسلامی مملکت خداداد کا وجود ممکن العمل ہوا، لیکن بھارت نے آج تک پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا، قیام پاکستان سے لے کر آج تک بھارت نے پاکستان کے خلاف کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان کشمیر کے معاملے پر اب تک چار جنگیں ہو چکی ہیں، لیکن اس کے باوجود بھارتی ذہنی فتور کا اندازہ اس امر سے

لگایا جاسکتا ہے کہ وہ مقبوضہ کشمیر میں پاکستان کے حصے میں آنے والے دریاؤں کے پانیوں پر 62 سے زاید چھوٹے بڑے ڈیم تعمیر کر چکا ہے اور مزید ڈیمز کی تعمیر کا سلسلہ جاری ہے۔ گزشتہ ماہ ہی بھارت کی طرف سے غیر قانونی ڈیمز کی صورت میں آبی جارحیت سے بالاتر ہو کر مون سون کے موسم میں پاکستان کی طرف ہزاروں کیوسک اضافی پانی کے ریلے چھوڑے گئے، جس کے باعث پاکستان میں 1971 کے بعد بدترین سیلاب کی تباہ کاریاں دیکھنے میں آئیں،اس سے بھی بڑھ کر بھارت نے اپنے بغض کا اظہار لائن آف کنٹرول کی پے در پے خلاف ورزیاں شروع کرکے کیا۔

دراصل بھارتی ان بن کا سب سے بڑا سبب مسئلہ کشمیر ہے۔ گزشتہ دنوں وزیراعظم میاں نواز شریف نے جنرل اسمبلی میں عالمی برادری سے اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عملدرآمد کرتے ہوئے کشمیر میں حق ارادیت دینے کا مطالبہ کیا، جس کے بعد سے بھارت سیخ پا ہے۔ حالانکہ مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں خود بھارتی وزیراعظم جواہر لال نہرو لے کر گئے تھے، جس پر کشمیریوں کو حق خودارادیت کے لیے اقوام متحدہ نے قرارداد منظور کی، اس پر بھارت نے بھی دستخط کیے، لیکن اس نے ہمیشہ اس قرارداد پر عمل سے راہ فرار اختیار کی۔ مسئلہ کشمیر کا حل عالمی ادارے نے تجویز کیا تھا، اس پر اقوام متحدہ ہی کو عمل کرانا چاہیے۔ پاکستان حق خودارادیت کی قرارداد منظور ہونے کے باوجود

بھارت کے ساتھ کشمیر سمیت دیگر تنازعات پر مذاکرات کرتا رہا ہے۔ بھارت ایک طرف کشمیر پر مذاکرات بھی کرتا رہا تو دوسری طرف کانگریس اور بی جے پی کی پارٹی پالیسیوں میں کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ بھی قرار دیا گیا ہے۔ اگر یہ پارٹیاں کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ قرار دیتیں اور اس پر مذاکرات بھی کرتی ہیں تو یہ بہت بڑی منافقت ہے، جبکہ اقوام متحدہ بھی دہرا معیار اپنائے ہوئے ہے، طویل عرصے کے بعد بھی کشمیر کے معاملے کو الجھایا ہوا ہے۔ کشمیر کے معاملے پر اقوام متحدہ کی متفقہ قرارداد پر عملدرآمد ہی نہیں کرایا جارہا۔ 1948 سے لیکر اب تک بھارت کو دوٹوک انداز میں اقوام متحدہ نے کشمیریوں کو حق رائے دہی دینے کا نہیں کہا، بلکہ بھارت کے جنگی جنون کو تسکین پہنچانے کے لیے متعدد مغربی ممالک جدید ترین اسلحہ فروخت کرکے بھارت کی خطے میں بالادستی قائم کرنے میں معاون بنے ہوئے ہیں، حالانکہ اخلاقی طور پر اقوام متحدہ کے رکن ممالک کا فرض بنتا ہے کہ وہ اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عملدرآمد کے لیے انفرادی طور پر بھرپور کوششیں کریں اور ایسے فیصلے و اقدامات کیے جائیں، جس سے اقوام متحدہ کی قراردادوں پر مکمل عملدرآمد یقینی بن سکے۔ بصورت دیگر بھارت کا غیر سنجیدہ اور جارحانہ رویہ پورے خطے کے امن کو برباد کر سکتا ہے۔

ملک بھر میں پر امن یوم عاشور کے لیے حفاظتی انتظامات

ہر سال ملک میں نئے اسلامی سال محرم الحرام کی آمد کے ساتھ ہی امن وامان کے حوالے سے حالات پریشان کن ہو جاتے ہیں۔ گزشتہ سالوں ملک کے مختلف حصوں میں خونریزی کے متعدد واقعات کے پیش نظر حکومت و انتظامیہ سے لے کر ایک عام شہری تک کو دہشتگردی کا خوف پریشانی میں مبتلا کیے دیتا ہے۔ اگرچہ حکومت امن و امان کے حوالے سے ہر سال اپنے تئیں انتظامات کر کے مطمئن ہو جاتی ہے، لیکن پھر بھی شرپسند عناصر اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ امسال الحمد للہ محرم الحرام کا ایک ہفتہ خیر و عافیت کے ساتھ گزر چکا ہے، جبکہ یوم عاشور کے حوالے سے ہر طرف انجانا خوف ابھی دامن گیر ہے۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی حکومت و انتظامیہ ملک بھر میں یوم عاشور کو پرامن بنانے کے لیے اپنی سی کوششوں میں مصروف ہے۔ ملک بھر میں محرم الحرام کے لیے سیکورٹی انتظامات سخت کیے جارہے ہیں۔ یوم عاشور پر سیکورٹی کو مدنظر رکھتے ہوئے ملک کے مختلف حصوں میں موٹر سائیکل کی ڈبل سواری پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ محکمہ داخلہ سندھ نے کراچی، حیدرآباد، خیرپور، سکھر اور سانگھڑ میں آٹھ، نو اور دس محرم الحرام کو موٹر سائیکل کی ڈبل سواری پر پابندی عاید کردی ہے۔ حکام کا کہنا ہے کہ پابندی لگائے جانے

کی وجہ یوم عاشور پر کیے جانے والے سیکورٹی انتظامات کو موثر بنانا ہے۔ لاہور میں بھی سیکورٹی کو مد نظر رکھتے ہوئے نو اور دس محرم الحرام کو موٹر سائیکل کی ڈبل سواری پر پابندی ہوگی اور شہر کے مختلف علاقوں میں دفعہ 144 بھی نافذ کی جائے گی۔ وفاقی دارالحکومت اسلام آباد اور جڑواں شہر راولپنڈی میں نو، دس اور گیارہ محرم الحرام کو ڈبل سواری پر پابندی عاید کر دی گئی ہے اور اعلامیہ بھی جاری کر دیا گیا ہے۔

گوجرانوالہ میں ضلعی انتظامیہ نے آٹھ سے دس محرم الحرام تک موٹر سائیکل کی ڈبل سواری پر پابندی عاید کردی ہے اور دفعہ 144 کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا گیا ہے۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں یکم سے آٹھ محرم تک ڈبل سواری، جبکہ نو اور دس محرم کو موٹر سائیکل چلانے پر پابندی عاید کی جاچکی ہے۔ وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان کے مطابق عاشورہ کے موقع پر انتہائی درجے کا الرٹ برقرار رکھنے کی ہدایات جاری کی گئی ہیں۔

وزارت داخلہ نے صوبائی حکومتوں کی معاونت کے لیے فوج، رینجرز اور فرنٹیئر کانسٹیبلری کے 32 ہزار 695 اہلکاروں کو ملک بھر کے 54 اضلاع میں تعینات کر دیا ہے اور مختلف مقامات پر سیکورٹی انتظامات کو مزید مضبوط بنانے کے لیے 12 ہیلی کاپٹر موجود رہیں گے۔ وزارت داخلہ کے کنٹرول روم میں 24 گھنٹے محرم سے جڑی سرگرمیوں کی نگرانی کی جارہی ہے۔ چودھری نثار کے مطابق ان کی وزارت خفیہ اداروں کے ساتھ مل کر کام کرنے کے ساتھ ساتھ کسی خاص علاقے میں ممکنہ خطرہ کی معلومات کا تبادلہ بھی کر رہی ہے۔ جبکہ سیکورٹی

ایجنسیوں کی جانب سے ملک بھر میں حساس قرار دیے جانے والے مختلف مقامات پر نو اور دس محرم (پیر اور منگل) کو موبائل فون خاموش کر دیے جائیں گے۔ وزارت داخلہ کی جانب سے محرم الحرام میں سیکورٹی خدشات سے متعلق ہائی الرٹ جاری کیا گیا ہے، جس کے باعث ملک بھر میں 9 اور 10 محرم الحرام کے دوران موبائل فون سروس کو بھی بند رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ سندھ حکومت نے کراچی سمیت 5 اضلاع میں 8 سے 10 محرم تک موبائل سروس معطل رکھنے کی درخواست کی۔ محکمہ داخلہ کے مطابق کراچی، حیدرآباد، خیرپور، سکھر اور لاڑکانہ میں سیکورٹی خدشات کے باعث موبائل فون سروس بند رکھنے کی درخواست کی گئی ہے۔ خیبر پختونخوا حکومت نے یوم عاشور کے موقع پر پشاور، ہنگو، ٹانک اور ڈیرہ اسماعیل خان کو انتہائی حساس قرار دیا، جبکہ سیکورٹی خدشات کے پیش نظر حساس علاقوں میں 9 اور 10 محرم کو موبائل فون سروس معطل رکھنے کا بھی اعلان کیا ہے۔

دوسری جانب ذرائع کے مطابق دوسرے شہروں کی بنسبت کراچی میں دہشتگردی کے خطرات زیادہ ہیں، کیونکہ یہاں مسلسل دہشت گردی کے سانحات رونما ہو رہے ہیں اور ذرائع کے مطابق ہفتے کے روز بھیمحرم الحرام کے پیش نظر کراچی میں دہشتگردی کی کسی بڑی ممکنہ کارروائی کے لیے افغانستان سے لائے جانے والے اسلحے کی بھاری کھیپ کو انٹیلی جنس ذرائع کی خفیہ اطلاع پر کراچی کے قریب

واقع بلوچستان کے صنعتی اور ساحلی علاقے وندر کے قریب ایک کار سے قبضے میں لیا گیا۔ برآمد کیے گئے اسلحہ و گولہ بارود میں 35 کلو دھماکہ خیز مواد، 21 آوان گولے، 4 وائرلیس ڈیوائس، 15 بڑے ہتھیار جن میں کلاشنکوف، ریپٹیر، شاٹ گن اور کالاکوف شامل ہیں، جبکہ اس اسلحہ اور گولہ بارود کے ہمراہ 5 عدد ٹی ٹی پستول، ایک سو سے زاید کارتوس، کلاشنکوف اور ٹی ٹی پستول کی سیکڑوں گولیوں سمیت ایک درجن سے زاید میگزین اور 2 عدد دوربین برآمد کرلیے گئے ہیں۔ جبکہ ذرائع کا کہنا ہے کہ 9 اور 10 محرم الحرام میں کراچی سینٹرل جیل پر حملے کا خطرہ موجود ہے، اس سلسلے میں جیل کے گرد حفاظتی انتظامات مزید سخت کردیے گئے۔ جیل کے عقبی حصے میں کنکریٹ کے بلاک لگا کر مکمل دیوار بنادی گئی ہے، جبکہ مرکزی دروازے کی جانب مزید 2 سیکورٹی بیریئر لگادیے گئے ہیں۔ گزشتہ ماہ رینجرز نے سینٹرل جیل کے عقب میں قائم غوثیہ کالونی میں چھاپے کے دوران ایک مکان سے سرنگ برآمد کی تھی، جو کہ سینٹرل جیل تک جارہی تھی۔ ذرائع کے مطابق گرفتار ملزمان نے انکشاف کیا تھا کہ 7 محرم الحرام سے 10 محرم الحرام کے دوران ان کا ایک گروپ شہر میں دہشت گردی کی بڑی واردات کرتا اور اسی دوران جب تمام انتظامی مشینری کا رخ اس جانب ہوجاتا تو دوسرا گروپ سینٹرل جیل پر حملہ کرکے اپنے ساتھیوں کو چھڑالیتا۔ واقعے کے بعد سے تاحال سینٹرل جیل پر حملے کا خدشہ بدستور منڈلارہا ہے۔ حملے کے پیش نظر حکام نے سینٹرل جیل کے گرد حفاظتی انتظامات مزید سخت کردیے ہیں۔ پی آئی بی

کالونی کی جانب عقبی حصے میں جیل کی دیوار کے اندر اور باہر کنکریٹ کے بلاک لگا کر مکمل دیوار بنادی گئی ہے، جبکہ یونیورسٹی روڈ کی جانب پہلے ہی بم پروف دیوار تعمیر کی جاچکی ہے۔ عقبی حصے کی جانب پی آئی بی کالونی اور یونیورسٹی روڈ دونوں جانب بیریئر لگا کر سڑک کو بڑی گاڑیوں کی آمدورفت کے لیے بند کردیا گیا، جبکہ متصل گلیوں پر بھی کنکریٹ کے بلاک لگادیے گئے ہیں۔ پولیس کی موبائل اور بکتر بند گاڑی بھی 24 گھنٹے حفاظتی ڈیوٹی پر مامور ہے۔ مرکزی دیوار کے ساتھ ساتھ واچ ٹاورز کی تعداد بھی بڑھادی گئی ہے، جن پر جدید اسلحے کے ساتھ اسنائپرز تعینات ہیں، اسنائپرز کو رات میں دیکھنے والی جدید خوردبین بھی فراہم کردی گئی ہیں، مرکزی دروازے پر بھی تعینات نفری میں اضافہ کردیا گیا ہے، جبکہ مزید دو سیکورٹی بیریئر بھی بنادیے گئے ہیں۔ رات کے اوقات میں جیل کے اندر گشت بڑھادیا گیا ہے، جبکہ جیل پولیس کے اہلکاروں کو بھی ایل ایم جی اور ایس ایم جی سمیت دیگر جدید اسلحہ فراہم کردیا گیا ہے۔ ذرائع کے مطابق کراچی میں دہشتگردی کے پیش نظر 18 ہزار پولیس اہل کار سیکورٹی ڈیوٹیاں نبھا رہے ہیں، جلوس کے راستے میں اونچی عمارتوں کی چھتوں پر ماہر نشانہ باز تعینات کیے گئے ہیں۔ جلوس کے راستوں اور اطراف سے آنے والی گلیوں کو کنٹینر اور بسوں کے ذریعے مکمل طور پر بند کردیا گیا ہے۔ جلوس کے روٹ پر چلنے والی گاڑیوں کو خصوصی اجازت نامے جاری کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ جلوس میں داخل ہونے والی گاڑیوں، سبیلوں اور لنگر تقسیم کرنے والے

ٹرک بھی صرف متعین کردہ روٹ سے داخل ہو رہے ہیں۔ مبصرین کے مطابق حفاظتی اقدامات کے ذریعے ملک کے شہریوں کی حفاظت کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، لیکن حکومت کو چاہیے حفاظتی اقدامات اس طرز پر نہ کیے جائیں، جس سے عوام کو پریشانی لاحق ہو۔ حکومت ہر سال حفاظتی اقدامات کے نام پر کئی علاقوں کو مکمل طور پر بند کرتی ہے، ایک طرف تو کئی بڑی مارکیٹیں کئی روز تک بند رہتی ہیں، جس سے تاجر برادری کو کافی تحفظات ہوتے ہیں، دوسری جانب عوام کے لیے کافی مسائل پیدا ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ یوم عاشور پر سیل کیے گئے روٹوں پر موجود مساجد کو بھی بند کر دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ان مساجد میں نماز بھی ادا نہیں کی جا سکتی۔ حالانکہ مساجد کو کسی حال میں بھی بند نہیں کیا جانا چاہیے۔ محرم الحرام میں امن کے قیام کے حوالے سے سب سے بڑی ذمہ داری حکومت کی ہے کہ وہ سخت حفاظتی انتظامات کرے تاکہ ملک میں بدامنی و فساد پھیلانے والے عناصر کو شرپسندی کا موقع نہ مل سکے اور حکومت کی یہ ذمہ داری بھی بنتی ہے کہ اہل سنت اور اہل تشیع کے جلسے جلوسوں کو نہ صرف مکمل تحفظ فراہم کرے، بلکہ ان میں شریک ہونے والے عوام اور واعظین، خطباء، مقررین اور ذاکرین کو بھی اس بات کا پابند بنائے کہ ایک دوسرے کے مسالک کا احترام کیا جائے اور کسی کے مکتب، مسلک یا مقدس شخصیات کی توہین نہ کی جائے، کیونکہ یہی صورت فساد کا ذریعہ بنتی ہے۔

بلوچستان، عالمی سازشوں کا مرکز ....!

بلوچستان رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔ اس کا رقبہ 347190 مربع کلو میٹر ہے، جو پاکستان کے کل رقبے کا 43.6 فیصد حصہ بنتا ہے۔ اس صوبے کی آبادی ایک محتاط اندازے کے مطابق 90 لاکھ سے ایک کروڑ کے درمیان ہے۔ قدرتی وسائل سے مالا مال بلوچستان محل وقوع کے لحاظ سے انتہائی زیادہ اہمیت کا حامل صوبہ ہے۔ اس کی سرحدیں پاکستان کے باقی تمام صوبوں سے بھی ملتی ہیں، جبکہ بین الاقومی لحاظ سے مغرب میں اس کی سرحد ایران سے خلیج فارس کے عین سامنے اور شمال میں جنوبی افغانستان سے ملتی ہے۔ قدرتی وسائل اور معدنیات کے لحاظ سے صوبہ بلوچستان پاکستان کا سب سے امیر ترین صوبہ ہے۔ یہاں گیس، لوہے، سونے، کاپر اور کوئلے کے بہت بڑے ذخائر موجود ہیں۔ بلوچستان میں ریکوڈک ضلع چاغی کا پسماندہ ترین علاقہ ہے۔ ایک سروے کے مطابق دنیا کے دوسرے بڑے ذخائر پاکستان کے ان دور دراز اور پسماندہ ترین علاقوں میں موجود ہیں، جہاں سے سونا نکالنے کا کام 2006 سے جاری ہے۔ پاکستان کی زیادہ تر ساحلی پٹی بھی بلوچستان میں ہے، جس کی سمندر کے ساتھ گہرائی ایک ہزار میٹر سے تین ہزار میٹر تک ہے اور اس طرح یہ نہ صرف بڑے تجارتی بحری جہازوں بلکہ ہنگامی حالات میں پاک بحریہ کے جہازوں کی نقل و

حمل کے لیے بھی سود مند ہے۔ اس طرح دفاعی لحاظ سے بھی اس کی اہمیت کسی طور کم نہیں۔ یہاں بیک وقت 26 جہاز لنگر انداز ہو سکیں گے۔ بلوچستان گوادر پورٹ کی وجہ سے مزید اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ گوادر پورٹ کی تعمیر کے بارے میں پاک چین اشتراک دنیا بھر کی آنکھوں میں کھٹک رہا ہے اور پاکستان دشمن غیر ملکی ایجنسیاں بلوچستان کو بدامنی کی بھٹی میں جھونکے رکھنا چاہتی ہیں۔ گوادر پورٹ کی تعمیر میں چین نے بھرپور تعاون کیا ہے اور اس کا فائدہ دونوں ممالک کو پہنچے گا۔ چین کی بڑی تجارتی سرگرمیاں اس کی مشرقی ساحلی پٹی کے ساتھ ہو رہی ہیں۔ چینی جہازوں کو خلیج عدن تک پہنچنے کے لیے بحر ہند کے ساتھ ساتھ اسٹریٹس آف ملاکہ کے راستے جانا پڑتا ہے، جہاں پہنچنے کے لیے انہیں تقریباً پانچ ہزار میل کا طویل سفر طے کرنا پڑتا ہے، جبکہ گوادر سے خلیج عدن صرف 11 سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ چین اور پاکستان کے درمیان شاہراہ قراقرم اور گوادر تک براہ راست ریلوے لائن بچھانے کا منصوبہ بھی طے ہے۔ اس طرح مستقبل میں چین کی تجارت اس کے مغربی حصے میں ہوگی اور وہاں سے گوادر کے ذریعے اس کے سامان کی ترسیل ہوگی۔ وسط ایشیائی ممالک بھی گوادر کے راستے کا بھرپور فائدہ اٹھا سکیں گے۔ یہی بات پاکستان دشمن عناصر کو کھٹکتی ہے اور وہ پاکستان کی ترقی کے ان منصوبوں خصوصاً گوادر پورٹ کو کسی صورت کامیابی سے ہمکنار ہوتا نہیں دیکھنا چاہتے۔

مبصرین کے مطابق بلوچستان میں بے شمار قدرتی وسائل و معدنیات کی بدولت پاکستان کا یہ صوبہ عالمی سازشوں کا مرکز بن چکا ہے۔ بلوچستان میں روزانہ بیسیوں تخریبی واقعات مختلف حصوں میں رونما ہوتے ہیں، جس سے یہاں بدامنی بڑھتی ہے اور اس تخریب کاری کے پس پردہ ایک بہت ہی منظم قوتوں کی سازشوں کا پتا بھی چلتا ہے۔ یہ قوتیں پاکستان کے اس اہم ترین صوبے میں ہر گز امن نہیں چاہتیں۔ یہ قوتیں بلوچستان میں شورش برپا کرکے پاکستان کی معاشی اور تجارتی خوشحالی پر چھری پھیرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ بلوچستان کی اسٹریٹجک اہمیت کی وجہ سے یہاں متعدد ممالک کی خفیہ ایجنسیاں منفی سرگرمیوں میں ملوث پائی گئی ہیں اور تخریب کاری میں شدت اس وقت سے دیکھی جارہی ہے، جب معاہدے کے تحت چین نے گوادر کے ساحل پر بندرگاہ کی تعمیر کا آغاز کیا۔ قدرتی گہرے سمندر کے ساحل پر بندرگاہ کی تعمیر یوں تو عالمی طاقتوں کے لیے ناقابل قبول تھی، مگر بھارت نے اس کی تعمیر کو رکوانے کی لیے فوری طور پر ریشہ دوانیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع کیا۔ حتیٰ کہ مئی 2008ء کو بھارتی پارلیمنٹ میں ایک قرارداد پاس کی گئی، جس میں گوادر کو بھارت کی سلامتی کے لیے خطرناک قرار دیتے ہوئے اس کے تدارک کا فیصلہ کیا گیا۔ ذرائع کے مطابق بھارت اور دیگر ممالک کی جانب سے تخریبی واقعات کے شواہد کئی بار سامنے آچکے ہیں اور بلوچستان میں غیر ملکی دشمن عناصر کی جانب سے اپنی سازشوں کا سلسلہ جاری ہے۔

بلوچستان پولیس کے انسپکٹر جنرل محمد آصلیش نے کہا ہے کہ بلوچستان کے

موجودہ واقعات میں تین ممالک کی مستعد جاسوس ایجنسیاں اپنے مفادات کے لیے سرگرم عمل ہیں، جن میں انڈین را، کے جی پی اور افغان انٹیلی جنس شامل ہیں۔ یہ تینوں ایجنسیاں ایک دوسرے کی براہِ راست مددگار رہیں۔ اسلحہ، گولہ بارود اور لاجسٹک مدد میں مشترکہ طور پر کام کر رہی ہیں۔ بلوچستان میں پاکستانی فورسز کا سدرن زون جنجوعہ کی کمان میں پولیس اور ایف سی کے ذریعے دشمنوں کے عزائم بھرپور طور پر ناکام بنا رہا ہے۔ پاکستان کی تمام سیکورٹی فورسز دشمنوں کے عزائم کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر عزائم ناکام بنا رہی ہیں۔ بلوچستان میں پراکسی وار جاری ہے، ہماری ایجنسیوں کی رپورٹ سے ثابت ہے کہ تین ممالک کی ایجنسیاں اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے ایک ٹیم کے طور پر کام کر رہے ہیں اور یہاں سادہ لوح لوگوں کو بہکا کر اپنے عزائم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ واضح رہے کہ گزشتہ ہفتے بلوچستان میں ایک کارروائی کے دوران بڑی تعداد میں دھماکا خیز مواد، گولہ بارود اور اسلحہ برآمد کیا گیا تھا۔ اسلحہ و گولہ بارود میں 25 مارٹر گولے، 100 سے زاید میزائل، راکٹ لانچرز اور 30 کلاشنکوفیں، 18 خود کش جیکٹس، 107 راکٹ گولے اور تقریباً 2 ٹن دھماکا خیز مواد بھی برآمد کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ چار ہزار کلو گرام دھماکا خیز مواد، 8 خود کش جیکٹس، 31 سب مشین گنیں اور 101 میزائل، 106 مارٹر گولے اور ایک ہزار پراما ریکارڈ برآمد کیا گیا ہے۔ گزشتہ ہفتے صوبائی وزیر داخلہ سرفراز بگٹی کا کہنا تھا کہ بعض ممالک کی انٹیلی جنس ایجنسیز بارود

واسلحہ مہیا کرتی ہیں، ہمارے ملک اور بلوچستان میں بڑے پیمانے پر تباہی پھیلائی جاسکے۔ ہمارے بلوچ بھائی امن پسند ہیں، بیرون ممالک کی ایجنسیز کوشش کررہی ہیں کہ بلوچستان کے امن کو خراب کیاجائے، لیکن ہم حکومت اور اپنے سیکورٹی اداروں کے تعاون سے ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے کے لیے کامیابیاں حاصل کرتے رہیں گے۔ قیام امن اور دہشت گردی کے خاتمے کے لیے کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ صوبے میں ہونے والی دہشت گردی میں بیرونی ہاتھ ملوث ہے۔ جبکہ دو سال قبل آئی جی ایف سی میجر جنرل عبیداللہ خان بھی یہ کہہ چکے ہیں کہ بلوچستان میں 20 دیگر ممالک کی ایجنسیاں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے سرگرم ہیں۔ ایسی کارروائیوں میں ملک کے اندر اور ملک سے باہر بیٹھے ہوئے عناصر ملوث ہیں۔ اسی طرح امیر جماعت اسلامی سراج الحق نے گزشتہ روز کہا ہے کہ افغانستان میں نیٹو افواج کی موجودگی سے بلوچستان کے حالات خراب ہوئے ہیں۔ مبصرین کے مطابق بلوچستان میں ایک عرصے سے غیر ملکی عناصر انارکی پھیلا رہے ہیں، جبکہ بلوچستان میں غیر ملکی مداخلت کے بہت سے ثبوت خفیہ ایجنسیوں کے ذریعے حکومت کے پاس موجود بھی ہیں۔ صوبے میں دشمن ممالک کی خفیہ ایجنسیوں کی مداخلت کو کسی طور بھی نظرانداز نہیں کیاجاسکتا، یہ ایجنسیاں پیسوں کا لالچ دے کر قومیت پرست تحریکوں کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں، بلوچستان میں چونکہ سرادار وں قابض ہیں اور غربت و پسماندگی انتہائی زیادہ ہے، جس سے وہاں کا غریب طبقہ آسانی سے غیر ملکی

ایجنسیوں کے ہتھے چڑھ کر اپنے ہی ملک کے خلاف استعمال ہو جاتے ہیں، لہٰذا ان حالات
میں حکومت کو چاہیے کہ بلوچستان کے تمام مسائل کو حل کرکے بلوچ قوم کو قومی
دھارے میں واپس لائے اور دشمن عناصر کی سرکوبی کرے۔

بینک آف ایشیا کا قیام

ایشیائی بینک کے قیام سے چین اب امریکا و یورپ کے مدمقابل آ کھڑا ہوا ہے۔ چین کی سربراہی میں ابتدائی طور پر سوا رب ڈالر سے پاکستان سمیت اکیس ملکوں کی جانب سے نئے ایشیائی بینک "ایشین انفرا اسٹرکچر انوسٹمنٹ بینک" کے قیام کے عالمی حالات پر دور رس اور مثبت اثرات مرتب ہونے کے امکانات ہیں۔ بینک آف ایشیاء کے قیام کا بڑا مقصد خطے میں سرمایہ کاری کے مواقع میں اضافہ اور اقتصادی ترقی ہے، جس کے لیے بینک رکن ممالک کے علاوہ پورے خطے میں مواصلاتی ذرائع اور اسٹرکچر کی بہتری کے لیے مالیاتی معاہدے، مختلف منصوبوں کی تشکیل اور قرضے فراہم کیے جائیں گے۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دنیا کی معیشت پر ایک عرصے سے ورلڈ بینک، آئی ایم ایف، عالمی مالیاتی فنڈ اور ایشین ڈیولپمنٹ بینکوں کا راج ہے اور ان اداروں پر امریکا، جاپان اور یورپی ممالک کی اجارہ داری قائم ہے اور یہ ادارے اپنے انہی سرپرست ملکوں کے مفادات کی تکمیل کے لیے کام کرتے ہیں۔ ترقیاتی منصوبوں کو درکار مالی و فنی امداد فراہم کرنے کے لیے کڑی شرائط عاید کرکے بسا اوقات امداد کی خواہاں ریاستوں کی آزادی تک کو گروی رکھ کر ان ممالک کا اقتصادی استحصال کیا جاتا ہے۔

یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ دنیا کی معیشت پر قابض امریکا و یورپ کے مفاد پرست سرمایہ دارانہ نظام نے دنیا میں جو طبقاتی تقسیم پیدا کرکے غریب وامیر کے مابین خلیج بڑھائی ہے، اس کا شاخسانہ ہے کہ دنیا میں ترقی کے باوجود مفلوک الحال لوگوں کی تعداد ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام نے معاشروں کو اپنا اسیر بناکر مہنگی خوراک، بے سکون زندگی، ذہنی عوارض، بے پناہ مسابقت اور ظالمانہ حرص نے انسانی معاشرے کو بدترین اخلاقی افلاس میں مبتلا کیا ہے اور دنیا بھر کا سرمایہ مخصوص ہاتھوں میں مرتکز ہو رہا ہے۔ وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم نے ایک طرف غربت میں اضافہ کیا ہے اور دوسری جانب ترقی پذیر ممالک کی قرضوں پر مبنی معیشت نے اسے مزید بڑھاوا دیا ہے۔ عام طور پر ممالک کو اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے بیرونی سرمایہ کاری یا قرضوں کی ضرورت پیش آتی ہے، جس کے لیے انھیں عالمی مالیاتی اداروں سے بھاری بھر کم قرضے لینے پڑتے ہیں۔ ورلڈ بینک، آئی ایم ایف اور ایشین بینک ایسی شرائط پر قرضے دیتے ہیں، جن کی وجہ سے بنیادی ضروریات کی اشیاء پر ٹیکس لگائے جاتے ہیں اور وہ مہنگی سے مہنگی ہو کر غریبوں کی پہنچ سے دور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ عالمی بینک سمیت دیگر عالمی مالیاتی اداروں کے اہم کھاتے دار چوں کہ یورپ اور امریکا سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا پالیسیوں کی تشکیل اور قرضوں کی فراہمی سمیت دیگر معاہدوں کی شرائط میں یہ ادارے ایشیائی ممالک کے مخصوص کلچر، ضروریات، مقامی مسائل کا درست ادراک اور احساس نہیں کر پاتے، بلکہ اس

کے برعکس ان اداروں کی "امداد" سخت شرائط اور سرمایہ کشید پالیسیوں کی وجہ سے امداد" حاصل کرنے والے ملکوں کے لیے مہنگائی، بے روزگاری اور معاشرتی اقدار کی" پامالی کا عذاب بن جاتی ہے۔ ایسے میں چین کی طرف سے ایشیائی بینک کے قیام کو ایشیائی (AIIB) ممالک کے لیے امید کی کرن تصور کیا جارہا ہے۔ امید ہے کہ اے آئی آئی بی بینک موجودہ عالمی مالیاتی اداروں کی اجارہ داری ختم کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔ چین کی سربراہی میں قائم ہونے والے اس نئے مالیاتی ادارے سے بجا طور پر توقع کی جارہی ہے کہ وہ اس کے ذریعے "جنگجو امریکا" کی طرح دوسرے ملکوں کے اندرونی معاملات اور پالیسی سازی میں مداخلت کی روش نہیں اپنائے گا، نہ محض اپنے منافع کو مقصود بنائے گا، بلکہ قرض لینے والے ملکوں کو ان کے پیروں پر کھڑا کرنے کے قابل بنانے کے لیے مؤثر حکمت عملی اختیار کرے گا۔ چین دوسرے ملکوں کی ترقیاتی سرگرمیوں میں عرصے سے بے لوث تعاون کرتا چلا آرہا ہے۔ عوامی جمہوریہ چین ایشیائی افریقی ممالک میں بندرگاہوں، تیز رفتار ریل گاڑیوں کی پٹریوں اور شاہراہوں کی تعمیر کے لیے انتہائی آسان شرائط پر نہ صرف مالی امداد دیتا رہا ہے، بلکہ اپنے فنی ماہرین کی خدمات بھی فراہم کرتا رہا ہے اور متعدد ممالک میں چین اپنی بے لوث خدمات کی وجہ سے قابل قدر گردانا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کی سربراہی میں قائم ہونے والے ترقیاتی بینک کو

بھی اسی رویے کو اختیار کرتے ہوئے ایشیاء کی ترقی کے لیے کام کرنا چاہیے۔ آنے والے وقتوں میں ہر قسم کے قدرتی وسائل، افرادی قوت اور صلاحیتوں سے مالا مال ایشیائی ممالک کو عالمی سطح پر انسانیت کی فلاح و بہتری کے لیے ماضی سے کہیں زیادہ بھرپور کردار ادا کرنا ہے۔ عالمی حالات کا تقاضا ہے کہ ایشیاء دنیا میں قائدانہ کردار ادا کرنے کے لیے آگے بڑھے اور نیا بینک علاقائی سطح پر سرمایہ کاری کو فروغ دے کر ایسا مسابقتی کردار ادا کرے، جس سے معاشی طور پر کمزور ریاستوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا موقع ملے۔

مضبوط معیشت کے حامل چین کی سربراہی میں قائم ہونے والے بینک آف ایشیاء کی کامیابی کے امکانات روشن نظر آ رہے ہیں، بلکہ اس کے بعد چین کی طرف سے مزید مثبت پیش رفت بھی سامنے آ سکتی ہے، جبکہ عالمی معاشی نظام میں چین کی غیر معمولی پیش رفت کے بعد عالمی مالیاتی اداروں کی اجارہ داری خطرے میں دکھائی دے رہی ہے۔ اسی لیے اجارہ دار مالیاتی ادارے اور ان کا سرپرست امریکا ایشیاء بینک کے قیام سے قبل ہی اسے ناکام بنانے کے لیے کوشاں ہیں اور شنید ہے کہ وہ پچھلے ایک سال سے خاموشی کے ساتھ رائے عامہ کو اس کے خلاف ہموار کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور یقیناً امریکا اپنے مقصد کے حصول کے لیے تمام آپشن استعمال کرے گا۔ اس ٹرائیکا کی عالمی اجارہ داری کے خاتمے کے لیے اس سے قبل بھی کئی کوششیں کی گئیں، مگر بھاری پتھر سمجھ کر خاموشی اختیار کی

جاتی رہی، بلکہ مسلم ممالک نے تو ایک مسلم بینک کے قیام کے لیے کافی حد تک کامیابی بھی حاصل کر لی تھی، لیکن امریکا اور معاشی چودھریوں نے دنیا پر قائم اپنی اجارہ داری کے خاتمے کے خوف سے مختلف الزامات لگا کر مسلم ممالک کے بنائے گئے بینک کو بند کروادیا تھا اور اب بھی امریکا نے ایشیائی بینک کے قیام کی کھل کر مخالفت کرتے ہوئے اس اقدام کو ورلڈ بینک جیسے عالمی اداروں کا غیر ضروری حریف تیار کرنے کی ایک کوشش قرار دیا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ امریکی پریشانی کا اصل سبب ایک بڑے مالیاتی ادارے کے قیام کی وجہ سے امریکا کے عالمی اثر و رسوخ میں کمی کا اندیشہ ہے۔ تاہم امریکا اور اس کے اتحادیوں کو نئے ایشیائی بینک کے قیام کو مثبت طور پر دیکھنا چاہیے، کیونکہ اس کے نتیجے میں ایشیائی ملکوں کا بنیادی سماجی اور معاشی ڈھانچہ ترقی کرے گا، وہ اپنی مشکلات پر آپ قابو پانے کے قابل ہو سکیں گے۔ موجودہ عالمی مالیاتی اداروں پر دباؤ کم ہوگا اور اس سب کے مثبت اثرات لامحالہ پوری دنیا کی خوش حالی پر مرتب ہوں گے۔ اب جبکہ ڈالر کی اجارہ داری معرض خطر میں پڑ گئی ہے اور ایک متبادل مالیاتی نظام قائم ہوا چاہتا ہے تو دونوں میں مسابقت اور مقابلہ نا گزیر ہو جائے گا۔ یہ صورت حال ایشیائی ممالک کے لیے بہتر ہوگی، وہ دونوں اداروں کی امدادی شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے لیے بہتر پیشکش کو پسند کریں گے۔

تھرپارکر: زندگی سسکتی رہی۔۔۔۔ سندھ حکومت سوتی رہی

تھرپارکر میں غذائی قلّت و حکومتی نااہلی کے باعث معصوم بچے مسلسل موت کی وادی میں اتر رہے ہیں۔ گزشتہ روز تحصیل مٹھی اور چھاچھرو میں مزید دو بچے غذائی قلّت کی نذر ہوگئے، جس کے بعد گزشتہ 39 روز میں قحط کی وجہ سے دم توڑ جانے والے بچوں کی تعداد 47 ہو گئی ہے، جبکہ تھرپارکر کے مختلف ہسپتالوں میں سو سے زاید بچے اب بھی زیرعلاج ہیں۔ ذرائع کے مطابق تھرپارکر میں غذائی قلّت و قحط کی وجہ سے حالات دن بدن ابتر ہورہے ہیں، لوگ نقل مکانی کرنے پر مجبور ہیں اور غذائی قلّت کی وجہ سے بہت سے لوگ خودکشیاں کرنے لگے ہیں۔ رواں سال تھرپارکر میں قحط کی وجہ سے 41 افراد خودکشی کر چکے ہیں، جس سے واضح ہوتا ہے کہ تھر میں رواں سال خودکشیوں کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے، جس کی وجہ صرف اور صرف قحط سالی ہے۔ غیر سرکاری ادارے ایسوسی ایشن فار واٹر اینڈ اپلائیڈ ایجوکیشن اینڈ رینوایبل انرجی یعنی اویئر کے ڈائریکٹر کے مطابق رواں سال صورتحال کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 2012 میں 24 افراد نے خودکشی کی تھی اور رواں سال کے دس ماہ میں 41 افراد اپنی جان لے چکے ہیں۔ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے: " تھرپارکر میں قحط سالی کے نتیجے میں معاشی دباؤ نے لوگوں پر ذہنی دباؤ بڑھا دیا ہے، جس کی وجہ

سے ڈپریشن کے مریضوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور خودکشی کے واقعات بڑھ رہے ہیں۔ قحط سالی کی وجہ سے لوگوں کے پاس پیسے نہیں ہیں، خوراک کی کمی بہت زیادہ ہے، اس سے ذہنی نشو و نما بھی متاثر ہوتی ہے۔ متاثرین جب بیراجی علاقوں میں جاتے ہیں تو وہاں لوگوں کے پاس مالی فراوانی اور اپنی قحط زدہ حالت دیکھتے ہیں تو اس سے ان میں احساس محرومی پیدا ہوتا ہے۔ انھی احساسات میں کچھ لوگ یہ سوچتے ہیں کہ اس زندگی سے بہتر ہے کہ اس کو ختم کر دیا جائے۔ تھر میں خوراک کی کمی کے باعث خواتین میں خون کی کمی عام ہے، جس کے نتیجے میں بچے کمزور پیدا ہوتے ہیں اور بچوں کی اموات بھی ہو رہی ہیں۔ سماجی کارکن اور حصار فاؤنڈیشن کے چیف ایگزیکٹیو آفیسر کے مطابق تھرپارکر میں خودکشیوں کے پیچھے بہت سے عوامل ہیں، لیکن غربت اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔

مبصرین کے مطابق تھرپارکر میں ہونے والی اموات کی ذمہ دار سندھ حکومت ہے، کیونکہ تھرپارکر میں لوگوں کے مسائل حل کرنا اور ان کی پریشانیوں کا تدارک کرنا حکومت سندھ کی ذمہ داری ہے۔ چند ماہ قبل تھر میں بچوں کی اموات پر سپریم کورٹ میں از خود نوٹس کیس کی سماعت کے دوران چیف جسٹس پاکستان بھی یہ کہہ چکے ہیں کہ سندھ میں جو کچھ ہو رہا ہے، اسے دیکھ کر سر شرم سے جھک جانے چاہییں، تھر کی صورتحال کی ذمہ دار سندھ حکومت ہے۔ اس کے باوجود یوں محسوس ہوتا ہے کہ حکومت سندھ نااہلی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ سابق صدر آصف زرداری کی

ہدایت پر تیار کی گئی رپورٹ میں صوبائی وزیر اینٹی کرپشن نے تھر میں قحط سالی اور اس کے نتیجے میں 3 سو بچوں سمیت سیکڑوں انسانی جانوں کی ہلاکت کا ذمے دار سندھ حکومت، اعلیٰ عہدوں پر فائز سیاسی شخصیات اور ان کے چہیتے افسران کو قرار دیا ہے۔

وزیر برائے جیل خانہ جات اور انسداد بدعنوانی منظور حسین وسان کی رپورٹ میں سفارش کی گئی ہے کہ ضلعی انتظامیہ، محکمہ صحت، محکمہ خزانہ، محکمہ خوراک، محکمہ لائیو اسٹاک، صوبائی ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی اور ریلیف کمشنر کے خلاف کارروائی کی جائے۔

رپورٹ کے مطابق تھر میں مجموعی طور پر 470 اموات ہوئیں، جن میں 7 سے کم عمر کے 300 بچے شامل ہیں۔ تھر میں 110 ڈسپنسریاں اور ایک ایمرجنسی سینٹر ہے، جو فعال نہیں ہے۔ گزشتہ دو سال سے تھرپارکر میں ڈاکٹروں بالخصوص پیڈیاٹریشن اور گائناکولوجسٹس کی کمی ہے، جاپان سے درآمد کردہ پانچ جدید موبائل میڈیکل ڈسپنسریاں محکمہ صحت کے حوالے کی گئی تھیں، ان میں سے ایک ڈی سی او تھرپارکر سے بطور اے سی کار استعمال کر رہے ہیں، ایک شرجیل انعام میمن کے فارم 2008 ہاؤس پر زیر استعمال ہے، دو موبائل ڈسپنسریاں چھور کینٹ کے حوالے کی گئی ہیں، جبکہ ایک موبائل ڈسپنسری مٹھی ہسپتال میں ناکارہ کھڑی ہے۔ مالی سال 2013 اور 2014 میں ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفس مٹھی کو پانچ کروڑ روپے سے زاید کا بجٹ دیا گیا تھا، لیکن اس فنڈ کا ناجائز استعمال کیا گیا، فرنیچر اور دیگر سامان خرید کر بجٹ ضایع کیا گیا۔

رپورٹ کے مطابق خشک سالی 2012 سے جاری ہے، اگر ہیلتھ یونٹس،

موبائل میڈیکل ڈسپنسریاں اور دیگر صحت مراکز کا بہتر استعمال کیا جاتا تو اموات کو روکا جاسکتا تھا۔ تھر میں مویشیوں کی تعداد 65 لاکھ ہے، ان میں سے صرف 7 لاکھ کی ویکسی نیشن کی گئی۔ 58 لاکھ مویشیوں کی ویکسی نیشن نہیں کی گئی۔ سابق سیکرٹری لائیو اسٹاک نے کراچی سے مویشیوں کے لیے 20 کروڑ روپے کا چارہ خریدا۔ ویکسی نیشن، دواؤں اور پیٹرول کی مد میں دو اسسٹنٹ ڈائریکٹرز نے 5 کروڑ روپے سے زاید کے بجٹ کا ناجائز استعمال کیا۔ وزیر اعلیٰ سندھ نے ویٹرنری کالج قائم کرنے اور ہلاک ہونے والے مویشیوں کا معاوضہ دینے کا وعدہ کیا تھا، پورا نہیں ہوا۔ 10 ہزار سے زیادہ مویشی ہلاک ہونے کی رپورٹس ہیں۔ متاثرین کے لیے منرل واٹر کی 21 ہزار بوتلیں فراہم کی گئیں، لیکن ان میں سے صرف 9 ہزار تقسیم کی گئیں، جبکہ باقی بوتلیں ایکسپائر ہونے کے بعد تقسیم کی گئیں۔ گندم کی تقسیم میں بے قاعدگیوں کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ تھرپارکر کی ضلعی انتظامیہ، ریلیف کمشنر، محکمہ خزانہ اور پی ڈی ایم اے متاثرین کو بروقت خوراک فراہم نہ کرنے کے ذمہ دار ہیں، جو بھوک اور خوراک کی قلت کے باعث ہلاک ہو گئے۔ متاثرین میں ابھی تک 50 کلو گرام کے 3 لاکھ 80 تھیلے تقسیم کیے گئے، لیکن جن لوگوں میں گندم تقسیم ہو چکی تھی، ان میں دوبارہ گندم تقسیم کی گئی اور کچھ کو نظر انداز کیا گیا۔ جبکہ دوسری جانب ذرائع کے مطابق محکمہ خوراک نے تھرپارکر میں غذائی قلت کے خاتمے کے لیے 3 لاکھ 14 ہزار گندم کی بوریاں فراہم کیں، لیکن قلت پر قابو نہیں پایا جاسکا۔ ذرائع

کے مطابق گندم کی اتنی تعداد میں فراہمی کے بعد بھی تھر پارکر میں قحط پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا ہے اور آئے دن بچوں کی اموات ہو رہی ہیں، اس پر محکمہ خوراک کے افسران میں تشویش پائی جا رہی ہے کہ جو گندم فراہم کی گئی ہے وہ کیا اصل حقداروں کو ملی بھی ہے یا نہیں؟ پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری نے تھر کی صورتحال کے حوالے سے پاکستان پیپلز پارٹی سندھ کے صدر سید قائم علی شاہ اور ڈپٹی سیکرٹری جنرل منظور حسین وسان کو تھر کی صورتحال پر بدانتظامی پر شوکاز نوٹس جاری کیے ہیں۔

دوسری جانب گزشتہ روز وزیراعظم نواز شریف نے تھر میں قحط کی وجہ سے ہونے والی اموات کی تحقیقات کے لیے 3 رکنی کمیٹی کا اعلان کیا ہے۔ ترجمان وزیراعظم ہاؤس کے مطابق وزیراعظم نواز شریف نے 3 رکنی ٹیم کو تھر پہنچنے کا حکم دیا ہے۔ کمیٹی تھر اور اس کے گردونواح میں جا کر قحط سے جاں بحق ہونے والوں کی رپورٹ وزیراعظم کو پیش کرے گی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ تھرپارکر میں غذائی قلت کی وجہ سے مسلسل بچوں کی ہلاکتیں اور خودکشی کے واقعات کا پیش آنا حکومت سندھ کی نااہلی کا واضح ثبوت ہے۔

تھرپارکر میں خشک سالی کوئی نیا رجحان نہیں ہے، اس علاقے میں ہر دو تین برس کے بعد یہ صورتِ حال جنم لیتی رہتی ہے، ایسے شدید موسمیاتی حالات سے نمٹنے کی منصوبہ بندی حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے، لیکن یہاں تو معلوم ہوتا ہے کہ تھرپارکر میں لوگوں کی جانیں

بچانا حکومت سندھ کی ترجیحات کا حصہ نہیں ہے۔ پچھلے پانچ برس تک پی پی پی سندھ پر حکمراں رہی اور گزشتہ برس منعقدہ عام انتخابات کے بعد بھی اس کی حکومت بدستور برقرار ہے، لیکن تھرپارکر کے حالات میں کوئی بہتری نہیں آئی۔ اس بنا پر یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ تھرپارکر میں غذائی قلّت کی وجہ سے ہونے والی اموات کی ذمہ دار سندھ میں برسر اقتدار جماعت ہے۔ لہٰذا حکومت سندھ کو چاہیے کہ تھرپارکر میں مستقل منصوبے بنا کر وہاں کے لوگوں کو اموات اور دیگر مشکلات سے بچائے، بصورت دیگر تھرپارکر میں بڑا انسانی المیہ جنم لے سکتا ہے، جس کی ذمہ داری حکومت سندھ پر ہوگی۔

پاک چین معاہدے....توقعات اور خدشات

وزیر اعظم پاکستان گزشتہ دنوں ایشیا بحر الکاہل اقتصادی تعاون تنظیم (ایپک) کے تین روزہ سربراہی اجلاس میں شرکت کے لیے بیجنگ گئے، جہاں انہوں نے اپنے چینی ہم منصب لی کی چیانگ کے ساتھ پاکستان میں توانائی، انفرااسٹرکچر اور دیگر شعبوں میں اقتصادی اور فنی تعاون کے 21 معاہدوں اور مفاہمت کی یاد داشتوں پر دستخط کیے۔ ذرائع کے مطابق پاکستان اور چین کے درمیان ہونے والے ان معاہدوں سے ملک میں مجموعی طور پر 46 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری ہوگی۔ چین کی مدد سے جو اہم پاور پراجیکٹس مکمل کیے جائیں گے، ان میں 1320 میگاواٹ کا سینو ہائیڈرو ریسورس پاور پراجیکٹ، 2660 میگاواٹ کا ساہیوال کول فائر پراجیکٹ، 2330 میگاواٹ کا اینگرو تھر کول فائر پراجیکٹ نیز مظفر گڑھ، رحیم یار خان اور ایس ایس آر ایل کے 1320 میگاواٹ کے کول پاور پراجیکٹ، تھر مائین ماؤ تھ اور یکل پراجیکٹ، ہزار میگاواٹ کا ایس ایس آر ایل تھر کول بلاک 6، 2460 میگاواٹ کا گڈانی پاور پارک پراجیکٹ، 300 میگاواٹ کا گوادر کول، 100 میگاواٹ کا قائد اعظم سولر پارک، 50 میگاواٹ کا داؤد ونڈ فارم، 100 میگاواٹ کا یو ای پی ونڈ فارم، 50 میگاواٹ کا سچل ونڈ فارم، 50 میگاواٹ کا سونیک ونڈ فارم، 870 میگاواٹ کا سوکی کناری ہائیڈرو پاور اسٹیشن اور 720 میگاواٹ کا کروٹ ہائیڈرو

پاور اسٹیشن وغیرہ شامل ہیں۔ بنیادی ڈھانچے کی ترقی کے جو منصوبے چین کی مدد سے مکمل کیے جانے ہیں، ان میں رائے کوٹ سے اسلام آباد تک 440 کلومیٹر طویل شاہراہ قراقرم دوم، کراچی لاہور موٹر وے، حویلیاں ڈرائی پورٹ، کراس بارڈر آپٹیکل فائبر کیبل سمیت کئی پراجیکٹ شامل ہیں۔ وزیراعظم نواز شریف نے کہا ہے کہ پاکستان ون چائنا پالیسی کی حمایت کرتا ہے اور چین کے ساتھ مضبوط اقتصادی اور تجارتی شراکت داری چاہتا ہے۔ اقتصادی راہداری منصوبہ پاکستان اور چین کے مضبوط تعلقات کا عکاس ہے۔ اس دورے سے دوطرفہ تعلقات مزید مضبوط ہوں گے اور اقتصادی راہداری منصوبہ کی تکمیل کی راہ ہموار ہو گی۔ چین کے دورے سے توانائی کا مسئلہ حل کرنے میں مدد ملے گی اور اقتصادی راہداری منصوبہ خطہ کی تقدیر بدل دے گا۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ دھرنوں کی وجہ سے جو کام رہ گیا تھا، چین کے ساتھ ہونے والے معاہدوں سے اس کو روح ملے گی۔ دورہ چین ملک میں توانائی بحران سے نمٹنے کے لیے بہت موثر ہے۔ دورے کا مقصد ملک میں بجلی کے مسئلے کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا ہے۔ جبکہ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف کا کہنا تھا کہ پاکستان میں کوئلے سے بجلی پیدا کرنے کے منصوبے پاک چین معاہدوں میں سر فہرست ہیں۔ بدقسمتی سے ماضی میں کوئلے سے توانائی کے حصول پر توجہ نہیں دی گئی، لیکن موجودہ حکومت عوام کو سستے ذرائع سے توانائی فراہم کرنے کے حوالے سے جامع حکمت عملی پر عمل پیرا ہے۔ چین کے تعاون سے لگنے والے کوئلے کے پلانٹس سپر کریٹیکل ہوں گے اور یہ سپر

کریٹیکل جدید کول پاور پلانٹس ماحول دوست ہوں گے۔ کوئلے پلانٹس چلنے سے سستی بجلی کا حصول بھی ممکن ہوگا، عوام کو ریلیف ملے گا۔ چین کے تعاون سے مقامی کوئلے کی جدید مائننگ کی جائے گی اور حاصل ہونے والے کوئلے کو کول پاور پلانٹس میں استعمال کیا جائے گا۔

پاکستان اور چین کے مابین ہونے والے معاہدوں کو میڈیا میں کافی پذیرائی ملی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ پاک چین اقتصادی راہداری کے منصوبے کی تکمیل کے بعد قومی معیشت پر یقینی طور پر اس کے دوررس اثرات مرتب ہوں گے، جب کہ مقامی اور غیر ملکی سرمایہ کار پاک چین تعاون سے فواید حاصل کر سکیں گے۔ واضح رہے کہ پاکستان کو توانائی اور بالخصوص بجلی کی کمی کا سامنا ہے۔ متعلقہ حکام اس مسئلے کا حل ملک میں کوئلے کی مدد سے چلنے والے پاور پلانٹس کے قیام میں دیکھتے ہیں، تاہم ماضی میں کئی ممالک اس شعبے میں سرمایہ کاری سے معذرت کر چکے ہیں۔ البتہ بیجنگ میں 8 نومبر کے روز جن معاہدوں کو حتمی شکل دی گئی ہے، ان کے ذریعے چینی سرکاری کمپنیوں کی جانب سے پاکستان میں کم از کم 4 نئے پاور پلانٹس کے قیام کی راہ ہموار ہوئی ہے۔ وزیر اعظم کے دفتر سے جاری کردہ بیان کے مطابق کوئلے کی کان کنی اور ترسیل پر بھی معاہدوں پر دستخط کیے گئے ہیں۔ پاکستانی وزارت برائے ترقی و منصوبہ بندی کے ترجمان کے مطابق پاکستان و چین کے مابین دستخط کیے گئے معاہدوں میں پوری کی پوری سرمایہ کاری چین کی طرف سے کی جا رہی ہے۔ یہ سرمایہ کاری قرض یا امداد

نہیں، بلکہ محض سرمایہ کاری ہی ہے۔ مبصرین کے مطابق ملک میں بجلی اور توانائی کا بحران ایک عرصے سے شدت اختیار کیے ہوئے ہے، جس کی وجہ سے ملکی صنعت اور ملکی معیشت کو بے بہا نقصانات ہو رہے ہیں، توانائی بحران کی وجہ سے اب تک ملک میں کئی صنعتیں ٹھپ ہو چکی ہیں۔ لہٰذا ان حالات میں توانائی کے بحران پر فوری طور پر قابو پانے کی ضرورت ہے اور اس بحران پر قابو پانے کے لیے مختصر المیعاد منصوبوں کی ضرورت ہے۔ نواز حکومت کی مدت میں ساڑھے تین برس ہی رہ گئے ہیں، اس کے بعد حکومت کے تبدیل ہونے سے یہاں تمام منصوبے بھی ادھورے رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا ملک جن مسائل کا شکار ہے، ایسے میں ضروری یہ ہے کہ فوری نتیجہ خیز ہونے والے منصوبے شروع کیے جائیں اور انھی کے لیے تگ و دو کی جائے۔ چین کے ساتھ معاہدے بھی ہونے چاہئیں، لیکن ایسے معاہدے کیے جائیں جو ہمیں بحرانوں سے نکالنے میں فوری مدد و معاون ثابت ہوں اور اس کے فوری نتائج بھی برآمد ہو سکیں۔ یہاں تو ماہرین چین کے ساتھ کیے جانے والے منصوبوں کے مقررہ مدت، یعنی ساڑھے تین سے چار سال میں مکمل ہونے کے بارے میں زیادہ پر امید نہیں ہیں، بلکہ ان کے نزدیک یہ منصوبے ہی بے فائدہ ہیں۔ بجلی کے منصوبوں کی تعمیر کا تجربہ رکھنے والے معروف سائنسدان اور بجلی کے منصوبوں کے ماہر ڈاکٹر ثمر مبارک مند نے پاکستان اور چین کے درمیان توانائی کے منصوبوں کے معاہدوں کو "بے فائدہ" قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ضرورت کی بجلی پیدا کرنے کے لیے بجلی گھر تو پاکستان میں پہلے بھی موجود ہیں، اصل

مسئلہ ایندھن کا ہے، جو نہ پہلے سے نصب بجلی گھروں کے لیے دستیاب ہے اور نہ نئے بجلی گھروں کے لیے ہو گا۔ تیل اور گیس موجود نہیں، جبکہ کوئلہ آئندہ 8 سے 10 سالوں میں دستیاب ہو سکے گا۔ مبصرین کے مطابق ڈاکٹر ثمر مند مبارک کی بات کو کسی طور بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، ڈاکٹر صاحب کا تجزیہ غلط نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ اس حوالے سے ماہر سائنسدان ہیں۔ پاکستان اور چین کے مابین ہونے والے معاہدوں کا فائدہ اور تعلقات میں بہتری کا آنا اپنی جگہ درست ہے، لیکن یہ بات بھی سامنے رکھی جائے کہ ملک کے درپیش بحران کا حل اگر نئے بجلی گھروں کی تعمیر میں مضمر نہیں ہے، تو پھر حکومت ایک کارِ عبث پر کیوں وقت لگانا چاہتی ہے؟ ڈاکٹر ثمر مبارک مند کے مطابق جب اصل مسئلہ بجلی گھروں کو فراہم ہونے والے ایندھن کا ہے، تو پھر نئے یونٹوں کی تعمیر کا مقصد تو صرف اپنا دور حکومت گزارنا ہی رہ گیا ہے۔ ڈاکٹر ثمر مند مبارک کے مطابق پہلے سے موجود بجلی گھر پاکستان کی ضرورت پوری کرنے کے لیے بہت ہیں، اگر انھیں ایندھن فراہم کیا جاتا رہے۔ لہٰذا ان حالات میں حکومت کو چاہیے صرف دوسرے ملکوں سے معاہدے کرنے پر ہی زور نہ دے، بلکہ اپنے ملک میں موجود وسائل کو بروئے کار لا کر ان سے بحران کا حل نکالا جائے۔ ہمارے حکمران ہر کام کرنے کے لیے دوسرے ممالک سے قرضوں اور ان کے تعاون کے محتاج ہوتے ہیں، لیکن خود پر انحصار نہیں کرتے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنے مسائل حل کرنے میں دوسرے ممالک کی محتاجی سے بہتر ہے کہ اپنے وسائل کو کام میں لا کر

مستقل طور پر مسائل پر قابو پایا جائے۔ خدا تعالیٰ نے پاکستان کو بے شمار قدرتی وسائل سے مالامال کیا ہے، اگر ان کو صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے تو ملک کو درپیش تمام بحرانوں سے نمٹا جاسکتا ہے، اس کے لیے شرط یہ ہے کہ سب سے پہلے کرپشن پر قابو پانا ہوگا۔اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ ملک میں بہت سے مسائل کے حل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ کرپشن ہے، کرپشن پر قابو پاکر بہت سے مسائل سے چھٹکارہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور اگر دیکھا جائے تو توانائی کے بحران کے خاتمے کی راہ میں بھی کرپشن ہی حائل ہے۔ مبصرین کے مطابق چین کے ساتھ کیے جانے والے معاہدوں کے علاوہ بھی ملک میں بے شمار مسائل ہیں جن کو حل کرنا انتہائی ضروری ہے۔

عمران خان کا نیا یوٹرن .... پسپائی یا نیک شگون؟

ماہ اگست سے وزیر اعظم میاں نواز شریف سے استعفیٰ لینے کے لیے اسلام آباد میں دھرنا دیے بیٹھے پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے یوٹرن لیتے ہوئے وزیر اعظم کے استعفے کے مطالبے سے دستبردار ہو کر پوری پاکستانی قوم کو حیرانگی میں مبتلا کر دیا ہے۔ تحریک انصاف کے چیئرمین نے مئی 2013 کے عام انتخابات میں حکمران جماعت مسلم لیگ ن پر دھاندلی کا الزام عاید کیا ہوا ہے، جب کہ 14 اگست سے اس دھاندلی کے خلاف حکومت مخالف تحریک بھی شروع کر رکھی ہے اور 14 اگست سے جاری حکومت مخالف تحریک کے دوران وزیر اعظم نواز شریف کا استعفیٰ پی ٹی آئی کا بنیادی مطالبہ ہے۔ پی ٹی آئی سربراہ عمران خان کئی بار یہ اعلانات کر چکے ہیں کہ وہ وزیر اعظم نواز شریف سے استعفیٰ لیے بغیر کسی صورت بھی ٹلنے والے نہیں ہیں اور اپنے مطالبے سے ہر گز دستبردار نہیں ہو سکتے، لیکن پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان اچانک وزیر اعظم کے استعفے کے مطالبے سے دستبردار ہو گئے ہیں۔ رحیم یار خان میں اپنے جلسے سے خطاب کے دوران عمران خان نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ" وہ گزشتہ انتخابات میں دھاندلی کی تحقیقات کے لیے سپریم کورٹ کی نگرانی میں ایک ایسا غیر جانبدار کمیشن تشکیل دے، جس میں ملٹری انٹیلی جنس اور آئی ایس آئی کے نمائندے بھی شامل ہوں۔ یہ

کمیشن 30 نومبر سے قبل بنا دیا جائے اور وہ چار سے چھ ہفتوں میں اپنی رپورٹ پیش کرے۔ انھوں نے وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جب تک کمیشن اپنی تحقیقات مکمل نہیں کر لیتا، تب تک نہ نواز شریف استعفیٰ دیں اور نہ ہی وہ دھرنا ختم کریں گے۔ اگر کمیشن کی رپورٹ میں یہ ثابت ہو گیا کہ انتخابات میں دھاندلی ہوئی ہے تو انھیں مستعفی ہو کر نئے اِنتخابات کروانا ہوں گے۔ عمران خان نے اپنی تقریر میں عدلیہ کی غیر جانبداری پر بھی سوالات اٹھاتے ہوئے کہا کہ عدلیہ آزاد ہو گئی، لیکن غیر جانبدار نہیں ہو سکی۔ دوبارہ الیکشن ہو گا تو نئے الیکشن کمیشن کی موجودگی "میں ہونا چاہیے اور چاروں صوبائی الیکشن کمشنروں کو استعفیٰ دینا چاہیے۔

مبصرین کے مطابق عمران خان نے "سیاسی بحران کے حل" کے لیے ایک بار پھر یوٹرن" لیا ہے، تاہم وہ ایک طرف وزیراعظم محمد نواز شریف کے استعفے کے مطالبات" سے دستبردار ہو گئے ہیں، جبکہ دوسری طرف انہوں نے عدلیہ پر عدم اعتماد کا اظہار کرکے سپریم کورٹ کے تحت ایم آئی اور آئی ایس آئی پر مشتمل تحقیقاتی کمشن قائم کرنے کا مطالبہ کرکے سیاسی حلقوں کو حیران کر دیا ہے۔ ان کے اس مطالبے کو حکومتی حلقوں کی جانب سے پذیرائی نہیں ملی، بلکہ حکومتی حلقوں نے عمران خان کی تجویز کو غیر حقیقت پسندانہ قرار دیا ہے۔ ذرائع کے مطابق حکومتی ذمہ داران نے عمران خان کے موقف میں آئے روز تبدیلی کو ان کی

پسپائی قرار دیا ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ تحریک انصاف کے قائد عمران خان وزیر اعظم نواز شریف کے استعفے کے مطالبے سے تو پیچھے ہٹ گئے ہیں، تاہم انہوں نے سپریم کورٹ کے جوڈیشل کمیشن میں آئی ایس آئی اور ایم آئی کی شمولیت کا مختلف مطالبہ کیا گوکہ وزیر اعظم کے لیے اسے تسلیم کرنا ناممکن نہیں۔ خان صاحب کے موقف میں کئی واشگاف تضادات تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معاملے کا خوش اسلوبی سے حل نکالنا نہیں چاہتے اور صورتحال کو سنگین بنانے میں خوش ہیں۔ وہ چاہتے ہیں عدالتی فیصلے ان کی مرضی کے ہوں، الیکشن کمیشن اور چیف الیکشن کمشنر بھی ان کی مرضی کا ہو، بصورت دیگر سب ان کے لیے ناقابل قبول ہیں اور وہ اسے مسترد کرتے ہیں۔ موجودہ آئینی و قانونی طریقہ کار کے مطابق کوئی بھی خفیہ ایجنسی کو باضابطہ طور پر کسی جوڈیشل کمیشن کا حصہ بننے کی اجازت نہیں ہے۔ اس سے پہلے عمران خان خفیہ ایجنسی پر دھاندلی میں ملوث ہونے کا الزام لگا چکے ہیں، ایک جانب تو ان کا یہ الزام اور دوسری جانب اب وہ دونوں اہم خفیہ ایجنسیوں کو انتخابات میں مبینہ دھاندلی کی تحقیقات میں شامل کیے جانے کا مطالبہ کررہے ہیں، یہ بہت ہی عجیب تضاد ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ عمران خان نے عدلیہ اور سپریم کورٹ کے ججز پر مشتمل تحقیقاتی کمیشن پر یہ کہہ کر عدم اعتماد کیا کہ وہ صرف اسی صورت عدالتی کمیشن پر اعتماد کریں گے، جب اس میں ملٹری انٹیلی جنس اور آئی ایس آئی کے حکام شامل کیے جائیں گے۔

دوسری جانب نواز شریف کے استعفے کے حوالے سے عمران خان کے مطالبے میں نرمی کو مثبت قرار دیا جارہا ہے۔ پیپلز پارٹی کے مرکزی رہنما سابق وفاقی وزیر قمر زمان کائرہ کا عمران خان کے خطاب پر رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہنا تھا کہ میں عمران خان کی تجویز سے اتفاق کرتا ہوں، عمران خان سیاسی فیصلے کرنے لگے ہیں، عمران خان نے لچک کا مظاہرہ کیا ہے، حکومت بھی اب ہوش کے ناخن لے، عمران خان کی پیش کش پر حکومت کو پیش رفت کرنی چاہیے۔ اسی طرح پیپلز پارٹی کے رہنماء سینیٹر سعید غنی نے بھی اس بات کو سراہا کہ عمران خان وزیراعظم کے استعفے کے مطالبے سے پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ عمران خان کا وزیراعظم کے استعفے کی ضد سے دستبردار ہوجانا ملکی سیاست کے لیے نیک شگون معلوم ہوتا ہے، کیونکہ سیاست ضد اور انا کی بنیاد پر نہیں ہونی چاہیے، اگر سیاست ضد اور ہٹ دھرمی کی بنیاد پر ہونے لگے تو اس سے ملکی سیاست کو نقصان پہنچے گا، بہر حال عمران خان کا وزیراعظم کے استعفے سے دستبردار ہونا ایک بہتر پیش رفت ہے۔ جبکہ دوسری جانب سیاستدانوں کی جانب سے عمران خان کے بیان پر کافی تنقید بھی کی جارہی ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری نے پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کی تجاویز کو یوٹرن قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ عمران خان کی جانب سے لیے جانے والے یوٹرن کو سمجھنے کے لیے کسی بھی طرح کی اشاروں کی زبان سیکھنے کی

ضرورت نہیں۔ وفاقی وزیر خزانہ اسحاق دار کا کہنا تھا کہ عمران خان کی جانب سے جوڈیشل کمیشن میں ایجنسیوں کی نمائندگی کا مطالبہ حیران کن ہے، آئین سے ہٹ کر کوئی کمیشن تشکیل نہیں دیا جاسکتا۔ جوڈیشل کمیشن میں صرف ججز ہوتے ہیں، اس میں ایجنسیوں کے لوگ نہیں ہوتے۔ حکومت ہر کام آئین اور قانون کے دائرے میں رہ کر کرے گی، حکومت اگر چاہے بھی تو عمران خان کا مطالبہ نہیں مان سکتی، حکومت کو کمیشن میں شامل ججوں کے نام بھی تجویز کرنے کا اختیار نہیں ہوتا، کمیشن کے لیے ججوں کے نام بھی عدالت ہی دیتی ہے۔

مسلم لیگ (ن) کے رہنما مشاہداللہ خان نے کہا ہے کہ میں عمران خان کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ آئین کا مطالعہ کریں اور ہمیں یہ بتائیں کہ کس شق کے تحت جوڈیشل کمیشن میں خفیہ ایجنسیوں کو شامل کیا جاسکتا ہے، انہوں نے جتنی تجاویز دیں وہ ماورائے آئین ہیں اور آئین کے خلاف کوئی کام نہیں ہوگا۔ عمران خان ایسے مطالبات کر رہے ہیں جس کا کوئی سر، پیر نہیں ہے۔ ایک طرف یہ کہتے ہیں آئی ایس آئی نے پیسے دیے، دھاندلی کرائی، دوسری طرف کہہ رہے ہیں آئی ایس آئی کو اس میں شامل کریں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ عمران خان کا وزیراعظم کے استعفے سے دستبردار ہوجانا تو یقیناً ایک اچھی سوچ ہے، لیکن آئی ایس آئی اور ایم کو کمیشن میں شامل کرنے کی بات کرنا اچھی سوچ نہیں ہے۔ خان صاحب کے اسی قسم کے اقدامات سے دن بدن ان کی مقبولیت میں کمی واقع ہورہی ہے، جس کی

تصدیق کرتے ہوئے برطانوی جریدے نے ایک تجزیاتی رپورٹ میں کہا ہے نواز شریف کی کمزوری کے باوجود عمران خان اب عوام کے لیے متبادل نہیں رہے۔ عمران خان کے اندر پارلیمانی نظام میں چلنے کے لیے درکار صلاحیت مفقود ہے۔ برطانوی جریدے اکنامسٹ" کے مطابق عمران خان نواز شریف کو اقتدار سے نکال کر نئے انتخابات" چاہتے ہیں یا فوج کی حمایت یافتہ ٹیکنو کریٹس کی حکومت یا وہ خود وزیر اعظم بننا چاہتے ہیں۔ نواز شریف کے ساتھ پارلیمنٹ ہے اور فوج بھی جمہوریت کو معطل کرنے کے لیے تیار نظر نہیں آتی، جس سے عمران خان بپھرے نظر آتے ہیں۔ جریدہ لکھتا ہے کہ ایسی صورت بھی نہیں کہ عمران کی وسیع پیمانے پر مقبولیت ہے۔ پول بتاتے ہیں کہ انہیں 18 فیصد ووٹرز کی حمایت حاصل ہے، جن میں زیادہ تر نوجوان ہیں، تاہم قومی سطح پر ان کی اپیل زوال پذیر ہے۔ کئی سال قبل جو نواز شریف کے حامی تھے، ان کے سامنے دوسرا انتخاب عمران خان تھا، لیکن اب ایسی صورت نہیں رہی۔ عمران کرشماتی ہیں، لیکن سمجھوتوں کے لیے انتہائی کم صلاحیت کے مالک ہیں، جو ایک پارلیمانی نظام میں اثر و رسوخ کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ مبصرین کے مطابق خان صاحب جس طرح وزیر اعظم سے استعفے کے مطالبے سے دستبردار ہوئے ہیں، اسی طرح ان کو اپنا دھرنا بھی ختم کر دینا چاہیے، بصورت دیگر ان کی مقبولیت میں مزید کمی ہوتی جائے گی۔

خیر پور: ٹریفک کا المناک حادثہ.... ذمے دار کون؟

منگل کی صبح سندھ کے علاقے خیر پور کے قریب ٹھیڑی بائی پاس پر ہونے والے ہولناک ٹریفک حادثے میں ایک بڑی تعداد میں قیمتی انسانی جانوں کے ضیاع کی خبر سے ہر درد مند پاکستانی کا دل بے چین اور رنجیدہ ہے۔ اب تک کی اطلات کے مطابق اس المناک و خوفناک حادثے میں 59 افراد جاں بحق اور 20 زخمی ہوئے ہیں۔ ریسکیو ذرائع کے مطابق مسافر کوچ 69 مسافروں کو لے کر سوات سے کراچی جا رہی تھی کہ تیز رفتاری کے باعث کراچی سے آنے والے کوئلے سے بھرے ٹرک سے ٹکرا گئی۔ حادثہ اتنا شدید تھا کہ حادثے کے بعد بس میں آگ لگ گئی۔ امدادی ٹیموں کے اہلکاروں نے حادثے میں جاں بحق اور زخمی ہونے والوں کو فوری طور پر سول ہسپتال خیر پور منتقل کیا۔ ڈی آئی جی موٹروے پولیس اے ڈی خواجہ کا کہنا ہے کہ خیر پور ٹریفک حادثہ سڑک خراب ہونے کے باعث پیش آیا، تاہم بس اوور لوڈڈ تھی، جس میں 69 مسافر سوار تھے۔ موٹر وے پولیس نے گھوٹکی کے قریب بس کا چالان بھی کیا تھا۔ سڑک زیر تعمیر ہونے کے باعث کئی کئی فٹ گڑھے ہیں، بس کی رفتار اور گڑھوں کے باعث بس اچھل کر سڑک کی دوسرے طرف گئی اور ٹریلر سے ٹکرا گئی۔ حادثے میں زخمی ہونے والے ایک شخص کا کہنا تھا کہ صبح چار بجے بس تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑ رہی تھی کہ اچانک ڈرائیور کو پتہ چلا کے آگے سڑک بند ہے۔ موڑ کاٹنے

کی کوشش میں بس بے قابو ہو کر سڑک کی دوسری جانب موجود ٹریلر سے ٹکرا گئی۔ ذرائع کے مطابق حادثے میں جاں بحق ہونے والے 43 افراد کا تعلق وادی سوات اور اس کے ملحقہ علاقوں سے ہے، جبکہ دو مرد ان کے رہنے والے ہیں۔ دوسری جانب خیرپور ٹھیڑی بائی پاس کے قریب مسافر کوچ اور ٹرک میں حادثے کے نتیجے میں انسانی جانوں کے ضیاع پر اہم شخصیات نے افسوس اور دکھ کا اظہار کیا ہے۔ صدر ممنون حسین نے جاں بحق ہونے والوں کے لواحقین سے ہمدردی کا اظہار کیا اور متعلقہ حکام کو زخمیوں کو فوری امداد اور طبّی سہولیات فراہم کرنے کی ہدایت کی۔ گورنر سندھ عشرت العباد نے واقعے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کمشنر سکھر کو فوری اقدامات کرنے کی ہدایت جاری کی۔ جبکہ ایم کیوایم کے قائد الطاف حسین نے بھی افسوس کا اظہار کیا۔ وزیراعلیٰ سندھ نے حادثے میں جاں بحق افراد کی میتیں خیرپور سے سکھر منتقل کرنے کے لیے سی 130 طیارہ فراہم کرنے کی ہدایت کی۔ سندھ اسمبلی میں حکومتی اور اپوزیشن ارکان نے خیرپور بس حادثہ کو انتہائی المناک قرار دیتے ہوئے متاثرین کو فوری معاوضہ دینے اور زخمیوں کو علاج معالجہ کی سہولت دینے کا مطالبہ کیا۔ صوبائی وزیر جام مہتاب ڈہر کا کہنا تھا کہ ابتدائی تحقیقات میں ڈرائیور کی غفلت کا پتہ چلا ہے۔ ایم کیوایم کے خواجہ اظہار الحسن کا قومی شاہراہ پر ہونے والے المناک ٹریفک حادثات کے حوالے سے کہنا تھا کہ روڈ سیفٹی کے لیے سندھ اسمبلی کی قرارداد پر عمل نہیں ہوا۔ اسپیکر سندھ اسمبلی کی رولنگ پر شرجیل میمن کا

کہنا تھا کہ چیف سیکرٹری سندھ سے قرارداد پر عملدرآمد کے لیے اقدامات کا معلوم کیا جائے گا۔ قائد حزب اختلاف شہریار مہر دیگر اپوزیشن ارکان نے صوبائی حکومت سے نیشنل ہائی وے کا ترقیاتی کام فوری مکمل کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ قومی شاہراہ پر پچاس کلومیٹر پر ایمرجنسی سینٹر قائم کیے جائیں، جبکہ بعض ارکان اسمبلی کا کہنا تھا کہ بس حادثے کا کمشنر سکھر نے دو گھنٹے بعد نوٹس لیا۔ ڈپٹی کمشنر خیرپور سوئے ہوئے تھے، انہوں نے بس حادثے کا کوئی نوٹس نہ لیا۔

ذرائع کے مطابق حادثے سے متعلق ریجنل ٹرانسپورٹ اتھارٹی نے رپورٹ تیار کی ہے، جس میں انکشاف کیا گیا ہے کہ بس بغیر فٹنس سرٹیفکیٹ کے چلائی جا رہی تھی، جبکہ اس بات کی بھی تصدیق کی گئی ہے کہ بس میں گنجائش سے زیادہ افراد سوار تھے۔ ریجنل بس اتھارٹی حکام کے مطابق ریکارڈ کی چھان بین کی جا رہی ہے، تاکہ اس بات کا پتا لگایا جا سکے کہ پہلے کبھی فٹنس سرٹیفکیٹ بنایا گیا یا نہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ پاکستان میں ٹریفک حادثات عام ہیں اور ان کی عمومی وجوہات مخدوش سڑکیں، ٹرانسپورٹ کی خراب حالت، ڈرائیوروں کی غفلت، تیز رفتاری سے گاڑیاں چلانا اور گاڑیوں میں گنجائش سے زیادہ مسافر سوار کرنا ہوتی ہیں۔ پاکستان بھر میں دن بدن ٹریفک حادثات کی بڑھتی ہوئی شرح باعث تشویش ہے، جس کی بدولت لاتعداد قیمتی جانیں تسلسل کے ساتھ لقمہ اجل بن رہی

ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان بھر میں اوسطاً 15 سے 30 افراد روزانہ ٹریفک حادثات کا شکار ہو کر اپنی قیمتی جانیں گنواتے ہیں اور متعدد افراد ہمیشہ کے لیے معذور بھی ہو جاتے ہیں۔ پاکستان میں سالانہ ہونے والے ٹریفک حادثات کی تعداد اندازاً تین لاکھ بتائی جاتی ہے، جن میں سالانہ 13 ہزار افراد موت کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور پچاس ہزار سے زاید زخمی ہو جاتے ہیں۔ چند روز کے بعد ہی ملک خیر پور ٹریفک حادثے کی طرح کسی بڑے سانحے سے دوچار ہو جاتا ہے، جس میں ایک بڑی تعداد جاں بحق ہوتی ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ ملک میں حادثات کے بڑھتے واقعات کی سب سے بڑی وجہ یہاں قانون پر عملدرآمد نہ ہونا ہے۔ ٹریفک قوانین کا احترام نہ کرنے کا چلن حادثات میں بے پناہ اضافے کا سبب بن رہا ہے۔ ٹریفک قوانین سے عدم آگاہی بھی حادثات کا بنیادی سبب ہے، ڈرائیور حضرات کی اکثریت ان پڑھ افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ جبکہ بہت سی گاڑیاں فٹنس کے مسائل کا شکار ہوتی ہیں، جس طرح اطلاعات ہیں کہ خیر پور حادثہ کا شکار ہونے والی گاڑی بھی بغیر فٹنس سرٹیفکیٹ کے چلائی جارہی تھی، متعلقہ محکمہ ناکارہ گاڑیوں کو رشوت کے عوض فٹنس سرٹیفکیٹ جاری کر دیتا ہے۔ ڈرائیور حضرات کا اوور اسپیڈنگ اور اوور ٹیکنگ کا شوق بھی جان لیوا حادثات کا سبب بنتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ٹریفک حادثہ یا تو ڈرائیور کی غلطی، گاڑی کی خرابی، روڈ کی تعمیر میں کمی و کوتاہی یا پھر سڑک کو استعمال کرنے والے کی غلطی سے وقوع پذیر ہوتا ہے، لیکن ہم ٹریفک حادثے کو اس انداز میں

لیتے ہیں، جیسے اس نے ہونا ہی تھا۔ حالانکہ ٹریفک کے حوالے سے بہترین قوانین بنا کر ان پر عمل کر کے حادثات کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات سے بچا جاسکتا ہے، جیسا کہ کئی دوسرے ممالک میں ٹریفک کے حوالے سے بنائے گئے قوانین پر اس قدر عمل ہوتا ہے کہ اگر ٹریفک حادثہ ہو بھی جائے، تو بھی جانی نقصان نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔

ہم نمونے کے طور پر بیرون ملک میں ہونے والے ٹریفک حادثات کے چند بڑے واقعات پیش کرتے ہیں۔ نومبر 2012 میں ایک ٹریفک حادثے کے دوران چین میں 46 گاڑیاں آپس میں ٹکرائیں، جس کے نتیجے میں ایک شخص ہلاک اور پانچ زخمی ہوئے۔ نومبر 2012 چین میں شنگھائی کمانگ ایکسپریس وے پر 7 آئل ٹینکر سمیت 70 سے زاید گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرائیں، جس کے نتیجے میں 9 افراد ہلاک اور 19 زخمی ہوئے۔ مارچ 2012 ریاست کولاریڈو امریکا کے شہر ڈینور میں ایک مصروف شاہراہ پر 104 گاڑیاں آپس میں ٹکرا گئیں، جس کے نتیجے میں ایک شخص ہلاک ہوا۔ اسی طرح امریکی ریاست ٹیکساس میں نومبر 2012 ڈیڑھ سو سے زاید گاڑیاں آپس میں ٹکرائیں، جس کے نتیجے دو افراد ہلاک ہوئے۔ فروری 2014 میں امریکی ریاست پنسلوانیا میں ہائی وے پر بدترین ٹریفک حادثہ پیش آیا، جس میں 100 سے زاید گاڑیاں آپس میں ٹکرا گئیں، جس کے نتیجے میں 25 افراد زخمی ہوئے۔ کوئی شخص بھی ہلاک نہیں ہوا۔ ستمبر 2014 ایمسٹرڈیم ہالینڈ میں دھند کے باعث ڈیڑھ

سو کاریں آپس میں ٹکرائیں، جس کے نتیجے میں دو افراد ہلاک اور 26 زخمی ہوئے۔ فروری 2014 میں کینیڈا کے صوبے اونٹاریو میں ایک ٹریفک حادثے میں سو گاڑیاں آپس میں ٹکرا گئیں، جس کے نتیجے میں 3 افراد زخمی ہوئے، کوئی ہلاکت نہیں ہوئی۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ اگر ہم اپنے ملک میں ہونے والے حادثات کو سامنے رکھیں تو حقیقت انتہائی بھیانک ہے، کیونکہ یہاں ایک ایک حادثے میں ساٹھ ستر افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اسی کی وجہ یہ ہے کہ وہاں ٹریفک قوانین پر عمل کرتے ہوئے گاڑیوں کو اس وقت تک سڑک پر آنے کی اجازت نہیں ہوتی جب تک ان کو فٹنس سرٹیفکیٹ نہ جاری کر دیا جائے اور وہاں پاکستان کی طرح سرٹیفکیٹ رشوت کے نتیجے میں بھی نہیں حاصل کیا جاسکتا۔ اسی طرح دوسرے ممالک میں گاڑی میں سفر کرتے وقت بیلٹ باندھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ گاڑیوں میں اوور لوڈنگ پر بھی سخت پابندی ہے اور ایک اہم بات یہ کہ وہاں فوری طور پر امدادی کارروائی کرکے زخمیوں کو طبّی امداد پہنچا دی جاتی ہے ں، اسی صورت میں سیکڑوں گاڑیاں ٹکرانے کے باجود جانی نقصان نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے، لیکن ہمارے یہاں ان میں سے کسی قانون پر عمل نہیں ہوتا، ٹریفک کے حوالے سے اگر کوئی قانون موجود بھی ہے تو اس پر عمل ہوتا نظر نہیں آتا۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ ملک میں ٹریفک حادثات پر قابو پانے کے لیے ٹریفک قوانین کی پابندی انتہائی ضروری ہے۔ اگر حکومت چاہتی ہے کہ ملک میں ٹریفک حادثات کنٹرول ہو جائیں تو اس حوالے سے سخت قوانین بنانے ہوں گے اور ان پر

سختی سے عمل کرانا ہوگا۔

ڈونرز کانفرنس: عالمی اداروں کی ناکافی امداد۔۔۔حکومت پر عدم اعتماد کا اظہار؟

عالمی بینک، ایشیائی ترقیاتی بینک، برطانوی ادارے ڈی ایف آئی ڈی سمیت دیگر عالمی ڈونرز ممالک اور اداروں نے وزیرستان میں جاری آپریشن ضرب عضب کے آئی ڈی پیز اور متاثرین سیلاب کی بحالی اور تعمیر نو کے لیے پاکستان کو 70 کروڑ ڈالر کی امداد دینے کے وعدے کیے ہیں۔ وزارت خزانہ کی طرف سے جاری کیے گئے اعلامیے میں کہا گیا ہے کہ حکومت نے عالمی امدادی اداروں سے 2.5 ارب ڈالر امداد طلب کی، جس میں آپریشن آئی ڈی پیز کی بحالی کے لیے 1.5 ارب ڈالر، جبکہ سیلاب متاثرین اور مستقبل میں سیلاب کی روک تھام کے لیے ایک ارب ڈالر رکھے گئے تھے۔ ڈونرز نے 70 کروڑ ڈالر دینے کا وعدہ کیا ہے۔ رقم عالمی اور ایشیائی ترقیاتی بینک، یورپی یونین اور ڈی ایف آئی ڈی فراہم کرے گا، جبکہ امداد کا وعدہ کرنے والوں میں جاپان، اٹلی و دیگر ممالک بھی شامل ہیں۔ وزارت خزانہ کی جانب سے کہا گیا کہ امدادی رقم آئی ڈی پیز اور سیلاب سے متاثرہ علاقوں کی تعمیر نو پر خرچ ہو گی۔ متاثرین کی بحالی کی سرگرمیوں میں شفافیت کو یقینی بنایا جائے گا۔ مالی امداد کے استعمال کی مانیٹرنگ کا مؤثر طریقہ وضع کیا جائے گا، اس سلسلے میں ایک کمیٹی بھی تشکیل دی جائے گی، جو امداد کی شفاف تقسیم کے عمل کی نگرانی کرے گی۔ واضح رہے کہ حکومت نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ متاثرین کی بحالی کے

لیے عالمی برادری سے امداد کی اپیل نہیں کرے گی، لیکن گزشتہ ماہ قبائلی علاقوں کے لیے وفاقی وزیر لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ عبدالقادر بلوچ کا یہ بیان سامنے آیا کہ شمالی وزیرستان سے جنگ کے باعث بے گھر ہونے والے افراد کی بحالی کے لیے حکومت نے بین الاقوامی اداروں اور ملکوں سے مالی مدد لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ شمالی وزیرستان میں جنگ سے تباہ ہونے والے بنیادی ڈھانچے (انفراسٹرکچر) کی تعمیر نو کے لیے ڈیڑھ سو ارب روپوں کی ضرورت ہے۔ شمالی وزیرستان میں مکانات، کاروبار اور سہولیات کا بنیادی ڈھانچہ مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے۔ ہر چیز نئے سرے سے بنانا پڑے گی اور حکومت کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں۔ اس لیے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ شمالی وزیرستان میں تعمیر نو کے لیے غیر ملکی (مالیاتی) ایجنسیوں سے مدد کی اپیل کریں گے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ متاثرین کی بروقت بحالی حکومت کی ذمہ داری ہے، حکومت اپنی اس ذمہ داری کو نبھا نہیں سکی۔ اگرچہ حکومت نے اپنی مدد آپ کے تحت متاثرین کی بحالی کا اعلان کرتے ہوئے عالمی برادری سے امداد نہ لینے کا اعلان کیا تھا، لیکن حکومت اپنے اعلان پر قائم نہ رہ سکی اور اس کو ڈونرز کانفرنس میں امداد طلب کرنا پڑی، لیکن حکومت کو مطلوبہ امداد نہ مل سکی، حکومت نے عالمی امدادی اداروں سے 2.5 ارب ڈالر امداد طلب کی تھی، لیکن صرف 70 کروڑ ڈالر کی امداد مل سکی ہے۔ حکومت کو مطلوبہ امداد کا نہ ملنا حکومت کے لیے سبکی کا باعث ہے، کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عالمی اداروں کو پاکستان کی حکومتی اور انتظامی مشینری پر

اعتماد نہیں ہے، اگر ان کو اعتماد ہوتا تو وہ حکومت پاکستان کی جانب سے طلب کی گئی پوری امداد دینے کا اعلان کرتے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ عالمی سطح پر یہ تاثر عام پایا جاتا ہے کہ پاکستان میں انتظامی مشینری نا اہل ہے اور اس میں کرپشن عام ہے، جو امداد دی جاتی ہے، وہ مستحق افراد تک پہنچ نہیں پاتی، ایسا پہلے بھی کئی بار ہوچکا ہے کہ ملک میں آنے والی کئی قدرتی آفات کے بعد عالمی برادری نے امداد دی تو اعلیٰ عہدوں پر براجمان افسران مستحق افراد کی اس امداد کو بھی ہضم کرگئے، جس کے بعد عالمی ادارے امداد دیتے ہوئے پرامید نظر نہیں آتے۔ یہ بھی خیال رہے کہ چند ماہ قبل ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ میں پاکستان کو کرپٹ ترین ملکوں میں شمار کرتے ہوئے انکشاف کیا گیا تھا کہ پاکستان میں سب سے زیادہ کرپشن سرکاری اداروں میں ہوتی ہے، اس قسم کی رپورٹس کے سامنے آنے کے بعد عالمی برادری و عالمی اداروں کا پاکستان کی حکومتی و انتظامی مشینری پر اعتماد ہونا مشکل ہے۔ ہمارے یہاں تو ملک کے سربراہان تک پر کرپشن کے الزامات ہوتے ہیں، جس سے دنیا بھر میں ملک کی بدنامی ہوتی ہے۔ منگل کے روز اسلام آباد کی احتساب عدالت میں منگل کو ای او بی آئی سکینڈل سے متعلق کیس کی سماعت میں نیب کی جانب سے سابق وزیراعظم راجا پرویز اشرف کے خلاف مالی بدعنوانیوں اور غیر قانونی تقرریوں سے متعلق ریفرنس دائر کیا گیا۔ ریفرنس

میں سابق ای او بی آئی چیئرمین ظفر اقبال گوندل کو بھی ملزم ٹھہرایا گیا۔ نیب کی جانب سے دائر ریفرنس میں کہا گیا ہے کہ دونوں ملزمان نے قومی خزانے کو 60 ارب روپے کا ٹیکا لگایا، جب کہ سابق وزیراعظم راجا پرویز اشرف نے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے اپنے داماد کو ورلڈ بینک میں نوکری دلائی، نہ صرف یہ بلکہ دیگر کئی اور غیر قانونی بھرتیاں بھی کیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ ہمارے سربراہان کے حوالے سے اس قسم کی خبروں کے بعد عالمی برادری کا ہم سے مزید اعتماد اٹھ رہا ہے اور ہم دن بدن مزید تنہا ہوتے جارہے ہیں۔ دوسری طرف امن و امان کی مخدوش صورتحال ملک میں غیر ملکی سرمایہ کاری میں بڑی رکاوٹ ہے۔ گزشتہ روز وزیراعظم نواز شریف نے جرمنی برلن میں کہا کہ ہائر ایجوکیشن سمیت کئی امور پر جرمنی کے ساتھ تعاون جاری ہے اور جرمن سرمایہ کاروں کی پاکستان میں توانائی کے شعبے میں دلچسپی ہے، جرمن چانسلر اینجلا مرکل کا کہنا تھا کہ ہم پاکستان کے ساتھ دوطرفہ تعلقات آگے بڑھانا چاہتے ہیں، پاکستان کے معاشی حالات مزید بہتر بنائے جاسکتے ہیں، لیکن سیکورٹی کی صورتحال وہاں سرمایہ کاری میں رکاوٹ ہے، اس لیے سرمایہ کاروں کو سرمایہ کاری کرنے کے لیے زبردستی نہیں کرسکتے۔

مبصرین کے مطابق اگرچہ حکومت کو مطلوبہ امداد عالمی برادری سے نہیں مل سکی، لیکن جو امداد ملی ہے کم از کم اسی کو متاثرین پر خرچ کرکے ان کی بحالی و

واپسی کو جلد از جلد ممکن بنایا جائے، یہ نہ ہو کہ مل جانے والی امداد میں بھی گھپلے شروع ہو جائیں اور مستحق افراد ایک بار پھر ہاتھ ملتے رہ جائیں۔ اگرچہ حکومت نے اعلان کیا ہے کہ متاثرین کی بحالی کی سرگرمیوں میں شفافیت کو یقینی بنایا جائے گا، لیکن اس بات پر اس وقت تک یقین نہیں کیا جاسکتا جب تک حکومت اپنے اس اعلان پر عمل نہ کرکے دکھائے۔ متاثرین کی فوری بحالی انتہائی ضروری ہے، کیونکہ ملک میں سردی بڑھ جانے سے دن بدن آئی ڈی پیز کی مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے، لیکن ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جا رہی۔ شمالی وزیرستان کے متاثرین شدید گرمی کے موسم میں بے گھر ہوئے تھے۔ متاثرین کا خیال تھا کہ شاید وہ سردی کا موسم اپنے ہی گھروں پر گزاریں گے، لیکن شاید ان کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ گرمی کی طرح انھیں اب شدت سرد موسم کے اثرات کو بھی جھیلنا پڑے گا۔ پہلے متاثرین نے گرمیوں کی سختیاں برداشت کیں، جس کی وجہ سے کئی ہلاکتیں بھی ہوئیں اور اب سردی کی وجہ سے بھی انھیں شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ رات کے وقت کیمپ میں سخت سردی ہوتی ہے اور بچے ساری رات ٹھنڈ کی وجہ سے چیختے چلاتے رہتے ہیں۔ متاثرین کا کہنا ہے کہ سردی کی شدت میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور اگر حکومت کی طرف سے بروقت کوئی انتظام نہیں کیا گیا تو خاص طور پر بچے بیماریوں اور اموات کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ہم تو متاثرین ہیں، ہمارے پاس کپڑے تک نہیں تو سردی سے بچاؤ کا کیا انتظام کریں گے۔ دس لاکھ کے قریب متاثرین سالوں تک کیمپوں اور کرائے کے

مکانات میں نہیں رہ سکتے، لہٰذا اب اپنے اپنے علاقوں کو جانے کی اجازت ملنی چاہیے۔ یہ خیال رہے کہ متاثرین آپریشن کئی بار اپنی واپسی کے لیے احتجاج بھی کر چکے ہیں، لیکن ان کی آواز پر کان نہیں دھرا جاتا۔ اب آپریشن کے نتیجے میں بے گھر ہونے والے متاثرین پناہ گزین کیمپوں یا شہر کے دیگر علاقوں میں جرگوں کی شکل میں سر جوڑ کر بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ متاثرین اس بات کے منتظر ہیں کہ کب حکومت کی طرف سے ان کی واپسی کے بارے میں کوئی اہم اعلان ہو، تاکہ وہ جلد از جلد اپنے اپنے علاقوں کو واپس جائیں، کیمپوں میں مکین متاثرین ہر صبح اٹھ کر یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ کہیں سے ان کی واپسی کے بارے میں کوئی خبر تو نہیں آئی؟ مبصرین کا کہنا ہے کہ متاثرین کی بحالی و واپسی کا انتظام کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، آپریشن شروع کرنے سے پہلے حکومت نے یہ اعلان کیا تھا کہ متاثرین کو عیدالفطر سے قبل ہی ان کے گھروں میں واپس بھیج دیا جائے گا، اب جبکہ موسم سرما میں شدت آتی جا رہی ہے، اس کے باوجود متاثرین کی واپسی و بحالی کے امکانات نظر نہیں آ رہے، حکومت کو چاہیے فوری آئی ڈی پیز کی بحالی کا بندوبست کرے۔

بنوں راشن کیمپ میں بد نظمی۔۔۔۔انتظامیہ کی نااہلی بے نقاب

شمالی وزیرستان میں پانچ ماہ قبل شروع ہونے والے آپریشن ضربِ عضب کی وجہ سے دس لاکھ پاکستانی شہریوں نے بے گھر ہو کر بنوں اور صوبے کے دیگر اضلاع میں پناہ لے رکھی ہے۔ متاثرین آپریشن روز اول سے انتہائی مشکلات و مسائل سے بھرپور مہاجرت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ صوبائی و وفاقی حکومت اور انتظامیہ کی جانب سے مسلسل انہیں نظر انداز کیا گیا اور ان کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ پہلے انہیں کئی ماہ شدید گرمی کی حالت میں بے یارومددگار گزارنا پڑے تھے اور جب سے سردیوں کا آغاز ہوا ہے، ان کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ متاثرین کے مطابق پہلے تو حکومتی سطح پر ان کی کچھ بہتر طریقے سے امداد کی جارہی تھی اور اب ان کی امداد میں کمی بھی واقع ہوئی ہے اور دی جانے والی امداد درست طریقے سے بھی تقسیم نہیں کی جارہی ہے۔ مبصرین کے مطابق امداد کی تقسیم کے حوالے سے انتظامیہ پر متاثرین کے عدم اعتماد کو انتظامیہ کی نااہلی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔کے پی کے کی صوبائی حکومت اور انتظامیہ کی نااہلی کا واضح ثبوت گزشتہ روز اس وقت سامنے آیا جب انتظامیہ آئی ڈی پیز میں راشن کی درست طریقے سے تقسیم کرنے میں ناکام ہو گئی اور پولیس نے ملک کی سلامتی کی خاطر اپنے گھر بار چھوڑنے والے آئی ڈی پیز پر لاٹھی چارج،

شیلنگ اور پتھراؤ کیا۔ ذرائع کے مطابق گزشتہ روز بنوں کے اسپورٹس کمپلیکس میں متاثرین شمالی وزیرستان کے درمیان راشن کی تقسیم کے موقع پر پولیس نے ہوائی فائرنگ کی، جس کے باعث بھگدڑ مچ گئی۔ ذرائع کے مطابق بد نظمی پر ہنگامہ آرائی، فائرنگ شیلنگ، لاٹھی چارج اور پتھراؤ سے پولیس اہلکاروں اور صحافیوں سمیت 45 افراد زخمی ہو گئے، جبکہ نجی ٹی وی کے مطابق پولیس نے 150 افراد کو گرفتار بھی کیا ہے، بعض میڈیا ذرائع کے مطابق پولیس کی فائرنگ سے دو افراد جاں بحق بھی ہوئے ہیں۔ گرفتار کیے گئے مظاہرین کو بنوں کے مختلف تھانہ جات میں منتقل کر دیا۔ پولیس کے رویے کے خلاف متاثرین نے احتجاجاً بنوں کوہاٹ روڈ کو ٹریفک کے لیے بند کیا تو پولیس نے مظاہرین پر آنسو گیس کی شیلنگ کی، جس کے نتیجے میں متاثرین مشتعل ہو گئے اور انہوں نے راشن سینٹر میں خیموں کو آگ لگا دی۔ مظاہرین نے الزام لگایا ہے کہ راشن سینٹر کے گیٹ پر مامور پولیس اہلکار اور انتظامیہ فی کس ایک ہزار روپے رشوت لے کر بندوں کو راشن سینٹر کے اندر لے جا رہی تھی، جبکہ ہم 36 گھنٹوں سے بھوکے اور پیاسے قطاروں میں کھڑے انتظار کر رہے تھے، جس پر ہم نے احتجاجاً بنوں کوہاٹ روڈ کو ٹریفک کے لیے بند کیا۔ جبکہ ایڈیشنل ایس پی بنوں ریاض کا کہنا ہے کہ پہلے متاثرین نے راشن سینٹر کے اندر زبردستی گھسنے کی کوشش کی، لیکن پولیس نے صبر اور تحمل سے کام لیتے ہوئے متاثرین کو قطاروں میں کھڑے ہونے کی تلقین کی، لیکن جب مظاہرین نے پولیس پر پتھراؤ کیا اور وہاں پر لگائے شیڈ

کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو پولیس کو مجبوراً مظاہرین پر شلینگ اور لاٹھی چارج کرنا پڑا۔ عینی شاہدین کا کہنا ہے سپورٹس کمپلیکس تقریباً ایک گھنٹہ میدان کارزار بنا رہا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ بنوں میں آئی ڈی پیز میں راشن کی تقسیم کے دوران بد نظمی اور آئی ڈی پیز پر پولیس کی فائرنگ انتہائی قابل افسوس اور قابل مذمت ہے۔ آئی ڈی پیز قبائلی علاقوں میں جاری آپریشن کے باعث پہلے ہی اپنے گھروں سے دربدر ہیں اور کیمپوں میں رہنے پر مجبور ہیں، جنہیں انسانی ہمدردی اور بھرپور توجہ کی ضرورت ہے، لیکن ان متاثرہ خاندانوں میں راشن کی تقسیم کے دوران جس قسم کا تشدد اور ظالمانہ سلوک کیا گیا ہے، وہ قابل مذمت ہے۔ اگر خیبر پختونخوا حکومت آئی ڈی پیز کے زخموں پر مرہم نہیں رکھ سکتی تو انہیں ظلم و تشدد کا نشانہ بنا کر ان کے زخموں پر نمک پاشی بھی نہ کرے۔ آئی ڈی پیز پر فائرنگ میں ملوث پولیس اہلکاروں کے خلاف کارروائی کی جانی چاہیے۔ انتظامیہ کو چاہیے کہ آئی ڈی پیز میں راشن اور امداد کی تقسیم شفاف اور بہتر انداز سے کرے، متاثرین انتظامیہ پر رشوت لینے کے الزامات لگا رہے ہیں، جو انتہائی شرمناک بات ہے۔ حکومت کو ایسی تمام کالی بھیڑوں کو سزا دینی چاہیے، جو آئی ڈی پیز کو ان کا حق بھی رشوت لے کر دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ انتظامیہ کو یہ بھی چاہیے کہ امداد کی بہتر تقسیم کے لیے زیادہ راشن پوائنٹس قائم کرے، کیونکہ ذرائع کا کہنا ہے کہ شہر میں پہلے راشن پوائنٹس کی تعداد

زیادہ تھی، لیکن اب انتظامیہ کی جانب سے کچھ عرصہ سے ان کی تعداد کم کر دی گئی ہے، جس سے اکثر اوقات بد نظمی ہو جاتی ہے اور آئی ڈی پیز کو امداد حاصل کرنے کے لیے کئی کئی گھنٹے قطار میں کھڑا رہنا پڑتا ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ آپریشن کے نتیجے میں نقل مکانی کرنے والے دس لاکھ آئی ڈی پیز میں اپنے علاقوں میں مال و دولت اور بڑے بڑے کاروبار والے ہیں، قطار میں کھڑے ہو کر راشن حاصل کرنے کا تو انہوں نے کبھی سوچا تک نہیں ہوگا، متاثرین میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے علاقوں میں دوسروں کو امداد دیتے تھے اور جب اس قسم کے باعزت افراد کو ذلیل کر کے امداد دی جائے گی تو یقینا ان کو غصہ تو آئے گا، جس سے وہ مشتعل بھی ہوں گے۔ انہوں نے ملک کی سلامتی کے لیے اپنے گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی، لیکن ہماری حکومتیں ان کے ساتھ انتہائی قابل مذمت رویہ اپنائے ہوئے ہے۔

دوسری جانب وزیراعظم نواز شریف نے بنوں میں آئی ڈی پیز پر تشدد کا نوٹس لیتے ہوئے کہا ہے کہ آئی ڈی پیز پاکستان کے دفاع کی خاطر اپنا گھر چھوڑ کر قربانی دے رہے ہیں۔ انتظامیہ آئی ڈی پیز کے مسائل کو سمجھتے ہوئے ان کے مسائل کو فوری طور پر حل کرے۔ جبکہ بنوں میں راشن تقسیم کے دوران پولیس کی جانب سے آئی ڈی پیز پر ہونے والے تشدد کی جے یو آئی ف، پی پی پی، اے این پی اور دیگر جماعتوں کے رہنماؤں نے سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ

خیبر پی کے حکومت متاثرین شمالی وزیرستان کو سہولیات فراہم کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہے۔ وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات پرویز رشید نے کہا ہے کہ بنوں میں بے گھر مہاجرین پر پاکستان تحریک انصاف کی صوبائی حکومت کی جانب سے تشدد انتہائی شرمناک اور قابل مذمت ہے۔ اس ظلم و تشدد پر پاکستان کا ہر شہری افسردہ اور دکھی ہے۔ خیبر پختونخوا حکومت نے راشن کے حصول کے لیے جمع ہونے والے پاکستان کے محسنوں پر ظلم کی انتہا کردی ہے۔ اے این پی کے ترجمان سینیٹر زاہد خان نے کہا ہے پاکستان کو بچانے والے اور اپنا گھر بار چھوڑنے والے آئی ڈی پیز پر وحشیانہ تشدد سے پاکستانیوں کے سر شرم سے جھک جانے چاہئیں۔ پختونوں کو کس دشمنی کی سزا دی جارہی ہے؟ رہائشی علاقوں میں امن وامان قائم رکھنا صوبائی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ آئی ڈی پیز پر تشدد سے عمران خان کے دعووں کی قلعی کھل گئی ہے۔ وفاق اور صوبہ اپنا قبلہ درست کرلیں۔ ورنہ احتجاج کے لیے سڑکوں پر آنے کے لیے مجبور ہوجائیں گے۔ عمران خان کے ایماندار آئی جی کا چہرہ قوم کے سامنے آگیا ہے۔ متاثرین کہہ رہے ہیں کہ پولیس رشوت لے رہی ہے۔ مزید براں عوامی نیشنل پارٹی نے بنوں واقعہ کے خلاف سینیٹ میں تحریک التوا جمع کرانے کا اعلان بھی کیا۔ جبکہ گرینڈ قبائلی جرگہ 22 نومبر کو کنونشن سنٹر اسلام آباد میں طلب کرلیا گیا ہے۔ جرگے میں قبائلیوں کے سیاسی مستقبل، آئی ڈی پیز کے مسائل پر بات ہوگی۔ جے یو آئی جرگے میں سہولت کار کا کردار ادا کرے گی۔ ذرائع کے مطابق سردی شروع ہونے کے

بعد سے آئی ڈی پیز کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوگیا ہے، جن کو حل کرنے کی ضرورت ہے۔ سردی کی وجہ سے آئی ڈی پیز طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ آئی ڈی پیز کا کہنا ہے کہ شمالی وزیرستان سے جب وہ لوگ نقل مکانی کرکے آرہے تھے تو ان کو کہا گیا تھا کہ ایک ماہ بعد ان کی واپسی ہوگی، اسی وجہ سے وہ تمام سامان وہاں چھوڑ آئے تھے، اب جبکہ کئی مہینے گزر گئے ہیں اور سردی کی شدت میں بھی مزید اضافہ ہوگیا تو ان کو سردی کے کپڑے تک نہیں دیے گئے۔ جس کی وجہ سے ان کی خواتین اور بچے بیمار ہو رہے ہیں اور اس کے ساتھ ڈاکٹرز کی کمی اور ادویات کی سہولیات بھی نہ کافی ہیں۔ حکومت واپسی کو فوری یقینی بنائے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ حکومت کو چاہیے آئی ڈی پیز کے مسائل فوری حل کرے اور ان کی فوری واپسی کا انتظام کرے، جب تک ان کی واپسی ممکن نہیں ہوتی اس وقت تک ان کی امداد بہتر طریقے سے کی جائے۔

کراچی: جعلی پولیس مقابلے....انصاف کا قتل؟

ایک طویل عرصے سے کراچی میں بدامنی کا راج ہے۔ سیکورٹی ادارے لاکھ کوششوں کے باوجود بھی کراچی میں امن کے قیام کو یقینی نہیں بنا سکے ہیں۔ قیام امن کے لیے ایک لمبے عرصے سے جاری ٹارگٹڈ آپریشن میں جہاں ایک طرف رینجرز کی جانب سے ہزاروں مجرموں کو گرفتار کرنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہیں سندھ پولیس بھی وقتاً فوقتاً ٹارگٹڈ آپریشن اور پولیس مقابلے کرکے کئی افراد کو گرفتار اور قتل کرتی رہتی ہے۔

گزشتہ کچھ عرصے سے کراچی میں پولیس مقابلوں میں اضافہ ہوا ہے، لیکن کراچی میں ہونے والے پولیس مقابلوں کو عوام کی جانب سے غیر شفاف قرار دیا جارہا ہے۔ جس کا ثبوت گزشتہ دنوں یکے بعد دیگرے دو پولیس مقابلوں سے مل جاتا ہے، جن مقابلوں کو لواحقین کی جانب سے جعلی قرار دیا گیا ہے۔ ہفتے کے روز قائد آباد تھانے کی حدود شیرپاؤ کالونی سواتی محلّہ میں ملیر پولیس کے مبینہ پولیس مقابلے میں 5 افراد مارے گئے اور دو زخمی ہوئے۔ پولیس نے دعویٰ کیا کہ مارے جانے والوں کا تعلق کالعدم جماعت سے تھا اور وہ شہر میں جرائم اور دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث تھے۔ پولیس مقابلے میں مارے جانے والوں میں جمعیت علمائے اسلام (ف) کے کارکن مفتی شاہ فیصل بھی تھے۔ مقتول کے اہلخانہ نے پولیس کے دعوے کو مسترد کرتے ہوئے مفتی فیصل شاہ کے کسی بھی

کالعدم جماعت سے تعلق ہونے کی تردید کی ہے اور اس کے ساتھ جمعیت علمائے اسلام ف) کے رہنما اور سندھ اسمبلی میں متحدہ مجلس عمل کے سابق پارلیمانی لیڈر مولانا عمر) صادق نے بھی پولیس مقابلے میں فیصل شاہ کے قتل کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ مفتی شاہ فیصل محسود کو ان کی رہائش گاہ سرجانی ٹیسر ٹاؤن سے 3 سے ساڑھے 3 ماہ قبل قانون نافذ کرنے والے ادارے کے اہلکاروں نے حراست میں لیا تھا۔ اس وقت ہم نے سابق ڈی جی رینجرز رضوان اختر اور آئی جی سندھ سمیت پولیس کے اعلیٰ حکام سے رابطہ بھی کیا تھا، تاہم اس کے باوجود شاہ فیصل کو رہائی نصیب نہیں ہوئی اور انہیں قائد آباد میں ہونے والے جعلی پولیس مقابلے میں شہید کیا گیا۔ مولانا عمر صادق کا کہنا تھا کہ مقتول شاہ فیصل محسود کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ محسود اور وزیرستان کا رہنے والا تھا۔ اس کے علاوہ نہ تو اس کا تعلق کسی کالعدم تنظیم سے تھا اور نہ ہی وہ مشکوک سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ مقتول سرجانی میں پراپرٹی کا کام کرتا تھا۔ اتوار کے روز فیصل شاہ کی نمازہ جنازہ نمائش چورنگی پر ادا کی گئی اور اس کے بعد جمعیت علمائے اسلام کے کارکنان کی بڑی تعداد نے نمائش چورنگی پر دھرنا بھی دیا۔ اسی طرح کلفٹن برج کے قریب مبینہ پولیس مقابلے میں پولیس نے کاشف نامی ایک نوجوان کو قتل کیا، مقتول کے اہلخانہ نے بھی پولیس مقابلے کو جعلی قرار دیتے ہوئے پہلے فریئر تھانے اور بعد ازاں ہفتے کو وزیر اعلیٰ ہاؤس سندھ کے باہر لاش رکھ کر مظاہرہ کیا۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ پہلے تو کاشف کو جعلی

مقابلے میں مارا گیا اور جب ورثا تھانے لاش کی حوالگی کا لیٹر لینے گئے تو پولیس اہل کاروں نے انہیں تھانے کے اندر نہیں جانے دیا اور ایس ایچ او نے ہوائی فائرنگ کرکے انہیں ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی۔ تاہم میڈیا کے دباؤ پر انہیں لاش کی حوالگی کا لیٹر دیا گیا۔ مظاہرین نے وزیر اعلیٰ سندھ سے مطالبہ کیا کہ انہیں انصاف دلایا جائے اور جعلی پولیس مقابلے میں ملوث افسران کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کیا جائے۔ ایس ایچ او سول لائن وقار تنولی کے مطابق مظاہرین کو مذاکرات کے دوران یقین دہانی کرادی گئی کہ کارروائی کی جائے گی، جس کے بعد احتجاج ختم کیا۔ واضح رہے کہ مذکورہ مقابلے کے بعد پولیس کی جانب سے متعدد بیانات دیے گئے۔ پہلے کہا گیا کہ ملزمان کی موجودگی کی اطلاع پر چھاپا مارا گیا اور پھر بیان تبدیل کرکے کہا کہ 2 موٹر سائیکلوں پر 5 ملزمان سوار تھے، جنہیں روکنے کی کوشش کی تو انہوں نے فائرنگ کردی تو پولیس کی جوابی کارروائی میں ایک ملزم مارا گیا۔ پولیس کی جانب سے ابتدائی طور پر بیان دیا گیا کہ ملزم ایم ایل او ڈاکٹر منظور میمن کے قتل میں ملوث تھا تاہم بعد میں اس بیان کی بھی تصدیق کرنے سے انکار کیا۔

گزشتہ دنوں بھی پولیس نے ایک مقابلے میں مولانا عبدالجلال کو قتل کرکے کالعدم جماعت کا کارکن بتایا تھا، لیکن ورثا اور اہل علاقہ نے پولیس مقابلے کو جعلی قرار دیتے ہوئے لاش کے ساتھ واقعے کے خلاف سخت احتجاج کرتے ہوئے

پولیس کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کیا تھا۔ ورثا کا کہنا تھا کہ سی آئی ڈی کے سادہ لباس اہل کاروں نے 7 ستمبر کو نارتھ ناظم آباد حسن ڈسلوا ٹاؤن میں واقع رہائش گاہ کے قریب واقع جامع مسجد فاروقی سے مقتول کو اغوا کیا تھا، جس پر اس کی بازیابی کے لیے حکام کو درخواست دینے کے ساتھ عدالت میں درخواست بھی دائر کی تھی۔ تاہم ایک ماہ بعد پولیس نے اسے جعلی مقابلے میں مار دیا اور اسے دہشت گرد قرار دے کر قتل کیا۔ مقتول کے بھائی سعید جلال نے سندھ ہائیکورٹ میں درخواست دائر کرتے ہوئے یہ موقف بھی اختیار کیا تھا کہ سندھ ہائیکورٹ میں مولانا عبدالجلال کی گمشدگی کے حوالے سے درخواست بھی دائر کی گئی تھی، لیکن اس کے باوجود 22 اکتوبر کو مولانا عبدالجلال کو پولیس مقابلے میں قتل کیا گیا۔ درخواست گزار کا یہ بھی موقف تھا کہ مولانا عبدالجلال کو حراست میں لینے کے بعد پولیس نے اہل خانہ سے 50 لاکھ روپے روشت طلب کی تھی۔ رشوت نہ دینے پر مولانا عبدالجلال کو جعلی مقابلے میں قتل کیا گیا۔

درخواست گزار سعید جلال نے درخواست میں موقف اختیار کیا تھا کہ 7 ستمبر 2014 میں سوار سادہ لباس SP-6581 کو نارتھ ناظم آباد کے علاقے سے گاڑی نمبر اہلکاروں نے اس کے بھائی عبدالجلال کو حراست میں لیا تھا۔ سماعت کے دوران ایس ایچ او شارع نور جہاں نے عدالت میں رپورٹ پیش کی کہ پولیس ریکارڈ کے مطابق نارتھ ناظم آباد کے علاقے سے عبدالجلال کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔ جس پر سندھ ہائیکورٹ نے نارتھ ناظم آباد کے علاقے سے مولانا

عبدالجلال کی گمشدگی کے حوالے سے دائر درخواست پر ڈی جی آئی ایس آئی، ڈی جی ایم آئی، ڈی جی رینجرز، سیکرٹری داخلہ سندھ سمیت دیگر مدعاعلیہان سے 30 اکتوبر تک جواب طلب کیا تھا۔

سندھ کے وزیر اطلاعات و بلدیات شرجیل انعام میمن نے گزشتہ روز بیان دیا تھا کہ جو جج صاحبان خوف، کسی مخصوص مفاد یا کسی اور مسئلے کی وجہ سے دہشت گردوں کو سزائیں نہیں دے سکتے، وہ مستعفی ہو جائیں۔ پولیس اور رینجرز والے اپنی جانوں پر کھیل کر دہشت گردوں کو گرفتار کرتے ہیں، لیکن دہشت گرد عدالتوں سے رہا ہوجاتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ وزیر اعلیٰ سندھ نے پولیس کو فری ہینڈ دیا ہوا ہے۔ پولیس کو کوئی ہدایات جاری نہیں کی جاتی ہیں۔ مبصرین کے مطابق ان کے اس بیان کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ شرجیل میمن صاحب نے عدالتوں سے مایوس ہو کر پولیس کو فری ہینڈ دیا ہے اور پولیس بھی فری ہینڈ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بے گناہ لوگوں کو ہی جعلی مقابلوں میں قتل کرنے لگی ہے، جو نہ صرف پولیس کے لیے انتہائی بدنامی کا باعث ہے، بلکہ حکومت سندھ اور پوری ریاست کے لیے قابل افسوس مقام ہے، کیونکہ ایسا دنیا میں کہیں نہیں ہوتا کہ لوگوں کی حفاظت پر معمور پولیس ہی اپنے شہریوں کو جعلی مقابلوں میں قتل کرنے لگے۔ پولیس کے اس طرح کے اقدامات کی وجہ سے نہ صرف پولیس سے عوام کا اعتماد اٹھ جائے گا بلکہ ان کے لیے نفرت پیدا ہونا

بھی فطری بات ہے۔ پہلے ہی کئی عوام کی وجہ سے پولیس کو معاشرے میں عزت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا، اس طرح کے اقدامات سے پولیس خود ہی معاشرے میں اپنا مقام کم کر رہی ہے۔ پولیس شہریوں کی حفاظت اور سیکورٹی پر معمول ادارہ ہے، لیکن اگر یہی ادارہ لوگوں کے لیے خوف کی علامت بن جائے اور لوگوں کو ماورائے عدالت قتل کرنے لگے تو اس سے بدقسمتی کیا ہوگی؟ مبصرین کا کہنا ہے کہ کچھ عرصے سے پولیس خصوصاً مذہبی طبقے اور مذہبی نوجوانوں کو مورائے عدالت قتل کر رہی ہے، اب تک کئی نوجوان مبینہ جعلی مقابلوں کی نذر ہو چکے ہیں۔

واضح رہے کہ سال رواں اسی طرح کے کئی واقعات پیش آ چکے ہیں جن میں پولیس مقابلوں کو جعلی قرار دیا گیا ہے۔ سال رواں اپریل کے مہینے میں اورنگی ٹاؤن میں پولیس نے ایک مقابلے میں دو افراد کو قتل کیا تھا، لیکن ایک نجی چینل نے قانون کی دھجیاں اڑاتے اہلکاروں کی فوٹیج بنا کر حقیقت واضح کر دی۔ فوٹیج کے مطابق پولیس نے بنارس سے 2 نوجوانوں کو پہلے پکڑا اور کچھ دیر بعد گولیاں مار کر واقعے کو پولیس مقابلہ قرار دے دیا۔ پولیس مقتولین پر کوئی الزام بھی ثابت نہ کر سکی تھی، جس کے بعد گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد خان نے جعلی پولیس مقابلے کا نوٹس لیتے ہوئے آئی جی سندھ اقبال محمود سے رپورٹ طلب کی تھی اور ڈی آئی جی ویسٹ جاوید عالم اوڈھو نے واقعے کی تحقیقات کے لیے

کمیٹی قائم کرتے ہوئے کہا تھا کہ چند پولیس اہلکاروں کے باعث پورا ادارہ بدنام ہو رہا ہے۔ اسی طرح سال رواں سہراب گوٹھ میں پولیس نے ایک مقابلے میں تین شہریوں کو ڈاکو قرار دے کر قتل کر دیا تھا، لواحقین کے احتجاج کے بعد ڈی آئی جی ایسٹ کے حکم پر مقابلے کی تحقیقات سے یہ ثابت ہوا کہ مقابلی جعلی تھا، جس کے بعد واقعہ میں ملوث اے ایس آئی اور ہیڈ کانسٹبل کو گرفتار بھی کیا گیا تھا اور دونوں پولیس اہلکاروں کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کیا گیا تھا۔

پی ٹی آئی جلسوں میں اشتعال انگیز تقاریر.... عوامی حلقوں میں تشویش

کئی ماہ سے ملک سیاسی عدم استحکام اور کنفیوژن کا شکار ہے۔ چودہ اگست سے حکومت مخالف تحریک کی جانب سے دیے گئے دھرنوں میں روز نئے اعلانات سے موجودہ کنفیوژن اور تشویش میں اضافہ ہوا ہے، جس سے ملک پر بے یقینی و بے چینی کے چھائے بادل مزید گہرے ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ حکومت مخالف جماعت تحریک انصاف نے اپنے تین ماہ کے دھرنوں میں حکومت کو گرانے اور وزیر اعظم سے استعفا لینے میں ناکامی کے بعد ملک میں اشتعال سے بھرپور حکومت مخالف جلسوں کا سلسلہ شروع کیا، جن میں پی ٹی آئی کی طرف سے اپنے مخالفین کو بلا دھڑک اشتعال انگیز لہجے میں تنقید کا نشانہ بنایا اور 30 نومبر کو اسلام آباد میں فائنل راؤنڈ کھیلنے کے لیے جمع ہونے کی کال بھی دی گئی ہے۔ پی ٹی آئی کے جلسوں میں معمول سے بڑھ کر اشتعال انگیزی دیکھنے میں آ رہی ہے اور عمران خان کے اتحادی شیخ رشید احمد کا لب و لہجہ پہلے سے کہیں زیادہ تلخ، دھمکی آمیز اور غیر مصالحانہ ہے۔ عمران خان کا کہنا ہے کہ 30 نومبر کو اسلام آباد میں فیصلہ کن جنگ ہوگی، ساتھ دینے کے لیے سب نکلیں۔ جبکہ ننکانہ صاحب میں عمران خان کی موجودگی میں شیخ رشید احمد کا کہنا تھا کہ لوگو: عمران خان کی کال پر نکلو چور ڈاکو ٹولے سے نجات حاصل کرو، جلاؤ گھیراؤ کرو، مارو یا مرجاؤ اور انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت

کی جانب سے عمران خان اور طاہر القادری کو اشتہاری قرار دے کر ان کے ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کیے جانے کے بعد شیخ رشید کا کہنا تھا کہ اگر عمران خان کو گرفتار کیا تو میں پورے ملک میں آگ لگا دوں گا۔ تحریک انصاف کے ننکانہ جلسے میں اشتعال انگیز تقریر میں عوام کو حکومت کے خاتمے کے لیے ابھارنے اور ریاستی اداروں کے درمیان منافرت پھیلانے کی کوشش پر شیخ رشید احمد کو متعدد محکموں نے نوٹس بھجوا دئے اور شیخ رشید کے مقابلے میں الیکشن لڑنے والے اکمل مرزا نے ان کے خلاف بغاوت کا مقدمہ درج کرنے کے لیے تھانہ کینٹ میں درخواست جمع کرائی۔ مبصرین کے مطابق اگرچہ پاکستان تحریک انصاف کے ترجمان نے کہا ہے کہ شیخ رشید کے بیانات ان کے ذاتی ہیں اور اس کو تحریک انصاف کی پالیسی نہ سمجھا جائے، لیکن شیخ رشید کے بیانات کو پی ٹی آئی اور عمران خان سے الگ کرکے نہیں دیکھا جاسکتا، کیونکہ شیخ رشید نے اشتعال انگیز بیانات پی ٹی آئی کے جلسوں میں کیے ہیں، ان بیانات کے وقت عمران خان بھی موجود تھے،انہوں نے اپنے جلسوں میں اس قسم کے بیانات دینے سے نہیں روکا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان بیانات کے حوالے سے شیخ رشید اور عمران خان کا نظریہ ایک ہے، جبکہ شیخ رشید کا کہنا ہے کہ میں عمران خان کے ساتھ ہوں، ہمارا ساتھ ٹوٹ نہیں سکتا۔ عمران خان نے اپنے جلسے میں اشتعال انگیزی کے ساتھ حکومت پر الزام لگاتے ہوئے کہا کہ دھرنے کو ناکام بنانے کے لیے 270 کروڑ روپے آئی بی کو دیے گئے اور اس پیسے سے صحافتی شخصیات کو خریدنے کی

کوشش کی گئی اور 30 نومبر کے خوف سے مزید پیسہ دیا جا رہا ہے۔ ڈی جی آئی بی آفتاب سلطان نے عمران خان کے الزامات مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ عمران خان کے الزامات بے بنیاد اور غلط بیانی پر مبنی ہیں، آئی بی کے ایک ایک پیسے کا حساب رکھا جاتا ہے، ایک پیسہ بھی کسی کو نہیں دیا اور نہ ہی کسی سے لیا، عمران خان ایک قومی ادارے کو سنی سنائی باتوں پر بدنام نہ کریں۔ پی ٹی آئی کے جلسوں میں اشتعال انگیز تقاریر کے حوالے سے وزیر اعظم کے ترجمان مصدق ملک نے کہا ہے کہ ملک میں دھرنا سیاست کو پروان چڑھانے والی جماعت تحریک انصاف کے جلسوں میں تقریریں کرتے ہوئے لوگ اشتعال انگیزی پھیلا رہے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ملک میں کوئی آئین اور قانون بھی نافذ العمل ہے۔ مبصرین کے مطابق دھمکی آمیز بیانات کا مقصد حکومت کی اقدامی صلاحیت کو جانچنا اور اشتعال دلا کر کسی غیر سیاسی اور غیر جمہوری اقدام پر اکسانا ہے، تاکہ محاذ آرائی بڑھے۔ ظاہر ہے کہ گرما گرمی ہلچل اور گہما گہمی اپوزیشن کے مفاد میں اور شاید یہی عمران خان کا مقصد ہے۔

دوسری جانب جہلم میں اتوار کو پاکستان تحریک انصاف کی ریلی پر فائرنگ میں نو افراد زخمی ہوئے۔ پی ٹی آئی اور پاکستان مسلم لیگ ن نے ایک دوسرے پر فائرنگ کا الزام عاید کیا۔ جبکہ وزیر اعلیٰ پنجاب نے پی ٹی آئی کی ریلی پر فائرنگ کا نوٹس لیتے ہوئے ڈی پی او جہلم سے رپورٹ طلب کی اور وفاقی وزیر

اطلاعات نے جہلم میں پاکستان تحریک انصاف کی ریلی پر فائرنگ کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان تحریک انصاف اس واقعے کی ذمہ داری مسلم لیگ نواز پر ڈال کر اپنا مذاق نہ اڑوائے۔ حکومتی حلقے جہلم میں ہونے والی فائرنگ کو بھی ملک میں اشتعال انگیزی پھیلانے کی کوشش قرار دے رہے ہیں۔ وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات پرویز رشید کہتے ہیں کہ اگر 30 نومبر کو کچھ ہوا تو عمران خان کو اس کی ذمہ داری قبول کرنا ہوگی۔ عمران خان نے 30 نومبر کو دہشت گردی کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ ان کی اشتعال انگیز تقاریر پر کارکنان سرکاری عمارتوں پر حملہ آور ہوئے، فوٹیج موجود ہے ں۔ چیئرمین تحریک انصاف نے پی ٹی وی پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ شیخ رشید کی تقریر سے ملک میں فساد ہوا تو ذمہ دار عمران خان ہوں گے۔ جبکہ ذرائع کے مطابق وزیراعظم نواز شریف اور وزیراعلیٰ شہباز شریف نے تحریک انصاف کے 30 نومبر کے احتجاج کے اعلان کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال اور اس سے نمٹنے کے لیے حکمت عملی طے کرتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ کسی کو بھی قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دی جائے گی، جو بھی قانون ہاتھ میں لے گا اس کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ مبصرین کے مطابق 30 نومبر کو عمران خان اسلام آباد میں بڑے اجتماع کے ذریعے حکومت کے خلاف آخری اور فیصلہ کن راؤنڈ کھیلنے کا اراہ رکھتے ہیں، انہوں نے یہ کہہ کر عوام کو چونکا دیا کہ 30 نومبر تک انصاف نہ ملا تو جو کچھ ہوگا اس کا ذمہ دار میں نہیں حکومت ہوگی، ان کی موجودگی میں شیخ رشید احمد کا کہنا تھا کہ

لوگو : عمران خان کی کال پر نکلو اس کرپٹ، بے ایمان، لٹیرے، کمی کمین، چور ڈاکو ٹولے سے نجات حاصل کرو، جلاؤ گھیراؤ کرو، مارو یا مرجاؤ، عمران خان اور شیخ رشید احمد کے مخالفین ان تقریروں کو دونوں لیڈروں کی مایوسی اور 30 نومبر کی کال کے حوالے سے ممکنہ ناکامی کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں، تاہم سنجیدہ فکر حلقے تحقیقاتی کمیشن کے حوالے سے حکومت کی بے نیازی اور عمران خان کے دھمکی آمیز بیانات کو تشویش ناک سمجھتے ہیں، کیونکہ خدشہ یہ ہے کہ تحریک انصاف کے پرجوش کارکن اور حامی کسی غلط راستے پر چل پڑے تو یہ ملک و قوم کے لیے نقصان دہ ہوگا۔ پی ٹی آئی کی پالیسی کے حوالے سے اتحادی جماعت جماعت اسلامی بھی تشویش کا شکار ہے۔ امیر جماعت اسلامی نے اسپیکر اسد قیصر کے توسط سے تحریک انصاف کی قیادت کو پیغام ارسال کیا کہ پی ٹی آئی چیئرمین عمران خان کی جانب سے 30 نومبر کو احتجاج اور دھرنے کے حوالے سے جو اعلانات کیے جارہے ہیں، ان سے جماعت اسلامی میں تشویش پائی جاتی ہے۔ ایسے اشارے مل رہے ہیں کہ تحریک انصاف صوبائی حکومت کا خاتمہ کرنا چاہتی ہے۔ اگر تحریک انصاف کی قیادت خیبر پی کے اسمبلی کو تحلیل کرتی ہے تو جماعت اسلامی اور ان کی راہیں جدا ہوں گی اور جماعت اسلامی اپنے طور پر فیصلے کرے گی۔ جبکہ پاکستان تحریک انصاف کی راولپنڈی شاخ میں بھی اختلافات کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔ پی ٹی آئی عہدیداران نے اس فیصلے کو پارٹی قوانین کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔ پی ٹی آئی چیئرمین نے رکن

پنجاب اسمبلی اعجاز خان جاری کو راولپنڈی ضلع کے صدر عارف عباسی سمیت دس عہدیداران معطل ہونے کے بعد قائم مقام صدر بنانے کا اعلان کیا۔ تاہم پی ٹی آئی پنجاب شمالی کی سیکرٹری جنرل حنا منظور نے ایک پارٹی اجلاس میں اقبال نیازی کو شمالی پنجاب کا قائم مقام صدر اور چوہدری زبیر کو راولپنڈی کا قائم مقام صدر مقرر کیا۔ اسی شام اعجاز خان جاری نے بھی سیٹلائٹ ٹاؤن میں پی ٹی آئی کے دفتر میں ایک اجلاس کا انعقاد کیا، جس میں اسلام آباد میں تیس نومبر کے جلسے میں لوگوں کی شرکت کے حوالے سے ایک منصوبے کو حتمی شکل دی گئی، تاہم صرف تین مقامی رہنماؤں نے اس اجلاس میں شرکت کی۔ پارٹی کے ایک سنیئر عہدیدار کے مطابق ضلع کے 2300 عہدیداران کو اجلاس میں طلب کیا گیا تھا، مگر انہوں نے شرکت سے انکار کرتے ہوئے پی ٹی آئی شمالی پنجاب کے سنیئر نائب صدر کو راولپنڈی کا قائم مقام صدر بنانے کا مطالبہ کیا۔

کراچی: سرکلر ریلوے کی بحالی....ایک سراب!....

کراچی ملک کا سب سے بڑا صنعتی اور تجارتی شہر ہے۔ بدامنی کے بعد اس شہر کا سب سے بڑا مسئلہ ٹرانسپورٹ ہے۔ کراچی میں ماس ٹرانزٹ سسٹم کی غیر موجودگی میں عوام کو ٹوٹی پھوٹی منی بسوں اور بسوں میں سفر کرنا پڑتا ہے، جبکہ صبح اور شام کے اوقات میں اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے بسوں کی چھتوں پر سفر کرنا بھی ایک معمول ہے۔ کراچی میں ٹرانسپورٹ کا واحد متبادل اور کچھ حد تک آرام دہ ذریعہ چنگ چی اور آٹو رکشہ ہیں، لیکن وہ بھی کم فاصلے کے سفر کے لیے موزوں ہیں۔ حکومت سندھ نے کراچی میں ٹرانسپورٹ کے مسائل کو حل کرنے میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ ٹرانسپورٹ کے مسائل کی وجہ سے کراچی کے عوام انتہائی مشکلات کا شکار ہیں۔ ایک عرصے سے کراچی میں ٹرانسپورٹ کے کئی منصوبے التوا کا شکار ہیں، لیکن حکومت سندھ ان منصوبوں کی تکمیل کو سنجیدگی سے لے ہی نہیں رہی ہے۔ رواں سال وزیراعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کی جانب سے جون کے اختتام تک کراچی کی سڑکوں پر 36 سی این جی بسیں لانے کا اعلان کیا گیا تھا، لیکن یہ اعلان بھی ماضی میں کیے گئے اعلانات کی طرح خام خیالی ہی ثابت ہوا۔ اسی طرح ٹرانسپورٹ کا ایک اور منصوبہ شہید بینظیر بھٹو ڈینرل بس سروس ہے، جس کے ذریعے سندھ کے بڑے شہروں کو کراچی سے ملایا جائے گا۔ 34 کروڑ روپے میں سو بسوں کے اس منصوبے

کی منظوری 27 مارچ 2012 کو دی گئی تھی، لیکن حکومت سندھ کی عدم دلچسپی کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ حکومت سندھ کے تحت چلنے والے ٹرانسپورٹ کے ان منصوبوں کا بھی وہی حال ہوگا جو سرکلر ریلوے کا ہوا ہے۔ ان حالات میں کراچی میں ٹرانسپورٹ کے مسائل میں کمی لانے کے لیے کراچی سرکلر ریلوے منصوبے کی بحالی امید کی ایک کرن ثابت ہوسکتی تھی، لیکن سندھ حکومت کی جانب سے عدم دلچسپی کے باعث جاپان کی ڈونر ایجنسی جائیکا کی سرکلر ریلوے کی بحالی کے منصوبے سے دستبرداری سے امید کی یہ کرن بھی مدہم ہوگئی ہے۔ ذرائع کے مطابق حکومت سندھ کی مسلسل عدم دلچسپی کے باعث جائیکا کمپنی نے کراچی سرکلر ریلوے منصوبے میں کی جانے والی سرمایہ کاری سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ جاپانی ڈونر ایجنسی جائیکا نے 2005ء میں سرکلر ریلوے کی بحالی کے لیے 2.6 ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کرنے پر رضامندی ظاہر کی تھی۔ ذرائع کے مطابق کراچی سرکلر ریلوے کے پرانے ٹریک جس کی لمبائی 73 کلومیٹر ہے، اس پر تجاوزات اور رہائشی کالونیاں بن چکی ہیں، جس کے باعث جائیکا حکام کا کہنا تھا کہ ان گھروں کے رہائشیوں کو متبادل جگہ پر رہائشی یونٹ بنا کر دیے جائیں، جس کے بعد جائیکا اس منصوبے پر سرمایہ کاری کرسکتی ہے، کیونکہ اس کے بغیر بین القوامی قوانین اس منصوبے پر سرمایہ کاری کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ کراچی سرکلر ریلوے کی زمین پر تجاوزات خالی کرانے کا ایشو عرصہ دراز سے ایک معمہ بنا ہوا ہے۔ اس منصوبے کے سلسلے میں وزارت ریلویز کے اعلیٰ حکام کے

مطابق وہ کراچی سرکلر ریلوے کی زمین پر تجاوزات کرکے ساڑھے 4 ہزار گھر بنانے والوں کو متبادل جگہ پر گھر بنا کر نہیں دے سکتے۔

واضح رہے کہ کراچی سرکلر ریلوے منصوبہ 1969 میں پاکستان ریلوے کی جانب سے شروع کیا گیا تھا، تاکہ کراچی کے عوام کو ٹرانسپورٹ کی بہتر سہولتیں فراہم کی جائیں اور سڑکوں پر سے ٹریفک کے رش کو کم کیا جاسکے۔ اس منصوبے کے لیے ڈرگ روڈ سے سٹی اسٹیشن تک خصوصی ٹرینیں چلائی گئیں، جس پر سالانہ 60 لاکھ لوگوں نے سفر کیا، یہ منصوبہ کراچی کے عوام میں بے انتہا مقبول ہوا اور اپنے آغاز کے اگلے دس سالوں میں یعنی 1970ء سے 1980ء تک کراچی سرکلر ریلوے کے تحت روزانہ 104 ٹرینیں چلائی جانے لگیں، جس میں سے 80 ٹرینیں اصل ٹریک پر چلا کرتی تھیں، جبکہ 24 ٹرینیں لوکل لوپ پر چلا کرتی تھیں، تاہم 1990ء کی دہائی کے آغاز سے ہی ٹرانسپورٹ مافیا نے کراچی سرکلر ریلوے کے خلاف سازشوں کا آغاز کیا اور مافیا کی سازشوں کے نتیجے میں 1994 میں کراچی سرکلر ریلوے منصوبے کو مالی نقصانات اٹھانا پڑے اور اس منصوبے کی کئی ٹرینوں کو بند کردیا گیا، جس کے بعد بھی نقصانات کا خاتمہ نہ ہو سکا اور بالآخر یہ منصوبہ 1999ء میں حکومت کی جانب سے روک دیا گیا۔ اس منصوبے کی افادیت کے پیش نظر 2005 میں حکومت نے اس منصوبے کو دوبارہ شروع کرنے کی منصوبہ بندی کی تو جاپان نے منصوبے کے لیے ڈیڑھ ارب ڈالر کا آسان قرضہ اور تمام تکنیکی

سہولتیں بھی فراہم کرنے کا اعلان کیا، تاہم اس منصوبے کے خلاف ٹرانسپورٹ مافیا کی طرف سے ایک بار پھر سازشوں کے تانے بانے بنے جانے لگے۔ اس دفعہ کراچی سرکلر ریلوے کی زمینوں پر جعلی قبضے کرائے گئے، دور دراز علاقوں سے لوگوں کو لاکر کراچی سرکلر ریلوے کی زمینوں پر آباد کرایا گیا۔ ستمبر 2009ء میں حکومت پاکستان نے کراچی سرکلر ریلوے کو از سرِ نو بحال کرنے کی منظوری دی۔ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے باقاعدہ منصوبہ تشکیل دیا گیا، جس کے تحت کراچی سرکلر ریلوے مکمل طور پر جاپانی امداد اور تعاون سے بحال کی جانی تھی، کراچی سرکلر ریلوے بحالی پر آنے والے اخراجات کا تخمینہ 1.53 ارب امریکی ڈالر تھا، جو بڑھ کر ڈھائی ارب ڈالر تک پہنچ چکا۔ اس منصوبے پر جاپان بینک آف انٹرنیشنل کوآپریشن آسان قرض کی صورت میں سرمایہ فراہم کرنے کا پابند تھا۔ جبکہ اس منصوبے پر کام کا آغاز 2010ء کے آخر تک شروع ہونا تھا، جو 2014ء تک مکمل کر لیا جانا تھا، منصوبے کی تکمیل کے بعد ہر روز سات لاکھ مسافر سرکلر ریلوے سے سفری سہولت حاصل کر سکتے تھے۔ جاپان کے سرکاری ادارے JETRO کی تحقیقی رپورٹ کے مطابق اس پروجیکٹ کو دو حصوں میں مکمل کیا جانا تھا، پہلے حصے میں 28.3 کلومیٹر کی ریلوے لائن بچھائی جانی تھی، جو کراچی کینٹ سے گلستان جوہر اور دوسرے حصے میں 14.8 کلومیٹر کی ریلوے لائن گلستان جوہر سے لیاقت آباد تک اس کے علاوہ دوسرے حصے میں 5.9 کلومیٹر لائن ڈرگ روڈ سے جناح ایئر پورٹ تک یہ لائن زمین کے اندر یا پھر برج کی شکل میں

زمین کے اوپر ڈالی جانی تھی، منصوبے کی تکمیل کے لیے کراچی میں 19 انڈر پاس اور تین اوور ہیڈ برجز بنانا تھے، جبکہ منصوبے کی تکمیل کے بعد 23 اسٹیشن بنائے جانا تھے، جہاں مکمل کمپیوٹرائزڈ ٹکٹنگ کا نظام متعارف کرانا تھا، کراچی سرکلر ریلوے منصوبہ کراچی کے عوام کے لیے نہایت مفید تھا، اس سے ٹرانسپورٹرز کی بلیک میلنگ کے ساتھ جہاں عوام سستے کرائے میں جلد منزل پر پہنچ سکتے تھے، وہیں اخراجات میں بھی کمی واقع ہونا تھی، لیکن حکومت سندھ کی عدم دلچسپی کے باعث یہ منصوبہ ادھورا خواب بن کر رہ گیا ہے۔ جاپان کی جانب سے یہ کہا جاتا رہا کہ بال پاکستان کے کورٹ میں ہے، لیکن پاکستان میں اس منصوبے کو سنجیدگی سے نہیں لیا گیا۔ حالانکہ وزیر اعظم پاکستان بھی ان منصوبوں کے تاخیر کا شکار ہونے پر برہمی کا اظہار کر چکے ہیں اور جلد از جلد ان منصوبوں کو شروع کرنے کا حکم جاری کر چکے ہیں، اس کے باوجود یہ منصوبہ کھٹائی میں پڑا رہا۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ دنیا جانتی ہے کہ ذرائع نقل و حمل انسانی ترقی کا بنیادی ذریعہ ثابت ہوتے ہیں اور ذرائع نقل و حمل میں ریلوے نظام کو اولین افادیت حاصل ہے، اس حوالے سے صرف گزشتہ دہائی کے دوران تیز رفتار ترقی کرنے والے ممالک پر نظر ڈالیں تو تھائی لینڈ ہو یا ملائیشیا، بھارت ہو یا انڈونیشیا، سنگاپور ہو یا دبئی، ان تمام ممالک نے اپنے اپنے ممالک میں سرکلر ریلوے نظام پر بھرپور توجہ دی ہے، جس سے ان ممالک میں ترقی کے سفر کو تیز تر کرنے میں اہم مدد ملی ہے۔ پاکستان بدقسمتی

سے ان ممالک میں شامل ہے جہاں ایک منصوبے کے تحت ریلوے کو کمزور کیا گیا ہے۔
کراچی سرکلر ریلوے منصوبے کا کھٹائی میں پڑنا نہ صرف کراچی کے عوم کے لیے انتہائی
تکلیف کا باعث ہے بلکہ ملک کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بھی ہوگا۔

کس قدر آساں ہے موت

وطن عزیز میں رہتے ہوئے شاید ہم لوگ دکھ درد برداشت کرنے کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ اب بڑے بڑے سانحات بھی جھیل جانے کے بعد بھول جاتے ہیں۔ آئے روز کوئی نیا سانحہ ملک عزیز کے باسیوں کو آنسوؤں کے سمندر میں ڈبو جاتا ہے۔ ابھی ایک سانحے کے دلفگار اثرات ذہن سے محو نہیں ہو پاتے کہ دوسرا اپنی تمام تر قہر سامانیوں کے ساتھ دل کو گھائل کرنے کے لیے رونما ہو جاتا ہے۔ ایک آفت کے نتیجے میں بہنے والے آنسو تھمتے نہیں کہ دوسرا حادثہ خون میں لت پت و لتھڑی لاشیں دے کر انہیں آنسوؤں کو لہو میں بدل دیتا ہے۔ ستم یہ کہ غم میں مبتلا کر دینے والے المناک واقعات بڑھتے ہی جاتے ہیں اور ہر طرف موت کے سائے منڈلاتے نظر آتے ہیں۔ کہیں ٹارگٹ کلنگ میں موت، کہیں چوری ڈاکے میں موت، کہیں بم دھماکوں و خودکش حملوں میں موت اور کہیں ٹریفک حادثات میں موت۔ ہر سو موت ہی موت رقص کرتی دکھائی دیتی ہے۔ ان حالات میں علامہ اقبال کے یہ اشعار یاد آتے ہیں

کتنی مشکل زندگی ہے، کس قدر آساں ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نسیم ارزاں ہے موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں

ڈوب جاتے ہیں سفینے موت کی آغوش میں

کچھ روز قبل واہگہ بارڈر پر برپا ہونے والی خونریزی کے نتیجے میں 62 لاشوں کا غم ابھی ہلکا نہیں ہوا تھا کہ سندھ میں خیرپور کے قریب ٹھیڑی بائی پاس پر ہونے والے ہولناک ٹریفک حادثے میں 62 افراد کی قیمتی جانوں کے ضیاع کی خبر نے ہر دردمند پاکستانی کا دل بے چین اور رنجیدہ کردیا اوراس قیامت صغریٰ نے پوری قوم کو افسردگی میں ڈبو دیا ہے۔ حادثے کی وجہ اوور لوڈنگ، تیز رفتاری بتائی گئی، جبکہ حادثے کا بڑا اور اصل سبب قومی شاہراہ کی حالت زار ہے، جو نیشنل ہائی وے اتھارٹی کے زیر انتظام طویل عرصے سے زیر التوا ہے۔ افسوس! جس قومی شاہراہ سے روزانہ ہزاروں مسافر گاڑیاں گزرتی ہوں، اس کی مرمت میں انتہائی تاخیر اور لاپرواہی و غفلت سے کام لیا گیا۔ واقعہ کے بعد ہر بار کی طرح حکومت و انتظامی اداروں کے سربراہان کی جانب سے تحقیقات کرکے قصوروار عناصر کو منظر عام پر لانے کے اعلانات کیے گئے، حالانکہ یہ اندوہناک سانحہ کوئی پہلا نہیں، بلکہ وقتاً فوقتاً اسی قسم کے سانحات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ہمارا قومی المیہ ہے کہ اکثر ہم واقعہ رونما ہونے کے بعد حرکت میں آتے ہیں۔ حالانکہ کچھ عرصہ قبل ہی گڈانی کے مقام پر دو بسوں کے ٹکرا جانے کے سبب 40 مسافر جاں بحق ہو گئے تھے۔ اسی طرح ملک میں متعدد جگہوں پر اسی قسم کے کئی بڑے ٹریفک حادثات رونما ہونے کے بعد حکومت کی جانب

سے ٹریفک حادثات کی روک تھام کے لیے ٹریفک قوانین پر سختی سے عمل درآمد کروانے کے اعلانات کیے گئے، لیکن عمل درآمد نہ ہوا۔ ہر ٹریفک حادثے کے بعد حکومت کی جانب سے ٹریفک حادثات پر قابو پانے کی باتیں ہوتی ہیں، لیکن اس کے بعد کچھ بھی نہیں کیا جاتا اور کچھ روز بعد کوئی اور بڑا حادثہ رونما ہوجاتا ہے۔

آئے روز ملک کے مختلف حصوں میں ٹریفک کے بڑے بڑے حادثات پیش آتے رہتے ہیں، جن میں بیک وقت دسیوں، بیسیوں افراد جان کی بازی ہار جاتے ہیں۔ پاکستان بھر میں اوسطاً 15 سے 30 افراد روزانہ ٹریفک حادثات کا شکار ہو کر اپنی قیمتی جانیں گنواتے ہیں اور متعدد افراد ہمیشہ کے لیے معذور بھی ہوجاتے ہیں۔ پاکستان میں سالانہ ہونے والے ٹریفک حادثات کی تعداد اندازاً تین لاکھ بتائی جاتی ہے، جن میں سالانہ 13 ہزار افراد موت کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور پچاس ہزار سے زاید زخمی ہوجاتے ہیں۔ پاکستان کا شمار دنیا کے ان ممالک میں ہوتا ہے، جہاں ٹریفک حادثات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ ان حادثات کی عمومی وجوہات مخدوش سڑکیں، ٹرانسپورٹ کی خراب حالت، ڈرائیوروں کی غفلت، ٹریفک قوانین سے لاعلمی اور گاڑیوں میں گنجائش سے زیادہ مسافر سوار کرنا بتائی جاتی ہیں اور ذمے دار اداروں کی نااہلی و کاہلی کے سبب ٹریفک قوانین کا احترام نہ کرنے کا چلن حادثات میں بے پناہ اضافے کا سبب بنتا ہے۔ پاکستان میں ٹریفک کے

اصولوں کی پابندی کی نگرانی کا کوئی جامع اور موثر نظام موجود نہیں ہے۔ روڈ اینڈ سیفٹی کا قانون صرف لکھا ہوا موجود ہے، لیکن اس پر عمل درآمد شاذ ہی ہوتا نظر آتا ہے۔ گاڑیوں کی فٹنس چیک کرنے، ڈرائیوروں کی مہارت واہلیت کو دیکھنے اور شاہراہوں پر ٹریفک کے اصولوں پر عمل درآمد کروانے کا اہتمام نہ ہونے کے برابر ہے۔ بدقسمتی سے سب سے زیادہ بدعنوانی، کرپشن اور رشوت ستانی ٹرانسپورٹ کے شعبے میں ہوتی ہے۔ عشروں پرانی گاڑیاں ہماری شاہراہوں پر موت بانٹتی پھر رہی ہوتی ہیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ جبکہ ہماری عام سڑکیں تو درکنار قومی شاہراہیں بھی تعمیر ومرمت کے بین الاقوامی معیار پر پوری نہیں اترتیں۔ سڑکوں کی تعمیر کے اربوں روپے کے فنڈز بدعنوانی اور کمیشن مافیا کی نذر ہوجاتے ہیں۔

مہذب معاشروں میں ٹریفک قوانین پر عملدرآمد کے لیے نہ صرف سخت قوانین موجود ہیں، بلکہ عوامی شعور کی بیداری کے لیے مختلف ادارے بھی قائم ہیں۔ معاشرے کی اخلاقی ترقی میں انسانی شعور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپین ممالک میں ٹریفک حادثات کے نتیجے میں اموات کی شرح انتہائی کم ہے۔ یورپ میں متعدد بار ایسے ٹریفک حادثات بھی رونما ہوئے، جن میں بیک وقت کئی کئی سو گاڑیاں آپس میں ٹکرائیں، لیکن ہلاک ہونے والوں کی تعداد صرف دو یا تین تھی، جبکہ ہمارے ملک میں ہونے والے حادثات کے نتائج انتہائی بھیانک و

خوفناک ہوتے ہیں، یہاں ایک ایک حادثے میں ساٹھ ستر افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان ممالک میں ٹریفک قوانین پر سختی سے عمل درآمد کروایا جاتا ہے۔ گاڑیوں میں اوور لوڈنگ پر بھی سخت پابندی ہے اور گاڑیوں کو اس وقت تک سڑک پر آنے کی اجازت نہیں ہوتی، جب تک ان کو فٹنس سرٹیفکیٹ نہ جاری کر دیا جائے اور گاڑی میں سفر کے دوران بیلٹ باندھنے کی پابندی کی وجہ سے حادثات میں نقصان انتہائی کم ہوتا ہے اور وہاں فوری طور پر امدادی کارروائی کرنے سے بھی حادثات کے نقصانات انتہائی کم ہوتے ہیں، لیکن ہمارے یہاں ہر معاملہ ہی الٹ ہے۔ ٹریفک قوانین پر نہ تو انتظامیہ سختی سے عمل درآمد کرواتی ہے اور نہ ہی ڈرائیور قوانین کی پروا کرتے ہیں۔

ٹریفک حادثات کے مشاہدات اس بات کے غماز ہیں کہ ٹریفک کے زیادہ تر حادثات ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہی رونما ہوتے ہیں۔ اس لیے ہمارے مواصلات کے پورے نظام پر از سر نو غور کرنے اور اس میں انقلابی تبدیلیاں لانے کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ پورے ملک میں ایسے اداروں کا قیام ضروری ہے، جہاں ڈرائیور اور کنڈیکٹر حضرات کی مناسب تربیت ہو سکے۔ ایسے اداروں سے تربیت کے بعد ہی ڈرائیور حضرات کو باقاعدہ سرٹیفکیٹ کا اجراء کیا جائے۔ ملک

میں ٹریفک حادثات پر قابو پانے کے لیے ٹریفک قوانین کی پابندی ہر شہری پر لازم ہے۔
جب تک بحیثیت قوم سب ٹریفک قوانین پر عمل نہیں کریں گے تو اس وقت تک ان
سانحات میں کمی کا واقع ہونا انتہائی مشکل ہے۔

بھارت کا جارحانہ رویہ.... مسائل کے حل میں رکاوٹ!!

پاکستان اور بھارت کے درمیان ورکنگ باؤنڈری اور لائن آف کنٹرول پر ایک عرصے سے جاری کشیدگی میں بھارت کی ہٹ دھرمی کے باعث دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ بھارت سیز فائر کی خلاف کرتے ہوئے وقتاً فوقتاً پاکستان کے سرحدی علاقوں پر بلااشتعال فائرنگ و گولہ باری کرتا رہتا ہے، جس سے سال رواں اب تک خواتین و بچوں سمیت دسیوں پاکستانی شہید اور بیسیوں زخمی ہو چکے ہیں، جبکہ بھارتی فوج کی پے در پے کارروائیوں سے سرحد قریب کئی پاکستانی دیہات سے ایک بڑی تعداد نقل مکانی بھی کر چکی ہے۔ بھارتی فوج نے جمعرات کی شام ایل او سی پر پاکستان کے زیر انتظام کشمیر کے دارالحکومت مظفر آباد کے قریب پانڈو سیکٹر میں بلا اشتعال فائرنگ کر کے ایک پاکستانی فوجی کو شہید کر دیا۔ رواں ماہ پانڈو سیکٹر میں لائن آف کنٹرول پر فائرنگ کا یہ دوسرا واقعہ ہے۔ اس سے قبل آٹھ نومبر کو بھی بھارت کی جانب سے سرحدی خلاف ورزی کا ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ واضح رہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان سرحدی کشیدگی ایک عرصے سے جاری ہے، پاکستان اس معاملے پر بھارت سے سفارتی سطح پر احتجاج بھی کر چکا ہے، لیکن بھارت ہر بار پاکستان کی جانب سے کیے گئے احتجاج کو نظر انداز کر کے سیز فائر کی خلاف ورزی کر دیتا ہے۔ مبصرین کے مطابق اس کشیدگی کی اصل وجہ کشمیر کا معاملہ ہے،

جس پر بھارت نے ناجائز قبضہ جمایا ہوا ہے۔ پاکستان کشمیر کے معاملے کو متعدد بار اقوام متحدہ میں بھی لے جاچکا ہے، لیکن بھارت اس معاملے پر اقوام متحدہ کی ثالثی قبول کرنے کو بھی تیار نہیں ہے، بلکہ وہ مسلسل اپنی ہٹ دھرمی جاری رکھے ہوئے ہے۔ گزشتہ روز پاکستان نے ایک بار پھر اقوام متحدہ پر زور دیا ہے کہ پاکستان اور بھارت کے لیے اس کے فوجی مبصرین کا گروپ کنٹرول لائن اور ورکنگ باؤنڈری پر جنگ بندی کی خلاف ورزیوں کی روک تھام کے لیے موثر کردار ادا کرے۔ ترجمان دفتر خارجہ نے کہا ہے کہ جموں و کشمیر ایک مسلمہ تنازعہ اور سلامتی کونسل کی قراردادیں اس مسئلے کے حل کا بہترین ذریعہ ہیں۔ ترجمان کے مطابق اقوام متحدہ کے فوجی مبصر گروپ نے ایل او سی اور پاکستان بھارت سرحد پر گزشتہ دنوں فائرنگ کے واقعات کی رپورٹ سیکرٹری جنرل بانکی مون کو بھجوادی ہے، اس بارے میں جلد ہی اقوام متحدہ میں پاکستانی مندوب کو آگاہ کر دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان 2003 میں لائن آف کنٹرول پر فائر بندی کا معاہدہ ہوا تھا، لیکن بھارت نے اس معاہدے کا کوئی پاس نہیں رکھا اور مسلسل سیز فائر کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اس معاہدے کی خلاف ورزی کے باعث سرحد پر عام آبادی بھی نشانہ بن رہی ہے۔ ذرائع کے مطابق بھارت کی جانب سے ورکنگ باؤنڈری پر گزشتہ 5 سالوں کے دوران 157 بار جنگ بندی کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ سال 2010 میں بھارت کی جانب سے 54 بار، 2011 میں 13 بار، 2012 میں 27 بار، 2013 میں 33 بار اور رواں سال اب

تک 30 بار سیز فائر معاہدے کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ بھارتی فوج نے اکتوبر کے پہلے ہفتے میں 31 ہزار 872 مارٹر گولے پاکستانی آبادی اور علاقوں پر داغے ہیں۔ سال 2010 سے 2014 تک بھارت کی جانب سے 31 ہزار 872 مارٹر گولے برسائے گئے، جس کے جواب میں پاکستان نے 6 ہزار 756 مارٹر گولے فائر کیے۔ ڈی جی رینجرز پنجاب کے مطابق بھارت نے سیز فائر کی خلاف ورزی کے دوران 3 لاکھ ہزار 78 چھوٹا اسلحہ اور بارود استعمال کیا، جبکہ پاکستان نے جوابی کارروائی میں 54 ایک لاکھ 38 ہزار 414 چھوٹا اسلحہ استعمال کیا۔

دوسری جانب گزشتہ روز سینیٹ کی قائمہ کمیٹی برائے دفاع کے چیئرمین مشاہد حسین سید کا کہنا تھا کہ نریندر مودی کے وزیراعظم بننے کے بعد سے بھارت کی ریاستی دہشت گردی میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف بھارت کے خلاف جرات مندانہ موقف اختیار کریں، قوم ان کا ساتھ دے گی۔ جبکہ گزشتہ روز مظفرآباد جموں و کشمیر کونسل سے خطاب کے دوران وزیر اعظم نواز شریف کا کہنا تھا کہ انھوں نے بھارت کے ساتھ مذاکرات میں پیش رفت سے قبل کشمیری رہنماؤں سے بات کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ بھارت کو مسئلہ کشمیر پر مذاکرات کے لیے آمادہ کرنے کے لیے عالمی برادری کے دباؤ کو استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باؤنڈری پر حالیہ بھارتی حملوں نے اعتماد سازی کے عمل کو مزید نقصان پہنچایا ہے۔ اس وقت دونوں ملکوں کو اعتماد سازی کے اقدامات

کرنے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے دونوں ملکوں کے درمیان سیکرٹری سطح پر مذاکرات کی منسوخی کو بھارت کا "بلاجواز منفی طرز عمل" قرار دیا۔ وزیر اعظم کا کہنا تھا کہ کشمیر کے معاملے پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا اور مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے خصوصی کوششیں جاری رکھی جائیں گی۔ نواز شریف نے واضح کیا: "پاکستان کی جانب سے ہر فورم پر مسئلہ کشمیر کو اجاگر کیا جا رہا ہے۔ یہ ہماری مخلصانہ اور شعوری کوشش ہے، کیونکہ بھارت کی طرف سے دو طرفہ بات چیت کے ذریعے اس مسئلے کے حل کے لیے مثبت رویے کی بجائے ہٹ دھرمی کا رویہ دیکھنے میں آتا ہے۔" ذرائع کے مطابق وزیر اعظم نواز شریف کی جانب سے آزاد جموں و کشمیر کونسل سے جمعرات کو کیے جانے والے خطاب نے بھارتی قیادت کو مشتعل کر دیا ہے۔ بھارت کی سابقہ حکمران جماعت کانگریس نے وزیر اعظم نواز شریف سے کہا ہے کہ وہ پاکستان کے معاملے پر خارجہ پالیسی میں احتیاط سے کام لیں۔ بھارتی میڈیا کی رپورٹ کے مطابق کانگریس پارٹی نے وزیر اعظم نواز شریف کے بیان کو متنازع قرار دیا ہے اور اس کے لیے انہوں نے وزیر اعظم نواز شریف کے اس بیان کا حوالہ دیا، جس میں انہوں نے کہا کہ "بھارت کے ساتھ مذاکرات سے قبل میں نے کشمیری رہنماؤں سے بات کا فیصلہ کیا ہے۔ پاکستانی ایجنسیوں پر شدت پسندی میں ملوث ہونے کا الزام لگانا سراسر جھوٹ ہے۔" کانگریس کے سینئر رہنما سندیپ ڈکشٹ نے کہا ہے کہ "پاکستان کے متعلق یونائیٹڈ پروگریس الائنس کی حکومت کے پاس بہترین خارجہ پالیسی تھی۔ میں بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی

سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ دیکھیں کہ پاکستان سے نمٹنے کے لیے کانگریس پارٹی نے کس طرح کی پالیسی اختیار کر رکھی تھی، کیونکہ اس قوم (پاکستان) سے نمٹنے کا یہی طریقہ ہے۔" واضح رہے کہ کچھ ہی روز قبل ہندوستانی اخبار ٹائمز آف انڈیا میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق بھارتی وزیر دفاع ارون جیتلی کا کہنا تھا کہ اب پاکستان کے لیے ایک نئی سرخ لکیر کھینچ دی گئی ہے کہ وہ کس کے ساتھ مذاکرات کرنا چاہتا ہے؟ ہندوستانی حکومت کے ساتھ یا ان کے ساتھ جو ہندوستان کو توڑنا چاہتے ہیں۔ جب تک پاکستان انتخاب نہیں کرلیتا، پاکستان کے ساتھ مذاکرات ممکن نہیں۔ لائن آف کنٹرول پر سیز فائر معاہدے کی خلاف ورزی کے حوالے سے بھی ارون جیتلی نے تمام تر ملبہ پاکستان پر گراتے ہوئے کہا تھا کہ شہری آبادی پر فائرنگ اور گاؤں اجاڑنے جیسے ایڈونچر" پاکستان کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان ثابت ہو سکتے ہیں۔ جبکہ ارون جیتلی" نے 21 اکتوبر کو بھی پاکستان کو دھمکی دی تھی کہ اگر کشمیر کی متنازع سرحد پر سیز فائر کی خلاف ورزی جاری رہی تو پاکستان کو مزید نقصان اور تکلیف برداشت کرنا پڑے گی۔ ذرائع کے مطابق آرمی چیف جنرل راحیل شریف کے دورہ امریکا کے موقع پر پاکستان کے غیر متزلزل عزم کی پذیرائی اور دوطرفہ تعاون میں اضافے کی خبروں پر بھارت میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے اور بھارتی میڈیا اس پریشانی کا

برملا اظہار بھی کر رہا ہے۔ پاکستان کی فوجی قیادت نے یہ واضح کیا ہے کہ پاکستان میں شدت پسندی کے خاتمے کی راہ میں بھارت رکاوٹیں ڈال رہا ہے۔ پاکستان کی مشرقی سرحد پر بھارت کی طرف سے بلااشتعال فائرنگ کا معاملہ بھی اٹھایا گیا ہے۔ امریکا کی طرف سے بھی پاکستان کی دہشت گردی کے خلاف کاوشوں کا اعتراف کیا گیا ہے اور دوطرفہ فوجی تعاون کو بھی آگے بڑھانے کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ بھارت کو یہ پریشانی لاحق ہو گئی ہے کہ دونوں ممالک میں قربت کیوں بڑھ رہی ہے اور اس کے ساتھ ہی پاکستان اور خصوصاً پاکستانی عسکری اداروں کے خلاف بھارتی پراپیگنڈا بھی زور پکڑ گیا ہے۔ خصوصاً بھارتی میڈیا اس دورے کو منفی رنگ دینے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ بھارت نے ہمیشہ پاکستان کے خلاف منافقانہ اور جارحانہ رویہ اپنایا ہے۔ وہ پاکستان کے سرحدی علاقوں پر فائرنگ کر کے دونوں ملکوں کے درمیان جاری کشیدگی کو مسلسل بڑھاوا دے رہا ہے۔ پاکستان کو چاہیے کہ وہ سرحد پر بھارتی خلاف ورزی کے معاملے کو عالمی برادری کے سامنے اٹھانے کے ساتھ ساتھ جراتمندانہ رویہ اپناتے ہوئے بھارت کو سختی سے روک دے۔

سرگودھا ہسپتال میں بچوں کی اموات.... ذمے دار کون؟

پنجاب حکومت و انتظامیہ کی نا اہلی کے باعث سرگودھا کے ڈسٹرکٹ ہسپتال میں سہولیات کے فقدان کی وجہ سے گزشتہ پانچ روز سے معصوم و نومولود بچے دم توڑ رہے ہیں اور گزشتہ 5 روز میں سرگودھا کے ڈی ایچ کیو ہسپتال میں جاں بحق ہونے والے بچوں کی تعداد 22 ہو گئی ہے، جبکہ 4 کی حالت نازک ہے۔ ذرائع کے مطابق سرگودھا ہسپتال میں بچوں کی اموات طبّی سہولیات کے فقدان کی وجہ سے ہوئی ہے، کیونکہ یہاں بچوں کو آکسیجن اور دیگر طبّی سہولیات کی کمی کے ساتھ ہسپتال کے عملے کی غفلت کا سامنا ہوا، جس کی وجہ سے گزشتہ پانچ روز میں سرگودھا کے ڈی ایچ کیوں ہسپتال میں بائیس معصوم بچے اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر چکے ہیں۔ ذرائع کے مطابق ڈی ایچ کیو ہسپتال کے چلڈرن وارڈ میں 25 بستر اور پانچ انکوبیٹر موجود ہیں، مگر وہاں جمعے تک 50 نومولود بچے ایڈمٹ تھے، جن میں سے 20 کی حالت نازک تھی، جبکہ صرف 5 بچوں کو ہی انکوبیٹر کی سہولت فراہم کی جا سکی ہے۔ سرگودھا ٹیچنگ ہسپتال کے ترجمان ڈاکٹر سکندر نے دعویٰ کیا ہے کہ سرگودھا ہسپتال میں دم توڑنے والے نومولود بچوں میں سے اکثریت ان بچوں کی تھی، جن کی پیدائش غیر تربیت یافتہ دائیوں کی نگرانی میں ہوئی۔ حمل کے دوران ماؤں کو جب مناسب خوراک نہیں ملتی تو اس وجہ سے ماں کے پیٹ میں بچوں

کی نشوونما میں کمی رہ جاتی ہے، جس کی وجہ سے پیدائش کے بعد وہ مختلف طبّی پیچیدگیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہسپتال میں نوائیدہ بچوں کے لیے 25 بستر ہیں، لیکن مریض نوزائیدہ بچوں کی زیادہ تعداد کی وجہ سے ایک انکوبیٹر میں بعض اوقات دو بچوں کو بھی رکھا جاتا ہے۔ جبکہ ہسپتال انتظامیہ کی طرف سے کی گئی ابتدائی تحقیقات کے مطابق ڈی ایچ کیو ہسپتال میں جاں بحق ہونے والے بچوں میں سے چھ ایسے تھے، جن کا پیدائش کے وقت وزن کم تھا، پانچ وہ تھے جن کی پیدائش قبل از وقت ہوئی اور دو بچے ایسے تھے جن کو ہسپتال میں اس وقت لایا گیا جب ان کے جسم میں انفیکشن پھیل گیا تھا۔ ان بچوں کی ہلاکت میں طبّی عملے کی سستی یا سہولیات کی کمی کی کوئی وجہ نظر نہیں آئی ہے۔ یہ ایک ٹیچنگ ہسپتال ہے اور یہاں پر بچوں کے علاج کی مناسب سہولیات موجود ہیں، لیکن مرنے والے بچوں کے لواحقین نے اس دعوے کی سختی سے تردید کی ہے۔ بچوں کے والدین کا کہنا ہے کہ ان کے جگر گوشے ہسپتال میں آکسیجن کی کمی اور دیگر سہولیات کے فقدان کی وجہ سے دم توڑ رہے ہیں، ہسپتال میں کوئی پرسان حال نہیں۔ موقع پر موجود مریض بچوں کے لواحقین میں سے بعض کا کہنا تھا کہ ساری رات لیڈی ڈاکٹرز سوتی رہیں، جبکہ ایمرجنسی میں آئے ہوئے بچوں کی اموات کا سلسلہ جاری رہا۔ جبکہ ایک خاتون کا کہنا تھا کہ میرے بچے کی سانس کی نالی ناک سے اتر گئی تھی، بارہا لیڈی ڈاکٹرز کو جگانے کی کوشش کی، مگر کوئی ڈاکٹر یا اسٹاف عملے نے ہماری مدد نہیں کی۔ مریضوں کے لواحقین کا ہسپتال انتظامیہ کو

قصوروار ٹھہراتے ہوئے کہنا تھا کہ یہ ایم ایس سول ہسپتال ڈاکٹر اقبال سمیع کی نا اہلی ہے، کیونکہ انہوں نے کبھی رات کو راونڈ ہی نہیں کیا۔ ذرائع کے مطابق یہ امر قابل سمیت دیگر ڈاکٹروں کی غفلت اور لاپرواہی MS ذکر ہے کہ ٹیچنگ ہسپتال سرگودھا میں سے درجنوں افراد جاں بحق اور متعدد مریضوں کو ان کے لواحقین پرائیویٹ ہسپتالوں میں شفٹ کروا کر لے جا چکے ہیں۔ انتظامیہ کی غفلت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ اکسیجن کی کمی کے باعث جب پہلے دن بچوں کی اموات ہوئی تو فوری طور پر بعد میں اکسیجن کی کمی کو دور کرنا چاہیے تھا لیکن انتظامیہ نے مسلسل غفلت کا مظاہرہ کیا، جو انتہائی افسوسناک بات ہے۔

دوسری جانب ڈی ایچ کیو سرگودھا میں ہونے والی ان ہلاکتوں کی تحقیقاتی رپورٹ وزیر اعلیٰ پنجاب کو بھجوائی گئی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ بچوں کی نرسری میں آکسیجن کی کوئی کمی نہ تھی اور تمام مشینری معمول کے مطابق کام کر رہی تھی، لیکن ہسپتال کو حکومت کی جانب سے فراہم کردہ طبّی سہولیات ناکافی ہیں۔ مرنے والے بچوں کو تشویشناک حالت میں لایا گیا تھا، جبکہ ہسپتال میں 25 نومولود بچوں کے علاج معالجے کی گنجائش ہے، مریض بچوں کی تعداد دوگنی ہونے کے باعث ایک انکیوبیٹرز میں تین تین بچے رکھے گئے تھے۔ اموات کی ایک وجہ ادویات کی کمی بھی تھی، اسی طرح ہسپتال کی ابتر صورتحال اور جدید طبّی

سہولتوں کے فقدان کو بھی ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق 5 روز قبل ہسپتال میں 8 بچوں کی اموات کے وقت صرف ایک نرس وہاں تعینات تھی، جس نے صبح اپنا بیان ہسپتال کے ایم ایس ڈاکٹر اقبال سمیع کو ریکارڈ کرایا، جسے دبا دیا گیا۔ رپورٹ میں سفارش کی گئی کہ انکیوبیٹرز مشینوں کی کمی کو دور کیا جائے۔ تحقیقاتی ٹیم کی رپورٹ پر وزیراعلیٰ شہباز شریف کا کہنا تھا کہ وہاڑی اور سرگودھا کے ہسپتالوں میں معصوم بچوں کی اموات کے المناک واقعات ناقابل برداشت ہیں۔ ذمہ داروں نے مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کیا ہے اور وہ کسی رو رعایت کے مستحق نہیں۔ وزیراعلیٰ پنجاب نے واقعہ کے ذمہ داروں کے خلاف مقدمات درج کرکے ان کی فی الفور گرفتاری اور سخت قانونی کارروائی کا حکم دیتے ہوئے کہا کہ ایسے عناصر کو سخت ترین سزائیں دی جائیں، تاکہ آئندہ کسی کو ایسی مجرمانہ غفلت کی جرآت نہ ہو۔ وزیراعلیٰ پنجاب نے ڈاکٹر اقبال سمیع کو فوری طور پر معطل کر دیا ہے۔ ذرائع کے مطابق پنجاب حکومت اور انتظامیہ کی جانب سے کیے گئے دعوؤں اور وعدوں کے باوجود اب تک ضلع کے سب سے بڑے ہسپتال میں 2 وینٹی لیٹر نہیں لگائے گئے، جس کی وجہ سے بچوں کو طبّی سہولیات کی فراہمی میں مشکلات درپیش ہیں، لہٰذا فوری طور پر وینٹی لیٹر کا لگانا انتہائی ضروری ہے۔

سرگودھا ہسپتال میں طبّی سہولیات کی عدم دستیابی کے باعث بچوں کی اموات

حکومت و انتظامیہ کے لیے باعث شرم اور لمحہ فکریہ ہے۔ صحت ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ ہر حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ملک کے ہر شہری کو صحت کے حوالے سے تمام ضروریات و سہولیات فراہم کرے۔ ملک کے ہر شہری کی جان نہ صرف شہری کے لیے بلکہ ملک کے لیے بھی انتہائی عزیز ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ملک میں شہری جہاں اور بہت سی ضروریات و سہولیات سے محروم رہتے ہیں، وہیں صحت جیسے حساس معاملے میں بھی حکومت کی جانب سے عدم توجہی کا شکار ہیں۔ سرگودھا ہسپتال میں مرنے والے بچوں کی اموات کا سبب صرف اور صرف طبّی سہولیات اور انتظامیہ میں احساس ذمہ داری کا فقدان ہے۔ بچوں کی معصوم زندگیوں سے کھیلنے والے کڑی سے کڑی سزا کے مستحق ہیں، لہٰذا ذمہ داروں کو سخت سے سخت سزا دی جانی چاہیے اور ان کے خلاف قانون کے مطابق بلاامتیاز کارروائی ہونی چاہیے، اس کے ساتھ حکومت کو خصوصاً ہسپتالوں میں فوری طور پر طبّی سہولیات کی کمی کو پورا کرنا ہوگا، تاکہ مزید نقصان سے بچا جاسکے۔ واضح رہے کہ پاکستان کے متعدد ہسپتالوں میں متعدد قسم کی سہولیات کا فقدان رہتا ہے۔ بہت سے ہسپتال آکسیجن سپلائی سسٹم سے محروم ہیں، جبکہ متعدد ہسپتالوں میں سی ٹی سکین مشین، وینٹی لیٹرز، الیکٹرک بیڈز سمیت زیادہ تر مشینری خراب ہوتی ہے۔ سہولیات کی کمی کی وجہ سے نہ صرف عوام الناس کو علاج معالجے کے حوالے سے مسائل کا سامنا رہتا ہے، بلکہ آئے روز مختلف شہروں میں بچوں سمیت مریضوں کی اموات بھی ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے ساتھ پاکستان میں بچوں اور

مریضوں کی اموات کا ایک بڑا سبب جعلی ادویہ بھی ہیں۔ چند سال قبل پاکستان جعلی ادویہ کی تیاری میں دنیا بھر میں تیسرے نمبر پر آ چکا ہے۔ جعلی ادویات کے حوالے سے پاکستان کا تیسرے نمبر پر آنا ایک شرمناک بات تو ہے ہی، اس کے ساتھ انسانی زندگی کے حوالے سے سب کے لیے انتہائی خطرناک بات بھی ہے۔ بعض ذرائع کے مطابق پاکستان میں بکنے والی ادویات چالیس سے پچاس فیصد تک جعلی ہوتی ہیں۔ لہٰذا حکومت کو فوری طور پر جعلی ادویہ کی روک تھام کے لیے بھی سخت اقدامات کرنا ہوں گے، تاکہ انسانی جانوں سے کھیلنے والوں کا قلع قمع کیا جا سکے۔

نومبر کا جلسہ: حکومت اور پی ٹی آئی آمنے سامنے 30

14 اگست سے ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑی حکومت پاکستان اور پاکستان تحریک انصاف بھرپور طریقے سے سیاسی دھینگا مشتی میں مشغول ہیں۔ فریقین اپنے اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ ملک میں کئی ماہ سے جاری اس سیاسی کشمکش میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے اور پی ٹی آئی کی جانب سے 30 نومبر کو اسلام آباد میں اپنے اہم ترین اور فیصلہ کن راؤنڈ کی کال کے بعد سے اس محاذ آرائی میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ایک طرف پاکستان تحریک انصاف نے ڈپٹی کمشنر اسلام آباد کو دھرنے کے مقام پر ہی جلسہ کرنے کے لیے درخواست دی ہے اور وہ ہر حال میں اس جگہ پر جلسہ کرکے اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے تیاریوں میں مصروف ہے اور جلسے کی کامیابی کے لیے ہر حد عبور کرنے کے لیے تیار ہے۔ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کا کہنا ہے کہ "اب ان کا صبر ختم ہوگیا ہے۔ اگر 30 نومبر کو ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ کھڑی کی گئی تو وہ تمام حدود کو پھلانگ کر ان کی راہ مسدود کرنے والے تمام فریقین کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ 30 تاریخ کو پاکستان کی جنگ ہے، جس میں ہم سب کو اپنے حقوق کے لیے کھڑا ہونا ہے اور نوجوانوں کے ساتھ خواتین کو بھی نکلنا ہوگا۔" تحریک انصاف کی جانب سے 30 نومبر کو اسلام آباد میں ہونے والے جلسے کو کامیاب بنانے کے لیے طاہر القادری و سراج الحق سمیت

سیاسی رہنماؤں کو دعوت نامے بھجوانے کی تجویز بھی سامنے آئی ہے۔ جبکہ 90 دوسری جانب حکومت کے تیور کچھ مختلف دکھائی دے رہے ہیں۔ ذرائع کے مطابق حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ 30 نومبر کو صورتحال خراب کرنے کی کوشش کی گئی تو سختی سے نمٹا جائے گا۔ اسلام آباد پولیس کو دو واٹر کینن اور 12 ہزار سے زائد آنسو گیس کے شیل فراہم کر دیے گئے ہیں۔ نادرا چوک سے ریڈ زون میں سپریم کورٹ، پارلیمنٹ ہاؤس اور ڈپلومیٹک انکلیو کو جانے والے راستے پر کنٹینر رکھ دیے گئے۔ ذرائع کے مطابق حکومت نے آزاد کشمیر اور پنجاب کے مختلف اضلاع سے 30 ہزار اضافی نفری منگوانے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف کا کہنا ہے کہ 30 نومبر کو کسی کو بھی قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ جبکہ وزیر داخلہ چودھری نثار کا کہنا ہے کہ شاہراہ دستور پر کسی کو جلسے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ تحریک انصاف کو جلسے کی اجازت ہے، لیکن دھاوا بولنے کی نہیں، ریاستی طاقت کو کمزوری نہ سمجھا جائے، حکومت تشدد کا جواب قانون کی طاقت سے دے گی۔ واضح رہے کہ عمران خان کے اتحادی عوامی مسلم لیگ کے سربراہ شیخ رشید احمد کے خلاف اشتعال انگیز تقریر کرکے عوام کو ریاست کے خلاف ا±کسانے پر ننکانہ صاحب کی مقامی عدالت کے حکم پر مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔

حکومت اور پاکستان تحریک انصاف اسلام آباد میں 30 نومبر کو مجوزہ جلسے کے

حوالے سے لفظی جنگ میں الجھے ہوئے ہیں۔ فریقین اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم ہیں۔ عمران خان احتجاج کے لیے عوامی حمایت کے حصول کے لیے کافی جدوجہد کر رہے ہیں اور اسے یادگار بنانے کا وعدہ کر رہے ہیں۔ حکومت عمومی اور وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان خصوصاً اس بات پر اصرار کر رہے ہیں کہ پی ٹی آئی چیئرمین اور ان کی جماعت کو قوانین پر عمل کرنا ہوگا یا پھر ریاستی طاقت کا سامنا کرنا ہوگا۔ مگر دونوں اطراف میں بے یقینی کی کیفیت دکھائی دے رہی ہے۔ حکومتی حلقے اس رائے پر تقسیم کا شکار نظر آتے ہیں کہ پی ٹی آئی کو جگہ دی جائے یا نہ دی جائے، حکومت کے تیزی سے بار بار بدلتے موقف اس بات کا واضح ثبوت ہیں۔ بہر حال ایسا نظر آتا ہے 30 نومبر کے جلسے کے حوالے سے کسی کے پاس بھی کوئی ٹھوس حکمت عملی موجود نہیں۔ اسلام آباد میں شاہراہِ دستور پر 30 اگست کے تشدد کے بعد اسلام آباد لوگوں کے بڑے ہجوم سے کافی محتاط ہے اور اسے احساس ہے کہ اگر اسے اوپر سے واضح احکامات موصول نہ ہوئے تو وہ اس طرح کی ہنگامہ خیز صورتحال سے نمٹنے کے لیے ناکافی صلاحیت رکھتی ہے۔ جب مظاہرین نے شاہراہ دستور پر دھاوا بولا تھا تو پولیس ان کی پیشرفت کے سامنے بے بس نظر آئی تھی، کیونکہ انہیں جوابی کارروائی کے لیے واضح احکامات نہیں ملے تھے اور ابھی بھی یہ واضح نہیں کہ اگر 30 نومبر کو بھی تشدد پھوٹ پڑا تو کون مشتعل ہجوم کے خلاف کارروائی کے احکامات دے گا۔ 30 نومبر کو جلسے کے حوالے سے اسلام آباد پولیس کافی زیادہ محتاط ہے۔ جبکہ پی ٹی آئی اور ضلعی

انتظامیہ کے درمیان بات چیت جاری ہے۔ پی ٹی آئی ڈی چوک پر جلسے کے لیے اصرار کر رہی ہے، جہاں عمران خان کا کنٹینر موجود ہے، جبکہ انتظامیہ متبادل جگہ کی پیشکش کی کوشش کر رہی ہے۔ تحریک انصاف کی جانب سے پہلے ہی زیرو پوائنٹ، ایف نائن پارک، کشمیر ہائی وے اور آبپارہ میں جلسے کے انعقاد کی پیشکشوں کو مسترد کیا جا چکا ہے۔ پی ٹی آئی کے حامیوں کی آمد کے پیش نظر ڈی چوک کے ارگرد کنٹینرز کو پہلے ہی لگایا جاچکا ہے اور ایسی رپورٹس بھی آ رہی ہیں کہ حکومت کی جانب سے ریڈزون میں انٹری کو ایک آرڈیننس کے ذریعے غیر قانونی قرار دیا جاسکتا ہے۔ تاہم ابھی تک کوئی واضح رپورٹ سامنے نہیں آئی۔ حالات کو معمول پر رکھنے کے لیے انتظامات مکمل کر لیے گئے ہیں، لیکن حکومت نے مظاہرین کے حوالے سے اب تک کوئی واضح ہدایات جاری نہیں کی ہیں۔ پولیس کا کہنا ہے کہ ہم صورتحال سے نمٹنے کی تیاری کر رہے ہیں اور اپنے اہلکاروں کے لیے تربیتی کورسز کو شروع کیا ہے، تاہم واضح ہدایات نہ ہونے کے باعث ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، ہم پالیسی ساز نہیں، پولیس اور انتظامیہ کا کام صرف احکامات پر عمل کرنا ہوتا ہے۔

پی ٹی آئی اس اہم جلسے کو کامیاب بنانے کے لیے پرعزم نظر آتی ہے۔ پارٹی کی کور کمیٹی کے رکن ڈاکٹر عارف علوی کا کہنا ہے کہ اگر حکومت کی جانب سے ان کے حامیوں کو ڈی چوک تک پہنچنے سے روکنے کی کوشش کی گئی تو پھر وہ تصادم

اور رد عمل کی خود ذمہ دار ہوگی۔ نواز لیگ وفاق اور پنجاب میں حکومت کر رہی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں، وہ ہمارے 30 نومبر کے جلسے کو ناکام بنانے کے لیے ہر حربے کا استعمال کر رہی ہے۔ پی ٹی آئی اپنے راستے میں آنے والے ہر قسم کے چیلنج سے نمٹنے کے لیے تیار ہے۔ ذرائع کے مطابق پی ٹی آئی حامیوں کو کہا جاسکتا ہے کہ وہ بڑے گروپس کی شکل میں سفر کریں، تاکہ وہ دارالحکومت کی جانب جانے والے راستوں کو بلاک کرنے کی کسی بھی کوشش کو ناکام بنا سکیں۔ صوبائی حکومت 30 نومبر کے جلسے کے حوالے سے اپنے منصوبوں پر سختی سے ہونٹ بند کیے ہوئے ہے، مگر ذرائع کا کہنا ہے کہ حکومت نے پی ٹی آئی ورکرز اور حامیوں کو پنجاب سے اسلام آباد میں داخل ہونے کی اجازت نہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ حکومتی ذرائع کے مطابق "چودہ اگست کو ہمارے منصوبے عوام کے سامنے پہلے ہی آ گئے تھے، مگر اس بار ہم نے انہیں خفیہ رکھا ہوا ہے اور ہم انہیں عملی شکل دینے کے لیے ایونٹ کے دن تک انتظار کریں گے۔ ذرائع کے مطابق سیکڑوں پی ٹی آئی رہنماؤں اور ورکرز کو جلسے سے قبل حراست میں لیا جا سکتا ہے۔ عمران خان کے سخت بیانات اور حکومتی فیصلوں کے پیش نظر ملک کے موجودہ حالات میں تصادم اور ٹکراؤ کے خدشات جنم لیتے دکھائی دے رہے ہیں، لیکن ذرائع کے مطابق 30 نومبر کو عمران خان کوئی بڑا قدم اٹھانے سے گریز کریں گے، کیونکہ جہاں عمران خان نے پاکستان میں تعینات چینی سفیر سن وے ڈانگ سے ملاقات کرکے انہیں 30 نومبر کو ہونے والے جلسے سے متعلق مختصر طور پر آگاہ

کیا، وہیں اسلام آباد میں جلسے کے حوالے سے اسلام آباد میں امریکی سفیر رچرڈ اولسن سے بھی ملاقات ہوئی ہے۔ ذرائع کے مطابق اس ملاقات میں امریکی سفیر نے عمران خان کو واضح پیغام پہنچایا کہ خطے میں جو نئی ڈویلپمنٹ ہو رہی ہے، اس کے تناظر میں حکومت گرانے یا پاکستان میں سیاسی عدم استحکام نقصان دہ ہوگا، تصادم کا راستہ اپنایا گیا تو امریکی حکومت سپورٹ نہیں کرے گی۔ ذرائع کے مطابق عمران خان نے امریکی سفیر کو یہ یقین دہانی کرائی ہے کہ 30 نومبر کا جلسہ پرامن ہوگا۔

بیٹی غریب شہر کی فاقوں سے مر گئی

تھرپارکر میں معاملے کی سنگینی شاید خوراک کے قحط سے زیادہ صاحب اقتدار طبقے میں احساس ذمہ داری کے قحط کی وجہ سے ہے۔ جب زمینیں بنجر ہوجائیں تو صرف کھیت اجڑتے ہیں، لیکن اگر شاہوں کے ذہن بنجر ہوجائیں تو بستیاں ویران و سنسان ہوتی چلی جاتی ہیں، مگر حکمرانوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی اور تھرپارکر میں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔ حکومت کی عدم توجہی کے باعث بھوک و افلاس کے سبب تھرپارکر میں ایک عرصے سے موت کا رقص جاری ہے۔ بھوک و پیاس کے ہاتھوں ستائے تھر کے معصوم بچے اپنی جانیں پے در پے موت کے حوالے کیے جاتے ہیں۔ اکتوبر کی ابتدا سے اب تک ڈیڑھ سو کے لگ بھگ بچے بھوک و پیاس اور حکومت کی نااہلی کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں اور مجموعی طور پر رواں سال حکومتی بے حسی کے ہاتھوں اپنی جان جان آفریں کے حوالے کرنے والے تھری بچوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ تھر میں زندگی کو سسکنے، بلکنے اور دم توڑنے کے سیکڑوں بہانے میسر ہیں۔ یہاں کے باسی بھوک اور افلاس کا شکار ہیں۔ پینے کا صاف پانی نایاب ہے۔ ستم رسیدہ تھری روزگار، علاج معالجے اور مناسب رہائش کو ترستے ہیں۔ چہار سو بھوک و افلاس موت کا خوفناک سایہ بنی ہوئی ہے، لیکن شاہوں کی طبعیت پر اس کا رتی بھر بھی اثر ظاہر نہیں ہوتا ہے۔ حکمران دو چار دن میڈیا کے سامنے تصاویر

بنوانے کے بعد تھری عوام کو بھول کر اپنی سیاسی دھینگا مشتی اور اللوں تللوں میں بھرپور طریقے سے مگن ہو جاتے ہیں۔ بھلا صاحب اقتدار طبقے کو اپنے سیاسی بکھیڑوں اور موج مستی سے اتنی فرصت ہی کہاں کہ تھر کے عوام کے لیے سوچیں۔ بقول شاعر

اک وہ ہیں ناؤ نوش سے جن کو نہیں فراغ
اک وہ ہیں جو تڑپتے ہیں فاقوں کے تار میں

تھر پارکر ایک صحرائی علاقہ ہے، جس کو اکثر قحط کا سامنا رہتا ہے۔ قحط کے دوران اپنی اور اپنے مویشیوں کی جان بچانے کے لیے اس علاقے کے لوگ بیراجی علاقوں کا رخ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور عرصے سے یونہی ہوتا چلا آ رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ برطانوی دور میں متوقع مہینے میں بارشیں نہ ہونے پر علاقے کو سرکاری طور پر قحط زدہ قرار دے کر تمام ٹیکس معاف کر دیے جاتے تھے اور تھری باشندوں کو رعایتی قیمت پر گندم بھی فراہم کی جاتی تھی۔ ایک طویل عرصے سے تھر کے عوام کو بے بہا مسائل کا سامنا درپیش ہے۔ ہر سال دو سال بعد یہاں بارشیں نہ ہونے کے سبب شدید قحط کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ فاقہ کشی، مختلف مہلک بیماریوں اور مناسب علاج کی سہولت نہ ملنے کے سبب سیکڑوں افراد موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں، لیکن ان تمام تلخ حقائق کے باوجود ہر حکومت نے تھر کے حوالے سے بے رخی، لاپروائی، سرد مہری اور سنگدلی کا مظاہرہ کیا

ہے۔ ہمیشہ تھر کے علاقے کو نظر انداز کیا گیا اور کبھی اس علاقے کے مسائل کو مستقل بنیادوں پر حل کرنے کی جستجو نہیں کی گئی۔ حالانکہ جب یہ بات معلوم ہے کہ ہر سال تھر کو قحط کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس کے باوجود اس مسئلے کا حل کیوں نہیں نکالا جاتا؟ جہاں دنیا میں صحراؤں پر شہر آباد ہو رہے ہیں، وہاں قدرتی وسائل سے مالا مال تھر کی قسمت کو کیوں نہیں بدلا جاسکتا؟ قدرتی وسائل سے مالا مال تھر میں کوئلے کے ذخائر موجود ہیں، پاکستان کے بعض ایٹمی سائنس دانوں کے مطابق تھر کے کوئلے سے آئندہ پانچ سو برس تک سالانہ پچاس ہزار میگاواٹ بجلی یا دس کروڑ بیرل ڈیزل اور لاکھوں ٹن کھاد بنائی جاسکتی ہے۔ حکومت نے یہاں تھر کول پروجیکٹ شروع بھی کیا ہے۔ اگر حکومت یہاں کالے سونے کا پروجیکٹ شروع کر سکتی ہے تو پھر یہاں کے عوام کے مسائل حل کیوں نہیں کر سکتی؟ لیکن حکومت کی عدم توجہی کا یہ عالم ہے کہ رواں سال مارچ میں میڈیا کی نشاندہی کے بعد حکومت خواب غفلت سے بیدار ہوئی اور امدادی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ کچھ روز میڈیا کے سامنے ہلچل نظر آئی۔ حکومت نے صاف پانی کی بوتلیں اور ناقص گندم کی بوریاں تھر کے عوام کے لیے پہنچائیں، لیکن افسوس! حکومت میں احساس ذمہ داری کے قحط کی وجہ سے منرل واٹر کی ہزاروں بوتلیں اور گندم کی بوریاں خراب ہوگئیں، لیکن مستحق اور بھوک و پیاس سے لڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دیتے بچوں تک نہیں پہنچ پائیں

گندم امیر شہر کی ہوتی رہی خراب

بیٹی غریب شہر کی فاقوں سے مر گئی

جب تک میڈیا نے تھر کے معاملے کو نمایاں کیے رکھا، حکومت بھی حرکت میں دکھائی دیتی رہی، لیکن جب مارچ گزر گیا تو حکومت بھی تھر کے عوام سے کیے گئے تمام وعدوں کو بھول گئی۔ اکتوبر میں ایک بار پھر میڈیا پر غذا کی قلت کے باعث بچوں کے مرنے کی خبریں آنا شروع ہوئیں تو حکومت نے اس کو اپنی کوتاہی تسلیم کرنے کی بجائے میڈیا اور سابقہ حکومت کو قصوروار ٹھہراتے ہوئے ان پر برہم ہونا شروع کر دیا، جبکہ وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کا کہنا تھا: " تھر میں عوام بھوک سے نہیں غربت سے مر رہے ہیں۔ " تھر میں جب بھی قحط پڑتا ہے، حکمران میڈیا کی موجودگی میں گندم کی کچھ بوریاں اور نقد امداد تقسیم کرکے چلتے بنتے ہیں، حالانکہ یہ بات صاحب اقتدار طبقے کو مد نظر رکھنی چاہیے کہ قحط زدہ خاندان حکومت کی جانب سے تقسیم کی گئی گندم، منرل واٹر اور چند ہزار روپے میں کتنے روز زندہ رہ سکیں گے؟ یہ حقیقت ہے کہ اس وقت تھر کے لوگوں کو پانی کی قلت، خوراک کی کمی اور صحت کے سنگین مسائل کا سامنا ہے، جن کا مداوا فوری طور پر کرنے کی ضرورت ہے۔ کچھ فلاحی ادارے ان مسائل کے حل کی کوششوں میں مگن بھی ہیں، جس کی اہمیت اپنی جگہ، لیکن یہ مسئلے کا مستقل حل نہیں ہے۔ تھر میں عوام کی مشکلات پر مستقل طور پر قابو پانے کی ضرورت ہے۔

تھر کا سب سے بڑا مسئلہ پانی ہے۔ تھر میں زندگی کا دارومدار بارش پر ہے، جو یہاں بہت کم ہوتی ہے۔ بارش کے پانی کو جمع کرنے کے لیے تالاب بنائے گئے ہیں، لیکن وہ ان کی ضروریات کے لیے ناکافی ہیں۔ زیر زمین پانی ڈیڑھ سو فٹ کے نیچے ملتا ہے اور وہ بھی ہر جگہ نہیں۔ تھری خواتین میلوں دور سے گدلا پانی لاتی ہیں۔ پانی کا بوجھ اٹھانے کی وجہ سے یہاں کی اکثر خواتین کمر درد اور ریڑھ کی ہڈی کی تکالیف میں مبتلا ہیں۔ پانی کے مسئلے کو منرل واٹر کی بوتلیں بھیج کر آخر کب تک عوام کی ضروریات کو پورا کیا جاسکتا ہے؟ حکومت کو منرل واٹر کی بوتلیں تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ پانی کا مسئلہ مستقل بنیادوں پر حل کرنے پر بھی کام کرنا ہوگا۔ یہ کام ناممکن نہیں ہے۔ آب پاشی کے لیے نہری نظام کو موثر کرنا چاہیے، تاکہ تھر کے باسیوں کو فصلیں اگانے کے لیے صرف بارش پر انحصار نہ کرنا پڑے اور میٹھا پانی پہنچانے کا انتظام کرنا بھی ضروری ہے۔

بھارت تو اپنے صحرائی علاقے میں میٹھا پانی پہنچا چکا ہے۔ جب بھارت اپنے صحرائی علاقے میں بجلی، سڑکوں اور میٹھے پانی کی پائپ لائنوں کا جال بچھا سکتا ہے تو یہ کام ہماری حکومت کیوں نہیں کر سکتی؟ حقیقت یہی ہے کہ تھر میں معاملے کی سنگینی صرف بیڈ گورننس اور غیر سنجیدگی کی وجہ سے ہے۔ ورنہ حکومت اگر آج تہیہ کرلے کہ اسے تھر کے حالات کو بہتر انداز میں بدلنا ہے، تو یقین جانیے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ حکومت ہمت تو کرے

ہمت کرے انساں تو کیا ہو نہیں سکتا
وہ کونسا عقدہ ہے جو واہ ہو نہیں سکتا

تھرپارکر میں اموات سیاست کی نذر ....!

تھرپارکر میں بھوک، پیاس اور بیماریوں کا عفریت مسلسل انسانی جانیں نگلنے میں مشغول ہے۔ معصوم بچے پے در پے حکومتی نااہلی کی نذر ہو رہے ہیں۔ ایک عرصے سے پانی کی قلت، بھوک اور افلاس نے تھرپارکر میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ بھوک سے بلکتی اور سسکتی زندگی مسلسل موت کو خراج ادا کر رہی ہے۔ رواں ماہ اب تک تقریباً 85، جبکہ گزشتہ 55 روز میں 117 بچے حکومتی عدم توجہی کا شکار ہو کر اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ ایک حکومتی رپورٹ کے مطابق تقریباً 11 ماہ میں تھر کے قحط میں 500 افراد اپنی جان کی بازی ہار چکے ہیں، جن میں 96 مرد، 106 خواتین اور 300 بچے شامل ہیں۔ تھر کے قحط سے 2 لاکھ 57 ہزار 336 خاندان متاثر ہوئے ہیں، جن میں تعلقہ مٹھی کے تقریباً 45 ہزار 500 ڈیپلو میں 44 ہزار، اسلام کوٹ میں 41 ہزار سے زاید، چھاچھرو میں 42 ہزار، تعلقہ ڈھائی میں 40 ہزار 144 اور ننگر پارکر میں 41 ہزار 272 خاندان متاثر ہوئے ہیں۔ جبکہ 3 ہزار 812 جانور چارہ نہ ملنے کے باعث ہلاک ہوئے ہیں۔ رپورٹ میں سندھ حکومت نے تھر میں قحط کی صورتحال کا سامنا کرنے والے سوا 4 کروڑ سے زاید انسانوں اور جانوروں کا علاج کرنے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ جن میں تقریباً سوا لاکھ مرد، ایک لاکھ 35 ہزار سے زاید خواتین اور تقریباً سوا لاکھ بچے شامل ہیں۔ اس

طرح حکومتی دعوے کے مطابق مجموعی طور پر 3 لاکھ 77 ہزار 680 افراد کا علاج کیا گیا، جبکہ پونے 4 کروڑ سے زاید جانوروں کو ویکسین لگائی گئی ہے۔ واضح رہے تھر میں قحط سے متاثر ہونے والے افراد کی اصل تعداد حکومتی رپورٹ سے کہیں زیادہ ہے۔

ذرائع کے مطابق تھرپارکر کے سیکڑوں گاؤں میں پانی کا بحران شدت اختیار کرگیا ہے۔ چھاچھرو اور ڈاھلی میں لوگ ایک ایک لقمے اور پانی کی بوند بوند کو ترس رہے ہیں۔

متاثرین کو امدادی اشیا، پانی، خوراک اور دواؤں کے حصول میں سخت مشکلات کا سامنا ہے۔ انتظامیہ اور محکمہ صحت کی جانب سے دعوؤں کے باوجود تھرپارکر کے متاثرہ دیہات میں صحت کی ٹیمیں مقرر نہیں کی جاسکیں، جس کے باعث مختلف امراض پھیل رہے ہیں۔ جبکہ تھرپارکر کی انتظامیہ ریلیف کی گندم تقسیم کرنے میں بھی بری طرح ناکام ہے۔ سندھ حکومت کی جانب سے تھرپارکر کے قحط متاثرین کو دی جانے والی امدادی گندم کا چوتھا مرحلہ مکمل ہوگیا ہے، مزید گندم فراہم کرنے کے لیے کوئی اقدامات نہیں کیے جارہے ہیں۔ امدادی اشیا پانی، خوراک اور دواوں کے منتظر بے بس لوگوں کا صبر جواب دے گیا، لہٰذا بچوں اور خواتین سمیت چھاچھرو کے متاثرہ لوگوں نے ٹائر جلا کر انتظامیہ کے خلاف شدید احتجاج کیا ہے۔ مظاہرین نے الزام لگایا ہے کہ ریلیف کی گندم کو ملی بھگت سے فروخت کیا جارہا ہے۔

تھر میں قحط کی وجہ سے حالات دگرگوں ہیں، جبکہ سندھ حکومت سیاست چمکانے میں

مصروف ہے۔ حکومتی بے حسی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تھر میں قحط کی صورتحال پر وزیراعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کی زیر صدارت اجلاس میں پیپلز پارٹی کے جیالے بھی آپس میں گتھم گتھا ہوگئے اور وزیر اعلیٰ کوئی نتیجہ نکالے بغیر چلے گئے۔ غذائی قلت کے شکار تھر میں دن بدن حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے جارہے ہیں، لیکن ان حالات میں تھر میں ہونے والی اموات کو اپنی کوتاہی ماننے کی بجائے حکومت سندھ کی جانب سے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مضحکہ خیز بیانات دیے جارہے ہیں، جو یقیناً مشکلات میں گھرے تھر کے عوام کو تکلیف پہنچانے کا سبب بن رہے ہیں۔ کبھی وزیر اعلیٰ سندھ کہتے ہیں کہ تھر میں اموات بھوک سے نہیں، بلکہ غربت سے ہورہی ہیں۔ کبھی تھر میں ہونے والی اموات کا ذمہ دار سابقہ حکومتوں کو ٹھہرایا جاتا ہے اور کبھی سندھ حکومت کے کسی وزیر کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ ملک بھر میں روزانہ 600 بچوں کی اموات ہوتی ہیں، ان پر اتنا واویلا نہیں کیا جاتا جتنا تھر پر کیا جاتا ہے اور یہ کہ میڈیا جان بوجھ کر تھر پارکر کے معاملے کو ہائی لائٹ کر رہا ہے۔ ان حالات میں حکومت سندھ کی ذمہ داری تو یہ ہے کہ وہ تھر میں ہونے والی اموات پر قابو پانے کے لیے جلد از جلد غذائی قلت کو ختم کرے اور تھرپارکر کے عوام کو مستقل طور پر خود کفیل کرنے کا انتظام کرے، لیکن سندھ حکومت کی نااہلی کا اندازہ اس بات سے لگایے کہ ذرائع کے مطابق سندھ حکومت نے سپریم کورٹ میں تھر میں مسلسل اموات کی تحقیقات روکنے کے لیے درخواست دائر کی ہے۔

سندھ ہائیکورٹ نے تھرپارکر میں نوزائیدہ بچوں کی مسلسل اموات کے حوالے سے انکوائری کمیشن قائم کرنے کا کہا تھا۔ درخواست میں کہا گیا ہے کہ ارخود نوٹس کے باوجود سندھ ہائی کورٹ نے سیکڑوں متاثرہ گھرانوں کو فوری ریلیف دینے اور ذمے دار حکام کو سزا دینے کا کہا ہے، جس کے لیے بعد میں سندھ حکومت نے ہائیکورٹ میں جامع رپورٹ جمع کروائی تھی۔ حکومت کو یقین ہے کہ کچھ عناصر کے ہوا دیے جانے کے سبب یہ معاملہ اب تک موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ میڈیا کے بعض نمائندے بھی بے بنیاد خبروں اور رپورٹس کے بل پر رائی کا پہاڑ بنا رہے ہیں، جو سراسر زمینی حقائق کے برعکس ہے۔ حکومت سندھ نے عدالت عظمیٰ سے استدعا کی ہے کہ ہائیکورٹ کے فیصلے کو کالعدم قرار دیا جائے۔ واضح رہے کہ 17 مارچ کو عدالت نے چیف سیکرٹری سندھ سے وضاحت طلب کی تھی کہ صوبائی حکومت نے پانچ سال اقوام متحدہ کے انتباہ کے باوجود ضروری اقدام کیوں نہیں کیے، جبکہ سابق چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے بھی سپریم کورٹ کو ایک خط لکھ کر تھر کی سنگین صورتحال بیان کی تھی اور قرار دیا تھا کہ تھر کے عوام کو بنیادی حقوق کی عدم فراہمی آئین کے آرٹیکل 9 اور 14 کی خلاف ورزی ہے۔ سپریم کورٹ سے آرٹیکل 3(184) کے تحت لوگوں کو بنیادی حقوق فراہم کرنے کو کہا گیا تھا۔ یاد رہے کہ گزشتہ مہینے سندھ ہائی کورٹ نے تھرپارکر میں قحط سالی سے ہونے والی ہلاکتوں پر سندھ حکومت سمیت متعلقہ محکموں ریونیو، خوراک اور صحت سے علیحدہ علیحدہ رپورٹ طلب کی تھی اور گزشتہ دنوں خود پیپلز پارٹی

کے وزیر منظور وسان کی جانب سے جاری کردہ ایک رپورٹ میں بھی تھر میں ہونے والے اموات کا ذمہ سندھ حکومت کو ٹھہرایا گیا تھا۔

ایک عرصے سے تھر کے پھول جیسے بچے غذائی قلت، افلاس، بھوک و پیاس کے باعث مرجھا رہے ہیں، جبکہ صاحب اقتدار طبقہ اپنی ذمہ داریوں سے غافل سیاست چمکانے میں مصروف ہے۔ رواں سال مارچ کے مہینے میں تیزی کے ساتھ تھر میں بچوں کی اموات ہوئیں تو میڈیا کی نشاندہی کے بعد حکومت سندھ خواب غفلت سے بیدار ہوئی اور تھر کے عوام کے لیے امدادی سرگرمیوں کا عمل شروع کیا، لیکن حکومت کی جانب سے تھر میں بھیجی جانے والی امداد مستحق عوام تک نہ پہنچ سکی۔ اب ایک بار پھر بچوں کی اموات میں تیزی آنے پر میڈیا نے نشاندہی کی، لیکن اس بار حکومت سندھ نے عوام کو امدادی سامان پہنچانے کی بجائے تھرپارکر میں ہونے والی بچوں کی اموات کو سیاست اور اپنے مضحکہ خیز بیانات کی نذر کردیا۔ حکومت سندھ ان اموات کی ذمے داری اپنے سر لینے کو تیار ہی نہیں ہے، بلکہ ان اموات کا ملبہ سابقہ حکومت اور میڈیا پر ڈال رہی ہے۔ جب صوبے کے حکمران ہی عوام کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے تو پھر تھر کے زخموں کا مداوا کون کرے گا؟ پیپلز پارٹی اپنا قصور ایم کیو ایم کے سر ڈال رہی ہے، حالانکہ صوبے میں ایک عرصے سے حکومت تو پیپلز پارٹی کی اپنی ہے اور ویسے بھی موجودہ حالات سے نمٹنا تو موجودہ حکومت کی ہی ذمہ داری ہے۔ یہ بات واضح

ہے کہ قحط سالی، زلزے یا سمندری طوفان کی طرح ایک دم سے نازل تو نہیں ہو جاتی، اس پر قابو نہ پانا صرف حکومت نااہلی ہو سکتی ہے۔ حکومت سندھ کو چاہیے کہ اس مشکل کی گھڑی میں تھر کے عوام کو تمام ضروریات زندگی فراہم کرے۔ پینے کا صاف پانی ہنگامی طور پر عوام کو مہیا کیا جائے۔ جہاں دنیا میں صحراؤں پر شہر آباد ہو رہے ہیں، وہاں تھر کی قسمت کو کیوں نہیں سنوارا جا سکا؟

18ویں سارک کانفرنس.... پاک بھارت تعلقات کے تناظر میں!

جنوبی ایشیائی علاقائی تعاون کی تنظیم (سارک) کی دو روزہ اٹھارویں کانفرنس نیپال کے دارالحکومت کھٹمنڈو میں جاری ہے، جس میں پاکستان، بھارت، نیپال، بھوٹان، مالدیپ، افغانستان اور سری لنکا کے سربراہان شریک ہیں۔ حسب سابق کانفرنس میں سارک ممالک سے بھوک، غربت، افلاس، جہالت ختم کرنے اور آپس میں تعاون بڑھانے پر زور دیا گیا۔ سارک سربراہ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وزیراعظم نواز شریف کا کہنا تھا کہ دنیا کی آبادی کا ایک چوتھائی سارک ممالک میں بستی ہے، جب کہ سارک ممالک کو بھوک، غربت، افلاس اور جہالت جیسے مسائل کا سامنا ہے۔ سارک کو رکن ممالک میں اعتماد کی فضا قائم اور مذہبی و ثقافتی ہم آہنگی پیدا کرنی چاہیے۔ سارک رکن ممالک کو تعلیم، صحت، سائنس اور ٹیکنالوجی میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا ہوگا۔ واضح رہے کہ جنوبی ایشیائی علاقائی تعاون کی تنظیم "سارک" جنوبی ایشیا کے 8 ممالک کی ایک اقتصادی اور سیاسی تنظیم ہے، جس کے قیام کا مقصد علاقائی تعاون کو مؤثر اور ٹھوس بنیادوں پر استوار کرنا اور اس خطے کو ایک غیر سیاسی ادارے کے دائرہ کار میں لانا ہے۔ آبادی کے لحاظ سے یہ دنیا کی سب سے بڑی علاقائی تنظیم ہے، جو تقریباً 1 اعشاریہ 47 ارب لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ 1970 کی دہائی کے اواخر میں بنگلادیش کے صدر ضیاء الرحمٰن نے

جنوبی ایشیائی ممالک پر مشتمل ایک تجارتی بلاک کا خیال پیش کیا۔ 1981 میں کولمبو میں ہونے والے ایک اجلاس میں بھارت، پاکستان اور سری لنکا نے بنگلا دیشی تجویز کو تسلیم کیا۔ اگست 1983 میں نئی دہلی میں منعقدہ ایک اجلاس میں جنوبی ایشیائی علاقائی تعاون کے معاہدے کا اعلان کیا گیا۔ 7 ایشیائی ممالک نے زراعت و دیہی ترقی، مواصلات، سائنس، ٹیکنالوجی، موسمیات، صحت و بہبود آبادی، ذرائع نقل و حمل، انسانی ذرائع کی ترقی میں تعاون کا اظہار کیا۔ یہ تنظیم 8 دسمبر 1985 کو بھارت، پاکستان، بنگلا دیش، سری لنکا، نیپال، مالدیپ اور بھوٹان نے قائم کی تھی۔ سارک تنظیم ابتدائی طور پر سات ممالک پر مشتمل تھی، لیکن 3 اپریل 2007 کو نئی دہلی میں تنظیم کے 14 ویں اجلاس میں افغانستان کو آٹھویں رکن کی حیثیت سے تنظیم میں شامل کیا گیا۔ اس طرح افغانستان کی شمولیت سے تنظیم کے رکن ممالک کی تعداد بڑھ کر 8 ہو گئی۔ اپریل 2006 میں ریاستہائے متحدہ امریکا اور جنوبی کوریا نے مبصر کی حیثیت سے تنظیم میں شمولیت کی باقاعدہ درخواست دی۔ یورپی یونین نے بھی مبصر کی حیثیت سے شمولیت میں دلچسپی ظاہر کی اور جولائی 2006 میں سارک وزراء کونسل میں اس حیثیت کے لیے باقاعدہ درخواست دی۔ 2 اگست 2006 کو سارک وزرائے خارجہ کے اجلاس میں امریکا، جنوبی کوریا اور یورپی یونین کو مبصر کی حیثیت دی گئی۔ 4 مارچ 2007 کو ایران نے بھی مبصر کی حیثیت کے لیے درخواست دی۔

بھوٹان میں ہونے والی سارک کانفرنس میں پاک بھارت تعلقات کافی اہمیت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ پاکستان اور بھارت اس علاقائی تنظیم کے دو ایسے بڑے رکن ملک ہیں جو روایتی طور پر ایک دوسرے کے حریف ہیں اور آپس میں جنگیں بھی لڑ چکے ہیں۔ دونوں کے درمیان سرحدی کشیدگی کی وجہ سے ایک بار پھر اسلام آباد اور نئی دہلی کے مابین کشیدگی کی فضا قائم ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان تعلقات خوشگوار نہیں ہیں، بلکہ لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باؤنڈری پر بھارت کی جانب سے فائرنگ کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہے، جس کی وجہ سے دونوں ملکوں کے درمیان دوری اور تلخی موجود ہے۔ کانفرس کے پہلے روز وزیر اعظم نواز شریف یہ کہہ چکے ہیں کہ پاک بھارت مسائل سارک کو موثر بنانے میں رکاوٹ ہیں، پاک بھارت مذاکرات میں بھارت کو پہل کرنا ہوگی۔ جبکہ میزبان نیپالی وزیر خارجہ نے کہا ہے کہ پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں ڈیڈ لاک دور کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس پس منظر میں سارک کانفرنس کے دوران پاک بھارت تعلقات مزید اہمیت اختیار کر گئے ہیں۔ تجزیہ کاروں کے مطابق سارک کانفرنس کے باوجود بھی پاک بھارت تعلقات میں بہتری آتی دکھائی نہیں دے رہی ہے، جس کی سب سے بڑی وجہ مودی حکومت کا انتہا پسندانہ رویہ ہے۔ حالانکہ پاک بھارت تعلقات میں بہتری لانا وقت کی اہم ضرورت ہے، کیونکہ جب تک پاک بھارت تعلقات میں بہتری نہیں آتی، اس وقت تک خطے کے حالات میں بہتری نہیں آ سکتی۔ ماہرین سیاسیات کے مطابق سارک کے رکن ممالک کے درمیان تجارتی روابط دیگر ممالک کے

ساتھ ان کے روابط کے محض پانچ فی صد ہیں، جبکہ آسیان کے ممبر ملکوں کی تجارتی سرگرمیوں میں علاقائی تجارت کو ایک چوتھائی حصہ حاصل ہے اور سارک میں شامل ممالک کے درمیان تعاون کو صرف اس صورت میں تقویت پہنچ سکتی ہے، جب پاک بھارت تعلقات معمول پر آ جائیں۔ جنوبی ایشیا کی ترقی میں سارک کا کردار موثر نہ ہونے کی بڑی وجہ پاکستان اور بھارت کے درمیان جاری سیاسی اور عسکری کشیدگی کو سمجھا جاتا ہے۔ جس کا اظہار وزیر اعظم میاں نواز شریف کر بھی چکے ہیں۔ انہی اقتصادی، سیاسی اور علاقائی کشیدگیوں کے باعث جنوبی ایشیائی ممالک مشترکہ معیشت کا فائدہ اٹھانے سے قاصر ہیں۔ بیشتر ماہرین کے خیال میں سارک کی "ناکامی" کی سب سے بڑی وجہ جنوبی ایشیا کی دو جوہری طاقتوں، بھارت اور پاکستان کے درمیان کشیدگی ہے۔ فوجی اور سیاسی اعتبار سے ان دو روایتی حریفوں کے درمیان کشمیر اور سیاچین سمیت کئی دیگر متنازعہ معاملات ہیں، جو خطے کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں۔

آٹھ جنوبی ایشیائی ممالک کی تنظیم برائے علاقائی تعاون، سارک کو قائم ہوئے 30 برس ہو گئے۔ سارک تنظیم کا اٹھارواں اجلاس جاری ہے، جبکہ اس سے پہلے سترہ اجلاس ہو چکے ہیں۔ سارک ممالک کا پہلا سربراہ اجلاس 8 دسمبر 1985 کو ڈھاکا میں ہوا، دوسرا 1986 کو بنگلور میں ہوا، تیسرا 1987 کو کھٹمنڈو میں ہوا، چوتھا 1988 کو اسلام آباد میں ہوا، پانچواں 1990 کو مالی میں ہوا

چھٹا 1991 کو کولمبو میں ہوا، ساتواں 1993 کو ڈھاکا میں ہوا، آٹھواں 1995 کو نئی دہلی میں ہوا، نواں 1997 کو مالی میں ہوا، دسواں 1998 کو کولمبو میں ہوا، گیارہواں 2002 کو کھٹمنڈو میں ہوا، بارہواں 2004 کو اسلام آباد میں ہوا، تیرہواں 2005 کو ڈھاکا میں ہوا، چودھواں 2007 کو دہلی میں ہوا، پندرہواں میں ہوا، سولہواں سربراہ اجلاس 2010 کو بھوٹان کے دارلحکومت "تھم 2008 پھو" میں ہوا اور سترہواں اجلاس 2011 میں مالدیپ میں ہوا۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ اس تنظیم کے قیام سے جو توقعات وابستہ تھیں وہ ابھی تک پوری نہیں ہو سکیں۔ اپنے قیام سے آج تک یہ تنظیم "نشستند، گفتند، برخاستند" کی مثال بنی ہوئی ہے۔ سیاسی معاملات سارک کے مختلف اجلاسوں میں زیر بحث رہے، لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکا۔ اگرچہ اس تنظیم نے بہت سے مثبت فیصلے کیے، لیکن فیصلوں پر عمل درآمد کی رفتار نہایت غیر حوصلہ افزا رہی ہے، جبکہ بہت سی دیگر علاقائی تنظیموں نے دیکھتے ہی دیکھتے بہت ترقی کی ہے اور عالمی سطح پر ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا ہے۔ ان میں یورپی یونین، شنگھائی تعاون تنظیم اور آسیان قابل ذکر ہیں۔ سارک تنظیم جو ڈیڑھ ارب سے زیادہ آبادی پر مشتمل ملکوں کی تنظیم ہے، آج تک پاکستان اور بھارت کے مابین موجود تنازعات کی وجہ سے قابل ذکر پیشرفت نہیں کر سکی۔ بھارت اور پاکستان پر دیگر ممالک یہ تنقید کرتے رہے ہیں کہ علاقے کی ان دو ایٹمی طاقتوں کے تنازعات نے تنظیم کو بھی یرغمال بنا رکھا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ

پاکستان اور بھارت سمیت سارک ممالک اپنی جی ڈی پی کا ایک بڑا حصہ دفاع کی مد میں خرچ کرتے ہیں، جبکہ اس خطے کے عوام غربت، پسماندگی، ناقص خوراک اور صحت کے مسائل سمیت بہت سی دیگر مشکلات کی دلدل میں گرفتار ہیں۔ خطے میں 26 کروڑ عوام صحت کی مناسب سہولتوں، 33 کروڑ 70 لاکھ افراد پینے کے صاف پانی اور 40 کروڑ افراد خوراک سے محروم ہیں۔اگر سارک ممالک باہمی اعتماد پیدا کرکے دفاع کی مد میں خرچ کی جانے والی رقم کا کچھ حصہ بچا سکیں تو یقینی طور پر اس خطے کی محروم آبادی کے حالات کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ پاکستان اور بھارت کی کشمیر اور پانی کے مسئلے پر ہمیشہ چپقلش رہی ہے اور آیندہ بھی پڑوسی ممالک سے اس کے اتفاق واتحاد کے آثار نظر نہیں آتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ بھارت خطے میں بالادستی کا خواب چھوڑ کر اپنا رویہ تبدیل کرے۔ اگر بھارت اپنے رویے میں مثبت تبدیلیاں نہیں لاتا تو پھر اس خطے کے حالات کشیدہ ہی رہیں گے اور اس کی وجہ سے عالمی سطح پر بھی امن و سلامتی کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ برقرار رہے گا۔ پاکستان اور بھارت دو ایسی ایٹمی طاقتیں ہیں جو اپنے سائنس دانوں کی بدولت جدید ترین ایٹمی اسلحہ، میزائل سسٹم اور مواصلاتی میدان میں بھی عالمی سطح پر اپنا ایک مقام رکھتی ہیں، ان دونوں ملکوں کے درمیان کشیدگی پورے خطے کے لیے خطرے کا باعث ہے۔ یہ اٹل حقیقت ہے جب تک مسئلہ کشمیر حل نہیں ہو جاتا،اس وقت تک دیگر مسائل پر کماحقہ اتفاق رائے ہونا بظاہر ناممکن ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ سارک کے رکن

ممالک پاکستان اور بھارت کے مابین مسئلہ کشمیر اور پانی جیسے بنیادی تنازعات کے حل میں موثر کردار ادا کریں۔ اس کے ماسوا علاقائی اور عالمی امن کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔

30 نومبر کا جلسہ.... حکومت اور تحریک انصاف کا کڑا امتحان!

پاکستان تحریک انصاف 30 نومبر کو ایک بار پھر اسلام آباد میں اپنی سیاسی قوت کا مظاہرہ کرنے جارہی ہے، جس کو تحریک انصاف کا "فیصلہ کن" معرکہ قرار دیا جارہا ہے۔ اسلام آباد کے جلسے کے حوالے سے پاکستان تحریک انصاف اور حکومت دونوں اپنے تئیں تقریباً تمام انتظامات مکمل کر چکے ہیں۔ ذرائع کے مطابق بعض بیرونی دوستوں کے تعاون سے حکومت اور تحریک انصاف میں موجود حد سے بڑھی ہوئی تلخی کو افہام و تفہیم کے ذریعے ختم کرکے جلسے کے لیے پرامن ماحول بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلے حکومت اور پی ٹی آئی اپنے اپنے موقف سے بالکل بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھے اور اب وفاقی دارالحکومت کی انتظامیہ اور تحریک انصاف کے نمائندوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پاجانے کے بعد ضلعی انتظامیہ کی جانب سے پاکستان تحریک انصاف کو اسلام آباد میں جلسہ کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ معاہدے کے تحت یہ جلسہ 30 نومبر کو اسی جگہ پر ہوگا، جہاں پاکستان تحریک انصاف کی قیادت دھرنا دے رہے ہوئے ہے۔ دوسری جانب انتظامیہ نے اسلام آباد کی اہم شاہراہوں اور داخلی راستوں پر کنٹینر لگا کر رکاوٹیں کھڑی کردیں اور ریڈ زون کے اطراف پولیس کی بھاری نفری کو بھی تعینات کردیا گیا ہے اور ذرائع کا کہنا ہے کہ اسپیشل برانچ کی جانب سے ٹریفک پولیس کو جلسے میں آنے والی

گاڑیوں کی پکڑ دھکڑ کے لیے بھی فہرستیں فراہم کر دی گئی ہیں اور بعض اطلاعات پی ٹی آئی کے کارکنان کی گرفتاری کی بھی ہیں۔ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کا کہنا ہے کہ 30 نومبر کو کارکنوں پر تشدد ہوا تو لوگ ایران کی طرح حکمرانوں کو الٹا لٹکا دیں گے۔ حکومت نے یہ کیسے تصور کر لیا کہ 30 نومبر کو پی ٹی آئی کے کارکن متشدد ہوں گے، جس کے باعث ان کو ہراساں کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ اگر شرکا تشدد پر اتر آتے ہیں تو ان کو ایسا کرنے سے روکنے کے لیے مناسب اقدامات کا بندوبست ضرور کیا جانا چاہیے۔ کارکنان ہر صورت تمام رکاوٹیں عبور کر کے 30 نومبر کو اسلام آباد پہنچیں۔ جبکہ وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان کا کہنا ہے کہ پاکستان تحریک انصاف پی ٹی آئی) کو اسلام آباد میں پرامن، سیاسی اور جمہوری انداز میں جلسے کی اجازت ہو) گی، لیکن اگر 30 نومبر کو ریاست پر یلغار کی تو قانون حرکت میں آئے گا اور ایف سی، رینجرز اور پولیس پوری طرح ایکشن کے لیے تیار ہیں۔

اسلام آباد میں جلسے کی اجازت ملنے کے بعد حکومت اور پی ٹی آئی کے رویوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں 30 نومبر کو کامیابی حاصل کر کے اپنے مد مقابل کو شکست سے دوچار کرنا چاہتے ہیں۔ ایک طرف عمران خان جلسے کی کامیابی کے لیے کوشاں ہیں، جبکہ دوسری جانب حکومت جلسے کی ناکامی کی خواہاں ہے۔ بعض حکومتی حلقوں کی رائے یہ ہے کہ ہمیں عمران خان سے گھبرانے کی ضرورت نہیں، وہ کوئی

بڑا مجمع اکٹھا نہیں کر سکیں گے اور اگر عمران سے بات چیت کرنی ہے تو وہ 30 نومبر کے بعد ہی کی جائے، جبکہ حکومت صاف لفظوں میں کہہ چکی ہے کہ کسی کو بھی قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اب 30 نومبر کا جلسہ حکومت اور تحریک انصاف دونوں کے لیے ایک بڑا چیلنج اور کڑا امتحان ہے۔ عمران خان کے لیے یہ بڑا چیلنج ہے کہ وہ 30 نومبر کو اسلام آباد میں کتنی بڑی تعداد میں مجمع اکٹھا کرتے ہیں؟ اسلام آباد میں بڑا مجمع اکٹھا کرنے پر مستقبل میں تحریک انصاف کی کامیابی کی ضمانت دی جا سکتی ہے۔ اسلام آباد میں جلسے کے شرکا کی تعداد بڑھانے کے لیے عمران خان نے دوسری سیاسی جماعتوں کو بھی شرکت کی دعوت دی، لیکن پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کی جانب سے اپنی 30 نومبر کو "فیصلہ کن" معرکے میں شرکت کی دعوت کو ملک کی تمام قابل ذکر سیاسی قوتوں نے نظرانداز کر دیا ہے۔ لہٰذا اب 30 نومبر کو جلسے کے لیے عمران خان کو طاہر القادری کی عوامی تحریک سمیت کسی بھی سیاسی جماعت کا تعاون حاصل نہیں ہوگا۔ پیپلز پارٹی، اے این پی اور جے یو آئی (ف) کا جلسے میں شرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ عمران خان ان جماعتوں پر کھل کر بے جا تنقید کرکے انہیں اپنا حریف بنا چکے ہیں۔ ایسا ہی رویہ محمود خان اچکزئی کی پختونخوا ملی عوامی پارٹی، وزیراعلیٰ بلوچستان ڈاکٹر عبدالمالک کی نیشنل پارٹی اور تمام سندھی قوم پرست جماعتوں کا ہوگا۔ عمران خان نے ان تمام جماعتوں کو "کرپٹ اسٹیٹس کو" کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ جبکہ

متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) بھی پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کے 30 نومبر کے جلسے میں شمولیت سے معذرت کر چکی ہے۔ خیبر پختونخوا تحریک انصاف کی اتحادی جماعت اسلامی کو عمران خان کی پالیسیوں پر تحفظات ہیں، لیکن وہ علامتی نمائندگی کر سکتی ہے۔ اسی طرح عوامی تحریک اور مسلم لیگ ق بھی اپنے وفد بھیج کر شرکت کر سکتی ہیں، لیکن ان کے وفود کی شرکت سے جلسے کی تعداد پر کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔

تحریک انصاف اسلام آباد جلسے کی کامیابی کے حوالے سے کافی زیادہ پر امید ہے، کیونکہ اسے توقع ہے کہ جس انداز سے عوام جلسوں میں آئے ہیں، وہ اسلام آباد بھی ضرور آئیں گے، لیکن اگر عمران خان اسلام آباد میں ایک بڑا مجمع اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو اس سے حکومت کی "سیاسی پریشانی" میں اضافہ ہوگا۔ حکومت کو ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ تحریک انصاف کہیں خود تشدد کا راستہ اختیار نہ کرلے۔ حالات میں تشدد کا عمل آیا تو اس سے صورتحال پر قابو پانا آسان نہ ہوگا۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ حکومت اب پہلے جیسے دباؤ میں نہیں ہے، بلکہ کافی مطمئن نظر آتی ہے اور اس کا خیال ہے اب حالات ایسے نہیں جو حکومت کی تبدیلی کا باعث بن سکیں۔ کچھ اس قسم کی اطلاعات بھی ہیں کہ عمران خان 30 نومبر کے بعد بھی اپنی تحریک میں شدت پیدا کرنے کی پوری حکمت عملی تیار کرکے بیٹھے ہیں۔ ذرائع کے مطابق وہ ملک میں ایک دن کی پہیہ جام کی

ہڑتال کا اعلان بھی کر سکتے ہیں اور 30 نومبر کے بعد ان کی جانب سے جلسوں کا نیا شیڈول بھی سامنے آ سکتا ہے۔ دراصل عمران خان کو اندازہ ہے کہ اگر انہوں نے اگلے برس نئے انتخابات کی جانب جانا ہے تو ملک میں محاذ آرائی کی سیاست کرنا ہوگی، کیونکہ جتنی سیاسی محاذ آرائی بڑھے گی، اتنی ہی حکومت کی سیاسی پوزیشن خراب ہوگی اور تمام فریق نئے انتخابات کا مطالبہ بھی کر سکتے ہیں۔ اس ساری صورتحال کو 30 نومبر سے عمران خان کی ممکنہ تحریک کو آسان نہیں لینا چاہیے۔ اب دیکھنا یہ ہوگا کہ ایک طرف حکومت پی ٹی آئی کے جلسے اور عمران خان سے کس طرح کامیابی کے ساتھ پر امن طریقے سے نمٹتی ہے اور دوسری جانب عمران خان کس طرح پر امن طریقے سے جلسے کو کامیاب بنا کر اپنے سیاسی مستقبل کو روشن بنا سکتے ہیں؟ یہ حقیقت ہے کہ 30 نومبر کا دن حکومت اور عمران دونوں کے لیے ایک کڑے امتحان کی حیثیت رکھتا ہے۔ حکومت کا خیال ہے کہ 30 نومبر اگر پر امن گزر گیا تو اس کے بعد عمران آسانی سے گھر چلے جائیں گے، لیکن ایسا ممکن نہیں، کیونکہ عمران کو لگتا ہے کہ ان کی اس مہم کو عوام میں پذیرائی مل رہی ہے اور ان کو اپنی تحریک سے دستبردار نہیں ہونا چاہیے اور عمران کسی بھی صورت خاموشی سے نہیں بیٹھنا چاہتے، کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اگر وہ اپنی تحریک ختم کرتے ہیں تو اس کے بعد فوری نئے انتخابات کا مطالبہ ختم ہو کر رہ جائے گا۔ دوسری جانب حکومت کے لیے ضروری ہے کہ وہ پی ٹی آئی کے "فیصلہ کن معرکے" سے پر امن طریقے سے نمٹے، بصورت دیگر حالات مزید کشیدہ

ہو سکتے ہیں، جس کا نقصان ملک اور حکومت کو ہوگا۔

! ڈاکٹر خالد محمود سومرو کی شہادت.... ملک گیر احتجاج

سندھ کی معروف مذہبی و سیاسی شخصیت اور جمعیت علمائے اسلام (ف) کے مرکزی رہنما سابق سینیٹر ڈاکٹر خالد محمود سومرو کو ہفتے کے روز سکھر کے قریب ایک مدرسے میں نماز فجر کے دوران دہشت گردوں نے فائرنگ کرکے شہید کردیا۔ ڈاکٹر خالد محمود سومرو پر اس حملے سے قبل 5 بار پہلے بھی حملے ہو چکے تھے، لیکن چھٹا حملہ جان لیواثابت ہوا۔ ہفتہ کی شام ڈاکٹر خالد محمود سومرو کے بیٹے کی شادی کی تقریب ہونی تھی، لیکن دہشت گردوں نے خوشی والے گھر کو غم میں ڈبو دیا۔ جمعیت علمائے اسلام کے اہم ترین رہنما ڈاکٹر خالد محمود سومرو ایک نامور خطیب اور اہم سیاست دان تھے، جمعیت علمائے اسلام ف کے پلیٹ فارم سے سندھ کی سیاست میں ان کا کردار ہمیشہ سے اہم رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ پیپلز پارٹی کے گڑھ سمجھے جانے والے لاڑکانہ میں انہوں نے قومی اور صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں محترمہ بے نظیر بھٹو کا ڈٹ کر کانٹے دار مقابلہ کیا۔ انہوں نے 1988 میں جمعیت علمائے اسلام میں باضابطہ شمولیت اختیار کی۔ وہ 8 مرتبہ جے یو آئی سندھ کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے اور مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے۔ 2006 سے 2012 تک سینیٹر رہے۔ ان کا شمار مولانا فضل الرحمٰن کے قریب ترین ساتھیوں میں ہوتا تھا۔

انہوں نے جنرل ضیاء الحق کے دور میں 9 مہینے سیاسی قید بھی کاٹی۔ ڈاکٹر خالد محمود سومرو کی سرپرستی میں متعدد مدرسے تعمیر کرائے گئے۔ ڈاکٹر خالد محمود سومرو نے برطانیہ، عراق، مصر، سوئٹزرلینڈ، چین، بنگلا دیش، بھارت، بوٹسوانا، سنگاپور، جنوبی افریقا، شام، پولینڈ اور یو اے ای کے دورے بھی کیے۔ ڈاکٹر خالد محمود سومرو ایک باصول اور بے باک سیاست دان کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ ڈاکٹر خالد محمود سومرو شہید نے اپنی شہادت سے چند گھنٹے قبل بھی سکھر میں پیغام امن و استحکام پاکستان کانفرنس سے بے باک انداز میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا تو میں سب سے پہلے قربانی دے کر جام شہادت نوش کروں گا۔ اگر حق کے راستے میں شہادت مل جائے تو اس سے بڑی کامیابی اور کوئی نہیں ہے۔

ہفتے کے روز ان کے جسد خاکی کو ان کے آبائی شہر لاڑکانہ منتقل کیا گیا، جہاں بعد نماز عشاء شہید کے بھائی مولانا مقصود حقانی کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں ملک بھر سے اہم سیاسی و مذہبی شخصیات سمیت ہزاروں افراد نے شرکت کی، نماز جنازہ کے بعد انہیں ان کے مدرسے کے قریب گلشن حقانی سوسائٹی کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ شہادت کے روز جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے ڈاکٹر خالد محمود سومرو کے قتل کی شدید مذمت کرتے ہوئے ملک بھر میں احتجاج کا اعلان کیا اور کارکنوں کو

پورے ملک کی شاہراہیں جام کرنے کی ہدایت کی۔ جبکہ لاڑکانہ بیرایجے یو آئی کی صوبائی مجلس شوریٰ کے اجلاس نے 3 دن سوگ منانے کے ساتھ ساتھ صوبہ بھر میں مظاہروں کا اعلان کیا۔ مولانا فضل الرحمٰن کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر خالد محمود سومرو کا قتل واضح کرتا ہے کہ ملک بھر میں قاتل دندناتے پھر رہے ہیں، لیکن ریاست بالکل ہی بے بس ہو چکی ہے۔ ناکام ریاست کو مزید وقت نہیں دے سکتے۔ ہم قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہتے، لیکن ریاست فوری طور پر قاتلوں کو ہمارے حوالے کرے یا پھر قتل کی ذمہ داری قبول کرے۔ ڈاکٹر خالد محمود سومرو کے قتل کے خلاف ملک بھر میں اتوار کے روز جے یو آئی کی جانب سے یوم احتجاج منایا گیا، جبکہ سندھ کی قوم پرست جماعتوں نے بھی ڈاکٹر خالد محمود سومرو کے قتل کی شدید مذمت کرتے ہوئے اتوار کو احتجاج کیا۔ مظاہرین نے شدید غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے حکومت سندھ سے مطالبہ کیا کہ وہ ڈاکٹر خالد محمود سومرو کے قاتلوں کو فوری گرفتار کرکے قرار واقعی سزا دے۔ احتجاج کے دوران بلوچستان، اندرون سندھ، خیبر پختونخوا میں شٹر ڈاؤن ہڑتال، دکانیں اور پٹرول پمپ بند رہے۔ وزیراعظم میاں نواز شریف، سابق صدر آصف زرداری، امیر جماعت اسلامی سراج الحق، متحدہ قومی موومنٹ کے سربراہ الطاف حسین، عوامی نیشنل پارٹی کے سربراہ اسفندیار ولی خان، پشتونخواہ ملی عوامی پارٹی کے سربراہ محمود اچکزئی، آفتاب احمد خان شیرپاؤ، ملی یکجہتی کونسل کے سربراہ صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر، قائد حزب اختلاف خورشید شاہ، مسلم لیگ (ضیائ

کے سربراہ اعجاز الحق اور مسلم لیگ (ق) کے سربراہ چودھری شجاعت حسین اور دیگر متعدد مذہبی و سیاسی شخصیات نے خالد محمود سومرو کے قتل پر گہرے دکھ کا اظہار کیا، جبکہ متعدد رہنماؤں نے حکومت سے ڈاکٹر خالد محمود سومرو کے قاتلوں کی فوری گرفتاری کا مطالبہ کیا۔ وزیراعظم نے مولانا فضل الرحمٰن کو یقین دہانی کرائی کہ ڈاکٹر خالد محمود سومرو کے قاتلوں کو جلد از جلد گرفتار کرکے انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے گا۔ قاتل بچ نہیں سکیں گے۔

علمائے کرام نے جمعیت علمائے اسلام کے رہنما اور ہر دلعزیز شخصیت ڈاکٹر خالد محمود کی شہادت کو پوری قوم کے لیے لمحہ فکریہ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر علمائے کرام کے قاتلوں کی گرفتاری میں ذرا بھی سنجیدگی دکھائی جاتی تو ہمیں آئے دن اس قسم کے سانحات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ وطن عزیز کو قتل وغارت کی آماجگاہ بننے سے روکنے کے لیے حکمران ہوش کے ناخن لیں، حکومت وقت علمائے حق کی پے در پے شہادتوں اور بہتے ہوئے لہو کا حساب دے۔ مولانا فضل الرحمٰن پر قاتلانہ حملے سے لے کر ڈاکٹر خالد محمود سومرو کی شہادت تک اور کراچی میں مولانا مسعود بیگ سے لے کر اسلام آباد راولپنڈی کے نوجوان علماء کی شہادتوں تک کے جملہ واقعات کی آزادانہ، غیر جانبدارانہ اور منصفانہ تحقیقات کروائی جائیں۔ لادین قوتیں اہل حق کی آواز دبانے کے لیے آئے روز علمائے کرام کا قتل عام کر رہی ہیں، جبکہ حکمران اور حکومتی ایجنسیاں خاموش

تماشائی کا کردار ادا کر رہی ہیں۔ حکومتی ادارے علمائے کرام کو مسلح جدوجہد کی طرف دھکیلنے کی کوشش کر رہے ہیں، تاکہ دینی اداروں کو بلڈوز کیا جاسکے۔ یہ بات حقیقت ہے کہ ملک میں علمائے کرام کا قتل عام حکومت کی کرکارگی پر سوالیہ نشان ہے۔

پاکستان میں گزشتہ چند سالوں سے مذہبی حلقے کے خلاف بڑی منصوبہ بندی سے سازشیں ہو رہی ہیں، جس کے نتیجے میں ہر طبقہ، مسلک اور برادری کے اہل علم اور قابل فخر ہستیوں کو چن چن کر شہید کرکے راستے سے ہٹایا جارہا ہے اور ڈاکٹر خالد محمود سومرو کی شہادت تک تسلسل کے ساتھ یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ جان لیوا حملے ایسی قدآور شخصیات پر کیے جاتے ہیں جو اپنے مثبت کام کے حوالے سے حلقہ عوام وخواص میں معروف ہیں۔ پاکستان کی سرزمین پر بلاامتیاز مسلک و مذہب جن اہم مذہبی شخصیات کا ناحق خون بہایا گیا، ان کی ایک لمبی اور طویل ترین فہرست وجود میں آچکی ہے۔ صرف کراچی میں مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید، مولانا مفتی عبدالسمیع شہید، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید، مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید، مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید، مولانا نذیر احمد تونسوی شہید، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہید، مولانا عنایت اللہ شہید، مولانا حمید الرحمٰن شہید، مولانا مفتی محمد اقبال شہید، مولانا انیس الرحمٰن درخواستی شہید، مولانا سعید احمد جلال پوری شہید، مولانا عبدالغفور ندیم شہید، مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید اور دیگر کئی اہم شخصیات دہشتگردوں کی گولیوں کا نشانہ بن کر

شہید کیے گئے۔ اسی طرح تقریباً دیگر تمام مسالک کی اہم شخصیات کو بھی نشانہ قتل کیا گیا ہے۔ تمام تر دعوؤں کے باوجود نامعلوم قاتلوں کی گردنوں تک قانون کے لمبے ہاتھ پہنچنے سے قاصر ہیں۔ تاحال کسی کے قاتلوں کو بے نقاب کیا گیا اور نہ گرفتار کیا گیا اور نہ ہی ان کے قاتلوں کے سراغ لگانے کی زحمت گوارا کی گئی۔ بلکہ کسی سانحے کے چند دنوں کی تفتیش کے بعد کیس کی فائل کو بند کر دیا جاتا ہے۔ ان حالات میں دینی قیادت، علمائے کرام، دانشورانِ قوم اور بااثر حضرات کو سوچنا چاہیے کہ یہ تمام مکاتب فکر، تمام طبقات اور سارے مسلکی حلقوں کا معاملہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان حادثات وواقعات کے سدباب اور روک تھام کے لیے مشاورت سے کوئی واضح لائحہ عمل مرتب کیا جائے، تاکہ آئندہ ایسے حادثات کا اعادہ نہ ہو۔ تمام سازشوں کا مقابلہ اندرونی وبیرونی یکسوئی کے ساتھ ممکن ہے۔

عمران خان کا پلان "سی" .... مستقبل کیا ہوگا؟

پلان "اے" اور "بی" کی ناکامی کے بعد پاکستان تحریک انصاف کے جلسے میں عمران خان کے تھیلے سے "پلان سی" کی بلی باہر آ گئی ہے اور اس کے بعد معاملہ شاید پلان "ڈی"، "ای" سے ہوتا ہوا "زیڈ" تک جا پہنچے، ممکن ہے تب تک موجودہ حکومت اپنا دور اقتدار مکمل کر لے۔ بہر حال تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے 30 کو اسلام آباد میں جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ "وہ 4 دسمبر سے ملک کے مختلف شہروں کو بند کرنا شروع کردیں گے۔ 4 دسمبر کو لاہور، 8 دسمبر کو فیصل آباد، 12 دسمبر کو کراچی اور 16 دسمبر کو پورا پاکستان بند کردیں گے، اگر مطالبات پورے نہ ہوئے تو 16 دسمبر کے بعد "پلان ڈی" آئے گا۔" عمران خان نے 30 نومبر کے جلسے کو "حتمی معرکے" کا نام دیا تھا، لیکن جلسے سے اگلے روز ہی پی ٹی آئی کے اجلاس میں یہ طے پایا کہ لاہور کو 4 دسمبر کی بجائے 15 دسمبر اور ملک کو 16 دسمبر کی بجائے 18 دسمبر کو جام کیا جائے گا، تاہم فیصل آباد اور کراچی میں احتجاج بدستور 8 اور 12 دسمبر کو ہی ہوگا۔ پچھلے تین مہینوں کے دوران حکومت سے ہار منوانے کے لیے وہ مختلف کوششوں میں مصروف ہیں۔ عمران خان نے ملک کے تین بڑے شہروں اور اس کے بعد پورے ملک کو بند کرنے کی دھمکی دی ہے، جو حکومت کے لیے شاید زیادہ باعث

آزار نہیں ہوگی، ہاں اس سے ملک کا کاروباری طبقہ از حد پریشان ہوگا۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ اگر کاروباری اور تجارتی ادارے عمران خان کے حکم پر اپنا کاروبار بند نہیں کرتے تو کیا تحریک انصاف کے لٹھ بردار یا اسلحہ بردار بزور طاقت انہیں بند کرنے پر مجبور کر سکیں گے؟ شاید اس سوال پر خان صاحب نے غور نہیں کیا۔ تجزیہ کاروں کے مطابق پلان اے اور بی کی طرح خان صاحب کا پلان سی بھی ناکام ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں کئی سیاسی جماعتوں نے پہیہ جام ہڑتال کا اعلان کیا ہے، لیکن کامیابی سب کو نہیں ملی۔ اب عمران خان اپنے مقصد میں کتنے کامیاب ہوتے ہیں، اس کا فیصلہ تو وقت ہی کرے گا، بہر حال عمران خان کے لیے کراچی بند کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ کراچی میں بظاہر اپنی حریف جماعت ایم کیو ایم کی حلیف نہ بن جائے، اس طرح عین ممکن ہے کہ عمران خان ایم کیو ایم کے تعاون سے کراچی بھی ایک دن کے لیے بند کرنے میں کامیاب ہو جائیں، لیکن اگر ایم کیو ایم نے عمران خان کا ساتھ نہیں دیا تو کراچی بند کرنے کی عمران خان کی کال ناکام ہو جائے گی۔ جبکہ پیپلز پارٹی کے رہنما اور صوبائی وزیر اطلاعات شرجیل میمن نے بھی عمران خان کے بیان کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ کسی کو بھی کراچی بند نہیں کرنے دیں گے۔ جس کے بعد عمران خان کے لیے کراچی بند کرنا انتہائی مشکل ہے۔ جہاں تک لاہور اور فیصل آباد کو بند کرنے کا معاملہ ہے تو اس حوالے سے مسلم لیگ (ن) کی حکمت عملی اہم ہو گی۔ اب تک تو مسلم لیگ (ن) نے تحریک انصاف سے

براہ راست ٹکراؤ سے اجتناب کیا ہے، لیکن اب پالیسی بدلتی نظر آ رہی ہے۔ اسی تناظر میں حکومت نے کہا ہے کہ محب وطن پاکستانی ہر شہر میں عمران خان کا مقابلہ کریں گے۔ عمران خان نے ملک دشمن ایجنڈا بتا دیا ہے، جس کے بعد ان کا اصل چہرہ عوام نے دیکھ لیا، کپتان نے 16 دسمبر کو سقوط ڈھاکا کے زخموں کو تازہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر عمران خان پاکستان کو ڈبونے کے لیے سازش کا حصہ بنے تو وہ سر پر کفن باندھ کر نکلیں گے۔

اپنے جلسوں میں عوام کی حمایت دیکھنے کے بعد عمران خان کافی پر اعتماد ہیں، لیکن کیا پی ٹی آئی اپنے سی پلان سے حکومت گرانے میں کامیاب ہو سکے گی؟ بظاہر ایسا ناممکن ہے کیونکہ جلسوں میں عوام کی ایک بڑی تعداد کو لانا اور ان کے بل پر ایک منتخب حکومت، کو گرانا، جو بھلے ہی کتنی ہی نااہل اور کمزور ہو، دو الگ الگ باتیں ہیں اور اگر عمران خان ایک دن کے لیے شہر اور ملک بند بھی کر لیں تو کس طرح مسلم لیگ (ن) کے اقتدار کو خطرہ ہو جائے گا؟ یہ سمجھ سے بالاتر ہے۔ اگر 109 دن کا دھرنا حکومت کو گرانے میں ناکام رہا تو ایک ایک دن شہر بند کرنے سے حکومت کیسے چلی جائے گی؟ کیا عمران خان واقعی یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کے اس پلان سے میاں نواز شریف پریشان ہو جائیں گے اور فوری طور پر ان کے مطالبات ماننے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ شاید ایسا نہیں ہے، اسی لیے انہوں نے اس کو پلان سی کہا ہے اور اس کے بعد پلان

ڈی کی بات کی ہے۔ عمران خان کو علم ہے کہ فی الحال دلی دور است۔ خان صاحب کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ ملک بند کرنا کتنا مشکل ہے۔ عمران خان اس سے قبل سول نا فرمانی کا اعلان کر چکے ہیں، جو ناکام ہو گیا۔ انہوں نے بجلی کے بل نہ دینے کی اپیل کی، لیکن ان کی یہ بات بھی کسی نے نہیں مانی۔ حکومت سے عدم تعاون کی بات بھی کسی نے نہیں مانی۔ اب ملک بند کرنے کی بات کون مانے گا۔ عمران خان کو سول نافرمانی، بجلی کے بلوں کی عدم ادائیگی اور دھرنوں کی طرح اس پلان سی کی ناکامی کو سامنے رکھتے ہوئے اگلے اعلان کی تیاری کرنی چاہیے، کیونکہ وہ بند گلی میں پھنس چکے ہیں۔ یہ بات طے ہے کہ بھلے ہی انتخابی اصلاحات کے لیے پی ٹی آئی کے زیادہ تر مطالبات درست ہو سکتے ہیں، جن کی زیادہ تر سیاسی جماعتوں نے حمایت بھی کی ہے، لیکن شورش کی سیاست پر جمے رہنے کی پالیسی کی وجہ سے انہوں نے گزشتہ سال کے انتخابات میں ہونے والی مبینہ دھاندلیوں کی تحقیقات اور انتخابی اصلاحات پر اتفاق رائے پیدا کرنے کا ایک اچھا موقع گنوا دیا ہے۔

دوسری جانب عمران خان نے ایک بار پھر حکومت سے مذاکرات کا سلسلہ دوبارہ شروع کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کی جماعت مذاکرات کا سلسلہ دوبارہ شروع کرنے کے لیے تیار ہے، ہماری ٹیم تیار بیٹھی ہے، مذاکرات وہیں سے شروع ہوں، جہاں سے ختم ہوئے تھے۔ وزیراعظم کے نام پیغام میں عمران خان

کا کہنا تھا کہ جب تک تحقیقات ختم نہیں ہوں گی، ہمارا دھرنا ختم نہیں ہوگا، آپ استعفیٰ نہ دیں۔ جبکہ حکومت کا عمران خان کی طرف سے مذاکرات کو مسترد کرتے ہوئے کہنا تھا کہ پاکستان دشمنی کے ایجنڈے پر کاربند شخص سے مذاکرات نہیں ہوں گے۔ بعض سیاست دانوں نے حکومت پر زور دیا ہے کہ مسئلے کا سیاسی حل نکالا جائے۔ حکومت کو مذاکرات کرنا پڑیں گے اور مذاکرات ہی بہتر حل ہے۔ جس کے بعد حکومت نے عمران خان سے مذاکرات کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے ساتھ ملک کے اکثر سیاست دانوں نے عمران خان کی طرف سے پاکستان بند کرنے کی دھمکی پر کڑی تنقید کی ہے۔ سابق وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کا کہنا ہے کہ پاکستان کسی اے بی سی پلان کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ سابق صدر اور پاکستان پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف علی زرداری کا کہنا تھا کہ عمران خان کی سیاست امپائر کی انگلی پر چلتی ہے، شک ہے ان کی کرکٹ بھی امپائر کے زور پر تھی۔ ابھی کپتان کو باؤلنگ کرنے دیں۔ جبکہ پیپلز پارٹی کے دیگر رہنماؤں نے عمران خان کے پلان سی کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا ہے کہ عمران خان کی کال پر پاکستان بند نہیں ہوگا، حکومت اور عمران خان ریاست کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ عمران خان شیخ رشید کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں، ان کا پلان "اے" اور "بی" ناکام ہوچکا ہے، پلان سی" کے تحت 16 دسمبر کو پاکستان بند ہوگا یا نہیں اس کا پتہ 4 دسمبر کو لاہور کی" صورتحال دیکھ کر چل جائے گا۔ وفاقی وزرا نے کہا ہے کہ عمران خان کی پاکستان بند کرنے کی خواہش کبھی پوری نہیں

ہو گی، عمران خان نے 14 اگست کو احتجاج کر کے قوم کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی۔ بدقسمتی سے عوام کو نیا وژن اور ایجنڈا نہ مل سکا۔ ثابت ہو گیا کہ عمران خان خود بھی تبدیلی کے ایجنڈے سے مکمل طور پر نا آشنا ہیں۔ عمران خان ایک طرف ہر جماعت کا مسترد شدہ سیاستدان قبول کرتے ہیں، دوسری طرف اسمبلی میں بیٹھے سیاستدانوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ عمران خان کا ملک کے بڑے شہروں کو بند کرنے کا اعلان خود ان کے لیے جگ ہنسائی کے سوا کچھ نہیں لائے گا۔ پاکستان کو بند کرنے کا عمران کا اعلان افسوسناک ہے، پاکستان بند کرنے سے عوام کو نقصان ہوگا۔ لہٰذا موجودہ حالات میں پاکستان کسی تصادم کا متحمل نہیں ہو سکتا، مذاکرات کے ذریعے ہی تمام معاملات بہتر طریقے سے حل کیے جا سکتے ہیں، لیکن ایک طرف عمران خان ملک کو بند کرنے کے اعلانات کر رہے ہیں، جبکہ دوسری جانب مذاکرات کی باتیں کر رہے ہیں۔ ان کو اپنی روش پر غور کرنا چاہیے، کیونکہ ایسی روش اختیار کرنا ملک کو نقصان کے سوا کچھ بھی نہیں دے سکتی۔ لہٰذا حکومت اور پی ٹی آئی دونوں کو اپنے معاملات مذاکرات کے ذریعے ہی حل کرنا ہوں گے۔

بے خانماں ہیں ہم

ملک کے متعدد علاقوں میں دن بدن سردی کی شدت میں اضافہ ہورہا ہے، جس کی وجہ سے مختلف حصوں میں گرم ملبوسات کے استعمال کے بغیر گزارا کرنا کافی مشکل ہوتا جارہا ہے۔ ملک کے بہت سے علاقوں میں دسمبر اور جنوری میں سردی کی شدت اس قدر زیادہ ہوجاتی ہے کہ گھروں میں دہکتی انگیٹھیوں کے سامنے بیٹھ کر ہی دن گزارنا پڑتا ہے۔ ایسے موسم میں ایک عام انسان کے لیے ضروریات زندگی سے بھرپور اپنا گھر بار چھوڑ کر دور دراز علاقوں میں کیمپوں میں موسم سرما گزارنے کا صرف تصور ہی انتہائی تکلیف دہ ہے، لیکن انتہائی پریشان کن اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ آپریشن ضرب عضب" کی وجہ سے وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والے دس لاکھ سے زاید" افراد بے یارومددگار مجبوراً کیمپوں میں پناہ لیے ہوئے ہیں اور بہت سے دربدر کھلے آسمان تلے انتہائی زیادہ سردی میں مہاجرت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ آئی ڈی پیز کی مشکلات میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے اور سردی کی وجہ سے دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ خصوصاً بچوں کی بیماریوں میں بھی اضافہ ہوسکتا ہے، کیونکہ وہ چونکہ اپنا گھربار چھوڑ کر مہاجرت کی زندگی گزار رہے ہیں، ان کے پاس موسم کی شدت سے خود کو اور اپنے اہل وعیال کو محفوظ رکھنے کا ایسا سامان میسر نہیں ہے، جس کا انتظام وہ گھر میں رہ کر سکتے تھے، اس لیے یہ مہاجرت کی

زندگی آئی ڈی پیز کے لیے انتہائی تکلیف دہ ہے

سردی رکے تو کیسے، نہ دیوار ہے نہ در

ٹھنڈی ہوا سے خون رگوں میں گیا ہے جم

آئی ڈی پیز کے لیے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے جس کی وجہ سے روز بروز ان کی بے چینی اور بے اطمینانی بڑھتی جارہی ہے کہ ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ آپریشن کب تک جاری رہے گا اور اپنے ہی ملک میں نقل مکانی کرنے والے شہری کب تک اپنے گھروں سے باہر زندگی گزارنے پر مجبور ہوکر در در کی ٹھوکریں کھائیں گے اور کب تک بے سروسامانی کی زندگی بسر کرتے رہیں گے اور کب اپنے گھروں کو واپس جاسکیں گے؟ اور اگر واپسی ہوئی بھی تو گھربار، کاروبار، مویشی کہاں ہیں، کیونکہ مکانات، دکانیں، گاڑیاں سب کچھ تباہ وبرباد ہوچکا ہے۔ شدید سردی کے ساتھ ساتھ اس قسم کے خدشات بھی دماغ کو ماؤف کیے دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ آپریشن "ضرب عضب" کے نتیجے میں بے گھر ہونے والے لاکھوں قبائلی مرد وخواتین، بچے، بوڑھے اور جوانوں کی بحالی اور آبادکاری کے اقدامات پر اس طرح توجہ نہیں دی گئی جو صورت حال کا فوری تقاضا تھا۔ نتیجتاً ہر گزرتے دن کے ساتھ متاثرین کی مشکلات، پریشانیوں اور مسائل میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور اب نوبت بایں جارسید کہ کئی ماہ موسم گرما کی تکالیف جھیلنے کے بعد سردی کی سختیاں اپنے ہی وطن میں بے وطن مہاجرین کو

رلانے کے لیے کافی ہیں۔ اس کو اپنی کرسی کے چکر میں مگن حکومت اور انتظامیہ کی نااہلی ہی کہا جاسکتا ہے کہ تقریباً پانچ ماہ کے بعد بھی آئی ڈی پیز کی باعزت و بحفاظت واپسی کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ حالانکہ آپریشن شروع کرنے سے پہلے بار ہا یہ کہا گیا تھا کہ آپریشن ایک دو ماہ میں مکمل کرکے آئی ڈی پیز کی بحفاظت واپسی کو یقینی بنایا جاسکے گا، لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا اور آئی ڈی پیز کے معاملے کو مسلسل نظرانداز کیا گیا۔ اب شمالی وزیرستان کے آئی ڈی پیز کے مسائل انتہائی گھمبیر شکل اختیار کرچکے ہیں اور ہر نکلتے سورج کے ساتھ ان کے مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ان حالات میں ملک یہں پیدا شدہ مختلف بحرانوں اور مسائل میں سے ایک اہم اور سنجیدہ نوعیت کا مسئلہ متاثرین شمالی وزیرستان کی اپنے گھروں کو باعزت اور آبرومندانہ واپسی ہے۔ درحقیقت شمالی وزیرستان میں آپریشن کے آغاز کے ساتھ ہی اسلام آباد میں حکومت اور پاکستان تحریک انصاف کی سیاسی نورا کشتی شروع ہوگئی تھی، جس کے باعث آئی ڈی پیز کا معاملہ اتنا پس پردہ چلے گیا کہ حکومت نے تو آئی ڈی پیز کو نظرانداز کر ہی دیا تھا، جبکہ بال کی کھال اتارنے میں ماہر "میڈیا" نے بھی یکسر آئی ڈی پیز کو نظرانداز کیا ہوا ہے۔ حالانکہ آئی ڈی پیز کی واپسی کو جلد از جلد ممکن بنانے کے لیے میڈیا ہی غافل و لاپرواہ حکومت کی آنکھیں کھول سکتا تھا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قبائلی علاقہ جات کے نقل مکانی کرنے والے عظیم ایثار پیشہ قبائلی عوام پاکستان کا بیش قیمت اثاثہ ہیں۔ قبائلی روایات بھی ا±ن کا خصوصی تشخص اور شناخت ہیں، جس کے مطابق وہ اپنی خواتین کو گھر کی چار دیواری سے باہر نہیں نکالتے، لیکن یہی شہری گزشتہ پانچ ماہ سے اپنی خواتین سمیت اپنے گھروں سے باہر اضطراب اور تشویش کے عالم میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ارباب اقتدار اختیار کو قبائلی عوام کی مخصوص نفسیات، خودداری اور عزت نفس کے تحفظ پر مبنی رویوں کا ادراک ہونا چاہیے۔ ایسے مخصوص مزاج وطبائع کے حامل طبقات کو مکمل طور پر بے آسرا اور بے یارومددگار چھوڑ کر ان کے بنیادی مسائل سے صرف نظر کی پالیسی اپنانا ملک کے استحکام، سالمیت اور تحفظ کے لیے انتہائی سنگین مضمرات کا باعث ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ آئی ڈی پیز نے ملک و قوم کے لیے لائق رشک ایثار کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس ضمن میں حکومت کو بھی منصوبوں کی نقش گری کا اہتمام کرنا چاہیے۔ بلند بانگ حکومتی دعوے بجا، مگر آئی ڈی پیز راشن کے حصول کے لیے طویل قطاروں میں کھڑے شکوہ کناں ہیں کہ انہیں ضروریات کی فراہمی کا کوئی مربوط اور جامع نظام موجود نہیں۔ شمالی وزیرستان سے نقل مکانی کرکے آنے والے آئی ڈی پیز کو سردی شروع ہوتے ہی جہاں دیگر مشکلات سامنا ہے، وہاں ان کے بچوں کو بھی کئی مسائل درپیش ہیں، جن میں کھانے پینے سے لے کر تعلیم حاصل کرنے تک کے مسائل شامل ہیں۔ ان کٹھن حالات میں بے چارے

آئی ڈی پیز کی زبان سے یہی الفاظ نکلتے ہیں۔ بقول شاعر

ڈھایا گیا ہے ہم پہ یہ کتنا بڑا ستم
ہوتے ہوئے گھروں کے بھی بے خانماں ہیں ہم

یہ حقیقت ہر پاکستانی کے سامنے رہنی چاہیے کہ شمالی وزیرستان کے آئی ڈی پیز کا معاملہ کسی ایک صوبے یا علاقے کا نہیں، بلکہ پوری قوم کا مسئلہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس مشکل وقت میں متاثرین کو تنہا نہ چھوڑا جائے اور زیادہ سے زیادہ امدادی سامان آئی ڈی پیز کو فراہم کرنے کا انتظام کیا جائے۔ جبکہ حکومت پر بھی اس حوالے سے دباؤ بڑھایا جائے کہ وہ سیاست سیاست کھیلنے کی بجائے جلد از جلد آئی ڈی پیز کی گھروں کو واپسی اور بحالی کو یقینی بنائے۔ یہ وقت سیاست میں الجھنے کا نہیں ہے، بلکہ آئی ڈی پیز کے دکھوں کا مدوا کرنے کا ہے۔ آئی ڈی پیز جلد از جلد اپنے گھروں کو واپس لوٹ جانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا پہلی فرصت میں آئی ڈی پیز کی واپسی کے لیے حکومتی سطح پر ایک مربوط نظام بنایا جائے اور ان کی بحالی کے ساتھ ساتھ ان کی آبادکاری اور ان کے آبائی علاقوں کی تعمیر نو کے منصوبے تیار کیے جائیں۔ آئی ڈی پیز کے مسائل کا حل اور ان کی باعزت واپسی کا انتظام کرنا حکومت کا اولین فریضہ ہے۔

کراچی: بین الاقوامی دفاعی نمائش آئیڈیاز 2014ء

کسی بھی قوم و ملک کی حفاظت و سلامتی کا دارومدار اس کے دفاعی نظام کی مضبوطی پر ہوتا ہے۔ دفاعی نظام جتنا مضبوط اور مستحکم ہوگا، اتنا ہی دنیا میں وقار بلند اور دوسرے ممالک کی نظر میں عزت ہوگی۔ جدید دفاعی نظام ہر ملک کا استحقاق ہے، اپنی سلامتی اور بقا کو درپیش خطرات سے نمٹنے کے لیے ہر دم تیار رہنا ہر ریاست کے لیے ضروری ہے، جبکہ پاکستان کو دوسرے ممالک کی بنسبت اندرونی و بیرونی زیادہ خطرات کا سامنا ہے، اس لیے پاکستان کے لیے جدید اور مضبوط دفاعی نظام کی اہمیت و ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر کراچی ایکسپو سینٹر میں دفاعی ساز و سامان سے متعلق چار روزہ آٹھویں بین الاقوامی نمائش آئیڈیاز 2014 بھرپور طریقے سے جاری ہے، جو چار دسمبر تک جاری رہے گی، یہ نمائش ہر دو سال کے بعد منعقد کی جاتی ہے، اس سے پہلے 2012 میں کراچی میں بین الاقوامی دفاعی نمائش منعقد کی گئی تھی۔ اس سال اس نمائش کا نعرہ "ہتھیار برائے امن" رکھا گیا ہے اور اس میں پاکستانی دفاعی صنعت کی بھرپور نمائندگی کی گئی ہے۔ نمائش میں پاکستان کی بحری، فضائی اور زمینی افواج کے زیر استعمال جنگی ساز و سامان کے علاوہ ایسا اسلحہ بھی رکھا گیا ہے، جو پاکستان فروخت کرنا چاہتا ہے۔ اس میں طیاروں اور ٹینکوں سے پستول اور انفرادی

حفاظتی جیکٹس تک شامل ہیں۔ اس سال ہونے والی دفاعی ہتھیاروں کی نمائش میں شرکت کرنے والی غیر ملکی کمپنیوں کی بڑی تعداد پاکستان کو درپیش سیکورٹی چیلنجز کے مطابق سلوشنز اور ایکوپمنٹ ڈسپلے کر رہی ہیں۔ دفاعی ہتھیاروں کی نمائش میں سرویلنس سسٹم، جدید کمیونی کیشن سسٹم، دھماکا خیز مواد (آئی ای ڈیز) کی نشاندہی کرنے والے آلات، جیمرز، ریڈیو ایکٹیو (تابکاری) کی نشاندہی کرنے والی ٹیکنالوجی، نگرانی کے آلات بنانے والی کمپنیوں کی بڑی تعداد نمائش میں شریک ہے۔ اس چار روزہ نمائش میں 40 سے زیادہ ممالک سے 80 وفود شریک ہیں۔ اس کے علاوہ چین، ترکی، امریکا، متحدہ عرب امارات، سوئٹزرلینڈ، سربیا، تھائی لینڈ، جنوبی افریقا، رومانیہ، برطانیہ، یوکرین، روس، سنگاپور، پرتگال، لیتھوانیا، ملائیشیا، لبنان، کوریا، اٹلی، جرمنی، فرانس، قبرص، اسپین اور بیلجیم سمیت 256 غیر ملکی کمپنیوں نے اسٹال لگائے ہیں۔ پاکستان کی 77 سرکاری اور غیر سرکاری کمپنیاں بھی نمائش میں موجود ہیں۔ دفاعی ہتھیاروں کی نمائش میں غیر ملکی کمپنیوں کی تعداد مجموعی شریک کمپنیوں کا 53 فیصد، جبکہ مقامی کمپنیوں کا تناسب 47 فیصد ہے۔ دنیا کے 17 ممالک چھوٹے بڑے پویلین لگا رہے ہیں، جبکہ چین اور برادر اسلامی ملک ترکی بھرپور طریقے سے شریک ہیں۔ پاکستان سے اہم دفاعی معاہدہ کرنے والا ملک روس بھی اپنی مصنوعات کے ساتھ پہلی بار شریک ہے۔ اس نمائش سے پاکستان اور روس کے مابین مشترکہ منصوبوں پر اہم پیش رفت بھی متوقع ہے۔ پاکستانی اسلحے کے بڑے خریدار افریقی

اور مڈل ایسٹ ممالک سے بھی مندوبین کی بڑی تعداد نمائش میں شرکت کر رہی ہے۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں اور نجی شعبہ بالخصوص سرمایہ دار، قومی اور کثیر قومی کمپنیاں، سفارتخانوں اور عوامی مقامات کی حفاظت کے لیے واک تھرو گیٹ، آتش گیر مادے اور اسلحہ کی نشاندہی کرنے والے آلات کی کھپت بڑھ رہی ہے اور اہم شخصیات کی حفاظت کے لیے بلٹ پروف اور بم پروف گاڑیوں کا استعمال بھی بڑھ رہا ہے۔ اس لیے نمائش میں بلٹ پروف جیکٹس، بکتر بند اور بلٹ پروف، بم پروف گاڑیاں تیار کرنے والی ملکی و غیر ملکی کمپنیاں بھرپور شرکت کر رہی ہیں۔

آٹھویں بین الاقوامی دفاعی نمائش کے منتظمین کے مطابق پاکستان کی ہتھیار سازی کی صلاحیت دنیا میں تسلیم کی جا چکی ہے، اس نمائش کے ذریعے گزشتہ 2 سال کے دوران پاکستانی ایکیوپمنٹ میں کی جانے والی ڈیولپمنٹ اور اپ گریڈیشن کو ڈسپلے کیا جائے گا۔ یہ نمائش دنیا میں دفاعی لحاظ سے مضبوط اور مستحکم پاکستان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اچھا تاثر پھیلانے کا بھی سبب بنے گی۔ دوسری جانب وزیر اعظم محمد نواز شریف نے دفاعی نمائش کا افتتاح کرتے ہوئے کہا ہے کہ "پاکستان کے پاس جدید ترین دفاعی نظام ہے۔ آئیڈیاز 2014 میں پاکستان کی دفاعی صلاحیت اور اسلحہ سازی کی صنعت کا معیار دیکھ کر غیر ملکی مندوبین کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ جدید اور بہتر مسلح

افواج پاکستان کی خود مختاری اور سالمیت کے لیے ناگزیر ہیں۔ ہر ریاست کو اپنی سلامتی اور بقا کے لیے کسی بھی خطرے سے نمٹنے کے لیے ہر دم تیار رہنا ہوتا ہے۔ اپنے محل وقوع کی بنیاد پر پاکستان کو بہت سے ممالک کے مقابلے میں زیادہ چیلنجز کا سامنا ہے۔ ہم نے ثابت کیا ہے کہ جدید ترین دفاعی نظام صرف ترقی یافتہ ملکوں کا استحقاق نہیں۔ محدود وسائل کے باوجود ہمارے ماہرین نے اسلحہ سازی کے میدان میں عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ آئیڈیاز متاثر کن دفاعی نمائش ہے اور اب یہ خطے کی سب سے بڑی دفاعی نمائش بن چکی ہے۔ اس میں کئی ممالک کی 2 ہزار سے زاید دفاعی مصنوعات رکھی گئی ہیں۔ دفاعی مصنوعات کی تیاری میں پاکستانی انجینئرز کا اہم کردار ہے۔ پاکستان بجا طور پر جدید ترین دفاعی صلاحیت کا حامل ملک ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے کیونکہ ہمارے پاس جدید ترین دفاعی نظام موجود ہے۔ پاکستان میں تیار ہونے والے ہتھیار اور دفاعی آلات اعلیٰ معیار کے ہونے کے ساتھ ساتھ کم قیمت کے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ بہت سی بین الاقوامی کمپنیاں بھی ان میں دلچسپی لے رہی ہیں۔ حکومت دفاعی برآمدات بڑھانے پر توجہ دے رہی ہے۔" نمائش میں پاکستان کے الخالد ٹینک، جے ایف تھنڈر طیارے، ڈرونز اور بکتر بند گاڑیاں توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ جبکہ چھپے دشمن کو گھوم کر نشانہ بنانے والی بندوق بھی تمام شرکا کی توجہ حاصل کیے ہوئے ہے۔ "پوف آئی" نامی اس بندوق کی نالی 90 ڈگری زاویے تک گھوم کر دشمن کو نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس بندوق کو بنانے والے ادارے

پاکستان آرڈننس فیکٹری کے سربراہ کا دعویٰ ہے کہ اسرائیل کے بعد پاکستان دوسرا ملک ہے جو یہ خودکار اور جدید بندوق بنا رہا ہے۔ انسداد دہشت گردی کے لیے ہونے والی دو بہ دو لڑائی میں یہ اہم ترین ہتھیار ہے۔ یہ بندوق "کلوز کوارٹر کمبیٹ ویپن" نظام کا حصہ کہلاتی ہے اور عمارتوں کے اندر چھپے دشمن کو محفوظ طریقے سے نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس بندوق کی 90 ڈگری تک گھومنے والی نالی اور اس پر لگے کیمرے بندوق بردار کو موقع فراہم کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈالے بغیر نہ صرف دیوار کی دوسری طرف چھپے دشمن کو دیکھیں، بلکہ انہیں نشانہ بھی بنائیں۔ یہ ہتھیار خاص طور پر انسدادِ دہشت گردی کی کارروائیوں میں استعمال ہوتی ہے۔ "پوف آئی" صرف انسداد دہشت گردی کے خصوصی دستوں کے حوالے کی گئی ہے اور تربیت یافتہ کمانڈو ہی اسے استعمال کرتے ہیں۔

پاکستانی فوج کے لیے اسلحہ بنانے والے واحد سرکاری ادارے پاکستان آرڈیننس فیکٹری پی او ایف) کی 63 سالہ تاریخ میں پہلی بار بنا ہوا اسلحہ عام شہریوں کو فروخت کے) لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ پی او ایف کے سربراہ کے مطابق "ان کا ادارہ نہ صرف ملک کے اندر، بلکہ ملک سے باہر بھی اسلحہ کی مانگ پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس ہدف کی جانب تیزی سے گامزن ہے۔ ان کا ادارہ فوج کے علاوہ قانون نافذ کرنے والے سول اداروں کو بھی اسلحہ اور ہتھیار

فراہم کر رہا ہے۔ حکومت نے بھی اس معاملے میں ہماری مدد کی ہے اور وزارتِ داخلہ کی مداخلت کے بعد اب قانون نافذ کرنے والے سول ادارے بھی بیرون ملک سے اسلحہ منگوانے کی بجائے ہم سے خریدنے کو ترجیح دے رہے ہیں۔" نمائش کے دوران شہر بھر میں سیکورٹی کے انتہائی سخت انتظامات کیے گئے ہیں۔ ایکسپو سینٹر پر سیکورٹی اداروں کا سخت پہرہ ہے، جبکہ سیکورٹی کے پیش نظر ٹریفک کے لیے متبادل انتظامات کیے گئے ہیں۔ تاہم یہ انتظامات ناکافی ثابت ہوئے۔ شہر کا شاید ہی کوئی حصہ ایسا ہو، جہاں ٹریفک بری طرح جام نہ ہوا ہو۔ مقامی انتظامیہ شہر کی اہم سڑکوں پر ٹریفک کی روانی برقرار رکھنے میں بری طرح ناکام نظر آ رہی ہے اور منٹوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہو رہا ہے، جبکہ ٹریفک پولیس نے اپیل کی ہے کہ ٹریفک جام سے بچنے کے لیے شہری متبادل راستہ اختیار کریں اور اپنے سفر کے اوقات کار میں تبدیلی کریں، تاکہ وہ ذہنی کوفت سے بچ سکیں۔

بابری مسجد کی شہادت.... 22 سال بعد بھی ملزمان آزاد!

بھارت میں سیکڑوں برس پرانی تاریخی بابری مسجد کی شہادت کو آج 22 سال مکمل ہو چکے ہیں، لیکن اس تاریخی ورثے اور مسلمانوں کی عظیم عبادت گاہ کو شہید کرنے والوں کے خلاف بھارت کی نام نہاد سیکولر حکومت کوئی کارروائی نہیں کر سکی۔ 6 دسمبر 1992ء کی تاریخ بھارت کی متعصب اور نام نہاد سیکولر حکومت کے چہرے پر ایک بدنما داغ ہے، جو کبھی بھی صاف نہیں ہو سکتا۔ بابری مسجد کو 6 دسمبر 1992ء کو ہزاروں انتہا پسند ہندو جنونیوں نے شہید کر دیا تھا۔ بابری مسجد اتر پردیش (بھارت) کے ضلع فیض آباد کے ایک شہر ایودھیا میں واقع تھی۔ یہ ایک پہاڑی پر تعمیر کی گئی تھی، جسے رام کوٹ کہا جاتا ہے۔ بابری مسجد 1527ء میں مشہور مغل شہنشاہ ظہیر الدین بابر کے حکم سے اس کے جرنیل اور گورنر میر باقی نے بنوائی۔ یہ مسجد اتر پردیش کی عظیم ترین مساجد میں سے ایک تھی۔ یہ مسجد مسلم فن تعمیر کا شاہکار تھی اور اس کی بنیاد تغلق طرزِ تعمیر پر رکھی گئی تھی۔ بابری مسجد کے تین بڑے گنبد تھے۔ ایک مرکزی اور دو اس کے دائیں بائیں۔ اس کے ارد گرد دو بلند و بالا دیواریں تھیں، جو ایک دوسرے کے متوازی تھیں اور ان کے درمیان ایک وسیع صحن تھا۔ اس صحن میں ایک کنواں تھا، جس کا پانی نہایت شیریں اور ٹھنڈا تھا۔ یہ ایک کراماتی کنواں تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں

کا اعتقاد تھا کہ اس کنویں کا پانی پینے سے کئی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ بابری مسجد کا صوتی نظام غضب کا تھا۔ اگر محراب کے پاس سرگوشی بھی کی جاتی تو وہ پورے مرکزی صحن اور اس کے آخری سرے پر بھی واضح سنائی دیتی تھی، جو 200 فٹ (60 میٹر) دور تھا۔ تین بڑے گنبد، محرابیں اور جالی دار کھڑکیاں جہاں اس کے حسن میں اضافہ کرتی تھیں، وہاں ایک اعلیٰ درجے کا کولنگ سسٹم بھی تشکیل دیتی تھیں۔ نمازیوں کو تازہ قدرتی ہوا کا انمول تحفہ ملتا رہتا تھا۔ افسوس کہ ہمارے اسلاف کی یہ روشن نشانی 22 سال پہلے متعصب ہندوؤں نے شہید کر ڈالی اور اب اس جگہ ایک رام مندر کی بنیاد رکھ دی۔ انتہا پسند ہندوؤں کا دعویٰ تھا کہ پہلے بابری مسجد کی جگہ رام مندر ہوتا تھا، جسے گرا کر یہ مسجد بنائی گئی۔ یہ سراسر جھوٹ تھا، بلکہ یہ مسجد پر قبضہ کرنے کے لیے راہ ہموار کرنے کی ایک سازش تھی۔ اس جگہ پر تنازعات کا آغاز نواب واجد علی شاہ کے دور میں ہوا۔ جب ایک ہندو فرقے نے یہ دعویٰ کیا کہ " اس جگہ پر پہلے ایک 1853ء مندر تھا، جسے گرا کر بابری مسجد بنائی گئی۔ 1855ء تک ہندو اور مسلمان اکٹھے ایک ہی بلڈنگ میں عبادت کرتے تھے، لیکن 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد ہندوؤں کے لیے مسجد سے باہر ایک چبوترہ بنا دیا گیا، جہاں وہ پوجا پاٹ کرتے تھے۔ 1883ء میں اس چبوترے پر ایک مندر بنانے کی کوشش کی گئی، لیکن ڈپٹی کمشنر نے سختی سے روک دیا۔ 1934ء کے ہنگاموں کے دوران مسجد کی دیواروں اور ایک گنبد کو نقصان پہنچا، لیکن برطانوی حکومت نے انہیں دوبارہ تعمیر کر دیا۔"

حقیقت یہ ہے کہ 1528ء سے لے کر 1850ء کے بعد تک بھی یہ بات کسی نے نہیں کہی تھی کہ بابری مسجد کسی مندر (خاص طور پر رام چندر جی کے مقام پیدائش) رام جنم بھومی کی جگہ بنے مندر کو توڑ کر بنائی گئی تھی۔ دراصل بابری مسجد رام جنم بھومی مسئلہ انگریزوں نے پیدا کیا تھا۔ ہالینڈ سے تعلق رکھنے والے ہنس بیکر نے "جنم بھومی مندر" کی تعمیر کی بات لکھی تھی۔ انگریزوں نے اپنی سروے رپورٹس، انتظامیہ کے شائع کردہ گزیٹرس وغیرہ میں بابری مسجد کے بارے میں لکھنا شروع کیا کہ یہاں پہلے مندر تھا، چنانچہ اس سلسلے میں مانگمری مارٹن اور پی کاریگی کی رپورٹس نے قیاسات کی بنیاد پر مندر کی جگہ مسجد کے مفروضے پیش کیے۔

بابری مسجد کی شہادت کا واقعہ اچانک پیش نہیں آیا، بلکہ بھارتی ریاست اتر پردیش میں بھارتیہ جنتا پارٹی نے ایل کے ایڈوانی کی قیادت میں انتہا پسند تنظیموں وشوا ہندو پریشد، بجرنگ دل اور شیو سینا کے ساتھ مل کر رام مندر کی تعمیر کے لیے تحریک چلائی اور کانگریسی وزیر اعظم نرسمہا راؤ کی حکومت میں 6 دسمبر 1992ء کو ہزاروں ہندوؤں پر مشتمل مشتعل ریلی نے نیم فوجی دستوں کی موجودگی میں اس تاریخی مسجد کو شہید کر دیا۔ حالانکہ ریلی کی انتظامیہ نے انڈین سپریم کورٹ سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ بابری مسجد کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ 6 دسمبر 1992ء کو ایل کے ایڈوانی، مرلی منوہر جوشی اور دیگر

ہندو لیڈر متنازعہ جگہ پہنچے۔ انتہا پسند ہندو مسجد کے گنبد پر چڑھے اسے گرا رہے تھے۔ ایڈوانی، مرلی منوہر جوشی نے میڈیا کو دکھانے کے لیے کمزور آواز میں احتجاج کیا، لیکن منصوبہ تو پہلے سے تیار تھا۔ اس لیے بدمست ہندوؤں نے تھوڑی ہی دیر میں عظیم بابری مسجد کو شہید کر ڈالا۔ بابری مسجد کی شہید کرنے کے منصوبے میں تمام انتہا پسند ہندو شریک تھے۔ سیکولرازم کا دم بھرنے والی تمام جماعتیں ہی بابری مسجد کی شہادت کے جرم میں برابر کی شریک ہیں۔ چند ماہ قبل بھارتی ویب سائٹ نے انکشاف کیا تھا کہ وی پی نرسیما راؤ اور ایڈوانی کو اس منصوبے کا پہلے سے علم تھا۔ 6 دسمبر 1992ء کو بابری مسجد شہید کرنے کا سانحہ اچانک رونما نہیں ہوا، بلکہ انتہا پسند ہندو تنظیم بجرنگ دل نے 1992 جون میں ہی اپنے 38 کارکنوں کو ریٹائرڈ فوجیوں سے تربیت دلوا کر ان کی ذہن سازی کی اور انہیں بابری مسجد شہید کرنے پر اکسایا، تب کے بھارتی وزیراعظم وی پی نرسیما راؤ اور ایل کے ایڈوانی کو اس ساری سازش کا پہلے سے علم تھا۔ ایک منصوبہ ناکام ہونے کی صورت میں مسجد شہید کرنے کے دو منصوبے اور بھی ترتیب دے رکھے تھے۔ آر ایس ایس کے 1200 کارکنوں کو ملک کے مختلف حصوں سے بلایا گیا تھا۔ 1949ء میں مسجد کے اندر سے "رام" کی مورتی کو بعض شرپسندوں نے دریافت کرکے تنازع کھڑا کیا تھا، اس سارے کھیل کا مقصد بھی بابری مسجد شہید کرکے مسلمانوں کو دلی تکلیف پہنچانا تھا۔

بابری مسجد کی شہادت کے المناک واقعے سے پورے عالمِ اسلام میں غم و غصے کی شدید لہر دوڑ گئی اور انڈیا میں بدترین ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔ گودھرا، گجرات ٹرین حملوں سمیت ان فسادات میں کم و بیش تین ہزار سے زاید مسلمانوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ 22 سال گزرنے کے باوجود اس اندوہناک واقعے میں ملوث ملزمان آج بھی آزاد اور مسلمان انصاف کے منتظر ہیں۔ 6 دسمبر 1992ء کو بابری مسجد کو مسمار کرنے کے سلسلے میں 49 افراد کے خلاف مقدمات درج کیے گئے تھے، جو گزشتہ 22 برسوں سے قانونی داؤ پیچ اور عدالتوں کی پیچیدگیوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بھارت کی متعصب حکومت خود ہی اس واقعہ کے ذمہ داروں کے خلاف کارروائی نہیں کرنا چاہتی۔ بابری مسجد کی شہادت کے سترہ سال بعد آنے والی لیبر ہان عدالتی کمیشن کی رپورٹ میں سابق وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی، بھارتیہ جنتا پارٹی کے دیگر سینئر رہنماؤں ایل کے ایڈوانی اور مرلی منوہر جوشی کو واقعہ کا ذمہ دار قرار دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارت نے ایودھیا میں موجود بابری مسجد کو شہید کرکے جو فعل کیا، وہ بھارت کی نام نہاد سیکولر حکومت کے منہ پر ایک طمانچہ ہے۔ بھارت انتہا پسندی کی انتہا پر پہنچا ہوا ہے، جہاں آج بھی مسلمانوں کے لیے جینا مشکل ترین ہے، بھارتی حکومت بھارت میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتی ہے اور ان کو اس جدید ترین دور میں بھی ہر قسم کی سہولیات سے محروم رکھا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اور تعصب بھارتی

حکومت کی نس نس میں بھرا ہوا ہے، یہ اس تعصب کا ہی نتیجہ ہے، جو بھارت آئے روز پاکستان کی سرحدوں پر گولہ باری کرکے اپنی مسلم دشمنی کا اظہار کرتا ہے۔ بھارت کے اس قسم کے اقدامات سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ بھارت ایک انتہا پسند، متعصب اور مسلم دشمن ملک ہے۔ بھارتی حکومت کے لیے لازم ہے کہ عالمی قوانین کے مطابق بھارت میں بسنے والے مسلمانوں کو تحفظ فراہم کرکے ان کی مذہبی عبادت گاہوں کا تحفظ کرے اور مسلمانوں کو اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کا حق دیا جائے اور اس کے ساتھ بابری مسجد کے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانا بھارتی حکومت کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

جاڑا دھوم مچاتا آیا

دسمبر کا آغاز ہوچکا ہے۔ ملک کے بیشتر علاقوں میں سردی کی شدت میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ محکمہ موسمیات کے مطابق وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سردی کی شدت میں مزید اضافہ ہوگا۔ گلگت بلتستان سمیت ملک کے بالائی علاقوں کو یخ بستہ ہواؤں نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، جس کے باعث سردی بڑھ گئی ہے۔ سندھ اور پنجاب میں سرد ہوائیں چلنے سے موسم میں خنکی پیدا ہو گئی ہے اور موسم مزید سرد ہوتا جا رہا ہے۔ مالاکنڈ اور ہزارہ ڈویژن میں موسم شدید سرد ہے۔ محکمہ موسمیات کے مطابق گزشتہ روز اسکردو میں درجہ حرارت منفی 6 اور ہنزہ میں منفی 4 ریکارڈ کیا گیا، جبکہ فیصل آباد 19، لاہور 24، کوئٹہ 15، پشاور 22، اسلام آباد 19، مردان 22، راولپنڈی 19 اور شیخوپورہ میں درجہ حرارت 24 اور کراچی میں دسمبر کا ایک ہفتہ گزرنے کے باوجود بھی درجہ حرارت 30 سینٹی گریڈ ریکارڈ کیا گیا ہے۔ دسمبر اور جنوری میں پاکستان کے اکثر و بیشتر علاقوں میں سردی اپنے جوبن پر ہوتی ہے۔ اگرچہ کراچی کے سوا پورے ملک میں سردیوں کا آغاز نومبر کے آغاز سے ہی ہو جاتا ہے، لیکن دسمبر سے ملک کے تقریباً تمام شہروں اور دیہاتوں کے منظر تبدیل ہوگئے ہیں۔ ہر طرف لوگ نت نئے ملبوسات، سوئٹرز، مفلرز، کوٹ اور جرسی وغیرہ میں لپٹے نظر آرہے ہیں۔ ہر دن کے ساتھ سردی میں مزید اضافہ

ہو رہا ہے۔ دسمبر کے مہینے میں بعض علاقوں میں برف باری بھی شروع ہو جاتی ہے۔
سے لے کر (°F پاکستان میں سردیوں میں درجہ حرارت کم سے کم 4 سینٹی گریڈ (39
شمالی علاقہ جات اور بلوچستان میں درجہ حرارت منفی زیرو ڈگری بھی ہو جاتا ہے۔
سردیوں میں پاکستان کے کچھ حصوں میں خوب بارش ہوتی ہے، جبکہ بہت سے علاقے
دھند کی لپیٹ میں بھی آ جاتے ہیں اور کئی کئی روز تک دھند کی لپیٹ میں رہتے ہیں۔
سردیاں ملک میں اکیلی نہیں آتیں، بلکہ اپنے ساتھ اپنے لوازمات بھی لاتی ہیں۔ سردی
میں اضافے کے ساتھ ہی ملک میں مونگ پھلی سمیت خشک میوہ جات کی ڈیمانڈ اور
قیمت بڑھ جاتی ہے۔ پاکستان خشک میوہ ایکسپورٹ بھی کرتا ہے۔ سردیوں میں ڈرائی
فروٹ کی دکانیں خوب چلتی ہیں۔ سردیوں کی آمد کے ساتھ ہی مختلف قسم کے خشک میوہ
جات، اخروٹ، چلغوزے، بادام، کشمش، مونگ پھلی، انجیر، پستے، خشک کھوپرا وغیرہ کی
دکانوں اور ریڑھیوں پر نظر آتے ہیں۔ سردی میں اضافے کے ساتھ ہی خشک میوہ
جات کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہوا ہے، لوگوں کا کہنا ہے کہ سردی میں خشک میوہ جات
کی استعمال ضروری ہوتا ہے لیکن ان کی قیمتیں اتنی زیادہ بڑھ گئی ہیں کہ اب صرف
مونگ پھلی ہی مشکل سے ہماری پہنچ میں رہ گئی ہے۔
خشک میوہ جات پاکستان میں سردیوں کی خصوصی سوغات ہیں، جو معدنیات اور حیاتین
سے بھرپور ہوتے ہیں۔ اطباء بھی خشک میوہ جات کی غذائی اہمیت کو تسلیم

کرتے ہیں اور اکثر کو مغزیات کا درجہ دیتے ہیں۔ ڈرائی فروٹس جسم کے درجہ حرارت کو بڑھانے اور موسم سرما کے مضر اثرات سے بچاؤ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، اسی لیے سردیوں میں خشک میوہ جات کا استعمال بڑھ جاتا ہے۔ خشک میوا جات میں سردیوں کا خاص تحفہ مونگ پھلی سب کے من کو بھاتا سستا میوہ ہے۔ اس میوے کی ایک خاصیت اس میں بہت زیادہ تیل کا ہونا ہے، لیکن دل چسپ بات یہ ہے کہ مونگ پھلی میں موجود تیل یا چکناہٹ جسم کے کولسٹرول کو نہیں بڑھاتی ہے۔ غذائیت میں مونگ پھلی اخروٹ کی ہم پلہ ہے۔ موسم سرما کی سوغاتوں میں مونگ پھلی کو اپنی افادیت اور کم قیمت ہونے کے باعث خاص اہمیت حاصل ہے، اسی لیے موسم سرما کی آمد کے ساتھ ہی اس کی مانگ میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ سردیوں میں اخروٹ کی گری نہایت غذائی بخش میوہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کی بھنی ہوئی گری سردیوں کی کھانسی کو دور کرنے کے لیے نہایت مفید ہے۔ اس کے استعمال سے دماغ طاقت ور ہوتا ہے۔ جبکہ بادام صدیوں سے قوتِ حافظہ، دماغ اور بینائی کے لیے نہایت مفید قرار دیا جاتا ہے۔ یہ اعصاب کو طاقت ور بناتا ہے۔اسی طرح سردیوں میں چلغوزے کھانے سے جسم میں فوری حرارت اور توانائی پیدا ہوتی ہے۔ سردیوں میں کشمش کا استعمال بھی کافی زیادہ ہوتا ہے، جو دراصل خشک کیے ہوئے انگور ہوتے ہیں۔ چھوٹے انگوروں سے کشمش اور بڑے انگوروں سے منقیٰ بنتا ہے۔ کشمش اور منقیٰ نزلہ کھانسی میں مفید اور توانائی کے حصول کا بہترین ذریعہ ہیں۔ "پستے" کا شمار بھی مغزیات میں کیا جاتا ہے۔ یہ جسم میں حرارت بھی

پیدا کرتا ہے، جب کہ قوتِ حافظہ، دل، معدے اور دماغ کے لیے بھی مفید ہے۔ مغز پستہ سردیوں کی کھانسی میں مفید ہے۔ سردی کا ایک اور تحفہ "کاجو" انتہائی خوش ذائقہ میوہ ہے۔ کاجو کا استعمال ذیابطیس کے علاج میں انتہائی اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

سردیوں کی آمد کے ساتھ ہی جہاں خشک میواجات کا استعمال بڑھا ہے، وہیں خشک میوہ جات کی قیمتیں بھی آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ خشک میوہ جات یعنی "ڈرائی فروٹ" کی قیمت میں بے پناہ اضافہ نوٹ کیا گیا ہے۔ ڈرائی فروٹ کے تاجروں کا کہنا ہے کہ مہنگے میوے کھانا اب عام آدمی کے بس کی بات نہیں رہی، اس لیے ڈرائی فروٹ کی قیمتوں میں اضافے سے ان کی فروخت میں پہلے کی بنسبت کمی آئی ہے۔ جب ان کی قیمت ہزاروں روپے فی کلو ہو تو غریب آدمی صرف چند سو روپے کلو والی مونگ پھلیوں سے کام چلانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ملک میں سردیاں اپنے ساتھ لوگوں کا پسندیدہ پھل اورنج بھی لاتی ہیں، جو کے کینو، مالٹا، مسمّی، فروٹر وکے نام سے مختلف قسموں میں پایا جاتا ہے۔ کینو کی کاشت میں پاکستان دنیا میں چھٹے نمبر پر خود کفیل ملک ہے۔ کئی اور ممالک میں بھی یہاں سے کینو ایکسپورٹ کیے جاتے ہیں۔ اطباء کے نزدیک کینو کا رس ہڈیوں کی مضبوطی اور بلڈ پریشر نارمل رکھنے کا قدرتی عمل ہے۔ اس کے جوس میں کی مقدار کے ساتھ ساتھ میگنیشم بھی ہوتا ہے۔ C وٹامن B وٹامن A وٹامن

سردیوں میں جلیبی بھی کافی مقبول ہو جاتی ہے۔ ٹھنڈی یا گرم اسے دونوں طرح سے کھانا پسند کیا جاتا ہے، بلکہ پاکستان کے کچھ حصوں میں تو اسے گرم دودھ میں بھگو کر رکھا جاتا ہے اور پھر کھایا جاتا ہے اور کچھ لوگ اسے ٹھنڈے دودھ میں بھگو کر کھانا پسند کرتے ہیں۔ گجریلا اور گاجر کا حلوہ سردیوں کی ایک اور مقبول ڈش ہے، جو سردیوں کی ایک اور سوغات گاجر سے بنتی ہے۔ چپلی کباب بھی سردیوں میں کافی پسند کیے جاتے ہیں۔ ملک میں موسم سرما میں حلوائیوں کے پاس گاجر کے حلوے کی ڈیمانڈ بھی دوگنی ہو جاتی ہے۔ تازہ اور میٹھی گاجروں، دودھ، بادام، اخروٹ، چھوٹی الائچی اور کھوئے کی موٹی موٹی پرتوں سے سجا گرما گرم گاجر کا حلوہ سردیوں کی خاص الخاص لذت ہے۔

پاکستان کے ہر شہر اور ہر کونے میں لوگ اس حلوے کو شوق سے کھاتے ہیں اور اب تو شوگر فری" گاجر کا حلوہ بھی مارکیٹ میں آ گیا ہے۔ جبکہ جسم کو گرم رکھنے کے لیے"

دودھ پتی کا استعمال بھی سردی میں کافی بڑھ جاتا ہے۔ دودھ پتی سردی سے بچنے اور جسم کو گرم رکھنے کا سب سے سستا نسخہ ہے۔ کچھ لوگ جو چائے اور کافی کے بعد بھی انڈے خریدنے کی استطاعت رکھتے ہیں، وہ نمک اور کالی مرچ کے ساتھ "فارمی" اور "دیسی" ابلے ہوئے انڈے کھا کر سردی بھگاتے ہیں۔ سردیوں میں گرما گرم چکن کارن سوپ کا استعمال بھی بڑے شوق سے کیا جاتا ہے، گرما گرم سوپ سے سردی کی ٹھنڈک بھگانے کا اپنا ہی مزہ ہے۔ اس لیے سورج ڈھلتے ہی ان کے ٹھیلوں اور دکانوں پر سوپ خریدنے والوں کا رش لگ جاتا ہے، جو رات گئے تک

جاری رہتا ہے۔ دکانوں پر اسے چاٹ مصالحے، کالی مرچ اور لیموں کے رس سے سرو کیا جاتا ہے، جبکہ شکر قندی بھی سردیوں کا ایک خاص تحفہ ہے اور سردیوں میں ریوڑی کا استعمال بھی بڑھ جاتا ہے۔ موسم سرما میں شہروں میں اکثر سوپ، گاجر کا حلوہ، ڈرائی فروٹس، کشمیری چائے اور کافی کا استعمال بڑھ جاتا ہے، جبکہ دیہات ابلے ہوئے انڈوں اور دیگر گرم اشیاء کا استعمال زیادہ ہو جاتا ہے۔

سردی میں اضافے کے ساتھ ہی ملک بھر کے لنڈا بازاروں میں رش بڑھا رہا ہے۔ لنڈا بازاروں میں بعض اسٹالوں کے مالکان کے مطابق سردی میں اضافے سے لنڈا بازاروں میں خریداروں کی تعداد میں بھی نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ سستے داموں گرم کپڑوں کی خریداری ایک زمانے میں غریب اور متوسط گھرانے کے افراد ہی کیا کرتے تھے، مگر اب مہنگائی کے سبب سردیوں میں امیر اور ایلیٹ کلاس طبقہ بھی لنڈا بازار کا رخ کرتا ہے۔ لنڈا بازار کی رونق اور قیمتیں بھی سردیوں کے موسم میں بڑھ جاتی ہیں۔ ویسے تو لنڈا بازار پورا سال ہی کھلے رہتے ہیں، لیکن اس کی مانگ اس سیزن میں بڑھ جاتی ہے۔ گرم ملبوسات خریدنے کے لیے لوگوں کی اکثریت لنڈا بازاروں کا رخ کرنے لگتی ہے۔ غریبوں کے ساتھ ساتھ امیروں کی بھی ایک بڑی تعداد انہی لنڈا بازاروں سے اپنے پسند کی اشیاء خریدتے ہیں۔ مہنگائی کا جن یہاں بھی بے قابو ہے، لیکن باقی دکانوں کی بنسبت یہاں اشیا کافی سستی ہوتی ہیں۔ لنڈا بازار میں بہت سے لوگوں کی ضرورت بھی پوری ہوتی

ہے اور ان کا بھرم بھی رہ جاتا ہے۔ لنڈا بازار میں آئے ایک خریدار کا کہنا تھا کہ پہلے لنڈا بازار سے چیزیں سستی مل جاتی تھیں، لیکن اب مہنگائی کا رونا یہاں بھی ہے، پہلے جو چیز روپوں میں آتی تھی، اب ڈھیروں روپوں میں آتی ہے۔ لنڈا بازاروں میں اشیاء کی قیمتوں میں سال رواں سال گزشتہ کی بنسبت چالیس سے پچاس فیصد اضافہ ہوا بتایا جارہا ہے۔ کراچی کے لنڈا بازار میں ایک دکان کے مالک کا کہنا تھا کہ "قیمتیں بڑھانے کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ پہلے مال براہ راست پاکستان آتا تھا، ڈالر کے ریٹ بھی کم تھے اور اب سارا مال دبئی کے راستے سے آتا ہے اور ڈالر کا ریٹ بھی زیادہ ہے، اس لیے قیمتوں میں تو اضافہ ہونا ہی تھا۔

دوسری جانب موسم سرما کی آمد کے ساتھ ہی ناک، کان، گلے کی بیماریوں میں اضافہ ہونے لگا ہے، بڑے اور چھوٹے تمام عمر کے افراد بڑی تعداد میں مذکورہ امراض میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ گلے کی خرابی، نزلہ، زکام، کھانسی کے ساتھ ہی بخار کی کیفیت طاری ہونا شروع ہو جاتی ہے اور یوں کوئی فرد تکلیف سے نہیں بچ پاتا۔ تاہم موسم سرما میں ضروری احتیاط کے ساتھ نہ صرف ان بیماریوں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے، بلکہ ان سے پیدا ہونے والے دیگر موذی امراض سے بھی بچا جا سکتا ہے۔ ماہرین ڈاکٹرز کے مطابق سردی کی موسمی بیماریوں سے بچوں کو خصوصاً محفوظ رکھنا چاہیے، کیونکہ بڑوں کی نسبت بچے ان بیماریوں کا زیادہ

جلدی شکار ہو جاتے ہیں۔ اطباء کے نزدیک بچے، بوڑھے، جوان مرد و خواتین فوری طور پر ٹھنڈے پانی، کولڈ ڈرنکس، کھٹے مشروبات، چٹ پٹی و تلی ہوئی اشیائ، غیر معیاری بناسپتی گھی وغیرہ کے استعمال سے گریز کریں۔ نزلہ اور زکام کی صورت میں گرم پانی کے غرارے اور گرم مشروبات کا استعمال مفید ہے۔ ماہرین طب کے مطابق پاکستان میں درجہ حرارت میں فرق کافی پایا جاتا ہے، جو کہ گرمیوں میں 50 ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے اور سردیوں میں دس درجہ سینٹی گریڈ تک آ جاتا ہے۔ 40 ڈگری سینٹی گریڈ کا فرق انسانی جسم پر کافی مضر اثرات مرتب کر سکتا ہے اور ان مضر اثرات کو زائل کرنے اور موسم کی مطابقت کے لحاظ سے خوراک اور جسم کو ڈھانپنے کے ساتھ لباس اور اس کے ساتھ کچھ احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا نہایت ضروری ہے۔

فیصل آباد میدان جنگ بن گیا

عبدالودود ربانی

تحریک انصاف پاکستان کے "سی پلان" کا پہلا مرحلہ فیصل آباد میں پی ٹی آئی اور مسلم لیگ (ن) کے کارکنوں میں خونریز تصادم کی صورت میں مکمل ہوا ہے۔ اسلام آباد کے 30 نومبر کے جلسے میں عمران خان نے اپنے پلان سی کا اعلان کرتے ہوئے ملک کے تین بڑے صنعتی و تجارتی شہروں اور بعدازاں پورے ملک کو بند کرنے کا اعلان کیا تھا، پاکستان تحریک انصاف کے اعلان کے مطابق 15 دسمبر لاہور، 8 دسمبر فیصل آباد، 12 دسمبر کراچی، 18 دسمبر کو پورے پاکستان کو بند کرنا طے تھا۔ عمران خان کے اس اعلان کو تمام سیاسی، سماجی، مذہبی، تاجر وٹرانسپورٹ تنظیموں، سول سوسائٹی اور باشعور و سنجیدہ حلقوں کی طرف سے سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑا، لاہور اور فیصل آباد کی تاجر تنظیموں نے اپنی الگ الگ پریس کانفرنسز میں پی ٹی آئی کے اجتماع سے لاتعلقی کا اعلان کیا، جس کی وجہ سے پی ٹی آئی کو اپنی حکمت عملی تبدیلی کرنا پڑی اور شاہ محمود قریشی نے اپنے ایک بیان میں اعلان کیا کہ ہمارے پرامن احتجاج کا مقصد شٹرڈاؤن نہیں ہے۔ تاہم عمران خان مسلسل کہتے رہے کہ مکمل شٹرڈاؤن ہڑتال ہوگی۔ عمران خان کے پلان سی کے مطابق 8 دسمبر کو فیصل آباد شہر کو بند کیا جانا تھا، مسلم لیگ کا گڑھ ہونے کے سبب جو نہ صرف ایک مشکل ہدف تھا، بلکہ ایک ٹیسٹ

کسی بھی تھا۔ حکومت کو سنجیدہ مذاکرات کے لیے ٹیبل پر لانے کا انحصار بھی اس پہلے مرحلے کی مکمل کامیابی پر تھا۔ یہی وجہ تھی پاکستان تحریک انصاف اور حکومت کی طرف سے بھرپور تیاریاں دیکھنے میں آئیں۔ پی ٹی آئی گھنٹہ گھر چوک پر سٹیج لگا کر جلسے کرنے کا ارادہ تھا۔ اسلام آباد میں پی ٹی آئی کی اتحادی رہنے والی جماعت پاکستان عوامی تحریک (پی اے ٹی) نے فیصل آباد میں ہونے والی اس احتجاج میں شرکت سے انکار کر دیا تھا۔ عوامی تحریک رہنماؤں کے مطابق فیصل آباد کی شٹر ڈاون کی کال پر تحریک انصاف نے انہیں اعتماد میں نہیں لیا، اس لیے وہ اس احتجاج میں تحریک انصاف کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ دوسری جانب مسلم لیگ (ق)، پاکستان سنی تحریک اور سنی اتحاد کونسل نے پیر کے روز فیصل آباد میں ہڑتال کی حمایت کرتے ہوئے تحریک انصاف کے شانہ بشانہ چلنے کا یقین دلایا تھا۔ حکومت پنجاب نے فیصل آباد 8 ہزار پولیس اہلکاروں کو 25 ہزار ربڑ کی گولیاں اور آنسو گیس کے 7 ہزار شیلوں سے لیس کرکے تعینات کر دیا تھا۔ انتظامیہ حکومت اور پی ٹی آئی اپنے اپنے طور پر تیاریوں میں مصروف تھی ہی، اس کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ ن فیصل آباد کی قیادت اور کارکنان بھی بھرپور تیاریوں میں مصروف تھے۔ انڈے، ڈنڈے، ٹماٹر اور پتھر کے ڈھیر جمع کر لیے گئے تھے۔ دو طرفہ تیاریوں سے حالات کشیدگی کی طرف جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ احتجاج کو انتشار کی جانب دھکیلنے کی صورت میں حکومت کی جانب سے سختی سے نمٹنے کے بیانات بھی دیے گئے تھے۔ جس پر تجزیہ کاروں کا کہنا تھا کہ

فریقین کے رویے سے فیصل آباد کے حالات کشیدہ ہو سکتے ہیں، جو یقینا ملک کے لیے نقصان کا باعث ہوں گے۔ انہی حالات کے پیش نظر بعض رہنماؤں نے فریقین پر مذاکرات کرنے پر بھی زور دیا تھا، لیکن دونوں جانب سے ٹال مٹول کا مظاہرہ کیا جاتا رہا اور مذاکرات نہ ہونے کے نتائج فیصل آباد میں سامنے آ گئے۔ فیصل آباد پیر کے روز میدان جنگ بنا رہا۔ تحریک انصاف اور مسلم لیگ (ن) کے کارکن ایک دوسرے پر پتھراؤ کرتے رہے، جس کے نتیجے میں متعدد افراد زخمی ہوئے، جبکہ ایک شخص جان سے گیا۔

فیصل آباد شہر کی 8 دسمبر کی صبح کا آغاز معمول کے مطابق ہوا، شہر کے آٹھ بازار بھی معمول کے مطابق کھلے رہے۔ تمام سرکاری دفاتر، اسکولز اور کالجز میں تعلیم کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ تحریک انصاف کی جانب سے انتخابی دھاندلی کے خلاف اپنے "پلان سی" کو کامیاب بنانے کے لیے فیصل آباد کے 9 مختلف مقامات پر احتجاج کیا گیا، جبکہ ناولٹی پل، گھنٹہ گھر چوک، الائیڈ چوک اور ملت چوک پر کافی کشیدگی رہی۔ اطلاعات کے مطابق پہلے مرحلے میں پی ٹی آئی کارکنان ملت چوک میں جمع ہوئے، تاہم کارکنان کی ایک کثیر تعداد نے ہجوم کی شکل میں شہر کے مختلف علاقوں میں ٹائر جلا کر سڑکیں اور بزور دکانیں اور مارکیٹیں بند کرانا شروع کروادیں۔ پی ٹی آئی کارکنان کا ہجوم جب صوبائی وزیر مملکت عابد شیر علی کے حلقہ ناولٹی پل پر پہنچا تو یہاں پی ٹی

ئی اور مسلم لیگ ن کے کارکنان آمنے سامنے آ گئے۔ دونوں جماعتوں کے کارکنان کے درمیان تلخ کلامی اور ہاتھا پائی بھی ہوئی۔ اس موقع پر پی ٹی آئی کارکنوں کی جانب سے گو نواز گو" اور (ن) لیگی کارکنوں نے "رو عمران رو" کے شدید نعرے لگائے۔ تاہم" مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے انتظامیہ کی جانب سے واٹر کینن کا استعمال کیا گیا، جس پر پی ٹی آئی کارکنان شدید مشتعل ہوگئے اور انھوں نے واٹر کینن پر بھی پتھراؤ شروع کر دیا۔ تاہم اس موقع پر سادہ کپڑوں میں ملبوس شخص کی جانب سے فائرنگ کی گئی، جس کے نتیجے میں پی ٹی آئی کے تین کارکن زخمی ہوگئے، جنہیں الائیڈ ہسپتال منتقل کیا گیا، جبکہ پی ٹی آئی کا ایک کارکن دوران علاج دم توڑ گیا۔ جس کے بعد حالات مزید کشیدہ ہوگئے اور پاکستان تحریک انصاف کی جانب سے ملک بھر میں حکومت مخالف مظاہروں کا سلسلہ شروع کر دیا اور تحریک انصاف کی جانب سے منگل (آج) ملک بھر میں یوم سوگ کا اعلان کیا گیا۔ آخری اطلاعات آنے تک مقتول کے قتل کا پرچہ مقتول کے بھائی عطاء اللہ کی مدعیت میں کاٹ دیا گیا ہے، جس مے ں رانا ثناء اللہ، رانا ثناء اللہ کے داماد اور ڈی سی او کو ملزم نامزد کیا گیا ہے۔

فیصل آباد واقعہ کے بعد چیئرمین تحریک انصاف عمران خان کا اپنے کارکن کے قتل کا الزام حکومت پر لگاتے ہوئے کہنا تھا کہ امن و امان کی صورتحال خراب کرنے کی ذمہ دار حکومت ہے اور حکمرانوں کے خلاف ایف آئی آر درج کراؤں گا۔

پر امن احتجاج سارے پاکستانیوں کا حق ہے اور اسے تحفظ دینا ریاست کا فرض ہے، لیکن فیصل آباد میں شریف خاندان نے اپنے گلو بٹوں کے ذریعے تشدد کا کھیل کھیلا۔ اگر کوئی غلطی کرتے تو پولیس کا کام روکنے کا تھا، گلو بٹوں کا نہیں۔ (ن) لیگ کے گلو بٹ تیاری کے ساتھ آئے اور ان میں سے ایک شخص مظاہرین پر گولیاں برساتا رہا اور پولیس صرف اسے دیکھتی رہی، رانا ثنااللہ پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ احتجاج کرنے والوں کو دیکھ لیں گے۔ پاکستان تحریک انصاف کی ترجمان شیریں مزاری نے بھی فیصل آباد واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ تحریک انصاف پر امن سیاست پر یقین رکھتی ہے اور جو کچھ ن لیگ کے کارکنوں نے فیصل آباد میں کیا، ہم اس کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہیں۔ پر امن احتجاج کرنا ہمارا جمہوری حق ہے، حکمران ہمارے راستے میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔ پنجاب پولیس مسلم لیگ (ن) کے گلو بٹوں کے ذریعے انتشار پھیلانا چاہتی ہے، (ن) لیگ کی ڈنڈا بردار فورس نے ہمارے کارکنوں پر حملہ کیا۔ جبکہ مسلم لیگ (ن) کے رہنما رانا ثناء اللہ نے فیصل آباد میں پی ٹی آئی کے قتل ہونے والے کارکن کے حوالے سے صاف کہنا تھا کہ مسلم لیگ (ن) کا کوئی بھی کارکن اس قتل میں ملوث نہیں ہے۔ تحریک انصاف نے خود جلاؤ گھیراؤ کیا ہے، عوام نے پی ٹی آئی کی اپیل مسترد کر دی ہے۔ رانا ثناء اللہ نے پی ٹی آئی پر الزام لگاتے ہوئے کہا کہ پی ٹی آئی نے تاجروں کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کی۔ رانا ثنا اللہ کے بیان پر پی ٹی آئی رہنما شفقت محمود کا کہنا تھا کہ جھوٹ بولنے پر ن لیگ کو شرم آنی

چاہیے، ن لیگ حالات کشیدگی کی جانب لے کر جا رہی ہے، ن لیگ نے کارکنوں پر ڈنڈوں سے حملہ کیا، پرامن احتجاج روکنے کے لیے (ن) لیگ نے فائرنگ کا پلان بنایا تھا، ن لیگ چاہتی تھی کہ مذاکرات کے دروازے بند ہو جائیں۔ فیصل آباد واقعہ کے حوالے سے عوامی مسلم لیگ کے سربراہ شیخ رشید احمد کہتے ہیں کہ فیصل آباد میں پیش آنے والے واقعے سے مذاکرات کی راہیں دھندلا گئی ہیں۔ جب کسی تحریک میں خون شامل ہو جائے تو پھر حکومتیں باقی نہیں رہتیں۔ نواز شریف کی ٹیم میں ناقص اور نااہل وزرا و مشیران پر مشتمل ہے۔ حکومت کی جانب سے فیصل آباد میں لگائی گئی آگ کی شدت اب کراچی اور لاہور میں بھی محسوس ہوگی، کیونکہ جب لوگوں کی آواز کو طاقت سے بدل دیا جاتا ہے تو پھر وہ آواز سارے نظام کو بدل دیتی ہے۔ جبکہ وزیر اطلاعات پرویز رشید کا کہنا تھا کہ فیصل آباد واقعہ عمران خان کی جانب سے مرو یا مارو جیسے بیانات کی عکاسی ہے۔

فیصل آباد واقعہ پر سیاسی حلقوں کی جانب سے تشویش کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ امیر جماعت اسلامی سراج الحق نے فریقین کو مذاکرات کی میز پر آنے کا مشورہ دیا اور کہا ہے کہ تصادم کی صورت میں حالات قابو سے باہر ہوئے تو تیسری قوت اس کا فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ عوامی نیشنل پارٹی (اے این پی) کے رہنما زاہد خان نے بھی فیصل آباد واقعہ پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ملک میں انارکی پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہے، تاہم دونوں پارٹیوں کو اپنے کارکنوں

سے پرامن رہنے کی اپیل کرنی چاہیے۔ جبکہ متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین نے کہا ہے کہ پاکستان مسلم لیگ (ن) اور پاکستان تحریک انصاف ایک دوسرے کے خلاف زور آزمائی کرنے کی بجائے صبر و تحمل سے کام لیں اور احتجاج کو ہر قیمت پر پرامن رکھیں۔ احتجاج کرنا اور اسے برداشت کرنا جمہوریت کا حصہ ہے، لیکن کسی بھی فریق کی جانب سے اسے پر تشدد راستے پر ڈالنے کا عمل جمہوری اصولوں کے سراسر خلاف ہے۔ سماجی حلقوں کی جانب سے فیصل آباد واقعہ پر پی ٹی آئی اور حکومت کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے، کیونکہ فیصل آباد ایک انتہائی پرامن اور تجارتی شہر ہے، ماضی میں یہاں کبھی اس طرح سیاسی لڑائی نہیں دیکھی گئی، لیکن اب پی ٹی آئی کی ہٹ دھرمی اور حکومت کی ناقص پالیسی کی وجہ سے فیصل آباد میں خونریز تصادم شروع ہوگئے ہیں۔ پی ٹی آئی نے فیصل آباد میں احتجاج کی کال دی ہوئی تھی تو ان حالات میں حکومت کی ذمہ داری زیادہ تھی کہ وہ حالات کو پرامن طریقے سے کنٹرول کرے، لیکن جب حکومت نے جماعتی مفادات کو سامنے رکھ کر اقدامات کرنا شروع کیے تو پرامن فیصل آباد پر تشدد ہوگیا۔ جس کا سراسر نقصان حکومت کو ہوگا، کیونکہ اگر حکومت اس احتجاج سے پرامن طریقے سے نمٹتی تو معاملہ صرف ایک دن کی ہڑتال اور احتجاج پر ختم ہوجاتا، لیکن اب یہ معاملہ یہاں رکنے والا نہیں لگتا، بلکہ پی ٹی آئی کو ملنے والی ایک لاش "پلان سی" کی کامیابی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ اب بھی اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے فوری طور پر اپنے

وزراء کو اشتعال انگیز بیانات دینے سے روک کر مذاکرات کا سلسلہ شروع کرے، تاکہ حالات کو مزید کشیدہ ہونے سے بچایا جاسکے۔

پاکستان میں غیر قانونی اسلحے کی بھرمار

پاکستان میں دن بدن دہشتگردی اور قتل و غارت گری بڑھ رہی ہے اور چوری، ڈاکا زنی، لوٹ مار اور دیگر جرائم کی شرح میں بھی اضافہ ہو رہا ہے، جس کی وجہ سے پاکستان بدامنی و بے سکونی کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ عدم برداشت سے بھرپور اس معاشرے میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر گولیوں کا چلنا اور بات بات پر قتل ہو جانا ایک معمول بن چکا ہے۔ ملک میں شاید ہی کوئی جگہ ایسی ہو جہاں بدامنی کا راج نہ ہو۔ ملک میں بدامنی کے پھیلاؤ میں پاکستان میں عوام کے پاس غیر قانونی اسلحے کی بھرمار کو بڑی وجہ قرار دیا جاتا ہے، جب تک ملک کو اسلحے سے پاک نہیں کیا جاتا اس وقت ملک میں بدامنی کا خاتمہ ممکن نظر نہیں آتا۔ اگرچہ پولیس اور دیگر اداروں کی طرف سے ملک کو اسلحے سے پاک کرنے کے حوالے سے بلند و بانگ دعوے کیے جاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ملک بھر میں غیر قانونی اسلحے کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

معاصر اخبار کے مطابق ملک بھر میں ممنوعہ اور غیر ممنوعہ بور کے اسلحہ کی تعداد 6 کروڑ 50 لاکھ سے زاید ہے، جن میں ایک محتاط اندازے کے مطابق 50 لاکھ ہتھیار لائسنس یافتہ جبکہ 6 کروڑ سے زاید چھوٹے بڑے ہتھیار غیر قانونی ہیں۔ کراچی میں ہتھیاروں کی تعداد پونے دو کروڑ، جبکہ لاہور میں 40 لاکھ سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ پاکستان میں 1998ء کی مردم

شماری کے دوران شہریوں کے پاس 2 کروڑ کے قریب ہتھیار تھے، جن میں سے صرف لاکھ ہتھیار لائسنس یافتہ تھے، باقی ایک کروڑ 80 لاکھ ہتھیار بغیر لائسنس کے تھے 20 اور اب 16 سال بعد ان کی تعداد میں بے تحاشہ اضافہ ہوا ہے اور یہ تعداد ساڑھے چھ کروڑ تک جا پہنچی ہے۔ اس طرح ملک میں ان غیر قانونی ہتھیاروں کی تعداد فوج، پولیس اور دیگر سرکاری اداروں کے پاس موجود اسلحے سے بھی زیادہ ہے۔ ذرائع کے مطابق افسروں، اہلکاروں کی ملی بھگت سے بسوں، ٹرکوں، ٹینکروں، ایمبولینسوں کے ذریعے اسلحے کی اسمگلنگ جاری ہے اور ایک لائسنس پر کئی کئی ہتھیار ہیں۔ ذرائع کے مطابق غیر قانونی ہتھیاروں کا ایک بڑا ذخیرہ پشاور کے گرد و نواح اور علاقہ غیر میں بتایا جاتا ہے، جہاں چھوٹے بڑے ہتھیار بنانے کی فیکٹریاں موجود ہیں اور موزر اور پسٹل سے لے کر کلاشنکوف اور دیگر بھاری اسلحہ تیار ہوتا ہے۔ پاکستان میں غیر قانونی ہتھیاروں کی بھرمار کے حوالے سے بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ غیر قانونی ہتھیاروں کی ملک میں آمد کی ابتدا آزادی پاکستان کے فوراً بعد ہی شروع ہو گئی تھی۔ 1947ء میں برصغیر کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کے وقت پاکستان بھارت کے مقابلے میں روایتی ہتھیاروں میں کمزور تھا۔ چنانچہ اس وقت یہاں پر ایسی پالیسیاں بنائی گئیں، جس میں ملک کو سیکورٹی اسٹیٹ بنا دیا، جس میں ہتھیار اور جنگجو کلچر کو فروغ ملا۔ پاکستان میں غیر قانونی اسلحہ کی آمد کا سب بڑا ذریعہ افغان بارڈر کو بھی بتایا جاتا ہے۔ ذرائع کے مطابق ملک بھر میں سب سے زیادہ ہتھیار علاقہ غیر ،

پشاور، افغانستان کے صوبہ کنڑ سے پاکستان کے قبائلی علاقوں باجوڑ، مہمند ایجنسی سے ہوتے ہوئے پنجاب سمیت ملک بھر میں پہنچتے رہے ہیں، جبکہ ماضی میں افغانستان کے صوبہ ننگر ہار سے خیبر اور کرم ایجنسی کے راستے اسمگل ہو کر آتے رہے۔ اسلحہ کے اسمگلروں نے غیر قانونی اسلحہ اور گولا بارود کی ترسیل کے لیے افغانستان کی 2640 کلو میٹر لمبی سرحد پر کئی خفیہ راستے بنا رکھے تھے، اگرچہ اب صورتحال یکسر تبدیل ہو چکی ہے اور لاتعداد پرانے سرحدی "روٹ" اب ہتھیاروں کے اسمگلروں کے لیے تقریباً بند ہو کر رہ گئے ہیں، تاہم کئی خفیہ راستوں سے اسلحہ کی اسمگلنگ اب بھی جاری ہے۔ جب بڑی تعداد میں اسلحہ اسمگل کیا جاتا، تب اس مقصد کے لیے ریت، بجری، لکڑی، کوئلہ لانے والے ٹرکوں اور ٹرالوں کے علاوہ آئل ٹینکرز اور ایمولینسوں اور دیگر گاڑیوں کا بھی استعمال کیا جاتا، جبکہ اس کے علاوہ مسافر بسوں اور دیگر گاڑیوں میں سوار افراد خفیہ طریقہ سے اسلحہ یہاں لے آتے۔ اس طرح ملک میں غیر قانونی اسلحے کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی، جو حکومت کے لیے ایک کھلا چیلنج ہے۔ اس وقت بھی جگہ جگہ غیر قانونی اسلحے کا کاروبار کرنے والے موجود ہیں۔ مقامی طور پر تیار ہونے والا اسلحہ انتہائی کم نرخوں پر دستیاب ہوتا ہے اور ایک عام پستول 500 روپے سے لے کر 2000 روپے تک آسانی سے مل جاتا ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ بلوچستان اسلحے کی اسمگلنگ کی منزل بن چکا ہے، کیونکہ پاکستان میں اسلحے کی بھرمار میں غیر ملکی طاقتیں بھی ملوث ہیں۔ وسطی ایشیا

میں مختلف طاقتوں کے مفادات ہیں اور بلوچستان کا جغرافیائی محل وقوع انتہائی اہم ہے اور وہ طاقتیں یہاں استحکام نہیں چاہتیں۔ بلوچستان سے آئے روز ہزاروں کلو گرام بارود اور بڑی تعداد میں اسلحے کی برآمدگی بھی غیر ملکی سازشوں کا حصہ ہے۔

ملک میں اسلحے کے بڑھتے ہوئے رجحان کے پیش نظر ایک عرصے سے ملک کو اسلحے سے پاک کرنے کے لیے حکومت پر زور دیا جاتا رہا ہے، جس پر ماضی میں مختلف حکومتوں کی جانب سے غیر قانونی اسلحہ کے خلاف آپریشن کیے گئے جو نامناسب حکمت عملی کے سبب ناکامی سے دوچار ہوئے۔ غیر قانونی اسلحے کے خلاف پہلا آپریشن 80ء کی دہائی کے وسط میں کیا گیا تھا، مگر یہ آپریشن بری طرح ناکام ہوا۔ اسلحہ کے خلاف دوسرا آپریشن بے نظیر بھٹو کی دوسری حکومت میں 90ء کی دہائی کے وسط میں شروع کیا گیا۔ غیر قانونی اسلحہ سے صاف کرنے کے لیے تیسرا آپریشن میاں نواز شریف کے دوسرے دور حکومت میں شروع ہوا، مگر سیاسی دباؤ کا شکار ہو کر اس آپریشن کو روکنا پڑا۔ جنرل (ر) پرویز مشرف کے دور میں حکومت کی جانب سے باقاعدہ طور پر قومی سطح پر "آرمز کنٹرول پروگرام" شروع کیا گیا، جس کا مقصد شہریوں سے غیر قانونی اسلحہ کی ضبطی کے ذریعے ایک مہم شروع کرنا تھا۔ اس حوالے سے جون 2001ء میں حکومت کی جانب سے غیر قانونی اسلحہ رکھنے والے افراد کو رضاکارانہ طور پر اسلحہ جمع کرا کر عام معافی کا اعلان کرکے دو ہفتے کی

مہلت دی گئی، مگر یہ مہم بھی بری طرح ناکام ہو گئی۔ موجودہ حکومت سے بھی تمام سیاسی و دینی جماعتوں، غیر سرکاری تنظیموں اور شہریوں کی جانب سے کراچی کو اسلحے سے پاک کرنے کا مطالبہ بار بار کیا گیا، جس کے بعد سندھ حکومت نے کراچی کو اسلحے سے پاک کرنے کی مہم کا آغاز کیا، جو گزشتہ سال 26 ستمبر سے 12 اکتوبر تک پندرہ روز جاری رہی۔ اس مہم پر سندھ حکومت کی جانب سے 30 کروڑ روپے خرچ کیے گئے، لیکن دو کروڑ آبادی والے شہر کراچی سے 15 روزہ اس مہم کے دوران صرف 16 افراد نے اپنے ہتھیار جمع کرائے۔ اس طرح جمع کرایا گیا اسلحہ فی ہتھیار 18 لاکھ روپے میں پڑا۔

غیر قانونی اسلحے کی برآمدگی کے حوالے سے یہاں قانون موجود ہے، جو سرنڈر آف اللیسیٹ آرمز ایکٹ 1991 کہلاتا ہے، جس قانون کے تحت عوام کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ وہ غیر قانونی اسلحہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے پاس ایک خاص تاریخ تک جمع کرا دیں اور اس تاریخ کے بعد غیر قانونی اسلحہ کی برآمدگی کی صورت میں انہیں گرفتار کرلیا جائے گا اور اس کی سزا عمر قید ہوگی۔ اس قانون کے نفاذ سے غیر قانونی اسلحہ رکھنے والا طویل عرصے جیل سے باہر نہیں آسکتا۔ موجودہ نافذالعمل قانون کے تحت ایک ملزم کو تین سے چودہ سال تک کی سزا ہو سکتی ہے۔

ہمارے معاشرے میں چھوٹے ہتھیاروں کے پھیلاو نے کے نتیجے میں نہ صرف خاندانی جھگڑوں میں اضافہ ہوا ہے، بلکہ ان ہتھیاروں کی موجودگی میں قبائلی جھگڑے

ایک جنگ کا روپ دھار لیتے ہیں۔ انہی ہتھیاروں کی دہشت گردوں کے پاس موجودگی نے ملک بھر میں کے سیکورٹی کے اداروں کو دیوار سے لگا رکھا ہے اور ملک میں ہلاکتوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہر سال اکتوبر کے آخری ہفتے کو ہتھیاروں کے خلاف عالمی ہفتہ کے طور پر منایا جاتا ہے جس کا مقصد دنیا بھر میں لوگوں میں یہ شعور پیدا کرنا ہوتا ہے کہ سڑکوں پر ہتھیاروں کی موجودگی کے بغیر دنیا کتنی پر امن ہوتی ہے۔ 1978ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اسلحہ کی تخفیف کے حوالے سے بلائے گئے خصوصی سیشن کی قرار دار میں دو اقسام کے ہتھیاروں کی تخفیف کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ان میں انسانی تباہی والے ہتھیار جیسے نیوکلیائی، کیمیکل یا بائیولوجیکل ہتھیار اور ایسے چھوٹے ہتھیار جیسے رائفل، پستول اور بندوق وغیرہ، جس سے معاشرے میں انارکی پھیلتی ہے، لیکن پاکستان میں اس دن کو صرف منایا جاتا ہے، ملک کو اسلحے سے پاک کرنے کے حوالے سے کوئی موثر اقدام نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا حکومت ملک میں اسلحہ کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے منظم و مضبوط پالیسی وضع کرے، جس کے تحت اسلحے کی پیداوار کو ریگولرائز کیا جائے یا اسے یکسر بند کر دیا جائے۔

کون پوشیدہ ہے پردہ زنگاری میں؟

دن بدن بدامنی و دہشتگردی میں بڑھوتری ہونے کی وجہ سے بلوچستان پر وحشت و دہشت کے منڈلاتے بادل مزید سیاہ ہوتے جارہے ہیں۔ ہر نکلتے سورج کے ساتھ خوف و ہراس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ تواتر اور تسلسل کے ساتھ قتل و غارتگری کا گھناؤنا عمل مزید بھیانک ہو رہا ہے۔ بلوچستان میں غیر ملکی مداخلت کے باعث امن و سکون ایک عرصے سے خواب بنا ہوا ہے۔ بم دھماکے، ٹارگٹ کلنگ اور اغوا کی وارداتوں نے بلوچستان کو ایک جہنم کی مانند بنایا ہوا ہے اور روز ہی متعدد افراد کو موت کی نیند سلا دےا جانا معمول بن چکا ہے، لیکن کچھ عرصے سے بلوچستان میں عوام پر خوف کے سائے مزید گہرے ہوگئے ہیں اور عوام کی پریشانی بڑھتی جارہی ہے۔ گزشتہ دنوں بلوچستان میں سیکورٹی عملے نے مختلف کارروائیوں کے دوران صرف ایک دن میں تقریباً 5 ہزار کلو دھماکا خیز مواد، ہزاروں مارٹر گولے، بم، خودکار ہتھیار اور بھاری بھر کم مقدار میں دیگر اسلحہ قبضے میں لیا۔ جبکہ گزشتہ ماہ بھی ایک ہی دن میں بلوچستان سے ساڑھے چار ہزار کلو بارود اور دیگر بھاری اسلحہ پکڑا گیا تھا۔ اگر بروقت کارروائی کرکے دہشت گردوں کے مذموم عزائم کو خاک میں نہ ملایا جاتا تو عین ممکن تھا کہ ملک دشمن عناصر بلوچستان میں بہت بڑی تباہی پھیلانے میں کامیاب ہوجاتے، لیکن دہشت گردی سے قبل ہی دہشت

گردوں کی سازشیں ناکام ہوگئیں اور بلوچستان بڑی دہشت گردی سے محفوظ رہا۔ وزیر داخلہ بلوچستان میر سرفراز بگٹی کا کہنا ہے کہ "ہمسایہ ممالک افغانستان اور بھارت کی انٹیلی جنس ایجنسیاں بلوچستان میں حالات کو خراب کرنے اور دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث ہیں، جن کے شواہد موجود ہیں۔ موجودہ حکومت اور سیکورٹی ادارے ان کی ایسی تمام مذموم کوششوں اور ناپاک عزائم کو ناکام بنانے کے لیے چوکس ہیں۔ دہشت گرد بدامنی اور بے چینی پھیلانے کے لیے بلوچستان کے مختلف علاقوں میں اسلحہ و گولہ بارود منتقل کرکے بے گناہ اور معصوم لوگوں کے خون سے ہولی کھیلنا چاہتے تھے، لیکن سیکورٹی ایجنسی اور قانون نافذ کرنے والے ادارے بروقت کارروائیاں کرکے ملک میں افراتفری پھیلانے والوں کے عزائم کو خاک میں ملا رہے ہیں"۔

اس امر سے ہر باشعور شہری واقف ہے کہ ملک میں جاری دہشت گردی کی بیشتر مذموم کارروائیوں کے پس پشت انہی قوتوں کا ہاتھ ہے، جو پاکستان کے استحکام کو متزلزل کرنے کے درپے ہیں اور پاکستان کو ایک ناکام ریاست ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ بعض ہمسایہ ممالک کی جانب سے پاکستان کی سرحدوں کو جارحیت کا نشانہ بنانے کے ساتھ ساتھ ملک میں داخلی طور پر بھی افراتفری پھیلانے کی کوششیں کی جارہی ہیں، وزیر داخلہ بلوچستان نے جن کی صاف الفاظ میں وضاحت بھی کی ہے۔ بلوچستان میں بھاری مقدار میں اسلحہ و بارود کے حالیہ واقعات

اور ان کے ممکنہ مضمرات پر نظر ڈالنے سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دشمن عناصر پاکستان میں امن کے قیام کو کس قدر مشکل اور گھمبیر معاملہ بنانے پر کمربستہ ہیں۔

بلوچستان میں بم دھماکوں، ٹارگٹ کلنگ، ٹرینوں پر حملے، پولیو ورکرز پر حملے، اعلیٰ سیاسی و انتظامی شخصیات پر حملے، خودکش حملے اور پے در پے بدامنی و دہشت گردی کی اٹھنے والی لہریں عالم اسلام کی امیدوں کے مرکز پاکستان کو کسی بڑے سانحات سے دوچار کرنے کی پلاننگ معلوم ہوتی ہے، جس کا سدباب انتہائی ضروری ہے۔

حالات کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اغیار کی شاطرانہ حکمت عملیوں سے عالم اسلام کا مجموعی طور پر انتہائی زیادہ نقصان ہوا ہے۔ آج عالم اسلام کے ہر گوشے میں اغیار کی سازشوں کی بدولت مسلمان آپس میں برسرجنگ ہیں۔ عالم اسلام کا یہ منظرنامہ کس قدر دل دوز ہے کہ بیرونی حملہ آوروں نے طرح طرح کے اتحاد تشکیل دے کر نہایت عیاری سے جنگ کی آگ کو ہمارے آنگن میں دھکیل دیا ہے اور پے در پے دسیسہ کاریوں سے اس آگ کو مزید پھیلانے کے لیے مسلسل کوشاں ہے ں۔ صورت حال کا الم ناک پہلو یہ ہے کہ ہر جانب نقصان عالم اسلام کا ہی ہو رہا ہے اور فائدہ مسلم دشمن قوتیں اٹھا رہی ہیں، چنانچہ ہم بے بسی سے ہر محاذ پر مذموم مقاصد میں بیرونی قوتوں کی کامیابی کو دیکھ رہے ہیں۔ عرب ممالک کے بعد اب پاکستان تخریبی سازشوں کا

خاص نشانہ بن چکا ہے۔ پاکستان کو بھارتی جارحیت اور افغانستان کے راستے پاکستان میں دہشت گردی کے خطرات کا سامنا ہے، دونوں جانب سے پاکستان کو سرحدی و داخلی نقصان پہنچانے کے مختلف حربے استعمال کیے جاتے ہیں، جبکہ مزید کئی پاکستان دشمن قوتیں ان کو اس حوالے سے سپورٹ کرتی ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالمی قوتوں کے خطے سے وابستہ دیرینہ مفادات کی تکمیل کے راستے میں مملکت خداداد پاکستان کا وجود ایک بڑی رکاوٹ ہے، جسے دور کرنے کے لیے مقامی اور بیرونی طاقتیں مل جل کر زور لگا رہی ہیں اور اس مذموم ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یکبارگی وطن عزیز کو اندرونی و بیرونی محاذوں پر شدید مشکلات، بحرانوں اور پریشانیوں میں الجھایا جا رہا ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے بلوچستان میں پے در پے دہشتگردی کے مختلف واقعات ملک کے خلاف کھیلے جانے والے عالمی اور طاغوتی کھیل کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ اس حقیقت سے مفر نہیں کہ عالم اسلام اور پاکستان دشمن ایجنسیاں یہاں کبھی مذہب کے عنوان سے قتل وغارت برپا کر دیتی ہیں تو کبھی صوبائی اور لسانی منافرت پھیلانے کے لیے مختلف قومیتوں سے تعلق رکھنے والے افراد اور طبقات کو نشانہ بناتی ہیں، جس کے نتیجے میں ملک کا امن، سکون اور چین تہہ وبالا ہوتا ہے اور پس پردہ عالمی طاقتیں مقامی آلہ کار عناصر کے ذریعے مذموم عزائم کو یقینی بنانے کے لیے راستہ ہموار کرتی ہیں۔ بلوچستان خاص طور پر ایک طویل

عرصے سے ملک دشمن قوتوں کا ہدف بنا ہوا ہے، جہاں فرقہ وارانہ قتل وغارت، بم دھماکوں اور تخریب کاری کے الم ناک و دلخراش واقعات پیش آتے رہتے ہیں،ان واقعات میں غیر ملکی قوتیں ملوث ہوتی ہیں، جن کے ملوث ہونے کی تصدیق آئی جی ایف سی میجر جنرل سمیت ملک کی مختلف اعلیٰ شخصیات کر چکی ہیں۔ مجرمانہ اور نقض امن کا سبب بننے والی سرگرمیوں کا مقصد پاکستان کو غیر مستحکم کرنا اور اس کی خود مختاری وآزادی کو داؤ پر لگانا ہے۔

بدقسمتی سے وطن عزیز اس وقت چاروں طرف سے دشمنوں کے گھیراؤ اور حصار میں آچکا ہے۔ یہ نازک، پیچیدہ اور حساس صورت حال ملک کی بقا، استحکام، سالمیت اور آزادی کو لاحق خطرات وخدشات میں مسلسل اضافے کی نشان دہی کرتی دکھائی دے رہی ہے، لیکن اسے لمحہ فکریہ ہی قرار دیا جاسکتا ہے کہ ان پر خطر حالات و واقعات کے باوجود ملک کے اندر عمومی طور پر احساس وبیداری، یکجہتی ویکسوئی اور اجتماعیت واتفاق سمیت حب الوطنی اور وطن دوستی کی وہ فضا قائم نہیں ہو پا رہی، جو وقت کا تقاضا اور ضرورت ہے۔ اس کے برعکس یہاں ہر سطح پر انتشار، خلفشار، نفرت، مخاصمت، تعصب اور ذہنی وفکری تضاد و ٹکراؤ کا افسوس ناک منظر دیکھنے کو مل رہا ہے اور ملک کی سیاسی، اقتصادی، سفارتی، سماجی اور معاشرتی فضا روز بہ روز ابتر ہوتی جا رہی ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ملک دشمن عناصر کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری قوم کو سیسہ پلائی

ہوئی دیوار بننا ہوگا۔

تھر: بچوں کی اموات میں تیزی.... حکومت سندھ غفلت کا شکار!

قحط کے شکار تھرپارکر میں حکومت سندھ کی عدم توجہی کے باعث بچوں کی اموات کا سلسلہ جاری ہے۔ علاقے میں سردی بڑھتے ہی غذائی قلت کے ساتھ ساتھ نمونیا اور دیگر بیماریاں بھی بچوں کی جان لینے لگی ہیں، لیکن صوبائی حکومت خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہی ہے اور حکومت کی جانب سے عدم توجہی کا شکار متاثرین امداد اور ادویات کے منتظر ہیں۔ تھرپارکر میں غذائی کمی اور سردی بڑھ جانے سے بیماریوں کے باعث منگل کے روز مزید 11 بچے، جبکہ گزشتہ روز بھی سات بچے دم توڑ گئے ہیں۔ اس طرح رواں مہینے تھرپارکر میں حکومتی نااہلی کی نذر ہونے والے بچوں کی تعداد 32 ہو گئی ہے، جبکہ رواں سال 553 تک جا پہنچی ہے اور ابھی بھی سول ہسپتال مٹھی میں غذائی قلت سے بیماریوں کا شکار 60 بچے زیر علاج ہیں، جن کو مناسب طبّی امداد میسر نہیں ہے۔ غذائی قلت، بیماریاں اور غربت تھر کے باسیوں کی جان لینے پر تلی ہوئی ہیں۔ روزانہ ماؤں کی گودیں اجڑ رہی ہیں اور وہ بے بسی کے ساتھ دکھ اور غم کی تصویر بنی ہوئی ہیں۔ موسمی تبدیلی بھی غذائی قلت کا شکار بچوں کے لیے وبال بن گئی ہے، جبکہ ہسپتالوں میں سہولیات کی عدم دستیابی سے اس مشکل میں بے تحاشہ اضافہ ہوا ہے۔ اس سنگین صورت حال کے باوجود سندھ حکومت غفلت کی نیند سو رہی ہے، تھرپارکر کے سرکاری ہسپتالوں

میں ڈاکٹروں کی کمی پوری نہ ہو سکی اور دیہی علاقوں میں تاحال طبّی ٹیمیں نہیں پہنچ پائی ہیں۔ سردی شروع ہونے کے بعد سے تھر میں غذائی قلّت کا شکار بچے تیزی سے نمونیا، بخار اور دیگر وبائی امراض میں مبتلا ہو رہے ہیں، حکومت سندھ اور محکمہ صحت کی جانب سے فوری مناسب اقدامات نہ کیے جانے کے باعث بچوں کی مزید ہلاکتوں کا خدشہ ہے۔ دوسری جانب سندھ حکومت نے امدادی گندم کا چوتھا فیز ایک ماہ سے بھی زاید عرصہ پہلے مکمل کرکے امدادی کاروائیاں بند کر دی تھیں۔ 60 ہزار خاندان امدادی گندم سے محروم بھی رہے تھے۔ اس کے باوجود صوبائی حکومت نے امدادی گندم کی تقسیم کا اگلا مرحلہ شروع کرنے کا کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ وزیر اعلیٰ سندھ کی ہدایت پر بھیجے گئے کمبل، کھجوریں اور دیگر سامان کی بھی ابھی تک تقسیم شروع نہیں کی گئی۔ متعدد علاقوں میں لوگوں کو پینے کا صاف پانی بھی دستیاب نہیں ہے اور متاثرین کے لیے امداد کا حصول بھی خواب بن کر رہ گیا ہے۔ متاثرین کا کہنا ہے کہ دعوؤں کے برعکس ان کی عملی امداد کو ممکن بنایا جائے۔ ادھر سندھ ہائیکورٹ نے وزیر اعلیٰ سندھ کی جانب سے تھر قحط سالی کیس میں جوڈیشل کمیشن کی تشکیل کو غیر قانونی قرار دینے سے متعلق درخواست پر وزیراعلیٰ سندھ، چیف سیکرٹری سندھ اور دیگر فریقین کو نوٹس جاری کرتے ہوئے 16 دسمبر تک جواب طلب کیا ہے۔ "پائلر" کے وکیل فیصل صدیقی نے دلائل دیتے ہوئے کہا ہے کہ حکومت نے عدالتی احکامات کے باوجود صحت، خوراک اور دیگر اہم امور پر تھر میں ریلیف کے کاموں

پر کوئی توجہ نہیں دی۔ عدالت عالیہ سندھ میں جوڈیشل کمیشن سے متعلق کیس کا فیصلہ محفوظ ہے۔ عدالت کی جانب سے جوڈیشل کمیشن کے قیام کے امکانات کے باعث حکومت نے اپنی نااہلی کو چھپانے کے لیے اپنی مرضی کا کمیشن تشکیل دیا ہے، اس لیے وزیر اعلیٰ سندھ کی جانب سے یکم دسمبر کو تشکیل کردہ جوڈیشل کمیشن کو کام کرنے سے روکا جائے۔ قومی عوامی تحریک کے صدر لطیف پلیجو کا کہنا ہے کہ تھر میں بچوں کی اموات کی ذمے دار سندھ حکومت ہے، تھر میں مسلسل بچے فوت ہو رہے ہیں، لیکن سندھ حکومت خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ حکمرانوں کو چاہیے کہ تھر میں بچوں کی زندگیاں بچانے کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں۔

تھر میں حکومتی کاہلی کے باعث بچوں کی اموات کا سلسلہ ایک عرصے سے جاری ہے، لیکن حکومت سندھ ابھی تک تھر میں مکمل طبّی و غذائی امداد فراہم کرکے ان اموات کی روک تھام کا کوئی انتظام نہیں کر سکی ہے۔ تھر کا المیہ اس وقت میڈیا کی پوری توجہ کا مرکز بھی بنا ہوا ہے، ہر روز تھر کے مختلف علاقوں میں کتنے بچے بھوک سے دم توڑ رہے ہیں، میڈیا میں اس کی پوری تفصیل پیش کی جاتی ہے۔ ساری صورتحال میڈیا پر آنے کے باوجود بھی تھر کی المناک اموات کے حوالے سے حکومت سندھ انتہائی غیر ذمے داری کا ثبوت دے رہی ہے۔ سندھ کے وزیر اعلیٰ قائم علی شاہ کا کہنا ہے کہ تھر میں ہونے والی اموات کوئی نئی بات نہیں ہے، یہاں ہر سال یہی صورت حال رہتی ہے، ماضی میں چونکہ میڈیا اتنا

فعال نہیں تھا، اس لیے تھر کے واقعات سے عوام لاعلم رہتے تھے، اب میڈیا چونکہ فعال ہوگیا ہے، اس لیے تھر کی صورت حال تشویشناک نظر آ رہی ہے۔ وزیر اعلیٰ سندھ کا یہ بھی کہنا ہے کہ تھر میں اموات بھوک سے نہیں، بلکہ بیماری سے ہو رہی ہیں، جب کہ سارا میڈیا عوامی اور سیاسی حلقے تھر میں ہونے والی اموات کو بھوک کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ تھر میں اموات بھوک کی بجائے بیماریوں سے ہو رہی ہیں تو یہ واضح ہے کہ تھری عوام کو طبّی سہولیات فراہم کرکے بیماریوں کا علاج کرنا بھی تو حکومت سندھ کی ذمہ داری ہے اور اگر یہ المیہ نیا نہیں، بلکہ ایسا ہر سال ہوتا ہے تو حکومت نے اس نقصان کو روکنے کے لیے مناسب اقدامات کیوں نہیں کیے؟ کیا تھر کے عوام کو خشک سالی اور بیماریوں سے مرنے کے لیے چھوڑ دیا جانا چاہیے؟ کیا تھری عوام کی بیماریاں ناقابل علاج ہیں؟ اور ان کے مسائل کو حل کرنا کیا حکومت سندھ کی ذمے داری نہیں ہے؟ بقول وزیر اعلیٰ قائم علی شاہ تھر کا مسئلہ نیا نہیں، بلکہ بہت پرانا ہے، لیکن یہ بھی تو حقیقت ہے کہ قیام پاکستان کے بعد سندھ میں پانچ بار پیپلز پارٹی کی حکومت رہی ہے اور 2008 سے اب تک پیپلز پارٹی کی ہی حکومت ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس طویل عرصے میں سندھ کی حکومت اس مسئلے سے ناواقف رہی ہے؟ اگر سندھ کی حکومت اس مسئلے سے واقف تھی تو اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے اس نے کیا کیا؟ تھری عوام کے مسائل کس قدر حل کیے ہیں؟ میڈیا رپورٹس کے مطابق تھر میں ڈاکٹروں کے

فرائض کمپاؤنڈر اور دوسرا عملہ ادا کر رہا ہے، دوائیں نایاب ہیں، عوام کو کوئی طبّی سہولت حاصل نہیں ہے۔ جو غذائی اجناس اور مالی امداد تھر بھیجی جا رہی ہے، وہ ضرورت مندوں تک نہیں پہنچ رہی ہے، بلکہ بدعنوانیوں اور کرپشن کی نظر ہو رہی ہے۔ ان مشکلات کا سد باب کرنا بھی تو حکومت سندھ کی ہی ذمے داری ہے۔

تھر میں سیکڑوں بچوں کے جانی نقصان کے بعد حکومت سندھ کا فرض تھا کہ وہ ہنگامی بنیاد پر یہاں امدادی کام کرتی، وزیر صحت یہاں مستقل پڑاؤ ڈالتے، بدعنوان اور کرپٹ عناصر کے خلاف سخت اقدامات کرکے تھری عوام خصوصاً بچوں کی غذا اور علاج کا بہترین بندوبست کیا جاتا، لیکن ایسا ہوتا دکھائی نہیں دے رہا ہے، اس کے برخلاف عذر لنگ سے کام چلانے کی کوشش کی جا رہی ہے، جو ایک منتخب اور جمہوری حکومت کے لیے باعث شرم ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ 2008 سے 2013 تک پیپلز پارٹی کی حکومت کی کارکردگی انتہائی مایوس کن رہی ہے، ان پانچ سالوں میں سوائے الزامات کے کوئی نیک نامی پیپلز پارٹی کے حصے میں نہیں آئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 2013 میں عوام نے پیپلز پارٹی کو مسترد کر دیا۔ اب عملاً پیپلز پارٹی سندھ دیہی تک سکڑ کر رہ گئی ہے، بلکہ سیاسی حلقے اب پیپلز پارٹی کو دیہی سندھ کی پارٹی کہہ رہے ہیں۔ اس صورت حال کا تقاضا تو یہ تھا کہ پیپلز پارٹی کم از کم سندھ میں اپنی کارکردگی

بہتر کرتی، لیکن حیرت ہے کہ پیپلز پارٹی سندھ میں اپنی کارکردگی بہتر بنانے کی بجائے تھر میں انتہائی مایوس کن کردار ادا کر رہی ہے۔ اگرچہ حکومت سندھ کی جانب سے تھر میں امدادی کام کرنے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے، لیکن ہر روز ہونے والی اموات پیپلز پارٹی کی حکومت کے دعوؤں کا منہ چڑا رہی ہیں۔

کراچی: احتجاج کے لیے پی ٹی آئی کو فری ہینڈ دیا گیا

پاکستان تحریک انصاف کے پلان سی کا دوسرا مرحلہ کراچی میں احتجاج اور دھرنوں کی صورت میں گزشتہ روز پایہ تکمیل کو پہنچا، جس میں تحریک انصاف کے کارکنوں نے انتخابی دھاندلی کے خلاف کراچی کے داخلی اور خارجی راستوں سمیت تقریباً دو درجن مقامات پر دھرنا دیا، جن میں شارع فیصل، اسٹار گیٹ، حسن اسکوائر، تین تلوار، مائی کولاچی روڈ، سپر ہائی وے اور نیشنل ہائی وے سمیت شہر کے مختلف مقامات شامل تھے۔ تحریک انصاف نے جمعرات کو رات گئے ہی ٹائر نذر آتش کرکے کراچی کی کئی سڑکوں کو بند کر دیا تھا۔ جمعہ کے روز دھرنوں کی وجہ سے شہریوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور بعض علاقوں میں شہری گھروں میں محصور ہو کر رہ گئے۔ تحریک انصاف کے کارکنوں کی جانب سے ٹائر جلا کر مختلف سڑکیں بلاک کی گئیں، جبکہ پولیس نے شہر بھر کے پیٹرول پمپس بھی بند کروادیے تھے، جس سے شہریوں کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوا۔ کراچی کے اکثر تعلیمی ادارے بھی بند رہے، جبکہ کراچی یونیورسٹی میں گزشتہ روز ہونے والے پرچے ملتوی کیے گئے۔ پی ٹی آئی کے احتجاج کی وجہ سے کراچی کی اکثر مارکیٹیں اور دوکانیں بند رہیں، لیکن کئی علاقے مکمل طور پر کھلے رہے، جبکہ کراچی کی سڑکوں پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی، کیونکہ

پی ٹی آئی کی جانب سے مرکزی راستوں کو بند کر دیا گیا تھا، جس کی وجہ سے ٹریفک سڑکوں پر نہ آ سکی۔ پی ٹی آئی کے احتجاج سے ایک روز قبل صدر کراچی ٹرانسپورٹ اتحاد ارشاد حسین بخاری کا کہنا تھا کہ حالات دیکھ کر گاڑیاں سڑکوں پر لانے کا فیصلہ کریں گے، جبکہ صدر سندھ تاجر اتحاد نے تمام تجارتی مراکز معمول کے مطابق کھلے رکھنے کا اعلان کیا تھا اور بزنس ایکشن کمیٹی کا کہنا تھا کہ تمام الیکٹرانک مارکیٹیں کھلی رہیں گی، جبکہ ٹینکرز ایسوسی ایشن نے بھی سپلائی معمول کے مطابق جاری رکھنے کا فیصلہ کیا تھا، لیکن جمعہ کو سڑکیں بند ہونے کی وجہ سے کراچی کی بہت سی مارکیٹیں کھل نہ سکیں۔ چیئرمین آل کراچی تاجر اتحاد عتیق میر کا کہنا تھا کہ کاروبار کھولنا دشوار ہوچکا ہے، حکومت کی جانب سے تاجروں کو تحفظ دینے کی کوئی یقین دہانی نہیں کروائی گئی۔ کراچی کی خاصیت ہے کہ جب بھی کوئی ہڑتال کا اعلان کرتا ہے تو بعض نادیدہ قوتیں پہلے سے ہی افواہیں اور خوف و ہراس پھیلادیتی ہیں۔ پھر یہ کہ شہر میں سیکورٹی بھی نہیں ہے، اس کا بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

ذرائع کے مطابق کراچی پی ٹی آئی کی مقامی قیادت نے کراچی میں اپنے احتجاج کو کامیاب بنانے کے لیے کراچی کے تاجروں اور ٹرانسپورٹر برادری سے سے رابطہ کیا تھا، لیکن انہوں نے پی ٹی آئی کے حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کر دیا تھا، لیکن پی ٹی آئی قیادت ہر حال میں کراچی میں ہونے والے اپنے احتجاج کو

کامیاب بنانا چاہتی تھی، اعلیٰ قیادت کی طرف سے یہی حکم ملا تھا۔ پی ٹی آئی رہنما عارف علوی کا کہنا تھا کہ کراچی میں کوئی گاڑی چلے گی، نہ کاروبار ہوگا، ہم پورا شہر بند کرا دیں گے، کاروباری مراکز اور ٹریفک بھی بند کرا کے نظام زندگی معطل کر دیں گے، بہر حال کراچی میں احتجاج کر کے نظام زندگی معطل کر دینا اتنا آسان نہیں ہے، لہٰذا پی ٹی آئی نے اپنے احتجاج کو کامیاب بنانے کے لیے مختلف جماعتوں سے بھی رابطے کیے، جن کی طرف سے اطمنان بخش جواب نہ ملا، لیکن پی ٹی آئی کو حکومت اور کراچی کی سب سے بڑی سیاسی قوت ایم کیو ایم کی جانب سے خاموش حمایت حاصل ہو گئی۔ پی ٹی آئی کے احتجاج سے ایک روز قبل متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین کا کہنا تھا کہ اپنے مؤقف کے حق میں پاکستان کے کسی بھی شہر میں پر امن جلسہ، جلوس اور مظاہرہ کرنا تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں سمیت ہر شہری کا جمہوری حق ہے، کراچی میں مظاہرہ کرنا عمران خان اور ان کی جماعت کا سیاسی، جمہوری اور آئینی حق ہے اور ایم کیو ایم ان کے اس حق کا احترام کرتی ہے۔ عمران خان کراچی میں خوشی سے احتجاج کریں، لیکن اپنے احتجاج کو پر امن رکھیں اور تحریک انصاف کے پر امن احتجاج پر کسی جماعت کو اعتراض نہیں ہوگا۔ دوسری جانب حکومت نے احتجاج کو عمران خان کا حق قرار دیتے ہوئے عمران خان کو وزیر اعلیٰ سندھ سے بھی زیادہ سیکورٹی فراہم کرنے کا اعلان کیا اور کہا کہ تحریک انصاف کو احتجاج کرنے سے کوئی بھی نہیں روکے گا، جس کے بعد پی ٹی آئی نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ

وہ تمام راستوں کو بند کردیں، جس سے پورا شہر خود بخود بند ہوجائے گا، کیونکہ تمام تعلیمی اداروں میں طلبہ اور دکانداروں کی اکثریت بھی گاڑیوں پر سوار ہوکر ہی منزل مقصود تک جاتی ہے، سڑکیں بند ہونے کی صورت میں گاڑیاں بند ہوجائیں گی اور تمام تعلیمی وکاروباری مراکز بھی بند ہوجائیں گے، جس سے احتجاج کامیاب گردانا جائے گا۔ پھر ایسا ہی ہوا کہ پی ٹی آئی کارکنوں نے کراچی کی اہم سڑکیں بند کردیں، جس سے نہ تو سڑکوں پر گاڑیاں آسکیں اور نہ ہی لوگ اپنے اپنے کام پر جاسکے، جس سے بہت سی مارکیٹیں بھی بند ہوگئیں۔ احتجاج کے اختتام پر عمران خان نے کراچی میں اپنے خطاب میں کراچی کے عوام کا شکریہ ادا کیا اور احتجاج کی وجہ سے تکلیف پر عوام سے معذرت بھی کی۔

دوسری جانب حکومت سندھ نے پی ٹی آئی کو یہ تنبیہ بھی کردی تھی کہ کسی کو زبردستی سڑکیں بند نہیں کرنے دی جائیں گی، اگر جلاؤ گھیراؤ کی کوشش کی گئی تو پولیس اس کا مقابلہ کرنے کے لیے مکمل طور پر تیار ہے۔ جبکہ ایڈیشنل آئی جی کراچی غلام قادر تھیبو کا کہنا تھا کہ کوئی شہری اپنی مرضی سے اپنی دکان، دفتر یا کاروبار بند کرنے کا اختیار رکھتا ہے، لیکن اس سلسلے میں کسی کو دھونس، دھاندلی یا زبردستی نہیں کرنے دیں گے، جلاؤ گھیراؤ یا قانون ہاتھ میں لینے والے افراد سے سختی سے نمٹا جائے گا۔ دراصل حکومت سندھ کو اس بات کا خدشہ تھا کہ اجازت ملنے باوجود بھی پی ٹی آئی کا کراچی میں بھی کسی

مخالف جماعت کے ساتھ فیصل آباد کی طرح تصادم نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس سے قبل فیصل آباد میں بھی اسی طرح کی کال دی گئی تھی، جہاں پاکستان مسلم لیگ نواز کے کارکنان اور پولیس کے ساتھ جھڑپ میں ایک پی ٹی آئی کارکن جاں بحق اور متعدد زخمی ہوئے تھے۔ اسی لیے پولیس چیف غلام قادر تھیبو کا کہنا تھا کہ فیصل آباد جیسے واقعات کراچی میں نہیں چاہتے۔ پاکستان تحریک انصاف کراچی میں کوئی بڑی خبر بنانا چاہتی ہے۔ پارٹی قیادت نے پولیس، رینجرز اور ہنگامی امداد کے شعبے بند کرنے کی کوشش کی، شارع فیصل پر پولیس کمانڈوز کو راستہ دینے سے روکا گیا تو وہ زبردستی نکلے۔ کہیں لاٹھی چارج نہیں کیا گیا، پولیس محتاط ہے اور کوئی خبر بننے نہیں دے رہی۔ کراچی پولیس ایک حد تک خاموش ہے، پالیسی کے تحت پاکستان تحریک انصاف کو جمہوریت کے لیے فری ہینڈ دیا گیا ہے۔ مبصرین نے کراچی میں پی ٹی آئی کے ہونے والے احتجاج کو کامیاب قرار نہیں دیا، کیونکہ یہاں پی ٹی آئی کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی، بلکہ حکومت اور بڑی سیاسی جماعت کی تقریباً حمایت بھی حاصل تھی، اس کے باوجود بھی پی ٹی آئی اپنے احتجاج سے یہ ثابت کرنے سے قاصر رہی ہے کہ وہ کراچی میں کامیاب احتجاج کر پائی ہے اور جن علاقوں میں احتجاج کامیاب ہوا بھی ہے، وہ زبردستی کاروبار اور ٹرانسپورٹ بند کروا کر ہوا ہے، حالانکہ اگر احتجاج کرنا جمہوری حق ہے تو اپنی مرضی سے دکانیں کھولنا بھی عوام کا جمہوری حق ہے، جسے کسی صورت بھی چھینا نہیں جاسکتا، لیکن زبردستی کاروبار اور دکانیں بند کروا کے

پی ٹی آئی نے کراچی میں عوام سے یہ حق چھینا ہے۔ دوسری جانب بعض حلقوں نے پی ٹی آئی پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس قسم کے احتجاجوں اور دھرنوں سے ملک کو سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہونے والا، دو روز قبل عالمی بینک کی آنے والی رپورٹ سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے، اس رپورٹ کے مطابق ملک میں جاری سیاسی ہلچل سے پاکستان کی معیشت کو نقصان پہنچا ہے اور شرح نمو متاثر ہوئی ہے۔ لہٰذا عمران خان اور حکومت کو چاہیے کہ فوری مذاکرات کریں، تاکہ ملک میں جاری کشمکش ختم ہو۔

پشاور: پھولوں کا شہر لہو لہان .... قوم سوگوار!

16 دسمبر کو سانحہ مشرقی پاکستان کے غم میں ڈوبی ہوئی پاکستانی قوم کو سانحہ پشاور نے افسردہ کر دیا ہے۔ پشاور اسکول میں بچوں کی شہادت پر ہر آنکھ اشک بار اور دل غمگین ہے۔ صوبہ خیبر پختونخوا کے دارالحکومت پشاور میں آرمی پبلک اسکول میں مبینہ عسکریت پسندوں کے حملے میں سوا سو سے زاید بچوں سمیت 140 افراد شہید ہوئے ہیں، جبکہ فائرنگ کے تبادلے میں ڈھائی سو افراد زخمی بھی ہوئے۔ منگل کے روز پشاور میں الیکشن کمیشن کے صوبائی صدر دفتر کے قریب ورسک روڈ پر واقع پاک فوج کی رہائشی کالونی سے متصل آرمی پبلک اسکول میں نصابی سرگرمیاں جاری تھیں کہ سیکورٹی فورسز کی وردی میں ملبوس 8 سے 10 دہشت گرد اسکول کی عمارت کے عقبی حصے سے دیوار پھلانگ کر اندر گھس آئے اور فائرنگ شروع کر دی، جس کے نتیجے میں 500 سے 600 بچے، اساتذہ اور عملہ محصور ہو گیا۔ فائرنگ کی اطلاع ملتے ہی سیکورٹی فورسز نے اسکول اور علاقے کو گھیرے میں لے کر دہشت گردوں کے خلاف آپریشن شروع کر دیا اور طویل آپریشن کے بعد تمام دہشتگردوں کو ہلاک کرنے میں کامیابی حاصل کی جا سکی۔ عینی شاہد طالب علم نے میڈیا کو بتایا کہ ان کے استاد لیکچر دے رہے تھے کہ اچانک عقب سے ہوائی فائرنگ ہوئی تو طلبہ نے کلاس کے دروازے بند کر دیے، لیکن دہشتگرد دروازے توڑ کر کلاس میں داخل

ہو گئے، پہلے ہوائی فائرنگ کی اور بعد میں کچھ بچوں کو تشدد کا نشانہ بھی بنایا، بعد میں انہوں نے مختلف جگہوں پر مورچے سنبھال لیے اور وقفے وقفے سے فائرنگ کرتے رہے۔ حملہ آور غیر ملکی لگ رہے تھے اور عربی میں بات چیت کر رہے تھے۔ اس اسکول کے ایک استاد کا کہنا تھا کہ مسلح حملہ آوروں نے اسکول کو ایک ایسے وقت میں نشانہ بنایا، جب وہاں امتحانات لیے جا رہے تھے۔ ہم کمرہ امتحان میں تھے، جب یہ حملہ ہوا۔ جبکہ ایک دوسرے طالب علم کا کہنا تھا کہ اسکول کے بڑے ہال آڈیٹوریم میں نویں اور دسویں جماعت کے طلبا کی ایک تقریب ہو رہی تھی، جبکہ کچھ کلاسز میں بچوں کے امتحانات ہو رہے تھے۔ اس لیے آج اسکول میں بچوں کی تعداد معمول سے کم تھی۔

اسکول بس ڈرائیور جمشید خان نے روئٹرز کو بتایا کہ ہم اسکول کے باہر کھڑے تھے، جب اچانک فائرنگ شروع ہو گئی، ہر طرف افراتفری مچ گئی اور بچوں اور اساتذہ کی چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ شہید ہونے والے بچوں کی عمریں 9 سے 16 سال کے درمیان بتائی جاتی ہیں۔ صوبہ خیبر پختونخواہ کے وزیر اطلاعات مشتاق غنی کے مطابق اسکول میں "جونئیر اور سینئر" سیکشن میں زیر تعلیم بچوں کی تعداد لگ بھگ 2500 تھی۔ پاکستان تحریک انصاف کے رہنما اور رکن صوبائی اسمبلی شوکت یوسف زئی کے مطابق دہشت گرد سیکورٹی فورسز کی وردیاں پہن کر آئے تھے، اسکول کے سینئر طلبہ کی ایک تقریب ہو رہی تھی، جس میں دھماکا ہونے کی اطلاعات ہیں، جس سے اموات زیادہ ہوئی ہیں۔ شوکت یوسف زئی کا کہنا تھا کہ یہ حملہ آپریشن ضرب

عضب کا رد عمل ہو سکتا ہے۔ جبکہ میڈیا کے مطابق طالبان کے ترجمان محمد عمر خراسانی نے روئٹرز کو ٹیلی فون پر اس حملے کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے کہا کہ اس کارروائی میں ہمارے چھ ارکان ملوث ہیں۔ انہیں ہدایات دی گئی ہیں کہ وہ بچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں اور فوجیوں کو ہدف بنائیں۔ خراسانی کا مزید کہنا تھا یہ شمالی وزیرستان میں جاری فوجی کارروائی کا انتقام ہے۔

پشاور میں انسانیت کا سر جھکا دینے والے بچوں کے قتل عام کی وزیر اعظم نواز شریف، تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان، جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن، اہلسنت والجماعت کے سربراہ مولانا احمد لدھیانوی، جمعیت علمائے اسلام س) کے سربراہ مولانا سمیع الحق، امیر جماعت اسلامی سراج الحق، پاکستان پیپلز پارٹی) کے شریک چیئرمین آصف زرداری، متحدہ قومی موومنٹ کے سربراہ الطاف حسین، پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ طاہر القادری، چودھری شجاعت حسین، عوامی نیشنل پارٹی کے سربراہ اسفندیار ولی خان سمیت تقریباً تمام مذہبی و سیاسی رہنماؤں نے مذمت کی ہے۔ جبکہ بین الاقوامی سطح پر بھی اس سانحے کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ ترک وزیر اعظم نے سانحہ کی مذمت کی اور اقوام متحدہ کے خصوصی سفیر برائے تعلیم گورڈن براؤن نے پشاور سانحے کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ پوری دنیا پشاور اسکول حملے پر دل شکستہ اور افسردہ ہے، اس کے علاوہ فرانس کے صدر فرانسوا اولاند نے بھی

واقعے پر دکھ اور افسوس کا اظہار کیا۔ برطانوی وزیر اعظم نے اس سانحہ کی مذمت کی اور بھارتی وزیر اعظم نے بھی پشاور سانحہ کی مذمت کرتے ہوئے اسے بزدلانہ فعل قرار دیا ہے۔ پشاور کے اندوہناک اور تاریخ کے بدترین حملے کو قومی سانحہ قرار دیتے ہوئے وفاقی حکومت کی جانب سے تین روزہ ملک گیر سوگ کا اعلان کیا گیا ہے اور بدھ کی صبح تمام قومی پارلیمانی جماعتوں کا اجلاس طلب کیا گیا ہے۔ سندھ اور کے پی کے حکومت کی جانب سے بھی سانحہ پشاور پر تین روزہ سوگ کا اعلان کیا ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف نے کہا ہے کہ پشاور میں اسکول کے معصوم بچوں کو نشانہ بنانے والے سفاک درندوں کو کسی صورت نہیں چھوڑیں گے۔ معصوم بچوں کو نشانہ بنانے کا یہ واقعہ انتہائی تکلیف دہ اور قومی سانحہ ہے، دہشت گردی کا شکار ہونے والے اسکول کے بچے میرے بچے تھے اور یہ پوری قوم کا نقصان ہے۔ وزیر اعظم نے صوبائی حکومت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو ہدایت کی کہ دہشت گردی کی اس بے ہیمانہ واردات کے ماسٹر مائنڈ کو کسی صورت نہ چھوڑا جائے۔آرمی چیف راحیل شریف نے اپنے بیان میں کہا کہ دہشت گردوں نے قوم کے دل پر حملہ کیا ہے، جس کا مجھے بہت صدمہ ہوا ہے۔ پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے پشاور میں اسکول پر دہشت گردوں کے حملے کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا کہ پورا پاکستان سانحے میں شہید ہونے والوں کے لواحقین کے دکھ میں برابر کا شریک ہے۔ عمران خان نے کہا ہے کہ سانحہ پشاور پر سیاست نہ کریں، آل پارٹیز کانفرنس میں ہونے والے

مذاکرات کے فیصلے پر عمل درآمد کے لیے وقت دینا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ صوبے میں ایک سال میں 170 حملے ہوئے، نو سال میں 50 ہزار افراد جاں بحق ہوئے، نو سال پہلے حالات کیا تھے اور اب کیا ہیں؟ دہشتگردوں کے درجنوں گروپ بن چکے ہیں، امن یا جنگ کا فیصلہ ہونا چاہیے، لیکن جو فیصلے اے پی سی میں ہوئے ہیں، ان پر عمل درآمد کے لیے وقت دینا چاہیے۔ عوام نے جنگ سے نکالنے کے لیے ووٹ دیے، وفاقی حکومت سیز فائر کا اعلان کرکے بات چیت کے نکات بتائے۔ پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے سانحہ پشاور کے سبب 18 دسمبر کو ہونے والا اپنا احتجاج ملتوی کرنے کا اعلان کیا ہے۔ جبکہ دوسری جانب پاکستان عوامی تحریک (پی اے ٹی) کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری نے بھی پشاور سانحے کے سبب 17 دسمبر کو عوامی تحریک کا ملک گیر احتجاج ملتوی کردیا ہے۔ یاد رہے کہ پاکستان عوامی تحریک کی جانب سے 17 دسمبر کو ملک گیر احتجاج کا اعلان کیا گیا تھا، جبکہ پاکستان تحریک انصاف نے بھی اپنے پلان۔ سی کے تحت 18 دسمبر کو پورا پاکستان بند کرنے کی کال دے رکھی تھی۔

جماعت اسلامی کے سربراہ سراج الحق نے پشاور اسکول حملے کو "بدترین" واقعہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ واقعہ 18 کروڑ عوام کے لیے ایک بہت بڑا پیغام ہے۔ ہم غمزدہ خاندانوں کے ساتھ ہیں اور ساتھ ساتھ مرکزی، صوبائی اور دیگر متعلقہ اداروں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ عام افراد کی حفاظت کو یقینی بنائے۔

دیگر معاملات میں حکومت کی لاپرواہی برداشت ہو سکتی ہے، تاہم اپنے بچوں اور ان کی جان و مال کی حفاظت میں کوتاہی کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کی جائے گی۔

وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات پرویز رشید کہتے ہیں کہ پشاور کے اسکول پر حملہ پاکستان کے بچوں پر حملہ ہے، جس کا بھرپور جواب دیا جائے گا۔ دہشتگردی کو کسی ایک واقعے سے جوڑنا یا کسی خاص خطے سے منسلک کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ پشاور میں اسکول پر حملہ کسی ایک صوبے کا معاملہ نہیں، یہ کارروائی پورے ملک کے خلاف ہے۔ وفاقی وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے تحریک انصاف کے وائس چیئرمین شاہ محمود قریشی کو فون کرکے سانحہ پشاور پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کیا اور پشاور میں دہشتگردوں کے اسکول پر حملے کے بعد حکومت اور تحریک انصاف کے درمیان مذاکرات ملتوی کردیے گئے۔ واضح رہے کہ تحریک انصاف کے انتخابی دھاندلی کے خلاف جاری احتجاج پر مذاکرات کے لیے حکومت اور پی ٹی آئی وفود کو منگل کے روز بیٹھنا تھا۔ پاکستان تحریک انصاف کے وائس چیئرمین شاہ محمود قریشی کا کہنا تھا کہ اس حملے کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے، بچوں پر حملے کی اجازت کوئی مذہب یا معاشرہ نہیں دیتا۔ اے این پی کے رہنما میاں افتخار نے کہا کہ صوبائی حکومت کو خواب غفلت سے بیدار ہونا ہوگا، دھرنے کی سیاست ختم کرکے ملک کو اہم وقت میں متحد کرنے کی ضرورت ہے، جبکہ عوامی نیشنل پارٹی کے رہنما غلام احمد بلور نے پشاور اسکول حملے کے بارے میں کہا کہ یہ نہ یہودیوں اور نہ ہی ہندوؤں نے بلکہ ہمارے مسلمان

افراد نے کیا، جو نہایت ہی شرمناک ہے۔ صوبائی حکومت مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے۔
یہ واقعہ سب سے زیادہ دررناک ہے، جس میں معصوم بچوں کو نشانہ بنایا گیا۔ صوبائی
حکومت عام افراد کو تحفظ دینے میں ناکام رہی ہے۔

سانحہ پشاور: پوری دنیا ورطہ حیرت میں ....!

16 دسمبر کو پشاور میں قیامت صغریٰ برپا ہونے کے بعد پوری قوم دکھ، درد، تکلیف، غم اور پریشانی سے نڈھال ہے۔ اس دہشتگردی کے سامنے جارحیت، درندگی، سفاکیت اور حیوانیت جیسے الفاظ بھی بہت چھوٹ معلوم ہوتے ہیں۔ پوری دنیا ورطہ حیرت میں ڈوبی ہوئی ہے کہ اٹھانوے فیصد مسلمانوں کا ملک پاکستان کیسی دھرتی ہے، جہاں بغیر کسی جرم کے کھلنے سے پہلے ہی پھولوں کو مسل دیا گیا۔ اس انہونی پر ہر ذی شعور غم، غصہ، نفرت اور بیچارگی کے امڈتے جذبات کے ساتھ سرتاپا شرمندگی کے عالم میں ہے کہ کس طرح پھولوں کی مانند معصوم بچوں کے قتل عام پر ان کے والدین کو ضبط اور صبر کی تلقین کرے، جن کے جگر گوشے چھین لیے گئے۔ یہ بچے تو ابھی ان کھلی کلیوں کی مانند تھے، جو ابھی پوری طرح کھلی بھی نا تھیں۔ روشنی کے ننھے چراغوں کو اپنی روشنی پھیلانے سے پہلے ہی گل کر دیا گیا۔ قاتل ان معصوموں کے خون کی ہولی کھیلتے رہے اور ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتارتے رہے، پہلے ایک بچے پر گن تانی، پھر دوسرے پر اور پھر تیسرے پر اور اس طرح درندگی کا یہ کھیل تب تک جاری رہا، جب تک قاتلوں کا بس چلا۔ پشاور میں آرمی پبلک اسکول پر حملے میں فائرنگ سے زخمی ہو جانے والے ایک طالبعلم سلمان (فرضی نام) نے میڈیا کو بتایا کہ وہ اور اس کے ساتھی اسکول کے آڈیٹوریم میں

کیریئر گائیڈنس سیشن میں شریک تھے، جب سیکورٹی اہلکاروں کی وردیوں میں ملبوس چار افراد وہاں گھس آئے۔ کسی نے چیخ کر ہمیں ڈیسک کے نیچے چھپ جانے کا کہا، جس کے بعد مسلح افراد نے فائرنگ کھول دی۔ ایک حملہ آور نے چیخ کر کہا کہ متعدد بچے بینچوں کے نیچے چھپے ہوئے ہیں، وہاں جاؤ اور انہیں مار دو۔ مجھے اس وقت تک دونوں ٹانگوں پر گولیاں لگ چکی تھیں اور میں نے بڑے سیاہ جوتوں کو اپنی طرف آتے دیکھا، جو چھپے ہوئے طالبعلموں کو ڈھونڈ کر مار رہا تھا۔ زخم کی وجہ سے شدید تکلیف ہو رہی تھی، مگر میں نے بچنے کے لیے مرنے کی اداکاری کا فیصلہ کیا اور اپنی ٹائی کھول کر منہ میں ڈال لی تاکہ تکلیف سے چیخ نہ سکے۔ جبکہ مسلح شخص طالبعلموں کو ڈھونڈ کر ان پر گولیاں برسا رہا تھا۔ تاہم سلمان نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور خود پر فائرنگ کا انتظار کرنے لگا۔ سلمان کے مطابق میرا جسم کانپ رہا تھا، میں نے موت کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور میں کبھی ان سیاہ جوتوں کو نہیں بھول سکتا، جو میری جانب بڑھ رہے تھے اور مجھے لگ رہا تھا کہ موت میری جانب آ رہی ہے۔ وہ مسلح افراد کچھ دیر بعد وہاں سے چلے گئے، جس کے بعد میں نے کھڑے ہونے کی کوشش کی تو زخموں کی وجہ سے پھر گیا، اس کے بعد میں اگلے کمرے میں رینگتا ہوا پہنچا۔

پشاور میں پیش آنے والے المناک سانحے کے بعد ہر پاکستانی، ہر مسلمان اور ہر انسان کربناک کیفیت کا شکار ہے۔ پشاور کے آرمی پبلک اسکول پر دہشتگردوں کے

حملے میں 132 بچوں سمیت 144 افراد کی شہادت پر ملک بھر کی فضا انتہائی سوگوار ہے۔ ملک بھر میں 3 روزہ سوگ منایا جارہا ہے۔ ملک بھر میں شہدا کے ایصال ثواب کے لیے خصوصی دعائیہ تقاریب کا انعقاد کیا گیا۔ اہم سرکاری، نیم سرکاری اور خودمختار قومی و صوبائی اداروں کی عمارات پر قومی پرچم سرنگوں ہے۔ پشاور سمیت ملک کے بیشتر چھوٹے بڑے شہروں میں تاجر برادری نے قوم کے جگر گوشوں کے بچھڑ جانے پر کاروباری سرگرمیاں بند کی ہیں، جبکہ پاکستان بار کونسل کی اپیل پر ملک بھر میں وکلا برادری نے بھی احتجاج کیا ہے۔ خیبر پختونخوا کا ہر گھر نوحہ کناں ہے۔ صوبے بھر کے تمام سرکاری، نیم سرکاری اور نجی تعلیمی ادارے بند رہے۔ پشاور میں تمام کاروباری اور تجارتی سرگرمیاں بھی مکمل طور پر بند رہیں۔ کور ہیڈ کوارٹر پشاور میں اسکول سانحہ کے شہدا کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں آرمی چیف جنرل راحیل شریف سمیت گورنر خیبر پختونخوا سردار مہتاب عباسی، وزیراعلیٰ پرویز خٹک، اسپیکر اسد قیصر، ڈی جی آئی ایس آئی لیفٹیننٹ جنرل رضوان اختر، آئی جی خیبر پختونخوا ناصر درانی سمیت دیگر اہم سیاسی و عسکری شخصیات نے شرکت کی۔ ان کے علاوہ بھی ملک بھر کے مختلف شہروں میں شہدا کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئیں۔ پشاور کے کاونٹر ٹیررازم ڈیپارٹمنٹ پولیس اسٹیشن میں پولیس کی جانب سے آرمی پبلک اسکول پر دہشتگردوں کے بے ہیمانہ حملے کا مقدمہ درج کرلیا گیا ہے۔

دوسری جانب سانحہ پشاور کی وجہ سے پوری قوم ایک صفحے پر متحد نظر آ رہی ہے۔ تمام حریف و حلیف سیاسی جماعتیں بھی فی الحال اپنے تمام اختلافات بھلا کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئی ہیں۔ بدھ کے روز وزیراعظم کی زیر صدارت پارلیمانی رہنماؤں کا اجلاس بھی پشاور میں ہوا، جس میں پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان، قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف سید خورشید شاہ، اعتزاز احسن، عوامی نیشنل پارٹی کے سربراہ اسفندیار ولی خان، قومی وطن پارٹی کے آفتاب شیر پاؤ، جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق اور رکن قومی اسمبلی طارق اللہ، جے یو آئی (ف) کے مولانا عبدالغفور حیدری اور اکرم درانی، ایم کیو ایم کے ڈاکٹر فاروق ستار، چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ، وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان، وفاقی وزیر اطلاعات پرویز رشید اور وزیراعظم کے مشیر امیر مقام شریک ہوئے۔ پوری قومی قیادت نے مل کر آخری دہشت گرد کے خاتمے تک جنگ جاری رکھنے کا اعلان کیا ہے۔ پشاور کے اسکول میں معصوم طلبہ کو نشانہ بنانے کے بعد وزیراعظم نواز شریف نے سزائے موت پر عاید پابندی اٹھانے کی منظوری دے دی ہے، اس سے قبل سابق حکومت نے عالمی دباؤ پر پھانسی کی سزا پر پابندی عاید کی تھی۔ جبکہ صدر ممنون حسین نے 55 مجرموں سمیت 8 دہشت گردوں کی رحم کی اپیلیں مسترد کردی ہیں۔ پاک فوج کے ترجمان میجر جنرل عاصم باجوہ نے کہا ہے کہ دہشتگردوں کی جانب سے اسکول پر حملہ

انسانیت اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ آج پوری قوم غم میں ڈوبی ہوئی ہے۔ یہ حملہ کرنے والے انسان کہلانے کے حق دار نہیں ہے۔ ذرائع کے مطابق سانحہ پشاور کا منصوبہ افغانستان میں بنائے جانے کا انکشاف ہوا ہے، جس کے بعد آرمی چیف جنرل راحیل شریف پشاور حملے کے مبینہ ماسٹر مائنڈ کی حوالگی کا مطالبہ کرنے کے لیے فوری طور پر کابل گئے اور افغان صدر سے اس حوالے سے ملاقات کی۔

سانحہ پشاور پر پاکستان کے ساتھ عالمی سطح پر بھی گہرے دکھ کا اظہار کیا گیا اور پاکستان کے علاوہ بھی کئی ممالک میں سوگ کا سماں ہے۔ عالمی رہنماؤں نے پشاور میں دہشتگردوں کے ہاتھوں بچوں کے قتل عام کی شدید الفاظ میں مذمت کی ہے۔ ترکی میں سانحہ پشاور پر بدھ کے روز یوم سوگ منایا گیا، جبکہ ترکی کے صدر رجب طیب اردگان نے سرکاری سطح پر سوگ کا اعلان کیا ہے۔ افغانستان میں بھی سانحہ پشاور پر سوگ منایا گیا۔ افغان صدر اشرف غنی نے اس حملے کو "وحشیانہ" قرار دیتے ہوئے معصوم بچوں کو قتل کرنا مکمل طور پر غیر اسلامی اور غیر انسانی عمل قرار دیا ہے۔ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی اور بھارتی وزیر داخلہ راج ناتھ سنگھ نے شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے اس حملے کو بے حس افراد کا ناقابل بیان وحشت پر مبنی حملہ قرار دیا۔ جبکہ بھارت کے بیشتر اسکولوں میں 2 منٹ کی خاموشی اختیار کی گئی اور بھارت میں لوک سبھا کے اجلاس کے دوران 2 منٹ کی خاموشی اختیار کی گئی، اس موقع پر مذمتی قرار داد

بھی منظور کی گئی۔ فرانس کے صدر فرانسوا اولانڈ نے اس حملے کو "گھٹیا" کارروائی قرار دیا ہے۔ پاکستان میں تعینات امریکی سفیر رچرڈ اولسن نے اس حملے پر دکھ اور افسوس کا اظہار کیا ہے۔ اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری بان کی مون، برطانوی وزیراعظم ڈیوڈ کیمرون، امریکی وزیر خارجہ جان کیری، آسٹریلیا کے وزیراعظم ٹونی ایبٹ، جرمنی کی جانب سے چانسلر میرکل، جرمن وزیر خارجہ فرانک والٹر شٹائن مائر، کینیڈا کے وزیر خارجہ جان بیئرڈ، اقوام متحدہ میں ترکی کے مستقل مندوب حالت جاویک نے بھی اس دہشت گردانہ حملے کو بزدلانہ قرار دیا ہے۔ جبکہ امریکا کے صدر باراک اوباما نے وزیراعظم نواز شریف کو ٹیلی فون کرکے پشاور میں دہشت گردوں کی بہیمانہ کارروائی کی مذمت کی ہے۔ جبکہ افغان طالبان نے بھی پشاور میں ہونے والے حملے کو غیر اسلامی فعل قرار دیتے ہوئے اس کی شدید مذمت کی ہے۔ دوسری جانب پشاور میں ہونے والی درندگی پر نہ صرف پاکستان، بلکہ دنیا بھر کا میڈیا بے چین ہوگیا اور دنیا بھر کے اخبارات، نیوز ویب سائٹس، ٹیلی وژن چینلز اور دیگر ذرائع ابلاغ پشاور کے آرمی پبلک سکول میں ہونے والے قتل عام پر چیخ اٹھے ہیں۔ برطانیہ کے روزنامہ ٹیلیگراف، روزنامہ گارڈین، روزنامہ انڈیپینڈنٹ، واشنگٹن پوسٹ، امریکا کے جریدے نیویارک ٹائمز نے اپنی سرخی میں اس حملے کو معصوموں کا قتل عام قرار دیا ہے۔ اپنی ویب سائٹس پر عالمی اخبارات نے حملے میں زخمی و شہید بچوں کی تصاویر بھی شائع کی ہیں۔ اخبارات اور ویب سائٹس کے علاوہ

عالمی نیوز چینلز نے بھی اس خبر کو بریکنگ نیوز کے طور پر کور کیا۔ الجزیرہ، سکائی نیوز، سی این این اور دیگر مغربی و عرب چینلز نے بھی اپنی خبر میں اس واقعے کو بچوں کا قتل عام قرار دیا۔

زمانے بھر میں رسوائی ہوئی ہے

ملک خداداد پاکستان کو ایک عرصے سے کئی قسم کے اندرونی و بیرونی چیلنجز کا سامنا ہے، جن سے مشکلات میں اضافہ اور مسلسل مسائل و مصائب بڑھ رہے ہیں۔ بہت سی ملک دشمن قوتیں عالم اسلام کی امیدوں کے محور واحد مسلم ایٹمی قوت پاکستان کو گھمبیر مسائل میں الجھا کر اپنے ادھورے خوابوں کی تکمیل چاہتی ہیں، جس کے لیے وہ ہر طرح کا حربہ استعمال کرکے پاکستان کو نقصان پہنچانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں، بلکہ پاکستان کو ایک ناکام ریاست ثابت کرنے کے لیے اپنا بے بہا سرمایہ خرچ کرکے، پاکستان میں مذہبی، لسانی، سیاسی اور دیگر کئی قسم کے تعصّبات کو بڑھاوا دے کر یہاں خونریزی اور قتل و قتال کے فروغ سے خوف و ہراس اور دہشت و وحشت پیدا کرتی ہیں۔ یہ پریشان کن صورتحال نہ صرف یہاں کے باسیوں کے لیے باعث تشویش ہے، بلکہ ان حالات کی وجہ سے پاکستان ہر میدان میں کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا جارہا ہے اور ترقی کا پہیہ جام ہو کر رہ گیا ہے۔ موجودہ حالات کا گہرائی سے ادراک رکھنے والے صاحب علم و دانش حضرات اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی کشتی کو مسائل کے بھنور میں پھنسانا بہت سیملک دشمن قوتوں کی اولین ترجیح ہے، یہی وجہ ہے کہ ان قوتوں کی سازشوں اور چالوں کی بدولت آج پاکستان کے حالات اس سطح پر پہنچ چکے ہیں کہ گزشتہ

دنوں امریکی انٹیلی جنس اداروں کے لیے اعداد و شمار اکٹھا کرنے والے تھنکٹ ٹینک انٹیل سینٹر نے اپنی رپورٹ میں پاکستان کو دنیا کا آٹھواں خطرناک ترین ملک قرار دیا ہے، جو پورے ملک کے لیے باعث تشویش، باعث فکر اور دنیا بھر میں رسوائی کا باعث ہے، جبکہ اس سے پہلے بھی کئی بار اس قسم کی رسوائی ہمارے حصے میں آتی رہی ہے :

زمانے بھر میں رسوائی ہوئی ہے
خبر کچھ دیر سے آئی ہوئی ہے

تھنکٹ ٹینک انٹیل سینٹر نے دنیا کے خطرناک ترین ممالک کی جاری کردہ کثری تھریٹ انڈیکس نامی فہرست کو کسی بھی ملک میں ہونے والی دہشت گردی اور اس میں انسانی جانوں کے ضیاع کو مد نظر رکھتے ہوئے مرتب کیا ہے۔ یہ رینکنگ تمام ممالک میں گزشتہ 30 دنوں میں دہشت گردوں اور باغیوں کی تنظیمات، پیغام رسانی، ویڈیوز، تصاویر، واقعات، ہلاکتوں اور زخمیوں کی تعداد کی تحقیقات کے بعد تیار کی گئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق دنیا کے سب سے خطرناک ترین ممالک میں عراق سب سے آگے ہے، جبکہ نائجیریا دوسرے، صومالیہ تیسرے، افغانستان چوتھے، یمن پانچویں، شام چھٹے، لیبیا ساتویں، پاکستان آٹھویں، مصر نویں نمبر پر ہے اور کینیا دنیا کا دسواں خطرناک ترین ملک قرار دیا گیا ہے۔ اس رپورٹ میں انتہائی افسوس ناک بات یہ سامنے آئی ہے کہ دہشت گردی کی وجہ سے دنیا میں

خطرناک قرار دیے جانے والے ممالک میں اکثریت مسلم ممالک کی ہے، بدامنی و بے سکونی کی چادر میں لپیٹے اکثر مسلم ممالک امن و امان کو ترس رہے ہیں، مسلمانوں کی آپس کی لڑائی میں لاکھوں لوگ موت کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں اور معذور و بے گھر ہونے والے افراد کی تعداد تو شاید کڑوں میں ہو۔ حالانکہ مسلمانوں کا مذہب اسلام تو برداشت اور تحمل کا مذہب ہے، اس کے باوجود یہاں برداشت و تحمل کا فقدان نظر آتا ہے اور قتل و قتال و دہشت گردی وہیں جنم لیتے ہیں، جہاں برداشت و تحمل ختم ہو جائے۔ اگر برداشت و تحمل کسی بھی معاشرے میں ناپید ہو جائیں تو دہشت گردی کا عفریت اسے نگلنے میں دیر نہیں لگاتا۔ جبکہ اسلام تو قتل و قتال اور دہشت گردی کی سخت مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ناحق کسی ایک انسان کا قتل گویا کہ پوری انسانیت کا قتل ہے، لیکن اس کے باوجود عالم اسلام کے اکثر ممالک کے لوگ خود ہی اپنے ہاتھوں دہشت گردی، بدامنی اور خونریزی کو پروان چڑھا رہے ہیں، اس کے برعکس غیر مسلم ممالک اس قدر پرامن ہیں کہ وہاں بدامنی کا نام و نشان تک نہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ عالم اسلام اور پاکستان سے متعلق مغربی تھنک ٹینک اداروں کی اکثر تحقیقاتی اور جائزہ رپورٹیں مغرب کے مخصوص طرز فکر، انداز تحقیق اور بسا اوقات مغربی ممالک کے متعین ایجنڈے کے تحت مرتب کی جاتی ہیں، دنیا کے خطرناک ممالک کی تعیین سے متعلق مذکورہ بالا امریکی تھنک ٹینک کی رپورٹ میں

بھی مبالغے کے عنصر کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بدقسمتی سے عالم اسلام کا ایک بڑا حصہ اس وقت انتشار و خلفشار اور تباہی و بربادی کے مناظر پیش کر رہا ہے اور کئی اسلامی ممالک کو خانہ جنگی اور ٹوٹ پھوٹ کے خطرے کا سامنا ہے۔ متعدد اسلامی ممالک اپنے شہریوں کے لیے رہنے کے قابل نہیں رہے اور لاکھوں مسلمان اس وقت اندرون ملک تشدد، خانہ جنگی اور کشت وخون سے فرار ہو کر دیگر ممالک میں پناہ گزینی اور دربدری کی اذیت سے دوچار ہیں۔ اس صورت حال کے پیدا ہونے میں جہاں عالمی استعماری قوتوں کی پیہم سازشوں اور غیروں کی مکاریوں کا بڑا دخل ہے، وہیں یہ تسلیم کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ دراصل مسلم حکمرانوں، زعماء اور دنیا بھر کی اسلامی قیادتوں کی ناکامی ہے۔

وطن عزیز پاکستان کو خطرناک ممالک کی فہرست میں آٹھویں نمبر پر شمار کیا جانا یقینا پاکستانی قوم کے لیے ایک تکلیف دہ امر ہے۔ بدامنی، عدم تحفظ اور ملکی استحکام کو درپیش خطرات کے حوالے سے پاکستان ایک غیر معمولی صورت حال سے دوچار ہے اور ایسی ہی صورت حال کسی بھی ریاست کے لیے عدم استحکام اور سیاسی افراتفری کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ بدامنی، دہشت گردی، تخریب کاری اور خانہ جنگی وہ بنیادی اور اہم ترین مسائل ہیں، جو کسی بھی ریاست اور معاشرے کے لیے تباہ کن ہو سکتے ہیں۔ ہمیں من حیث القوم اس وقت ایسے مسائل کا سامنا

ہے، جن کے برقرار رہنے کی صورت میں ترقی، خوشحالی اور استحکام کا کوئی خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ پاکستان میں بیرونی قوتوں کی دخل اندازی نے یہاں کے معاملات کو اس حد تک بگاڑ دیا ہے کہ امن عنقا ہو کر رہ گیا ہے اور یہاں کے عوام کو اپنا مستقبل تاریک دکھائی دینے لگا ہے۔ محب وطن حلقے تسلسل کے ساتھ اربارب حل و عقد کو ملک میں امن کے قیام پر زور دیتے رہے ہیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ خطے کے عوام کی سب سے بڑی ضرورت پائے دار امن کے قیام سے ہمارے حکمرانوں کو کوئی فکرمندی اور دل چسپی ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وطن عزیز پاکستان اندرونی خطرات سے نبرد آزما ہوتے ہوتے دنیا کے خطرناک ترین ممالک میں شمار ہونے لگا ہے۔ اسے بدیہی طور پر ملکی قیادت کی ناکامی سے ہی تعبیر کیا جائے گا۔ بدقسمتی سے مملکت خداداد پاکستان کی سیاسی قیادت سے وابستہ عوام کی توقعات اور امیدیں بہت کم پوری ہوئی ہیں، جبکہ عوام کی قسمت بدلنے، ملک و معاشرے کو موجودہ حالات سے نکالنے اور مسائل حل کرنے کے لیے اعلیٰ اخلاقی اوصاف کی حامل قیادت درکار ہے۔ پورے عالم اسلام کو بالعموم اور وطن عزیز پاکستان کو بالخصوص ایسی قیادت کی ضرورت ہے، جو ہمارے مسائل کا حقیقی ادراک و شعور بھی رکھتی ہو اور ان کے حل کی بہترین صلاحیت سے بھی بہرہ ور ہو، جو بدامنی کا خاتمہ کرکے امن کے قیام کو ممکن بنا سکے۔

تھرپارکر: سسکتے باسی مسیحا کے منتظر!....

سانحہ پشاور میں سفاکانہ، بہیمانہ اور ظالمانہ طریقے سے دہشتگردوں کے ہاتھوں بچوں کے قتل نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اس دلفگار سانحے سے پوری قوم کی آنکھیں پرنم، دل غمگین ہے۔ پشاور میں بچوں کی شہادت سے ہر پاکستانی انتہائی اداس اور پریشان ہے۔ بچے چونکہ سب کے لیے قابل رحم ہے ہوتے ہیں، اس لیے ان پر ہونے والے ظلم سے دل بھی سب کے دکھے ہیں، کیونکہ بچے قوموں کا مستقبل ہوتے ہیں اور قوم کے مستقبل کی حفاظت پوری قوم پر لازم ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری جانب ایک عرصے سے تھر میں بھی معصوم بچے حکومت سندھ کی نااہلی کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں، لیکن ان کے بچاؤ کے لیے خاطر خواہ اقدامات نہیں کیے جارہے۔ حکومتی نااہلی کے باعث غذائی قلت تھر میں انسانی زندگیوں کو نگلنے میں مصروف ہے۔ بھوک سے بلکتی اور سسکتی زندگی مسلسل موت کو خراج ادا کر رہی ہے۔ تھر کے صحرا میں خشک سالی کے عفریت نے پہلے علاقہ مکینوں کی خوشیاں نگلیں اور ایک عرصے سے جینے کی امید بھی نگلتے جا رہی ہے۔ حکومت سندھ کی لاپروائی اور عدم توجہ کے باعث ضلع تھرپارکر میں غذائی قلت کے شکار کمسن بچوں کی ہلاکتوں کا سلسلہ نہ تھم سکا اور گزشتہ روز مزید کئی بچے موت کی بھینٹ چڑھ گئے۔ رواں ماہ کے دوران حکومتی لاپرواہی اور غذائی قلت کی وجہ سے اپنی جان جان آفریں کے

حوالے کرنے والوں کی تعداد 90 بچوں سمیت تقریباً 105 ہو گئی۔ جبکہ گزشتہ تین ماہ سے غذائی قلّت کے باعث ہلاکتوں کی مجموعی تعداد 600 سے تجاوز کر گئی ہے۔ سول ہسپتال مٹھی میں 44 ، چھاچھرو تحصیل ہسپتال میں 21 اور کینسر ہسپتال میں 12 بچے ابھی بھی زیر علاج ہیں۔ سردی شروع ہونے کے بعد سے تھر میں غذائی قلّت کا شکار بچے تیزی سے نمونیا، بخار اور دیگر وبائی امراض میں مبتلا ہو رہے ہیں، جس سے بچوں کی اموات میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ تھر میں قحط کی وجہ سے موت کا رقص ابھی تک جاری ہے، لیکن حکومت ٹال مٹول اور کاہلی و سستی سے کام لے رہی ہے۔ غذائی قلّت کی وجہ سے مسلسل اموات کے باوجود تھر میں متاثرین تک امداد نہیں پہنچ پائی ہے اور سندھ حکومت کے جانب سے پانچویں فیز میں امدادی گندم کی تقسیم ایک ماہ کی تاخیر سے گزشتہ روز ہی شروع کی گئی ہے اور جو امداد اس سے پہلے تقسیم ہوئی بھی ہے، وہ غیر منصفانہ طریقے سے ہوئی ہے۔ پہلے تقسیم کی گئی امداد ان افراد کو تقسیم کیے جانے کا انکشاف ہوا ہے جو متاثرین نہیں تھے۔ غیر متعلقہ افراد (پی پی کے جیالوں) میں امداد کی تقسیم کا انکشاف تھرپارکر میں امدادی مرکز پر ریلیف انسپیکٹنگ جج کے چھاپے کے دوران ہوا۔ ذرائع کے مطابق گزشتہ دنوں تھرپارکر میں حاملہ خواتین اور غذائی قلّت کے شکار بچوں کے لیے سندھ حکومت کی جانب سے بھیجے گئے کمبل اور کھجور کے پیکٹوں کی تقسیم انتظامیہ کی جانب سے جیالوں کے حوالے کرنے کی خبروں کا ریلیف انسپیکٹنگ جج نے نوٹس لیتے ہوئے مٹھی شہر میں قائم سینٹر کا

دورہ کیا۔ ریلیف جج سینٹر پہنچے تو وہاں سرکاری افسران کی بجائے پیپلز پارٹی کے جیالے اور صرف ایک پٹواری موجود تھا، جبکہ بڑی تعداد میں ایسی خواتین اپنے ہاتھوں میں شناختی کارڈ لیے وہاں موجود تھیں جن کے نام لسٹ میں شامل نہیں تھے، جبکہ لسٹ میں شامل خواتین کو اطلاع ہی نہیں دی گئی کہ اس سینٹر پر امداد تقسیم ہو رہی ہے۔ امدادی اشیا جیالوں کے حوالے کرنے، سرکاری افسران کی عدم موجودگی اور امدادی سامان کی تقسیم میں سست رفتاری پر سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے ریلیف جج کا کہنا تھا کہ جب بھی ڈی سی تھر کو کسی وضاحت کے لیے عدالت میں طلب کیا جاتا ہے تو وہ لکھ دیتے ہیں کہ ڈی سی او اور ان کے دیگر افسران امدادی سرگرمیوں میں مصروف ہونے کے باعث عدالت میں حاضر نہیں ہو سکتے، جبکہ ریلیف سینٹر پر کوئی افسر موجود ہی نہیں، جبکہ امداد بھی بہت سست رفتاری سے تقسیم کی جا رہی ہے۔ اس رفتار سے تقسیم کرتے رہے تو سردی گزر جائے گی یہ کمبل اور کھجور کے پیکٹ تقسیم نہیں ہو سکیں گے۔

واضح رہے کہ تھر ایک ریگستانی علاقہ ہے، جہاں عموماً بارشوں کی کمی کی وجہ سے خشک سالی کی صورتحال رہتی ہے، لیکن رواں برس خشک سالی کے علاوہ یہاں غذائی قلت کے مسئلے نے بھی سر اٹھایا، جس کے باعث اب تک انسانی جانوں کے علاوہ ایک بڑی تعداد میں مویشی بھی مر چکے ہیں۔ صوبائی حکام یہ کہتے آ رہے ہیں کہ اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے حکومت نے متعدد اقدامات کیے ہیں، جن میں

علاقے میں گندم سمیت دیگر اشیائے ضروری کی فراہمی بھی شامل ہے، لیکن یہاں کے لوگوں کی پریشانی فی الحال جوں کی توں ہے۔ گزشتہ کئی برسوں سے علاقے میں کام کرنے والی ایک غیر سرکاری تنظیم بانہہ بیلی کے ایک عہدیدار یونس بندھانی کے مطابق تھر میں صحت عامہ کی ناکافی سہولت سے صورتحال مزید پیچیدہ ہوتی جا رہی ہے۔ یہاں پر تقریباً 90 فیصد بچوں کی پیدائش غیر تربیت یافتہ اور ناخواندہ دائیوں کے ذریعے ہوتی ہے اور یونین کونسل میں جو بنیادی صحت کے مراکز ہیں، وہاں پر جو پیرامیڈیکل اسٹاف ہے، اس میں خواتین نہیں ہیں، قحط کی صورت حال کی وجہ سے وہاں جانوروں کے لیے چارہ نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے دودھ نہیں میسر ہوتا، جو بچوں کے لیے چاہیے ہوتا ہے اور جانوروں کی چارے کی کمی کی وجہ سے غذا میں کمی واقع ہوتی ہے۔ علاقے میں خاص طور پر پانی اور صحت سے متعلق بنیادی ڈھانچے کو مضبوط بنا کر آنے والے برسوں میں ایسے مسائل پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ یہاں کے لوگ چاہتے ہیں کہ خیرات نہیں، بلکہ ترقیاتی کام ہوں۔ اسی لیے لوگوں نے اپنے نمائندوں سے رابطہ کرکے کہا ہے کہ عارضی حل دینے کی بجائے کوئی مستقل حل ہو، پہلی ترجیح پانی کی فراہمی ہے، اگر پانی ہوگا تو اسکول موجود رہیں گے اور اگر پانی نہیں ہوگا تو لوگ دوسری جگہوں پر منتقل ہونے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اسکول کی عمارتیں خالی ہو جاتی ہیں اور صحت کے بنیادی ڈھانچے کا حال بھی یہی ہے۔ جبکہ اسی غیر سرکاری تنظیم بانہہ بیلی کے روح رواں اور سابق وفاقی وزیر جاوید جبار کے مطابق

اموات خشک سالی کی وجہ سے نہیں ہوتیں، بلکہ ان کے بقول یہاں غذائی کمی خصوصاً حاملہ خواتین اور پھر ان سے پیدا ہونے والے بچوں کو جب سہی وقت پر سہی امداد نہیں ملتی تو یہ ہلاکتوں کا باعث بنتا ہے۔ تھر کی ابتر صورتحال کی ایک وجہ یہاں مقامی حکومت کا نہ ہونا بھی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس بحران کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ انتظامی اعتبار سے ایک بہت بڑا خلا اور غیر موجودگی ہے۔ مقامی سطح پر حکومتوں کی منتخب حکومتیں جن کو ہم لوکل گورنمنٹ کہتے ہیں، اگر یہ لوکل گورنمنٹ سسٹم موجود ہوتا تو یہاں ایسا نہ ہوتا۔

تھر میں حکومتی کاہلی کے باعث بچوں کی اموات کا سلسلہ ایک عرصے سے جاری ہے، لیکن حکومت سندھ ابھی تک تھر میں مکمل طبّی و غذائی امداد فراہم کرکے ان اموات کی روک تھام کا کوئی انتظام نہیں کر سکی ہے۔ ہر روز تھر کے مختلف علاقوں میں کئی بچے بھوک سے دم توڑ رہے ہیں، میڈیا میں اس کی پوری تفصیل بھی پیش کی جاتی ہے۔ ساری صورتحال میڈیا پر آنے کے باوجود بھی تھر کی المناک اموات کے حوالے سے حکومت سندھ انتہائی غیر ذمے داری کا ثبوت دے رہی ہے۔ حکومت قحط کی تحقیقات کے لیے پانچویں کمیٹی تشکیل دے چکی ہے۔ اس سے پہلے حکومت پولیس افسران، سرکاری افسران اور غیر سرکاری نمائندگان، ہائی کورٹ کے ایک ریٹائرڈ جج پر مشتمل کمیٹیاں بنا چکی ہے۔ ان تمام کمیٹیوں نے تھر میں قحط کی صورتحال کو شدید قرار دیا اور حکومتی اقدامات کو ناکافی اور

انتظامیہ کی نااہلی کو ذمہ دار قرار دیا۔ ایک کمیٹی صوبائی وزیر منظور وسان کی سربراہی میں بھی بنائی گئی تھی، لیکن حکومت نے اس کمیٹی کی رپورٹ بھی تسلیم نہیں کی۔ حکومت اپنی مرضی کی رپورٹ چاہتی ہے جو کہ زمینی حقائق کو دیکھ کر کوئی بھی کمیٹی نہیں دے پائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد سندھ میں پانچ بار پیپلز پارٹی کی حکومت رہی ہے اور 2008 سے اب تک پیپلز پارٹی کی ہی حکومت ہے، اس عرصے میں حکومت کی کارکردگی انتہائی مایوس کن رہی ہے۔ اگرچہ حکومت سندھ آئے روز تھر میں امدادی کاموں کے حوالے سے بلند و بانگ دعوے کرتی رہتی ہے، لیکن ان دعوؤں کی حقیقت تھر میں روز ہونے والی اموات سے واضح ہوجاتی ہے۔

کراچی: دسواں عالمی کتب میلہ.... اسلامی کتب کی فروخت سب سے زیادہ

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا، جب تک وہ تعلیم یافتہ نہ بن جائے اور تعلیم یافتہ بننے کے لیے معاشرے کا مجموعی مزاج کتاب دوست ہونا ضروری ہے۔ کوئی بھی تعلیم یافتہ معاشرہ کسی صورت کتاب کی ضرورت سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، لیکن انٹرنیت کے اس تیز ترین جدید دور میں انسان کی کتاب سے دوری ہوتی جا رہی ہے۔ انٹرنیٹ پر معلومات کا خزانہ موجود ہے، جس کے باعث کتابوں کی خرید و فروخت میں کمی آئی ہے اور انسان کتاب سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ جبکہ تعلیمی اداروں میں بھی کتاب دوستی صرف نصابی کتب تک محدود ہو کر رہ گئی ہے، حالانکہ تمام علمی ضروریات محض نصابی کتابوں سے پوری نہیں ہو سکتیں۔ تحقیقی ضروریات کے لیے اضافی کتابوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ معاشرتی ترقی کا انحصار اس بات پر ہے کہ عوام مروجہ علوم اور زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں، ان کی علمی سطح جتنی بلند ہوگی۔ کہتے ہیں کتاب کا انسان سے تعلق بہت پرانا ہے۔ کتاب نہ صرف انسان کی بہترین دوست ہے، بلکہ یہ انسان کے علم و ہنر اور ذہنی استعداد میں بھی بے پناہ اضافہ کرتی ہے اور خود آگاہی اور اپنے ارد گرد کے حالات و واقعات کا ادراک کراتی ہیں۔ کچھ عرصے سے ملک میں انسان اور کتاب کا یہ تعلق ماند پڑتا جا رہا ہے۔ اس رشتے میں کمزوری

آتی جارہی ہے۔ انسان اور کتاب کے درمیان دوری جنم لے رہی ہے۔ انسان سے کتاب کی دوری کو ختم کرنے کے لیے کراچی میں ہر سال پانچ روزہ عالمی کتب میلے کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ اس کتب میلے کی بنیاد 2005 میں رکھی گئی تھی اور اس وقت سے یہ کتب میلہ مسلسل ہر سال منعقد ہوتا آرہا ہے اور اس کی مقبولیت و کامیابی میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ حسب سابق اس سال بھی کراچی ایکسپو سینٹر میں 18 دسمبر سے 22 دسمبر تک پانچ روزہ عالمی کتب منعقد کیا گیا ہے۔ یہ کتب میلہ امسال اپنا عشرہ مکمل کررہا ہے، اس طرح یہ دسواں عالمی کتب میلہ ہے۔

ایکسپو سینٹر کراچی میں جاری پانچ روزہ عالمی کتب میلہ ہر سال مزید شہرت اور کامیابی حاصل کررہا ہے۔ کتب میلے میں ہر روز گہما گہمی پہلے دن کی بنسبت بڑھ رہی ہے۔ مدارس، اسکولوں، کالجوں اور جامعات کے ہزاروں طلبہ وطالبات سمیت مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے تقریباً چار لاکھ کے لگ بھگ افراد 18 دسمبر سے اب تک کتب میلے میں شرکت کر چکے ہیں، مزید شرکا جوق در جوق آرہے ہیں۔ ایکسپو سینٹر آنے والوں کے رش کے باعث اطراف کی سڑکوں پر گاڑیوں کی طویل قطاریں لگ گئیں، عالمی کتب میلے میں شرکت کرنے والوں میں مرد و خواتین اور بچوں کی بڑی تعداد شامل ہے۔ ایکسپو سینٹر میں تین ہالز ہیں، تینوں ہالز شرکا سے بھر گئے ہیں۔ عالمی کتب میلے کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ کتب میلے میں پہلی بار تین ہالوں میں اسٹالوں کی تعداد

تک جا پہنچی ہے۔ جبکہ گزشتہ سال کتب میلے میں 315 اسٹال لگائے گئے تھے۔ 330 امسال ناشران اور کتب فروشوں کو زیادہ اسٹال دیے گئے ہیں، تاہم درجنوں کتب فروشوں کو اسٹال دینے سے معذرت کرلی گئی۔ کتب میلے میں بھارت، سنگاپور، ملائیشیا، برطانیہ، ایران، متحدہ عرب امارات اور دیگر عالمی پبلشرز نے اپنی کتابیں اور شائع شدہ مواد پیش کیا ہے۔ ناشران اور کتب فروشوں کے اسٹالوں پر کتابوں کی فروخت غیر معمولی رہی ہے، کئی پبلشرز نے اسٹالوں پر موجود کتب جلدی بک جانے کی وجہ سے گوداموں سے مزید کتابیں منگوائیں ہیں۔ کتب میلے کی انتظامیہ کے مطابق عالمی کتب میلے میں ہر روز لاکھوں روپے کی کتب فروخت ہو رہی ہیں۔

کتب میلے میں ہر طرح کی کتابیں رکھی گئیں ہیں، جن میں اسلامی کتب، ناول، فکشن، سوانح، تاریخ، اردو اور انگریزی لٹریچر، ادب، ثقافت، شاعری، نثر نگاری، ناول، سائنس، قانون، فلسفہ، طب اور شخصیات سے متعلق دیگر کتب بھی عالمی میلے کا حصہ ہیں۔ ان کتابوں میں بچوں کی انگریزی اردو کہانیاں رنگ برنگی تصویروں کے ساتھ، ڈرائنگ کی کتابیں اور بچوں کے حوالے سے ایکٹیوٹی بکس شامل ہیں، جن میں بچوں کی دلچسپی دیدنی ہے۔ ان کے علاوہ مختلف سیاسی و مذہبی تنظیموں کی جانب سے بھی اپنے سیاسی و مذہبی نظریات کے پرچار کے لیے اپنی کتب کے اسٹالز لگائے گئے ہیں۔ میلے میں سے 50 فیصد تک رعایتی نرخوں 15

پر کتابیں فراہم کی جارہی ہیں، جس کے باعث لوگوں نے ایک کی بجائے کئی کئی کتابیں خریدیں۔ کتب میلے میں اسلامی کتب، افسانہ، ناول، ادب، شاعری اور سیاست کی کتابوں میں دلچسپی دیکھنے میں آئی اور طلبا و طالبات کا رش میڈیکل، اکاونٹس اور کمپیوٹر کی کتابوں میں زیادہ دیکھنے میں آیا۔ عالمی کتب میلے میں مذہبی کتابوں کی بھرمار ہے۔ نقاب اوڑھے اور اسکارف میں ملبوس خواتین اور لڑکیوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے بھی کتب میلے کا رخ کیا۔ ان کا مقصد کسی اسٹال پر کھڑے ہو کر محض کسی کتاب کی ورق گردانی کرنا نہیں، بلکہ اسلامک لٹریچر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوا۔ ایک اسٹال ہولڈر حامد نے بتایا کہ ہمارے اسٹال پر صرف اسلامی کتب ہیں، یہاں ہر طرح کے لوگ آ کر دھڑا دھڑ اسلامی کتب خرید رہے ہیں۔ ویسے تو تمام اسلامی کتب ہی زیادہ فروخت ہو رہی ہیں، لیکن لوگوں کا رجحان تفسیر کی خریداری پر زیادہ ہے۔ ہر روز ہمارے اسٹال سے تقریباً دو سے ڈھائی لاکھ روپے تک کی کتب فروخت ہو رہی ہیں۔ ایک دوسرے اسٹال ہولڈر امین اللہ نے بتایا کہ ہمارے دو اسٹال ہیں، جن میں سے ایک پر اسلامی کتب ہیں، جبکہ دوسرے پر ادب و شاعری کی کتب ہیں، دونوں اسٹالز میں فروخت کا واضح فرق ہے، اسلامی کتب بہت تیزی کے ساتھ بک رہی ہیں، جبکہ دوسری کتب کی فروخت میں وہ تیزی نہیں ہے۔ اسلامی کتب کے اسٹال سے روز کی ڈیڑھ لاکھ تک، جبکہ دوسرے اسٹال سے صرف پچاس ہزار کی کتب فروخت ہو رہی ہیں، ان کا کہنا تھا کہ کتب کی خریداری سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کراچی میں اسلامی کتب کے

مطالعے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ ایک اسٹال ہولڈر ضیاء الرحمٰن نے بتایا کہ ہمارے اسٹال پر بیرون ملک کے مذہبی اسکالرز کی انگلش کتب ہیں اور انگلش میں تفاسیر وغیرہ دستیاب ہیں، ہمارے پاس موجود تمام مذہبی کتب کی فروخت بہت تیزی کے ساتھ ہو رہی ہے۔ ایک اسٹال ہولڈر محمد نعیم نے بات کرتے ہوئے بتایا کہ ہمارے اسٹال پر صرف ناول ہیں، جن میں سے اب صفی اور اشتیاق احمد کے ناول زیادہ بک رہے ہیں، لیکن بچوں کی دلچسپی زیادہ اشتیاق احمد کے ناولوں میں ہے۔ کتب میلے میں نصابی کتب کے اسٹال ہولڈر سے بات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ ہمارے اسٹال سے کتب بہت زیادہ نہیں بک رہی ہیں، بس یہ سمجھیں کہ خرچہ نکل رہا ہے۔ دوسرے کئی اسٹالز ہولڈرز نے بھی اس بات کا اعتراف کیا کہ کتب میلے میں سب سے زیادہ اسلامی کتابوں کی فروخت ہو رہی ہے۔

کتب میلے میں 30 کے قریب اسٹالز بچوں کی کتابوں سے متعلق ہیں، جہاں بچوں کا کافی زیادہ رش دیکھنے میں آیا۔ اس کتب میلے میں بچوں کی دلچسپی کی ہر طرح کی کتابیں رکھی گئیں اور بچوں کی ایک کثیر تعداد اس میلے میں شریک ہوئی۔ رنگ برنگی خوبصورت تصاویر والی کتابیں، مختلف اینی میشن، کارٹونز اور بچوں کی دلچسپی کے مختلف موضوعات سے سجے بچوں کی کتابوں کے اسٹالز ہر کسی کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ بچوں نے ڈرائنگ بکس اور کہانیوں کی کتابوں میں گہری دلچسپی دکھائی۔ بچے خود اپنی پسند کی کتابیں شوق سے خرید رہے ہیں۔ متعدد

اسٹالز کو بچوں کی دلچسپی کے لیے سجایا بھی گیا ہے۔ بچوں کی کتابوں کے حوالے سے ایک اسٹال ہولڈر کا کہنا تھا کہ ہمارے اسٹال پر کتابیں تو موجود ہیں، مگر اسٹال کی سجاوٹ خاص طور پر بچوں کے لیے کی گئی ہے، جسے دیکھ کر بچے متاثر ہوں اور ان کی دلچسپی کتابوں میں بڑھے۔ کتب میلے میں کتابیں پسند کرتے ہوئے ایک چھوٹے بچے نے بتایا کہ مجھے کہانیوں کی کتابیں پسند ہیں۔ بچے کے والد کا کہنا تھا کہ میرے بیٹے کو جادوئی کہانیوں سے لگاؤ ہے۔ ایک اور رنگارنگ بک اسٹال کے عہدیدار محمد احمد نے بچوں کی کتابوں کے حوالے سے بتایا کہ بیرون ممالک میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں لائبریری اور کتاب کلچر بڑھ رہا ہے، مگر افسوس کے ساتھ پاکستان میں کتاب کلچر کم ہوتا جا رہا ہے۔ ہمارے ہاں ڈرائنگ روم میں ٹی وی کا سائز تو بڑھ رہا ہے، مگر کتابوں کے لیے ہمارے گھروں میں جگہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچوں میں کتابوں کے پڑھنے کا رجحان وہ نہیں ہے، جو کسی زمانے میں دیکھنے میں آتا تھا۔ اس لیے دیدہ ور رنگوں والی کتابوں کو مناسب قیمتوں میں فروخت کرنا وقت کی ضرورت ہے، کیونکہ ملک کا ایک بڑا طبقہ مڈل کلاس طبقہ ہے، جس کے لیے مہنگی کتابیں خریدنے کی قوت نہیں ہے۔

پاکستان پبلشرز اینڈ بک سیلرز ایسوسی ایشن کے صدر عزیز خالد کا کہنا تھا کہ اس بات نے ان کو بہت حوصلہ دیا ہے کہ نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد اس میلے میں اپنی دلچسپی دکھا رہی ہے۔ کتب میلے نے بہت حد تک کراچی کے منفی تاثر کو

زائل کیا ہے۔ یہاں شہریوں کی علم دوستی کا براہ راست رشتہ امن کی خواہش سے ملتا ہے۔ عالمی کتب میلے میں جو بات نہایت منفرد نظر آئی، وہ کتب میلے میں مذہبی کتابوں کی بھرمار تھی۔ آدھے سے زیادہ اسٹال مذہبی کتابیں بیچنے والوں کے ہیں۔ عزیز خالد کے مطابق لاکھوں روپے کی کتابوں کی خریداری ابھی تک ہو چکی ہے۔ لاکھوں لوگوں کی آمد اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ پاکستان اور بالخصوص کراچی کے عوام کتاب دوست اور کتابوں سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ کتب میلے میں آنے والوں کا کہنا تھا کہ اس طرح کے کتب میلوں سے طالب علم اور عوام فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ ملکی سطح پر اس طرح کے کتب میلوں کا انعقاد کرنا چاہیے، تاکہ کتب کے ذریعے علم کی روشنی پھیلانے میں مدد حاصل ہوسکے اور ہماری نسلیں اس سے فیضیاب ہو کر دنیا بھر میں ایک اچھا مقام حاصل کر سکیں، ہمارے ملک میں لائبریریوں کا کلچر ختم ہوتا جارہا ہے، جسے فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ کتب میلے میں شریک طلبہ وطالبات کا کہنا تھا کہ پانچ روزہ عالمی کتب میلے سے کراچی میں کتاب دوستی زندہ ہو گئی ہے، کتب بینی کی روایت جو دم توڑ رہی تھی دوبارہ زندہ ہورہی ہے۔اس طرح کے کتب میلے ملک بھر میں لگائے جانے چاہیے۔

میری آنکھ نے پھولوں کے جنازے دیکھے

پشاور میں نوخیز پھولوں کے ساتھ جو ہوا، اس کے بعد اب بچتا ہی کیا ہے؟ بے گناہ و معصوم بچوں کے بلا وجہ بہیمانہ قتل کے بعد مزید کیا درندگی باقی رہ گئی۔ یہ آخری حد ہے۔ انتہا ہے انتہا۔ ہاں ! اگر درندہ صفت دہشتگردوں کا بس چلے اور من چاہے تو وہ اس سے بھی بڑھ کر درندگی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ جو کچھ دہشتگردوں نے بچوں کے ساتھ کیا وہ انسانی عقل سے ماورا ہے، جس نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اس دہشتگردی نے انسانیت کی روح کو بے چین اور شرمندہ کر دیا ہے۔ شیطان کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ خون میں لت پت بچوں کی کتابوں، جوتوں اور ان کی اسکول یونیفارم کے مناظر نے پاکستان کیا پوری دنیا میں تمام والدین کو تڑپا کر رکھ دیا ہے۔

بقول شاعر

زندگی اتنی بے رحم بھی ہو سکتی ہے کبھی

اجڑی ماؤں کی آہ و بکا دیکھ رہا ہوں

16 دسمبر کو پشاور میں قیامت صغریٰ برپا ہونے کے بعد ہر شخص دکھ، درد، تکلیف، غم اور پریشانی میں مبتلا ہے۔ اس سانحے کے بعد اپنے سینے میں دل رکھنے والا کوئی فرد بچوں کے قاتلوں پر چار حرف بھیجے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس دہشتگردی کے سامنے جارحیت، درندگی، سفاکیت اور حیوانیت جیسے الفاظ بھی بہت چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ اس قدر وحشیانہ رویہ، اس قدر شقی القلبی کہ انسان ایسے حیوان نما انسانوں کی انسانیت پر بھی حیرت آشنا ہو جائے۔ مشرق و مغرب سے لے کر شمال و جنوب تک ہر ملک، ہر مذہب اور ہر نسل کا ہر فرد حیران و پریشان ہے کہ آخران بے گناہ و نہتے بچوں کا قصور کیا تھا؟ انہیں کس جرم میں قتل کیا گیا ہے؟ اس واقعے کی دردناکی نے ہر اس شخص کو شدید صدمے سے دوچار کر دیا، جو اپنے پہلو میں دھڑکتا دل رکھتا ہے۔ اس سانحے کی اندوہ ناکی کسی بھی پیمانے سے نہیں ماپی جا سکتی۔ یہ ایک ایسا قومی سانحہ ہے، جس کی کوئی نظیر اور مثال ہماری تاریخ میں نہیں ملتی۔ پوری دنیا ورطہ حیرت میں ڈوبی ہوئی ہے کہ مسلمانوں کا ملک پاکستان کیسی دھرتی ہے، جہاں بغیر کسی جرم کے کھلنے سے پہلے ہی پھولوں کو مسل دیا گیا، جہاں اسلام کے حکم "علم حاصل کرو" کے مطابق الف، ب، پ پڑھنے کے "جرم" میں ڈیڑھ سو کے لگ بھگ بے گناہ و نہتے بچوں کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا گیا۔ کسی نے بچوں کے ساتھ اس قسم کی درندگی کے وقوع کا سوچا تک نہیں تھا۔ دنیا والے جنازوں پر پھولوں کو تو دیکھے تھے، لیکن اب پھولوں کے خون میں لت پت جنازے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر انگشت بدنداں ہیں:

پھول دیکھے تھے جنازوں پہ ہمیشہ شوکت
کل میری آنکھ نے پھولوں کے جنازے دیکھے

دل و دماغ کو چھید دینے والے اس سانحے پر ہر ذی شعور انسان غم، غصہ، نفرت اور بیچارگی کے امڈتے جذبات کے ساتھ سرتاپا شرمندگی کے عالم میں غرق ہے کہ کس طرح معصوم بچوں کے قتل عام پر ان کے والدین کو ضبط اور صبر کی تلقین کرے، دہشتگردوں نے جن کے جگر گوشوں کی زندگیاں چھین لی ہیں۔ یہ بچے تو ابھی ان کھلی کلیوں کی مانند تھے۔ روشنی کے ننھے چراغوں کو اپنی روشنی پھیلانے سے پہلے ہی گل کر دیا گیا۔ قاتل ان معصوموں کے خون کی ہولی کھیلتے رہے اور ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتارتے رہے۔ پہلے ایک بچے پر گولی چلائی، پھر دوسرے پر، پھر تیسرے پر اور اس طرح درندگی کا یہ کھیل اس وقت تک جاری رہا، جب تک قاتلوں میں درندگی کا کھیل کھیلنے کی سکت باقی رہی۔ اس دلفگار سانحے کے بعد سے دل انتہائی غمگین و پریشان ہے۔ ضبط کی لاکھ کوششوں کے باوجود بیسیوں بار آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے ہیں اور یقیناً ہر پاکستانی کی یہی کیفیت ہے۔ اس قوم کا ہر باسی اداسی، پریشانی و غمگینی کے عالم میں اس سوچ میں غلطاں ہے کہ جو کچھ پشاور میں ہوا، کاش وہ نہ ہوا ہوتا۔ کاش 16 دسمبر کو سورج طلوع نہ ہوتا، سحر نہ ہوتی۔ کاش کسی صورت پاکستان کے کیلنڈر سے دسمبر کا دن مٹ سکتا۔ کاش کوئی فرشتہ ان معصوموں اور قاتلوں کے درمیاں کوئی 16 دیوار کھڑی کر دیتا۔ اے کاش ....!! موت کو ہی موت آئی ہوتی، یہ پھول تو سلامت رہتے۔

پاکستان کو ایک طویل عرصے سے دہشت گردی کے انتہائی دہشت ناک عفریت کا سامنا ہے، جو گزرتے وقت کے ساتھ مزید خوف ناک اور بھیانک ہوتا جارہا ہے۔ جس سے مساجد محفوظ ہیں نہ درسگاہیں، چرچ محفوظ ہیں نہ امام بارگاہیں، بازار محفوظ ہیں نہ شاہرائیں، ہسپتال محفوظ ہیں نہ دفاتر، مشایخ محفوظ ہیں نہ علمائ، عورتیں محفوظ ہیں نہ بچے، مائیں محفوظ ہیں نہ بیٹیاں، باپ محفوظ ہیں نہ بیٹے، اسکول محفوظ ہیں نہ کالج، مدارس محفوظ ہیں نہ یونیورسٹیاں۔ سب سے افسوسناک بات تو یہ ہے کہ دہشتگرد یہ سب درندگی اسلام کے نام پر کرتے ہیں، حالانکہ اسلام تو ہر ظلم کی سخت مذمت کرتا ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ بچوں کا قتل عام کرنے والے اسلامی تعلیمات سے بالکل بھی آشنا نہیں تھے، کیونکہ اسلام تو جنگ میں بھی دشمن کے بچوں، بوڑھوں اور خواتین پر ہاتھ اُٹھانے، حتیٰ کہ سرسبز باغات اور ہرے بھرے کھیت بھی اُجاڑنے کی اجازت نہیں دیتا، تو پھر کس طرح مان لیا جائے کہ بے گناہ و نہتے مسلمان بچوں کو حصول علم کے دوران اس بے دردی سے شہید کرنے والے اسلام سے آگاہ ہیں؟ اس قسم کے جاہل و ناپختہ مسلمانوں کی وجہ سے آج پوری دُنیا اسلام اور مسلمانوں سے متنفر ہونے لگی ہے۔ خدا جانے یہ دہشتگرد مسلمان بھی تھے یا مسلمانوں کے روپ میں مسلمانوں کے دشمن غیر ملکی ایجنٹ۔ پشاور سانحے میں بھارت سمیت غیر ملکی ہاتھ ملوث ہونے کی اطلاعات سامنے آچکی ہیں۔ اس سے پہلے بھی ملک میں کئی

کارروائیوں میں غیر ملکی قوتوں کے ملوث ہونے کے شواہد ملتے رہے ہیں۔ اب دشمن ممالک کی ہلہ شیری اور مکمل تعاون سے دہشتگرد بہت شیر ہوتے جارہے ہیں، جب تک پاکستان میں غیر ملکی قوتوں کی مداخلت نہیں روکی جاتی، اس وقت تک غیر ملکی ایجنٹوں کو پاکستان میں دہشتگردی سے روکنا بھی مشکل ہے۔

ملک میں غیر ملکی قوتوں کی مداخلت سے اسی صورت نمٹا جاسکتا ہے، جب پوری قوم حقیقت میں متحد اور بیدار ہوجائے۔ یہ امر نہایت خوش آیند ہے کہ سانحہ پشاور کے بعد ساری قوم اتحاد و اتفاق کا بے مثال مظاہرہ کرتے ہوئے ایک پلیٹ فارم پر نظر آرہی ہے۔ رہنمایانِ قوم اپنے تمام اختلافات اور جھگڑوں کو ایک طرف رکھ کر اس قومی سانحے کی مذمت پر یکسو ہوئے اور حالات کا متحد ہوکر مقابلہ کرنے کے عزم کا اظہار کیا ہے۔ اس کے ساتھ قوم کو حالات کے اس گرداب سے نکالنے کے لیے علمائے کرام اور دینی رہنماؤں کا کردار بھی بہت اہم ہے۔ اگرچہ علمائے کرام اور دینی رہنماؤں نے اس اندوہ ناک واقعے کی بھرپور مذمت کی ہے، تاہم موجودہ حالات کا تقاضا مذمتوں سے آگے بڑھ کر کچھ کر گزرنے کا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ علمائے کرام بھی کھل کر میدان میں آئیں اور قوم کے سامنے کھوٹے اور کھرے کی تمیز بالکل واضح کردیں۔ یہ علمائے کرام کی ذمے داری ہے، جب تک معاشرے کا ہر فرد اپنی ذمے داری ادا نہیں کرے گا، اس وقت تک قوم کا اس گرداب سے نکلنا مشکل ہے۔

انسان کو انسان سے ڈر لگتا ہے

آج ملک کو درپیش مسائل میں سب سے خطرناک و نقصان دہ چیلنج معاشرے میں اعتدال پسندی کا فقدان اور انتہا پسندی کی بہتات ہے۔ انتہا پسندی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی نظریات میں عدم توازن کا نام ہے۔ انتہا پسندی کا تعلق کسی مذہب، فلسفے یا نقطہ نظر کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ یہ انسانی رویوں کا نام ہے، جو کسی بھی فرد کی شخصیت کا حصہ بن سکتی ہے۔ سیاسی جبر، طبقاتی نظام، جہالت، عقلی رویوں کا فقدان، فرقہ واریت اور مذہب کی غلط تشریح کو انتہا پسندی کی بڑی وجہ سمجھا جاتا ہے۔ انتہا پسندی تشدد کو جنم دیتی ہے، جس سے بدامنی، قتل و قتال اور خونریزی کو فروغ ملتا ہے۔ حال اور ماضی مختلف انتہا پسندیوں کی وجہ سے ہونے والی خونریزیوں میں لاکھوں لوگوں کے خون سے سرخ ہیں۔ دنیا میں ہونے والی خونریز جنگوں میں کروڑوں لوگ موت کے گھاٹ اتارے جاچکے ہیں۔ اگر ان خونریزیوں کا سرا ڈھونڈا جائے تو معاملہ مذہبی، سیاسی، معاشرتی و معاشی انتہا پسندی تک ہی جا پہنچے گا۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ انتہا پسندی ہتھیاروں کے استعمال پر ہی مبنی ہو، بلکہ سوچ، رویے اور پرچار بھی اسی انتہا پسندی کے مختلف شعبے ہیں۔ انتہا پسند انسان دوسرے کی مدلل بات کو بھی بلا غور و فکر اور سوچ و بچار مسترد کرکے اپنی بلا دلیل بات کو زبردستی منوانے کی سرتوڑ کوشش کرتا

ہے۔ انتہا پسندی سے سب سے پہلے عدم برداشت و عدم تحمل کا خاتمہ ہوتا ہے، اس لیے انتہا پسندی کا شکار انسان اختلاف رائے کو کسی صورت برداشت نہیں کرتا۔ افسوس! پاکستانی معاشرہ ایک عرصے سے مذہبی، سیاسی، سماجی و معاشی اور دیگر کئی مختلف قسم کی انتہاپسندیوں کی جکڑبندیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارا پورا معاشرہ ہی انتہا پسند بن چکا ہے۔ ہر فرد انتہا پسندی کی کسی نہ کسی قسم کے گرداب میں پھنسا ہوا ہے، بلکہ آج تو انتہا پسندی دیوانگی اور جنون کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ جس کے مناظر آئے روز سیاسی و مذہبی شخصیات کی جانب سے انتہاپسندانہ بیانات اور ملک میں بدامنی اور خونریزی کی صورت میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ کوئی دوسرے کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے، بلکہ صرف اپنا نظریہ، اپنی سوچ اور اپنا موقف دوسرے پر مسلط کرنے کی جدوجہد کی جاتی ہے۔ اپنی سوچ کی نفی ہونے کی صورت میں دوسرے کو نقصان پہنچانے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا، بلکہ انتہا پسند انسان اپنی سوچ کو نافذ کرنے کی خاطر مخالفین کا قتل تک کرنے کو برا نہیں جانتا۔ سانحہ پشاور انتہا پسندی کی ایک واضح مثال ہے۔ ان خطرناک حالات میں اب تو انسان کو انسان سے ڈر لگنے لگا ہے کہ اختلاف رائے پر نجانے کون کب کیا کر دے۔

ملک میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی کی دو بڑی اقسام سیاسی و مذہبی انتہا

پسندیوں کا تجزیہ کیا جائے تو انتہائی پریشان کن اور افسوسناک صورتحال سامنے آتی ہے۔ ملک میں مذہبی انتہا پسندی کا یہ عالم ہے کہ ہر فرقے اور نظریے کے ماننے والوں کی تمام کاوشوں کا محور دوسرے فرقے، دوسرے نظریے اور دوسرے خیالات کے حاملین کو ناحق، باطل اور گمراہ ثابت کرنا ہوتا ہے، بلکہ فریق مخالف کو ذرا سی بات پر کافر، مرتد اور زندیق کہنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ ہر شخص اپنے پاس موجود علم کو علم کل سمجھتے ہوئے صرف اسی پر عمل کرنے کو راہ نجات سمجھتا ہے، جبکہ اس کے علاوہ ہر راستے کو گمراہی کا راستہ بتلاتا ہے۔ اکثر و بیشتر مبلغین اسلام سے زیادہ اپنے اپنے مکتبہ فکر کو اہمیت دیتے ہیں۔ اپنی بنیادی وابستگی اور ذاتی فوائد کی وجہ سے محض منتخب شدہ آیات و احادیث کی ہی تبلیغ کرتے ہیں۔ اس طرح "امن کے مذہب" کے متعلق یہ گروہی نقطہ نظر اسلام کی اصل روح سے دور ہو جاتا ہے۔ اس منفی سوچ نے معاشرے میں خونی تنازعات کو جنم دیا ہے۔ مذہبی کلچر میں کم علمی کی وجہ سے عدم برداشت اور تنازعات کی جانب جھکاؤ بڑھا ہے۔ حالانکہ اسلام ایک معتدل و متوازن دین ہے، جو غلو کی بالکل اجازت نہیں دیتا۔

دوسری جانب اگر ملک میں سیاسی انتہا پسندی پر غور و خوض کیا جائے تو یہ واضح نظر آتا ہے کہ ملک میں سیاسی انتہا پسندی بھی عروج پر پہنچی ہوئی ہے۔ سیاسی جماعتیں بھی مذہبی مسالک کی طرح سیاسی مسالک بن چکی ہیں۔ سیاسی

جماعتوں کے کارکنان صرف اپنے آپ کو درست اور دوسرے کو بالکل غلط تصور کرتے ہیں۔ ایک جماعت کے لوگ دوسری جماعت والوں کو ہر لحاظ سے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مخالفین کے خلاف سوشل میڈیا پر پروپیگنڈا کرنے سے لے کر مخالفین سے لڑائی جھگڑا اور قتل تک روا رکھا جاتا ہے۔ پاکستان کے سیاسی کلچر میں ایسے عوامل بدرجہ اتم موجود ہیں جو کہ انتہا پسندی کو ہوا دینے کا موجب ہیں۔ پورا ملک شروع دن سے ہی سیاسی افراتفری کا شکار رہا ہے، اس سیاسی صورت حال نے امن اور سکون کی راہ میں مسائل کو جنم دیا ہے۔ ایسی صورت حال میں انتہا پسندی کی کوئی بھی دعوت خاصی پرکشش لگتی ہے اور یہ پس منظر انتہا پسند عناصر کے لیے زرخیز زمین کا کام دیتا ہے۔ سیاسی حکمران بھی ترقی کے حوالے سے محض بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ سیاسی پارٹیاں اقتدار حاصل کرنے کے لیے عوام سے بڑے بڑے وعدے کرتی ہیں، مگر ہر دفعہ نتیجہ اس کے برعکس نکلتا ہے۔ اس طرح احساس محرومی کی شرح بڑھتی رہتی ہے، جو کہ ڈیپریشن اور دباؤ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے انتہا پسندی جنم لیتی ہے۔

انتہا پسندی کی بہتات میں معاشرے میں رہنے والے ہر فرد کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ کسی بھی معاشرے میں یہ ممکن نہیں کہ تمام انسان ایک ہی سوچ، فکر اور نظریے کے حامل ہوں، کیونکہ انسانی معاشرہ اس گل دستے کی مانند ہے، جس کی سجاوٹ و خوبصورتی کے لیے مختلف رنگ و اقسام کے پھولوں کا ہونا ضروری

ہے۔ معاشرے میں انسانی مزاج اور سوچ کا یہ تنوع فطری اور طبعی ہے، جو معاشرے کی خوبصورتی میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ یہ آفاقی حقیقت ہے کہ ہر دور اور ہر خطے میں مختلف نظریات کے افراد کا مل جل کر رہنا معاشرے کی تکمیل کا حصہ ہے، لیکن یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ انسان ہمیشہ سے اپنے نظریات کے متعلق انتہائی حساس واقع ہوا ہے۔ اب ایک طرف باہم مل جل کر رہنا فطری و طبعی امر ٹھہرا، جبکہ دوسری جانب انسان کا اپنے نظریات پر کمپرومائز کرنا بھی ناممکن ہے۔ ایسے میں انسان کے سامنے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ ہے کہ انسان اپنی سوچ غالب کرنے کے لیے انتہا پسندی پر عمل کرتے ہوئے تصادم اور تشدد کی راہ کا چناؤ کرے، لیکن اس صورت کو اختیار کرنے سے ایک تو زور زبردستی کسی پر اپنی سوچ کو مسلط کر دینا ناممکن ہے، جبکہ اس صورت میں امن اور انسانیت جس طرح تباہ ہوگی، وہ بھی سب پر ظاہر ہے۔ جبکہ دوسرا راستہ ہے کہ تحمل و برداشت کا دامن تھام کر مختلف خیالات و نظریات کے لوگ پر امن بقائے باہم "جیو اور جینے دو" کے فارمولے پر آپس میں معاملات طے کرتے ہوئے اپنے معاملات کو سلجھائیں اور تصادم کی صورت پیدا نہ کریں۔ یقیناً یہ راستہ انسانی عقل کے زیادہ قریب ہے۔ اس کے ساتھ معاشرے سے انتہا پسندی کا خاتمہ انتہا پسندی کے اسباب کے خاتمے سے ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے میڈیا اور سنجیدہ افراد کو متوازن اور مثبت ادا کرنا ہوگا۔

ویں ترمیم بدنیتی پر مبنی ہے، قومی اتفاق رائے کو نقصان پہنچا 21

☆.... جماعت اسلامی کے جنرل سیکرٹری لیاقت بلوچ سے لیا گیا انٹرویو

گفتگو: عابد محمود عزام

6 جنوری 2015 کو سینیٹ اور قومی اسمبلی میں 21ویں آئینی ترمیم کو منظور کیا گیا۔ آئینی ترمیمی مسودے میں دہشتگردی کے ساتھ مذہب اور فرقے کے الفاظ شامل کیے گئے ہیں، جس پر قومی اسمبلی میں موجود جمعیت علمائے اسلام اور جماعت اسلامی نے تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا، جبکہ پاکستان تحریک انصاف بھی ایوان سے غیر حاضر رہی۔ اس کے ساتھ پیپلز پارٹی نے اگرچہ اس ترمیم کے حق میں ووٹ تو دیا، لیکن مطمئن وہ بھی نہیں، اسی لیے ووٹنگ کے وقت پی پی پی کے رضا ربانی کا کہنا تھا کہ آج میں نے ضمیر کے خلاف ووٹ دیا ہے۔ ملک کی مذہبی جماعتوں نے اکیسویں ترمیم کی منظوری کو اسلام دشمن قوتوں کو خوش کرنے کی کوشش اور مساجد، مدارس اور مذہبی طبقے کے خلاف سازش قرار دیتے ہوئے دہشتگردی کے ساتھ مذہب اور فرقے کو شامل کرنے کی سخت الفاظ میں مذمت اور مخالفت کی ہے، جبکہ جماعت اسلامی نے حکومت سے اس ترمیم میں نظرثانی کا مطالبہ کیا ہے اور 21ویں ترمیم میں تبدیلی کے بارے میں ترامیم قومی اسمبلی سیکرٹریٹ میں جمع کروادی ہیں، جن میں مطالبہ کیا گیا ہے

کہ ترمیمی بل میں مذہب اور فرقے کے الفاظ کو حذف کیا جائے۔ اسی حوالے سے عابد محمود عزام نے جماعت اسلامی کے جنرل سیکرٹری لیاقت بلوچ سے خصوصی گفتگو کی، جو نذر قارئیں ہے۔

ویں ترمیم کو سینیٹ اور قومی اسمبلی میں منظور کر لیا گیا ہے، جس کی مذہبی جماعتوں 21 نے مخالفت کی ہے۔ بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ آل پارٹیز کانفرنس میں اتفاق رائے کے بعد مذہبی جماعتوں کی جانب سے 21 ویں ترمیم کی منظوری کی مخالفت کیوں کی جارہی ہے؟

لیاقت بلوچ: ملک سے دہشت گردی کا خاتمہ ضرور ہونا چاہیے اور دہشت گردوں کا صفایا بھی ہونا چاہیے۔ دہشت گرد انسانیت کے مجرم ہیں۔ دہشتگردی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسلام ایک پرامن مذہب ہے، جبکہ دہشت گرد اسلام کی بدنامی کا باعث بن رہے ہیں، ان دہشت گردوں کو سزائیں ہونی چاہئیں اور جن دہشتگردوں کو سزائیں سنائی جاچکی ہیں، ان سزاؤں پر عمل درآمد بھی ضرور ہونا چاہیے۔ حکومت سے ہمارا اختلاف اس چیز میں تھا کہ ملک میں آئین موجود ہے، جمہوریت اور پارلیمنٹ ہے۔ ملک میں ایک مکمل نظام موجود ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے فوجی عدالتوں کو لانا اور نیا نظام تشکیل دینا معمول کے نظام کو بائی پاس کرنا ہے۔ جمہوری معاشروں میں فوجی عدالتیں نہیں ہوا کرتیں، ملٹری کورٹس جمہوری نظام حکومت سے متضاد ہیں۔ دنیا کے کسی بھی ترقی یافتہ ملک میں فوجی

عدالتوں کی کوئی مثال موجود نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس قانون کے تحت فوجی عدالتیں قائم کی گئی ہیں، اس میں بدنیتی سے مذہب اور فرقے کا نام درج کیا گیا ہے۔ اس سے لسانیت، قوم پرستی اور علیحدگی کے نام پر جو دہشت گردی ہو رہی ہے، اس کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ یہ مذہب، فرقے، مدارس، مساجد اور منبر و محراب کے خلاف ایک گھناؤنی سازش ہے۔ اس لیے ہمارا دینی جماعتوں کا موقف ہے کہ مذہب اور فرقے کو امتیازی بنیادوں پر شامل کیا گیا ہے، یہ بدنیتی ہے اور قومی اتفاق رائے کو اس کے ذریعے نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ وزیراعظم نواز شریف کو جب پیپلز پارٹی، ایم کیو ایم اور اے این پی کی حمایت حاصل ہو گئی تو انہوں نے مل کر ایسا اقدام کیا ہے، جس سے قومی اتفاق رائے کو نقصان پہنچا ہے، اس سب کچھ کے باوجود بھی ہم سمجھتے ہیں کہ دہشت گردی کے خاتمے کے لیے حکومت اقدام کرے اور دہشت گردی چاہیے مذہب کے نام پر ہو، فرقے کے نام پر ہو، لسانیت کے نام پر ہو، قومیت کے نام پر ہو ٹارگٹ کلنگ ہو یا بوری بند لاشیں ہوں، یہ سب کچھ دہشت گردی ہے، ان کے خلاف اقدام میں کوئی امتیازی سلوک نہیں ہونا چاہیے۔ دہشت گرد تو دہشت گرد ہوتا ہے، چاہے وہ کسی مذہب و فرقے کی بنیاد پر دہشت گردی کرے، یا قومیت و لسانیت کی بنیاد پر دہشت گردی کرے، لیکن حکومت نے دہشت گردی کو مذہب و فرقے کے ساتھ نتھی کر کے استعماری ایجنڈے کی تکمیل کی ہے اور اسلام دشمن قوتوں کو خوش کرنے کی کوشش کی ہے۔

اکیسویں آئینی ترمیم میں مذہب کو شامل کرنے کی آپ کے خیال میں کیا وجوہات ہو سکتی ہیں اور حکومت اس ترمیم سے کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتی ہے؟

لیاقت بلوچ: پاکستان اس وقت جو امریکی غلامی کی طرف دھکیلا گیا ہے، اس کی وجہ سے سیکولر قوتیں منہ زور ہوئی ہیں۔ ریاستی اور حکومتی سرپرستی میں وہ ہر چیز کو بائی پاس کرکے پاکستان کو ایک سیکولر ریاست بنانے کی سازشیں کر رہی ہیں۔ یہ سب اسی کا شاخسانہ ہے اور انہی کوششوں کی ایک کڑی ہے۔ پاکستان میں اس قسم کی سازشیں کئی بار کی گئیں ہیں۔ پاکستان کو سیکولر ریاست بنانے کی کوشش کافی عرصے سے جاری ہے۔ اسی لیے ترمیم میں مذہب کی شق کو شامل کیا گیا ہے۔ حالانکہ دہشت گردی تو لسانیت و قومیت کی بنیاد پر بھی ہوتی ہے، ملک میں سیاست کے نام پر بھی دہشت گردی ہو رہی ہے، لیکن ان کو شامل نہیں کیا گیا ہے، صرف مذہب اور فرقے کے الفاظ کو شامل کیا گیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ مذہبی طبقے کے خلاف سازش ہے۔

ویں آئینی ترمیم کی منظوری کے بعد ملک کی مذہبی جماعتوں نے اس ترمیم کو21 مسترد کیا ہے اور کھل کر مخالفت کی ہے، کیا یہ رویہ حکومت اور مذہبی طبقے کے درمیان محاذ آرائی اور تصادم جنم لینے کا باعث نہیں بنے گا؟

لیاقت بلوچ: ملک انتہائی گھمبیر حالات سے گزر رہا ہے، مختلف قسم کے مسائل

نے ملک کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے، ان حالات میں حکومت کو عقل مندی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ سمجھ داری سے کام لینا چاہیے۔ ملک میں مدارس کے جو 30 لاکھ طلبہ ہیں اور ملک میں لاکھوں مساجد ہیں اور ملک کی اکثریت کے دینی جذبات ان کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اگر اس کچھ کے باوجود حکومت ملک کے دینی طبقے کے ساتھ محاذ آرائی اختیار کرتی ہے تو یہ حکومت کی کم عقلی، کم فہمی اور غلط حکمت عملی ہوگی۔ حکومت کو غلط حکمت عملی کی بجائے بہتر اور عمدہ حکومت عملی سے کام لینا چاہیے۔ ہم لوگ تو شدت کے قائل نہیں ہیں، پر امن لوگ ہیں، ہمیشہ سے امن کا درس دیا ہے اور پر امن ہی رہے ہیں۔ ہم تو آئین اور قانون کے اندر رہتے ہوئے سب کام کریں گے۔ اگر شدت ہوئی تو حکومت کی طرف سے ہوگی۔ ہمارا تو حکومت سے کوئی محاذ آرائی اور تصادم کا ارادہ نہیں ہے۔

اس متنازع ترمیم کو مسترد کرنے کے بعد مذہبی جماعتیں اس کے خلاف کیا کوئی بڑی تحریک چلانے کا ارادہ بھی رکھتی ہیں؟

لیاقت بلوچ: فی الحال تو تحریک کی ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر تحریک چلانے کی ضرورت پیش آئی تو ضرور چلائیں گے۔ مدارس کے تحفظ کے لیے ہم ہر اقدام کریں گے۔ مدارس کا تحفظ ہمیں انتہائی عزیز ہے۔ مدارس، مساجد اور منبر و محراب کا تحفظ انتہائی ضروری ہے۔ اس کے لیے جو اقدام کرنا پڑا کریں گے۔ اگر مدارس اور مذہبی طبقے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی تو ہم تحریک

چلائیں گے۔ مدارس کا تحفظ تو ضروری ہے۔ مساجد اور مدارس جہاں مسلمانوں کے ایمان کے محافظ ہیں، وہیں پاکستان کی سرحدوں کے بھی محافظ ہیں۔ مساجد اور مدارس میں امن و امان اور بھائی چارے اور اخوت کا درس دیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ ترمیم قانون کا حصہ بن گیا ہے۔ ہم نے اس سے اختلاف رائے کیا ہے۔ ہمیں اس بل میں مذہب اور فرقے کو شامل کرنے کے حوالے سے اعتراض ہے۔ ڈاڑھی اور ٹوپی والے اس بل سے اپنے آپ کو غیر محفوظ خیال کریں گے۔ مذہب اور فرقے کو متعین کرکے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ دہشت گردی مذہب کے نام پر ہو رہی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ مذہب اور فرقے کو متعین کرکے معاملہ خراب ہوگیا ہے۔ ہم مذہبی جماعتوں نے اس سے اختلاف رائے کیا ہے، یہ ہمارا حق ہے۔ دہشت گردی ختم کرنا حکومت کا کام ہے۔ یہ حکومت کی ذمے داری ہے کہ دہشت گردی چاہے سیاست کی بنیاد پر ہو یا لسانیت کی بنیاد پر، قومیت کی بنیاد پر ہو یا مذہب کی بنیاد پر ہر قسم کی دہشت گردی کا خاتمہ کرنا حکومت پر لازم ہے۔ ملک میں ہونے والی دہشتگردی میں غیر ملکی عناصر ملوث ہیں، جو پاکستان کے خلاف سازش کرتے ہیں۔ ملک دشمن غیر ملکی ایجنٹ پورے ملک میں موجود ہیں، اس بات کا اعتراف کئی بار اعلیٰ عہدوں پر فائز شخصیات بھی کر چکی ہیں، بلوچستان سے بھی کئی بار غیر ملکی اسلحہ پکڑا گیا ہے اور متعدد بار غیر ملکی ایجنٹ بھی پکڑے گئے ہیں۔ ان تمام دہشتگردیوں سے چھٹکارہ دلانا حکومت کی ذمے داری ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ ملک میں ملوث غیر ملکی عناصر کا بھی قلع قمع کرے، لیکن حکومت ان

عناصر کو نظر انداز کر کے صرف مدارس اور مذہب کے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔

آپ کے خیال میں حکومت دینی مدارس میں کیا اصلاحات کرنا چاہتی ہے؟

لیاقت بلوچ: اس سلسلے میں حکومت کا کوئی ایجنڈا واضح نہیں ہے۔ حکومت کا ایجنڈا مبہم ہے، حکومت کبھی کچھ کہتی ہے اور کبھی کچھ کہتی ہے، جب حکومت کا ایجنڈا واضح ہو تبھی بتایا جاسکتا ہے کہ حکومت مدارس میں کون سی اصلاحات کی خواہاں ہے۔ حکومت کا ایجنڈا ہی واضح نہیں ہے۔

ایرانی پیٹرول کی اسمگلنگ.... جان لیوا حادثات کا سبب

شہر قائد میں میمن گوٹھ تھانے کی حدود اسٹیل ٹاؤن کے قریب لنک روڈ پر ہفتے اور اتوار کی درمیانی شب آئل ٹینکر اور مسافر کوچ کے درمیان ہونے والے خوفناک تصادم کے نتیجے میں 67 افراد جاں بحق ہوئے ہیں۔ جاں بحق ہونے والوں میں 42 مرد، 11 بچے اور 9 خواتین شامل ہیں۔ حادثے کے نتیجے میں بہت تیز آگ بھڑک اٹھی، جس سے تمام لاشیں جھلس کر ناقابل شناخت ہوگئیں۔ اس انتہائی خطرناک و المناک حادثے کا سبب غیر قانونی طور پر اسمگل ہونے والے پیٹرول کو قرار دیا جارہا ہے، کیونکہ پیٹرول ٹینکر سے ٹکرانے کی وجہ سے شدید آگ نے اپنی لپیٹ میں لے کر مسافروں کو اس قدر جھلسادیا کہ وہ اپنی زندگی بچانے میں ناکام رہے۔ آئل ٹینکرز کی وجہ سے ہونے والا یہ سانحہ پہلا نہیں ہے، بلکہ اس سے پہلے بھی آئل ٹینکر سے تصادم کے نتیجے میں متعدد حادثات رونما ہوچکے ہیں، جن میں سیکڑوں افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ ذرائع کے مطابق یومیہ ڈیڑھ لاکھ تا ایک لاکھ اسی ہزار لیٹر پیٹرول وڈیزل کراچی اسمگل کیا جاتا ہے، جبکہ ٹینکرز اور ٹرکوں کے ذریعے یومیہ 5 تا 6 لاکھ لیٹر ڈیزل کراچی اور اندرون سندھ اور جنوبی پنجاب تک اسمگل کیا جاتا ہے، جبکہ مجموعی طور پر 8 تا 9 لاکھ لیٹر ڈیزل اور پیٹرول ایران سے اسمگل کیا جاتا ہے۔ ذرائع کے مطابق سمندری راستے سے بھی ایرانی پیٹرول

اور ڈیزل کراچی اسمگل کیا جاتا ہے۔ جبکہ ماضی کی بعض رپورٹس کے مطابق جیکب آباد چیک پوسٹ سے روزانہ 40 سے 50 ٹینکرز گزرتے ہیں، جن میں 15 سے 30 ہزار لیٹر فی ٹینکرز تیل ہوتا ہے۔ کراچی میں آئل ٹینکر حادثے کے بعد سکھر کسٹم پولیس کے افسران اور اہلکاروں نے جیکب آباد ضلع کے ٹھل تعلقہ کے نزدیک گڑھی حسن لنک روڈ پر پنجاب جانے والے ایرانی پیٹرول سے بھرے 3 ٹرکوں کو روک کر ایک لاکھ 10 ہزار لیٹر ایرانی اعلیٰ کوالٹی کا پیٹرول جس کی مالیت 2 کروڑ بتائی جاتی ہے، اسمگل کرنے کی کوشش ناکام بناکر 5 افراد کو گرفتار کرکے عدالت سے 3 تین روزہ ریمانڈ لے کر کراچی جیل منتقل کردیا۔ اس ضمن میں کسٹم سپرنٹینڈنٹ آفیسر سکھر کا کہنا تھا کہ ہم نے رینجرز کی مدد سے کچھ دن قبل جیکب آباد ضلع کے ٹھل تعلقہ نزد گڑھی حسن لنک روڈ پر مخفی اطلاع ملنے کے بعد پنجاب جانے والے 3آئل ٹینکروں کو روک کر تلاشی لی تو ایک لاکھ لیٹر سے زاید اعلیٰ کوالٹی کا پیٹرول برآمد ہوا۔ واضح رہے کہ ماضی میں کراچی کے راستے اسمگلنگ کے خلاف کارروائی کے نتیجے میں اسمگلرز نے روٹ بدل کر تافتان پنجگور مند کے راستے جیکب آباد پہنچنا شروع کردیا تھا، جہاں پر کسٹمز اہلکاروں کی ملی بھگتے سے ٹینکرز کلیئر کیے جاتے رہے ہیں۔

ذرائع کے مطابق بلوچستان پیٹرولیم کی اسمگلنگ کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ صوبے سے ایران کی سرحدیں قریب ہیں، جہاں سے یہ پیٹرول اسمگل ہوتا ہے۔ بعد میں یہ

کوئٹہ اور جیکب آباد کے راستے اندرون سندھ پہنچتا ہے۔ ایران میں پیٹرول اصل قیمت میں فروخت ہونے کے باوجود پاکستان کے مقابلے میں کافی سستا ہے۔ اسی لیے اسمگلرز ایران سے پیٹرول لاتے اور پاکستان میں مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں، لیکن مہنگے داموں خریدکے باوجود ایرانی پیٹرول عوام کے لیے پاکستانی پیٹرول کے مقابلے میں سستا ہے۔ ڈیزل کی اسمگلنگ دوسرے غیر قانونی کاروبار کی نسبت بہت زیادہ منافع بخش ہو چکی ہے۔ ماضی میں یہاں پر افیون کے کاروبار سے منسلک لوگوں کا کہنا ہے کہ ایرانی پیٹرول کی اسمگلنگ افیون کے کاروبار سے کہیں زیادہ محفوظ ہے۔ اس طرح سے پیٹرول لانا انتہائی سستا اور زیادہ منافع بخش ہے، یہاں تمام سرحدی علاقوں میں سیکورٹی چیک پوسٹیں موجود ہیں، لیکن ہمیں کبھی کسی نے کچھ نہیں کہا تو ہم یہ کام کیوں نہ کریں؟ ایرانی پیٹرول کی اسمگلنگ کے لیے استعمال ہونے والے راستے تو بہت ہیں، لیکن محفوظ ترین پانچ راستے باندی بلو، ابسار، کلاتور، پنجگور، جیوانی ہیں۔ یہ وہ علاقے ہیں، جہاں سے گزرنا آسان نہیں، لیکن اس کے باوجود یومیہ لاکھوں گیلن پیٹرول پاکستان اسمگل کیا جاتا ہے۔ اگر ان علاقوں کو سکیورٹی اداروں کی نظروں سے دور مان لیا جائے تو کیا اداروں کو وہ مرکزی شاہراہیں اور ہائی ویز بھی دیکھائی نہیں دیتے جہاں سے گزر کر یہ پیٹرول صوبوں اور شہروں میں پہنچ کر کھلے عام فروخت کیا جارہا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اسمگلنگ ڈھکے چھپے انداز میں نہیں ہوتی، بلکہ مسافر کوچز اور بڑے بڑے ٹینکروں کے ذریعے

کھلے عام ہو رہی ہے۔ مقامی میڈیا میں بھی پیٹرولیم کی اسمگلنگ سے متعلق خبریں مسلسل شائع ہو رہی ہیں، لیکن اسے روکنے کے لیے ابھی تک کوئی باقاعدہ مہم نا تو شروع ہو سکی ہے اور نہ اسے اب تک روکا جا سکا ہے۔ ذرائع کے مطابق روزانہ ایک لاکھ لیٹر ایرانی پیٹرول غیر قانونی طور پر اسمگل ہو کر نیو کراچی، سرجانی ٹاؤن، بلدیہ ٹاؤن، منگھو پیر، اورنگی ٹاؤن، ملیر، بن قاسم، گلشن اقبال، کورنگی، لانڈھی، لیاقت آباد، لیاری، سائٹ ایریا، ماڑی پور، ہاکس بے روڈ، کیماڑی، گڈاپ، شرافی گوٹھ اور کراچی کے دیگر علاقوں میں میں آٹھ سو سے زاید غیر قانونی ڈپنگ اسٹیشنوں پر بکتا ہے، جن میں سے ساڑھے پانچ سو سے زاید غیر قانونی ڈپنگ اسٹیشن چلانے میں حکومت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی بااثر شخصیات ملوث ہیں۔

کراچی کے تقریباً تمام چھوٹے بڑے علاقوں میں اسے اس قدر کھلے انداز میں فروخت کیا جارہا ہے کہ لوگ جگہ جگہ پان کے کھوکھوں کی طرح اسے پلاسٹک کی بوتلوں میں کم داموں خرید رہے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق سرکار کی ملی بھگت اور بھتا وصولی کے بعد ایران سے کراچی آنے والے راستوں میں پولیس اور قانون نافذ کرنے والے دیگر اداروں کی اہم چیک پوسٹیں قائم ہونے کے باوجود ایک بھی چیک پوسٹ پر ان گاڑیوں کو روکا نہیں جاتا۔ ذرائع کے مطابق سی پی او سے ایرانی پیٹرول اور ڈیزل کی 50 سے 70 گاڑیاں کراچی لانے کی اجازت ہے، اس سے

زیادہ گاڑیاں لانے کی اجازت نہیں ہے۔ ایران کے علاقے "چاہ بہار" اور "بندر عباس روڈ" کے قریب علاقوں سے ایرانی پیٹرول اور ڈیزل لایا جاتا ہے، ان علاقوں سے کراچی کے ایرانی پٹرول اور ڈیزل کے ڈیلروں کے نمائندے مسافربسوں کے خفیہ خانو ں، ٹریلروں، پانی کے ٹینکروں اور دیگر ہیوی گاڑیوں میں رکھ کر کراچی اسمگل کرتے ہیں، یہ گاڑیاں ایران سے مند بلو وہاں سے تربت اور حب پہنچائی جاتی ہیں، حب میں پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی تین چیک پوسٹوں پر تعینات پولیس اہلکاروں اور ایندھن اسمگل کرنے والوں میں زبانی کوڈ اور ڈی کوڈ کا تبادلہ ہوتا ہے، جس کے بعد ایرانی پیٹرول یا ڈیزل سے بھری گاڑی، ٹینکر یا ٹریلر کو کراچی میں داخلے کی اجازت دے دی جاتی ہے، جہاں سے یہ گاڑیاں ماڑی پور روڈ اور ناردرن بائی پاس روڈ سے شہر کے مختلف علاقوں میں بنائے گئے ڈپنگ اسٹیشنوں میں جاتی ہیں، ایرانی پٹرول اور ڈیزل کی گاڑیاں جب ان سڑکوں پر آتی ہیں تو ان کا سامنا ماڑی پور، شیر شاہ، منگھو پیر، بغدادی، ڈاکس اور جیکسن تھانوں کی پولیس سے پڑتا ہے، ان گاڑیوں کے ڈرائیور یہاں بھی پولیس اہلکاروں کے ساتھ خفیہ کوڈ کا تبادلہ کرتے ہیں، یہاں ایک پرچی پولیس اہلکاروں کو پیش کی جاتی ہے اور پولیس اہلکار اس پرچی پر لکھے نمبر اپنے ریکارڈ میں چیک کرکے اطمینان کے بعد گاڑی کو آگے جانے کی اجازت دے دیتے ہیں، تھانے کا موبائل افسر ایس ایچ اوز سے رابطہ کرکے آگاہ کرتا ہے کہ مذکورہ گاڑی اس نے اپنے علاقے سے کلیئر کروادی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ

روزانہ ایرانی پیٹرول اور ڈیزل کی 50 گاڑیاں کراچی آتی ہیں، مبینہ طور پر فی گاڑی 5 ہزار روپے بھتا وصول کیا جاتا ہے، ایک ہفتے میں 350 گاڑیاں کراچی آتی ہیں، اس طرح ایک ہفتے میں مبینہ طور پر ایک کروڑ 75 لاکھ روپے اور ماہانہ 7 کروڑ روپے بھتہ وصول کیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ ہر علاقے میں قائم کیے گئے ڈمپنگ اسٹیشنوں سے بھی پولیس علیحدہ لاکھوں روپے بھتہ وصول کرتی ہے اور بھتے کے عوض ان کے ڈمپنگ اسٹیشنوں کی نگرانی بھی کرتی ہے۔ ذرائع کے مطابق ایندھن کی یہ اسمگلنگ ملک کو دوہرا نقصان پہنچ رہی ہے۔ پاکستان پیٹرولیم ڈیلرز ایسوسی ایشن کے چیئرمین کے مطابق شہر میں 500 سے زاید غیر قانونی دھابے اور دکانوں پر اسمگل شدہ ایرانی پیٹرولیم مصنوعات فروخت کی جارہی ہیں، جس سے قومی خزانے کو یومیہ 40.50 ملین روپے کا نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے تو دوسری جانب قیمتی انسانی جانوں کا رسک بڑھ گیا ہے۔ ایران سے پیٹرول، ڈیزل اور پیٹرولیم کی دیگر مصنوعات کی اسمگلنگ کئی سال سے جاری ہے، لیکن آئل ٹینکرز سے ہونے والے حادثات نے اسے مزید عیاں کردیا ہے۔

! جان لیوا ٹریفک حادثات.... لمحہ فکریہ

شہر قائد میں میمن گوٹھ تھانے کی حدود اسٹیل ٹاؤن کے قریب لنک روڈ پر ہفتے اور اتوار کی درمیانی شب آئل ٹینکر اور مسافر کوچ کے درمیان ہونے والے خوفناک حادثے کے نتیجے میں 67 افراد جان کی بازی ہار گئے ہیں۔ جاں بحق ہونے والوں میں 42 مرد، 11 بچے اور 9 خواتین شامل ہیں۔ حادثے کے نتیجے میں بہت تیز آگ بھڑک اٹھی، جس سے تمام لاشیں جھلس کر ناقابل شناخت ہوگئیں۔ عینی شاہدین کے مطابق فائر بریگیڈ کی گاڑیاں ڈھائی گھنٹے تاخیر سے پہنچیں، جس کی وجہ سے جانی نقصان زیادہ ہوا۔ ریسکیو اہلکاروں کے مطابق حادثے کا ذمہ دار آئل ٹینکر کا ڈرائیور تھا، جو حادثے کے بعد کنڈیکٹر کے ہمراہ موقع سے فرار ہوگیا۔ حادثے میں زخمی مسافر کے مطابق بس میں گنجائش سے زیادہ مسافر سوار تھے اور بس کی چھت پر بھی مسافر سوار تھے۔ دوسری جانب بس حادثے کی ابتدائی تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق بس میں گنجائش سے زیادہ افراد سوار تھے، جن کی تعداد 60 سے 70 مسافروں پر مشتمل تھی۔ کمشنر کراچی کا کہنا تھا کہ ممکن ہے کہ بس کی چھت پر غیر قانونی طور پر ایندھن رکھا ہوا ہو۔ انتظامیہ نے ہر بار کی طرح حادثے کی تحقیقات کرکے حادثات کی روک تھام کے لیے لائحہ عمل طے کرنے کا اعلان کیا ہے۔ دو ماہ قبل بھی خیر پور سندھ میں ہونے والے ٹریفک حادثے میں 62 افراد جان کی بازی ہار

گئے تھے، اسی قسم کے کئی خوفناک حادثات ماضی میں رونما ہوتے رہے ہیں۔

پاکستان بھر میں دن بدن ٹریفک حادثات کی بڑھتی ہوئی شرح لمحہ فکریہ ہے، جس میں ہزاروں قیمتی جانیں تسلسل کے ساتھ لقمہ اجل بن رہی ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان بھر میں اوسطاً 15 سے 30 افراد روزانہ ٹریفک حادثات کا شکار ہو کر اپنی قیمتی جانیں گنواتے ہیں اور متعدد افراد ہمیشہ کے لیے معذور بھی ہو جاتے ہیں۔ آئے روز ملک کے مختلف حصوں میں ٹریفک کے بڑے بڑے حادثات بھی پیش آتے رہتے ہیں، جن میں بیک وقت بڑی تعداد میں افراد جان کی بازی ہار جاتے ہیں۔ جیسا کہ لنک روڈ پر حادثے میں ہوا۔ پاکستان کا شمار دنیا کے ان ممالک میں ہوتا ہے جہاں ٹریفک حادثات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق پاکستان میں ہر سال اوسطاً تقریباً 17 ہزار سے زاید افراد حادثات کا شکار ہو کر جاں بحق ہو جاتے ہیں اور 40 ہزار سے زاید لوگ زخمی ہوتے ہیں۔ جبکہ پاکستان ادارہ شماریات کے مطابق پاکستان میں ہر سال اندازاً نو ہزار روڈ حادثات میں لگ بھگ پانچ ہزار افراد جاں بحق، جبکہ دس ہزار سے زاید افراد زخمی ہو جاتے ہیں۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق صرف میں پاکستان میں 8885 ٹریفک حادثات میں 4672 افراد جاں بحق ہوئے 2013 جبکہ 9864 افراد زخمی ہوئے۔

انتظامیہ کی غفلت کی وجہ سے پاکستان میں ٹریفک حادثات ہونا ایک معمول کی بات ہے اور ٹریفک حادثات میں خوفناک حد تک اضافہ ہوتا جارہا ہے، جس کی روک تھام کے لیے حکومتی سطح پر کبھی بھی خاطر خواہ انتظامات نہیں کیے گئے۔ ملک میں ٹریفک حادثات کی شرح کافی زیادہ ہے، مگر افسوس کہ ہر حادثے کے بعد انتظامیہ اپنی نااہلی چھپانے میں مصروف ہو جاتی ہے اور حادثات کی روک تھام کے لیے لائحہ عمل طے کرنے کے اعلانات کیے جاتے ہیں، لیکن کسی بھی حادثے کے بعد اگلے سانحے سے بچاؤ کے لیے کسی قسم کا دیرپا اور مستقبل تدارک کا کوئی انتظام نہیں کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر سانحے کے بعد کوئی نیا ٹریفک حادثہ رونما ہوجاتا ہے، مگر حاکم وقت اور صوبوں کی انتظامیہ کے کانوں پہ جوں تک نہیں رینگتی ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ حادثات میں بے پناہ اضافے کی عمومی وجوہات قانون کی خلاف ورزی، مخدوش سڑکیں، ٹرانسپورٹ کی خراب حالت، ڈرائیوروں کی غفلت، تیز رفتاری سے گاڑیاں چلانا اور گاڑیوں میں گنجائش سے زیادہ مسافر سوار کرنا، منصوبہ بندی سے ہٹ کر بنائے گئے خطرناک موڑ اور دو رویہ سڑک کے درمیان اور اطراف میں حفاظتی جنگلے کا نہ ہونا حادثات کا موجب بنتا ہے۔ سی این جی کٹس کا پھٹ جانا بھی حادثات کا ایک محرک ہے۔ ماہرین کے مطابق ملک میں ہونے والے اکثر حادثات کی بڑی وجہ ڈرائیور بھی بنتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ گاڑیوں کے مالکان ڈرائیورز کی تعداد کم رکھتے ہیں، تاکہ پیسے بچائے جاسکیں، کیونکہ ڈرائیوروں کی تعداد کم ہونے کی صورت میں تنخواہ

بھی کم لوگوں کو دینی پڑتی ہے، لیکن اس سے پھر یہ ہوتا ہے کہ ڈرائیورز کم ہونے کی صورت میں ایک ڈرائیور کو ہی چوبیس چوبیس گھنٹے گاڑی چلانا پڑتی ہے، اس دوران وہ اپنے آپ کو زبردستی جگانے کے لیے منشیات وغیرہ کا استعمال بھی کرتے ہیں۔ بعض دفعہ نیند کی کمی کی وجہ سے ڈرائیورز دوران ڈرائیونگ اچانک نیند آنے کی وجہ سے گاڑی پر قابو برقرار نہیں رکھ پاتے، جس سے حادثہ رونما ہوجاتا ہے۔ بے شمار حادثات رونما ہونے کے باوجود بھی حکومت نے ابھی تک گاڑی مالکان کو اس بات کا پابند نہیں کیا کہ وہ ڈرائیورز کو کئی کئی گھنٹے زبردستی گاڑی چلانے پر مجبور نہ کریں اور نہ ہی حکومت ڈرائیورز کو منشیات کے استعمال سے روک پائی ہے۔ ماہرین کے مطابق ٹریفک حادثات کی روک تھام کے لیے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ڈرائیورز کے لیے بہتر سے بہتر لائحہ عمل طے کیا جانا چاہیے۔ اس کے ساتھ پورے ملک میں ایسے ادارے قائم کیے جائیں جہاں ڈرائیور اور کنڈیکٹر حضرات کی مناسب تربیت ہوسکے۔ ان تربیتی اداروں میں ان میں ٹریفک قوانین سے متعلق شعور بیدار کیا جائے۔ ادارہ سے تربیت کے بعد انہیں باقاعدہ سرٹیفکیٹ کا اجراء کیا جائے۔ اس کے علاوہ پبلک ٹرانسپورٹ کے مالکان کو بھی پابند کیا جائے کہ اس سرٹیفکیٹ کے حامل افراد کو ہی کنڈیکٹر اور ڈرائیور رکھیں، بصورت دیگر مالکان کے خلاف بھی قانونی چارہ جوئی کی جائے۔ اگر ایک ڈرائیور تربیت یافتہ ہوگا تو یقینی بات ہے کہ نہ صرف ٹریفک کے مسائل ختم ہوں گے، بلکہ حادثوں میں بھی خاطر خواہ کمی واقع ہوگی۔ پبلک

ٹرانسپورٹ میں گنجائش سے زاید مسافروں کو سوار کرنے پر بھی پابندی عاید کی جانی چاہیے۔ فنی طور پر اَن فٹ، ناقص، خستہ حال اور سست رفتار گاڑیوں کو سڑک پر آنے سے روکا جائے۔ اگر حکومت چاہتی ہے کہ ملک میں ٹریفک حادثات کنٹرول ہو جائی تو اس حوالے سے سخت قوانین بنانے ہوں گے اور ان پر سختی سے عمل کرنا ہوگا۔ ٹریفک حادثات میں زیادہ اموات کا سبب بسوں کے خراب گیٹ بھی بنتے ہیں، کیونکہ گیٹ خراب ہونے کی وجہ سے حادثہ کے وقت متاثرہ افراد گیٹ سے نکل کر جان نہیں بچا پاتے اور اپنی جان گنوا بیٹھتے ہیں، لہٰذا بسوں کے گیٹ سمیت مکمل فٹنس بھی انتظامی سطح پر ضروری قرار دی جانی چاہیے۔

واضح رہے کہ 1985ء میں ٹرانسپورٹ اینڈ روڈ ریسرچ لیبارٹری، کروک تھارن برک شائر، برطانیہ کے اشتراک سے پاکستان میں ٹریفک حادثات پر مبنی رپورٹ پیش کی گئی تھی، A.J. Downing نے "روڈ ایکسیڈنٹس ان پاکستان اینڈ دی نیڈ فار امپرومنٹس ان ڈرائیور ٹریننگ اینڈ ٹریفک انفورسمنٹ" کے تحت اپنی مفصل رپورٹ میں نہ صرف حادثات کی وجوہات پر روشنی ڈالی تھی، بلکہ وہ نکات بھی پیش کیے تھے جن پر اگر دس فیصد بھی عمل کیا جاتا تو ٹریفک کے ان بڑھتے ہوئے حادثات کو کنٹرول کیا جا سکتا تھا۔ 1985ء سے اب تک ٹریفک کی صورت حال یکسر تبدیل ہو چکی ہے اور اس تناظر میں مزید ریسرچ کی ضرورت ہے۔ حکومت کو نہ صرف ٹریفک حادثات کی روک تھام کے لیے موثر اقدامات کرنے چاہئیں، بلکہ ایک ریسرچ ٹیم

بھی اس سلسلے میں قائم کی جائے جو موجودہ دور کے ٹریفک مسائل پر مبنی رپورٹ اور گزارشات مرتب کرسکے۔ کسی بھی قوم کی تہذیب و تمدن کا اندازہ اس کے ٹریفک نظام پر ایک نظر ڈالنے سے لگایا جاسکتا ہے۔ مہذب معاشروں میں ٹریفک قوانین پر عملدرآمد کے لیے نہ صرف سخت قوانین موجود ہیں، بلکہ عوامی شعور کی بیداری کے لیے مختلف ادارے بھی قائم ہیں۔ متعدد ممالک میں ٹرانسپورٹ کا نظام جدید خطوط پر استوار ہے۔ یورپین ممالک میں انتہائی خوفناک حادثات کے دوران بھی اموات کی تعداد چار پانچ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ بلکہ بیرون ممالک میں متعدد بار ایسا بھی ہوا کہ سیکڑوں گاڑیوں کے ایک ساتھ ٹکرانے کے بعد بھی انتہائی مضبوط و عمدہ نظام کی وجہ سے ہلاکتوں اور زخمیوں کی تعداد انتہائی کم ہوتی ہے، جبکہ طبّی عملہ بھی فوری امداد کے لیے حاضر ہوجاتا ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک اپنے ملکی اور ٹریفک قوانین کی پاسداری کرتے ہیں، جبکہ ہماری قوم میں قوانین پر عملدرآمد کی پاسداری نہیں کی جاتی۔ ٹریفک حادثات کے اعداد و شمار اور حادثوں کے مشاہدات اس بات کے غماز ہیں کہ ٹریفک کے زیادہ تر حادثات حد سے زیادہ رفتار اور ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہی رونما ہوتے ہیں۔ پاکستان میں ٹریفک مسائل انتظامیہ کی ناقص کارکردگی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ملک میں ٹریفک حادثات پر کنٹرول کرنے کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ حکومت قوانین پر سختی سے عملدرآمد کروانے کے ساتھ ساتھ عوام میں شعور پیدا کرے، تاکہ پوری قوم مل کر حادثات سے بچنے کی کوشش کرے۔

....کتے " بھونکتے رہیں گے لیکن "

روز اول سے سلسلہ جاری ہے کہ کتے چمکتے دمکتے چاند کو دیکھ کر بھونکنا شروع کر دیتے ہیں۔ چاند کی چاندنی کتوں سے گوارا نہیں ہوتی، لیکن وہ اس کو ماند و مدہم بھی نہیں کر سکتے، اس طرح بے بس کتے اپنی بے چین و خصلت بد کا مظاہرہ چاند کو بھونک کر کرتے ہیں۔ بھونکنا چونکہ کتوں کی فطرت ہے، اس لیے یہ قیامت تک چمکتے چاند کو بھونکتے رہیں، لیکن ان کے بھونکنے سے نہ تو آج تک چاند کی چاندنی ماند پڑی ہے اور نہ ہی قیامت تک اس میں کوئی کمی آئے گی۔ یہی حال ان "کتوں" کا ہے جو وجہ کائنات، رسالت مآب، محسن انسانیت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی کرنوں کو پھیلتا ہوا دیکھ کر چیں بجبیں و غمزدہ ہوتے ہیں۔ اسلام کی روشنی کا دن بدن تیزی کے ساتھ پھیلنا ان کو گوارا نہیں ہوتا، اسلام کی روز بروز ترقی ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی، لیکن اسلام کے پھیلتے ہوئے نور کو روک بھی نہیں سکتے۔ پھر یہ اپنی پریشانی، بے بسی، بغض و عناد اور اپنی خصلت بد کا اظہار انسان کو انسانیت سکھانے والی سب سے محترم و عظیم ذات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کر کے کرتے ہیں۔ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں گستاخی کرنا ان بد بختوں کی جانب سے انہونی بات نہیں، کیونکہ یہ بد بختی ان کی فطرت کا حصہ ہے۔

کہاں رفعت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی، کہاں تیری حقیقت ہے
شرارت ہی شرارت تیری بے چین فطرت ہے

مغربی ممالک کی جانب سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے "خاکے" شائع کرنے سے ہر مسلمان کا دل انتہائی رنجیدہ ہے، رنجیدہ ہونا بھی چاہیے، کیونکہ مسلمان چاہے جتنا بھی گناہ گار ہو، خدا کے بعد اس کے پاس سب سے مضبوط سہارا شفیع المذنبین کی ذات اطہر ہی ہوتا ہے۔ مسلمان آپ علیہ السلام کی محبت کے سہارے ہی اپنی امیدوں کی عمارت تعمیر کرتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کے نزدیک اپنی جان، مال، دولت اور تمام رشتہ داروں سے بھی عزیز ہیں، یہ ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے اور اسی لیے آپ علیہ السلام کی ناموس پر جان نچھاور کرنا ہر مسلمان اپنی سعادت سمجھتا ہے اور آپ علیہ السلام کی ناموس کے معاملے میں ہر مسلمان کی زبان پر "لبیک یا رسول اللہ" اور "فداک ابی وامی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہوتے ہیں۔ مسلمان ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی سمجھوتا نہیں کرسکتا، کیونکہ تحفظ ناموس رسالت ہی مسلمان کا سمجھوتا ہے، چاہے اس کے لیے ہر مسلمان کو اپنا مال، عزت اور جان کی ہی کیوں نہ قربان کرنا پڑے۔

مغربی ممالک کے اخبارات کی طرف سے ایک بار پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ

وسلم کے گستاخانہ "خاکے" شائع کرنا ان کے بغض اور بے چینی کا کھلا اظہار ہے۔ مغرب نے اسلام کے حوالے سے ہمیشہ منافقت سے کام لیا ہے۔ ہولوکاسٹ کے تاریخی افسانے پر اظہار رائے کی آزادی سلب اور زبان کھولنا سنگین جرم، جبکہ آزادی اظہار رائے کے نام پر محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا نہ صرف ابو جہل کی اولاد (اہل مغرب) کی منافقت ہے، بلکہ ان کی ذہنیت میں بھری وہ غلاظت ہے، جسے وہ نام نہاد تہذیب کا نام دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کی یہ بے چینی صرف اور صرف اسلام میں روز فزوں ترقی کی وجہ سے ہے۔ جوں جوں یہ لوگ اسلام اور محسن انسانیت کے خلاف اپنی پراگندہ و بدبودار سوچ کو ظاہر کرتے ہیں توں توں اسلام میں دلچسپی و مسلمانوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ گزشتہ چند سال میں مسلمان کی تیزی سے بڑھتی ہوئی تعداد اس بات کی گواہ ہے۔ (اگر صرف مسلمان ہی مسلمان بن جائیں تو انشاءاللہ ایک دن مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی یہ تعداد پورے یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے کر رہے گی) یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ لاکھ بھونڈے حربوں کے باوجود یہ بدبخت لوگ اسلام کی پھیلتی ہوئی کرنوں کو روکنے میں ناکام رہے ہیں، یہ ناکامی ہی ان کی بے چینی کا سبب بن رہی ہے۔ یہ بدبخت لوگ جیسے بھی حربے استعمال کرلیں، لیکن اسلام کی پھیلتی روشنی کو کسی صورت نہیں روک سکتے، ہاں قیامت تک مختلف حربوں کے ذریعے اپنی بدبختی کا اظہار کرتے رہیں گے، جس سے نہ تو آج تک اسلام کو کوئی نقصان پہنچا ہے اور نہ ہی قیامت تک

پہنچے گا۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

گستاخانہ خاکے نامنظور.... تمام عالم سراپا احتجاج

فرانسیسی میگزین کی جانب سے گستاخانہ خاکوں کے ذریعے بدترین بین الاقوامی دہشت گردی کے ارتکاب کے بعد دنیا بھر میں متعصب، گستاخ اور اسلام دشمن میگزین اور اس خبیث ذہنیت اور گستاخی کی حمایت کرنے والے مغربی عناصر کے خلاف شدید احتجاج کا سلسلہ جاری ہے۔ تمام عالم میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اس غلیظ حرکت پر عالم اسلام کا ہر فرد شعلہ جولاں بنا فرانسیسی میگزین چارلی ایبڈو اور اس کی پشت پر کھڑے مغرب کی پست سوچ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اسے اس قسم کی انتہا پسندی سے باز رہنے کی وارننگ کے ساتھ سراپا احتجاج ہے۔ امت مسلمہ کا ہر فرد ناموس رسالت صلی اللہ علیہ سلم پر اپنی جان نچھاور کرنے کے لیے بے چین دکھائی دے رہا ہے۔ فیصل آباد کے ایک تاجر نے گستاخ جریدے کے مالک کا سر قلم کرنے والے کے لیے دو کروڑ روپے انعام کا اعلان کیا ہے۔ جبکہ پاکستان بھر کے تمام شہروں میں مسلسل اور سخت احتجاج اور ریلیوں کا انعقاد کیا جارہا ہے۔ ملک کی تمام مذہبی جماعتیں مل کر "یوم مذمت" کے نام سے گستاخانہ خاکوں کے خلاف سخت احتجاج کر چکی ہیں۔ جبکہ اس کے بعد بھی مسلسل احتجاج میں شدت آتی جارہی ہے، مظاہرین کا کہنا تھا کہ اگر یورپ نے اسلام کے خلاف متعصبانہ رویہ ترک نہ کیا تو جنگ عظیم ہو سکتی ہے۔ گستاخانہ خاکے دوبارہ شائع کرنے

پر مسلمانوں کا صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا ہے۔ ملک کے تمام بڑے چھوٹے شہروں میں احتجاجی مظاہروں کے دوران فرانس کے خلاف شدید نعرے بازی کی گئی، جبکہ متعدد شہروں میں اقلیتی برادری نے گستاخانہ خاکوں کی اشاعت پر فرانس کے پرچم جلائے اور گستاخانہ خاکوں کو مذہبی ہم آہنگی کے خلاف سازش قرار دیا ہے۔ پاکستان کی تمام سرکاری و غیر سرکاری، سیاسی و غیر سیاسی شخصیات اور زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے افراد نے گستاخانہ خاکوں کی نہ صرف مذمت کی ہے، بلکہ سخت الفاظ میں خبیث و غلیظ سوچ کے مالک گستاخوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ان سے معافی کا مطالبہ کیا ہے۔ صدر مملکت ممنون حسین نے گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ گستاخ جریدہ مسلمانوں کی دل آزاری کا مرتکب ہوا ہے، اسے معافی مانگنی چاہیے۔ آزادی اظہار کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ دوسرے کسی مذہب کے مقدس شعائر کی توہین کی جائے اور اس کے ماننے والوں کو ذہنی اذیت میں مبتلا کیا جائے۔ اس حوالے سے پاکستانی قومی اسمبلی میں مذمتی قرار داد منظور کرنے کے ساتھ گستاخانہ خاکوں کے خلاف مارچ بھی کیا گیا۔ جبکہ بعض سیاست دانوں نے عالمی عدالت میں یہ معاملہ اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ پاکستان کے علاوہ عالم اسلام کے تمام ممالک میں اس گستاخی کے خلاف احتجاج کا سلسلہ جاری ہے۔ تنظیم اسلامی برائے باہمی تعاون (او ی آئی سی) نے

فرانسیسی جریدنے کے خلاف عدالت جانے کا مشروط اعلان کر دیا ہے۔ فرانسیسی میگزین چارلی ایبڈو کی طرف سے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخانہ خاکے شائع کرنے پر الجزائر، نائجر، سوڈان، مصر، یمن، کویت، مراکش، اردن، لبنان، فلسطین، بھارت، ترکی فلپائن سمیت دیگر ممالک میں شدید احتجاج اور ریلیاں نکالی گئیں، جن میں لاکھوں افراد نے شرکت کی۔ اس موقع پر فرانسیسی پرچم بھی نذر آتش کیے گئے۔ نائجر میں گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے خلاف احتجاج میں دن بدن شدت آتی جارہی ہے، احتجاج کے دوران اب تک متعدد افراد جان کی بازی ہار چکے ہیں اور مشتعل افراد کی جانب سے متعدد گرجوں کو بھی آگ لگائی جاچکی ہے۔ کویت میں لاکھوں افراد نے گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے خلاف فرانسیسی سفارت خانے کے باہر احتجاجی ریلی نکالی، جس میں شریک افراد نے بینرز اور کتبے اٹھا رکھے تھے، جن پر عربی، فرانسیسی اور انگریزی زبان میں مذمتی نعرے درج تھے۔ کویت کی حکومت نے بھی گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کی شدید مذمت کی ہے۔ عمان میں ہزاروں افراد بازاروں اور گلیوں میں نکل آئے اور فرانسیسی میگزین کے خلاف شدید نعرے بازی کی۔ مشرق وسطی کے ممالک نے خبردار کیا ہے کہ اگر فرانس نے میگزین کے خلاف کارروائی نہ کی تو دنیا بھر میں نفرت کی ہوا چل پڑے گی۔ سوڈان کے دارالحکومت خرطوم اور مسجد اقصی کے باہر ہزاروں فلسطینیوں نے شدید احتجاج کرتے ہوئے فرانسیسی پرچم نذر آتش کرتے ہوئے اس کے خلاف شدید نعرے بازی کی اور مطالبہ کیا کہ گستاخانہ

خاکے شائع کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی نہ کی گئی تو فرانس کی حکومت بھی برابر کی شریک سمجھی جائے گی۔ قاہرہ میں ہونے والے مظاہروں میں الاخوان المسلمون کے ہزاروں کارکن بھی شریک ہوئے۔ مظاہرین نے کہا کہ پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخانہ خاکے شائع کرنا عالمی دہشت گردی ہے۔ بحرین کی وزارت خارجہ کا کہنا تھا کہ اس طرح کے خاکوں کی اشاعت سے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا گیا، جو کسی صورت قابل برداشت نہیں۔ لبنان میں مظاہرین نے احتجاج کرتے ہوئے نعرے تکبیر بلند کرتے ہوئے ریلی نکالی، جس میں ہزاروں افراد شریک ہوئے۔ سعودی علماء کونسل نے بھی گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ کوئی آزادی نہیں، بلکہ انتہا پسندوں کی مدد کرنا ہے۔ مراکش نے کہا ہے کہ وہ اے سے غیر ملکی اخبارات پر پابندی عاید کرے گا جو گستاخانہ خاکے دوبارہ شائع کریں گے۔ شمالی افریقہ میں بھی اس حوالے سے سخت ترین احتجاج کیا گیا۔ ترکی میں بھی احتجاج کرتے ہوئے مظاہرین نے فرانس سے معافی مانگنے کا مطالبہ کیا ہے۔ بھارت میں بھی مسلمانوں نے گستاخ فرانسیسی میگزین کے خلاف احتجاج کیا، ان کے علاوہ دنیا کے تقریباً تمام مسلم و غیر مسلم ممالک میں چھوٹی بڑی ریلیاں نکالی گئی ہیں۔

الجزائر کی یونیورسٹیوں میں اس وقت 24 ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں، فرانس کی

جانب سے خاکوں کے ذریعے گستاخی کے بعد اسٹوڈنٹ یونین کے سربراہ نے کہا ہے کہ اگر فرانس نے اپنا احمقانہ اور گستاخانہ رویہ نہ بدلا تو تمام کے تمام الجزائری طلبہ فرانس کے تعلیمی اداروں کا بائیکاٹ کر دیں گے۔ جبکہ دوسری جانب الجزائر میں قومی و عوامی سطح پر فرانس کی مصنوعات کا بائیکاٹ کر دیا گیا ہے۔ الجزائر میں ہی سول سوسائٹی کی جانب سے خاکوں کی اشاعت کے خلاف شروع کی گئی تحریک میں شامل الجزائری تاجر یونین کے ترجمان بولنوار نے کہا ہے کہ دیگر ممالک کے مقابلے میں الجزائر میں فرانس کی مصنوعات زیادہ فروخت ہوتی ہیں، الجزائر فرانسیسی مصنوعات کی بڑی مارکیٹ ہے، فرانس کی حالیہ مہم فرانس کو ناقابل تلافی نقصان سے دوچار کرے گا۔ فرانس میں گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے بعد یورپ میں مقیم الجزائری باشندوں نے پورے یورپ میں آپ علیہ السلام کی سیرت کی مہم کا آغاز کیا ہے۔ مراکش نے فرانس کی جانب سے شائع ہونے والے خاکوں پر سخت تنقید کی ہے، مراکش نے اپنے ملک کے پرنٹ میڈیا کو سخت تاکید کی ہے کہ وہ احتیاط سے کام لے۔ مراکش کی جانب سے سختی ناراضگی کے سبب فرانس کی حکومت نے مراکش کو منانے کے لیے اپنے وزیر خارجہ کو مراکش بھیجنے کا اعلان بھی کیا ہے، جبکہ مراکش میں عوام، سول سوسائٹی، تاجر اور صحافی تنظیموں اور دیگر کئی حلقوں کی جانب سے فرانسیسی مصنوعات کے بائیکاٹ کا اعلان کیا ہے۔ مراکش اور الجزائر کی تمام یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں فرانس کے خلاف مذمتی ریلیاں بھی منعقد کی گئی ہیں۔ مصر کی تاریخی دانش

گاہ جامعہ الازہر نے کہا ہے کہ فرانسیسی ہفت روزہ چارلی ایبڈو میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت سے نفرت ہی کو تقویت ملے گی۔ ترکی کے صدر رجب طیب اردگان نے کہا کہ فرانسیسی میگزین نے دنیا بھر میں نفرت اور نسل پرستی کو ہوا دی ہے، میگزین پہلے ہی مسلمانوں، مسیحوں اور دیگر کمیونٹی کے خلاف نفرت آمیز اشاعت کرنے کے باعث بدنام ہے، یہ کوئی آزادی نہیں، بلکہ دوسرے کے حساس معاملات میں کھلی مداخلت ہے، جس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ مسلمان دیگر انبیاء علیہم السلام کی شان میں گستاخی کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور نہ ہی اپنے نبی صلی اللہ علیہ سلم کی شان میں گستاخی برداشت کر سکتا ہے۔ افغان صدر اشرف غنی نے فرانسیسی میگزین چارلی ایبڈو کی جانب سے گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کو "اسلام کی تضحیک" قرار دیتے ہوئے ان کی شدید الفاظ میں مذمت کی ہے۔

دوسری جانب دنیا بھر سے سنجیدہ حلقے بھی فرانسیسی گستاخ میگزین کی جسارت پر سراپا احتجاج ہیں۔ خود فرانس کی نصف آبادی نے گستاخانہ خاکوں کی مخالفت کی ہے۔

عیسائیوں کے روحانی پیشوا پوپ فرانسس نے کہا ہے کہ آزادی اظہار رائے کی بھی کچھ حدیں ہوتی ہیں اور دوسروں کے مذہب کی توہین نہیں کی جا سکتی۔ آپ کسی کو بھی اشتعال نہیں دلا سکتے، آپ کسی کے ایمان کی توہین نہیں کر سکتے۔ انہوں نے مثال دی تھی کہ اگر میرا بہترین دوست ڈاکٹر گیسپری میری ماں کے

بارے میں برے جملہ کہے تو وہ جواباً مکے کی توقع کر سکتا ہے۔ مصر میں قبطی عیسائیوں کے پیشوا تاواڈورز دوئم نے بھی گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ مذہب کی توہین کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ لبنان، مصر، شام اور دیگر کئی ممالک میں اقلیت عیسائی تنظیموں نے گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے ریلیاں نکالیں اور فرانسیسی مصنوعات کے بائیکاٹ کا اعلان کیا ہے۔ روس نے خبردار کیا ہے کہ چارلی ایبڈو کی جانب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کارٹون شائع کرنا ملک کے قانون اور اخلاقیات کے خلاف ہے۔ میڈیا اور کمیونیکیشن واچ ڈاگ نے کہا کہ روسی میڈیا میں اس طرح کے کارٹون شائع ہونا اخلاقیات اور قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ مذہبی موضوعات پر بنے خاکے اور کارٹون شائع کرنا کسی بھی مذہب کے نمائندوں کی توہین کے ضمرے میں آتا ہے۔ فلپائن میں ریلی کے شرکا نے پلے کارڈ اٹھائے ہوئے تھے، جن پر یو آر شارلی اینڈ آئی لو محمد کے نعرے درج تھے۔ دیگر متعدد غیر مسلم ممالک میں بھی گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے خلاف مظاہرے کیے گئے، جن میں گستاخ میگزین پر کڑی تنقید کی گئی ہے۔

دنیا بھر کے سنجیدہ اور غیر جانبدار صحافتی حلقوں نے گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کو صحافتی دہشتگردی قرار دیا ہے۔ جبکہ دنیا بھر کے اخباروں نے فرانسیسی رسالے چارلی ایبڈو جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے)

گستاخانہ خاکے شائع کیے گئے ہیں) کے "سروائیورز" ایڈیشن پر غصے، تشویش اور یک جہتی کا ردِ عمل ظاہر کیا ہے۔ نیویارک ٹائمز نے اپنے صفحہ اول پر لکھا: "فرانسیسی رسالے کا نیا سرورق نئے خوف ساتھ لے کر آیا ہے اور اس بات کا خطرہ ہے کہ چارلی ایبڈو مزید تشدد کا نشانہ بنے۔" مشرقِ وسطیٰ کے بہت سے اخباروں نے، جن میں غیر جانبدار اخبار بھی شامل ہیں، میگزین کی جانب سے سرورق پر آپ علیہ السلام کے گستاخانہ خاکے چھاپنے پر کڑی تنقید کی ہے۔ اردن کے سرکاری اخبار "الدستور" کے صفحہ اول کی سرخی تھی: "چارلی ایبڈو کی اشتعال انگیزی جاری ہے۔" الجزائر کے روزنامے "الشروق" میں حبیب راشدین نے فرانسیسی حکومت کی جانب سے چارلی ایبڈو کی مالی مدد پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ "اس اقدام نے تمام سرخ لکیریں پار کر دی ہیں اور یہ مسلمانوں کے خلاف کھلی صلیبی جنگ ہے۔ اب یہ ہر مسلمان کا حق بن گیا ہے کہ وہ فرانس کے سفیروں پر اپنے مذہب کی توہین کا مقدمہ دائر کر دیں۔" الجزائر کے ایک اور اخبار "النہار" کے صفحہ اول پر ایک تصویر شائع کی گئی، جس پر لکھا تھا: "ہم سب محمد ہیں""
ایران کے سرکاری ٹیلی ویژن نے بھی گستاخانہ خاکوں کو "اشتعال انگیزی" قرار دیا ہے۔ ترکی کے ایک اخبار "یینی اکیت" نے چارلی ایبڈو کے خلاف بالخصوص اور مغرب کے خلاف بالعموم ایک پورا صفحہ چھاپا، جس کا عنوان تھا "رسوائی جاری ہے" اخبار نے لکھا ہے: "خطرناک حالات کے باوجود سرکش رسالے چارلی ایبڈو اور صہیونی میڈیا کے زیرِ اثر مغربی میڈیا نے مسلمانوں

اور مسلم دنیا کے خلاف بزدلانہ حملے جاری رکھے ہیں۔" کئی تبصرہ نگاروں نے فرانس اور دوسرے ملکوں پر زور دیا ہے کہ وہ مذاہب اور مذہبی شخصیات کی توہین کو غیر قانونی قرار دیں اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو انتہا پسندی کو ہوا ملے گی۔ سعودی عرب کے روزنامے "الوطن" نے لکھا ہے کہ "آزادیِ اظہار کو اس مقام پر رک جانا چاہیے جہاں کسی کے رنگ، نسل یا مذہب کی توہین شروع ہوتی ہے۔" لبنانی اخبار "الانور" نے مغرب پر دہرے معیار کا الزام عاید کرتے ہوئے کہا ہے کہ "ایک طرف تو یورپی ملک یہود دشمنی کو جرم قرار دیتے ہیں، تو دوسری جانب دنیا کے ایک ارب سے زیادہ مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے۔" ادھر فرانس کے معتدل اخبار "لا موند" نے اپنی ویب سائٹ پر متنازع مزاح نگار دیودون امبالا امبالا کی گرفتاری پر سوال اٹھایا ہے، جنھوں نے مبینہ طور پر دہشت گردی کی حمایت میں بیان دیا تھا۔ اخبار نے پوچھا ہے: 'چارلی، دیودون، آزادیِ اظہار کی حدیں کہاں ہیں؟' چین کے سرکاری میڈیا نے چارلی ایبڈو کے گستاخانہ خاکے شائع کرنے کے فیصلے پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے مسلمانوں کو غیر ضروری طور پر اشتعال دلایا گیا ہے۔ چینی اخبار "گلوبل ٹائمز" نے خاکے کو "غیر مناسب" قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر چارلی ایبڈو اسلام کے بارے میں اسی طرح اڑا رہا تو اس سے فرانسیسی حکومت "مشکل میں پڑ جائے گی۔

پیٹرول بحران .... سازش یا حکومتی نااہلی؟

پنجاب بھر میں پیٹرول کا بحران دوسرے ہفتے میں داخل ہوچکا ہے۔ گزشتہ ایک ہفتے سے شہری مسلسل پیٹرول کی تلاش میں در بدر اور خوار ہو رہے ہیں۔ گزشتہ روز بھی پنجاب بھر میں 90 فیصد پمپ پیٹرول بحران کی وجہ سے بند رہے۔ صرف دس فیصد پر سیل جاری رہی، لیکن وہاں گاڑیوں ، موٹر سائیکلوں اور پیدل افراد کی کئی کئی میل لمبی قطاریں لگی رہیں۔ حکومت کے دعووؤں کے باوجود بحران میں کسی طرح کی کمی نہیں آئی، بلکہ بحران بدستور جاری ہے۔ لوگ سارے کام کاج چھوڑ کر پیٹرول کی تلاش میں پھرتے رہے۔ عوام کی اس تکلیف کا مداوا کب ہو پائے گا کسی کے پاس کوئی تسلی بخش جواب نہیں ہے۔ عالمی منڈی میں تیل کی گرتی ہوئی قیمتوں کی بدولت حکومت نے 2015 کے آغاز پر پیٹرول مصنوعات کی قیمتوں میں کمی کا سہرا اپنے سر سجایا، مگر پنجاب کے عوام کو دو بوند پیٹرول کو بھی ترسادیا۔ پیٹرول کی قلّت کے باعث اسکولوں میں حاضری کی شرح انتہائی کم رہی، دفاتر میں بھی یہی صورت حال نظر آئی۔ پیٹرول بحران کی وجہ سے کئی علاقوں میں حکومت کے خلاف احتجاج کیا گیا، جبکہ کئی پمپوں پر صارفین اور پمپ ملازمین سے لڑائی کے کئی واقعات ہوئے، جن کے دوران متعدد افراد زخمی بھی ہوئے ہیں، بعض پمپوں پر لوگوں کو کنٹرول کرنے کے لیے پولیس بھی طلب کی گئی۔ وزیر اعظم نواز شریف کی طرف سے

نوٹس لیے جانے کے باوجود صوبائی دارالحکومت سمیت پنجاب بھر میں پیٹرول کے بحران کے جلدی ختم ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے، بلکہ اب تو پیٹرول بحران نے کراچی کا بھی رخ کرلیا ہے۔ گزشتہ روز کراچی کے تقریباً نصف پیٹرول پمپ اچانک بند ہوگئے، جس کے بعد کھلے پیٹرول پمپوں پر گاڑیوں کی طویل لائنیں لگ گئیں، پیٹرول بلیک میں بیچا جاتا رہا، جس سے شہریوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ایک ایسے وقت میں جب پیٹرول اور فرنس آئل کا بحران ختم ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے، جس کے پیش نظر وزیراعظم نواز شریف نے اپنی توجہ اس بحران کے حل کی جانب مبذول کر دی ہے۔ وزیراعظم کی جانب سے ہفتے کو اہم افسران کی معطلی کے بعد حکومت نے پیٹرولیم سیکٹر کی ذمے داریاں سنبھالنے کے لیے ہنگامی بنیادوں پر اقدامات کیے۔ جبکہ پاکستان میں پیٹرول کے حالیہ بحران کی تحقیقات کے لیے قائم کی گئی کمیٹی نے اپنی ابتدائی رپورٹ میں تیل اور گیس کے نگران ادارے "اوگرا" کو اس بحران کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ صوبہ پنجاب کے علاوہ خیبر پختونخوا کے کچھ علاقوں میں پیٹرول کا بحران گزشتہ ایک ہفتے سے جاری ہے اور اس دوران شہریوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ذرائع نے کہا کہ 580 ارب روپے سے متجاوز رقم کی ریکوری کی غرض سے وزارت خزانہ نے وزارت پانی اور بجلی پر دباؤ بڑھانے کے لیے فنڈز ادا نہیں کیے، نتیجتاً پاکستان نیشنل شپنگ کارپوریشن کی جانب سے معاملات تعطل کا شکار ہوئے اور بحران نے جنم لیا۔ منگل کے روز اجلاس کے

دوران کہا گیا کہ وزیراعظم نے ملک میں پیٹرولیم کی خرید وفروخت اور ترسیل کے ڈھانچے میں تبدیلیوں کا حکم دیا، تاکہ مستقبل میں ایسی صورتحال دوبارہ پیدا نہ ہو۔ اجلاس میں پیش کی گئی ابتدائی رپورٹ کے مطابق بطور نگران اوگرا کی اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں ناکامی پیٹرول کی قلت کی وجہ بنی۔

اگرچہ وزیر پیٹرولیم نے پیٹرول کا بحران اس ہفتے کے آخر تک ختم ہونے کی پیشگوئی کی ہے، کیونکہ حکومت مسئلہ پر قابو پانے کے لیے ہنگامی اقدامات کر رہی ہے۔ تاہم حقائق کچھ اور بتاتے ہیں۔ حکام کا کہنا ہے کہ تمام حکومتی اقدامات کے باوجود پیٹرول کا بحران آئندہ دس روز تک جاری رہے گا۔ پی ایس او کے اعلیٰ ذرائع کے مطابق حکومت نے ہنگامی بنیادوں پر پیٹرول کا انتظام کرنا شروع کر دیا ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ پہلی بار ہوا ہے کہ ملک کی سب سے بڑی آئل مارکیٹنگ کمپنی (او ایم سی) خود کو مشکل سے نکالنے کے لیے چھوٹی کمپنیوں سے بھیک مانگ رہی ہے، جبکہ ماضی میں پی ایس او بحران سے نکلنے میں چھوٹی کمپنیوں کی مدد کرتی رہی ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ شیل کے میٹرک ٹن تیل کے علاوہ پی ایس او نے بھی پیٹرول درآمد کیا ہے اور عمان 20000 ٹریڈنگ انٹرنیشنل شپ 50 ہزار میٹرک ٹن تیل لائے گا، اس کا جہاز وی میاسٹروس عمان کی سوہر بندرگاہ پر لوڈنگ کرنے جا رہا ہے۔ یہ جہاز تقریباً تمام مارکیٹنگ کمپنیوں شیل، شیوران، ٹی پی پی ایل، پی ایس او وغیرہ کے لیے تیل لا رہا ہے۔

اگر سب کچھ ٹھیک رہا تو یہ ممکنہ طور پر 26 جنوری 2015 کو برتھ پر لگے گا اور اس پیٹرول کو پنجاب پہنچنے میں مزید چار سے پانچ دن لگیں گے، جبکہ ایک اور جہاز ریمبس حال ہی میں سنگاپور سے روانہ ہوا ہے، جس کو کراچی پہنچنے میں کم از کم 12 دن لگیں گے۔ چنانچہ اس تیل کے دستیاب ہونے کی ممکنہ قریب ترین تاریخ 30 جنوری یا 31 جنوری ہوگی، جس کا مطلب ہے بحران کم از کم دس دن تک جاری رہے گا۔

حالیہ پیٹرول بحران پر جہاں تمام سیاسی جماعتوں سمیت دیگر حلقوں نے بحران کی ذمے داری حکومت پر ڈالتے ہوئے اسے تنقید کا نشانہ بنایا ہے، وہیں ذرائع کا کہنا ہے کہ پی ایس او کو اس حقیقت کا علم تھا کہ ملک بھر میں 29 آئل ڈپوؤں پر تقسیم زیادہ ہوتی ہے اور وہ کم خرچ والے ڈپوؤں کو فراہم کم کرکے ان بڑے ڈپوؤں کو اضافہ تیل فراہم کرکے اس بحران سے بچ سکتی تھی۔ وزارت پیٹرولیم اور پی ایس او کے حکام بخوبی آگاہ تھے اور ممکنہ بحران کا انہیں علم تھا، مگر انہوں نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں، اس بحران کے پس پشت باقاعدہ فراہمی، تقسیم کی منصوبہ بندی نہ ہونا، مبینہ کرپشن اور بدانتظامی ہے۔ وزیر خزانہ اسحاق دار کا کہنا ہے کہ پیٹرول بحران حکومت کے خلاف سازش ہے، جبکہ تجزیہ کاروں کے مطابق تیل کا موجودہ بحران حکومت کی خراب طرز حکمرانی اور واضح نا اہلی ہے، کیونکہ وزارت پٹرولیم کے سینئر ترین عہدیدار بھی عاقبت نا

اندیش ثابت ہوئے ہیں۔ ملکوں میں بحران آتے ہی ہیں لیکن ان پر قابو پانا اور بحران سے نکلنا حکومت کی ذمے داری ہوتی ہے، لیکن یہاں حکومت اپنی ذمے داری سے جان چھڑانے کے لیے بحران کو اپنے خلاف سازش قرار دے رہی ہے۔ حالانکہ یہ سازش نہیں بلکہ اس کو حکومت کی واضح نااہلی ہے۔ بعض ذرائع کے مطابق پار کو ریفائنری کا شٹ ڈاؤن پنجاب میں پٹرول بحران کی اہم وجہ بنا۔ رواں ماہ کے آغاز پر پار کو ریفائنری کو تکنیکی بنیادوں پر 5 روز کے لیے شٹ ڈاؤن کیا گیا، جس کے باعث وسطی اور بالائی پنجاب میں پیٹرول کا بحران پیدا ہوا، جبکہ پیٹرول سستا ہونے کے امکان پر ریفائنریز اور مارکیٹنگ کمپنیوں کی جانب سے بفر سٹاک نہ ہونے کے باعث یہ بحران سنگین صورتحال اختیار کر گیا۔ دوسری جانب ملک پیٹرول بحران کے ساتھ ساتھ بجلی کی لوڈ شیڈنگ میں بھی مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ بجلی کی لوڈشیڈنگ کی وجہ سے شہریوں کی پریشانیاں مزید بڑھ گئی ہیں، متعدد علاقوں میں شاٹ فال 7 سے 8 ہزار میگاواٹ تک جا پہنچا ہے۔ متعدد شہروں میں لوڈشیڈنگ کا دورانیہ 15 گھنٹے تک پہنچ گیا ہے، جس کی وجہ سے عوام پیٹرول بحران کے ساتھ بجلی لوڈشیڈنگ کے خلاف بھی سراپا احتجاج ہیں۔

ذرائع کا کہنا ہے کہ پیٹرول بحران کی وجہ سے ملک میں بجلی کی لوڈ شیڈنگ میں مزید اضافہ ہوسکتا ہے اور بجلی لوڈشیڈنگ کا دورانیہ 15 گھنٹے سے بڑھ کر 20 گھنٹے تک بھی پہنچ سکتا ہے۔

خوراک کا بے دریغ ضیاع ایک المیہ!

اس حقیقت سے شاید کوئی بھی انکار نہ کرسکے کہ دنیا میں بسنے والے ہر انسان کی سب سے بڑی ضرورت پیٹ بھر کر خوراک کا میسر آنا ہے۔ انسان کی تمام تگ و دو اور جدوجہد کا محور و مرکز اپنی اسی ضرورت کو پورا کرنا ہے، جس کے لیے انسان مشکل ترین اور جان لیوا کام کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اس کے باوجود دنیا میں ہر انسان کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا، بلکہ دنیا میں مجموعی طور پر تقریباً ایک ارب افراد اپنی بھوک مٹانے کے لیے کھانا حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور دو ارب انسانوں کو کم خوراکی کا سامنا ہے۔ اس کے ساتھ دنیا بھر میں لاکھوں افراد بھوک کی وجہ سے زندگی کی بازی بھی ہار جاتے ہیں اور دنیا میں مختلف ممالک میں قحط سے ہلاک ہونے والے افراد کی تعداد بھی لاکھوں میں ہے۔ پاکستان میں تین کروڑ سے زاید افراد کو خوراک کی کمی کا شکار بتایا جاتا ہے، لیکن خوراک کی کمی صرف غریب اور ترقی پذیر ممالک کا ہی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی کروڑوں لوگ خوراک کی کمی کا شکار ہیں۔ برطانیہ میں تقریباً 40 لاکھ افراد آج بھی مناسب خوراک تک رسائی نہیں رکھتے۔ امریکا میں 3 کروڑ پچاس لاکھ افراد ایسے خاندانوں سے منسلک ہیں جن کی خوراک ناکافی ہے۔ یورپ میں 4 کروڑ 30 لاکھ افراد مناسب خوراک سے محروم ہیں، لیکن

افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ ایک طرف ایک ارب لوگوں کو اپنی بھوک مٹانے کے لیے کھانا میسر نہیں ہوتا، بھوک کی وجہ سے لاکھوں لوگ موت کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں، جبکہ دوسری جانب اقوام متحدہ کے ادارہ برائے "خوراک و زراعت" کے مطابق سالانہ ایک ارب 30 کروڑ ٹن خوراک بڑی بے باکی کے ساتھ ضائع کر دی جاتی ہے، جو پوری دنیا میں جمع ہونے والی خوراک کا 30 فیصد ہے، جبکہ پھلوں اور فصلات کا 40 فیصد، سبزیوں کا 20 فیصد اور خوردنی تیل اور مچھلی وغیرہ کا 35 فیصد ذخیرہ خوراک ضائع ہو جاتا ہے۔ اگر ضائع ہونے والی اس خوراک کو مستحق لوگوں تک پہنچایا جائے تو اس سے سالانہ دو سے تین ارب بھوکے انسانوں کا پیٹ بھرا جا سکتا ہے۔ اسی طرح چند ماہ قبل اقوام متحدہ کی فوڈ اینڈ ایگری کلچرل آرگنائزیشن نے اپنی ایک رپورٹ میں انکشاف کیا تھا کہ پوری دنیا میں انسان مجموعی طور پر پیدا ہونے والی خوراک کا ایک تہائی یا 33 فیصد حصہ ضائع کر دیتے ہیں، جس کی مالیت 750 ارب ڈالرز بنتی ہے۔

یہ حقیقت سامنے رہنی چاہیے کہ خوراک ضائع کرنے والے ممالک میں ترقی یافتہ ممالک پیش پیش ہیں۔ صرف امریکا میں 50 فی صد خوراک کوڑے کی زینت بنتی ہے۔ برطانیہ میں 20 ملین ٹن خوراک ضائع کر دی جاتی ہے۔ جاپان بھی اس دوڑ میں پیچھے نہیں رہا۔ وہاں 101.6 ارب ڈالر مالیت کی خوراک تلف ہو جاتی ہے۔ جبکہ یورپ میں لوگ 100 ملین ٹن کھانا ہر سال پھینک دیتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک

میں تو لوگ کھانا پھینکنے کی گنجائش رکھتے ہیں، مگر ترقی پذیر ممالک میں یہ مسئلہ دولت کے بجائے وسائل کی کمی کے باعث پیدا ہو رہا ہے۔ پاکستان اور بھارت جیسے ممالک میں پھل اور سبزیاں زیادہ عرصے تک تازہ نہیں رہ پاتیں، جبکہ ان ممالک کی بیشتر منڈیوں میں سرد خانوں کی سہولت بھی موجود نہیں، جس کا نتیجہ بڑی مقدار میں سبزیاں اور پھل کے ضیاع کی صورت میں نکلتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں اتنی خوراک پیدا ہوتی ہے، جو ہر ایک کے لیے کافی ہوتی ہے، مگر اس کی فراہمی یا دیگر مسائل اس کے ضیاع کا سبب بن جاتے ہیں۔ خوراک کے ضیاع کی روک تھام کے لیے اقوام متحدہ سمیت کئی عالمی ادارے سرگرم عمل ہیں، مگر ان اداروں کی جانب سے کی جانے والی مساعی بھی اس غیر ذمہ دارانہ طرز عمل کی روک تھام میں بری طرح ناکام رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں خوراک بچانے کے لیے شعور اور آگہی میں کمی ہے۔ لوگوں کو اندازہ ہی نہیں ہو پاتا کہ وہ کتنی خوراک ضائع کر رہے ہوتے ہیں اور اس ضائع ہونے والی خوراک سے کتنے بھوکوں کا پیٹ بھرا جاسکتا ہے۔

شعور اور آگاہی وہ پہلا قدم ہے، جہاں سے خوراک کو بچانے کا عمل شروع ہو سکتا ہے۔ شعور اور اگاہی کے ذریعے ضائع ہونے والے کھانے کو بچا کر نہ صرف بھوکے افراد کا پیٹ بھرا جاسکتا ہے، بلکہ اپنے ماحول کو بھی کئی مضر اثرات سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ ضائع شدہ خوراک زہریلی گرین ہاؤس گیسوں

کی شکل میں ڈھل کر ماحولیاتی نقصانات میں اضافہ کر دیتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں زاید خوراک کو پھینک دینے والی جنس سمجھا جاتا ہے اور اس ضیاع کے ماحولیاتی اور سماجی اثرات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اگر ترقی یافتہ اور کچھ ترقی پذیر دنیا کی اشرافیہ اگر خوراک کو ہر سال ٹنوں کے حساب سے ضائع کرنا چھوڑ دیں تو دنیا کے ماحول پر دباؤ کم ہو جائے گا۔ خوراک کا زرعی اجناس سے تیار یا نیم تیار شدہ غذا تیار کرنے کا عمل اب سادہ نہیں رہا۔ اب غذا کئی صنعتی مراحل سے گزر کر ہمارے ہاتھوں تک پہنچتی ہے۔ پروسیسنگ اور پیکجنگ وغیرہ اب بہت پیچیدہ ہو چکے ہیں۔ کھانے کی تقریباً تمام چھوٹی بڑی اشیا کی کئی اقسام کی پیکنگ ضروری ہے، خوراک کے ضیاع کے علاوہ یہ تمام پیکنگ بھی کچرے میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ ان تمام اقسام پیکنگ کی صنعتی تیاری بڑے پیمانے پر فضائی آلودگی کا بڑا سبب ہے۔ ترقی یافتہ ممالک اور ترقی پزیر ممالک کے بڑے شہروں میں جس قدر خوراک کا ضیاع ہوتا ہے، کتاب "WASTE" اس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے بتاتے ہیں کہ TRISTRAM STUART کے مصنف خوراک کا ضیاع نہ صرف یہ کہ ماحولیاتی مسائل کو جنم دیتا ہے، بلکہ ہر سال غذا کے بڑے پیمانے پر ضیاع کی وجہ سے ترقی یافتہ ممالک کی حکومتیں عالمی مارکیٹ سے زیادہ سے زرعی اجناس کی خریداری کرتی ہیں، جس کی وجہ سے ان اجناس کی خریداری دیگر ممالک کے لیے بے حد مشکل ہو جاتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کے اس طرز عمل کی وجہ سے غذائی اجناس عالمی مارکیٹ سے غائب ہو کر

بالآخران ممالک کے کچرادان میں پہنچ جاتی ہیں۔ جس طرح بڑھتی آلودگی صنعتی عوامل کے ساتھ ساتھ انفرادی طور پر ہمارے طرز عمل سے وابستہ ہے، اسی طرح ہمیں یہ بات بھی مان لینی چاہیے کہ دنیا خوراک کے ضیاع سے متعلق ہمارے طرز سے بھی متاثر ہو رہی ہے۔

بہر حال یہ ایک افسوس ناک صورت حال ہے کہ ایسے ممالک میں بھی جہاں غربت عام ہے، خوراک کا بے دریغ ضیاع معمول بن چکا ہے۔ ہم روز اپنے گھروں کے کچن میں اتنا کھانا ضائع کر دیتے ہیں، جو گلی محلے میں کسی ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ہمارے شادی ہالوں میں روزانہ اس قدر زیادہ کھانا ضائع ہوتا ہے کہ شادی ہالوں کے بچے ہوئے کھانے سے شاید شہر کے تمام حاجت مندوں کا پیٹ بھرا جاسکے۔ ہمارے ملک میں ہوٹلوں میں ایک وقت میں کئی کئی کلو اور بڑے بڑے ہوٹلوں میں کئی کئی من روٹی اور سالن و دیگر اشیا مثلاً سلاد دہی اور دیگر بہت سامان ضائع کر دیا جاتا ہے، اگر ضائع ہونے والی اسی خوراک کو پھینکنے کی بجائے اگر غربا میں تقسیم کر دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ بہت سے غریبوں کا پیٹ بھر سکتا ہے، بلکہ دنیا سے بھوک کا مکمل خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔

خوراک کا بے دریغ ضیاع ایک المیہ!

اس حقیقت سے شاید کوئی بھی انکار نہ کرسکے کہ دنیا میں بسنے والے ہر انسان کی سب سے بڑی ضرورت پیٹ بھر کر خوراک کا میسر آنا ہے۔ انسان کی تمام تگ و دو اور جدوجہد کا محور و مرکز اپنی اسی ضرورت کو پورا کرنا ہے، جس کے لیے انسان مشکل ترین اور جان لیوا کام کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اس کے باوجود دنیا میں ہر انسان کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا، بلکہ دنیا میں مجموعی طور پر تقریباً ایک ارب افراد اپنی بھوک مٹانے کے لیے کھانا حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور دو ارب انسانوں کو کم خوراکی کا سامنا ہے۔ اس کے ساتھ دنیا بھر میں لاکھوں افراد بھوک کی وجہ سے زندگی کی بازی بھی ہار جاتے ہیں اور دنیا میں مختلف ممالک میں قحط سے ہلاک ہونے والے افراد کی تعداد بھی لاکھوں میں ہے۔ پاکستان میں تین کروڑ سے زاید افراد کو خوراک کی کمی کا شکار بتایا جاتا ہے، لیکن خوراک کی کمی صرف غریب اور ترقی پذیر ممالک کا ہی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی کروڑوں لوگ خوراک کی کمی کا شکار ہیں۔ برطانیہ میں تقریباً 40 لاکھ افراد آج بھی مناسب خوراک تک رسائی نہیں رکھتے۔ امریکا میں 3 کروڑ پچاس لاکھ افراد ایسے خاندانوں سے منسلک ہیں جن کی خوراک ناکافی ہے۔ یورپ میں 4 کروڑ 30 لاکھ افراد مناسب خوراک سے محروم ہیں، لیکن

افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ ایک طرف ایک ارب لوگوں کو اپنی بھوک مٹانے کے لیے کھانا میسر نہیں ہوتا، بھوک کی وجہ سے لاکھوں لوگ موت کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں، جبکہ دوسری جانب اقوام متحدہ کے ادارہ برائے "خوراک و زراعت" کے مطابق سالانہ ایک ارب 30 کروڑ ٹن خوراک بڑی بے باکی کے ساتھ ضائع کر دی جاتی ہے، جو پوری دنیا میں جمع ہونے والی خوراک کا 30 فیصد ہے، جبکہ پھلوں اور فصلات کا 40 فیصد، سبزیوں کا 20 فیصد اور خوردنی تیل اور مچھلی وغیرہ کا 35 فیصد ذخیرہ خوراک ضائع ہو جاتا ہے۔ اگر ضائع ہونے والی اس خوراک کو مستحق لوگوں تک پہنچایا جائے تو اس سے سالانہ دو سے تین ارب بھوکے انسانوں کا پیٹ بھرا جا سکتا ہے۔ اسی طرح چند ماہ قبل اقوام متحدہ کی فوڈ اینڈ ایگری کلچرل آرگنائزیشن نے اپنی ایک رپورٹ میں انکشاف کیا تھا کہ پوری دنیا میں انسان مجموعی طور پر پیدا ہونے والی خوراک کا ایک تہائی یا 33 فیصد حصہ ضائع کر دیتے ہیں، جس کی مالیت 750 ارب ڈالرز بنتی ہے۔

یہ حقیقت سامنے رہنی چاہیے کہ خوراک ضائع کرنے والے ممالک میں ترقی یافتہ ممالک پیش پیش ہیں۔ صرف امریکا میں 50 فی صد خوراک کوڑے کی زینت بنتی ہے۔ برطانیہ میں 20 ملین ٹن خوراک ضائع کر دی جاتی ہے۔ جاپان بھی اس دوڑ میں پیچھے نہیں رہا۔ وہاں 101.6 ارب ڈالر مالیت کی خوراک تلف ہو جاتی ہے۔ جبکہ یورپ میں لوگ 100 ملین ٹن کھانا ہر سال پھینک دیتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک

میں تو لوگ کھانا پھینکنے کی گنجائش رکھتے ہیں، مگر ترقی پذیر ممالک میں یہ مسئلہ دولت کے بجائے وسائل کی کمی کے باعث پیدا ہو رہا ہے۔ پاکستان اور بھارت جیسے ممالک میں پھل اور سبزیاں زیادہ عرصے تک تازہ نہیں رہ پاتیں، جبکہ ان ممالک کی بیشتر منڈیوں میں سرد خانوں کی سہولت بھی موجود نہیں، جس کا نتیجہ بڑی مقدار میں سبزیاں اور پھل کے ضیاع کی صورت میں نکلتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں اتنی خوراک پیدا ہوتی ہے، جو ہر ایک کے لیے کافی ہوتی ہے، مگر اس کی فراہمی یا دیگر مسائل اس کے ضیاع کا سبب بن جاتے ہیں۔ خوراک کے ضیاع کی روک تھام کے لیے اقوام متحدہ سمیت کئی عالمی ادارے سرگرم عمل ہیں، مگر ان اداروں کی جانب سے کی جانے والی مساعی بھی اس غیر ذمہ دارانہ طرز عمل کی روک تھام میں بری طرح ناکام رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں خوراک بچانے کے لیے شعور اور آگہی میں کمی ہے۔ لوگوں کو اندازہ ہی نہیں ہو پاتا کہ وہ کتنی خوراک ضائع کر رہے ہوتے ہیں اور اس ضائع ہونے والی خوراک سے کتنے بھوکوں کا پیٹ بھرا جاسکتا ہے۔

شعور اور آگاہی وہ پہلا قدم ہے، جہاں سے خوراک کو بچانے کا عمل شروع ہو سکتا ہے۔ شعور اور اگاہی کے ذریعے ضائع ہونے والے کھانے کو بچا کر نہ صرف بھوکے افراد کا پیٹ بھرا جاسکتا ہے، بلکہ اپنے ماحول کو بھی کئی مضر اثرات سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ ضائع شدہ خوراک زہریلی گرین ہاؤس گیسوں

کی شکل میں ڈھل کر ماحولیاتی نقصانات میں اضافہ کر دیتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں زاید خوراک کو پھینک دینے والی جنس سمجھا جاتا ہے اور اس ضیاع کے ماحولیاتی اور سماجی اثرات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اگر ترقی یافتہ اور کچھ ترقی پذیر دنیا کی اشرافیہ اگر خوراک کو ہر سال ٹنوں کے حساب سے ضائع کرنا چھوڑ دیں تو دنیا کے ماحول پر دباؤ کم ہو جائے گا۔ خوراک کا زرعی اجناس سے تیار یا نیم تیار شدہ غذا تیار کرنے کا عمل اب سادہ نہیں رہا۔ اب غذا کئی صنعتی مراحل سے گزر کر ہمارے ہاتھوں تک پہنچتی ہے۔ پروسیسنگ اور پیکجنگ وغیرہ اب بہت پیچیدہ ہو چکے ہیں۔ کھانے کی تقریباً تمام چھوٹی بڑی اشیا کی کئی اقسام کی پیکنگ ضروری ہے، خوراک کے ضیاع کے علاوہ یہ تمام پیکنگ بھی کچرے میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ ان تمام اقسام پیکنگ کی صنعتی تیاری بڑے پیمانے پر فضائی آلودگی کا بڑا سبب ہے۔ ترقی یافتہ ممالک اور ترقی پزیر ممالک کے بڑے شہروں میں جس قدر خوراک کا ضیاع ہوتا ہے، کتاب "WASTE" اس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے بتاتے ہیں کہ TRISTRAM STUART کے مصنف خوراک کا ضیاع نہ صرف یہ کہ ماحولیاتی مسائل کو جنم دیتا ہے، بلکہ ہر سال غذا کے بڑے پیمانے پر ضیاع کی وجہ سے ترقی یافتہ ممالک کی حکومتیں عالمی مارکیٹ سے زیادہ سے زرعی اجناس کی خریداری کرتی ہیں، جس کی وجہ سے ان اجناس کی خریداری دیگر ممالک کے لیے بے حد مشکل ہو جاتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کے اس طرز عمل کی وجہ سے غذائی اجناس عالمی مارکیٹ سے غائب ہو کر

بالآخر ان ممالک کے کچرادان میں پہنچ جاتی ہیں۔ جس طرح بڑھتی آلودگی صنعتی عوامل کے ساتھ ساتھ انفرادی طور پر ہمارے طرز عمل سے وابستہ ہے، اسی طرح ہمیں یہ بات بھی مان لینی چاہیے کہ دنیا خوراک کے ضیاع سے متعلق ہمارے طرز سے بھی متاثر ہو رہی ہے۔

بہر حال یہ ایک افسوس ناک صورت حال ہے کہ ایسے ممالک میں بھی جہاں غربت عام ہے، خوراک کا بے دریغ ضیاع معمول بن چکا ہے۔ ہم روز اپنے گھروں کے کچن میں اتنا کھانا ضائع کر دیتے ہیں، جو گلی محلے میں کسی ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ہمارے شادی ہالوں میں روزانہ اس قدر زیادہ کھانا ضائع ہوتا ہے کہ شادی ہالوں کے بچے ہوئے کھانے سے شاید شہر کے تمام حاجت مندوں کا پیٹ بھرا جاسکے۔ ہمارے ملک میں ہوٹلوں میں ایک وقت میں کئی کئی کلو اور بڑے بڑے ہوٹلوں میں کئی کئی من روٹی اور سالن و دیگر اشیا مثلاً سلاد دہی اور دیگر بہت سامان ضائع کر دیا جاتا ہے، اگر ضائع ہونے والی اسی خوراک کو پھینکنے کی بجائے اگر غربا میں تقسیم کر دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ بہت سے غریبوں کا پیٹ بھر سکتا ہے، بلکہ دنیا سے بھوک کا مکمل خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔

پاکستان: انسانی اسمگلنگ کی تشویشناک صورتحال

بہتر ذریعہ معاش کے متلاشی غریب نوجوانوں اور جنسی تجارت کے لیے زیادہ تر خواتین و بچوں کی اسمگلنگ میں ملوث گروہوں کے لیے پاکستان بدستور ایک منزل مقصود، راہداری اور منبع مانا جاتا ہے۔ انسانی اسمگلنگ سے مراد بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پیسے لے کر خفیہ طور پر یا دھوکا دہی کے ذریعے کسی شخص کو دوسرے ملک کی سرحد عبور کراتے ہوئے اس ملک میں داخل کرانا ہے۔ انسانی اسمگلنگ کی دیگر اقسام کے مقابلے میں پاکستان میں زیادہ تر ایسے افراد کی اسمگلنگ کے واقعات پیش آتے ہیں، جو بہتر روزگار کی تلاش میں غیر قانونی طریقوں سے یورپ، مشرق وسطی اور دیگر ممالک کا سفر کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ بیرون ملک مقیم پاکستانی اگرچہ 17 ارب ڈالر کے لگ بھگ ماہانہ زرمبادلہ ملک کو ارسال کرتے ہیں اور پاکستانی معیشت کو سہارا دیے ہوئے ہیں، لیکن یہ بھی ایک بڑا المیہ ہے کہ افرادی قوت کی غیر قانونی اسمگلنگ بھی وطن عزیز کا ایک بہت بڑا مسئلہ بن چکی ہے۔ بے روزگاری، غربت و افلاس اور بدامنی کے باعث غیر قانونی طور پر بیرون ملک جانے والے پاکستانیوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، لیکن حکومت کی طرف سے نہ تو اس انسانی اسمگلنگ کی روک تھام کے لیے مضبوط اقدامات کیے جا رہے ہیں اور نہ ہی انسانی اسمگلنگ کے اسباب کا سدباب کیا

جارہا ہے۔ گزشتہ دنوں سپریم کورٹ آف پاکستان نے پاکستانیوں کے غیر قانونی طریقے سے بیرون ملک جانے کے معاملے کا نوٹس لے کر ایف آئی اے سے تفصیلات طلب کرتے ہوئے کہا کہ "پاکستان میں لوگوں کے لیے رہنا ناممکن ہوگیا ہے۔ ملک میں روزگار بھی نہیں، اس لیے لوگوں میں باہر جانے کا تصور فروغ پا رہا ہے۔ ملک کے ایماندار اور قابل لوگ مایوس ہو کر روزگار کے لیے بیرون ملک جانے کو ترجیح دے رہے ہیں۔ بے روزگاری، افراتفری اور گڈ گورننس کا فقدان ہوتا ہے تو مایوس شخص مجبور ہو کر بیرون ملک لے جانے والی غیر قانونی لانچ پر چڑھ جاتا ہے۔" یہ حقیقت ہے کہ غیر قانونی طریقے سے دوسرے ملک میں داخل ہونا انتہائی مشکل اور ایک بہت اذیت ناک سفر ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ دوسرے ممالک کی سرحد عبور کرتے ہوئے مختلف طرح سے اپنی جان گنوا بیٹھتے ہیں۔ غیر قانونی سرحد عبور کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد راستے میں ہی یا تو گرفتار ہوجاتی ہے یا پھر سرحدی فوجیوں کی گولیوں کا نشانہ بن جاتی ہے۔ کچھ لوگ مختلف ممالک میں صحرائی علاقوں سے داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن طویل صحرا میں پانی اور کھانے کی اشیاء کے ختم ہوجانے اور مسلسل چلنے کی وجہ سے راستے میں ہی دم توڑ دیتے ہیں۔ بہت سے افراد بحری جہازوں کے تہہ خانوں میں دم گھٹنے سے یا پھر پکڑے جانے کے خوف سے ایجنٹس کے ہی ہاتھوں سمندر برد کردیے جانے سے مرجاتے ہیں۔ ماضی میں ایسے بیسویں واقعات پیش آتے رہے ہیں، جن میں بہت سے پاکستانی دوسرے ممالک میں داخل ہونے کی کوشش میں بھوکے، پیاسے رہنے

دم گھٹنے اور دیگر کئی طریقوں سے موت کے منہ میں چلے گئے ہیں۔

گزشتہ سال اقوام متحدہ نے اپنی رپورٹ میں پاکستان میں انسانی اسمگلنگ کے بڑھتے رجحان پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان میں بڑھتی ہوئی غربت، بے روزگاری اور عدم تحفظ کے باعث انسانی اسمگلنگ کی صورتحال سنگین ہوتی جا رہی ہے۔ صورت حال میں تبدیلی نہ آئی، تو خدشہ ہے کہ پاکستان کو ملنے والی بین الاقوامی امداد میں کٹوتی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان پڑھ و غریب عوام کنبے کی کفالت اور بہتر مستقبل کے لیے آئے دن انسانی اسمگلرز کا شکار بن کر نہ صرف اپنی عمر بھر کی جمع پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، بلکہ دیار غیر میں صعوبتیں بھی برداشت کرتے ہیں۔ جبکہ گزشتہ ماہ امریکی محکمہ خارجہ نے اندرونی اور بیرونی انسانی اسمگلنگ اور ٹریفکنگ میں ملوث افراد اور گروہوں کے خلاف حکومتی کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے پاکستان کو ٹیئر ٹو کیٹیگری میں شامل کیا۔ اس سے قبل پاکستان کو 2009 میں ٹیئر ٹو کیٹیگری کی واچ لسٹ میں شامل کیا گیا تھا۔ تاہم ہیومن ٹریفکنگ کے خلاف غیر موثر کارکردگی کے باعث ایک مرتبہ پھر پاکستان کو واچ لسٹ میں شامل کیا گیا۔ امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی جاری کردہ رپورٹ میں انکشاف کیا گیا کہ انسانی اسمگلر نہ صرف پاکستانیوں کو ہیومن ٹریفکنگ کا نشانہ بناتے ہیں، بلکہ دنیا کے دیگر ممالک کے شہریوں کی ٹریفکنگ کے لیے پاکستان کو ٹرانزٹ کے طور

پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اندرون ملک خاص طور پر بچوں کو جبری مشقت اور جسم فروشی کا نشانہ بنایا جاتا ہے، جبکہ عورتوں کو منظم نیٹ ورک کے ذریعے جسم فروشی کی مارکیٹ میں پیش کیا جاتا ہے۔ عورتیں اور کم عمر لڑکیاں شادی کے لیے فروخت کی جاتی ہیں۔ ان کے شوہر انھیں افغانستان اور ایران میں جسم فروشی پر مجبور کرتے ہیں۔ بڑی تعداد میں پاکستانی مرد اور عورتیں رضاکارانہ طور پر عرب ممالک، ایران، ترکی، جنوبی افریقا، یوگنڈا، مالدیپ، آسٹریلیا، یونان، اسپین اور دیگر یورپی ممالک میں غیر ہنر مند ملازمتوں کے لیے اسمگل کیے جاتے ہیں۔ پاکستانی مردوں سے عرب ممالک میں جبری مشقت، عورتوں اور کم عمر لڑکیوں کو متحدہ عرب امارات میں جسم فروشی پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اس کے عوض غیر قانونی ریکروٹمنٹ ایجنٹ اور سب ایجنٹوں کو پاکستان کے لائسنس یافتہ ریکروٹنگ ایجنٹ بھاری رقم کی ادائیگی کرتے ہیں۔ پاکستانی بچوں کو ایران اور پاکستان کے سرحدی علاقوں میں جسم فروشی پر مجبور کیا جاتا ہے اور معذور افراد سے ایران میں زبردستی گداگری کرائی جاتی ہے اور بعض اوقات انھیں دانستہ معذور کیا جاتا ہے۔ امریکی رپورٹ میں حکومت پاکستان پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہا گیا کہ حکومت پاکستان ہیومن ٹریفکنگ کے خلاف کم از کم موثر کارکردگی دکھانے میں ناکام رہی ہے اور تاحال ہیومن اسمگلنگ اور ٹریفکنگ کو ایک ہی مسئلے کے طور پر دیکھ رہی ہے، جبکہ بین الاقوامی قوانین کے تحت علیحدہ قسم کے جرائم ہیں۔ پاکستان حکومت مجوزہ اینٹی ٹریفکنگ بل کو قانون ساز اسمبلی میں پیش کرنے

اور پکڑے جانے والے افراد کو سزائیں دلوانے میں ابھی تک حال ناکام ہیں۔ حکومت کی جانب سے جسم فروشی اور جبری مشقت کے متاثرہ افراد کی مدد اور اس منظم جرائم میں ملوث افراد کی سرکوبی کے لیے کی جانے والی کوششیں جامع کرپشن کا نظام زائل کر دیتا ہے۔

بین الاقوامی سطح پر اسمگلنگ ایک منظم اور بھیانک جرم ہے، اس جرم سے کسی قسم کا فائدہ حاصل کرنا یا کسی قسم کی معاونت کرنا بھی جرم ہے۔ یہ ایک منظم جرم اور بڑا منافع بخش کاروبار اور پیسہ کمانے کا آسان طریقہ ہے، جس میں ایجنٹس کے پورے پورے نیٹ ورکس ملوث ہوتے ہیں۔ بہتر معاشی مستقبل، غربت کی وجہ سے اکثر لوگ بیرون ملک جانے کی کوششیں کرتے ہیں۔ ایجنٹس نیٹ ورکس ان کو قانونی طریقے سے باہر لے جانے کی بجائے غیر قانونی طریقوں سے سرحد عبور کرانے کا انتظام کرتے ہیں اور اس انتظام کرنے پر بھاری رقوم بھی حاصل کرتے ہیں۔ ملک کے تمام بڑے شہروں میں ایسے ایجنٹ موجود ہیں جو لوگوں کو غیر قانونی طور پر باہر بھیجتے ہیں یا جعلی دستاویزات کے ذریعے ان سے بھاری رقوم بٹور کر انہیں روانہ کر دیتے ہیں، چنانچہ دوسرے ملکوں میں ان کا غیر قانونی داخلہ ان کے لیے عذاب بن جاتا ہے۔ وہ جیلوں اور تھانوں میں مصائب برداشت کرتے ہیں اور ایجنٹوں کے پاس اپنی زندگی بھر کی جمع پونجی لٹانے کے بعد ان کے پاس ان ملکوں میں اپنے قانونی دفاع کے لیے بھی کچھ نہیں بچتا، یہ

غیر قانونی دھندا اس لیے بھی مسلسل فروغ پا رہا ہے کہ ان ایجنٹوں کے بااثر شخصیات اور متعلقہ اداروں سے موثر رابطے ہوتے ہیں اور ان میں بیشتر قانون کی گرفت سے محفوظ رہتے ہیں۔ انسانی اسمگلنگ کے حوالے سے وفاقی تحقیقاتی ادارے میں امیگریشن ڈائریکٹر ظفر اقبال اعوان کہتے ہیں کہ انسانی اسمگلنگ ایک عالمی مسئلہ، منظم جرم اور بڑا منافع بخش کاروبار اور پیسہ کمانے کا آسان طریقہ ہے، جس میں ایجنٹوں کے پورے پورے نیٹ ورک ملوث ہیں۔ بہتر معاشی مستقبل، غربت اور امن وامان کی خراب صورتحال کی وجہ سے اکثر لوگ بیرون ملک جانے کی کوششیں کرتے ہیں۔ ایجنٹ اور نیٹ ورک بجائے ان کو قانونی طریقے سے باہر لے جائیں، ان کو غیر قانونی طریقوں پر لگا دیتے ہیں اور اس سارے عمل میں بہت سارے پیسے ملوث ہوتے ہیں۔ ایران کے ساتھ پاکستان کی سرحد 900 کلومیٹر طویل ہے، جہاں سے انسانی اسمگلنگ میں ملوث نیٹ ورک کی سرگرمیاں سب سے زیادہ ہیں، کیونکہ صرف تافتان کے مقام پر دونوں ملکوں کے درمیان امیگریشن مرکز ہے اور وہ بھی سہولتوں کے فقدان کا شکار ہے۔ یہ حالات انسانی اسمگلنگ میں ملوث گروہوں کے لیے خاصی کشش کا باعث ہیں۔

پاکستان میں بلوچستان سے ایران پھر ترکی اور پھر وہاں سے یونان یہ ایک روایتی راستہ رہا ہے اور جب اسمگل کیے جانے والے افراد وہاں پہنچ جاتے ہیں، بشمول یورپی ملکوں میں تو وہاں موجود ایجنٹ انھیں ان کی مرضی کی منزلوں پر

بھیج دیتے ہیں۔ ہمسایہ ملک افغانستان میں بھی اقتصادی بدحالی اور امن وامان کی خراب صورت حال سے پریشان وہاں کے باشندوں کو مغربی اور خلیجی ممالک کی طرف اسمگل کرنے کے لیے پاکستان کو راہداری کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ دونوں ملکوں کے درمیان 2400 کلومیٹر طویل سرحد پر صرف چمن اور طورخم کے مقام پر دو امیگریشن پوسٹیں ہیں اور محض 5 فیصد افراد بین الاقوامی مسافر ہوتے ہیں۔ ایران سے سالانہ تقریباً 15 ہزار، جبکہ عمان سے لگ بھگ 7 ہزار پاکستانیوں کو گرفتاری کے بعد ملک بدر کرکے پاکستانی حکام کے حوالے کیا جاتا ہے۔ تاہم انسانی اسمگلنگ کا شکار ہونے والے افراد کی سالانہ مجموعی تعداد بتانا مشکل ہے۔ ملک میں انسانی اسمگلنگ کے مطلوب خطرناک ملزمان کی تعداد 4 سال میں 89 سے بڑھ کر 141 تک جا پہنچی ہے، جن کے تقریباً 8 ہزار ایجنٹ ہیں۔ 2009 سے 2014 تک 61200 افراد کو بیرون ملک جانے کی کوشش پر پاک ایران اور پاک افغان سرحد پر گرفتار کیا گیا، جبکہ یہ لوگ 8 ہزار سے زاید افراد کو مشرق وسطی، یورپی اور افریقی ممالک اسمگل کرچکے ہیں۔ انسانی اسمگلر عموماً گلستان، چمن، نوشکی، چاغی، مند بلو، پنج گور، تافتان اور تربت کے راستے استعمال کرتے ہیں۔ ایف آئی اے بعض انتہائی مطلوب انسانی اسمگلروں کے ریڈ وارنٹ جاری کرچکا ہے۔ ان کی تعداد میں مزید اضافہ ہورہا ہے۔ یہ ایجنٹ لوگوں کو انتہائی تھوڑی رقم میں دوسرے ممالک میں بھیجنے کا جھانسا دیتے ہیں اور ان سے پیسے لے کر انہیں کسی دوسرے ایجنٹ کے ہاتھوں فروخت کردیتے ہیں۔

محتاط اندازوں کے مطابق پاکستان میں سرگرم عمل انسانی اسمگلر اس غیر قانونی کاروبار سے تقریباً 15 کروڑ ڈالر سالانہ کماتے ہیں۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کا کہنا ہے کہ پاکستانی حکومت کو چاہیے کہ انسانی اسمگلنگ کے بڑھتے ہوئے رجحان کی وجوہات کا سدباب کرے، انسانی اسمگلروں کی بیخ کنی کے ساتھ ساتھ ملک سے بے روزگاری اور غربت کا خاتمہ کرے، تاکہ غریب عوام کسی دھوکے باز کے ہاتھوں اپنا مال اور جان نہ گنوا بیٹھے۔ انسانی اسمگلنگ سے ایک طرف جہاں بین الاقوامی سطح پر ملک کی بدنامی ہوتی ہے، وہیں غیر قانونی طور پر بیرون ملک جانے والے پاکستانی یا تو پکڑے جاتے ہیں یا پھر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق صرف 2 فیصد افراد ہی اپنی منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہو پاتے ہیں۔ سمندر میں ڈوب کر مرنے والے اور کنٹینرز میں دم گھٹنے سے ہلاک ہونے والے افراد اپنے بعد انتہائی المناک داستانیں چھوڑ جاتے ہیں، مگر اس کے باوجود حکومتی اداروں کی خاموشی معنی خیز ہے۔ انسانی اسمگلنگ میں ملوث ایجنٹ ملک بھر میں دندناتے پھر رہے ہیں اور معصوم نوجوانوں کو اپنے جال میں پھنسا رہے ہیں۔ حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نہ صرف انسانی اسمگلنگ کی روک تھام کے لیے بھرپور اقدامات کرے، بلکہ اس گھناؤنے کام میں ملوث افراد کو بھی عبرت ناک سزا دی جائے، تاکہ آئندہ وہ پیسے کے لالچ میں لوگوں کی زندگیوں سے نہ کھیل سکیں۔

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اظہار رائے کی نام نہاد آزادی کے خود ساختہ نظریے کی آڑ میں فرانس کے دریدہ دہن جریدے "چارلی ہیبڈو" نے جس طرح کائنات کی سب سے محترم، مقدس اور محسن شخصیت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرکے اپنی پست و غلیظ سوچ آشکار کی ہے، وہ انتہا پسندی کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ جریدے کے مالکان کی یہ گستاخانہ حرکت نہ صرف صحافتی دہشت گردی ہے، بلکہ بین الاقوامی سطح پر بدترین و سنگین ترین دہشت گردی ہے۔ متعصب اہل مغرب کی ہلہ شیری پر گستاخ جریدے کی جانب سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے "خاکے" شائع کیے جانے پر پورا عالم مضطرب اور غم و غصے میں مبتلا ہے۔ ہر مسلمان کا دل انتہائی رنجیدہ ہے۔ رنجیدہ ہونا ایک فطری امر ہے، کیونکہ مسلمان چاہے جتنا بھی گناہ گار ہو، خدا کے بعد اس کے پاس سب سے مضبوط سہارا شفیع المذنبین کی ذات اطہر کا ہی سہارا ہوتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کے نزدیک اپنی جان، مال، دولت اور تمام رشتہ داروں سے بھی عزیز ہیں۔ اسی لیے آپ علیہ السلام کی ناموس کے معاملے میں ہر مسلمان کی زبان پر "فداک ابی و امی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"، "میرے ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے الفاظ ہوتے ہیں۔ ہر مسلمان کی پوری جمع پونجی، ٹوٹل اثاثہ اور کل کائنات وہی ذات ستودہ

صفات ہے، جس کا نام نامی لیتے ہوئے زندگی کا خوشگوار ترین احساس ہوتا ہے۔ بقول منیر نیازی مرحوم

میں جو اک برباد ہوں، آباد رکھتا ہے مجھے
دیر تک اسم محمد شاد رکھتا ہے مجھے

مغرب کے قوانین اور نظریے سب سے انوکھے و نرالے ہیں، وہاں ہر چیز کے حقوق متعین ہیں، لیکن وہ عظیم ہستیاں جنہوں نے اس روئے زمین کو اپنی روشن وارفع تعلیمات سے منور کیا، ان کی کھلے عام توہین کی جاتی ہے۔ کیا کسی بھی یاوہ گو، دریدہ دہن، خبطی شخص کو ان مقدس شخصیات کی ذات عالی پر کیچڑ اچھالنے کا "حق" حاصل ہونا نام نہاد آزادی اظہار رائے کا حق ہے؟ اگر اسی کو آزادی اظہار رائے کا حق کہتے ہیں تو پھر مغرب کی اس سے بڑی منافقت کیا ہوگی کہ ایک طرف ہولوکاسٹ کے تاریخی افسانے پر اظہار رائے کی آزادی سلب اور زبان کھولنا سنگین جرم، جبکہ دوسری جانب آزادی اظہار رائے کے نام پر محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا حق قرار دیا جائے۔ دراصل مغرب نے اسلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہمیشہ منافقت سے کام لیا ہے۔ یہ نہ صرف اہل مغرب کی منافقت ہے، بلکہ ان کی زینت میں بھری وہ غلیظ سوچ ہے، جسے وہ نام نہاد تہذیب کا نام دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں گستاخی کرنا ان بدبختوں کی فطرت

کا حصہ ہے، جس پر یہ ہمیشہ سے عمل کرتے آئے ہیں۔

کہاں رفعت محمد کی، کہاں تیری حقیقت ہے
شرارت ہی شرارت تیری بے چین فطرت ہے

یہ حقیقت ہے کہ گستاخوں کی یہ بے چینی صرف اور صرف اسلام میں روز فزوں ترقی کی وجہ سے ہے۔ جوں جوں یہ گستاخ لوگ اسلام اور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنی پراگندہ و بدبودار سوچ کے ذریعے گھناؤنے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کرتے ہیں توں توں اسلام میں دلچسپی و مسلمانوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ گزشتہ چند سال میں مسلمان کی تیزی سے بڑھتی ہوئی تعداد اس بات کی گواہ ہے۔ نائن الیون کے بعد جوں ہی اہل مغرب نے اسلام کے خلاف پروپیگنڈا شروع کیا، تو ساری دنیا کی توجہ اسلام کی طرف مبذول ہوئی اور مغرب میں لوگوں نے اسلام، قرآن اور اسلامی تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بارے میں گہرائی سے مطالعہ کرنا شروع کردیا۔ فطری طور پر اس دلچسپی نے ساری دنیا میں قبولیت اسلام کا دروازہ کھول دیا۔ اسلام کے مطالعے کے بعد لوگ اسلام سے متاثر ہو کر جوق در جوق اسلام کے دائرے میں داخل ہونے لگے۔ اسلام کے پھیلتے دائرے کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ مغربی خاتون صحافی "اوریانہ فلاسی" کہتی ہے کہ آنے والے بیس سالوں میں پورے یورپ کے کم از کم چھ بڑے شہر اسلام کی کالونی بن جائیں گے، کیونکہ ان شہروں میں

مسلمان کل آبادی کا تیس سے چالیس فیصد تک ہو جائیں گے۔ ایک متنازعہ مصنف میشل ہولیبیک نے اپنے ایک ناول میں ایک فرضی، تخیلاتی خاکہ کشی کی ہے۔ وہ 2022ء کے فرانس کا منظر تصور کرتے ہوئے لکھتا ہے: "ایک مسلمان صدر اقتدار میں آ جاتا ہے اور فرانس کے تمام اسکولوں میں مذہبی تعلیم کو لازمی قرار دیتا ہے، ساتھ ہی خواتین کے کام کرنے پر پابندی عاید کر دیتا ہے اور فرانس میں ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دے دی جاتی ہے۔"

اسلام کی تیزی سے بڑھتی مقبولیت و ترقی کے باعث دشمنانِ اسلام کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے ہیں اور اسلام کے بڑھتے کاروانِ نور کو گل کرنے کی ہر ممکنہ کوششوں میں جتے ہوئے ہیں۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ لاکھ بھونڈے حربوں کے باوجود یہ بدبخت لوگ اسلام کی پھیلتی ہوئی کرنوں کو روکنے میں ناکام رہے ہیں، یہ ناکامی ہی ان کی بے چینی کا سبب بن رہی ہے، جس کے باعث یہ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف اپنے گھٹیا حربے آزماتے ہیں، لیکن ناکام لوٹتے ہیں۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ چاند کی چاندنی کتوں سے گوارا نہیں ہوتی، لیکن وہ اس کو ماند و مدھم بھی نہیں کر سکتے، اس طرح بے بس کتے اپنی بے چین و خصلت بد کا مظاہرہ چاند کو بھونک کر کرتے ہیں۔ بھونکنا چونکہ کتوں کی فطرت ہے، اس لیے یہ قیامت تک چمکتے چاند کو بھونکتے رہیں گے، لیکن ان کے بھونکنے سے نہ تو آج تک چاند کی چاندنی ماند پڑی ہے اور نہ ہی قیامت تک اس

میں کوئی کمی آئے گی۔

آپ علیہ السلام کی شان مقدس میں گستاخی کرنے والے لوگ وجہ کائنات، رسالت مآب، محسن انسانیت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی کرنوں کو پھیلتا ہوا دیکھ کر چیں بجبیں و غمزدہ ہوتے ہیں۔ اسلام کی روشنی کا دن بدن تیزی کے ساتھ پھیلنا ان کو گوارا نہیں ہوتا، اسلام کی روز بروز ترقی ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی، لیکن اسلام کے پھیلتے ہوئے نور کو روک بھی نہیں سکتے۔ پھر یہ لوگ اپنی پریشانی، بے بسی، بغض و عناد اور اپنی خصلت بد کا اظہار انسان کو انسانیت سکھانے والی سب سے محترم و عظیم ذات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرکے کرتے ہیں، لیکن یہ بات واضح ہے کہ یہ بدبخت لوگ جیسے بھی حربے استعمال کرلیں، لیکن اسلام کی پھیلتی روشنی کو کسی صورت نہیں روک سکتے، ہاں قیامت تک مختلف حربوں کے ذریعے اپنی بدبختی کا اظہار کرتے رہیں گے، جس سے نہ تو آج تک اسلام کو کوئی نقصان پہنچا ہے اور نہ ہی قیامت تک پہنچے گا۔ سورہ صف میں ارشاد ہے: یہ (منکرین حق) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ (کی پھونکوں) سے بجھادیں، جبکہ اللہ اپنے نور کو پورا فرمانے والا ہے، اگرچہ کافر کتنا ہی ناپسند کریں۔ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے سب ادیان پر غالب و سربلند کردے، خواہ مشرک کتنا ہی ناپسند کریں۔"

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ٹارگٹ کلنگ میں اضافہ.... کراچی آپریشن پر سوالیہ نشان !

وزیراعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کی "کپتانی" میں 2013ء سے کراچی میں ٹارگٹ کلرز اور دیگر جرائم پیشہ افراد کے خلاف ٹارگٹڈ آپریشن جاری ہے، جس میں حکومت کے دعوے کے مطابق 12 ہزار دہشتگردوں کو گرفتار کیا جا چکا ہے، لیکن اس کے باوجود کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کا سلسلہ تھم نہ سکا۔ کراچی کا کوئی بھی باسی دہشتگردوں کی کارروائیوں سے محفوظ نہیں ہے۔ دہشتگرد جب، جہاں چاہیں، ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنا ڈالتے ہیں۔ وزیراعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کا کہنا ہے کہ سندھ حکومت نے کراچی سمیت صوبے بھر میں امن وامان کی صورتحال کو بہتر کردیا ہے۔ پولیس نے دہشت گردوں کے گرد گھیرا تنگ کیا ہے۔ جبکہ جمعہ کے روز گورنر ہاؤس میں اجلاس کے دوران وزیراعظم میاں نواز شریف نے کراچی آپریشن کے "کپتان" وزیراعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کو کراچی میں حالات کی صورتحال پر شاباش دیتے ہوئے کہا کہ کراچی میں امن وامان قائم کرنے کا کریڈٹ وزیراعلیٰ سندھ کو جاتا ہے۔ اجلاس میں وزیراعلیٰ سندھ نے وزیراعظم نواز شریف کو بریفنگ دیتے ہوئے بتایا کہ نیشنل ایکشن پلان کے 14 نکات پر عملدرآمد کے لیے حکمت عملی تیار کرلی گئی ہے، اس حوالے سے 4 کمیٹیاں بنا کر عملدرآمد شروع کر دیا گیا ہے۔ جبکہ ڈی جی رینجرز کا کہنا تھا کہ ٹارگٹ کلرز اور جرائم پیشہ افراد کے

خلاف بلا امتیاز آپریشن جاری ہے۔ شہریوں، تاجروں، صنعتکاروں اور ڈاکٹروں کی حفاظت یقینی بنائی جائے گی۔ دوسری جانب مذہبی و سیاسی جماعتوں کے کارکنان کی ٹارگٹ کلنگ میں کوئی کمی ہوتی دکھائی نہیں دے رہی۔ مذہبی و سیاسی جماعتیں اپنے کارکنوں کی ہلاکتوں پر مسلسل احتجاج بھی کر رہی ہیں۔ اس کے ساتھ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کی روک تھام میں ناکامی پر بعض سیاسی جماعتوں نے آپریشن کے "کپتان" کی برطرفی کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ اتوار کے روز بھی کراچی میں اہلسنّت والجماعت کے 3 کارکنوں سمیت 4افراد ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنے ہیں۔ اہلسنت والجماعت کے رہنماؤں کا کہنا ہے کہ کراچی میں اہلسنّت پر زمین تنگ کی گئی ہے، ملزمان گرفتار نہ ہوئے تو شدید احتجاج کریں گے۔ کراچی میں فوجی آپریشن کرکے شہر کو اسلحہ سے پاک کیا جائے۔ کراچی میں بدامنی کی تازہ لہر پر گہری تشویش ہے، وقت آگیا ہے کہ مذہبی اور غیر مذہبی کی تفریق چھوڑ کر پاکستان میں دہشت گردی کے ناسور کو کچل دیا جائے، کسی بھی صورت دہشت گردی پاکستان کے مفاد میں نہیں ہے۔

کراچی میں ایک سال سے زاید عرصے سے دہشتگردوں کے خلاف جاری آپریشن کے باوجود دہشتگردی آزادی کے ساتھ ٹارگٹ کلنگ کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں، جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ رواں سال کے پہلے مہینے جنوری میں دہشتگردوں نے انتہائی بے دردی کے ساتھ 119 افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے، جن میں پولیس افسران واہلکار، رینجرز جوان، سیاسی و مذہبی جماعتوں کے

عہدیدار و کارکنان کے علاوہ ڈاکٹرز، وکیل اور شہری شامل ہیں۔ شہر میں پولیس اور رینجرز کے ٹارگٹڈ آپریشن، محاصروں اور چھاپہ مار کارروائیوں کے باوجود ٹارگٹ کلنگ کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ پولیس و رینجرز کی جانب سے ٹارگٹ کلرز، دہشت گردوں اور جرائم پیشہ افراد کی گرفتاریوں کے حوالے سے روزانہ کی بنیاد پر دعوے کیے جاتے رہے، تاہم شہر میں قتل و غارت گری کا نہ رکنے والا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ یکم جنوری کو دو افراد کو فائرنگ کا نشانہ بنا کر ہمیشہ کی نیند سلادیا گیا۔ 2 جنوری کو پولیس اہلکار سمیت 6 افراد کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ 3 جنوری کو 3 اور 4 جنوری کو پولیس اہلکار سمیت 5 افراد کو دہشتگردوں نے اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا۔ 5 جنوری کو پولیس اہلکار سمیت 5 افراد جاں بحق ہوئے۔ 6 جنوری کو دہشت گردوں کی فائرنگ سے رینجرز کے اہلکاروں سمیت 9 افراد زندگی کی بازی ہار گئے۔ 7 جنوری کو 3 پولیس اہلکاروں 2 سمیت 7 افراد کو ابدی نیند سلادیا گیا۔ 8 جنوری کو 3 پولیس اہلکاروں سمیت 6 افراد سے جینے کا حق چھین لیا گیا۔ 9 جنوری کو 3 افراد، 10 جنوری کو 7 افراد زندگی سے محروم کردیے گئے۔ 11 جنوری کو فائرنگ کے واقعات میں 2 افراد مارے گئے۔ 12 جنوری کو پولیس اہلکاروں سمیت 5 افراد قتل کردیے گئے۔ 13 جنوری کو 3 افراد سے زندگی چھین لی گئی۔ 14 جنوری کو پولیس اہلکار سمیت 2 افراد کو مار دیا گیا۔ 15 جنوری کو 3 اور 16 جنوری کو 4 افراد دہشت گردی کی بھینٹ چڑھ گئے۔ 17 جنوری کو 2 پولیس اہلکاروں سمیت 3 افراد زندگی کی بازی ہار گئے۔ 18

جنوری کو 2 پولیس اہلکاروں سمیت 9 افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ 19 جنوری کو 2 افراد دہشت گردوں کی گولیوں کا نشانہ بنے۔ 20 جنوری کو 3 افراد، جبکہ 21 جنوری کو 4 افراد سے جینے کا حق چھین لیا گیا۔ 22 جنوری کو فائرنگ کے واقعات میں 4 افراد قتل ہوئے۔ 23 جنوری کو 3 شہری جان کی بازی ہار گئے۔ 24 جنوری کو فائرنگ و تشدد کے واقعات میں 3 افراد ابدی نیند سلا دیے گئے۔ 25 جنوری کو 3 افراد دہشتگردی کا نشانہ بنے۔ 26 جنوری کو پولیس اہلکار سمیت 4 افراد دہشتگردوں کی سفاکیت کی بھینٹ چڑھ گئے۔ 27 جنوری کو 3 اور 28 جنوری کو 3 افراد درندگی کا نشانہ بنے۔ 29 جنوری کو فائرنگ سے ایک شہری جاں بحق ہوا۔ 30 جنوری کو وزیر اعظم پاکستان نواز شریف کی شہر میں آمد کے موقع پر شہر میں پولیس اور رینجرز انتہائی متحرک رہی اور اس دن ٹارگٹ کلنگ کا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا، جبکہ اگلے ہی روز 31 جنوری کو فائرنگ کے واقعات میں دہشتگردوں نے 2 افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بننے والے افراد کا تعلق تمام شعبہ ہائے زندگی سے تھا، جبکہ مذہبی رہنماؤں کے مطابق مذہبی طبقے کو خاص طور پر نشانہ بنایا جارہا ہے، اس لیے مذہبی جماعتوں کے کارکنان کو فوری تحفظ فراہم کیا جائے۔

کراچی میں سیاسی مخالفین اور مختلف جماعتوں کے کارکنوں کی ہلاکتوں کے بعد پیشہ ور افراد خاص طور پہ ڈاکٹروں، وکیلوں، پولیس اور رینجرز اہلکاروں کی

ٹارگٹ کلنگ میں اضافہ ہوا ہے، جس سے تنگ آ کر شہر کے بیشتر علاقوں میں کئی کئی عشروں سے اپنے کلینک چلانے والے کئی ڈاکٹرز گھر بیٹھ گئے ہیں یا پھر انہوں نے بیرون ملک سکونت اختیار کرنا شروع کر دی ہے۔ سال کے پہلے ماہ جنوری میں ہی پانچ ڈاکٹروں کو ٹارگٹ کلنگ میں قتل کر دیا گیا ہے، جس کے باعث ڈاکٹروں میں خوف پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹرز کی ٹارگٹ کلنگ کے خلاف پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کی جانب سے سرکاری اور غیر سرکاری ہسپتالوں میں او پی ڈیز بند رکھنے کا اعلان کیا گیا تھا، جس کے بعد کراچی کے مختلف ہسپتالوں میں ڈاکٹرز اور پیرامیڈیکل اسٹاف ٹارگٹ کلنگ کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔ ٹارگٹ کلنگ کے خلاف شہر بھر کے ڈاکٹروں نے احتجاج کرتے ہوئے تمام سرکاری اور نجی ہسپتالوں کی او پی ڈیز میں کام بند کر دیا ہے۔ کراچی میں ڈاکٹروں کی ٹارگٹ کلنگ کے خلاف پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن، پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن، سندھ ڈاکٹر ویلفیئر ایسوسی ایشن، پرائیویٹ ہاسپٹل اینڈ کلینکس ایسوسی ایشن اور پاکستان میڈیکل ایڈ سمیت ڈاکٹروں کی مختلف تنظیموں کی کال پر سرکاری اور نجی ہسپتالوں کے او پی ڈیز میں کام مکمل طور پر بند ہے، تاہم ہسپتالوں کی ایمرجنسیز اور ان ڈور ڈیپارٹمنٹ میں ڈاکٹرز اور طبّی عملہ بازوو ں پر سیاہ پٹیاں باندھ کر اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔ پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کراچی کے صدر پروفیسر ڈاکٹر ادریس ایدھی کا کہنا ہے کہ کراچی میں گزشتہ 2 دہائیوں سے ڈاکٹروں کی ٹارگٹ کلنگ جاری ہے، جس میں اب تک 200

کے قریب ڈاکٹر قتل کیے جا چکے ہیں۔ 2014 میں 17 ڈاکٹرز کو قتل کیا گیا، جبکہ رواں برس اب تک 5 مسیحاؤں کو زندگی سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹروں کی تنظیموں نے ہر مقتدر شخصیت اور ادارے سے بات کرنے کی کوشش کی، لیکن کسی نے بھی اس معاملے پر کان نہیں دھرے، جس کی وجہ سے وہ احتجاج پر مجبور ہوئے ہیں اور اگر اب بھی ان کے مطالبات نہ مانے گئے تو ہم انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ جبکہ دوسری جانب شہر میں ڈاکٹروں کی ٹارگٹ کلنگ کی وجوہات سے متعلق پولیس کا کہنا ہے کہ "بھتہ خوری اس ٹارگٹ کلنگ کی اہم اور بنیادی وجہ ہے، ڈاکٹرز بھتہ خوروں کی نظر میں آسان ٹارگٹ ہیں۔ ڈاکٹرز زیادہ آمدنی والے افراد میں شمار ہوتے ہیں، جبکہ کلینک چلانے کے لیے زیادہ سیکورٹی رکھنے کے بھی قائل نہیں ہوتے، اس لیے بھتہ خور انہیں ڈرا دھمکا کر پیسہ وصول کرتے ہیں اور نہ دینے کی صورت میں انہیں نشانہ بنا دیا جاتا ہے، تاکہ دوسرے انکار سے ڈریں۔ شہر میں بدامنی، دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے سیاسی و مذہبی رہنماؤں نے کہا ہے کہ حکومت امن و امان کے قیام شہریوں کی جان و مال کے تحفظ میں ناکام ہو گئی ہے۔ کراچی میں مسلسل ٹارگٹ کلنگ کراچی میں جاری آپریشن پر بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔ شہریوں کی ٹارگٹ کلنگ لمحہ فکریہ ہے۔ حکومت اور قانون نافذ کرنے والے ادارے شہریوں کے تحفظ کو یقینی بنائیں اور عوام میں پائی جانے والی بے چینی و اضطراب اور عدم تحفظ کے احساس کو دور کریں۔ شہر میں پولیس اور رینجرز کی

موجودگی اور ان اداروں پر بھاری بجٹ خرچ ہونے کے باوجود شہر میں دہشت گرد،
قاتل، چور، ٹارگٹ کلرز اور لٹیرے اپنی کارروائیاں آزادانہ طور پر کر رہے ہیں اور ایسا
محسوس ہوتا ہے کہ انہیں حکومت اور سیکورٹی اداروں کا کوئی ڈر اور خوف نہیں۔

رانگ نمبر

خود ساختہ مذہبی ٹھیکیداروں کے حوالے سے حال ہی میں ریلیز ہونے والی فلم "پی کے" بالی وڈ میں بزنس کے تمام ریکارڈ توڑ کر اپنی مقبولیت کے جھنڈے گاڑنے کے ساتھ بھارت میں ہندو مت کے ماننے والوں کے درمیان موضوع بحث بھی بنی ہوئی ہے۔ "پی کے" نے ہندوستانی معاشرے میں بھونچال برپا کر دیا ہے۔ جہاں انتہائی مقدس سمجھے جانے والے مذہبی طبقے پر سوال اٹھانا بہت بڑے "جرم" کے زمرے میں آتا ہے، "پی کے" نے اس طبقے پر بہت سے سوال اٹھا کر یہ "جرم" کیا ہے، جس کے باعث بھارت میں نہ صرف عامر خان پر بڑی لے دے ہو رہی ہے، بلکہ "پی کے" کے خلاف زبانی احتجاج سے لے کر پر تشدد احتجاج تک کیا گیا ہے۔ کئی ہندو تنظیموں کا کہنا ہے کہ "پی کے" میں ہندو مذہب کے تقاضوں اور روایات پر تلخ تبصرے کیے گئے ہیں، جو کسی صورت برداشت نہیں کیے جا سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ "پی کے" کسی مذہب پر نہیں، بلکہ مذہب کو بدنام کرنے والے نام نہاد مذہبی پیشواؤں پر تنقید کرتی ہے اور بقول "پی کے" مینیجرز کو بے نقاب کرتی ہے۔ خود ساختہ مذہبی ٹھیکیدار ہر معاشرے میں پائے جاتے ہیں، جو لوگوں کی توہم پرستی کا فائدہ اٹھا کر ان کو دھوکا دیتے ہیں اور مذہب کو تجارت اور منافع کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مجبور اور مسائل میں جکڑے سادہ لوح عوام سے بھاری بھرکم دولت سمیٹ کر ان کی

پریشانی و تکلیف میں مزید اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ خدا ایسی باتوں کا حکم نہیں دیتا، جس سے اس کی مخلوق کو تکلیف پہنچے، بلکہ ایسے تمام احکامات زمین پر موجود وہ لوگ دیتے ہیں، جو اپنے آپ کو مذہب کا ٹھیکیدار قرار دیتے ہیں۔ حقیقت میں یہ نام نہاد پیشوا مذہب کی اصل روشن و دائمی تعلیمات سے نابلد ہوتے ہیں اور مذہب کی روح کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔ ان کا مقصد تو مفادات سمیٹنا ہوتا ہے۔ اس قسم کے خودساختہ پیشواؤں کی تعداد معاشرے میں کچھ زیادہ نہیں ہے، لیکن اپنی چالاکی، ہوشیاری اور لوگوں کی مجبوری و مغلوب نفسیات کا فائدہ اٹھا کر سادہ لوح انسانوں کو زیر کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

حقائق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مذہب عرفان و ادراک اور سلامتی سے بھرپور ہوتا۔ انسان کی بے لوث بھلائی مذہب کا بنیادی مقصد ہوتا ہے، لیکن سلامتی کے محور کو بے لوث بھلائی کی بجائے مفادات کی بھینٹ چڑھانا آج ایک مشغلے کی صورت اختیار کرچکا ہے۔ اگر مذہبی پیشوا مخلص اور خداترس ہوں تو مفادات سمیٹنے سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا، لیکن اگر سوئے اتفاق مذہبی پیشواؤں میں مکروفریب اور حرص مال و شہرت ہو تو پھر وہی پیشوا مختلف دھوکے بازوں کے روپ میں سامنے آتے ہیں اور ملک و مذہب کے لیے ناسور ہی نہیں، بلکہ دونوں کے مفاد اور وقار کے لیے بھی ایک چیلنج بن جاتے ہیں۔ معاشرے میں اس قسم کے

مفاد پرست پیشواؤں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے، لیکن ان کی حرکتوں کی وجہ سے پورے مذہبی طبقے پر انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں اور سچے علماء کو بھی مطعون کیا جاتا ہے۔ مفاد پرست مذہبی رہنما، نیک سیرت و بے داغ دامن مذہبی رہنماؤں کی بھی بدنامی کا سبب بنتے ہیں۔ حقیقی علماء ان ہی طریقوں پر کاربند ہوتے ہیں، مذہب جس کا حکم دیتا ہے، لیکن اگر مذہب کی مسند پر مفاد پرست اور جاہل پیشوا متمکن ہوجائیں اور سادہ لوح عوام میں عقیدت بھی نقطہ عروج پر ہو تو پھر سادہ لوح انسانوں کو لٹ جانے اور مفاد پرست مذہبی پیشواؤں کو لوٹنے سے کون روک سکتا ہے؟ آئے روز ملک میں مذہب کا نام استعمال کرنے والے خود ساختہ مذہبی پیشوا جعلی پیروں اور عاملوں کے حوالے سے ایسے بھیانک واقعات رونما ہورہے ہیں، جنھیں سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ گزشتہ سال مبینہ طور پر ایک ظالم ماموں نے معصوم بھانجوں کو ایک " عامل " کے کہنے پر اپنی مراد پانے کے لیے سفاکیت کے ساتھ ذبح کردیا تھا، جبکہ اس واقعہ سے ایک روز قبل ہی ملتان میں بھی ایک نوجوان جعلی پیر کے "فرمان "پر عمل کرتے ہوئے "مدفون خزانے " کو زمین سے نکالنے کے چکر میں اپنی جان گنوا بیٹھا تھا، اس قسم کے بیسیوں واقعات آئے روز ہمارے معاشرے میں رونما ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ جعلی پیروں اور عاملوں کے ہاتھوں خواتین کی عصمت دری کے واقعات بھی روز اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ایسے حالات میں خودساختہ طریقوں کو چھوڑ کر مذہب کا علم حاصل کرنا اور براہ راست خدا سے تعلق قائم کرنا انسان کے لیے

انتہائی ضروری ہے، کیونکہ جب براہ راست خدا سے تعلق مضبوط اور مذہب کی تعلیمات کا علم ہوگا تو کھرے اور کھوٹے مذہبی پیشواؤں کی پہچان کرنا انتہائی آسان ہوگا۔

مذہب خدا سے ذاتی تعلق کا نام ہے، یہ تعلق لوگوں کو بہتر انسان بناتا ہے، لیکن جب لوگ اسے ایک ایجنڈے یا دیگر لوگوں کو دبانے کے لیے استعمال کرنے لگتے ہیں تو وہ اس تعلق کو کمزور اور مذہب کو نقصان پہنچا رہے ہوتے ہیں، جو کہ سراسر مذہب کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ مذہب لوگوں کے لیے بھلائی اور سکون کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنی ہر حاجت کو براہ راست اپنے خدا کے سامنے پیش کرو اور اسی سے مانگو، لیکن ہوتا یہ ہے کہ جب سادہ لوح افراد خدا تک اپنی بات پہنچانے کے لیے مذہبی پیشواؤں کا سہارا لیتے ہیں تو بہت سے خود ساختہ مذہبی ٹھیکیدار نہ تو خود اپنی بات خدا تک پہنچانے کا ڈھنگ جانتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کی بات پہنچا سکتے ہیں، لیکن لوگوں کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھا کر مفادات سمیٹنا اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس طرح یہ نام نہاد ٹھیکیدار اور مینیجرز سادہ لوح لوگوں کو لاحق پریشانی میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔ کسی کے طرز زندگی سے اس کے ایمان کی تعریف نہیں کی جا سکتی، بلکہ طرز زندگی کا تنوع تو انسانی فطرت کا حصہ ہے، جس کے تحت زندگی گزارنا انسان کی مجبوری ہے، لیکن بہت سے خود ساختہ مذہبی

پیشوا کسی خاص طریقے کو ہی حق گردانتے ہوئے باقی سب کو باطل ٹھہراتے ہیں۔ مذہب کا لیبل لگا کر چونکہ سادہ لوح انسانوں کو بے وقوف بنانا قدرے آسان ہوتا ہے، اس لیے یہ لوگ صرف اپنے مفادات کے لیے سادہ لوح انسانوں کو مذہب کے نام پر مختلف طریقوں سے استعمال کرتے ہیں۔ صرف اپنے مسلک و فرقے پر حق و سچ کا خودساختہ ٹھپا لگا کر دوسروں پر فتوؤں کے ذریعے کفر کا ٹھپا لگاتے ہیں۔ مختلف مذہبی فرقوں اور گروہوں کے درمیان چپقلش و لڑائی کو ہوا دیتے ہیں۔ مختلف فرقوں کے پیشوا مقابلہ بازی میں مذہب کی نئی نئی تشریحات پیش کرکے انسانوں میں نفرتیں اور مخالفتیں بڑھانے کا سبب بنتے ہیں اور منبروں سے زہریلی نفرت اگلتے ہیں۔ اپنی حمایت میں اضافے کے لیے فرقہ وارانہ اور مذہبی بنیادوں پر اس نفرت کو بھڑکاتے ہیں اور مسلمانوں کے آپسی قتل و قتال کا سبب بنتے ہیں۔ ستم ظریفی یہ کہ یہ سب کچھ مذہب کے نام پر ہوتا ہے۔ حالانکہ مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے، جس کو ہر قسم کی خرابی سے پاک ہونا چاہیے۔ مذہب ہی ہر قسم کی جعل سازی و دھوکا دہی کو مسترد کرکے انسان کی بھلائی کا بہترین نمونہ فراہم کرتا ہے، لیکن بعض نام نہاد مذہبی پیشواؤں نے اپنے مفادات کی خاطر مذہب کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے، جو یقیناً رانگ نمبر ہے۔

پیٹرول سستا۔۔۔ مہنگائی برقرار

اکتوبر 2014ء سے پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں مسلسل چار بار کمی ہوئی ہے۔ فی لیٹر پیٹرول 107.9 روپے سے کم ہو کر 70.21 روپے فی لیٹر دستیاب ہے، اس طرح چند ماہ میں مجموعی طور پر فی لیٹر پیٹرول کی قیمت میں 37.68 روپے کمی ہوئی ہے۔ اس کے باوجود صوبائی حکومتیں اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں کمی کا فائدہ عوام کو منتقل کرنے میں ناکام ہیں، حالانکہ پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں کمی بیشی سے تمام اشیا کی قیمتیں متاثر ہوتی ہیں، جب پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے تمام اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ کردیا جاتا ہے، تو اسی طرح پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں کمی کی وجہ سے تمام اشیاء کی قیمتوں میں کمی بھی ہونی چاہیے، لیکن ایسا نہیں ہوا اور پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں کمی کے باوجود بھی مہنگائی میں کمی واقع نہ ہو سکی۔ حالانکہ وزیر اعظم میاں نواز شریف کئی بار انتظامیہ اور متعلقہ افسران کو اشیاء ضروریہ کی قیمتوں کو کنٹرول کرنے کے احکامات جاری کر چکے ہیں، پرائس کنٹرول کمیٹیوں کو بھی قیمتوں کو کنٹرول کرنے کی ہدایات دی جاچکی ہیں، لیکن اس کے باوجود مہنگائی کا جن بے قابو اور گراں فروش و بے لگام منافع خور آزادی کے ساتھ عوام کو لوٹنے میں مصروف ہیں۔ اس حوالے سے وزیر اعظم نے انتہائی مستحسن اقدام کرتے

ہوئے اتوار کے روز روز مرہ استعمال کی اشیاء خورد و نوش کی قیمتیں ذاتی طور پر معلوم کرنے کے لیے وفاقی دارالحکومت کی مارکیٹوں آبپارہ اور جی ٹین مرکز کا اچانک دورہ کیا، جسے عوام اور سماجی حلقوں نے بے حد سراہا ہے۔ شہریوں نے حکومتی اقدامات کو سراہتے ہوئے پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں کمی کے باوجود ٹرانسپورٹ کرایوں میں کمی نہ ہونے کی شکایت کی اور وزیراعظم سے نوٹس لینے کا مطالبہ کیا۔ عوام کا کہنا تھا کہ وزیراعظم کا قیمتیں معلوم کرنے کے لیے بذات خود مارکیٹوں کا دورہ کرنا اچھا اقدام ہے۔ اگر وزیراعظم ایسے اقدامات کا سلسلہ جاری رکھیں تو عوام کو ریلیف مل سکتا ہے۔ وزیراعظم نے دورے کے موقع پر لوگوں میں گھل مل کر صارفین سے سبزیوں اور پھلوں سمیت روز مرہ استعمال کی اشیاء کی قیمتوں سے متعلق استفسار کیا۔ لوگوں سے بات کرتے ہوئے وزیراعظم نے کہا کہ " آج میں اس لیے آیا ہوں کہ معلوم کر سکوں پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں کمی کے بعد دیگر اشیاء کی قیمتیں بھی کم ہوئی ہیں یا نہیں؟ ان کا کہنا تھا کہ بلاشبہ پاکستان کو بجلی اور گیس کی قلت جیسے سنگین بحرانوں کا سامنا ہے، "لیکن ان کی خواہش ہے کہ تمام مسائل پر کم سے کم عرصہ میں قابو پا لیا جائے۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ وزیراعظم جس مقصد کے لیے مارکیٹ آئے تھے، وہ مقصد انتظامیہ اور دکانداروں کے جھوٹ اور دھوکا دہی کی نذر ہوگیا اور وزیراعظم

نواز شریف اشیاء کی درست قیمتیں معلوم کرنے میں ناکام رہے، کیونکہ اتوار کو آبپارہ مارکیٹ اور جی ٹین مرکز میں سبزیوں کی دکانوں کے دورے کے موقع پر انتظامیہ طے شدہ پروگرام کے تحت وزیراعظم کو مخصوص دکانوں پر لے کر گئی، ان دکانوں کے دکاندار وزیراعظم کو سبزیوں کے مارکیٹ نرخ کے مقابلے میں کم قیمت بتاتے رہے۔ ایک دکان پر سبزی فروش نے وزیراعظم کو بتایا کہ آلو کی قیمت پہلے 80 روپے کلو تھی، پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں کمی کے بعد اب 40 روپے کلو ہے اور اتنے پر ہی بیچ رہے ہیں، جبکہ ایک دوسرے دکاندار نے وزیراعظم کو بتایا کہ آلو کی قیمت پہلے 50 روپے تھی، اب 30 روپے میں بیچ رہے ہیں۔ دکانداروں سے پھلوں اور سبزیوں کی کم قیمتیں سن کر وزیراعظم نے ملک میں مہنگائی نہ ہونے پر خوشی کا اظہار کیا اور اشیاء کی قیمتوں میں کمی ہونے پر مطمئن بھی ہوئے، لیکن حقیقت میں وزیراعظم کو دکانداروں کی جانب سے بتائی جانے والی قیمت حقیقت کے منافی اور جھوٹ پر مبنی تھی۔ اس دوران شہری موقع پر ہی دکانداروں کے جھوٹ کا پول بھی کھولتے رہے۔ آلو کے علاوہ ٹماٹر کی قیمت بھی وزیراعظم کو 60 اور 70 روپے بتائی گئی، جبکہ دونوں سبزیاں جڑواں شہروں میں 80 روپے میں فروخت ہورہی ہیں۔ جبکہ ذرائع کے مطابق عوام نے دکانداروں کی جانب سے وزیراعظم کو بتائی جانے والی قیمتیں دھوکا دہی پر مبنی قرار دیں، کیونکہ ان کے مطابق وزیراعظم کے آبپارہ مارکیٹ سے جاتے ہی سبزیوں اور پھلوں کے نرخ بڑھا دیے گئے۔ وزیراعظم کو سبزیوں اور پھلوں کے جو

نرخ بتائے گئے تھے بعد میں ان سے مہنگے داموں ان کی فروخت ہوتی رہی۔ دکانداروں نے مارکیٹ میں دستیاب بھارتی کیلے کا نرخ 160 روپے بتایا تھا، بعد میں 180 روپے فی درجن فروخت ہوتا رہا۔ وزیراعظم کو گاجر کا نرخ 30 روپے فی کلوگرام بتایا گیا، بعد میں گاجر 40 روپے میں فروخت ہوتی رہی۔ اسی طرح وزیراعظم کو بھنڈی اور کریلے کا نرخ 200 روپے بتایا گیا تھا، کریلا 280 روپے جبکہ بھنڈی 140 روپے میں فروخت ہوتی رہی۔ وزیراعظم کی آمد کے موقع پر دکانداروں نے کینو کا نرخ فی درجن روپے بتایا تھا، جبکہ وزیراعظم کے چلے جانے کے بعد 150 سے 160 روپے 120 یہں فروخت ہوتا رہا۔ سماجی حلقوں کا کہنا ہے کہ پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں متعدد بار نمایاں کمی کے باوجود عوام تک کمی کے ثمرات پہنچ سکے اور نہ ہی حکومت وانتظامیہ کی جانب سے اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں کمی کرانے کے حوالے سے کوئی عملی کردار ادا کیا گیا ہے۔ اگرچہ وزیراعظم نے اس حوالے سے فکرمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مارکیٹ کا دورہ کیا ہے، لیکن وزیراعظم کے احکامات پر عمل درآمد نہیں ہورہا، مہنگائی جوں کی توں ہے۔ مہنگائی کے منہ زور گھوڑے نے موسم سرما کی سبزیاں اور پھل بھی عام آدمی کی پہنچ سے دور کردیے ہیں، کیونکہ غریب وسفید پوش طبقہ بہت سی ضرورت کی اشیا کو خریدنے کی بھی سکت نہیں رکھتا۔ان دنوں مختلف شہروں میں اعلیٰ کوالٹی کے کینو، مالٹے 160روپے، عام کوالٹی کے کینو مالٹے 120روپے درجن، امرود100 روپے کلو، کیلے 100روپے درجن ، فروٹر80 روپے

درجن، سیب اعلیٰ کوالٹی 160، عام سیب 100 روپے کلو، انار 250 روپے کلو، ٹماٹر روپے کلو، مٹر 100 روپے کلو، گاجر 40 روپے کلو، شیور انڈے 120 روپے 80 درجن، دیسی انڈے 200 روپے درجن، تازہ دودھ 110 روپے لٹر، پیکٹ کا دودھ روپے لٹر، پیاز 40 روپے کلو، پھول گوبھی 40 روپے تک فروخت کیے جارہے 120 ہیں، جبکہ دوسری جانب چینی 60 روپے، دال مسور 160 روپے، دال مونگ 180 روپے، دال چنا 80 روپے کلو اور بیس کلو آٹے کا تھیلا 850 روپے، اعلیٰ کوالٹی کا گھی روپے کلو فروخت کیا جارہا ہے، اتنی مہنگی اشیاء کو خریدنا عام آدمی کے بس کی 210 بات نہیں ہے۔

پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتیں کم ہونے کے باوجود اشیاء ضروریہ کی قیمتوں میں مسلسل اضافے کا رجحان جاری ہے۔ حالانکہ پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں کمی کے بعد اشیاء ضروریہ کی قیمتوں میں کمی ہونی چاہیے تھی۔ تیل کی مصنوعات کی قیمتوں میں کمی کے بعد یہ خیال کیا جارہا تھا کہ اس کمی کے ثمرات عوام تک بھی پہنچیں گے، مگر قیمتوں میں کمی کے باوجود عوام تاحال اس کے فوائد سے محروم ہیں۔ حکومت اپنے احکامات پر عملدرآمد کرانے میں بری طرح ناکام نظر آ رہی ہے۔ ٹرانسپورٹرز اور تاجر گزشتہ کئی سالوں سے پیٹرولیم مصنوعات میں اضافے کو جواز بنا کر کرایوں اور اشیا کی قیمتوں میں من مانا اضافہ کرتے رہے ہیں، اب جب کہ حکومت نے گزشتہ 4 ماہ سے پیٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں

واضح کمی کی ہے، ٹرانسپورٹ مافیا اور منافع خور تاجر عوام کو ریلیف دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ تیل کی قیمتوں کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حکومت ٹرانسپورٹ کے کرائے کم کراتی اور قیمتوں میں کمی کے اثرات اشیاء ضرورت کی قیمتوں میں کمی کی صورت میں سامنے آتے، تاہم ایسا کچھ بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ نہ تو ٹرانسپورٹروں نے کرائے کم کیے اور نہ ہی اشیاء ضرورت کی قیمتوں میں کوئی کمی واقع ہوئی۔ اشیاء کی قیمتوں کو معلوم کرنے کے لیے کیا گیا وزیراعظم کا مارکیٹ دورہ اگرچہ ایک اچھا اقدام ہے، لیکن اس دورے کے ثمرات اسی وقت سامنے آتے، جب وزیراعظم میاں نواز شریف اشیاء کی درست قیمتیں معلوم کرکے موقع پر ہی قیمتوں کو کنٹرول کرنے کے احکامات صادر کرتے ہوئے گراں فروشوں کو سزا دینے کے احکامات بھی جاری کرتے، تاکہ عوام کو دھوکا دینے والے گراں فروشوں کی سزا دیکھ کر باقی گراں فروش بھی سبق حاصل کر لیتے۔ اگر وزیراعظم میاں نواز شریف واقعی عوام کو ریلیف دینا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ پرائس کنٹرول کمیٹیوں کو متحرک کیا جائے، جو قیمتوں کو کنٹرول کرنے کی حتی الامکان کوشش کرکے حکومت کی مقرر کی گئی قیمتوں سے زاید پر فروخت کرنے والے افراد کو بے نقاب کریں، تاکہ قیمتوں کے کنٹرول سے عوام کو ریلیف مل سکے۔

پاکستان میں پانی کی قلت.... مستقبل کا سنگین ترین چیلنج؟

پاکستان اس وقت مختلف النوع سنگین ترین بحرانوں سے دوچار ہے، جن میں بدامنی، توانائی بحران اور دیگر درپیش چیلنجز کے بعد سب سے اہم مسئلہ پانی کا ہے، جو شروع دن ہی سے پاکستان کو لاحق ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ ملک میں پانی کے بحران میں شدت آنے کا خدشہ بھی ظاہر کیا جا رہا ہے۔ چند ماہ قبل "ٹاولز مینو فیکچررز ایسوسی ایشن آف پاکستان" (ٹی ایم اے) نے اپنی مرتب کردہ تحقیقی رپورٹ میں اس بات کی وضاحت کی تھی کہ پاکستان میں آئندہ 10 سال کے دوران پانی کے ذخائر کے نئے وسائل پیدا نہ کیے گئے تو 2025ء تک پاکستان عالمی فہرست میں ان ممالک کی صف میں کھڑا ہو جائے گا، جہاں پانی کا شدید بحران درپیش ہے۔ فی الوقت پاکستان میں 1100 کیوبک میٹر فی کس پانی دستیاب ہے، جو آئندہ 10 سال میں گھٹ کر 800 کیوبک میٹر ہو جائے گا۔ پاکستان میں شعبہ زراعت میں 92 فیصد پانی کا استعمال ہوتا ہے، جبکہ میونسپلٹی میں 5 فیصد اور صنعتی شعبے میں 3 فیصد پانی کا استعمال ہوتا ہے۔ بین الاقوامی معیار کے مطابق 1000 کیوبک میٹر فی کس سے کم پانی کے مقدار کے حامل ممالک پانی کی قلت کا سامنا کرنے والے ممالک میں شامل ہوتے ہیں۔ اگر متعلقہ ذمے دار اداروں کی جانب سے ملک میں پانی کے ذخائر کی جاری قلت کو

دور کرنے کے لیے فوری اقدامات نہ کیے گئے اور نئے ڈیموں کی تعمیر سے چشم پوشی کی گئی تو سال 2025ء میں پاکستان پانی کے بحران کے شکار ممالک کی فہرست میں شامل ہو جائے گا۔ واضح رہے پاکستان کو درپیش پانی بحران کو مزید سنگین کرنے میں بیرونی عوامل کا بھی کافی کردار ہے، جن میں بھارت سرفہرست ہے۔ ملک میں پانی بحران کی سنگینی اور بھارتی آبی جارحیت سے آگاہ کرتے ہوئے وفاقی وزیر پانی و بجلی خواجہ محمد آصف کا کہنا تھا کہ ملک میں پانی کا بحران سنگین نوعیت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ بجلی، گیس کے بعد آئندہ بحران پانی کا ہو گا۔ اس پر کوئی توجہ نہیں دے رہا۔ اس مسئلے پر عوام کی آگاہی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ وفاقی وزیر نے کہا کہ بھارت آبی جارحیت کے ذریعے پاکستان میں پانی کی قلت کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے پانی پر ہمارا حق ہے، بھارت کو یہ حق نہیں لینے دیں گے۔ اب اپنے پانی کے حق پر عالمی سطح پر رجوع کریں گے، پانی کے مسئلے پر پہلے کی طرح اب ہم جاگ رہے ہیں۔ حکومت بھاشا ڈیم کی تعمیر میں سنجیدہ ہے اور اسے ہر حال میں بنائے گی۔ نیلم جہلم پروجیکٹ بھی ڈیڑھ سال میں مکمل کر لیا جائے گا۔ ڈیموں سے پیدا ہونے والی بجلی و پانی کے ذخیرے سے آئندہ نسلیں مستفید ہو سکتی ہیں۔ پاکستان میں پانی کی کمی سے گھریلو اور زرعی سطح پر شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ چند سالوں سے ملک میں بارشوں کی کمی کی وجہ سے دیہی علاقوں میں پانی

مزید نیچے چلا گیا ہے، جس سے کنویں اور پانی نکالنے کے دیگر ذرائع سے پانی حاصل کرنے میں دشواری ہوتی ہے اور عوام کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، جبکہ شہری علاقوں میں چونکہ زمینی پانی پینے کے قابل نہیں ہوتا اور گھریلو استعمال کے لیے میٹھا پانی ہائیڈرنٹس سے پیسوں کے عوض حاصل کیا جاتا ہے، لیکن غیر قانونی ہائڈرنٹس کی وجہ سے شہریوں کو میٹھے پانی کے حوالے سے کافی مشکلات درپیش ہوتی ہیں۔ واٹر بورڈ میں بعض عناصر کی ملکی بھگت سے غیر قانونی ہائڈرنٹس کو پانی مہیا کر دیتا ہے، جبکہ پیسہ بٹورنے کے لیے متعدد قانونی ہائڈرنٹس کو ختم کرنے کی بھی اطلاعات ہیں۔

غیر قانونی ہائڈرنٹس مالکان شہریوں کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مہنگے داموں پانی فروخت کرتے ہیں۔ ذرائع کے مطابق صرف کراچی میں غیر قانونی ہائڈرنٹس کی وجہ سے ادارے کو سالانہ 24 کروڑ روپے خسارا ہو رہا ہے، ماضی میں ہائیڈرنٹس سے ادارے کو ماہانہ تین کروڑ روپے کی آمدنی ہوتی تھی، جو سالانہ 36 کروڑ روپے سے بھی زائد بنتی تھی۔ اسے مزید بہتر کرکے ادارے کی آمدنی میں اضافہ کیا جاسکتا تھا، مگر مافیاز کی ملی بھگت سے مختلف علاقوں میں بااثر واٹر مافیا کے ہاتھوں غیر قانونی ہائیڈرنٹس کھلوائے گئے۔ کراچی میں پانی کی کمی کی بڑی وجہ شہر میں قائم غیر قانونی ہائیڈرنٹس بتائے جاتے ہیں۔ رینجرز 20 جنوری سے ان ہائیڈرنٹس کے خلاف کارروائی کا اعلان کر چکی ہے۔ جبکہ ادارہ فراہمی و نکاسی آب کراچی نے عدالت کو بتایا کہ شہر میں 156 غیر قانونی ہائیڈرنٹس قائم تھے،

کارروائی کے دوران مجموعی طور پر 104 غیر قانونی ہائیڈرنٹس مسمار کر دیے گئے اور متعلقہ تھانوں میں ملوث ملزمان کے خلاف مقدمات درج کیے ہیں۔ ججز نے کارروائی کے دوران بچ جانے والے 52 غیر قانونی ہائیڈرنٹس کو 15 روز میں مسمار کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ دوسری جانب ماہرین کا کہنا ہے کہ صورتحال کو موجودہ نہج تک پہنچانے میں بھارت کی ہٹ دھرمی کا بڑا ہاتھ ہے۔ پانی کے مسئلے کے حل کے لیے اب تک بھارتی قیادت کے ساتھ پاکستان میں حکومتی سطح پر بارہا مذاکرات کی میز پر بیٹھنے کے باوجود باہمی اختلافات بڑی حد تک بھارتی ہٹ دھرمی کے سبب بہتر ہونے کی بجائے مزید کشیدگی کی طرف بڑھتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ بھارت نے تمام معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جہاں پاکستان کے حصے میں آنے والے پانی کا زبردستی استعمال شروع کر دیا، وہیں پاکستان کی ملکیت کے دریاؤں پر ڈیموں کی تعمیر کا سلسلہ شروع کر کے ایک ایسے تنازع کو ہوا دی جو دونوں ایٹمی طاقتوں کے درمیان چوتھی جنگ کا پیش خیمہ بنتا جا رہا ہے۔ دنیا بھر میں جہاں ماہرین پانی ہی کے مسئلے پر آئندہ عالمی جنگ ہونے کے خدشات کا اظہار کر رہے ہیں، وہیں جنوبی ایشیا میں بھارت اور پاکستان کے درمیان پانی کی ملکیت اور تقسیم کے تنازع کو بھی انتہائی خطرناک قرار دیا جا رہا ہے۔ پانی کی کمی کے سبب جہاں خطے کا امن داؤ پر لگا ہوا ہے، وہیں پاکستانی معیشت کی بنیاد "زراعت" تباہی کی طرف گامزن ہے اور زرعی لحاظ سے دنیا کا ذرخیز ترین تصور کیا جانے والا خطہ، پانی کی کمی کے

سبب بنجر ہوتا جا رہا ہے۔ 1960ء میں ورلڈ بینک، برطانیہ، جرمنی، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور کینیڈا کی ضمانتی میں ہونے والے طاس معاہدے کے مطابق پاکستان اور بھارت دونوں کو تین تین دریاؤں کے پانیوں پر ملکیت کا حق دیا گیا ہے، معاہدے کے مطابق ستلج، بیاس اور راوی پر بھارت، جبکہ چناب، جہلم اور سندھ پاکستان کے حصے میں ہیں، لیکن اس کے باوجود تنازع ختم نہ ہو سکا، بھارت نے تمام تر شرائط اور وعدے نظر انداز کرتے ہوئے پاکستان کے حصے میں آنے والے دریائے چناب پر 450 میگاواٹ بجلی کی پیداوار کا منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے "بگلیہار" ڈیم کی تعمیر کا اعلان کیا، جس کے بعد دونوں ملکوں کے مابین پہلے سے موجود تنازع مزید شدید ہوگیا۔ منصوبے کے تحت 470 فٹ بلندی پر پانی کے اس ذخیرے کی تعمیر پاکستانی زراعت کے لیے زہر قاتل سے کم نہیں، جبکہ ساتھ ہی ساتھ ملک میں توانائی کے بحران میں بھی شدت کا باعث ہے۔ انڈس ریور سسٹم اتھارٹی کی ایک رپورٹ کے مطابق 9 اکتوبر 2008 اور 11 اکتوبر 2008 کے دوران صرف تین دنوں میں بھارت نے پاکستان کو عام حالات میں ملنے والا 55000 کیوسک پانی کم کرکے 10739 کیوسک خراج تک محدود کیا۔ آئی ایس این سیکورٹی واچ کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کا دو ملین ایکڑ فٹ پانی صرف اکتوبر 2008 میں بھارت کے استعمال میں رہا۔ پنجاب ایری گیشن ڈیپارٹمنٹ کی رپورٹ کے مطابق بھارتی اقدامات کی وجہ سے پاکستان کو تین لاکھ 21 ہزار ملین ایکڑ فٹ پانی کا نقصان ہو رہا ہے، جس سے 405 نہریں اور 1125 آبی گزرگاہیں ڈیڈ لیول

تک پہنچ گئی ہیں، جبکہ ایک کروڑ 30 لاکھ ایکڑ زرعی زمین شدید متاثر ہوئی ہے۔
دوسری جانب پاکستان جو کہ زیادہ تر بجلی پانی ہی سے پیدا کرتا ہے اس کمی کے سبب توانائی سیکٹر میں بھی مشکلات کا شکار ہے۔ بھارت کی جانب سے صرف بگلیہار ہی نہیں بلکہ مزید کئی ڈیموں کی تعمیر کا منصوبہ بھی ہے۔ پانی کی تقسیم کے حوالے سے بھارتی ہٹ دھرمی کوئی نئی بات نہیں، یہ سلسلہ یکم اپریل 1948 سے اس وقت شروع ہوا جب آزادی کے ایک سال بعد ہی بھارت نے وہاں سے آنے والا پانی روک لیا تھا، جس کے سبب پاکستان کی 5.5 فیصد زرعی اراضی شدید متاثر ہوئی۔ 4 مئی 1948ء کو بھارت اور پاکستان کے ساتھ معاہدے پر رضامند ہونا پڑا، لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد امریکی ماہر ڈیوڈ لینتھال نے تمام صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان کے دلائل رد کر دیے، جس کے بعد تنازع دوبارہ پیدا ہوگیا، جو کہ 1960ء کے دوران ہونے والی کوششوں کے بعد سندھ طاس معاہدے 1952ء سے پر منتج ہوا۔ سندھ طاس معاہدے کے تحت دریائے جہلم پر پاکستان کا حق تسلیم کرنے کے باوجود بھارت نے 1984ء میں اس دریا پر وولر ندی کے شروع پر بیراج بنانے کا اعلان کر دیا، لیکن پاکستان کے احتجاج پر یہ تعمیر روک دی گئی۔ 1992ء میں دریائے چناب پر بگلیہار ڈیم کا معاملہ شروع ہوگیا اور صورتحال اس نہج پر پہنچ چکی ہے کہ بھارتی اقدامات کے سبب پانی کی کمی سے پیدا ہونے والے مسائل پاکستان میں

اندرونی اختلافات کی وجہ بن رہے ہیں اور اسی کمی کے نتیجے میں پاکستان کے چاروں صوبوں پنجاب، سندھ، خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں وسائل کے لحاظ سے پانی کی تقسیم کا تنازع موجود رہا ہے۔ بھارتی ہٹ دھرمی کی وجہ سے پانی کی کمی کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل اپنی جگہ، لیکن اس ساری صورتحال میں ڈیمز کی تعمیر کی کمی سب سے زیادہ نقصان دہ بات ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے بھارت کی جانب سے پانی کے معاہدوں کی تمام تر خلاف ورزیوں کے باوجود پاکستان کے پاس اتنا پانی ہے کہ اگر اس کو مناسب طریقے سے ذخیرہ کرنے کے انتظامات کر لیے جائیں تو وہ ملکی ضروریات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہوگا، جس سے زراعت کے ساتھ ساتھ بجلی کی پیداوار اور دیگر منصوبوں کے لیے بھی وافر ہوگا، لیکن بد قسمتی سے شروع دن سے ہی پاکستان میں ہر اہم معاملہ اور منصوبہ سیاست کی بھینٹ چڑھتا آیا ہے۔

بھارت کے پاس 1947ء میں صرف 300 ڈیمز تھے، جن کی اس وقت تعداد 4 ہزار تک پہنچ چکی ہے اور ان ڈیمز کو 20 لاکھ 8 ہزار مربع کلومیٹر پر مشتمل زرعی زمین اور ہزار 367 میگا واٹ بجلی پیدا کرنے والے 36 پاور اسٹیشن کے لیے بھی استعمال کیا 37 جاتا ہے۔ ملکی زراعت، توانائی کے شعبے میں بحران اور پینے کے صاف پانی کی فراہمی کے لیے مسائل کے شکار پاکستان میں صرف 18 ڈیم ہیں، پاکستان دنیا کا وہ واحد ملک ہے جہاں 1974ء کے بعد کوئی ڈیم نہیں بنایا گیا۔

جو دنیا بھر کے 10 لاکھ ڈیمز کے سامنے اونٹ کے منہ میں زیرے کے مترادف ہیں۔ دنیا بھر میں چھوٹے بڑے ڈیموں کی تعداد 10 لاکھ ہے، جن میں پانی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت 8300 ہزار کیوبک کلومیٹر ہے، جبکہ عالمی سطح پر دنیا کے کل ڈیموں کا 59.7 فیصد ایشیا میں، 21.1 فیصد شمالی امریکا، 12.6 فیصد یورپ، 3.3 فیصد افریقہ، 2 فیصد جنوبی افریقہ اور 1.3 فیصد آسٹریلیا میں ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق دنیا بھر میں 50 ہزار ایسے بڑے ڈیم ہیں، جن کی اونچائی 200 فٹ سے زاید ہے۔ بڑے ڈیم رکھنے کے حوالے سے 19 ہزار ڈیمز کے ساتھ چین پہلے نمبر پر، 8100 ڈیمز کے ساتھ امریکا دوسرے اور پاکستان کے ساتھ متعدد آبی تنازعات کا سبب پڑوسی ملک بھارت 4 ہزار ڈیمز کے ساتھ تیسرے نمبر پر ہے۔ آبی ماہرین کی رپورٹس کے مطابق 1947ء میں پاکستان کو حاصل پانی کا اس وقت پانچواں حصہ باقی رہ گیا ہے، جبکہ پانی کی قلت کی وجہ سے ملک کی 2 کروڑ ایکڑ زمین بنجر ہو چکی ہے، جس کے باعث ملکی زراعت کو کافی نقصان پہنچا ہے۔ پاکستان میں ڈیموں کی تعمیر اور پانی ذخیرہ کرنے کے انتظامات درست نہ ہونے کی وجہ سے اوسطاً سالانہ 20 ملین ایکڑ فٹ پانی ضایع ہو جاتا ہے اور پانی کی کمی سے پاکستان میں ہر سال سینکڑوں ایکڑ پر مشتمل زمین پر کاشت نہیں کی جا سکتی۔ پاکستان میں دریاؤں کا بہاؤ 145 ملین ایکڑ فٹ ہے، جس میں سے صرف 13 فیصد پانی ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ آبادی میں اضافے کے باعث پاکستان میں اس وقت ایک آدمی کے لیے اوسطاً 1040 کیوبک میٹر پانی رہ گیا ہے،

جبکہ 1950 میں ملک کی آبادی تین کروڑ 40 لاکھ تھی اور فی شخص کے لیے 5260
کیوبک میٹر پانی موجود تھا۔

سماجی رویوں پر سوشل میڈیا کے اثرات

جدید ٹیکنالوجی کی بدولت دور حاضر انسانی زندگی کا ترقی یافتہ دور ہے۔ ماضی میں جن حیران کن ایجادات کو چشم تصور میں لانا بھی ناممکن تھا، آج وہ حقیقت کا روپ دھار کر ہماری سماجی زندگی کا اہم ترین حصہ بن چکی ہیں۔ جدید اختراعات سے انسانی زندگی کو آسودگی، آرام اور بے پناہ فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ دنوں اور مہینوں کے کام منٹوں اور گھنٹوں میں پایہ تکمیل تک پہنچنے لگے اور مشکل ترین کام بھی سہل ترین لگنے لگے ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسانی تعلقات کی نت نئی شکلیں پیدا کرکے ان کے دائرے کو وسیع تر کر دیا ہے۔ ان ہی ترقیاتی شکلوں میں آن لائن سوشل نیٹ ورکنگ بھی ہے۔ سماجی ذرائع ابلاغ نے انسانی زندگی کو بالکل اک نئی سمت دی ہے۔ آج سوشل میڈیا آپسی رابطے کا موثرترین ذریعہ بن گیا ہے اور جملہ ذرائع ابلاغ میں سوشل میڈیا کا استعمال بہت زیادہ ہو رہا ہے۔ کمپیوٹر، موبائل فون، ٹیبلٹ اور طرح طرح کی نئی ایجادات گویا بنیادی ضرورت بن چکی ہیں اور فیس بک، واٹس ایپ، ٹویٹر، وائبر اور متعدد ایپس نے اعزہ و اقارب اور حلقہ احباب سے رابطوں کو آسان سے آسان تر بنا دیا ہے۔ ایک بچے سے لے کر بوڑھے تک خاصی تعداد میں لوگ سوشل میڈیا سے منسلک ہیں۔ سماجی ذرائع ابلاغ کے استعمال نے ذاتی زندگی، معاشرتی روابط اور سیاسی و معاشرتی

معاملات پر کافی زیادہ اثرات چھوڑے ہیں۔ آج دنیا بھر میں بہت ساری تحریکوں کی کامیابی بھی سوشل میڈیا کی ہی مرہون منت نظر آتی ہے۔ جبکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر چیز کے مثبت اور منفی دونوں قسم کے اثرات ہوتے ہیں۔ یہی حال کچھ سوشل میڈیا کا بھی ہے، جہاں سوشل میڈیا انفرادی اور گروہی سطح پر باہمی رابطوں کا ذریعہ، اطلاعات اور خبروں کی آزادانہ ترسیل کا موثر ترین وسیلہ بن کر سامنے آیا ہے، وہیں اس کی وجہ سے معاشرے میں بہت سی خرابیوں نے بھی فروغ پایا ہے۔

پاکستان ایک ایسا سماج ہے، جہاں جدید ٹیکنالوجی کے منفی اثرات اس کے مثبت اثرات کے مقابلے میں اپنے نقوش زیادہ چھوڑتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں یوزرز کی ایک بڑی تعداد سوشل میڈیا کو لوگوں کو بدنام کرنے، بے بنیاد اور من گھڑت خبریں پھیلانے، حریفوں کے خلاف پروپیگنڈا کرنے اور بے ہودہ و نامناسب تصاویر و ویڈیوز کی تشہیر کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ سوشل میڈیا پر ایسی سرگرمیاں بھی عروج پر ہیں جو معاشرے کے مختلف طبقات اور مکاتب فکر میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت کو پروان چڑھانے اور باہمی انتشار اور خلفشار کا سبب بنتی ہیں۔ مختلف جماعتوں سے وابستہ افراد مخالف جماعت کے رہنماؤں کے لیے نہایت نازیبا زبان استعمال کرتے ہیں۔ سوشل میڈیا پر مختلف طریقوں سے پروپیگنڈا کرنے کی چونکہ مکمل آزادی ہے، اس لیے اس رجحان کے باعث مختلف

سیاسی اور مذہبی مکاتب فکر کے درمیان کدورت اور دوریاں بڑھ رہی ہیں۔ سوشل میڈیا پر اکثر سیاسی و مذہبی جماعتوں کے کارکنان سوشل میڈیا کو پروپیگنڈے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اگر ان کی سرگرمیاں اپنی جماعت کے نظریات اور پالیسیوں کی حمایت میں اور مخالفین پر اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے تنقید کرنے تک محدود ہوں تو درست کہا جاسکتا، لیکن یہ کارکن اپنے مخالفین کے خلاف نہایت نازیبا زبان استعمال کرتے ہیں، جو کسی بھی طور پر ایک سنجیدہ معاشرے کی نمائندگی نہیں کرتی۔

سماجی میڈیا اور جدید مواصلاتی ٹیکنالوجی کے ذریعے دنیا گلوبل ولیج سے بھی آگے نکل چکی ہے۔ اس کا مثبت استعمال کامیاب سماجی انقلاب برپا کر سکتا ہے، لیکن لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے اس کا منفی استعمال شروع کردیا ہے، جو جنسی تشدد، لڑائی جھگڑے اور اخلاقی و ثقافتی زوال کا سبب بن رہا ہے، جس سے بے بہا مسائل سے دوچار معاشرے میں مزید مسائل جنم لیتے ہیں۔ سوشل میڈیا بذات خود اچھا یا برا نہیں ہے، اس کا اچھا یا برا ہونا اس کے استعمال کرنے والے پر منحصر ہے۔ جس طرح استعمال کنندہ کی اخلاقی اور فکری کیفیت ہوگی، اسی طرح وہ استعمال کرے گا اور ایسے ہی نتائج برآمد ہوں گے۔

اگر سوشل میڈیا کو مذہبی رویوں کی تشکیل و تخریب کے تناظر میں سامنے رکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مذہبی رویوں کی تشکیل و تخریب میں سوشل

میڈیا کافی زیادہ اثر انداز ہوا ہے۔ سوشل میڈیا نے معاشرے میں مذہبی رویوں کی تشکیل کے عمدہ مواقع فراہم کیے ہیں اور مختلف مذہبی نظریات اور مکاتب فکر کے لوگوں کا باہمی رابطہ اور انٹرایکشن ممکن بنا دیا ہے۔ مخالف سوچ و نظریات کے لوگوں کی باتوں کو پڑھنا گناہ کبیرہ سے کم نہیں سمجھا جاتا تھا، لیکن سوشل میڈیا کی بدولت علمی اختلاف کرنے والوں کی اس قسم کی باتوں کو بھی پڑھنے کا موقع ملا ہے، جس کی بدولت مخالف نقطہ نظر کے لوگوں کی کتابوں کو شجر ممنوعہ قرار دیے جانے کی سوچ خود بخود مسترد ہو گئی اور کسی بھی مسئلے کو مختلف جہتوں سے سوچنے کا مواقع ملا، جس سے کسی ایک مسئلے پر مختلف نظریات اور آراء کر پڑھ کر علوم میں اضافہ ہوا اور آپسی مذہبی و مسلکی اختلافات کم ہونے کی امید بھی پیدا ہوئی ہے۔ متضاد سوچ کے حامل وہ لوگ، جو کبھی ایک محفل میں اکٹھے نہیں ہو سکتے، ان کے لیے مخالف کا نقطہ نظر سننا اور سمجھنا بھی ممکن نہیں، سوشل میڈیا خصوصاً فیس بک نے ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرکے مکالمے کی نئی راہیں کھول دی ہیں، جو معاشرے میں بڑھتے ہوئے مذہبی اختلافات کو کنٹرول کرنے میں معاون ہو سکتی ہے۔ سوشل میڈیا کے ذریعے مختلف الخیال لوگوں کو ایک دوسرے سے براہ راست مکالمے کا موقع ملا ہے، جس سے بہت سے مذہبی مسائل میں تصویر کا دوسرا رخ دیکھ کر اس پر مختلف آراء کی جانکاری سے اپنی ایک نئی رائے قائم کرنا آسان ہوا ہے اور مختلف مذہبی نظریات کے حاملین کے درمیان پیدا شدہ دوریاں کم ہو کر نزدیکیوں میں

بدلنا شروع ہو گئی ہیں۔

دوسری جانب سوشل میڈیا نے مذہبی رویوں کی تخریب میں بھی کافی نمایاں کردار ادا کیا ہے، کیونکہ سوشل میڈیا پر کسی قسم کی کوئی روک تھام کا نظام موجود نہیں ہے، ہر شخص سوشل میڈیا کے بازار میں اپنا منجن بیچنے میں آزاد ہے۔ اختلاف رائے کا حق استعمال کرتے ہوئے کسی نظریے، رائے اور شخصیت پر تنقید کرنا غلط نہیں ہے، تاہم یہ سب تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے ہونا چاہیے، لیکن سوشل میڈیا پر بہت سے بظاہر بڑے معقول اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی اختلاف کا اظہار کرتے ہوئے آپے سے باہر ہوجاتے ہیں اور کسی بحث کے دوران مقابل پر ذاتی حملے کرتے ہوئے اس کی کردار کشی پر اتر آتے ہیں۔ سوشل میڈیا پر کوئی شخص بلا روک ٹوک کسی بھی مذہبی شخصیت اور مذہبی نظریات کو مطعون کرسکتا ہے اور مخالف مذہبی سوچ کی محترم شخصیات پر کیچڑ اچھال سکتا ہے۔ سوشل میڈیا پر مخالفین کے خلاف پروپیگنڈے کی مکمل آزادی کی وجہ سے معاشرے میں انتہا پسندی میں اضافہ ہوا ہے۔ بعض اوقات ایک دوسرے کے خلاف بے جا الزامات یا غیر مستند فتاویٰ جات کا پرچار کرکے انتشار اور خلفشار بھی پھیلایا جاتا ہے۔ دین ہمیں کسی پر تہمت لگانے سے سختی سے منع کرتا ہے، لیکن سوشل میڈیا پر بعض عناصر کی جانب سے بے بنیاد الزامات کو پھیلا کر کئی گناہوں کے مرتکب ہونے کے ساتھ معاشرے میں بے چینی و بدامنی کی کیفیت پیدا

کی جارہی ہے۔ لہٰذا بے شمار مسائل سے دوچار معاشرے کو مشکلات سے چھٹکارہ دلانے کے لیے ضروری ہے کہ سوشل میڈیا کا استعمال ہمیشہ مثبت ہی کیا جائے۔

مذہبی کارکنان کا قتل.... شاہراہ دستور پر احتجاج

ملک میں علمائے کرام اور مذہبی رہنماؤں کی ٹارگٹ کلنگ ایک عرصے سے جاری ہے۔ حکومت کی جانب سے متعدد بار علمائے کرام کو سیکورٹی فراہم کرنے کی یقین دہانیوں کے باوجود اس میں کمی نہیں آ سکی اور وقتاً فوقتاً مذہبی کارکنوں اور رہنماؤں کے قتل میں اچانک تیزی آ جاتی ہے۔ وفاقی دارالحکومت کے تھانہ سبزی منڈی کے علاقہ سوشل سیکورٹی ہسپتال کے قریب آئی جے پی روڈ پر اتوار کے روز اہلسنت والجماعت راولپنڈی کے پریس سیکرٹری قاری مظہر محمود صدیقی پر دو نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے اندھا دھند فائرنگ کی، جس کے نتیجے میں وہ جاں بحق اور ان کے بھائی سمیت چار افراد زخمی ہو گئے۔ اہلسنت والجماعت نے مولانا مظہر صدیقی کی نماز جنازہ سپریم کورٹ کے سامنے ادا کرنے کا اعلان کیا، جس کے بعد کارکن تقریباً دو سے تین بجے کے قریب مولانا مظہر صدیقی کی میت لے کر سپریم کورٹ کے سامنے پہنچ گئے، اس دوران پولیس اور مظاہرین کے درمیان جھڑپیں ہوئیں اور پولیس کی جانب سے لاٹھی چارج اور آنسو گیس کی شیلنگ کی گئی، جس کے نتیجے میں کئی افراد زخمی ہو گئے۔
کارکنوں کو ریڈ زون میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے پولیس کی بڑی تعداد تعینات کی گئی تھی۔ تاہم کارکنان ریڈ زون میں سپریم کورٹ کی عمارت کے سامنے پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ کارکنان نے سپریم کورٹ کے سامنے

میت رکھ کر دھرنا دیا اور نماز جنازہ ادا کی۔ ترجمان اہلسنت والجماعت نے کہا کہ چیف جسٹس پاکستان معاملے کا از خود نوٹس لیں۔ اہل سنت الجماعت کے سربراہ مولانا محمد احمد لدھیانوی بھی دھرنے میں پہنچ گئے اور شاہراہ دستور پر دھرنا کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے مولانا محمد احمد لدھیانوی کا کہنا تھا کہ ہمارے ہزاروں قائدین اور کارکنان کو قتل کر دیا گیا، ہم نے کبھی جنازوں پر سیاست کر کے بڑا لیڈر بننے کی کوشش نہیں کی۔ وزیر داخلہ 21 ویں ترمیم کے غلط استعمال کو روکنے کے لیے کردار ادا کریں۔ مولانا احمد لدھیانوی نے کہا کہ ہمارے کارکن شہید کیے گئے۔ ابھی بھی 200 کارکن پولیس کی غیر قانونی حراست میں ہیں۔ حکومت گونگے بہرے کی طرح خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ تاہم ہماری جماعت سے ابھی تک کسی حکومتی شخص نے رابطہ یا داد رسی نہیں کی۔ 21 ویں ترمیم کی آڑ میں کارکنوں کے گھروں پر چھاپے مارنا غیر قانونی ہے، وزیر داخلہ کو اس کے خلاف نوٹس لینا چاہیے۔ اہل سنت والجماعت کے سربراہ علامہ احمد لدھیانوی نے قتل کے واقعہ کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے قاتلوں کو فی الفور گرفتار کرنے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ ہم آئین اور قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے احتجاج کر رہے ہیں اور کریں گے۔ کارکنوں پر حملے اور قتل کے خلاف آئندہ جمعہ کو ملک گیر یوم احتجاج منایا جائے گا۔ انہوں نے کارکنوں سے اپیل کی کہ وہ صبر اور تحمل کا مظاہرہ کریں۔ اسلام آباد میں اہلسنت والجماعت کے کارکنوں کا دھرنا 8 گھنٹے جاری رہا، جس کے بعد وزیراعظم کے

مشیر عرفان صدیقی اور سربراہ اہلسنت والجماعت مولانا احمد لدھیانوی کے درمیان مذاکرات ہوئے۔ مذاکرات میں عرفان صدیقی نے کہا کہ واقعے کی شفاف تحقیقات کے لیے جے آئی ٹی بن گئی ہے۔ عبادت گاہوں کے تحفظ کے لیے اقدامات کر رہے ہیں۔ مولانا احمد لدھیانوی نے کہا کہ کارکنوں نے پرامن دھرنا دے کر اچھی مثال قائم کی۔ حکومت کی طرف سے مطالبات منظوری کی یقین دہانی پر رات 10 بجے دھرنا ختم کر دیا گیا۔

دوسری جانب ہفتے کے روز قائدآباد میں نامعلوم افراد نے اہل سنت والجماعت کے صدر مولانا اورنگزیب فاروقی پر قاتلانہ حملہ کیا، محافظوں کی جوابی فائرنگ سے حملہ آور فرار ہو گئے، جبکہ حملے میں مولانا اورنگ زیب فاروقی کے تین محافظ زخمی ہوگئے، تاہم مولانا اورنگزیب فاروقی بال بال بچ گئے۔ واضح رہے کہ دسمبر 2012 میں بھی مولانا اورنگزیب فاروقی پر کراچی کے علاقے گلشن اقبال میں قاتلانہ حملہ کیا گیا تھا، جس میں وہ شدید زخمی، جبکہ ان کا محافظ، ڈرائیور اور 3 پولیس اہلکار جاں بحق ہو گئے تھے اور اس سے پہلے بھی کئی بار ان پر قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔ مولانا اورنگزیب فاروقی پر قاتلانہ حملے کے خلاف اہل سنت والجماعت کے کارکنان نے اتوار کے روز قائدآباد مرغی خانہ پل کے قریب احتجاج کرکے دھرنا دیا، جس کے باعث چار گھنٹے روڈ دونوں اطراف سے مکمل طور پر بند ہوگیا۔ کارکنان کے ہاتھوں میں بینر اور پلے کارڈ

تھے اور وہ قاتلانہ حملے میں ملوث افراد کو گرفتار کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ کراچی میں مولانا اورنگزیب فاروقی پر قاتلانہ حملے کے بعد متعدد مذہبی رہنماؤں نے قاتلانہ حملے کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ سندھ اور وفاقی حکومت ٹارگٹ کلنگ پر قابو پانے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ شہر میں جاری آپریشن کے باوجود ٹارگٹ کلرز دن دیہاڑے قتل کرکے فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، حکومت بدامنی اور ٹارگٹ کلنگ کے خاتمے کے لیے فوری اقدام کرے اور مولانا اورنگزیب فاروقی سمیت دیگر علمائے کرام کو سیکورٹی فراہم کرے۔ واضح رہے کہ کراچی میں مذہبی کارکنوں اور رہنماؤں کی ٹارگٹ کلنگ میں کافی تیزی آئی ہے، جس کے باوجود بھی حکومت کی طرف سے مذہبی رہنماؤں کو نہ سیکورٹی فراہم کی جاتی ہے اور نہ ہی ٹارگٹ کلروں کو گرفتار کیا جاتا ہے۔ کراچی میں اب تک سیکڑوں کی تعداد میں مذہبی رہنما اور کارکنان کو شہید کیا جاچکا ہے، لیکن حکومت نے ابھی تک کسی ایک کے بھی قاتلوں کو گرفتار نہیں کیا ہے۔

اہل سنت والجماعت کے رہنما مولانا اورنگزیب فاروقی نے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ حکومت نے میری سیکورٹی واپس لے لی ہے۔ ہم نے بارہا حکومت سے سیکورٹی دینے کا مطالبہ بھی کیا اور وزیر اعلیٰ ہاؤس کے سامنے اسی حوالے سے دھرنا بھی دیا، لیکن حکومت نے سیکورٹی فراہم نہیں کی اور دھرنے کے بعد دو

پولیس موبائل مجھے صرف گھر تک چھوڑنے کے لیے آئیں، لیکن اس کے بعد سے پھر سرکاری سیکورٹی غائب ہے، جس دن مجھ پر کراچی میں قاتلانہ حملہ ہوا، اس دن بھی سرکاری سیکورٹی نہیں تھی۔ حکومت ایک طرف تو کہتی ہے کہ میری جان کو سب سے زیادہ خطرہ ہے، جبکہ دوسری جانب مجھے سیکورٹی بھی فراہم نہیں کی جاتی۔ حالانکہ محرم میں سیکورٹی فراہم کرنے کے لیے جو لیٹر جاری کیا گیا تھا، اس میں میرا نام بھی شامل تھا، اس کے باوجود سندھ حکومت نے مجھے اب تک سیکورٹی فراہم نہیں کی۔ راولپنڈی میں اہلسنت والجماعت کے رہنما کے قتل اور دھرنے کے حوالے سے مولانا اورنگزیب فاروقی کا کہنا تھا کہ اسلام آباد اور راولپنڈی میں ہمارے کارکنوں اور رہنماؤں کو مسلسل قتل کیا جارہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دس محرم کو راولپنڈی میں مدرسہ تعلیم القرآن پر حملہ کرکے دہشتگردوں نے مدرسے کو آگ لگادی گئی تھی، اس کے بعد ہم نے حکومت سے واقعہ میں ملوث افراد کو کیفر کردار پہنچانے کا مطالبہ کیا اور مدرسہ تعلیم القرآن کا ساتھ دیا تھا، جس کے رد عمل میں اسلام آباد اور راولپنڈی میں ہمارے کارکنوں اور رہنماؤں کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔اس واقعہ سے پہلے راولپنڈی اور اسلام آباد میں اس طرح ٹارگٹ کلنگ کا سلسلہ نہیں تھا، یہ سلسلہ اس واقعہ کے بعد شروع ہوا ہے۔ مولانا اورنگزیب فاروقی کا کہنا تھا کہ ملک بھر اور خصوصاً کراچی میں ہمارے کارکنوں کی ٹارگٹ کلنگ ہو رہی ہے۔ ہمارے کارکنوں کو ماورائے عدالت قتل کیا جارہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کارکنوں کی

گرفتاری پر ہم عدالتوں میں پٹیشن دائر کرتے ہیں، لیکن پیشی سے پہلے ہی ان کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ محمد طارق جو مولانا تاج حنفی کا محافظ تھا، جس دن محمد طارق کی پیشی تھی، اسی دن اس کو نشانہ بنا دیا گیا۔ کراچی میں روزانہ ہمارا کوئی نہ کوئی کارکن قتل کر دیا جاتا ہے۔ قانون نافذ کرنے والوں کو سب معلوم ہے کہ یہ ٹارگٹ کلنگ کون کر رہا ہے، لیکن ان کو گرفتار نہیں کیا جاتا۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ انصاف قائم کیا جائے۔ امن صرف انصاف کی عمل داری کے ساتھ ہی قائم ہو سکتا ہے۔ مولانا اورنگزیب فاروقی کا کہنا تھا کہ ہم نے شکار پور اور خیر پور واقعات کی بھرپور مذمت کی، جس دن شکار پور کا واقعہ ہوا اسی دن خیر پور میں ہمارا پروگرام تھا، جس کو ہم نے اس واقعہ کی وجہ سے مختصر کیا۔

مبصرین کے مطابق راولپنڈی میں اہلسنت والجماعت کے مقامی رہنما کا قتل، کراچی میں مولانا اورنگزیب فاروقی پر قاتلانہ حملہ اور مذہبی کارکنوں کی ٹارگٹ کلنگ ملک میں فرقہ وارانہ فسادات پھیلانے کی سازش معلوم ہوتی ہے، اس سے کچھ روز قبل پشاور میں امام بارگاہ پر حملہ بھی ہوا۔ جس کے بعد مذہبی کارکنوں اور رہنماؤں پر حملوں میں اضافہ ہوا ہے۔ حکومت کی ذمے داری ہے کہ واقعات میں ملوث افراد کو گرفتار کرے اور مذہبی کارکنوں اور رہنماؤں کو تحفظ فراہم کرے۔ مذہبی رہنماؤں نے بھی مذہبی طبقے کی بڑھتی ہوئی ٹارگٹ کلنگ

کو روکنے اور دہشت گردی کی روک تھام کا مطالبہ کیا ہے۔ جبکہ دوسری جانب پیر کے روز وزیراعظم نواز شریف نے کراچی دورہ کے موقع پر سندھ پولیس کی کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ملکی سلامتی کا انحصار نیشنل ایکشن پلان پر ہے اور عوام کو قومی ایکشن پلان سے مثبت نتائج کی امیدیں وابستہ ہیں۔ وزیراعظم نے کہا کہ نیشنل ایکشن پلان کسی حکومت یا جماعت کا نہیں، بلکہ پوری قوم کا ہے، جس پر عملدرآمد کرتے ہوئے ملک سے دہشتگردی کا خاتمہ کریں گے۔ اس موقع پر آرمی چیف جنرل راحیل شریف کا کہنا تھا کہ کراچی آپریشن سے امن اور استحکام کی فضا بحال ہوئی ہے، اس لیے سیاسی قوتوں کو شہر میں مستقل امن کے لیے سیاست سے بالاتر ہو کر مجرموں کے خلاف کام کرنا ہوگا، جب کہ کراچی میں امن و امان کے لیے جو اہداف مقرر کئے گئے تھے، انہیں حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ پورے ملک کی خوشحالی کراچی کے امن سے منسلک ہے، پولیس کو غیر سیاسی فورس بنانا وقت کی اہم ضرورت ہے اور اسے مضبوط فورس بنانے کے لیے سیاسی مداخلت سے دور رکھنا ہوگا۔

!آئیں اپنی عزت کریں

ہم جاپانی قوم سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ جاپان ایک ایسا ملک ہے جو مسلسل حادثات کی زد میں ہے۔ 1923 میں جاپان میں ایک زلزلے نے لگ بھگ ایک لاکھ 43 ہزار لوگوں کی زندگیاں نگل لیں۔ جاپان ہی دنیا کا وہ واحد ملک ہے، جس کے دو شہروں کو امریکا نے ایٹم بم کے ذریعے ملیامیٹ کیا، جاپان کی تاریخ کی اس دوسری بڑی قیامت میں سوا لاکھ سے زاید لوگوں کی جانیں موت کا لقمہ بنیں اور تاریخ کے بدترین سونامیوں میں سے ایک سونامی جاپان کو ہی جھیلنا پڑا، جس میں ہزاروں افراد کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑے۔ سونامی کے نتیجے میں صرف عمارتوں کے نقصان کی مد میں تین سو بلین ڈالرز کا نقصان ہوا، باقی نقصان کا تخمینہ اس سے الگ ہے۔ پے در پے ایسے حادثات مسلسل جاپان کی تاریخ کا حصہ رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ جاپانی قوم نے حادثات سے ہی جنم لیا ہے۔ آج بھی جاپان میں ہر سال تقریباً 15 سو چھوٹے بڑے زلزلے آتے ہیں۔ "ورلڈ رسک" کی رپورٹ کے مطابق سب سے زیادہ قدرتی آفات کی زد میں رہنے والے ممالک میں جاپان کا پندرہواں نمبر ہے۔ ان تمام حالات کے باوجود جاپانی قوم نے مسلسل اپنی ترقی کا سفر جاری رکھا اور پوری دنیا پر اپنی ترقی و کامیابی کو ثابت کر دکھایا۔

جاپان کے پاس قدرتی وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں، لیکن پھر بھی دنیا کی تیسری بڑی معیشت جاپان کی ہے۔ جاپان کا شمار دنیا کے بڑے ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے۔ سائنس و ٹیکنالوجی میں اس کا مقابلہ کرنے والا شاید ہی کوئی ملک ہو۔ ہر روز نت نئی ایجادات دنیا کے سامنے پیش کرنا اس کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ جاپان کی شرح خواندگی سو فیصد ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی کار فیکٹری جاپان میں ہے۔ ایشیا کی سب سے بڑی اسٹاک ایکسچینج بھی جاپان میں ہی ہے۔ جاپان میں چلنے والی ٹرینیں دنیا میں سب سے زیادہ وقت کی پابند سمجھی جاتی ہیں۔ ایسی بہت سی قابل ذکر باتیں ہیں، جو جاپانی قوم کو دنیا میں سب سے نمایاں کرتی ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ مسلسل حادثات کی شکار قوم نے ترقی کی بلند و بالا منازل بھی آسانی کے ساتھ طے کرلیں؟ اسی جواب کی جستجو میں کسی غیر ملکی صحافی نے ایک بار جاپانی وزیر اعظم "ناکاسو" کی خاتون ترجمان سے پوچھا: "جنگ عظیم کی تباہی کے بعد جاپانی قوم نے تیزی سے ترقی کی اتنی منزلیں کیسے طے کر لی ہیں، آپ کی قوم کی ترقی کا راز کیا ہے؟ ترجمان نے جواب دیا: " ہم جاپانی لوگ اپنے آپ کی بہت عزت کرتے ہیں۔ کوئی ایسا کام نہیں کرتے جس سے معمولی سی بھی بے عزتی کا خدشہ ہو اور کوئی پوچھ لے کہ تم نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اور ہمیں اس کا جواب دینے میں دشواری محسوس ہو۔ ہمارے عوام اساتذہ کی دی گئی تربیت سے کبھی انحراف نہیں کرتے اور کبھی کوئی بے اصولی اور خلاف ضابطہ کام نہیں کرتے۔"

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کسی بھی ملک کی تعمیر و ترقی اور عظمت و استحکام میں اس ملک کے افراد ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کسی قوم کو دنیا کی صف اول میں لا کھڑا کرنے اور عزت و شرف کی قبا پہنانے میں اس قوم کے افراد نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ وہی ملک ترقی کے زینے چڑھتا ہوا اوج فلک پر جلوہ نما ہو کر دوسروں کے لیے مثال بنتا ہے اور پوری دنیا میں سورج کی طرح چمکتا دکھائی دیتا ہے، جس کے افراد اپنی ذمے داریاں ادار کرتے ہوں۔ ہمارے معاشرے میں اکثر افراد دوسروں کی ذمہ داریوں کی بات تو کرتے ہیں، لیکن اپنی ذمے داریاں بھول جاتے ہیں۔ دوسروں کو اصلاح کی فکر تو کی جاتی ہے، لیکن اپنی اصلاح پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ ہم جب بھی ملک و قوم کی اصلاح و ترقی کی بات کرتے ہیں تو تان سیدھی ایوانِ اقتدار پر جا کر ٹوٹتی ہے۔ سمجھتے ہیں کہ تمام ذمے داریاں حکومت و ریاست پر عاید ہوتی ہیں، ہر برائی کی جڑ حکومت ہے، جب تک حکومت کا دھڑن تختہ نہیں ہو جاتا، اس وقت تک نہ ملک خوشحال ہو سکتا ہے اور نہ ہی ترقی کر سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معاشرے میں برائی کا خاتمہ اسی وقت ہوتا ہے، جب معاشرے کے تمام افراد برائی کو خیر باد کہہ دیں۔ اگر ہر فرد اپنی سطح پر اپنی عزت کرنا شروع کردے اور اپنی ذمہ داری ادا کرنا شروع کردے تو مسائل خود بخود حل ہو سکتے ہیں۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا ملک ترقی کرے، یہاں حالات بہتر ہوں، امن و امان

قائم ہو، صنعت و تجارت اور معیشت و اقتصادیات کا پہیہ گردش کرے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی معاشرتی اور اخلاقی ذمہ داریوں کو پورا کریں اور ملک و قوم کے مفاد کے خلاف کوئی بھی اقدام کرنے سے گریز کریں۔ ہر کوئی ملک سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا نظر آتا ہے اور بنیادی حقوق نہ ملنے کی صورت میں شکوہ زور و شور سے جاری رکھے ہوئے ہے۔ حالانکہ جس طرح حکومت کے ذمے شہریوں کے حقوق ہوتے ہیں، اسی طرح ہر شہری کے ذمے کچھ فرائض بھی ہوتے ہیں۔ ادیان عالم کی تعلیمات میں حقوق و فرائض کو عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ حقوق و فرائض کا چولی دامن کا ساتھ ہے، ہم حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن فرائض سے روگردانی کرتے ہیں۔ اس پس منظر میں ترقی کا خواب ادھورا ہی رہ جاتا ہے۔ ترقی وہی ملک کرتا ہے، جس ملک کے شہری اپنے فرائض صحیح طور پر ادا کرتے ہیں۔ معاشرے میں بہت سی ایسی جگہیں ہیں جو عوام کی غیر ذمے داری کا پردہ چاک کرتی نظر آتی ہیں۔ اسکول، ہسپتال، سماجی اداروں کے دفاتر اور کھیل کھود کے میدان وغیرہ قدرتی آفات کے ساتھ ساتھ زیادہ تر شہریوں کے ہاتھوں خراب ہوتے ہیں۔ سیر و تفریح کے مقامات سمیت دیگر عوامی جگہیں بھی عوام ہی کے ہاتھوں برباد ہوتی ہیں، حالانکہ تمام عوامی مقامات کی حفاظت کرنا عوام ہی کے فرائض میں شامل ہے۔

اگر ہم صرف اسی ایک بات کو پلے باندھ لیں کہ ہم خود اپنی عزت کریں گے۔ ہم

ایسا کوئی کام نہیں کریں گے جس سے ہماری معمولی بے عزتی کا خدشہ ہو۔ ہم ملک کے قانون نہیں توڑیں گے۔ کوئی نگرانی کرنے والا ہو یا نہ ہو، ہم بے اصولی و خلاف ضابطہ کام نہیں کریں گے، تو یقین جانیے ہمارا ملک دنوں میں ترقی کر سکتا ہے۔ ملک کا ہر فرد یہ عہد کرلے کہ وہ کسی بھی قسم کی کرپشن نہیں کرے گا۔ اگر ہم طالب علم ہیں تو پوری توجہ اور یکسوئی سے تعلیم حاصل کریں۔ استاذ ہیں تو بچوں کو قوم کی امانت سمجھ کر درس دیں۔ تاجر ہیں تو کبھی ملاوٹ اور دھوکا دہی نہ کرنے کا عہد کریں۔ اگر افسر ہیں تو کبھی رشوت کو ہاتھ نہ لگائیں۔ وکیل ہیں تو جرائم پیشہ لوگوں کی وکالت سے توبہ کرلیں۔ اگر جج ہیں تو انصاف کے ترازو کی کبھی بولی نہ لگائیں۔ اگر صحافی ہیں تو قوم کو ہمیشہ سچ بتائیں۔ ہر شخص خود پر عاید ذمے داریوں کو پورا نبھائے۔ دوسروں سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکے۔ اگر معاشرے کا ہر فرد ایسا ہی کرے تو معاشرے میں یقینا بہتری آئے گی، لیکن اگر ہم اپنے فرائض کو نظر انداز کرکے ہر برائی کی ذمے داری صرف حکومت پر ڈال دیں تو یہ سراسر ناانصافی ہوگی۔

سمز کی تصدیق: پہلے مرحلے میں ہدف مکمل.... عوام کی مشکلات میں اضافہ!

ملک بھر میں 10 کروڑ سے زاید موبائل فون سمز کی از سرنو بائیومیٹرک تصدیق کی 12 جنوری سے شروع ہونے والی مہم کے دوران ٹیلی کام آپریٹرز نے 10 کروڑ 30 لاکھ موبائل فون سمز کی بائیومیٹرک تصدیق کا 46 فیصد ہدف 36 روز میں حاصل کرتے ہوئے 4 کروڑ 80 لاکھ موبائل فون سمز کی تصدیق کا عمل پورا کرلیا ہے۔

دہشت گردی کے خلاف قومی منصوبے کے تحت موبائل فون کمپنیوں کو 90 روز میں 10 کروڑ 30 لاکھ سمز کی تصدیق کرنے کا ہدف دیا گیا تھا۔ دہشت گردانہ سرگرمیوں میں موبائل سمز کے استعمال کو روکنے کے لیے گزشتہ سال نادرا کے چیئرمین اور یوفون، موبی لنک، زونگ، وارد اور ٹیلی نار کے چیف ایگزیکٹیو نے ایک معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ نادرا کے چیئرمین نے وزیر داخلہ کو مطلع کیا تھا کہ اس معاہدے کو تمام اسٹیک ہولڈرز کی مشاورت کے بعد حتمی صورت دی گئی۔ اس کے تحت جعلی شناختی کارڈز کے ذریعے سم حاصل کرنا ممکن نہیں ہوگا، جس کے بعد وزیر داخلہ نے کہا تھا کہ نئے نظام کے تحت بائیومیٹرک تصدیق کے طریقہ کار سے گزرے بغیر کوئی شخص نئی سم نہیں خرید سکے گا۔ لہٰذا اس معاہدے پر عمل کرتے ہوئے سمز کی بائیومیٹرک تصدیق کا آغاز سال رواں 12 جنوری کو کیا گیا تھا۔ پہلے مرحلے میں ملک کے حساس علاقوں میں ایک شناختی کارڈ پر دو یا اس سے زاید سمز کے

حامل صارفین کے زیر استعمال سمز کو بائیو میٹرک تصدیق کے عمل سے گزارنا تھا، جس میں صرف پری پیڈ سمز کی تصدیق ہونا لازم قرار پائی تھی، جبکہ بلنگ والی پوسٹ پیڈ سمز کو استثنیٰ دیا گیا۔ پاکستان میں سیلولر سبسکرائبرز کی مجموعی تعداد 13 کروڑ 90 لاکھ ہے، تاہم وفاقی حکومت کی ہدایت پر اس سے قبل کی جانے والی تصدیقی مہم میں 3 کروڑ لاکھ سمز کی تصدیق کرتے ہوئے غیر تصدیق شدہ سمیں بلاک کی جاچکیں۔ موبائل 60 فون سمز کی بائیو میٹرک ری ویریفکیشن کے لیے ملک بھر میں 10 کروڑ 30 لاکھ سمز کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک فہرست کو سفید، جبکہ دوسری فہرست کو گرے کلر کی شناخت دی گئی۔ سفید فہرست میں ان صارفین کو شامل کیا گیا، جو حساس علاقے سے باہر اور جن کے استعمال میں ایک شناختی کارڈ پر ایک یا دو موبائل فون سمیں ہیں۔ سفید فہرست میں شامل موبائل فون کنکشنز کی تعداد 5 کروڑ 90 لاکھ ہے۔ گرے فہرست میں پاکستان کے حساس شہروں بلوچستان اور فاٹا میں زیر استعمال 4 کروڑ 40 لاکھ سمز شامل تھیں۔ پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن اتھارٹی (پی ٹی اے) کے اعداد و شمار کے مطابق موبائل فون سمز کی بائیو میٹرک تصدیق کے پہلے مرحلے میں 3 کروڑ 56 لاکھ شناختی کارڈز کی جانچ کرتے ہوئے 4 کروڑ 74 لاکھ سمز کی تصدیق کی جا چکی ہے۔ پہلے مرحلے کی جانچ میں 56 لاکھ سمز کی بائیو میٹرک تصدیق نہیں ہو سکی، جنہیں 26 فروری کو بلاک کر دیا جائے گا۔ ٹیلی کام ماہرین کے مطابق اگرچہ پہلے مرحلے میں تصدیق کے اعداد و شمار خوش کن ہیں، لیکن پہلے مرحلے کے

خاتمے تک بلاک ہونے والی سمز کی تعداد ایک کروڑ تک پہنچ سکتی ہے۔ تصدیق کا دوسرا مرحلہ پہلے مرحلے سے زیادہ سخت ہوگا، جو 27 فروری سے شروع ہو کر 14 اپریل تک جاری رہے گا۔

ٹیلی کام ایکسپرٹ صہیب شیخ کے مطابق حکومت کو بائیومیٹرک تصدیق کے لیے مقررہ مدت میں کم از کم 2 ماہ کی توسیع کرنا ہوگی، اگر مدت میں اضافہ نہ کیا گیا تو 14 اپریل کو مہم کے اختتام پر ڈھائی سے 3 کروڑ سمز کی بندش کا سامنا ہوگا، جو ٹیلی کام سیکٹر کے ریونیو میں کمی کے ساتھ خود حکومت کے ریونیو میں بھی کمی کا سبب ہوگا۔ واضح رہے کہ پی ٹی اے کی جانب سے جاری اعلامیے کے مطابق ملک بھر میں سمز کی بائیومیٹرک تصدیق کی آخری تاریخ 26 فروری مقرر تھی۔ پی ٹی اے نے عوام کی سہولت کے لیے مقررہ تاریخ میں توسیع کی، جن لوگوں کے پاس 3 سے زاید سمیں ہیں، ان کے لیے تاریخ میں توسیع نہیں کی گئی، ایسے افراد 26 فروری تک ہی سمز کی تصدیق کرا سکیں گے، جبکہ 3 سے کم سمیں رکھنے والے افراد کو مہلت دیتے ہوئے تصدیق کی مدت 14 اپریل تک کردی ہے۔ حالانکہ جن کے پاس زیادہ سمز ہیں، ان کو مہلت بھی زیادہ ملنی چاہیے تھی، لیکن ان کو مہلت نہیں دی گئی اور کم سمز والوں کو زیادہ مہلت دی گئی ہے، جو سمجھ سے بالاتر ہے۔ ٹیلی کام ایکسپرٹ نے زور دیا کہ دنیا بھر میں موبائل فون کنکشنز کا دہشت گردی یا جرائم سے براہ راست کوئی تعلق نہیں، جی

ایس ایم اے کی گلوبل ریسرچ رپورٹ بھی اس موقف کو تقویت فراہم کرتی ہے۔
پاکستان میں تمام زیر استعمال سمز کی تصدیق اور رجسٹریشن کے بعد بھی دہشت گردی کے واقعات کا امکان ختم نہیں ہوسکتا، سانحہ پشاور میں بھی بائیومیٹرک تصدیق شدہ سمز ہی استعمال کی گئی تھیں، فی الوقت پاکستان میں کام کرنے والے آپریٹرز دباؤ کا شکار ہیں، سمز کی تصدیق کی مہم کے خاتمے کے بعد یہ دباؤ انڈسٹری کے دوسرے شعبوں میں منتقل ہو سکتا ہے، جن میں ڈیوائسز یا ڈیٹا سروسز شامل ہیں۔ واضح رہے کہ پاکستان میں 2014 کے اختتام تک موبائل فون کنکشنز کی تعداد 13 کروڑ 57 لاکھ 60 ہزار کی سطح پر آ گئی، جس میں حالیہ مہم کے دوران 56 لاکھ سمز کی بندش کے بعد ملک بھر میں زیر استعمال کنکشنز کی تعداد 13 کروڑ کی سطح تک آ گئی ہے۔ مہم کی تکمیل کے بعد 25 سے 30 ملین سمز کی بندش کی صورت میں ملک بھر میں زیر استعمال سمز کی تعداد بھی کروڑ 50 لاکھ کی سطح پر آنے کا اندیشہ ہے۔ ٹیلی کام انڈسٹری کے ذرائع کا کہنا ہے 10 کہ تصدیق کی مہم کے پہلے مرحلے کے اختتام میں ایک ماہ کی توسیع کی جا سکتی ہے، تاہم اس کا حتمی فیصلہ مہم کی مدت کے خاتمے پر تصدیق کی جانے والی سمز کی تعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا جائے گا۔
پاکستانی شہریوں کے ساتھ ساتھ اب غیر ملکیوں اور پاکستان میں مقیم افغان مہاجرین کے زیرِ استعمال سمز کی تصدیق بھی شروع کر دی گئی ہے۔ غیر ملکیوں

کو سم کی تصدیق کے لیے کارآمد وینزہ کی کاپی، مستقل پتہ اور پاکستان میں رہائش کا پتہ دینا ہوگا، جبکہ سم کا غیر قانونی استعمال نہ کرنے کے حوالے سے بیان حلفی بھی موبائل کمپنی کو جمع کروانا ہوگا۔ افغان مہاجرین نادرا کارڈ کی تصدیق شدہ کاپی اور بیان حلفی جمع کروا کر سم کی تصدیق یا نئی سم حاصل کر سکتے ہیں۔ غیر ملکیوں کے زیرِ استعمال سمز وینزہ ختم ہوتے ہی خودکار نظام کے تحت بند ہو جائیں گی، جبکہ افغانی بھی پاکستان میں قیام کی اجازت تک ہی سم استعمال کر سکیں گے۔ دوسری جانب اپنی سمز بند ہوجانے کے ڈر سے بائیومیٹرک تصدیق کے لیے شہریوں کی کثیر تعداد موبائل فون کمپنیوں کے دفاتر اور فرنچائزز، ریٹیلرز شاپس پر کافی زیادہ رش ہے۔ زیادہ رش ٹیلی نار کی فرنچائز پر دیکھنے میں آتا ہے، جس سے عوام کو کافی زیادہ پریشانی کا سامنا ہے۔ تاہم بہت سے شہریوں کو ایک نیا مسئلہ درپیش ہے اور یہ مسئلہ نادرا کی طرف سے بنائے جانیوالے شناختی کارڈ سے متعلق ہے۔ نادرا کے سسٹم میں بہت سے شہریوں کا بائیومیٹرک ریکارڈ ہی موجود نہیں ہے، جس کی وجہ سے سمز کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔ ذرائع کے مطابق 2005ء سے قبل بننے والے کمپیوٹرائزڈ شناختی کارڈز کا بائیومیٹرک ڈیٹا ہی موجود نہیں، جس کی وجہ سے عوام کی بہت بڑی تعداد شناختی کارڈ کی ایکسپائری ڈیٹ سے پہلے ہی نئے کارڈ بنوانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ جب وہ حضرات اپنی سم کی بائیومیٹرک تصدیق کروانے کے لیے فرنچائز پر جاتے ہیں تو ان کو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ آپ کا

ڈیٹا موجود نہیں ہے، جس کی وجہ سے آپ کی سم کی تصدیق نہیں ہو سکتی، لہٰذا آپ اپنا نیا شناختی کارڈ بنوا کر لائیں۔ جس کی وجہ سے موبائل فون سمز کی تصدیق شروع ہونے کے بعد بڑے شہروں میں نادرا کے دفاتر میں بھی رش بڑھ گیا ہے اور شہریوں کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ جبکہ شناختی کارڈ قومی سطح کا معاملہ ہونے کے باوجود بھی نادرا کے دفاتر مختلف شہروں میں بہت کم ہیں، پھر ان میں سے بھی متعدد نادرا سینٹرز میں نئے شناختی کارڈ بنانے کے عمل کو روک دیا گیا ہے۔ نادرا اہلکاروں کے مطابق صرف وہی افراد نئے شناختی کارڈ بنوانے کے لیے ایف آئی آر کے ساتھ درخواستیں جمع کروائیں، جن کے شناختی کارڈ گم ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ کسی کے شناختی کارڈ فی الحال نہیں بنائے جائیں گے۔ وجہ اس کی یہ بتائی جا رہی ہے کہ چونکہ پہلے نئے شناختی کارڈز کے لیے ہزاروں درخواستیں آگے نہیں بھیجی جا سکیں، اس لیے اب پرانی درخواستوں کو نمٹا کر ہی درخواستیں لی جا سکیں گی، ایسے مسائل کی وجہ سے شہریوں کی ایک بڑی تعداد پریشان ہے، جن میں بزرگ اور خواتین بھی شامل ہیں۔ اس کے ساتھ رشوت لے کر بھی نئے شناختی کارڈ بنانے کی اطلاعات ہیں۔ ایک سروے میں شہریوں نے مطالبہ کیا کہ سمز کی تصدیق کے لیے شناختی کارڈز میں انگوٹھے کے نشان کا مسئلہ نئے شناختی کارڈ بنائے بغیر ہی حل کیا جائے۔ حکومت کی طرف سے دیے گئے وقت میں اتنے شناختی کارڈوں کا اجرا اور سمز کی تصدیق ممکن نہیں ہے۔ 2002 سے 2005 تک ملک بھر میں کروڑوں شناختی کارڈ جاری کیے گئے ہیں اور نادرا

حکام کا کہنا ہے کہ ان جاری کردہ شناختی کارڈز پر انگوٹھے کے نشان نادرا کے پاس نہیں ہیں، جبکہ مقرر کردہ مدت میں شناختی کارڈوں کو نئے سرے سے بنوانے کا بھی کہا جارہا ہے، چند دنوں میں کروڑوں افراد کے نئے شناختی کارڈ بنانا ممکن نہیں ہے۔ ہر نادرا دفتر روز دو سو ٹوکن جاری کرتا ہے، ایسی صورت میں تمام افراد کو نئے شناختی کارڈ بنا کر نہیں دیے جا سکتے۔ لہٰذا نادرا حکام اس عرصہ میں بنائے گئے شناختی کارڈز پر از سر نو انگوٹھے کا نشان اپنے ریکارڈ میں لے کر سمز کی تصدیق کا مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔

بھارتی سازش بے نقاب.... حکومت پاکستان کا ناکافی رد عمل

چار بے گناہ پاکستانی ماہی گیروں کی کشتی کی تباہی کے حوالے سے بھارت کی جانب سے رچایا جانے والا ڈرامہ بے نقاب کرنے والا بھارتی کوسٹ گارڈ بھارتی حکومت کے زیر عتاب ہے۔ اپنی منافقت کا پردہ چاک ہونے اور جھوٹ کا بھانڈا پھوٹنے پر شرمندہ بھارتی حکومت سارا غصہ اب بھارتی کوسٹ گارڈ پر نکالنا چاہتی ہے۔ بھارتی حکومت اپنی ساری خفت مٹانے کے لیے حقائق منظر عام پر لانے والے اپنے افسر کو قربانی کا بکرا بنانا چاہتی ہے۔ واضح رہے بھارتی وزارت دفاع نے الزام عاید کیا تھا کہ 31 دسمبر اور یکم جنوری کی درمیانی شب بحیرہ عرب میں پاکستانی ماہی گیروں کی ایک کشتی نے بھارتی نیوی کی جانب سے پکڑے جانے کے خطرے کے پیش نظر خود کو دھماکا خیز مواد سے اڑالیا، جس کے نتیجے میں پاکستانی کشتی میں موجود تمام چار افراد ہلاک ہوگئے تھے۔ بھارتی وزارت دفاع نے الزام لگاتے ہوئے کہا کہ اسے شبہ ہے کہ یہ کشتی کسی مشکوک سرگرمی میں ملوث تھی۔ تاہم انڈین میڈیا نے اس معاملے کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور پاکستان کے خلاف خوب پروپیگنڈا کیا۔ بھارتی وزارت دفاع نے غلطی کا اعتراف کرنے کی بجائے پاکستان پر الزام عائد کیا کہ کشتی میں سوار دہشت گرد دھماکا خیز مواد بھارت لاکر ممبئی طرز کا حملہ کرنا چاہتے تھے، لیکن ایک گھنٹے تک سمندری حدود میں بھارتی کوسٹ

گارڈ نے کشتی کا پیچھا کیا تو دہشت گردوں نے کشتی کو دھماکے سے اڑا دیا اور خود لاپتہ ہوگئے۔ بھارت کی جانب سے پاکستانی کشتی کو یوں تباہ کرنا بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی ہے، اس واقعہ پر بھارت کے اندر سے ہی کئی قسم کے سوالات اٹھائے گئے۔ بھارتی وزارت دفاع کی جانب سے گھڑی گئی اس کہانی پر جب ملک کے اندر سے ہی سوالات اٹھائے گئے تو وزارت دفاع کو سبکی کا سامنا کرنا پڑی اور بالآخر ڈی آئی جی کوسٹ گارڈ نے اعتراف کرلیا کہ پاکستانی ماہی گیروں کی کشتی اس کے حکم پر ہی تباہ کی گئی ہے۔ بھارتی اخبار انڈین ایکسپریس نے اپنی رپورٹ میں انکشاف کیا کہ ہندوستانی کوسٹ گارڈ کے ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل بی کے لوشالی نے اعتراف کیا ہے کہ بحیرہ عرب میں پاکستانی کشتی ان کے حکم پر دھماکے سے اڑائی گئی تھی، جس کے بعد مذکورہ اخبار نے اپنی ویب سائٹ پر بی کے لوشالی کی وہ ویڈیو بھی جاری کردی، جس میں انھیں (جو شمال مغربی ریجن کے چیف آف اسٹاف بھی ہیں) یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ کشتی کو اڑادو، ہم انھیں (پاکستانیوں کو) بریانی نہیں کھلانا چاہتے۔ کوسٹ گارڈ اور دیگر افسران کے سامنے ایک بوٹ کی افتتاحی تقریب میں بی کے لوشالی نے کہا: "آپ کو 31 دسمبر کی وہ رات یاد ہے، جب ہم نے پاکستانی ماہی گیروں کی کشتی کو دھماکے سے اڑایا تھا۔ میں اس وقت گاندھی نگر میں تھا اور میں نے ہی یہ حکم دیا تھا کہ کشتی کو اڑادو۔ ہم انھیں بریانی نہیں کھلانا چاہتے۔ لوشالی نے مزید کہا کہ "مجھے لکھی ہوئی تقریر دی گئی تھی، لیکن میں اپنے دل

"کی بات کہوں گا۔

حقائق منظر عام پر آ جانے سے بھارتی حکومت کی منافقت کھل کر سامنے آ گئی اور پاکستان کے خلاف بھارتی حکومت کا سارا پروپیگنڈا بے نقاب ہوگیا، لیکن بیان دینے پر وزیر دفاع منوہر پاریکر نے ڈی آئی جی کوسٹ گارڈ لوشالی کے بیان کا نوٹس لیتے ہوئے کہا کہ اس حوالے سے تحقیقات کا حکم دے دیا گیا ہے کہ انہوں نے اس طرح کا بیان کیوں دیا، جبکہ وہ اپنے اس موقف پر اب بھی قائم ہیں کہ کشتی مشتبہ پاکستانی دہشت گردوں نے ہی تباہ کی۔ دباؤ بڑھنے پر بھارتی کوسٹ گارڈ کا ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل بی کے لوشالی بھارتی اخبار انڈین ایکسپریس میں شائع ہونے والے اپنے ہی اس بیان سے مکر گیا، جس کے مطابق بحیرہ عرب میں پاکستانی ماہی گیروں کی کشتی کو اڑانے کا حکم اس نے دیا تھا۔ لوشالی کا مزید کہنا تھا کہ وہ اس حوالے سے حکم دینے کے مجاز نہیں تھے، بلکہ اس کی نگرانی شمال مغربی ریجن کے کوسٹ گارڈ کمانڈر کر رہے تھے، لیکن اس تردید کے باوجود پاکستانی کشتی کی تباہی سے متعلق بھارتی جھوٹ بے نقاب کرنے پر کوسٹ گارڈ افسر حکومت کے عتاب کا شکار ہوگیا۔ بھارتی کوسٹ گارڈ کے ڈی آئی جی نے اپنے بیان پر بھارتی حکومت سے معافی بھی مانگی ہے، مگر وزارت داخلہ نے معافی قبول نہ کرتے ہوئے اس کے خلاف کارروائی کا حکم جاری کر دیا۔ بھارتی میڈیا کے مطابق ڈی آئی جی کوسٹ گارڈ کو قانونی کارروائی کا سامنا ہے اور ان

کا کورٹ مارشل بھی کیا جاسکتا ہے۔ بھارتی وزیر دفاع نے بھی ڈی آئی جی کوسٹ گارڈ کے بیان کو ان کا ذاتی بیان قرار دے کر معاملے کو دبانے کی کوشش کی، مگر میڈیا کے دباؤ پر بھارتی حکومت بی کے لوشالی کے خلاف کارروائی پر مجبور ہوئی۔ جبکہ پاکستانی کشتی کی تباہی کے حوالے سے بھارتی حکومت کو خود بھارت کی اپوزیشن جماعت کانگریس کی جانب سے تنقید کا سامنا ہے۔ کانگریس نے پاکستانی کشتی کو دھماکے سے تباہ کرنے کے معاملے پر حکومت کو کڑی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا ہے کہ معاملہ انتہائی حساس ہے، اس کو سنجیدہ لیا جائے۔ حقائق عوام کے سامنے لائیں جائیں۔ بھارتی میڈیا کے مطابق انڈین کانگریس کے ترجمان اجے میکن نے مرکزی حکومت کو پاکستانی کشتی کی تباہی کے معاملے پر شدید تنقید کا نشانہ بناتے کہا کہ بھارتی وزیر دفاع پریکر اس معاملے کو سنجیدہ نہیں لے رہے، لیکن ایسا نہیں کیا جانا چاہیے، کیونکہ اس معاملے سے اس کی نوعیت کے مطابق نمٹا جائے۔ متنازع بیانات دشمن ممالک کی جانب سے آپ کے خلاف استعمال ہوئے ہیں، مودی حکومت ایسے بیانات سے خود کو پاکستان کے سامنے گنہگار ثابت کر رہی ہے۔ حکومت نے ڈی آئی جی کوسٹ گارڈ جی کے لوشانی کو دھمکی دی ہے، جو کہ غلط ہے۔ یہ معاملہ روز اول سے متنازع تھا اور اس پر شکوک و شبہات اٹھ رہے تھے۔

انہوں نے کہا کہ جب ہم نے شکوک و شبہات اٹھائے تھے تو ہمارے اوپر الزام عاید کیا گیا تھا کہ کانگریس پاکستان کی حمایت کر رہی ہے۔

اگرچہ پاکستان کے خلاف اب بھارتی ڈرامہ بے نقاب ہوگیا ہے، لیکن پاکستانی کشتی تباہ کرنے کے بعد بھارت نے آتشزدگی کا نشانہ بننے والی کشتی کو پاکستان سے منسوب کرکے زہریلا پروپیگنڈا کیا کہ یہ ممبئی طرز کے حملوں کی ایک کوشش تھی۔ بھارت نے واویلا کرتے ہوئے امریکی صدر اوباما کے دورہ بھارت کے موقع پر بڑے دہشت گرد حملے کی منصوبہ بندی کا الزام بھی پاکستان پر دھر دیا تھا۔ بھارت کی طرف سے ایسی ڈرامہ بازی اور پاکستان پر الزام تراشی کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے۔ بھارت پاکستان کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اور جب اس کو کوئی ایسا موقع نہیں ملتا تو ڈرامہ بازی سے خود پیدا کر دیتا ہے۔ دسمبر میں کشتی سواروں کی طرف سے خود کو اڑانے کا قصہ بھی بھارت نے گھڑکے پاکستان کو دنیا میں بدنام کرنے کی کوشش کی۔ سمجھوتہ ایکسپریس کی مثال بھی دنیا کے سامنے ہے، جب پانی پت کے قریب ٹرین کی دو بوگیوں میں بارود رکھ کر اسے اڑا دیا گیا تھا، جس سے 68 افراد مارے گئے، جن میں اکثر پاکستانی تھے۔ بھارت نے اس سانحہ کا الزام بھی پاکستان پر لگایا تھا، جو کچھ عرصہ بعد خود بھارتی تحقیقاتی ایجنسی نے لغو قرار دیا۔ اسی تحقیقات کے دوران کرنل پروہت اور سوامی آسیننند نے دھماکے کرانے کا اعتراف کیا۔ ان دو اور دیگر ملزموں کو قانون نافذ کرنیوالے اداروں نے گرفتار کیا اور بعدازاں ان کی ضمانت منظور کرلی گئی۔

ممبئی حملے سمجھوتہ ایکسپریس کے تقریباً دو پونے دو سال بعد ہوئے۔ ان میں بھی بھارت نے پاکستان کو عالمی سطح پر بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ہماری حکومت اس حوالے سے دفاعی پوزیشن پر نظر آئی۔ بھارت کے پروپیگنڈے کا مناسب جواب نہ دیا گیا۔ اجمل قصاب جسے بھارت نے ایک پاکستانی قرار دیا تھا، اس سے پاکستان سے بھارت جانیوالے تحقیقاتی کمیشن سے ملاقات نہیں کرائی گئی۔ دیگر گواہان سے بھی ملنے نہ دیا گیا۔ اجمل قصاب کے پاکستانی نہ ہونے کا بہت بڑا ثبوت یہ تھا کہ دوران تفتیش بنائی گئی ویڈیو میڈیا پر دکھائی گئی، جس میں وہ ہندی میں گفتگو کر رہا تھا۔ بھارت نے ممبئی حملوں کے حوالے سے ہونیوالی تحقیقات سے بھی پاکستان کو آگاہ نہیں کیا۔ بھارت جس طرح جھوٹا اور بے بنیاد پروپیگنڈا کرکے پاکستان کو بدنام کرتا ہے، ہم اس کا سچائی کے ساتھ توڑ کرنے میں بھی ناکام رہتے ہیں۔ انڈین ایکسپریس نے کشتی کی تباہی کا ڈرامہ اس واقعہ کے اگلے ہی روز بے نقاب کر دیا تھا، مگر اس پر شاید پاکستانی حکام کی نظر نہیں پڑی اور اگر پڑی تو یہی سمجھ لیا کہ بھارتی الزامات کی تردید ہو گئی ہے، جبکہ پاکستانی میڈیا نے بھی بھارتی میڈیا کی طرح شور مچا کر عالمی سطح پر اسے اجاگر کرنے کی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ بھارتی میڈیا اور بھارتی حکومت ہمیشہ سے پاکستان کے خلاف جھوٹے واقعات کو بنیاد بنا کر پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں اور ساری دنیا میں پاکستان کے خلاف

واویلا کیا جاتا ہے، لیکن دوسری جانب بھارتی جارحیت کے ثبوت ہونے کے باوجود پاکستانی حکومت ہمیشہ چپ سادھے رہتی ہے۔ جیسا کہ حالیہ واقعہ میں ہوا کہ سارا بھارتی ڈرامہ بے نقاب ہوجانے کے باووجود بھی پاکستانی حکومت کی جانب سے کوئی مضبوط موقف سامنے نہیں آیا۔ بھارتیوں نے بیدردی سے ایک کشتی پر سوار چار بے گناہ پاکستانیوں کی جان لے لی اور اس واقعہ کو پاکستان کے خلاف استعمال کرنے کی بھی کوشش کی۔ بھارت کی اس منافقت پر پاکستان کو سخت ایکشن لینا چاہیے تھا، لیکن افسوس پاکستانی حکام نے بھارتی جارحیت کو سنجیدگی سے نہیں لیا اور پاکستان دفتر خارجہ کی ترجمان تسنیم اسلم نے صرف یہ بیان دے اکہ "پاکستان کی کوئی کشتی لاپتہ نہیں ہوئی اور بھارت کے میڈیا نے کشتی کا ڈرامہ رچایا، تاہم نام نہاد کشتی کا ڈرامہ اب اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ پاکستانی کشتی کا ڈرامہ آہستہ آہستہ منظر عام پر آرہا ہے۔" جبکہ پاکستانی وزیر دفاع خواجہ آصف نے عالمی برادری سے مطالبہ کیا کہ وہ بھارت کی جانب سے بین الاقوامی سمندری قوانین کی خلاف ورزی کا نوٹس لے۔ حالانکہ وزارت خارجہ کو انڈین ایکسپریس کی 2 جنوری کی رپورٹ پر دنیا کو بھارت کا مکروہ چہرہ دکھانا چاہیے تھا۔ کشتی تباہی اور پاکستان پر بے بنیاد الزامات کے حوالے سے بھارت کے معاندانہ، مخاصمانہ اور جارحانہ رویے سے عالمی برادری کو آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ بھارت کے خلاف شدید احتجاج کی ضرورت ہے۔

آئینی ترمیم کا حکومتی فیصلہ....ہارس ٹریڈنگ کا خاتمہ ہوسکے گا؟

5 مارچ کو ملک میں ایوان بالا یعنی سینیٹ کے انتخابات ہونے جا رہے ہیں۔ قومی اسمبلی میں امیدوار عوام سے ووٹ لے کر پہنچتے ہیں، اس کے برعکس سینیٹ کے امیدواروں کا انتخاب قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں موجود عوام کے منتخب نمائندے ووٹر کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں جو سیاسی جماعتیں نمائندگی رکھتی ہیں، وہ سینیٹ کے لیے اپنے نمائندے نامزد کرتی ہیں۔ تمام جماعتوں کی جانب سے زیادہ سے زیادہ نمائندگی حاصل کرنے کے لیے ہر بار ووٹوں کو بھاری قیمت پر حاصل کیا جاتا ہے۔ حسب سابق اس مرتبہ بھی سینیٹ کے انتخابات میں جوڑ توڑ اور ووٹوں کی خرید و فروخت کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ خاص طور پر بلوچستان، خیبر پختونخوا اور فاٹا کے سینیٹرز کے لیے بڑے پیمانے پر خرید و فروخت کا عمل بھی اندرون خانہ جاری ہے۔ ذرائع کے مطابق سینیٹر منتخب ہونے کے خواہشمند امیدوار بریف کیسوں میں کروڑوں روپے لیے پھر رہے ہیں، جس کی وجہ سے بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں حیران کن نتائج آنے کی توقعات ہیں۔ ذرائع کے مطابق خیبر پختونخوا کے رکن صوبائی اسمبلی کے ووٹ کے لیے 3 سے 6 کروڑ، جبکہ فاٹا سے سینیٹ کے ووٹ کے لیے بولی 40 کروڑ تک جا پہنچی ہے۔ بعض ارکان کا دعویٰ ہے کہ فاٹا سے سینیٹر بننے کے لیے ایک رکن قومی اسمبلی کو

ووٹ کے لیے 40 کروڑ تک کی آفر کی جا رہی ہے۔ 5 مارچ کو سینیٹ کے انتخابات کے بعد سینیٹ کے ایوان میں پیپلز پارٹی اور (ن) لیگ بڑی اکثریتی جماعتیں ہوں گی، یہی وجہ ہے کہ دونوں جماعتیں اپنے زیادہ سے زیادہ امیدواروں کی کامیابی کے لیے بھرپور کوشش کر رہی ہیں۔ (ن) لیگ اور پیپلز پارٹی میں چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین سینیٹ کے عہدوں کے حصول کے لیے کشمکش انتہائی تیز ہو چکی ہے۔ 5 مارچ کے بعد تحریک انصاف اور قومی وطن پارٹی پہلی بار سینیٹ کی پارلیمانی سیاست میں داخل ہوں گی۔ سینیٹ الیکشن سے پہلے کھلے عام ووٹوں کی خرید و فروخت پر مختلف جماعتوں کی جانب سے نہ صرف اعتراضات کیے گئے ہیں، بلکہ ہارس ٹریڈنگ کے خاتمے کو ضروری قرار دیا گیا۔ سب سے پہلے اس معاملے پر تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے سوال اٹھایا اور سینیٹ الیکشن میں ہارس ٹریڈنگ کے خاتمہ کے لیے صاف و شفاف الیکشن کے لیے اقدامات کی آواز اٹھائی۔ اس کے بعد جماعت اسلامی اور دوسری جماعتوں کی طرف سے بھی یہی آوازیں اٹھنا شروع ہوئیں۔ پی ٹی آئی چیئرمین عمران خان کا کہنا تھا کہ سینٹ انتخابات کے لیے ہارس ٹریڈنگ شروع کر دی گئی ہے، جس کا خاتمہ ضروری ہے، جبکہ امیر جماعت اسلامی سراج الحق کا کہنا تھا کہ ارکان اسمبلی کی بھیڑ بکریوں کی طرح قیمت لگائی جا رہی ہے۔ سینیٹ الیکشن کو مویشی منڈی بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ سینیٹ الیکشن میں ہارس ٹریڈنگ نہیں ہونی چاہیے۔ جے یو آئی کے رہنما مولانا عبدالغفور حیدری نے بھی کہا کہ اگر ہارس ٹریڈنگ کے ذریعے کرپٹ لوگ آ گئے تو

اس کا ملک کو بڑا نقصان ہوگا، سینیٹ کا ممبر بننے کے لیے 30 کروڑ روپے کی بولیاں لگ رہی ہیں، جو لوگ پیسے دے کر سینیٹر بنیں گے، وہ کرپشن کے سوائے کچھ نہیں کر سکتے۔ سینیٹ میں ہارس ٹریڈنگ کو روکنے کے لیے سخت قانون سازی کی ضرورت ہے، تاکہ ضمیر فروشی کا سلسلہ بند ہو سکے۔

سینیٹ کے انتخابات کے لیے ملک میں سیاسی جوڑ توڑ اور ہارس ٹریڈنگ کی بازگشت کے بعد اسلام آباد میں وزیر اعظم نواز شریف کی زیر صدارت وفاقی کابینہ کے اجلاس میں کابینہ کو سینیٹ انتخابات میں ہارس ٹریڈنگ روکنے کے لیے آئینی ترمیم لانے کے حوالے سے اعتماد میں لیا گیا۔ وزیر اعظم نواز شریف نے کہا کہ وہ 1985ء سے سینیٹ ہارس ٹریڈنگ روکنے کے لیے کام کر رہے ہیں۔ پہلی مرتبہ ہارس ٹریڈنگ روکنے کے لیے آئینی ترمیم لانے والا ماحول بنا ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف نے نئی آئینی ترمیم کے لیے کمیٹی تشکیل دے دی ہے، کمیٹی نے سیاسی جماعتوں سے رابطے بھی شروع کر دیے ہیں۔ حکومت کی جانب سے ہارس ٹریڈنگ کے خاتمے کے لیے کمیٹی کی تشکیل کو بعض جماعتوں نے کافی سراہا ہے۔ عمران خان نے حکومت کے سینیٹ الیکشن کے لے شو آف ہینڈ کے فیصلے کو خوش آیند قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس فیصلے پر مسلم لیگ (ن) کی تعریف کرتا ہوں، آئینی ترمیم پر حکومت کی مکمل سپورٹ کریں گے۔ سینیٹ میں ہارس ٹریڈنگ کے حوالے سے آئینی ترمیم کا حکومت کا اچھا فیصلہ ہے۔ جو شخص پیسے لگا کر سینیٹ میں آئے

گا، اسے عدالتوں میں گھسیٹیں گے، ان کے گھروں کا گھیراؤ کریں گے اور انہیں مستعفی ہونے پر مجبور کریں گے۔ جبکہ سابق صدر زرداری کا کہنا تھا کہ "دھاندلی اور ہارس ٹریڈنگ کی بیماریوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی ضرورت ہے۔ حکومت کا ہارس ٹریڈنگ کے مسئلے کو سنجیدگی سے لینا خوش آیند ہے۔ دھاندلی کا مسئلہ تمام سیاسی جماعتوں کو مل کر حل کرنا چاہیے۔ اے پی سی بلا کر ہارس ٹریڈنگ اور دھاندلی کا پائیدار حل نکالا جائے۔" اس بات میں کوئی شک نہیں صاف و شفاف سینیٹ انتخابات کے حوالے سے عمران خان کا موقف اصولی تھا، لیکن سینیٹ الیکشن میں خفیہ رائے شماری سے اپنی پارٹی کو درپیش خطرہ انہوں نے قبل از وقت محسوس کرلیا تھا اور اسی خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے عمران خان نے دو ٹوک الفاظ میں واضح کیا کہ اگر ان کی پارٹی کے ممبران ہارس ٹریڈنگ میں ملوث پائے گئے تو انہیں پارٹی میں نہیں رہنے دیا جائے گا اور نہ ہی انہیں آئندہ کبھی پارٹی ٹکٹ دیا جائے گا۔ اس حوالے سے مسلم لیگ (ن) کا موقف بھی یہی رہا ہے کہ سینیٹ الیکشن میں ہارس ٹریڈنگ نہ ہونے دی جائے۔ اگرچہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سینیٹ الیکشن کے ٹکٹوں کی تقسیم پر مسلم لیگ (ن) کو بھی یہ خطرہ تھا کہ کہیں ان کے ناراض ارکان بھی ہارس ٹریڈنگ میں ملوث نہ ہو جائیں، کیونکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں مسلم لیگ (ن) کو ارکان کے ہارس ٹریڈنگ میں ملوث ہونے کا خطرہ ہے، مگر یہ بات بھی درست ہے کہ وزیراعظم میاں نواز شریف سینیٹ الیکشن کے لیے پارٹی ٹکٹوں کے

اجرا سے پہلے بھی اس بات کے خواہاں تھے کہ الیکشن میں ہارس ٹریڈنگ کی حوصلہ شکنی ہو۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ وفاقی کابینہ کے اجلاس میں سینیٹ الیکشن میں ہارس ٹریڈنگ روکنے کے لیے آئینی ترمیم لانے کا فیصلہ انقلابی اقدام ہے اور توقع کی جا رہی ہے کہ سینیٹ الیکشن میں پیسے کا کھیل ختم کرنے اور ہارس ٹریڈنگ کی لعنت کے خاتمے کے لیے چار مارچ سے پہلے ہی آئینی ترمیم پارلیمنٹ سے منظور ہو جائے گی، کیونکہ تحریک انصاف، جماعت اسلامی اور مسلم لیگ (ن) بظاہر اس کے حق میں ہیں اور دیگر جماعتوں نے بھی وفاقی کابینہ کے اس فیصلے سے اصولی طور پر اتفاق کیا ہے۔

بادی النظر میں اس مجوزہ آئینی ترمیم کے لیے اتفاق رائے کی فضا ہموار ہو چکی ہے، مگر پاکستان الیکشن کمیشن کی اس وضاحت نے کہ سینیٹ انتخابات کا شیڈول جاری ہو چکا ہے، اس لیے انتخابات کے ضوابط میں کسی تبدیلی کا موجودہ انتخابات پر اطلاق نہیں ہو سکتا، موجودہ سینیٹ انتخابات میں ہارس ٹریڈنگ کی روک تھام کو بے اثر کر دیا ہے۔ جبکہ دوسری جانب سیاسی جماعتیں بھی خود ہی ہارس ٹریڈنگ کے خاتمے کے لیے مخلص دکھائی نہیں دے رہیں۔ ایک طرف تو آصف زرداری حکومت کی جانب سے ہارس ٹریڈنگ کا نوٹس لینے کو خوش آئند قرار دے رہے ہیں، جبکہ دوسری جانب قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف سید خورشید شاہ کا کہنا ہے کہ سینیٹ انتخابات شو آف ہینڈ سے ہو ہی نہیں سکتے، نہ ہی الیکشن

شیڈول آنے کے بعد کوئی آئینی ترمیم کی جا سکتی ہے۔ حکومت نے ترمیم لانی تھی تو پہلے مشاورت کرتی۔ خورشید شاہ کا مزید کہنا ہے کہ اگرچہ ہارس ٹریڈنگ جمہوری نظام کے لیے کینسر ہے، لیکن ہارس ٹریڈنگ کے لیے آئین میں ترمیم کرنا افسوس ناک ہے۔ تمام سیاسی جماعتوں کو بیٹھ کر اس کا حل نکالنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہارس ٹریڈنگ کا نوٹس لینے والی حکمران جماعت پر ہارس ٹریڈنگ کے الزامات لگ رہے ہیں۔ یہ اطلاعات بھی ہیں کہ سینیٹ کا انتخاب قریب آتے ہی پنجاب میں حکمران جماعت مسلم لیگ ن کے ارکان اسمبلی کو خوب پروٹوکول مل رہا ہے۔ ایوان وزیر اعلیٰ میں ظہرانے اور عشائیہ تقریبات میں ارکان اسمبلی کو سینیٹ کا انتخابی عمل سمجھایا جائے گا، مسلم لیگ ن نے 7 گروپ بنا کر انچارج وزراء کا تقرر کر دیا ہے۔ ہر گروپ میں 45 ارکان اسمبلی کو شامل کیا گیا ہے۔ ارکان اسمبلی کو کھانے کھلانا وزراء کی ذمہ داری ہو گی۔ دعوتوں اور کھانوں کی نوازشات سے پہلے ارکان اسمبلی کو ترقیاتی فنڈز ملنے کی بھی خوشخبری مل چکی ہے۔

دوسری جانب سینیٹ انتخابات میں ہارس ٹریڈنگ روکنے کے لیے حکومت کی جانب سے قانون سازی کرنے کے عمل کو آئینی و قانونی حلقوں نے تاخیر قرار دیا ہے۔ قانونی اور آئینی ماہرین کی رائے میں آئین میں تبدیلی کی اس خواہش میں بہت تاخیر ہو چکی۔ قانونی ماہرین کا خیال ہے کہ حکومت کے سینیٹ میں آئینی ترمیم

کے لیے دو تہائی اکثریت کا حصول ممکن نہیں ہوگا۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت نے ہارس ٹریڈنگ کے حوالے سے پہلے اسی لیے ایکشن نہیں لیا، کیونکہ وہ اس حوالے سے مخلص نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا مروجہ انتخابی نظام خامیوں کا مجموعہ نظر آتا ہے۔ ہارس ٹریڈنگ کی لعنت ماضی میں بھی تھی، جبکہ اب سینیٹ کے حالیہ انتخابات کے مراحل میں تو امیدواروں اور ووٹروں کی جانب سے کروڑوں کے بھاؤ تاؤ کی زیر گردش خبروں نے اس سسٹم میں حکمران اشرافیہ طبقات اور عام آدمی میں خلیج اور بھی گہری کر دی ہے۔ ہارس ٹریڈنگ پر وزیراعظم کی تشویش اپنی جگہ درست ہے، مگر جب سیاسی جماعتوں کی قیادتیں خود ہی میرٹ کا جنازہ نکال کر کالے دھن والوں کو پارٹی ٹکٹ سے نواز رہی ہوں اور ایسے لوگوں کو سینٹ میں لانے کے لیے مروجہ قانون کے ساتھ آنکھ مچولی کرکے ان کے ووٹ دوسرے صوبوں میں شفٹ کیے جا رہے ہوں تو ایسے امیدواروں کی موجودگی میں ہارس ٹریڈنگ کی لعنت سے کیسے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ جب تک پارٹی قیادتیں خود منتخب ایوانوں میں عام آدمی کی نمائندگی کے لیے مخلص نہیں ہوں گی، اس وقت تک ان ایوانوں میں عوام کی حقیقی نمائندگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

پاکستان: سرمایہ کاری میں کمی.... ملکی معیشت شدید متاثر

پاکستان کافی عرصے سے بدامنی، بھتا خوری، توانائی بحران، سیاسی عدم استحکام، بے روزگاری اور دیگر متعدد مسائل کی دلدل میں بری طرح دھنسا ہوا ہے، جس کی وجہ سے جہاں ایک طرف پاکستانی معاشرہ بے یقینی اور تذبذب کی کیفیت میں مبتلا ہے، وہیں دوسری طرف پاکستانی معیشت بھی شدید خطرات سے دوچار ہے۔ امن و امان کی ابتر صورت حال اور توانائی کے بحران کے باعث غیر ملکی سرمایہ کاری کم ہو گئی ہے۔ گزشتہ ماہ براہ راست غیر ملکی سرمایہ 90 فیصد کمی سے صرف ایک کروڑ ڈالر رہ گئی ہے۔ ملک میں امن و امان کی مخدوش صورتحال، سیاسی رسہ کشی اور توانائی کے بدترین بحران نے غیر ملکی سرمایہ کاروں کا اعتماد کم کر دیا ہے، جس کے باعث براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری میں کمی ریکارڈ کی گئی۔ اسٹیٹ بینک کے مطابق رواں مالی سال جولائی سے جنوری 2015 کے دوران براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری 78 لاکھ ڈالر کمی سے صرف 54 کروڑ 54 لاکھ ڈالر رہی۔ گزشتہ سال اس دوران سرمایہ کاری کا حجم 55 کروڑ 32 لاکھ ڈالر تھا، صرف جنوری کے دوران براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری 9 کروڑ ڈالر کمی سے صرف ایک کروڑ 63 لاکھ ڈالر ریکارڈ کی گئی۔ واضح رہے کہ پاکستانی معیشت جن مسائل کی وجہ سے شدید خطرات کی زد میں ہے، ان میں

بدامنی، بھتا خوری، توانائی بحران اور سیاسی عدم استحکام سرفہرست ہیں۔ پاکستان گزشتہ تقریباً دس سال سے دہشت گردی کا شکار ہے۔ ملک میں آئے روز بم دھماکے اور خود کش حملوں کی وجہ سے پاکستان میں خوف و ہراس اور پریشانی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جبکہ پاکستان کے مختلف شہروں میں ٹارگٹ کلنگ بھی زوروں پر ہے، اس حوالے سے کراچی کا نام سرفہرست ہے۔ اگرچہ بدامنی و خوف و ہراس پورے ملک میں ہے، لیکن کراچی میں بدامنی کا راج کئی گنا زیادہ ہے۔ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کے علاوہ بھتا خوری بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ کراچی میں بھتا خوری کی وجہ سے ملکی معیشت کو سب سے زیادہ نقصان ہوا ہے، کیونکہ بھتا خور بھتا نہ ملنے پر فیکٹریوں کو آگ لگا دیتے ہیں اور تاجروں کو قتل کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے سرمایہ کار کراچی چھوڑ کر بیرون ملک منتقل ہو رہے ہیں۔ اگرچہ کراچی میں گزشتہ تقریباً ڈیڑھ سال سے رینجرز آپریشن جاری ہے، لیکن ابھی تک کراچی میں ٹارگٹ کلنگ، اسٹریٹ کرائم اور بدامنی پر قابو نہیں پایا جا سکا۔ مسلم لیگ (ن) کی حکومت کو آئے ہوئے بھی دو سال ہونے کو ہیں، لیکن حکومت بدامنی کو کنٹرول کرنے میں ناکام رہی ہے۔ کراچی چونکہ ملک کا معاشی حب ہے، جس کے حالات پورے ملک پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کراچی کے حالات کو دیکھتے ہوئے غیر ملکی سرمایہ کاروں کے ساتھ ملکی سرمایہ کاروں کی بھی بڑی تعداد کراچی کو خیر باد کہہ رہی ہے۔ جبکہ ایک عرصے سے ملک میں موجود توانائی بحران بھی پاکستان کی معیشت کو تباہ کرنے کا بڑا سبب واقع ہوا ہے۔ میاں نواز شریف نے

عام انتخابات سے پہلے یہ اعلان کیا تھا کہ الیکشن جیت کر ہم چند ہی ماہ میں ملک سے توانائی کے بحران کا خاتمہ کردیں گے، لیکن دو سال بعد بھی حکومت توانائی کے بحران پر قابو پانے میں تو کامیاب کیا ہوتی، بلکہ توانائی بحران میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ بجلی و گیس کی لوڈ شیڈنگ میں مزید اضافہ ہوا ہے، جس سے پاکستانی انڈسٹری تباہی کے دھانے پر پہنچ چکی ہے۔ اگرچہ موجودہ حکومت نے توانائی کے حوالے سے کئی منصوبے شروع کیے ہوئے ہیں، لیکن ان کی تکمیل کے لیے بھی کئی سال درکار ہیں۔ اس کے ساتھ ملک میں سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے بھی ملکی معیشت کو شدید خسارہ پہنچ رہا ہے۔ جب سے نواز حکومت ملک میں آئی ہے اس وقت سے لے کر آج تک ملک سیاسی طور پر مستحکم نہیں ہوا ہے۔ حکومت اور اپوزیشن کے ایک ساتھ مل کر ملک کے مفاد میں کام کرنے کی بجائے ایک طرف حکومت نے اقربا پروری اور سیاسی مفادات حاصل کرنے پر اپنی ساری توجہ مرکوز کی ہوئی ہے، وہیں دوسری طرف بعض اپوزیشن جماعتوں نے حکومت کے خلاف محاذ کھولا ہوا ہے۔ گزشتہ سال پہلے ایک طرف طاہر القادری حکومت کو گرانے کے لیے اسلام آباد میں ڈیرہ جمائے بیٹھے رہے، جبکہ دوسری جانب کئی ماہ تک وفاقی دارالحکومت میں پی ٹی آئی نے دھرنا دیا رکھا، جس سے نہ صرف پاکستان کو کھربوں کا نقصان ہوا، بلکہ کئی ممالک کے پاکستان کے ساتھ ہونے والے ترقیاتی معاہدے بھی منسوخ ہوئے، جبکہ اس کے بعد بھی ملک میں سیاسی حالات معمول پر نہیں آسکے۔

پاکستان کے موجودہ حالات سرمایہ کاروں کے لیے موافق نہیں ہیں۔ بدامنی، بھتا خوری، اغوا برائے تاوان، توانائی بحران اور سیاسی عدم استحکام کے سائے ہیں غیر ملکی سرمایہ کار پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے سے گھبراتا ہے۔ غیر ملکی سرمایہ کار کسی بھی ملک میں سرمایہ کاری کرنے کا منصوبہ اچانک نہیں بناتے، بلکہ اس کے لیے دس بیس سال مکمل منصوبہ بندی کرتے ہیں، اس کے بعد کسی بھی ملک میں سرمایہ کاری کرتے ہیں۔

دوسرے ملک میں سرمایہ کاری کرنے کے بعد انڈسٹریز چونکہ کئی کئی سال تک قائم رہتی ہیں، اس لیے ملک کے حالات مستحکم اور پرسکون ہونا ضروری ہیں، لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ پاکستان میں ایک عرصے سے حالات معمول پر نہیں آئے، بلکہ دن بدن مزید بگڑ رہے ہیں، جس سے غیر ملکی سرمایہ کار پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے سے کنی کترا رہا ہے اور ملک میں پہلے سے موجود سرمایہ کار اپنا سرمایہ پاکستان سے نکال رہا ہے۔ غیر ملکی سرمایہ کار حصص خریدنے کی بجائے پہلے سے اپنے پاس موجود حصص فروخت کرنے کو ترجیح دے رہے ہیں۔ فروری کے مہینے میں غیر ملکی سرمایہ کاروں نے حصص فروخت کرکے پاکستان کی اسٹاک مارکیٹ سے 6 کروڑ 24 لاکھ 68 ہزار ڈالر کا سرمایہ نکالا۔ نیشنل کلیئرنگ کمپنی آف پاکستان لمیٹڈ کے اعداد و شمار کے مطابق غیر ملکی سرمایہ کاروں نے فروری کے آخری ہفتے کے دوران اسٹاک مارکیٹ سے 97 لاکھ 77 ہزار ڈالر نکالے، جبکہ اس سے پہلے ہفتے کے دوران

لاکھ 31 ہزار ڈالر مالیت کے حصص خریدے تھے، جنوری 2015 کے مہینے کے دوران 93 غیر ملکیوں نے اسٹاک مارکیٹ میں 27 لاکھ 99 ہزار ڈالر کی سرمایہ کی تھی، تاہم فروری کے مہینے میں غیر ملکی سرمایہ کاروں نے بڑے پیمانے پر حصص فروخت کیے اور اپنا سرمایہ مارکیٹ سے نکال لیا۔ جبکہ دوسری جانب پاکستان کے حالات کی وجہ سے پاکستان کا اپنے سرمایہ کار بھی ملک کو چھوڑ کر دوسرے ممالک میں اپنا سرمایہ منتقل کر رہے ہیں۔ سال گزشتہ ماہ اگست میں وزارت خزانہ کی طرف سے جاری کردہ اعداد و شمار میں بتایا گیا تھا کہ پاکستان سے گزشتہ 5 سال کے دوران مجموعی طور پر 47 کروڑ 85 لاکھ 60 ہزار ڈالر مالیت کا سرمایہ بیرون منتقل ہوا ہے۔ یہ وہ سرمایہ ہے جو کابینہ کی اقتصادی رابطہ کمیٹی (ای سی سی) اور اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی منظوری سے بیرون ممالک سرمایہ کاری کے لیے منتقل ہوا ہے، جبکہ غیر قانونی طریقے سے جو سرمایہ بیرون ممالک منتقل ہوا ہے اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہے۔ مالی سال 2009 سے مالی سال 2013-14 کے دوران بیرون ممالک منتقل ہونے والے 47 کروڑ 85 لاکھ 60 ہزار ڈالر مالیت کے سرمائے میں سے 12 کروڑ 76 لاکھ 70 ہزار ڈالر اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی منظوری سے بیرون ملک منتقل ہوا ہے، جبکہ 35 کروڑ 8 لاکھ 90 ہزار ڈالر کابینہ کی اقتصادی رابطہ کمیٹی (ای سی سی) کی منظوری سے بیرون ملک منتقل ہوئے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق پاکستان سے بیرون سرمایہ کی منتقلی میں اس وقت اضافہ ہوتا ہے جب ملک میں ناموافق معاشی حالات و واقعات ہوں اور سرمایہ کاری کی ناقص

صورتحال ہو یا امن و امان کی صورتحال خراب ہو اور سیاسی عدم استحکام ہو۔
ذرائع کے مطابق پاکستان کی خراب معاشی صورتحال بدامنی اور توانائی بحران سے تنگ آکر سرمایہ کاروں کی بڑی تعداد نے اپنا سرمایہ بیرون ملک منتقل کردیا ہے، جبکہ ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر ممالک نے بھی پاکستانی سرمایہ کاروں کو پرکشش مراعات کا لالچ دے ا۔ پاکستان سے ٹیکسٹائل سیکٹر بنگا دیش منتقل ہوا ہے۔ جہاں بنگلا دیشی حکومت نے پاکستانی سرمایہ کاروں کو پرکشش مراعات فراہم کی ہیں، پاکستان سے بنگلا دیش صنعتیں منتقل کرنے والوں کو صنعتی زونز میں مفت پلاٹ اور رہائش کے لیے مفت لگژری اپارٹمنٹ دیے گئے ہیں۔ ذرائع کے مطابق گزشتہ چند سال کے دوران 10 ہزار پاکستانیوں نے بنگلا دیش میں 500 ملین ڈالر سے زائد کی سرمایہ کاری کی ہے، حالانکہ گزشتہ سال بنگلا دیش کے سیاسی حالات کافی کشیدہ رہے ہیں، اس کے باوجود پاکستانی سرمایہ کاروں نے اپنا سرمایہ پاکستان سے بنگلا دیش میں منتقل کرنے کو ترجیح دی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک پاکستان کے حالات بنگلا دیش سے بھی بدتر ہیں۔ جبکہ بنگلا دیشی حکومت نے ایک طرف غیر ملکی سرمایہ کاروں اپنے ملک میں خوش آمدید کہا، جبکہ دوسری جانب دوسرے ممالک کے ساتھ اپنے ملک کے لاکھوں افراد کے روزگار کا معاہدہ کیا۔ اسی ضمن میں فوری طور پر پانچ لاکھ خادمائیں سعودی عرب کو فراہم کرنے اور ہر سال تقریباً ڈیڑھ لاکھ مزدور سعوری عرب کو فراہم کرنے کا معاہدہ کیا گیا ہے۔ بنگلا دیش کے بعد پاکستانی سرمایہ کاروں

کی بڑی تعداد اپنا سرمایہ ملائیشیا میں منتقل کر چکی ہے اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔ ملائیشیا منتقل ہونے والے پاکستانیوں میں اکثریت کراچی کے تاجروں کی ہے، جو کراچی کے حالات سے تنگ آ کر اپنی فیملیوں کے ہمراہ ملائیشیا منتقل ہو چکے ہیں۔ پاکستانی سرمائے کی بیرون ملک منتقلی کی تیسری بڑی جنت دبئی ہے۔ ذرائع کے مطابق پاکستانی سرمایہ کاروں کی بہت بڑی تعداد اپنا کاروبار دبئی میں منتقل کر چکی ہے۔ جبکہ ذرائع کے مطابق 2013 اور 2014 کی درمیانی مدت میں پاکستانیوں نے دبئی میں 16 ارب یو اے ای درہم یعنی 441.76 ارب روپے کی مالیت کی املاک کی خریداری کی۔ پاکستانیوں نے 2014ء کے دوران 7.5 ارب درہم یعنی 207.075 ارب روپے مالیت کی جائیداد کی خریداری کی۔ ان حالات میں حکومت پاکستان کو چاہیے کہ ملکی و غیر ملکی سرمایہ کاروں کو تحفظ اور مواقع فراہم کرے۔ سرمایہ کاروں کو پاکستان میں سرمایہ خرچ کرنے کی ترغیب دیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ کار پاکستان میں اپنا سرمایہ خرچ کریں، جس سے ایک طرف پاکستان کی معیشت مضبوط ہوسکے اور دوسری جانب پاکستان میں موجود لاکھوں بے روزگاروں کو روزگار مل سکے۔

پاکستان: بھارتی سیکرٹری خارجہ کا دورہ.... امریکی دباؤ کا نتیجہ!

پاکستان اور بھارت روایتی حریف پڑوسی ممالک ہیں، جن کے تعلقات تقریباً روز اول سے کشیدگی کا شکار ہیں۔ آئے روز سرحدوں پر ہونے والی گولہ باری اس کشیدگی کو مزید بڑھاوا دیتی ہے۔ دونوں ملکوں کے درمیان موجود کشیدگی کی بڑی وجوہات کشمیر پر بھارت کا غاصبانہ قبضہ، پاکستان کے خلاف آبی جارحیت اور پاکستان میں دہشت گردی کی کاروائیوں میں بھارت کا ملوث ہونا ہے۔ پاکستان متعدد بار اس کشیدگی کو ختم کرنے کے لیے بھارت سے بات چیت کے علاوہ عالمی سطح پر بھی اس معاملے کو اٹھا چکا ہے، لیکن ہر بار بھارت کی ہٹ دھرمی آڑے آجاتی ہے۔ دونوں ملکوں کے درمیان پائی جانے والی کشیدگی کے حوالے سے منگل کے روز بھارت کے سیکرٹری خارجہ ایس جے شنکر نے پاکستان کا دو روزہ دورہ کیا اور پاکستانی ہم منصب اعزاز چودھری سے ملاقات کی۔ سبرامنیم جے شنکر وزیراعظم نواز شریف سے بھی ملے اور انہیں بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کا خط پہنچایا۔ سیکرٹری خارجہ اعزاز چودھری نے میڈیا کو بتایا کہ بھارتی سیکرٹری خارجہ سے کشمیر سمیت تمام ایشوز پر بات ہوئی۔ ملاقات میں فاٹا اور بلوچستان میں بھارتی مداخلت کا معاملہ اٹھایا۔ سیاچن، سرکریک اور دیگر امور پر بات چیت کرنے پر اتفاق کیا گیا۔ بھارتی ہم منصب کے سامنے ایل او سی پر کشیدگی کا معاملہ اٹھایا۔

ملاقات میں سمجھوتہ ایکسپریس کا معاملہ بھی اٹھایا گیا، سات آٹھ سال ہو گئے، مگر سمجھوتہ ایکسپریس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔ ملاقات میں 2003ء کے سیز فائر معاہدے پر عملدرآمد کے لیے بھی بات ہوئی۔ جبکہ بھارت کے خارجہ سیکرٹری سبرامینم جے شنکر کا کہنا تھا کہ ملاقات میں سرحدی کشیدگی کم کرنے پر زور دیا گیا۔ سرحد پر دہشت گردی اور ممبئی حملوں کا معاملہ بھی زیر غور آیا۔ جبکہ میڈیا کے ساتھ مختصر گفتگو میں وہ سانحہ سمجھوتہ ایکسپریس کے بارے میں سوال کا جواب گول کر گئے اور دیگر کئی سوالات کا بھی جواب نہیں دیا۔ بھارتی خارجہ سیکرٹری نے کہا کہ پاکستان سارک کا آئندہ چیئرمین ہوگا۔ بھارت چاہتا ہے کہ وہ بھرپور طریقے سے پاکستان کے ساتھ سارک میں کام کرے۔ سرحد پر امن قائم رکھنا انتہائی اہم ہے۔ دونوں ملکوں نے اتفاق کیا کہ سیز فائر معاہدے پر عمل ہونا چاہیے۔ بھارتی خارجہ سیکرٹری سے ملاقات میں وزیراعظم نواز شریف نے واضح کیا کہ کشمیر، سیاچن، سرکریک، پانی کے مسائل اور اپنے اندرونی معاملات میں بھارتی مداخلت کے تحفظات کو دور کیے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کی تقریب حلف برداری میں شرکت کا بڑا مقصد بھی یہی تھا، تاہم افسوس ہے کہ بعد میں صورتحال مناسب نہ رہی۔ وزیراعظم نے کہا کہ پاکستان اور بھارت کو دنیا کے دیگر خطوں میں ہونے والی ترقی کو دیکھ کر سبق حاصل کرنا چاہیے۔ دونوں ملکوں کو اپنے تعلقات میں نئے دور کا آغاز کرنا ہوگا۔ وزیراعظم نے توقع ظاہر کی دونوں ممالک کے خارجہ

سیکرٹریز کے درمیان بات چیت دونوں ممالک کے دوطرفہ تعلقات کو آگے بڑھانے کے لیے مددگار ثابت ہو گی۔

بھارتی خارجہ سیکرٹری کے دورہ پاکستان سے دونوں ملکوں کے تعلقات آنے کے حوالے سے اگرچہ کافی توقعات وابستہ کی جا رہی ہیں، لیکن تجزیہ کاروں کے مطابق بھارتی سیکرٹری خارجہ کے دورہ پاکستان سے دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کی بحالی کے سلسلے میں کسی غیر معمولی پیشرفت کی توقع نہیں اور نئی دہلی میں بی جے پی کی حکومت اقتدار میں آنے کے بعد سے پاک بھارت تعلقات میں جو تلخی آئی تھی، اس میں فوری کمی کے امکانات نظر نہیں آ رہے۔ بھارتی خارجہ سیکرٹری سبرامینیم جے شنکر بظاہر سارک کانفرنس پر صلاح مشورہ لے کر پاکستان آئے ہیں، لیکن اندرون خانہ بھارتی خارجہ سیکرٹری پاکستان کے ساتھ دو طرفہ بات چیت کا منقطع ہونے والا سلسلہ شروع کرنے کی خواہش کا اظہار کرنے آئے ہیں۔ بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کی پاکستان کو مرعوب کرنے کی پالیسی کامیاب نہیں ہو سکی۔ مودی کی پالیسیوں کی وجہ سے پاک بھارت کشیدگی میں اضافہ ہوا۔ دوسری طرف چین کے ساتھ بھی بھارت کے تعلقات میں تناؤ پیدا ہوا۔ دو اہم ہمسایوں کے ساتھ کشیدہ مراسم کی وجہ سے نریندرا مودی پر خود بھارت کے اندر بھی سخت تنقید ہوئی۔ جبکہ پاکستان میں بھارتی مداخلت کا معاملہ بھی کافی عرصے سے زیر بحث ہے۔ پاکستان میں بھارتی مداخلت کے حوالے سے متعدد

شواہد کے علاوہ گزشتہ دنوں جنرل راحیل شریف بھی یہ بیان دے چکے ہیں کہ بھارت کو سمجھادیا کہ پاکستان میں مداخلت سے باز رہے، پاکستان میں دہشت گردی میں بھارت ملوث ہے۔

واضح رہے کہ پاکستان کی جانب سے سال 2009ء میں مصر کے تفریحی مقام شرم الشیخ میں اس وقت کے بھارتی وزیراعظم منموہن سنگھ اور پاکستانی وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کے درمیان بات چیت کے بعد جاری ہونے والے مشترکہ اعلامیے میں بلوچستان میں بھارت کی مداخلت کا معاملہ شامل تھا۔ دونوں ممالک کی جانب سے ایل او سی اور ورکنگ باؤنڈری پر جنگ بندی کے معاہدے کی متعدد بار خلاف ورزیاں کرنے کے الزامات سامنے آ چکے ہیں۔ تاہم ان میں شدت اس وقت آئی جب بھارت میں قوم پرست جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی اقتدار میں آئی۔ نریندر مودی کے برسر اقتدار آنے کے بعد ایک طرف تو بھارت میں موجود مسلم کش فسادات اور نہتے کشمیریوں کے قتل عام میں اضافہ ہوا ہے اور بھارت میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جانے لگا، جس کی تازہ مثال گزشتہ روز بھارتی انتہا پسند ہندو تنظیم شیو سینا کا یہ بیان ہے جس میں اس نے کہا ہے کہ اگر بھارت میں موجود مسلمان افراد مسلمانوں کی حیثیت سے اچھا سلوک چاہتے ہیں تو وہ پھر پاکستان چلے جائیں، ورنہ ہندو بن جائیں۔ اگر مسلمان بھارت سے کچھ چاہتے ہیں تو انہیں پہلے ہندوستان کو تسلیم اور وندے ماترم کا نعرہ لگانا ہوگا۔ مسلمان

آزادی کا مطالبہ نہیں کر سکتے، کیوں کہ وہ اب تک اسلام سے جڑے ہوئے ہیں۔ جبکہ گزشتہ روز ہی بھارتی حکومت نے ریاست مہاراشٹر میں گائے کو ذبح کرنے پر پابندی عاید کر دی ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کے لیے مذہبی طور پر گائے کا گوشت کھانے کے حوالے سے مکمل آزادی ہے۔ اس کے باوجود بھارتی حکومت کی جانب سے مسلمانوں پر گائے کا گوشت کھانے پر پابندی عاید کردی گئی ہے۔اس بل کی منظوری کے بعد گاؤ کشی کرنے یا اس کا گوشت فروخت کرنے والے کو دس ہزار روپے جرمانے کے ساتھ پانچ برس قید ہو سکتی ہے۔ دوسری جانب بھارت میں نریندر مودی کی حکومت آنے کے بعد پاکستان میں بھی دہشت گردی کی کاروائیوں میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اگرچہ بے جی پی کے رہنما نریندر مودی کے وزارتِ عظمیٰ کا حلف لینے کی تقریب میں وزیراعظم نواز شریف نے خصوصی طور پر شرکت کی تھی، لیکن بات اس سے آگے نہیں بڑھ سکی اور وقت گزرنے کے ساتھ دونوں ممالک کے تعلقات میں زیادہ تلخی آئی ہے۔

پاکستان میں بھارتی مداخلت کے حوالے سے ماہ جنوری میں پاکستانی حکام نے ملک کے قبائلی علاقوں اور بلوچستان میں بھارت کے ملوث ہونے کے شواہد مریکا کے حوالے کیے تھے۔ سینیٹ کی قائمہ کمیٹی برائے دفاع کے ایک رکن کے مطابق پاکستانی فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف نے گزشتہ سال نومبر میں امریکا کے دورے کے دوران امریکی حکام کو بھارت کے ملوث ہونے کے شواہد فراہم کیے تھے

اور امریکا کو کہا گیا تھا کہ آپ ایک طرف شدت پسندی کے خاتمے کی بات کرتے ہیں تو اس میں دوہرا معیار نہیں ہونا چاہیے اور بھارت کو مغربی سرحدوں کے ذریعے مداخلت سے روکیں۔" جبکہ ذرائع کے مطابق امریکا نے وعدہ کیا تھا کہ صدر اوباما کے دورہ بھارت کے دوران یہ معاملہ وزیراعظم مودی کے سامنے اس معاملے کو اٹھائیں گے۔

پاکستانی رکن کا کہنا تھا کہ پہلی بار بھارت کی مداخلت کے بارے میں شواہد امریکا کو فراہم کیے گئے ہیں، کیونکہ پاکستان خود دہشت گردی کا شکار ہے اور اس کے خلاف عوام اور فوج کامیابی سے بھرپور مزاحمت بھی کر رہا ہے اور ان کوششوں کو بھارت قبائلی علاقوں اور بلوچستان میں نقصان پہنچانے اور گمراہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پاکستان کے حکام کے مطابق پاکستان میں کارروائیاں کرنے والے دہشت گرد پاکستان سے متصل افغان علاقوں میں روپوش ہیں اور وہاں سے پاکستان کے اندر کاکارروائیاں کرتے ہیں، جن کو افغانستان اور بھارت کی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔ ان حقائق کے بعد امریکا یورپی یونین اور دوسرے اہم ملکوں نے بھی بھارتی وزیراعظم کو قائل کیا کہ ہمسایوں کو مرعوب کرنے کی ان کی پالیسی ان کے مفاد کے منافی ہے۔ اگرچہ امریکی صدر اوبامہ نے پاکستان کو دورہ تو نہیں کیا، لیکن حالیہ دورہ نئی دہلی میں بھارتی وزیراعظم کو پاکستان کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کا مشورہ دیا۔ ذرائع کے مطابق امریکی صدر بارک اوباما اور بعض مغربی دارالحکومتوں کے دباؤ کے علاوہ مقبوضہ کشمیر میں وزیراعظم نریندر مودی کی حکومتی حلیف پیپلز

ڈیموکریٹک پارٹی (پی ڈی پی) کے سربراہ اور مقبوضہ علاقے کے کٹھ پتلی نئے وزیراعلیٰ مفتی محمد سعید نے مودی کی بی جے پی سے اتحاد کے لیے پیشگی شرط رکھی تھی کہ بھارت سرکار پاکستان سے مسئلہ کشمیر پر بات چیت کا دروازہ کھولے گی، جس کے بعد نریندر مودی نے پاکستان سے سلسلہ جنبانی استوار کرنے کے لیے خارجہ سیکرٹری کو سیاسی ضرورت کے تحت پاکستان بھیجا ہے اوران عوامل کی وجہ سے بھارتی وزیراعظم علاقے میں بھارتی بالادستی قائم کرنے کی پالیسی پر از سرنو غور کرنے پر مجبور ہوئے۔ پاکستان کے بارے میں وہ اپنی پالیسی پر یوٹرن لینے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ اس لیے انہوں نے پاکستان سے بات چیت کے لیے مجوزہ سارک سربراہ کانفرنس کا سہارا لے کر مذاکرات کا آغاز کر دیا ہے۔ پاکستان دشمنی میں بھارت کی پاکستان مخالف پالیسیاں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ بھارت افغانستان میں پاکستان مخالف ٹریننگ کیمپ چلا رہا ہے۔ بھارت اپنے کارندوں کو تربیت دے کر افغانستان کے راستے پاکستان میں داخل کرواتا ہے جو کہ بلوچستان اور کراچی میں دہشت گردی کی وارداتوں میں ملوث ہوتے ہیں۔ بھارت پاکستان میں دہشت گردی کروانے میں تو کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا، حقیقت میں بھارت مذاکرات میں بھی مخلص نہیں ہے۔ حالیہ مذاکرات بھی صرف امریکا کے دباؤ پر کیے جارہے ہیں، ورنہ بھارت پاکستان کے ساتھ مخلص نہیں ہوسکتا۔

بارشوں کی تباہ کاریاں۔۔۔۔حفاظتی انتظامات ناپید

ملک کے مختلف حصوں میں کئی روز سے موسلادھار بارشیں جاری ہیں۔ محکمہ موسمیات کے مطابق بارشوں کے اس سلسلے میں ابھی مزید کچھ طوالت اختیار کرنے کا امکان ہے۔ پنجاب و خیبر پختونخوا میں گزشتہ چند دنوں سے جاری بارشوں کی وجہ سے سردی میں شدید اضافہ ہوا ہے۔ بارشوں کی وجہ سے کئی افراد اپنی جانوں سے ہاتھ بھی دھو بیٹھے ہیں۔ اتوار کے روز پنجاب و خیبر پختونخوا سمیت ملک کے مختلف علاقوں میں موسلادھار بارشیں اور شدید ژالہ باری ہوئی، جس کے نتیجے میں چار بچوں سمیت 11 افراد جان بحق ہوگئے۔ لاہور، فیصل آباد، ننکانہ صاحب، شیخوپورہ، اسلام آباد، جہلم، سرگودھا، چنیوٹ، میانوالی سمیت کئی شہروں میں وقفے وقفے سے ہونے والی بارش اور ژالہ باری کے باعث فصلوں کو شدید نقصان ہوا اور ہزاروں ایکڑ پر کھڑی فصلیں پانی میں ڈوب گئیں۔ درجنوں مکانات اور دیگر کئی عمارتیں بارشوں کی وجہ سے منہدم ہوگئیں۔ تیز ہوا اور آندھی کے باعث کئی درخت اور بجلی کے پول بھی گر گئے۔ بارش کے باعث گلیاں اور بازار کیچڑ سے بھر گئے اور صفائی ستھرائی کا کام نہ ہونے کی وجہ سے پانی گھروں میں داخل ہوگیا۔ بارش کے بعد پنجاب کے مختلف شہروں کی معروف شاہراہوں پر ٹریفک جام رہا، جس سے عوام کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بارش اور تیز ہواؤں کے باعث اسٹریٹ لائٹس

کے پول، بجلی کے کھمبے، درخت اور ہورڈنگ بورڈز اکھڑ گئے، جس کی وجہ سے بجلی کا نظام درہم برہم ہوگے اور بجلی کا نظام بار بار متاثر ہوتا رہا اور کئی سڑکیں بند ہونے سے ٹریفک کا نظام بھی درہم برہم ہوگیا۔ بارشوں نے پنجاب میں انتظامیہ کی کارکردگی کا پول کھول کر رکھ دیا۔ بارشوں کی وجہ سے پنجاب کا نظام درہم برہم ہونے سے پنجاب انتظامیہ کی انتظامی "بہتری" کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ اس کے ساتھ خیبر پختونخوا کے مختلف علاقوں میں موسلادھار بارشوں نے جہاں ایک طرف سردی میں بہت زیادہ اضافہ کردیا ہے، وہیں خیبر پختونخوا میں بارشوں کی وجہ سے کافی زیادہ نقصانات بھی ہوئے ہیں۔ خیبر پختونخوا میں بھی بارش کی وجہ سے سڑکوں نے تالاب کا منظر پیش کر کے انتظامیہ کی "عمدہ کارکردگی" سب کے سامنے واضح کردی ہے۔ لواری ٹنل دیر اور چترال سائیڈ پر مختلف مقامات پر برفانی تودے گرنے سے متعدد گاڑیاں پھنس گئیں۔ پاراچنار سمیت کرم ایجنسی کے مختلف علاقوں میں تین روز سے جاری برفباری کے باعث راستے بند اور لوگ گھروں میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔ ادھر مری اور گردنواح کے علاقوں میں خوب برفباری ہوئی۔ برفباری کے باعث کئی سڑکیں بند اور بجلی کا نظام درہم برہم ہوگیا ہے۔ موسم کی شدت کے باعث لوگوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بنوں، ڈیرہ اسماعیل خان اور خیبر ایجنسی سمیت قریبی علاقوں میں وقفے وقفے سے موسلا دھار بارش کی وجہ سے سردی بڑھ گئی ہے۔ گلگت بلتستان میں غذر اور استور میں وقفے وقفے سے ہونے والی برفباری کی وجہ سے بالائی

علاقوں کی رابطہ سڑکیں بند ہوگئیں۔ واضح رہے کہ پنجاب و خیبر پختونخوا میں گزشتہ کئی روز سے بارشوں کا سلسلہ جاری ہے۔ گزشتہ ہفتے شدید بارشوں کی وجہ سے کئی مکانات گرنے کی وجہ سے ایک ہی دن میں ایف سی کے چار اہلکاروں سے سمیت 22 افراد جاں بحق اور درجنوں زخمی ہوگئے تھے۔ گزشتہ ہفتے ہونے والی موسلادھار بارش سے راول ڈیم میں پانی کی سطح 6 انچ اضافہ کے ساتھ 1748 فٹ تک پہنچ گئی تھی اور نالہ لئی میں پانی کی سطح 14 فٹ تک پہنچ گئی تھی۔ اس کے ساتھ دریائے سندھ اور جہلم چڑھنے سے 30 دیہات زیرآب بھی آگئے تھے۔ ہیڈ مرالہ میں نچلے درجے کا سیلاب، جبکہ پانی کا بہاؤ ایک لاکھ کیوسک سے بڑھ گیا تھا۔ بارش کے باعث بجلی گیس کی سپلائی بھی بری طرح متاثر ہوئی، کاروبار اور تجارتی سرگرمیاں ٹھپ ہو کر رہ گئیں تھیں۔

پنجاب و خیبر پختونخوا میں ہونے والی بارشوں کے دوران دونوں صوبوں کی انتظامیہ کی جانب سے کوئی خاص حفاظتی انتظامات دیکھنے میں نہیں آئے، بلکہ ناقص انتظامات کی وجہ سے دونوں صوبوں میں نقصانات زیادہ ہوئے ہیں۔ پاکستان میں وفاقی اور تمام صوبائی حکومتیں بارش کے حوالے سے حفاظتی انتظامات کرنے میں انتہائی سستی سے کام لیتی ہیں۔ وقتاً فوقتاً بارشوں میں ہونے والی اموات بھی حکومت کی آنکھیں نہیں کھول پاتیں۔ پاکستان میں بارشوں سیلابوں اور قدرتی آفات کے حوالے سے حفاظتی انتظامات کرنے کے لیے ڈیزاسٹر مینجمنٹ

اتھارٹی کا ادارہ موجود ہے۔ جس کا سالانہ بھاری بھر کم خرچہ بھی ہے، لیکن اس کے باوجود نہ تو بارشوں و سیلابوں کی وجہ سے ہونے والے جانی و مالی نقصانات میں کمی آتی ہے اور نہ ہی یہ ادارہ کوئی بہتر منصوبہ بندی کرتا ہے۔ پاکستان میں بارشوں کی وجہ سے ہونے والے نقصانات ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی اور تمام صوبائی حکومتوں کی نااہلی کا نتیجہ ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ ڈیزاسٹر مینجمنٹ کو فعال کرے تاکہ بہتر سے بہتر منصوبہ بندی کرکے بارشوں کی وجہ سے ہونے والے نقصانات کو کم کیا جاسکے۔ یہ بات واضح ہے کہ پاکستان کا شمار ان ملکوں میں ہوتا ہے، جہاں ہر سال بارشوں اور سیلاب کی وجہ سے قیمتی جانوں کا کافی زیادہ نقصان ہوتا ہے اور فصلیں بھی تباہ ہوجاتی ہیں۔ لوگ بے گھر ہو جاتے ہیں۔ شہروں میں بارشوں کے باعث معمولات زندگی معطل ہو جاتی ہے۔ گلیاں ندی نالوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ سیوریج سسٹم بیٹھ جاتا ہے اور گندے نالے ابلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ سڑکوں پر لگے سائن بورڈ اور بجلی کے پول اکھڑ جاتے ہیں، جس سے جگہ جگہ بجلی کی تاروں کا جال بچھا دکھائی دیتا ہے اور اس سے بہت زیادہ جانی نقصان بھی ہوتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ سب کچھ حکومتی نااہلی کے زمرے میں آتا ہے۔ اگر حکومت عوامی اداروں کو مضبوط کرے اور انتظامیہ کو بہتر کارکردگی پیش کرنے پر دباؤ بڑھائے اور اپنے بڑے بڑے محلات سے نکل کر غریب عوام کے جھونپڑیوں کا بھی خیال کرے تو ایسی صورت حال پیدا نہ ہو۔ کراچی، لاہور، فیصل آباد، ملتان، راولپنڈی اور پشاور جیسے شہروں میں

لوگوں نے ایسی جگہ آبادیاں قائم کی ہوئی ہیں، جو نشیبی علاقے ہیں جہاں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ حکومت نے اس جانب توجہ نہیں دی اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معمولی بارشوں سے بھی نشیبی آبادیاں پانی سے بھر جاتی ہیں۔ گندے نالوں کی صفائی کا بندوبست نہیں کیا جاتا۔ دیہات میں جو سیم نالے بنائے گئے تھے، انھیں بھی کبھی صاف نہیں کیا جاتا، جس سے ہوتا یہ ہے کہ بارشوں سے صرف غریبوں ہی متاثر ہوتے ہیں، اس لیے حکومت کو ان کی تباہی کا ادراک نہیں ہوتا۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ بارش کی تباہ کاریاں اہل وطن کے لیے نئی بات نہیں ہے۔ ہر سال بارشوں میں بہت سے لوگ اور شہری و دیہی علاقے تباہی کی نذر ہو جاتے ہیں۔ مکانات منہدم، کھڑی فصلیں برباد اور لاکھوں ہم وطن بے گھر ہوتے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ بارشوں کے بعد سیلابی ریلوں میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جانے والے اقدامات و انتظامات اور اس سے پیدا شدہ مکمل انتظامی ناکامی سے متعلقہ حکومتی محکموں، ریاستی اداروں، فلڈ ریلیف کمیشن، ماحولیاتی ایجنسی اور ڈیزاسٹر مینجمنٹ کے کرتا دھرتاؤں کے ضمیر میں کوئی خلش تک پیدا نہیں ہوتی، جب کہ محکمہ موسمیات کی یومیہ پیش گوئیاں ہوتی ہیں، جن کا مقصد حکومت اور اس کے متعلقہ محکموں کو خبردار کرنا ہوتا ہے، مگر پاکستان میں بارشیں اکثر باعث زحمت قرار دی جاتی ہیں۔ نہ فصلوں کے حیات نو اور زراعت کی

بالیدگی کے لیے رین ایمرجنسی کام آتی ہے اور نہ سبزے، مویشیوں کے چارے، اجناس، پھل، پھول اور سبزیوں کی کاشت کے لیے فطرت کی فراخدلی اور برستے پانی سے استفادے کا کوئی مستقل میکنزم بنایا جاتا ہے۔ افسوس ہمارے ہاں ہر چیز ہی سیاست زدہ ہو گئی، نہ ٹریفک اور مواصلات کا نظام معطل ہونے کی مضحکہ خیز صورتحال کو کنٹرول کیا جاتا ہے اور نہ سیوریج، ڈرین سسٹم، برساتی نالوں کی بروقت صفائی اور نکاسی آب کی جدید خطوط پر ڈیزائننگ پر توجہ دی جاتی ہے۔ اگر ماسٹر پلان بنائے جائیں تو کہیں بھی سڑکیں تالاب اور نشیبی علاقے جھیلوں کا منظر پیش کرتے دکھائی نہ دیں۔ یہ کام گڈ گورننس ہو تبھی انجام پاتے ہیں۔ ساری دنیا میں بارشیں آتی ہیں، لیکن کہیں یوں تباہی نہیں مچتی جیسے پاکستان میں ہوتا ہے کہ بارشوں کی وجہ سے ایک ایک دن میں 20,25 افراد جاں بحق ہو جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے ممالک میں پہلے سے ہی تمام حفاظتی انتظامات مکمل کر لیے جاتے ہیں اور جو منصوبے بنائے جاتے ہیں ان پر عمل درآمد کرنا ضروری قرار پاتا ہے۔ اپنے ذمے داری پوری کرنے میں سستی کرنے والے انتظامی اہلکاروں کے خلاف فوری کارروائی کی جاتی ہے، لیکن یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ حکومتی ارکان اپنے مفادات کی خاطر تو سارا سال متحرک دکھائی دیتے ہیں، لیکن اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے عوامی کام کرتے دکھائی نہیں دیتے اور نہ کبھی بارشوں سے ہونے والی تباہ کاریوں میں کمی لانے کے لیے کوئی مشترکہ اجلاس بلایا جاتا ہے۔

اب کے بار مار تو

پاکستان کو ایک طویل عرصے سے دہشت گردی کے انتہائی دہشت ناک عفریت کا سامنا ہے، جو گزرتے وقت کے ساتھ مزید خوف ناک اور بھیانک ہوتا جارہا ہے۔ دہشت گردی ریاست کو درپیش خطرات میں سب سے بڑا اور مہیب خطرہ ہے، جس نے پاکستان کی بقا اور سلامتی کو چیلنج کیا ہوا ہے اور معاشرے کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو شدید خطرات لاحق ہیں، جس سے مساجد محفوظ ہیں نہ درسگاہیں، چرچ محفوظ ہیں نہ امام بارگاہیں، بازار محفوظ ہیں نہ شاہراہیں، ہسپتال محفوظ ہیں نہ دفاتر، مشائخ محفوظ ہیں نہ علمائ، اسکول محفوظ ہیں نہ کالج، مدارس محفوظ ہیں نہ یونیورسٹیاں۔ ملک میں دہشت گردی کا یہ عالم ہے کہ "گلوبل ٹیرارزم انڈیکس" کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان دہشت گردی سے متاثرہ ملکوں میں تیسرے نمبر پر ہے۔ ملک پر خوف و وحشت کے منڈلاتے بادل اب مزید گہرے ہوتے جارہے ہیں۔ دہشت گردی کے باعث ملک کی معیشت، تعلیم اور دیگر شعبے تو زوال پذیر ہو ہی رہے ہیں، جبکہ صحت کا شعبہ بھی اب دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے۔ ملک کے تین ہزار سے زاید ڈاکٹرز جانی تحفظ کی ضمانت کے فقدان کی بناپر دیگر ملکوں میں نقل مکانی کر چکے ہیں۔

دہشت گرد پوری آزادی کے ساتھ آئے روز اپنے مقاصد حاصل کر رہے ہیں، جن کو دیکھ کر یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ شاید اسلامی ممالک کی پہلی اور دنیا کی ساتویں ایٹمی طاقت میں سیکورٹی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ مستحکم جمہوری حکومت میں ایسی ایسی کارروائیاں باآسانی پایہ تکمیل تک پہنچ رہی ہیں، جو کسی مکمل جنگ زدہ ملک میں ہی ممکن ہو سکتی ہیں۔ ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا ٹارگٹ انتہائی آسانی سے نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ تمام تر دعوؤں کے باوجود حکمران دہشت گردی کے ناسور کو ملک سے ختم کرنے میں ناکام ہیں۔ ہر حملے کے بعد وزیر اعظم نواز شریف کا یہ بیان اخبارات کی زینت بنتا ہے: "پاکستانی معاشرے کو دہشت گردی سے پاک کر دیں گے۔" ان بیانات کے بعد بھی دہشت گردی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، بلکہ دہشت گرد پہلے سے زیادہ منظم انداز میں حملہ آور ہوتے ہیں۔ حکمران پھر یہ بیان دیتے ہیں کہ معاشرے کو دہشت گردی سے پاک کر دیں گے، لیکن اس کے باوجود دہشت گرد کبھی شکار پور میں سفاکیت کی انتہا کرتے ہیں، کبھی پشاور میں خون کی ہولی کھیلتے ہیں، کبھی لاہور میں درندگی کی تاریخ رقم کرتے ہیں اور کبھی راولپنڈی میں حملہ آور ہوتے ہیں، لیکن حکومت صرف یہی بیانات دینے پر اکتفا کرتی ہے: "معاشرے کو دہشت گردی سے پاک کر دیں گے۔" ان بیانات کے بعد بھی دہشت گرد آزادی کے ساتھ حملہ کرتے ہیں، لیکن حکومت کا اب کے بار" نہیں آتا۔ اسی مناسبت سے ایک لطیفہ مشہور ہے: لکھنو کے کسی بانکے کو" ،مار پڑ رہی تھی، وہ مار کھاتا تھا

اٹھتا تھا اور مارنے والے سے کہتا تھا: "اب کے بار مارتو" مارنے والا ایک اور جڑ دیتا، یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا، جب تک مارنے والا تھک نہ گیا۔" حالات کے تناظر میں ہمارے حکمران بھی اسی بانکے کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔

ہمارے حکمرانوں کی نااہلی کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ 2002 کے بعد سے اب تک پاکستان میں چار سو سے زاید خودکش حملے ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے، لیکن ہماری حکومتیں ابھی تک ان کا کوئی توڑ نہیں نکال سکیں۔ 40 ہزار سے زاید جوانوں اور شہریوں کی قیمتی جانیں گنوانے اور معیشت کے بھاری نقصان کے باوجود وفاقی و صوبائی حکومتیں دہشت گردی پر قابو پانے کے لیے 13 سال بعد بھی موثر اقدامات کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ یہ مانا کہ خودکش حملوں کو روکنا انتہائی مشکل ہے، لیکن کیا سیکورٹی سخت کرکے ان پر کافی حد تک قابو نہیں پایا جاسکتا؟ قابل غور بات ہے کہ دہشت گردی برطانیہ میں کیوں نہیں ہوتی؟، امریکا میں کیوں نہیں ہوتی؟، چین میں کیوں نہیں ہوتی؟، ترکی میں کیوں نہیں ہوتی؟، ایران میں کیوں نہیں ہوتی؟، سعودی عرب میں کیوں نہیں ہوتی؟ ایسے متعدد ممالک ہیں، جہاں دہشت گردی نہیں ہوتی۔ کیا ان ممالک کی سیکورٹی کے افراد کسی اسٹیل مل کے بنے ہوتے ہیں یا گوشت پوست کے ہوتے ہیں؟ ساری دنیا میں سیکورٹی پر معمور لوگ گوشت پوست کے ہی ہوتے ہیں، لیکن ان کے کام کرنے کا طریقہ ہم سے مختلف ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں تو باوا آدم ہی نرالا

ہے۔ یہاں تو سی سی ٹی وی کیمروں، واک تھرو گیٹ، اسلحے اور دیگر آلات میں بھی کرپشن کرکے ناقص اور ناکارہ سامان فراہم کر دیا جاتا ہے، جو دہشت گردی کی روک تھام میں معاون بننے سے قاصر ہوتا ہے، ایسے میں دہشت گردی پر قابو پانا محض خام خیالی ہی ہو سکتی ہے اور ایک حیرت کی بات یہ بھی ہے کہ تقریباً ہر دھماکے اور خودکش حملے سے پہلے وزیر داخلہ کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اتنے اتنے حملہ آور فلاں شہر میں داخل ہو چکے ہیں، لیکن سمجھ سے بالاتر ہے کہ ان دہشت گردوں کو گرفتار کیوں نہیں کیا جاتا؟

ملک میں دہشت گردی کے حوالے سے غیر ملکی ہاتھوں کو بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ ملک میں کئی کارروائیوں میں غیر ملکی قوتوں کے ملوث ہونے کے شواہد ملتے رہے ہیں۔ دہشت گردی کے پیچھے انتہا پسند تنظیمیں ہی نہیں، بلکہ غیر ملکی قوتیں بھی پاکستان کے گرد گھیرا تنگ کیے ہوئے ہیں۔ اس بات کا اعتراف بارہا اعلیٰ عہدیدار بھی کر چکے ہیں۔ گزشتہ دنوں اسی حوالے سے پاک فوج کی جانب سے جاری ہونے والا بیان کافی اہمیت کا حامل ہے، جس میں بھارت کو متنبہ کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ "بھارت کو سمجھا دیا ہے کہ خطرناک کھیل نہ کھیلے۔ دہشت گردوں کی اتنی بڑی فنڈنگ بیرونی امداد کے بغیر ممکن نہیں، دہشتگردوں کے پیچھے بھارت کا ہاتھ ہے، وہ دہشت گردی کے خلاف جنگ سے ہماری توجہ ہٹانا چاہتا ہے۔" دشمن ممالک کے تعاون سے دہشتگرد شیر ہوتے جا رہے ہیں، جب تک

پاکستان میں غیر ملکی قوتوں کی مداخلت نہیں روکی جاتی، اس وقت تک پاکستان میں دہشتگردی پر قابو پانا بہت مشکل ہے۔

پاکستان میں دہشت گردی کے مستقل طور پر سدباب کے لیے جامع، موثر اور نتیجہ خیز حکمت عملی اور پوری قوم کی بیداری کی ضرورت ہے۔ عوامی اور حکومتی دونوں سطح پر اقدامات کرنا ہوں گے۔ عوامی سطح پر قوم میں مایوسی، نفرت، تفرقہ بازی، باہمی منافرت اور تعصب کا خاتمہ کرنا ہوگا، جس میں اہم کردار علمائے کرام کا ہے، کیونکہ دہشت گردی کے واقعات میں مذہب کو غلط طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ اگر اجتماعی سطح پر علمائے کرام اور مختلف مسالک کے رہنما اپنے سیاسی، جماعتی اور مسلکی مفادات سے قطع نظر قومی وقار، سلامتی، عوام کے جان و مال کے تحفظ کو ترجیح بناتے ہوئے دہشت گردی کے خاتمے کے لیے متفقہ لائحہ عمل طے کریں تو اس سے نہ صرف قومی یکجہتی کو فروغ ملے گا، بلکہ دہشت گردی پر قابو پانے میں معاونت بھی حاصل ہو گی۔ اس کے ساتھ اگر حکومت اپنی ترجیح دہشت گردی کے خاتمے کو قرار دے اور سیکورٹی کے ذمے دار اداروں کو ہر طرح کی مصلحت سے بالاتر ہو کر دہشت گردی کے خاتمے کا ٹاسک دیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ دہشت گردی کا سدباب نہ ہوسکے۔

کراچی: نائن زیرو پر رینجرز کا چھاپہ.... ایم کیو ایم کا احتجاج

ایک ایسے وقت میں جب گزشتہ روز وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف نے کراچی سے لاہور موٹر وے منصوبے کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے کراچی کا دورہ کیا اور اسی روز عدالت نے صولت مرزا کے ڈیتھ وارنٹ جاری کیے، جس کے تحت 19 مارچ کو سزائے موت پر عمل درآمد کیا جائے گا۔ صولت مرزا کو 1999 میں سزائے موت سنائی گئی تھی۔ جبکہ دوسری جانب سینیٹ الیکشن کے بعد متحدہ قومی موومنٹ سندھ اسمبلی میں حکومت کا حصہ بننے جارہی تھی، لیکن ان حالات میں اچانک رینجرز کی جانب سے متحدہ قومی موومنٹ کے مرکز نائن زیرو پر چھاپے کے بعد نہ صرف اب متحدہ قومی موومنٹ کا حکومت میں شامل ہونا مشکل ہے، بلکہ ہر لحاظ سے حالات پیچیدہ صورتحال اختیار کر گئے ہیں۔ ذرائع کے مطابق کراچی میں متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) کے مرکز نائن زیرو میں بدھ کو صبح 5 بجے رینجرز کی بھاری نفری نے سرچ آپریشن کرتے ہوئے ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو اور اطراف کے مکانوں پر چھاپہ مار کر بھاری تعداد میں اسلحہ برآمد کرنے کے ساتھ متحدہ کے رہنماؤں سمیت کئی افراد کو حراست میں لیا، جن میں سے بعض کو بعد ازاں چھوڑ دیا گیا۔ ترجمان سندھ رینجرز کرنل طاہر نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ جرائم پیشہ افراد کی موجودگی کی مصدقہ اطلاع کے بعد نائن زیرو اور اطراف کے علاقوں میں کارروائی

کی گئی۔ اسے سیاسی رنگ نہ دیا جائے، کارروائی کے دوران بھاری تعداد میں غیر ملکی اور نیٹو کنٹینرز سے چوری شدہ اسلحہ برآمد ہوا، اس قسم کا اسلحہ بھی برآمد ہوا جس کا پاکستان میں لانا ہی ممنوع ہے۔ آپریشن کے دوران ٹارگٹ کلر اور جرائم پیشہ افراد سمیت متعدد افراد کو گرفتار کیا گیا ہے۔ نائن زیرو سے فیصل موٹا، عبید، نادر شاہ اور فرحان شبیر کو گرفتار کیا گیا ہے۔ فیصل موٹا نجی ٹی وی کے صحافی ولی خان بابر کے قتل کیس کا مرکزی ملزم ہے اور اسے عدالت نے سزائے موت سنائی ہے۔ ترجمان رینجرز کا کہنا تھا کہ کسی رکن قومی یا صوبائی اسمبلی کو حراست میں نہیں لیا گیا، البتہ عامر خان کو پوچھ گچھ کے لیے ساتھ رکھا۔ سندھ رینجرز کے ترجمان کرنل طاہر کا کہنا تھا کہ نائن زیرو میں کارروائی خفیہ اطلاع کی بنیاد پر کی گئی۔ نائن زیرو کی طرف 21 راستے آتے ہیں، ان تمام کو بیریئر لگا کر بند کیا گیا، جو "نو گو ایریا" کے زمرے میں آتا ہے۔ رینجرز کو اختیار حاصل ہے کہ وہ نو گو ایریاز کا خاتمہ کرے۔ واضح رہے کہ اسی دوران ایم کیو ایم کا ایک کارکن بھی گولی لگنے سے زخمی ہوا، جو بعد ازاں دم توڑ گیا۔ ایم کیو ایم نے الزام عاید کیا کہ مرکزی میڈیا سیل کا کارکن وقاص شاہ رینجرز کی فائرنگ سے ہلاک ہوا۔ جبکہ دوسری جانب رینجرز کے ترجمان نے سختی سے تردید کی کہ کوئی بھی شخص وہاں ہلاک نہیں ہوا، البتہ نامعلوم افراد کی فائرنگ سے نجی ٹی وی چینل کا کیمرہ مین زخمی ہوا تھا۔ نائن زیرو کے قریب فائرنگ سے ہلاک ہونے والے ایم کیو ایم کے کارکن

کے حوالے سے پولیس کے ایڈیشنل آئی جی غلام قادر تھیبو کا کہنا تھا کہ وقاص علی کو رینجرز کی گولی نہیں لگی، بلکہ وقاص نامعلوم ملزمان کی فائرنگ سے ہلاک ہوا ہے۔ ڈی جی رینجرز نے بھی کہا ہے کہ رینجرز نے گولی نہیں ماری۔ وقاص کو لگنے والی گولی ٹی ٹی پستول کی ہے۔ چھاپے کے وقت رینجرز کے پاس بھاری اسلحہ تھا۔ ایم کیو ایم کے کارکن کی ہلاکت کی ابتدائی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ وقاص کو چھوٹے ہتھیار کی ایک گولی سر میں لگی، جس سے اس کی ہلاکت ہوئی۔

نائن زیرو پر رینجرز چھاپے کے بعد کراچی کے حالات کشیدہ ہونے پر رینجرز نے ٹرانسپورٹرز سے کہا کہ وہ سڑکوں پر اپنی گاڑیاں لے کر آ سکتے ہیں، کیونکہ کسی کو بھی نقص امن کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ شہریوں کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔

واضح رہے کہ ایم کیو ایم کے مرکزی دفتر نائن زیرو پر چھاپے کے بعد رابطہ کمیٹی نے احتجاج کی اپیل کی اور کاروبار بند رکھنے کا کہا، جس پر ایم کیو ایم کے کارکنان کی بڑی تعداد نائن زیرو چوک پر پہنچ گئی۔ اس سے پہلے کارکنوں نے مکا چوک پر رینجرز کی سیکورٹی کا حصار توڑ کر نائن زیرو پہنچنے کی کوشش کی۔ بعد ازاں ایم کیو ایم کے کارکنان کی شدید ہنگامہ آرائی کے باعث رینجرز کی نفری نائن زیرو سے نکل کر عائشہ منزل کی جانب چلی گئی۔ ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو پر رینجرز کے چھاپے کے خلاف گزشتہ روز کراچی میں

جزوی طور پر ہڑتال رہی۔ کاروباری مراکز اور پیٹرول پمپس بند، جبکہ کئی علاقوں میں ٹرانسپورٹ غائب رہی۔ ہڑتال کے باعث ٹرانسپورٹرز نے بھی پبلک ٹرانسپورٹ سڑکوں پر نہ لانے کا اعلان کیا، جس کے بعد سڑکوں پر ٹرانسپورٹ غائب ہو گئی اور لوگوں کو دفاتر اور اپنے کاموں کے لیے جانے میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ہڑتال کے باعث رکشے و ٹیکسی والے من مانا کرایہ وصول کرتے رہے۔ جبکہ پرائیویٹ اسکولز ایسوسی ایشن کے اعلان کے بعد شہر کے تعلیمی ادارے اور پرائیویٹ اسکولز بند کر دیے گئے، جبکہ نجی اسکولوں میں ہونے والے امتحانات بھی ملتوی کر دیے گئے ہیں۔ ہڑتال کا اعلان سنتے ہی والدین بچوں کو لینے اسکولوں کے باہر پہنچ گئے اور انہیں اپنے بچوں کو لانے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ ہڑتال کے باعث جامعہ کراچی اور اردو یونیورسٹی میں تدریسی عمل معطل کر دیا گیا اور گزشتہ روز ہونے والے پرچے بھی ملتوی کر دیے۔
چھاپے کے بعد ایم کیو ایم کے رہنما واسع جلیل کا کہنا تھا کہ رینجرز نے نائن زیرو پر چھاپہ مارا اور درجنوں کارکنوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر انہیں زمین پر بٹھایا گیا۔ ایم کیو ایم کی قیادت اب تک یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ رینجرز کی جانب سے یہ چھاپہ کیوں مارا گیا ہے کیونکہ ایسی کوئی صورت حال نہیں تھی اور متحدہ قومی موومنٹ کی تمام سرگرمیاں معمول کے مطابق جاری تھیں۔

ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو پر رینجرز کے چھاپے کے بعد ایم کیو ایم کے کارکنوں سے خطاب کے دوران الطاف حسین نے کہا کہ رینجرز نے کراچی میں ان کے گھر نائن زیرو اور ان کی بڑی بہن کے گھر پر چھاپہ مارا۔ پاکستان میں بدقسمتی سے کچھ لوگ قانون کی زد میں آتے ہیں اور کچھ لوگ قانون کی ضد بن جاتے ہیں، یعنی قانون سے ماورا ہوجاتے ہیں۔ ان پر کسی معاشرتی اقدار کا اطلاق نہیں ہوتا۔ صوبہ سندھ میں امن و امان برقرار رکھنے کے لیے رینجرز کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ کراچی میں قتل و غارت رکوانے کے لیے ہم نے فوجی آپریشن کا مطالبہ کیا، لیکن آپریشن کی ذمہ داری رینجرز کو دے دی گئی۔ الطاف حسین نے کہا کہ ایم کیو ایم ملک کی تیسری بڑی سیاسی جماعت ہے۔ ملک میں سیاسی رہنماوں کی گرفتاریاں تو ہوتی ہیں، لیکن کسی جماعت کے سربراہ کے گھر پر چھاپہ نہیں مارا جاتا، لیکن ان کے گھر پر 100 سے زاید چھاپے مارے گئے، کیا وہ مسلمان اور پاکستانی نہیں، پھر گھروں میں گھس کر کارکنوں کو اٹھانے کے بعد ان کے کارکنوں کی لاشیں کیوں پھینکی جاتی ہیں؟ سپریم کورٹ نے رولنگ دی تھی کہ کراچی میں سیاسی جماعتوں کے عسکری ونگ ہیں، لیکن جب آپریشن شروع کیا گیا تو ایم کیو ایم کے علاوہ کسی جماعت کے خلاف کارروائی نہیں کی گئی۔ ایم کیو ایم کے قائد کا مزید کہنا تھا کہ رینجرز نے قوم کو وہ اسلحہ دکھایا جو انہوں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا، خواتین کہتی ہیں کہ رینجرز حکام خود کمبلوں میں اسلحہ بھر بھر کر لائے تھے۔ ایم کیو ایم کے قائد الطاف

حسین نے کہا کہ متحدہ میں دہشت گردوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مطلوب افراد نائن زیرو کو مصیبت میں نہ ڈالتے کہیں اور چلے جاتے، چند لوگوں نے پارٹی کو بدنام کیا۔ ایم کیو ایم قائد نے کہا کہ کراچی کو جماعت اسلامی، پیپلز پارٹی، تحریک انصاف کے حوالے کر دو۔ کوئی حق کی بات کرنے والا نہیں، ملک چوں چوں کا مربہ بن گیا ہے۔ متحدہ کے قائد الطاف حسین نے پیپلز پارٹی کے سربراہ آصف علی زرداری سے ٹیلی فونک رابطہ کرکے رینجرز چھاپے کی تمام تفصیلات بتائیں، جس پر آصف علی زرداری کا کہنا تھا کہ متحدہ قومی موومنٹ ایک بڑی سیاسی جماعت ہے۔ نائن زیرو پر چھاپا مارنا قابل مذمت ہے۔ وزیر اعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ نے ڈی جی رینجرز سندھ میجر جنرل بلال اکبر اور ڈائریکٹر جنرل پولیس غلام حیدر جمالی سے رابطہ کرکے ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو پر چھاپے اور گرفتاریوں کے حوالے سے تفصیلی رپورٹ طلب کی۔ انہوں نے شہر میں ہونے والے احتجاج پر کہا کہ شہریوں کی جان ومال کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔ انہوں امن وامان کی صورتحال برقرار رکھنے کی ہدایت کی۔ دوسری جانب کراچی میں متحدہ قومی موومنٹ کے مرکز نائن زیرو پر رینجرز کے چھاپے کی بازگشت وفاقی دارلحکومت میں سینیٹ کے اجلاس میں بھی سنی گئی اور پیپلز پارٹی سمیت اپوزیشن نے اس واقعے کے خلاف ایوان سے واک آؤٹ کیا۔ ایم کیو ایم کے سکبدوش ہونے والے سینیٹر بابر غوری نے پارلیمنٹ کے

باہر کہا کہ وزیراعظم نواز شریف پر ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس بات کو کلیئر کریں کہ کیا سینیٹ چیئرمین شپ کے لیے رضا ربانی کی حمایت کرنے کی وجہ سے نائن زیرو پر چھاپہ مارا گیا ہے۔ بابر غوری نے دعویٰ کیا کہ نائن زیرو میں کوئی غیر قانونی اسلحہ نہیں تھا۔ ایم کیو ایم کے سینیٹر نے مطالبہ کیا کہ آرمی چیف جنرل راحیل شریف رینجرز کے چھاپے کا نوٹس لیں اور فائرنگ میں ملوث اہلکاروں کا کورٹ مارشل کریں۔ قبل ازیں پیپلز پارٹی کے رہنما اور سینیٹ میں چیئرمین کے امیدوار رضا ربانی کا کہنا تھا کہ رینجرز کے پاس کوئی اطلاع تھی، تب بھی لیڈر شپ کو اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔ رینجرز کے چھاپے کو جمہوری قوتیں سپورٹ نہیں کر سکتیں۔ انہوں نے کہا کہ ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو پر کارروائی افسوسناک ہے۔ پیپلز پارٹی کے سینیٹر فرحت اللہ بابر نے کہا کہ رینجرز کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے لیے انسانی حقوق کی ایک کمیٹی بنائی جائے اور اس معاملے کو اس کے سپرد کیا جائے۔ رینجرز کی نائن زیرو پر کارروائی کے بعد ایم کیو ایم کے رہنماؤں کی جانب سے جاری بیان میں کہا گیا کہ (ن) لیگ ایسی کارروئیاں کرکے سینیٹ چیرمین کے لیے رضا ربانی کی حمایت کا بدلہ لے رہی ہے، جس پر ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے راجہ ظفرالحق نے کہا کہ مسلم لیگ (ن) کا رینجرز کے اس چھاپے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کراچی میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے ٹارگٹڈ آپریشن بلا تفریق جاری ہے اور ایم کیو ایم کے رہنماؤں کی جانب سے ایسی صورتحال میں سیاسی بالغ

نظری کا مظاہرہ کرنے کی بجائے چھاپے کا الزام مسلم لیگ (ن) پر لگانا قابل افسوس ہے۔ دوسری جانب تحریک انصاف کی مرکزی رہنما شیری مزاری نے متحدہ قومی موومنٹ کے مرکز نائن زیرو پر رینجرز کے چھاپے کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے جہاں ایک طرف متحدہ کے نہتے کارکن کی ہلاکت کی مذمت کی ہے، وہیں شیری مزاری نے سوالات اٹھاتے ہوئے کہا ہے کہ ولی بابر کیس کے مطلوب ملزم سمیت دیگر سزا یافتہ افراد نائن زیرو میں کیا کر رہے تھے؟ اور نیٹو کنٹینر سے غائب ہونے والا اسلحہ ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو میں کیوں موجود تھا؟ اس کے ساتھ تحریک انصاف نے تمام سیاسی جماعتوں کے عسکری ونگز کو ختم کرنے کا ایک بار پھر مطالبہ کیا ہے۔

خواتین ہی زیر عتاب کیوں؟

گینگ ریپ کیس سے متعلق "بھارت کی بیٹی" کے نام سے بنائی جانے والی دستاویزی فلم کو بھارت میں نشر کرنے پر پابندی کے بعد بھارتی حکومت کو دنیا بھر اور خود بھارت کی معروف شخصیات کی جانب سے سخت تنقید کا سامنا ہے۔ بالی وڈ کی متعدد شخصیات نے بھارتی حکومت پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے: "بھارت کی بیٹی نامی دستاویزی فلم معاشرے کو اپنے اندر جھانکنے پر مجبور کرتی ہے، یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ بھارت میں اس فلم پر پابندی لگائی ہی کیوں گئی ہے؟ بھارت میں دیویوں کی عبادت کی جاتی ہے، لیکن حقیقت میں ہر بچی، ہر بیٹی، ہر بہو ذلیل اور پریشان کی جاتی ہے۔ ہمارا معاشرہ کہتا ہے کہ ہماری ثقافت 4000 سال پرانی ہے۔ ایسی ثقافت کو چولہے میں ڈال دینا چاہیے جو عورت کو ذلیل کرتی ہے۔" گینگ ریپ کیس کے متعلق بنائی جانے والی دستاویزی فلم "بھارت کی بیٹی" برطانوی نشریاتی ادارے اور انڈیا کے این ڈی ٹی وی چینل سمیت کئی ممالک میں 8 مارچ کو یوم خواتین کے موقع پر دکھائی جانی تھی، لیکن بھارتی عدالت اور حکومت نے اس کی نمائش پر پابندی عاید کردی اور بھارتی حکومت نے فلم کو یوٹیوب سے بھی ڈیلیٹ کروا دیا۔ لہٰذا بھارت کی جانب سے تمام تر دباؤ کو پس پشت ڈالتے ہوئے برطانوی نشریاتی ادارے نے یہ دستاویزی فلم 5 مارچ کو برطانیہ میں ہی نشر کی، جس پر بھارتی

حکام سے خ پا ہوئے اور ادارے کے خلاف کارروائی کی دھمکی بھی دی۔

اس دستاویزی فلم کا محرک ایک 23 سالہ بھارتی لڑکی کے ساتھ بربریت کی مثال سمجھا جانے والا ریپ کا وہ واقعہ ہے، جو 16 دسمبر 2012ء کو بھارت میں پیش آیا تھا، جس کے 13 روز بعد متاثرہ لڑکی مر گئی تھی۔ اس گینگ ریپ میں ایک مجرم کا نام مکیش سنگھ تھا، جس کا انٹرویو اس دستاویزی فلم میں شامل کیا گیا ہے۔ انٹرویو میں مجرم نے مقتولہ کو اس واقعے کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے جو بیان دیا وہ پوری دنیا کے لیے ایک صدمے سے کم نہیں۔ مجرم مکیش سنگھ کا کہنا تھا: "جسمانی زیادتی یا ریپ کے کیس میں لڑکے سے زیادہ لڑکی ذمہ دار ہوتی ہے۔ جس وقت اس کے ساتھ زیادتی کی جا رہی تھی اس وقت اسے مزاحمت نہیں کرنا چاہیے تھی۔ انٹرویو میں مجرم نے کہا: "اس کی پھانسی مستقبل میں عصمت دری کی شکار خواتین کی زندگی کے لیے زیادہ خطرناک ثابت ہو گی۔ اب اگر کوئی ریپ کرے گا تو لڑکی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ لوگوں کو حق حاصل ہے کہ وہ ایسی لڑکیوں کو سبق سکھائیں اور خواتین کو ان لوگوں کے خلاف نہیں بولنا چاہیے۔"

ریپ کے بھارتی مجرم کا انتہائی جہالت اور خواتین دشمنی پر مبنی یہ بیان نہ صرف بھارت کے معاشرے کی گھناؤنی تصویر پیش کرتا ہے، بلکہ پوری دنیا کے لیے باعث تشویش بھی ہے اور دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہونے کی دعویدار ریاست میں خواتین کے غیر محفوظ ہونے کی حقیقت کو بھی واضح کرتا ہے اور یہ بتلاتا ہے

کہ اصلی بھارت اسکرین پر نظر آنے والے بھارت سے کتنا مختلف ہے۔ 1.2 بلین کی آبادی والے ملک بھارت میں لاکھوں مردوں کو یہی سکھایا جاتا ہے کہ معاشرے میں عورت کے لیے لباس کا چناؤ اور اس کی سرگرمیوں کی حدود واضح ہیں۔ اگر وہ ان حدود پر عمل نہیں کرتیں تو ان کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی ذمہ دار وہ خود ہیں۔ بھارت میں بہت سے ہندو سیاستدانوں کی بھی یہی سوچ ہے۔ آل انڈیا ڈیمو کریٹک ویمن ایسوسی ایشن کی سربراہ جگمتی سنگھون کا کہنا ہے کہ مجرم سنگھ نے اپنے بیان میں وہ کچھ کہا ہے جو اس نے اپنے معاشرے کے لیڈروں سے سنا ہے۔ مکیش سنگھ ہمارے لیڈروں کی طرف سے نوجوان مردوں کے لیے قائم کی جانے والی مثالوں کی پیروی کر رہا ہے۔"

دنیا بھر کی مانند بھارت میں بھی خواتین کا عالمی دن منایا جاتا ہے اور اس ضمن میں خواتین کے احترام کی بابت بلند بانگ دعوے کیے جاتے ہیں، مگر بھارت میں خواتین کی حالتِ زار کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ عوامی مقامات پر نامناسب فقرے بازی، دست درازی اور ہراساں کرنے کے واقعات بھارتی خواتین کے لیے ایک بھیانک خواب کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ خواتین کی بے حرمتی اگرچہ دنیا کے دیگر ملکوں میں بھی ہوتی ہے، مگر بھارت میں یہ گھناؤنی اور قابلِ مذمت روش معاشرے کا جزلاینفک بن چکی ہے۔ ریپ کے بڑھتے ہوئے واقعات صرف قانون میں خامی کے ہی نہیں، بلکہ بھارتی معاشرے کی بے حسی کے بھی عکاس ہیں۔ ہر برس

جنسی زیادتی کے ہزاروں واقعات کے باوجود بھارتی معاشرے میں انسانیت کے خلاف اس بھیانک جرم کی جڑ پر قابو پانے کے طریقوں پر کبھی کوئی منظم اور موثر بحث نہ ہو سکی۔ بھارتی معاشرے کے اس غیر پسندیدہ حصے کی حالت بھارت میں اب یہاں تک آن پہنچی ہے کہ سیر و سیاحت یا دیگر امور کی خاطر آنے والی غیر ملکی خواتین کو بھی جنسی تشدد کا نشانہ بنائے جانے کا رجحان فروغ پذیر ہے۔ بھارت میں اب تک غیر ملکی سیاح خواتین کے ساتھ بداخلاقی کے کئی واقعات سامنے آ چکے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے کچھ عرصہ قبل برطانیہ اور سوئس حکومتوں نے اپنی خواتین کو بھارت کی سیر و سیاحت سے گریز کرنے کی ہدایت جاری کی تھی۔

یہاں یہ تلخ حقیقت بھی سامنے رہنی چاہیے کہ اگرچہ بھارت میں خواتین مظلوم مخلوق کے طور پر زندگی گزار رہی ہیں، لیکن باقی دنیا میں بھی ان کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ دنیا کی ہر تیسری عورت تشدد کا شکار ہے۔ ہر سال دنیا بھر میں عورتوں سے جنسی زیادتی کے ڈھائی لاکھ واقعات ہوتے ہیں۔ دنیا بھر میں ہر سال 40 لاکھ خواتین کو عصمت فروشی پر مجبور کیا جاتا ہے اور ہر سال لاکھوں خواتین کو فروخت کیا جاتا ہے۔ معاشرے میں عورت کے ساتھ ہونے والے برتاؤ کا موضوع قدیم ایام سے ہی مختلف معاشروں اور تہذیبوں میں زیر بحث رہا ہے۔ دنیا میں انسانی زندگی کا دار و مدار جتنا مردوں پر ہے،

اتنا ہے عورتوں پر بھی ہے۔ جس طرح زندگی گزارنے کے لیے والد، بھائی، بیٹا اور شوہر ایک عورت کی ضرورت ہے، بالکل اسی طرح ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے بغیر ایک مرد کی زندگی بھی ادھوری ہے۔ فطری طور پر عورتیں خلقت کے انتہائی اہم امور سنبھال رہی ہے ں۔ افسوس ! انسان اپنے تمام تر دعوؤں کے باوجود صنف نازک کے بارے میں کوئی صحیح راستہ منتخب کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ مختلف معاشروں میں عورتوں پر ظلم ہوتا ہے، جو انسان کی جہالت کا نتیجہ ہے۔ پوری تاریخ میں ہمیشہ عورت ظلم کی چکی میں پسی ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ رہی کہ عورت کی قدر و منزلت اور مقام و اہمیت کو نہیں سمجھا گیا۔ عورت کو ایک بلند مرتبہ انسان اور خاندان کے بنیادی عنصر وجودی کی حیثیت سے دیکھا جانا چاہیے۔ اگر کوئی ملک حقیقی معنی میں تعمیر نو کا خواہاں ہے تو اس کی سب سے زیادہ توجہ ملک کی خواتین پر ہونی چاہیے، کیونکہ دنیا کا ہر انسان عورت کی کھوکھ سے جنم لیتا ہے اور عورت کی ہی گود میں آنکھ کھولتا ہے۔

لاہور: گرجاگھروں پر حملے.... مسیحی آبادی کا پر تشدد احتجاج

اتوار کے روز لاہور میں یوحنا آباد کے دو گرجا گھروں پر ہونے والے خود کش حملوں میں دو پولیس اہلکاروں سمیت 17 افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے، جبکہ 85 سے زاید زخمی بھی ہوئے ہیں۔ اتوار کے روز یوحنا آباد میں واقع کیتھولک چرچ اور کرائسٹ چرچ میں دعائیہ عبادت جاری تھی کہ خود کش بمباروں نے چرچ میں داخل ہونے کی کوشش کی تو سیکورٹی گارڈز نے انہیں روکنے کی کوشش کی، جس پر بمباروں نے گیٹ پر ہی خود کو دھماکے سے اڑا لیا اور ہر طرف نعشیں، انسانی اعضائ، خون، دھواں اور آگ پھیل گئی۔ گرجا گھروں کے باہر کھڑی گاڑیوں اور متعدد موٹر سائیکلوں کو نقصان بھی پہنچا اور قریبی دکانوں و عمارتوں کے شیشے ٹوٹ گئے۔ تمام ہسپتالوں میں ایمرجنسی نافذ کی گئی۔ صدر، وزیر اعظم اور ملک کے تمام سیاسی و مذہبی رہنماؤں نے واقعہ کی شدید الفاظ میں مذمت کی اور گرجوں پر ہونے والے واقعات کو ریاست پر حملہ قرار دیا۔ مذہبی و سیاسی رہنماؤں کا کہنا تھا کہ ایسے واقعات سے ہمارے عزم کو متزلزل نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ علمائے کرام نے کہا کہ کہ دہشت گردی مسجد میں ہو یا چرچ میں اس کی حمایت نہیں کی جاسکتی۔ وزیر اعلیٰ پنجاب نے یوحنا آباد چرچ میں مرنے والوں کے لواحقین کے لیے 5، 5 لاکھ روپے، جبکہ فی زخمی کے لیے 75 ہزار روپے کا اعلان کیا۔ دھماکوں کے فوری بعد

لاہور میں سرچ آپریشن شروع کیا گیا، پچیس سے زاید افراد کو گرفتار کرکے نامعلوم جگہ پر منتقل کیا گیا۔ ڈی آئی جی آپریشن لاہور حیدر اشرف کا کہنا تھا کہ دونوں دھماکے چرچوں سے باہر ہوئے، خودکش بمبار چرچوں میں نہیں جاسکے۔ پولیس کی نفری دونوں گرجا گھروں کے باہر تعینات تھی، اس کے باوجود پولیس اور دو افراد پر تشدد کیا گیا۔ پولیس کو کام نہیں کرنے دیا گیا، چار و پولیس اہلکاروں کو بھی یرغمال بنایا گیا۔

دوسری جانب دھماکوں کے بعد مسیحی برادری نے مشتعل ہو کر احتجاج شروع کر دیا اور وہاں موجود دو افراد کو دہشت گرد قرار دے کر بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنایا۔ پولیس اہلکاروں نے دونوں افراد کو بچانے کی کوشش کی تو مشتعل ہجوم نے انہیں پولیس سے چھین لیا اور پھر دونوں کو برہنہ کرنے کے بعد پیٹرول چھڑک کر زندہ جلا دیا۔ زندہ جلائے جانے والے افراد کی لاشوں پر جوتے برسا کر ان کی بے حرمتی بھی کی گئی۔ جبکہ بہت سے افراد موبائلوں سے اس انسانیت سوز واقعے کی ویوڈیوز بھی بناتے رہے۔ زندہ جلائے جانے والے دو افراد میں سے ایک کی شناخت عام شہری محمد نعیم کے نام سے ہوئی، جو قصور کا رہائشی تھا۔ مشتعل مظاہرین نے متعدد شہریوں کو تشدد کا نشانہ بنایا اور گاڑیوں کے شیشے توڑنے کے علاوہ میٹرو بس روٹ کے جنگلے توڑ دیے، مظاہرین کی لوٹ مار اور توڑ پھوڑ سے شدید خوف و ہراس پھیل گیا۔ احتجاج کے دوران مشروب ساز ادارے کی

گاڑی بھی لوٹ لی گئی۔ کئی جگہ پر روڈ بلاک کر دیے گئے، جس کے باعث گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگ گئیں۔ عینی شاہدین کے مطابق مشتعل لوگوں کا کہنا تھا کہ ہم نے سانحہ کوٹ رادھا کشن کا بدلہ لے لیا۔ وفاقی وزیر کامران مائیکل اور پولیس افسر موقع پر پہنچے تو مشتعل ہجوم نے ان سے بھی بد تمیزی اور گالم گلوچ کی اور انہیں جائے وقوعہ تک نہ جانے دیا۔ ملک کے کئی شہروں میں مسیح برادری کی جانب سے دوسرے روز بھی شدید احتجاج کیا گیا۔ اس دوران لاہور میں فیروزپور روڈ میدان جنگ بنا رہا۔ متعدد مقامات پر مظاہرین گاڑیوں پر ڈنڈے برساتے رہے، دکانیں بھی بند کرا دی گئیں۔ فیروز پور روڈ پر مشتعل مسیحی مظاہرین نے شدید توڑ پھوڑ کی۔ اس دوران متعدد گاڑیوں اور عام افراد کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ مظاہرین کے پتھراؤ سے متعدد صحافی بھی زخمی ہو گئے، جبکہ مظاہرین نے میڈیا کی گاڑیوں کے شیشے بھی توڑ دیے۔ پولیس نے مشتعل افراد کو توڑ پھوڑ سے روکا تو جھڑپیں شروع ہو گئیں، مظاہرین نے پولیس پر پتھراؤ شروع کر دیا، جس پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ عیسائی برادری کی جانب سے علاقہ میں موجود مسلمان رہائشیوں کے گھروں پر بھی حملے کیے گئے اور پتھراؤ کیا گیا۔ جبکہ اس دوران لاہور پولیس خاموش تماشائی بنی اپنی آنکھوں کے سامنے مظاہرین سے راہگیروں کو پٹواتی رہی اور خود بھی مظاہرین سے پٹتی رہی۔ مظاہرین لوگوں کی گاڑیاں روک کر ان سے ان کے شناختی کارڈ چیک کر کے فیملی والوں کے ساتھ بد تمیزی کرتے اور گاڑیوں کو روک کر ان پر ڈنڈے برساتے، سرکاری و پرائیویٹ

املاک کو نقصان پہنچاتے رہے، لیکن پولیس نے کسی بھی مشتعل شخص کو روکنے کی کوشش نہ کی۔ مشتعل مسیحی لڑکوں نے آنے جانے والے ہر فرد کو تنگ کیا اور میٹرو مسافروں کے ساتھ بھی بدتمیزی کی، جبکہ اہل علاقہ اپنے گھروں میں محصور ہو کر رہ گئے۔ مشتعل ہجوم کو کنٹرول کرنے میں ناکامی نے پولیس و دیگر قانون نافذ کرنے والے اداروں کی کارکردگی پر کئی سوالیہ نشان چھوڑ دیے ہیں؟ پولیس کی جانب سے ہنگاموں کو کنٹرول کرنے کے لیے قائم کی گئی اینٹی رائٹ فورس تو دور کی بات، کسی افسر یا اہلکار کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ایسی صورتحال میں کرنا کیا ہے۔ ذرائع کے مطابق دھماکے کے بعد مسیحی برادری نے مشتعل ہو کر پولیس اہلکاروں پر بھی تشدد کیا، جس کے بعد موقع پر پہنچنے والی ٹیموں کو بھی مشتعل ہجوم نے روک لیا، اس کی وجہ سے فرانزک ماہرین اور پولیس بروقت شواہد حاصل نہیں کرسکے اور نہ ہی کرائم سین کو سیل کیا جاسکا۔ حملہ آور کے اعضاء اور دے گر ثبوت پیروں تلے آ کر مٹ گئے۔

یوحنا آباد میں مشتعل ہجوم نے جہاں دو افراد کو زندہ جلا دیا، وہیں تین پولیس اہلکاروں کو ادھ موا کرنے کے علاوہ کئی افراد کو تشدد کا نشانہ بھی بنایا اور میٹرو بس ٹریفک، ٹرینل اور جنگلوں سمیت کروڑوں روپے کی املاک کو نقصان پہنچایا، دکانوں میں لوٹ مار اور توڑ پھوڑ کی گئی۔ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ پولیس افسروں کو بھی یرغمال بنائے رکھا۔ شواہد اکٹھے کرنے والے

فرانزک حکام کو بھی جائے وقوعہ تک نہ جانے دیا، جس سے کئی فرانزک شواہد ضائع ہو گئے۔ اس صورتحال میں دہشت گردی سے نپٹنے کے لیے اپنی صلاحیتوں میں اضافہ اور جدید ٹیکنالوجی و تربیت کے بلند و بانگ دعوے کرنے والے حکومتی و پولیس حکام یہاں مکمل طور پر بے بس نظر آئے۔ پولیس مظاہرین کو کنٹرول کرنے میں بے بس اور ناکام دکھائی دی۔ حالات کنٹرول سے باہر ہونے پر پولیس نے مظاہرین پر آنسو گیس پھینکی اور لاٹھی چارج کیا۔ سی سی پی او لاہور امین وینس نے نشتر ٹاؤن سے یوحنا آباد تک گشت کیا اور مظاہرین کی ٹولیوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ ڈی آئی جی آپریشنز نے پنجاب کانسٹیبلری اور ریزرو پولیس کے دستے طلب کر لے، جبکہ پنجاب حکومت نے بھی رینجرز کے دستے طلب کر لیے۔ ان حالات میں ملک بھر کے متعدد حلقوں نے جہاں ایک طرف لاہور میں گرجوں پر ہونے والے خودکش حملوں کی شدید مذمت کی ہے، وہیں لاہور میں مظاہرین کی جانب سے دو دن ہونے والے پرتشدد واقعات کی شدید مذمت کی ہے۔ تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام نے مسیحی برادری کی طرف سے زندہ انسانوں کو جلائے جانے اور نجی و سرکاری املاک کو تباہ و برباد کرنے کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے ذمہ داروں کی گرفتاری کا مطالبہ کیا ہے، وہیں قانونی ماہرین کا کہنا تھا کہ قانون ہاتھ میں لے کر خوف و ہراس پھیلانے والوں کے خلاف دہشت گردی ایکٹ ے تحت مقدمات بنائے جا سکتے ہیں۔ دو افراد کو زندہ جلائے جانے کا جرم ثابت ہونے پر ملزمان کو سزائے موت ہو سکتی ہے۔ سرکاری املاک کو جلانا

اور ہنگامہ آرائی کرکے خوف و ہراس پھیلانا بھی دہشت گردی ایکٹ کے تحت سنگین جرم ہے۔ قانونی ماہرین کا کہنا تھا کہ کسی بھی شہری کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ قانون ہاتھ میں لے کر سرکاری املاک کو تباہ کردے اور زندہ انسانوں کو جلائے۔ اسی حوالے سے متعدد مذہبی و سیاسی شخصیات سے گفتگو کی گئی ہے۔

(مولانا اورنگزیب فاروقی (صدر اہلسنت والجماعت پاکستان

لاہور میں گرجا گھروں پر ہونے والے حملے افسوسناک اور قابل مذمت ہیں، ان کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔، لیکن ان واقعات سے بھی قابل مذمت لاہور واقعہ کے بعد زندہ انسانوں کو جلانے کے واقعات ہیں۔ گرجوں پر حملے مسیحی برادری سے زیادتی ہوئی ہے، لیکن زیادتی کے جواب میں بھی بہت بڑی زیادتی کی گئی ہے۔ انسانوں کو زندہ جلانے کے واقعات میں میڈیا، انسانی حقوق کی تنظیموں اور سول سوسائٹی کا کردار اور ان کی خاموشی انتہائی قابل مذمت ہے اور لمحہ فکریہ ہے۔ دونوں واقعات سازش کے تحت کیے گئے ہیں، تاکہ ملک میں اقلیتوں پر حملے شروع ہوجائیں اور لڑائی شروع ہوجائے۔ سازش کے تحت ملک کو عدم استحکام کی طرف دھکیلنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پنجاب حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس سازش کو بے نقاب کرے اور پس پردہ چھپے عناصر کو سامنے لائے۔ حکومت پنجاب فضول کاموں میں اپنا وقت اور سرمایہ خرچ کر رہی ہے، بے گناہ لوگوں کو

گرفتار کر رہی ہے، لیکن ملک میں سازش کے تحت بدامنی پھیلانے والے عناصر کو بے نقاب کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ لاہور میں دونوں واقعات انتظامیہ کی ناکامی اور نااہلی ہے۔ ریاست میں کسی کو بھی قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ ہم بھی عرصے سے اپنے کارکنوں کے جنازے اٹھا رہے ہیں، لیکن کبھی قانون کو ہاتھ میں نہیں لیا۔ لاہور واقعہ کے بعد عیسائی شہریوں کی طرف سے قانون ہاتھ میں لے کر انتہائی برا کیا گیا۔ ذمہ داران کے خلاف بھرپور کارروائی ہونی چاہیے۔

(صاحبزادہ ابوالخیر زبیر (سربراہ جمعیت علمائے پاکستان

لاہور گرجوں پر ہونے والے دھماکے انتہائی قابل مذمت ہیں اور اس کے بعد انسانوں کو زندہ جلایا جانا بھی قابل مذمت ہے۔ میرے نزدیک دونوں واقعات ایک پلاننگ اور منصوبے کے تحت ہوئے ہیں۔ پہلے سازش کے تحت گرجا گھروں پر حملہ کیا گیا اور اس کے بعد سازشی عناصر نے زندہ انسانوں کو جلایا، تاکہ ملک میں بدامنی کی آگ مزید بڑھکے اور ملک میں افراتفری پھیل جائے اور ایک دوسرے پر حملے شروع ہو جائیں۔ سازشی عناصر نے لاہور میں ہونے والے واقعات سے آپریشن "ضرب عضب" کو ناکام کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابھی تک آپریشن ضرب عضب کامیابی سے ہمکنار ہو رہا ہے، اس سے دہشت گردی پر کافی حد تک قابو پایا گیا ہے، لیکن سازشی عناصر کو یہ برداشت نہیں ہوا ہے کہ ضرب عضب آپریشن کامیاب ہو۔ ان

حالات میں عوام کو سوچنا چاہیے کہ سازشی عناصر کے ہتھے نہ چڑھیں۔ عوام کو جذبات کو قابو میں رکھنا چاہیے اور قانون کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے۔ حکومت کو چاہیے کہ دونوں واقعات کے ذمہ داروں کو گرفتار کرے۔ قانون پر عمل کروانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ واقعات میں ملوث افراد کو ڈھونڈ کر منظر عام پر لائے اور سازشی عناصر کو بے نقاب کرے۔ ایسے واقعات کے بعد اکثر انتظامیہ ناکام نظر آتی ہے۔ ناکام انتظامیہ کے خلاف بھی کارروائی ہونی چاہیے، واقعات کی روک تھام میں ناکام ہونے والے پولیس والوں کو برطرف کیا جائے، کیونکہ ان کو ہٹانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(علامہ ابتسام الٰہی ظہیر (ناظم اعلیٰ جمعیت اہلحدیث پاکستان

لاہور میں گرجوں پر ہونے والے خودکش حملے قابل مذمت اور انتہائی افسوس ناک ہیں۔ اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اسلام تو ہر انسانی جان کی قدر کرتا ہے۔ اسلام نے ہر انسانی جان کے مکمل حقوق رکھے ہیں۔ ریاست کو اس حوالے سے اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے اور شہریوں کا تحفظ یقینی بنانا چاہیے۔ شہریوں کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری ہے۔ شہریوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ بھی ریاست کا احترام کریں اور قانون ہاتھ ہی نہ لیں۔ لاہور واقعہ کے بعد جو ایک اور افسوس ناک واقعہ پیش آیا کہ مسیحی برادری کی طرف سے لوگوں کو زندہ جلایا گیا ہے۔ اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ زندہ انسانوں کو جلا کر

قانون بھی توڑا گیا ہے اور انسانیت کی تذلیل کی گئی ہے۔ جس طرح گرجا گھروں پر حملے قابل مذمت ہیں، اس طرح زندہ انسانوں کو جلانا بھی قابل مذمت ہے۔ جب توہین رسالت کے واقعات کے رد عمل میں مسلمانوں کی طرف سے کوئی پر تشدد واقعہ رونما ہو جاتا ہے تو اس وقت مسلمانوں کو کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو تحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا اور مسلمان تشدد نہ کریں اور اس وقت ساری دنیا مسلمانوں کی مذمت بھی کرتی ہے۔ بالکل اسی طرح لاہور واقعہ کے بعد عیسائیوں کو چاہیے تھا کہ وہ تحمل کا مظاہرہ کرتے اور قانون ہاتھ میں نہ لیتے، لیکن عیسائی برادری نے قانون ہاتھ میں لے کر املاک کو نقصان پہنچایا اور شہریوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کیا، جو انتہائی قابل مذمت ہے۔ شہریوں کی طرف سے یوں قانون کو ہاتھ میں لینا ملک کی بقا اور سلامتی کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ انتظامیہ کو چاہیے کہ اپنا کردار ادا کرے۔ اس حوالے سے ریاست اور علمائے کرام کو بھی اپنی ذمہ داری ادا کرنی چاہیے۔ ایسے واقعات میں انتظامیہ کی ناکامی کھل کر سامنے آتی ہے۔ ریاست کے ذمہ ہے کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے والوں کے خلاف سخت کارروائی کرے۔

(جان اچکزئی (جے یو آئی، ف

لاہو میں گرجا گھروں پر حملے انتہائی قابل مذمت ہےں، اسلام ایسے واقعات کی بالکل اجازت نہیں دیتا، لیکن اس کے بعد زندہ انسانوں کو جلانا بھی انتہائی

قابل مذمت ہے۔ دونوں واقعات دہشت گردیاں ہیں۔ انصاف فراہم کرنا عدالت کا کام ہے۔ قانون کو خود ہاتھ میں لے کر زندہ انسانوں کو جلانا نہ صرف ریاست کی پامالی ہے، بلکہ غیر انسانی فعل بھی ہے، جو کسی طور پر قبول نہیں کیا جاسکتا۔ پاکستان ایک آئین اور قانون رکھنے والا ملک ہے۔ یہاں آئین و قانون میں سب کچھ لکھا ہے۔ تمام جرائم کی سزائیں بھی قانون میں موجود ہیں، لیکن اگر کوئی خود ہی قانون ہاتھ میں لینے لگے تو ریاست کس کام کی رہی؟۔ ایسی ریت نہیں ڈالنی چاہیے کہ لوگ خود ہی قانون ہاتھ میں لے کر کارروائیاں کرنا شروع کردے ں۔ تمام معاملات قانون کے مطابق ہونے چاہیے ں۔ ان واقعات کے ذمہ داران کو فوری گرفتار کرکے سزا دینی چاہیے۔ ایسے واقعات پولیس اور انتظامیہ کی ناکامی کا نتیجہ ہوتے ہیں، جو انتہائی افسوس ناک ہیں۔ انتظامیہ کو بھی چاہیے کہ اپنی ناکامیوں پر نظرثانی کرے اور قانون پر عمل داری یقینی بنائے اور انسانوں کو زندہ جائے جانے والے افراد کے ذمہ داروں کو قانون کے کٹہرے میں لا کھڑا کرے اور سزا دے۔

ترقی کا سفر چین کے سنگ

چین معیشت، دفاع، ٹیکنالوجی، سماجی، سائنسی اور زرعی شعبوں سمیت تمام شعبہائے زندگی میں اپنی کامیابیوں کا لوہا منوا چکا ہے۔ دور حاضر کی امیر ترین اور جدید ٹیکنالوجی کی حامل مغربی ریاستوں کے تھنک ٹینکس بھی چین کی برق رفتار ترقی پر انگشت بدنداں ہیں۔ اقوامِ عالم کی حالیہ تاریخ میں یوں تو کئی ملکوں نے ترقی کے مراحل طے کیے ہیں، لیکن جس طرح عوامی جمہوریہ چین نے خود کو گزشتہ دو اڑھائی عشروں میں ایک علاقائی قوت سے عالمی طاقت میں تبدیل کیا ہے، یہ ایسا معاملہ ہے جس پر دنیا بھر کے ماہرین حیران ہیں۔ 1 ارب 35 کروڑ 73 لاکھ 80 ہزار افراد پر مشتمل چین نے محض گزشتہ 25 برسوں کے اندر اپنے 50 کروڑ شہریوں کو خط افلاس سے نکال کر متوسط طبقے میں لا کھڑا کیا ہے۔ یہ اپنے آپ میں اتنا بڑا اقتصادی معجزہ ہے، جس پر دنیا بھر کے معاشی ماہرین محو حیرت ہیں۔ چین نے معجزانہ طور پر ترقی کی منازل طے کی ہیں، اسی لیے گزشتہ سال 142 برسوں بعد پہلی مرتبہ امریکا کا دنیا کی سب سے بڑی معیشت ہونے کا اعزاز صرف چین ہی چھیننے میں کامیاب ہوا ہے۔ چین کی معیشت اب تقریباً 17.6 کھرب ڈالر تک پہنچ گئی ہے، جو کہ امریکا کی 17.4 کھرب ڈالر سے زیادہ ہے۔ چین دنیا میں خام ملکی پیداوار کے حساب سے چوتھا ملک ہے اور تیزی سے مزید ترقی کر رہا ہے۔

(Power اگر چین ایسے ہی ترقی کرتا رہا تو جلد ہی اسے دنیا کی ایک عظیم طاقت ملک ہے، مگر اس کی (Socialist) تسلیم کرنا پڑے گا۔ چین ایک اشتراکی (Super ستر فیصد خام ملکی پیداوار نجی شعبہ میں ہوتی ہے۔ چین دنیا کا واحد ملک ہے جسے اپنے معاشرتی ڈھانچے کو تباہی سے بچانے کے لیے وقتاً فوقتاً اپنی غیر ضروری ترقی پر روک لگانا پڑتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ چینی قوم دنیا میں اپنا معاشی مقام بنانے اور سرمایہ دارانہ نظام کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے ملک میں مسلسل اصلاحات کرتی رہتی ہے۔ معاشی کے مطابق چین کی خام ملکی پیداوار کی تقسیم آبادی میں (Indicators) اشاریوں سب سے زیادہ مناسب ہے۔ 2006 میں چین کی خام ملکی پیداوار 1978 کی نسبت گنا زیادہ تھی۔ چین کی ترقی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ چین میں 10 سے زیادہ بند (ڈیم) ہیں۔ 2005 میں اس کی برآمدات اس کی درآمدات 23000 سے 30 ارب امریکی ڈالر زیادہ تھیں۔ 2006 میں چین میں 70 ارب امریکی ڈالر کی بیرونی سرمایہ کاری ہوئی تھی۔ اسی سال چین دنیا میں سب سے بڑے زرِ مبادلہ کے ذخائر رکھنے والا ملک بن گیا۔ تیزی سے ترقی کی وجہ سے 1981 سے 2001 کے دوران غربت کی لکیر سے نیچے لوگوں کی تعداد 53 فیصد سے کم ہو کر صرف آٹھ فیصد رہ گئی ہے۔

چین کے صدر ژی چنگ پنگ مارچ کے آخری ہفتے میں پاکستان کا دورہ کریں گے۔ وہ مارچ کو اسلام آباد میں یوم پاکستان کی تقریب میں مہمان خصوصی کے طور پر 23

شرکت کریں گے۔ اپنے قیام کے دوران چینی صدر گوادر میں جا کر پاکستان اور چین کے درمیان اقتصادی راہداری کے قیام کی عظیم بین الاقوامی شاہراہ کی تعمیر کا افتتاح بھی کریں گے۔ چینی صدر کے دورے کے حوالے سے معاملات کو حتمی شکل دینے کے لیے چین کے وزیر خارجہ فروری میں پاکستان کا دورہ کر چکے ہیں۔ چینی وزیر خارجہ وانگ ئی نے اپنے دورہ ئ پاکستان کے موقع پر اس امر کی یقین دہانی کرائی کہ چائنا پاکستان کے ساتھ معاشی سے لے کر سیکورٹی کے امور تک اپنا بھرپور تعاون جاری رکھے گا۔ حالات کی کوئی اونچ نیچ، پیچ و خم ان دونوں ممالک کے مابین انتہائی گہرے اور مستحکم تعلقات پر کسی بھی طرح اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ پاکستان اور چائنا ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر تعمیر و ترقی کی شاہراہ پر پیش قدمی جاری رکھیں گے اور چائنا اس سلسلے میں ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹے گا۔ چائنا ہر حالت میں پاکستان سے اپنے دوستانہ روابط برقرار رکھے گا۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ پاک چین تعلقات گزشتہ کئی عشروں سے دنیا بھر میں مثالی نوعیت اختیار کر چکے ہیں، کیونکہ اس دوستی کو نہ تو بدلتے ہوئے موسم متاثر کر سکے اور نہ ہی داخلی، علاقائی اور عالمی سطح پر ہونے والی تبدیلیاں اس مثالی دوستی پر اثر انداز ہو سکیں ہیں۔ چین کے سابق صدر "ہو جن تاؤ" نے چند برس قبل اپنے دورہ اسلام آباد کے دوران کہا تھا: "پاک چین

دوستی نہ صرف سمندر سے گہری اور ہمالیہ سے بلند ہے، بلکہ یہ شہد سے زیادہ مٹھاس پر مبنی ہے"۔ جبکہ 2013 کو اپنے دورہ پاکستان کے دوران اس مثالی دوستی کا تذکرہ کرتے ہوئے چینی وزیر اعظم نے پاکستانی دوستی کو سونے سے زیادہ قیمتی اثاثہ قرار دیا تھا۔ چین اور پاکستان دیرینہ دوست ہیں۔ چین ہر شعبے میں معاونت کرکے پاک چین دوستی کا عملی مظاہرہ کرتا ہے۔ چین کی معاونت سے شروع کیے گئے کئی میگا انفراسٹرکچر پراجیکٹس نے پاکستان کی معاشی اور دفاعی شعبے کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ان میں گوادر بندرگاہ کا اہم ترین منصوبہ بھی شامل ہے۔

یہ بات بالکل بجا ہے کہ چین کی معاونت سے پاکستان میں بہت سے منصوبے پایہ تکمیل تک پہنچے ہیں، لیکن اب پاکستانی حکمرانوں اور پالیسی سازوں کو چاہیے کہ وہ چین کی عقل دنگ کردینے والی اقتصادی، معاشی، دفاعی اور سائنسی ترقی کے بنیادی اسباب پر ریسرچ کرکے اسے پاکستان میں قابل تقلید بنائیں۔ اگر پاکستانی حکمران چین کے ساتھ دوستی اور اس کی معاونت کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے چین کے نقش قدم پر چلیں تو پاکستان بھی چین کی طرح ترقی کا سفر تیزی کے ساتھ طے کر سکتا ہے۔ کسی بھی ملک کے عوام کی بنیادی ضروریات رہائش، روزگار، تعلیمی و طبّی سہولیات، سوشل سیکورٹی اور مواصلات سمیت چھ سات ہی ہوتی ہیں، جن کے شعبوں کی تعداد دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے بھی کم ہے۔ ان

چند شعبوں کو چلانے کے لیے پاکستان میں وزرا کی ایک بڑی سی فوج ہے۔ اس کے باوجود پاکستان ترقی کا سفر طے کرتے دکھائی نہیں دیتا، بلکہ صرف صاحب اقتدار طبقہ ترقی کر رہا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں کے پاس سرے سے نہ تو کوئی ویژن" ہے اور نہ ہی وہ ملک کو ترقی کی راہ پر ڈالنا ہی چاہتے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ" چین، جس کا رقبہ پاکستان سے پانچ گنا تا آٹھ گنا ہے اور آبادی پاکستان سے کئی گناہ زیادہ یعنی ایک ارب 40 کروڑ ہے، اس قدر بڑے ملک کو چلانے والے وزرا کی کل تعداد نصف صد سے بھی کم ہے۔ یہ نصف صد وزرا ہی ایک ارب 40 کروڑ آبادی کا ملک سنبھال کر نہ صرف تیز تر ترقی کر رہے ہیں، بلکہ ہمارے ساتھ تعاون بھی کر رہے ہیں۔ جبکہ ہمارے ملک میں وزرا کی ایک فوج ہونے کے باوجود کچھ بن نہیں پڑتا۔ چین میں بھی ہماری طرح "انسان" ہی آباد ہیں۔ جب چین ایک ارب 40 کروڑ آبادی کے ساتھ ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے اپنی کامیابیوں کا لوہا منوا سکتا ہے تو کیا ہمارے حکمران چینی دوستوں سے ترقی کا "بھید" معلوم کرکے پاکستان کو ترقی کی راہ پر نہیں ڈال سکتے؟

یوم پاکستان، تجدید عہد کا دن

23 مارچ 1940 ہماری تاریخ میں انتہائی زیادہ اہمیت کا حامل دن ہے۔ اس دن اقبال پارک (منٹو پارک) لاہور میں قرار داد لاہور منظور ہوئی، جسے قرارداد پاکستان بھی کہا جاتا ہے۔ ہر سال 23 مارچ کی سپیدہ سحر کی کرنیں قوم کو یہ واضح پے غام دیتی ہیں کہ غلامی کے ماحول کو پس منظر میں دھکیلنے کے لیے جرات و ہمت، پختہ ارادہ اور اپنے موقف اور اصولوں پر ڈٹے رہنا ضروری ہے۔ اس دن مسلمانوں کے سمندر بے کراں نے ایک آزاد مسلم وطن حاصل کرنے کا عزم مصمم کیا اور انگریز کی عداوت اور ہندو کی منافقت کے باوجود عزم و ہمت کے باعث اپنے دیرینہ خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے میں کامیاب ہوئے۔ برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت کے زوال کے بعد انگریزوں اور ہندوؤں نے ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ معاندانہ اور ناانصافی پر مبنی متعصب رویہ اپنائے رکھا۔ تمام تر ظلم و ستم کا نشانہ خصوصی طور پر برصغیر کے مسلمان بنتے رہے اور انگریزوں کی طرف سے بھی مسلمانوں پر ظلم کا ہر طریقہ آزمایا گیا، لیکن مسلمانوں نے کسی بھی موڑ پر غلامی کو قبول نہیں کیا اور مسلسل آزادی کے حصول کی جدوجہد کرتے رہے۔ مایوسی کبھی بھی ان کے قدموں کی زنجیر نہ بن سکی۔ جب انگریزوں نے برصغیر سے سب کچھ لوٹ لیا تو جاتے جاتے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ہندوؤں کی شاطر قوم

کی غلامی میں دینے کا منصوبہ بنایا۔ ہندو چونکہ پہلے سے ہی مسلمانوں کے ساتھ انتہا درجے کی دشمنی رکھتے تھے، کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ "برصغیر کے اصل مالک ہم ہیں اور برصغیر میں صرف ایک ہی قوم آباد ہے اور وہ صرف ہندو قوم ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ہندوؤں کے ماتحت رہنا ہوگا۔" جس کے مقابلے میں قائداعظم محمد علی جناح اور علامہ محمد اقبال سمیت متعدد مسلمان رہنماؤں نے دو قومی نظریہ پیش کیا، جس کے مطابق مسلمان اور ہندو کسی صورت بھی ایک قوم نہیں ہو سکتے، مسلمان ایک الگ قوم ہے۔ ان کی ہندوؤں سے ہر چیز جدا ہے۔ ان کی ثقافت و معاشرت، کھانا، پینا اور رہنے کا طریقہ تک مختلف ہے۔ مسلمان اور ہندو سڑک کے دو کناروں کی طرح ہیں جو کبھی بھی آپس میں نہیں مل سکتے۔

ہندو چونکہ مسلمانوں کو انگریزوں کے بعد ہمیشہ کے لیے اپنا غلام بنانا چاہتے تھے، اس لیے مسلمانوں کا ہندوؤں کی ہر بات کو رد کرنا ان پر بہت ہی گراں گزرا۔ جس کی پاداش میں انہوں نے مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ جبکہ دوسری جانب برصغیر میں ہندو اور دیگر غیر مسلم لوگ، مسلمانوں کی اسلامیت سے متاثر ہو کر دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہو رہے تھے، ہندوؤں کو یہ بات برداشت نہ ہوئی، جس کی وجہ سے برصغیر کے ہندو مسلمانوں کے خلاف مزید بھڑک اٹھے اور مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ جب بھی انہیں اقتدار و قوت حاصل ہوئی تو انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا

کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور مختلف اداور میں ہندؤں کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف مذہبی تحریکیں چلائی گئیں۔ ان حالات کے پیش نظر مسلمانوں کو اے ک علے حدہ وطن کا مطالبہ کرنا پڑا، کیونکہ مسلمانوں نے جان لیا تھا کہ جب تک مسلمان الگ سے اپنا ملک حاصل نہ کرلیں اس وقت تک ہندو انہیں چین سے جینے نہیں دیں گے۔ للذا وہ الگ ملک پاکستان کی آزادی کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ مسلمان پاکستان کی آزادی کے لیے مکمل طور پر پر امید تھے۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے فرمایا تھا: "پاکستان اسی دن وجود میں آگیا تھا جس دن ہندوستان میں پہلے ہندو نے اسلام قبول کیا تھا۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے نہ کہ وطن اور نسل۔ ہندوستان کا پہلا فرد جب مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا، وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد ہوگیا، ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی"۔

اسی سلسلے میں 23 مارچ 1940 کو اقبال پارک لاہور میں لاکھوں انسان پورے بر صغیر سے جمع ہوئے۔ پہاڑوں کا سا عزم لیے انسانوں کے امڈتے سمندر کا جوش قابل دید تھا۔ 23 مارچ 1940 کو لاہور کے منٹو پارک میں آل انڈیا مسلم لیگ کے تین روزہ سالانہ اجلاس کے اختتام پر وہ تاریخی قرار داد منظور کی گئی، جس کی بنیاد پر مسلم لیگ نے بر صغیر میں مسلمانوں کے جدا وطن کے حصول کے لیے تحریک شروع کی اور سات برس کے بعد اپنا مطالبہ منظور کرانے میں کامیاب رہی۔

برصغیر میں برطانوی راج کی طرف سے اقتدار عوام کو سونپنے کے عمل کے پہلے مرحلے میں 1937/1936 میں جو پہلے عام انتخابات ہوئے تھے ان میں مسلم لیگ کو ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ اس وجہ سے مسلم لیگ کی قیادت اور کارکنوں کے حوصلے ٹوٹنے لگے اور ان پر ایک عجب بے بسی کا عالم تھا، لیکن جب نئے ملک کے حصول کی خاطر ٹھاٹھے مارتے انسانوں کے سمندر نے لاہور میں جمع ہو کر قرارداد پیش کی تو اس کے بعد مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور انہوں نے ایک نئے عزم کے ساتھ اپنا الگ ملک حاصل کرنے کی کوششیں تیز کر دیں۔ پورے برصغیر میں آزادی کی تحریک نئے عزم کے ساتھ شروع ہو گئی۔ انگریزوں اور ہندوؤں نے تحریک آزادی کو دبانے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن پاکستان کے مطالبے سے مسلمان کسی بھی قیمت پر پیچھے نہ ہٹے، ان کے اذہان و قلوب میں صرف آزادی کا لفظ گردش کر رہا تھا۔ مسلمان آزادی کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد کرتے رہے اور بالآخر اپنا الگ ملک پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

مارچ کو منٹو پارک میں مسلمانوں نے ایک ایسے ملک کے حصول کا عہد کیا تھا، جس 23 میں امن، چین و سکون سب کچھ ملے گا۔ جہاں انصاف کا بول بالا ہوگا۔ بدیانتی و بدنیتی نہیں ہوگی۔ بدعنوانی و خیانت کو اس ملک میں کہیں بھی جائے پناہ نہیں ملے گی۔ ظلم و زیادتی کا دور دور تک نام ونشان نہیں ہوگا۔ لوگ پیار و محبت سے رہیں گے۔ کسی کی جان کو کوئی خطرہ نہ ہوگا۔ امیر و غریب کے

لیے قانوں یکساں ہوگا، لیکن یہاں تو سب کچھ اس کے برعکس ہوا، ہمارے بڑوں نے جس کے لیے قربانیاں دی تھیں۔ یہاں تو دن دیہاڑے بھی کسی کی جان محفوظ نہیں، لوگوں کو مسجدوں میں گھس کر قتل کر دیا جاتا ہے۔ خودکش حملوں میں بے گناہ مسلمانوں کو ہی قتل کر دیا جاتا ہے۔ لوگ مخالف مسالک کے لوگوں کو قتل کرنے کو جہاد سمجھتے ہیں۔ پورے ملک میں کہیں بھی امن وسکون کا نام ونشان نہیں ہے۔ انصاف صرف کتابوں میں لکھا ہے۔ میرٹ کا قتل عام ہو رہا ہے۔ لوگ بد عنوانی و خیانت کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ ہر طاقت ور ظالم اور ہر کمزور مظلوم ہے۔ پیار و محبت ناپید ہو چکی ہے۔ قوانین غریبوں کے لیے ہیں، جبکہ امیر قوانین سے ماورا ہیں۔ پون صدی پہلے جس مقصد کے لیے ہمارے بڑوں نے قربانیاں دی تھیں، آج اس مقصد کو بھلا دیا گیا ہے۔ یقیناً ہم سب نے مل کر ان بزرگوں، ان کی قربانیوں اور قیام پاکستان کے وقت اپنی جانوں کے نذرانے دینے والوں کی ناقدری کی ہے۔ انہوں نے 23 مارچ کو پاکستان بنانے کا عہد کیا تھا اور اسے پورا کرکے دکھایا، آج ضرورت ہے کہ ہم سب مل کر اس ملک کی حفاظت کا عہد کریں اور اسے پورا کر دکھائیں۔

نادرا" دفاتر میں بد انتظامی اور بے ضابطگیاں.... عوام رُل گئے"

قومی شناختی کارڈ ہر پاکستانی شہری کے لیے 18 سال کی عمر کے بعد بنوانا لازمی ہے، کمپیوٹرائزڈ قومی شناختی کارڈ پاکستانی شہری کی حیثیت سے پہچان کے لیے ضروری ہے۔ قومی شناختی کارڈ پاکستان کے ایک اہم ادارے "نادرا" کے زیر انتظام ہے، جس کا آغاز 2000 میں کیا گیا۔ اس ادارے کا کام عوام کی رجسٹریشن کرنا اور ان کو قومی شناختی کارڈ جاری کرنا ہے۔ کمپیوٹرائزڈ قومی شناختی کارڈ (CNIC) ایک جدید کمپیوٹرائزڈ نظام سے مربوط کارڈ ہے، جو ہر پاکستانی شہری کی معلومات کو جدید ٹیکنالوجی سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ایک ابتدائی قدم ہے۔ جس کے تحت 2012 تک 89 5. ملین لوگوں کو یہ کارڈ جاری کیے جا چکے تھے۔ نادرا کے رجسٹریشن سینٹرز کی تعداد 2011 میں تقریباً تین سو تھی، جو 2014 میں بڑھ کر 560 ہو گئی تھی۔ پاکستان میں نادرا کے قیام سے قبل شناختی کارڈ مینوئل طریقے سے بنایا جاتا تھا اور اس کا دفتری اندراج بھی رجسٹروں میں کیا جاتا تھا، جس سے با آسانی جعل سازی کر لی جاتی تھی۔ ایجنٹ قانونی وغیر قانونی دستاویزات پر متعلقہ افسران کی ملی بھگت سے انتہائی آسانی سے شناختی کارڈ بنوا لیا کرتے تھے اور ایک ایک شخص کے مختلف ناموں پر متعدد شناختی کارڈ بنوانے کے کیسز بھی سامنے آتے رہے ہیں، جس سے جائیداد، بیرون ملک سفر اور کاروباری معاملات

میں ہیرا پھیری کرنا آسان تھا۔ شناختی کارڈ مینوئل سسٹم دور میں لاکھوں تارکین وطن کے بھی شناختی کارڈ بنوائے گئے۔ وفاقی حکومت نے ان تمام خرابیوں کو ختم کرنے کے لیے کمپیوٹرائزڈ شناختی کارڈ بنانے کے لیے "نادرا" ادارہ قائم کیا، لیکن نادرا کے قائم ہونے کے باوجود شناختی کارڈ سے متعلق خرابیوں کا قلع قمع نہیں کیا جاسکا۔ تاحال رشوت کے ذریعے ایجنٹس اور نادرا اہلکاروں کی ملی بھگت سے نامکمل اور جعلی دستاویز کی بنیاد پر نہ صرف پاکستانیوں کے شناختی کارڈز بنانے کا سلسلہ جاری ہے، بلکہ رشوت اور نادرا اہلکاروں کے تعاون سے غیر ملکیوں کی بڑی تعداد بھی غیر قانونی طور پر پاکستانی شناختی کارڈ بنوا چکی ہے، اس حوالے سے کیسز وقتاً فوقتاً میڈیا پر آتے بھی رہتے ہیں۔ ذرائع کے مطابق نہ صرف کراچی میں، بلکہ ملک بھر میں بھی 5 سے 10 ہزار روپے رشوت لے کر ایسے جعلی شناختی کارڈز بھی بنائے جاتے ہیں، جن کا سرکاری کاغذات میں کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہوتا۔

ذرائع کے مطابق نادرا دفاتر میں اکثر و بیشتر نچلا عملہ رشوت خوری کے لیے عام شہریوں کو تنگ کرتا ہے اور مکمل دستاویزات کی موجودگی کے باوجود انہیں تارکین وطن قرار دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اعلیٰ حکام تک اگر شکایات پہنچ جائیں تو مسائل حل ہوجاتے ہیں، بصورت دیگر شہری مہینوں دفاتر کے چکر لگاتے رہتے ہیں اور ملکی شہریت منوانے میں پاپڑ بیلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ذرائع کے مطابق ملک بھر میں بالعموم اور کراچی میں خصوصی طور پر نادرا کے متعدد دفاتر میں دیگر اداروں کی طرح ایجنٹس سرگرم ہوتے ہیں، جو رشوت کے عوض تارکین وطن کے بھی شناختی کارڈ باآسانی بنوا دیتے ہیں۔ نادرا ویجلینس ٹیم کی شناختی کارڈ دفاتر کی نگرانی کے باعث ایجنٹ میز کرسی لگا کر دفاتر کے باہر نہیں بیٹھتے، تاہم خفیہ طور پر نادرا رجسٹریشن سینٹرز کے اردگرد منڈلاتے رہتے ہیں، یہ ایجنٹس سیاسی تنظیموں کی سپورٹ پر سینٹرز پر سرگرم عمل ہیں۔ رشوت دے کر ان ایجنٹس سے کسی بھی قسم کا جعلی کام کروایا جاسکتا ہے۔ ان میں سے اکثر ایجنٹس ان غیر قانونی دستاویزات پر بھی شناختی کارڈ بنوا لیتے ہیں، جن کو دیگر سینٹرز بنانے سے معذوری کا اظہار کر دیتے ہیں۔

اس حوالے سے ہم نے "نادرا" کے مختلف دفاتر کا سروے کیا۔ سروے کے دوران عوام نے نادرا عملے سے متعلق شکایات کے انبار لگا دیے۔ حبیب بینک پر قائم نادرا سینٹر میں شناختی کارڈ بنوانے کے لیے قطار میں کھڑے ایک شہری کا کہنا تھا کہ بہت سے نادرا اہلکاروں نے چونکہ ایجنٹس سے رشوت میں اپنا حصہ طے کیا ہوتا ہے، اس لیے وہ عوام کو تنگ کرتے ہیں، تاکہ عوام پریشانی سے بچنے کے لیے زیادہ پیسے دے کر ایجنٹس کا سہارا لیں اور اس میں سے ان اہلکاروں کو بھی اپنا حصہ مل سکے۔ شہری کا کہنا تھا کہ نادرا دفاتر پر شہریوں کو بلاوجہ تنگ کرنا اور شناختی کارڈ کے لیے مطلوبہ دستاویز مکمل ہونے کے باوجود کوئی اعتراض لگا دینے کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے، تاکہ عوام پریشانی سے بچنے کے

لیے رشوت کے عوض ایجنٹس کا تعاون حاصل کریں۔ اسی رشوت کی آمدنی کو حاصل کرنے کے لیے بلاوجہ عوام کو گھنٹوں گھنٹوں قطاروں میں کھڑا کرکے ان کی عزت مجروح کی جاتی ہے۔ جبکہ قطار میں کھڑے ایک شہری نے بتایا کہ ایجنٹس بار بار دفتر کا چکر لگاتے رہتے ہیں۔ شناختی کارڈ اور برتھ سرٹیفکیٹ وغیرہ بنوانے کے لیے مطلوبہ دستاویز میں کمی اور دیگر قانونی رکاوٹوں کی صورت میں رشوت لے کر کام کروا دیتے ہیں اور ایجنٹس دو سے تین ہزار روپے لے کر غیر قانونی شناختی کارڈ بھی ایک ہفتے میں بنوا دیتے ہیں، اس رشوت میں نادرا اہلکاروں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ سروے کے دوران ایک شہری نے شکایت کرتے ہوئے کہا کہ نادرا کا عملہ نیٹ ورکنگ، کمپیوٹر کی خرابی اور لائٹ جانے کا بہانہ بنا کر کئی کئی دنوں تک کام روک دیتا ہے اور کبھی شہریوں سے غیر ضروری دستاویز طلب کی جاتیں ہیں، تاکہ شہری تنگ آ کر ایجنٹس سے رجوع کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ ایک شہری نے یہ بھی بتایا کہ لوگ اپنے کام کے لیے نادرا کے دفتر میں نماز فجر کے فوراً بعد جبکہ بعض تو نماز فجر سے بھی پہلے آ کر قطار میں کھڑے ہو جاتے ہیں، لیکن نادرا کا عملہ بے فکری سے تقریباً 10 بجے دفتر پہنچتا ہے، اس کے بعد ناشتہ کرتا ہے اور پھر 12 بجے دوپہر ہی کو ٹوکن دینا بند کر دیتا ہے، جس سے نہ صرف عوام کو کافی زیادہ تکلیف کا سامنا ہے، بلکہ اس سے نادرا عملے کی غیر ذمے داری بھی ظاہر ہوتی ہے۔

ذرائع کے مطابق کراچی میں نادرا کے متعدد دفاتر کا عملہ عدم تحفظ کے باعث سیاسی و جرائم پیشہ عناصر کی وجہ سے بھی کافی پریشانی کا سامنا ہے۔ اسی لیے گزشتہ سال نیشنل ڈیٹا بیس رجسٹریشن اتھارٹی (نادرا) کی صوبائی انتظامیہ نے سیاسی و لسانی جماعتوں اور کالعدم تنظیم کی جانب سے تارکین وطن کے شناختی کارڈ بنوانے کے دباؤ پر صفورا گوٹھ پر قائم نادرا کا دفتر بند کر دیا تھا۔ کراچی میں نادرا کے دیگر دفاتر کے عملے کو بھی عدم تحفظ کے باعث سیاسی و جرائم پیشہ عناصر کی جانب سے کئی خطرات کا سامنا ہے۔ ذرائع کے مطابق سیاسی و لسانی اور کالعدم تنظیموں کے کارکن اور جرائم پیشہ افراد کئی ماہ سے نامکمل دستاویزات پر شناختی کارڈ بنوانے آتے اور نادرا کے ملازمین کو دھمکا کر جعلی شناختی کارڈ کا اجرا کروا لیتے تھے۔ صفورا گوٹھ میں نادرا رجسٹریشن سینٹر اندر گلی میں یونین کونسل کے دفتر میں قائم ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ تھا، جرائم پیشہ افراد عموماً اس سینٹر کے باہر کھڑے رہتے تھے اور جو افراد دستاویزات مکمل نہ ہونے کی وجہ سے شناختی کارڈ حاصل نہیں کر پاتے تھے، ان کے غیر قانونی معاملات لے کر نادرا آفس میں زبردستی جعلی شناختی کارڈ بنوا لیا کرتے تھے۔ عموماً غنڈے ایجنٹ شناختی کارڈ پر غلط پتے، تاریخ پیدائش اور دیگر معاملات لے کر آتے تھے، جن کا دستاویزی ثبوت نہ ہوتا تھا۔ یہ ایجنٹ فی کیس 25 ہزار روپے وصول کرتے تھے اور نادرا ملازمین کو ڈرا دھمکا کر شناختی کارڈ جاری کرا لیا کرتے تھے، ان ایجنٹوں کو سیاسی اور

لسانی جماعتوں کی سرپرستی حاصل تھی، جو تارکین وطن افغانیوں، بنگالیوں اور دیگر افراد کے شناختی کارڈ بنوانے کے لیے دباؤ ڈالتے تھے۔ مسلح غنڈوں کا گروہ نادرا سینٹر پر دھاوا بول کر عملے کو یرغمال بنا کر گن پوائنٹ پر جعلی شناختی کارڈ جاری کراتا تھا۔ نادرا عملے کا کہنا تھا کہ مسلح افراد کی غنڈہ گردی عرصے سے جاری تھی، نادرا کے اعلیٰ حکام کو اس صورتحال سے آگاہ کیا گیا تھا، تاہم سندھ حکومت ملازمین کو تحفظ فراہم کرنے میں ناکام رہی۔ مسلح غنڈے جب تارکین وطن کے شناختی کارڈ کے اجرا کے لیے دھمکیاں دینے لگے تو نادرا کے صوبائی حکام کو بالآخر یہ دفتر بند کرنا پڑا۔ اس سینٹر سے فری کیٹگری سے لے کر 300 روپے ارجنٹ فیس لے کر شناختی کارڈ کا اجرا ہوتا تھا اور اطراف کی آبادیوں کے شہری یہاں سے کم فیس میں شناختی کارڈ بنوا لیا کرتے تھے، جبکہ صفورا گوٹھ پر قائم ایگزیکٹو سینٹر پر 1500 فیس وصول کرکے شناختی کارڈ جاری کیا جاتا تھا۔ واضح رہے اس سے قبل مسلح غنڈوں نے کیماڑی کے نادرا دفتر میں جعلی شناختی کارڈ بنوانے کے لیے ملازمین پر تشدد کیا تھا، جس پر نادرا کیماڑی کا دفتر دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا تھا۔

دوسری جانب نادرا دفاتر میں بہت زیادہ رش کی وجہ سے بھی عوام کو کافی مشکلات کا سامنا ہے۔ روزنامہ اسلام کی جانب سے نادرا کے دفاتر کے سروے کے وقت کئی لوگوں سے بات چیت کے دوران عوام نے نادرا کے عملے سے کافی بیزاری

کا اظہار کیا۔ بلدیہ سینٹر میں شناختی کارڈ بنوانے کے لیے آئے ہوئے ایک شخص کا کہنا تھا کہ مسلسل تین ماہ سے شناختی کارڈ لینے کے لیے چکر لگا رہا ہوں، ہر بار شناختی کارڈ لینے کے لیے نئی تاریخ دے دی جاتی ہے، حالانکہ فارم جمع کرواتے وقت نادرا انتظامیہ کی جانب سے صرف ایک ماہ کا وقت دیا گیا تھا۔ اسی طرح شناختی کارڈ کے حصول کے لیے قطار میں لگے ہوئے ایک دوسرے شہری نے بتایا کہ قومی شناختی کارڈ حاصل کرنے کے لیے گزشتہ ساڑھے تین ماہ سے خواری برداشت کر رہے ہیں، کئی بار پانچ پانچ گھنٹے قطاروں میں لگ کر شناختی کارڈ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن کہہ دیا جاتا ہے کہ ابھی آپ کا شناختی کارڈ نہیں بنا، مزید کچھ دن انتظار کریں۔ جبکہ ایک شہری نے نادرا عملے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ عام شہری گھنٹوں گھنٹوں قطاروں میں کھڑے رہتے ہیں، جبکہ نادرا اہلکاروں کی واقفیت والے لوگ قطار میں کھڑے ہونے کی بجائے اندر جا کر اپنا کام کروا لیتے ہیں، جو عام شہریوں کے ساتھ سراسر ناانصافی ہے۔ جبکہ شہریوں کی ایک بڑی تعداد کا کہنا تھا کہ شناختی کارڈ کا صرف فارم حاصل کرنے کے لیے ہمیں کئی کئی گھنٹے قطاروں میں کھڑا ہونا پڑتا ہے، نادرا کا عملہ ہمیں قطاروں میں کھڑا کر کے خود کبھی خوش گپیوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور کبھی کمپیوٹر کی خرابی کا بہانہ بنایا جاتا ہے اور بعض جگہوں پر تو ہزاروں کی تعداد میں شہریوں کے لیے صرف ایک اہلکار ہی دستیاب ہوتا ہے اور وہ بھی قطار میں کھڑے شہریوں سے زیادہ ایجنٹس کے ذریعے ڈائریکٹ اندر جانے والے

افراد پر توجہ دے رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا نادرا دفاتر میں عملے کی تعداد بڑھائی جانی چاہیے، تاکہ شہریوں کو مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

سروے کے دوران نادرا دفاتر میں رش کے زیادہ ہونے کے حوالے سے نادرا کے اہلکاروں کا کہنا تھا کہ حالیہ دنوں میں چونکہ موبائل فونز کی سموں کی بائیومیٹرک تصدیق کی وجہ سے دباؤ بڑھ گیا ہے اور نادرا کے مراکز پر رجسٹریشن کا بوجھ تین گنا ہوگیا ہے۔ عوام کو اس لیے نادرا کے مراکز پر پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ سمز کی تصدیق کے لیے شناختی کارڈ کارآمد ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر سمز کی تصدیق نہیں ہو سکتی، چونکہ بہت سے لوگوں کے شناختی کارڈ کی مقررہ معیاد پوری ہوچکی اور بہت سے لوگوں کے شناختی کارڈ میں مزید کچھ فنی خرابیاں بھی ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کی سمز کی تصدیق نہیں ہوپاتی اور سمز ہولڈر کے انگوٹھے کے نشان میں مماثلت نہیں ہوتی تو ان کو نئے شناختی کارڈ کے لیے درخواست دینے کے لیے کہا جاتا ہے، جس کے بعد لوگوں کی ایک بڑی تعداد نادرا کے دفاتر میں اپنے شناختی کارڈ بنوانے کے لیے آتی ہے، جبکہ حالات کے پیش نظر شناختی کارڈ بنوانے والے افراد کا پہلے سے ہی کافی زیادہ رش ہے۔ جبکہ دوسری جانب اسکولوں میں بچوں کی داخلے کے لیے بر تھ سرٹیفکیٹ اور فارم ب بھی کمپیوٹرائزڈ ضروری قرار دیے گئے ہیں، جس کی وجہ سے ایک بڑی تعداد میں لوگ نادرا دفاتر کا رخ کررہے

ہیں، جس کی وجہ سے بھی رش میں اضافہ ہو رہا۔ واضح رہے کہ پورے ملک کے نادرا دفاتر میں بدانتظامی و بے ضابطگیاں عروج پر ہیں۔ ملک بھر میں بعض نادرا دفاتر میں عملے نے رشوت کے عوض ہزاروں کی تعداد میں شناختی کارڈ جاری کیے ہیں، لیکن نیشنل ڈیٹا بیس اینڈ رجسٹریشن اتھارٹی (نادرا) کی جانب سے ایسے تمام افراد جن کے قومی شناختی کارڈ اور پھر اس بنیاد پر پاسپورٹ بنے ہیں، لیکن نادار کے پاس ان افراد کا کسی بھی قسم کا خاندانی ریکارڈ (فیملی ٹری) نہیں ہے، ان کے شناختی کارڈز اور پاسپورٹ منسوخ کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ بلوچستان میں نیشنل ڈیٹا بیس اینڈ رجسٹریشن اتھارٹی نادرا نے صوبے میں قواعد و ضوابط کے برعکس بننے والے 45 ہزار قومی شناختی کارڈ بلاک کیے گئے ہیں۔ نادرا کے ایک سینئر اہلکار کے مطابق بلاک کیے گئے شناختی کارڈوں میں سے اکثر شناختی کارڈ جعل سازی کے ذریعے افغان مہاجرین اور دیگر غیر ملکیوں کو جاری کیے گئے تھے۔ جن لوگوں کے شناختی کارڈ بلاک کیے گئے ہیں، نادرا کے ڈیٹا بیس میں ان کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ ایف آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر فواد احمد کے مطابق

"بلوچستان میں سرکاری اہلکاروں کا ایک مخصوص گروہ منظم انداز میں افغان مہاجرین اور دیگر غیر ملکیوں کو بھاری رقوم کے عوض قومی شناختی کارڈ بنوا کر دیتا رہا ہے۔ اس گروہ کے کئی ملزم ہم گرفتار کر چکے ہیں۔ یہ اہلکار ہزاروں لوگوں کو جعل سازی کے ذریعے بلوچستان سے جعلی شناختی کارڈ اور پاسپورٹ بنوا کر دے چکے ہیں۔ جبکہ گزشتہ ماہ خیبر

پی کے میں جعلی بنوائے گئے 72 ہزار قومی شناختی کارڈ بلاک کیے گئے ہیں۔ ذرائع کے مطابق ریکارڈ کے بغیر شناختی کارڈز بنانے پر نادرا کے 40 اہلکار معطل کیے گئے ہیں۔ ایف آئی اے نے نادرا کے 3 اہلکاروں کو تحویل میں لیا، جو بھاری رقوم لے کر افغانیوں کے لیے شناختی کارڈز بناتے تھے۔

یورپ میں اسلام فوبیا کیوں بڑھ رہا ہے؟...

محمد علی کلے ایک امریکی باکسر تھے، وہ امریکی ریاست کنیکٹی کٹ کے شہر لوئسویل میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے تین مرتبہ باکسنگ کی دنیا کا سب سے بڑا اعزاز "ورلڈ ہیوی ویٹ باکسنگ چیمپیئن شپ" جیتا اور اولمپک میں سونے کے تمغے کے علاوہ شمالی امریکی باکسنگ فیڈریشن کی چیمپیئن بھی جیتی۔ وہ تین مرتبہ ورلڈ ہیوی ویٹ باکسنگ چیمپیئن شپ جیتنے والے پہلے باکسر تھے۔ محمد علی کلے نے باکسنگ میں اس وقت کے عالمی چیمپیئن سونی لسٹن کو شکست دی۔ اس کے بعد مسلسل سات مقابلوں میں اس وقت کے مایہ ناز باکسروں کو زیر کیا۔ باکسنگ میں محمد علی کی زندگی 20 سال رہی جس کے دوران انھوں نے 56 مقابلے جیتے اور 37 ناک آؤٹ اسکور کیا۔ اس طرح وہ 20 ویں صدی کے عظیم ترین کھلاڑی قرار پائے۔

محمد علی کلے اپنے کیریئر کے آغاز میں عیسائی تھے، نام تھا کیسیس کلے۔ عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا اور ان کا نام محمد علی رکھا گیا۔ جب محمد علی نے اسلام قبول کیا تو یورپی معاشرے نے اس عظیم ترین قابل قدر کھلاڑی کو اسلام لانے کی پاداش میں طرح طرح سے زچ کرنا شروع کر دیا۔ جس دن انھوں نے پریس کانفرنس کے سامنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تو ایک امریکی صحافی نے

:پوچھا کہ کیا تم واقعی مسلمان ہوگئے ہو؟ انھوں نے کہا "ہاں" تو صحافی نے طنزاً کہا
"ایک کالا مسلمان A BLACK MUSLIM "
محمد علی کلے نے فوراً کہا کہ تم لوگوں نے کبھی کسی کو کالا عیسائی یا کالا یہودی کیوں نہیں کہا؟ صرف مسلمان کو ہی کہتے ہو۔
انھی دنوں امریکا ویت نام میں قتل عام کر رہا تھا، امریکا میں ہر صحت مند نوجوان پر فوج میں بھرتی ہو کر ویت نام جانا ضروری تھا۔ چرچ کے پادری اس سے مستثنیٰ تھے۔ محمد علی اس وقت اپنے محلے کی مسجد میں امامت کرتے تھے۔ ایک دن اس عالمی چیمپیئن کو کہا گیا کہ تمہیں آرمی میں جانا ہوگا، انھوں نے جواب دیا کہ میں امریکا کے قانون کے مطابق فوج سے مستثنیٰ ہوں، کیونکہ میری حیثیت بھی مذہب اسلام میں ایک پادری کی طرح ہے۔ لیکن امریکا کا تعصب اور مسلمانوں سے نفرت ان کے پیچھے پڑ گئی۔ محمد علی کلے کو فوج میں جانے سے انکار کرنے پر پانچ سال قید اور دس ہزار ڈالر جرمانے کی سزا سنائی گئی۔ محمد علی سے باکسنگ کا اعزاز بھی واپس لے لیا۔
ستمبر کے بعد ایک دن محمد علی نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں مرنے والوں 11

سے پیچھتی کرنے کے لیے آئے تو ایک صحافی نے ان سے پوچھا "تم کیسا محسوس کرتے ہو کہ تمہارا اور دہشت گردوں کا مذہب ایک ہے؟" انھوں نے جواب دیا "تم کیسا محسوس کرتے ہو کہ تمہارا اور ہٹلر کا مذہب ایک ہے؟" محمد علی کو ایک عظیم کھلاڑی ہونے کے باوجود صرف اسلام قبول کرنے کے جرم میں مختلف طریقوں سے پریشان کیا جاتا تھا۔

امریکی میڈیا کے مطابق ان دنوں یورپ میں اسلام فوبیا بڑھ رہا ہے۔ حکومتی اداروں، ذرائع ابلاغ اور شر پسند عناصر کی جانب سے پھیلائے اشتعال نے امریکا میں مسلمانوں کے خلاف نفرت میں ہوشربا اضافہ کیا ہے۔ امریکی میڈیا رپورٹ کے مطابق 2010 میں مسلمانوں سے نفرت کے سبب ان کے خلاف حملوں میں پچاس فیصد اضافہ ہوا ہے۔ یورپ میں اسلام فوبیا کی فضا بہت خطرناک ہو گئی ہے، ان کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جاتا ہے۔ ان کے خلاف حملے تیز کر دیے ہیں۔ گزشتہ چند ماہ میں یورپ میں مسلمانوں پر متعدد حملے کیے گئے ہیں، جن میں کئی مسلمان زخمی ہوئے ہیں۔ مساجد کے باہر نعرے بازی، مساجد کے اندر سور کا گوشت پھینکنا اور مساجد کی دیواروں پر اسلام مخالف نعرے درج کرنے جیسے واقعات بھی متعدد بار پیش آئے ہیں۔

مسلم ممالک نے اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کی کونسل سے کہا ہے کہ وہ مغربی

ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے سلوک کا سختی سے نوٹس لے۔ مغرب میں دین اسلام کے پیروکاروں کے ساتھ نسلی اور دیگر امتیازی سلوک ہو رہا ہے اور اس کے خلاف موثر اقدامات کیے جانے چاہئیں۔ ان کے خلاف نفرت اور عدم رواداری کا سلوک برتا جا رہا ہے۔انھوں نے کہا کہ یورپ میں اسلام فوبیا کی وجہ یہ ہے کہ یورپی ملکوں میں نو مسلموں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور اسلام کو خطے کا سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب قرار دیا جا رہا ہے۔

محمد حسن عسکری لکھتے ہیں"یورپ میں جو مسلمان ہیں، وہ عموماً اپنے اسلامی نام نہیں لکھتے اور نہ اپنے اسلام کا عام طور پر اعلان کرتے ہیں۔ جیسے ہی یورپ کے لوگوں کو پتہ چلتا ہے کہ فلاں شخص مسلمان ہوگیا ہے، فوراًاس کی مخالفت شروع ہوجاتی ہے۔"

اس وقت دنیا کی آبادی 7 ارب کے قریب پہنچ چکی ہے جس میں سے ایک ارب 60 کروڑ سے زائد آبادی مسلمانوں کی ہے، عالمی سطح پر اسلام دنیا کا دوسرا بڑا مذہب جب کہ دنیا کا ہر چوتھا فرد مسلمان ہے، دنیا کی آبادی کا25 فیصد حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے جس میں آیندہ 20 برس میں 35 فیصد اضافہ ہو جائے گا۔ مختلف عالمی اداروں کی رپورٹس کے مطابق دنیا بھر میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس وقت کینیڈا میں 9 لاکھ 40 ہزار مسلمان آباد ہیں جو

تک 20 لاکھ 70 ہزار تک پہنچ جائیں گے۔امریکا میں اس وقت مسلمانوں کی 2030 آبادی 30 لاکھ کے قریب ہے جو 2030 تک بڑھ کر 60 لاکھ 20 ہزار تک پہنچ جائینگے۔

شمالی امریکا میں 1990 سے 2010 تک مسلمانوں کی آبادی میں 91 فیصد کی رفتار سے اضافہ ہوا اور مسلم افراد کی تعداد 10 لاکھ 80 ہزار سے بڑھ کر 30 لاکھ 50 ہزار تک پہنچ گئی جب کہ آنے والے 20 سالوں میں شمالی امریکا میں مسلم افراد کی تعداد 80 لاکھ 90 ہزار ہونے کا امکان ہے۔برطانیہ میں مسلمانوں کی آبادی 20 لاکھ ہزار سے بڑھ کر 50 لاکھ 60 ہزار اور فرانس میں 40 لاکھ 70 ہزار سے بڑھ کر 30 لاکھ 90 ہزار کے قریب پہنچ جائے گی جب کہ فرانس میں اس وقت بھی مساجد کی 60 تعداد کیتھولک چرچ سے زائد ہے۔ 2010 تک یورپ میں مسلمانوں کی آبادی 5 کروڑ کے قریب تھی جو 2030 تک بڑھ کر 6 کروڑ کے قریب پہنچ جائے گی۔

فورم آن ریلیجن اینڈ پبلک لائف نامی ایک امریکی ادارے نے عالمی سطح پر بین المذاہب شرح آبادی کا ایک سروے کیا ہے، جس کے مطابق 2030ئ میں جب دنیا کی آبادی تقریباً 8ارب 3 کروڑ سے تجاوز کرجائے گی اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی 2ارب 20 کروڑ ہوگی۔ اسلام کے پھیلتے دائرہ کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ مغربی خاتون صحافی اوریانہ فلاسی کہتی ہیں کہ آنے والے بیس سال میں پورے

یورپ کے کم از کم چھ بڑے شہر اسلام کی کالونی بن جائیں گے ، کیونکہ ان شہروں میں مسلمان کل آبادی کا تیس سے چالیس فیصد تک ہو جائیں گے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں میں بڑی تعداد عورتوں کی ہے، یورپ میں اگر چار افراد اسلام قبول کرتے ہیں تو ان میں تین خواتین ہوتی ہیں۔ یورپ میں مسلمانوں کی اسی بڑھتی ہوئی تعداد سے پورا یورپ خوفزدہ ہے اور مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے تنگ کر رہا ہے۔

مغربی میڈیا کی ناانصافی

نائن الیون کے بعد اسلامی ممالک پر امریکی یلغار کی وجہ سے پھوٹنے والی دہشتگردی کی لہر نے پوری دنیا کو بری طرح اپنی لپیٹ میں لیا ہے، جس سے خصوصی طور پر مسلم ممالک نہ صرف بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں، بلکہ بعض مسلم ممالک کی اینٹ سے اینٹ بج چکی ہے اور لاکھوں لاشیں اٹھانے کے بعد بھی امن و سکون اور استحکام مسلم ممالک میں عنقا ہوچکا ہے۔ دوسری جانب اس کے مقابلے میں مغرب اس دہشت گردی سے نہ صرف مکمل طور پر محفوظ رہا، بلکہ چند سر پھرے مسلم دہشت گردوں کی آڑ میں دنیا بھر میں اسلام کو دہشت گردی سے نتھی کرکے مسلمان کی شناخت ایک دہشت گرد کے طور پر متعارف کروائی گئی اور خود یورپ میں مسلمانوں کے اقلیت میں ہونے کے باوجود ہر دہشت گردی کو مسلمانوں کے سر تھوپ کر صرف مسلمانوں کو ہی مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ یورپ اور امریکا میں ایک جملہ اکثر دہرایا جاتا ہے کہ سب مسلمان دہشت گرد نہیں ہیں، لیکن تمام دہشت گرد مسلمان ہیں، جبکہ یورپی اور امریکی سیکورٹی اداروں کی رپورٹس اس الزام کی تصدیق کرنے سے قاصر ہیں، لیکن یورپی اور امریکی ذرائع ابلاغ، غیر مسلم افراد اور گروپوں کی جانب سے کیے جانے والے دہشت گردی کے حملوں کو اس کوریج کا عشر عشیر بھی نہیں دیتے، جس کا مظاہرہ وہ مسلمانوں سے منسلک دہشت گردی کے واقعات کے وقت

کرتے ہیں۔ حالانکہ یورپ میں اسقاط حمل سے متعلق ہر پانچ طبّی اداروں میں سے ایک پر انتہا پسند عیسائیوں کی جانب سے حملہ ہونا معمول کی بات ہے اور غیر مسلموں کے ہاتھوں روزانہ دسیوں امریکی موت کی بھینٹ چڑھتے ہیں، لیکن اس کو زیادہ ہائی لائٹ نہیں کیا جاتا۔

حقائق یہ ہے کہ یورپ میں مسلمانوں سے متعلق دہشت گردی کے واقعات کی تعداد انتہائی کم ہے۔ یورپی یونین کے قانون نافذ کرنے والے ادارے یوروپول کے مطابق یورپ میں گزشتہ 5 برسوں کے دوران ہونے والے دہشت گردی کے حملوں میں مرتکب مسلمانوں کی تعداد صرف 2 فی صد ہے، جبکہ دہشت گردی کے زیادہ تر حملے علیحدگی پسند گروپوں کی جانب سے کیے گئے۔ 2013 میں یورپ میں 152 دہشت گردی کے حملے ہوئے، جن میں سے صرف 2 کا محرک مذہب تھا۔ جبکہ 84 لسانی قوم پرست یا علیحدگی پسند نظریات کے حامل افراد کی جانب سے کیے گئے تھے، ان میں فرانس کے ایف ایل این سی (جزیرہ کورسیکا کی آزادی کا حامی گروپ) جیسے گروپ شامل تھے۔ 2013 کے اواخر میں یونان میں بائیں بازو کے عسکریت پسند عوامی انقلابی فورسز نامی گروپ نے دائیں بازو کی سیاسی جماعت گولڈن ڈان کے دو ارکان کو قتل کر دیا تھا، جبکہ اٹلی میں ایک انارکسٹ گروپ ایف اے آئی نے دہشت گردی کے متعدد حملے کیے تھے۔ 2011 میں یورپ میں ہونے والے ایک بدترین حملے میں اینڈرس بریوک نے ناروے میں 77 افراد کو اندھا دھند فائرنگ کرکے

موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ وہ مسلم دشمن، تارکین وطن مخالف اور عیسائی یورپ کے حامی نظریے کے ایجنڈے کا علم بردار تھا۔

امریکا میں بھی مسلمانوں کی جانب سے دہشت گردی کی شرح یورپ جتنی ہی کم ہے۔ ایف بی آئی نے 1980 سے 2005 تک امریکی سرزمین پر ہونے والی دہشت گردی کی کارروائیوں کا مطالعاتی جائزہ لیا، جس میں یہ حقیقت سامنے آئی کہ دہشت گردی کے فی صد حملوں کا ارتکاب غیر مسلموں نے کیا تھا۔ 42 فی صد حملے لاطینیوں سے 94 متعلق گروپوں نے کیے تھے، جبکہ 24 فی صد حملوں میں انتہا پسند بائیں بازو کے کارکن ملوث تھے۔ 2014 میں شمالی کیرولینا کی یونیورسٹی کی جانب سے کیے گئے ایک مطالعاتی جائزے میں یہ بات سامنے آئی کہ 11/9 کے حملوں کے بعد سے مسلمانوں سے متعلق دہشت گردی نے 37 امریکیوں کی جانیں لیں، جب کہ اسی مدت کے دران ایک لاکھ ہزار سے زاید امریکی قتل کیے گئے۔ٹرائی اینگل سینٹر آن ٹیررزم اینڈ ہوم سیکورٹی 90 کے مطابق 11/9 کے بعد سے سیاسی تشدد اور بڑے پیمانے پر فائرنگ کے نتیجے میں 3 سو امریکی مارے گئے، جن میں صرف 33 امریکی، امریکی مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ چیپل ہل پر واقع یونیورسٹی آف نارتھ کیرولینا کے پروفیسر چارلس کرزمان کا کہنا ہے کہ زیادہ تر تخمینوں کے مطابق امریکا میں 17 سے 70 لاکھ کے درمیان امریکی مسلمان ہیں، لیکن ان کی جانب سے دہشت گردی کی شرح فی 10 لاکھ میں صرف 10 ہے اور 11/9 کے بعد سے

ایک لاکھ 80 ہزار امریکیوں کے قتل میں اسلامی دہشت گردی کا حصہ ایک فی صد بھی نہیں ہے۔ ڈیٹا بیس جائزے پر مبنی دی گلوبل ٹیرارزم کی ایک رپورٹ کے مطابق اور 2012 کے درمیان امریکی سرزمین پر ہونے والے کل دہشت گردی کے 1970 حملوں میں سے 2.5 فی صد حملے مسلمانوں کی جانب سے کیے گئے تھے۔ 4.9 فی صد حملے یہودی گروپوں مثلاً جیوش آرمڈ ریزسٹنس، دی جیوش ڈیفنس لیگ، جیوش ایکشن موومنٹ، یونائیٹڈ جیوش انڈر گراؤنڈ اور تھنڈر آف زیون کی جانب سے کیے گئے تھے۔ پرنسٹن یونیورسٹی کے لون واچ گروپ کی جانب سے ایف بی آئی اے کے اعداد و شمار پر مبنی معلومات کے مطابق امریکا میں دہشت گردی کی سرگرمیوں میں مسلمانوں سے زیادہ یہودیوں کا ہاتھ رہا ہے۔ انتہا پسند یہودیوں نے دہشت گردی کی سرگرمیوں کا ارتکاب اپنے مذہب کے نام پر کیا ہے۔

امریکی ایف بی آئی اور دیگر امریکی خفیہ اداروں کا یہ معمول بن چکا ہے کہ وہ متوقع دہشت گردوں کو اپنے ایجنٹوں کے ذریعے دہشت گردی کی کارروائیوں پر ترغیب دیتے ہیں اور جب یہ لوگ ایسا کرتے ہیں تو گرفتار کرلیے جاتے ہیں۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں اور ہوم لینڈ سیکورٹی کی جانب سے امریکی مسلمانوں کے بارے میں چھان بین اور نگرانی کا سخت نظام موجود ہے۔ ایف بی آئی نے اس بات سے قطع نظر کہ وہ کسی جرم میں ملوث ہیں یا نہیں؟ ان علاقوں کے مکمل نقشے تیار کر رکھے ہیں، جہاں مسلمان رہتے ہیں اور کام کرتے ہیں۔

کے بعد نافذ کیا جانے والا پیٹریاٹ ایکٹ اور سخت نگرانی سمیت دیگر پابندیاں 9/11 ابھی تک مسلمانوں کے علاقوں میں خصوصی طور پر نافذ العمل ہیں۔ صدر اوباما نے وفاقی قومی سیکورٹی کے پورے نظام کو حکم دیا ہے کہ وہ انسداد دہشت گردی سے متعلق اس مواد سے فوری طور پر چھٹکارا حاصل کریں، جس میں ایجنٹوں کو اسلام پر توجہ مرکوز رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ حقائق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مغرب میں دیگر دہشت گرد گروپوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی انتہائی کم تعداد دہشتگردی کی سرگرمیوں میں ملوث ہے، لیکن مغرب میں تیزی سے بڑھتی ہوئی اسلامی قوت کے خوف سے مسلمانوں کے خلاف خوفناک پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اور مغربی میڈیا اشاعت اسلام کے کام میں رخنہ اندازی کی غرض سے مقامی افراد میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات بھڑکانے کے مذموم مقاصد کے تحت چھوٹے سے واقعے کو بھی بنیاد بنا کر مسلمانوں کے پیچھے لٹ لے کر چڑھ دوڑتا ہے اور مسلمانوں کے خلاف اس قدر نفرت انگیز اور زہریلا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ زیادہ تر عوام اس کے سحر میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کو قصوروار تصور کرنے لگتے ہیں۔

سعودی سلامتی کو درپیش خطرات۔۔۔۔ پاکستان، برادر اسلامی ملک کے شانہ بشانہ

عالمی افق پر ایک نیا جنگی محاذ کھل چکا ہے۔ یمنی صدر منصور ہادی کی درخواست پر خلیجی ریاستوں نے حکومت پر قابض حوثی باغیوں کے خلاف جنگ کا آغاز کر دیا ہے۔ یمن کی صورتحال گزشتہ سال ماہ ستمبر سے کافی زیادہ گھمبیر ہے، جب حوثیوں نے یمنی حکومت کے خلاف بغاوت کی اور پھر اکتوبر میں حوثی باغیوں کی جانب سے یمن کے دارالحکومت صنعا پر قبضہ کر لینے کے بعد حالات مزید خراب ہوگئے۔ بھرپور کوششوں کے بعد حالات کو کنٹرول کرنے میں ناکامی پر گزشتہ ماہ یمنی حکومت نے حوثیوں کی بغاوت کو کچلنے کے لیے اقوام متحدہ سے تعاون کی اپیل کی تھی، جس کے بعد اقوام متحدہ نے یمن کے حوالے سے ایک اجلاس بھی طلب کیا تھا، لیکن کوئی حتمی فیصلہ سامنے نہ آ سکا۔ جس کے بعد یمنی صدر منصور ہادی نے باغیوں پر قابو پانے کے لیے سعودی عرب سے تعاون طلب کیا، جس پر سعودی عرب نے یمن میں حوثی باغیوں پر حملہ کیا ہے۔ سعودی ذرائع نے سعودی حکام کے حوالے سے بتایا کہ پاکستان اور مصر سمیت 5 مسلمان ملک یمن میں حوثی باغیوں کے خلاف جاری کارروائی میں حصہ بننا چاہتے ہیں، جبکہ دفتر خارجہ کی ترجمان تسنیم اسلم کا کہنا تھا کہ یمن میں بحران کے حوالے سے سعودی عرب نے پاکستان سے ہنگامی رابطہ کیا ہے اور مدد طلب کی ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ سعودی وزیر خارجہ شہزادہ فیصل نے

وزیراعظم نواز شریف کو فون کیا، جس میں دونوں رہنماؤں کے درمیان یمن کی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا گیا، جب کہ اس موقع پر سعودی وزیر خارجہ نے وزیراعظم سے یمن کی صورتحال پر مدد کی بھی درخواست کی۔ یمن کے حوالے سے جمعرات کو وزیراعظم ہاؤس میں مشرق وسطیٰ کے حالیہ واقعات پر غور کرنے کے لیے وزیراعظم میاں نواز شریف کی زیر صدارت ایک اعلیٰ سطح کا اجلاس ہوا، جس میں وزیر دفاع خواجہ آصف، وزیراعظم کے مشیر برائے سلامتی سرتاج عزیز، آرمی چیف جنرل راحیل شریف اور پاک فضائیہ کے سربراہ ایئر چیف مارشل سہیل امان نے شرکت کی۔ اجلاس میں وزیراعظم نے کہا کہ پاکستان کے سعودی عرب اور مشرق وسطیٰ کے دیگر ممالک سے قریبی اور برادرانہ تعلقات ہیں اور ہم ان کی سیکورٹی کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ سعودی عرب کی علاقائی سلامتی کو خطرہ ہوا تو پاکستان بھرپور ردعمل پیش کرے گا۔ جبکہ جمعے کو قومی اسمبلی میں وفاقی وزیر دفاع خواجہ آصف نے واضح کیا کہ یمن آپریشن میں حصہ لینے کا فیصلہ نہیں کیا گیا، لیکن اگر سعودی عرب کی جغرافیائی حیثیت کو خطرہ لاحق ہوا تو پاکستان دفاع کرے گا۔ خواجہ آصف کا کہنا تھا کہ ہم نے سعودی عرب کو اس صورتحال کو دیکھنے کی پیشکش کی، لیکن عرب لیگ نے یہ معاملہ اپنے ذمے لے لیا ہے۔ اب حکومت عرب لیگ کے اجلاس کا انتظار کر رہی ہے اور امید ہے کہ عرب لیگ یمن کے معاملے کو حل کرلے گی۔ اگر ضرورت پڑی تو اس معاملے کو او آئی سی میں بھی اٹھایا جاسکتا ہے۔ ہم کوئی ایسا فیصلہ نہیں کرنا چاہتے، جس پر 15 سال بعد افسوس ہو

اور جس کے اثرات مسلم امہ پر پڑیں۔ وزیر دفاع نے مسلم امہ میں تنازعات کے خاتمے کے لیے بحیثیت "سہولت کار" پاکستان کے کردار پر زور دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان ان تنازعات کے خاتمے کے لیے کسی بھی قسم کا کردار ادا کرنے کو تیار ہے۔ تاہم انھوں نے واضح کیا کہ پاکستان کسی ایسے تنازعے کا حصہ نہیں بنے گا جو مسلم امہ میں اختلافات کا باعث بن کر فرقہ واریت کو جنم دے اور جس کے نقصانات پاکستان کو برداشت کرنا پڑیں۔ موجودہ حالات میں نفاق کی بجائے اتحاد اور اتفاق کی ضرورت پر زور دیا۔ خواجہ آصف نے واضح کیا کہ کسی بھی فوجی اقدام سے پہلے پارلیمنٹ کو اعتماد میں لیا جائے گا۔

سعودی عرب کی اپیل پر یمن میں پاکستان کی مداخلت کے حوالے سے خارجہ امور کے ایک پاکستانی ماہر طارق پیرزادہ کا کہنا تھا کہ سعودی عرب کی طرف سے پاکستان سے تعاون کی درخواست متوقع تھی۔اس امر کی تصدیق ہو چکی ہے کہ سعودی عرب نے پاکستان سے تعاون مانگا ہے اور یہ اس لیے ہے کہ دونوں ممالک کے درمیان انتہائی قریبی سٹریٹجک تعلقات ہیں تو اب پاکستان کو بس یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اس تعاون کی نوعیت کیا ہو گی۔ پاکستان کو اس معاملے میں اپنے زمینی حالات کو دیکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔ جبکہ فارن پالیسی کے ایک ماہر مشرف زیدی کا کہنا ہے پاکستان کو اپنے مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کرنا چاہیے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ پاکستان کی موجودہ حکمران جماعت مسلم لیگ

ن) کے سربراہ اور وزیر اعظم میاں نواز شریف اور ان کے خاندان کے سعودی شاہی خاندان کے ساتھ دیرینہ قریبی مراسم ہیں۔ جب 1999 میں اس وقت کے فوجی سربراہ جنرل پرویز مشرف نے نواز شریف حکومت کا تختہ الٹ کر وزیر اعظم نواز شریف اور ان کے بھائی پنجاب کے وزیر اعلیٰ شہباز شریف کو گرفتار کیا تو انہیں سعودی حکمرانوں کی مبینہ مداخلت کے سبب ملک سے باہر جا کر سعودی عرب میں قیام کی اجازت دے دی گئی تھی اور پاکستان نے جب مئی 1998 میں بھارت کے جواب میں جوہری دھماکے کیے تو بین الاقوامی پابندیوں کے دور میں سعودی عرب نے تیل کی بلا معاوضہ رسد کے ذریعے پاکستانی معیشت کو سہارا دیے رکھا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ سعودی عرب نے ہمیشہ پاکستان کے ساتھ ہر موڑ پر تعاون کیا ہے، کبھی پاکستان کو تنہا نہیں چھوڑا، لہٰذا اب سعودی عرب اگر پاکستان کو تعاون کے لیے بلاتا ہے تو پاکستان کو بھی سعودی عرب کی حمایت کرنی چاہیے۔ واضح رہے کہ پاکستان یمن میں فضائی کارروائی میں شرکت نہیں کر رہا اور نہ ہی فضائی کارروائی میں شریک ہونے کا ارادہ ہے، جبکہ سعودی عرب نے پاکستان سے زمینی کارروائی کے لیے تعاون طلب کیا ہے، جس کے بعد پاکستان اور مصر کی فوجوں کا یمن میں زمینی کارروائی کرنے کا امکان ہے۔ پاکستان کی فوج چونکہ زمینی کارروائی میں مہارت بے مثال ہے، اسی لیے سعودی عرب نے زمینی کارروائی کے لیے پاکستان سے مدد طلب کی ہے۔

دوسری جانب ذرائع کے مطابق ایرانی وزیر خارجہ کا کہنا ہے کہ سعودی عرب اور خلیجی ممالک کے فضائی حملوں سے یمن میں خون ریزی میں اضافہ ہو سکتا ہے، جس سے پورا خطہ اس کی زد میں آ جائے گا۔ ایرانی وزیر خارجہ محمد جواد ظریف کا کہنا تھا کہ یمن پر بیرونی قوتوں کی جانب سے حملے اس کی علاقائی سلامتی کے خلاف ہیں اور جس کا نتیجہ سوائے یمن کے لوگوں کے زیادہ خون بہنے کے اور کچھ نہیں نکلے گا، جب کہ فضائی حملے یمن میں خون خرابے میں اضافے کا باعث بنیں گے، اس لیے فوری طور پر حملوں کو روکا جائے۔ ذرائع کے مطابق ایران نے سعودی عرب میں بھی مداخلت کے عزائم ظاہر کر دیے ہیں۔ ایران کے روحانی پیشوا آیت اللہ خامنہ ای کے قریبی ساتھی بااثر رکن پارلیمان علی رضا ذکانی نے کہا ہے کہ تین عرب ممالک عراق، شام اور لبنان ہماری جیب میں آ چکے ہیں۔ یمن بھی ہمارے کنٹرول میں آ گیا ہے، جس کے بعد ہم سعودی عرب کی طرف بڑھیں گے۔ برطانوی خبر ایجنسی نے ایران کے حوالے سے بتایا کہ ذکانی کا مزید کہنا تھا کہ اگر ایرانی جنرل قاسم سلیمانی نہ ہوتے تو بغداد اور شام ہمارے ہاتھ سے نکل جاتے۔ انہوں نے یمن میں شیعہ حوثی باغیوں کے قبضے کو "ایرانی انقلاب" کی فطری توسیع قرار دیتے ہوئے کہا کہ جلد اس کے بیس میں سے چودہ صوبے حوثیوں کے کنٹرول میں ہوں گے۔ ایرانی رکن پارلیمان نے کہا کہ یمن کے بعد یہ سلسلہ رکے گا نہیں، بلکہ سعودی عرب کی طرف بڑھے گا۔ برطانوی خبر ایجنسی کے مطابق عرب ممالک میں ایرانی مداخلت اور عرب سرزمین پر ایک نئی "فارس اور شیعہ

سلطنت" کے قیام کی کوششوں کے پیچھے ایران کی القدس بریگیڈ کے سربراہ میجر جنرل قاسم سلیمانی ہیں، جو ایک طرف عراق میں داعش کے سنی جنگجوؤں کے خلاف لڑائی کی قیادت کرتے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف شام اور بیروت میں ان کے قدم نظر آتے ہیں۔ عرب تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ ایک طویل عرصے سے ایرانی حمایت یافتہ حوثی تحریک یمن میں دہشت گردانہ دخل کی مرتکب ہو رہی تھی۔ جنگ سے پہلے مسائل کے حل کے لیے ہر ممکن سیاسی اور پرامن ذرائع اختیار کیے جانے چاہئیں، لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ اب ہر کوئی محسوس کر رہا ہے کہ یمن کے مسئلے کے حل کے لیے جنگ کو صرف آخری آپشن کے طور پر ہی لیا جانا چاہیے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق ایران کو یمن کے برطرف شدہ صدر علی عبداللہ صالح کی بھی درپردہ حمایت حاصل ہے۔ سعودی عرب اور اس کے اتحادی جن میں اومان کے سوا سارے خلیجی ممالک، مصر، مراکش، سوڈان اور پاکستان شامل ہیں، نے صدر ہادی کی اس اپیل کا جواب دیا اور سعودی وزیر دفاع شہزادہ محمد بن سلمان کی زیر قیادت آپریشن فیصلہ کن طوفان شروع کر دیا گیا۔ یمنی عوام کی اکثریت نے بھی دہشت گردی کے خلاف وسیع تر سعودی آپریشن کی مسلسل حمایت کی ہے۔ بعض مبصرین کا کہنا ہے کہ حوثی باغیوں کا یمن میں ایک منتخب حکومت کے خلاف بغاوت کرنا کسی طور بھی قبول نہیں ہو سکتا، یہ عالمی قوانین کی بھی خلاف ورزی ہے اور ایران کے توسیع پسندانہ خیالات اور اسی تناظر میں حوثی باغیوں کی حمایت مشرق وسطی کی عرب ریاستوں کے لیے کسی درست ہیں۔ ایران کے توسیع

پسندانہ کارروائیوں کو روکنے کے لیے سعودی عرب کی جانب سے یمن میں باغیوں کے
خلاف کارروائی کرنا ضروری ہے۔

آپس میں تو نہ لڑو یار!

انسان بھی کتنا عجیب ہے، باتیں تو کائنات کو اپنی مٹھی میں بند کرنے کی کرتا اور کنٹرول خود پر بھی نہیں کر سکتا۔ بڑے بڑے پڑھے لکھوں کی پڑھائی لکھائی تھوڑا سا غصہ آنے پر ہی پانی کی طرح بہہ جاتی ہے۔ بہت سے متعدل مزاج بھی دیکھے، لیکن مجال کوئی ان کی بات کو مسترد کردے، گردن نہ دبوچ لیں۔ دوسروں کو برداشت اور تحمل کا درس دینے والوں کی تو خیر تھوڑ ہی کیا ہے، ہر بندہ علامۃ الدہر بنا یہ فریضہ سرانجام دے رہا ہے، لیکن کسی میں ہمت ہے ان کی سوچ اور نظریے کی مخالفت کرکے تو دیکھے، بس پھر برداشت گئی تیل لینے اور خیر نہیں اختلاف کرنے والوں کے ایمان کی۔ یہ علامۃ الدہر صاحب پورے پورے علامۃ القمر والغضب بن جاتے ہیں۔ اختلاف کرنے والوں کو نوازنے کے لیے ضمیر فروش، بکاؤ مال، اغیار کا ایجنٹ اور ایمان فروش تک کے القابات سے تو گویا ان کی جیب بھری پڑی ہے اور چاہے فریق مخالف کی بات میں کتنا وژن ہو اور اس کے پاس کتنے دلائل ہوں، سب گئے بھاڑ میں بس اختلاف کیا ہی کیوں۔ اختلاف کرنے والا چاہے بے چارہ صاحب علم اور چنگا بھلا نیک بندہ ہی کیوں نہ ہو۔ لٹھ لے کر چڑھ دوڑیں گے۔

جب سے سعودی عرب نے یمن میں حوثیوں پر حملہ کیا اس وقت سے کم از کم سوشل میڈیا پر تو کچھ لوگ ایک دوسرے پر لٹھ لے کر چڑھے ہوئے ہیں۔ حملے کے حمایتی

اور مخالفین ایک دوسرے کے خلاف مورچے لگائے بیٹھے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ جنگ یمن میں نہیں، بلکہ سوشل میڈیا پر ہو رہی ہے۔ ارے بھئی ہو بھی کیا گیا ایران اور سعودی عرب کی لڑائی میں آپ کیوں ہلکان ہوئے جاتے ہو؟ جو اس حملے کو درست سمجھتے ہیں، درست سمجھیں اور جو غلط سمجھتے ہیں، غلط سمجھیں، لیکن آپس میں تو جنگ نہ چھیڑو۔ کیا پہلے سے مسلمانوں میں آپس کی لڑائی کی کمی ہے جو آپ پورا کرنا چاہتے ہیں؟ کم از کم آپ خود آپس میں لڑ جھگڑ کر دشمنان اسلام کا کام تو آسان نہ کرو۔ اگر آپ سمجھداری اور سنجیدگی سے کام نہیں لوگے تو خدانخواستہ یہ لڑائی تمام مسلم ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے اور خدا کی قسم دشمن تو چاہتا ہی یہ ہے کہ تم آپس میں لڑتے رہو اور وہ خود دنیا پر مزے سے حکمرانی کرے۔ افغانستان، عراق، شام اور جنگ زدہ تمام مسلم ممالک میں کیا یہی کچھ نہیں ہو رہا؟ کیا آپ کو کسی غیر مسلم ملک میں لڑائی جھگڑا نظر آتا ہے، نہیں نا۔ امریکا، برطانیہ، جرمنی اور فرانس وغیرہ میں کتنے ایسے علاقے ہیں جہاں لوگ اپنے ہی ملک کے خلاف مسلح بغاوت کر رہے ہیں، کوئی بھی نہیں نا، کیوں؟ اسی لیے کہ یہ سب کچھ تو تمہارے لیے ہے، تم خود ہی اپنے لیے لڑائی جھگڑا پسند کرتے ہوئے، وہ تمہیں مل جاتا ہے، جبکہ امریکا، برطانیہ، جرمنی اور پیرس وغیرہ تو اپنے لیے صرف امن کو پسند کرتے ہیں اور وہ ان کو مل جاتا ہے۔ جب آپ لوگ ہی آپس میں محاذ سنبھال لوگے تو پھر امریکا اور اسرائیل وغیرہ کو کیا کوئی کھجلی ہوئی ہے کہ تمہارے ساتھ لڑائی

کرے؟ اپنے خاتمے کے لیے تو تم ہی کافی ہو۔ تمام مسلم ممالک کی آپس میں لڑ جھگڑ کر اینٹ سے اینٹ بج گئی اور "خان بہادر" خود مزے سے تماشا دیکھتے ہیں۔ ارے یار! اب اگر تم خود ہی کسی ایک بات پر اتفاق نہیں کر سکتے، اپنے ہاتھوں میں ہاتھ نہیں ڈال سکتے تو دشمنان اسلام کا مقابلہ کیا خاک کروگے؟ میرا تو ایمان ہے کہ کوئی ادنی سے ادنی مسلمان بھی حرمین شریفین کی حفاظت کے لیے اپنی جان دینے سے گریز نہیں کر سکتا اور انشاء اللہ قیامت تک کوئی مائی کا لعل حرمین کی طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا، لیکن یہ اس وقت ہے جب مسلمان متحد رہیں، ایک مکے کی مانند، اگر آپ کا مکا خود آپ پر ہی برسنا شروع ہو جائے تو حرمین کی حفاظت کے لیے اللہ کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے پہلے پرندوں کے ذریعے حفاظت کی تھی، اب بھی کر لے گا، آپ چنتا نہ کریں، اللہ آپ کا محتاج نہیں ہے۔ خدا کی قسم تمہارے نعروں اور جلسوں کی اسے کوئی ضرورت نہیں ہے، بس تم آپس میں اچھی طرح لڑ جھگڑ لو۔ تم اپنا کام کر لو وہ اپنا کام اچھی طرح کر لے گا۔

ارے بھئی آپس کی لڑائی کتنی بری ہے یہ تو جانتے ہو نا؟ دو مسلمانوں میں ہلکی پھلکی لڑائی ہوئی تو اس کی نحوست سے لیلۃ القدر جیسی مقدس رات چھن گئی مسلمانوں سے اور جب مسلمان لڑائی کے لیے آمنے سامنے آنے لگے تو مسلم حکومتیں ملیامیٹ ہو گئیں اور آج تو ہر طرف مسلمان ہی مسلمان کے خلاف لڑ رہا

ہے۔ اس نحوست سے نجانے کیا کیا چھنے گا اب؟ اللہ خیر کرے۔ اب خدا کے لیے کم از کم آپس میں تو نہ لڑو۔ ذرا سا اختلاف کرنے پر کسی کی ایسی تیسی نہ کرو۔ حرمین شریفین کی حفاظت ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے، لیکن سعودی عرب کے حملے کے درست اور غلط ہونے کو ایمان کا حصہ تو نہ بناؤ جناب! یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے ایسے سیاسی ہی رہنے دو اور اگر کوئی اسے ایمانی مسئلہ سمجھتا ہے تو سمجھے، لیکن کسے کے ایمان میں شک بھی تو نہ کرے۔ یار! اختلافات تو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں بھی ہوئے ہیں، وہاں تو کوئی کسی پر فتوے نہیں داغتا تھا، صحابہ کرام کے بہت سے اختلافات تو آج تک چلے آتے ہیں لیکن کسی کو ضمیر فروش اور ایجنٹ قرار نہیں دیا گیا۔ تو کیا آج کے مسلمان صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے بھی مقدس ہوگئے جو تھوڑا سا اختلاف کرنے پر دوسرے کے ایمان تک جا پہنچتے ہیں؟ خدارا کچھ تو خیال کرو۔ کم از کم آپس میں تو نہ لڑو یار!

یمن میں محصور پاکستانیوں کا انخلا تیز کرنے کی ضرورت

یمن میں حوثی باغیوں کے خلاف سعودی عرب کے فضائی حملوں کے بعد یمن کے حالات دن بدن کشیدہ ہوتے جارہے ہیں۔ سعودی عرب کی قیادت میں عرب اتحادی ممالک کے یمن میں حوثی باغیوں کے خلاف فضائی حملے چوتھے روز بھی جاری رہے۔ بمباری سے دارالحکومت صنعا کے بین الاقوامی ایئرپورٹ کا رن وے تباہ ہوگیا۔ دارالحکومت صنعا حوثی باغیوں کے قبضے میں ہے اور صنعا ایئرپورٹ کے رن وے کو نا قابل استعمال بنانے کا مقصد حوثیوں کی جانب سے اس ایئرپورٹ کو جنگی مقاصد کے لیے استعمال کرنے سے روکنا ہے۔ واضح رہے کہ پاکستان نے یمن میں باغیوں پر سعودی حملوں کی حمایت کی ہے اور سعودی عرب کے تعاون طلب کرنے پر سعودی حکومت کو تمام فوجی اور دیگر وسائل فراہم کرنے کی یقین دہانی بھی کرائی ہے۔ حوثی باغیوں کے خلاف سعودیہ کی حمایت کرنے پر یمن میں مقیم پاکستانیوں کی مشکلات میں اضافہ ہوگیا ہے۔ یمن میں تین ہزار پاکستانی ہیں، جن میں سے ایک ہزار پاکستانی شورش زدہ علاقوں میں رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے مشکلات میں گھر گئے۔ ذرائع کے مطابق یمن کے زیادہ تر حصے میں قابض شیعہ حوثی باغیوں نے مساجد سے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے پاکستانیوں کو دھمکاتے ہوئے سنگین نتائج کی دھمکیاں دی ہیں، جس سے محصور پاکستانی شدید خوف وہراس کا شکار ہوگئے۔ حوثی باغیوں کی جانب سے

دھمکیاں ملنے پر یمن میں مقیم پاکستانیوں نے پاکستانی حکومت سے مطالبہ کیا کہ ان کی فوری اور بحفاظت واپسی کا انتظام کیا جائے۔ ہفتے کے روز صنعا میں موجود شاہ زین کا پاکستانی حکومت کے نام پیغام میں کہنا تھا کہ پاکستانیوں کو دیکھتے ہی فائرنگ کی جارہی ہے، حوثی باغیوں کی جانب سے سنگین دھمکیوں کے بعد پاکستانیوں کا با حفاظت فوری انخلا ضروری ہوگیا ہے۔ جبکہ یمن میں محصور پاکستانی لڑکی نے اپنے ویڈیو پیغام میں بتایا کہ اس وقت ان کے ساتھ بہت سے لوگ محصور ہیں، ان میں بچے اور عورتیں بھی شامل ہیں، لیکن انہیں سفارت خانے کی جانب سے کہا گیا ہے کہ وہ زمینی راستے کے ذریعے حدیدہ سے باہر نکل جائیں، لیکن وہ یہاں پر آدھا کلومیٹر بھی نہیں چل سکتیں، ہر طرف حوثی موجود ہیں اور مسلسل بمباری ہورہی ہے۔ انہیں یہاں کھانے پینے سے زیادہ عزتوں کا خطرہ ہے۔ ہماری مدد کی جائے، ہمیں یہاں سے نکالا جائے، اس سے پہلے کے تمام تر اقدامات معطل ہو جائیں، ہمیں یہاں سے نکالنے کے لیے اقدمات کیے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کے پاس یہاں سے نکلنے کے لیے صرف دو راستے ہیں، ایک سمندی راستہ اور دوسرا ہوائی راستہ ہے، اس کے علاوہ زمینی راستہ محفوظ نہیں ہے، ہر طرف بمباری ہو رہی ہے اور باہر حوثی موجود ہیں، اس لیے زمینی راستے کے ذریعے آدھا کلومیٹر بھی سفر نہیں کر سکتیں۔ یمن میں محصور پاکستانی سید ریحان نے پاکستانی حکومت سے اپیل کی کہ پاکستانی حکومت یمن سے پاکستانیوں کے محفوظ انخلا کے لیے یمن کی حکومت سے رابطہ کرے اور ان کو یہاں سے نکالنے

کے لیے عملی اقدمات کرے۔ سید ریحان کا کہنا تھا کہ رات بھر طیاروں کی بمباری اور اینٹی ایئر کرافٹ گنیں چلتی رہی ہیں اور وہ رات بھر اپنے کمرے تبدیل کرتے رہے ہیں، تاکہ محفوظ رہ سکیں اور رات بھر جاری رہنے والی جہازوں کی پروازوں اور فائرنگ و بمباری کے باعث انہیں ایک پل بھی نیند نہیں آئی۔ ان کا کہنا تھا کہ انہوں نے پہلے کھانے پینے کی چیزیں اور دوائیاں وغیرہ گھر میں اسٹاک کر لی تھیں، تاکہ کسی بھی ناخوشگوار صورتحال سے نمٹا جاسکے۔ یمن میں جیل میں قید 11 قیدیوں نے حکومت پاکستان سے اپیل کی ہے کہ ہمیں بھی فوری یمن سے نکالا جائے کیونکہ ہماری جان کو خطرات لاحق ہیں۔

وزارت خارجہ کی ترجمان تسنیم اسلم نے ہفتے کی رات میڈیا کو بتایا کہ یمن میں پھنسے ہوئے پاکستانیوں کو یمن کے بحران زدہ علاقوں سے محفوظ علاقوں میں منتقل کیا جارہا ہے، جہاں سے انہیں پی آئی اے کے طیاروں کے ذریعے وطن واپس لایا جائیگا۔ مجموعی طور پر یمن میں 3 ہزار پاکستانی مقیم تھے، جن میں سے کئی پاکستانی اپنے طور پر پہلے ہی نکل چکے ہیں۔ ہم نے پہلے ہی ایک ٹریول ایڈوائزری جاری کی تھی، جس میں کہا گیا تھا کہ پاکستانی یمن سے نکل جائیں۔ ذرائع کے مطابق یمنی دار لحکومت صنعا میں محصور پاکستانیوں کا قافلہ الحدیدہ شہر میں ہفتے کے روز پہنچا۔ صنعا سے الحدیدہ کے راستے 600 ، میں پاکستانی قافلے کو یمنی فوج اور حوثی قبائل کی جانب سے چیکنگ کا سامنا کرنا پڑا

جبکہ قافلے کو راستے میں دیگر کئی رکاوٹیں بھی پیش آئیں۔ یمنی دارالحکومت سے نکلنے کے بعد پاکستانیوں کے قافلے کو راستے میں پہلے یمنی فوج نے روک کر دستاویزات چیک کیں اور تلاشی کے بعد آگے جانے کی اجازت دی گئی۔ قافلے میں موجود 600 پاکستانی شہریوں کو رات گئے الحدیدہ پہنچنے پر ایک اسکول میں قیام کروایا گیا۔ سرکاری ذرائع کے مطابق صنعا سے حدیدہ کے زمینی سفر میں پاکستانی شہریوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ جو تھوڑی بہت دشواری ہوئی وہ صرف سیکورٹی کلیئرنس کے دوران ہوئی۔ دوسری جانب یمن میں پاکستان کے سفیر عرفان یوسف کا کہنا تھا کہ یہاں محصور ایک ہزار پاکستانی آئندہ دو روز میں یہاں سے نکل جائیں گے۔ پہلے مرحلے میں پاکستانی خواتین اور بچوں کو ملک واپس بھیجا جائے گا۔ جبکہ پاکستانی سیکرٹری خارجہ اعزاز چودھری نے میڈیا کو بریفنگ کے دوران بتایا کہ یمن میں کل تین ہزار پاکستانی موجود ہیں، جن میں سے 900 سے 1000 کے قریب پاکستانی وطن واپس آنا چاہتے ہیں۔ عدن میں جاری لڑائی کے باعث پاکستانیوں کو وہاں سے نکالنے کا لائحہ عمل طے کرنے میں مشکلات کا سامنا ہے۔ سیکرٹری خارجہ کا کہنا تھا کہ فروری کے تیسرے ہفتے میں کشیدہ حالات کے باعث یمن میں موجود تمام پاکستانیوں کو ملک چھوڑنے کی اطلاع دے دی گئی تھی، تاکہ وہ بروقت چلے جائیں۔ یمن میں پاکستانیوں کی مشکلات کے ازالے کے لیے دفتر خارجہ میں سیل بنا دیا گیا ہے جو پاکستانیوں سے مسلسل رابطے میں ہے۔ ترجمان دفتر خارجہ کے مطابق یہ سیل یمن سے پاکستانیوں کے

انخلا کے لیے چوبیس گھنٹے کام کرے گا۔ وزارت خارجہ میں قائم سیل کے نمبرز مندرجہ ذیل ہیں، یہ نمبرز 05190569119، 05190569346 ہیں۔ ان نمبرز پر یمن میں پھنسے پاکستانی رابطہ کر سکتے ہیں۔

ذرائع کے مطابق یمن میں پھنس جانے والے پاکستانیوں کو وطن واپس لانے کے لیے پی آئی اے کا طیارہ کراچی سے یمن کے شہر حدیدہ اتوار کی سہ پہر کو پہنچا حدیدہ میں موجود پاکستانیوں کو لینے کے لیے پی آئی اے کا جمبو 747 طیارہ اتوار کی صبح روانہ ہونا تھا، طیارے کے یمن میں اترنے اور وہاں سے دوبارہ پرواز کی کلیئرنس میں تاخیر کی وجہ سے اس کی روانگی بھی تاخیر ہوئی۔ اتوار کی شام قومی ایئر لائن کی پہلی خصوصی پرواز پانچ سو محصور پاکستانیوں کو لے کر وطن روانہ ہوئی، جو رات کو پاکستان پہنچ گئی، جبکہ دوسری پرواز کو اتوار کی رات دس بجے پاکستان سے روانہ ہونا تھا، لیکن وہ آج روانہ ہوگی۔ یمن میں پاکستانی سفیر نے میڈیا کو بتایا کہ یمن میں موجود 95 فیصد پاکستانیوں کا انخلا جلد مکمل ہو جائے گا۔ پاکستانی سفارت خانے کی کوششوں سے ہفتے کے روز 600 پاکستانی حدیدہ شہر پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ترجمان پاک بحریہ کے مطابق پاکستان بحریہ کا ایک جہاز خلیج عدن میں پوری تیاری کے ساتھ موجود ہوگا جو کہ ضرورت پڑنے پر یمن میں موجود پاکستانی شہریوں کے انخلا کا کام انجام دے گا۔ ذرائع کے مطابق فریگیٹ ،جہاز کراچی کی بندرگاہ سے بحیرہ احمر

خلیج عدن کے لیے روانہ ہونے والا بحری جہاز یمن میں پہنچ رہا ہے، تاکہ یمن میں محصور پاکستانیوں کو باآسانی نکالا جاسکے، جبکہ دوسرا بحری جہاز منگل کے روز روانہ ہوگا۔ واضح رہے بحری جہاز میں صرف دو سو افراد ہی سوار ہو سکتے ہیں، جبکہ یمن میں محصور پاکستانیوں کی تعداد تین ہزار ہے، جو پاکستانی حکومت کی جانب سے خصوصی بحری اور فضائی جہازوں کی گنجائش سے زیادہ ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ یمن میں مقیم پاکستانیوں کی واپسی کے لیے حکومت پاکستان کی جانب سے فوری انتظامات کیے جانا قابل داد ہے، لیکن یہ انتظامات ناکافی ہیں، کیونکہ ابھی بھی یمن میں بہت سے پاکستانی محصور ہیں، حکومت پاکستان کو جلد از جلد یمن سے پاکستانیوں کے انخلا کا انتظام کرنا چاہیے، کیونکہ وہاں پاکستانیوں کو مشکل حالات کا سامنا ہے۔ پاکستانیوں کی جان کو بھی خطرات لاحق ہیں۔ اس حوالے سے پاکستانی حکومت کو یمن میں پاکستانی سفارت خانے کو فعال کرنا ہوگا، تاکہ یمن میں محصور پاکستانی فوری اور سلامتی کے ساتھ وطن واپس پہنچ سکیں۔

یمن کا بحران۔۔۔۔ پاکستان کیا کردار ادا کر سکتا ہے؟

یمن میں سعودی اتحاد کے حملے پانچویں روز بھی جاری رہے۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق عدن میں اب تک 100 سے زاید افراد مارے جا چکے ہیں۔ سرکاری فوج نے عدن ایئر پورٹ کا کنٹرول سنبھال لیا ہے۔ یمنی علاقے صعدہ میں بمباری میں باغیوں کے کئی اسلحہ ڈپو تباہ کر دیے گئے ہیں۔ فضائی کارروائی کے بعد سعودی عرب نے زمینی قبضے کی تیاریاں بھی شروع کر دی ہیں۔ سعودی عرب کے وزیر خارجہ کا کہنا ہے کہ یمن میں زمینی کارروائی کا آپشن موجود ہے، جبکہ سعودی فرمانروا شاہ سلمان نے کہا ہے کہ یمن کی سلامتی و استحکام برقرار رکھنے کو تیار ہیں۔ ذرایع کا کہنا ہے کہ یمن کی صورتحال دن بدن کشیدہ ہو رہی ہے اور آیندہ دنوں میں اس کشیدگی میں مزید اضافہ ہوگا۔ اس منظرنامے میں پاکستان کے کردار کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے، کیونکہ نہ صرف یہ کہ پاکستان اور سعودی عرب کی دوستی مضبوط ہے اور دونوں ہر مشکل گھڑی میں ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیا ہے، بلکہ پاکستان تمام عالم اسلام کی واحد ایٹمی طاقت ہونے کے ناتے پوری امت مسلمہ کی امیدوں کا مرکز بھی ہے۔ مسلم ممالک کے عوام پاکستان کو ایک قائد ملک کی حیثیت سے دیکھتے ہیں، جس سے یمن میں کشیدگی کو ختم کرنے کے حوالے سے پاکستان کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اسی لیے سعودی عرب کی جانب سے پاکستان سے تعاون کی

اپیل کی گئی، جس کو پاکستان نے قبول کیا۔ جس کے بعد عرب ممالک میں پاکستان کے حق میں ریلیاں نکالی جارہی ہیں۔ اس کے علاوہ یمن بحران پر قابو پانے کے لیے پاکستان کے تعاون کرنے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ سوشل میڈیا پر عرب عوام کی جانب سے پاکستان کے حق میں بھرپور تحریک چلائی جارہی ہے، بلکہ بعض عرب ممالک میں پرنٹ میڈیا پر بھی پاکستان کی بھرپور تحسین کی جارہی ہے اور پاکستان کے کردار کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے۔ گزشتہ روز ایک عرب صحافی عبدالرحمٰن مطہر نے پاکستانی میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے یمن کی صورتحال میں پاکستان کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے کہا ہے کہ موجودہ حالات میں عرب دنیا پاکستان کی طرف دیکھ رہی ہے، کیونکہ پاکستان مسلم دنیا کی سب سے بہترین طاقت ہے اور واحد مسلم ملک ہے جس کے پاس نیوکلیئر طاقت ہے۔ میزائل ٹیکنالوجی ہے، ڈرون ٹیکنالوجی بھی ہے۔ عرب صحافی نے کہا کہ پاکستان اس پوزیشن میں ہے کہ مسلم دنیا کو لیڈ کرے۔ پاکستان کی اسی قائدانہ اہمیت کے پیش نظر سعودی عرب نے پاک حکومت سے باقاعدہ تعاون کی اپیل کی اور سعودی بادشاہ سلمان بن عبدالعزیز، شہزادہ مقرن بن عبدالعزیز، وزیر دفاع شہزادہ محمد بن سلمان اور انٹیلی جنس کے سربراہ خالد بن بندر نے گزشتہ چند روز میں وزیراعظم نواز شریف سے بات کی۔ اس کے علاوہ بھی پاکستان کے دیگر اعلیٰ عہدیداروں سے کئی بار یمن کے معاملے پر گفتگو ہوچکی ہے۔ لہٰذا مشرق وسطیٰ کے بحران پر پہلے اجلاس میں پاک حکومت نے اصولی بنیادوں پر فیصلہ کیا تھا کہ

سعودی عرب کی علاقائی سالمیت کو لاحق کسی بھی خطرے کا پاکستان کی جانب سے "
سخت جواب دیا جائے گا۔" پاکستان جہاں ایک طرف حرمین شریفین اور سعودی عرب
کے تحفظ کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہے، وہیں قائدانہ کردار ادا کرتے ہوئے
یمن بحران کا سیاسی اور پرامن حل کے لیے کوشاں ہے۔ عالم اسلام میں قائد کی حیثیت
سے عاید ذمے داری کے پیش نظر پاکستان مشرق وسطیٰ کی کشیدگی کو کم کرنے اور پرامن
حل تلاشنے کے لیے بھرپور کردار ادا کررہا ہے۔

سعودی عرب عالم اسلام کا ایک اہم ملک ہے، حرمین شریفین کی وجہ سے اس کی اہمیت
مزید بڑھ جاتی ہے۔ سعودی عرب کے ساتھ پاکستان کے دیرینہ دوستانہ تعلقات ہیں،
اس کے علاوہ دونوں ملکوں کے درمیان گہرا مذہبی رشتہ بھی استوار ہے، جس کے پیش
نظر پاکستان سعودی عرب کے معاملے میں کافی حساس اور سنجیدہ واقع ہوا ہے۔ یمن میں
باغیوں کے خلاف آپریشن شروع ہونے کے بعد سے کئی بار پاکستانی حکام کی جانب سے
سعودی عرب کا ساتھ دینے اور سعودی عرب کے بھرپور دفاع کرنے کے بیانات آچکے
ہیں، پاکستان اس حوالے سے قائدانہ کردار ادا کرتے ہوئے اس معاملے کو بہتر انداز میں
پرامن طریقے سے نمٹانا چاہتا ہے، پاکستان کی کوشش ہے کہ یمن کا بحران اس طریقے
سے حل ہو، جس سے امت مسلمہ کو کوئی نقصان نہ اور عالم اسلام کے مفادات پر زد نہ
پڑے۔ اسی لیے دیگر کاوشوں کے ساتھ گزشتہ روز وزیراعظم کے زیر صدارت اعلیٰ سطح
کے اجلاس میں اعلیٰ سیاسی و

عسکری قیادت نے اقوام متحدہ، او آئی سی اور بین الاقوامی برادری سے اپیل کی ہے کہ یمن کے بحران کا سیاسی حل نکالنے کے لیے تعمیری کردار ادا کرے۔ اجلاس میں یمن کی صورتحال کا جائزہ لیا گیا اور اجلاس کے بعد جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ پاکستانی عوام کی خواہشات کے مطابق سعودی عرب کی خودمختاری اور علاقائی یکجہتی کی حمایت اور مشرق وسطیٰ میں بگڑتی ہوئی صورتحال کو سنبھالنے میں پاکستان بامقصد کردار ادا کرنے کے لیے بھی پرعزم ہے۔ وزیراعظم اس تناظر میں یمن کے بحران کے جلد حل، مسلم امہ میں اتحاد و امن کے فروغ کے لیے برادر اسلامی ممالک کی قیادت اقوام متحدہ اور او آئی سی کے ساتھ بھی رابطے کریں گے۔ وزیر دفاع خواجہ محمد آصف نے کہا ہے کہ سعودی سالمیت اور خودمختاری کا دفاع کیا جائے گا۔ سعودی عرب کے دفاع میں ہر ممکن مدد کی جائے گی۔ پاکستان ایسے اقدامات کرے گا، جو ملک اور پوری امت مسلمہ کے مفاد میں ہوں گے۔ وزیر دفاع کا کہنا تھا کہ سعودی عرب ہمسایہ ملک ہے، اس نے ہمیشہ مشکل وقت میں پاکستان کی مدد کی ہے۔ حکومت سعودی عرب کی ہر طرح سے فوجی امداد جاری رکھے گی، یمن سعودی عرب کے درمیان کشیدگی کی صورت حال جلد بہتر ہو جائے گی، تاہم پاکستان سعودی عرب اور عالم اسلام کی حرمت پر آنچ نہیں آنے دے گا۔ حکومت سعودی عرب سے مکمل فوجی تعاون جاری رکھے گی، کیونکہ ہم سعودی عرب کی پاک سرزمین کی حفاظت اپنی حفاظت سمجھتے ہیں۔ سعودی عرب کی خودمختاری کو خطرہ ہوا تو ہمارے وسائل حاضر ہیں۔ ذرائع کے مطابق پاکستان

سعودی عرب کی حفاظت کی خاطر ہر قربانی دینے کو تیار ہے۔ پاکستان اپنے عوام کی امنگوں کے مطابق سعودی عرب کی خود مختاری اور علاقائی سالمیت کی حمایت کے لیے پختہ عزم رکھتا ہے۔ پاکستان مشرق وسطیٰ میں گھمبیر صورتحال کی بہتری میں بامقصد کردار ادا کرنے کے لیے بھی پرعزم ہے۔ اسی تناظر میں اور بحران کے جلد حل میں سہولت، امن کے فروغ اور مسلم امہ کی یکجہتی کے لیے وزیراعظم برادر ممالک کی قیادت کے ساتھ رابطہ کریں گے۔ پاکستان نے اقوام متحدہ، او آئی سی اور بین الاقوامی برادری پر زور دیا ہے کہ وہ بحران کا سیاسی حل تلاش کرنے میں تعمیری کردار ادا کریں۔

ذرائع کے مطابق یمن میں سعودی عرب کی کمان میں جاری عسکری آپریشن کے تناظر میں بات چیت کے لیے وزیر دفاع خواجہ آصف کی زیر قیادت پاکستان کے اعلیٰ سیاسی و عسکری حکام کا ایک وفد منگل کے روز سعودی عرب پہنچا ہے۔ اس میں قومی سلامتی و خارجہ امور کے لیے وزیراعظم کے مشیر سرتاج عزیز کے علاوہ چیف آف جنرل سٹاف لیفٹیننٹ جنرل اشفاق ندیم اور ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز میجر جنرل عامر ریاض بھی شامل ہیں۔ یہ وفد دو دن سعودی عرب میں قیام کرے گا اور سعودی حکام سے یمن کی صورتحال اور سعودی عرب کی سلامتی سے متعلق امور پر بات کرے گا۔ اس وفد کی تشکیل اور روانگی کا اعلان ابتدائی طور پر گزشتہ ہفتے کیا گیا تھا، تاہم عرب لیگ کے اجلاس کے نتائج آنے تک اس کی روانگی دو

مرتبہ موخر کی گئی۔ حکومت پاکستان پہلے ہی سعودی عرب کی علاقائی سالمیت کو خطرہ ہونے کی صورت میں ہر ممکن مدد دینے کا اعلان کر چکی ہے، تاہم ابھی تک وہاں فوج بھیجنے حوالے سے پاک حکومت کا کوئی واضح موقف سامنے نہیں آ سکا۔ پاکستان کے وزیر دفاع خواجہ آصف نے قومی اسمبلی میں اپنے بیان میں کہا تھا کہ پاکستان نے سعودی عرب کی علاقائی سالمیت کو خطرے کی صورت میں اس کے دفاع کا وعدہ کیا ہے، تاہم وہ کسی جنگ کا حصہ نہیں بن رہا ہے۔ خبر رساں ادارے روئٹرز نے پیر کو نامعلوم سرکاری ذرائع کے حوالے سے خبر دی تھی کہ پاکستان نے سعودی عرب کی یمن میں جاری کارروائی میں مدد کے لیے فوج بھیجنے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے۔ تاہم اس پر فوج کے شعبہ تعلقاتِ عامہ کے سربراہ میجر جنرل عاصم باجوہ نے کہا ہے کہ پاکستانی فوجی سعودی عرب میں مشترکہ فوجی مشقوں میں تو حصہ لے رہے ہیں، تاہم وہ کسی جنگی مہم کا حصہ نہیں ہیں۔ طائف ملٹری کمانڈر میجر جنرل فارس بن عبداللہ القمری نے اپنے بیان میں کہا کہ ان مشقوں کی بہت پہلے تیاری کی گئی تھی، سعودی افواج کی تربیت اور ان کی صلاحیت بڑھانے کے لیے اسٹریٹجک سطح کے پروگرام کا حصہ ہے۔ پاکستان کے محکمہ خارجہ نے بھی یمن جنگ میں پاکستانی فوجی دستوں کی شمولیت کی تردید کی ہے۔ ملکی و عالمی حلقوں کی جانب سے امید کی جارہی ہے کہ یمن کے موجودہ بحران کے حل میں پاکستان کا کردار قائدانہ نوعیت کا ہوگا۔

انسانیت تو مر چکی

انسان کی تیز رفتار ترقی کو دیکھتے ہوئے کبھی کبھار میں سوچتا ہوں کہ اگر ماضی بعید کا کوئی انسان زندہ ہو کر دوبارہ دنیا میں آ کر انسان کے ہاتھوں ہونے والی ایجادات اور اختراعات کو دیکھ لے تو یقیناً ایک بار تو وہ ضرور گمان کرے گا کہ یہ دنیا وہ نہیں ہے جس کو میں چھوڑ کر گیا تھا، بلکہ یہ کوئی اور ہی جہان ہے۔ انسان نے ایسی ایسی نت نئی اور حیران کن ایجادات کر ڈالی ہیں، جن کو دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہے بغیر نہیں رہ سکتی۔ جنگلات میں رہنے والے دیو ہیکل جانوروں سے لے کر زمین پر رینگتے ہوئے کیڑوں تک کوئی بھی چیز انسان کی نظروں سے اوجھل نہیں رہی ہے، بلکہ صرف زمین ہی نہیں، انسان نے تو چاند پر بھی اپنے قدم ٹکا لیے ہیں اور سمندر کی تہہ میں رہنے والی مخلوقات تک دسترس حاصل کر لی ہے۔ یقیناً یہ سب کچھ بہت بڑا کمال ہے، لیکن افسوس ! خلاؤں کو تسخیر کرنے اور زمین کی تہوں میں جھانکنے والا انسان تمام جدید اور انوکھی چیزوں کے اختراع کی کنجی حاصل کرنے میں تو کامیاب ہو گیا، لیکن انسانیت کو بچانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

اکیسویں صدی میں پہنچ کر سائنسی ایجادات اور خلاؤں کو تسخیر کرنے والا خود پسندی اور نرگسیت میں مبتلا روبوٹ نما مشینی انسان اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھ کر دن بہ دن انسانیت سے دور ہو کر درندگی کے اس قدر قریب ہو رہا ہے

کہ اب یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ دل کی جگہ چٹان انسان کے سینے میں ہے یا درندہ اپنے سینے میں پتھر رکھتا ہے۔ بلکہ انسان کے ہاتھوں انسانوں کی بے دریغ قتل و غارتگری اور خونریزی دیکھ کر تو انسان کو ہی درندوں پر فوقیت دینے کو دل چاہتا ہے، جو خونریزی انسان اپنی بستیوں میں کرتا ہے، جنگلوں میں رہنے والے درندوں سے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ جنگلوں کا بھی کوئی نہ کوئی قانون و دستور ہوتا ہے، لیکن اکیسویں صدی میں رہنے والے انسانوں کی نفرتیں، رقابتیں، حسد، بغض اور لالچ ہمیں جنگل کے دور سے بھی بہت پیچھے لے جا چکی ہیں۔ حالانکہ انسان تو اشرف المخلوقات ہے، اس کو تو اشرف المخلوقات ہونے کی لاج رکھنی چاہیے تھی، لیکن ترقی یافتہ شہروں میں رہائش پذیر انسان نے اس لاج کو بری طرح پامال کیا۔

ماہر نفسیات انتھونی اسٹور نے لکھا ہے: "کرہ ارض پر آج تک جنم لینے والی تمام انواع میں انسان سب سے زیادہ ظالم اور سفاک واقع ہوا ہے۔" ماہر نفسیات انتھونی نے بالکل بجا کہا ہے، کیونکہ انسانی تاریخ انسان کے مظالم اور سفاکیت کی وجہ سے انسان کے خون سے رنگین ہے۔ قابیل و ہابیل کی داستان سے لے کر افغانستان کی فرخندہ کو بے تحاشہ مار پیٹ کر قتل کرنے اور لاہور کے حافظ نعیم اور محمد نعمان کو زندہ جلانے تک انسان کی تاریخ میں سفاکیت و درندگی اس قدر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے کہ جسے دیکھ کر انسانیت کا سر شرم سے جھک

جاتا ہے۔ صرف اپنے مفادات کے لیے انسان نے کئی کئی علاقے ملیامیٹ کر دیے اور ہنستی بستی آبادیوں کو اجاڑ کر رکھ دیا۔ انسان نے ہی انسان کو بھوکے شیروں کے سامنے ڈال کر تماشا دیکھا۔ انسان نے ہی توپ کے دہانے پر باندھ کر انسان کے پرخچے اڑائے۔ انسان نے ہی انسان کو زندہ درگور کیا۔ انسان نے ہی انسان کو تیل کے گرم کڑاہوں میں ڈال کر بھونا۔ انسان نے ہی جنگوں میں ایک ایک دن میں دس دس لاکھ انسانوں کو قتل کیا اور ہیروشیما اور ناگاساکی پر انسان نے ہی ایٹم بم گرا کر لاکھوں انسانوں کی زندگیاں چھین لیں۔ یہ تو ماضی کی باتیں تھیں، لیکن اب تو انسان بہت ترقی کر چکا ہے، بہت کچھ سیکھ چکا ہے، ہر طرح کا ہنر جانتا ہے، اب تو انسان کو مہذب ہو جانا چاہیے، لیکن اگر "مہذب" انسانوں کی دنیا پر نظر تو دوڑائی جائے تو خود ہی اندازا ہو جائے گا کہ انسان کتنا "مہذب" ہو گیا ہے۔ ایجادات اور اختراعات کی صدی کو شروع ہوئے پندرہ سال بیت چکے ہیں، لیکن انسان کی انسان دشمنی میں کوئی کمی نہیں آئی، بلکہ انسانیت حیوانیت کی جانب انتہائی تیزی سے گامزن ہے۔ زمانہ ماضی میں ہونے والی خونریزی کو تو جہالت کا شاخسانہ قرار دے کر نظرانداز کر دیا جاتا ہے، لیکن اس ترقی یافتہ دور میں انسان کو مارنے کے ان گنت طریقوں کو کیا نام دیا جائے؟ انسان کے ہاتھوں انسان کی پامالی، بربریت، وحشت اور حیوانیت کو کس نظر سے دیکھا جائے؟

انسانوں نے ملک، قوم، مذہب اور لسانیت کے نام پر کشت و خون کا جو بازار گرم کر رکھا ہے، اس کو دیکھنے کے بعد انسانوں سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ ہر کسی کے پاس خون بہانے کے لیے اپنی اپنی لاتعداد دلیلیں ہیں، لیکن ہر تاویل انسانیت کے چہرے پر بدنما داغ کو مٹانے میں ناکام نظر آ رہی ہے۔ ہر کوئی اپنے اپنے راگ الاپ کر مزید ظلم و ستم اور بربریت کو ہوا دے رہا ہے۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے، انتقام کی پیاس بجھانے اور اپنی انا کی تسکین کی خاطر مختلف حیلوں اور بہانوں سے انسانیت کا جنازہ نکال رہا ہے۔ دنیا کے سب سے زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ سمجھے جانے والے امریکا کے صدر بش نے جنگی جنون میں مبتلا ہو کر دنیا میں جمہوریت کے نام پر اپنی چوہدراہٹ قائم کرنے کے لیے چار درجن ممالک کی فوجوں کے ساتھ مل کر افغانستان اور عراق میں لاکھوں لوگوں کی زندگیاں چھین کر خونریزی کی جو تاریخ رقم کی وہ تو الگ باب ہے، لیکن جو لوگ "مہذب" امریکوں کے ہتھے چڑھے ان کو انسانیت سوز تکالیف دے کر گوانتانامو، ابو غریب اور بگرام میں انسانیت کو جس طرح شرمندہ کیا گیا، اس کی مثال ملنا بھی مشکل ہے۔

انسان کا انسان کے ہاتھوں قتل کوئی انوکھی اور انہونی بات نہیں ہے، یہ خون خرابہ اور جنگ و جدل تو آپ کو ہر زمانے میں ہی نظر آئے گا۔ ہر دور میں کوئی نہ کوئی قابیل کسی نہ کسی ہابیل کا ناحق قتل کرتا رہا ہے، لیکن بڑا سانحہ

یہ ہے کہ اکیسویں صدی میں پہنچنے کے بعد بھی انسان وحشی پن سے نہیں نکلا اور یہ وحشی پن کسی ایک ملک، قومیت یا مذہب کے ماننے والوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ دنیا کے ہر کونے میں یہ مختلف شکلوں میں نظر آتا ہے۔ عیسائیت کے ماننے والے مغربی اتحاد کی شکل میں افغانستان، عراق اور دیگر مسلم ممالک میں، بودھ مت کے ماننے والے برما میں، ہندومت کے ماننے والے کشمیر میں، یہودیت کے ماننے والے فلسطین میں، جبکہ اسلام کے ماننے والے خود اپنے ممالک میں اپنی دہشت اور دھاک بٹھانے کے لیے جنگی اصولوں، قوانین اور اخلاقیات کو بالائے طاق رکھ کر انسانیت کا مذاق اڑانے میں مصروف ہیں۔ مختلف ممالک میں بم دھماکوں کے ذریعے بے گناہوں کا ناحق خون کرنا، مسجدوں، مندروں، گرجوں، اسکولوں، مدرسوں اور بازاروں میں خون کی ندیاں بہانا اکیسویں صدی میں رہنے والے جذبات سے عاری انسان کا معمول بن چکا ہے۔ انسان کی بے حسی اور وحشی پن کو دیکھتے ہوئے انسان اور وحشی میں فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ زیادہ تکلیف دہ بات تو یہ ہے کہ ان حالات میں انسانیت کا دفاع کرنے والا دور دور تک نظر نہیں آ رہا، بلکہ اب تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ انسانیت تو مر چکی ہے۔

تحریک انصاف کی پارلیمنٹ میں واپسی....آئینی یا غیر آئینی؟

پاکستان تحریک انصاف 224 دنوں بعد بالآخر اسمبلیوں میں واپس آ ہی گئی ہے۔ سات ماہ اسمبلیوں سے باہر رہ کر اپنے مقاصد کے حصول میں ناکامی کے بعد تحریک انصاف کے پاس اسمبلیوں میں واپس آنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اپنی ضد کو پس پشت ڈال کر سات ماہ کے بعد اسمبلیوں میں پی ٹی آئی کی واپسی کو جہاں ایک طرف جمہوریت کی فتح قرار دیا جارہا ہے، وہیں اس سے عمران خان اور پی ٹی آئی کی بے بسی بھی ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ اسمبلی کو جعلی قرار دیتے ہوئے پی ٹی آئی نے استعفے دیے تھے، لیکن اب ایک بار پھر اسی جعلی اسمبلی میں واپس آ گئے ہیں۔ تحریک انصاف کی قیادت نے 22 اگست 2014ء کو اسلام آباد میں دھرنے کے دوران قومی اسمبلی، پنجاب اور سندھ کی اسمبلیوں سے استعفوں کا اعلان کیا تھا، تاہم خیبر پختونخوا میں اپنی حکومت قائم رکھنے کا فیصلہ کیا۔ پی ٹی آئی کے بہت سے ارکان اسمبلی استعفے نہیں دینا چاہتے تھے، لیکن عمران خان نے اپنی جماعت کے متعدد ارکان اسمبلی سے زبردستی استعفے دلوائے، جس کی وجہ سے پی ٹی آئی میں اختلافات زور پکڑ گئے۔ تحریک انصاف کے 34 میں سے بعض ارکان نے اسمبلی سے مستعفی ہونے کی مخالفت کی تھی۔ ان میں گلزار خان، ناصر خٹک، سراج خان اور مسرت زیب شامل تھے۔ جنہوں نے 24 اگست کو اپنا علیحدہ گروپ قائم بنایا۔

اگست کو تحریک انصاف اور عوامی تحریک کے مبینہ کارکنوں نے پارلیمنٹ ہاؤس اور 30 دیگر سرکاری عمارتوں پر ہلہ بولا تو اگلے ہی روز تحریک انصاف کے صدر جاوید ہاشمی اس فیصلے کے خلاف بطور احتجاج پارٹی سے الگ ہو گئے۔ پی ٹی آئی کے اعلان کے باوجود اسپیکر نے استعفے منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ اسپیکر سردار ایاز صادق کا موقف تھا کہ پی ٹی آئی کے ارکان ایک ایک کرکے استعفوں کی تصدیق کے لیے آئیں۔ تحریک انصاف قومی اسمبلی کے اجلاسوں میں تو شریک نہ ہوئی، تاہم مارچ میں سینیٹ انتخابات میں حصہ لیا اور اب سات ماہ کے بعد پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں بھی شریک ہوئی ہے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق عمران خان کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ عمران خان کے لیے اسمبلی میں آجانا ہی بہتر تھا، اگر وہ پہلے آجاتے تو یہ ان کے فائدے میں تھا، لیکن منتخب پارلیمنٹ کے خلاف سخت الفاظ استعمال کرکے سات ماہ بعد واپس پارلیمنٹ میں آنے سے پی ٹی آئی کو کئی سیاسی، قانونی اور آئینی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

عمران خان دھرنے کے دنوں میں منتخب حکومت کو جعلی اور غیر قانونی حکومت کہتے رہے ہیں۔ اسمبلیوں کو ڈمی، جعلی، نقلی، غیر آئینی اور غیر قانونی تک کہا۔ جس سے نہ صرف یہ کہ پاکستان کے ایک اہم ادارے پارلیمنٹ کا وقار اور تقدس پامال ہوا اور پوری دنیا میں پاکستان کی جگ ہنسائی ہوئی، بلکہ تمام سیاست دانوں کی جانب سے غیر دوستانہ رویے کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ جب پی

ٹی آئی ارکان اسمبلی سات ماہ کے بعد پارلیمنٹ میں واپس آئے تو انہیں سیاست دانوں کی جانب سے سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ یمن کی صورت حال پر غور کے لیے بلائے گئے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں تحریک انصاف کے ارکان کی شرکت پر مسلم لیگ (ن)، جے یو آئی اور اے این پی کے ارکان وقفے وقفے سے نعرے بازی کرتے رہے۔ اسپیکر سردار ایاز صادق کی سربراہی میں پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہوا تو مسلم لیگ (ن) کے دانیال عزیز اور عمر ایوب نے بولنے کی اجازت چاہی، تاہم اسپیکر نے انہیں بولنے کی اجازت نہیں دی، جس پر مسلم لیگ (ن) کے ارکان نے تحریک انصاف کے خلاف نعرے بازی شروع کردی۔ اسی دوران جے یو آئی، اے این پی اور ایم کیو ایم کے ارکان بھی اپنی نشستوں سے کھڑے ہو کر احتجاج کرنے لگے۔ جبکہ قائد حزب اختلاف سید خورشید شاہ نے کہا کہ آج ہم تحریک انصاف کے ارکان اسمبلیوں کو ہم خوش آمدید کہا۔ پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس کے دوران اسپیکر قومی اسمبلی سردار ایاز صادق نے اپنی رولنگ میں کہا کہ تحریک انصاف کے ارکان دوبارہ پارلیمنٹ میں آگئے ہیں، اس لیے ان کے استعفے بھی اپنی موت آپ مر گئے ہیں، وہ پہلے کی طرح تحریک انصاف کے ارکان کی عزت کریں گے۔ جبکہ جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ آئین کے تحت استعفا دینے والے خود بخود مستعفی ہوجاتے ہیں، لہٰذا تحریک انصاف کے جو ارکان آج اپنی نشستوں پر واپس آئے ہیں وہ اراکین نہیں اجنبی ہیں۔ متحدہ قومی موومنٹ کے رہنما ڈاکٹر فاروق ستار کا کہنا تھا کہ تحریک انصاف کے ارکان

مستعفی ہیں، اس لیے ان کی موجودگی میں پارلیمنٹ کا اجلاس غیر آئینی ہے۔ آئین کا آرٹیکل 64 شق ون اور ٹو واضح ہے، جو رکن مسلسل 40 دن غیر حاضر رہے، وہ مستعفی ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی استعفیٰ دے تو وہ فوری طور پر موثر ہو جاتا ہے۔ تحریک انصاف کو واپس آنے کی اجازت دینا اسپیکر کا صوابدیدی اختیار نہیں۔ جن ارکان نے استعفے دیے ہیں، ان میں سے کسی نے بھی اپنا استعفا واپس نہیں لیا، اس کے باوجود پارلیمنٹ میں واپس آ گئے ہیں۔ آئین موم کی گڑیا نہیں، اس لیے جب تک انہیں آئینی نکتے کا جواب نہیں ملے گا، ان کی جماعت احتجاج اور واک آؤٹ کرتی رہے گی اور بعض ارکان اسمبلی کا کہنا تھا کہ ارکان پارلیمنٹ کے استعفے تین طلاقوں کی طرح ہیں، اگر دے دیے تو طلاق ہو گئی۔ جبکہ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے کہا ہے کہ پارلیمنٹ میں جنہوں نے شور مچایا وہ دراصل خوفزدہ ہیں کہ اگر دھاندلی پکڑی گئی تو سب کا پردہ چاک ہوگا۔ خواجہ آصف کا کہنا تھا کہ کنٹینر پر چڑھ کر آٹھ ماہ تک پارلیمنٹ کو گالیاں دیتے رہے ہیں، آج وہیں آ کر بیٹھ گئے ہیں۔ کچھ شرم ہونی چاہیے، کچھ حیا ہونی چاہیے۔ پی ٹی آئی کے ہر رکن کو کھڑا کر کے یہ پوچھا جائے کہ اس نے استعفا دیا ہے یا نہیں؟ ایم کیو ایم کے سربراہ الطاف حسین نے پی ٹی آئی پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ یمن کے حوالے سے پارلیمنٹ کا غیر ضروری اجلاس تحریک انصاف کی اسمبلی میں واپسی کے لیے منعقد کیا گیا ہے۔

ذرائع کے مطابق اسمبلیوں میں واپسی پر تحریک انصاف کے ارکان کو 7 ماہ کی تنخواہیں بھی ادا کی جائیں گی، تاہم ڈیلی الاؤنس نہیں ملے گا۔ جس پر مبصرین کا کہنا ہے کہ جس ادارے کو پی ٹی آئی ارکان جعلی اور نقلی کہتے رہے ہیں، اسی ادارے سے تنخواہیں لینا سمجھ سے بالاتر ہے۔ دوسری جانب سات ماہ بعد پی ٹی آئی ارکان کے اسمبلی میں واپس آنے سے کئی قانونی پیچیدگیوں نے جنم لیا ہے، کیونکہ پی ٹی آئی ارکان سات ماہ کے بعد اسمبلی اجلاس میں شریک ہوئے ہیں، حالانکہ اگر کوئی رکن اسمبلی اپنی رضا مندی سے استعفا دے، منظور ہو یا نہ ہو، وہ رکن خود بخود مستعفی ہوجاتا ہے اور جو رکن مسلسل چالیس روز اسمبلی سے غیر حاضر رہے، وہ بھی مستعفی ہوجاتا ہے، لیکن یہاں تو پی ٹی آئی ارکان سات ماہ کے بعد اسمبلی میں حاضر ہوئے ہیں، جن کا اسمبلی میں آنے کا قانونی طور پر کوئی جواز نہیں بنتا۔ سابق چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کا اس حوالے سے کہنا تھا کہ تحریک انصاف کے استعفے آئینی طور پر منظور ہوچکے ہیں، ارکان کو پارلیمنٹ میں شرکت کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے تھی۔ پارلیمنٹ کے تقدس کا خیال رکھنا چاہیے۔ جبکہ سابق رہنما پی ٹی آئی جاوید ہاشمی نے کہا ہے کہ تحریک انصاف کے ارکان اسمبلی کے استعفے ہوچکے ہیں، واپس اسمبلیوں میں جانا غیر آئینی و غیر قانونی ہے۔ تحریک انصاف نے فیصلے میں بہت دیر کر دی، اسے سپریم کورٹ کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ ماہر قانون سید ظفر علی شاہ نے کہا کہ آئین کے آرٹیکل 64 کے تحت تحریری استعفیٰ اسپیکر کو بھیجنے کے ساتھ ہی موثر

ہو جاتا ہے، منظور ہونے نہ ہونے کا آئین میں کوئی ذکر نہیں، لہٰذا تحریک انصاف کے ارکان کی اسمبلیوں میں واپسی آئین اور قانون کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ سپریم کورٹ کو معاملے کا از خود نوٹس لینا چاہیے۔ سابق سپیکر قومی اسمبلی سید فخر امام کا کہنا تھا کہ تحریک انصاف کے ارکان کی اسمبلیوں میں واپسی کا کوئی جواز نہیں۔ اخلاقی، قانونی اور آئینی طور پر تحریک انصاف کے ارکان اسمبلی ہاؤس میں بیٹھنے کے مجاز نہیں ہیں۔ پوری دنیا میں روایات ہیں کہ جب کوئی رکن استعفیٰ دے دیتا ہے تو اسپیکر اسے منظور کر لیتا ہے، اسپیکر کو استعفے روکنے کا اختیار نہیں۔ اے این پی کے ترجمان سینیٹر زاہد خان کا کہنا تھا کہ عمران خان کنٹینر پر اسمبلی کو جعلی کہتے رہے، اب کس منہ سے اس جعلی اسمبلی میں واپس آئے ہیں؟۔

واضح رہے کہ تحریک انصاف نے گزشتہ برس 14 اگست کو انتخابی دھاندلیوں کو بنیاد بنا کر لاہور سے ریلی نکالی تھی اور اسلام آباد پہنچ کر دھرنا دیا تھا، جو دسمبر تک برقرار رہا۔ تاہم 16 دسمبر 2014 کو پشاور میں آرمی پبلک اسکول پر حملوں کے بعد عمران خان کو دھرنا ختم کرنے کا موقع ملا تو انہوں نے دھرنا ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

مبصرین کے مطابق عمران خان ایک عرصے سے پارلیمنٹ میں واپس آنے کا موقع تلاش کر رہے تھے، جیسا کا دھرنا ختم کرنے کا موقع ملا تھا۔ ذرائع کے مطابق پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے

پارٹی کے ارکان اسمبلی کے پارلیمنٹ میں واپسی کا فیصلہ کیا۔ قبل ازیں وہ فیس سیونگ کے دو مواقع ضائع کر چکے ہیں، اب جوڈیشل کمیشن کے قیام کے لیے آرڈیننس کے اجرا کی آڑ لے کر انہوں نے پارلیمنٹ میں واپسی کا فیصلہ کیا ہے۔ ذرائع کے مطابق پاکستان تحریک انصاف کی قیادت پارلیمنٹ میں واپسی پر منقسم تھی، لیکن عمران خان نے اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے نہ صرف پارلیمنٹ کے اجلاس میں شرکت کا فیصلہ کیا، بلکہ پنجاب اور سندھ اسمبلی کے اجلاسوں میں شرکت کی اجازت دی ہے۔ پی ٹی آئی کی شکست اور پسپائی کی طویل کہانی ہے۔ کچھ حاصل ہوئے بغیر اس کی پارلیمنٹ میں واپسی کو سیاسی حلقوں کی جانب سے شدید تنقید کا سامنا ہے۔ تحریک انصاف کے 3 باغی ارکان کے اصولی موقف کو کامیابی ملی ہے۔ ذرائع کے مطابق پاکستان تحریک انصاف نے اصولی طور پر الیکشن کمشن کو تسلیم کر لیا ہے۔ وہ جس پارلیمنٹ کو جعلی قرار دیتے تھے اب اس کا دوبارہ حصہ بن گئے ہیں۔ پاکستان تحریک انصاف کے پارلیمنٹ واپس جانے سے ایجی ٹیشن کی سیاست دم توڑ جائے گی اور وزیراعظم محمد نواز شریف کو سیاسی طور پر فائدہ حاصل ہوگا۔ مبصرین کے مطابق عمران خان کا اپنی ضد اور انا کو پس پشت ڈال کر سات ماہ کے بعد اسمبلی میں واپس آجانا اگرچہ ایک مثبت اقدام ہے، لیکن پی ٹی آئی کے استعفوں کا معاملہ قانون اور آئین کے مطابق حل کرنا چاہیے۔

تحریک انصاف کی پارلیمنٹ میں واپسی .... نظریہ ضرورت کا احیا؟

تحریک انصاف کی قومی اسمبلی، پنجاب اور سندھ اسمبلیوں سے استعفوں کے بعد جوڈیشل کمیشن کے قیام کے لیے صدارتی آرڈیننس کو بنیاد بنا کر دوبارہ ان ہی اسمبلیوں میں شرکت سے جہاں ایک طرف یوٹرن کا ریکارڈ ٹوٹ گیا، وہیں ایک نئی آئینی بحث بھی چھڑ گئی ہے کہ کیا تحریک انصاف کے اسمبلیوں میں شرکت کرنے والے ارکان کی اسمبلی رکنیت برقرار ہے یا نہیں؟ آئین کے تحت اسپیکر کو کسی ممبر کے استعفیٰ کو مسترد کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اگر کوئی رکن اسمبلی استعفیٰ دے تو وہ از خود منظور ہو جاتا ہے۔ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان استعفیٰ دینے کے بعد اعلان کر چکے تھے کہ اگر جوڈیشل کمیشن قائم کر دیا جائے تب بھی وہ اسمبلی میں نہیں جائیں گے اور اگر بالفرض جوڈیشل کمیشن یہ فیصلہ سنا دے کے انتخابات میں منظم دھاندلی نہیں ہوئی ہے، تب بھی اسمبلی میں شرکت نہیں کریں گے، ہم استعفیٰ دے چکے ہیں۔ اس کے بعد عمران خان نے ایک یوٹرن لیا اور اپنی اعلان کردہ پالیسی میں ایک ترمیم کر دی کہ اگر جوڈیشل کمیشن کہہ دے کہ انتخابات میں منظم دھاندلی نہیں ہوئی ہے تو وہ اسمبلی اجلاس میں شرکت کرنے کو تیار ہیں، مگر اب صرف جوڈیشل کمیشن کے قیام کے لیے صدارتی آرڈیننس کے اجرا کو ہی عمران خان نے

گائے کی دُم بنا کر اسمبلی میں نہ صرف شرکت کی، بلکہ یہ مطالبہ بھی کر دیا کہ سات ماہ اسمبلی سے غیر حاضری کے واجبات یکمشت ادا کیے جائیں۔

تحریک انصاف کی قومی اسمبلی اور سندھ اسمبلی کے اجلاس میں شرکت پر ارکان اسمبلی کی جانب سے شدید احتجاج کیا گیا اور انہیں اسمبلی میں اجنبی قرار دے کر اسپیکر سے وضاحت مانگی گئی کہ اجنبی لوگ اسمبلی اجلاس میں کیونکر بیٹھے ہیں؟ ارکان اسمبلی کی جانب سے اجنبی افراد کی اسمبلی میں شرکت پر اسمبلی کے سیشن کی آئینی حیثیت پر بھی سوالات اٹھائے گئے ہیں، نہ صرف اپوزیشن، بلکہ خود حکومتی جماعت اور حکومتی اتحادی جماعت جمعیت علمائے اسلام نے بھی اس پر شدید احتجاج کیا۔ تحریک انصاف کے اسمبلی سے استعفے کا اعلان کرنے والے رکن قومی اسمبلی شاہ محمود قریشی نے جب قومی اسمبلی میں اظہار خیال کیا تو اس دوران جمعیت علمائے اسلام نے اسمبلی اجلاس سے واک آؤٹ کیا۔ حکومتی وزرا نے بھی اسپیکر سے مطالبہ کیا کہ وہ تحریک انصاف کے ارکان سے پوچھیں کہ انہوں نے استعفے دیے تھے یا نہیں؟ لیکن اسپیکر قومی اسمبلی نے یہ آئینی ذمہ داری پوری نہیں کی اور بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نواز شریف حکومت نے مصلحت کے تحت ایک بار پھر نظریہ ضرورت کو زندہ کر دیا ہے۔اسی حوالے سے ارکان پارلیمنٹ اور آئینی ماہرین سے کی گئی گفتگو نذر قارئین ہے۔

(حافظ حسین احمد (سیکرٹری اطلاعات جمعیت علمائے اسلام (ف

جمعیت علمائے اسلام کے سیکرٹری اطلاعات حافظ حسین احمد نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان تحریک انصاف کے ارکان اسمبلی استعفے دے چکے ہیں، جن کو مسترد کرنے کا اختیار اسپیکر کو نہیں ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ بات واضح ہے کہ پی ٹی آئی کے ارکان نے استعفے دے کر واپس بھی نہیں لیے، اس کے باوجود وہ اسمبلی میں آ کر بیٹھ گئے، جو غیر آئینی و غیر قانونی ہے۔ اگر ان کو اسمبلی میں بیٹھنے کی اجازت دینی ہی تھی تو اسپیکر کی ذمہ داری تھی کہ ان سے پوچھتے کہ آپ نے استعفے دیے ہیں یا نہیں دیے ہیں؟ اسپیکر نے یہ بھی نہیں پوچھا اور تمام مستعفی ارکان کو اسمبلی میں بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے استعفے واپس نہیں لیے اس کے باوجود ان کا اسمبلی میں بیٹھنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ ویسے بھی جب کوئی رکن اسمبلی چالیس دن تک بغیر اجازت کے اسمبلی سے غیر حاضر رہے تو آئینی اور قانونی طور پر اس کی رکنیت خود بخود ختم ہو جاتی ہے، لیکن پی ٹی آئی ارکان چالیس دن نہیں، بلکہ سات ماہ سے اسمبلی سے غیر حاضر ہیں، لیکن ان کو بیٹھنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ حافظ حسین احمد نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ آئین اور قانون کے مطابق تو تحریک انصاف کے ارکان کی اسمبلی ممبر شپ ختم ہو چکی ہے، کیونکہ وہ ابھی تک اپنے استعفوں پر برقرار ہیں۔ اگر وہ یہ بھی کہہ دیتے کہ ہم سے استعفے بغیر رضامندی کے لیے گئے ہیں، پھر تو کہا جا سکتا تھا کہ ان کی رکنیت برقرار ہے، لیکن جب ایک بار

انہوں نے استعفے دے دیے اور اپنی غیر رضامندی کی وضاحت بھی نہیں کی تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ ابھی تک اپنے استعفوں پر قائم ہیں، لہٰذا ان کی اسمبلی ممبر شپ ختم ہو چکی ہے۔ اسمبلی رکنیت کو برقرار رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ دوبارہ الیکشن لڑ کر جیتا جائے، دوبارہ الیکشن کے بغیر اسمبلی رکنیت حاصل نہیں کی جا سکتی۔ ان کا کہنا تھا کہ پی ٹی آئی ارکان کا حلالہ کیے بغیر اسمبلی میں آنا حرامہ ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ پی ٹی آئی ارکان کے اسمبلی میں دوبارہ واپس آنے سے اسمبلی سیشن کی آئینی حیثیت تو برقرار ہے، لیکن اسپیکر کا عمل غیر آئینی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں حافظ حسین احمد کا کہنا تھا کہ حکومت نظریہ ضرورت کی پیداوار ہے۔ پہلے اس کی پیدائش سپریم کورٹ میں ہوئی تھی اور اب اس کا جڑواں بچہ پارلیمنٹ میں ہوا ہے۔

(ظفر علی شاہ (سینئر قانون دان اور رہنما مسلم لیگ (ن

مسلم لیگ (ن) کے رہنما اور سینئر قانون دان ظفر علی شاہ نے بتایا کہ آئینی طور پر اسپیکر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ استعفیٰ دینے والے ارکان کے استعفوں کو مسترد کر سکے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگرچہ پی ٹی آئی کے مستعفی ارکان اسمبلی میں آئے ہیں، لیکن تحریک انصاف کے ارکان اسمبلی کی ممبر شپ برقرار نہیں ہے۔ جب تحریک انصاف کے ارکان کی ممبر شپ ہی برقرار نہیں ہے تو اس کے باوجود ان کا اسمبلی میں آنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟۔ وہ مستعفی

ارکان ہے ں اور پارلیمنٹ میں اجنبی ہیں اور اجنبی لوگوں کی موجودگی میں پارلیمنٹ کا سیشن بھی غیر آئینی ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا اسمبلی میں پی ٹی آئی ارکان کو بیٹھنے کی اجازت دے کر حکومت نظریہ ضرورت کو پھر سے زندہ نہیں کر رہی ہے؟ تو ان کا کہنا تھا کہ حکومت نظریہ ضرورت کو زندہ نہیں کر رہی، بلکہ جو آئین کہتا ہے، اس پر عمل کر رہی ہے۔ آئین کو کسی طرح کراس نہیں کیا جاسکتا ہے۔ آئین جس چیز کی اجازت دے گا، اسی پر عمل کریں گے۔ سید ظفر علی شاہ کا کہنا تھا کہ تحریک انصاف کے ارکان 7 ماہ قبل استعفیٰ دے چکے ہیں اور آئین کی شق 64 ون اے اور ٹو اے کے مطابق جو رکن رضاکارانہ طور پر استعفیٰ دے اور 40 دن مستقل غیر حاضر رہے تو اس کے بعد نشست خالی قرار دے دی جاتی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ 7 مہینے تک بھی اسپیکر قومی اسمبلی ایاز صادق ان استعفوں کی تصدیق نہیں کرسکے، حالانکہ استعفے رضاکارانہ طور پر دیے گئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ تحریک انصاف کے ارکان اسمبلی میں بیٹھنے کا آئینی جواز کھو چکے ہیں۔ لہٰذا اب گزشتہ 7 ماہ کی تنخواہ اور مراعات بھی تحریک انصاف کو نہیں دی جانی چاہیے۔

(فاروق ستار (رہنما متحدہ قومی موومنٹ

متحدہ قومی موومنٹ کے رہنما فاروق ستار نے پی ٹی آئی کے ارکان کی پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں شرکت غیر قانونی و غیر آئینی قرار دیتے ہوئے کہا کہ

اجلاس میں جمہوریت کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ تحریک انصاف کی 7 ماہ بعد اسمبلی میں واپسی ہوئی ہے، حالانکہ آئین کے تحت 40 روز تک اسمبلی سے غیر حاضر رہنے والا رکن ڈی سیٹ ہو جاتا ہے۔ آئین کے آرٹیکل 64 کی شق 8 کے تحت جیسے ہی کوئی رکن پارلیمنٹ استعفیٰ دیتا ہے، وہ منظور ہو کر نافذ العمل ہوتا ہے اور یہ اس کی آئینی حیثیت ہوتی ہے۔ فاروق ستار کا کہنا تھا کہ پی ٹی آئی ارکان نے استعفے دینے کے بعد 7 ماہ تک واپس نہیں لیے اور پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس کے چیئرمین کی حیثیت سے اسپیکر اسمبلی سردار ایاز صادق نے انہیں اسمبلی میں آنے کی اجازت دی، لیکن انہیں اس کا صوابدیدی اختیار نہیں تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ جمہوریت کے بلند و بانگ دعوے کرنے والے اپنی مصلحتوں کے لیے آئین کے ساتھ کھلواڑ کر رہے ہیں اور آئین کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، جبکہ آئین ہمارا تابع نہیں ہے، بلکہ ہم آئین کے تابع ہیں۔ فاروق ستار کا کہنا تھا کہ پی ٹی آئی کے استعفوں پر وضاحت نہ ملنے تک ہم احتجاج کرتے رہیں گے اور واک آؤٹ یا بائیکاٹ سمیت احتجاج کے ہر طریقہ کو اختیار کیا جائے گا۔

(زاہد خان (رہنما عوامی نیشنل پارٹی

عوامی نیشنل پارٹی کے رہنما زاہد خان نے کہا کہ پاکستان تحریک انصاف کے ارکان استعفے دے چکے ہیں، اب کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ ان کے استعفوں کو مسترد کرے۔ آئین کے آرٹیکل 64 کے مطابق اسپیکر ارکان سے ان کے استعفوں کی

صرف تصدیق کر سکتا ہے، مسترد کرنے کا اختیار اسپیکر کو نہیں ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ پی ٹی آئی کے ارکان کی اسمبلی ممبر شپ ختم ہو چکی ہے۔ قانون کے مطابق چالیس دن اسمبلی سے غیر حاضر رہنے پر اسمبلی کی رکنیت ختم ہو جاتی ہے، جبکہ پی ٹی آئی ارکان تو سات ماہ سے اسمبلی سے غیر حاضر ہیں، اس کے باوجود ان کا اسمبلی اجلاس میں شرکت کرنا غیر آئینی اور غیر قانونی ہے۔ زاہد خان کا کہنا تھا کہ جب پی ٹی آئی کے مستعفی ارکان کی شرکت ہی غیر آئینی ہے تو اسی وجہ سے غیر آئینی افراد کی موجودگی میں پارلیمنٹ کا اجلاس بھی غیر آئینی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ پی ٹی آئی ارکان کو دوبارہ پارلیمنٹ میں شرکت کی اجازت دے کر حکومت نظریہ ضرورت کو زندہ کر رہی ہے اور پاکستان پیپلز پارٹی نظریہ ضرورت کو زندہ کرنے میں حکومت کے ساتھ ہے، دونوں مل کر یہ کام کر رہی ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ جمہوریت، آئین اور قانون نظریہ ضرورت کے تحت نہیں چلتے، جو طریقہ حکومت اور پی پی پی اختیار کر رہے ہیں وہ جمہوریت، آئین اور قانون کے خلاف ہے۔

(آفتاب احمد شیر پاؤ (سربراہ جمہوری وطن پارٹی اور رکن قومی اسمبلی

جمہوری وطن پارٹی کے سربراہ اور رکن قومی اسمبلی آفتاب احمد شیر پاؤ نے بتایا کہ پاکستان تحریک انصاف کے ارکان نے اعلانیہ استعفے دیے ہیں اور بار بار بلائے جانے کے باوجود اسمبلی میں نہیں آئے، لیکن اب وہ سات ماہ کے بعد

اسمبلی میں آ گئے ہیں، حالانکہ جو اسمبلی رکن چالیس روز تک اسمبلی میں حاضر نہ ہو اس کی رکنیت خود بخود ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اسپیکر کو اس کا نوٹس لینا چاہیے تھا، لیکن انہوں نے اس بات کا نوٹس نہیں لیا۔ جے یو آئی نے اس حوالے سے چیلنج کیا ہے۔ان کا کہنا تھا کہ عمران خان ایک طرف تو اسمبلی کو جعلی اور نقلی کہتے رہے ہیں، اس میں بیٹھنے والوں کو دھاندلی کی پیداوار کہتے رہے ہیں اور دوسری طرف اسی "جعلی" اسمبلی میں آ کر دھاندلی کی پیداوار" ارکان کے ساتھ بیٹھ گئے، یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس سے" تو ان کے اپنے قول کی نفی ہو رہی ہے۔ان کا کہنا تھا کہ جب پی ٹی آئی نے استعفے جمع کروا دیے تھے تو اسپیکر کو منظور کرنے چاہیے تھے۔ اب اسپیکر کی رولنگ متنازع ہو گئی ہے، جس چیلنج کیا جا چکا ہے۔

(کامران مرتضٰی (سابق صدر سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن

سابق صدر سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کامران مرتضٰی نے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ پی ٹی آئی کے ارکان کے استعفٰی دینے کے بعد کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ ان کے استعفوں کو مسترد کرے۔ اسمبلی میں بیٹھنے کی اجازت دے کے اسپیکر اسمبلی نے غیر آئینی اور غیر قانونی کام کیا ہے۔ پی ٹی آئی ارکان کی اسمبلی رکنیت کب سے ختم ہو چکی ہے، وہ اجنبی لوگ ہیں، لہٰذا پی ٹی آئی ارکان نے اسمبلی اجلاس میں شریک ہو کر غیر قانونی و غیر آئینی کام کیا ہے۔ کامران

مرتضیٰ کا کہنا تھا کہ اسمبلی اجلاس میں باقی دوسری جماعتوں کے ارکان کی شمولیت تو آئینی ہے، جبکہ پی ٹی آئی ارکان کی شمولیت کی حیثیت غیر آئینی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی اجنبی انسان اسمبلی میں آ کر بیٹھ جائے تو اس سے اسمبلی کے اجلاس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان کا کہنا تھا کہ پی ٹی آئی ارکان کو اسمبلی اجلاس میں شرکت کی اجازت دے کر حکومت نے نظریہ ضرورت کو زندہ کیا ہے۔ پاکستان میں تو چلتا ہے نظریہ ضرورت ہے۔

یمن بحران: پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس.... پاکستان فریق یا ثالث؟

حوثیوں کی بغاوت کرنے کے بعد سے یمن کی کشیدگی میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، جبکہ گزشتہ دو ہفتوں سے سعودی فوج حوثی بغاوت پر قابو پانے کے لیے بھرپور کوشش کر رہی ہے۔ واضح رہے کہ یمن کے معاملے میں سعودی عرب نے دیگر ممالک کے ساتھ ساتھ پاکستان سے بھی تعاون کی اپیل کی تھی، جس کو پاکستان نے قبول کرتے ہوئے سعودی عرب کے ساتھ تعاون کرنے کا اعلان کیا تھا۔ لہٰذا اب تک پاکستان سعودی عرب کے معاملے میں ثالث کا کردار ادا کرتا آیا ہے۔ اسی لیے یمن کے معاملے کو پرامن طریقے سے حل کرنے کے لیے پاکستانی وزیر اعظم ترکی کا دورہ بھی کر چکے ہیں، جہاں پاکستان اور ترکی کی قیادت نے اس بات پر اتفاق کیا کہ مشرق وسطیٰ کی صورتحال سے پورا خطہ متاثر ہو رہا ہے، تاہم فریقین کو مسائل کا بات چیت کے ذریعے پرامن طریقے سے حل نکالنا چاہیے، جب کہ دونوں ممالک سعودی عرب کی علاقائی سالمیت کا مل کر دفاع کریں گی۔ ترکی کے دارالحکومت انقرہ میں میاں نواز شریف کا کہنا تھا کہ موجودہ صورتحال عالم اسلام کے لیے پریشان کن ہے، یمن میں قانونی حکومت کے خاتمے کی کوشش پر تشویش ہے۔ یمن کے مسئلے کا پرامن حل چاہتے ہیں اور عالمی مسائل پر ترکی اور پاکستان کی مشترکہ حکمت عملی ضروری ہے۔ جبکہ ترکی کے وزیر اعظم احمد داؤد

اوغلو نے کہا کہ دونوں ممالک خطے کی صورتحال پر مشترکہ موقف رکھتے ہیں اور یمن میں تعمیر نو کی کوششوں کی حمایت کرتے ہیں۔ ترکی اور پاکستان مشرق وسطی کے امن کے لیے متحد ہیں۔ احمد داؤد اوغلو کا کہنا تھا کہ یمن کی صورتحال پر ہمیں تشویش ہے، تاہم اس مسئلے کے حل کے لیے مذاکرات اولین ترجیح ہونے چاہیئں، جب کہ اس حوالے سے سعودی عرب اور ایران سے بھی رابطے میں ہیں۔ ذرائع کے مطابق ترک صدر کے دورہ ایران سے پہلے سعودی عرب کے نائب ولی عہد نے ترک صدر سے ملاقات کی، جس کے بعد ترک صدر نے ایرانی صدر سے ملاقات میں یمن میں جنگ بندی پر اتفاق کرتے ہوئے، اس مسئلے کا سیاسی حل نکالنے پر زور دیا ہے اور تہران میں ایرانی صدر حسن روحانی اور ترکی کے صدر رجب طیب اردوان نے یمن کی صورت حال پر غور و فکر کیا۔ اس موقع پر ایران اور ترکی یمن میں جاری جنگ روکنے اور اس صورت حال کا سیاسی حل نکالنے پر متفق ہو گئے ہیں۔ دونوں رہنماؤں نے یمن میں مکمل طور پر سیز فائر کرنے اور مذاکرات شروع کرنے پر اتفاق کیا۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ نائب سعودی والی عہد کا ترک صدر سے ملاقات کرنا اور ترک اور ایران صدود کا یمن کے پرامن حل پر اتفاق کرنا پاکستانی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ واضح رہے کہ یمن کے معاملے کو پرامن طور پر حل کرنے کے لیے بدھ کے روز ایرانی وزیر خارجہ کا دورہ پاکستان بھی پاکستانی کوششوں کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔

پاکستان میں یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ یمن کے معاملے میں پاکستان کو سعودی عرب کے ساتھ کس حد تک حمایت کرنی چاہیے؟ پاکستان کو سعودی عرب کے ساتھ مل کر یمن میں فوجی کارروائی کرنی چاہیے یا صرف اپنی حمایت کا دائرہ کار سعودی عرب کے تحفظ تک محدود رکھنا چاہیے؟ اس حوالے سے چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف کا کہنا ہے کہ سعودی عرب فوج بھیجنے یا نہ بھیجنے کے معاملے پر حتمی فیصلہ حکومت کرے گی اور مشرق وسطی کی صورتحال پر کوئی فیصلہ لینا حکومت کا کام ہے، اس سلسلے میں پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں بحث جاری ہے، سعودی عرب کی مدد و حمایت کا فیصلہ سول قیادت کرے گی۔ جبکہ سعودی عرب کی جانب سے یمن میں حوثی باغیوں کے خلاف آپریشن میں حصہ لینے کے لیے پاکستان سے تعاون کی درخواست کے بعد وزیراعظم نواز شریف نے اسے "قومی اہمیت کا معاملہ" قرار دیتے ہوئے پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس بلایا، جو تین روز جاری رہنے کے بعد گزشتہ روز آج شام 4 بجے تک ملتوی کر دیا گیا۔ مشترکہ اجلاس میں وزیراعظم نواز شریف واضح کیا کہ یمن کے مسئلے پر حکومت کو کوئی خفیہ فیصلہ نہیں کرنا تھا، پارلیمنٹ کا اجلاس تجاویز کے لیے طلب کیا گیا ہے جن کی مدد سے پالیسی ترتیب دی جائے گی۔ حکومت کو یمن کے مسئلے پر پارلیمنٹ کی رہنمائی چاہیے۔ پیر کے روز ایوان میں اظہار خیال کرتے ہوئے پیپلز پارٹی کے رہنما اعتزاز احسن نے حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ یمن کے مسئلے پر گول مول باتیں کرنے کی بجائے واضح بات کرے اور ایوان کو اعتماد میں لے۔ ان کا کہنا تھا کہ

حکومت واضح طور پر نہیں بتا رہی کہ سعودی عرب نے کس قسم کی مدد مانگی ہے اور حکومت نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ پارلیمنٹ یہاں حکومت کو مینڈیٹ دینے کے لیے بیٹھی ہے، لیکن حکومت یمن کے مسئلے پر گول مول باتیں کر رہی ہے۔ اعتزاز احسن کا کہنا تھا کہ یمن کا مسئلہ شیعہ سنی جنگ نہیں، بلکہ بادشاہت کا تنازع ہے۔ جمعیت علمائے اسلام ف کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن اور پاکستان تحریک انصاف کے رہنما شاہ محمود قریشی نے بھی اعتزاز احسن کی رائے سے اتفاق کیا اور حکومت کو بطور ثالث اپنا کردار کرنے کا مشورہ دیا۔ جمعیت علمائے اسلام ف کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ سعودی عرب ہمارا برادر ملک ہے، لیکن حکومت کو یمن جنگ کا حصہ نہیں بننا چاہیے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ سعودی عرب کو اس بحران سے بچانے میں اپنا کردار ادا کرے۔ جبکہ تحریک انصاف کے رہنما شاہ محمود قریشی کا کہنا تھا کہ حکومت اس بحران سے نکلنے میں سعودی عرب کی مدد کرے۔ انہوں نے سوال اٹھایا کہ پاکستان او آئی سی کا اہم رکن ہے، کیا ہم نے اس فورم کو استعمال کرنے کی کوشش کی؟ پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے جماعت اسلامی کے سربراہ سراج الحق نے کہا کہ جنگ کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ تنازعات کو حل کرنے کا بہترین طریقہ ثالثی ہے، اس لیے پاکستان کو اس مسئلے کے لیے ثالثی کا کردار کرنا چاہیے۔ ان کا کہنا تھا کہ یمن کا مسئلہ ایک عالمی سازش کا نتیجہ ہے۔ استعماری قوتوں نے عرب لیگ کو ٹکڑے ٹکڑے کیا، شام، عراق اور لیبیا میں قومیت کی بنیاد پر آگ بھڑکائی

گئی، آج یہ ملک دنیا میں تماشا بن گئے ہیں۔ اب یمن میں ایک اور تنازع کھڑا ہوگیا، وہ یمن میں ہونے والی اس جنگ کو بھی گریٹ گیم کا حصہ سمجھتے ہیں۔ اس جنگ میں لڑائی میں خسارہ اور جیت بھی خسارہ ہے، اس کا فائدہ صرف اسلحہ بیچنے والوں کو ہوگا۔ اجلاس میں ایم کیو ایم کے رہنما فاروق ستار کا کہنا تھا کہ سعودی عرب نے ہر مشکل وقت بالخصوص قدرتی آفات کے موقع پر پاکستان کی بھرپور مدد کی اور کبھی ایسا مشکل وقت آیا تو پاکستان بھی سعودی عرب کے ساتھ ایسے ہی کھڑا رہے گا۔ اس سے قبل وزیر دفاع خواجہ آصف نے پیر کے روز پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں کہا کہ عوام کی منتخب حکومت سعودی عرب میں فوج بھیجنے کا فیصلہ عوامی امنگوں کے مطابق کرے گی۔ سعودی عرب کی سلامتی کو خطرے کی صورت میں سخت ردعمل دیں گے۔ سعودی عرب کی جغرافیائی حدود کے تحفظ کا وعدہ ہر صورت میں پورا کریں گے۔ سعودی عرب ہمارا برادر ملک ہے، اس کی سرحدوں کی خلاف ورزی کی گئی تو ہم چپ نہیں بیٹھیں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ یمن کی صورتحال پر پاکستان اور ترکی کا موقف ایک ہے، ہم یمن میں آئینی حکومت دیکھنا چاہتے ہیں۔ خواجہ آصف نے تصدیق کی ہے کہ سعودی حکومت نے یمن جنگ میں بری، بحری اور فضائی تعاون ملنے کی امید کا اظہار کیا ہے عوامی نیشنل پارٹی کے غلام احمد بلور پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں کہا کہ سعودی عرب نے ہمیشہ ہماری مالی مدد کی، جس پر ہم ان کے مشکور ہیں، ہمیں اس معاملے میں مصلحت کی جانب جانا چاہیے۔ جبکہ مسلم لیگ (ق) کے مشاہد حسین سید نے کہا

کہ ایٹمی دھماکوں کے بعد سعودی عرب نے پاکستان کی سب سے پہلے مدد کی تھی، یمن میں ہونے والی جنگ سے سعودی زمین کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ پاکستان کو جنگ بندی، یمن میں امن کے قیام کی کوشش کرنی چاہیے۔ انہوں نے تجویز دی کہ پاکستان یا ترکی کو سعودی عرب اور ایران کے وزرائے خارجہ کی ملاقات کروا کر ان کے تنازعات ختم کروانے میں کردار ادا کرنا چاہیے۔

پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں اب تک کی کارروائی سے جو نکات سامنے آئے ہیں، وہ یہ ہے کہ سعودی عرب کی علاقائی سالمیت پر کوئی مفاہمت نہیں کی جائے گی۔ اس کے تحفظ کے لیے پاکستان تمام آپشنز پر عمل کر سکتا ہے۔ اسلام آباد کو ترکی جیسے ممالک کے ساتھ مل کر بھرپور طریقے سے مصالحتی کردار ادا کرنا چاہیے۔ پاکستان یمن تنازع میں نہ الجھے اور کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے اعلیٰ قومی مفادات کو مد نظر رکھے۔ جبکہ وزیراعظم نے اجلاس میں یہ کہا کہ وزیر دفاع پالیسی بیان میں جو کہہ چکے ہیں، اس میں کوئی اضافہ مناسب نہیں ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وزیر دفاع کا بیان غور کردہ سرکاری پالیسی کا عکاس تھا۔ وزیراعظم نے یہ کہہ کر کہ حکومت نے کچھ نہیں چھپایا سب کچھ پارلیمنٹ کے سامنے رکھ دیا ہے، جس سے اس بات کی بھی وضاحت ہو گئی کہ یمن معاملے پر حکومت کی کوئی خفیہ پالیسی نہیں ہے۔ پاکستان کے ثالثی کے معاملے میں میاں نواز شریف نے واضح کیا ہے کہ وہ ترک صدر کے ساتھ مل کر ثالثی کا

کردار ادا کر رہے ہیں، اس حوالے سے ان کے ساتھ ملاقات بھی ہو چکی ہے اور ترک صدر کی ایرانی صدر سے ملاقات بھی ہو چکی ہے اور ایرانی وزیر خارجہ کی پاکستان آمد بھی اسی تناظر میں ہے۔ اس تمام پس منظر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان ترکی کے ساتھ مل کر بھرپور ثالثی کا کردار ادا کرنا چاہتا ہے۔ ذرائع کے مطابق پاکستانی حکام نے پہلے ہی سعودی عرب کو مطلع کر دیا تھا کہ پاکستان حرمین شریفین اور سعودی عرب کے تحفظ کے لیے سب کچھ کرنے پر تیار ہے، لیکن یمن میں پاکستان کی مداخلت کے خلاف ہے، کیونکہ پاکستانی حکام کا موقف تھا کہ یمن میں پاکستان کی جانب سے جارحانہ کارروائی سے نہ صرف دیگر پیچیدگیاں جنم لیں گی، بلکہ پاکستان کی ایک ثالث کے طور پر کردار ادا کرنے کی صلاحیت بھی متاثر ہوگی اور پاکستان اس معاملے کو پرامن طریقے سے حل کرنے کا خواہاں ہے۔ جبکہ اسی موقف کا ذکر پارلیمنٹ میں بھی حکومتی ارکان کی جانب سے کیا گیا ہے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق یمن کی صورتحال سے پاکستان کو ایک ایسا موقع میسر آیا ہے جس کی بنا پر وہ اسلامی دنیا بالخصوص مشرق وسطیٰ میں ایک بڑا اور باعزت مقام حاصل کر سکتا ہے۔ پاکستان اپنی عسکری قوت کی بنا پر اسلامی دنیا کی قیادت کرنے والے ممالک کی پہلی صف میں بھی جگہ حاصل کر سکتا ہے۔ وہ اپنے ممکنہ باعزت مقام کی وجہ سے اقتصادی اور معاشی فوائد حاصل کرنے کی پوزیشن میں بھی ہوگا۔ اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان یمن بحران کو ایک ثالث کے طور پر حل کرنا چاہتا ہے اور وزیراعظم کا ترکی کا دورہ اور

ایرانی وزیر خارجہ کا دورہ پاکستان اسی تناظر میں ہے۔ جبکہ پاکستانی کوششوں سے ترکی بھی یمن بحران کے حل کے لیے سرگرم ہوگیا ہے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق ایرانی وزیر خارجہ کا مثبت حل کے لیے پاکستان کا دورہ کرنا، ترکی صدر کا ایران کے دورہ میں سفارتی کامیابی حاصل کرنا اور اس کے نتیجے میں جنگ بندی کی بازگشت سنائی دینا نہ صرف پاکستان کی کوششوں کا نتیجہ ہے، بلکہ عالمی سطح پر پاکستان کی سیاسی فتح بھی ہے۔

پیغام کی آفاقیت

"وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (اسلام) کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں، حالانکہ اللہ اپنے نور کو کامل کرکے رہے گا، اگرچہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔" (القرآن) یہ دنیا کی ایک مسلمہ سچائی ہے کہ حق ہمیشہ غالب آ کر رہتا ہے اور باطل مٹ جاتا ہے، کیونکہ حق آیا ہی غالب ہونے کے لیے ہے۔ ابتدائے اسلام میں دشمنان اسلام کے نزدیک یہ سوچنا بھی کسی مذاق سے کم نہیں تھا کہ اسلام ایک دن اپنی حقانیت اور قبولیت کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچا کر رہے گا، لیکن آج کفار خود اپنی زبان سے یہ اقرار کرنے پر مجبور ہیں کہ اسلام دنیا کا سب سے بڑا مذہب بننے والا ہے۔ واشنگٹن میں واقع پیو ریسرچ سینٹر کے تحت مرتب کی گئی رپورٹ کے مطابق "2070 تک اسلام دنیا کا سب سے بڑا مذہب بن جائے گا۔ 2050 تک بھارت انڈونیشیا کو پیچھے چھوڑ کر پوری دنیا میں سب سے زیادہ مسلمان آبادی والا ملک بن جائے گا۔ کسی بھی مذہب کے مقابلے میں اسلام سب سے تیز رفتار سے آگے بڑھے گا۔ اس وقت دنیا میں عیسائیت سب سے بڑا مذہب ہے، اس کے بعد مسلمان آتے ہیں، لیکن 2070 تک اسلام سب سے بڑا مذہب بن جائے گا۔ اگلے چار عشروں میں دنیا کی آبادی اندازاً 9.3 ارب تک پہنچ جائے گی اور مسلمانوں کی آبادی میں 73 فیصد کا اضافہ ہوگا، جبکہ عیسائیوں کی آبادی 35 فیصد بڑھے گی اور

ہندوؤں کی تعداد میں 34 فیصد اضافہ ہو گا۔ آنے والے عشروں میں جہاں ایک طرف چار کروڑ افراد عیسائی مذہب اپنائیں گے، وہیں دس کروڑ 60 لاکھ لوگ اس مذہب کو "چھوڑ دیں گے، جبکہ ایک کروڑ 12 لاکھ لوگ اسلام کو اپنائیں گے۔

اس حقیقت کو پس پشت نہیں ڈالا جاسکتا کہ دشمنان اسلام نے اسلام کی تیز رفتار ترقی کے خوف سے ہمیشہ اسلام کی راہ میں روڑے اٹکائے ہیں۔ ماضی قریب میں نائن الیون کے واقعہ کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کو اذیت، پریشانی اور گوناگوں مشکلات میں مبتلا کیا گیا۔ ٹوئن ٹاورز کے ملبے سے اٹھنے والے سیاہ دھوئیں کی کالک سے اسلام اور مسلمانوں کے چہرے کو داغدار کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ دشمنان اسلام نے جہاں ایک طرف مسلم ممالک میں سازشوں کے جال بن کر بدامنی، خونریزی اور قتل و قتال کو جنم دیا، وہیں دوسری جانب امریکا نے نیٹو کے ساتھ مل کر مختلف مسلم ممالک میں مسلمانوں پر آتش و آہن کی بارش کر کے خون کی ندیاں بہا دیں۔ نائن الیون کے بعد ہر زبان کی لغت میں موجود کون سا منفی، ثقاہت سے گرا اور مکروہ لفظ ایسا ہے، جو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بے دریغ استعمال نہ کیا گیا ہو۔ دنیا بھر میں مسلمانوں کو بزور طاقت دبانے کی ہر عسکری کارروائی کو حق بجانب قرار دیا گیا، لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اسلام دشمنوں کا خیال تھا کہ "غلبہ اسلام" کی مالا جپنے والوں کا مکمل خاتمہ کر کے نیو ورلڈ آرڈر" نافذ کر دیا جائے گا۔ شاید ان کو"

یہ معلوم نہیں کہ اسلام کے خلاف ماضی میں بھی اسی قسم کی بے تحاشہ کوششیں کی گئیں، لیکن آج تک اسلام آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے۔

دشمنان اسلام نے جوں جوں اسلام کو مٹانے کی کوشش کی، توں توں لوگ دیوانہ وار اسلام کی شمع کے گرد جمع ہوتے گئے۔ پوری دنیا میں اسلام، قرآن مجید اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تحقیق و مطالعہ کا شوق عام ہوا اور غیر مسلموں میں اسلام کو جاننے کی لگن پیدا ہوئی۔ امریکا، برطانیہ، فرانس، اسپین، جرمنی، ہالینڈ اور دیگر ممالک کے ہزاروں فلم سٹار، سائنس دان، کھلاڑی، ڈاکٹر، انجینئر اور سیاستدانوں نے دائرہ اسلام میں داخل ہو کر دنیا کو یہ پیغام دے اکہ ترقی یافتہ تہذیب و تمدن، خیرہ کن سائنسی و سماجی ترقی اور عہد حاضر کی قیادت کے علمبردار امریکا و یورپ کا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا مذہبی تعصب، نسلی امتیاز اور اقتصادی و معاشی مفادات کا آئینہ دار ہے اور تمام تر مفادات سے بالاتر اور تمام خوبیوں کا مجموعہ صرف اور صرف اسلام ہی ہے۔

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلام نے ایک جامع و مکمل نظامِ زندگی اور ابدی دین فطرت دنیا کے سامنے پیش کیا، جو تمام سابقہ مذاہب کی خوبیوں سے بھی مزین ہے۔ "اشاعت اسلام" کے مقدمہ میں مولانا حسین احمد مدنی لکھتے

ہیں: "اس (اسلام) کی روحانی تربیت اور اخلاقی اصلاحات نے نہ صرف حلقہ بگوشانِ ادیان سابقہ کو اپنا گرویدہ بنالیا، بلکہ ریگستانوں میں بادیہ پیمائی کرنے والوں اور پہاڑوں میں وحشیانہ زندگی بسر کرنے والوں کو اپنا مطیع کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ نہایت تھوڑی سی مدت میں بحر اٹلانٹک کے ساحل سے لے کر بحرِ پاسفک کے کناروں تک اور بحر منجمد شمالی کے برفستان سے لے کر صحرائے کبیر افریقہ کی انتہائی گرم حدود تک ہزارہا ہزار میل کی مسافت میں اس کا ڈنکا بجنے لگا۔" ہر دور میں اسلام نے اپنی تعلیمات کی جامعیت اور اپنے پیغام کی آفاقیت سے یہ ثابت کیا کہ وہ کسی مخصوص وقت اور قوم کی حدود سے ماورا ایک آفاقی اور ابدی پیغام کا حامل ہے۔ اس بات کا اعتراف کفار بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ فرانس کے طالع آزما سکندر زمانہ نپولین بونا پارٹ کا کہنا ہے: "مجھے امید ہے کہ وہ دن دور نہیں، جب میں سارے ممالک کے سمجھدار اور تعلیم یافتہ لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کروں گا اور قرآنی اصولوں کی بنیاد پر متحدہ حکومت قائم کروں گا۔ قرآن کے یہی اصول ہی صحیح اور سچے ہیں اور یہی اصول انسانیت کو سعادت سے ہم کنار کر سکتے ہیں۔"

یہ اسلام کا اعجاز، سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کشش اور اس آفاقی پیغام کا اثر ہے کہ جس نے بڑے بڑے اسلام دشمنوں کو بھی اسلام کے دامن رحمت میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے نصف اول میں یہ

تصور بھی مشکل تھا کہ مسلمان کبھی پورے اسلامی تشخص و امتیاز کے ساتھ امریکا یا یورپ میں نہ صرف آباد ہوں گے، بلکہ مساجد و اسلامی مراکز بنا کر یورپ و امریکا کی ترقی یافتہ قوموں کو اپنا مدعو بنائیں گے، لیکن یہ صورتحال کس قدر تبدیل ہوئی، مشہور انگریزی مفکر اور فلسفی جارج برنارڈ شا کے اعتراف سے اس حقیقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ "جینئن اسلام" میں وہ لکھتے ہیں: "آئندہ سو برسوں میں اگر کوئی مذہب انگلینڈ، بلکہ پورے یورپ پر حکومت کرنے کا موقع پاسکتا ہے تو وہ مذہب "اسلام" ہی ہوسکتا ہے۔ میں نے اسلام کو اس کی حیرت انگیز حرکت و نمو کی وجہ سے ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ یہی صرف ایک ایسا مذہب ہے جو زندگی کے بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگ ہونے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، جو اس کو ہر زمانہ میں قابلِ توجہ بنانے میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مذہب کے بارے میں پیشین گوئی کی ہے کہ وہ کل کے یورپ کو قابلِ قبول ہوگا، جیسا کہ وہ آج کے یورپ کو قابلِ قبول ہونا شروع ہوگیا ہے۔" یہ حقیقت ہے کہ دنیا بھر کی اسلام دشمن قوتوں نے ازل سے تا بہ امروز اللہ کے دین متین کو ختم کرنے کے لیے ہر قسم کا حربہ آزمایا، لیکن اسلام تمام تر رکاوٹوں کے باوجود ہر دور میں پوری قوت سے پھیلا ہے اور انشاءاللہ قیامت تک پھیلتا رہے گا۔

بلوچستان: مزدوروں کا قتل.... ملک کی داخلی سلامتی پر حملہ!

صوبہ بلوچستان میں غیر ملکی مداخلت کی وجہ سے ایک عرصے سے امن و سکون عنقا ہے۔ قدرتی وسائل سے مالا مال اور رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا یہ صوبہ بری طرح دہشت گردی اور بدامنی کی لپیٹ میں ہے۔ روزانہ ہونے والی ٹارگٹ کلنگ اور بم دھماکوں کے ساتھ ساتھ دشمن ممالک کے سرمائے اور تعاون سے وقتاً فوقتاً قومیت و لسانیت کی بنیاد پر ہونے والی بڑی دہشتگردی اور قتل عام کی وجہ سے بلوچستان کے حالات مزید بھیانک منظر نامہ پیش کرتے ہیں۔ گزشتہ روز بلوچستان کے علاقے تربت میں دہشت گردوں نے سہراب ڈیم کے زیر تعمیر پل پر کام کرنے والے کیمپ میں سوئے ہوئے پنجاب اور سندھ سے تعلق رکھنے والے بیس مزدوروں کو اٹھا کر ایک لائن میں کھڑا کرکے ان کی شناخت کے بعد گولیوں سے چھلنی کردیا۔ ایک انتظامی افسر اکبر حسین درانی کے مطابق مزدوروں کے کیمپ پر 8 سیکورٹی اہلکار تعینات تھے، تاہم حملہ آوروں کی تعداد زیادہ ہونے کے باعث یہ کچھ دیر مقابلے کے بعد فرار ہو گئے۔ صدر مملکت ممنون حسین اور وزیراعظم نواز شریف سمیت ملک کی تقریباً تمام سیاسی و مذہبی شخصیات نے واقعہ کی شدید الفاظ میں مذمت کی ہے اور صدر مملکت کا کہنا تھا کہ ایسے واقعات سے ہمارے حوصلے متزلزل نہیں ہو سکتے، ملک میں دہشت گردوں کے خاتمے کے لیے آپریشن ضرب

عضب جاری رہے گا۔ بلوچستان کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ نے مزدوروں کی ہلاکت کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ "بے گناہ اور نہتے مزدوروں کا قتل بلوچ قومی روایات، انسانی اقدار اور اسلامی تعلیمات کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ایسے اندوہناک اور سفاکیت پر مبنی اقدام نے بلوچ قوم کی سنہری روایات اور درخشندہ اقدار پر دنیا بھر میں سوالات کھڑے کردیے ہیں۔" خیال رہے کہ تربت میں مزدوروں کے کیمپ پر حملے کی ذمہ داری بلوچستان لبریشن فرنٹ نامی تنظیم نے قبول کی ہے۔ وزیراعلیٰ بلوچستان نے واقعہ کو سیکورٹی اہلکاروں کی نااہلی قرار دیا ہے۔ جبکہ صوبائی وزیر داخلہ سرفراز بگٹی کا کہنا تھا کہ مجھے اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ سیکورٹی اہلکاروں نے واقعہ پر مناسب رد عمل نہیں دیا۔انہوں نے کہا کہ پنجاب کو بتایا جائے گا کہ یہ قتل عام کسی بلوچ نے پنجابی کے خلاف نہیں کیا۔ مارنے والوں کا تعلق کسی قوم سے نہیں، تربت میں پاکستانی مارے گئے۔ ذرائع کے مطابق بلوچستان کے ضلع "کیچ" کے علاقے تربت میں 20 مزدوروں کی ہلاکت کے بعد مشترکہ تحقیقاتی ٹیم (جے آئی ٹی) تشکیل دے دی گئی۔ کیچ انتظامیہ کے ایک اہلکار کا کہنا تھا کہ جے آئی ٹی لیویز فورس کے ان آٹھ اہلکاروں سے تفتیش کرے گی، جو تربت میں مزدوروں کے کیمپ کی حفاظت پر مامور تھے۔ واضح رہے کہ جمعے اور سنیچر کی درمیانی شب تربت کے قریب گوگدان کے جس علاقے میں مزدوروں پر حملہ کیا گیا تھا وہ انتظامی لحاظ سے پولیس کے کنٹرول میں ہے۔ تاہم کیمپ کی حفاظت کے لیے لیویز

فورس کے اہلکار تعینات کیے گئے تھے۔ غفلت برتنے کے الزام میں آٹھوں لیویز فورس کے اہلکاروں کو معطل کرکے گرفتار کر لیا گیا۔

تربت واقعہ کے بعد وزیر داخلہ بلوچستان سرفراز بگٹی نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ بلوچستان میں دہشتگردی کے واقعات میں بھارت کی خفیہ ایجنسی را کے فنڈڈ دہشت گرد ملوث ہیں۔ ہم شدت پسندوں کو واضح پیغام دینا چاہتے ہیں کہ "را" اور دیگر غیر ملکی فنڈنگ سے وہ پاکستان کو غیر مستحکم نہیں کر سکتے۔ دہشت گردوں کو کیفر کردار تک پہنچا سکتے ہیں۔ دہشت گرد غیر ملکی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے آسان ہدف ڈھونڈتے ہیں۔ تربت میں ہونے والی دہشت گردی میں بھارت کی خفیہ ایجنسی را ملوث ہے۔

دوسری جانب سانحہ تربت کے بعد حساس اداروں کی رپورٹس میں اس بات کا انکشاف کیا گیا ہے کہ تربت میں قتل کیے گئے بے گناہ مزدوروں کی ہلاکت ذکی الرحمان لکھوی کی رہائی کا ردعمل ہو سکتا ہے۔ بلوچستان بدامنی میں پوری طرح دہشت گرد تنظیم "را" اور بھارت" ملوث ہے۔ بلوچستان میں دوبارہ بدامنی پھیلانے کے لیے قتل عام کیا گیا۔"

رپورٹس کے مطابق بلوچستان میں دہشت گرد حملوں میں بھارتی پیسہ شامل ہے، جب کہ چمن سے بھی بڑی تعداد میں بھارتی کرنسی برآمد ہوئی ہے۔ گرفتار دہشت گردوں کے ٹھکانے سے بھارتی ساختہ اسلحہ بھی مل چکا ہے۔ جب کہ مزدوروں کی ہلاکت میں بھی بھارتی پیسہ شامل ہے۔ حساس اداروں کی رپورٹس کے مطابق افغان سرحدی

علاقوں میں بھارتی قونصلیٹ بھی مداخلت میں شریک ہیں۔ فراری کیمپس اور بھارت میں رابطوں کے ثبوت موجود ہیں اور پاکستان بھارتی مداخلت کے ثبوت امریکا کو بھی دے چکا ہے۔ فراری کیمپس کے مکینوں کے بھارت میں رابطوں کے ثبوت موجود ہیں۔

واضح رہے کہ بے شمار قدرتی وسائل و معدنیات کی بدولت پاکستان کا صوبہ بلوچستان عالمی سازشوں کا مرکز بن چکا ہے۔ بلوچستان میں روزانہ بیسیوں تخریبی واقعات مختلف حصوں میں رونما ہوتے ہیں، جس سے یہاں بدامنی بڑھتی ہے اور اس تخریب کاری کے پس پردہ بہت ہی منظم قوتوں کی سازشوں کا پتا بھی چلتا ہے۔ یہ قوتیں پاکستان کے اس اہم ترین صوبے میں ہرگز امن نہیں چاہتیں اور بلوچستان میں شورش برپا کرکے پاکستان کی معاشی اور تجارتی خوشحالی پر چھری پھیرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

ماضی میں آئی جی ایف سی میجر جنرل عبیداللہ خان یہ کہہ چکے ہیں کہ بلوچستان میں 20 دیگر ممالک کی ایجنسیاں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے سرگرم ہیں۔ بدامنی کی کارروائیوں میں ملک کے اندر اور ملک سے باہر بیٹھے ہوئے عناصر ملوث ہیں۔ میڈیا پر یہ رپورٹس بھی متعدد بار آچکی ہیں کہ بلوچستان میں دہشتگردی اور بدامنی میں ملوث ملک دشمن قوتوں میں بھارتی ایجنسی "را" سرفہرست ہے، جس کا اظہار گزشتہ روز بلوچستان کے وزیر داخلہ نے بھی کیا ہے، جبکہ اس سے پہلے متعدد اعلیٰ شخصیات بھی

کر چکی ہیں۔ بلوچستان میں غیر ملکی مداخلت کے بہت سے ثبوت خفیہ ایجنسیوں کے ذریعے حکومت کے پاس موجود بھی ہیں۔ بلوچستان میں ہونے والی دہشتگردی کے تناظر میں دشمن ممالک کی خفیہ ایجنسیوں کی مداخلت کو کسی طور بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایجنسیاں پیسوں کا لالچ دے کر قومیت پرست تحریکوں کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر رہی ہیں اور لسانی اور علاقائی تعصّبات کو ہوا دے کر کے صوبے میں امن و امان کی صورتِ حال کشیدہ کر رہی ہیں۔ کچھ عرصہ قبل جب بلوچستان میں ایک کارروائی کے دوران بڑے پیمانے پر اسلحہ و گولہ بارود، میزائل، راکٹ لانچرز، کلاشنکوفیں، خود کش جیکٹس اور دیگر تخریبی سامان برآمد کیا گیا تھا، اس وقت بھی صوبائی وزیر داخلہ سرفراز بگٹی نے اپنے بیان میں یہی کہا تھا کہ ’[بعض ممالک کی انٹیلی جنس ایجنسیز بارود واسلحہ مہیا کرتی ہیں، ہمارے ملک اور بلوچستان میں بڑے پیمانے پر تباہی پھیلائی جاسکے۔ بیرون ممالک کی ایجنسیز کوشش کر رہی ہیں کہ بلوچستان کے امن کو خراب کیا جائے۔ صوبے میں ہونے والی دہشت گردی میں بیرونی ہاتھ ملوث ہے۔" جبکہ بلوچستان پولیس کے انسپکٹر جنرل محمد آصلیش نے بھی یہ واضح کیا تھا کہ بلوچستان کے موجودہ واقعات میں تین ممالک کی مستعد جاسوس ایجنسیاں اپنے مفادات" کے لیے سرگرم عمل ہیں، جن میں انڈین را، کے جی پی اور افغان انٹیلی جنس شامل ہیں۔ یہ تینوں ایجنسیاں ایک دوسرے کی براہِ راست مددگار رہیں۔ اسلحہ، گولہ بارود اور لاجسٹک مدد میں مشترکہ طور پر کام کر رہی

ہیں۔" مبصرین کا کہنا ہے کہ جب یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ بلوچستان میں حالات خرابی کرنے اور بدامنی ودہشتگردی پھیلانے میں بھارتی ایجنسی "را" سمیت دیگر غیر ملکی ایجنسیاں ملوث ہیں تو پھر ان ملک دشمن عناصر اور تخریب کاروں کے خلاف بڑا آپریشن کرکے بلوچستان کو ملک دشمن عناصر سے پاک کیوں نہیں کردیا جاتا؟ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ گزشتہ روز بلوچستان میں مزدوروں کے قتل سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ بلوچستان میں دہشتگردی اور بدامنی عروج پر ہے، اس دہشتگردی کو کنٹرول کرنے کا ایک ہی حل ہے کہ تخریب کاروں کے خلاف بڑے پیمانے پر سخت آپریشن کیا جائے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق جس طرح وزیرستان اور کراچی میں آپریشن کے نتیجے میں کافی حدتک امن وسکون حاصل ہوااور بدامنی میں کمی آئی ہے، اسی طرز کا ایک سخت آپریشن بلوچستان میں بھی تخریب کاروں کے خلاف کیا جانا چاہیے۔اس کے بغیر بلوچستان میں امن کا قائم ہونا محال نظرآتا ہے۔

پاکستان: ایشین ٹائیگر بننے کا خواب.... خواب ہی رہے گا؟

پاکستان ایک عرصے سے متعدد مسائل کا شکار ہے، جن کی وجہ سے پاکستانی معیشت شدید خطرات سے دو چار ہے۔ حالت اب یہاں تک آن پہنچی ہے کہ پاکستانی معیشت ایشیائی ممالک سری لنکا، بنگلا دیش، بھوٹان، بھارت، مالدیپ اور نیپال سے بھی پیچھے رہ گیا ہے۔ عالمی مالیاتی ادارے کی رپورٹ کے مطابق 2014 میں پاکستان کی جی ڈی پی کی شرح نمو 4.1 رہی ہے، جو خطے میں موجود آٹھ ممالک میں ساتویں نمبر پر ہے۔ ورلڈ بینک کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ 2014 میں سری لنکا کی جی ڈی پی کی شرح نمو 7.4، نیپال کی 5.5، مالدیپ کی 5.0، بھارت کی 7.2، بھوٹان کی 5.2، بنگلا دیش کی 6.1، افغانستان کی 2.0، جبکہ پاکستان کی جی ڈی پی کی شرح نمو 4.1 رہی۔ یعنی ایشیا میں موجود آٹھ ممالک میں سے صرف افغانستان کی شرح نمو پاکستان سے کم ہے، جبکہ باقی تمام ممالک کی جی ڈی پی کی شرح نمو پاکستان سے زیادہ ہے اور زیادہ قابل افسوس بات یہ ہے کہ 2015 اور 2016 میں بھی پاکستان کی جی ڈی پی کی شرح نمو میں بڑھوتری کا امکان نہیں ہے۔ اس حوالے سے معروف ماہر اقتصادیات شاہد حسن صدیقی نے روزنامہ "اسلام" سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ عالمی اداروں کی معاشی رپورٹ تو اب آئی ہے، جبکہ ہم تو ایک عرصے سے یہی کہہ رہے ہیں کہ پاکستانی معیشت بہت پیچھے جا رہی ہے۔ پاکستانی معیشت کئی قسم کی

مشکلات سے دوچار ہے، کیونکہ میاں نواز شریف امریکا اور عالمی اداروں کے ایجنڈے پر عمل پیرا ہیں۔ پاکستانی حکومت کو عوام کی کوئی فکر نہیں ہے۔ ہماری حکومت چونکہ امریکا کی اتحادی ہے، اسی لیے وہ امریکا کے حکم پر عمل کرتی ہے اور اسی کو مراعات دے تی ہے۔ حکومت کی معاشی پالیسیاں عالمی مالیاتی اداروں اور امریکا کے کہنے پر بنتی ہیں، جن سے ملک میں غربت، بے روزگاری اور مہنگائی میں اضافہ ہوتا ہے، معاشی ترقی کی رفتار سست ہوئی ہے اور برآمدات میں کمی آتی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ حکومت کو چاہیے کہ ملکی معاشی ماہرین سے مشاورت کرکے معاشی پالیسیاں بنائے، کیونکہ ملکی ماہرین ہی بہتر مشورے دے سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نواز شریف کی حکومت کو بڑے سرمایہ کاروں اور طاقتور لوگوں سے دلچسپی ہے اور انہی لوگوں کو مراعات دی جاتی ہیں، عوام کو کوئی مراعات نہیں دی جاتیں۔ موجودہ حکومت کی معاشی پالیسیاں کسی طور بھی ملکی معیشت کے لیے بہتر نہیں ہیں۔ انہی پالیسیوں کی وجہ سے ملک دن بدن معاشی طور پر پیچھے جا رہا ہے اور مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ جب 2018ء میں موجودہ حکومت جائے گی، اس وقت ملک معاشی طور پر مزید کمزور ہوگا۔ حکومت بڑے بڑے مگرمچھوں کو ٹیکسوں میں چھوٹ دیتی ہے۔ حالانکہ کسی کو بھی ٹیکس میں چھوٹ نہیں دینی چاہیے، بلکہ ٹیکس نیٹ ورک بڑھانا چاہیے اور جو اضافی پیسہ ہو اس کو ملک پر خرچ کریں۔ تعلیم، صحت، صاف پانی اور عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کریں۔ شاہد حسن صدیقی نے کہا کہ حکومت کو چاہیے کہ بیرون ملک ملکی پیسہ

جانے سے روکے اور بیرونی قرضوں میں کمی لائے۔ عالمی مالیاتی اداروں اور امریکا کی پالیسیوں کی وجہ سے پاکستانی عوام پر زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔ ان کا کہنا تھا کہ حکومت وڈیرہ شاہی اور ناکام معاشی نظام پر کاربند ہے، جو اسلام کے معاشی نظام سے متصادم ہے، جب تک حکومت اسلام کے معاشی نظام پر عمل پیرا نہیں ہوتی، اس وقت تک ملک کی معیشت ترقی نہیں کر سکتی۔

معاشی تجزیہ کاروں کے مطابق پاکستانی معیشت کو زیادہ نقصان پہچانے والے عوامل میں بدامنی، بھتا خوری، توانائی بحران، حکومت کی ناقص پالیسیاں، سیاسی عدم استحکام اور بزنس فرینڈلی پالیسیوں کا نہ ہونا سرفہرست ہیں۔ گزشتہ تقریباً دس سال سے دہشت گردی، بم دھماکے، بدامنی اور خودکش حملوں کی وجہ سے پاکستان میں خوف وہراس اور پریشانی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جبکہ پاکستان کے مختلف شہروں میں ٹارگٹ کلنگ اور بھتا خوری بھی زوروں پر ہے، اس حوالے سے کراچی کا نام سرفہرست ہے۔ کراچی میں بھتا خوری اور ٹارگٹ کلنگ کی وجہ سے ملکی معیشت کو سب سے زیادہ نقصان ہوا ہے، کیونکہ بھتا خور بھتا نہ ملنے پر تاجروں کو قتل کردیتے ہیں اور فیکٹریوں تک کو آگ لگادیتے ہیں، جس کی وجہ سے سرمایہ کار کراچی چھوڑ کر بیرون ملک منتقل ہورہے ہیں۔ کراچی چونکہ ملک کا معاشی حب ہے، جس کے حالات پورے ملک پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جبکہ دوسری جانب ملک میں موجود توانائی بحران بھی پاکستان کی معیشت کو تباہ

کرنے کا بڑا سبب واقع ہوا ہے۔ اگرچہ موجودہ حکمرانوں نے الیکشن سے پہلے چند ہی ماہ میں توانائی بحران پر قابو پانے کے وعدے کیے تھے، لیکن ابھی تک توانائی کے بحران پر قابو نہیں پایا جاسکا، بلکہ توانائی بحران میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ بجلی و گیس کی لوڈ شیڈنگ میں مزید اضافہ ہوا ہے، جس سے پاکستانی انڈسٹری تباہی کے دھانے پر پہنچ چکی ہے۔ اگرچہ موجودہ حکومت نے توانائی کے حوالے سے کئی منصوبے شروع کیے ہوئے ہیں، لیکن ان کی تکمیل کے لیے بھی کئی سال درکار ہیں۔ اس کے ساتھ گزشتہ سال ملک کئی ماہ تک سیاسی عدم استحکام کا شکار رہا ہے۔ کئی ماہ تک ملک کے دارالحکومت میں عمران خان اور ڈاکٹر طاہر القادری حکومت کو گرانے کے لیے دھرنا دیے بیٹھے رہے، جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ کئی ماہ تک پاکستان کشمش کی کیفیت میں مبتلا رہا، بلکہ اس کی وجہ سے چین کے ساتھ کیا گیا 30 ارب ڈالر سے زاید کا معاہدہ منسوخ ہوا اور دیگر ممالک سے بھی کئی معاشی معاہدے نہ ہوسکے، جس کی وجہ سے پاکستانی معیشت کو کافی نقصان پہنچا۔ مبصرین کے مطابق ملک میں مالی بدانتظامی اس قدر زیادہ ہے کہ پاکستان کے اندرونی وسائل تو درکنار، دوسرے ممالک یا مالیاتی اداروں سے جو قرضہ لیا جاتا ہے، وہ بھی پاکستان کے ترقی و خوشحالی کے منصوبوں پر خرچ نہیں کیا جاتا، بلکہ باثر، بااختیار اور برسراقتدار لوگوں کے اثاثوں میں منتقل کردیا جاتا ہے۔ پاکستان کی اس مخدوش معاشی صورتِ حال کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ٹیکس نظام نہ صرف یہ کہ درست کیا جائے، بلکہ ٹیکس

نیٹ ورک کے دائرے کو بڑھا دیا جائے۔

معاشی ماہرین کے مطابق پاکستان میں کاروبار دوست ماحول نہیں ہے، جس کی وجہ سے ملکی اور غیر ملکی سرمایہ کار اپنا سرمایہ پاکستان میں لگانے کی بجائے ایسے ممالک میں لگانے کو ترجیح دیتے ہیں، جہاں سرمایہ کاروں کو سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں اور ان کو بزنس فرینڈلی ماحول فراہم کیا جاتا ہے۔ کوئی بھی صنعتکار یا سرمایہ کار سرمایہ کاری کرنے سے پہلے ملکی حالات کو مد نظر رکھتا ہے۔ بجلی، پانی، گیس اور دیگر بہت سی باتوں پر دھیان دیتا ہے۔ کسی بھی ملک میں کاروبار کرنے کے حوالے سے عالمی بینک ہر سال کاروبار کے لیے سازگار ممالک کی ایک فہرست جاری کرتا ہے جس میں بہت سی ایسی باتوں کی طرف توجہ دی جاتی ہے جو کہ کاروبار کرنے سے متعلق ہوتی ہیں۔ اس عالمی رینکنگ میں کاروبار کے آغاز پر کسی بھی قسم کی تعمیرات کے لیے کس قسم کے اجازت ناموں کی ضرورت پڑتی ہے۔ بجلی کیسے حاصل کی جاتی ہے، جائیداد کیسے خریدنی ہے اور پھر ان کی رجسٹری اور دیگر قانونی مراحل وغیرہ۔ قرض کیسے حاصل کیا جاتا ہے، ٹیکس کی ادائیگی کی بابت اس کے علاوہ کئی اور باتوں کی وضاحت کے بعد اس بات کا تعین کیا جاتا ہے کہ کاروبار کے لیے کسی بھی ملک کا کیا درجہ ہے۔ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں کسی بھی کاروبار کو شروع کرنا ہو تو اس کے لیے 19 دن لگتے ہیں۔ جب کسی کمپنی کا آغاز کیا جاتا ہے تو اس کی رجسٹریشن کرانی پڑتی

ہے، اس کے مختلف مراحل ہیں جس کے لیے 10 مختلف طریقوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ پاکستان میں گودام تعمیر کرنا ہو تو اس کے لیے بھی 10 مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس کے لیے ڈھائی سو یوم درکار ہوتے ہیں اور برآمدات کرنے میں 20 روز اور فی کنٹینر برآمدی لاگت 600 ڈالر آتے ہیں اور درآمدات میں 17 یوم اور فی کنٹینر درآمدی لاگت 725 ڈالر صرف ہوتے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں کاروبار کے حوالے سے تعمیراتی اجازت نامے اور بجلی کے کنکشن، جائیداد کی رجسٹری، قرض کے حصول اور دیگر کئی حوالوں سے پاکستان کی پہلے سے تنزلی دکھائی گئی ہے۔ غیر ملکی سرمایہ کار ترقی پذیر ممالک کے ان ہی شعبوں میں سرمایہ کاری کرتے ہیں، جہاں کوئی رسک بھی نہ ہو اور زیادہ سے زیادہ منافعے کی توقع بھی ہو۔ اگر محسوس ہو کہ حالات سازگار نہیں جا رہے تو فوری طور پر تمام سرمایہ یا اس کا بڑا حصہ فوراً نکالا جاسکے۔ لہٰذا ترقی پذیر ممالک کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح بھی ملک میں سرمایہ کاری ہوتی رہے، تاکہ معیشت میں جمود کی کیفیت نہ پیدا ہو جائے، بلکہ معیشت میں حرکت ہوتی رہے۔ ماہرین معاشیات کا خیال ہے کہ اگر کوئی ملک متوازن سرمایہ کاری کے نظریے پر عمل نہیں کرسکتا تو بہتر راستہ یہی ہو سکتا ہے کہ جن شعبوں میں غیر ملکی سرمایہ کار زیادہ دلچسپی لیتے ہیں، وہاں ان کے لیے آسانیاں پیدا کی جائیں۔ جبکہ پاکستان میں سرمایہ کاروں کے لیے سہولیات میسر نہیں ہیں۔ بلکہ بدامنی، بھتا خوری، اغوا برائے تاوان، توانائی بحران اور سیاسی عدم استحکام کے سائے

ہیں غیر ملکی سرمایہ کار پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے سے کنی کترا رہا ہے اور ملک میں پہلے سے موجود سرمایہ کار اپنا سرمایہ پاکستان سے نکال رہا ہے۔ ذرائع کے مطابق پاکستان کی خراب معاشی صورتحال بدامنی اور توانائی بحران سے تنگ آ کر سرمایہ کاروں کی بڑی تعداد نے اپنا سرمایہ بیرون ملک منتقل کر دیا ہے، جبکہ ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر ممالک نے بھی پاکستانی سرمایہ کاروں کو پرکشش مراعات کا لالچ دے ا۔ بنگلادیشی حکومت نے پاکستانی سرمایہ کاروں کو پرکشش مراعات فراہم کی ہیں، پاکستان سے بنگلا دیش صنعتیں منتقل کرنے والوں کو صنعتی زونز میں مفت پلاٹ اور رہائش کے لیے مفت لگژری اپارٹمنٹ دیے گئے ہیں، جس کی وجہ سے گزشتہ چند سال کے دوران 10 ہزار پاکستانیوں نے بنگلا دیش میں 500 ملین ڈالر سے زائد کی سرمایہ کاری کی ہے۔ اسی طرح پاکستانی سرمایہ کاروں کی بڑی تعداد اپنا سرمایہ ملائیشیا میں منتقل کر چکی ہے، جن میں بڑی تعداد کراچی کے تاجروں کی ہے اور پاکستانی سرمائے کی بیرون ملک منتقلی کی تیسری بڑی جنت دبئی ہے، جہاں پاکستانی سرمایہ کاروں کی بہت بڑی تعداد اپنا کاروبار منتقل کر چکی ہے۔ معاشی ماہرین کا کہنا ہے کہ پاکستان کا معاشی طور پر ایشیائی ممالک میں ساتویں نمبر پر آنا پاکستان کے لیے باعث افسوس بات ہے۔ ورلڈ بینک کی رپورٹ کے بعد یوں معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کا ایشین ڈائیگر بننے کا خواب کہیں ادھورا ہی نہ رہ جائے۔ لہٰذا پاکستانی حکومت کو ایسے تمام مسائل پر قابو پانا ہوگا جو

ملکی معیشت کے لیے نقصان دہ ہیں اور اس کے ساتھ بزنس فرینڈلی ماحول فراہم کرنا ہوگا، تاکہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ کار پاکستان میں اپنا سرمایہ خرچ کریں، جس ملک کی معیشت مضبوط ہو اور ملک سے غربت، مہنگائی اور بے روزگاری کا خاتمہ ہو۔

آئیں اپنے حصے کی شمع جلائیں

معلوم ہوتا ہے کہ حالات پر تبصرہ کرنا، حکمرانوں اور سیاستدانوں کو برا بھلا کہنا اور معاشرے کی خامیوں اور محرومیوں پر بحث مباحثہ کرنا بحیثیت مجموعی پاکستانی قوم کا محبوب مشغلہ بن چکا ہے۔ ایک بڑی تعداد ڈرائینگ رومز، چائے خانوں، دفاتر، تقریبات اور سوشل میڈیا پر گھنٹوں گھنٹوں اجتماعی المیوں اور بے حسی کی داستانیں دہراتے ہوئے گزار دیتی ہے۔ خود کو ایک کاہل، بے حس اور ناکام قوم کا فرد ثابت کرنے کے لیے سر توڑ کوشش کی جاتی ہے۔ معاشرے کی اکثریت ایک عرصے سے اپنی صلاحیتوں کو اسی طرح خرچ کرنے میں مصروف ہے، لیکن اس کے باوجود معاشرے کے شب و روز جوں کے توں ہیں، ان میں رتی بھر بہتری نہیں آئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کی گفتگو کا اختتام مایوسی، بے حسی یا مستقبل کے حوالے سے غیر یقینی کیفیات پر ہوتا ہے۔ معاشرے کی خامیوں اور محرومیوں پر بحث و مباحثے کے نتیجے میں رفتہ رفتہ نا امیدی دلوں میں گھر کر لیتی ہے اور پھر یہی نا امیدی بے حسی کا روپ دھار لیتی ہے۔ حالانکہ دوسروں کی خامیوں، غلطیوں اور کوتاہیوں کو موضوع بحث بنا کر سارا دن اپنا دماغ کھپانے سے کہیں بہتر ہے کہ ہر فرد اپنی ذمہ داری کو پورا کرے، جس سے کم از کم ایک شخص کی حد تک تو معاشرے میں بہتری آ سکتی ہے۔ اگر ہم محض مسائل پر تبصرہ کرکے اپنا

وقت ضائع کرنے کی بجائے سچی لگن کے ساتھ اپنی سوسائٹی کو کچھ لوٹانے کی کوشش کریں تو بعید نہیں کہ معاشرے کو بہت کچھ دے پائیں، کیونکہ سچی تڑپ اور لگن کے ساتھ کی گئی جدوجہد کبھی رائیگاں نہیں جاتی اور جو کوئی معاشرے کو سنوارنے کی تگ و دو کرتا ہے، کامیابی ضرور اس کے قدموں کی دھول بنتی ہے۔

دنیا ایسے بہت سے لوگوں کو جانتی ہے جنہوں نے اپنا وقت محض تبصروں، تجزیوں اور دوسروں کی خامیوں اور غلطیوں پر بحث مباحثہ کرتے ہوئے گزارنے کے بجائے اپنی ذات کو ذمہ دار سمجھتے ہوئے اپنی صلاحیتوں کو معاشرے کے لیے وقف کیا، آج دنیا ان کی خدمات کی بدولت ان کو سلام پیش کرتی ہے۔ آپ چین کے عظیم لیڈر ماؤزے تنگ کی مثال لے سکتے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ چینی قوم بہت سے مسائل میں گھری ہوئی تھی، دور دور تک امید کی کرن دکھائی نہیں دیتی تھی۔ چینی قوم کی خوش قسمتی کہ ان حالات میں انہیں ماؤزے تنگ جیسا لیڈر ملا، جس نے محض تبصروں میں وقت صرف کرنے کے بجائے اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے اپنی قوم کو کچھ دینے کی ٹھانی اور اپنی قوم کی مخلصانہ قیادت کی اور قوم کو اس منزل تک پہنچایا، جہاں سے اس کو اپنی منزل صاف نظر آنے لگی۔ ماؤزے تنگ چینی قوم کو ایک کامیاب قوم بنانے میں کامران ہوا اور آج چین کا شمار دنیا کے سرفہرست ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے۔ مارٹن لوتھر ایسی ہی ایک قابل تقلید شخصیت ہے، جس نے امریکا میں اپنی سیاہ فام قوم کو گوروں کی غلامی سے نجات

دلانے کا عزم کیا اور فاتح ہوا۔ مارٹن لوتھر نے ایک بار تقریر کرتے ہوئے کہا: "میرا اک خواب ہے کہ جارجیا کی سرخ پہاڑیوں پر ایک دن سفید فام آقاؤں اور سیاہ فام غلاموں کے وارث ایک دوسرے سے گلے ملیں۔ میرا اک خواب ہے کہ میرے بچے اپنے رنگ کے بجائے اپنے کردار سے پہچانے جائیں۔" دنیا نے دیکھا کہ مارٹن لوتھر نے اپنا خواب پورا کیا۔ اسی طرح نیلسن منڈیلا کو بھی سامنے رکھا جاسکتا ہے۔ جنوبی افریقہ ایک طویل عرصہ سفید فاموں کی غلامی میں رہا۔ سفید فاموں نے سیاہ فام افریقی باشندوں کو جانوروں کی طرح رکھا ہوا تھا۔ ان پر بے انتہا تشدد کیا جاتا تھا۔ ایسے میں نیلسن منڈیلا نے اپنا وقت بحث مباحثے پر ضائع نہیں کیا، بلکہ اپنی ذمہ داری کو پہچانا اور اپنی قوم کو اس ظلم و ستم سے چھٹکارا دلانے کی ٹھانی۔ ایک بار عدالت میں تقریر کرتے ہوئے نیلسن منڈیلا نے کہا: "میں نے ایک خواب دیکھا ہے، جس میں ایک مثالی ریاست ہو اور وہاں تمام لوگ مل جل کر رہ رہے ہوں، بغیر کسی امتیاز کے انہیں انصاف مل سکے اور مساوی حقوق حاصل ہوں۔ یہ ایک آئیڈیل معاشرہ ہوگا۔" نیلسن منڈیلا نے اپنی جدوجہد کو جاری رکھا اور سیاہ فاموں کو سفید فاموں کے برسوں پرانے جبر و استبداد سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوا۔ ہم بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی مثال بھی پیش کر سکتے ہیں، جنہوں نے حالات کا رونا رونے پر حالات کا رخ موڑنے کو ترجیح دی اور اپنے حصے کا کام کرتے ہوئے جہد مسلسل سے مسلمانوں کو انگریز اور ہندو بنیے کی غلامی سے چھٹکارہ دلا کر ایک نئے ملک

کا خواب پورا کر دکھایا۔ اگر عبدالستار ایدھی کی کاوش پر نظر ڈالی جائے تو بھی بہت کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے فضول میں اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے حالات میں بہتری لانے کی کوشش کی۔ ایدھی فاؤنڈیشن کی فلاحی سرگرمیوں کا آغاز صرف پانچ ہزار روپے سے ہوا اور آج ان کے کاموں کا دائرہ نہ صرف پاکستان بھر میں پھیلا ہوا ہے، بلکہ بعض دیگر ممالک میں بھی ان کے فلاحی کام جاری ہیں اور ان کے سیکڑوں مراکز میں ہزاروں کارکن ہر وقت انسانیت کی خدمت کے لیے موجود ہوتے ہیں۔

اگر ہم بھی سارا دن ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر حالات کا رونا رونے کے بجائے اپنی ذمے داری ادا کرتے ہوئے انہیں کامیاب شخصیات کے نقش قدم پر چلیں تو بعید نہیں کہ اپنی قوم کو مسائل سے نکالنے میں آسانی سے کامیاب ہوجائیں۔ اگرچہ ہر شخص کے لیے کوئی بڑا قدم اٹھانا ممکن نہیں ہے، لیکن ہر فرد کم از کم اپنی سطح تک تو معاشرے کو کچھ دینے کی کوشش کرسکتا ہے۔ اگر اکیلا بھی کچھ نہیں کرسکتا تو کم از کم دو چار دوستوں کے ساتھ مل کر ہی اپنے علاقے، اپنے محلے اور اپنے گاؤں کی سطح پر ہی ناداروں، ضرورت مندوں اور معاشرے کی خدمت کے لیے کوئی ایسا سیٹ اپ بنایا جاسکتا ہے۔ رضاکارانہ طور پر خدمات سرانجام دینا یورپ و امریکا وغیرہ میں کوئی نئی اور حیرت انگیز چیز نہیں ہے، کیونکہ اہل یورپ کو اس بات پر یقین ہے کہ رضاکارانہ طور پر خدمات انجام دینے سے ہر

فرد کو معاشرے کا ایک اچھا شہری بننے میں مدد ملتی ہے۔ وہاں محلوں، علاقوں، اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں چند افراد پر مشتمل رضاکار گروپ حادثات و آفات میں ڈیوٹی سے لے کر مقامی پارک، کمیونٹی سینٹر، اسکول کے ڈائننگ ہال، مقامی چرچ، چائلڈ کیئر سینٹر اور ٹاؤن ہال میں ڈیوٹی تک تمام ذمے داریاں سرانجام دیتے ہیں۔ اس کے برعکس پاکستان میں جب بھی کوئی سانحہ پیش آتا ہے، تو کل آبادی کا تقریباً 66 فیصد نوجوان طبقہ سوشل میڈیا پر لمبی لمبی بحثیں کرتا نظر آتا ہے۔ اگر ان میں سے ہر فرد اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے مارٹن لوتھر، نیلسن منڈیلا، ماؤزے تنگ، قائدِ اعظم اور عبدالستار ایدھی کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرے تو بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم سب اپنی مدد آپ کریں تو مجھے یقین ہے کہ ہمیں حالات کا رونا رونے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ شرط یہ ہے کہ ہر فرد اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے معاشرے میں بہتری لانے کی کوشش کرے، کیونکہ ہر فرد کو اپنی ذمہ داری نبھانی ہے اور اپنے حصے کی شمع جلانی ہے۔

شکوہ ظلمت شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

الیکٹرانک کرائم بل کی منظوری.... انٹرنیٹ کا غلط استعمال رک سکے گا؟

جدید ٹیکنالوجی کی بدولت دور حاضر انسانی زندگی کا ترقی یافتہ دور کہلاتا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کی ترقی نے نت نئی شکلیں پیدا کرکے انسانی زندگی کے دائرے کو وسیع تر کر دیا ہے۔ ان ہی ترقیاتی شکلوں میں انٹرنیٹ کی ایجاد بھی ہے، جس سے ایک نئے عہد یعنی انفارمیشن ایج کا آغاز ہوا، جسے اصطلاح میں سائبر میڈیا کہا جاتا ہے۔ اس وقت ملک بھر میں انٹرنیٹ استعمال کرنے والے صارفین کی تعداد تقریباً چار کروڑ تک پہنچ چکی ہے۔ پاکستان میں صرف فیس بک استعمال کرنے والوں کی تعداد گزشتہ سال کے ستمبر تک ایک کروڑ 54 لاکھ سے تجاوز کرچکی تھی، جس کا مطلب ہے کہ ہر بارہ سیکنڈ بعد ایک نیا صارف فیس بک سے وابستہ ہو رہا ہے، جس سے بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں آن لائن سرگرمیاں کس تیزی سے فروغ پا رہی ہیں۔ جس تیز رفتاری کے ساتھ پاکستان میں انٹرنیٹ کا استعمال بڑھ رہا ہے، اسی تیزی سے سائبر کرائم کی تعداد اور رفتار بھی بڑھ رہی ہے۔ جبکہ مختلف موبائل کمپنیوں کی جانب سے فراہم کیے جانے والے تیز ترین تھری جی انٹرنیٹ پیکجز کے بعد سائبر کرائم کی صورتحال مزید خراب ہوئی ہے۔ اس ٹیکنالوجی کے بعد اسمارٹ فونز کے ذریعے وڈیو بنانا اور اس کو کسی سوشل نیٹ ورکنگ سائٹ پر اپ لوڈ کرنا آسان اور سستا ہوگیا ہے۔ جب کہ مجرمانہ ذہنیت کے

حامل افراد اس سہولت کو اپنے غلط مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ پاکستان ایک ایسا سماج ہے، جہاں جدید ٹیکنالوجی کے منفی اثرات اس کے مثبت اثرات کے مقابلے میں اپنے نقوش زیادہ چھوڑتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں صارفین کی ایک بڑی تعداد انٹرنیٹ کے ذریعے سوشل میڈیا کو لوگوں کو بدنام کرنے، بے بنیاد اور من گھڑت خبریں پھیلانے، حریفوں کے خلاف پروپیگنڈا کرنے اور بے ہودہ و نامناسب تصاویر و ویڈیوز کی تشہیر کے لیے استعمال کرتی ہے۔ انٹرنیٹ کے استعمال کی آزادی کی وجہ سے ہی ملک میں بے ہودہ اور فحش مواد سرچ کرنے میں کئی بار پاکستان سرفہرست رہا ہے۔ سوشل میڈیا پر ایسی سرگرمیاں بھی عروج پر ہیں جو معاشرے کے مختلف طبقات اور مکاتب فکر میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت کو پروان چڑھانے اور باہمی انتشار اور خلفشار کا سبب بنتی ہیں۔ پاکستان میں چونکہ انٹرنیٹ کے غلط اور غیر قانونی استعمال پر کوئی خاص گرفت نہیں ہے، اس لیے مجرمانہ سرگرمیاں آزادی کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ جن میں غیر قانونی طور پر کسی دوسرے کی معلومات تک رسائی، لسانیت و عصبیت کے نام پر ملک اور پاکستانیوں کے خلاف نفرت پھیلانا اور قومی تشخص، ملکی دفاع اور اسلامی اقدار کے خلاف مواد شامل ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اگر انٹرنیٹ کی دنیا میں اسلام مخالف مواد کے حوالے سے بات کی جائے تو اس کی کافی حد تک وضاحت اس رپورٹ سے ہو جاتی ہے، جس کے مطابق ملحدین نے الحاد کی تبلیغ کے لیے خصوصی انٹرنیٹ گروپس تشکیل دیے ہوئے ہیں۔ انٹرنیٹ پر الحادی فکر رکھنے والے

درجنوں گروپس ہیں، جن میں سے اکثر کا تعلق "فیس بک" سے ہے۔ تحقیق کے مطابق باقاعدہ طور پر پاکستانی انٹرنیٹ کی دنیا میں ملحدوں نے 2008ء کے اوائل میں اپنے قدم جمائے اور آہستہ آہستہ اپنا دائرہ عمل بڑھاتے چلے گئے۔ پہلے پہل انہوں نے بلاگ بنائے اور بلاگنگ کے ذریعے شعائر اسلام کا مضحکہ اڑانا اور ان کے بارے میں شکوک پھیلانا کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ اس کے بعد پاکستانی ملحدین نے بلاگنگ سے ایک قدم آگے بڑھا کر ایک طرف تو متحد ہو کر اسلام مخالف ویب سائٹس لانچ کیں، جبکہ دوسری جانب سوشل میڈیا پر مختلف ناموں سے اکاؤنٹ کھولے، جن سے اسلام مخالف مواد کی تشہیر کھل کر کی جانے لگی۔ فیس بک اور سوشل میڈیا کی دیگر ویب سائٹس پر ایسے بہت سے اکاؤنٹس اور پیجز ہیں، جن پر نعوذ باللہ کھل کر اللہ تعالیٰ، نبی آخر الزمان، قرآن مجید اور اسلام کے خلاف غلیظ زبان استعمال کی جاتی ہے۔ مختلف ممالک میں فیس بک سمیت دیگر سوشل نیٹ ورکنگ سائٹس پر کسی کو بدنام کرنے یا بلیک میل کرنے پر ایسا کرنے والوں کے خلاف سخت اور فوری ایکشن لیا جاتا ہے اور اس جرم کے مرتکب افراد سخت کارروائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن پاکستان میں ایسی شکایات کو سرد خانے کی نذر کر دیا جاتا ہے۔

پاکستان میں وقت کے ساتھ ساتھ سائبر کرائم میں بے حد اضافہ ہو رہا ہے، عوام کی جانب سے جن پر قابو پانے کا پرزور مطالبہ کیا جاتا رہا ہے۔ لہٰذا گزشتہ

روز قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے آئی ٹی نے انسداد الیکٹرانک کرائم ایکٹ 2015 کی منظوری دی ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ سائبر کرائم روکنے کے لیے قانون سازی کی گئی ہے۔ مذکورہ قائمہ کمیٹی کے اجلاس میں پریونشن آف الیکٹرانک کرائمز بل ٹیلی گراف ترمیمی بل 2014 اور گرے ٹریفک میں کمی کا جائزہ لیا گیا، جب کہ، 2015 کمیٹی نے انسداد الیکٹرانک کرائمز بل 2015 کی منظوری دی ہے۔ انسداد الیکٹرانک کرائم بل میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے ذریعے کیے جانے والے جرائم کی روک تھام پر سزاؤں کا تعین کیا گیا، جس کے مطابق حساس اور قومی نوعیت کے ڈیٹا تک رسائی اور اسے چرانے پر 6 سال قید اور 50 لاکھ جرمانہ، ہیکنگ اور کمپیوٹر معلومات تک غیر قانونی رسائی پر 3 سال قید اور 10 لاکھ جرمانہ جب کہ کسی تصویر کو بگاڑ کر انٹرنیٹ پر اس کی تشہیر کو قابل تعزیر جرم قرار دیتے ہوئے 7 سال قید اور 50 لاکھ روپے جرمانے کی تجویز دی گئی ہے۔ الیکٹرانک کرائم بل میں کمپیوٹر سے کیے جانے والے مزید جرائم کی روک تھام کے لیے نئی سزاؤں کا تعین کرتے ہوئے نفرت انگیز لٹریچر و تقاریر کی تشہیر پر 5 سال قید اور 50 لاکھ جرمانہ اور غیر قانونی سموں کی فروخت پر 3 سال قید اور 5 لاکھ جرمانہ تجویز کیا گیا ہے، جب کہ حساس آن لائن نظام میں مداخلت پر 7 سال قید اور 50 لاکھ جرمانہ اور سائبر ٹیررازم کا جرم ثابت ہونے پر سال قید اور 5 کروڑ جرمانے کی سزا کی تجویز بھی بل میں شامل ہے۔ بل میں 14 مزید کہا گیا ہے کہ پاکستانی ٹیلی کمیو

نیکیشن اتھارٹی اسلامی اقدار، قومی تشخص، ملکی سیکورٹی اور دفاع کے خلاف مواد بند کرنے کی پابند ہوگی۔ کچھ لوگوں نے سائبر کرائم کے حوالے سے منظور کیے گئے بل کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ منظور کیے گئے بل کے ذریعے عوام کی آزادی کو سلب کیا جارہا ہے، دوسری جانب ملک کی اکثریت نے سائبر کرائم کے حوالے سے منظور کیے گئے بل کی حمایت کی ہے۔

واضح رہے کہ سائبر کرائم کی ایک عام تعریف یہ بیان کی جاتی ہے کہ ہر ایسی سرگرمی جس میں کمپیوٹرز یا نیٹ ورکس کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہوئے کسی کو ہدف بنایا جائے، مجرمانہ سرگرمیاں کی جائیں یا انہیں مخصوص فریقین کی جانب سے خلاف قانون سمجھا جائے۔ عام فہم انداز میں بات کی جائے تو مختلف سطحوں پر سائبر کرائمز میں لوگوں کی پرائیویسی کی خلاف ورزی، ہیکنگ، سوشل نیٹ ورکس میں استحصال، معلومات انفراسٹرکچر پر سائبر حملے، سائبر دہشتگردی، مجرمانہ رسائی، فحش پیغامات، ای میلز، دھمکی آمیز پیغامات وای میلز، ڈیٹا تک غیر قانونی رسائی وغیرہ شامل ہیں۔ پاکستان میں سائبر کرائمز کی روک تھام کے حوالے سے الیکٹرانک ٹرانزیکشن آرڈیننس 2002 اور پاکستانی ٹیلی کمیونیکشن ری آرگنائزیشن ایکٹ 1996 جیسے قوانین نافذ ہیں، جبکہ 2009 میں پریوینٹیشن آف الیکٹرونک کرائمز آرڈیننس بھی سامنے آیا، مگر یہ ابھی تک فعال نہیں ہوسکے ہیں۔ ان قوانین کے تحت ہیکنگ، غیر قانونی

رسائی (کسی ای میل اکاؤنٹ کی ہیکنگ)، مداخلت، پرائیویسی کی خلاف ورزی، الیکٹرانک و ٹیلی کام انفراسٹرکچر کو نقصان پہنچانے اور گرے ٹریفک سمیت دیگر کو اہم جرائم قرار دیا گیا ہے، تاہم ان میں کئی اہم سائبر کرائمز کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔

سائبر کرائمز کی شکایت "نیشنل ریسپانس سینٹر فار سائبر کرائمز" (این آر تھری سی) پر تمام دستاویزات helpdesk@nr3c.gov.pk کے پاس اس ای میل ایڈریس کے ساتھ درج کرائی جاسکتی ہے۔ یہ ادارہ 2007 میں اپنے قیام کے بعد سے سائبر کرائمز کے تمام درجوں کی شکایات کو موصول کررہا ہے۔ اب تک این آر تھری سی کو ڈیٹاتک مجرمانہ رسائی، دھمکی آمیز کالز اور الیکٹرانک فراڈ کے حوالے سے تین سب سے بڑی شکایات موصول ہوئی ہیں۔ اس ادارے میں ایک شکایت کو درج کرانے کا عمل تحریری یا آن لائن ایک شکایت جمع کرانے سے شروع ہوتا ہے۔ نامکمل اور نامعلوم افراد کی شکایت کو یہ ادارہ زیر غور نہیں لاتا، اس لیے ضروری ہے کہ اپنا کیس درج کراتے وقت مدعی تمام پہلوؤں کو مکمل کرے، تاکہ اسے ابتدائی سطح پر مسترد نہ کیا جاسکے۔ اگلے مرحلے میں این آر تھری سی کی جانب سے قانونی جانچ پڑتال کی جاتی ہے، تاکہ جانا جاسکے کہ جمع کرائی گئی درخواست اس حوالے سے نافذ قوانین کی کسی شق پر پورا اترتی ہے یا نہیں اور ایسا ہونے کی صورت میں فیلڈ آفس کی جانب سے شکایت کی تصدیق کا عمل شروع کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شکایت نافذ قوانین کی شقوں سے میل نہ کھاتی ہو، اس کو مسترد کرنے کے احکامات جاری ہوجاتے ہیں

جبکہ تصدیقی مرحلے کے دوران شکایت کنندہ سے تحریری سمن، ای میل یا ٹیلیفون سمیت مختلف ذرائع کے ساتھ رابطہ کیا جاسکتا ہے۔ اس مرحلے میں شکایت کنندہ سے اس کے پاس معلومات یا اطلاعات کے حوالے سے پوچھا جاتا ہے، تاکہ شکایت کے مستند ہونے کے بارے میں جانچا جاسکے۔ اس مرحلے میں ناکامی کی صورت میں بھی شکایت کی فائل بند ہونے کے احکامات جاری ہوجاتے ہیں، تاہم تصدیقی عمل کامیاب ہوجائے تو پھر تحقیقاتی مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ اس مرحلے میں ایک تفتیشی افسر عام طور پر تحقیقات کے عمل کو آگے بڑھاتا ہے اور تصدیق شدہ معلومات کو تفتیشی اصولوں کے پیمانے میں پرکھتا ہے۔ عام طور پر اس مرحلے میں ملزمان کی شناخت اور ان کا محل وقوع تلاش کرلیا جاتا ہے۔ مگر یہ تحقیقاتی مرحلہ بھی متعدد وجوہات کی بنا پر روکا جاسکتا، جیسے شواہد کی عدم دستیابی یا شکایت کنندہ کا اپنی شکایت کو آگے بڑھانے میں دلچسپی نہ رکھنا وغیرہ، تاہم کسی تحقیقات کا کامیاب اختتام ایک ایف آئی آر درج ہونے کی صورت میں نکلتا ہے۔ تیکنیکی اور ڈیجیٹل فارنسک رپورٹس تحقیقاتی مرحلے میں عام طور پر اور ایف آئی آر رجسٹر ہونے کے بعد بھی درکار ہوتی ہے۔ بنیادی طور پر ایک شکایت درج کرانے سے شروع ہونے والا سفر تصدیق، تحقیقات اور ایف آئی آر کی شکل میں مکمل ہوتا ہے۔ مبصرین کے مطابق سائبر کرائم پر قابو پانا انتہائی ضروری ہے۔ اگرچہ اس حوالے سے بل منظور ہوچکا ہے، لیکن منظور کیے گئے قوانین پر عمل درآمد بھی ہونا چاہیے، کیونکہ اگر قوانین پر عمل نہ ہوا

تو مجرم ذہن کے افراد آزادی کے ساتھ انٹرنیٹ پر مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہو کر
قوم کے لیے نقصان کا باعث بنتے رہیں گے۔

چینی صدر کا دورہ پاکستان ....اقتصادی ترقی کا اہم سنگ میل

پاک چین تعلقات گزشتہ کئی عشروں سے دنیا بھر میں مثالی نوعیت اختیار کر چکے ہیں۔ دونوں ملکوں کی دوستی کو نہ تو بدلتے ہوئے موسم متاثر کر سکے اور نہ ہی داخلی، علاقائی اور عالمی سطح پر ہونے والی تبدیلیاں اس مثالی دوستی پر اثر انداز ہو سکی ہیں۔ چین کے سابق صدر "ہو جن تاؤ" نے چند برس قبل اپنے دورہ اسلام آباد کے دوران کہا تھا: "پاک چین دوستی نہ صرف سمندر سے گہری اور ہمالیہ سے بلند ہے، بلکہ یہ شہد سے زیادہ مٹھاس پر مبنی ہے"۔ جبکہ 2013ء میں اپنے دورہ پاکستان کے دوران اس مثالی دوستی کا تذکرہ کرتے ہوئے چینی وزیر اعظم نے پاکستانی دوستی کو سونے سے زیادہ قیمتی اثاثہ قرار دیا تھا۔ چین اور پاکستان دیرینہ دوست ہیں۔ چین ہر شعبے میں معاونت کرکے پاک چین دوستی کا عملی مظاہرہ کرتا رہتا ہے۔ 20اپریل کو چینی صدر شی جن پنگ پاکستان کے دورے پر آئے، جنہیں شاندار پروٹوکول دیا گیا۔ چینی صدر چینی صدر شی جن پنگ کے حالیہ دو روزہ دورے میں پاکستان کے ساتھ اربوں ڈالر کے کیے گئے معاہدے اس دوستی کی بہترین مثال ہے۔ چینی صدر شی جن پنگ کے دورہ پاکستان کے موقع پر پاکستان اور چین نے 51 دستاویزات، معاہدوں اور مفاہمت کی یاداشتوں پر دستخط کیے ہیں۔ اسی موقع پر دونوں ملکوں نے آئندہ تین سال میں اپنے تجارتی حجم کو 15 ارب ڈالر سے بڑھا

کر 20 ارب ڈالر تک لے جانے کا اعلان بھی کیا ہے۔ ان دستاویزات، مفاہمتی یاداشتوں اور معاہدوں میں پاک چائنا راہ داری کے منصوبے کے تحت توانائی، بنیادی ڈھانچے، مواصلات جیسے شعبوں میں اہم ترقیاتی منصوبے شامل ہیں۔ پیر کو جن منصوبوں کی افتتاحی تختیوں کی نقاب کشائی کی گئی ان میں لاہور میں چین کے انڈسٹریل اور کمرشل بینک کی ایک شاخ، بہاولپور کے قائداعظم سولر پارک کے لیے 100 میگا واٹ کا شمسی پاور پلانٹ، ریڈیو پاکستان اور چائنا ریڈیو انٹرنیشنل کے اشتراک سے ایف ایم 98 دوستی چینل، پاکستان میں چینی ثقافتی مرکز، اسلام آباد میں ایک چھوٹے ہائیڈرو پاور پراجیکٹ کا ریسرچ سینٹر، پاک چین کراس باڈر آپٹیکل فائبر کیبل سسٹم پراجیکٹ، لاہور میں اورنج لائن میٹرو ریل ٹرانزٹ سسٹم شامل ہیں۔ دونوں ملکوں کے سربراہان نے مل کر پانچ معاہدوں کا سنگ بنیاد رکھا، جن میں کروٹ میں 720 میگا واٹ کا پن بجلی منصوبہ، داؤد اور سچل میں 50، 50 میگا واٹ، جبکہ جھمپیر میں میگا واٹ کا ہوا کے ذریعے بجلی پیدا کرنے کا منصوبہ اور زونرگی میں شمسی توانائی کا 100 میگا واٹ کا پراجیکٹ شامل ہیں۔ دونوں ملکوں نے ہر قسم کے حالات میں 900 اسٹریٹیجک تعاون پر مبنی شراکت داری قائم رکھنے، معاشی اور تکنیکی شعبوں میں تعاون کرنے کے معاہدے کیے۔ پاکستان اور چین نے "ڈیجیٹل ٹیریسٹریل ملٹی میڈیا براڈکاسٹ" کے لیے نمائشی منصوبے کے لیے پیشگی مطالعہ کرنے اور انسدادِ منشیات کے لیے سازوسان کی ایک دوسرے کے ہاں منتقلی پر بھی معاہدہ ہوا ہے۔

جبکہ دونوں جانب قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے ضروری آلات کی فراہمی پر بھی اتفاق کیا گیا ہے۔ پاکستان اور چین کے درمیان گوادر ہسپتال بنانے کے لیے فیزیبیلٹی سٹڈی کرنے کے منصوبے پر بھی بات ہوئی ہے۔ چین کی وزارتِ کامرس نے پاکستان کی وزارتِ خزانہ کو قراقرم ہائی وے کی مزید بہتری کے لیے رعایتی قرضے دے گی۔ اس کے علاوہ کراچی سے لاہور تک موٹر وے کے لیے رعایتی قرض فراہم کرنے کی یاداشت پر دستخط ہوئے ہیں۔ اسی طرح ایک ایسی مفاہمتی یاداشت پر بھی دستخط ہوئے ہیں، جس کے تحت گوادر کی بندرگاہ کے مشرق میں ایکسپریس وے بنانے کے لیے چین آسان نرخ پر قرض دے گا۔ علاوہ ازیں گوادر میں بین الاقوامی ہوائی اڈے کے قیام کے لیے بھی دوست ملک نے پاکستان کو آسان شرائط پر قرض فراہم کرنے کی یاداشت پر دستخط کیے ہیں۔ دونوں ملکوں نے موسمیاتی تبدیلیوں سے نمٹنے کے لیے آلات کی فراہمی کے سمجھوتے پر بھی دستخط کیے۔ چین کے نیشنل ڈیویلپمنٹ اینڈ ریفارم کمیشن اور پاکستان کی وزارت برائے منصوبہ بندی وترقی کے درمیان تعاون کی یاداشت، گوادر سے نواب شاہ تک مائع گیس پہنچانے کے فریم ورک اور لاہور میں اورنج لائن میٹرو ٹرین پر بجیکٹ بنانے میں مدد اور اس سلسلے میں کمرشل معاہدوں پر دستخط ہوئے۔ صوبہ سندھ میں تھر کے علاقے میں کوئلے کے ذریعے بجلی کے حصول کے منصوبے میں تعاون کا معاہدہ طے پایا، جبکہ دونوں جانب پنجاب میں شمسی توانائی کے 900 میگاواٹ سولر پراجیکٹ کے بنیادی نکات طے پائے۔ پاکستان کی نمل یونیورسٹی اور چین کی

زنجیانگ یونیورسٹی کے درمیان تعلیمی شعبے این آئی سی ای کے قیام کا منصوبہ طے پایا، اس کے علاوہ اعلیٰ تعلیم کے لیے دونوں یونیورسٹیوں کے حوالے سے ایک مفاہمتی یاداشت پر بھی دستخط ہوئے۔ چین کے ساتھ کیے جانے والے معاہدوں میں پاک چائنہ اقتصادی کوریڈور منصوبہ بہت اہم ہے، جس کے تحت پاکستان میں جنوب مغربی صوبے بلوچستان میں گہرے سمندری پانیوں والی گوادر کی بندرگاہ کو چین کے خود مختار مغربی علاقے سنکیانگ سے جوڑا جائے گا۔ تین ہزار کلومیٹر طویل اس منصوبے کے تحت مستقبل میں گوادر اور سنکیانگ کے درمیان نئی شاہراہوں اور ریل رابطوں کی تعمیر کے علاوہ گیس اور تیل کی پائپ لائنیں بھی بچھائی جائیں گی۔ ابتدا میں اس منصوبے پر اٹھنے والی لاگت کا تخمینہ 46 بلین ڈالر کے برابر لگایا گیا ہے اور یہ پروجیکٹ کئی مرحلوں میں 2030 تک مکمل ہو گا۔

چینی صدر کے دورے کے دوران کیے گئے تمام معاہدوں کو ملک کے تمام سیاسی، سماجی اور اقتصادی حلقوں کی جانب سے ملک کی معیشت اور ترقی کے لیے خوش آیند قرار دیا جارہا ہے۔ پاکستانی حکام کا کہنا تھا کہ پاکستان اور چین کے تعلقات اسٹریٹجک شراکت داری سے اسٹریٹجک اور اقتصادی شراکت داری میں تبدیل ہو رہے ہیں، جس سے ملک میں خوشحالی آئے گی۔ چین کے تعاون سے سب سے پہلے تھر میں کوئلے سے بجلی کی پیداوار کے منصوبے شروع کیے جائیں گے، جن سے 6600

میگاواٹ بجلی پیدا ہوگی، جو ملک میں بجلی کے بحران پر قابو پانے میں بڑی حد تک مددگا ثابت ہو گی، جبکہ چین پن بجلی، شمسی توانائی اور ہوا سے بجلی پیدا کرنے کے مختلف منصوبوں میں بھی سرمایہ کاری کرے گا۔ چین پاکستان اقتصادی راہداری کے دوسرے مرحلے میں گوادر کی بندرگاہ کو بہتر بنایا جائے گا، جبکہ تیسرے مرحلے میں ریلوے لائنز، شاہراہیں اور ایکسپریس وینز تعمیر کی جائیں گی۔ منصوبے کے چوتھے مرحلے میں صنعتی تعاون میں اضافہ ہوگا، جس کے تحت ملک میں خصوصی اقتصادی زون قائم کیے جائیں گے۔ چین میں پاکستانی سفیر خالد مسعود کا کہنا تھا کہ پاک چین اقتصادی منصوبہ اب ڈرائنگ بورڈ سے نکل کر عمل کی اسٹیج تک پہنچ چکا ہے۔ جبکہ ماہرین اقتصادیات نے چینی صدر کے دورہ پاکستان کو سراہاتے ہوئے کہا ہے کہ اس دورے کے پاکستانی معیشت پر بہت مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔ دورہ پاکستان کو اقتصادی لحاظ سے گیم چینجر سمجھا جارہا ہے۔ اقتصادی ماہرین کا کہنا ہے کہ چینی صدر کا یہ دورہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ چین اور پاکستان کے درمیان ہونے والے معاہدے معاشی اور اقتصادی لحاظ سے پاکستان کے لیے بہت اہم ہیں۔ گوادر منصوبہ پاکستان کی حالت بدل سکتا ہے۔ اقتصادی ماہرین کے مطابق حکومت کو سمجھوتوں پر عملدرآمد کو بھی یقینی بنانا پڑے گا۔ اقتصادی راہداری کا معاہدہ خود چین کے لیے بھی اہمیت کا حامل ہے۔ اقتصادی میدان میں چینی صدر کے دورے کے اہم نتائج برآمد ہوں گے۔ دونوں ممالک کے درمیان ہونے والے معاہدے پاکستان کے لیے سنہری باب ہوں

گے۔ جبکہ ملک کے صنعت کاروں اور تاجروں نے چینی صدر کے دورۂ پاکستان کو خوب سراہا ہے۔ صنعت کاروں اور تاجروں نے توقع ظاہر کی ہے کہ چین کے صدر کا دورۂ پاکستان معیشت کو مستحکم کرنے میں بہت اہم کردار ادا کرے گا اور چینی صدر کے دورۂ پاکستان کے موقع پر اربوں ڈالر کے معاہدوں سے پاکستان میں توانائی کا بحران حل ہوگا، صنعتوں کو وسعت ملے گی اور روزگار کے نئے مواقع پیدا ہوں گے۔ توقع ہے کہ آئندہ چند برسوں میں باہمی تجارت کا حجم پندرہ ارب ڈالر تک پہنچ جائے گا۔

اقتصادی تجزیہ کار گوادر پروجیکٹ اور توانائی کے حوالے سے کیے گئے معاہدوں کو خصوصی طور پر پاکستان کی معیشت کے لیے بہت بہتر قرار دے رہے ہیں۔ ذرائع کے مطابق چینی صدر کے دورہ پاکستان میں ہونے والے معاہدوں کے بعد چین پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے والے ممالک میں سرفہرست آ گیا ہے۔ وزارت تجارت کے ذرائع کے مطابق پاکستان میں سرمایہ کاری کے حوالے سے ملکی تاریخ میں کسی بھی ملک کی پاکستان میں سب سے بڑی سرمایہ کاری ہے، جس سے ملک کی معاشی صورت حال میں نمایاں فرق پڑے گا۔ چین اور پاکستان کے درمیان ہونے والے معاہدوں میں توانائی منصوبوں کو فوقیت دی گئی ہے۔ وزیر اعظم 2018ء کے الیکشن سے قبل ملک سے توانائی بحران کا خاتمہ چاہتے ہیں، جس کے لیے وزیر اعظم کی ترجیح پاکستان اور چین کے درمیان معاہدوں کے ذریعے توانائی کے بحران کا حل ہے۔ 15

بلین ڈالر کی لاگت سے 10400 میگاواٹ بجلی کی پیداوار منصوبہ 2018 تک ہر صورت میں نیشنل گریڈ میں شامل کرنا وزیر اعظم کی ترجیح ہے۔ چینی صدر دورہ پاکستان کے دوران معاشی، ترقیاتی اور عسکری نوعیت کے مختلف معاہدوں پر کیے گئے دستخطوں سے پاکستان اور چین کے درمیان سرمایہ کاری کا مجموعی حجم 58 بلین ڈالر سے زاید ہوگیا ہے۔ چین اور پاکستان دونوں اسٹریٹیجک پارٹنر ہیں، چین نے پاکستان کی دفاعی ضروریات کو پورا کیا ہے۔ پاکستان چین کی مدد سے جہاں توانائی کا بحران حل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا، وہاں پاکستان کے ایشیائی ٹائیگر بننے کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے کا امکان بھی ہے۔ ذرائع کے مطابق پاکستان چین اقتصادی راہداری کے منصوبہ کی تکمیل سے جہاں مغربی چین ترقی کی منازل تیزی سے طے کرے گا، وہاں پاکستان میں معاشی انقلاب آئے گا۔ حکومت پاکستان آئندہ انتخابات سے قبل معاشی اہداف حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔ چین کے صدر شی چن پنگ کے دورے کے دوران سب سے زیادہ معاہدے توانائی اور مواصلات کے شعبے سے متعلق ہیں۔ ان معاہدوں کو نہ صرف پاکستان، بلکہ امریکا سمیت تمام دنیا انتہائی اہمیت کا حامل قرار دے رہی ہے۔ پاکستان کے ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمیشن احسن اقبال کا کہنا تھا کہ ان معاہدوں سے پاکستان کی قسمت تبدیل ہو جائے گی۔ پاکستان اس وقت توانائی کے بحران سے دوچار ہے، جبکہ چین سے کیے گئے پانی، کوئلے اور ہوا سے بجلی پیدا کرنے کے معاہدوں سے پاکستانی صنعت بہتر طریقے سے چل سکے گی اور پاکستان کی برآمدات میں خاطر

خواہ اضافہ ہو گا۔ چین سے کیے گئے معاہدوں میں پانی، کوئلے سے پاکستان کے چاروں صوبوں میں بجلی پیدا کرنے کے منصوبے شامل ہیں۔ دوسرا اہم شعبہ شاہراہوں کی تعمیر کا ہے، جس سے پاکستان کے تمام اہم شہروں کو گوادر پورٹ اور آپس میں ملایا جائے گا۔ جس میں سب سے اہم گوادر کو کوئٹہ، ڈیرا اسماعیل خان اور سندھ سے ملایا جائے گا۔ اسی طرح گلگت بلتستان اور پاکستان کے دوسرے علاقوں سے ملا کر اس علاقے کی معدنیات سے استفادہ کیا جائے گا۔ ماہرین کے مطابق چینی صدر کے اس دورے کی سیاسی اہمیت اپنی جگہ، لیکن اس کے اثرات پاکستان، افغانستان اور وسط ایشیائی ریاستوں کی ترقی پر بہت مثبت ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ عوامی جمہوریہ چین کے صدر شی جن پنگ کے دورہ پاکستان کو جہاں عوامی اور سیاسی سطح پر غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے، وہاں چینی صدر کا دورہ پاکستان عالمی میڈیا کی توجہ کا بھی مرکز بنا رہا ہے۔ برطانوی نشریاتی ادارے نے چینی صدر کے دورہ پاکستان اور معاہدوں کو نئی سپر ہائی وے کا نام دیا، جبکہ امریکی نشریاتی ادارے سی این این نے پاکستان اور چین کے درمیان ہونے والے معاہدے کو گیم چینجر کہا ہے۔ نیویارک ٹائمز کے مطابق چین کے صدر پاکستان کے انفراسٹرکچر کو اربوں ڈالر کی امداد فراہم کریں گے۔ اس کے علاوہ بھارتی میڈیا میں بھی چینی صدر کے دورے کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ این ڈی ٹی وی کا کہنا تھا کہ چینی صدر کا پاکستان کا دورہ دو بھائیوں کے درمیان ملاقات ہے۔ سی این این، آئی بی این نے کہا کہ چین گوادر بندرگاہ کی اہمیت

جانتا ہے اور بہتر سہولیات کے حصول کے لیے چینی صدر کا دورہ پاکستان خطے کے لیے دور رس اقدامات کا حامل ہے۔ ٹائمز آف انڈیا کا کہنا تھا کہ چینی صدر کے دورے میں تقریبا پچاس ارب ڈالرز کے معاہدے متوقع ہیں۔ دی ہندو، زی نیوز اور ٹائمز ناؤ نے بھی چینی صدر کے دورہ پاکستان کو سرفہرست رکھا ہے۔

واضح رہے کہ پاک چین دوستی کا سفر 1949ء میں چین کی آزادی کو تسلیم کرنے سے شروع ہوتا ہے۔ چین کی آزادی کے اوائل میں پاکستان نے تائیوان حکومت کو نہ مان کر چین کے ساتھ تعلقات کی بنیاد رکھی۔ 1956ء میں چینی وزیراعظم "چواین لائی" نے پاکستان کا دورہ کیا، اس وقت حسین شہید سہروردی پاکستان کے وزیراعظم تھے۔ 1964ء میں چینی وزیراعظم "چواین لائی" نے پاکستان کا دورہ کیا، یہ صدر ایوب خان کا دورِ حکومت تھا۔ 1984ء میں چینی صدر "لیوسوچی" پاکستان کے دورے پر آئے، اس وقت جنرل ضیاالحق پاکستان پر حکمران تھے۔ 1989ء میں چینی وزیراعظم "لی پنگ" نے بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں پاکستان کا دورہ کیا۔ 1991ء میں چینی صدر "ریان شنگ کون" نے پاکستان کے ساتھ چینی تعلقات کو فروغ دیتے ہوئے وزیراعظم نواز شریف کے پہلے دور حکومت میں پاکستان کا دورہ کیا۔ 1996ء میں چینی صدر "لیوسوچی" پاک چین دوستی کے پودے کو مزید پروان چڑھانے کے لیے پاکستان تشریف لائے۔ 1996ء میں چینی صدر "جیانگ زی من" بینظیر بھٹو کے دوسرے دورِ حکومت میں پاکستان کے دورے پر تشریف لائے۔

ء میں چینی وزیراعظم "زو رونگ جی" نے جنرل پرویز مشرف کے دور حکومت 2001 میں پاکستان کا دورہ کیا۔ 2006ء میں چینی صدر "ہوجنگ تاوؤق نے پاکستان کا دورہ کیا۔ 2013ء میں چینی وزیراعظم "لی چی شیان" نے صدر آصف علی زرداری کے دوراقتدار میں پاکستان کا دورہ کیا۔ 2015ء میں چینی صدر "لی جن پنگ" وزیراعظم نواز شریف کے تیسرے دور حکومت میں پاکستان تشریف لائے ہیں اور ان کا یہ دورہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ 9 سال بعد کوئی چینی صدر پاکستان کے دورے پر آیا ہے۔ پاکستان اور چین جغرافیائی لحاظ سے پڑوسی ہونے کے ناطے ہی ایک دوسرے کے قریب نہیں ہیں، بلکہ دونوں ملکوں کے عوام کے درمیان مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ پاکستان اور چین کی دوستی ایک بے مثال دیرینہ تعلقات کا بہترین نمونہ ہے۔ پاکستان کی چین سے دوستی کی بنیادی وجہ آج سے 66 سال پہلے یکم اکتوبر 1949 کو طویل ترین خانہ جنگی کے چین کی آزادی ہے۔ پاکستان پوری مسلم دنیا کا پہلا ملک تھا، جس نے سب سے پہلے عوامی جمہوری چین کو تسلیم کیا تھا، اس وقت سے چین اور پاکستان کے درمیان انتہائی دوستانہ تعلقات ہیں۔ پاک چین دوستی کو قوموں کی برداری میں ایک مثال کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد چین مختلف مراحل سے گزرتا رہا اور ترقی کی منازل طے کرتا رہا۔ آج وہ معاشی طور پر دنیا کی بڑی طاقتوں کی صف میں شامل ہوچکا ہے۔

امام کعبہ کا دورہ پاکستان.... مضبوط برادرانہ تعلقات کا عکاس

امام کعبہ ڈاکٹر شیخ خالد الغامدی حکومت پاکستان کی خصوصی دعوت پر سات روزہ دورے پر پاکستان آئے ہوئے ہیں۔ امام کعبہ جمعرات کو پاکستان لاہور ایئرپورٹ پر پہنچے، جہاں جمعیت اہل حدیث کے صدر سینیٹر ساجد میر، پاکستان علماء کونسل کے چیئرمین حافظ محمد طاہر اشرفی، سعودی سفیر اور حکومتی افسران نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ انتہائی اہم منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر شیخ خالد الغامدی نہ صرف پاکستانی عوام کی نظر میں ایک محترم شخصیت ہیں، بلکہ پوری دنیا میں ان کی بہت زیادہ قدر کی جاتی ہے۔ وہ 2010ء سے امام کعبہ کی ذمہ داریاں سرانجام دے رہے ہیں۔ 2010ء میں ڈاکٹر شیخ خالد الغامدی کو شاہ عبداللہ کی جانب سے مسجد الحرام کی امامت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ جس کے بعد انہوں نے 2010ئ، 2012ءاور 2013ء میں مسجد حرام میں نماز تراویح بھی پڑھائی۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر شیخ خالد الغامدی مسجد نبوی، مسجد خیف اور مسجد قبا میں بھی امامت کی ذمہ داری سرانجام دیتے رہے ہیں۔ امام کعبہ کا تعلق قریشی خاندان سے ہے اور سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آبائی قبیلہ غامد ہے، جس کی طرف نسبت کرتے ہوئے اپنے نام کے ساتھ الغامدی لگاتے ہیں۔ امام کعبہ ڈاکٹر شیخ خالد الغامدی نے سعودی عرب کی مشہور یونیورسٹی ام القراء سے کلیۃ الحدیث،

کلیۃ القرآن اور امتیازی درجے کے ساتھ بیچلر کی ڈگری حاصل کی۔ اسی یونیورسٹی سے علوم القرآن میں ماسٹر کی ڈگری اور تفسیر میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور اب اسی یونیورسٹی ام القراء کے سینئر استاد ہیں۔ امام کعبہ ڈاکٹر شیخ خالد الغامدی کی علم القرآن، تفسیر اور دیگر شرعی موضوعات پر 13 سے زاید تصنیفات ہیں۔ وہ سعودی عرب کے معروف سابق مفتی اعظم عبدالعزیز بن باز اور ابن عثیمین کے شاگرد رہے ہیں۔

گزشتہ روز امام کعبہ و خطیب مسجد الحرام ڈاکٹر شیخ خالد الغامدی نے بحریہ ٹاؤن لاہور کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کی امامت کی۔ گرینڈ جامع مسجد کو پاکستان کی سب سے بڑی مسجد ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور ساتھ ہی یہ دنیا کی ساتویں بڑی مسجد بھی ہے۔ اس مسجد میں بیک وقت 70 ہزار نمازیوں کے نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے اور 25 ہزار نمازیوں کی اندرونی احاطے میں گنجائش ہے۔ 165 فٹ بلند 4 میناروں کے ساتھ ایک عظیم الشان گنبد اور 20 چھوٹے گنبدوں پر مشتمل یہ مسجد پاکستانی ثقافت اور اسلامی آرکیٹیکچر کا منفرد نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ مرکزی ہال کو ترکی سے اپنی مرضی کے مطابق بنوائے گئے قالینوں اور ایران سے منگوائے گئے 50 فانوسوں سے سجایا گیا ہے۔ اس مسجد کا فن تعمیر بادشاہی مسجد، مسجد وزیر خان اور شیخ زید مسجد سے متاثر ہے۔ اس کی تعمیر میں 4 بلین سے زاید پاکستانی رقم خرچ ہوئی ہے۔ گرینڈ جامع مسجد میں امام

کعبہ کی اقتدا میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے لگ بھگ 75 ہزار افراد نے شرکت کی۔ نماز جمعہ کے لیے شہریوں کی بڑی تعداد قبل از وقت پہنچنا شروع ہو گئی تھی۔ اس موقع پر سیکورٹی کے سخت انتظامات کیے گئے۔ تقریباً ایک ہزار اہلکار تعینات کیے گئے اور بحریہ ٹاؤن آنے والے ہر شخص کو چیکنگ کے بعد مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی۔ امام کعبہ کا استقبال بحریہ ٹاؤن کے چیئرمین ملک ریاض نے کیا۔ امام کعبہ نے بحریہ ٹاؤن کی مسجد میں پودا بھی لگایا۔ نماز کے بعد امام کعبہ شیخ خالد الغامدی نے دعا کرائی، جس میں پاکستان کی سلامتی کے لیے بھی دعا کرائی گئی۔ اس سے پہلے نماز جمعہ کے لیے اذان دی گئی۔ امام کعبہ ڈاکٹر شیخ خالد الغامدی منبر پر رونق افروز ہوئے اور خطبہ جمعہ دیا۔ انہوں نے اپنے خطبہ میں کہا: "اسلام میں مذہبی تعصب اور منافرت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اسلام میں تشدد اور دہشت گردی کی ممانعت ہے۔ بعض لوگ تشدد کے ذریعے اسلام کا تشخص مسخ کر رہے ہیں اور دشمن اسلام کو تشدد اور نفرت کے مذہب کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ دین اسلام میں کسی قسم کی زبردستی نہیں ہے، اسلام نے اقلتیوں کو بہترین حقوق عطا کیے ہیں، اسلامی حکومتیں اقلتیوں کے ساتھ حسن سلوک روا رکھیں۔ اسلامی حکومت میں تمام مذاہب کے لوگ پرامن زندگی گزارتے ہیں، دین اسلام میں ایک دوسرے سے حسد کی اجازت نہیں ہے، اسلام رحمت اور درگزر کرنے کا دین ہے، ہمارا دین نہ صرف صبر کی تلقین کرتا ہے، بلکہ بہترین اخلاق اور

شفقت کا درس بھی دیتا ہے۔ سچا اور رحمدل ہونا مومن کی صفات ہیں۔ ہم میں سے ہر مسلمان کو خود اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ امام کعبہ ڈاکٹر شیخ خالد الغامدی نے اس بات پر زور دیا کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر ہمیں ایک دوسرے کو معاف کر دینا چاہیے۔ مومن کی نشانی ہے کہ وہ ہنس مکھ اور با اخلاق ہوتا ہے۔ دین اسلام ہمیں ایک دوسرے سے محبت کا درس دیتا ہے۔ امام کعبہ نے کہا علماء اور اولیا نے دین اسلام کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ علمائے کرام انصاف کے نظام کے لیے جہدوجہد کریں۔ سیاست و معیشت سمیت تمام معاملات زندگی میں قرآن و سنت سے رہنمائی لی جائے، انہوں نے امت مسلمہ کے ہر فرد سے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلسل درود و سلام بھیجا کریں۔

ذرائع کے مطابق امام کعبہ 4 روز لاہور اور 3 روز تک اسلام آباد میں گزاریں گے۔ وہ لاہور میں قیام کے دوران وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف کے خصوصی کھانے، پولیو کے خاتمے کے سیمینارز میں شرکت کریں گے۔ ڈاکٹر شیخ خالد الغامدی لاہور کی بحریہ ٹاون مسجد میں نماز جمعہ پڑھانے کے علاوہ (آج) ہفتے کو جامعہ اشرفیہ اور بادشاہی مسجد میں مختلف اجتماعات سے خطاب بھی کریں گے۔ بادشاہی مسجد میں وہ پاکستان کی سلامتی و استحکام اور حرمین شریفین کی حفاظت کے لیے خصوصی دعائیں کریں گے۔ اپنے دورے کے دوران وہ مختلف مکاتب فکر کے علمائے کرام اور اسکالرز سے بھی ملاقاتیں کریں گے۔ اتوار کو امام کعبہ

راوی روڈ پر جمعیت اہل حدیث سینٹر کا دورہ کریں گے، جہاں ا±ن کی سینیٹر ساجد میر اور دیگر سے پاکستان اور سعودی عرب کے مابین دوستانہ تعلقات اور باہمی دلچسپی کے امور پر بات چیت ہوگی۔ جس کے بعد ڈاکٹر شیخ خالد الغامدی اسلام آباد روانہ ہو جائیں گے۔

امام کعبہ کے دورے کا مقصد پاکستان میں پولیو مہم کا فروغ بتایا جا رہا ہے، جس کے دوران وہ ملک سے اس موذی وائرس کے خاتمے کے لیے مختلف مذہبی، سیاسی اور سماجی رہنماو¿ں کی کوششوں کے حوالے سے اپنی حمایت کا یقین دلائیں گے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ امام کعبہ کے دورہ پ پاکستان کا مقصد سعودی حکومت اور پاکستانی عوام کے درمیان باہمی تعلقات کے فروغ کے لیے اہم کردار ادا کرنا ہے۔ پاکستانی سیاسی و مذہبی رہنماؤں سے اہم ملاقاتوں میں خطے میں موجود حالیہ کشیدگی اور یمن کی صورتحال پر بھی غور کیا جائے گا۔

تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ امام کعبہ کا حالیہ صورتحال میں پاکستان کا دورہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، جس میں دو طرفہ تعلقات کو مزید وسعت ملے گی۔ جس کا مقصد سعودی حکومت کی براہ راست پاکستانی عوام سے قربت بڑھانا ہے۔ چند روز قبل سعودی عرب کے وزیر مذہبی امور اور مشیر بھی پاکستان تشریف لائے تھے اور اسی طرح عنقریب پاکستان کی جانب سے بھی علمائے کرام کا ایک وفد سرکاری سطح پر سعودی عرب کا دورہ کرنے والا ہے۔ وزیر مذہبی امور سردار محمد یوسف

کا کہنا ہے کہ ہم ایک مفاہمتی یادداشت پر کام کر رہے ہیں، جس کے تحت سعودی علماء پاکستان کا دورہ کریں گے اور ہمارے علماء مذہبی مقاصد کے لیے سعودی عرب کا سفر کر سکیں گے۔ ذرائع کے مطابق سعودی حکام ایک پاک سعودی دوستی کا مرکز قائم کرنے کی بھی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ مبصرین کے مطابق پاکستان اور سعودی عرب کی جانب سے کیے جانے والے اقدامات سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں ممالک کے تعلقات میں کسی قسم کی بھی کمزوری نہیں آئی ہے۔ یمن جنگ کے معاملے پر سعودی عرب کی توقعات کے مطابق پاکستان کی جانب سے تعاون نہ کرنے پر یہ سمجھا جا رہا تھا کہ سعودی عرب اور پاکستان کے درمیان تعلقات بہتر نہیں رہے، عین انہیں دنوں امام کعبہ کا پاکستان کا دورہ کرنا اور پاکستانی عوام کی جانب سے انتہائی محبت اور احترام کے اظہار سے نہ صرف یہ واضح ہوتا ہے کہ سعودی عرب اور پاکستان کے تعلقات اسی طرح مضبوط ہیں جیسے پہلے مضبوط تھے، بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پاکستانی قوم دل سے سعودی عرب اور امام کعبہ کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور ایک طرف جمعرات کے روز امام کعبہ پاکستان تشریف لائے، اسی روز جمعرات کو وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف نے ریاض میں سعودی فرمانروا شاہ سلیمان بن عبد العزیز سمیت ولی عہد مقرن بن عبدالعزیز، وزیر دفاع پرنس محمد بن سلمان السعود، وزیر داخلہ نائب ولی عہد نائف السعود اور وزیر خارجہ سعود الفیصل سمیت اعلیٰ سعودی قیادت سے ملاقاتیں کیں، جبکہ وزیراعظم کے ہمراہ آرمی چیف جنرل راحیل شریف، وفاقی وزیر دفاع

خواجہ آصف، وزیراعظم کے معاون خصوصی طارق فاطمی اور سیکرٹری خارجہ اعزاز چودھری بھی سعودی عرب گئے تھے۔ دفتر خارجہ کے اعلامیے کے مطابق آرمی چیف جنرل راحیل شریف اور وزیر دفاع خواجہ آصف نے بھی سعودی وزیر دفاع سے علیحدہ طویل ملاقات کی۔ وزیر وزیراعظم نواز شریف کا کہنا تھا کہ سعودی عرب کی جغرافیائی سرحدوں کو خطرہ لاحق ہوا تو پاکستان بھرپور ردعمل کا اظہار کرے گا۔ تجزیہ کاروں کے مطابق ایک ہی دن امام کعبہ کا پاکستان کا دورہ اور وزیراعظم پاکستان کا سعودی عرب کا دورہ کرنا اور اس کے ساتھ سعودی وزیر مذہبی امور کا دورہ پاکستان اور عنقریب پاکستان و سعودی عرب کے مابین علمائے کرام کا تبادلہ دونوں ملکوں کے درمیان مضبوط برادرانہ تعلقات کا عکاس ہیں۔

خیبر پختونخوا: طوفانی بارشوں سے اموات

خیبر پختونخوا: طوفانی بارشوں سے اموات.... صوبائی محکموں کی ناقص کارکردگی!

خیبر پختونخوا میں موسلادھار بارشوں،ژالہ باری اور طوفان نے زبردست تباہی مچائی ہے۔ اگرچہ اب خیبر پختونخوا میں طوفان دم توڑ چکا ہے، لیکن اپنے پیچھے جانی و مالی نقصانات اور صوبائی حکومت و صوبائی محکموں کی نااہلی کی ایک داستان رقم کر گیا ہے۔ گزشتہ روز طوفانی بارشوں کے نتیجے میں بچوں اور خواتین سمیت لگ بھگ 45 افراد جاں بحق ہوگئے اور تقریباً دو سو افراد زخمی ہوئے ہیں۔ جانی نقصان کے علاوہ خیبر پختونخوا کے متعدد علاقوں میں دسیوں عمارتیں زمین بوس ہوئی ہیں اور بہت سے سائن بورڈ، بجلی کے کھمبے اور درخت بھی گرے ہیں، جن کی وجہ سے جانی و مالی نقصانات میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ صوبائی حکومت کی نااہلی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بارشوں اور طوفان کے نقصانات کو کنٹرول کرنے کے لیے پیشگی انتظامات تو رہے ایک طرف، یہاں تو وزیراعلیٰ خیبر پختونخوا پرویز خٹک اتنی بڑی تعداد میں اموات ہونے کے 21 گھنٹے بعد ریڈنگ ہسپتال میں پہنچے، صرف یہی نہیں، بلکہ جب ان سے

تاخیر کی وجہ پوچھی گئی تو ان کا کہنا تھا کہ میں کوئی ڈاکٹر نہیں جو ہسپتال جاکر مریضوں کا علاج کروں، میرا اپنا پروگرام ہوتا ہے، میں کسی کے کہنے سے نہیں آتا۔ ذرائع کے مطابق صوبہ خیبر پختونخوا میں بارشوں کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کی بڑی وجہ صوبائی حکومت اور صوبائی محکموں کی نا اہلی ہے، کیونکہ صوبائی حکومت نے بارشوں اور طوفان کے نقصانات سے بچنے کے لیے پیشگی انتظامات کی طرف بالکل بھی توجہ نہیں دی۔ اگرچہ محکمہ موسمیات نے پہلے سے ہی صوبائی حکومت کو بارشوں، آندھی اور ملکی تاریخ کے تیسرے بڑے ہوائی بگولے سے آگاہ کر دیا تھا، لیکن کے پی کے حکومت محکمہ موسمیات کی جانب سے آگاہی ملنے کے بعد بھی کوئی انتظامات نہ کر سکی۔ نا اہلی دکھانے پر اپوزیشن نے خیبر پختونخوا حکومت پر سخت تنقید کی ہے، جبکہ ملک بھر میں عوامی سطح پر بھی کے پی کے حکومت کو مورد الزام ٹھہرایا جا رہا ہے۔ واضح رہے اسی طرح کی صورتحال گزشتہ ماہ بھی پیش آئی تھی، اس وقت خیبر پختونخوا میں بارشوں کے نتیجے میں بیسیوں افراد اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، جبکہ ایک بار پھر بارشوں میں ناقص انتظامات کے باعث 45 افراد کی اموات اور 200 افراد کے زخمی ہونے سے کے پی کے حکومت کی نا اہلی کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ قابل افسوس بات یہ ہے کہ پاکستان میں بار بار ناقص کارکردگی کے باوجود نہ تو کوئی وزیر خود سے استعفیٰ دیتا ہے اور نہ ہی تحقیق کر کے ناقص کارکردگی دکھانے والے ذمے داران سے استعفیٰ لینے کا کوئی انتظام موجود ہے، جس کی وجہ سے تمام

اداروں میں موجود افسران کو نا قص کارکردگی پر کسی قسم کا کوئی خوف نہیں ہوتا، کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ جتنی بھی نا قص کارکردگی دکھائیں، کچھ بھی مواخذہ نہیں ہوگا۔ یہ معاملہ صرف خیبر پختونخوا حکومت کا ہی نہیں ہے، بلکہ بارش، طوفان، آندھی اور زلزلہ سمیت تمام قدرتی آفات کے وقت وفاق سمیت تمام صوبائی حکومتوں کا یہی طریقہ کار ہے۔ ہر حکومت کسی دوسرے محکمے پر ڈال کر اپنی ذمے داری سے سبکدوش ہونا چاہتی ہے۔

خیبر پختونخوا کے مختلف علاقوں میں موسلادھار بارشوں، ژالہ باری اور طوفان کے نتیجے میں مختلف علاقوں میں چھتیں گرنے اور دیگر حادثات میں 45 افراد جاں بحق، جب کہ 200 سے زاید افراد زخمی ہوئے ہیں۔ طوفانی بارشوں سمیت ژالہ باری اور طوفانی بگولوں سے پشاور سمیت نواحی علاقوں واحد گڑھی، لیاقت آباد، چارسدہ روڈ، چمکنی، یکہ غلام، بدھو ثمر باغ، نوشہرہ، مردان اور دیگر علاقوں میں چھتیں گر گئیں اور متعدد افراد ملبے تلے دب گئے۔ شدید بارشوں کے باعث امدادی سرگرمیوں میں بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ متعدد علاقوں میں بجلی کے دیو قامت کھمبے اور ٹرانسفارمر گر گئے، درخت جڑوں سے اکھڑ گئے، کچے مکانوں کی دیواریں اور چھتیں منہدم ہو گئیں اور سائن بورڈز اور بڑے بڑے اشتہاری بورڈ گر گئے، جبکہ بعض مقامات پر کھمبے اور ٹرانسفارمر گرنے سے گاڑیاں تباہ ہو گئیں اور موٹر وے ٹول پلازہ کے بوتھ تیز ہواؤں سے تنکے کی

مانند اڑ گئے۔ بجلی اور ٹیلی فون کے کھمبے گرنے سے پشاور شہر اندھیرے میں ڈوب گیا اور مواصلات کا نظام بھی درہم برہم ہو گیا۔ محکمہ موسمیات کے مطابق پشاور میں گزشتہ چوبیس گھنٹوں کے دوران 59 ملی میٹر بارش ریکارڈ کی گئی، رسالپور میں 39، بالاکوٹ میں 22، سیدو شریف میں 11 ملی میٹر، چراٹ میں 19، کالام 17، دیر اور مالم جبہ میں 9 ملی میٹر بارش ریکارڈ کی گئی۔ محکمہ موسمیات کے ڈائریکٹر محمد 15 حنیف نے پشاور میں آنے والے طوفان کو ملکی تاریخ کا تیسرا بڑا ہوائی بگولہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ قوم کو اس طرح مزید صورتحال کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ اس طرح کا بگولہ دو سال قبل سیالکوٹ اور نو سال پہلے سرگودھا میں آیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس طوفان کے دوران چلنے والی ہوا کی رفتار ایک سو دس سے ایک سو بیس کلو میٹر فی گھنٹہ تھی۔ صوبہ خیبر پختونخوا میں طوفان کے امکانات موجود تھے، لیکن اس کی شدت اس قدر ہو گی، اس بارے میں اندازہ نہیں تھا۔ محمد حنیف کے مطابق ہوائی بگولوں کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں آب و ہوا تبدیل ہو چکی ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ جنگلات کا کٹاؤ اور تیزی سے بڑھتی فضائی آلودگی ہے اور آنے والے دنوں میں اس طرح کی مزید صورتحال دیکھنے میں آ سکتی ہے، جس کے لیے ہمیں تیار رہنا ہو گا۔ جبکہ دوسری جانب پشاور بشمول خیبر پختونخوا کے مختلف اضلاع میں تباہی مچانے والے طوفان اور موسلادھار بارشوں سمیت شدید ژالہ باری کے امکانات سے صوبائی ڈیزاسٹر منیجمنٹ اتھارٹی (پی ڈی ایم اے) کا

ادارہ یکسر بے خبر رہا۔ اتوار اور پیر کے روز پی ڈی ایم اے کی جانب سے اپنی ویب سائٹ پر پوسٹ کی گئی تفصیلات کے مطابق تاریخی سائیکلون کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ جبکہ اس ادارے کو ہر سال قدرتی آفات سے نمٹنے کے لیے کروڑوں روپے کا فنڈ دیا جاتا ہے، تاہم پی ڈی ایم اے قدرتی آفات کی نشاندہی اور روک تھام میں ناکام دکھائی دے رہا ہے۔ گزشتہ روز آنے والی بارشوں کی وجہ سے ہونے والے نقصانات کی بڑی وجہ جنگلات کے کٹاؤ کو قرار دیا جا رہا ہے، جس کا ذمہ دار یقیناً محکمہ جنگلات ہے، کیونکہ جنگلات کے کٹاؤ کو روکنا ان کی ذمہ داری ہے، لیکن باقی اداروں کی طرح یہ ادارہ بھی اپنی ذمے داری ادا نہیں کر رہا ہے۔

گزشتہ روز صوبہ خیبر پختونخوا میں ہونے والے جانی و مالی نقصانات جہاں ایک طرف ملک بھر کے عوام کے لیے صدمے کا باعث ہیں، وہیں ان نقصانات کی وجہ سے ہمارے ملک کی انتظامیہ، متعلقہ اداروں اور ہماری صوبائی حکومت کی کارکردگی کی قلعی کھل گئی ہے۔ دنیا میں ایسے کئی ممالک ہیں، جو قدرتی آفات کے بعد اپنی خامیوں کی اصلاح کرتے ہیں، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ بار بار بارشوں میں ہونے والی اموات بھی ہماری حکومتوں کی آنکھیں نہیں کھول پاتیں۔ پاکستان میں وفاقی اور تمام صوبائی حکومتیں بارش کے حوالے سے حفاظتی انتظامات کرنے میں انتہائی سستی سے کام لیتی ہیں۔ پاکستان میں بارشوں، سیلابوں اور قدرتی

آفات کے حوالے سے حفاظتی انتظامات کرنے کے لیے ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی کا ادارہ موجود ہے۔ جس کا سالانہ بھاری بھر کم خرچہ بھی ہے، لیکن اس کے باوجود نہ تو بارشوں وسیلابوں کی وجہ سے ہونے والے جانی و مالی نقصانات میں کمی آتی ہے اور نہ ہی یہ ادارہ کوئی بہتر منصوبہ بندی کرتا ہے۔ پاکستان میں بارشوں کی وجہ سے ہونے والے نقصانات ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی اور تمام صوبائی حکومتوں کی نا اہلی کا نتیجہ ہے۔ ہر سال بارشوں میں بہت سے لوگ اور شہری و دیہی علاقے تباہی کی نذر ہو جاتے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ بارشوں کے بعد سیلابی ریلوں میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جانے والے اقدامات و انتظامات اور اس سے پیدا شدہ مکمل انتظامی ناکامی سے متعلقہ حکومتی محکموں، ریاستی اداروں، فلڈ ریلیف کمیشن، ماحولیاتی ایجنسی اور ڈیزاسٹر مینجمنٹ کے کرتا دھرتاوں کے ضمیر میں کوئی خلش تک پیدا نہیں ہوتی۔ حکومت کو چاہیے کہ ڈیزاسٹر مینجمنٹ کو فعال کرے تاکہ بہتر سے بہتر منصوبہ بندی کرکے قدرتی آفات کی وجہ سے ہونے والے نقصانات کو کم کیا جاسکے۔ دوسری جانب نیپال اور بھارت کے بعد پاکستان میں بھی زلزلے کا خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے۔ محکمہ موسمیات اور جیالوجیکل سروے آف پاکستان (جی ایس پی) کے مطابق پاکستان میں کئی سرگرم ارضیاتی فالٹس ہیں، جہاں زلزلے بن رہے ہیں اور ان میں سے دونوں بلوچستان کے علاقے مکران اور کوئٹہ شہر ہیں جہاں زلزلوں کا امکان ہے۔ جبکہ ملک کی انتظامیہ، حکومت اور متعلقہ اداروں نے اس حوالے سے بھی کوئی

انتظامات نہیں کیے ہیں، اگرچہ قدرتی آفات کا مقابلہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے، لیکن پیشگی انتظامات کرکے ان آفات سے ہونے والے نقصانات کو کم کیا جا سکتا ہے۔ ہماری حکومتوں کی حالت تو یہ ہے کہ ناقص انتظامات کی وجہ سے بارشوں کے باعث ہی 45 افراد جان سے دھو بیٹھے ہیں، خدانخواستہ اگر جیالوجیکل سروے آف پاکستان کی پیشین گوئی پوری ہوتی ہے تو اس حوالے سے بھی حکومت نے کچھ انتظامات نہیں کیے ہیں۔

خیبر پختونخوا: بارش متاثرین بے یارومددگار....مداوا کون کرے گا؟

ہمارے تمام محکموں اور صوبائی حکومتوں کا المیہ ہے کہ وہ اپنی ذمے داریوں سے ہمیشہ پہلو تہی برتتی ہیں۔ نہ تو کسی آفت کے آنے سے پہلے منصوبہ بندی کرتی ہیں اور نہ ہی بعد اپنی ذمہ داری ادا کرتی ہیں۔ خیبر پختونخوا میں بارشوں سے ہونے والی تباہی اور بے یارومددگار مشکلات میں گھرے متاثرین کی حالت زار اس کی گواہی دینے کے لیے کافی ہے۔ گزشتہ دنوں خیبر پختونخوا میں طوفانی بارشوں نے زبردست تباہی مچائی، جس کے نتیجے میں 50 افراد جاں بحق ہوئے اور 210 افراد زخمی بھی ہوئے۔ محکمہ موسمیات کی جانب سے پیشگی اطلاع دیے جانے کے باوجود حکومت اور ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی کی جانب سے ایسی کوئی منصوبہ بندی نہیں کی گئی، جس سے زیادہ نقصانات کا باعث بننے والے اسباب کا سدباب کیا جاتا اور پیشگی منصوبہ بندی نہ کیے جانے کی وجہ سے متعدد بجلی کے کھمبوں اور 1500 سائن بورڈز، 5 سو درخت گر گئے، جبکہ ٹرانسفارمروں اور درختوں کے گرنے کے باعث 70 سے زاید گاڑیوں کو نقصان پہنچا ہے اور ایک ہزار سے زاید گھر مکمل طور پر تباہ بھی ہوئے ہیں۔ژالہ باری اور بارش کے باعث خیبر پختونخوا کے متعدد علاقوں میں سبزیوں، فروٹ کے باغات کے علاوہ گندم کی تیار فصلوں کو بھی شدید نقصان پہنچا ہے۔ اگر پہلے سے سائن

بورڈز وغیرہ کی نشاندہی کرکے منصوبہ بندی کی جاتی اور متعلقہ ادارے اپنی ذمہ داری ادا کرتے تو کافی حدتک نقصانات میں کمی لائی جاسکتی تھی۔ زیادہ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ بارش میں بڑے پیمانے پر تباہی ہونے کے باوجود بھی صوبائی حکومت اور متعلقہ ادارے اپنی ذمے داری سے پہلو تہی برت رہے ہیں۔ بارش متاثرین تاحال امداد کے منتظر ہیں، لیکن انہیں ضرورت کے مطابق امداد فراہم نہیں کی جارہی ہے۔ طوفانی بارشوں کے بعد خیبر پختونخوا کے متعدد علاقے تباہی کی تصویر بن کر رہ گئے ہیں۔ پشاور سمیت خیبر پختونخوا میں طوفانی بارشوں اور ژالہ باری سے تباہ ہونے والے گھروں، جاں بحق اور زخمی ہونے والے افراد کے بارے میں ابتدائی رپورٹ کے مطابق اتوار کے روز ہونے والی تباہ کاریوں کے باعث جلوزئی کیمپ کے ڈھائی ہزار سے زاید خیمے مکمل طور پر تباہ ہو گئے ہیں اور متاثرین کھلے آسمان تلے رہنے پر مجبور ہیں۔ خیبر پختونخوا میں طوفانی بارشوں کی وجہ سے ہونے والی تباہی کے بعد تاحال متاثرین بے یارومددگار کھلے آسمان تلے حکومتی امداد کے منتظر ہیں اور منہدم گھروں کے غریب متاثرہ مکین اپنی مدد آپ کے تحت ملبے تلے سے اپنا بچا کچا سامان اکٹھا کرتے نظر آرہے ہیں۔ حکومت کی جانب سے متاثرین کے لیے کیے گئے امداد کے دعوے ابھی تک صرف دعوے ہی نظر آتے ہیں۔ تاحال بجلی بحال نہیں ہو سکی اور بجلی نہ ہونے سے پانی کی بھی قلت پیدا ہو گئی ہے، جس سے شہریوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ خیبر پختونخوا حکومت نے طوفانی باد و باراں

کے پہلے روز کمبل، خیمے اور اشیاء خوردونوش متاثرین کو فراہم کیں، لیکن اس کے بعد سے حکومتی اہلکار کہیں نظر نہیں آئے۔ طوفانی بارشوں اور تیز ہواؤں نے ان کا سب کچھ ختم کردیا ہے۔ بارشوں سے بجلی اور مواصلات کا نظام مکمل طور پر تباہ ہوچکا ہے، جس کے باعث لوگوں کو ایک دوسرے سے رابطہ کرنے میں شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ خیبر پختونخوا حکومت نے فصلوں اور مکانات کے نقصان کا تخمینہ لگانے کے لیے ڈی جی پی ڈی ایم اے کی سربراہی میں ٹیم تشکیل دی ہے، لیکن ابھی تک اس پر کام شروع نہیں کیا گیا۔ لوگ اپنی مدد آپ کے تحت اجڑے گھر پھر سے بسانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ متاثرین کا کہنا ہے کہ صوبائی حکومت ہمارے ساتھ ایسا تعاون نہیں کر رہی جیسا کہ ہونا چاہیے۔

ذرائع کے مطابق پاک فوج کی طرف سے متاثرہ علاقوں میں امدادی سرگرمیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ جبکہ وزیر اعظم کے اعلان کے مطابق متاثرہ خاندانوں کو چیک پیش کیے ہیں اور پنجاب حکومت کی جانب سے خیبر پختونخوا میں بارشوں کے متاثرین کی امداد کے لیے بیس ٹرک امداد کے بیس ٹرک بھیج دیے گئے ہیں۔ امدادی سامان میں اشیائے خورد و نوش، ٹینٹس، مچھر دانیاں اور گفٹ ہیمپرز موجود ہیں۔ وفاقی حکومت کی طرف سے جاں بحق ہونے والوں کے لواحقین کو پانچ پانچ لاکھ اور زخمیوں کو پچاس پچاس ہزار فی کس دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ پیپلز پارٹی کے رہنما و سابق وزرائے اعظم یوسف رضا گیلانی اور راجہ پرویز

اشرف نے لیڈی ریڈنگ ہسپتال کے ادورہ کیا۔ پیپلز پارٹی نے وفاقی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ خیبر پی کے میں حالیہ بارشوں اور جانی و مالی نقصان کے ازالے کے لیے متاثرین اور کسانوں کے قرضے معاف کیے جائیں اور دیگر صوبائی حکومتوں پر زور دیا ہے کہ خیبر پی کے میں متاثرین کو ہر ممکن مدد فراہم کی جائے۔ اگرچہ صوبائی حکومت بھی امدادی سرگرمیوں میں شامل ہوئی، لیکن خاصی تاخیر سے ہوئی۔ وزیر اعلی پرویز خٹک سے جب میڈیا کے ارکان نے تاخیر کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ میں ڈاکٹر نہیں ہوں، جو فوری پہنچ کر علاج معالجہ کرتا۔" یہ درست ہے کہ صوبے کے وزیر اعلی کی بے حد مصروفیات ہوتی ہیں، تاہم جب ناگہانی صورتحال اور شہریوں کی ہلاکتوں کا معاملہ ہو تو تمام مصروفیات کو چھوڑ کر اسے ترجیح دینا لازمی ہوتا ہے۔ صوبے کی کلیدی شخصیت کے متحرک ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ متعلقہ ادارے بھی تیزی سے متحرک ہوتے ہیں اور متاثرہ شہریوں کی امداد میں آسانی ہوتی ہے۔ بیوروکریسی جب دیکھتی ہے کہ صوبے کا وزیر اعلی موقع پر موجود ہے تو نہ صرف اس کے تمام کل پرزے، بلکہ کابینہ اور صوبائی اسمبلی کے ارکان بھی فعال ہوجاتے ہیں۔ متاثرین نے حکومت سے اپیل کی ہے کہ ان کی بھرپور مالی امداد کی جائے، تاکہ وہ ایک بار پھر اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں۔ میڈیا سے بات کرتے ہوئے متاثرین کا کہنا تھا کہ اگرچہ حکومت خیبر پختونخوا ایک ہی دن میں تمام متاثرین کے مسائل حل نہیں کرسکتی ہے، لیکن کم از کم حکومت متاثرین پر توجہ تو دے۔ یہاں

تو حکومت کی جانب سے کوئی توجہ ہی نہیں دی جارہی ہے۔ متاثرین میں سے ایک کا کہنا تھا کہ بارشوں کے پہلے روز سے ہی ہم مشکلات کا شکار ہیں۔ نہ بجلی ہے اور نہ ہی پانی ہے۔ ٹرانسپورٹ کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ ایک نے بتایا کہ بارش کے روز جب میں اپنی زخمی بیٹی کو لے کر لیڈی ریڈنگ ہسپتال میں پہنچا تو ابتدائی دوا دے کر ہمیں واپس کر دیا گیا اور کہا گیا کہ ہسپتال میں تمام مریضوں کے لیے دوا نہیں ہے۔ حالانکہ ایسے حالات میں حکومت کی پوری ذمہ داری تھی کہ بارش کے فوری بعد ٹرانسپورٹ کا انتظام کر کے فوری طور پر زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا جاتا۔ متاثرین کے کھانے کا انتظام کیا جاتا، لیکن ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔ متاثرین نے صوبائی حکومت، ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی سمیت متعلقہ اداروں پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا کہ جلد از جلد متاثرین کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ مبصرین کا کہنا تھا کہ صوبائی قیادت کی ذمہ داری تھی کہ طوفانی بارشوں میں عوام کے ساتھ فوری طور پر ہر قسم کا تعاون کرتی اور انہیں ہر مشکل سے بچانے کے لیے بھرپور کوشش کی جاتی، لیکن قیادت متاثرہ لوگوں کے دکھوں کا مداوا کرنے کے لیے فوری طور پر ان تک پہنچنے میں بری طرح ناکام رہی ہے، جس سے لوگوں کے غم میں کمی کی بجائے اضافہ ہوا ہے۔ کسی بھی صوبے میں رہنے والے عوام کے دکھوں کا مداوا کرنا صوبائی حکومت کی ذمے داری ہوتی ہے، جبکہ مصیبت کی گھڑی میں تو انسانی بنیادوں پر درد دل رکھنے والا ہر انسان بڑھ چڑھ کر

خدمت کرتا ہے، لیکن افسوس کہ خیبر پختونخوا حکومت نے مصیبت کی گھڑی میں اپنی ذمے داری بھی ادا نہ کی اور متاثرین کو تنہا چھوڑ دیا۔ حق تو یہ بنتا تھا کہ خیبر پختونخوا میں برسر اقتدار جماعت تحریک انصاف کے سربراہ بارشوں کی وجہ سے بھاری جانی ومالی نقصانات کے فوری بعد اپنی ذمے داری کا احساس کرتے ہوئے خیبر پختونخوا عوام کے ساتھ کھڑے ہوتے اور اپنی نگرانی میں کے پی کے حکومت کے وزرا اور افسران کو عوام کی خدمت میں لگادیتے، لیکن خان صاحب پیر کی صبح پشاور کے متاثرہ لوگوں کا پوچھنے کی بجائے عمران خان نے کرکٹ پر ٹویٹ کرتے ہوئے اسے حکومت کی نا اہلی قرار دیتے ہوئے تنقید کرتے رہے، جبکہ اس وقت ان کو پشاور کے متاثرہ لوگوں کے لیے دکھ کا اظہار کرنا چاہیے تھا اور حکومت کو امدادی کاموں میں تیزی لانے اور وزیراعلیٰ کو متاثرین تک پہنچنے کی ہدایت دینی چاہیے تھی، جو نہیں دی گئی، جب سوشل میڈیا پر لوگوں نے ان پر شدید تنقید کی تو پھر انھیں پشاور کے لوگوں کا کچھ خیال آیا۔ مصیبت کی اس گھڑی میں وزیراعلیٰ خیبر پختونخوا تو 21 گھنٹے بعد ہسپتال پہنچے تھے، جبکہ سربراہ پی ٹی آئی ان سے بھی دیر میں آئے۔ اسی وجہ سے ان پر تمام سیاسی و سماجی حلقوں کی جانب سے شدید تنقید کی جارہی ہے۔ بلکہ ان کی اپنی پارٹی والے بھی ان پر تنقید کر رہے ہیں۔ ذرائع کے مطابق تحریک انصاف کے پارٹی کے افراد نے بھی پشاور میں بارشوں سے نقصان پر فوری طور پر عمران خان کے پشاور نہ پہنچنے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ عمران خان کو پہلے دن ہی

پشاور میں پہنچ کر اپنا کیمپ آفس قائم کر دینا چاہیے تھا۔ اگر عمران خان پیر کو جوڈیشل کمیشن کے اجلاس میں ایک دن کے لیے نہ جاتے اور پشاور چلے جاتے تو اس میں کیا برائی تھی؟ دوسری جانب محکمہ موسمیات پشاور کے ریجنل ڈائریکٹر مشتاق علی شاہ کا کہنا ہے کہ خیبر پختونخوا میں 30 اپریل اور 3 سے 5 مئی کے دوران ایک مرتبہ پھر بارش اور طوفان کا امکان ہے، اس لیے الرٹ رہنا ہوگا۔ ترجمان این ڈی اے احمد کمال نے کہا ہے کہ "پشاور سمیت خیبر پختونخوا میں تیز آندھی و طوفان کی پیشن گوئی ہے، جبکہ مون سون میں ابھی بھی شدید بارشوں کا امکان ہے۔" محکمہ موسمیات کی جانب سے کے پی کے میں بارشوں کے حوالے سے کی جانے والی پیشن گوئی کو سنجیدگی سے لینا چاہیے۔ صوبائی حکومت اور تمام متعلقہ اداروں کو ابھی سے منصوبہ بندی اور حفاظتی انتظامات مکمل کر لینے چاہیے، تاکہ بارشوں کی وجہ سے زیادہ نقصانات سے بچا جاسکے۔ پیشگی اقدامات نہ کرنے کی وجہ سے کے پی کے میں صرف ایک دن کی بارش سے 50 افراد جاں بحق اور دو سو سے زاید زخمی ہوگئے تھے، خدانخواستہ اگر متعلقہ اداروں اور حکومت نے ابھی بھی پیشگی منصوبہ بندی نہ کی تو آیندہ دنوں ہونے والی بارشیں بہت زیادہ نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہیں۔

اسلام آباد میں نظام صلوٰۃ کا نفاذ.... فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی جانب ایک قدم

یکم مئی کو مذہبی امور اور بین المذاہبی ہم آہنگی کے وفاقی وزیر سردار محمد یوسف نے دارالحکومت اسلام آباد میں پہلی مرتبہ نظامِ صلوٰۃ کے قیام کا اعلان کیا ہے، جس کے تحت شہر میں تمام مسالک کی مساجد میں اذانیں ایک ہی وقت پر ہوں گی اور باجماعت نمازیں بھی ایک ہی وقت پر پڑھائی جائیں گی۔ وفاقی حکومت نے اس سلسلے میں اسلام آباد کے تاجروں سے اوقات نماز کے دوران 20 سے 25 منٹ تک اپنے کاروبار بند رکھنے کی اپیل بھی کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نمازوں کے اوقات میں سرکاری دفاتر میں وقفہ بھی ہوگا۔ اگرچہ اس نظام پر ابھی تک پوری طرح عمل نہیں ہوسکا ہے، بلکہ مختلف مسالک کی متعدد مساجد میں اپنے پرانے اوقات پر ہی عمل ہورہا ہے۔ علمائے کرام کے نزدیک اس سے معاشرے پر اچھے اثرات مرتب ہوں گے اور نماز و اذان کے بعد آیندہ دیگر مسائل میں بھی تمام مسالک کے علمائے کرام کو مل بیٹھنے کا موقع ملے گا، علمائے کرام کا کہنا ہے کہ ملک میں سب سے اہم معاملہ فرقہ واریت کے خاتمے کا ہے، جسے تمام مسالک کے علمائے کرام مل کر ہی ختم کر سکتے ہیں۔ حکومت علمائے کرام کا تعاون حاصل کرکے معاشرے میں فرقہ واریت کے ناسور کا خاتمہ کرنا چاہے تو کوئی مشکل کام نہیں ہے، اس کے لیے صرف اور صرف

پختہ عزم اور اخلاص کی ضرورت ہے۔ اسلام آباد میں نافذ ہونے والے نظام صلوٰۃ سے ملک بھر کے علمائے کرام کے ایک بڑے حصے نے تائید کی ہے اور تمام صوبوں کو اس نظام کو نافذ کرنے کی اہمیت پر زور بھی دیا ہے۔ وفاقی وزیر برائے مذہبی امور سردار محمد یوسف کا کہنا تھا کہ ملک میں اسلامی اقدار کو فروغ دینا اور فرقہ ورانہ ہم آہنگی کو یقینی بنانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ یہ آئین کا تقاضا بھی ہے کہ حکومت اسلامی اقتدار کے فروغ کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔ جبکہ نظام صلوٰۃ کے نفاذ کے اعلان کے وقت امام کعبہ شیخ خالد حامد الغامدی بھی موجود تھے اور ان کا کہنا تھا کہ "دین کی بنیاد تفرقے میں نہیں، بلکہ ایک ہونے میں ہے۔ اسلام اتحاد و اتفاق کا درس دیتا ہے۔ تفرقے اور کسی بھی عصبیت میں نہیں پڑنا چاہیے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کی ضرورت ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے باہمی اختلافات کو اسلامی بنیادوں پر حل کرنا ہے۔" اسلام آباد اور اس کے گرد و نواح میں تمام مسالک کی مساجد میں نماز فجر کی اذان ایک ساتھ ہونے کے بعد 30 منٹ کے بعد باجماعت نمازیں ادا کی جایا کریں گی۔ موسم سرما میں ظہر کی اذان سہ پہر ایک بجے دی جائے گی اور نماز کی ادائیگی سوا بجے ہو گی۔ اس کے برعکس موسم گرما میں ظہر کی اذان کا وقت سوا بجے اور باجماعت نماز کا وقت ڈیڑھ بجے سہ پہر ہو گا۔ اسی طرح جمعے کی پہلی اذان بعد دوپہر پون بجے ہوا کرے گی اور تمام مساجد میں نماز جمعہ ڈیڑھ بجے ادا کی جایا کرے گی۔ اسلام آباد میں آئندہ

عصر کی بیک وقت اذانوں کے بعد نماز کی ادائیگی ٹھیک دس منٹ بعد ہوا کرے گی، جبکہ مغرب کی اذان غروب آفتاب کے پانچ منٹ بعد دی جایا کرے گی اور اس کے دو منٹ بعد نماز مغرب ادا کی جائے گی۔ عشاء کی اذان کے لیے مغرب سے ٹھیک پونے دو گھنٹے بعد کا وقت مقرر کیا گیا ہے۔ نماز عشاء اذان کے 15 منٹ بعد ادا کی جایا کرے گی۔اس حوالے سے روزنامہ "اسلام" نے مختلف مسالک کی مذہبی شخصیات سے گفتگو کی ہے۔

(مولانا محمد حنیف جالندھری (جنرل سیکرٹری وفاق المدارس العربیہ پاکستان

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے جنرل سیکرٹری مولانا حنیف جالندھری نے روزنامہ اسلام" سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کی طرف سے اسلام آباد میں نظام صلوٰۃ" نافذ کرنا قابل تحسین اور قابل تقلید اقدام ہے۔ اس سے معاشرے پر اچھے اور مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔ مساجد میں رونقیں بڑھ جائیں گی۔ عوام کو نماز باجماعت ادا کرنے میں سہولت ہو گی۔ سرکاری اور دیگر تمام دفاتر کے ملازمین کو نماز ادا کرنے میں سہولت میسر آئے گی، جبکہ اس سے پہلے نماز کے اوقات مختلف ہونے سے کسی حد تک کام متاثر ہوتے تھے، لیکن اب ایک ہی وقت پر باجماعت نماز ہونے سے کسی کے بھی کام متاثر نہیں ہوں گے۔ اس سے پہلے جو لوگ نماز کے نام پر کام چوری کرتے تھے، اس نظام سے اب کام چوری کا دروزہ بھی بند ہوگیا ہے۔ اس نظام کی وجہ سے نمازوں کے اوقات میں وقفہ ہونے سے نماز

کی ادائیگی میں آسانی ہوگی۔ جب زیادہ لوگ نماز ادا کریں گے تو اللہ کی رحمت بھی نازل ہوگی اور ملک کے مسائل حل ہوں گے، لیکن اس نظام کے مکمل نتائج اسی وقت سامنے آئیں گے، جب اس نظام پر مکمل طور پر عمل درآمد ہوگا۔ ان کا کہنا تھا کہ اقامت الصلوٰۃ کا نفاذ کسی بھی مسلمان حکومت کا اولین فریضہ ہے۔ تمام صوبوں کو چاہیے کہ اس نظام کی تقلید کریں۔ ان کا کہنا تھا کہ اس نظام سے معاشرے میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ ملے گا۔ یہ نظام تمام مسالک کے علمائے کرام کے مشورے سے طے ہوا ہے اور نماز واذان کا کیلنڈر بھی تمام علمائے کرام کے مشورے سے طے ہوا ہے۔ تمام علمائے کرام کا اس کیلنڈر اور نظام پر اتفاق کرنا ہی ہم آہنگی کی دلیل ہے اور آئندہ بھی اس کے اثرات مثبت ہی مرتب ہوں گے۔ مولانا حنیف جالندھری نے کہا کہ ملک بھر میں فرقہ واریت کا خاتمہ بہت ضروری ہے اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب تمام مسالک کے علمائے کرام مل بیٹھیں اور ایسے تمام عوامل کو ختم کریں، جو معاشرے میں فساد پھیلانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ایک دوسرے کا احترام کریں اور ایک دوسرے کی محترم شخصیات کا احترام کریں۔ اگر تمام مسالک کے علمائے کرام ایسا کرلیں تو یقیناً معاشرے میں مذہبی ہم آہنگی کو فروغ ملے گا۔

(صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر (سربراہ جمعیت علمائے پاکستان، نورانی گروپ

روزنامہ "اسلام" سے گفتگو کرتے ہوئے صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر نے کہا کہ

اسلام آباد میں نظام صلوٰۃ نافذ ہوا ایک اچھی بات ہے، لیکن اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی، کیونکہ ہر مسلک کے نماز و اذان کے اوقات مختلف ہوتے ہیں، جب اوقات مختلف ہیں تو مختلف اوقات میں نمازیں ادا کریں تو کوئی حرج والی بات بھی نہیں ہے۔ نظام صلوٰۃ کے معاشرے پر کوئی خاص مثبت اثرات مرتب نہیں ہوں گے۔ اس سے نہ تو ایک دوسرے کے خلاف پیدا شدہ نفرتیں ختم ہوں گی اور نہ ہی لڑائیاں ختم ہوں گی۔ جو لوگ ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے لگاتے ہیں، کیا اس سے یہ ساری نفرتیں ختم ہو جائیں گی؟ کبھی بھی نہیں۔ یہ نفرتیں تو اسی صورت میں ختم ہو سکتی ہیں، جب تمام علمائ، ذاکرین اور واعظین ایک دوسرے کے خلاف اپنی تقاریر میں نفرتیں اگلنا بند کریں اور ایک دوسرے کے احترام کی تلقین کریں۔ جب سب ایک دوسرے کا احترام کریں گے تو نفرتیں خود بخود ہی ختم ہو جائیں گی۔ اگرچہ اسلام آباد میں تمام مسالک کے علما کا مل بیٹھ کر نمازوں کے ایک وقت پر اتفاق کرنا اچھا فیصلہ ہے اور یہ مذہبی ہم آہنگی کی جانب حکومت کی ایک چھوٹی سی کوشش ہو سکتی ہے اور اس کو پورے ملک میں بھی نافذ ہونا چاہیے، تمام عوام اور تاجروں کو اس پر پوری طرح عمل بھی کرنا چاہیے، لیکن مجھے نہیں لگتا کہ اس سے کوئی خاص فرق پڑنے والا ہے۔ سب سے اہم بات تو فرقہ واریت کا خاتمہ ہے اور یہ خاتمہ تو صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ تمام مسالک کے علمائے کرام مل کر آپس میں پیدا شدہ نفرتوں کو ختم کرنے پر اتفاق کرلیں۔ قانون پر سختی سے عمل ہو اور تمام مساجد میں اشتعال دلانے والی

تقاریر پر سختی سے پابندی لگائی جائے۔ اس میں کسی قسم کی تخصیص نہ ہو، بلکہ سب کو اس قانون کے دائرے میں لایا جائے۔

(علامہ ابتسام الٰہی ظہیر (ناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث پاکستان

روزنامہ "اسلام" کو علامہ ابتسام الٰہی ظہیر نے بتایا کہ اسلام آباد میں ایک ہی وقت پر اذان و نماز کا نظام نافذ کرنا حکومت کا ایک اچھا اور قابل تعریف اقدام ہے، لیکن علمائے کرام کو اس حوالے سے غور کرنا چاہیے کہ اول اوقات مقرر ہوں، کیونکہ اول اوقات افضل اوقات ہیں، لیکن اب جو بھی اوقات مقرر ہوگئے ہیں، وہی غنیمت ہیں، ان پر ہی پوری طرح عمل کرنا چاہیے۔ اسلام آباد میں نافذ ہونے والا نظام صلوٰۃ پورے ملک میں نافذ ہونا چاہیے۔ ہر ضلع اور ہر علاقے کی سطح پر ایک ٹائمنگ مقرر کی جائے۔ اسلام آباد میں نافذ ہونے والے نظام صلوٰۃ کے معاشرے پر یقیناً اچھے اثرات مرتب ہوں گے اور جب بھی اتفاق رائے سے کوئی نظام نافذ ہوا ہے، معاشرے پر اس کے اچھے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے طلاق احسن پر اتفاق ہوا، اس کے بھی معاشرے پر اچھے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اسلام آباد میں نافذ ہونے والا نظام صلوٰۃ معاشرے کے لیے بہترین قانون ہے، تمام تاجروں کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔ تاجروں کو چاہیے کہ نمازوں کے اوقات میں اپنے کاروبار بند کریں۔ اگرچہ منافع کمانا تمام تاجروں کا حق ہے، لیکن نماز کے لیے تھوڑی دیر کے

لیے اپنا کاروبار بند کردیں گے تو اس سے اللہ تعالیٰ ان کی روزی میں برکت ڈالیں گے۔
ایک سوال کے جواب میں علامہ ابتسام الٰہی ظہیر کا کہنا تھا کہ سب سے اہم معاملہ معاشرے میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے فروغ کا ہے۔ فرقہ واریت کے خاتمے کا ہے۔ پورے ملک میں فرقہ واریت کے خاتمے کی ایک ہی صورت ہے کہ تمام مسالک کے علمائے کرام ایک دوسرے کے مقدسات کا احترام کریں، ایک دوسرے کی مقدس شخصیات کا احترام کریں۔ کسی کی توہین اور تذلیل نہ کریں۔ فرقہ واریت کے خاتمے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ علمائے کرام جذباتی ابلاغ کی بجائے علمی ابلاغ کریں۔ جذباتی ابلاغ سے معاشرے میں انتہا پسندی بڑھتی ہے، جبکہ علمی ابلاغ سے معاشرے میں اعتدال پسندی کو فروغ ملتا ہے۔

(امیر العظیم (مرکزی سیکرٹری اطلاعات ، جماعت اسلامی

جماعت اسلامی کے رہنما امیر العظیم نے روزنامہ "اسلام" سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اسلام آباد میں نظام الصلوٰۃ کا قائم ہونا اچھی بات ہے، لیکن یہ نظام کافی نہیں ہے۔ حکومت نے یہ ایک چھوٹا سا عمل کیا ہے، اس کے بعد اور بہت سے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ نظام صلوٰۃ تو ایک جامع اصطلاح ہے۔ اس سے یہ ضرور ہوگا کہ مسلمان ایک ہی وقت میں اکھٹے ہوں گے، لیکن ٹائمنگ ایک کرنے سے معاملات حل نہیں ہوں گے۔ اس نظام سے معاشرے پر اچھے اثرات مرتب ہوں گے، لیکن مکمل طور پر اثرات تو اسی صورت میں سامنے آئیں گے، جب مساجد کو معاشرے

کی مرکزی حیثیت حاصل ہوگی۔ تمام معاملات حل کرنے کے لیے حکومت کو چاہیے کہ علمائے کرام کے ساتھ چلے، مساجد کو مرکزی حیثیت قرار دے۔ اپنے جھگڑے ختم کرنے کے لیے مسجد کو عدالت بنائیں۔ جو فیصلے تھانوں میں ہوتے ہیں، مسجد میں بہتر طریقے سے وہ فیصلے کیے جائیں۔ حکومت علمائے کرام پر مشتمل کمیٹیاں تشکیل دے، پھر وہ علمائے کرام معاشرے میں ہم آہنگی کی فضا مہیا کریں۔ حکومت کو چاہیے کہ علمائے کرام کے تعاون کے ساتھ معاشرے سے فرقہ واریت کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔ جہاں بھی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے خلاف کوئی عمل ہو، اس کے خلاف نوٹس لیا جائے۔ قانون پر عمل ہر حال میں کرایا جائے۔ سب لوگ قانون کی نظر میں ایک ہی ہوں۔ قانون کی خلاف ورزی قابل مواخذہ ہو تو اس سے خود بخود ہی معاشرے میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا ہو جائے گی اور معاشرے میں جو اعتدال سے ہٹے ہوئے چند لوگ ہیں، وہ خود ہی راہ راست پر آ جائیں گے۔ معاشرے میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے علمائے کرام کا تعاون ضروری ہے۔

جامعۃ الرشید: سالانہ تقسیمِ اسناد و انعامات کی پُروقار تقریب

جامعۃ الرشید کراچی دینی، تعلیمی، سماجی اور دیگر متعدد خدمات کی وجہ سے ملک بھر میں اپنی ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ ہر سال جامعۃ الرشید کے مختلف تعلیمی شعبہ جات سے اپنی تعلیم مکمل کرنے والے فضلائے کرام کو انعامات و اسناد کی تقسیم کے لیے ایک پروقار تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ امسال یہ تقریب 3 مئی 2015 بروز اتوار کو منعقد کی گئی۔ عمدہ انتظامات کی وجہ سے یہ تقریب ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔ نظم و ضبط کو بہتر طور پر سنبھالنے کے لیے انتہائی مستعد افراد پر مشتمل مختلف امور سے متعلق 80 سے زاید کمیٹیاں تشکیل دی گئی تھیں۔ ان کمیٹیوں نے تقریب کی خوبصورتی کو چار چاند لگائے، جس کی بدولت شریک مہمانان گرامی نے جامعۃ الرشید کے اقدامات کو سراہا اور نظم و ضبط کی دل کھول کر تعریف کی۔ تقریب تقسیم انعامات و اسناد کا انعقاد جامعۃ الرشید کراچی کے کیمپس (ٹو) میں کیا گیا اور اندرون اور بیرون شہر سے آنے والے مہمانان گرامی کی رہنمائی کے لیے جامعۃ الرشید کی جانب آنے والی تمام سڑکوں پر رہنمائی نشانات لگائے گئے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ رہنمائی اور مہمانوں کے تقریب کی جگہ تک بسہولت رسائی کے لیے خدمات سرانجام دینے والی کمیٹیوں کے وردی میں ملبوس افراد ٹولیوں کی شکل میں کھڑے تھے۔ تقریب کی سیکورٹی کے لیے

سخت انتظامات کیے گئے تھے۔ شرکاء کی سہولت کے لیے گاڑیوں کی پارکنگ کے لیے علیحدہ اسٹاف مقرر کیا گیا تھا، جو شرکاء کی گاڑیاں خود پارک کر رہے تھے۔ تقریب کی جگہ سے کافی پہلے جامعہ کی جانب سے متعدد اسٹالز لگائے گئے تھے، جہاں بیٹھے افراد مدعو کیے گئے مہمانان گرامی کو پنڈال میں داخلے کے لیے انٹری کارڈ دے رہے تھے۔ کیمپس (ٹو) میں داخلے کے لیے متعدد گیٹ تھرو لگائے گئے تھے، جن پر کھڑے کارکنان انتہائی مستعدی کے ساتھ شریک ہونے والے افراد کی چیکنگ کرکے انہیں آگے بھیج رہے تھے۔ انتظامیہ کی جانب سے لگائے گئے گیٹ تھرو اور تقریب کی جگہ کے مرکزی گیٹ کے درمیان جامعۃ الرشید کے تحت چلنے والے متعدد شعبہ جات کے تعارفی اسٹالز لگائے گئے تھے۔ تقریب کے پنڈال کے مرکزی گیٹ میں داخلے کے لیے مختلف ٹولیوں میں کھڑے افراد شرکا حضرات کی درجہ بندی کے لحاظ سے ان کی نشستوں کی طرف رہنمائی کر رہے تھے۔
مہمانوں کے لیے متعین کی گئیں نشستیں آرام دہ اور انتہائی ترتیب کے ساتھ رکھی گئیں تھی، تاکہ پنڈال میں موجود کسی بھی جگہ بیٹھے تمام شرکا تقریب کو سہولت سے دیکھ اور سن سکیں۔ جامعۃ الرشید کی تقریب میں شرکا کے لیے پنڈال میں 8 ہزار نشستوں کا انتظام کیا گیا تھا، لیکن تقریب کے شروع ہونے کے کچھ دیر بعد ہی تمام نشستیں شرکا سے بھر گئیں۔ دیگر آنے والے شرکا کے لیے انتظامیہ نے اضافی نشستوں کا اہتمام کیا۔
پنڈال میں جامعۃ الرشید کے تین درجن مختلف شعبہ جات کے تعارفی پینا فلیکس آویزاں تھے، جبکہ اسٹیج سے متصل ایک بڑے پینا

فلیکس پر نمایاں حروف میں "وحی کے نور کے بغیر عقل گمراہ ہے، دینی و دنیوی تعلیم کا امتزاج ناگزیر ہے" لکھا تھا۔ تقریب کے پنڈال کو انتظامی طور پر مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ تقریب میں مختلف اخبارات کے ایڈیٹران، کالم نویس، نیوز ایڈیٹرز اور رپورٹرز کے علاوہ الیکٹرانک میڈیا سے تعلق رکھنے والے پروڈیوسرز، اینکر پرسنز اور نیوز ایڈیٹرز بھی شریک تھے، صحافی برادری کے لیے اسٹیج کے دائیں جانب پریس گیلری بھی بنائی گئی تھی۔

تقریب تقسیم واسناد 2 نشستوں پر مشتمل تھی۔ پہلی نشست عصرتامغرب تھی، جب کہ دوسری نشست نماز مغرب کے بعد رات پونے 12 بجے تک جاری رہی۔ پہلی نشست کاآغاز مقررہ وقت پر تلاوت کلام پاک سے کیاگیا، جبکہ نقابت کے فرائض مفتی سید عدنان کاکاخیل نے سرانجام دیے۔ اسٹیج سے پنڈال کے آخری سرے تک لوگ ہی لوگ تھے، جو کہ نہایت خاموشی اور انہماک سے مقررین کی گفتگو سن رہے تھے۔ ان شرکا میں جید علمائے کرام، صحافی، تاجر، وکلائ، ڈاکٹرز اور ماہرین تعلیم سمیت مختلف شعبہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد تھے۔ تقریب تقسیم اسناد وانعامات کی بہترین اور بھرپور میڈیا کوریج کے لیے جدید ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے پاکستان مےں پہلی مرتبہ ڈرون کیمرے سے تقریب کی کوریج کا اہتمام بھی کیاگیا۔ تقریب سے پہلے اور تقریب کے دوران حاضرےن کی تعداد کا درست اندازہ لگانے اور پنڈال اور ارد گرد کے انتظامات کے فضائی جائزے کے لیے ڈرون

کیمرہ مسلسل فضا میں چکر لگاتا رہا اور تقریب کی بہترین کوریج فراہم کرتا رہا۔ ڈرون کیمرے سے کوریج کو حاضرین نے بڑی دلچسپی سے دیکھا۔

اسٹیج کے دائیں اور بائیں جانب ڈگری لینے والے طلبہ بیٹھے تھے، ان نوجوانوں نے خوبصورت جبے پہن رکھے تھے۔ جامعۃ الرشید کے مختلف شعبہ جات سے فارغ التحصیل ہونے والے ان طلبہ کے سروں پر عمامے تھے اور یہ عجز وانکساری کا پیکر بنے بیٹھے تھے۔ جامعۃ الرشید کی اس غیر روایتی اور منفرد تقریب میں فارغ التحصیل طلبہ کو اسناد و انعامات سے نوازا گیا ہے، جبکہ درس نظامی سے مکمل کرنے والے طلبہ کی دستار بندی بھی کی گئی۔ امسال جامعۃ الرشید سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ میں درس نظامی کے 68، کلیۃ الشریعہ کے 17، ایم بی اے، بی بی اے، بی کام اور بی اے کے 55، تخصص فی الافتاء کے 10، تخصص فی الفقہ والحدیث کے 7، تخصص فی القراءت اور تحفیظ القرآن کے 37، کلیۃ الدعوہ کے 12، تجوید کورس للحفاظ کے 5، دراسات دینیہ کے 13، المستوی التمہیدی (ایک سالہ عربی لینگویج کورس) کے 84، صحافت، انگلش، عربیک اینڈ انگلش اور ٹیچر ٹریننگ کورس کے 103 طلبہ فارغ التحصیل ہوئے ہیں، جن کی مجموعی تعداد 418 بنتی ہے۔ فارغ التحصیل تمام طلبہ کو ڈگریاں، تعریفی اسناد اور شیلڈز و انعامات کے علاوہ پونے 3 لاکھ کتابوں پر مشتمل ڈیجیٹل لائبریری کی صورت میں ہارڈ ڈسک بھی فراہم کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ سال بھر اسباق میں حاضری، مسلسل

پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو گولڈ میڈل اور سلور میڈل بھی دیے گئے۔ جبکہ درس نظامی اور کلیۃ الشریعہ کے طلبہ کی دستار بندی بھی کی گئی، یہ دستار بندی رئیس جامعہ مفتی عبدالرحیم نے کی، اس موقع پر جامعۃ الرشید کے اساتذہ کرام اور دیگر علمائے کرام بھی اسٹیج پر موجود تھے۔

تقریب کے دوران اسٹیج پر لگے پروجیکٹر پر پریزنٹیشن کے ذریعے جامعۃ الرشید کے مختلف شعبہ جات اور اداروں کا تعارف کروایا گیا، جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

علوم شریعہ پر مشتمل آٹھ سالہ عالم کورس، یونیورسٹی گریجویٹس اور پوسٹ گریجویٹس طلبہ کے لیے چار سالہ عالم کورس (کلیۃ الشریعہ)، علوم شریعہ پر مشتمل آٹھ سالہ عربی میڈیم عالم کورس، تحفیظ القرآن، گریجویٹس اور پوسٹ گریجویٹس طلبہ کے لیے آٹھ سالہ درس نظامی کورس (کلیۃ النظامی)، تجوید و قراءات عشرہ اور اسلامک اسکول و مدارس کا نظم و نسق چلانے کے لیے ایک سالہ جامع کورس (تخصص فی القراءات)، کراچی انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ اینڈ سائنسز (الحاق کراچی یونیورسٹی) اس ادارے کے تحت جامعۃ الرشید کے طلبہ ایم بی اے اور بی کام کرتے ہیں، مالی و تجارتی امور میں رہنمائی کے لیے دارالافتاء برائے مالی و تجارتی امور (ایس سی ایس)، ملک بھر کی تاجر برادری کی رہنمائی کے لیے ہفت روزہ شریعہ اینڈ بزنس، عوام کی شرعی رہنمائی کے لیے المفتی آن لائن، مکمل تحقیق کے بعد مختلف فوڈ کمپنیوں کو حلال

سرٹیفکیٹ جاری کرنے والا ادارہ حلال فاؤنڈیشن، ہفت روزہ "دی ٹرتھ"، پبلک سروسز سینٹر، شعبہ تکمیل علمائ، سینٹر فار پبلک ریسرچ اینڈ ڈائیلاگ (تھنک ٹینک)، بے سہارا بچوں کے لیے لباس، طعام، علاج معالجہ، حفاظتی، تعلیمی اور تربیتی سہولیات پہنچانے اور ان کی رہائش کے لیے قائم کیا گیا (ماویٰ ہومز)، صفہ سیوئیر اسکول سسٹم، البیرونی اسکول اینڈ کالج، مدرسہ ام حبیبہ للبنات اور البیرونی گرلز سیکنڈری اسکول، فلکیات و رویت ہلال، حفاظ عربک و انگلش لینگویج کورس، ایک سالہ صحافت کورس (کلیۃ الفنون)، پاکستان کے سات شہروں سے شایع ہونے والا روزنامہ اسلام، پرنٹنیشن کے ذریعے ان کے علاوہ جامعۃ الرشید کے دیگر متعدد اداروں کا تعارف کرایا گیا۔ تقریب کے دوران تمام شرکا کو ایک فارم بھی دیا گیا، جس میں تقریب کے انتظامات اور دیگر چیزوں سے متعلق رائے پوچھی گئی تھی۔

جامعۃ الرشید کی تقریب میں ملک بھر سے اپنے شعبوں کی ممتاز شخصیات نے شرکت کی۔ مہمان خصوصی شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا صاحبزادہ فضل الرحیم اشرفی، مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی، وزیر مملکت برائے وفاقی تعلیم انجینئر محمد بلیغ الرحمٰن، (ر) جنرل حمید گل، افتخار احمد وہرا، ڈاکٹر خان بہادر مروت، زبیر موتی والا، پروفیسر ڈاکٹر ضابطہ خان شینواری اور دیگر متعدد مہمانان گرامی نے تقریب کے شرکا سے خطاب کیا۔ جبکہ ان کے علاوہ (ر

جنرل محمد مصطفیٰ، ڈاکٹر مختار احمد، ایس ایم منیر، ڈاکٹر معصوم یاسین زئی، ڈاکٹر سید خواجہ علقمہ، ڈاکٹر محمد قیصر، ریئر ایڈمرل (ر) پروفیسر سرفراز حسین، عارف حبیب، مولانا راحت علی ہاشمی، مولانا امداد اللہ، مولانا محمد انور، مولانا اسعد تھانوی، مولانا ڈاکٹر عمران اشرف، مولانا مفتی سعید حسن دہلوی، پروفیسر ڈاکٹر انور نسیم، پروفیسر ڈاکٹر ضابطہ خان شینواری، سید نجم الحسین، پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن، ڈاکٹر عبدالباری، مولانا مفتی مزمل حسین کاپڑیا، انیق احمد دنیاٹی وی، نعیم قریشی ایڈووکیٹ، محمد علم ایڈووکیٹ، ڈاکٹر دانش احمد صدیقی، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قاری، عامر اللہ ذکی، راشد احمد صدیقی، جاوید بلوانی، عبدالرشید فوڈر والا، جنید اشرف تالو بھی شریک تھے۔ میزبان کمیٹی مے ں حافظ عبدالقادر، حاجی عبدالرؤف عیسیٰ، شفیق اجمل، کمال احمد محمودی، عبدا لمتے ن، جواد عبدالمجید، محمد طاہر، الطاف موتی، محمد ذکی، آصف چامڑے ا، خورشید الاسلام، کرنل (ر) عبدالمغنی، سید رفیع الدین فیصل، یونس خمیسانی، محمود ٹبہ شامل ہے ں۔ تقریب کے اختتام پر دعا مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی نے کرائی۔ تقریب کا اختتام رات 12 بجے ہوا۔ نماز عشاء کے بعد مہمانان گرامی کے لیے پر تکلف کھانے کا اہتمام کیا گیا، کھانے کا انتظام شرکاء کے زیادہ ہونے اور انتظامات کے پیش نظر دو حصوں میں کیا گیا تھا، جن میں سے ایک حصے کے شرکا کے لیے جامعۃ الرشید کے کیمپس (ون) میں کھانے کا انتظام (کیا گیا تھا، جبکہ دوسرے حصے کے شرکا کے کھانے کا انتظام کیمپس (ٹو

میں کیا گیا تھا۔ کھانے کے بعد تمام شرکا باسہولت واپس روانہ ہو گئے۔

گرمی کی شدت میں اضافہ.... بجلی و پانی کا بحران سنگین

ملک میں گرمی کی شدت میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، جس سے نظام زندگی معطل ہو کر رہ گیا ہے۔ گرمی کی شدت میں اضافے کی وجہ سے ملک کے کئی علاقوں سے متعدد افراد کے بے ہوش ہونے کی اطلاعات بھی ہیں۔ جبکہ بیمار ہونے افراد کی تعداد بھی کافی زیادہ ہے۔ گرمی کی شدت سے ملک کے مختلف علاقوں میں گیسٹرو کی وبا پھیل گئی ہے۔ متعدد افراد گیسٹرو کی وبا میں مبتلا ہو کر مر چکے ہیں، جبکہ روزانہ بیسیوں مریض ہسپتالوں میں داخل ہو رہے ہیں۔ گزشتہ ہفتے ملک بھر کے متعدد شہروں میں درجہ حرارت 43 ڈگری سینٹی گریڈ رہا ہے، جبکہ آئندہ ہفتے گرمی کی شدت میں مزید اضافے کا امکان ہے۔ ملک کے شہریوں کے لیے گرمی کا موسم انتہائی کرب کی حالت میں گزر رہا ہے۔ ایک طرف گرمی کی شدت اور سخت گرم لو چلنے کی وجہ سے گھروں سے باہر نکلنا محال ہے، جبکہ دوسری جانب شہریوں کے لیے اس گرم ترین موسم میں گھر میں بیٹھنا بھی محال ہے، کیونکہ جوں جوں گرمی میں شدت آ رہی ہے، ملک میں لوڈشیڈنگ اور پانی کے بحران میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ جب سے گرمی کی شدت میں اضافہ ہوا ہے، تب سے ملک کے مختلف علاقوں میں لوڈشیڈنگ کا دورانیہ بڑھا دیا گیا ہے۔ طویل لوڈشیڈنگ کے باوجود بجلی آنے کے دوران بھی وقفے وقفے سے بجلی میں تعطل کا سلسلہ جاری رہتا ہے، جس سے عوام کے کروڑوں

روپے کے الیکٹرانک آلات ضائع ہو رہے ہیں۔ ملک میں بجلی کا شارٹ فال بھی بڑھنے لگا ہے۔ گزشتہ روز بجلی کا شارٹ فال 4 ہزار 500 میگاواٹ تک پہنچ گیا، جس سے ملک کے مختلف حصوں میں لوڈشیڈنگ کے دورانیے میں اضافہ دیکھنے میں آیا۔ شہروں میں 6 سے 8 گھنٹے، جبکہ دیہی علاقوں میں 10 سے 12 گھنٹے تک لوڈشیڈنگ کی جا رہی ہے۔

نیشنل ٹرانسمشن اینڈ ڈسپیچ کمپنی (این ٹی ڈی سی) کے حکام کا کہنا ہے کہ ملک میں بجلی کی طلب 15 ہزار ایک سو میگا واٹ اور پیداوار 10 ہزار 500 میگاواٹ ہے۔ حکام کا کہنا ہے کہ گرمی بڑھنے سے بجلی کی طلب میں اضافہ ہو گیا ہے، جس کے باعث شارٹ فال بھی بڑھنے لگا ہے۔

واضح رہے کہ مسلم لیگ (ن) نے اپنی انتخابی مہم میں 2 سال میں لوڈشیڈنگ کے خاتمے کا وعدہ کیا تھا، لیکن اب حکمران یہ کہہ رہے کہ بجلی کی لوڈشیڈنگ کا خاتمہ 2018 تک ہوسکے گا۔ وزیراعظم نے بہاولپور میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ 2017 - 2018 میں ملک سے لوڈشیڈنگ ختم کر دی جائے گی۔ اگرچہ بجلی کی لوڈشیڈنگ پر قابو پانے کے لیے حکومت کی جانب سے متعدد منصوبوں پر کام جاری ہے، گزشتہ روز وزیراعظم نواز شریف نے پنجاب کے شہر بہاولپور میں ملک کے پہلے ایک ہزار میگاواٹ کے شمسی توانائی منصوبے کا افتتاح کیا ہے۔ قائداعظم سولر پارک میں قائم پہلے شمسی توانائی کے منصوبے سے پہلے مرحلے میں 100 میگاواٹ بجلی پیدا کی جائے گی جو گرڈ اسٹیشنز اور بجلی کی ترسیلی لائنوں کے

ذریعے قومی گرڈ میں شامل کی جائے گی۔ جبکہ دوسرے مرحلے میں اس منصوبے کی مدد سے 900 میگا واٹ بجلی حاصل کی جائے گی۔ اس سے پہلے بھی وزیر اعظم میاں نواز شریف متعدد منصوبوں کا افتتاح کر چکے ہیں، لیکن بجلی کی لوڈشیڈنگ سے عوام مسلسل پریشان ہیں۔ شدید گرمی میں 10 سے 12 گھنٹے کی لوڈشیڈنگ کے باعث عوام کی زندگی اجیرن ہو چکی ہے۔ لوڈشیڈنگ میں اضافے کی وجہ سے ملک بھر کے مختلف چھوٹے بڑے شہروں میں عوام حکومت کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔ مختلف شہروں میں عوام نے حکومت کے خلاف شدید احتجاج اور مظاہرے کیے ہیں۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ لوڈ شیڈنگ نے ہمیں ذہنی مریض بنا دیا ہے۔ موجودہ حکومت نے عوام کو ذلیل و خوار کرنے میں سابقہ حکومتوں کے ریکارڈ بھی توڑ دیے ہیں۔ گھروں میں نہ بجلی ہے، نہ پانی ہے۔ ایسے حالات میں عوام کہاں جائیں؟ عوام نے لوڈشیڈنگ کے عذاب سے عاجز آ کر ہی مسلم لیگ (ن) کو اقتدار سونپا تھا، لیکن اب بھی ماضی کی طرح شہریوں کا سکون غارت ہے۔ جبکہ ماہرین کا کہنا ہے کہ بجلی کا ٹرانسمیشن سسٹم بہت بوسیدہ اور پرانا ہو چکا ہے، جب تک اسے تبدیل نہیں کیا جائے گا، لوڈشیڈنگ پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ لہٰذا حکومت پر ضروری ہے کہ بجلی کی لوڈشیڈنگ پر قابو پانے کے لیے بوسیدہ بجلی کے ٹرانسمیشن سسٹم کو تبدیل کرنا ہوگا۔

دوسری جانب ملک میں مسلسل پانی کے بحران میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ رپورٹ کے

مطابق پاکستان میں پانی کا شدید بحران پیدا ہو سکتا ہے۔ محکمہ موسمیات کے ملک بھر میں قائم 56 مختلف دفاتر سے حاصل کردہ ڈیٹا میں بتایا گیا کہ گزشتہ کچھ سالوں میں دریائے سندھ کے ٹیلٹا کے مقام پر گرمی کی لہروں اور درجہ حرارت میں اضافے کا رجحان واضح طور پر ریکارڈ کیا گیا ہے۔ موجودہ صورتحال میں پاکستان کو شدید سمندری طوفانوں اور ساحلی علاقوں میں پانی چڑھ آنے کی وجہ سے سیم اور تھور جیسے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ موسمیاتی تبدیلی کے اعتبار سے پاکستان دنیا کے سب سے متاثرہ ملکوں میں سے ایک ہے۔ اگر یہاں اقدامات نہ کیے گئے تو آئندہ چند برسوں میں مسائل اور بھی گھمبیر ہو سکتے ہیں۔ گزشتہ روز سندھ اسمبلی میں اپوزیشن نے پانی کے بحران کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ احتجاج کرتے ہوئے اپوزیشن لیڈر خواجہ اظہار الحسن کا کہنا تھا کہ حکومت کو ترجیحی بنیادوں پر صوبے میں پانی کے مسئلے کو حل کرنے پر توجہ دینی چاہیے۔ واضح رہے کہ پاکستان کو درپیش بحرانوں میں سے پانی کا بحران ایک اہم چیلنج ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ملک میں پانی کے بحران میں شدت آنے کا خدشہ بھی ظاہر کیا جا رہا ہے۔ چند ماہ قبل "ٹاولز مینوفیکچررز ایسوسی ایشن آف پاکستان" (ٹی ایم اے) نے اپنی مرتب کردہ تحقیقی رپورٹ میں اس بات کی وضاحت کی تھی کہ پاکستان میں آئندہ 10 سال کے دوران پانی کے ذخائر کے نئے وسائل پیدا نہ کیے گئے تو 2025ء تک پاکستان عالمی فہرست میں ان ممالک کی صف میں کھڑا ہو جائے گا، جہاں پانی کا شدید بحران درپیش ہے۔ فی الوقت پاکستان

میں 1100 کیوبک میٹر فی کس پانی دستیاب ہے، جو آئندہ 10 سال میں گھٹ کر کیوبک میٹر ہو جائے گا۔ بین الاقوامی معیار کے مطابق 1000 کیوبک میٹر فی 800 کس سے کم پانی کی مقدار کے حامل ممالک پانی کی قلّت کا سامنا کرنے والے ممالک میں شامل ہوتے ہیں۔ اگر متعلقہ ذمے دار اداروں کی جانب سے ملک میں پانی کے ذخائر کی جاری قلّت کو دور کرنے کے لیے فوری اقدامات نہ کیے گئے اور نئے ڈیموں کی تعمیر سے چشم پوشی کی گئی تو سال 2025ء میں پاکستان پانی کے بحران کے شکار ممالک کی فہرست میں شامل ہو جائے گا۔

پاکستان میں پانی کی کمی کے باعث گھریلو اور زرعی سطح پر بھی شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ چند سالوں سے ملک میں بارشوں کی کمی کی وجہ سے دیہی علاقوں میں پانی مزید نیچے چلا گیا ہے، جس سے پانی نکالنے کے دیگر ذرائع سے پانی حاصل کرنے میں دشواری ہوتی ہے اور عوام کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، جبکہ شہری علاقوں میں چونکہ زمینی پانی پینے کے قابل نہیں ہوتا اور گھریلو استعمال کے لیے میٹھا پانی ہائیڈرنٹس سے پیسوں کے عوض حاصل کیا جاتا ہے، لیکن غیر قانونی ہائڈرنٹس کی وجہ سے شہریوں کو میٹھے پانی کے حوالے سے کافی مشکلات درپیش ہوتی ہیں۔ واٹر بورڈ میں بعض عناصر کی ملی بھگت سے غیر قانونی ہائڈرنٹس کو پانی مہیا کر دیتا ہے، جبکہ پیسہ بٹورنے کے لیے متعدد قانونی ہائڈرنٹس کو ختم کرنے کی بھی اطلاعات ہیں۔ غیر قانونی ہائڈرنٹس

مالکان شہریوں کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مہنگے داموں پانی فروخت کرتے ہیں، غیر قانونی ہائڈرنٹس کے خلاف کارروائی کے باوجود بھی عوام پانی کی فراہمی سے محروم ہیں، جس سے عوام کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔

پاکستان میں "را" کی مذموم سرگرمیاں.... عسکری قیادت کا سخت نوٹس

بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کی جانب سے کی جانے والی پاکستان مخالف سرگرمیاں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ "را" پاکستان دشمن تنظیم ہے، جو پاکستان کو دنیا کے نقشے سے مٹانے کے لیے بنائی گئی۔ اس کا نصب العین ہی پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنا ہے۔ "را" نے اپنی ابتدا سے ہی اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے پاکستان کو نقصان پہنچایا ہے، جس کے لیے ملک کے مختلف شہروں میں اپنے ایجنٹوں کی مدد سے قتل وغارت گری اور بم، دھماکے کروا کر ہر موڑ پر پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنے کی کوشش کی ہے، جبکہ "را" کی جانب سے پاکستان کے سادہ لوح عوام کو مذہبی، سیاسی اور لسانی عصبیت کی بنا پر آپس میں لڑا کر بھی پاکستان کو عدم استحکام کا شکار کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ آئے روز پاکستان میں "را" کے ایجنٹ اور دہشتگرد پاکستانی سیکورٹی کے ہاتھوں گرفتار ہوتے رہتے ہیں۔ "را" کا خفیہ نیٹ ورک پورے پاکستان میں ہے، جہاں سے اس کے کارندے اپنا ٹارگٹ حاصل کرتے ہیں۔ "را" کی جانب سے ایک عرصے سے علیحدگی پسندوں کو استعمال کرتے ہوئے بلوچستان کو پاکستان سے توڑنے کی کوشش بھی جاری ہے۔ "را" بلوچستان میں بدامنی پھیلانے میں سرگرم عمل ہے اور بلوچستان میں علیحدگی پسندوں کی نہ صرف صوبے میں بھرپور معاونت کرتی ہے، بلکہ انہیں بے تحاشہ

فنڈنگ کرنا، اسلحہ پہنچانا اور دوسرے ممالک کے ویزے فراہم کرنے کا سارا انتظام "را" کرتی ہے۔ بلوچستان اور ملک کے دیگر کئی علاقوں سے "را" کے ایجنٹس پکڑے جانے کے ساتھ ساتھ بھاری مقدار میں بھارتی اسلحہ بھی متعدد بار پکڑا جاتا رہا ہے۔ ذرائع کے مطابق ملک میں "را" کے خفیہ معاون بھی موجود ہیں، جو بھاری رقوم کے عوض "را" کو تعاون فراہم کرتے ہیں اور ملک کے حساس اداروں کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ متعدد این جی اوز بھی فلاحی کاموں کی آڑ میں پاکستان کو نقصان پہنچانے میں مشغول ہیں۔ ملک بھر میں "را" کی مداخلت کے شواہد کئی بار منظر عام پر آ چکے ہیں۔ پاکستان کی حکومتی اور سرکاری شخصیات بھی متعدد بار پاکستان میں "را" کی سرگرمیوں کے ثبوت پیش کر چکی ہیں، جبکہ پاک فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف نے 3 ہفتے قبل بلوچستان کی بدامنی کا ذمہ دار ایک غیر ملکی خفیہ ایجنسی کو ٹھہرایا تھا۔ فوجی حکام کا کہنا تھا کہ نئی انٹیلی جنس معلومات کے مطابق "را" کراچی، بلوچستان اور فاٹا میں بڑھتی ہوئی بدامنی میں ملوث ہے۔

گزشتہ روز کور کمانڈرز نے پاکستان کے اندر دہشت گردی پھیلانے میں بھارت کی بدنام زمانہ خفیہ ایجنسی "را" کے ملوث ہونے کا سخت نوٹس لیا ہے۔ پاکستان کی جانب سے مسلسل یہ نشاندہی کی جا رہی ہے کہ فاٹا، بلوچستان اور کراچی انڈین انٹیلیجنس ایجنسی کی خاص توجہ کا مرکز ہیں۔ بھارت کی جانب سے پاکستان کو عدم

استحکام سے دوچار کرنے کے ثبوت سیاسی و عسکری قیادت کے پاس موجود ہیں، جنہیں امریکا کے سامنے پیش کرنے کے بیانات بھی آتے رہے ہیں۔ سیاسی قیادت کی طرف سے بلوچستان میں "را" کی مداخلت کی بات کی جاتی رہی ہے۔ گزشتہ دنوں ڈی جی آئی ایس پی آر میجر جنرل عاصم سلیم باجوہ نے دوٹوک الفاظ میں کہا تھا کہ بھارت بلوچستان میں مداخلت کررہا ہے اور ضرب عضب آپریشن کو ناکام بنانے کے لیے سرگرم عمل ہے۔ میجر جنرل باجوہ نے بھارت کو خبردار کیا تھا کہ بھارت، پاکستان میں بدامنی پیدا کرنے سے باز رہے۔ اب یہ پہلا موقع ہے کہ فوج کی اعلیٰ قیادت نے دشمن ملک کی بڑی انٹیلی جنس ایجنسی کا پاکستان کے اندر دہشت گردی اور تخریب کاری کی وارداتوں میں ملوث ہونے کا کھل کر ذکر کیا اور ایجنسی کو نامزد بھی کیا۔ ریسرچ اینڈ اینالائسس ونگ (RAW) کا قیام 21 ستمبر 1968ء کو عمل میں آیا، اس کا ہیڈ کوارٹر دہلی میں ہے۔ اس کی بنیادی ذمہ داری فارن انٹیلی جنس جمع کرنا اور کاؤنٹر ٹیررازم ہے۔ وزیر دفاع خواجہ آصف نے کہا ہے کہ "را" پاکستان کے دشمن کی تنظیم ہے، جو پاکستان کو دنیا کے نقشے سے مٹانے کے لیے بنائی گئی ہے۔ "را" کا تو نصب العین ہی پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنا ہے۔ اس کے لیے "را" پاکستان میں دہشتگردی کی وارداتیں کراتی ہے، بلوچستان میں علیحدگی پسندوں کی مدد کر رہی ہے، ضرب عضب آپریشن کو ناکام بنانے کے لیے کوشاں ہے اور کراچی کے امن کو تباہ کرکے رکھ دیا ہے۔ پاکستان کے پاس یہ تمام ثبوت موجود ہیں، مگر بات بیانات سے آگے

نہیں بڑھ سکی۔ ان حالات میں سول حکومت کو چاہیے کہ جہاں کہیں بھی شواہد موجود ہوں، انہیں واضح اور بھرپور انداز سے اکٹھا کرنے کے بعد اعلیٰ ترین سفارتی درجوں پر اٹھایا جائے۔ ایک دو وزرا کی جانب سے "را" اور انڈین سیکورٹی اسٹیبلشمنٹ کی محض زبانی مذمت کافی نہیں ہے۔ پاکستانی عوام کو دکھانے کے لیے بیان داغنے، جارحانہ انداز اپنانے سے ملک کو خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوگا، بلکہ اس کے لیے حکومت کو عملی اقدامات کرنا ہوں گے۔

پاکستانی دفتر خارجہ کے نئے ترجمان قاضی خلیل اللہ نے کہا ہے کہ "را" کی سرگرمیوں کا معاملہ بھارت سے ماضی میں کئی بار اٹھایا جاچکا ہے۔ جب بھی پاکستان اور بھارت کے درمیان کسی بھی حوالے سے بات چیت شروع ہوتی ہے، پاکستان کے مختلف حصوں میں بھارتی مداخلت کے حوالے سے معاملہ سامنے جاتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ بھارتی خارجہ سیکرٹری کی جانب سے گزشتہ مارچ میں کیے جانے والے پاکستانی دورے کے بعد پاکستان کے سیکرٹری خارجہ نے میڈیا کے نمائندوں کو بھارت کی فاٹا اور بلوچستان میں مداخلت کے حوالے سے آگاہ کیا تھا۔ بھارت کی پاکستان دشمنی کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ پاکستان میں "را" کے بے نام اور بے پہچان ایجنٹ اور ان کے سہولت کار موجود ہیں، ان تک پہنچنے کی کوشش بھی ہوتی رہتی ہے۔ کشمیر سنگھ، سربجیت سنگھ اور سرجیت سنگھ "را" کے ایسے ہی ایجنٹ تھے، جن کو آئی ایس آئی نے مہارت سے پکڑا، ان کے سہولت کار

بھی پکڑے گئے۔ ذرائع کے مطابق بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کے دہشت گرد اور اس کے ایجنٹ ملک کے اہم شہروں میں اپنی مذموم سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ بلوچستان کی ایک علیحدگی پسند تنظیم کے ساتھ مل کر انارکلی میں دو دھماکوں سمیت دہشت گردی کی متعدد وارداتوں میں بھی "را" کے ملوث ہونے کے ثبوت ملے تھے۔ ملک میں دہشت گردی، بم دھماکوں، اسمگلنگ، غیر قانونی طور پر بارڈر کراس کرکے آنے والے بھارتی ایجنٹ اور دہشت گرد جرم ثابت ہونے پر عدالتوں سے سزائیں پانے پر 42 پنجاب کی جیلوں میں قید ہیں۔ ان بھارتی دہشت گردوں اور ایجنٹوں کو حساس اداروں نے ملک کے مختلف شہروں سے گرفتار کیا۔ پنجاب کی جیلوں میں قید بعض بھارتی ایجنٹوں اور دہشت گردوں کے ابھی تک جعلی نام ہمارے ریکارڈ میں درج ہیں۔ گرفتار کلدیپ سنگھ اور کلدیپ کمار بھارتی جاسوسوں کو 26,26 سال قید کی سزا ہوئی ہے۔ بھارتی پنجاب کے غلام فرید میر کوٹ کو 13 سال کی سزا ہوئی ہے۔ گورداس پور کے مہندر سنگھ بھارتی جاسوس کو 10 سال کی سزا ہوئی ہے۔ کلیر سنگھ کا نام فتح محمد تھا، وہ دہشت گردی میں ملوث ہے۔ یوگیشن کمار جاسوسی اور اسمگلنگ کے الزام میں نارووال سے پکڑا گیا تھا۔ بھارتی شہری محمد قاسم نارنگ منڈی سے پکڑا گیا۔ جالندھر کے رہائشی سیروف سلیم کو پکڑا گیا۔ جموں کے رہائشی محمد اقبال عرف رانا سیکرٹ ایکٹ کے تحت گجرات سے پکڑا گیا۔ مبارک شاہ کھاریاں کینٹ سے سیکرٹ ایکٹ میں پکڑا گیا۔ جاوید چھانی کا اصل نام پنچ کمار اور تعلق گورداسپور سے تھا، اسپال رام

اوکاڑہ سے، تعلوق سنگھ، محمد وقار، دلباغ سنگھ کو اسلام آباد، جبکہ رام تلک سیکرٹ ایکٹ کے تحت لاہور سے پکڑا گیا۔ "را" اپنے دہشت گردوں، ایجنٹوں اور سہولت کاروں کو افغانستان، دبئی اور دیگر ممالک سے بھی مالی، افرادی اور دیگر مدد فراہم کرتی ہے۔ ذرائع کے مطابق پکڑے گئے بھارتی ایجنٹ اور دہشت گردوں میں سے بیشتر نے اسلامی نام رکھے ہوئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد بھارت کے خفیہ ادارے اپنے طریقہ کار میں تبدیلی کر لیتے ہیں۔ ذرائع کے مطابق اس وقت "را" کا افغانستان کی سرحد پر کرمنل اور اسمگلروں سے رابطہ ہے، جو ان کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ ذرائع کے مطابق پرانی انار کلی ٹورسٹ اسٹریٹ میں مختلف اوقات میں دو دھماکوں میں بھارتی فنڈز سے چلنے والی بلوچستان کی علیحدگی پسند تنظیم کے ملوث ہونے کے علاوہ صوبے میں دہشت گردی کی متعدد وارداتوں کی تانے بانے بھی "را" سے ملتے ہیں۔ ذرائع کے مطابق پاکستان کے مقتدر حلقوں نے پاکستان میں "را" کے ایجنٹ کا کردار ادا کرنے والی این جی اوز اور شخصیات کے خلاف سخت ایکشن کا فیصلہ کر لیا ہے۔ حساس اداروں نے ایک جامع رپورٹ تیار کی ہے، جس کے مطابق پاکستان مخالف سرگرمیوں میں ملوث این جی اوز کی اہم شخصیات کو خفیہ ایجنسیز سے فنڈنگ ہو رہی ہے۔ رپورٹ کے مطابق بلوچستان، سندھ، پنجاب اور خیبر پختونخوا میں "را" نہ صرف پاکستان میں نفرت پیدا کرنے کے لیے مختلف این جی اوز کو فنڈنگ کر رہی ہے، بلکہ جرائم پیشہ افراد کو بھی پیسے دے کر ان سے کام لیا جا رہا ہے۔

را" نے باقاعدہ کئی ایسی این جی اوز بنا رکھی ہیں، جو بظاہر بھارتی نہیں ہیں، مگر حقیقت" میں ان این جی اوز کو "را" کی طرف سے فنڈنگ ہوتی ہے اور وہ پاکستان میں جان بوجھ کر ایسے معاملات کو اٹھاتی ہیں، جن سے حساس اداروں کے خلاف نفرت پیدا ہو اور کئی این جی اوز تو فنڈنگ کو مذہبی حلقوں میں بھی استعمال کرتی ہیں۔ "را" میڈیا کو بھی استعمال کرنے کے لیے بھاری رقم خرچ کر رہی ہے۔ ذرائع کے مطابق "را" کی مدد کرنے پر 43 این جی اوز اور 25 شخصیات کے گرد شکنجہ سخت کرنے کا فیصلہ کیا جا رہا ہے۔

مسلمانوں کا عروج و زوال

عروج و زوال دنیا کی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ نہ عروج کو دوام حاصل ہے اور نہ ہی دوام زوال کو لازم ہے۔ ہر زوال کے کئی اسباب ہوتے ہیں اور ہر عروج کچھ بنیادیں رکھتا ہے۔ انسان عروج و زوال کے قانون کے پابند اور قومیں اسی راہ کی مسافر ہے ں۔ ہر قوم عروج کی خواہش مند ہوتی ہے، لیکن جو قوم قانون قدرت اور اس کے پس پردہ اسباب و علل کو سمجھ لیتی ہے، وہ عروج کی منزلیں جلد اور آسانی سے طے کرتی ہے۔ ان کے اقبال کا زمانہ طویل اور زوال قدرے دور ہو جاتا ہے۔ عروج کسی قوم کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ جو بھی قوم جدوجہد، عقلمندی اور مہارت سے کام لے، وہی دنیا میں سپر پاؤر ٹھہرتی ہے۔ جو قوم اپنے دور تشکیل سے گزرتے وقت حالات کو پلٹ دے، وہ بحران کی کیفیت سے باعافیت گزر کر اپنی تعمیر کے ہنگامہ خیز سفر کا مقابلہ کرتی ہے اور کامیابی اسی کے قدموں کی دھول بنتی ہے، جو دور تعمیر میں سینہ تان کر چیلنجز سے نبرد آزما ہوتی ہے۔ تعمیر کے پر پیچ اور ناہموار راستوں سے گزرنے کے بعد استحکام کا وہ ہموار دور آتا ہے، جس میں زندگی کی گاڑی انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ آگے کی سمت دوڑتی ہے اور قوم سرخ رو ہو جاتی ہے۔

جب عروج مل جائے تو اسے برقرار رکھنا آسان نہیں ہوتا ہے۔ دور عروج میں قوم کے افراد سہولت پسند، کاہل اور سست ہو جاتے ہیں اور بلند نظر افراد کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ دراصل عروج کا لازمی نتیجہ رفاہیت اور معاشی استحکام سیاسی غلبے کو لازم ہے۔ معاشی فراوانی سے قوموں کی توانائیاں اور صلاحیتیں عیش و عشرت کے ہاتھوں زنگ آلود ہونے لگتی ہیں اور ایک عظیم سلطنت کی بقا و استحکام کے لیے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ناپید ہونے لگتی ہے ں۔ مختلف قسم کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر قوم اپنا حاصل کیا ہوا مقام کھو بیٹھتی ہے اور اپنے دفاع کے لیے دوسری قوموں کی توانائیاں مستعار لیتی ہے۔ ممکن ہے اس عمل سے کسی قوم کی ڈوبتی نبض کو وقتی طور پر تو سہارا مل جائے، لیکن یہ قومی زوال کی سب بڑی علامت ہوتی ہے۔ بظاہر یہ لگتا ہے کہ قوم دور استحکام میں جی رہی ہے، مگر حقیقت میں عروج کی چڑھائی کے بعد قوم کی گاڑی آہستہ آہستہ غیر محسوس طور پر زوال کی ڈھلان پر آ جاتی ہے اور انحطاط کا دور بہت خاموشی سے دور زوال میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں کا ماضی عروج و زوال کی ایسی ہی اک داستان سناتا ہے۔ مسلمان کم و بیش ایک ہزار سال تک شان و شوکت کے ساتھ دنیا پر حکومت کرتے رہے ہیں۔ علم و حکمت، تدبیر و سیاست اور دولت و حشمت میں کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر

سکتی تھی۔ چند علاقوں کے سوا تقریباً ساری دنیا مسلمانوں کی مفتوح تھی۔ اس دور میں مسلمانوں نے علمی ترقی کی مضبوط بنیادیں ڈالیں۔ غرناطہ، قرطبہ، بغداد، دمشق، اشبیلیہ وغیرہ میں علمی اور تحقیقی مراکز کا قیام عمل میں آیا۔ یونان، ہندوستان اور چین کی معروف علمی تصانیف کے عربی تراجم مکمل کیے گئے۔ مختلف علوم کی ترویج کے لیے بھرپور کام کیا گیا۔ یہ دور سائنسی ترقی کا زبردست دور رہا ہے۔ اس دور میں قدم قدم پر کامیابی مسلمانوں کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی نظر آتی ہے، لیکن رفتہ رفتہ یہ کامیابی، ناکامی میں بدلنے لگی۔ مسلمانوں کی کوتاہیوں کی وجہ سے ایک ایک کرکے تمام مسلم ممالک مسلمانوں کی دسترس سے نکلتے گئے اور مسلمانوں کی حالت دنیا میں لاوارث بچے کی طرح ہو گئی۔ تمام قدرتی وسائل کے باوجود مسلمان دنیا میں ذلیل و خوار ہونے لگے۔ مسلمانوں کو کامیابی دی تو قدرت نے تھی، لیکن گنوائی خود مسلمانوں نے ہے، کیونکہ قدرت جب کسی قوم کو سرفرازی کے لیے منتخب کر لیتی ہے، تو یہ حالت اسی وقت تبدیل کرتی ہے، جب وہ قوم خود اپنے آپ کو پوری طرح پستی میں گرا دیتی ہے۔ کسی دانشور نے بہت قیمتی بات کہی ہے: "کوئی شخص کسی کا چراغ نہیں بجھاتا، چراغ کے اندر تیل کی کمی چراغ کو بجھا دیتی ہے۔" مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ قدرت نے مسلمانوں کو دنیا میں عروج دیا، لیکن بہت سی خامیوں کا شکار ہو کر مسلمان اس عروج کو برقرار نہ رکھ سکے۔

مسلمان کتاب الٰہی کے حامل بنائے گئے تھے، تاکہ اس کے قوانین پر عمل پیرا ہو کر عروج کی منازل طے کریں اور یہ کتاب جو فیصلہ صادر کرے، بے چون و چرا اسے قبول کر لیں، لیکن مسلمان بد قسمتی سے کتاب الٰہی کی یہ حیثیت اپنے علم و عمل میں برقرار نہ رکھ سکے۔ کتاب نازل تو اس لیے ہوئی تھی کہ مسلمان اس کے ذریعے اپنے اختلافات کو ختم کریں گے، لیکن مسلمانوں نے اسی کتاب کو بنیاد بنا کر اختلافات کو جنم دینا شروع کر دیا اور آج حالت یہ ہے کہ ساری دنیا میں مسلمان ہی آپس میں دست و گریباں نظر آتے ہیں۔ تمام ممالک میں مسلمان ہی مسلمان کا خون بہا رہا ہے۔ ماضی اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ جو قوم بھی تفرقہ کا شکار ہوئی، عنانِ حکومت اس کے ہاتھوں سے جاتی رہی۔ آٹھویں صدی میں جب دو گروہوں میں منقسم دنیائے عیسائیت تفرقے کا شکار ہوئی تو سلطان محمد فاتح نے بڑی آسانی کے ساتھ قسطنطینیہ کو فتح کر لیا۔ اس زمانے میں دونوں عیسائی گروہوں کے پادری ایک دوسرے پر اسی طرح کفر کے فتوے صادر کرنے میں مشغول تھے، جس طرح آج مسلمان مشغول ہیں۔

دنیا دارالاسباب ہے۔ یہاں جو کرو گے، وہی ملے گا۔ آج جو بوؤ گے، کل وہی کاٹو گے۔ دنیا میں موجودہ حکمران قوموں نے اپنی سابقہ غلطیوں کی اصلاح کر کے وقت کے تقاضوں پر عمل کیا، ان کو عروج مل گیا۔ انہوں نے سائنسی علوم میں مہارت پیدا کی، کیونکہ ان علوم پر مکمل گرفت اور مہارت ہی وقت کا تقاضا اور

ضرورت ہے، جبکہ مسلمانوں نے اِن علوم سے پہلو تہی کی۔ آج پوری مسلم دنیا میں موجود یونیورسٹیوں کی تعداد اور ان کا معیار، مغرب کی یونیورسٹیوں کی تعداد اور ان کے معیار کے سامنے ہیچ معلوم ہوتا ہے۔ پوری مسلم دنیا میں عالمی معیار پر پورا اترنے والی شاید ہی کوئی یونیورسٹی ہو۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ جدید اور سائنسی علوم سے عدم توجہی مسلمانوں کو عروج سے زوال کی گھاٹی میں گرانے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ عروج و زوال کا قانون واضح ہے کہ جو وقت کے تقاضوں پر عمل کرتا ہے، وقت اس کے تقاضوں پر عمل کرتا ہے اور جو وقت کے تقاضوں کو نظر انداز کرتا ہے، وقت بھی اسے نظر انداز کردیتا ہے۔ مانا کہ مسلمانوں کا ماضی بہت ہی شاندار تھا، لیکن حال کیا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں۔ آج ہمیں درخشاں ماضی کے خمار سے نکل کر اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا کہ ہم ایک شکست خوردہ اور زوال کا شکار قوم ہیں اور پھر اپنے عروج کا سفر نئے سرے سے شروع کرنا ہوگا۔ دوسری جنگ عظیم میں امریکا نے جب ایٹم بم گرا کر جاپان کی ترقی کو نیست و نابود کردیا تو جاپان نے زمینی حقیقت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنی شکست کو قبول کیا اور نئے سرے سے اپنی ترقی کے سفر کا آغاز کیا اور آج جاپان دنیا میں اپنی حیثیت منوا چکا ہے۔ مسلمانوں کے لیے زوال کی گھاٹی سے نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ کتاب الٰہی پر عمل پیرا ہو کر اپنے تمام اختلافات کو ختم کریں اور جدید علوم میں مہارت حاصل کریں اور اپنی ان تمام خامیوں سے کنارہ کشی اختیار کریں، جن کی وجہ سے

مسلمانوں کا عروج زوال میں تبدیل ہوا ہے۔ یہی وقت کا تقاضا ہے۔

"کتاب چہرے" پر "کتابی چہرے"

خدا جانے اس امریکی چھوکرے "مارک زکر برگ" کا برا ہو یا بھلا جس نے 2004ء میں "کتاب چہرہ" متعارف کروا کر پاکستانی معاشرے کی "لک" ہی تبدیل کر کے رکھ دی ہے۔ پہلے تو کتابی چہروں کو تلاشنے کے لیے یار لوگوں کو اچھی خاصی مشقت برداشت کرنا پڑتی تھی، بلکہ اکثر و بیشتر مار وار بھی پڑ جاتی تھی، لیکن اب تو "کتاب چہرے" پر "کتابی چہروں" کی ایک بھیڑ لگی ہے، جن سے دوستی کرنا یار لوگوں کی اولین ترجیح میں شامل ہوتا ہے، چاہے حسین ماہ جبین پروفائل پکچر کے پیچھے کوئی بال بچوں والا باریش حاجی یعقوب شاہ ولد حاجی مستان شاہ ہی چھپا ہو۔ بدگمانی اچھی چیز نہیں ہے، اس لیے میں یہ بدگمانی نہیں کرتا کہ یار لوگ "کتاب چہرے" پر ڈھونڈ ڈھونڈ کر "کتابی چہروں" کو فرینڈ ریکویسٹ بھیجنا اس لیے اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں کہ ان سے سچی مچی دوستی کر کے گپ شپ لگائیں، بلکہ یہ عمل "نیک نیت" سے ان کی "اصلاح" کے لیے بھی تو ہو سکتا ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ "کتاب چہرے" پر کسی "کتابی چہرے" کو فرینڈ ریکویسٹ اس لیے بھیجی جاتی ہو کہ وہ صاحبہ اچھا لکھتی ہوں اور یہ صاحب زندگی میں ان کو ترقی کرتا ہوا دیکھنا چاہتے ہوں، اس لیے ان کی حوصلہ افزائی کرنے کی نیت سے ان کو فرینڈ ریکویسٹ بھیجتے ہوں۔

گزشتہ دنوں "کتاب چہرے" پر ایک "کتابی چہرے" (زنانہ آئی ڈی) کی مختصر سی پوسٹ پر نظر پڑی، تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس پر لائکس اور کمنٹس کی بھرمار ہے۔ میری فرینڈ لسٹ میں شامل وہ دوست بھی بڑھ چڑھ کر اس پوسٹ کی تعریفوں کے پل باندھ رہے تھے، جن کے نزدیک ہر ایسے شخص کی پوسٹ کو لائک کرنے سے ان کا تقویٰ چھن جاتا ہے، جو مرتبے میں ان سے چھوٹا ہو یا جو ان کی پوسٹ کو لائک نہ کرتا ہو، لیکن یہ " فیس بکی متقی حضرات " "کتابی چہرے" کی پوسٹ پر انتہائی فراخدلی سے تعریفانہ تبصرہ کرنے سے "گناہ عظیم" کرتے ہوئے "فیسبکی ورع" سے استعفیٰ دے بیٹھے تھے۔ اس پوسٹ پر جس" قدر تعریفوں کے پل باندھے گئے تھے، انہیں دیکھ کر تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس زنانہ آئی ڈی کے پیچھے ضرور پطرس بخاری یا ابن انشاء چھپے بیٹھے ہیں، وہ نہیں تو قدرت اللہ شہاب یا اشفاق احمد تو ضرور ہی ہوں گے، یہ نہیں تو اس لکھاریہ میں ضرور کسی بڑے مرحوم عظیم ادیب کی روح حلول کر گئی ہے، ورنہ میری فرینڈ لسٹ میں موجود نامی گرامی فیسبکی شخصیات کے زنانہ آئی ڈی کی اس مختصر پوسٹ پر بڑھ چڑھ کر یوں تعریفوں کے پل باندھنے کی کوئی بھی وجہ سمجھ سے بالاتر تھی۔

سوچا جب فیس بکیوں کی اتنی بڑی تعداد "خراج تحسین" پیش کرنے کے لیے یہاں پہنچی ہوئی ہے تو ضرور کوئی لاجواب تحریر ہوگی، چلو اس تحریر سے ہم بھی کچھ

یکھ لیں۔ لگ بھگ تین سو الفاظ پر مشتمل اس پوسٹ میں محترمہ نے بازار سے کچھ چیزوں کی خریداری اور گھر واپسی کے بارے میں لکھا تھا۔ بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس تحریر میں کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی۔ تحریر کو دوبارہ پڑھا، سہ بارہ پڑھا۔ تحریر میں ایسی کسی بھی خصوصیت کو ڈھونڈنے میں ناکام رہا، جس نے فیسبکیوں کی اتنی بڑی تعداد کو اس پوسٹ پر آنے پر مجبور کیا۔ اس تحریر میں پوشیدہ خصوصیت کا کھوج لگانے کی جستجو میں ایک بار تو اپنا چشمہ اتار کر بھی پڑھا کہ شاید اسی طرح کام کی کوئی بات نظر آ جائے، لیکن بد قسمتی ! اتنی بلند سوچ و فکر اور دانشوری ہمیں کہاں نصیب، جو زنانہ آئی ڈی کی اس پوسٹ میں چھپی ایسی اعلیٰ و ارفع صلاحیتوں کو ڈھونڈ نکالتی، جن کو اس پوسٹ پر جوق در جوق پہنچنے والے میرے فیسبکی دوست ڈھونڈ پائے تھے۔ جب کوئی خاص بات نظر نہ آئی تو آخر کار اس نتیجے پر پہنچا کہ یا تو میں خود اتنا نالائق ہوں کہ اس پوسٹ میں غلام قوم کے نام آزادی کے عظیم پیغام کو نہ سمجھ سکا یا پھر پاکستانی قوم ماشاء اللہ کم از کم فیس بک پر زنانیوں کا بہت زیادہ احترام کرنے لگی ہے۔

"نیٹ ورکنگ"

انسان جب دنیا میں آتا ہے تو ہر چیز سے نابلد اور ہر چیز کا محتاج ہوتا ہے، جبکہ ماں کی گود سے لے کر زمین کی گود تک ایک طویل اور کٹھن سفر اس کا استقبال کر رہا ہوتا ہے۔ الگ تھلگ اور معاشرے سے کٹ کر یہ طویل سفر طے کرنا انسان کے لیے مشکل ہی نہیں، بلکہ تقریباً ناممکن ہوتا ہے، کیونکہ اس دنیا میں آنے والا زندگی کا مسافر تو یہ بھی نہیں جانتا کہ اسے کیا جاننا ہے اور کیا نہیں جاننا اور یہ کہ اس سفر کو آسانی اور کامیابی کے ساتھ کیسے طے کرنا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ یہ جان جاتا ہے کہ اس سفر کو آسانی اور کامیابی کے ساتھ طے کرنے کا ایک ہی اصول ہے کہ معاشرے کے تمام افراد ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے زندگی کا یہ سفر طے کریں۔ جس طرح کسی دور دراز علاقے کے سفر کے دوران بہت سے مسافر دوسروں کے ساتھ معاونت کرتے اور ان سے معاونت لیتے ہوئے سفر کو آسانی کے ساتھ گزارتے ہیں، اسی طرح زندگی کے طویل سفر کو بھی بہتر طریقے اور کامیابی کے ساتھ گزارنے کا یہی طریقہ ہے، کیونکہ صرف اپنی ذات اور اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر زندگی کے سفر میں آسانی سے کامیاب ہونا انتہائی مشکل ہے۔ اگرچہ مستقل مزاجی اور محنت و جدوجہد کامیابی کے لیے جزلاینفک ہیں اور جو بڑے بڑے علمائے کرام،

سائنسدان، سیاستدان، ڈاکٹرز، ماہرین فن، موجد اور قلمکار و ادیب نظر آتے ہیں، یقیناً انہوں نے موجودہ مقام کو پانے کے لیے محنت و جدوجہد اور بہت کوشش کی ہے، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ان کی کامیابیوں میں محنت، جدوجہد اور ان کی صلاحیتوں کے علاوہ ضرور کسی اور کی معاونت بھی شامل رہی ہوتی ہے۔ محنت، مستقل مزاجی اور عزم صمیم جیسی خصوصیات اسی وقت کامیابی میں معاون ثابت ہوتی ہیں، جب کوئی اہل فن اور تجربہ کار انسان رہنمائی کرکے ان صلاحیتوں کو درست طور پر استعمال کرنے کا طریقہ بتائے۔

کوئی بھی شخص جہاں دوسروں سے اپنی ترقی اور کامیابی کے لیے مدد اور رہنمائی چاہتا ہے، وہیں اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ دوسروں کا ہاتھ بٹائے اور ان کے لیے بھی مفید ثابت ہو۔ اکثر ہوتا یہ ہے کہ اپنی عملی زندگی کے آغاز میں تو ہر کوئی دوسرے سے تعاون کا خواہاں ہوتا ہے، ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ دوسرا شخص اس کی مدد کرے اور وہ اپنا سفر آسانی کے ساتھ طے کرے، لیکن جب یہ شخص خود کامیابیوں کی سیڑھیاں چڑھتا ہوا ترقی کی منازل طے کر لیتا ہے تو وہ اپنا ابتدائی دور بھول جاتا ہے اور اپنی عملی زندگی کا آغاز کرنے والوں کے ساتھ تعاون کرنے کی بجائے ان کو نظر انداز کرنا شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ یہ کوئی اچھی اور مثبت سوچ نہیں ہے۔ بلکہ ایک تعمیری سوچ یہ ہے کہ ہر سینئر اپنے جونیئرز کی حوصلہ افزائی کرے، ان کی رہنمائی کرے، ان کے ساتھ ہاتھ

بٹائے، اپنے علم اور تجربے کو شیئر کرے، ان کو کامیاب ہونے کا طریقہ بتائے اور ان کے ساتھ تعاون کرے، کیونکہ سینئرز کی جانب سے کی گئی حوصلہ افزائی اور رہنمائی جونیئرز کے لیے بہت قیمتی ہوتی ہے، یہ حوصلہ افزائی اور رہنمائی ان کے لیے کامیابی کی راہیں ہموار کرتی ہے اور اس کی وجہ سے بہت سے لوگ کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

حوصلہ افزائی اور رہنمائی سے خوشی ملنے کے ساتھ ہمت بھی بڑھتی ہے۔ گزشتہ دنوں معروف صحافی و کالم نگار محترم محمد عامر خاکوانی نے میرے کچھ کالموں کو پڑھ کر میری حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ نہ صرف میری تحریر میں ان خامیوں کی نشاندہی کی، جن سے میں نابلد تھا، بلکہ تحریر کو زیادہ پراثر اور منفرد بنانے کے لیے بہت سے مفید مشورے دے کر میری رہنمائی بھی کی، جس سے مجھے بہت خوشی ہوئی اور آگے بڑھنا آسان معلوم ہونے لگا۔

حوصلہ افزائی اور رہنمائی دو ایسی خصوصیات ہیں، جن کی وجہ سے کسی بھی شعبے میں ایک نئے انسان کے لیے کامیابی کا سفر طے کرنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ حوصلہ افزائی سے کسی بھی شعبے میں نووارد شخص کو سہارا ملتا ہے اور یقین حاصل ہوتا ہے کہ وہ نئے چیلنجز کا سامنا کر پائے گا، جبکہ رہنمائی سے اپنی منزل کا تعین کرنے اور اسے پانے کا پتا ملتا ہے، محنت کرکے جسے پانا آسان ہو جاتا ہے۔ ایک سروے میں لوگوں سے پوچھا گیا کہ زمانہ طالب علمی میں ان کے

سب سے قیمتی لمحات کون سے تھے، تو ان میں سے اکثر کا جواب تھا کہ ان کے لیے وہ لمحات سب سے زیادہ قیمتی تھے، جب ان کی محنت کو سراہا گیا تھا اور ان کی حوصلہ افزائی کی گئی تھی، یہی وہ لمحات تھے جن کی وجہ سے کامیابی حاصل کرنے میں ان کو مدد ملی تھی۔ لہٰذا ہر سینئر کو اپنے جونیئرز کا ساتھ دینا چاہیے اور جب جونیئرز کامیاب ہو کر سینئر بن جائیں تو ان کو بھی ایسے افراد کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے جو اپنی عملی زندگی کا آغاز کر رہے ہوں۔ ایک کامیاب تاجر ایک سیمینار میں اسٹوڈنٹس نوجوانوں کو اپنی کامیابی کے راز بتا رہا تھا۔ تاجر نے سیمینار کے اختتام پر حاضرین سے کہا کہ آج آپ میں سے ہر کوئی طالب علم کامیابی کے خواب دیکھ رہا ہے۔ ایک وقت آئے گا، جب آپ لوگ زندگی میں بہت کچھ حاصل کر لوگے اور کامیاب ہو جاؤ گے۔ اس وقت آپ ضرور پیچھے مڑ کر دیکھنا اور ان لوگوں کی مدد کرنا، جو اپنی عملی زندگی کا سفر شروع کر رہے ہوں گے۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ تعاون باہمی جس سماج کا حصہ ہو، اس معاشرے میں کامیابی کے مواقع ان معاشروں سے زیادہ ہوتے ہیں، جہاں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی فضا قائم نہ ہو۔ بعض ممالک میں مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد آپس میں مل کر ایک سرکل تشکیل دیتے ہیں، جس میں کچھ لوگ رضاکارانہ طور پر مدد، حوصلہ افزائی اور رہنمائی کر رہے ہوتے ہیں، جبکہ کچھ

ایسے افراد ہوتے ہیں، جو مدد، حوصلہ افزائی اور رہنمائی حاصل کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس طریقے کو "نیٹ ورکنگ" کہا جاتا ہے۔ نیٹ ورکنگ لوگوں کا مل جل کر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے کامیابیاں سمیٹنے کا نام ہے۔ تعاون باہمی کے سلسلے میں ایک اچھا نیٹ ورک کسی بھی فرد کی ذاتی زندگی، اچھی ملازمت کے حصول، کیریئر میں ترقی یا بزنس میں اضافے کے لیے ایک قیمتی اثاثہ ہوتا ہے۔ خود غرضی سے پاک اور بے لوث ہونا اچھے نیٹ ورکنگ کا پہلا اصول ہے۔ زندگی میں کامیابی کے لیے ایک اچھے نیٹ ورک کی بہت اہمیت ہے۔ کامیاب لوگوں کے پاس قابل اعتماد، باصلاحیت، ماہر، سینئر، حوصلہ افزائی اور رہنمائی کرنے والے لوگوں کا سرکل ہوتا ہے۔ کامیاب لوگوں کی کامیابی میں ان افراد کے تعاون کا بہت زیادہ عمل دخل ہوتا ہے۔ کوئی بھی شخص جس نے ہمارے لیے کوئی چھوٹا سا اچھا کام کیا ہوتا ہے، ہماری حوصلہ افزائی کے لیے کچھ بولا ہوتا ہے اور ہماری رہنمائی کی ہوتی ہے تو اس کا یہی عمل ہماری کامیابی میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ اگر معاشرے کا ہر فرد ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرے تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ تعاون باہمی کی وجہ سے معاشرے کے ہر فرد کے لیے کامیابی حاصل کرنا انتہائی آسان ہو جائے گا۔

لڑاؤ اور حکومت کرو

عراق کی امداد سے متعلق امریکی کانگریس کے متنازع بل "میک تھورنبیری" کی منظوری کے بعد ایک بار پھر عراق کی تقسیم بارے امریکی عزائم کافی حد تک کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔ آپس میں لڑا کر عراق کے حصے بخرے کرنے کے سامراجی کھیل کو جیتنے کے لیے امریکا سرتوڑ کوششوں میں مشغول ہے۔ "لڑاؤ اور حکومت کرو" سامراجی قوتوں کا ایک پرانہ اورآزمودہ طریقہ کار ہے، جس کو امریکا آج بھی مضبوطی سے تھامے اپنی سازشوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں مگن ہے۔ عراق کی تقسیم امریکا کی دیرینہ خواہش اور اہم مقصد ہے، جس کے لیے ایک عرصے سے بھرپور انداز میں کام جاری ہے، کیونکہ امریکا اس تقسیم سے پورے مشرق وسطی کو متاثر کرنا چاہتا ہے اوراپنے بغل بچہ اسرائیل کو مکمل تعاون فراہم کرنے کے لیے بھی عراق کو تقسیم کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ امریکی کانگریس کی جانب سے منظور کیے گئے مسودہ قانون میں عراق کے لیے 2016ء کے مالی سال کے دوران 715 ملین ڈالر کی فوجی امداد مختص کی گئی ہے۔ تاہم بل میں یہ شرط عاید کی گئی ہے کہ عراقی حکومت اس فوجی بجٹ کا 25 فی صد نیم خود مختار صوبہ کردستان کی "البیشمرکہ" اور سنی فوج کو دینے کی پابند ہوگی۔ اگر عراقی حکومت بقیہ 75 فی صد امدادی رقم کو قومی مفاہمت کے لیے استعمال نہیں کرسکے گی تو اس رقم کا 60 فی صد

حصہ کرد اور سنی افواج کو دے دیا جائے گا۔ عراق کو عراقی تقسیم کے حالیہ امریکی منصوبے سے انتہائی زیادہ خطرہ لاحق ہے۔ امریکی کانگریس نے عراق کو دی جانے والی امداد کو جن شرائط سے مشروط کیا ہے، وہ عراق کی عملی تقسیم کی پہلی سیڑھی ہے۔ مشرق وسطیٰ کے تجزیہ کاروں کے مطابق "عراق کی تقسیم کے لیے بھرپور کوششیں کی جارہی ہیں۔ عراق کی تقسیم کے ایجنڈے کو آگے بڑھانے ہیں متعدد علاقائی اور بین الاقوامی طاقتیں ملوث ہیں، جو خاص منصوبے کے تحت عراق میں جاری خونریزی کو ہوا دے رہی ہیں۔ یہ منصوبہ نہ صرف عراق اور قریبی مسلم ممالک کے لیے خطرہ ہے، بلکہ پورے مشرق وسطیٰ کی سلامتی کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔" عراقی ارکان پارلیمنٹ نے "میک تھورنبیری" بل کو عراق کی بالادستی کی توہین اور عراقی قوم کے دہشت گردی کے خلاف عزم سے لاپرواہی کا مظہر قرار دیا ہے اور عراقی وزیراعظم حیدرالعبادی نے بھی مشروط امریکی امدادی بل کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس طرح کے متنازع اور مشروط قوانین سے عراق میں انتشار مزید بڑھے گا اور عراق تقسیم کے خطرے سے دوچار ہو گا۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کسی بھی ملک کو تقسیم کرنے میں خانہ جنگی مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔ بلقان کے خطے میں اس کا تجربہ بڑی طاقتوں کو کامیابی سے ہمکنار کر گیا۔ اسی کامیابی کی کاوش میں مسلم ممالک کو خانہ جنگی کی جانب دھکیلنے کے لیے نہایت عیاری کے ساتھ عراق کو بیک وقت مذہبی و قومی عصبیت کے

رنگ میں رنگا جارہا ہے، تاکہ مقاصد آسانی سے حاصل ہو سکیں۔ سامراجی قوتوں کی روز اول سے یہی چال رہی ہے کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کبھی مذہب اور کبھی قومیت کو استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ شاطرانہ طریقہ کار تا حال جاری ہے۔ خونریزی کی آگ بھڑکا کر عراق کو تین حصوں میں تقسیم کرنا مقصود ہے، جس میں سب سے اہم کردستان کی تقسیم ہے۔ امریکا اسرائیل کے ساتھ مل کر اس تقسیم کو ہر حال میں عملی جامہ پہنانا چاہتا ہے اور اسرائیل ایک عرصے سے کردستان کے جوانوں کو فوجی تربیت اسی لیے دے رہا ہے، تاکہ تقسیم کے بعد وہ اسرائیل کے کام آسکیں۔ امریکی صدر اوباما نے ایک بار پھر کردستان کی علاقائی حکومت کے صدر مسعود بارزانی کو یقین دہانی کرائی ہے کہ واشنگٹن ہر صورت کردستان کا مالی اور لاجسٹک تعاون جاری رکھے گا۔ واضح رہے کہ عراق کی تقسیم پر گزشتہ صدی کے اوائل سے کام جاری ہے۔ 1920ء میں معاہدہ کے آرٹیکل 62 تا 64 کے مطابق کردستان کو III سیورے طے ہوا، جس کے سیکشن بھی آزادی ملنا تھی، لیکن جب معاہدہ لوزان طے پایا تو کردستان کے قیام کا خواب پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا، لیکن کردستان کو عراق سے علیحدہ کرنے کی کوششیں جاری رہیں۔ اگرچہ کردستان کبھی بھی ایک علیحدہ ملک کے طور پر نہیں رہا، لیکن سامراجی قوتوں کو اسے بہر حال عراق سے علیحدہ کرنا تھا، اسی لیے مسلسل کردستان کی علیحدگی کا معاملہ زندہ رکھا گیا اور اب ایک بار پھر بھاری امداکا بل منظور کرکے کردستان کا قیام معرضِ وجود میں لانے کے لیے سر توڑ کوششیں کی جارہی ہیں۔

عراق پہلے سے ہی امریکا کی لگائی آگ میں بری طرح جل رہا ہے۔ امریکا کی جانب سے جمہوریت اور بنیادی حقوق کی آڑ میں بھڑکائی ہوئی آگ روز مرہ کی بنیاد پر سیکڑوں نہتے شہریوں کی جانیں لے رہی ہے۔ امریکا نے مہلک ہتھیاروں سے چھٹکارہ دلانے کے لیے عراق پر حملہ کیا تھا، لیکن خود اس قدر مہلک ہتھیار استعمال کیے، جن کے نتیجے میں بلامبالغہ لاکھوں بے گناہ عراقی شہری جان کی بازی ہار چکے ہیں اور دن بدن قتل و غارت گری اور خونریزی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ گزشتہ ماہ عراق میں ہونے والے کشت وخون کے نتیجے میں 2500 افراد لقمہ اجل بن گئے ہیں اور ہر مہینے اندازاً اتنے لوگ بم دھماکوں اور دہشت گردی میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں بے گناہ عراقی شہری بم دھماکوں، فائرنگ اور بمباری میں نہ مارے جاتے ہوں۔ عراق کے مختلف صوبوں میں جاری دہشت گردی کی کارروائیوں میں زیادہ تر عام شہری مارے جاتے ہیں۔ غیر سرکاری رپورٹ کے مطابق ہلاکتوں کی تعداد ان اعداد وشمار سے دس گنا زیادہ ہے، جنہیں عوامی سطح پر ظاہر کیا جاتا ہے۔

مغربی میڈیا یہ نہیں بتاتا کہ امریکا تنازعہ کے دونوں فریقوں کی مدد کرتا ہے، جس کے نتیجے میں خونریزی جنم لیتی ہے۔ متنازع بل "میک تھورنبیری" کی منظوری کے بعد کردستان کے لیے مختص کی گئی امریکی امداد سے یقیناً عراق بدترین خانہ

جنگی کا شکار ہو سکتا ہے، جس سے امریکا اور اسرائیل کا مقصد تو پورا ہو جائے گا، لیکن عراق بربادی کے دہانے پر پہنچ سکتا ہے۔ امریکا اپنے اور اسرائیل کے مفادات کی خاطر عراق کو تقسیم کرنا چاہتا ہے، جس کے لیے وہ ہر طرح کا حربہ استعمال کر رہا ہے۔ عراق کو خانہ جنگی کی بھٹی میں جھونکنے کے لیے پہلے خود ہی کسی فریق کو اسلحہ دے کر کھڑا کرتا ہے، پھر اس کو دہشت گرد قرار دے کر اس کے خاتمے کے لیے بے تحاشہ اسلحہ استعمال کیا جاتا ہے، جیسا کہ داعش کے معاملے میں ہوا، لیکن بظاہر مطلوبہ افراد کو اس وقت تک نہیں ختم نہیں کیا جاتا، جب تک مسلم ملک کی اینٹ سے اینٹ نہ بج جائے۔ اس پالیسی سے ایک طرف تو امریکا کا اسلحہ فروخت ہوتا ہے اور دوسری طرف مسلم ممالک میں امریکا کے سامنے کھڑی ہونے والی ممکنہ قوتیں خود آپس میں ہی لڑ لڑ کر ختم ہو جاتی ہیں، جس سے سانپ بھی مر جاتا ہے اور لاٹھی بھی سلامت رہتی ہے۔ امریکا نے عراق میں مذہبی فرقہ واریت اور قوم پرستی کی نفرت کے ایسے بیج بوئے ہیں، جو اب تناور درخت بن چکے ہیں اور عراق میں "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے شیعہ سنی تضاد کے زہر کو سماج کی نس نس میں اتار دیا، جو کہ امریکا کی بڑی کامیابی ہے۔ امریکا جس ملک کو برباد کرنا چاہتا ہے، پہلے خود ہی مداخلت کے اسباب پیدا کرتا ہے اور پھر اس ملک کے حصے بکھرے کر کے چھوڑتا ہے اور عراق میں بھی یہی کچھ کیا جا رہا ہے۔

غیر ممالک میں پاکستانیوں کا کالا دھن.... واپسی ممکن ہو سکے گی؟

پاکستان کو در پیش مسائل میں سے غربت کا مسئلہ اہم ترین ہے۔ ملک کی 60 فیصد سے زاید آبادی خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہے، جس کو روزانہ دو ڈالر بھی نہیں ملتے اور اس تعداد میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ غربت کی وجہ سے ملک کی آبادی کا بڑا حصہ تعلیم سے محروم ہے۔ گزشتہ سال کی رپورٹ کے مطابق ملک کے دو کروڑ ڈھائی لاکھ بچے بنیادی تعلیم سے بھی محروم ہیں، والدین کے پاس بچوں کو تعلیم دلوانے کے لیے پیسے نہیں ہیں۔ جبکہ غربت کے باعث ملک کے کروڑوں افراد صحت کی بنیادی سہولیات سے بھی محروم ہیں۔ جس کے باعث ہر سال ہزاروں لوگ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک میں ضروریات زندگی کی عدم دستیابی اور بڑھتی ہوئی مہنگائی کی وجہ سے ملک کے عوام انتہائی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ جبکہ عوام کی ضروریات کو پورا کرنے کی بجائے حکومت کا کہنا ہوتا ہے کہ جب تک دوسرے ممالک سے قرضے نہ لیے جائیں، اس وقت تک عوام کو کوئی بھی ریلیف نہیں دیا جا سکتا۔ حکومت دوسرے ممالک سے بھاری سودی قرضے لیتی ہے۔ اگرچہ بھاری قرضوں سے بھی عوام کو ضروریات زندگی میسر نہیں آتیں، لیکن دن بدن عوام کو یہ ضرور بتایا جاتا ہے کہ ملک کا ہر شہری ہزاروں روپے کے قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ ایک جانب عوام کی صورتحال یہ ہے کہ ان کے پاس زندگی

کی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی پیسے نہیں ہیں، جبکہ دوسری جانب قانون سے بالاتر ملک کے بعض بے حس افراد کی غیر ملکی بینکوں میں اس قدر زیادہ دولت پڑی ہے کہ اگر اس دولت کا چند فیصد ہی پاکستان میں خرچ کر دیا جائے تو نہ صرف ملک کے قرضے ختم ہو سکتے ہیں، بلکہ ملک کے ہر شہری کے مسائل بھی تمام ہو سکتے ہیں، لیکن بد قسمتی سے حکومت غیر ملکی بینکوں میں موجود پاکستانیوں کے اس کالے دھن کو نہ تو واپس لا سکی ہے اور نہ ہی غیر ملکی بینکوں میں کالا دھن رکھنے والے افراد کے خلاف کوئی قانونی کارروائی ہوئی ہے، بلکہ دوسرے ممالک میں پاکستانیوں کے کالے دھن میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ گزشتہ سال سوئس بینکوں میں پاکستانیوں کی موجود رقم کو واپس لانے کے لیے چند دن کے لیے میڈیا پر کچھ ہلچل نظر آئی تھی، لیکن بعد میں سب بھول گئے۔

گزشتہ سال بیرسٹر جاوید اقبال جعفری نے ایک درخواست میں یہ موقف اختیار کیا تھا کہ ملک کے 63 ممتاز سیاستدانوں، بیوروکریٹس اور وکلا نے ملکی دولت لوٹ کر منی لانڈرنگ کے ذریعے بیرون ملک منتقل کی، جس سے قومی خزانے کو اربوں روپے نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر یہ دولت ملک میں واپس لائی جائے تو پاکستان کو کسی بیرونی قرضے کی ضرورت نہ پڑے اور اس رقم سے ملک کے قرضے اتار کر قومی معیشت کو ترقی دی جا سکتی ہے۔ سوئس بینکوں میں پاکستانیوں کے 200 ارب ڈالر کے موجود ہونے کی اطلاعات ہیں۔ پہلے تو صرف سوئس بینکوں میں پاکستانیوں کے کالے دھن کا رونا رویا جاتا تھا، لیکن اب دبئی میں سات سو

پاکستانیوں کے سوئٹزرلینڈ سے دس گنا زیادہ کالے دھن کی موجودگی کا انکشاف ہوا ہے۔ ذرائع کے مطابق فیڈرل بورڈ آف ریونیو کے ماتحت ادارے ڈائریکٹوریٹ جنرل انٹیلی جنس اینڈ انوسٹی گیشن ان لینڈ ریونیو نے اربوں روپے کا کالا دھن دبئی منتقل کرنے کے لیے دبئی کے رئیل اسٹیٹ گروپ "دماک پراپرٹیز" سے رابطہ کرنے والے 700 پاکستانیوں کا سراغ لگایا ہے۔ ڈائریکٹوریٹ جنرل انٹیلی جنس اینڈانویسٹی گیشن نے اپنی رپورٹ میں انکشاف کیا کہ پاکستانیوں کی جانب سے دبئی بھجوایا جانے والا کالا دھن سوئس بینکوں میں موجود پاکستانیوں کے کالے دھن سے 10 گنا زیادہ ہے اور دبئی اس وقت پاکستان سے کالا دھن بھجوانے کا سب سے بڑا "حب" بنا ہوا ہے۔ دماک پراپرٹیز کا شمار یو اے ای کے پراپرٹی کے شعبے میں بڑے گروپ کے طور پر ہوتا ہے، 2005 میں دماک گروپ نے پاکستان میں رجسٹریشن حاصل کی اور یہ ایف بی آر کے پاس این ٹی این نمبر 2274651-0 کے تحت بطور نان ریذیڈنٹ ٹیکس دہندہ رجسٹرڈ ہے، تاہم گروپ کی طرف سے ایف بی آر کے پاس انکم ٹیکس گوشوارے جمع نہیں کروائے جارہے، کی خلاف ورزی ہے۔ ذرائع (VII) (جو انکم ٹیکس آرڈیننس 2001 کے سیکشن 114(1 کے مطابق گزشتہ ماہ کراچی میں جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ پاکستانیوں کی جانب سے دبئی میں خریدی اور بک کروائی جانے والی پراپرٹی کے لیے اربوں روپے کی ادائیگیاں بیرون ملک کیسے

منتقل کی جاتی ہیں اور یہ کہ جو رقوم بیرون ملک منتقل کی گئی ہیں، کیا انھیں چیک کیا گیا کہ وہ قانونی تھیں یا کالا دھن تھا؟ تو دماک کے ڈائریکٹر اس کا بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے، جس پر ڈی جی آئی اینڈ آئی ان لینڈ ریونیو نے کالا دھن دبئی منتقل کرنے والے پاکستانیوں کا سراغ لگانے کے لیے "آپریشن ڈیزرٹ" کے نام سے کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا، جو کامیاب رہا اور اس دوران کالا دھن دبئی منتقل کرنیوالے 700 پاکستانیوں کا سراغ لگایا گیا، جن میں سے بہت سے لوگ فرنٹ مین کا کردار ادا کر رہے ہیں، جبکہ ان کے پیچھے کچھ بڑے لوگ ہیں۔ ڈی جی آئی اینڈ آئی کی سفارشات پر حکومت گلف ممالک میں رہائشل اسٹیٹ میں سرمایہ کاری کے نام پر سرمائے کی پاکستان سے منتقلی روکنے کے لیے سنجیدہ اقدامات اٹھانے پر غور کر رہی ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ منی لانڈرنگ کے اس کیس کی تفصیلات وزیر داخلہ چودھری نثار کو بھجوانے کی تجویز دی گئی ہے، تاکہ اس دھندے میں ملوث لوگوں کے خلاف کارروائی کے لیے تحقیقاتی ایجنسیوں کے حکام پر مبنی خصوصی ٹیم تشکیل دی جاسکے، تاہم با اثر حلقوں کی جانب سے یہ کیس سرد خانے کی نذر کرنے کے لیے ایف بی آر پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔

ماہرین معاشیات کی نظر میں کالا دھن عوام کا وہ پیسہ روپیہ ہے، جو حکومتی اداروں کی نظر سے اوجھل ہو اور جس پر مروجہ فارمولے کے تحت ٹیکس نہ دیا گیا

ہو۔ کالے دھن یا پوشیدہ دولت کی پیداوار کے کئی ذریعے ہو سکتے ہیں۔ کچھ ذرائع کالے دھن کی پیداوار کے مجرمانہ اور غیر انسانی ہیں اور کچھ ذرائع محض غیر قانونی ہیں۔ ناجائز اسلحہ کی فروخت، منشیات کی فروخت یا معاشرتی جرائم کے نتیجے میں جو سرمایہ پیدا ہوتا ہے، وہ تو خالص مجرمانہ کالا دھن ہوتا ہے، لیکن ایسی رقم جو جائز دھندے سے کمائی جائے، لیکن اس پر حکومتی ٹیکس نہ دیا جائے، وہ غیر قانونی کالا دھن ہے۔ رشوت خوری یا فراڈ سے کمائی ہوئی رقم، ذخیرہ اندوزی یا جعلی اور ناخالص اشیا کی فروخت سے کمایا ہوا روپیہ پیسہ بھی معاشرتی جرائم کے زمرے میں آتا ہے اور وہ بھی کالا دھن کہلاتا ہے۔ جب کسی مجرمانہ کارروائی کے ذریعے بہت ساری دولت کمائی جاتی ہے تو ایسی دولت کمانے والوں کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کی مجرمانہ کارروائی نہ کسی کی نظر میں آئے اور نہ ہی کمائے جانے والے پیسے کی غیر قانونی حیثیت عیاں ہو اور نہ ہی ان کی اپنی نشاندہی ہوسکے، اس لیے مجرم اپنی غیر قانونی طور پر کمائی ہوئی دولت کا ناجائز ذریعہ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے پیسے کو ایک جگہ سے کم توجہ حاصل کرنے والی دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ 1991ء تک پاکستان کو فارن کرنسی اکاؤنٹ رکھنے کی اجازت نہیں تھی، لیکن نواز شریف حکومت نے 1992ء میں اکنامک لبرالائزیشن اسکیم کے تحت پہلی مرتبہ فارن کرنسی اکاؤنٹ کھلوانے کی اجازت دی تھی، جس کے بعد اہم افراد نے پاکستان سے کالا دھن غیر ملکی بینکوں میں رکھوانا شروع کر دیا۔ بی ای ای

کے سابق صدر اے بی شاہد کے مطابق نواز حکومت کا یہ غلط فیصلہ تھا، (BEEI)آئی حالانکہ یہ سہولت صرف غیر ملکی تجارت کرنے والوں کو ہی ملنی چاہیے تھی۔

اقتصادی ماہرین کے مطابق ملک کے بیرونی قرضوں کے مقابلے میں تقریباً 3 گنا زیادہ پیسہ تو صرف سوئس کھاتوں میں پڑا ہے، جبکہ دوبئ سمیت دوسرے ممالک میں پاکستانیوں کی نجانے کتنی زیادہ دولت موجود ہے۔اگر دوسرے ممالک میں موجود پاکستانیوں کی رقم واپس ملک میں آ جائے تو کئی بیمار ادارے اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ دوسرے ممالک ہیں موجود پاکستانیوں کی رقوم پاکستان کے اقتصادی نظام میں مضمر کرپشن، بد دیانتی، لوٹ کھسوٹ اور کاروباری اور تجارتی معاملات میں اعلیٰ سطح پر ہونے والی "ڈیل" کا شاخسانہ ہے، جس نے ملکی اقتصادی نظام کے استحکام اور انتظامی و ریاستی اداروں میں موثر چیک اینڈ بیلنس اور مالیاتی شفافیت کے سارے خواب بکھیر کر رکھ دیے۔ یہ بات تو تسلیم شدہ ہے کہ پاکستان کی اہم شخصیات کے اربوں ڈالر غیر ملکی بینکوں میں پڑے ہیں، جو غیر قانونی طریقے سے منتقل کیے گئے، جس رقم کو ہر حال میں پاکستان میں آنا چاہیے، اگرچہ چودھری نثار نے گزشتہ دنوں کہا کہ "کرپشن کے خاتمے کے لیے ہم سب کو عہد کرنا ہوگا۔ ذاتی اور سیاسی مفادات سے بالاتر ہو کر کرپشن کیخلاف کام کرنا ہوگا"، لیکن اس کے

باوجود بدعنوان لوگوں کے خلاف کارروائی ہوتی نظر نہیں آ رہی، کیونکہ یہاں تو خود حزب اقتدار اور حزب اختلاف میں ایسے لوگوں کی بہتات ہے جن پر برسوں سے بدعنوانی کے الزامات لگنے کا سلسلہ جاری ہے۔ کہنے کو تو ملک میں نیب سمیت کئی ادارے ایسے موجود ہیں جن کی بنیادی ذمہ داری بدعنوانی کا خاتمہ ہے، مگر عملا بات محض دعوؤں اور وعدوں سے آگے نہیں بڑھ سکی اور باشعور لوگوں کا قانون پر سے اعتماد اٹھ رہا ہے۔ واضح رہے کہ کہ متعدد ممالک میں بدعنوانی پر سخت سزائیں رائج ہیں، مثلا چین میں بدعنوانی پر سزائے موت دی جاتی ہے مگر ہمارے ہاں تو سرے سے سزا ہی نہیں دی جاتی۔

کراچی سانحہ.... کون پوشیدہ ہے پردہ زنگاری میں؟

درندہ صفت دہشت گردوں نے کراچی میں بس پر حملہ کرکے حیوانیت و سفاکیت کی بدترین مثال قائم کی ہے۔ خواتین و بچوں سمیت 44 افراد کے بہیمانہ قتل نے پاکستانیوں کے اذہان پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں، جن سے چھٹکارہ پانے کے لیے ایک زمانہ درکار ہے۔ قوم کو ذہنی طور پر خوفزدہ کرنے اور دنیا میں پاکستان کی ساکھ کو نقصان پہنچانے کے لیے دہشت گردوں نے درندگی کی یہ کارروائی مضبوط منصوبہ بندی کے ساتھ کی ہے، دشمن کو جس میں کامیابی ملنے سے عالمی سطح پر پاکستان کے بارے میں انتہائی منفی تاثر پھیلے گا اور دہشت گردی کے خلاف جنگ میں کئی کامیابیاں سمیٹنے کی وجہ سے عالمی سطح پر پاکستان کی بہتر ہوتی ساکھ پر بھی انتہائی برے اثرات مرتب ہوں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سانحے سے پاکستان کو اقتصادی طور پر مفلوج کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ گزشتہ دنوں چین نے پاکستان کے ساتھ اقتصادی معاہدے کیے ہیں، جن کو پاکستان کی ترقی کے لیے اہم قدم قرار دیا جارہا ہے۔ ان میں گوادر کاشغر ہائی وے منصوبہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ماہرین کے مطابق اس منصوبے سے پاکستان کی ترقی و خوش حالی کے نئے دور کا آغاز ہوجائے گا۔ ماہرین نے اسی تناظر میں اس معاہدے کو گیم چینجر قرار دے۔ اہم بات یہ ہے کہ گوادر کاشغر ہائی وے کا روٹ اسماعیلی کیمونٹی کے لیے بھی بہت اہمیت

رکھتا ہے۔ بزنس کمیونٹیوں میں اسماعیلی کمیونٹی اہم درجہ رکھتی ہے، جو کہ گوادر کا شغر ہائی وے کے روٹ کے دونوں سروں پر موجود ہے اور اس معاشی قوت کے حامل ہائی وے کو کامیاب بنانے میں اسماعیلی کمیونٹی بنیادی کردار ادا کر سکتی ہے۔ حملے کی ٹائمنگ کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسماعیلی کمیونٹی پر کیے جانے والے حملے کا مقصد ملک کی ترقی کے سنگ میل اس منصوبے کو ناکام بنانا ہے۔ یہ حملہ عین اس وقت کیا گیا جب حکومت نے گوادر کا شغر ہائی وے پر سیاسی جماعتوں کے اعتراضات کو ختم کرنے کے لیے آل پارٹیز کانفرنس طلب کی تھی اور حکومت گوادر کا شغر ہائی وے پر سیاسی جماعتوں کو اعتماد میں لے رہی تھی، کیونکہ سیاسی جماعتوں کے خدشات کے سبب یہ خطرہ پیدا ہو رہا تھا کہ اس اہم منصوبے کا حال بھی کالا باغ ڈیم جیسے نہ ہو جائے۔ اس مسئلے کو بات چیت کے ذریعے حل کرنا یقیناً ایک مثبت اقدام ہے، لیکن ملک دشمن عناصر کو پاکستان کے مفاد میں یہ مثبت اقدام کسی صورت قبول نہیں تھا، ابھی اس کانفرنس کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا کہ اس سے کچھ ہی دیر پہلے کراچی میں دہشت گردی کا واقعہ رونما ہوگیا۔

کراچی میں ہونے والی یہ خون ریزی کسی نئی اور پہلے سے گہری، وسیع اور منظم عالمی پلاننگ کا پتا دے رہی ہے۔ اگرچہ ایک کالعدم تنظیم نے فوری طور پر واقعہ کی ذمہ داری قبول کر لی، لیکن درحقیقت ملک میں ہونے والی دہشت گردی

کی ہر کارروائی کے فوری بعد واقعہ کی ذمہ داری قبول کرنے والے ان عناصر کی ڈوریاں بھی توانہیں قوتوں کے ہاتھ میں ہےں، جو ہر حال میں پاکستان کو غیر مستحکم کرنا چاہتی ہیں۔ کراچی میں بس پر ہونے والا حملہ پاکستان کے خلاف ایک بین الاقوامی سازش ہے۔ وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف نے بھی اس بات کا اظہار کیا ہے کہ سانحہ کراچی عالمی سازش ہو سکتی ہے۔ اس بات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کے لیے بھارت، امریکا اور اسرائیل سمیت دیگر پاکستان دشمن قوتیں سرگرم عمل ہیں، لیکن ان میں سرفہرست بھارت ہے، جو ہمیشہ ہر اس عمل، اقدام اور فیصلے کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے، جس سے پاکستان کی تعمیر، ترقی اور خوش حالی کا کوئی منصوبہ وابستہ ہو۔ پاک چین اقتصادی راہداری کا منصوبہ بلاشبہ ایک ایسا منصوبہ ہے، جو اگر پروگرام کے مطابق بروقت پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تو اس سے پاکستان کا اقتصادی نقشہ اور تعمیر و ترقی کا گراف مکمل طور پر بدل سکتا ہے، لیکن بھارت دیگر پاکستان دشمن قوتوں کے ساتھ مل کر اس منصوبے کو ناکام کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ کراچی میں ہونے والے حملے میں بھی "را" ملوث ہے۔ سیکرٹری خارجہ نے سانحہ صفورا میں "را" کے ملوث ہونے کی تصدیق کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان میں دہشت گردی کی کارروائیوں میں "را" ملوث ہے، معاملہ کئی بار بھارت کے سامنے اٹھایا ہے۔ سانحہ صفورا میں "را" کے ملوث ہونے کے ثبوت بھی بھارت کو فراہم کردیے ہیں۔ حساس اداروں نے تین کالیں ٹریس کرکے دو افراد

کو گرفتار کیا ہے، دونوں "را" کے سہولت کار ہیں۔ دہشت گردوں نے "را" سے تربیت لینے کا اعتراف بھی کیا ہے۔ چند روز قبل یہ اطلاعات بھی منظر عام پر آئیں تھیں کہ بھارتی خفیہ ایجنسی "را" پاکستان میں چائنا کی انویسمنٹ خصوصاً گوادر کا شغر ہائی وے کو ناکام بنانے کے لیے خصوصی ڈیسک بھی قائم کرچکی ہے، جس کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ پاکستان میں چین کی ہونے والی سرمایہ کاری کو ناکام بنایا جائے۔ بھارتی خفیہ ایجنسی کے سربراہ بذات خود اس ڈیسک کی نگرانی کر رہے ہیں اور وہ اس معاملے میں براہ راست وزیراعظم مودی کو رپورٹ کریں گے، اس کارروائی کے لیے "را" کو بھارتی حکومت نے بھاری فنڈ بھی جاری کیا ہے اور یہ اس کا 1971ء میں پاکستان کو دولخت کرکے بنگلا دیش بنانے کے مشن کے بعد سب سے بڑا آپریشن ہوگا۔ اس آپریشن کے تحت را" کا بنیادی مشن جارحانہ انٹیلی جنس معلومات جمع کرنا، نفسیاتی جنگ، تخریب کاری،" سبوتاژ کی کارروائیاں اور اہم شخصیات کو قتل کرنا ہوگا۔ کراچی میں بے گناہ لوگوں کا بہیمانہ قتل بھی اسی پلاننگ کا ایک حصہ ہے، جس کے ذریعے قوم کو نفسیاتی طور پر خوفزدہ کرنا مقصود ہے۔

بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کی جانب سے کی جانے والی پاکستان مخالف سرگرمیاں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ پاکستان دشمن تنظیم "را" کا نصب العین ہی پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنا ہے، جس کے لیے ملک کے مختلف شہروں

میں اپنے ایجنٹوں کی مدد سے قتل وغارت گری اور بم، دھماکے کروا کر ہر موڑ پر پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جبکہ اس کی جانب سے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے پاکستان کے سادہ لوح عوام کو مذہبی، سیاسی اور لسانی عصبیت کی بنا پر آپس میں لڑا کر بھی پاکستان کو عدم استحکام کا شکار کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ بلوچستان اور ملک کے دیگر کئی علاقوں سے "را" کے ایجنٹس پکڑے جانے کے ساتھ ساتھ بھاری مقدار میں بھارتی اسلحہ بھی متعدد بار پکڑا جاتا رہا ہے۔ بھارتی ایجنسی را" کو جنرل راحیل شریف وارننگ بھی دے چکے ہیں۔ 5 مئی کو کور کمانڈرز کانفرنس" میں پاکستان کے اندر دہشت گردی پھیلانے میں بھارت کی بدنام زمانہ خفیہ ایجنسی "را" کے ملوث ہونے کا سخت نوٹس لیا گیا اور آرمی چیف جنرل راحیل شریف کے دورہ افغانستان کے دوران بھی افغانستان کے راستے پاکستان میں "را" کی مداخلت زیر بحث رہی۔ آرمی چیف ملک سے دہشت گردوں کا صفایا کرنے کے لیے پر عزم ہیں، لیکن دہشت گردوں کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے کے لیے پوری قوم کو متحد ہو کر پاک آرمی کے ساتھ مل کر دہشت گروں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

کراچی : دہشت گردی کا راج برقرار۔۔۔۔ سخت اقدامات کا وقت آن پہنچا !

پاکستان کا "معاشی حب" کراچی ایک عرصے سے مختلف قسم کے مسائل سے دوچار ہے، جن میں بدامنی و دہشت گردی کا دیو ہیکل آسیب سب سے بڑا اور خطرناک مسئلہ ہے۔ ملک دشمن غیر ملکی ایجنسیوں کے کارندوں کی جانب سے سیاست و مذہب کے نام پر کی جانے والی دہشت گردی نے شہر قائد کا سکون غارت کر دیا ہے۔ وزیراعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کی کپتانی میں کراچی میں شروع ہونے والا ٹارگٹڈ آپریشن دوسرے سال کی دہلیز کو چھونے والا ہے، لیکن تاحال امن کو ترستا ہوا ملک کا سب سے بڑا شہر دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے اور آئے روز دہشت گردی کی کوئی بڑی کارروائی ملک کے باسیوں کے دل و دماغ پر گہرے اثرات چھوڑ جاتی ہے، لیکن سیاست کی بھول بھلیوں میں گم حکمران ابھی تک گم ہی ہیں۔ بعض حلقے روز اول سے کراچی میں ہونے والی دہشت گردی کے پیچھے بیرونی ہاتھ کی دہائی دے رہے ہیں، لیکن ذمے داران "میں نا مانوں" کی رٹ لگاتے تھکتے ہی نہیں تھے۔ گزشتہ کچھ عرصے سے ملک کی عسکری قیادت نے اس معاملے پر ہاتھ ڈال کر ملک میں ہونے والی دہشت گردی کے پس پردہ عناصر کو ڈھونڈ نکالا اور بھارتی خفیہ ایجنسی "را" سمیت دیگر غیر ملکی ایجنسیوں کو خبردار بھی کیا، بلکہ ملک کے مختلف علاقوں سے 140 ایسے افراد کو گرفتار بھی کیا، جو دشمن

خفیہ ایجنسیوں کی معاونت کر رہے تھے۔

گزشتہ دنوں کراچی میں اسماعیلی برادری کی بس پر حملہ کرکے دہشت گردوں نے 45 افراد کو قتل کر دیا، جو دہشت گردوں کی ایک بڑی کامیابی تھی، جس کے بعد انویسٹی گیشن کی گئی تو کراچی میں ہونے والے دہشت گردی کی اس بڑی کارروائی کے تانے بانے بھارتی خفیہ تنظیم "را" سے مل رہے تھے، اگرچہ دہشتگردوں نے جاتے ہوئے جائے وقوعہ پر ایک کالعدم تنظیم کے پمفلٹ بھی پھینکے، تاکہ تفتیش کا رخ موڑا جاسکے، لیکن اس کے باوجود "را" خود چھپا نہ سکی اور کراچی میں ہونے والی دہشت گردی میں اب وہ لوگ بھی "را" کے ملوث ہونے کا برملا اظہار کر رہے ہیں، جو پہلے اس بات کو ماننے کے لیے تیار ہی نہ ہوتے تھے۔ وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ اور سابق وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک کے علاوہ وفاقی اور صوبائی حکومتیں بھی کراچی میں ہونے والی دہشت گردی کے سلسلے میں بھارت پر الزام عاید کر چکی ہیں۔ کراچی میں سانحہ صفورا کے بعد سے ملک کی اعلیٰ قیادت دہشت گردی کے خاتمے کے معاملے میں سنجیدہ اور پر عزم دکھائی دے رہی ہے۔ اس حوالے سے عسکری قیادت کی جانب سے تو سخت اقدامات کیے ہی جارہے ہیں، اب حکومت بھی اہم فیصلے کر رہی ہے۔ وزیر اعظم میاں نواز شریف نے آیندہ ہفتے اس حوالے سے ایک اجلاس بلانے کا فیصلہ کیا، جس میں سویلین اور فوجی خفیہ اداروں کے سربراہان کے علاوہ اعلیٰ فوجی اور سویلین حکام بھی شرکت کریں گے۔

وزیر اعظم کی صدارت میں ہونے والے اجلاس میں سانحہ صفورا کے محرکات، ملکی کی مجموعی سیکورٹی صورتحال اور بھارتی خفیہ ادارے "را" کے ملوث ہونے سے متعلق ثبوتوں کا جائزہ لیا جائے گا۔ گزشتہ روز وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان نے بھی کراچی کا دورہ اسی مقصد کے لیے کیا تاکہ کراچی میں دہشت گردی پر قابو پانے کے حوالے سے مزید اقدامات کیے جاسکیں۔ وزیر داخلہ نے سانحہ صفورا پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ واقعہ میں ملوث بعض افراد کی گرفتاریاں ہوئی ہیں، ان سے مثبت معلومات ملی ہیں۔ واقعہ میں جو ہاتھ بھی ملوث ہوگا، انشاءاللہ اس تک ضرور پہنچیں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ جون 2014 سے اب تک 10 ہزار سے زاید انٹیلی جنس آپریشنز کیے جاچکے ہیں، جن میں 36 ہزار گرفتاریاں ہوئی ہیں۔ یہ طویل جنگ ہے، انشاءاللہ یہ جنگ ہم ہی جیتیں گے۔ ذرایع کے مطابق کراچی میں بڑے آپریشن کی تیاری کی جارہی ہیں۔ کراچی میں مبینہ دہشت گرد سرگرمیوں، ان کی فنڈنگ اور رابطوں کی بعض تفصیلات ملنے کے بعد نئے "روڈ میپ" کے تحت آپریشن کو سندھ کے دیگر علاقوں تک پھیلایا جائے گا، جبکہ اس کا تیسرا مرحلہ زیادہ اہم اور سخت ترین ہوگا، کیونکہ وہ صوبائی و مقامی سرکاری محکموں کے بدعنوان افسران، ان کے رابطوں کے خلاف ہوسکتا ہے اور بعض اعلیٰ سیاست دانوں، بیوروکریٹس اور انتہائی بدعنوان محکمے نشانہ بن سکتے ہیں۔ آپریشن کے فیز ٹو کو انٹیلی جنس رپورٹس کی روشنی میں شروع کرنے کی اجازت کے لیے آرمی چیف کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ حتمی مرحلے کے فال آؤٹ

سے متعلق کچھ خدشات ہیں، "بڑی مچھلیوں" کے پکڑے جانے پر سیاسی تحفظات رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ کراچی میں امن اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے، جب بدامنی میں ملوث عناصر کو بے نقاب کرکے "بڑی مچھلیوں" کو پکڑا جائے، بصورت دیگر شہر میں امن قائم ہونا مشکل ہے۔

ذرائع کے مطابق ملک کو عدم استحکام کی جانب دھکیلنے میں غیر ملکی ایجنسیوں کا بڑا کردار ہے۔ ملک کو درپیش کاؤنٹر انٹیلی جنس کا چیلنج بہت بڑا ہے اور ملکی ادارے مل کر ہی اس چیلنج سے نمٹ سکتے ہیں۔ گزشتہ ایک دھائی میں افغانستان کی صورتحال نے پاکستان کو غیر ملکی انٹیلی جنس ایجنسیوں کا اکھاڑا بنا دیا ہے۔ چیلنج کی نوعیت کا اندازا اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امریکی سی آئی اے، بھارتی را، برطانوی ایم آئی سکس کے علاوہ اسرائیل، ایران اور بعض عرب ملکوں کی ایجنسیاں بھی یہاں معاندانہ کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ آئی ایس آئی اور آئی بی کو متضاد مفادات کے لیے کام کرنے والی ان ایجنسیوں کے خلاف کام کرنا پڑ رہا ہے، جن کی زبان، ثقافت اور مقامی ایجنٹ الگ الگ ہیں۔ چیلنج کی ایک مشکل نوعیت یہ بھی ہے کہ بھارت کے لیے کام کرنا غداری کے زمرے میں سمجھا جاتا ہے، لیکن امریکا سمیت مغربی ملکوں اور برادر مسلمان ملکوں کے مفادات کے لیے کام کرنے کو معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ پاکستان میں جس سطح کی بیرونی مداخلت ہو رہی ہے، اس جیسی کوئی اور مثال

نہیں دی جا سکتی۔

واضح رہے کہ پاکستان میں بہت سی ملک دشمن ایجنسیاں اپنا کام کر رہی ہیں، لیکن ان میں سر فہرست بھارتی خفیہ ایجنسی "را" ہے۔ پاکستان کے اندرونی معاملات میں بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کے ملوث ہونے میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہے۔ پاکستان کو دو ٹکڑے کرنے سے لے کر کالا باغ ڈیم کی مخالفت، فرقہ وارانہ لڑائی اور بلوچستان میں علیحدگی پسندوں کے علاوہ کراچی میں بدامنی پھیلانے والوں کی سرپرستی بھی یہی تنظیم کر رہی ہے اور اب تک پکڑے جانے اور مارے جانے والے سینکڑوں دہشت گردوں کے تانے بانے "را" سے ہی جڑے نظر آتے ہیں۔ ملک کا اہم ترین شہر ہونے کے باعث کراچی کے حالات پورے ملک پر اثرانداز ہوتے ہیں، اس لیے کراچی دہشت گردوں کا اولین نشانہ بنا ہوا ہے۔ کراچی میں بس پر دہشتگردی کے نتیجے میں مرنے والے 45 افراد کے قتل میں بھی "را" کے ملوث ہونے کے ثبوت ملے ہیں۔ گزشتہ روز وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ نے بھارت کی خفیہ ایجنسی را کو کراچی میں بس پر دہشت گردوں کے منظم حملے کا ذمہ دار ٹھراتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان کی سیکورٹی ایجنسیوں کو اسماعیلی برادری کے قتل عام میں "را" کے ملوث ہونے کے ثبوت مل گئے ہیں۔ انٹیلی جنس ایجنسیاں ثبوت کے بغیر بات نہیں کرتیں۔ وزیر دفاع خواجہ آصف نے کہا ہے کہ ملک میں دہشت گردی کے خلاف جنگ جاری ہے، لیکن بھارت پاکستان میں

تخریب کاروں کی حمایت کر رہا ہے۔ پاکستان کا دشمن ایک ہے، لیکن اس کے چہرے دو ہیں، جن میں ایک ملک کے اندر اور دوسرا سرحد پار ہے اور دونوں کے درمیان وطن عزیز کے خلاف سمجھوتہ ہے۔ کراچی، شکار پور، پشاور اور واہگہ بارڈر واقعات دہشت گردوں اور بھارتی خفیہ ایجنسیوں کے سمجھوتے کا نتیجہ ہیں۔ فوج ملک کے اندورنی اور بیرونی دشمنوں سے بیک وقت لڑ رہی ہے، جس میں مسلح افواج ضرور کامیاب ہوگی اور دہشت گردی کے خلاف جاری جنگ میں جیت کے سوا کوئی دوسرا آپشن موجود نہیں۔

دوسری جانب سابق وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک نے ملک میں جاری دہشت گردی کی کارروائیوں میں بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کو ملوث قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ سانحہ کراچی بھی ایک سوچی سمجھی سازش تھی۔ "را" پاکستان کے قیام سے ہی اس کے خلاف سازشوں میں مصروف رہی ہے، جو بلوچستان میں بھی حالات کو خراب کر رہی ہے۔ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ "را" کے خلاف شواہد کو منظر عام پر لا کر اس معاملے کو نا صرف بھارتی حکام بلکہ اقوام متحدہ میں بھی اس معاملے کو اٹھائے اور ان شواہد سے متعلق پارلیمنٹ کو بھی اعتماد میں لے۔ مبصرین کے مطابق وطن عزیز میں فرقہ ورانہ، لسانی فسادات اور قتل وغارت گری میں بھارت کے ملوث ہونے کے ثبوت کئی بار منظر عام پر آ چکے ہیں۔ پاک چائنہ اکنامک کوریڈور منصوبے کے اعلان کے بعد بھارت نے پاکستان میں دہشت گردی کا نیا بازار گرم کر دیا ہے۔ اس منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے بھارتی خفیہ

ایجنسی "را" نے خصوصی سیل قائم کیا ہے۔ بھارت سمجھتا ہے کہ یہ منصوبہ مکمل ہو گیا تو پاکستان جنوبی ایشیا کا ایک مضبوط ملک بن جائے گا۔ بھارت پاکستان کو ترقی کی راہ پر گامزن نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس لیے وہ پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنے کے لیے ملک میں دہشت گردی پروان چڑھا رہا ہے۔ اب وزیراعظم، آرمی چیف، دفاعی اداروں اور دفتر خارجہ کی طرف سے پاکستان میں دہشت گردی کے سرپرست کو بے نقاب کرنا اور یکسو ہو کر دہشت گردی کی بیخ کنی کے لیے جدوجہد کرنا خوش آئند ہے۔ ذرائع کے مطابق دشمن خفیہ ایجنسیوں کی کارروائیوں کو روکنے کے لیے انٹیلی جنس آپریٹنگ سسٹم کو بہتر بنانے اور معاملے کو عالمی سطح پر اٹھانے پر غور کیا جا رہا ہے۔ غیر ملکی اداروں کے ناپسندیدہ آپریشنز کو روکنے کے لیے قانون کا سہارا لینے پر بھی غور ہو رہا ہے۔ ان دنوں وزیراعظم نواز شریف اپنے سینئر وزرا سے مشاورت کر رہے ہیں کہ کیسے دوست ملکوں سے رابطہ کر کے معاملہ سلامتی کونسل سمیت عالمی فورمز پر اٹھایا جائے، جبکہ دفتر خارجہ کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ پاکستان میں مداخلت کرنے والے ممالک پر سفارتی دباؤ ڈالنے کے لیے دوست ممالک سے رابطے کیے جائیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ ملک اب حالت جنگ میں ہے، دشمن ممالک کی ایجنسیوں نے ملک کو عدم استحکام کی جانب دھکیلنے کا تہیہ کیا ہوا ہے، جس کا مقابلہ پوری قوم کو متحد ہو کر کرنا ہوگا اور دہشت گردی کے خاتمے کے لیے سخت اقدامات کرنے ہوں گے۔

بجلی کی لوڈشیڈنگ میں اضافہ، سبسڈی کا خاتمہ.... عوام کدھر جائیں؟

آئے روز ملک میں گرمی بڑھ رہی ہے۔ جوں جوں جون قریب آ رہا ہے، سورج کے غصے میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور بڑھتے ہوئے درجہ حرارت نے عوام کو کرب میں مبتلا کر دیا ہے۔ عوام سورج کی جھلسا دینے والی گرمی سے پنکھے چلا کر ہی بچ سکتے ہیں، لیکن بد قسمتی سے طویل لوڈشیڈنگ کی وجہ سے عوام کو پنکھوں کو ہوا بھی میسر نہیں ہے۔ یوں تو بجلی کی لوڈشیڈنگ ملک کا دائمی مسئلہ ہے، لیکن جب سے گرمی میں اضافہ ہونا شروع ہوا ہے، تب سے لوڈشیڈنگ کے دورانیے میں ابھی اضافہ کر دیا گیا ہے اور جتنی دیر لائٹ آتی ہے، اس دوران بھی وقفے وقفے سے بجلی میں تعطل کا سلسلہ جاری رہتا ہے، جس سے نہ صرف بھاری تعداد میں عوام کا الیکٹرک سامان ضایع ہو رہا ہے، بلکہ جان لیوا گرمی میں دن گزارنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شدید گرمی میں طویل لوڈ شیڈنگ کو برداشت کرتے کرتے عوام نفسیاتی مریض بن چکے ہیں۔ موجودہ حکومت نے عوام کو ذلیل و خوار کرنے میں سابقہ حکومتوں کے ریکارڈ بھی توڑ دیے ہیں۔ گھروں میں نہ بجلی ہے، نہ پانی ہے۔ ایسے حالات میں عوام کہاں جائیں؟ لوڈشیڈنگ کے خاتمے کے اعلانات کے ساتھ اقتدار کی کرسیوں پر براجمان ہونے والے حکمرانوں کے خلاف روز روز احتجاج کرنے کے باوجود بھی لوڈشیڈنگ میں کمی نہ آ سکی، بلکہ دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔

مسلسل بڑھتی ہوئی لوڈشیڈنگ کے خلاف ایوان بالا کے اجلاس میں حکومتی و حزب اختلاف کے ارکان نے شدید احتجاج کیا ہے۔ اس کے ساتھ حکومت نے عوام پر بڑا ظلم یہ کیا کہ آئی ایم ایف کی شرائط کو مانتے ہوئے بجلی پر دی جانے والی سبسڈی میں کمی کر کے قیمت 3 روپے بڑھادی ہے، جس سے عوام کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ مسلسل بڑھتی ہوئی بجلی کی لوڈشیڈنگ اور بجلی پر دی جانے والی سبسڈی میں کی جانے والی کمی پر ملک کے مختلف حلقوں کی جانب سے حکومت کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ گزشتہ روز ایوان بالا کے اجلاس میں حکومتی و حزب اختلاف کے ارکان نے سندھ اور بلوچستان میں طویل لوڈ شیڈنگ پر حکومت کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ ارکان کا کہنا تھا کہ 20 سے 22 گھنٹے تک بجلی کی بندش چھوٹے صوبوں کے ساتھ امتیازی سلوک کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کے الیکٹرک کے حکام خود کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں، انہیں لگام ڈالی جائے، کراچی واٹر بورڈ اور دیگر اداروں میں گزشتہ 7 سال میں کی گئی بھرتیوں کی انکوائری کی جائے، حکومت رمضان سے قبل ہونے والی مہنگائی روکنے کے لیے اقدامات کرے۔ اجلاس میں نکتہ اعتراض پر عثمان کاکڑ نے کہا کہ بلوچستان کے اضلاع قلعہ سیف اللہ، قلات، چمن، زیارت اور لورالائی میں 20 سے 22 گھنٹے لوڈ شیڈنگ ہو رہی ہے، وعدے کے مطابق ٹیوب ویلوں کو بھی روزانہ 8 گھنٹے بجلی نہیں مل رہی، اربوں روپے مالیت کے باغات تباہ ہو رہے ہیں۔ جبکہ ن لیگ کے سینیٹر نہال ہاشمی نے کہا کہ کراچی میں بجلی کی بہت زیادہ لوڈ شیڈنگ ہو رہی

ہے، ایسا لگتا ہے کہ کے الیکٹرک ملکی قوانین سے بالاتر ہے، کسی کو جوابدہ نہیں، کون سا گروپ ہے جس نے کے ای ایس سی کو اونے پونے داموں میں خریدا؟ اب کے الیکٹرک کے کام کو لگام دینا ہو گی۔ پی پی پی کے سینیٹر مختار احمد عاجز دھامرہ نے کہا کہ سندھ میں گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ کرکے بل ادا کرنے والوں کو بھی سزا دی جا رہی ہے، جبکہ واپڈا 22 کے افسران ٹیلیفون پر بھی دستیاب نہیں ہوتے۔ واپڈا نے سندھ میں صوبائی حکومت کو ونڈ پاور اور سولر انرجی کے منصوبے سے روک دیا، لیکن اب پنجاب میں یہ منصوبے شروع کیے جا رہے ہیں، سندھ سے زیادتی ہو رہی ہے۔

دوسری جانب حکومت نے آئندہ مالی سال کے بجٹ میں بجلی پر سبسڈی ختم کا فیصلہ کیا ہے۔ فیصلے کے باعث بجلی کی قیمتوں میں دو سے تین روپے تک اضافہ کا امکان ہے۔ وزارت خزانہ کے ذرایع کے مطابق نئے مالی سال میں بجلی سبسڈی کی مد میں 150 ارب روپے مختص کیے جانے کی توقع ہے، جو کہ رواں مالی سال سے کافی کم ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے حکومت کو بجلی کی قیمت میں دو سے تین روپے فی یونٹ بجلی مہنگی کرنا پڑے گی۔ حکومت آئی ایم ایف کو بجلی سبسڈی کو مرحلہ وار ختم کرنے کی یقین دہانی کرا چکی ہے۔ واضح رہے کہ چند روز قبل دبئی میں وفاقی وزارت خزانہ اور آئی ایم ایف کے مابین مذاکرات ہوئے۔ بجلی اور گیس پر سبسڈی میں کمی وزیر خزانہ اسحاق ڈار کے آئی ایم ایف کے ساتھ

مذاکرات کی روشنی میں حکومت کو اس عالمی مالیاتی فنڈ کی طرف سے نئے اہداف دیے گئے۔ ان میں ایک بڑا ہدف آئندہ مالی سال کے دوران سبسڈی ختم کرنے کا ہے۔ بجلی پر دی جانے والی سبسڈی میں 80 ارب کی کمی کی جائے گی۔ وزیر خزانہ کی طرف سے مکمل طور پر ختم کرنے کا یقین دلایا گیا۔ واشنگٹن میں آئی ایم ایف کے دفتر کے حوالے سے شائع ہونے والی خبروں کے مطابق پاکستان کی اقتصادی ترقی پر اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے، تاہم یہ صاف ظاہر ہے کہ گیس اور بجلی پر سبسڈی ختم کرنے کا ہدف پورا کرنے کے لیے گیس اور بجلی کے نرخوں میں اضافہ لازم ہو جائے گا اور اگلے مالی سال میں جو نئے ٹیکس لگائے جائیں گے یا ٹیکسوں میں جو ردو بدل ہوگا، ان کی وجہ سے عوام پر مالی بوجھ آئے گا تو سبسڈی ختم کرنے سے مزید 80 ارب روپے خزانے میں جمع ہونے کے لیے بوجھ عوام ہی برداشت کریں گے۔ ذرائع کے مطابق دبئی میں وفاقی وزارت خزانہ اور آئی ایم ایف جائزہ مشن کے مابین ساتویں جائزہ مشن مذاکرات میں آئی ایم ایف نے آئندہ مالی 16-2015 سال کے دوران دیگر شرائط کے ساتھ بجلی پر سبسڈی کا مکمل خاتمہ کرنے کی شرط میں کوئی نرمی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ذرائع کے مطابق وزارت خزانہ نے آئی ایم ایف جائزہ مشن کو بجلی پر سبسڈی 50 فیصد کم کرنے کی تجویز پیش کی تھی، لیکن آئی ایم ایف جائزہ مشن اپنی مذکورہ بالا شرائط میں کسی قسم کی نرمی لانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ لہٰذا پاکستان کو آئی ایم ایف کی تمام شرائط ماننا پڑیں۔ مذاکرات کامیاب ہونے کے بعد آئی ایم ایف کے پاکستان

مشن کے سربراہ ہیرالڈ فنگر نے کہا بھی تھا کہ گزشتہ ڈیڑھ سال کے دوران پاکستان معیشت کے اشاریے بہتر ہوئے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ خوش آئند بات ہے کہ پاکستان نے قرض کے حصول کے لیے آئی ایم ایف کی تمام شرائط کو پورا کیا ہے۔ ذرائع کے مطابق حکومت نے آئی ایم ایف کی شرائط پر بجلی کی قیمت بڑھا کر عوام پر بجلی گرانے کا فیصلہ کیا ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ آئی ایم ایف کی شرائط مان کر بجلی کی قیمت میں اضافہ کرنا انتہائی قابل مذمت ہے۔ بجلی کی قیمت میں اضافے سے عوام کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ ملک میں پہلے ہی مہنگائی بہت زیادہ ہے، ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے عوام کو بہت زیادہ تگ و دو کرنا پڑتی ہے۔ دو وقت کی روٹی کے لیے بھی عوام کو سخت محنت مزدوری کرنا پڑتی ہے، لیکن حکومت نے ان حالات میں بجلی پر دی جانے والی سبسڈی ختم کر کے غریب عوام کے مسائل میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ بعض رہنماؤں کا کہنا تھا کہ حکومت کو اپنے ملک کے عوام کی کوئی پروا نہیں ہے، حکمرانوں کو صرف اپنی حکومت عزیز ہے۔

خلیج تعاون کونسل کے اجلاس میں امریکا کی ناکامی

"کیمپ ڈیوڈ سمٹ انتہائی کامیاب رہا، اس اجلاس کا مقصد خلیج تعاون کونسل کے ساتھ واشنگٹن کے ساتھ پہلے سے موجود تعلقات کو 'وسیع اور راسخ' کرنا تھا۔" یہ الفاظ امریکی صدر باراک اوباما نے کیمپ ڈیوڈ میں خلیج تعاون کونسل کے اجلاس کے بارے میں دیے گئے اپنے ایک انٹرویو میں کہے۔ خلیج تعاون کونسل کے اس دو روزہ اجلاس میں امریکا اور خلیجی تعاون کونسل کے رکن ممالک کے درمیان تعاون کے فروغ، اسلحے اور جنگی ٹیکنالوجی کے تبادلے، مشترکہ فوجی مشقوں، دہشت گردی کے خلاف جاری عالمی جنگ، امریکا اور خلیجی ممالک کے تعلقات، جنگ میں کامیابی کے لیے باہمی تعاون پر تبادلے، علاقائی ممالک کو درپیش اندرونی اور بیرونی چیلنجز، لبنان، شام، عراق، یمن اور لیبیا میں جاری شورش اور دیگر کئی موضوعات پر تفصیلی تبادلہ خیال کیا گیا۔ صدر اوباما نے خلیج تعاون کونسل میں شامل چھ ممالک کے سربراہان کو واشنگٹن کے قریب کیمپ ڈیوڈ میں دو روزہ ملاقات پر اس لیے مدعو کیا تھا، تاکہ واشنگٹن اور خلیج تعاون کونسل میں قائم تعلقات میں مزید مضبوطی آئے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اجلاس سے امریکی صدر کا مقصد مکمل طور پر پورا نہیں ہو سکا۔ اجلاس میں صرف قطر اور کویت کے سربراہ شریک ہوئے، جبکہ باقی ممالک کی جانب سے ولی عہد یا دیگر اعلیٰ عہدیداروں نے شرکت کی

اور سعودی عرب کے شاہ سلمان بن عبدالعزیز نے تو امریکی صدر کے پرزور اصرار کے باوجود بھی امریکا جانے سے معذرت کر لی، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خلیجی ممالک اس وقت خطے میں امریکی حکمت عملی سے سخت نالاں ہیں اور براہ راست نکتہ چینی کرنے کی بجائے سفارتی لحاظ سے امریکی صدر کی خصوصی دعوت کو نظر انداز کرکے اس ناراضی کا اظہار کیا گیا ہے، تاکہ امریکی صدر کو یہ معلوم ہوسکے کہ ان کی پالیسیاں خلیجی ممالک کی خواہشات اور توقعات سے متصادم ہیں۔

خلیجی تعاون کونسل میں سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، کویت، بحرین، قطر اور اومان شامل ہیں۔ ان ملکوں پر سعودی عرب کا اثر و رسوخ ہے اور یہ سب سعودی شاہ کی تائید اور مشورے سے ہی پالیسیاں بناتے ہیں، جبکہ سعودی عرب کی امریکا کے ساتھ عرب بہار" کے وقت سے چپقلش چل رہی ہے۔ شام، یمن اور ایران کے معاملات پر" سعودی حکومت کے مفادات کے برخلاف امریکی فیصلوں نے اس چپقلش کو مزید بڑھادیا ہے۔ اس کے ساتھ امریکا نے 5 بڑے ملکوں کے ساتھ مل کر اپریل میں ایران کی جوہری تنصیبات کے حوالے سے ایک ابتدائی معاہدے پر اتفاق بھی کر لیا۔ قانون سازی کے ذریعے ایران کے ساتھ اس جوہری معاہدے کا حتمی اختیار کانگریس کو مل چکا ہے، اس طرح 30 جون کو ممکنہ طور پر چھ عالمی طاقتوں امریکا، برطانیہ، فرانس، روس، چین اور جرمنی کے ایران کے ساتھ

معاہدے میں کانگریس کا کردار کلید ہو گیا ہے۔ امریکی صدر اوباما ایران کے جوہری پروگرام پر تہران کے ساتھ امن سمجھوتے کے سب سے بڑے حامی ہیں۔ امریکی صدر ایران کا جوہری معاہدہ کامیاب بنانے کے لیے کوشاں ہیں، شاید اسی لیے کیمپ ڈیوڈ سربراہ اجلاس میں صدر اوباما نے خلیج تعاون کونسل کے رکن ملکوں کو اس بات کا بھی مشورہ دیا ہے کہ وہ تہران کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ صدر اوباما نے کیمپ ڈیوڈ سربراہ اجلاس میں ایران کے مجوزہ جوہری معاہدے سے متعلق خلیجی عرب رہنماؤں کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی ہے، تاہم یہ واضح نہیں ہو سکا کہ صدر اوباما عرب ملکوں کو یہ باور کروانے میں کامیاب ہوئے ہیں یا نہیں کہ ایران کے ساتھ دشمنی کے رشتے سے اگر معاملات نہیں سدھرے تو دوستی کا راستہ اختیار کرکے دیکھ لینا چاہیے، کیونکہ اگر یہ ممالک ایک دوسرے سے دست و گریباں رہے تو مشرق وسطیٰ میں ایک کے بعد دوسرا ملک بحران، انتشار اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو سکتا ہے۔

قرائن یہی بتاتے ہیں کہ سعودی عرب کی قیادت کی جانب سے سفارت کاری کے رویے میں کسی حد تک سختی کے سبب فی الحال امریکی صدر کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی ہے اور عرب ممالک امریکا سے نالاں ہیں۔ عرب ممالک کے امریکا سے ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امریکی صدر نے حالیہ سربراہ اجلاس میں خلیج تعاون کونسل کو امریکا کا سب سے اہم اتحادی قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود خلیجی

ملکوں سے جس مشترکہ دفاعی معاہدے کی بات کی گئی ہے، اس میں کوئی بھی ایسا منفرد اور نمایاں پہلو نہیں ہے، جو واقعتاً خلیج تعاون کونسل کے لیے امریکا کے دیگر اتحادیوں پر برتری کا سبب بنتا ہو۔ اس نوعیت کے دفاعی معاہدے امریکا نے جاپان اور تائیوان کے ساتھ بھی کیے ہیں اور ضرورت پڑنے پر امریکا نے دونوں ملکوں کی بھرپور مدد بھی کی، لیکن اس کے برعکس خلیج تعاون کونسل کی جانب سے دفاعی معاہدوں کے نام پر خطے میں امریکی مفادات کے لیے بہت سی قربانیاں دینے کے باوجود امریکا نے خلیجی ممالک کے کئی اہم سیکورٹی معاملات کو خلیج تعاون کونسل کا اندرونی معاملہ قرار دیتے ہوئے نظرانداز کیا ہے۔ اس کے مقابلے میں امریکا نے عربوں کے اہم حریف اسرائیل کو بہت سی سہولتیں فراہم کی ہیں۔ امریکا نے اسرائیل کو آئندہ سال "ایف 35" جنگی طیاروں کی فراہمی کا اعلان کیا ہے اور بھاری مالی امداد بھی فراہم کی ہے۔ امریکی نائب صدر جو بائیڈن مشرق وسطیٰ میں صہیونی فوجی برتری کو یقینی بنانے کے لیے صہیونی حکومت کو لڑاکا طیارے فراہم کرنے کی حامی بھر چکے ہیں۔

خلیجی ممالک امریکی صدر کی یقین دہانیوں سے مطمئن نظر نہیں آ رہے ہیں۔ اجلاس میں امریکی صدر نے خلیجی ممالک کو اگرچہ یقین دہانی کرائی ہے کہ خلیجی ممالک کے خلاف کسی بھی بیرونی جارحیت کی صورت میں امریکا بھرپور ساتھ دے گا اور دہشتگردی سے نمٹنے کے لیے خلیجی ممالک کو اسلحہ اور تربیت فراہم کرے

گا، لیکن عرب تجزیہ کاروں کے مطابق صدر اوباما کی جانب سے خلیجی ممالک کے ساتھ مشترکہ دفاع اور سیکورٹی کے حوالے سے کیے گئے وعدے زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ عرب تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ امریکی کانگریس خلیج تعاون کونسل کے رکن ممالک کی علاقائی سیکورٹی سے متعلق صدر اوباما کے وعدوں کو منظور نہیں کرے گی۔ گزشتہ سال امریکی وزیر خارجہ جان کیری یہ کہہ چکے ہیں کہ امریکی کانگریس مشرق وسطیٰ کی بدامنی کو عرب ممالک کا اندرونی معاملہ قرار دیتا ہے، اس وجہ سے وہ مشرق وسطیٰ بالخصوص خلیج تعاون کونسل کے ساتھ مزید دفاعی معاہدوں کی منظوری دینے کو تیار نہیں ہے۔ امریکی کانگریس کے علاوہ اوباما انتظامیہ نے بھی یمن اور شام کے معاملات کو مشرق وسطیٰ کے داخلی مسائل قرار دیا ہے، جس سے واضح طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ صدر اوباما بھی کانگریس کی اس پالیسی سے متفق ہیں۔ امریکی صدر اگرچہ کیمپ ڈیوڈ سمٹ کو انتہائی قرار دے رہے ہیں، لیکن عرب ممالک کے رویے سمیت متعدد دیگر وجوہ کے باعث عرب تجزیہ کاروں کے نزدیک کیمپ ڈیوڈ سربراہ اجلاس ناکام رہا ہے اور اب تک کوئی ایسا بیان بھی سامنے نہیں آیا، جس میں رکن ممالک نے کیمپ ڈیوڈ سربراہ اجلاس کے بارے میں اچھے تاثرات ظاہر کیے ہوں۔ خلیجی ممالک کی اس خاموشی کو دیکھتے ہوئے صدر اوباما نے اعتراف کر لیا ہے کہ امریکا اور خلیج تعاون کونسل کے درمیان ابھی بہت سے مسائل میں پیش رفت کے حوالے سے مشکلات حائل ہیں، جن کے حل کے لیے انہوں نے اگلے سال

دوبارہ اس نوعیت کا سربراہ اجلاس منعقد کرنے کا عندیہ دیا ہے۔ اس صورتحال سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ کیمپ ڈیوڈ کی یہ ملاقات کوئی خاص کامیاب قرار نہیں دی جا سکتی۔

آئی ڈی پیز کی طویل مہاجرت.... حکومت واپسی ممکن نہ بنا سکی

جون 2014 میں وزیرستان میں شروع کیے گئے آپریشن "ضرب عضب" کے نتیجے میں خواتین اور بچوں سمیت 10 لاکھ سے زاید افراد اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے، حکومت نے جن کے قیام کے لیے بنوں میں بڑے پیمانے پر کیمپ لگائے تھے، جبکہ حکومت کی جانب سے عدم توجہ اور ضروریات زندگی فراہم نہ کرنے کی وجہ سے متاثرین آپریشن کی بڑی تعداد ملک کے مختلف علاقوں میں بھی چلی گئی۔ اپنے علاقے سے نکالے جانے کے بعد تمام افراد کو بہت سے مسائل جھیلنا پڑے اور ایک سال سے مسلسل مصائب جھیل رہے ہیں۔ ایک سال کے دوران حکومت کی جانب سے نہ تو ان کی باعزت واپسی کو یقینی بنایا جاسکا ہے اور نہ ہی انہیں کیمپوں میں ڈھنگ سے سہولیات فراہم کی گئی ہیں۔ حالانکہ آپریشن شروع کرنے سے پہلے حکومت نے یہ وعدہ کیا تھا کہ آپریشن کو 2014 میں ہی رمضان المبارک کے دوران مکمل کرکے عید الفطر تک تمام آئی ڈی پیز کی واپسی کو یقینی بنایا جائے گا، لیکن ابھی تک یہ واپسی یقینی نہ بنائی جا سکی۔ گزشتہ سال شدید اور جان لیوا گرمی کا موسم متاثرین آپریشن کو کھلے آسمان تلے گزارنا پڑا۔ سخت گرمی کے باعث متاثرین میں خواتین و بچوں کو بیماریوں کا سامنا بھی کرنا پڑا اور گزشتہ سال سخت گرمی میں رمضان المبارک کا مہینہ بھی دربدر اور بے گھر گزارنا پڑا تھا، اس دوران

حکومت آئی ڈی پیز کی جلد واپسی کے وعدے کرتی رہے، لیکن واپسی کا سامان نہ کیا گیا اور موسم سرما شروع ہو گیا۔ بنوں اور پنجاب میں موسم سرما میں نا قابل برداشت سردی پڑتی ہے، لیکن آئی ڈی پیز کو مجبوراً یہ سخت سردی بھی کھلے آسمان تلے گزارنا پڑی، لیکن حکومت ان کی واپسی کا انتظام نہ کر سکی۔ اس دوران متعدد بار آئی ڈی پیز کی جانب سے اپنی باعزت واپسی کے لیے احتجاج کے دوران یہ کہا گیا کہ ہم باعزت طریقے سے فوری واپسی چاہتے ہیں۔ اپنے گھر بار چھوڑ کر آج آئی ڈی پیز کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، ہمارے مسائل بہت زیادہ ہیں، حکومت کی جانب سے آئی ڈی پیز پر توجہ نہیں دی جارہی۔ آئی ڈی پیز نے بارہا یہ بھی کہا کہ مہاجرت کی زندگی کی وجہ سے ہمارے بچوں کی تعلیم ختم ہو چکی ہے، ہم پاکستان کی بقا کی خاطر ہجرت کرکے آئے ہیں۔ لہٰذا جلد از جلد واپسی ممکن بنائی جائے۔ اس دوران آپریشن سے متاثرہ متعدد قبائل بھی حکومت سے آئی ڈی پیز کی باعزت واپسی کا مطالبہ کرتے رہے اور مطالبہ منظور نہ کرنے کی صورت میں ریڈ زون میں دھرنے کی دھمکی دیتے رہے، لیکن ہر بار انہیں نظر انداز کر دیا گیا۔ گزشتہ ہفتے بھی مہاجرت کی زندگی کی وجہ سے بہت سے مسائل سے تنگ آکر آئی ڈی پیز کی ایک بڑی تعداد افغانستان ہجرت کر گئی ہے۔ ذرائع کے مطابق آپریشن شروع ہونے سے اب تک اندازاً 30 ہزار افراد افغانستان ہجرت کر گئے ہیں۔

بار بار احتجاج کے بعد حکومت کی جانب سے 31 مارچ سے شمالی وزیرستان سے نقل

مکانی کرنے والوں کی مرحلہ وار اپنے علاقوں کو واپسی کا عمل شروع کیا گیا۔ گزشتہ ماہ تک دوسرے مرحلے میں تین مختلف قبائل کے 17 ہزار خاندان واپس اپنے علاقوں کو روانہ کیے گئے تھے۔ جبکہ پہلے مرحلے میں 40 ہزار 500 خاندانوں کو جنوبی وزیرستان، خیبر ایجنسی اور شمالی وزیرستان اپنے گھروں کو پہنچایا گیا تھا۔ گورنر خیبر پختونخواہ سردار مہتاب احمد خان کا کہنا تھا کہ فاٹا کے جن علاقوں میں امن قائم ہو چکا، وہاں پر آئی ڈی پیز کی واپسی کا عمل جاری ہے۔ 16 مارچ سے شروع ہونے والا متاثرین کی واپسی کا عمل جولائی تک جاری رہے گا۔ سرکاری ذرائع کا کہنا ہے کہ آئی ڈی پیز کی دیرپا بحالی اور تعمیر نو کے لیے فاٹا سیکرٹریٹ میں بحالی اور تعمیر نو یونٹ قائم کیا گیا، جس کے ذریعے جنگ سے متاثرہ علاقوں کی تعمیر نو کے لیے تمام اسٹیک ہولڈرز کے ساتھ اسسمنٹ کی تیاری کا کام جاری ہے۔ وفاقی حکومت نے تعمیر نو کے کاموں کے لیے 6 سو ملین کی خصوصی گرانٹ مختص کی ہے، اس کے علاوہ ہر خاندان کو یکمشت ایک بار 25 ہزار روپے، جبکہ ماہانہ 12 ہزار روپے کیش امداد کی فراہمی کی جا رہی ہیں۔ واضح رہے کہ شمالی وزیرستان سے نقل مکانی کرنے والوں کی واپسی چار مراحل میں مکمل ہو گی، جس کی تکمیل کے لیے حکومت نے ایک سال کا وقت مقرر کیا ہے، لیکن ماہرین کا کہنا ہے کہ اس منصوبے کی تکمیل میں ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ لگ سکتا ہے۔ واپسی کا یہ عمل قبائلیوں کے ساتھ ایک معاہدے کے تحت شروع کیا گیا، جس میں مختلف قبائل اپنے اپنے علاقوں میں علاقائی ذمہ داری کے

قانون کے تحت اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ وہ اپنے علاقے میں کسی ملکی و غیر ملکی شدت پسند کو پناہ نہیں دیں گے اور پاکستان مخالف کسی بھی سرگرمی کو روکیں گے۔

دوسری جانب حکومت کی طرف سے شمالی وزیرستان کے تمام متاثرین کی واپسی کا عمل ایک سال کے طویل عرصے میں مکمل کرنے کے اعلان پر مختلف حلقوں کی جانب سے حکومت پر کڑی تنقید کی گئی ہے۔ وزیرستان کے نمائندہ جرگہ کے ایک قبائلی مشر کا کہنا تھا کہ متاثرین کی واپسی قبائل کا سب سے پہلا اور بڑا مطالبہ تھا۔ حکومت کو چاہیے کہ واپسی کے عمل کو زیادہ طویل عرصہ تک جاری نہ رکھا جائے، ورنہ اس سے غلط فہمیاں پیدا ہوں گی جس سے حکومت ہی کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے۔ متاثرہ علاقوں میں بحالی اور تعمیر نو کا کام اس وقت تک بہتر طریقے سے نہیں ہو سکتا جب تک وہاں مقامی افراد موجود نہ ہوں۔ کیمپوں میں مقیم آئی ڈی پیز کا کہنا ہے کہ حکومت کو بہت پہلے آئی ڈی پیز کی واپسی کا منصوبہ تیار کرنا چاہیے تھا، لیکن حکومت نے بہت دیر کی ہے۔ آئی ڈی پیز کے مسائل انتہائی گھمبیر شکل اختیار کر چکے ہیں اور ہر نکلتے سورج کے ساتھ ان کے مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے۔ حکومت کی سست روی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آئی ڈی پیز کو گزشتہ سال کی طرح اس بار بھی رمضان المبارک شدید گرمی کے موسم میں کیمپوں میں ہی گزارنا پڑے گا، کیونکہ آئی ڈی پیز کی واپسی کے

حکومتی منصوبے کے تحت رمضان المبارک تک آئی ڈی پیز کی کم تعداد ہی اپنے علاقوں تک پہنچ پائے گی۔ گزشتہ روز فاٹا کے ارکان قومی اسمبلی نے متاثرین آپریشن کی واپسی کے لیے 30 مئی تک کی ڈیڈ لائن دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر حکومت نے 30 مئی تک آئی ڈی پیز کی باعزت واپسی یقینی نہ بنائی تو لاکھوں قبائلی احتجاج کریں گے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ حکومت کو آئی ڈی پیز پر جو توجہ دینی چاہیے تھی، وہ نہیں دی گئی۔ حکومت شمالی وزیرستان کے متاثرین کے مسائل سے غافل رہی ہے اور میڈیا نے بھی آئی ڈی پیز کے حوالے سے اپنی آنکھیں بند اور ہونٹ سی لیے ہیں۔

یوم تکبیر: جس دن بھارت کا غرور خاک میں مل گیا

بھارت ہمارا ازلی دشمن ہے، جس نے نہ صرف یہ کہ پاکستان کو اب تک دل سے تسلیم نہیں کیا ہے، بلکہ روز اول سے پاکستان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ پاکستان کے ساتھ بھارت کی دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، اس کے مکروہ اور گھناؤنے ناپاک عزائم دنیا بھر پر عیاں ہیں۔ بھارت نے ہمیشہ اپنے قومی فارمولے "بغل میں چھری، منہ میں رام رام" پر عمل کرتے ہوئے منافقت کی ہے۔ پاکستان میں دہشت گردوں کو استعمال کرتے ہوئے بے گناہ لوگوں کا قتل عام، بم دھماکے اور دہشت گردی کی پے در پے وارداتیں اس کی واضح مثال ہیں، جس کا اظہار کرتے ہوئے خود بھارتی وزیر داخلہ راج ناتھ سنگھ چند روز قبل یہ بیان دے چکا ہے کہ "بھارت کو دہشت گردوں کا استعمال کرنا چاہیے۔" جو کہ بھارت کی جانب سے دہشت گردوں کے ذریعے پاکستان میں تخریب کاری کروانے کا کھلا اعلان ہے۔ بلوچستان، کراچی اور ملک کے دیگر مختلف شہروں میں آئے روز بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کے ایجنٹوں کی جانب سے دہشت گردانہ کارروائیاں پاکستان سے ازلی دشمنی کا نتیجہ ہے۔ بھارتی عسکری و سیاسی قیادت آج بھی اسی ازلی دشمنی کے زیر اثر ہے۔ بھارت کی سیاست آج بھی پاکستان دشمنی کے گرد گھوم رہی ہے۔ انتخابات میں اسی سیاست دان کو زیادہ ووٹ ملتے ہیں، جو زیادہ پاکستان کے

خلاف بولتا ہے۔ بھارت کا پاکستان دشمن وزیر اعظم نریندر مودی اس کی واضح مثال ہے۔ تقسیم برصغیر سے پہلے مسلمان ہندوؤں کے مظالم کا شکار تھے اور ہندو ہمیشہ ہی مسلمانوں کو اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتے تھے، لیکن مسلمانوں نے ہندوؤں کی غلامی کو مسترد کرکے طویل جدوجہد سے اپنا الگ ملک پاکستان حاصل کیا، جس سے ہندو ہمیشہ کی دشمنی میں مبتلا ہوگئے۔

پاکستان بننے کے بعد بھارت نے ہمیشہ پاکستان کو توڑنے اور تباہ کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال کیے ہیں۔ اپنے ان ناپاک ارادوں کی تکمیل کے لیے پاکستان پر تین بار جنگیں بھی مسلط کی گئیں۔ 1971ء میں بھارت نے پاکستان پر حملہ کرکے مشرقی پاکستان کو ہم سے جدا کردیا اور 17 دسمبر 1971ء کو اس وقت کی بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے لوک سبھا میں کھڑے ہو کر کہا تھا کہ ہم نے نظریہ پاکستان کو خلیج بنگال میں ڈبو دیا ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد بھی انڈیا پاکستان کے خلاف مذموم سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے باز نہ آیا۔ بھارت کا ایٹمی انرجی کمیشن چونکہ 1948ء میں ہی قائم ہوگیا تھا، اس لیے بھارت خود کو پاکستان پر حاکم تصور کرنے لگا تھا، جبکہ بہت سی طاغوتی قوتیں بھارت کی پشت پر کھڑی تھیں، جس نے بھارت کے غرور میں مزید اضافہ کردیا۔ اب پاکستان کے لیے یہ ضروری تھا کہ اپنی بقا کے لیے ایٹم بم بنانے کا فیصلہ کرے۔ جبکہ روس، برطانیہ، چین، فرانس اور امریکا نے یکم جولائی 1968ء میں ایک

معاہدہ تیار کیا، جس پر دستخط کرنے والے ممالک اس بات کے پابند تھے کہ وہ کبھی ایٹمی طاقت نہیں بنیں گے۔ بھارت اور اسرائیل نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کیا، کیونکہ بھارت کا ایٹمی انرجی کمیشن بھی قائم ہو چکا تھا۔ پاکستان نے بھارت کے خطرناک ارادوں کو بھانپتے ہوئے اس معاہدے پر دستخط نہ کیے۔ پاکستان 1979ء میں بھی این پی ٹی پر دستخط کرنے کے لیے اس شرط پر آمادہ ہوا تھا کہ پاکستان کی سلامتی کا دشمن بھارت بھی اس پر دستخط کرے، لیکن بھارت نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ 1992ء میں پاکستان نے جنوبی ایشیاء کو تین مرحلوں میں زیرو میزائل زون کے لیے تجویز دی، تاکہ اس خطے کو میزائلوں کی دوڑ سے پاک کیا جائے۔ بھارت نے اس تجویز کو ماننے کی بجائے پرتھوی، ارجن اور اگنی سے برصغیر کو بربادی سے دوچار کرنے کو ترجیح دی۔ 1997ء میں پاکستان نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں جنوبی ایشیا کو ایٹمی ہتھیاروں سے پاک کرنے کی قرارداد پیش کی تو اس کے حق میں 153 ووٹ ڈالے گئے، جبکہ مخالفت میں صرف بھارت اور بھوٹان کے ووٹ آئے۔ بھارت کے سر پر چونکہ پاکستان کا خوف سوار تھا، اس لیے وہ ایٹمی دوڑ میں شامل ہو گیا۔

بھارت نے پاکستان کو دباؤ میں رکھنے کے لیے 18 مئی 1974ء کو پہلا ایٹمی تجربہ راجستھان کے علاقے پوکھران میں کیا، جس کے بعد بھارت دنیا کی ایٹمی طاقتوں میں چھٹے نمبر پر آ گیا۔ اس وقت ابھی مشرقی پاکستان کے زخم تازہ تھے۔ ہماری

معیشت بھی کٹی پتنگ کی طرح ہوا میں ہچکولے کھا رہی تھی۔ بھارت کے ایٹمی دھماکے کے بعد پاکستان کے خلاف مزید خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں، پاکستان نے سوچا کہ اگر ہم بھی ایٹمی قوت نہیں بنتے تو یہ ہمارے لیے خسارے کا سودا ہوگا۔ اس وقت کے لیڈر ذوالفقار علی بھٹو نے 18 مئی 1974ء کو بھارت کے ایٹمی دھماکے کے بعد بیان دیتے ہوئے کہا: "صاحبو.... ہندوؤں نے بم بنا لیا ہے۔ اب ہمیں بم بنانا ہوگا۔ خواہ گھاس پر گزارہ کرنا پڑے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستانی سائنس دانوں کو ایک چھت تلے جمع کیا اور ایٹم بم کے حصول کے لیے سر توڑ کوششیں شروع کر دی گئیں۔ 1976ء میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے کہوٹہ پروجیکٹ کی کمان سنبھالی تو سفر مزید تیز ہوگیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان اپنے مشن پر ساتھیوں سمیت جت گئے۔ 1979ء میں ہم نے نیوکلیئر فیول سائیکل کے سارے مرحلے عبور کر لیے۔ مغرب اور امریکا نے باز رکھنے کے لیے عالمی عدالت میں ان پر مقدمہ درج کروایا، لیکن قدرت نے ہر حال میں ان کی مدد کی۔ بالآخر جون 1984ء میں صدر ضیاء الحق کے دور میں ہم نے ایٹمی قوت حاصل کر لی، مگر عالمی دباؤ کی وجہ سے اس کا تجربہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ ہم 1983ء سے 1998ء تک 24 مرتبہ اہم بموں کے کولڈ ٹیسٹ کر چکے تھے، لیکن پاکستانی سائنس دان بھی اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ سو فیصد کامیابی کا بلاخوف تردید اعلان کر پاتے۔ جب بھارت نے 11 مئی 1998ء کو ایٹمی دھماکے کیے تو پاکستان نے بھی ایٹمی دھماکے کرنے کا ارادہ کیا، لیکن دنیا بھر کے "چودھریوں" سے ہمیں دھمکیاں

ملنا شروع ہوگئیں، امریکا، برطانیہ، جرمنی، جاپان، روس، فرانس، اٹلی کی جانب سے بار بار پاکستان کو لالچ دیا گیا اور دباؤ بھی ڈالا جاتا رہا، لیکن پاکستانی قوم نے ہمت نہ ہاری اور 28 مئی 1998 کو سہ پہر 3 بجکر 16 منٹ پر چاغی کے مقام پر پاکستان نے بھارت کے 3 ایٹمی دھماکوں کے مقابلے میں 5 ایٹمی دھماکے کرکے بھارت کا منہ توڑ جواب دیا اور پاکستانی قوم کا سر فخر سے بلند کر دیا اور یوں 28 مئی کا عام دن ہمارے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے "یومِ تکبیر" بن گیا۔

ان ایٹمی دھماکوں کے وقت 1998ء میں بھارت فوج کی عددی تعداد اور فوجی اسلحہ بارود میں ہم سے بہت آگے تھا۔ بھارت کے پاس 12 لاکھ 63 ہزار فوج تھی۔ پاکستان کی فوج 6 لاکھ 20 ہزار تھی۔ پاکستان کے پاس بری فوج کی کل تعداد 5 لاکھ ہزار تھی۔ بھارت کے پاس 11 لاکھ بری فوجی تھے۔ پاکستانی بحریہ 25 ہزار 50 جوانوں اور افسروں پر مشتمل تھی۔ بھارت کے پاس 53 ہزار کی نیوی تھی۔ پاکستانی فضائیہ 45 ہزار اور بھارتی فضائیہ ایک لاکھ 10 ہزار افسروں پر مشتمل تھی۔ پاکستانی 2 ہزار 3 سو ٹینکوں کے مقابلے میں بھارت کے پاس 4 ہزار ایک سو 75 ٹینک تھے۔ پاکستانی فضائیہ کے پاس 401 طیارے اور انڈیا کے پاس 772 جدید ترین لڑاکا جہاز تھے۔ پاکستان کے پاس 45 ملٹی پل راکٹ لانچرز تھے۔ بھارت کئی گنا زیادہ یعنی ملٹی پل راکٹ لانچرز کا حامل تھا۔ پاکستانی 1500

فوج کے پاس 5 سو مارٹر گولے تھے، جبکہ بھارت کے پاس کوالٹی میں بہتر 1500 مارٹر گولے تھے۔ پاکستان کے پاس صرف 400 ڈیفنس توپیں تھیں۔ انڈیا 2 ہزار ایسی توپوں کا مالک تھا۔ اس واضح عسکری برتری کے علاوہ اگر پاکستان اور بھارت 400 کی ایٹمی طاقت کا مقابلہ کیا جائے تو بھارت کے پاس 4 سو کلوگرام پلوٹینم موجود تھی، جس سے وہ 65 سے 90 ایٹم بم بآسانی بنا سکتا تھا۔ پاکستان کے پاس بمشکل 2 سو کلوگرام پلوٹینم تھی، جس سے ہم 25 سے لے کر 30 تک ایٹم بم بنا سکتے تھے۔ یوں بھارت بری، بحری، ہوائی فوج، اسلحے، بارود، بموں، گولوں، توپوں، جہازوں، ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں اور ایٹم بموں میں ہم سے کئی گنا زیادہ طاقت کا حامل تھا، لیکن پاکستان کے غیور عوام نے ہمت دکھائی اور حکومت کو ایٹمی دھماکے کرنے پر مجبور کیا۔ الحمدللہ! آج پاکستان جوہری ہتھیاروں میں بھارت سے آگے ہے۔ پاکستان کے جوہری ہتھیاروں کی تعداد 100 سے 120 اور بھارت کے ایٹمی ہتھیاروں کی تعداد 90 سے 110 کے درمیان ہے۔ آج دنیا کی ساتویں اور مسلم ممالک کی پہلی ایٹمی قوت ہونے کی وجہ سے پاکستان دنیا بھر میں اپنا ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ بھارت سمیت تمام دشمنان پاکستان کے خطرناک عزائم جھاگ کی طرح بیٹھ جاتے ہیں۔ آج ملک میں بعض ناسمجھ لوگ یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ پاکستان کے ایٹمی طاقت بننے سے کیا فائدہ حاصل ہوا؟ ان کو یہ بات مد نظر رکھنی چاہیے کہ پاکستان کے ایٹمی قوت بننے سے نہ صرف پوری دنیا میں پاکستان کا نام اہم ترین ممالک میں آگیا ہے، بلکہ

بھارت جیسے دشمنوں پر ہمیشہ کے لیے ہماری دھاک بھی بیٹھ گئی ہے۔ 2002ء میں پرویز مشرف کے دور میں جب بھارت نے اپنی کئی لاکھ فوج باڈر پر لاکھڑی کی تھی، تو یہ پاکستان کے ایٹمی قوت ہونے کا ہی فائدہ تھا کہ پاکستان کی صرف ایک دھمکی سے انڈیا کو اپنی ساری فوج ہٹانا پڑی تھی۔ ایٹمی صلاحیت کا حصول اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت، جس کی قدر کرنی چاہیے۔

ہالینڈ میں بھی حجاب پر پابندی !

ہالینڈ میں عوامی مقامات پر حجاب پر لگائی گئی پابندی سے واضح ہوتا ہے کہ متعصب اہل مغرب امن و آشتی کے مذہب اسلام کی دائمی تعلیمات کی اثر پذیری سے انتہائی خوفزدہ ہیں۔ ہالینڈ کی کابینہ نے عوامی مقامات پر نقاب پر پابندی لگانے کی منظوری دی ہے، جس کے تحت ملک میں عوامی ٹرانسپورٹ، اسکولوں، ہسپتالوں اور سرکاری دفاتر میں چہرہ ڈھانپنے پر پابندی ہوگی اور اس میں نقاب کے علاوہ سکینگ کے لیے پہنے جانے والے ماسک اور ہیلمٹ بھی شامل ہوں گے۔ خلاف ورزی کرنے والی خواتین کو تین سو پاؤنڈ جرمانہ ادا کرنا پڑے گا۔ بل کی حتمی منظوری پارلیمنٹ ہی دے گی۔ حجاب کرنا مسلم خواتین کا مذہبی معاملہ ہے، جس کے دفاع کا ان کو مکمل حق حاصل ہے اور وہ اس پر کوئی سمجھوتا بھی نہیں کر سکتیں، یہ جانتے ہوئے بھی ہالینڈ کابینہ کا نقاب پر پابندی لگانے کی منظوری دینا اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت سے بوکھلاہٹ کا کھلا اظہار ہے۔ ہالینڈ کے وزیر اعظم کا کہنا ہے کہ اس پابندی کا مقصد کسی مذہب سے امتیازی سلوک برتنا نہیں ہے، لیکن یورپ میں مجموعی طور پر مسلم خواتین کے ساتھ روا رکھا جانے والا رویہ وزیر اعظم کے بیان کی توثیق نہیں کرتا۔ یورپ کے متعدد ممالک میں ایک عرصے سے حجاب پر پابندی کے لیے کوششیں کی جارہی ہیں، جبکہ بیلجیم اور فرانس میں تو حجاب پر

پابندی عاید بھی کی جاچکی ہے اور مغربی یورپ میں اٹلی اور سوئٹزر لینڈ میں بھی برقعہ پر پابندی کے حوالے سے بھرپور تحریک چلائی گئی ہے۔ یورپ کے متعدد ممالک میں وقتاً فوقتاً خواتین کے حجاب کو ٹارگٹ کیا جاتا ہے۔ یورپ خواتین کی آزادی کا سب سے بڑا علمبردار بنا پھرتا ہے، لیکن اسلام دشمنی کے سمندر میں غرق حجاب کے مخالفین کو خواتین کی آزادی کے خود سے بنائے فارمولے بھی یاد نہیں رہے۔ نقاب پر پابندی عاید کرکے خواتین کو آزادی دینے کی بجائے معاشرتی زندگی سے ہی نکال باہر کر دیا گیا ہے اور آزادی کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں نے ہی آزادی سلب کر لی ہے۔ ماضی میں ہالینڈ کی حکومت کی جانب سے حجاب پر پابندی عاید کرنے کی کوشش کو ملک کے آئین میں مذہبی آزادی کی شقوں سے متصادم قرار دیا جاچکا ہے اور یہ پابندی یورپ کے انسانی حقوق کے معیارات اور خاص طور پر کسی کی نجی زندگی اور ذاتی شناخت کے احترام کے بھی منافی ہے، لیکن اس کے باوجود تعصب کی بھٹی میں جلنے والوں نے حجاب پر پابندی لگا کر اپنے ہی بنائے گئے تمام قوانین کو بری طرح روند ڈالا ہے۔

مغربی ممالک میں طویل عرصے سے اسلامی شعار کو تنقید کا نشانہ بنائے جانے کا سلسلہ جاری ہے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا۔ درحقیقت اسلام دشمنوں کی طرف سے اٹھائے گئے اسلام مخالف اقدامات مغرب میں اسلام کی تیزی سے بڑھتی ہوئی مقبولیت کا راستہ روکنے کی

ناکام کوششیں ہیں۔ مغرب میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، جس سے اسلام دشمنوں کی نیندیں حرام ہو گئی ہیں۔ مسلمانوں کی بڑھوتری کا یہی خوف بیمار ذہنوں کو اسلام دشمنی پر اکساتا ہے، لیکن دشمنوں کی تمام تر کوششیں ماضی میں بھی نامراد لوٹی ہیں اور مستقبل میں بھی انہیں رسوائی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ ایک زمانہ تھا جب مسلمان یورپ میں اجنبی تھے، لیکن آج اسلام پورے یورپ میں بڑے جوش وخروش سے پھیل رہا ہے، اسلامی لٹریچر تقسیم ہو رہا ہے۔ لوگ قرآنی تعلیمات، حقائق، سچائی اور دلائل پر مبنی ریسرچ اور تحقیق کے بعد جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ نائن الیون کے بعد صرف برطانیہ میں لگ بھگ ڈیڑھ لاکھ لوگ اپنا پرانا مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور رپورٹ کے مطابق ہر سال 5200 افراد دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ اسلام قبول کرنے والوں میں زیادہ تر وہ لوگ ہیں، جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ قابل ذکر وقت گزارا اور ان سے متاثر ہوئے۔

یورپ میں اچھی خاصی تعداد ان نو مسلموں کی بھی ہے، جو مسلمان تو ہو چکے ہیں، مگر انگریزی رسم و رواج کی وجہ سے انھوں نے اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے، کیونکہ انگریزی سماج آج بھی اسلام قبول کرنے والوں کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ انتہا پسند اور متعصب مغربی افراد کی سرپرستی میں میڈیا چند

افراد کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کرتا نہیں تھکتا۔ مسلمانوں کے خلاف ہر طرح کا تعصب برتا جاتا ہے، لیکن ان تمام سختیوں اور پروپیگنڈے کے باوجود اسلام یورپ میں بڑی تیزی کے ساتھ اپنا راستہ بناتا جا رہا ہے۔ اسلام کی اس مقبولیت سے اہل مغرب خاصے پریشان دکھائی دیتے ہیں، اسی لیے آئے روز اسلام دشمن باولے لوگ یورپ میں اسلام کی توہین پر اتر آتے ہیں۔ کبھی نعوذ باللہ دنیا کی مقدس ترین کتاب قرآن مجید کو آگ لگا کر اپنے بغض کا اظہار کیا جاتا ہے اور کبھی خانہ کعبہ و مدینہ منورہ پر حملے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ کبھی مساجد کے مینار گرانے، مساجد کو مسمار کرنے اور مساجد کی تعمیر پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور کبھی حجاب پر پابندی لگا کر مسلمانوں کو ستایا جاتا ہے۔ مغربی ممالک میں مسلم برادری کے خلاف حملوں کا بڑھتا ہوا رجحان بھی یورپ میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے پیدا ہونے والے خوف کے اظہار کا ایک طریقہ ہے۔

اسلام امن و آشتی اور انسانیت کی بھلائی کا درس دیتا ہے، اسی عالمگیر سچائی کی جانچ پڑتال کے بعد یورپ میں اسلام کے دامن عافیت میں پناہ لینے والوں کی اکثریت مشہور و معروف اور پڑھے لکھے لوگوں پر مشتمل ہے۔ دو سال قبل اسلام قبول کرنے والے بین الاقوامی شہرت رکھنے والے فلپائن کے شہرہ آفاق گلوکار فریڈی ایگوئلر، عرب ٹیلنٹ ایوارڈ میں دوسری پوزیشن حاصل کرنے والی امریکی

پاپ گلوکارہ 23 سالہ جنیفر گراوٹ، جرمنی کی طرف سے تھائی لینڈ میں بطور سفیر کام کرنے والی یاسمین، فرانس کی معروف گلوکارہ میلنئی جارجیا دیس المعروف دیام، فتنہ فلم کے پروڈیوسر ارناؤ ڈفانڈورن نے برملا اس بات کا اظہار کیا کہ اسلام کے مکمل مطالعہ کے بعد ہم نے اسلام قبول کیا۔ یورپ میں ہی باکسر محمد علی، ایوان ریڈلی مریم، محمد یوسف مبلغ یورپ، سمیرا نامی معروف عیسائی رہنما، ماہر تعلیم پروفیسر کارل مارکس، ڈاکٹر ولیمز، برطانوی ماڈل کارلے واٹس اور معروف پاپ سنگر مائیکل جیکسن کے ایک بھائی اور بہن سمیت سیکڑوں معروف افراد نے مختلف ادوار میں اسلام کی ابدی صداقت اور حقانیت کے سامنے سر تسلیم خم کیا، لیکن پھر بھی یورپ کے عیار و شاطر قسم کے لوگ زبردستی اسلام قبول کروانے کا الزام لگا کر مختلف حیلوں سے مسلمانوں کو تنگ کرتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف قوانین منظور کروانے کے لیے سرگرم رہتے ہیں، لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام دشمنوں کے مقدر میں ذلت لکھ دی گئی ہے۔ وہ جب جب اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرکے لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تب تب قدرت لوگوں کو اسلام کے مزید قریب کر دیتی ہے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

"کتاب چہرے" پر "کتابی چہرے"

خدا جانے امریکی چھوکرے "مارک زکر برگ" کا برا ہو یا بھلا جس نے 2004ء میں "کتاب چہرہ" متعارف کروا کر پاکستانی معاشرے کا "ٹرینڈ" ہی تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ پہلے تو کتابی چہروں کو تلاشنے کے لیے یار لوگوں کو اچھی خاصی مشقت برداشت کرنا پڑتی تھی، بلکہ اکثر و بیشتر تو مار وار بھی پڑ جاتی تھی، لیکن اب تو "کتاب چہرے" پر "کتابی چہروں" کی ایک بھیڑ لگی ہے۔ "مارک زکر برگ" کے تخلیق کردہ کھوپچے کے ذریعے جن سے دوستی کرنا یار لوگوں کی اولین ترجیح میں شامل ہوتا ہے، چاہے حسین ماہ جبین پروفائل پکچر کے پیچھے کوئی بال بچوں والا باریش حاجی عبدالشکور ولد حاجی عبدالغفور ہی چھپا بیٹھا ہو۔ بدگمانی اچھی چیز نہیں ہے، اس لیے میں یہ تو نہیں کہتا کہ یار لوگ "کتاب چہرے" پر ڈھونڈ ڈھونڈ کر "کتابی چہروں" کو فرینڈ ریکویسٹ بھیجنا اس لیے اپنا فرض منصبی اور قومی ذمہ داری سمجھتے ہیں کہ ان سے سچی مچی دوستی کر کے گپ شپ لگائیں، بلکہ یہ عمل "نیک نیت" سے "اچھی اچھی باتیں" بتا کر ان کی "اصلاح" کے لیے بھی تو ہو سکتا ہے۔ اور ہاں! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ "کتاب چہرے" پر کسی "کتابی چہرے" کو فرینڈ ریکویسٹ اس لیے بھیجی جاتی ہو کہ وہ صاحبہ اچھا لکھتی ہوں اور "دوستی کی درخواست" بھیجنے والے صاحب کو ان کے اچھا رائٹر بننے کی فکر دامن

گیر ہو اور مستقبل میں ان کو دھانسو قسم کی "ادیبہ" کی صورت میں دیکھنا چاہتے ہوں، بس اسی لیے ان کی حوصلہ افزائی کرنے کی نیت سے ان کو فرینڈ ریکویسٹ بھیجتے ہوں اور قوم کے وسیع تر مفاد میں ان کی پوسٹ کو باقاعدگی کے ساتھ تبصرے اور شرف پسندیدگی سے بھی نوازتے ہوں، لیکن لوگ تو باتیں کیا ہی کرتے ہیں، لوگوں کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ زنانہ آئی ڈی کی پوسٹس پر مستقل حاضری لگوانے والے کو تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ "وہ" ہے، (سمجھ تو گئے ہوں گے ناں) لیکن لوگوں کا کیا ہے، وہ تو نجانے کیا کیا کہتے ہیں اور اگر کسی شخص کو یہ اعتراض ہے کہ فیس بک پر ایسے بھی تو بہت سے حضرات پائے جاتے ہیں، جو سیکھنے کے خواہش مند اور حقیقت میں حوصلہ افزائی اور رہنمائی کے طالب ہوتے ہیں، بلکہ بہت سے نئے لکھاری و شاعر تو بہت عمدہ اور قابل تعریف تحریر اور شاعری فیس بکی دوستوں کی نذر کرتے ہیں، جو واقعی حوصلہ افزائی کے قابل ہوتی ہے، لیکن مجال ہے لمبی لمبی قطاریں لگا کر زنانہ آئی ڈی کی کسی بے تکی سی پوسٹ پر بھی اپنی موجودگی کا پتا دینے والوں میں سے کوئی نذر کی گئی پوسٹ پر نظر ہی ڈال لے، تو اس اعتراض کا سادہ سا جواب ہے کہ ارے بھئی! اگر کسی شخص کو سیکھنے کی اتنی ہی سچی لگن ہے تو زنانہ آئی ڈی کیوں نہیں بنا لیتا؟ ہر فیلڈ کا بندہ دل و جان سے نہ صرف حوصلہ افزائی کرے گا، بلکہ اپنی زندگی کا تمام تجربہ "جنابہ" کی پوسٹ پر نچوڑ دے گا۔

گزشتہ دنوں "کتاب چہرے" پر ایک "کتابی چہرے" (زنانہ آئی ڈی) کی مختصر سی پوسٹ پر نظر پڑی، تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس پر لائکس اور کمنٹس کی بھرمار ہے۔ شہد کی مکھیوں کی طرح لوگ اس پوسٹ پر جمع ہیں۔ فیس بک کی دنیا کے وہ لوگ بھی بڑھ چڑھ کر اس پوسٹ کی تعریفوں کے پل باندھ رہے تھے، جن کے نزدیک کسی بھی ایسے شخص کی پوسٹ کو لائک کرنا "گناہ کبیرہ" ہے، جو فیس بک پر ان سے زیادہ مشہور نہ ہو اور ہر ایسے شخص کی پوسٹ کو لائک کرنے سے ان کا "تقویٰ" چھن جاتا ہے، جو مرتبے میں ان سے چھوٹا ہو یا جو ان کی پوسٹ کو لائک نہ کرتا ہو، لیکن یہ "فیس بکی متقی حضرات" کتابی چہرے" کی پوسٹ پر مکمل انہماک کے ساتھ انتہائی فراخدلی سے تعریفانہ تبصرہ کر" کے بلا خوف وخطر "گناہ عظیم" کے مرتکب ہو رہے تھے۔ اس پوسٹ پر جس قدر تعریفوں کے پل باندھے گئے تھے، انہیں دیکھ کر تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یہ زنانہ آئی ڈی پطرس بخاری، یا ابن انشاء کی ہے، وہ نہیں تو قدرت اللہ شہاب یا اشفاق احمد تو ضرور اس آئی ڈی کے پیچھے چھپے بیٹھے ہوں گے، وہ بھی نہیں تو اس لکھاریہ میں کسی بڑے مرحوم عظیم ادیب کی روح تو حلول کر ہی گئی ہے، کیونکہ اس پوسٹ پر جس قدر تعریفیں کی گئی تھیں، اتنی تعریفیں تو کسی بڑے ادیب کی ہی کی جاسکتی ہیں، ورنہ نامی گرامی فیسبکی شخصیات کے زنانہ آئی ڈی کی اس مختصر سی پوسٹ پر بڑھ چڑھ کر تعریفوں کے پل باندھنے کی کوئی بھی وجہ سمجھ سے بالاتر ہے۔

سوچا جب فیس بکیوں کی اتنی بڑی تعداد "خراج تحسین" پیش کرنے کے لیے یہاں پہنچی ہوئی ہے تو ضرور کوئی لاجواب تحریر ہوگی، چلو اس تحریر سے ہم بھی کچھ سیکھ لیں۔ یہ پوسٹ لگ بھگ تین سو الفاظ پر مشتمل تھی، جس میں "محترمہ" نے بازار سے کچھ سودا سلف خریدنے کے بارے میں لکھا ہوا تھا۔ بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس تحریر میں کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی۔ تحریر کو دوبارہ پڑھا، سہ بارہ پڑھا۔ تحریر میں ایسی کسی بھی خصوصیت کو ڈھونڈنے میں ناکام رہا، جس نے فیسبکیوں کی اتنی بڑی تعداد کو اس پوسٹ پر آنے پر مجبور کیا۔ اس تحریر میں پوشیدہ خصوصیت کا کھوج لگانے کی جستجو میں ایک بار تو اپنا چشمہ اتار کر بھی پڑھا کہ شاید اسی طرح کام کی کوئی بات نظر آجائے، لیکن آہ! اتنی بلند سوچ و فکر اور دانشوری ہمیں کہاں نصیب، جو صلاحیتوں سے بھرپور کتابی چہرے" (زنانہ آئی ڈی) کی اس مختصر پوسٹ میں چھپی ایسی اعلیٰ و ارفع خوبیوں کو" ڈھونڈ نکالتی، جن کو اس پوسٹ پر جوق در جوق پہنچنے والے فیسبکی ڈھونڈ پائے تھے۔

جب کوئی خاص بات سمجھ میں نہ آئی تو آخر کار اس نتیجے پر پہنچا کہ یا تو میں خود اتنا نالائق ہوں کہ اس پوسٹ میں "غلام قوم" کے نام "آزادی" کے "عظیم پیغام" کو نہ سمجھ سکا یا پھر پاکستانی قوم ماشاءاللہ کم از کم فیس بک پر زنانیوں کا بہت زیادہ احترام کرنے لگی ہے۔ یہ دیکھ کر خوشگوار موڈ میں یہ سوچنے لگا کہ اب ملک کو ترقی سے کوئی نہیں روک سکتا، کیونکہ اب فیس بک پر قوم بیدار ہو گئی ہے۔ قوم کی خاطر دب کے رکھو، پھٹے چک

کے رکھو۔

اقتصادی راہداری پر اتفاق.... معاشی انقلاب کی نوید!

28 مئی 1998ء ہماری تاریخ میں ایک عظیم دن ہے، جس دن قوم کی مشترکہ جدوجہد اور اتفاق رائے سے پاکستان نے ایٹمی قوت بن کر دشمنوں کے منہ بند اور آنکھیں کھول دی تھیں اور اس ایٹمی سفر کو جاری رکھا اور آج پاکستان کے پاس بھارت سے زیادہ ایٹمی ہتھیار ہیں، لیکن 1998ء سے آج تک ملک کے سنجیدہ حلقے سلسل اس حوالے سے فکر مند نظر آئے کہ برتری کا ایک میدان تو ہم نے بھارت سے جیت لیا، لیکن اب اس سے بھی زیادہ اہمیت اور ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان، بھارت سے معاشی میدان میں آگے جائے، لیکن اس میدان میں بھارت ہم پر فوقیت رکھتا ہے۔ ٹھیک 17 سال بعد 28 مئی 2015ء کو جب پوری قوم یوم تکبیر منا رہی تھی، ایٹمی قوت بننے پر رب العزت کی بارگاہ میں سجدہ ہائے تشکر ادا کر رہی تھی، ایک بار پھر تمام سیاسی جماعتوں کے رہنما ملک کو معاشی قوت بنانے کے منصوبے پر اتفاق رائے قائم کرنے کے لیے ایک جگہ جمع تھے۔ ملک کی معاشی ترقی کے لیے پاک چین اقتصادی راہداری منصوبے پر اتفاق رائے کے لیے وزیراعظم ہاؤس میں وزیر اعظم نواز شریف کی زیر صدارت آل پارٹیز کانفرنس کا انعقاد کیا گیا، جس میں سیاسی قیادت نے پاک چین اقتصادی راہداری کے روٹ پر اتفاق کیا۔ چند روز قبل جو سیاسی رہنما اقتصادی راہداری منصوبے پر معترض تھے، اس اجلاس میں وہ رہنما

بھی وزیر اعظم کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے نظر آئے اور ملک و قوم کے وسیع تر مفاد میں تمام سیاسی جماعتوں نے وزیر اعظم کے شانہ بشانہ چلنے کا اعلان کیا۔ واضح رہے کہ رواں ماہ بلوچستان میں عوامی نیشنل پارٹی کی اپیل پر راہداری منصوبے کے روٹ میں مبینہ تبدیلی کے خلاف ہڑتال کی گئی تھی، جبکہ وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا کی قیادت میں صوبائی حکومت اور حزب اختلاف نے پارلیمنٹ ہاؤس کے سامنے راہداری کے منصوبے کے روٹ میں تبدیلی کے خلاف احتجاج کیا تھا، جس پر حکومت کی جانب سے ملکی سیاسی قیادت کو باور کرایا گیا تھا کہ چین کے تعاون سے پاکستان میں بننے والے پاک چین اقتصادی راہداری کے منصوبے میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا رہی ہے۔ گزشتہ روز وزیر اعظم نواز شریف نے ملکی سیاسی قیادت کو یقین دلایا کہ حکومت چین پاکستان اقتصادی راہداری منصوبے کے مغربی روٹ کو جو صوبہ بلوچستان اور خیبر پختونخوا سے گزرتا ہے، پہلے تعمیر کرے گی۔ عوامی نیشنل پارٹی اور صوبہ خیبر پختونخوا اور بلوچستان کی بعض دیگر سیاسی جماعتوں کی جانب سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ حکومت نے مغربی کے بجائے پہلے مشرقی حصے پر کام شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جو پنجاب سے گزرتا ہے۔ وزیر اعظم نے ان شکوک کو ختم کرنے کی کوشش کی اور واضح انداز میں اس مغربی گزرگاہ میں آنے والے علاقوں کے نام بھی گنوائے، تاکہ اس بارے میں مزید شک کی گنجائش نہ رہے۔ کل جماعتی کانفرنس کے اختتام پر وزیر اعظم نواز شریف نے صوبائی نمائندوں پر مشتمل ایک ورکنگ گروپ بنانے کا بھی اعلان کیا،

جو منصوبہ بندی کمیشن کے ساتھ مل کر اس منصوبے پر عمل کا جائزہ لے گا۔ وزیر اعظم نے کہا کہ تمام سیاسی جماعتوں نے پاک چین اقتصادی راہداری منصوبے پر اتفاق کیا اور مکمل تعاون کی یقین دہانی کرائی ہے، جس پر تمام سیاسی قائدین کا شکر گزار ہوں۔ وزیر اعظم نے کہا کہ 21 ویں صدی معاشی انقلاب کی ہے، یوم تکبیر کے دن کی مناسبت سے معاشی انقلاب کا آغاز ہو رہا ہے۔

پاک چین اقتصادی راہداری ایک بہت بڑا تجارتی منصوبہ ہے، جس کا مقصد جنوب مغربی پاکستان سے چین کے شمال مغربی خود مختار علاقے سنکیانگ تک گوادر بندرگاہ، ریلوے اور موٹروے کے ذریعے تیل اور گیس کی کم وقت میں ترسیل کرنا ہے۔ اقتصادی راہداری پاک چین تعلقات میں مرکزی اہمیت کی حامل تصور کی جاتی ہے۔ گوادر سے کاشغر تک تقریباً 3,000 کلومیٹر طویل ہے۔ پاک چین اقتصادی راہداری کے تحت تعمیر کیے جانے والے روڈ نیٹ ورک کا اصل مقصد گوادر کو ملک کے دیگر حلقوں کے ساتھ مربوط طور پر جوڑنا اور اس کی راہ میں حائل موجودہ رکاوٹوں اور مشکلات کو دور کرنا ہے۔اس پاکستان کی جغرافیائی اور تزویراتی حیثیت کو بروئے کار لا کر اسے CPEC اعتبار سے ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کی ایک سنجیدہ اور پرخلوص مشترکہ کوشش ہے۔ یہ راہداری منصوبہ صرف ایک سڑک کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک فریم ورک ہے۔ یہ بہت سے ترقیاتی منصوبوں کا مجموعہ ہے، جس میں بجلی گھر، صنعتی زون، ثقافتی منصوبے اور ٹیلی وژن اور

ریڈیو اسٹیشن تک شامل ہیں۔ اقتصادی راہداری روٹ کو مشرقی، مغربی اور وسطی تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مغربی روٹ بلوچستان اور خیبر پختونخوا سے گزرے گا، مرکزی روٹ سکھر اور انڈس ہائی وے کو قراقرم ہائی وے سے جوڑے گا اور مشرقی روٹ اسلام آباد سے فیصل آباد اور ملتان موٹر وے کو سکھر کے راستے گوادر تک لے جائے گا۔ حکومتی ذرائع کے مطابق سب سے پہلے مغربی روٹ، اس کے دو سال بعد مشرقی روٹ اور سب سے آخر میں مرکزی روٹ پر کام مکمل کیا جائے گا۔ اقتصادی راہداری سے آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان میں سیاحت کو فروغ ملے گا، کراچی میں میٹرو بس کا منصوبہ بھی شروع کیا جائے گا۔ رتو ڈیرو بسیمہ شاہراہ 2017 ء تک مکمل ہو جائے گی۔ اقتصادی راہداری منصوبے کے تحت سکھر، لاڑکانہ، کراچی اور بن قاسم میں صنعتی زون قائم کیے جائیں گے، بلوچستان میں بھی بہت سے ترقیاتی منصوبے بنائے جا رہے ہیں، ان کے علاوہ دیگر متعدد منصوبے بھی اقتصادی راہداری منصوبے سے جڑے ہیں۔ ماہرین اقتصادیات پاک چین اقتصادی راہداری منصوبے کو پاکستان کے لیے ترقی و خوشحالی کا ایک سنہری اور نادر موقع قرار دے رہے ہیں۔ یہ منصوبہ نہ صرف پاکستان کے چاروں صوبوں اور گلگت و بلتستان کے ترقیاتی عمل میں ممد و معاون ثابت ہوگا، بلکہ خطے میں امن واستحکام اور خوشحالی کا بھی ضامن ہوگا۔ اس منصوبے کے تحت توانائی، انفرااسٹرکچر اور زرعی ترقی کو زبردست فروغ حاصل

ہوگا اور تعلیم و صحت جیسے اہم شعبوں میں انقلابی ترقی اور پیش قدمی کے مواقع میسر آئیں گے۔ پاک چین اقتصادی راہداری منصوبہ ایک ہمہ جہت اور ہمہ پہلو عظیم الشان منصوبہ ہے جو دونوں دوست ممالک کے تاریخی باہمی تعلقات کو نئی بلندیوں تک پہنچائے گا، بلکہ دو طرفہ معاشی مفادات کے لیے بے شمار فوائد حاصل کرنے کا بھی پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ اس منصوبے کی وجہ سے ملحقہ خطوں کے لیے پاکستانی بندرگاہوں کی اہمیت میں بھی دوچند اضافہ ہوگا اور پاکستان اور چین کے باہمی تعلقات کا حلقہ اثر مغربی اور وسطی ایشیائی ممالک تک فروغ پائے گا۔ چین نے اپنی معاشی پالیسی کے چار اہداف مقرر کیے ہیں، جن میں ایشیاء پیسفک اور یورپ سے رابطے میں اضافہ، ون بیلٹ ون روڈ کا قیام، آزادانہ تجارت کا فروغ اور عوام کے باہمی رابطے شامل ہیں۔ پاکستان ان چاروں اہداف پر پورا اترتا ہے، جس کی وجہ سے چین، پاکستان میں دوسرے ممالک کی بہ نسبت سرمایہ کاری کو ترجیح دے رہا ہے۔ پاک چین اقتصادی راہداری کے منصوبے تکمیل کے بعد نہ صرف دونوں ممالک کی اقتصادی خوشحالی کی ضمانت ثابت ہوں گے، بلکہ بہتر جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے پاکستان خطے میں مضبوط معاشی طاقت کی حیثیت سے ابھرے گا۔

یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ایک ایسی قوم جو چاروں طرف سے خوف، بدامنی، بے سکونی اور وحشت میں گھری ہو، بے شمار مصائب، آلام اور مسائل کا شکار ہو، ہر روز قتل غارتگری، دھماکوں اور دہشت گردی کی خبریں سن سن کر جس کے کان پک گئے ہوں، جاگیردار، وڈیرے اور سیاستدان ہمیشہ اپنی سرداری، حکمرانی اور کرسی کو سلامت رکھنے کی خاطر اس قوم کو بیروزگاری، غربت اور پسماندگی میں الجھا کر مایوسی اور ناامیدی میں مبتلا رکھنا چاہتے ہوں۔ ان حالات سے نکلنے کی کوئی راہ بھی سجھائی نہ دے اور دشمن انہیں مختلف قسم کے طعنوں اور القابات سے نوازتے ہوں، دشمن کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے خود اس قوم کے بہت سے افراد یوں سمجھنے لگیں کہ شاید یہ قوم اس قابل نہیں کہ دوسری قوموں کے مدمقابل آ سکے اور کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دے سکے کہ جس سے قوم کا سر فخر سے بلند ہو جائے۔ ایسے میں اس قسم کی ہر بات کو جھٹلانے اور اپنی قوم کو ملنے والے ہر طعنے کا جواب دینے کے لیے اس قوم کے بڑے نہیں، بلکہ صرف نوجوان اور بچے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا کر پوری دنیا پر اپنی فوقیت کو ثابت کر کے قوم کا سر فخر سے بلند کر دیں اور پوری دنیا کو یہ باور کرا دیں کہ ہماری قوم کو طعنے دینے والے بالکل جھوٹ بولتے ہیں، حکمرانوں کی عدم توجہی کے باوجود بھی پاکستانی قوم ترقی یافتہ اقوام

کا صرف مقابلہ ہی نہیں، بلکہ ان سے بھی بڑھ کر کردار ادا کر سکتی ہے۔ یہ قوم دنیا کی بہتر ہی نہیں، بلکہ بہترین قوم ہے، جو تمام رکاوٹوں کے باوجود وہ کچھ کر سکتی ہے، جسے دیکھ کر پوری دنیا کی عقل دنگ رہے بغیر نہیں رہ سکتی اور جب اس طرح ایک بار نہیں، بلکہ وقفے وقفے سے جاری رہے تو پوری دنیا ورطہ حیرت میں ڈوب کر پاکستانی قوم کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے خود اپنے ہاتھوں سے انھیں انعامات سے نوازے اور انھیں طعنے دینے والوں کی زبانیں گنگ ہو جائیں تو واقعی یہ ملک و قوم کے لیے باعث افتخار اور بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔

گزشتہ دنوں کراچی کورنگی کے ایک نوعمر طالب علم سائنسدان حباب ادریس نے امریکا میں منعقد ہونے والے "انٹیل سائنس" میلے میں تیسری پوزیشن حاصل کرکے پاکستانی قوم کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ حباب نے مختلف موسموں میں واٹر ٹینک اور دیگر اشیا کا درجہ حرارت کنٹرول کرنے والا آلہ ایجاد کیا، جس سے پانی، خشک پھلوں، بائیو گیس سے پیدا ہونے والی اشیا کا درجہ حرارت کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ حباب ادریس کا کہنا ہے: "میرے لیے وہ لمحہ تاریخی تھا جب سائنس میلے میں میرے شہر اور پاکستان کا نام لیا گیا۔" یہ کوئی پہلی بار ایسا نہیں ہوا کہ دنیا بھر کے ذہین ترین دماغوں کے اجتماع میں میرے ملک کے طالب علم نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہو، بلکہ ایسے مواقع اور

نوجوانوں کی فہرست طویل ہے۔ گزشتہ سال پاکستان کے طالب علم عمر انور جہانگیر نے عالمی اقتصادی فورم کے سب سے کم عمر مندوب ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ عالمی اقتصادی فورم کے دروازے سب کے لیے آسانی سے نہیں کھلتے، لیکن عمر انور جہانگیر مخصوص فورم "گلوبل شیپر" یعنی دنیا کو نئی شکل و سمت عطاء کرنے والے لوگوں میں شامل ہوا، جس میں دنیا کے بہترین 50 نوجوان تیز ذہنوں کو شامل کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ عالمی اقتصادی فورم میں شامل ہونے والوں میں تقریباً 40 ممالک کے سربراہوں سمیت سو سے زاید ممالک کے ڈھائی ہزار سے زیادہ سیاسی اور تجارتی لیڈر بھی ہوتے ہیں۔ خوشگوار حیرت کی بات یہ ہے کہ جس دن عمر انوار جہانگیر نے سب سے کم عمر مندوب کا منفرد اعزاز حاصل کیا، اسی روز ایک اور پاکستانی طالب علم چنیوٹ کے رہائشی رائے حارث منظور نے صرف 9 سال کی عمر میں او لیول کے امتحان میں 90 ممالک کے 20 لاکھ بچوں میں پہلی پوزیشن حاصل کرکے عالمی ریکارڈ قائم کیا۔ حارث منظور نے چوتھی کلاس تک اسکول میں تعلیم حاصل کی، پھر کیمرج یونیورسٹی سے 15 ماہ میں او لیول کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کرکے وہ کام کر دکھایا جو عموماً 18 سال کی عمر کے طالب علم کرتے ہیں۔ حارث منظور سے پہلے بھی کم ترین عمر میں او لیول کے امتحان میں ٹاپ کرنے کا اعزاز چنیوٹ کی ہی 11 سالہ طالبہ ستارہ بروج کے پاس تھا، جس نے 9 سال کی عمر میں کیمسٹری کے مضمون میں او لیول، جب کہ دس سال کی عمر میں بائیولوجی میں او لیول کرکے بھی ریکارڈ

قائم کیا تھا۔ اسی طرح پاکستانی طالبعلم ہارون طارق، زوہیب اسد، ابراہیم شاہد، علی معین نوازش اور شہیر جواد گل کیمبرج یونیورسٹی کے تحت منعقد ہونے والے او/اے لیول گریڈ لینے کا عالمی ریکارڈ قائم کر چکے ہیں۔ A امتحانات میں سب سے زیادہ

اوکاڑہ کے 15 سالہ طالب علم محمد عمار افضل نے کمپیوٹر کے امتحان او ریکل نائن میں سب سے زیادہ نمبر لے کر ورلڈ ریکارڈ قائم کیا۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے بابر اقبال نے کا امتحان پاس کرکے اپنی ہم وطن ارفع کریم (MCP) مائیکروسافٹ سرٹیفائیڈ پروفیشنل رندھاوا کا ریکارڈ توڑ کر عالمی اعزاز حاصل کیا۔ پاکستانی طالب علم محمد نفیل عرفان نے امریکی ادارے "اسپیس فاؤنڈیشن" کے تحت ہونے والے عالمی مقابلہ برائے آرٹ میں پہلا انعام حاصل کرکے عالمی سطح پر پاکستان کا نام روشن کیا۔ 2012 میں اسٹریلیا میں ہونے والے ریاضی کے مقابلے میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والا 13 سالہ بچہ موسیٰ فیروز بھی پاکستانی ہی تھا۔ اس مقابلے میں دنیا بھر کے 231 ممالک سے کل 52 ہزار اسکولوں کے 60 لاکھ بچے اس ایونٹ کا حصہ بنے تھے، لیکن تحصیل پھالیہ کے 13 82 سالہ موسیٰ فیروز نے ایک منٹ میں اوسطاً 16 اور 50 منٹ میں 4405 صحیح جوابات دے کر ریاضی کی دنیا کا مشکل ترین مقابلہ اپنے اور اپنے ملک کے نام کیا۔ اس فتح کے بعد موسیٰ فیروز کو اسٹریلیا نے اپنا ریاضی کا سفیر مقرر کیا۔ کم سن

پاکستانی طالبہ آسیہ عارف نے سات سال کی عمر میں پہلی پاکستانی عربی شاعرہ ہونے کے ساتھ پاکستان کی کم ترین یونیورسٹی طالبہ ہونے کا اعزاز بھی حاصل کیا اور اس کے ساتھ آسیہ عارف نے آٹھ سال کی عمر میں عربی زبان میں ایک کتاب بھی لکھی جو کہ از خود کسی پاکستانی کے لیے اس کم عمری میں کسی غیر ملکی زبان میں کتاب لکھنا ایک ریکارڈ ہے۔

اپنی محنت سے ملک کو ترقی کی راہ پر ڈالنے کی جدوجہد میں کچھ انوکھا کرنے کی سعی کرنے والے میرے ملک کے نوجوان وسائل کی کمی، مسائل کی بہتات اور حکمرانوں کی عدم توجہی کے باعث ملک و قوم کے لیے وہ کچھ نہیں کر پاتے، جو کرنا چاہتے ہیں، لیکن پھر بھی اپنی جدوجہد سے پوری دنیا پر پاکستانی نوجوانوں کی صلاحیتوں کی فوقیت کو ثابت کر دکھانے میں مگن رہتے ہیں۔ اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر پوری دنیا سے داد وصول کرنا اور اعزازات سمیٹنا صرف انہیں چند بچوں اور نوجوانوں تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ یہ تو وہ پاکستانی طلباء ہیں جو منظر عام پر آ گئے، ورنہ "دو چار سے دنیا واقف ہے گمنام نجانے کتنے ہوں گے" اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ قدرت نے پاکستان کو انتہائی زیادہ باصلاحیت افرادی قوت سے مالا مال کیا ہے، اسی لیے آئے دن مختلف شعبوں میں پاکستانی طلباء نہ صرف عالم گیر شہرت حاصل کرتے ہیں، بلکہ ملک و قوم کا وقار بھی بلند کرتے ہیں۔ اس نعمت سے فائدہ اٹھا کر پاکستان

زبردست ترقی حاصل کر سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ صاحب اقتدار طبقہ ان کی صلاحیتوں کی قدر کرے اور انھیں کچھ کرنے کے آسان مواقع فراہم کرے، پھر دیکھے یہ نوجوان ملکی ترقی کو کیسے چار چاند لگاتے ہیں۔ شاعر مشرق نے انھی کے لیے تو فرمایا تھا

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

خیبر پختونخوا: انتخابات میں دھاندلی .... صوبائی حکومت پریشان

خیبر پختونخوا میں 10 سال بعد بلدیاتی انتخابات ہوئے، جس میں اب تک مجموعی طور پر صوبے کی حکمران جماعت تحریک انصاف کو برتری حاصل ہے۔ جبکہ دوسرے نمبر پر جمعیت علمائے اسلام (ف) ہے۔ خیبر پختونخوا میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات کو اکثر سیاسی جماعتوں کی جانب سے غیر شفاف قرار دیا جا رہا ہے، کیونکہ ان انتخابات میں جہاں ایک طرف الیکشن کے روز 11 افراد ہلاک اور لگ بھگ سو زخمی ہوئے، وہیں پولنگ کے دوران بد نظمی، مار دھاڑ، کھلے عام اسلحے کی نمائش اور دھاندلی کی شکایات سامنے آ رہی ہیں۔ صوبے کی حکمران جماعت چونکہ پی ٹی آئی ہے، اس لیے سب کی انگلیاں بھی پی ٹی آئی کی جانب اٹھ رہی ہیں۔ سیاسی جماعتوں کا کہنا ہے کہ پی ٹی آئی کے وزرا اور ایم این ایز یا ایم پی ایز نے اپنے اپنے حلقوں میں جا کر سرکاری اور سیاسی اثر و رسوخ کو بدترین طریقے سے استعمال کیا۔ بعض وزرا کی ویڈیوز تک سامنے آئیں، جن میں وہ وزارت کا استعمال کرکے لوگوں کو ڈرا دھمکا رہے ہیں۔ ہزاروں لوگ ووٹ ڈالنے سے محروم رہے۔ درجنوں مقامات پر پولنگ معطل کرنا پڑی۔ سیکڑوں مقامات پر بیلٹ پیپر غلط چھپے۔ سب سے زیادہ شکایات وزیراعلیٰ کے ضلع سے موصول ہوئیں۔ اس کے ساتھ پی ٹی آئی کے صوبائی وزیر امین گنڈاپور بیلٹ باکسز لے جاتے ہوئے پکڑے گئے، جس کے بعد امین گنڈاپور

کو ایس ایچ او اور پرائیڈنگ افسر پر تشدد کے مقدمے میں گرفتار کر کے جسمانی ریمانڈ پر پولیس کے حوالے کر دیا گیا، جو پی ٹی آئی کے لیے مقام ندامت ہے، کیونکہ پی ٹی آئی روز اول سے دھاندلی کے خلاف آواز اٹھاتی آئی ہے، لیکن بلدیاتی انتخابات میں خود پی ٹی آئی کی جانب سے دھاندلی کے واقعات نے پی ٹی آئی کے سر شرم سے جھکا دیے ہیں۔

سیاسی جماعتوں کا موقف ہے کہ پولنگ کا عملہ صوبائی حکومت کے ماتحت اداروں پر مشتمل تھا، جن میں اسکول کے اساتذہ، سرکاری افسران شامل تھے۔ کئی علاقوں میں سرکاری اور پولیس اہلکار حکومتی پارٹی سے تعلق رکھنے والے امیدواروں کے لیے ووٹ مانگتے رہے اور ان کے لیے جعلی ووٹ ڈالتے ہوئے رنگے ہاتھ پکڑے بھی گئے ہیں، لیکن کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ کئی شہری علاقوں میں سیاسی جماعتوں کے کارکن کھلے عام اسلحہ کی نمائش کرتے ہوئے نظر آئے، جس سے پولنگ کا ماحول کشیدگی کا شکار رہا۔

صوبائی حکومت کا کہنا ہے کہ بد نظمی اور تشدد کے واقعات کی ذمہ داری ان پر عاید نہیں ہوتی، بلکہ اس سلسلے میں تمام تر ذمہ داری صوبائی الیکشن کمیشن کی ہے۔ وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا پرویز خٹک کے مطابق مکمل انتظام اور پولیس کے اختیارات الیکشن کمیشن کو دے دیے گئے تھے اور تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان کا بھی یہی کہنا ہے کہ پولنگ کے دوران بد نظمی اور تشدد روکنے کی

ذمہ داری صوبائی الیکشن کمیشن کی تھی، لیکن الیکشن کمیشن آف پاکستان نے کہا ہے کہ خیبر پختونخوا میں بلدیاتی انتخابات کے دوران امن و امان برقرار رکھنے کی تنہا ذمہ دار صوبائی حکومت تھی، ایک ہی دن بلدیاتی انتخابات حکومت کے کہنے پر کرائے ہیں۔

حکومت یا سیاسی جماعتیں جب بھی ناکام ہوتی ہیں تو اس کا سارا ملبہ الیکشن کمیشن کے سر پر ڈال دیا جاتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس میں شک نہیں کہ ہفتے کو ہونے والے مقامی حکومتوں کے انتخابات صوبے کی تاریخ کے سب سے بڑے بلدیاتی انتخابات قرار دیے جا رہے ہیں، جس میں بڑی تعداد میں امیدواروں نے حصہ لیا، تاہم یہ بات بھی درست ہے کہ "تبدیلی اور شفافیت" کا دعویٰ کرنے والی تحریک انصاف کی حکومت میں بدترین تشدد اور بدنظمی کے واقعات بھی دیکھنے میں آئے۔ جبکہ نادرا نے پاکستان تحریک انصاف کی قیادت پر واضح کیا کہ قومی ادارے اور اس کے سربراہ کے خلاف تضحیک آمیز بیانات دینے سے گریز کرے۔

دوسری جانب خیبر پختونخوا میں بلدیاتی انتخابات کے ایک دن بعد فری اینڈ فیئر الیکشن نیٹ ورک (فافن) کی جانب سے جاری کی گئی رپورٹ میں انتخابی بدانتظامی اور بے ضابطگیوں کی ذمے دار خیبر پختونخوا حکومت اور الیکشن کمیشن کو قرار دیا گیا۔ فافن مبصرین کے مطابق بدانتظامی کی وجہ سے بہت سے ووٹ کاسٹ نہیں کیے جاسکے۔ پولنگ کا عمل سست اور طویل تھا۔ تقریباً 13 فیصد

پولنگ اسٹیشنوں کے بارے میں رپورٹ ملی تھی کہ انہیں پولنگ کے سرکاری وقت 8 بجے صبح کو کھول دیا گیا تھا۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان نے ووٹروں اور یہاں تک کہ امیدواروں کی بھی کسی قسم کی رہنمائی نہیں کی۔ فافن کے ابتدائی نتائج سے یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ سیاسی جماعتیں اور امیدوار انتخابی قوانین کو آزادانہ طور پر خلاف ورزی کر رہے تھے۔ پولنگ اسٹیشنوں کے نزدیک قائم کیے گئے پارٹی کیمپس پر امیدواروں کی انتخابی مہم بلا روک ٹوک جاری رہی اور ان سرگرمیوں کو روکنے کے لیے کسی قسم کی کارروائی کی اطلاع نہیں ملی۔

خیبر پختونخوا میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات میں بدترین بدانتظامی کی وجہ سے اکثر سیاسی جماعتوں کی جانب سے صوبے کی حکمران جماعت کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا گیا ہے کہ خیبر پختونخوا میں بلدیاتی انتخابات میں ہونے والی دھاندلی نے ماضی کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے ہیں۔ خیبر پختونخوا میں پاکستان تحریک انصاف کی اتحادی جماعت اسلامی نے بلدیاتی انتخابات میں وزیراعلیٰ ہاؤس کو "بدترین دھاندلی" کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے الیکشن کمیشن آف پاکستان سے 31 مئی کے انتخابی عمل کو کالعدم قرار دینے اور دوبارہ پولنگ کرانے کا مطالبہ کیا۔ جماعت اسلامی کے ضلعی سربراہ نے کہا کہ پی ٹی آئی نے 2013 کے عام انتخابات میں دھاندلی پر واویلا مچا رکھا ہے، لیکن اس نے خود صوبائی دارالحکومت کے بلدیاتی انتخابات کے نتائج میں ردوبدل کیا

ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ "دھاندلی کا منصوبہ وزیراعلیٰ ہاؤس میں بنا۔" انہوں نے الزام عاید کیا کہ حکومتی مشینری بشمول پولیس کو نتائج میں ردوبدل کے لیے استعمال کیا گیا اور انتخابات نے صوبے میں پولیس کو غیر جانبدار بنانے کے بلند و بالا دعوؤں کا پول کھول دیا ہے۔ پولیس اور پولنگ عملہ مکمل طور پر پی ٹی آئی امیدواروں کی حمایت کر رہا تھا اور پولنگ اسٹیشنز کی سیکورٹی کے لیے تعینات پولیس عہدیداران ووٹرز پر پی ٹی آئی امیدواروں کو ووٹ ڈالنے کے لیے دباؤ ڈال رہے تھے۔ اپنی اتحادی جماعت کی جانب سے دھاندلی کے الزامات لگائے جانے پر سربراہ تحریک انصاف نے ناراضی کا اظہار کیا۔ جس کے بعد جماعت اسلامی کے صوبائی امیر پروفیسر ابراہیم نے پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ صوبائی حکومت نے دھاندلی کے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔ عمران خان ثابت کر دے کہ دھاندلی نہیں ہوئی تو جماعت اسلامی معافی مانگ لے گی۔

کے پی کے میں بلدیاتی انتخابات میں مبینہ دھاندلی پر جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ خیبر پختونخوا کے انتخابات پر ڈاکا ڈالا گیا ہے۔ پولیس نے تحریک انصاف کے غنڈوں کا تحفظ کر کے بدترین مثال قائم کی ہے۔ یہ دھاندلی نہیں، بلکہ بدترین ڈاکا تھا، جس نے تحریک انصاف کو شرمندہ کر دیا ہے۔ جبکہ جمعیت علمائے اسلام نے اعلان کیا کہ وہ مبینہ انتخابی دھاندلی کے خلاف جمعرات کو ، جلسوں اور دھرنوں کا انعقاد کرے گی

جبکہ چھ جون کو اس حوالے سے کل جماعتی کانفرنس کا انعقاد کیا جائے گا۔ جے یو آئی ف کے صوبائی جنرل سیکرٹری مولانا شجاع الملک نے کہا کہ تیس مئی ملک کی تاریخ میں صوبے میں بلدیاتی انتخابات میں دھاندلی کے باعث سیاہ دن کے حوالے سے یاد رکھا جائے گا۔ صوبائی حکومت، وزرا، صوبائی اراکین اسمبلی اور عہدیداران نے بیلٹ پیپر کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے پورے عمل کو دھاندلی کا نشانہ بنایا۔ حکمران جماعت (پی ٹی آئی) کے ورکرز پولیس کے تعاون سے بیلٹ باکسز کو اٹھا کر لے گئے، لوگوں کو ووٹ ڈالنے سے روکا اور ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کی۔ ٹھپے لگے بیلٹ پیپرز مرد و خواتین کے حوالے کیے گئے تاکہ بیلٹ باکسز میں ڈالے جا سکیں، جبکہ پی ٹی آئی کے حامیوں نے کھلے عام بیلٹ پیپرز پر ٹھپے لگائے اور پولنگ ایجنٹوں کو انتخابی نتائج کی نقول فراہم نہیں کی گئیں۔ انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ ان کے پاس دھاندلی اور بے ضابطگیوں کی ویڈیو کلپ بھی ہے۔ سیاسی جماعتوں کی جانب سے بدترین دھاندلی کے الزامات پر صوبائی حکومت کافی پریشان دکھائی دے رہی ہے، کیونکہ ہفتے کے روز سے میڈیا پر کے پی کے میں انتخابات کے دوران ہونے والے دھاندلی اور بدانتظامی کے چرچے ہیں، لہٰذا دھاندلی کے الزامات کے بعد عمران خان نے کہا ہے کہ خیبر پختونخوا میں فوج کی نگرانی میں دوبارہ انتخابات کرانے کے لیے تیار ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ سربراہ پی ٹی آئی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے کے پی کے میں دھاندلی کا اعتراف کر لیا ہے۔

کہاں ہے عالم اسلام؟

گزشتہ دنوں روہنگیا مسلمانوں کے سمندر میں ڈوب جانے کے واقعات کے بعد تواتر کے ساتھ جو لفظ سنا، لکھا اور پڑھا جا رہا ہے، وہ ہے عالم اسلام۔ مسلم ممالک میں ہر سطح پر عالم اسلام کے لفظ کی گونج سنائی دے رہی ہے۔ "مجاہدین سوشل میڈیا" عالم اسلام کی بے حسی کی نشاندہی کرتے ہوئے بڑی محنت اور لگن کے ساتھ اسے بیدار کرنے میں مگن ہیں، جبکہ مختلف تنظیموں کے راہنما بار بار عالم اسلام کو بیداری کی تلقین کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ " روہنگیا مسلمانوں کی مدد کرنا عالم اسلام کی اولین ذمے داری ہے، مظلوم روہنگیا مائیں، بہنیں اور بیٹیاں عالم اسلام کی طرف دیکھ رہی ہیں کہ شاید وہ بیدار ہو کر ہماری مدد کو پہنچے۔" لیکن اب تک عالم اسلام کے عملی اقدامات دکھائی دیے اور نہ ہی عالم اسلام کی بیداری کے آثار نظر آئے۔ ہاں ! صرف ترکی کے صدر رجب طیب اردوان نے روہنگیا مسلمانوں کی مدد کے لیے اپنی فوج کو سمندر میں جانے کے احکامات جاری کیے ہیں۔ باقی تین درجن سے زاید اسلام کے نام لیوا ممالک کے کرتا دھرتا بت بنے سنگدلی کے ساتھ اپنے ہم مذہبوں کی بے بسی کا تماشہ دیکھ رہے ہیں، جبکہ سنگدلی کی تمام حدود کراس کرتے ہوئے بنگلا دیش کی حکومت نے کیمپوں میں محصور روہنگیا مسلمانوں کو ملک چھوڑنے کا حکم صادر کرتے ہوئے کہا ہے کہ "انہیں یہاں سے جانا ہوگا"

جس کے بعد روہنگیا مسلمانوں کی پریشانی کا بڑھ جانا فطری امر ہے، مہاجرت کی زندگی تو ویسے ہی تلخ ہوتی ہے اور اگر کسی مہاجر کا دنیا میں کوئی ٹھکانا ہو اور نہ ہی کوئی مددگار تو اس کی پریشانی کا کیا پوچھنا۔

روہنگیا مسلمان ایک عرصے سے تن تنہا مصائب و آلام کی چکی میں پس رہے ہیں۔ کبھی یہ لوگ اسی سرزمین کے مالک تھے، جہاں آج ان کی نسل کشی کی جارہی ہے۔ روہنگیا مسلمانوں کے بچوں کو ذبح کیا گیا، جوانوں کو پکڑ پکڑ کر زندہ جلایا گیا، خواتین کی عصمتیں تار تار کی گئیں، بزرگوں کی کی کھالیں نوچ لی گئیں، لیکن پیسے کی ہوس میں دنیا بھر کے اندھے میڈیا کے لب سل گئے، کان بہرے اور بینائی زائل۔ اس دوران عالم اسلام بھی خاموش رہا۔ کوئی نوٹس لیا، نہ عملی اقدام۔ گنگ زبانیں اور بے فکر اذہان۔ ان حالات میں بے کسوں نے "درندوں" کے علاقوں سے نکل جانے میں ہی جان کی امان جانی، لیکن جب سمندری راستے سے محفوظ علاقوں کی طرف نکلنا چاہا تو انسانی اسمگلروں کے ہتھے چڑھ گئے، جنہوں نے لوٹ کر بے رحم سمندری موجوں کے حوالے کردیا اور اب سمندر میں بے یارومددگار، پناہ کے متلاشی، لیکن کوئی پناہ دینے کو تیار نہیں، تعاون پر بھی آمادہ نہیں اور یہ ہاتھ جوڑ جوڑ کر عالم اسلام سے تعاون کی اپیل کر رہے ہیں اور عالم اسلام خاموش تماشائی!

عالم اسلام سے عملی اقدامات کی اپیلوں کا معاملہ نیا نہیں، پرانا ہے۔ بچپن سے اسی طرح سنتے چلے آئے ہیں۔ یاد پڑتا ہے کہ پہلی بار پہلی کلاس میں عالم اسلام کا لفظ سنا تھا۔ دنیا بھر میں مسلمانوں کے حوالے سے کوئی معاملہ پیش آتا تو لوگوں سے سنتے کہ عالم اسلام کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے، اس معاملے کا نوٹس لینا چاہیے، عالم اسلام کو ہر حال میں مسلمانوں کی مدد کرنی چاہیے اور اکثر و بیشتر یہ بھی سنتے کہ موجودہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے عالم اسلام کا بیدار ہونا ضروری ہے۔ ہم چونکہ بچے تھے اور یہ ابھی معلوم نہیں تھا کہ یہ "عالم اسلام" ہے کیا شے، بار بار جس کا ذکر کیا جاتا ہے، خود ہی اندازہ لگاتے کہ عالم اسلام ضرور کوئی خطرناک قسم کی شخصیت ہوگی، جس سے سب ڈرتے ہوں گے، تبھی تو بار بار عالم اسلام سے نوٹس لینے کی فریاد کی جاتی ہے۔

جب ہم نے مختلف قسم کی کہانیاں خرید کر پڑھنا شروع کیں، جن میں "ٹارزن" اور "سپر مین" کی کہانیاں سر فہرست تھیں۔ "ٹارزن" اکیلا ہی بڑے بڑے اور خطرناک جانوروں اور اچانک نمودار ہونے والی ماورائی مخلوقات کے ساتھ لڑتا۔ شیر، چیتا، ہاتھی اور دیگر خطرناک جانوروں کو اکیلا ہی سبق سکھا دیتا۔ بڑی بڑی اور مشکل مہمات سر کرنا اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ "سپر مین" بھی اسی طرح کا ایک کردار، جو ہر ایک کے ساتھ لڑ کر فتح حاصل کر لیتا۔ اس قسم

کی کہانیاں پڑھ کر ہم یہ خیال کرتے کہ عالم اسلام شاید "ٹارزن" اور "سپر مین" کی طرح کے طاقتور کردار ہوں گے۔ بڑی کلاسوں میں جا کر معلوم ہوا کہ واقعی عالم اسلام بہت بڑی قوت کا نام ہے۔ دنیا میں عالم اسلام کی آبادی 1.62 ارب کے لگ بھگ ہے، جو پوری دنیا کی کل آبادی کا تقریبا 23 فیصد ہے اور دنیا کے کل رقبے کا 21.7 فیصد عالم اسلام کے پاس ہے۔ عالم اسلام کے ممالک کی تعداد پانچ درجن کے قریب ہے، جن میں ترکی، سعودی عرب، ایران، انڈونیشیا، قطر، عمان، ملائیشیا، پاکستان، برونائی دارالسلام اور کویت جیسے بے بہا وسائل سے مالامال ممالک شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کو بے شمار نعمتوں، بے پناہ قدرتی اسباب اور متنوع انسانی وسائل سے نوازا ہے۔ عالم اسلام کی نمایندہ تنظیم او آئی سی، اقوام متحدہ کے بعد دنیا کی سب سے بڑی اور نمایندہ تنظیم ہے، لیکن میں جب ایک عرصے سے روہنگیا مسلمانوں کی بے کسی اور بے بسی پر تمام وسائل اور قوت کے باوجود عالم اسلام کی مجرمانہ خاموشی کو دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ عالم اسلام سے تو ہمارے بچپن کے ٹارزن اور سپر مین ہی بہتر تھے، جو اکیلے ہی اپنے دشمن کا مقابلہ بھی کرتے اور مصیبت میں بے کسوں اور ضرورت مندوں کے بھی کام بھی آتے تھے، لیکن یہاں پانچ درجن مسلم ممالک میں بستے ڈیڑھ ارب سے زاید مسلمان اپنے چند ہزار بے سہارا مسلمان بھائیوں کی مدد نہیں کر سکتے۔

ان کو جگہ نہیں دے سکتے۔

میں ایک طرف روہنگیا مسلمانوں کو سمندر میں دھکیل دینے والے "انسانوں" میں انسانیت کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو انسانوں کی سی شکل و صورت رکھنے کے باوجود یہ لوگ انسانیت سے محروم دکھائی دیتے ہیں۔ جبکہ دوسری جانب مجھے ان بے کس اور لاچار مسلمانوں کے ہم مذہبوں میں بھی انسانیت دکھائی نہیں دیتی جو ان کو ڈوبتا اور بھوکا مرتا ہوا دیکھ رہے ہیں، لیکن پھر بھی ان کو پناہ دینے کو تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: " تمام مسلمان ایک انسانی جسم کی مانند ہیں، "اگر جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہو تو پورا جسم بے چین ہو جاتا ہے۔

روہنگیا مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے سے عالم اسلام کو بے چین ہو جانا چاہیے، لیکن عالم اسلام کی بے حسی کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ اپنے مسلمان بھائیوں کا دکھ محسوس کرنے والی حس سے ہی محروم ہو چکا ہے۔

راولپنڈی- اسلام آباد میٹرو بس منصوبہ.... قابل تقلید اقدام

کسی بھی ملک کی ترقی میں ذرایع نقل و حمل کے نظام کا اہم کردار ہوتا ہے۔ موجودہ حکومت اس نظام کو بہتر بنانے کے لیے عرصے سے کوشاں ہے۔ میٹرو بس سروس اس کی بہترین مثال ہے۔ حکومت نے پہلے لاہور میں میٹرو بس سروس کا آغاز کیا اور اس کے بعد جمعرات کے روز وزیراعظم نواز شریف نے 45 ارب روپے کی لاگت سے اسلام آباد- راولپنڈی میٹرو بس منصوبے کا افتتاح کیا ہے۔راولپنڈی اسلام آباد میٹرو بس کی افتتاحی تقریب اسلام آباد میں ہوئی، جس میں وزیراعظم نواز شریف اور وزیراعلیٰ پنجاب شہباز شریف سمیت وفاقی وزرا اور پارلیمانی قیادت کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ تقریب میں وفاقی وزرا کے علاوہ جے یو آئی (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن، پشتونخوا میپ کے محمود خان اچکزئی، وزیراعلیٰ بلوچستان عبدالمالک بلوچ، وزیراعلیٰ خیبرپی کے پرویز خٹک اور غیر ملکی سفیر بھی موجود تھے۔ راولپنڈی اسلام آباد میٹرو بس منصوبہ 23 کلومیٹر طویل اور 24 اسٹیشن پر مشتمل ہے۔ میٹرو بس کے راولپنڈی میں 10 اور اسلام آباد میں 14 اسٹیشن ہیں، جس پر 44 ارب 84 کروڑ روپے لاگت آئی ہے۔ میٹرو بس ایئر کنڈیشنڈ ہیں، جس میں معذور اور خواتین کے لیے مخصوص نشستیں، الیکٹرانک ٹکٹنگ سسٹم، سی سی ٹی وی کیمرے اور واش رومز بھی موجود ہیں۔ یہ مسافر بس سروس راولپنڈی کے علاقے صدر سے 23

کلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے اسلام آباد کے پبلک سیکرٹریٹ تک مسافروں کو 20 روپے اور 50 منٹ میں پہنچائے گی۔ اس روٹ پر 68 بسیں چلائی جائیں گی اور ہر روز اوسطاً ایک لاکھ 35 ہزار مسافران میں سفر کریں گے۔ چونکہ یہ کرایہ مارکیٹ سے بہت کم ہے اور اس سے بسیں چلانے کے اخراجات وصول نہیں کیے جا سکیں گے، لہٰذا وفاقی اور پنجاب حکومت بس چلانے والی کمپنی کو دو ارب روپے سالانہ سبسڈی کی مد میں ادا کریں گی۔ لاہور کے بعد راولپنڈی اور اسلام آباد وہ شہر ہیں، جہاں میٹرو بس چلائی جا رہی ہے۔ پنجاب حکومت نے اسی نوعیت کا منصوبہ ملتان میں بھی شروع کرنے کی منظوری دے دی ہے۔ جبکہ جمعرات کے روز ہی وزیر اعظم نے کراچی میں بھی جلد میٹرو بس سروس شروع کرنے کی یقین دہانی کرائی ہے۔ وزیر اعظم کا کہنا تھا کہ وفاقی حکومت جلد کراچی میں گرین لائن بس سروس شروع کرکے شہر قائد کی عوام کو اعلیٰ معیار کی سفری سہولیات کا تحفہ دے گی۔ کراچی لاہور موٹروے کو ترجیحی بنیادوں پر مکمل کریں گے۔ وفاقی حکومت کراچی میں میٹرو بس روٹ کے لیے 15 ارب روپے فراہم کرے گی۔ کراچی گرین بس کا روٹ 25.4 کلومیٹر طویل ہوگا۔ وزیر اعظم نواز شریف نے راولپنڈی، اسلام آباد میٹرو بس منصوبے کے افتتاح کے موقع پر کہا کہ "اس منصوبے کو دیکھ کر لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ کوئی دوسرا ملک ہے.... یہ کوئی دوسرا ملک نہیں، پاکستان تبدیل ہو رہا ہے۔" راولپنڈی میٹرو بس منصوبے کو گزشتہ سال دسمبر میں مکمل ہونا تھا، لیکن حکام کے بقول حکومت مخالف جماعت پاکستان تحریک

انصاف کا اسلام آباد میں تقریباً چار ماہ تک جاری رہنے والا احتجاجی دھرنا اس تاخیر کی وجہ بنا۔ وزیر اعلیٰ شہباز شریف نے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج ایک تاریخی دن ہے کہ راولپنڈی اسلام آباد بس کے آغاز میں صوبہ بلوچستان، کے پی کے اور پنجاب موجود ہے، قائم علی شاہ بھی آ رہے تھے، لیکن ضروری کام کے باعث نہیں آ سکے۔ یہ قومی یکجہتی کا ثبوت ہے کہ اس قومی منصوبے پر جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ حکومتی سطح پر اس منصوبے کو حکومت کی بڑی کامیابی قرار دیتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف نے میٹرو بس منصوبہ تیز رفتاری سے پایہ تکمیل تک پہنچا کر ناممکن کو ممکن کر دکھایا ہے۔ شہباز شریف نے ثابت کیا بڑے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ان کے پاس وقت، توانائی اور جوش و جذبہ بھی موجود ہے۔ بلاشبہ میٹرو بس منصوبہ اسلام آباد اور راولپنڈی کے رہائشیوں کے لیے ایک فقید المثال تحفہ ہے، یہ ایک قومی خدمت اور اثاثہ ہے، جو دوسرے صوبوں کے لیے قابل تقلید ہے۔ دوسری جانب مخالفین کی جانب سے اس منصوبے پر سخت تنقید کی جا رہی ہے۔ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان اس منصوبے کے شدید ناقد رہے ہیں اور جمعرات کو بھی ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ حکومت سڑکوں اور میٹرو بس جیسے منصوبوں پر سرمایہ لگانے کی بجائے عوام کی فلاح اور بہتر مستقبل پر توجہ دے۔ تاہم وزیر اعظم نواز

شریف اپنی حکومت کی طرف سے شروع کیے گئے منصوبوں پر ہونے والی تنقید کو یہ کہہ کر مسترد کرتے آئے ہیں کہ ملکی معیشت کو بہتر بنانے کے لیے کیے جانے والے اقدامات کے عوام اور ملک کے لیے دور رس نتائج برآمد ہوں گے۔ اس منصوبے کے لیے چونکہ سیکڑوں درختوں کو کاٹ کر بس کا روٹ اور اسٹیشن قائم کیے گئے ہیں، جسے ناقدین ماحولیات کے لیے ایک خطرناک عمل قرار دیتے ہیں، لیکن حکومتی عہدیداروں کا کہنا ہے کہ میٹرو بس منصوبے میں کاٹے گئے درختوں سے چار گنا تعداد میں نئے درخت لگائے جا رہے ہیں، جس سے ماحول کو درپیش خطرے سے نمٹا جا سکے گا۔ راولپنڈی اسلام آباد منصوبے کو دوسرے صوبوں میں شہباز شریف کے ہم منصبوں کے لیے قابل تقلید نمونہ قرار دیا جا رہا ہے۔ ایک سال پہلے خیبر پختونخوا حکومت نے پشاور کے لیے بھی ایک ایسا ہی منصوبہ بنایا تھا، لیکن افسوسناک طور پر یہ منصوبہ ابھی کاغذوں میں ہی ہے اور مستقبل قریب میں اس پر عملی کام شروع ہونے کے آثار نظر نہیں آ رہے ہیں۔

چیئرمین تحریک انصاف عمران خان نے وزیراعظم نواز شریف کی جانب سے خیبر پختونخوا میں میٹرو منصوبے کی پیشکش مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ صوبائی حکومت اپنے خرچے پر کے پی کے میں میٹرو بس سروس شروع کرے گی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ میٹرو بس پر تنقید اس طبقے کی جانب سے کی جا رہی ہے جو کہ پبلک ٹرانسپورٹ استعمال ہی نہیں کرتا، جس کے پاس گاڑیوں کے کارواں کے کارواں ہیں اور غریبوں کی بات کرنا ان کے لیے ایک مشغلے سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اس منصوبے سے ایک جانب تو عام شہریوں

کو باعزت پبلک ٹرانسپورٹ کی سہولت ملے گی تو دوسری جانب بڑی حد تک ان کا وقت اور پیسے بھی بچیں گے۔ لاہور کی انجینئرنگ یونیورسٹی میں ٹاؤن پلاننگ کے شعبے کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر غلام عباس انجم کہتے ہیں کہ اوسطاً 12 لاکھ سے زاید افراد ہر روز پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کرتے ہیں، ایسے میں صرف سوا یا ڈیڑھ لاکھ افراد ان میٹرو بسوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ باقی دس لاکھ سے زیادہ مسافروں کے لیے حکومت کیا کر رہی ہے؟اسلام آباد میٹرو منصوبے کے بارے میں بھی ان کا یہی اعتراض ہے، جہاں اس سے بھی کم مسافر میٹرو بسیں استعمال کریں گے۔ پنجاب میٹرو بس اتھارٹی کے جنرل مینیجر عزیر شاہ اس اعتراض کے جواب میں کہتے ہیں کہ حکومت اس منصوبے کو توسیع دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ 14 چھوٹے (فیڈر) روٹس پر اسی طرح کی بسیں چلائی جائیں، جو کہ ہم پرائیوٹ سیکٹر کے ذریعے چلوائیں گے۔

تحقیق و جستجو اور سائنس

"تحقیق" کا لفظ بنیادی طور پر کسی موجودہ یا نئے مسئلے کو حل کرنے کے لیے حقائق کے حصول کی جستجو کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بغیر ایجادات و اختراعات، بازیافت و دریافت کا عمل کسی بھی طرح بہ حسن و خوبی انجام نہیں پا سکتا۔ گویا انسانی زندگی کی روانی میں تحقیق کا اہم حصہ ہے اور انسانی تاریخ کی ساری ترقی اور کامیابی اسی صفت کی مرہون منت ہے۔ جبکہ انسان دنیا کی واحد مخلوق ہے، جس کو جستجو کرتے ہوئے تحقیق کی گھاٹی سے گزر کر اپنا مقصد پا لینے کا حد درجہ شوق ہے۔ کوئی خوش سلیقگی کے ساتھ اس عمل سے گزر جائے تو یقیناً کامران ٹھہرتا ہے اور اس کی کامیابی سے دوسروں کے اذہان، قلوب اور جسم و جان کی سیرابی کے امکانات روشن ہو جاتے ہیں۔

زندگی کے ہر شعبے میں "سائنس" کی نمایاں ترقی "تحقیق" کے مرہون منت ہی ہے۔ پچھلی چند دہائیوں میں سائنس کی دنیا میں بہت بڑے اقدامات اٹھائے گئے۔ انسانی زندگی پر سائنس کے کرشموں کے بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ سائنس نے توانائی، زراعت، طب، ہتھیاروں، خلا، مواصلات، ٹرانسپورٹ اور کمپیوٹر وغیرہ کی دنیا میں انقلاب برپا کیا ہوا ہے۔ سائنس کی مدد سے پوری دنیا کی

قومیں ایک دوسرے کے نزدیک آ گئی ہیں اور پوری دنیا نے ایک گلوبل گاؤں کی شکل اختیار کر لی ہے۔ انٹرنیٹ کو ہی دیکھ لیجیے۔ اب ہزاروں میل کی دوری کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ دور دراز بیٹھ کر بھی لوگ بیک وقت اپنے عزیزوں کی آواز کو اپنے کانوں سے سن اور لب و لہجہ و صورت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ گویا اپنے گھروں میں بیٹھ کر لوگ ہزاروں میل کی مسافت پر موجود اپنوں سے بلمشافہ ملاقات کا حظ اٹھا سکتے ہیں۔ اب کوئی بھی شخص اپنے موبائل پر بھی وہ سب حاصل کر سکتا ہے، ماضی میں جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

تحقیق کی مدد سے سائنس روز نت نئی اور حیران کن ایجاد دنیا کے سامنے لے آتی ہے۔ بعض ایجادات تو اس حد تک عقل کو دنگ کر دینے والی ہوتی ہیں کہ ان کی صداقت پر آسانی سے یقین ہی نہیں آتا۔ تقریباً ڈیڑھ دو سال قبل ایک امریکی کمپنی نے آواز اور آنکھوں کے اشاروں سے کمپیوٹر کو تابع کرنے کا فن جانا تھا، لیکن اب سائنس نے مزید ترقی کرتے ہوئے حال ہی میں حیران کن پیش رفتوں میں ایک ناقابل یقین پیش رفت کا اضافہ کیا ہے۔ ایجاد قدرے توجہ طلب اور حیران کن ہے۔ اسپین میں باسک سینٹر برائے دماغ، زبان اور ذہنی صلاحیت کے ماہر بلیئر آرمسٹرونگ نے ذہنی سوچ سے کمپیوٹر کھولنے اور لاگ آن کرنے کا کامیاب تجربہ کیا ہے، جسے ٹیکنالوجی کی دنیا میں ایک نیا انقلاب قرار دیا

جا رہا ہے۔ ماہرین کی جانب سے تیار کیا گیا یہ سسٹم کامیابی سے کام کرتا ہے، جس کے بعد جلد ہی پاس ورڈ اور فنگر پرنٹس سے نجات کے ساتھ کمپیوٹروں تک رسائی تیز ہو جائے گی اور مستقبل میں اسے مزید بہتر بنا کر حساس نیٹ ورکس اور فوجی تنصیبات کے لیے استعمال کرنا ممکن ہو گا۔ یقیناً یہ عجیب اور ورطہ حیرت میں ڈال دینے والی پیش رفت ہے، جو کہ صرف تحقیق کا نتیجہ ہے۔ سائنس دانوں کو تحقیق ہی نے اس قابل بنایا کہ آج وہ ایسی چیز پیش کر سکے ہیں، جس کی بہ ظاہر کوئی اور مثال نہیں ہے۔

اہل مغرب نے تحقیق و جستجو کے بل بوتے پر نہ صرف دنیا بھر میں اپنی فوقیت کا لوہا منوایا ہے، بلکہ ان کی ایجادات سے موجودہ دور میں انسان کو ہر قسم کی سہولت بھی میسر آئی ہے۔ افسوس! تعلیم و تحقیق پر عدم توجہ کے باعث دنیا کے تمام مسلمان ممالک مل کر بھی سائنس کے میدان میں مغرب والوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ مسلم ممالک سائنس کی ترقی میں مغرب سے میلوں پیچھے ہیں، حالانکہ آج کی جدید سائنس کی بنیاد صدیوں پہلے مسلمان سائنس دانوں نے اپنی تحقیق اور ایجادات کے ذریعے رکھی تھی۔ مسلمان سائنس دانوں نے دنیا کو ایسی ایجادات کے تحفے دیے، جن میں سے بہت سی تو آج بھی دنیا کے استعمال میں ہیں۔

تجرباتی سائنس کی بنیاد مسلمانوں نے ہی رکھی۔ اس کا اعتراف ترقی یافتہ دنیا

The Making of Humanty" نے بھی کیا ہے۔ انگریز مصنف "رابرٹ بریفالٹ" نے اپنی کتاب "دی میکنگ آف ہیومینٹی" میں لکھا ہے: "مسلمانوں نے سائنس کے شعبے میں جو کردار ادا کیا وہ حیرت انگیز دریافتوں یا انقلابی نظریات تک محدود نہیں، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کی ترقی یافتہ سائنس ان کی مرہون منت ہے۔" جبکہ ایک دوسرے انگریز مصنف "جان ولیم ڈریپرا" نے اپنی کتاب "یورپ کی ذہنی ترقی" میں لکھا ہے: "مسلمانوں نے سائنس کے میدان میں جو ایجادات و اختراعات کیں، وہ بعد میں یورپ کی ذہنی اور مادی ترقی کا باعث بنیں۔" ایک دور تھا جب مسلمانوں نے تحقیق و جستجو کا دامن تھاما ہوا تھا، جس کی بدولت وہ سائنس پر چھائے ہوئے تھے، اس دور میں الخوارزمی، رازی، ابن الہیثم، الاہروی، بو علی سینا، البیرونی، عمر خیام، جابر بن حیان اور فارابی جیسے سائنس دان پیدا ہوئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ دنیا ابھی تک ماضی کے مسلمان سائنسدانوں جیسی شخصیات پیش نہیں کر سکی تو غلط نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ماضی کے مسلمان سائنسدان اپنی تحقیقات کی بدولت سائنس میں مشرق و مغرب کے امام مانے جاتے ہیں۔ بہت سی مغربی یونیورسٹیوں میں تو آج بھی مسلمان سائنسدانوں کی کاوشوں سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

تعلیم و تحقیق اور سائنس و ٹیکنالوجی کی قدر و قیمت سے آگاہی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اور ان جاری لمحوں میں اگر کوئی اس کی حقیقت سے انکاری ہے تو

وہ کھلے فریب میں مبتلا ہے۔ سائنس و ٹیکنالوجی اس دور کی ایک بڑی حقیقت ہے، جس کے بغیر چارہ نہیں ہے اور اس راہ پر کامیابی حاصل کرنا کوئی ناممکن بھی نہیں ہے۔ ذرا سمت درست کرنے کی دیر ہے۔ ذہن میں بٹھانے کی حاجت ہے کہ یہ دنیا عمل کے لیے ہے اور اس میں جو کوئی بھی "جہد و عمل" کے حکم کو بھول گیا، وہ وقت کی رفتار سے پیچھے رہ گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ جدید دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا حوصلہ تب ہی ملتا ہے، جب ان مادی وسائل پر مکمل قدرت ہو۔ ہم میں سے اکثر اس بات سے آگاہ ہیں کہ اہل مغرب نے تحقیق و جستجو کا دامن تھام کر کوڑا کرکٹ کے ڈھیروں کو اپنے لیے توانائی کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ ضایع پانی کو دوبارہ قابل استعمال کرنے کا ہنر سیکھ لیا ہے۔ سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر مخصوص آلات نصب کرکے ان کے ذریعے توانائی حاصل کرنے کا ہنر جان لیا ہے۔ دوسری طرف ہم ہیں جو موجود وسائل اور ظاہر ذرایع کو بھی استعمال کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ تحقیق و تجربات کے ذریعے ان وسائل سے کچھ اخذ کرنا کوئی مشکل نہیں ہے، بس ایک دیانت دارانہ فیصلہ ہمیں سیدھے راستے پر ڈال سکتا ہے۔ اگر ہماری قیادتیں تعلیم پر توجہ دیں اور مسلم ممالک میں یونیورسٹیوں کی تعداد اور معیار بہتر بنانے کی سعی کریں تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ انقلاب کی سی صورت تعلیم و تحقیق اور سائنس و ٹیکنالوجی پر بھرپور توجہ دے کر ہی پیدا ہو سکتی ہے۔

اعداد وشمار کا گورکھ دھندا نمبر68

حکومت نے پہلے سے بے پناہ مصائب کی دلدل میں گردن تک دھنسے عوام پر ٹیکسوں سے بھرپور بجٹ کا "بم" گرا دیا ہے۔ ایئر کنڈیشنڈ دفاتر میں بیٹھے معاشی ماہرین کہلوانے والوں کی جمع تفریق سے بننے والا بجٹ اعداد وشمار کے گورکھ دھندے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ملکی تاریخ کے اس 68ویں بجٹ میں بھی ہر بار کی طرح قوم کو جھوٹی تسلیاں دی گئی ہیں۔ وزیر خزانہ کہتے ہیں بجٹ میں غریبوں کو خصوصی مراعات دی ہیں۔ عوام کا کہنا ہے کہ بجٹ خواص کے تعیشات کو مد نظر رکھ کر بنایا گیا ہے، جس میں بے تحاشا ٹیکسز لگا کر عوام کی سانسوں کو بھی کنٹرول کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ویسے تو حکمران طبقہ گزشتہ 68 سال سے عوام کا خون چوس رہا ہے، لیکن اب تو شاید یہ طبقہ عوام کی ہڈیوں کا گودا تک نکالنا چاہتا ہے۔ حکمرانوں کی جانب سے ہر بار بجٹ میں دل کھول کر جھوٹ بولا جاتا ہے اور عوام کی خواہشات کا قتل کیا جاتا ہے۔ معروف ادیب مشتاق احمد یوسفی لکھتے ہیں: "جھوٹ تین قسم کے ہوتے ہیں۔ جھوٹ، سفید جھوٹ اور سرکاری اعداد و شمار۔" سرکاری اعداد وشمار کی وضاحت بجٹ کے روز پارلیمنٹ میں ہوتی ہے، جہاں ریکارڈ جھوٹ بولا جاتا ہے۔

کسی دور میں عوام بجٹ کی "رسم" کو کسی حد تک سنجیدہ لیتے تھے۔ اس وقت بجٹ

میں کچھ حصہ عوام کا بھی رکھا جاتا تھا اور بجٹ میں کیے گئے اعلانات میں تھوڑی بہت سچائی بھی ہوتی تھی، لیکن اب وہ سنجیدگی ختم ہو چکی ہے اور بجٹ صرف جھوٹ اور فریب کا ایک پلندا بن کر رہ گیا ہے۔ بجٹ میں عوام کو کوئی سہولت نہیں دی جاتی اور اگر کسی سہولت کا اعلان ہوتا بھی ہے، تو اس پر عمل نہیں کیا جاتا اور عالمی مالیاتی اداروں کے احکامات پر عمل درآمد کرتے ہوئے آئے دن چھوٹے بجٹ بم گرا کر عوام کے جذبات کو مزید مجروح کر دیا جاتا ہے۔ چند روز ہی گزرتے ہیں کہ قیمتوں میں اضافے اور نئے ٹیکسوں کے نفاذ کے اعلانات کے ساتھ عوام پر مہنگائی کا ایک نیا حملہ کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح اب بجٹ سوائے دھوکے، فریب اور جعلسازی کے کچھ نہیں ہوتا۔ حکومت اعداد و شمار کو مسخ کر کے اپنی "لوٹ مار" کو عوام کی فلاح کے طور پر پیش کرتی ہے اور حکومت سے ملی بھگت کرنے والی اپوزیشن عوام کو مزید بے وقوف بنانے کے لیے میڈیا کے سامنے اودھم مچاتی ہے۔ اپوزیشن پارٹیاں پہلے تو عوام پر لگائے گئے ٹیکسز کی مخالفت کرتی ہیں، لیکن بعد ازاں نا معلوم وجوہ کی بنیاد پر خاموشی اختیار کر لیتی ہیں۔

بجٹ کسی بھی حکومت کی مالی پالیسیوں کی سمت کا تعین کرتا ہے اور ملک و قوم کی ترقی و خوشحالی کا آئینہ دار بھی ہوتا ہے۔ بجٹ عوام دوست اسی وقت ہی کہلا سکتا ہے، جب عام آدمی کو بجٹ میں زیادہ سے زیادہ ریلیف ملے، لیکن یہاں

تو ریلیف عام آدمی سے کوسوں دور ہے۔ مزدور کی تنخواہ 12 ہزار سے "بڑھا کر" 13 ہزار کردی گئی ہے، لیکن کوئی یہ تو بتادے کہ اسے یہ تنخواہ دے گا کون؟ حیرت کی بات ہے کہ بجٹ میں امیروں کے لیے حکومت نے ٹیکسوں میں چھوٹ اور نوازشات کی بارش کردی ہے، جبکہ غربت و افلاس کی چکی میں پسنے والے عوام پر ایک ہزار 2 سو 53 ارب روپے کے نئے ٹیکسز لگائے گئے ہیں، جس سے یقینی طور پر عوام کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوگا، لیکن حکمرانوں کو ان کی مشکلات سے کیا لینا دینا، ان کا کام تو محض حکمران چننا ہے۔

دراصل عوام پر لگائے گئے ٹیکسز بھی حکمرانوں کی بداعمالیوں کو نتیجہ ہوتے ہیں، کیونکہ یہ ان قرضوں کے بدلے میں لگائے جاتے ہیں، جن کی واپسی حکمرانوں کے ذمے ہوتی ہے، لیکن ادا عوام کرتے ہیں۔ چونکہ ہماری حکومتیں قرضے عالمی مالیاتی اداروں سے لیتے ہیں، اس لیے بجٹ بھی انہیں کے اشاروں پر بنائے جاتے ہیں اور عالمی مالیاتی اداروں کو تو اپنے قرضے واپس لینے ہوتے ہیں، جس کی آسان صورت ان کے سامنے یہی ہوتی ہے کہ عوام پر ٹیکس لگا دیا جائے۔ حالانکہ ان قرضوں سے بھی صرف اور صرف بڑی کرسیوں پر بیٹھے افراد کو فائدہ ہوتا ہے، عوام کو کچھ بھی نہیں ملتا۔ یہ قرضے جہاں سے آتے ہیں، وہاں ہی واپس چلے جاتے ہیں۔ فرق صرف یہ پڑتا ہے عام شہری پر قرضوں اور ٹیکس کا بوجھ بڑھ جاتا ہے، جس سے اس کی حالت پہلے سے ابتر ہو جاتی ہے۔

قرضے دیتے وقت عالمی استحصالی اداروں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک وغیرہ کی شرائط میں نجکاری، ملٹی نیشنل کمپنیوں کے لیے "سازگار" ماحول کی فراہمی اور ٹیکسوں میں اضافہ شامل ہوتا ہے۔ اس طرح ہر ایک ڈالر جو قرض کی شکل میں دیا جاتا ہے، اپنے ساتھ کئی ڈالر واپس لے جاتے ہوئے ریاست کو مزید قرضے لینے پر مجبور کرتا ہے۔ ایک اینٹی گلوبلائزیشن تنظیم کے مستند اندازے کے مطابق تیسری دنیا کے ممالک کو قرضوں یا امداد کی مد میں ملنے والا ہر ایک ڈالر اپنے ساتھ 25 ڈالر واپس لے کر جاتا ہے۔

قرضوں کی مد میں ملنے والی رقم کا بڑا حصہ کرپٹ حکمرانوں کی کرپشن کی بھینٹ چڑھ کر واپس انہی بینکوں میں چلا جاتا ہے، جہاں سے قرضے لیے جاتے ہیں۔ باقی بچنے والی رقم ریاستی مشینری کی شاہ خرچیوں اور عیاشی کی نذر ہو جاتی ہے۔

پاکستان کو دیے جانے والے قرضوں کا مقصد یہاں غربت یا بیروزگاری کا خاتمہ نہیں اور نہ ہی عوام کو علاج، تعلیم کی سہولت دے کر ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنا ہے، بلکہ ان کا مقصد بے تحاشا منافع (سود) کمانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی عوام کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ لوگ غربت سے تنگ آ کر خودکشیاں کر رہے ہیں۔ ملک کی نصف سے زیادہ آبادی خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔

مودی کا اعترافِ جرم

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ بھارت پاکستان کا ازلی دشمن ہے، اس نے کبھی پاکستان کو نقصان پہنچانے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ "بغل میں چھری، منہ میں رام رام" کی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر ہندو بنیے نے ہمیشہ پاکستان کو زخم لگائے ہیں۔ بھارت نے کبھی بھی پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا اور ہمیشہ پاکستان کو توڑنے کی سازشوں میں مصروف رہا۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ سقوط ڈھاکا کا سانحہ بھارت کی شیطانی چالوں اور سازشوں کے نتیجے میں ہی پیش آیا تھا، تاہم بھارت نے کبھی اس کو تسلیم نہیں کیا، اب "گجرات کے قصائی" بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے بنگلا دیش میں منعقدہ ایک تقریب میں پاکستان توڑنے میں اپنے کردار کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے "بنگلا دیش کا قیام ہر بھارتی کی خواہش تھی۔ ہماری افواج بنگلا دیش کی آزادی کے لیے مکتی باہنی کے ساتھ مل کر لڑیں اور بنگلا دیش بننے کے خواب کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں اس کی مدد کی۔" اس تقریب میں حسینہ واجد کی حکومت نے بنگلادیش کی "آزادی" میں فعال کردار ادا کرنے پر سابق بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کو "بنگلا دیش لبریشن وار آنر" سے نوازا۔ اس سے قبل حسینہ واجد کی حکومت کی جانب سے سابق بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی کو بھی اس ایوارڈ سے نوازا جا چکا ہے، جو سونیا گاندھی نے وصول

کیا تھا۔

سقوط ڈھاکا کی سازش میں ملوث ہونے کے اعترافی بیان پر پاکستانی راہنماؤں کا کہنا ہے کہ مودی کے بیانات سے ثابت ہو گیا کہ پاکستان کو توڑنے میں بھارت ملوث تھا اور وہی سانحہ مشرقی پاکستان کا اصل مجرم ہے۔ دوسری جانب اس اعتراف پر خود بھارتی عوام کی جانب سے سوشل میڈیا پر نریندر مودی پر شدید تنقید کی جارہی ہے۔ یوں تو پاکستان کو دولخت کرنے میں بھارت کے کردار پر پہلے بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں تھی، لیکن اب مودی نے پاکستان توڑنے کا اعتراف کرکے منافقت کی چادر میں لپٹے بھارتی چہرے کو خود ہی بے نقاب کردیا ہے۔

سقوط مشرقی پاکستان کا سانحہ جہاں پاکستانی عوام کے لیے المناک و اندوہناک تھا، وہیں بھارت کی بہت بڑی کامیابی بھی تھا، کیونکہ مشرقی پاکستان کو پاکستان سے جدا کرنے کے لیے بھارت روز اول سے سرگرم عمل تھا۔ بھارتی فوج نے جس طرح بھارت اور مشرقی پاکستان میں قائم تربیت گاہوں میں مکتی باہنی کے غنڈوں کی تربیت کی اور بھارتی ایجنٹ جس طرح مشرقی پاکستان کے عوام کو پاک فوج کے خلاف ابھارنے میں مصروف رہے، وہ بھارت کے چہرے کا سیاہ دھبا ہے، جو کبھی دھل نہیں سکتا۔

اس سچائی سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ بھارتی نیتاؤں کی کوشش اور خواہش تھی کہ پاکستان بھارت کے ساتھ الحاق پر مجبور ہو جائے۔ بھارت کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہرو یہی سمجھتے رہے کہ "پاکستان کی تخلیق ایک عارضی اقدام ہے اور یہ آخرکار متحدہ ہندوستان پر منتج ہو گی۔ ایک وقت آئے گا کہ بھارت کے ساتھ اِس کا الحاق ضروری ہو جائے گا۔" بھارتی راہنماؤں کے نزدیک پاکستان کو سلامت رہنے کا کوئی حق نہیں تھا، اسی لیے انہوں نے اس نوزائیدہ ریاست کا گلا گھونٹنے کے لیے ہر وہ قدم اٹھایا، جو ان کے اختیار میں تھا۔ اندرا گاندھی 1965ء کی جنگی ہزیمت کا بدلہ لینا چاہتی تھی، چنانچہ اس نے شیخ مجیب الرحمٰن سے تعلقات استوار کیے، مکتی باہنی (نجات فورس) کے قیام کے لیے اسلحہ اور رقم فراہم کی اور پاکستان کے خلاف سازشوں کا جال بننا شروع کر دیا۔ جب 1970ء کے انتخابات کے بعد بھارت کو روسی امداد میسر آئی تو اس نے پاکستان پر وار کرنے میں دیر نہیں لگائی۔

1971ء میں مشرقی پاکستان میں حالات خراب ہوئے تو بھارت نے باقاعدہ فوج کشی کر کے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کرنے میں اپنا کلیدی کردار ادا کیا۔ بھارتی وزیر اعظم نے 31 مارچ 1971ء کو پارلیمنٹ میں ایک قرارداد کے ذریعے مشرقی پاکستان میں رونما ہونے والے واقعات پر شدید غم و غصہ اور تشویش

کا اظہار کرتے ہوئے بنگالی باغیوں کی بھرپور مدد کی پیش کش کی، دوسری طرف مشرقی پاکستان کے جو باشندے مغربی بنگال (بھارت) اور آسام پہنچے، بھارتی فوج نے انہیں پاک فوج کے خلاف لڑنے کی تربیت بھی دی۔ اس کے ساتھ بھارتی پروپیگنڈا مشینری منظم طریقے سے پاکستان کو بدنام کرتی رہی، جس سے دنیا میں پاکستان کا تشخص مجروح ہوا۔ اِس طرح بھارت نے بنگلا دیش کاز کے لیے دنیا بھر کی ہمدردیاں حاصل کر لیں۔

یہ صورت حال بھارت کے تخریبی عزائم اور اس کے مطلوبہ ہداف کے لیے کارآمد ثابت ہوئی اور پاکستان کو دولخت کرنے کے لیے 3 دسمبر 1971ء کو باقاعدہ پاک سرحدوں پر حملہ کر دیا گیا اور پاکستان کا دایاں بازو کاٹ کر الگ کر دیا گیا۔ سقوط ڈھاکا کے روز بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے بڑی رعونت کے ساتھ کہا تھا: "یہ ہماری افواج کی فتح نہیں، بلکہ ہمارے نظریے کی فتح ہے، "ہم نے نظریہ پاکستان کو آج خلیج بنگال میں ڈبو دیا ہے۔

بھارت پاکستان کو کسی صورت پھلتا پھولتا دیکھنا نہیں چاہتا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی بدنام زمانہ خفیہ ایجنسی "را" کے ذریعے پاکستان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے اور حال ہی میں پاکستان اور چین کے درمیان طے پانے والے

اقتصادی راہداری منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے مختلف حربے استعمال کر رہا ہے، جبکہ مشرقی پاکستان کے بعد بلوچستان کو بھی (خاکم بدہن) پاکستان سے جدا کرنے کے لیے لڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔اس مذموم مقصد کے لیے را کے ایجنٹ بلوچستان میں ٹارگٹ کلنگ اور اغوا کی وارداتوں سے لے کر بم دھماکے اور علیحدگی پسندوں میں رقوم کی تقسیم تک ہر ہتھکنڈا بروئے کار لا کر بلوچ عوام کے دلوں میں پاکستان کے خلاف نفرت کے بیج بونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ملک کے اندر تخریبی کارروائیوں میں "را" اور اس کے ایجنٹوں کے ملوث ہونے کے شواہد کئی بار منظر عام پر لائے جا چکے ہیں۔ ان حالات میں بھارت سے پیار کی پینگیں بڑھانے کی بجائے اپنے اس ازلی دشمن کے طریقہ ہائے واردات سے نمٹنے کی تدابیر کی جانی چاہئیں۔ خدا پاکستان کی حفاظت فرمائے، آمین۔

ہم جنس پرستی ....قدرت سے بغاوت

فطرت سے بغاوت کا ہر راستہ تباہی و بربادی کی طرف جاتا ہے۔ انسان جیسے جیسے نفس پرستی کا شکار ہو کر فطرت سے بغاوت کرتا جاتا ہے، ویسے ویسے نت نئے مصائب اور آلام انسان کا گھیراؤ کرتے جاتے ہیں، لاکھ کوششوں کے باوجود بھی جن سے چھٹکارے کی کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی۔ ہم جنس پرستی بھی فطرت سے بدترین بغاوت ہے، جس کے حق میں قوانین بنا کر نئی تہذیب کے دعویداروں نے دنیائے انسانیت کو تاریخ کے بھیانک ترین فسادات میں مبتلا کر دیا ہے، جس کا انجام برا ہے۔ گزشتہ ماہ آئرلینڈ میں بھی ہم جنس پرستی کو قانونی قرار دے کر شادی کو جنس کی سرحد سے باہر دھکیل دیا گیا ہے، اس طرح آئرلینڈ ہم جنس شادی کو قانونی حیثیت دینے والا 22 واں ملک بن گیا ہے، جبکہ اس وقت دنیا کے لگ بھگ 115 ممالک میں ہم جنس پرستی کو قانونی تحفظ حاصل ہے، جن میں اکثریت مغربی ممالک کی ہے۔ اس طرح انسانیت کی بقا کا ابدی قانون پس پشت ڈال کر ایک بے ہودہ طرز عمل کو قانونی جواز فراہم کر کے مغربی ممالک انسانیت کی کھلی تذلیل کر رہے ہیں، جس کا براہ راست نقصان پوری انسانیت کو ہو رہا ہے۔ ماہرین عمرانیات کا کہنا ہے کہ ہم جنس پرستی کا نقصان کسی مذہب یا مسلک کو نہیں، بلکہ براہ راست انسانیت کو ہے۔ اگر انسانوں کی اکثریت اس قبیح شوق کی اسیر ہو جائے تو انسانیت کو بچانا

ممکن نہیں رہے گا اور شاید کائنات میں موجود انسان ایک صدی کے اختتام سے پہلے ہی ختم ہو جائیں اور اگر انسانوں کی پیدائش اور بڑھوتری کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے تو یہ کائنات انسانوں کے وجود سے ہی خالی ہو جائے گی۔ طبّی ماہرین ہم جنس پرستوں کی طرف سے فطرت سے متعلق دیے جانے والے جواز کے دلائل کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک ہم جنس پرستی ایک نفسیاتی معاملہ ہے۔ یہ لوگ اگرچہ کتنے ہی تعلیم یافتہ اور اعلیٰ اقدار و شعور کے حامل کیوں نہ ہوں، لیکن اس معاملے میں وہ نفسیاتی اور جنسی مریض ہوتے ہیں اور اپنی قبیح خواہش کو فطرت کا لباس پہنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے اس سلسلے کو قائم رکھنے کے لیے قوانین بنوانے کی تگ و دو کرتے ہیں۔

ہم جنس پرستی نے انسانی زندگی کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ جنسی بے راہ روی کی دوسری تمام اقسام میں ہم جنس پرستی سب سے زیادہ غیر صحت مندانہ رویہ ہے، جو خطرناک امراض کا سبب بھی ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق ہم جنس پرست اوسطاً 50 سال سے کم عمر جی پاتے ہیں، جو کہ عام آبادی کی اوسط عمر سے تقریباً 20 سال کم ہے۔ ہم جنسی مختلف امراض کے پھیلاؤ سے کم از کم 40 ملین لوگوں کے موت کی نقیب بن چکی ہے، لیکن خود کو بیدار مغز تصور کرنے والے مغربی ممالک اس بات سے بھی غافل ہیں کہ ایڈز جیسا مہلک مرض ایک ترقی یافتہ سماج کے لیے کتنا خطرناک ہے اور ہم جنس پرستی ایڈز کو سب سے زیادہ اور تیزی کے

ساتھ جنم دینے والا عمل ہے۔ دنیا کے تمام معاشروں میں ہم جنس پرستوں میں ایچ آئی وی پازیٹو کے کیسوں میں اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے، اسی لیے دنیا بھر میں ایچ آئی وی یا ایڈز پھیلانے کے حوالے سے انہیں خطرناک سمجھا جاتا ہے۔ ہم جنس پرستی کی کھلی اجازت سے ایڈز جیسی لاعلاج بیماریوں میں اضافے کے ساتھ ساتھ متعلقہ ممالک میں آبادی کی شرح خطرناک حد تک کم ہو رہی ہے اور اب آبادی بڑھانے کے لیے بعض ممالک میں بچے پیدا کرنے پر والدین کے لیے کو مختلف قسم کے بونس دینے کے اعلانات کیے جا رہے ہیں۔ ماہرین یورپ میں دن بدن طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح کی وجہ بھی ہم جنس پرستی اور جنسی بے راہ روی کو قرار دے رہے ہیں، جن سے یورپ کا خاندانی نظام مکمل طور پر بکھر چکا ہے۔

ایک سلیم الفطرت انسان کے لیے ہم جنس پرستی عقل سے ماورا فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام ذی حیات انواع میں نر و مادہ کا فرق محض تناسل اور بقائے نوع کے لیے رکھا ہے اور نوع انسانی کے لیے اس کی مزید غرض یہ بھی ہے کہ دونوں صنفوں کے افراد مل کر ایک خاندان وجود میں لائیں اور اس سے تمدن کی بنیاد پڑے۔ اسی مقصد کے لیے مرد اور عورت کی دو الگ صنفیں بنائی گئی ہیں، ان میں ایک دوسرے کے لیے صنفی کشش پیدا کی گئی ہے، ان کی جسمانی ساخت اور نفسیاتی ترکیب ایک دوسرے کے جواب میں مقاصد زوجیت کے لیے عین مناسب بنائی گئی ہے۔ ہم جنس پرست انسان اپنی اور اپنے معمول کی طبعی ساخت اور نفسیاتی

ترکیب سے جنگ کرتا ہے اور اس میں خلل عظیم برپا کر دیتا ہے۔ وہ فطرت کے ساتھ غداری و خیانت کا ارتکاب کرتا ہے، کیونکہ فطرت نے انسانیت کی بقا کا جو ایک طریقہ دیا ہے، وہ اس کو ٹھکرا کر محض خواہش کے لیے انسانیت کو خطرے میں ڈالتا ہے۔

ہم جنس پرستی کو پروان چڑھانے میں مغربی ممالک نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ کئی یورپی ممالک نے ہم جنسی کو قانونی جواز فراہم کرنے کا سلسلہ شروع کرکے نہ صرف اخلاق و کردار کا جنازہ نکال دیا ہے، بلکہ معاشرے کو بھی تباہی و بربادی کی جانب دھکیل دیا ہے۔ اگر کسی بھی مذہبی قید سے بالاتر ہو کر بطور انسان سوچا جائے تو بھی جو اصول سامنے آتا ہے وہ یہی ہے کہ انسانیت کی ابتدا مرد حضرت آدم اور عورت حضرت حوا سے ہوئی ہے، اس طرح قیامت تک دو مختلف صنفوں کا جوڑے کی صورت میں زندگی گزارنا فطرت انسانی ٹھہرا، لیکن ایک ہی جنس کے دو اشخاص کو قانونی جواز فراہم کرنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ تاریخ انسانی کا سرسری جائزہ بھی اس حقیقت کو واشگاف کر دیتا ہے کہ ہم جنس پرستی روز اول سے ایک غیر فطری اور غیر اخلاقی حرکت تصور کی جاتی رہی ہے۔ خود یورپ میں پاپائے روم بینیڈکٹ یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جس طرح جنگلات کو تباہی سے بچانا ضروری ہے، اسی طرح انسانیت کو بھی ہم جنس پرستی سے بچانا ضروری ہے اور آئرلینڈ میں ہم جنس پرستی کو قانونی حیثیت دیے جانے کو مسیحی

کلیسیا نے انسانیت کی شکست سے تعبیر کیا اور کارڈینل پیتر وپارولن نے آئرلینڈ کے قانون پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ خاندان کے تصور کو بچانے کے لیے تمام تر اقدامات کیے جانے چاہیئں، کیونکہ یہ انسانوں کے مستقبل کے لیے اہم ہے، لیکن تمام انسانی اقدامات کو پس پشت ڈال کر ہر غیر فطری امر کی پشت پناہی کرنا مغرب کا وطیرہ بن چکا ہے، جو بحیثیت مجموعی انسانیت کے لیے سم قاتل ہے۔ تف ہے ان پر جو "ہم جنس پرستی" جیسی مہلک وبا کو بھی شخصی آزادی سے تعبیر کرکے دنیا کو قعر مذلت میں ڈالنے پر تلے ہیں۔ یہ ایک ایسا خلاف فطرت فعل جس کی کوئی مذہب اجازت دیتا ہے اور نہ کوئی مہذب معاشرہ۔ اس فعل کا مقصد محض غیر فطری طریقے سے خواہشات نفس کی تکمیل ہے، لیکن کم فہم لوگ اس انسانیت کش فیصلے کی مذمت کرنے کی بجائے اس کی حمایت کرنے پر تلے ہوئے ہیں، بلکہ اس کے حق میں قوانین بنا کر انسانیت کی بقا کو شدید خطرات سے دوچار کر رہے ہیں، جس کے خلاف آواز اٹھانا انسانی فریضہ ہے۔

شفقت حسین کی پھانسی چوتھی بار موخر

شفقت حسین کی پھانسی چوتھی بار موخر.....پاکستان کی خود مختاری پر سوالیہ نشان !

شفقت حسین کی پھانسی کا معاملہ ایک معما بن چکا ہے۔ سزائے موت کے تمام تر احکامات کے باوجود بھی آئے روز پھانسی کے مقررہ وقت سے پہلے شفقت کی پھانسی کو ملتوی کر دیا جاتا ہے۔ ملکی و غیر ملکی این جی اوز، انسانی حقوق کی تنظیمیں اور یورپی یونین پہلے تو پاکستان میں مجرموں کو پھانسی دینے کی راہ میں رکاوٹ بنے رہے، لیکن جب ہماری حکومت نے ملکی مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے مجرموں کو سزائیں دینے کا سلسلہ شروع کیا تو یورپی یونین اور ان کے پیسے پر چلنے والی این جی اوز نے شفقت حسین کی سزا کو ایک ہوا بنا کر پیش کیا اور اس کی عمر کو بنیاد بنا کر بہت شور شرابا کیا، حالانکہ یہ بات بھی ثابت ہو چکی کہ شفقت حسین نے جب بچے کو قتل کیا تھا، تو خود اس کی عمر اس وقت 23 سال تھی، لیکن اس کے باوجود یورپی یونین شفقت حسین کی آڑ میں پاکستان میں مجرموں کی دی جانے والی پھانسیوں کا سلسلہ رکوانا چاہتی ہے۔ مبصرین کی جانب سے یورپی یونین کے اس رویے پر سختی سے تنقید کی گئی ہے۔ ان کے مطابق یورپی

یونین کا یہ رویہ سراسر پاکستان کے معاملات میں کھلی مداخلت ہے۔ پاکستان خود مختار ملک ہے، اسے اپنے قوانین بنانے اور ان پر عمل درآمد کا پورا حق حاصل ہے۔ ایک طرف یورپی یونین اپنے معاملات میں کسی کو مداخلت نہیں کرنے دیتی، جبکہ دوسرے ممالک میں مداخلت کرکے خود اپنے اصولوں کی خلاف ورزی کرتی ہے۔ ایک طرف امریکا نے بے گناہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو 86 سال کی سزا سنا کر تمام انسانی قوانین کی دھجیاں اڑائی ہیں، ساری دنیا جانتی ہے کہ یہ سراسر غلط ہے اور عافیہ صدیقی بے گناہ ہے، لیکن اگر کوئی اس کی سزا کے خلاف احتجاج کرتا ہے اور اس سزا کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے تو امریکا کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہمارے اندرونی معاملات ہیں، جن میں کسی دوسرے کو مداخلت کا اختیار نہیں ہے، جبکہ امریکا اور دیگر یورپین ممالک دوسرے ممالک کے معاملات میں آئے روز مداخلت کرتے ہیں۔

گزشتہ روز سزائے موت کے قیدی شفقت حسین کی پھانسی چوتھی بار موخر کردی گئی۔ مجرم کو گزشتہ روز کراچی جیل میں پھانسی دی جانی تھی، جس کے لیے تمام انتظامات بھی مکمل کر لیے گئے تھے۔ حکام کے مطابق عین آخری لمحات میں جیل حکام کو اعلیٰ سطح سے احکامات ملے، جس پر شفقت حسین کی پھانسی موخر کر دی گئی، تاہم اس کی وجہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔ عدالت نے شفقت حسین کو پھانسی دینے کے لیے چوتھی بار ڈیتھ وارنٹ جاری کیے تھے۔ کراچی کی سینٹرل

جیل کے سپرنٹنڈنٹ نے انسداد دہشت گردی کی ایک عدالت کو خط لکھا تھا کہ شفقت حسین کی سزا پر عملدآمد روکنے کے لیے عدالتی حکم کی میعاد پوری ہو چکی ہے، لہٰذا اس کی سزائے موت کے وارنٹ جاری کیے جائیں۔ واضح رہے کہ شفقت حسین کا نام ان 17 افراد کی ابتدائی فہرست میں شامل تھا، جنہیں دسمبر 2014ء میں وزیر اعظم پاکستان کی جانب سے دہشت گردوں کو سزائے موت دینے کے اعلان کے بعد پھانسی دینے کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ تاہم اس کے بعد سے چار مرتبہ ڈیتھ وارنٹ جاری ہونے کے باوجود اس کی سزا پر عمل درآمد نہیں ہو سکا ہے۔ شفقت حسین کو 2001ء میں کراچی میں ایک پانچ سالہ بچے کو اغوا اور پھر قتل کرنے کے جرم میں 2004ء میں گرفتار کرکے پھانسی کی سزا سنائی تھی۔ سندھ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ نے بھی مجرم شفقت حسین کو دی جانے والی موت کی سزا کو برقرار رکھا ہے، جبکہ صدر مملکت بھی اس کی رحم کی اپیل مسترد کر چکے ہیں۔

پاکستان میں آٹھ ہزار سے زاید افراد موت کی سزا کے منتظر ہیں، جن میں سے زیادہ تر کی اپیلیں مسترد کر دی گئی ہیں۔ حکومت نے جب گزشتہ سال دسمبر میں سزائے موت پر عاید پابندی ختم کیے جانے کے بعد ملک بھر کی جیلوں میں سزائے موت کے قیدیوں کو پھانسی دینے کا سلسلہ شروع کیا تو انسانی حقوق کی مقامی اور بین الاقوامی تنظیموں کی جانب سے اس کی بھرپور مخالفت کی گئی۔ انسانی

حقوق کی مقامی و بین الاقوامی تنظیموں اور یورپی یونین کی طرف سے پاکستان سے سزائے موت پر عملدرآمد کے فیصلے کو واپس لینے کے مطالبات تواتر سے سامنے آتے رہے، جس میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ مجرموں کو پھانسی دینے سے پاکستان انسانی حقوق کے بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ جس پر ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے دفتر خارجہ کی جانب سے یہ بیان جاری کیا گیا تھا کہ سزائے موت پر سے پابندی ختم کرنا کسی بھی طور بین الاقوامی انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ ہمارے آئین اور ہمارے نظام قانون میں موت کی سزا ہے اور یہ بین الاقوامی قوانین کے دائرے میں ہے، جیسا کہ ہم اپنا نظام دوسروں پر مسلط نہیں کر سکتے تو ہم توقع کرتے ہیں کہ دوسرے ملک ہمارے نظام کا احترام کریں۔

واضح رہے کہ شفقت حسین کی سزائے موت پر عملدرآمد کے لیے رواں سال 14 جنوری کی تاریخ مقرر کی گئی تھی اور اس سزا کے خلاف اس کی تمام اپیلیں مسترد ہو چکی تھیں، لیکن انسانی حقوق کی مقامی اور بین الاقوامی تنظیموں اور یورپی یونین کے دباؤ پر پھانسی روکنا پڑی، ان کا موقف تھا کہ جس وقت اس جرم کا ارتکاب کیا گیا تھا، اس وقت شفقت حسین کی عمر لگ بھگ 14 سال تھی۔ دوسری مرتبہ سزا پر عملدرآمد کے لیے مارچ کی تاریخ مقرر کی گئی مگر انسانی حقوق کے کارکنوں کے احتجاج کے بعد پہلے اس 19 سزا کو 72 گھنٹوں اور پھر 30

دنوں کے لیے موخر کیا گیا۔ اس دوران وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار نے بھی اس معاملے کا نوٹس لیا اور شفقت حسین کی عمر کے تعین کے لیے ایک کمیٹی قائم کی گئی، جس نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ سزا کے وقت اس کی عمر 23 برس تھی۔ تیسری مرتبہ اس کے ڈیتھ وارنٹ 24 اپریل کو جاری کیے گئے، مگر اس کے وکلا نے تحقیقاتی کمیٹی کی تحقیقات پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے سپریم کورٹ میں شفقت حسین کی عمر کی عدالتی تحقیقات کرانے کی درخواست دی جو مسترد کر دی گئی۔

گزشتہ روز شفقت حسین کی پھانسی کو چوتھی بار ملتوی کیا گیا ہے۔ سزائے موت کو عملدرآمد سے چند گھنٹے قبل روکے جانے نے تمام متعلقہ حلقوں بشمول ملزم کے اپنے وکیل تک کو حیرت زدہ کر دیا، جو سپریم کورٹ کے سامنے اس غیر یقینی کے ساتھ پیش ہوئے کہ ان کا موکل تاحال زندہ بھی ہے یا نہیں۔ ایوان صدر کے ذرائع تک بھی چوتھی بار شفقت حسین کی سزائے موت ملتوی کیے جانے کے حوالے سے مکمل طور پر لاعلم ہیں۔ ایوان صدر کے ایک اعلیٰ عہدیدار کے مطابق اس حوالے سے وزیراعظم آفس کی جانب سے کوئی سمری ارسال نہیں کی گئی اور نہ ہی صدر ممنون حسین نے اس طرح کے کسی حکم کی منظوری دی۔ آئین کے مطابق سزائے موت کے کسی بھی قیدی کی پھانسی کو ملتوی کرنے کا اختیار صرف صدر کے پاس ہے اور وہ عام طور پر اس طرح کے فیصلے وزارت داخلہ کی جانب سے بھجوائی گئی سمری اور

وزیراعظم کے مشورے سے کرتے ہیں۔ صدارتی ترجمان کا کہنا تھا کہ صدر نے پھانسی کو ملتوی کرنے کے حوالے سے کسی قسم کے احکامات جاری نہیں کیے، تاہم ان کا دعویٰ تھا کہ یہ احکامات سندھ کے وزیراعلیٰ قائم علی شاہ کی جانب سے پیر کو کراچی میں یورپی یونین کے پانچ رکنی وفد سے ملاقات کے بعد جاری ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے کہ یورپی یونین کا وفد سزا کو رکوانا چاہتا تھا۔ دوسری جانب سپریم کورٹ نے سزائے موت کے مجرم شفقت حسین کی عمر کے تعین کے لیے کی جانے والی جوڈیشل کمیشن کی اپیل مسترد کردی ہے۔ چیف جسٹس ناصرالملک نے اپنے ریمارکس میں کہا کہ شفقت حسین کا معاملہ عدالتوں سے بڑی حد تک کلیئر ہوچکا ہے اور شفقت حسین کی عمر کا تعین متعلقہ اتھارٹی ہی دوبارہ کرواسکتی ہیں، جبکہ ہم کسی ادارے کے کام میں مداخلت نہیں کرنا چاہتے۔ رحم کی اپیل منظور یا مسترد کرنا صدر کا صوابدیدی اختیار ہے اور عدالت صدر کے ان اختیارات پر بھی کچھ نہیں کرسکتی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ حکومت کو یورپی یونین اور اقوام متحدہ کے دباؤ میں آکر کوئی بھی پھانسی نہیں روکنی چاہیے، جب کوئی یورپی ملک ہمیں اپنے معاملات میں مداخلت کا اختیار نہیں دیتا تو ہمارے معاملات میں مداخلت کیوں کی جاتی ہے؟

ملک دشمن این جی اوز کے خلاف راست اقدام

ان دنوں پاکستان میں این جی اوز کا معاملہ زیر بحث ہے۔ حکومت پاکستان ملک کے مفادات کے خلاف کام کرنے والی این جی اوز کی بیخ کنی کا ارادہ کر چکی ہے۔ گزشتہ روز اسی ضمن میں ایک غیر سرکاری تنظیم "سیو دی چلڈرن" پر پابندی بھی لگائی جا چکی ہے، جبکہ دیگر کے لیے نئی پالیسی کا اعلان متوقع ہے۔

بہت سی این جی اوز جہاں ایک طرف فلاح و بہبود اور انسانی خدمات سرانجام دیتی ہیں، وہیں پس پردہ ان کے دیگر گھناؤنے محرکات بھی ہوتے ہیں اور ملک میں چیک اینڈ بیلنس اور این جی اوز پر حکومتی کنٹرول نہ ہونے کے باعث ان کے ذریعے بہت سے سیاسی، سماجی اور مذہبی مقاصد بھی باآسانی حاصل کر لیے جاتے ہیں۔ ملک میں این جی اوز کی سرگرمیوں پر باقاعدہ نظر رکھنے اور ان کو ملنے والی ملکی و غیر ملکی رقوم کا آڈٹ کرنے کا کوئی نظام وضع نہیں ہے، جس سے یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ این جی اوز کو غیر ملکی امدادی اداروں یا حکومتوں سے امدادی رقوم کہاں سے مل رہی ہیں؟ اور پس پردہ کیا محرکات ہیں؟ یہ این جی اوز اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھنے میں خود کو ہر طرح آزاد سمجھتی ہیں۔ میاں محمد شہباز شریف کی وزارت علیا کے پہلے دور میں گھناؤنی سرگرمیوں کی وجہ سے

بعض این جی اوز کو بلیک لسٹ کیا گیا تو حکومت کے اس اقدام کے بعد پاکستان میں این جی اوز کے ایک وفد نے پریس کانفرنس کرتے ہوئے ببانگ دہل کہا تھا "ہم حکومت پاکستان کی کسی بھی وزارت یا ادارے کو غیر ممالک سے ملنے والی ڈونیشنز کا حساب کتاب پیش نہیں کریں گے اور حکومت پاکستان یا ا±س کا کوئی ادارہ ہمارا آڈٹ کرنے کا مجاز نہیں۔ "یہ اختیار ہمیں ڈونیشنز دینے والی انٹرنیشنل ڈونر ایجنسیوں ہی کو حاصل ہے۔

حقائق یہ ہیں کہ ملک میں این جی اوز کو امداد فراہم کرنے والے ادارے ان سے اپنے مطلوبہ مقاصد کے لیے کام لیتے ہیں۔ این جی اوز کی خاصی تعداد ریسرچ بیس پروجیکٹس پر بھی کام کرتی ہے، جن کے نتائج امداد دینے والے اداروں کوفراہم کرتی ہیں، اگر کوئی بھی ادارہ، ملک یا حکومت پاکستان سے متعلق کوئی ڈیٹا یا کوئی اور معلومات یا اعداد و شمار حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کا سب سے موثر ذریعہ یہ این جی اوز ہو سکتی ہیں، جن کو وہ امداد دے کر بہت سے اہداف باآسانی حاصل کر سکتے ہیں۔ ملک میں بعض این جی اوز کے کردار سے یہ بات قطعی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ایک خاص ایجنڈے کے تحت کام کر رہی ہیں۔ ایسے نان ایشوز کو بڑے ایشوز کے طور پر ظاہر کرکے ساری دنیا میں واویلا مچادیتی ہیں جن سے پاکستانی معاشرہ اور مذہب بدنام ہو یا پھر کسی خاص سیاسی یا قانونی معاملے پر پروپیگنڈے کے ذریعے غلط تاثر دے کر اس کے حق میں رائے عامہ کو

ہموار کرکے دباؤ کے ذریعے اپنے مذموم مقاصد حاصل کر سکیں۔ لال مسجد آپریشن، مختاراں مائی کیس، برقعہ بردار خواتین پر تشدد کی جعلی ویڈیو، شمالی علاقہ جات میں خواتین کے اغوا اور قتل کا جھوٹ پر مبنی پروپیگنڈہ، تیزاب پھینکنے کے واقعات پر ڈاکومینٹری فلم اور اس پر آسکر ایوارڈ اور ملالہ یوسف زئی جیسے لاتعداد واقعات اس کی مثالیں ہیں۔

بتایا جاتا ہے کہ این جی اوز کی ابتدا دوسری جنگ عظیم کے بعد ہوئی، جب دنیا تباہ حال ہو چکی تھی۔ پاکستان میں این جی اوز کی ابتدا اس وقت ہوئی جب اپنے قیام کے بعد اسے لاکھوں مہاجرین کو سنبھالنا پڑا اور بہت سے خیراتی ادارے وجود میں آئے۔ جبکہ 1985 کے بعد سے پاکستان میں ہزاروں کی تعداد میں غیر ملکی فنڈز سے ایسی این جی اوز قائم کی گئیں جن کا ایجنڈا فنڈ اور عطیہ فراہم کرنے والے ممالک کے ایجنڈے کو محض آگے بڑھاتے ہوئے قومی سلامتی، اتحاد اور استحکام کی دیواروں میں رخنے پیدا کرنا تھا۔ ایسی این جی اوز بارے باخبر اور باشعور حلقے برسوں سے انتباہ کرتے چلے آرہے ہیں کہ پاکستان میں غیر ملکی این جی اوز کا وجود اور ان کی سرگرمیاں دین مخالف اور وطن دشمن عزائم و اہداف کی آئینہ دار ہیں۔

آج جب پاکستانی حکومت نے ملک کے مفادات کے پیش نظر این جی اوز پر کڑی نظر رکھتے ہوئے ان کے خلاف آپریشن کی ٹھانی ہے تو امریکا اور دیگر ممالک کو یہ

برداشت نہیں ہو پا رہا اور این جی اوز کے خلاف کارروائی پر امریکا کو تشویش لاحق ہو گئی ہے، حالانکہ امریکا کو یہ بات مد نظر رکھنی چاہیے کہ غیر ملکی این جی اوز پر نظر رکھنا اور ملک کے مفادات کے خلاف کام کرنے پر ان پر پابندی لگا دینا ساری دنیا کا اصول ہے۔

ابھی چار روز قبل ہی قانون کی خلاف ورزی کرنے پر بھارت نے 4770 این جی اوز کے لائسنس منسوخ کیے ہیں، جبکہ اس سے قبل اپریل میں بھی بھارتی حکام نے 8975 این جی اوز کے لائسنس اس لیے منسوخ کر دیے تھے۔ اس کے علاوہ گزشتہ ماہ روسی صدر ولادی میر پوتن نے غیر ملکی تنظیموں سے متعلق ایک بل پر دستخط کیے ہیں، جس کے بعد ملک کے اندر کام کرنے والی غیر ملکی تنظیموں اور اداروں پر پابندی لگائی جا سکے گی۔ اس قانون کے تحت غیر ملکی این جی او کے لیے کام کرنے والے افراد پر جرمانہ لگایا جا سکتا ہے یا انھیں چھ سال کی قید ہو سکتی ہے، جس پر نہ تو کسی نے تشویش کا اظہار کیا ہے اور نہ ہی ایسے قانون کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، جب دوسرے ممالک ایسے قوانین بنانے میں آزاد ہیں تو پاکستان کیوں آزاد نہیں ہے؟ پاکستان ایک خود مختار ملک ہے، جسے آزادی کے ساتھ اپنے ملک کے مفاد میں قوانین بنانے اور ان پر عمل کرنے کا مکمل اختیار ہونا چاہیے۔

این جی اوز کو قانون کے دائرے میں لانے کے لیے حکومت پر عزم؟

گزشتہ روز بین الاقوامی این جی او "سیو دی چلڈرن" کے پاکستان میں دوبارہ کام شروع کرنے کے لیے امریکی دباؤ بڑھا تو حکومت نے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ این جی او کے افسروں نے مختلف سیاستدانوں اور بیوروکریٹس سے رابطے کیے، جس کے بعد وزارت داخلہ نے نیا نوٹیفکیشن جاری کیا، جس میں سیو دی چلڈرن کی بندش کے حکم کو تاحکم ثانی موخر کر دیا گیا۔ نوٹیفکیشن کے مطابق اگلے حکم نامے تک امریکی این جی او پاکستان میں اپنے آپریشنز جاری رکھ سکتی ہے اور متعلقہ حکام کی اجازت سے سیو دی چلڈرن کے دفاتر دوبارہ کھولنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ اقتصادی امور ڈویژن کے ذرائع کے مطابق وزارت داخلہ نے سیو دی چلڈرن پر عاید پابندی اٹھانے کا فیصلہ امریکی اور مختلف ڈونرز کے شدید دباؤ کے بعد کیا۔ اقتصادی امور ڈویژن نے یہ بھی انکشاف کیا کہ پاکستان میں 127 غیر ملکی این جی اوز غیر قانونی طور پر کام کر رہی ہیں۔ واضح رہے گزشتہ ہفتے حکومت نے سیو دی چلڈرن نامی این جی او پر پابندی لگاتے ہوئے اسے اپنے دفاتر بند کرنے کا حکم دیا تھا۔ جس کے بعد امریکا اور دیگر ممالک نے سیو دی چلڈرن پر پابندی کے فیصلے مذمت کرتے ہوئے تشویش کا اظہار کیا تھا۔ جس پر وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان کا کہنا تھا ایک تنظیم پر پابندی لگنے سے کئی ممالک میں طوفان برپا ہے،

حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ بہت سی این جی اوز ملک کے مفاد کے خلاف کام کر رہی ہیں، لیکن اب انہیں مادر پدر آزادی نہیں ہو گی۔ گزشتہ کئی سال سے کئی این جی اوز بغیر کسی ضابطے کے یہاں کام کر رہی ہیں۔ غیر ملکی این جی اوز کو پاکستانی قوانین اور مفاد کی پاسداری کرنا ہو گی۔ قومی مفاد پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا۔

ملک کے متعدد مذہبی و سیاسی رہنماؤں نے بھی وزیر داخلہ کے بیان کی تائید کرتے ہوئے کہا تھا کہ دشمن کے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے کام کرنے والی این جی اوز کو پاکستان میں کام جاری رکھنے کا کوئی حق حاصل نہیں، کیونکہ این جی اوز کے بھیس میں مغربی طاقتیں پاکستان میں اپنی ثقافت پھیلا رہی ہیں اور اس نظریاتی ملک کو توڑنا چاہتی ہیں۔ ایسی این جی اوز پر فی الفور پابندی لگائی جائے اور پاکستان کے خلاف سازشیں کرنے والوں کے خلاف غداری کا مقدمہ چلایا جائے۔ واضح رہے کہ رواں سال مئی کے شروع میں ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث این جی اوز پر پابندی عاید کرنے کے لیے سپریم کورٹ میں درخواست دائر کی گئی تھی، جس میں موقف اختیار کیا گیا تھا کہ پاکستان میں کام کرنے والی رجسٹرڈ اور غیر رجسٹرڈ این جی اوز ملک کی تباہی میں ملوث ہیں اور دیگر ممالک سے فنڈز لے کر پاکستان دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔

درخواست میں استدعا کی گئی تھی کہ این جی اوز کی تفصیلات طلب کی جائیں اور ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث

این جی اوز کی رجسٹریشن منسوخ کی جائے۔ گزشتہ چند ماہ سے حکومت ملک دشمن این جی اوز کو کنٹرول کرنے کے لیے کوشاں ہے۔

ذرائع کے مطابق پاکستان میں 56 ہزار 219 رجسٹرڈ این جی اوز کام کر رہی ہیں، جن کے ارکان کی تعداد 60 لاکھ سے تجاوز کر گئی ہے۔ یہ تعداد پاک فوج سے 10 گنا، پولیس سے 20 گنا زیادہ ہے۔ اسی طرح ان تنظیموں کے باقاعدہ ملازمین کی تعداد 3 لاکھ اور رضاکار دو لاکھ ہیں۔ یہ دنیا بھر میں سب سے بڑی تعداد ہے۔ این جی اوز کے ظاہری فنڈز 12 ارب 40 کروڑ روپے ہیں، باطنی فنڈز کو حکومتی اداروں کے نوٹس میں نہیں آنے دیا جاتا۔ پاکستان میں سب سے زیادہ این جی اوز بلوچستان میں کام کرتی ہیں، جہاں ان کی تعداد 35 ہزار 367 ہے۔ 33 ہزار 168 این جی اوز پنجاب میں مصروف عمل ہیں۔ صرف لاہور شہر میں 6 ہزار پانچ سو این جی اوز ہیں۔ سندھ میں ہزار 891 اور خیبر پختونخوا میں تین ہزار 33 این جی اوز رجسٹرڈ ہیں۔ ان تنظیمو 16 ں کے تحت ملک میں 20 لاکھ 78 ہزار لوگ شہری حقوق کے لیے کام کرتے ہیں، جبکہ لاکھ 3 ہزار ماہرین کاروباری و پیشہ ورانہ ایسوسی ایشن کے لے کام کرتے ہیں۔ 16 سماجی خدمات میں 3 لاکھ ماہرین اپنی مہارت پیش کرتے ہیں۔ ان سب تنظیموں میں فیصد تنظیمیں شہروں تک محدود ہیں۔ بعض غیر سرکاری تنظیموں کو جاسوسی کے 78 مقاصد کے لیے استعمال کیے جانے کی رپورٹس بھی سامنے آئی ہیں۔ حکومت این جی اوز کے معاملے کو سنجیدگی سے لے

رہی ہے۔ ملکی قوانین پر پورا نہ اترنے والی این جی اوز کی سخت نگرانی شروع کر دی گئی ہے اور صوبائی حکومتوں سے این جی اوز کا تازہ ترین ڈیٹا مانگ لیا گیا ہے۔ نئے مجوزہ قانون کے تحت غیر ملکی ایجنڈے کے لیے کام کرنے والی این جی اوز پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے لائحہ عمل طے کر لیا گیا ہے۔ وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان اپنے بیان میں اس بات کا انکشاف کر چکے ہیں کہ بعض این جی اوز نے اپنی مشکوک سرگرمیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے بعض سابقہ ارکان پارلیمینٹ اور بااثر شخصیات کو اپنے بورڈز آف گورنر میں شامل کر رکھا ہے۔

دوسری جانب حکومت نے قومی سلامتی کے معاملات کو مد نظر رکھتے ہوئے این جی اوز بالخصوص غیر ملکی امداد حاصل کرنے والی غیر سرکاری تنظیموں کی رجسٹریشن کے موجودہ قانون کو تبدیل کرنے کے لیے کام شروع کر دیا۔ وزیر داخلہ خود اس سارے کام کی نگرانی کر رہے ہیں۔ قانون پر صوبوں سے بھی مشاورت متوقع ہے۔ این جی اوز کو اپنے مینڈیٹ اور ٹاسک سے حکومت پاکستان کو آگاہ کرنے کا پابند بنایا جا رہا ہے۔ حسابات کی مصدقہ جانچ پڑتال بھی ہوگی۔ ذرائع کے مطابق این جی اوز اور خیراتی اداروں کے لیے نیا قانون بنانے، آمدنی اور اخراجات کا آڈٹ کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ این جی اوز اور خیراتی اداروں کی رجسٹریشن کے لیے مرکزی سطح پر نیا میکنزم بنے گا اور تمام این جی اوز کا اسلام آباد میں ڈیٹا بیس تیار کیا جائے گا، جس سے متعلقہ این جی اوز کے کام

کرنے کے مقاصد اور حدود کا تعین ہو سکے گا۔ سرکاری ذرائع کے مطابق این جی اوز حکومت سے کیے گئے معاہدوں کی پاسداری نہیں کر رہی ہیں، حکومت نے تمام کی جانچ پڑتال کا حکم دیا ہے۔ ذرائع کے مطابق این جی اوز سے متعلق صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے وزیر داخلہ کے اجلاس میں وزارت خارجہ، وزارت اقتصادی امور اور حساس اداروں کے حکام کی موجودگی میں واچ لسٹ پر موجود این جی اوز کے مستقبل کے حوالے سے فیصلے کیے جائیں گے۔ ذرائع کے مطابق حکومت سیو دی چلڈرن کا معاملہ اقوام متحدہ کی اکنامک سوشل خصوصی کمیٹی میں لے جانے کا فیصلہ کر چکی ہے اور اس این جی او کی مینڈیٹ کے منافی سرگرمیوں سے خصوصی کمیٹی کو آگاہ کیا جائے گا۔ سیو دی چلڈرن کے بعد حکومت نے تحقیقات کا دائرہ وسیع کیا ہے اور کئی دیگر انٹرنیشنل این جی اوز کے معاملات کی جانچ پڑتال بھی شروع ہو گئی ہے۔ نئے قانون کے تحت تمام این جی اوز کو اپنی آمدنی اور اپنے سالانہ اخراجات کی مکمل تفصیلات ظاہر کرنا ہوں گی اور ان کا باقاعدہ آڈٹ کیا جائے گا۔ معاہدے کے مطابق این جی اوز مقررہ کردہ علاقوں کے علاوہ کسی دوسرے علاقے میں نہیں جا سکیں گی اور انہیں ملک کے سیکورٹی تقاضوں اور سماجی روایات کا مکمل احترام کرنا ہوگا۔

ملالہ سے روہنگیا تک

آیئے! ہم بات کا آغاز ملالہ یوسفزئی سے کرتے ہیں۔ 12 جنوری 1997ء کو پیدا ہونے والی ملالہ 9 اکتوبر 2012ء تک بی بی سی اردو پر گل مکئی کے نام سے بلاگ لکھنے والی ایک عام سی لڑکی تھی۔ 9 اکتوبر 2012ء کو ایک قاتلانہ حملے میں ملالہ بری طرح زخمی ہوئی اور حملے کی ذمے داری طالبان نے قبول کر لی۔

ملالہ پر یہ حملہ تقریباً دن 12:00 بجے ہوا اور سب سے پہلے اس کی بریکنگ نیوز 12:27 پر امریکی ٹی وی چینل CNN نے چلائی، مقامی ٹی وی چینلز پر یہ خبر اس کے بعد نشر ہوئی۔ 1:30 پر امریکی صحافی "Declan Walsh" نے امریکی اخبار دی نیو یارک ٹائمز کی ویب سائٹ پر اس نیوز کو چلایا۔ دیکھتے دیکھتے ملالہ پر حملے کی خبر عالمی میڈیا کے ذریعے پوری دنیا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔

حملے کے بعد ملالہ کو پہلے سوات سے پشاور کے فوجی اسپتال لے جایا گیا اور 11 اکتوبر کو پاکستانی اور برطانوی ڈاکٹروں کے مشورے سے راولپنڈی کے فوجی ادارہ برائے امراض قلب میں منتقل کیا گیا۔ اس دوران دنیا بھر سے ملالہ کے علاج کی پیشکشیں ہونے لگیں۔ 15 اکتوبر کو اسے علاج کے لیے برطانیہ، برمنگھم

کے کوئین الزبتھ اسپتال میں منتقل کر دیا گیا، جہاں اسی روز اقوام متحدہ کے خصوصی ایلچی برائے عالمی خواندگی اور سابقہ برطانوی وزیر اعظم گورڈن براؤن نے اسپتال میں آ کر ملالہ کی عیادت کی۔

دنیا بھر کے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر ملالہ کے لیے خصوصی صفحات اور پروگرام مختص کیے گئے۔ ملک کی اہم سیاسی، مذہبی اور سماجی شخصیات کے علاوہ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل بان کی مون، امریکی صدر براک اوبامہ، سیکریٹری آف اسٹیٹ ہیلری کلنٹن، برطانوی سیکریٹری خارجہ ولیم ہیگ سمیت دنیا کی کئی معروف شخصیات نے اس حملے کی شدید مذمت کی۔ امریکی گلوکارہ میڈونا نے ملالہ کے نام اپنا ایک گانا منسوب کیا اور انجیلا جولی نے اس بارے میں ایک مضمون لکھا اور ملالہ فنڈ کے لیے 2 لاکھ ڈالر دیے۔ سابقہ امریکی خاتون اول لارا بش نے ملالہ کو مرگِ انبوہ کی ڈائری لکھنے والی "این فرینک" سے تشبیہ دی۔

انڈین ہدایتکار امجد خان نے ملالہ کی زندگی پر مبنی فلم بنانے کا اعلان کیا۔ ملالہ کے حق میں قومی و بین الاقوامی میڈیا اور عالمی برادری کی آواز اس قدر بلند تھی کہ ڈوچے ویلے کے مطابق جنوری 2013ء میں ملالہ دنیا کی مشہور ترین کم عمر بچی بن گئی۔ 29 اپریل 2013ء کو ملالہ کو امریکی اخبار ٹائم میگزین کے صفحہ اول پر جگہ ملی اور اسے دنیا کے 100 بااثر ترین افراد

میں سے ایک گردانا گیا۔

اقوام متحدہ کے عالمی تعلیم کے نمایندے گورڈن براؤن نے اقوامِ متحدہ کی ایک پٹیشن بنام "میں ملالہ ہوں" جاری کی۔ 12 جولائی 2013ء کو ملالہ نے اقوامِ متحدہ کے صدر دفتر میں خطاب کیا اور ملکہ برطانیہ سے برمنگھم پیلس میں ملاقات بھی کی۔ ستمبر 2013ء میں ملالہ نے برمنگھم کی لائبریری کا باضابطہ افتتاح کیا اور 2013ء کا سخاروو" انعام بھی لیا۔ فروری 2014ء کو سویڈن میں ملالہ کو "ورلڈ چلڈرن پرائز"" کے لیے نامزد کیا گیا اور 15 مئی 2014ء کو اسے یونیورسٹی آف کنگز کالج ہیلی فیکس کی جانب سے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی گئی۔ 10 اکتوبر 2014ء کو ملالہ کو 2014ء کا نوبل امن انعام دیا گیا اور اقوام متحدہ نے ملالہ پر حملے کے واقعے کو "ملالہ ڈے" قرار دیا۔

چلیے ! اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھتے ہیں۔ میانمار میں ایک طویل عرصے سے روہنگیا مسلمان مذہبی بنیاد پر زیر عتاب ہیں۔ میانمار میں مسلمانوں کے خلاف 1962ء میں شروع ہونے والا آپریشن وقفے وقفے سے 1982ء تک جاری رہا، جس میں کم و بیش 1 لاکھ مسلمان شہید ہوئے اور لگ بھگ 20 لاکھ ہجرت کر گئے۔ 1982ء میں فوجی حکومت نے 8 لاکھ روہنگیا مسلمانوں کو برما کا شہری ماننے سے انکار کر دیا اور ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جانے لگے۔

مارچ 1997ء کو بے لگام بودھوں نے راکھین صوبے میں مسلمانوں کے گھروں، 16 مسجدوں اور مذہبی کتابوں کو نذرِ آتش کر دیا۔ 15 مئی سے 12 جولائی 2001ء تک بودھوؤں نے 11 مساجد شہید، 400 سے زاید گھروں کو نذرِ آتش اور کم و بیش 200 مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ 3 جون 2012ء کو بودھ بھکشوؤں نے عمرہ کی ادائیگی کرکے واپس آنے والے 10 مسلمان علماء کو بس سے باہر نکال کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ 2012ء میں عید الاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانی پر پابندی لگا دی گئی اور عید کے روز 50 مسلمان قتل کر دیے گئے۔ روہنگیا مسلمانوں پر اس قدر مظالم ہوئے ہیں کہ اقوام متحدہ روہنگیا مسلمانوں کو دنیا کی مظلوم ترین اقلیت قرار دے چکی ہے۔

لاکھوں روہنگیا مسلمان بے انتہا مصائب و آلام کے سائے میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ 1993ء سے 2013ء تک کی 12 سرکاری دستاویزات کے مطابق حکومتی پالیسی کے نتیجے میں مسلمانوں کی نقل و حرکت، شادی بیاہ، بچوں کی پیدائش، گھر کی مرمت اور عبادت گاہوں کی تعمیر پر شدید پابندیاں عاید ہیں۔ گزشتہ دو سالوں میں ہزاروں مسلمان مرد، عورتوں اور بچوں کو انتہائی بے دردی کے ساتھ قتل کیا جاچکا ہے اور ڈیڑھ لاکھ بے گھر اور ہزاروں نوجوان لاپتہ۔ اپنے ہی وطن میں بے وطن، زمینیں ہتھیالی گئیں۔

تعلیم، کاروبار، سرکاری ملازمتیں اور دیگر بنیادی ضروریات سے محروم۔ مساجد شہید، سیکڑوں دیہات صفحہ ہستی سے مٹا دیے گئے۔ ان حالات میں بیکسوں نے "درندوں" کے علاقوں سے نکل جانے میں ہی جان کی امان جانی، لیکن انسانی اسمگلروں کے ہتھے چڑھ گئے، جنھیں صرف پیسے سے غرض تھی۔ واجبات پورے نہ ملے تو انسانی اسمگلر مسافروں سے بھرے کئی جہاز سمندر میں بغیر ایندھن، خوراک اور صاف پانی کے چھوڑ کر نکل گئے۔ اب روہنگیا سمندر میں بے یارومددگار، پناہ کے خواہاں۔ سمندر کی بے رحم موجوں کے رحم و کرم پر، بھوک پیاس سے بے حال۔ ترکی اور پاکستان سمیت چند ممالک نے دنیا کی مظلوم ترین اقلیت کے ساتھ تعاون کی حامی بھری اور عالمی برادری خاموش تماشائی۔ انسانی حقوق کی جدوجہد پر انعام یافتہ میانمار کی رہنما آنگ سان سوچی نے بھی لب کشائی نہ کی۔

میں ملالہ یوسفزئی کی صلاحیتوں کا معترف ہوں اور عالمی برادری کی جانب سے اسے ملنے والے بے بہا انعامات سے مجھے کوئی ملال بھی نہیں، لیکن ملالہ اور روہنگیا مسلمانوں کے معاملے میں انتہائی تفاوت سمجھ سے بالاتر ہے۔ ایک طرف صرف ایک 15 سالہ بچی پر ظلم ہوا تو دنیا بھر کا میڈیا چیخ اٹھا۔ اقوام متحدہ، امریکا، برطانیہ سمیت عالم تمام کی اہم شخصیات نے ملالہ پر ہونے والے حملے کی مذمت کی، بلکہ حملہ آوروں کی بیخ کنی کے لیے حکومت پر بھرپور

دباؤ بھی ڈالا گیا۔ دوسری جانب روہنگیا مسلمان ایک عرصے سے بودھ دہشتگردوں کے ستم کا شکار ہیں۔ ان سے ضروریات زندگی کے ساتھ زندہ رہنے کا حق بھی چھین لیا گیا ہے۔ کوئی انھیں پناہ دینے کو تیار نہیں ہے۔ روہنگیا مسلمان لاوارث بچے کی طرح دربدر ہیں۔ ایسے میں بین الاقوامی میڈیا کے لب سل گئے، کان بہرے اور بینائی زائل۔ عالمی برادری بھی خاموش۔ کوئی نوٹس لیا، نہ عملی اقدام۔ گنگ زبانیں اور بے فکر اذہان۔ یہ عالمی برادری کی ناانصافی نہیں ہے؟

رمضان کا احترام !

سیکھنا چاہیں تو ہم کافروں سے بھی بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں اور اگر نہ سیکھنا چاہیں تو خدا کا حکم بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ عیسائی مذہب میں کرسمس کا دن مسلمانوں کی عید کی طرح اہمیت کا حامل ہے۔ یہ دن ہر سال 25 دسمبر کو منایا جاتا ہے۔اس دن عیسائی برادری پوری دنیا میں اسی طرح خوش و خرم دکھائی دیتی ہے، جس طرح مسلمان عید کے دن خوش ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اس مذہبی دن کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں۔ احترام کی وجہ سے عیسائی مذہب کے پیروکار ممالک امریکا و یورپ میں کرسمس سے دو ہفتے پہلے بچت سیل لگ جاتی ہے اور شہریوں کی مذہبی خوشیوں کے راستے میں آنے والی ہر معاشی دیوار توڑ دی جاتی ہے۔ سرکار مذہبی تہوار منانے کے لیے شہریوں سے بھرپور تعاون کرتی ہے۔ ہر طرح کی ضروریاتِ زندگی 50 فیصد تک سستی کر دی جاتی ہیں۔ ان کا نکتہ نظر یہ ہوتا ہے کہ غریب اور پسماندہ طبقات کو بھی ان تہواروں کی خوشیوں میں شریک کیا جانا چاہیے۔ ان دنوں میں بڑے بڑے اسٹور عوام کے لیے دن رات کھلے رہتے ہیں۔ ہر شے ارزاں نرخوں پر دستیاب کر دی جاتی ہے۔ غریب عوام اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے سارا سال کے مقابلے میں زیادہ خریداری کرتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر امیر لوگ غریبوں کو خوشیوں میں شامل کرنے کے لیے اپنا فالتو قیمتی سامان مفت بانٹتے پھرتے ہیں۔

منافع خوری کے ہتھکنڈے نہیں آزمائے جاتے۔ اشیائے خوردونوش مارکیٹوں سے غائب نہیں کی جاتیں، بلکہ نایاب اشیا بھی دکانوں پر مناسب نرخوں میں دستیاب کر دی جاتی ہیں۔ یوں امیر اور غریب اپنا یہ مذہبی تہوار بہت خوشی خوشی منا لیتے ہیں۔ ہندومت اور بدھ مت مذہب والے ملکوں میں بھی اسی قسم کی مثالیں دکھائی دیتی ہیں۔ دیوالی پر تیل کے نرخ حکومتی سرپرستی میں گھٹا دیے جاتے ہیں۔ ہولی پر رنگوں کے دام کم کر دیے جاتے ہیں۔ یہودی ملک اسرائیل میں بھی تہواروں پر عوام کو سستے داموں اشیا فراہم کر کے لطف اندوز ہونے کا موقع دیا جاتا ہے۔ مذہب سے ماورا کیمونسٹ ملکوں میں بھی عوام کو ان کی خوشیوں والے تہوار منانے کے لیے حکومتی چھتری مہیا کر دی جاتی ہے۔

یہ کافر ممالک کی مثالیں ہیں، جہاں اپنے مذہبی تہواروں کا بھرپور احترام کیا جاتا ہے۔ ان ممالک میں اس کے ساتھ کسی دوسرے مذہب کے پیروکاروں کو بھی ان کے کسی مذہبی تہوار پر بھرپور سہولیات فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ گزشتہ روز میں نے ایک ویڈیو کلپ دیکھا۔ تین منٹ کا یہ ویڈیو کلپ ایک پاکستانی نے لندن سے پندرہ شعبان کو وٹس اپ پر لوڈ کیا تھا۔ ویڈیو میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے کہ لندن کی سڑکوں پر استقبال رمضان کے لیے بڑے بڑے پینا فلیکس آویزاں ہیں۔ اس کے بعد ویڈیو میں لندن کے ایک بڑے سپر سٹور کا منظر دکھایا گیا ہے، جہاں جگہ جگہ مختلف کمپنیوں کی جانب سے رمضان المبارک

کی آمد پر استقبالیہ بورڈز لگائے گئے ہیں اور اس کے ساتھ سپر سٹور کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے استعمال کی اشیا کے لیے مختص کیا گیا ہے، جہاں رمضان المبارک کی آمد سے پندرہ دن پہلے ہی ہر چیز کی قیمت میں تیس سے لے کر پچاس فیصد تک کمی کر دی گئی ہے، ویڈیو میں اصل اور کم کی گئی قیمت دیکھی جا سکتی ہے۔ ویڈیو کے آخر میں ویڈیو بنانے والا پاکستانی کہتا ہے کہ ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ کافر لوگ ہماری روایات کا احترام کرتے ہیں، لیکن ہم لوگ خود اپنی روایات کا احترام نہیں کرتے۔

اب ہم تصویر کا دوسرا رخ دیکھتے ہیں۔ رمضان المبارک مسلمانوں کے لیے رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہے۔ ماہ رمضان خدا تعالیٰ کی طرف سے اہم ترین تحفہ ہے۔ یہ ماہ میں عوام کے لیے بے شمار رحمتیں لے کر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ماہ بابرکت میں مسلمانوں کو خوب برکات سمیٹنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس ماہ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ ایک دوسرے کے لیے سہولیات پیدا کرنی چاہیے۔ ضرورت مندوں کی زیادہ سے زیادہ مدد کرنی چاہیے، لیکن ہماری بدبختی کا یہ عالم ہے کہ ہم لوگ رمضان المبارک کی آمد سے پہلے ہی خدا تعالیٰ کے ہر قانون کو پس پشت ڈالتے ہوئے تجارت کے نام پر لوگوں کو لوٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ مہنگائی کا جن بوتل سے باہر آ جاتا ہے۔ بے رحم سرمایہ دار عوام کی رگوں سے خون نچوڑنے کے لیے آزاد ہو جاتے ہیں۔ وہ خدا خوفی ترک کر کے سفاکیت

کی زندہ مثال بن کر سامنے آ جاتے ہیں۔ اس مہینے کی آمد سے پہلے ہی اشیائے خوردونوش اسٹور ہونے لگتی ہیں۔ حکومت منافع خوروں کو کھلی چھوٹ دے دیتی ہے۔ ان پر کوئی کنٹرول باقی نہیں رہتا۔ ذخیرہ اندوز رمضان سے قبل ہی اپنے گوداموں کو بھر لیتے ہیں۔ مارکیٹ میں اشیا کی قلت پیدا ہو جاتی ہے۔ رمضان آتے ہی یہ من چاہے ریٹوں پر سامان بیچنے لگتے ہیں۔ یوں ملک بھر میں سحر اور افطار کے لیے درکار خوراک کئی گنا مہنگی ہو جاتی ہے۔ غریب عوام کی چمڑی ادھیڑی جاتی ہے۔ ان کے روحانی انہماک کو چور چور کر دیا جاتا ہے۔ وہ ہر سحر اور افطار اپنے سامنے پڑی خوراک کی گرانی پر کڑھتے ہیں۔ یوں عبادات کا مہینہ عوام کے لیے اذیت رسانی کا بڑا سبب بن جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نیکیاں سمیٹنے کا نہیں، بلکہ دولت سمیٹنے کا مہینہ ہے۔

ہر سال کی طرح اس برس بھی رمضان کی آمد سے پہلے ہی روش ربا گرانی نے عوام کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ اشیائے خوردونوش کی قیمتیں بلند پروازی دکھانا شروع ہو گئیں۔ ضروریاتِ زندگی غریب لوگوں کی پہنچ سے بہت دور نکل گئی ہیں۔ کھجور، پھل، سبزی، چنے، دالیں، چینی، چھوٹا اور بڑا گوشت، چائے کی پتی، دودھ، انڈے، مشروبات، چاول، گھی بیسن، آٹا اور ہر قسم کی ضروریات زندگی مہنگے داموں فروخت کرنا شروع کر دی گئی ہیں۔ جبکہ ذخیرہ اندوزوں نے رمضان المبارک کے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اشیا کی قیمتوں کو بھی مزید آگے بڑھانے کا

منصوبہ تیار کیا ہوا ہے۔ ان حالات میں حکومت کا کہیں وجود نظر نہیں آتا۔ ہمارے لیڈروں کو پر تکلف کھانوں، پروٹوکول، غیر ملکی دوروں سے فرصت ہی نہیں ملتی اور یوں ناجائز منافع خور اور ذخیرہ اندوز موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عوام کی جیبوں پر دل کھول کر ڈاکا ڈالتے ہیں۔ حکومت نہ تو ذخیرہ اندوزوں اور ناجائز منافع خوروں کے خلاف کارروائی کرتی ہے اور نہ ہی عوام کے لیے اتنی سہولیات مہیا کرتی ہے کہ شہری کم از کم اس ماہ بابرکت کو آسانی سے گزار سکیں۔ جبکہ حکومت بڑے فخر سے یہ اعلان کر کے کہ " رمضان میں یوٹیلٹی اسٹوروں کو ڈیڑھ ارب روپے سبسڈی دی جائے گی" سمجھتی ہے کہ اس نے حاتم طائی کی قبر پر لات رسید کر دی ہے۔ حالانکہ اٹھارہ بیس کروڑ عوام کے لیے صرف ڈیڑھ ارب روپے کی سبسڈی دینا ایک بھونڈے مذاق سے کم نہیں ہے۔ رمضان المبارک میں دوسروں کے لیے سہولیات فراہم کرنا حکومت سے لے کر ایک دکاندار تک ہر فرد کی ذمے داری ہے، لیکن یہاں ہر فرد ہی اپنی جیب بھرنے میں مگن ہے۔ ان حالات میں جب میں کافر اور مسلمان ملکوں کا تقابل کرتا ہوں تو شرمندگی کے احساس کے ساتھ میرے سامنے مسلمان قوم کی پستی اور کافر قوم کی ترقی کا راز بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ آج مسلمان خود اپنے اصولوں کو چھوڑ کر ذلیل و رسوا ہیں، جبکہ کافروں نے انہیں قوانین پر عمل کیا تو وہ آج ترقی کی منازل طے کر رہے ہیں اور ہم انہیں صرف گالیاں دے کر ہی خوش ہو جاتے ہیں:

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

رمضان المبارک کا آغاز.... مہنگائی اور لوڈشیڈنگ میں اضافہ

ہمارے سروں پر نہایت عظیم الشان مہینہ سایہ فگن ہے۔ اس ماہ کی ہر گھڑی خیر وبرکت سے بھرپور ہوتی ہے۔ جو شخص بھی اس بابرکت ماہ کی خیر سے محروم رہا، وہ واقعی محروم رہا۔ اس ماہ میں ایک دوسرے کے لیے زیادہ سے زیادہ آسانی پیدا کرنی چاہیے، لیکن بدقسمتی سے یہاں ہر کوئی دوسروں کو آسانی فراہم کرنے کی بجائے مشکلات میں مبتلا کر رہا ہے۔ ایک طرف حکومت تمام تر دعوؤں کے باوجود لوڈشیڈنگ پر قابو پانے میں بری طرح ناکام دکھائی دے رہی ہے اور پہلی سحری میں ہی عوام لوڈشیڈنگ کی وجہ سے سخت گرمی اور تاریکی میں روزہ رکھنے پر مجبور ہوئے ہیں، جبکہ دوسری جانب تاجروں نے اشیاضروریہ کی قیمتوں میں اضافہ کردیا ہے، جس کی وجہ سے غربت کی چکی میں پستے بے بس عوام کے لیے ماہ رمضان آسانی سے گزارنا دوبھر ہوگیا ہے۔ اس کے ساتھ ذخیرہ اندوز رمضان کے آگے بڑھنے کے ساتھ مزید مہنگائی کرنے کا منصوبہ بھی ترتیب دے چکے ہیں۔ اس سارے منظرنامے میں حکومت کہیں دکھائی نہیں دیتی ہے۔ نہ تو حکومت لوڈشیڈنگ پر قابو پاسکی ہے اور نہ ہی مہنگائی اور ذخیرہ اندوزوں پر کنٹرول کرسکی ہے۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے حکومت صرف اعلانات کرکے عوام کو بہلانا چاہتی ہے۔ واضح رہے کہ رمضان المبارک کے دوران سحر وافطار کے اوقات میں وزیراعظم کی جانب سے لوڈشیڈنگ نہ کرنے کی ہدایت کی گئی

تھی، لیکن اس کے باوجود پہلی سحری میں ملک کے مختلف حصوں میں بجلی غائب رہی، جس کے باعث شہریوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کراچی کے علاقے گلستان جوہر، گلشن اقبال، ابوالحسن اصفہانی روڈ، فیڈرل بی ایریا، ملیر، شاہ فیصل کالونی سمیت مختلف علاقے بجلی نہ ہونے کے باعث اندھیرے میں ڈوبے رہے، جہاں شہریوں نے شدید مشکلات میں رمضان المبارک کی پہلی سحری کی۔ اسی طرح پنجاب کے مختلف شہروں میں بھی یہی حال رہا۔ گوجرانوالہ، قصور، ساہیوال، شیخوپورہ میں بھی حکومت اپنا وعدہ پورا نہ کر سکی۔ پشاور، صوابی، چارسدہ، زیارت سمیت مختلف شہروں میں بھی لوڈشیڈنگ کی گئی۔ جبکہ وزیراعظم نواز شریف نے وزارت پانی و بجلی کو ہدایت کی تھی کہ سحری سے ایک گھنٹہ پہلے اور 30 منٹ بعد تک، جب کہ افطار کے لیے شام ساڑھے بجے سے رات 10 بجے تک لوڈشیڈنگ نہ کی جائے، لیکن اس کے باوجود طویل 6 لوڈشیڈنگ کی گئی ہے، جس پر تمام شہروں میں عوام نے شدید غم و غصے کا اظہار کیا ہے، بلکہ صوابی میں عوام نے کئی دفاتر اور گاڑیوں کو آگ لگادی ہے۔ جبکہ وزیر اعظم کے احکامات کو نظر انداز کرتے ہوئے وزارت پانی و بجلی نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ سحری و افطاری میں بھی لوڈشیڈنگ ہو سکتی ہے۔

دوسری جانب رمضان المبارک کا آغاز ہوا ہی ہے کہ ملک بھر میں اشیائے صرف کی قیمتوں میں ہوشربا اضافہ کردیا گیا ہے۔ رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ہی

مہنگائی کا جن بوتل سے باہر آگیا ہے، سبزیوں اور پھلوں کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافہ ہوگیا ہے۔ کھجور کی قیمت آسمان سے باتیں کر رہی ہے،ماہ رمضان میں کھجور سے روزہ افطار کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ سنت کے پیش نظر رمضان المبارک میں کھجور کے نرخ کم کردیے جاتے، لیکن کھجور کی قیمت میں کئی گنا اضافہ کردیا گیا ہے۔ دالیں، چینی، مرغی، چھوٹا اوربڑا گوشت، چائے کی پتی، دودھ، انڈے، مشروبات، چاول، گھی، بیسن، آٹا، سبزی، فروٹ اور ہر قسم کی ضروریات زندگی مہنگے داموں فروخت کرنا شروع کردی گئی ہےں۔ بیسن کی مانگ میں اضافے کے پیش نظراس کی قیمت 90 سے 93 روپے فی کلو سے بڑھ 120 روپے فی کلوتک جا پہنچی ہے۔ ایک مہینہ قبل چنے کی دال 85 روپے فی کلوکے حساب سے دستیاب تھی، جبکہ اب مختلف علاقوں میں چنے کی دال کے نرخ 100 روپے سے 110 روپے فی کلو کے درمیان ہیں۔ چینی کی قیمت اس وقت 62 روپے سے66 روپے فی کلوکے درمیان ہے، جبکہ گزشتہ ماہ اس کی قیمت 60 روپے فی کلو تھی۔ سفید اور سیاہ کابلی چنے کی قیمت بالترتیب 100 روپے سے 120 روپے فی کلو ہے، گزشتہ مہینے یہ اشیا100 روپے فی کلو سے کم خوردہ قیمت میں دستیاب تھیں۔ رمضان میں وسیع پیمانے پر استعمال کیے جانے والے شربت اور جوسز بلیک میں فروخت ہورہے ہیں۔ رمضان کی آمدکے ساتھ دالوں کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہوگیا ہے، دکاندار تمام دالیں حکومت کے مقرر کردی نرخ سے 30 سے 40 روپے زیادہ قیمت پر فروخت کر رہے ہیں، جبکہ چاولوں کی

قیمتوں میں بھی رمضان کی آمد کے بعد اضافہ ہوگیا ہے۔

ذخیرہ اندوزوں نے رمضان المبارک کے آگے بڑھنے کے ساتھ مزید مہنگائی کرنے کا منصوبہ بھی تیار کرلیا ہے۔ مصنوعی قلت پیدا کرکے خفیہ گوداموں میں اشیائے ضروریہ کئی دن پہلے ہی سے اسٹاک کرنا شروع کردی گئی تھیں، چھوٹی بڑی مارکیٹوں اور نام نہاد ہفتہ بازاروں میں ضروریات زندگی کی تمام چیزوں کو بھی ذخیرہ کیا جاتا رہا، تاکہ اشیاء ضروریہ کی قلت پیدا کرکے اسے مہنگے داموں فروخت کیا جاسکے۔ اس صورتحال سے اشیاء خورونوش کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں، جو کہ ابھی مزید بڑھنے کا احتمال ہے۔ آڑھتیوں نے سبزیوں، پھلوں سمیت متعدد اشیا کو ذخیرہ کرکے گوداموں میں رکھا ہوا ہے۔

قیمتوں میں از خود اضافہ کے لیے کئی اہم سبزیوں کو منڈی سے غائب کیا جاچکا ہے۔ مہنگائی بڑھانے کے لیے آڑھتیوں کی جانب سے کسانوں کو متعدد سبزیوں کی خریداری کے لیے ایڈوانس میں رقم ادا کردی گئی تھی، تاکہ صرف 30 فیصد مال سبزی منڈی پہنچے، جبکہ باقی 70 فیصد مال کو گوداموں میں ذخیرہ کرلیا جائے۔

عوام نے رمضان المبارک کے ساتھ ہی تمام اشیاء ضرورت میں مہنگائی کی سخت الفاظ میں مذمت کرنے کے ساتھ حکومت کو قصوروار گردانا ہے۔ شہریوں کا کہنا ہے کہ رمضان المبارک مسلمانوں کے لیے انتہائی قابل احترام مہینہ ہے، جس کا

جتنا بھی ادب و احترام کیا جائے کم ہے، لیکن بد قسمتی سے ہمارے ہاں ہر سال اس بابرکت مہینے میں ہر چیز مہنگی کر دی جاتی ہے، حالانکہ دوسرے کئی مذاہب کے لوگ اپنے مقدس تہواروں کے مواقع پر نہ صرف اشیا کی قیمتوں میں کمی کر دیتے ہیں، بلکہ بعض دفعہ اشیا مفت بھی تقسیم کی جاتی ہیں، لیکن ہمارے یہاں لوگ اس مہینے کو صرف مال بنانے کا مہینہ سمجھتے ہیں۔ حکومت کو رمضان المبارک میں بڑھتی مہنگائی کو کنٹرول کرنے کے لیے سخت نوٹس لینا چاہیے۔ رمضان المبارک میں کسی کو بھی اپنی مرضی سے اشیا مہنگی کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے، حکومت کو چاہیے جو بھی خود بخود اشیا مہنگی کرے، اس کو کڑی سزا دی جائے۔ یہاں چیزیں فروخت کرنے والا کوئی بھی شخص اپنی مرضی کے مطابق اشیا مہنگی کرکے لوگوں کے لیے مشکلات پیدا کرتا ہے، مہنگائی پہلے ہی اس قدر زیادہ ہے کہ لوگوں کے لیے دو وقت کا کھانا حاصل کرنا مشکل ہے، حکومت ہر سال رمضان المبارک میں مہنگائی کو کنٹرول کرنے کے صرف دعوے کرتی ہے، عملاً کچھ بھی نہیں کر پاتی۔ علمائے کرام کا کہنا ہے کہ رمضان المبارک اللہ تعالی کی رحمتوں کا موسم بہار ہے، اس ماہ میں مہنگائی انتہائی افسوسناک عمل ہے۔ یہ مہینہ تمام انسانوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کا مہینہ ہے، لیکن یہاں اس بابرکت مہینے کو بھی لوٹ مار میں گزارا جاتا ہے۔ رمضان المبارک میں خود ساختہ مہنگائی کو کنٹرول کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، لیکن حکومت عوام کو بابرکت گھڑیوں میں بھی ریلیف دینے میں ناکام ہے۔

غزوہ بدر: معرکہ حق و باطل

حق و باطل کا تصادم روز اول سے ہی نوشتہ دیوار ہے۔ اس تصادم میں کامیابی و فتح ہمیشہ حق کا ہی مقدر بنتی ہے۔ تعداد چاہے کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو پھر بھی حق کا باطل کے سامنے جھک جانا ناممکنات میں سے ہے، کیونکہ حق کسی بھی مرحلے پر باطل سے سمجھوتے کا روادار نہیں ہے۔ بالفرض اگر مسلمان اپنے مقصد عظیم کو بھلا کر ظالم استحصالی طاقتوں کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ بیدار کرکے عافیت کی درمیانی راہ اختیار کر لیتے تو کیا معرکہ بدر برپا ہوتا؟ ہر گز نہیں۔ نہ ہی کبھی بے سروساماں لیکن جذبہ شہادت سے سرشار مسلمانوں کو میدان کارزار میں اترنے کا موقع ملتا۔ لیکن یہ تمام امکانات کافور ہو گئے جب امام المجاہدین، ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیل تعداد اور بے سروسامانی کے عالم میں کفر سے ٹکرا جانے کا پختہ عزم کرلیا۔ غزوہ بدر تاریخ اسلام کا فیصلہ کن مرحلہ، حق اور باطل کی کھلی جنگ، جنگوں کے ایک طویل سلسلے کی تمہید، اسلامی تشخص کی پہلی عسکری توجیہہ، اپنے نصب العین کی سچائی پر غیر متزلزل یقین کی علامت ہے۔ جسے دیگر غزوات پر کئی اعتبار سے فوقیت حاصل ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ بدر کو ایک فیصلہ کن معرکہ قرار دیا اور قرآن مجید نے اسے یوم الفرقان سے تعبیر کرکے اس کی اہمیت پر مہر تصدیق ثبت

کر دی۔ فرمایا "جو ہم نے اپنے (بر گزیدہ) بندے پر (حق و باطل کے درمیان) فیصلے کے دن نازل فرمائی، وہ دن (جب بدر میں مومنوں اور کافروں کے) دونوں لشکر باہم متصادم ہوئے تھے۔،، (الانفال 8:41) بلاشبہ یوم بدر احقاق حق اور ابطال باطل کا دن تھا، جس دن حق کو واضح اور دوٹوک فتح حاصل ہوئی اور کفر کے مقدر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ذلت آمیز شکست لکھ دی گئی۔ مشرکین کا تکبر و غرور خاک میں مل گیا، کبر و نخوت کی دستار پاؤں تلے کچلی گئی۔ حق کی راہ میں مزاحم ہونے والی دیوار اپنے ہی قدموں پر بوس ہو گئی۔

اسباب جنگ

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ حق و باطل کا تصادم اسی روز ناگزیر ہو گیا تھا جس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفر و شرک کی آگ میں جلتے ہوئے سماج میں اعلائے کلمۃ الحق کا پرچم بلند کیا تھا۔ جس روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتوں کی پرستش کو ترک کرکے خدائے وحدہ لاشریک کی بارگاہ میں سربسجود ہونے کی دعوت دی تھی۔ فاران کی چوٹیوں پر آفتاب ہدایت کے طلوع ہونے کے ساتھ ہی اندھیروں نے اپنی بقا کی جنگ کے لیے صف بندی کا آغاز کر دیا تھا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف سازشوں اور شر انگیزیوں کا سلسلہ درحقیقت غزوہ بدر کا دیباچہ تھا۔

کفار کی اسلام سے عداوت

کفار کی اسلام دشمنی کا آغاز تو اسی دن ہو گیا تھا جس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی بار کفار کو حق کی دعوت دی تھی۔ ان کے عقائد باطلہ کو بے نقاب کرکے توحید کا نعرہ بلند کیا اور بت پرستی کے خلاف دعوتی جدوجہد کا آغاز کیا تو پورا عالم عرب اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ مکروہ سازشوں کا ایک جال بنایا گیا۔ وہ کون سا حربہ تھا جو مسلمانوں کے خلاف نہ آزمایا گیا۔ فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا کر مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ تیرہ سالہ مکی دور اس امر پر گواہ ہے کہ کفار اسلام دشمنی میں اندھے ہو چکے تھے۔ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے منصوبے بننے لگے۔

تجارتی قافلے اور جنگی تیاریاں

اہل مکہ کا سب سے بڑا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ بڑے بڑے تجارتی قافلے گرد وپیش کی منڈیوں میں رواں دواں رہتے۔ مدینہ میں مسلمانوں کو مرکزی حیثیت ہو جانے کا انہیں بڑا قلق تھا۔ چنانچہ مشرکین مکہ کے سردار عوام الناس کو خصوصاً نوجوانوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔ کفار مکہ اسلام دشمنی میں بوکھلائے ہوئے تھے۔ کفار نے تجارت کے نفع میں سے ایک مخصوص حصہ لازمی طور پر جنگی تیاریوں کے لیے مختص کرنا شروع کر دیا تھا۔

گشتی دستوں کی نقل و حرکت

کفار کی جنگی تیاریوں کے پیش نظر مسلمانان مدینہ بھی چوکنے تھے اور مدینہ منورہ پر کفار کے متوقع حملہ کا جواب دینے کے لیے دفاعی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اپنے دفاع سے غفلت بہت ہی ناخوشگوار صورتحال پیدا کر سکتی تھی۔ سپہ سالار مدینہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دفاعی حکمت عملی اپنائی، ماہرین جنگ اس پر انگشت بدنداں ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نئے زاویہ نگاہ سے دفاع مدینہ کے جملہ پہلوؤں کا جائزہ لیا اور نگران گشتی دستوں کی تشکیل کرکے دشمن کی نقل و حرکت خصوصاً اس کی اقتصادی ناکہ بندی پر اپنی توجہ مرکوز کردی۔

مشرکین کا پروپیگنڈہ

رجب 2ھ میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو آٹھ آدمیوں کے ہمراہ دشمن کی نقل وحرکت معلوم کرنے کی غرض سے مکہ اور طائف کے درمیان گھات لگا کر بیٹھنے کے لیے روانہ کیا گیا۔ مقام نخلہ پر مشرکین کے ایک قافلے کے ساتھ تصادم کے نتیجے میں ایک مشرک عمرو بن حضرمی مارا گیا۔ دو آدمی قیدی بنالیے گئے اور قافلے کے سامان پر قبضہ کر لیا گیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوئے کیوں کہ اس دستے کو لڑائی کرنے کا حکم

نہیں دیا گیا تھا۔ ابن حضرمی کا قتل حرمت والے مہینے میں ہوا تھا، اس لیے مشرکین نے اس واقعہ کو مسلمانوں کے خلاف خوب اچھالا کہ مسلمانوں نے حرمت والے مہینوں کو بھی حلال کر لیا ہے۔

اللہ کا فیصلہ

مجاہدین اسلام سے حرمت والے مہینے میں کاروائی محض غلط فہمی کی بنا پر ہوئی تھی، جبکہ مشرکین نے اس پر خوب پروپیگنڈہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پروپیگنڈے کا جواب ان الفاظ میں دیا۔ "لوگ آپ سے حرمت والے مہینے میں جنگ کا حکم دریافت کرتے ہیں، فرما دیں اس میں جنگ بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی) بڑا گناہ ہے اور یہ فتنہ انگیزی قتل وخون سے بھی بڑھ کر ہے۔،،)

(البقرہ، 2 : 217)

سرد جنگ میں سرگرمی

مشرکین مکہ سرد جنگ میں سرگرمی سے مصروف عمل تھے۔ سرد جنگ ہمیشہ گرم جنگ کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی مشرکین مکہ سے الجھنا نہیں چاہتے تھے لیکن مذکورہ آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں کو ایک نیا اعتماد ملا۔ باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے للکارنے کا شعور عطا ہوا

اور ان کے حوصلوں، ولولوں اور امنگوں کو نیا بانکپن ودیعت ہوا۔ اس پس منظر میں مکہ اور مدینہ کے درمیان جاری سرد جنگ میں گرما گرمی کے آثار پیدا ہونے لگے۔ جذبہ شہادت سینوں میں مچلنے لگا، سر اٹھا کر چلنے کی روایت دلنواز کو مفاہیم کے نئے پیراہن پہنائے گئے۔ جبکہ مکہ اور شام کے درمیان تجارتی شاہراہ پر مسلمانوں کے قبضے کے بعد دشمن کی اقتصادی ناکہ بندی کرنا آسان ہوگیا تھا۔

مسلمانوں کے خلاف کفار کا حربہ

کفار مکہ نے مدینہ منورہ کے مشرکوں، منافقوں اور یہودیوں وغیرہ کو دھمکی آمیز خط لکھا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ ان اشتعال انگیز کارروائیوں کے پس منظر میں مسلمان کمال حکمت سے آہستہ آہستہ تمام معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے رہے تھے۔

ابوسفیان کا قافلہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع موصول ہوئی کہ ابوسفیان بن حرب ایک بہت بڑا قافلہ لے کر ملک شام کی طرف جا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو سو مجاہدین لے کر دشمن کی اقتصادی ناکہ بندی کے لیے نکلے لیکن قافلہ جا چکا تھا۔

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید

بن زید رضی اللہ عنہ کو شمال کی جانب روانہ کیا گیا تاکہ وہ قافلے کی واپسی پر نظر رکھیں۔ یہ اصحاب رسول مقام "الحوراء" میں ٹھہر گئے۔ جب ابو سفیان ایک ہزار اونٹوں کے قافلے کے ساتھ واپس آیا تو اس کی نگرانی پر مامور صحابہ رضی اللہ عنہ نے اس کی اطلاع فوراً مدینہ منورہ میں دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 313 صحابہ کو لے کر رمضان المبارک 2ھ کو دشمن کی رسد کاٹنے کی غرض سے مدینہ منورہ سے نکلے۔ 12 لیکن ابوسفیان کے جاسوسوں نے اسے اطلاع دے دی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ اس نے فوراً مکہ میں سرداران قریش کو اس امر کی اطلاع دی اور فوری مدد چاہی۔ کفار مکہ حملے کا سن کر مشتعل ہوگئے۔ انہوں نے ہنگامی بنیادوں پر لشکر ترتیب دیا۔ مسلمانوں کے خلاف منظم ہونے والے اس لشکر میں ابولہب کے سوا تمام سردار شریک ہوئے۔

چند ایمان افروز واقعات

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ روزمرہ زندگی میں ایسے محیرالعقول واقعات بھی رونما ہوئے ہیں عقل جن کی توجیہ کرنے سے قاصر رہتی ہے، سوچ جن کے بارے میں سوچ سوچ کر ماؤف ہو جاتی ہے۔ غزوہ بدر میں اللہ کی مدد اور نصرت کو آسمانوں سے اترے ہوئے اہل ایمان نے ہی نہیں دیکھا بلکہ مشرکین مکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن بھی اس تائید غیبی کے عینی شاہد ہیں۔

حالت جنگ میں پر سکون نیند

اللہ نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم ساتھیوں پر عین جنگ کے دوران پ±رسکون نیند اتار دی، جاگنے کی کوشش کے باوجود لشکریوں کی آنکھیں بند ہونے لگیں لیکن دوسری طرف دشمن اضطراب وبے چینی کی کیفیت سے دوچار تھے۔ جب حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمار بن یاسر دشمن کی نقل وحرکت کی خبریں لے کر واپس آتے ہیں تو بیان کرتے ہیں کہ کفار تو ڈر کے مارے کسی گھوڑے کو بھی ہنہنانے نہیں دیتے۔اس کیفیت کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے۔ "جب اس نے اپنی طرف سے (تمہیں) راحت وسکون (فراہم کرنے) کے لیے تم پر غنودگی طاری فرما دی اور تم پر آسمان سے پانی اتارا تاکہ اس کے ذریعے تمہیں (ظاہری وباطنی) طہارت عطا فرما دے اور تم سے شیطان (کے باطل وسوسوں) کی نجاست کو دور کر دے اور تمہارے دلوں کو (قوت یقین) سے مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے قدم (خوب) جما دے۔ (الانفال،8 : 11) نتیجہ اس خدائی مدد کا یہ نکلا کہ مسلمان جب صبح نماز کے لیے اٹھے تو تازہ دم تھے چاک وچوبند اور پوری طرح بیدار تھے۔

شیطانی وساوس کا علاج

میدان بدر میں شیطان لشکر کفار کا نمائندہ بن کر پوری طرح متحرک تھا۔ وہ

مجاہدین کے دلوں میں وسوسے ڈالنے لگا کہ ساری سہولتیں اور مراعات دشمنان دین کو حاصل ہےں اور ہم مسلمان پانی کو بھی ترس رہے ہیں۔ اللہ تعالی نے بغیر ظاہری آثار کے بارش کر دی جس کے نتیجے میں پانی کی قلّت دور ہو گئی اور جنگی نقطہ نظر سے خاصا فائدہ ہوا کہ کفار کی طرف والی زمین دلدل میں تبدیل ہو گئی۔ مسلمان اور نچائی پر تھے اس طرف کی ریت جم گئی۔قدرت خداوندی نے ابلیس کی ہر چال ناکام کر دی۔

عاتکہ کا خواب

غزوہ بدر سے پہلے ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کو لاحق ہونے والے خطرات کے حوالے سے خوب افواہیں پھیلائی گئیں لیکن یہ خبر مکہ پہنچنے سے تین دن قبل عاتکہ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کو اپنا خواب بتایا کہ میں نے خواب میں ایک شتر سوار کو دیکھا کہ وہ وادی بطحا میں آ کر پکارتا ہے۔ "اے دھوکے بازو! تین دن کے اندر اپنی قلّت گاہوں کی طرف دوڑ کر آؤ۔،، عاتکہ نے اپنا بیان جاری کرتے ہوئے کہا بھائی! میں نے اونٹ کو کعبے کی چھت پر دیکھا۔ اس نے یہی نعرہ لگایا، میں نے اسے جبل ابی قبیس پر دیکھا۔ وہاں بھی شتر سوار نے یہ الفاظ دہرائے اور ایک چٹان نیچے لڑھکا دی، جو نیچے آ کر پھٹی تو اس کے ٹکڑے ہر گھر تک پہنچے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے کہا کہ بہن واقعی یہ ایک عجیب وغریب خواب ہے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے

ہیں کہ میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو ابو جہل باہر کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ ادھر ضمضم اہل مکہ کو پکارا رہا تھا کہ مسلمان تمہارے تجارتی قافلے پر حملہ کرنے والے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کے بعد اس موضوع پر مزید گفتگو نہ ہو سکی۔ البتہ لوگ عاتکہ کے خواب سے اچھے خاصے پریشان دکھائی دیتے تھے۔

غزوہ بدر میں ابلیس کی سرگرمیاں

باطل کی پشت پناہی پر ہمیشہ شیطانی سوچ کارفرما ہوتی ہے۔ غزوہ بدر میں بھی ابلیس لعین ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا نہیں رہا، ایک طرف تو یہ کفار و مشرکین کو مشتعل کر کے آمادہ جنگ کرتا رہا تو دوسری طرف مجاہدین اسلام کے دلوں میں بھی وسوسے ڈال کر قصر ایمان ویقین کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کی سعی رائیگاں میں مصروف رہا۔ جب قریش بے سروسامانی کے عالم میں نکلے ہوئے مسلمانوں کی جائے پناہ ثابت ہونے والی سرزمین پر شب خون مارنے کی تیاریاں کر رہے تھے تو اس وقت قریش کے رؤسا نے سوچا کہ بنی کنانہ سے ان کی دشمنی چل رہی ہے لیکن ہماری عدم موجودگی میں وہ مکہ پر حملہ نہ کر دیں لیکن ابلیس سراقہ بن مالک کی شکل میں نمودار ہوا اور اس نے اکابرین قریش کو پوری تسلی دی کہ میں ضامن ہوں آپ کی عدم موجودگی میں بنو کنانہ مکہ پر حملہ نہیں کریں گے۔ اس طرح قریش کی جنگی تیاریوں میں مزید تیزی آ گئی۔ لیکن جب ابلیس لعین

مشرکین مکہ کی مدد میں مشغول تھا تو مسلمانوں کی مدد کے لیے آنے والے فرشتوں کو قطار اندر قطار اترتے دیکھا تو اس نے ایک زور دار چیخ ماری اور بھاگ کھڑا ہوا۔

غزوہ بدر کے اثرات و نتائج

غزوہ بدر کی جغرافیائی، سیاسی، معاشی، تہذیبی، ثقافتی اور تمدنی زندگی ہی میں انقلاب آفریں تبدیلیوں کا باعث نہیں بنا بلکہ اس نے تاریخ انسانی کے سفر ارتقاء کو مختلف حوالوں اور مختلف جہتوں سے نہ صرف یکسر بدل کے رکھ دیا بلکہ تعلیمات اسلامی نے علمی، فکری اور اعتقادی دنیا کو ابہام و تشکیک کی گرد سے پاک کرکے عدل وانصاف کی حکمرانی کے شعور کو پختہ کیا۔

اہل مکہ پر مسلمانوں کی فتح کے اثرات

غزوہ بدر میں مسلمانوں کی شاندار اور باوقار فتح کے اثرات فوری طور پر اہل مکہ پر مرتب ہوئے اور قدرتی طور پر ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔ اس عبرتناک شکست نے مشرکین مکہ کے غرور کو خاک میں ملا دیا، ان کا پندارِ آرزو ٹوٹا تو یہ اپنی ہی نظروں میں ذلیل و رسوا ہوگئے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگی جنون کو انتہاتک لے جانے والے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ قریش کی عسکری اور سیاسی شہرت کا خاتمہ ہوگیا۔ مکہ

میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی سازش کرنے والے چودہ میں سے گیارہ سردار مارے گئے۔ باقی تین سرداروں نے اسلام قبول کرلیا۔ اس شرمناک شکست سے دوچار ہونے کے باوجود انہوں نے کوئی سبق حاصل نہ کیا۔ ان کی آتش انتقام ٹھنڈی نہ ہو سکی۔ شکست خوردہ قریش نے اپنا غصہ مکہ میں مقیم مسلمانوں پر نکالنا شروع کر دیا اور ان کا سانس لیناتک دو بھر کر دیا۔

اہل مدینہ پر غزوہ بدر کے اثرات

غزوہ بدر سے ریاست مدینہ کو داخلی طور پر ہی نہیں خارجی طور پر بھی استحکام ملا۔ بے سروسامانی کے عالم میں ابلیسی طاقتوں سے ٹکرا جانے والے اہل ایمان کو ایک نئے حوصلے اور ایک نئے ولولے سے نوازا گیا۔ مسلمانوں کو کفار پر نفسیاتی برتری بھی حاصل ہوئی اور انہیں اپنی ثقافتی اکائی کے تحفظ کے لیے نئے اقدامات کے بارے میں عزم و عمل کے نئے دروازوں پر دستک دینے کا ہنر بھی عطا ہوا۔ مدینہ منورہ کے آسمان سے خوف وہراس کے بادل چھٹ گئے۔ مدینہ منورہ کی غیر مسلم قوتیں اب کھلم کھلا اسلام دشمنی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی تھیں۔

دنیائے یہود کا رد عمل

مدینہ اور مدینہ کے مضافات میں آباد یہود قبائل نے غزوہ بدر میں مسلمانوں

کی عظیم فتح کی خبر پر حیرت، خوف اور نفرت کے ملے جلے جذبات کا اظہار کیا۔ وہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ مدینہ کی نوزائیدہ مملکت کو سیاسی، معاشی اور عسکری حوالے سے استحکام نصیب ہو۔ تاہم بہت سے یہود نے بخوشی اسلام قبول کر لیا۔ لیکن بد بخت بد بخت ہی رہے۔ کعب بن اشرف تو کھلی دشمنی پر اتر آیا۔ کفار کی شکست پر افسوس کا اظہار کیا۔ یہودی درپردہ ہی نہیں اعلانیہ طور پر مشرکین مکہ کو امداد کی پیش کش کرنے لگے کہ وہ آئیں اور اپنی شکست کا بدلہ لیں۔ روز بروز ان کی سرکشی میں اضافہ ہونے لگا۔ ان کا یہ باغیانہ رویہ مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کے مترادف تھا۔

غزوہ بدر اور دیگر قبائل

عرب کے دیگر قبائل نے بھی مسلمانوں کی فتح کی خبر کو خوش دلی سے قبول نہیں کیا۔ وہ بھی ان گنت تحفظات کا شکار ہوگئے۔ بعض قبائل کی گزر اوقات ہی لوٹ مار پر ہوتی تھی۔ تجارتی قافلے بھی ان کی دستبرد سے محفوظ نہ تھے۔ انہیں یہ خدشہ لاحق تھا کہ اگر مسلمانوں کی حکومت کو استحکام ملا اور یہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گئی تو یہ سب سے پہلے اللہ کی حاکمیت اور اس کے قانون کی بالادستی کے لیے اقدامات کرے گی۔ انہیں یہ بھی ڈر تھا کہ اسلامی حکومت ترجیحی بنیادوں پر امن وامان قائم کرے گی جس سے ان کی لوٹ مار کی راہیں مسدود ہو جائیں گی۔ غزوہ بدر میں ذلت آمیز شکست سے قریش کی سیاسی، مذہبی اور

معاشی قیادت کے بت پر کاری ضرب پڑی اور معاشرے پر قریش کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ تمام عالم میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

اسرائیل جنگی جرائم کا مرتکب!

اقوام متحدہ نے جانبدارانہ اور معاندانہ رویہ اپناتے ہوئے ایک بار پھر ظالم اور مظلوم، قاتل اور مقتول، دہشت گرد اور امن پسند کو ایک ہی صف میں کھڑا کرکے اپنی منافقت کا پردہ چاک کردیا ہے۔ اقوام متحدہ نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ میں جہاں ایک طرف ہزاروں بے گناہ فلسطینیوں کے قاتل اسرائیل کو جنگی جرائم کا مرتکب قرار دیا ہے، وہیں مظلوم اور بے بس فلسطینیوں کو بھی جنگی جرائم کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے، جو سراسر ناانصافی ہے۔ انسانی حقوق کی غیر سرکاری تنظیموں نے رپورٹ پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا ہے: "جلاد اور مظلوم دونوں کو ایک صف میں کھڑا کیا گیا ہے، جن ہاتھوں نے اقوام متحدہ کی رپورٹ مرتب کی ہے، وہ خود بھی انسانیت سے عاری معلوم ہوتے ہیں، ورنہ وہ کم از کم صہیونی جنگی جرائم اور فلسطینیوں کے راکٹ حملوں میں کچھ تو فرق کرتے۔" گزشتہ سال اسرائیل نے 51 روزہ جارحیت کے دوران غزہ کی پٹی پر 6 ہزار سے زیادہ فضائی حملے کیے تھے اور توپ خانے کے 50 ہزار سے زیادہ گولے داغے تھے، جن کے نتیجے میں 2200 سے زاید فلسطینی شہید اور 10 ہزار زخمی ہوگئے تھے اور ہزاروں عمارتیں ملبے کا ڈھیر بن گئیں، جبکہ دوسری جانب فلسطینی مزاحمت کاروں کے دفاعی حملوں میں صرف چار یہودی شہریوں سمیت

فوجی مارے گئے تھے۔ اس تفاوت کے باوجود اقوام متحدہ نے ظالم اسرائیل اور 68 مظلوم فلسطینیوں کو ایک ہی پلڑے میں ڈال دیا ہے، جو یقیناً ظالم اسرائیل کی پیٹھ تھپکانے کے مترادف ہے۔

فلسطین میں ہونے والی اسرائیلی درندگی ہر کھلی آنکھ پر عیاں ہے۔ اسی سفاکیت کو دیکھتے ہوئے رواں ماہ انسانی حقوق کی ایک غیر سرکاری تنظیم "ہیومن رائٹس واچ" نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون سے پرزور مطالبہ کیا تھا کہ وہ جنگ کے دوران معصوم فلسطینی بچوں کے وحشیانہ قتل عام کے جرم میں اسرائیل کو بھی جنگی جرائم کے مرتکب "داعش" جیسے گروپوں اور ممالک میں شامل کریں۔" اس سے قبل اقوام متحدہ میں الجزائر کی خاتون سفیر بھی اسرائیلی فوج کو فلسطینی بچوں کے قتل عام کی مرتکب قرار دے کر اسے بلیک لسٹ کرنے کا مطالبہ کر چکی ہیں، لیکن اقوام متحدہ اپنے لے پالک دہشت گرد کو امن پسند ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ دوسری جانب انتہا پسند صیہونی وزیر اعظم بنجمن نیتن یاہو کو اقوام متحدہ کی جانب سے حماس کی مخالفت میں جاری کی جانے والی رپورٹ بھی منظور نہیں ہے۔ اسرائیلی انتہا پسند وزیر اعظم نے دعویٰ کیا ہے کہ اسرائیل جنگی جرائم کا مرتکب نہیں ہوتا۔ اسرائیلی وزیر اعظم نے غزہ کی پٹی کی حکمراں جماعت حماس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسرائیل ایک دہشت گرد تنظیم کے مقابلے میں اپنا دفاع کرتا ہے۔ یہ تنظیم اسرائیل کی

تباہی چاہتی ہے اور اس نے جنگی جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔ حماس نے اقوام متحدہ کی رپورٹ میں اسرائیل کی مذمت کا خیر مقدم کیا ہے، لیکن اس کے ساتھ اپنے مزاحمت کاروں کو جنگی جرائم کا مرتکب قرار دینے کی بھی مذمت کی ہے۔

حالات و واقعات اقوام متحدہ کی رپورٹ کی کسی صورت توثیق نہیں کرتے، کیونکہ اسرائیل ایک طویل عرصے سے فلسطین میں بے گناہ بچوں، خواتین، بوڑھوں اور نوجوانوں کے قتل کا مرتکب ہو رہا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق سفاک صہیونی فوجیوں کے ہاتھوں 2006ء سے 2014ء تک غزہ کی پٹی پر حملوں میں کم از کم 2 ہزار بچوں کو نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح فلسطین پر اسرائیلی جارحیت کی ایک طویل داستان ہے۔ اب جہاں اسرائیل ہے، وہاں صدیوں تک فلسطین اور مسلمان تھے پھر عالمی برادری کی معاونت سے فلسطینیوں پر مظالم کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ صہیونیوں نے دیر یاسین میں 9 اپریل 1948ء کو عرب عورتوں، بچوں اور مردوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتارا۔ عرب خواتین کا برہنہ جلوس نکالا گیا۔ یہودی لاؤڈ اسپیکر لگا کر جگہ جگہ یہ اعلان کرتے پھر رہے تھے: "ہم نے دیر یاسین کی عرب آبادی کے ساتھ یہ اور یہ کیا ہے۔ اگر تم نہیں چاہتے کہ تمہارے ساتھ بھی یہی کچھ ہو تو یہاں سے نکل جاؤ۔" انسانی حقوق کے اداروں کی رپورٹیں بتاتی ہیں کہ 1948ء کو اسرائیل کے قیام کے وقت جہاں بڑی تعداد میں فلسطینیوں اور عرب شہریوں کو بھاری ہتھیاروں، ٹینکوں اور توپوں کا نشانہ

بنا کر تہ تیغ کیا گیا، وہیں ہزاروں کی تعداد میں گرفتار کیے گئے فلسطینیوں کو اجتماعی قبروں میں زندہ درگور کیا گیا۔ کوئی بستی اور کوئی کنبہ ایسا نہ تھا، جس میں فلسطینیوں کا اجتماعی قتل نہ کیا گیا ہو۔

1948ء سے صیہونیوں نے فلسطینیوں کو ان کی اپنی سرزمین فلسطین سے بے دخل کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے نکالا گیا، ان کی بستیوں کو تاراج کیا گیا اور انھیں دربدری کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا گیا، یہاں تک کہ پڑوسی ملکوں میں ان کے کیمپوں کو وقتاً فوقتاً حملوں کا نشانہ بنایا گیا۔ 14 مئی 1948ء کو دنیا پر ناجائز وجود پانے والی بدمعاش ریاست اسرائیل کے حکمرانوں نے اپنے قیام کے 67 برسوں میں خون آشامیوں کی جو تاریخ رقم کی ہے، تاریخ کے صفحات اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ کون سا ظلم ہے جو مقدس فلسطین کے بے گناہ، معصوم اور مظلوم باسیوں پر روا نہیں رکھا گیا۔ 2002ء میں اسرائیلی فوج نے فلسطینی کیمپ جنین کا 15 دن تک محاصرہ اور اس پر ہوائی جہازوں اور ٹینکوں سے حملہ کرکے ایک ہزار فلسطینی شہید اور نہ جانے کتنے زخمی کیے۔ اس کے علاوہ اسرائیل نے 1948ء میں دیر یاسین، 1956ء میں قصر قاسم، 1982ء میں صابرہ اور شتیلہ، 1990ء میں مسجد اقصیٰ، 1994ء میں مسجد اقصیٰ اور 1996ء میں مسجد ابراہیم کا قتل عام کیا۔ سرزمین انبیاء فلسطین میں اسرائیل گزشتہ 67 برسوں سے خون کی ندیاں بہا رہا ہے، لیکن

عالمی برادری اسرائیل کی پشتی بان بن کر کھڑی ہے اور اسرائیل کے مظالم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہی ہے۔ عالمی سامراجی طاقتوں کے جہاں کہیں مفادات ہوتے ہیں وہاں تو جنگ سے لے کر مذاکرات اور کانفرنسوں سمیت ہر قسم کے اقدامات عمل میں لائے جاتے ہیں، لیکن یہاں زبانیں گنگ ہیں۔ یہودیوں کے ہولوکاسٹ پر شور مچانے والی عالمی برادری کی جانب سے فلسطینیوں کے قتل عام پر ہمیشہ اسرائیلیوں کو قانون کے کٹہرے سے آزاد رکھا جاتا ہے۔ فلسطینیوں کے سفاکانہ قتل عام پر اسرائیل کو نہ عالمی برادری کی کسی کارروائی کا خدشہ ہوتا ہے، نہ بڑی طاقتوں کی طرف سے کسی روک ٹوک کا اندیشہ ہوتا ہے، کیونکہ اسرائیل مغرب کا سرکش و مغرور بچہ بنا ہوا ہے، اسرائیل کو ظالمانہ کارروائیوں میں امریکا اور مغرب کی مکمل حمایت حاصل ہوتی ہے۔ مغرب صہیونیت کے دفاع میں ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ اسی لیے مظلوم فلسطینیوں پر مظالم ڈھاتے ہوئے اسرائیل کو کسی عالمی قانون کا پاس بھی نہیں ہوتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ اس کے ہر جرم کے بعد بھی عالمی برادری اس کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے میدان میں آجائے گی۔ گزشہ دنوں اقوام متحدہ کی جانب سے ظالم اسرائیل اور مظلوم فلسطینیوں کو ایک پلڑے میں ڈالنا بھی اسرائیل کے ساتھ تعاون کے مترادف ہے۔

مسلم دنیا میں دہشت گردی

دہشت گردی کا عفریت دن بدن دنیا پر اپنی گرفت کو مضبوط سے مضبوط تر کر رہا ہے اور ہر نکلتے سورج کے ساتھ دہشت گردی کی بھینٹ چڑھنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ گلوبل پیس انڈیکس کی رپورٹ بتاتی ہے کہ دنیا میں مسلح جنگوں کے نتیجے میں مرنے والوں کی تعداد ساڑھے تین گنا بڑھی ہے۔ 2010 میں ہلاکتوں کی تعداد 49 ہزار تھی، جو کہ 2014 میں بڑھ کر ایک لاکھ 80 ہزار ہو گئی۔ یوں گزشتہ سال دہشت گردی کے واقعات میں مرنے والوں کی تعداد میں نو فیصد اضافہ ہوا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ دہشت گردی کا شکار ہونے والے ممالک میں سرفہرست مسلم ممالک ہیں، جو دہشت گردی کے مراکز بنتے جا رہے ہیں، جب کہ مغربی ممالک مزید پرامن ہو رہے ہیں۔ مسلم دنیا میں ایک وقت امن کا یہ عالم تھا کہ کوئی عورت تن تنہا مدینہ سے حراتک کا سفر مال و جان کے خطرے کے بغیر کر لیا کرتی تھی اور اس کے بعد بھی اگرچہ مسلمان حکمران رفاہی اسلامی ریاست کے اصولوں پر پوری طرح کاربند نہ رہے، لیکن پھر بھی داخلی امن کی حالت کافی حد تک مستحکم تھی۔

برصغیر میں مغلیہ بادشاہت کے دور میں بھی امن کی یہ حالت تھی کہ جب لارڈ

میکالے نے پورے برصغیر کا دورہ کیا تو اس نے اپنی رپورٹ میں حیرت کا اظہار کیا کہ برصغیر میں ایسا امن کہ آپس میں کوئی جھگڑا نہیں ہوتا، لیکن آج مسلم ممالک کی حالت یہ ہے کہ پوری مسلم دنیا بدامنی کی لپیٹ میں ہے۔ دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک کوئی بھی مسلم ملک امن و آشتی کا گہوارا نہیں۔ بدامنی، جنگ وجدل اور قتل وغارتگری کی دبیز چادر میں لپٹی امت مسلمہ خود اپنی داستان الم سنا رہی ہے۔ عالم اسلام کے زخموں سے رستا ہوا خون ہر کھلی آنکھ کو دکھائی دے رہا ہے۔ ہر طرف لاشیں بکھری پڑی ہیں اور گولہ و بارود کی بو سے دماغ کی رگیں پھٹنے کو ہیں۔ سکون و چین عنقا ہو چکا ہے۔ افسوسناک بات تو یہ ہے کہ بہت سے مسلم ممالک میں مسلمان سے مسلمان جنگ کرتا نظر آتا ہے۔ افغانستان، عراق، صومالیہ، شام اور دیگر کئی مسلم ممالک میں ایک نبی، ایک قرآن اور ایک مذہب کے ماننے والے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں۔ دنیا میں اور بھی بہت سے ممالک ہیں، لیکن بدامنی صرف مسلم ممالک کا مقدر بنی ہوئی ہے۔

اسلامی ممالک شورش زدہ ممالک میں تو سرفہرست ہیں، جب کہ پرامن ممالک کی فہرست کی آخری سطروں میں بھی نام دکھائی نہیں دیتا۔ مشرق وسطی کو امن کے لحاظ سے کا سب سے متشدد خطہ قرار دیا گیا ہے، جب کہ مغرب امن کی تاریخی سطح کے 2014 بالکل قریب ہے۔ انسٹی ٹیوٹ فار اکنامکس اینڈ پیس کے ایگزیکٹو

چیئرمین سٹیو کیلیلیا کا کہنا ہے: "اگر ہم سب سے زیادہ پرامن ممالک پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ مزید پرامن ہوتے جا رہے ہیں اور یہ ممالک زیادہ تر مغربی یورپ میں ہیں۔ آئس لینڈ دنیا کا سب سے زیادہ پرامن، جب کہ شام دنیا میں سب سے زیادہ تشدد کا شکار ملک ہے، جب کہ لیبیا کی پوزیشن میں گزشتہ برس کی نسبت زبردست گراوٹ آئی ہے۔"

زمانے کی یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ دہشت گردوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور نہ کوئی ملک ہوتا ہے۔ ان کا مقصد تو اپنے گھناؤنے مقاصد کی تکمیل کے لیے صرف انسانیت اور مذاہب کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے۔

دہشت گردی کی کارروائیاں اور مذہبی انتہاپسندی مسلم دنیا کو تقسیم کرنے کا موجب بن رہی ہے۔ رپورٹ کے مطابق دہشت گردی میں اضافے کی بڑی وجہ عراق اور شام میں داعش اور مختلف مسلم ممالک میں دیگر عسکریت پسند تنظیموں کی کارروائیاں ہیں، لیکن یہ بھی حقائق ہیں کہ مسلم ممالک میں اودھم مچانے والی عسکری تنظیموں کو امریکا اور اسرائیل نے ہمیشہ ہر تعاون فراہم کیا ہے۔ امریکا کی سی آئی اے اور اسرائیل کی موساد، انتہاپسندوں کی تربیت کرکے پوری دنیا میں دہشت گردی کے لیے ان کا استعمال کرتی ہیں۔ اقوام متحدہ میں شام کے نمایندے نے بھی گزشتہ دنوں اس بات کی توثیق کی ہے کہ دہشت گردوں کو

اسرائیل کی حمایت حاصل ہوتی ہے۔ مسلم ممالک کے حکمرانوں، دانشوروں، علمائے کرام اور مسلم دنیا کی نمایندہ تنظیموں کی یہ ذمے داری بنتی ہے کہ دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے مسلم دنیا میں دہشت گردوں کی معاون قوتوں اور انتہا پسندانہ نظریے اور سوچ کو کنٹرول کرنے سے متعلق امور پر غور و فکر کریں۔ مسلم ممالک میں جو متعدد عسکریت پسند تنظیمیں اور گروپس دہشت گردی میں ملوث ہیں، ان کے سدباب کے لیے لائحہ عمل طے کریں۔ بڑھتی ہوئی دہشت گردی سے مسلم دنیا کی سلامتی اور استحکام کے حوالے سے سنگین چیلنجز پیدا ہوگئے ہیں، وقت گزرنے کے ساتھ جو مزید سنگین ہو سکتے ہیں۔ دہشت گردی کا بنیادی علاج تو تعلیم کا فروغ ہے، لیکن فوری علاج علمائے کرام کر سکتے ہیں۔ علمائے کرام عوام کو بتائیں کہ اسلام میں کسی بے گناہ انسان کا قتل نہ صرف حرام ہے، بلکہ پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے۔ دہشت گردی کی ممانعت سے متعلق اسلامی احکامات کی تشہیر اگر لوگوں کی مادری زبان میں میڈیا کے ذریعے کی جائے تو بلاشبہ بتدریج حالات میں تبدیلی آسکتی ہے اور دہشت گردی کی بیخ کنی ہو سکتی ہے۔

یہ بات حقیقت ہے کہ عالمی برادری مسلم دنیا کے ساتھ مخلص نہیں ہے۔ اگر عالمی برادری حقیقت میں مسلم دنیا کی خیر خواہ ہوتی تو اپنے مفاد کی خاطر دہشت گردوں کو استعمال کرنے کے بجائے مسلم دنیا میں تعلیم کے فروغ کے لیے

بہتر کردار ادا کرتی ہے۔ دنیا نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اب تک کھربوں ڈالر پھونک ڈالے ہیں، اگر یہی رقم تعلیم کے فروغ پر خرچ کی جاتی تو دہشت گردی کا علاج آسانی سے ممکن تھا۔ عالمی امن سے متعلق سالانہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ صرف گزشتہ برس تشدد، جنگوں اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتحال سے منسلک اخراجات 140 کھرب ڈالر سے زیادہ رہے ہیں اور یہ رقم عالمی مجموعی پیداوار کے 13 فیصد سے زیادہ ہے۔ ان اخراجات کا حجم برازیل، کینیڈا، فرانس، جرمنی، برطانیہ اور اسپین کی مجموعی معیشتوں سے بھی زیادہ ہے۔ اندازہ لگائیے کہ اگر ساری نہیں تو اس سے نصف رقم بھی مسلم دنیا میں تعلیم کے فروغ پر خرچ کی جاتی تو دہشت گردی کا مقابلہ کرنا آسان نہ ہوجاتا؟ دہشت گردی اب تمام مسلم ممالک کا اجتماعی مسئلہ بن گیا ہے۔ اسی مسئلے کے حل کے لیے مختلف ملکوں کے سربراہ ایک دوسرے کے ملکوں کے دورے کر رہے ہیں۔ پاکستانی افواج کے سربراہ جنرل راحیل شریف بھی قیادت سنبھالنے کے بعد سے دہشت گردی پر قابو پانے کے لیے جتے ہوئے ہیں۔ سرحدوں کی نگرانی، دہشتگردوں کی فنڈنگ روکنے اور ان کی معاون شخصیات اور این جی اوز پر ہاتھ ڈالنے جیسے اقدامات کیے جارہے ہیں۔ ان ھی اقدامات کی بدولت پاکستان کافی حد تک دہشت گردی پر قابو پانے میں کامیاب ہوسکا ہے۔ اگر پوری مسلم دنیا دہشت گردی کے خلاف مضبوط لائحہ عمل طے کرے تو مسلم دنیا سے دہشت گردی کی بیخ کنی ہوسکتی ہے۔

یورپ کے لیے بڑا خطرہ!

یورپ اور امریکا میں ایک جملہ اکثر دہرایا جاتا ہے کہ سب مسلمان دہشت گرد نہیں ہیں، لیکن تمام دہشت گرد مسلمان ہیں۔ یہ جملہ یورپ و امریکا کی جانب سے مسلم دشمنی کا کھلا اظہار اور حقائق کے منافی ہے۔ چند مسلم انتہا پسندوں کی آڑ میں اسلام کو دہشت گردی سے نتھی کرکے مسلمان کی شناخت ایک دہشت گرد کے طور پر متعارف کروائی گئی اور خود یورپ میں مسلمانوں کے اقلیت میں ہونے کے باوجود ہر دہشت گردی کو مسلمانوں کے سر تھوپ کر صرف مسلمانوں کو ہی مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے، جبکہ حقائق کچھ اور ہی بتاتے ہیں۔ گزشتہ دنوں خود امریکی اخبار "واشنگٹن پوسٹ" میں شائع ہونے والی "نیو امریکا واشنگٹن" کی ایک ریسرچ رپورٹ نے مسلمانوں پر دھرے جانے والے الزامات کا پردہ چاک کرتے ہوئے غیر مسلموں کو سب سے بڑا خطرہ قرار دیا ہے۔ رپورٹ بتلاتی ہے کہ نیویارک اور پینٹاگون پر القاعدہ کے حملے سے لے کر اب تک سفید فام بالادست اور حکومت مخالف عناصر اور دیگر غیر مسلموں نے 19 حملے کیے، جبکہ ان کے مقابلے میں مسلم جہادیوں نے 7 حملے کیے، جن میں صرف 26 شہری ہلاک ہوئے۔ امریکا بھر میں تعینات قانون نافذ کرنے والے ادارے بتاتے ہیں کہ ملک میں مسلم انتہا پسندوں کی جانب سے درپیش خطرات کے مقابلے میں مقامی رائٹ ونگ کے انتہا پسندوں سے کہیں زیادہ

خطرات درپیش ہیں۔ یونیورسٹی آف نارتھ کیرولینا کے محقق چارلس کرزمن اور ڈیوک یونیورسٹی کے ڈیوڈ شائنزر کے ایک سروے میں ملک بھر کے 382 پولیس افسران اور شیرف سے پوچھا گیا کہ انھیں درپیش تین بڑے خطرات کون سے ہیں؟ اس کے جواب میں 74 فیصد نے حکومت مخالف متشدد عناصر کو سب سے بڑا خطرہ قرار دیا، جبکہ 39 فیصد نے القاعدہ سے متاثرہ لوگوں کے تشدد کو خطرناک کہا۔

یورپ میں مسلمانوں سے متعلق دہشت گردی کے واقعات کی تعداد انتہائی کم ہے، جبکہ غیر مسلم انتہا پسند امریکا و یورپ کے لیے بڑا خطرہ ہیں۔ یورپ میں اسقاط حمل سے متعلق ہر پانچ طبّی اداروں میں سے ایک پر انتہا پسند عیسائیوں کی جانب سے حملہ ہونا معمول کی بات ہے اور غیر مسلموں کے ہاتھوں روزانہ دسیوں امریکی موت کی بھینٹ چڑھتے ہیں، لیکن اس کو زیادہ ہائی لائٹ نہیں کیا جاتا۔ یورپی یونین کے قانون نافذ کرنے والے ادارے یوروپول کے مطابق یورپ میں گزشتہ 5 برسوں کے دوران ہونے والے دہشت گردی کے حملوں کے مرتکب مسلمانوں کی تعداد صرف 2 فیصد ہے، جب کہ دہشت گردی کے زیادہ تر حملے علیحدگی پسند گروپوں کی جانب سے کیے گئے۔

2013ء میں یورپ میں 152 دہشت گردی کے حملے ہوئے، جن میں سے صرف 2 کا محرک مذہب تھا، جب کہ 84 حملے لسانی قوم پرست یا علیحدگی پسند نظریات کے حامل افراد کی جانب سے کیے گئے تھے، ان میں فرانس کے ایف ایل این سی (جزیرہ کورسیکا کی آزادی کا حامی گروپ) جیسے گروپ شامل

تھے۔ 2013ء کے اواخر میں یونان میں بائیں بازو کے عسکریت پسند عوامی انقلابی فورسز نامی گروپ نے دائیں بازو کی سیاسی جماعت گولڈن ڈان کے دو ارکان کو قتل کر دیا تھا، جب کہ اٹلی میں ایک انارکسٹ گروپ ایف اے آئی نے دہشت گردی کے متعدد حملے کیے تھے۔ 2011ء میں یورپ میں ہونے والے ایک بدترین حملے میں اینڈرس بریوک نے ناروے میں 77 افراد کو اندھا دھند فائرنگ کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ وہ مسلم دشمن، تارکین وطن مخالف اور عیسائی یورپ کے حامی نظریے کے ایجنڈے کا علم بردار تھا۔

امریکا میں بھی مسلمانوں کی جانب سے دہشت گردی کی شرح یورپ جتنی ہی کم ہے۔ ایف بی آئی نے 1980ء سے 2005ء تک امریکی سرزمین پر ہونے والی دہشت گردی کی کارروائیوں کا مطالعاتی جائزہ لیا، جس میں یہ حقیقت سامنے آئی کہ دہشتگردی کے 94 فیصد حملوں کا ارتکاب غیر مسلموں نے کیا تھا۔ 42 فیصد حملے لاطینیوں سے متعلق گروپوں نے کیے تھے، جب کہ 24 فیصد حملوں میں انتہا پسند بائیں بازو کے کارکن ملوث تھے۔ 2014ء میں شمالی کیرولینا کی یونیورسٹی کی جانب سے کیے گئے ایک مطالعاتی جائزے میں یہ بات سامنے آئی کہ نائن الیون کے حملوں کے بعد سے مسلمانوں سے متعلق دہشتگردی نے 37 امریکیوں کی جانیں لیں، جب کہ اسی مدت کے دران ایک لاکھ 90 ہزار سے زاید امریکی قتل کیے گئے۔ ٹرائی اینگل سینٹر آن ٹیررازم اینڈ ہوم سیکورٹی کے مطابق نائن الیون کے بعد سے سیاسی

تشدد اور بڑے پیمانے پر فائرنگ کے نتیجے میں 300 امریکی مارے گئے، جن میں صرف امریکی مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ گزشتہ دنوں چارلسٹن میں 9 33 افریقیوں کو چرچ میں گھس کر قتل کرنا بھی غیر مسلم انتہا پسندی کی واضح مثال ہے اور اس قسم کے واقعات امریکا میں پیش آتے رہتے ہیں۔ چیپل ہل پر واقع یونیورسٹی آف نارتھ کیرولینا کے پروفیسر چارلس کرزمان کا کہنا ہے کہ زیادہ ترتخمینوں کے مطابق امریکا میں 17 سے 70 لاکھ کے درمیان امریکی مسلمان ہیں، لیکن ان کی جانب سے دہشت گردی کی شرح فی 10 لاکھ میں صرف 10 ہے اور نائن الیون کے بعد سے ایک لاکھ 80 ہزار امریکیوں کے قتل میں اسلامی دہشت گردی کا حصہ ایک فیصد بھی نہیں ہے۔ ڈیٹا بیس جائزے پر مبنی دی گلوبل ٹیررازم کی ایک رپورٹ کے مطابق 1970 ء اور 2012ء کے درمیان امریکی سرزمین پر ہونیوالے کل دہشتگردی کے حملوں میں سے 2.5 فیصد حملے مسلمانوں کی جانب سے کیے گئے تھے۔ 4.9 فیصد حملے یہودی گروپوں مثلاً جیوش آرمڈ ریزسٹنس، دی جیوش ڈیفنس لیگ، جیوش ایکشن موومنٹ، یونائیٹڈ جیوش انڈر گراؤنڈ اور تھنڈر آف زیون کی جانب سے کیے گئے تھے۔ پرنسٹن یونیورسٹی کے لون واچ گروپ کی جانب سے ایف بی آئی اے کے اعداد و شمار پر مبنی معلومات کے مطابق امریکا میں دہشتگردی کی سرگرمیوں میں مسلمانوں سے زیادہ یہودیوں کا ہاتھ رہا ہے۔ انتہا پسند یہودیوں نے دہشتگردی کی سرگرمیوں کا ارتکاب اپنے مذہب کے نام پر کیا ہے۔

ان تمام حقائق کے بعد دنیا کے سامنے یہ واضح ہونا چاہیے کہ کرہ ارض کے امن و استحکام کو صرف انتہا پسند مسلمانوں سے ہی خطرہ لاحق نہیں، بلکہ اس میں ہر قوم، قبیلے اور مذہب سے وابستہ انتہا پسند عناصر برابر کے شریک ہیں، لیکن اس کے باوجود یورپ میں ہونے والے دہشت گردی کی کارروائیوں کا الزام مسلمانوں پر سر تھوپ دیا جاتا ہے اور یورپی و امریکی ذرائع ابلاغ غیر مسلم افراد اور گروپوں کی جانب سے کیے جانے والے دہشت گردی کے حملوں کو اس کوریج کا عشر عشیر بھی نہیں دیتے، جس کا مظاہرہ وہ مسلمانوں سے منسلک دہشتگردی کے واقعات کے وقت کرتے ہیں اور اس کی آڑ میں مسلمانوں کے خلاف قوانین کو سخت سے سخت تر کر دیا جاتا ہے۔ مغرب میں دیگر دہشتگرد گروپوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی انتہائی کم تعداد دہشتگردی کی سرگرمیوں میں ملوث ہے، لیکن مغرب میں تیزی سے بڑھتی ہوئی اسلامی قوت کے خوف سے مسلمانوں کے خلاف خوفناک پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اور مغربی میڈیا اشاعت اسلام کے کام میں رخنہ اندازی کی غرض سے مقامی افراد میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے جذبات بھڑکانے کے مذموم مقاصد کے تحت چھوٹے سے واقعے کو بھی بنیاد بنا کر مسلمانوں کے پیچھے لٹھ لے کر چڑھ دوڑتا ہے اور اس قدر نفرت انگیز اور زہریلی مہم چلائی جاتی ہے کہ زیادہ تر عوام اس کے سحر میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کو قصوروار تصور کرنے لگتے ہیں۔

امید کی کرن

اس بات سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ جنگ وجدل کسی معاملے کا حتمی حل نہیں ہوا کرتے، حتمی فیصلے تو ہاتھ ملانے سے ہوا کرتے ہیں۔ ہاتھ گریبانوں تک پہنچ جائیں تو انجام خون کی ندیاں اور اگر یہی ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھائے جائیں تو دشمنیاں ختم ہو کر پیار و محبت اور امن و آشتی کی فضائیں قائم ہو جاتی ہیں اور حقیقت میں یہی امن و آشتی دیرپا اور طویل المدت ثابت ہوتی ہے اور اگر کوئی جنگ وجدل اور خوف ووحشت سے دیرپا امن کا خواہاں ہو تو وہ بھول پر ہے، کیونکہ خوف سے ظاہری صورت تو بدل سکتی ہے۔

لیکن باطنی کرب بہرحال موجود رہتا ہے اور جب بھی منتقم مزاجوں کو موقع ملتا ہے، وہ حساب چکا ڈالتے ہیں۔ غلطی کرنا تو انسان کی سرشت میں شامل ہے، لیکن اگر اس کا ازالہ تشدد سے کرنے کی سعی کی جائے تو وہ لاحاصل ہوتی ہے اور اگر ماضی کو بھلا کر مستقبل کو مدنظر رکھا جائے اور قصورواروں کی خطاؤں کو معاف کر دیا جائے تو سدا کی بدامنی سدا کے امن میں تبدیل ہو سکتی ہے اور مایوسیاں امیدوں کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ دیکھیے! اعلان نبوت کے بعد سرکار دو عالم ﷺ پر کفار مکہ نے کونسا ظلم روا نہ رکھا۔ ظلم کا جو طریقہ بھی آزما سکے

آرمایا۔ بظاہر تو اس کا جواب تلوار تھی، لیکن جب مکہ فتح ہوا تو انتقام لینے پر قدرت کے باوجود آپ ﷺ نے بڑے بڑے دشمنوں کے لیے بھی معافی کے پروانے جاری کرکے ان کے سر ہمیشہ کے لیے امن وآشتی کے مذہب اسلام کی چوکھٹ پہ جھکا دیے، جس سے خونریزی کے خوفناک اندھیرے امن کی دائمی روشنی میں ڈھل گئے۔

شاید اسی بات کو سمجھتے ہوئے بلوچستان کے وزیراعلیٰ ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ اور بلوچستان کی افسر شاہی اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ بلوچستان میں امن کو بھی موقع ملنا چاہیے۔

وزیراعلیٰ کی صدارت میں اپیکس کمیٹی نے مصالحت کے پیش نظر فیصلہ کیا ہے کہ جو نوجوان ہتھیار پھینکنا چاہتے ہیں، انھیں نہ صرف عام معافی دی جائے گی، بلکہ ان کو انعامات سے بھی نوازا جائے گا اور معاشرے میں ان کی باعزت بحالی کی ضمانت بھی دی جائے گی۔ سانحۂ پشاور کے بعد نیشنل ایکشن پلان کی تیاری اور صوبوں میں اپیکس کمیٹیوں کی تشکیل کے بعد متعدد مثبت اقدامات اٹھائے گئے ہیں، جن کے نتیجے میں امن وامان کی صورت میں قدرے بہتری پیدا ہوئی ہے اور ملک سے بدامنی کا کافی حد تک قلع قمع ہوا ہے۔

بلوچستان کی اپیکس کمیٹی نے صوبے میں مسلح کارروائیاں کرنے والے افراد کے لیے عام معافی کا اعلان کرکے ایک اہم اور بڑا قدم اٹھایا ہے۔ اب اس پر عمل

درآمد کا طریق کار تیار کرکے اسے بروئے کار لانا ہوگا، تاکہ مسلح کارروائیاں کرنے والوں کو ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کیا جاسکے اور صوبے میں امن واپس آسکے۔ کہیں ایسا نہ ہو ماضی کی طرح ان اعلانات پر عمل درآمد سراب ثابت ہو۔ بلوچستان میں شورش کے خاتمے کے لیے عام معافی کے اعلانات پہلے بھی کیے گئے، مگر ان پر بوجوہ عمل نہیں ہوا اور بلوچستان کے عوام آج تک وحشت و دہشت کے منڈلاتے سایوں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

گزشتہ دنوں کیا گیا معافی کا اعلان امید کی ایک کرن ہے اور رفتہ رفتہ پورا بلوچستان امن کا گہوارا بن سکتا ہے۔ اب اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے، کیونکہ بلوچستان ایک عرصے سے بدامنی اور دشمنوں کی سازشوں کا مرکز بنا ہوا ہے، جس سے دن بدن وحشت میں اضافہ ہوا جاتا ہے۔ ضروری ہے بلوچستان کے عوام کو قومی دھارے میں شامل کیا جائے اور ان کو روزگار مہیا کیا جائے۔ ذمے دار عہدوں پر زیادہ تر بلوچوں کو نمائندگی دی جائے، نہ صرف صوبائی سطح پر، بلکہ قومی سطح پر بھی ان کی موثر موجودگی نظر آنی چاہیے۔

اگر دیانت داری سے اپنے ان بھائیوں کا ہاتھ تھام لیا جائے، تو یہی پشتی بان کی حیثیت سے طاقت فراہم کرتے ہوں گے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ ہمیں خودسری اور خود نمائی چھوڑ کر حقیقت پسندانہ طرز اختیار کرنا چاہیے۔ قدرت اس ملک پر

بہت مہربان ہے۔ یہاں لامحدود قدرتی وسائل موجود ہیں۔ بلوچستان رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا اور قدرتی وسائل اور معدنیات کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے امیر ترین صوبہ ہے۔ یہاں گیس، لوہے، سونے، کاپر اور کوئلے کے بہت بڑے ذخائر موجود ہیں۔ پاکستان کی زیادہ تر ساحلی پٹی بھی بلوچستان میں ہے، جس کی سمندر کے ساتھ گہرائی ایک ہزار میٹر سے تین ہزار میٹر تک ہے اور اس طرح یہ نہ صرف بڑے تجارتی بحری جہازوں، بلکہ ہنگامی حالات میں پاک بحریہ کے جہازوں کی نقل و حمل کے لیے بھی سود مند ہے۔ اس طرح دفاعی لحاظ سے بھی اس کی اہمیت کسی طور کم نہیں ہے۔ بلوچستان گوادر پورٹ کی وجہ سے مزید اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ گوادر پورٹ کی تعمیر میں چین نے بھرپور تعاون کیا ہے اور اس کا فائدہ دونوں ملکوں کو پہنچے گا۔ چین کی بڑی تجارتی سرگرمیاں اس کی مشرقی ساحلی پٹی کے ساتھ ہو رہی ہیں۔ مستقبل میں چین کی تجارت اس کے مغربی حصے میں ہوگی اور وہاں سے گوادر کے ذریعے اس کے سامان کی ترسیل ہوگی۔ گوادر پورٹ کی تعمیر کے بارے میں پاک چین اشتراک دنیا بھر کی آنکھوں میں کھٹک رہا ہے۔ بلوچستان کی اسٹریٹجک اہمیت کی وجہ سے یہاں متعدد ممالک کی خفیہ ایجنسیاں اپنی گھناؤنی سرگرمیوں میں ملوث پائی گئی ہیں۔

پاکستان دشمن غیر ملکی ایجنسیاں بلوچستان کو بدامنی کی بھٹی میں جھونکے رکھنا چاہتی ہیں اور پاکستان کی ترقی کے ان منصوبوں کو کسی صورت کامیابی سے ہمکنار ہوتا نہیں دیکھنا چاہتیں، اسی لیے آئے روز بلوچستان کو بدامنی کی بھٹی میں جھونکنے کے نت نئے طریقوں پر عمل درآمد کرتی ہیں اور بلوچستان میں شورش برپا کرکے پاکستان کی معاشی اور تجارتی خوشحالی پر چھری پھیرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ بلوچستان میں بدامنی کی وجہ صرف گوادر پورٹ نہیں ہے، بلکہ ایران اور افغانستان کے ساتھ اس کی سرحدوں کا ملنا بھی ایک سبب ہے۔ ان حالات میں بلوچستان میں بدامنی یقیناً بہت خطرناک ہے۔

ایک زمانے سے جاری ''گریٹر بلوچستان'' کی تحریک جہاں افغانستان اور ایران کو حزن آشنا کرتی ہے، وہاں پاکستان بھی تکلیف میں رہتا ہے۔

حالات ثابت کرتے ہیں کہ صاحب اقتدار طبقے کی جانب سے بلوچستان پر اگر ظلم نہیں بھی ہوا تو وہ غفلت کا شکار ضرور ہوئے ہیں۔ بلوچ عوام پاکستان سے علیحدگی کے خواہاں نہیں ہیں، دراصل صوبے میں چونکہ غربت و پسماندگی انتہائی زیادہ ہے، جس سے وہاں کا غریب طبقہ آسانی سے غیر ملکی ایجنسیوں کے ہتھے چڑھ کر اپنے ہی ملک کے خلاف استعمال ہوجاتا ہے۔

یہ ایجنسیاں پیسوں کا لالچ دے کر علیحدگی پسندوں کو اپنے مذموم مقاصد کے

لیے استعمال کرتی ہیں اور لسانی اور علاقائی تعصّبات کو ہوا دے کر صوبے میں امن و امان کی صورتِ حال کشیدہ کرتی ہیں۔ مسنگ پرسنز کی وجہ سے بھی بلوچ بھائیوں میں نفرت کے جذبات ابھرتے ہیں، جس کا سدباب کرنا ضروری ہے۔ ان حالات میں بلوچستان کے وسائل کا منہ بلوچ قوم کے لیے کھول دیا جائے تو بہت سی الجھنیں از خود سلجھنا شروع ہو جائیں گی۔ حکومتِ کو چاہیے کہ بلوچستان کے مسائل کو حل کرکے بلوچ قوم کو قومی دھارے میں واپس لائے۔ بلوچ قوم کے ایسے تمام مطالبات تسلیم کیے جائیں جو آئین پاکستان کی وسیع حدود کے اندر اور جغرافیائی سلامتی کے لیے نقصان دہ نہ ہوں۔ انھیں اقدامات کی بدولت بلوچستان میں امن قائم ہو سکتا ہے۔

چین میں مسلمانوں پر مذہبی پابندی

ان دنوں چین میں مسلمانوں پر مذہبی پابندیوں کا معاملہ ایک بار میڈیا پر آیا ہوا ہے۔ مسلمانوں پر نماز، روزے، حجاب، داڑھی اور دیگر عبادات پر پابندی کے خلاف دنیا بھر کے کئی مسلم ممالک میں چین کے خلاف احتجاج کیا جارہا ہے۔ ترکی کے مختلف شہروں میں بھی مظاہروں کے دوران مظاہرین نے مذہبی فرائض کی ادائیگی پر کوئی بھی پابندی ناقابل قبول قرار دی ہے۔ گزشتہ دنوں مصر کی معروف علمی درس گاہ جامعہ الازہر کی معتبر شخصیات نے بھی چین میں مسلمانوں پر مذہبی پابندی پر تشویش کا اظہار کیا تھا۔ جبکہ دنیا بھر کے مسلم ممالک میں اس ظالمانہ اقدام پر چین کو تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔

چین میں حکمران کمیونسٹ پارٹی باضابطہ طور پر ایک لادین پارٹی ہے، جو کہ گزشتہ کئی برسوں سے اس پالیسی پر عمل پیرا ہے کہ مغربی صوبے سنکیانگ میں مسلمانوں کو جہاں تک ہوسکے، روزے رکھنے سے باز رکھا جائے اور مذہبی پابندیوں میں جکڑا جائے۔

سنکیانگ چین کا وہ واحد علاقہ ہے جہاں پورے ملک میں نسلی اقلیت کی حیثیت رکھنے والی ایغور مسلم آبادی مقامی طور پر اکثریت میں ہے۔ امسال رمضان المبارک کی ابتدا سے پہلے صوبے کے مسلمانوں پر پابندی

عاید کرتے ہوئے چینی حکومت کی جانب سے مسلم اکثریتی صوبے سنکیانگ میں مقامی مسلمانوں پر رمضان المبارک میں روزے رکھنے، تراویح پڑھنے، قرآن پاک کی تلاوت کرنے اور نمازوں کی ادائیگی کے لیے مساجد میں جانے پر پابندی کا اعلان کیا گیا تھا، اس کے بعد مسلمانوں کے گھروں پر چھاپے بھی مارے گئے تھے اور پولیس کی جانب سے ایغور مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر ان سے روزوں، نماز اور قرآن الکریم کی تلاوت کے حوالے سے تفتیش کی جاتی رہی ہے۔ چینی حکومت کی جانب سے دیے گئے احکامات میں سرکاری عہدیداروں، ملازمین، طلبا و طالبات اور لادین حکمراں جماعت کمیونسٹ پارٹی سے منسلک تمام مسلمانوں کو رمضان میں روزے رکھنے سے باز رہنے کی تلقین کی گئی تھی۔ چینی ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے مسلمانوں کے علاقوں میں واقع تمام تعلیمی اداروں کو رمضان کے حوالے سے بھیجی گئی خصوصی ہدایات میں کہا گیا تھا کہ بچوں کی تعلیم اور مذہب کو جدا جدا رکھا جانا بہت ضروری ہے۔ اس لیے تمام اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے ہیڈ آف ڈپارٹمنٹس اس امر کو یقینی بنائیں کہ کوئی طالب علم رمضان میں روزے رکھ کر کلاس میں نہ پہنچے۔ تمام والدین سے بچوں کو روزہ نہ رکھوانے کا حلف نامہ لیا گیا اور انہیں تنبیہ کی گئی کہ اگر کوئی بچہ روزے کی حالت میں پایا گیا تو اس کے والدین کو گرفتار کر لیا جائے گا، جس پر جلاوطن ایغور باشندوں کی نمائندہ تنظیم ورلڈ ایغور کانگریس کے ترجمان دلشاد رشید نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا:

چین کی طرف سے روزہ رکھنے پر پابندی کا مقصد یہ ہے"

کہ ایغور مسلمانوں کو رمضان کے دوران ان کی مسلم ثقافتی پہچان سے دور رکھا جائے۔"
نے اپنی اشاعت میں لکھا تھا کہ چین کے muslimmatters جبکہ عالمی جریدے
مسلمانوں کو فلسطین، شام اور افغانستان کے مسلمانوں کی نسبت ایک مختلف صورتحال کا
سامنا ہے، کیوں کہ چینی حکومت نہیں چاہتی کہ چینی مسلمان اپنے دین پر عمل کریں، نماز
پڑھیں، روزہ رکھیں، مساجد جائیں اور قرآن الکریم کی تعلیم حاصل کرکے اسے
دوسرے مسلمانوں تک پہنچائیں۔

ان حالات کے پیش نظر یہ امر نہایت ہی افسوسناک ہے کہ چین مسلم ممالک کا ایک
پرامن دوست سمجھا جاتا ہے اور چین کی تجارتی سرگرمیوں کا ایک بڑا حصہ بھی مسلم
ممالک میں ہے، جبکہ مسلم ممالک میں چین کو ایک دوست کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے،
جس کا تقاضا یہ ہے کہ چین کو بھی مسلمانوں کے جذبات کی قدر کرنا چاہیے، لیکن افسوس
وہاں مسلمانوں کی آزادی کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو آزادی سے اپنی عبادات ادا
کرنے کا اختیار بھی نہیں ہے اور چین جیسے ملک میں رہنے والے مسلمانوں کو اس وقت
سخت حالات کا سامنا ہے۔ اس وقت جب کہ دنیا بھر کے مسلمان رمضان کے روزوں اور
برکات سے مستفید ہو رہے ہیں اور ایک اہم ترین مذہبی فرض ادا کر رہے ہیں تو وہیں ان.
چینی مسلمانوں پر اس حوالے سے سخت پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں، جو انتہائی قابل
مذمت ہے۔ چین کا شکوہ ہے کہ سنکیانگ صوبے میں اس لیے مذہبی پابندی ہے کیونکہ اگر
مسلمانوں کو مذہبی

عبادات پر عمل کرنے کی آزادی دی جائے تو انتہا پسندی میں اضافہ ہوگا، حالانکہ اسلام دین اور دنیا میں متوازن زندگی گزارنے کا پیغامبر ہے۔ رمضان کا روزہ غریبی میں زندگی کیسے گزارا جا سکتا ہے، اس کا پیغام دیتا ہے۔ اس مذہب میں ایک انسان سے لے کر جانور تک کے حقوق بہت واضح بیان کیے گئے ہیں۔ یہ مذہب اپنے پڑوسی کا پورا خیال رکھنے کا پیغام اگر دیتا ہے تو اپنے ملک کے لیے بغاوت کرنے کو کس طرح کہہ سکتا ہے۔ کیسی عجیب و غریب صورت حال ہے کہ جہاں لوگ روزے سے ہوں اور وہاں کی حکومت کہے کہ یہ کھانا کھاؤ، روزے نہ رکھو۔ اپنے پروردگار کو باضابطہ طور پر یاد نہ کرو، نماز نہ پڑھو۔ اس قسم کے ظالمانہ اقدامات کرنے والے ملک پر نہ صرف تنقید ہونی چاہیے، بلکہ اس پر دباؤ بڑھایا جانا چاہیے کہ وہ عقیدوں کے معاملے پر ایسی زور زبردستی نہ کرے۔ چین کو سمجھنا ہوگا کہ مدلل اور زندگی بسر کرنے کا پرامن راستہ دکھانے والے مذہب کے عقیدتمندوں کے ساتھ ان کا یہ برتاؤ کوئی بھی برداشت نہیں کرے گا اور انتہا پسندی مذہب پر عمل کرنے سے نہیں بڑھتی، بلکہ مذہب پر پابندی لگانے سے بڑھتی ہے۔ اگر مذہبی عقیدوں کو دبایا جائے گا تو بغاوت ہوگی۔ جہاں روزے رکھنے پر پابندی لگائی جا رہی ہے، وہاں کے مسلم ہجرت کرنا شروع کر دیں گے۔ اس لیے نہیں کہ انھیں اپنی سرزمین چین سے ناراضگی ہے، بلکہ وہ ناراض اس بات سے ہوں گے کہ انھیں ان کے ملک کا سیاسی نظام ان کے مذہبی راستہ پر چلنے نہیں دے رہا، کیونکہ مذہب ہی ایک ایسی وابستگی ہے جس پر کوئی بھی انسان

سمجھوتا نہیں کر سکتا۔ مذہب کے لیے لوگ اپنا تن من دھن قربان کر دیتے ہیں تو ملک چھوڑنا کیا مشکل ہے۔

یہ وہی چین ہے جس نے دنیا میں انصاف پرست کمیونسٹ نظام لانے کا خواب دکھایا تھا۔ دنیا میں غیر برابری کو ختم کرنے کا کمیونسٹ نظام کا سربراہ نظر آنے والا چین ماؤزے تنگ کی قیادت کے بعد پوری طرح بدل گیا ہے۔ کمیونسٹوں کے لیے بھلے ہی مذہب ناقابل قبول ہو لیکن مذہبی لوگوں کے لیے یہ جینے کا ایک پاکیزہ راستہ ہے۔ وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتے، بھلے ہی اس کا مذہب و عقیدہ ایک دوسرے سے الگ کیوں نہ ہو۔ اسلام ایک ایسی قوت ہے جس کی حقانیت سے متاثر ہو کر بڑے پیمانے پر روزانہ لوگ اس میں شامل ہو رہے ہیں اور مسلمان دنیا بھر میں ایک بہت بڑی قوت ہیں۔ چین کو یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ دنیا میں 55 ممالک میں اسلامی حکومت ہے۔ چین کی تجارت پوری دنیا کے ساتھ ہے۔ اس ملک کی مصنوعات پوری دنیا میں موجود ہیں۔ چین اگر اپنے ملک میں مسلمانوں کو روزے نہیں رکھنے دیتا ہے تو دنیا کے مسلمان اس کی مصنوعات کو خریدنا بند کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو اس کا پورا اقتصادی نظام دھڑام سے زمین پر آ سکتا ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی ملک یا کسی اسٹیج سے چین میں مسلمانوں کی روزے رکھنے کی مذہبی آزادی کو چھیننے جانے کی مخالفت میں اس ملک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان کرے، اسے اپنے اس فیصلے کو بدل لینا چاہیے۔ چین چونکہ پاکستان

کا دوست ہے، اس لیے پاکستان کو بھی چین پر دباؤ بڑھاتے ہوئے مسلمانوں پر عاید
پابندیوں کے خاتمے کے لیے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

چین میں مسلمانوں پر مذہبی پابندی

ان دنوں چین میں مسلمانوں پر مذہبی پابندیوں کا معاملہ ایک بار میڈیا پر آیا ہوا ہے۔ مسلمانوں پر نماز، روزے، حجاب، داڑھی اور دیگر عبادات پر پابندی کے خلاف دنیا بھر کے کئی مسلم ممالک میں چین کے خلاف احتجاج کیا جارہا ہے۔ ترکی کے مختلف شہروں میں بھی مظاہروں کے دوران مظاہرین نے مذہبی فرائض کی ادائیگی پر کوئی بھی پابندی ناقابل قبول قرار دی ہے۔ گزشتہ دنوں مصر کی معروف علمی درس گاہ جامعہ الازہر کی معتبر شخصیات نے بھی چین میں مسلمانوں پر مذہبی پابندی پر تشویش کا اظہار کیا تھا۔ جبکہ دنیا بھر کے مسلم ممالک میں اس ظالمانہ اقدام پر چین کو تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔

چین میں حکمران کمیونسٹ پارٹی باضابطہ طور پر ایک لادین پارٹی ہے، جو کہ گزشتہ کئی برسوں سے اس پالیسی پر عمل پیرا ہے کہ مغربی صوبے سنکیانگ میں مسلمانوں کو جہاں تک ہوسکے، روزے رکھنے سے باز رکھا جائے اور مذہبی پابندیوں میں جکڑا جائے۔

سنکیانگ چین کا وہ واحد علاقہ ہے جہاں پورے ملک میں نسلی اقلیت کی حیثیت رکھنے والی ایغور مسلم آبادی مقامی طور پر اکثریت میں ہے۔ امسال رمضان المبارک کی ابتدا سے پہلے صوبے کے مسلمانوں پر پابندی عاید کرتے ہوئے چینی حکومت کی جانب سے مسلم اکثریتی صوبے سنکیانگ میں مقامی

مسلمانوں پر رمضان الکریم میں روزے رکھنے، تراویح پڑھنے، قرآن پاک کی تلاوت کرنے اور نمازوں کی ادائیگی کے لیے مساجد میں جانے پر پابندی کا اعلان کیا گیا تھا، اس کے بعد مسلمانوں کے گھروں پر چھاپے بھی مارے گئے تھے اور پولیس کی جانب سے ایغور مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر ان سے روزوں، نماز اور قرآن الکریم کی تلاوت کے حوالے سے تفتیش کی جاتی رہی ہے۔ چینی حکومت کی جانب سے دیے گئے احکامات میں سرکاری عہدیداروں، ملازمین، طلبا و طالبات اور لادین حکمراں جماعت کمیونسٹ پارٹی سے منسلک تمام مسلمانوں کو رمضان میں روزے رکھنے سے باز رہنے کی تلقین کی گئی تھی۔ چینی ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے مسلمانوں کے علاقوں میں واقع تمام تعلیمی اداروں کو رمضان کے حوالے سے بھیجی گئی خصوصی ہدایات میں کہا گیا تھا کہ بچوں کی تعلیم اور مذہب کو جدا جدا رکھا جانا بہت ضروری ہے۔ اس لیے تمام اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے ہیڈ آف ڈپارٹمنٹس اس امر کو یقینی بنائیں کہ کوئی طالب علم رمضان میں روزے رکھ کر کلاس میں نہ پہنچے۔ تمام والدین سے بچوں کو روزہ نہ رکھوانے کا حلف نامہ لیا گیا اور انہیں تنبیہ کی گئی کہ اگر کوئی بچہ روزے کی حالت میں پایا گیا تو اس کے والدین کو گرفتار کر لیا جائے گا، جس پر جلاوطن ایغور باشندوں کی نمائندہ تنظیم ورلڈ ایغور کانگریس کے ترجمان دلشاد رشید نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا:

"چین کی طرف سے روزہ رکھنے پر پابندی کا مقصد یہ ہے کہ ایغور مسلمانوں کو رمضان کے دوران ان کی مسلم ثقافتی پہچان سے دور رکھا

نے اپنی اشاعت میں لکھا تھا کہ چین muslimmatters جائے۔" جبکہ عالمی جریدے کے مسلمانوں کو فلسطین، شام اور افغانستان کے مسلمانوں کی نسبت ایک مختلف صورتحال کا سامنا ہے، کیوں کہ چینی حکومت نہیں چاہتی کہ چینی مسلمان اپنے دین پر عمل کریں، نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، مساجد جائیں اور قرآن الکریم کی تعلیم حاصل کرکے اسے دوسرے مسلمانوں تک پہنچائیں۔

ان حالات کے پیش نظر یہ امر نہایت ہی افسوسناک ہے کہ چین مسلم ممالک کا ایک پرامن دوست سمجھا جاتا ہے اور چین کی تجارتی سرگرمیوں کا ایک بڑا حصہ بھی مسلم ممالک میں ہے، جبکہ مسلم ممالک میں چین کو ایک دوست کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ چین کو بھی مسلمانوں کے جذبات کی قدر کرنا چاہیے، لیکن افسوس وہاں مسلمانوں کی آزادی کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو آزادی سے اپنی عبادات ادا کرنے کا اختیار بھی نہیں ہے اور چین جیسے ملک میں رہنے والے مسلمانوں کو اس وقت سخت حالات کا سامنا ہے۔ اس وقت جب کہ دنیا بھر کے مسلمان رمضان کے روزوں اور برکات سے مستفید ہو رہے ہیں اور ایک اہم ترین مذہبی فرض ادا کر رہے ہیں تو وہیں ان چینی مسلمانوں پر اس حوالے سے سخت پابندیاں عائد کردی گئی ہیں، جو انتہائی قابل مذمت ہے۔ چین کا شکوہ ہے کہ سنکیانگ صوبے میں اس لیے مذہبی پابندی ہے کیونکہ اگر مسلمانوں کو مذہبی عبادات پر عمل کرنے کی آزادی دی جائے تو انتہا پسندی میں اضافہ ہوگا۔

حالانکہ اسلام دین اور دنیا میں متوازن زندگی گزارنے کا پیغامبر ہے۔ رمضان کا روزہ غریبی میں زندگی کیسے گزارا جا سکتا ہے، اس کا پیغام دیتا ہے۔ اس مذہب میں ایک انسان سے لے کر جانور تک کے حقوق بہت واضح بیان کیے گئے ہیں۔ یہ مذہب اپنے پڑوسی کا پورا خیال رکھنے کا پیغام اگر دیتا ہے تو اپنے ملک کے لیے بغاوت کرنے کو کس طرح کہہ سکتا ہے۔ کیسی عجیب و غریب صورت حال ہے کہ جہاں لوگ روزے سے ہوں اور وہاں کی حکومت کہے کہ یہ کھانا کھاؤ، روزے نہ رکھو۔ اپنے پروردگار کو باضابطہ طور پر یاد نہ کرو، نماز نہ پڑھو۔اس قسم کے ظالمانہ اقدامات کرنے والے ملک پر نہ صرف تنقید ہونی چاہیے، بلکہ اس پر دباؤ بڑھایا جانا چاہیے کہ وہ عقیدوں کے معاملے پر ایسی زور زبردستی نہ کرے۔ چین کو سمجھنا ہوگا کہ مدلل اور زندگی بسر کرنے کا پرامن راستہ دکھانے والے مذہب کے عقیدتمندوں کے ساتھ ان کا یہ برتاؤ کوئی بھی برداشت نہیں کرے گا اور انتہا پسندی مذہب پر عمل کرنے سے نہیں بڑھتی، بلکہ مذہب پر پابندی لگانے سے بڑھتی ہے۔ اگر مذہبی عقیدوں کو دبایا جائے گا تو بغاوت ہوگی۔ جہاں روزے رکھنے پر پابندی لگائی جا رہی ہے، وہاں کے مسلم ہجرت کرنا شروع کر دیں گے۔ اس لیے نہیں کہ انھیں اپنی سرزمین چین سے ناراضگی ہے، بلکہ وہ ناراض اس بات سے ہوں گے کہ انھیں ان کے ملک کا سیاسی نظام ان کے مذہبی راستہ پر چلنے نہیں دے رہا، کیونکہ مذہب ہی ایک ایسی وابستگی ہے جس پر کوئی بھی انسان سمجھوتا نہیں کر سکتا۔ مذہب کے لیے لوگ اپنا تن من دھن قربان کر دیتے ہیں تو

ملک چھوڑنا کیا مشکل ہے۔

یہ وہی چین ہے جس نے دنیا میں انصاف پرست کمیونسٹ نظام لانے کا خواب دکھایا تھا۔ دنیا میں غیر برابری کو ختم کرنے کا کمیونسٹ نظام کا سربراہ نظر آنے والا چین ماؤزے تنگ کی قیادت کے بعد پوری طرح بدل گیا ہے۔ کمیونسٹوں کے لیے بھلے ہی مذہب ناقابل قبول ہو لیکن مذہبی لوگوں کے لیے یہ جینے کا ایک پاکیزہ راستہ ہے۔ وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتے، بھلے ہی اس کا مذہب و عقیدہ ایک دوسرے سے الگ کیوں نہ ہو۔ اسلام ایک ایسی قوت ہے جس کی حقانیت سے متاثر ہو کر بڑے پیمانے پر روزانہ لوگ اس میں شامل ہو رہے ہیں اور مسلمان دنیا بھر میں ایک بہت بڑی قوت ہیں۔ چین کو یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ دنیا میں 55 ممالک میں اسلامی حکومت ہے۔ چین کی تجارت پوری دنیا کے ساتھ ہے۔ اس ملک کی مصنوعات پوری دنیا میں موجود ہیں۔ چین اگر اپنے ملک میں مسلمانوں کو روزے نہیں رکھنے دیتا ہے تو دنیا کے مسلمان اس کی مصنوعات کو خریدنا بند کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو اس کا پورا اقتصادی نظام دھڑام سے زمین پر آ سکتا ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی ملک یا کسی اسٹیج سے چین میں مسلمانوں کی روزے رکھنے کی مذہبی آزادی کو چھیننے جانے کی مخالفت میں اس ملک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان کرے، اسے اپنے اس فیصلے کو بدل لینا چاہیے۔ چین چونکہ پاکستان کا دوست ہے، اس لیے پاکستان کو بھی چین پر دباؤ بڑھاتے ہوئے مسلمانوں پر

عاید پابندیوں کے خاتمے کے لیے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

ٹی وی چینلوں کے غیر سنجیدہ رمضان پروگرام

خلق خدا کچھ ہی دن میں اللہ کی رحمت، برکت اور مغفرت کے پیکج سے محروم ہونے جارہی ہے۔ رمضان نیکیوں کے موسم بہار کا مہینہ ہے۔ اس ماہ مبارک میں ہر طرف قرآن کی تلاوت، انفاق فی سبیل اللہ، غریبوں کی مدد اور ایک دوسرے سے تعاون و ہمدردی کی بہاریں رہتی ہیں۔ ہر مسلمان نیکی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے۔ عام دنوں کے مقابلے میں اس ماہ اللہ کے ہاں بھی نیکیوں کا اجر کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے اور نیکیوں کے مواقع بھی بڑھ جاتے ہیں، جن کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان بڑھ چڑھ کر اپنے مولا کو راضی کرنے کی فکر کرے اور اس ماہ کا ایک ایک لمحہ ضایع ہونے سے بچائے، لیکن یہاں تو سارا معاملہ برعکس ہے۔ ٹی وی چینلوں کے رمضان کے نام پر مخصوص پروگراموں نے عوام کو عین سحر و افطار کے بابرکت اوقات میں لایعنی باتوں میں مصروف کرکے انہیں اللہ کی عبادت سے دور کردیا ہے۔ سحر و افطار کا قیمتی وقت مسجدوں میں جاکر دین سیکھنے کی بجائے ٹی وی چینلوں سے بے دینی سیکھنے میں برباد کیا جارہا ہے۔ اسٹیڈیم کے تماشائیوں کی طرح مخلوط محفلیں سجاکر ماہ مبارک کو مذاق بنادیا گیا ہے۔ جو وقت سنجیدگی کے ساتھ اللہ کے سامنے گڑگڑانے کا تھا، اسے مخلوط محفلوں میں ٹھٹھا مخول اور ہنسی مذاق میں گنوایا جارہا ہے۔

رمضان المبارک اللہ سے عافیت و بھلائی مانگنے کا مہینہ ہے، لیکن ٹی وی چینلوں نے عوام کو موبائل اور لان کے کپڑے مانگنے کے لیے مضحکہ خیز حرکتیں کرنے پر لگادیا ہے۔ ٹی وی مالکان نے یکم رمضان سے عوام کے روزوں کے ساتھ کھلواڑ کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا، وہ تاحال جاری ہے اور کئی برسوں سے جاری ہے۔ اجتماعی طور پر پوری قوم کو دین کے نام پر اس بے ہودگی کے پیچھے لگادینا سراسر غیر سنجیدہ و غیر شرعی فعل ہے۔ علمائے کرام کو ان لغو حرکات کے خلاف آواز اٹھانا چاہیے اور چینل مالکان کو اس بات پر مجبور کرنا چاہیے کہ وہ پیسے اور ریٹنگ کے چکر میں سادہ لوح عوام کے ساتھ گھناؤنا مذاق نہ کریں۔ وقت آگیا ہے کہ بے مہار میڈیا کو لگام دی جائے اور اسے اصول و ضوابط کا پابند بنایا جائے، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ میڈیا انتہائی پراثر اور وسیع حلقہ رکھنے والی طاقت ہے۔ ماضی میں میڈیا صرف اخبار کا نام تھا، اب میڈیا سیکٹر میں الیکٹرانک میڈیا کا طوطی بولتا ہے اور جو کچھ الیکٹرانک میڈیا دکھاتا ہے، وہی قوم میں رواج پاجاتا ہے۔ اگرچہ زمانہ تیز سے تیزتر ہورہا ہے، مگر ہمارا میڈیا اس سے بھی دو چار قدم آگے نکلنے کو بے تاب ہے، چاہے اس کے لیے سماجی قدروں، تہذیبی اطوار اور مذہبی تعلیمات کی حرمت کو پامال کرنا پڑے۔ ماہرین نفسیات کہتے

ہیں کہ جو چیز بہ یک وقت دیکھی اور سنی جائے، اس چیز کے مقابلے میں جلدی ذہن نشین ہوتی ہے، جو صرف دیکھی یا صرف سنی جائے۔ الیکٹرانک میڈیا کا تو کام ہی دکھانا، سنانا اور ذہن بنانا ہے۔

ملک میں ایک نہیں، سو کے لگ بھگ ٹی وی چینل ہیں۔ وہ زمانہ لد گیا، جب اکیلے سرکاری ٹی وی کا راج تھا، لیکن ملک میں مواصلات کے شعبے میں انقلاب آیا تو ٹی وی چینلوں کی لائن لگ گئی۔ لائسنس کے ساتھ انہیں ہر طرح کی آزادی بھی ملی۔ یہ ٹی وی چینلوں کا عروج کہا جاسکتا ہے، لیکن اس عروج کے ساتھ ساتھ بہت سی چیزوں پر زوال بھی آنا شروع ہوگیا۔ چونکہ میڈیا نے صنعت کی شکل اختیار کی، اشتہارات اس صنعت کی نشوونما و تزئین و آرائش کا میٹریل بنے اور اشتہارات کی سالانہ مالیت لگ بھگ پچاس ارب روپے کا تعین ریٹنگ پر ہوتا ہے، اس لیے ریٹنگ کی دوڑ میں بازی لے جانے کے لیے دوسرے چینلوں کو چت کرنا ضروری ٹھہرا۔ مقابلے کی اس دوڑ میں چینل خود تو آگے نکل گئے، لیکن مقصدیت کو کہیں پیچھے چھوڑ گئے۔ دوسرے چینلز کو شکست دینے کے لیے ہر وہ چیز دکھائی جانے لگی جس سے ریٹنگ بڑھتی ہو، خواہ قوم کے اذہان پر منفی اثرات ہی مرتب ہوں اور ماہ مبارک میں عوام کی عبادات کے ساتھ کھلواڑ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

ریٹنگ کی اس دوڑ میں ایک طرف تو چینلز نے گرما گرم ٹاک شوز اور چیختی

چنگھاڑتی بریکنگ نیوز کا سلسلہ شروع کیا، جبکہ دوسری جانب ناظرین کی آنکھوں کو خیرہ کرنے کے لیے عورت کو بطور آلہ اور ذریعہ استعمال کرتے ہوئے ٹی وی اسکرین پر اخلاقی اقدار سے گرے ہوئے اشتہارات اور مغربی و بھارتی تہذیب میں گندھے ہوئے پروگرام دکھائے جانے لگے۔ حالانکہ ریٹنگ کی جانچ کا خودکار نظام "پیپل میٹر" کسی چینل کی مقبولیت کے معیار کے لیے معتبر نہیں ہو سکتا۔ اس میں آبادی کے نمائندہ نمونے کو لے کر 9 شہروں میں تقریباً700 گھرانوں میں ایک آلے کے ذریعے معلوم کیا جاتا ہے کہ کون سا چینل کس وقت دیکھا جا رہا ہے۔ ان گھرانوں سے رپورٹ خودکار طریقے سے میڈیا لاجک کے دفتر میں لگے کمپیوٹروں میں جمع ہوتی رہتی ہے، جس کے بعد میڈیا صنعت سے منسلک کمپنیوں کو بھیج دی جاتی ہے اور اسی رپورٹ کی بنا پر چینلوں کو کم یا زیادہ اشتہارات ملتے ہیں، اسی لیے ہر چینل میں بعض لوگوں کی دل کی دھڑکن ریٹنگ کے ساتھ اوپر نیچے ہوتی ہے، ریٹنگ کی خاطر ان کے ہاں مداری بننا بھی کوئی عیب نہیں اور ساری دنیا کے سامنے ننگی حرکتیں کرنا بھی کوئی عار کی بات نہیں۔ چینلز کی آپسی مسابقت میں جہاں میڈیا نے عوام میں قائم اپنے اعتماد، اعتبار اور وقار کا گلا گھونٹا، وہیں ریٹنگ کی اس دوڑ میں ملک کے بہت سارے اہم مسائل کو خاطر خواہ جگہ نہ مل سکی۔

قانونی طور پر ملک میں میڈیا کی تشہیر اور کیبل آپریٹرز کے حوالے سے ضابطہ

اخلاق یہ ہے کہ کسی بھی طریقے سے بے شرمی پر ابھارنے، شہوانی جذبات بھڑکانے، غیر شائستہ اور توہین آمیز خیالات کی تشہیر کی اجازت نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستانی قوم تہذیب و تمدن اور مذہب کے حوالے سے کسی بھی قسم کا سمجھوتا کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتی۔ اس لیے متعلقہ ادارے پیمرا کی ذمہ داری ہے کہ وہ ذرائع ابلاغ کو ناشائستگی، غیر سنجیدگی، قومی اقدار کے منافی میڈیائی تفریح سے محفوظ رکھے۔

الیکٹرانک میڈیا کے مالکان کو چاہیے کہ اپنی ذمہ داری کا ادراک و احساس کرتے ہوئے رمضان میں دین کے نام پر بے دینی پھیلانے کی بجائے شریعت اور مشرقیت کی حدود میں رہ کر شعور کی بیداری پر مبنی ایسے پراگرام قوم کو دکھائیں جو قومی شناخت، ملکی اقدار اور فکری یک جہتی میں ممد و معاون ثابت ہوں۔

اے چاند یہاں نہ نکلا کر

یوں تو ہمارے معاشرے میں ہر چیز پر اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن ایک چیز ایسی بھی ہے، جس پر سب لوگ متفق ہیں اور وہ ہے اختلاف۔ اسی بے حد اختلاف کو دیکھتے ہوئے جون ایلیا نے خوب کہا تھا: "آؤ کہ اختلاف رائے پر اتفاق کر لیں۔" اگرچہ اختلاف کا پایا جانا انسانی فطرت کا تقاضا ہے، جس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہی نہیں، بلکہ نا ممکن ہے، لیکن شاید ہمارے معاشرے میں لوگ اختلاف کو دینی فریضہ سمجھ کر کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک ایسی قوم سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں جو صرف دنیاوی معاملات میں ہی نہیں، بلکہ شریعت کے اٹل اصولوں میں بھی ڈٹ کر اختلاف کرنے والے مسلمان بن گئے ہیں، جبکہ اپنے ملی اور دینی معاملات میں زبانی کلامی متحد و منظم ہونے کے دعوے تو بہت کرتے رہتے ہیں، مگر اِس پر ایک آدھ بار ہی عملی مظاہرہ کرکے تھک جاتے ہیں اور پھر اپنا طرہ اونچا رکھنے کی فکر میں اس حد کو بھی پہنچ جاتے ہیں جس کی نہ تو شریعت جازات دیتی ہے اور نہ ہی قانون اپنے اندر کوئی گنجائش رکھتا ہے۔ بہت سے دینی مسائل ایسے ہیں، جن میں اتفاق کرنے سے کوئی دینی و دنیوی نقصان نہیں ہوتا، لیکن صرف اس لیے اتفاق نہیں کیا جاتا کہ اس پر عمل کرنے سے مخالف مسلک کی تائید ہو جائے گی۔ کچھ عرصہ قبل وزیر مذہبی امور کی کوششوں سے تمام مکاتب فکر کے علمائے

کرام کی موجودگی میں اسلام آباد کی تمام مساجد میں اذان و نماز کا ایک وقت مقرر کرنا طے پایا تھا، لیکن مجال ہے کسی نے بھی ایک دن ہی سہی، عمل کرکے دکھایا ہو۔

پاکستان میں اختلافی مسئلہ چاند کا بھی ہے، جس پر برسوں سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ ہر سال حکومت کی جانب سے اس اختلاف کو اتفاق میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ موجودہ ماہ مبارک کے چاند کے حوالے سے وزیر مذہبی امور سردار یوسف پورے ملک میں ایک ہی دن میں رمضان المبارک کرنے کے لیے کوشاں تھے، لیکن ہوا وہی جو گزشتہ کئی سالوں سے ہوتا آرہا ہے، مسجد قاسم علی پشاور میں ایک دن پہلے ہی چاند نظر آگیا۔ ابھی عید الفطر آنے والی ہے، حکومت ملک بھر میں عید ایک دن کرنے کی متمنی ہے، لیکن یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ ہوگا وہی جو ہر بار ہوتا ہے۔ اسلامی شریعت کے مطابق رمضان کے مہینے کا پہلا چاند دیکھ کر روزہ رکھو، شوال کے مہینے کا پہلا چاند دیکھ کر روزہ ختم کردو اور عید مناؤ۔ اس طرح چاند کا دیکھنا ایک شرعی و مذہبی تقاضا ہے، جس پر صحیح طور پر عمل درآمد ہونا چاہیے، لیکن ملک میں چاند کے معاملے پر ہونے والی "دھینگا مشتی" کو دیکھ کر لگتا ہے کہ چاند دیکھنے کا شرعی معاملہ ضد اور انا کی بھینٹ چڑھ گیا ہے اور اسی ضد کی بنا پر بعض لوگ حکومتی اعلان ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ چاند کے معاملے پر اسی ضد

: کو دیکھتے ہوئے حبیب جالب سے معذرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے

اے چاند یہاں نہ نکلا کر
یہ دیس ہے "ضدی" لوگوں کا

حیران کن طور پر یہ اختلاف صرف رمضان المبارک اور عیدین کے چاند پر نظر آتا ہے، دیگر مہینوں کے چاند پر کبھی کوئی اختلاف سامنے نہیں آتا، جس سے ثابت ہوتا ہے بعض لوگ اپنی انفرادیت ثابت کرنے کے لیے ایک مختلف معاملہ قوم کے سامنے لاتے ہیں۔ اگر وہ چاند دیکھنے میں حق بجانب بھی ہیں تو بھی ریاست کا فیصلہ ماننے میں حرج ہی کیا ہے، جبکہ یہ فیصلہ بھی علمائے کرام نے کیا ہو۔ حکومت پاکستان کی قائم کردہ صوبائی اور مرکزی رویت ہلال کمیٹیوں میں ملک کے تمام مکاتب فکر کے سرکردہ اور جید علمائے کرام موجود ہیں۔ اس کے علاوہ محکمہ موسمیات، پاکستان نیوی اور سپارکو کے نمائندے بھی فنی معاونت کے لیے ہر اجلاس میں موجود ہوتے ہیں اور پھر سب کی متفقہ رائے کی روشنی میں اور تمام ممبران کی موجودگی میں چیئرمین مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی پاکستان چاند کی رویت یا عدم رویت کا اعلان کرتے ہیں۔ رویتِ ہلال سے متعلق جو فیصلہ اور اعلان کیا جاتا ہے، وہ تمام ممبران کے اتفاق رائے سے ہوتا ہے اور اس فیصلے پر تمام ممبران کے دستخط بھی ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود چند افراد کی جانب سے اس فیصلے کو ماننے سے انکار کیا جاتا ہے، حالانکہ چاند دیکھنے کے لیے قائم

ریاستی کمیٹی کے اعلان پر عمل کرنے کو تمام مکاتب فکر کے معتبر علمائے کرام ضروری قرار دے چکے ہیں۔ رمضان المبارک اور عیدین کا شمار مسلم ا±مہ کے ان عظیم مذہبی تہواروں میں ہوتا ہے جن کا نفس ہی چاردانگِ عالم میں اخوت ومساوات اور بھائی چارگی کا درس دینااور عفوودرگزر کو اپنا شعائر بناکر اِسے عام کرنا ہے۔ ہر کوئی چاہتا ہے کہ ملک بھر کے تمام مسلمان ایک ہی دن عیدین منائیں، مگر افسوس صد افسوس کہ معاملہ برعکس ہوتا ہے، ایسا بہت کم ہوا ہے کہ ہمارے ہاں پورے ملک میں ایک ہی روز عید منائی گئی ہو، بلکہ یہاں تو ایک ہی سال میں تین تین عیدیں بھی منائی گئی ہیں۔

جب تک خلافت عثمانیہ کی مرکزیت قائم تھی پوری امت میں مرکزیت تھی۔ ایک ہی دن روزہ اور ایک ہی دن عید ہوتی تھی۔ عرب اور ہندوستان میں چاند کی تاریخیں ایک ساتھ چلتی تھیں۔ آج ملک میں کمیونی کیشن کی بہترین ارزاں اور عام سہولیات ہیں، جن کے ذریعے رویت ہلال سے متعلق شہادتوں کی شرعی وقانونی قبولیت اور تصدیق اور چاند نظر آنے یا نہ آنے کے معاملے کو حل کرنا زیادہ دقت طلب نہیں ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دنیا ترقی کرکے دوسرے جہانوں کو مسخر کرنے کی فکر میں ہے، لیکن ہم چودہ سو سالہ پرانے چاند دیکھنے کے مذہبی معاملے پر موجود اختلاف کو بھی ختم نہیں کرسکے۔ ان اختلافات کو ختم کرنے کے لیے حکومت اور علمائے کرام کو مشترکہ اقدامات کرنا

ہوں گے۔ رویت ہلال کمیٹی کو چاہیے کہ ہر سال چاند دیکھنے سے متعلق اپنا الگ ہی اعلان کر دینے والے گروہوں سے رابطہ کرنے کے بعد گفت و شنید سے انھیں اس بات پر قائل کیا جائے کہ ان کا کوئی ایک نمایندہ رویت ہلال کمیٹی سے رابطے میں رہے اور چاند سے متعلق شہادتیں میڈیا اور عوام کو نہ دے، بلکہ رویت ہلال کمیٹی کو دے اور پھر رویت ہلال کمیٹی اس کو پرکھ کر اعلان کرے۔ اس کے ساتھ اہل علم و فن کو چاہیے کہ مندرجہ ذیل عوامل پر غور وخوض کرکے قوم کے سامنے مکمل وضاحت ہونی چاہیے کہ پورے ملک میں ایک ہی دن عید منانے کی شرعی ضرورت یا حیثیت کیا ہے؟ ملک کی جغرافیائی سرحدوں کی شرعی یا تکنیکی حیثیت یا جواز کیا ہے؟ جب کہ خلافت عثمانیہ میں پوری امت ایک ساتھ عید مناتی تھی اور رویت ہلال کمیٹی کے قیام سے قبل بھی ملک کے مختلف حصوں میں مختلف محل وقوع اور موسموں کے فرق کی وجہ سے نماز، افطار، سحر کے علاوہ عید کے دنوں میں بھی فرق پایا جاتا تھا۔ اس پر کسی کو ایک دوسرے سے اختلاف بھی نہیں ہوتا تھا تو کیا اب یہ ممکن نہیں؟ اگر ممکن ہے تو اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اگر اہل علم و فن مل کر ان معاملات کو قوم کے سامنے واضح کر دیتے ہیں تو امید کی جا سکتی ہے قوم میں پیدا اختلاف کافی حد تک کم ہو سکتے ہیں۔

پاکستان میں پھر سیلاب کی تباہ کاریاں۔۔۔۔ذمے دار کون؟

گزشتہ کئی سالوں کی طرح امسال بھی بارشوں کے نتیجے میں آنے والے سیلاب نے ملک کے مختلف علاقوں میں تباہی مچائی ہوئی ہے۔ سیلاب سے جنوبی پنجاب، خیبر پختونخوا، سندھ اور دیگر علاقوں میں اربوں روپے مالیت کی کھڑی فصلیں تباہ ہوچکی ہیں۔ سیکڑوں دیہات زیر آب، ہزاروں مکانات تباہ اور لاکھوں افراد بے گھر ہوچکے ہیں۔ بارشوں اور سیلاب سے چترال کے عوام کی مشکلات میں مزید اضافہ ہورہا ہے۔ کیلاش، گرم چشمہ اور مستوج جانے والی تمام سڑکیں مکمل طور پر بند ہیں۔ درجنوں رابطہ سڑکیں اور پل بہہ جانے کی وجہ سے ہزاروں افراد محصور ہوکر رہ گئے ہیں۔ اسکردو کے علاقے روندو میں سیلابی ریلا آنے سے متعدد رابطہ پل تباہ ہوگئے ہیں، تازہ ترین لینڈ سلائڈنگ سے گلگت اسکردو روڈ تین مقامات پر بند ہوگیا ہے۔ جنوبی پنجاب میں بھی بارشوں کی وجہ سے کوہ سلیمان سے نکلنے والے برساتی ندی نالوں میں شدید طغیانی ہے۔ دریائے جہلم میں ہیڈ رسول اور منگلا کے مقام پر نچلے درجے کا سیلاب ہے۔ دریائے چناب میں مرالہ، قادر آباد، چنیوٹ برج، تریموں اور پنجند پر پانی کا بہاو نی معمول کے مطابق ہے، تاہم خانکی پر نچلے درجے کا سیلاب ہے۔ بھارت نے چناب میں 46 ہزار کیوسک کا ریلا چھوڑ کر سیلابی تباہ کاریوں میں مزید اضافہ کردیا ہے، جبکہ بھارت نے آبی جارحیت کا مظاہرہ

کرتے ہوئے دریائے ستلج میں بھی پانی چھوڑ دیا، جس کی وجہ سے نالہ ڈیک میں طغیانی آ گئی اور پانی مزید بپھر گیا ہے، جبکہ بھارتی آبی جارحیت کے نتیجے میں بند ٹوٹنے سے رحیم یار خان میں مزید آٹھ بستیاں زیر آب آ گئی ہیں۔

محکمہ آبپاشی سندھ نے سکھر بیراج پر اونچے درجے کے سیلاب کا اعلان کیا ہے۔ تین اگست تک گڈو اور سکھر بیراج پر انتہائی اونچے درجے کی سیلابی صورتحال ہو سکتی ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ گڈو اور سکھر بیراج پر پانی کی سطح سات لاکھ کیوسک سے بھی بڑھ سکتی ہے۔ محکمہ آبپاشی کی جانب سے پانی کے اضافے کے پیش نظر 46 بندوں کو حساس اور 9 بندوں کو انتہائی حساس قرار دے دیا گیا ہے۔ سیلابی پانی داخل ہونے سے سکھر، گھوٹکی اور خیرپور کے 1800 دیہاتوں کا شہروں سے زمینی رابطہ منقطع ہو گیا ہے، جس میں سے 300 دیہات مکمل طور پر زیر آب آ چکے ہیں اور ساڑھے 3 لاکھ افراد محصور ہیں۔ گڈو اور سکھر بیراج کے ڈاون اسٹریم میں پانی کی سطح میں اضافے کے باعث کچے کی 4 لاکھ 36 ہزار ایکڑ اراضی پر کھڑی فصل کو نقصان پہنچا ہے۔ دریائے سندھ میں تربیلا، کالا باغ، جناح، تونسہ اور چشمہ بیراجوں پر درمیانے درجے کا سیلاب ہے۔

سندھ میں سیلاب متاثرین کی مدد کے لیے پاک بحریہ کی ٹیمیں بھی امدادی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ پاک بحریہ کی ٹیموں کا کیمپ سکھر میں قائم کیا گیا ہے۔ دوسری جانب کراچی کے علاقے گڈاپ ٹاؤن میں واقع لٹھ ڈیم میں شگاف پڑنے سے اطراف

کی آبادیوں کے زیر آب آنے کا خطرہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ڈیم میں شگاف کی صورت میں گلستان جوہر، صفورہ چورنگی کے اطراف کے علاقے خصوصاً سن لے کاٹیجز سمیت کئی علاقے پانی میں ڈوبنے کا خدشہ ہے۔ اس سلسلے میں ابھی تک حکومت کی جانب سے کوئی اقدامات نہیں کیے گئے، جبکہ اسٹنٹ کمشنر گڈاپ کا دعویٰ ہے کہ حکومت لٹھ ڈیم میں پانی کی سطح پر نظر رکھی ہوئی ہے۔

پاکستان میں قدرتی آفات سے نمٹنے کے ادارے نیشنل ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی کے مطابق ملک بھر میں سیلاب اور بارشوں سے جاں بحق ہونے والے افراد کی 69 تک پہنچ گئی ہے۔ این ڈی ایم اے کی جانب سے پیر کو جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق صوبہ پنجاب اور سندھ میں سیلاب متاثرین کی تعداد 3 لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ ادھر صوبہ خیبر پختونخوا میں آفت زدہ قرار دیے جانے والے پہاڑی ضلع چترال کی انتظامیہ کا کہنا ہے کہ صرف اسی ضلع میں متاثرین کی تعداد ڈھائی لاکھ ہے۔ این ڈی ایم اے کی جانب سے جو اعداد و شمار جاری کیے گئے ہیں، ان کے مطابق خیبر پختونخوا میں سیلاب سے 34، پاکستان کے زیرِ انتظام کشمیر میں 15، پنجاب میں 8، بلوچستان میں 7 اور گلگت بلتستان میں 5 افراد جاں بحق ہوئے ہیں اور 36 افراد زخمی بھی ہوئے ہیں۔ سیلاب سے متاثرہ دیہات کی تعداد 635 ہے، جہاں 1855 مکانات متاثر ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ سیلابی ریلے سے ایک ہزار 648 مکانات اور 451 دیہات شدید متاثر ہوئے، لاکھ 33 ہزار ایکڑ سے زاید 2

رقبے پر کھڑی فصلیں سیلابی ریلے میں بہہ گئیں، جبکہ ہلاک ہونے مویشیوں کی تعداد بھی سیکڑوں میں ہے۔ سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں امدادی کارروائیاں جاری ہیں، جن کے تحت اب تک ایک لاکھ 23 ہزار کو محفوظ مقامات پر منتقل کیا گیا، جن میں 23 ہزار 757 خیمے، 20 ہزار 486 ٹن اشیاء خوردونوش اور 121 ٹن پینے کا پانی بھجوایا جا چکا ہے۔

واضح رہے ملک میں قدرتی آفات سے نمٹنے کے لیے ایک ادارہ موجود ہے، اس کے باوجود ہر سال سیلاب کی وجہ سے ملک کو بے بہا جانی و مالی نقصان ہوتا ہے، لیکن یہ ادارہ سیلاب کے دنوں میں بھی کہیں متحرک نظر نہیں آتا۔ ماہرین محکمہ موسمیات کے پاس موسم کی پیش گوئی کرنے والے جدید اور طاقتور آلات نہ ہونے کو بھی نقصانات کی بڑی وجہ قرار دے رہے ہیں۔ قدرتی آفات سے نمٹنے کے لیے ملک میں این ڈی ایم اے کے نام سے ادارہ تو ہے، لیکن اس کے پاس اختیارات اور مالی وافرادی قوت نہیں ہے۔ حکمرانوں اور این ڈی ایم اے کی نظریں پاک آرمی، اقوام متحدہ کے ذیلی اداروں اور بین الاقوامی ڈونر ایجنسیوں کی جانب سے کسی متوقع امداد کے منتظر ہیں۔ ذرائع کے مطابق قومی اہمیت کے حامل ادارے این ڈی ایم اے کے لیے سالانہ بجٹ میں حکومت کی جانب سے کوئی ترقیاتی فنڈ مختص ہی نہیں ہوتا۔ صرف ملازمین کی تنخواہوں اور دفتری امور کی انجام دہی کے لیے سالانہ پونے 2 ملین کے قریب فنڈ مختص کیے جاتے ہیں۔ اس صورتحال میں

نہ تو این ڈی ایم اے کے پاس سیلابی صورتحال سے نمٹنے کے لیے فوری ریسکیو اینڈ ریلیف آپریشن کی صلاحیت ہے اور نہ ہی محکمہ موسمیات کے پاس لانگ ٹرم فورکاسٹ اور پہاڑی علاقوں میں فلش فلڈ کی پیش گوئی کرنے کے لیے جدید ٹیلی میٹری نظام موجود ہے۔ حکمران سیلاب کی تباہ کاریوں کی روک تھام کے لیے حفاظتی منصوبوں کے لیے فنڈز فراہم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ماہرین کے مطابق گزشتہ 10 سال کے دوران سیلابی تباہ کاریوں کے نتیجے میں پاکستان کو 26 بلین ڈالر سے زاید کا نقصان پہنچا ہے، تاہم اس کے باجود ملک کے ذمے داران سیلابی تباہ کاریوں سے بچنے کے لیے کوئی حکمت عملی تیار کرنے میں ناکام ہیں۔ دوسری جانب ماہرین کا کہنا ہے کہ موثر منصوبہ بندی اور مربوط نظام کے فقدان کے باعث نہ صرف ہر سال سیلاب اور دیگر قدرتی آفات آتے ہیں، بلکہ اس کے نتیجے میں ہونے والے بڑے پیمانے پر جانی ومالی نقصانات کو بھی کم نہیں کیا جاسکا ہے۔ پاکستان میں ہر سال لوگ قدرتی آفات کا نشانہ بنتے ہیں اور بڑا واویلا بھی کیا جاتا ہے، لیکن جب خطرہ ٹل جاتا ہے تو اس کے بعد پھر سے ہر طرف خاموشی چھا جاتی ہے۔ قدرتی آفات آنے کے بعد حکومت ہر سال بحالی اور تعمیر نو پر بڑی رقم خرچ کرتی ہے لیکن اگر اس رقم کا آدھا حصہ بھی پہلے خرچ کرکے مسائل کے روک تھام پر توجہ دی جائے تو کافی حد تک نقصانات کو کم کیا جاسکتا ہے۔ پشاور یونیورسٹی میں سینٹر فار ڈیزاسٹر پریپیرڈنس اینڈ منجمینٹ کے ڈائریکٹر اور حیاتیاتی سائنس کے شعبے کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر امیر نواز

خان کے مطابق خیبر پختونخوا میں سیلاب کا جدید وارننگ نظام ہی موجود نہیں ہے، جس سے بارشوں اور سیلاب کا پہلے سے پتہ چل سکے۔ پروفیسر ڈاکٹر امیر نواز خان کا کہنا ہے کہ پاکستان میں قدرتی آفات سے نمٹنے کے لیے جو ادارے قائم ہیں، وہاں پیشہ ور ماہرین کی بھی شدید کمی پائی جاتی ہے، جس سے مسائل پر قابو پانے کے لیے مربوط منصوبہ بندی نہیں ہو رہی۔ اگر جنگلات کو ختم نہ کیا جائے، دریاؤں کے کناروں پر قبضہ نہ کیا جائے، پانی کو ذخیرہ کرنے کے لیے مناسب انتظام کیا جائے اور مستقبل کی بہتر منصوبہ بندی کی جائے تو ایسی صورتحال میں پھر ہر قدرتی آفت سے آسانی سے نمٹا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں حکومت کو فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے، ورنہ ہر سال یہ نقصانات مزید بڑھ سکتے ہیں۔

پاکستان کو 1956، 1976، 1986 اور 1992 اور بعد میں آنے والے سیلابوں کی وجہ سے بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ ایک اندازے کے مطابق 1950ء سے 2013ء کے دوران شدید نوعیت کے 21 سیلابوں کی تباہی کی وجہ سے پاکستان کو مجموعی طور پر 37 بلین ڈالر سے زیادہ کا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ 2010 میں ملک کی تاریخ کے بدترین سیلاب نے 20 ملین لوگوں کو متاثر کیا اور ہزاروں افراد کی جانوں کو نگل لیا۔ تباہ شدہ مکانات، تعمیرات کی تعداد 16 لاکھ 8184، مالی نقصان 10 بلین ڈالر، 17 ہزار دیہات زیرآب آئے۔ ایک لاکھ ساٹھ ہزار مربع کلومیٹر 553

رقبہ متاثر ہوا۔ ملک میں تقریباً ہر سال سیلاب مختلف علاقوں میں زبردست تباہی مچاتا ہے۔ لہلاتی کھڑی فصلیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ ہزاروں افراد ہر سال سیلابوں میں ہلاک یا زخمی ہو جاتے ہیں، لیکن ہمارے حکمران ہر سال صرف ایک فوٹو سیشن کروا کے خود کو ہر ذمہ داری سے بری سمجھتے ہیں۔ اگر حکمران چاہیں تو نہ صرف اتنے بڑے نقصانات سے بچا جا سکتا ہے، بلکہ پانی کے اس قیمتی خزانے کو محفوظ کر کے ملکی ترقی کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر حکمران پانی کو محفوظ کرنے کے لیے چھوٹے بڑے ڈیمز بنائیں تو ایک طرف سیلاب کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے، جبکہ دوسری جانب بجلی کی قلت کو پورا کیا جا سکتا ہے، بنجر زمینوں میں پانی پہنچا کر لہلاتی فصلیں پیدا کی جا سکتی ہیں، لیکن ہمارے حکمران صرف نااہلی و کاہلی کی وجہ سے قدرت کی اس انمول نعمت کو ملک بھر کے لیے باعث زحمت بنا لیتے ہیں۔ اگر ڈیمز ملکی ضروریات کے مطابق بنا دیے جائیں تو تند رو پانی اور بارشوں کے سیلابی ریلے زحمت کی بجائے رحمت کا روپ دھار سکتے ہیں، لیکن ہمارے حکمرانوں نے کبھی اس طرف توجہ ہی نہیں دی اور ہمیشہ اس معاملے میں خطرناک حد تک پسپائی اختیار کی ہے۔ اگر حکمران مزید ڈیمز بناتے تو ہر سال ملک پانی میں ہر گز نہ ڈوبے۔

سیلاب میں گھری پاکستانی قوم

قوموں کی پہچان دعوؤں اور نعروں سے نہیں ہوتی، بلکہ فیصلوں سے ہوا کرتی ہے۔ جو قوم اپنا مستقبل اوج ثریا پر چمکتا دمکتا دیکھنا چاہتی ہے، وہ ہر میدان میں فیصلے بھی اسی طرح بلند و بالا کیا کرتی ہے۔ سیلاب قدرتی آفت ہے، جس سے چھٹکارہ حاصل کرنا کسی بھی ملک کے بس کی بات نہیں ہے۔ دنیا بھر میں ہر سال سیلاب کے نتیجے میں لاکھوں لوگ متاثر ہوتے ہیں، ہزاروں ہلاک اور زخمی ہو جاتے ہیں۔ اربوں ڈالر کا بھاری مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہے، لیکن جو ممالک سیلاب کا زور توڑنے اور تباہی پھیلانے والے پانی پر قابو پا کر اسے کارآمد بنانے کی منصوبہ بندی کرتے ہیں، وہی سرخرو ٹھہرتے ہیں۔ اس معاملے میں ہم چین کی مثال سامنے رکھتے ہیں۔ چین کی تاریخ خوف ناک سیلابوں سے بھری پڑی ہے۔

شمالی چین ہر سال تباہ کن سیلابوں میں بہہ جاتا تھا، جس سے کروڑوں افراد متاثر ہوتے تھے اور ہزاروں موت کا شکار ہو جاتے تھے۔ چین میں 1887 میں آنے والے سیلاب نے 9 لاکھ افراد کی جان لی۔ 1911 میں ایک لاکھ لوگ سیلاب کی نذر ہوگئے۔ 1931 میں 3 لاکھ 50 ہزار اور 1938 میں 5 لاکھ افراد کو سیلابوں نے ہلاک کر دیا، لیکن پھر چینی قوم نے ایک زندہ قوم بن کر سوچا۔ دانشمندی اور

ہمت سے ان سیلابوں کے سامنے بند ھ باند ھنے کی ٹھانی۔ چینی حکومت نے 1950 کی دہائی میں ایک سروے کیا۔ 15 بڑے دریاؤں کے پانیوں کو اسٹور کرنے کے لیے ڈیم بنانے کا آغاز کر دیا۔

تک چین کے شمال میں 1282 ڈیمز اور نہروں کا جال بچھا دیا گیا اور مزید 1970 ڈیمز کی تعمیر کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ چینی حکومت کے فیصلوں نے زحمت کو رحمت میں تبدیل کر دیا۔ چین میں اب بھی بارشیں ہوتی ہیں اور ان کے نتیجے میں سیلاب بھی آتے ہیں، لیکن ڈیمز لبالب بھر کر ان سیلابوں کی شدت کو کم کر دیتے ہیں۔ اب چین میں سیلابوں کی وجہ سے ہونے والے نقصان میں کئی سو گنا کمی آ گئی ہے۔ وہ پانی جو کبھی عذاب بن کر نازل ہوتا تھا، اب خوشحالی کا نقیب بن کر آتا ہے۔ چین نے ہر سال ضایع ہونے والے پانی کو محفوظ کر کے اپنی زمینوں میں کاشت کاری کی اور سونا اگا دیا اور آج اناج میں خود کفیل ہو گیا ہے۔ اس پانی سے چین نے اور بہت سے فوائد حاصل کیے ہیں۔

ہمارے ملک میں ہر سال زور دار بارشوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور کئی کئی روز تک جاری رہتا ہے۔ یہ بارشیں سیلاب کا روپ دھار کر ملک کے اکثر حصوں کے لیے تباہی و بربادی کا سامان کر جاتی ہیں۔ ہمارے دریاؤں کے پل ٹوٹ جاتے ہیں۔ متعدد علاقوں کا زمینی رابطہ سیلابوں میں مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہماری

لہلاتی کھڑی فصلیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ ہزاروں افراد ہر سال سیلابوں میں ہلاک یا زخمی ہو جاتے ہیں۔ ہزاروں مویشی غرقاب ہو جاتے ہیں۔ گھروں کی چھتیں مسمار ہو کر رہ جاتی ہیں۔ لوگ عارضی خیموں میں پناہ گزین ہو جاتے ہیں۔ تاحد نگاہ تباہی، بربادی اور پانی ہی پانی دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے حکمران ہر برس اس موسم میں ایک فوٹو سیشن کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

اخبارات میں خاکی کپڑے اور بڑے بڑے بوٹ پہن کر پانی میں کھڑے ہو کر تصویریں شایع کرواتے ہیں اور ٹی وی پر چند مناظر دکھائے جاتے ہیں۔ حاکم سیلاب زدگان میں آٹا تقسیم کرتے نظر آتے ہیں۔ کپڑوں اور دواؤں کے پیکٹ بانٹ رہے ہوتے ہیں۔ انتظامیہ کے افراد میڈیا کے سامنے کچھ دیر کے لیے عارضی کیمپ لگاتے ہیں، وہاں چند مایوس چہروں والے سیلاب متاثرین کی شکلیں دکھاتے ہیں اور میڈیا و حکمرانوں کے چلے جانے کے بعد عارضی کیمپ اکھاڑ دیے جاتے ہیں۔ اگلے برس پھر یہی ایکسر سائز دہرائی جاتی ہے۔ ہر سال یہی بے حسی لباس بدل بدل کر اپنا چہرہ دکھاتی ہے۔ پاکستان کئی سال سے سیلاب کی تباہ کاریوں کی زد میں ہے۔ پاکستان میں 1956، 1976، اور 1992 میں بڑے سیلاب آئے، جنھوں نے ملک و قوم کا بے بہا نقصان 1986 کیا۔ ایک اندازے کے مطابق 1950 سے 2013 کے دوران شدید نوعیت کے 21 سیلابوں کی تباہی کی وجہ سے پاکستان کو مجموعی طور پر 37 بلین ڈالر سے زیادہ کا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ چھ لاکھ مربع کلومیٹر سے زیادہ

رقبے پر قیامت ڈھانے والے یہ سیلاب بارہ ہزار افراد کو نگل چکے ہیں، جب کہ پونے دو لاکھ دیہات زیرآب آنے کی وجہ سے بڑی تعداد میں زرعی فصلیں اور مکانات تباہی سے دوچار ہوئے۔ سال 2010 کے سیلاب کو پاکستان کی تاریخ کا بدترین سیلاب قرار دیا جاتا ہے۔ جس نے 20 ملین لوگوں کو متاثر کیا تھا اور ہزاروں افراد کی جانوں کو نگل لیا تھا۔ تباہ شدہ مکانات، تعمیرات کی تعداد 16 لاکھ 8184، مالی نقصان 10 بلین ڈالر، 17 ہزار 553 دیہات زیرآب آئے۔ ایک لاکھ ساٹھ ہزار مربع کلومیٹر رقبہ متاثر ہوا۔ اس سال بھی سیلاب نے ملک میں تباہی مچائی ہوئی ہے۔ سیلاب سے جنوبی پنجاب، سندھ اور دیگر علاقوں میں اربوں روپے مالیت کی کھڑی فصلیں تباہ ہوچکی ہیں۔ سیکڑوں دیہات، ہزاروں مکانات تباہ اور لاکھوں افراد بے گھر ہوچکے ہیں اور سیلاب کی تباہیوں کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔

اگر حکمران چاہیں تو نہ صرف اتنے بڑے نقصانات سے بچاجاسکتا ہے، بلکہ پانی کے اس قیمتی خزانے کو محفوظ کرکے ملکی ترقی کے لیے گنج ہائے گراں مایہ کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ چھوٹے بڑے ڈیم بنا کر بجلی کی قلت کو پورا کر سکتے ہیں۔ پانی کو بے آب و گیاہ زمینوں تک لے جا کر سبزے اگا سکتے ہیں۔ بارانی علاقوں میں نہروں کے ذریعے پانی نے جا کر بنجر زمینوں سے لہلاتی فصلیں پیدا کر سکتے ہیں۔ ندی نالوں کو پختہ کرکے ان کے پشتے بنا کر پانی

سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، لیکن ستم دیکھیے ! صرف نااہلی و کاہلی کی وجہ سے ہم قدرت کی ایک انمول نعمت کو اپنے لیے باعث زحمت بنا لیتے ہیں۔ ہمارا سکھ چین چھین لیتی ہے۔ ہمارے لیے باعث آزاد بن کر ہماری زندگی کو تکلیف اور اذیت سے بھر دیتی ہے۔

پاکستان کے تمام 43 ڈیمز لبالب بھر جاتے ہیں۔ اگر ہم ملک کے طول و عرض میں چھوٹے بڑے ڈیموں اور نہروں کا جال بچھا دیں تو ہم اس پانی سے زندگی کشید کر سکتے ہیں۔ ہم بارشوں کے پانی کو ضایع ہونے سے بچا سکتے ہیں۔ اس کو استعمال میں لا کر بجلی بنا سکتے ہیں، زراعت کو چمکا سکتے ہیں۔ اگر چھوٹے یا بڑے ڈیمز ملکی ضروریات کے مطابق بنا دیے جائیں تو گلیشیئرز کے پگھلنے سے پیدا ہونیوالے تند رو پانی اور بارشوں کے سیلابی ریلے زحمت کے بجائے رحمت کا روپ دھار سکتے ہیں، لیکن قیام پاکستان کے وقت سے ہمارے حکمرانوں نے کبھی اس طرف توجہ ہی نہیں دی۔ ہم نے اس معاملے میں خطرناک حد تک پسپائی اختیار کی ہوئی ہے۔ اگر ہم ملک کے طول و عرض میں صرف ڈیم بنا لیتے، نہریں کھود لیتے، بیراج تعمیر کر لیتے تو آج ملک کا بیشتر حصہ پانی میں ڈوبا ہوا نہ ہوتا۔ ہم اناج کو سیلابوں ریلوں میں بہتا نہ دیکھ رہے ہوتے۔ ہم شہروں میں لرزہ خیز تباہی اور ہمارے دیہات میں رونگٹے کھڑے کر دینے والی بربادی نہ آتی۔ ہم چین کی طرح سیلابوں کی تعداد، مقدار اور نقصان کو کئی گنا کم کر سکتے تھے، لیکن

اگر حکمران اس معاملے کو سنجیدگی کے ساتھ لیں تب ہی یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔

سیلاب نے گلگت بلتستان اور چترال میں بدترین تباہی مچائی

بارش، لینڈ سلائیڈنگ، بے رحم سیلابی ریلے اور دریا کی بپھری ہوئی موجوں میں آنے والی طغیانی نے چترال و گلگت بلتستان میں وسیع پیمانے پر تباہی مچا کر عوام کی زندگی اجیرن کر دی ہے۔ کہیں پہاڑی تودے گرنے سے سڑکیں، نہریں، باغات ٹنوں من مٹی اور پتھروں کے نیچے دفن ہوگئے ہیں تو کہیں برسوں کی محنت کے بعد سنگلاخ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر قابل کاشت بنائے گئے کھیت دریا برد ہو گئے ہیں۔ کہیں غریبوں، محنت کشوں اور مزدوروں کا کل سرمایہ حیات چند کنال زمینوں اور سر چھپانے کے لیے بنائے گئے مکانات کو سیلابی ریلوں نے برباد کر دیا ہے تو کہیں بہت سے سیلاب متاثرین اپنے چہروں پر بے بسی کی تصویر سجائے خیمہ بستیوں کے متعفن اور محبوس ماحول میں بے یار و مددگار دن گزارنے پر مجبور ہیں۔ حالیہ سیلاب کی وجہ سے چترال و گلگت بلتستان بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔ ایک طرف گلگت بلتستان میں سیلاب درجنوں رابطہ پلوں، بجلی گھروں، واٹر چینلوں کو بہالے گیا ہے۔ کئی رابطہ سڑکوں سمیت شاہراہ قراقرم کو بھی لینڈ سلائیڈنگ نے بلاک کیا ہے۔ بلتستان میں سب سے زیادہ نقصان اسکردو سے چند ہی کلومیٹر پر واقع نر غوڑو اور ضلع گنگچھے میں غواڑی میں ہوا ہے، جہاں کی آبادی کا تقریباً 30 فی صد حصہ زیر آب آگیا۔ اسکردو میں چھومک کے مقام پر دریائی کٹاؤ کے باعث زمینیں

دریا برد ہو گئیں ہیں۔ شگر گلاب پور میں سیلابی ریلے نے تباہی مچا دی ہے اور وسیع پیمانے پر نقصانات ہوئے ہیں۔ استور اور گلگت ڈویژن کی طرف بھی سیلابی ریلوں نے تباہی مچائی ہے۔ گلگت بلتستان کے اہم حساس مقامات میں شاہراہ قراقرم متعدد مقامات پر تباہ ہوچکی ہے۔ سیاچن بارڈر تک جانے والی خپلو شاہراہ بھی متعدد مقامات پر تباہ ہوئی ہے۔ کرگل بارڈر اور دراز سیکٹر کی طرف جانے والی شاہراہ بھی سیلابی ریلے کے نذر ہو گئی ہے۔ سیاچن گلیشیر، بلتورو گلیشیر، براڈ پیک تک کوہ پیمائی کے لیے جانے کا راستہ، دنیا کی دوسری بلند چوٹی کے ٹو کی طرف جانے والی شاہراہ بھی مختلف مقامات پر بند ہوئی ہے۔ شہر سے دیہات کو ملانے والے متعدد پل دریا برد ہو چکے ہیں۔

دوسری جانب چترال میں بھی سیلاب نے بری طرح تباہی مچائی ہے۔ چترال کے علاقے مستوج کو جانے والے راستے بند ہونے کی وجہ سے مقامی افراد کو مشکلات کا سامنا ہے۔ راستے بند ہونے کے باعث متاثرین پیدل سفر کرنے پر مجبور ہیں۔ چترال میں سیلاب سے کئی علاقوں کا رابطہ منقطع ہوا ہے، جس سے لوگوں کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ رابطہ پل اور سڑکیں سیلاب میں بہہ جانے کے بعد لوگ اپنے علاقوں میں محصور ہوئے ہیں۔ سڑکیں اور رابطہ پل ٹوٹنے سے امدادی کاموں میں شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ چترال میں قیامت خیز سیلاب میں مرنے والوں کی تعداد 36 بتائی جارہی ہے۔ چترال میں سیلابی ریلوں نے قیامت

برپا کر دی ہے۔ سیلاب کی آفت لوگوں کی زندگی بھر کی جمع پونجی بہا کر لے گئی۔ کسی کا گھر تباہ ہوا، کسی کا باغ اور کھیت اجڑ گیا۔ تلاطم خیز پانی رابطہ سڑکیں اور پل بہا کر لے گیا اور متعدد دیہات کا ایک دوسرے سے رابطہ منقطع ہوگیا ہے۔ سیلاب کے دوران چار سو سے زاید گھر مکمل طور پر بہہ گئے ہیں۔ چترال اسکاؤٹس کے کمانڈنٹ کے مطابق چترال کی 54 فیصد زرعی اراضی سیلاب کی نذر ہوچکی ہے۔ 6 پن بجلی گھر زد میں آئے، جس سے بجلی کی فراہمی بند ہو گئی۔ 38 سڑکیں بھی سیلابی ریلوں میں بہہ گئی۔ 800 کے قریب مکانات اور 30 دکانیں بھی تباہی کا شکار ہو چکی ہیں۔ سیلاب نے جہاں لوگوں کی زندگی مفلوج کر دی ہے تو وہیں طلبہ کی تعلیمی سرگرمیاں بھی بری طرح سے متاثر ہو رہی ہیں۔ ان حالات میں صوبائی حکومت کی جانب سے امدادی سرگرمیاں بالکل بھی نظر نہیں آ رہی ہیں، جس وجہ سے صوبائی حکومت کو تنقید کا نشانہ بھی بنایا جارہا ہے۔

قدرتی آفات کا سامنا ہو یا ملک کے باسیوں کو کوئی اور مشکل درپیش ہو، ملی جذبے سے سرشار پاک فوج ہر وقت اپنے شہریوں کی مدد کے لیے ہمہ تن گوش نظر آتی ہے۔ چترال و گلگت بلتستان کو سیلاب نے آن گھیرا تو پاک فوج کے جوان بے یار و مددگار متاثرین کی آواز بن گئے اور امدادی کاموں میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ چترال میں پھنسے ہوئے متعدد افراد کو آرمی ایوی ایشن ہیلی کاپٹرز کے

ذریعے نکالا گیا ہے۔ نکالے گئے افراد میں سیاح اور مریض شامل تھے، جنہیں پشاور منتقل کیا گیا۔ متاثرہ علاقوں میں خوراک کی تقسیم، پلوں اور سڑکوں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ چترال میں سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں پاک فوج کی طرف سے امدادی کارروائیاں تیز کر دی گئی ہیں۔ ذرائع کے مطابق آرمی میڈیکل کیمپ میں 1178 مریضوں کا علاج کیا جا رہا ہے۔ چترال میں 903 افراد کو ہیلی کاپٹرز کے ذریعے محفوظ مقامات پر منتقل کیا گیا۔ چترال میں 59 ٹن راشن تقسیم کیا جا چکا ہے، جبکہ چترال اسکاؤٹ ہسپتال میں میڈیکل کیمپ بھی قائم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ چترال اسکاوٹ کے واٹر باوزر سے 12 ہزار لیٹر پینے کا صاف پانی روزانہ کی بنیاد پر تقسیم کیا جا رہا ہے۔ 4 سیلاب زدہ علاقوں میں بحالی کا کام بھی جاری ہے، جس کے تحت ریشن اور بونی گلگت بلتستان میں سڑکیں بحال کر دی گئیں۔ دوسری جانب گلگت و بلتستان میں بھی امدادی سرگرمیاں جاری ہیں۔ گزشتہ روز وزیراعظم نواز شریف نے اسکردو کے علاقے گانچھے میں گلگت بلتستان کی تعمیر نو کے لیے پچاس کروڑ روپے کا اعلان کیا ہے۔ اس موقع پر وزیراعظم نے سیلاب کے دوران جاں بحق ہونے والے افراد کے لواحقین کے لیے 5، 5 لاکھ، زخمیوں کو ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ، متاثرہ گھروں کے افراد کو ڈھائی لاکھ اور مال مویشی کے نقصان کے ازالے کے لیے 5 ہزار سے 50 ہزار روپے تک معاوضہ دینے کا اعلان کیا ہے۔ وزیراعظم نے گلگت اسکردو روڈ کو جلد تعمیر کرنے سمیت این ڈی ایم اے کی صلاحیت بڑھانے کے لیے بھی 15 کروڑ روپے

کا اعلان کیا ہے۔ چترال، گلگت بلتستان میں کچھ فلاحی تنظیمیں اپنی سطح پر امدادی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ گزشتہ روز معمار ٹرسٹ نے بھی سیلاب زدہ علاقوں میں 500 متاثرین میں خشک راشن تقسیم کیا ہے۔ معمار ٹرسٹ کے ترجمان کے مطابق چترال کے سیلاب سے متاثرہ علاقوں مے ں امدادی کارروائیوں کے ساتھ ساتھ متاثرین مے ں راشن کی تقسیم بھی جاری ہے اور گزشتہ روز اوروچ اور گرم چشمہ کے متاثرین مے ں خشک راشن تقسیم کیا گیا۔ اشیا میں دالیں، چاول، گھی، چینی اور 500 دیگر چیزیں شامل تھیں۔ اشیا ملنے پر متاثرین نے معمار ٹرسٹ کے رضاکاروں کا شکریہ ادا کیا۔ جبکہ چترال کے سیلاب سے متاثرہ علاقے مورکوہا کا سروے مکمل کرلیا گیا ہے اور اگلے 2 روز میں وہاں کے 500 متاثرین مے ں بھی امدادی سامان تقسیم کیا جائے گا۔ ترجمان معمار ٹرسٹ نے قدرتی آفت کی اس گھڑی میں متاثرین کی مدد کے لیے مخیّر حضرات سے بھرپور تعاون کی اپیل کی ہے۔ چترال اور گلگت بلتستان میں مختلف مقامات پر ہنستے بستے گھرانے خیمہ بستیوں میں وقت گزانے پر مجبور اور امداد کے منتظر ہیں۔ متاثرین کو خوراک کی شدید ضرورت ہے۔ سب کچھ سیلاب میں بہہ جانے کی وجہ سے خوراک کی قلّت پیدا ہو گئی ہے اور دیگر مشکلات کا سامنا بھی ہے۔ ان حالات میں تمام پاکستانیوں کی ذمے داری ہے کہ بڑھ چڑھ کر سیلاب متاثرین کے ساتھ تعاون کریں اور حکومت بھی مشکل کی اس گھڑی میں جلد از جلد سیلاب متاثرین کی مدد کرے۔

سندھ سیلاب کی لپیٹ میں . . . . ہزاروں افراد بے گھر

ملک میں مون سون بارشوں کے حالیہ سلسلے کے باعث ملک کے متعدد علاقے گزشتہ کئی روز سے بری طرح سیلاب کی زد میں ہیں۔ ملک میں ہر سال بارشوں کا سلسلہ شروع ہو کر سیلاب کی صورت اختیار کرلیتا ہے، جس سے ملک میں زبردست تباہی پھیلتی ہے۔ ہر سال اس قدرتی آفت کی پہلے سے اطلاع ہونے کے باوجود ہماری حکومتوں نے کبھی پانی کو کام میں لانے اور سیلاب سے محفوظ رہنے کے لیے ملک کی ضرورت کے مطابق نہ تو ڈیمز بنائے اور نہ ہی سیلاب کے حوالے سے حفاظتی تدابیر کی جاتی ہیں، جس کا نتیجہ ہر سال ملک میں سیکڑوں افراد کی جانوں اور لاکھوں ایکڑ زمین پر کھڑی فصلوں کے ضیاع اور ہزاروں بستیوں کے ڈوب جانے کی صورت میں نکلتا ہے۔ ملک کے کئی علاقوں میں کئی روز سے سیلابی ریلے تباہی مچا رہے ہیں۔ کچھ علاقوں میں تو سیلابی ریلے تباہی مچاتے ہوئے گزر گئے ہیں، جبکہ بعض علاقوں میں سیلابی ریلے موجود ہیں اور ابھی سیلاب کا خطرہ ٹلا نہیں ہے۔ دریائے سندھ بدستور بپھرے رہنے سے سیلاب کا خطرہ برقرار ہے۔ گڈو اور سکھر بیراج پر اونچے درجے کا سیلاب ہے، جس کے باعث کئی بستیاں پانی میں ڈوب گئی ہیں۔ کوٹ مٹھن میں ایمرجنسی نافذ کر دی گئی ہے، جبکہ چشمہ کے مقام پر بھی پانی کی سطح بلند ہے۔ راجن پور میں روس

آباد کے قریب بند میں شگاف کے باعث اطراف کی آبادیاں ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ کوٹ مٹھن کے مقام پر صورتحال سب سے تشویشناک ہے، جہاں سے پانی کا 8 لاکھ کیوسک سے زیادہ کا ریلا گزر رہا ہے۔ 700 سے زاید دیہات کا زمینی رابطہ منقطع ہو گیا ہے، جس کے باعث ضلع بھر میں فلڈ ایمرجنسی نافذ کر کے انتظامیہ کو ہائی الرٹ کر دیا گیا ہے۔ ذرائع کے مطابق گڈو اور سکھر بیراج پر اونچے درجے کا سیلابی ریلا گزر رہا ہے۔ فی گھنٹہ دو ہزار کیوسک پانی کا اضافہ ہو رہا ہے۔ لاڑکانہ کے 6 بندوں کو حساس ترین قرار دے دیا گیا ہے۔ بالا میں قابض بااثر لینڈ مافیا کی زمینوں کو بچانے کے لیے لوپ بند توڑ دیا گیا، جس سے سیکڑوں ایکڑ فصلیں تباہ ہو گئی ہیں۔ سجاول میں بھی ریلے نے تباہی مچائی ہے۔ 8 گاؤں مکمل طور پر زیر آب آ گئے ہیں۔ بتایا جا رہا ہے کہ آئندہ تین روز کے دوران پانی کی سطح 7 لاکھ پچاس ہزار سے آٹھ لاکھ کے درمیان اور سکھر بیراج پر پانی کی سطح سات لاکھ سے سات لاکھ پچاس ہزار کیوسک تک ہو گی۔ انچارج کنٹرول روم سکھر بیراج کے مطابق گڈو بیراج پر پانی کی آمد 7 لاکھ 45 ہزار 167 کیوسک اور اخراج 7 لاکھ 29 ہزار 338 کیوسک، سکھر بیراج پر پانی کی آمد 6 لاکھ 46 ہزار 495، جبکہ اخراج 6 لاکھ 15 ہزار 995 کیوسک اور کوٹری بیراج پر پانی کی آمد 2 لاکھ 61 ہزار کیوسک اور اخراج 2 لاکھ 56 ہزار 119 کیوسک ریکارڈ کیا گیا ہے۔ 924

بالائی علاقوں اور کوہ سلیمان سے بارشوں کا پانی نہ آنے کی صورت میں گڈو بیراج پر پانی کی سطح سات لاکھ پچاس ہزار سے آٹھ لاکھ تک اور سکھر بیراج پر پانی کی سطح سات لاکھ سے سات لاکھ ہزار کے درمیان رہنے کا امکان ہے۔ محکمہ آبپاشی اور دیگر ماہرین کے سیلابی ریلے کے بارے میں اندازے اور تجزیے غلط ثابت ہوئے۔ آبپاشی ذرائع و ماہرین نے سیلابی ریلے کی زیادہ سے زیادہ سطح 4 سے 6 لاکھ کیوسک تک بتائی تھی، مگر گڈو بیراج میں داخل ہونے والے سیلابی ریلے کی سطح ساڑھے سات لاکھ کیوسک تک پہنچ گئی ہے، جس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ گزشتہ روز وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کا کہنا تھا کہ گڈو بیراج سے نو لاکھ کیوسک پانی گزرے گا، اس سے پہلے بھی یہاں سے اس سے زیادہ پانی گزر چکا ہے۔ یہ سیلابی ریلا دریائے سندھ کے دونوں اطراف تیزی سے کچے کے تمام علاقوں اور دیہات کو ڈبوتا ہوا سکھر بیراج اور کوٹری بیراج کی جانب بڑھ رہا ہے۔ دریائے سندھ میں گڈو بیراج کے مقام پر انتہائی اونچے درجے کا سیلاب ریکارڈ کیا گیا۔ دریائے سندھ میں کوٹ مٹھن کے مقام پر پانی کی سطح مسلسل بلند ہو رہی ہے۔ لاڑکانہ ضلع کے کچے کے علاقے میں 204 سے زاید دیہات زیر آب آچکے ہیں۔ باقرانی کے 71، ڈوکری کے 24، لاڑکانہ کے 11، رتوڈیرو کے 8 دیہات سمیت دیگر دیہات مکمل پانی کی زد میں ہیں۔ دریائے سندھ کے کچے میں سیکڑوں لوگ اب تک اپنے دیہات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ نوڈیرو میں ہزاروں افراد سیلاب میں پھنس گئے ہیں، جس سے ان کی جانوں کو خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔ سیکڑوں

خواتین و بچے اور بوڑھے کھلے آسمان تلے ہیں۔ دادو موروپل کے قریب کچے کا پورا علاقہ سیلابی پانی کی لپیٹ میں آگیا ہے، جس سے 200 سے زاید گاؤں کا دادو شہر سے رابطہ منقطع ہوگیا ہے۔ پنو عاقل کے 100 سے زاید دیہات مکمل طور پر ڈوب گئے ہیں، جس سے ان دیہات کا زمینی رابطہ منقطع ہوگیا ہے۔

سکھر بیراج پر سیلابی پانی کے شدید دباؤ کی وجہ سے دروازوں پر دراڑیں پڑ گئیں، جس کے بعد بیراج کو ہر قسم کی آمدورفت کے لیے بند کردیا گیا ہے۔ کشمور کے مقام پر دریائے سندھ میں انتہائی اونچے درجے کا سیلاب ہے۔ مرمتی کام نہ ہونے کی وجہ سے بیراج کے کئی دروازوں پر دراڑوں کے نشان واضح ہوگئے ہیں۔ دراڑیں پڑنے سے دیوار کا بیشتر حصہ کسی بھی وقت دریا میں گرنے کا خدشہ ہے۔ نواب شاہ میں بھی دریا میں پانی کی سطح مسلسل بلند ہونے سے کئی دیہات زیر آب آگئے ہیں۔ کوٹ مٹھن سے 8 لاکھ کیوسک کا سیلابی ریلا گڈو بیراج کی جانب بڑھ رہا ہے۔ پانی کے دباؤ کے باعث بیٹ سونترہ بند کے ٹوٹنے کا خطرہ ہے۔ صادق آباد میں بند ٹوٹنے سے 20 بستیاں زیر آب آگئیں۔ راجن پور میں کوٹلہ عیسن کا حفاظتی بند ٹوٹ گیا، جس سے کئی بستیاں زیر آب آگئیں۔ کوٹری کے مقام پر اونچے درجے کے سیلاب کے باعث سترہ مقامات کو حساس قرار دیا گیا ہے۔ کچے میں اونچے درجے کے سیلاب کے باعث کپاس، گنا، کھجور اور دیگر فصلیں ڈوب گئی ہیں۔ دوسری جانب سیلاب زدہ علاقوں میں کئی امراض پھوٹ پڑے ہیں۔ طبّی

سہولیات نہ ہونے کے باعث اموات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ذرائع کے مطابق گزشتہ روز شکار پور کے سیلاب زدہ علاقوں میں بیماریاں پھیلنے کے باعث متعدد بچے جاں بحق ہو گئے ہیں۔ خواتین اور بچوں میں گیسٹرو، ملیریا، ڈائریا، خارش اور دیگر امراض پھیلنا شروع ہو گئے ہیں۔ جس سے ایک طرف متاثرین کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو گیا اور دوسری جانب حکومت کی جانب سے متاثرین کے لیے امدادی کاموں کی قلعی بھی کھل گئی ہے۔ان حالات میں حکومت پر لازم ہے کہ سیلاب متاثرین کو مشکل کی اس گھڑی میں اکیلا نہ چھوڑے اور ان کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرے۔ یہ حکومت کی ذمے داری ہے۔

بھارت کی سرحدی خلاف ورزیاں۔۔۔۔عالمی اداروں کی خاموشی لمحہ فکریہ !

پاکستان اور بھارت کے درمیان ورکنگ باؤنڈری اور لائن آف کنٹرول پر ایک عرصے سے جاری کشیدگی میں بھارت کی ہٹ دھرمی کے باعث دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان ورکنگ باؤنڈری اور لائن آف کنٹرول پر جنگ بندی معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بھارت کی جانب سے وقفے وقفے کے ساتھ گولہ باری کا سلسلہ جاری ہے۔ گزشتہ روز سیالکوٹ کے قریب ورکنگ باؤنڈری پر بھارت کی جانب سے بلااشتعال فائرنگ سے چار شہری شہید اور 22 زخمی ہو گئے ہیں۔ بھارتی سیکورٹی فورسز نے متعدد سرحدی دیہات کے رہائشیوں کو اندھا دھند فائرنگ اور مارٹر گولوں سے نشانہ بنایا۔ گولے لگنے سے کئی مکان زمین بوس ہو گئے۔ زخمیوں میں بچے اور خواتین بھی شامل ہیں۔ فائرنگ سے درجنوں مویشی بھی زخمی ہو گئے۔ آئی ایس پی آر کے مطابق پاکستانی سیکورٹی فورسز کی جانب سے بھارتی جارحیت کا منہ توڑ جواب دیا گیا ہے۔ پاکستان نے بھارت کی جانب سے ورکنگ باؤنڈری پر بلااشتعال فائرنگ اور اس کے نتیجے میں چار شہریوں کی شہادت پر بھارتی حکومت سے شدید احتجاج کیا ہے۔ دفتر خارجہ کے ترجمان نے کہا کہ پاکستان نے بھارتی فوج کی جانب سے سیز فائر کی مسلسل خلاف ورزیوں اور لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باؤنڈری پر عام شہریوں کو نشانہ بنانے کے سلسلے پر اپنے غم وغصے کو بھارت تک پہنچایا

ہے۔ بھارت سیز فائر کی خلاف ورزیوں کا سلسلہ فوری بند کرے اور 2003ء میں ہونے والے سیز فائر معاہدے کا احترام کرے، تاکہ لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باؤنڈری پر امن اور سکون برقرار رکھا جاسکے۔ واضح رہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان 2003 میں لائن آف کنٹرول پر فائر بندی کا معاہدہ ہوا تھا، لیکن بھارت نے اس معاہدے کا کوئی پاس نہیں رکھا اور مسلسل سیز فائر کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اس معاہدے کی خلاف ورزی کے باعث سرحد پر عام آبادی نشانہ بن رہی ہے۔ دوسری جانب کور کمانڈر کانفرنس میں فوج نے آپریشنل پلان کا جائزہ لیا اور بھارت کی جانب سے کسی بھی قسم کی جارحیت سے نمٹنے کے عزم کا اعادہ کیا ہے۔ جنرل ہیڈ کوارٹرز راولپنڈی میں ہونے والی کور کمانڈر کانفرنس کی سربراہی کرتے ہوئے فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف نے کہا کہ فوج تمام خطرات کا دفاع کرنے کے لیے مکمل تیار ہیں۔ لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باؤنڈری پر جاری کشیدہ صورت حال کور کمانڈر کانفرنس کا اصل ایجنڈا بتایا جارہا ہے۔ حکام کا کہنا ہے کہ بھارت کشیدگی کو بڑھاوا دے رہا ہے۔ شہریوں کو ہلاک اور نجی املاک کو نقصان پہنچایا جارہا ہے۔ بھارت 2003 کے جنگ بندی معاہدے پر عمل درآمد کرے۔

گزشتہ کئی مہینوں سے بھارت کی جانب سے پاکستانی سرحدی علاقے میں فائرنگ اور شیلنگ کے واقعات میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے اور بھارت کی جانب سے مسلسل

سیز فائر معاہدے کی خلاف ورزی کی جارہی ہے۔ 2013 میں بھارت نے ایل او سی سیز فائر معاہدے 2003 کی پاسداری کرنے کے عزم کا اظہار کیا تھا، لیکن اس کے باوجود اس قسم کے واقعات رک نہیں سکے۔ سال رواں 9 جون سے اب تک 37 بار بھارت کی جانب سے سرحدی خلاف ورزیاں کی جاچکی ہیں، جبکہ سال کے شروع سے اب تک بھارت 125 بار سرحدی خلاف ورزی کرچکا ہے اور گزشتہ سال بھارت نے 243 بار سرحدی جنگ بندی کی خلاف ورزی کی تھی۔

گزشتہ سال جولائی 2014 سے پاک بھارت سرحد پر کشیدگی میں مسلسل اضافہ ہوا ہے۔ بھارت کی جانب سے مسلسل سرحدی خلاف ورزی کی جارہی ہے۔ 20 اور 23 جولائی کی درمیانی شب بھارتی سیکورٹی فورسز نے سیالکوٹ کے چاروا سیکٹر میں بلا اشتعال گولہ باری کرکے دو پاکستانی شہریوں کو شہید، جبکہ چار کو زخمی کردیا تھا۔ اگست 23 کو سیالکوٹ کے چارواہ سیکٹر میں بھارتی گولہ باری سے تین پاکستانی شہری شہید اور 9 زخمی ہوئے۔ گزشتہ سال عید الاضحیٰ کے موقع پر بھارتی بلا اشتعال گولہ باری سے سیالکوٹ سیکٹرز میں 10 سے زاید شہری شہید، جبکہ 42 شہری زخمی ہوئے تھے۔ 31 دسمبر کو پاک سیکورٹی آفیسرز معمول کی فلیگ میٹنگ کے سلسلے بھارتی سیکورٹی آفیسرز سے ملنے جارہے تھے کہ بھارتی سیکورٹی اہلکاروں نے پاکستان رینجرز کے دونوں آفیسرز پر فائر کھول دیا، جس کے سبب دونوں آفیسرز شہید ہوگئے۔ 5 جنوری کو بھارتی فوج کی جانب سے شکرگڑھ اور

ظفروال سیکٹرز میں بلا اشتعال فائرنگ سے 5 شہری شہید ہوئے۔ 5 جنوری کو 4 پاکستانی شہری رہائشی علاقوں پر بھارتی فائرنگ اور شیلنگ کی وجہ سے شہید ہوئے۔ بھارتی فوج نے رواں سال متعدد بار سرحدی خلاف ورزی کرتے ہوئے متعدد پاکستانی شہریوں کو شہید کیا ہے، جبکہ عید الفطر کے پہلے روز بھارت نے دو بار کنٹرول لائن کی خلاف ورزی کی۔ بھارتی فوج نے راولا کوٹ اور پونچھ سیکٹر میں چھوٹے ہتھیاروں راکٹ ، مارٹر گن اور بھاری مشین گن کا استعمال کیا اور 4 پاکستانی شہریوں کو شہد کیا، بھارت کی جانب سے سرحدی خلاف ورزی کرتے ہوئے پاکستانی شہریوں کی شہادت پر پاکستان نے تشویش کا اظہار کیا، جبکہ پاک فوج نے بھارت کی جانب سے کی گئی سیز فائر کی خلاف ورزی اور اشتعال انگیزی پر اقوام متحدہ میں احتجاج ریکارڈ کروایا اور اقوام متحدہ سے مبصرین سے بھارتی فوج کی طرف سے کی گئی سیز فائر کی سرحدی خلاف ورزیوں کی تحقیقات کروانے کا مطالبہ کیا۔ پاک فوج کی جانب سے اقوام متحدہ میں احتجاج ریکارڈ کروائے جانے کے دوسرے روز ہی اقوام متحدہ کے فوجی مبصر گروپ نے سیالکوٹ ورکنگ باؤنڈری اور بھارتی جارحیت سے متاثرہ دیہات کا دورہ کیا اور بھارتی گولہ باری سے زخمی ہونے والے شہریوں سے بھی ملاقات بھی کی تھی۔ واضح رہے پاکستان متعدد بار بھارت کی جانب سے سرحدی خلاف ورزی کے خلاف اقوام متحدہ میں احتجاج ریکارڈ کروا چکا ہے اور اقوام متحدہ کے فوجی مبصر پاکستان کے متاثرہ علاقوں کا دورہ بھی کر چکے ہیں، لیکن ابھی تک بھارت کی جانب سے سرحدی خلاف ورزیوں

کا سلسلہ نہیں رکا ہے اور نہ ہی اقوام متحدہ بھارت کو نکیل ڈال سکا۔اس اہم معاملے پر عالمی اداروں کی خاموشی سے بھارت کی ہٹ دھرمی میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔

بھارت کی جانب سے مسلسل سرحدی خلاف ورزی کے خلاف سابق وزیر اوقاف آزاد کشمیر صاحبزادہ حامد رضا کا کہنا تھا کہ بھارت آئے روز ورکنگ باؤنڈری پر سینز فائر کی خلاف ورزی کرکے سرحدی علاقوں کے قریب بسنے والوں کے حوصلے کبھی پست نہیں کر سکتا۔ بھارت سرحدی علاقوں میں بلاجواز فائرنگ کا سلسلہ بند کرے۔ امیر جماعۃالدعوۃ حافظ محمد سعید نے بلااشتعال بھارتی فائرنگ اور گولہ باری کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ بھارت پاکستان کی خاموشی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔ حکومت کو اس مسئلے پر بھرپور رد عمل دینا چاہیے اور عالمی سطح پر بھی بھارتی دہشت گردی کو اٹھانا چاہیے۔ امیر جماعت اسلامی سراج الحق نے بھی بھارتی گولہ باری کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ مودی حکومت پاگل پن کا شکار ہے اور خطے کو جنگ کی آگ میں جھونکنے پر تلی ہوئی ہے۔ عالمی اداروں کو بھارتی اشتعال انگیزیوں کا نوٹس لینا چاہیے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ پاکستان ایک پرامن ملک ہے اور معاملے کو پرامن طریقے سے حل کرنا چاہتا ہے، لیکن بھارت مسلسل سرحدی خلاف ورزی کرتے ہوئے جارحیت کا مظاہرہ کر رہا ہے، جو نہ صرف بھارت بلکہ پورے خطے کے لیے نقصان دہ ہے۔ دونوں ممالک کو ہر صورت

تصادم سے بچتے ہوئے اپنے معاملات کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنا چاہیے۔ کسی بھی وقت صورتحال ایسی بن سکتی ہے کہ باقاعدہ جنگ شروع ہو جائے اور دو ایسے ممالک، جن کے پاس جوہری ہتھیار ہیں، وہ نہ صرف اپنے لیے بلکہ پوری دنیا کے امن کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں، اس لیے بھارت کو عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہوش کے ناخن لینے چاہیے۔

تعمیری سوچ کی ضرورت

معاشرہ افراد کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں، جہاں سب باہم مل جل کر رہیں اور ضرورت پڑنے پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔ باہمی تعاون ہی ایک مثبت و بامقصد معاشرے کی تعمیر کا اہم عامل ہے۔ دنیا میں آنکھ کھولنے سے بند کرنے تک ہر انسان معاشرے کا محتاج اور آپسی تعاون کا دست نگر ہوتا ہے۔ معاشرے سے کٹ کر ایک طویل اور کٹھن سفر طے کرنا کسی بھی انسان کے لیے مشکل ہی نہیں، بلکہ تقریباً ناممکن ہوتا ہے، کیونکہ اس دنیا میں آنے والا انسان تو یہ بھی نہیں جانتا کہ اسے زندگی کا یہ سفر آسانی اور کامیابی کے ساتھ کیسے طے کرنا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ یہ جانچ لیتا ہے کہ اس سفر کو آسانی اور کامیابی کے ساتھ طے کرنے کے لیے معاشرے کے تمام افراد کا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا زندگی کی ایک بڑی ضرورت ہے۔ جس طرح کسی دور دراز علاقے کے سفر کے دوران مسافر آپس میں معاونت کرتے ہوئے سفر کو آسانی کے ساتھ گزارتے ہیں، اسی طرح زندگی کے طویل سفر کو بھی بہتر طریقے اور کامیابی کے ساتھ گزارنے کے لیے تعاون باہمی ایک بہترین طریقہ ہے۔ صرف اپنی ذات اور اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر زندگی کے سفر میں آسانی سے کامیاب ہونا انتہائی مشکل ہے۔

اگرچہ مستقل مزاجی اور محنت و جدوجہد کامیابی کے لیے لازمی جزو ہیں اور جو بڑے بڑے علمائے کرام، سائنسدان، سیاستدان، ڈاکٹرز، ماہرین فن، موجد اور قلمکار و ادیب نظر آتے ہیں، یقیناً انھوں نے موجودہ مقام کو پانے کے لیے محنت و جدوجہد اور بہت کوششیں کی ہیں، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ان کی کامیابیوں میں محنت، جدوجہد اور ان کی صلاحیتوں کے علاوہ ضرور کسی اور کی معاونت بھی شامل رہی ہوتی ہے۔ محنت، مستقل مزاجی اور عزم صمیم جیسی خصوصیات اسی وقت کامیابی میں معاون ثابت ہوتی ہیں، جب کوئی اہل فن اور تجربہ کار انسان رہنمائی کرکے ان صلاحیتوں کو درست طور پر استعمال کرنے کا طریقہ بتائے۔

کوئی بھی شخص جہاں دوسروں سے اپنی ترقی اور کامیابی کے لیے مدد اور رہنمائی چاہتا ہے، وہیں اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ دوسروں کا ہاتھ تھامے۔ اکثر ہوتا یہ ہے کہ اپنی عملی زندگی کے آغاز میں تو ہر کوئی دوسرے سے تعاون کا خواہاں ہوتا ہے، ہر شخص چاہتا ہے کہ دوسرا شخص اس کی مدد کرے اور وہ اپنا سفر آسانی کے ساتھ طے کرے، لیکن جب یہ شخص خود کامیابیوں کی سیڑھیاں چڑھتا ہوا ترقی کی منازل طے کر لیتا ہے تو وہ اپنا ابتدائی دور بھول جاتا ہے اور اپنی عملی زندگی کا آغاز کرنے والوں کے ساتھ تعاون کرنے کے بجائے ان کو نظر

انداز کرنا شروع کر دیتا ہے۔

یہ کوئی اچھی اور مثبت سوچ نہیں ہے، بلکہ انتہائی کم ظرفی ہے۔ ایک تعمیری سوچ یہ ہے کہ ہر سینئر اپنے جونیئرز کی حوصلہ افزائی کرے، ان کی رہنمائی کرے، اپنے علم اور تجربے کو شیئر کرے، ان کو کامیاب ہونے کا طریقہ بتائے اور ان کے ساتھ تعاون کرے، کیونکہ سینئرز کی جانب سے کی گئی حوصلہ افزائی اور رہنمائی جونیئرز کے لیے بہت قیمتی ہوتی ہے۔ حوصلہ افزائی اور رہنمائی سے خوشی ملنے کے ساتھ ہمت بھی بڑھتی ہے، کامیابی کی راہیں ہموار ہوتی ہیں اور اس کی وجہ سے بہت سے لوگ کامیابی حاصل کر لیتے ہیں۔ حوصلہ افزائی اور رہنمائی دو ایسی خصوصیات ہیں، جن کی وجہ سے کسی بھی شعبے میں ایک نئے انسان کے لیے کامیابی کا سفر طے کرنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ حوصلہ افزائی سے کسی بھی شعبے میں نووارد شخص کو سہارا ملتا ہے اور یقین حاصل ہوتا ہے کہ وہ نئے چیلنجز کا مقابلہ کر پائے گا، جب کہ رہنمائی سے اپنی منزل کا تعین کرنے اور اسے پانے کا پتہ ملتا ہے، محنت کرکے جسے پانا آسان ہو جاتا ہے۔

ایک سروے میں لوگوں سے پوچھا گیا کہ زمانہ طالب علمی میں ان کے سب سے قیمتی لمحات کون سے تھے، تو ان میں سے اکثر کا جواب تھا کہ ان کے لیے وہ لمحات سب سے زیادہ قیمتی تھے، جب ان کی محنت کو سراہا گیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی

گئی تھی، یہی وہ لمحات تھے جن کی وجہ سے کامیابی حاصل کرنے میں ان کو مدد ملی۔ لہٰذا ہر سینئر کو اپنے جونیئرز کا ساتھ دینا چاہیے اور جب جونیئرز کامیاب ہو کر سینئر بن جائیں تو ان کو بھی ایسے افراد کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے جو اپنی عملی زندگی کا آغاز کر رہے ہوں۔ ایک کامیاب تاجر ایک سیمینار میں اسٹوڈنٹس نوجوانوں کو اپنی کامیابی کے راز بتا رہا تھا۔ تاجر نے سیمینار کے اختتام پر حاضرین سے کہا کہ آج آپ میں سے ہر کوئی طالب علم کامیابی کے خواب دیکھ رہا ہے۔ ایک وقت آئے گا، جب آپ لوگ زندگی میں بہت کچھ حاصل کر لوگے اور کامیاب ہو جاؤگے۔ اس وقت آپ ضرور پیچھے مڑ کر دیکھنا اور ان لوگوں کی مدد کرنا، جو اپنی عملی زندگی کا سفر شروع کر رہے ہوں گے۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ تعاون باہمی جس سماج کا حصہ ہو، اس معاشرے میں کامیابی کے مواقعے ان معاشروں سے زیادہ ہوتے ہیں، جہاں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی فضا قائم نہ ہو۔ بعض ممالک میں مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد آپس میں مل کر ایک سرکل تشکیل دیتے ہیں، جس میں کچھ لوگ رضاکارانہ طور پر مدد، حوصلہ افزائی اور رہنمائی کر رہے ہوتے ہیں، جب کہ کچھ ایسے افراد ہوتے ہیں، جو تعاون، حوصلہ افزائی اور رہنمائی حاصل کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس طریقے کو "نیٹ ورکنگ" کہا جاتا ہے۔ نیٹ ورکنگ لوگوں کا مل جل کر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے کامیابیاں سمیٹنے کا نام ہے۔

تعاون باہمی کے سلسلے میں ایک اچھا نیٹ ورک کسی بھی فرد کی ذاتی زندگی، اچھی ملازمت کے حصول، کیریئر میں ترقی یا بزنس میں اضافے کے لیے ایک قیمتی اثاثہ ہوتا ہے۔

خود غرضی سے پاک اور بے لوث ہونا اچھے نیٹ ورکنگ کا پہلا اصول ہے۔ زندگی میں کامیابی کے لیے ایک اچھے نیٹ ورک کی بہت اہمیت ہے۔ کامیاب لوگوں کے پاس قابل اعتماد، باصلاحیت، ماہر، سینئر، حوصلہ افزائی اور رہنمائی کرنے والے لوگوں کا سرکل ہوتا ہے۔ کامیاب لوگوں کی کامیابی میں ان افراد کے تعاون کا بہت زیادہ عمل دخل ہوتا ہے۔ کوئی بھی شخص جس نے ہمارے لیے کوئی چھوٹا سا اچھا کام کیا ہوتا ہے، ہماری حوصلہ افزائی کے لیے دو بول بولے ہوتے ہیں اور ہماری رہنمائی کی ہوتی ہے تو اس کا یہی عمل ہماری کامیابی میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

معاشرے کو اس تعمیری سوچ کی ضرورت ہے، اگر تمام لوگ اس تعمیری سوچ کو معاشرے میں پروان چڑھائیں اور اپنی ذمے داری سمجھتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس سے نہ صرف معاشرے کے ہر فرد کے لیے کامیابی حاصل کرنا انتہائی آسان ہو جائے گا، بلکہ ہمارا ملک بھی ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے اوج ثریا پر جا پہنچے گا، کیونکہ کسی بھی ملک کی

تعمیر و ترقی اور عظمت و استحکام میں اس ملک کے افراد ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کسی قوم کو دنیا کی صف اول میں لا کھڑا کرنے اور عزت و شرف کی قبا پہنانے میں اس قوم کے افراد کا نمایاں کردار ہوتا ہے۔ اگر افراد صرف اس تعمیری سوچ پر عمل کرتے ہوئے ترقی کی بلند منازل طے کریں گے تو ملک بھی ضرور ترقی کی منازل طے کرے گا۔

ملا عمر کے بعد بھی طالبان زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے!

آئی ایس آئی کے سابق سربراہ، جنرل (ر) حمید گل سے خصوصی انٹرویو

انٹرویو: عابد محمود عزام

عابد محمود عزام: متحدہ قومی موومنٹ کے بھارت کو خط لکھنے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جنرل (ر) حمید گل: متحدہ قومی موومنٹ اپنے آخری سفر پر ہے۔ اب متحدہ کا اختتام ہوا چاہتا ہے۔ اس کی آخری سانسیں چل رہی ہیں۔ یوں سمجھیں کہ اب متحدہ بستر مرگ پر پڑی ہے۔ آپ خود ہی اندازہ لگائیں کہ جو بستر مرگ پر پڑا ہو وہ کیا کرے گا۔ متحدہ کا بھی یہی حال ہے۔ وہ اب ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ اس کی رخصتی کا وقت ہے، لیکن اب وہ خود کو بچا نہیں سکتی۔ بھارت کو خط لکھنا ملک سے غداری ہے۔ متحدہ نے بھارت کو خط لکھ کر بہت برا کیا ہے۔ اس کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مجھے تو حیرت ان لوگوں پر ہوتی ہے جو متحدہ کا دفاع کر رہے ہیں۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس کا یہ اقدام غلط ہے، متحدہ کے شریک اس کے باوجود بھی اس کے دفاع میں جتے ہوئے ہیں۔ سب کچھ سامنے آجانے کے بعد بھی اس اقدام کا دفاع کرنا سمجھ سے بالاتر ہے۔

عابد محمود عزام: کیا مائنس الطاف حسین کی پالیسی درست ہے؟

جنرل (ر) حمید گل: پتا نہیں یہ پالیسی کیسے کامیاب ہوگی۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ پالیسی درست ہے۔ کیوں کہ جماعتیں دلوں سے کھرچی نہیں جاسکتیں۔ محبت کو دلوں سے نکالا نہیں جاسکتا۔ زبردستی کسی پر اپنا حکم نہیں ٹھونسنا چاہیے، یہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ کسی کو دباؤ میں لاکر کوئی فیصلہ کامیاب نہیں ہوتا۔ زبردستی لوگوں کے رویوں کو نہیں بدلا جاسکتا۔ یہ صرف متحدہ کا معاملہ نہیں، بلکہ پوری دنیا کا مسلمہ اصول ہے۔ آپ فلسطین کو لے لیں، اسرائیل ظلم کرکے بھی فلسطینیوں کے رویے کو تبدیل نہیں کرسکا۔ آپ کشمیر کی مثال سامنے رکھیں، وہاں بھی بھارت زبردستی کرکے ان کو دبا نہیں سکا ہے۔ افغانستان میں امریکا بدترین ظلم کرکے بھی طالبان کو اپنے فیصلوں پر مجبور نہیں کرسکا۔ یہ دنیا کا اصول ہے کہ جب کسی سے زبردستی فیصلہ منوانے کی کوشش کی جائے تو اس میں ناکامی ہوتی ہے۔ ہمیشہ گفتگو کا راستہ کھلا رکھنا چاہیے۔ مائنس الطاف کی پالیسی کو نہیں اپنانا چاہیے۔ اپنے ہی غلط اقدامات کی وجہ سے متحدہ خود ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجائے گی۔ اگر اس کو ختم کرنے کی کوشش کی تو یہ جعلی کوشش ہوگی اور جعلی کوشش کامیاب نہیں ہوا کرتی۔ جیسے جماعت اسلامی پر پابندی لگائی گئی تھی تو کیا جماعت اسلامی ختم ہوگئی؟ نہیں۔ اسی طرح جہادی جماعتوں پر پابندی لگائی جاتی ہے تو کیا یہ جماعتیں ختم ہوجاتی ہیں؟ نہیں

ہوتیں۔ کسی بھی جماعت کو زبردستی ختم نہیں کیا جاسکتا۔ زبردستی ان کے رویوں میں تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔ لوگوں کے دلوں سے محبت نہیں نکالی جاسکتی۔ انتظار کریں اپنے کاموں کی وجہ سے یہ لوگ خود ہی اپنی پارٹی کو ناکام کریں گے۔

عابد محمود عزام: آپ کیا سمجھتے ہیں کہ کراچی آپریشن کا پائیدار حل بھی نکلے گا یا کوئی سیاسی حکمت عملی بھی ہونی چاہیے؟

جنرل (ر) حمید گل: بالکل! کراچی آپریشن کا پائیدار حل نکلے گا۔ کراچی آپریشن سے کراچی کے حالات بہتر ہورہے ہیں۔ کراچی آپریشن بلا تفریق ہونا چاہیے۔ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ جب نائن زیرو پر چھاپا پڑا تھا تو بلاول ہاؤس پر بھی چھاپا مارنا چاہیے تھا۔ تمام جماعتوں میں چھپے جرائم پیشہ افراد پر ہاتھ ڈالنا چاہیے۔ جو لوگ جرائم پیشہ ہوتے ہیں، ان کے پیچھے بڑے بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ ٹارگٹ کلر کوئی عام لوگ نہیں ہوتے۔ یہ جماعتوں کے لاڈلے ہوتے ہیں۔ ان کو ہر قسم کی سہولت دی جاتی ہے، بہت پیسا دیا جاتا ہے، ان کی زندگی عیاشی میں گزرتی ہے۔ ان ٹارگٹ کلرز کو پیسوں کا لالچ ہوتا ہے۔ ان کی سرپرستی بڑے بڑے لوگ کرتے ہیں۔ جب ضرورت پڑتی ہے تو ان کو ملک سے باہر بھیج دیا جاتا ہے۔ یہ جرائم پیشہ افراد بغیر لالچ کے کوئی کام نہیں کرتے۔ جیسا کہ مجاہدین بغیر لالچ کے کام کرتے ہیں، اپنی جانوں کا نذرانہ دے

دیتے ہیں، اپنی عیاشی کی زندگی چھوڑ کر اپنے مقصد کے لیے کام کرتے ہیں، جب کہ سیاسی پارٹیوں کے جرائم پیشہ افراد ان کی طرح نہیں ہوتے۔ یہ لوگ لالچ کی وجہ سے کام کرتے ہیں اور ان کی سرپرستی یہ جماعتیں کر رہی ہوتی ہیں۔

عابد محمود عزام: آپ کے خیال میں کراچی کے حالات کا مستقل حل کیا ہونا چاہیے؟

جنرل (ر) حمید گل: اس کا حل یہی ہے کہ جلد از جلد کراچی آپریشن مکمل کیا جائے۔ جرائم پیشہ افراد کو کٹہرے میں لایا جائے، ان کو سزائیں دی جائیں۔ فوجی عدالتیں قائم ہو چکی ہیں، جو اپنا کام کریں گی۔ تمام سیاسی جماعتوں کی کوشش ہے کہ فوج ان کے مالی معاملات میں ہاتھ نہ ڈالے۔ یہ جیسے بھی چاہیں پیسے کمائیں، ان کو نہ پوچھا جائے۔ نیب کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہے۔ سیاسی جماعتیں چاہتی ہیں ان کو کھلی چھوٹ مل جائے۔ دراصل ہمارا عدالتی نظام کھوکھلا ہے۔ اس کا طریقہ کار درست نہیں ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اللہ کا عدالتی نظام لے کر آؤ، اللہ کی حکمرانی قائم کرکے چلو، چھوٹے چھوٹے سیکٹر بناؤ، ان کا نظام چلانا آسان ہوگا۔ ابھی جو نظام چل رہا ہے یہ بلیک میلنگ کا سسٹم ہے۔ یہ نظام درست نہیں ہے۔ اگر نیب سیاست دانوں سے کہتا ہے کہ آمدنی کے ذرائع بتاؤ کہ اتنا پیسا کہاں سے آیا ہے تو ان کو بتانا پڑے گا۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال سامنے رکھیں کہ خلیفہ وقت خطبے کے لیے

کھڑے ہوئے تو ایک عام آدمی نے پوچھا کہ آپ نے جو کرتا پہنا ہے، یہ کیسے بن گیا، آپ کا تو قد بڑا ہے۔ اس کپڑے سے تو آپکا کرتا نہیں بن سکتا۔ خلیفہ وقت نے خود اپنی گواہی دی ہے، لیکن ہمارے ہاں ایسا نہیں ہے۔ ہمارے ہاں ناجائز کام ہو رہے ہیں۔ اس نظام کو بدلنا پڑے گا۔ یہ عوام دشمن نظام ہے۔ اگر یہ لوگ نہیں بدلیں گے تو قدرت اس نظام کو خود بدل دے گی۔

عابد محمود عزام: آپ پاک بھارت تعلقات کو کس نظر سے دیکھتے ہیں، کیا حکمرانوں کی پالیسی ٹھیک ہے؟

جنرل (ر) حمید گل: مجھے تو دال میں کچھ کالا دکھائی دے رہا ہے۔ فوج کو پھنسانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ فوج کو بارڈر پر الجھایا جارہا ہے۔ بھارت سرحد پر گولا باری کرتا ہے، ہماری فوج اس کا جواب دیتی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ یہ فوج کو مزید الجھانے کی کوشش کی جارہی ہے، تاکہ فوج کو مزید مصروف کر دیا جائے۔ فوج بلوچستان میں بھی الجھی رہے، کراچی میں بھی الجھی رہے، سرحدوں پر بھی الجھی رہے اور ضربِ عضب آپریشن میں بھی الجھی رہے۔ خورشید شاہ نے نواز شریف کو مشورہ دیا تھا کہ اگر نواز شریف ہماری پالیسی پر عمل کریں گے تو وہ مزید 10 سال حکومت کر سکتے ہیں۔ ان کی پالیسی کیا ہے۔ یہی کہ پیسے بناؤ، فوج کو پھنساؤ۔

عابد محمود عزام: پاک افغان تعلقات اور پاکستان کے کردار کے باوجود مخالفانہ بیانات کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جنرل (ر) حمید گل: طالبان کے کسی سے کوئی مذاکرات نہیں ہو رہے اور دسمبر تک مذاکرات کی کوئی امید بھی نہیں ہے۔ جب مذاکرات ہی نہیں ہو رہے تو پاکستان کا کردار کیسا؟ پاکستان نے جب بھی مذاکرات کی کوشش کی، اس وقت ہی نتیجہ برعکس نکلا ہے۔ طالبان تو ڈٹے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے موقف پر قائم ہیں۔ طالبان کے نئے امیر کی قیادت میں طالبان اب بھی حملے کر رہے ہیں۔ ابھی گزشتہ روز ہی انہوں نے افغانستان میں بڑے حملے کیے ہیں، جن میں درجنوں اہلکار مارے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی طالبان نے کئی چھوٹے حملے کرکے مخالفین کو نقصان پہنچایا ہوگا۔ طالبان کے اہداف میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔ دراصل افغان حکومت ناکام ہو گئی ہے۔ حکومت عوام کی ضروریات پوری نہیں کر سکی۔ عوام کے مطالبات پورے نہیں کر سکی ہے۔ افغان عوام کا اعتماد بھی اب حکومت پر نہیں ہے اور طالبان مزید کامیاب ہو رہے ہیں۔

عابد محمود عزام: آپ ملا عمر کے بعد طالبان کا کیا مستقبل دیکھتے ہیں؟

جنرل (ر) حمید گل: ملا عمر کے بعد بھی طالبان زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ ملا عمر کے بعد بھی طالبان کے حملوں میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ وہ پہلے سے بھی بڑھ کر حملے کر رہے ہیں۔ ان کا فیصلہ علمائے کرام نے

کرنا ہوتا ہے، وہ کر دیا ہے۔ سب نے نئے امیر ملا اختر منصور کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے۔ اختلاف کی باتیں جھوٹی ہیں۔ طالبان کے فیصلے شوریٰ میں ہوتے ہیں۔ شوریٰ نے ان کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔ طالبان ایک نظریے کا نام ہے، ان کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ کیا ہوا ملا عمر چلے گئے۔ ان کے چلے جانے سے طالبان کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

عابد محمود عزام: پاکستان کو افغان طالبان کے بارے میں کس حد تک غیر جانبدار رہنا چاہیے؟

جنرل (ر) حمید گل: طالبان کے بارے میں کوئی غیر جانبداری نہیں ہونی چاہیے۔ افغان طالبان تو ہمارا اثاثہ ہیں۔ آج اگر پاکستان کو پوری دنیا میں اہمیت حاصل ہے، وہ صرف انہیں کی وجہ سے ہی تو ہے۔ آج اگر پاکستان امریکا، بھارت اور اسرائیل کی آنکھوں میں کھٹک رہا ہے، یہ طالبان کی وجہ سے ہی تو ہے اور اب لگتا ہے ایران کو بھی مسئلہ ہے، اس کا صرف ایک فیکٹر ہے اور وہ طالبان ہیں۔ افغان طالبان کی وجہ سے ہی ساری دنیا کی نظریں ہم پر ہیں۔

قصور: ملکی تاریخ کا شرمناک واقعہ.... قصور وار کون؟

قصور کے علاقے گنڈا سنگھ والا کے گاؤں حسین خان والا میں بچوں کے ساتھ ہونے والی درندگی کے واقعے نے پورے ملک کو دہلا کر رکھ دیا۔ پنجاب کے دارالحکومت لاہور سے چند کلو میٹر کی مسافت پر واقع قصور میں مستقبل کے معماروں پر جو قیامت ٹوٹی اس سے ملک بھر کے لوگوں کے ہوش اڑا گئے ہیں۔ قصور واقعہ ملکی تاریخ کا سب سے شرمناک اور بھیانک اسکینڈل ہے، جس میں مبینہ طور پر 20 سے 25 افراد کے گروپ نے بااثر افراد کی سرپرستی میں گزشتہ دس سال کے دوران 280 سے زاید نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا اور ان کی 400 سے زائد ویڈیوز بنائیں اور ان ویڈیوز کے ذریعے بچوں کے گھر والوں کو بلیک میل کرکے ان سے بھتہ وصول کیا گیا اور متاثرہ بچوں کو گھر سے زیورات اور نقدی چوری کرکے لانے پر بھی مجبور کیا جاتا رہا۔ جبکہ یہ درندے ان ویڈیوز کو بین الاقوامی چائلڈ پورنو میں ملوث لوگوں کو فروخت کرکے کروڑو روپے کماتے رہے۔ متاثرین کے وکیل کے مطابق اس گینگ نے ان ویڈیوز سے مجموعی طور پر بیس سے تیس کروڑ روپے کمائے ہیں۔ متاثرہ بچوں کے والدین کے مطابق وقتاً فوقتاً اس جرم کے خلاف آواز اٹھانے کی کوشش کی گئی لیکن ہر بار بااثر مجرموں سے ملی ہوئی پولیس ان کو زبردستی خاموش کرادیتی۔ اس اسکینڈل کے خلاف آواز اٹھانے والے لوگوں کو

پکڑ کر پولیس کی جانب سے مجبور کیا جاتا رہا کہ وہ اس سلسلہ میں آواز اٹھانے کی کوشش نہ کریں۔ مقامی پولیس نے بچوں کے والدین کی داد رسی کرنے کی بجائے شکایت کنندگان کو خاموش کروانے اور ان کے اہل خانہ کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دیں۔ اس صورتحال میں گزشتہ ہفتے متاثرہ دیہات کے 400 کے لگ بھگ لوگ جب احتجاج کرنے کے لیے نکلے تو پولیس نے ان کا راستہ روک لیا اور انہیں شہر جا کر احتجاج ریکارڈ کروانے سے منع کیا۔

اب حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بھی پنجاب کے وزیر قانون رانا ثناء اللہ اس پورے کے پورے معاملے کو ہی زمین کا جھگڑا قرار دے کر بے بنیاد قرار دے رہے ہیں۔ ذرائع کے مطابق اس اسکینڈل کی حقیقت یہ ہے کہ قصور کے علاقے گنڈا سنگھ والا کے گاؤں حسین خان والا میں بچوں کے ایک گراؤنڈ کی زمین پر وہاں کے بااثر سیاسی گھرانوں کی نظر تھی۔ کئی مرتبہ گراؤنڈ کی زمین پر قبضہ ہوا، تاہم مقامی لوگوں نے بچوں کے گراؤنڈ پر قبضہ چھڑا لیا۔ اسی جرم کی پاداش میں بااثر لوگوں نے کچھ "نوجوانوں" کو "ذمہ داری" سونپی کہ وہ یہاں پر کھیلنے والے نوعمر لڑکوں کو "سبق" سکھائیں۔ انہوں نے کبھی زور زبردستی تو کبھی رضامندی و کبھی نیم رضامندی سے باری باری ان لڑکوں کو زیادتی کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ ابتدائی طور پر اس سارے عمل کا مقصد گاؤں والوں کو ان کے کیے کی سزا دینا اور 18 ایکڑ زمین پر قبضہ کرنا تھا، اس کے بعد ان ویڈیوز کو

پیسے کمانے کا ذریعہ بنا لیا گیا۔ جون کے آخر میں سامنے آنے والا یہ معاملہ اب تک کچھ زیادہ آگے نہیں بڑھ سکا، کیونکہ قصور کے بااثر سیاست دانوں کی ایما پر وہاں پر تعینات پولیس کے اعلیٰ افسروں کی طرف سے اس میں مبینہ طور پر رکاوٹ ڈالی گئی اور کیس کو کمزور کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ قصور میں متاثرین کے وکیل کا کہنا ہے کہ قصور واقعہ کے ملزمان کو سیاسی پشت پناہی حاصل ہے اور پولیس جانبداری کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ جب معاملہ میڈیا پر آیا اس کے بعد تمام سیاسی جماعتوں اور عوام کے دباؤ پر پولیس کو کارروائی کرنا پڑی۔ مقامی پولیس کے مطابق اس کیس میں 14 افراد کو گرفتار کیا جاچکا ہے۔ پانچ ملزمان کو 28 روزہ ریمانڈ پر بھیج دیا گیا ہے۔

قصور میں بچوں سے زیادتی اور ان کی وڈیوز بنا کر بلیک میل کرنے کے معاملے کی تفتیش میں ہونے والی پیش رفت پر غور کے لیے مقدمات میں ملزمان کے خلاف انسداد دہشت گردی ایکٹ کی دفعہ 7 شامل کردی گئی، جس کے بعد اب ملزمان کے خلاف مقدمہ انسداد دہشت گردی کی عدالت میں چلے گا۔ قصور میں بچوں کے ساتھ ہونے والے جنسی زیادتی کے واقعات کی تحقیقات کے لیے پنجاب حکومت نے مشترکہ تحقیقاتی ٹیم تشکیل دی ہے جو دو ہفتوں میں تحقیقات مکمل کرنے کے بعد اپنی رپورٹ عدالت میں جمع کروائے گی۔ مشترکہ تحقیقاتی کمیٹی میں خفیہ اداروں کے دو اہلکار بھی شامل ہوں گے۔ جبکہ قومی اسمبلی اور سینیٹ میں اس واقعے پر

مذمتی قراردادیں متفقہ طور پر منظور کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا ہے کہ واقعے میں ملوث افراد کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔ قرارداد میں پنجاب حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ قصور واقعہ کی ترجیحی بنیادوں پر تحقیقات کرائی جائیں اور ملوث ملزمان کو مثالی سزا دلائی جائے۔ ایوان زیریں نے بچوں کے حقوق کے لیے موثر قانون سازی کرنے کے عزم کا بھی اعادہ کیا۔ بعض ارکان نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ گزشتہ چھ برسوں میں قصور میں تعینات رہنے والے تمام ایس ایس پیز اور ایس ایچ اوز کو شامل تفتیش کیا جائے۔ سابق گورنر پنجاب اور تحریک انصاف کے رہنما چودھری محمد سرور کا کہنا ہے کہ قصور میں بچوں سے زیادتی کا مقدمہ فوجی عدالتوں میں چلنا چاہیے، کیوں کہ پولیس سے انصاف کی کوئی توقع نہیں۔ ہمارے سیاستدان، پولیس اور ادارے مظلوموں کی مدد کرنے کی بجائے ظالموں کے ساتھ مل گئے، بجائے اس کے کہ ظالموں کو پکڑا جاتا معصوم لوگوں پر مقدمات قائم کیے جارہے ہیں، دنیا میں کہیں ایسا ظلم نہیں ہوتا۔ دوسری جانب اقوام متحدہ نے قصور میں بچوں کے ساتھ ہونے والی زیادتی کے واقعات پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان میں بچوں کے ساتھ زیادتی کا واقعہ خوفناک ہے، امید ہے پاکستان ذمہ داروں کو کیفر کردار تک پہنچائے گا۔ واضح رہے کہ بچوں کے حقوق سے متعلق کنونشن (سی آر سی) اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے نومبر 1989 میں منظور کیا، پاکستان نے بھی اسی سال اس کی تصدیق اس شرط کے ساتھ کی کہ اس کی دفعات کی ترجیحات اسلامی اصولوں کی

روشنی میں کی جائیں گی۔ اس کنونشن کی دفعہ (19) کے مطابق: "فریق ممالک، بچے کو، جب کہ وہ والدین یا قانونی سرپرست جو بچے کی نگہداشت کر رہا ہو، جسمانی یا ذہنی تشدد، زخم یا زیادتی، غفلت یا غفلت پر مبنی سلوک، بدسلوکی یا جنسی استحصال سے تحفظ کے لیے مناسب قانونی اور سماجی اقدامات کریں"۔ اس کے علاوہ اسی کنونشن کی دفعہ (34) فریق ممالک کو اس کا پابند بناتی ہے: "وہ بچے کو تمام اقسام کے استحصال اور جنسی تحفظ فراہم کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے فریق ممالک درج ذیل اقدامات کریں گے"۔ (الف) بچے کو جبری یا بہلا پھسلا کر کسی بھی غیر قانونی جنسی عمل میں شامل نہ کرنا۔ (ب) بچوں کا جسم فروشی یا دیگر جنسی استحصال سے بچاؤ۔ ج) فحاشی پر مبنی سرگرمیوں اور مواد میں بچوں کا استحصال۔)

پاکستان میں بچوں کے امور پر نظر رکھنے والے ماہرین نے خبردار کیا ہے کہ پاکستان میں بچوں کے خلاف جرائم میں اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے۔ ماہرین کے مطابق قصور جیسے واقعات پاکستان کے کئی دوسرے علاقوں میں بھی ہو رہے ہیں۔ بدقسمتی سے پاکستان میں بچوں پر جنسی تشدد کے واقعات کے حوالے سے حکومت کے پاس کوئی لائحہ عمل نہیں ہے۔ ہر سال ہزاروں بچے زیادتی کا شکار ہو جاتے ہیں، اس کے باوجود حکام نے اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے کسی قسم کے سنجیدہ اقدامات نہیں کیے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ قصور واقعہ کے بعد پنجاب پولیس پر عوام کی

بداعتمادی میں مزید اضافہ ہوگیا ہے، کیونکہ گزشتہ کئی سالوں سے قصور میں اس قدر گھناؤ نے جرائم کا ارتکاب کیا جاتا رہا، لیکن پولیس مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے میں ناکام رہی، جس سے پولیس کی بدنامی میں اضافہ ہورہا ہے اور میڈیا قصور واقعہ میں ملزمان کی پشت پناہی کرنے پر پولیس کو قصور وار قرار دے رہا ہے۔ مبصرین کے مطابق معاشرے میں بچوں کے ساتھ زیادتی کے بڑھتے واقعات کا سد باب کرنا حکومت کی ذمے داری ہے۔

قیام پاکستان.... کیا کھویا کیا پایا؟

قیامِ پاکستان کا مقصد صرف زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کر لینا ہی نہیں تھا، بلکہ یہ ایک سوچ، فکر، نظریے اور اصول و قانون کی ترویج کے لیے ایک فلاحی و مثالی مملکت بنانے کا خواب تھا، جس کو مسلمانانِ برصغیر نے برسوں اپنی آنکھوں میں سجایا تھا۔ ارسطو کا قول ہے: " انسانیت پر مبنی معاشرہ اپنے باشندوں کی آزادی کے تحفظ اور اس کی پرورش کے لیے پر عزم رہتا ہے۔" اسی خیال نے ہماری تحریک آزادی کو جلا بخشی اور مسلمانانِ برصغیر کے دلوں میں یہ بات جاگزیں کردی کہ آزاد انسانوں کی حیثیت سے سانس لینے کے لیے ایک آزاد ریاست کا قیام از حد ضروری ہے۔ یہی وہ یقین تھا جس نے قائدِ اعظم محمد علی جناح کے لیے تخلیق پاکستان کی جدوجہد کی راہ ہموار کی۔ قوم کے لیے ڈٹ جانا اور آزادی کی خاطر مصائب برداشت کرنا آسان ہوا اور طویل تگ و دو کے بعد آزادی کا حصول ممکن ہوا۔ آزادی قدرت کا انمول خزانہ ہے۔ اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ اس قیمتی خزانے کو پانے کے لیے ہمارے بڑوں نے اپنا کل قربان کرکے ہمارا آج آزاد بنایا۔ قیام پاکستان کے وقت برصغیر میں مسلم قوم کا ہر سپوت ایک نئے جذبے و ولولے سے سرشار تھا۔ سرحد پار سے لاکھوں لوگ دیوانہ وار مصائب کے دریا عبور کرکے ہجرت کر آئے، جن میں سے آدھے بھی پاکستان نہ پہنچ سکے اور راستے میں ہی اپنی جان جان

آفریں کے حوالے کر گئے۔ بس آزادی اور الگ ملک کا اِک جنون تھا، عشق تھا، دیوانگی تھی۔ لوگ موت کو سامنے دیکھ کر بھی آزادی کی خاطر ہر ستم جھیلنے کو تیار تھے۔ انڈیا سے ایک ٹرین نکلتی اور پاکستان پہنچنے سے پہلے ہی پوری کی پوری کاٹ دی جاتی اور یہاں صرف لاشے پہنچتے، لیکن آزادی کے متوالے بار بار ان ٹرینوں میں سوار ہو کر مرنے کے لیے تیار ہو جاتے۔

قیامِ پاکستان کو انہتر سال ہو چکے ہیں۔ آزادی کا ہر سال گزرنے پر ہم "یومِ آزادی" کو بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ پرچم کشائی کی جاتی ہے۔ بینڈ بجتا ہے۔ پریڈ ہوتی ہے۔ خصوصی پروگرام نشر کیے جاتے ہیں۔ جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔ چراغاں ہوتا ہے اور ایک دن کے لیے پورا ملک سبز ہلالی پرچموں میں لپٹا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ سب کچھ ہر سال ہوتا ہے۔ اگر نہیں ہوتا تو خود کا احتساب نہیں ہوتا۔ اگر دل کے کانوں کو کھولا جائے تو ہر سال یومِ آزادی ہم سے یہ سوال کرتا سنائی دے گا کہ قیامِ پاکستان کے بعد سے اب تک ان 69 سالوں میں ہم نے کیا کھویا کیا پایا؟ اگر ہم اپنا محاسبہ کریں تو حقائق بہت تلخ اور افسوسناک نظر آتے ہیں، کیونکہ 1947ء میں انگریز سے آزادی کے چند سال بعد ہی ہمارے ملک میں اقتدار کی رسہ کشی شروع ہوئی، جو آج تک جاری ہے۔ خود ہماری کوتاہیوں اور نااہلیوں کی وجہ سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ملک کو درپیش اندرونی اور بیرونی چیلنجز بڑھتے گئے۔ رفتہ رفتہ صورتحال خراب ہوتے ہوئے

قائد اعظم کے تین رہنما اصول ایمان، اتحاد اور نظم، پیسہ ،برادری اور ہیرا پھیری میں تبدیل ہو گئے اور پاکستان سیاسی عدم استحکام، اداروں کے باہمی ٹکراؤ، بد عنوانی، توانائی بحران، صوبوں اور وفاق کے درمیان دوریاں، عسکریت پسندی جیسے سنگین مسائل کی دلدل میں دھنستا چلا گیا اور اس کے ساتھ غربت ، مہنگائی اور بے روزگاری نے پاکستانی عوام کا جینا محال کر دیا، اس کی وجہ بھی خود ہم اور ہمارے حکمران بنے۔

قیام پاکستان کے لیے لاکھوں لوگوں نے عظیم مقصد کی خاطر اپنی جانوں کے نذرانے دیے، لیکن ہم بہت جلد ہی قیام پاکستان کے مقصد کو بھول کر باہم سر پھٹول میں مشغول ہو گئے۔ اِس کا گریبان اس کے ہاتھ میں اور اس کا دامن اِس کی گرفت میں۔ پارٹی بازی، لسانی منافرت، فرقہ ورانہ لڑائیاں، دہشت گردی، سیاست دانوں کی خرمستیاں، اوپر سے نیچے تک کرپشن، میرٹ کا قتل عام، عدالتوں کی بے وقعتی، انصاف کا خون، تعمیر کی جگہ تخریبی ذہن کی پرورش، مثبت کی جگہ منفی سوچ کا فروغ، امن و امان اور تحفظ کی بجائے خوف و دہشت اور خون ریزی و سفاکی کے جراثیم کی پرورش، غرض ہم نے مل جل کر قوم و ملک کی تباہی کا ہر سامان کیا۔ ہم نے کرپشن میں ساری قوموں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ دھاندلی کے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔ ہم نے ہارس ٹریڈنگ اور لوٹا کریسی جیسی اصطلاحات رائج کر کے ملک کو بدنام کیا۔ ہمارے حکام اور وزرا کی عیش سامانیاں دیکھ کر امریکا

اور روس جیسے متمول ممالک کے حکمران انگشت بدنداں رہ رہ گئے۔ امیر و غریب کے درمیان خلیج بڑھتی گئی۔ قانون صرف غریب کے لیے اور امیر نے خود کو ہر قسم کے قانون سے آزاد سمجھا۔ ہم اور ہمارے حکمرانوں نے قیام پاکستان کے مقاصد کے منافی ہر کام کیا۔ حکمرانوں نے ملک کی دولت دل کھول کر لوٹی اور عوام نے جہاں جس کا بس چلا قانون شکنی کی اور غیر قانونی کام کیا۔ یہ ہے وہ نقشہ جو آزادی کے 69 سال گزرنے کے بعد آج ہمارے سامنے ہے۔

ہم نے ان انہتر سالوں میں بہت کچھ کھویا اور شاید ہی کچھ پایا ہو۔ انہتر سال بعد بھی ہم ایک قوم نہیں بن پائے۔ ہم ایک ملت نہیں بن پائے۔ متحد ہونے سے قاصر رہے۔ ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک کے لوگوں کو مسلمان تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ ہم نے الگ ملک تو حاصل کر لیا لیکن حقیقی پاکستانی اور حقیقی مسلمان نہیں بن پائے۔ اگر ہم ان انہتر سالوں میں کچھ بن پائے ہیں تو وہ سنی، شیعہ، وہابی، دیوبندی، بریلوی اور نجانے کون کونسے فرقے بن پائے ہیں۔ ہم متحد ہونے کے بجائے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں پٹنا پسند یدیدہ فعل سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ 14 اگست 1947ء کو جب آزادی کی دولت نصیب ہوئی، اس وقت ہم ذات پات، علاقے اور لسانی گروہوں کے بجائے ایک ملت تھے، جو کلمہ طیبہ کی بنیاد پر اکٹھے تھے اور قیام پاکستان سے پہلے ہم نے خود سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں ایک الگ خطہ زمین مل جائے تو ہم اس میں عدل و انصاف اور اسلام و امن کا

قانون نافذ کریں گے، لیکن آج ہم خود اپنے تمام وعدوں کو فراموش کر چکے ہیں اور ہم نے قیام پاکستان کے وقت اپنی جانوں کا نذرانہ دینے والے لاکھوں افراد کے ساتھ دغا کیا، انہتر سال بعد بھی ملک میں وہ نظام نافذ نہیں کر پائے، جس کے لیے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا۔

انہتر سال گزرنے کے باوجود بھی ہم آزادی کے ثمرات سے فیض یاب نہیں ہو سکے ہیں۔ پاکستان میں بڑے لوگوں کے ناجائز کاروبار ترقی کے تمام ریکارڈ قائم کر چکے ہیں۔ یہ کاروبار پاکستان سے نکل کر دنیا بھر کے ملکوں میں پھیل چکے ہیں۔ غریب ملک کے حکمران اور سیاست دان بلا روک ٹوک اربوں روپے غیر ملکی بینکوں میں منتقل کر چکے ہیں۔ یہ لوگ حکمرانی اس ملک میں کرتے ہیں، جبکہ ان کی اولادوں کی تعلیم و تربیت اور مستقبل کے رہائشی منصوبوں کی پلاننگ بیرونِ ملک میں کی جاتی ہے۔ یہ لوگ چند لاکھ کا فائدہ اٹھانے کے لیے کروڑوں روپے کا بوجھ عوام کی طرف منتقل کرنے میں بھی نہیں ہچکچاتے۔ ملک میں پچھلی چند دہائیوں میں کمائی جانے والی دولت میں سے تقریباً 80 فیصد سیاسی اثر و رسوخ، اختیارات کے ناجائز استعمال اور غیر قانونی طریقوں سے کمائی گئی ہے۔ اس ملک کا سفید پوش اور غریب طبقہ سیاسی، معاشی، سماجی، قانونی اور تعلیمی طور پر پسماندہ ہے۔ ملک کی اکثریت اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی برت رہی ہے۔ کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کر کے سوچیں کہ کیا ہمارے بڑوں نے اپنی جانوں کے

نذرانے دے کر یہ ملک یہ کام کرنے کے لیے حاصل کیا تھا؟ ہر گز نہیں۔ پاکستان اس لیے حاصل نہیں کیا تھا۔

پاکستان کیوں حاصل کیا گیا!

پاکستان میں ہر سال 14 اگست کو بڑی دھوم دھام کے ساتھ یوم آزادی کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس دن پورے ملک میں سرکاری اور نیم سرکاری عمارات پر سبز ہلالی پرچم پوری آب وتاب سے بلندی کا نظارہ پیش کر رہا ہوتا ہے اور ملک بھر میں ہر سال خوشی کا یہی سماں ہوتا ہے۔ قیام پاکستان بلاشبہ ایک عظیم نعمت اور آزادی ایسی انمول شے ہے، جس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ آزادی کی قدر و قیمت وہی جان سکتا ہے، جس سے یہ نعمت چھین لی جائے۔ برصغیر میں مسلمانوں کے ساتھ یہی ہوا۔ ایک ہزار سال حکومت کرنے کے بعد ان کی آزادی چھن گئی اور وہ برصغیر میں غلاموں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئے۔ مسلمانوں پر زمین اس قدر تنگ کرنے کی کوشش کی گئی کہ پورے ہندوستان کے مسلمان یہ سمجھ گئے کہ ہندو انہیں ہر ممکن طریقے سے غلام بنانے اور دین اسلام کو خیرباد کرنے پر مصر ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف شروع کی گئی پر تشدد "آریہ سماج" کی تحریک میں کھل کر کہا گیا: "ہندوستان صرف ہندوؤں کا ہے، یہاں مسلمانوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ مسلمان یا تو ہندو بن جائیں یا پھر ہجرت کرکے چلے جائیں۔" ان حالات میں مسلمانوں کے لیے ایک ریاست کا قیام ناگزیر تھا، جہاں اسلامی روایات کے سائے میں آزادی سے زندگی گزاری جاسکے۔ لہٰذا مسلمانوں نے ایک آزاد ریاست کے لیے جدوجہد کی اور

اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

بلاشبہ پاکستان کا قیام نہ صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے مسلمانوں کے لیے ایک نایاب تحفہ تھا، بلکہ تمام عالم اسلام کے لیے ایک معجزہ بھی تھا۔ یہ ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ قیامِ پاکستان کی تحریک کے دوران مسلمانوں میں جس نعرے نے جوش وخروش پیدا کیا، وہ یہی تھا: "پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ"، جو یہ واضح کرتا ہے کہ پاکستان "لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" کا قانون و نظام نافذ کرکے لیے حاصل کیا گیا تھا۔ قیام پاکستان کا مقصد صرف ایک ریاست کا قیام ہی نہیں تھا، بلکہ ایک ایسی فلاحی ریاست کا قیام تھا، جہاں اسلام کے اصولوں کے مطابق معاملات طے کیے جائیں اور اسلام کو ہی ضابطہ حیات بنایا جائے، اسی مقصد کے لیے لاکھوں لوگوں نے اپنی جانوں کے نذرانے دیے، لیکن قیام پاکستان کے بعد سب نے مل کر اپنی جانیں قربان کرنے والوں کے خواب کو پورا نہ کیا اور اسلام کے قوانین کو صرف کتابوں تک محدود رکھا، عملی طور پر اس کو یہاں نافذ نہیں کیا گیا۔

آج کچھ لوگ یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اس ملک میں اسلامی نظام لانے کی بات خوامخواہ کی جاتی ہے، کیونکہ قائد اعظم اور علامہ اقبال کوئی مذہبی رہنما تو نہیں تھے، جو اسلامی ملک کی بات کرتے۔ حالانکہ اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کرنے کے لیے مذہبی رہنما ہونا

ضروری نہیں ہے، کیونکہ اسلام کے اصول و ضوابط تو اس قدر فلاحی اور کامیاب ہیں کہ ان سے متاثر ہو کر کئی غیر مسلم لیڈر بھی اپنے ممالک میں اسلام کو ضابطہ ریاست بنانے کے لیے کوشاں رہے ہیں۔

بانیان پاکستان اگرچہ کوئی مذہبی لیڈر نہ تھے، لیکن ان کے کہے گئے الفاظ آج بھی ریکارڈ پر موجود ہیں جو ان کے علیحدہ وطن کے قیام کے تصور کو نہایت واضح کرتے ہیں۔ علامہ محمد اقبال کہتے ہیں: "میں ہندوستان اور اسلام کے بہترین مفاد میں ایک الگ مسلم ریاست کے بنانے کا مطالبہ کرتا ہوں۔ اسلام کے لیے یہ ایک موقع ہوگا کہ عرب ملوکیت کے تحت اس پر جو پردے پڑ گئے تھے، ان سے چھٹکارا حاصل کرسکے اور اپنے قوانین، تعلیمات اور ثقافت کو اپنی اصل روح کے ساتھ روح عصر سے ہم آہنگ کرسکے" اور اپنے خطبہ الٰہ آباد میں پاکستان کی اساس کچھ یوں بیان کی: "ایک سبق جو کہ میں نے مسلمانوں کی تاریخ سے سیکھا ہے کہ اپنی تاریخ کے اس نازک ترین مواقع پر یہ اسلام ہی ہے جو کہ مسلمانوں کو نجات عطا کرے گا، نہ کہ اس کے برعکس کچھ اور... لہٰذا آپ اپنی نظر کو اسلام پر مرکوز رکھیں۔" اسی طرح علامہ اقبال نے 28 مئی 1937ء کو ایک خط میں قائداعظم کو لکھا: "اسلامی شریعت کا نفاذ اور ترویج مسلمان ریاست یا ریاستوں کے قیام کے بغیر ناممکن ہے اور میرا یہ یقین ہے کہ پاکستان کے معاشی اور معاشرتی مسائل کا حل اسی میں ہے۔"

قائدِ اعظم محمد علی جناح بھی قیامِ پاکستان سے پہلے اور اس کے بعد بھی متعدد مواقع پر قیامِ پاکستان کے مقاصد کو نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بیان کرتے رہے ہیں۔ قائدِ اعظم نے 31 جنوری 1948ء کو اسلامیہ کالج پشاور کے جلسہ میں حصولِ پاکستان کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: "ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا، بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے، جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔" 25/جنوری 1948ء کو کراچی میں خطاب کرتے ہوئے کہا: "میں ان لوگوں کی بات نہیں سمجھ سکتا، جو دیدہ و دانستہ اور شرارت سے پراپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا۔ اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابل اطلاق ہیں، جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ میں ایسے لوگوں کو جو بدقسمتی سے گمراہ ہو چکے ہیں، یہ صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مسلمانوں کو، بلکہ یہاں غیر مسلمانوں کو بھی کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے۔" 4/ فروری 1948ء کو سبی میں خطاب کے دوران فرمایا: "میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ اس سنہری اصولوں والے ضابطہ حیات پر ہے، جو ہمارے عظیم واضع قانون پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے قائم کر رکھا ہے۔ ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں سچے اسلامی اصولوں اور تصورات پر رکھنی چاہئیں۔" بمبئی میں خطاب کرتے ہوئے کہا: "اگر کوئی چیز اچھی

ہے تو عین اسلام ہے۔ اگر کوئی چیز اچھی نہیں ہے تو یہ اسلام نہیں ہے، کیوں کہ اسلام کا مطلب عین انصاف ہے۔" کراچی میں خطاب کرتے ہوئے کہا: " وہ کونسا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں؟ وہ کونسی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کردی گئی ہے؟ وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن کریم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے، ہم میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا ہوتا "جائے گا۔ ایک خدا، ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ایک کتاب، ایک امت۔

اگر غیر جانبداری کی عینک اتار کر تحریک پاکستان کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہے کہ قیام پاکستان کا مقصد صرف ایک زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنا نہیں تھا، بلکہ اس کے ساتھ آزاد ہونے والی ریاست کو اسلامی اصولوں پر چلانا بھی تحریک آزادی کا مقصد تھا۔ اسی مقصد کے لیے مذہبی رہنماؤں نے طویل جدوجہد کی ہے، جس کے بعد پاکستان کو آزادی حاصل ہوئی۔ ماضی بتاتا ہے کہ 1757ء کی جنگ پلاسی میں مسلمانوں کو شکست کے بعد چلنے والی قریباً دو سو سال پہ محیط مسلمانوں کی یہ تحریک شاہ عبدالعزیز اور پھر ان کے جانشین سید احمد شہید اور سید اسماعیل شہید کی تحریک المجاہدین کی شکل میں چلتی رہی اور پھر 1831ء میں سیدین کی شہادت کے بعد 1857ء کی جنگ آزادی

اور پھر بنگال سے فرائضی تحریک کے نام سے چلی۔ یہی تحریک 1886ء میں سرسید کی آل انڈیا محمڈن کانفرنس اور 1919ء میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کی زبردست تحریک خلافت کے پلیٹ فارم میں تبدیل ہو گئی اور پھر اس کے بعد اقبال اور قائداعظم کی قیادت میں مسلم لیگ کی تحریک تقسیم ہند کے نتیجہ میں قیام پاکستان کے بالآخر اغراض ومقاصد کیا تھے۔ تاریخی تناظر میں اس عظیم الشان تحریک کے اصل محرکات ،اغراض ومقاصد اور مدعا کا مختصر اور جامع جواب "دوقومی نظریہ" اور ہندو مسلم تہذیب کا ٹکراؤ تھا۔ مسلمان اپنی تہذیب کو نافذ کرنا چاہتے تھے، جبکہ ہندو اس کی راہ میں رکاوٹ تھے۔ اسی رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے مسلمانوں نے پاکستان حاصل کیا، تاکہ آزاد ریاست میں اپنی اسلامی تہذیب کا نفاذ کر سکیں۔

اٹک خود کش حملہ.... خطرے کی گھنٹی!

خود کش حملے میں جاں بحق ہونے والے پنجاب کے وزیر داخلہ کرنل ریٹائرڈ شجاع خانزادہ اور ڈی ایس پی شوکت شاہ کی نماز جنازہ گزشتہ روز اٹک کی پولیس لائنز میں ادا کی گئی، جس میں اہم سیاسی شخصیات اور شہریوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ اتوار کے روز پنجاب کے وزیر داخلہ (ر) کرنل شجاع خانزادہ اور ڈی ایس پی شوکت شاہ سمیت بیس افراد اٹک میں ایک خود کش حملے کے نتیجے میں جاں بحق ہوگئے تھے۔ کرنل ریٹائرڈ شجاع خانزادہ اٹک میں اپنے گاؤں شادی خان میں اپنے گھر سے متصل ڈیرے پر ایک جرگے میں علاقہ مکینوں کے مسائل سن رہے تھے کہ ایک نامعلوم شخص کمرے میں داخل ہوا، شجاع خانزادہ سے مصافحہ کیا اور خود کش حملہ آور نے خود کو اڑا دیا جس کے نتیجے میں پوری عمارت زمیں بوس ہو گئی۔ ذرایع کے مطابق وزیر داخلہ کئی گھنٹے اسی ملبے تلے دبے رہے اور وزیر داخلہ پنجاب کی موت سر میں چوٹ لگنے کے باعث واقع ہوئی، جو امدادی اداروں کی نااہلی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

اٹک خود کش دھماکے میں جاں بحق ہونے والے صوبائی وزیر داخلہ کرنل (ر) شجاع خانزادہ 28 اگست 1943ء میں اٹک کے گاؤں شادی خان میں یوسفزئی قبیلے میں پیدا

ہوئے۔ ایف ایس سی اور گریجویشن کے بعد 1967ء میں پاک فوج میں کمیشن حاصل کیا۔ 1971ء کی پاکستان بھارت جنگ میں بھی حصہ لیا۔ انہوں نے 1974-78 اور کے دوران پاک فوج میں انسٹرکٹر اسٹاف کے سربراہ کے طور پر بھی 83-1982 فرائض سرانجام دیے۔ 1983-85ء کے درمیان کمانڈر 13 لانسر بھی فرائض سرانجام دیے۔ انہیں ان کی خدمات کے اعتراف میں 1988ء میں تمغہ بسالت سے نوازا گیا۔ ء میں واشنگٹن ڈی سی میں پاکستان کے ملٹری اتاشی کے طور پر بھی خدمات 94-1992 سرانجام دیں۔ پاکستانی سفارتخانے میں بطور اطلاعات بھی ذمہ داریاں نبھائیں۔ تین مرتبہ پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ وہ پہلی مرتبہ 2002ء میں ق لیگ کی ٹکٹ پر رکن اسمبلی منتخب ہوئے اور وزیراعلیٰ پنجاب کے رابطوں اور عملدرآمد کے بطور پہلے وزیر بنے۔ 2008ء کے انتخابات میں حلقہ پی پی 16 اٹک سے آزاد امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیا اور کامیاب ہونے کے بعد مسلم لیگ ن میں شمولیت اختیار کر لی۔ مئی ء کے انتخابات میں تیسری مرتبہ پی پی 16 اٹک سے رکن اسمبلی منتخب ہوئے اور 2013 اس بار بھی انہوں نے مسلم لیگ (ن) کی ٹکٹ پر حصہ لیا۔ انہیں وزیر ماحولیات کا قلمدان سونپا گیا۔ بعدازاں انہیں صوبائی وزیر داخلہ کا چارج بھی دے دیا گیا اور صوبے میں وزیر داخلہ کا چارج سنبھالنے والے پہلے رکن اسمبلی تھے۔ جبکہ خودکش حملے میں صوبائی وزیر داخلہ کے ہمراہ جاں بحق ہونے والے ڈی ایس پی شوکت شاہ گیلانی ماسٹر ڈگری ہولڈر، شاعر اور 15 کتابوں کے مصنف تھے۔ انہوں نے انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی سے ایم ایس سی

کی اور 1998ء میں پی سی ایس کے تحت پنجاب پولیس میں انسپکٹر بھرتی ہوئے۔ اٹک سمیت کئی اضلاع کے تھانوں میں ایس ایچ او تعینات رہے۔ پولیس کی نوکری کے باوجود شوکت حسین شاہ ادبی ذوق رکھتے تھے، ان کی 15 کتابیں شائع ہوئیں۔

خودکش حملے میں صوبائی وزیر داخلہ کی موت پر آرمی چیف جنرل راحیل شریف، صدر ممنون حسین، وزیراعظم نواز شریف سمیت ملک کی اہم سیاسی و مذہبی شخصیات اور غیر ملکی تنظیموں نے شدید مذمت کرتے ہوئے شجاع خانزادہ کی موت کو ملک و قوم کے لیے بڑا المیہ قرار دیا اور دہشت گردی کے خلاف جنگ جاری رکھنے کے عزم کا اظہار بھی کیا ہے۔ آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے وزیر داخلہ پنجاب کرنل (ر) شجاع خانزادہ پر کی شہادت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے انٹیلی جنس ایجنسیوں کو واقعہ کی تحقیقات اور فوری مجرموں تک پہنچنے اور ماسٹر مائنڈ کو پکڑنے کا حکم دے دیا ہے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف، سربراہ جے یو آئی مولانا فضل الرحمٰن، وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ، چیئرمین تحریک انصاف عمران خان، امیر جماعت اسلامی سراج الحق، قائد ایم کیو ایم الطاف حسین، چودھری نثار علی خان، مسلم لیگ ن کے قائدین، مسلم لیگ ق کے صدر شجاعت حسین، عوامی مسلم لیگ کے سربراہ شیخ رشید، وزیر اعلیٰ خیبر پختون خوا پرویز خٹک سمیت دیگر سیاسی و سماجی قائدین نے دھماکے کی مذمت کرتے ہوئے شجاع خانزادہ کی موت کو قومی نقصان قرار دیا۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے کہا ہے کہ سانحہ اٹک قابل

مذمت ہے۔ واقعے میں ملوث عناصر کو بے نقاب کرکے قرار واقعی سزا دی جائے۔
وفاق المدارس کے جنرل سیکرٹری مولانا حنیف جالندھری نے کہا ہے کہ وطن عزیز کو دہشت گردی، قتل وغارتگری اور خون خرابے کی صورتحال سے نجات دلانے کے لیے حکمران سنجیدگی کا مظاہرہ کریں۔
وزیر داخلہ پنجاب کرنل (ر) شجاع خانزادہ کے ڈیرے پر حملے کا مقدمہ تھانہ رنگو میں درج کرلیا گیا۔ ایس ایچ او تھانہ رنگو غلام شبیر کی مدعیت میں وزیر داخلہ پنجاب کرنل ر) شجاع خانزادہ کے ڈیرے پر حملے کا مقدمہ درج کیا گیا، جس میں قتل، اقدام قتل) اور دہشت گردی کی دفعات شامل کی گئی ہیں۔ مقدمے میں پروٹیکشن آف پاکستان ایکٹ کی دفعہ 16 بھی لگائی گئی ہے، جب کہ اس کے علاوہ مقدمے میں ایکسپلوسیو ایکٹ کی دفعہ سمیت انسداد دہشت گردی کی دفعہ 7، 427، 436، 324 اور 302 بھی شامل کی گئی ہیں۔ اطلاعات کے مطابق اٹک میں وزیر داخلہ پنجاب پر ہونے والے حملے کی ذمے داری دو کالعدم تنظیموں نے قبول کی ہے۔ ذرایع کے مطابق جماعت الاحرار نے حملے کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے کہا کہ حکمران جماعت اور سیکورٹی فورسز پر حملوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس سے قبل ایک ٹی وی کے مطابق لشکر جھنگوی نے بھی حملے کی ذمہ داری قبول کی تھی۔

تجزیہ کاروں کے مطابق پنجاب کی سیکورٹی کے سب سے بڑے عہدے دار اور ذمہ دار کا دہشتگردی کا نشانہ بن جانا متعلقہ اداروں کی اہلیت پر ایکبڑا سوالیہ نشان ہے۔ خانزادہ کی شجاعت اپنی جگہ، تاہم سیکورٹی ادارے ایسے شخص کی حفاظت سے کیوں غافل رہے جو دہشتگردوں کی ہٹ لسٹ میں دوسرے تیسرے نمبر پر تھے۔ ایک ذریعے نے دعویٰ کیا ہے کہ پنجاب وزیر داخلہ کرنل (ر) شجاع خانزادہ پر خودکش حملہ کرنے والا شخص پولیس کی وردی میں ملبوس تھا۔ ذرائع کے مطابق وزیر داخلہ پنجاب کرنل (ر) شجاع خانزادہ نے 23 جون کو میڈیا کو دہشتگردوں کی طرف سے دھمکیوں سے آگاہ کیا تھا۔ دہشتگردوں نے انہیں ٹیلی فون پر کہا تھا کہ آپ کو دیکھ لیں گے، جس پر بہادر شجاع خانزادہ نے جواب دیا تھا کہ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ دھمکیاں دینے والے دہشتگرد کون ہیں۔ کرنل (ر) شجاع خانزادہ نے پاکستان میں کرکٹ روکنے کے لیے بھارتی ایجنسی "را" کی سازش کو بے نقاب کیا تھا اور وہ بھارت کی دہشتگردی کی کارروائیوں کے حوالے سے بلاخوف وخطر اظہار کرتے تھے۔ سیکورٹی ماہرین کا کہنا ہے کہ صوبائی وزیر داخلہ کی شہادت میں بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کا کردار مسترد نہیں کیا جاسکتا، وہ بھارتی خفیہ ایجنسی کے خلاف کافی سرگرم تھے اور مئی میں ہونے والے دورہ زمبابوے ٹیم کو سبوتاژ کرنے کی "را" کی کوششوں کو بھی ناکام بنایا تھا، جبکہ گزشتہ دنوں سانحہ یوحنا آباد میں بھارتی خفیہ ایجنسی کا کردار سامنے لائے تھے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ان دو واقعات کی روشنی میں

ہو سکتا ہے کہ بھارتی خفیہ ایجنسی نے شجاع خانزادہ کو شہید کرکے بدلہ لیا ہو، جبکہ "را" کے پاس پنجاب میں خودکش بمباروں کا فعال نیٹ ورک موجود ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ "را" کی سازش بے نقاب کرنے کے بعد انہیں دھمکیاں مل رہی تھیں۔

دوسری جانب اٹک میں خودکش حملے کے بعد پنجاب بھر میں بڑا سرچ آپریشن بھی شروع کردیا گیا ہے اور مشتبہ گروہوں کے مخصوص ٹھکانوں پر چھاپے مارے جارہے ہیں۔

سیکورٹی کے ذمہ دار ادارے اس بات کا بھی جائزہ لے رہے ہیں کہ صوبائی وزیر داخلہ کے حفاظتی انتظامات میں وہ کونسی خامیاں تھیں جن کی وجہ سے اس سانحہ کو نہ روکا جا سکا۔ حساس اداروں نے اٹک خودکش دھماکے کے ماسٹر مائنڈ تک پہنچنے کے لیے فوری طور پر تحقیقات کا آغاز کر دیا۔ واقعہ کے بعد اٹک، حضرو، حسن ابدال اور گردونواح کے علاقوں میں کریک ڈاؤن تیز کردیا گیا اور مشکوک افراد کو حراست میں لیا جارہا ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے اٹک میں خودکش حملے سے واضح ہوتا ہے کہ ملک میں امن و امان کا خواب ابھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوا ہے۔ امن کی جو صورتحال پیدا ہوتی ہوئی نظر آرہی تھی، وہ عارضی وقفہ ثابت ہوئی ہے۔ اٹک حملے کو ملک کے لیے خطرے کی ایک گھنٹی قرار دیا جارہا ہے، اسی لیے اہم شخصیات کو غیر ضروری نقل و حرکت سے روک دیا گیا ہے اور اہم شخصیات کی سیکورٹی بھی بڑھا دی گئی ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ ایسے

واقعات کے سدباب کے لیے پیشگی اقدامات کرے۔

جنرل (ر) حمید گل....ایک عہد ساز شخصیت

کسی دانشور کا قول ہے: "لوگ پیدا ہوتے ہیں، جیتے ہیں اور پھر مر جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے کوئی کارنامہ سرانجام نہ دیا ہو، وہ بھلا دیے جاتے ہیں، لیکن وہ لوگ جو دوسروں کے لیے جیتے ہوئے اپنے اھداف کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں، وہ ہمیشہ لوگوں کے خیالات اور عمل میں زندہ رہتے ہیں۔" دنیا میں ایسی شخصیات کم ہی پیدا ہوتی رہتی ہیں جو ہمیشہ لوگوں کے خیالات و عمل میں زندہ رہتی ہیں۔ جنرل (ر) حمید گل ایک ایسے ہی محب اسلام اور محب وطن انسان کا نام ہے، جو ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں زندہ رہے گا۔ گزشتہ دنوں سابق سربراہ آئی ایس آئی اور معروف دفاعی تجزیہ نگار جنرل (ر) حمید گل برین ہیمرج کے باعث مری میں انتقال کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ جنرل (ر) حمید گل کی رحلت کو پاکستان اور عالم اسلام کے لیے عظیم سانحہ قرار دیا جارہا ہے، کیونکہ جنرل (ر) حمید گل نہ صرف پاکستان، بلکہ دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کے معاون اور امت مسلمہ کے اتحاد کے داعی تھے۔ وہ ہمیشہ امت مسلمہ کی اتحاد کی بات کرتے اور اس کے لیے کوشاں بھی رہے۔ اسلامی ممالک سمیت دنیا بھر میں ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ جنرل (ر) حمید گل ایک عہد ساز شخصیت تھے۔ وہ مکمل سپاہی تھے۔ وہ مرد میدان تھے۔

مردانگی کے سارے سلیقے انہیں آتے تھے۔ وہ ڈٹ جانے والے آدمی تھے۔ وہ خود کو ہمیشہ میدان کارزار میں سمجھتے تھے۔ وہ فوج سے ریٹائر ہونے کے بعد بھی خود کو ڈیوٹی پر سمجھتے تھے اور ہمیشہ کہتے تھے کہ مجھے ریٹائرڈ نہ کہا کرو، میں آج بھی ڈیوٹی پر ہوں اور مرتے دم تک ڈیوٹی پر رہوں گا۔ جنرل (ر) حمید گل پاکستان اور افغانستان کے لیے کبھی بھی کمزوری اور مایوسی کی کوئی بات نہ کرتے۔ انہیں یقین تھا کہ اچھے دن آنے والے ہیں اور عنقریب باطل کو شکست ہوگی۔ ان سے جب بھی بات ہوئی، وہ یہی کہتے تھے کہ انشاءاللہ عنقریب امریکا سمیت تمام ظالموں کو شکست ہوگی اور پوری دنیا پر اسلام کا نظام نافذ ہوگا۔ وہ ہمیشہ کی طرح اسلام، پاکستان اور طالبان کی بات کرتے تھے، اسی وجہ سے ان کے مخالفین کہا کرتے تھے کہ حمید گل ظاہراً کلین شیو ہے لیکن اس کے پیٹ میں ایک لمبی داڑھی موجود ہے۔ وہ ان دانشوروں میں سے تھے جن کا ایمان ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر اسلامی نظام کے قیام کے لیے معرض وجود میں آیا ہے اور یہ کہ قائد اعظم محمد علی جناح کے ارشاد کے مطابق کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے اور اسے ہر قیمت پر پاکستان میں شامل ہونا چاہیے۔ جنرل حمید گل آخری سانس تک جدوجہد کرتے رہے۔ وہ صرف عسکری لیڈر نہ تھے، بلکہ ایک قومی لیڈر تھے۔ جنرل (ر) حمید گل ان عسکری رہنماؤں میں صف اوّل میں شامل تھے، جنہوں نے عملی سیاست میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی کبھی کسی سیاسی جماعت میں شمولیت اختیار کی، لیکن بہت سے سیاسی ، قائدین ان سے صرف مشاورت ہی نہیں کرتے تھے

بلکہ ان کے کہے پر عمل بھی کرتے تھے۔ جنرل حمید گل فوج سے قبل از ریٹائر منٹ کے بعد سے آخر وقت تک پاکستانی قوم اور امت مسلمہ کی فکری رہنمائی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ وہ نظریہ پاکستان کے محافظ تھے اور ساری زندگی اسلام اور پاکستان کے دشمنوں کی راہ میں رکاٹ بنے رہے۔ کشمیر، فلسطین، چیچنیا، بوسنیا، برما سمیت دنیا بھر میں جہاں کہیں مسلمانوں پر مظالم ہوئے، جنرل (ر) حمید گل بے چین ہوجاتے اور بھرپور طریقے سے ہر ظلم کے خلاف آواز بلند کرتے۔

آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل (ر) حمید گل نے 79 سال کی عمر میں انتقال کیا۔ وہ ایک دانشور اور اسلامی سوچ اور فکر رکھنے والے شخص تھے، جنرل حمید گل امریکا اور بھارت پر کھل کر تنقید کیا کرتے تھے اور کشمیر کے بارے میں بھی واضح موقف رکھتے تھے کہ اسے پاکستان کا حصہ ہونا چاہیے۔ بحیثیت ایک پیشہ ور سپاہی انہوں نے ایک بھرپور متحرک اور فعال زندگی گزاری۔ وہ بلامبالغہ اپنی خدمات کے سبب افواج پاکستان کی تاریخ کا ایک روشن اور درخشاں باب ہیں۔ مرحوم جنرل (ر) حمید گل 20 نومبر 1936 کو سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ نسبی لحاظ سے سوات کے یوسف زئی پشتون تھے، جن کا خاندان لگ بھگ سو برس پہلے سرگودھا میں آباد ہوا۔ شاید اسی لیے پشتو سے زیادہ پنجابی پر دسترس تھی۔ اکتوبر 1956 میں فوج میں کمیشن ملا۔ بھارت سے 1965 کی جنگ میں

چونڈہ کے محاذ پر ٹینک کمانڈر تھے۔ انہوں نے 1971 کی جنگ میں بھی حصہ لیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ 1965 ء کی جنگ میں چونڈا کے محاذ کو جب بھارتی ٹینکوں کا قبرستان بنایا گیا تو حمید گلؒ ٹینک کمانڈر تھے۔ 1972 سے 1976 تک بٹالین کمانڈر بھی رہے۔ میں بریگیڈئر کے عہدے پر ترقی دی گئی۔ 1980 میں فرسٹ آرمر ڈویژن 1978 ملتان کور کے کمانڈر کے عہدے پر ترقی پائی۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں ڈی جی ملٹری آپریشن کے طور پر جی ایچ کیو بھیجا گیا۔ ضیاء الحق نے اختر عبدالرحمٰن کے بعد حمید گل کو آئی ایس آئی کا سربراہ بنایا۔ دوران ملازمت مختلف محاذوں اور شعبوں میں ان کی شاندار کارکردگی کے پیش نظر جنرل ضیاء الحق نے مارچ 1987ء میں جنرل اختر عبدالرحمٰن کی جگہ انہیں آئی ایس آئی کا سربراہ بنایا۔ وہ 2 برس تک اس عہدے پر فائز رہے۔ یہ کریڈٹ ان سے کوئی نہیں چھین سکتا کہ ان کی سربراہی کے دور میں آئی ایس آئی دنیا کی سب سے بڑی انٹیلی جنس ایجنسی بنی اور سی آئی اے، کے جی بی، خاد، را، موساد اور ایم آئی سکس ایسی دیرینہ خفیہ کاری کی ایجنسیوں کو بھی آئی ایس آئی کی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ یہ جنرل (ر) حمید گل کا ہی کارنامہ ہے۔ وہ 1987 سے تک ڈی جی آئی ایس آئی رہے۔ انہیں مئی 1989 میں سابق وزیر اعظم بے 1989 نظیر بھٹو نے ڈی جی آئی ایس آئی کے عہدے سے ہٹا کر کور کمانڈر ملتان مقرر کر دیا۔ بطور کور کمانڈر ملتان انہوں نے "ضرب مومن" کے نام سے نومبر دسمبر 1989 میں ملکی تاریخ کی سب سے بڑی فوجی مشقیں کرائیں۔ اس وقت کے آرمی چیف

جنرل آصف نواز سے اختلافات کی وجہ سے 1992 میں فوج سے ریٹائرڈ ہوگئے۔ جنرل (ر) حمید گل کو ستارہ امتیاز، ستارہ بسالت اور ہلال امتیاز سے نوازا گیا تھا۔ جنرل (ر) حمید گل مرحوم کے جنرل (ر) پرویز مشرف کے ساتھ اچھے تعلقات رہے، تاہم مشرف کی امریکا نواز پالیسیوں کی وجہ سے ان کے ساتھ اختلافات پیدا ہو گئے اور وہ مشرف سے ناراض ہو گئے۔ جنرل (ر) حمید گل کے اپنے سابقہ ادارے کے ساتھ تعلقات اس وقت خراب ہوئے، جب 2001ء میں نائن الیون کے بعد اس وقت کے فوجی آمر جنرل (ر) پرویز مشرف نے طالبان کی حکومت کو ختم کرنے کے لیے امریکا کا ساتھ دیا۔ جنرل (ر) حمید گل اپنی آخری سانسوں تک پاکستان اور افغانستان کے لیے امریکی پالیسیوں کے ایک بے باک ناقد رہے۔ ان کو یقین تھا کہ افغانستان اور پاکستان میں اسلام پسند حکومتیں ہی علاقائی سطح پر پائیدار امن کی ضامن ہو سکتی ہیں۔ پاکستان کے جوہری پروگرام کے تحفظ کے لیے بھی ان کی خدمات آبِ زر سے لکھی جائیں گی۔ انہوں نے جسٹس افتخار چودھری کی بحالی کے لیے تحریک میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان کی ذاتی زندگی کسی بھی قسم کے اسکینڈل سے پاک تھی۔ وہ ایک محب وطن انسان تھے۔ اپنی تمام زندگی وہ پاکستان اور مسلمانوں کی فلاح کے لیے کام کرتے رہے۔ جنرل (ر) حمید گل فوج سے ریٹائر ہونے کے بعد دفاعی تجزیہ کار کی حیثیت سے مقبول ہوئے۔ دفاعی امور پر وہ خاصی دسترس رکھتے تھے۔ افغان روس جنگ میں

انہوں نے کافی شہرت پائی۔ اسی کی دہائی میں روس ایک سپر پاور ملک تھا، اس نے اپنی طاقت کے خمار میں افغانستان پر حملہ کر دیا، اس دور میں مشہور تھا کہ روس جہاں کا رخ کرتا ہے تو پھر واپس نہیں جاتا، بلکہ آگے ہی بڑھتا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ افغانستان کے بعد روس کا ہدف پاکستان تھا، لیکن جنرل (ر) حمید گل نے نہایت مہارت کے ساتھ روس کو نہ صرف پاکستان کی طرف بڑھنے سے روکا، بلکہ اسے افغانستان میں شکست سے اتنی بری طرح دو چار کیا کہ روس ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ جنرل (ر) حمید گل افغان طالبان کے ساتھ نہ صرف ہمدردی کا اظہار کرتے، بلکہ کھل کر ان کی حمایت بھی کیا کرتے تھے اور آخر عمر تک دوبارہ طالبان کی فتح اور کامیابی کی امید دلاتے رہے۔ چند روز قبل بھی روزنامہ اسلام کو دیے گئے ایک انٹرویو میں ان کا یہی کہنا تھا کہ طالبان کامیابی حاصل کریں گے، ملا عمر کے چلے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اور امریکا کو عنقریب شکست ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ جنرل (ر) حمید گل کی وفات پر افغان طالبان کے امیر ملا اختر منصور نے جنرل حمید گل کے خاندان کو تعزیتی پیغام بھجوایا، جس میں افغان طالبان کے سربراہ نے کہا ہے کہ ملا عمر کی موت سے ہمارا ایک بازو ٹوٹ گیا تھا، مگر جنرل حمید گل کی وفات سے ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا دوسرا بازو بھی ٹوٹ گیا ہے۔ جنرل حمید گل کی موت کسی صورت بھی ملا عمر کی جدائی سے کم نہیں ہے۔ افغان طالبان نے ان کے ایصال ثواب کے لیے وہ سب کچھ کیا، جو ایک نیک مسلمان کی موت پر کیا جانا چاہیے۔ ان کے لیے قرآن

خوانی، دعائے مغفرت اور نوافل ادا کیے گئے۔ انہوں نے کہا کہ جنرل حمید گل افغانوں کے دوست اور اتحاد کے داعی تھے۔ انہوں نے ملا عمر کی موت کے بعد طالبان اتحاد کے لیے اہم کردار ادا کیا۔

جنرل (ر) حمید گل کی وفات نہ صرف پاکستان بلکہ دیگر ممالک کے لیے بھی افسوسناک سانحہ ہے۔ جنرل (ر) حمید گل کی وفات پر ایران اور سوڈان کے سفرا نے بھی تعزیت کی۔ سوڈان کے سفیر نے جنرل حمید گل کی وفات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے دنیا جہاں کے لیڈروں سے ملاقاتیں کی ہیں، لیکن حمید گل جیسی شخصیت کہیں نظر نہیں آئی ہے۔ یہ شخص اس دور سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ یہ معمہ، کہانیوں اور روایات میں مذکورہ مجسمہ نیکی کے کرداروں کی مانند تھا۔ میرے خیال میں یہ اسلام کے اولین دور کے متقی لوگوں کی ایک نشانی اس دور میں بھیجی گئی۔ جبکہ ایرانی سفیر عالی جاہ علی رضا کا کہنا تھا کہ جنرل حمید گل ایک حقیقی مجاہد تھے۔ امریکا کو اس لہجے میں للکارنے والے واحد لیڈر تھے۔ پورے عالم اسلام میں کوئی دوسرا لیڈر ان کے پائے کا نہیں، جو باطل کو للکار سکے اور سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کہہ سکے۔ انہوں ے کہا کہ حمید گل ساری زندگی اتحاد امت کی جدوجہد کے لیے لڑتے رہے ہیں۔ وہ ایران کے دوست تھے اور ایرانی قوم انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ جبکہ حزب اسلامی کے سربراہ حکمت یار کے نمائندے ڈاکٹر غیرت بہیر بھی رسم قرآن

خوانی میں موجود تھے۔ انہوں نے عبداللہ گل کو حکمت یار کا پیغام پہنچایا اور کہا کہ حمید گل افغانوں کا فخر تھے۔ افغان انہیں اپنا بھائی اور دوست مانتے ہیں۔ وہ افغانوں کے اتحاد کے لیے ہمیشہ متحرک رہے۔ افغان قوم ان کی خدمات کو تادیر رکھے گی۔ جنرل (ر) حمید گل کشمیر کاز کے ایک زبردست حامی تھے اور انہوں نے اپنی پوری زندگی میں کشمیری عوام کی جدوجہد کی نہ صرف حمایت کی، بلکہ وہ مسئلہ کشمیر کا ایک منصفانہ حل تلاش کرنے میں بھی ہمیشہ کوشاں رہے۔ گل صاحب کشمیر کی حق خودارادیت کے لیے ہمہ تن محو تھے اور انہوں نے پاکستان میں کشمیر کے حوالے سے رائے عامہ منظم کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ مقبوضہ کشمیر کے مختلف علاقوں میں جنرل (ر) حمید گل کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ جبکہ حریت کے تینوں دھڑوں، متحدہ جہاد کونسل، فریڈم پارٹی، دختران ملت، پیپلز پولیٹکل فرنٹ، مسلم لیگ، مسلم دینی محاذ نے جنرل (ر) حمید گل کی وفات پر رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔اس کے علاوہ جنرل صاحب برما میں مسلمانوں پر مظالم کے خلاف بھی آواز اٹھاتے رہے۔ ان کی وفات پر برما میں مسلم تنظیموں نے گہرے دکھ کا اظہار کیا ہے۔

جنرل (ر) حمید گل حمید گل نے افغانستان، فلسطین اور کشمیر کے مظلوم مسلمان بھائیوں کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی جنرل (ر) حمید گل نہ صرف پاکستان بلکہ پوری امت مسلمہ کے نڈر اور بے باک ترجمان تھے۔ جنرل حمید گل

نے نہ صرف عالم کفراور دشمنان اسلام کو حربی میدان میں بدحواس کردیا تھا، بلکہ اسلام اور تحریک پاکستان کے نظریاتی محاذ پر بھی دشمن کی چالبازیوں اور مکاریوں کو خوب سمجھ کر ان کے حملوں کو بھی پسپا کرنے کا ہنر وہ بخوبی جانتے تھے۔ جنرل (ر) حمید گل کی وفات سے ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوا ہے جسے پ ±ر کرنا مشکل ہے۔ جنرل حمید گل مرحوم ایک جامع الصفات شخصیت تھے۔ اسلامیت، پاکستانیت اور پیشہ وارانہ عسکریت دوران ملازمت ان کی شناخت رہے۔ شوقِ شہادت اور روح جہاد ان کی شریانوں میں حیات تازہ کا گرم خون بن کر گردش کرتے رہے۔ حمید گل ایک سرتاپا پیشہ ور فوجی تھے۔ وہ 79 برس کی عمر میں بھی ہمہ تن پاکستان کے دفاع کے لیے تیار رہتے تھے۔ یہ جنرل حمید گل تھے کہ جنھوں نے نائن الیون کے بعد کہا تھا کہ سفید سامراج امریکا، افغانستان پر حملے کی آڑ میں پاکستان کو اپنی سفاکیت کا نشانہ بنانا چاہتا ہے۔ وہ نائن الیون کے واقعہ کو امریکیوں کا سیلف پلانٹڈ واقعہ قرار دیا کرتے تھے۔ اس نابغہ اور عبقری عسکری تجزیہ کار کے امریکی مذموم عزائم کے حوالے سے افکار و آرا سے اکتساب فیض کرکے اس دور کی حکومت اگر اپنی پالیسیاں وضع کرتی تو امریکی ڈرونز پاکستانی فضائی سرحدوں کو پامال کرکے پاکستان کی قومی سلامتی، خود مختاری اور اقتدار اعلیٰ پر شب خون نہ مار سکتے۔ وہ اتحادِ امہ پر یقین رکھتے تھے۔ اپنی پیشہ وارانہ زندگی سے آخری سانس تک وہ سالمیتِ پاکستان، استحکامِ پاکستان، دفاعِ پاکستان اور بقائے پاکستان کی جنگ لڑنے کے لیے

ہمیشہ ایک مردِ مجاہد کی طرح میدان عمل میں سرگرم رہے۔ وہ بیک وقت پاکستان کی جغرافیائی و نظریاتی سرحدوں کے نمایاں محافظوں میں سے ایک تھے۔ جنرل (ر) حمید گل نے ہمیشہ یاد رکھی جانے والی زندگی گزاری ہے، اسی لیے ان کا نام تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

بھارت کی روایتی ہٹ دھرمی.... سرحدی خلاف ورزیوں کا سلسلہ جاری

پاک بھارت سرحدی کشیدگی میں ہر نکلتے سورج کے ساتھ مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ بھارت اپنی روایتی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آئے روز سرحد کے قریب بسنے والے پاکستانیوں پر گولا باری کرکے جارحیت کا مرتکب ہو رہا ہے، جس سے چند روز میں ہی پاکستانی شہریوں کو بھاری جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ بھارت کی جانب سے فائرنگ و گولا باری کے ذریعے نہتے عوام کی زندگی اجیرن کرنے کا سلسلہ نہ صرف جاری ہے، بلکہ مزید آگے بڑھ رہا ہے۔ پہلے بھارت صرف اپنی حدود میں رہ کر پاکستانی حدود میں گولا باری کرتا تھا، لیکن اب اس نے پاکستانی فضائی حدود کی خلاف ورزیاں کرنا بھی شروع کردی ہیں۔ بھارتی فوج کی جانب سے اس قسم کے اشتعال انگیز اقدامات کرنا کوئی نئے نہیں ہیں، کیونکہ یہ بھارت کا پرانا وطیرہ ہے۔ دراصل بھارت ازل سے ہی پاکستان کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔ 1947ء کی تقسیم آج تک بھارت کو ہضم نہیں ہو رہی۔ پاکستان پر بھارت نے تین مرتبہ جنگیں مسلط کیں۔ بھارت بوکھلاہٹ کا شکار ہے، اسی لیے وہ آئے روز کنٹرول لائن اور ورکنگ باؤنڈری پر فائرنگ کرکے سرحد پر جنگی حالات قائم رکھنا چاہتا ہے، حالانکہ پاکستان کی خواہش ہے کہ بھارت 2003ء میں ہونے والے سیز فائر معاہدے کا احترام کرے، لیکن

بھارت مسلسل اس معاہدے کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ 2013ء میں بھارت نے ایل او سی سیز فائر معاہدے 2003ء کی پاسداری کرنے کے عزم کا اظہار کیا تھا، لیکن اس کے باوجود بھارت نے 2013ء میں ہی 175 بار سرحدی خلاف ورزی کی۔ بھارت کی جانب سے سرحدی خلاف ورزیوں کا سلسلہ تا نہیں رک سکا، جبکہ گزشتہ 2 ماہ کے دوران بھارت نے 70 بار ایل او سی اور ورکنگ باؤنڈری پر جنگ بندی کی خلاف ورزی کی ہے۔ واضح رہے کہ بھارت میں نریندر مودی کے وزیراعظم بننے کے بعد سے پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں کشیدگی آئی ہے اور اس کشیدگی میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔

گزشتہ دو روز کے دوران چاروہ، ہرپال اور نکیال سیکٹر پر بھارتی فوج کی بلااشتعال فائرنگ اور گولہ باری سے 3 پاکستانی شہری شہید ہو گئے، جبکہ 6 زخمی ہوئے ہیں اور گزشتہ پانچ روز میں ہی چھ پاکستانی شہری بھارتی جارحیت کا نشانہ بن چکے ہیں۔ بھارت کی جانب سے فضائی حدود کی خلاف ورزی بھی شروع ہو گئی ہے اور چاروہ سیکٹر پر 2 بھارتی ہیلی کاپٹر پاکستانی حدود میں گھس آئے اور نچلی پرواز کی بھارتی ہیلی کاپٹر 80 فٹ تک پاکستانی حدود میں آئے اور پانچ منٹ تک پروازیں جاری رہیں، جس سے مقامی لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ رینجرز کی کارروائی کے بعد واپس چلے گئے۔ واضح رہے کہ پیر کے بھارتی نائب ڈپٹی ہائی کمشنر کو ڈائریکٹر جنرل جنوبی ایشیاء و سارک نے دفتر خارجہ

میں طلب کرکے بھارتی فوجیوں کی جانب سے کوٹلی کے مقام پر لائن آف کنٹرول پر سیز فائر کی خلاف ورزیوں پر شدید احتجاج ریکارڈ کرایا تھا اور بھارتی حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ واقعات کی تحقیقات کرائے اور اس کے نتائج سے پاکستان کو بھی آگاہ کیا جائے۔ بھارت اپنے فوجیوں کو جنگ بندی کا احترام کرنے کی ہدایت کرے اور ایل او سی پر امن کو برقرار رکھے۔ اس کے ساتھ التاچور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق وزارت خارجہ میں سیکرٹری ایسٹ انیل ودھوا نے نئی دہلی میں پاکستانی ہائی کمشنر عبدالباسط کو طلب کرکے پاکستانی فورسز کی طرف سے مبینہ طور پر کنٹرول لائن اور بین الاقوامی سرحد پر فائرنگ اور گولہ باری کے واقعات پر احتجاج ریکارڈ کروایا تھا، جس پر پاکستانی کمشنر عبدالباسط نے کہا کہ جنگ بندی کی خلاف ورزی کس طرف سے ہو رہی ہے، یہ دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ موثر میکنزم کے ذریعے اس بات کا تعین کیا جائے کہ کس جانب سے خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ ہمیں خود کنٹرول لائن اور ورکنگ باؤنڈری پر جنگ بندی کی خلاف ورزیوں کے حوالے سے تشویش ہے۔ پاکستان کا کہنا ہے کہ گزشتہ دو ماہ کے دوران بھارت کی جانب سے لائن آف کنٹرول اور ورکنگ باؤنڈری پر جنگ بندی کی 70 مرتبہ خلاف ورزی کی گئی ہے۔ بھارت کی جانب سے فائر بندی کی مسلسل خلاف ورزیاں تشویشناک ہیں اور ایل او سی اور ورکنگ باؤنڈری پر امن برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ فائر بندی کے 2003 کے سمجھوتے پر عمل کیا جائے۔

گزشتہ روز پاکستان کی سیاسی و عسکری قیادت نے

ملاقات میں کنٹرول لائن پر بھارتی جارحیت پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ بھارتی جارحیت کا موثر جواب دیا جائے گا۔

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے پاکستان اور بھارت سے اپیل کی ہے کہ دونوں ممالک بین الاقوامی سرحدوں اور لائن آف کنٹرول پر تحمل سے کام لیں۔ بان کی مون نے اپنے ایک بیان میں پاکستان اور بھارت دونوں پر زور دیا ہے کہ پاکستان اور بھارت کو اپنے اختلافات مذاکرات کے ذریعے حل کرنا چاہیے اور شہریوں کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے ضروری اقدامات کرنے چاہیے۔ وہ 23 اور 24 تاریخ کو پاکستان اور بھارت کے قومی سلامتی کے مشیروں کے درمیان دہلی میں طے شدہ مذاکرات کے مثبت نتائج کے لیے پرامید ہیں۔ واضح کہ 23 اگست کو نئی دہلی میں دونوں ممالک کے قومی سلامتی کے مشیروں کے درمیان اہم ملاقات ہوگی، جس میں "را" کا معاملہ خصوصیت کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ دوسری جانب امریکی محکمہ خارجہ کے ترجمان جان کربی نے بھی واشنگٹن میں میڈیا بریفنگ کے دوران کہا ہے کہ پاک بھارت کشیدگی پر امریکی موقف میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، امریکا کی خواہش ہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان تمام تصفیہ طلب معاملات حل ہوں، لیکن اس سلسلے میں تمام اقدامات دونوں ممالک کو ہی کرنا ہوں گے۔

مبصرین کے مطابق بھارت نے ہمیشہ پاکستان کے ساتھ منافقت برتی ہے۔ بغل میں چھری اور منہ میں رام رام کے مصداق ایک جانب میڈیا کے ذریعے عوام کو یہ باور کروانے میں لڑی چوٹی کا زور لگایا جارہا ہے کہ دونوں اطراف کے عوام ایک سے دوسرے محبت کرتے ہیں۔ دونوں ملکوں کے عوام چاہتے ہیں کہ ان کے درمیان جنگ نہ ہو، لیکن دوسری طرف بھارتی فوج کی سوچ بدلی، نہ بھارت کے اندر پاکستان کے خلاف نفرت ختم ہوئی، کیونکہ بھارتی سیاست دانوں اور فوج کی وہی پرانی سوچ ہے، جو بال ٹھا کرے جیسے انتہا پسند رکھتے تھے اور یہ وہی سوچ ہے جس کا اظہار 1971 اور اس سے قبل بھارتی سورماؤں نے کیا تھا اور آئے روز بھارت پاک بھارت سرحد کی خلاف ورزیاں کررہا ہے۔ انڈین اسٹریٹجک سوچ کے مطابق افغانستان سے لے کر برما تک کا علاقہ بھارت کے زیر اثر رہنا چاہیے۔ اس سوچ پر کاری ضرب 1947ء میں لگی، جب پاکستان بنا اور بعض بھارتیوں کے مطابق گاؤ ماتا کے ٹکڑے ہو گئے، یہ تقسیم کاری تھی، جس نے آج تک ہندوؤں کو تکلیف میں مبتلا کیا ہوا ہے اور بھارت مختلف طریقوں سے پاکستان کو اشتعال دلا کر خطے کے سکون کو برباد کرنا چاہتا ہے، کیونکہ اس کو پاکستان کی ترقی برداشت نہیں ہورہی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ بھارت کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے دونوں ملکوں کے درمیان کشیدگی مزید بڑھ گئی تو ماضی کی جنگوں سے شدید متاثر یہ خطہ عدم توازن کا شکار ہوجائے گا۔ بہرحال دونوں ممالک کے درمیان موجودہ کشیدگی کو کم کرنے کے لیے عالمی برادری کو بہترین کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔

کتابوں اور 350 کہانیوں کا مصنف موٹر مکینک اور ماڈل گرل ایان علی6

یہ حیدآباد کے رہائشی عارف شین روہیلہ ہیں، جو اپنے علاقے میں موٹر سائیکل مکینک ہیں۔ ان کی شخصیت اس اعتبار سے انوکھی ہے کہ وہ دیگر موٹر مکینکز کی طرح صرف خراب موٹر سائیکل ہی ٹھیک نہیں کرتے، بلکہ لوگوں کو زندگی کے مختلف پہلوؤں اور ان سے جڑے کرداروں سے بھی ہم آہنگ کرواتے ہیں۔ عارف روہیلہ موٹر مکینک ہونے کے ساتھ ساتھ پیسے بچا بچا کر اب تک 6کتابیں اور بچوں کے لیے 350 کہانیاں لکھ کر شایع کروا چکے ہیں۔ان کو بچپن سے لکھنے کا شوق تھا، اپنے اس شوق کی تکمیل کی راہ میں کوئی رکاوٹ بھی ان کے پاؤں کی زنجیر نہیں بنی۔ قلم تھاما اور لکھنا شروع کردیا۔ عارف شین روہیلہ سارا دن دکان پر موٹر سائیکل ٹھیک کرتے ہیں اور وقت نکال کر کہانیاں اور کتابیں لکھتے ہیں۔ گزشتہ پچیس سال سے ان کا یہی معمول ہے۔ عارف شین روہیلہ گزشتہ پچیس سال میں 6کتابیں اور بچوں کی 350 کہانیاں تصنیف کرچکے ہیں، لیکن ایسے قابل انسان کے ساتھ حکومت کی طرف سے کوئی تعاون نہیں کیا گیا۔ نہ ہی میڈیا نے ان کو متعارف کروایا اور نہ ہی کسی یونیورسٹی نے اپنے طلبہ سے مخاطب ہونے کا موقع فراہم کیا، بلکہ آج تک شاید کسی نے ان کے ساتھ کھڑے ہو کر سیلفی تک نہیں بنوائی۔ یہ صرف عارف شین روہیلہ کا معاملہ نہیں، بلکہ چند روز قبل فیصل آباد میں 12کتابوں کے مصنف

رکشہ ڈرائیور محمد فیاض ماہی اور 5 کتابوں کے مصنف موچی منور شکیل کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ یہ لوگ سارا دن محنت مزدوری کرتے ہیں اور وقت بچا کر پاکستانی قوم کو اپنی تخلیقات سے نوازتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ان لوگوں کو عزت دینا تو دور کی بات، حکومت، میڈیا اور پوری قوم ایسے ہیروز کو جانتی تک نہیں۔

دوسری طرف ہم ماڈل ایان علی کی بات کرتے ہیں۔ اس 22 سالہ ماڈل گرل کا کارنامہ یہ ہے کہ یہ خود کی نمائش کرواتی ہے اور اعلیٰ شخصیات سے اس کے تعلقات ہیں۔ 14 مارچ 2015 کو اسلام آباد ائیرپورٹ سے دبئی جاتے ہوئے دورانِ چیکنگ ماڈل ایان علی کے سامان میں سے 5 لاکھ امریکی ڈالر برآمد ہوئے تو اسے حراست میں لے لیا گیا۔ اس دوران میڈیا نے محترمہ کو اس قدر کوریج دی کہ "قوم کی بیٹی" ایان علی کی ایک ایک ادا کو میڈیا قوم کی امانت سمجھتے ہوئے پوری ذمے داری کے ساتھ قوم تک پہنچاتا رہا۔ اس کے چلنے کے انداز سے لے کر کھانسنے کے انداز تک اور کپڑوں کے رنگ سے لے کر جوتوں کے رنگ تک قوم کو کسی بھی چیز سے جاہل نہیں رہنے دیا گیا۔ آج ٹیلی ویژن دیکھنے والا قوم کا بچہ بچہ ماڈل ایان علی سے ضرور واقف ہوگا۔ 15 بار سے زاید عدالت میں پیش ہونے کے باوجود محترمہ پر فرد جرم عاید نہ ہو سکی، بلکہ ماڈل ایان علی کے خلاف کرنسی اسمگلنگ کیس میں سب سے اہم گواہ چودھری اعجاز کو 3 جون کو فائرنگ کرکے قتل

کر دیا، لیکن اب تک نہ تو قاتل گرفتار ہوسکے ہیں اور نہ ہی اس بارے میں کوئی تفتیش ہو سکی، جبکہ اعلیٰ شخصیات کے دباؤ پر 14 جولائی کو ماڈل گرل کو "باعزت" طور پر بری کر دیا گیا۔ جس کے بعد ملک کی سب سے بڑی یونیورسٹی جامعہ کراچی نے محترمہ کی عزت میں سے کچھ عزت حاصل کرنے کا فیصلہ کیا اور یونیورسٹی کے طلبہ کو محترمہ کے لیکچر سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا اور قوم کے معمار اساتذہ کرام نے محترمہ کے ساتھ سیلفیاں بنوا کر اپنی عزت کو چار چاند لگائے۔

اس واقعہ کے بعد میں ایک طرف قوم کی بیٹی، قوم کا فخر اور ملک کے سب سے بڑے تعلیمی ادارے کی معراج محترمہ ماڈل ایان علی کو دیکھتا ہوں اور دوسری طرف ملک کے غریب مزدور عارف شین روہیلہ، محمد فیاض ماہی اور منور شکیل پر نظر ڈالتا ہوں تو یہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ ہمارے حقیقی ہیرو کون ہیں، کیونکہ میں نے کراچی یونیورسٹی سے ہی (ایم اے) ماسٹر کیا۔ اسی یونیورسٹی کی کتابیں پڑھ کر میں آج تک میں یہ سمجھتا رہا کہ ہمارے ہیرو کتابیں لکھنے والے اور قوم کو اپنی نئی تخلیقات سے نوازنے والے لوگ ہیں، لیکن جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ نہ تو قوم ہی ان کو کوئی عزت دے پا رہی ہے اور نہ ہی میڈیا نے کبھی ان کا ساتھ دیا اور یہ لوگ آج مزدوری کرنے پر مجبور ہیں، جبکہ دوسری جانب ماڈل ایان علی کو اتنی عزت بخشی جاتی ہے کہ میڈیا اس کی ایک ایک بات کو قوم

تک پہنچاتا ہے اور ملک کی سب سے بڑی یونیورسٹی میں اس سے لیکچر دلوایا جاتا ہے، تو میں شش و پنج میں پڑ جاتا ہوں کہ ہم نے کتابوں میں غلط پڑھا تھا یا قوم غلط کر رہی ہے؟ آخر کار یہی فیصلہ کرنے پر مجبور ہوتا ہوں کہ ہم زندہ دل قوم ہیں، اس لیے کبھی غلط نہیں کر سکتے، کتابیں ہی غلط بتاتی رہی ہیں۔ ہماری قوم کے ماتھے کا جھومر اور قوم کی پہچان ماڈل ایان علی ہی ہے۔ اگر وہ قوم کی شان نہ ہوتی تو اس سے ملک کا سب سے بڑا تعلیمی مرکز اپنے طلبہ کی تربیت محترمہ سے نہ کرواتا۔ ماڈل ایان علی جیسی خواتین صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں، جبکہ عارف روہیلہ، محمد فیاض ماہی اور منور شکیل جیسے مزدور لوگ تو آپ کو ہر گلی کی نکڑ پر مل جائیں گے۔ سب مل کر نعرہ لگاؤ ل جیۓ ماڈل گرل ایان علی"

تحریر کیسی ہو؟

ہر لکھاری کی خواہش ہوتی ہے کہ تحریر کے ذریعے اس کی سوچ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو متاثر کرے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ تحریر زیادہ سے زیادہ لوگوں کی سمجھ میں آئے۔ اگر تحریر آسان فہم نہیں ہے، اس میں مشکل الفاظ کی بھرمار ہے تو وہ ایک اچھی اور خوبصورت تحریر تو ہو سکتی ہے، لیکن اس کا زیادہ مفید ہونا مشکل ہے، کیونکہ اب لوگوں کی اکثریت کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ لغت سے مشکل الفاظ کے معانی ڈھونڈ ڈھونڈ کر کسی کی تحریر کو سمجھیں۔ ایسے لوگوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوگی، جن کی تحریریں ثقیل ہوں اور ان تحریروں کو عوام میں پسند بھی کیا جاتا ہو۔ جہاں تک میں سمجھا ہوں کہ مدارس کے طلبہ اور فضلاء کی اکثریت ایسی تحریروں کو زیادہ پسند کرتے ہیں، جن میں الفاظ کا جادو جگایا گیا ہو، تشبیہات، تمثیلات، استعارات، تلمیحات اور تعبیرات کا استعمال زیادہ سے زیادہ کیا گیا ہو۔ یہ تمام اوصاف مل کر جہاں ایک طرف تحریر کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں، وہیں تحریر کو بہت زیادہ ثقیل بھی بنادیتے ہیں اور مدارس کے طلبہ اور فضلا چونکہ یہ سب کچھ پڑھ چکے ہوتے ہیں، اس لیے شاید ان کو کوئی مشکل پیش نہ آتی ہو، لیکن ہر انسان تو تحریر کے ان اوصاف سے واقف نہیں ہوتا۔

تحریر لکھتے وقت مخاطب کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ اگر مخاطب اہل علم ہے تو وہ مشکل تحریر کو بھی آسانی کے ساتھ سمجھ لے گا، لیکن اگر مخاطب عامی انسان ہے تو تحریر میں مشکل الفاظ کا استعمال کرنا اس کو اپنی تحریر کے ثمرات سے محروم کرنے والی بات ہے۔

ماہر تعلیم پروفیسر ڈاکٹر اصغر چشتی صاحب نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ایک بار میں تحریر لکھ کر ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب رحمہ اللہ (کسی تعارف کے محتاج نہیں) کے پاس لے گیا اور کہا اسے پڑھ کر بتایے کہ تحریر کیسی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: "اس تحریر کو لے کر کسی (نائی) بال کاٹنے والے یا (موچی) جوتے گانٹھنے والے کو پڑھ کر سناؤ۔ اگر وہ اس تحریر کو سمجھ جائیں تو آپ بھی سمجھو کہ یہ تحریر شاندار ہے اور اگر ان کی سمجھ میں یہ تحریر نہیں آتی تو اس کو مزید آسان بنانے کی کوشش کرو۔" ایک بار میں فیصل آباد میں معروف مصنف مولانا مجاہد الحسینی صاحب سے ملاقات کے لیے ان کے گھر گیا۔ دیگر باتوں کے ساتھ تحریر کی خوبی کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے: "عمدہ تحریر وہ ہے جو مخاطب کی سمجھ میں آجائے۔ جو تحریر جتنی زیادہ آسان فہم ہو، وہ اتنی ہی زیادہ بہترین ہوتی ہے۔" ایک بار اپنے دوست (معروف کالم نگار و مصنف) انور غازی سے پوچھا کہ کالم میں سب سے زیادہ کس چیز کا خیال رکھنا چاہیے تو وہ کہنے لگے کہ میں نے بھی ایک بار یہی سوال (معروف کالم نگار) جاوید چودھری سے کیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا تھا کہ اپنے قارئین

کو آسان فہم انداز میں کوئی نئی چیز دیں، کالم میں یہی سب سے اہم اور لوگوں کی دلچسپی
کا باعث ہے۔

این اے 122 کا فیصلہ.... انتخابی نظام پر سوالیہ نشان

لاہور میں قائم الیکشن ٹربیونل نے سپیکر قومی اسمبلی ایاز صادق کے انتخاب کو کالعدم قرار دیتے ہوئے حلقہ این اے 122 میں دوبارہ الیکشن کرانے کا حکم دیا ہے۔11 مئی 2013 کو ملک بھر میں ہونے والے عام انتخابات میں لاہور کے حلقہ این اے 122 سے مسلم لیگ سردار ایاز صادق 93 ہزار 389 ووٹ لے کر کامیاب ہوئے اور عمران خان 84517 ووٹ حاصل کر سکے تھے، اس طرح عمران خان کو 8 ہزار 872 ووٹوں سے شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا، جبکہ پی پی 147 سے بھی مسلم لیگ نواز کے ہی امیدوار شجاع صدیقی الیکشن میں کامیاب ہوئے تھے۔ عمران خان نے الیکشن ٹربیونل میں اس نتیجے کے خلاف انتخابی عذرداری دائر کی تھی، جس میں کہا گیا تھا کہ حلقہ این اے 122 میں انتخابات کے دوران دھاندلی ہوئی ہے، لہٰذا سردار ایاز صادق کو نااہل قرار دیا جائے۔ گزشتہ روز مختصر فیصلے میں ٹربیونل نے این اے 122 اور اس کے ذیلی صوبائی حلقے پی پی 147 میں انتخابات کو کالعدم قرار دے دیا۔ لاہور ہائی کورٹ کی جانب سے نومبر 2013 میں ایاز صادق کے حق میں حکمِ امتناعی جاری کیے جانے کے بعد عمران خان کی اس پٹیشن پر کارروائی ایک سال تک معطل رہی۔ ہائی کورٹ نے 20 نومبر 2014 کو حکمِ امتناع واپس لیتے ہوئے ٹربیونل کو کارروائی

جاری رکھنے کی اجازت دی تھی۔ نومبر 2014 میں عمران خان نے الیکشن ٹریبونل کے سامنے اپنا بیان ریکارڈ کروایا اور کہا دھاندلی کے تمام ثبوت ووٹوں والے بیگوں میں موجود ہیں، ان کو کھولا جائے تو سب سامنے آ جائے گا کہ حلقہ میں کس حد تک دھاندلی ہوئی ہے۔ الیکشن ٹریبونل نے دسمبر 2014 کو ووٹوں کے تھیلے کھولنے اور ان کی جانچ پڑتال کا حکم دیا تھا۔ جنوری 2015 میں مبینہ دھاندلی کیس میں ووٹوں کی جانچ پڑتال کرنے والے لوکل کمیشن کے جج غلام حسین اعوان نے کہا کہ کوئی جعلی ووٹ نہیں نکلا، البتہ انتخابی بے ضابطگیاں پائی گئی ہیں۔ مارچ 2015 میں ٹریبونل نے حلقے میں ڈالے گئے تمام ووٹوں کی تصدیق نادرا سے کروانے کا حکم دیا۔ مئی 2015 میں نادرا نے ووٹوں پر انگوٹھوں کے نشانات کی تصدیق کے حوالے سے تقریباً 800 صفحات پر مشتمل اپنی رپورٹ الیکشن ٹریبونل کے دفتر میں جمع کروائی تھی۔ 17 اگست کو ٹریبونل نے فریقین کے وکلا کی جانب سے حتمی دلائل سننے کے بعد فیصلہ محفوظ کر لیا تھا۔ فیصلے میں الیکشن ٹریبونل کا کہنا ہے کہ این اے 122 میں ڈالے گئے ووٹوں کی 183500 کاؤنٹر فائلیں چیک کی گئی تھیں، جن میں سے 93582 کاؤنٹر فائلوں کی تصدیق اس وجہ سے نہیں ہو سکی کہ ان پر انگوٹھے لگانے کے لیے استعمال ہونے والی مقناطیسی سیاہی ناقص تھی اور انگوٹھوں کو لگے کافی دیر بھی ہو چکی تھی۔ 6123 کاؤنٹر فائلوں پر درج شناختی کارڈ نمبر اے سے تھے، جو نادرا نے جاری ہی نہیں کیے تھے۔ 6862 کاؤنٹر فائلوں پر درج شناختی کارڈوں کے نمبروں کے

ہندسوں کی تعداد نادرا کے معیار سے کم یا زیادہ تھی۔ جبکہ این اے 122 میں ڈالے گئے 23 ہزار 525 ووٹوں کی کاؤنٹر فائلوں پر متعلقہ پریذائیڈنگ افسر کے دستخط اور مہر موجود نہیں تھے۔ 3 ہزار 6 سو 42 ووٹوں کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ 2 ہزار 693 ووٹوں کی کاؤنٹر فائلوں پر عملے کے کسی بھی رکن کے دستخط موجود نہیں تھے۔ 750 ووٹ ایسے نکلے ہیں، جن پر پریذائیڈنگ افسر کی مہر نہیں لگی ہوئی تھی۔ فارم 14 میں درج 806 ووٹوں اور کاؤنٹر فائلوں کے سیریل نمبر آپس میں مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ پولنگ ریکارڈ کے حامل 15 بیگز کی سیل ٹوٹی ہوئی اور 10 کی نامناسب تھیں۔ ٹریبونل میں عمران خان کے جو اخراجات آئے اس کی ادائیگی اسپیکر کرنے کے پابند ہیں، 20 لاکھ روپے اسپیکر کو عمران خان کو ادا کرنا پڑیں گے۔

سردار ایاز صادق کا کہنا ہے کہ وہ الیکشن ٹریبونل کا فیصلہ تسلیم کرتے ہیں۔ الیکشن ٹریبونل کا فیصلہ سپریم کورٹ میں چیلنج کریں گے۔ ٹریبونل نے پورے الیکشن کو کالعدم قرار دیا ہے۔ فیصلے پر کچھ تحفظات ہیں۔ فیصلے میں ذمے داری مجھ پر یا عمران خان پر نہیں ڈالی گئی۔ ہمارے پاس اپنے تحفظات کے اظہار کے لیے عدالت ہے۔ الیکشن ٹریبونل کے فیصلے کا احترام کرتے ہیں، تنقید نہیں کریں گے، یہ معاملہ اب سیاسی ایشو نہیں رہا، ڈپٹی اسپیکر میری جگہ بیٹھ کر فیصلہ کریں گے۔ دوسری جانب عمران خان اور پی ٹی آئی نے اس فیصلے

کو انصاف کی فتح قرار دیا ہے۔ چیئرمین پاکستان تحریک انصاف عمران خان کا کہنا ہے کہ دوسری وکٹ گر گئی ہے۔ تیسری اگلے ہفتے گرے گی۔ ہم نے صرف 4 حلقے کھولنے کا کہا تھا، پتا چل گیا نواز شریف کیوں 4 حلقے نہیں کھول رہے تھے۔ ہر حلقے میں آپ کو اس طرح کی دھاندلی نظر آئے گی۔ انصاف کے لیے ڈھائی سال جدوجہد کرنا پڑی۔ الیکشن کمیشن دھاندلی میں ملوث عملے کے خلاف کارروائی کرے، ورنہ ایسا دھرنا دوں گا کہ لوگ سابقہ دھرنے کو بھول جائیں گے۔ عمران خان کے وکیل انیس ہاشمی کا کہنا تھا کہ مختصر فیصلے میں ان کے موکل کے موقف کی تائید ہوئی ہے اور الیکشن ٹریبونل نے ایاز صادق کو ڈی سیٹ کر دیا ہے، جس کے بعد وہ اب ایوانِ زیریں کے اسپیکر نہیں رہے۔ پی ٹی آئی کے رہنماؤں کا کہنا ہے کہ اس فیصلے کے بعد ایاز صادق کی جانب سے بطور اسپیکر گزشتہ دو برس کے دوران دی جانے والی رولنگز پر بھی سوالیہ نشان لگ گیا ہے اور لاہور ٹریبونل کا فیصلہ ان کی اخلاقی جیت سے بھی بڑھ کر ہے۔ جبکہ قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے سربراہ خورشید شاہ نے کہا کہ وہ ٹریبونل فیصلے کے بعد مستقبل قریب میں کوئی سیاسی بحران نہیں دیکھ رہے۔ سیاسی جماعتوں کو سپریم کورٹ کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے۔ تاہم انہوں نے تسلیم کیا کہ ٹریبونل کا فیصلہ مسلم لیگ ن کے لیے ایک بڑا دھچکہ ہے اور جوڈیشل کمیشن کے حالیہ فیصلے کے بعد سیاسی سیٹ بیک کی شکار پی ٹی آئی کو دوبارہ تقویت ملی ہے۔

این اے 122 کے فیصلے کی وجہ سے ایاز صادق کی ممبر شپ اور اسپیکر شپ، دونوں ختم ہو چکی ہیں۔ اب حکومت کے لیے یہ ایک بڑا امتحان ہے کہ اب اسپیکر قومی اسمبلی کس کو بنایا جائے گا؟ سردار ایاز صادق اسپیکر قومی اسمبلی کے اہم ترین عہدے پر فائز تھے۔ قومی اسمبلی کے قواعد و ضوابط کہتے ہیں کہ اسپیکر کی نشست خالی ہو جائے تو پارلیمان کے اس اہم ایوان کو فوری طور پر نیا اسپیکر منتخب کرنا ہو گا۔ حکومت کو نیا اسپیکر منتخب کرنا ہوگا۔ حکومت کا امتحان کڑا ہے۔ ایم کیو ایم ناراض ہو کر استعفیٰ دے چکی۔ تحریک انصاف اب اسمبلی میں تھوڑا اکڑ کر آئے گی اور اگر اسپیکر ایاز صادق سپریم کورٹ سے حکم امتناعی کے ذریعے واپس بھی آ گئے تو کیا تحریک انصاف انہیں چلنے دے گی؟ ایسے میں ن لیگ کو ایک نیا رکن اسمبلی ڈھونڈنا ہے جو اسپیکر بنے۔ ذرائع کے مطابق نئے اسپیکر کی دوڑ میں جو نام سامنے آ رہے ہیں، ان میں زاہد حامد، طارق فضل چودھری، شیخ روحیل اصغر اور پرویز ملک ہیں۔ دیکھیں قرعہ کس کے نام نکلتا ہے۔ مبصرین کے مطابق یہ عین ممکن ہے کہ ایاز صادق کو سپریم کورٹ سے سٹے آرڈر مل جائے، لیکن لاہور الیکشن ٹربیونل کے فیصلے نے انہیں "ایک متنازعہ شخصیت" ضرور بنا دیا۔ سیاسی اور قانونی ماہرین کے خیال میں عدالتی کارروائی مکمل ہونے تک نا صرف ایاز صادق کو قومی اسمبلی میں سخت وقت گزارنا پڑے، بلکہ ان کے لیے اسپیکر کے عہدہ کی حرمت اور وقار برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کے سابق صدر کامران مرتضی نے اسپیکر

کے مطابق اگر ایاز صادق محض قومی اسمبلی کے رکن ہوتے تو شاید ٹریبونل کا فیصلہ اتنا اہم نہ ہوتا، لیکن چونکہ وہ ایوان زیریں کے نگران ہیں، لہٰذا اس کا بڑا اثر ہوگا۔ ان کا کہنا تھا کہ سپریم کورٹ سے سٹے آرڈر ملنے کے بعد بظاہر ایاز صادق کے بطور اسپیکر ذمہ داریاں ادا کرنے پر کوئی قانونی اور آئینی قدغن نظر نہیں آتی۔

مبصرین کے مطابق حلقہ این اے 122 کا فیصلہ ملک کے انتخابی نظام پر ایک سوالیہ نشان ہے۔ اس سے پہلے خواجہ سعد رفیق کے حلقے میں بھی الیکشن میں بدانتظامی کی وجہ سے فیصلہ ان کے خلاف آیا تھا اور اس کے بعد جوڈیشل کمیشن میں بھی غیر تربیت یافتہ عملہ اور بدانتظامی کی نشاندہی کی گئی تھی اور اب سردار ایاز صادق کے حلقے میں بدانتظامی کی وجہ سے نتیجے کو کالعدم قرار دیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارا انتخابی نظام شفاف نہیں ہے، اس میں اصلاحات کی فوری ضرورت ہے۔ جب تک انتخابی نظام میں اصلاحات نہیں ہوں گی، اس وقت تک انتخابی نظام بھی شفاف نہیں ہوسکتا۔ اس لیے سب سے پہلے تو ملک کے انتخابی نظام کو کنٹرول کرنے والے ادارے الیکشن کمیشن کے اسٹاف کی بھرتیوں، ترقیوں اور ٹریننگ کے نظام کو بھی بدلنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ الیکشن میں سب سے زیادہ شکایات ووٹروں کی شناخت کے حوالے سے ہیں، جن کے سدباب کے لیے جلد از جلد بایومیٹرک سسٹم لانے کی ضرورت ہے، تاکہ ووٹ ڈالنے سے پہلے

ہی ووٹر کی شناخت ممکن ہو سکے۔ بایومیٹرک شناخت والی الیکٹرانک ووٹنگ مشینوں کو بتدریج متعارف کرانا چاہیے۔ان کے علاوہ بھی موجودہ انتخابی نظام میں کئی سقم موجود ہیں، جو ملک کے انتخابی نظام کے غیر شفاف بناتے ہیں، لہٰذا ان کو دور کیے بغیر ملک بد نظمی کے کیسز سامنے آتے رہیں گے۔

چیک پوسٹ پر حملہ ....افغان کٹھ پتلی انتظامیہ ملوث ہے؟

ان دنوں جہاں ایک طرف بھارت مسلسل سیز فائر معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نہتے پاکستانی شہریوں کو نشانہ بنا رہا ہے، وہیں دوسری جانب افغانستان سے بھی پاکستان مخالف قوتوں نے اپنے پشت پناہ دوست بھارت کی راہوں پر چلتے ہوئے پاک سرحد پر حملہ کیا ہے۔ اتوار کے روز خیبر ایجنسی میں افغان دہشت گردوں نے افغانستان سے پاک افغان سرحد سے ملحقہ اخوند والا میں 8 ہزار فٹ اونچائی پر واقع سیکورٹی چوکی پر راکٹ فائر کیا، جس کے نتیجے میں پاک فوج کے 4 جوان شہید، جبکہ 4 زخمی ہوگئے۔ واقعے کے بعد سیکورٹی فورسز نے بھرپور جوابی کارروائی کرتے ہوئے دہشت گردوں کے گروہ کا خاتمہ کردیا، تاہم بیان میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ مسلح شدت پسندوں کی تعداد کتنی تھی اور ان کا تعلق کس تنظیم سے ہے۔ ذرایع کے مطابق پاکستان کے دفتر خارجہ نے اسلام آباد میں تعینات افغان سفیر جانان موسیٰ زئی کو دفتر خارجہ میں طلب کرنے کے بعد سرحد کے پار سے ہونے والے مارٹر حملوں میں پاکستانی فوجیوں کی شہادت پر احتجاج ریکارڈ کروایا ہے اور افغان سفیر سے کہا گیا کہ وہ اپنی حکومت پر زور دیں کہ وہ اس واقعے کی تحقیقات کروائے اور اس کے نتائج سے حکومت پاکستان کو آگاہ کرے۔ اس قسم کے واقعات مسلسل کوششوں کے نتیجے میں مثبت سمت میں بڑھنے والے پاکستان اور

افغانستان کے تعلقات کے لیے نیک شگون نہیں۔ پاکستان نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ ہر قسم کی دہشت گردی کی مذمت کرتا ہے اور افغانستان کے ساتھ مل کر اس مشترکہ دشمن کے خلاف لڑنے کو تیار ہے، لیکن پاکستانی فوج پر حملوں کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ افغان سفیر نے کہا وہ متعلقہ حکام تک یہ پیغام پہنچا دیں گے، تاکہ وہ ان کو دیکھ لیں۔ انہوں نے پاکستانی فوج کے جوانوں کی شہادت پر تعزیت کا اظہار کیا۔ ملک کی تمام سے اسی جماعتوں نے خے برا ے جنسی مے ں افغان دہشت گروں کے حملے مے ں 4 فوجی جوانوں کی شہادت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ مے ں پوری قوم افواج پاکستان کے ساتھ ہے۔ خطے میں امن کے قیام اور دہشت گردی کے خاتمے کے لیے افغانستان کو اپنی سرزمین پاکستان کے خلاف استعمال نہیں ہونے دینی چاہیے۔ دہشت گردی کے اس واقعہ کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ افغانستان کے علاقوں سے پاکستانی سرحدی مقامات بالخصوص باجوڑ ایجنسی، مہمند، چترال اور دیر کے اضلاع میں پہلے بھی حملے ہوتے رہے ہیں۔ تاہم خیبر ایجنسی میں سرحد پار سے حملوں کے واقعات اس سے پہلے کم ہی دیکھنے میں آئے ہیں۔ حالیہ کچھ عرصے کے دوران پاکستان اور افغانستان کی سرحد پر کشیدگی کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔ افغان حکومت کی جانب سے پاکستان مخالف بیانات تو وقتاً فوقتاً دیے جاتے ہی رہے ہیں، جبکہ متعدد بار افغان فوج کی جانب سے

پاک سرحد پر حملے بھی کیے گئے ہیں اور دہشت گردوں نے بھی کئی بار افغانستان کی سرزمین سے پاکستان پر حملے کیے ہیں۔ گزشتہ روز پاک سرحد پر ہونے والے حملے کی ذمے داری افغان حکومت پر عاید ہوتی ہے، کیونکہ حملہ چاہے جس نے بھی کیا ہو، لیکن اس کو روکنا اور پاکستان کی سرحد پر حملہ کرکے چار جوانوں کو شہید کرنے والے دہشتگردوں کو پکڑ کر پاکستان کے حوالے کرنا افغان حکومت کی ذمے داری ہے، لیکن اگر افغانستان کی حکومت یہ کام نہیں کرسکتی تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی سرزمین پاکستان کے خلاف استعمال ہونے سے روکنے میں بری طرح ناکام ہوچکی ہے یا جان بوجھ کر روکنا نہیں چاہتی۔ حالانکہ ماضی میں دونوں ملک اس بات پر اتفاق کرچکے ہیں کہ ایک دوسرے کے معاملات میں عدم مداخلت کے اصول پر کاربند ہوں گے۔ ایک دوسرے کے خلاف کارروائیوں کے لیے اپنی سرزمین استعمال نہیں ہونے دیں گے اور ایک ملک کے دشمن کو دوسرے ملک کا دشمن سمجھا جائے گا۔ کچھ روز قبل پاکستان نے کارروائی کرکے دہشتگردوں سے افغان فوجی کی جان بھی بچائی تھی، جبکہ افغان حکومت کا رویہ مختلف ہے۔ مبصرین کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان سرحد پر ہونے والے حملوں میں کٹھ پتلی افغان حکومت ملوث ہے، کیونکہ افغان حکومت کا پشت پناہ دوست بھارت ان دنوں تمام معاہدوں کو بالائے طاق رکھ کر مسلسل سرحدی خلاف ورزی کررہا ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ افغانستان نہ صرف بھارت کے زیر اثر ہے، بلکہ بھارت کے زیر کنٹرول ہے۔ بھارت پر ان دنوں جنگی جنون سوار ہے،

اسی جنون میں مبتلا ہو کر وہ پاکستان کے اندر اور سرحدوں پر بزدلانہ حملے کر رہا ہے، تاکہ پاکستان پریشانی کا شکار ہو جائے۔ افغانستان، بھارت کو چونکہ اپنا بڑا بھائی خیال کرتا ہے، اس لیے اپنے بڑے بھائی کا ساتھ بھی ہمیشہ دیتا ہے، ماضی میں بھی جب بھارت اور پاکستان کے درمیان کشیدہ ہوئے ہیں، اسی وقت افغانستان کی سرزمین بھی پاکستان کے خلاف حملے کیے گئے ہیں۔ افغانستان کی سرزمین سے پاکستان پر حملوں کا مقصد ایک طرف پاکستان سے اپنی دشمنی کا اظہار کرنا ہے، جبکہ دوسری طرف بھارت کا ساتھ دیتے ہوئے جنگی ماحول پیدا کر کے پاکستان کو دباؤ میں لانا ہے۔

اس بات کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں کہ بھارت افغانستان میں اپنا کافی حد تک اثر و رسوخ رکھتا ہے اور افغانستان کی زمین کو پاکستان کے خلاف استعمال کرتا رہتا ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف کے دورہ افغانستان کے موقع پر افغانستان کی قیادت نے اپنی سرزمین پاکستان کے خلاف استعمال نہ ہونے دینے کا وعدہ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی تسلیم کیا تھا کہ بھارت یہاں سے پاکستان کے خلاف کارروائیوں میں ملوث رہا ہے۔ افغانستان میں بڑھتا ہوا بھارتی عمل دخل اور اس کے نتیجے میں پاکستان میں پھیلتی ہوئی دہشت گردی اور سرحدوں پر منظم حملے پاکستان کی سلامتی کے حوالے سے ایک بڑا چیلنج بن کر سامنے آئے ہیں۔ پاکستان دشمنی کے لیے افغانستان کا استعمال بھارت کی پرانی پالیسی اور

تاریخ کا تاریک باب ہے۔ واضح رہے کہ اشرف غنی افغانستان کے صدر ہیں۔ ان کے صدر بننے سے پاک افغان بہتر تعلقات کی امید پیدا ہوئی تھی، مگر اشرف غنی بھی کرزئی کی طرح نہ صرف پاکستان مخالف اقدامات کر رہے ہیں، بلکہ یہ کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے کہ وہ بھارت کی طرح پاکستان دشمن اقدامات کر رہے ہیں۔ افغان صدر کے پاکستان دشمنی پر مبنی اقدامات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھارت کے ایما پر سب کچھ کر رہے ہیں۔ جون 2014 میں اشرف غنی نے صدارتی انتخابات میں واضح کامیابی حاصل کی تھی۔ انہیں اپنے مدمقابل عبداللہ عبداللہ کے مقابلے میں 12 فیصد زیادہ ووٹ ملے تھے۔ اس کے باوجود عبداللہ عبداللہ نے شکست تسلیم کرنے کی بجائے علم بغاوت بلند کرنے کی باتیں شروع کر دی تھیں۔ ان حالات میں اشرف غنی کو امریکا کے تعاون سے سیاسی مصالحت کرتے ہوئے عبداللہ عبداللہ کو اقتدار میں شریک کرنا پڑا تھا۔ شکست کے باوجود انہیں چیف ایگزیکٹو یا حکومت کا سربراہ بنا دیا گیا تھا۔ اس طرح افغانستان داخلی انتشار اور خانہ جنگی سے محفوظ ہو سکا تھا۔ تاہم اس سیاسی مفاہمت کے نتیجے میں اشرف غنی کی پوزیشن کمزور ہو گئی اور اہم حکومتی اداروں پر ان کا کنٹرول نہیں رہا۔ عبداللہ عبداللہ کی پشت پناہی بھارت کر رہا ہے۔ اشرف غنی چونکہ ایک مجبور صدر ہیں، جو اپنا اقتدار بچانے اور ان عناصر کو مطمئن کرنے یا ان کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں اور اندرونی سیاسی دباؤ کے نتیجے میں پاکستان کے خلاف اقدامات کر رہے ہیں۔ حالانکہ ایک تجربہ کار سیاستدان

اور عالمی سفارتکاری میں طویل خدمات کی وجہ سے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ افغانستان کی حکومت محض اس لیے اسلام آباد کی امداد کی طالب ہے، کیونکہ افغانستان کی سیکورٹی فورسز امریکا اور مغرب کی کثیر امداد اور عملی تربیت کے باوجود اپنے ہی ملک میں شورش کرنے والے عناصر کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اشرف غنی طویل عرصہ تک عالمی مالیاتی اداروں سے وابستہ رہے ہیں اور معاشی ترقی اور اس کے ثمرات سے آگاہ ہیں۔ انہیں چاہیے کہ بھارت کے اشاروں پر عمل کرتے ہوئے پاکستان مخالف اقدامات کرنے کی بجائے اپنے ملک کی حالت سنواریں اور بھارت سمیت ان عناصر کا آلہ کار نہ بنیں جو پاکستان کے خلاف اقدامات پر اکسا کر افغانستان کی مشکلات میں اضافہ کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔ افغانستان کے لیے یہی بہتر ہے۔

!آرمی چیف کا دورہ کراچی.... آپریشن کی جلد کامیابی کے امکانات

پاکستان کے معاشی حب کراچی میں ٹارگٹڈ آپریشن کامیابی کے ساتھ جاری ہے، آرمی چیف کی سرپرستی میں جس کو مزید تیز کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ آرمی چیف نے اپنے دورہ کراچی کے موقع پر جرائم کے قلع قمع کرنے تک کراچی آپریشن کو جاری رکھنے کا حکم دیا ہے اور اسی سلسلے میں کراچی میں دہشت گردوں کے مقدمات جلد نمٹانے کے لیے فوجی عدالتوں کی تعداد بڑھانے کی منظوری بھی دی ہے۔ واضح رہے ستمبر 2013 میں جب کراچی میں بلا امتیاز، بلا تفریق ٹارگٹڈ آپریشن شروع کرنے کا اعلان کیا گیا تو تمام سیاسی جماعتوں کے علاوہ تاجروں نے بھی اس کی حمایت کی، کیونکہ کراچی میں پھیلتی ہوئی بدعنوانی، بھتہ خوری اور ٹارگٹ کلنگ سے جہاں عام شہری پریشان اور ہراساں تھے، وہیں شہر میں معاشی سرگرمیاں آہستہ آہستہ ماند پڑتی جارہی تھیں۔ پاکستانی سرمایہ باہر جارہا تھا، جہاں انہیں تحفظ حاصل تھا، چنانچہ یہی وہ پس منظر تھا جس کی وجہ سے ٹارگٹڈ آپریشن شروع ہوا، تاکہ پاکستان کی معیشت کو رواں دواں رکھنے والے سب سے بڑے شہر کو بچایا جاسکے۔ کراچی اور اندرون سندھ کی تمام سیاسی پارٹیوں نے آپریشن کا خیر مقدم کرتے ہوئے قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ساتھ تعاون اور یکجہتی کا بھرپور اظہار کیا۔ ٹارگٹڈ آپریشن کے دوران کئی خطرناک جرائم پیشہ عناصر پولیس

مقابلے میں ہلاک ہوئے اور بہت سے گرفتار ہوئے، جس کی بدولت کراچی میں ہونے والے جرائم اور بدامنی میں نمایاں کمی واقع ہوئی ہے۔ تاہم کچھ عرصے کے بعد بعض لوگوں کی جانب سے اس آپریشن کی مخالفت کی جانے لگی، لیکن چونکہ اس آپریشن سے کراچی میں جرائم کی شرح کافی کم ہونے کی وجہ سے امن و امان کی صورتحال کافی بہتر ہوئی، اس لیے عوام نے بھی اس آپریشن کی کھل کر حمایت کی، اس لیے حکومت نے تمام مخالفتوں کے باوجود اس آپریشن کو جاری رکھا۔ وزیراعظم کا کہنا تھا کہ آپریشن کسی سیاسی جماعت کے خلاف نہیں، بلکہ جرائم پیشہ عناصر کے خلاف ہو رہا ہے، جو تمام فریقین کے بہترین مفاد میں ہے۔ کراچی آپریشن پورے عزم کے ساتھ شروع کیا، اس میں نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔ کراچی آپریشن سے حالات نارمل ہو رہے ہیں، جلد کراچی پرامن شہر بن جائے گا، کراچی آپریشن کی تعریف نا صرف کراچی والے بلکہ ملک بھر کے عوام کر رہے ہیں۔ کراچی آپریشن آگے بڑھ رہا ہے اور مزید آگے بڑھے گا۔ کراچی آپریشن میں بہت سی کامیابیاں جہاں ایک طرف حکومت کی ثابت قدمی کے مرہون منت ہیں، وہیں اس کا کریڈٹ پاک فوج کو جاتا ہے۔ آرمی چیف نے مکمل کامیابی حاصل کرنے تک آپریشن جاری رکھنے کا حکم دیا ہے۔ امریکی جریدے "نیشنل انٹرسٹ" نے کراچی آپریشن کے بارے میں پاک فوج کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پاک فوج نے کراچی شہر کی رونقیں بحال کر دی ہیں۔ کراچی پولیس

ریکارڈ کے مطابق کراچی آپریشن کے نتیجے میں 2015 کے پہلے چھ ماہ میں قتل کے واقعات میں گزشتہ برس کے مقابلے میں 60 فیصد کمی ہوئی۔ بینک ڈکیتیوں، بھتہ خوری اور اغوا برائے تاوان کے واقعات میں 70 سے 83 فیصد کمی ہوئی۔ جریدے نے کراچی آپریشن اور سیاسی جماعتوں کے کردار پر ایک تفصیلی مضمون میں لکھا کہ پرانا کراچی پرامن اور صاف تھا، آج کا کراچی امریکی تھنک ٹینک کے ماہر رچرڈ نورٹن کے جنگلی شہر کی طرح ہے، جہاں حکومت نے شہری حدود میں قانون کی حکمرانی قائم رکھنے کی صلاحیت کھو دی ہے۔ کراچی میں ریاست مخالف بین الاقوامی گروپ سیاستدانوں، ریاستی اہلکاروں، اداروں، مذہبی اقلیتوں اور غیر ملکیوں کو نشانہ بناتے ہیں۔ نسلی، فرقہ وارانہ اور ریاست مخالف عسکریت پسند اپنے حریفوں اور دشمنوں کی روزانہ ٹارگٹ کلنگ میں مصروف نظر آتے ہیں، ان گروپوں میں سے بعض قاتل بھارت، ایران اور جنوبی افریقا سے تربیت اور پناہ حاصل کرتے ہیں۔ بھتہ خور سیاسی جماعتوں، مذہبی تنظیموں اور دہشت گرد گروپوں کے فنڈز اکٹھا کرنے کے لیے عام شہریوں اور کاروباری شخصیات کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ بھتہ خور کبھی افغانستان یا جنوبی افریقا سے فون کرتے ہیں۔ ریئل اسٹیٹ مافیا براہ راست یا بڑی سیاسی جماعتوں سے تعلق جوڑ کے سرکاری زمینیں ہڑپ کرتی ہے۔ شہر میں حالیہ پرتشدد سیاست نے 2010 میں جنم لیا۔ کراچی آپریشن ستمبر میں شروع کیا گیا۔ فوج نے تمام رکاوٹوں کے باوجود آپریشن جاری رکھا اور 2013 کراچی میں حالات قدرے پرسکون ہو گئے۔

ذرائع کے مطابق کراچی میں جاری آپریشن کو مزید تیز کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے۔ آئی جی سندھ نے کراچی میں جاری آپریشن کے تیسرے مرحلے کے آغاز کا اعلان کردیا ہے، جس میں مجرموں کے مالی معاونین کو بھی گرفتار کیا جائے گا اور آپریشن کے اس مرحلے میں شہر سے جرائم کا خاتمہ ہوجائے گا۔ گزشتہ روز آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے کراچی میں فوجی عدالتوں کی تعداد میں اضافے کی منظوری دی ہے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق عدالتوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دہشتگردوں کے کیسز فوجی عدالتوں میں بھیج کر جلد از جلد نمٹایا جائے اور جلد از جلد آپریشن ختم کیا جائے، تاکہ کراچی کو مکمل امن نصیب ہو۔ آرمی چیف نے دہشت گردوں اور مافیاز کے خلاف بلا تفریق آپریشن جاری رکھنے کا اعلان کیا ہے۔ آرمی چیف نے کہا کہ کراچی میں امن و امان کی صورتحال میں نمایاں تبدیلی آئی ہے۔ کراچی کو امن کا گہوارہ بنائیں گے۔ آرمی چیف نے کراچی کو دہشت گردی سے پاک اور پرامن بنانے کے لیے دہشت گردوں، جرائم پیشہ مافیا، بدعنوانوں اور تشدد کرنے والوں کے درمیان شیطانی گٹھ جوڑ توڑنے کی بھی ہدایت کی ہے۔ اس حوالے سے تجزیہ کاروں کے مطابق آرمی چیف نے دہشت گردی، تشدد اور کرپشن کا گٹھ جوڑ توڑنے کی ہدایت کی ہے۔ کراچی آپریشن پر اسلام آباد اور کراچی کے اجلاسوں میں واضح فرق نظر آرہا ہے۔ کراچی آپریشن پر جو فوج چاہے گی، وہی ہوگا اور سندھ حکومت کو بادل نخواستہ ان کا

ساتھ دینا ہوگا۔ آرمی چیف نے واضح پیغام دے دیا ہے کہ کراچی آپریشن میں کوئی سیاسی مداخلت برداشت نہیں کی جائے گی۔ آرمی چیف نے دہشت گردی کے خلاف واضح پوزیشن لی ہے، اس لیے سندھ حکومت کو ان کا ساتھ دینا ہوگا۔

ذرائع کے مطابق آرمی چیف راحیل نے کور ہیڈ کوارٹر میں ہونے والے اجلاس میں شرکت کی، جس میں کور کمانڈر کراچی، ڈی جی آئی ایس پی آر، ڈی جی رینجرز، چیف سیکرٹری، آئی جی پولیس، کمشنر اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے نمائندے بھی شریک تھے۔ بریفنگ کے دوران بتایا گیا کہ آپریشنز کے نتیجے میں کراچی میں امن و امان کی صورتحال میں بہتری آئی۔ جنرل راحیل نے کراچی کی سیکورٹی صورتحال بہتر بنانے پر رینجرز، پولیس اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کی کارکردگی خاص طور پر کراچی کے عوام کی حمایت کو سراہا۔ آرمی چیف کی جانب سے سندھ پولیس کو ایس ایم جی، جی تھری رائفلز، ہیلمٹ، 500 بلٹ پروف جیکٹس اور ساڑھے 6 کروڑ روپے مالیت کا اسلحہ فراہم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ آرمی چیف کا کراچی آنا خوش آئند ہے۔ وہ پاکستان میں دہشت گردی کے خلاف اپنی پیشہ ورانہ صلاحتیں بھرپور طریقے سے بروئے کار لا رہے ہیں۔ بعض بیرونی طاقتیں کراچی میں بدامنی، قتل و غارت گری اور بھتہ خوری کو پھیلا کر وطن عزیز کو عدم استحکام سے دوچار کرنا چاہتی ہیں۔ پاکستان دشمن ملکوں اور طاقتوں نے کراچی کو معاشی و تجارتی طور پر تباہ کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے

جبکہ پاک فوج نے بھی کراچی کو دشمنوں کی سازشوں سے محفوظ کرنے کا تہیہ کرلیا ہے۔

پاکستان بھی ترقی کر سکتا ہے!

پاکستان دنیا کے ایک ایسے حصے میں واقع ہے جہاں قدرت کی طرف سے عطیہ کیے گئے بے شمار انمول خزانے موجود ہیں۔ قدرت نے اسے ہر قسم کی نعمت سے نوازا ہے۔ پاکستان کا ہر صوبہ اپنی اپنی جگہ ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ پنجاب کی زمین بہت زرخیز ہے، جو زراعت کی ضرورت پوری کرتی ہے۔ سندھ قدرتی گیس اور معدنی ذخائر کے لحاظ سے جانا جاتا ہے۔ خیبر پختونخوا اور بلوچستان برف کے پگھلاؤ، پہاڑ، جنگلات اور قدرتی وسائل گیس، جپسم اور کوئلے کے اعتبار سے اہمیت رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس افرادی قوت کی فراوانی ہے۔ خصوصاً نوجوان جو ہر قوم کو ترقی کی راہ پر ڈالتے ہیں، ان کی وافر تعداد ہے۔ اس کے باوجود پاکستان ترقی کرتا ہوا دکھائی نہیں دیتا، بلکہ مسائل کی دلدل میں دھنستا چلا جا رہا ہے۔ ملک کو درپیش مسائل کی ایک طویل فہرست ہے۔

پاکستان کا سب سے اہم مسئلہ دہشت گردی ہے۔ گزشتہ دس سالوں میں ہزاروں انسانی جانیں اس عفریت کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں اور معیشت کو بے پناہ نقصان پہنچا ہے۔ توانائی کا بحران بھی ملک کا پیچھا چھوڑنے کو تیار نہیں ہے۔ گزشتہ کئی سالوں سے ملک سلسل بجلی اور گیس کی شدید قلت کا شکار ہے۔ بجلی و گیس کی

لوڈشیڈنگ نے ملک کی کئی صنعتوں کو کھوکھلا کرکے رکھ دیا ہے۔ سرمایہ دار اپنا پیسہ بیرون ملک لے گئے ہیں۔ صنعتیں بند ہونے سے بیروزگاری اور غربت جنم لے رہی ہے اور اس کے باعث ملک میں ڈاکا، چوری، لوٹ مار، بھتا خوری اور دیگر کئی جرائم میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کے ساتھ کرپشن ملک کا درد سر بن چکی ہے۔ کوئی کام بھی کرپشن کے بغیر ہوتا نظر نہیں آتا۔ بااثر شخصیات کے غیر قانونی طور پر سیکڑوں ارب ڈالر کے اثاثہ جات سوئس، امریکا، برطانیہ، ملائیشیا، کینیڈا، جرمنی، فرانس، اسپین اور متحدہ عرب امارات سمیت مختلف غیر ملکی بینکوں میں پڑے ہیں۔ اس کے ساتھ ہمارے ملک میں ٹیکس چوری عام ہے۔ چند لاکھ لوگوں کے سوا کوئی بھی ٹیکس جمع نہیں کراتا۔ ٹیکس ادا نہ کرنے والوں میں بااثر افراد کی بہتات ہے۔ درپیش مشکلات کی وجہ سے ملک ترقی نہیں کر پا رہا۔ ملک آج بے بہا مسائل کا شکار ہے، جن سے چھٹکارہ تب ہی مل سکتا ہے، جب ہمیں کوئی ایسا لیڈر میسر آئے، جو حقیقت میں ملک کو ترقی کی راہ پر ڈالنے کی ٹھانے۔

اگر ہمارے حکمران سیکھنا چاہیں تو مہاتیر محمد کی مثال سامنے رکھ سکتے ہیں، جس نے مسائل میں پھنسے ملائیشیا کی باگ ڈور سنبھالی اور اسے ترقی کی راہ پر ڈال دیا۔ ملائیشیا دنیا کا غریب ترین ملک تھا، وہاں غربت، افلاس اور بیروزگاری کا راج تھا اور اپنے ہمسایوں انڈونیشیا اور فلپائن سے بھی زیادہ غریب

اور مفلوک الحال تھا۔ چالیس فیصد لوگ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ ملک میں وسائل کچھ زیادہ نہ تھے۔ صرف ٹن، ربڑ اور پام آئل جیسا خام مال باہر بھیج کر ملک کی معیشت کو چلایا جاتا تھا۔ ملک کا کوئی بھی ادارہ ترقی کرتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سیاست، معیشت اور تعلیم سمیت تمام شعبے دن بدن دم توڑ رہے تھے۔ دور دور تک ملائیشیا کے حالات سنبھلتے دکھائی بھی نہ دے رہے تھے۔ یہ 1980 کا آغاز تھا کہ دنیائے سیاست کے عالمی چہرے پر ڈاکٹر مہاتیر محمد کا ظہور ہوا۔ وہ اقتدار کی مسند تک جا پہنچا اور 22 سال لوگوں کی محبتوں نے اسے مسند اقتدار سے اترنے نہ دیا۔ مہاتیر محمد نے جب ملائیشیا کا اقتدار سنبھالا تو دنیا کے منظر نامے میں اس کا ملک اک نئی پہچان کے ساتھ نمودار ہونے لگا۔ ملک کے حالات دیکھتے دیکھتے بدلنے لگے۔ جو ملائیشیا صرف خام مال پیدا کرکے اپنا گزارا کرتا تھا، وہی ملائیشیا الیکٹرونکس، کمپیوٹر، ٹیکنالوجی اور سروس انڈسٹری کے باعث ایک سو بلین ڈالر کی برآمدات کرنے لگا۔ 2300 ڈالر فی کس آمدنی کمانے والا ملائیشیا 9 ہزار ڈالر کمانے لگ گیا۔ تعلیم سے محروم اسی ملک کے 92 فیصد لوگ تعلیم یافتہ ہوگئے۔ ملائیشیا کی سیاست مستحکم اور مضبوط ہوگئی۔ معیشت و تجارت میں روز افزوں ترقی ہونے لگی۔ وہاں غربت کا نام و نشان مٹ گیا، لوگ خوشحال ہوگئے۔

ڈاکٹر مہاتیر محمد 1981 سے لے کر 2003 تک مسلسل ملک کے وزیر اعظم رہے۔ وزیر

اعظم بننے کے بعد اپنے ملک کو اہم صنعتی اور ترقی یافتہ قوم میں بدلنے کا ایجنڈا پیش کیا، جو پبلک پالیسی مہاتیر محمد نے اختیار کی، اس کی بنیاد درج ذیل سیاسی فلسفے پر قائم تھی۔

مشرق کی تہذیبیں جن اخلاقی اور روحانی اصولوں پر قائم ہیں، امریکا اور اہل مغرب اس فکری شعور سے نابلد ہیں۔ مہاتیر محمد کے نزدیک ریاست آئین اور قانون کی پاسداری اور ریاست کا نظام خود احتسابی پر قائم ہونا چاہیے۔ وسائل کی تقسیم کا منصفانہ نظام ہو اور نظم و ضبط میں کسی قسم کی جھول برداشت نہیں کرنی چاہیے۔ مغرب سے ہوشیار رہنا چاہیے، کیونکہ وہ مسلم ممالک کے وسائل پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ انسانی حقوق و فرائض میں توازن قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔ مہاتیر محمد کے برسر اقتدار آنے سے اس کے چھوڑنے تک لوگ ان سے محبت کرتے رہے اور جب انھوں نے اقتدار چھوڑا تو لوگ رو رو کر کہہ رہے تھے کہ آپ اقتدار نہ چھوڑیں، مگر ان کا کہنا تھا کہ آنے والی نسلوں کو قیادت سونپنا چاہتا ہوں۔

انھوں نے اس قدر محنت اور لگن سے کام کیا کہ اپنی قوم کو اوج ثریا پر پہنچا دیا۔ مہاتیر محمد عوام سے اٹھ کر آئے تھے اور اپنے آپ کو عوام کے سامنے جواب دہ سمجھتے تھے۔

مہاتیر محمد خود اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں کہ اکثر سوچتا ہوں کہ میں نے ترقی کا جو خواب دیکھا ہے، وہ پندرہ سال بعد پورا ہوگا۔ اگر اگلے چار سال کے لیے میں منتخب نہ ہوا تو کیا ہوگا، عوام کو کیا

جواب دوں گا؟ عوام کے سامنے پیش ہونے کا یہی خوف اسے ملائیشیا کی تقدیر بدلنے پر مجبور کرتا رہا۔ مہاتیر محمد 1963 کے آئین کے مطابق برسر اقتدار آئے اور پھر جانے تک اس میں ایک بھی ترمیم نہیں کی، حالانکہ جتنے لوگ ان سے محبت کرتے تھے، وہ فائدہ اٹھاتے ہوئے تاحیات وزیر اعظم رہنے کی ترمیم کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مہاتیر محمد جانے لگے تو لوگوں کی خواہش تھی کہ وہ ہم پر حکمرانی کرتے رہیں۔ جب کہ انھوں نے یہ سوچا کہ اقتدار اپنی قوم کو سونپ دینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے ملک کو سب کچھ دیا ہے، جس کی بدولت ہم بہت جلد ترقی کی منازل طے کر سکتے ہیں، لیکن ہمارے لیڈر پاکستان کو ترقی کی راہ پر نہیں لے جاسکے، کیونکہ ان کا مقصد صرف اپنے خزانے بھرنا ہے۔ اسی لیے قوم کو ان سے محبت نہیں اور پاکستان میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی حکمران اپنا دور اقتدار ختم کرکے جاتا ہے تو لوگ اس کے جانے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں۔ ہماری قوم ان کے جانے پر کیوں خوش ہوتے ہیں؟ مہاتیر محمد کی طرح ان سے محبت کیوں نہیں کرتے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مہاتیر محمد اور میرے ملک کے لیڈروں میں بہت فرق ہے۔ ہمارے لیڈر عوام سے محبت نہیں کرتے، جب کہ مہاتیر محمد کو اپنی قوم کے عوام سے محبت تھی، اسی لیے قوم بھی اس سے محبت کرتی تھی۔ مہاتیر محمد نے اپنے عوام کو حکمرانی کرنے کا موقع

دیا، جب کہ میرے ملک کے حکمران اس وقت تک اقتدار کے ساتھ چمٹے رہنا چاہتے ہیں، جب تک ان میں ایک بھی سانس باقی ہو۔ اگر خود حکمرانی کرنے کے قابل نہیں رہتے تو اپنی اولاد کو قوم پر حکمران بنا دیتے ہیں۔ پاکستان بھی ملائیشیا کی طرح ترقی کر سکتا ہے۔ بس قیادت کا فرق ہے۔ کسی قوم کو قیادت مہاتیر محمد جیسی مل جاتی ہے اور کسی کو ہمارے حکمرانوں ایسی قیادت نصیب نہیں ہوتی۔

بھارت نے دہشت گردی کی تمام حدیں پار کردیں، سیاسی و مذہبی رہنما

ایک عرصے سے بھارت نے پاکستان کی سرحدوں پر جارحیت کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے، جس کے نتیجے میں آئے روز سرحد پر رہائش پذیر پاکستانی بھارتی فائرنگ اور گولا باری کا نشانہ بن رہے ہیں۔ جمعہ کے روز تو بھارتی فورسز نے تمام حدود پار کرتے ہوئے بچوں اور خواتین سمیت 9 افراد کو شہید اور لگ بھگ 50 کو زخمی کردیا ہے۔ پاکستان نے بھارتی ہائی کمشنر کو طلب کرکے شدید احتجاج کیا۔ اس سے پہلے بھی متعدد بار بھارتی ہائی کمشنر کو طلب کیا جاچکا ہے، لیکن ابھی تک کوئی اثر نہیں ہوا اور بھارتی جارحیت میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوا ہے۔ بھارت کی جانب سے سرحد پر ہونے والی بھارتی جارحیت کے بعد آرمی چیف جنرل راحیل شریف بھی ورکنگ باؤنڈری کا معائنہ کیا اور کہا کہ بھارت نے غیر ذمے داری اور دہشت گردی کی ہر حد پار کرلی ہے۔ سرحدی خلاف ورزیوں اور ملک میں دہشت گردی کے پیچھے بھارتی مقاصد سے بخوبی آگاہ ہیں۔ ذرائع کے مطابق بھارتی فوج نے 15 جون سے لے کر اب تک 140 مرتبہ سیز فائر کی خلاف ورزی کی ہے اور اب تک پاکستانی علاقوں میں 25 افراد شہید اور 107 زخمی ہوچکے ہیں۔ پاکستان نے سرحد پر بھارتی جارحیت کا معاملہ اقوام متحدہ میں اٹھایا ہے اور وزیراعظم میاں نواز شریف نے بھی تشویش کا اظہار کیا ہے، جب کہ وزیر دفاع خواجہ آصف نے بھارت کو

خبردار کرتے ہوئے کہا ہے کہ بھارت خوش فہمی میں نہ رہے، جنگ کی صورت میں بھارت کو بھارتی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ گزشتہ روز اقوام متحدہ کے فوجی مبصرین نے بھی سیالکوٹ ورکنگ باؤنڈری کا دورہ کرکے بلااشتعال بھارتی فائرنگ اور گولا باری سے شہریوں کے ہونے والے نقصانات کا جائزہ لیا، جب کہ ان کی جانب سے پہلے بھی بھارتی اشتعال انگیزیوں کا نوٹس لے کر یو این انسانی حقوق کمیٹی کو آگاہ کیا جاچکا ہے، جب کہ امریکی صدر اوباما سمیت مؤثر عالمی قیادتیں بھارتی جارحانہ کارروائیوں سے عالمی امن کو خطرہ محسوس کرکے بھارت کو پاکستان کے ساتھ مذاکرات کی میز پر بیٹھنے کے لیے وارننگ دے چکی ہیں۔ کچھ عرصے سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ بھارت کی مودی سرکار پاکستان دشمنی پر مبنی اپنے ایجنڈے کے مطابق پاکستان پر جنگ مسلط کرنے کی منصوبہ بندی کیے بیٹھی ہے اور وہ آئے روز کی بلااشتعال کارروائیوں سے پاکستان کی سیکورٹی فورسز کو اشتعال دلاکر ان کی جوابی کارروائی کے بہانے باقاعدہ جنگ کا آغاز کرنا چاہتی ہے۔ جمعہ کے روز ننگی بھارتی جارحیت تو پاکستان کی سالمیت کے خلاف اس کے عزائم کی کھلی چغلی کھا رہی ہے۔ بھارت کی جانب سے کنٹرول لائن اور ورکنگ باؤنڈری پر جو کچھ ہورہا ہے، اگر اس سلسلے کو بند نہ کیا گیا تو اس خطے میں کسی نئی جنگ کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ بھارت کے وزیراعظم نریندر مودی کا لب و لہجہ ہمیشہ تلخ اور سخت رہا ہے۔ جب کہ بھارتی جارحیت کے جواب میں پاکستان کا ردعمل صبر و تحمل پر مبنی چلا آ رہا ہے۔ پاکستان نے

بھارتی سفیر کو طلب کرکے احتجاج کیا ہے جو ایک مہذب اور مناسب طریقہ کار ہے، لیکن مودی سرکار دنیا کو خاطر میں لائے بغیر خوامخواہ کی جنگ مسلط کرنا چاہتی ہے اور اسے یہ احساس بھی نہیں کہ یہ جنگ روایتی نہیں، بلکہ ایٹمی ہوگی، جو بالآخر پوری دنیا کی تباہی پر منتج ہوسکتی ہے۔ دفاعی تجزیہ کار یہی کہہ رہے ہیں مودی کا جنگی جنون خطے کے امن کو برباد کرکے رکھ سکتا ہے اور اس سے پورا خطہ تباہی کے دہانے پر پہنچ جائے گا، خود بھارت کو بہت نقصان ہوگا۔ کئی روز سے سرحد پر جاری بھارتی جارحیت کے حوالے سے روزنامہ "اسلام" نے مختلف مذہبی و سیاسی رہنماؤں سے بات چیت کی ہے، جو قارئین کی نذر کی جاتی ہے۔

(حافظ حسین احمد (سیکرٹری اطلاعات، جمعیت علمائے اسلام

مودی انٹرنیشنل دہشت گرد ہے۔ اس کی دہشت گردی کی وجہ سے ہی اس پر امریکا میں داخلے پر پابندی عاید کی گئی تھی اور آج وہ بھارت کا وزیراعظم بنا ہوا ہے۔ اس کو ایک خاص مقصد کے لیے بھارت کا وزیراعظم بنایا گیا ہے۔ اس کا مقصد پاکستان کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس کے لیے وہ پاکستان میں دہشت گردی کروا رہا ہے۔ بھارت کے انتہا پسند حلقوں میں اسے کافی مقبولیت حاصل ہے۔ بھارت کے تمام انتہا پسند پاکستان کو ترقی کرتا ہوا نہیں دیکھ سکتے، اس لیے بھارت پاکستان کی ترقی کو روکنے کے لیے کبھی پاکستان کے اندر دہشت گردی کرواتا ہے

اور کبھی سرحدوں پر جارحیت کا ارتکاب کرتا ہے۔ کشمیر کے حوالے سے پاکستان کا موقف مضبوط ہے اور کشمیری عوام بھی پاکستان کے موقف سے مطمئن ہیں۔ جبکہ ہمارے موجودہ حکمرانوں کی سمجھ نہیں آتی۔ بھارت تو ہمارے ملک میں دہشت گردی کرواتا ہے جب کہ ہمارے حکمران اس کے ساتھ تعلقات بڑھا رہے ہیں۔ میاں صاحب مودی کے ساتھ لوہے کا کاروبار کرنے کے ارادے کے ساتھ بھارت گئے تھے۔ حافظ حسین احمد کا کہنا تھا کہ بھارت چاہتا ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان جنگ ہو جائے۔ ان حالات میں دونوں ملکوں کے درمیان جنگ کا ماحول بنا ہوا ہے اور اگر جنگ نہیں چھڑتی تو یہ معجزہ ہی ہوگا۔ ان حالات میں حکومت کو اپنی ذمے داری ادا کرنی چاہیے۔ جنرل راحیل شریف ڈٹ کر بیان دے رہے ہیں۔ یہی بیان دینا وزیراعظم کی ذمے داری بنتی تھی، لیکن ان کی طرف سے ایسے بیانات نہیں آرہے جیسے جنرل صاحب دے رہے ہیں۔ لہٰذا حکومت کو بھارتی جارحیت کا جواب حکمت سے دینا چاہیے۔ حکمت میں سب کچھ آجاتا ہے۔ جس رویے کی ضرورت ہو اسی رویے سے جواب دیا جائے۔ ایک سوال کے جواب میں ان کا کہنا تھا کہ ہماری خارجہ پالیسی اور قیادت بیساکھیوں پر کھڑی ہے۔ حکومت کی جانب سے واضح حکمت عملی سامنے نہیں آئی اسی لیے آرمی چیف کو بیان دینا پڑا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ملک میں "را" دہشت گردی کررہی ہے، لیکن بنیادی بات یہ ہے کہ "را" کے ایجنٹوں کو "راہ" کون دے رہا ہے۔ وہ خود تو یہاں آکر کام نہیں کررہے۔ یقیناً ان کو یہاں موجود لوگ ہی "راہ" دے رہے ہیں۔ لہٰذا "را" کے ایجنٹوں

کو "راہ" دینے والوں کے خلاف سخت کارروائی ہو اور ان کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ قوم کے سامنے ان کو بے نقاب کیا جائے، لیکن معاملہ یہ ہے کہ ایک طرف تو بھارت کے ایجنٹوں کے خلاف کارروائی کی بات کی جاتی ہے جب کہ دوسری جانب نواز شریف ان کے ساتھ کبھی بسوں کی بات کرتے ہیں، اور کبھی پیاز اور کبھی تجارت کی بات کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ تعلقات بڑھانے کی باتیں کی جاتیں ہیں، دونوں متضاد باتیں ہیں۔ نواز شریف کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اگر خدانخواستہ دونوں ملکوں میں جنگ چھڑ جاتی ہے تو جس ملک کا جتنا حجم ہوگا، نقصان بھی اسی اعتبار سے ہوگا۔

(لیاقت بلوچ (جنرل سیکرٹری، جماعت اسلامی

بھارت پاکستان میں مسلسل ہر طرح کی جارحیت کا ارتکاب کرکے بے گناہ شہریوں کے خون کی ہولی کھیل رہا ہے، جو سراسر دہشت گردی ہے۔ بھارت ایک عرصے سے پاکستان کے اندر اور سرحدوں پر دہشت گردی میں ملوث ہے، اس کے باوجود حکومت پاکستان کی طرف سے ہمیشہ کمزور موقف اختیار کیا جاتا ہے۔ اس کمزور موقف کی وجہ سے ہی بھارت کو شیطانی کھیل کھیلنے کی ہمت ہوتی ہے۔ بھارت ایک طرف پاکستان کی سرحدوں پر رہائشی علاقوں پر جارحیت کر رہا ہے۔ دوسری جانب اس نے کشمیر میں اپنی آزادی کا مطالبہ کرنے والے کمزور اور نہتے کشمیریوں پر مظالم کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ کشمیری عوام پوری جرات کے ساتھ اپنے

آزادی کے مطالبے پر قائم و دائم ہیں۔ وہ کسی صورت بھارت کی بالادستی قبول نہیں کریں گے۔ جب کہ بھارت وہاں ہر طرح کا ناروا سلوک کرکے ان کو دبانا چاہتا ہے۔ ان حالات میں ضروری ہوجاتا ہے کہ قومی سطح پر مؤثر خارجہ حکمت عملی اپنائی جائے اور کشمیر کے معاملے کو اقوام متحدہ اور پوری دنیا کے سامنے واضح کیا جائے اور بھارت کا مکروہ چہرہ پوری دنیا کے سامنے بے نقاب کیا جائے۔ ایک سوال کے جواب میں جماعت اسلامی کے جنرل سیکرٹری لیاقت بلوچ کا کہنا تھا کہ بھارت ملک کے اندر اور سرحدوں پر ہر طرح کی دہشت گردی کررہا ہے۔ ملک کے اندر بھارت کی بدنام زمانہ خفیہ تنظیم را" کا نیٹ ورک موجود ہے، جس کے ذریعے پورے ملک میں دہشت گردانہ" کارروائیاں کی جاتی ہیں اور پاکستان کو نقصان پہنچایا جاتا ہے، کیوں کہ بھارت کو یہ گوارا نہیں کہ پاکستان ترقی کرے اور یہاں امن قائم ہو۔ پاکستان حکومت ہر سطح پر بھارت کی جارحیت کا جواب دے۔ اس کے لیے سیاسی اور اس کے علاوہ ہر ذریعہ استعمال کیا جائے۔ قوم کو جارحیت کا جواب دینے کے لیے تیار کیا جائے اور پوری قوم اور حکومت بھارتی جارحیت کے سامنے ڈٹ جائے۔ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان میں کوئی وزیر خارجہ ہے ہی نہیں اور نہ ہی حکومت کی خارجہ پالیسی واضح ہے۔ جنرل راحیل شریف نے بھارتی جارحیت کے خلاف قدم اٹھائے ہیں۔ حکومت کو بھی چاہیے کہ سیاسی سطح پر بھی کوئی واضح حکمت عملی اپنائے۔ بھارت نے کبھی بھی پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا ہے

اور نہ ہی وہ آج پاکستان کو ترقی کرتے ہوئے دیکھ سکتا ہے۔ اسی لیے ملک میں دہشت گردی کروا رہا ہے۔ اب جبکہ ملک میں "را" کے دہشت گردوں کے خلاف کارروائی ہوئی ہے تو بھارت تلملا رہا ہے۔

(مولانا احمد لدھیانوی (سربراہ، اہل سنت والجماعت

بھارت کی جانب سے مسلسل جارحیت بڑھ رہی ہے، لیکن حکومت کی جانب سے ابھی تک کوئی واضح رد عمل سامنے نہیں آیا۔ افسوس کی بات ہے کہ بھارت نے سیالکوٹ ورکنگ باؤنڈری پر دہشت گردی کا ارتکاب کرکے 8 شہریوں کو شہید کردیا ہے، لیکن وہاں حکومت کا کوئی نمائندہ تک نہیں گیا۔ آرمی چیف نے خود وہاں کا دورہ کیا ہے۔ وہاں جانا جہاں آرمی چیف کی ذمے داری تھی، وہیں حکومت کی بھی ذمے داری بنتی تھی، لیکن حکومت تو بھارت کے ساتھ تعلقات بڑھانے کے چکر میں رہتی ہے۔ حکومت کبھی تجارت کے نام پر بھارت کے ساتھ تعلقات بڑھاتی ہے اور کبھی بسوں کے نام پر تعلقات بڑھاتی ہے۔ حالانکہ مودی حکومت پاکستان کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کررہی ہے۔ مووودی پاکستان کو کبھی پھلتا پھولتا نہیں دیکھنا چاہتا، اس لیے اس نے جارحیت مسلط کی ہوئی ہے۔ مودی کے خطرناک عزائم دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ مودی کی طرف سے کوئی بڑا اٹیک بھی ہوسکتا ہے۔ ان حالات میں چاہیے کہ فوج، حکومت اور پوری قوم ایک صفحے پر جمع ہوجائیں۔ پوری قوم تو پہلے سے ہی بھارت دشمنی کے خلاف ایک ہے۔ حکومت کو بھی اسی طرح سخت

جواب دینا چاہیے۔ ان کا کہنا تھا کہ بھارتی جارحیت کے خلاف سخت موقف اپنانا چاہیے اور سخت سے سخت جواب دیا جائے۔ کیوں کہ اب تو بھارت نے حد ہی پار کردی ہے۔ سیالکوٹ میں جو واقعہ ہوا ہے، ایسا تو جنگوں کے دوران ہی ہوتا ہے۔ گویا بھارت نے پاکستان کے خلاف جنگ چھیڑ دی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان میں بھارت کی خفیہ کی بدنام تنظیم "را" کے ایجنٹ دہشت گردی میں ملوث ہیں، ان کو کیفر کردار تک پہنچانا چاہیے اور ان جماعتوں پر بھی کڑی نگاہ رکھنی چاہیے۔ بھارت کے ساتھ جن کے تعلقات کی باتیں میڈیا میں آتی رہی ہیں، ان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ان حالات میں پاکستان کو مضبوط خارجہ پالیسی اپنانی چاہیے، کیوں کہ خارجہ پالیسی کی کمزوری کی وجہ سے ہی کبھی مذاکرات سے انکاری ہوجاتا ہے اور کبھی سخت جواب دیتی ہے۔ اس کی طرف سے ہر بار سخت جواب آتا ہے، جب کہ پاکستان کی طرف سے ایسا نہیں ہے۔

(طلال چودھری (رہنما، مسلم لیگ (ن

نریندر مودی بھارت میں سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے پاکستان کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کررہا ہے۔ بھارت کو منہ توڑ جواب دینا چاہیے۔ اب بھی فوج اور قوم بھارت کا منہ توڑ جواب دے رہی ہے اور دیتی رہے گی۔ وزیراعظم میاں نواز شریف نے کہا ہے کہ بھارت کو منہ توڑ جواب دیں گے۔ طلال چودھری کا کہنا تھا کہ پاکستان میں بھارت کے ایجنٹ موجود ہیں۔ "را" کے دہشت گرد ملک میں دہشت

گردانہ کارروائیاں کرتے ہیں، جس کے مکمل شواہد موجود ہیں۔ ان شواہد کو اقوام متحدہ میں لے کر جائیں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ بھارت کے خلاف واضح موقف ہے۔ گھٹنوں کے بل جینے سے پاؤں پر کھڑے ہو کر مرنا بہتر ہے۔ ہم بھارت سے مذاکرات کی بھیک نہیں مانگیں گے۔ ہم نے جو واضح موقف اپنایا ہے، اسی پر قائم رہیں گے۔ ہم معاملات نرمی سے سلجھانا چاہتے ہیں لیکن بھارت جارحیت کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس کا حل کئی طرح سے نکل سکتا ہے، لیکن اگر وہ جارحیت سے باز نہ آیا تو ہمیں بھی ایسا کرنا پڑے گا۔ جیسا وہ کرے گا ردعمل بھی ویسا ہی ہوگا۔ بھارت نے اپنے عیب چھپانے کی بہت کوشش کی، لیکن ملک بھر سے اس کے ایجنٹ پکڑے گئے ہیں اور اس کا چہرہ دنیا کے سامنے بے نقاب ہوگیا ہے۔

(زاہد خان (رہنما، عوامی نیشنل پارٹی

بھارت نے ایک عرصے سے پاکستان کی سرحدوں پر جارحیت کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے، جس سے کئی پاکستانی شہید بھی ہو چکے ہیں۔ یہ تشدد پسندانہ روایہ کسی بھی ملک کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ یہ پورے خطے کے لیے خطرناک ہے۔ ہم تو عدم تشدد کے پیروکار لوگ ہیں۔ ہمارا تو نظریہ یہ ہے کہ لڑائی جھگڑے اور تشدد سے مسائل حل نہیں ہوا کرتے، بلکہ مسائل تو میز پر بیٹھ کر حل ہوتے ہیں اور بات چیت کے ذریعے ہی مسائل کا حل نکالنا چاہیے، لیکن بدقسمتی سے آج بات چیت کی بجائے گولی سے جواب دیا جاتا ہے۔ دونوں ملک ایک دوسرے پر الزام تراشی کرتے

ہیں، لیکن اس سے مسائل حل نہیں ہوتے، یہ کوئی مستقل حل نہیں ہے۔ مسائل اسی وقت حل ہوں گے جب نیک نیتی کے ساتھ بیٹھ کر بات چیت کی جائے گی۔ بھارت کو بھی چاہیے کہ جارحیت کا سلسلہ روک کر میز پر آ کر بات کرے۔ خطے کے مفاد میں یہی ہے اور یہی عوام اور دونوں ملکوں کے مفاد میں ہے، لیکن بھارت نے مذاکرات سے ہی انکار کردیا ہے۔ اس کو سوچنا چاہیے کہ تشدد پسندانہ رویے سے مسائل بڑھیں گے، دونوں ملکوں کا نقصان ہوگا۔ ایک طرف بھارت کی جانب سے سرحدی خلاف ورزی جاری ہے، جب کہ دوسری جانب "را" کے ایجنٹ ملک میں اپنی کارروائیاں کررہے ہیں۔ یہ بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ نہ ہی یہ مسئلے کا حل ہے۔ دونوں ملکوں کو مل بیٹھ کر مسئلے کا حل میز پر تلاش کرنا چاہیے۔

یورپ میں اسلام فوبیا کیوں بڑھ رہا ہے؟

محمد علی کلے امریکی باکسر تھے، وہ امریکی ریاست کنیکٹی کٹ کے شہر لوئسویل میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے تین مرتبہ باکسنگ کی دنیا کا سب سے بڑا اعزاز "ورلڈ ہیوی ویٹ باکسنگ چیمپیئن شپ" جیتا اور اولمپک میں سونے کے تمغے کے علاوہ شمالی امریکی باکسنگ فیڈریشن کی چیمپیئن بھی جیتی۔ وہ تین مرتبہ ورلڈ ہیوی ویٹ باکسنگ چیمپیئن شپ جیتنے والے پہلے باکسر تھے۔ محمد علی کلے نے باکسنگ میں اس وقت کے عالمی چیمپیئن سونی لسٹن کو شکست دی۔ اس کے بعد مسلسل سات مقابلوں میں اس وقت کے مایہ ناز باکسروں کو زیر کیا۔ باکسنگ میں محمد علی کی زندگی 20 سال رہی جس کے دوران انہوں نے 56 مقابلے جیتے اور 37 ناک آؤٹ اسکور کیا۔ اس طرح وہ 20 ویں صدی کے عظیم ترین کھلاڑی قرار پائے۔

محمد علی کلے اپنے کیریئر کے آغاز میں عیسائی تھے، نام تھا کیسیس کلے۔ عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا اور ان کا نام محمد علی رکھا گیا۔ جب محمد علی نے اسلام قبول کیا تو یورپی معاشرے نے اس عظیم ترین قابل قدر کھلاڑی کو اسلام لانے کی پاداش میں طرح طرح سے زچ کرنا شروع کر دیا۔ جس دن انہوں نے

پریس کانفرنس کے سامنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تو ایک امریکی صحافی نے پوچھا کہ کیا A BLACK" : تم واقعی مسلمان ہو گئے ہو؟ انہوں نے کہا "ہاں" تو صحافی نے طنزاً کہا ایک کالا مسلمان" محمد علی کلے نے فوراً کہا کہ تم لوگوں نے کبھی کسی کو کالا MUSLIM عیسائی یا کالا یہودی کیوں نہیں کہا؟ صرف مسلمان کو ہی کہتے ہو۔

انھی دنوں امریکا ویت نام میں قتل عام کر رہا تھا، امریکا میں ہر صحت مند نوجوان پر فوج میں بھرتی ہو کر ویت نام جانا ضروری تھا۔ چرچ کے پادری اس سے مستثنیٰ تھے۔ محمد علی اس وقت اپنے محلے کی مسجد میں امامت کرتے تھے۔ ایک دن اس عالمی چیمپیئن کو کہا گیا کہ تمہیں آرمی میں جانا ہوگا، انہوں نے جواب دیا کہ میں امریکا کے قانون کے مطابق فوج سے مستثنیٰ ہوں، کیونکہ میری حیثیت بھی مذہب اسلام میں ایک پادری کی طرح ہے، لیکن امریکا کا تعصب اور مسلمانوں سے نفرت ان کے پیچھے پڑ گئی۔ محمد علی کلے کو فوج میں جانے سے انکار کرنے پر پانچ سال قید اور دس ہزار ڈالر جرمانے کی سزا سنائی گئی۔ محمد علی سے باکسنگ کا اعزاز بھی واپس لے لیا گیا۔

یورپ ہمیشہ سے اسلام فوبیا کا شکار رہا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جس میں اضافہ ہوتا نظر آیا ہے۔ اس کی تازہ مثال جرمنی میں مسلمانوں کی مساجد پر

ہونے والے حملوں کے واقعات ہیں۔ جرمنی یورپ کا ایک انتہائی مہذب، ترقی یافتہ اور کثیر الثقافتی ملک ہے، لیکن اس مہذب یورپی ملک میں اسلام فوبیا کا یہ عالم ہے کہ جرمنی میں اسلامی مراکز اور مسجدوں پر حالیہ مہینوں کے دوران حملوں میں اضافہ ہوا ہے۔ 2015ء کے ابتدائی 6 مہینوں میں کم از کم 23 مرتبہ مسجدوں اور اسلامی مراکز پر حملے کیے گئے ہیں۔ مسلمانوں کی جانب سے بارہا سیکورٹی کے انتظامات کرنے کی اپیل کے باوجود بھی جرمن حکومت مسجدوں اور اسلامی مراکز میں سیکورٹی کے انتظامات کرنے میں ناکام رہی ہے۔ یہ صرف جرمنی کا معاملہ ہی نہیں ہے، بلکہ پورا یورپ اسلام فوبیا میں مبتلا ہے۔ حکومتی اداروں، ذرائع ابلاغ اور شر پسند عناصر کی جانب سے پھیلائے اشتعال نے امریکا میں مسلمانوں کے خلاف نفرت میں ہوشربا اضافہ کیا ہے۔ مسلمانوں سے نفرت کے سبب ان کے خلاف حملے بڑھ رہے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جاتا ہے۔ مسلمانوں پر حملے کیے جاتے ہیں۔ مساجد کے باہر نعرے بازی، مساجد کے اندر سور کا گوشت پھینکنا اور مساجد کی دیواروں پر اسلام مخالف نعرے درج کرنے جیسے واقعات کا پیش آنا معمول کی بات ہے۔

ان حالات میں یہ سوال غور طلب ہے کہ یورپ میں اسلام فوبیا کی آخر کیا وجہ ہے؟ محققین کہتے ہیں کہ یورپ میں اسلام فوبیا کی وجہ یہ ہے کہ یورپی ملکوں میں نو مسلموں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے اور اسلام کو خطے کا سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب قرار دیا جارہا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب

مسلمان یورپ، برطانیہ وغیرہ میں اجنبی تھے۔ اہل یورپ نے مسلمانوں کے لیے دروازے ضرور کھولے، مگر ان کے دل نہیں کھلے تھے، لیکن آج اسلام امریکا و برطانیہ سمیت پورے یورپ میں بڑے جوش وخروش سے پھیل رہا ہے، اسلامی لٹریچر تقسیم ہو رہا ہے۔ لوگ قرآنی تعلیمات، حقائق، سچائی اور دلائل پر مبنی ریسرچ اور تحقیق کے بعد اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور یورپ کے غیر مسلموں کو اسلام کا یوں روز فزوں ترقی کرنا کسی طور بھی قبول نہیں ہے۔ یورپ میں مسلمانوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہی بہت سے متعصب اہل مغرب کو خوفزدہ کیے ہوئے ہے۔ اسی لیے آئے دن گیرارڈ بیٹن اور ٹیری جونز جیسے متعصب لوگ یورپ میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے خوفزدہ ہو کر اسلام کی توہین پر اتر آتے ہیں۔ کبھی نعوذ باللہ دنیا کی مقدس ترین کتاب قرآن مجید کو آگ لگا کر اپنے بغض کا اظہار کیا جاتا ہے اور کبھی قرآن مجید کے بعض حصوں سے لاتعلقی کے اظہار کا کہا جاتا ہے۔ کبھی خانہ کعبہ و مدینہ منورہ پر حملے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں اور کبھی مساجد کے مینار گرانے، مساجد کو مسمار کرنے اور مساجد کی تعمیر پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور کبھی حجاب پر پابندی لگا کر مسلمانوں کو ستایا جاتا ہے۔ محمد حسن عسکری لکھتے ہیں: "یورپ میں جو مسلمان ہیں، وہ عموماً اپنے اسلامی نام نہیں لکھتے اور نہ اپنے اسلام کا عام طور پر اعلان کرتے ہیں۔ جیسے ہی یورپ کے لوگوں کو پتہ چلتا ہے کہ فلاں شخص مسلمان ہوگیا ہے، فوراً اس کی مخالفت شروع ہو جاتی ہے۔" اس وقت دنیا کی

آبادی لگ بھگ 7 ارب ہے جس میں سے تقریباً پونے دو ارب آبادی مسلمانوں کی ہے۔ عالمی سطح پر اسلام دنیا کا دوسرا بڑا مذہب جب کہ دنیا کا ہر چوتھا فرد مسلمان ہے، دنیا کی آبادی کا 25 فیصد حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے، جس میں آیندہ 20 برس میں فیصد اضافہ ہو جائے گا۔ مختلف عالمی اداروں کی رپورٹس کے مطابق دنیا بھر میں 35 مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس میں مزید تیزی کے ساتھ اضافہ ہوگا۔ تک یورپ میں مسلمانوں کی آبادی 5 کروڑ کے قریب تھی، جو 2030 تک 2010 بڑھ کر 6 کروڑ کے قریب پہنچ جائے گی۔

فورم آن ریلیجن اینڈ پبلک لائف نامی ایک امریکی ادارے نے عالمی سطح پر بین المذاہب شرح آبادی کا ایک سروے کیا، جس کے مطابق 2030ء میں جب دنیا کی آبادی تقریباً 8 ارب 3 کروڑ سے تجاوز کر جائے گی۔ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی 2 ارب 20 کروڑ ہوگی۔ اسلام کے پھیلتے دائرہ کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ مغربی خاتون صحافی اوریانہ فلاسی کہتی ہیں کہ آنے والے بیس سال میں پورے یورپ کے کم از کم چھ بڑے شہر اسلام کی کالونی بن جائیں گے، کیونکہ ان شہروں میں مسلمان کل آبادی کا تیس سے چالیس فیصد تک ہو جائیں گے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں میں بڑی تعداد عورتوں کی ہے۔ یورپ میں اگر چار افراد اسلام قبول کرتے ہیں تو ان میں تین خواتین ہوتی ہیں۔ یورپ میں مسلمانوں کی اسی بڑھتی ہوئی تعداد سے پورا یورپ خوفزدہ ہے اور مسلمانوں کو مختلف

طریقوں سے تنگ کر رہا ہے، لیکن اسلام ایسی قوت ہے، جس کو جبر و تشدد کے ذریعے دبایا نہیں جاسکتا۔ قدرت نے اس میں ایسی لچک رکھی ہے کہ اس کو جتنا دبایا جائے گا یہ اتنا ہی ابھرتا ہے۔

بھارت کی ہٹ دھرمی

ایک بار پھر پاک بھارت تعلقات میں بہتری آنے کی امیدیں بھارت کے جارحانہ اور ہٹ دھرم رویے کی نذر ہو گئی ہیں۔ دونوں ایٹمی طاقتوں کے درمیان بہت سے متنازعہ امور کا حل نکالنے کے لیے ہونے والے مذاکرات سے راہ فرار اختیار کرکے بھارت نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ خطے کو پرامن نہیں دیکھنا چاہتا، بلکہ وہ یہاں امن سے زیادہ بدامنی کا خواہاں ہے۔ بھارت نے مسئلہ کشمیر کو مذاکرات کے ایجنڈے میں شامل کرنے سے معذرت کر لی، جو سراسر ایک لغو حرکت ہے، جب کہ پاکستان کا کہنا ہے کہ کشمیر کے بغیر بھارت سے مذاکرات بے سود ہیں۔ مسئلہ کشمیر کے بغیر بھارت سے مذاکرات نہیں ہو سکتے اور نہ ہی پاکستان اب بھارت سے مذاکرات کی درخواست کرے گا۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان کشیدگی کی اصل وجہ مسئلہ کشمیر ہے، لیکن بھارت اس معاملے کو مسئلہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ پوری دنیا جانتی ہے کہ کشمیر دونوں ایٹمی ملکوں کے درمیان اہم مسئلہ ہے، لیکن اس کے باوجود بھارت نے روایتی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرکے کشمیر کو فریق ماننے سے انکار کرتے ہوئے مذاکرات کی میز کو ہی الٹ دیا ہے۔ اس سے ثابت

ہوتا ہے کہ بھارت نے ایک مرتبہ پھر ضد، انانیت اور غرور و تکبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان سے بات چیت کے اہم موقعے کو ضایع کر دیا ہے اور دو طرفہ مسائل کے حل کے لیے امید کی جو کرن ظاہر ہوئی تھی۔ وہ بھارتی حکمرانوں کی غیر سنجیدگی اور عاقبت نا اندیشی کے نتیجے میں ختم ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ مسئلہ کشمیر گزشتہ 68 سال سے پاکستان اور بھارت کے درمیان وجہ تنازعہ چلا آ رہا ہے۔ اس مسئلے کے حل کے لیے دونوں ملکوں نے جنگیں لڑیں اور مذاکرات کی میز پر بھی اسے حل کرنے کی کوششیں کیں، لیکن مسئلہ کشمیر حل نہ ہوا۔ اگر یہ مسئلہ خوش اسلوبی سے حل کر لیا جاتا تو اس خطے میں ایک مدت پہلے امن قائم ہو چکا ہوتا، لیکن بھارت کی ضد کی وجہ سے یہ مسئلہ مسلسل طوالت اختیار کیے جا رہا ہے۔

بھارت کی شروع دن سے یہی پالیسی رہی ہے کہ وہ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے پاکستان کے ساتھ کشمیر سمیت ہر ایشو پر مذاکرات کا عندیہ دیتا ہے، مگر جب مذاکرات کا وقت قریب آتا ہے تو وہ کسی نہ کسی حیلے بہانے سے مذاکرات کی میز خود ہی پلٹ دیتا ہے اور اپنا دباؤ برقرار رکھنے کے لیے حالات کو مزید کشیدہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، یہ اس کی شاطرانہ سوچ کا شاخسانہ ہے۔ پاکستان نے ہمیشہ بھارت کے ساتھ مذاکرات کے ذریعے معاملات حل کر کے اچھے ہمسائے کی طرح تعلقات کو بڑھانے کی بات کی ہے، مگر بھارت نے بغل

میں چھری اور منہ پہ رام رام کی پالیسی اپنائی۔ ماضی شاہد ہے کہ پاکستان کی خطے میں قیام امن کی کوششوں کے جواب میں بھارت نے نہ صرف پاکستان، بلکہ عالمی برادری کی کوششوں کو بھی یکسر نظرانداز کرکے ہمیشہ مذاکرات سے فرار اختیار کیا ہے۔ پاکستان نے ہمیشہ امن کو موقع دینے کی کوشش کی ہے، لیکن اپنی شاطرانہ و جارحانہ جبلت سے مجبور بھارت نے ہمیشہ بدامنی کو فروغ دیا ہے۔

کشمیر کے عوام تمام مصائب برداشت کرکے بھی اپنے حق کے لیے جدوجہد کرتے آ رہے ہیں۔ اقوام متحدہ بھی ان کے حق کو تسلیم کرتی ہے۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جو کشمیریوں کے حق خودارادیت کی حمایت نہ کرتا ہو، لیکن اس کے باوجود یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکا۔ مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں خود بھارتی وزیر اعظم جواہر لال نہرو لے کر گئے تھے۔ جس پر کشمیریوں کو حق خودارادیت کے لیے اقوام متحدہ نے قرارداد منظور کی، اس پر بھارت نے بھی دستخط کیے، لیکن بھارت نے ہمیشہ اس قرارداد پر عمل سے کنی کترائی ہے۔ مسئلہ کشمیر کا حل عالمی ادارے نے تجویز کیا تھا، اس پر اقوام متحدہ ہی کو عمل کرانا چاہیے، لیکن اقوام متحدہ دہرا معیار اپنائے ہوئے ہے۔ طویل عرصے کے بعد بھی کشمیر کے معاملے کو الجھایا ہوا ہے۔ کشمیر کے معاملے پر اقوام متحدہ کی متفقہ قرارداد پر عملدرآمد ہی نہیں کرایا جا رہا۔ 1948ء سے لے کر اب تک

بھارت کو دو ٹوک انداز میں اقوام متحدہ نے کشمیریوں کو حق رائے دہی دینے کا نہیں کہا، حالانکہ اخلاقی طور پر اقوام متحدہ کے رکن ممالک کا فرض بنتا ہے کہ وہ اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عملدرآمد کے لیے انفرادی طور پر بھرپور کوششیں کریں اور ایسے فیصلے و اقدامات کیے جائیں، جس سے اقوام متحدہ کی قراردادوں پر مکمل عملدرآمد یقینی بن سکے۔ بصورت دیگر بھارت کا غیر سنجیدہ اور جارحانہ رویہ پورے خطے کے امن کو برباد کر سکتا ہے۔

یہ حقیقت سب پر عیاں ہے کہ پاک بھارت مسائل کے حل میں اس وقت کلیدی کردار عالمی اداروں اور بین الاقوامی طاقتوں کا ہے۔ اگر دنیا کے ترقی یافتہ اور طاقتور سمجھے جانے والے ممالک دونوں حریف ممالک کو ایک دوسرے کے سامنے بیٹھنے پر قائل کریں اور بوقت ضرورت اپنا اثر و رسوخ استعمال میں لائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ باہمی معاملات کا کوئی پائیدار حل برآمد نہ ہو سکے۔ جنوبی ایشیا میں امن کے قیام کے لیے پاکستان نے ہمیشہ سنجیدہ کوششیں کی ہیں اور کبھی بھی بھارت کی طرف سے آنے والے پتھر کا جواب اینٹ سے نہیں دیا۔ دونوں ملکوں کے رویوں میں موجود واضح تضاد سے دنیا کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور معلوم ہو جانا چاہیے کہ کون اعتدال پسندی سے کام لے رہا ہے اور کون شر پسندی پھیلانا چاہتا ہے۔

قیام پاکستان سے لے کر آج تک بھارت نے پاکستان کے خلاف کوئی موقع ہاتھ سے

نہیں جانے دیا۔ بھارت کسی صورت بھی پاکستان کو خوشحال نہیں دیکھنا چاہتا۔ بھارت کی ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے کہ پاکستان کبھی ترقی نہ کر پائے، اسی وجہ سے آئے روز بھارت کی جانب سے پاکستان کے خلاف شور و واویلا کیا جاتا ہے۔ کبھی پاکستان پر دہشت گردی کے الزامات لگائے جاتے ہیں تو کبھی ملکی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں حائل کی جاتی ہیں۔ کبھی سرحدی خلاف ورزیاں کی جاتی ہیں تو کبھی بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کے ذریعے پاکستان میں دہشت گردانہ کاروائیاں کروا کر ملک کو کمزور کیا جاتا ہے۔ کہیں پاکستان کے حصے کے پانی کا حق سلب کیا جاتا ہے تو کہیں بے انتہا پانی چھوڑ کر پاکستان کے زرعی علاقوں کو ڈبو دیا جاتا ہے۔ یوں تو بھارت کی بدنام زمانہ خفیہ ایجنسی "را" ایک عرصے سے پاکستان میں جارحانہ کارروائیوں میں ملوث ہے، لیکن پاک چائنہ اکنامک کوریڈور پر عملدرآمد کے بعد بھارت نے یہ طے کر لیا تھا کہ پاکستان کو اندرونی و بیرونی محاذ پر ٹف ٹائم دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت کبھی کنٹرول لائن پر چھیڑ چھاڑ کرکے اور کبھی پاکستان کے اندر سنگین وارداتیں کرکے عدم استحکام کی کوشش کر رہا ہے اور اب مذاکرات کو سبوتاژ کرکے پاکستان پر دباؤ بڑھانا چاہتا ہے۔

بھارت کے جارحانہ اور امن دشمن رویے کو دیکھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مزید کشیدگی بڑھانے کا خواہاں ہے اور بارڈر پر سیز فائر معاہدے کی مسلسل

خلاف ورزی سے جنگی ماحول پیدا کر کے پاک فوج کا رد عمل جانچنا چاہتا ہے۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے تو ممکنہ پاک بھارت ایٹمی تصادم کے نتائج ہر گز محدود نہیں رہیں گے، بلکہ دنیا کے پر امن سمجھے جانے والے علاقے بھی براہ راست متاثر ہوں گے۔ اس بنا پر عالمی طاقتوں کو فرسودہ حکمت عملی کو ترک کرتے ہوئے وقت کی نزاکتوں کا ادراک اور بھارت کو پاکستان کے ساتھ معطل مذاکرات کی بحالی پر آمادہ کرنا ہو گا۔

حرام گوشت کی فروخت.... ملک بھر میں کریک ڈاؤن کی ضرورت!

ملک کے مختلف شہروں میں حرام اور مردہ جانوروں کے گوشت کی فروخت کی خبریں ایک عرصے سے میڈیا پر آ رہی ہیں۔ گدھوں اور کتوں کا گوشت نہ صرف چھوٹے پسماندہ علاقوں بلکہ کئی مشہور ہوٹلز اور ریسٹورنٹس میں سپلائی کی خبریں بھی میڈیا کے ذریعے منکشف ہوتی رہی ہیں، جس نے عوام کی طبیعت مکدر اور باہر کے کھانے کو مشکوک بنا دیا ہے۔ انسانیت کے دشمن عناصر صرف اپنی جیبیں بھرنے کے لیے عوام کو حرام، مردہ اور مضر صحت گوشت کھلا رہے ہیں۔ کتے، گدھے، مردار جانوروں کے گوشت کی اطلات متعدد بار ملکی میڈیا پر آئی ہیں، لیکن ذمہ داروں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جا سکی۔ گزشتہ دنوں اس سے بھی بڑھ کر اس خبر نے شہریوں کو چکرا کر رکھ دیا کہ راولپنڈی سے مال گاڑی کے ذریعے 6 من خنزیر کا گوشت لاہور پہنچایا گیا، اگرچہ اس خبر کی باقاعدہ تصدیق نہیں ہوئی، لیکن اس سے عوام میں کافی تشویش پائی جاتی ہے۔ ذرائع کے مطابق لاہور جیسے بڑے شہر یں قریبی مضافات سے آنے والا 90 فیصد گوشت ایسا ہوتا ہے، جس میں مردہ بھینسوں، گائیوں، گھوڑوں اور گدھوں تک کا گوشت شامل ہوتا ہے، جبکہ دیگر شہروں میں بھی صورتحال کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ بیمار، مردار اور حرام جانوروں کا گوشت فروخت کرنے والے انسانیت کے دشمن ہیں، کیونکہ یہ گوشت جہاں اسلامی نقطہ نظر

سے حرام ہے، وہیں طبّی ماہرین نے حرام جانوروں کے گوشت کو انسانی صحت کے لیے انتہائی خطرناک قرار دیا ہے۔ ڈاکٹروں کے مطابق حرام جانوروں اور مردہ جانوروں کے گوشت سے انتہائی مہلک امراض جنم لینے کا امکان نوے فیصد بڑھ جاتا ہے، جس میں کینسر، کالا یرقان، خواتین میں حمل ضایع ہونے کے خطرناک امراض سمیت دیگر کئی جان لیوا امراض کا خدشہ ہوتا ہے۔

پنجاب فوڈ اتھارٹی کئی دنوں سے عوام کو حرام اور مضر صحت گوشت کھلانے والے مافیا کے خلاف کارروائیاں کر رہی ہے، لیکن اس کے باوجود یہ انسانیت دشمن مافیا انسانی جانوں کے ساتھ کھیلنے سے باز نہیں آ رہا اور کارروائیوں کے نتیجے میں روز منوں کے حساب سے حرام گوشت پکڑا جا رہا ہے۔ پنجاب فوڈ اتھارٹی اور محکمہ لائیو سٹاک نے مختلف شہروں میں کریک ڈاؤن کرتے ہوئے جانوروں کا 4 ہزار کلو گرام سے زاید مضر صحت گوشت برآمد کرکے 21 افراد کو گرفتار کیا ہے۔ جبکہ اسی سلسلے میں حرام گوشت پر قابو پانے کے لیے اقتصادی رابطہ کمیٹی (ای سی سی) نے گدھے کی کھال اور ہڈے اں برآمد کرنے پر پابندی عاید کر دی ہے، کیونکہ گدھے کی کھال کو سپلائی کرنے کی آڑ میں گدھے کا گوشت عوام کو فروخت کیا جاتا تھا۔ ای سی سی نے حکم دیا کہ کھال کی برآمد پر تاحکم ثانی پابندی عاید کی جائے، جبکہ کھال کے علاوہ فضلے کو مناسب طریقے سے ٹھکانے لگانے کے قوانین بنائے جائیں۔ مضر صحت گوشت فروخت کرنے والوں کے خلاف

ڈائریکٹر

آپریشنز پنجاب فوڈ اتھارٹی عائشہ ممتاز کافی سرگرم دکھائی دے رہی ہیں۔ ڈائریکٹر آپریشنز پنجاب فوڈ اتھارٹی اب تک مختلف مقامات پر سات ہزار سے زیادہ چھاپے مار چکی ہیں، جن میں سے اکثریت کو جرمانہ کیا یا سیل کر دیا گیا ہے۔ کئی لوگوں کو حراست میں لے کر ان کے خلاف قانونی کارروائی کا آغاز بھی کیا جا چکا ہے۔

واضح رہے کہ 2011-2012 میں حکومت پنجاب کی جانب سے صوبے میں فوڈ کے معیار کو بہتر بنانے کے لیے ایک احسن قدم اٹھاتے ہوئے پنجاب فوڈ اتھارٹی کا قیام عمل میں لایا گیا، جس کا مقصد صوبے میں کھانے پینے کی غیر معیاری اشیا کا سد باب کرنا تھا، لیکن فوڈ اتھارٹی نے اس بارے کوئی خاص اقدام نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ سستی و کاہلی کا مظاہرہ کیا۔ نہ ہی اس بارے کوئی سخت قوانین بنائے گا اور نہ موجود قوانین پر عمل درآمد کیا گیا۔ ایک بااختیار ادارہ ہونے کے باوجود کبھی ذمہ داروں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ حال ہی میں صوبائی حکومت نے پنجاب ترمیمی آرڈیننس متعارف کیا، جس کے تحت ریستورانوں کے معیار کے مطابق درجہ بندی کی 2015 جائے گی اور غیر معیاری خوراک کی فروخت پر کڑی سزائیں ہیں۔ گزشتہ تین ماہ سے اس حوالے سے کافی اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ پنجاب میں فوڈ اتھارٹی نے شہریوں کو مہیا کیے جانے والی اشیا خورو نوش کی جانچ پڑتال، ہوٹلوں، ریستوراٹوں، مختلف آئس ، کریم

کافی شاپس اور دیگر مقامات پر تیار ہو کر فروخت ہونے والی اشیا کی تیاری اور معیار کا جائزہ لے کر مضر اشیا کی ضبطگی، مقدمات کے اندراج، گرفتاریوں، جرمانے اور ایسے مقامات کو سیل کرنے کی کارروائی کی ہے۔ تین سال قبل بننے والے اس ادارے کی کارروائیوں کے بعد شہریوں پر بہت سے ایسے حقائق آشکار ہوئے ہیں جن کے بارے میں خرابی کا سوچنا بھی محال تھا۔ فوڈ اتھارٹی نے اپنی کارروائی کے دوران تمام درجوں کی اشیا خورو نوش کا معائنہ کیا اور ہر جگہ پر صورت حال غیر تسلی بخش تھی۔ فوڈ اتھارٹی نے پنجاب کے مختلف شہروں میں فروخت ہونے والے گوشت کو چیک کیا تو حقائق خوفناک تھے۔ کئی جگہ پر مردہ جانوروں کا اور کئی جگہ پر گدھے، گھوڑے اور کتے کا گوشت ملا، حتیٰ کہ بدھ کے روز لاہور میں ٹرین کے ذریعے لاہور پہنچنے والے گوشت کو چیک کیا گیا تو اس کے بارے میں شبہ ہوا کہ یہ کسی حلال جانور نہیں، بلکہ سور کا گوشت ہے۔ جس پر اس گوشت کے نمونے ٹیسٹ کے لیے لیبارٹری بھجوا دیے گئے۔ اس گوشت کو لے جاتے ہوئے ایک شخص کو پکڑا جا چکا ہے۔ راولپنڈی سے گوشت بھیجنے والے شخص کا بھی علم ہو چکا، مگر جس شخص نے یہ گوشت منگوایا تھا، وہ ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ نہ ہی اسے فوڈ اتھارٹی یا پولیس تلاش کر سکی ہے۔ اشیا خورو نوش میں ملاوٹ اور غیر صحت طریقے سے تیاری کی جو رپورٹیں سامنے آ رہی ہیں، اس نے ہر فرد کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ جو کچھ کھا رہا ہے، اس میں کتنے فیصد درست اور کس قدر مضر صحت اشیا ہیں۔

ایک رپورٹ کے مطابق ہر روز ہزاروں

من مضر صحت گوشت پکڑا جا رہا ہے۔ پنجاب فوڈ اتھارٹی کی کارروائیوں سے حالات میں بہتری کی توقع ہے، تاہم فوڈ اتھارٹی پنجاب میں تو اس سلسلے میں کام کر رہی ہے، مگر دیگر صوبوں میں عوام کو کیا کھلایا جا رہا ہے، اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے ملک بھر میں ایسے افراد کے خلاف سخت کارروائیاں کی جائیں جو عوام کو حرام کھلا رہے ہیں۔ اس حوالے سے مضر صحت، ملاوٹ شدہ اشیا یا مردہ جانور کی فروخت کرنے والے افراد کے خلاف کارروائی کے لیے مناسب قانون اور سزائیں بھی نہیں ہیں، جس کی وجہ سے ایسے جرائم کرنے والوں کو سزا بھی نہیں ملتی اور ملزم ضمانت کرا کر رہائی کے بعد دوبارہ یہی دھندا شروع کر دیتے ہیں۔ 1963ء کے جس قانون کے تحت کارروائی کی جاتی ہے، اس میں تین ماہ قید اور معمولی جرمانے کی سزا ہے، لیکن اب پنجاب حکومت نے مضر صحت گوشت اور اشیائے خورونوش فروخت کرنے والوں کے خلاف قانون سازی کی ہے، نئے قانون کو منظوری کے لیے قائمہ کمیٹی کے پاس بھجوا دیا گیا ہے۔ قانون کے تحت مضر صحت گوشت اور اشیائے خورونوش فروخت کرنے والے کو عمر قید کے ساتھ 30 لاکھ روپے جرمانہ بھی ادا کرنا ہو گا۔

پنجاب اتھارٹی کی بھرپور کارروائیوں کے بعد اس کے اقدامات کو کافی سراہا جا رہا ہے اور تمام شہروں میں اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے، لیکن ذرائع کے مطابق پنجاب حکومت کی طرف سے فنڈز کی عدم فراہمی کے باعث پنجاب فوڈ اتھارٹی

فیصل آباد کا قیام عمل میں نہ لایا جا سکا۔ سپلائی چین کے نظام کو بہتر بنانے، کھانے پینے کی اشیا کے معیار کو چیک کرنے اور مضر صحت خوراک تیار کرنے والی فوڈ فیکٹریوں کو ریگولیٹ کرنے کے مقاصد کے لیے فیصل آباد میں فوڈ اتھارٹی کے قیام کا فیصلہ کیا گیا، جو فنڈز کی عدم فراہمی کے سبب 3 سال بعد بھی پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا، جس کے نتیجے میں فیصل آباد میں جعلی، غیر معیاری اور مضر صحت اشیا کی تیاری و اس کی فروخت کا کاروبار اپنے عروج پر ہے۔ پنجاب حکومت نے لاہور میں فوڈ اتھارٹی کے قیام کے بعد فیصل آباد، گوجرانوالہ، راولپنڈی اور ملتان میں فوڈ اتھارٹی کے قیام کا فیصلہ کیا تھا، جس کے لیے 90 ملین روپے مختص کیے گئے، جس میں سے صرف فیصل آباد کے لیے 35 ملین روپے رکھے گئے، تاہم پنجاب حکومت کے فنانس ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے فوڈ اتھارٹی کو دوسرے شہروں تک قابل عمل بنانے کے لیے ضروری فنڈز کے اجرا کی منظوری نہ دی جا سکی۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ مضر صحت گوشت فروخت کرنے والے انسانیت کے دشمن ہیں، جن کو سخت سے سخت سزا دی جانی چاہیے۔ حکومت چاروں صوبوں میں اس حوالے سے سخت قانون بنائے۔ اس جرم کو ناقابل ضمانت قرار دیا جائے اور اس کی سماعت ایک ماہ میں مکمل کرکے مجرموں کو سزا دی جائے، تاکہ کوئی گروہ یا فرد عوام کی صحت سے نہ کھیل سکے۔ حکومت فوڈ اتھارٹی کی کارروائیوں کے بعد فوری

قانون سازی کرکے ان مقدمات کی سماعت کے لیے الگ عدالتیں قائم کرکے ملزموں کو سزائیں دے، تاکہ ایسا جرم کرنے والا سو بار سوچے کہ یہ جرم کرکے وہ سزا سے بچ نہیں پائے گا۔ مختلف دکانوں پر فروخت ہونے والے گوشت کی چیکنگ کا کوئی معیار اور طریقہ کار ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ چیکنگ کرنے والے سرکاری عملے کے احتساب کا بھی میکنزم ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ محکمہ فوڈ کے افسروں اور اہلکاروں کو چاہیے کہ وہ اپنے فرائض قانون کے مطابق ضرور ادا کریں۔ چند روپوں کی خاطر انسانی صحت اور ایمان سے کھیلنے والے بھیڑیے کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔ مسلمانوں کو حرام اشیا فروخت کرنے والوں کے خلاف سخت قوانین اور کارروائیاں ملک میں بڑھتے ہوئے ان واقعات کو لگام دینے کا باعث بنیں گی، نیز جو حلال گوشت بھی عوام کو سپلائی کیا جاتا ہے، اس کی فراہمی میں بھی احتیاط نہیں برتی جاتی۔ گوشت کو کھلی گاڑیوں میں لاد کر عوام تک پہنچایا جاتا ہے جو انسانی صحت کے لیے مضر ہے۔ صحت و ایمان ہمارے قیمتی اثاثے ہیں، جن کی حفاظت ہمیں خود کرنی ہے، نیز حکومت وقت کو بھی اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری ادا کرنا ہوگی۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں حلال و حرام چیزوں کا امتیاز ریاست کا وصف ہونا چاہیے، تاکہ عوام بلاخوف وخطر خریداری اور باہر کھانا کھا سکیں۔ اسلامی مملکت میں اپنے عوام کو حلال اشیا کی فراہمی حکومت کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔

انگولا میں اسلام پر پابندی!

انگولا کی حکومت نے دین اسلام پر کلی طور پر پابندی عاید کر کے اسلام دشمنی کی تمام حدود پار کر لی ہیں۔ ملک میں اسلامی اثر ورسوخ کے خاتمے کا باضابطہ اعلان انگولا کے بد باطن صدر نے کیا، جبکہ اس سے قبل وزیر ثقافت روسا کروز سلواکا کہنا تھا کہ اسلام کو قانونی حیثیت دینے کے لیے وزارت انصاف اور انسانی حقوق سے منظوری نہیں لی گئی اور آئندہ نوٹس تک مساجد بند رہیں گی۔

جمہوریہ انگولا وسطی افریقہ کے جنوبی حصے میں واقع ملک ہے، جس کا دارالحکومت لوانڈا ہے۔ یہاں کی کل آبادی ایک کروڑ ساٹھ لاکھ ہے، جن میں سے اکثریت مسیحی برادری کی ہے، جبکہ صرف 80 سے 90 ہزار مسلمان آباد ہیں۔ ساری دنیا کی طرح حالیہ عرصے میں انگولا میں بھی اسلام کی دعوتی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا اور لوگ تیزی کے ساتھ اسلام کی طرف راغب ہونے لگے۔ مختلف شہروں میں نئی مساجد قائم ہوئیں۔ مدارس کی بنیادیں ڈالی گئیں۔ اسلام کی تعلیمات عام ہونے لگیں، جسے حکومتی سطح پر ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ انگولا میں زیادہ تر مسلمان دیگر علاقوں سے یہاں آکر بسے ہیں، اس لیے تہذیب و کلچر کے اختلاف کی وجہ سے بھی یہاں کی حکومت مسلمانوں کے خلاف ہے۔ یہ سلسلہ

گزشتہ پانچ سال سے جاری تھا۔ تاہم حکومت انگولا نے اکتوبر 2013ء کے بعد کھل کر مسلمانوں کے خلاف محاذ کھول دیا۔ دارالحکومت لوانڈا کے گورنر نے مقامی ریڈیو پر اعلان کیا کہ انگولا میں مسلم انتہا پسندوں کے لیے کوئی جگہ نہیں اور یہ کہ انہیں مساجد تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس کے بعد حکومت نے 80 مساجد کو شہید اور 320 مساجد کو سیل کر دیا، جبکہ 15 مدارس کو مسمار کر کے سیکڑوں طلبہ، اساتذہ اور علمائے کرام کو پکڑ کر جیلوں میں ڈال دیا۔ ظلم و تشدد کا یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ اب ملک میں مکمل طور پر اسلام پر پابندی کا اعلان کر دیا گیا۔

انگولا کی حکومت کی جانب سے اسلام پر پابندی کی یہ وجہ بیان کی جارہی ہے کہ دہشت گردی کے خطرات سے بچنے کے لیے یہ قدم اٹھایا گیا ہے، حالانکہ یہ اقدام صرف اور صرف عصبیت اور تنگ نظری پر مبنی ہے۔ اسلام امن پسند دین ہے اور اس کی تعلیمات قتل و غارت، دہشت گری، ظلم و ناانصافی کے خلاف ہیں۔ اسلام انسانیت کے احترام کی تاکید کرتا ہے۔ یہ اقدام دراصل ان کی اس پریشانی کا شاخسانہ ہے جو دین اسلام کی مقبولیت میں آنے والی تیزی کے باعث ان کو لاحق ہے۔ آج پوری دنیا چیخ رہی ہے کہ عنقریب اسلام دنیا بھر پر غالب آجائے گا اور 2050ء تک یورپ میں بھی اسلام کا غلبہ ہوگا۔ دوسری طرف حال یہ ہے کہ عیسائیت کے مذہبی مراکز ویران ہو کر بڑے پیمانے پر نیلامی تک پہنچ گئے ہیں۔ عیسائی

ملکوں میں آج نئے چرچ اور گرجے نہ ہونے کے برابر تعمیر ہو رہے ہیں، جبکہ چرچوں کی نیلامی عام ہے۔ مسلمانوں نے بے شمار چرچ خرید کر مساجد میں تبدیل کر دیے ہیں اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگولا میں دین اسلام پر پابندی عاید کی گئی ہے۔

دنیا کے بہت سے ممالک ایسے ہیں جو دین اسلام کو مختلف طریقوں سے اپنے مذموم ارادوں کا ہدف بناتے ہیں اور اسلامی سرگرمیوں کو ختم کرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔ بعض ممالک اسلام اور مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے کے لیے طاقت کا بھی استعمال کرتے ہیں، لیکن کسی ملک نے بھی آج تک علی الاعلان اسلام پر پابندی نہیں لگائی ہے۔ انگولا پہلا ملک ہے، جس میں کلی طور پر دین اسلام پر پابندی لگا کر اسلام دشمنی کی بدترین مثال قائم کی ہے۔ اس پابندی کے بعد یقینا انگولا میں رہنے والے مسلمانوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، جو ایک تشویش ناک صورتحال ہے۔ ان ایک لاکھ کے قریب مسلمانوں کا کیا ہوگا، جو وہاں قیام پذیر ہیں؟ اس سے زیادہ تشویش ناک امر یہ ہے کہ دیگر اسلام دشمن ممالک بھی انگولا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام پر پابندی عاید کر سکتے ہیں، جس سے ایسے تمام ممالک میں مسلمانوں کے لیے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں، جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور ایسے اقدامات ایک عالمگیر جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتے ہیں، کیونکہ اگر عیسائی حکومتیں اسلام کو ممنوع قرار دیں

گی تو یہ بھی ممکن ہے کہ بعض ایسے مسلم ملکوں میں جہاں عیسائیوں کی تعداد کم ہے، وہاں عیسائیت کے خلاف آوازیں اٹھنے لگیں اور عیسائیت پر پابندی عاید کردی جائے۔ یقینا اس سے ایک عالم گیر بے چینی پیدا ہوجائے گی۔ جس کے اثرات دنیا کے امن کے لیے تباہ کن ثابت ہوں گے۔ لہٰذا عالمی سطح پر انگولا میں اسلام پر عاید پابندی کے خلاف آواز اٹھانا ہوگی اور انگولا کے اس اقدام کے خلاف پوری دنیا کو اٹھ کھڑا ہوجانا چاہیے۔

ود ہولڈنگ ٹیکس .... حکومت و تاجروں میں ٹھن گئی

ود ہولڈنگ ٹیکس کا معاملہ دن بدن گمبھیر ہوتا جا رہا ہے۔ حکومت اور تاجر دونوں میں سے کوئی فریق بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہے۔ ایک طرف تاجروں نے حکومت کی جانب سے لاگو کیے گئے ٹیکس کو مسترد کر دیا ہے اور اس کے خلاف سراپا احتجاج ہیں، جبکہ دوسری جانب حکومت نے تاجروں کا ود ہولڈنگ ٹیکس واپس لینے کا مطالبہ مسترد کر دیا۔ ایف بی آر کا کہنا ہے کہ ود ہولڈنگ ٹیکس کسی صورت واپس نہیں لیا جائے گا، جبکہ تاجر برادری اپنے مطالبات منوانے کے لیے مختلف شہروں میں متعدد ہڑتالیں کر چکی ہے اور اپنے مطالبات تسلیم کیے جانے تک احتجاج جاری رکھنے کا اعلان کیا ہے۔ 9 ستمبر کو ملک بھر کے تاجروں نے مشترکہ ہڑتال کی کال دی ہے۔ جبکہ ملک میں تاجروں کے بڑھتے ہوئے تحفظات کو فوری حل کرنے کے لیے اس سے اگلے روز یعنی 10 ستمبر کو وزیر اعظم میاں نواز شریف اس معاملے کو سلجھانے کے لیے خود کراچی آ کر تاجروں سے ملاقاتیں کریں گے۔ تاجروں، سرمایہ کاروں، فیڈریشن چیمبر آف کامرس، ملک بھر کے چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری اور ٹریڈرز کے رہنماؤں سے 2 روز تک ملاقاتیں جاری رہیں گی۔ تاجروں کے مسائل اور تحفظات کو فوری حل کرنے کے لیے وزیر اعظم کے ہمراہ وفاقی وزیر خزانہ، وفاقی وزیر پانی و بجلی، وفاقی وزیر پٹرولیم سمیت وفاقی کابینہ کے 8 وزرا اور چیئرمین ایف

بی آر بھی ہوں گے۔

واضح رہے کہ ود ہولڈنگ ٹیکس آمدنی، منافع اور بینکوں سے کیے جانے والے لین دین پر عاید ٹیکسوں میں سے ایک ٹیکس ہے۔ کچھ ممالک میں یہ رائیلٹی، کرائے اور رئیل اسٹیٹ کی فروخت پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ سال-16 2015 کے وفاقی بجٹ میں بینک سے لین دین پر 0.6 فیصد ود ہولڈنگ ٹیکس لاگو کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا، جو تاجر برادری کے احتجاج پر 30 ستمبر 2015 تک 0.3 فیصد کر دیا گیا۔ یعنی بینک سے نکلوائے جانے والے ہر ایک لاکھ روپے پر تین سو روپے ٹیکس ادا کرنا ہوگا، جبکہ کراس چیک پر یہ ٹیکس ڈبل ادا کرنا پڑتا ہے۔ حالیہ بجٹ میں فائلر اور نان فائلرز کے لیے ٹیکس کی مختلف شرح متعارف کروائی گئی ہے۔ فائلر سے مراد ایسے شہری ہیں جو ریٹرن ٹیکس جمع کرواتے ہیں اور ان کے پاس نیشنل ٹیکس نمبر ہوتا ہے، جبکہ نان فائلر سے مراد وہ شہری ہیں، جو ریٹرن ٹیکس جمع نہیں کرواتے۔ بجٹ میں فائلر امیدواران پر 0.3 فیصد، جبکہ نان فائلرز پر 0.6 فیصد وِد ہولڈنگ ٹیکس عاید کیا گیا۔ اس ٹیکس کے تحت فائلر حضرات کو تو صرف کیش ٹرانزیکشن پر جبکہ نان فائلر حضرات کو بینک کے ذریعے کی جانے والی ہر طرح کی ٹرانزیکشن پر ٹیکس ادا کرنا ہوگا۔ نان فائلر حضرات پر اس ٹیکس کے لاگو کرنے کا مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ٹیکس نیٹ میں لاکر قومی خزانے کو بڑھانا ہے۔ فیڈرل بورڈ آف ریونیو کے اعداد و شمار کے

مطابق 11 جولائی کو اس ٹیکس میں 82 دن کی عارضی رعایت دیے جانے کے بعد سے اب تک اسی ہزار سے زاید مزید پاکستانی شہری اپنے ٹیکس گوشوارے جمع کروا کر ٹیکس دہندگان میں شامل ہو چکے ہیں۔ جبکہ ود ہولڈنگ ٹیکس کا مقصد بھی یہی بتایا جا رہا ہے کہ اس کے ذریعے ایک سال کے بعد تاجروں کے گوشوارے ایف بی آر کو معلوم ہو سکیں، کیونکہ اب تک بینک انتظامیہ ایف بی آر کو اپنا ڈیٹا نہیں دیتی تھی، لیکن اب ود ہولڈنگ ٹیکس کے ذریعے بینکوں کا یہ ڈیٹا خود بخود ایف بی آر کے پاس چلا جائے گا، جس کے بعد تمام تاجروں کو ٹیکس نیٹ میں لایا جاسکے گا۔ ذرائع کے مطابق اس وقت پاکستان کی 19 کروڑ کی آبادی میں سے صرف پونے نو لاکھ افراد ٹیکس دہندگان ہیں۔ لہٰذا ٹیکس نیٹ کو بڑھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ حالیہ بجٹ میں متعارف کروائے جانے والے ود ہولڈنگ ٹیکس کے مطابق نان فائلر حضرات کو 50 ہزار روپے سے زاید کی ہر طرح کی ٹرانزیکشن پر اعشاریہ چھے فیصد ٹیکس ادا کرنا تھا۔ تاجر برادری کی جانب سے ہونے والی پے در پے ہڑتالوں کے باعث حکومت کو اپنا فیصلہ کچھ عرصہ کے لیے موخر کرنا پڑا۔

ود ہولڈنگ ٹیکس کی وجہ سے تمام کاروباری شخصیات خاص کر تاجر برادری سخت غم وغصے میں ہے۔ تاجر برادری کی جانب سے اپنا مطالبہ منوانے کے لیے ایک طرف ہڑتالوں کا سلسلہ جاری ہے، جبکہ دوسری جانب انہوں نے حکومت پر دباؤ بڑھانے کے لیے بینکنگ لین دین محدود کر دیا ہے، جس کی وجہ سے مرکزی بینک کو سرمائے

کی قلت کا سامنا ہے۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے اعداد و شمار نے بینک کھاتوں سے رقوم نکلوانے پر ود ہولڈنگ ٹیکس کے نفاذ کے بعد چیک کے ذریعے لین دین محدود ہونے کی تصدیق کر دی ہے۔ یاد رہے کہ بینک کھاتوں سے لین دین پر ود ہولڈنگ ٹیکس کا نفاذ یکم جولائی 2015 سے عمل میں لایا گیا، جس کے بعد نجی شعبوں کی جانب سے بینکوں کے ذریعے لین دین محدود کرتے ہوئے نقد لین دین بڑھا دیا گیا۔ اس سے بھی بینکوں کے ڈپازٹس میں نمایاں کمی واقع ہوئی۔ تاجروں نے فنانشل کاسٹ بڑھنے اور ٹرانزیکشن کی تفصیلات بھی ایف بی آر اور وزارت خزانہ تک پہنچنے اور تادیبی کاروائیوں کے خدشات کے پیش نظر روزمرہ لین دین نقد بنیادوں پر منتقل کر دیا ہے، رقوم کے علاوہ بڑی مالیت کے بانڈز اور غیر ملکی کرنسیاں استعمال کیے جانے کی بھی اطلاعات ہیں۔ 50 ہزار روپے سے زاید کی ٹرانزیکشنز پر 0.3 فیصد ود ہولڈنگ ٹیکس کے بعد تاجروں و صنعتکاروں کی جانب سے بینکنگ لین دین میں نمایاں کمی واقع ہوئی ہے۔ کمرشل بینکوں میں لیکوڈٹی مسائل کے باعث مرکزی بینک پر سرمائے کی قلت دور کرنے کے حوالے سے دباؤ میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور محض چند روز کے دوران اسٹیٹ بینک نے اوپن مارکیٹ آپریشن کے ذریعے کمرشل بینکوں کو 1210 ارب 55 کروڑ روپے فراہم کیے ہیں۔ اس ضمن میں اسٹیٹ بینک نے اوپن مارکیٹ آپریشن کے ذریعے یکم ستمبر کو 50 ارب 5 کروڑ روپے 3 روز کے لیے 6.52 فیصد شرح سود پر فراہم کیے، 3 ستمبر کو ارب 30 کروڑ روپے 8 یوم کے لیے 6.53 فیصد شرح سود پر، جبکہ 133

ستمبر کو 1027 ارب 20 کروڑ روپے 7 یوم کے لیے 6.52 فیصد شرح سود پر 4 فراہم کیے۔ ذرایع کے مطابق اسٹیٹ بینک کی جانب سے 4 ستمبر کو 1027 ارب روپے کا بھاری اوپن مارکیٹ آپریشن اس وجہ سے دیکھا گیا، کیونکہ ملک بھر میں تاجروں نے ود ہولڈنگ ٹیکس کے خلاف 4 ستمبر کو بینکوں سے کاروباری لین دین نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا، جس کے باعث کمرشل بینکوں کو سرمائے کی قلت سے بچانے کے لیے اسٹیٹ بینک کو اس قدر بڑا اوپن مارکیٹ آپریشن کرنا پڑا۔ کاروباری حلقوں کا کہنا ہے کہ حکومت کو ود ہولڈنگ ٹیکس پر گھٹنے ٹیکنے کے لیے تاجروں نے بینکوں کو ہدف بنانے کا فیصلہ کرلیا ہے ۔تاجروں کا خیال ہے کہ بینکوں سے لین دین میں کمی سے بینکاری نظام کو نشانہ بنایا گیا تو حکومت پر ود ہولڈنگ ٹیکس کی واپسی کے حوالے سے مؤثر دباؤ ڈالا جاسکے گا۔ حکومت کی جانب سے ود ہولڈنگ ٹیکس کے نفاذ کے بعد تاجروں کی جانب سے بینکوں سے لین دین میں کمی کے باعث کمرشل بینکوں میں سرمائے کی قلت بدستور جاری ہے اور اسٹیٹ بینک کو صرف ایک ہفتے کے دوران کمرشل بینکوں میں سرمائے کی قلت دور کرنے کے لیے 1210 ارب روپے سے زاید رقم فراہم کرنا پڑی ہے۔ ود ہولڈنگ ٹیکس کے دن بدن گھمبیر ہوتے معاملے کے حوالے سے معروف ماہر اقتصادیات اور تاجر رہنما سے کی گئی بات چیت نذر قارئین ہے۔

(عتیق میر (صدر آل کراچی تاجر اتحاد

حکومت کی طرف سے لگایا جانے والا ود ہولڈنگ ٹیکس ناانصافی پر مبنی ہے۔ اس کو ٹیکس نہیں کہنا چاہیے، بلکہ ظلم ہے، جو تاجر برادری کے لیے کسی طور بھی قابل قبول نہیں ہے۔ تاجر اس کو مسترد کرتے ہیں اور پورے ملک کے تاجر اپنے موقف پر متحد ہیں۔ ود ہولڈنگ ٹیکس کے خلاف احتجاجی تحریک کی ابتدا میں تاجروں میں کچھ اختلاف سامنے آیا تھا، لیکن اب ملک بھر کے تاجر متفق و متحد ہیں۔ اب 9 ستمبر کو ہڑتال تمام تاجر متحد ہو کر کر رہے ہیں۔ تاجر برادری سمجھتی ہے کہ حکومت نے جو ود ہولڈنگ ٹیکس لگایا ہے، اس کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی اس کا کوئی فائدہ ہے۔ اگر حکومت اپنا فیصلہ واپس نہیں لیتی تو اس سے معیشت کو نقصان ہو سکتا ہے، کیونکہ تاجروں نے بینکوں سے لین دین کم کر دیا ہے، جس سے ملک کو کھربوں روپے کا نقصان ہوگا۔ حکومت تاجروں کو مسائل میں پھنسا رہی ہے۔ حکومت تاجروں کا معاشی قتل کر رہی ہے جو بند ہونا چاہیے۔ حکومت نے تاجروں کو مثبت جواب نہیں دیا۔ حکومت کو چاہیے کہ جلد از جلد اپنا فیصلہ واپس لے۔ حکومت کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ وہ ان بڑے مگرمچھوں کو پکڑے جو ٹیکس ادا نہیں کرتے۔ ان ٹیکس چوروں کی لسٹ حکومت کے پاس موجود ہے، حکومت مصلحت سے باہر آئے اور ملک کی سالمیت اور بہتری کے لیے ان پر ہاتھ ڈالے اور تاجروں کو بلاوجہ تنگ نہ کرے۔ تاجر برادری نے کبھی ٹیکس دینے سے انکار نہیں کیا، لیکن ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ ایسا نظام لاگو کرنا چاہیے، جو سب کو قبول ہو۔ حکومت کے کرنے کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ ماضی کی خرابیوں

اور غلطیوں کو ٹھیک کرے، جس سے ملک کی معیشت بہتر ہو گی، لیکن اگر حکومت ان غلطیوں کو ٹھیک نہیں کرتی اور تاجروں کے پیچھے پڑی رہے گی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت مخلص نہیں ہے۔

(شاہد حسن صدیقی (ماہر اقتصادیات

حکومت کی طرف سے ود ہولڈنگ ٹیکس کا لگایا جانا پاکستان کے لیے خسارے کا سودا ہے، یہ غیر منصفانہ اور حکومت کا اپنے اختیارات سے تجاوز ہے۔ حکومت اس کے ذریعے بڑے بڑے ٹیکس چوروں کو بچانا چاہتی ہے۔ ملک میں 32 لاکھ ایسے افراد ہیں جو بے انتہا دولت مند ہیں اور ٹیکس چور ہیں۔ یہ سب حکومت کے ساتھ ہیں۔ تمام صنعت کار بھی حکومت کے ساتھ ہیں۔ پارلیمنٹ اور چاروں صوبائی اسمبلیاں حکومت کے ساتھ ہیں، جہاں ٹیکس چور بیٹھے ہیں۔ دراصل حکومت ود ہولڈنگ ٹیکس لگا کہ ان تمام افراد کو بچانا چاہتی ہے۔ اگر کوئی ٹیکس چور شخص بینک کے ساتھ 25 لاکھ روپے کا لین دین کرتا ہے اور یہ رقم بینک سے نکلواتا ہے تو وہ اس پر ود ہولڈنگ ٹیکس ادا کرے گا، جو کہ صرف ساڑھے سات ہزار روپے بنتے ہیں، حالانکہ اس کو انکم ٹیکس ادا کرنا چاہیے، جو کہ اس کی آمدنی پر لگے گا، وہ بہت زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ حکومت دراصل بڑے لوگوں کو سپورٹ کر رہی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں شاہد حسن صدیقی کا کہنا تھا کہ تاجروں نے جو بینکوں سے لین دین کو محدود کیا ہے، یہ سلسلہ زیادہ دیر نہیں

چل سکے گا۔ ملک میں تاجروں کی تعداد صرف 7 لاکھ ہے۔ تمام بڑے لوگ اور ٹیکس چور حکومت کے ساتھ ہیں۔ حکومت کو تمام ٹیکس چوروں سے پورا ٹیکس لینا ہوگا، ٹیکس نہ لینے سے ملک کو خطرہ ہے۔ یہ میری بات نہیں، بلکہ برطانیا کے ایک ادارے نے کہا ہے کہ اگر پاکستان میں ٹیکس چوری ہوتی رہی تو پاکستان کے وجود کو خطرہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حکومت دہشت گردی کے خلاف آپریشن ضرب عضب کر رہی ہے، یہ آپریشن اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب ٹیکس چوروں سے ٹیکس لیا جائے، کیونکہ ملک میں انتہا پسندی، غربت، بے روزگاری اور ناانصافی سے آتی ہے، اگر ٹیکس چوروں سے ٹیکس لیا جائے تو ان میں کافی حد تک کمی واقع ہو سکتی ہے۔

اردو زبان کا نفاذ . . . . روشن مستقبل کی نوید

اردو ہماری قومی زبان اور ہماری پہچان ہے۔ اردو دنیا کی خوبصورت اور شیریں ترین زبانوں میں شامل ہے۔ پاکستان کی ترقی میں اردو زبان کا نفاذ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ قائد اعظم نے 1948ء میں ڈھاکا میں اردو کو قومی زبان قرار دیا۔ قیام پاکستان سے پہلے سب ہی متفق تھے کہ اس مملکت کی زبان اردو ہوگی۔ مملکت خداداد پاکستان کا شمار باقاعدہ رائے شماری کے ذریعے وجود میں آنے والی ریاستوں میں ہوتا ہے۔ جب ریاست ایک ضابطے کے تحت وجود میں آئی، تو اس کے قیام میں مذہب کے بعد دوسری اہم چیز زبان تھی۔ برصغیر میں مسلمانوں کی علیحدہ ریاست کی تحریک کے دوران ہمیشہ دو ٹوک انداز میں اردو کو نئی ریاست کی زبان قرار دیا گیا۔ گویا زبان، مذہب کے ساتھ ریاستی نظریے کی دوسری بڑی بنیاد ہے۔ قیام پاکستان سے قبل برصغیر میں اردو اور ہندی کے مابین ایک طویل تنازع رہا ہے۔ ہندوؤں کی جانب سے اردو زبان کو دبانے کی بھرپور کوشش کی جاتی رہی۔ اردو اور ہندی کے تنازع نے متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں میں شدید تشویش کی لہر پیدا کی۔ یہی وجہ ہے کہ 1906 میں آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کے وقت سے ہی اردو کو مسلمانوں کے ثقافتی ورثے کی حیثیت سے اپنے منشور میں شامل کیے رکھا۔ 1946 میں پاک و ہند کی پہلی عبوری حکومت میں سردار عبدالرب نشتر وزیر ڈاک وتار

بنائے گئے تو پہلی بار ریلوے کے نظام الاوقات، ٹکٹوں اور فارم پر اردو کو اختیار کیا گیا۔
1946 میں قائد اعظم نے ایک جلسے میں خطاب کے دوران فرمایا " میں اعلان کرتا ہوں کہ پاکستان کی زبان اردو ہوگی۔" یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان کے قیام کے ذریعے مسلمانان برصغیر نے ایک ایسی ریاست کی جدوجہد کی، جس کی زبان اردو ہو۔
1973ء میں متفقہ طور پر منظور کیے جانے والے دستور کے مطابق: "پاکستان کی قومی زبان اردو ہے اور دستور کے یوم آغاز سے پندرہ برس کے اندر اندر اس کو سرکاری و دیگر اغراض کے لیے استعمال کرنے کے انتظامات کیے جائیں۔ 15 برس کی دی گئی مہلت 1988ء میں ختم ہوئی، لیکن قومی زبان اردو کو عملی طور پر سرکاری زبان کی حیثیت نہیں ملی اور مسلسل یہ اہم معاملہ سرد خانے کی نذر ہو چلا تھا۔ اس سلسلے میں اللہ نے پوری پاکستانی قوم کے اردو زبان کے نفاذ کے خواب کو حقیقت میں بدل دیا۔
گزشتہ روز عدالت عظمیٰ نے عدل وانصاف کے زریں اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے پاکستان میں اردو زبان کے نفاذ کا حکم سنایا۔ پاکستانی سپریم کورٹ نے قومی زبان اردو کو بطور سرکاری زبان فوری طور پر نافذ کرنے کا حکم دیا ہے۔ چیف جسٹس جواد ایس خواجہ نے 26 اگست کو محفوظ کیا گیا اردو زبان سے متعلق فیصلہ اپنی سبکدوشی سے ایک روز قبل منگل کو سنایا۔ پاکستان سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس جواد ایس ادریس نے اردو میں حلف اٹھایا اور اردو میں تقریر کی اور

مقدمات کے فیصلے اردو میں لکھے، ان کے بطور چیف جسٹس تقرر کے وقت ہی سے یہ امید کی جارہی تھی کہ یہ اردو کو نافذ کریں گے۔ پاکستانی آئین کے آرٹیکل 251 میں اردو" کا بطور سرکاری زبان نفاذ اور قومی زبان کے متوازی صوبائی زبانوں کا فروغ" شامل ہے۔ اس فیصلے کو انگریزی زبان کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی تحریر کیا گیا ہے۔ عدالت نے حکومت کو آئین کے آرٹیکل 251 کو بلاتاخیر نافذ کرنے کا حکم دیا ہے۔ فیصلے میں قومی زبان کے رسم الخط میں یکسانیت پیدا کرنے کے لیے وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو ہم آہنگی پیدا کرنے کی ہدایت بھی دی گئی۔ عدالت نے اپنے حکم میں کہا ہے کہ 3 ماہ کے اندر اندر وفاقی اور صوبائی قوانین کا قومی زبان میں ترجمہ کر لیا جائے۔ عدالت نے تمام سرکاری دفاتر اور وفاقی سطح پر مقابلہ کے امتحانات میں قومی زبان کے استعمال سے متعلق اردو کے احیا کے لیے قائم اداروں کی سفارشات پر عمل کی ہدایت کی ہے۔ عدالت نے خاص طور پر عوامی مفاد سے متعلق قوانین کا اردو ترجمہ کرانے کو لازمی قرار دیا ہے اور سرکاری محکموں کو عدالتی مقدمات میں اپنے جوابات اردو میں پیش کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ عوام اس فیصلے کو سمجھ کر اپنے حقوق کا نفاذ کرا سکیں۔ عدالت نے اپنے فیصلے کے آخر میں کہا کہ "اگر کوئی سرکاری ادارہ یا اہلکار آرٹیکل 251 کے احکامات کی خلاف ورزی جاری رکھے گا تو جس شہری کو بھی اس خلاف ورزی کے نتیجے میں نقصان یا ضرر پہنچے گا، اسے قانونی چارہ جوئی کا حق حاصل ہو گا۔" خیال رہے کہ اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دینے سے

متعلق کوکب اقبال ایڈووکیٹ کی درخواست پر فیصلہ سنایا گیا، جو 2003 سے عدالت عظمی میں زیر التوا تھی۔ درخواست گزار کوکب اقبال نے اپنے دلائل میں کہا کہ حکومت جان بوجھ کر آئین کے آرٹیکل 251 پر عمل کرنے سے گریزاں ہے۔ واضح رہے کہ ایک عرصے سے اردو کے نفاذ کے حوالے سے ملک میں کوششیں جاری تھیں۔ ان کوششوں کے سلسلے میں گزشتہ سال مئی میں وفاقی کابینہ نے پاکستان کی قومی زبان اردو کو سرکاری زبان بنانے کے احکامات جاری کیے تھے۔ ان احکامات پر عمل درآمد ایک سال کے بعد گزشتہ دنوں کابینہ ڈویژن کی طرف سے مختلف محکموں کو حکم نامے جاری کرتے ہوئے شروع کیا گیا۔ رواں برس جولائی میں جاری کیے گئے حکم نامے میں تمام محکموں اور افسر شاہی کو کہا گیا کہ وہ سرکاری احکامات و مراسلے اردو میں جاری کریں اور پہلے سے موجود دستاویزات کو بھی اردو میں ترجمہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ اس اقدام کے ذریعے صدر، وزیراعظم اور وزرا کو بھی پابند کیا گیا کہ وہ اندرون ملک و بیرون اپنے خطابات اردو میں ہی کریں۔

مبصرین کے مطابق اردو کے نفاذ کا فیصلہ ہماری عدالتی تاریخ میں سنہرے حروف سے یاد رکھا جائے گا۔ امید ہے کہ حکومتی سطح پر آرٹیکل 251 کے تحت اردو زبان کی ترویج و ترقی کو یقینی بنایا جائے گا۔ یہ فیصلہ ملک کے روشن مستقبل کی امید ثابت ہوگا۔ الحمدللہ آج ملک معاشی ترقی کر رہا ہے، جس کا اظہار غیر

ملکی میڈیا نے بھی کیا ہے، اردو کا نفاذ بھی اس ترقی میں یقیناً معاون ثابت ہوگا۔ اردو کے نفاذ سے ترقی کی راہ میں حائل بہت سے رکاوٹیں خود بخود ہٹ جائیں گی۔ ملک میں انگریزی زبان سے مرعوبیت محض اتفاق نہیں، بلکہ یہ سامراجیت کا ایک پرانا اور آزمودہ نسخہ ہے۔ برصغیر میں انگریزوں کے غلبے کے بعد لارڈ میکالے کی تہذیب دشمن سوچ کے زیرِ سایہ ہماری مقامی اور قومی زبانوں کی تحقیر کا ایک نیا باب شروع ہوا، جس کے نتیجے میں ایک طبقاتی تفریق نے جنم لیا ہے، جو ملک کی ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ بنی۔ اردو کے نفاذ سے اس تفریق سے چھٹکارہ حاصل ہوگا اور ترقی کی راہیں وا ہوں گی۔ آزاد قومیں ہمیشہ اپنی زبان پر ہی فخر کیا کرتی ہیں اور دنیا بھر کی وہ قومیں جو آج ترقی کے بام عروج پہ کھڑی ہیں، ان میں ان کی قومی زبانوں کا راج ہے۔ پاکستان میں بھی اردو زبان کا نفاذ تو ہو چکا ہے، لیکن مکمل طور پر حکم پر عمل درآمد کرانے کے لے ایک عرصہ لگ سکتا ہے، کیونکہ ملک میں اکثر و بیشتر بڑے تعلیمی اداروں میں انگریزی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے، جہاں سے تعلیم حاصل کرنے والوں کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کے تمام معمولات زندگی انگریزی طرز پر ہوں۔ اس کے ساتھ ہمارے ہاں عوامی سطح پر بھی اردو سے زیادہ انگلش کو اہمیت دی جاتی ہے۔ لہٰذا ان حالات کے پیش نظر ہر سطح پر اردو کو فروغ دینے کے ضرورت ہے۔

اردو.... قائد اعظم اور علمائے ہند

قائد اعظم محمد علی جناح نے 21 مارچ 1948ء کو ڈھاکا میں قوم کے نام اپنے پیغام میں فرمایا تھا: "میں آپ کو واضح طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہو گی اور صرف اردو اور اردو کے سوا کوئی اور زبان نہیں ہو گی۔ دیگر اقوام کی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ ایک مشترکہ سرکاری زبان کے بغیر کوئی قوم باہم متحد نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی اور کام کر سکتی ہے۔ پس جہاں تک پاکستان کی سرکاری زبان کا تعلق ہے، وہ صرف اور صرف اردو ہی ہو گی۔" اس پیغام کا تقاضا تو یہ تھا کہ قیام پاکستان کے فوری بعد اردو کو عملی طور پر پاکستان میں نافذ کر دیا جاتا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اردو ہماری قومی زبان اور پہچان ہے، اس کے باوجود قیام پاکستان سے پہلے سے آج تک اسے اپنی بقا کی جنگ لڑنا پڑی ہے۔ برصغیر میں اردو مسلمانوں کی زبان، جبکہ ہندو سنسکرت اور ہندی کے دعوے دار تھے۔ اس طرح تقسیم کے عمل میں دونوں زبانیں دو قوموں کی حیثیت اختیار کر گئی تھیں۔ اردو کو دبانے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ متعصب ہندو رہنماؤں نے اس بات پر پورا زور لگایا کہ سنسکرت ملی "ہندی" کو عربی اور فارسی کے نرم نرم میں دھلی "اردوئے معلیٰ" کے مقابلے میں عربی کی بجائے دیوناگری رسم الخط میں رائج کر دیا جائے، اس کو اسی انداز میں سرکاری حیثیت حاصل ہو جائے اور اسے

ہی برصغیر کی واحد مشترک زبان تسلیم کر لیا جائے۔ اردو کو جو عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے، بیک جنبش قلم خارج کر دیا جائے۔ انڈین نیشنل کانگریس کے بااثر عناصر اور دوسری ہندو جماعتوں نے ہندی کو رواج دینے کی بڑی کوشش کی، لیکن اردو کے بدخواہوں کو ناکامی ہوئی۔

1908ء میں جب پنجاب یونیورسٹی کے ہندو وائس چانسلر ڈاکٹر چیٹرجی نے یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد میں کہا کہ پنجاب میں اردو کی جگہ پنجابی رائج کی جائے تو مسلمانان پنجاب اس بیان کے خلاف یک زبان ہو کر میدان میں نکل آئے۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا ہنگامی اجلاس منعقد ہوا، جس میں علامہ محمد اقبال، سر شیخ عبدالقادر، سر محمد شفیع، مولانا سلیمان شاہ پھلواری اور دیگر مسلم رہنماؤں نے اردو کی حمایت میں مدلل تقاریر کیں اور ایک جامع قرارداد منظور کی، جس میں دو ٹوک الفاظ میں کہا گیا کہ مسلمانان برصغیر اردو زبان سے کسی صورت دستبردار ہوں گے، نہ ہی اس کی جگہ کسی دوسری زبان کو رائج کرنے کی اجازت دیں گے۔ قائداعظم نے علی گڑھ یونیورسٹی میں 1941ء میں انگریزوں اور ہندوؤں کو مخاطب کرکے فرمایا تھا: "مجھے پاکستان میں اسلامی تاریخ کی روشنی میں اپنی ثقافت و روایات کے تحت اور اپنی اردو زبان کو برقرار رکھتے ہوئے زندگی گزارنے دو۔"

قیام پاکستان سے پہلے اردو زبان کو مسلمانوں کے ساتھ تعلق کی وجہ سے ہندوؤں کی نفرت کا سامنا رہا ہے۔ اس تناظر میں مملکت خداداد پاکستان کو اپنے قیام کے ساتھ ہی اردو کو ہر سطح پر رائج کرنے کے لیے تمام تر کوششیں بروئے کار لانی چاہیے تھیں، لیکن محبان فرنگ نے قومی خواہشات کا اول روز سے مذاق اڑایا اور مختلف حیلے بہانوں سے اس کو رائج کرنے کے راستے میں روڑے اٹکائے۔ حالانکہ 1973ء کے آئین کے مطابق: "پاکستان کی قومی زبان اردو ہے اور دستور کے یوم آغاز سے 15 برس کے اندر اندر اس کو سرکاری و دیگر اغراض کے لیے استعمال کرنے کے انتظامات کیے جائیں۔" 15 برس کی دی گئی آئینی مہلت 1988ء میں ختم ہوئی، لیکن قومی زبان اردو کو عملی طور پر سرکاری زبان کی حیثیت نہیں ملی اور مسلسل یہ اہم معاملہ سرد خانے کی نذر ہوتا چلا گیا۔ مقام شکر ہے کہ قیام پاکستان کے 68 سال بعد ہی سہی، لیکن عدالت عظمیٰ نے اردو زبان کو فوری طور پر نافذ کرنے کا حکم جاری کر دیا ہے۔ بلاشبہ قومی زبان کے نفاذ کا فیصلہ قوم کی دیرینہ امنگوں اور خواہشات کا حقیقی ترجمان ہے، جس کے دوررس نتائج برآمد ہوں گے۔ سماجی اعتبار سے پیدا ہونے والی تفریق کے خاتمے میں مدد مل سکے گی اور عوام کو اپنے آئینی و شہری حقوق اور ریاستی امور کو سمجھنے میں سہولت ہوگی۔ اس کے ساتھ ملک میں نظام تعلیم کی وحدانیت کا تصور بھی اجاگر ہو سکے گا اور اردو کو واحد تعلیمی زبان کے طور پر نافذ کیا جا سکے گا۔

امر واقع یہ ہے کہ اردو قومی زبان کا درجہ رکھنے کے باوجود ہمارے سماج میں ایک یتیم اور لاوارث زبان رہی، جس کی بنا پر مختلف النوع مسائل اور مشکلات نے جنم لیا ہے۔ قومی زبان سے بے اعتنائی اور صرف نظر کی روایت نے معاشرے میں طبقاتی تفریق پیدا کی ہے۔ یہاں یہ حقیقت فراموش نہیں کی جانی چاہیے کہ جدید دنیا میں ترقی، سائنس اور ٹیکنالوجی میں کمال کا انحصار محض انگریزی زبان پر موقوف نہیں ہے، بلکہ آج معاشی اور دفاعی لحاظ سے قابل ذکر ممالک کی ترقی کا واحد راز مادری زبان کو بنیادی اہمیت اور مرکزیت دینا ہے۔ چین، جاپان سمیت کئی ممالک کی مثالیں اس ضمن میں پیش کی جا سکتی ہیں، جہاں انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے کی بجائے اسے محض عالمی رابطہ کاری کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود اقوام عالم کے سامنے ان قوموں کو کسی قسم کی شرمندگی اور خجالت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

جو قومیں اپنی زبان سے لاتعلق ہو جاتی ہیں، وہ اپنا تشخص بھی گم کر بیٹھتی ہیں۔۔برصغیر کی عظیم روحانی شخصیت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو ایک بار اردو کانفرس میں شرکت کی دعوت دی گئی تو حضرت نے جواب تحریر فرمایا: "اس خط کو پڑھ کر قلب میں ایک حرکت پیدا ہوئی کہ اس خدمت میں حصہ لیا جائے۔ اس خاص خدمت کی طرف کسی نے توجہ بھی نہیں کی اور وہ یہ ہے کہ اس تحریک کا شرعی درجہ کیا ہے؟ اس کی ضرورت بھی اس لیے محسوس ہوئی کہ اس وقت اس مسئلے نے

تمدن و قومیت سے بڑھ کر مذہبیت کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اس لیے خیال ہوا کہ اس کے متعلق ایک مختصر تحریر منضبط کر کے بھیج دی جائے۔" اس تحریر میں پہلے چند آیات اور حدیث و فقہ کی روایات اور احکام نقل کیے گئے ہیں اور پھر ان سے اردو کی دینی و شرعی حیثیت و درجہ کے متعلق نتائج اخذ فرما کر آگے رقم فرماتے ہیں:

معلوم ہوگیا کہ اس وقت اردو زبان کی حفاظت دین کی حفاظت ہے۔ اس بنا پر یہ...."

حفاظت حسب استطاعت، اطاعت اور واجب ہوگی اور باوجود قدرت کے اس سے غفلت اور سستی کرنا معصیت اور موجب مواخذہ آخرت ہوگا۔" اسی طرح برصغیر کے عظیم محدث علامہ انور شاہ کشمیری نے ایک بار اپنے شاگردوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: "اگرچہ میں نے عربی ذوق کے دفاع کے لیے ہمیشہ اردو زبان سے احتراز کیا، لیکن اب مجھے اس پر بھی افسوس ہے، برصغیر میں دین کی خدمت کے لیے اردو کو ذریعہ بنایا جائے، میں اس بارے میں آپ صاحبان کو خاص وصیت کرتا ہوں۔" اب اگرچہ اردو کو کے نفاذ کا حکم صادر کیا جاچکا ہے، لیکن معیار کے ساتھ اس کو فروغ دینے کے لیے بھی کوئی فارمولا وضع کیا جانا چاہیے۔

ایلان کی موت کے بعد بھی ظلم نہیں رکے گا!

تین سالہ ایلان کی دل دہلا دینے والی موت نے ہر دل کو دکھی اور ہر آنکھ کو اشکبار کر دیا ہے۔ ترکی کے ساحلی علاقے پر پڑے بے جان بچے نے محفوظ زندگی کی تلاش میں سرگرداں بے بس مہاجروں کو درپیش مصائب کی تلخ حقیقت کو ساری دنیا پر عیاں کر دیا اور کروڑوں انسانوں کے جذبات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ یہ ایک تصویر نہیں، بلکہ انسانی المیے کا ایک ننھا شکار تھا، جو مسلم ممالک کو بدامنی کی جہنم بنانے والے ممالک کی پشتی بان عالمی برادری کی ہٹ دھرمی، انا پرستی اور انسان دشمنی کا منہ بولتا ثبوت اور اس کے بھیانک چہرے پر ایک زور دار طمانچہ ہے۔ ایلان کی دل سوز موت کے بعد عالمی حکمران بھی اظہار افسوس کر رہے ہیں اور یورپین ممالک میں شامی مہاجرین کے لیے بے تحاشہ عطیات جمع کیے جا رہے ہیں، ان کے تمام وقتی جذبات قابل قدر ہیں، لیکن اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ ایلان کی موت کی ذمے دار عالمی برادری ہے۔

معصوم ایلان کی موت اسی خانہ جنگی کا نتیجہ ہے، جو عالمی برادری کے مفادات کی وجہ سے چھڑی ہوئی ہے۔ امریکا و دیگر عالمی طاقتوں نے "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے پہلے شام میں بغاوت کو ابھارا اور پھر

غارت گری کرتے فریقین کو ہر طرح کا تعاون فراہم کیا، جس سے شام کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور موت زندگی سے ارزاں اور بدامنی، امن پر غالب ہو گئی۔ ان حالات میں ایلان کو اپنے والدین کے ساتھ زندگی کی تلاش میں اپنا ملک چھوڑنا پڑا اور سمندر کے ساحل پر موت کی آغوش میں پناہ لے لی اور ساحل سمندر پر پڑی ایلان کی لاش چیخ چیخ کر عالمی برادری کو اپنی موت کا ذمے دار قرار دیتی رہی ہے۔ آج عالمی برادری ایلان کی موت پر اظہار افسوس اور شامی مہاجروں کے لیے امداد کا اعلان کر رہی ہے، لیکن اس اظہار افسوس کو مگرمچھ کے آنسو کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اگر معاملہ صرف ایک ایلان کا ہوتا تو شاید ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیا جاتا، لیکن معاملہ مسلم ممالک کے بہت سے "ایلان" کا ہے۔ یہاں تو مذہب اسلام کے باسیوں کا ہر دوسرا ملک عالمی برادری کی سفاکیت کی ایک طویل داستان سنا رہا ہے، جہاں روز کئی ایلان عالمی برادری کی شہہ پانے والے عالمی دہشتگردوں کی درندگی کی بھینٹ چڑھتے ہیں۔ عالمی برادری نے ہمیشہ اپنے مفاد کی خاطر مسلم ممالک کو آگ کی بھٹی میں جھونکے رکھا ہے۔

اس کی بے جا مداخلت اور اپنی پسند کے حکمرانوں کو مسند اقتدار پر فائز کرنے کی تگ ودو کے باعث تمام مسلم ممالک میں قتل و قتال کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا ہے، جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ صرف شام ہی نہیں، بلکہ مسلم ممالک میں روزانہ سیکڑوں معصوم بچے انتشار، بدامنی، دہشت گردی، جنگوں اور عالمی

برادری کی سفاکیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ شام، عراق، افغانستان، فلسطین، کشمیر، وزیرستان اور دیگر کتنی جگہوں پر امریکا سمیت عالمی برادری کی وحشت کا راج ہے۔ جس مسلم ملک کی طرف بھی نگاہ اٹھا کر دیکھا جائے تو ایلان کا لاشہ دکھائی دیتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مرنے والے کا ملک بدل جاتا ہے، جب کہ مذہب وہی اسلام ہی ہوتا ہے۔ افغانستان میں کتنے ہی "ایلان" امریکی درندگی کا نشانہ بن گئے ہیں۔ وزیرستان میں امریکی ڈرونز نے کتنے "ایلان" مارے دیے۔ فلسطین میں ظالم صیہونیوں نے کتنے ایلان" کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ کشمیر میں بھارتی درندوں نے کتنے "ایلان"" سے زندگی چھین لی ہے، برما میں کتنے ہی "ایلان" سفاک بودھوں کی سفاکیت کا نشانہ بنے، لیکن عالمی برادری گنگ۔ بلکہ خود ظالموں کی پشتی بان بن کر ظلم میں برابر کی شریک رہی۔

آج ایلان کی موت پر عالمی برادری منافقت کے چند آنسو بہا کر خود کو بے قصور ثابت کرنا چاہتی ہے۔ نہیں نہیں، عالمی برادری بے قصور نہیں ہے۔ امریکا اور دیگر ممالک کسی بھی مسلم ملک میں جب اور جہاں چاہیں حملہ کرنے کو اپنا حق تصور کرتے ہیں۔ کہیں دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر ڈرونز کے ذریعے حملے کیے جاتے ہیں۔ کہیں طیاروں سے بمباری کرکے اسکولوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے اور سیکڑوں بچوں کو بموں کے بارود میں جلا کر بھسم کردیا جاتا ہے۔ کہیں عالمی قوتوں کے پیدا کردہ دہشت گرد خود کش حملوں سے بچوں کی لاشوں کے چیتھڑے اڑا

دیتے ہیں اور کہیں اسکولوں میں گھس کر بچوں کو گولیوں سے بھون دیتے ہیں۔ متعدد مغربی ممالک کی سامراجی پالیسیوں کی وجہ سے مسلم ممالک جہنم بنے ہوئے ہیں۔ عالمی برادری نے ہی دہشت گردی کو پروان چڑھا کر مسلم ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجائی ہے۔ امریکا اور اس کے حواری مغربی ممالک دنیا بھر میں دہشت گردوں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ نسلی، مذہبی اور فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا دے کر اپنے مقاصد حاصل کرتے ہیں۔ ان ممالک نے اپنے ملکوں کو جنت بنا رکھا ہے، جب کہ مسلم ممالک کو جہنم بنا دیا ہے اور آج ان ممالک کی وجہ سے عالم اسلام مشکلات سے دوچار ہے۔ امت مسلمہ کے افراد کی جان ساحل پر پڑے ریت کے ذروں سے بھی ارزاں معلوم ہوتی ہے۔ کہیں منظم سازش کے ذریعے فرقوں کے نام پر مسلمانوں کو آپس میں لڑوایا جاتا ہے اور کہیں براہ راست مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں۔ ہر طرح سے مسلم ممالک کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔

آج ایلان کی موت پر مگرمچھ کے آنسو بہانے والی عالمی برادری کی ہی پالیسیوں کی بدولت پاکستان میں ایک طویل عرصے سے خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے، اس خونی کھیل میں خودکش حملوں، بم دھماکوں، ٹارگٹ کلنگ اور ڈرون حملوں سے اب تک پچاس ہزار سے زاید پاکستانی جان کی بازی ہار چکے ہیں۔ افغانستان

میں بدامنی بھی انھیں کی پالیسیوں کی دین ہے۔ شاید ہی اس ملک کا کوئی گھر ایسا ہو جس سے خانہ جنگی نے جانیں نہ لی ہوں۔ برطانیہ، روس اور امریکا کی جارحیت میں لاکھوں افغانوں کو اپنی جانوں کے نذرانے دینا پڑے۔ خانہ جنگی کی دہکتی بھٹی میں جلتا مسلم ملک عراق بھی امریکا کے تاریخی ظلم اور اس کی سازشوں کی بدولت خونریزی کی دلدل میں بری طرح سے دھنسا ہوا ہے۔ امریکا نے یہاں خونریزی کی آگ جلائی اور اب قتل و قتال تازہ انگڑائی لے کر ایک بار پھر پورے ملک کو بدامنی کی چادر میں لپیٹ رہا ہے۔ امریکا کی پیدا کردہ "آئی ایس آئی ایس" کے کارکنان مار کاٹ کرتے ہوئے عراق میں ظلم کے تمام ریکارڈ توڑ رہے ہیں۔

شام میں بھی انھیں کی پالیسیوں کی وجہ سے خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے اور آج شام تباہ و برباد ہو چکا ہے اور دیگر کئی مسلم ممالک امریکا اور اس کے حواریوں کی سازشوں اور عسکری ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ اس وقت دنیا میں موجود اسلامی ممالک کو اپنی انگلی کے پوروں پر ایک ایک کرکے گنتے جایئے اور دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک نظر دوڑایئے، شاید ہی کوئی ایسا اسلامی ملک نظر آئے جو بدامنی و خونریزی سے پاک ہو، یہ سب عالمی برادری کی ظالمانہ پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ صرف ایلان کی موت سے عالمی ضمیر جاگ جائے گا تو وہ انسان غلطی پر ہے۔ عالمی ضمیر مردہ تھا اور مردہ ہی رہے گا، کیونکہ ہزاروں "ایلان" سے زندگی چھیننے والے ممالک

صرف ایک ایلان کی موت سے اپنی پالیسی ہر گز تبدیل نہیں کرنے والے، بلکہ وہ اسی
طرح مسلم ممالک کو بدامنی کی بھٹی میں جھونکتے رہیں گے۔

سانحہ حرم شریف: کرین چھت پھاڑتے ہوئے عازمین پر گری

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ عاقل، بالغ اور صاحب استطاعت مسلمانوں پر زندگی میں ایک مرتبہ حج بیت اللہ فرض ہے۔ حکم خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ہر سال دنیا بھر سے مسلمان جوق در جوق بیت اللہ کا رخ کرتے ہیں۔ پہلے سفر کی سہولیات میسر نہ ہونے کی وجہ سے لوگ اونٹ، گھوڑوں اور پیدل سفر کرکے حج کے لیے آیا کرتے تھے، لیکن اب ہوائی سفر کی وجہ سے حاجیوں کا مکہ تک کا سفر بہت آسان ہو گیا ہے اور پوری دنیا سے لوگ فریضہ حج ادا کرنے آتے ہیں۔ نتیجتاً حاجیوں کی تعداد مسلسل بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ 1950ء سے قبل ہر سال دوران حج ایک لاکھ افراد حج کے لیے آتے تھے، لیکن آج یہ تعداد تیس لاکھ تک پہنچ چکی۔ ماہرین کے مطابق 2030ء تک ہر سال پچاس لاکھ افراد حج کرنے آیا کریں گے۔ اس وقت دنیا بھر میں مسلمانوں کی تعداد سوا دو ارب ہوگی، جبکہ اب ان کی آبادی ایک ارب ساٹھ کروڑ ہے۔ حج دنیا کا سب سے بڑا اجتماع ہے۔ حج سیکورٹی، حفاظت، صحت و علاج، نقل و حمل، رہائش اور کھانے پینے کی چیزوں کی فراہمی کے حوالے سے سعودی حکام کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج بھی ہے۔ ہر سال عازمین حج کی اتنی بڑی تعداد کے لیے خوراک، رہائش، نکاسی آب اور ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے سعودی حکومت کو تیار رہنا پڑتا ہے اور سعودی حکومت عازمین کے لیے غیر

معمولی انتظامات کرتی ہے۔ سعودی حکومت کے متعدد محکمے اور وزارتیں ان انتظامات کو مانیٹر کرتی ہیں، مگر اچانک حادثہ ہوجائے تو عقل انسانی اور اس کے تمام انتظامات پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔ بدقسمتی سے حادثات سے یکسر بچاؤ ممکن نہیں اور حج کے دوران حادثات رونما ہوجاتے ہیں۔ گزشتہ دنوں مکہ مکرمہ میں طوفانی بارشوں کی وجہ سے حرم شریف کی حدود میں کرین گرنے کا سنگین سانحہ پیش آیا، جس میں 107 افراد شہید اور دو سو سے زاید زخمی ہوئے ہیں۔ پاکستانی سفیر کے مطابق ان میں 6 پاکستانی بھی تھے، جبکہ عرب میڈیا کے مطابق مسجد الحرام میں طوفان اور بارش کے دوران تعمیراتی کام میں مصروف کرین گرنے سے 15 پاکستانی شہید ہوئے۔ اطلاعات کے مطابق 52 پاکستانی زخمی بھی ہوئے ہیں۔اس کے علاوہ 23 مصری، 10 بھارتی، 25 ایرانی، 6 ملائشین، 25 بنگلا دیشی ایک الجزائری اور ایک افغانی عازم حج بھی شہدا میں شامل ہیں۔

میڈیا کے مطابق حادثہ کے وقت موسم بہت خراب تھا اور ہوا کی رفتار 83 کلومیٹر فی گھنٹہ تھی، جس کی وجہ سے درخت اور کھمبے اکھڑ گئے، آسمانی بجلی گری اور توسیعی کام میں زیر استعمال مشرق وسطی میں استعمال ہونے والی سب سے بڑی کرین عدم توازن کے باعث مسجد کی چھت پھاڑتے ہوئے نیچے جا گری، جس کی وجہ سے بھاری نقصان ہوا۔ جس وقت حادثہ رونما ہوا اس وقت نماز جمعہ کے باعث مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ حرم شریف میں پیش آنے والے سانحے پر افسوس اور

رنج و غم کا جتنا بھی اظہار کیا جائے کم ہے، جو اہل ایمان سانحہ میں شہید ہوئے ان کی ارواح پاک کو جنت کے باغوں میں جگہ ملے گی، انشا اللہ۔ یہ وہ عازمین حج تھے جو سنت ابراہیمی کی ادائیگی کے لیے دنیا بھر کے مختلف ملکوں سے عازم سفر ہوئے، اپنے بے پایاں مذہبی جذبات، تزکیہ نفس، روضہ رسول کی زیارت، مقامات مقدسہ کے دیدار سے حاصل ہونے والی روحانی مسرت، حج کے عظیم الشان ارکان کی تکمیل اور تاریخ انسانی کے منفرد و لازوال اجتماع اسلامی سے وابستگی کے لیے حرم شریف میں موجود تھے۔ واضح رہے کہ گزشتہ چند دہائیوں میں سعودی حکومت کی طرف سے خانہ کعبہ کے توسیعی منصوبوں کے نتیجہ میں حجاج کرام کو جو سہولتیں مہیا کی گئیں، ان کو عالم اسلام میں سراہا گیا اور ماضی میں ہونے والے مختلف النوع حادثات کی شرح بھی کم ہوئی، اس وقت 22 لاکھ حجاج کی گنجائش پیدا کرنے کے لیے 4 لاکھ مربع میٹر توسیعی منصوبہ پر کام جاری تھا۔ توسیع کے کام کی وجہ سے سعودی عرب نے عازمین حج کی تعداد بھی محدود کی ہے۔ 2011ء میں تیس لاکھ افراد نے سنت ابراہیمی ادا کی تھی، جبکہ اس کے بعد بیرونی حجاج کی 20 فیصد اور مقامی حجاج کی تعداد میں 50 فیصد کمی کی گئی تھی، جس کا مقصد توسیعی منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا۔ تعمیراتی کام مکمل ہونے کے بعد مسجد کے علاقے میں چار لاکھ مربعہ میٹر اضافہ ہوجائے گا۔ 2011ء سے مسجد الحرام کا توسیعی منصوبہ شروع ہوا۔ اس کے ذریعے مطاف (خانہ کعبہ کے صحن) کا رقبہ ساڑھے تین لاکھ سے بڑھ کر ساڑھے سات لاکھ مربع میٹر

ہو جائے گا۔ پورا منصوبہ 2020 ئمیں ختم ہو گا۔ دراصل دنیا بھر سے مسلمان چند گھنٹے قیام کرنے کی خاطر مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ نہیں آتے، وہ کئی دن بلکہ ہفتوں قیام کرتے ہیں۔ چناں چہ انہیں رہائش، غذا، صفائی اور ٹرانسپورٹ کی سہولیات درکار ہوتی ہیں۔ انہیں یہ سہولیات مہیا کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ اور مدینہ میں ہوٹلوں، مہمان خانوں اور ریستورانوں کا جال بچھ چکا ہے۔ 12 جنوری 2006ء کو جب رمی جمار میں بھگدڑ مچنے سے "346" مسلمان شہید ہوئے تو سعودی فرماں روا شاہ عبداللہ نے اپنے مشیروں کو طلب کیا۔ اس اجلاس میں ہی مسجد الحرام کی توسیع کا فیصلہ ہوا اور یہ بھی کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ میں بس و ریل سے آمدورفت کا نیا نظام ڈیزائن کیا جائے۔ اب سعودی حکومت ایسی ممتاز کمپنیوں کو تلاش کرنے لگی جو نئے منصوبے پر عملدرآمد کر سکیں۔ اس منصوبے پر اندازاً "230" ارب ڈالر" (دو سو تیس کھرب روپے) خرچ ہونے ہیں۔

واضح رہے کہ گزشتہ دنوں مکہ مکرمہ میں رونما ہونے والا حادثہ پہلا حادثہ نہیں، بلکہ ماضی میں بھی کئی ہولناک حادثات رونما ہوتے رہے ہیں۔ دسمبر 1975ء میں گیس کا سلنڈر پھٹنے سے خیمہ بستی میں آگ لگ گئی تھی اور 200 حاجی شہید ہوئے۔ 31 جولائی 1987ء میں ایرانی مظاہرین اور سعودی فوج کے مابین ہونے والی جھڑپ سے سے زیادہ حجاج جاں بحق، جبکہ کئی ہزار زخمی ہوئے۔ 9 جولائی 1989 کو دو بم 400 پھٹے جن سے ایک حاجی جاں بحق اور 16 زخمی ہوئے۔ 2

جولائی 1990 کو مکہ سے منیٰ اور میدانِ عرفات کی طرف جانے والی ایک سرنگ میں بھگدڑ مچی اور 1426 افراد جاں بحق ہوئے، زیادہ تر کا تعلق ملائیشیا، انڈونیشیا اور پاکستان سے تھا۔ 23 مئی 1994 کو رمی کے دوران مچنے والی بھگدڑ سے کم از کم حاجی جاں بحق ہوئے۔ 5 اپریل 1997 کو منیٰ میں 8 ذوالحجہ کو لگنے والی آگ 270 سے 343 حجاج شہید اور 1500 زخمی ہوئے۔ یہ آگ صبح دس سے رات بارہ بجے تک لگی رہی۔ تب سے خیمے آگ سے محفوظ بنائے جاتے ہیں۔ 9 اپریل 1998 کو جمرات کے پل پر ہونے والے ایک حادثے میں 118 افراد شہید اور 180 زخمی ہوئے۔ 5 مارچ 2001 کو رمی کے دوران 35 حاجی کچلے جانے سے جاں بحق ہوئے۔ فروری 2003 کو رمی کے دوران 14 افراد جاں بحق ہوئے۔ یکم فروری 2004 11 کو منیٰ میں رمی کے دوران بھگدڑ سے 251 جاں بحق اور 244 زخمی ہوئے۔ 5 جنوری 2006 کو مسجد الحرام کے پاس ایک کثیر منزلہ ہوٹل کی پختہ عمارت گر گئی۔ ہوٹل میں حجاج کو ٹھہرایا جاتا تھا۔ اس حادثے میں کل 76 افراد جاں بحق اور 64 زخمی ہوئے۔ 12 جنوری 2006 کو حج کے آخری دن رمی الجمرات کے دوران کم از کم افراد کچل کر شہید اور 289 زخمی ہوئے۔ یہ حادثہ دن کے 1 بجے کے بعد پیش 346 آیا، جب عازمین حج سے بھری ایک بس کے عازمینِ حج پل جمرات کے مشرقی راستے پر پہنچے تو کچھ افراد گر گئے اور یہ حادثہ شدت اختیار کر گیا۔ اس وقت لگ بھگ 20 لاکھ افراد مناسک حج ادا کر رہے تھے۔ اس حادثے کے بعد جمرات کا پل اور شیطان والے ستون ہٹا کر دوبارہ بنائے گئے ہیں۔ ایک زیادہ وسیع

اور کئی منزلہ پل بنایا گیا ہے اور شیطان کے ستون بھی نئے اور بڑے بنائے گئے ہیں۔
اب ہر منزل پر آنے اور جانے کے راستے محفوظ تر ہیں۔

بد عنوانی ملک کی ترقی میں بڑی رکاوٹ ہے

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ بد عنوانی کسی بھی ملک کی ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ یہ ایک ایسا مرض ہے جو معاشرے کو کھا جاتا ہے۔ کرپشن وبدعنوانی آکاس بیل کی طرح درختوں کو جکڑ کر ان کی زندگی چوس لیتی ہے، حتیٰ کہ زرد ویرانی کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ بدعنوانی کی وجہ سے ہی ملک کے منصوبے جہاں بعض اوقات بروقت پایہ تکمیل تک پہنچنے کی بجائے تاخیر کا باعث بنتے ہیں، وہاں ملک کو مالی نقصان بھی پہنچتا ہے، جس کا بوجھ پاکستان کے عام شہری پر پڑتا ہے اور یوں مہنگائی میں بتدریج اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ پاکستانی قوم دنیا کی بہترین قوم ہے جس کو اس بات کا قوی ادراک ہے کہ بدعنوانی نہ صرف معاشی ترقی و سماجی بہبود کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے، بلکہ اس کی وجہ سے ملک کی ترقی کا سفر بھی متاثر ہوتا ہے، اس کے باوجود ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں روزانہ 7 ارب روپے کی کرپشن ہوتی ہے۔ اس طرح اگر ملک میں ہونے والی کرپشن کا حساب لگایا جائے تو ہمارے ہاں سرکاری ادارے اور حکمران سالانہ 25 کھرب 55 ارب کی کرپشن کر رہے ہیں۔ پاکستان میں کرپشن کی روک تھام کے لیے ایک آئینی ادارہ بنایا گیا ہے، جسے قومی احتساب بیورو کہا جاتا ہے۔ یہ ادارہ ملک سے کرپشن، مالیاتی جرائم کے خاتمے اور اقتصادی دہشت گردی کو روکنے کا سب سے بڑا اور

بااختیار ادارہ ہے۔ قومی احتساب بیورو جسے زبان عام میں نیب کہا جاتا ہے، آئینی اعتبار سے ایک خود مختار ادارہ ہے۔ اس ادارے کی بنیادی ذمہ داری ملک کے سرکاری اور نجی اداروں میں انفرادی یا اجتماعی طور پر ہونے والی بد عنوانیوں، کرپشن اور مالیاتی جرائم پر نظر رکھنا ہے، اس میں ملوث افراد کے خلاف تحقیق و تفتیش کرنا اور نامزد افراد کو گرفتار کرکے انہیں سزائیں دلوانا شامل ہے۔ اس حوالے سے نیب کو وزیر اعظم، کابینہ کے ارکان، ممبران پارلیمنٹ، سیاستدان، بیوروکریٹ، تاجر، سرمایہ دار، بینکار، دفاعی اور کارپوریٹ اداروں سے منسلک تمام افراد کے خلاف کارروائی کا حق ہے۔

نیب اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے ملک سے کرپشن کی بیخ کنی میں مشغول ہے۔ کچھ عرصے سے ملک میں کرپشن کے خلاف منظم آپریشن جاری ہے۔ اب تک بہت سے کیسز میں ملوث افراد کے خلاف کارروائی کی جاچکی ہے، جبکہ مزید کے خلاف کارروائی کا سلسلہ جاری ہے۔ ان دنوں نندی پور پاور پراجیکٹ منصوبے میں مبینہ کرپشن کا معاملہ میڈیا کی زینت بنا ہوا ہے۔ ذرائع کے مطابق نندی پور پاور پلانٹ میں اربوں روپے کی کرپشن ثابت ہو چکی ہے۔ اس منصوبے کو موجودہ حکومت کے ایک میگا اسکینڈل کا نام دیتے ہوئے بعض اپوزیشن لیڈر شریف برادران سے استعفے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ وزیر اعظم نواز شریف اس منصوبے میں بدعنوانیوں کے مرتکب افراد کا پتہ چلانے کے لیے تحقیقات کرانے کا اعلان کر

چکے ہیں اور وفاقی وزیر برائے پانی و بجلی خواجہ آصف نے اعتراف کیا ہے کہ نندی پور پراجیکٹ میں تاخیر ہوئی ہے اور اس کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ کسی بھی فرم سے ریمنٹل پاور اور نندی پور پراجیکٹ کا آڈٹ کرانے کے لیے تیار ہیں، جبکہ قائمہ کمیٹی سینیٹ کا نندی پور پراجیکٹ کے آڈٹ کا فیصلہ کر لیا ہے۔ نندی پور پراجیکٹ کا 31 دسمبر تک 45 ارب روپے کا آڈٹ کرایا تھا۔ نندی پور منصوبہ دسمبر 2007 میں 2014 منظور ہوا اور اپریل 2011 میں مکمل ہونا تھا۔ اڑھائی سال میں منصوبہ مکمل ہو جاتا تو میگا واٹ بجلی سسٹم میں شامل ہوتی، تاہم تاخیر سے لوڈشیڈنگ کی مد میں 425 معیشت کو 298 ارب روپے کا نقصان ہوا۔ اس منصوبے کی کل لاگت 23 ارب روپے تھی، جو کہ اب ابتدائی لاگت کے تین گنا سے بھی زیادہ ہو کر تقریبا 83 ارب روپے تک پہنچ چکی ہے۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ شہباز شریف اس منصوبے کی لاگت 58 ارب روپے بتا رہے ہیں۔ اس منصوبے کے ذریعے 425 میگا واٹ بجلی حاصل ہونا تھی۔ وزیر اعظم نے مئی 2014ء میں پلانٹ (صرف ایک ٹربائن) کا ڈیزل افتتاح اس پلانٹ بھی مکمل نہیں تھا اور یہ (HSFO) حال میں کیا تھا کہ اس کا ہائی سلفر فیول آئل پلانٹ صرف 3 روز بعد بند ہوگیا تھا، پھر یہ پلانٹ ایچ ایس ایف او پر سمپل سائیکل کی بنیاد پر چلایا گیا، جو گیس ٹربائنوں اور فیول ٹریٹمنٹ پلانٹ میں تکنیکی خرابیوں کی وجہ سے بند ہو گیا۔ نیب نے نندی پور پاور پلانٹ میں ہونے والی کرپشن کی تحقیقات مکمل کر لی ہے۔ اس حوالے سے کرپشن میں ملوث سابق وزرا سمیت 5 اہم شخصیات کو گرفتار

کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ سینیٹر ڈاکٹر بابر اعوان اور اس وقت کے وزرات پانی و بجلی اور وزارت قانون و انصاف کے سینئر حکام اور بیورو کریٹس سمیت 30 سے زاید افراد سے تفتیش کی گئی ہے۔ ان تحقیقات میں سینیٹر ڈاکٹر بابر اعوان سمیت 30 سے زاید افراد سے تفتیش کی گئی ہے۔ ذمہ داروں کو گرفتار کرنے کا بھی فیصلہ ہو چکا ہے۔

مبصرین کے مطابق کرپشن کا کینسر ملک کے ہر شعبے میں موجود ہے، جب تک اس کا سختی سے علاج نہیں ہوتا، اس وقت تک اقتصادی اور معاشی شعبے میں ترقی اور عام لوگوں کے حالات میں بہتری ناممکن ہے۔ اس وقت ملک میں بدعنوانی و کرپشن کی ماضی و حال میں بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ گزشتہ روز کی رپورٹ کے مطابق قومی اسمبلی کی پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کی ذیلی کمیٹی کے اجلاس میں وزارت خارجہ میں کروڑوں روپے کی مالی بے ضابطگیوں کا انکشاف کیا گیا ہے۔ وزارت کے کئی لوگ کرپشن کرکے بیرون ملک پناہ لے چکے ہیں، جس سے ملک کی بدنامی ہو رہی ہے۔ آڈٹ حکام کے مطابق وزارت میں مالی سال 1998-99 کی آڈٹ رپورٹ وزارت سے منسلک کئی افسروں نے بے قاعدگی کی اور 17 سال گزرنے کے باوجود اس پر کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ ذمہ داروں کا تعین کرنے کے بعد بھی ان کے خلاف کارروائی نہ ہونا افسوس ناک ہے۔ اسی طرح ذرایع نے انکشاف کیا ہے کہ میاں نواز شریف کے دوسرے دور حکومت میں او آئی سی کانفرنس کے اجلاس کے دوران قومی

خزانے کو بے دریغ لوٹایا گیا ہے۔ جبکہ گزشتہ روز کی ہی رپورٹ کے مطابق صدر مملکت نے اپنے بیرون ملک دوروں پر 61 لاکھ روپے ٹپ میں اڑادیے ہیں۔ اسی طرح گزشتہ روز کی خبر میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان پوسٹ میں 5 سال کے دوران 55 کروڑ لاکھ کی کرپشن اور بے ضابطگیوں کے 538 کیس سامنے آئے، جن کے خلاف ملک 90 بھر میں 212 کیس رجسٹرڈ ہوئے، جس میں سے 83 پولیس، 29 نیب اور 99 ایف آئی اے کے پاس ہیں۔ یہ تو صرف گزشتہ روز بدعنوانی کے حوالے سے میڈیا پر آنے والی رپورٹس ہیں، جبکہ ملک میں جس بڑے پیمانے پر کرپشن و بدعنوانی ہو رہی ہے، وہ ملک کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ دو ماہ قبل پاکستان کی عدالت عظمیٰ میں "قومی احتساب بیورو" کی طرف سے ملک میں بدعنوانی کے 150 بڑے مقدمات کی ایک ترمیم شدہ فہرست پیر کو سپریم کورٹ میں جمع کروائی گئی تھی۔ اس فہرست میں ملک کے موجودہ وزیراعظم اور سابق صدر سمیت کئی موجودہ اور سابق اہلکاروں کے نام بھی شامل ہیں۔ کرپشن کے 150 بڑے کیسوں میں سے 54 کرپشن اسکینڈلز کی تحقیقات کا آغاز رواں سال کیا گیا۔ جبکہ ابھی مزید کے خلاف کارروائی کا سلسلہ جاری ہے اور روز کرپشن و بدعنوانی کے نئے کیسز سامنے آرہے ہیں۔

عوامی حلقوں کے لیے یہ امر انتہائی حیران کن ہے کہ ملک میں کرپشن میگا اسکینڈلز میں ملک کی اہم اور اعلیٰ شخصیات ملوث ہیں۔ کرپشن کی دیمک ملکی سلامتی کے شجر کو اندر ہی اندر سے چاٹ کر کھوکھلا کر رہی ہے۔ اسی کرپشن کا

نتیجہ ہے کہ پاکستان کا شمار دنیا کے پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے، حالانکہ پاکستان دنیا کی ساتویں ایٹمی ریاست ہے۔ کرپشن اسی وقت فروغ پاتی ہے، جب اس کے مرتکبین کو اس امر کا یقین ہوتا ہے کہ وہ جب تک اپنے منصب پر فائز ہیں، وہ آئین اور قانون سے بالا ہیں، مقدس بچھڑے ہیں اور انہیں کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ درجنوں قومی اداروں میں مجموعی طور پر کھربوں کی کرپشن کی داستانیں میڈیا کی زینت بنتی رہی ہیں، چونکہ ان قومی اداروں کے سربراہ ایلیٹ سے تعلق رکھتے تھے یا ایلیٹ کے لائے ہوئے تھے، لہٰذا ان کے خلاف بھی کارروائیاں سرد خانوں کی نذر ہو گئیں۔ ملک کے نامور سیاستدانوں کے خلاف اربوں کی کرپشن کے الزامات کے کیسز بھی ہماری اعلیٰ عدلیہ کی میزوں تک پہنچے، لیکن بوجوہ یہ کیسز بھی عشروں کا عرصہ گزرنے کے باوجود زیر التوا ہی رہے۔ غیر ملکوں میں اربوں کی جائیدادوں کے اسکینڈلز بھی میڈیا میں ہنگامہ بنے رہے، لیکن نتیجہ ٹائیں ٹائیں فش کے علاوہ کچھ نہ نکلا۔ اربوں کی کرپشن کے ریفرنسوں پر عشروں تک شنوائی ہوتی رہی، آخر میں اخباروں کے کونوں میں تین چار سطری خبریں لگیں کہ ان کیسوں کے ملزمان بے گناہ ثابت ہو گئے۔ یہ ایسی داستانیں ہیں جو ملک بھر میں بکھری ہوئی ہیں، یہ اس لیے کہ اشرافیہ بے حد طاقتور ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جانا چاہیے کہ جب ملک کے مقتدر ترین سیاسی اور سول و ملٹری بیوروکریسی کے ، اعلیٰ ترین افسران کرپشن کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں تو نچلی سطح پر عام سیاسی کارکن

شہری اور ماتحت سرکاری عملہ کرپشن کی گنگا میں ہاتھ دھوتے ہوئے کسی قسم کی جھجک
محسوس نہیں کرتا۔

دنیا کا ہر تیسرا فرد غذائی کمی کا شکار ہے

اس حقیقت سے شاید کوئی بھی انکار نہ کرسکے کہ دنیا میں بسنے والے ہر انسان کی سب سے بڑی ضرورت پیٹ بھر کر خوراک کا میسر آنا ہے۔ انسان کی تمام تگ و دو اور جدوجہد کا محور و مرکز اپنی اسی ضرورت کو پورا کرنا ہے، جس کے لیے انسان مشکل ترین اور جان لیوا کام کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اس کے باوجود دنیا میں ہر انسان کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا، بلکہ دنیا میں مجموعی طور پر تقریباً ایک ارب افراد اپنی بھوک مٹانے کے لیے کھانا حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور دو ارب انسانوں کو کم خوراکی کا سامنا ہے۔ اس کے ساتھ دنیا بھر میں لاکھوں افراد بھوک کی وجہ سے زندگی کی بازی بھی ہار جاتے ہیں اور دنیا میں مختلف ممالک میں قحط سے ہلاک ہونے والے افراد کی تعداد بھی لاکھوں میں ہے۔

دوسری سالانہ گلوبل نیوٹریشن رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دنیا کا ہر تیسرا فرد غذائی کمی کا شکار ہے اور یہ مسئلہ کسی ایک ملک کا نہیں، بلکہ ہر ملک اس کا سامنا کر رہا ہے۔ اگر ہر تین میں سے ایک فرد کمزور ہوگا، تو خاندانوں، آبادیوں اور معاشروں کے طور پر ترقی نہیں کی جاسکتی۔ اس سے نہ صرف غذائی کمی کے شکار افراد کی زندگی خطرے میں پڑتی ہے، بلکہ وسیع تر دیرپا معاشی

ترقی پر بھی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ غذائی کمی کو پورا کیے بغیر افراد اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال نہیں کر سکتے۔ پاکستان میں تین کروڑ سے زاید افراد کو خوراک کی کمی کا شکار بتایا جاتا ہے، لیکن خوراک کی کمی صرف غریب اور ترقی پذیر ممالک کا ہی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی کروڑوں لوگ خوراک کی کمی کا شکار ہیں۔ برطانیہ میں تقریباً 40 لاکھ افراد آج بھی مناسب خوراک تک رسائی نہیں رکھتے۔ امریکا میں 3 کروڑ پچاس لاکھ افراد ایسے خاندانوں سے منسلک ہیں جن کی خوراک ناکافی ہے۔ یورپ میں 4 کروڑ 30 لاکھ افراد مناسب خوراک سے محروم ہیں، لیکن افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ ایک طرف ایک ارب لوگوں کو اپنی بھوک مٹانے کے لیے کھانا میسر نہیں ہوتا، بھوک کی وجہ سے لاکھوں لوگ موت کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں، جب کہ دوسری جانب اقوام متحدہ کے ادارہ برائے "خوراک و زراعت" کے مطابق سالانہ ایک ارب 30 کروڑ ٹن خوراک بڑی بے باکی کے ساتھ ضایع کردی جاتی ہے، جو پوری دنیا میں جمع ہونے والی خوراک کا 30 فیصد ہے، جب کہ پھلوں اور فصلات کا 40 فیصد، سبزیوں کا فیصد اور خوردنی تیل اور مچھلی وغیرہ کا 35 فیصد ذخیرہ خوراک ضایع ہوجاتا ہے۔ 20 اگر ضایع ہونے والی اس خوراک کو مستحق لوگوں تک پہنچایا جائے تو اس سے سالانہ دو سے تین ارب بھوکے انسانوں کا پیٹ بھرا جاسکتا ہے۔

یہ حقیقت سامنے رہنی چاہیے کہ خوراک ضایع کرنے والے ممالک میں ترقی یافتہ

ممالک پیش پیش ہیں۔ صرف امریکا میں 50 فی صد خوراک کوڑے کی زینت بنتی ہے۔ برطانیہ میں 20 ملین ٹن خوراک ضایع کردی جاتی ہے۔ جاپان بھی اس دوڑ میں پیچھے نہیں رہا۔ وہاں 101.6 ارب ڈالر مالیت کی خوراک تلف ہوجاتی ہے۔ جب کہ یورپ میں لوگ 100 ملین ٹن کھانا ہر سال پھینک دیتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں تو لوگ کھانا پھینکنے کی گنجائش رکھتے ہیں، مگر ترقی پذیر ممالک میں یہ مسئلہ دولت کے بجائے وسائل کی کمی کے باعث پیدا ہو رہا ہے۔ پاکستان اور بھارت جیسے ممالک میں پھل اور سبزیاں زیادہ عرصے تک تازہ نہیں رہ پاتیں، جب کہ ان ممالک کی بیشتر منڈیوں میں سرد خانوں کی سہولت بھی موجود نہیں، جس کا نتیجہ بڑی مقدار میں سبزیاں اور پھل کے ضیاع کی صورت میں نکلتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں اتنی خوراک پیدا ہوتی ہے، جو ہر ایک کے لیے کافی ہوتی ہے، مگر اس کی فراہمی یا دیگر مسائل اس کے ضیاع کا سبب بن جاتے ہیں۔

خوراک کے ضیاع کی روک تھام کے لیے اقوام متحدہ سمیت کئی عالمی ادارے سرگرم عمل ہیں، مگر ان اداروں کی جانب سے کی جانے والی مساعی بھی اس غیر ذمے دارانہ طرز عمل کی روک تھام میں بری طرح ناکام رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں خوراک بچانے کے لیے شعور اور آگہی میں کمی ہے۔ لوگوں کو اندازہ ہی نہیں ہو پاتا کہ وہ کتنی خوراک ضایع کر رہے ہوتے ہیں اور اس ضایع ہونے والی خوراک سے کتنے بھوکوں کا پیٹ بھرا جاسکتا ہے۔ شعور اور آگاہی وہ پہلا

قدم ہے، جہاں سے خوراک کو بچانے کا عمل شروع ہو سکتا ہے۔ شعور اور آگاہی کے ذریعے ضایع ہونے والے کھانے کو بچا کر نہ صرف بھوکے افراد کا پیٹ بھرا جاسکتا ہے، بلکہ اپنے ماحول کو بھی کئی مضر اثرات سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ ضایع شدہ خوراک زہریلی گرین ہاؤس گیسوں کی شکل میں ڈھل کر ماحولیاتی نقصانات میں اضافہ کر دیتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں زاید خوراک کو پھینک دینے والی جنس سمجھا جاتا ہے اور اس ضیاع کے ماحولیاتی اور سماجی اثرات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ بہر حال یہ ایک افسوس ناک صورت حال ہے کہ ایسے ممالک میں بھی جہاں غربت عام ہے، خوراک کا بے دریغ ضیاع معمول بن چکا ہے۔ ہم روز اپنے گھروں کے کچن میں اتنا کھانا ضایع کر دیتے ہیں، جو گلی محلے میں کسی ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ہمارے شادی ہالوں میں روزانہ اس قدر زیادہ کھانا ضایع ہوتا ہے کہ اس بچے ہوئے کھانے سے شاید شہر کے تمام حاجت مندوں کا پیٹ بھرا جاسکے۔ ہمارے ملک کے ہوٹلوں میں ایک وقت میں کئی کئی کلو اور بڑے بڑے ہوٹلوں میں کئی کئی من روٹی اور سالن و دیگر اشیا مثلاً سلاد، دہی اور دیگر بہت سامان ضایع کر دیا جاتا ہے، اگر ضایع ہونے والی اسی خوراک کو پھینکنے کے بجائے غربا میں تقسیم کر دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ بہت سے غریبوں کا پیٹ بھر سکتا ہے، بلکہ دنیا سے بھوک کا مکمل خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔

انتہا پسندی

اس بات میں کوئی دو رائے نہیں کہ اس وقت انتہا پسندی دنیا کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔ دنیا میں ہونے والی بہت سی تباہیوں اور بربادیوں کا سرا اگر ڈھونڈا جائے تو ضرور تانے بانے انتہا پسندی کے ساتھ جا ملتے ہیں۔ دو افراد کے درمیان لڑائی سے لے کر دو ملکوں اور دو خطوں کے مابین خونریز جنگوں میں انتہا پسندی کے عنصر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انتہا پسندی تشدد کی بنیاد بنتی ہے اور تشدد و قتل و قتال کو انسانیت کی تباہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اعتدال کا دامن چھوڑ کر افراط و تفریط کا شکار ہو جانے کو انتہا پسندی کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص راہِ اعتدال سے منحرف ہو جائے تو پھر وہ افراط و تفریط کا شکار ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی شخص نقطہ اعتدال سے جتنا دور ہوتا جاتا ہے، وہ اسی قدر انتہا پسندی کے قریب ہو جاتا ہے۔ انتہا پسندی کی انتہا دہشتگردی اور خونریزی ہے۔ انتہا پسندی عدم برداشت کی کوکھ سے جنم لیتی ہے اور عدم برداشت کا سبب محرومیاں بنتی ہیں۔

انتہا پسندی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی نظریات میں عدم توازن کا نام ہے، جس کا تعلق کسی مذہب، فلسفے یا نقطہ نظر کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ انسانی

رویوں کے ساتھ ہے۔ سیاسی جبر، طبقاتی نظام، جہالت، عقلی رویوں کا فقدان، فرقہ واریت اور مذہب کی غلط تشریح کو انتہا پسندی کی بڑی وجہ سمجھا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں انتہا پسندی کو صرف مذہب کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کہ مذہبی کلچر میں کم علمی کی وجہ سے عدم برداشت اور تنازعات کی جانب جھکاؤ بڑھا ہے۔ مخالف فرقوں کے افراد کے خلاف جارحیت کو اپنانا ایک عام روایت بن چکی ہے۔ ایک مکتبہ فکر کے لوگ دوسرے مکتبہ فکر کے لوگوں کو اپنی مسجد سے بے دخل کر دیتے ہیں۔ عموماً اسلام کی مخصوص تعلیمات کا پرچار کیا جاتا ہے۔ انتہا پسندوں کی جانب سے مذہب کو ایک آلے کے طور پر استعمال کرکے لوگوں کو بھرتی کرنے کا جواز بنایا گیا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کوئی مذہب انتہا پسندی و شدت پسندی کی ترغیب نہیں دیتا۔ مذہب کی معنویت کے بارے میں انتہا پسندی کبھی نہیں ہوتی، بلکہ انتہا پسندی کے بہت سے عوامل ہوتے ہیں۔ جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ سیاسی، اقتصادی، مذہبی، نفسیاتی، تعلیمی اور تخیلاتی عوامل سمیت کئی عوامل انتہا پسندی کی بنیاد بنتے ہیں۔ انتہا پسندی کی ایک وجہ جہل ہے۔ انتہا پسندی ناخواندگی کے اندھیروں میں پھلتی پھولتی ہیں۔ ہمارے ملک میں انتہا پسندی کے فروغ کی بڑی وجہ یہی ہے کہ یہاں تعلیم کی شرح بہت کم ہے اور جو تعلیم دی بھی جا رہی ہے، وہ تعلیم بھی انتہا پسندی کا موجب ہے، کیونکہ ہمارا نظامِ تعلیم نوجوانوں کے بنیادی سماجی رویوں کو صراطِ مستقیم کی ڈگر پر چلانے میں ناکام رہا ہے، جب

کہ مناسب تعلیم و تربیت سے ہی مطلوبہ سماجی تبدیلی لانا اور بہترین شہری تیار کرنا ممکن تھا۔

پاکستان کا نظامِ تعلیم ابھی تک وہ کردار ادا کرنے میں ناکام رہا ہے، جس سے عوام میں قرار واقعی سماجی اور ثقافتی رویے فروغ پا سکیں۔ ہمارے معاشرے میں بنیادی طور پر پرائیویٹ انگلش میڈیم ادارے، پبلک ادارے اور دینی مدارس یہ تین نظام تعلیم رائج ہیں۔ تینوں نظاموں کے لوگوں کے درمیان ایک خلیج حائل ہے، جس میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ ان مختلف نظاموں سے احساس محرومی بڑھتا ہے اور محرومی کا یہ احساس اس وقت اور بھی گہرا ہو جاتا ہے، جب بے روزگاری عام ہو۔ عمومی طور پر بے روزگاری بھی انتہا پسندی کی جانب ایک قدم ہے۔ اگر نوجوانوں کو کھپانے کے لیے کوئی موزوں ڈھانچہ پہلے سے موجود نہ ہو تو اس کے برے نقائص برآمد ہوتے ہیں اور یہی صورتِ حال منفی سرگرمیوں کی جانب رہنمائی کرتی ہے۔ جب بے روزگار نوجوانوں کو اپنا مستقبل تاریک نظر آتا ہے تو وہ آسانی سے انتہا پسندی کا شکار ہو کر شدت پسندوں کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ ناانصافی انتہا پسندی کی سب سے بڑی اور ایک اہم وجہ ہے۔ معاشرتی انصاف کا فقدان سماجی اقدار کو کمزور کرتا ہے۔

رشوت ستانی اور میرٹ کا قتل عام ناانصافی کی مثالیں ہیں، جو انتہا پسندی کو

فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ ان کی وجہ سے افراد مایوسی کے سمندر میں ڈوب جاتے ہیں، جب لوگوں کو اپنے حقوق بھی میرٹ پر نہ ملیں تو پھر لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کسی انتہا پسند گروپ کی وساطت سے اپنی محرومیوں کا ازالہ کریں۔

ہمارے سماجی قدروں کے مختلف درجے ہیں، جو کہ متوازن معاشرے کے ڈھانچے سے مناسبت نہیں رکھتے۔ معاشرے میں وڈیروں، جاگیرداروں اور امرا کے طبقے کو نہایت عزت کے مقام سے دیکھا جاتا ہے۔ بہت سے امیر لوگ اور مراعات یافتہ طبقات غریب لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اس قسم کے رویوں نے نچلے طبقات کے لوگوں کو نفسیاتی مسائل میں جکڑ رکھا ہے۔ نتیجتاً یہ لوگ انتہا پسندوں کے لیے تر نوالہ ثابت ہوتے ہیں، بلکہ خود بہت بڑے انتہا پسند بن کر سامنے آتے ہیں۔ اس طرح یہ کہنا بجا ہے کہ پاکستان میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی کے اسباب میں سیاسی کلچر کے ساتھ اقتصادی ثقافت کا بھی عمل دخل ہے۔ ملک کی اقتصادی اکائیوں میں بٹی ہوئی قوم کو غربا نچلا درمیانی طبقہ، درمیانی طبقہ، بالائی درمیانی طبقہ اور امرا کے مندرجہ ذیل گروپوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ غربا احساس محرومی کا شکار ہیں اور درمیانی طبقے کا شمار بھی محروم لوگوں میں ہوتا ہے۔ آمرا نے کمزور لوگوں کا استحصال کیا ہے، درمیانی اور غریب طبقات جو کہ امرا کے دستِ کرم پر ہوتے ہیں، محرومی سے دوچار ہیں۔ نتیجتاً یہ احساس انھیں بدلہ لینے پر اکساتا ہے۔

اس طرح ہمارا اقتصادی نظام بھی انتہا پسندی کے عوامل کو ابھارتا ہے۔ پاکستان کے سیاسی کلچر میں بھی ایسے عوامل بدرجہ اتم موجود ہیں جو کہ انتہا پسندی کو ہوا دینے کا موجب ہیں، حالانکہ آئینی اور قانونی طور پر تمام شہری مساوی بنیادوں پر سیاسی مواقعے سے فائدہ اٹھانے کے اہل تصور ہوتے ہیں، مگر عملی طور پر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کئی ایسے سماجی طبقات ہیں جو کہ سیاسی حقوق سے محروم ہیں۔ بعض لوگوں اور کچھ خطوں میں یہ احساس محرومی اس قدر بڑھ چکا ہے کہ لوگ اپنے حقوق کے حصول کے لیے طاقت کا استعمال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ذرایع ابلاغ ایسا طاقت ور آلہ ہے جو کسی معاشرے کے سماجی طریقہ واردات میں رنگ بھرتا ہے۔ یہاں سے ایسے نظریات کو فروغ حاصل ہوتا ہے جو کہ ناظرین اور قارئین میں نرم گوشے یا شدت پسندانہ رویوں کو ابھار سکتے ہیں۔ پاکستانی ذرایع ابلاغ نے ایک محرک اور عامل کا کردار ادا کیا ہے جس سے انتہا پسندی کو پھلنے پھولنے میں مدد ملی ہے۔

ہمارا معاشرہ سماجی اقدار میں عجیب و غریب نمونہ پیش کرتا ہے۔ کسی کو مارنا یا قتل کرنا اعلیٰ حوصلگی کا مقام سمجھا جاتا ہے اور ذرایع ابلاغ بھی ایسے واقعات کا خوب چرچا کرتے ہیں جن سے ان عناصر کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ معاشرے سے انتہا پسندی کو جلدی ختم نہیں کیا جا سکتا، لیکن اگر

اعتدال پسند لوگ اپنے تئیں اس کے خاتمے کے لیے کوشش ضرور کر سکتے ہیں، جو جتنا کر سکتا ہے، وہ اپنی ذمے داری ادا کرے تو ضرور معاشرے میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی میں کمی آ سکتی ہے۔

کراچی: ایشیا کی سب سے بڑی مویشی منڈی.... جانور مہنگے، خریدار پریشان

دنیا بھر میں ہر سال عید الاضحیٰ کی آمد سے قبل قربانی کے جانوروں کی خریداری کے لیے مختلف قسم کی چھوٹی بڑی مویشی منڈیاں سجائی جاتی ہیں۔ جہاں قربانی کے لیے خوبصورت جانور فروخت کے لیے لائے جاتے ہیں۔ پاکستان اس اعتبار سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ ایشا کی سب سے بڑی مویشی منڈی لگانے کا اعزاز پاکستان کے حصے میں آیا ہے۔ گزشتہ کئی سالوں سے کراچی کے علاقے سہراب گوٹھ سپر ہائی وے پر ایشیا کی سب سے بڑی مویشی منڈی لگائی جاتی ہے، جس میں مختلف علاقوں سے چھوٹے بڑے ہر نسل کے تقریباً تین لاکھ سے زاید جانور بیچنے کے لیے لائے جاتے ہیں، جبکہ اس سال مجموعی طور پر سوا چار لاکھ جانور لائے جائیں گے۔ امسال 5 ستمبر کو کراچی میں ایشیا کی سب سے بڑی مویشی منڈی کا باقاعدہ افتتاح کیا گیا۔ کمشنر کراچی کے مطابق قربانی کے جانوروں کی خریداری کے لیے آنے والے بیوپاریوں اور عوام کو خرید و فروخت میں ہر ممکن سہولتیں فراہم کرنے کے لیے منڈی کی انتظامیہ کے ساتھ مل کر خصوصی انتظامات کیے گئے ہیں۔ منڈی مویشیاں سہراب گوٹھ کا انتظامی کنٹرول کینٹ بورڈ ملیر کے پاس ہے۔ مویشی منڈی کے منتظم رانا عمران کے مطابق سہراب گوٹھ میں قائم کی جانے والی منڈی کے افتتاح کے بعد سے عوام کا رش روز بروز بڑھ رہا ہے۔ گزشتہ سال تقریباً 250,000 گائے، بیل وغیرہ، 90

ہزار بکرے اور 3200 اونٹ لائے گئے تھے۔ اب تک مجموعی طور پر گزشتہ سال سے زیادہ جانور لائے جا چکے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ مویشی منڈی 950 ایکڑ پر قائم کی گئی ہے۔ خریداروں کی آسانی کے لیے اس بار گائے منڈی اور بکرا منڈی اونٹ منڈی ایک جگہ قائم کی گئی ہے۔ بکرا منڈی کے لیے 200 ایکڑ جگہ مختص کی گئی ہے اور اس میں 29 بلاکس ہیں۔ ان میں 5 بلاک وی آئی پی بلاکس ہیں، جبکہ بکرا منڈی دو بلاک پر مشتمل ہے۔ ایک عام بلاک اور دوسرا وی آئی پی بلاک ہے۔ بیوپاریوں کے لیے فی گائے اور اونٹ صرف ایک ہزار روپے، جبکہ فی بکرا، بکری 600 روپے فیس رکھی گئی ہے۔ منڈی میں عوام کے غیر معمولی رش کے باعث مویشیوں کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ بیوپاریوں کی جانب سے مویشیوں کی غیر معمولی قیمتیں طلب کی جا رہی ہیں، جس کے باعث خریداروں کی جانب سے ست روی کا مظاہرہ ہے اور بہت سے خریداروں نے شہر کے دیگر علاقوں میں لگنے والی منڈیوں کا رخ کرنا شروع کر دیا ہے۔ خریداروں کا کہنا ہے کہ بیوپاری اتنی زیادہ قیمت مانگتے ہیں، جو جانور کے لحاظ سے کسی صورت مناسب معلوم نہیں ہوتی۔ بیوپاری اپنے جانور کی اتنی زیادہ قیمت طلب کرتے ہیں کہ بعض اوقات تو سودے کا آغاز ہی نہیں ہو پاتا اور اگر کہیں شروعات ہو بھی جائے تو قیمتیں کم کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ جب بیوپاریوں سے جانوروں کی زیادہ قیمت طلب کرنے کے حوالے سے سوال کیا جاتا ہے

تو وہ اپنے ایسے کئی خرچے گنوانا شروع کردیتے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اور 3 سے 4 من کے جانور کے بھی بیوپاری 1 لاکھ 40 ہزار یا 1 لاکھ 50 ہزار سے کم قیمت نہیں طلب کرتے۔ خریداروں کا کہنا تھا کہ ہر بیوپاری کی یہی کوشش ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دام وصول کرے۔ وہ بیوپاریوں کی من مانی قیمت طلب کرنے پر اوسط درجے کا جانور بھی خریدنے سے قاصر ہیں۔ اس سال جانوروں کی قیمتیں گزشتہ سال کی بنسبت زیادہ ہیں اور کافی زیادہ مہنگائی ہے، جس کے باعث شہری پریشان ہیں۔ جبکہ جانوروں کے بیوپاریوں کا کہنا ہے کہ جو قیمتیں جانوروں کی مانگی جارہی ہیں، وہ ان کی پرورش کے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں۔ جانوروں کی پرورش میں انہیں بے انتہا محنت کے ساتھ ساتھ کثیر رقم بھی خرچ کرنی پڑتی ہے۔ بیوپاریوں نے بتایا کہ ہم وی آئی پی جانوروں کو چنے، گندم کا دلیہ، سرسوں کا تیل اور مکھن کھلاتے ہیں، ان کے علاوہ اپنے جانوروں کی دیکھ بھال میں کئی قسم کے خرچے کرنا پڑتے ہیں۔ عام جانور کو کھل چوکر ونڈا کھلایا جاتا ہے جس پر روزانہ کا خرچہ تقریباً ایک ہزار، جبکہ وی آئی پی جانور پر اس سے کہیں زیادہ خرچہ ہوتا ہے۔

بیوپاریوں کو جانوروں کو دیے جانے والے پانی کے حوالے سے شکایت تھی۔

بیوپاریوں کا کہنا تھا کہ انہیں جانوروں کے لیے ناکافی پانی فراہم کیا جاتا ہے۔ منڈی کی انتظامیہ کی جانب سے بیوپاری کو فی جانور 8 لیٹر پانی فراہم

کیا جاتا ہے، جبکہ انہیں فی جانور 20 لیٹر پانی کی ضرورت پڑتی ہے اور انہیں جانوروں کا پانی پورا کرنے کے لیے انتہائی مہنگے داموں باقی پانی خود خریدنا پڑتا ہے اور اگر جانوروں کو پانی کم دیا جائے تو جانور بیمار بھی پڑ سکتے ہیں۔ جانوروں کی قیمت سے متعلق بیوپاریوں کا کہنا تھا کہ خریدار اتنی کم قیمت لگاتے ہیں، جو ہماری خرید بھی نہیں ہوتی، جبکہ ہمیں جانور مہنگے ملے ہیں اور انہیں یہاں تک لانے میں بھی بہت خرچہ ہوتا ہے۔ بیوپاریوں کے مطابق خریدار ان کے جانور کے بتائے گئے داموں میں کافی زیادہ کمی چاہتے ہیں اور اتنے بڑے فرق کے ساتھ جانور بیچنا ان کے لیے ممکن نہیں۔ منڈی انتظامیہ کا کہنا ہے کہ قربانی کے جانوروں کی رہائش کے لیے انتظامیہ کی جانب سے خوبصورت قناتیں لگائی گئی ہیں ہیں۔ ایک مانیٹرنگ سیل بھی بنایا گیا، جہاں سے 24 گھنٹے نگرانی کا عمل جاری ہے اور کسی بھی غیر معمولی نقل و حرکت کی اطلاع مویشی منڈی میں موجود سیکورٹی پر مامور افسران و اہلکاروں کو دی جائے تو وہ فوری کارروائی کرتے ہیں۔ بورڈ کے تحت منڈی کے مرکزی گیٹ کے قریب گزشتہ چار سال سے ایک میڈیا سینٹر بھی قائم کیا گیا ہے، جہاں بیٹھے میڈیا کے افراد باہر سے آنے والے صحافیوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور منڈی میں پیش آنے والی ہر غیر معمولی صورتحال کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ منڈی میں کسی بھی شخص کو کوئی شکایت ہو تو میڈیا کے افراد ان کی شکایت متعلقہ شعبہ کے سربراہان تک بھی پہنچاتے ہیں۔ مویشی منڈی میں بیوپاریوں کو رقم جمع کرانے

کے لیے نجی بینک ہے، جبکہ خریداروں کے باآسانی رقم نکلوانے کے لیے اے ٹی ایم مشینیں بھی نصب کی گئی ہےں، کیونکہ اے ٹی ایم مشین کے بغیر خریداروں کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مویشی منڈی میں لگ بھگ چھ سو سرچ لائٹوں کے علاوہ اسی ہزار سے زاید ٹیوب لائٹس بھی لگائی گئی ہیں۔ منڈی میں موبائل فون کمپنیز کے موبائل ٹاورز کی تنصیب بھی کی گئی ہے، تاکہ مویشی منڈی میں ملک بھر سے آنے والے بیوپاریوں اور خریداروں کو ایک دوسرے سے موبائل فون کے ذریعے رابطہ کرنے میں کسی بھی قسم کی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ڈاکٹروں کی ٹیم مویشی منڈی میں 24 گھنٹے اپنی خدمات انجام دینے کے لیے تیار ہے۔ منڈی میں کوئی بھی شخص اپنا قربانی کا جانور کسی بھی وقت ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹروں کی ٹیم سے چیک کراسکتا ہے۔ منڈی میں لگ بھگ سو عارضی مساجد قائم کی گئی ہیں، جن کا سارا انتظام کراچی کے مدارس اور بڑی مساجد کی انتظامیہ کے پاس ہے۔ ان مساجد کو پانی اور لائٹ منڈی انتظامیہ کی طرف سے فراہم کیا جاتا ہے۔ دور دراز کے علاقوں سے آئے ہوئے بعض بیوپاریوں نے بتایا کہ انتظامیہ کی جانب سے صفائی کا انتظام کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے اور نہ ہی سیکورٹی کے انتظامات زیادہ بہتر ہیں۔

مویشی منڈی میں انتظامیہ کی جانب سے سیکورٹی کے انتظامات رش کے باعث غیر موثر ہوگئے ہیں، جس کے باعث چوریوں، جیب کٹنے، لوٹ مار اور جعلی نوٹوں پر

خریداری بڑھ جانے پر انتظامیہ کی جانب سے سیکورٹی کے انتظامات سخت کیے گئے ہیں۔ گزشتہ دنوں جعلی نوٹوں پر بکرے خریدنے پر دو افراد کو گرفتار کیا گیا تھا، جبکہ انتظامیہ نے دس افراد پر مشتمل ایسا گروہ بھی پکڑا، جو مصنوعی دانت لگے قربانی کے جانور عوام کو فروخت کر رہا تھا۔ منڈی میں داخل ہوتے ہوئے یا واپسی پر لوگوں کو لوٹ مار کی شکایات سامنے آئیں، جس کے باعث خریداروں گروپ کی شکل میں منڈی جانے کو ترجح دے رہے ہیں۔ دوسری جانب مویشی منڈی میں خریداری کا سلسلہ بڑھتے ہی پولیس کی عیدی مہم بھی تیز ہو گئی ہے۔ مویشی منڈی کے اطراف کی شاہراہوں پر پولیس اہلکار شہریوں اور مال بردار گاڑیوں سے منڈی میں داخلے سے پہلے اور واپسی پر 30 سے 100 روپے لے رہے ہیں۔ بصورت دیگر گاڑیوں کو منڈی جانے سے روک دیا جاتا ہے۔

انتظامیہ کے مطابق منڈی میں جگہ کی تقسیم پہلے آئیں پہلے پائیں کی بنیاد پر کی گئی ہے، وی آئی پی جگہ کے مختلف ریٹ مقرر کیے گئے ہیں، جو جگہ جتنی بہتر اسی حساب سے اس کا کرایہ بھی مہنگا ہے۔ منڈی میں وی آئی پی بلاک بھی قائم کیے گئے ہیں، جہاں قیمتی جانور فروخت کے لیے لائے گئے ہیں۔ وی آئی پی بلاک میں لائے جانے والے قربانی کے جانوروں کی قیمتیں دو لاکھ روپے سے 30 لاکھ روپے تک ہیں۔ مویشی منڈی میں لائے جانے والے قیمتی اور نایاب جانور عوام کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ جبکہ اس کے علاوہ بکرا سکیشن کے وی آئی پی بلاک میں 50 ہزار سے 3 لاکھ روپے مالیت کے بکرے بھی ہیں۔ مویشی منڈی کے وی آئی

پی بلاک کو برقی قمقموں سے سجایا گیا ہے اور جانوروں کو خوبصورت پنڈالوں میں رکھا گیا ہے۔ وی آئی پی بلاک میں فروخت کے لیے لائے جانے والے قیمتی جانوروں کو بیوپاریوں نے دلہن کی طرح سجایا ہوا ہے اور لاکھوں روپے جانوروں کی سجاوٹ پر خرچ کردیتے ہیں۔

غلاف کعبہ....ماضی سے حال تک

دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے خانہ کعبہ انتہائی مقدس اور اہم مقام ہے، جہاں ہر سال ہر نسل و رنگ کے مسلمان اکٹھے ہو کر فریضہ حج ادا کرتے ہیں۔ گزشتہ روز دنیا بھر سے سعودی عرب میں 25 لاکھ سے زاید فرزندان توحید نے مناسک حج کا رکن اعظم وقوف عرفہ ادا کیا۔ اس سے قبل مکرمہ میں روح پرور تقریب میں غلاف کعبہ تبدیل کیا گیا۔ غلاف کعبہ کی تیاری میں 670 کلو گرام خالص ریشم جس کی تیاری پر 2 کروڑ 20 لاکھ ریال خرچ ہوئے ہیں۔ غلاف کعبہ ریشمی، سوتی دھاگوں، سونے اور چاندی کے ریشوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ غلاف کعبہ خادم الحرمین شریفین کی جانب سے بطور ہدیہ پیش کیا جاتا ہے۔ اتارے گئے غلاف کے ٹکڑوں کو سعودی حکومت کی جانب سے مختلف ممالک کے سربراہان کو بطور ہدیہ بھجوائے جاتے ہیں۔ غلاف کعبہ کی 658 مربع میٹر ہے اور یہ 47 حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کی لمبائی 14 میٹر طویل اور 95 سنٹی میٹر چوڑائی ہوتی ہے۔ غلاف کعبہ کی تبدیلی کی یہ پروقار تقریب ہر سال 9 ذوالحج کو منعقد کی جاتی ہے۔ یہ مقدس غلاف چار دیواروں کے ساتھ ساتھ بڑے دروازے پر بھی ڈالا جاتا ہے۔ غلافِ خانہ کعبہ کی تبدیلی نہ صرف صدیوں پرانی روایت ہے، بلکہ اب بیت اللہ کے غلاف کی تیاری سعودی عرب میں باقاعدہ ایک فن اور آرٹ کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔

خانہ کعبہ پر سب سے پہلے غلاف حضرت اسماعیل علیہ السلام نے چڑھایا تھا۔ ابن ہشام اور دیگر مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت اسماعیل اور حضرت ابراہیم نے تعمیر کعبہ کے ساتھ ساتھ غلاف کا اہتمام بھی کیا تھا۔ ظہور اسلام سے 700.برس اور ہجرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے 220.برس قبل یمن کے بادشاہ تبع ابو کرب اسعد نے خواب میں دیکھا کہ وہ کعبہ شریف پر غلاف چڑھا رہا ہے۔ واپسی پر وہ مکہ مکرمہ سے گزرا تو اس نے یمن سے قیمتی کپڑے کا غلاف بنوا کر خانہ کعبہ پر چڑھایا۔ زمانہ جاہلیت میں خالد بن جعفر بن کلاب نے کعبہ پر پہلی مرتبہ دیباج کا غلاف چڑھایا تھا۔ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے 5 سال پہلے کعبہ کی تعمیر نو کی تو بڑے اہتمام سے غلاف بھی چڑھایا۔ زمانہ قبل اسلام کی طرح غلاف کعبہ کی روایت عہد اسلامی میں بھی برقرار رہی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "القباطی" نامی کپڑے سے غلاف کعبہ تیار کرایا تھا۔ یوں یہ اسلامی عہد میں پہلا غلاف کعبہ تھا۔ فتح مکہ کی خوشی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا تیار کیا ہوا سیاہ رنگ کا غلاف اسلامی تاریخ میں پہلی بار چڑھانے کا حکم دیا۔ نو اور دس ہجری میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع فرمایا تو غلاف چڑھایا گیا۔ خلفائے راشدین میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں القباطی اور یمانی کپڑوں کے غلاف تیار کیے

گئے۔ حضرت عثمان بن عفان نے نیا غلاف تیار کرنے کی بجائے بہ یک وقت دو غلاف چڑھا دیے تھے۔ ایک ہی وقت میں خانہ کعبہ کے دو غلافوں کا یہ پہلا واقعہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حجاج بن یوسف نے بھی غلاف چڑھائے۔

خلفاء ابن عباس نے اپنے 500 سالہ دور حکومت میں ہر سال بغداد سے غلاف بنوا کر مکہ مکرمہ روانہ کیے، عباسیوں نے اپنے دور حکومت میں غلاف کعبہ کی بنوائی میں خصوصی دلچسپی لی اور اس کو انتہائی خوبصورت بنایا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے سال میں 2 مرتبہ اور مامون الرشید نے سال میں تین مرتبہ غلاف کعبہ کو تبدیل کرنے کا اہتمام کیا۔ مامون الرشید نے سفید رنگ کا غلاف چڑھایا تھا۔ خلیفہ الناصر عباس نے پہلے سبز رنگ کا غلاف بنوایا، لیکن پھر اس نے سیاہ ریشم سے تیار کروایا۔ اس کے دور سے آج تک غلاف کعبہ کا رنگ سیاہ ہی چلا آ رہا ہے۔ 140ھ سے غلاف پر لکھائی شروع ہو گئی، جو آج تک جاری ہے۔ 751 ہجری میں مصر کے بادشاہ منصور بن ناصر نے غلاف کی تیاری پر اٹھنے والے مصارف کے لیے قاہرہ کے چند دیہات کی آمدنی وقف کر دی تھی۔ وہ ہر سال بڑے تزک و شان اور اہتمام سے غلاف کعبہ تیار کروا کر مکہ مکرمہ روانہ کیا کرتا تھا۔ 761 ہجری میں والی مصر سلطان حسن نے پہلی مرتبہ کعبہ کے بارے میں آیات قرآنی کو زری سے کاڑھنے کا حکم دیا۔ 810 ہجری میں غلاف کعبہ بڑے خوبصورت انداز میں جاذب نظر بنایا جانے لگا۔ مصر پر سلطنت عثمانیہ کے قبضے کے بعد سلمان اعظم

نے مزید 7 گاؤں کی مزید آمدنی غلاف کعبہ کے لیے وقف کر دی۔ 19 ویں اور 20 ویں صدی عیسوی کے اوائل تک غلاف کعبہ مصر ہی سے تیار ہو کر آیا کرتا تھا۔ یہ قاہرہ کے ایک خصوصی کارخانہ میں بنایا جاتا تھا، جو صرف غلاف کعبہ ہی تیار کرتا تھا۔ شوال کی تاریخ کو غلاف تیار ہو کر مصر سے مکہ روانہ کیا جاتا، یہ دن مصر میں چھٹی کا دن 21 ہوتا تھا۔ محمود غزنوی نے ایک مرتبہ زرد رنگ کا غلاف بھیجا۔ سلمان دوم کے عہد حکومت سے غلاف مصر سے جاتا تھا، جب اس رسم میں جاہلانہ باتیں شامل کر لی گئیں تو مصریوں کا تیار کردہ غلاف لینے سے انکار کر دیا گیا۔ 1333 ھ میں شریف حسین کا بنوایا ہوا غلاف پہلی جنگ عظیم چھڑ جانے کی وجہ سے بروقت نہ پہنچ سکا، اس لیے مصری غلاف ہی چڑھانا پڑا۔ 1927ء میں شاہ عبد العزیز السعود نے وزیر مال عبداللہ سلیمان المدن اور اپنے فرزند شہزادہ فیصل کو حکم دیا کہ وہ غلاف کعبہ کی تیاری کے لیے جلد از جلد ایک کارخانہ قائم کریں اور 1346 ہجری کے لیے غلاف کی تیاری شروع کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے فوری طور پر ایک کارخانہ قائم کر کے ہندوستانی کاریگروں کی نگرانی میں غلاف کی تیاری شروع کر دی اور یوں سعودیہ کے کارخانے میں تیار ہونے والا یہ پہلا غلاف کعبہ تھا۔ 1962ء میں غلاف کی تیاری کی سعادت پاکستان کے حصے میں بھی آئی۔ 1928ء میں امرتسر سے غلاف تیار کر کے بھیجا گیا۔ آل سعود خاندان کے شاہ عبدالعزیز پہلے حکمراں تھے، جنہوں نے 1346ھ میں غلاف کعبہ تبدیل کیا۔ انہی کے دور میں 1403ھ کو غلاف کعبہ کا اندرونی کپڑا تبدیل

کیا گیا اور 1417ھ کو دوبارہ مکمل غلاف تبدیل کیا گیا۔

غلاف کعبہ کی تیاری میں دنیا کا سب سے بہترین کپڑا استعمال کیا جاتا ہے۔ 670 کلو گرام خالص سفید ریشم اور 720 کلو گرام مختلف رنگ اس کو رنگنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کل کپڑا تقریبا 660 مربع میٹر ہوتا ہے۔ پورا غلاف کعبہ 54 ٹکڑوں سے بنتا ہے اور ان میں ہر طول 14 میٹر اور عرض 95 سینٹی میٹر اور پورے غلاف کی پیمائش 2650 مربع میٹر ہوتی ہے، جبکہ غلاف کی پٹی کا گھیر 45 میٹر اور عرض 95 سینٹی میٹر ہوتا ہے، جو مختلف 16 ٹکڑوں کو ملا کر جوڑا جاتا ہے۔ خانہ کعبہ کا دروازہ خالص سونے کا بنا ہوا ہے۔ غلاف کعبہ کی موٹائی 98 سینٹی میٹر ہوتی ہے۔ غلاف کعبہ کی اونچائی 14 میٹر ہے۔ رکنین کی جانب سے غلاف کی چوڑائی 10 اعشاریہ 78 میٹر ہوتی ہے۔ ملتزم کی جانب سے غلاف کی چوڑائی 12 اعشاریہ 25 میٹر، حجر اسود کی سمت سے 10 اعشاریہ میٹر، جبکہ باب ابراہیم کی جانب سے 12 اعشاریہ 74 میٹر ہوتی ہے۔ یکم ذی 29 الحجہ کو غلاف کعبہ کی "سدنہ" یعنی متولی خاندان کو حوالے کرنے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ ہر سال 09 ذی الحجہ کو غلاف کعبہ تبدیل کیا جاتا ہے۔ غلاف کی تیاری پر 20 ملین ریال کی لاگت آتی ہے۔ باب کعبہ کی جانب سے غلاف کے نیچے 6 اعشاریہ 32 میٹر اونچا اور تین اعشاریہ تیس میٹر چوڑا اضافہ کپڑا جوڑا جاتا ہے، تاکہ غلاف کو چھونے سے بچایا جاسکے۔ غلاف کے چاروں اطراف میں مربع شکل میں

سورہ اخلاص کی کڑھائی کی جاتی ہے، غلاف کے اوپر قرآن کریم کے حج سے متعلقہ آیات مبارکہ اور اس کے نیچے اللہ سبحان تعالی کے نام کاڑھے جاتے ہیں۔ آیات قرآنی کی کتابت خط سوسل میں شیخ عبدالرحیم بخاری نے کی۔ پان کے پتے کی شکل میں "یا حی یا قیوم"، "الحمد رب العالمین" اور اس کے نیچے تکون کی شکل میں "اللہ"، اس کے نیچے یا حنان یا منان" اور اس کے نیچے "سبحان اللہ و بحمدہ" سبحان اللہ العظیم "کڑھائی کیا" جاتا ہے۔ کعبہ مشرفہ کی پٹی اور در کعبہ بنانے کے لیے 11 ماہ درکار ہوتے ہیں۔

خانہ کعبہ کے غلاف کی تیاری کے لیے شاہ عبدالعزیز کے حکم پر 1977ء میں ام الجود بندرگاہ پر جدید اور خودکار مشینوں پر مشتمل ایک کارخانہ بنایا گیا، جو ہر سال غلاف کعبہ تیار کرتا ہے۔ اس کارخانہ کو دارالکسوۃ کہتے ہیں، جو پورے سال میں صرف 2 عدد غلاف کعبہ تیار کرتا ہے۔ ایک غلاف جو سیاہ ہوتا ہے، بیرونی دیواروں پر ڈالا جاتا ہے، جب کہ دوسرا غلاف بیت اللہ کی اندرونی دیواروں پر ڈالنے کے لیے سبز رنگ کا ہوتا ہے۔ غلاف کعبہ میں نہایت خوب صورت طریقے سے لفظ "یااللہ" اور "لا الہ الا اللہ" کپڑے کے اندر ہی لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کارخانے میں انتظامیہ اور عملے کے علاوہ تقریباً ماہر کاری گر کام کرتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اکثر کاری گر گونگے اور 200 بہرے ہیں۔ غلاف کعبہ کی تیاری کے کئی مراحل ہیں۔ اس دوران کپڑے کی سلائی کے لیے

ماہرین کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں، جو سونے اور چاندی کی تاروں سے اس کی سلائی کرتے ہیں۔ غلاف کعبہ کو صرف وہی لوگ ہاتھ لگا سکتے ہیں جو اس کی تیاری پر کام کرتے ہیں یا خانہ کعبہ کے غلاف کی تیاری کے لیے انتظامی کمیٹی کے ارکان اس کے قریب جا سکتے ہیں۔

غلاف خانہ کعبہ کی تیاری کے لیے نہایت عمدہ "السرسین" نامی ریشم کا دھاگا استعمال کیا جاتا ہے۔ دھاگے کو گرم پانی میں دھویا جاتا ہے، جس کے بعد غلاف کے بیرونی حصے کے دھاگے پر سیاہ اور اندرونی حصے پر سبز رنگ کیا جاتا ہے۔ لیبارٹری کے شعبے میں غلاف کعبہ کی تیاری میں استعمال ہونے والے ریشمی اور سوتی دھاگے کی کوالٹی اور معیار کو چیک کیا جاتا ہے۔ چند برس قبل تک غلاف کعبہ کی تیاری کا تمام کام ہاتھ سے کیا جاتا تھا۔ غلاف کی سلائی کڑھائی، آیات قرآنی کی لکھائی سمیت تمام سوئی یا دستی آلات کی مدد سے طے کیے جاتے تھے۔ یہ یقیناً مشکل اور صبر آزما کام تھا اور اس طرح خانہ کعبہ کی تیاری میں کافی وقت صرف ہوتا تھا۔ آل سعود کے ابتدائی دور میں بھی دستی آلات کی مدد سے غلاف تیار کیا جاتا رہا ہے، لیکن اب اس کی جگہ جدید مشینوں نے لے لی ہے۔ اب غلاف کعبہ کے اندرونی اور بیرونی دونوں حصوں کی تیاری کے ساتھ ساتھ ان پر ہونے والی کشیدہ کاری، لکھائی اور سلائی کے لیے "جاکارڈ" نامی ایک سسٹم استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ایک میٹر غلاف

کعبہ میں 9.986 دھاگے استعمال ہوتے ہیں۔ غلاف کعبہ کی تیاری میں طباعت کا مرحلہ اہم ترین سمجھا جاتا ہے۔ اس میں دھاگوں کی مدد سے آیات قرآنی کپڑے پر منقش کرنا ہوتی ہیں۔ آیات کی طباعت کے مرحلے کے لیے غلاف کے سادہ کپڑے کو دو اطراف سے مضبوط لکڑیوں کے ساتھ باندھا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس پر پہلے عام ریشم اور پھر ریشمی کپڑا چڑھایا جاتا ہے۔ اس کپڑے پر منقش آیات کی پٹیاں چسپاں کی جاتی ہیں۔ مشین کے ذریعے پرنٹنگ کے مرحلے کے بعد سفید اور زرد دھاگوں سے اس پر کشیدہ کاری کرتے ہیں۔ کڑھائی کے لیے مختلف کثافتوں کے سوتی دھاگے لیے جاتے ہیں اور سوتی اور ریشمی دھاگوں کی مدد سے پہلے سے مطبوعہ آیات یا نقوش سے کشیدہ کاری کی جاتی ہے۔ کشیدہ کاری کے لیے سوتی، ریشمی دھاگوں کے علاوہ آیات کی تزئین کے لیے سونے اور چاندی کے ریشے بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ کڑھائی کے کام میں خاص طور پر غلاف پر شمعوں، غلاف کے چار کونوں پر سورہ اخلاص منقش کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ 12 غلاف پر مختلف آیات قرآنی پر مشتمل 16 پٹیاں الگ سے جوڑی جاتی ہیں۔ ایک بڑی پٹی غلاف کعبہ کے سامنے باب کعبہ کی طرف لگائی جاتی ہے، جس پر غلاف کی تیاری کے حوالے سے "مملکت سعودی عرب کی کاوش" کے عربی الفاظ لکھے جاتے ہیں۔

عید قرباں

عید الاضحیٰ کا مذہبی تہوار آپس میں پیار و محبت اور ایثار و ہمدردی کا درس دیتا ہے۔ عید قربان کے موقعے پر مسلمان ایثار و قربانی کے مظاہرے کی تجدید کرتے ہیں اور اپنے مال اور اپنی خواہشات کو اللہ کی رضا پر قربان کرنے کا عہد کرتے ہیں اور ہر بار عید قرباں فلسفہ ایثار و محبت کو سمجھنے کی دعوت دیتے ہوئے ہم سے رخصت ہو جاتی ہے۔

جذبہ ایثار کے بغیر قوموں کا ترقی کرنا محال ہے۔ وہی قومیں بقا پاتی ہیں، جو باہمی ایثار و قربانی جیسے جذبات سے سرشار ہوتی ہیں۔ ہر شخص میں کسی نہ کسی درجے میں قربانی و محبت کا جذبہ پایا جاتا ہے، انسان زندگی میں مختلف قسم کے ایثار و قربانی کا عملی مظاہرہ کرتا ہے۔ کبھی اسے جسم و جان کی اور کبھی مال کی قربانی اور کبھی خواہشات کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ عید قرباں کا مقصد بھی یہ ہے کہ جانور کی قربانی کے ساتھ اپنے نفس، اپنی روح کو احکام الٰہی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔

اپنی خواہشات و انانیت کو قربان کیا جائے۔ ناراضگیاں ہر گھر میں کسی نہ کسی سطح پر ہو ہی جاتی ہیں، مگر عید کا یہ دن ہم سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس ان کے توسط سے ہم اپنی ذاتی رنجشوں، ناراضگیوں اور ایک دوسرے کی غلطیوں و

خامیوں کو نظر انداز کر کے کھلے دل سے ایک دوسرے کو گلے لگا لیں۔ اگر انسان اس مبارک موقعے پر "انا" کی قربانی کر لے تو نہ صرف بہت سی مشکلات سے چھٹکارہ پا سکتا ہے، بلکہ خدا کی بہت قربت بھی حاصل کر سکتا ہے، کیونکہ یہ "انا" ہی بہت سے مسائل کی جڑ ہے۔ اس کی وجہ سے انسان کی زندگی اجیرن ہوتی ہے۔ انانیت کا پجاری کوئی بھی شخص ہمیشہ بے چین رہتا ہے، کیونکہ اس کو ہمیشہ اپنی ناک کٹنے کی فکر دامن گیر رہتی ہے اور وہ اپنی ناک کو سلامت رکھنے کے لیے جائز ناجائز ہر طرح کے جتن کرتا ہے۔ بہت سی خونریزیاں انا کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ انا کی خاطر انسانوں کا قتل عام کیا جاتا ہے۔ انا" بہت سے عزیز لوگوں کو چھین لیتی ہے۔ بہت سے رشتے "انا" کی بھینٹ چڑھتے" ہیں۔ اس "انا" کی خاطر انسان خود بہت سے نقصان اٹھاتا ہے اور دوسروں کو بہت سے نقصان دیتا ہے۔ اگر عید کے مقدس تہوار پر انسان "انا" کی قربانی بھی کر لے تو قربانی کی حقیقی روح کو پا سکتا ہے۔

عید کے موقعے پر اخلاص کے ساتھ پسند کا جانور قربان کرنا خدا تعالیٰ کی قربت کا سبب ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے جتنی زیادہ قربانی کی جائے، اتنی ہی قربت حاصل ہو گی، لیکن بد قسمتی سے قربانی کے اس اہم فریضے کو محض ایک دنیاوی تہوار بنا دیا گیا ہے، جس سے اس فریضے کی ادائیگی کا مقصد پورا نہیں ہو پاتا۔ اگرچہ اچھے سے اچھے جانور کی قربانی کرنا افضل ہے، لیکن

آج کل نمود و نمائش کے لیے قربانی کے انتہائی مہنگے جانوروں کی قربانی کرنا ایک فیشن بن چکا ہے۔ روح عبادت پر نمود و نمائش غالب آ گئی ہے۔ بہت سے لوگ نمود و نمائش اور تفاخر کے لیے قربانی کرتے ہیں۔ قربانی کو ایک دکھلاوا اور دولت کی نمائش بنا دیا گیا ہے۔ جس مقصد کے لیے یہ قربانی ہم پر فرض کی گئی، وہ مقصد ہم نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ نمود و نمائش کے لیے قربانی کے انتہائی مہنگے جانوروں کی خریداری سے گریز کرنا چاہیے، کیوں کہ اس سے ایک طرف مالی طور پر کمزور لوگوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے تو دوسری جانب ریاکاری قربانی کا اجر و ثواب بھی ضایع کر دیتی ہے۔ بہت سے لوگ کئی کئی انتہائی قیمتی ایسے جانور قربانی کے لیے لے کر آتے ہیں، جن کا مقصد محض اپنے علاقے میں اپنی امیری کا چرچا کرنا ہوتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ لوگوں کو دکھانے کی غرض سے لاکھوں میں جانور خریدنے کی بجائے کچھ کم قیمت پر جانور خرید لے اور باقی پیسوں سے کسی غریب کی ضرورت پوری کر دے تو یہ عمل خدا کے نزدیک زیادہ محبوب ہوگا۔

ایک طرف تو 20، 25 لاکھ روپے کا جانور ذبح کیا جا رہا ہوتا ہے، جب کہ دوسری جانب اسی گھر میں کام کرنے والی ملازمہ کے پاس اپنے بیٹے کی تعلیمی فیس ادا کرنے کے لیے پیسے نہیں ہوتے۔ دفتر کا چوکیدار اپنی بیوی کی ڈلیوری کے لیے کسی سے 20,25 ہزار روپے قرض لیتا ہے اور پھر کئی مہینے تک اپنی تنخواہ میں سے بچا بچا کر اسے چکاتا رہتا ہے۔ یہ صاحب "اللہ کی رضا" کی خاطر منڈی میں سے سب سے مہنگا جانور خرید کر میڈیا کی زینت بن رہے ہوتے

ہیں، جب کہ اسی کے محلے میں کتنے ہی بچے پیسے نہ ہونے کی وجہ سے عید پر بھی نئے کپڑوں سے محروم رہتے ہیں۔ کتنے ہی گھرانے پائی پائی کے محتاج ہوتے ہیں، کتنی ہی بچیوں کی شادیاں پیسے نہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہو رہی ہوتیں اور یہ سفید پوش کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلا سکتے اور نہ ہی کوئی ان کی طرف توجہ دیتا ہے۔ اگر تو کوئی شخص محض اللہ کی رضا کے لیے قربانی کرتا ہے تو یہ اس کی خوش بختی ہے اور اگر شہرت کے لیے کرتا ہے تو خدا کے نزدیک اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

ہمارا دین غریبوں اور ناداروں کی مدد کرنے پر خصوصی زور دیتا ہے۔ عید قرباں اسی مقصد کو پورا کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے، لیکن بہت سے لوگ مہینوں اپنے فریج کو قربانی کے گوشت سے بھر کر رکھتے ہیں۔ ماضی میں لوگ بڑی محبت سے ایک دوسرے کے گھروں میں اہتمام کے ساتھ گوشت پہنچایا کرتے تھے، لیکن اب معاملہ جدا ہے۔ بعض گھرانوں میں خواتین صرف انھی لوگوں کے گھر گوشت بھجواتی ہیں، جہاں سے ان کے گھر گوشت آتا ہے یا پھر ایسے گھروں میں اعلیٰ قسم کا گوشت بھجوایا جاتا ہے، جہاں مطلب ہوتا ہے، حالانکہ ایسے گھرانے جو گوشت کھانے سے محروم ہوتے ہیں یا ان کی مالی حیثیت کمزور ہوتی ہے، وہاں گوشت بھجوا کر ہی صحیح معنوں میں حقِ قربانی ادا کیا جا سکتا ہے۔ صرف اپنے ہم پلہ گھرانوں سے میل جول رکھنا اور غریب رشتے داروں کو نظر انداز کرنا اس مذہبی تہوار کی

اصل روح کی خلاف ورزی ہے۔

عید قرباں صرف جانور ذبح کرنے کا حکم نہیں دیتا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنے اندر کی لا محدود خواہشوں کو لگام دیں اور اپنے دل میں دوسروں کے لیے گنجائش پیدا کریں۔ آج ہمارا معاشرہ آپس میں اختلافات، تعصّبات اور افرا تفری اور انتشار کا شکار ہے، اپنے علاوہ کوئی کسی دوسرے کی بات تک کو تحمل و برداشت سے سننا نہیں چاہتا۔ اس کا واحد سبب ہمارے نفس کی سرکشی ہے اور یہ تہوار ہمیں اپنے نفس کو دوسروں کے لیے قربانی دینے کا درس دیتا ہے۔ عیدالاضحیٰ ہمیں آپس میں پیار و محبت اور اتحاد و یک جہتی کے ساتھ رہنے کا درس دیتی ہے اور یہ پیغام دیتی ہے کہ سب ایک دوسرے کے حقوق کی پاس داری کریں۔ اچھے برے وقت میں کام آئیں، دوسروں کو بھی آپس کے اختلافات اور نفرتوں کو بھلانے کا درس دیں اور ایسا معاشرہ تشکیل دیں، جس کا تقاضا ہمارا دین کرتا ہے۔ ایک بار پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں عیدالضحیٰ کو بھرپور انداز سے منانے کا موقع دیا ہے۔ آیئے ! ہم سب مل کر یہ عہد کریں کہ عید قرباں کی اصل روح کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

منیٰ سانحہ بعض حاجیوں کی جلد بازی کی وجہ سے پیش آیا

حج دنیا کا سب سے بڑا اجتماع ہے، جس کی سیکورٹی، حفاظت، صحت و علاج، نقل و حمل، رہائش اور کھانے پینے کی چیزوں کی فراہمی سعودی حکام کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ ہر سال عازمین حج کی اتنی بڑی تعداد کے لیے خوراک، رہائش، نکاسی آب اور ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے سعودی حکومت عازمین کے لیے غیر معمولی انتظامات کرتی ہے۔ اس سال بھی حج کے موقع پر سیکورٹی کے انتظامات کے لیے ایک لاکھ سے زاید اہلکاروں کو تعینات کیا گیا، جبکہ ایلیٹ فورس، ٹریفک اہلکار اور سول ڈیفینس کے اہلکاروں کو بھی فرائض سونپے گئے۔ ان کے علاوہ دیگر بہت سے انتظامات کیے گئے۔ ان انتظامات کی بدولت ہر سال فریضہ حج انتہائی پرامن طریقے سے سرانجام پاتا ہے، لیکن اگر اس کے باوجود اچانک حادثہ رونما ہوجائے تو عقل انسانی اور اس کے تمام انتظامات پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔ بدقسمتی سے حادثات سے یکسر بچاؤ ممکن نہیں ہے، کبھی انسان کے تمام تر انتظامات دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور کوئی سانحہ رونما ہوجاتا ہے۔ جمعرات کے مکہ مکرمہ کے قریب منیٰ میں بھگدڑ مچنے سے 769 حجاج کرام شہید ہوئے ہیں، جب کہ 934 سے زاید زخمی ہیں۔ سانحہ منیٰ میں اب تک 19 پاکستانیوں کی شہادت کی تصدیق ہوچکی ہے اور 309 اب بھی

لاپتہ ہیں۔ شہید ہونے والے پاکستانیوں میں رحیم یار خان سے توصیف افتخار، شہداد کوٹ سے تعلق رکھنے والے حج میڈیکل مشن میں شامل ڈاکٹر امیر لاشاری، ملتان سے تعلق رکھنے والی 7 سالہ بچی ثمرین جب کہ شہید ہونے والے دیگر پاکستانیوں میں کراچی کی حفصہ شعیب اور زرین نسیم، میر پور آزاد کشمیر کی نرجس شہناز، دالبندین کی بی بی زینب، بی بی مدینہ، نور محمد اور محمد اسلم کے علاوہ سابق وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کے بھانجے اسد مرتضیٰ گیلانی شامل ہیں۔ سانحہ منیٰ میں شہید ہونے والوں میں جھنگ کے سراج احمد سراج، ایبٹ آباد کے زاہد گل کی ساس بھی شامل ہیں۔ گزشتہ روز برطانوی اخبار دی گارجین نے سانحہ منیٰ میں سب سے زیادہ 236 پاکستانیوں کے شہید ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ رپورٹ کے مطابق ایران کے 131، مراکش کے 87، بھارت اور مصر کے 14، 14 ، صومالیہ کے 8، سینیگال کے 5، ترکی اور تنزانیہ کے 4، 4، الجزائس، کینیا اور انڈونیشیا کے 3، 3 جب کہ برونڈی اور ہالینڈ کا ایک ایک شہری شہید ہوا ہے۔ وزارت مذہبی امور اور سعودی عرب میں موجود پاکستانی حکام نے برطانوی اخبار کے اس دعوے کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ اخبار نے اس سانحے میں شہید ہونے والوں کی تعداد کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے اور غیر تصدیق شدہ اعداد و شمار دیے ہیں۔ وزیر مذہبی امور سردار محمد یوسف نے کہا ہے کہ ہر سال حج کے دوران کچھ لوگ لاپتہ ہوجاتے ہیں، حج مشن کے لوگوں کو پاکستانی حجاج کے کیمپوں میں تصدیق کے لیے بھیجا گیا ہے، پاکستان کے 116 لاپتہ لوگ رات تک مل گئے تھے ،

امید ہے تمام لوگ مل جائیں گے۔ سردار یوسف کا کہنا تھا کہ اب تک جن حجاج کرام کی شہادت کی تصدیق ہو چکی ہے، ان کے لواحقین کو سرکاری طور پر آگاہ کر دیا گیا ہے۔ حج کے دوران جو لوگ فوت ہوتے ہیں، ان کی تدفین یہیں پر کی جاتی ہے۔ سانحے میں شہید ہونے والوں کو بھی سعودی عرب میں ہی دفنایا جاتا ہے، جب تک تصدیق نہ ہو پاکستانیوں کی تدفین بھی نہیں کی جا سکتی۔

ایرانی میڈیا نے سیاسی اور دیگر عوامل کی بنیاد پر اس المناک واقعے کو اپنے مخصوص مفادات کے لیے استعمال کیا اور اس سانحے کو بنیاد بنا کر سعودی عرب کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کیا۔ ایران نے منیٰ میں پیش آنے والے واقعے کا ذمہ دار سعودی عرب حکومت کو قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حادثہ سعودی بادشاہ شاہ سلمان کے بیٹے کی وجہ سے پیش آیا، کیوں کہ ان کے آنے کی وجہ سے راستہ بند کر دیا گیا تھا، جس سے ایک جگہ رش بڑھ گیا۔ سعودی عرب نے اس خبر کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ شاہ سلمان کے بیٹے محمد بن سلمان کے منیٰ آنے کی خبر میں کوئی صداقت نہیں ہے اور اس روز وہ مکہ میں موجود ہی نہیں تھے۔ دوسری جانب ایرانی صدر حسن روحانی نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں سعودی عرب میں حج کے دوران پیش آنے والے بھگدڑ کے واقعے کی تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے۔ تاہم سعودی وزیر خارجہ عادل الجبیر نے کہا ہے کہ ایران اس حادثے پر سیاست کر رہا ہے۔ دوسری جانب سعودی عرب کے مفتی اعظم کا کہنا ہے کہ حج کے دوران

حادثات کو روکنا انسانی اختیار سے باہر ہے، اس لیے وزیرِ داخلہ شہزادہ محمد بن نائف کو اس واقعے کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مفتی اعظم نے کہا کہ جو چیزیں انسانی کنٹرول میں نہیں ہیں، ان کے لیے کسی کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ ایرانی حکام سعودی حکومت پر زور دے رہے ہیں کہ وہ ہلاکتوں کی ذمہ داری قبول کرے۔ جبکہ ایران کے سابق صدر ہاشمی رفسنجانی کے ناظم دفتر محمد ہاشمی نے سعودی عرب میں منیٰ کے مقام پر ہونے والی بھگدڑ میں بڑے پیمانے پر حاجیوں کی شہادت کے واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے اپیل کی ہے کہ اس معاملے پر سعودی حکام کی ملامت سے احتراز کرنا چاہیے اور تحقیقات سے قبل نتائج اخذ کرنے سے باز رہنا چاہیے۔ محمد ہاشمی کا نقطہ نظر ایرانی مرشد اعلیٰ علی خامنہ سمیت دوسرے متعدد اعلیٰ عہدیداروں سے قطعی مختلف ہے، جس میں انہوں نے منیٰ واقعے پر سعودی حکومت کو تنقید بنایا۔ ایرانی صدر حسن روحانی اور دوسرے ایرانی حکام نے بھی ایسے ہی بیانات دیے، جس کے بعد مبصرین نے کہنا شروع کر دیا کہ تہران سعودی عرب میں پیش آنے والے حادثے پر سیاست چمکا رہا ہے۔

مبصرین کے مطابق حج کے موقع پر پیش آنے والے حادثات کو سعودی حکومت کے ناقص انتظامات کا نتیجہ قرار دینا کسی طور بھی قرین قیاس نہیں ہے۔ ایسے انتظامات عازمین کی بشری کمزوریوں کا نتیجہ ہوتے ہیں، کیونکہ یہاں موجود ہر شخص کو

آگے بڑھنے کی لگن ہوتی ہے، اس لیے بہت سے عازمین روکنے کے باوجود جلد بازی کرتے ہیں۔ عینی شاہدین کا کہنا تھا کہ سعودی حکام کی جانب سے انتہائی عمدہ انتظامات کیے گئے تھے۔ گرمی سے بچانے کے لیے خصوصی طور پر پانی کے اسپرے کا انتظام کیا گیا اور راستے کے دوران رضاکار کھانے کا باکسز اور ٹھنڈے پانی کی بوتلیں بھی فراہم کرتے رہے۔ عینی شاہدین کے مطابق افسوس ناک واقعہ حجاج کرام کے ایک گروپ کی جانب سے انتظامی تعلیمات کو پس پشت ڈالنے کے باعث رونما ہوا، یہ گروپ اچانک ہی ون وے پر مخالف سمت سے چڑھ دوڑا، جس کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی۔ یہ گروہ بہت تیزی سے مخالف ٹریک پر چڑھ دوڑا تھا، اوپر سے گرمی بھی بہت تھی، حبس کا عالم تھا، جس کے باعث اتنا نقصان ہوا، انتظامیہ کی طرف سے پیشگی اطلاع بھی تھی کہ گرمی کے باعث بہتر یہی ہوگا کہ حجاج کنکریاں عصر کے بعد ماریں۔ ذرایع کے مطابق سانحہ منیٰ بظاہر حاجیوں کی جانب سے ہدایات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے پیش آیا ہے۔ تاہم تخریب کاری کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا رہا۔ کچھ حاجی دانستہ طور پر ہدایات کو نظر انداز کر رہے تھے، جبکہ صبح 9 بجے کے قریب حاجیوں کا ایک گروپ مخالف سمت سے آیا اور بھگدڑ مچ گئی اور لوگ ایک دوسرے پر گرتے گئے۔ سماجی رہنما فردوس جمال شیخ کئی برس سے سعودی عرب میں حجاج کی خدمت میں مصروف ہیں، سانحہ منیٰ کے حوالے سے انہوں نے میڈیا کو بتایا کہ سانحہ بظاہر حادثہ ہے، تاہم سعودی میڈیا اور حکام تخریب کاری کو بھی نظر انداز نہیں کر رہے ہیں۔ ابتدائی

اطلاعات کے مطابق حادثہ اس وقت پیش آیا جب حاجیوں کا ایک گروپ مخالف سمت سے سامنے آیا، اس وقت حجاج مزدلفہ سے منیٰ میں جمرات پر تھے اور لاکھوں حجاج اور سامنے سے آنے والے گروپ میں ٹکراؤ ہوا، ایسا لگتا ہے کہ سامنے سے آنے والے گروپ نے ہدایات کے مطابق متعین راستہ اختیار کرنے کی بجائے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ ایسا دو ہی صورتوں میں ممکن ہے، ایک یہ کہ دانستہ طور پر مخالف سمت کا سفر کیا جائے، دوسرا یہ کہ یہ گروپ بذریعہ ٹرین یہاں آیا ہو اور شیطان کو کنکریاں مارنے کے بعد بھول کر مخالف سمت چل پڑا ہو۔ سعودی عرب کے اخبار السعودیہ نے حج کمیٹی کے ایک افسر کے حوالے سے خبر دی ہے کہ حاجیوں کا ایک گروپ نہ صرف دانستہ طور پر ہدایات کو نظر انداز کر رہا تھا، بلکہ مختلف مقامات پر منتظمین سے الجھنے کی کوشش کرتا رہا۔

کثیر الاشاعت عرب روزنامہ "الشرق الاوسط" نے ایرانی حج مشن کے ایک عہدیدار کے حوالے سے اپنی حالیہ اشاعت میں انکشاف کیا ہے کہ تقریباً تین سو ایرانی حجاج نے اسمبلی پوائنٹ سے متعلق ہدایات پر عمل نہیں کیا، جس کی وجہ سے ان حاجیوں نے جمرات سے الٹے پاؤں واپسی کی کوشش کی، جو منیٰ کی 204 نمبر شاہراہ میں حادثے کا باعث بنا۔ الشرق الاوسط" سے بات کرتے ہوئے ایرانی عہدیدار کا کہنا تھا کہ ایرانی حجاج کا گروپ" جمعرات کی صبح مزدلفہ سے براہ راست شیطان کو کنکریاں مارنے کو روانہ ہوا۔ اس گروپ نے اپنے لیے مخصوص

خیموں میں سامان وغیرہ رکھ کر مخصوص اسمبلی پوائنٹ پر انتظار نہیں کیا۔ یہ حجاج شاہراہ پر مخالف سمت کی طرف چل پڑے۔ ایرانی عہدیدار کے مطابق ان حاجیوں نے 204 رمی ختم ہونے کا انتظار نہیں کیا، جو کہ معمول کی ہدایات کی روشنی میں کیا جاتا ہے اور اس کے برعکس الٹے پاؤں واپسی کر دی۔ واپسی کا یہ وقت دوسرے حج مشن کے لیے رمی جمرات کے نکلنے کے لیے مخصوص تھا، جس کی وجہ سے تصادم ہوا۔ انہوں نے مزید بتایا کہ یہ گروپ کچھ دیر رکا، مگر دوسری سمت کو نہیں نکلا، جس کی وجہ سے حجاج کا دباؤ بڑھنے پر متعدد افراد صرف 20 میٹر چوڑے راستے سے نکلنے کی کوشش کرنے لگے۔ انہیں ذرائع نے بتایا کہ جو کچھ ہوا وہ رش یا بھگدڑ کے زمرے میں نہیں آتا، بلکہ الٹے پاؤں چلنا کہلاتا ہے، جس کے یقیناً انتہائی منفی اثرات نکلے۔ مبصرین کے مطابق منیٰ میں بھگدڑ لوگوں کی جلد بازی اور بے صبری کی وجہ سے مچتی ہے۔ یہی انتظامات ہر سال ہوتے ہیں، لیکن ہر دفعہ اور ہر روز ایسے سانحات نہیں ہوتے۔ شیطان کو پتھر مارتے وقت لوگ جلدی میں اس لیے ہوتے ہیں کہ قربانی کی پرچیاں انھیں پہلے مل چکی ہوتی ہیں، جن پر قربانی کا وقت لکھا ہوتا ہے۔ کسی وجہ سے پتھر مارنے میں دیر ہو جائے تو قربانی پہلے ہو جاتی ہے۔ چنانچہ لوگ پتھر مارنے میں جلد بازی اور بے صبری سے کام لیتے ہیں۔ بار بار اعلانات کیے جاتے ہیں کہ شیطان کو پتھر مارنے کے لیے لوگ ذرا ٹھہر ٹھہر کر آئیں اور آنے اور جانے کے راستے بھی الگ کیے گئے ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی کہیں نہ کہیں ہجوم کے بہاؤ میں بے ترتیبی

آجاتی ہے۔

افغانستان: شمالی شہر قندوز پر قبضہ.... افغان طالبان نے اپنی طاقت دکھادی

افغان طالبان نے پیر کے روز علی الصبح حملہ کرکے قندوز شہر کی سیکورٹی فورسز کو حیران و پریشان کرتے ہوئے انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ طالبان قندوز شہر پر قبضے کی کوشش میں چار مختلف سمتوں سے شہر میں داخل ہوئے۔ افغانستان کے شمالی شہر قندوز پر مکمل قبضہ کیا تو افغان فورسز نے فوری طور پر شہر خالی کر دیا۔ افغان طالبان نے قندوز کی جیل پر حملہ کرکے لگ بھگ 600 جنگجوؤں کو رہا بھی کروالیا۔ شہر کے زیادہ تر سرکاری اہلکار، اقوام متحدہ کا غیر ملکی عملہ اور این جی اوز کے کارکنان شہر سے پیر کی دوپہر تک نکل گئے۔ اقوام متحدہ کے دفاتر پر قبضہ کرکے آگ لگا دی، افغان انٹیلی جنس ایجنسی (این ڈی ایس) کے صوبائی ہیڈ کوارٹرز، پولیس ہیڈ کوارٹرز، مرکزی بینک، ہسپتال اور یونیورسٹی پر بھی قبضہ کر لیا۔ طالبان کا کہنا تھا کہ انہوں نے گورنر اور اہم صوبائی دفاتر پر بھی قبضہ کیا ہے۔ افغان طالبان نے شہر کے لوگوں کو تلقین کی کہ وہ گھروں سے باہر نکلنے سے گریز کریں۔ پیر کو رات گئے اپنے ایک بیان میں افغان طالبان کے سربراہ ملا اختر منصور نے کہا کہ قندوز میں عوام کے جان و مال کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ کابل سے 250 کلومیٹر دور قندوز کے ایک قبائلی بزرگ نے نام نہ ظاہر

کرنے کی شرط پر میڈیا کو بتایا کہ طالبان نے شہر کے ایک ضلع کا کنٹرول حاصل کیا ہے۔
قندوز شہر کی پولیس سربراہ کے ترجمان سید سرور حسینی نے برطانوی خبر ایجنسی کو بتایا کہ طالبان جنگجوؤں نے پیر کی صبح مقامی وقت کے مطابق تین بجے چار مختلف سمتوں سے شہر پر چڑھائی کر دی۔ عینی شاہدین کے مطابق طالبان پیر کے روز اپنے بڑے حملے کے بعد حکومتی فورسز کے چیک پوائنٹس اور پوسٹوں پر قبضہ کرتے ہوئے شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہوئے۔ قندوز کے ایک صحافی نے خبر رساں ادارے ایجنسی فرانس پریس کو نام مخفی رکھنے کی شرط پر بتایا کہ وہ ہر طرف طالبان کو گشت کرتے دیکھ رہا تھا۔ قندوز کے قبائلی جرگے کے ایک سینیئر لیڈر کا کہنا تھا کہ طالبان نے قندوز کے ایک انتظامی حصے پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔ افغان طالبان نے کئی سرکاری عمارتوں پر قبضے کے بعد انہیں جلادیا اور مرکزی علاقے میں سرکاری عمارتوں پر اپنے پرچم بھی لہرادیے۔
طالبان ترجمان ذبیح اللہ مجاہد کا کہنا تھا کہ ان کے جنگجوؤں نے علی الصباح قندوز پر حملہ کیا اور گورنر ہاؤس اور پولیس ہیڈ کوارٹرز پر قبضہ کر لیا۔ ذبیح اللہ مجاہد نے پیر کو رات گئے ایک بیان کے ذریعے قندوز میں کام کرنے والے غیر ملکی امدادی کارکنوں سے کہا کہ وہ بغیر کسی تعطل کے اپنا کام جاری رکھیں اور انہیں یقین دہانی کروائی کہ اگر ان تنظیموں کو کسی طرح کی مشکلات

کا سامنا ہے تو ان کے حل میں مدد کی جائے گی۔ افغان وزارت داخلہ اور پولیس ترجمان نے قندوز کے بڑے حصے پر طالبان کے قبضے کی تصدیق کی۔ طالبان سربراہ ملا اختر منصور نے قندوز پر قبضے پر اپنے جنگجوؤں کو مبارک باد پیش کی اور افغان سیکورٹی فورسز کو خبردار کیا کہ انتقامی کارروائیوں یا قندوز پر قبضے کی کوشش سے باز رہیں۔ اپنے بیان میں ملا اختر منصور کا کہنا تھا کہ وہ کسی قتل وغارت گری کے بارے میں نہیں سوچ رہے، بلکہ امن کے پیغام کے ساتھ میدان میں آئے ہیں اور وہ ایسے لوگوں کے خلاف ہیں جو حملہ آوروں اور کٹھ پتلی حکومت کے لیے کھڑے ہیں، اگر وہ اپنے سابقہ اعمال پر معافی مانگیں اور مخالفین کے ساتھ روابط ترک کردیں تو ان کے لیے معافی کے دروازے کھلے ہیں۔ جبکہ قندوز پر طالبان کے قبضے کے بعد منگل کے روز تادم تحریر صوبہ بغلان کے 2 علاقوں میں بھی افغان فورسز اور طالبان کے درمیان گھمسان کی جنگ جاری ہے۔

افغانستان کے شمالی شہر قندوز میں امریکی فورسز نے منگل کو فضائی کارروائیاں کی ہیں، جب کہ افغان فورسز نے زمینی آپریشن شروع کر دیا۔ افغانستان میں امریکا اور نیٹو کے مشن کے ترجمان کرنل برین ٹریس کے مطابق منگل کی صبح کی جانے والی فضائی کارروائیاں فورسز کو درپیش خطرے کے خاتمے کے لیے کی گئیں۔ تاہم شہر میں بین الاقوامی افواج کے اہلکار موجود نہیں ہیں۔ ترجمان نے یہ نہیں بتایا کہ مزید ایسی کارروائیاں جاری رکھی جائیں گی یا نہیں۔ ادھر افغان فورسز نے بھی قندوز سے طالبان کا قبضہ چھڑانے کے لیے

زمینی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔

چودہ سالہ جنگ میں قندوز جیسے بڑے اسٹریٹجک شہر پر طالبان کا سب سے خطرناک حملہ قرار دیا جا رہا ہے۔ افغان طالبان نے افغانستان کے اسٹریٹیجک لحاظ سے اہم شہر قندوز پر قبضہ کیا ہے۔ قندوز شہر کا شمار افغانستان کے بڑے اور خوشحال شہروں میں ہوتا ہے۔ اس کی جغرافیائی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے، کیوں کہ یہ پاکستان اور چین کو وسطی ایشیا سے ملانے والے راستے پر واقع ہے۔ قندوز شہر افغانستان کی چار مختلف سمتوں کو آپس میں ملاتا ہے۔ اس شہر سے مزار شریف، کابل اور تاجک سرحد پر دریائے پنج کے کنارے واقع خاصی اہمیت کے حامل شہر شیر خان بندر کی جانب شاہراہیں جاتی ہیں۔

قندوز پہلا شہر تھا جو طالبان کے ہاتھوں سے اس وقت گیا جب امریکا نے ستمبر 2001 کے بعد افغانستان میں کارروائی کی، جس کے بعد افغان طالبان کا اقتدار کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ 14 سال کے بعد اب تک ملک کے کسی بھی بڑے شہر پر افغان طالبان کا یہ پہلا قبضہ ہے۔ قندوز پر قبضے کے لیے کئی ماہ سے طالبان اور فوج میں جھڑپیں ہو رہی تھیں۔

رپورٹ کے مطابق حالیہ سالوں میں طالبان کی طرف سے ہونے والے حملوں میں قندوز حملہ نہایت اہمیت کا حامل ہے جس کی وجہ سے کابل حکومت مزید دباؤ کا شکار ہو سکتی ہے۔ برطانوی نشریاتی ادارے کے نامہ نگار داؤد اعظمی کا کہنا ہے کہ 14 سال میں قندوز پر طالبان قبضہ افغان حکومت کے لیے سب سے بڑا دھچکا

ہے، تاہم طالبان کے لیے سب سے بڑا چیلنج قندوز پر قبضے کو برقرار رکھنا ہے۔ طالبان کے شہر میں داخلے کو خواہ وہ عارضی مدت کے لیے ہی کیوں نہ ہو، لیکن نیٹو کی تربیت یافتہ پولیس اور فوج کے لیے ایک نفسیاتی دھچکا قرار دیا جارہا ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ ممکن ہے افغان طالبان قندوز پر اپنا قبضہ برقرار نہ رکھ سکیں، لیکن انہوں نے قندوز پر قبضہ کرکے جہاں افغان حکومت اور اس کی سیکورٹی کی مضبوطی کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے، وہیں اپنی طاقت بھی منوالی ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ افغانستان کی ایک بڑی طاقت ہیں، جن کو کسی طور بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور ان کے بغیر افغانستان میں ایک مستحکم حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔

دوسری جانب نیویارک میں امریکی میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے افغانستان کے چیف ایگزیکٹو عبداللہ عبداللہ نے اعتراف کیا کہ ہماری حکومت ملک میں قیام امن اور عوام کے تحفظ میں ناکام ہو گئی، عوامی توقعات پوری نہیں کرسکے، حالیہ دنوں میں طالبان کے حملوں میں اضافہ ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ چین پاکستان پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے، تاکہ پاکستان ایمانداری سے افغانستان میں مکمل امن بحال کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ افغان عوام طالبان کا ساتھ دے رہے ہیں، جس کی وجہ حکومت کی جانب سے عوام کے ساتھ کیا جانے والا غیر منصفانہ سلوک ہے۔ اگر حکومت ہر افغان باشندے کو اس کا حق

عدل وانصاف کے ساتھ تول کر دیتی آج یہ حالت نہ ہوتی۔ قومی یکجہتی کی بنیاد پر بننے والی مشترکہ حکومت کو ایک سال پورا ہو چکا ہے، مگر حکام ابھی تک ان مسائل میں غلطاں و پیچاں ہیں، جو اس حکومت کے آغاز ہی میں حل ہو جانے چاہیے تھے۔ سب کچھ ناکامی کی جانب جا رہا ہے۔ حالات اور وقت خود بخود طالبان کی دوبارہ آمد اور ان کی حکومت کے لیے راستہ ہموار کر رہے ہیں۔ الجزیرہ ٹی وی کے مطابق قندوز کے رہائشی سابق افغان رکن اسمبلی نے کہا ہے کہ مقامی افراد حکومت کی کرپشن سے تنگ ہیں، اس لیے شہر کے سیکڑوں باسیوں نے اس لڑائی میں طالبان کا ساتھ دیا ہے۔ مبصرین کے مطابق طالبان کے حملے نے افغان سیکورٹی فورسز کی مضبوطی کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے اور یہ شگاف جلد بھرنے والا نہیں ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے اپنے ایک ترجمان کے ذریعے طالبان کے حملے کی مذمت کرتے ہوئے افغانستان میں "اختلافات کو پرامن طریقے سے حل کرنے" کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

واضح رہے کہ امسال افغان حکومت افغانستان میں طالبان کو کنٹرول کرنے میں بری طرح ناکام رہی ہے۔ افغان فوج اور پولیس طالبان کا مقابلہ کرنے کی سکت بھی کھوتی جا رہی ہیں اور افغان طالبان دن بدن افغانستان میں اپنے حملے تیز کر رہے ہیں۔ گزشتہ روز قندوز شہر پر طالبان کے قبضے سے افغان حکومت کی کمزوری کھل کر سامنے آ گئی ہے، لیکن افغان حکومت اپنی کمزوری کا ملبہ

پاکستان پر گرانا چاہتی ہے۔ گزشتہ روز افغان صدر اشرف غنی کی جانب سے پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی کرنا افسوس ناک عمل ہے۔ حالانکہ یہ سب افغان حکومت کی ناکامی اور ان پر عوام کے عدم اعتماد کا ثبوت ہے۔ جس کا اظہار بہت پہلے امریکی انٹیلی جنس کر چکی ہے۔ گزشتہ سال ایک امریکی انٹیلی جنس رپورٹ میں دعوی کیا گیا تھا کہ امریکی فوج کی محدود موجودگی کے باوجود 2017 تک افغانستان میں طالبان اور دوسرے جنگجو گروپ غلبہ حاصل کر لیں گے۔ رپورٹ میں مزید دعوی کیا گیا تھا کہ امریکا اور اس کے اتحادیوں نے افغانستان میں جو فوائد حاصل کیے ہیں، وہ طالبان اور دوسرے جنگجو گروہوں کے بتدریج بااثر ہونے کی وجہ سے 2017 تک ضائع ہو جائیں گے اور کابل کی مرکزی حکومت رفتہ رفتہ ملک کے بیشتر حصوں پر اپنا کنٹرول اور اثر و رسوخ کھوتی چلی جائے گی اور صورتحال ماضی جیسی ہو جائے گی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ ان حقائق کے بعد افغان حکومت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی بھی واقعہ کا الزام پاکستان پر دھرے۔ افغانستان کے حالات کی ذمہ دار افغان حکومت ہے۔

ہر شخص اپنا احتساب کرے!

خود احتسابی دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ایک ہے، کیونکہ انسان اپنی فطرت کیمطابق خود کو خامیوں سے پاک سمجھتے ہوئے تمام غلطیوں کا ذمے دار دوسروں کو ٹھہراتا ہے۔ خود کو جانچنا، اپنی غلطیوں، خامیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کرکے ان کی اصلاح کرنا اور اپنے ہر عمل کا خود حساب رکھنا "خود احتسابی" کہلاتا ہے۔ یہ عمل انسان میں اپنے اندر پیدا ہونیوالے منفی و مثبت رجحانات کا تعین کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے اور یہ صلاحیت انسان کو اپنا اخلاق و کردار سنوارنے کے قابل بناتی ہے۔ خود احتسابی کی بدولت انسان اپنے اندر کی پوشیدہ صلاحیتوں کو برآمد کرتا ہے۔ یہ بات چڑھتے سورج کی طرح ظاہر ہے کہ دنیا میں وہی اقوام اور افراد بلند مراتب حاصل کرتے ہیں، جو ہمیشہ اپنا احتساب کرتے رہیں۔

جن قوموں اور افراد نے ترقی کی ہے، ان کا طریقہ یہی رہا ہے کہ وہ اپنے ہر عمل کا احتساب کرکے آیندہ کے لیے لائحہ عمل طے کرتے ہیں۔ دنیا ایسے لوگوں کو ہمیشہ یاد رکھتی ہے، جنھوں نے اپنا وقت دوسروں کی خامیوں اور غلطیوں پر بحث مباحثہ کرتے ہوئے گزارنے کے بجائے اپنی ذات کا احتساب کیا، سابقہ خامیوں سے نجات حاصل کر کے بہتری کا سفر جاری رکھا اور خود کو ذمے دار

سمجھتے ہوئے اپنی صلاحیتوں کو معاشرے کے لیے وقف کیا۔انسان جتنی بار اپنا احتساب کرتا ہے، اتنی بار ہی اس کے کام میں مزید بہتری آتی ہے۔ جو لوگ خود احتسابی کو اپنا وطیرہ بنالیں، وہ ہمیشہ کامران ٹھہرتے ہیں۔

مشہور ہے "یونان کے ایک مصور نے ایک تصویر بنائی، جس میں ایک آدمی کو انگور کا خوشہ پکڑے دکھایا گیا تھا۔ اس نے تصویر کو بازار میں لٹکا دیا۔ جو بھی تصویر کو دیکھتا، اس کی تعریف کرتا۔ مصور کے کچھ دوست کہنے لگے "تم نے انگوروں کا خوشہ اس قدر بہترین بنایا ہے کہ چڑیاں آتی ہیں اور اسے اصل سمجھ کر چونچ مارتی ہیں۔" مصور نے اپنی تعریف پر واہ واہ کرنے کی بجائے تصویر میں اپنی غلطی کو ڈھونڈا اور کہنے لگا "اس کا مطلب ہے۔ میری تصویر میں کچھ خامی رہ گئی ہے۔ آدمی کو بنانے میں مجھ سے غلطی ہو گئی، ورنہ چڑیاں اگر آدمی کو بھی اصل سمجھتیں تو اس کے ڈر سے انگوروں پر چونچ مارنے کی جرات نہ کرتیں۔" مصور نے وہ تصویر اتاری اور پہلی سے بھی بہتر دوسری تصویر بنائی۔ اس تصویر میں بھی ایک آدمی انگور کا خوشہ لیے کھڑا تھا۔ انگور کا خوشہ دوبارہ اس قدر شان دار بنایا گیا تھا کہ چڑیاں اس کو دیکھ کر اس کے پاس آتیں، مگر اب انھیں چونچ مارنے کی ہمت نہ ہوتی، جو آدمی انگور کا خوشہ لیے ہوئے تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس قدر غصہ بھرا تھا کہ چڑیاں اسے دیکھتے ہی ڈر کر اڑ جاتیں..! ! اب مصور بہت خوش تھا، کیونکہ اس نے پہلی تصویر میں خود ہی

اپنی خامی کی نشاندہی کی اور اس کی اصلاح کرکے پہلے سے شاندار تصویر بنائی تھی اور یہ کامیابی اسے خود احتسابی کے نتیجے میں میسر آئی تھی۔

اگر زندگی کی روانی کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کی ہر ناکامی میں کہیں نہ کہیں اپنی کوتاہی پوشیدہ ہوتی ہے، جسے خود احتسابی کے ذریعے دور کیا جا سکتا ہے۔ چھوٹے نقصانات کے بعد خود کا احتساب کرکے بڑے نقصانات سے بچا سکتا ہے۔ جو لوگ کبھی اپنا احتساب نہیں کرتے اور ہمیشہ ہر معاملے میں دوسروں کو ہی قصور وار ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کو کامیابی مشکل ہی ملتی ہے۔ آج حالات پر تبصرہ کرنا، حکمرانوں اور سیاستدانوں کو برا بھلا کہنا اور معاشرے کی خامیوں اور محرومیوں پر بحث مباحثہ کرنا بحیثیت مجموعی ہم سب کا محبوب مشغلہ بن چکا ہے۔ ایک بڑی تعداد ڈرائینگ رومز، چائے خانوں، دفاتر، تقریبات اور سوشل میڈیا پر گھنٹوں گھنٹوں اجتماعی المیوں اور بے حسی کی داستانیں دہراتے ہوئے گزار دیتی ہے۔ ہم نقائص کی تشخیص کرنے کے بعد ان کی بہتری کے لیے کام کرنے کے بجائے اپنی عمر محض نقطہ چینی کرنے میں گزار دیتے ہیں۔

ہم میں سے اکثریت اپنی صلاحیتوں کو اسی طرح خرچ کرنے میں مصروف ہے، لیکن اس کے باوجود معاشرے کے شب و روز جوں کے توں ہیں، کیونکہ کوئی بھی اپنا احتساب

کرکے خود کو بدلنے پر تیار نہیں ہے، بلکہ ہر کوئی دوسروں کو بدلنے کی فکر میں ہے۔ ہر کوئی دوسروں کو غلط ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے، حالانکہ دوسروں کی خامیوں، غلطیوں اور کوتاہیوں کو موضوع بحث بنا کر سارا دن اپنا دماغ کھپانے سے کہیں بہتر ہے کہ ہر فرد اپنی غلطیوں، خامیوں اور کوتاہیوں کو تلاش کرے اور اپنا احتساب کرے، کیونکہ معاشرے میں تبدیلی خود سے شروع ہوتی ہے اور خود میں جو تبدیلی انسان خود لا سکتا ہے، کوئی دوسرا نہیں لا سکتا۔

انسان خود کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ جس طرح آئینہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا، اسی طرح انسان خود سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اسی لیے ہر فرد اپنی ذات کے متعلق اپنے دل سے سوال کرے، تو اپنے آئینہ دل میں اپنی ذات کا عکس واضح نظر آئے گا۔ خود احتسابی کا عمل خود سے شروع ہو کر خود پر ختم ہوتا ہے۔ خود احتسابی کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے بارے میں گاہے بگاہے خود سے رائے دریافت کریں، اپنے ہر عمل اور اپنے ہر عمل سے پیدا شدہ نتائج کا خود جائزہ لیں۔

بہت سے سماجی، معاشی، اقتصادی، اجتماعی و انفرادی مسائل صرف لاپرواہی کے نتیجے میں جنم لیتے ہیں، خود احتسابی سے ہم ایسے تمام معاشرتی مسائل سے چھٹکارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ معاشرے میں بہت سے مسائل کو ہم خود جنم دیتے

ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم خود کو بری الذمہ سمجھتے ہیں اور ہم یہی کہتے ہیں کہ ہم ٹھیک ہیں، یہ تمام مسائل ملک کے خراب نظام کا نتیجہ ہیں۔ حالانکہ یہ نظام بھی ہم سب نے خود بنایا ہے۔ اپنی ذمے داریوں سے پہلو تہی، کام چوری، رشوت، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، ڈیوٹی میں غفلت اور اس قسم کے نجانے کتنے کام ہم خود کرتے ہیں۔ بحیثیت قوم بہت سی خرابیاں ہماری اپنی ہیں۔ سو دوسروں کو بدلنے کے بجائے خود کا احتساب کریں اور خود کو بدلیں۔

خود احتسابی ہر فرد کا دینی، قومی، اخلاقی، سیاسی اور سماجی فریضہ ہے، اس ضمن میں کسی کو استثنیٰ حاصل نہیں ہے۔ عام شہری سے اعلیٰ منتخب حکمران، ماتحت عدالت کے اہل کاروں سے عدالت عظمیٰ کے جج صاحبان، سیاسی جماعت کے گلی کوچے کے کارکن سے پارٹی کے سربراہ تک سب کو اپنا احتساب کرنا چاہیے۔ جن معاشروں میں خود احتسابی کا عمل ختم ہو جاتا ہے تو پھر وہاں لاقانونیت، افراتفری، بدامنی، بے ضابطگی، بے قاعدگی، بدعنوانی اور انارکی فروغ پاتی ہے۔ ہمارے زوال کے اسباب میں سے ایک بڑا اور اہم سبب بھی خود احتسابی سے دوری ہے۔ ایک مثالی معاشرہ تعمیر کرنے کے لیے ہمیں خود کا احتساب کرنا ہوگا۔

اگرچہ خود احتسابی کا عمل اپنے آپ سے شروع ہو کر اپنے آپ پر ختم ہونے والا

عمل ہے، لیکن جب ہر فرد یہ عمل کرتا ہے تو اس عمل سے پیدا ہونے والے نتائج و ثمرات کا دائرہ اپنی ذات اور اپنے گھر سے ہوتا ہوا پورے معاشرے تک وسعت اختیار کرتا چلا جاتا ہے۔ لہٰذا آئیں سب مل کر خود احتسابی کے عمل سے اپنی شخصیت میں وہ نکھار پیدا کریں، جو ہماری ذات اور گھر سے ہوتا ہوا پورے انسانی معاشرے تک وسعت اختیار کر جائے اور ہم ایک مثالی معاشرہ تعمیر کر سکیں۔

پالپا" اور پی آئی اے کے تنازع میں مزید شدت آ گئی"

پاکستان کی قومی ایئر لائن پی آئی اے کے پائلٹس کی کئی روز سے غیر اعلانیہ ہڑتال جاری ہے، جس کے سبب ہزاروں مسافروں کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ پائلٹس کی ہڑتال کی وجہ سے چند ہی روز میں 62 سے زاید پروازیں منسوخ ہوئی ہیں، جبکہ کئی دیگر پروازیں تاخیر کا شکار ہوئی ہیں، جس کے سبب ذرائع کے مطابق اب تک 65 کروڑ روپے سے زاید کا خسارہ ہو چکا ہے۔ پی آئی اے کی انتظامیہ نے اس صورت حال کا ذمہ دار پائلٹس کو ٹھہرایا ہے، جبکہ پاکستان ایئر لائنز پائلٹس ایسوسی ایشن (پالپا) کی جانب سے پی ائی اے انتظامیہ کی نااہلی اور بدانتظامی کو اس صورتحال کا قصور وار ٹھرایا جارہا ہے۔ حکومت اور پائلٹوں کی تنظیم "پالپا" کے درمیان پروازوں کی مکمل بحالی کے لیے ہونے والے مذاکرات کا دوسرا دور بھی ناکام ہوگیا ہے۔ مذاکرات کے دوسرے دور میں پی آئی اے نے پالپا کے تین مطالبات ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ پالپا کے مطالبات میں ڈائریکٹر فلائٹ آپریشن کو فوری طور پر ہٹانے، شوکاز اور لیگل نوٹس کی واپسی اور بر طرف پائلٹوں کی بحالی اور پائلٹوں کی سنیارٹی کا تعین پالپا کی مرضی سے کیے جانے کے مطالبات شامل ہیں۔ مشیر ہوا بازی شجاعت عظیم نے کہا کہ مطالبات کے لیے تیار ہیں، لیکن یہ مطالبات منظور نہیں کیے جا سکتے۔ ڈائریکٹر کو ہٹانے کی ڈکٹیشن

کسی سے نہیں لے سکتے۔ ترجمان سی اے اے پالپا کے مطالبات نامناسب ہیں۔ انتظامیہ نے پالپا کو دس رکنی کمیٹی بنانے کی پیش کش کی ہے، جو معاملے کو سلجھانے کی کوشش کرے۔

پی آئی اے اور پالپا کی چپقلش کے حوالے سے پاکستان پائلٹس کی ایسوسی ایشن پالپا کے مطابق وہ چاہتے ہیں کہ پی آئی اے کو پیشہ ورانہ انداز اور قوانین کے مطابق چلایا جائے۔ پائلٹس اپنا آرام یا چھٹی لینا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا سارا آپریشن متاثر ہو رہا ہے۔ صدر پالپا کیپٹن عامر ہاشمی کا کہنا ہے کہ فلائنگ کی حد ہوتی ہے، لیکن پالپا کا خیال نہیں رکھا جا رہا۔ ایک آدمی 4 آدمیوں کا کام کر رہا ہے۔ پروازیں جو شیڈولنگ ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے متعین کی جاتی ہیں، ان پر پائلٹوں کی ڈیوٹی اوقات میں اضافہ ہوتا ہے اور ایسی پروازوں کے لیے دو کروسیٹ درکار ہوتے ہیں، جو انتظامیہ مہیا کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ اگر پائلٹ ان پروازوں کو آپریٹ کریں تو وہ سی اے اے کے عتاب کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کے لائسنس منسوخ کر دیے جاتے ہیں۔ اسی طرح انتظامیہ کا سخت رویہ پالپا کے لیے یہ بات مشکل بنا رہا ہے کہ وہ اپنے ارکان کو فلائٹ آپریٹ کرنے کے لیے آمادہ کر سکیں۔ جبکہ گزشتہ روز پی آئی انتظامیہ کا کہنا تھا کہ پائلٹوں نے تنخواہیں 100 فیصد بڑھانے کا مطالبہ کیا ہے، پالپا کا احتجاج سمجھ سے بالاتر ہے، پائلٹوں کے مطالبات ماننے سے

بہتر ہے کہ پی آئی اے کو بند کر دیا جائے، کیونکہ یہ ادارہ پہلے ہی خسارے میں جا رہا ہے، اگر پائلٹوں کے مطالبات مان لیے جائیں تو خسارہ مزید بڑھ جائے گا۔ اس وقت پی آئی اے کے سینئر پائلٹس تنخواہ کی مد میں ساڑھے 15 لاکھ روپے سے زاید وصول کر رہے ہیں، جبکہ سرکاری طور پر سالانہ 3 ارب روپے سے زاید پائلٹوں کی سہولیات کی فراہمی پر خرچ کیا جا رہا ہے۔ پی آئی اے اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی ہے اور ہوا میں اڑنے والوں کو زمین پر لانے کی حکمت عملی تیار کر لی گئی۔ حکومت نے قومی ایئر لائن کے پائلٹوں کی نوکری لازمی سروسز میں شامل کرنے پر غور شروع کر دیا ہے، جس کے بعد پائلٹس کو من مانی کرنے کا موقع نہیں مل سکے گا اور آئے دن ہڑتال کی چھٹی کرنے والوں کو لازمی حاضر سروس ہونا پڑے گا۔ یہی نہیں بلکہ حکومت بیرون ممالک سے بھی پائلٹس لانے پر غور کر رہی ہے، اس کے ساتھ پاک فضائیہ سے بھی پائلٹ لیے جا سکتے ہیں۔

اعداد و شکار کے مطابق پی آئی اے میں اس وقت 18 ہزار ریگولر اور 3 ہزار سے زاید افراد یومیہ اجرت پر کام کر رہے ہیں، اس طرح کل ملازمین کی تعداد 21 ہزار کے لگ بھگ ہے۔ جبکہ جہازوں کی تعداد 43 ہے، اس طرح عملے کا تناسب فی جہاز 500 افراد ہے، جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے اور 400 سے 500 تک پائلٹوں کی تعداد ہے۔ پی آئی اے کے پاس بوئنگ 777 کے نو جہاز، جبکہ بوئنگ 747 تین جہاز، 20 ائر بس اور 11 اے ٹی آر ہیں۔ پی آئی اے کی پروازیں بیرونی

دنیا کے 38 ممالک تک جاتی ہیں، جبکہ نیٹ ورک 62 ممالک تک ہے۔ اندرون 24 منازل تک جاتی ہیں۔ ہر سال پی آئی اے میں تقریباً 60 لاکھ مسافر سفر کرتے ہیں۔ ان میں سے 33 لاکھ افراد بین الاقومی منازل کی طرف، جبکہ باقی افراد اندون ملک سفر کرتے ہیں۔ پی آئی اے کی سالانہ آمدنی کا تخمینہ بھی بڑی دلچسپی کا حامل ہے۔ ایک اندازے کے مطابق پی آئی اے تقریباً ایک کھرب روپیہ سالانہ کماتا ہے۔ اس آمدنی کے باوجود پی آئی اے اربوں کے خسارے میں ہے۔ پی آئی اے میں سفر کرنے والے مسافروں کی تعداد کے تناسب سے اگر اس ادارے کا جائزہ لیا جائے تو خسارے کا جواز سمجھ میں نہیں آتا۔ 1965 تک پی آئی اے دنیا کی بہترین ایئر لائن تھی۔ 1965 سے تک بھی پی آئی اے کا شمار دنیا کی ممتاز ایئر لائنز میں تھا۔ پی آئی اے کو یہ 1971 اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس نے صومالیہ، مالٹا، یمن، سنگاپور اور متحدہ عرب امارات ایئر لائنز کے قیام میں مدد دی۔ پی آئی اے کی پروازیں ایشیا، یورپ، نیویارک، ٹورنٹو اور ٹوکیو تک جاتی ہیں۔ پی آئی اے میں ہڑتال کی کال ایک معمول بن چکی ہے۔ جس سے قومی خزانے کو نقصان پہنچنے کے ساتھ ساتھ عوام کو بھی تکلیف کا سامنا ہے۔ گزشتہ روز بھی انتظامیہ اور پائلٹوں کی چپقلش کی وجہ سے پی آئی اے کی پروازیں منسوخ ہوئیں تو مسافروں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ پالپا کی ہڑتال کے باعث پریشان حال مسافروں نے نجی ایئر لائن کا رخ کیا تو شاہین، ایئر بلیو اور دیگر ایئر لائنز نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فضائی ٹکٹوں میں من چاہا

اضافہ کر دیا۔ کراچی سے اسلام آباد کا ٹکٹ 12 کی بجائے 26 ہزار کر دیا گیا۔ ایئر لائنز نے ریٹرن ٹکٹ پر اضافی کمائی کی انتہا کر دی۔ 20 ہزار سے بڑھا کر 50 ہزار روپے کر دی، جبکہ ایئر لائنز ایک پرواز پر 50 لاکھ روپے اضافی کما رہی ہے۔ وزیر اعظم نے نجی ایئر لائنز کی طرف سے مسافروں سے زیادہ کرائے وصول کرنے کا نوٹس لے لیا ہے۔

ایئر لائن ذرائع کے مطابق دونوں کی اس جنگ میں مسئلے کے حل کے لیے دونوں میں سے کوئی بھی جھکنے کے لیے تیار نظر نہیں ہے۔ اگر یہ تنازع حل نہ ہوا تو وقت گزرنے کے ساتھ خسارہ بڑھتا جائے گا۔ کیش نہ ہونے کے باعث پی آئی اے ابھی تک اپنے ملازمین کو تنخواہیں بھی ادا نہیں کر پائی ہے، جنہیں اس ماہ کی دس تاریخ کو تنخواہیں ملنے کی امید ہے۔ سول ایوی ایشن اتھارٹی نے بھی اس صورتحال کا نوٹس لیا ہے اور کہا ہے کہ پالپا پی آئی اے کے لیے خطرہ بن چکی ہے اور ایئر لائن اور سی اے اے پر اپنی مرضی تھوپنے کے لیے ایئر لائن اور قوم کا بھاری مالی نقصان کر رہی ہے اور مسافروں کے تحفظ کے لیے فلائٹ سیفٹی کا خیال بھی نہیں کر رہی ہے۔ پی آئی اے کی اصلاح یا جزوی نجکاری کے عمل کے بارے میں ماہرین کا خیال ہے کہ 31 اداروں میں پی آئی اے ایک ایسا ادارہ ہے جس کی اصلاح باقی دوسرے اداروں کی نسبت سب سے زیادہ آسان اور تیز تر ہو گی۔ پی آئی اے کا ملک گیر اور بین الاقوامی نیٹ ورک پہلے سے موجود ہے، پیشہ

وارانہ ماہر افرادی قوت بھی پہلے سے موجود ہے۔ خود مختار بورڈ اور جہازوں کی تعداد میں اضافے اور پالیسی ڈائریکشن میں بہتری ہی پی آئی اے کے اصلاحی عمل کو تیزی سے آگے بڑھا سکتی ہے۔

پاکستان: افغانستان کی الزام تراشیاں.... نا قابل فہم و بے بنیاد قرار

قیام پاکستان کے بعد سے افغانستان اور پاکستان کے تعلقات میں بہت سے موڑ آئے ہیں۔ افغان حکومت نے ہمیشہ پاکستان کی مخالفت کی ہے، سابق صدر حامد کرزئی کے دور حکومت میں آخر تک افغان حکومت کی جانب سے پاکستان پر الزام تراشیوں کا بھرپور سلسلہ جاری رہا۔ افغانستان میں اشرف غنی کے اقتدار میں آنے کے بعد توقع بندھی تھی کہ پاک افغان برادرانہ مراسم استوار ہو جائیں گے، جس کا اشرف غنی نے اپنے اقتدار کے آغاز میں عندیہ بھی دیا اور ان کے دورہ اسلام آباد اور اس کے بعد آرمی چیف جنرل راحیل شریف اور مشیر امور خارجہ سرتاج عزیز کے الگ الگ دورہ کابل سے دہشتگردی کے خاتمے کے لیے پاک افغان مشترکہ حکمت عملی طے ہوتی نظر آئی، مگر باہمی خیر سگالی کی یہ فضا زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی اور اشرف غنی نے پاکستان کے خلاف اپنے پیشرو کرزئی والا لب و لہجہ اختیار کر لیا اور افغان حکومت کی جانب سے پاکستان پر یہ الزام عاید کیا جانے لگا کہ اسلام آباد افغانستان کو غیر مستحکم دیکھنا چاہتا ہے اور افغان طالبان کی حمایت بھی کرتا ہے، جبکہ پاکستان نے ہمیشہ ان الزامات کی تردید کرتے ہوئے یہ واضح کیا کہ ایک مستحکم افغانستان پاکستان کے مفاد میں ہے اور پاکستان وہاں سیاسی استحکام کے لیے

کوشاں ہے۔

حالیہ دنوں افغانستان کے اہم شہر قندوز پر طالبان نے قبضہ کیا اور جیل توڑ کر چھ سو سے زاید قیدیوں کو بھی چھڑا لیا، جو یقینا افغان حکومت کی ناکامی تھی لیکن اس قبضے کے بعد اشرف غنی اور اس کے بعد افغانستان کے چیف ایگزیکٹو عبداللہ عبداللہ نے پاکستان پر دشنام طرازی کرتے ہوئے کہا کہ افغانستان میں حملہ آور سرحد پار سے آ رہے ہیں۔ افغانستان کی جانب سے پاکستان پر الزام تراشی کے بعد پاکستان کے سیکرٹری خارجہ اعزاز احمد چودھری نے واضح کیا کہ افغانستان کے مسائل الزام تراشی سے نہیں، مذاکرات سے حل کیے جا سکتے ہیں۔ پاکستان افغانستان کے مسائل کا پرامن حل چاہتا ہے جس سے پورے خطے میں امن اور استحکام آئے گا، لیکن پاکستان کی جانب سے افغانستان میں مداخلت کے امکان کو مسترد کیے جانے کے باوجود بھی نہ صرف افغان حکومت نے اپنا روایہ برقرار رکھا، بلکہ افغان میڈیا نے بھی پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا اور پاکستان پر قندوز قبضے میں ملوث ہونے کا الزام عاید کیا گیا۔ گزشتہ روز پاک فوج نے افغان میڈیا کی طرف سے پاکستانی سیکورٹی فورسز کے قندوز حملے میں ملوث ہونے کے الزامات کو نامعقول، بے بنیاد اور سستی شہرت حاصل کرنے کی کوشش قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا ہے۔ آئی ایس پی آر کے ترجمان نے کہا ہے کہ یہ الزامات غیر ذمہ دارانہ رویہ ہے، جن کا اعادہ نہیں

ہونا چاہیے، بلکہ حقیقی خطرے پر توجہ دی جائے۔ آئی ایس پی آر کے ترجمان نے افغان میڈیا رپورٹس کو رد کرتے ہوئے کہا کہ افغان اہلکار کی طرف سے لگائے گئے الزامات مکمل طور پر بے بنیاد ہیں، پاکستان افغان قیادت میں ان کے اپنے امن کے عمل کی پہلے ہی حمایت کرتا ہے اور پاکستان نے قندوز حملے کی مذمت کی ہے، یہ الزامات ناقابل فہم ہیں۔ الزام تراشی ذمہ دارانہ رویہ نہیں، بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ بار بار الزام تراشی کی بجائے باہمی بہتر مفاد میں اس حقیقی خطرے پر توجہ دی جائے جو دونوں ملکوں کو درپیش ہے۔ آئی ایس پی آر) کے ترجمان نے کہا قندوز حملے میں پاکستانی سیکورٹی اہلکاروں کے ملوث ہونے کے حوالے سے افغان حکام کے الزامات بے بنیاد اور من گھڑت ہیں۔ پاکستان قندوز حملے کی شدید مذمت کرتا ہے۔ پاک فوج کے شعبہ تعلقات عامہ (آئی ایس پی آر) کا کہنا تھا کہ پاکستان کے سیکورٹی حکام قندوز حملے میں ملوث نہیں ہیں۔

واضح رہے کہ افغانستان کی جانب سے پاکستان پر الزام تراشی کا یہ پہلا موقع نہیں ہے، بلکہ اس سے پہلے بھی افغانستان کئی بار پاکستان پر االزام تراشی کرچکا ہے، جس کی پاکستان کی جانب سے بھرپور تردید کی جاتی رہی ہے۔ اگست میں بھی افغانستان کے صدر اشرف غنی اور چیف ایگزیکٹو عبداللہ عبداللہ نے پاکستان پر افغانستان میں حملے کا الزام عاید کیا تھا، جس کے بعد پاکستان کے دفتر خارجہ کا کہنا تھا کہ پاکستان افغانستان کی زیر قیادت افغانستان میں

امن اور مصالحت کی کوششوں کے حوالے سے بدستور پر عزم ہے۔ افغانستان سے مکمل تعاون کریں گے۔ جبکہ اس سے پہلے ماہ جون میں افغان پارلیمنٹ پر طالبان کے حملے کے بعد افغان انٹیلی جنس نے افغان پارلیمنٹ پر حملے میں طالبان کی مدد کا الزام بھی پاکستان پر ہی عاید کیا تھا۔ پاکستان کے دفتر خارجہ نے افغان خفیہ ایجنسی کا یہ موقف سختی سے مسترد کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ پہلا موقع نہیں کہ افغانستان نے اس طرح کا الزام لگایا ہو، جبکہ پاکستان کی پالیسی اس حوالے سے بڑی واضح ہے کہ افغانستان کا دشمن پاکستان کا دشمن ہے۔ پاکستان نے واضح کر دیا تھا کہ وہ افغانستان کا استحکام اور وہاں امن و امان چاہتا ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ افغان حکومت و میڈیا کا پاکستان پر الزام تراشی کرنا الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مترادف ہے، کیونکہ پاکستان میں دہشتگردی پھیلانے والے عناصر افغانستان سے سرحد عبور کرکے آتے ہیں جس کے ٹھوس ثبوت بھی آرمی چیف اور مشیر امور خارجہ کابل انتظامیہ کو پیش کر چکے ہیں۔ تمام شواہد کے باوجود افغانستان کا پاکستان پر الزام عاید کرنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ پاکستان نے افغانستان کی تعمیر نو میں ہر ممکن تعاون کرنے اور پاکستان میں 30 لاکھ سے زاید افغان مہاجرین کو تمام تر سہولتوں کی فراہمی یقینی بنانے کے ساتھ ساتھ افغانستان میں قیام امن کی کوششوں کو کامیاب بنانے اور پاک افغان بارڈر پر غیر قانونی نقل و حرکت روک کر دراندازی کی حوصلہ شکنی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، لیکن اس کے باوجود ہر دور میں آنے والی

افغان حکومت کی طرف سے پاکستان پر الزام تراشی کرنا مضحکہ خیز عمل ہے۔ افغان حکومت کی کمزوری کی وجہ سے طالبان افغانستان میں منظم اور مضبوط ہوئے ہیں اور انہوں نے قندوز پر قبضہ کیا ہے۔ افغان فوجیں طالبان کا مقابلہ کرنے کی تو سکت نہیں رکھتیں، مگر پاکستان پر انگلی اٹھانے سے گریز نہیں کرتیں۔

پاکستان افغانستان میں امن کا خواہاں ہے۔ پاکستان اور افغانستان دو مسلمان پڑوسی ملک ہیں اور دونوں کے درمیان مذہبی، ثقافتی، سیاسی تعلقات صدیوں پر محیط ہیں، لیکن افغانستان نے پاکستان کے معاملے میں ہمیشہ منفی رویہ اپنایا ہے اور افغانستان میں ہونے والی ہر دہشت گردی کو پاکستان کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ افغان حکومت ہر موقع پر پاکستان کو ہی ہدفِ تنقید بنانے اور افغانستان کی موجودہ صورتحال کا ذمہ دار قرار دینے کی پالیسی اختیار کیے ہوئے ہے۔ اصولی طور پر قیام امن کے لیے افغانستان کا پاکستان کے ساتھ مثالی اتحاد ہونا چاہیے تھا۔ اگر اس حقیقت کا ادراک کرکے کابل کے حکمران پاکستان کے ساتھ اتحاد و یکجہتی کے بندھن میں بندھ جاتے اور قیام امن کے لیے مشترکہ حکمت عملی طے کرلیتے تو خطے کی امن و امان کی صورتحال بھی بہتر ہوجاتی اور بھارت کو بھی پاکستان کی سالمیت کے خلاف اپنی سازشیں پروان چڑھانے کے لیے افغان سرزمین استعمال کرنے کا موقع نہ ملتا۔ مگر اشرف غنی نے یکلخت طوطا چشمی اختیار کرلی اور تلخ و ترش لہجے میں پاکستان پر الزام تراشیوں کا

سلسلہ شروع کر دیا، جس کا اعادہ انہوں نے ایک بار پر گزشتہ دنوں یہ کہہ کر کیا کہ پاکستان کے ساتھ برادر مسلم ملک والے نہیں، بلکہ دو ریاستوں والے تعلقات ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس پاکستان کی جانب سے بیان دیا گیا کہ افغانستان اور پاکستان کے تعلقات صرف دوستانہ نہیں، بلکہ برادرانہ ہیں۔ افغان حکومت امریکا، بھارت، اسرائیل اور بعض دوسرے اتحادیوں کے ذریعے پاکستان کے خلاف الزام تراشی کرکے ماحول کو کشیدہ رکھنے پر تلی ہوئی ہے اور اس حقیقت کو فراموش کر رہی ہے کہ دوست اور دشمن تو بدلے جا سکتے ہیں، لیکن پڑوسی نہیں بدلے جا سکتے۔ افغانستان کی خراب صورتحال دونوں ملکوں کے لیے نقصان کا باعث ہے اور افغان حکمران محض پاکستان کو مورد الزام ٹھہرا کر کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ دونوں ملکوں کو مل کر خطے میں پائیدار امن و سلامتی کا راستہ تلاش کرنا ہوگا۔ خارجہ پالیسی طاقت کے بل پر نہیں، بلکہ حقائق کی بنیاد پر تشکیل دینا ہوگی۔

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر

کرہ ارض پر موجود کوئی بھی کلمہ خواں ایسا نہیں جو محسن انسانیت، فخر دو عالم، مرسلین کے تاجدار، سید ابرار، نور مجسم، وجہ باعث تخلیق کائنات، فخر موجودات، مظہر رحمت، محسن عالم، مخزن رحمت، سرور کونین، محسن اعظم، مجسم رحمت، ہادی عالم رحمۃ للعالمین، آمنہ کے لال صلی اللہ علیہ وسلم کو خود سے زیادہ محبوب نہ رکھتا ہو۔ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر امتی کی نس نس میں خون بن کر دوڑتی ہے اور سانس بن کر چلتی ہے۔ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں پاسبان عقل کو کسی نے ساتھ رکھنا گوارا نہ کیا۔ یہ معاملہ دل کا ہے۔ عقل و دماغ کا یہاں گزر نہیں اور عشق و محبت میں ہمیشہ دل والے عقل والوں پر برتری حاصل کر لیتے ہیں۔ اہلِ عشق کی نظر میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، اللہ کی ازلی و ابدی اور لازوال قدرت، علم، جمال، کمال اور جلال کے مظہر تام کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے رفعت بخشی اور اسوہ کو حسین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو رحمۃ للعالمین قرار دیا۔ اس مصور باکمال اور احسن الخالقین کا کمالِ خلقت آپ کی ذات پر تام ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہوئے۔

آپ علیہ السلام انسان کامل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کو دیکھ کر کوئی شخص فدا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ میانہ قد، سرخی مائل سفید گورا رنگ، سرِ اقدس پر سیاہ ہلکے گھنگریالے ریشم کی طرح ملائم، انتہائی خوبصورت بال۔ رخ انور اتنا حسین کہ ماہِ کامل کی مانند چمکتا۔ سینہ مبارک چوڑا، کشادہ، جسم اطہر نہ دبلا نہ موٹا، دونوں شانوں کے بیچ پشت پر مہرِ نبوت، کبوتر کے انڈے کے برابر سرخی مائل ابھری کہ دیکھنے میں بے حد بھلی لگتی تھی، پیشانی کشادہ بلند اور چمکدار، ابروئے مبارک کمان دار غیر پیوستہ، دہن شریف کشادہ، ہونٹ یاقوتی، مسکراتے تو دندانِ مبارک موتی کی مانند چمکتے، دانتوں کے درمیان ہلکی ہلکی درزیں تھیں، بولتے تو نور نکلتا تھا۔ شاعر رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ اپنے نعتیہ قصیدے میں نقشہ کھینچتے ہیں:

واحسن منک لم ترقط عینی واجمل منک لم تلد النسائ

خلقت مبرّاً من کل عیب کانک قد خلقت کما تشائ

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسین مرد میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت مرد کسی عورت نے نہیں جنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے ظاہری و باطنی عیب سے پاک پیدا ہوئے۔"

بھلا کوئی انسان اس عظیم ہستی کی تعریف کیا بیان کر سکتا ہے، جس کی تعریف بیان کرتے ہوئے خود خدا نے فرمایا: " اے اللہ کے نبی ! ہم نے بلند کیا آپ کا ذکر۔ " اتنا بلند کیا کہ قیامت تک آنے والے جن و انس اور ملائکہ اپنے نطق و قلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی شان بیان کرکے سعادت سمیٹتے رہیں گے۔ خدا کے بعد ہر امتی کا آخری سہارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو ہیں۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو بے پناہ محبت سے نوازا ہے۔ ہر نبی کی ایک قبول ہونے والی دعا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے بے پایاں محبت کا اندازہ لگائیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیش قیمت دعا کو اپنی امت کے لیے سنبھال رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و تبلیغ کے راستے میں جتنی تکالیف برداشت کیں، وہ صرف اس خاطر کہ دین کماحقہ امت تک پہنچ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحن میں کوڑا پھینکا گیا۔ سر پر خاک ڈالی گئی۔ اوجھڑی ڈالی گئی۔ بیٹیوں کو طلاق ہوئی۔ قتل کی سازشیں ہوئیں۔ مبارک گلے میں چادر ڈال کر گھونٹا گیا۔ طائف کا سفر، شعب ابی طالب کی سختی۔ ہجرت کی دربدری، پیٹ پر پتھر سب ہماری خاطر گوارا کیے۔ جنگیں لڑیں، احد کے زخم اٹھائے۔ یہ سب ہماری خاطر برداشت کیا، تاکہ دین ہم تک بلا کم و کاست پہنچ جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ہی اثر تھا کہ ہر جان محبت کے سانچے میں

ڈھل گئی۔ انسانوں نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی لازوال تاریخ رقم کی ہی ہے، جبکہ غیر انسان بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ ایک بار قدموں تلے پہاڑ لرزا تو اسے اس طرح مخاطب کیا جیسے ذی شعور، ذی حس کو مخاطب کیا جاتا ہے اور وہ تھم گیا۔ اونٹ اپنے مالک کی شکایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک شانے پر سر رکھ کر بہتی آنکھوں کے ساتھ کرتا نظر آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ جب منبر بنادیا گیا اور پہلے دن آپ صلی اللہ نے منبر استعمال فرمایا تو جدائی پر کھجور کا تنا بلک بلک کر رودیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھپتھپانے پر وہ آسودہ ہوگیا۔

سیرت کو فروغ دینا نہ صرف باعث سعادت بلکہ ضروری بھی ہے، کیونکہ ایک پرامن و مثالی معاشرے کا قیام سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عام کیے بغیر ممکن نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہمارے لیے ہر قدم پر راہنمائی موجود ہے۔ خالق ارض و سما نے رسولِ کائنات، فخر موجودات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو نسلِ انسانی کے لیے نمونہ کامل اور اسوۂ حسنہ بنایا ہے۔ اسی نمونے کی اقتدا کرکے پرسکون زندگی اور کامیاب آخرت مل سکتی ہے۔

محسن انسانیت صلوات اللہ علیہ وسلامہ کے معمولات زندگی قیامت تک کے لیے شعار ومعیار ہیں اور سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر گوشہ تابناک اور ہر پہلو روشن ہے۔ یومِ ولادت سے لے کر روزِ رحلت تک کے ہر ہر لمحے کو قدرت نے محفوظ کر دیا ہے۔ دنیائے انسانیت کی کسی بھی عظیم المرتبت ہستی کے حالاتِ زندگی، معمولاتِ زندگی، انداز واطوار، مزاج و رجحان، حرکات و سکنات، نشست و برخاست اور عادات وخیالات اتنے کامل و مدلل طریقے پر موجود نہیں ہیں، جس طرح سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک جزئیہ تحریری شکل میں دنیا کے سامنے ہے۔ دنیا میں ہر لمحہ ہر آن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر کہیں نہ کہیں ضرور ہوتا ہے۔ دنیا کی تمام زبانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح خوانی میں ہزاروں دیوان مرتب کیے جاچکے ہیں۔ اردو زبان میں حضرت شاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں برصغیر کے شعراء نے خوبصورت عنوانات کے تحت مدحتِ رسالت کے گلستان سجائے ہیں اور ذاتِ اقدس کو مقصد تخلیقِ کائنات بیان کیا ہے۔ سحاب رحمت، غبارِ حجاز، شاخ طوبیٰ، چشمہ کوثر، والی بطحا، فارقلیط، روح کائنات، قاب قوسین، شاخ سدرہ، نوائے بردہ، آں خنک شہرے، جمالِ مدینہ اور دارین کے ناموں سے ثنائے خواجہ کونین ﷺ پر قلب وجگر کو تازگی اور طمانیت عطا کرنے والے نعتیہ مجموعے شایع ہوچکے ہیں۔ عربی زبان میں ہزاروں اشعار اس مقدس دربار کی عظمت وشوکت کی عکاسی کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کو ایک عرب شاعر نے بیان کرتے ہوئے

: چالیس ہزار اشعار لکھے۔ آخری شعر کا ترجمہ لکھتے ہوئے حفیظ تائب نے کہا

تھکی ہے فکر رسا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے
! ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

نیتیں صاف نہیں ہیں، اس لیے سودی نظام ختم نہیں ہو رہا

.... معروف قانون دان، سابق ڈپٹی اٹارنی جنرل راجا محمد ارشاد سے خصوصی گفتگو

انٹرویو: عابد محمود عزام

راجا محمد ارشاد معروف وکیل اور قانون دان ہیں۔ مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہنے کے علاوہ سپریم کورٹ آف پاکستان کے سابق ڈپٹی اٹارنی جنرل بھی رہ چکے ہیں۔ آپ ملک کی اعلیٰ عدالتوں میں اہم کیسوں کے پٹشنرز اور آئی ایس آئی کی طرف سے بھی مختلف کیسز میں بطور وکیل پیش ہوتے رہے ہیں۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سودی نظام کے خاتمے کے لیے بھی آپ نے سپریم کورٹ آف پاکستان میں ایک پٹیشن دائر کر رکھی تھی، جس پر گزشتہ دنوں عدالت عظمیٰ کے بینچ نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے سودی نظام کے خاتمے کے لیے ان کی طرف سے دائر درخواست یہ کہہ کر خارج کردی کہ یہ کیس شرعی عدالت میں زیر سماعت ہے، اس کے ساتھ ہی معزز جج صاحبان نے یہ ریمارکس بھی دیے کہ جو سود نہیں لینا چاہتا، وہ نہ لے اور جو لے گا، اس سے اللہ خود پوچھے گا۔ حالیہ فیصلے کے مذکورہ ریمارکس پر مختلف مکاتب فکر نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ سودی لین دین کوئی اختیاری فیصلہ نہیں ہے اور ملک میں سودی نظام کو ختم کرنا حکومت

کی اہم ذمہ داری ہے۔ سود کو قرآن و سنت میں حرام اور اللہ و رسول سے جنگ قرار دیا گیا ہے۔ پاکستان میں اب تک بننے والے تمام آئین میں سود کے خاتمے کی ہدایت کی گئی ہے۔ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 38 الف کے مطابق یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ جس قدر جلد ممکن ہو سود کے خاتمہ کے لیے عملی اقدام کرے، آئین کا یہ آرٹیکل 1973 سے چلا آ رہا ہے۔ واضح رہے کہ 1964ء سے 1968ء تک اسلامی نظریاتی کونسل نے دو سال کے عرصہ میں تمام بینکی نظاموں کا جائزہ لیا اور سودی معیشت کو حرام قرار دینے کی سفارش کی۔ تین سال بعد اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی رپوٹوں کا اعادہ کیا۔ کونسل نے 25 جون 1980ء کو سود کے خاتمے کے لیے ایک متبادل نظام تجویز کیا۔ 1990ء میں محمود الرحمٰن فیصل نامی ایک شخص نے وفاقی شرعی عدالت میں سود کے خلاف ایک پٹیشن دائر کی۔ اس طرح اور لوگوں نے بھی درخواستیں جمع کرانا شروع کر دیں۔ ان کی تعداد 115 ہو گئی۔ عدالت نے ایک سال کی مدت میں روزانہ کی سماعت کرکے اکتوبر 1991ء میں 157 صفحات پر مشتمل تفصیلی فیصلہ دیا۔ اس فیصلے کے تحت 30 جون 1992ء تک متعلقہ قوانین میں ترمیم کرنے کو کہا گیا اور یکم جولائی 1992ء سے تمام سودی کاروبار کو غیر قانونی قرار دیا گیا۔ سپریم کورٹ نے 23 دسمبر 1999ء کو لگ بھگ ایک ہزار صفحات پر مشتمل فیصلہ دیا، جس میں جون 2001ء تک حکومت کو مہلت دی گئی کہ تمام سودی کاروبار ختم کر دے۔ جس پر مسلم لیگ نے گزشتہ دور حکومت میں سپریم کورٹ میں شریعت کورٹ کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کردی تھی، جو کہ

آج تک التوا کا شکار چلی آ رہی ہے۔ سودی نظام کے خاتمے کے لیے دائر پٹیشن کے اخراج، پس پردہ عوامل اور آئندہ کے لائحہ عمل کے حوالے سے راجا محمد ارشاد سے کی گئی خصوصی گفتگو نذر قارئین ہے۔

عابد محمود عزام: سودی نظام کے خلاف آپ کی پٹیشن کس قانون کے تحت خارج کی گئی ہے؟

راجا محمد ارشاد: یہ ایک اسلامی، آئینی اور قانونی معاملہ ہے۔ سپریم کورٹ کے ججز اس مسئلے کو نہیں سمجھ سکے۔ انہوں نے کسی بھی قانون کے تحت اس کو مسترد نہیں کیا۔ دراصل ان کے پاس دین کا فہم ہی نہیں ہے، انہوں نے قرآن و حدیث کو پڑھا ہی نہیں ہے، ان کو معلوم ہی نہیں ہے کہ قرآن سود خور کے خلاف اعلان جنگ کر رہا ہے اور سود لینے والے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے میں مصروف ہیں۔ پٹیشن بالکل واضح تھی۔ 1973ء میں آئینی فیڈرل شریعت کورٹ بنی۔ 1956، 1962 اور 1973 میں آئین بنے، ہر آئین میں سود کے خاتمے کی بات کی گئی۔ سود کے خاتمے کا مطالبہ قرآن و سنت اور آئین و قانون کے تحت ہے۔ سودی نظام کے خاتمے کے لیے دائرہ کردہ پٹیشن کو خارج کرنے کا فیصلہ آئین کے خلاف ہے۔ آئین و قانون کے حکم کے باوجود ملک میں سودی نظام کا خاتمہ نہیں ہو سکا۔ حکومت نے آئین اور قانون پر عمل نہیں کیا اور سود کو ختم کرنے کی کوشش ہی نہیں کی اور نہ علمائے کرام نے حکومت پر اس حوالے سے کوئی

دباؤ ڈالا کہ سودی نظام کا خاتمہ کیا جائے۔

پٹیشن کو خارج کرتے ہوئے سپریم کورٹ نے کہا ہے کہ سودی نظام کا معاملہ شرعی عدالت میں زیر سماعت ہے۔ حالانکہ سود کے خلاف فیصلہ دینا شرعی عدالت کا کام ہی نہیں ہے۔ فیڈرل شرعی عدالت کے اختیارات محدود ہوتے ہیں۔ اس کا کام یہ ہے کہ بتائے فلاں چیز غیر شرعی ہے اور فلاں غیر شرعی نہیں ہے۔ شرعی عدالت کے پاس یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ سودی نظام کا خاتمہ کرسکے۔ یہ اختیار صرف سپریم کورٹ کے پاس ہے۔ سپریم کورٹ ہی سودی نظام کے خاتمے کا فیصلہ کرسکتی ہے۔

عابد محمود عزام: کیا ایک اسلامی ملک میں اسلام کے منافی قانون سازی کی گنجائش ہے؟

راجا محمد ارشاد: پاکستان اسلامی جمہوریہ ہے، یہاں قطعاً اسلام کے منافی قانون سازی کی اجازت نہیں ہے، لیکن گنجائش نکالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ سود کا نظام اسلام سے متصادم نظام ہے۔ قرآن و حدیث میں سود (ربا) کی حرمت واضح ہے۔ آئین و قانون نے اس کو غیر شرعی قرار دیا اور اس کے خاتمے کی ہدایت کی ہے۔ اس کے باوجود اس کی گنجائش نکالی جارہی ہے۔ سپریم کورٹ کو چاہیے کہ اس کے خلاف سوموٹو ایکشن لے۔ سپریم کورٹ اور بہت سے معاملات پر تو سوموٹو ایکشن لیتی ہے، لیکن سود کے معاملے میں از خود نوٹس کیوں نہیں لیتی؟ سپریم

کورٹ نے اردو کے نفاذ کے حوالے سے جیسے از خود نوٹس لیا ہے تو سود کے خلاف بھی نوٹس لے۔ قائد اعظم نے 1948ء میں اسٹیٹ بینک کے افتتاح کے موقع پر ملکی معیشت کو سودی نظام سے چھٹکارہ دلانے کی ہدایت کی تھی، لیکن ان کے جانے کے بعد بہت سے لوگ سود کے حق میں سامنے آ گئے اور سود کے محافظ بن گئے، جو آج تک محافظ بنے ہوئے ہیں۔ جب ایک چیز کو قانون اور آئین مسترد کر رہا ہے اور قائد اعظم نے بھی اس کو ختم کرنے کی ہدایت کر دی تھی تو اس کے باوجود اس کا ختم نہ ہونا ناقابل فہم بات ہے۔

عابد محمود عزام: سودی نظام پاکستان کے معاشی نظام پر کس طرح اثر انداز ہو رہا ہے؟

راجا محمد ارشاد: سودی نظام کے ہماری معیشت پر بہت منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں، حکومت اور سودی نظام کے حق میں بات کرنے والے جو مرضی دلیل دیں، لیکن اس کے منفی اثرات سے کسی طور بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کریم نے سود کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اللہ نے سود کے خلاف اعلان جنگ کیا ہے۔ قرآن میں ہے کہ سود کو چھوڑ دو، اگر نہ چھوڑو گے تو سن لو اللہ کی طرف سے جنگ ہے اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ سورہ بقرہ میں ہے: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو، لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ

”ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔

عابد محمود عزام: درخواست خارج ہونے کے بعد آیندہ آپ کا لائحہ عمل کیا ہوگا؟

راجا محمد ارشاد: اب میں فیصلے کی آرڈر کاپی لے کر ری پٹیشن کروں گا کہ آرڈر غلط ہے۔ فل کورٹ تشکیل دیا جائے اور معاملہ اس کے سامنے رکھا جائے۔ اتنی جلدی پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔

عابد محمود عزام: 1991ء میں وفاقی شرعی عدالت اور 1999ء میں سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بینچ نے تمام سودی قوانین کو حرام قرار دے کر کالعدم قرار دیتے ہوئے اس کے خاتمے کے لیے اقدامات کی ہدایت کی تھی، مذکورہ عدالتوں کے گزشتہ حکم پر عمل کیوں نہیں ہوا؟ اس کی راہ میں کیا رکاوٹ ہے؟

راجا محمد ارشاد: 1991ء میں وفاقی شرعی عدالت اور 1999ء میں سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بینچ نے تمام سودی قوانین کو حرام قرار دے کر کالعدم قرار دیتے ہوئے اس کے خاتمے کے لیے اقدامات کی ہدایت کی تھی، لیکن پرویز مشرف اس کی راہ میں رکاوٹ بن گئے۔ سودی نظام اس لیے ختم نہیں ہو رہا، کیونکہ نیتیں صاف نہیں ہیں۔ سودی نظام کو ختم کرنا نہیں چاہتے۔ سود کے حمایتی ایک پاور فل لابی ہے، جن کے مفادات اس نظام کے ساتھ وابستہ ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر

یہ نظام ختم ہوگیا تو ہمارا سارا معاشی نظام ختم ہوجائے گا، یہ بڑے بڑے لوگ ہیں، یہ اس نظام کو بچانا چاہتے ہیں۔ اس نظام کے خاتمے کے لیے ایمان کی قوت چاہیے، دین کا علم چاہیے، یہ معلوم ہونا چاہیے کہ سود لینا کتنا بڑا جرم ہے۔ اس نظام کے ساتھ حکومتوں کے مفادات بندھے ہوئے ہیں۔ یہ حکومتیں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی زیر اثر ہیں، ان کے حکم پر عمل کرتی ہیں اور وہ بالکل بھی نہیں چاہتے کہ یہاں سودی نظام ختم ہو، کیونکہ اس نظام کے ساتھ ان کے بھی بہت سے مفادات وابستہ ہیں۔ وہ بھی اس نظام کے خاتمے کی راہ میں رکاوٹ ہیں اور ان کے ساتھ ہمارے بہت سے لوگ ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ اگر پاکستان میں ربا فری سسٹم نافذ ہوجائے تو اس کے مثبت اثرات تمام عالم اسلام پر مرتب ہوں گے۔ آہستہ آہستہ یہ نظام ساری اسلامی دنیا میں رائج ہوجائے گا، ایسا ہونا بھی چاہیے، ساری اسلامی دنیا میں سود سے پاک معاشی نظام ہونا چاہیے، لیکن عالمی سازش کے تحت اس کو کامیاب نہیں ہونے دیا جاتا اور کچھ اقتصادی ماہرین سود کے حق میں دلائل دیتے نہیں تھکتے۔

عابد محمود عزام: سودی نظام کا خاتمہ کب اور کیسے ہو سکتا ہے؟

راجا محمد ارشاد: سودی نظام کے خاتمے کے لیے مسلسل جدوجہد کرنا ہوگی۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تمام علمائے کرام ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر سود کے خلاف آواز بلند کریں۔ سب علمائے کرام متحد ہو کر حکومت پر دباؤ بڑھائیں کہ سودی

نظام کو ختم کیا جائے، جب تک سودی نظام ختم نہیں کیا جاتا اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھیں گے۔ علمائے کرام نے کبھی اس کے خلاف مشترکہ جدوجہد کی ہی نہیں ہے۔ اگر سب نے مل کر مشترکہ جدوجہد کریں تو اس نظام کا ختم ہونا مشکل نہیں ہے۔

امریکی صدر کی معافی

قندوز میں اسپتال پر امریکی فضائی حملے کے نتیجے میں 22 افراد کی ہلاکت کے افسوسناک واقعے پر امریکی صدر اوباما نے آخر کار معافی مانگ لی ہے۔ تاہم یہ معاملہ معافی سے حل ہونے والا نہیں ہے، بلکہ امریکی جارحیت کا مستقل سد باب کرنا ضروری ہے۔

امریکی صدر قندوز اسپتال جیسے جارحانہ واقعات سے بچنے کے لیے امریکی فوجیوں کی کارروائیوں کے طریقہ کار پر غور کرنے کی یقین دہانی کرا کر خود کو بری الذمہ سمجھ رہے ہیں، جبکہ مذکورہ اسپتال چلانے والی تنظیم میڈیسنز سینس فرنٹیئرز (ایم ایس ایف) امریکی صدر کی معافی کو مسترد کرتے ہوئے واقعے کی آزادانہ تحقیقات کا مطالبہ دوہرا رہی ہے۔ افغانستان میں امریکی جارحیت کی داستان طویل ہے۔ امریکی فوج اور خفیہ ایجنسیوں نے ایسے ایسے انسانیت سوز جرائم کا ارتکاب کیا ہے کہ انسانیت کی تاریخ ہمیشہ اس پر شرمندہ رہے گی، لیکن تمام تر ظلم و ستم کے باوجود امریکا افغانوں کو غلام نہ بنا سکا۔ امریکا نے اسامہ بن لادن کو بہانہ بنا کر 2001ء میں افغانستان پر یہ کہتے ہوئے حملہ کیا تھا کہ 40 روز میں افغانستان فتح کرلیا جائے گا، لیکن ہزاروں، لاکھوں افغانوں کے قتل، ہزاروں نیٹو فوجیوں کی ہلاکت اور بھاری اخراجات کے باوجود بھی نہ صرف یہ کہ

امریکا شکست سے دوچار ہوا، بلکہ 14 سال کے بعد آج 2015ء میں ایک بار پھر طالبان امریکا اور اس کی اتحادی افواج کے لیے دردِ سر بنے ہوئے ہیں۔

امریکی جنرل تو افغانستان میں کب سے شکست تسلیم کر چکے ہیں۔ امریکی ریٹائرڈ جنرل ڈینئل بولگر نے اپنی چشم کشا کتاب "ہم کیوں ہارے؟" میں لکھا ہے: "میں امریکا کا جرنیل ہوں اور میں دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ ہار چکا ہوں۔" امریکی جنرل نے اپنی اس کتاب میں یہ بھی واضح کیا ہے کہ کسی بھی ملک میں خانہ جنگی کو وہاں کے باشندے ہی ختم کر سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ عسکری سے زیادہ سیاسی پہلو رکھتا ہے۔ کسی ملک کی فوج چاہے کتنی ہی بڑی اور تجربہ کار ہو، وہ دوسرے ملک جا کر خانہ جنگی پر قابو نہیں پا سکتی۔ امریکی جنرل کی بات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کوئی مشکل نہیں ہے کہ جب تک کسی ملک کے عوام کی تائید حاصل نہ ہو، اس وقت تک کسی ملک میں خانہ جنگی پر قابو نہیں پایا جاسکتا، لیکن افغانستان میں امریکا نے عوام پر طرح طرح کے مظالم ڈھا کر ان کو نہ صرف خود سے متنفر کیا، بلکہ اسلحہ اٹھانے پر بھی مجبور کر دیا، جو یقینی طور پر امریکا کی شکست کا بنیادی سبب ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ عالمی میڈیا کی جانب سے طالبان کے خلاف منظم جنگ شروع کیے جانے کے باوجود افغان عوام امریکا کے مقابلے میں افغان طالبان کے ساتھ ہیں، کیونکہ نیٹو و امریکی افواج نے افغان جنگ کی چودہ سالہ تاریخ میں افغانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ

توڑے اور بارہا عوامی مقامات پر بمباری کرکے بے گناہ افغانوں کا خون بہایا ہے۔ امریکی فضائیہ عوامی مقامات، شادی بیاہ کی تقریبات، جنازوں، اسپتالوں، مدرسوں، مسجدوں اور نہتے لوگوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بناتی رہی ہے۔ افغانستان پر قابض فوجیں تفریح کے لیے عوام کا قتل کرتی رہی ہیں۔ بے گناہوں کے قتل کے مقابلے، ان کی انگلیوں کو کاٹ کر تعداد کے مطابق انعام حاصل کرنے، عوام کی لاشوں کی بے حرمتی، کھیل و تفریح میں عوام کے گھروں کو بموں سے اڑانے اور عوام کو قتل کرنے کے بعد ان کی لاشوں کے ساتھ یادگاری تصویریں بنوانے اور مساجد پر بم برسا کر نمازیوں کو شہید کرنے جیسے سفاکانہ اقدامات افغانستان میں امریکا اور نیٹو فوج کے سیاہ اور غیر انسانی کارنامے ہیں، جن کے باعث افغان عوام کا امریکی و نیٹو فوج کے مقابلے میں آجانا ایک فطری امر ہے۔

امریکا نے اسپتال پر حملہ کرکے اپنی وحشیانہ روایت کو برقرار رکھا ہے۔ ایم ایس ایف ٹراما سینٹر قندوز میں واحد طبّی مرکز ہے، جہاں زخمیوں کا علاج کیا جاتا ہے، لیکن قندوز میں عالمی طبّی تنظیم ڈاکٹرز ود آؤٹ بارڈرز کے زیر اہتمام چلنے والے اسپتال پر امریکی فوج نے آدھا گھنٹا وحشیانہ بمباری کرکے مریض بچوں، ڈاکٹروں اور دیگر عملے سمیت افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بین الاقوامی طبّی تنظیم کے ایک اہلکار کے مطابق 22 انھوں نے قندوز میں حملے سے قبل امریکی اور اتحادی فوجوں کو مطلع کردیا تھا کہ یہاں ایک عالمی اسپتال

موجود ہے، اسے نشانہ نہ بنایا جائے، اس کے باوجود امریکی طیارے 30 منٹ تک اسپتال پر بم برساتے رہے جبکہ دوران بمباری اسٹاف آفیسر نے کابل میں نیٹو عہدیدار اور واشنگٹن میں اعلیٰ امریکی عہدیدار کو ٹیلی فون کیا کہ اسپتال پر بم بارش کی طرح برسائے جا رہے ہیں، تاہم اس اطلاع کے باوجود بمباری نہ روکی گئی۔ افغانستان میں ایسا کئی بار ہوا کہ امریکی فوج نے کسی ایک شخص کو مارنے کے لیے عوامی مقامات، بازاروں، بستیوں پر بمباری کی، جس کے نتیجے میں بوڑھوں اور بچوں سمیت سیکڑوں افغان باشندے جان کی بازی ہار گئے، جس کے بعد انسانی حقوق کی تنظیموں اور اقوام متحدہ کی جانب سے بے گناہ افراد کی موت پر امریکی جارحیت کی مذمت بھی کی گئی، بلکہ انسانی حقوق کی تنظیم ہیومن رائٹس واچ نے افغانستان میں عام شہریوں کی ہلاکت کے واقعات میں امریکی فوج کے خصوصی دستوں کے مبینہ طور پر ملوث ہونے سے متعلق نئے سوالات اٹھاتے ہوئے یہ مطالبہ بھی کیا کہ امریکا اپنی اسپیشل فورسز کے افغان سویلین باشندوں کی ایذا رسانی اور ہلاکتوں میں ملوث ہونے کے الزامات کی مکمل اور غیر جانبدارانہ چھان بین کرائے اور امریکی فوج کی طرف سے جرائم کے مبینہ ارتکاب اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ذمہ داران کو باقاعدہ سزائیں سنائی جائیں، لیکن اس کے باوجود امریکی افواج نے افغان عوام پر ظلم کا سلسلہ ترک نہ کیا۔

اب اگرچہ امریکی صدر اوباما نے اسپتال پر امریکی فوج کی جارحیت پر معافی مانگی ہے، جبکہ اقوام متحدہ نے امریکی جارحیت کو ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے۔ جنگ کے مسلمہ عالمی اصول وضوابط کے تحت عوامی مقامات، عبادات گاہوں اور بے گناہ افراد کو نشانہ بنانا اور ان کی املاک کو تباہ کرنے پر سخت قدغن ہے، لیکن خود کو دنیا کی واحد سپر پاور سمجھنے والی ریاست کسی بھی قاعدے اور ضابطے کی پاس داری کو اپنی شان کے خلاف تصور کرتی ہے۔ امریکی جارحیت نے افغانستان کو تباہی کے دھانے پر پہنچا دیا ہے۔ اب امریکا کو افغانستان سے چلے جانا چاہیے، تاکہ افغان عوام اپنے فیصلے خود کر سکیں۔

این اے 122 میں ن لیگ کی فتح.... پی ٹی آئی کے الزامات ووٹوں تلے دفن

لاہور میں کئی روز سے جاری سیاسی گہما گہمی لاہور کے حلقہ این اے 122 میں پی ٹی آئی اور مسلم لیگ (ن) کے درمیان انتخابی معرکہ میں ن لیگ کی فتح اور پی ٹی آئی کی شکست کے بعد اختتام کو پہنچی۔ این اے 122 میں مسلم لیگ (ن) کے امیدوار سردار ایاز صادق 74 ہزار 525 ووٹ لے کر کامیاب ہوئے، جب کہ تحریک انصاف کے امیدوار علیم خان 72 ہزار 82 ووٹ حاصل کرکے دوسرے نمبر پر رہے۔ 11 اکتوبر کو ہونے والے ضمنی انتخاب میں اگرچہ مختلف جماعتوں کے متعدد امیدوار تھے، لیکن اصل مقابلہ پی ٹی آئی اور مسلم لیگ (ن) کا ہی تھا۔ عام انتخابات 2013 میں قومی اسمبلی کے حلقہ 122 سے مسلم لیگ (ن) کے سردار ایاز صادق کامیاب ہوئے تھے، لیکن تحریک انصاف کی جانب سے دھاندلی کے الزامات کے بعد الیکشن ٹریبونل نے نتائج کو کالعدم قرار دے کر دوبارہ انتخابات کروانے کا فیصلہ دیا تھا۔ سردار ایاز صادق اس حلقے سے اس سے قبل 3 مرتبہ منتخب ہوئے، جن میں سے 2 مرتبہ انھوں نے پی ٹی آئی چیئرمین عمران خان کو شکست دے کر کامیابی حاصل کی۔ این اے 122 کو پی ٹی آئی اور مسلم لیگ (ن) کی سیاست کے لیے اہم ترین قرار دیا جارہا تھا۔ الیکشن سے قبل تجزیہ کاروں کا کہنا تھا کہ اس حلقے سے شکست کھانے والی جماعت کے لیے مستقبل میں اپنی

سیاست بچانا مشکل ہو جائے گا، یہ حلقہ دونوں جماعتوں کی انا کا مسئلہ بنا ہوا تھا۔ الیکشن کروانے سے قبل پی ٹی آئی کی جانب سے الیکشن میں فوج کی تعیناتی اور سی سی ٹی وی کیمروں کی تنصیب سمیت متعدد شرائط بھی پیش کی گئیں، جن کو الیکشن کمیشن نے منظور کیا۔ جس کے بعد یہ بات واضح ہے کہ این اے 122 الیکشن میں دھاندلی کا شائبہ نہیں رہا، کیوں کہ اس بار فوج کی نگرانی میں الیکشن کرائے گئے اور فوج مسلم لیگ ن نے خود طلب کی اور حکومت نے دو یونٹ فوج طلب کی تو فوج نے پانچ یونٹ بھیج دی۔ اتنی سخت سیکورٹی میں دھاندلی ممکن نہ تھی، اسے پاکستان کی تاریخ کا شفاف ترین الیکشن کہا جا سکتا ہے۔ گزشتہ روز پاکستان تحریک انصاف کے رہنما جہانگیر ترین اور چودھری سرور کا میڈیا سے گفتگو کے دوران کہنا تھا کہ انتخابی عمل کسی بھی قسم کی دھاندلی سے پاک صاف ہے۔ فوج کی موجودگی میں دھاندلی کا شائبہ بھی کیا جانا غلط ہے۔ مختلف پولنگ اسٹیشنوں پر تعینات پریذائڈنگ افسران، پولنگ ایجنٹس کے علاوہ ووٹروں نے بھی اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ جبکہ پاکستان تحریک انصاف نے الیکشن کمیشن کو خط لکھا، جس میں لاہور کے حلقہ این اے 122 میں ووٹوں کی اچانک تبدیلیوں کو بدنیتی پر مبنی قرار دیا گیا ہے۔ خط کے متن کے مطابق این اے 122 میں اچانک ووٹوں کی تبدیلی بدنیتی پر مبنی ہے۔ ووٹرز کے بلاک کوڈ بھی بغیر کسی وجہ کے تبدیل کیے گئے ہیں۔ ان بے ضابطگیوں کی وجہ سے بڑی تعداد میں لوگ ووٹ نہیں ڈال سکے۔ اس ضمن میں شکایات کا نوٹس لے کر کارروائی

عمل میں لائی جائے۔ سیکرٹری الیکشن کمیشن نے صحافیوں کو بریفنگ دیتے ہوئے کہا کہ پی ٹی آئی کا وزیر اعظم پر ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کے حوالہ سے خط ملا ہے۔ تاہم خط میں یہ واضح نہیں کیا گیا کہ وزیر اعظم نے کونسی خلاف ورزی کی ہے۔ الیکشن کمیشن کے مطابق حالیہ انتخابات فوج کی نگرانی میں ہوئے اور فوج غیر جانبدار ہے، نتائج تبدیل ہونے کا کوئی خدشہ نہیں ہے۔ انتخابی سامان اور نتائج فوج کی نگرانی میں ڈی آر اوز کے دفاتر میں بھجوائے گئے۔ الیکشن کمیشن نے پاک فوج کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ پاک فوج کو پرامن الیکشن کرانے پر خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ پنجاب پولیس کا کردار بھی قابل تحسین رہا، تمام سرکاری افسران آر اوز اور ڈی آر اوز، پولنگ عملے کے کردار کو سراہتے ہیں۔

الیکشن کمیشن آف پاکستان کے مطابق این اے 122 میں مسلم لیگ (ن) کے امیدوار سردار ایاز صادق 74 ہزار 525 ووٹ لے کر کامیاب ہوئے، جب کہ تحریک انصاف کے امیدوار علیم خان 72 ہزار 82 ووٹ حاصل کرکے دوسرے نمبر پر رہے۔ تحریک انصاف کے امیدوار علیم خان کو پارٹی کے چیئرمین عمران خان کے گھر کے قریب واقع ایچی سن کالج پولنگ سٹیشن سے بھی شکست ہوئی۔ انتخابی دوڑ میں پیپلز پارٹی کے امیدوار بیرسٹر عامر حسن 819 ووٹ حاصل کرسکے۔ حلقے میں رجسٹرڈ ووٹوں کی تعداد 3 لاکھ ہزار 762 تھی، جس میں ایک لاکھ 49 ہزار 885 افراد نے اپنا 47

حق رائے دہی استعمال کیا اور حلقے میں ووٹوں کا تناسب 43.10 فیصد رہا۔ دوسری جانب پنجاب کے شہر اوکاڑہ سے قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 144 کے ضمنی انتخاب میں آزاد حیثیت سے حصہ لینے والے ریاض الحق جج نے غیر حتمی غیر سرکاری نتائج کے مطابق 83 ہزار 240 ووٹ حاصل کیے جبکہ مسلم لیگ (ن) کے علی عارف چودھری ہزار 50 ووٹ لے کر دوسرے نمبر پر رہے۔ آزاد امیدرار مہر عبدالستار 11 ہزار 41 ووٹ حاصل کرکے تیسرے نمبر پر رہے جبکہ دو دیگر اہم جماعتوں پاکستان تحریک 270 انصاف (پی ٹی آئی) اور پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) کے امیدوار خاطر خواہ ووٹ حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ پی ٹی آئی کے اشرف خان سوہنا 7 ہزار 105 ووٹ لے سکے اور صرف 10 فیصد سے بھی کم ووٹ حاصل کرنے کے باعث ان کی ضمانت ضبط ہو گئی۔

حلقہ این اے 122 سے فتح یاب ایاز صادق نے اپنی جیت پر عوام کا شکریہ ادا کیا اور کارکنوں اور حامیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا اب عمران خان کو دھرنوں کی سیاست ترک کے ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے کردار ادا کرنا چاہیے۔ جیت کا جشن اس دن منایا جائے گا جس دن عمران خان ان کے ساتھ مل کر ملک کے استحکام کے لیے کام کرنے کا فیصلہ کریں گے۔ وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات پرویز رشید کا کہنا تھا کہ این اے 122 کے عوام نے بداخلاقی کی سیاست کو مسترد اور 2013 کے انتخابی نتائج پر مہر ثبت کردی ہے۔ عمران خان پاکستان میں جمہوری عمل اور

جمہوری اداروں کو بدنام کر رہے ہیں، ڈھائی سال سے کہا جا رہا تھا کہ پارلیمنٹ جعلی ہے، عمران خان کے الزامات کو جوڈیشل کمیشن نے غلط ثابت کیا، این اے 122 کے نتیجے نے ثابت کیا کہ ایاز صادق کو ملنے والے 50 ہزار ووٹ جعلی نہیں تھے، اگر ووٹ جعلی تھے تو ایاز صادق کو ضمنی انتخاب میں 20 ہزار ووٹ ملنے چاہئیں تھے۔ جبکہ پاکستان تحریک انصاف کے رہنما وں نے لاہور میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے انتخابی نتائج کو تسلیم کر لیا ہے تاہم انھوں نے انتخابات پر تحفظات کا بھی اظہار کیا۔ پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے اپنے رد عمل میں کہا ہے کہ ہم نے این اے میں شکست کے باوجود حکمران جماعت مسلم لیگ (ن)، سرکاری مشینری اور 122 صوبائی الیکشن کمیشن کو چیلنج کرکے اخلاقی فتح حاصل کر لی ہے۔ اس سے تحریک انصاف مزید مضبوط ہو گی۔

بلاشبہ تحریک انصاف نے انتخابی مہم بڑے زور و شور سے چلائی اور این اے 122 کے الیکشن کو پورے ملک کی نگاہوں کا مرکز بنا دیا۔ عمران خان کے مطالبے پر فوج کو تعینات کیا گیا۔ کیمرے لگائے گئے، فوج کی نگرانی میں گنتی کی گئی اور تھیلے ریٹرننگ افسر تک کے آفس تک پہنچائے گئے۔ اس کے باوجود پی ٹی آئی کی شکست سے ان کی سیاست کو کافی نقصان ہوگا، جبکہ مسلم لیگ (ن) کے امیج میں اضافہ ہوا ہے اور وہ دھاندلی کے الزامات کو دھونے میں کامیاب ہو گئی ہے۔

مبصرین کے مطابق پی ٹی آئی کے ہارنے کی ایک وجہ امیدوار کا انتخاب بھی ہے۔ قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 122 سے پاکستان تحریک انصاف کے امیدوار عبدالعلیم خان اپنی سیاسی زندگی میں صرف واحد الیکشن (ق) لیگ کے دور میں جیتنے میں کامیاب ہوئے تھے، جس میں مبینہ دھاندلی کے ذریعے (ن) لیگ کے امیدوار کو انہوں نے ہرایا تھا اور بعد ازاں سابق وزیر اعلیٰ چودھری پرویز الٰہی نے انہیں سابق فوجی جرنیل کی سفارش پر صوبائی کابینہ میں شامل کرکے انفارمیشن ٹیکنالوجی کا محکمہ دیا تھا۔ عبدالعلیم خان نے 2007ء کا الیکشن (ق) لیگ کے ٹکٹ پر لڑا، لیکن وہ بری طرح ہار گئے تھے۔ عبدالعلیم خان 2012ء میں تحریک انصاف میں شامل ہوئے تھے۔ تاہم تحریک انصاف کے پارلیمانی بورڈ نے انہیں قومی اور صوبائی اسمبلی میں ٹکٹ دینے سے انکار کر دیا تھا، تاہم انہوں نے اپنی دولت کی چمک سے تحریک انصاف کی قیادت کو اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ ضمنی انتخاب میں سردار ایاز صادق کے مقابلے میں ٹکٹ جاری کرے۔

مبصرین کے مطابق پی ٹی آئی کو دھرنے کی سیاست کی وجہ سے کافی نقصان اٹھانا پڑا ہے، کیونکہ پی ٹی آئی کی جانب سے الیکشن 2013 کے بعد سے مسلسل دھاندلی کے الزامات لگائے گئے ہیں، لیکن یہ الزامات غلط ثابت ہوئے اور پی ٹی آئی کی عوامی مقبولیت میں کمی واقع ہوئی۔ دھرنے کے بعد پی ٹی آئی آٹھویں مرتبہ کسی بھی انتخابی نشست پر شکست کھا گئی ہے۔ تحریک انصاف نے 2013ء میں ہونے والے

عام انتخابات میں بڑی دھاندلی کا شور مچاتے ہوئے 2014 میں اسلام آباد ڈی چوک میں دھرنا دیا، جس میں ان کو عوامی تحریک سمیت دیگر کئی چھوٹی پارٹیوں کا بھی ساتھ حاصل تھا۔ پی ٹی آئی کا یہ دھرنا 14 اگست 2014 سے شروع ہوااور 17 دسمبر تک 126 روز تک جاری رہا۔ دھرنے کے بعد پاکستان تحریک انصاف نے 2014 جتنے بھی بڑے الیکشن لڑے، ان میں کامیابی حاصل نہیں کر سکی۔ پی ٹی آئی کو این اے ننکانہ صاحب ، این اے 246 کراچی ، این اے 108 منڈی بہاؤالدین، این 137 اے 19 ہری پور، این اے 122 لاہور، این اے 144 اوکاڑہ، صوبائی اسمبلی کی نشستوں پی پی 196 ملتان اور پی پی 100 گوجرانوالہ میں شکست ہوئی۔ این اے میں امیدوار کی وفات کے بعد 15 مارچ کو الیکشن کا انعقاد کیا گیا، جس میں مسلم 137 لیگ ن کی ڈاکٹر شازرہ منصب نے 77 ہزار 8 سو نوے ووٹ لے کر میدان مار لیا، جبکہ پی ٹی آئی کا حمایت کردہ امیدوار 39 ہزار چھ سو35 ووٹ حاصل کر سکا۔ این اے میں نبیل گبول کے استعفے کے بعد 24 اپریل کو الیکشن کا انعقاد کیا گیا، جس میں ایم 246 کیو ایم کے کنور نوید جمیل نے 95 ہزار6 سو44ووٹ لے کر کامیابی حاصل کی، جبکہ پی ٹی آئی کے عمران اسماعیل 24 ہزار 8 سو 21 ووٹ لے کر دوسرے نمبر پر رہے۔ پی پی میں چودھری عبدالوحید کو نااہل قرار دیے جانے کی وجہ سے 21 مئی کو الیکشن کا 196 انعقاد کیا گیا، جس میں مسلم لیگ ن کے رانا محمود الحسن نے دس ہزار ووٹوں سے کامیابی حاصل کی ۔ پی ٹی آئی کے رانا عبدالجبار دوسرے نمبر پر رہے۔ این اے

میں چودھری اعجاز کو نااہل قرار دیے جانے کے بعد 8 جون کو ہونے والے 108 الیکشن میں ن لیگ کے ممتاز احمد نے 77 ہزار 8 سو 84 ووٹ لے کر میدان مار لیا۔ پی ٹی آئی کے طارق 40 ہزار ووٹ لے کر دوسرے نمبر پر رہے۔ پی پی 100 گوجرانوالہ میں مسلم لیگ ن کے امیدوار رانا شمشاد احمد خان کی وفات کے باعث 26 جولائی کو الیکشن کرایا گیا، جس میں مسلم لیگ (ن) کے رانا اختر علی نے پی ٹی آئی کے احسان اللہ ورک کو 21 ہزار ووٹوں کے مارجن سے شکست دی۔ این اے 19 میں اگست کو ہونے والے انتخابات میں مسلم لیگ ن کے بابر نواز نے پی ٹی آئی کے 16 راجہ عامر زمان کو بھاری فرق سے شکست سے دوچار کیا۔ کل 11 اکتوبر کو ہونے والے این اے 122 کے ضمنی الیکشن میں مسلم لیگ ن کے ایاز صادق نے تحریک انصاف کے علیم خان کو دو سے تین ہزار کے فرق سے شکست سے دوچار کیا۔ این اے اوکاڑہ میں ہونے والے الیکشن میں پی ٹی آئی کے امیدوار اشرف سوہنا کی ضمانت 144 ہی ضبط کر لی گئی، جبکہ مسلم لیگ (ن) کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنے والے علی عارف دوسرے نمبر پر رہے، جبکہ مسلم لیگ (ن) کے ہی ریاض الحق جج جو کہ ٹکٹ نہ ملنے پر آزاد امیدوار کے طور پر میدان میں اترے، انہوں نے واضح برتری سے میدان مار لیا۔

قومی اداروں کی تباہی۔۔۔۔ معاشی ترقی کیسے ممکن ہے؟

قومی اداروں کا استحکام ہی ملکوں کو مستحکم بناتا ہے۔ ملکوں کی معاشی ترقی کا دارومدار قومی اداروں کی ترقی سے وابستہ ہوتا ہے۔ اگر قومی ادارے ترقی کی بجائے تنزلی کی جانب گامزن ہو جائیں تو ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ قومی اداروں کا قیام تو آسان، لیکن ان کا استحکام بہت مشکل ہوتا ہے۔ ادارے قائم تو صرف ایک حکم نامے پر ہو جاتے ہیں لیکن انہیں مضبوط بنیادوں پر استوار کر کے قومی اثاثہ بنانا مشکل ہے۔ پاکستان میں اداروں کی نت نئی تخلیق اور تشکیل کا عمل ہر دور اور ہر قسم کے حالات میں جاری رہتا ہے، لیکن اکثر ادارے مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں ہو پاتے، کیونکہ ہر حکومت اپنی ترجیحات کو سامنے رکھتے ہوئے ادارے قائم کرتی ہے اور اربوں روپے کے اخراجات سے وقتی ضروریات اور ذاتی مفادات کے لیے قائم کیے جانے والے یہ ادارے ارتقائی عمل کے دوران ہی دم توڑ جاتے ہیں۔ ایک ادارے کے غیر فعال ہونے کے منفی اثرات دوسرے اداروں پر بھی پڑتے ہیں اور ادارے کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پاکستان میں ریاست کے زیر انتظام چلنے والے بیشتر اداروں کی صورت حال انتہائی نہ گفتہ بہ ہے۔ تنزلی کی جانب گامزن ان اداروں کی کارکردگی اور ان میں ہونے والا وسائل کا ضیاع حکومت کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔ پاکستان میں تیل، اسٹیل، کھاد اور نقل و حمل سمیت سرکاری

سرپرستی میں چلنے والے درجنوں ادارے خسارے میں جا رہے ہیں۔ ماضی میں حکومتیں ان اداروں میں بہتری لانے میں ناکام رہیں اور اب بھی ان اداروں کی صورت حال بہتر نہیں ہوئی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان اداروں کو من پسند افراد کے حوالے کر دیے جانے کی وجہ سے یہ ادارے مزید تباہی کے دہانے پر پہنچ گئے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو بجا ہوگا کہ کسی بھی حکومت نے سنجیدگی سے قومی اداروں کی ترقی پر بھرپور توجہ نہیں دی، بلکہ ہمیشہ اپنی ترجیحات اور مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے اقدامات کیے ہیں۔ قومی اداروں کی تباہی میں سیاسی مداخلت، نااہل افراد کی تقرری، عملے کی زیادتی، مارکیٹ کے لیے جامع حکمت عملی کی عدم تیاری اور غیر متوقع حالات سے نمٹنے کے منصوبے کی ناکامی کے عوامل شامل ہیں، لیکن کسی حکومت نے خسارے کا سبب بنے والے ان عوامل سے قومی اداروں کو چھٹکارہ دلانے کی کوشش ہی نہیں کی اور معاملہ جوں کا توں چلا آ رہا ہے۔ پی آئی اور اسٹیل ملز ملک کے دو بڑے ادارے ہیں۔ اگر حکومت اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے سنجیدگی سے ان دونوں اداروں پر محنت کرے تو یہ ادارے ملک کو بہت کچھ کما کر دے سکتے ہیں، لیکن حکومت کی عدم توجہی کے باوجود یہ دونوں مسلسل خسارے میں جا رہے ہیں، جبکہ خسارے پر قابو پانے کی بجائے حکومت ان کی نج کاری کرنے پر تلی ہوئی ہے، جو کسی طور بھی بہت حل نہیں ہے۔

پی آئی اے ایک بڑی ایئر لائن کمپنی ہے، جس کی پروازیں بیرونی دنیا کے 38 ممالک تک جاتی ہیں، جبکہ نیٹ ورک 62 ممالک تک ہے۔ اندرون 24 منازل تک جاتی ہیں۔ ہر سال پی آئی اے میں تقریباً 60 لاکھ مسافر سفر کرتے ہیں۔ ان میں سے 33 لاکھ افراد بین الاقومی منازل کی طرف، جبکہ باقی افراد اندون ملک سفر کرتے ہیں۔ پی آئی اے کے پاس اس وقت جہازوں کی تعداد 35 ہے اور عملے کا تناسب فی جہاز 500 افراد ہے، جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے اور 400 سے 500 تک پائلٹوں کی تعداد ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق پی آئی اے میں ملازمین کی تعداد مطلوبہ تعداد سے کم از کم پانچ گنا زیادہ ہے۔ اعداد و شکار کے مطابق پی آئی اے میں اس وقت 18 ہزار ریگولر اور 3 ہزار سے زاید افراد یومیہ اجرت پر کام کر رہے ہیں، اس طرح کل ملازمین کی تعداد 21 ہزار کے لگ بھگ ہے۔ پی آئی اے کو ہر سال 305 ملین امریکی ڈالر کے برابر خسارے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ گزشتہ دنوں پاکستان ائرلائنز پائلٹس ایسوسی ایشن (پالپا) اور پی آئی کے تنازع کی وجہ سے کئی پروازیں منسوخ ہوئیں جس کی وجہ سے قومی ادارے کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا ہے۔

گزشتہ روز چیئرمین پی آئی اے کا کہنا تھا کہ قومی ایئرلائن کی مالی اور انتظامی حالت انتہائی خراب ہے۔ ایئرلائن اس وقت 300 ارب روپے کی مقروض ہے۔ پی آئی اے کو تباہی کے دہانے تک پہنچانے میں ہم سب کا ہاتھ ہے، اس کو

سدھارنے کے لیے صرف ایک سال کافی نہیں ہے، نیب اور ایف آئی اے کے خوف کی وجہ سے کوئی بھی اہل شخص پی آئی اے میں ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے۔ پی آئی اے کو سالانہ 30 سے 40 ارب روپے اپنے قرضوں کی ادائی اور آپریشنل معاملات کو چلانے کے لیے درکار ہوتے ہیں۔ پی آئی اے کے چیئرمین ناصر حسن جعفر کا کہنا تھا کہ پی آئی اے اس وقت شدید مالی بحران کا شکار ہے۔ 12 ارب روپے صرف 5 منٹ میں ختم ہوگئے، سالانہ 30 سے 40 ارب روپے پی آئی اے کو چلانے کے لیے درکار ہوتے ہیں۔

دوسری جانب ملک کے بدحال اداروں میں سے ایک اسٹیل ملز بھی ہے۔ شہر قائد سے کلومیٹر کی مسافت پر تعمیر ہونے والے اس عظیم ادارے کی پیداواری صلاحیت 4011 لاکھ ٹن سے 30 لاکھ ٹن سالانہ ہے، لیکن کرپشن، سیاسی بنیادوں پر ہونے والی تقرریوں اور دیگر عوامل نے پاکستان میں صنعتوں کی ماں کہلانے والے اس ادارے کو تباہی کے دہانے پر لاکھڑا کیا ہے۔ 18 ہزار 600 ایکڑ سے زاید رقبے پر محیط اس ادارے کو پاکستان کا سب سے بڑا انڈسٹریل کمپلیکس ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ تاہم خام مال کی قلت اور بدعنوانیوں کی وجہ سے یہ ادارہ اب تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے اور گزشتہ چھ سال میں صرف خام مال کی خریداری میں بدعنوانی کے بیس کیسز سامنے آچکے ہیں، جب کہ معاشی سال 2008 میں 3 ارب سے زاید خالص منافع کمانے والے ادارے کو 2008 کے بعد سے ڈرامائی

طور پر ہر سال خسارے کا سامنا ہے۔

دوسری طرف تقریباً ایک دہائی سے پاکستان اسٹیل ملز کی نج کاری کی کوششیں جاری ہیں اور 2006 میں اس ادارے کو تقریباً فروخت کر ہی دیا گیا تھا، تاہم اس حکومتی فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ آف پاکستان میں سیکشن 184 (3) کے تحت دائر کی گئی پٹیشن پر کارروائی کرتے ہوئے سپریم کورٹ کے نو رکنی بینچ نے نج کاری کو کالعدم قرار دے دیا تھا۔ موجودہ حکومت میں بھی پاکستان اسٹیل ملز کی نج کاری کی کوششیں کی جارہی ہیں۔

پاکستان اسٹیل ملز کو صنعتوں کی ماں کہا جاتا ہے، لیکن بڑے پیمانے پر ہونے والی بد عنوانی، اقربا پروری اور نااہلی نے اس منافع بخش ادارے کو زبردست نقصان سے دو چار کر دیا ہے۔ اگر اس ادارے کو پیشہ ورانہ اصولوں پر چلانے کے لیے مناسب حکمت عملی وضع کی جائے، اعلیٰ انتظامی عہدوں اور بورڈ آف ڈائریکٹرز کی تقرریاں پیشہ ورانہ اصولوں پر کی جائیں تو یہ ادارہ دوبارہ منافع بخش ہو سکتا ہے۔ حال ہی میں نجکاری کمیشن کے چیئرمین محمد زبیر کی سربراہی میں پاکستان اسٹیل ملز کی فروخت کے لیے چین کے شہر وہان میں روڈ شوز بھی منعقد کیے تھے۔ گزشتہ چند سالوں میں انتظامیہ کی بدترین کرپشن نے پاکستان کے اس منافع بخش ادارے کی جڑوں کو کھوکھلا کرکے اسے بیساکھیوں پر کھڑا کر دیا ہے۔ گزشتہ روز چینی میٹلر جیکل گروپ کارپوریشن نے پاکستان اسٹیل ملز کی نجکاری میں دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ کمپنی چین کی 500 بڑی کمپنیوں میں سے ایک ہے جو چین میں سب سے زیادہ

اسٹیل پیدا کرتی ہے، کمپنی سالانہ ریونیو 36 ارب ڈالر جبکہ اسکے کل اثاثہ جات کی مالیت
ارب ڈالر ہے۔ 30

پاکستان ریلوے کا شمار بھی ملک کے بدحال اداروں میں سے ہوتا تھا، لیکن، لیکن خواجہ سعد رفیق کی جانب سے توجہ دینے پر آج یہ ادارہ نہ صرف خسارے سے نکل گیا ہے، بلکہ ملک کو کما کر دینے لگا ہے۔ پاکستان ریلوے بحالی کی پٹڑی پر چڑھ چکا ہے اور ریلوے کی مالی حالت بہتر ہونا شروع ہو گئی ہے۔ مبصرین کے مطابق اگر دیگر اداروں پر بھی ریلوے کی طرح توجہ دی جائے تو بہت جلد خسارے میں جانے والے تمام قومی ادارے منافع بخش بن سکتے ہیں۔ ملک معاشی طور پر عدم استحکام کا شکار ہے۔ ملک بے روزگاری، غربت اور دیگر بہت سے مسائل میں دھنسا ہوا ہے، جن سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے ضروی ہے کہ قومی ادارے مستحکم ہوں۔ اگر قومی ادارے مستحکم نہیں ہوتے تو ملک کا ترقی کا کرنا بھی مشکل ہے۔

خود اعتمادی.... کامیابی کی شاہ کلید

کہا جاتا ہے کہ زندگی میں کامیاب ہونے کے لیے انسان میں خود اعتمادی کا ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا دن کے لیے سورج کا ہونا ضروری ہے۔ خود اعتمادی کو کامیابی کی کنجی کہا جاتا اور کامرانی کی پہلی سیڑھی سمجھا جاتا ہے۔ خود اعتمادی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ کسی بھی انسان کا اس کے بغیر کامیابی کے راستے پر گامزن ہونا مشکل ہے، جبکہ خود اعتمادی کے ساتھ مشکلات سے لڑنا انتہائی آسان ہوتا ہے۔ بیش تر کامیاب افراد کی ترقی کا راز ان کی خود اعتمادی میں چھپا ہوتا ہے، جو لوگ اپنی زندگی کے مقاصد کا تعین کر لیتے ہیں اور مستقل مزاجی کے ساتھ اپنے مقاصد کی تکمیل میں لگ جاتے ہیں وہ ضرور کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ انسان کی عملی زندگی میں ناکامی کی بنیادی وجہ خود اعتمادی میں کمی کا ہونا ہے، جن لوگوں میں خود اعتمادی کی کمی ہوتی ہے ان کے دل میں یقین کی پختگی نہیں ہوتی۔ جو شخص اپنی صلاحیتوں پر اعتماد و یقین رکھتا ہے، وہ ناکام ہونے کے تصور کو ہی ماننے سے انکار کر دیتا ہے اور مقصد کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد کرتا ہے اور بالآخر کامیاب ہو جاتا ہے، لیکن جس شخص میں خود اعتمادی نہیں ہوتی وہ اپنی ہر ناکامی کو تقدیر کا لکھا سمجھ کر خود کو پستی میں دھکیل دیتا ہے۔ حالانکہ اپنی ناکامیوں کو تقدیر کا لکھا سمجھ لینا

حالات سے فرار ہے۔

خود اعتمادی ایک مثبت رویہ ہے، اس لیے دیگر مثبت رویوں کی طرح یہ بھی انسانی زندگی میں بہت سی مثبت اور خوش آیند تبدیلیاں لے کر آتی ہے۔ خود اعتمادی خوف کی ضد ہے اور خوف انسان کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیتا۔ یہ خوف ہی ہے جو کسی منزل کا تعین کرنے سے پہلے ہی راہی کو راستے کی دشواریوں سے خائف کرکے اس کے عزائم اور ارادوں کو متزلزل کر دیتا ہے۔ اندیشے اور خوف خود اعتمادی کو سخت چوٹ پہنچاتے ہیں۔ اندیشوں اور خوف سے ہی انسان میں احساس کمتری پیدا ہوتا ہے، جبکہ خود اعتمادی سے سرشار شخص زندگی کی مشکلات پر قابو پا کر کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ اگر انسان خود ہی اپنی صلاحیتوں کے بارے میں تشکیک کا شکار ہو اور اسے اس بات پر اعتماد ہی نہ ہو کہ میری کامیابی یقینی ہے تو وہ کیوں کر کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس لیے کامیاب ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کی ہوئی صلاحیتوں کا ادراک اور ان پر مکمل اعتماد ہونا ضروری ہے۔ زیادہ تر لوگوں میں صلاحیتوں کی کمی نہیں ہوتی، بلکہ ان میں خود اعتمادی کی کمی ہوتی ہے۔ ہر انسان میں کسی نہ کسی کام کی صلاحیت ضرور ہوتی ہے، چاہے خفیہ طور پر ہی ہو، لیکن وہ خود اعتمادی میں کمی کی وجہ سے اس جوہر کو ابھرنے کا موقع نہیں دیتا، نتیجتاً ناکام رہتا ہے۔ اگر انسان کو اپنی ذات پر مکمل اعتماد ہو تو وہ بڑے سے بڑا کارنامہ بھی باآسانی سر

انجام دے سکتا ہے۔

تاریخ میں متعدد بار ایسا بھی ہوا کہ مٹھی بھر جنگجوؤں نے بھاری بھر کم فوج کو آن کی آن میں ملیامیٹ کر دیا، یہ ان کی خود اعتمادی کا نتیجہ تھا۔ جنگ یرموک میں مسلمانوں نے رومیوں کے لشکر جرار کے مقابلے میں شاندار کامیابی حاصل کی، یہاں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی خود اعتمادی کا گراف بھی انتہائی بلند سطح پر تھا۔ اس جنگ کے سپاہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خود اعتمادی کا یہ عالم تھا کہ اکیلے ہی لاکھوں رومیوں سے بھڑنے کو تیار تھے۔ ان کے تیس ہزار مسلمانوں پر مشتمل خود اعتمادی کے جذبے سے بھرپور لشکر نے لاکھوں رومیوں کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا۔ انسان کو جیسا اعتماد ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس کو کامیابی دیتا ہے۔ اعتماد دل کی حکومت میں سپہ سالار کی حیثیت رکھتا ہے۔ تمام قومیں اس کا حکم مان کر چلتی ہیں۔ جو شخص خود اعتمادی، خدا پر یقین اور بھروسے سے آگے بڑھتا ہے، اسے کامیابی مل کر ہی رہتی ہے۔ بہت سے لوگوں کا یہ المیہ ہے کہ وہ دوسروں کی کامیابیاں دیکھنے میں اپنا سارا وقت کھو دیتے ہیں، حالانکہ دوسروں کی کامیابی کو دیکھ کر خود بھی کامیاب ہونے کی تگ و دو کرنی چاہیے۔

خود اعتمادی کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہر کام میں کامیابی حاصل ہو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مشکل کا سامنا ہو تو یہ معلوم ہو کہ محنت اور کوشش سے اس مشکل پر قابو پایا جا سکتا ہے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تب بھی شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔

خود اعتمادی دراصل مختلف شعبوں میں انسان کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا اندازہ لگانے کا موثر پیمانہ ہے۔ جس شعبے میں انسان کی معلومات بہتر ہوں گی، اسی میں خود اعتمادی بھی زیادہ ہوگی، اس لیے جب انسان کسی شعبے میں ناکام ہوتا ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس شعبے میں اس کی معلومات ناکافی ہیں تو اپنی اس ناکامی پر کڑھنے کی بجائے اس شعبے میں اپنی صلاحیتوں اور معلومات میں اضافہ کرنا چاہیے۔ ماہرین نفسیات کے مطابق "ایک کامیاب شخصیت بننے کی کنجی یہ ہے کہ اپنی قابلیت اور صلاحیت کے شعبوں میں اعتماد پیدا کیا جائے اور جس شعبے میں بھی قابلیت کم ہو اس کے بارے میں عدم اعتماد کا شکار ہونے کی بجائے اپنی قابلیت کو بڑھاوا دیا جائے۔" ناکام ہونا کوئی بری بات نہیں ہے، ناکامی تو ہماری استاد ہوتی ہے۔ وہ ایک نشانِ راہ ہوتی ہے۔ اگر ہم ناکام ہوتے ہیں تو اس سے ہمیں ایک نیا اعتماد حاصل ہونا چاہیے، کیونکہ اہم اور کامیاب ترین لوگ بارہا ناکامی سے دوچار ہوتے ہیں اور ہمیشہ مقصد کے حصول کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

ہم اکثر یہ بات نظر انداز کر جاتے ہیں کہ غلطیوں کے باوجود بھی اپنے آپ کو

بہتر طور پر پرکھا جاسکتا ہے۔ جس طرح ہم اپنی کارکردگی کے بارے میں سوچتے ہیں، اسی طرح ہمیں اپنی غلطیوں سمیت اپنی قدر کرنا سیکھنا چاہیے۔ ہم اپنی اچھی کارکردگی کے بارے میں ضرور سوچیں، لیکن اس کے ساتھ ہمیں اپنی غلطیوں سے بھی لطف اندوز ہونا چاہیے۔ خود اعتمادی کا فقدان "کہیں میں ناکام نہ ہوجاؤں" یا "لوگ کیا کہیں گے" سے شروع ہوتا ہے۔ کامیاب ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ ان وسوسوں اور اوہام کو دل سے باہر نکال کر پھینک دینا چاہیے اور امید و یقین کی زندگی بسر کرنا شروع کردینا چاہیے۔ اپنی ذات کے کمزور پہلوؤں کو نظرانداز کردینا چاہیے۔ جب کوئی شخص اپنی قوت و کارکردگی کے کمزور پہلو دیکھتا ہے تو پھر اپنی صلاحیت کا اعتماد کھودیتا ہے اور ناکام ہوجاتا ہے۔ خود اعتمادی کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ شک کو قریب بھی نہ پھٹکنے دیا جائے۔ اپنے آپ کو ہر وقت یہ یقین دلاتے رہنا چاہیے کہ ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔ یقین کی طاقت اور خدا تعالیٰ کی مدد کی بدولت ہم ہر قسم کی مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرسکتے ہیں اور کامیابی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

دنیا کی سب سے بڑی "جمہوریت" انتہا پسندوں کا گڑھ!

بھارت میں انتہا پسندوں کی جانب سے پے در پے حملے دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے دعویدار بھارت کے منہ پر زور دار طمانچہ ہے۔ بھارت سیکولر ملک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن حقائق اس کے بالکل برعکس ہیں۔ ان دنوں بھارت پر انتہا پسندی کا مکمل راج ہے۔ بھارت شیو سینا اور دیگر جماعتوں کے انتہا پسند غنڈوں کے نرغے میں ہے۔ اقلیتوں کے خلاف آئے روز پیش آنے والے واقعات اس بات کے شاہد ہیں۔ گزشتہ دنوں بھارتی ریاست اتر پردیش کے 50 سالہ مسلمان رہائشی محمد اخلاق کو مبینہ طور پر گائے کا گوشت کھانے پر گھر سے نکال کر قتل اور اس کے بیٹے کو زخمی کر دیا گیا۔ اخلاق کے معاملے میں یہ بعد میں ثابت ہوا کہ اس نے گائے نہیں، بلکہ بکرے کا گوشت کھایا تھا، لیکن مودی نے اس قتل کی مذمت تک کرنا گوارا نہیں کی اور ہفتوں بعد صرف یہ بیان دیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ انہوں نے آپس میں لڑنا ہے یا غربت کے ساتھ لڑنا ہے۔ حالات و واقعات یہ ثابت کر رہے ہیں کہ جب سے بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے اقتدار سنبھالا ہے، اس وقت سے دن بدن بھارت میں انتہا پسندی اور پاکستان کے خلاف نفرت بڑھ رہی ہے۔ گزشتہ دنوں پاکستان کے سابق وزیر خارجہ خورشید محمود قصوری کی کتاب کی تقریب رونمائی کے موقع پر کتاب کے پبلشر بھارتی کالم نگار اور سیاستدان

سدھیندرا کلکرنی (چیئرمین آبزرور فاؤنڈیشن) کے چہرے پر انتہا پسند ہندو تنظیم شیو سینا کے غنڈوں کی طرف سے سیاہی پھینکی گئی، حالانکہ کلکرنی بھارت کے سابق وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کے سپیچ رائٹر کے طور پر اور نائب وزیر اعظم لال کشن ایڈوانی کے ساتھ بطور رابطہ کار کام کرتے رہے ہیں، لیکن محض ایک پاکستانی کی کتاب کی تقریب رونمائی کروانے پر اس کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا۔ پیر کے روز ایک طرف نئی دہلی میں ہندو بلوائیوں نے مقبوضہ کشمیر اسمبلی کے رکن انجینئر راشد کو دھمکایا اور ان کے چہرے پر سیاہی پھینکی اور دوسری جانب مودی سرکار کی حلیف بھارت کی ہندو انتہا پسند جماعت شیو سینا کے غنڈوں نے پاک بھارت کرکٹ بحالی مذاکرات کرنے پر بھارتی کرکٹ بورڈ (بی سی سی آئی) کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کیا اور پاکستان کرکٹ بورڈ کے چیئرمین اور ایمپائر کو دھمکیاں دیں اور پاکستان کے خلاف نعرے لگائے۔ پاکستانی امپائر علیم ڈار کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ وہ بھارت اور جنوبی افریقا کے آخری ون ڈے میں امپائرنگ نہ کریں جس کے بعد انٹرنیشنل کرکٹ کونسل نے ہندو انتہا پسندوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے، اور دباؤ میں آکر علیم ڈار کو امپائرنگ سے روک دیا۔ انتہا پسندوں کے اقدامات پر بھارتی حکومت نے خاموش تماشائی کا کردار ادا کیا اور حملہ کرنے والے چند افراد کو حراست میں لیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہی رہا کر دیا۔

واقعہ کے بعد پاکستان میں مظاہرین کی جانب سے پاکستان کرکٹ بورڈ کے چیئرمین شہریار خان سے وطن واپسی کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا گیا کہ بھارت کی اس غنڈہ گردی کے باوجود بھی بھارت میں کھیلنے کا جواز نہیں ہے۔ اس کے ساتھ مظاہرین نے شیوسینا کے غنڈوں کے خلاف نعرے بازی کی اور نریندر مودی کے پتلے بھی نذر آتش کیے۔ جبکہ پاکستان کی مختلف جماعتوں کے رہنماوں اور عسکری و خارجہ امور کے ماہرین نے بھارت میں ہندو انتہا پسندوں کی بڑھتی ہوئی دہشتگردی کا سرپرست اعلی بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کو قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان کرکٹ بورڈ کے رہنماوں کے ساتھ بھارتی انتہا پسندوں کی بد سلوکی کی جتنی مذمت کی جائے، وہ کم ہے، ان واقعات سے بھارتی مودی سرکار کا اصل چہرہ کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ عالمی برادری اس صورتحال کا نوٹس لے، کیونکہ بھارت نہ صرف پاکستان میں دہشت گردی کے واقعات میں ملوث ہے، بلکہ وہ بھارت جانے والے پاکستانی رہنماوں سے بھی ناروا سلوک کرواکر عالمی قوانین کی کھلم کھلا خلاف ورزیاں کررہا ہے، جس سے پاکستان اور بھارت کے تعلقات مزید کشیدہ ہونے کے امکان ہیں۔ وزیراعظم میاں نواز شریف کا کہنا ہے کہ بھارت نے خطے میں امن کے لیے پاکستانی کوششوں کی حوصلہ شکنی کی ہے، جبکہ سیکرٹری خارجہ اعزاز چودھری نے کہا ہے کہ بھارت ایل او سی پر جنگ بندی معاہدے کی خلاف ورزی کررہا ہے اور پاکستان نے بھارت کی کولڈ اسٹارٹ نامی جنگی حکمت عملی کا مقابلہ کرنے کے لیے چھوٹے ایٹمی ہتھیار تیار کیے ہیں۔

دوسری جانب بھارت کے دانشوروں اور ادیبوں نے مودی سرکار کی فرقہ وارانہ پالیسیوں کو یکسر مسترد کردیا ہے۔ بھارت میں بڑھتے ہوئے نسلی امتیاز اور فرقہ واریت کے خلاف بھارتی ادیبوں اور شاعروں کی جانب سے ایوارڈ واپس کیے جارہے ہیں، اب تک پچاس سے زاید ادیبوں نے احتجاجاً اپنے ایوارڈز اور ان کے ساتھ ملنے والی اعزازی رقم حکومت کو واپس کردی ہے۔ جبکہ بھارت کے شہر ممبئی میں ہندو قوم پرست انتہا پسند جماعت شیو سینا کی جانب سے پاکستانی فنکاروں، ادیبوں اور کھلاڑیوں کے خلاف حالیہ دھمکیوں اور رکاوٹوں پر دونوں ملکوں کے صحافیوں نے افسوس اور تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ایک مشترکہ بیان جاری کیا ہے جس کے مطابق شیو سینا کے ڈی این اے میں پاکستان سے نفرت شامل ہے اور ہم شیو سینا کی غنڈہ گردی پر شرمندہ ہیں۔ واضح رہے کہ بھارت میں پاکستان کی مخالفت انتخابی و دیگر کئی فائدے فراہم کرتی ہے۔ بھارت میں انتہائی دائیں بازو کی سیاست اسی پر منحصر ہے۔ شیو سینا بھارت میں خوف کی سیاست پھیلانے والا ایک اہم کردار ہے اور انتہا پسندی کی علامت ہے۔ قومیت، مذہب اور زبان، ہر نام پر ہندوستان کو تقسیم کرنے کے لیے کام کرنے والی اس تنظیم کے غنڈے کبھی بہاریوں کو دیکھتے ہی مارتے پیٹتے، کبھی ا±ن کا غصہ مسلمانوں پر اترتا ہے تو کبھی کمیونسٹ رگڑے میں آ جاتے ہیں، لیکن پاکستان کے ساتھ ان کی بہت پرانی اور پائیدار دشمنی ہے۔ پاک بھارت کرکٹ پہلی بار 1991 میں شیو

سینا کے ہاتھوں متاثر ہوئی، جب بمبئی کے وانکھیڑے اسٹیڈیم میں شیو سینا کے غنڈوں نے پچ خراب کردی گئی۔

گزشتہ سال جب ہندوستان کے عام انتخابات میں گجرات کی خوشحال ریاست کے سابق وزیرِ اعلیٰ نریندرا مودی کامیاب ہوئے تو پوری دنیا کی نظریں بھارت پر لگی ہوئیں تھیں۔ بہت سے لوگ یہ گردانتے نہیں تھک رہے تھے کہ بھارتی جمہوریت اس سے زیادہ بہتر نہیں ہو سکتی، کیونکہ نئے وزیرِ اعظم لڑکپن میں ایک ریلوے اسٹیشن پر چائے بیچتے تھے، مگر پھر بھی سسٹم نے انہیں جگہ دی۔ کئی لوگوں نے پیشگوئی کی کہ بھارت میں اب سماجی و اقتصادی ناہمواری کے دن گنے جا چکے ہیں اور مودی ہی وہ رہنما ہیں جو بھارت کو اس کے مسائل سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارہ دلا دیں گے، لیکن جلد ہی نریندر مودی کے انتہا پسندانہ بیانات اور مودی سرکار کے انتہا پسندانہ اقدامات کی وجہ سے ان کی خوش فہمی دور ہو گئی۔ انتہا پسندی اب پورے بھارتی معاشرے کو لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔

بھارت کی انتہا پسندی رکنے میں نہیں آ رہی۔ بھارت میں انتہا پسندی کا حالیہ طوفان حیران کن نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ ایک ایسا شخص جس نے گجرات میں بدترین فسادات کی خود سربراہی کی ہو، وہ ملک کے بلند ترین عہدے پر فائز ہو کر فوراً رحم دل کیسے بن سکتا ہے؟ مبصرین کے مطابق بھارت میں انتہا پسندی کوئی نئی بات نہیں ہے، لیکن اب یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ جو کچھ اب ہو رہا ہے، اس کو مودی سرکار کی

مکمل حمایت حاصل ہے۔ نریندر مودی کی مکمل سیاست پاکستان اور مسلمانوں کی مخالفت کے گرد گھومتی ہے۔ حکومت میں آنے سے پہلے مودی کے پاکستان مخالف بیانات اور گجرات میں مسلمانوں کا قتل عام مودی کی انتہا پسندی کی گواہی دیتے ہیں۔ مودی سرکار حکومت میں ہونے کی وجہ سے جو کچھ خود نہیں کر سکتی ہے، وہ شیو سینا کے غنڈوں سے کروا رہی ہے۔ اگر مودی سرکار نے انتہا پسند بھارتی غنڈوں کی خاموش سرپرستی ختم نہ کی تو اس سے نہ صرف بھارت بلکہ پورا خطہ متاثر ہو سکتا ہے، اس لیے عالمی برادری کو اس کا نوٹس لینا چاہیے۔

وقت کی قدر کیجیے!

ایک بار فیثا غورث سے کسی نے سوال کیا کہ وقت کی حقیقت کیا ہے؟ فیثا غورث نے جواب دیا: "وقت اس دنیا کی روح ہے۔" کسی دانشور نے ایک بار یاران نکتہ داں سے پوچھا کہ بتاؤ! اس کائنات میں مہنگی ترین چیز کیا ہے؟ کسی نے سونے کو مہنگی چیز کہا، کسی نے ہیرے کو مہنگی شے قرار دیا۔ دانشور کو کسی کا جواب درست نہیں لگا تو خود ہی کہا کہ دنیا میں قیمتی ترین شے "وقت" ہے۔ مشہور فرانسیسی فلسفی ادیب والٹیئر نے اپنی کتاب "زیڈگ۔ تقدیر کا ایک بھید" میں وقت کے متعلق ایک دلچسپ سوال و جواب کا ذکر کیا ہے۔ کسی نے زیڈگ سے سوال کیا: "وہ کون سی چیز ہے، جو سب سے زیادہ طویل ہے مگر سب سے مختصر بھی، سب سے تیز رفتار بھی اور سست ترین بھی، سب سے زیادہ تقسیم ہوجانے والی بھی اور سب سے زیادہ کھینچ جانے والی بھی، سب سے زیادہ نظر انداز بھی کی جاتی ہے مگر سب سے زیادہ افسوس بھی اسی کا ہوتا ہے۔ایسی چیز جو معمولی چیزوں کو ختم کردیتی ہے، مگر غیر معمولی چیزوں کو دوام بخش دیتی ہے؟"

زیڈگ نے بلاتردد جواب دیا "وقت" اور مزید کہا: "وقت سے زیادہ طویل کوئی چیز نہیں کیونکہ یہ ابدیت کا پیمانہ ہے۔ اس سے زیادہ مختصر شے کوئی نہیں،

کیونکہ یہ ہماری آرزوں کی تکمیل کے لیے ہمیشہ ناکافی ثابت ہوتا ہے۔ جو کسی امید کی تکمیل کے انتظار میں ہو، اس کے لیے اس سے زیادہ سست رفتار کوئی چیز نہیں۔ جو خوشی و مسرت کے لمحات میں ہو، اس کے لیے اس سے زیادہ تیز رفتار کوئی شے نہیں۔ ہر شخص اسے نظر انداز کرتا ہے اور سب ہی اس کے ضائع ہونے پر افسوس کرتے ہیں۔ یہ ہر معمولی واقعے کو آیندہ نسل میں منتقل ہونے سے قبل ہی طاق نسیان کے حوالے کر دیتا ہے اور ہر ایسے عمل کو لافانی بنا دیتا ہے جو واقعی عظیم ہو۔"قرآن مجید میں جا بجا وقت" کی قدر و اہمیت کے روشن حوالے ملتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ الفجر" میں وقتِ فجر اور عشرہ ذوالحج کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: "فجر کے وقت کی قسم اور دس راتوں کی قسم۔" سورۃ الضحیٰ میں وقت چاشت کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا: قسم ہے وقت چاشت کی اور قسم ہے رات کے وقت کی، جب وہ چھا جائے۔" سورۃ" العصر میں عصر کے وقت کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: "قسم ہے زمانے کی، انسان "خسارے میں ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ گزرا "وقت" واپس نہیں آتا، مگر آنے والا ہر لمحہ اور ہر صبح، "امید" کا پیغام ضرور دیتی ہے۔انسان کے پاس سب سے نفیس اور سب سے قیمتی چیز وقت ہی ہے۔ ہم اپنے عمل اور کوشش سے جو بھی حاصل کرنا چاہیں، اس کی کامیابی کا راز وقت کے درست استعمال میں ہی پوشیدہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بالکل بجا ہے کہ وقت گزرتے واقعات کا ایک دریا ہے، اس کا بہاؤ تیز اور

زبردست ہے، جو نہی کوئی چیز اس کی زد میں آتی ہے ،اس کی لہریں اسے اپنے ساتھ بہالے جاتی ہیں۔ عربی کی مثل ہے "الوقت سیف قاطع" وقت کاٹنے والی تلوار ہے۔ حکماء فرماتے ہیں کہ وقت سیال ہے، اسے کسی آن سکون نہیں۔ وقت ہمارے پاس اسی طرح آتا ہے جیسے کوئی دوست چپ چاپ بیش قیمت تحفہ اپنے ساتھ لائے، لیکن اگر ہم اس سے فائدہ نہ اٹھائیں تو وہ اپنے تحائف سمیت چپکے سے واپس چلا جاتا ہے اور پھر کبھی واپس نہیں آتا۔ کھوئی ہوئی دولت محنت اور کفایت شعاری سے حاصل ہو سکتی ہے۔ کھویا ہوا علم مطالعے کے ذریعے پا سکتے ہیں۔ کھوئی ہوئی تندرستی دوا سے مل سکتی ہے، لیکن کھویا ہوا وقت لاکھ کوشش کے باوجود دوبارہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بعد میں انسان کو یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ "پن چکی" اس پانی سے نہیں چل سکتی جو بہہ گیا ہو۔ مولانا ابوالکلام آزاد ایک جگہ رقمطراز ہیں: "عرب کے فلسفی ابوالعلاء معری نے زمانہ کا پھیلاؤ تین دن کے اندر سمیٹ دیا ہے۔ کل جو گزر چکا ہے، آج جو گزر رہا ہے، کل جو آنے والا ہے۔ لیکن تین زمانوں کی تقسیم میں نقص یہ تھا کہ جسے ہم "حال" کہتے ہیں، وہ فی الحقیقت ہے ہی کہاں؟ یہاں وقت کا جو احساس بھی ہمیں میسر ہے، وہ یا تو "ماضی" کی نوعیت رکھتا ہے یا "مستقبل" کی اور انھی دونوں زمانوں کا ایک اضافی تسلسل ہے، جسے ہم "حال" کے نام سے پکارتے ہیں۔ "یہ سچ ہے کہ ماضی اور مستقبل کے علاوہ وقت کی ایک تیسری نوعیت بھی ہمارے سامنے آتی ہے۔ لیکن وہ اس تیزی کے ساتھ آتی اور نکل جاتی ہے کہ ہم اسے پکڑ نہیں سکتے، ہم اس کا پیچھا کرتے

ہیں، لیکن ادھر ہم نے پیچھا کرنے کا خیال کیا اور ادھر اس نے اپنی نوعیت بدل ڈالی۔ ہر طلوع ہونے والا دن پکار پکار کر کہتا ہے: "اے انسان! میں ایک نوپید مخلوق ہوں، میں تیرے عمل پر شاہد ہوں، مجھ سے کچھ حاصل کرنا ہے تو کرلے، میں تو اب قیامت تک لوٹ کر نہیں آؤں گا۔" حدیث میں ہے: "مومن کے لیے دو خوف ہیں، ایک عاجل، جو گزر چکا ہے، معلوم نہیں خدا اس کا کیا کرے گا اور ایک آجل جو ابھی باقی ہے، معلوم نہیں اللہ اس میں کیا فیصلہ صادر فرمائے۔ انسان کو چاہیے کہ اپنی طاقت سے اپنے نفس کے لیے، دنیا سے آخرت کے لیے، جوانی سے بڑھاپے کے لیے اور زندگی سے قبل از موت کے لیے کچھ نفع حاصل کرلے۔"

الغرض وقت ایسی دولت ہے جو ہر شخص کو یکساں عطا ہوئی۔ جو لوگ اس سرمائے کو معقول طور سے کام میں لاتے ہیں، جسمانی راحت اور روحانی مسرت انھیں کو نصیب ہوتی ہے۔ وقت کے صحیح استعمال سے ایک وحشی مہذب بن جاتا ہے، جاہل عالم بنتا ہے، مفلس تونگر بنتا ہے، ناداں دانا بنتا ہے۔ وقت ضایع کرنا خودکشی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ خودکشی ہمیشہ کے لیے زندگی سے محروم کردیتی ہے اور اوقات کا ضیاع ایک محدود زمانے تک زندہ کو مردہ بنادیتا ہے۔

بھارت کی امن دشمنی

پاکستان نے ہمیشہ بھارت کے ساتھ مذاکرات کے ذریعے معاملات حل کرکے اچھے ہمسائے کی طرح تعلقات کو بڑھانے کی بات کی، مگر بھارت نے بغل میں چھری اور منہ میں رام رام کی پالیسی اپنائی ہے۔ ماضی شاہد ہے کہ پاکستان کی خطے میں قیام امن کی کوششوں کے جواب میں بھارت نے نہ صرف پاکستان، بلکہ عالمی برادری کی کوششوں کو بھی یکسر نظرانداز کرکے ہمیشہ مذاکرات سے فرار اختیار کیا ہے۔ پاک بھارت کرکٹ بحالی کے سلسلے میں جاری طرفین کے درمیان جاری مذاکرات کے دوران بھارتی کرکٹ بورڈ کے ہیڈ کوارٹر پر انتہا پسند ہندو تنظیم شیوسینا کے غنڈوں کے حملے سے لے کر مسئلہ کشمیر پر بھارت کے روایتی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرنے تک متعدد واقعات نے یہ ثابت کیا ہے کہ مودی حکومت اور بہت سے انتہاپسند بھارتی پاکستان کے ساتھ متنازعہ معاملات کو مذاکرات کے ذریعے حل نہیں کرنا چاہتے۔ بھارت کی جانب سے مذاکرات کی پیش کش اور کوشش کا ہر بار مثبت کی بجائے منفی جواب ہی سامنے آیا ہے۔ پاکستان نے متعدد بار بھارت کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا اور بھارت کو مذاکرات کی دعوت دی۔ گزشتہ روز امریکی صدر اوباما کے ساتھ ملاقات میں وزیراعظم میاں نواز شریف نے کشمیر کے تنازع کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنے پر

زور دیا، لیکن بھارت کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگ رہی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ نریندر مودی کے اقتدار سنبھالنے کے بعد سے بھارت میں انتہا پسندی اور پاکستان کے خلاف نفرت بڑھی ہے اور اب بھارتی معاشرہ تعصب و منافرت کے ہاتھوں بری طرح یرغمال ہو چکا ہے۔ بھارت کے وزیراعظم نریندر مودی خود بھی پاکستان اور مسلمانوں کی دشمنی کی سیڑھی چڑھتے ہوئے وزارتِ عظمیٰ کے منصب تک پہنچے ہیں، اس لیے مودی سرکار نے ہندو انتہا پسندوں کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔

مودی سرکار کی انتہا پسند پالیسیوں سے خود بھارت کے سنجیدہ حلقے نالاں ہیں۔ بہت سے ادیب، شاعر اور دانشور مودی سرکار کے زیر سایہ انتہا پسندوں کی پر تشدد کارروائیوں کے خلاف سرکاری ایوارڈ واپس کر چکے ہیں۔

بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کے اقتدار میں آنے کے بعد نریندر مودی نے سیکولر بھارت کی تشریح کو یکسر تبدیل کر دیا ہے اور اب بھارت میں انتہا پسندی کا راج ہے، جس کے باعث بھارت میں آئے دن پاکستان مخالف انتہا پسندانہ واقعات رونما ہو رہے ہیں، جس پر بھارتی حکومت مسلسل خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہی ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیو سینا کے غنڈوں کی طرح بھارتی حکومت بھی پاکستان کے ساتھ مذاکرات کے حق میں نہیں ہے۔ بھارت ہمیشہ پاکستان کی جانب سے پیش کی گئی قیام امن کی تجاویز کو پس پشت ڈال کر کشیدگی کو ہوا

دیتا آیا ہے۔

مسئلہ کشمیر پاکستان اور بھارت کے درمیان تنازعات کی بنیاد ہے۔ جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہو جاتا دونوں ملکوں کے تعلقات کبھی بہتر نہیں ہو سکتے۔ بھارت خود کشمیر کے معاملے کو سب سے پہلے 1948ء میں اقوام متحدہ میں لے کر گیا تھا۔ پاکستان نے مسئلہ کشمیر کے پرامن حل کے لیے اقوام متحدہ کی تمام تجاویز کو قبول کیا، اس کے برعکس بھارت ان قراردادوں کو تسلیم کرنے اور ان پر عمل درآمد کرنے کی یقین دہانیوں کے باوجود ان قراردادوں سے منحرف ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ اس نے یہ غیر حقیقت پسندانہ دعویٰ کیا کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ بھارت کا یہ دعویٰ تاریخی حقائق کے منافی، قانونی اصولوں کے خلاف اور جھوٹ پر مبنی ہے۔ مسلم اکثریتی ریاست جموں و کشمیر نظریاتی اور علاقائی دونوں لحاظ سے پاکستان کا حصہ ہے۔ پاکستان کے نام میں حرف "ک" اس حقیقت کا مظہر ہے کہ کشمیر کے بغیر پاکستان نامکمل ہے۔ کشمیر معاشی اور دفاعی لحاظ سے پاکستان کی شہ رگ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بھارت کی نیت قیام پاکستان کے وقت سے ہی پاکستان کو کشمیر سے محروم کرنے کی تھی، اسی لیے بھارت نے اپنی افواج کے ذریعے اس پر اپنا تسلط جما لیا اور پھر اس تسلط کو جائز تسلیم کرانے کے لیے مقبوضہ کشمیر کو اپنے

ماتحت ایک ریاست کا درجہ دے دیا اور الحاق پاکستان کا نعرہ بلند کرنے اور آزادی مانگنے والے کشمیری عوام پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنا شروع کر دیے اور ہزار ہا حریت پسند کشمیریوں کا شہید کر دیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ بھارت کی جانب سے دنیا کو دکھانے کے لیے تو پاکستان کے ساتھ مذاکرات کی میز پر ہر تنازع کے حل کی بات کی جاتی ہے، مگر جیسے ہی مذاکرات کے عمل میں پیش رفت ہوتی دکھائی دیتی ہے تو بھارت کی ہٹ دھرمی کی رگ پھڑکنے لگتی ہے اور مختلف طریقوں سے مذاکرات کو سبوتاژ کر دیا جاتا ہے۔ بھارت جب تک اپنا یہ رویہ ترک کر کے زمینی حقائق کی بنیاد پر مسئلہ کشمیر کے حل کی طرف نہیں آئے گا، خطے کا امن و استحکام معرض خطر میں رہے گا۔

ایک اور ہولناک زلزلہ.... ایک اور امتحان!

پیر کے روز ملک بھر میں ہولناک زلزلہ آیا۔ امریکی جیولوجیکل سروے کے مطابق ریکٹر اسکیل پر زلزلے کی شدت 7.7 تھی، جبکہ پاکستان کے محکمہ موسمیات کے مطابق زلزلے کی شدت 8.1 تھی۔ زلزلے کی گہرائی 193 کلومیٹر تھی جس کا مرکز کوہ ہندوکش کا علاقہ تھا۔ ماہرین ارضیات کے مطابق زلزلے کی گہرائی زیادہ ہونے کے باعث ملک بڑی تباہی سے محفوظ رہا۔ خدانخواستہ اگر گہرائی کم ہوتی تو تباہی کئی گنا زیادہ ہوسکتی تھی اور سب کچھ الٹ پلٹ ہوسکتا تھا۔ زلزلے کے جھٹکے پاکستان، افغانستان اور بھارت میں محسوس کیے گئے، افغانستان میں زلزلے سے سو سے زاید افراد جاں بحق ہوئے، جبکہ زلزلے سے سب سے زیادہ نقصان خیبر پختونخوا کو پہنچا اور پنجاب اور بلوچستان کے علاقے بھی شدید متاثر ہوئے۔ بالخصوص خیبر پختونخوا میں سوات، صوابی، مانسہرہ، جمرود، باجوڑ ایجنسی، لوئر دیر اور دیگر قبائلی علاقے شدید متاثر ہوئے۔

خیبر پختونخوا، چترال، میرپور آزاد کشمیر، راولپنڈی، ملتان، سرگودھا، وادی ہنزہ سمیت ملک بھر میں سیکڑوں عمارات گرنے سے سیکڑوں افراد جاں بحق اور ہزاروں زخمی ہوگئے۔ ملک کے مختلف حصوں میں زلزلے کے دوران دور دراز کے علاقوں میں مواصلاتی نظام بھی متاثر ہوا اور موبائل فون سروس میں بھی خلل پیدا ہوگیا۔ خیبر پختونخوا اور پنجاب

میں زلزلے سے تعلیمی سرگرمیاں بھی متاثر ہوئی ہیں اور آفٹر شاکس کے باعث ہری پور، چترال اور دیامر میں منگل کے روز تعلیمی ادارے بند رہے، جبکہ زلزلے کے ضمنی جھٹکوں کے پیش نظر مانسہرہ، اسلام آباد اور راولپنڈی کے نجی اسکول بھی بند رہے ہیں۔ نجی ٹی وی کے مطابق زلزلے سے جاں بحق ہونے والے افراد کی تعداد ساڑھے تین سو سے زاید ہو گئی ہے، جبکہ ہزاروں زخمی ہوئے ہیں۔

زلزلے کے بعد وزیراعظم محمد نواز شریف نے متاثرہ علاقوں میں فوری طور پر امدادی سرگرمیاں شروع کرنے کی ہدایت کی، جبکہ آرمی چیف نے فوجی جوانوں کو ہدایت کی کہ وہ احکامات کا انتظار کیے بغیر امدادی کارروائیاں شروع کردیں۔ پاک فضائیہ نے زلزلہ متاثرین کی مدد کے لیے طیاروں کی پیشکش کی۔ حکومتی ترجمان کے مطابق وزیراعظم نے تمام وفاقی اور سول اداروں کو ہدایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ زلزلے سے متاثرہ علاقوں میں امدادی سرگرمیوں کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائے جائیں۔ دوسری جانب آئی ایس پی آر کے مطابق آرمی چیف نے زلزلے کے فوری بعد جی ایچ کیو میں اہم اجلاس طلب کیا، جس میں تمام کور کمانڈروں کو متاثرہ علاقوں میں امدادی ٹیمیں روانہ کرنے کی ہدایت کی گئی۔ پاک فوج کی جانب سے تمام ملٹری ہسپتالوں کو ہائی الرٹ کیا گیا، جبکہ فوجی ہیلی کاپٹر بھی امدادی کاموں کے لیے روانہ کیے گئے۔ آئی ایس پی آر کے مطابق آرمی چیف نے زلزلے سے نقصان کے فوری تخمینے کی بھی ہدایت کی اور آرمی چیف جنرل راحیل

شریف نے امدادی کاموں کی نگرانی خود کرنے کا اعلان کیا ہے۔ آرمی چیف جنرل راحیل شریف پیر کے روز ہی امدادی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لیے متاثرہ علاقوں میں پہنچ گئے تھے۔ خیبر پختونخوا میں زلزلے سے متاثرہ علاقوں کے دورے کے دوران آرمی چیف جنرل راحیل شریف کا کہنا تھا کہ متاثرین کو طبّی امداد، راشن اور خیموں کی فراہمی یقینی بنایا جائے، جہاں نقصان کی اطلاع ملے فوراً پہنچا جائے، فوجی جوان زلزلہ متاثرین کی مدد کریں اور ہر گھرانے اور ہر شخص تک پہنچا جائے، دور دراز متاثرہ علاقے کے ایک، ایک انچ تک پہنچیں، اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ وزیر اعظم پیر کے روز لندن میں تھے، اس لیے انہوں نے منگل کے روز زلزلہ سے متاثرہ علاقے شانگلہ کا دورہ کیا، جہاں بریفنگ کے دوران انہیں بتایا گیا کہ شانگلہ میں زلزلے سے ہلاکتوں اور دور دراز علاقے ہونے کی وجہ سے نقصانات کے حوالے سے اطلاعات جمع کرنے میں مشکلات ہیں۔ وزیر اعظم نواز شریف نے کہا کہ زلزلے سے متاثرہ افراد کو خوراک کی فراہمی یقینی بنائے جائے اور مکمل طور پر تباہ ہونے والے گھر کے مالک کو ایک لاکھ، جبکہ جزوی تباہ ہونے والے گھر کے مالک کو 50 ہزار روپے دیے جائیں گے۔ اس سے پہلے وزیر اعظم نواز شریف کی زیر صدارت ملک بھر میں ہولناک زلزلے کے بعد کی صورتحال پر اہم اجلاس ہوا، جس میں وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان، وزیر خزانہ اسحاق ڈار، وفاقی وزیر اطلاعات پرویز رشید، گورنر خیبر پختونخوا سردار مہتاب، آرمی چیف جنرل راحیل شریف، ڈی جی ملٹری آپریشن میجر جنرل ساحر

شمشاد، ڈی جی آئی ایس پی آر لیفٹیننٹ جنرل عاصم باجوہ شریک تھے۔ اجلاس کے دوران چیئرمین این ڈی ایم اے اور ڈی جی ملٹری آپریشنز نے شرکا کو زلزلے سے ہونے والی تباہ کاریوں اور امدادی سرگرمیوں پر بریفنگ دی جب کہ این ڈی ایم اے کے میجر جنرل نے زلزلے کے بعد کی صورتحال پر رپورٹ پیش کی، جس میں کہا گیا کہ زلزلے سے ملک بھر میں اب تک 250 افراد جاں بحق اور 1700 سے زاید زخمی ہوئے ہیں، جب کہ زلزلے کے باعث 2500 سے زاید گھروں کو نقصان پہنچا ہے جن میں 2100 گھر خیبر پختونخوا میں منہدم ہوئے ہیں۔ اجلاس میں امریکا اور اقوام متحدہ سمیت دنیا بھر سے آنے والی امداد کی پیشکشوں کا بھی جائزہ لیا گیا۔ واضح رہے کہ پیر کے روز اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے زلزلے سے ہونے والے جانی و مالی نقصان پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر درخواست کی گئی تو پاکستان کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔ زلزلے کے بعد بھارتی وزیراعظم نریندر مودی نے بھی پاکستان کے وزیراعظم نواز شریف کو فون کرکے زلزلے میں ہونے والے نقصان پر افسوس کا اظہار کیا۔ جبکہ امریکی حکام نے بھی پاکستان کو پیش کی پیشکش کی۔

زلزلہ متاثرین کے لیے پاک فوج کی امدادی سرگرمیاں جاری ہیں اور سب سے زیادہ متاثر ہونے والے علاقوں میں گزشتہ روز ہیلی کاپٹرز کے ذریعے امدادی سامان روانہ کردیا گیا تھا۔ پاک فوج کے شعبہ تعلقات عامہ (آئی ایس پی آر) کے

مطابق سی 130 طیارے کے ذریعے چترال کے لیے 7 ٹن راشن روانہ کر دیا گیا، جس میں 2500 کھانے پینے کی اشیا شامل ہیں اور ساتھ ہی ڈاکٹروں کی اضافی ٹیمیں، ایک ہزار خیمے اور کمبل روانہ کیے گئے ہیں۔ زلزلے سے متاثرہ علاقے دیر کے لیے 20 ٹن راشن جس میں 10 ہزار کھانے پینے کی تیار اشیا اور 500 کمبل روانہ کیے گئے ہیں۔

زلزلے کے بعد فاٹا اور چترال میں اب تک ایک ہزار سے زاید متاثرہ خاندانوں کو تیار خوراک پہنچا دی گئی ہے۔ پاک فوج کے شعبہ تعلقات عامہ کے مطابق امدادی سرگرمیوں میں 5 ہیلی کاپٹر حصہ لے رہے ہیں۔ آئی ایس پی آر کے مطابق زلزلہ متاثرین کے لیے 1250 ٹینٹ بھی بھجوائے گئے ہیں، جبکہ متاثرہ علاقوں میں راشن کی تقسیم کے پوائنٹ قائم کر دیے گئے ہیں۔ پی ڈی ایم اے کے مطابق خیبر پختونخوا کی حکومت نے 26 زلزلے سے متاثرہ علاقوں کے لوگوں کے لیے خوراک کے 1000 پیکجز اور 2000 خیمے، کمبل اور بستر روانہ کیے ہیں۔ وزیر اعلی پنجاب شہباز شریف نے کہا ہے کہ زلزلے کے باعث قیمتی انسانی جانوں کے ضیاع پر افسوس ہے، ان کی حکومت مشکل کی اس گھڑی میں خیبر پختونخوا کے متاثرہ لوگوں کے ساتھ کھڑی ہے۔ پنجاب حکومت نے خیبر پختونخوا کے زلزلہ متاثرین کے لیے امدادی اشیا کے 50 ٹرک روانہ کیے۔ پنجاب حکومت کے امدادی سامان میں 10 ہزار خیمے، 10 ہزار کمبل، ایک موبائل ہسپتال، تین میڈیکل ٹیمیں شامل ہیں اور 150 امدادی کارکن زلزلے سے متاثرہ علاقوں میں امداد سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لیے روانہ کیے ہیں۔ وزیر اعظم کی ہدایت پر سی ڈی

اے نے 5 سراغ رساں کتے بھی خیبر پختونخوا بھیجے ہیں، تاکہ ملبے تلے زندہ افراد کی تلاش میں مدد دی جاسکے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قدرتی آفات پر انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ انسان قدرتی آفات کے سامنے بالکل بے بس ہے۔ قدرتی آفات سے دنیا میں ہمیشہ ہولناک تباہی آتی رہی ہے، جس سے لاکھوں لوگ لقمہ اجل بنتے رہے ہیں۔ شاید ہی دنیا کا کوئی خطہ اس تباہی سے متاثر ہوئے بغیر رہا ہوگا۔ پاکستان میں اس سے پہلے بھی زلزلے بدترین تباہی مچاتے رہے ہیں، جن میں سے چند بڑے زلزلے مندرجہ ذیل ہیں۔ 24 ستمبر، 2013 کو بلوچستان میں آنے والے زلزلے کے نتیجے میں 328 افراد جاں بحق اور سیکڑوں افراد زخمی ہوئے تھے، جبکہ زلزلے کے نتیجے میں بے گھر ہونے والے افراد کی تعداد بھی ہزاروں میں تھی۔ کوئٹہ میں 16 اپریل 2013 کو ریکٹر اسکیل پر 7.9 کی شدت سے آنے والے زلزلے کے جھٹکے پاکستان، ایران، بھارت اور چند خلیجی ملکوں میں بھی محسوس کیے گئے تھے۔ اس زلزلے کے نتیجے میں 34 افراد کی ہلاکت اور 80 کے زخمی ہونے کی اطلاعات تھیں، جبکہ ایک لاکھ کے قریب مکانات زلزلے کے نتیجے میں تباہ ہوئے تھے۔ 20 جنوری، 2011 کو 7.4 کی شدت سے آنے والے زلزلے کے جھٹکے کوئٹہ میں محسوس کیے گئے جس کے نتیجے میں 200 سے زاید مکانات تباہ ہوئے تھے۔ جنوری، 2011 کے زلزلے کے نتیجے میں پاکستان کے جنوب مغربی صوبہ بلوچستان 18 میں کئی افراد جاں بحق، جبکہ 200

سے زاید عمارتیں تباہ ہو گئی تھیں، اس زلزلے کی شدت ریکٹر اسکیل پر 7.2 ریکارڈ کی گئی تھی۔ 28 اکتوبر، 2008 کو ریکٹر اسکیل پر 6.4 کی شدت سے آنے والے زلزلے کے نتیجے میں کوئٹہ اور اس کے ملحقہ علاقوں میں 160 افراد جاں بحق، جبکہ افراد زخمی ہوئے تھے اور کئی عمارتیں بھی تباہ ہوئی تھیں۔ 8 اکتوبر، 2005 کو 370 ریکٹر اسکیل پر 7.6 کی شدت سے آنے والے زلزلے نے کشمیر اور شمالی علاقوں میں تباہی پھیلا دی تھی۔ زلزلے کے نتیجے میں 80 ہزار سے زیادہ افراد جاں بحق، 2 لاکھ سے زاید افراد زخمی اور ڈھائی لاکھ سے زاید افراد بے گھر ہو گئے تھے۔ زلزلے کے بعد آنے والے 978 آفٹر شاکس کا سلسلہ 27 اکتوبر تک جاری رہا تھا۔ 14 فروری، کو ریکٹر اسکیل پر 5.7 اور 5.5 کی شدت سے آنے والے دو زلزلوں کے 2004 نتیجے میں خیبر پختونخوا اور شمالی علاقہ جات میں 24 افراد جاں بحق جبکہ 40 زخمی ہو گئے تھے۔ 3 اکتوبر، 2002 کو ریکٹر اسکیل پر 5.1 کی شدت سے آنے والے زلزلے کے نتیجے میں پاکستان کے شمالی علاقوں میں 30 افراد جاں بحق، جبکہ ڈیڑھ ہزار کے قریب زخمی ہوئے تھے۔ 26 جنوری، 2001 کو آنے والے زلزلے کے نتیجے میں صوبہ سندھ میں 15 افراد جاں بحق، جبکہ 108 زخمی ہوئے تھے۔ ریکٹر اسکیل پر زلزلے کی شدت 6.5 نوٹ کی گئی تھی۔20 مارچ، 1997 کو ریکٹر اسکیل پر 4.5 کی شدت سے آنے والے زلزلے کے نتیجے میں باجوڑ کے قبائلی علاقے کے گاؤں سلارزئی میں 10 افراجاں بحق ہو گئے تھے۔ 28 فروری، 1997 کو ریکٹر اسکیل پر کی شدت کا زلزلہ پورے پاکستان میں محسوس 7.2

کیا گیا، اس زلزلے کے نتیجے میں 100 سے زاید افراد جاں بحق ہوئے تھے۔ 31 مئی، 1995 کو نصیر آباد ڈویژن کے بگٹی پہاڑوں کے دامنی علاقوں میں آنے والے 5.2 شدت کے زلزلے کے نتیجے میں ایک درجن مکانات تباہ اور 5 افراد زخمی ہو گئے تھے۔ 28 دسمبر، 1974 کو ریکٹر اسکیل پر 7.4 کی شدت کے زلزلے سے ہزارہ، ہنزہ، سوات اور خیبر پختونخواہ میں 5003 ہلاکتیں ہوئی تھیں، جبکہ 17 ہزار افراد زخمی اور 4 ہزار چار سو مکانات بھی تباہ ہو گئے تھے۔ 10 ستمبر 1971 کو گلگت کے کچھ علاقوں میں شدید زلزلہ آیا تھا جس کے نتیجے میں 100 سے زاید افراد جاں بحق، جبکہ ایک ہزار سے زاید مکانات تباہ ہو گئے تھے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ حالیہ زلزلے سے ملک کے متعدد علاقوں میں کافی نقصان پہنچا ہے، اگرچہ حکومت اور فوج کی جانب سے امدادی سرگرمیاں جاری ہیں، لیکن ایسے مواقع پر اکثر دور دراز کے علاقے امداد سے محروم رہ جاتے ہیں، کیونکہ ان تک نہ تو میڈیا کی رسائی ہوتی ہے اور نہ ہی جلدی امدادی سرگرمیاں شروع کی جاتی ہیں۔ وفاقی و صوبائی حکومتوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ متاثرین زلزلہ کی فوری بحالی کی کوشش کریں۔ ایسی اطلاعات بھی سامنے آتی رہتی ہیں کہ 2005ء میں آزاد کشمیر میں ہونے والی تباہی کے سیکڑوں متاثرہ افراد ابھی تک حکومتی امداد کے منتظر ہیں، یہ نہ ہو کہ کشمیر زلزلے کے متاثرین کی طرح حالیہ زلزلہ کے متاثرین بھی امداد سے محروم رہ جائیں۔ نہ صرف حکومتی اداروں

بلکہ تمام سیاسی جماعتوں اور فلاحی اداروں پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ حالیہ آنے والے زلزلہ سے متاثرہ افراد کی مدد کے لیے پوری جانفشانی سے کام کریں، تاکہ ان کی بحالی کا کام جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچایا جاسکے۔ دوسری جانب علمائے کرام نے کہا ہے کہ اس قسم کی آفات قدرت کی جانب سے انسانوں کے لیے امتحان ہوتا ہے۔ زلزلہ ایک قدرتی آفت ہے، جس کا مقابلہ کرنا کسی انسان کے بس میں نہیں ہے۔ زلزلے کے ظاہری اسباب اپنی جگہ، لیکن قدرتی آفات کا سبب انسانوں کے اعمال ہی ہوتے ہیں۔ جب معاشرے میں گناہوں کی کثرت ہوجاتی ہے تو زلزلے اور قدرتی آفات آتی ہیں۔ زلزلہ قدرتی آفت ہے۔ ناانصافی، بے راہ روی اور بے حیائی و فحاشی قدرتی آفات کا سبب بنتی ہیں۔ پوری قوم کو توبہ واستغفار کی ضرورت ہے۔ علمائے کرام نے زلزلے کو خدائی تنبیہ قرار دیتے ہوئے قوم سے اللہ کی طرف رجوع اور اجتماعی استغفار کرنے کی اپیل کی ہے اور کہا ہے کہ کسی بڑے نقصان سے ملک و قوم کے محفوظ رہنے پر اللہ رب العزت کی بارگاہ میں شکر ادا کرنا چاہیے۔ زلزلے میں جاں بحق ہونے والوں کے لیے دعائے مغفرت اور زخمیوں کے لیے شفایابی کی دعائیں کی جائیں، قوم متاثرین زلزلہ کی امداد میں اسلامی ایثار کا بھرپور مظاہرہ کرے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اجتماعی توبہ واستغفار کا اہتمام وقت کا تقاضا ہے۔ ہر فرد اپنا محاسبہ کرکے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائی کا اہتمام کرے۔

مستقل مزاجی کامیابی کی کنجی

کسی بھی مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے مستقل مزاجی کا ہونا اتنا ہی ضروری ہے، جتنا کوئی شخص اپنے مقصد میں کامیاب ہونا ضروری سمجھتا ہے۔ زندگی میں کامیابی کی قیمت ہمیشہ جہد مسلسل و مستقل مزاجی کی صورت میں ادا کرنا پڑتی ہے۔ اگر کسی انسان کو سفر کرکے ہزاروں میل دور منزل تک پہنچنا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مستقل قدم اٹھاتا جائے، اگر وہ قدم نہیں اٹھاتا یا راستے میں تھک ہار کر بیٹھ جاتا ہے تو کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ چین کے عظیم قائد ماؤزے تنگ نے تاریخ ساز لانگ مارچ کا آغاز کرتے ہوئے "انقلابیوں" سے کہا تھا: "ہزاروں میل کا فاصلہ ایک قدم آگے بڑھنے سے کم ہونا شروع ہوجاتا ہے۔" بہت سے لوگ کسی کامیاب انسان کو دیکھ کر اس جیسا بننے کی بات کرتے ہیں، لیکن اس کی طرح جدوجہد نہیں کرتے۔ اس کے موجودہ مقام و مرتبہ پر رشک تو کرتے ہیں، لیکن اس مقام کے پیچھے طویل عرصے کی جدوجہد پر نظر نہیں ڈالتے۔ ہر کامیاب شخص ایک طویل محنت و جدوجہد کرنے کے بعد ہی اس مقام تک پہنچتا ہے، جو مقام ہمیں نظر آرہا ہوتا ہے، اس مقام تک پہنچنے کے لیے یقیناً ہمیں بھی اسی تسلسل کے ساتھ محنت کرنا ہوگی جس تسلسل کے ساتھ کسی بھی کامیاب شخص نے محنت کی۔

کسی بھی کام کو اس کے مطلوبہ نتائج تک پہنچانے کے لیے انسان میں صرف شوق اور ہمت کا ہونا ہی ضروری نہیں، بلکہ تسلسل کے ساتھ محنت کرنا بھی انتہائی ضروری ہے، اس کے بغیر کامیابی کا ملنا محال ہے۔ جو لوگ کسی کام کو تسلسل کے ساتھ کرتے رہتے ہیں، وہ اپنی کشتی کو ایک دن ضرور ساحل پر پہنچا کر رہتے ہیں اور جو ہمت ہار جائیں تو ان کی کشتی ہمیشہ بھنور میں پھنسی رہتی ہے۔ کسی صاحب خرد و دانش کا قول ہے: "کسی کام کو کرنے سے پہلے سو بار سوچو کہ یہ کام ٹھیک ہے یا نہیں۔ جب تمہارا ذہن اس کام کے کرنے کا فیصلہ دے دے تو اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا مصمم ارادہ کرلو اور دم اس وقت لو جب اسے پورا کر چکو۔ اس بات سے نہ گھبراؤ کہ راستے میں مشکلات آئیں گی۔ اپنی منزل کی طرف نگاہ کرکے آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ انشاء اللہ کامیابی ضرور تمہارے قدم چومے گی۔" بہت سے لوگ کسی کام کا آغاز کرتے وقت بہت جوش و خروش دکھاتے ہیں، لیکن آہستہ آہستہ یہ جوش و خروش مدہم ہوتا جاتا ہے اور پھر ایک دن وہ ہمت ہار جاتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے مقصد کو پانے کا دم تو بھرتے ہیں، لیکن راستے میں ہی ان کے ارادے دم توڑ جاتے ہیں اور وہ ہمت ہار بیٹھتے ہیں۔ جب کہ بہت سے لوگ کھلی آنکھوں سے بڑے بڑے خواب دیکھتے ہیں اور پھر ان کی تعبیر بھی پا لیتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو محنت اور مستقل مزاجی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں اور پھر جہد مسلسل اور مستقل مزاجی کامیابی کو ان کے قدموں میں لے آتی ہے۔

بہت سے لوگ ایک اچھا لکھاری بننے اور بڑے کالم نگاروں کی طرح مقبولیت حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں، لیکن دو چار تحریریں مسترد ہونے کے بعد ہی ہمت ہار جاتے ہیں اور لکھنا چھوڑ دیتے ہیں، حالانکہ لکھنا لکھنے سے آتا ہے اور تحریر میں نکھار مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک اچھا لکھاری بننے کے لیے مستقل مزاجی سے پڑھنا اور لکھنا ضروری ہے۔ بہت سے طالب علم تعلیم حاصل کرنا شروع کرتے ہیں، چند دن تک شوق سے پڑھتے ہیں، لیکن چند دن کے بعد ہی وہ اپنی تعلیم سے اکتا کر کسی اور وادی میں اتر جاتے ہیں اور انجام کار امتحان میں ناکامی کا داغ لگ جاتا ہے۔ اس کے برعکس کتنے ہی طالب علموں کو اگرچہ تعلیم کا شوق کچھ زیادہ نہیں ہوتا، لیکن چونکہ ان کی محنت میں تسلسل ہوتا ہے اور وہ پورا سال پڑھتے رہتے ہیں، اس لیے کامیابی بھی ان کے قدموں کی دھول بنتی ہے۔ کامیابی کا راز ہمت اور شوق کے ساتھ مسلسل محنت میں پوشیدہ ہے۔ پانی کا دھارا بھی اگر مسلسل پتھر پر گرتا رہے تو اس میں دراڑ ڈال دیتا ہے۔ عظیم محدث حافظ خطیب بغدادی لکھتے ہیں: "ایک آدمی کو علم حاصل کرنے کا شوق تھا، لیکن وہ اس میدان میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا، چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب علم حاصل نہیں کرے گا۔ اس کا گزر ایک پہاڑ کے پاس سے ہوا، جس کی چوٹی سے پانی ایک چٹان پر مسلسل گر رہا تھا اور اس تسلسل نے چٹان میں شگاف پیدا کر دیا تھا، طالب علم نے چٹان پر گرتے پانی کو دیکھا اور بولا:

پانی نے اپنی لطافت کے باوجود مسلسل بہہ کر چٹان کی کثافت میں یہ شگاف پیدا کر دیا تو" میں کیوں علم حاصل نہیں کر سکتا؟ سو اللہ کی قسم ! میں بھی ضرور علم حاصل کروں گا، پھر وہ علم کی دھن میں لگ گیا اور علم کو حاصل کر لیا۔" مستقل مزاجی انسان کو منزل تک پہنچاتی ہے۔ جو لوگ مستقل مزاج نہیں ہوتے، وہ منزل نہیں پا سکتے۔ ان کے ارادے بدلتے رہتے ہیں۔ اگرچہ انسانی فطرت میں متبادلات کا عنصر ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے اور ہونا بھی چاہیے، لیکن بعض اوقات بار بار متبادل راستے ڈھونڈنا منزل کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہو سکتی ہے۔ تکلیف یا مصیبت میں متبادل راستہ کام آ سکتا ہے، لیکن جب منزل طے ہو جائے تو اس کے بعد بار بار متبادل کا سوچنا راہ نجات نہیں۔

یہ ایک آفاقی حقیقت ہے کہ قدرت مستقل مزاج اور محنتی انسان پر ضرور مہربان ہوتی ہے۔ مستقل مزاجی و جہد مسلسل کی بدولت بہت سے لوگوں نے اپنے بلند و بالا خوابوں کو حقیقت کر دکھایا ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جتنے لوگ عظیم، ہیرو اور لیڈر بنے ان کی کامیابی کا راز جدوجہد مسلسل اور مستقل مزاجی ہے۔ دنیا کی ترقی، ایجادات، تحقیق اور کارنامے یہ سب کچھ مستقل مزاجی اور محنت کے کرشمے ہیں۔ اگر انسان مسلسل محنت کرے تو مٹی سے سونا پیدا کر سکتا ہے۔ مستقل محنت کے ذریعے ہی بڑے بڑے علمائے کرام، سائنسدان، سیاستدان، ڈاکٹر، ماہرین فن، موجد اور قلمکار و ادیب اس مقام

خاص تک پہنچے، جہاں آج ہم انھیں کھڑا ہوا پاتے ہیں۔ آج کا انسان زمین و آسمان، کوہسار و صحرا اور ہوا و پانی غرض ہر شے کو تسخیر کر چکا ہے اور یہ سب کچھ مستقل مزاجی اور عزمِ صمیم کی بدولت ہے۔ تمام افراد جو کامیابی کے بلند و بالا زینے تک پہنچے، وہ مشکلات و مصائب کا مقابلہ ثابت قدمی سے کرتے ہوئے اپنے نصب العین کی طرف گامزن رہے اور بالآخر منزلِ مقصود تک پہنچ گئے۔

دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو ناممکن ہو۔ مستقل محنت اور جہد مسلسل سے ہر ناممکن کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ مستقل محنت کے سامنے نہ سمندر رکاوٹ بن سکتا ہے اور نہ پہاڑ لغزش پیدا کر سکتے ہیں، نہ ہی دشت و صحرا آج تک اس کا راستہ روک سکے ہیں۔ جب انسان کسی کام کی تکمیل کا عزم مصمم کر لے تو اس کی راہ میں حسد رکاوٹ بنتا ہے، نہ دھوکا آڑے آتا ہے۔ سازش خلل ڈالتی ہے، نہ کوئی اور چیز مانع ہوتی ہے۔ بند راستے، پرخار وادی اور کھڑی رکاوٹیں اس کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہیں کر سکتیں۔ کامیابی حاصل کرنے کے لیے انسان کو ہمیشہ اپنی منزل کی طرف سفر جاری رکھنا چاہیے۔ اگر کسی موڑ پر اس کی محنت اور ہمت کا شیرازہ بکھر بھی جائے، تب بھی ناامیدی کے اندھیرے کو جہدِ مسلسل سے روشن کرتا رہے تو ترقی اور کامیابی اس کے قدم ضرور چومے گی۔

مصنوعی خول میں بند معاشرہ

مطالعے کا ذوق رکھنے والے یقیناً "غلام عباس" کے نام سے واقف ہوں گے۔ غلام عباس اردو ادب کے عظیم اور منفرد افسانہ نگار گزرے ہیں۔ ان کی تحریریں آج بھی ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ ان کے افسانے دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ فنی طور پر بھی مکمل ہوتے ہیں، جن میں صداقت، واقعیت اور حقیقت پسندی کا وہ جوہر جھلکتا ہے جو افسانہ نگاری کی جان ہے۔ غلام عباس نے اردو زبان کو ایسی عظیم تحریریں دیں کہ ان کا نام اردو زبان کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ انھوں نے اپنے افسانوں کی مدد سے نہایت سیدھے سادے انداز اور سادہ الفاظ میں معاشرے کے تضادات کو انتہائی مہارت سے آشکار کیا ہے۔

ان کی زبان نہایت سادہ اور سیدھی ہے۔ کوزے میں دریا کو بند کرنا انھیں خوب آتا ہے۔ اختصار ان کی تحریر کا خاصہ اور جامعیت ان کی تحریر کا حسن ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑی بڑی باتیں کہہ جانا ان کی عادت ہے۔ وہ اپنی ننگی آنکھوں سے زندگی کی تلخ، بے رحم سچائی اور حقیقت کو افسانے کا موضوع بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ان کی تحریریں انسانی خامیوں کو اس انداز میں نمایاں کرتی ہیں کہ کوئی پہلو یا نشیب و فراز پوشیدہ نہیں رہ پاتا اور انسانی زندگی کے

ظاہر و باطن کے تضادات اس بالغ نظری اور فنکارانہ بصیرت سے بے نقاب کرنا ہی ان کے مشاہدے کی گہرائی و گیرائی کا بین ثبوت ہے۔

ان کی تحریر تکلف، تصنع اور بناوٹ سے پاک ہوتی ہے۔ معاشرے کے رستے ہوئے ناسوروں کو کریدنے اور انھیں اجاگر کرنے کے لیے وہ معاشرے ہی کی زبان اور لب و لہجہ استعمال کرتے ہیں، اگرچہ انھوں نے افسانے کم ہی لکھے، لیکن بہت خوب لکھے ہیں۔ انھی افسانوں میں "اوورکوٹ" غلام عباس کا شاہکار افسانہ ہے، جو ہمیں سبق حاصل کرنے اور سدھرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار تو ایک خوش پوش نوجوان ہے لیکن حقیقت میں یہ افسانہ بحیثیت مجموعی ہمارے معاشرے کا نقاب نوچ پھینکتا ہے، جس سے پورے معاشرے کی بدنمائی نمایاں ہو جاتی ہے کہ کس طرح ہم اپنی حقیقت کو چھپا کر جھوٹے نام و نمود اور دکھلاوے کی خاطر اپنی ذات کو ایک مصنوعی خول میں بند کیے رکھتے ہیں۔

اوور کوٹ ایک خوش پوش اور فیشن ایبل نوجوان کے بارے میں ہے۔ لمبی لمبی قلمیں، چمکتے ہوئے بال، باریک باریک مونچھیں، سخت سردی میں بادامی رنگ کا گرم اوور کوٹ پہنے ہوئے جس کے کاج میں شربتی رنگ کے گلاب کا ایک ادھ کھلا پھول اٹکا ہوا، سر پر سبز فیلٹ ہیٹ ایک خاص انداز سے ٹیڑھی رکھی ہوئی، سفید سلک کا گلوبند گلے کے گرد لپٹا ہوا، ایک ہاتھ کوٹ کی جیب میں، دوسرے میں

بید کی ایک چھوٹی چھڑی پکڑے ہوئے جسے یہ نوجوان کبھی کبھی مزے میں آ کے گھمانے لگتا۔

یہ فیشن ایبل نوجوان اپنی مصنوعی شکل و صورت، بادامی رنگ کے اوور کوٹ، فیلٹ ہیٹ، سفید سلک کے گلوبند اور ہاتھ میں تھامی ہوئی بید کی چھڑی سے اپنے آپ کو ایک مالدار گھرانے کا شخص ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ نوجوان لاہور کے مال روڈ پر اٹھکیلیاں کرتا اور دکانوں سے مختلف اشیاء کی قیمتیں معلوم کرتا مٹر گشت میں محو تھا کہ اسی دوران اچانک اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ ایکسیڈنٹ کے بعد جب اس کے کپڑے اتارے گئے تو بظاہر خوش پوش اور مالدار نظر آنے والا نوجوان حقیقت میں بالکل برعکس ثابت ہوا۔ نوجوان کے گلوبند کے نیچے نکٹائی اور کالر کیا سرے سے قمیص ہی نہیں تھی۔ اوور کوٹ کے نیچے سے ایک بوسیدہ اونی سویٹر نکلا، جس میں جا بجا بڑے بڑے سوراخ تھے۔ ان سوراخوں سے سویٹر سے بھی زیادہ بوسیدہ اور میلا کچیلا ایک بنیان نظر آ رہا تھا۔ جسم پر میل کی تہیں بھی خوب چڑھی ہوئی تھیں، البتہ گردن خوب صاف تھی اور اس پر ہلکا ہلکا پاؤڈر لگا ہوا تھا۔ پتلون کو پیٹی کی بجائے ایک پرانی دھجی سے خوب کس کے باندھا گیا تھا۔ بٹن اور بکسوے غائب تھے۔ دونوں گھٹنوں پر سے کپڑا مسک گیا تھا اور کئی جگہ کھونچیں لگی تھیں۔ بوٹ تو پرانے ہونے کے باوجود خوب چمک رہے تھے، مگر ایک پاؤں کی جراب دوسرے پاؤں کی جراب سے بالکل

مختلف تھی اور دونوں جرابیں کافی زیادہ پھٹی ہوئی بھی ہوئی تھیں۔ اس کے اوور کوٹ کی مختلف جیبوں سے جو چیزیں برآمد ہوئیں وہ یہ تھیں۔ ایک چھوٹی سی سیاہ کنگھی، ایک رومال، ساڑھے چھ آنے، ایک بجھا ہوا سگریٹ، ایک چھوٹی سی ڈائری، نئے گراموفون ریکارڈوں کی ایک ماہانہ فہرست اور کچھ اشتہار جو مٹر گشت کے دوران اشتہار بانٹنے والوں نے اس کے ہاتھ میں تھما دیے تھے۔

غلام عباس کے افسانے "اوور کوٹ" میں ہمیں اپنے معاشرے کے ساتھ کافی حد تک مشابہت نظر آتی ہے۔ ہمارا معاشرہ بھی اس نوجوان کی طرح ایک مصنوعی خول میں بند دکھائی دیتا ہے، جس میں ہر فرد کی ساری توجہ جیب میں کچھ نہ ہونے کے باوجود اپنی حقیقت کو چھپا کر جھوٹی عزت حاصل کرنے کی خاطر تصنع اور دکھلاوے پر صرف ہوتی ہے۔ ہر فرد دوسروں کو خوش کرنے اور ان کی واہ واسننے کی تگ و دو میں مگن ہے۔ معاشرے میں اکثر معروف رسوم و رواج اسی دکھلاوے کی بدولت ہیں۔ آج کا انسان بے شمار ایسی رسومات میں بندھا ہوا ہے، جن کا مقصد صرف اور صرف دوسروں سے داد وصول کرنا ہے۔ ان رسومات میں صرف مالدار لوگ ہی شامل نہیں، بلکہ فاقوں زدہ زندگی گزارنے والے بھی پیش پیش ہوتے ہیں۔ مالدار گھرانوں میں شادی کرنے کے لیے اکثر و بیشتر سچائی کو چھپا کر جھوٹ اور دھوکا دہی سے کام لیا جاتا ہے۔ غریب گھرانے بھی مختلف رسومات میں اپنی غربت کو چھپانے کی غرض سے ہزاروں لاکھوں روپے اڑا دیتے ہیں، چاہے اس کے لیے کتنے

ہی پیسے ادھار لینا پڑیں۔ شادی بیاہ میں بے تحاشا خرچ کیا جاتا ہے۔
شادی کے موقعے پر قیمتی سے قیمتی جوڑوں اور شاہی دستر خوان کا ہونا ضروری ہے۔ بیٹی کو اتنا جہیز دینا ضروری ہے جس سے علاقے میں شہرت ہو جائے، اگرچہ زیور گروی رکھ کر انتظام کرنا پڑے۔ اگر اتنا جہیز نہ دیں تو ناک سلامت نہیں رہتی۔ حالانکہ شادی بیاہ میں بے جا رسوم، غیر ضروری نمود و نمائش اور اخراجات میں جذبہ تفاخر کے سبب معاشرے میں بے شمار برائیاں جنم لے رہی ہیں۔ اپنی ناک بچانے کی خاطر ایک غریب انسان کو اپنی بیٹی کے ہاتھ پیلے کرنے کے لیے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے یا پھر انھی رسوم کی وجہ سے غریب کی بیٹی کی شادی نہیں ہو پاتی۔ بچوں کی پیدائش اور کسی فرد کی وفات کی رسوم پر ناک بچانے کی غرض سے غریب گھرانوں کو بھی مجبوراً اندھا دھند پیسا خرچ کرنا پڑتا ہے۔آج ہمارا پورا معاشرہ نمائش و نمود کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔

متاثرین زلزلہ کی مشکلات میں اضافہ.... ہنگامی اقدامات کی ضرورت

ملک میں شدید ترین تباہ کن زلزلہ آئے کو کئی دن گزرنے کے بعد بھی بہت سے علاقے ابھی تک امدادی سرگرمیوں سے محروم اور بہت سے لوگ کھلے آسمان تلے پڑے ہیں۔ اگرچہ صوبائی اور وفاقی حکومتوں کے علاوہ پاک فوج بھی امدادی سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ پاک فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف زلزلہ کی اطلاع ملتے ہی پشاور پہنچ گئے تھے اور وزیر اعظم میاں نواز شریف نے لندن کا دورہ مختصر کرکے زلزلے کے اگلے روز واپس آ کر شانگلہ کا دورہ بھی کیا اور گزشتہ روز بھی وزیر اعظم نے لوئر دیر کے علاقے تیمر گرہ کے دورہ کے موقع پر زلزلہ متاثرین کے لیے امدادی رقوم کے چیک تقسیم کرتے ہوئے کہا کہ یہ رقم جانوں کا ازالہ نہیں کر سکتی اور زلزلہ زدگان کا غم اور دکھ بھلایا نہیں جاسکتا۔ شمالی علاقوں میں سردی کا موسم آنے سے قبل امدادی رقوم کی تقسیم چاہتے ہیں، تاکہ زلزلہ متاثرین جلد سے جلد اپنے گھروں کی تعمیر کر سکیں، متاثرین کو سردی کی شدت اور مشکلات سے بچانا چاہتے ہیں، لیکن ذرائع کے مطابق پاک فوج، وفاقی و صوبائی حکومتوں کی جانب سے زلزلہ متاثرین کے لیے شروع کی گئی امدادی سرگرمیوں کے باوجود ابھی تک خیبر پختونخوا اور فاٹا میں ایسے دور دراز علاقے ہیں، جہاں تاحال امدادی سرگرمیاں شروع نہیں کی جا سکی ہیں اور سردی کی وجہ سے متاثرین مشکلات سے

دوچار ہیں۔ خیمے، کمبل اور گرم کپڑے خصوصاً بچوں کے کپڑے وافر تعداد میں ان تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ بعض علاقوں میں درجہ حرارت نقطہ انجماد سے کئی درجے نیچے آ گیا ہے اور بہت سے مقامات پر متاثرین کھلے آسمان کے نیچے امداد کے منتظر ہیں۔ گزشتہ ہفتے آنے والے خوفناک زلزلے سے جہاں کافی زیادہ جانی نقصان ہوا ہے، وہیں ہزاروں مکان، اسکول اور عمارتیں منہدم اور بڑی تعداد میں جزوی طور پر متاثر ہوئی ہیں۔ حکام کے مطابق حالیہ زلزلے سے تباہ ہونے والے مکانات کی تعداد 25800 سے تجاوز کر چکی ہے۔ این ڈی ایم اے کے اعداد و شمار کے مطابق زلزلے کے نتیجے میں ملک بھر میں جاں بحق افراد کی مجموعی تعداد 272، جبکہ 2152 افراد زخمی ہوئے ہیں۔ صوبہ خیبر پختونخوا میں 15692 مکانات تباہ ہوئے ہیں، جبکہ حکومت کے مطابق زلزلے کی وجہ سے صوبہ بھر میں تقریباً 1235 سکولوں کو نقصان پہنچا ہے جس میں 135 تعلیمی اداروں کی عمارتیں استعمال کے قابل نہیں رہیں۔ صوبائی وزیر تعلیم کا کہنا ہے کہ حکومت نے تباہ شدہ اسکولوں میں تعلیمی سلسلہ برقرار رکھنے کے لیے ہنگامی بنیادوں پر کام کا آغاز کر دیا ہے اور اس ضمن میں تمام وسائل بروئے کار لائے جا رہے ہیں۔ صوبہ خیبر پختونخوا میں دو سو سے زاید افراد جاں بحق اور 1802 افراد زخمی ہوئے ہیں۔ تباہ ہونے والے مکانات میں سے 90 فیصد سے زاید مکانات صوبہ خیبر پختونخوا میں ہیں ہے۔ خیبر پختونخوا میں سوات میں 3681 مکانات تباہ ہوئے ہیں۔ باجوڑ ایجنسی میں ہلاکتوں کے ساتھ 8120 مکانات بھی تباہ ہوئے 23

ہیں۔ گلگت بلتستان میں تباہ ہونے والے مکانات کی کل تعداد 413 ہے۔
چترال کی مقامی انتظامیہ کے مطابق زلزلے میں جاں بحق ہونے والوں کی تعداد 37 ہے اور چترال میں تباہ ہونے والے مکانات کی تعداد 8300 بتائی جارہی ہے، یہاں بڑی تعداد میں لوگوں تک امدادی سامان نہیں پہنچ سکا۔ مقامی ذرائع کے مطابق چترال میں سردی بڑھ گئی ہے اور ایک خیمے میں آٹھ سے 10 افراد کا گزار مشکل ہے، جہاں آگ بھی نہیں جلائی جا سکتی، لیکن چترال میں کئی علاقے ایسے بھی ہیں، جہاں ابھی تک ٹینٹ بھی نہیں پہنچائے گئے اور لوگ کھلے آسمان تلے پڑے ہیں۔ جبکہ چترال میں معمول کی برفباری کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے، جس سے ان لوگوں کے لیے انتہائی مشکل پیدا ہوجائیں گی، جن کے گھر زلزلے میں تباہ ہوگئے ہیں، کیونکہ شدید سردی کے عالم میں کھلے آسمان تلے زندگی گزارنا نہ صرف انتہائی مشکل کام ہے، بلکہ اس سے بیماری کی وجہ سے جان کے خطرات بھی لاحق ہو سکتے ہیں۔ چترال میں چار ماہ پہلے سیلاب سے بڑے پیمانے پر تباہی ہوئی تھی، جس سے متاثرہ افراد اب تک مشکل صورتحال میں ہیں۔
حکومت نے سیلاب متاثرین کے لیے جو وعدے کیے تھے،ان پر بھی عمل نہیں کیا، جبکہ عوام نے اپنی مدد آپ کے تحت سڑکیں کھولیں اور اپنے تباہ شدہ گھروں کو تعمیر کرنے میں کوشاں تھے کہ زلزلہ آگیا، جس سے ایک بار پھر چترال میں عوام کی زندگی اجیرن ہو گئی ہے۔

ملک کے شمالی علاقوں بشمول زلزلہ متاثرہ علاقوں میں بارش اور برفباری کی پیش گوئی کی گئی ہے، جس کے بعد زلزلے سے متاثرہ علاقوں میں بسنے والے افراد کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو جائے گا، خاص طور پر ان خاندانوں اور افراد کے لیے صورت حال مزید سنگین ہو جائے گی، جن تک امداد ابھی تک نہیں پہنچ پائی ہے۔ ملک میں زلزلے سے متاثرہ زیادہ تر علاقے دشوار گزار پہاڑی علاقوں پر مشتمل ہیں اور حکام ان علاقوں تک امدادی سامان کی ترسیل کے لیے ہیلی کاپٹر بھی استعمال کر رہے ہیں، لیکن حکام کے بقول اب بھی کئی مقامات ایسے ہیں، جہاں امداد کی فراہمی کو یقینی بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس تناظر میں ایسے علاقوں میں پھنسے لوگوں کی مشکلات میں مزید اضافے کا خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے، جبکہ ماہرین صحت پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ سردی کی شدت سے ان علاقوں میں بیماریاں پھیلنے کا خدشہ بھی موجود ہے۔ متاثرہ افراد کا کہنا ہے کہ بڑی تعداد میں لوگ اب بھی امدادی سامان سے محروم ہیں۔ امدادی ادارے ابھی تک زلزلے سے متاثرہ تمام علاقوں تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں، کیونکہ متاثرہ علاقے بہت وسیع اور دشوار گزار ہیں اور بہت سی جگہوں پر سڑکیں بھی قابل استعمال نہیں ہیں۔

خیبر پختونخوا کے ضلع لوئر دیر میں حالیہ زلزلے سے متاثر ہونے والے زیادہ

تر اسکولوں میں شدید سرد موسم کے باوجود بچے کھولے آسمان تلے تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے پر مجبور ہیں، جس سے زلزلے سے خوف زدہ ننھے منے بچوں کے بیمار ہونے کا خطرہ پیدا ہو رہا ہے۔ دیر میں اکثریتی تباہ ہونے والے اسکول پہاڑی اور دشوار گزار علاقوں میں واقع ہیں، جہاں شدید سردی کا موسم پہلے ہی شروع ہو چکا ہے۔ تباہ کن زلزلے کی وجہ سے خیبر پختونخوا اور فاٹا کے زیادہ متاثر ہونے والے علاقوں میں شامل باجوڑ ایجنسی میں بھی کئی دن گزر جانے کے باوجو امداد نہیں پہنچ سکی ہے۔ باجوڑ ایجنسی کے تین تحصیل سالارزئی، ماموند اور صدر مقام خار میں بڑے پیمانے پر جانی و مالی نقصانات ہوئے ہیں۔ زلزلے کے باعث ایجنسی کا دور افتادہ سالارزئی تحصیل سب سے زیادہ متاثر ہوئی ہے، جہاں بعض پہاڑی علاقوں میں پورے کے پورے گاؤں زلزلے کی زد میں آنے کے باعث مکمل طور پر تباہ ہو چکے ہیں۔ تاہم ان میں بیشتر علاقوں میں سڑکوں کی حالت پہلے ہی سے انتہائی ناگفتہ بہ ہے، جس کی وجہ سے ان علاقوں میں امداد پہنچنے میں مسائل کا سامنا ہو سکتا ہے۔ کوہستان میں بھی زلزلے کی وجہ سے کافی نقصان ہوا ہے۔ کوہستان میں اب تک مختلف رابط سڑکیں نہیں کھولی جا سکی ہیں۔ چند ایک یونین کونسلز میں نقصانات بہت زیادہ ہوئے ہیں، لیکن وہاں بھی ابتدائی ریلیف نہیں پہنچائی جا سکی۔ الپوری سے مقامی لوگوں کا کہنا تھا کہ رات کے وقت موسم انتہائی سرد ہونے کی وجہ سے خیموں میں رہنا مشکل ہے۔

دوسری جانب خیبر پختونخوا کے ضلع دیر اپر میں زلزلے سے تباہ ہونے والے مکانات کی دوبارہ تعمیر میں ایک مرتبہ پھر عمارتیں بنانے کے ضوابط کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ متعلقہ محکمے اور متاثرین گھروں کی تعمیر پرانے انداز میں کر رہے ہیں، یعنی تعمیر بنیادوں اور مٹی گارے کے بغیر ہی کی جا رہی ہے۔ حکام اس بات کو تسلیم کرتے ہیں ،اگر دوبارہ زلزلہ آیا تو شاید یہی مکانات جھٹکے برداشت نہ کر سکیں۔ قدرتی آفات سے نمٹنے کے قومی ادارے ، این ڈی ایم اے نے ملک بھر بلڈنگ کوڈز جاری کیے تھے اور زلزلے سے متاثرہ علاقوں یا فالٹ لائن پر جو مکانات تعمیر ہوئے وہ نئے کوڈز کے تحت ہی تعمیر ہوئے جن کی منظوری متعقلہ محکمہ دیتا ہے، لیکن ضلعی رابطہ کار افسر ذکاء اللہ خان کے مطابق صوبہ خیبر پختونخوا کے ضلع دیر میں اب تک ایسی کوئی حکمت عملی طے نہیں کی گئی، بلکہ یہاں اب کئی گھر پہلے کی طرز پر تعمیر بھی کیے جا چکے ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ قدرتی آفات تمام ممالک میں آتی ہیں، ان سے بچنا ممکن نہیں ہے، لیکن ان کے نقصانات کو کم کرنا ممکن ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ متعلقہ ادارے تباہ شدہ مکانات کو اس طرز پر تعمیر کریں کہ خدانخواستہ اگر دوبارہ زلزلہ آتا ہے تو نقصانات کم سے کم ہوں۔ کئی ممالک میں شدید زلزلے آتے ہیں، لیکن نقصانات انتہائی کم ہوتے ہیں۔ جاپان میں ہر سال سیکڑوں چھوٹے بڑے زلزلے آتے ہیں، لیکن ہلاکتیں نہیں ہوتیں، ہماری حکومت کو چاہیے کہ جاپان حکومت سے اس راز کو جانا جائے کہ انہوں نے کیا طریقہ اپنایا ہے ،

جس کی وجہ سے زلزلے میں نقصانات انتہائی کم ہوتے ہیں۔ دوسری جانب متعلقہ اداروں اور وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو چاہیے کہ جتنا جلد ہو سکے، زلزلہ متاثرین کی بحالی کے انتظامات کیے جائیں، کیونکہ متاثرہ علاقے شدید سرد ہیں، وہاں برفباری بھی ہوتی، جس سے سردی مزید بڑھ جاتی ہے۔ ان حالات میں متاثرین کا تباہ شدہ مکانات اور کھلے آسمان تلے زندگی گزارنا انتہائی مشکل ہے، اگرچہ وزیر اعظم نے متاثرین کو شدید سردی کے شروع ہونے سے قبل امداد پہنچانے کا اعلان کیا ہے، لیکن اس پر یقین تو اسی وقت کیا جاسکتا ہے، جب یہ امداد متاثرین تک پہنچ جائے گی، کیونکہ ہماری حکومتوں کا سابقہ ریکارڈ یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے میں انتہائی سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ کیونکہ آج سے دس سال پہلے آنے والے زلزلے کے متاثرین کے لیے بھی ان کے حصے کی امداد نہیں پہنچ سکی ہے۔

قیام امن کا خواب

محرم الحرام کو اسلامی و انسانی تاریخ میں نمایاں حیثیت و مقام حاصل ہے۔ اسلامی سال کا یہ پہلا اور محترم اور مقدس مہینہ محبت و امن کا درس دیتا ہے۔ اس اعتبار سے اس بابرکت مہینے کو انتہائی عافیت و سکون کے ساتھ گزرنا چاہیے، لیکن اس کے برعکس ہر سال اس مہینے کی آمد کے ساتھ ہی ملک بھر میں خوف و ہراس کی فضا قائم ہو جاتی ہے اور تخریب کاری کے ذریعے ملک کا امن برباد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

سیکیورٹی ادارے امن و امان قائم کرنے کی بھرپور منصوبہ بندی اور کوشش کرتے ہیں۔ اس سال بھی سیکیورٹی اداروں نے کسی بھی ناگہانی کے انسداد کے لیے ہمہ پہلو حکمت عملی تشکیل دی تھی، لیکن اس کے باوجود دہشت گردوں نے خودکش حملے کرکے جیکب آباد اور بولان میں 33 افراد کی زندگیاں چھین لیں اور دسیوں کو زخمی کر دیا۔ یہ حملے بزدلی کا واضح اظہار تھے، کیونکہ ملک بھر میں سیکیورٹی اداروں کی جانب سے منظم اقدامات بروئے عمل لائے گئے تھے، اس لیے بدامنی پھیلانے کے لیے ملک کے نسبتاً دور دراز اور غیر معروف مقامات کو نشانہ بنایا گیا۔

زمانے کی یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ دہشت گردوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور

نہ کوئی ملک ہوتا ہے۔ ان کا مقصد تو اپنے گھناؤنے مقاصد کی تکمیل کے لیے صرف انسانیت اور مذاہب کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے۔

سو اس حد تک وہ اپنے مقصد میں بظاہر کامیاب ہوئے ہیں۔ بے گناہ انسانوں کے جان لینے والے یہ لوگ ثواب سمجھ کر بدامنی پھیلاتے ہیں اور اس قبیل کے متشدد لوگ اپنے نظریات سے میل نہ کھانے والے افراد کو موت کے منہ میں دھکیل دیتے ہیں، حالانکہ کسی بھی شخص کو ہتھیار کے ذریعے قائل نہیں کیا جا سکتا، بلکہ منطق، دلیل اور محبت کے ذریعے ہی قائل کیا جا سکتا ہے۔ کسی پر اپنے نظریات بندوق کی نوک پر لاگو نہیں کیے جا سکتے، بلکہ ہر ایک کو اپنے نظریات کے ساتھ زندہ رہنے کا مکمل حق حاصل ہے۔

ایک صحت مند سوچ بھی یہ ہے کہ اپنی زندگی کے لیے دوسرے کو زندہ رہنے کا حق دیا جائے۔ اپنی آزادی کے لیے دوسروں کی آزادی کا احترام کیا جائے۔ خود کو نقصان سے بچانے کے لیے دوسروں کو نقصان سے بچایا جائے۔ اپنی عزت کروانے کے لیے دوسرے کی عزت کی جائے۔ اپنے جذبات کی تسکین کے لیے دوسرے کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے سے بچا جائے۔ ہر فرد یہی چاہتا ہے کہ اسے اپنے مسلک پر عمل کرنے کی مکمل آزادی ہو اور اس کے جذبات مجروح نہ کیے جائیں۔ جو ہم خود کے لیے چاہتے ہیں دوسروں کے لیے بھی وہی چاہیں۔ اگر کوئی شخص دوسرے کے نظریات کو غلط سمجھتا ہے تو ضروری ہے کہ شائستگی کے ساتھ واضح دلائل کی روشنی میں

اپنا نقطہ نظر واضح کرکے مخالف کو قائل کرنے کی کوشش کرے۔ قائل کرنے میں ناکامی کی صورت میں جبر کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ قرآن مذہبی جبر کی نفی کرتا ہے۔ قرآن کسی شخص پر اپنے عقیدے کو مسلط نہیں کرتا۔ وہ افہام و تفہیم اور تعلیم و تلقین کا قائل ہے اور جبر واِکراہ، تشدد اور دھونس کو اعلانیہ مسترد کر دیتا ہے۔ قرآن اپنی صداقت اور حقانیت پر پوری طرح مطمئن ہونے کے باوجود وہ واشگاف اعلان کرتا ہے کہ دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے، لیکن یہاں بہت سے لوگ دین کے نام پر جبر کرنے کو ثواب سمجھتے ہیں۔

مذہب کے نام پر دہشت گردی سے صرف ملک کو ہی نہیں، بلکہ عالم اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ دہشت گردی کی کارروائیاں ملک و قوم اور مسلم دنیا کو تقسیم کرنے کا موجب بن رہی ہیں اور اسلام دشمن غیر ملکی ایجنسیاں دنیا بھر میں مسلمانوں کے درمیان فرقہ واریت کو ہوا دے رہی ہیں۔ عراق، شام اور یمن سمیت متعدد مسلم ممالک میں پیدا ہونے والے انتشار اور افراتفری کے پس منظر میں فرقہ وارانہ نفرت کا بھی ہاتھ ہے، جو مسلم ممالک کے دشمنان کی کارستانی کا نتیجہ ہے۔ عالم اسلام کے تمام بدخواہوں کی یہی خواہش ہے کہ کسی طرح تمام مسلمان آپس میں دست و گریباں ہو جائیں۔ ہر اسلامی ملک خانہ جنگی کی بھٹی میں جھونک دیا جائے۔ ہمیشہ سے طاغوتی قوتیں بڑی کامیابی سے امت مسلمہ کی باہمی قوت و اتحاد کو تقسیم کرکے ان میں فتنہ و انتشار کی فضا پیدا کرنے

کی کوشش کرتی رہی ہیں۔ پہلے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت امت مسلمہ کو نقصان پہنچایا جاتا تھا، لیکن اب بہت سے اسلام کے نام لیوا اسلام دشمنوں کی آشیر باد سے ایک دوسرے کو قتل کرکے ان کے مقاصد کو پورا کر رہے ہیں۔ اسلامی ممالک بیرونی قوتوں کے مفادات کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔

مسلم ممالک میں ہونے والے کشت و خون کی صورت میں طاغوتی قوتوں کا ادھورا خواب پورا ہو رہا ہے۔ یہ دشمن قوتیں پاکستان میں بھی عراق و شام جیسے حالات پیدا کرنے کے لیے کوشاں ہیں، لیکن اسلامی ممالک کو دشمن کی چالوں کو سمجھ کر ان کی ہر ناپاک کوشش کو ناکام و نامراد لوٹا کر امن کو قائم کرنا ہوگا، کیونکہ امن ہی ہماری بہت بڑی ضرورت ہے۔ ملک کا ہر فرد امن چاہتا ہے۔ اپنے جسم و جان، خاندان اور عزت و آبرو کی سلامتی سب کو عزیز ہے۔ امن کا آرزو مند ہونا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اگر تمام اسلامی عبادات اور معاملات سے لے کر آئین اور قوانین سیاست و حکومت تک کا بغور جائزہ لیا جائے تو ان تمام چیزوں سے امن و سلامتی اور صلح و آشتی کا عکس جھلکتا ہے جو اسلام کا مقصود و مدعا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نہ صرف امن کا حامی اور دعویدار ہے، بلکہ قیام امن کو ہر حال میں یقینی بنانے کی تاکید بھی کرتا ہے۔ اسلام دین امن ہے۔ اسلام محبتوں اور رواداریوں کی بستیاں بچھاتا چلا جاتا ہے۔

اسلام زندگی کے ہر شعبے میں امن و سلامتی اور محبت و اخوت کے پھول کھلاتا جاتا ہے۔ یوں تو امن کے قیام کے لیے ملک و قوم کے ہر فرد کو اپنی ذمے داری ادا کرنا ہو گی، لیکن مذہبی رہنما وہ قوت ہیں جو لوگوں کے درمیان فرقہ واریت کی آگ کو بجھانے اور شہریوں کے درمیان رواداری کے عنصر کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ جہاں ایک طرف حکومت کی جانب سے دہشت گردی سے بچاؤ کے لیے حفاظتی انتظامات کو مستحکم کرنے پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، وہیں دوسری جانب تمام مسالک کے علمائے کرام کو مل کر دہشت گردی کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ علمائے کرام عوام کو بتائیں کہ اسلام میں کسی بے گناہ انسان کا قتل نہ صرف حرام ہے، بلکہ اسلام میں ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ دہشت گردی کی ممانعت سے متعلق اسلامی احکامات کی تشہیر اگر لوگوں کی مادری زبان میں کی جائے تو بلاشبہ بتدریج حالات میں تبدیلی آ سکتی ہے اور دہشت گردی کی بیخ کنی ہو سکتی ہے۔ حکمرانوں، دانشوروں اور علمائے کرام کی یہ ذمے داری ہے کہ دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے دہشت گردوں کی معاون قوتوں اور انتہا پسندانہ نظریے اور سوچ کو کنٹرول کرنے سے متعلق امور پر غور و فکر کریں۔ بڑھتی ہوئی دہشت گردی سے مسلم دنیا کی سلامتی اور استحکام کے حوالے سے سنگین چیلنجز پیدا ہو گئے ہیں، جو قیام امن کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ قیام امن کا خواب دہشتگردی پر قابو پا کر ہی پورا ہو سکتا ہے۔

اِردوان کی فتح اور پاکستان کی مذہبی سیاست

ترک سیاست میں اسلام پسندوں کی پے در پے کامیابیوں نے دنیا بھر میں سیاسی جدو جہد کرنے والے اسلام پسندوں کے لیے قابل تقلید مثال قائم کی ہے۔ حالیہ انتخابی نتائج سے جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی بلاشرکت غیرے حکومت بنانے کی اہل ہو گئی ہے۔ طیب اردوان کی "انصاف اور ترقی پارٹی" نے انتہائی حکمت، تدبر اور مسلسل جدوجہد کے ذریعے ترکی کی اسلامی شناخت کو کافی حد تک بحال کرنے میں کامیابی حاصل کی اور ترکی کو حقیقی معنوں میں "مرد بیمار" کی کیفیت سے نکال کر ترقی و استحکام کی راہ پر گامزن کیا ہے۔ دس سال قبل ترکی کی مجموعی صورتحال معیاری نہ تھی، لیکن اب ترکی عرب ممالک کے نوجوانوں کے لیے مثال بنتا جا رہا ہے اور ایک سروے کے مطابق 75 فیصد عربوں کی رائے میں ترکی میں اسلام اور جمہوریت کے ملاپ کا کامیاب تجربہ ہوا ہے۔ طیب اردوان نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر حکمت عملی کے ساتھ مسلسل جدوجہد کی جائے تو عوام کے دلوں میں جگہ بنا کر کامیابی حاصل کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔

اردوان کی اے کے پارٹی اگرچہ مکمل مثالی اسلامی جماعت نہیں ہے اور نہ ہی ترکی میں مثالی اسلامی نظام ہے، لیکن ماضی کے اسلام دشمن نظام کے مقابلے میں بہت بہتر ہے۔ اگر اسلام پسند اسی طرح کامیابی کے سفر کو جاری رکھیں تو

ایک دن موجودہ نظام میں اسلام سے متعلق پائے جانے والے تمام سقم دور ہو سکتے ہیں۔ پاکستان کی اسلام پسند سیاسی مذہبی جماعتوں کو سبق سیکھنا چاہیے، وہ بھی جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر سکتی ہیں۔ اے کے پی کی کامیابی میں عوام کی خدمت کا کردار نمایاں ہے، کیونکہ انہوں نے محض نعروں کی بجائے عوام کی خدمت کی بنیاد پر ووٹ حاصل کیا ہے۔ اے کے پارٹی نے سب سے پہلے بنیادی سطح پر عوام کی خدمت اور گلی محلے کے چھوٹے چھوٹے مسائل کے حل کو اپنا نصب العین بنایا اور اپنی اہلیت، محنت، دیانت اور جذبہ خدمت کے باعث ترک عوام میں اپنی جڑیں مضبوط کیں اور خود کو سیکولر سیاسی جماعتوں کے بہترین متبادل کے طور پر منوایا، اس کے بعد اے کے پارٹی کو مرکزی حکومت تک پہنچنے میں کوئی دقت درپیش نہیں ہوئی۔

طیب اردوان پہلی بار 1994ء میں استنبول شہر کے میئر منتخب ہوئے۔ انہوں نے آتے ہی میٹروپولیٹن میونسپلٹی کا 2 ارب ڈالر کا قرض اتارا اور شہر کی ترقی پر 4 ارب ڈالر بھی خرچ کیے اور استنبول شہر کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ استنبول شہر کو پانی کی شدید قلت کا سامنا تھا۔ سیکڑوں کلومیٹر نئی پائپ لائنیں بچھا کر گلی گلی اور گھر گھر تک پانی پہنچایا۔ گندگی اور کوڑا کرکٹ بھی استنبول کے دیرینہ مسائل میں سے ایک تھا۔ استنبول شہر کی گندگی کو ری سائیکلنگ کے پراسس سے گزارنے کا طریقہ متعارف کرایا، جس سے شہر صاف و شفاف ہو گیا۔

ماحولیاتی آلودگی ختم کرنے کے لیے سڑکوں پر گیس سے چلنے والی ہزارہا نئی بسیں دوڑا دیں۔ شہر میں 50 نئے پل اور درجنوں نئی شاہراہیں بنائیں۔ استنبول کا حلیہ بدلا تو لوگوں کی زندگی میں سکون آ گیا۔ استنبول دنیا کے بہترین شہروں میں شمار ہونے لگا۔ استنبول کی تعمیر و ترقی کو دیکھ کر عوام نے طیب اردوان کو ترکی کے وزیراعظم کے طور پر آگے آنے کا مشورہ دیا اور 2002ء کے انتخابات میں کامیابی ان کے نام کر دی۔

ان دنوں ترکی ایک اقتصادی بحران میں پھنس ہوا تھا اور لیرا کی قیمت انتہائی کم ہو گئی تھی۔ طیب اردوان نے ترکی کو اس بحران سے نکالنے کی ٹھانی اور کامیاب ٹھہرے۔ انہوں نے انتہائی دیانتداری اور محنت سے کام کیا اور آج ترکی کی معیشت کا شمار دنیا کی بہترین معیشتوں میں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے ان کی قدر و منزلت میں مزید اضافہ ہوگیا۔ 2007ء میں پھر الیکشن ہوا تو قوم نے ایک بار پھر انہیں منتخب کر لیا۔ 2011ء میں رجب طیب اردوان اپنے وژن، ملک و قوم کی خدمت کی وجہ سے تیسری بار ترکی کے وزیراعظم بنے اور گزشتہ سال طیب اردوان ترکی کے صدر بن گئے اور ان کی جماعت کی کامیابی کا یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔

ترکی میں اسلام پسندوں کو کامیابی ملنے سے پاکستان کی تقریباً تمام اسلام

پسند سیاسی جماعتوں کو خوشی ہوئی ہے۔ ترک حکومت پاکستان کی مذہبی سیاسی جماعتوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ مذہب اور اسلامی تعلیمات کے لحاظ سے ترکی اور پاکستان کے اسلام پسند کافی قریب ہیں۔ دونوں ممالک میں لوگ اسلامی سوچ، خیالات اور تعلیمات کے لحاظ سے کم و بیش ایک جیسے ہی نظریات رکھتے ہیں۔ دونوں ملکوں کے عوام مذہبی رواداری اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے چلے آئے ہیں، لیکن ترکی میں ملک کی کٹر سیکولر اور عالمی قوتوں سازشوں اور رکاوٹوں کے باوجود "انصاف اور ترقی پارٹی" کامیابیاں سمیٹ رہی ہے، جبکہ پاکستان میں اسلام پسند سیاسی جماعتوں کو ایک عرصے سے تمام تر کوششوں کے باوجود ایسی کامیابیاں نہیں مل سکیں۔ دراصل ہمارے ہاں اسلام پسند سیاسی جماعتوں کا المیہ یہ ہے کہ یہ نچلی سطح پر عوام اور ان کے مسائل سے تقریباً لاتعلق ہوتی ہیں اور صرف مسجد، مدارس اور جلسے جلوسوں تک محدود رہتی ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عوام ان کو عزت تو بہت زیادہ دیتے ہیں، لیکن ووٹ نہیں دیتے۔ عوام ووٹ ان کو ہی دیتے ہیں، جو عوام کے ساتھ گھل مل کر رہتے اور ان کے مسائل حل کرنے میں دلچسپی لیتے ہیں۔

پاکستان میں مختلف مکاتب فکر کی چھوٹی بڑی کئی مذہبی سیاسی جماعتیں ہیں، جن میں نظریاتی و مسلکی اختلاف پائے جانے کے باوجود تمام جماعتوں کا دعویٰ ملک کو اسلامی نظام کے تابع کرنا ہی ہے۔ تمام جماعتیں معاشرے میں اچھا خاصا اثر و رسوخ رکھتی ہیں۔ معاشرے میں مذہبی لوگوں کی انتہائی قدر کی جاتی ہے۔

اگر یہ تمام جماعتیں آپس میں دست و گریباں ہو کر ایک دوسرے کے مدمقابل الیکشن لڑنے کی بجائے متحد ہو کر جدوجہد کریں اور اے کے پارٹی کی طرح اپنے عمل سے یہ ثابت کریں کہ ملک کی مذہبی سیاسی جماعتیں بھی بہتر طریقے سے کام کر سکتی ہیں تو کامیابی ان کے قدم چوم سکتی ہے۔ اگر یہ جماعتیں متفقہ لائحہ عمل کے تحت عوام کے دلوں میں اپنی قدر و قیمت پیدا کریں تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ ایسی کوئی وجہ نہیں کہ عوام انہیں مسترد کریں، کیونکہ عوام آج بھی سب سے زیادہ دیانت دار اور صالح مذہبی نمائندوں کو تصور کرتے ہیں۔

ترکی میں اسلام پسندوں کو زیادہ ووٹ ملنے کی وجہ سے نظریاتی بنیاد کی بجائے عوامی خدمت ہے اور پاکستان میں بھی لوگ ووٹ نظریاتی بنیاد پر نہیں ڈالتے، بلکہ عوام میں کیے گئے کاموں کی بنیاد پر ڈالتے ہیں۔ لوگ نظریات کی بنیاد پر جان تو دے دیتے ہیں لیکن ووٹ نہیں دیتے، کیونکہ ووٹ اس کا ہی حق ہوتا ہے جو ان کے مسائل حل کرے۔ اگر ہماری دینی جماعتیں خدمت کی سیاست کو اپنی اولین ترجیح بنا کر عوامی مسائل کے حل کے لیے میدان میں اتر کر اپنی اہلیت ثابت کردیں تو ترکی کی طرح یہاں بھی اسلامی تشخص کے ساتھ وہ عوام کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہیں۔ بصورت دیگر مزید طویل جدوجہد کے بعد بھی نتائج آج سے مختلف نہیں ہوں گے۔

شہرت کیسے حاصل کی جائے؟

شہرت کی تمنا انسان کی فطرت کا حصہ ہے، جس کے حصول کے لیے لوگوں کی اکثریت ہاتھ پاؤں مارتی رہتی ہے۔ اگر آپ شہرت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے آپ کو دائیں یا بائیں بازو میں سے خود کو کسی ایک کیمپ میں کھڑا کرنا ہوگا۔ اگر آپ بائیں بازو کا حلقہ منتخب کریں تو آپ کی دکان انتہائی آسانی سے چمک سکتی ہے۔ مذہب کی مخالفت کا ڈنڈا تھامیے اور مسلسل مذہب، علمائے دین اور شعائر اسلام پر برساتے جایئے۔ اپنی دونوں آنکھیں اور دونوں کان مولویوں کی خامیاں ڈھونڈنے کے لیے وقف کردیں، معاشرے میں کہیں بھی کوئی منفی بات نظر آئے تو بلا سوچے سمجھے فوری اسے "مولوی" کے سر تھوپ دیں اور معاشرے میں پھیلی ہر برائی کی ذمہ داری داڑھی، ٹوپی اور پردے پر ڈالتے جایئے۔ اگر مذہب اور مولوی کے خلاف کوئی بھی بات نہ ملے، تب بھی یہ واویلا تو کہیں گیا ہی نہیں کہ ملک کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مولوی ہی ہے۔ لوگ چاند پر پہنچ گئے اور مولوی حلال و حرام کے مسائل سے ہی باہر نہیں نکل پایا۔ اگر کسی معمولی اور معمول کے جھگڑے میں بھی کوئی مولوی کسی کو تھپڑ ماردے تو آپ کو مولوی کو دہشت گرد ثابت کرتے ہوئے اس کے خلاف سڑکوں پر آنا ہوگا، اس کے بعد موم بتی فیم آنٹیاں بھی اس "جہاد" میں آپ کے شانہ بشانہ ہوں گی، اس کے بعد آپ کو فکر

کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ اس اقدام کے بعد آپ کا تھوبڑا میڈیا کی زینت بننے لگے گا اور اگر "نامعلوم طالبان" سے اپنے خلاف کوئی جھوٹ موٹ کی دھمکی و مکی بھی دلوالیں تو سونے پر سہاگا، دیکھتے ہی دیکھتے آپ میڈیا کی آنکھ کا تارا بن جائیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یورپ کے کسی خوشحال ملک میں سیاسی پناہ گاہ بھی مل جائے۔ یہ یاد رہے کہ آپ کو تمام حقیقی عوامل کو نظر انداز کرکے ہر طرح کی دہشت گردی کا ذمہ دار پورے استقلال کے ساتھ صرف مولوی اور مدارس کو ٹھہرانا ہوگا۔

اگر آپ دائیں بازو کے حلقے میں شہرت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو یہ بات پلے باندھ لیں کہ اگرچہ آپ عالم دین نہ ہوں، لیکن پھر بھی آپ نے سب سے زیادہ مذہب کو ڈسکس کرنا ہے، کیونکہ سب سے زیادہ کاروبار مذہب کے نام پر ہی چلتا ہے۔ آپ خود دین پر عمل کریں یا نہ کریں، لیکن لوگوں کو یہ باور کراتے رہیے کہ معاشرے کے ہر فرد پر مکمل شریعت نافذ کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔ حقوق العباد اور معاملات سمیت تمام دینی احکام کو چھوڑ کر خصوصیت کے ساتھ شرعی سزاؤں کا ذکر کرتے رہنا ہے، ایسا کرنے سے لوگوں کی نظر میں آپ "پکے دین دار" بن جائیں گے۔ آپ خود بھلے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر نہ چلتے ہوں، لیکن وقتاً فوقتاً مسلم حکمرانوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حکمرانی کرنے کی تلقین ضرور کرتے رہنا ہے اور اس کے ساتھ بات

بات پر طارق بن زیاد، محمد بن قاسم اور صلاح الدین ایوبی کی مثالیں بھی اپنی زبان کے نیچے دبا کر تیار رکھنا ہے۔ آپ کی ہر تحریر اور تقریر سے ایسا لگنا چاہیے کہ آپ اللہ سے بھی زیادہ اللہ کے دین کے خیر خواہ ہیں۔ ہمیشہ مذہب کا سہارا لے کر جذباتی باتیں کریں، تاکہ لوگ بھی جذباتی ہو کر آپ کی طرف کھنچے چلے آئیں۔ تمام مسالک کا احترام کرنے کی بجائے خود کو کسی ایک مسلک کے ساتھ نتھی کرلیں اور اپنے مسلک کا سچا سپاہی بن کر دوسرے مسالک اور ان کے پیروکاروں کی "واٹ" لگاتے رہیں، اس سے آپ کے مسلک کے لوگوں کا ایک بڑا حلقہ آپ کو "سچا اور پکا مومن" گردانتے ہوئے آپ کا گرویدہ ہوجائے گا اور اگر آپ غلطی پر بھی اپنے مسلک کی حمایت کریں گے تو آپ کے بارے میں آپ کے حلقے کے لوگوں کی عقیدت میں مزید اضافہ ہوجائے گا۔ اگر کبھی ریٹنگ گرنے کا خدشہ ہو تو ایک عدد انتہائی متنازعہ بحث چھیڑ دیں، چاہے بعد میں معافی بھی مانگنا پڑے، لیکن یاد رہے جب تک آپ کو مطلوبہ شہرت نہیں مل جاتی، اس وقت تک معافی مت مانگیے گا۔ عصری تعلیمی اداروں کو لارڈ میکالے اور علی گڑھ کی گمراہ کن سوچ کا مظہر قرار دیتے ہوئے ہر حال میں ان کی مخالفت کرتے رہیں کہ اس کے سوا آپ کر بھی کیا سکتے ہیں؟! ہر کام میں امریکا، اسرائیل، بھارت اور دیگر مختلف ممالک کی ایجنسیوں کی سازش ڈھونڈنا از حد ضروری ہے۔ میڈیا کو بے غیرت اور غلام اور جو میڈیا پرسن آپ کو اچھے نہیں لگتے، ان کو ایجنسیوں، امریکا اور اسرائیل وغیرہ کے ایجنٹ قرار دے دیں۔ آپ کو چاہے خلافت کے بارے

میں الف ب بھی معلوم نہ ہو، لیکن خلافت کے قیام کا نعرہ ضرور لگاتے رہیے۔
ان تجاویز پر عمل کرکے آپ بھی اسی طرح شہرت کی بلندیوں کو چھو سکتے ہیں، جس طرح دیگر بہت سے لوگ بلندیوں سے لٹکے ہوئے ہیں۔ آج کل تو ایک پتھر اٹھاؤ نیچے سے دس دانشور نکلتے ہیں، اتنے "کمپیٹشن" میں اپنی "مارکیٹ ویلیو" قائم رکھنے کے یہ اصول اپنے پلے باندھ لیں اور فیس بک کی دیوار پر چپکا لیں۔ دب کے رکھو، پھٹے چک کے رکھو۔

ذمہ دار ہم خود ہیں

طالب علم عمر میں مجھ سے چھوٹا تھا، لیکن شکل و صورت سے سنجیدہ اور سمجھدار لگ رہا تھا۔ فکر مندی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ اس کا سوال مختصر، لیکن عقل و شعور کی پختگی کا احساس دے رہا تھا۔ امت مسلمہ کی زبوں حالی کا ذمہ دار کون ہے؟ میں اس کے چہرے کو تکنے لگا۔ میں ابھی خاموش تھا کہ وہ ایک بار پھر بولنے لگا: کہیں امریکا کی اجارہ داری اور کہیں اسرائیل کا ظلم و ستم جاری۔ جب سے آنکھ کھولی، چہار سو مسلمان کو ہی مظلوم دیکھا۔ یہ سب کچھ آخر کیوں ہے؟

میں نے نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں اور عرض کیا: یہ سب کچھ مسلمانوں کی وجہ سے ہو رہا ہے اور مسلمان خود ہی ان حالات کے ذمہ دار ہیں۔ اس کے چہرے کی حیرانی دیدنی تھی۔ شاید میری رائے اس کی رائے سے بالکل مختلف تھی۔ میرا جواب سن کر وہ ایک لمحہ بھی خاموش نہ رہ سکا۔ جھٹ سے بولا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دنیا میں کٹیں مریں بھی مسلمان اور قصوروار بھی وہ ہوں؟ مسلمان تو مظلوم قوم ہے، یہ ذمے دار کیسی ٹھہری؟

میں نے چند لمحے سوچا اور عرض کیا: دیکھیے! مسلمان صرف آہ و بکا کرتے ہیں۔

ظلم سہتے ہیں، شور مچاتے ہیں اور اپنی مظلومیت کا نوحہ الاپتے ہیں۔ دنیا کے سامنے خود کو مظلوم ثابت کروانے کی کوشش میں مگن ہیں ! لیکن اہل قوت ان کو مظلوم مانتے ہوئے بھی رحم نہیں کرتے۔ میں خاموش ہوگیا اور کھڑی سے باہر دیکھنے لگا، لیکن وہ مسلسل مجھے گھور رہا تھا جیسے مزید کچھ سننے کو بیتاب ہو۔ میں نے اس کی طرف توجہ کی اور اس سے پوچھا: آج تک کبھی دنیا میں ایسا ہوا ہے کہ کسی ظالم نے مظلوم کو اپنی مظلومیت کا راگ الاپنے کی وجہ سے چھوڑ دیا ہو؟ اس نے ناں میں سر ہلا دیا۔ میں نے کہا اس طرح تو ظالم کو ظلم کرنے کا مزید موقع ملتا ہے، کیونکہ اسے پتا ہوتا ہے کہ مظلوم نے صرف شور مچانا ہے، لوگوں سے مدد کی اپیل کرے گا، لیکن اپنی جان بچانے کی کوئی سبیل نہیں کرے گا اور جو خود ہی اپنی جان نہ بچا سکے تو اسے کوئی دوسرا کیا بچائے گا؟ مسلمان جب تک ان وجوہ کی طرف توجہ نہیں دیں گے، جن کے باعث ان پر موجودہ حالات ہیں تو تبدیلی کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔

میں خاموش ہوگیا۔ طالب علم بے تاب تھا، چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا اور پھر پوچھنے لگا: کون سی اور کیسی وجوہ؟ میں نے ایک سانس لیا اور کہا: دیکھیے جناب ! یہ دنیا دارالاسباب ہے۔ یہاں جو کروگے، وہی ملے گا۔ جو بوؤگے، اسی کا پھل کاٹوگے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کرو کچھ نہیں اور امید رکھو عزت سے زندگی گزارنے کی۔ آج اگر ہم دنیا میں کسی بھی ملک کی حکمرانی دیکھتے ہیں

تو یہ اس قوم کی محنتوں کا صلہ ہے۔ امریکا، برطانیہ، چین اور دوسرے کئی ممالک آج دنیا کی کنجی اپنے قبضے میں لینے کو تیار ہیں۔ یقیناً ہم بھی اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ اکھاڑہ تو خالی ہے۔ ہر ایک کو اجازت ہے کہ آئے اور آ کر اپنی قوت، عقلمندی اور صلاحیتوں کا مظاہرہ کرے اور اپنے مدمقابل کو پچھاڑ دے۔ ہم بھی میدان مار سکتے ہیں اور دشمن بھی۔ جو عقلمندی، محنت اور جستجو کے ساتھ کام کرتا ہے یقیناً کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ دشمن نے عقل کو استعمال کر کے محنت کو اپنا شعار ٹھہرایا۔ سو سال پہلے آج کے دن کے لیے سوچا، لائحہ عمل طے کیا اور کام شروع کر دیا۔ جو وسائل ان کے پاس دستیاب تھے، ان کو کام میں لے آئے۔ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اس میں کھپا دیا۔ آج وہ اس سطح پر پہنچ چکے ہیں کہ ہم پر حکمرانی کر سکیں، حالانکہ ہمارے پاس بھی وسائل کی کوئی کمی نہیں۔ شاید ہمارے وسائل ان سے کئی گنا زیادہ ہوں، لیکن سو سال بعد کے لیے تو کیا سوچنا تھا، ہم نے آج کے دن کے لیے بھی نہیں سوچا۔ ہم نے کسی بھی میدان میں ترقی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہم اپنے سیاسی نظام، عائلی نظام، تعلیمی نظام، اقتصادی نظام اور مذہبی نظام تک کو مستحکم نہ کر سکے۔

میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ ساری دنیا میں مسلمان آپس میں دست و گریباں نظر آتے ہیں۔ بھارت، امریکا، برطانیہ اور چین وغیرہ میں لوگ نماز بغیر کسی پہرے

کے پڑھتے ہیں، لیکن اسلامی ممالک میں مسلمان مسجد کے اندر بھی محفوظ نہیں۔ مسلمان ہی اپنی عبادت گاہوں کے اندر گھس کر مسلمان کو قتل کر رہے ہیں۔ مخالف فرقے و مسلک کے علماء کو قتل کیا جا رہا ہے۔ یہ کس کا قصور ہے؟ آپ خود بتائیں کہ اس طرح ہم کامیاب ہو سکتے ہیں؟ ہم اپنی ہر خامی و کوتاہی کی ذمہ داری دشمن کے سر تھوپ دیتے ہیں۔ دشمن کو برا بھلا کہنے سے آگے نہیں بڑھ پاتے۔ کوئی منصوبہ بندی کرتے ہیں نہ ہی کسی منصوبہ بندی پر عمل کرتے ہیں، جبکہ امریکا جیسے غیر مسلم ملکوں میں قوم کے لیے کام کیا جاتا ہے، چاہے حکومتیں جتنی بدل جائیں، لیکن پالیسیاں نہیں بدلتیں، ان کی منصوبہ بندیاں نہیں بدلتیں، اسی لیے وہ لوگ دنیا میں ترقی کر رہے ہیں۔ ہم لوگ تعلیم میں سب سے پیچھے ہیں۔ یورپ کے ایک ایک ملک میں پانچ ہزار یونیورسٹیاں موجود ہیں، جبکہ پوری اسلامی دنیا میں پانچ سو یونیورسٹیاں ہیں اور جن کا معیار یہ ہے کہ ان میں سے ایک بھی یونیورسٹی ٹاپ لسٹ میں شامل نہیں ہے۔ سائنس میں ہم ان سے پیچھے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں ہم پیچھے ہیں اور تو اور اب تو ہم دین پر بھی پوری طرح سے عمل نہیں کرتے۔ دنیا کا یہی ضابطہ ہے کہ کامیابی اسے ملے گی جو کامیابی حاصل کرنا چاہے گا۔ مسلمانوں کو پوری محنت، جستجو اور بیدار مغزی سے کام کرنا ہوگا۔ ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ یہ سستی، کاہلی اور بے فکری مسلمانوں کی زبوں حالی کی بنیادی وجوہ ہیں۔

میں مسلسل بولے جارہا تھا اور طالب علم غور سے میری بات سن رہا تھا۔ آپ جنگ بدر کو ہی دیکھ لیں، امت مسلمہ کی زبوں حالی کی وجہ سمجھ میں آجائے گی۔ طالب علم چونک سا گیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کا نکتہ سمجھ نہیں سکا۔ میں نے تین چار سانس لیے اور عرض کیا: اللہ کے سب سے محبوب نبی ا اگر چاہتے تو اللہ تعالی سے صرف دعا کرتے تو دشمن کا ستیاناس ہو جاتا، لیکن عادت خداوندی یہ نہیں ہے۔ اللہ نے دنیا کے تمام تر معاملات کو اسباب کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ آپ علیہ السلام عادت خداوندی کے مطابق ایک ہزار کے مقابلے میں جو میسر تھا، تین سو تیرہ جاں نثاروں کو لے کر میدان میں اترے، آٹھ تلواریں تھیں، ان کو بھی لے آئے۔ دو گھوڑے تھے، وہ بھی ہمراہ لائے۔ جاں نثاروں سے مشورہ کیا۔ منصوبہ بندی کی، لائحہ عمل طے کیا، میدان کا معائنہ کیا۔ اسباب کے درجے میں جو ہو سکا، وہ کیا۔ پھر سجدے میں سر رکھ کر کہا: "یا اللہ! جو ہمارے بس میں تھا، وہ ہم نے کرلیا۔ اب فتح دینا آپ کا کام ہے۔" دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالی نے کیسی فتح مبین عطا کی۔

آج دنیا میں مسلمان کو مظلوم دیکھ کر ہم صرف یہ کہتے ہیں اللہ تعالی سے دعا کرو کہ مسلمانوں کو ظلم سے چھٹکارا مل جائے۔ ہم صرف اذکار و اوراد کے ذریعے کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان سب چیزوں کی برکت و فضیلت اپنی جگہ، لیکن سوچنا یہ ہے کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے ہی نہ کر سکتے

تھے؟ لیکن امت کو یہ بتانے کے لیے کہ اگر دنیا میں سر اٹھا کر جینا چاہتے ہو تو دعاؤں کے ساتھ ساتھ اسباب بھی اختیار کرنا ہوں گے۔ بات ختم ہوئی تو طالب علم میرے جواب سے کچھ مطمئن سا نظر آ رہا تھا۔

دورہ برطانیہ۔۔۔انتہا پسندی نے مودی کو رسوا کر دیا

نریندر مودی کے اقتدار سنبھالنے کے بعد سے بھارت میں انتہا پسندی بڑھی ہے اور بھارتی معاشرہ تعصب و منافرت کے ہاتھوں بری طرح یرغمال ہو چکا ہے، جس کے باعث بھارت میں آئے روز نچلی ذات کی قوموں، مسلمانوں، سکھوں اور دیگر اقلیتوں کے خلاف انتہا پسندانہ کارروائیاں سامنے آتی رہتی ہیں۔ کئی علاقوں میں صرف گائے کا گوشت کھانے پر مسلمانوں کے قتل اور ہندوؤں کے علاوہ دیگر اقوام کی عبادت گاہوں پر حملے کے متعدد واقعات پیش آئے ہیں۔ بھارت کے وزیراعظم نریندر مودی خود بھی پاکستان اور مسلمانوں کی دشمنی کی سیڑھی چڑھتے ہوئے وزارتِ عظمیٰ کے منصب تک پہنچے ہیں، اس لیے مودی سرکار نے شیوسینا سمیت ہندو انتہا پسندوں کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔ نریندر مودی کی حد سے بڑھی ہوئی انتہا پسندی کی وجہ سے خود ان کو اور ان کی حکومت کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ مودی سرکار کی انتہا پسند پالیسیوں سے خود بھارت کے سنجیدہ حلقے نالاں ہیں۔ مودی سرکار کے زیر سایہ انتہا پسندوں کی پر تشدد کارروائیوں کے خلاف درجنوں ادیب، فنکار، سائنسدان، دانشور اور دو ہزار سے زاید سابق فوجیوں نے اپنے میڈلز واپس کر دیے ہیں۔ فوجیوں نے دھمکی دی تھی اگر ان کے میڈلز واپس نہ لیے گئے تو سڑکوں پر پھینک کر چلے جائیں گے۔ دنیا بھر کے میڈیا پر بھی مودی کی انتہا پسندی کو سخت

تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ بی جے پی کی انتہا پسندی کے سبب دہلی سے پارٹی کا صفایا ہو گیا تھا، جبکہ دوسری جانب گزشتہ دنوں بہار میں ہونے والے انتخابات میں بھارتی وزیراعظم کی جماعت کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ عوام نے انتہا پسند حکمرانوں کو ووٹ کی طاقت سے مسترد کر دیا۔ لالو پرساد کے جے ڈی یو اتحاد نے 243 میں سے سیٹیں حاصل کیں، جبکہ مودی کی جماعت بی جے پی کو صرف 80 نشستیں مل 151 سکیں۔ کانگریس کے رہنما احمد پٹیل کا کہنا تھا کہ بی جے پی نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی الیکشن میں پاکستان مخالف کارڈ کا خوب استعمال کیا، مگر اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں پر ظلم و ستم، مخالفین پر ملک دشمنی کے الزامات اور انتہا پسندی کو فروغ دینے جیسی پالیسیاں مودی سرکار کا بھرم لے ڈوبیں۔

بھارتی وزیراعظم نریندر مودی بھارت کو انتہا پسندی کی آگ میں جھونک کر جمعرات کے روز 3 روزہ دورے پر برطانیہ پہنچے، جہاں ان کی آمد پر کشمیریوں، سکھوں، دلت برادری، نچلی ذات کے ہندو، تامل، بھارتی گجرات کے مسلمان اور نیپالی باشندے نے ان کے خلاف شدید احتجاج کیا۔ احتجاجی مارچ کی قیادت برطانوی پارلیمنٹ کے رکن لارڈ نذیر اور بیرسٹر سلطان محمود کر رہے تھے۔ مظاہرین نے اس موقع پر کشمیر اور خالصتان کے پرچم اٹھا رکھے تھے۔ برطانیہ میں قیام پذیر سکھوں نے بھارت میں اپنی مذہبی کتاب کی بیحرمتی، کشمیریوں

نے مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم اور انڈین عوام نے بھارتی حکومت کی پالیسیوں کے خلاف بھرپور احتجاج کیا۔ مظاہرین نے اپنے ہاتھوں میں کتبے، پلے کارڈز اور بینرز اٹھا رکھے تھے جن پر نریندر مودی کے خلاف نعرے درج تھے۔ مظاہرین نے "گو مودی گو"، مودی ناٹ ویلکم" کے نعرے لگائے، ٹین ڈاؤ ننگ اسٹریٹ "گو مودی گو" اور مودی" قاتل کے نعروں سے گونج اٹھی۔ جیسے ہی وزیر اعظم نریندر مودی کا قافلہ ٹین ڈاؤننگ اسٹریٹ پہنچا، فضا مودی شیم شیم کے نعروں سے گونج اٹھی،احتجاج کے باعث مقررہ راستے کی بجائے پچھلے دروازے سے لے جانا پڑا۔ اپنے خلاف نعرے سننے کے باوجود مودی ڈھٹائی کے ساتھ مظاہرین کو دیکھ کر ہاتھ ہلاتے رہے۔ مظاہرین وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون کے خلاف بھی نعرے بازی کرتے رہے۔ نیپالیوں کا کہنا تھا کہ بھارت نیپال کا محاصرہ ختم کرے۔ صدر خالصتان تحریک نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ نریندر مودی دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ہے۔ مودی کی لندن آمد پر برطانوی حکومت ہچکچاہٹ کا شکار ہو گئی، برطانوی حکومت کا کوئی بھی اہم وزیر استقبال کو نہ پہنچا۔ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی کی برطانیہ یاترا ان کے لیے کانٹوں کی سیج ثابت ہو رہی ہے۔ ایک جانب برطانیہ کے ساتھ بڑے معاہدے ہو رہے ہیں، تو دوسری جانب برطانوی میڈیا پر مودی کی شخصیت موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ مودی کی برطانیہ آمد کے موقع پر 200 سے زاید ادیبوں نے وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون کے نام کھلا خط تحریر کرتے ہوئے ان پر زور دیا کہ وہ مودی سے بات کے دوران بھارت

میں اظہار رائے کی آزادی کے حوالے سے تحفظات کو بیان کریں۔.برطانیہ کی مختلف یونیورسٹیوں کے 130 ماہرین تعلیم اور اساتذہ نے.برطانوی اخبار گارجین میں ایک خط لکھ کر مطالبہ کیا کہ نریندر مودی سے ان کے دورہ.برطانیہ کے دوران بھارت کے انسانی حقوق کے ریکارڈ پر سوال کیا جائے۔.برطانوی اخبار گارجین میں شائع مضمون میں مودی کی پالیسوں پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ مودی نے بین الاقوامی سطح پر بھارت کا امیج بہتر بنانے کے لیے چین کے نعرے "سرمایہ کاری کے پرکشش مواقع کے ساتھ ابھرتی ہوئی معیشت" چرایا اور نتیجے کے طور پر ہندو انتہا پسندی کی لہر کے سامنے انسانی حقوق پامال ہو گئے۔ اخبار نے نریندر مودی کی شخصیت پر تبصرہ بھی کیا کہ وہ ایسے شخص نہیں ہیں جو اپنے اوپر ہونے والی تنقید کو تحمل سے سنیں، ان کے دور حکومت میں 9 ہزار غیر سرکاری تنظیموں کو غیر ملکی دشمن کہہ کر ان کی رجسٹریشن ختم کر دی گئی، صحافیوں اور انسانی حقوق کی تنظیموں پر بغاوت کے الزامات لگا کر دھمکایا گیا۔ مودی کی پالیسیوں کے خلاف.برطانیہ میں رہنے والے خاموش نہیں رہ سکتے، انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف آواز اٹھانا ان کی ذمہ داری ہے۔ جبکہ دورہ.برطانیہ سے ایک روز قبل .برطانوی اخبار "'دی گارجین" نے وزیراعظم مودی کو لوگوں میں تفریق پیدا کرنے اور اپنی طرف مائل کرنے والا چالاک شخص قرار دیا تھا اور.برطانوی روزنامہ فنانشل ٹائمز کا کہنا تھا کہ بھارت میں ہندو انتہا پسندی اور عدم.برداشت ان کی شکست کا باعث بنی ہے۔ امریکی اخبار

واشنگٹن پوسٹ کے مطابق مودی کے دورہ برطانیہ کی حالت ہیرو اور ولن جیسی ہے، ان کے مداح ان کا استقبال کر رہے ہیں، جبکہ ان کے مخالفین ان کے خلاف مظاہرے کر رہے ہیں۔ برطانوی اخبار ٹیلی گراف اور ڈیلی میل کا کہنا ہے کہ لندن پہنچنے پر مودی کو گارڈ آف آنر تو پیش کیا گیا، لیکن اس کی آواز احتجاجی مظاہروں میں دب گئی۔ دلت، نیپالی، سکھ اور مسلمان سب مودی کی پالیسیوں پر تنقید کرتے رہے ہیں، لیکن حقیقت سے نظریں چرائے ہوئے بھارتی میڈیا سب اچھا کی رپورٹ دے رہا ہے۔

گزشتہ روز دورہ برطانیہ کے موقع پر پریس کانفرنس کے دوران صحافیوں نے مودی سے چبھتے سوالات بھی کیے، جن میں سے متعدد کا جواب مودی نے گول کر دیا۔ مودی سے سوال کیا گیا کہ بھارت میں انتہا پسندی اور عدم برداشت تیزی سے پھیل رہی ہے تو مودی کا جواب تھا کہ حکومت بھارت میں ہونے والے ہر واقعہ کی ذمہ دار نہیں۔ صحافی کا مودی سے کہنا تھا کہ ویمبلی اسٹیڈیم میں آپ خطاب کرنے جا رہے ہیں، مگر یہ جو لندن میں لوگ مظاہرے کر رہے ہیں، مجھے نہیں معلوم ان سے آپ کیا کہیں گے، کیونکہ گجرات کے وزیراعلیٰ کی حیثیت سے آپ کا ریکارڈ ہی ایسا ہے۔ آپ اس قابل نہیں ہیں کہ آپ کو وہ عزت دی جائے جو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے رہ نما کے شایانِ شان ہوتی ہے۔ اس چبھتے ہوئے سوال پر مودی دانت پیستے رہ گئے۔ واضح رہے کہ گزشتہ دنوں دورہ کشمیر کے موقع پر بھی عوام

نے بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی کے خلاف سخت احتجاج کیا تھا۔ پوری وادی سراپا احتجاج بن گئی تھی۔ مودی کا اعلان کردہ 12.1 ارب ڈالر (8 سو ارب بھارتی روپے) کا اقتصادی پیکیج بھی کام نہ آیا۔ مودی کی وادی میں آمد کے موقع پر سیکورٹی کے انتہائی سخت انتظامات کیے گئے تھے۔ مودی کے جلسے کو کامیاب بنانے کے لیے خصوصی طور پر دہلی سے شیو سینا کے کارندے بھی بلائے گئے تھے۔ مقبوضہ وادی میں کرفیو اور پابندیوں کے باوجود مودی کی آمد پر کشمیریوں نے احتجاجی مظاہرے کیے۔ کشمیریوں نے سیاہ پرچم لہرائے۔ کشمیری رہنماؤں کا کہنا تھا کہ نریندر مودی عالمی امن کے لیے خطرہ ہیں۔ مودی کی جماعت بھارت میں فسادات کرنے کی ذمہ دار ہے جس میں ہزاروں مسلمانوں کو شہید کیا گیا۔ کشمیریوں کا احتجاج اور شدید رد عمل دیکھ کر بھارت سرکار کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔

دہشت گرد کون؟

نائن الیون کے بعد اسلامی ممالک پر مغربی یلغار کی وجہ سے پھوٹنے والی دہشت گردی کی لہر نے پوری دنیا کو بری طرح اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، جس سے خصوصی طور پر مسلم ممالک نہ صرف بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں، بلکہ بعض مسلم ممالک کی اینٹ سے اینٹ بج چکی ہے اور لاکھوں لاشیں اٹھانے کے بعد بھی امن و سکون اور استحکام عنقا ہے۔ مغربی ممالک نے اپنی جنگ کو مسلم ممالک میں دھکیل کر خود کو اس کے اثرات سے کافی حد تک محفوظ رکھا ہے، لیکن مکمل طور پر محفوظ وہ بھی نہیں رہ سکے۔ اسلامی دنیا میں لگائی گئی آگ کے شعلوں سے کسی نہ کسی حد تک تو آگ لگانے والوں کو بھی متاثر ہونا ہی تھا۔ مغرب میں بھی دہشت گردی کے واقعات میں متعدد بے گناہ لوگ مارے گئے۔ گزشتہ روز فرانس میں ہونے والے ہولناک حملوں میں عام لوگوں کی جانیں دہشت گردی کی نذر ہوگئیں اور تین سو سے زاید افراد زخمی ہوئے۔ پیرس حملے ہر لحاظ سے قابل مذمت ہیں، دنیا کا کوئی بھی مذہب بے گناہ انسانوں کے قتل کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

پندرہ سال سے اسلامی دنیا میں خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے، جس میں لاکھوں لوگ اپنی جان سے گئے ہیں۔ ان حالات میں اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا

کہ فرانس میں عام لوگوں کا قتل عام خود مغرب کی پالیسیوں کا ہی نتیجہ ہے، کیونکہ کئی عسکریت پسند تنظیمیں ان کے رد عمل اور بعض ان کی سپورٹ سے وجود میں آئی ہیں۔ مغرب کو ان حملوں کے بعد اپنی پالیسیوں پر نظرثانی کرنی چاہیے، لیکن افسوس دنیا بھر میں دہشت گردی کو فروغ دینے والی اپنی پالیسیوں پر نظرثانی کرنے کی بجائے ایسے واقعات کی آڑ میں دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف کوئی نیا محاذ کھول دیا جاتا ہے۔

بے گناہ لوگوں کا قتل دہشت گرد ہی کہلاتا ہے، چاہے قتل ہونے والے اور کرنے والے کا تعلق کسی بھی مذہب اور ملک سے ہو، لیکن مغرب نے مسلمانوں کے حق میں ہمیشہ ناانصافی سے کام لیا اور دہرا معیار اپنایا ہے۔ فلسطین سے لے کر کشمیر تک، افغانستان سے لے کر عراق تک، شام سے برما اور یمن سے پاکستان تک لہو لہو اسلامی دنیا مغرب کی استعماری پالیسیوں کی تباہ ناکی کی داستان سنا رہی ہے۔ امریکا تین درجن سے زاید ممالک کو ساتھ ملا کر افغانستان پر چڑھ دوڑا اور لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کی زندگیاں چھین لیں۔ اسرائیل نے فلسطینیوں کی زمین پر قابض ہو کر ان کا ہی جینا حرام کر رکھا ہے۔ بھارت نے کشمیر اور اندرون بھارت مسلمانوں کا جینا دوبھر کر رکھا ہے۔ برما میں بودھوں نے مظلوم مسلمانوں سے جینے کا حق چھین لیا ہے۔ ان حالات میں اگر مسلمان صرف اپنے حق کے لیے آواز بھی اٹھاتا ہے تو دہشت گرد قرار پاتا ہے۔

امریکا افغانستان، عراق، وزیرستان میں حملے کرکے لوگوں سے زندہ رہنے کا حق چھین لے تو یہ دہشت گردی نہیں، لیکن اگر مظلوم عوام امریکا کی درندگی کی مذمت کردیں تو یہ دہشت گردی کی حمایت قرار پاتی ہے۔ اگر اسرائیلی فوج فلسطینیوں پر اندھا دھند فائرنگ کرے اور بلڈوزروں سے ان کے گھروں کو مسمار کردے تو یہ دہشت گردی نہیں اور اگر اس کے رد عمل میں نہتے فلسطینی پتھر اٹھا کر پھینک دیں تو دہشت گرد قرار پاتے ہیں۔ بھارتی فوجی کشمیری مسلمانوں کا قتل کریں تو دہشت گردی نہیں، لیکن اگر کشمیری عوام آزادی کا نعرہ لگاتے ہیں تو انہیں دہشت گردی قرار دیا جاتا ہے۔ افغانستان، عراق، برما اور دیگر کئی مسلم ممالک میں ظلم و ستم کی داستان رقم کرنے والے پر "امن" اور یہ مظالم برداشت کرنے والے مسلمان "دہشت گرد" ٹھہرتے ہیں۔

مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگانے والوں نے ایک طرف تو مسلم ممالک کو خانہ جنگی کی دہکتی بھٹی میں دھکیلا اور پھر مسلم ممالک میں عسکریت کو ڈھکے چھپے سپورٹ کر کے بدامنی کو مزید ہوا دی اور دوسری جانب افغانستان و عراق سمیت متعدد مسلم ملکوں میں خود بمباری کرکے بے گناہ مسلمانوں کا بے تحاشا خون بہادیا، اس سب کچھ کے باوجود کمال چالاکی کے ساتھ شاطر مغرب نے دہشت گردی کی ساری ذمہ داری مسلمانوں پر ہی ڈال دی۔ داڑھی، حجاب اور شعائر اسلام کو بدنام کیا جانے لگا اور پوری دنیا میں یہ ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ مسلمان ہی

دہشت گرد ہیں۔ یورپ میں مسلمانوں پر بلا جواز دہشت گردی کا ٹھپا لگا کر ان کا جینا دوبھر کردیا گیا۔ گزشتہ دنوں وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "عالمی برادری دہرا معیار اپنانے سے باز رہے۔ تمام حجاب اور داڑھی رکھنے والے دہشت گرد نہیں ہوتے۔ مغرب اس زاویے سے نکل کر اصل دہشت گردی کے خلاف جنگ کرے۔" وزیر داخلہ کا مغرب سے شکوہ بالکل بجا ہے، کیونکہ ایک عرصے سے دنیا بھر میں دہشت گردی کو اسلام کے ساتھ جوڑ کر دنیا بھر میں مسلمانوں کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور دہشت گردی کی نام نہاد جنگ کی لپیٹ میں صرف مسلمان ہی آتا ہے۔

خود یورپی یونین کے قانون نافذ کرنے والے ادارے یوروپول کے مطابق یورپ میں گزشتہ 5 برس کے دوران ہونے والے حملوں میں ملوث مسلمانوں کی تعداد صرف 2 فیصد ہے۔ ایف بی آئی نے 1980ء سے 2005ء تک امریکی سرزمین پر ہونے والی دہشت گردی کی کارروائیوں کا مطالعاتی جائزہ لیا، جس میں یہ حقیقت سامنے آئی کہ 94 فیصد حملوں کا ارتکاب غیر مسلموں نے کیا تھا۔ 42 فیصد حملے لاطینیوں سے متعلق گروپوں نے کیے تھے، جبکہ 24 فیصد حملوں میں بائیں بازو کے انتہا پسند گورے ملوث تھے۔

یورپ اور امریکا میں ایک جملہ اکثر دہرایا جاتا ہے کہ سب مسلمان دہشت گرد

نہیں ہیں، لیکن تمام دہشت گرد مسلمان ہیں۔ اگر انصاف کا دامن تھاما جائے تو یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے کہ دنیا میں زیادہ خونریزی کس نے کی ہے؟ انقلاب فرانس کے دوران میکس ملن رابسپیری نے 5 لاکھ سے زاید افراد کو گرفتار کیا، جن میں سے 40 ہزار کو قتل کیا گیا اور دو لاکھ سے زاید کو بھوکا رکھ کر مارا گیا تھا۔ ہٹلر نے لاکھوں لوگ قتل کیے۔ جوزف اسٹالن نے 2 کروڑ افراد کو قتل کیا۔ مسولینی نے چار لاکھ افراد کو قتل کیا۔ پہلی جنگ عظیم میں 3 کروڑ 70 لاکھ انسان ہلاک ہوئے اور 2 کروڑ 23 لاکھ 79 ہزار 53 انسان زخمی ہوئے۔ دوسری جنگ عظیم میں 6 کروڑ انسان ہلاک ہوئے۔ امریکا کی جانب سے ایٹم بم گرائے جانے کے نتیجے میں ایک لاکھ 66 ہزار انسان ہیروشیما اور 80 ہزار ناگاساکی میں ہلاک ہوئے۔ دہشت گردی کی بھینٹ چڑھ جانے والے ان کروڑوں انسانوں میں سے کسی کا بھی خون کسی مسلمان کی گردن پر نہیں ہے، لیکن پھر بھی دہشت گرد مسلمانوں کو ہی قرار دیا جاتا ہے۔ "گلوبل ڈیٹا بیس ٹیررازم" کے اعداد و شمار کے مطابق اگر 1970ء سے 2007ء کے دوران پوری دنیا میں ہونے والی دہشت گردی کا جائزہ لیا جائے تو مجموعی طور پر دنیا بھر میں دہشت گردی کے 87000 واقعات ہوئے، جن میں سے 2695 یعنی صرف 3 فیصد واقعات خود کو مسلمان کہلانے والے لوگوں نے کیے، جبکہ باقی 97 فیصد واقعات غیر مسلموں نے کیے، لیکن پھر بھی مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے۔ امریکیوں کی گردنوں پر لاکھوں ریڈ انڈینز کا خون ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود ہر دہشت گردی کو مسلمانوں کے

سر تھوپنا سراسر انصاف کا قتل ہے!

معروف ادیب اشتیاق احمد ....ایک زریں عہد جو تمام ہوا

ممتاز ادیب، اردو زبان کے سب سے زیادہ ناولوں کے تخلیق کار، جاسوسی ناول انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران اور شوکی سیریز کے خالق، ادب کی نابغہ روزگار شخصیت اور ہر دلعزیز مصنف اشتیاق احمد ادب کے میدان میں انمٹ نقوش چھوڑ کر منگل کے روز اپنے چاہنے والوں کو داغ مفارقت دے گئے۔ وہ کراچی میں گیارہویں بین الاقوامی کتب میلے میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ کراچی کے ایکسپو سینٹر میں منعقدہ عالمی کتب میلے میں شرکت کے بعد واپس اپنے آبائی شہر جھنگ جانے کے لیے جناح انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر موجود تھے کہ اچانک انہیں دل کا دورہ پڑا، جس کے باعث وہ جانبر نہ ہوسکے اور موقع پر ہی ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ منگل کی رات جامعۃ الرشید کراچی میں علمائ، طلبہ، ان کے قارئین اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ہزاروں افراد نے ان کی نماز جنازہ ادا کی۔ بعد ازاں میت ان کے آبائی شہر جھنگ روانہ کردی گئی، جہاں بدھ کے روز ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں علمائ، ادیبوں، شاعروں، وکلاء، صحافیوں، دانشوروں، تاجروں، اساتذہ، اسکالرز، مصنفین اور ہر مکتب مفکر کے ہزاروں افراد نے شرکت کی، جس کے بعد انہیں آدھیوال کے مقامی قبرستان میں سپرد خاک کردیا گیا۔ اردو زبان میں بچوں کے ادب کے سب سے بڑے قلمکار اشتیاق

احمد کی وفات ایک عظیم سانحہ ہے۔ ان کی رحلت سے اردو ادب میں جو خلا پیدا ہوا ہے، اس کا بھرنا فی الحال بے حد مشکل نظر آتا ہے۔ ان کا اس دار فانی سے رخصت ہو جانا ادب کا بڑا نقصان ہے۔ انہوں نے اس قوم کے لیے بہت بڑا ادبی سرمایا چھوڑا ہے۔ ابن صفی کے ہوتے ہوئے جاسوسی ناول نگاری میں اپنا نام و مقام منوایا۔ بچوں کو غیر ضروری اور لغو ادب کے مقابلے میں ایک مثبت اور تعمیری سوچ میں گوندھی ہوئی تحریریں دیں، جن کو پڑھ کر ہر قاری ان کا گرویدہ ہوا۔ صرف بچے ہی نہیں، بلکہ خواتین، بوڑھے اور جوان بھی ان کی تحریریں کے مداح ہیں۔ ملک کی تین نسلیں ان کی تحریریں پڑھتے ہوئے جوان ہوئیں۔ بچپن میں ان کے ناولوں کو پڑھ کر اردو ادب سے دوستی کرنے والے ادیبوں، شاعروں، صحافیوں، کالم نگاروں، علماء اور متعدد کتابوں کے مصنفین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ اشتیاق احمد ایک عظیم انسان تھے۔ ان کے چاہنے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ وہ 71 سال اس فانی دنیا میں گزارنے کے بعد ایسے دیس کے باسی بن چکے ہیں، جہاں سے آج تک کوئی واپس نہیں آیا، لیکن انہوں نے جو عظیم کام کیا، اس بنا پر وہ ہمیشہ لاکھوں انسانوں کے دلوں میں زندہ رہیں گے۔ ملک کی کئی ادبی، سیاسی، دینی اور مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی شخصیات نے ان کی وفات پر گہرے دکھ کا اظہار کیا ہے۔ مرحوم نے 5 بیٹے، 3 بیٹیاں اور بیوہ سوگوار چھوڑے۔ اشتیاق احمد 12 سال روزنامہ اسلام سے وابستہ رہے۔ انہوں نے 2001ء میں روزنامہ اسلام کے میگزین "بچوں کا اسلام" کی

ادارت سنبھالی اور اپنی وفات تک میگزین کی ادارتی ذمے داریاں بہ حسن وخوبی ادا کرتے رہے۔ وہ بچوں کا اسلام کا تمام مواد ایڈٹ کرنے کے ساتھ ساتھ میگزین کے لیے عبداللہ فارانی، سرور مجذوب سمیت کئی کئی قلمی ناموں سے تاریخی اور سماجی موضوعات پر کہانیاں اور مضامین بھی لکھتے تھے۔ "بچوں کا اسلام" کے اجراء سے قبل وہ روزنامہ اسلام میں "مکالمہ" اور ہفت روزہ ضرب مومن میں "امید" کے مستقل عنوان سے سیاسی و دینی موضوعات پر ہلکے پھلکے کالم لکھا کرتے تھے۔ ان کے زیر ادارت بچوں کا اسلام" نے مقبولیت کا ریکارڈ قائم کیا اور ملک کے گوشے گوشے میں ہر طبقے" میں اشتیاق سے پڑھا جانے لگا، جس کا اعتراف ملک کی موقر ادبی تنظیموں اور اداروں نے بھی کیا۔ اس عرصے میں بچوں کا اسلام نے کئی بار دعوہ اکیڈمی سے بچوں کے بہترین میگزین کا ایوارڈ بھی جیتا۔

معروف ادیب و جاسوسی ناول نگار اشتیاق احمد نے زندگی کی 71 بہاریں دیکھیں۔ 1944ء میں بھارتی ریاست پانی پت کے ضلع کرنال (مشرقی پنجاب) میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد ان کا خاندان بھارت سے ہجرت کرکے پاکستان کے شہر جھنگ میں آ کر آباد ہوا اور جھنگ صدر میں سکونت اختیار کی۔ ابتدائی تعلیم شیخ لاہور پرائمری اسکول سے حاصل کی۔ اشتیاق احمد نے صرف میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی۔ انہوں نے زندگی کی سختیاں برداشت کیں۔ میونسپل

کارپوریشن لاہور میں ایک عرصے تک محض 100 روپے ماہوار پر ملازمت کی، جبکہ اس کے ساتھ ساتھ چھولہ چاٹ کی ریڑھی بھی لگائی اور پان، سگریٹ کا کھوکا بھی چلایا۔
اشتیاق احمد ایک جگہ خود بتاتے ہیں: "میونسپل کارپوریشن کی ملازمت میں رشوت کا دور دورہ تھا، متنفر ہو کر ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ان دنوں میرے پاس کچھ کام نہیں تھا۔ بہت پریشان ہوا۔ ایک دن وضو کیا، دو رکعت ادا کی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ یوں گویا ہوا: "میرے مالک: آپ کا تو وعدہ ہے، جو شخص حرام روزی چھوڑتا ہے، آپ اسے حلال راستے سے اس سے زیادہ عطا کرتے ہیں۔ آپ اپنا وعدہ پورا کریں نا۔" یہ الفاظ میں نے بالکل ایسے انداز میں کہے جیسے سامنے بیٹھے کسی شخص سے کہے ہوں۔ آنکھوں میں آنسو تھے اور ابھی دعا ختم نہیں کی تھی کہ میری نظر کمرے کے فرش پر پڑے ایک تہہ کیے ہوئے کاغذ پر پڑی۔ پہلے تو اس کاغذ پر توجہ نہ دی۔ اٹھا کر اس کی تہہ کھولی تو شیخ غلام علی اینڈ سنز کے منیجر ملک رب نواز کا رقعہ تھا، جو دروازے کی نیچے سے فرش پر ڈال دیا گیا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا: "آپ سے ضروری کام ہے، فوراً ملیں" میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ دوسرے دن صبح ان سے ملا تو کہنے لگے۔ "آپ ہمیں انسپکٹر جمشید سیریز کے بارہ ناول لکھ کر دے دیں اور جگنو کی ادارت پھر سے سنبھال لیں۔" میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اللہ تعالیٰ سے کہا: "باری تعالیٰ آپ کا وعدہ سچا ہے۔" اور یہیں سے میرے ناولوں کے دور کا آغاز ہوا۔ یہاں تک کہ اپنا پبلشنگ کا ادارہ قائم کرنے کے قابل ہوا۔ اشتیاق

احمد کی پہلی کہانی 1960ء میں ہفت روزہ قندیل میں شایع ہوئی۔ 1970ء میں میونسپل کارپوریشن میں ملازمت کے دوران کہانیاں لکھنا شروع کیں اور بہت کم عرصے میں مقبول لکھاری بن گئے۔ اشتیاق احمد کو اردو زبان کی تاریخ میں بچوں کے ادب میں سب سے زیادہ لکھنے کا اعزاز حاصل ہے۔ انہوں نے بچوں کے لیے "غار کا سمندر" کے عنوان سے 2000 صفحات پر مشتمل سب سے بڑا ناول لکھا۔ ان کے دیگر معروف ناولوں میں "سازش کا اژدہا"، "باطل قیامت"، "وادی مرجان"، "جاپانی فتنہ"، جبکہ اظہر سیریز" کے عنوان سے اسلامی تاریخ پر کئی ناول لکھے۔ ان کے شائع کردہ خاص" نمبروں میں "دنیا کے قیدی"، "جیل کی موت"، "جزیرے کا سمندر" وغیرہ نے شہرت حاصل کی۔ "جاپانی فتنہ" کے عنوان سے منکرین ختم نبوت پر لکھے گئے ناول میں "مرزا خاسر" کا کردار بہت معروف ہوا۔ ان کا شہرہ آفاق ناول "وادی مرجان" بھی اسی موضوع کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ دو ناول دینی حلقوں میں بے حد مقبول ہوئے۔ بچوں اور بڑوں میں یکساں مقبول تھے اور انہوں نے ہزاروں کہانیاں، مختلف موضوعات پر 100 بڑی کتابیں اور 800 سے زیادہ ناول لکھے، جن میں کچھ رومانی اور بیشتر جاسوسی ناول تھے۔ ان کے 15 سے زاید ناول طباعت کے آخری مراحل میں ہیں۔ اشتیاق احمد کے جاسوسی ناولوں کو ہر حلقے میں بھرپور پذیرائی اور مقبولیت حاصل ہوئی، لیکن ان کے انسپکٹر جمشید سیریز" کے جاسوسی ناولوں نے انہیں شہرتِ دوام بخشی۔ اس سیریز کے" چند کردار اس قدر عام ہوگئے کہ لوگوں کی زندگی کا حصہ بن گئے۔

اشتیاق احمد نے اپنا پہلا ناول صرف تین دن میں مکمل کیا۔ انہوں نے ہزاروں کہانیاں اور سیکڑوں ناول لکھے۔ ان کی پہلی بیس کہانیاں بچوں کے لیے تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے بڑوں کے لیے لکھنا شروع کیا، اس وقت ان کی اپنی عمر سولہ سال تھی۔ ابتدا میں ان کی تحریریں رومانی ادب کا احاطہ کرتی تھیں، ان کی پہلی رومانی کہانی کا عنوان "شمع" تھا، جو کراچی کے ایک رسالے میں شایع ہوا۔ اس کے بعد سیارہ ڈائجسٹ میں" لکھنا شروع کیا۔ سیارہ ڈائجسٹ میں تین چار کہانیاں شایع ہوگئیں تو اردو ڈائجسٹ میں لکھنے لگے۔ سیارہ ڈائجسٹ میں 100 روپے ماہوار پر بطور پروف ریڈر کام کیا۔ 1971ء میں ایک رومانی ناول "منزل انہیں ملی" لکھا۔ ناول چھاپنے کے بعد پبلشر کی فرمائش پر بچوں کے لیے جاسوسی ناول لکھنے کا آغاز کیا اور پہلا ناول تین دن میں لکھا، اس ناول کے کردار محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید تھے، جنہوں نے اشتیاق احمد کو لافانی شہرت عطاء کی۔ اشتیاق احمد کا پہلا ناول "پیکٹ کا راز" تھا۔ ناول نگار کے طور پر شناخت بننے کے بعد شیخ غلام علی اینڈ سنز نے اپنے ماہنامہ "جگنو" کی ادارت کے لیے ان کی خدمات مستعار لیں۔ اس دوران انہوں نے کہانیوں کی دو سو کتابیں لکھیں۔ 80 کے عشرے میں شراکت پر طباعتی ادارہ "مکتبہ اشتیاق" قائم کیا اور ہر ماہ چار ناول لکھ کر اس سے شائع کرتے رہے۔ بعدازاں "اشتیاق پبلی کیشنز" کے نام سے اپنا الگ ادارہ قائم کیا اور اس کے لیے ہفتے

میں ایک ناول لکھتے رہے۔

ایک انٹرویو میں ہزاروں کہانیاں لکھنے والے اشتیاق احمد خود اپنی کہانی بیان کرتے ہیں:
پہلی کہانی لکھی اور چھپ گئی۔ دوسری کہانی لکھی، وہ بھی چھپ گئی۔ تیسری کہانی لکھی، وہ بھی چھپ گئی۔ اوپر تلے پندرہ بیس کہانیاں شایع ہوگئیں تو جی میں آئی کہ بچوں کے لیے بہت کہانیاں لکھ لیں، اب بڑوں کے لیے لکھنا چاہیے، حالاں کہ خود ابھی سولہ سال کا تھا۔ رومانی کہانی لکھی۔ کراچی سے نکلنے والے ایک رسالے "شمع" کو افسانہ بھیج دیا۔ انہوں نے وہ شایع کر دیا۔ اوپر تلے چھے سات افسانے انہیں لکھ کر ارسال کر دیے، انہوں نے سب کے سب شایع کر دیے۔ ایک افسانہ سیارہ ڈائجسٹ کو بھیجا۔ شایع ہوگیا اور ساتھ ہی مدیر معاون کا خط بھی آگیا کہ اور لکھ کر ارسال کریں۔ سیارہ ڈائجسٹ میں تین چار کہانیاں شایع ہوگئیں تو اردو ڈائجسٹ بھیجنے لگا۔ اردو ڈائجسٹ نے بھی کہانیاں شایع کر دیں۔ سیارہ ڈائجسٹ سے پیسے بھی ملنے لگے۔ اس کے ساتھ سیارہ ڈائجسٹ کے مدیر کو خط لکھ دیا کہ میری فلاں فلاں رسالے میں اتنی کہانیاں شایع ہو چکی ہیں، اپنے رسالے میں مجھے کوئی کام دیں۔ انہوں نے بلالیا اور سو روپے ماہوار پر پروف ریڈنگ کا کام دے دیا۔ پھر "منزل انہیں ملی" کے عنوان سے ایک رومانی ناول لکھا۔ یہ ناول لے کر "مکتبہ عالیہ" کے پاس گیا تو وہ ناول کو پڑھ کر کہنے لگے: "یہ ناول ہم بعد میں شایع کریں گے۔ پہلے آپ

بچوں کے لیے ایک ناول لکھ کر لائیں۔ ناول جاسوسی ہو اور سو صفحات سے زیادہ کا نہ ہو۔" گھر آیا اور جاسوسی ناول لکھنے لگا۔ ناول صرف تین دن میں تیار ہوگیا اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس ناول کے کردار محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید تھے۔ ناول کا نام "پیکٹ کا راز" رکھا۔ مکتبہ عالیہ نے اس کے 50 روپے دیے۔ یہ ناول 1972ء میں شایع ہوا۔ وہ ناول لے کر فیروز سنز چلا گیا۔ ہاتھ میں ایک اور ناول "آستین کا سانپ" کا مسودہ تھا۔ انہوں نے پیکٹ کا راز دیکھا، آستین کا سانپ پڑھ کر اسے شایع کرنا منظور کرلیا اور اس کے 300 روپے دیے۔ تیسرا ناول شیشے کا بکس لکھا، شیخ غلام علی اینڈ سنز نے اسے شایع کرنا منظور کرلیا۔ اس کے 300 روپے دیے، ساتھ ہی کہا: اور ناول لکھ لائیں۔" انہوں نے اوپر تلے بارہ ناول لکھوائے اور فیروز سنز نے بھی" دو تین اور ناول خرید لیے۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز کے منیجر نے پیغام بھیج کر بلوایا اور مجھے دو سو روپے ماہ وار پر اپنے رسالے ماہ نامہ "جگنو" کا مدیر بنادیا۔" اس دوران چھوٹے سائز کی کہانیوں کی دو سو کے قریب کتابیں بھی لکھوائیں۔ مرحوم اشتیاق احمد اب اس دنیا میں نہیں رہے، لیکن اردو ادب میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

عالمی برادری کا دہرا معیار

دہشت گردی دنیا کو درپیش خطرات میں سے ایک انتہائی بڑا اور مہیب خطرہ ہے، جس نے دنیا کے بہت سے ممالک کو تباہیوں اور بربادیوں کی دلدل میں دھنسا دیا ہے۔ لاکھوں زندگیاں اس خونخوار عفریت کی نذر ہو گئی ہیں۔ دہشت گردی کو انسانیت کی تباہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایک عرصے سے پوری دنیا دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے، جس سے مسلم ممالک سب سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ سے کچھ مسلم ممالک اپنا وجود تک برقرار نہیں رکھ سکے ہیں اور بعض ہزاروں جانوں کا نذرانہ دے کر اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ واقفان حال کہتے ہیں کہ اس حقیقت کو جھٹلانا آسان نہیں ہے کہ مسلم ممالک میں بدامنی وخونریزی کی آگ کو اسلام کے نام پر بھڑکانے والے عسکریت پسندوں نے مغرب کی چھتری تلے جنم لیا ہے، یہ لوگ اگرچہ مسلمان ہیں، لیکن ان کی ڈوریاں اہل مغرب کے ہاتھ میں ہیں۔ مغرب کے پیسے اور اسلحے سے چلنے والی بہت سی عسکریت پسند تنظیمیں انھیں کے اشاروں پر مسلم ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجانے میں مشغول ہیں۔ ایک طرف تو اہل مغرب نے مسلم ممالک میں خونریزی کرنے والی جماعتوں کو سپورٹ کیا اور دوسری جانب افغانستان و عراق سمیت متعدد مسلم ملکوں میں بمباری کرکے بے گناہ مسلمانوں کا بے تحاشہ خون بہایا، جس سے بہت سے مسلم ممالک نہ صرف عدم استحکام کا شکار ہوئے، بلکہ امن وسکون کو

بھی ترس گئے ہیں، لیکن اس سب کچھ کے باوجود کمال چالاکی کے ساتھ شاطر مغرب نے دہشت گردی کی ساری ذمے داری مسلمانوں پر ہی ڈال دی۔ داڑھی، حجاب اور شعائر اسلام کو بدنام کیا جانے لگا اور پوری دنیا میں یہ ڈھنڈورا پیٹا گیا کہ مسلمان ہی دہشت گرد ہیں۔

اپنے ہی اشاروں پر رقصاں چند سر پھرے مسلم دہشت گردوں کی آڑ میں دنیا بھر میں اسلام کو دہشت گردی سے نتھی کرکے مسلمان کی شناخت ایک دہشت گرد کے طور پر متعارف کروائی گئی۔ اس کے ساتھ خود یورپ میں مسلمانوں پر بلاجواز دہشت گردی کا ٹھپہ لگا کر ان کا جینا دوبھر کردیا گیا اور دیگر ممالک سے روزگار کی تلاش میں آئے ہوئے مسلمانوں کو زبردستی یورپ سے نکالا گیا، جن میں بڑی تعداد پاکستانیوں کی بھی ہے۔ گزشتہ دنوں وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ عالمی برادری دہرا معیار اپنانے سے باز رہے۔ حجاب اور داڑھی رکھنے والے دہشت گرد نہیں ہوتے۔ مغرب اس زاویے سے نکل کر اصل دہشت گردی کے خلاف جنگ کا بندوبست کرے۔ امریکا اور مغرب کی جانب سے بلاجواز پاکستانیوں پر دہشت گردی کا ٹھپہ لگا کر ملک بدر کرنے کو قبول نہیں کرینگے۔ گزشتہ دور حکومت سے لے کر اب تک 90 ہزار پاکستانی شہری غیر قانونی طور پر ڈی پورٹ ہو چکے ہیں۔"

وزیر داخلہ کا اہل مغرب سے شکوہ بالکل بجا ہے۔ ایک عرصے سے دنیا بھر میں اہل مغرب کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف غیر منصفانہ اور متعصبانہ رویے نے مسلمانوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا ہے اور عالم اسلام میں یہ شعور تیزی سے بیدار ہو رہا ہے کہ دنیا بھر میں دہشت گردی کو اسلام کے ساتھ نتھی کیا جا رہا ہے، جس کی بنیاد پر دنیا بھر میں بالعموم اور مغرب میں بالخصوص مسلمانوں کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مغرب اور اس کا سرخیل امریکا اس وقت جس نام نہاد دہشت گردی کے خلاف نبرد آزما ہیں، درحقیقت وہ مکر و فریب کا ایسا گورکھ دھندا ہے جس کی لپیٹ میں صرف اور صرف مسلمان آتے ہیں۔ حالانکہ دنیا بھر میں یہ دہشت گردی بھی انھیں کی پالیسیوں کی دین ہے اور متعدد مسلم ممالک میں خود مسلمان ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے ہیں۔ فلسطین سے لے کر کشمیر تک، افغانستان سے لے کر عراق تک، شام سے برما اور یمن سے پاکستان تک لہو لہو اسلامی دنیا، اہل مغرب کی استعماری پالیسیوں کی داستان الم تشرح کر رہی ہے۔ امریکا نے افغانستان، عراق اور پاکستان میں وزیرستان میں خونریز حملوں کے ذریعے لاکھوں لوگوں کی زندگیاں چھین لی ہیں۔ اسرائیل نے فلسطینیوں کی زمین پر قابض ہو کر ان کا ہی جینا حرام کر رکھا ہے۔ بھارت نے کشمیر میں ظلم و سفاکیت کی داستان رقم کرنے کے بعد خود بھارت میں مسلمانوں پر پ±رتشدد کارروائیاں جاری رکھی ہوئی ہیں۔ برما میں بودھوں نے

مظلوم مسلمانوں سے جینے کا حق چھین لیا ہے۔ سامراجی عزائم رکھنے والے ممالک مسلمانوں کے امن وامان کو تباہ کرکے ہر قسم کے ظلم و تشدد کو روا رکھتے ہیں اور بعد ازاں دہشت گردی کو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔ اگر اسرائیلی فوج فلسطینیوں پر اندھا دھند فائرنگ کرے اور بلڈوزروں سے ان کے گھروں کو مسمار کردیں تو یہ دہشت گردی نہیں اور اگر اس کے رد عمل میں نہتے فلسطینی پتھر اٹھا کر پھینک دیں تو دہشت گرد قرار پاتے ہیں۔

گزشتہ ساٹھ سالوں میں 96 ہزار کشمیری بھارتی فوج کے ہاتھوں شہادت پا چکے۔ کشمیریوں کی زندگی اجیرن ہو چکی لیکن اگر کشمیری عوام آزادی کا نعرہ لگاتے ہیں تو انھیں دہشت گردی قرار دیا جاتا ہے۔ افغانستان، عراق، برما اور دیگر کئی مسلم ممالک میں ظلم و ستم کی داستان رقم کرنے والے پر "امن" اور یہ مظالم برداشت کرنے والے مسلمان "دہشت گرد" ٹھہرتے ہیں۔ کیا کوئی بھی غیر جانبدار عقل اس کو انصاف کہہ سکے گی؟ یورپ اور امریکا میں ایک جملہ اکثر دہرایا جاتا ہے کہ سب مسلمان دہشت گرد نہیں ہیں، لیکن تمام دہشت گرد مسلمان ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل حقیقت کے بالکل خلاف ہے، اگر انصاف کا دامن تھاما جائے تو واضح ہو جائے گا کہ دنیا میں خونریزی کے چیمپیئن کون ہیں؟ دنیا میں پہلی بار دہشت گردی کا لفظ فرانسیسیوں نے استعمال کیا تھا۔

فرانسیسی انقلاب کے سالوں میں میکس ملن رابسپیری نے 5 لاکھ سے زاید افراد کو گرفتار کیا، جن میں سے 40 ہزار کو قتل کیا گیا اور دو لاکھ سے زائد کو بھوکا رکھ کر مارا گیا تھا۔ ہٹلر نے لاکھوں لوگ قتل کیے۔ جوزف اسٹالن نے 2 کروڑ افراد کو قتل کیا۔ اٹلی کے بنیتو موسولینی نے چار لاکھ افراد کو قتل کیا۔ "گلوبل ڈیٹا بیس ٹیرر ازم" کے اعداد و شمار کے مطابق اگر 1970 سے 2007 کے دوران پوری دنیا میں ہونے والی دہشت گردی کا جائزہ لیا جائے تو مجموعی طور پر دنیا بھر میں دہشت گردی کے 87000 واقعات ہوئے، جن میں سے 2695 یعنی 3 فیصد واقعات خود کو مسلمان کہلانے والے لوگوں نے کیے۔ نائن الیون کے واقعات کے بعد امریکا اور مغرب نے اسلام کے خلاف ایسی دھول اڑائی کہ اہل مغرب سے حقائق پوشیدہ ہوگئے اور مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی کا پروپیگنڈا کیا گیا، حالانکہ مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگانے والوں کی گردنوں پر کروڑوں انسانوں کا خون ہے۔ امریکیوں کی گردنوں پر کروڑوں ریڈ انڈینز کا خون ہے، جن کو قتل کرکے ان کی لاشوں کو بحر اوقیانوس میں پھینک دیا گیا تھا۔ کروڑوں انسانوں کا خون کرنے والے آج دنیا میں سب سے زیادہ مہذب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور چند واقعات کی بنا پر اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے رہے ہیں، جو سراسر انصاف کا قتل ہے۔

دم توڑتی ایک مثبت روایت

دنیا سے سب نے جانا ہے، اشتیاق احمد مرحوم بھی 71 سال اس فانی دنیا میں گزار کر ایسے دیس کے باسی بن گئے، جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا، لیکن اپنے پیچھے اپنے مداحوں کی ایک بڑی تعداد چھوڑ گئے، جن کے دلوں میں وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اپنی زندگی میں پہلی بار کسی لکھاری کی موت پر خلق خدا کو اس قدر غمگین پایا، اس پہلے بھی ایسا ہوا ہوگا لیکن میں نے عقیدت و احترام کا یہ منظر پہلی بار دیکھا ہے۔ جب اردو زبان میں بچوں کے سب سے بڑے ادیب اشتیاق احمد مرحوم کی رحلت کی خبر سننے کے بعد فیس بک پر آیا تو منظر ہی عجیب تھا۔ معلوم ہوتا تھا فیس بک پر ہر شخص اشتیاق احمد مرحوم کی جدائی کے غم میں مبتلا ہے۔ ان کی وفات کے بعد دو دن سیکڑوں پوسٹیں مرحوم کو خراج تحسین پیش کرتی نظر آئیں۔ نئے، پرانے، چھوٹے، بڑے لکھاریوں کی ایک بڑی تعداد اشتیاق احمد مرحوم سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتی دکھائی دی۔ کوئی نثر میں ان کی ذات کو سلام پیش کر رہا تھا تو کوئی شاعری میں، غرض جس کے پاس جو فن تھا، اس نے اسی فن میں اشتیاق احمد مرحوم سے محبت کا اظہار کیا۔ مرحوم کے مداحوں کی ایک بڑی تعداد کا کہنا تھا کہ اشتیاق احمد مرحوم کی کہانیاں اور ناول پڑھ کر ہمیشہ کے لیے "مطالعہ کا روگ" لگ گیا، جبکہ بہت سوں نے اشتیاق احمد مرحوم کی کہانیوں اور ناولوں کو

اپنے لکھاری بننے کا باعث بتایا۔ میں نے تو وہ بیان کیا جو خود پڑھا، لیکن دنیا میں ان کے مداحوں نے نجانے کتنی بڑی تعداد نے کن کن الفاظ میں ان سے محبت کا اظہار کیا ہوگا۔ اللہ مرحوم کو غریق رحمت کرے۔

فیس بک استعمال کرنے والوں کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہے، جو بچپن سے نکل کر جوانی میں قدم رکھ چکی ہے یا اس سے بھی بڑی عمر میں ہیں، جو یقینا اپنے بچپن میں اشتیاق احمد مرحوم کی کہانیاں اور ناول پڑھ کے ان کی گرویدہ ہوئی ہے اور آج جوانی میں بھی ان کہانیوں اور ناولوں نے عقیدت کا یہ بندھن ٹوٹنے نہیں دیا۔ میں نے خود کئی بڑے علمائ، کالم نگاروں، صحافی حضرات اور مصنفین کو اشتیاق احمد مرحوم کا مداح پایا۔ آج کی کئی بڑی بڑی شخصیات سے خود سنا کہ ہم بچپن میں اشتیاق صاحب کی کہانیاں اور ناول پڑھا کرتے تھے، جس کے باعث مطالعہ کا ذوق پیدا ہوا، لیکن جب آج ٹیکنالوجی کے جدید دور میں اس پہلو پر غور کیا جائے تو افسوس ہوتا ہے، کیونکہ اب کہانیاں پڑھنے، سننے اور سنانے کا رواج دم توڑتا جا رہا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی نے بچوں کے ہاتھ سے تعمیری کہانیاں اور ناول چھین کر ان کو موبائل، فیس بک، ٹوئیٹر، واٹس اپ اور دیگر بہت سی چیزوں میں مگن کر دیا ہے۔ زمانہ جس تیزی سے فرلانگیں بھرتا ہوا آگے کی جانب دوڑ رہا ہے، اسی تیزی سے ہماری بہت سی مفید روایات دم توڑتی جا رہی ہیں، جس میں کہانیاں سننا، سنانا اور پڑھنا بھی شامل ہے۔ بچوں کی تربیت کے حوالے سے

ان کو بامقصد و مفید کہانیاں سنانے کا سلسلہ ایک زمانے سے نسل در نسل منتقل ہوتا آیا ہے، لیکن اب یہ سلسلہ تقریباً منقطع ہو چکا ہے۔ بچپن میں اچھی اچھی کہانیاں سننا انتہائی زیادہ مفید ہے۔ بچوں کو کہانیاں سنانے کا سلسلہ انسانی فطرت اور جذباتی میلانات سے قریب تر تربیت کا باقاعدہ اور غیر نصابی طریقہ ہے۔ کہانیوں کے ذریعے بچوں کی تربیت کا یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہو جاتا ہے، جب ایک بچہ بات سن کر اپنے تئیں سمجھنے لگتا ہے اور اپنے عمل اور ٹوٹی پھوٹی اور توتلی زبان اور اشاروں سے اس کا جواب بھی دینے لگتا ہے۔ اشتیاق احمد مرحوم کی تعمیری اور مثبت انداز میں لکھی گئی کہانیوں اور ناولوں نے نجانے کتنے بچوں کی تربیت کی۔ چھوٹے بچوں کے ذہن چونکہ نرم شاخوں کی مانند ہوتے ہیں، انھیں جس جانب بھی موڑا جائے یہ مڑ جاتے ہیں اور کوئی بھی بچہ کسی بات کو سن کر یا پڑھ کر فوراً اپنے تصور کی مدد سے اسے محسوس کرتا اور اپنے ذہن میں ان الفاظ یا چیزوں کی کوئی نہ کوئی شبیہ بنا لیتا ہے، اشتیاق احمد مرحوم اور بچوں کے لیے تعمیری لکھنے والے بہت سے لکھاریوں نے اسی چیز کو سامنے رکھتے ہوئے غیر شعوری طور پر بچوں کی تربیت کی، جو بڑے ہو کر ملک و قوم کے لیے ایک اچھے شہری ثابت ہوئے۔

مطالعے کے قابل ہونے سے پہلے کہانیاں سننا خاصا کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ کہانیوں کے ذریعے بچوں کو سکھانے اور سمجھانے کا یہ نہایت دلچسپ اور مفید

سلسلہ بچے کے چشم تصور سے اسے ایسی دنیا کی سیر کرا رہا ہوتا ہے، جہاں وہ اپنی بہترین توجہ کے ساتھ بہت سی نئی چیزوں اور نئی باتوں کو سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اس کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ اور مختلف کیفیات کا ادراک ہوتا ہے اور خود بخود پھر ان الفاظ کے لیے معانی، شکلیں اور ان کا اچھا یا برا ہونا بھی طے کر رہا ہوتا ہے۔ بچپن میں تعمیری کہانیاں پڑھنے اور سننے سے منطقی انداز میں بچے کی تربیت ہوتی رہتی ہے۔ بچپن میں سنائی جانے والی کہانیوں سے زبان و بیان کی تربیت اور تخیلاتی قوت بہت تیز اور فعال ہو جاتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں ہمیشہ سے مائیں اپنے بچوں کی کافی حد تک تربیت بامقصد و مفید کہانیاں سنا کر ہی کرتی آئی ہیں۔ اگرچہ اس وقت مائیں کچھ زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہوتی تھیں، لیکن اپنے بچوں کی تربیت سے کبھی بھی لاپروا نہیں رہیں، لیکن آج کل کی مائیں اگرچہ ماضی کی ماؤں سے کہیں زیادہ تعلیم یافتہ ہیں، لیکن بچوں کی تربیت کے معاملے میں خاصی کمزوری نظر آتی ہے۔ ماضی میں صرف ناظرہ قرآن پڑھی ہوئی مائیں بھی بچوں کو طلسم ہوش ربا اور الف لیلہ جیسی کہانیاں سناتی تھیں۔ ان کہانیوں سے بچوں کی ذہنی صلاحیتیں، سیکھنے کے عمل اور توجہ مرکوز کرنے کی صلاحیت میں کافی حد تک اضافہ ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہماری ثقافت و روایات بھی اجاگر ہوتی تھیں۔ یہ اس کی تربیت کا ایک موثر طریقہ تھا۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اچھے برے اور صحیح غلط کی تربیت میں سکھانے کے لیے نصیحتوں سے زیادہ اہم کردار مختلف قصوں اور کہانیوں کا

ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایک دور وہ بھی گزرا ہے جب صرف گھر میں مائیں ہی نہیں بلکہ اسکولوں میں اساتذہ بھی بچوں کو مختلف قسم کی سبق آموز کہانیاں سنایا کرتے تھے، جس کا مقصد تدریس کے ماحول کو طلبا کے لیے دل چسپ بنانا اور انھیں ایک مثبت چیز کی طرف مائل کرنا ہوتا تھا۔

جب ہمارے یہاں ذرایع ابلاغ کی ترقی شروع ہوئی تو بچوں کی کہانیوں کے آڈیو کیسٹوں کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ جو مائیں خود بچوں کو کہانیاں نہیں سنا پاتی تھیں، انھیں یہ سہولت ملی کہ وہ بچوں کو سنانے کے لیے بازار سے مختلف کہانیوں کے یہ کیسٹ لے آتیں۔ یوں وہ باآسانی اپنی مصروفیات جاری رکھتیں اور بچے بھی اپنی کہانی سننے میں محو رہتے۔ روزمرہ کی مصروفیات کے باعث بچوں کی کہانی سننے کا یہ دور بھی کسی نعمت سے کم نہ تھا کہ کم سے کم انھیں بذریعہ آڈیو کیسٹ ہی سہی، اچھی کہانیاں سننے کو مل رہی تھیں، پھر رفتہ رفتہ یہ سلسلہ بھی دم توڑ گیا۔ کچھ بڑے بچوں میں کہانیاں پڑھنے کا بھی ایک دور رہا ہے، جس سے بچے میں خود بخود مطالعہ کرنے کا ذوق پیدا ہو جاتا تھا، جو آخر عمر تک رہتا تھا، لیکن اب تو سب کچھ ہی تبدیل ہوتا جا رہا ہے۔ بچے کہانیاں نہیں پڑھتے، جس ان میں مطالعہ کرنے کا ذوق آخر عمر تک پیدا نہیں ہوتا۔ اب کہانیاں سننے اور پڑھنے کی جگہ ٹی وی، انٹرنیٹ اور موبائل جیسی بے شمار چیزوں نے لے لی ہے۔

آج کل ہمارے یہاں بچے کہانی سن کر سونے کی بجائے ٹی وی

دیکھتے سوتے ہیں یا پھر موبائل سے کھیلتے ہوئے سونا چاہتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ طلبہ میں مطالعہ کا ذوق معدوم ہوتا جارہا ہے اور طلبہ اپنی نصابی کتب کے سوا کسی کتاب کو ہاتھ تک نہیں لگاتے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ بہترین ہو تو ہمیں اپنے بچوں کو اچھی کہانیاں سنانے اور پڑھنے کی عادت ڈالنے کی اہمیت کو مد نظر رکھنا ہوگا۔ جس سے یقیناً بچوں میں تحقیق و تجسس کی صلاحیت کی بڑھوتری کے ساتھ مطالعے کا ذوق بھی پروان چڑھے گا اور ان کا آنے والا کل آج سے بہت بہتر ہوگا۔

"اشتیاق احمد مرحوم اور داڑھی میں الجھے "دانشور

جو لوگ اپنی زندگی کو دوسروں کے لیے وقف کر دیتے ہیں، دنیا بھی انہیں اپنی زندگی کا حصہ بنالیتی ہے اور ان کے مرنے کے بعد بھی انہیں ہمیشہ اپنی یادوں میں زندہ رکھتی ہے۔ کون جانتا تھا کہ ایک غریب گھرانے میں آنکھ کھولنے والا "اشتیاق احمد" جب ہمیشہ کے لیے آنکھ بند کرے گا تو اپنے پیچھے لاکھوں مداحوں کو چھوڑ جائے گا۔ اشتیاق احمد مرحوم نے اس قوم کے بچوں کے لیے آٹھ سو سے زاید تعمیری ناول تحریر کیے، جو نہ صرف بچوں کی تفریح کا سامان بنے بلکہ بلا مبالغہ لاکھوں بچوں کو مطالعہ کا شیدائی بھی بنا گئے۔ ان میں آگے بڑھنے کی جستجو پیدا کی، ان کی تربیت کی اور غیر شعوری انداز میں آہستہ آہستہ ملک و قوم اور دین اسلام کے ساتھ محبت ان کے دلوں میں انڈیلتے رہے۔ یہ کہنا تو بہت آسان ہے کہ مرحوم نے آٹھ سو ناول لکھے ہیں، لیکن یہاں تک پہنچنے کے لیے کتنی محنت درکار ہے، اس کا اندازہ صرف آٹھ سو تک گنتی گن کر ہی ہو سکتا ہے کہ کتنی دیر لگتی ہے۔ اشتیاق احمد مرحوم کا 1970ء میں شروع ہونے والا ادبی سفر تسلسل کے ساتھ 2015ء تک جاری رہا۔ اتنا طویل عرصہ مستقل مزاجی سے بچوں اور نوجوانوں کے لیے ادب تخلیق کرنا، لاکھوں لوگوں کو کتاب سے جوڑنا اور آخر دم تک ان کے دلوں پر راج کرنا آسان کام نہیں ہے۔ لگ بھگ پانچ دہائیوں تک اس ہنر کو

سلامت

رکھنا یقیناً ایک عظیم کارنامہ ہے۔ تین نسلیں ان کی تحریریں پڑھتے ہوئے جوان ہوئیں۔ بچپن میں ان کے ناولوں کو پڑھ کر اردو ادب سے دوستی کرنے والے ادیبوں، شاعروں، صحافیوں، کالم نگاروں، علماء اور متعدد کتابوں کے مصنفین کی ایک بڑی تعداد ہے۔ اشتیاق احمد مرحوم ایک عظیم ادیب تھے، انہوں نے اس قوم کے لیے بہت بڑا ادبی سرمایا چھوڑا ہے۔ اس بنا پر وہ ہمیشہ اپنے لاکھوں قارئین کے دلوں میں زندہ رہیں گے۔ اشتیاق احمد سے محبت کرنے والوں میں ہر طبقہ فکر کے لوگ موجود ہیں۔ جس نے بھی اشتیاق صاحب کو بچپن میں پڑھا ہے، وہ بڑا ہو کر بھی ان کی ذات کے حصار سے نہیں نکل سکا۔ اشتیاق احمد اس دنیا سے چلے گئے لیکن اپنے پیچھے اپنے چاہنے والوں کی ایک بڑی تعداد چھوڑ گئے۔ مرنے کے بعد جتنا احترام اشتیاق احمد کا دیکھنے میں آیا ہے، شاید ہی کسی لکھاری کے مرنے کے بعد ایسا ہوا ہو، ہر فرد نے اپنے تئیں ان سے محبت کا اظہار کیا ہے۔ یوں تو مرنے کے بعد ہر مسلمان کو اچھے لفظوں سے یاد کیا جانا چاہیے، کیونکہ یہی عقل سلیم کا تقاضا اور یہی ہمارے دین کی تعلیم ہے، لیکن دنیا میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں، جن کا کام صرف اور صرف تنقید کرنا ہے۔ مثبت کام کو بھی منفی نظر سے دیکھ کر طعن و تشنیع کے تیر سنبھالنا ان کی فطرت ہے۔ ابھی اشتیاق احمد مرحوم کا کفن میلا بھی نہ ہوا تھا کہ اس قبیل کے بعض "دانشور" لکھاری

اشتیاق احمد کی ذات کو صرف داڑھی رکھنے کے "جرم" میں متنازعہ بنانے پر تل گئے اور صرف ان کی ڈاڑھی کی وجہ سے ان کی 45 سالہ ادبی خدمات پر پانی پھیرنے کی کوشش کرنے لگے، لیکن جہاں ایک طرف ان خودساختہ دانشوروں نے تین نسلوں کو متاثر کرنے والے عظیم ادیب کو صرف داڑھی رکھنے کے جرم میں سنگ دشنام اور تیر الزام کا ہدف بنانا اپنا فرض جانا ہے، وہیں دوسری جانب مختلف چینلز اور اخبارات نے اشتیاق احمد مرحوم کی خدمات کا اعتراف کرکے ان خودساختہ دانشوروں کی لن ترانیوں کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ اشتیاق احمد مرحوم داڑھی کے ساتھ بھی اسی طرح ادیب تھے، جس طرح داڑھی کے بغیر ادیب تھے، ان کی داڑھی کو "جرم" بنادینا تو مرعوبیت کے مارے ہوئے کچھ سطحی اور بیمار سوچ کے حامل افراد کا کام ہے، جو کسی بڑی شخصیت پر بھونڈی تنقیدوں کے ذریعے اپنا قد اونچا کرنے کی سعی لاحاصل میں مگن ہیں۔

ان خودساختہ دانشوروں کو صرف اسی بات کی تکلیف ہے کہ ایک داڑھی والے ادیب کو اتنی عزت کیوں ملی؟ حالانکہ اگر داڑھی اور ٹوپی کی وجہ سے اشتیاق احمد کے ناولوں کے معیار میں کمی آئی ہو تو اس صورت میں ان کے فن پر تنقید کی جاسکتی ہے، لیکن جب داڑھی اور ٹوپی ان کے فن میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے تو اس کے باوجود ان کو متنازعہ بنانے کی کوشش کرنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ اشتیاق احمد کو عزت اپنے کام کی وجہ سے ملی ہے، کوئی داڑھی والا یا بغیر داڑھی

والا اس قدر کام کرے تو اس کو بھی وہی عزت ملے گی جو اشتیاق احمد کو ملی ہے، جبکہ خودساختہ دانشوروں کا کہنا ہے کہ مذہبی طبقے نے اشتیاق احمد کو صرف داڑھی کی وجہ سے عزت دی ہے، ورنہ عبداللہ حسین، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر کو بھی وہی مقام ملتا جو اشتیاق احمد کو دیا ہے۔ اس کو بے وقت کی راگنی ہی قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ ہر چیز اپنے موقع پر ہی اچھی لگتی ہے۔ اب اشتیاق احمد کا انتقال ہوا ہے، اس لیے یاد بھی انہیں ہی کیا جائے گا، اشتیاق احمد کے انتقال کے موقع پر سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر کی رٹ لگانا جانا عقل سے بالاتر ہے۔ یقیناً سب باکمال ادیب تھے، لیکن اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ اشتیاق احمد کے انتقال پر بھی انہیں کے لیے "فاتحہ خوانی" کی جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مذہبی طبقے کو اشتیاق احمد کا "ادب" سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر کے "ادب" سے زیادہ پسند ہو، اس لیے زیادہ عزت بھی انہیں ملی ہے۔ ان "دانشوروں" کا داڑھی سے بیر دیکھ کر تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اگر ان کے محبوب ادیب ابن صفی بھی داڑھی رکھ لیتے تو یہ لوگ ان کو بھی "جاہل" قرار دے دیتے۔

آج کل کے خودساختہ فیس بکی دانشوروں کا حال تو یہ ہے کہ ایک اینٹ اٹھاؤ تو نیچے سے دس برآمد ہوتے ہیں۔ ان کا کام صرف اور صرف تنقید کرنا ہوتا ہے،

اپنی ریٹنگ بڑھانے کے چکر میں ایک متفقہ چیز میں بھی اختلاف کر ڈالتے ہیں۔ وہ ہر عمل کو صرف اپنی نظر سے دیکھتے ہیں اور پھر اس پر بحث کرتے ہوئے صرف اپنی ذاتی پسند نا پسند کو ہی حتمی قرار دیتے ہیں۔ جو لوگ 35 سال صحافت میں رہ کر اپنا کوئی مقام پیدا نہ کر سکے ہوں، فیس بک پر آ کر وہی لوگ دانشور بن بیٹھے ہیں۔ فیس بک پر جو مذہب کو جتنا زیادہ استعمال کرتا ہے وہ اتنا ہی بڑا دانشور سمجھا جاتا ہے اور بلاوجہ مذہب، داڑھی اور ٹوپی پر طعن و تشنیع کرنے والا تو "پہنچا ہوا دانشور" ہے، اس لیے بہت سے لوگ دانشور بننے کے لیے بات بے بات داڑھی کو نشانے پر رکھتے ہیں، کیونکہ اسی حربے سے ان کی دکان چلتی ہے۔ اسی حربے کو استعمال کرتے ہوئے بعض خود ساختہ دانشوروں نے اشتیاق احمد کی داڑھی میں بھی ناحق الجھنے کی کوشش کی ہے۔ انہیں اس سے پہلے آئینے میں اپنے چہرے پر دھری ہوئی ڈاڑھی کی "تہمت" پر بھی کچھ توجہ دینی چاہیے تھی!!

بنگلا دیش میں انصاف کا قتل.... عالمی برادری خاموش تماشائی

بنگلا دیش میں متحدہ پاکستان کے حامیوں کے خلاف حسینہ واجد کی انتقامی کارروائیوں کا سلسلہ دراز تر ہوتا جارہا ہے۔ حسینہ واجد کی حکومت نے 71ء کی جنگ میں پاکستان توڑنے پر منتج ہونے والی تحریک مکتی باہنی کی مزاحمت کرنے والے اس وقت کے پاکستانی بنگالی سیاسی قائدین اور کارکنوں کے خلاف 45 سال قبل کے اس واقعہ کی بنیاد پر غداری کے مقدمات چلانے اور ان مقدمات میں سزائے موت دینے کا سلسلہ گزشتہ سال سے شروع کر رکھا ہے۔ اسی "جرم" میں بنگلا دیش کی حکومت نے بنگلا دیش کے دو بزرگ اپوزیشن رہنماؤں علی حسن مجاہد سیکرٹری جماعت اسلامی بنگلا دیش اور صلاح الدین قادر قائد نیشنل پارٹی بنگلا دیش کو تختہ دار پر چڑھا دیا اور یوں بنگلا دیشن میں شہادت کے منصب پر فائز ہونے والے اکابرین کی تعداد 9 ہو گئی ہے، جن میں جماعت اسلامی کے زعما بطور خاص قابل ذکر ہیں، جنہوں نے پاکستان کو توڑنے کی کوششوں کی بطور محب وطن سیاسی رہنما مزاحمت کی۔ بھارتی شہ پر حسینہ واجد کی حکومت میں بنگلا دیش میں جماعت اسلامی کے معمر سربراہ غلام اعظم کو بھی نہ بخشا گیا، ان پر جنگی جرائم کے الزامات عاید کرکے انہیں 90 برس قید کی سزا سنائی گئی۔ دسمبر 2013ء کو جماعت اسلامی کے اہم رہنما عبدالقادر ملا کو بھی پھانسی

دے دی گئی۔ نومبر 2014ء میں جماعت اسلامی کے سینئر رہنما میر قاسم علی کو بھی سزائے موت سنائی گئی۔ اپریل 2015ء میں جماعت اسلامی بنگلا دیش کے نائب سیکرٹری قمر الزمان کو ڈھاکا میں پھانسی دے دی گئی، ان پر بھی 1971ء کی نام نہاد جنگِ آزادی میں جنگی جرائم میں مرتکب ہونے کا الزام تھا، جبکہ مطیع الرحمٰن نظامی کو بھی بنگلا دیشی ٹریبونل کی جانب سے سزائے موت مل چکی ہے اور ان کی اپیل سپریم کورٹ میں زیرِ سماعت ہے۔ جبکہ اس وقت جماعت اسلامی بنگلا دیش کے عہدیداران میر قاسم علی، مولانا عبدالسبحان اور اظہار الاسلام سمیت 30 ہزار کے قریب اپوزیشن کے سیاست دان اور کارکنان پاکستان کے ساتھ وفاداری کے جرم میں جیلوں میں پڑے اپنے خلاف مقدمات بھگت رہے ہیں۔ اس طرح گزشتہ ایک سال سے بنگلا دیش میں ایک ایسے جرم میں حکومت کے مخالفین کی گرفتاریوں اور انہیں موت کی سزائیں دینے کا سلسلہ جاری ہے، جو وقوعہ کے وقت جرم میں شمار ہی نہیں ہوتا تھا۔

بنگلا دیشی حکومت نے اس انتقام کو قانونی جواز فراہم کرنے کی خاطر ایک نام نہاد انٹرنیشنل وار کرائمز ٹریبونل" کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ اس ٹریبونل کی تمام کارروائی" بین الاقوامی قانونی ضابطوں اور انصاف کے تقاضوں کو پامال کرکے چلائی جارہی ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل سمیت انسانی حقوق کی متعدد بین الاقوامی تنظیمیں اس ٹریبونل کی تشکیل، ساخت اور طریقِ کار کو ہدفِ تنقید

بنا چکی ہیں۔ یہ تمام کارروائی بنیادی طور پر پاکستان کے ازلی دشمن بھارت کی ایما پر ہو رہی ہے، جو 1971ء میں مشرقی پاکستان کے خلاف اپنی جارحیت کی مزاحمت کرنے والے پاکستانیوں کو نشانِ عبرت بنانے پر تلا ہوا ہے۔ بنگلا دیش کی موجودہ وزیراعظم شیخ حسینہ واجد کے احکامات پر قائم کیے گئے ٹریبونلز کا مقصد 1971ء کی بنگلا دیش کی نام نہاد جنگِ آزادی کے دوران ہونے والے جنگی جرائم کا جائزہ لینا ہے۔ شیخ مجیب الرحمٰن کی بیٹی شیخ حسینہ واجد پاکستان کے بارے میں انتہائی متعصبانہ رویے کا اظہار کرتی چلی آ رہی ہیں اور نام نہاد عدالتوں کے ذریعے 1971ء میں پاکستان سے وفاداری نبھاتے ہوئے وطن کی حفاظت کرنے والوں کو تختہ دار پر لٹکا رہی ہیں۔

بنگلادیش میں پاکستان سے محبت کے "جرم" میں بھارتی ایما پر دو رہنماؤں کو تختہ دار پر چڑھائے جانے پر وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان نے کہا کہ میں انتہائی رنجیدہ ہوں کہ ہم ان لوگوں کے لیے کچھ نہ کر سکے جن کا قصور صرف اتنا ہے کہ انہوں نے آج سے 45 سال قبل اپنے وطن پاکستان سے وفاداری نبھائی اور اس وقت کی آئینی اور قانونی حکومت کا ساتھ دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ بنگلا دیش میں انسانوں کا قتل عام ہو رہا ہے، مگر انسانی حقوق کے بین الاقوامی ادارے اس قتل عام پر خاموش ہیں۔ بنگلا دیش میں انسانیت کے قتل اور پاکستانیت سے انتقام کی آگ کو اب ٹھنڈا ہو جانا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ

بنگلا دیش میں ایک گروہ دونوں ممالک کے عوام میں بھائی چارے کی فضا بحال ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ ہمیں اندازہ ہے کہ اس گروہ کے پیچھے کون ہے اور 1970-71 کے واقعات کے پیچھے اس کا کیا کردار تھا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایک پاکستانی ہونے کے ناطے وہ محسوس کرتے ہیں کہ جو کچھ بنگلا دیش میں ہو رہا ہے، وہ اخلاقیات، بین الاقوامی قوانین اور انسانی حقوق کی پامالی ہے۔ میں حیران ہوں کہ دنیا اور بالخصوص بین الاقوامی انسانی حقوق کے ادارے انصاف کے اس قتل پر خاموش کیوں ہیں؟۔ دوسری جانب دفتر خارجہ پاکستان نے بنگلا دیش میں معمر بنگالی سیاسی رہنماؤں کو پھانسی دیے جانے پر شدید دکھ اور تشویش کا اظہار کرتے ہوئے بنگلا دیش سے ماضی کو بھول کر آگے بڑھنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ ڈھاکہ میں پاکستانی ہائی کمشنر نے گزشتہ روز ان پھانسیوں پر بنگلا دیش حکومت کو پاکستان کا احتجاج بھی ریکارڈ کرایا، جس پر بنگلا دیش نے پاکستان پر الزام عاید کیا کہ وہ 1971ء کے جنگی جرائم میں ملوث دو اپوزیشن رہنماؤں کی پھانسیوں پر تنقید کرکے اس کے داخلی معاملات میں مداخلت کر رہا ہے۔

یہ طرفہ تماشا ہے کہ 9اپریل 1974ء کو پاکستان اور بنگلا دیش کے مابین ایک معاہدہ طے ہوا تھا جس کے تحت سقوط ڈھاکا کے بعد پاکستان کی سلامتی کے لیے مکتی باہنی کے خلاف جنگ لڑنے والے اس وقت کے بنگلا دیشی پاکستانیوں کے خلاف

بنگلا دیشی حکومت کی جانب سے درج کیے گئے غداری کے مقدمات ختم کرنے پر شیخ مجیب الرحمٰن کی جانب سے رضامندی کا اظہار کیا گیا تھا۔ یہ مقدمات 45 سال تک سرد خانے میں پڑے رہے اور اس دوران بنگلا دیش میں حکومتوں کی تبدیلی کا سلسلہ جاری رہا، لیکن حسینہ واجد نے بنگلا دیشن میں اقتدار میں آ کر بنگلا دیش میں "پاکستانیت" کو ختم کرنے کے لیے وہ کھیل کھیلنا شروع کر دیا ہے، جو پاکستان کی سالمیت کے درپے بھارت کا مطمع نظر ہے۔ غداری کے مقدمات کا جو معاملہ حسینہ واجد کے والد شیخ مجیب الرحمٰن نے خود حکومت پاکستان کے ساتھ باضابطہ معاہدہ کرکے طے کر دیا تھا، اسے حسینہ واجد اب گڑھے مردے کی طرح اکھاڑ کر زندہ کر رہی ہیں۔ مبصرین کے مطابق اس سارے معاملے کے پس پردہ محرکات میں بھارتی ہاتھ کارفرما ہے۔ بھارت بنگلا دیش کو عملاً اپنی کالونی بنا چکا ہے اور حسینہ واجد نے بنگلا دیش کی خودمختاری بھارت سرکار کے پاس گروی رکھ دی ہے۔ شیخ حسینہ واجد بھارت کے ساتھ ہمدردی اور دوستی کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔ گزشتہ دنوں بھارتی وزیراعظم نریندر مودی نے 1971 میں پاکستان کو توڑنے میں کردار ادا کرنے کا اعتراف کیا تو خوش ہو کر شیخ حسینہ واجد نے نریندر مودی کو اعلیٰ اعزاز سے نوازا تھا۔

دوسری جانب بنگلا دیش میں دو محب پاکستان رہنماؤں کو تختہ دار پر لٹکائے جانے پر چند کے سوا پاکستان کی تمام قومی اور بڑی سیاسی جماعتوں کے قائدین

کی زبانیں گنگ ہو گئی ہیں اور انسانی حقوق کے نام پر پیسے بٹورنے والی والی این جی اوز کی زبانوں پر بھی آبلے پڑ گئے ہیں، دوسری جانب عالمی برادری، اقوام متحدہ اور امن کی علمبردار این جی اوز اندھی، گونگی اور بہری ہو چکی ہیں۔ بنگلا دیش حکومت کی اس جابرانہ، متعصبانہ پالیسی کے خلاف انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ناطے بھی دنیا میں کہیں سے کوئی آواز بلند نہ ہوئی۔ حد تو یہ ہے کہ بنگلا دیش کے جو باشندے حسینہ واجد کی حکومت کے ہاتھوں اپنی پاکستانیت کی سزا بھگت رہے ہیں، ان کی لیے پاکستان کی جانب سے بھی حکومت کی سطح پر کسی عالمی فورم پر کوئی آواز نہ اٹھائی گئی۔ اگر پاکستان کی جانب سے بنگلا دیش میں 45 سال قبل کے مقدمات کے ٹرائل شروع ہوتے ہی احتجاج کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور حکومت اقوام متحدہ، او آئی سی، سارک تنظیم اور دوسرے عالمی و علاقائی تعاون کے اداروں سے رجوع کر لیتی تو شاید بنگلا دیش حکومت پر عالمی دباؤ پڑنے سے وہاں اپوزیشن لیڈروں کو تختہ دار تک لے جانے کی نوبت ہی نہ آتی۔

فری میسن.... امدادی سرگرمیوں کی آڑ میں صیہونی مقاصد کی تکمیل کے لیے سرگرم

فری میسنری یہودیوں کی سب سے بڑی اور خفیہ عالمی تنظیم ہے، جس کے ارکان کا تعلق مختلف مذاہب اور اقوام سے ہوتا ہے، جن کو فری میسن کہا جاتا ہے۔ فری میسنری کے مراکز دنیا کے تمام ممالک میں موجود ہیں، جن کو "لاج" کہا جاتا ہے۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں اس خفیہ یہودی تنظیم کے دفاتر موجود تھے، لیکن اس کی تخریبی سرگرمیوں کی وجہ سے پاکستان میں اس پر پابندی لگائی گئی ہے، جبکہ دنیا بھر میں یہ تنظیم تیز رفتاری کے ساتھ اپنے مقاصد کی تکمیل میں سرگرم ہے۔ گزشتہ روز ایک نجی ٹی وی کی رپورٹ کے مطابق فری میسنری دنیا بھر میں یہودیت پھیلانے کی کوشش کررہی ہے، اس تنظیم کا مقصد دنیا بھر کی حکومتوں، وسائل اور نشر واشاعت کے اداروں پر کنٹرول حاصل کرنا ہے۔ یہ خفیہ تنظیم دنیا بھر کی حکومتوں کے ذریعے اپنا راج چلانے کی خواہش رکھتی ہے، یہودی خفیہ تنظیم فری میسنری نے اپنا کام تیز کردیا۔ اس تنظیم میں 20 برس سے بڑی عمر کے لوگ ممبر بنائے جاتے ہیں، امریکا میں فری میسنری کے ممبروں کی تعداد 80 لاکھ سے زیادہ ہے۔ تنظیم کے 20 لاکھ برطانوی ارکان کا ریکارڈ آن لائن کردیا گیا۔ 16 بشپس اور ایک بھارتی شہزادہ بھی فری میسنری کے ارکان میں شامل ہے۔ فری میسن سوسائٹی نے برطانوی ارکان کی فہرست جاری کردی۔ رپورٹ میں یہ بھی انکشاف کیا گیا ہے

کہ خفیہ تنظیم فری میسنری کا ایک دفتر کراچی میں بھی تھا، فری میسنری سوسائٹی پاکستان میں بھی 25 سال تک سرگرم رہی۔ 1973ء میں فری میسنری کے اس مرکز کو سیل کر دیا گیا تھا۔ اسٹریچن روڈ پر واقع ہوپ لاج میں فری میسنری کا مرکز تھا۔ یہ عمارت وائلڈ لائف میوزیم میں تبدیل کر دی گئی ہے۔

فراہم معلومات کے مطابق فری میسنری کی ابتدا 24 جون 1717ء کو انگلستان میں ہوئی۔ فری میسنری کے آئین کی تشکیل اور منظوری 1723ء کو کی گئی، جس کے خالق مشہور فری میسنری شخصیت "ڈاکٹر اینڈرسن" تھے۔ 1723ء سے لے کر 1750ء کے دوران فری میسن نے انگلینڈ اور ارد گرد میں تیزی سے اپنا مقام بنا لیا۔ یہ اس وقت ہوا کہ جب شاہی خاندان، امرا، وزرا اور اعلیٰ طبقہ فری میسن سے وابستہ ہوا۔ انگلینڈ میں پہلے گرینڈ لاج کے قیام اور باضابطہ طور پر نئے سرے سے نئے مقاصد و عزائم اور لائحہ عمل کے ساتھ جدید فری میسن کے قیام نے انتہائی پذیرائی حاصل کر لی۔ ماسٹر مائنڈ نے ءمین آئر لینڈ اور 1736ء میں اسکاٹ لینڈ میں گرینڈ لاج قائم کر لیے۔ فری 1730 میسنری مورخین کے مطابق 1721 میں بلجیم اور 1725 میں فرانس میں لاج قائم کیے گئے۔ اس خوفناک تنظیم نے خون آشام اغراض کی تکمیل کے لیے جو طریق کار وضع کیا، اس کے تین بنیادی اصول مرتب کیے جو یہ تھے: 1۔ صاحب اقتدار اور بااثر و رسوخ لوگوں کو قابو میں لانے کے لیے مالی رشوت سے کام لیا جائے اور گوہر مقصود تک پہنچنے کے لیے جنسی رشوت بھی پیش کرنی پڑے تو دریغ نہ کیا جائے، تاکہ ہمارے مطلوبہ لوگ

ہماری جماعت کے مقاصد کے نفاذ کی راہ میں روڑا نہ بنیں، بلکہ انہیں اپنے ہاتھوں کا کھلونا بنا لیا جائے۔ 2۔ ہماری جماعت کے وہ اساتذہ جو یونیورسٹیوں میں تدریسی فرائض سر انجام دے رہے ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ ذہنی، ثقافتی اور علمی اعتبار سے فوقیت رکھنے والے طلبا کو زیرِ نظر رکھیں۔ ان کے اذہان میں اپنے نظریات بھرے جائیں اور جب وہ ہمارے نظریات مکمل طور پر قبول کر لیں پھر انہیں اپنے مخصوص اداروں میں تربیت دی جائے۔ 3۔ وسائلِ نشر و اشاعت مثلاً ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات و جرائد پر تسلط حاصل کیا جائے، تاکہ انہیں اپنی مرضی سے استعمال کیا جائے۔

فری میسنری کی رکنیت کے کئی مدارج ہیں جو ڈگری کہلاتے ہیں۔ ہر ڈگری کا رکن صرف اپنے برابر کی ڈگری والوں سے رابطہ رکھ سکتا ہے۔ اس درجہ بندی پر اس قدر سختی سے عمل کیا جاتا ہے کہ ایک ڈگری کا رکن دوسری ڈگری کے رکن کے مقاصد اور خفیہ منصوبوں سے کسی طرح آگاہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اونچے درجے کے اراکین کے مقاصد دوسرے اراکین سے، خواہ ان کی پوری زندگی فری میسن تنظیم کے رکن کی حیثیت میں گزری ہو انتہائی خفیہ اور رازداری میں رکھے جاتے ہیں۔ اس تنظیم کا طریقہ کار انتہائی خفیہ ہے۔ لاجوں کی روئیدادیں غیر معمولی طور پر خفیہ اور انتہائی رازداری میں رکھی جاتی ہیں اور ان کے ارکین کے علاوہ کسی اور کو اس کی ہوا تک نہیں لگنے دی جاتی۔ کہا جاتا ہے کہ لاج کے اراکین ایک

دوسرے سے خفیہ کوڈ میں بات چیت کرتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو اپنے خفیہ اشاروں اور الفاظ کے ذریعہ پہچانتے ہیں۔ فری میسنری عام طور پر ملک کے افسران یا غیر ملکی بڑی بڑی کمپنیوں کے مالکان اور عہدیداروں کو اپنا رکن بناتے ہیں۔ رکن بننے کے لیے کسی خاص رنگ، مذہب، نسل یا قومیت کی قید نہیں ہے، بلکہ اس ملک کے شہریوں کو رکن بنانے کی ہمت افزائی کی جاتی ہے اور اس کے بعد منصوبے کے مطابق انہیں اپنے ڈھب پر لایا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ انہیں یہ پتا بھی نہیں چلتا کہ انہیں کس مقصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔

پاکستان میں فری میسنری پر بہت پہلے پابندی عاید کی جاچکی ہے۔ قیام پاکستان کے وقت مشرقی پاکستان کے بڑے بڑے شہروں ڈھاکا، چٹاکانگ، مرشد آباد وغیرہ میں فری میسنری لاجیں قائم تھیں، جن کا تعلق گرینڈ لاج انگلینڈ سے تھا۔ اسی طرح مغربی پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں بھی فری میسنری لاجیں کام کر رہی تھیں، جن کی تعداد 30 تھی اور دو ہزار کے قریب ممبران تھے۔ لاہور، سیالکوٹ، پشاور، راولپنڈی، ملتان، کوئٹہ، حیدرآباد اور کراچی کی لاجیں زیادہ اہم شمار کی جاتی تھیں، لوگوں میں یہ جادو گھر کے نام سے مشہور رتھیں۔ 1948ء سے 1968ء کے دو عشروں میں فری میسنری بھرپور طور پر پاکستان میں کام کرتی رہی ہے۔ اس دوران اس کے خلاف کوتوانا آواز بلند نہیں ہوئی۔ ایوب حکومت کے خلاف عوامی تحریک کے دوران فری میسنوں کے خلاف موثر کارروائیاں کرنے کا مطالبہ

پیش کیا گیا۔ مارچ 1969 میں ایوب حکومت کے خاتمے کے بعد مارشل لاء لگ گیا، اس دوران عالمی فری میسنری کی ہدایات پر ڈسٹرکٹ گرینڈ لارج لاہور کے ڈسٹرکٹ گرینڈ ماسٹر نے مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے نام 27اپریل 1969ء کو ایک خط لکھا گیا، جس میں فری میسنری کے خلاف اٹھنے والی تحریک سے متعلق اپنا نقطہ نظر بیان کیا گیا تھا۔ 1971ء میں ذوالفقار کے دور میں فری میسنری پر پابندی لگانے کا مطالبہ زور پکڑنے لگا۔ 22 جولائی 1972ء کو پنجاب اسمبلی میں ایک قرار داد پاس کرکے مرکزی حکومت کو پیش کی گئی کہ فری میسنری پر پابندی لگائی جائے اور اس کی املاک ضبط کی جائیں۔ اس مسئلہ کو 21 ستمبر 1972ء کو قومی اسمبلی میں اکوڑہ خٹک کے مشہور عالم دین شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے قومی اسمبلی میں اٹھایا اور یہ بتایا کہ فری میسنری یہودیوں کی عالمی تنظیم ہے، جس کا مقصد درپردہ صیہونی عزائم کی تکمیل ہے۔ یہ تنظیم عالم اسلام میں ملت مسلمہ کے خلاف مختلف سازشوں اور سرگرمیوں کی آماجگاہ بنی رہی ہے، خلافت اسلامیہ کے زوال اور اسلامی ممالک کے افتراق و بربادی میں اس کا بنیادہ حصہ ہے۔ 7 جون 1973ء کو مولانا عبدالحق نے قومی اسمبلی میں فری میسنری پر پابندی لگانے کی قرارداد پیش کی۔ وہ ابھی تقریر کر رہی رہے تھے کہ مرکزی وزیر داخلہ عبدالقیوم نے اٹھ کر اعلان کیا کہ حکومت نے 6 دسمبر 1972 کو اس تحریک پر پابندی لگانے اور تمام عمارتوں کو اپنی تحویل میں لے کر تعلیمی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے احکامات جاری کردیے ہیں۔ اس غیر مبہم اعلان پر مولانا

عبدالحق نے اپنی قرارداد واپس لے لی، لیکن عالمی میسنری نے بیرونی ذرایع سے حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالا کہ وہ ایسا اقدام نہ کرے۔ جلد عوام کو بھی معلوم ہوگیا کہ حکومت نے فری میسنری پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ 4جولائی 1973 کو مولانا عبدالحق نے یہ معاملہ قومی اسمبلی میں تحریک استحقاق کی صورت میں دوبارہ اٹھایا۔ اسلامی فکر کی حامل جماعتوں کے مسلسل مطالبہ پر حکومت پنجاب نے 2 مئی 1974کے ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے فری میسنری کو غیر قانونی تنظیم قرار دے دیا اور اس کی سرگرمیوں کو امن عامہ کے منافی قرار دیا۔ 3اگست 1974کے نوٹیفیکیشن میں فری میسن اجتماعات پر بھی پابندی لگادی گئی۔ بتایا جاتا ہے کہ کراچی میں پہلے لاج یعنی ہوپ لاج کا سنگ بنیاد 7 ستمبر 1843 کو رکھا گیا۔ ایک رپورٹ کے مطابق کراچی میں فری میسنری کا دفتر میں سیل کیا گیا، لیکن اس کے باوجود ان کی سرگرمیاں جاری رہیں۔ 19731985 میں ان کی تمام سرگرمیوں پر پابندی عاید کردی گئی۔

پاکستان سمیت بیشتر اسلامی ممالک میں فری میسنری کی شاخیں اور " فری میسن لاجز" قائم تھے۔ اس خفیہ یہودی تنظیم کے حوالے سے انکشافات منظر عام پر آنے کے بعد بیشتر اسلامی ممالک میں اس تنظیم پر پابندی لگائی گئی، اس کے دفاتر سیل اور سرکاری تحویل میں لیے گئے، لیکن یہ تنظیم اب بھی دنیا بھر میں مصروف عمل ہے اور مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے کوشاں ہے۔ جن ممالک میں اسے

غیر قانونی قرار دیا گیا ہے، وہاں اس کا نام بدل دیا گیا ہے۔ بظاہر مخیّرانہ سرگرمیوں میں مصروف عمل غیر سرکاری تنظیموں میں بہت سی "فری میسن" کے مقاصد کی تکمیل کر رہی ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ فری میسنری خطرناک صیہونی تنظیم ہے، جس کے عزائم خطرناک ہیں، مسلم ممالک میں خونریزی پھیلانے میں فری میسنری کا کافی حد تک عمل دخل ہے۔ گریٹر اسرائیل اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر فری میسنری کا اہم مقصد ہے۔

کتاب سے دوستی ضروری ہے

انسان نے کچھ عرصے میں اس قدر تیزی کے ساتھ ترقی کی منازل طے کی ہیں، ماضی میں جس کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ کوئی بھی شخص ایک چھوٹا سا موبائل ہاتھ میں تھامے آسانی کے ساتھ ایک جگہ بیٹھ کر دنیا بھر کی سیر کرسکتا ہے۔ جو چیز ذہن میں آئے کمپیوٹر کے ذریعے اسے فوری اپنی آنکھوں کے سامنے حاضر کیا جاسکتا ہے۔ اس ترقی نے انسان کو بہت بلندیوں پر پہنچادیا ہے، لیکن جس کتاب کی بدولت یہ سب کامیابیاں حاصل ہوئیں، اسی کتاب سے ہمارا رشتہ کمزور ہوتا جارہا ہے اور آج نوجوان کمپیوٹر اور موبائل کے سحر میں اس بری طرح سے جکڑے کہ جو وقت کتاب کا حق تھا، وہ بھی کمپیوٹر و موبائل کی نذر کردیا اور اب فیس بک، واٹس اپ، ٹوئیٹر اور موبائل فونز اور جدید ٹیکنالوجی کے باعث کتب بینی کے رجحان میں بہت کمی آگئی ہے۔ انسان اور کتاب کا پرانا تعلق ماند پڑتا جارہا ہے اور دونوں کے درمیان دوری جنم لے رہی ہے۔ نئی نسل میں کتابیں پڑھنے کا رجحان وہ نہیں ہے، جو کسی زمانے میں تھا۔ اب تو تعلیمی اداروں میں بھی کتاب اور طالب علم کا تعلق صرف نصابی کتب تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کے جادو کے زیر اثر طلبہ کی ایک بڑی تعداد غیر نصابی کتب کو ہاتھ بھی لگانا گوارا نہیں کرتی۔

ان حالات میں انسان سے کتاب کی دوری کو ختم کرنے اور قدیم دوستی کو پھر سے مضبوط کرنے کے لیے 2005ء سے کراچی میں ہر سال پانچ روزہ عالمی کتب میلے کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ حسب سابق اس سال بھی 12 نومبر تا 16 نومبر کراچی ایکسپو سینٹر میں پانچ روزہ عالمی کتب میلہ منعقد کیا گیا، جس میں مختلف ممالک کے ممتاز پبلشرز نے اپنے اسٹال لگائے۔ کتب میلے میں اسلامی کتب، ناول، فکشن، سوانح، تاریخ، اردو اور انگریزی لٹریچر، ادب، ثقافت، شاعری، نثر نگاری، ناول، سائنس، قانون، فلسفہ، طب اور شخصیات سے متعلق دیگر کتب بھی عالمی میلے کا حصہ بنیں۔ لاکھوں افراد نے شرکت کرکے کروڑوں روپے کی کتب کی خریداری کی۔ ایک ایسے دور میں جب کتاب سے رشتہ کمزور ہوتا جارہا ہے، شہر کراچی میں ملک کے سب سے بڑے کتب میلے کا انعقاد اہل کراچی کے لیے یقینا خوش قسمتی کی بات ہے۔ یہ اقدام نہایت ہی قابل تحسین ہے۔ کتب میلے میں پانچ لاکھ لوگوں کی شرکت اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہے، لیکن ملک میں دم توڑتی ادبی و مطالعاتی سرگرمیوں میں ایک نئی روح پھونکنے کے لیے اس سے بڑے پیمانے پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ سال کے بجائے چھ ماہ بعد اور ملک کے تمام شہروں میں اس قسم کے کتب میلوں کا انعقاد بہت ضروری ہے۔ اگرچہ آج کمپیوٹر میں مطالعہ کرنے کے متعدد مواقع موجود ہیں، لیکن مطالعہ کی جو اہمیت و افادیت کتاب سے وابستہ ہے، اس کا مقابلہ دیگر ذرائع نہیں کر سکتے۔ کتب میلے منعقد کرنے کا

مقصد لوگوں میں کتاب کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کرنا ہوتا ہے۔ عوام میں شعور اجاگر ہوتا ہے اور کتاب دوستی میں مضبوطی آتی ہے۔ اگر معاشرے میں کتاب کی دوستی میں مضبوطی آجائے تو اس سے نہ صرف بہترین سماج کا قیام آسان ہوگا، بلکہ بدامنی و دہشتگردی سے محفوظ ایک پرامن معاشرہ تشکیل پاسکتا ہے، جہاں لوگ ملک و قوم کے لیے اپنے فرائض بخوبی سرانجام دیتے ہوں، کیونکہ کتاب انسان کو ایک اچھا انسان بن کر جینے کا ڈھنگ اور سلیقہ سکھا دیتی ہے۔ کوئی بھی معاشرہ کتاب کی ضرورت سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ کتابیں انسان کو نئے خیالات سے روشناس کراتی ہیں اور دوسروں کے خیالات کو جاننے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ کتاب کے ذریعے پہلی نسلوں کی محنت و کاوش، دانش و بینش اور حکمت و بصیرت نئی نسلوں تک منتقل ہوتی ہے۔ کتب بینی ذہن کو تازگی، روح کو بالیدگی اور خیالات کو توانائی بخشتی ہے۔

کتاب اور انسان کا رشتہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود انسانی تہذیب و تمدن کا سفر اور علم و آگہی کی تاریخ قدیم ہے۔ تہذیب کی روشنی اور تمدن کے اجالے سے جب انسانی ذہن کے دریچے بتدریج کھلے تو انسان کتاب کے وسیلے سے خود بخود ترقی کی شاہراہ پر قدم رنجہ ہوا۔ کتاب کی شکل میں اس کے ہاتھ وہ شاہی کلید آ گئی، جس نے اس کے سامنے علم و ہنر کے دروازے کھول دیے۔ انسان کے لیے مطالعے اور مشاہدے کے بل پر نئی منزلیں طے کرنا آسان ہوا۔ کتاب شخصیت سازی کا ایک کارگر ذریعہ ہی نہیں، بلکہ زندہ قوموں کے عروج و کمال میں اس کی ہم

سفر ہے۔ زندہ قومیں ہمیشہ کتابوں کو بڑی قدر و منزلت دیتی ہیں، جو قومیں کتاب سے رشتہ توڑ لیں تو پھر وہ دنیا میں بہت پیچھے رہ جاتی ہیں۔ بلاشبہ صرف وہی اقوام زندگی کی معراج تک پہنچتی ہیں، جن کا تعلق کتاب اور علم سے مضبوط رہا ہو۔ قوموں کی زندگی کا عمل کتاب سے جڑا ہوا ہے۔ جن اقوام میں کتاب کی تخلیق، اشاعت اور مطالعے کا عمل رک جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں درحقیقت وہاں زندگی کا عمل ہی ر ±ک جاتا ہے۔ کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا، جب تک وہ تعلیم یافتہ نہ بن جائے اور تعلیم یافتہ بننے کے لیے معاشرے کا مجموعی مزاج کتاب دوست ہونا ضروری ہے۔

اسلامی تاریخ میں ایک دور وہ بھی گزرا ہے جب کتابیں خریدنا، انہیں جمع کرنا اور پڑھنا ہر فرد کا ذوق ہوا کرتا تھا۔ لوگوں کے گھروں میں لاکھوں کتب پر مشتمل ذاتی لائبریریاں تھیں۔ بغداد کی صرف ایک ایک شاہراہ پر کتابوں کی سیکڑوں دکانیں تھیں، جہاں قرآن مجید سے لے کر فلکیات، طبیعات، ریاضی، کیمیا، طب وغیرہ کی کتابیں فروخت ہوتی تھیں۔ یہ دور مسلمانوں کے عروج اور حکمرانی کا دور تھا، یہ حقیقت ہے کہ جس قوم پر کتابوں کی حکمرانی ہو تو پھر وہ قوم بھی دنیا پر حکمرانی کرتی ہے۔ فرانس کے انقلابی دانشور والٹیر نے کہا تھا: "تاریخ انسانی میں چند غیر مہذب وحشی قوموں کو چھوڑ کر کتابوں ہی نے لوگوں پر حکومت کی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جس قوم کی قیادت اپنے عوام کو

کتابیں پڑھنا اور ان سے محبت کرنا سکھا دیتی ہے، وہ دوسروں سے آگے نکل جاتی ہے۔"
جو اقوام علم و کتب کے اعتراف عظمت میں بخیل نہیں ہوتیں اور مطالعہ کتب کی عادت اپنا لیتی ہیں، وہ زندگی میں فتح و ظفر کی حقدار ہوتی ہیں۔ یورپ کے بعض ملکوں میں صرف کتابوں کو پروموٹ کرنے کے لیے تحریکیں چلائی گئیں۔ حکومتی سرپرستی میں سقراط، افلاطون اور ارسطو سے لے کر جان لاک تک کے مفکرین کی کتابیں ایک پیسے پنس) کی قیمت میں شائع کی گئیں۔ دور دراز کے علاقوں کے لیے موبائل کتب خانے) بنائے گئے۔ مختلف موضوعات پر لکھی گئی کتب کا انگریزی میں ترجمہ کرایا گیا۔ کتابوں پر بحث کرنا فیشن بن گیا۔ بڑے بڑے لارڈز اور اراکین پارلیمنٹ ان مذاکروں میں مبتدی کے طور پر شریک ہوتے اور اہل دانش کی فکر افروز باتوں سے مستفید ہوتے، جبکہ بعض یورپی ملکوں میں تعلیمی اداروں میں طلبہ میں مختلف طریقوں سے مطالعہ کا ذوق پیدا کیا جاتا ہے۔

آج مغربی ممالک کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف ان کا مجموعی طور پر کتاب دوستی کا مزاج ہے، لیکن ہم ان سے بہت پیچھے کھڑے ہیں۔ کتب بینی کا زوال ہمارا بڑا تہذیبی المیہ ہے، کیونکہ مطالعے کی عادت ہی تہذیب کی علامت ہے۔ جو قوم معیاری اور عمدہ کتابیں لکھنے، شائع کرنے اور ان کا مطالعہ کرنے سے قاصر ہو، وہ نہ صرف پسماندہ، بلکہ غیروں کی دست نگر ہو کر

رہ جاتی ہے۔ ہم نے کتاب سے دوری اختیاری کی تو آج حالات سب کے سامنے ہیں کہ عالم اسلام کی تنزلی کا شروع ہونے والا سفر بہت تیزی کے ساتھ پستی کی جانب رواں دواں ہے اور دور دور تک عالم اسلام کی اس تنزلی کو بلندی میں بدلنے کے امکانات بھی صرف موہوم ہی نہیں، بلکہ معدوم دکھائی دیتے ہیں۔ ہمیں بھی دنیا میں بلند مقام حاصل کرنے کے لیے کتاب سے دوستی لگانا ہوگی۔

کراچی: بلدیاتی انتخابات کا تیسرا مرحلہ....سیاسی گہما گہمی عروج پر

کراچی ان دنوں ملکی سیاست کا گڑھ بنا ہوا ہے۔ مختلف جماعتوں کے "سیاسی پہلوان" انتخابی اکھاڑے میں اتر چکے ہیں، جن کا مقابلہ اور فیصلہ 5 دسمبر کو ہوگا۔ تیسرے مرحلے میں کراچی کے چھ اضلاع میں پولنگ پانچ دسمبر کو ہوگی۔ سندھ میں بلدیاتی انتخابات کے دو مراحل کی تکمیل کے بعد تیسرے اور آخری مرحلے میں کراچی سیاسی سرگرمیوں کا محور بن گیا ہے۔ ایم کیو ایم، پیپلز پارٹی، جماعت اسلامی، تحریک انصاف، جمعیت علمائے اسلام، مہاجر قومی موومنٹ اور اے این پی سمیت 15 سیاسی جماعتوں میں مقابلہ ہے۔ دو سے اڑھائی کروڑ آبادی کے شہر کراچی میں قومی اسمبلی کی 20 اور سندھ اسمبلی کی 42 جنرل نشستیں ہیں، بلدیاتی حکومتوں کے شہر کے 6 اضلاع میں 209 یونین کمیٹیاں بنائی گئی ہیں۔ غربی میں 46، شرقی 31، جنوبی 31، سنٹرل 51، ملیر 13 اور کورنگی 37 یونین کمیٹیوں پر ڈسٹرکٹ میونسپل کارپوریشن، جبکہ ملیر اور غربی اضلاع کے دیہی علاقوں کی 38 یونین کونسل پر مشتمل ضلع کونسل تشکیل دی جائے گی۔ کراچی میں پولنگ انتظامات کو حتمی شکل دی گئی ہے۔ 74 لاکھ 68 ہزار 576 مرد خواتین ووٹرز اپنا حق استعمال کریں گے۔ 6 اضلاع میں 988 کونسلر، چیئرمین وائس چیئرمین کے پینل پر 247 اور ممبر ضلع کونسل کی 38 نشستوں پر

امیدواروں کا انتخاب کیا جائے گا۔ 5486 امیدوار ایک دوسرے کے مدمقابل ہیں، جبکہ 48 امیدوار پہلے ہی بلا مقابلہ منتخب ہو گئے ہیں۔ 4505 پولنگ اسٹیشن پر 17 ہزار سے زاید پولنگ بوتھ بنائے جائیں گے۔ کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن کے قیام کے لیے 209 یونین کمیٹیوں کے چیئرمین اس کے رکن، جبکہ پینل سے منتخب وائس چیئرمین اپنی ضلع میونسپل کارپوریشن کے رکن ہوں گے۔ ہر یونین کمیٹی اور کونسل میں 4 وارڈ بنائے گئے ہیں، ہر وارڈ سے ایک کونسلر کا انتخاب عمل میں لایا جائے گا۔ یونین کمیٹی سطح پر ایک ووٹر اپنے علاقے سے کونسلر اور چیئرمین وائس چیئرمین کا انتخاب کرے گا۔ ملیر کی اور ضلع غربی کی 6 یونین کونسل کی سطح پر ووٹر 3 ووٹ کاسٹ کرے گا۔ ایک پر 32 کونسلر، دوسرا چیئرمین وائس چیئرمین اور تیسرا ووٹ ممبر ڈسٹرکٹ کونسل کے لیے کاسٹ کرے گا۔ سندھ کے چھ اضلاع کراچی ویسٹ، کراچی ایسٹ، کراچی ساؤتھ، کراچی سینٹرل، کورنگی اور ملیر میں ووٹنگ کے لیے مجموعی طور پر ایک کروڑ 57 لاکھ 67 ہزار بیلٹ پیپرز چھاپے جارہے ہیں۔ بیلٹ پیپرز کی چھپائی کا عمل فوج کی نگرانی میں 674 جاری ہے۔ 70 لاکھ سے زاید ووٹر حق رائے دہی استعمال کریں گے۔ مجموعی طور پر 7 ریٹرننگ، 115 اسسٹنٹ ریٹرننگ افسران اور 42465 پریذائیڈنگ، اسسٹنٹ پریذائیڈنگ اور پولنگ افسران انتخابی عمل کی نگرانی کریں گے۔ آزاد امیداواروں کی تعداد بھی ایک ہزار سے زاید ہے۔

صوبہ سندھ کا دارالحکومت، ملک کا سب سے بڑا شہر اور اقتصادی و تجارتی مرکز کراچی بین الاقوامی اہمیت کا حامل ہے، جو پچھلے تین عشروں کے دوران بدترین لاقانونیت، لسانی و نسلی اور فرقہ وارانہ قتل و غارت گری، دہشت گردی، ٹارگٹ کلنگ، بھتہ خوری، سڑکوں پر لوٹ مار اور گاڑیاں چھیننے جانے کی وارداتوں سمیت ہر قسم کی بدامنی کا شکار رہا ہے۔ تاہم ستمبر 2013ء سے شروع ہونے والے آپریشن کے نتیجے میں شہر کی حالت کافی بہتر ہوئی ہے، لیکن تاحال کراچی بدامنی کی گرفت سے چھٹکارہ حاصل نہیں کر سکا ہے۔ کراچی میں بلدیاتی انتخابات کے لیے الیکشن کمیشن نے فوج سے مدد طلب کی ہے۔ سیکرٹری الیکشن کمیشن بابر یعقوب کے مطابق کراچی کے 93 فی صد سے زاید پولنگ اسٹیشنوں کو حساس یا انتہائی حساس ہیں۔ مجموعی طور پر کراچی میں 4141 پولنگ اسٹیشنز ہیں، جن میں سے 1791 انتہائی حساس، 2116 حساس اور صرف 234 نارمل قرار دیے گئے ہیں۔ سیکرٹری الیکشن کمیشن نے کہا کہ حکومت سندھ کے نمائندوں نے بعض علاقوں کی نشاندہی کی ہے جو انتہائی حساس ہیں، ان میں لائنز ایریا، لانڈھی، شاہ فیصل کالونی، لیاری، گھاس منڈی، کھوکھراپار، نارتھ ناظم آباد، ابراہیم حیدری اور دیگر شامل ہیں۔ کراچی میں رینجرز کی 28 موبائلیں اور 180 موٹر سائیکل سوار اہلکار گشت پر مامور ہوں گے۔ ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف سخت ایکشن لیا جائے گا۔ بلدیاتی انتخابات کو پرامن طور پر کامیاب بنانے کے لیے رینجرز اور فوج کے 9400 سے زاید اہلکار، جبکہ 25 ہزار

سے زاید پولیس اہلکار تعینات ہوں گے۔ انتہائی حساس اور حساس پولنگ اسٹیشنز میں رینجرز تعینات کرکے مجسٹریٹ کا اختیار دینے کی تجویز پر غور کیا جا رہا ہے۔ مختلف حکام اور اداروں کی جانب سے کراچی کے انتہائی حساس اور حساس پولنگ اسٹیشنز کے اندر اور باہر رینجرز تعینات کرنے کی تجویز بھی دی گئی ہے۔

کراچی کے چھ اضلاع میں بلدیاتی انتخابات 5 دسمبر کو ہونے جارہے ہیں۔ اس سے قبل بلدیاتی انتخابات کے تیسرے اور آخری مرحلے کے سلسلے میں کراچی میں انتخابی سرگرمیاں تیز ہو گئی ہیں۔ انتخابی دفاتر میں بھی گہما گہمی بڑھ گئی ہے۔ متحدہ قومی موومنٹ، جماعت اسلامی، تحریک انصاف، پیپلز پارٹی، جے یو آئی، مہاجر قومی موومنٹ، عوامی نیشنل پارٹی اور مسلم لیگ (ن) سمیت دیگر سیاسی و مذہبی جماعتوں کے زیر اہتمام انتخابی ریلیوں اور جلسے جلوسوں کا انعقاد کیا جارہا ہے، جس میں شہریوں کی دلچسپی بڑھ گئی ہے۔ بلدیاتی انتخابات کے سلسلے میں سیاسی و مذہبی جماعتوں سمیت آزاد امیدواروں نے بھی اپنی انتخابی مہم تیز کردی ہے۔ شہر بھر میں جگہ جگہ سائن بورڈز پر اپنی اپنی جماعتوں کے اشتہار آویزاں کردیے گئے ہیں۔ رکشا، ٹیکسی سمیت دیگر ٹرانسپورٹ پر بھی اپنے من پسند جماعتوں کے امیدواروں کی حمایت میں جھنڈے اور اسٹیکرز چسپاں کردیے گئے ہیں۔ گلی محلے کی سطح پر ہر علاقے میں روزانہ کی بنیاد پر ریلیاں اور کارنرز میٹنگز کا انعقاد ہو رہا ہے۔ شہر کے تقریباً

تمام علاقوں میں امیدوار ووٹ حاصل کرنے کے لیے شہریوں سے رابطہ کر رہے ہیں۔ جبکہ مختلف جماعتوں کی مرکزی قیادت بھی بلدیاتی انتخابات کے سلسلے میں بذات خود کراچی میں متحرک نظر آ رہی ہے۔ کئی برس بعد مختلف سیاسی جماعتیں کھل کر انتخابی مہم چلا رہی ہیں، خوشی کی بات ہے کہ اس دوران کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا، جو یہ ثابت کرتا ہے کہ آپریشن کی وجہ سے کراچی میں امن کافی حد تک لوٹ آیا ہے۔

ہفتہ کے روز پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان اور جماعت اسلامی کے سربراہ سراج الحق نے کراچی میں بلدیاتی الیکشن سے قبل مشترکہ ریلی نکال کر اپنی سیاسی قوت کا مظاہرہ کیا۔ ریلی میں دونوں جماعتوں کے کارکنان کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ دونوں رہنماؤں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ اپنا ووٹ جماعت اسلامی اور تحریک انصاف کو دیں۔ تراز واور بلا تبدیلی کا مشترکہ نشان ہے۔ 5 دسمبر کو الیکشن کی جگہ سلیکشن ہوئی تو عوام کے ہاتھ حکمرانوں کے گریبانوں پر ہوں گے۔ برسراقتدار آ کر کراچی کا تمام مافیاؤں سے نجات دلائیں گے۔ اتوار کے روز بھی عمران خان نے شہر میں مختلف مقامات پر کارنر میٹنگز کیں۔ گزشتہ روز تحریک انصاف (پی ٹی آئی) نے پانچ دسمبر کے بلدیاتی انتخابات سے قبل اتوار کے روز کراچی میں ریلی نکالی اور پارٹی چیئرمین عمران خان سے متعدد حلقوں کا دورہ کیا۔ لیاری میں جلسے سے خطاب کرتے ہوئے عمران خان نے کہا کہ

وہ "نیا کراچی" اور "نیا لیاری" بنانے عوام کے پاس آئے ہیں۔ عمران خان کا کہنا تھا کہ کراچی کے لوگوں کو تقسیم کیا گیا، جبکہ لیاری میں اپنے مفاد کے لیے نفرتیں پھیلائی گئیں۔ نفرتیں پھیلا کر کسی اور نے فائدہ اٹھالیا، لیاری میں بلوچ اور کچھی برادری کو تقسیم کیا گیا، تاہم لیاری کی عوام ڈرنے والے نہیں۔ انہوں نے کہا کہ میئر صرف تحریک انصاف اور جماعت اسلامی کا ہی بنے گا۔ اتوار کے روز پیپلز پارٹی نے بھی ایک ریلی نکالی، جس سے خطاب کرتے ہوئے پیپلز پارٹی کی رہنما شیری رحمٰن نے کہا کہ اس وقت سارا پاکستان ہمارے ساتھ کھڑا ہے۔ 5 دسمبر کو بلدیاتی الیکشن ہیں، ہمیں پی پی کو ووٹ دینا ہے۔ کامیابی ہمیں ہی ملے گی۔ جبکہ گزشتہ روز بھی پیپلز پارٹی نے ایک بڑا جلسہ کیا، جس میں پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری نے کہا ہے کہ
ملیر ذوالفقار علی بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے چاہنے والوں کا ضلع ہے۔ جب کوئی قوم اپنے اصول سے ہٹ جاتی ہے تو قوم نہیں رہتی ہے۔ غریب مزدوروں اٹھو اور ایک دوسرے کا ہاتھ تھامو۔ جبکہ اتوار کے روز مہاجر قومی موومنٹ کے زیر اہتمام چیئرمین آفاق احمد کی قیادت میں انتخابی ریلی ڈیفنس سے لانڈھی تک نکالی گئی۔ آفاق احمد نے سنگر چورنگی، کورنگی پانچ، جی ایریا، کورنگی چھ، لانڈھی چھ، لانڈھی ساڑھے پانچ، چراغ ہوٹل، بابر مارکیٹ، عارضی بیت المکرمہ و دیگر مقامات پر شرکا سے خطاب کیا۔ آفاق احمد نے کہا عوام سے اپیل کرتے ہیں کہ اپنے حقوق کے حصول کے لیے 5 دسمبر کو موم بتی پر نشان لگائیں۔ ایم کیو

ایم بھی بڑھ چڑھ کر انتخابی مہم میں شریک ہے جس کے تحت اتوار کے روز کراچی کے علاقوں کورنگی، بیت المکرم گلشن اقبال، سرجانی اور رنچھوڑ لائن میں کارنر میٹنگز کا انعقاد کیا گیا۔ حیدر عباس رضوی نے حیدری میں جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کراچی میں مخالفین کی ریلی گاڑیوں کی قطار پر مشتمل تھی۔ کراچی کے بلدیاتی انتخابات میں بھی ایم کیو ایم کی ہی جیت ہوگی۔ اسی طرح اتوار کے روز عوامی نیشنل پارٹی نے بھی شاہی سید کی قیادت میں اپنی ریلی نکالی۔

کراچی میں بلدیاتی انتخابات میں کامیابی کا سہرا سجانے کے لیے تمام جماعتیں سرتوڑ کوشش کر رہی ہیں۔ کراچی کے بلدیاتی انتخابات میں متحدہ قومی موومنٹ آزادانہ طور پر انتخابات میں حصہ لے رہی ہے، جس کی کسی جماعت سے کوئی سیٹ ایڈجسٹمنٹ نہیں ہوئی ہے۔ جبکہ کراچی میں جماعت اسلامی اور تحریک انصاف نے آپس میں اتحاد کرکے بلدیاتی انتخابات لڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کراچی کے ضلع غربی اور ضلع شرقی میں دونوں جماعتوں کے درمیان 50 - 50 فی صد نشستوں کے فارمولے پر اتفاق ہوا ہے، جبکہ ضلع وسطی، جنوبی اور ضلع ملیر میں مختلف جماعتوں کے ساتھ سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی گئی ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی بظاہر کراچی کے بلدیاتی انتخابات میں کوئی خاص دلچسپی نظر نہیں آرہی ہے، کیونکہ اب پیپلز پارٹی ماضی کی طرح کراچی میں مضبوط نہیں ہے۔ ماضی میں لیاری کو

پیپلز پارٹی کا گڑھ مانا جاتا ہے، لیکن اس بار یہاں پیپلز پارٹی کا مقابلہ خود اپنے ہی جیالوں سے ہے۔ بہت سے جیالے آزاد حیثیت سے جبکہ ماضی کے بعض جیالے اب نئے پاکستان کی امید لیے تحریک انصاف میں شامل ہو گئے ہیں۔ انہیں میں سے ایک سابق جیالا حبیب اللہ خان ہے، جس نے پیپلز پارٹی سے مایوس ہو کر تحریک انصاف کو جوائن کر لیا۔ لیاری کے رہائشیوں کے مطابق انہوں نے لیاری کی سربراہی کے لیے متبادل پارٹی کا انتخاب کر لیا ہے۔ ان حالات میں پیپلز پارٹی کے لے ے شدید مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ کراچی میں مذہبی ووٹ بینک بھی کافی مضبوط ہے، لیکن مذہبی سیاسی جماعتوں کے متحد ہو کر الیکشن نہ لڑنے کی وجہ سے زیادہ بہتر نتائج دینا کافی مشکل ہے۔ مسلم لیگ ن) نے مختلف جماعتوں سے اتحاد کیا ہے، لیکن تقریباً ہر جگہ دھڑے بندی کا شکار ہے۔) جبکہ پیپلز پارٹی نے ضلع غربی میں جمعیت علمائے اسلام سے اتحاد کیا ہے، تاہم دیگر جماعتوں کے ساتھ بھی سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی گئی ہے۔ اے این پی بھی اگرچہ بلدیاتی انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کی کافی کوشش کر رہی ہے لیکن اے این پی کو پہلے جیسے کامیابی ملنا ممکن نہیں ہے۔ تمام جماعتیں اپنے تئیں کراچی میں کامیابی کے حصول میں مگن ہیں لیکن یہ وقت ہی بتائے گا کہ کون سی جماعت کتنی زیادہ نشستیں حاصل کرتی ہے۔

اتحاد زندگی ہے

کل ہی میں سوچ رہا تھا کہ دنیا میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے، لیکن دیگر اقوام کے مقابلے میں انہیں کوئی قابل ذکر مقام حاصل نہیں۔ مختلف علاقوں میں مسلمان مصائب کا شکار ہیں۔ ہر کوئی اس صورت حال کی مختلف وجوہ بیان کرتا ہے۔ کوئی غیر مستحکم مسلم حکومتوں کو تو کوئی سائنس و ٹیکنالوجی کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ کوئی خلافت کا نہ ہونا تو کوئی تعلیم کی کمی کو سبب بتلاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ حکومت و اقتدار، مال و زر، ٹیکنالوجی و ترقی، تعلیم و تربیت، جمہوریت یا خلافت سمیت یہ تمام عناصر مسلم امہ کے لیے اپنی اپنی جگہ انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، جن کی حقیقت سے انکار ممکن نہیں، لیکن ان تمام سے بڑھ کر امت مسلمہ کو آج سب سے زیادہ ضرورت "اتحاد امت" کی ہے۔

اس وقت دنیا بھر میں عیسائی مذہب کے پیروکاروں کی تعداد 2 ارب 20 کروڑ کے لگ بھگ ہے جو کہ مجموعی آبادی کا 32 فیصد حصہ بنتا ہے۔ جن میں سے رومن کیتھولک چرچ کے ماننے والوں کی تعداد تقریباً ایک ارب 20 کروڑ ہے۔ رومن کیتھولک عیسائی اپنا ایک متفقہ پوپ منتخب کرتے ہیں، اسی کو اپنا متفقہ

پیشوا مانتے ہیں۔ کیتھولک عیسائیوں نے اپنا ایک متفقہ رہبر بنانے کا سلسلہ ایک عرصے سے جاری رکھا ہوا ہے۔ دنیا پر حکمرانی کا سہرا مکمل طور پر نہ سہی، لیکن اس میں کسی نہ کسی حد تک ان کا ایک شخصیت پر متفق ہونا بھی اہم ہے۔ ساری دنیا کے سامنے ان کا ایک ہی چہرہ نظر آتا ہے۔ اگر ضرورت پڑے تو دنیائے عیسائیت کی طرف سے بیان دینے والی شخصیت ان کا متفقہ پیشوا ہوتی ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے تمام عیسائی ایک پیشوا کے ساتھ کھڑے ہیں۔

مسلمانوں کے اندر بھی ایک عرصہ تک یہ روایت قائم تھی، لیکن آہستہ آہستہ دم توڑ گئی۔ خلافت عثمانیہ تک مسلمانوں کا بھی پوری دنیا میں ایک ہی رہنما "خلیفہ" کی صورت میں ہوا کرتا تھا۔ 1924ء میں سقوط خلافت عثمانیہ کے بعد عالم اسلام چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ گیا۔ ہر حصے پر الگ بادشاہت قائم ہو گئی۔ اس وقت تقریباً 192 میں سے 58 ممالک مسلمان ہیں۔ ساڑھے چھ ارب کے قریب انسانوں میں سے سوا ارب سے زاید مسلمان ہیں اور وہ دنیا کے معدنی ذخائر کے 75 فیصد کے مالک ہیں۔ دنیا کی بہترین بندرگاہیں، آبی گزرگاہیں، زمینی اور فضائی راستے مسلمانوں کے پاس ہیں۔ سب سے اچھا محل وقوع مسلم ممالک کا ہے۔ تیل کے لبالب بھرے کنویں اور سونے کی کانیں ہیں۔ زرخیز زمین، دریا اور نہریں ہیں۔ محنتی کسان ہیں۔ پسینہ بہانے والے مزدور، جان کی بازی لگانے والے فوجی ہیں۔ اعلیٰ دماغ اور باصلاحیت نوجوان ہیں۔ اس کے باوجود

پسماندگی اور کمزوری مسلمانوں کا مقدر بنی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ عالم اسلام اور مسلمانوں میں اتفاق واتحاد کا فقدان اور کسی متفقہ باصلاحیت قیادت کا نہ ہونا ہے۔ عالم اسلام پر اگر طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو مسلمان اتحاد سے کوسوں دور نظر آتے ہیں۔ اختلاف کی جتنی بھی قسمیں کہیں ہوسکتی ہیں، ان میں سے اکثر مسلمانوں میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مسلمان اختلاف کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اتحاد کے فقدان کے باعث ہم روز بہ روز کمزور ہوتے جارہے ہیں۔

مسلمان جس مہذب مذہب کے پیروکار ہیں، وہ مذہب اسلام جس قدر اتحاد کا درس دیتا ہے اور اس پر تاکید کرتا ہے، دیگر ادیان ومذاہب میں وہ بات نہیں دکھائی دیتی۔ اسلام کے ارکان واحکام میں بھی اتحاد کا درس ملتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا"، "سب کے سب اللہ تعالی کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔" اس آیت مبارکہ میں دو اہم کاموں کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا اور دوسرا سب کا مل کر تھامنا، کسی ایک فرد سے خطاب نہیں ہے، بلکہ ساری امت سے خطاب ہے۔ اسلامی تعلیمات میں سب سے زیادہ زور اتفاق واتحاد پر دیا گیا ہے۔ آپس میں محبت، اخوت، بھائی چارہ، ایمان، اتحاد اور یقین مسلمانوں کا موٹو ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں حکم فرمایا تھا: دیکھو! باہمی اختلافات میں نہ پڑنا۔" انگریزی کا ایک مشہور مقولہ ہے"

اتحاد ایک عظیم قوت ہے۔" علامہ عبدالعزیز محدث مراد" Unity is Strength آبادی فرماتے ہیں: "اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت، جو قوم متحد ہے، وہ زندہ ہے "اور جو اختلاف کا شکار ہے، وہ مردہ ہے یا قریب المرگ ہے۔

دنیا میں بہت سے مذاہب ہیں، لیکن ان تمام مذاہب اور ادیان میں سے اسلام ہی ہے جس کی تعلیمات انتہائی روشن، زرّیں اور سب سے بہتر ہیں۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ مسلمانوں کے پاس سب کچھ ہے۔ اگر کوئی چیز نہیں ہے تو وہ ایک متفقہ رہنما اور امیر نہیں ہے۔ مسلمانوں کے پاس ایک واضح منزل کا تعین ہے، مگر بدقسمتی سے رہبر ان کے پاس کوئی نہیں۔ مسلمانوں کے پاس دور اندیش، بہادر اور باصلاحیت قیادت نہیں ہے۔ کوئی ایسا ملاح نہیں ہے جو عالم اسلام کی ڈولتی اور ڈوبتی ناؤ کو کنارے لگادے۔ نہ ہی مستقبل قریب میں ایسی کوئی قیادت نظر آتی ہے۔ پوری امت مسلمہ کا متفقہ امیر ہونا تو بہت دور کی بات ہے، یہاں تو لوگ کسی دوسرے کی بات برداشت کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ہر فرقے، مسلک، گروہ، نظریے اور جماعتوں کے لوگوں کے اپنے اپنے امیر، رہبر و رہنما ہیں۔ انہیں کی بات حرف آخر ہے۔ وہ غلط بھی کہیں تو ٹھیک" ہے۔ ان کے علاوہ سب "غلط" ہیں۔ مذہبی معاملات میں ہر فرقے اور نظریے" کے ماننے والوں کی تمام کاوشوں کا محور دوسرے فرقے، دوسرے نظریے اور دوسرے خیالات کے حاملین کو ناحق، باطل اور گمراہ ثابت کرنا ہوتا ہے۔ اکثر و بیشتر مبلغین

اسلام سے زیادہ اپنے اپنے مکتبہ فکر کو اہمیت دیتے ہیں۔ اپنی بنیادی وابستگی اور ذاتی فوائد کی وجہ سے محض منتخب شدہ آیات واحادیث کی ہی تبلیغ کرتے ہیں، تاکہ ان کا حلقہ مزید بڑھے۔ لوگ اسلام سے زیادہ اپنے نظریات کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنے فرقے و مسلک کو امت مسلمہ پر مقدم رکھتے ہیں۔ مسلمان آپس میں ہی دست و گریباں ہیں، ایک دوسرے کے دشمن بن بیٹھے ہیں۔

مسلمانوں میں اتنے فرقے وجود میں آچکے ہیں، جن کو شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ ہر فرقے کے لوگ اسی کوشش میں ہیں کہ کس طرح دوسرے فرقے کے لوگوں کو نقصان پہنچایا جائے۔ ایک مسلک کے رہنما دوسرے مسلک والوں کے خلاف آگ بھڑکانے میں مصروف ہیں۔ دوسروں کو نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ہر کوئی اسی کوشش میں سرگرداں ہے کہ دنیا میں صرف ہم ہی رہیں، باقی سب ختم ہوجائیں۔ حالانکہ ایسا ہونا ناممکن ہے، کیونکہ جہاں مختلف قسم کے لوگ رہتے ہوں، وہاں اختلاف کا پیدا ہونا ایک فطری چیز ہے، جس کو ختم کرنا ناممکن ہے، لیکن اختلاف کی آڑ میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت کے بیج بونا اور تعن و تشنیع کے نشتر چلانا سراسر ناانصافی ہے۔ انہی اختلافات کے سبب مسلمان تنزلی کی گھاٹیوں میں اتنی دور جاگرے ہیں کہ آسانی سے نکلنے کی کوئی راہ بھی سدھائی نہیں دیتی۔ ان حالات میں عالم اسلام کو انتشار اور نفرت کی گندگی سے پاک کرنے کی سب سے بڑی ذمہ داری علمائے کرام پر آتی ہے۔ اگر علمائے کرام چاہیں

تو انتشار کی اس آگ کو بجھا سکتے۔ عالم اسلام کی سطح پر نہ صحیح کم از کم ملکوں کی سطح پر ہی آپس میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، نفرتوں کو ختم کیا جائے۔ یہ سب کچھ صرف علمائے کرام ہی کر سکتے ہیں، کیونکہ معاشرے میں ان کو ایک قابل عزت مقام حاصل ہے۔ اگر مسلمان اتحاد و اتفاق کو پست پشت ڈال کر اختلاف کو ہی اپنا وطیرہ بنائے رکھیں گے تو حالات کو کوڑا یونہی برستا رہے گا۔

اسلام آباد بلدیاتی انتخابات: "نون" اور "جنون" کا مقابلہ جاری.... میئر کون بنے گا؟

اسلام آباد میں تاریخ کے پہلے بلدیاتی انتخابات میں حسب توقع پہلا نمبر حکمران جماعت مسلم لیگ (ن) کا ہے، جبکہ تحریک انصاف یہاں ڈٹ کر مسلم لیگ کا مقابلہ کیا اور سندھ اور پنجاب کے برعکس دوسرے نمبر پر رہی ہے۔ پی ٹی آئی نے اسلام آباد کے بلدیاتی الیکشن پر بھی انگلی اٹھا دی ہے اور سات نشستوں پر دوبارہ گنتی کی درخواست بھی دے دی ہے۔ اسلام آباد بلدیاتی انتخابات میں کئی بڑے برج الٹ گئے ہیں۔ شہر کا میئر "ن" لیگ کا ہوگا یا جنون کا، فیصلہ آزاد امیدواروں کے ہاتھ آ گیا ہے۔ مسلم لیگ (ن) کے رہنما ظفر علی شاہ میئر دوڑ میں تھے، مگر یونین کونسل کا انتخاب ہی ہار گئے۔ (ن) لیگ کے انجم عقیل بھی کوئی چیئرمین نہیں لا سکے۔ جماعت اسلامی کے میاں اسلم ایک نشست بھی نہ جیت سکے، جبکہ پیپلز پارٹی تو اسلام آباد میں تحلیل ہی ہو کر رہ گئی۔ سابق چیئرمین سینٹ نیر بخاری اپنے گھر کی یونین کونسل سے بھی پیپلز پارٹی کو نہ جتوا سکے اور فیصل سخی بٹ بھی پورے سیکٹر میں کوئی تیر نہ چلا سکے۔ بلدیاتی انتخابات سے پہلے میاں نواز شریف کا اسلام آباد سے منتخب رکن قومی اسمبلی ڈاکٹر طارق فضل چودھری کو وزیر مملکت بنانے کا حربہ کامیاب ہوگیا اور مسلم لیگ (ن) بازی لے گئی۔ میئر بننے کے لیے 26 نشستیں درکار ہیں، اسلام آباد کے اقتدار کی جنگ میں دو مضبوط جماعتوں مسلم لیگ ن اور تحریک انصاف میں سے

کوئی بھی سادہ اکثریت 26 نشستیں حاصل نہیں کر سکی ہے۔ اب دونوں جماعتیں آزاد امیدواروں کو رام کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ غالب امکان یہی ہے کہ میئر کی بازی بھی مسلم لیگ (ن) کے ہاتھ آئے گی۔

اسلام آباد میں کل 50 یونین کونسلز ہیں، جن میں دیہی اور شہری یونیز شامل ہیں، جن میں 650 نشستوں پر الیکشن ہوئے ہیں۔ ان نشستوں میں 50 چیئرمین، 50 ڈپٹی چیئرمین اور 300 کونسلرز کی نشستیں شامل ہیں۔ بلدیاتی نظام میں خواتین کے لیے نشستیں، مزدوروں کی 50 نشستیں، نوجوانوں کی 50، جبکہ اقلیتوں کی 50 100 نشستیں ہیں۔ اسلام آباد کی ہر یونین میں 13 ارکان تھے، جن کے انتخاب کیلئے ہر ووٹر نے 6 ووٹ ڈالے۔ اسلام آباد کی 650 نشستوں پر سب سے زیادہ 506 امیدواروں کو مسلم لیگ (ن) نے ٹکٹ جاری کیے۔ دوسرے نمبر پر پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) نے 479 امیدوار کھڑے کیے۔ جماعت اسلامی نے 164 امیدواروں کو ٹکٹ جاری کیے، جبکہ پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) نے 81 امیدوار میدان میں اتارے تھے۔ دیگر جماعتوں کے 205 امیدواروں نے الیکشن میں حصہ لیا، جبکہ اسلام آباد میں آزاد امیدواروں کی تعداد 972 تھی۔ اسلام آباد کی تاریخ کے پہلے بلدیاتی انتخابات ہوئے۔ 50 یونین کونسلوں کے غیر حتمی اور غیر سرکاری نتائج کے مطابق مسلم لیگ ن) کے چیئرمین کے 19 امیدوار، پاکستان تحریک انصاف کے 17، پی پی کا ایک، جبکہ) آزاد امیدوار کامیاب ہوئے ہیں۔ غیر سرکاری اور 13

غیر حتمی نتائج کے مطابق جنرل کونسلروں کے 102 کے نتائج کے مطابق تحریک انصاف نے 57 نشستیں جیت لیں۔ مسلم لیگ (ن) کے 20، جبکہ 25 آزاد امیدوار کامیاب ہوئے۔ مسلم لیگ (ن) کے امیدوار ظفر علی شاہ کو شکست ہو گئی، جبکہ انجم عقیل کے بہنوئی کے ہارے جانے کی اطلاع ہے۔ چیئرمین تحریک انصاف عمران خان کی اپنی یونین کونسل میں تحریک انصاف کے امیدوار کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اقلیتوں کی نشست پر امیدوار بلا مقابلہ کامیاب قرار پائے، جبکہ خواتین کی مخصوص نشستوں پر 3 خواتین 9 امیدوار منتخب ہوئیں۔ یونین کونسل کے مختلف وارڈز سے 5 جنرل کونسلر بلا مقابلہ کامیاب ہوئے۔ یونین کونسل 50 گولڑہ کے وارڈ نمبر 6 سے مسلم لیگ ن کے لیاقت علی، یونین کونسل 45 بڈھانہ کلاں سے اقلیتی نشست پر مسلم لیگ ن کے راجیش کمار منتخب ہوئے۔ علاوہ ازیں یو سی 40 کی تمام وارڈز پر تحریک انصاف کے امیدوار کامیاب ہو گئے۔ یو سی 40 سے تحریک انصاف کے علی اعوان چیئرمین منتخب ہو گئے۔ علاوہ ازیں یونین کونسل 23 کری میں قومی اسمبلی کے سابق ڈپٹی اسپیکر حاجی نواز کھوکھر کے کزن جمیل کھوکھر مسلم لیگ ن اور پی ٹی آئی کے امیدواروں کو شکست دے کر چیئرمین یونین کونسل منتخب ہو گئے۔ آئی این پی کے مطابق یونین کونسل 25 سے وزیر اعلیٰ خیبر پی کے پرویز خٹک کے بھتیجے عتیق خٹک پی ٹی آئی کی ٹکٹ پر کامیاب ہوئے۔

اسلام آباد میں بلدیاتی انتخابات کے نتائج کا حتمی اعلان تو آج کیا جائے

گا، لیکن اس سے پہلے پی ٹی آئی نے اسلام آباد کے بلدیاتی الیکشن پر بھی انگلی اٹھا دی ہے۔
تحریک انصاف نے ریٹرننگ افسران کے روبرو سات نشستوں کے نتائج کو چیلنج کیا ہے،
جن میں یونین کونسل نمبر 13,20,22,30,34,39,42 شامل ہیں۔اسلام
آباد سے جاری ایک بیان میں عمران خان نے کہا کہ اسلام آباد میں بلدیاتی انتخابات
میں سات یونین کونسلوں کے نتائج راتوں رات تبدیل کیے گئے ہیں۔ پی ٹی آئی کے اسد
عمر کے مطابق آر اوز کے ذریعے نتائج بدلے گئے تو عدالت جائیں گے۔ دوسری جانب
پاکستان میں انتخابی عمل کو مانیٹر کرنے والی تنظیم "فافن" نے اسلام آباد کے حالیہ
بلدیاتی الیکشن سے متعلق رپورٹ جاری کی ہے جس کے مطابق ان انتخابات میں بڑے
پیمانے پر بے ضابطگیاں ہوئیں۔ پولنگ عملے نے تربیت یافتہ ہونے کے باوجود غلطیاں
کیں، اس کے علاوہ الیکشن والے دن چھٹی نہ دینے کا فیصلہ متنازعہ تھا، جس کی وجہ سے
ہزاروں افراد ووٹ نہ ڈال سکے۔ ہر پولنگ اسٹیشن پر اوسطا 5 شکایات سامنے آئیں۔
خواتین کو ووٹ سے روکنے کی اطلاعات سامنے آئیں۔ پولنگ شیڈول کو پولنگ سے بہت
پہلے ہی پبلک کر دیا گیا جو انتخابی ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی ہے۔
اسلام آباد کے اقتدار کی جنگ میں پی پی پی کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ یہ جنگ مسلم لیگ
ن) کے دو دھڑوں، پی ٹی آئی اور آزاد گروپ کے درمیان زوروں پر ہے۔)
شہر اقتدار میں میئر لانے کے لیے مسلم لیگ (ن) اور تحریک انصاف نے کوششیں

تیز کردیں اور دونوں جماعتوں کا انحصار آزاد امیدواروں پر ہے۔ اسی سلسلے میں تحریک انصاف نے اپنا میئر شپ پر حکمت عملی طے کرنے کے لیے مرکزی دفتر میں اجلاس طلب کیا، جس کے بعد پی ٹی آئی نے آزاد امیداروں کو تحریک انصاف میں شمولیت کی دعوت دی ہے۔ ایم این اے اسد عمر نے پی ٹی آئی کے اسلام آباد کی میئر شپ کا الیکشن پورے زور سے لڑنے کا اعلان کیا۔ بعض آزاد یو سی چیئرمینز کی جانب سے حمایت ملنے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ جبکہ دوسری جانب بلدیاتی انتخابات میں برتری حاصل کرنے والی حکمراں جماعت مسلم لیگ (ن) نے بھی شہر اقتدار میں اپنا میئر لانے کے لیے کوششیں تیز کردیں۔ معلوم ہوا ہے کہ آزاد امیدواروں میں سے 5 کا تعلق مسلم لیگ ن سے ہے، جو ٹکٹ نہ ملنے پر آزاد حیثیت میں اپنی پارٹی امیدوار کے حق میں دستبردار ہونے کی بجائے انتخابی میدان میں اترے اور کامیاب ہوئے۔ ن لیگ اپنے ناراض ارکان کو منانے کی سر توڑ کوششیں کر رہی ہے۔ ایسے میں مسلم لیگ کی جانب سے میئر کے لیے چودھری مطلوب ایک مضبوط امیدوار کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ آزاد امیدواروں کو سات دن میں مسلم لیگ ن اور تحریک انصاف میں سے کسی ایک میں شمولیت کا فیصلہ کرنا ہوگا۔ غالب امکان ہے کہ آزاد امیدواروں کی بڑی تعداد (ن) لیگ میں ہی شامل ہوگی، کیونکہ حسب روایت آزاد امیدوار حکمران جماعت میں ہی شمولیت اختیار کرتے ہیں، بلکہ بعض تجزیہ کاروں کے مطابق یہ بھی امکان ہے کہ اسلام آباد میں بلدیاتی انتخابات میں منتخب ہونے والے پی ٹی آئی کے بھی بعض ارکان

ن لیگ میں شامل ہو سکتے ہیں۔ آزاد امیدواروں کی تعداد 13 ہے، جن میں سے سات کا (ن) لیگ میں شامل ہو جانا مشکل نہیں ہے۔

ن) لیگ کو اپنا میئر لانے کے لیے صرف سات ارکان کی ضرورت ہے۔ ذرائع کے) مطابق قومی اسمبلی کے سابق ڈپٹی اسپیکر حاجی نواز کھوکھر کے حمایت یافتہ منتخب بلدیاتی چیئرمینوں نے فیصلہ کن حیثیت حاصل کر لی ہے۔ میٹروپولیٹن کارپوریشن اسلام آباد کا میئر اور ڈپٹی میئر صرف اس پارٹی کا بن پائے گا، جسے نواز کھوکھر گروپ کا تعاون حاصل ہوگا۔ ذرائع کے مطابق اسپیکر قومی اسمبلی حاجی نواز کھوکھر نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کے (نواز کھوکھر) گروپ کے 12 آزاد امیدوار ان کے پینل کے ہیں، جب تک ہم نہیں جائیں گے، اسلام آباد میں میئر کا انتخاب نہیں ہو سکتا۔ میئر ڈپٹی میئر کے الیکشن میں ان کے گروپ کے چیئرمین کلیدی کردار ادا کریں گے۔ ذرائع کے مطابق حاجی نواز کھوکھر اور مسلم لیگ (ن) کی قیادت کے درمیان معاملات طے ہو چکے ہیں، جس کے بعد اسلام آباد سے مسلم لیگ ن کا میئر آنا یقینی ہے۔ ذرائع کے مطابق اگرچہ حاجی نواز کھوکھر گروپ کی حمایت سے مسلم لیگ اپنا میئر لانے میں کامیاب تو ہو جائے گی لیکن مسلم لیگ ن) کے مابین اختلافات مزید شدت اختیار کر جائیں گے، کیونکہ حاجی نواز کھوکھر سے) مسلم لیگ کے کئی رہنماؤں کی ان بن چل رہی ہے۔ وفاقی دارالحکومت میں ہونیوالی نئی سیاسی دھڑے بندی میں حاجی نواز کھوکھر ڈاکٹر

طارق فضل چودھری، انجم عقیل خان اور ملک ابرار ایم این اے اس وقت ایک پلڑے میں دکھائی دیتے ہیں، جبکہ وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان، ظفر علی شاہ، اشرف گجر اور ملک شجاع الرحمٰن دوسرے دھڑے میں دکھائی دیتے ہیں۔ دوسری جانب تحریک انصاف کو اپنا میئر لانے کے لیے 9 آزاد ارکان کو اپنے ساتھ ملانا ضروری ہوگا، حاجی نواز کھوکر کے مسلم لیگ کی حمایت کے بعد پی ٹی آئی کے لیے میئر لانے کے امکانات معدوم ہوگئے ہیں۔

اخبار میں تحریر کیسے شایع کروائی جائے؟

بہت سے دوست بتاتے ہیں کہ انہیں اخبار میں لکھنے کا بہت شوق ہے اور وہ لکھ کر بھیجتے بھی ہیں، لیکن ان کی تحریریں شایع نہیں ہوتیں، جس کے بعد یا تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں لکھنا نہیں آتا اور وہ لکھنا چھوڑ دیتے ہیں یا پھر اخبار کے ذمہ داران کو نئے لکھاریوں کی صلاحیتوں کا دشمن قرار دینا شروع کر دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان کی تحریریں غیر معیاری ہونے کی وجہ سے نا قابل اشاعت ہوں۔ صاحب تحریر تو اپنی تحریر کو معیاری سمجھ رہا ہو، لیکن وہ اخبار کے معیار کے مطابق نہ ہو،اس صورت میں تحریر اخبار میں جگہ نہیں پا سکتی۔ تحریر شایع نہ ہونے کی کئی وجوہ ہوتی ہیں، جن کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ کسی بھی اخبار میں نئے لکھنے والے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی تحریر جس اخبار میں بھیجنا چاہتا ہے، باقاعدگی کے ساتھ مطالعہ کرکے اس اخبار کی پالیسی سمجھنے کی کوشش کرے۔ اس کے مزاج کو سمجھے۔ یہ معلوم کرے کہ اس کے اخبار کے قارئین کا حلقہ کیسا ہے؟ وہ تحریر کسی ادبی،اسلامی، سائنسی، معاشی صفحے کو بھجوا رہا ہے، یا پھر وہ صفحہ کسی اور حوالے سے ہے۔

تحریر اخبار اور صفحہ کے مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے لکھیں۔ اکثر یہ ہوتا ہے

کہ تحریر بہت شاندار ہوتی ہے، لیکن وہ اخبار کے مزاج یا پالیسی کے مطابق نہیں ہوتی، یا اخبار کی پالیسی کے خلاف تو نہیں ہوتی، لیکن جس صفحے پر آپ بھیج رہے ہیں، اس صفحے کے موضوعات کے مطابق نہیں ہے۔ آپ نے کسی سیاسی موضوع پر بہترین کالم لکھا اور اسے میگزین صفحے پر بھیج دیا۔ مذہبی موضوع پر ایک بہترین مضمون لکھا یا کوئی بہترین رپورٹ تیار کی اور اسے ادارتی صفحے پر بھیج دیا۔ سائنس، سیاست یا اسپورٹس پر ایک عمدہ مضمون لکھا اور اسے اخبار کے اسلامی صفحہ پر بھیج دیا۔ ان تمام صورتوں میں آپ کی تحریر چاہے بہت ہی بہترین ہو، لیکن اخبار کا ایڈیٹر اسے اپنے صفحے پر جگہ دینے سے قاصر ہوگا، کیونکہ آپ نے اپنی تحریر جس جگہ بھیجی ہے، وہ اس کی جگہ تھی ہی نہیں۔ اگر تحریر شایع نہیں ہوتی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کی تحریر معیاری نہیں تھی، بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے تو تحریر بہت شاندار لکھی، لیکن اخبار کے دفتر میں ملک بھر سے آنے والی تحریروں کی بہتات کی وجہ سے آپ کی تحریر کے لیے جگہ نہیں بن پائی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے تو تحریر بہت عمدہ لکھی، لیکن وہ اخبار کی پالیسی کے مطابق نہیں تھی، پرانے لکھنے والوں کی تحریروں کی وجہ سے آپ کی تحریر کو جگہ نہیں مل پائی، نئے لکھنے والوں کی آپ سے بھی بہتر تحریریں آچکی تھیں یا آپ نے جس موضوع پر لکھا ہے، اسی موضوع پر دیگر کئی افراد کی تحریریں شایع ہوچکی ہیں یا وہ موضوع ہی پرانا ہوچکا ہے۔

اگر پہلی بار بھیجنے سے آپ کی تحریر شایع نہیں ہوئی تو دوسری بار بھیجیں، تیسری بار بھیجیں، مستقل مزاجی سے لگے رہیں۔ جب ایک بار آپ کی تحریریں شایع ہونے لگیں تو ایڈیٹر کو خود ہی اندازہ ہوجائے گا کہ فلاں نیا لکھنے والا اچھا لکھتا ہے۔ اب وہ نئے لکھاریوں کی تحریروں کی بہتات کے باوجود آپ کی تحریر کو ترجیح دے گا۔ اخبار کے دفتر میں اتنا وقت نہیں ہوتا کہ ایڈیٹر ہر تحریر کو اول تا آخر پڑھے، بلکہ سب سے پہلے ترجیحی بنیادوں پر اپنے پرانے لکھاریوں کی تحریروں کو دیکھا جاتا ہے، ان کے ہوتے ہوئے نئے لکھاریوں کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ جب پرانے لکھاریوں میں سے کسی کی تحریر نہ ہو تو اس کے بعد نئے لکھاریوں پر توجہ دی جاتی ہے۔ اگر کوئی نیا لکھاری اپنی تحریر شایع نہ ہونے کے باوجود بھی مستقل بھیجتا رہے تو رفتہ رفتہ وہ بھی اخبار پر جگہ پانے لگے گا، لیکن مستقل مزاجی ضروری ہے۔ یہ معاملہ آج کے کسی نئے لکھاری کے ساتھ ہی نہیں، بلکہ آج کے کئی نامور اور معروف کالم نگاروں کی بھی ان کے ابتدائی دنوں میں بہت سی تحریریں مسترد ہوتی رہی ہیں، لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری، مستقل مزاجی کے ساتھ لگے رہے اور آج ان کا بڑا نام ہے۔ آج بہت سے لوگ بڑا لکھاری بننے کی خواہش کا اظہار تو کرتے ہیں، لیکن ان کی آج کی شہرت کے پیچھے برسوں کی مسلسل محنت پر نظر نہیں ڈالتے۔ کوئی بھی بڑا آدمی "بائی ڈیفالٹ" بڑا نہیں ہوتا، بلکہ اسے مسلسل محنت کرنا پڑتی ہے۔ اس

کے راستے میں بہت سے کٹھن مراحل بھی آتے ہیں، لیکن وہ کبھی گھبراتا نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ ان تمام مراحل کو خوش اسلوبی کے ساتھ عبور کرلیتا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ تحریر کو اخبار کے مزاج کے مطابق لکھیں، عامیانہ اور ٹھیٹھ خطیبانہ اور روایتی انداز کو چھوڑ کر لکھیں۔ تحریر لکھنے کے بعد پہلے خود اسے کئی بار پڑھیں، ہر بار پڑھنے سے بہت سی نئی غلطیاں سامنے آئیں گی، جن کی اصلاح آپ کو خود ہی کرنا ہوگی۔ ممکن ہو تو کسی صاحب فن کو اپنی تحریر دکھا بھی لیں۔جب آپ اپنے تئیں اپنی تحریر کو کلیئر کردیں تو تحریر کو فیئر کرنے کے بعد متعلقہ اخبار کے ایڈیٹر کو بھیجیں۔ اپنی تحریر ایڈیٹر کو روانہ کرنے کے بعد انتظار کریں۔ چھپنے کی جلدی نہ کریں۔ اگر اخبار کے صفحات پر آپ کی تحریر کی جگہ بن پائی تو ایڈیٹر ضرور لگائے گا، کیونکہ ایک اچھی تحریر کی ضرورت اخبار کو رہتی ہے، بشرطے کہ اس کے پاس پہلے سے بہترین تحریریں موجود نہ ہوں۔اگر آپ کی تحریر شایع نہیں ہوتی تو سمجھیں کہ ایڈیٹر آپ کی تحریر ضرور لگاتا، لیکن اس کو کوئی مجبوری آڑے آ گئی ہے۔

سوشل میڈیا کا منفی استعمال

جدید ٹیکنالوجی نے جس تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کی ہے، ماضی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پچھلی چند دہائیوں میں جدید ٹیکنالوجی کی بدولت دنیا بھر کے لوگ ایک دوسرے کے نزدیک آ گئے ہیں اور پوری دنیا نے ایک گلوبل گاؤں کی شکل اختیار کرلی ہے۔ اب ہزاروں میل کی دوری کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ دور دراز بیٹھ کر لوگ بیک وقت اپنے عزیزوں کی آواز کو اپنے کانوں سے سن اور لب ولہجہ وصورت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور اپنے گھروں میں بیٹھ کر لوگ ہزاروں میل کی مسافت پر موجود اپنوں سے بالمشافہ ملاقات کا حظ اٹھا سکتے ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسانی تعلقات کی نت نئی شکلیں پیدا کرکے ان کے دائرے کو وسیع تر کردیا ہے۔ ان ہی ترقیاتی شکلوں میں نیٹ ورک سوشل میڈیا بھی ہے، جو افراد اور اداروں کو ایک دوسرے سے مربوط ہونے، خیالات کا تبادلہ کرنے، اپنے پیغامات کی ترسیل اور انٹرنیٹ پر موجود دیگر بہت سی چیزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ شیئر کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ پچھلی ایک دہائی میں اس میں انتہائی تیز رفتار ترقی ہوئی ہے اور اب سوشل میڈیا نوجوانوں کی بڑی تعداد کی دلچسپی کا محور و مرکز

بن چکا ہے۔ انٹرنیٹ کی دنیا سے تعلق رکھنے والا ہر شخص فیس بک، ٹوئٹر، لنکڈ اور دیگر بہت سی سوشل سائٹس سے جڑی دنیا کا باشندہ بن چکا ہے۔ آج جملہ ذرائع ابلاغ میں سوشل میڈیا کا استعمال سب سے زیادہ ہو رہا ہے۔ دنیا کے کسی بھی گوشے میں ہونے والا کوئی بھی واقعہ سوشل میڈیا کے ذریعے سیکنڈوں میں دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے۔

جس طرح ہر چیز کے مثبت و منفی اثرات ہوتے ہیں، جو اس کو استعمال کرنے والوں پر منحصر ہوتے ہیں، اسی طرح سوشل میڈیا کے بھی دونوں قسم کے اثرات ہیں۔ سوشل میڈیا کا مقصد رابطوں کو فروغ دینا تھا، لیکن لوگوں نے اس کے مقاصد کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا۔ سوشل میڈیا کی وجہ سے معاشرے میں بہت سی اخلاقی و سماجی خرابیوں نے فروغ پایا ہے اور ایسی سرگرمیاں بھی عروج پر ہیں جو معاشرے کے مختلف طبقات اور مکاتب فکر میں ایک دوسرے سے نفرت کو پروان چڑھانے اور باہمی انتشار اور خلفشار کا سبب بن رہی ہیں۔ معاشرے میں بیشتر افراد اسے لوگوں کو بدنام کرنے کے لیے بے بنیاد خبروں کو پھیلانے، تصاویر اور خاکوں میں ردوبدل جیسے طریقوں کے ذریعے غلط استعمال کر رہے ہیں۔

ماضی میں کسی کے خلاف دو الفاظ شایع کروانے کے لیے ہزار جتن کرنا پڑتے تھے، لیکن اَب کسی کے بخیے ادھیڑنے ہوں، کسی کی زندگی میں زہر گھولنا ہو اور کسی

کی عزت کی دھجیاں اڑانی ہو تو سوشل میڈیا کے ذریعے بناخوف کے یہ کام ہو جاتا ہے۔ فیس بک پر جعلی اکاؤنٹس کے ذریعے انسانیت کو جو داغدار کیا جا رہا ہے، اس سے کون واقف نہیں۔ سوشل میڈیا پر بلاخوفِ لوگ ایک دوسرے کے خلاف محاذ کھول لیتے ہیں۔ مختلف جماعتوں، فرقوں، گروہوں نے سوشل میڈیا پر اپنی اپنی لابیاں بنائی ہوئی ہیں، جو اپنے حلقے کی ہر غلط ٹھیک بات میں تائید کرتے ہیں، جب کہ مخالف حلقے کی ہر غلط ٹھیک بات میں مخالفت کرنا فرض ہوتا ہے۔

اپنے قائدین کے حق میں ایسی ایسی صفات گنوائی جاتی ہیں، جن سے وہ بے چارے خود بھی واقف نہیں ہوتے، جب کہ مخالفین کے خلاف ایسے ایسے الزامات لے آتے ہیں، جو ان کی زندگیوں میں کہیں بھی نہیں ہوتے۔ مختلف گروہ مخالفین کے لیے ناقابل برداشت زبان اور کلمات استعمال کیے جاتے ہیں۔ مختلف سیاسی و مذہبی جماعتوں کے ورکرز سوشل میڈیا خاص طور پر فیس بک پر بہت زیادہ متحرک نظر آتے ہیں، جو اس سائٹ کو عام طور پر پروپیگنڈہ کے لیے استعمال کرتے ہیں اور سیاسی اور مذہبی رہنماؤں کی بے عزتی کے لیے مضحکہ خیز فرضی تصاویر کو اپ لوڈ کرتے ہیں۔ متعدد معروف شخصیات، حکومتی عہدیداران، سیاستدان اور ججز کے نام سے آئی ڈیز سماجی رابطے کی سائٹس پر موجود ہیں، لیکن وہ شخصیات بار بار اس کی تردید کر چکی ہیں۔

سوشل میڈیا پر کسی بھی خبر یا افواہ کی تحقیق سے بھی پہلے وہ پوری دنیا میں نشر کر دی جاتی ہے۔ معلومات درست ہوں یا غلط، کوئی اس جھنجھٹ میں پڑتا ہی نہیں، بطورِ خاص جب معلومات مذہبی نوعیت کی ہوں، جن میں بہت سے ثواب کی نوید، یا پھر شیطان کے روکنے کا ذکر کیا گیا ہو، اس وقت تو سوشل میڈیا استعمال کرنے والے لوگوں کی بڑی تعداد بغیر تحقیق و تصدیق کے بس شیئر کیے جاتی ہے۔ ثواب کے نام پر بہت سی پوسٹوں کو حدیث اور آیت کے عنوان سے پھیلایا جاتا ہے، جو انتہائی خطرناک بات ہے۔

نوجوان نسل کے ذہن ودماغ پر سوشل میڈیا جنون کی حد تک حاوی ہو چکا ہے، وہ اپنے کام اور پڑھائی کے اوقات بھی سوشل میڈیا پر صرف کر رہا ہے، جس سے ان کی تعلیم پر برا اثر پڑ رہا ہے۔ شریک حیات ہمسفر کو نظرانداز کر کے ٹوئٹر، وہاٹس اپ یا فیس بک پر مصروف رہنے کی عادت نے بہت سے جوڑوں کو علیحدگی کی منزل تک پہنچا دیا ہے۔

بعض عرب ممالک میں تو طلاق کی شرح بڑھنے کی وجہ سوشل میڈیا کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس لیے سوشل میڈیا کے منفی پہلوؤں کو کسی طور پر بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔

سوشل میڈیا پر کسی قسم کی کوئی روک تھام کا نظام موجود نہیں ہے، ہر شخص اچھی بری بات کہنے اور لکھنے میں آزاد ہے۔ کوئی شخص بلا روک ٹوک کسی بھی مذہبی شخصیت اور مذہبی نظریات کو مطعون کر سکتا ہے اور مخالف مذہبی سوچ کی محترم

شخصیات پر کیچڑ اچھال سکتا ہے۔ سوشل میڈیا پر مخالفین کے خلاف پروپیگنڈے کی مکمل آزادی کی وجہ سے معاشرے میں انتہا پسندی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ بعض اوقات ایک دوسرے کے خلاف بے جا الزامات یا غیر مستند فتاویٰ جات کا پرچار کرکے انتشار اور خلفشار بھی پھیلایا جاتا ہے۔ دین ہمیں کسی پر تہمت لگانے سے سختی سے منع کرتا ہے، لیکن سوشل میڈیا پر بعض شر پسند عناصر کی جانب سے بے بنیاد الزامات کو پھیلا کر معاشرے میں بے چینی و بدامنی کی کیفیت پیدا کی جا رہی ہے۔

سوشل اور سائبر میڈیا کی اہمیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ اس کے درست استعمال کے لیے کوششیں تیز کی جائیں۔ اس باب میں ابھی تک مؤثر قانون سازی نہیں کی گئی۔ گزشتہ دنوں فیس بک پر نفرت انگیز تقریر پوسٹ کرنے پر انسداد دہشت گردی کی عدالت نے ایک شخص کو 13 سال قید کی سزا سنائی ہے، لیکن صرف ایک فرد کو سزا سنانا کافی نہیں ہے، بلکہ ابھی اور بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ فیس بک پر دوستیاں لگا کر لڑکیوں اور لڑکوں کے اغوا سے متعلق کئی خبریں میڈیا میں آچکی ہیں اور اسی طرح دھوکا دہی کے کئی واقعات بھی پیش آتے رہے ہیں۔ گزشتہ دنوں بھی ایک لڑکی کو فیس بک پر دوستی کرکے گھر بلایا اور ریپ کے بعد قتل کیا گیا۔ سائبر وار فیئر، سائبر کرائم اور سائبر ٹیررازم جیسی اصطلاحات دنیا میں رائج ہیں، لیکن سوشل میڈیا کے منفی استعمال کو روکنے کے لیے اپنے یہاں

کوئی بھی جامع بات دکھائی نہیں دیتی۔اس کے لیے جامع قانون سازی اور پھر اس
پر دیانت دارانہ عمل کرنے اور اس کے ساتھ سوشل میڈیا کو تعمیری انداز میں استعمال
کا شعور اجاگر کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

بابری مسجد کی شہادت، 23 سال گزر گئے

بھارت میں سیکڑوں برس پرانی تاریخی بابری مسجد کی شہادت کو آج 23 سال مکمل ہو چکے ہیں، لیکن مسلمانوں کی عظیم عبادت گاہ کو شہید کرنے والوں کے خلاف بھارت کی نام نہاد سیکولر حکومت تاحال کوئی کارروائی نہیں کر سکی۔ بھارت کے آئین میں ہر شخص کو مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی، لیکن اس کے باوجود 6 دسمبر 1992ء کو ہزاروں انتہا پسند ہندو جنونیوں نے بابری مسجد کو شہید کرکے یہ بتادیا کہ منافقت اور مسلمان دشمنی ہندو بنیے کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور بھارت میں ہندؤں کے سوا کسی کو مذہبی آزادی نہیں ہے۔ 6 دسمبر 1992ء کی تاریخ بھارت کی متعصب اور نام نہاد سیکولر حکومت کے چہرے پر ایک بدنما داغ ہے، جو کبھی بھی مٹ نہیں سکتا۔

بابری مسجد مسلمانوں کا عظیم اور قدیم سرمایہ تھی، جو کہ 1527ء میں مشہور مغل شہنشاہ ظہیر الدین بابر کے حکم سے اس کے جرنیل اور گورنر میر باقی نے بنوائی، لیکن چار سو سال پرانی اس عبادت گاہ کو متعصب ہندؤں نے شہید کرکے اس جگہ ایک رام مندر کی بنیاد رکھ دی۔ انتہا پسند ہندؤں کا دعویٰ ہے کہ بابری مسجد کی جگہ رام مندر ہوتا تھا، جسے گرا کر یہ مسجد بنائی گئی۔ یہ سراسر جھوٹ اور مسجد پر قبضہ کرنے کے لیے راہ ہموار کرنے کی ایک سازش تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ بابری مسجد سیکڑوں برس پرانی ہے، 1528ء سے لے کر 1850ء کے بعد تک بھی یہ بات کسی نے نہیں کہی تھی کہ بابری مسجد کسی مندر کو توڑ کر بنائی گئی تھی۔ دراصل ہالینڈ سے تعلق رکھنے والے ہنس بیکر نے بابری مسجد کی جگہ کے بارے میں "جنم بھومی مندر" کی تعمیر کی بات لکھی تھی۔ انگریزوں نے اپنی سروے رپورٹس، انتظامیہ کے شائع کردہ گزیٹرس وغیرہ میں بابری مسجد کے بارے میں لکھنا شروع کیا کہ یہاں پہلے مندر تھا، چنانچہ ؤاس سلسلے میں مانگمری مارٹن اور پی کاریگی کی رپورٹس نے قیاسات کی بنیاد پر مندر کی جگہ مسجد کے مفروضے پیش کیے، جس کے بعد ہندو بابری مسجد پر قبضہ کرنے کی سازشیں کرنے لگے۔

بابری مسجد کی شہادت کا واقعہ اچانک پیش نہیں آیا، بلکہ بھارتی ریاست اتر پردیش میں بھارتیہ جنتا پارٹی نے ایل کے ایڈوانی کی قیادت میں انتہا پسند تنظیموں وشوا ہندو پریشد، بجرنگ دل اور شیو سینا کے ساتھ مل کر رام مندر کی تعمیر کے لیے تحریک چلائی اور کانگریسی وزیراعظم نرسمہا را کی حکومت میں 6 دسمبر 1992ء کو ہزاروں ہندؤں پر مشتمل مشتعل ریلی نے نیم فوجی دستوں کی موجودگی میں اس تاریخی مسجد کو شہید کر دیا۔اس دوران ایل کے ایڈوانی، مرلی منوہر جوشی اور دیگر ہندو لیڈر متنازعہ جگہ پر پہنچے۔ انتہا پسند ہندو مسجد کے گنبد پر چڑھے اسے گرا رہے تھے۔ ایڈوانی، مرلی منوہر جوشی نے میڈیا کو

دکھانے کے لیے کمزور آواز میں احتجاج کیا، لیکن منصوبہ تو پہلے سے تیار تھا، اس لیے بدمست ہندؤں نے تھوڑی ہی دیر میں عظیم بابری مسجد کو شہید کر ڈالا۔ بابری مسجد کی شہادت کے بعد تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی کہ مسجد کی شہادت میں اس وقت کی حکومت ملوث تھی۔ مرلی منوہر جوشی اور ایڈوانی نے اپنی نگرانی میں تمام انتظامات کو حتمی شکل دی اور مسجد کی شہادت کے وقت یہ دونوں لیڈر بابری مسجد سے دو سو میٹر دور واقع "رام کتھا کنج" کی عمارت میں موجود تھے۔ بابری مسجد کو شہید کرنے کے منصوبے میں سیکولرازم کا دم بھرنے والی تمام جماعتیں ہی بابری مسجد کی شہادت کے جرم میں برابر کی شریک ہیں۔ انتہا پسند ہندو تنظیم بجرنگ دل نے 1992ء جون میں ہی اپنے 38 کارکنوں کو ریٹائرڈ فوجیوں سے تربیت دلوا کر ان کی ذہن سازی کی اور انہیں بابری مسجد شہید کرنے پر اکسایا، تب کے بھارتی وزیراعظم وی پی نرسیما راؤ اور ایل کے ایڈوانی کو اس ساری سازش کا پہلے سے علم تھا۔ ایک منصوبہ ناکام ہونے کی صورت میں مسجد شہید کرنے کے دو منصوبے اور بھی ترتیب دے رکھے تھے۔ آر ایس ایس کے 1200 کارکنوں کو ملک کے مختلف حصوں سے بلایا گیا تھا۔ 1949ء میں مسجد کے اندر سے "رام" کی مورتی کو بعض شرپسندوں نے دریافت کرکے تنازع کھڑا کیا تھا، اس سارے کھیل کا مقصد بھی بابری مسجد شہید کرکے مسلمانوں کو دلی تکلیف پہنچانا تھا۔

بابری مسجد کی شہادت کے المناک واقعے سے پورے عالمِ اسلام میں غم وغصے کی شدید لہر دوڑ گئی اور بھارت میں بدترین ہندو مسلم فسادات ہوئے۔ گودھرا، گجرات ٹرین حملوں سمیت ان فسادات میں کم و بیش تین ہزار سے زاید مسلمانوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔23 سال گزرنے کے باوجود اس اندوہناک واقعے میں ملوث دہشت گرد آج بھی آزاد اور مسلمان انصاف کے منتظر ہیں۔ 6 دسمبر1992ء کو بابری مسجد کو مسمار کرنے کے سلسلے میں 49 افراد کے خلاف مقدمات درج کیے گئے تھے، جو گزشتہ 23 برسوں سے قانونی داؤ پیچ اور عدالتوں کی پیچیدگیوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ بھارت کی متعصب حکومت خود ہی اس واقعہ کے ذمہ داروں کے خلاف کارروائی نہیں کرنا چاہتی۔ بابری مسجد کی شہادت کے 17 سال بعد آنے والی لیبر ہان عدالتی کمیشن کی رپورٹ میں سابق وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی، بھارتیہ جنتا پارٹی کے دیگر سینئر رہنماؤں ایل کے ایڈوانی اور مرلی منوہر جوشی کو واقعہ کا ذمہ دار قرار دیا تھا۔ بھارت کی تقریباً تمام سیاسی جماعتوں نے بابری مسجد پر اپنی سیاست چمکائی، لیکن کسی نے اس مسجد کی تعمیر کی بات نہیں کی۔انتہا پسند ہندؤں کے ہاتھوں بابری مسجد کی شہادت کو 23 سال مکمل ہو چکے ہیں، لیکن تاحال کسی مجرم کو سزا نہیں مل سکی۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو چاہیے کہ عالمی سطح پر اس حوالے سے آواز اٹھائیں۔

مقامی حکومتوں کا نظام.... ملک کی ترقی کا ضامن

5 دسمبر کو پنجاب کے 12 اور کراچی کے 6 اضلاع میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات کے تیسرے مرحلے کے انعقاد کے بعد پنجاب اور سندھ میں بلدیاتی انتخابات کے تمام مراحل کامیابی سے پایہ تکمیل کو پہنچ گئے ہیں۔ تیسرے مرحلے کے بلدیاتی انتخابات میں بھی پنجاب میں حکمران جماعت مسلم لیگ (ن) کا پلڑا بھاری رہا، تاہم آزاد امیدوار پہلے دو مراحل سے بھی زیادہ تعداد میں منتخب ہوئے۔ کراچی میں متحدہ قومی موومنٹ کے مقابلے میں پی ٹی آئی اور جماعت اسلامی کا اتحاد بھی کامیاب نہ ہو سکا، جبکہ سندھ کی حکمران جماعت پیپلز پارٹی کراچی میں اپنے گڑھ لیاری کی 15 میں سے صرف 6 نشستیں حاصل کر پائی۔ متحدہ قومی موومنٹ کو کراچی میں مجموعی طور پر 255 نشستیں حاصل ہوئیں، پیپلز پارٹی کو 39، جبکہ پی ٹی آئی اور جماعت اسلامی کو دس دس نشستیں حاصل ہو سکیں اور کراچی میں 34 آزاد امیدوار کامیابی حاصل کر سکے۔ اس سے پہلے 31 اکتوبر کو پنجاب کے 12 اور سندھ کے 8 اضلاع میں پہلے اور 19 نومبر کو پنجاب کے 12 اور سندھ کے 14 اضلاع میں دوسرے مرحلے کے بلدیاتی انتخابات ہوئے تھے۔ دونوں مرحلوں کے انتخابی نتائج کے مطابق پنجاب میں مسلم لیگ (ن) اور سندھ میں پیپلز پارٹی نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔

تینوں مراحل میں آزاد امیدوار مجموعی طور پر دوسری بڑی قوت بن کر سامنے آئے ہیں۔ ملک بھر میں بلدیاتی انتخابات کے تمام مراحل کی تکمیل کے ساتھ ملک میں بلدیاتی نظام کی عملداری کی راہ ہموار ہو گئی ہے۔ اب آخری مرحلے میں میٹروپولیٹن اور میونسپل کارپوریشنوں کے لارڈ میئرز، میئرز، ڈپٹی میئرز، ضلع کونسلوں کے چیئرمینوں، ڈپٹی چیئرمینوں اور یونین کونسل سے میٹروپولیٹن کارپوریشنوں تک خواتین، لیبر، اقلیتی اور یوتھ کی مخصوص نشستوں پر انتخاب ہوگا، جس کے ساتھ ہی گزشتہ سات سال سے معطل بلدیاتی نظام بحال ہو جائے گا۔

مقامی حکومتوں کا نظام اپنی فعالیت، اثر پذیری اور مثبت نتائج کے اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ بلدیاتی ادارے کسی بھی ملک کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جب ملک کا شہری نظام بہتر اور مضبوط ہو، مقامی حکومتیں فعال اور فکر مند ہوں تو ملک کا ترقی کرنا یقینی ہے۔ ترقی کا عمل نچلی سطح سے اوپر کی جانب جاتا ہے۔ اگر تمام منتخب نمائندے اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے اپنے اپنے علاقے میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کریں تو کچھ ہی عرصے میں ملک ترقی کی بلندیوں پر پہنچ سکتا ہے۔ گزشتہ روز عالمی بینک کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ شہری آبادی کے بہتر انتظام سے پاکستان دنیا کی امیر قوموں میں بآسانی شامل ہو سکتا ہے۔ عالمی بینک کے ممتاز اربن اکانومسٹ پیٹر ایلیر نے کہا ہے کہ " شہروں کے نظام کار میں بہتری کے ذریعے پاکستان ترقی اور

خوشحالی میں نمایاں مقام حاصل کر سکتا ہے۔ پاکستان کی مجموعی قومی پیداوار میں شہروں کا حصہ 78 فیصد ہے اور ویژن 2025ء کے تحت شہری ترقی کو خصوصی اہمیت دی جارہی ہے، جس سے ملک میں ترقی اور خوشحالی کی نئی راہیں کھلیں گی، جبکہ پاکستان کا شمار بھی دنیا کی امیر ترین اقوام میں ہوگا۔" بلدیاتی انتخابات کے نتیجے میں منتخب ہونے والے نمایندوں پر یہ ذمے داری عاید ہوتی ہے کہ وہ عوامی مسائل کے حل پر بھرپور توجہ دیں، کیونکہ عوامی مسائل کو حل کرنے کے لیے ہی ان کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ عوام کو مسائل سے نجات دلانا انہیں عوامی نمائندوں کی ہی ذمہ داری ہے۔ ہمارے علاقے منتخب عوامی نمائندوں کی توجہ کے منتظر ہیں۔ بہت سے علاقوں کی گلیوں میں کیچڑ اور کچروں کے ڈھیر ہیں۔ نالیاں گٹر ابل ابل کر غلیظ ترین بدبو چھوڑ رہے ہیں۔ مسجدوں کے راستوں میں تالاب کھڑے ہیں۔ ہر چوک پر غلاظت کے ڈھیر لگے ہیں۔ فٹ پاتھوں کو ناجائز تجاوزارت نے گھیرا ہوا ہے۔ پارکوں میں جھولوں کی بجائے لوگوں نے اپنے مال مویشی باندھ رکھے ہیں۔ دور دراز کی بستیوں میں بہت سے اسکولوں کو مویشی منڈیوں کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ ملک کے تقریباً تمام علاقوں میں یہ اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں، جن سے چھٹکارہ دلانا بلدیاتی اداروں کی ذمہ داری ہے۔ بلدیاتی انتخابات میں منتخب ہونے والے نمائندے اگر اپنی ذمہ داری ادا کریں تو عوام کو ان تمام مسائل سے نجات مل سکتی ہے۔

بلدیاتی انتخابات اور ان کے نتیجے میں بننے والے ادارے دنیا کے کئی ممالک میں ترقی کے ضامن ہیں۔ امریکا ہو یا برطانیہ یا پھر چین ہو، ان کی جمہوریتوں میں مقامی سطح پر ترقیاتی کام یہی بلدیاتی ادارے کر رہے ہیں۔ پارلیمنٹ صرف ملکی سطح کے پالیسی معاملات اور قانون سازی کے کام انجام دیتی ہے۔ دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک نے تجربات کے بعد عوامی حکومتوں میں عوام کے مسائل ان کی دہلیز اور ان کے علاقوں میں حل کرنے کے لیے فعال لوکل باڈیز سسٹم قائم کیے ہیں، جن کے الیکشن بروقت ہوتے ہیں اور عوام ہر قسم کی آزادی، اپنی مرضی و منشا کے تحت اپنے علاقے کے لیے نمائندے بذریعہ انتخابات منتخب کرتے ہیں۔ کونسلرز چنے جاتے ہیں۔ انہیں میں سے چیئرمین یا میئرز کا انتخاب ہوتا ہے۔ وہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں سے گرانٹیں لیتے ہیں۔ عوامی بہبود کے لیے یکسوئی سے اقدامات اٹھاتے ہیں۔ سڑکیں، گلیاں، بازار پختہ کرواتے ہیں۔ اسکول اور ہسپتال چلاتے ہیں۔ عوامی فلاح کے اداروں کو ہمہ وقت فعال رکھتے ہیں۔ مقامی سطح پر لوگوں کی زندگیوں میں سکھ بوتے اور آزار کے کانٹے نکالتے ہیں۔ یہ سسٹم اپنے اپنے علاقوں کو صاف ستھرا رکھنے، انہیں سرسبز و شاداب بنانے، لائبریریوں کو چلانے، کمیونٹی سینٹروں میں عوام کو راحت کے اسباب مہیا کرنے، مقامی سطح پر قیمتوں کو کنٹرول کرنے کے لیے نہایت کامیابی سے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر ترقی یافتہ ملک میں بلدیاتی نظام مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی بنیاد ہے۔ بہت سے ملکوں میں اسی سسٹم سے نتھر کر

اعلیٰ لیڈر شپ ملکوں کی باگ ڈور سنبھالتی ہے۔ بہترین کارکردگی دکھانے والا کونسلر سے ترقی کرکے ملک کا وزیراعظم یا صدر بن جاتا ہے۔ آج ترکی میں صدارت کی کرسی پر بیٹھے طیب اردوان ابتدا میں کونسلر منتخب ہوئے تھے، 1990ء کے عشرے میں استنبول کے میئر تھے۔ اچھے کردار، بہترین وژن، اعلیٰ کارگزاری کی بنا پر ترکی کے ہر دل عزیز حکمران بن گئے ہیں۔ طیب اردوان نے گلیوں کوچوں کو صاف ستھرا بناکے جس مشن کا آغاز کیا تھا، اسی تجربے نے اسے سارے معاشرے کی غلاظتیں صاف کردینے کا لازوال ہنر سکھادیا۔ انڈونیشیا کا صدر ایک بڑھی کا بیٹا ہے۔ وہ پہلے شہر کا کونسلر، پھر میئر، پھر جکارتہ کا گورنر اور آخر میں ملکی صدر بنا۔ چین کی ترقی میں شہری نظام کی درستگی، عوامی حکومتوں کی مضبوطی کا اہم کردار ہے۔ چین کی مقامی حکومتیں بہت بہتر طریقے سے اپنی ذمہ داریاں ادا کررہی ہیں، جس کی بدولت چین تیزی کے ساتھ ترقی کی سیڑھیاں چڑھ رہاہے۔ اگر پاکستان میں بلدیاتی انتخابات کے نتیجے میں منتخب ہونے والے نمائندے اپنی ذمہ داریاں ٹھیک طریقے سے ادا کریں تو پاکستان بھی دیگر ممالک کی طرح تیز رفتاری سے ترقی کی منازل طے کرسکتا ہے۔

بلدیاتی نظام.... ترقی کی خشتِ اول

کوئی ملک چین کا حامی ہو یا مخالف چین کی برق رفتار ترقی سے انکار نہیں کر سکتا۔ بہت سے ماہرین کا خیال ہے کہ چند برسوں میں چین امریکا کو پیچھے چھوڑ کر عالمی قوت کی حیثیت اختیار کر لے گا اور 2021ء تک دنیا کی سب سے بڑی معاشی قوت کے طور پر سامنے آئے گا۔ چین کے شہروں سے لے کر دیہات تک میں ضروری سہولتیں میسر ہیں۔ چین میں کنفیوشس کو سب سے بڑا روحانی رہنما قرار دیا جاتا ہے۔ ان کی تعلیمات کو چین میں بہت اہمیت دی جاتی ہے، ان کا کہنا ہے: ©ت قومی زندگی کی تنظیم کرنے والے سب سے پہلے اپنی گھریلو زندگی کو باقاعدہ بنائیں.... یہ ممکن ہی نہیں کہ بنیاد باقاعدہ اور ٹھیک نہ ہو تو ساری عمارت درست اور مضبوط ہو۔ دنیا میں ایسا کوئی درخت نہیں جس کا تنا تو کمزور اور نازک ہو اور اس کی اوپر کی شاخیں، ٹہنیاں بے حد بھاری بھرکم اور مضبوط ہوں۔" چین نے آج بھی کنفیوشس کے اس اصول کو پوری طرح اپنا رکھا ہے۔

چین میں ملک کی "عمارت" کو مضبوط بنانے کے لیے "بنیادوں" کو مضبوط کرنے پر پوری توجہ دی جاتی ہے۔ ملک کے تمام علاقے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں، اگر تمام علاقے فلاحی کاموں کی بدولت ترقی کی منازل طے کرلیں تو ملک خود بخود

ترقی کر سکتا ہے۔ چھوٹے بڑے تمام علاقوں میں فلاحی کام کرنا اور عوام کی خدمت کرنا مقامی حکومتوں کی ذمے داری ہوتی ہے۔ چین میں مقامی سطح پر خدمات کو بہت ترجیح دی جاتی ہے۔ وہاں کا مقامی نظام حکومت مستحکم اور مضبوط ہے۔ چین میں مقامی پیپلز کانگریس کا براہ راست انتخاب ہوتا ہے اور یہی مقامی کانگریسیں بالائی درجے کی کانگریسوں کا بالواسطہ انتخاب عمل میں لاتی ہیں۔ گورنروں، میئرز، اضلاع، قصبات اور دیہات کے سربراہوں کا انتخاب بالترتیب مقامی کانگریسیں کرتی ہیں۔

یہ صرف چین کا ہی معاملہ نہیں، بلکہ دنیا بھر کے تمام ترقی پذیر ممالک چاہے ان میں جمہوریت ہو، بادشاہت ہو، آمریت ہو یا کوئی اور نظام ہو ان میں لوکل گورنمنٹ کا نظام انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اس نظام کے بغیر ترقی کرنا اور ملک میں موجود نچلے درجے کے بنیادی مسائل کا حل کرنا نہ ممکن سمجھا جاتا ہے۔ تمام ترقی یافتہ ممالک میں وقفے وقفے سے مقامی الیکشن ہوتے رہتے ہیں۔ کونسلرز چنے جاتے ہیں۔ چیئرمین یا میئرز کا انتخاب ہوتا ہے۔ وہ عوامی بہبود کے لیے یکسوئی سے اقدامات کرتے ہیں۔ سڑکیں، گلیاں، بازار پختہ کرواتے ہیں۔ اسکول اور اسپتال بناتے ہیں، چنانچہ ملک کی ترقی کے لیے مقامی نظام حکومت کا مستحکم ہونا از حد ضروری ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک عظیم سیاستدان اور بہترین منتظم تھے۔ آپ

رضی اللہ عنہ نے ہنگامی بنیادوں پر عوام کی فلاح کے لیے نہریں کھدوائیں۔ مہمان خانے بنوائے۔ چوکیاں اور سرائیں تعمیر کروائیں۔ سڑکوں اور پلوں کا انتظام کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ملک کو صوبہ جات اور اضلاع میں تقسیم کیا۔ ملک کو انتظامی طور پر کئی حصوں میں تقسیم کیا۔ عوام کی خدمت کے لیے مقامی سطح پر نمایندے مقرر کیے، جو دن رات عوام کی خدمت میں مصروف رہتے۔ یہ نمایندے کھلی کچہریاں لگاتے، عوام جب چاہتے ان کے پاس آ کر اپنے مسائل بیان کرتے، کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ ان نمایندوں کو اپنے گھروں کے دروازے بند کرنے کی اجازت نہیں تھی، اپنے ساتھ محافظ رکھنے کی اجازت نہیں تھی کہ کہیں عوام کو ان تک پہنچنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑے۔ عوام کی فلاح کے لیے کیے گئے ان اقدامات کی بدولت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور حکومت ایک مثالی دور کہلاتا ہے۔

مقامی حکومتوں کا نظام اپنی فعالیت، اثر پذیری اور مثبت نتائج کے اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ بلدیاتی ادارے کسی بھی ملک کی تعمیروترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جب ملک کا شہری نظام بہتر اور مضبوط ہو، مقامی حکومتیں فعال ہوں تو ملک کا ترقی کرنا یقینی ہے، اگر منتخب نمایندے اپنی ذمے داری ادا کرتے ہوئے اپنے اپنے علاقے میں بہترکارکردگی کا مظاہرہ کریں تو کچھ ہی عرصے میں ملک ترقی کی بلندیوں پر پہنچ سکتا ہے۔ لوکل گورنمنٹ کا نظام مستقل

بنیادوں پر عوام کے مسائل کے حل، وسائل کی تقسیم اور حکومتی اداروں کی کارکردگی بہتر بنانے میں معاون کارثابت ہوتا ہے، اسی نظام کی بدولت بہت سے نئے اور باصلاحیت، محب وطن سیاستدان ابھر کر سامنے آ سکتے ہیں، جس کی بدولت پاکستان کی حقیقی معنوں میں تشکیل ہو سکتی ہے۔

آج ترکی میں صدارت کی کرسی پر بیٹھے طیب اردوان ابتدا میں کونسلر منتخب ہوئے تھے اور پھر استنبول کے میئر بنے۔ میئر بننے کے بعد طیب اردوان نے استنبول شہر کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ استنبول کی تعمیر و ترقی کو دیکھ کر عوام نے طیب اردوان کو ترکی کے وزیراعظم کے طور پر آگے آنے کا مشورہ دیا اور 2002ء کے انتخابات میں کامیابی ان کے نام کردی۔ آج طیب اردوان ترکی کے صدر ہیں اور ان کی کامیابیوں کا سلسلہ جاری ہے۔

دسمبر کو پنجاب کے 12 اور کراچی کے 6 اضلاع میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات 5 کے تیسرے مرحلے کے بعد پنجاب اور سندھ میں بلدیاتی انتخابات کے تمام مراحل کامیابی سے پایہ تکمیل کو پہنچ گئے ہیں۔ اپنے اپنے علاقوں میں عوام کی خدمت کرنا بلدیاتی انتخابات میں منتخب ہونے والے نمایندوں پر لازم ہے۔ منتخب نمایندوں پر یہ ذمے داری عاید ہوتی ہے کہ وہ عوامی مسائل کے حل کے لیے سر توڑ کوشش کریں، کیونکہ عوامی مسائل کو حل کرنے کے لیے ہی ان کا

انتخاب عمل میں آیا ہے۔ بہت سے علاقوں کی گلیوں میں کیچڑ اور کچروں کے ڈھیر ہیں۔ نالیاں غلیظ ترین بدبو چھوڑ رہی ہیں۔ مسجدوں کے راستوں میں تالاب کھڑے ہیں۔ ہر چوک پر غلاظت کے ڈھیر لگے ہیں۔ فٹ پاتھوں کو ناجائز تجاوزات نے گھیرا ہوا ہے۔ پارکوں میں جھولوں کی بجائے لوگوں نے اپنے مال مویشی باندھ رکھے ہیں۔

دور دراز کی بستیوں میں بہت سے اسکولوں کو مویشی منڈیوں کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ ملک کے بہت سے علاقوں میں اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں، جن سے چھٹکارا دلانا عوامی نمایندوں کی ذمے داری ہے۔ بلدیاتی انتخابات میں منتخب ہونیوالے نمایندے اگر اپنی ذمے داری ادا کریں تو نہ صرف عوام کو بہت سے مسائل سے نجات مل سکتی ہے، بلکہ ملک کا ہر علاقہ ایک مثالی علاقہ بن سکتا ہے اور ملک ترقی کی منازل طے کرتا ہوا اوج ثریا پر پہنچ سکتا ہے۔

قومی اسمبلی میں سائبر کرائم بل کی منظوری.... مثبت پیش رفت

جدید ٹیکنالوجی کی بدولت دور حاضر انسانی زندگی کا ترقی یافتہ دور کہلاتا ہے۔ ماضی میں جن حیران کن ایجادات کو چشم تصور میں لانا بھی ناممکن تھا، آج وہ حقیقت کا روپ دھار کر ہماری زندگی کا اہم حصہ بن چکی ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسانی تعلقات کی نت نئی شکلیں پیدا کرکے ان کے دائرے کو وسیع تر کر دیا ہے۔ انٹرنیٹ ان ترقیاتی شکلوں میں سے ایک ہے، جس کی وجہ سے پوری دنیا نے ایک گلوبل گاؤں کی شکل اختیار کر لی ہے۔ موجودہ دور میں دنیا بھر میں انٹرنیٹ کا استعمال بے حد بڑھ چکا ہے۔ علم، معلومات، پروپیگنڈہ، حقائق اور مفروضات کی ترسیل کا موثر ترین ذریعہ ہونے کی وجہ سے اس نے نجی اور عوامی زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا ہے۔ انٹرنیٹ کی دنیا سے تعلق رکھنے والا تقریباً ہر شخص فیس بک، ٹوئٹر، لنکڈ اور دیگر بہت سی سوشل سائٹس کی صورت میں پائی جانے والی ایک دوسری ورچول دنیا کا باشندہ ہوتا ہے۔ آج جملہ ذرائع ابلاغ میں سوشل میڈیا کا استعمال سب سے زیادہ ہو رہا ہے۔

جس طرح ہر چیز کے فوائد و نقصانات ہوتے ہیں، جو اس کو استعمال کرنے والوں پر منحصر ہوتے ہیں، اسی طرح انٹرنیٹ کے بھی فوائد کے ساتھ نقصانات بھی ہیں۔

بد قسمتی سے پاکستان ایک ایسا سماج ہے، جہاں جدید ٹیکنالوجی کے منفی اثرات اس کے مثبت اثرات کے مقابلے میں اپنے نقوش زیادہ چھوڑتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں صارفین کی ایک بڑی تعداد سوشل میڈیا کو فرقہ واریت اور تعصب پھیلانے، لوگوں کو بدنام کرنے، اپنے حریفوں کے خلاف پروپیگنڈا کرنے اور بے ہودہ و نامناسب تصاویر وویڈیوز کی تشہیر کے لیے استعمال کرتی ہے۔ انٹرنیٹ پر ایسی سرگرمیاں بھی عروج پر ہیں، جو معاشرے کے مختلف طبقات اور مکاتب فکر میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت کو پروان چڑھانے اور باہمی انتشار اور خلفشار کا سبب بنتی ہیں۔ اختلاف رائے کا حق استعمال کرتے ہوئے کسی نظریے، رائے اور شخصیت پر تنقید کرنا غلط نہیں ہے، تاہم یہ سب تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے ہونا چاہیے، لیکن انٹرنیٹ سے جڑے سوشل میڈیا پر تنقید کی آڑ میں مخالف شخصیت، مذہب، نظریے اور فرقے کی توہین تک کی جاتی ہے۔ بہت سے بظاہر بڑے معقول اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی کسی بحث کے دوران مقابل پر ذاتی حملے کرتے ہوئے اس کی کردار کشی پر اتر آتے ہیں۔ بعض اوقات ایک دوسرے کے خلاف بے جا الزامات یا غیر مستند فتاویٰ جات کا پرچار کرکے انتشار اور خلفشار بھی پھیلایا جاتا ہے۔ دین ہمیں کسی پر تہمت لگانے سے سختی سے منع کرتا ہے، لیکن سوشل میڈیا پر بعض عناصر کی جانب سے بے بنیاد الزامات کو پھیلا کر کئی گناہوں کے مرتکب ہونے کے ساتھ معاشرے میں بے چینی و بدامنی کی کیفیت پیدا کی جارہی ہے۔ انٹرنیٹ پر مکمل آزادی ہونے کی وجہ سے کوئی شخص بلا روک ٹوک کسی بھی مذہبی

شخصیت اور مذہبی نظریات کو مطعون کر سکتا ہے اور مخالف مذہبی سوچ کی محترم شخصیات پر کیچڑ اچھال سکتا ہے۔ کسی کے بخیے ادھیڑنے ہوں، کسی کے فرقے اور مذہبی کی توہین کرنی ہو تو سوشل میڈیا کے ذریعے بناخوف کے یہ کام ہو جاتا ہے۔ مختلف سائٹس کے ذریعے انسانیت کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں۔ مخالفین کی عزتیں اُچھالی جارہی ہیں۔ سوشل میڈیا پر بلاخوفِ لوگ ایک دوسرے کے خلاف محاذ کھول لیتے ہیں۔ مختلف جماعتوں، فرقوں، گروہوں نے سوشل میڈیا پر اپنی اپنی لابیاں بنائی ہوئی ہیں، جو اپنے حلقے کی ہر غلط ٹھیک بات میں تائید کرتے ہیں، جبکہ مخالف حلقے کی ہر غلط ٹھیک بات میں مخالفت کرنا فرض سمجھتے ہیں اور اس دوران مخالف کے نظریے، مذہب، رہنماؤں اور محترم شخصیات کی توہین بھی کی جاتی ہے، جس سے مسلکی اور سیاسی تعصب میں اضافہ ہوتا ہے، حالانکہ فرقہ واریت، سیاسی و مسلکی تعصّبات کا فروغ ہر پہلو سے ایک منفی عمل ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے معاشرے میں بدامنی و قتل و قتال میں اضافہ ہوا ہے۔

اس کے علاوہ انٹرنیٹ پر بہت سے لوگ دہشتگردی اور دہشتگردی کی حمایت کرتے اور اپنے کسی مخالف کو دھمکیوں کے ذریعے خوفزدہ کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔انٹرنیٹ پر پروپیگنڈے کی مکمل آزادی کی وجہ سے معاشرے میں انتہا پسندی میں اضافہ ہوا ہے۔

بہت سے ممالک میں سائبر کرائم کی روک تھام کے لیے سخت قوانین بنا کر ان پر

پوری طرح عمل کیا جاتا ہے، پاکستان میں بھی کئی حلقوں کی طرف سے یہ مطالبہ تھا کہ ملک میں ایسا قانون ہو جس پر عمل کرتے ہوئے انٹرنیٹ پر ہونے والے تمام منفی اقدامات کی روک تھام کی جائے اور ذمہ داروں کے لیے سزا متعین کی جائے۔ جمعہ کے روز قومی اسمبلی نے سائبر کرائم بل کثرت رائے سے منظور کیا ہے، جس کے بعد انٹرنیٹ پر حکومت اور عوام میں خوف و ہراس پھیلانے، مذہبی تفرقہ بازی اور دھمکیوں پر 14 سال قید اور زیادہ سے زیادہ 5 کروڑ روپے جرمانے کی سزا دی جاسکے گی۔ اپوزیشن کی جانب سے بل کی مخالفت کے بعد رائے شماری کے حق میں 51 حکومتی ارکان جبکہ مخالفت میں 37 ارکان نے ووٹ دیا۔ قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے انفارمیشن ٹیکنالوجی کے چیئرمین کیپٹن (ر) محمد صفدر کا کہنا تھا کہ سائبر کرائم بل ملک میں انٹرنیٹ کے ذریعے دہشت گردی اور خوف و ہراس پھیلانے سمیت ہر طرح کے جرائم پر سزا دی جاسکے گی۔ آپریشن ضرب عضب کے بعد دہشت گردوں نے انٹرنیٹ کے ذریعے اپنے زہریلے مواد کو پھیلانے کی کوششیں کی ہیں اور اس بل کے ذریعے سے ان کی روک تھام ممکن ہوجائے گی۔ قومی اسمبلی میں منظور ہونے والے اس بل کو عوامی و سماجی حلقوں نے خوش آیند قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے انٹرنیٹ کے منفی استعمال کی وجہ سے معاشرے میں پھیلی نفرتیں کم ہوسکیں گی۔ انٹرنیٹ سے متعلق قومی اسمبلی میں منظور ہونے والے بل سے متعلق مختلف علمائے کرام اور دیگر سیاسی و مذہبی رہنماؤں نے خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ہے کہ فرقہ واریت کے خاتمے کے

لیے قوانین کے ساتھ ساتھ ان پر عمل درآمد کو بھی یقینی بنایا جائے۔ باہمی تفرقہ بازیاں قوموں کی تباہی کے اسباب ہیں۔ اسلام تفرقہ بازی کی اجازت ہرگز نہیں دیتا، بلکہ اس کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ قومی اسمبلی میں انٹرنیٹ پر فرقہ واریت اور دھمکیوں کے حوالے سے بل کی منظوری قابل تحسین ہے، لیکن اس پر عمل درآمد کو یقینی بنانا ہوگا۔ ایسے قوانین کا کوئی فائدہ نہیں جن پر عمل نہ کیا جائے۔ مبصرین کے مطابق قومی اسمبلی میں انٹرنیٹ کے ذریعے فرقہ واریت، دھمکیوں اور عوام میں خوف و ہراس پھیلانے پر سزا مقرر کرنا ایک انتہائی اچھا اقدام ہے، لیکن پوری طرح اس کا فائدہ اسی وقت ہوگا، جب اس قانون پر مکمل طور پر عمل بھی ہوگا، کیونکہ یہاں اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ قوانین منظور تو کر لیے جاتے ہیں، لیکن ان پر عمل درآمد نہیں کیا جاتا۔ معاشرے میں پھیلی بدامنی، بے چینی اور فرقہ واریت میں انٹرنیٹ کا کافی منفی کردار ہے، اگر پوری ذمہ داری کے ساتھ منظور ہونے والے قانون پر عمل درآمد کیا جائے تو ان تمام اسباب پر کنٹرول حاصل کر کے معاشرے میں بڑھتی ہوئی بدامنی کو کافی حد تک کم کیا جاسکتا ہے۔

سانحہ مشرقی پاکستان....تاریخ کا سیاہ ترین باب

آج سقوط ڈھاکا کو 44 سال مکمل ہوگئے ہیں۔ یوم سقوط ڈھاکا پاکستان کی تاریخ کا وہ سیاہ ترین دن اور رستا ہوا زخم ہے جو شاید کبھی مندمل نہ ہو پائے۔ آج سے 44 سال قبل ملک خداداد پاکستان کو توڑنے کی بھارتی سازشیں کامیاب ہوئیں اور جنرل اے اے کے نیازی نے بھارتی جنرل اروڑہ کے سامنے سرنڈر کرکے قومی تاریخ میں سیاہ ترین باب کا اضافہ کیا تھا۔ اس دن کا سورج ہر سال ہمیں تاریخ سے سبق حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہوئے نمودار ہوتا ہے۔ اس وقت کی قیادتوں کی بے تدبیری، کج فہمی اور ہٹ دھرمی نے مشرقی پاکستان کے حالات کو منافرت کی آگ میں اس نہج تک پہنچا دیا تھا کہ روز اول سے ہی ملک کی سالمیت کے درپے پاکستان کے ازلی دشمن بھارت کو پاکستان کی سالمیت پر کاری ضرب لگانے کا نادر موقع مل گیا، جس نے 3 دسمبر 1971ء کو ہم پر جنگ مسلط کی اور اپنی پروردہ مکتی باہنی کو افواج پاکستان کے مدمقابل لا کر مسلمانوں کے خون کی ارزانی کا اہتمام کرنے کے ساتھ ارضِ پاک کو دولخت کرنے کے لیے حاصل ہونے والے موقع کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ جو وطن عزیز اکھنڈ بھارت کے عزائم کو پاش پاش کرتے ہوئے اس خطہ ارضی پر ابھر کر سامنے آیا تھا، اس کی تعبیر بھارت کی سازشوں اور ہماری قیادتوں کی عاقبت نااندیشی نے ادھوری بنادی۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ بھارت ہمیشہ پاکستان کو دولخت کرنے کے لیے کوشاں رہا ہے۔ بھارتی پارلیمنٹ نے 71ء کی جنگ سے پہلے مشرقی پاکستان کے علیحدگی پسندوں کی تنظیم مکتی باہنی کی مدد کے لیے ایک قرارداد منظور کی تھی، جبکہ بھارتی فوج مکتی باہنی کے شدت پسندوں کو ٹریننگ، ہتھیار اور مدد فراہم کرنے میں پیش پیش رہی۔ سقوط ڈھاکا اگرچہ 1971 میں ہوا، تاہم بھارتی ایجنٹ اس سے کئی برس پہلے ہی مشرقی پاکستان کے گلی کوچوں میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ ابتدا میں مکتی باہنی کو یہ ٹاسک ملا تھا کہ ملک کے مختلف شہروں میں چھوٹی چھوٹی میٹنگز کر کے پاکستان کے خلاف جس قدر نفرت پھیلا سکتے، وہ پھیلائی جائے۔ ابتدا میں مکتی باہنی سے تعلق رکھنے والے مشرقی پاکستان کے مقامی بنگالیوں کو ٹریننگ کے لیے بھارتی سرحد کے قریب واقع کیمپوں میں بھیجا جاتا تھا، مشرقی پاکستان کے اندر ہی مختلف مقامات پر اس نوعیت کے کیمپ کھول دیے گئے تھے، جہاں بھارتی فوج مکتی باہنی کے ارکان کو مختلف اسلحہ چلانے کی ٹریننگ دیا کرتے تھے۔ مکتی باہنی کے ان باغیوں نے 71ء کی جنگ سے قبل ہی پاک فوج کے خلاف اپنی گوریلا کارروائیوں کا آغاز کر دیا تھا اور 3 دسمبر 1971ء کو جب پاک بھارت جنگ کا آغاز ہوا تو ان باغیوں جن کی تعداد تقریباً 2 لاکھ بتائی جاتی ہے، نے بھارتی فوج کا بھرپور ساتھ دیا۔ سقوط ڈھاکا کے بعد بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی کا یہ بیان: "آج ہم نے مسلمانوں

سے اپنی ہزار سالہ غلامی کا بدلہ لے کر پاکستان کا دو قومی نظریہ خلیج بنگال میں ڈبو دیا ہے۔" ان کے دل میں مسلمانوں اور پاکستان کے خلاف چھپی نفرت کی عکاسی کرتا ہے۔ اندرا گاندھی نجی محفلوں میں اکثر یہ بھی کہا کرتی تھیں: "میری زندگی کا حسین ترین لمحہ وہ تھا جب میں نے پاکستان کو دولخت کرکے بنگلا دیش بنایا۔" چند ماہ قبل بھارت کے موجودہ وزیر اعظم نریندر مودی نے ڈھاکا یونیورسٹی کے بنگلا بندھو انٹر نیشنل کنونشن سینٹر میں خطاب کے دوران پاکستان کی تقسیم میں بھارت کے کردار کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا کہ 1971 میں بھارت نے بنگلا دیش کی لڑائی لڑی۔ بنگلا دیش کے قیام میں بھارتی فوجیوں کا خون شامل ہے، جب بنگلا دیش کی علیحدگی کے لیے مکتی باہنی والے اپنا خون بہا رہے تھے تو بھارتی بھی ان کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر جد وجہد کر رہے تھے، اس طرح انھوں نے بنگلا دیش کا خواب پورا کرنے میں مدد کی۔

پاکستان سے بھارت کی نفرت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، بھارت آج بھی پاکستان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اور پاک بھارت سرحد پر جارحیت کرنے کے ساتھ ساتھ پاکستان کے اندر تخریبی کاروائیاں بھی بھارت کی پاکستان سے نفرت کو واضح کرتی ہیں۔ دوسری جانب بھارت کے زیر اثر حسینہ واجد کی حکومت نے 71ء کی جنگ میں پاکستان توڑنے پر منتج ہونے والی تحریک مکتی باہنی کی مزاحمت کرنے والے اس وقت کے پاکستانی بنگالی سیاسی قائدین اور

کارکنوں کے خلاف 44 سال قبل کے اس واقعہ کی بنیاد پر غداری کے مقدمات چلانے اور ان مقدمات میں سزائے موت دینے کا سلسلہ گزشتہ سال سے شروع کر رکھا ہے۔ بھارت نواز حسینہ واجد یہ سب کچھ بھارت کی شہ پر کر رہی ہے۔ صرف متحدہ پاکستان سے محبت کے "جرم" میں بنگلا دیش کی حکومت علی حسن مجاہد سیکرٹری جماعت اسلامی بنگلا دیش، صلاح الدین قادر قائد نیشنل پارٹی بنگلا دیش، جماعت اسلامی کے معمر سربراہ غلام اعظم، جماعت اسلامی کے اہم رہنما عبدالقادر ملا، جماعت اسلامی کے سینئر رہنما میر قاسم علی اور جماعت اسلامی بنگلا دیش کے نائب سیکرٹری قمر الزمان سمیت مجموعی طور پر 9 رہنماؤں کو تختہ دار پر چڑھا چکی ہے، جبکہ مطیع الرحمٰن نظامی کو بھی بنگلا دیشی ٹریبونل کی جانب سے سزائے موت مل چکی ہے اور ان کی اپیل سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے۔ اس وقت 30 ہزار کے قریب اپوزیشن کے سیاست دان اور کارکنان پاکستان کے ساتھ وفاداری کے جرم میں جیلوں میں پڑے اپنے خلاف مقدمات بھگت رہے ہیں۔

یہ بات مد نظر رہے کہ اگرچہ بھارت کی مداخلت کے بغیر پاکستان دولخت نہیں ہو سکتا تھا، لیکن بھارت کی مداخلت کے لیے سازگار حالات ہمارے حکمرانوں نے خود پیدا کیے۔ کوئی سازش بیرونی لوگوں سے کامیاب نہیں ہوتی، جب تک اپنے لوگ اس میں حصہ نہ لیں۔ 1971ء کے عام انتخابات میں مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی

کو اکثریت حاصل ہوئی۔ ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل محمد یحییٰ خان ڈھاکا پہنچے اور عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن سے مذاکرات شروع ہوئے، لیکن" ادھر ہم ،ادھر تم" جیسی پالیسی کے باعث مذاکرات ناکامی سے دوچار ہوگئے، یہ ہماری قیادتوں کی ناکام حکمت عملی کا نتیجہ تھا، جس کے بعد مشرقی پاکستان میں علیحدگی کے جذبات میں مسلسل اضافہ ہونے لگا۔ 23 مارچ 1971ء کو یوم پاکستان کے موقع پر علیحدگی پسند باغیوں نے ہر جگہ پاکستان کے پرچم اتار کر بنگلا دیش کے پرچم لہرائے اور تقریبات منعقد کیں۔ اس عرصے میں غیر بنگالیوں پر تشدد کے واقعات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ 25 مارچ ء کو مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن شروع ہوا، جس کے نتیجے میں تاریخ نے 1971 سقوط غرناطہ کے بعد وہ اندوہناک منظر دیکھا جس میں 16 دسمبر 1971 ء کو پاکستان کے جنرل امیر عبداللہ نیازی بھارت کے جنرل اروڑا کے سامنے پلٹن میدان میں ہتھیار ڈال رہے تھے۔

قوموں کی زندگیوں میں کچھ ایسے ایام آیا ہی کرتے ہیں ، جن سے قوموں کی ناکامیوں کی داستانیں وابستہ ہوتی ہیں ، لیکن ایسے مواقع پر ہمیشہ زندہ قومیں ان داستانوں کا دوبارہ جائزہ لے کر آیندہ کے لیے ایسی غلطیاں نہ دہرانے کا عزم کیا کرتی ہیں، جو ایسی ناکامیوں اور نامرادیوں کا باعث بنتی ہوں۔ 16 دسمبر 1971ء کا سانحہ بدترین المیہ ہے، لیکن اس سے بھی بڑا المیہ ے ہ

ہے کہ اس المیے سے کسی نے سبق حاصل کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ 44 سال بعد بھی ہم نے اس بڑے سانحے سے سبق حاصل کرنے پر کبھی غور ہی نہیں کیا اور ہم نے بحیثیت قوم اپنے اندر اس احساس کو جنم لینے ہی نہیں دیا کہ ہماری ناکامیوں کا مداوا اور ترقی کا راز ماضی کی غلطیوں سے سبق حاصل کرنے میں ہے۔ سقوط ڈھاکا سے متعلق ہماری بے حسی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ اس عظیم سانحے کے کرداروں کے تعین کے لیے "حمود الرحمٰن کمیشن" کی رپورٹ اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ آج تک منظر عام پر نہیں آ سکی اور قوم کو سرکاری سطح پر آج تک یہ نہیں بتایا گیا کہ ملک کے مشرقی بازو کے کاٹے جانے کی اصل وجوہ کیا تھیں؟ اگرچہ باخبر قومی حلقے اس سانحے کے اصل کرداروں اور ان کی کارستانیوں سے بہت حد تک آگاہ ہیں اور ملک کو دولخت کرنے والے عناصر کے کچھ سیاہ کرتوت تاریخ کے صفحات پر بھی محفوظ ہیں، لیکن اس سانحے کے اہم کردار بننے والے افراد اور اداروں میں سے کتنوں نے اپنی غلطیاں تسلیم کیں، کتنوں کا احتساب ہوا اور کتنوں نے اپنے آپ کو قوم کے سامنے جوابدہی کے لیے پیش کیا؟

سقوط ڈھاکا کے تناظر میں اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ سقوط مشرقی پاکستان کی ایک وجہ ملک میں اسلام کا حقیقی طور پر نافذ نہ ہونا بھی تھا۔ اگر اسلامی اصولوں پر عمل کیا جاتا تو یہ نوبت نہ آتی۔ پاکستان اسلام

کے نام پر وجود میں آیا تھا، لیکن یہاں اسلام کو نافذ نہ کیا گیا۔ مشرقی اور مغربی بازو کا فاصلہ ایک ہزار میل کے لگ بھگ تھا، لیکن اتنے فاصلوں کے باوجود دونوں خطوں کے باسی صرف ایک کلمہ کی بنیاد پر پاکستان کے جھنڈے تلے آ جمع ہوئے۔ انہوں نے یہ سوچا کہ انگریزوں اور ہندوؤں کی متعصبانہ سوچ سے نجات اسی صورت میں مل سکتی ہے کہ ہم اپنے ہم مذہبوں کا ساتھ دیں اور لاالہ اللہ محمد رسول اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے الگ خطہ ارضی کے حصول کا مقصد یہ بتایا کہ ہم اس ملک میں اسلام کے فلاحی نظام کو رائج کریں گے۔ تحریک پاکستان کا سب سے مقبول نعرہ یہی تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا لاالہ الااللہ، اسی لاالہ اللہ نے بنگالیوں کو پاکستان کا حصہ بنایا کہ اس ریاست میں اگر لاالہ الااللہ کا نظام نافذ ہوا تو پھر کسی کا بھی استحصال نہیں ہوگا، لیکن قیام پاکستان کے بعد ویسا نہیں ہوا جو انہوں نے قیام پاکستان سے پہلے سوچا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد اسلام اور اسلامی تشخص کو طاق نسیان میں رکھ دیا گیا۔ پاکستان کے قیام کی اساس اسلامی نظریہ حیات کو ہمارے طالع آزماؤں نے دیوار سے لگانا ضروری سمجھا۔ پاکستان کی اصل طاقت نظریہ تھا مگر ہم نے اسے پس پشت ڈالنے میں اپنی عافیت جانی۔ اگر قیام پاکستان کے مقاصد کو بروئے کار لایا جاتا، لاالہ الااللہ کو محض نعرے کی بجائے اقتدار کے محلات، عدلیہ کے ایوانوں، عوام کی زندگیوں، ہر محکمے اور ہر شعبے میں عملاً نافذ کیا جاتا، اگر پاکستان کا مقدر اسلام سے

وابستہ کر دیا جاتا تو دونوں خطوں میں زبان ولسان کے مسائل پیدا ہوتے، نہ صوبائی خودمختاری و احساس محرومی کا عفریت جنم لیتا اور نہ بھارت کی سازشیں کامیاب ہوتیں، کیونکہ اسلام ہر انسان کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔ جب اسلام کے نفاذ سے روگردانی کی گئی تو چھوٹے چھوٹے مسائل پہاڑ بن گئے، نفرتوں، عداوتوں، مخالفتوں اور دشمنیوں کے بیج پھوٹنے لگے، بھارت کی بوئی ہوئی نفرت، لسانیت اور صوبائیت کی فصل پک کر تیار ہو گئی اور مشرقی پاکستان ہم سے جدا ہوگیا۔

مشترکہ مسلم فوج.... عالم اسلام کے دفاع کی جانب مثبت پیش رفت

سعودی عرب کی زیر قیادت دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے 34 اسلامی ملکوں کا فوجی اتحاد تشکیل دیا گیا ہے، جس میں پاکستان، متحدہ عرب امارات، بحرین، بنگلا دیش، ترکی، چاڈ، تیونس، ٹوگو، بینن، سوڈان، صومالیہ، سینگال، قطر، فلسطین، گنی، گبون، مراکش، مصر، مالی، مالدیپ، لیبیا، موریطانیہ، نائجر، نائجیریا، یمن، کویت، کمروز، جبوتی، لبنان، سیرالیون اور اردن شامل ہیں۔ اس اتحاد کا آپریشنل مرکز سعودی دارالحکومت ریاض میں ہوگا۔ ریاض میں ہونے والے اجلاس کے بعد جاری کردہ مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ انسانیت کے خلاف وحشیانہ جرائم اور فساد فی الارض ناقابل معافی جرائم ہیں، جو نہ صرف انسانی نسل کی تباہی کا موجب بن رہے ہیں، بلکہ بنیادی حقوق کی پامالی اور انسانی عزت و احترام کے لیے بھی نہایت خطرناک ہیں۔ دہشت گردی کے ناسور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے تمام مسلمان ممالک سعودی عرب کی قیادت میں متحد ہیں اور دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کی جائے گی۔ سعودی عرب کی قیادت میں بننے والے فوجی اتحاد میں پاکستان کی شمولیت کے حوالے سے پاکستانی خارجہ سیکرٹری اعزاز چودھری نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس سلسلے میں انھوں نے اخبار میں شائع ہونے والی خبر پڑھی، جس پر انھیں حیریت ہوئی کہ سعودی عرب نے پاکستان کا نام فوجی اتحادی میں شامل کیا ہے، جبکہ ایک اور سرکاری عہدیدار نے بھی اس بات کی تصدیق

کی ہے کہ اتحاد میں شامل کرنے کے حوالے سے پاکستان کو پہلے سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ مصر میں واقع عالم اسلام کی مشہور تعلیمی درس گاہ جامعۃ الازہر نے تمام مسلمان ممالک سے اپیل کی ہے کہ وہ دہشت گردی کے خاتمے لیے سعودی عرب کی قیادت میں بننے والے نئے فوجی اتحاد کا ساتھ دیں۔ جامعۃ الازہر کی طرف سے اس نئے اتحاد کی تشکیل کا خیر مقدم کیا گیا ہے اور امید ظاہر کی گئی ہے کہ اس طرح "دہشت گردی کی برائی" کا خاتمہ کیا جاسکے گا۔ لبنان کے سابق وزیر اعظم سعدالدین الحریری نے بھی اس اتحاد کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ اتحاد ایک اچھا اقدام ہے۔

پاکستانی قانون سازوں اور دفاعی تجزیہ کاروں نے مسلم ممالک کے اتحاد کو ایک اہم پیش رفت قرار دیا ہے۔ سابق وفاقی وزیر داخلہ اور سینیٹ کے موجودہ رکن عبدالرحمٰن ملک نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ اقدام وقت کی ضرورت تھا۔ خاتون رکن قومی اسمبلی عائشہ گلالئی کہتی ہیں کہ مسلمانوں کو آپس کے تنازعات بھی ختم کرنے چاہیں۔ سینیئر لفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) عبدالقیوم کہتے ہیں کہ دنیا میں جب کہیں دہشت گردی ہوتی ہے، تو انگلیاں مسلمان ممالک کی طرف اٹھتی ہیں۔ دہشت گردوں کے خلاف اس اتحاد سے دنیا کو یہ پیغام جائے گا کہ اسلامی ممالک اس بارے میں سنجیدہ ہیں۔ دفاعی تجزیہ کار لفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) طلعت مسعود کا کہنا ہے کہ مشرق وسطیٰ کی صورتحال کو دیکھتے ہوئے سعودی عرب کافی عرصے سے دیگر اسلامی ممالک کا کھلا تعاون چاہ رہا تھا اور یہ اتحاد اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ میرے خیال میں یہ ایک نظریاتی

قسم کا اتحاد تشکیل دیا گیا ہے۔ اس کا مقصد بظاہر اتحاد کے رکن ممالک کے درمیان خفیہ معلومات کا تبادلہ، بین الاقوامی سطح پر مختلف فورمز میں دہشت گردی کے امور سے متعلق یکساں موقف اپنانا ہوگا۔" دفاعی تجزیہ کار ماریہ سلطان کا کہنا ہے کہ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ یہ فوجی اتحاد دہشت گردی کے خلاف کس طرح سے کارروائی کا ارادہ رکھتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ میرے خیال میں تو یہ کسی فوجی کارروائی سے زیادہ دہشت گردی کے مسائل پر یکساں موقف اپنانے کے حوالے سے ایک اتحاد ہوگا، تاکہ اسلامی ممالک ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہونے کا پیغام دے سکیں۔ اگر اس میں کسی طرح براہ راست فوجی تعاون بھی شامل ہے تو پھر اس کی نوعیت بھی دیکھنی ہو گی۔

ایک عرصے سے کئی مسلم ممالک کی جانب سے نیٹو کی طرز پر مسلمان ملکوں کے مشترکہ اسلامی فوج" بنانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ آج مشترکہ مسلم فوج کی انتہائی زیادہ" ضرورت ہے۔ آج دنیا میں 192 میں سے 58 ممالک مسلمان ہیں۔ ساڑھے چھ ارب کے قریب انسانوں میں سے سوا ارب سے زاید مسلمان ہیں، جو وہ دنیا کے معدنی ذخائر کے 75 فیصد کے مالک ہیں۔ دنیا کی بہترین بندرگاہیں، آبی گزرگاہیں، زمینی اور فضائی راستے مسلمانوں کے پاس ہیں۔ سب سے اچھا محل وقوع مسلم ممالک کا ہے۔ تیل کے لبالب بھرے کنویں اور سونے کی کانیں ہیں۔ زرخیز زمین، دریا اور نہریں ہیں۔ محنتی کسان ہیں۔ پسینہ بہانے والے مزدور، جان کی بازی لگانے والے فوجی ہیں۔ اعلیٰ دماغ اور باصلاحیت نوجوان ہیں۔ اس کے باوجود پسماندگی اور کمزوری مسلمانوں کا مقدر بنی ہوئی ہے۔ اس کی

وجہ عالم اسلام اور مسلمانوں میں اتفاق واتحاد کا فقدان ہے۔ دہشت گردی کا شکار ہونے والے ممالک میں سرفہرست مسلم ممالک ہیں، جو دہشت گردی کے مراکز بنتے جارہے ہیں۔ آج مسلم ممالک کی حالت یہ ہے کہ پوری مسلم دنیا بدامنی کی لپیٹ میں ہے۔ دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک کوئی بھی مسلم ملک امن وآشتی کا گہوارا نہیں۔ بدامنی، جنگ وجدل اور قتل وغارتگری کی دبیز چادر میں لپٹی امت مسلمہ خود اپنی داستان الم سنا رہی ہے۔ عالم اسلام کے زخموں سے رستا ہوا خون ہر کھلی آنکھ کو دکھائی دے رہا ہے۔ سکون وچین عنقا ہوچکا ہے۔ مسلم ممالک میں جو متعدد عسکریت پسند تنظیمیں اور گروپس دہشت گردی میں ملوث ہیں، ان کے سدباب کے لیے لائحہ عمل طے کریں۔ بڑھتی ہوئی دہشت گردی سے مسلم دنیا کی سلامتی اور استحکام کے حوالے سے سنگین چیلنجز پیدا ہوگئے ہیں۔ افغانستان، عراق، شام، پاکستان، صومالیہ، یمن اور دیگر کئی مسلم ممالک میں کئی عسکریت پسند تنظیمیں مسلم ممالک کو نقصان پہنچا رہی ہیں، ان حالات میں مسلم ممالک کے ایک بڑے اتحاد اور مسلم معاشروں میں دہشت گردوں کے خلاف مشترکہ طور پر عملی اقدامات کی اشد ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ سعودی عرب کی زیر قیادت بننے والا نیا فوجی اتحاد انتہائی خوش آئند ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ جب امریکا، برطانیا، فرانس، کینیڈا اور دوسرے مغربی ممالک اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے نیٹو کی شکل میں ہاتھ ملا سکتے ہیں تو مسلمان ممالک کی جانب سے ایک مشترکہ اسلامی فوج بنانے پر اس اقدام کو سراہا جانا چاہیے۔ اگرچہ دنیا میں مذہب کے نام پر بڑھتی ہوئی دہشت گردی کے تناظر میں بین المملکی تعاون واتحاد بے حد اہم ہے، لیکن اچانک ایک ایسے فوجی اتحاد کے

قیام کا اعلان جو مسلمانوں کی طرف سے دہشت گردوں کا مقابلہ کرے گا، دنیا میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے حوالے سے بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ مبصرین نے کہا ہے کہ اگر تمام مسلم ممالک مل کر دہشتگردی کے ساتھ ساتھ دیگر عالم اسلام کو پیش دیگر مسائل کا مقابلہ بھی کریں تو ایک بہت ہی مثبت اقدام ہوگا۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ اگر نیا فوجی اتحاد صرف سیاسی ہتھکنڈہ کے طور پر سامنے آیا ہے تو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا، لیکن اگر اس اتحاد کو حقیقی معنوں میں فوجی قوت میں تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ مسلم دنیا کی ایک بہت بڑی قوت بن کر ابھرے گا۔

ہم نہیں بھولیں گے!

انسان کتنا کٹھور اور سخت قلب واقع ہوا ہے کہ اپنی آنکھوں سے نجانے کیسے کیسے سانحات کو ہوتا دیکھتا ہے اور سب کچھ نہ صرف برداشت کرتا ہے، بلکہ بہت جلد بھول بھی جاتا ہے۔ دنیا میں آنکھ کھولنے سے لے کر بند کرنے تک بہت سے ایسے دل دوز مواقع آتے ہیں، جن کو دیکھ کر انسان کی روح تک کانپ جاتی ہے، لیکن کچھ ہی عرصہ بعد سب کچھ اس کے ذہن سے محو ہو جاتا ہے، مگر کچھ واقعات اس قدر المناک ہوتے ہیں، جن کو بھلانا انسان کے بس میں ہوتا ہی نہیں ہے۔ یہ واقعات ایسے انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں کہ انسان انہیں اپنی سوچ سے کھرچنے کی لاکھ کوشش کرے بھی تو ناکام ٹھہرتا ہے۔ ایک لمحے کے لیے بھی ان دلخراش واقعات کی یاد آنکھیں نم اور دل رنجیدہ کرنے کو کافی ہوتی ہے۔ انسان انتہائی خوشگوار موڈ میں بھی بیٹھا ہو تو ان واقعات کا ہلکا سا خیال ہی انسان کی ساری خوشیوں کو اداسیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

گزشتہ سال پشاور میں پیش آنے والا بچوں کی خونریزی کا بدترین سانحہ بھی اسی نوع کا ایک واقعہ ہے، جو ایک سال گزرنے کے باوجود سوچ میں کانٹے کی طرح پیوست ہے۔ بھلانے کی تمام تگ و دو کے باوجود بھی تاریخ انسانیت میں پیش آنے والے اس بدترین واقعہ کی ہولناکی ذہن میں سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھی ہے۔ اگرچہ اس سانحے کے کئی ذمہ داران

انجام کو پہنچ چکے، لیکن سینے میں دھڑکتا دل رکھنے والے انسانوں کے زخم ابھی تک ہرے ہیں۔ ایک سال بیت گیا، لیکن یوں لگتا ہے، جیسے خون کی یہ ہولی کل ہی کھیلی گئی ہے۔ جب جب بچوں کی لاشوں کی تصاویر نظروں کے سامنے آئیں، تب تب آنکھیں بہہ پڑیں۔ واقعہ ہی کچھ ایسا تھا۔ پشاور میں بے گناہ و معصوم بچوں کو بلا وجہ بیرحمانہ قتل کر کے بدترین درندگی کی مثال قائم کی گئی۔ جو کچھ بچوں کے ساتھ ہوا، وہ انسانی عقل سے ماورا ہے، جس نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ انسانیت کی روح کو بے چین اور شرمندہ کر دیا۔ خون میں لت پت بچوں کی کتابوں، جوتوں اور ان کی اسکول یونیفارم کے مناظر نے پاکستان تو کیا پوری دنیا میں تمام والدین کو تڑپا دیا۔ بقول شاعر

زندگی اتنی بے رحم بھی ہو سکتی ہے کبھی
اجڑی ماؤں کی آہ و بکا دیکھ رہا ہوں

16 دسمبر کو پشاور میں برپا ہونے والی قیامت صغریٰ نے ہر شخص کو دکھ، درد، تکلیف، غم اور پریشانی میں مبتلا کیا۔ سانحے کے بعد کوئی فرد بچوں کے قاتلوں پر چار حرف بھیجے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس دہشتگردی کے سامنے جارحیت، درندگی، سفاکیت اور حیوانیت جیسے الفاظ بھی بہت چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ اس قدر وحشیانہ رویہ، اس قدر شقی القلبی کہ انسان ایسے حیوان نما انسانوں کی انسانیت پر بھی حیرت آشنا ہو جائے۔ مشرق و مغرب سے لے کر شمال و جنوب تک ہر ملک، ہر مذہب اور ہر نسل کا ہر فرد حیران و پریشان ہوا کہ آخر ان بے گناہ و نہتے بچوں کا قصور کیا تھا؟ انہیں کس جرم میں قتل کیا گیا؟ اس

واقعے کی دردناکی نے ہر اس شخص کو شدید صدمے سے دوچار کیا، جو دماغ میں عقل اور پہلو میں دل رکھتا ہے۔ اس سانحے کی اندوہ ناکی کسی بھی پیمانے سے ماپی نہیں جاسکتی۔ یہ ایک ایسا قومی سانحہ تھا، جس کی کوئی نظیر اور مثال ہماری تاریخ میں نہیں ملتی۔ پوری دنیا ورطہ حیرت میں ڈوب گئی کہ مسلمانوں کا ملک پاکستان کیسی دھرتی ہے، جہاں بغیر کسی جرم کے کھلنے سے پہلے ہی پھولوں کو مسل دیا گیا، جہاں اسلام کے حکم "علم حاصل کرو" کے مطابق الف، ب، پ پڑھنے کے "جرم" میں ڈیڑھ سو کے لگ بھگ بے گناہ ونہتے بچوں کو ہمیشہ کی نیند سلادیا گیا۔ کسی نے بچوں کے ساتھ اس قسم کی درندگی کے وقوع کا سوچا تک نہیں تھا۔ یہ بچے تو ابھی ان کھلی کلیوں کی مانند تھے۔ روشنی کے ننھے چراغوں کو اپنی روشنی پھیلانے سے پہلے ہی گل کردیا گیا۔ قاتل ان معصوموں کے خون کی ہولی کھیلتے رہے اور درندگی کا یہ کھیل اس وقت تک جاری رہا، جب تک قاتلوں میں درندگی کا کھیل کھیلنے کی سکت باقی رہی۔ کہتے ہیں بچے پھولوں کی مانند ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق چاہے کسی ملک، مذہب یا نسل سے ہو، سینے میں انسانی دل رکھنے والے شخص کو ان پر پیار آیا ہی کرتا ہے، لیکن یہاں تو معاملہ ہی جدا نظر آیا۔ جو بچے قوم کا مستقبل اور اپنے والدین کی امنگوں کا محور تھے، آوروں نے اپنی بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے ان کو درندگی کا نشانہ بناڈالا، کیونکہ قاتل بچوں کی تعلیم سے خوفزدہ تھے، بچوں سے ڈرتے تھے، جبکہ بچے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کرتے ہوئے زبان حال سے کہہ رہے تھے:

میں ایسی قسم سے ہوں جس کے وہ بچوں سے ڈرتا ہے
بڑا دشمن بنا پھرتا ہے جو بچوں سے لڑتا ہے

پاکستان کو ایک طویل عرصے سے دہشت گردی کے انتہائی دہشت ناک عفریت کا سامنا ہے، جس سے مساجد محفوظ ہیں نہ درسگاہیں، چرچ محفوظ ہیں نہ امام بارگاہیں، بازار محفوظ ہیں نہ شاہراہیں، ہسپتال محفوظ ہیں نہ دفاتر، مشائخ محفوظ ہیں نہ علمائے کرام، عورتیں محفوظ ہیں نہ بچے، مائیں محفوظ ہیں نہ بیٹیاں، باپ محفوظ ہیں نہ بیٹے، اسکول محفوظ ہیں نہ کالج، مدارس محفوظ ہیں نہ یونیورسٹیاں۔ سب سے افسوسناک بات یہ ہے کہ یہ درندگی اسلام کے نام پر کی جاتی ہے، حالانکہ اسلام تو ہر ظلم کی سختی سے مذمت کرتا ہے۔ جنگ میں بھی دشمن کے بچوں، بوڑھوں اور خواتین پر ہاتھ اٹھانے، حتیٰ کہ سرسبز باغات اور ہرے بھرے کھیت بھی اجاڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ لوگ بے گناہ لوگوں کے قتل کو اسلام کی خدمت خیال کر رہے ہیں، جبکہ اسلام کے نام پر بے گناہ لوگوں کی جان لینے اور ان کی حمایت کرنے والے جاہل و ناپختہ مسلمانوں کی وجہ سے آج دنیا اسلام اور مسلمانوں سے متنفر ہونے لگی ہے۔

یہ امر نہایت خوش آیند ہے کہ سانحہ پشاور کے بعد ساری قوم اتحاد و اتفاق کا بے مثال مظاہرہ کرتے ہوئے ایک پلیٹ فارم پر نظر آئی۔ رہنمایانِ قوم اپنے تمام اختلافات اور جھگڑوں کو ایک طرف رکھ کر اس قومی سانحے کی مذمت پر یکسو ہوئے۔ فوج، حکومت، علمائے کرام اور عوام نے مل کر دہشتگردی کے خلاف فیصلہ کن جنگ کرنے کا اعلان کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک سال کے بعد ملک میں دہشتگردی میں کافی حد تک کمی واقع ہو چکی

ہے، لیکن ابھی مزید بہت جدوجہد کی ضرورت ہے۔ مکمل طور پر امن کے قیام اور دہشتگردی کی بیخ کنی اسی صورت میں ممکن ہے، جب پوری قوم مستقل طور پر بیدار و متحد ہو کر دہشتگردی کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جائے۔ ملک میں تعلیم کو فروغ دے کر جہالت کا خاتمہ کیا جائے، کیونکہ دہشتگردی جہالت سے جنم لیتی ہے اور جہالت کا مقابلہ تعلیم سے کیا جاسکتا ہے۔ قوم کو حالات کے اس گرداب سے نکالنے کے لیے علمائے کرام بھی کھل کر میدان میں آئیں اور قوم کے سامنے کھوٹے اور کھرے کی تمیز بالکل واضح کردیں۔ جب تک معاشرے کا ہر فرد اپنی ذمے داری ادا نہیں کرے گا، اس وقت تک قوم کا اس گرداب سے نکلنا مشکل ہے۔

پٹھان کوٹ ایئر بیس پر حملہ.... بھارت کا پاکستان کے خلاف روایتی پروپیگنڈا

ہفتے کی صبح بھارت میں پٹھان کوٹ ایئر بیس پر 5 حملہ آوروں نے 3 اطراف سے اچانک حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں 4 بھارتی فوجی ہلاک جب کہ 5 اہلکار زخمی ہوئے۔ سیکورٹی فورسز کی جوابی کارروائی میں پانچوں حملہ آور بھی مارے گئے۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق حملہ آور بھارتی فوجی وردیوں میں ملبوس تھے اور انہوں نے ایئر بیس میں داخل ہونے کے لیے پولیس کی گاڑی استعمال کی تھی۔ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے کہا ہے کہ بھارتی سیکورٹی فورسز نے پٹھان کوٹ میں حملہ کرنے والوں کے ارادوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ جن طاقتوں کو بھارت کی ترقی دیکھنے میں پریشانی ہو رہی ہے، انہوں نے پٹھان کوٹ میں ایئر بیس کو اڑانے کی کوشش کی ہے۔

پاکستان کے دفتر خارجہ سے جاری بیان میں قاضی خلیل کا کہنا تھا کہ پاکستان بھارت میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعہ کی شدید مذمت کرتا ہے، ہماری تمام تر ہمدردیاں بھارتی حکومت اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ ہیں اور بھارت کی مدد کے لیے تیار ہیں، ترجمان کا کہنا تھا کہ پاکستان بھارت سمیت خطے کے تمام ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات کا خواہاں ہے۔ حالیہ اعلیٰ سطح رابطے کے بعد دونوں ممالک میں خیر سگالی کے تعلقات پیدا ہوئے، پاکستان دہشت گردی کے خاتمے کے لیے پر عزم ہے اور خطے کے تمام ممالک کے ساتھ مل کر دہشت گردی کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

حملے کے فوری بعد بھارتی میڈیا اور وزرا نے بغیر تحقیق و ثبوت کے حملے کی ذمہ داری پاکستان پر ڈال دی ہے۔ بھارت میں ہر انہونی کی ذمے داری پاکستان پر ڈالنا بھارتی میڈیا کی پرانی روایت ہے۔ حسب روایت بھارتی میڈیا نے پاکستان پر حملے کا جھوٹا الزام لگاتے ہوئے تمام حدود پار کر دیں۔ پٹھان کوٹ ایئر بیس کے حملہ آوروں کے خلاف آپریشن ابھی جاری تھا کہ بھارتی میڈیا پاکستان پر چڑھ دوڑا، حملہ آوروں کو پاکستانی ایجنٹ قرار دیتے ہوئے نریندر مودی اور بھارت کے پاکستان سے بڑھتے تعلقات پر سوال اٹھائے جانے لگے۔ جیسے ہی پٹھان کوٹ ایئر بیس پر حملے کی خبر آئی تو بھارتی میڈیا نے بغیر تحقیق کے حملے کا الزام پاکستان پر دھرتے ہوئے جیش محمد نامی عسکریت پسند تنظیم کو ذمے دار ٹھہرایا اور کہا کہ شدت پسندوں کا تعلق پاکستان سے ہے، جبکہ بھارتی ٹی وی چینل "ٹائمز ناؤ" کے رپورٹر ایک رپورٹر نے تو حملے کے لیے پاکستان کی انٹیلی جنس ایجنسی آئی ایس آئی کو براہ راست ذمے دار قرار دے ڈالا۔ بھارتی میڈیا نے الزام عائد کیا ہے کہ پٹھان کوٹ ایئر بیس پر حملے میں پاکستانی خفیہ ایجنسی ملوث ہے۔ بھارتی اخبار کے مطابق یکم جنوری کو قومی سلامتی کے مشیر اجیت دوول نے انڈین ایئر فورس، این ایس جی اور پنجاب پولیس کو ممکنہ حملے کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔ "ٹری نیوز" نے شوشا چھوڑا کہ حملہ آوروں کا تعلق بہاولپور سے ہے اور تین روز پہلے ہی بھارت آئے تھے۔

این ڈی" ٹی وی کا کہنا تھا کہ بہاولپور سے آئے دہشت گردوں کا مقصد ایئر بیس پر طیارے اور ہیلی کاپٹرز تباہ کرنا تھا، جبکہ دیگر بھارتی اردو ویوز تازہ ترین اخبار اخبارات اور چینلز نے بھی پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا کرنے میں بھرپور حصہ لیا۔

پٹھان کوٹ ایئر بیس پر حملے کی تحقیقات ابھی مکمل نہیں ہوئیں اور بھارتی سیاسی رہنماؤں نے توپوں کا رخ پاکستان کی طرف موڑ دیا ہے۔ بھارتی اپوزیشن جماعت کانگریس نے پٹھان کوٹ ایئر بیس پر دہشت گرد حملے پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے وزیر اعظم نریندر مودی سے اس معاملے کو پاکستان کے سامنے اٹھانے کا مطالبہ کر دیا۔ بھارتی میڈیا کے مطابق کانگریس کے مواصلاتی شعبے کے سربراہ رندیپ سنگھ سرجیوالا نے کہا کہ یہ المناک صورتحال ہے کہ پاکستان کے ساتھ امن کی کوشش کے درمیان اس طرح کے واقعات ہو رہے ہیں۔ بھارت میں کانگریس جماعت کے رہنما اشوانی کمار نے پاکستان پر الزام عاید کرتے ہوئے کہا ہے کہ بھارتی وزیر اعظم نریندرا مودی پاکستان گئے اور وہاں حکمران جماعت سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا، لیکن ہمیں واپسی پر کیا حاصل ہوا؟

دوسری جانب خود بھارتی میڈیا کے ایک حصے نے پٹھان کوٹ حملے کو مشکوک قرار دے دیا ہے اور حملے کا معاملہ پراسرار ہوگیا ہے۔ بھارتی پنجاب کے شہر پٹھان

کوٹ کے ایئر بیس پر ہونے والے حملے کے بعد سے ہندو انتہا پسندوں کی جانب سے پوری کوشش کی جارہی ہے کہ اس کا ملبہ پاکستان پر ڈالا جائے جب کہ بھارتی حکومت نے بھی اپنی نااہلی چھپانے کے لیے حملہ آوروں کو سرحد پار سے امداد ملنے کا الزام لگایا ہے، تاہم بھارتی میڈیا کے ایک حصے نے مودی سرکار کا بھانڈا پھوڑتے ہوئے متعدد سوالات اٹھائے ہیں، جس کی وجہ سے ایئر بیس پر حملے کا معاملہ پراسرار ہوگیا ہے، جبکہ مقامی افراد نے بھی شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے۔ مقامی افراد کے مطابق گزشتہ روز ہی ایئر بیس کے مرکزی دروازے کے سیکورٹی بیریئر ختم کردیے گئے تھے، جب کہ قریبی علاقے میں معمول کے مطابق رات 10 بجے بند ہونے والی دکانوں کو زبردستی 8 بجے ہی بند کرادیا گیا تھا، جس کے بعد مبصرین کا کہنا ہے کہ ایئر بیس پر حملہ بھارت کا اپنا رچایا ڈرامہ لگتا ہے اور بھارتی حکام نے حملے کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی تھی۔ پاکستانی سرحد کے قریب رچائے گئے اس بھارتی ڈرامے میں حملہ آور ملٹری یونیفارم میں ملبوس اور اغوا ہونے والے ایس پی کی سرکاری گاڑی میں سوار تھے۔ سوال یہ ہے کہ حملہ آور اگر پاکستانی تھے تو ان کے لیے بھارتی سرکاری گاڑی اور فوجی یونیفارم کا اہتمام کیسے ہوا؟ این ڈی ٹی وی کا کہنا ہے کہ سیکورٹی حکام کو اس حملے کے متعلق خفیہ اطلاعات پہلے ہی مل چکی تھیں، اسی لیے ایئر بیس میں نقصان کچھ بھی نہیں ہوا اور شدت پسندوں پر بہت جلد قابو پالیا گیا، لیکن حملے سے قبل خفیہ اطلاعات کے باوجود بھی شدت پسند وہاں تک

کیسے پہنچے؟ چینل کے مطابق ایک شدت پسند نے ٹیلی فون پر اس حملے سے متعلق باتیں بھی کیں تھیں تو پھر وہ داخل کیسے ہوئے، یہاں تک پہنچے کیسے؟ اور جب پولیس سے کار چھینی گئی تھی، اسی وقت اس پر قابو کیوں نہیں پالیا گیا؟ یہ بھی سوالات اٹھائے جا رہے ہیں کہ حملہ پاکستان کے سرحد کے قریب ہی کیوں ہوا؟ اور ابھی حملہ آور اپنی کارروائی میں مشغول ہی تھے کہ بھارتی میڈیا نے بغیر تحقیق کے پاکستان پر الزامات لگانا شروع کر دیے تھے۔

بھارتی ایئر بیس پر حملہ ایک ایسے وقت میں ہوا ہے جب پاکستان اور بھارت کے درمیان بات چیت کی فضا دوبارہ سازگار ہوئی ہے اور بھارتی وزیرِ اعظم نے اپنے پاکستانی ہم منصب سے ملاقات کے لیے پاکستان کا مختصر دورہ کیا۔ اس دورے کے بعد نریندر مودی کو بھارت کے انتہا پسند حلقوں کی جانب سے سخت تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑا ہے۔ بھارت میں کئی حلقے پاکستان بھارت تعلقات میں بہتری نہیں چاہتے ہیں، جس کا اظہار آئے روز پاکستان کے خلاف بیانات سے بھی ہوتا رہتا ہے۔ یہ حملہ بھی اسی قسم کے بھارتی عناصر کی کارستانی ہو سکتی ہے۔ مبصرین کے مطابق شاید اس حملے کے پیچھے وہ طاقتیں ہیں جو بھارت اور پاکستان کے درمیان امن نہیں چاہتی ہیں اور یہ مودی کے لاہور دورہ کے بعد ماحول کو خراب کرنے ایک کوشش ہو سکتی ہے۔ بہت سے تجزیہ کار یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ اس طرح کے حملوں کے بعد امن مذاکرات کو منسوخ کرنے سے شدت پسندوں کی

ہی جیت ہوگی، کیونکہ وہ یہی چاہتے ہیں۔ بھارت اور پاکستان میں جب بھی مذاکرات کا آغاز ہونے لگتا ہے، اچانک بھارت میں دہشت گرد حملہ ہوتا ہے اور سب کیے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے۔ اخبار ٹائمز آف انڈیا نے اس طرح کے سوالات بھی اٹھائے ہیں کہ کہیں اس طرح کے حملوں کا مقصد پاکستان کے ساتھ ہونے والے مذاکرات کو سبوتاژ کرنا تو نہیں ہے؟ دوسری جانب پنجاب میں کانگریس کے صدر امریندر سنگھ نے حملے کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ یہ واضح طور پر بھارت اور پاکستان کے درمیان امن مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کی کوشش ہے جسے نہیں ہونے دینا چاہیے۔

دوسری جانب بعض تجزیہ کار یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ یہ حملے 1980 کی دہائی میں ہندوستانی حکومت کے خلاف سکھ علیحدگی پسند تحریک کے دوبارہ سر اٹھانے کی ایک نشانی ہو سکتی ہیں۔ ہندوستان میں خالصتان تحریک 1984 میں اس وقت شروع ہوئی جب اس وقت کے وزیر اعظم اندرا گاندھی نے سکھوں کی مذہبی مقام 'گولڈن ٹیمپل' پر آپریشن کیا تھا، اس آپریشن کو 'بلو اسٹار' کا نام دیا گیا تھا۔ اس وقت بھی ہندوستان کی ریاست پنجاب میں ببر خالصہ، بھندران والا ٹائیگر فورس آف خالصتان، خالصتان کمانڈو فورس، خالصتان زندہ باد فورس، دیش میش ریجمنٹ اور خالصتان لبریشن فورس سمیت کئی تنظیمیں آزاد ریاست کے لیے مسلح جدوجہد کر رہی ہیں۔ اس سے قبل ہندوستان کے علاقے گورداس پور کے سرحدی

علاقے میں حملے میں بھی سکھوں کی خالصہ تحریک کے دوبارہ سر اٹھنے کی رپورٹس بھی موجود ہیں۔ بھارتی اخبار دی ہندو کے مطابق ہندوستان کی انٹیلی جنس ایجنسی "را" نے حکومت کو دنیا بھر میں سکھ عسکریت پسندوں کے دوبارہ منظم ہونے کے حوالے سے خبردار کیا تھا، جبکہ پنجاب اور کشمیر کی علیحدگی پسند تحریکوں کے درمیان روابط کے حوالے سے بھی خفیہ اطلاعات فراہم کی گئی تھی۔ مبصرین کے مطابق بھارت کو پاکستان کے خلاف الزام تراشی کرنے کی بجائے خود بھارت میں حملے کے ذمہ داروں کو تلاش کرنا چاہیے۔

کراچی: جرائم میں کمی کا دعویٰ.... حقائق کیا ہیں؟

دو کروڑ سے زاید آبادی رکھنے والا کراچی وطن عزیز کی تجارتی شہ رگ ہے۔ پاکستان کی بیشتر کمپنیوں کے صدر دفاتر اسی شہر میں واقع ہیں۔ تیس ہزار سے زاید چھوٹے بڑے صنعتی ادارے اسی شہر میں کام کررہے ہیں۔ پاکستان کی 25 فیصد سے زاید معاشی سرگرمیاں اسی نگر میں جنم لیتی ہیں۔ شہر کی صنعت وتجارت سے لاکھوں افراد کا روزگار وابستہ ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق کراچی میں ہر روز 50 تا 60 ارب روپے مالیت کی معاشی سرگرمیاں جنم لیتی ہیں۔ کئی سالوں سے بھتا خوری، ٹارگٹ کلنگ اور اسٹریٹ کرائم سمیت مختلف جرائم کی شرح بڑھنے لگی۔ روزانہ کی بنیاد پر پندرہ سے بیس شہری اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھونے لگے۔ بھتا نہ دینے پر کئی صنعت کار وتاجر قتل ہوئے تو متعدد صنعت کار اور تاجر پنجاب یا بیرون ملک چلے گئے۔ کراچی کی معیشت کے متاثر ہونے سے پورا ملک متاثر ہوا۔ شہریوں اور تاجروں کی جانب سے کراچی میں آپریشن کا مطالبہ بڑھنے لگا۔ اہل کراچی کے پرزور مطالبے پر 5 ستمبر 2013ء کو نواز شریف حکومت نے شہر میں نیا عسکری آپریشن شروع کرنے کی منظوری دی۔ آپریشن انجام دینے کی ذمے داری سندھ رینجرز کو سونپی گئی۔ کراچی پولیس اور وفاقی و صوبائی انٹیلی جنس ادارے رینجرز کے معاون قرار پائے۔ رینجرز نے آپریشن انتہائی کامیابی کے ساتھ جاری رکھا، جس سے شہر بڑے جرائم

میں نمایاں کمی واقع ہوئی اور شہر میں کافی حد تک امن قائم ہوا ہے۔ دوسری جانب تاجر برادری شہر میں جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح پر پریشان دکھائی دے رہی ہے۔ آل کراچی تاجر اتحاد کے چیئرمین عتیق میر نے کراچی میں ایک بار پھر جرائم کے بڑھتے ہوئے واقعات پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے کہ شہر میں سرگرم ماہر اور منجھے ہوئے جرائم پیشہ عناصر کے خلاف تمام تکنیکی وسائل بروئے کار لانے کی ضرورت ہے۔ بھتے کے لیے سیلولر فون سے دی جانے والی دھمکیوں کی شکایات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ سی پی ایل سی جیسے اہم اور تکنیکی وسائل سے آراستہ ادارے کی تباہی سے تاجر پریشان اور مجرم سرگرم ہوگئے ہیں۔ عتیق میر کا کہنا تھا کہ سی پی ایل سی میں نااہل چیف کی تقرری جرائم پیشہ عناصر کے لیے حوصلہ افزائی کا باعث ہے، فوری تبدیل نہ کیا گیا تو احتجاجی ریلی اور گورنر ہاؤس پر دھرنا دینے پر مجبور ہوجائیں گے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ کراچی آپریشن نے شہر میں کافی حد تک امن قائم ہوا ہے اور رینجرز کی کارروائیوں سے ٹارگٹ کلنگ جیسے بڑے جرائم میں نمایاں کمی واقع ہوئی ہے، لیکن اسٹریٹ کرائمز میں کچھ خاص فرق نہیں پڑا ہے۔ گزشتہ سال بھی جرائم پیشہ عناصر نے ہتھیار نہ ڈالے اور ان کی سرگرمیاں مسلسل جاری رہیں، جس کے نتیجے میں شہری اربوں روپے مالیت کی گاڑیوں، موٹر سائیکلوں، موبائل فونز اور دیگر قیمتی اشیا سے محروم ہوگئے۔

پولیس کا کہنا ہے کہ شہر میں دہشتگردی، قتل، اغوا برائے تاوان، کار اسنیچنگ اور ڈکیتیوں سمیت سنگین جرائم کم ہوئے ہیں۔ گزشتہ روز کراچی پولیس نے سالانہ رپورٹ تیار کرکے اعلی حکام کو ارسال کی ہے، جس کے مطابق کراچی میں 2015ء کے 2015 دوران 874 قتل، ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ 153 افراد بنے، جبکہ دہشتگردی کی 32 وار داتیں ہوئیں۔ ایک برس کے دوران قتل کی وارداتوں میں 68، ٹارگٹ کلنگ میں 26 اور دہشتگردی میں 82 فیصد سے زاید کمی واقع ہوئی ہے۔ اغوا برائے تاوان کی وارداتوں کی تعداد 57 فیصد سے زاید کمی کے ساتھ 36 رہی، جبکہ بھتہ خوری کی 210 وارداتوں ہوئیں، جس میں گزشتہ سال کے مقابلے میں 60 فیصد سے زاید کمی ہوئی۔ کراچی پولیس کی رپورٹ کے مطابق ڈکیتی کی وارداتوں میں 27 فیصد سے زاید کمی ہوئی اور گزشتہ برس صرف 766 وارداتیں ہوئیں۔ 2015ء میں گاڑیاں چھیننے جانے کا گراف 70 فیصد سے زاید گرا اور صرف 329 گاڑیاں چھینی گئیں، گاڑیوں کے چوری ہونے کی شرح میں بھی 53 فیصد سے زاید کمی ہوئی اور 1775 چوری کی گئیں۔

موٹر سائیکل چھیننے کی وارداتوں میں 45 فیصد سے زاید کمی ہوئی، تاہم چوری کی شرح فیصد سے زاید بڑھ گئی۔ لیکن غیر سرکاری رپورٹ کے مطابق کراچی میں سال گزشتہ 5 ہزار سے زاید موبائل فونز چوری اور چھینے گئے، جبکہ دو ہزار سے زاید کاروں اور 38 ہزار سے زاید موٹر سائیکلوں سے محروم ہونے کے واقعات رپورٹ ہوئے۔ سی پی 20 ایل سی کے اعداد و شمار کے مطابق سال گزشتہ جنوری میں 2280 موبائل فون چھینے گئے اور 1561

فونز چوری ہوئے۔ فروری میں 1787 موبائل فون چھینے گئے اور 1282 چوری ہوئے۔ مارچ میں 1914 موبائل فون چھینے گئے اور 1551 چوری ہوئے۔ اپریل میں 1782 موبائل فونز چھینے گئے اور 1523 چوروں کے ہاتھ لگے۔ مئی میں ڈاکو موبائل فون لے اڑے، جبکہ 1615 چوری ہوئے۔ جون میں 1324 1655 موبائل فون چھینے گئے اور 1293 چوری ہوئے۔ جولائی میں 1804 موبائل فونز چھینے گئے اور 1377 چوری ہوئے۔ اگست میں 1723 موبائل فونز چھینے گئے اور چوری کر لیے گئے۔ ستمبر میں 3108 موبائل فون پر چور اور ڈاکو ہاتھ صاف 1651 کر گئے۔ اکتوبر میں 1719 موبائل فون شہریوں سے چھن گئے، جبکہ 1492 چوری ہوئے۔ نومبر میں 1885 موبائل فونز چھینے گئے اور 1607 چوری ہوئے۔ نومبر میں شہریوں کو دو ہزار موبائل فونز سے محروم کر دیا گیا۔ سال کے آخری مہینے دسمبر میں بھی موبائل فون لفٹرز نے 2000 سے زائد موبائل فونز سے شہریوں کو محروم کر دیا گیا۔ یہ اعداد و شمار وہ ہیں جن کی شہریوں نے رپورٹ درج کرائی۔ سی پی ایل سی ذرائع کا دعویٰ ہے کہ واقعات اس سے زیادہ ہیں، کیوں کہ شہریوں کی اکثریت رپورٹ درج نہیں کراتی، صرف سم بند کرا دیتی ہے۔

اسی طرح رپورٹ کے مطابق سال گزشتہ شہری دو ہزار سے زاید کاروں اور 20 ہزار سے زاید موٹر سائیکلوں سے محروم ہوگئے۔ ادارہ سی پی ایل سی اور اینٹی کار لفٹنگ سیل کے اعداد و شمار کے مطابق جنوری میں 1557 موٹر سائیکلیں اور 132

گاڑیاں چھینی یا چوری کی گئیں۔ فروری میں 1568 موٹر سائیکلیں اور 220 کاریں، مارچ میں 1676 موٹر سائیکلیں اور 187 گاڑیاں، اپریل میں 1612 موٹر سائیکلیں اور 186 گاڑیاں، مئی میں 1671 موٹر سائیکلوں اور 191 گاڑیاں، جون میں موٹر سائیکلیں اور 184 گاڑیاں، جولائی میں 1949 موٹر سائیکلیں اور 1613 گاڑیاں، اگست میں 1999 موٹر سائیکلیں اور 137 گاڑیاں، ستمبر میں 1798 183 موٹر سائیکلیں اور 159 گاڑیاں، اکتوبر میں 1703 موٹر سائیکلیں اور 103 گاڑیاں، نومبر میں 1808 موٹر سائیکلیں اور 163 گاڑیاں چوری یا چھینی گئیں۔ سال کے آخری مہینے دسمبر میں سو سے زاید بڑی گاڑیاں اور ایک ہزار سے زاید موٹر سائیکلیں چوری یا چھینی گئیں۔ رپورٹ کے مطابق سال گزشتہ شہر کے مختلف علاقوں میں 12 بینک ڈکیتیوں کی وارداتیں ہوئیں، جہاں سے ملزمان کروڑوں روپے لوٹ کر فرار ہوگئے، جبکہ دو جیولرز کی دکانیں لوٹے جانے کے ساتھ ایک سب ڈویژنل مجسٹریٹ سے بھی لاکھوں روپے نقدی لوٹ لی گئی۔ سال گزشتہ کی پہلی بینک ڈکیتی 27 فروری کو تیموریہ کے علاقے بینک الحبیب بینک، دوسری بینک ڈکیتی میں 7 اپریل کو نارتھ ناظم آباد میں مائیکرو فنانس بینک، تیسری ڈکیتی 9 اپریل کو بلوچ کالونی میں واقع سمٹ بینک، چوتھی بینک ڈکیتی 15 اپریل کو عوامی کالونی کے علاقے میں واقع حبیب بینک، پانچویں بینک ڈکیتی 15 مئی کو لانڈھی میں بینک الحبیب، چھٹی بینک ڈکیتی 25 مئی کو گلشن اقبال میں واقع میزان بینک، ساتویں بینک ڈکیتی 7 جولائی کو سچل کے علاقے میں واقع الفیصل

بینک، آٹھویں بینک ڈکیتی 18 اگست کو گلشن اقبال بلاک 13ڈی میں قائم سونیری بینک، نویں بینک ڈکیتی دو ستمبر کو الفلاح، دسویں بینک ڈکیتی 22 ستمبر کو مدینہ کالونی میں واقع سمٹ بینک، گیارہویں بینک ڈکیتی 15اکتوبر کو لانڈھی میں واقع میزان بینک اور بارہویں بینک ڈکیتی 15 نومبر کو اتحاد ٹاؤن میں ہوئی۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ گزشتہ سال بھی کراچی میں جرائم پر قابو نہ پایا جانا شہریوں کے لیے انتہائی پریشان کن امر ہے۔ رینجرز نے بھرپور طریقے سے اپنی ذمہ داری ادا کی ہے، جس کی بدولت شہر میں قتل و غارت گری کے واقعات میں نمایاں کمی واقع ہوئی ہے، لیکن پولیس نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی، کیونکہ اسٹریٹ کرائمز پر قابو پانا پولیس کی ذمہ داری تھی، لیکن ان واقعات پر قابو نہیں پایا جاسکا اور سال گزشتہ بھی جرائم پیشہ عناصر آزادی کے ساتھ شہریوں کو لوٹتے رہے۔ بڑے جرائم پر قابو پانے میں تو رینجرز کافی حد تک کامیاب ہوئی ہے، اگر پولیس اسٹریٹ کرائمز پر بھی قابو نہیں پا سکتی تو پھر شہر میں پولیس کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ مبصرین کا کہنا ہے کہ کراچی میں جرائم پر قابو پانے کے لیے شہر میں اسلحے کی روک تھام ضروری ہے۔ ایک اندازے کے مطابق کراچی میں پندرہ سے بیس لاکھ چھوٹے بڑے ہتھیار موجود ہیں۔ اسلحے کا یہ انبار پچھلے 35 برس کے دوران ہی وجود میں آیا۔ اس اسلحے نے شہر میں

سیاسی، جرائم پیشہ اور مذہبی نوعیت کے مسلح گینگ تشکیل دینے میں بنیادی کردار ادا کیا۔
اگر اسلحے پر قابو نہیں پایا جاتا تو شہر میں امن قائم ہونا مشکل ہے۔

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات!

چند روز قبل ڈسکہ میں رب نواز نامی شخص نے عین شادی کے دن عروسی لباس میں ملبوس اپنی ہی بہن سعدیہ بی بی کو گولیوں سے چھلنی کر کے یہ ثابت کر دیا کہ عورت ایسا ضعیف طبقہ ہے، جو جس صورت میں بھی ہو، ظلم کا نشانہ بنتا ہے۔ حوا کی بیٹی صدیوں سے نجانے کون کون سے عنوانات کے ساتھ ظلم کی چکی میں پس رہی ہے۔ ملک کی 52 فیصد آبادی خواتین پر مشتمل ہیں، لیکن خواتین کو معاشرے میں ان کا جائز کا مقام حاصل نہیں ہے۔ خواتین کے حقوق کی بحالی کے لیے قوانین بن چکے ہیں لیکن ان پر عمل نہیں کیا جاتا۔ معمولی معمولی بات پر عورت کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ گزشتہ سال فرزانہ نامی خاتون کو اس کے بھائیوں نے اینٹیں مار مار کر صرف اس لیے قتل کر دیا تھا کہ اس نے عاقل بالغ ہونے کے ناطے اپنے نکاح کے لیے بھائیوں کی مرضی پر عمل نہیں کیا تھا۔ شاید فرزانہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس نے جس معاشرے میں آنکھ کھولی، وہاں "خاندانی روایات" اس قدر مضبوط ہیں، جو بھی ان پر حرف آنے کا باعث بنے اس کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا جاتا ہے۔ عورت فاؤنڈیشن کے مطابق پاکستان میں 2008 سے لے کر اب تک 3 ہزار سے زاید خواتین کو غیرت کے نام پر قتل کیا جا چکا ہے۔ ایک اور رپورٹ کے مطابق 2014 میں 923 خواتین اور 82 کمسن لڑکیوں کو غیرت کے نام پر قتل کیا گیا ہے۔

ایک صاحب کہنے لگے کہ عورت کا اپنی مرضی سے شادی کرنے سے مشرقی ثقافت کی پامالی اور والدین کی عزت کو بٹا لگتا ہے، اگر عورتیں خود ہی اپنی شادیاں کرنے لگیں تو پھر ہم میں اور مغرب میں فرق ہی کیا رہ گیا۔ عرض کیا بالکل بجا کہ اسلام نے لڑکیوں کی شادیوں کے لیے ولی اور سرپرست کی اجازت پر زور دیا ہے۔ اپنی بچیوں کے لیے جو فیصلہ خاندان کے سمجھدار بزرگ کر سکتے ہیں، ناسمجھ لڑکی کا فیصلہ اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا، لیکن اگر کوئی ناسمجھی کر ہی بیٹھے تو کیا اس کی وہ سزا ہے جو ہمارے معاشرے میں عورتوں کی جان لے کر دی جاتی ہے؟ لڑکیاں اپنی مرضی سے شادی کر کے "ثقافت" کو ہی پامال کرتی ہیں، شریعت کو تو نہیں روند ڈالتیں؟ کیا ثقافت شریعت سے بھی بڑھ کر ہے؟ کیا روایات کی قدر و قیمت انسانی جان سے بھی اعلیٰ ہوئی؟ شریعت تو شادی کے لیے عورت کی مرضی کو لازم قرار دیتی ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں رشتہ کرنے سے پہلے کتنی لڑکیوں کی پسند ناپسند کو سامنے رکھا جاتا ہے یا ان کی رائے ہی لی جاتی ہے؟ کم از کم پوچھنا تو بنتا ہے، لیکن پوچھا بھی نہیں جاتا۔ جس کو خاندان نے لڑکی کے لیے چن لیا، چاہے لڑکی کو پسند ہو یا نہ ہو، اسی کے ساتھ نکاح کے بندھن میں بندھنا ضروری ہے۔ عورت کی کیا مجال کے انکار کردے۔ چاہے خاندان نے دولت، شہرت، زمین اور دیگر فوائد حاصل کرنے کے لیے نوعمر لڑکی کے لیے کھوسٹ بڈھا ہی چنا ہو۔ معاشرے میں حیا و پاکدامنی اور اپنی اقدار بھی ضروری ہیں، لیکن وہ یوں جان لے کر تو نافذ نہیں ہوتیں۔

اگر کوئی کھلی بدکاری بھی کرے تو بھی کسی کو قانون ہاتھ میں لینے کی کسی کو اجازت نہیں، سزا عدالت دے، اگر لوگ فیصلے خود ہی کرنے لگیں تو پھر یہ ملک و ریاست تو نہیں، بلکہ جنگل ہی بن گیا۔ جہاں قانون اس کا ہی چلتا ہے جو طاقتور ہو۔

عورت ذات کمزور ہے، ضعیف ہے اور یہی اس کا جرم ہے۔ مرد طاقتور ہے، عورت اس کے ماتحت ہے، کمزور ہے۔ طاقتور اپنے ہر حکم کی بجاآوری چاہتا ہے۔ عورت کے نشانہ بننے کی لیے تو کسی بڑی وجہ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بس مرد کے ذہن میں یہ خیال آیا چاہیے کہ عورت میری رٹ کو چیلنج کر رہی ہے۔ پھر تو عورت کی سزا کے لیے سالن میں نمک زیادہ ڈالنا، گھر میں چھوٹی موٹی لڑائی اور ناچاقی ہو جانا، بچے کی بجائے بچی کی پیدائش ہو جانا اور شوہر کی دوسری شادی پر ناراضی کا اظہار ہی کافی ہے۔ پھر کبھی بیوی کے چہرے پر تیزاب پھینک دیا جاتا ہے، کبھی بیوی کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا جاتا ہے، کبھی گلا دبا کر مار دیا جاتا ہے اور کبھی لوہے کے راڈ سے اس کا سر پھاڑ دیا جاتا ہے اور کبھی طلاق دے دی جاتی ہے۔

کسی دانا کا کہنا ہے کہ " اگر کسی معاشرے کا تجزیہ کرنا مقصود ہو تو اس معاشرے میں عورت کی سماجی حیثیت دیکھ لو۔" ہمارے معاشرے میں روز عورتوں کے

ساتھ پیش آنے والے واقعات چیخ چیخ کر ہمارے معاشرے کا خوفناک تجزیہ پیش کر رہے ہیں۔ ملک میں آئے روز خواتین کی عصمت دری کے واقعات ہمارے معاشرے کا نقاب نوچ رہے ہیں۔ عورت کے استحصال کی کہانی پرانی ہے، جو زمانے کے ساتھ مزید تلخ ہو رہی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ملک میں خواتین کے خلاف تشدد کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اغوا، قتل، ریپ، غیرت کے نام پر قتل، اقدام قتل، زبردستی کی شادی، جان سے مارنے کی دھمکی، جنسی ہراساں، تشدد، وراثت سے محرومی اور دیگر کئی عنوانات سے عورتیں زیر عتاب ہیں۔ ہمارے معاشرے میں بسا اوقات مردوں کی سزا بھی عورتوں کو دی جاتی ہے۔ اپنی دشمنیاں مٹانے کے لیے عورتوں کو دشمنوں کے گھر بیاہ دیا جاتا ہے۔ اپنے مردوں کے رشتے کرنے کے لیے عورتوں کا وٹہ سٹہ کیا جاتا ہے۔ اپنی زمین محفوظ کرنے کے لیے عورتوں کا قرآن سے نکاح کر دیا جاتا ہے اور وراثت میں عورت کو محروم کر دینا تو شاید ہمارے معاشرے میں عام ہے۔ آفاقی حقیقت یہ ہے کہ ماں، بہن، بیٹی اور بیوی سمیت ہر روپ میں عورت انتہائی عزت و احترام کی مستحق ہے اور اسلام نے نہ صرف عورت کو انسانی معاشرے میں اس کا جائز مقام دیا، بلکہ اسے وہ حقوق بھی عطا کیے، جن کا اس سے پہلے کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ افسوس یہ ہے کہ ہم ان حقوق کا زبانی تذکرہ تو بہت کرتے ہیں، لیکن انھیں عملی جامہ پہنانے کے معاملے میں بہت پیچھے ہیں۔ آفاقی قوانین کی راہ میں ہماری ثقافت آڑے آ جاتی ہے۔ ان حالات میں "علامہ اقبال" مرحوم کا یہ شعر ہی پڑھا جا سکتا

ہے

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات!

اک وہ ہیں جو تڑپتے ہیں فاقوں کے تار میں

تھرپارکر میں معاملے کی سنگینی شاید خوراک کے قحط سے زیادہ صاحب اقتدار طبقے میں احساس ذمے داری کے قحط کی وجہ سے ہے۔ جب زمینیں بنجر ہوجائیں تو صرف کھیت اجڑتے ہیں، لیکن اگر شاہوں کے ذہن بنجر ہوجائیں تو بستیاں ویران و سنسان ہوتی چلی جاتی ہیں، مگر حکمرانوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی اور تھرپارکر میں بھی یہی کچھ ہورہا ہے۔ حکومت کی عدم توجہی کے باعث بھوک و افلاس کے سبب تھرپارکر میں ایک عرصے سے موت کا رقص جاری ہے۔ بھوک و پیاس کے ہاتھوں ستائے تھر کے معصوم بچے اپنی جانیں پے در پے موت کے حوالے کیے جاتے ہیں۔ سال گزشتہ تھر کے باسیوں پر قیامت ڈھا گیا تھا اور اس سال کا آغاز بھی اچھا نہیں ہوا ہے۔ 2015ء میں بچوں سمیت لگ بھگ ایک ہزار افراد غذائی قلت سے لقمہ اجل بن گئے تھے۔ 376 صوبائی حکومت نے گزشتہ سال مٹھی میں ہونے والی ہلاکتوں سے کوئی سبق نہ سیکھا اور ایک مرتبہ پھر تھرپارکر کے علاقے مٹھی میں حکومتی نااہلی، غذائیت کی کمی اور دیگر امراض کے نتیجے میں گزشتہ ایک ہفتے کے دوران تقریباً 20، جبکہ گزشتہ ایک ماہ کے دوران 45 بچے موت کی وادی میں چلے گئے ہیں۔ میڈیا پر خبریں آنے کے بعد حکومت نے روایتی اقدامات کا اعلان کیا ہے۔ گزشتہ برس تھر میں قحط سالی اور بیماریوں سے بچوں کی ہلاکتوں کے واقعات کے بعد سندھ حکومت کی جانب سے تھر

کے لیے خصوصی پیکج، ہسپتالوں کی بہتری اور ان کے بجٹ میں اضافے کا اعلان کیا گیا تھا، لیکن اِن میں سے اکثر پر عمل درآمد نہیں ہو سکا ہے۔ صوبائی حکومت کی غفلت و کوتاہی کا ہی شاخسانہ ہے کہ تھریوں کو مسلسل غذائی قلت کا سامنا ہے اور سرکاری شفاخانوں میں عوام کو علاج کی سہولتیں میسر نہیں ہیں۔ شفاخانوں میں کوالیفائڈ ڈاکٹرز کی کمی ہے اور بعض ڈسپنسریوں کی ادویات پرائیویٹ میڈیکل اسٹوروں پر بیچنے کا انکشاف بھی ہوا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ معصوم بچے تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے ہیں۔ ہر روز کسی نہ کسی ماں کی گود اجڑ جاتی ہے، آہ و فغاں اور فریاد بھری چیخیں تو ہر آنکھ کو اشکبار کر دیتی ہیں، لیکن حکومتی شعبے کے اہلکار ایسے سفاک اور بے رحم ہوتے ہیں کہ ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

تھر میں زندگی کو سسکنے، بلکنے اور دم توڑنے کے سیکڑوں بہانے میسر ہیں۔ یہاں کے باسی بھوک اور افلاس کا شکار ہیں۔ پینے کا صاف پانی نایاب ہے۔ ستم رسیدہ تھری روزگار، علاج معالجے اور مناسب رہائش کو ترستے ہیں۔ چہار سو بھوک و افلاس موت کا خوفناک سایہ بنی ہوئی ہے، لیکن شاہوں کی طبعیت پر اس کا رتی بھر بھی اثر ظاہر نہیں ہوتا ہے۔ حکمران دو چار دن میڈیا کے سامنے تصاویر بنوانے کے بعد تھری عوام کو بھول کر اپنی سیاسی دھینگا مشتی اور اللوں تللوں میں بھرپور طریقے سے مگن ہو جاتے ہیں۔ بھلا صاحب اقتدار طبقے

کو اپنے سیاسی بکھیڑوں اور موج مستی سے اتنی فرصت ہی کہاں کہ تھر کے عوام کے لیے سوچیں۔ بقول شاعر

اک وہ ہیں ناؤ نوش سے جن کو نہیں فراغ
اک وہ ہیں جو تڑپتے ہیں فاقوں کے تار میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو فرمایا تھا "اگر فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر گیا تو قیامت کے دن عمر سے اس کی بھی باز پرس ہو گی۔" وہ خود رات کے وقت بھیس بدل کر غریبوں کی مدد کے لیے نکل کھڑے ہوتے اور خود اپنی کمر پر سامان لاد کر محتاج لوگوں تک پہنچاتے تھے، لیکن یہاں معاملہ بالکل الٹ ہے۔ وزیراعلیٰ سے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا جارہا ہے کہ وہ بھی اپنے کاندھے پر سامان لاد کر غریبوں میں تقسیم کریں، بلکہ صرف یہ گزارش ہے کہ عوام کی خبر گیری رکھنا اور ان کی ضروریات زندگی پوری کرنا تو وزیراعلیٰ کی ذمے داری ہے، بھوک و پیاس سے جان دیتے بچوں کو موت کے منہ سے نکالنا تو ان ہی کی ذمے داری ہے، لیکن وزیراعلیٰ اور حکومت نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ حکومت کو معاش کے ذرایع کے حوالے سے ایسے اقدامات کرنے چاہئیں جن سے تھر کے عوام مستقل طور پر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔

تھرپارکر ایک صحرائی علاقہ ہے، جس کو اکثر قحط کا سامنا رہتا ہے۔ قحط کے

دوران اپنی اور اپنے مویشیوں کی جان بچانے کے لیے اس علاقے کے لوگ ہجرا جی علاقوں کا رخ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور عرصے سے یونہی ہوتا چلا آ رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ برطانوی دور میں متوقع مہینے میں بارشیں نہ ہونے پر علاقے کو سرکاری طور پر قحط زدہ قرار دے کر تمام ٹیکس معاف کر دیے جاتے تھے اور تھری باشندوں کو رعایتی قیمت پر گندم بھی فراہم کی جاتی تھی۔ ایک طویل عرصے سے تھر کے عوام کو بے بہا مسائل کا سامنا درپیش ہے۔ ہر سال دو سال بعد یہاں بارشیں نہ ہونے کے سبب شدید قحط کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ فاقہ کشی، مختلف مہلک بیماریوں اور مناسب علاج کی سہولت نہ ملنے کے سبب سیکڑوں افراد موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں، لیکن ان تمام تلخ حقائق کے باوجود ہر حکومت نے تھر کے حوالے سے بے رخی، لاپروائی، سرد مہری اور سنگدلی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہمیشہ تھر کے علاقے کو نظر انداز کیا گیا اور کبھی اس علاقے کے مسائل کو مستقل بنیادوں پر حل کرنے کی جستجو نہیں کی گئی۔ جہاں دنیا میں صحراؤں پر شہر آباد ہو رہے ہیں، وہاں قدرتی وسائل سے مالا مال تھر کی قسمت کو کیوں نہیں بدلا جا سکتا؟

اگر حکومت یہاں کالے سونے کا پروجیکٹ شروع کر سکتی ہے تو پھر یہاں کے عوام کے مسائل حل کیوں نہیں کر سکتی؟ لیکن حکومت کی عدم توجہی کا یہ عالم ہے کہ میڈیا کی نشاندہی کے بعد حکومت خواب غفلت سے بیدار ہوتی ہے اور کچھ روز

میڈیا کے سامنے ہلچل نظر آتی ہے۔ جب تک میڈیا تھر کے معاملے کو نمایاں کیے رکھتا ہے، حکومت بھی حرکت میں دکھائی دیتی ہے، لیکن میڈیا خاموش ہو جاتا ہے تو حکومت بھی تھر کے عوام سے کیے گئے تمام وعدوں کو بھول جاتی ہے۔ تھر میں جب بھی قحط پڑتا ہے، حکمران میڈیا کی موجودگی میں گندم کی کچھ بوریاں اور نقد امداد تقسیم کرکے چلتے بنتے ہیں، حالانکہ یہ بات صاحب اقتدار طبقے کو مد نظر رکھنی چاہیے کہ قحط زدہ خاندان حکومت کی جانب سے تقسیم کی گئی گندم، منرل واٹر اور چند ہزار روپے میں کتنے روز زندہ رہ سکیں گے؟ تھر میں عوام کی مشکلات پر مستقل طور پر قابو پانے کی ضرورت ہے۔

تھر کا سب سے بڑا مسئلہ پانی ہے۔ تھر میں زندگی کا دارومدار بارش پر ہے، جو یہاں بہت کم ہوتی ہے۔ بارش کے پانی کو جمع کرنے کے لیے تالاب بنائے گئے ہیں، لیکن وہ ان کی ضروریات کے لیے ناکافی ہیں۔ زیر زمین پانی ڈیڑھ سو فٹ کے نیچے ملتا ہے اور وہ بھی ہر جگہ نہیں۔ تھری خواتین میلوں دور سے گدلا پانی لاتی ہیں۔ زیر زمین پانی انتہائی نمکین اور وہ بھی 150 سے 200 فٹ گہرائی میں جا کر ملتا ہے۔ ایسے مسائل سے نمٹنے کی منصوبہ بندی ریاست کی ترجیحات کا حصہ ہی نہیں ہوتی۔ آب پاشی کے لیے نہری نظام کو موثر کرنا چاہیے، تاکہ تھر کے باسیوں کو فصلیں اگانے کے لیے صرف بارش پر انحصار نہ کرنا پڑے اور میٹھا پانی پہنچانے کا انتظام کرنا بھی ضروری ہے۔ بھارت تو

اپنے صحرائی علاقے میں میٹھا پانی پہنچا چکا ہے۔ جب بھارت اپنے صحرائی علاقے میں بجلی، سڑکوں اور میٹھے پانی کی پائپ لائنوں کا جال بچھا سکتا ہے تو یہ کام ہماری حکومت کیوں نہیں کر سکتی؟ حقیقت یہی ہے کہ تھر میں معاملے کی سنگینی صرف بیڈ گورننس اور غیر سنجیدگی کی وجہ سے ہے۔ ورنہ حکومت اگر آج تہیہ کرلے کہ اسے تھر کے حالات کو بہتر انداز میں بدلنا ہے، تو یقین جانیے سب کچھ ہو سکتا ہے۔

اقتصادی راہداری منصوبہ....امید کی کرن یا دوسرا کالا باغ ڈیم؟

پاک چین اقتصادی راہداری منصوبے پر ملک کی سیاسی جماعتوں کے مابین اختلافات شدت اختیار کرتے جارہے ہیں۔ متعدد چھوٹی بڑی سیاسی جماعتیں اقتصادی راہداری منصوبے پر تحفظات کا اظہار کررہی ہیں۔ اس حوالے سے خیبر پختونخوا اور بلوچستان کی سیاسی جماعتوں کی جانب سے کئی کانفرنسیں بھی منعقد کی جاچکی ہیں، جن کا کہنا ہے کہ حکومت اقتصادی راہداری منصوبے سے متعلق کیے گئے وعدوں کو پورا نہیں کررہی ہے۔ گزشتہ روز پاک چین اقتصادی راہداری پر چھوٹے صوبوں کے تحفظات کے حوالے سے بلائی گئی آل پارٹیز کانفرنس میں سیاسی جماعتوں نے حکومت سے گوادر کی بندرگاہ کے منصوبے کا مکمل اختیار فوری طور پر بلوچستان کے حوالے کرنے، منصوبے کے مغربی روٹ کو پہلے مکمل کرنے، بلوچستان میں ملازمتوں میں بلوچوں کو ترجیح دینے اور وسائل پر بلوچوں کا حق تسلیم کرنے اور 28 مئی کو وزیراعظم نواز شریف کی جانب سے بلائی گئی آل پارٹیز کانفرنس میں کیے گئے وعدے پورے کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

گزشتہ سال 28 مئی کو وزیراعظم نواز شریف کی سربراہی میں آل پارٹیز کانفرنس منعقد کی گئی تھی، جس کے اعلامیہ میں کہا گیا تھا کہ "پاک چین اقتصادی راہداری کے مغربی روٹ کی تعمیر ترجیحی بنیادوں پر مکمل کی جائے گی۔ اعلامیہ کے مطابق راہداری منصوبے کے تحت روڈ، ریل نیٹ ورکس، ائرپورٹس، سی

پورٹس تعمیر کی جائیں گی، راہداری کے ساتھ اقتصادی زونز اور پاور ہاؤسز ملک بھر میں تعمیر کیے جائیں گے۔" اے پی سی میں شریک تمام جماعتوں نے متفقہ طور پر راہداری منصوبے کی منظوری دے دی تھی، لیکن اب ایک بار پھر تحفظات کا اظہار ہونے لگا۔

اقتصادی راہداری کے حوالے سے 7 جنوری کو پشاور میں منعقد ہونے والی کانفرنس کے مشترکہ علامیے کے مطابق اقتصادی راہداری منصوبے میں صنعتوں کے لیے گیس پائپ لائن، بجلی ٹرانسمیشن لائن، فائبر آپٹیکل کیبل، ریلوے لائن اور ایل این جی مہیا کرنے کا موجودہ نقشوں میں کوئی ذکر نہیں، جس سے یہ تاثر مل رہا ہے کہ یہ محض ایک سڑک ہے اور اس کی حیثیت کوریڈور کی نہیں ہے۔ وزیر اعلیٰ کے پی کے پرویز خٹک تو یہاں تک کہہ چکے ہیں کہ وعدے کے مطابق کوریڈور نہ بنا تو وہ خیبر پی کے سے راہداری نہیں گزرنے دیں گے۔ جس پر چین نے تشویش کا اظہار کیا اور پاکستان میں چینی سفارتخانے کے ترجمان نے ایک بیان میں پاکستان کی سیاسی جماعتوں پر زور دیا کہ وہ اپنے اختلافات کو احسن طریقے سے حل کرکے پاک چین اقتصادی راہداری کے لیے موافق فضا قائم کریں، یہ منصوبہ پورے پاکستان کے لیے ہے اور اس کے فوائد اور ثمرات سے ساری پاکستانی قوم مستفید ہوگی۔ چین کو یہ بھی امید ہے کہ پاکستان میں تمام متعلقہ پارٹیاں اقتصادی راہداری پر اپنے روابط مضبوط کریں گی، تاکہ اس اہم منصوبے کے لیے موافق حالات پیدا کیے جاسکیں۔ دوسری جانب وفاقی وزیر برائے ترقی و منصوبہ بندی احسن اقبال کا آل پارٹیز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے

کہنا تھا کہ پاک چین اقتصادی راہداری منصوبہ کسی ایک صوبے کا نہیں، بلکہ پورے ملک کا منصوبہ ہے، اس لیے منصوبے میں کسی بھی صوبے سے امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ ذرائع کے مطابق پاک چین اقتصادی راہداری منصوبے پر تحفظات ختم کرنے کے لیے وزیر اعظم نواز شریف کوشاں ہیں۔ اسی سلسلے میں آئندہ ہفتے وزیر اعلیٰ کے پی کے سے ملاقات متوقع ہے۔

پاک چین اقتصادی راہداری ایک بہت بڑا تجارتی منصوبہ ہے، جس کا مقصد جنوب مغربی پاکستان سے چین کے شمال مغربی خود مختار علاقے سنکیانگ تک گوادر بندرگاہ، ریلوے اور موٹروے کے ذریعے تیل اور گیس کی کم وقت میں ترسیل کرنا ہے۔ اقتصادی راہداری پاک چین تعلقات میں مرکزی اہمیت کی حامل تصور کی جاتی ہے۔ گوادر سے کاشغر تک تقریباً تین ہزار کلومیٹر طویل ہے۔ یہ منصوبہ مکمل ہونے میں کئی سال لگیں گے۔ اس پر کل 46 بلین ڈالر لاگت کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ یہ منصوبہ ملک کے لیے امید کی کرن ہے، کیونکہ اس کی تکمیل سے ملک میں ترقی کے مواقع میسر آئیں گے، نہ صرف پاکستان ترقی کرے گا، بلکہ پورا خطہ مستفید ہوسکے گا۔ راہداری کو پاکستان کے نسبتاً پسماندہ علاقوں میں ترجیح کی ضرورت ہے، لیکن اس معاملے میں پنجاب کے سوا باقی تینوں صوبوں کے سیاستدانوں کے تحفظات ہنوز موجود ہیں، جس کے بعد یہ خدشات جنم لینے لگے ہیں کہ کہیں یہ منصوبہ سیاست کی نذر نہ ہو جائے۔ پاکستان میں بہت سے اہم قومی

منصوبے سیاستدانوں کے اختلافات کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔کالا باغ ڈیم منصوبے کو بھی ایک قومی منصوبے کے طور پر پیش کیا گیا تھا، لیکن سیاستدانوں کے شدید اعتراضات کے باعث شروع نہیں کیا جا سکا، جبکہ اس کی فزیبلٹی رپورٹ تیار ہو چکی، جس پر خطیر سرمایہ صرف ہو چکا ہے۔ کالا باغ ڈیم منصوبہ سیاستدانوں کی مخالفت کی وجہ سے ناکام ہوا ہے اور اقتصادی راہداری منصوبے کے معاملے میں بھی بہت سی سیاسی جماعتیں اپنے اختلافات کو بھلا کر ایک ہو گئی ہیں، جن کے مطابق راہداری منصوبے میں خیبر پختونخوا اور بلوچستان کو، وفاق کے زیر کنٹرول بلوچستان کی گوادر بندرگاہ اور اس کے زیر نگرانی سڑک کو چھوڑ کر پوری طرح سے بائی پاس کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ حویلیاں سے آگے گوادر سے جوڑنے کے لیے اقتصادی راہداری کے لیے مشرقی اور مغربی دو روٹ تجویز کیے گئے۔ مشرقی روٹ کا بیشتر حصہ صوبہ پنجاب کے مختلف شہروں سے گزرتا ہے، جبکہ مغربی روٹ میں صوبہ خیبر پختونخوا کے علاقے آتے ہیں۔ سیاستدانوں کا کہنا ہے کہ مغربی روٹ میں وعدوں پر عمل نہیں کیا جارہا۔ اپنے مطالبات پر دونوں صوبوں کی سیاسی جماعتیں متحد ہیں، جس کے بعد یہ خدشات پیدا ہونا شروع ہو گئے ہیں کہ اگر یہ معاملہ جلد حل نہ ہوا تو خدانخواستہ کہیں اقتصادی راہداری منصوبہ کالا باغ ڈیم منصوبے کی طرح تعطل کا شکار ہی نہ ہو جائے، جو یقینا ملک کے لیے نقصان دہ ہوگا۔

راہداری منصوبے پر اختلافات شدت اختیار کرتے جارہے ہیں۔ ایسے وقت میں سب کو مل کر ملک و قوم کی ترقی کے مفاد میں فیصلہ کرنا چاہیے۔ پاک چائنہ اکنامک کوریڈور بلاشبہ اس خطہ میں تبدیلی و تعمیر کا بہت بڑا منصوبہ ہے لیکن بد قسمتی سے ہم سیاستدان اس پر بالغ نظری کا مظاہرہ نہیں کر رہے۔ اگر اس منصوبہ کو منسوخ یا تاخیر کا شکار کیا گیا تو پاکستان اس عشرہ کے سب سے بڑے قومی سانحہ کو برداشت نہیں کر سکے گا۔ اتفاق رائے کے نام پر پورے ملک کو گوناگوں مسائل سے دوچار کر دیا گیا ہے جس کی سب سے بڑی مثال کالا باغ ڈیم ہے۔ اب وفاقی حکومت پر یہ بھاری ذمے داری آن پڑی ہے کہ وہ اس منصوبے کے بارے میں پیدا ہونے والی ہر رکاوٹ کو دور کرنے کی کوشش کرے اور کوئی ایسا اقدام نہ کیا جائے جس سے اس کی راہ میں مسائل پیدا ہوں۔ اقتصادی راہداری پر سیاستدانوں کے تحفظات بے جا نہیں ہیں، لیکن سب کو ملکی مفاد کے پیش نظر اس منصوبے کو کامیاب کرنا ہوگا۔ اگر اس مسئلے پر وفاقی حکومت اور دیگر صوبوں کے درمیان معاملات کسی نتیجے پر نہیں پہنچتے اور اختلافات شدت اختیار کرتے ہیں تو یہ نہ صرف ملکی ترقی اور خوشحالی کے لیے نقصان دہ ہوگا، بلکہ غیر ملکی سرمایہ کاروں کو بھی منفی پیغام جائے گا اور وہ پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے سے ہچکچائیں گے۔ سیاسی جماعتیں اپنے اختلافات کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کریں اور ایسی فضا کو جنم دیں کہ نہ صرف ملکی بلکہ غیر ملکی سرمایہ کار بھی یہاں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کرنے کی طرف راغب

ہوں۔ ضروری ہے کہ ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لیے وفاقی حکومت، خیبر پختونخوا حکومت اور دیگر سیاسی جماعتیں اپنے اختلافات کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کریں۔

کراچی: پی پی، متحدہ تنازع.... شہری مشکلات کا شکار

ملک میں روز اول سے سیاست دان باہم دست و گریباں نظر آئے ہیں۔ ایک دوسرے پر سنگین الزامات کی بوچھاڑ کرنا سیاست دانوں کا وطیرہ رہا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اپنے مفادات کی خاطر سیاست دان تو ایک ہوجاتے ہیں، لیکن سیاستدانوں کے درمیان جاری لڑائی میں ہمیشہ پستے عوام ہی ہیں۔ سیاست دان اگرچہ عوام کو مسائل نجات دلانے کے دعوے کرتے ہیں، لیکن عوام ہمیشہ مہنگائی، بھوک و افلاس، تنگدستی، کرپشن، لوٹ مار، قتل و غارت گری، دہشت گردی، بجلی گیس کی بندش اور لاقانونیت کے دلدل میں دھنستے چلے آئے ہیں، کوئی سیاست دان ان کا سہارا نہیں بنتا۔ کراچی کے عوام کے ساتھ بھی یہی ہوتا آیا ہے۔ یہاں متعدد سیاسی جماعتیں ہیں، جو کراچی کو اپنے کنٹرول میں کرنے کی بھرپور تگ و دو میں ہیں۔ اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے یہ جماعتیں آپس میں دست و گریباں رہی ہیں۔ ایک عرصے سے شہر قائد میں سیاسی چپقلش جاری ہے، جس کے نتیجے میں اقتدار تو کوئی نہ کوئی جماعت حاصل کرلیتی ہے، لیکن کراچی کے عوام کے حصے میں ہمیشہ سے بدامنی و بے سکونی ہی آئی ہے۔ کسی بھی دور حکومت میں عوام کو ٹارگٹ کلنگ، بھتا خوری، دہشتگردی، اسٹریٹ کرائمز، پانی کی کمی اور دیگر متعدد مسائل سے چھٹکارا حاصل نہیں ہوسکا ہے۔ سیاسی جماعتوں

کی لڑائی میں ہمیشہ عوام کو ہی پسنا پڑا ہے۔ پہلے کراچی میں آپریشن کے معاملے پر شہر کی دو بڑی سیاسی جماعتوں ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی کی چپقلش چلتی رہی۔ دونوں ایک دوسرے پر الزامات لگاتی رہیں کہ یہ آپریشن صرف ان کے خلاف ہو رہا ہے، دونوں کی دھینگا مشتی سے کراچی آپریشن کسی حد تک متاثر بھی ہوا، لیکن اس کے باوجود آپریشن کافی حد تک کامیاب رہا ہے۔

ان دنوں کراچی میں پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کی دھینگا مشتی جاری ہے، جس کے درمیان پس بے چارے عوام رہے ہیں۔ کراچی میں بلدیاتی اختیارات کا معاملہ سنگین ہوتا جا رہا ہے، پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں۔ ایم کیو ایم کا میئر آنے سے پہلے ہی کراچی کی حکمرانی پر پیپلز پارٹی اور متحدہ قومی موومنٹ کے درمیان تنازع جنم لے رہا ہے۔ حالات بتا رہے ہیں کہ مستقبل میں کراچی کے میئر اور سندھ حکومت کے تعلقات کچھ اچھے نہیں رہیں گے، لیکن دونوں کی چپقلش کے نتیجے میں کراچی کے عوام کو ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ترقیاتی کاموں کے معاملے پر پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم آمنے سامنے آ گئی ہیں۔ وزیر بلدیات سندھ کی طرف سے نامزد میئر وسیم اختر پر سنگین الزام لگایا گیا ہے کہ وسیم اختر کے ایم سی افسران کو فون کر کے ترقیاتی کاموں سے روک رہے ہیں، جبکہ ایم کیو ایم پیپلز پارٹی پر یہ الزام لگاتی ہے کہ وہ کراچی کے لیے کوئی کام نہیں کرتی ہے۔ کراچی پر حکمرانی کی اس لڑائی

میں سیوریج لائن کے معاملے پر بھی سیاست شروع ہو گئی ہے۔ کئی دنوں قبل اچانک کراچی کا سیوریج سسٹم خراب ہوگیا۔ اولڈ ایریا، گلبہار، نارتھ ناظم آباد، شاہ فیصل، ملیر اور اورنگی سمیت کئی علاقوں میں گٹر ابلنا شروع ہوگئے، جس سے مصروف ترین شاہراہوں پر سیوریج کا پانی عوام کے لیے وبال جان بن گیا۔ شہر قائد کی اہم ترین شاہراہ ایم اے جناح روڈ جہاں اسکول، مساجد اور کئی کاروباری دفاتر بھی ہیں، لیکن اس شاہراہ پر گندے پانی اور کھلے گٹر نے عوام کا جینا محال کردیا۔ اس دوران عالمگیر نامی ایک نوجوان نے کراچی کی سڑکوں کی خستہ حالت زار کے پیش نظر اور اعلیٰ حکام کو پیغام دینے کے لیے ایک انوکھا طریقہ اختیار کرتے ہوئے شہر میں بغیر ڈھکن گٹروں کے ساتھ وزیراعلیٰ سندھ کی تصویر بنا کر اس کے ساتھ: "فکس اٹ۔ اس پر ڈھکن لگاؤ" کے الفاظ لکھنے کی مہم کا آغاز کردیا، نوجوان کے اس اقدام کو سوشل میڈیا پر بہت پذیرائی ملی۔ اس مہم کے بعد سندھ حکومت نے بھی متعلقہ ادارے کو فوری اقدامات کرنے کا حکم دیا۔ وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ نے کے ایم سی انتظامیہ کو شہریوں کو درپیش مشکلات کا احساس کرنے اور ان کے فوری ازالے کے لیے ہنگامی اقدامات کی ہدایت دی کہ شہر میں کھلے مین ہولز پر فوری طور پر ڈھکن لگانے کے انتظامات کیے جائیں۔ اس معاملے میں شہر قائد کی دو اہم سیاسی جماعتیں ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی ایک دوسرے کے خلاف کھڑی ہوگئیں۔ ایم کیو ایم کا موقف ہے کہ عوامی نمائندوں کو اختیارات کی منتقلی کے بغیر یہ مسائل حل نہیں

ہو سکتے، جبکہ پیپلز پارٹی نے گٹروں کے ابلنے کو اپنے خلاف سازش قرار دے دیا، جبکہ سیاست دانوں کی لڑائی میں عذاب عوام کو ہی بھگتنا پڑ رہا ہے۔

وزیر بلدیات سندھ جام خان شورو نے کہا ہے کہ ایم اے جناح روڈ پر گٹروں کو بند کرنے کے لیے ان میں بوریاں پھنسائی گئیں، جس کا مقصد سندھ حکومت کو بدنام کرنا ہے۔ سازشی عناصر ان کے دورے خراب کرنا چاہتے ہیں۔ ایم اے جناح روڈ پر گٹروں میں بوریاں بھرنے والوں کا پتا چلا لیا ہے، جام خان شورو نے کہا کہ کراچی کے خلاف سازش کی جا رہی ہے، ایم ڈی واٹر بورڈ کو بھی تحقیقات کی ہدایت کر دی ہے۔ جبکہ پیپلز پارٹی کے سینئر وزیر نثار کھوڑو نے سوال اٹھایا کہ شہر میں گٹروں سے ڈھکن اچانک غائب کیسے ہو گئے؟ گٹر اور سیاست ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ 2 کروڑ کی آبادی کے شہر میں گٹر کے 40 ڈھکن لگانا مذاق ہے۔ وزیر اعلیٰ سندھ نے کہا کہ کراچی میں ایک ساتھ گٹروں کا ابلنا سندھ حکومت کے خلاف سازش ہے۔ قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف سید خورشید شاہ نے گٹر ابلنے کے حوالے سے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ کراچی میں گٹروں کا ابلنا سازش بھی ہو سکتی ہے۔ سکھر میں بھی سازش کے تحت گٹر بند کر دیے جاتے تھے، اس حوالے سے تحقیقات ہونی چاہئیں۔ دوسری جانب ایم کیو ایم کے رہنما وسیم اختر نے الزام لگایا ہے کہ پیپلز پارٹی کی حکومت کراچی میں پانی کی پائپ لائن تڑوا رہی ہے اور سیوریج نظام بھی جان بوجھ کر خراب کیا جا رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ عوامی مسائل کا انبار لگا ہوا ہے جن کے حل کی بجائے کرپشن پنپ

رہی ہے۔ متحدہ قومی موومنٹ کے نامزد میئر کراچی وسیم اختر نے کہا کہ منتخب بلدیاتی نمائندوں کو اختیارات نہیں دیے گئے تو سندھ حکومت کو نہیں چلنے دیں گے اور سندھ اسمبلی کا ایک اجلاس بھی نہیں چلنے دیں گے۔ چیف جسٹس آف پاکستان اور آرمی چیف بلدیاتی نمائندوں کو اختیارات نہ دینے کی غیر قانونی سازشوں اور قانون کی دھجیاں اڑانے کا نوٹس لیں۔ پیپلز پارٹی ایک طرف تو جمہوریت کے چیمپئن ہونے کے کھوکھلے نعرے لگاتی ہے اور اس کے بعد جو اصل جمہوریت کے حق دار ہیں، انہیں اختیارات نہیں دے رہی ہے۔

دوسری جانب حساس اداروں کی رپورٹ کے مطابق شہر کے اہم مقامات کی سیوریج لائنیں منصوبہ بندی کرکے بند کی گئیں ہیں۔ حساس اداروں کی رپورٹ میں انکشاف ہوا ہے کہ نامعلوم افراد نے اتوار کی رات 5 سیوریج لائنیں بند کیں۔ ان سیوریج لائنوں میں ایم اے جناح روڈ، سولجر بازار اور آئی آئی چندریگر روڈ کی لائنیں شامل ہیں۔ رپورٹ میں مزید بتایا گیا ہے کہ نیو کراچی اور اورنگی ٹاؤن میں بھی گٹر لائنیں ایک ہی طریقے سے بند کی گئیں۔ حساس اداروں نے دعویٰ کیا ہے کہ ایک مقام پر لائن بند کرنے کی سی سی ٹی وی فوٹیج بھی مل گئی ہے۔ دیگر 4 جگہوں کی سی سی ٹی وی فوٹیجز حاصل کی جارہی ہیں۔ سینیٹر مشاہد اللہ خان نے کہا ہے کہ پہلے کہا تھا صوبہ سندھ حالت جنگ میں ہے اور سندھ حکومت حالت بھنگ میں ہے، لیکن اب کہتا ہوں کہ کراچی حالت گند میں ہے۔ خدارا اس مسئلے

سے عوام کی جان چھڑائی جائے اور اس معاملے پر تحقیقات کی جائیں اور اس میں ملوث افراد کے چہرے قوم کے سامنے لائے جائیں۔ سیاسی مفادات کی خاطر شہر میں تعفن پھلایا جارہا ہے۔ مشاہد اللہ خان کا کہنا تھا کہ کراچی میں دانستہ طور پر پانی کی لائنوں کو نقصان پہنچایا گیا ہے، جس سے بدبودار پانی کے ذریعے تعفن پھیل رہا ہے اور کراچی میں عوام کو تکلیف پہنچائی جارہی ہے، لہٰذا اگر کسی نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تو اس کے خلاف تحقیقات کرکے کارروائی بھی کی جائے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ سندھ حکومت ایم کیو ایم کو بلدیاتی اختیارا منتقل کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں ان کی اہمیت کم ہوجائے گی، جبکہ دوسری جانب ایم کیو ایم سندھ حکومت پر دباؤ بڑھا کر اختیار حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ دونوں جماعتوں کو چاہیے کہ اپنے معاملات سیاسی طریقے سے حل کریں، نہ کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے عوام کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔

غربت مٹائیں

والدین ساری زندگی اپنی اولاد کے لیے تگ و دو کرتے ہیں اور وہ ہر دکھ و تکلیف برداشت کرنا تو گوارا کر سکتے ہیں، لیکن اپنی اولاد کو کسی پریشانی میں مبتلا نہیں دیکھ سکتے، مگر غربت اتنی ظالم چیز ہے کہ انسان سے اپنی اولاد کی محبت بھی چھین لیتی ہے۔ گزشتہ دنوں اس کی ایک مثال اس وقت سامنے آئی جب اورنگی ٹاؤن کراچی میں فرید کالونی کچرا کنڈی میں سوئے ہوئے 7 سے 8 سال کی عمر کے 3 بچے ملے، جنہیں علاقہ مکینوں نے محمد پورہ پولیس چوکی پر اہلکاروں کے حوالے کر دیا۔ ان میں سے ایک بچے نے پولیس کو بتایا کہ والدین نے انہیں اسکول سے نکال کر مزدوری پر لگا دیا اور امی نے کہا کہ اگر روزانہ 300 روپے نہ لائے تو پھر گھر نہ آنا، جس کے باعث وہ کچرا کنڈی پر ہی سو گئے۔ گزشتہ سال بھی کراچی ہی میں اسی قسم کا ایک واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب ایک شخص غربت سے تنگ آ کر اپنی چار معصوم بچیوں کو ایدھی سینٹر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ ملک میں ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ اس مہنگے ترین دور میں غریبوں کے پاس اپنی اولاد کے لیے کھانا میسر نہیں ہوتا، اپنے بچوں کا جسم ڈھانکنے کے لیے لباس مہیا نہیں ہوتا، وہ ان کی تعلیم کا بندوبست نہیں کر سکتے۔ بچوں کی پرورش کرنا ان کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں

ہوتا۔ ایسے حالات میں یہ لوگ اپنے بچوں کو اپنے اوپر بوجھ سمجھنے لگتے ہیں اور مجبوراً ان کو کسی کے حوالے کر دینے میں ہی عافیت جانتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی غریب شخص کے پاس اپنے مکان کا کرایہ ادا کرنے کے لیے، اپنا قرض چکانے کے لیے، اپنے بیوی، بچوں کی دوا دارو کے لیے، اپنے بچوں کی خوراک کا بندوبست کرنے کے لیے تھوڑی سی رقم بھی نہیں ہوتی تو وہ اپنے معصوم بچوں کے برائے فروخت کا اعلان لگانے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ معاملہ یہیں تک نہیں، بلکہ یوں بھی ہوتا ہے کہ غربت کے ہاتھوں ستائے بہت سے لوگ خودکشی کر لیتے ہیں یا پھر اپنے بچوں کو موت کی نیند سلا دیتے ہیں۔

فلاحی اداروں کے مطابق پاکستان میں ایسے بچوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، جنہیں ان کے ورثا قتل کر دیتے ہیں یا پھر کسی فلاحی ادارے کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ہر سال ملک بھر میں غربت کے مارے والدین کی جانب سے چھوڑے ہوئے سیکڑوں لاوارث بچے ملتے ہیں۔ ان حالات میں یہ بچے تعلیم و بہتر تربیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض جرائم پیشہ افراد کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں، جو بڑے ہو کر چوری، ڈکیتی اور دیگر جرائم میں ملوث ہو جاتے ہیں اور اکثر کم عمری میں ہی مزدوری کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ پاکستان میں 5 سے 14 سال تک کے بچوں کی تعداد 40 لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ ان 40 لاکھ بچوں میں سے 3.8 لاکھ بچے چائلڈ لیبر ہیں۔ ان بچوں کا بھی دل چاہتا ہے کہ وہ بھی پڑھ لکھ سکیں ،

لیکن مجبوراً ان بچوں کو ہوٹلوں، قالین بافی، کان کنی، چوڑی سازی سمیت دیگر کارخانوں ڈسٹنگ پینٹنگ کی ورکشاپوں، بھٹہ خشت، الیکٹریشن، گھروں اور مکینک کی دکانوں پر، کام کرنا پڑتا ہے۔ جن ہاتھوں میں قلم اور کتاب ہونا چاہیے تھی، حالات ان ہاتھوں میں ٹائر ٹیوب، رینچ اور دیگر آلات واوزار پکڑادیتے ہیں۔

ایسے نجانے کتنے معصوم پھول ہیں، جن کے ابھی کھیلنے کودنے اور پڑھنے لکھنے کے دن ہیں، لیکن اسکول جانے کا خواب آنکھوں میں سجائے فقط غربت کی وجہ سے تعلیم کی بجائے محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ بچے ہمارے معاشرے کا اثاثہ ہیں، اگر ان بچوں پر توجہ دی جائے تو آج کے یہ بچے کل یقیناً قوم کو ترقی کی راہ پر ڈال سکتے ہیں۔ اگر ان بچوں کے بارے میں مل جل کر فکر کی جائے تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ پورے پاکستان میں کوئی ایک بچہ بھی لاوارث نہ رہے۔ کوئی بھی والدین کسی بچے کو قتل نہ کریں، کسی بچے کو بے یارومددگار نہ چھوڑیں، کوئی والدین کسی بچے کے برائے فروخت کا اعلان نہ لگائیں اور نہ ہی کوئی بھی بچہ تعلیم سے محروم رہے۔ اگر ہر محلے اور ہر علاقے میں کچھ صاحب ثروت لوگ مل کر اپنے طور پر کوئی فاؤنڈیشن قائم کرلیں اور اپنے علاقے میں ایسے غریب اور نادار لوگوں کی فہرست تیار کریں جو اپنے بچوں کو اچھی خوراک نہیں دے سکتے، ان کی صحیح طور پر پرورش نہیں کر سکتے، اپنے بچوں کے لباس کا بندوبست نہیں کر سکتے، وہ اپنے بچوں کو تعلیم دلوانا چاہتے ہیں

لیکن ان کے پاس فیس ادا کرنے کے لیے پیسے نہیں ہیں، ایسے افراد کو خصوصی طور پر ڈھونڈ کر ان کے ساتھ تعاون کریں۔

اگر ہر علاقے میں فلاحی فاؤنڈیشن قائم کرنا مشکل ہو تو ہر صاحب ثروت فرد اکیلے ہی اپنی استطاعت کے مطابق کچھ غریب بچوں کی پرورش اور تعلیم کا خرچہ اپنے ذمے لے لے اور اگر کوئی کسی بچے کا مکمل خرچہ اپنے ذمے نہیں لے سکتا تو جتنی گنجائش ہو اتنا خرچہ تو ہر ماہ کسی غریب بچے کو دیا جاسکتا ہے، یہ خرچہ کوئی لاکھوں میں نہیں ہوگا، حساب لگایا جائے یقیناً یہ بہت تھوڑی سی رقم بنے گی، مگر قلیل رقم سے غریب بچوں کی پرورش، تعلیم و تربیت کا انتظام ہوسکتا ہے۔ اگر غور کیا جائے کہ روز عیاشیوں میں نجانے کتنے پیسے خرچ ہوجاتے ہیں، لیکن اگر کچھ رقم غریب بچوں پر خرچ کردی جائے، کچھ توجہ غریب بچوں پر بھی دے دی جائے تو وہ بھی اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔

ہمارے ملک میں دھن اور درد کی دولت رکھنے والے اصحابِ دل کی کمی نہیں، دو چار بچوں کی کفالت اپنے ذمے لینا ان کے لیے کوئی بڑا مسئلہ بھی نہیں ہے۔ اگر میرے ملک کے صاحب ثروت لوگ آگے بڑھیں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ دنیا کے امیر ترین شخص بل گیٹس نے جب غریب لوگوں کی مشکلات کو قریب سے دیکھا تو غربت کے تکلیف دہ مناظر نے انہیں جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ انہوں نے اپنی دولت کو

فلاحی کاموں پر صرف کرنے کا عہد کرلیا، دوسرے امیر افراد سے بھی فلاحی کاموں میں شریک ہونے کی اپیل کی، بہت سے امیر لوگوں نے بھی اپنی دولت فلاحی اداروں کے لیے وقف کردی۔ اسی طرح سعودی عرب کے شہزادہ ولید بن طلال نے اپنی ساری دولت جو 32 ارب ڈالر بنتی ہے، انسانیت کی خدمت اور فلاح کے لیے وقف کی ہے۔ فیس بک کے بانی مارک زکر برگ بھی 45 ارب ڈالر کے حصص عطیہ کرنے کا اعلان کرچکے ہیں۔ اگر پاکستان کے امیر حضرات بھی فلاحی کاموں کی طرف توجہ دیں تو ان کی تھوڑی تھوڑی خرچ کی گئی رقم ملک کے ہزاروں انسانوں کی زندگیوں میں خوش گوار تبدیلی لانے کا سبب بن سکتی ہے۔ اگر ہر شخص یہ عزم کرلے کہ اپنی استطاعت کے مطابق ایک غریب آدمی کے ساتھ تعاون کرے گا تو مجھے یقین ہے کہ میرے ملک میں کوئی ماں نہ اپنے بچوں کو گھر سے نکالے گی اور نہ ہی کوئی شخص اپنی ننھی منھی بچیوں کو بے یارومددگار چھوڑے گا۔

قلم تھر تھرا اٹھتا ہے

یہ افسوس ناک حقیقت ہے کہ دنیا بھر میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے واقعات میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ روز بروز ایسے خوفناک حقائق و واقعات سامنے آتے ہیں کہ جن کو شیطنت و درندگی کے کھلے مظاہر کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ چند سال پہلے تک ہمارے معاشرے میں اس قسم کے شرمناک جرائم کی اتنی بھرمار نہ تھی۔ جنسی زیادتی پاکستان کا تیسرا بڑا سنگین جرم بن چکا ہے۔ ایک غیر سرکاری تنظیم کے مطابق پاکستان میں چند سالوں میں آٹھ ہزار سے زائد بچوں کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا ہے اور بہت سوں کو تو شیطان صفت درندوں نے زیادتی کے بعد قتل ہی کر ڈالا۔ بچوں کے ساتھ ایسے ایسے دل دہلا دینے والے سانحات رونما ہوتے ہیں، جن کو لکھتے ہوئے قلم بھی تھر تھرا اٹھتا ہے۔ بچوں کا جنسی استحصال دنیا میں بڑھتا جا رہا ہے۔ یورپ میں جنسی تشدد کے واقعات کی شرح منٹوں اور سیکنڈوں کے اعتبار سے ہے۔ مغربی پریس کے مطابق امریکا میں ہر سال تیس لاکھ سے زائد بچوں کے ساتھ زیادتی کی جاتی ہے، جن میں سے بیس فیصد کی عمریں آٹھ سال سے بھی کم ہوتی ہیں۔ صرف برطانیہ میں ہر سال بارہ لاکھ لڑکیاں اسقاط حمل کرواتی ہیں، ان میں زیادہ تر تعداد اسکول کالج کی کم عمر لڑکیوں کی ہوتی ہے۔ جنسی زیادتی کا شکار ہونے والے کم عمر لڑکے ان کے علاوہ ہیں۔ برطانیہ میں

چائلڈ لائن" ادارے کے مطابق 11 سال کی عمر تک کے 11 فیصد بچوں کو برطانیہ" میں جنسی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ برطانیہ میں ہر چوتھا بچہ جنسی استحصال کا شکار ہوتا ہے۔ ایک سروے کے مطابق جنوبی افریقہ میں 15 فیصد افراد نے کم سن بچوں کے ساتھ جنسی جارحیت کا خود اعتراف کیا۔ نشانہ بننے والے بچوں کی عمریں 7 سال سے کم تھیں۔ جنوبی افریقہ کے وزیر صحت ایرن موٹسوالیڈی کے مطابق 2011ء کے دوران ملک میں اسکولوں کی 94 ہزار طالبات حاملہ ہوئی تھیں، ان میں بیشتر دس برس کی عمر کی تھیں۔ تائیوان میں سو میں سے 25 فی صد نوجوانوں نے کم سنی میں جنسی زیادتی کا نشانہ بننے کا اعتراف کیا۔ یوکے میں 2010ء کے ایک سروے کے مطابق 23 ہزار سے زیادہ بچوں کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنانے کے واقعات ریکارڈ ہوئے۔ بھارت میں انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ فار پاپولیشن سائنسز اور دی پاپولیشن کونسل کی ایک رپورٹ کے مطابق تقریباً 80 فیصد لڑکیاں اور لڑکے اسکول اور کالج لائف میں جنسی عمل سے گزر چکے ہوتے ہیں جن میں 15 سال تک کی 42 فیصد لڑکیاں اور 26 فیصد لڑکے ہوتے ہیں۔

بہت سے تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ دنیا میں جنسی تشدد انٹرنیٹ پر فحش ویب سائٹس کے آنے کے بعد زیادہ ہوا۔ ماہر نفسیات و سماجیات ڈاکٹر امجد طفیل کہتے ہیں کہ بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے بڑھتے واقعات کی وجہ میڈیا اور

انٹرنیٹ کے ذریعے دستیاب ایسا (فحش) مواد ہے، جو نوجوانوں کو مسلسل اشتعال کی حالت میں رکھتا ہے اور پھر وہ اپنی تسکین اور تناؤ کو کم کرنے کے لیے آسان ہدف کی تلاش کرتے ہیں۔ "جان کورٹ" نے تو متعدد یورپین ممالک میں جنسی جرائم کی تحقیق سے یہ ثابت کیا کہ جوں جوں معاشرے میں فحش مواد بڑھا ہے، توں توں جنسی جرائم بھی بڑھے ہیں۔ مجرموں کی اکثریت ایسی ہوتی ہے جو اسی فحش مواد سے متاثر ہو کر جنسی جرائم کا ارتکاب کر بیٹھتی ہے۔ تحقیق کے دوران بے شمار ایسے کیس سامنے آئے کہ مجرم جنسی جرم سے کچھ ہی دیر پہلے فحش مواد دیکھنے میں مشغول تھے۔

امام غزالی فرماتے ہیں: "جانوروں میں خواہش ہوتی ہے، عقل نہیں۔ فرشتوں میں عقل ہوتی ہے، خواہش نہیں۔ انسان میں عقل اور خواہش دونوں ہوتی ہیں۔ اگر عقل خواہش پر غالب آ جائے تو انسان فرشتہ بن جاتا ہے اور اگر خواہش عقل پر غالب آ جائے تو انسان جانور بن جاتا ہے۔" جب انسان فحش مواد دیکھتا ہے تو وہ ہیجان کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کی خواہش عقل پر غالب آ جاتی ہے۔ اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے خواہش کا پجاری انسان آسان اور کمزور ہدف بچوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا ڈالتا ہے۔

ان تمام حقائق کو جاننے کے بعد متعدد ممالک فحش سائٹس پر پابندی لگانے کی

تیاریاں کر رہے ہیں۔ گزشتہ سال برطانوی وزیرِ اعظم ڈیوڈ کیمرون نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ وہ فحش ویب سائٹس کو بلاک کر دیں، ایسا فحش مواد رکھنا جس میں جنسی زیادتی کی عکاسی کی گئی ہو جرم قرار دیا جائے گا۔ "ڈیلی ٹیلی گراف" کے مطابق یورپی پارلیمنٹ میں شامل ڈچ ممبر 'کارتیکا تمارا" نے یورپی پارلیمنٹ کے سامنے مسودہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ وقت آ گیا ہے کہ ہر قسم کی فحاشی پر مکمل پابندی عائد کی جائے۔ جبکہ بھارت میں سینٹر فار سوشل ریسرچ سے تعلق رکھنے والی "رنجنا کماری" اور "کملیش واسوان" کا سپریم کورٹ میں درخواست دائر کرتے ہوئے کہنا تھا: "فحش نگاری خواتین اور بچوں کے خلاف جارحیت اور جنسی تشدد کا سبب بنتی ہے۔ لہٰذا انٹرنیٹ پر "جاری فحش سائٹس پر فوری پابندی لگائی جائے۔

حوصلہ افزا بات یہ ہے کہ پاکستان میں بھی اس حوالے سے کافی سنجیدگی سے کام ہو رہا ہے۔ گزشتہ دنوں جسٹس اعجاز افضل کی سربراہی میں دو رکنی بنچ کے روبرو ایڈیشنل اٹارنی جنرل نے رپورٹ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ پی ٹی اے قابل اعتراض مواد کو روکنے کے لیے بھرپور اقدامات کر رہا ہے۔ پچھلے 3 سالوں میں 49 ہزار سے زاید فحاشی و عریانی کی ویب سائٹس بند کی گئی ہیں۔ سوشل میڈیا کے ذریعے آنے والے قابل اعتراض 3365 صفحات ختم اور بند کیے ہیں۔ 10 ہزار سے زاید پراکسی ویب سائٹس بھی بند کی گئی ہیں۔ جسٹس اعجاز افضل خان نے کہا کہ

انٹرنیٹ اور دیگر ذرائع سے مثبت، تخلیقی اور تعلیمی مواد پھیلانے کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے، جبکہ منفی سرگرمیوں اور نوجوان نسل کی تباہی کا سبب بننے والے تمام تر مواد کی انٹرنیٹ سے ترویج کو یقینی طور پر روکا جانا چاہیے۔ ہم اپنی نوجوان نسل کو تباہ ہوتا نہیں دیکھ سکتے۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جس ملک میں جتنی زیادہ فحاشی ہے، اس ملک میں جنسی زیادتی کے اتنے ہی زیادہ واقعات رونما ہوتے ہیں۔ دنیا میں جنسی زیادتی کے بڑھتے ہوئے ناسور کا کافی حد تک علاج فحش سائٹس پر پابندی لگا کر کیا جا سکتا ہے، کیونکہ فحش ویب سائٹ معاشرے میں بڑھتے ہوئے جنسی تشدد کا اہم محرک ہیں۔

سعودیہ ایران تنازع: پاکستان کا مصالحتی مشن.... مثبت پیش رفت کا امکان

وزیراعظم محمد نواز شریف سعودی عرب اور ایران میں کشیدگی کے خاتمے اور ثالثی کے لیے متحرک ہوگئے۔ پاکستان کی ثالثی کی کوششوں سے دونوں برادر اسلامی ممالک میں سفارتی تعلقات معمول پر آنے کا امکان ہے۔ وزیراعظم نواز شریف اور پاکستانی بری فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف سعودی عرب اور ایران کے درمیان ثالثی کے لیے سفارتی مشن پر ہیں۔ پیر کے روز وزیراعظم نواز شریف اور سربراہ پاک فوج جنرل راحیل شریف سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض کے کنگ سلمان ایئر بیس پہنچے، جہاں ریاض کے گورنر نے ان کا پرتپاک استقبال کیا۔ وزیراعظم نواز شریف شاہی محل روانہ ہوگئے جہاں انہوں نے سعودی فرمارواشاہ سلمان بن عبدالعزیز سے ملاقات کی ، اس موقع پر آرمی چیف جنرل راحیل شریف بھی ان کے ہمراہ تھے۔ آئی ایس پی آر کی جانب سے جاری بیان کے مطابق آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے ریاض میں سعودی عرب کے وزیر دفاع شہزادہ محمد بن راحیل سے بھی ملاقات کی ہے، ملاقات کے دوران خطے کی صورت حال اور باہمی دلچسپی کے دیگر امور پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ اس موقع پر ایران اور سعودی عرب کے درمیان کشیدگی اور اس سے عالم اسلام میں پڑنے والے اثرات پر بھی بات چیت کی گئی۔ ترجمان دفتر خارجہ کے مطابق وزیراعظم نواز شریف اور آرمی چیف سعودی عرب کے بعد ایران جائیں گے۔

جہاں وہ ایرانی صدر حسن روحانی سے ون آن ون اور وفود کی سطح پر ملاقات کریں گے۔ ذرائع کے مطابق وزیر اعظم نواز شریف سعودی عرب اور ایران کے مابین امن مشن پر اپنے ساتھ دونوں ممالک میں مصالحت کے لیے ٹھوس تجاویز لے کر گئے ہیں۔ بعض ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ اگر دونوں ممالک نے دشمنی کو فوری طور پر روکنے اور جنگ بندیوں کے حوالے سے مخصوص معاملات پر اتفاق کیا تو او آئی سی ممالک کی ایک چھوٹی سربراہی کانفرنس بلائی جاسکتی ہے۔ ایران سعودی عرب تعلقات تو کافی عرصے سے کشیدہ ہیں، لیکن اب کشیدگی انتہاتک سعودی عرب میں شیعہ عالم دین نمر باقرالنمر کی سزائے موت سے بڑھی ہے۔ گو ایران اور سعودی عرب کے معاملات بہت مخدوش ہو چکے ہیں، مگر حالات ہنوز پوائنٹ آف نو ریٹرن پر نہیں پہنچے۔ نمر کی پھانسی اور اس پر ایران کے شدید رد عمل کے فوری بعد ایران اور سعودی عرب کی سفارتی سرگرمیوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ان دنوں سعودی وزیر خارجہ کا دورہ پاکستان طے تھا جو موخر کر دیا گیا تاہم چند روز بعد وزیر خارجہ اور وزیر دفاع نے اوپر تلے پاکستان کا دورہ کیا۔ ایرانی سفیر بھی متعلقہ پاکستانی حکام سے ملتے رہے ہیں۔ دونوں ممالک کی طرف سے عندیہ پا کر ہی وزیر اعظم نواز شریف نے مصالحت اور ثالثی کی کوششیں شروع کی ہیں، جو کامیابی سے ہمکنار ہوتی نظر آ رہی ہیں۔ ذرائع کے مطابق ریاض اور تہران سے اعلیٰ سطحی رابطوں میں ملنے والے مثبت اشاروں کے بعد وزیر اعظم نواز شریف دونوں ملکوں کا دورہ کرنے کے لیے تیار ہوئے ہیں۔ ذرائع نے باور

کرایا ہے کہ سعودی عرب نے پاکستان کے مصالحتی مشن پر فوراً جواب دیا، جبکہ تہران اپنی بین الاقوامی مصروفیات اور یورپ و امریکا میں اپنی بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے کچھ تامل کے بعد رضامند ہوا۔ اگرچہ ایران کی جانب سے اس مشن پر رضامندی دیر سے موصول ہوئی ہے، لیکن دونوں دار لحکومتوں نے اسے خوش آمدید کہا ہے۔ ادھر چینی صدر شی جن پنگ بھی آج سے دونوں ممالک کے دورے پر جارہے ہیں۔ امریکی وزیر خارجہ جان کیری جنہوں نے ہفتے کو ویانا میں اپنے ایرانی ہم منصب سے ملاقات کی، وہ سعودی عرب کا دورہ کرنے والے ہیں، جبکہ ان کے بعد کئی دیگر یورپی ممالک کے وزرائے خارجہ بھی سعودی عرب کا دورہ کریں گے، ان سب کا مقصد خطے میں موجود کشیدگی کا خاتمہ کرنا ہے۔

سعودی عرب اور ایران کے مسلسل بڑھتے ہوئے اختلافات نے اہل پاکستان سمیت پوری مسلم دنیا کو سخت تشویش میں مبتلا کر رکھا ہے۔ کئی عرب ملکوں تک وسیع ہوجانے والی اس کشیدگی کے نتائج امت مسلمہ کے لیے جس قدر تباہ کن ہو سکتے ہیں، اس کا تصور بھی لرزہ خیز ہے۔ پوری پاکستانی قوم کی خواہش تھی کہ پاکستان ایران و عرب دنیا میں مصالحت کرانے کے لیے بھرپور طور پر اپنا کردار ادا کرے۔ ملک کی مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنما پاکستان کی ثالثی کے حوالے سے بیانات بھی دے چکے ہیں۔ وزیراعظم کے خارجہ امور کے لیے مشیر سرتاج عزیز نے گزشتہ سے پیوستہ ہفتے ایک گفتگو کے دوران خیال ظاہر کیا تھا کہ فی الوقت پاکستان کے لیے یہ کردار ادا کرنا موزوں نہیں ہوگا، وقت آنے پر

پاکستان اس کے لیے آمادہ ہوگا۔ وزیراعظم نواز شریف ایک سے زیادہ مرتبہ دونوں برادر ممالک کے درمیان مناقشے کے حوالے سے بے چینی کا اظہار کر چکے ہیں۔ ذرائع کے مطابق وزیراعظم نواز شریف دونوں ملکوں کو باور کر چکے ہیں کہ ان کی باہمی کشیدگی سے پوری امت مسلمہ شدید فکرمندی اور اضطراب کا شکار ہے اور صورت حال مثبت طور پر تبدیل نہ ہوئی تو مسلم دنیا ناقابل تصور انتشار اور تباہی کا ہدف بن سکتی ہے، لہٰذا دونوں ملکوں کو باہمی کشیدگی کے خاتمے کے لیے پرامن اور بامقصد بات چیت کا آغاز کرنا چاہیے، جس کے لیے پاکستان کوششیں کرنے کو تیار ہے۔ پاکستانی قیادت کی یہ جدوجہد بارآور ہوئی اور دونوں برادر ملکوں کی جانب سے پاکستان کو ثالث کے کردار کی ادائیگی کے لیے گرین سگنل مل گیا۔ پاکستان کی یہ حکمت عملی اور سعودی و ایرانی قیادت کی جانب سے اس کی پذیرائی ہوشمندی کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ حکومت پاکستان کے ذمہ دارانہ طرز عمل کے باعث سعودی عرب اور ایران نے وزیراعظم نواز شریف کی ثالثی کو قبول کیا ہے۔ سعودی عرب اور ایران کے تنازع پر پاکستان کی سیاسی و عسکری قیادت ایک "صفحہ" پر ہے، جس کے باعث وزیراعظم نواز شریف کے ہمراہ فوج کے سربراہ سعودی عرب اور ایران گئے ہیں۔ قومی حلقوں میں وزیراعظم نواز شریف کے سعودی عرب اور ایران دونوں برادر مسلم ممالک کے درمیان کشیدگی ختم کرانے میں کردار کو سراہا گیا ہے۔ وزیراعظم نے پچھلے ہفتہ عشرہ کے دوران خاموش سفارتکاری" سے دونوں ملکوں کی قیادت کو باہمی تنازعات ختم"

کرنے پر آمادہ کیا۔ سعودی عرب اور ایران سے گرین سگنل موصول ہونے پر ہی وزیراعظم نواز شریف نے دونوں ملکوں کا ہنگامی بنیادوں پر دورہ کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔

سعودی عرب اور ایران میں کشیدگی تو کافی عرصے سے چل رہی ہے مگر سعودی عرب میں شیعہ عالم شیخ نمر سمیت 47 افراد کو سزائے موت دینے اور ایران میں سعودی عرب کے سفارت خانے کو چلانے کے بعد کشیدگی میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ دونوں ملکوں کے مابین اس چپقلش سے مشرق وسطیٰ میں فرقہ وارانہ کشیدگی بھی خطرناک حد تک بڑھی ہے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق اب دونوں ممالک کے مابین سفارتی تعلقات منقطع ہونے سے اس اندیشے نے سر اٹھایا کہ مشرق وسطیٰ میں ایران اور سعودی عرب ایک دوسرے کے خلاف اپنی اپنی پراکسیز کو مزید فعال کر دیں گے، جس سے مشرق وسطیٰ کی پہلے سے خراب صورت حال مزید ابتر ہو سکتی ہے اور پاکستان پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوں گے۔ مشرق وسطیٰ کے اس حالیہ بحران نے پاکستان کو بھی ایک بڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ ذرائع کے مطابق ملک میں فرقہ وارانہ اختلاف اور سعودی عرب، ایران پراکسی وار کے خدشے نے پاکستان کو دونوں ممالک کے مابین ثالثی پر مجبور کیا۔ ایک سینئر پاکستانی عہدیدار نے ذرائع کو بتایا کہ ہم سعودی عرب اور ایران کے تنازع میں شائد فریق نہ ہوں، مگر اس کے اثرات ہمارے لیے تباہ کن ہو سکتے ہیں۔ اگر سعودیہ ایران تعلقات اسی طرح خراب رہے

تو پاکستان پر اکسی وار کا میدان بن سکتا ہے۔ ایک اہلکار نے ذرائع کو بتایا کہ اس صورتحال میں ہمارے پاس دونوں ممالک میں کشیدگی کم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

ملک ممتاز تجزیہ نگاروں اور سابق سفارتکاروں نے وزیراعظم محمد نواز شریف کے دورہ سعودی عرب اور ایران کو دونوں برادر مسلم ممالک کے مابین کشیدہ صورتحال کو ختم کرنے اور مسلم امہ اور پورے خطہ کے اتحاد اور یکجہتی کی جانب دلیرانہ اقدام قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ پوری دنیا کی نظریں علاقائی اور بین الاقوامی امور پر اپنا اثر و رسوخ رکھنے والے مسلم امہ کے ایک بڑے ملک پر مرکوز تھیں۔ وزیراعظم نے دونوں اہم اسلامی ممالک کی قیادت سے ملاقات کرکے مذاکرات اور بات چیت کے ذریعے اپنے تنازعات حل کرنے پر آمادہ کرنے کا اہم قدم اٹھایا ہے، جس کی اشد ضرورت تھی۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ وزیراعظم کا یہ اقدام مثبت قدم ہے جس سے خطہ میں بڑھتی ہوئی کشیدگی ختم ہوگی۔ پاکستان کا یہ بروقت فیصلہ ہے جو دونوں ممالک کے درمیان کشیدگی کو ختم کرنے میں سنگ میل ثابت ہوگا۔ پاکستان کو خطہ میں امن واستحکام لانے کے مقاصد کے حصول کے لیے مستقبل میں دیگر علاقائی ممالک میں بھی اپنا کردار کر سکتا ہے۔ پاکستان کی مصالحتی کوششوں سے خطے میں بڑھتی ہوئی کشیدگی کو ختم کرنے میں مفید ثابت ہوگا اور دورے کے مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔ پاکستان نے

مسلم ملکوں کے مابین اتحاد قائم کرنے کی غرض سے مصالحتی کردار اپنا کر صحیح اور مثبت
جانب قدم اٹھایا ہے۔ ان کوششوں سے امت مسلمہ کے مابین اختلافات ختم ہوں گے۔

شام میں درندگی کا راج

رات کی تاریکی تو اپنے مقررہ وقت پر چھٹ جاتی ہے، لیکن شام میں چھائی خوف ناک اور جان لیوا شب تاریک خدا جانے کب ختم ہوگی؟ ظلم و ستم کی شام وحشت ناک رات میں بدل چکی ہے۔ دور دور تک سویرے کی کرن پھوٹنے کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔ شام میں گزشتہ پانچ سال سے عالمی طاقتوں کی سرپرستی میں بے گناہ لوگوں کے خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے۔ روز ہزاروں افراد شام کو خیرباد کہہ رہے ہیں۔ جو شام کو مستقر بنائے بیٹھے ہیں، وہ روز اپنی جانیں گنوا رہے ہیں۔ خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھنے والوں کی تعداد لگ بھگ تین لاکھ ہوچکی ہے، جن میں مردوں اور عورتوں کے علاوہ ہزاروں بچے بھی شامل ہیں۔ مجموعی طور پر ہر ماہ تقریباً 5 ہزار افراد ابدی نیند سو رہے ہیں۔ اب تک تقریباً چالیس لاکھ افراد شام سے دوسرے ممالک کی جانب ہجرت کرچکے ہیں، جن میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ تعداد بچوں کی ہے۔

شام کسی ایک ملک، گروہ یا تنظیم کے نشانے پر نہیں، بلکہ یہ دنیا بھر کی طاقتوں کا کھاڑہ بنا ہوا ہے۔ شام میں طاقتور اقوام اپنی اپنی بالادستی کی جنگ لڑ رہی ہیں۔ دوسروں کے مفادات کی جنگ میں شام کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے۔ دنیا میں انصاف کا ڈھنڈورا پیٹنے والی عالمی طاقتوں نے شام کے معاملے

میں ہمیشہ دوغلی پالیسی اختیار کی۔ عالمی برادری کی اس دوغلی پالیسی کا خمیازہ شام کے عوام بھگت رہے ہیں۔ امریکا، اسرائیل، برطانیہ، روس، ایران، سعودی عرب، داعش، القاعدہ، حزب اللہ سمیت نجانے کون کون شام میں اپنے اپنے مفادات کی جنگ لڑ رہا ہے۔ شام کا حل ڈھونڈنے میں امت مسلمہ کی نااہلی اور عاقبت نااندیشی باعث افسوس ہے۔ مسلم دنیا شام کے معاملے پر تقسیم ہے۔ بہت سے مسلم ممالک خاموش، جبکہ بعض خانہ جنگی کی آگ کو مزید بھڑکا رہے ہیں۔ مسلم حکمرانوں کے پاس نہ عزم ہے اور نہ ہی کوئی میکنزم۔ شام میں جو کچھ ہو رہا ہے، یہ مسلمانوں کے باہمی تضاد کا بھیانک نتیجہ ہے۔ اگر اسلامی ممالک اپنا فرض ادا کرتے تو شامی عوام پر ظلم کی یہ شب اتنی طویل نہ ہوتی۔

آج شام کے حالات یہ ہیں کہ کئی علاقوں میں بشار الاسد کی فوج نے کئی علاقوں کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ شامی عوام کے پاس کھانے کو کچھ نہیں۔ لوگ بھوک کی وجہ سے مر رہے ہیں اور اپنی جان بچانے کے لیے مردہ جانوروں کا گوشت تک کھانے پر مجبور ہیں۔ ایک معروف عالمی ادارے نے شام میں عوام کے بدترین حالات کی نشان دہی کرتے ہوئے بتایا کہ ایک قصبے میں لوگ بلیاں کھانے اور گھاس، پتوں کے استعمال پر مجبور ہو گئے ہیں، تاکہ خود کو زندہ رکھ سکیں۔ ڈاکٹرز وِدآؤٹ بارڈرز (ایم ایس ایف) کا کہنا ہے کہ یکم دسمبر سے اب تک مضایا قصبے میں موجود اس کے کلینک میں 23 افراد بھوک کی وجہ سے مر چکے ہیں،

جن میں چھ ایک سال سے کم عمر بچے تھے۔ ایم ایس ایف نے مضایا کو ایک "کھلا قید خانہ" قرار دیا ہے، جہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرنے والے افراد یا تو گولیوں سے زخمی ہوئے یا قصبے کے ارد گرد بچھائی گئی بارودی سرنگوں میں مارے گئے۔ اقوام متحدہ کا کہنا ہے کہ شام میں دمشق کے مضافاتی علاقوں میں تقریباً چار لاکھ افراد محصور ہیں، جبکہ 42 ہزار افراد بغیر خوراک کے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

شام میں غذائی قلّت کے سنگین بحران سے نمٹنے کی عالمی مساعی کے جلو میں انکشاف ہوا ہے کہ اقوام متحدہ نے شام میں بھوک سے پیدا ہونے والے انسانی المیے کا علم ہونے کے باوجود کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا، جس کے نتیجے میں مضایا اور دیگر شہروں میں محصور ہزاروں افراد کو بروقت امداد مہیا نہ کی جا سکی۔ شام میں غذائی قلّت کے شکار شامی شہریوں بالخصوص بچوں کی تصاویر کے منظر عام پر آنے کے بعد اقوام متحدہ کو علم ہو گیا تھا کہ مضایا میں ہزاروں افراد غذائی قلّت کے نتیجے میں زندگی اور موت کی کشمکش میں ہیں اور مضایا میں غذائی قلّت کے سنگین بحران کے بارے میں رپورٹس کئی ماہ قبل اقوام متحدہ کے دفاتر کو ارسال کر دی گئی تھیں، مگر انہیں قصداً مخفی رکھا گیا۔ شام میں غذائی قلّت کی صورتحال انتہائی تشویشناک ہو چکی ہے۔ بھوک کی وجہ سے لوگ آہستہ آہستہ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ شامی فوج میں ایک سارجنٹ ابراہیم

عباس کا کہنا ہے: "کوئی مرد ہو، عورت ہو یا بچہ، ہر کسی کا تقریباً 15 کلو وزن کم ہوگیا ہے۔ یہاں آپ کو کوئی ایسا بچہ نہیں ملے گا، جس کی آنکھیں بھوک کی وجہ سے اندر کو دھنسی ہوئی نظر نہ آئیں۔" ایک عالمی سماجی تنظیم کے ایک کارکن کا کہنا ہے کہ میں نے ذاتی طور پر لوگوں کو بلیوں کو ذبح کرکے کھاتے دیکھا ہے، حتیٰ کہ درخت بھی پتوں سے خالی ہوگئے ہیں۔

شام ایک مبارک سرزمین ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس کی برکات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ اس سرزمین پر صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کے قدم پڑے ہیں۔ یہ سرزمین اللہ کے رسولوں کا ماویٰ و مسکن بنی رہی ہے۔ متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور اسی ملک میں ہیں۔ شام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سلطنت اسلامیہ کے 11 صوبوں میں سے ایک صوبہ تھا۔ 1616ء سے 1918ء شام خلافت عثمانیہ کا حصہ رہا۔ 2011ء کے اوائل میں، جب مشرق وسطیٰ میں حکمرانوں کے خلاف احتجاجی تحریکیں شروع ہوئیں تو اسے "عرب بہار" قرار دیا گیا، جس کا دائرہ بڑھتا ہوا دمشق تک پہنچ گیا۔ یہ "عرب بہار" شام میں "عرب خزاں" ثابت ہوئی، کیونکہ شام میں احتجاجی تحریک شروع ہونے کے بعد سے آج تک وہاں چہار سو موت کا راج ہے۔ شام کی اینٹ سے اینٹ بج چکی ہے۔ اس لڑائی میں بے گناہ عوام ہی مارے جارہے ہیں۔ شام میں انسانیت زندگی کو ترس رہی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کس موڑ پہ اسے موت آ دبوچے۔

کسی کو معلوم نہیں کہ شام میں ظلم و ستم کی شام ختم ہو کر کب امن و سکون کی صبح ہو گی؟

بحر حیات کی سیپیاں

گزشتہ چند سالوں میں انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ ہونے والی ترقی نے انسان کو جن بلندیوں پر پہنچا دیا ہے، یہ تمام کتاب و مطالعے کی مرہون منت ہیں، لیکن جس کتاب کی بدولت یہ سب کامیابیاں حاصل ہوئیں، اسی کتاب سے بحیثیت مجموعی ہمارا رشتہ کمزور ہوتا جارہا ہے۔ آج نوجوان کمپیوٹر اور موبائل کے سحر میں اس بری طرح سے جکڑے کہ جو وقت کتاب کا حق تھا، وہ بھی کمپیوٹر و موبائل کی نذر کردیا اور اب فیس بک، واٹس اپ، ٹوئٹر، موبائل فونز اور جدید ٹیکنالوجی کے باعث کتب بینی کے رجحان میں بہت کمی آ گئی ہے۔ انسان اور کتاب کا پرانا تعلق ماند پڑتا جارہا ہے۔ نئی نسل میں کتابیں پڑھنے کا رجحان وہ نہیں ہے، جو کسی زمانے میں تھا۔ اب تو تعلیمی اداروں میں بھی کتاب اور طالب علم کا تعلق صرف نصابی کتب تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کے جادو کے زیر اثر طلبہ کی ایک بڑی تعداد غیر نصابی کتب کو ہاتھ بھی لگانا گوارا نہیں کرتی اور نصابی کتب کا مطالعہ بھی صرف امتحان پاس کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

اگرچہ آج کمپیوٹر میں مطالعہ کرنے کے متعدد مواقع موجود ہیں، لیکن مطالعے کی جو اہمیت و افادیت کتاب سے وابستہ ہے، اس کا مقابلہ دیگر ذرائع نہیں

کر سکتے۔ کتاب اور انسان کا رشتہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود انسانی تہذیب و تمدن کا سفر اور علم و آگہی کی تاریخ قدیم ہے۔ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ تہذیب انسانی کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا جو کتاب سے تہی دامن رہا ہو اور فکر کتاب سے آزاد ہو جائے۔ تہذیب کی روشنی اور تمدن کے اجالے سے جب انسانی ذہن کے دریچے بتدریج کھلے تو انسان کتاب کے وسیلے سے خود بخود ترقی کی شاہراہ پر قدم رنجہ ہوا۔ کتاب کی شکل میں اس کے ہاتھ وہ شاہی کلید آ گئی، جس نے اس کے سامنے علم و ہنر کے دروازے کھول دیے۔ انسان کے لیے مطالعے اور مشاہدے کے بل پر نئی منزلیں طے کرنا آسان ہوا۔

کتاب انسان کو ایک اچھا انسان بن کر جینے کا ڈھنگ اور سلیقہ سکھا دیتی ہے۔ کوئی بھی معاشرہ کتاب کی ضرورت سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ کتابیں انسان کو نئے خیالات سے روشناس کراتی ہیں اور دوسروں کے خیالات کو جاننے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ کتابیں بلند خیالات اور سنہری جذبات کی دستاویزی یادگاریں ہوتی ہیں اور بحر حیات کی سیپیاں ہیں، جن میں پر اسرار موتی بند ہیں۔ دنیائے اسلام کے ممتاز محقق محی الدین ابن عربی کتاب کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "کتاب پھلوں کا ایک ایسا باغ ہے کہ اسے ساتھ لیے پھرو اور جہاں چاہو اس سے خوشہ چینی کر لو، جس گھر میں کتابیں نہ ہوں، وہ ایک ایسے جسم کی مانند ہے جس میں روح نہ ہو، جس درسگاہ میں کتابیں نہ ہوں، وہ ایسی درسگاہ

کی مانند ہے، جس میں طلبہ نہ ہوں۔ جس شہر میں کتب خانے نہ ہوں، وہ ایک شہر ویراں ہے اور جس کتب خانے میں لوگوں کو کتابوں سے عشق و محبت نہ ہو، وہ کتب خانہ علم کی بس ایک نمائش گاہ ہے، یہ نمائش گاہ کبھی بھی رہ سکتی ہے اور یہ نمائش زمانے کے ہاتھوں تباہ بھی ہو سکتی ہے۔" سقراط کہتے ہیں "جس گھر میں اچھی کتابیں نہیں، وہ گھر حقیقتاً گھر کہلانے کا مستحق نہیں ہے، وہ تو زندہ مردوں کا قبرستان ہے۔" فلسفی ایمرسن کا کہنا ہے: "اچھی کتاب بے مثال دوست ہے، جو ہمیشہ سیدھے راستے پر چلنے کی صلاح دیتا ہے۔" کارلائل کے مطابق "اچھی کتابوں کا مجموعہ دور جدید کی سچی یونیورسٹی ہے۔" ملٹن کا کہنا تھا "ایک اچھی کتاب عظیم روح کے قیمتی خون سے تحریر ہوتی ہے۔ اس کو محفوظ کرنے کا مقصد ایک زندگی کے بعد دوسری زندگی کو اس عظیم روح سے روشناس کرانا ہے۔"

کتاب شخصیت سازی کا ایک کارگر ذریعہ ہی نہیں، بلکہ زندہ قوموں کے عروج و کمال میں اس کی ہم سفر ہے۔ زندہ قومیں ہمیشہ کتابوں کو بڑی قدر و منزلت دیتی ہیں، جو قومیں کتاب سے رشتہ توڑ لیں تو پھر وہ دنیا میں بہت پیچھے رہ جاتی ہیں۔ بلاشبہ صرف وہی اقوام زندگی کی معراج تک پہنچتی ہیں، جن کا تعلق کتاب اور علم سے مضبوط رہا ہو۔ قوموں کی زندگی کا عمل کتاب سے جڑا ہوا ہے۔ جن اقوام میں کتاب کی تخلیق، اشاعت اور مطالعے کا عمل رک جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں درحقیقت وہاں زندگی کا عمل ہی رک جاتا ہے۔ کوئی بھی معاشرہ اس وقت

تک ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا، جب تک وہ تعلیم یافتہ نہ بن جائے اور تعلیم یافتہ بننے کے لیے معاشرے کا مجموعی مزاج کتاب دوست ہونا ضروری ہے۔ اسلامی تاریخ میں ایک دور وہ بھی گزرا ہے جب کتابیں خریدنا، انھیں جمع کرنا اور پڑھنا ہر فرد کا ذوق ہوا کرتا تھا۔ لوگوں کے گھروں میں لاکھوں کتب پر مشتمل ذاتی لائبریریاں تھیں۔ بغداد کی صرف ایک ایک شاہراہ پر کتابوں کی سیکڑوں دکانیں تھیں، جہاں قرآن مجید سے لے کر فلکیات، طبیعات، ریاضی، کیمیا، طب وغیرہ کی کتابیں فروخت ہوتی تھیں۔ یہ دور مسلمانوں کے عروج اور حکمرانی کا دور تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ جس قوم پر کتابوں کی حکمرانی ہو تو پھر وہ قوم بھی دنیا پر حکمرانی کرتی ہے۔ فرانس کے انقلابی دانشور والٹیر نے کہا تھا "تاریخ انسانی میں چند غیر مہذب وحشی قوموں کو چھوڑ کر کتابوں ہی نے لوگوں پر حکومت کی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جس قوم کی قیادت اپنے عوام کو کتابیں پڑھنا اور ان سے محبت کرنا سکھا دیتی ہے، وہ دوسروں سے آگے نکل جاتی ہے۔" جو اقوام علم و کتب کے اعتراف عظمت میں بخیل نہیں ہوتیں اور مطالعہ کتب کی عادت اپنا لیتی ہیں، وہ زندگی میں فتح و ظفر کی حقدار ہوتی ہیں۔ یورپ کے بعض ملکوں میں صرف کتابوں کو پروموٹ کرنے کے لیے تحریکیں چلائی گئیں۔ حکومتی سرپرستی میں سقراط، افلاطون اور ارسطو سے لے کر جان لاک تک کے مفکرین کی کتابیں ایک

پیسے (پنس) کی قیمت میں شایع کی گئیں۔ دور دراز کے علاقوں کے لیے موبائل کتب خانے بنائے گئے۔ مختلف موضوعات پر لکھی گئی کتب کا انگریزی میں ترجمہ کرایا گیا۔کتابوں پر مباحثے کرائے گئے، بڑے بڑے لارڈز اور اراکین پارلیمنٹ ان مذاکروں میں مبتدی کے طور پر شریک ہو کر اہل دانش کی فکر افروز باتوں سے مستفید ہوتے، جب کہ بعض یورپی ملکوں میں تعلیمی اداروں میں طلبہ میں مختلف طریقوں سے مطالعہ کا ذوق پیدا کیا جاتا ہے۔ آج مغربی ممالک کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف ان کا مجموعی طور پر کتاب دوستی کا مزاج ہے، لیکن ہم ان سے بہت پیچھے کھڑے ہیں۔کتب بینی کا زوال ہمارا بڑا تہذیبی المیہ ہے، کیونکہ مطالعے کی عادت ہی تہذیب کی علامت ہے۔ جو قوم معیاری اور عمدہ کتابیں لکھنے، شایع کرنے اور ان کا مطالعہ کرنے سے قاصر ہو، وہ نہ صرف پسماندہ، بلکہ غیروں کی دست نگر ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہم نے کتاب سے دوری اختیاری کی تو آج حالات سب کے سامنے ہیں کہ عالم اسلام کی تنزلی کا شروع ہونے والا سفر بہت تیزی کے ساتھ پستی کی جانب رواں دواں ہے اور دور دور تک عالم اسلام کی اس تنزلی کو بلندی میں بدلنے کے امکانات بھی صرف موہوم ہی نہیں، بلکہ معدوم دکھائی دیتے ہیں۔ ہمیں بھی دنیا میں بلند مقام حاصل کرنے کے لیے کتاب سے اپنے تعلق کو مضبوط کرنا ہوگا۔

باچا خان یونیورسٹی پر حملہ.... علم کی شمع بجھانے کی ایک اور مذموم کوشش!

دہشتگردوں نے چارسدہ میں باچا خان یونیورسٹی پر حملہ کرکے 20 سے زاید بے گناہ افراد کی جانیں لے لیں، جبکہ بیسیوں افراد زخمی ہوئے ہیں۔ حملے میں شہید ہونے والوں میں یونیورسٹی کے پروفیسر حامد حسین بھی شامل ہیں، جو حال ہی میں برطانیہ سے پی ایچ ڈی کرکے پاکستان آئے تھے اور چارسدہ یونی ورسٹی میں کیمسٹری کے استاد تھے۔ چارسدہ یونیورسٹی میں باچا خان کی برسی کے موقع پر مشاعرے کا اہتمام کیا گیا تھا، جس میں شرکت کے لیے طلبہ، اساتذہ اور عملے کی بڑی تعداد موجود تھی۔ ذرایع کے مطابق بدھ کی صبح مسلح افراد یونیورسٹی میں داخل ہوئے، جس سے انتظامیہ، طلبہ و اساتذہ محصور ہوگئے۔ 3 ہزار کے قریب طالب علم اور 600 مہمان یونیورسٹی میں موجود تھے۔ مسلح افراد صبح 9 بجے کے قریب دیوار پھلانگ کر یونیورسٹی میں داخل ہوئے اور فائرنگ کا آغاز کیا۔ چارسدہ یونیورسٹی میں حملے کے وقت پاک فوج کے دستے پہنچے، جنہوں نے محصورین کو بحفاظت باہر نکالا۔ چارسدہ میں باچاخان یونیورسٹی میں دہشتگردوں کے حملے کے بعد ملک بھر میں تعلیمی اداروں کی سیکورٹی بڑھا دی گئی اور حساس قرار دیے گئے تعلیمی اداروں کی طرف آنے والے راستوں پر پولیس اہلکار وں کو تعینات کرکے پیٹرولنگ کا عمل بھی بڑھا دیا گیا۔ اس تناظر میں تمام یونیورسٹیز، کالجز سمیت دیگر اہم

تعلیمی اداروں کی سیکورٹی کو سخت کر دیا گیا۔ خیبر پختونخوا میں تعلیمی اداروں کو غیر معینہ مدت کے لیے بند کر دیا گیا ہے۔ عینی شاہدین کے مطابق دہشت گردوں کی عمریں 18 سے 25 سال کے درمیان تھیں اور وہ جدید اسلحے سے لیس تھے۔ ایک عینی شاہد کے مطابق حملہ تقریباً 9 بج کر 15 منٹ پر شروع ہوا اور دہشت گردوں نے فائرنگ کے ساتھ دھماکے کیے۔ دہشت گردوں کا پہلے یونیورسٹی گارڈز سے مقابلہ ہوا جس میں 3 گارڈز زخمی ہوئے، بعد میں پولیس وہاں پہنچ گئی، دہشت گرد یونیورسٹی میں داخل ہو کر مختلف اطراف میں پھیل گئے۔ واقعہ کے بعد آرمی چیف دہشت گردی کا نشانہ بننے والی باچا خان یونیورسٹی پہنچے اور دہشتگردوں کے خلاف آپریشن میں حصہ لینے والے سیکورٹی اہلکاروں کی حوصلہ افزائی کی۔

باچا خان یونیورسٹی پر حملے کے بعد ملک بھر کی اہم مذہبی و سیاسی شخصیات نے واقعہ کی شدید مذمت کرتے ہوئے دہشتگردوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کیا ہے۔

وزیراعظم نواز شریف نے باچا خان یونیورسٹی میں دہشت گردی کے واقعے کی شدید مذمت کرتے ہوئے قانون نافذ کرنے والے اداروں کو ہدایت کی کہ دہشت گردوں کا جلد خاتمہ کیا جائے۔ معصوم طلبہ اور شہریوں کو نشانہ بنانے والوں کا کوئی دین اور مذہب نہیں اور ملک سے دہشت گردی کے مکمل خاتمے کا عزم کیے ہوئے ہیں۔ وزیراعظم نے سانحہ پر ملک بھر میں ایک روزہ سوگ کا اعلان بھی کیا۔ جمعیت علمائے اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے سانحہ پر اظہار

افسوس کرتے ہوئے کہا کہ تعلیمی اداروں پر حملے افسوسناک ہیں، قوم شہدا اور زخمیوں کے غم میں شریک ہے۔ پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کے چیئرمین عمران خان نے چارسدہ یونیورسٹی پر حملے کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ تعلیمی ادارے پر حملہ انتہائی افسوسناک ہے اور مشکل کی اس گھڑی میں طلبا اور والدین کے ساتھ کھڑے ہیں۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ پر سیاست نہ کی جائے، سیکورٹی نافذ کرنے والے اداروں پر پورا اعتماد ہے اور دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے رہنماوں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا محمد حنیف جالندھری اور مولانا انوار الحق نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں باچا خان یونیورسٹی چارسدہ پر حملے کو تعلیم پر حملہ قرار دیتے ہوئے سخت الفاظ میں اس کی مذمت کی اور واقعہ پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ علمائے کرام نے کہا کہ کسی مسلمان سے ایسی شرانگیزی کی توقع نہیں کی جاسکتی، یونیورسٹی حملے میں ملوث عناصر کو بے نقاب کرکے نشان عبرت بنایا جائے۔انہوں نے کہا کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے قائدین اور ملک بھر کے مدارس کے اساتذہ وطلبا باچا خان یونیورسٹی کے اساتذہ وطلباء کے ساتھ ہیں اور ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ دوسری جانب امریکا نے چارسدہ کی باچا خان یونیورسٹی پر حملے کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ دکھ کی گھڑی میں پاکستانی عوام اور شہداء کے خاندانوں کے ساتھ ہیں۔ امریکا کی جانب سے باچا خان یونیورسٹی پر حملے کی

مذمت کی گئی۔

دفاعی تجزیہ کار بریگیڈیئر نادر میر نے چارسدہ میں باچا خان یونیورسٹی پر ہونے والی دہشتگردی کے حوالے سے کہا ہے کہ باچا خان یونیورسٹی پر حملہ بھارت نے کروایا ہے۔ ہمیں اس حملے کے بعد بھارت کے ناپاک عزائم کو دنیا کے سامنے لانا ہوگا۔ سابق وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک نے کہا ہے کہ باچا خان یونیورسٹی پر حملہ بھارتی خفیہ ایجنسی "را" نے کروایا ہے، پٹھان کوٹ واقعہ کے بعد بھارتی وزیر دفاع منوہر پاریکر نے پاکستان کو حملے کی دھمکی دی تھی، یونیورسٹی پر حملے کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہیں۔ چارسدہ ہیں یونیورسٹی پر حملہ آرمی پبلک اسکول کے واقعہ کا تسلسل ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں جو بھی دہشتگردی کے حملے ہوئے ہیں، اس میں بھارت کا کسی نہ کسی شکل میں ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔ بھارتی وزیر دفاع منوہر پاریکر نے پاکستان کو کھلی دھمکی دی تھی کہ پٹھان کوٹ حملے کا جواب دیا جائے گا، اس کے لیے وقت اور جگہ کا تعین ہم کریں گے۔

امیر جماعۃالدعوۃ پاکستان پروفیسر حافظ محمد سعید نے کہا ہے کہ چارسدہ یونیورسٹی پر حملہ بھارتی وزیر دفاع کی دھمکیوں کا نتیجہ نظر آرہا ہے۔ پشاور آرمی پبلک سکول کی طرح حالیہ حملے میں بھی بھارت سرکار اور اس کی

خفیہ ایجنسیاں ملوث ہیں۔ حکومت مصلحت پسندی چھوڑ کر انڈیا کی دہشت گردی کو پوری دنیا پر بے نقاب کرے۔ معصوم طلباء کو نشانہ بنانا بدترین دہشت گردی ہے۔ اپنے بیان میں انہوں نے کہا کہ بھارتی وزیر دفاع منوہر پاریکر کی پاکستان کو کھلے عام دھمکیوں کے بعد پہلے پشاور میں چیک پوسٹ اور اس سے اگلے دن ہی چارسدہ یونیورسٹی پر حملہ سے ساری صورتحال کھل کر واضح ہو چکی ہے۔ افغانستان میں قائم بھارتی قونصل خانے دہشت گردی کے اڈے بن چکے ہیں، جہاں دہشت گردوں کو تربیت دے کر خیبر پی کے اور ملک کے دیگر حصوں میں داخل کیا جا رہا ہے۔ حافظ محمد سعید نے کہا کہ نریندر مودی کی زیر قیادت بی جے پی سرکار ایک طرف پاکستان سے دوستی اور مذاکرات کی باتیں کرتی ہے اور دوسری جانب چارسدہ یونیورسٹی جیسے حملے کروائے جا رہے ہیں۔ پاکستانی حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ ہندوستانی خفیہ ایجنسیوں کی دہشت گردی کو تمام بین الاقوامی فورمز پر بے نقاب کیا جائے۔

واضح رہے کہ گزشتہ دنوں منوہر پاریکھ بھارتی وزیر دفاع نے پاکستان کو دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان نے پٹھان کوٹ ایئر بیس واقعے پر کارروائی نہ کی تو ایک سال میں اس کے نتائج ساری دنیا دیکھے گی۔ انہوں نے مزید کہا تھا کہ یہ حملہ کب اور کیسے ہوگا، اس کا تعین ہم خود کریں گے۔ اگر کوئی عام آدمی یہ بیان دیتا تو اسے نظر انداز کر دیا جاتا تو کوئی اہم بات نہ تھی، لیکن پاکستان کی طرف سے بھارتی وزیر دفاع کے بیان کو ہلکا لیا گیا اور ہمارے

یہاں مکمل خاموشی چھائی رہی۔ اس دوران ملک کے متعدد سنجیدہ حلقے حکومت کو اس جانب متوجہ کراتے رہے کہ بھارتی وزیر دفاع کے بیان کو ہلکا نہیں لیا جانا چاہیے، لیکن حکومت پاکستان کی جانب سے اس کے باوجود اس بیان کو سنجیدہ نہیں لیا گیا، جس کے نتائج ہم نے پشاور چیک پوسٹ، افغانستان میں پاکستان کے سفارت خانے اور چارسدہ میں باچا خان یونیورسٹی پر حملے کی صورت میں دیکھ لیا ہے۔ بھارتی وزیر دفاع منوہر پاریکر کی دھمکیوں کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ بھارتی وزیر دفاع منوہر پاریکر نے پٹھانکوٹ حملے کا الزام پاکستان پر دھرتے ہوئے کھلم کھلا دھمکیاں دیں تھیں۔ منوہر پاریکر نے پچھلے سال بائیس مئی کو بھی مقبوضہ کشمیر میں پاکستانی مداخلت کا الزام لگاتے ہوئے کہا تھا کانٹے سے ہی کانٹا نکلتا ہے۔ صرف ہمارا فوجی کیوں مرے، ہم بھی دہشت گردوں کو استعمال کر سکتے ہیں۔ دہشت گردی کا مقابلہ دہشت گردی سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کی پاکستان میں مداخلت کے واضح ثبوت موجود ہیں۔ جو ملزمان پکڑے جا رہے ہیں، ان کے را کے ساتھ تعلقات بغیر کسی شک کے سامنے آ رہے ہیں۔ بلوچستان میں جو علیحدگی کی تحریکیں چل رہی ہیں انھیں بھارت کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ دہشت گرد بھارت کے پاسپورٹ سے سفر کرتے ہیں اور انھیں مالی معاونت اور اسلحہ بھی بھارت سے ہی ملتا ہے۔ پاکستان دہشت گردی کے کئی واقعات میں بھارت کے ملوث ہونے کے ٹھوس ثبوت عالمی برادری کو دے چکا ہے۔ واضح رہے پاکستان میں تعلیمی اداروں پر

دہشتگردی کے واقعات معمول بن چکے ہیں، اس پہلے بھی متعدد تعلیمی اداروں پر حملے ہو چکے ہیں، 2014 میں دسمبر میں پشاور میں آرمی اسکول پر حملہ کرکے دہشتگردوں نے ڈیڑھ سے بچوں کو شہید کردیا تھا، اس حملے میں بھی آرمی اسکول حملے سے مماثلت پائی جاتی ہے۔

تھرپارکر: بچوں کی اموات میں مسلسل اضافہ....حکومت خاموش تماشائی!

حکومت کی عدم توجہی کے باعث بھوک و افلاس اور صحت کی سہولیات کے فقدان کے سبب تھرپارکر میں ایک عرصے سے موت کا سلسلہ جاری ہے۔ بھوک و پیاس اور ناقص انتظامات کی وجہ سے تھر کے معصوم بچے اپنی جانیں پے در پے موت کے حوالے کیے جارہے ہیں، لیکن سندھ حکومت آنکھیں بند کیے ہوئے ہے۔ ایک عرصے سے موت کا عفریت تھرپارکر کے میں معصوم جانوں کو نگل رہا ہے۔ لوگ صبح اپنے گھر کی میت اٹھاتے ہیں تو شام کو پڑوسی کے بچے کو کاندھا دیتے ہیں۔ اس دوران انہیں خود بھی اس خونخوار بلا کے ہاتھوں شکار ہونے کا خدشہ لاحق ہوتا ہے۔ ان کا حاکم غافلِ مطلق ہے اور وزیر بے پرواہی کی حدیں پھلانگ کر بے حسی کی سرحد پار اپنے سونے کے محلات میں محوِ استراحت ہیں۔ یہ سب کچھ اسی دنیا میں ہورہا ہے جہاں دنیا بھر میں مختلف تنظیمیں لاوارث جانوروں کی جانیں بچانے، درختوں اور جنگلات کی حفاظت کے لیے تو سر توڑ کوششیں کر رہی ہیں، لیکن بدقسمتی سے یہاں صاحب اقتدار طبقے کو بھوک و پیاس سے مرتے انسانوں کی جانیں بچانے سے زیادہ اپنی کرسیاں اور اقتدار بچانے کی فکر دامن گیر ہے۔ تھر میں بھوک اور پیاس سے معصوم بچوں کی اموات حکومت کے لیے شاید صرف اعداد و شمار ہوں، مگر یہی تلخ زندگی گزارنا تھر کے غریب باسیوں کا مقدر ہے۔ تھرپارکر میں خوراک کے

قحط کے ساتھ ساتھ صاحب اقتدار طبقے میں احساس ذمے داری کا قحط بھی حد درجہ شدید ہے، کیونکہ ان ہلاکتوں کی وجہ محض غذائی قلّت، ضروریاتِ زندگی کا فقدان، افلاس، پسماندگی اور غربت ہی نہیں، بلکہ سیاسی ذمہ داروں کی مسلسل دانستہ بے رغبتی و بے اعتنائی ہے۔ حکومت کی جانب سے سندھ فیسٹیول وغیرہ کے لیے کروڑوں روپے تو ہوا میں اڑا دیے جاتے ہیں، لیکن ہسپتالوں میں سہولیات کے فقدان اور بھوک و پیاس سے مرتے تھری باشندوں کی جان بچانے کے لیے کچھ نہیں کیا جاتا، بلکہ حکومت بھوک و افلاس سے مرتے باسیوں کی اموات کی ذمہ داری لینے کو تیار ہی نہیں ہے۔ تھرپارکر میں غذائی قلّت، بیماریوں اور صحت کی سہولیات کے فقدان کے نتیجے میں گزشتہ 21 روز یہں بچوں کی ہلاکتوں کی تعداد 94 ہو گئی ہے، مگر وزیرِ اعلیٰ سندھ سمجھتے ہیں کہ ان اموات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جا رہا ہے اور ان کی حکومت کو ان اموات کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ تھرپارکر میں 2015ء میں 376 بچوں سمیت لگ بھگ ایک ہزار افراد غذائی قلّت سے لقمہ اجل بن گئے تھے، لیکن صوبائی حکومت نے گزشتہ سال ہونے والی ہلاکتوں سے کوئی سبق نہ سیکھا اور ایک مرتبہ پھر تھرپارکر کے باشندوں کو حکومتی نااہلی کے سبب غذائیت کی کمی اور صحت کی سہولیات کے فقدان کا سامنا ہے، جس کی وجہ آئے روز معصوم بچے اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر رہے ہیں۔

گزشتہ روز اسلام کوٹ ہسپتال میں گاؤں سینگار و یہں آپریشن کی سہولت نہ ہونے

کے باعث ایک ماں اپنے بچے سمیت جاں بحق ہو گئی ہے۔ اسلام کوٹ کی تعلقہ ہسپتال میں گزشتہ 2 ماہ سے آپریشن تھیٹر بند ہے، جبکہ سنگین حالات کے باوجود محکمہ صحت نے آپریشن تھیٹر کو چلانے کے لیے کوئی اقدام نہیں کیا۔ جبکہ ضلعی انتظامیہ اور محکمہ صحت نے تعلقہ ہسپتالوں اور بچوں کے وارڈز سمیت دیہاتوں میں مطلوبہ طبّی عملے تعینات نہیں ہے۔ تھرپارکر کے دیہاتوں میں سردی کی لہر میں اضافے کے باعث کم وزن کے پیدا ہونے والے بچے دم توڑ رہے ہیں اور ہلاکتوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ مگر ایسی صورتحال کو کنٹرول کرنے کے لیے حکومت اور سماجی تنظیموں کی جانب سے کھلی طور پر کوئی امداد ہوتی نظر نہیں آ رہی، جس سے تھری مکین کچے جھونپڑوں میں سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے اپنے بچوں کو بچا سکیں۔ تھرپارکر کے لوگوں کے حکومت سمیت سماجی تنظیموں سے فوری ضروری امداد کی اپیل کے باوجود بھی انہیں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

دوسری جانب تھر میں نصب فلٹریشن پلانٹس کی تکنیکی دیکھ بھال نہ ہونے کے باعث پانی بے ذائقہ، لوگ کڑوا پانی پینے پر مجبور ہیں۔ تھرپارکر کی تحصیلوں مٹھی، اسلام کوٹ، چھاچھرو، ڈیپلو، نگرپارکر اور ڈاہلی میں 400 کے قریب فلٹریشن پلانٹس کی تنصیب کا دعویٰ کیا جا رہا ہے، مگر بیشتر پلانٹس کا پانی مقررہ معیار کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے لوگ استعمال نہیں کرتے۔ واٹر ٹینکس کی صفائی نہ ہونے اور فلٹرز سمیت دیگر وجوہات کی بنا پر پانی کا ذائقہ بدل جاتا ہے۔ سندھ حکومت نے دیہات میں لگے ان فلٹریشن پلانٹس کو ایک نجی کمپنی

کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے، جس کا پانی لیبارٹری سے چیک نہیں کرایا جاتا۔ غیر تیکنیکی عملے کی تعیناتی کی وجہ سے کڑوے پانی کو میٹھے پانی میں تبدیل کرنے کا عمل متاثر ہو رہا ہے، جس کی وجہ سے دیہات کے لوگ قدرے میٹھے پانی کے موجود قدیمی کنوؤں سے پانی حاصل کرتے ہیں تو اکثر دیہات میں پانی کے حصول کے لیے تین سے چار کلو میٹر کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ تھر کے مکینوں اور سماجی حلقوں نے سندھ حکومت سے اپیل کی ہے کہ کروڑوں روپے کی لاگت سے نصب ان فلٹریشن پلانٹس کی دیکھ بھال کی جائے، تاکہ آبادی کو پینے کا صاف پانی مل سکے۔

افسوسناک حقیقت ہے کہ جب تک میڈیا تھر کے معاملے کو نمایاں کیے رکھتا ہے، حکومت بھی حرکت میں دکھائی دیتی ہے، لیکن میڈیا خاموش ہوجاتا ہے تو حکومت بھی تھر کے عوام سے کیے گئے تمام وعدوں کو بھول جاتی ہے۔ میڈیا پر اس سانحہ کی خبریں آنے کے بعد تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ صوبائی حکومت موثر اور مستقل اقدامات کرتی، لیکن افسوس صوبائی حکومت نے اس حوالے سے اپنی ذمے داری پوری نہیں کی اور رسمی اقدامات کرکے مطمئن ہوگئی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج یہ علاقہ اس افسوس ناک صورتحال سے دوچار ہے اور ہر روز معصوم بچے جان سے جارہے ہیں۔ گزشتہ برس تھر میں قحط سالی اور بیماریوں سے بچوں کی ہلاکتوں کے واقعات کے بعد سندھ حکومت کی جانب سے تھر کے لیے خصوصی پیکیج، ہسپتالوں کی بہتری اور ان کے بجٹ میں اضافے کا اعلان کیا گیا تھا، لیکن اِن میں سے اکثر

پر عمل درآمد نہیں ہو سکا ہے۔ صوبائی حکومت کی غفلت و کوتاہی کی وجہ سے آج تھریوں کو مسلسل غذائی قلّت کا سامنا ہے اور سرکاری شفاخانوں میں عوام کو علاج کی سہولتیں میسر نہیں ہیں۔ شفاخانوں میں کوالیفائڈ ڈاکٹرز کی کمی ہے۔ اگر عوام کو بھولے سے کوئی ڈاکٹر مل جائے تو مہنگی ادویات کی پرچیاں مریضوں کے ہاتھوں میں تھما دی جاتی ہیں، جن کو خریدنے کے لیے غریب عوام کی جیبوں میں پیسے نہیں ہوتے۔ تھر میں ستم ظریفی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جن سرکاری ہسپتالوں کو کروڑوں روپے کا فنڈ ملتا ہے، عوام کے لیے مفت ادویات دینے اور علاج معالجہ کی سہولتوں کے لیے وہ ہسپتالوں میں سرے سے ہی موجود نہیں ہوتیں، اگر کبھی کبھار میڈیا کو دکھانے کے لیے ادویات خرید بھی لی جائیں تو ان ادویات کو بازار میں اونے پونے داموں بیچ کر اپنی جیبیں بھر لی جاتی ہیں۔ صاحب اقتدار طبقے کی نااہلی کی وجہ سے آج تھرپارکر میں معصوم اور غریب تھری باشندے اپنی جانیں دے رہے ہیں۔

دینی مدارس میں دم توڑتا تحقیقی ذوق

اس بات میں کوئی دو رائے نہیں کہ دینی مدارس نے دینی علوم کے فروغ اور معاشرے کی اصلاح کے لیے ہر دور میں انتہائی محنت اور جستجو کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ دینی مدارس کی سچی لگن کو دیکھتے ہوئے معاشرے نے بھی ان پر اعتماد کیا ہے اور آج وطن عزیز میں دینی مدارس اور طلبہ کی تعداد اس حد تک بڑھ رہی ہے کہ ماضی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تاہم مقدار میں اضافے کے ساتھ معیار میں کمی کا مسئلہ دینی مدارس کو بھی درپیش ہے اور رفتہ رفتہ مدارس میں ماضی کا تحقیقی و علمی مزاج دم توڑ رہا ہے۔

ماضی میں دینی مدارس تحقیقی مراکز ہوا کرتے تھے اور ان سے متعلق علماء نے مختلف موضوعات پر ہزاروں گراں قدر اور نایاب تحقیقی کتب تصنیف کی ہیں، اس دور میں بھی بہت سے کتب لکھی جارہی ہیں، لیکن ان کا علمی و تحقیقی معیار اس پائے کا نہیں جو ماضی میں ہوا کرتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے موجودہ دور میں ان اداروں میں تحقیق کے سوتے خشک پڑتے جارہے ہیں۔ بہت سے مدارس میں درسی تعلیم کے بعد تحقیق اور تصنیف کے شعبے گزشتہ چند برسوں میں کثرت سے قائم ہوئے ہیں۔ ان کی موجودگی سے اسلامی تحقیقات کی اہمیت کا احساس بڑھا ہے، لیکن

حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کسی بھی شعبے سے تحقیق کے وہ مقاصد اب تک کما حقہ پورے نہیں ہوسکے، جس کی آج قوم وملت کو اشد ضرورت ہے۔ اکثر دینی مدارس میں تحقیق و تصنیف برائے نام اور صرف نصابی سرگرمیاں حاوی ہیں۔ نتیجے میں مدارس سے غالب تعداد مدرسین اور مقررین یا پھر درسی کتب کے شارحین پیدا ہورہے ہیں۔ دینی مدارس کے فضلاء کی اکثریت میں آٹھ دس سال تعلیم کا محور سمجھے جانے والے علوم پر دسترس حاصل کرلینے والوں کی تعداد انتہائی کم ہے اور افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ طلبہ کی ایک بڑی تعداد تو عربی زبان کی نصابی یا غیر نصابی کتابوں کی صحیح عبارت خوانی سے ہی قاصر ہوتی ہے۔ طلبہ کا سب سے بڑا اور اہم کام علمی تحقیقی و تصنیفی کام ہے۔ یہ کام طلبہ انفرادی طور پر اپنے شوق سے انجام نہیں دے سکتے، اس کے لیے مدارس کی سطح پر مطالعہ اور تحقیق کے لیے طلبہ کی مکمل رہنمائی اور موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق فضلاء مدارس اور طلبہ میں علم و تحقیق کا صحیح شعور بیدار کرنے کے لیے منصوبہ بند اقدامات کی ضرورت ہے، اس کے بغیر انفرادی طور پر طلبہ کے مطالعہ و تحقیق سے وہ کچھ حاصل نہیں ہوسکتا، جس کی ضرورت ہے۔

دینی مدارس میں عالمیہ کے بعد جو تخصصات کروائے جاتے ہیں، یہ عصری جامعات میں مختلف موضوعات میں کی جانے والی پی ایچ ڈی کی طرح ہی ہوتے ہیں۔ ان تخصصات کو سائنسی اصولوں میں ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ عصری جامعات کی پی ایچ ڈی

میں تحقیق کے جو جدید اصول اور مناہج تحقیق اپنائے جاتے ہیں، ان کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دینی مدارس کا نظام و نصاب اور مدارس میں عصری تعلیم کی ضرورت و اہمیت اگرچہ الگ موضوعات ہیں، لیکن سیرت النبی، تاریخ اسلام، اسلام کا معاشی نظام، جدید سیاسی نظریات کے تقابل کے ساتھ اسلام کا سیاسی نظام، جدید معاشرتی افکار کے ہمراہ اسلام کا معاشرتی نظام اور اس کے ساتھ استشراق، الحاد، مسلم ممالک پر مغرب کی فکری یلغار، اسلامی ممالک اور عالم اسلام کے مسائل اور جغرافیہ کو تفصیلی طور پر مدارس میں زیر بحث لانا بھی ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مدرسے کی سند فراغت دراصل علوم دینیہ کے کمرے میں داخل ہونے کی کنجی ہے۔ گویا ایک فارغ التحصیل آٹھ دس سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس قابل ہوگیا ہے کہ اپنے طور پر بنیادی مآخذ کا مطالعہ کرکے علم و تحقیق کے سمندر سے لعل و گہر نکال سکتا ہے۔ تاہم تحقیق اور تصنیف کے لیے جس تجسس اور تخلیقی فکر کی ضرورت ہے، وہ صرف مدارس میں رائج نصاب سے حاصل نہیں ہوتی، اس کے لیے غیر نصابی کتب کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے، لیکن افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ مدارس کے طلبہ میں مطالعہ کا ذوق ناپید ہوتا جارہا ہے۔ بہت سے طلبہ جدید سہولتوں کی رو میں بہہ گئے ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کے فوائد اپنی جگہ، لیکن اس نے طلبہ کی علمی سوچ و استعداد کو بے پناہ نقصان پہنچایا ہے۔ اب طلبہ کی اکثریت فارغ وقت تو فضولیات میں گزارتی ہی ہے، اپنی تعلیم کا بھی بہت سارا وقت موبائل، فیس بک اور دیگر

ذرائع کی نذر کر دیتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب بیشتر طلبہ میں نہ تو نصابی کتابوں کے مطالعے کا ذوق رہا اور نہ ہی غیر نصابی کتابوں سے کوئی سروکار ہے۔ ماضی میں طالب علم جب مدارس سے فراغت حاصل کرتے تو نصابی کتابوں کے ساتھ سیکڑوں مفید غیر نصابی کتب کا مطالعہ بھی کر چکے ہوتے تھے۔ اب غیر نصابی کتب کا مطالعہ صرف مناظرے کے انداز میں لکھی گئی کتب کا مطالعے تک محدود ہو گیا ہے۔

دینی مدارس کو موجودہ طریق سے کہیں زیادہ بہتر انداز میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔ علمائے کرام کی متفقہ کمیٹی تشکیل دے کر اس کے تحت روز پیش آنے والے نت نئے عصری و جدید مسائل پر تحقیق کا مضبوط نظام ترتیب دینے کی بھی ضرورت ہے۔ بسا اوقات بہت سے دینی مسائل میں مختلف مدارس کے مختلف فتاویٰ جات اور مختلف موقف سامنے آتے ہیں، بلکہ بعض مدارس میں تو ایک ہی مدرسے کے مختلف علمائے کرام کے مختلف موقف ہوتے ہیں اور بہت دفعہ کسی ایک رائے پر بہت شدت سے اصرار کیا جاتا ہے اور معاصر آراء کو درخور اعتناء نہیں سمجھا جاتا۔ ان حالات میں ایک عام آدمی ایک ہی دینی مسئلے میں متعدد آرا کو دیکھ کر پریشان ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دینی مسائل میں دلائل کی بنیاد پر اختلاف کا ہونا فطری امر ہے اور تمام مسائل میں مکمل اتفاق رائے کسی بھی شعبے میں نہیں ہوتا مگر عملی زندگی سے متعلق فروعی نوعیت کے مسائل میں زیادہ سے زیادہ

اتفاق رائے کے لیے مشترکہ ادارہ ہونا چاہیے۔ ملک کا سب سے بڑا دینی تعلیمی بورڈ ہونے کی حیثیت سے وفاق المدارس کو چاہیے کہ ملک بھر کے جید علمائے کرام پر ایک منظم فقہی کمیٹی تشکیل دے، جو حالات حاضرہ اور جدید مسائل پر بحث کرکے کوئی متفق موقف سامنے لائے اور علمائے کرام کی یہ کمیٹی ملک بھر کے تمام شہروں میں
دارالافتاء قائم کرنے کے اصول و ضوابط طے کرے، تمام دارالافتاء انہی اصولوں کے تحت فتاویٰ جات جاری کرنے کے پابند ہوں۔ معاشرے میں اپنے بلند مقام اور بھاری ذمہ داریوں کا ادراک کرتے ہوئے دینی مدارس کو غور و خوض کے بعد اس قسم کے مزید اقدامات کرنا ہوں گے، تاکہ عوام کو شرعی و دینی مسائل میں اطمینان حاصل ہوسکے۔

نیشنل ایکشن پلان پر مکمل عملدرآمد...وقت کا اہم تقاضا

چارسدہ میں باچا خان یونیورسٹی پر دہشتگردی کے واقعہ کے بعد سے ایک بار پھر میڈیا پر نیشنل ایکشن پلان کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ گزشتہ دنوں دہشتگردوں نے چارسدہ میں باچا خان یونیورسٹی پر حملہ کرکے ایک پروفیسر سمیت بیس افراد کی جان لے لی تھی، جس کے بعد یہ بحث چھڑ گئی کہ ملک میں ایک عرصے سے جاری آپریشن کے باوجود بھی ایک بڑے تعلیمی ادارے کا دہشتگردی کا نشانہ بن جانا نہ صرف انتہائی قابل افسوس اور قابل مذمت ہے، بلکہ اس بات پر غور کرنے کی ضرورت بھی ہے کہ ملک سے دہشتگردی کے خاتمے سے متعلق بیانات کے بعد بھی آخر دہشتگردی اتنی آسانی سے اپنے مقصد میں کامیاب کیسے ہوگئے؟ اس حوالے سے ملک کے متعدد حلقوں نے حکومت کو ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے کہا کہ ملک میں دہشتگردی کے ختم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تاحال نیشنل ایکشن پلان پر مکمل طور پر عمل نہیں ہوسکا ہے۔ اگر نیشنل ایکشن پلان پر مکمل طور پر عمل درآمد ہوجاتا تو کوئی وجہ نہیں کہ دہشتگرد یونیورسٹی پر حملہ کرنے میں کامیاب ہوجاتے۔ سانحہ چارسدہ کے بعد وکلا برادری نے باچا خان یونیورسٹی پر حملہ کے خلاف یوم سیاہ مناتے ہوئے حکومت سے نیشنل ایکشن پلان پر موثر عملدرآمد اور پلان کی راہ میں رکاوٹ بننے والے عناصر کو منظر عام پر لانے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ بتایا جائے کہ

نیشنل ایکشن پلان پر عمل درآمد کیوں نہیں ہو رہا؟ اور ان چہروں کو بے نقاب کیا جائے جو نیشنل ایکشن پلان کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ نیشنل ایکشن پلان کے نکات پر عمل درآمد نہ کرنے کی وجوہات منظر عام پر لائی جائیں اور جن نکات پر عمل درآمد نہیں ہوااس پر عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔ جمعیت علمائے اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن نے بھی حکومت پر طنز کرتے ہوئے اس حوالے سے اپنے ایک بیان میں کہا کہ تعلیمی اداروں پر حملے افسوسناک ہیں۔ نیشنل ایکشن پلان صرف عوام کو دکھانے کے لیے ہے، جبکہ جماعت اسلامی کے سربراہ سراج الحق کا کہنا تھا کہ نیشنل ایکشن پلان کے تمام نکات پر عمل درآمد کیا جائے۔ نیشنل ایکشن پلان پر پورا عمل درآمد ضروری ہے، مکمل عمل درآمد نہ ہونے کی وجہ سے سانحہ چارسدہ اور اس طرح کے سانحات پیش آ رہے ہیں۔ متحدہ قومی موومنٹ کے رہنما ڈاکٹر محمد فاروق ستار نے بھی سانحہ چارسدہ کو نیشنل ایکشن پلان کی ناکامی قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ نیشنل ایکشن پلان پر گزشتہ ایک برس میں صدق دل سے عمل نہیں کیا گیا۔ نیشنل ایکشن پلان کے حقائق قوم کے سامنے لائے جائیں۔ ان کے علاوہ بھی متعدد رہنماؤں نے حکومت سے نیشنل ایکشن پلان پر مکمل طور پر عمل درآمد کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ خود وزیر اعظم میاں نواز شریف نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ نیشنل ایکشن پلان پر سست روی سے کام ہو رہا ہے۔ واضح رہے کہ جنرل راحیل شریف نے چند ماہ قبل کور کمانڈر کانفرنس سے خطاب کے دوران کہا تھا کہ قومی ایکشن پلان پر عمل درآمد

سمیت دوسرے آپریشنز میں ممکنہ رکاوٹوں، فاٹا اصلاحات اور تمام جاری مشترکہ تحقیقاتی ٹیموں کے کام کو ترجیحی بنیادوں پر منطقی انجام تک پہنچانے کی ضروت ہے، جس کے بعد وزیراعظم نے اپنے بیان میں نیشنل ایکشن پلان پر مکمل طور پر عمل درآمد کی بات کی تھی، لیکن تاحال مکمل طور پر نیشنل ایکشن پلان پر عمل درآمد نہیں ہو سکا ہے۔ کو فعال اور مضبوط (NACTA) نیشنل ایکشن پلان بیس نکات پر مشتمل تھا، لیکن نیکٹا بنانا، انتہاپسندانہ مواد اور تقاریر کا خاتمہ، دہشت گردوں اور ان کی تنظیموں کے مالی وسائل کا خاتمہ، کالعدم تنظیموں کے دوسرے ناموں سے فعال ہونے کے عمل کا تدارک، انسداد دہشت گردی کے لیے خصوصی اور مستعد فورس کا قیام، مذہبی بنیادوں پر امتیاز اور استحصال کے عمل کا استحصال، فاٹا ریفارمز، دہشت گردوں کے کمیونیکیشن نیٹ ورک کا خاتمہ، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے غلط استعمال کی روک تھام وہ نکات ہیں، جن پر پیش رفت نہیں ہوئی، ان کے علاوہ بعض نکات پر کلی اور بعض پر جزوی طور پر عمل درآمد ہو رہا ہے، جبکہ دہشتگردوں کو پھانسی، فوجی عدالتوں کے قیام، ذرائع ابلاغ میں دہشتگردوں کے بیانات اور تشہیر پر پابندی، اقلیتوں کے تحفظ، کالعدم تنظیموں کی متبادل ناموں سے سرگرمیوں پر پابندی سمیت چند نکات پر عمل درآمد ہو چکا ہے۔

واضح رہے کہ 16 دسمبر کو پشاور میں آرمی پبلک اسکول پر دہشت گردوں کے حملے

میں 134 بچوں سمیت 150 پاکستانیوں کی شہادت نے ملک کی سیاسی اور فوجی قیادت کو یکساں طور پر دہشت گردوں کے خلاف تمام اقدامات اور حکمتِ عملی کا از سرِ نو جائزہ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے بعد ملک کی سیاسی و عسکری قیادت نے مل بیٹھ کر انسدادِ دہشت گردی 20 نکاتی نیشنل ایکشن پلان تیار کیا۔ 24 دسمبر 2014ء کو وزیراعظم نواز شریف نے قوم سے خطاب میں دہشتگردی کے خلاف نیشنل ایکشن پلان کا اعلان کیا۔ دہشتگردوں کا قلع قمع کرنے کے لیے سیاسی و عسکری قیادت نے عزم کا اعادہ کیا۔ نیشنل ایکشن پلان میں چند اہداف متعین کیے گئے تھے، جن میں سے کچھ ہی حاصل ہوسکے ہیں۔ پہلا ہدف فوجی عدالتوں کا قیام تھا، جو بہترین انداز میں حاصل ہوا ہے، ان عدالتوں کے قیام کے لیے نہ صرف آئین میں ترمیم منظور کی گئی، بلکہ اس کے تحت ذیلی قوانین بنائے گئے، فوجی عدالتیں قائم کی گئیں اور ان عدالتوں نے متعدد مجرمان کو پھانسی کی سزائیں بھی سنائی ہیں۔ دوسرا ہدف ملک میں مسلح جتھوں کا خاتمہ تھا۔ اگرچہ ملک میں کوئی مسلح جتھہ دندناتا نہیں پھر رہا مگر اس کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ہدف حاصل ہو گیا، کیونکہ ملک میں ایسا کوئی گروہ نہیں ہے جو نیشنل ایکشن پلان سے پہلے تو سرگرم عمل تھا، مگر نیشنل ایکشن پلان کے نتیجے میں اسے ختم کر دیا گیا ہو۔ تیسرا ہدف قومی ادارہ برائے انسداد دہشت گردی (نیکٹا) کو فعال اور موثر بنانا تھا۔ اس ضمن میں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ نیکٹا دفتر تک محدود ہے۔ متعلقہ ادارہ سوائے ایک تھکی ہوئی

ویب سائٹ بنانے کے اور کچھ نہیں کر سکا۔ ظاہر ہے کہ نیکٹا کے لیے کوئی رقم جاری کی گئی ہے اور نہ ہی ایسی کوئی خبر ہے کہ یہ بحالی کی طرف گامزن ہے۔ چوتھا ہدف نفرت پر مبنی تقاریر اور مواد شائع کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی کرنا تھا، جس میں کچھ پیش رفت ہوئی ہے۔ سرکاری رپورٹ کے مطابق ملک میں نفرت انگیز مواد پھیلانے کے الزام میں بہت سی گرفتاریاں ہوئی ہیں۔ پانچواں ہدف دہشت گرد تنظیموں کی فنڈنگ کے ذرائع بند کرنا تھا۔ اس میں بھی کچھ کامیابی ملی ہے۔ ایکشن پلان میں فوجداری عدالتی نظام میں اصلاحات کی غرض سے آئین میں ترمیم کے بعد ضروری قوانین نافذ کیے جانا بھی تھا، اس ضمن میں بھی کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی۔ آئی ڈی پیز کی بحالی کے حوالے سے ترقیاتی اور انتظامی اصلاحات کا عمل تیز کیے جانے کے حوالے سے بھی خاص پیش رفت نہیں ہو سکی۔ پلان میں یہ بھی تھا کہ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے ذریعے دہشت گردوں کا پروپیگنڈا بند کیا جائے گا، لیکن اس میں کوئی پیش رفت نظر نہیں آئی، جبکہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں دہشت گردوں کے بیانئے کو جگہ نہ دیے جانے کے حوالے سے میڈیا نے ذمہ داری دکھائی ہے اور دہشتگردوں کے بیانات میڈیا پر جاری نہیں کیے جاتے۔ پلان میں کراچی میں دہشت گردوں کے خلاف آپریشن منطقی انجام تک پہنچائے جانے کے حوالے سے بھی تھا، اس ضمن میں کارکردگی قابل تعریف ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ نیشنل ایکشن پلان کی تمام شقوں پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جن شقوں پر عمل درآمد ہو رہا

ہے، وہ فوج سے متعلق ہیں اور جن شقوں پر عمل نہیں ہوا، اس میں حکومت کی سستی پائی جاتی ہے، کیونکہ حکومت نے متعلقہ اداروں کو اس حوالے سے فعال ہی نہیں کیا۔ ایکشن پلان مکمل طور پر کامیابی تب ہوتی اگر تمام ادارے مل کر کام کرتے، لیکن ہوا یہ کہ جو اپنی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں، وہ بھی اپنے طور پر ادا کر رہے ہیں، متعقلہ کوئی بھی ادارہ ایک دوسرے سے رابطے میں نہیں ہے۔ جبکہ اس حوالے سے یہ بھی قابل افسوس بات ہے کہ صوبائی حکومتوں نے بھی وفاق کے ساتھ تعاون نہیں کیا، حالانکہ تمام صوبائی حکومتوں کی بھی ذمہ داری تھی کہ انسداد دہشتگردی کے خاتمے کے لیے وفاق کے ساتھ بھرپور تعاون کرتے۔

گزشتہ روز وفاقی حکومت نے دہشت گردی، انتہا پسندی اور فرقہ وارنہ سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لیے پنجاب سمیت چاروں صوبوں کو 10 نکاتی ایجنڈا دے دیا ہے۔ صوبوں کو نیشنل ایکشن پلان اور دس نکاتی ایجنڈے پر عمل کے لیے فنڈز کی فراہمی کی بھی مکمل یقین دہانی کروادی گئی ہے۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق نیشنل ایکشن پلان کے تحت وفاقی وزارت داخلہ اور نیکٹا نے مشترکہ طور پر ایک لائحہ عمل تیار کیا ہے، تاکہ صوبوں سے انتہا پسندی اور فرقہ وارانہ تعصب ختم ہوسکے۔ لہٰذا 10 نکاتی ایجنڈا تیار کیا گیا ہے اور صوبوں کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اس پلان پر عملدرآمد کو یقینی بنائیں۔ ان نکات کے مطابق صوبوں کو کہا گیا ہے کہ تمام مسائل اور مذاہب کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے

لیے عملی اقدامات کیے جائیں اور مذہبی ہم آہنگی کے لیے سیمینار منعقد کیے جائیں اور کسی مسلک سے امتیازی سلوک نہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ غربت کے خاتمے کے لیے مساوی پالیسیاں بنائی جائیں۔ ایسی پالیسیاں بنائی جائیں، جس سے لوگوں میں فنی تعلیم کا رجحان بڑھے۔ اس کے علاوہ ایسی تمام این جی اوز پر نظر رکھی جائے جو کسی خاص مذہب یا مسلک کو فوغ دیتی ہو یا ان کا رجحان کسی خاص مسلک کی طرف ہو۔ اس حوالے سے اگر کوئی مذہبی این جی اوز ہے تو اس کی سرگرمیوں کو مانیٹر کیا جائے۔ تمام مسالک کے دینی مدارس کے نصاب کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور ایسے سیمینارز کرائے جائیں جس سے صوبے میں انتہا پسندی کا خاتمہ ممکن ہوسکے۔ اس مقصد کے لیے اگر کوئی مدرسہ فرقہ وارانہ منافرت کا باعث بنتا ہے تو اس کے منتظم کے خلاف بھی کارروائی کی جائے۔ اس کے ساتھ دینی مدارس کی مرحلہ وار انسپکشن کو یقینی بنایا جائے اور ہر وزٹ کی رپورٹ تیار کی جائے اور ان مدارس میں پڑھنے والے بچوں کو ذہنی اور جسمانی صحت کا خیال رکھتے ہوئے انہیں بنیادی سہولیات دی جائیں۔ اس کے ساتھ دیگر صوبے پنجاب حکومت کی طرز پر دانش اسکول سسٹم کو متعارف کروائیں، تاکہ کوالٹی ایجوکیشن کا حصول ممکن ہوسکے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق اگرچہ ایکشن پلان پر مکمل طور پر عمل درآمد نہیں ہوسکا، لیکن جتنا بھی عمل ہوا ہے، اس سے ملک میں کافی حد تک دہشتگردی کے واقعات میں کمی آئی ہے۔ اگر نیشنل ایکشن پلان پر مکمل طور پر عمل ہو تو بہت جلد ملک سے دہشتگردی کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

مسلمان ملک میں حکومتی انتہاپسندی

اس وقت انتہاپسندی کا عفریت مسلم دنیا کو بری طرح اپنی لپیٹ میں جکڑے ہوئے ہے۔ انتہاپسندی کی انتہا دہشتگردی اور خونریزی ہے۔ انتہاپسندی عدم برداشت کی کوکھ سے جنم لیتی ہے اور عدم برداشت کا سبب محرومی بنتی ہے۔ بہت سے مسلم دشمن عناصر مسلم معاشروں کو محرومیوں سے دوچار کرکے انتہاپسندی کو فروغ دینا چاہتے ہیں، تاکہ مسلم ممالک کے لوگ آپس میں ہی دست و گریباں رہیں اور بدامنی کا شکار ہو کر ترقی نہ کر پائیں۔

اگرچہ انتہاپسندی صرف مذہب کے ساتھ خاص نہیں ہے، لیکن مذہبی انتہاپسندی نمایاں اور زیادہ نقصان دہ ضرور ہے، اسی لیے مسلم معاشروں میں مذہبی انتہاپسندی کو فروغ دینے کی زیادہ کوششیں کی جارہی ہیں۔

اس کی تازہ مثال 99 فیصد مسلمان آبادی والا وسطی ایشیا کا اہم مسلمان ملک تاجکستان ہے، جہاں حکومت نے داڑھی، حج اور خواتین کے حجاب کے خلاف اعلانیہ اور غیر اعلانیہ جنگ برپا کر رکھی ہے۔ عرب ذرائع کے مطابق ایک سال کے عرصے میں لگ بھگ 13 ہزار افراد کی داڑھیاں مونڈھ دی گئی ہیں۔ 1700 خواتین اور لڑکیوں کو بے حجاب کیا گیا ہے، جب کہ 160 ایسی دکانیں بند کی گئی ہیں، جہاں

مسلمانوں کے روایتی ملبوسات فروخت ہوتے تھے۔ اس سے پہلے بچوں کے عربی نام رکھنے پر بھی پابندی عاید کی جا چکی ہے۔ تاجکستان حکومت نے ہر شہری کا بنیادی حق مذہبی آزادی کو سلب کرکے زبردستی مردوں کی داڑھیاں مونڈی ہیں اور عورتوں کے حجاب نوچے ہیں، جس کے رد عمل میں ملک میں انتہا پسندی کا بڑھنا ایک فطری امر ہے، کیونکہ جب کسی کو بلاوجہ دبایا جاتا ہے تو رد عمل میں تشدد بڑھتا ہے۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ انسانی دماغ میں قدرتی طور پر ایک نظام موجود ہوتا ہے جو اپنی انا کا دفاع کرتا ہے اور انا کی پامالی کی صورت میں انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

تاجک حکومت کا شکوہ ہے کہ ملک میں اس لیے مذہبی پابندی عاید کی گئی ہے، کیونکہ اگر مسلمانوں کو مذہبی عبادات پر عمل کرنے کی آزادی دی جائے تو انتہا پسندی میں اضافہ ہو گا۔ تاجکستان حکومت کو یہ سمجھنا چاہیے کہ انتہا پسندی مذہب پر عمل کرنے سے نہیں بڑھتی، بلکہ مذہب پر پابندی لگانے سے بڑھتی ہے۔ اگر مذہبی عقیدوں کو دبایا جائے تو بغاوتیں جنم لیتی ہیں۔ مذہب ہی ایک ایسی وابستگی ہے جس پر کوئی بھی انسان سمجھوتا نہیں کر سکتا۔ مذہب کے لیے لوگ اپنا تن من دھن قربان کر دیتے ہیں، جس کے مظاہر ہم آئے روز دیکھتے رہتے ہیں۔ اس حقیقت کو جاننے کے باوجود بھی مذہبی روایات پر پابندی عاید کر دینے سے ثابت ہوتا ہے کہ تاجکستان حکومت "انتہا پسندی" کے خاتمے کے

لیے انتہا پسندانہ اقدامات کرکے خود انتہا پسندی کو فروغ دے رہی ہے، جس کا نقصان ملک کو ہوگا، جب کہ تاجکستان حکومت کی جانب سے اسلامی تعلیمات پر عمل کو انتہا پسندی کی وجہ قرار دینا غلط فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ اسلام دین اور دنیا میں متوازن زندگی گزارنے کا پیغامبر ہے۔ اسلام امن کا پیغام دیتا ہے۔

اس مذہب میں ایک انسان سے لے کر جانور تک کے حقوق بہت واضح بیان کیے گئے ہیں۔ اس قسم کی صفات کا حامل مذہب بھلا کس طرح انتہا پسندی کو فروغ دے سکتا ہے؟ اسلام تو بلاوجہ پانی بہانے کی اجازت نہیں دیتا، کسی کا خون بہانے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے؟ تاجکستان حکومت کا اسلامی تعلیمات پر انتہا پسندی کا الزام لگانا سراسر غلط ہے۔ تاجکستان حکومت کی جانب سے اسلامی تعلیمات کے خلاف کھولے گئے محاذ کے ضمن میں تجزیہ کاروں نے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ تاجکستان حکومت کی جانب سے شعائر اسلام کے خلاف جارحانہ رویہ روا رکھے جانے سے ملک کے اسلام پسندوں کی ایک بڑی تعداد بالآخر سانی عسکریت پسندوں کے ساتھ مسلح جدوجہد میں شریک ہو سکتی ہے، کیونکہ دنیا بھر میں جہادی عناصر روز اول سے اسلام پسندوں کو یہ کہہ کر برانگیختہ کرتے آئے ہیں کہ طاقت حاصل کیے بغیر اسلام پسندوں کو دنیا میں کوئی ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کر سکتا، اس کے لیے اسلحہ اٹھانا چاہیے، لیکن عالم اسلام کی پرامن اکثریت مسلح جدوجہد سے دامن بچاتی رہی ہے، کیونکہ ان کا موقف ہے کہ جب پرامن راستہ موجود ہے تو مسلح

جدوجہد اور تشدد کا راستہ کیوں اختیار کریں؟ لیکن تاجکستان حکومت نے لوگوں کی مذہبی آزادی سلب کرکے عسکریت پسندوں کو اپنی بات درست ثابت کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔

تاجکستان حکومت کے جارحانہ رویے کی وجہ سے وہاں کے پرامن لوگ بھی عسکریت پسندوں کے بہکاوے میں آکر عسکریت پسندی کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔ اگر تاجکستان ایسے پرامن ملک میں بھی لوگ پرامن راستہ چھوڑ کر عسکریت پسندی کی جانب مائل ہوجاتے ہیں تو یہ انتہائی خسارے کی بات ہے، کیونکہ پہلے ہی تقریباً تمام اسلامی ممالک کو مسلح جدوجہد کا سامنا ہے اور ان کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ اگر ان میں مزید اضافہ ہوجائے تو کس قدر بڑی قیامت برپا کریں گے۔ اب تاجکستان حکومت اپنے ملک میں اسلام پسندوں کی مذہبی آزادی چھین کر گویا تاجکستان کے اسلام پسندوں کو جہادیوں کے حوالے کرنا چاہتی ہے، اب وہ اسلام پسندوں سے کوئی بھی قدم اٹھوا سکتے ہیں۔ پوری دنیا سے پہلے داعش اور القاعدہ کا مقابلہ کرنا مشکل ہے اور اگر تاجکستان حکومت کے اقدامات کی وجہ سے ملک میں بھی کوئی نئی داعش جنم لے لیتی ہے تو اس کا ذمے دار کون ہوگا؟ اس قسم کے ظالمانہ اقدامات کی وجہ سے تاجکستان حکومت پر نہ صرف تنقید ہونی چاہیے، بلکہ اس پر دباؤ بڑھایا جانا چاہیے کہ وہ مذہب کے معاملے میں ایسی زور زبردستی نہ کرے، کیونکہ اس سے انتہائی پسندی میں اضافہ ہوگا اور

اس کے اثرات دیگر ممالک پر بھی پڑیں گے۔ مسلم ممالک میں پہلے سے ہی انتہاپسندی بہت زیادہ ہے، ان غیر منصفانہ وظالمانہ اقدامات سے انتہاپسندی کو فروغ دینا کوئی دانشمندی نہیں ہے۔ تاجکستان ایک اسلامی ملک ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں مسلمانوں کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے انھیں ملک میں مکمل مذہبی آزادی حاصل ہو، لیکن افسوس مسلم ملک کے اندر ہی مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ انھیں آزادی سے اپنی عبادات ادا کرنے کا اختیار بھی نہیں ہے۔

یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ ایک طرف تو مسلمان ملکوں میں داڑھی کی دشمنی میں تمام تر قانونی اور اخلاقی تقاضوں کو پامال کیا جارہا ہے تو دوسری طرف غیر مسلموں کے ہاتھوں داڑھی کی افادیت ثابت ہورہی ہے۔ گزشتہ دنوں آنے والی ایک رپورٹ کے مطابق جدید سائنسی تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ داڑھی والوں کے چہرے پر بے ریش افراد کے مقابلے میں جراثیم کی مقدار بہت کم ہوتی ہے۔ اس سے پہلے سائنس متعدد تحقیقات میں یہ ثابت ہوچکا ہے کہ داڑھی مختلف قسم کے متعدد جلدی امراض کے لیے رکاوٹ ہے۔ 1994ء سے تاجکستان پر حاکم صدر امام علی رحمٰن جو مذہب کو خارجی شے قرار دیتے ہیں، مذہب، اعتقادات، عبادات اور مذہب پر مبنی رسومات کی حوصلہ شکنی اور لامذہبیت کے فروغ کے لیے سرگرم اور ملک میں لادینیت کے فروغ اور عوام کے ان عقائد، رسوم و رواج کی حوصلہ شکنی کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔

گزشتہ ستمبر میں تاجکستان کی سپریم کورٹ نے ملک کی واحد رجسٹرڈ اسلام پسند جماعت اسلامی نشاۃ ثانیہ پارٹی تاجکستان" پر پابندی عاید کی تھی۔ یہ ملک دہائیوں تک سوویت" یونین کے قبضے میں رہا ہے، لیکن "اب اتنے مانوس صیاد سے ہوگئے، اب رہائی ملے گی تو مر جائیں گے" والا معاملہ لگتا ہے، اسی لیے آزاد ہونے کے باوجود ابھی تک آزاد نہیں ہوا اور اپنے مسلمان باشندوں پر روز نت نئی مذہبی پابندیاں عاید کی جارہی ہیں۔

تعلیمی اداروں کی بندش.... ملک میں غیر یقینی صورتحال

پنجاب اور ملک بھر کے آرمی پبلک اسکول، نیوی، فیڈرل گیریژن اور وفاقی تعلیمی ادارے 31 جنوری تک بند رکھنے کے فیصلے کے بعد سیکورٹی خدشات کے پیش نظر مزید تعلیمی اداروں کی بندش کا سلسلہ جاری ہے۔ سیکورٹی خدشات کے باعث انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور کالج فار وومن یونیورسٹی اور زکریا یونیورسٹی کا لاہور کیمپس 31 جنوری تک بند رہے گا۔ گزشتہ روز لاہور کی 3 یونیورسٹیاں اور ملتان میں 7 تعلیمی اداروں کو بند کردے اگیا ہے۔ قصور میں بھی ایک یونیورسٹی اور 2 کالجوں سمیت 13 تعلیمی اداروں کو سیل کردیا۔ نئے سیکورٹی پلان کے تحت لاہور میں 12 سرکاری اسکولوں، 131 بوائز، 19 خواتین کالجوں اور 19 یونیورسٹیوں کو اے پلس کیٹیگری میں رکھا گیا ہے۔ ناقص سیکورٹی انتظامات پر بہاولپور میں اسلامیہ یونیورسٹی کے شعبہ فارمیسی اور 4 تعلیمی ادارے، ڈسکہ میں 5، ساہیوال میں 11، لیہ میں 3 اور سرگودھا میں 15 تعلیمی اداے بند کردیے گئے ہیں۔ خیبر پختونخوا کے شہر چارسدہ میں شدت پسندوں کے حملوں کے بعد وزارتِ داخلہ کی جانب سے اسلام آباد، چاروں صوبوں، گلگت بلتستان اور پاکستان کے زیرِ انتظام کشمیر کے اعلی حکام کو سرکاری اور نجی اسکولوں کے ارد گرد حفاظتی اقدامات مزید سخت کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ پنجاب کے اسکولوں اور ملک بھر کے فوج کے

زیر انتظام تعلیمی اداروں میں حالیہ چھٹیوں کی وجہ حکام کی جانب سے سردی کی شدت بتائی جا رہی ہے، حالانکہ پنجاب میں دھند اور شدید سردی کا سلسلہ کئی روز سے جاری تھا، تاہم تعلیمی ادارے بند کرنے کا حکم خیبر پختونخوا کے شہر چارسدہ کی باچا خان یونیورسٹی پر حملے کے پانچ دن بعد ہی جاری کیا گیا۔

سیکورٹی خدشات کی بنا پر اسکولوں کو بند کرنے کے فیصلے پر وزیر داخلہ چودھری نثار نالاں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اسکولوں کی بندش پر انھیں شدید اختلاف ہے۔ خوف و ہراس پھیلانے سے دشمن کو فائدہ ہوگا۔ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان میں ہر ایک اسکول کی سیکورٹی ایک مشکل کام ہے، لیکن تعلیمی اداروں کو سیکورٹی فراہم کی جانی چاہیے۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ کمیونیکیشنل ایڈمنسٹریشن اینڈ ڈیولپمنٹ ڈویژن کے وزیر طارق فضل چودھری نے اسکولوں کی بندش کا معاملہ ان کے سامنے اٹھایا تھا، لیکن میں نے کہا تھا کہ اسکولوں کو بند نہیں کیا جانا چاہیے۔ اگر ہم اپنے تعلیمی ادارے، ہسپتال، سڑکیں اور دیگر مقامات بند کرکے خود کو گھر میں قید کرلیں گے تو ہم وہی کریں گے جو دراصل دشمن چاہتا ہے۔ ملک کی متعدد سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے وزیر داخلہ کے بیان کو قابل ستائش قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اسکولوں کی بندش کا حکومتی فیصلہ غلط ہے۔ تعلیمی اداروں کو سیکورٹی فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، لیکن حکومت تعلیمی اداروں کو بند کرکے اپنی جان چھڑانا چاہتی ہے۔ صوبائی وزیر قانون

رانا ثناءاللہ خان کہتے ہیں کہ تعلیمی اداروں کو بند کرنے کے اقدام کو غلط قرار دینے کا وفاقی وزیر داخلہ کا موقف ٹھیک ہوگا، لیکن ہمارا جو موقف ہے وہ بھی غلط نہیں۔ سیکورٹی خدشات پہلے بھی نہیں تھے اور تعلیمی ادارے کھلنے کے بعد بھی نہیں ہوں گے، سیکورٹی الرٹ اور خدشات کے باعث تعلیمی ادارے بند کیے گئے نہ مستقبل میں کبھی ایسا ہوگا۔ حکومت نے تعلیمی اداروں کو فول پروف پروف سیکورٹی کے لیے اقدامات کیے ہیں۔ ذرائع کے مطابق حساس اداروں کو باقاعدہ نشاندہی کے ساتھ سیکورٹی الرٹ موصول ہوا تھا۔ ذرایع کے مطابق پاکستانی حساس اداروں کی جانب سے ایک سیکورٹی الرٹ جاری کیا گیا ہے جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ افغانستان سے 13 خودکش بمبار پاکستان میں داخل ہوچکے ہیں اور دہشت گرد سول و فوجی تنصیبات اور تعلیمی اداروں کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔ وزیراعظم نواز شریف کی ہدایت پر تمام اسکولوں، کالجز اور یونیورسٹیز کی سیکورٹی کے حوالے سے جامع حکمت عملی تیار کی جارہی ہے۔ ذرائع کے مطابق حکومت نے پنجاب اور وفاق کے تعلیمی اداروں کی فول پروف سیکورٹی کے حوالے سے 31 جنوری سے قبل جامع حکمت عملی تیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جس میں وزیراعظم نواز شریف کی طرف سے ہدایت جاری کی گئی ہے کہ 31 جنوری سے قبل سیکورٹی کا ایسا مربوط سسٹم تیار کیا جائے، تاکہ جس سے ملک کے تعلیمی ادارے دوبارہ سیکورٹی کی وجہ سے بند نہ ہو۔ متعلقہ محکمے دہشت

گردوں کے مذموم عزائم کو ناکام بنانے کے لیے موثر انتظامات کیے جائیں۔ سیکورٹی خدشات کے باعث وفاقی سرکاری تعلیمی اداروں کو دو سے تین اسلحہ لائسنس دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ وفاقی سرکاری تعلیمی اداروں کی سیکورٹی کے لیے جاری کیے گئے نئے ہدایت نامے کے مطابق ہر ادارے کو 2 سے 3 اسلحہ لائسنس دیے جائیں گے۔ ڈائریکٹر جنرل وفاقی نظامت تعلیمات معین الدین وانی نے تمام اداروں کو مراسلہ جاری کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اسلحہ لائسنس کے لیے اداروں کے سربراہان درخواست کمشنر اسلام آباد کو بھجوائیں، اداروں کی چاردیواری کو جلد سے جلد اونچا کیا جائے اور ان پر خاردار تاریں لگائی جائیں۔ وفاقی نظامت تعلیمات کی جانب سے جاری مراسلے میں سی سی ٹی وی کیمروں کی تنصیب، گاڑیوں کے معائنہ کے لیے خصوصی شیشے خریدنے اور ایمرجنسی راستے بنانے کے احکامات بھی جاری کیے گئے ہیں، جب کہ اسکولوں کی عمارتوں پر نگرانی کے لیے چیک پوسٹیں قائم کرنے اور تربیت یافتہ گارڈ رکھنے کی بھی ہدایات بھی جاری کی گئی ہیں۔ اداروں کی حفاظت کے لیے نجی سیکورٹی ایجنسیز کی خدمات لینے کا بھی فیصلہ کیا گیا ہے۔

جامعہ کراچی کے وائس چانسلر ڈاکٹر محمد قیصر نے دہشت گردی کے خطرے کے پیش نظر سیکورٹی کے سخت اقدامات کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جس کے تحت کراچی یونیورسٹی کی چار دیواری اونچی کی جائے گی اور اس پر خار دار تاریں لگائی

جائیں گی۔ جامعہ کراچی کے داخلہ راستوں پر کیمرے لگائے جائیں گے اور پیٹرولنگ کا نظام وضع کیا جائے گا، جبکہ ریٹائرڈ فوجی اہلکار بھی بھرتی کیے جائیں گے۔ وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ نے تعلیمی اداروں کی سیکورٹی کے لیے ریپڈ ریسپانس فورس کو متحرک کرنے کی ہدایت کی۔ ان کا کہنا تھا کہ رینجرز اور پولیس مشترکہ طور پر اداروں کی سرویلنس کریں۔ اسکولوں میں واچ ٹاور بنائے جائیں گے اور کلوز سرکٹ کیمرے لگائے جائیں گے جو کمانڈ اینڈ کنٹرول سینٹر سے منسلک ہوں گے۔ اسکولوں سے متصل علاقوں میں پولیس موبائل اور موٹر سائیکلوں پر پیٹرولنگ کی جائے گی۔ جبکہ سندھ اسمبلی میں قائد حزب اختلاف خواجہ اظہار الحسن نے کہا ہے کہ حکومت سندھ نے تعلیمی اداروں کی سیکورٹی کے لیے اقدامات نہیں کیے ہیں۔ اسکولوں کی سیکورٹی انتہائی خستہ حال ہے۔ وزیر اعلیٰ سندھ اپنی سربراہی میں تعلیمی سیکورٹی پالیسی پر ایوان کو اعتماد میں لیں۔ سندھ میں کسی ایک اسکول کی بھی باؤنڈری وال نہیں بنائی گئی ہے۔

تجزیہ کاروں کا کہنا تھا کہ دہشتگردی سے نمٹنے کے لیے تعلیمی ادارے بند کر دینا غلط اقدام ہے، افغانستان جیسے دہشتگردی کے شکار ملک میں بھی کبھی اسکول اور موبائل فون سروس بند نہیں کی گئی، دہشتگردی کے خاتمے کے لیے اسکول بند کرنے کی بجائے پورے ملک کو محفوظ بنانے کی تدبیر کرنا ہوگی۔

تعلیمی اداروں کی بندش سے ملک بھر میں غیر یقینی کی کیفیت بڑھ رہی ہے۔ وفاقی اور صوبائی حکومت کی طرف سے عوام کو اعتماد میں نہ لینے کی وجہ سے عدم تحفظ کا احساس جنم لے رہا ہے اور قیاس آرائیاں پھیل رہی ہیں۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ والدین کو اعتماد میں لے کہ اگر ان کے بچے اسکول، کالج یا یونیورسٹی جا رہے ہیں تو انہیں کسی قسم کا خطرہ تو نہیں ہے۔ سرکاری تعلیمی اداروں میں سیکورٹی کی ذمہ دار خود حکومت ہے۔ پرائیویٹ اداروں کو بھی سیکورٹی فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت نجی تعلیمی اداروں سے بھاری ٹیکس لیتی ہے۔ اگر انہوں نے سیکورٹی پر بھاری اخراجات کرنے ہیں تو ان سے ٹیکس کی مد میں کوئی رقم نہ لی جائے۔ سیکورٹی وجوہات پر تعلیمی ادارے بند کرنا یا چھٹیاں کرنا کوئی حل نہیں ہے۔ انٹیلی جنس پر توجہ مرکوز کی جائے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا تھا کہ حکومت کو آرمی پبلک اسکول پر حملے کے بعد بھی ہوش نہیں آیا، سندھ میں تعلیمی اداروں کا سیکورٹی پلان دہشتگردی کے تمام تر خدشات اور خطرات کے باوجود فائلوں کی نذر ہوگیا ہے، محکمہ تعلیم گیارہ مہینے پہلے صوبے بھر کے تعلیمی اداروں کا سیکورٹی پلان تیار کرکے محکمہ پلاننگ اینڈ ڈیولپمنٹ کو بھجوا چکا ہے لیکن اس پر ابھی تک عملدرآمد نہیں ہوا ہے۔ ذرایع کے مطابق سانحہ آرمی پبلک اسکول پشاور کو ایک سال سے زاید عرصہ گزرنے کے باوجود تاحال ایک بھی سیکورٹی گارڈ بھرتی نہیں کیا جا سکا، سانحہ آرمی پبلک اسکول کے بعد پنجاب حکومت نے سرکاری اسکولوں میں 30 ہزار

ریٹائرڈ فوجی بطور سیکورٹی گارڈز بھرتی کرنے کی منظوری دی تھی۔ محکمہ اسکول ایجوکیشن نے اس حوالے سے پنجاب کے تمام ای ڈی اوز کو احکامات جاری کیے جس کے بعد اضلاع کی سطح پر اشتہارات بھی دیے گئے۔ تاہم بھرتی کا عمل اس سے آگے نہ بڑھ سکا، جبکہ اسکولوں کی سیکورٹی صورتحال ابھی تک غیر تسلی بخش ہے اور محکمہ تعلیم کے افسران محض ایک دوسرے پر ذمہ داری ڈالنے تک محدود ہیں۔ جبکہ اسکولوں کی سیکورٹی کی حالت انتہائی تشویش ناک ہے۔ آرمی پبلک اسکول اور چارسدہ کی یونیورسٹی میں دہشت گردی کے بعد بھی وفاقی تعلیمی اداروں کی حفاظت کے ذمہ داروں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی، اسلام آباد کے سرکاری اسکولوں کی سیکورٹی صورتحال نہایت مخدوش نظر آ رہی ہے۔ حکومت کے تمام اعلانات اور بڑے بڑے دعوے ہوا ہو گئے۔ وفاقی تعلیمی اداروں کی بیرونی دیواریں ٹوٹی پھوٹی ہیں، کہیں تو سرے سے بنی ہی نہیں ہیں، کچھ اسکولوں میں تو دیوار کی جگہ جنگلے ہیں۔ کہیں دیواروں میں راستے بنے ہیں۔ اس حالت زار سے طلباء ہی نہیں، اساتذہ بھی خوفزدہ ہیں۔ بہت سے اسکولوں کی دیواریں اتنی چھوٹی ہیں کہ بچے بھی آسانی سے پھلانگ سکتے ہیں۔ اس کے باوجود وفاقی نظامت تعلیمات کے سربراہ سب اچھا ہے کا راگ الاپ رہے ہیں۔ تعلیمی اداروں کے گیٹ بھی انتہائی خستہ حال ہیں اور ان پر گارڈز بھی تعینات نہیں۔ پاکستان دنیا میں واحد ملک ہے جہاں پر ریاست تعلیمی اداروں کو صرف اس لیے بند کر دیتی ہے کہ فول پروف سیکورٹی کو یقینی بنانا اداروں کے بس کی بات نہیں ہے۔

دینی مدارس کے طلبہ کا ساتھ دیں

ایک مثالی اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے دینی مدارس کا مستحکم و منظم ہونا انتہائی ضروری ہے۔ دینی مدارس اور علمائے کرام نے جس معاشرے میں بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کیں، وہ معاشرہ ہمیشہ دینی اقدار کا علمبردار رہا ہے۔ علمائے کرام، دینی مدارس اور اسلامی مراکز کی سب سے بڑی ذمہ داری اسلامی نظریات کی حفاظت کے ساتھ ساتھ موثر اور منظم طریقے سے دینی احکام کی نشرواشاعت اور اسلام کے خلاف کھلنے والے ہر محاذ کا مقابلہ کرکے دین برحق کو قرآن و سنت کے سرچشمہ سے لے کر زمانے کے فہم میں ڈھال کر عصر حاضر کی زبان میں آگے منتقل کرنا بھی ہے۔ عصر حاضر میں تمام چیلنجز کے مقابلے کے لیے دینی مدارس کے طلبہ کو باقاعدہ تیار کرنا منتظمین کی ذمہ داری ہے۔ وارثان نبوت کا مطالعہ و تحقیق کے ذریعے معترضین کے لیے مسکت جواب تیار کرنا اور عمدہ بیان و تقریر اور بہترین انداز تحریر پر عبور حاصل کرنا ضروری ہے۔ طلبہ کی ذمہ داری جلسوں میں نعرے بازی کرنا نہیں، بلکہ عصر حاضر میں امت مسلمہ کو درپیش چیلنجز کا مقابلہ کرنا اور معاندین کو انہیں کی زبان میں موثر انداز میں جواب دینا ہے۔

آج دین اسلام کے خلاف بہت ہی منظم انداز میں علمی و فکری سطح پر جدوجہد کی

جارہی ہے۔ الحاد، استشراق، سیکولرازم، لبرل ازم اور نجانے کون کون سے عنوانات سے سادہ لوح مسلمانوں کو تشکیک میں مبتلا کرکے راہ راست سے ہٹانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ دشمنان اسلام اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے بھرپور محنت کے ساتھ نہ صرف کوشاں ہیں، بلکہ کامیابیاں بھی سمیٹ رہے ہیں۔ معاشرے میں مستشرقین، ملحدین، مغرب کی فکری و تہذیبی یلغار اور دیگر مخالفین اسلام کی کامیابیوں کو دینی مراکز کی اپنی ذمہ داریوں سے بے توجہی کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ مخالفین اسلام اہل اسلام کو اسلام سے بدظن کرنے کے لیے جس محنت اور جستجو سے کام کررہے ہیں، دینی مدارس کو اس سے کہیں زیادہ تحقیق و جستجو اور محنت کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ آج دیگر مسالک کے رد سے کہیں زیادہ محنت الحاد، استشراق، سیکولرازم، لبرل ازم، مغرب کی فکری و تہذیبی یلغار سمیت بہت سے جدید فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے درکار ہے۔ مستشرقین نے اسلام، قرآن، حدیث، سیرت، تفسیر، فقہ اور اسلامی علوم پر اعتراضات کرنے کے لیے اپنی پوری زندگیاں وقف کردی ہیں۔ اسلامی علوم میں خامیاں ڈھونڈنے کے لیے اسلامی علوم کو اتنا زیادہ پڑھا کہ ہمارے ہی متعدد علوم پر ہم میں سے بہت سوں سے زیادہ عبور حاصل کرلیا ہے، بلکہ اسلام دشمنی میں انہوں نے اس قدر تحقیق کی کہ بہت مرتبہ ان کی کی ہوئی تحقیق خود ہمارے لیے مفید ثابت ہوتی ہے۔ ملحدین دین متین اسلام پر ایسے ایسے اعتراضات کرتے

ہیں کہ مدارس کے طلبہ ان کے جوابات دینے سے قاصر ہوتے ہیں، کیونکہ انہیں اس ضمن میں تیار ہی نہیں کیا گیا ہوتا ہے۔ ان حالات میں اگر امت کے رہنمایان وقت کی نزاکت کا احساس نہیں کرتے تو بعید نہیں کہ معاشرہ ان کے ہاتھوں سے نکل جائے۔

اگرچہ دینی مدارس گوناگوں مشکلات ومسائل کا شکار ہیں، وسائل کی کمی ہے، لیکن یہ بھی تو حقیقت ہے کہ ہمارے اسلاف نے بھی وسائل کی کمی کے باوجود ہی حیران کن حد تک علمی و تحقیقی ذخیرے چھوڑے ہیں، اس دور میں ہمارے پاس کم از کم ان سے تو زیادہ ہی وسائل ہیں۔

اسلام کے خلاف کھلنے والے جدید فکری محاذوں کے خلاف ملک میں اجتماعی سطح پر کوئی بڑا تحقیقی کام نہیں ہو رہا، جہاں دینی مدارس کے باصلاحیت طلبہ کو اپنی خدمات پیش کرنے کا موقع مل سکے اور رہنمائی اور حوصلہ افزائی سے وہ کچھ منفرد پیش کر سکیں۔ اگر کوئی فاضل یا طالب علم اپنی ذاتی دلچسپی اور کاوش کی بنا پر کوئی تحقیقی سامنے لے کر آتا ہے تو اس کی اس قدر حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی، جس کا وہ مستحق ہوتا ہے، حالانکہ حوصلہ افزائی ضروری ہے۔ دینی مدارس میں طلبہ کو امت مسلمہ کو درپیش چیلنجز کے مقابلے کے لیے تیار کرنا، ان کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کرنا انتہائی ضروری ہے۔ طلبہ کو تحقیق کے لیے عصر حاضر میں امت مسلمہ اور ہمارے معاشرے کو درپیش مسائل سے متعلق مختلف موضوعات دے کر اساتذہ کی نگرانی میں مطالعہ کروایا جائے اور ان

موضوعات پر مقالاجات لکھوائے جائیں۔ مدارس کی سطح پر ملک میں ایک ایسا ادارہ قائم ہونا چاہیے، ملک کے تمام شہروں میں جس کی ذیلی شاخیں ہوں۔ دینی مدارس کے طلبہ کی حوصلہ افزائی کرنا، اگر ضرورت ہو تو معاشی معاونت کرنا اور اسلام پر جدید اعتراضات کے جوابات سے لیس کرکے قوم کے سامنے لانا جس کی ذمہ داری ہو۔ مدارس میں لکھے گئے مقالاجات میں سے اگر کوئی تحقیقی کام اچھا کیا ہوا اور وہ قوم وملت کا لیے نفع بخش ہوسکتا ہے تو اسے شائع کروانے کی بھی کوئی ترتیب بنائی جائے۔ یہ ادارے وقتاً فوقتاً ہر شہر کی سطح پر مختلف پروگرامات کا انعقاد کریں، جن میں طلبہ کا تحقیقی کام منظر عام پر لایا جائے اور اس پروگرام میں شریک طلبہ کو انعامات سے نوازا جائے۔ اس سے یقینا تمام طلبہ میں تحقیقی کام کا ذوق پروان چڑھے گا۔ اہل یورپ نے اپنے طلبہ میں تحقیقی ذوق کو پروان چڑھایا اور اپنے طلبہ کی حوصلہ افزائی کی جس سے تاریک ماضی رکھنے والے یورپین آج پوری دنیا پر حکمرانی کررہے ہیں، جبکہ ہم تحقیقی اور علمی ذوق کو خیرباد کہہ کر پستی کی گہرائیوں میں جاگرے۔ اگر دینی مدارس کے طلبہ کا ساتھ دیا جائے اور ان کے ساتھ تعاون کیا جائے تو یقینا وہ اپنی تمام ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے عصر حاضر کی توقعات پر پورا اتریں گے۔

حکومت اور پی آئی اے ملازمین میں ٹھن گئی

پاکستان کی قومی فضائی کمپنی "پی آئی اے" کے ملازمین اور حکومت کے درمیان نج کاری کے معاملے پر صورتحال مزید بگڑ گئی ہے۔ پائلٹوں کی تنظیم "پالپا" اور ملازمین یونینیں ایک ہفتے سے سراپا احتجاج ہیں اور مختلف شہروں میں پی آئی اے کے دفاتر پر کام بند ہے۔ پی آئی اے ملازمین نے مطالبات منظور نہ ہونے پر منگل کے روز ملک بھر میں پروازیں بند کرنے کا الٹی میٹم دیا تھا، جسے روکنے کے لیے حکومت نے لازمی سروسز ایکٹ نافذ کیا، جس کے تحت تمام یونینز غیر موثر ہو گئی ہیں۔ پی آئی اے کے ترجمان دانیال گیلانی کا کہنا تھا کہ ہڑتال سے قومی فضائی کمپنی کو 75 کروڑ روپے کا نقصان ہو چکا ہے اور اگر یہ صورتحال ایسے ہی رہی تو ادارے کے لیے ملازمین کو تنخواہیں دینا مشکل ہو جائے گا۔ ان کا کہنا تھا کہ ملازمین اپنے ادارے کے مستقبل کا خیال رکھتے ہوئے فلائیٹ آپریشن بند کرنے سے گریز کریں۔ حکومت نے ڈیوٹی پر حاضر نہ ہونے والے پی آئی اے ملازمین کو معطل کرنے کے احکامات بھی جاری کیے تھے، لیکن پی آئی اے انتظامیہ کی حاضری یقینی بنانے کی ہدایت ملازمین نے کاغذی طیاروں کی طرح ہوا میں اڑا دی۔ کراچی، لاہور، فیصل آباد، کوئٹہ سمیت کئی شہروں میں ہڑتال جاری رہی۔ نجکاری کے فیصلے کے خلاف کہیں تالا بندی تو کہیں احتجاج ہوتا رہا، ملازمین کی بڑی تعداد

منگل کے روز بھی دفتر نہ آئی۔ کراچی ،لاہور، فیصل آباد، کوئٹہ سمیت کئی شہروں میں دفاتر کو تالے لگا دیے۔ حکومتی فیصلے کے باوجود پی آئی ملازمین نے منگل کے روز حکومت کے خلاف احتجاج جاری رکھا تو مظاہرین پر پولیس کی جانب سے مظاہرین پر تشدد کیا گیا، جس کے نتیجے میں دو افراد جاں بحق اور متعدد زخمی ہوگئے۔ ملک بھر کے سیاسی رہنماؤں نے پی آئی اے ملازمین پر حکومتی تشدد کی شدید مذمت کی ہے اور اسے آمرانہ اقدام قرار دیا ہے۔ پی آئی اے کے ملازمین کی جوائنٹ ایکشن کمیٹی کی جانب سے ملک بھر میں فلائٹ آپریشن معطل کرنے کے اعلان کے بعد حکومت نے قومی ادارے میں لازمی سروس ایکٹ نافذ کردیا تھا جس کے نتیجے میں ملک بھر کے ایئرپورٹس پر قومی ایئر لائن کا فلائٹ آپریشن بحال رہا۔ اسلام آباد سمیت کراچی، لاہور اور پشاور میں قانون نافذ کرنے والے اداروں نے کسی بھی ناخوشگوار صورتحال سے نمٹنے کے لیے انتظامات ایک رات قبل سے ہی سنبھال لیے تھے۔ صورت حال اس وقت خراب ہوئی جب کراچی میں پی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر کے سامنے ملازمین اپنے شعبے بند کرکے جمع ہونا شروع ہوئے۔ مذاکرات کی ناکامی کے بعد پولیس اور رینجرز نے پہلے ملازمین پر لاٹھی چارج اور آنسو گیس کی شیلنگ اور واٹر کینن کا استعمال کیا۔ مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے ربڑ کی گولیاں برسائیں اور ہوائی فائرنگ کی۔ کراچی ایئرپورٹ پر پیش آنے والے واقعے کے بعد ملک کے دیگر ہوائی اڈوں پر بھی فرائض سرانجام دینے والے ملازمین میں بھی غم و غصہ پایا گیا اور ملازمین نے

احتجاج شروع کر دیا۔احتجاج کرنے کی وجہ سے پی آئی اے ملازمین پر تشدد پر سیاسی رہنماؤں نے گہری تشویش کا اظہار اور اس واقعے کی مذمت کی ہے۔ سابق صدر آصف زرداری نے پی آئی اے ملازمین پر تشدد کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ حکومت ضد چھوڑ کر ملازمین کے مطالبات تسلیم کرے۔ انھوں نے واقعے کی عدالتی تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے اور اپنے رہنماؤں کو ہدایت کی ہے کہ اس واقعے کو پارلیمنٹ میں اٹھایا جائے، جبکہ پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو نے کہا ہے کہ وزیراعظم نواز شریف پی آئی اے ملازمین کا احتجاج روکنے کے لیے آمرانہ اقدام نہ کریں۔ بلاول بھٹو زرداری کا کہنا تھا کہ مزدور طبقے کا ساتھ دیتے رہیں گے۔ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے کہا ہے کہ اس طرح کی ظالم حکومت پہلے کبھی نہیں آئی۔ حکومت نے ساری حدیں پار کر دیں۔ ایم کیو ایم کے رہنما فیصل سبزواری کا کہنا تھا کہ پی آئی اے ملازمین کے تحفظات دور کیے جائیں۔ پی آئی اے کا خسارہ پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔ حکومت مظاہرین سے مذاکرات کرے۔

حکومت نے ہڑتال کرنے والے پی آئی اے ملازمین کے خلاف سخت کارروائی، جب کہ جو ملازمین ہڑتال میں شریک نہیں ہوئے انہیں مراعات دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ ایکشن کمیٹی کے رہنماؤں کی گرفتاری کے لیے فہرستیں بھی تیار کر لی گئی ہیں۔

لازمی سروسز ایکٹ کے نفاذ کو ملازمین نے مسترد کرتے

ہوئے ایکٹ کے خلاف سپریم کورٹ میں جانے کا اعلان کیا۔ حکومتی فیصلے کے بعد پی آئی اے جوائنٹ ایکشن کمیٹی کے سربراہ سہیل بلوچ کا کہنا تھا کہ ہمیں نہیں معلوم کہ اس فیصلے کے بعد کس قسم کی پابندیاں عاید کی جائیں گی، لیکن ہم اپنے پلان کے مطابق چلیں گے اور اگر اس کی وجہ سے ہم پر لاٹھی چارج یا ڈنڈے برسائے گئے تو اس کے لیے بھی ہم تیار ہیں۔ احتجاج ہمارا حق اور ہم پر امن رہیں گے، لیکن اگر حکومت مذاکرات کرنا چاہے تو اس کے لیے بھی ہم تیار ہیں۔ وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات پرویز رشید کا کہنا تھا کہ ہڑتال کرنے والے قومی ایئر لائن کو زیرو کرنا چاہتے ہیں۔ احتجاج کرنے والے چند لوگ پی آئی اے ملازمین کا روزگار اپنے ذاتی مفادات کے لیے داؤ پر لگا رہے ہیں۔ وزیر اطلاعات کا کہنا تھا کہ فرائض انجام دینے والے پی آئی اے کے ہیروز ہیں، جنہیں جلد خوشخبری ملے گی۔ ذرائع کے مطابق ایک طرف قومی ایئر لائن کی نجکاری کی جارہی ہے تو وہیں حکومت نے ادارے کو سدھارنے کے لیے جرمن شہری ہلڈرن برن کو پی آئی اے کا نیا چیف آپریٹنگ افسر مقرر کردیا، ترجمان پی آئی اے دانیال گیلانی نے بھی اس کی تصدیق کردی ہے۔ جرمن شہری ہلڈرن برن کو منافع بخش ادارہ بنانے کا ٹاسک دیا گیا ہے، جس کے لیے انہیں ماہانہ 50 لاکھ روپے تنخواہ دینے کے علاوہ پرکشش مراعات بھی دی جائیں گی۔

واضح رہے کہ قومی اسمبلی میں 21 جنوری کو 6 بل پیش ہوئے تھے، جن میں

پاکستان انٹر نیشنل ایئر لائن (پی آئی اے) کے حوالے سے بھی ایک بل شامل تھا، جس میں پی آئی اے کو پبلک لمیٹڈ کمپنی میں تبدیل کرنے کا بل بھی شامل تھا، اس بل کے تحت پاکستان انٹر نیشنل ایئر لائن کارپوریشن کو پاکستان انٹر نیشنل ایئر لائن کمپنی لمیٹڈ میں تبدیل کیا جائے گا۔ یہ بل سامنے آتے ہی ملک بھر میں پی آئی اے کے ملازمین کی تنظیموں نے احتجاج شروع کر دیا۔ پی آئی اے جوائنٹ ایکشن کمیٹی کے سربراہ کیپٹن سہیل بلوچ کا کہنا تھا کہ پاس کردہ ترمیمی بل کو فی الفور واپس لیا جائے، جبکہ کسی اسٹرٹیجک شراکت داری یا ایک فیصد شیئرز کی فروخت سمیت نجکاری کی کوئی شکل قبول نہیں کی جائے گی۔ قومی ایئر لائن کے ملازمین کو پی آئی اے کی بحالی کا موقع دیا جائے، اگر ملازمین ناکام ہو جائیں تو حکومت جو چاہے فیصلے کرلے۔ حکومت نے پی آئی اے کی نجکاری کی تجویز چھ ماہ کے لیے موخر کردی ہے اور جون میں نجکاری کی جائے گی، جبکہ ذرائع کے مطابق آئی ایم ایف نے پی آئی اے اور پاکستان اسٹیل مل کی نجکاری نہ کرنے پر تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ آئی ایم ایف سے معاہدے کے تحت حکومت کو اس سال کے جون تک پی آئی اے کی نجکاری کرنا ہے۔ سیاسی رہنماؤں نے پی آئی اے کی نجکاری کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر حکومت نے پی آئی اے کی نجکاری کی تو مزاحمت کریں گے۔ رہنماؤں کا کہنا تھا کہ حکومت قومی اداروں میں سدھار لانے کی بجائے ان کی نجکاری کر رہی ہے۔ حکومت ایسے اقدامات کرے، جس سے خسارا کم کیا جاسکے، نجکاری اس کا حل نہیں ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ پی آئی

اے ایک ایسا ادارہ ہے جس کی اصلاح باقی دوسرے تمام اداروں کی نسبت سب سے زیادہ آسانی سے ہو سکتی ہے۔ پی آئی اے کا ملک گیر اور بین الاقوامی نیٹ ورک پہلے سے موجود ہے، پیشہ وارانہ ماہر افرادی قوت بھی پہلے سے موجود ہے۔ پالیسی ڈائریکشن میں بہتری ہی پی آئی اے کے اصلاحی عمل کو تیزی سے آگے بڑھا سکتی ہے۔ پی آئی اے میں خسارے کی ایک بڑی وجہ حکومت کی پالیسیاں ہیں، پی آئی اے میں ضرورت سے زیادہ ملازمین ہیں، جن میں سے ایک بڑی تعداد کو سیاسی بنیادوں پر بھرتی کیا گیا ہے۔ ان میں سے اکثر اپنی ڈیوٹی پر حاضر نہیں ہوتے، لیکن ان کو بھاری بھر کم تنخواہیں دی جاتی ہیں، جو قومی ادارے کو خسارے کی جانب دھکیلنے کا سبب بنتی ہیں۔ پی آئی اے اور دیگر تمام اداروں کو خسارے سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ حکومت سیاسی بنیادوں پر بھرتیاں ختم کی جائیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اگر پی آئی اے کی بہتری نجکاری کرنے میں ہی ہے تو یہ اس فیصلے میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے، کیونکہ کئی ملکوں میں نجکاری کر کے بڑے بڑے اداروں کو مستحکم کیا جاتا ہے، لیکن اس کے لیے حکومت کا مخلص ہونا ضروی ہے اور یہ بھی ضروی ہے کہ حکومت پی آئی اے ملازمین اور قومی قیادت کو اعتماد میں لے کر فیصلہ کرے۔

یورپ میں اسلام کے پھیلاؤ کا خوف

بہت سے انسانوں پر کسی نہ کسی شے کا خوف حاوی ہوجاتا ہے، جب یہ خوف حد سے بڑھ جائے اور غیر منطقی ہو تو پھر یہ کیفیت "فوبیا" بن جاتی ہے۔ فوبیا ایک نفسیاتی بیماری ہے۔ اہل مغرب ایک عرصے سے اسلام کے حوالے سے اسی نفسیاتی خوف میں مبتلا ہیں، جس کو" فوبیا" کہا جاتا ہے۔ مغرب میں اسلاموفوبیا کا مطلب یہ ہے کہ مغربی دنیا کے لوگ اسلام کے شدید خوف میں مبتلا ہیں۔ خوف ہمیشہ اس چیز سے محسوس کیا جاتا ہے جو انتہائی طاقت ور ہو۔ انسان جنوں اور بھوتوں سے خوف زدہ ہوتا ہے، کیونکہ وہ انہیں اپنے آپ سے زیادہ قوی خیال کرتا ہے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ اسلام اور اہلِ مغرب کا بھی ہے۔ یورپ کے لوگ اسلام کو انتہائی طاقت ور، دل کش اور اثر انگیز محسوس کرتے ہیں، اسی لیے اسلام کے پھیلاؤ کے خوف میں مبتلا رہتے ہیں اور آئے روز مختلف طریقوں سے اپنے اسی خوف اور ڈر کا اظہار بھی کرتے رہتے ہیں۔ اسی خوف میں مبتلا ہو کر مغرب کی اسلامائزیشن کی مخالف تنظیم " جرمن گروپ پیجیڈا" کے تحت اسلام کے پھیلاؤ کے خلاف یورپ کے 14 ممالک میں 6فروری کو اسلام مخالف مظاہروں کا اعلان کیا گیا ہے۔ یورپ میں تیزی سے پھیلتے ہوئے اسلام کے خوف سے یورپ کی انتہا پسند تنظیموں کی جانب سے جمہوریہ چیک، ایسٹونیا، فن لینڈ، جرمنی، پولینڈ، سلوواکیا اور سوئٹزرلینڈ سمیت یورپ کے

ممالک میں ریلیاں نکالی جائیں گی۔ یورپ کی اسلام مخالف انتہا پسند تنظیموں کا کہنا 14 ہے کہ یورپ کی اسلامائزیشن کے خلاف جنگ ہمارا مشترکہ ہدف ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کی پراثر تعلیمات کی وجہ سے مسلمانوں کی تیزی سے بڑھتی ہوئی تعداد کے خوف سے اہل مغرب یکجا ہو کر ایک عرصے سے اسلام کے خلاف محاذ سنبھالے بیٹھے ہیں، لیکن ان کو ہمیشہ منہ کی کھانی پڑی ہے، کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی، بلکہ ہر بار اسلام کے خلاف ان کے پروپیگنڈے کا فائدہ مسلمانوں کو ہی ہوتا ہے، کیونکہ اہل مغرب اسلام کے خلاف جتنا پروپیگنڈا کرتے ہیں، اتنا ہی زیادہ اسلام موضوع بحث بنتا ہے۔ لوگ اسلام کی جانب متوجہ ہو کر اس کا مطالعہ کرتے ہیں اور اسلام سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ نائن الیون کے بعد ایسا ہی ہوا۔ اہل مغرب نے پوری قوت سے مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان ساری دنیا میں موضوع بحث بن گئے۔ اسلام امریکا و یورپ کے عوام کی توجہ و دل چسپی کا محور بن گیا۔ تاریخ میں پہلی بار بھاری تعداد میں قرآن کریم کے نسخے اور اسلامی کتب امریکی و یورپی مارکٹوں میں کثرت سے فروخت ہوئیں۔ یونیورسٹیوں میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق پی ایچ ڈی کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ یورپ و امریکا کے سیکڑوں اداروں نے اسلامک اسٹڈیز کے شعبے

قائم کیے، اسی مطالعہ و تحقیق کی بدولت اسلام سے متاثر ہو کر مغرب کے ذہین اور اعلیٰ دماغ اور مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی یورپ کی بڑی بڑی شخصیات نے اسلام کے دامن عافیت میں پناہ لے لی۔ اسلام کے خلاف یورپ کے پروپیگنڈے کا ہی نتیجہ ہے کہ وہاں سب سے زیادہ لفظ "محمد" اور "اسلام" کو سرچ کیا جاتا ہے۔ ایک تازہ رپوٹ کے مطابق عالمی شہرت یافتہ بلاگ پیپل کین چینج دی ورلڈ نے انکشاف کیا ہے کہ رمضان المبارک میں دنیا بھر میں استعمال ہونے والے سرچ انجن گوگل پر صارفین کی طرف سے سرچ کیے جانے والے الفاظ میں لفظ "محمد" کو سب سے زیادہ سرچ کیا گیا، جبکہ عالمی شہرت یافتہ سوشل میڈیا ایجنسی میڈیا ڈور کی ایک تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق عالمی مذاہب میں لفظ "اسلام" انٹرنیٹ پر سب سے زیادہ سرچ کیا گیا۔

یوں تو اسلام روز اول سے دنیا بھر میں ہدایت کی روشنی پھیلا رہا ہے اور یورپ میں بھی اپنی حقانیت کو منوا رہا ہے، لیکن یورپ میں اسلام دشمنوں نے اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرکے اسے کسی قدر مناسب آب و ہوا فراہم کی کہ اس کے پھلنے پھولنے کے ذرایع خود پیدا ہو گئے اور اسلام کے خلاف تمام کوششوں کے باوجود آج اسلام مغرب میں سب سے زیادہ مقبول اور تیزی سے پھیلنے والا مذہب بن گیا ہے۔ آفس آف دی نیشنل اسٹیٹسٹکس (اواین ایس) کی تازہ رپورٹ کے مطابق برطانیہ میں مسلمانوں کی آبادی 30 لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ برطانوی

دارالحکومت لندن کے بعض علاقوں کی آبادی نصف سے زائد مسلمانوں پر مشتمل ہے، اگلے 10 برس میں برطانیہ کے بعض علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی اوران کی آبادی تمام مذاہب کے افراد سے تجاوز کرجائے گی۔ گزشتہ ماہ آنے والی ایک رپورٹ کے مطابق آئندہ 20 سالوں میں اسلام یورپ کا سب سے بڑا مذہب ہوگا اور مساجد کی تعداد گرجا گھروں سے تجاوز کرجائے گی۔ یورپ میں 52 ملین مسلمان آباد ہیں، جن کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے اور یہ تعداد 104 ملین تک پہنچنے کا امکان ہے۔ ء تک یورپ کے کئی ممالک میں مسلمانوں کی آبادی میں کئی گنا اضافہ ہوجائے 2050 گا، جن میں اکثریت نوجوانوں کی ہوگی۔ 2020ء تک برطانیہ کا نمایاں مذہب اسلام ہوگا، جبکہ جرمنی میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی شرح کے پیش نظر جرمنی کی حکومت نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ 2050ء تک جرمنی مسلم اکثریت کا ملک بن جائے گا۔ امریکا میں بھی مسلمانوں کی تعداد ایک کروڑ سے تجاوز کرچکی ہے اور آئندہ 30 سالوں میں 5 کروڑ مسلمان امریکی ہوں گے۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا کہ کینیڈا میں بھی اسلام تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے، 2001ء سے 2006ء تک کینیڈا کی آبادی میں ملین افراد کا اضافہ ہوچکا ہے، جن میں سے 2.1 ملین مسلمان ہیں۔ 6.1

یورپ میں مسلمانوں کی تیزی سے بڑھتی ہوئی تعداد کے خوف میں مبتلا ہوکر اہل مغرب نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ثقافتی و تہذیبی جنگ جاری رکھی ہوئی ہے

اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے کا کوئی موقع ہاتھ نہیں جانے دیا جاتا، لیکن اس کے باوجود ہمیشہ کی طرح وہ نہ صرف اسلام کا راستہ روکنے میں ناکام رہیں گے، بلکہ ذلت و رسوائی ان کا مقدر بنے گی، کیونکہ آج تک جس نے بھی اسلام کا راستہ روکنے کی کوشش کی ہے، اس کے مقدر میں ذلت و رسوائی ہی آئی ہے۔ یورپ میں کبھی نعوذ باللہ قرآن مجید کے خلاف مہم چلائی جاتی ہے، کبھی مساجد کی تعمیر پر پابندی کا مطالبہ کیا جاتا ہے، کبھی پردہ اور داڑھی کے خلاف جلوس نکالے جاتے ہیں، کبھی یورپ میں رہنے والے مسلمانوں پر حملے کیے جاتے ہیں اور کبھی امریکا کا صدارتی امیدوار یورپ میں مسلمانوں کے داخلے پر پابندی کا مطالبہ کرتا ہے، لیکن اسلام دشمنوں کی تمام تر کوششوں، سازشوں اور پروپیگنڈوں کے باوجود آج تک اسلام کے تیز رفتار پھیلاؤ میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والے ہمیشہ ناکام ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اسلام کی حفاظت کی ہے۔ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے سال یمن کا عیسائی حاکم ابرہہ خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لیے فوج لے کر اس خیال سے آیا تھا کہ وہ خانہ کعبہ کو نعوذ باللہ نیست و نابود کر دے گا، لیکن اللہ نے ننھے ابابیلوں کے ذریعے اپنے گھر کی حفاظت کی۔ آج بھی اسلام دشمنوں کی تمام قوت اور کوششوں کے باوجود اسلام مغربی دنیا میں انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ پھیل رہا ہے۔

ترقی کا کامیاب اصول

نائن الیون سے جہاں امریکی حکومت کو ایک بڑا جھٹکا لگا، وہیں تمام امریکی ایئر لائنز کمپنیوں کو بھی شدید دھچکا لگا۔ لوگ اتنے سہم گئے کہ انتہائی مجبوری کے علاوہ بذریعہ ایئر لائن سفر کرنا چھوڑ دیا۔ ایئر لائنز کی بجائے روڈ ٹرانسپورٹ کو ترجیح دینے لگے۔ امریکا کی تمام ایئر لائنز کمپنیاں آہستہ آہستہ دم توڑنے لگیں۔ چند ہی دنوں میں تقریباً دیوالیہ ہوگئیں۔ اندریں حالات امریکا کے تھنک ٹینک سر جوڑ کر بیٹھے۔ طے پایا کہ اگر ایئر لائن کمپنیوں کو کریش ہونے سے بچانا ہے تو ان کے اخراجات کم کیے جائیں، فیصد ملازمین کو فوری نکال دیا جائے۔ تمام ملازمین کو پابند کیا جائے کہ وہ اپنی 40 ڈیوٹی سے بھی زیادہ وقت کمپنی کو دیں۔ ملازمین اس پالیسی سے سخت پریشان ہوگئے۔ ان حالات میں امریکا کی مشہور و معروف ساؤتھ ویسٹ ایئر لائنز کے چیف ایگزیکٹو آفیسر ہرب کیلر نے اپنی کمپنی ساؤتھ ویسٹ کو سنبھالا دینے کے لیے ایک انوکھا طریقہ اختیار کیا۔ کیلر نے فیصلہ کیا کمپنی کو ڈوبنے سے بچانا ہے۔ دوسری کمپنیوں کی طرح ملازمین کو نکالنا ہے نہ ہی ڈیوٹی سے زیادہ وقت لینا ہے۔ یہ کام صرف ملازمین کے تعاون سے ہی پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا ہے،

لہٰذا اس نے اپنے ماتحتوں کو محبت دینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ کسی بھی ملازم کو نہیں نکالا جائے گا، لیکن جب تک ہم اپنی حالت رفتہ بحال نہیں کر لیتے، اس وقت تک سب کی تنخواہیں کم کرنا ہماری مجبوری ہے۔ اس نے عہد کیا کہ اپنی کمپنی کو دنیا کی ٹاپ ٹین کمپنیوں کی لسٹ میں لانا ہے۔

اس سلسلے میں اس نے پہلا کام تو یہ کیا کہ تمام 48 ہزار ملازمین کی تصویریں اپنے ساتھ ہیڈ آفس میں چسپاں کر دیں۔ ملازمین جب اپنے سی ای او کے ساتھ اپنی تصویروں کو لگا دیکھتے تو بہت خوش ہوتے۔ ہر ملازم اپنے آپ کو کمپنی کا مالک تصور کرتا۔ دوسرا کام اس نے یہ کیا کہ کچھ افراد کے ذمے صرف یہ کام سونپا کہ وہ تمام ملازمین کی ڈیٹ آف برتھ سالگرہ کا دن) اچھی طرح یاد رکھیں۔ جس دن کمپنی کے کسی بھی ملازم کی سالگرہ ہوتی تو ہربرٹ کیلر کمپنی کے تمام ملازمین کو سالگرہ کے کارڈ بھجواتا اور جس کی سالگرہ ہوتی اس کو خود اپنے ہاتھ سے دستخط کر کے سالگرہ کا کارڈ بھیجتا۔ جب ملازم کے پاس ہربرٹ کیلر کے ہاتھ سے دستخط شدہ سالگرہ کا کارڈ پہنچتا تو وہ خوشی سے پھولے نہ سماتا۔ وہ سمجھتا کہ شاید ہربرٹ کیلر کا میرے ساتھ کوئی خاص تعلق ہے، کیونکہ 48 ہزار ملازمین میں سے صرف میری ڈیٹ آف برتھ کو یاد رکھنا اور اس پر اپنے ہاتھ سے دستخط کر کے کارڈ بھیجنا خاص الفت کے بغیر ممکن نہیں۔ وہ ہر ملازم کی سالگرہ پر ایسے ہی اپنے ہاتھ سے دستخط کر کے کارڈ بھیجتا۔ جس سے تمام ملازمین بہت

خوش تھے اور کام بہت ہی دلجمعی کے ساتھ کرنے لگے۔

اس نے کچھ افراد کے ذمے صرف یہ کام سونپا کہ وہ تمام ملازمین کے مکمل نام اچھی طرح یاد کریں، حتیٰ کہ وہ ملازمین کے ان ناموں کے بارے میں پتا لگواتے جو صرف اس کے قریبی دوستوں کو ہی معلوم ہوتے۔ جب ہرب کیلر وزٹ پر نکلتا تو سب کے نام جاننے والے افراد بھی اس کے ساتھ ہوتے تھے، جب ہرب کیلر کسی ملازم کے قریب سے گزرتا تو اس ملازم کا مکمل نام لے کر بلاتا۔ اس سے حال احوال پوچھتا اور کچھ دیر گپ شپ بھی لگاتا۔ ملازم سوچتا کہ میرا یہ نام تو صرف میرے قریبی دوستوں کو ہی معلوم ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہرب کو میرے ساتھ خصوصی لگاؤ ہے جو اتنے قریبی نام سے بھی واقف ہے۔ ہرب کیلر سے تمام ملازمین ہی بہت خوش تھے، ملازمین ڈیوٹی کے وقت میں بھرپور محنت سے کام کرتے۔ وہ سوچتے کہ ہرب کیلر اگر ہم سے اس قدر محبت کرتا ہے تو ہمیں بھی محبت کے بدلے میں محبت اور محنت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اب ان کا ایک ہی ہدف تھا کہ کسی طرح ساؤتھ ویسٹ ائیر لائن کمپنی کو سنبھالا دیا جائے۔ ملازمین کی محنت اور ہرب کیلر کے اصول محبت سے رفتہ رفتہ کمپنی ترقی کرنے لگی۔ تمام ملازمین کمپنی کے کام کو اپنا کام سمجھ کر کرنے لگے۔ مثلاً کسی بھی جہاز کو تیار ہونے میں جتنا وقت لگتا اس سے آدھا وقت لگنے لگا، کیونکہ جب جہاز تیار ہونے لگتا تو وہاں موجود تمام ملازمین فوری فوری کام مکمل کر لیتے۔ کمپنی کے

ملازمین نے جتنا ہو سکا کمپنی کو آرام دہ بنادیا۔ملازمین کے اچھے رویے کی وجہ سے لوگ خود بخود ہی اس کمپنی کے ساتھ سفر کرنے لگے۔ ساؤتھ ویسٹ کمپنی نے اتنی تیز رفتاری سے ترقی کی کہ کچھ ہی عرصے میں ساؤتھ ویسٹ ایئر لائن کا شمار دنیا کی ٹاپ ٹین کمپنیوں میں ہونے لگا۔

کامیابی کی ایک اور حیرت انگیز مثال میں گزشتہ دنوں ہفت روزہ "شریعہ اینڈ بزنس" میں ملاحظہ کر رہا تھا۔ اس دیدہ زیب میگزین میں ہر ب کیلر جیسے کامیابی حاصل کرنے والے لوگوں کے حالات و واقعات اور ان کی زندگی کا نچوڑ، ان کی کامیابی کے اصول، ہر قسم کے کاروبار میں کامیابی کے طریقے اور تجارت و کاروبار میں شرعی لحاظ سے رہنمائی کی جاتی ہے۔ "شریعہ اینڈ بزنس" نے اپنے ایک شمارے میں دنیا کے امیر ترین شخص "کمپارڈ" کی اسٹوری شائع کی تھی، جس کے مطابق اس نے بھی ماتحتوں سے اصول محبت کو اپنا شعار بنایا اور پھر رفتہ رفتہ اس کا کاروبار اتنا بڑھا کہ فوربس میگزین نے اس کے اثاثہ جات کا اندازہ 33 بلین امریکی ڈالر لگایا ہے۔ یہی اصول کمپارڈ کو پرچون فروش سے "آئی کیا" کمپنی تک لے گیا۔ یہاں تک کہ 2004ء کے شروع میں سویڈن نے ایک رپورٹ شائع کی جس میں بتایا Affares Veckans کے ایک تجارتی رسالہ کہ جنوبی سویڈن کا ایک دیہی لڑکا جس نے اوائل جوانی میں سائیکل پر ماچس فروخت کرنے سے کاروبار کا آغاز کیا تھا، آج اس نے دنیا کے امیر ترین شخص بل گیٹس کو بھی

پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ کمپارڈ کی کمپنی "آئی کیا" کا شمار دنیا کی مشہور و معروف کمپنیوں میں ہوتا ہے، یہ کمپنی 200 سے زائد اسٹوروں، 75 ہزار سے زائد ملازمین اور 12 ملین سالانہ آمدنی کے ساتھ دنیا کے 31 ممالک میں کاروبار کر رہی ہے۔ کمپنی کا مالک آج بھی ملازمین سے محبت کے اصول پر کاربند ہے اور مزید ترقی کر رہا ہے۔

اگر ہرب کیلر اور کمپارڈ کی کامیابی اور ان کے اپنائے ہوئے اصولوں پر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے وہی اصول اپنایا جو اسلام نے ہمیں دیا ہے۔ اسلام اپنے ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔ اسلام ایک جامع نگرانی کا نظام فراہم کرتا ہے، جس میں صرف کام کی نگرانی ہی نہیں بلکہ ماتحتوں کے اخلاق، عادات و اطوار اور جذبات و حقوق کا خیال رکھنا بھی شامل ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور قیامت کے دن ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ آج اکثر ماتحتوں کے ساتھ ویسا سلوک نہیں کیا جاتا جیسا کیا جانا چاہیے۔ اس لیے وہ کام کو مجبوری سمجھ کر کرتے ہیں، فریضہ سمجھ کر نہیں۔ اگر ان کے ساتھ شریعت کے مطابق برتاؤ کیا جائے تو سب کا بھلا ہو، شریعت نے وہ قوانین دیے ہیں جن پر عمل کرکے ہر کوئی کامیاب ہو سکتا ہے، چاہے ہرب کیلر و کمپارڈ جیسے غیر مسلم ہوں یا کوئی مسلمان ہو۔ آج بھی جو

ترقی کی منزلیں طے کرنا چاہتا ہے، اس کو ان اسلامی اصولوں پر عمل کرنا ہوگا جن پر
ہرب کیلر اور کمپارڈ نے عمل کرکے کامیابی حاصل کی ہے۔

لازمی سروسز ایکٹ کا نفاذ۔۔۔۔سیاست دانوں کا دوغلا پن

ملک میں قومی ایئر لائن پی آئی اے کی نجکاری کے خلاف کئی روز سے ملازمین کی ہڑتال کا سلسلہ جاری ہے، جس سے چند دنوں میں کمپنی کو تقریبا تین ارب ارب روپے سے زاید کا نقصان ہوچکا ہے اور عوام کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ پی آئی اے ملازمین نے مطالبات منظور کروانے کے لیے ملک بھر میں ہڑتال کا اعلان کیا تھا، جس کو ناکام بنانے کے لیے حکومت نے لازمی سروس ایکٹ کا نفاذ کردیا، جس پر پی ٹی آئی کے سربراہ عمران خان نے سخت تنقید کرتے ہوئے اس اقدام کو آمرانہ قرار دیا اور کراچی میں پی آئی اے ملازمین کے ہڑتالی کیمپ کا دورہ بھی کیااور پی آئی اے پر لازمی خدمات کے قانون کا اطلاق جابرانہ اور غیر جمہوری قدم قرار دیتے ہوئے اسے کارکنوں کے بنیادی انسانی حقوق سے متصادم ٹھہرایا۔ عمران خان کے اس نعرہ کی گونج ابھی فضا میں پورے طور پر تحلیل نہیں ہوئی تھی کہ ان کی اپنی حکومت نے اسی قانون کو ہڑتالی ڈاکٹروں پر نافذ کردیا۔ بعدازاں عمران خان نے لازمی خدمات کے اس قانون کے نفاذ کی مکمل تائید کا بھی اعلان کردیا۔ پی آئی اے ملازمین کے لیے سروس ایکٹ کی مخالفت کرنے والی پی ٹی آئی نے خیبر پختونخوا میں ڈاکٹروں کی ہڑتال روکنے کے لیے صوبے کے تمام سرکاری ہسپتالوں میں لازمی سروس ایکٹ نافذ کر دیا۔ صوبائی وزیر صحت شہرام ترکئی نے کہا ہے کہ ایکٹ ہائیکورٹ کے

حکم کی روشنی میں نافذ کیا گیا۔ ہائیکورٹ کا حکم تھا کہ جو بھی اس کی راہ میں رکاوٹ بنے اس کے خلاف کارروائی کی جائے۔ دوسری طرف خیبر پختونخوا کے ڈاکٹروں اور دیگر طبّی عملے پر مشتمل تنظیم ہیلتھ ایمپلائز کوارڈنیشن کونسل نے صوبائی حکومت کی طرف سے نافذ کردہ لازمی سروسز ایکٹ کو مکمل طور پر مسترد کر دیا۔ تنظیم کے چیئرمین ڈاکٹر عالمگیر کا کہنا تھا کہ آئندہ چند دنوں میں احتجاج کا دائرہ پورے صوبے تک پھیلایا جائے گا اور جب تک ان کے جائز مطالبات پورے نہیں کیے جاتے اس وقت تک ہسپتالوں میں ہڑتال اور احتجاج کا سلسلہ جاری رہے گا۔

خیبر پختونخوا حکومت کی طرف سے ہسپتالوں میں لازمی سروسز ایکٹ کے نفاذ کے بعد ہڑتال کرنے والے ڈاکٹر دو گروپوں میں تقسیم ہوگئے ہیں۔ ایک گروپ نے او پی ڈی اور وارڈوں میں ڈیوٹی شروع کر دی۔ لازمی سروس ایکٹ کے خلاف ہیلتھ ایمپلائز کوآرڈی نیشن کونسل نے پشاور کے ہسپتالوں میں ہڑتال کا اعلان کیا ہے۔ ینگ ڈاکٹر ایسوسی ایشن نے ہڑتال کی حمایت کی ہے، جبکہ پراونشل ڈاکٹر ایسوسی ایشن نے ہڑتال سے لاتعلّقی کا اعلان کیا ہے اور ایسوسی ایشن کے حامی ڈاکٹر او پی ڈی، ایمرجنسی اور وارڈوں میں ڈیوٹی پر واپس آ گئے۔ پشاور کے مختلف ہسپتالوں میں ہیلتھ ایمپلائز کوآرڈی نیشن کونسل کے ارکان ڈاکٹروں کو کام چھوڑنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور انہوں نے ہسپتالوں کے

اندر خیمے لگا کر مریضوں کا چیک اپ شروع کر دیا ہے۔ نوشہرہ کے تمام سرکاری ہسپتالوں میں ڈاکٹرز ڈیوٹی پر موجود ہیں۔ چارسدہ کے ڈی ایچ کیو ہسپتال اور بنوں کے سرکاری ہسپتال میں ایمرجنسی کے علاوہ تمام ڈپارٹمنٹ بند پڑے ہیں۔

کے پی کے میں پی ٹی آئی حکومت کے اس اقدام کی وجہ سے پی ٹی آئی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ پاکستان تحریک انصاف کے مرکزی رہنما شاہ محمود قریشی نے خیبر پختونخوا کے ہسپتالوں میں لازمی سروس ایکٹ کی مخالفت کی۔ شاہ محمود قریشی نے سوشل میڈیا پر کے پی کے میں لازمی سروس ایکٹ کے نفاذ کی مخالفت کرتے ہوئے اسے بلاجواز اور غیر ضروری قرار دیا ہے۔ ذرائع کے مطابق شاہ محمود قریشی حالیہ مہینوں میں پارٹی کی قیادت سے سنجیدہ طرز عمل اور دوررس حکمت عملی اختیار کرنے کا مشورہ دیتے آئے ہیں، تاہم عمران خان شاہ محمود قریشی کے مشوروں اور ہدایات کو بکثرت نظرانداز کر دیتے رہے، جس کے نتیجے میں عمران خان اور دیگر رہنماؤں سے فاصلے پر رہنے لگے تھے۔ عمران خان نے اپنے ترجمان کے ذریعے شاہ محمود قریشی کے موقف سے بلاتاخیر برات کا اعلان کرنا ضروری سمجھا ہے۔ تحریک انصاف کے ترجمان نعیم الحق کا کہنا ہے کہ شاہ محمود قریشی کا بیان ان کی ذاتی رائے ہے۔ اس صورتحال کی وجہ سے تحریک انصاف میں بڑے پیمانے کی بغاوت کا امکان پیدا ہوگیا ہے۔ دوسری جانب پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کا کہنا ہے کہ ہسپتالوں میں لازمی سروس ایکٹ کی

منظوری میں دو سال لگے، ایک سال تک ڈاکٹروں کے ساتھ ایکٹ سے متعلق مذاکرات کیے گئے اور انہیں بتایا کہ اصلاحات سے کس طرح ہسپتالوں کی حالت بہتر ہو گی۔ مسلم لیگ (ن) جان بوجھ کر پی آئی اے نجکاری اور ڈاکٹروں کے ایشو کو الجھا رہی ہے۔

پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے کہا ہے کہ منصوبہ بندی کے تحت دو معاملات کو ملانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ پی آئی اے کا اور خیبر پختونخوا کے ہسپتالوں کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔ پی آئی اے کے احتجاج کرنے والے ملازمین پر لازمی سروس ایکٹ کا نفاذ غلط ہے، کیوں کہ وہ نجکاری کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں۔انہوں نے کہا کہ ہم خیبر پختونخوا کے کسی بھی ادارے کی نجکاری نہیں کرنا چاہتے۔

سیاستدانوں نے کے پی کے کے ہسپتالوں میں لازمی سروس ایکٹ کے نفاذ پر عمران خان اور پی ٹی آئی پر تنقید کی ہے۔ جے یو آئی کے رہنما حافظ حسین احمد کا کہنا ہے کہ پی آئی اے میں لازمی سروس ایکٹ کے نفاذ کو غلط کہنے والے کے پی کے میں درست کرنے پر تل گئے ہیں، وزیر اعظم کے مشیر امیر مقام کا کہنا تھا کہ عمران خان کے قوم و فعل میں تضاد ہے۔

تجزیہ کاروں نے کہا ہے کہ پی آئی اے اور خیبر پختونخوا کے ہسپتالوں دونوں جگہ لازمی سروسز ایکٹ کا نفاذ غلط ہے۔ عمران خان صرف پی آئی اے میں لازمی سروسز ایکٹ پر تنقید کرکے دوغلی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ عمران خان پنجاب

کے ڈاکٹروں سے تو اظہار یکجہتی کرتے ہیں، مگر خیبر پختونخوا میں لازمی سروسز ایکٹ کا نفاذ کردیتے ہیں۔ ایک طرف عمران خان نے کراچی میں پی آئی اے کے کارکنوں سے اظہار یکجہتی کرنے کے لیے ان کے ہڑتالی کیمپ کا دورہ کیا اور پی آئی اے پر لازمی خدمات کے قانون کا اطلاق جابرانہ اور غیر جمہوری قدم قرار دیتے ہوئے اسے کارکنوں کے بنیادی انسانی حقوق سے متصادم ٹھہرایا، جبکہ دوسری جانب ان کی اپنی حکومت نے اسی قانون کو ڈاکٹروں پر نافذ کردیا، بعدازاں عمران خان نے لازمی خدمات کے اس قانون کے نفاذ کی مکمل تائید کا بھی اعلان کردیا۔ پی آئی اے اور ہسپتالوں میں لازمی سروس ایکٹ کا نفاذ درست نہیں ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اگر مثبت پہلوؤں پر توجہ دی جاتی تو آج ملک کئی سنگین مسائل پر قابو پاچکا ہوتا وفاقی اور صوبائی حکومتیں اپنی اپنی سیاسی جماعتوں کے اختلافات کے علی الرغم ایک دوسرے کے مدد ومعاون کا کردار ادا کرتیں اور انتخابی نتائج کو خوشدلی سے قبول کرلیا جاتا تو پاکستان شاہراہ ترقی پر سرپٹ دوڑ رہا ہوتا، لیکن سیاست دانوں کی مفاد پرستی کی وجہ سے آج ملک عدم استحکام کا شکار ہے اور نقصان صرف عوام کو اٹھانا پڑ رہا ہے۔ پی آئی اے ملازمین اور ڈاکٹروں کا حکومت کا رویہ عوام کے لیے انتہائی تکلیف دہ ہے۔ ہڑتال چاہے کوئی بھی کرے، لیکن اس سے پریشانی عوام کو ہی اٹھانا پڑتی ہے۔ ڈاکٹری انتہائی مقدس پیشہ ہے، جس کے ذریعے انسانیت کی خدمت کا موقع ملتا ہے، لیکن ہمارے ملک میں ڈاکٹر حضرات چھوٹے چھوٹے معاملات پر

ہڑتال کرنے نکل پڑتے ہیں۔ ہڑتال کی صورت میں ہسپتال بند ہونے سے کئی مریضوں کی جانیں جا سکتی ہیں اور کئی بیماروں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ڈاکٹروں کو چاہیے جلد از جلد ہڑتال ختم کریں اور اس کے ساتھ پی آئی اے ملازمین بھی جلد ہڑتال ختم کریں تاکہ عوام کو تکلیف سے نجات مل سکے۔ حکومت کو بھی چاہیے کہ ان ایشوز پر سیاست چمکانے کی بجائے ملازمین کی مطالبات پر سنجیدگی سے غور کرے، بصورت دیگر عوام مشکلات میں گھرے رہیں گے۔

"علم حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فیس بکی" دانش وڑ

کچھ لوگ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ اپنے مکروہ اہداف میں مکمل طور پر کامیاب ہونا ممکن نہ ہو تو نوخیز اذہان میں ماخذ شریعت سے متعلق شک میں مبتلا کر دینا ہی ان کی کوشش ہوتی ہے۔ ان کی تمام تر کوششوں کا سرچشمہ مستشرقین کے افکار و نظریات ہیں۔ مستشرقین نے قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو ہدف تنقید بنایا تو مسلمان اہل علم نے ان کے بودے اعتراضات کی سطحیت کو دلائل و براہین کے ترازو میں رکھ کر ان کی علمی خیانت و بددیانتی کو مبرہن کرکے رکھ دیا اور مستشرقین کو منہ کی کھانی پڑی۔ اس کے بعد یہودی مستشرقین "گولڈزیہر" اور "شاخت" نے اپنی توپوں کا رخ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب موڑ دیا۔ "گولڈزیہر" نے حدیث رسول سے متعلق جتنی بھی زہر افشانی کی، اس کے بعد آنے والے مستشرقین نے بھی اسی کی اقتدا کی۔ اس محاذ پر بھی اہل علم نے لاجواب کتب تصنیف کرکے مستشرقین کی بولتی بند کردی، لیکن عصر حاضر میں بعض دانشوڑ علم دین سے ناواقف سادہ لوح لوگوں کو راہ راست سے ہٹا کر اپنے پیش روؤں کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے کمربستہ ہیں۔ اپنے مقصد میں شاید کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہوں، کیونکہ جن لوگوں کو اصل ماخذ کا مطالعہ کرنے پر قدرت حاصل نہیں اور خالص علمی و

تحقیقی مباحث کا آسانی سے سمجھ لینا بھی ان کے لیے آسان نہیں، ان کا شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جانا انہونی بات نہیں ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ عصر حاضر کے دانشوڑوں کا بنیادی مقصد اسلامی علوم میں تحقیق نہیں، بلکہ تحقیق کے لبادے میں اسلامی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کرنا ہے۔ اگر تحقیق کرنا ہی مقصود ہوتا تو علم حدیث میں مہارت رکھنے والے کسی محدث کے سامنے اپنے اعتراضات رکھے جاتے تو یقینا تسلی بخش جواب مل جاتا۔ اس حوالے سے بہت سی تصانیف معرض وجود میں آچکی ہیں، جن میں مستشرقین کی جانب سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہونے والے تمام اعتراضات کے جوابات دیے جا چکے ہیں۔ اہل علم نے فن حدیث میں کھوٹے کھرے کی تمیز کرنے کے لیے ایسے اصول وضع کیے ہیں، معترضین بھی جن پر دنگ ہیں۔ متن حدیث تو رہا ایک طرف، یہاں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے لے کر چوتھی صدی ہجری تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال کے لاکھوں راویوں کے مجموعہ احوال تک کو جانچنے کے لیے اسماء الرجال کا فن ایجاد کیا گیا ہے، جس کے بارے میں متعصب یورپین ' ڈاکٹر اسپرنگر' کو بھی یہ لکھنا پڑا: "کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح "اسماء الرجال" کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہو۔" اس فن کی بدولت ہر راوی کا

نام، کنیت، لقب، راوی کہاں کے رہنے والے تھے؟ ان کے آباء واجداد کون تھے؟ کس مزاج وطبیعت کے تھے؟ حافظہ کیسا تھا؟ تقویٰ اور دیانت کے لحاظ سے کیا معیار تھا؟ کن اساتذہ اور شیوخ سے علم حاصل کیا تھا؟ طلب علم کے سلسلے میں کہاں کہاں کا سفر کیا؟ کن لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا؟ وغیرہ تمام سوالات کا علم حاصل ہو سکا۔ راویانِ حدیث کی تحقیق وتفتیش کے اس طرح شفاف ریکارڈ جمع کرنے کی دنیائے قدیم وجدید کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس قدر سخت ضوابط لاگو کیے جانے کے بعد علوم حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھلا کوئی کمی کوتاہی کس طرح واقع ہو سکتی ہے؟

انتہاپسندی بمقابلہ اعتدال پسندی

انتہاپسندی ایک ایسا نفسیاتی رویہ ہے جس کی وجہ سے انسان انتہائی قدم اٹھاتے ہوئے اپنی سوچ کو دوسروں پر زبردستی مسلط کرنا چاہتا ہے، جس کے نتیجے میں معاشرہ انتشار اور بدامنی کی کیفیت سے دوچار ہوجاتا ہے اور سکون غارت اور امن برباد ہوجاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں اعتدال پسندی ایسا وصف ہے، جو نہ صرف معاشرے کو امن و سکون کا گہوارہ بناتا ہے، بلکہ اس کی بدولت ہر فرد کو اس کا پورا پورا حق بھی میسر آتا ہے۔ انتہاپسند انسان کا مقصود دوسروں کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے، اس کے لیے خواہ اسے اپنی ذات کا نقصان ہی کیوں نہ برداشت کرنا پڑے۔ اس کے برعکس اعتدال پسند انسان کی فکر یہ ہوتی ہے کہ خود کو نقصان سے بچانے کے لیے دوسروں کو نقصان سے بچانا چاہیے۔ انتہاپسند انسان کی پوری زندگی "کرو یا مرو" کی عملی شکل ہوتی ہے، جب کہ اعتدال پسند انسان کی پوری زندگی "جیو اور جینے دو" کے فلسفے کی عملی تعبیر ہوتی ہے۔ ان دونوں نقطہ ہائے نظر میں سے کون سا انسانیت کے لیے مفید اور کونسا نقصان دہ ہے، یہ جاننے کے لیے بہت بڑا عالم و مفکر ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ ایک عام انسان بھی اس کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے، لیکن اعتدال پسندی کی تمام تر خوبیوں اور انتہاپسندی کی تمام تر خامیوں کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں اکثریت انتہاپسندی ہی کی جانب

مائل رہی ہے۔ دنیا میں شاید ہی کہیں ایسا ہو، جہاں اعتدال پسندی کے مقابلے میں انتہا پسندی زیادہ نہ پائی جاتی ہو۔

پاکستان بھی ایک عرصے سے اس کی زد میں ہے۔ انتہا پسندی دن بدن پورے معاشرے کو بری طرح اپنی لپیٹ میں لیتی جا رہی ہے۔ اگر کسی بھی معاشرے میں تحمل و برداشت کی جگہ انتہا پسندی اور شدت پسندی لے لے تو بہت جلد وہ معاشرہ تباہی کا شکار ہو جاتا ہے اور پاکستان میں بدامنی و بے سکونی کی صورت میں معاشرے کی تباہی اس انتہا پسندی ہی کی دین ہے، جو قتل و غارت گری اور دہشت گردی کی صورت اختیار کر چکی ہے اور ہزاروں بے گناہ لوگ اسی عفریت کی نذر ہو چکے ہیں۔ یوں تو ملک کا کوئی طبقہ انتہا پسندی سے محفوظ نہیں ہے، مذہبی و غیر مذہبی سب ہی اس کی زد میں ہیں، لیکن مذہبی انتہا پسندی زیادہ نقصان دہ ہے۔ جب انتہا پسندی کو مذہب کا تڑکا لگ جاتا ہے تو تباہی کئی گنا بڑھ جاتی ہے، کیونکہ مذہب ہی واحد ایسی چیز ہے، جس پر کوئی شخص سمجھوتا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، بلکہ مرنے اور مارنے پر تل جاتا ہے اور کار خیر سمجھ کر دوسرے کی جان لیتا ہے۔

مسلمانوں کو جتنا نقصان مذہبی انتہا پسندی اور شدت پسندی نے پہنچایا ہے، اتنا نقصان شاید دشمنان اسلام بھی نہ پہنچا سکے ہوں۔ مذہب ہمیں انسانیت کی

معراج تک پہنچانے کا ذریعہ ہے، لیکن انتہا پسند رویوں کی وجہ سے ہماری زندگیوں میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نظر نہیں آ رہی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اصل روح سمجھنے کی بجائے ان چیزوں میں الجھ جاتے ہیں جن کی ہم سے ڈیمانڈ بھی نہیں کی جا رہی ہوتی۔ اسلام نے ہمیں میانہ روی اختیار کرنے کی تعلیمات دی ہیں، لیکن اکثر و بیشتر روزمرہ زندگی سے لے کر تمام اہم مواقع تک ہمارے عمل عموماً انتہا پسندی کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔ حالانکہ دین اعتدال کی حیثیت سے اسلام زندگی کے ہر شعبے میں میانہ روی کا داعی ہے۔ دین فطرت ہمیں انفرادی، قومی اور بین الاقوامی سطح کے جملہ معاملات میں توازن و اعتدال برقرار رکھنے کا سختی سے حکم دیتا ہے۔ نظامِ سیاست و معیشت سے میدانِ جہاد و تبلیغ تک، حقوق العباد کی ادائیگی سے حقوق اللہ کی بجا آوری تک زندگی کے ہر گوشے میں اسلام کا حسن توازن جھلکتا نظر آتا ہے، اسی حسن توازن کو دیکھ کر کٹر مخالف بھی اسلام کی جانب مائل ہو جاتے ہیں، لیکن جو لوگ اسلام کے نام پر انتہا پسند اقدامات کرتے ہوئے بے گناہ لوگوں کی جانیں لیتے ہیں، وہ لوگ اسلام کے اس حسن توازن کو بگاڑ رہے ہیں۔ یہ عناصر دنیا کے سامنے اسلام کو ایک خوفناک مذہب بنا کر پیش کر رہے ہیں۔

معاشرے میں پائی جانے والی انتہا پسندی پر قابو پانا انتہائی ضروری ہے، کیونکہ اس سے مسلمان اور اسلام دونوں بدنام ہو رہے ہیں۔ اس کے خاتمے کے لیے

اپنا کردار ادا کرنا ہر مسلمان کی ذمے داری ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مذہبی انتہاپسندی کو مذہبی اعتدال پسندی کے ذریعے ہی ختم کیا جاسکتا ہے۔ اعتدال پسند نظریات کو جتنا زیادہ فروغ دیا جائے گا، اتنی ہی جلدی انتہاپسندی کو شکست ہوگی۔ اس کے لیے علمائے کرام، حکومت اور عوام کا مل جل کر کردار ادا کرنا ضروری ہے۔ علمائے کرام کا کردار سب سے اہم ہے۔ جب تک علمائے کرام اس ضمن میں تعاون نہیں کریں گے، اس وقت تک انتہاپسندی و شدت پسندی پر قابو پانا انتہائی مشکل، بلکہ ناممکن ہے۔ معاشرے میں بہت سے اہل علم ایسے ہیں، جو دین کے فہم، زندگی کی ضروریات اور دینی اقتدار کے لیے توازن اور اعتدال پر قائم ہیں۔ جو ہمیشہ دوسروں کے جذبات، نظریات اور خیالات کا احترام کرتے ہیں۔ انھیں اختلاف رائے کا احترام کرنے سلیقہ ہے۔ جو اس آفاقی حقیقت کو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مختلف طبایع کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تمام انسانوں کو ایک ہی سوچ اور فکر پر متفق کرنا ممکن نہیں ہے۔ کسی دوسرے کو زبردستی اپنی سوچ کے تابع کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی شریعت اس کی اجازت دیتی ہے۔ یہ اہل علم اپنی سوچ کو دوسروں پر زبردستی مسلط کرنے کی سعی نہیں کرتے۔ اپنی خواہشات کو اسلامی اصولوں پر لاگو نہیں کرتے۔

معاشرے سے شدت پسندی و انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے اعتدال پسند اہل علم کو آگے بڑھ کر معاشرے کی باگ ڈور سنبھالنا ہوگی۔ یہی لوگ امت کی امیدوں کا

مرکز ہیں، پورے معاشرے کی نگاہیں ان پر ٹکی ہوئی ہیں۔ ان پر لازم ہے کہ وہ اپنی دعوت زیادہ سے زیادہ پراثر بنائیں۔ انتہاپسند عناصر کے ساتھ مکالمہ کریں اور ان کی ذہن سازی کریں، تاکہ یہ لوگ شدت پسندی کو ترک کرکے اعتدال پسندی کا دامن تھام لیں۔ انتہاپسندی چونکہ خود تمام مذہبی طبقات کے لیے چیلنج ہے، اس لیے اس پر قابو پانے کے لیے تمام مذہبی مسالک اور فرقوں میں موجود اعتدال پسند افراد اور جماعتوں کو مل بیٹھ کر ایک متفقہ لائحہ عمل طے کرکے اس پر عمل کرنا چاہیے۔ ملک میں جتنی بھی مذہبی سیاسی، اصلاحی اور تبلیغی جماعتیں اور شخصیات ہیں، حکومتی سطح پر ان کے ساتھ تعاون کرنا ضروری ہے، کیونکہ اعتدال پسند نظریات کی حامل جماعتوں اور افراد کو معاشرے میں تعاون فراہم کرکے انتہا پسندی کو شکست دی جاسکتی ہے۔ ملک میں اعتدال پسند تبلیغی جماعت کو بطور مثال لیا جاسکتا ہے، جس کے وابستگان کو ہمیشہ شدت پسندی سے نفرت اور پیار و محبت سے تبلیغ کرنا سکھایا جاتا ہے اور ان کی جڑیں معاشرے میں بھی مضبوط ہیں، اس لیے ان کا معاشرے پر اثر انداز ہونا آسان ہے۔ ملک میں تبلیغی جماعت کی پرامن سوچ جتنی تیزی سے پھیلے گی، انتہاپسندی و شدت پسندی کے خلاف اتنی ہی تیزی سے ذہن سازی ہوگی۔ اس کے علاوہ بھی ملک میں جو معتدل مذہبی جماعتیں ہیں، حکومت ان کے ساتھ تعاون کرے اور وہ خود اپنی ذمے داری ادا کرتے ہوئے معاشرے میں اعتدال پسندی کو فروغ دے کر انتہاپسندی کے خاتمے کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔ اسی صورت میں معاشرہ

معتدل اور امن و سکون کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

آزاد کشمیر: (ن) لیگ اور پی پی آمنے سامنے، کشیدگی میں اضافہ

پاکستان کے زیر انتظام آزاد کشمیر میں وفاق اور کشمیر حکومت ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئے ہیں۔ کشمیر کے ضلع کوٹلی کے علاقے نکیال میں پاکستان پیپلز پارٹی کے جیالوں اور پاکستان مسلم لیگ (ن) کے متوالوں کے ٹکراؤ کے بعد سے کشیدگی بڑھتی جارہی ہے۔ مسلم لیگ (ن) اور پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کی جانب سے ایک دوسرے پر سنگین الزامات کی سنگ باری کی جارہی ہے۔ وزیر اعظم آزاد کشمیر وفاقی وزراء کی جانب سے کشمیر میں اشتعال انگیز تقاریر کے خلاف آرمی چیف جنرل راحیل شریف اور دیگر اداروں کے سربراہوں کو خطوط لکھنے کا عندیہ دے چکے ہیں، جبکہ مسلم لیگ (ن) نے وزیر اعظم آزاد کشمیر چودھری عبدالمجید کے استعفے کا مطالبہ کیا ہے۔

گزشتہ دنوں آزاد کشمیر کے علاقے کوٹلی میں پیپلز پارٹی کا نکیال کے حلقہ میں ورکرز کنونشن کے موقع پر مسلم لیگ (ن) کے کارکنوں کی بڑی تعداد جمع ہوئی، دونوں طرف سے پتھراؤ اور فائرنگ کا تبادلہ شروع ہوگیا، جس کے نتیجے میں دو افراد جاں بحق اور متعدد زخمی ہوگئے تھے۔ پولیس نے اس موقع پر مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے لاٹھی چارج، آنسو گیس کی شیلنگ اور ہوائی فائرنگ کی اور فوج کو طلب کیا گیا۔ سابق وزیر اعظم آزاد کشمیر سردار سکندر حیات کے بیٹے فاروق سکندر سمیت 23 افراد کے خلاف مقدمہ درج، جبکہ متعدد کو گرفتار کرلیا

گیا۔ کشمیر میں کارکن کی ہلاکت پر پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری کا کہنا تھا کہ مسلم لیگ (ن) اتنا ظلم کرے جتنا کل برداشت کرسکے، جبکہ ترجمان مسلم لیگ (ن) کا کہنا ہے کہ پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے سردار سکندر حیات کے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کیے، جس سے صورتحال کشیدہ ہوئی۔ وزیراعظم آزاد کشمیر عبدالمجید نے کہا کہ مسلم لیگ ن) کی بدمعاشی آزاد کشمیر میں نہیں چلے گی۔ الیکشن سے پہلے ہی مسلم لیگ (ن) کی) منظم دھاندلی کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ آصف زرداری کا کہنا تھا کہ مسلم لیگ (ن) کے متعدد وزراء کشمیر میں پیپلزپارٹی کے خلاف نفرت انگیز تقاریر کر رہے ہیں اور پی پی کارکن کی ہلاکت انہی نفرت انگیز تقاریر کا نتیجہ ہے۔ وزیر اطلاعات پرویز رشید کا کہنا تھا کہ وزیراعظم آزاد کشمیر چودھری عبدالمجید اپنے لب و لہجے کو کنٹرول میں رکھیں۔ کشمیر میں اپوزیشن اور وفاق کی حکمراں جماعت مسلم لیگ (ن) نے واقعے کی عدالتی تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے۔

جیالوں کی ہلاکت کے خلاف وزیراعظم چودھری عبدالمجید کے حکم پر پیر کے روز پاکستان کے زیرِانتظام کشمیر میں یوم سیاہ منانے کا اعلان کیا تھا۔ پیر کے روز کشمیر میں کشیدگی برقرار رہی۔ وزیراعظم آزاد کشمیر کے اعلان پر پیر کے روز آزاد کشمیر بھر میں یوم سیاہ منایا گیا۔ شہر بھر میں کاروباری مراکز بند رہے۔ سڑکوں پر ٹریفک بھی معمول سے کم رہی۔ نکیال میں ضلعی انتظامیہ نے

امن و امان کی فضا برقرار رکھنے کے لیے دفعہ 144 نافذ کی، جس کے تحت جلسے جلوس، ریلیوں اور اسلحہ کی نمائش پر پابندی عاید کی گئی۔ مختلف علاقوں میں پولیس کی اضافی نفری کو بھی تعینات کیا گیا۔ وزیراعظم آزاد کشمیر چودھری عبدالمجید نے کوٹلی میں کارکنوں کی ہلاکت پر وزیراعظم نواز شریف سے معافی کا مطالبہ کردیا۔ یوم سوگ کے موقع پر مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے وزیراعظم آزاد کشمیر چودھری عبدالمجید کا کہنا تھا کہ جموں کشمیر میں نریندر مودی اور آزاد کشمیر میں نواز شریف ظلم ڈھا رہے ہیں، جب کہ تقسیم کشمیر کو طول دے کر مودی سرکار کو خوش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر چاہتا تو کوٹلی واقعے کے بعد مسلم لیگ (ن) کے رہنما سکندر حیات کو گلی گلی گھسیٹتا، لیکن ایسا نہیں کیا، اس لیے آرمی چیف جنرل راحیل شریف مسئلے کے حل کے لیے کردار ادا کریں۔

کشمیر میں سال رواں کے وسط میں انتخابات منعقد ہوں گے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق ان انتخابات میں پاکستان مسلم لیگ نون کو زبردست کامیابی حاصل ہونے کی توقع ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ آزاد کشمیر میں برسراقتدار پیپلزپارٹی کی حکومت کی جانب سے عام انتخابات کی آمد کے باعث علاقے میں ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں کہ انتخابی مہم کے دوران وہ خود کو مظلوم ثابت کرسکے۔ اس مقصد کے لیے انتخابی سرگرمیاں شروع ہوتے ہی باہمی آویزش کو ایسا

رنگ دیا جانا طے تھا، تاکہ عام انتخابات کا ڈول ڈالنا ہی دشوار ہو جائے، جس میں کشمیری عوام قانون ساز اسمبلی کے ارکان کا چناؤ کرتے ہیں۔ پیپلز پارٹی نے اپنی انتخابی مہم کئی مہینوں سے شروع کر رکھی ہے، جبکہ تحریک انصاف نے آزاد کشمیر میں انتخابی مہم شروع کرنے کا محض اعلان کر رکھا ہے۔ پاکستان مسلم لیگ نون نے تاخیر کیے بغیر انتخابی معرکے میں کودنے کا فیصلہ کیا اور مختلف شہروں میں اپنی پارٹی کے کارکنوں کے کنونشن منعقد کیے، جن کو دیکھ کر آزاد کشمیر کی انتظامیہ پریشان ہو کر رہ گئی۔ اس دوران مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی کے کارکنوں سے تصادم بھی ہوا، جس کی وجہ سے کشیدگی میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ اگر کشیدگی اسی طرح برقرار رہی تو امن وامان کے حالات میں اس قدر بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے کہ قانون ساز اسمبلی کا چناؤ کرانا ممکن نہ رہے۔ اگر کسی طور پر انتخابات ہو جائیں تو منظر اس قدر دھندلا سکتا ہے کہ رائے دہندگان درست فیصلہ نہ کرنے پائیں۔ حالانکہ آزاد کشمیر کشمیری عوام کی آزادی کے لیے مورچے کا درجہ رکھتا ہے، یہاں حالات میں بگاڑ پیدا کرنے سے تنازع کشمیر کے حوالے سے پاکستان کے موقف میں ضعف پیدا ہوگا۔ یہ واضح رہے کہ تقسیم ہند کے قوائد، ضوابط اور اصولوں کے تحت کشمیر پاکستان کا حصہ ہے مگر بھارت نے اس پر قبضہ کر لیا۔ پاکستان نے اسے آزاد کرانے کی کوشش کی مگر پوری وادی کو تو آزاد نہ کرایا جا سکا جو خطہ آزاد کرایا اسے آزاد کشمیر کا نام دیا گیا۔ بھارت نے بھی اسے تسلیم کیا، مگر اس

پر عمل درآمد میں مسلسل رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ جس کے باعث یہ مسئلہ آج تک لٹکا ہوا ہے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ بھارت نے مقبوضہ خطے پر اپنا قبضہ مضبوط کرنے کی کوشش کی اور مقبوضہ کشمیر کے عوام کے دلوں میں پاکستان کے خلاف نفرتیں پیدا کرنے کی کوشش کی۔ آزاد کشمیر میں پیدا ہونے والی سیاسی کشیدگی کی وجہ سے کشمیریوں میں مایوسی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ آزاد کشمیر میں گورننس، فلاحی اور ترقیاتی منصوبوں کے ذریعے آزاد کشمیر کو مقبوضہ کشمیر کے باسیوں کے لیے بہترین مثال بنا کر پیش کرنا چاہیے، تاکہ وہاں کے عوام کے لیے پاکستان کے ساتھ الحاق میں رغبت پیدا ہو، لیکن کوٹلی میں مسلم لیگ ن اور پیپلز پارٹی کے مابین دھنگا فساد نے سیاسی ابتری کی بدترین مثال قائم کی ہے۔ یہ خیال رہے کہ شروع میں آزاد کشمیر میں لبریشن لیگ اور مسلم کانفرنس بڑی سیاسی جماعتیں تھیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے آزاد کشمیر میں پیپلز پارٹی قائم کرکے یہاں سیاسی مداخلت کی۔ آج وہاں مسلم لیگ ن، تحریک انصاف اور متحدہ قومی موومنٹ بھی موجود ہیں اور پاکستان کے اندر کی عدم برداشت والی سیاست آزاد کشمیر میں بھی نظر آ رہی ہے اور مار کٹائی کی سیاست کو وہاں عروج ملتا نظر آ رہا ہے، جس سے سیاست میں نفرت اور عدم برداشت کا اظہار ہوتا ہے۔ آزاد کشمیر میں کشمیر کاز کے لیے شائستگی اور برداشت کی سیاست کو فروغ دیا جانا ضروری ہے۔ آزاد کشمیر میں پیپلز پارٹی اور ن لیگ کا عمل ملک کے لیے نقصان دہ ہے، دونوں کو برداشت کا دامن تھام کر اشتعال انگیز

بیانات دینے سے گریز کرنا چاہیے۔

تھرپارکر: بھوک سے بلکتے، مرتے بچے.... حکومت کہاں ہے؟

حکام کی لاپرواہی و عدم توجہی کے باعث ایک بار پھر تھرپارکر انتہائی سنگین حالات سے دوچار ہے۔ طبّی سہولیات ناپید اور بھوک، غربت و افلاس اور بیماریوں کا بسیرا ہے۔ موت یہاں ڈیرے ڈال چکی ہے۔ غذائی قلّت کے سبب روز متعدد بچوں کی زندگیوں کے چراغ گل ہورہے ہیں۔ ذرایع کے مطابق تھر میں گزشتہ ڈیڑھ ماہ کے دوران مرنے والے بچوں کی تعداد دو سو سے تجاوز کرچکی ہے۔ اکثر تھریوں کی زندگی کا سامان گزربسر اور ذریعہ معاش مویشی ہیں، لیکن وہ بھی غذائی قلّت کا شکار، جس سے مشکلات میں گھری زندگی مزید مشکلات کا شکار ہورہی ہے، جس کے پیش نظر مصیبت زدہ تھریوں نے اپنے مویشیوں کے ہمراہ قریبی علاقوں کی جانب ہجرت کرنا شروع کردی ہے۔ ان تمام حالات میں حکومت سندھ تھر میں غربت، بھوک، غذائی قلّت کے اسباب کو ختم کرنے اور طبّی سہولیات کی فراہمی کو یقینی بنانے کی بجائے نت نئی تاویلیں کرنے میں مشغول ہے۔ حکومت سندھ کا کہنا ہے کہ تھر میں صورت حال اتنی خراب نہیں ہے، جتنی دکھائی جارہی ہے۔ حکومتی کی اس رویے پر اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ تھرپارکر میں معاملے کی سنگینی خوراک کے قحط سے زیادہ صاحب اقتدار طبقے میں احساس ذمے داری کے قحط کی وجہ سے ہے۔ سال گزشتہ سیکڑوں بچوں سمیت ایک ہزار افراد غذائی قلّت سے لقمہ اجل بن گئے تھے۔ سال رواں بھی

حکومت کی عدم توجہی کے باعث بھوک و افلاس کے سبب تھرپارکر میں موت کا رقص جاری ہے، لیکن حکومت ذمہ داری قبول کرنے کو تیار ہی نہیں ہے۔

تھر میں گزشتہ 3 سال کے دوران غذائی قلّت، طبّی سہولتوں کی کمی، حکام کی لاپرواہی اور وہاں کے منتخب نمائندوں کی جانب سے معاملات کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے بچوں کی اموات کا سلسلہ تیزی سے شروع ہوا جس نے انتہائی سنگین شکل اختیار کرلی تھی۔ ہر روز بچوں کی اموات کی خبروں نے پورے ملک میں تہلکہ مچادیا تھا۔ میڈیا پر خبریں آئیں تو سندھ حکومت کی آنکھیں کھلیں، حکومت نے اقدامات کرنے کے اعلانات کیے، لیکن یہ اقدامات وقتی ثابت ہوئے۔ گزشتہ برس بھی سندھ حکومت کی جانب سے تھر کے لیے خصوصی پیکیج کا اعلان کیا گیا تھا، لیکن اِن میں سے اکثر پر عمل درآمد نہیں ہو سکا۔ صوبائی حکومت کی غفلت و کوتاہی کا ہی شاخسانہ ہے کہ تھریوں کو مسلسل غذائی قلّت کا سامنا ہے اور سرکاری شفاخانوں میں عوام کو علاج کی سہولتیں میسر نہیں ہیں۔

شفاخانوں میں کوالیفائڈ ڈاکٹرز کی کمی ہے، جس کے باعث آج بھی وہاں اموات کا سلسلہ جاری ہے۔ ذرائع کے مطابق تھرپارکر میں ڈیڑھ ماہ کے دوران مرنے والے بچوں کی تعداد دو سو سے زاید ہو چکی ہے۔ سندھ حکومت کی بے حسی کی وجہ سے تھرپارکر میں غذائی قلّت کے شکار تھری مویشیوں کے ہمراہ بدین میں ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ تھرپارکر میں ساٹھ لاکھ سے زاید مویشی ہیں جن پر تھریوں کا گزر بسر

ہوتا اور تھرپارکر کے لوگوں کا سب سے بڑا ذریعہ معاش بھی مویشی ہیں، مگر اس مرتبہ وقت سے پہلے ہی تھریوں نے چارہ ختم ہونے کے باعث بڑی تعداد میں اپنے مویشیوں کے ہمراہ قریبی علاقوں کا رخ کرلیا ہے، جہاں پر گھاس باآسانی تھریوں کے مویشیوں کو سستے میں مل سکے، جس کی وجہ سے بدین کے مختلف علاقوں میں تھریوں نے اپنے مویشیوں کے ہمراہ ڈیرے ڈال دیے ہیں۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ تھر کے مسئلے کو حل کرنا حکومت سندھ کی ذمے داری ہے، لیکن حکومت ذمہ داری لینے کو تیار ہی نہیں ہے۔ پی پی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ تھر میں صورت حال اتنی خراب نہیں ہے جتنی دکھائی جارہی ہے۔ تھر میں پانی کی کمی نہیں ہے۔ زیر زمین 1.5 بلین پانی کا ذخیرہ موجود ہے،اس کھارے پانی کو میٹھا کرنے کے لیے آر او پلانٹس قائم کررہے ہیں اور آئندہ چندماہ میں ان کی تعداد 700 تک 437 پہنچادی جائے گی۔ تھر میں تمام آر او پلانٹس کو سولر نظام میں منتقل کردیا جائے گا اور شمسی توانائی سے ہزار سے 1200 گاؤں کو بجلی فراہم کی جائے گی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ حکومت سندھ تھر کے حوالے سے اعلانات تو کرتی ہے، لیکن ان پر عمل نہیں کرتی۔ جب اب تک حکومت تھر کے عوام کی مشکلات کو حل نہیں کرسکی تو مستقبل میں اس سے امید کس طرح رکھی جاسکتی ہے؟ پیپلزپارٹی گزشتہ 8 سال سے اقتدار میں ہے، اگر اس عرصے میں پیپلزپارٹی نے تھر کے عوام کے لیے کچھ کیا ہوتا تو آج تھر کی یہ صورتحال نہ ہوتی۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ تھر کی ترقی کے لیے ایک جامع اور طویل المدت پالیسی تشکیل دی جائے، تھر میں بچوں کی جان بچانے کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں۔ تھر خوبصورت علاقہ ہے اور معدنیات سے مالا مال ہے، لیکن موجودہ حکومت تھر کے عوام کی ترقی کے لیے کچھ نہیں کر رہی۔ اگر حکومت کچھ کر رہی ہوتی تو تھر میں قحط سالی ہوتی، نہ بچے مرتے۔ ناقص پالیسیوں کی وجہ سے صورتحال اس قدر سنگین ہو گئی ہے کہ اب صورتحال حکومت کے کنٹرول میں نہیں ہے۔ ایک من گندم اور پانی کی 4 بوتلیں تھر کے عوام کو دے دینا ان کے مسائل کا حل نہیں۔ تھر میں کمیشن بنانے سے مسائل حل نہیں ہوں گے، بلکہ تھر کے عوام عملی اقدامات چاہتے ہیں۔ تھر کے مسئلے پر فوری آل پارٹیز کانفرنس بلائی جانی چاہیے۔ وزیراعلیٰ سندھ تھر کے لیے ہنگامی پیکیج کا اعلان کریں۔ تھر کے لیے صرف زبانی دعوے کیے جارہے ہیں، عملی کام نظر نہیں آرہا ہے۔ اگر یہی صورت حال برقرار رہی تو خدانخواستہ تھر میں آئندہ چند برسوں میں اموات میں اضافہ ہوسکتا ہے اور صورت حال حکومت کے بس سے باہر ہوجائے گی۔ صحرا تو ملک میں اور بھی ہیں، لیکن وہاں یہ مسائل پیدا نہیں ہوتے، جو تھر میں ہیں، اس کو حکومت کی نااہلی ہی کہا جاسکتا ہے۔ تھر کے مقامی لوگوں کو سندھ حکومت سے بہت امیدیں تھیں، مگر جو کام انھیں کرنا چاہیے تھا، وہ انھوں نے نہیں کیا۔ سندھ حکومت کو جن محکموں سے تھر میں کام لینا چاہیے تھا، وہ غیر فعال ہیں۔ حد تو یہ ہے

کہ اس علاقے میں کوئی ڈاکٹر کام کرنے کے لیے تیار نہیں۔ وہاں فلاحی کام پر توجہ نہیں دی۔ اس لیے آج سندھ کا حال دیگر صوبوں سے زیادہ بتر ہوگیا ہے اور آج بھی سندھ حکومت اس پر توجہ دینے پر غور نہیں کر رہی ہے۔

گزشتہ سالوں میں بھی تھر کے باسیوں کو غذائی قلّت کا سامنا کرنا پڑا تھا جس کے باعث متعدد بچوں کی اموات واقع ہوئی تھیں۔ حکومت سندھ نے لوگوں کی غذائی قلّت کو پورا کرنے لے لیے لاکھوں گندم کی بوریاں مفت تقسیم کیں، اس مرتبہ بھی حکومت سندھ نے کئی لاکھ گندم کی بوریاں مفت تقسیم کرنے کا منصوبہ شروع کیا ہے۔ علاوہ ازیں تھر میں پینے کے صاف پانی کی فراہمی کے لیے حکومت نے کروڑوں روپے کی لاگت سے آر او پلانٹ نصب کیے ہیں، تاکہ مکینوں کو صاف پینے کا پانی فراہم ہوسکے۔ پینے کے صاف پانی کی فراہمی سے بیماریوں پر قابو پانے میں بہت مدد مل رہی ہے۔ تھر میں غذا کی کمی اور پانی کے علاوہ سب سے بڑا مسئلہ ڈاکٹرز کی عدم دستیابی اور لیڈی ڈاکٹرز کا ہسپتالوں میں نہ ہونا ہے۔ تھر میں 200 کلو میٹر تک ہسپتال نہیں ہیں۔ تھر میں لوگوں کو سہولیات صحت اور غذا کی قلّت کا سمنا ہے، لیکن حکومت مسلسل اپنی ذمہ داریوں سے جان چھڑا رہی ہے۔ یہ بہت ہی افسوس کی بات ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ماضی میں قائم ہونے والی حکومتوں نے بھی اس علاقے پر کوئی توجہ نہیں دی۔ تھر پاکستان کے قیام کے بعد سے اب تک سب سے محروم علاقہ رہا ہے۔ قیام پاکستان سے قبل اس علاقے میں جو صورت حال

تھی، آج اس سے زیادہ ابتر ہے۔ حکومت سندھ کی ذمہ داری ہے کہ تھر کے مسائل حل کرنے کے لیے فوری اقدامات کرے، بصورت دیگر تھر کے عوام کو قحط کی صورت میں کسی بڑے نقصان سے دوچار ہونا پڑ سکتا ہے۔

کرپشن کے خلاف کارروائیاں.... نیب سندھ کے بعد وفاقی حکومت کے نشانے پر

جس معاشرے میں احتساب نہ ہو وہاں ملک کی ترقی کا عمل سست، کرپشن اور اختیارات کا ناجائز استعمال سکہ رائج الوقت بن جاتا ہے اور جس معاشرے میں احتسابی عمل مضبوط ہو وہ معاشرہ تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کرتا ہے۔ اس تناظر میں چیئرمین نیب کا کرپشن کے خاتمے کے عزم کا اظہار ہوا کا ایک خوش گوار جھونکا ہے۔ بدعنوانی تمام برائیوں کی جڑ ہے جس سے نہ صرف ترقی کا عمل رک جاتا ہے بلکہ قانون کی حکمرانی داو پر لگ جاتی ہے اور قومی خزانے کو بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ بدعنوانی کے خاتمے ن کے لیے ایک بالادست محتسب ادارے کی جانب سے حکومت کے رویے پر مسلسل نظر رکھنا ضروری ہے، لیکن افسوس کہ ہمارے ملک میں بدعنوانی کے خلاف مہم نے ہمیشہ سیاسی رنگ اختیار کیا ہے اور کئی مقامات پر یہ مہم صرف چند افراد کے خلاف کارروائی تک محدود رہی ہے۔ اگر محتسب ادارہ بااثر سیاست دانوں کا احتساب کرنے کی کوشش کرتا ہے تو تمام سیاست دان ادارے کے سے نالاں ہوجاتے ہیں۔ آج ہمیں ایسی صورتحال کا سامنا ہے کہ جہاں وزیراعظم اور وزرائے اعلیٰ سمیت سب ہی نیب سے نالاں نظر آتے ہیں۔ وزیراعظم کا کہنا ہے کہ نیب کے حکام سرکاری افسران کو ڈراتے اور تصدیق کے بغیر معصوم لوگوں کو تنگ کرتے ہیں، نیب اپنے دائرے میں رہے ورنہ کارروائی کریں گے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی بھی خود

کو احتساب کے لیے پیش نہیں کرنا چاہتا، ہر کوئی صرف دوسروں کا ہی احتساب چاہتا ہے۔ نیب کی جانب سے کارروائی کے حوالے سے پاکستان تحریک انصاف، پاکستان مسلم لیگ ن اور پاکستان پیپلز پارٹی سمیت تمام سیاسی جماعتیں نیب کے خلاف اپنے اپنے انداز میں شکایت کرتی نظر آتی ہیں۔ نیب کے خلاف اب ن لیگ شور مچا رہی ہے، جبکہ اس سے پہلے پی پی بھی شور مچاتی رہی ہے۔ جب نیب، ایف آئی اے نے سندھ میں کرپشن کے خلاف ہاتھ ڈالا تھا، جس کی لپیٹ میں پی پی کے رہنما آئے تھے، نیب کے اس عمل پر اس وقت پی پی کا کہنا تھا کہ انہیں سیاسی انتقام کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ آصف علی زرداری، بلاول بھٹو سمیت پیپلز پارٹی کے دوسرے کئی رہنماؤں نے ن لیگ کی وفاقی حکومت کو نیب سمیت وفاقی اداروں کو پی پی پی کی حکومت اور ان کی اعلیٰ قیادت کو نشانہ بنانے کے لیے استعمال کرنے کا الزام لگایا، جبکہ ن لیگ کا کہنا تھا کہ کرپشن کے خلاف تو نیب کام کر رہی ہے جس پر حکومت کا کوئی کنٹرول نہیں۔ وفاقی حکومت کے رہنماؤں کا کہنا تھا کہ سندھ حکومت اپنے کرپٹ لوگوں کو بچانے کے لیے یہ سارا شور مچا رہی ہے۔ پی ٹی آئی نے بھی سندھ میں کرپشن کے خلاف کارروائیوں کی مکمل حمایت کی اور اسی انداز میں کرپشن کے خلاف پنجاب اور وفاق میں کارروائیوں کا مطالبہ کیا، لیکن جب خیبر پختونخوا میں خود پی ٹی آئی کے اپنے لوگوں پر ہاتھ پڑا تو احتساب کے قانون میں تبدیلیاں کی جانے لگیں اور اپنے ہی مقرر کردہ چیئرمین احتساب سے استعفیٰ لے کر اسے گھر کو چلتا کر دیا

گیا اور خیبر پختونخوا کے وزیر اعلیٰ بھی وزیر اعلیٰ سندھ کی طرح یہ کہنے لگے کہ ان کے افسروں کو ڈرایا جا رہا ہے جس کی وجہ سے کوئی کام نہیں کرتا۔ اب وفاقی حکومت کے لوگ رگڑے میں آنے لگے تو وزیر اعظم میاں نواز شریف یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ نیب اپنے دائرے میں رہے، ورنہ حکومت نیب کے خلاف کارروائی کرے گی۔

ذرائع کے مطابق وزیر اعظم نے بڑے بزنس گروپوں اور بیوروکریسی کے حوالے سے نیب کو آخری وارننگ دے دی، جبکہ نیب سسٹم میں اصلاحات لانے کے لیے الٹی میٹم بھی دے دیا۔ نیب کے سابق پراسیکیوٹر جنرل عرفان قادر نے الزام لگایا ہے کہ موجودہ ماحول سیاستدانوں کا پیدا کردہ ہے۔ نیب کے سیاسی مقاصد نہیں ہونے چاہئیں، تاہم وزیر اعظم نے جو پوائنٹس اٹھائے وہ درست نہیں۔ وزیر اعظم کی چارج شیٹ غیر معمولی اقدام ہے۔ ذرائع کے مطابق وفاقی حکومت نے قومی احتساب بیورو (نیب) کے احتسابی عمل کی نگرانی کے لیے آزاد کمیشن بنانے کا فیصلہ کیا ہے، جو مقدمات کے اندراج سے لے کر تحقیقاتی عمل اور سزاؤں کے تعین تک تمام امور کا بھی جائزہ لے گا۔ کمیشن کو پلی بارگین کے خاتمے کا ٹاسک دیے جانے کا بھی امکان ہے۔ کمیشن کے قیام کی منظوری پارلیمنٹ سے لی جائے گی۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ آزاد کمیشن کا معاملہ نیا نہیں، تاہم اب حکومت اس حوالے سے سنجیدگی سے آگے بڑھ رہی ہے اور اس کے لیے وزارت قانون اور دیگر

متعلقہ اداروں کو ضروری کام سونپ دیا گیا ہے۔ کمیشن کے قیام کا معاملہ پارلیمنٹ میں لانے سے پہلے تمام پارلیمانی سیاسی جماعتوں کو بھی مکمل اعتماد میں لیا جائے گا، جبکہ اس حوالے سے ایک پارلیمانی کمیٹی بھی قائم کی جاسکتی ہے، جو مختلف آئینی و قانونی پہلوؤں سمیت اس کے سیاسی امور پر بھی اپنی آرا دے گی۔ تاہم پارلیمنٹ میں لے جانے کی صورت میں آئینی یا قانونی ترمیم پر اتفاق رائے پیدا کرنا ایک بڑا چیلنج ہوگا۔ دوسری جانب ذرائع کے مطابق نیب آرڈیننس میں ترمیم پر حکومت اور پیپلز پارٹی میں بیک ڈور چینل پر خفیہ رابطہ ہوا ہے۔ آرڈیننس میں ترمیم کے لیے مسلم لیگ ن اور پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت میں غیر اعلانیہ مفاہمت پر اتفاق ہوگیا ہے۔ نیب آرڈیننس میں ترمیم کا مسودہ منظوری کے لیے وزیراعظم ہاؤس کو بھجوا دیا گیا ہے۔ اپوزیشن سے بھی ترمیم کے مسودے پر گفتگو کی گئی ہے۔ حکومت قومی اسمبلی اور سینیٹ سے منظوری سے قبل 90 روز کے لیے صدارتی آرڈیننس پر بھی غور کر رہی ہے۔ ذرائع کے مطابق نیب آرڈیننس میں ترمیم پر حکومت اور اپوزیشن ایک پیج پر ہیں، جبکہ پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت سے اس حوالے سے بیک ڈور چینل سے بھی رابطے کے بعد طے کیا گیا ہے کہ حکومت نیب آرڈیننس میں ترمیم کے لیے بل پارلیمانی کمیٹی سے منظوری کے بعد قومی اسمبلی میں لائے گی، جہاں پر اکثریت ہونے کی وجہ سے اسے خاص مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، جب بل کو سینٹ میں پیش کیا جائے گا تو وہاں پر پیپلز پارٹی حکومت کا ساتھ دے گی۔ پیپلز پارٹی کے ذرائع نے بھی

تصدیق کی ہے کہ نیب آرڈیننس میں ترمیم کے لیے حکومت کا ساتھ دیا جائے گا۔
تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ سیاسی جماعتوں کے نیب پر تحفظات منفی ہیں، سیاسی جماعتوں کا کہنا صرف یہ ہے کہ ہمیں نہ پکڑو دوسروں کو پکڑو، نیب سے متعلق آزاد کمیشن کا قیام سیاسی جماعتوں کے تحفظات دور نہیں کرسکے گا۔ سیاسی جماعتیں بتائیں کہ آزاد کمیشن کی ضرورت پیش کیوں آرہی ہے، نیب کے اندر ہی اسکروٹنی کا نظام بنانا چاہیے۔ سیاستدان اپنے میں موجود کرپٹ لوگوں کو بچانے کی کوشش نہ کریں، بلکہ ان کا احتساب ہونے دیں، بلکہ ان کا احتساب کرانے میں خود بھی نیب کا ساتھ دیں۔ اس طرح سیاسی نظام پر لوگوں کا اعتماد بحال اور جمہوری عمل مضبوط ہوگا۔ تجزیہ کاروں نے کہا کہ نیب اگر صحیح کام نہیں کررہی تو ابھی تک ن لیگ کیا کررہی تھی؟، میثاق جمہوریت اور ن لیگ کے منشور میں نیشنل احتساب کمیشن بنانے کا کہا گیا تھا مگر ڈھائی سال گزرنے کے باوجود نہیں بنایا جاسکا ہے۔ وزیراعظم کے بیان کے بعد نیب کے اختیارات محدود کرنے کی کوشش کی جائے گی تو لوگ یہی کہیں گے کہ حکومت کی دم پر پاؤں آگیا ہے اس لیے وہ چیخ رہی ہے۔ سیاسی جماعتوں یا شخصیات کی تشفی کے لیے نیب کے اوپر آزاد کمیشن کا قیام ناکام سوچ ہے، احتساب کے پورے نظام کا دوبارہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ کچھ لوگ سرمائے کے بل بوتے پر پارلیمان سمیت پورے

نظام کو یرغمال بنا چکے ہیں۔ چند سرمایہ کاروں پر ہاتھ پڑنے جا رہا ہے تو ہر طرف ہاہاکار مچ گئی ہے، پاکستان میں لوٹ مار کرنے والے افراد اور اداروں کو سزا ملنی چاہیے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ سیاست دانوں کی اکثریت یہ چاہتی ہے کہ ان کا احتساب نہ ہو، جب بھی ان کا احتساب ہونے لگتا ہے تو وہ شور مچانے لگتے ہیں، تمام کے تمام اس حوالے سے نیب کے اختیارات کو محدود کرنے کے لیے کوشاں ہیں، ظاہر میں اگرچہ کتنا ہی ایک دوسرے کے خلاف ہوں، لیکن احتسابی ادارے کے اختیارات محدود کرنے لیے سب ایک پیج پر ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ نیب کے سسٹم میں اصلاحات کی جانی چاہیے، لیکن ان اصلاحات کو سیاسی مقاصد کے لیے نہ کیا جائے اور کرپٹ لوگوں کو بچانے کے لیے یہ اصلاحات نہ کی جائیں۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو

دنیا میں آنے والا ہر فرد اپنی آنکھوں سے وقتاً فوقتاً خود غرضی اور مفاد پرستی کے مظاہر دیکھتا رہتا ہے۔ ہر دور میں قابیل کی قبیل کا انسان اپنے مفادات کی خاطر اپنے ہی ہم جنسوں کو نقصان پہنچاتا نظر آتا ہے۔ انسان کی اکثریت مفاد پرستی اور خود غرضی کی بھٹی میں اس قدر پک چکی ہے کہ یہ عیوب اس کی فطرت کا جزو لاینفک دکھائی دیتے ہیں۔ مفاد پرستی اور خود غرضی ہی انسان کو دھوکا دہی، چوری چکاری، ڈاکا زنی، قتل و غارت اور دیگر جرائم پر اکساتی و ابھارتی ہے اور دنیا کا سکون چھین کر اسے بے سکونی کا تاج پہناتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں صرف مفاد پرست اور خود غرض انسان ہی بستے ہیں۔ لوگ یہی خیال کرتے ہیں کہ دنیا سے مخلص، دوسروں کے کام آنے والے اور دوسروں کی مدد کرنے والے انسان معدوم ہو چکے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں آج بھی غرض سے بالاتر ہو کر انسانیت کے لیے کام کرنے والے بہت سے مخلص انسان دنیا میں موجود ہیں۔ آج بھی ایسے انسان اس دھرتی پر چلتے پھرتے ہیں، جنھیں دوسروں کی مدد کرکے دلی خوشی اور سکون حاصل ہوتا ہے، جن کو دیکھ کر یہ شعر یاد آجاتا ہے

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ انسان چاہے جتنا خود غرض اور مفاد پرست ہو جائے، لیکن انسانیت اس دھرتی پر ہمیشہ زندہ رہے گی۔ دنیا میں سارے انسان مفاد پرست اور خود غرض نہیں ہوتے، بلکہ انسان سے بے لوث محبت کرنے والے انسان بھی اس دھرتی پر بستے ہیں۔ گزشتہ روز بی بی سی پر بے لوث خدمت کی ایک داستان پڑھ کر آنکھیں نم ہو گئیں۔ بھارت کی ریاست بہار کے دارالحکومت پٹنہ میں گرمیت سنگھ نامی ساٹھ سالہ شخص گزشتہ 20 سال سے بلاناغہ بے یار و مددگار مریضوں کی مدد کرنے میں مشغول ہے۔ وہ خود ایک بازار میں کپڑے کی دکان چلاتا ہے، لیکن ہر روز رات کو بہار کے سب سے بڑے اسپتال میں مریضوں کی خدمت کرنا اپنی ڈیوٹی سمجھتا ہے۔ مسٹر سنگھ نے گزشتہ 13 برسوں سے کوئی چھٹی کی ہے اور نہ ہی پٹنہ سے باہر قدم رکھا ہے، کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ ان بے یار و مددگار لوگوں کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ وہ اپنے پانچ بھائیوں کے ساتھ ایک فلور پر رہتا ہے۔ تمام بھائی اپنی ماہانہ آمدنی میں سے دس فیصد مسٹر سنگھ کے مریضوں کی دوا کے لیے عطیہ دیتے ہیں۔ وہ ہر رات نو بجے اپنا گھر چھوڑ دیتا ہے اور کھانے اور دواؤں کے ساتھ اسپتال کے اس وارڈ کا چکر لگاتا ہے، جہاں بے یار و مددگار چھوڑ دیے جانے والے مریض ہوتے ہیں۔ وارڈ میں پہنچ کر مریضوں سے ان کا حال دریافت کرتا ہے، وہ ان کے نسخے دیکھتا ہے اور مہنگی دواؤں، جانچ، اسکین اور کینسر کے مریضوں کی کیمو تھراپی کے لیے پیسے دیتا

ہے اور مریضوں کے لیے خون کا عطیہ بھی کرتا ہے۔

بے لوث قربانی کا ایسا ہی واقعہ کچھ عرصہ قبل بھی کہیں پڑھا تھا، جس نے بہت متاثر کیا۔ مشرقی لندن میں نیو ہیم کے "رائل ڈوکس کمیونٹی اسکول" کی ایک تیرہ سالہ طالبہ عالیہ احمد علی کے گردوں نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ دماغ میں پانی بھر جانے کی وجہ سے عالیہ کی دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں شدید متاثر ہو رہی تھیں۔ عالیہ کو ایک گردے کی اشد ضرورت تھی، لیکن اس کا حصول ناممکنات میں سے دکھائی دے رہا تھا، لیکن عالیہ کے اسکول میں ہی بے لوث قربانی پر یقین رکھنے والے 53 سالہ مسٹر رے کو جب عالیہ کی مشکل کا پتا چلا تو اس نے بغیر لالچ اور زبان و مذہب کے مختلف اور ایک دوسرے سے بالکل اجنبی ہونے کے باوجود بلا توقف عالیہ کے لیے اپنا ایک گردہ عطیہ کرکے اس کی جان بچالی۔ جس سے ثابت ہوگیا کہ انسان سے انسانیت تک کا سفر قربانیوں اور ایثار کے کٹھن راستوں سے گزرتا ہوا آج بھی جاری ہے۔

اگر کہیں بے غرض اور سچے ایثار کی کہانی جنم لیتی ہے تو یہ احساس دلاتی ہے کہ انسانیت ہر دور میں زندہ تھی اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔ برے لوگوں کی اکثریت کے بیچ بہت سے ایسے اچھے افراد بھی موجود ہوتے ہیں، جو انسانیت کے تقاضوں پر حقیقی معنوں میں عمل پیرا ہو کر انسان کا سر فخر سے بلند کردیتے

ہیں۔ جب سے یہ دنیا وجود میں آئی ہے، خود غرضی اور مفاد پرستی کے ساتھ انسان کا دوسرے انسانوں کے لیے ایثار اور قربانی پیش کرنے کا جذبہ بھی اٹل حقیقت رہا ہے۔ ان سچے جذبوں کے اظہار کو ہر ذی روح محسوس کرتا ہے اور ان سے خود میں راحت اور توانائی کی دنیا بھی بساتا ہے۔ انسانیت کے درد کو اپنے دل میں جگہ دینے والے انسانوں کو انھی لافانی جذبوں کی بدولت انسانیت کی ایسی بلند و بالا مسند عطا ہوتی ہے، جس پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔

انسان کی بے لوث قربانی انسان دوستی کے بیش قیمت جذبوں کی ترجمانی کا فریضہ سر انجام دیتی ہے اور اسے دوسرے انسانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ انسانیت سے بے لوث محبت اور اس کی خدمت ہر انسان کی ازلی خواہش تو ہوتی ہے، لیکن اس کے اظہار کی اسے جرات، ہمت اور استطاعت نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ ذاتی مفادات کی خواہش دوسروں کی خدمت کی بجائے مفاد پرستی اور خود غرضی کے محور میں چکر لگانے پر آمادہ کرتی رہتی ہے۔ حالانکہ ایثار ہی دنیا کا حقیقی حسن ہے، لیکن نفسا نفسی کے اس دور میں دوسروں کی خدمت اور فلاح و بہبود کے لیے اپنی توانائیوں کو صرف کرنا انہونی سی بات لگتی ہے۔ ہر انسان اپنی ذات میں اتنا مگن ہے کہ اسے دوسروں سے کوئی غرض نہیں۔ وہ اپنے مسائل اور ضروریات میں الجھ کر اپنے ہم جنسوں سے نہ صرف دور ہوگیا، بلکہ ان کو نقصان پہنچانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ وہ لوگ واقعی باہمت، قابل داد اور قابل ستائش ہیں، جو

دوسروں کے لیے اپنا وقت نکالتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اگرچہ کم ہیں، لیکن ہیں ضرور۔

اس دور میں بھی وقتاً فوقتاً درد دل رکھنے والے افراد کے انسانوں کے لیے قربانیوں کے بے بہا واقعات سننے کو ملتے رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں اچھے اور برے انسان ضرور ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ انسان دوسروں کی خود غرضی اور مفاد پرستی کو دیکھتے ہوئے خود بھی ان کی راہ پر چل پڑے، بلکہ انسان کو فی زمانہ جتنی انسانیت کی ضرورت ہے، شاید پہلے کبھی نہیں تھی۔ ہر انسان اگر یہ عہد کر لے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق جہاں ضرورت پڑے اور موقع ملے تو ضرور دوسروں کی مدد کرے گا، مجبور اور ضرورت مند لوگوں کی چھوٹی بڑی ضروریات حل کرنے میں مکمل تعاون کرے گا، کسی غریب طالب علم کی تعلیم کا خرچ، کسی غریب کی بیٹی کی شادی کا خرچ، کسی بے روزگار کی نوکری کا انتظام، کسی غریب بیمار کے علاج کا انتظام اور ہر ایسا کام کرے گا جس سے کسی انسان کی ضرورت پوری ہوتی ہو تو یقین کیجیے اس سے دنیا بدل جائے گی۔ دنیا میں سکون ہی سکون کا راج ہوگا اور محبت کی حکمرانی ہوگی۔

مردم شماری پر سیاسی جماعتوں کے تحفظات.... التواء کے بادل منڈلانے لگے

مردم شماری کے حوالے سے سیاسی جماعتوں کے تحفظات کے باعث مردم شماری کا عمل متنازع ہوتا نظر آ رہا ہے اور مردم شماری کے عمل میں مزید تاخیر پیدا ہونے کا امکان بڑھ گیا ہے۔ بلوچستان کی بعض قوم پرست جماعتیں پہلے ہی مجوزہ مردم شماری پر تحفظات کا اظہار کر چکی ہیں، جبکہ اتوار کے روز پاکستان پیپلز پارٹی سندھ کے تحت منعقدہ کل جماعتی کانفرنس میں شامل سیاسی، مذہبی، قوم پرست اور سول سوسائٹی کے نمائندوں نے متفقہ طور پر مجوزہ مردم شماری پر تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ خیبر پختونخوا کے وزیر اعلیٰ نے مردم شماری سے متعلق سندھ کے تحفظات کی تائید کی ہے۔ ملک میں ہونے والی چھٹی مردم شماری پر بلوچستان کے بعد سندھ، خیبر پی کے نے بھی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ وفاق اس حوالے سے تمام صوبوں کو اعتماد میں لے۔ وفاقی حکومت نے مردم شماری پر صوبوں کے تحفظات دور کرنے کا فیصلہ کر لیا، جبکہ مردم شماری کے حوالے سے صوبوں کے تحفظات کی وجہ سے اس میں تاخیر ہونے کا امکان ہے۔ بعض صوبوں کی جانب سے مردم شماری کرانے کے مطالبات سامنے آتے رہے ہیں۔ گزشتہ روز بھی کراچی میں ہونے والی آل پارٹیز کانفرنس میں حکومت سے جلد مردم شماری کرانے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے، لیکن حالات کو دیکھ کر لگتا ہے کہ فی الحال مردم شماری ہوتی نظر نہیں آتی۔ اگرچہ ملک میں مردم

شماری کے لیے حکومت تقریباً ایک سال قبل ہی مشترکہ مفادات کونسل (سی سی آئی) سے منظوری لے چکی ہے، لیکن اس کے باوجود یہ عمل مارچ سے بھی آگے بڑھنے کا امکان ہے۔ اس حوالے سے ذرائع کے مطابق وزیر اعظم نواز شریف 29 فروری کو ہونے والے مشترکہ مفادات کونسل کے اجلاس میں تمام وزرائے اعلیٰ کو مردم شماری میں تاخیر کے حوالے سے اعتماد میں لیں گے۔ ذرائع کے مطابق مردم شماری کا اگلا شیڈول ممکنہ طور پر سی سی آئی کے اجلاس میں زیر بحث آئے گا اور ابھی یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ تاخیر صرف چند ماہ کے لیے ہوگی یا اس سے زاید کے لیے ہوگی۔ وفاقی اداروں کا کہنا ہے کہ اگر 3 لاکھ فوج ان کی مدد کے لیے مہیا کی جائے تو وہ صرف دن کے اندر یہ عمل مکمل کر سکتے ہیں، جبکہ دوسری جانب فوج ملک کے مختلف 18 حصوں میں مصروف ہونے کی وجہ سے مذکورہ تعداد میں اپنے جوان اور افسر مہیا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے، جس کے بعد ایک بار پھر مردم شماری کا عمل تاخیر کا شکار ہوتا نظر آرہا ہے۔ گزشتہ جمعہ کو پارلیمانی سیکرٹری برائے خزانہ و شماریات رانا محمد افضل خان نے قومی اسمبلی کو بتایا تھا کہ حکومت فوجی اہلکاروں کی عدم دستیابی کے باعث مردم شماری کا انعقاد شیڈول کے مطابق نہیں کر سکتی۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر پاک فوج حامی بھرے تو حکومت اپریل یا مئی میں اس 18 روزہ ملکی مہم کا انعقاد کر سکتی ہے۔ تاہم مردم شماری ڈویژن سے وابستہ موجودہ اور سابق عہدیداروں نے انکشاف کیا کہ مردم شماری میں تاخیر کی وجہ انتظامی کی بجائے سیاسی ہو سکتی

ہے۔ خدشہ ہے کہ اگر 2016ء میں بھی مردم شماری نہ ہوئی تو 2018ء کے الیکشن کا انعقاد متاثر ہو سکتا ہے۔

واضح رہے کہ ملک میں آخری بار مردم شماری 1998ء میں ہوئی تھی، اس کے بعد سال سے ملک میں مردم شماری نہیں ہو سکی ہے۔ 2010ء میں سابق وزیراعظم 18 سید یوسف رضا گیلانی کی صدارت میں مشترکہ مفادات کونسل نے ملک میں مردم شماری کروانے کی منظوری دی تھی، جس کے تحت ملک میں خانہ شماری اکتوبر 2010 ء میں، جبکہ چھٹی مردم شماری مارچ 2011ء میں ہونی تھی، لیکن نہیں ہو سکی۔ اس سے پہلے 2008ء میں بھی مردم شماری ہونی تھی، لیکن اس کو بھی بعض وجوہ کی بنا پر ایک سال کے لیے موخر کر دیا گیا، جبکہ 2009ء میں فاٹا، بلوچستان اور خیبر پختونخوا کی حکومتوں کے کہنے پر مردم شماری اور خانہ شماری ایک بار پھر موخر کر دی گئی۔ ملک میں آخری مردم شماری 1998ء میں ہوئی تھی۔ اس سے پہلے ملک میں ہر دس سال بعد یعنی 1951ئ، 1961ئ، 1972ء اور 1981ء میں مردم شماری ہوئی تھی۔ 1991 ء کی مردم شماری تین بار ملتوی ہونے کے بعد یکم مارچ سے 13 مارچ 1998ء کو ہوئی تھی۔ ابتدائی مرحلے میں خانہ شماری کا کام مکمل کر لیا گیا تھا، لیکن اندرون سندھ آبادی میں 770 فیصد اضافے کی ناقابلِ یقین رپورٹوں کے پیش نظر یہ عمل روک دیا گیا۔ اس وقت کی خانہ شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی 81 ملین سے بڑھ کر 133 ملین ہو گئی تھی۔ اس طرح اب 18 سال گزر چکے ہیں، لیکن چھٹی مردم شماری نہیں ہو رہی۔ اب وفاقی حکومت نے ملک میں

مردم شماری کی منظوری دی ہے، جو تین سال سے التواء میں تھی، لیکن بعض صوبوں کے تحفظات کے باعث اس بار بھی مردم شماری التواء کا شکار ہوتی نظر آ رہی ہے۔ اتوار کے روز پاکستان پیپلز پارٹی سندھ کے تحت اس حوالے سے کل جماعتی کانفرنس منعقد کی گئی ہے، جس میں شامل سیاسی، مذہبی، قوم پرست اور سول سوسائٹی کے نمائندوں نے متفقہ طور پر مردم شماری کے حوالے سے وفاقی حکومت سے اپنے مطالبات پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ مردم شماری کے عمل کی نگرانی صوبائی حکومتوں کے سپرد کی جائے اور مردم شماری کی ابتدا سے اختتام تک مشترکہ نگرانی کا نظام قائم کرنے کے ساتھ ساتھ قومی شماریاتی ادارے کی گورننگ کونسل میں تمام صوبوں کو مساوی نمائندگی دی جائے۔ خانہ شماری کی مدت میں کم از کم 10 دن اور مردم شماری کی مدت میں کم از کم ایک ماہ مقرر کی جائے۔ فوج اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو مردم شماری میں نگرانی اور سیکورٹی کی نگرانی دی جائے اور وفاقی حکومت غیر ملکی تارکین وطن کو واپس ان کے ممالک میں بھیجنے اور ان کی رجسٹریشن کا مناسب انتظام کرے۔ قومی مردم شماری کی صوبائی حکومتوں کی مشاورت سے مربوط پالیسی کا تعین کیا جائے۔ تمام غیر قانونی طور پر تارکین وطن کو جاری ہونے والے شناختی کارڈ کو منسوخ کیا جائے اور مردم شماری کی نگرانی کے لیے مانیٹرنگ کمیٹیاں قائم کی جائیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ ملک میں مردم شماری کرانا انتہائی ضروری ہے، 18 سال سے حکومتیں اس عمل کو ملتوی کرتی آئی ہیں، اب اس میں مزید تاخیر نہیں ہونی

چاہیے، لیکن اس حوالے سے وفاق تمام صوبوں کو اعتماد میں لے نا اور ان کے تحفظات دور کرنا ضروری ہے۔ مردم شماری فوج کی نگرانی میں کرانی چاہیے۔ مردم شماری کے حوالے سے کل جماعتی کانفرنس میں پیش کیے گئے مطالبات بے جا نہیں ہیں۔ مردم شماری کے انعقاد کے حوالے سے تمام صوبوں اور وفاق میں ہم آہنگی ضروری ہے۔

دوسری جانب مبصرین کا کہنا ہے کہ جدید طریقوں سے مردم شماری کا عمل بڑی حد تک آسان ہو سکتا ہے، لیکن سب سے پہلے اس کے لیے سیاسی عزم کی ضرورت ہے۔ نادرا کے پاس شہریوں کا بڑا ڈیٹا بیس موجود ہے۔ نادرا جیسے ادارے کے ہوتے ہوئے روایتی انداز میں مردم شماری کرانے کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بیشتر ممالک میں 19 ویں صدی کے دستی انداز کو یکسر ترک کر دیا گیا ہے۔ مردم شماری کے عمل میں آئی ٹی اور جدید ٹیکنالوجی کی مدد کس طرح حاصل کی جا سکتی ہے۔ جن ممالک نے جدید خطوط پر مردم شماری کا عمل شروع کر رکھا ہے، وہاں بھی نادرا جیسے قومی ادارے سے کام لیا جاتا ہے۔ وفاقی حکومت مردم شماری پر 16 ارب روپے خرچ کر رہی ہے حالانکہ اس رقم کا ایک چوتھائی نادرا کو دے کر بااعتماد اور باوثوق انداز میں 100 فیصد کمپیوٹرائزڈ شناختی کارڈ اور ب فارم جاری کیے جا سکتے ہیں۔ نادرا ملک کے 95 حصے تک رسائی رکھتا ہے، جبکہ دیگر حصے تک آسانی سے رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ نادرا بھی وہی کوائف مانگتا ہے

جو مردم شماری کے دوران اکٹھے کیے جاتے ہیں۔ دنیا کے 70 ممالک کے پاس مردم شماری کرانے کا مخصوص ادارہ نہیں ہے۔ حکمراں جماعت مسلم لیگ (ن) کے بعض ارکان کا کہنا ہے کہ مردم شماری ایک حساس معاملہ ہے، ہم ملک بھر میں مردم شماری ہی مرحلے میں کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو سیاسی جماعتیں اس کے نتائج پر اعتراض کریں گی۔

پاکستان میں "دیوار مہربانی" .... غربت سے مقابلے کی انوکھی مہم

یہ حقیقت ہے کہ انسان کی بے لوث خدمت و قربانی انسان دوستی کے بیش قیمت جذبوں کی ترجمانی کا فریضہ سر انجام دیتی ہے۔ انسانیت کی خدمت ہر انسان کی ازلی خواہش تو ہوتی ہے، لیکن ہر ایک کو اس کے اظہار کی ہمت اور استطاعت نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ ذاتی مفادات کی خواہش دوسروں کی خدمت کی بجائے مفاد پرستی اور خود غرضی کے محور میں چکر لگانے پر آمادہ کرتی رہتی ہے، لیکن دنیا میں بہت سے ایسے اچھے لوگ بھی موجود ہیں، جو انسانیت کے تقاضوں پر حقیقی معنوں میں عمل پیرا ہو کر انسان کا سر فخر سے بلند کر دیتے ہیں۔ دنیا میں انسان کا دوسرے انسانوں کے لیے ایثار، قربانی اور مہربانی کا جذبہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ انسانیت کے درد کو اپنے دل میں جگہ دینے والے انسانوں کو انھی لافانی جذبوں کی بدولت انسانیت کی ایسی بلند و بالا مسند عطا ہوتی ہے، جس پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ "دیوار مہربانی" انسان دوستی کا بہترین ثبوت ہے۔ پاکستان میں روز بروز مقبول ہوتی ہوئی "دیوار مہربانی" سے امیر و غریب میں محبت پیدا ہوگی اور معاشرے میں مہربانی کے جذبے کو فروغ ملے گا۔ اس دیوار کا مقصد معاشرے میں مہربانی کے تصور کو عام کرنا اور ضرورت مند خاص طور پر بے گھر افراد کی ضرورت بنا مانگے پوری کرنا ہے۔ اس مہم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ لوگ کپڑے، کھانے پینے

کی اشیاء اور دیگر سامان کو شہر کی ایک خاص دیوار کے ساتھ رکھ کر عطیہ کر دیں، جو ضرورت مند افراد کے کام آ سکتا ہے۔ لوگ اپنے کم استعمال شدہ اور غیر ضروری کپڑے اس دیوار پر لٹکا جاتے ہیں، جوتے اور استعمال کی دیگر اشیاء دیوار کے ساتھ رکھ دیتے ہیں، جہاں سے ضرورت مند لوگ اپنی ضرورت کے مطابق انہیں لے جا کر استعمال کر تے ہیں۔ اس دیوار کو "دیوار مہربانی" کا نام دیا گیا ہے۔ انگریزی میں آپ اسے "وال آف ہیلپ" بھی کہہ سکتے ہیں۔ دیوارِ مہربانی کا نعرہ "اگر آپ کو ضرورت نہیں تو چھوڑ جایئے اور اگر ضرورت ہے تو لے جایئے" ہے۔ سب سے پہلے چند ماہ قبل ایران کے شہر تہران میں "دیوارِ مہربانی" کے نام سے دیواریں تعمیر کی گئیں، جن پر "نیاز نداری بگذار" (اگر ضرورت نہیں ہے تو چھوڑ جائیں) اور "نیاز داری بردار" (اگر ضرورت ہے تو لے جائیں) کے جملے تحریر تھے۔ ایرانی میڈیا کے مطابق جس شخص نے اس دیوار مہربانی کی ابتدا کی وہ گمنام رہنا چاہتا تھا، لیکن اس کے اس انداز مہربانی کو تیزی سے فروغ ملا۔ لوگوں نے سوشل میڈیا کے ذریعے اس کو پھیلانے میں اہم کردار نبھایا۔ ہمارے ملک میں غریب افراد کی تعداد کافی زیادہ ہے، جب کہ دوسری طرف ایسے لوگ بھی ہیں جن پر اللہ نے نعمتوں کی فراوانی عطا کی ہے۔ ان کے پاس ضرورت سے زیادہ کپڑے اور استعمال کی دیگر اشیا ہوتی ہیں۔ ان میں بہت سے افراد

غریبوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ دنیا کے تمام ممالک میں ان دونوں طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ایران سے جنم لینے والا ہمدردی کا جذبہ لوگوں کو اتنا پسند آیا کہ نہ صرف ایران کے تمام شہروں میں دیوارِ مہربانی قائم ہو گئی، بلکہ پاکستان اور چین سمیت دیگر کئی ممالک میں بھی دیوار مہربانی کے نام سے کئی دیواریں قائم کی گئیں۔ پاکستان میں بھی اس کا زبردست خیر مقدم کیا جا رہا ہے۔ سوشل میڈیا پر اس کام کو خاصی پذیرائی ملی ہے۔ اس وقت پاکستان کے متعدد شہروں میں "دیوار مہربانی" کا تصور تیزی سے فروغ پا رہا ہے اور اسلام آباد، کراچی، لاہور، راولپنڈی، پشاور، پشاور، کوئٹہ، ایبٹ آباد، گوجرانوالہ، خضدار، حویلیاں، ساہیوال اور ملک کے دیگر شہروں میں بھی "دیوار مہربانی" کا آغاز کیا جا چکا ہے۔ ملک بھر سے لوگ اپنی اشیاء فراہم کر کے اس نیک خیال کو نہ صرف خراج پیش کر رہے ہیں، بلکہ اپنے "مہربان' ہونے کا ثبوت بھی دے رہے ہیں۔ بہت سے حاجت مند افراد بھی یہاں سے ضرورت ' کی اشیاء استعمال کے لیے لے جا رہے ہیں۔ دیوار مہربانی بڑی تیزی کے ساتھ پورے پاکستان میں پھیل گئی ہے اور اپنے جیسے دیگر انسانوں کی مدد کا جذبہ رکھنے والوں کی جانب سے اس کا زبردست خیر مقدم کیا جا رہا ہے۔ اسے دیکھتے ہوئے توقع ہے بہت جلد یہ ایک عالمی تحریک میں تبدیل ہو جائے گی۔

ملک کے مختلف شہروں میں لوگوں نے غریب لوگوں کی مدد کرنے کے اس انوکھے و

نرالے انداز کو بے حد سراہا۔ متعدد تعلیمی اداروں کے طلبہ نے مل کر کئی "دیوار مہربانی" بناڈالیں۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ ایک نیک جذبہ اور نرالا تصور ہے۔ "دیوار مہربانی" کے اس عظیم سلسلے کو آگے بڑھنا چاہیے، اس طرز کی دیواریں پاکستان کے ہر شہر میں تعمیر ہوں۔اب وقت آگیا ہے کہ نفرت کی دیواریں بنانے کی بجائے محبت کی دیواریں بنائی جائیں، جو لوگوں میں قربت کا باعث بنیں گیں۔ جن کی مدد سے کئی حاجت مند کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے بغیر اپنی ضروریات پوری کر سکیں گے، جس سے انہیں نہ تو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا اور نہ ہی ان کی عزت نفس مجروح ہوگی۔ ایسے منصوبوں کی کامیابی کے لیے مخیّر حضرات کے ساتھ ساتھ عام شہریوں کو بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے، تاکہ غریب اور مفلس افراد کی ضروریات باعزت طریقے سے پوری ہو سکیں۔ آج ایک طرف لوگوں کی بڑی تعداد کے پاس پیٹ بھرنے کے لیے ایک وقت کا کھانا نہیں ہے، جبکہ دوسری جانب پوری دنیا میں انسان مجموعی طور پر پیدا ہونے والی خوراک کا ایک تہائی یا 33 فیصد حصہ ضایع کر دیا جاتا ہے، جس کی مالیت 750 ارب ڈالرز بنتی ہے۔ سالانہ ایک ارب 30 کروڑ ٹن خوراک بڑی بے باکی کے ساتھ ضایع کردی جاتی ہے۔ اگر ضایع ہونے والی اس خوراک کو مستحق لوگوں تک پہنچایا جائے تو اس سے سالانہ دو سے تین ارب بھوکے انسانوں کا پیٹ بھرا جاسکتا ہے۔ اگر دنیا میں دیوار مہربانی کے تصور کو آگے بڑھایا جائے تو بہت سے بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہو سکتا ہے۔

دیوار مہربانی" ایک نرالا تصور ہے، جس سے غربت تو ختم نہیں ہو سکتی، لیکن ایک" اچھی سوچ جنم لے سکتی ہے، سوچ کا بدل جانا حقیقی انقلاب ہے۔ یہ بہت اچھی شروعات ہیں۔ ان جوانوں کی سوچ کی پذیرائی لازمی ہے اور اگر ہم سب اس میں اپنا حصہ ڈالیں تو ہمدردی کی یہ دیواریں مل کر ایک بہت بڑی زنجیر کی صورت اختیار کر سکتی ہے۔ اِس مہم کو مزید آگے پھیلانا چاہیے۔ مثبت سوچ اور عملی جدوجہد ہی مسلمانوں کو تمام مسائل سے نجات دلا سکتی ہے۔ انسانیت سے ہمدردی امن کا سب سے بڑا پیغام ہے۔ جس کے دل میں انسانوں کے لیے رحم کا جذبہ ہو وہ کسی بھی طرح سے ملک کو نقصان پہنچانے کا سبب نہیں بن سکتا۔ ہمیں آنے والی نسلوں کے لیے رحمدلی اور باہمی ہمدردی کا کلچر عام کرنا چاہیے اور ہر فرد اپنا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ چھوٹے چھوٹے قدم تسلسل کے ساتھ ہو تو بڑے فاصلے طے ہو سکتے ہیں۔ ہمدردی ہی دنیا کا حقیقی حسن ہے۔ وہ لوگ واقعی باہمت، قابل داد اور قابل ستائش ہیں، جو دوسروں کے لیے اپنا وقت نکالتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہیں۔ انسان کو فی زمانہ جتنی انسانیت کی ضرورت ہے، شاید پہلے کبھی نہیں تھی۔ ہر انسان اگر یہ عہد کر لے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق جہاں ضرورت پڑے اور موقع ملے تو ضرور دوسروں کی مدد کرے گا، مجبور اور ضرورت مند لوگوں کی چھوٹی بڑی ضروریات حل کرنے میں مکمل تعاون کرے گا اور ہر ایسا کام کرے گا جس سے کسی انسان کی ضرورت پوری ہوتی

ہو تو یقین کیجیے اس سے دنیا بدل جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے پاکستان کے لوگوں کو ہمدردی کے بے بہا جذبے سے نوازا ہے، جس کے مظاہر مختلف اوقات پر سامنے بھی آتے رہتے ہیں۔ دیوار مہربانی بھی انہیں مظاہر میں سے ایک ہے۔ "دیوار مہربانی" یقیناً ایک اچھا اور نرالا تصور ہے، اس نیک کام کو جاری رہنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ چند روز کے بعد لوگوں میں مہربانی کا جذبہ دم توڑ جائے۔ ملک میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ غریب لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے شروع کئے بہت سے کام منظم انداز میں نہ چلانے کی وجہ سے وقتی ثابت ہوتے ہیں اور کچھ روز کے بعد لوگ اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ضروری ہے کہ یہاں سے صرف ضرورت مند ہی اپنی ضرورت کے مطابق اشیاء اٹھائیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ حاجت مند اس دیوارِ مہربانی سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ نیک دل لوگوں کو چاہیے کہ ایسے تمام عوامل پر نظر رکھیں جو اس تحریک کو ناکام بنانے کا سبب بن سکتے ہیں اور اس کو زیادہ سے زیادہ منظم کرنے کی کوشش کریں۔

بے حسی بڑھتی جاتی ہے

موجودہ حالات کو دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ ہم بحیثیت مجموعی غیر محسوس طریقے سے بے حسی کی دلدل میں دھنستے چلے جا رہے ہیں، اگر کوئی شخص کسی مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہو جائے، ابتدا میں تو لوگ مصیبت زدہ شخص سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں، لیکن کچھ عرصے کے بعد دیکھنے والوں کے لیے اس شخص کی پریشانی ایک خبر سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔ یہ بے حسی ہمارے عمومی مزاج میں شامل ہو گئی ہے۔ ملک میں آئے روز بہت سے افسوسناک واقعات پیش آتے ہیں، جن کے وقوع پذیر ہونے کے بعد میڈیا اور عوام کا رویہ دیکھ کر چند روز تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ بہت جلد سب کچھ بدل جائے گا۔ کچھ روز ہر جانب اسی کا ذکر زبان زد عام رہتا ہے، لیکن رفتہ رفتہ نہ صرف اس کا تذکرہ ختم ہو جاتا ہے، بلکہ وہ معاملہ قصہ پارینہ بن جاتا ہے۔ تھرپارکر میں آئے روز بچوں کی اموات کا معاملہ بھی ایسی ہی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے، جہاں روز پانچ سے دس بچوں کی اموات کی خبر آنا ایک معمول بن گیا ہے۔ حکومت کی عدم توجہ، قلّت غذا اور سہولیات صحت کی عدم دستیابی کے سبب تھرپارکر میں ایک عرصے سے موت کا رقص جاری ہے، لیکن تاحال اس کے سدباب کے لیے کچھ نہیں کیا گیا، جس کو صرف بے حسی ہی کہا جا سکتا ہے۔

ہر سال غذائی قلت سے جب صحرائے تھر میں بچوں کی اموات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو اس خبر کو میڈیا پر کافی ہائی لائٹ کیا جاتا ہے، جس کے بعد حکومت اس حوالے سے اقدامات کرنے کے اعلانات کرتی ہے، لیکن آہستہ آہستہ اس خبر کی اہمیت کم ہو کر میڈیا سے تقریبا غائب ہو جاتی ہے اور حکومت تو پہلے سے ہی "غائب" ہونے کے لیے تیار ہوتی ہے۔ اس طرح کچھ دنوں کے بعد میڈیا کے خاموش ہونے کی وجہ سے حکومت کی جانب سے بھی مکمل خاموشی چھا جاتی ہے۔

تھر میں ہر سال سیکڑوں بچے حکومتی نااہلی کے باعث اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دیتے ہیں، لیکن حکومت ان کے مصائب کا کوئی مستقل حل تلاش کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ سال گزشتہ تھر کے باسیوں پر قیامت ڈھا گیا تھا اور سال رواں بھی قہر سے کم نہیں ہے۔ 2015ء میں 376 بچوں سمیت لگ بھگ ایک ہزار افراد غذائی قلت سے لقمہ اجل بن گئے تھے۔ صوبائی حکومت نے گزشتہ سال مٹھی میں ہونے والی ہلاکتوں سے کوئی سبق نہ سیکھا اور ایک مرتبہ پھر تھرپارکر میں حکومتی نااہلی، صاف پانی کی قلت، خوراک کی کمی، امراض کی بہتات اور طبّی سہولیات کے فقدان کے نتیجے میں سال رواں کے دوران لگ بھگ دو سو بچے موت کی وادی میں چلے گئے ہیں، لیکن حکومت کی طرف سے کچھ اقدامات نظر نہیں آ رہے ہیں، بلکہ سناٹا چھایا ہوا ہے۔ جب کہ گزشتہ برس بھی تھر میں قحط سالی اور

بیماریوں سے بچوں کی ہلاکتوں کے واقعات کے بعد سندھ حکومت کی جانب سے تھر کے لیے خصوصی پیکیج، اسپتالوں کی بہتری اور ان کے بجٹ میں اضافے کا اعلان کیا گیا تھا، لیکن اِن میں سے اکثر پر عمل درآمد نہیں ہو سکا۔

تھر میں زندگی کو سسکنے، بلکنے اور دم توڑنے کے سیکڑوں بہانے میسر ہیں۔ غذائی قلّت چہار سو موت کا خوفناک سایہ بنی ہوئی ہے، لیکن حکمران دو چار دن میڈیا کے سامنے تصاویر بنوانے کے بعد تھری عوام کو بھول کر اپنی سیاسی دھینگا مشتی میں مگن ہو جاتے ہیں۔ تھر میں بچوں اور ماؤں کی اموات کے بڑے اسباب میں سے صاف پانی کی قلّت، خوراک کی کمی اور طبّی سہولیات کا فقدان ہے۔ تھر کی 80 فیصد آبادی کا دار ومدار بارش کے پانی یا کنوؤں پر ہے۔ گزشتہ ایک سال کے دوران حکومت کی جانب سے نصب کیے گئے صاف پانی کے پلانٹس میں سے اکثر خراب ہو گئے ہیں اور جو باقی بچے ہیں، وہ ناکافی ہیں۔ جو پانی میسر ہے۔

اس میں سنکھیا اور فلورائیڈ کی آمیزش اوسط سے زیادہ ہے۔ اس پانی سے پیاس تو بجھ جاتی ہے لیکن انسانی جسم طرح طرح کی امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بے انتہا غربت کی وجہ سے کھانے کو کچھ نہیں ہے، جب کہ حکومت ایک من گندم اور پانی کی 4 بوتلیں تھر کے عوام کو دے کر اپنی ذمے داری سے سبکدوش ہونا چاہتی

ہے۔ غذائی قلت اور غیر معیاری پانی پینے سے بیماریاں بڑھ جاتی ہیں، لیکن امراض کے علاج کے لیے ان کو طبّی سہولیات میسر نہیں ہیں۔ کہنے کو تو تھر میں کاغذ پر 350 کے لگ بھگ چھوٹی بڑی ڈسپنسریاں ہیں، لیکن 70 فیصد بند اور جو کھلی ہیں، ان میں عملہ ہی نہیں یا عملہ غیر حاضر ہے۔ تھر کے حالات مستقل اقدامات کے متقاضی ہیں۔ حکومت کو تھر کے عوام کو مصائب سے چھٹکارہ دلانے کے لیے ایسے اقدامات کرنے چاہئیں جن سے وہاں کے عوام مستقل طور پر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں اور غذائی قلت، پانی کی کمی اور سہولیات صحت کے فقدان کے خوف سے آزاد ہو کر اپنی زندگی گزار سکیں۔

بھوک و پیاس سے جان دیتے بچوں کو موت کے منہ سے نکالنا حکمرانوں ہی کی ذمے داری ہے، لیکن یہ اپنی ذمے داری ادا کرنے، تھر میں غربت، بھوک، غذائی قلت کے اسباب کو ختم کرنے اور طبّی سہولیات کی فراہمی کو یقینی بنانے کی بجائے نت نئی تاویلیں کرنے میں مشغول ہیں۔ حکومت سندھ کا کہنا ہے کہ تھر میں صورت حال اتنی خراب نہیں ہے، جتنی دکھائی جا رہی ہے۔ یہ مانا کہ میڈیا پر بہت سے معاملات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے، لیکن جو حقیقت میں خراب صورتحال موجود ہے، کیا اس کا سدباب کرنا حکومت کی ذمے داری نہیں؟ یہ صوبائی حکومت کی غفلت و کوتاہی کا شاخسانہ ہی تو ہے کہ تھریوں کو مسلسل غذائی قلت کا سامنا ہے اور سرکاری شفاخانوں میں عوام کو علاج کی سہولتیں میسر نہیں ہیں۔

شفاخانوں میں کوالیفائڈ ڈاکٹرز کی کمی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر روز کسی نہ کسی ماں کی گود اجڑ جاتی ہے۔ تھر معدنیات سے مالا مال علاقہ ہے، لیکن حکومت تھر کے عوام کی ترقی کے لیے کچھ نہیں کر رہی۔ اگر حکومت کچھ کر رہی ہوتی تو تھر میں قحط سالی ہوتی، نہ بچے مرتے۔ ناقص پالیسیوں کی وجہ سے صورتحال اس قدر سنگین ہو گئی ہے کہ اب حکومت کے کنٹرول میں نہیں ہے۔

تھر میں ہر سال غذائی قلت، مختلف مہلک بیماریوں اور مناسب علاج کی سہولت نہ ملنے کے سبب سیکڑوں بچے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہمیشہ تھر کے علاقے کو نظر انداز کیا گیا اور اس علاقے کے مسائل کو مستقل بنیادوں پر حل کرنے کی جستجو نہیں کی گئی۔ حکومت میڈیا کی نشاندہی کے بعد خواب غفلت سے بیدار ہوتی ہے اور کچھ روز میڈیا کے سامنے ہلچل نظر آتی ہے۔ جب تک میڈیا تھر کے معاملے کو نمایاں کیے رکھتا ہے، حکومت بھی حرکت میں دکھائی دیتی ہے، لیکن میڈیا خاموش ہو جاتا ہے تو حکومت بھی تھر کے عوام سے کیے گئے تمام وعدوں کو بھول جاتی ہے۔ تھر میں پانی و خوراک کی قلت کو ختم کرنا، سہولیات صحت کی فراہمی اور تھریوں کے دیگر مسائل پر قابو پانا حکومت کی ذمے داری ہے، لیکن ایسے مسائل سے نمٹنے کی منصوبہ بندی ریاست کی ترجیحات کا حصہ ہی نہیں ہوتی۔ تھر میں معاملے کی سنگینی صرف بیڈ گورننس اور غیر سنجیدگی کی وجہ سے ہے۔ تھر میں خوراک کے قحط سے زیادہ احساس ذمے داری کا

قحط ہے، جو بے حسی کی صورت اختیار کر گیا ہے، ورنہ اگر حکومت تہیہ کر لے تو تھر کے
حالات کو بہتر انداز میں بدلنا ہے ناممکن نہیں ہے۔

پنجاب اسمبلی میں حقوق نسواں بل کی منظوری سے قوم تقسیم ہو گئی

پنجاب اسمبلی میں تحفظ خواتین بل کی منظوری کے بعد سیکولر طبقہ، مغربی فکر کے حامی اور نام نہاد سول سوسائٹی کے علمبردار خم ٹھونک کر اس قانون کی طرف داری کے لیے میدان میں اترے ہوئے ہیں، جبکہ تقریباً تمام مذہبی حلقے اس قانون کی نہ صرف مخالفت و مذمت کر رہے ہیں، بلکہ مزاحمت کے لیے ڈٹے ہوئے ہیں۔ قوم دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ خواتین کے تحفظ کا بل منشائے فطرت سے مطابقت نہیں رکھتا، یہی وجہ ہے کہ ملک کی اکثریت نے اس بل کو مسترد کر دیا ہے اور خود پنجاب حکومت کے اہم ارکان نے بھی اس کی مذمت کی ہے۔ مذہبی حلقوں کا خیال ہے کہ ملک میں مغربی سوچ و فکر اور مغربی تہذیب کو پروان چڑھایا جا رہا ہے، جس کی لیے وقتاً فوقتاً مغربی طرز کے قوانین بنائے جاتے ہیں، اس سے پہلے بھی ایسے قوانین بنائے گئے ہیں، جو معاشرے کے مزاج سے میل نہیں کھاتے۔ اس قسم کے قوانین سے نہ صرف معاشرہ بے راہ روی کا شکار ہوگا، بلکہ خاندانی زندگی بری طرح متاثر ہوگی، کیونکہ شوہر و بیوی کی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے فیصلے بھی تھانے کچہری میں ہوں گے تو یقیناً اس سے نفرتیں بڑھیں گی اور طلاق کی شرح میں اضافہ ہوگا اور خاندان ٹوٹیں گے، جو معاشرے کے لیے انتہائی نقصان دہ بات ہے۔ مذہبی حلقوں کا کہنا ہے کہ ہماری قومی پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں سے پاس کروائے

جانے والے بہت سے ایسے بل بھی ہیں، جن کا پاکستانی معاشرے کے حقیقی مسائل اور عوام کی امنگوں سے کم ہی تعلق بنتا ہے اور ان کے پیچھے مغربی ایجنڈے کا عنصر واضح نظر آتا ہے اور یہ قوانین اسلام کے بھی خلاف ہوتے ہیں۔ حالیہ قانون بھی اسلام و شریعت سے متصادم ہے، حالانکہ پاکستان کے 1973ء کے آئین میں واضح ہے کہ پاکستان میں ہر قسم کی قانون سازی قرآن وسنت کے دائرے کے اندر رہ کر ہوگی اور موجودہ تمام قوانین کا بھی جائزہ لے کر انہیں قرآن و سنت کے مطابق بنایا جائے گا اور اس کے ساتھ اس مقصد کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کے نام سے باقاعدہ ایک آئینی دارہ قائم ہے جس میں تمام مکاتب فکر کے علماء اور قانونی ماہرین کی نمایندگی موجود ہے، لیکن حکومت نے خواتین کے تحفظ کے بل کو اسلامی نظریاتی کونسل تک لے جانے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔

دوسری جانب یہ انتہائی افسوسناک حقیقت ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی خواتین پر دنیا بھر میں تشدد کیا جاتا ہے اور ان کے حقوق سلب کیے جاتے ہیں، جو قوانین عورت کی آزادی کے نام سے بنائے جاتے ہیں، حقیقت میں یہ قوانین خود عورت کے لیے ہی مزید مسائل کا سبب بنتے ہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ عورت کو درپیش مسائل کے سدباب کے لیے اسلام اور معاشرے کے مزاج کے مطابق قوانین بنائے جائیں اور جو خواتین کے حقوق کے حوالے سے جو قوانین پہلے سے موجود ہیں، ان کے تحت عورتوں کے قتل، ان کے جنسی استحصال، ان پر تشدد، ان پر

تیزاب پھینکنے اور ان کے حقوق کو غصب کرنے کے واقعات میں جو لوگ ملوث ہیں، ان کو سزائیں دی جائیں اور عورتوں کو گھر کی چار دیواری سے نکال باہر سڑکوں پر لانے کی سوچ کی حوصلہ شکنی کرنا ہوگی۔ اس کے ساتھ معاشرے میں اسلامی تعلیم کو عام کیا جائے، تاکہ میاں بیوی ایک دوسرے کے حقوق کامل طور پر ادا کر سکیں، لیکن یہاں ایک جانب دنیا کے غریب اور پسماندہ خطوں میں جہالت، جاہلانہ رسوم و روایات اور مردانگی کے مخصوص منفی تصورات کی بنا پر عورتوں پر جسمانی و نفسیاتی تشدد عام ہے تو دوسری جانب خود کو انتہائی مہذب اور تعلیم یافتہ کہلانے والے مغربی معاشروں نے عورت کو آزادی اور برابری کا جھانسہ دے کر گھروں سے نکالا اور مادی ہوس اور مردانہ خواہشات پر مبنی معاشرے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے جس کے بعد عورت کی حیثیت محض ایک کھلونے اور "جنس بازار" کی ہو کر رہ گئی ہے۔

گزشتہ روز پنجاب اسمبلی سے کثرت رائے سے منظور ہونے والے تحفظ خواتین بل پر گورنر پنجاب رفیق رجوانہ نے دستخط کر دیے، جس کے بعد اس بل کو قانونی حیثیت مل گئی۔ پنجاب کے ہر ضلع میں تحفظ خواتین قانون پر مرحلے وار عملدرآمد ہوگا اور پہلے مرحلے میں قانون پر عملدرآمد ملتان میں ہوگا۔ اس قانون کے ذریعے تشدد کا شکار ہونے والی خواتین کو تین طرح کا تحفظ یقینی بنایا جائے گا۔ نئے قانون کی بدولت خواتین ہراساں کرنے والوں یا پھر جسمانی تشدد کرنے

والوں کے خلاف عدالت سے پروٹیکشن آرڈر لے سکیں گی۔ پروٹیکشن آرڈر کے ذریعے عدالت ان افراد کو جن سے خواتین کو تشدد کا خطرہ ہو، پابند کرے گی کہ وہ خاتون سے ایک خاص فاصلے پر رہیں اور اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ عدالت کے پروٹیکشن آرڈر کی خلاف ورزی نہیں ہو رہی، تشدد کرنے والے شخص کو جی پی ایس ٹریکنگ بریسلٹ پہنائے جائیں گے، تاہم اس پابندی کا اطلاق شدید خطرہ ثابت ہونے یا سنگین جرم کی صورت میں ہی ہوسکے گا۔ عدالت ثبوت کی بنیاد پر جی پی ایس بریسلیٹ پہنانے کا فیصلہ کرے گی، جسے ٹیمپر نہیں کیا جاسکے گا۔ ٹیمپرنگ کی صورت میں تشدد کے خلاف قائم کیے گئے سینٹرز پر خود بخود اطلاع ہوجائے گی اور ٹیمپرنگ یا بریسلٹ کو اتارنے کے لیے 6 ماہ سے ایک سال تک اضافی سزا دی جائے گی۔ ریزیڈینس آرڈر کے تحت خاتون کو اس کی مرضی کے بغیر گھر سے بے دخل نہیں کیا جاسکے گا، اگر کوئی بھی خاتون جان کے خطرے کے باعث گھر چھوڑنے پر مجبور ہو یا اسے خاندان کے افراد گھر سے نکال دیں تو ایسی صورت میں عدالت خاندان کو پابند کرسکے گی کہ خاتون کی رہائش کا متبادل بندوبست کیا جائے یا اسے دوبارہ گھر میں رکھا جائے۔ جب کہ مانیٹری آرڈر کے تحت خواتین تشدد کرنے والے کے خلاف کی گئی قانونی چارہ جوئی پر ہونے والے اخراجات تشدد کرنے والے شخص سے حاصل کرسکیں گی۔ مانیٹری آرڈر کے تحت خواتین اپنی تنخواہ یا اپنی جائیداد سے ہونے والی آمدنی کو اپنے اختیار میں رکھنے اور اپنی مرضی سے خرچ کرنے کے قابل بھی ہوسکیں گی۔ واضح رہے کہ تحفظ خواتین

بل گزشتہ برس پنجاب اسمبلی میں پیش کیا گیا تھا، تاہم اراکین کی جانب سے کئی اعتراضات اٹھائے جانے کے باعث یہ منظور نہ ہو سکا، تاہم 25 فروری کو پنجاب اسمبلی نے متفقہ طور پر اس بل کی منظوری دی تھی۔

جمعیت علمائے اسلام کے امیر مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ پنجاب اسمبلی میں پاس کیے گئے تحفظ خواتین بل کو عدالت میں چیلنج کیا گیا تو جے یو آئی عدالت جانے والے کو سپورٹ کرے گی۔ بل کی منظوری سے خاندان کے ٹوٹنے کا تصور ابھرتا ہے، جب خاندان ٹوٹے گا زلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بل کی منظوری سے طلاق کی شرح میں اضافہ ہوگا۔ بل کو پاس کرانا مغرب کے ایجنڈے کو تقویت دینا ہے۔ بل پر عملدرآمد سے خاندانی نظام تباہ ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ بل مرد کی تذلیل ہے، جس کی آئین پاکستان میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر برطانیہ کا کلچر آگے بڑھانا تھا، آزادی کیوں حاصل کی گئی تھی؟ جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق نے کہا ہے کہ وزیر اعلیٰ پنجاب تکبر کی بنیاد پر ایسا قانون نہ لائیں جو ملک میں خاندانی نظام کے انتشار کا باعث بنے۔ پنجاب اسمبلی میں خواتین کے حقوق کا بل خاندانی نظام کو تباہ کرنے کی بنیاد بنے گا، شوہر اور بیوی میں احترام ختم ہو جائے گا۔ گزشتہ روز سنی اتحاد کونسل کے 20 مفتیوں نے اجتماعی شرعی اعلامیہ میں پنجاب اسمبلی سے منظور ہونے والے تحفظ خواتین بل کو قرآن و سنت سے متصادم قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ غیر

شرعی بل کسی صورت قبول نہیں کیا جاسکتا۔ حکومت اسلام اور آئین سے متصادم بل واپس لے۔ تحفظ خواتین بل پاکستان کو سیکولر لبرل ملک بنانے کی سازش کا حصہ ہے۔ میاں بیوی کے حساس رشتے کو مذاق نہ بنایا جائے۔ مرد کو گھر سے نکالنے اور ٹریکر لگانے جیسے اقدامات مغرب کی بھونڈی نقالی کے سوا کچھ نہیں۔ تحفظ خواتین بل میاں بیوی کے حقوق و فرائض کے توازن کو متاثر کرے گا۔ تحفظ خواتین بل خواتین کو مادر پدر آزاد کرنے کی کوشش ہے۔ دینی طبقات پاکستان میں مغربی ایجنڈا مسلط نہیں ہونے دیں گے۔ تحفظ خواتین بل سے خاندانی نظام تباہ ہو جائے گا اور طلاق کی شرح میں اضافہ ہوگا۔ یہ بل یورپ سے درآمد کیا گیا ہے۔ پاکستان کا آئین کہتا ہے کہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جاسکتا، اس لیے تحفظ خواتین بل آئین سے بھی متصادم ہے۔ حکمران مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے دینی اقدار و روایات کو پامال نہ کریں۔ اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ اسلام خواتین پر تشدد کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرکے خواتین کے حقوق کا تحفظ یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ تحفظ خواتین بل کے نفاذ سے معاشرے میں فساد برپا ہوگا۔ مغرب کا کلچر مشرق میں نہیں چل سکتا۔ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں غیر اسلامی قوانین ناقابل برداشت ہیں۔ ملک میں تمام مکاتب فکر کے اکثر علمائے کرام نے پنجاب اسمبلی میں پاس کیے گئے بل کی مذمت کی ہے اور اسے اسلام سے متصادم قرار دیا ہے۔

مردم شماری میں تاخیر.... ملکی ترقی میں حکومتی عدم دلچسپی کا مظہر!

مشترکہ مفادات کونسل نے ملک میں چھٹی مردم شماری کا انعقاد اتفاق رائے سے ایک بار پھر موخر کر دیا ہے۔ سیکرٹری شماریات ڈویژن کی جانب سے اجلاس کو بتایا گیا کہ ملک کو ایک لاکھ 66 ہزار 819 بلاکس میں تقسیم کیا گیا ہے، جس کے لیے دو لاکھ دس ہزار 239 ہیڈز کی ضرورت ہے، چونکہ پاکستان کی مسلح افواج جاری آپریشنز ضرب عضب میں مصروف ہیں، اس لیے مارچ یا اپریل میں ایک ہی دن پورے ملک میں فوجی اہلکاروں کی تعیناتی ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں سرکاری اسکولوں میں سالانہ امتحانات کے سبب اساتذہ کی مطلوبہ تعداد بھی دستیاب نہیں، جبکہ افغان مہاجرین کی رجسٹریشن کا عمل بھی مکمل نہیں۔ ملک کی سیاسی جماعتوں کی جانب سے پہلے ہی یہ خدشہ ظاہر کیا جارہا تھا کہ وفاقی حکومت مردم شماری کو موخر کرنا چاہتی ہے۔ حکومت نے مردم شماری کو موخر کرنے کا اعلان کرکے سیاسی جماعتوں کے خدشے کو حقیقت میں بدل دیا ہے۔ پنجاب کے علاوہ دیگر صوبوں کی جانب سے مختلف ادوار میں ملک بھر میں مردم شماری جلد از جلد کرانے کا مطالبہ کیا جاتا رہا ہے۔ سندھ حکومت کی جانب سے کہا گیا تھا کہ مردم شماری سندھ کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے، جبکہ خیبر پختونخوا حکومت نے بھی وفاق سے مردم شماری کرانے کا مطالبہ کرایا تھا، لیکن وفاقی حکومت تاحال صوبوں کے مطالبے کو عملی جامہ پہنانے میں

ناکام رہی ہے۔ وفاق کی جانب سے تمام صوبوں میں وسائل و محاصل کی تقسیم آبادی کی بنیاد پر کی جاتی ہے اور آبادی مردم شماری کے بعد ہی معلوم ہوتی ہے، اس لیے چھوٹے صوبوں کی جانب سے مردم شماری کا مطالبہ کیا جاتا ہے، ان کا کہنا ہے کہ وفاق مردم شماری نہ کراکے ہمیں حق سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ مردم شماری موخر کرنے کے حکومتی فیصلے کو تقریباً تمام چھوٹے صوبوں کی جانب سے تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔

صوبہ سندھ اور کے پی کے کے سیاسی رہنماؤں نے ملک میں مردم شماری کے فیصلہ کو موخر کرنے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مردم شماری وقت کی اہم ضرورت ہے۔اس میں مزید حیلے بہانے اور تاخیر کسی صورت قابل قبول نہیں۔ ترجیحی بنیادوں پر مردم شماری کے لیے فوری تاریخ مقرر کی جائے، تاکہ چھوٹے صوبوں اور قومیتوں میں پائی جانے والی احساس محرومی، بے چینی اور شکوک و شبہات کا خاتمہ کیا جاسکے۔ گزشتہ اور موجودہ وفاقی حکومتوں نے ملک میں صحیح مردم شماری کرانے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور ہمیشہ اس اہم مسئلے کو طول دے کر وسائل کی تقسیم، چھوٹی قومیتوں اور صوبوں کے حقوق کے حصول کی راہ میں روڑے اٹکائے۔

حکومت نے مردم شماری کو موخر کرنے کے لیے جو وجوہ بیان کی ہیں، ان سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ تمام وجوہ اس وقت بھی موجود تھیں، جب ملک میں مردم شماری کرانے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ حکومت کو پہلے دیکھنا چاہیے تھا کہ

ملک فلاں فلاں مسائل کا شکار ہے، اس لیے ان حالات میں مردم شماری نہیں کی جا سکتی۔ حکومت کا پہلے مردم شماری کرانے کا اعلان کرنا اور بعد میں موخر کر دینا سمجھ سے بالاتر ہے۔ حکومتی کی غیر سنجیدگی کا اندازہ شماریات ڈویژن کے وفاقی سیکرٹری کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے کہ مردم شماری کب ہو گی؟ حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ممکن ہے آئندہ دو تین سال تک مردم شماری نہ ہو سکے۔ اس بیان سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت مردم شماری کے معاملے کو بھی برسوں کے لیے لٹکائے رکھنے کا ارادہ کر رہی ہے۔ قوم کی بد قسمتی ہے کہ ملکی ترقی کے لیے ناگزیر اہمیت و افادیت کے حامل اور قومی ترقی کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھنے والے اس اہم ترین معاملے کو پس پشت ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ آئین پاکستان میں ہر 10 سال بعد مردم شماری کے عمل کو ضروری قرار دیا گیا ہے، لیکن ملک میں قیام پاکستان سے اب تک صرف 5 بار ہی مردم شماری کرائی جا سکی ہے۔ پہلی مردم شماری 1951، پھر بالترتیب 1961، 1972، 1981 اور آخری بار 1998 میں ہوئی۔

قومی مردم شماری و خانہ شماری کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ یہ ہماری بد قسمتی اور ذمہ دار لوگوں کی نااہلی ہے کہ ان کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ 18 سال کے عرصے میں پاکستان کی آبادی کتنی بڑھ چکی ہے۔ زندگی کے کن کن شعبوں میں عوام کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے کیا ضرورتیں ہیں؟ کون سے

شعبے میں زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟ ملک کے کس حصے میں عوام کے علاج معالجے کے لیے کس تعداد میں ہسپتالوں کی ضرورت ہے؟ اور عوام کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے کتنے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی ضرورت ہے؟ عوام کو حاصل بنیادی سہولتوں کی فراہمی کا دارومدار آبادی کے درست اعداد و شمار پر ہوتا ہے۔ مردم شماری صرف آبادی کو معلوم کرلینے کا نام نہیں بلکہ مردم شماری کے ذریعے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ ملک کی ضروریات کیا ہیں، ملک کو کن کن مسائل کا سامنا ہے، ملک کی آبادی میں کمی یا اضافہ کتنا ہوا ہے، ملک کی اکثریتی آبادی کا تعلق کس نسل یا زبان سے ہے، کتنے فیصد طبقہ تعلیم یافتہ ہے اور کتنا نہیں، خواندگی کی شرح کیا ہے؟ مردم شماری کے نتیجے میں ملک کی کل آبادی، مردوں، عورتوں اور بچوں کی تعداد، شرح نمو، شرح اموات، حاملہ خواتین کی تعداد، ملک کے اندرونی علاقوں سے نقل مکانی کرنے والوں کی تعداد اور شرح، بیرون ملک کام کرنے والوں کی تعداد، غیر شادی شدہ اور شادی شدہ افراد کی تعداد، گھروں کی تعداد، زراعت، صنعت یا ذاتی کاروبار سے منسلک افراد کی تعداد، پرائمری اور میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد، اسکول جانے اور نہ جانے والوں کی تعداد، کالج اور یونیورسٹیوں میں جانے والون کی تعداد، اساتذہ کی تعداد، ذریعہ آمدن، ڈاکٹروں، نرسوں اور دائیوں کی تعداد، گھروں میں مواصلاتی سہولیات اور دیگر بہت سی معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ کوئی بھی ملک اس وقت تک ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتا جب

تک اس کو ملک کی آبادی کے اعداد و شمار درست طور پر معلوم نہ ہوں۔

مردم شماری کے تحت ملکی آبادی کا تعین ہی وہ بنیادی عمل ہے جس کے ذریعے معاشرے کے مسائل کی نشاندہی بہتر انداز میں کرکے انہیں حل کرنے کے لیے حکمت عملی مرتب کی جاسکتی ہے۔ مردم شماری کے تحت حاصل ہونے والے مواد اور اعداد و شمار کے ذریعے محققین اور تجزیہ نگار معاشرے میں مختلف امور پر معاشی اور معاشرتی تبدیلیوں کے ختم یا پیدا ہونے والے رجحان کی نشاندہی کرتے ہیں اور مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔ پھر اس مواد اور اعداد و شمار کے ذریعے مختلف علاقوں اور یونٹس کے عوام کے طرز زندگی کا مطالعہ کر سکتے ہیں اور انہیں بہتر انداز سے جانچ سکتے ہیں۔ مردم شماری کے اعداد و شمار کی بنیاد پر یونٹس اور صوبوں میں قومی وسائل کی تقسیم کا حصہ طے کیا جاتا ہے اور آبادی کے تناسب سے وسائل کی منصفانہ تقسیم شفاف انداز سے کرنے میں مردم شماری کے اعداد و شمار معاون اور کارآمد ہوتے ہیں۔ اسی طرح مردم شماری کے اعداد و شمار کی بنیاد پر ملک کے پالیسی ساز مختلف شعبوں میں پالیسیاں بہتر انداز سے بنا سکتے ہیں اور حکومتیں اپنا لائحہ عمل طے کرتی ہیں۔ پاکستان کی آبادی تیز رفتاری کے ساتھ بڑھ رہی ہے، لیکن پاکستانیوں کو سرے سے اپنی آبادی کا علم ہی نہیں ہے۔ آخری بار 1998ء میں کی گئی مردم شماری کی بنیاد پر قومی و صوبائی حلقہ بندیاں ترتیب دی گئی ہیں، حالانکہ گزشتہ دو دہائیوں سے شہری

آبادی میں مسلسل اضافہ ہوا ہے۔ 1998ء کی مردم شماری کو اٹھارہ سال ہو چکے ہیں، چھٹی مردم شماری 2008 میں ہونا تھی، مگر اس وقت کی پیپلز پارٹی کی حکومت نے مردم شماری کرانے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ موجودہ نواز حکومت کی جانب سے مشترکہ مفادات کونسل میں چاروں صوبوں کی رائے سے مارچ 2016ء میں ملک کی چھٹی مردم شماری کرانے کا فیصلہ کیا گیا تھا، لیکن مشترکہ مفادات کونسل (سی سی آئی) نے ملک میں چھٹی مردم شماری موخر کردی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی ملک اپنی آبادی کے اعداد و شمار کے درست اعداد و شمار کو جانے بغیر ترقی نہیں کرسکتا۔ حکومت کو مردم شماری کی حساسیت اور سنگینی کو سمجھتے ہوئے فوراً ملک میں مردم شماری کرانی چاہیے۔ اگر ایک ہی بار میں یہ ممکن نہ ہو تو اسے مرحلہ وار بھی کروایا جاسکتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے ایک صوبے میں اور بعدازاں دوسرے صوبوں میں مردم شماری کرالی جائے اور ایک ہی صوبے کے مختلف حصوں میں مرحلہ وار بھی مردم شماری کرائی جاسکتی ہے۔ بہر حال مردم شماری کا معاملہ موخر یا ملتوی ہرگز نہیں کیا جانا چاہیے۔

حقوق نسواں

دنیا بھر میں عورت کے ساتھ ہونے والا برتاؤ مختلف معاشروں اور تہذیبوں میں ہمیشہ سے زیر بحث رہا ہے۔ دنیا کی نصف آبادی عورتوں پر مشتمل ہے، اس لیے انسانی زندگی کا دارومدار جتنا مردوں پر ہے، اتنا ہی عورتوں پر بھی ہے۔ عورت معاشرے کی بنیاد ہے، بنیاد جتنی مضبوط ہوگی، معاشرہ بھی اتنا ہی مضبوط و طاقتور ہوگا۔ کسی دانا کا کہنا ہے اگر کسی معاشرے کا تجزیہ کرنا مقصود ہو تو اس معاشرے میں عورت کی سماجی حیثیت" دیکھ لو۔" یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ تمام تر اہمیت کے باوجود عورت کو وہ مقام و مرتبہ نہیں دیا گیا، جس کی وہ حق دار ہے۔ پوری دنیا میں عورتوں کا استحصال اور ان پر ظلم و تشدد کیا جاتا ہے۔ دنیا کی ہر تیسری عورت تشدد کا شکار ہے۔ ہر سال دنیا بھر میں عورتوں سے جنسی زیادتی کے ڈھائی لاکھ واقعات پیش آتے ہیں، ہر سال 40 لاکھ خواتین کو عصمت فروشی پر مجبور کیا جاتا ہے۔ جاگیردارانہ نظام میں خواتین کو وراثت کا حق دینے کا کوئی تصور نہیں ہے۔ شادی بیاہ کے فیصلوں میں عموماً ان سے نہیں پوچھا جاتا۔ نام نہاد غیرت کے نام پر ہر سال ہزاروں خواتین کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ کاروکاری، چھوٹی بچیوں کی بوڑھوں سے شادی، جائیداد خاندان سے باہر جانے کے خوف سے عورتوں کی شادی نہ کرنا، انھیں جائیداد کا حصہ نہ دینا، عورت کے چہرے پر

تیزاب پھینکنا، بلاوجہ طلاق، شکوک و شبہات کی پاداش میں عورت کو قتل کر دینا، جہیز نہ لانے یا کم جہیز لانے پر اسے ظلم کا نشانہ بنانا، چھوٹی چھوٹی رنجشوں یا غلطیوں پر عورتوں کی پٹائی کرنا اور جہالت پر مبنی اسی قسم کے بہت سے واقعات ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں، جو آج کے ترقی یافتہ انسان کے منہ پر زور دار طمانچہ ہے۔ عورتوں کے ساتھ روا رکھا جانے والا یہ بھیانک رویہ نہ صرف انسانیت کے نام پر دھبہ ہیں، بلکہ مذہب اسلام کی اصل روح، روایات اور تعلیمات کے بھی سراسر خلاف ہے۔ ایسے مکروہ رویوں کو تعلیم کے فروغ کے ذریعے ہی ختم کیا جاسکتا ہے۔

عورت کی حیثیت واہمیت کے حوالے سے ہمارا معاشرہ دو طبقوں میں تقسیم ہے۔ اسلامی تعلیم سے محروم ایک طبقے نے عورت کو دوسرے درجے کے شہری جتنی حیثیت دی، جب کہ دوسرے طبقے کے نزدیک عورت کا آزادانہ اختلاط پر مبنی معاشرہ ہی اصل معیار ہے۔ دونوں طبقات کے نظریات عورت کے حقوق کے لیے نقصان دہ ہیں۔ ایک طرف پسماندہ ممالک میں جاہلانہ رسوم و روایات اور مردانگی کے مخصوص منفی تصورات کی بنا پر عورتوں پر جسمانی و نفسیاتی تشدد عام ہے، جب کہ دوسری جانب خود کو انتہائی مہذب اور تعلیم یافتہ کہلانے والے مغربی معاشروں میں عورت کا استحصال اپنی بدترین شکل میں موجود ہے۔

مغرب نے عورت کو مردانہ خواہشات پر مبنی معاشرے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا، جس کے بعد عورت کی حیثیت " بازاری جنس" کی ہو کر رہ گئی ہے۔ عورت کے حوالے سے دونوں رویے افراط و تفریط کا شکار ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں سب سے معتدل نظریہ اسلام کا ہے۔ اسلام کی نظر میں مرد و زن برابر ہیں۔ البتہ جہاں ان دونوں صنفوں کے درمیان حیاتیاتی فرق ہے، وہاں دین نے دونوں کے درمیان انصاف کے ذریعے ان کے حقوق وفرائض کو متوازن کر دیا ہے۔

علامہ محمد اقبال کہتے ہیں "عورت کو بھی وہی انسانی حقوق حاصل ہیں، جو مرد کو حاصل ہیں، لیکن دونوں کا دائرہ عمل الگ الگ ہے دونوں اپنی اپنی استعداد کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ تعاون عمل کرکے تمدن کی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔" اسلام نے خواتین کو انتہائی زیادہ عزت بخشی ہے۔ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مفہوم ہے "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بھلا سلوک کرے۔" اسلام کی نظر میں اگر عورت ماں ہے تو اس کے قدموں تلے جنت ہے۔ اگر بیٹی ہے تو اس کی بہترین پرورش کے عوض جنت کی بشارت ہے۔ اگر بہن ہے تو اس کے باعث صدقہ وجہاد کا ثواب حاصل ہوگا اور اگر بیوی ہے تو یہ شوہر کا لباس ہے۔ اسلام نے زندگی کے کسی موڑ پر بھی عورت کو تنہا نہیں چھوڑا، بلکہ قدم قدم پر اس کی حفاظت و عزت کا انتظام کیا ہے، جو لوگ عورت کو اس کا اصل مقام نہیں دیتے وہ اسلامی تعلیمات سے نابلد اور سراسر غلطی پر ہیں۔ عورت کو

جو مقام اسلام نے دیا ہے، دنیا کے کسی معاشرے میں اس کی مثال نہیں ملتی، لیکن مغرب سے مرعوب بہت سے لوگ عورت کی حفاظت و عزت پر مبنی اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر عورت کے حوالے سے مغرب کی غیر محفوظ ثقافت کے نفاذ کے لیے کوشاں ہیں، جو نہ صرف معاشرے کے لیے مضر ہے، بلکہ ان کے نفاذ سے خود مشرق کی عورت بھی مغرب کی عورت کی طرح غیر محفوظ ہو جائے گی۔

آج مغرب میں ہمارے ہاں سے زیادہ عورت کا استحصال کیا جاتا ہے۔ یورپ میں عورت جتنی غیر محفوظ ہے، دنیا کے کسی معاشرے میں اتنی غیر محفوظ نہیں ہوگی۔ اپنی زندگی گزارنے کے لیے یورپ کی ساٹھ سے ستر فیصد عورتیں جسم فروشی کو اپنا ذریعہ معاش بناتی ہیں۔ امریکا میں خواتین کے حقوق اور انسانی حقوق کی کوئی تنظیم ایسی نہیں جس کی رپورٹوں کے مطابق ہر سال 60 سے 70 فیصد خواتین اپنے باس یا سینئر کے ہاتھوں جنسی بلیک میلنگ اور بعض اوقات جنسی تشدد کا شکار نہیں ہوتیں۔ ہمارے معاشرے میں اگرچہ کئی حوالوں سے عورت کا استحصال کیا جاتا ہے، لیکن مغرب کے مقابلے میں یہاں کی عورت کئی درجے زیادہ محفوظ ہے۔ بحیثیت مجموعی یورپ کی عورت اور پاکستان کی عورت کے سماجی کردار میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ پاکستانی عورت کو مغرب کی ڈگر پر چلانے کی کوشش کرنا سراسر ناانصافی ہے۔ عورت کو آزاد نہیں، محفوظ بنانے کی فکر کرنی چاہیے۔ جو لوگ آزادی کے پردے میں عائلی زندگی میں مغرب کی تقلید کے حامی ہیں، وہ

سراسر غلطی پر ہیں، کیونکہ جس طرح یورپی اور پاکستانی طرزِ معاشرت، فکر و نفسیات میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اسی طرح ہر معاشرے کے اپنے طور طریقے، نظامِ حیات اور سماجی رجحانات ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر مشرقی معاشرے میں مغربی معاشرے کی طرز کے قوانین بنائے جائیں گے تو اس سے خاندان سنوریں گے نہیں، بلکہ اسی طرح بگڑیں گے، جس طرح یورپ میں بگڑ چکے ہیں۔

یورپ میں مادر پدر آزادی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ امریکا میں طلاق کی شرح 53 فیصد، اسپین، پرتگال اور ہنگری جیسے یورپی ممالک میں ساٹھ فیصد ہے۔ وہاں خاندانی نظام تباہ ہو چکے ہیں۔ یورپ کی ترقی تو قابل تقلید ہے، لیکن عائلی زندگی قابل تقلید نہیں ہے، بلکہ عائلی زندگی کے حوالے سے بحیثیتِ مجموعی پاکستان مغرب سے بدرجہا بہتر ہے۔ عورت اور مرد دونوں کو مل کر زندگی کو آگے بڑھانے اور سنوارنے کے لیے دونوں کے باہمی تعاون ربط اور ہم آہنگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے مدمقابل نہیں، بلکہ ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں۔ دونوں ایک گاڑی کے دو پہیوں کی مانند ہیں، دونوں کو زندگی کا سفر بالکل متوازی انداز میں کرنا ہوتا ہے، اگر ان میں سے کسی ایک بھی پہیے میں خرابی پیدا ہو جائے تو زندگی کی یہ گاڑی نہیں چل سکتی۔ اسلام نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ اپنے معاملات کو سلجھانے کی دونوں خود کوشش کریں۔ اگر ضرورت پڑے تو اپنے معاملے کو تیسرے سمجھدار، معاملہ فہم اور

خیر خواہ فریق کے پاس بھی لے جایا جاسکتا ہے، تاکہ عائلی زندگی بگاڑ سے محفوظ رہے۔
حکومت کو چاہیے کہ ملک میں مرد وزن کے حقوق وفرائض کے حوالے سے اسلامی تعلیمات سے آگہی و شعور کو فروغ دے، تاکہ معاشرہ میاں بیوی فریق کے بجائے رفیق بن کر زندگی گزار سکیں۔

اسلام ہر سطح پر عورت کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے

آج 8 مارچ ہے اور 8 مارچ کو دنیا بھر میں خواتین کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ آج کے دن مختلف ممالک میں خواتین کے حقوق کے حوالے سے سرکاری و غیر سرکاری سطح پر سیمینارز اور تقریبات کا انعقاد کیا جاتا ہے، جن میں خواتین کے حقوق اور مختلف معاشروں میں ان کی کمزور حیثیت پر اظہارِ خیال کیا جاتا ہے اور خواتین کے حقوق کے تحفظ کا عہد بھی کیا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں عورت کے ساتھ ہونے والا برتاؤ مختلف معاشروں اور تہذیبوں میں ہمیشہ سے زیر بحث رہا ہے۔ دنیا کی نصف آبادی عورتوں پر مشتمل ہے، اس لیے انسانی زندگی کا دارومدار جتنا مردوں پر ہے، اتنا ہی عورتوں پر بھی ہے۔ عورت معاشرے کی بنیاد ہے، بنیاد جتنی مضبوط ہوگی، معاشرہ بھی اتنا ہی مضبوط و طاقتور ہوگا۔ تمام تر اہمیت کے باوجود دنیا میں عورتوں کا استحصال اور ان پر ظلم و تشدد کیا جاتا ہے۔ دنیا کی ہر تیسری عورت تشدد کا شکار ہے۔ ہر سال دنیا بھر میں عورتوں سے جنسی زیادتی کے ڈھائی لاکھ واقعات پیش آتے ہیں، ہر سال 40 لاکھ خواتین کو عصمت فروشی پر مجبور کیا جاتا ہے۔ جاگیردارانہ نظام میں خواتین کو وراثت کا حق دینے کا کوئی تصور نہیں ہے۔ شادی بیاہ کے فیصلوں میں عموماً ان سے نہیں پوچھا جاتا۔ نام نہاد غیرت کے نام پر ہر سال ہزاروں خواتین کو موت کے گھاٹ اتار دیا

جاتا ہے۔ کاروکاری، چھوٹی بچیوں کی بوڑھوں سے شادی، جائیداد خاندان سے باہر جانے کے خوف سے عورتوں کی شادی نہ کرنا، انھیں جائیداد کا حصہ نہ دینا، عورت کے چہرے پر تیزاب پھینکنا، بلاوجہ طلاق، شکوک و شبہات کی پاداش میں عورت کو قتل کر دینا، جہیز نہ لانے یا کم جہیز لانے پر اسے ظلم کا نشانہ بنانا، چھوٹی چھوٹی رنجشوں یا غلطیوں پر عورتوں کی پٹائی کرنا اور جہالت پر مبنی اسی قسم کے بہت سے واقعات ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں، جو آج کے ترقی یافتہ انسان کے منہ پر زور دار طمانچہ ہے۔ عورتوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے یہ بھیانک رویے نہ صرف انسانیت کے نام پر دھبہ ہیں، بلکہ مذہب اسلام کی اصل روح، روایات اور تعلیمات کے بھی سراسر خلاف ہے۔ ایسے مکروہ رویوں کو ختم کرنے کے لیے معاشرے میں اسلامی تعلیمات کو فروغ دینا ضروری ہے۔

ہمارا معاشرہ عورت کی حیثیت واہمیت کے حوالے سے دو طبقوں میں تقسیم ہے۔ ایک طبقے نے عورت کو دوسرے درجے کے شہری جتنی حیثیت دی، جب کہ دوسرے طبقے کے نزدیک عورت کا آزادانہ اختلاط پر مبنی معاشرہ ہی اصل معیار ہے۔ دونوں طبقات کے نظریات نہ صرف اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں، بلکہ خود عورت کے حقوق کے لیے بھی انتہائی نقصان دہ ہیں۔ ایک طرف جاہلانہ رسوم و روایات کی بنا پر عورتوں پر جسمانی و نفسیاتی تشدد عام ہے، جب کہ دوسری جانب خود کو انتہائی مہذب کہلانے والے مغربی معاشروں میں عورت کا استحصال اپنی بدترین شکل

یہاں موجود ہے۔ مغرب میں عورت کی حیثیت "بازاری جنس" کی ہو کر رہ گئی ہے۔ عورت کے حوالے سے دونوں رویے افراط و تفریط کا شکار ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں سب سے معتدل نظریہ اسلام کا ہے۔ اسلام کی نظر میں مرد و زن برابر ہیں۔ البتہ جہاں ان دونوں صنفوں کے درمیان حیاتیاتی فرق ہے، وہاں دین نے دونوں کے درمیان انصاف کے ذریعے ان کے حقوق وفرائض کو متوازن کر دیا ہے۔ اسلام نے خواتین کو انتہائی زیادہ عزت بخشی ہے۔ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بھلا سلوک کرے۔" محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا مفہوم ہے: "جس کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوں، وہ اچھی طرح ان کی پرورش کرے تو یہی لڑکیاں اس کے لیے دوزخ میں آڑ بن جائیں گی۔" اسی طرح کئی دوسری جگہوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کی حیثیت کو بہتر بنانے اور عورت کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کے لیے مردوں کو بار بار تاکید فرمائی ہے۔ اسلام کی نظر میں اگر عورت بیوی ہے تو یہ شوہر کا لباس اور دنیا کا سب سے بڑا خزانہ ہے۔ اگر بیٹی ہے تو اس کی بہترین پرورش کے عوض آتش دوزخ سے بچانے کا وسیلہ، آنکھوں کی ٹھنڈک اور جنت کی بشارت ہے۔ اگر ماں ہے تو اس کے پاؤں تلے جنت ہے۔ اگر بہن ہے تو اس کے باعث صدقہ وجہاد کا ثواب حاصل ہوگا اور اگر بیوی ہے تو یہ شوہر کا لباس ہے۔ اسلام نے عورت کو چاہے وہ ماں ہو، بیٹی ہو، بہن ہو یا بیوی ہو ہر حیثیت میں انتہائی تکریم و اعزاز کا مستحق گردانا ہے۔

اسلام نے صرف فکری اور نظری اعتبار سے ہی عورت کا مقام و مرتبہ بلند نہیں کیا، بلکہ قانون کے ذریعے سے بھی عورتوں کے حقوق کی حفاظت کی اور مردوں کے ظلم کی روک تھام کا موثر انتظام کیا ہے۔ جہاں مرد کو ناگزیر حالت کی بنا پر طلاق دینے کا اختیار سونپا گیا ہے، وہیں عورتوں کو بھی کسی معقول وجہ کے باعث مرد سے طلاق لینے کا اختیار دلایا ہے اور اس طرح فریقین کو ایک مکمل مساوات پر لا کھڑا کیا ہے۔ اسلام نے عورت کو تحصیل علم میں مرد کے برابر اجازت دی۔ وراثت میں حصہ دار بنایا۔ اسلام سے پہلے عورت کی گواہی معتبر نہ تھی۔ اسلام نے اس کی گواہی کو معتبر کیا اور عورت کی عصمت کو حدود اللہ میں شمار کیا۔ اسلام نے عورت کو اظہار خیال کی آزادی دی۔ اسلام میں عورت کو ملنے والے حقوق کے اعتبار سے آج تک دنیا کی کوئی ترقی یافتہ قوم اسلام کی گرد بھی نہ پا سکی ہے۔ اسلام نے زندگی کے کسی موڑ پر بھی عورت کو تنہا نہیں چھوڑا، بلکہ قدم قدم پر اس کی حفاظت و عزت کا انتظام کیا ہے، جو لوگ عورت کو اس کا اصل مقام نہیں دیتے وہ اسلامی تعلیمات سے نابلد اور سراسر غلطی پر ہیں۔ عورت کو جو مقام اسلام نے دیا ہے، دنیا کے کسی معاشرے میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ یورپ میں خواتین کی بڑی تعداد صرف اسلامی تعلیمات اور اسلام کے خاندانی نظام سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر رہی ہے۔ مغرب سے مرعوب کچھ لوگ عورت کی حفاظت و عزت پر مبنی اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر پاکستانی معاشرے میں بھی عورت کے حوالے سے مغرب کی غیر محفوظ ثقافت کے نفاذ کے لیے

کوشاں ہیں، جو نہ صرف معاشرے کے لیے مضر ہے، بلکہ ان کے نفاذ سے خود مشرق کی عورت بھی مغرب کی عورت کی طرح غیر محفوظ ہو جائے گی۔ مغرب مشرقی معاشرے میں عورت کے غیر محفوظ ہونے کا تو ڈھنڈورا پیٹتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود مغرب میں ہمارے ہاں سے زیادہ عورت کا استحصال کیا جاتا ہے۔ یورپ میں عورت جتنی غیر محفوظ ہے، دنیا کے کسی معاشرے میں اتنی غیر محفوظ نہیں۔ اپنی زندگی گزارنے کے لیے یورپ کی ساٹھ سے ستر فیصد عورتیں جسم فروشی کو اپنا ذریعہ معاش بناتی ہیں۔ امریکا میں خواتین کے حقوق اور انسانی حقوق کی کوئی تنظیم ایسی نہیں جس کی رپورٹوں کے مطابق ہر سال 60 سے 70 فیصد خواتین اپنے باس یا سینئر کے ہاتھوں جنسی بلیک میلنگ اور بعض اوقات جنسی تشدد کا شکار نہیں ہوتیں۔ ہمارے معاشرے میں اگرچہ کئی حوالوں سے عورت کا استحصال کیا جاتا ہے، لیکن مغرب کے مقابلے میں یہاں کی عورت کئی درجے زیادہ محفوظ ہے۔ بحیثیت مجموعی یورپ کی عورت اور پاکستان کی عورت کے سماجی کردار میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ پاکستانی عورت کو مغرب کی ڈگر پر چلانے کی کوشش کرنا معاشرے کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔ عورت کو آزاد نہیں، محفوظ بنانے کی فکر کرنی چاہیے اور عورت کو مکمل طور پر محفوظ صرف اسلام ہی کرتا ہے۔

پنجاب اسمبلی میں عورت کے حقوق کے حوالے سے جو بل منظور کیا گیا ہے، وہ ہمارے معاشرے سے بالکل بھی مطابقت نہیں رکھتا۔ خود حکومتی ارکان کے نزدیک

یہ بل خواتین کے حقوق کے لیے نقصان دہ ہے۔ ملک بھر کے علمائے کرام اس بل کو اسلام سے متصادم قرار دے رہے ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل بھی اسے غیر شرعی اور اسلامی تعلیمات اور آئین سے متصادم قرار دے چکی ہے، لیکن حکومت اپنی ضد پر قائم ہے اور اسلامی تعلیمات کو چھوڑ کر پاکستانی معاشرے میں بھی مغربی ثقافت کو لاگو کرنے کے در پے ہے۔ حالانکہ جس طرح یورپی اور پاکستانی طرزِ معاشرت ، فکر و نفسیات میں زمین وآسمان کا فرق ہے، اسی طرح ہر معاشرے کے اپنے طور طریقے ، نظامِ حیات اور سماجی رجحانات ہوتے ہیں۔ اگر مشرقی معاشرے میں مغربی معاشرے کی طرز کے قوانین بنائے جائیں گے تو اس سے خاندان سنوریں گے نہیں، بلکہ اسی طرح بگڑیں گے، جس طرح یورپ میں بگڑ چکے ہیں۔ یورپ میں مادر پدر آزادی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ امریکا میں طلاق کی شرح 53 فیصد، اسپین، پرتگال اور ہنگری جیسے یورپی ممالک میں ساٹھ فیصد ہے۔ وہاں خاندانی نظام تباہ ہوچکے ہیں۔ مغربی قوتیں انتشار پیدا کرکے پاکستان کا خاندانی نظام بھی تباہ کرنا چاہتی ہیں۔ عائلی زندگی کے حوالے سے بحیثیتِ مجموعی پاکستان مغرب سے بدرجہا بہتر ہے۔ خدانخواستہ پاکستانی معاشرے میں بھی مغربی سوچ و فکر کے قوانین کے نفاذ سے یہاں بھی عورت کی تذلیل ہوگی ، گھر گھر لڑائی جھگڑے معمول بن جائے گی اور طلاق کی شرح میں اضافہ ہوجائے گا۔

عورت اور مرد دونوں کو مل کر زندگی کو آگے بڑھانے اور سنوارنے کے لیے دونوں

کے باہمی تعاون ربط اور ہم آہنگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے مدمقابل نہیں، بلکہ ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں۔ دونوں ایک گاڑی کے دو پہیوں کی مانند ہیں، دونوں کو زندگی کا سفر بالکل متوازی انداز میں کرنا ہوتا ہے، اگر ان میں سے کسی ایک بھی پہیے میں خرابی پیدا ہوجائے تو زندگی کی یہ گاڑی نہیں چل سکتی۔ اسلام نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ اپنے معاملات کو سلجھانے کی دونوں خود کوشش کریں۔ اگر ضرورت پڑے تو اپنے معاملے کو تیسرے سمجھدار، معاملہ فہم اور خیر خواہ فریق کے پاس بھی لے جایا جاسکتا ہے، تاکہ عائلی زندگی بگاڑ سے محفوظ رہے۔ حکومت کو چاہیے کہ ملک میں مرد وزن کے حقوق وفرائض کے حوالے سے علمائے کرام کی معاونت سے معاشرے میں اسلامی تعلیمات سے آگہی و شعور کو فروغ دے، تاکہ معاشرے میں عورت کو مکمل حقوق مل سکیں۔

دواساز ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اجارہ داری.... من مانے اضافے کے بعد مصنوعی قلّت

ملک میں کچھ عرصے سے ملٹی نیشنل کمپنیوں کی جانب سے ادویہ کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافے کا معاملہ زیر بحث ہے۔ گزشتہ ماہ عالمی ادویہ ساز کمپنیوں نے ڈرگ ریگولیٹری اتھارٹی آف پاکستان کی منظوری کے بغیر خاموشی سے جان بچانے والی متعدد دواؤں کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافہ کیا۔ اپوزیشن اور عوام کے شدید احتجاج کے بعد حکومت نے دواساز کمپنیوں کے اضافے کو مسترد کرکے اسے مذاکرات کی دعوت دی، لیکن یہ کمپنیاں حکومت کی بات ماننے کو تیار نہیں ہیں اور خود ساختہ اضافے کو برقرار رکھنے پر مصر ہیں اور قیمتوں میں من مانے اضافے کے بعد مارکیٹوں میں ادویہ کی مصنوعی قلّت بھی پیدا کردی ہے، تاکہ ضرورت مند عوام مہنگے داموں ادویہ خریدنے پر مجبور ہوجائیں۔ ایک طرف موسم کی تبدیلی کی وجہ سے ملک بھر میں نزلہ، زکام، کھانسی، دمہ، سینے کے انفیکشن جیسے امراض میں اضافہ ہو رہا ہے، جبکہ دوسری جانب دواساز ملٹی نیشنل کمپنیوں نے ان امراض کی ادویہ میں مصنوعی قلّت کردی ہے۔

دمہ کا انجکشن ،Delen رپورٹ کے مطابق مارکیٹوں سے کھانسی کے شربت

خاص طور پر غائب یا نایاب Avil ،Actifed ،Tandigel ،پیناڈول ،Kenacart ہیں، جس کی وجہ سے عام آدمی کے لیے علاج کروانا نہایت مشکل ہوگیا ہے۔ ان موسمی دواؤں کے علاوہ بھی مارکیٹ سے بہت سی دوائیں غائب ہیں یا ان کی

قیمتوں میں دگنا اضافہ ہوگیا ہے۔ دو ساز کمپنیوں کی جانب سے قیمتوں میں حالیہ من مانے اضافے کے بعد میڈیکل اسٹورز پر کئی اہم ادویات نایاب ہو گئی ہیں۔ دوائیں نہ ملنے سے الرجی سمیت مختلف امراض میں مبتلا مریضوں کی پریشانیاں بڑھ گئیں۔ ادویات کی قیمتوں میں اضافہ ہوا تو مریضوں کی پریشانیاں بڑھ گئیں، لیکن ان کی پریشانیوں میں اور بھی اضافہ اس وقت ہوا جب میڈیکل اسٹوروں سے الرجی سمیت دیگر امراض کی ادویات ہی غائب ہو گئیں۔ طبّی ماہرین کے مطابق پولن کا سیزن شروع ہونے کے باعث الرجی سمیت سانس، دمہ اور آنکھوں کے امراض بڑھ رہے ہیں۔ 6 ملٹی نیشنل کمپنیوں کی جانب سے ادویات میں 15 سے 70 فیصد اضافے کے بعد کئی اہم ادویات مارکیٹ سے ناپید ہو چکی ہیں۔ فارماسسٹ کہتے ہیں کہ پرانی قیمتوں والا اسٹاک روک کر جان بوجھ کر کمی پیدا کی گئی ہے۔ مریضوں کو میڈیسن مافیا کی لوٹ مار سے بچانے کے لیے ڈرگ اتھارٹی کو ایسا میکنیزم بنانا ہوگا، جس کے تحت ادویات کی قیمتوں کا صحیح تعین کیا جاسکے۔ دوا ساز کمپنیوں نے حکومت کی جانب سے ادویات کی قیمتوں میں اضافے کا نوٹیفیکشن مسترد کرنے کے اقدام کو کھلا چیلنج کرتے ہوئے اہم ترین ادویات کی مصنوعی قلّت پیدا کی ہوئی ہے۔ نزلہ، زکام، فلو، نفسیاتی امراض، مرگی، آدھے سر کا درد، سانس، دمہ، نیند، دماغی دوروں، سکون آور اور بعض دیگر امراض کی ادویات کھلے عام من مانی قیمتوں پر فروخت کی جارہی ہیں، جس کے نتیجے میں بعض ادویات کی قیمتوں میں کئی گنا اضافہ ہوگیا ہے۔ موجودہ

صورتحال سے مریض پریشان اور محکمہ صحت مکمل طور پر لاتعلق نظر آتا ہے۔ محکمہ صحت میں موجود کالی بھیڑوں کی زیر سرپرستی مارکیٹ میں زائدالمعیاد ادویات اور منافع خوری کے گھناؤنے کاروبار نے انتہائی تشویشناک صورت اختیار کرلی ہے، جبکہ بیشتر دوا ساز کمپنیاں موسمی امراض اور جان بچانے والی بعض اہم ترین اور ضروری ادویات کی فراہمی کئی کئی ماہ تک بند کر دیتی ہیں جس کے باعث ادویات کی قیمتوں میں کئی کئی گناہ اضافہ کر دیتے ہیں۔ غیر ملکی دوا ساز کمپنیوں کو مخصوص ادویات کا لائسنس جاری کرکے اجارہ دار بنا دیا گیا ہے۔

گزشتہ ماہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی جانب سے جان بچانے والی ادویہ کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافے کے بعد اپنے عملے کو ہدایت کی تھی کہ وہ صارفین سے نئی قیمتوں کے حساب سے ادویات کے پیسے چارج کریں، جس کے باعث کئی جان بچانے والی ادویات مارکیٹ سے غائب ہوگئیں اور "مافیا" کو مریضوں کی پریشانی سے بے جا فائدہ اٹھانے کی کھلی چھٹی مل گئی۔ اس کے ساتھ کئی ادویہ ساز کمپنیوں نے تو اپنے عملے کو یہ بھی ہدایت کی کہ مارکیٹ سے ادویات کا پرانا اسٹاک اٹھا کر انہیں نئی قیمتوں میں بیچا جائے۔ ذرائع کے مطابق ادویات ساز کمپنیوں نے انسانی جانیں بچانے والی 165 ادویات کی قیمتوں میں 10 سے 350 فیصد اضافہ کیا، ان ادویات میں کھانسی کے شربت ٹیکے الرجی اور بلڈ پریشر کے ساتھ ساتھ

ملیریا، شوگر انسولین، اینٹی بائیوٹک اور پینا ڈول کی میڈیسن بھی شامل ہیں، جبکہ وفاقی حکومت نے جب ادویات مہنگی کرنے والی 12 کمپنیوں کا ریکارڈ حاصل کیا تو یہ انکشاف ہوا کہ ادویات کی قیمتوں میں 10 فیصد سے لے کر 750 فیصد تک اضافہ کیا گیا۔ ایک مقامی وکیل اشتیاق چودھری ایڈووکیٹ نے ادویات کی قیمتوں میں اضافے کے خلاف لاہور ہائیکورٹ میں درخواست دائر کی، جس میں کہا گیا کہ ادویہ ساز کمپنیوں نے کینسر، ہیپاٹائٹس سمیت دیگر موذی بیماریوں کے علاوہ جان بچانے والی ادویات کی قیمتوں میں کسی فارمولے کے بغیر از خود اضافہ کر رکھا ہے۔ ادویات کی قیمتوں کے تعین کے لیے حکومت کی طرف سے کوئی فارمولا نہیں ہے، جبکہ ہزاروں مریض مہنگی ادویات خریدنے کی سکت نہیں رکھتے اور سسک سسک کر جان دے دیتے ہیں۔ درخواست میں استدعا کی گئی کہ ادویہ ساز اداروں کو قیمتوں کے تعین سے متعلق قانون کے دائرے میں لانے کے لیے حکومت کو موثر قانون سازی کا حکم دیا جائے۔ از خود قیمتیں بڑھانے والی کمپنیوں کے خلاف ڈرگ ریگولیٹری اتھارٹی کو قانون کے مطابق کارروائی کرنے کا بھی حکم دیا جائے۔ ادویہ ساز کمپنیوں کی اجارہ داری کا یہ عالم ہے کہ وہ حکومت سے مذاکرات کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ گزشتہ دنوں وزیر مملکت برائے قومی صحت سائرہ افضل تارڑ کی بلائی گئی میٹنگ میں فارما انڈسٹری کا گیارہ میں سے صرف ایک نمائندہ پیش ہوا، دوسری بار پھر دوا ساز کمپنیوں کے نمائندوں کو طلب کیا، لیکن دوسری بار بھی دوا ساز کمپنیوں کے نمائندے حاضر نہیں ہوئے، جس سے ظاہر

ہوتا ہے کہ دوا ساز کمپنیاں حکومتی رٹ کو چیلنج کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اس قدر ہٹ دھرمی کے باوجود حکومت دوا ساز کمپنیوں کو ادویہ کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافہ کرنے سے باز رکھنے میں ناکام ہے۔ واضح رہے کہ آئین پاکستان ریاست کے ہر شہری کو جینے کا حق دیتا ہے اور حکومت کو بھی پابند کرتا ہے کہ اپنی پالیسیوں سے جینے کے حق کا تحفظ کرے، لیکن ادویات کی بڑھتی قیمتیں آئین پاکستان کی کھلم کھلا خلاف ورزی اور ارباب اختیار کی مجرمانہ غفلت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ادویات کی قیمتوں کی بڑھوتری پر حکومت نے چپ سادھ رکھی ہے۔ اٹھارہویں آئینی ترمیم کے بعد شعبہ صحت صوبوں کے حوالے کر دیا گیا لیکن وفاقی حکومت کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی۔ ڈرگ کنٹرول اتھارٹیز کا آئینی کردار ادویات کے معیار کی جانچ اور قیمتوں کا تعین ہے۔ ملک میں ادویات کی محفوظ اور ارزاں نرخوں پر فراہمی ڈرگ ریگولیٹری اتھارٹی کی ذمہ داری ہے، مگر یہ ادارہ اپنا کام ٹھیک طریقے سے نہیں کر رہا جس سے ادویہ ساز ادارے من مانی پر اتر آئے ہیں۔ عوام کو ارزاں نرخوں پر محفوظ اور معیاری ادویات اور طبّی خدمات کی دستیابی یقینی بنانا ڈرگ ریگولیٹری اتھارٹی کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ جعلی، غیر معیاری اور غیر اندراج شدہ ادویہ کی روک تھام اور ذخیرہ اندوزی کی حوصلہ شکنی بھی اسی اتھارٹی کے دائرہ اختیار میں آتا ہے۔ ڈرگ ریگولیٹری اتھارٹی دواؤں کی لاگت اور جائز منافع کا تعین کرے، کیونکہ قائمہ کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق 10 روپے کی دوائی

روپے میں ہی دستیاب ہے۔ فارما انڈسٹری صارفین کی جیبوں سے مہنگی ادویات 100 فروخت کرکے اربوں روپے کما چکی ہے۔ مارکیٹ میں غیر معیاری ادویات کی بھرمار ہے۔ ملکی اور غیر ملکی دواساز کمپنیاں اپنی دواؤں کی زیادہ سے زیادہ فروخت اور ناجائز منافع خوری کے لیے ڈاکٹروں کو لالچ دے کر بیرون ممالک میں نہ صرف دوروں پر لے جاتی ہیں بلکہ کبھی کیش اور مختلف مہنگے تحفے دے رہی ہیں جو کہ جرم کی مد میں آتا ہے اور صارفین میں آگاہی کے نام پر اپنی دوائیں فروخت کرنے کے لیے دفاً دفاً میڈیا پر اشتہاری مہم بھی چلاتی ہیں، جس کا بوجھ صارفین کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ صوبائی سطح پر کام کرنے والی ڈرگ کنٹرول اتھارٹیز کہاں ہیں؟

پاکستان دنیا کے ان ممالک میں شامل ہے جہاں ادویات بہت مہنگی ہیں۔ پاکستان ایک غریب ملک ہے لہٰذا یہاں ادویات کی قیمتیں کم ہونی چاہئیں۔ بھارت میں ادویات کی قیمتیں پاکستان کی نسبت آدھی سے بھی کم ہیں۔ بنگلادیش میں بھی ادویات پاکستان کے مقابلے میں سستی ہیں۔ بھارت، بنگلادیش اور چین سمیت متعدد ممالک میں ضروری ادویات کی ایک فہرست مرتب کی جاتی ہے، جو کم قیمت ہونے کے ساتھ معیاری اور مہنگی ادویات کا متبادل ہوتی ہیں۔ سرکاری ہسپتالوں میں ڈاکٹروں کو پابند کیا جاتا ہے کہ وہ اسی فہرست کی تجویز کردہ ادویات نسخے میں لکھیں، لیکن یہاں ایسا نہیں کیا جاتا۔ واضح رہے کہ دواساز اداروں

نے 2013 میں بھی ادویات کی قیمتوں میں از خود پندرہ فیصد اضافہ کیا تھا۔ ادویہ ساز اداروں نے ادویات کی قیمتوں میں از خود اضافہ پہلی بار نہیں کیا بلکہ عوام پر یہ ظلم پہلے بھی کئی بار ڈھایا گیا ہے۔ 2013ء میں بھی وزیر اعظم کے اضافہ کو روکنے کے احکامات کے باوجود ادویہ سازاداروں نے حکومت کی ایک نہ چلنے دی اور 15 فیصد اضافے کا نوٹیفیکیشن واپس ہونے پر حکم امتناعی لے لیا۔ دوا سازاداروں نے حکم امتناعی کی آڑ میں عوام پر گزشتہ ڈھائی سال میں 90 ارب روپے کا بوجھ ڈال دیا اور یوں عوام سے ہر سال 35 ارب روپے بٹورے جارہے ہیں۔ ڈرگ ریگولیٹری اتھارٹی حکومت کا دفاع نہ کر سکی تو معاملے پر پردہ ڈال دیا۔ دنیا بھر میں کمپنیاں پیٹنٹ کے سات سال بعد قیمت میں 20 فیصد کمی کرتی ہیں لیکن بدقسمتی سے پاکستان میں کبھی ایسا نہیں ہوا۔

وزارت صحت اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی سے مکمل طور پر غافل ہو گئی ہے۔ عوام کی زندگی اور صحت سے کھیلنے والی درندہ صفت دوا ساز کمپنیوں کے لائسنس فوری طور پر منسوخ کیے جائیں اور ان اداروں کی پشت پناہی کرنے والی وزارت صحت میں موجود کالی بھیڑوں کو عبرت ناک سزا دی جائے۔ ملک میں غیر ملکی دوا ساز کمپنیوں کی اجارہ داری کی وجہ یہ ہے کہ حکومت نے کبھی ملکی دوا ساز کمپنیوں کو موقع ہی فراہم نہیں کیا۔ اگر ملک میں غیر ملکی کمپنیوں کی بجائے ملکی دوا ساز کمپنیوں کو تمام فارمولوں کی ادویہ کو مارکیٹ کرنے کا موقع فراہم

کیا جاتا تو یہ صورتحال نہ ہوتی۔ اگر پاکستانی دوا ساز کمپنیوں کو اجازت دی جاتی ہے تو ان کے فارمولوں سے ادویہ کی تیاری بہت کم قیمتوں پر ہو سکتی ہے، لیکن حکومت صرف ملٹی نیشنل کمپنیوں کو ملک میں عوام کا خون چوسنے کی اجازت دیتی ہے۔ اگر آج ہماری مقامی دوا ساز انڈسٹری طاقتور ہوتی تو یہ صورتحال نہ ہوتی، ہماری بدقسمتی یہ رہی ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے کبھی مقامی دوا ساز انڈسٹری پر وہ توجہ نہیں دی جو دینی چاہیے تھی، جس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ عام آدمی علاج سے محروم ہو رہا ہے۔

او آئی سی اور فلسطین

منصفانہ حل کے لیے اتحاد

اسرائیل کی جارحیت کے خلاف انڈونیشیا کے دارالحکومت جکارتہ میں اسلامی ملکوں کی تعاون تنظیم او آئی سی کا "منصفانہ حل کے لیے اتحاد" کے عنوان سے پانچواں غیر معمولی ہنگامی اجلاس منعقد ہوا، جس میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے 5 مستقل اراکین اور یورپی یونین کے نمایندوں سمیت 49 ممالک کے سربراہان اور نمایندوں نے شرکت کی۔ اس موقعے پر پاکستان کے صدر ممنون حسین نے مسئلہ فلسطین کے منصفانہ حل کو ہر مسلمان کی آواز اور انسانیت کے لیے اہم قرار دیا ہے۔ اجلاس میں شریک او آئی سی کے سیکریٹری جنرل عیاض امین مدنی، فلسطینی صدر محمود عباس اور دیگر تمام شرکاء نے مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے عالم اسلام پر زور دیا ہے، جب کہ میزبان ملک انڈونیشیا کے صدر کا کہنا تھا کہ "اسرائیل نے فلسطینیوں سے آزادی چھین لی ہے، اسرائیل کی جارحانہ کارروائیوں پر شدید تشویش ہے۔ مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے مسلم امہ کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ او آئی سی کا قیام 1969ء میں بیت المقدس پر صیہونی قبضے کے بعد عمل میں آیا تھا، لیکن او آئی سی مسئلے کے حل کے لیے آج تک اپنا "کردار ادا نہیں کر سکی تو پھر اس کے وجود کا کوئی فائدہ نہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سرزمین انبیاء فلسطین میں اسرائیل برسوں سے نہتے و بے گناہ فلسطینیوں کے خون کی ندیاں بہا رہا ہے۔ فلسطینیوں کو ان کی اپنی زمین سے بے دخل کر دیا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود نہ فلسطین کے معاملے میں نہ تو کہیں او آئی سی کا وجود نظر آتا اور نہ ہی عالم اسلام کے ممالک کہیں دکھائی دیتے ہیں۔ فلسطین کا دفاع کرنا او آئی سی کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔21 اگست 1969ء کو مسجد اقصیٰ پر یہودی حملے کے رد عمل کے طور پر 25 ستمبر 1969ء کو مراکش کے شہر رباط میں او آئی سی کا قیام عمل میں آیا تھا۔ او آئی سی میں مشرق وسطیٰ، شمالی، مغربی اور جنوبی افریقہ، وسط ایشیا، یورپ، جنوب مشرقی ایشیا اور برصغیر اور جنوبی امریکا کے مسلم اکثریتی ممالک شامل ہیں۔ او آئی سی کی پالیسی ترتیب دینے کے لیے ہر تین سال کے بعد رکن ممالک کے سربراہان کا اجلاس منعقد کیا جاتا ہے، جب کہ سال میں ایک مرتبہ فیصلوں پر عملدرآمد کی صورتحال پر غور کے لیے وزرائے خارجہ کا اجلاس طلب کیا جاتا ہے، لیکن افسوس او آئی سی کو اپنے بنیادی مقاصد صرف اسی وقت یاد آتے ہیں، جب کوئی اجلاس ہوتا ہے، اجلاس کے بعد مسئلہ فلسطین سمیت امت مسلمہ کے تمام مقاصد بھلا دیے جاتے ہیں۔

تمام ممالک کے سربراہان اپنے اپنے ممالک میں جا کر عالم اسلام کے مسائل کو

بھول جاتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ او آئی سی اپنے مقاصد میں مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکی ہے، کیونکہ دنیا بھر کے 1.2 ارب مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ اور فلسطین کی آزادی کے لیے کام کرنا او آئی سی کی ذمے داری ہے، لیکن ایک طرف او آئی سی کے ہوتے ہوئے عالم اسلام کے مختلف ممالک اور دنیا بھر میں مسلمان اپنے حقوق سے محروم ہیں اور ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ مشرق وسطی کی حالت بھی سب کے سامنے ہے۔ شام میں کئی سالوں سے خونریزی کا سلسلہ جاری ہے اور اب تک لاکھوں لوگ موت کو گلے لگا چکے ہیں۔ لاکھوں ملک بدر اور بے گھر ہیں۔ شام میں صرف درندگی کا راج ہے لیکن او آئی سی نے شام میں بھی قیام امن کے لیے کوئی ٹھوس اقدامات نہیں کیے۔ دوسری جانب او آئی سی کے ہوتے ہوئے اسرائیل آئے روز فلسطینیوں پر حملہ کر دیتا ہے اور متعدد بار اسرائیل نے بڑے حملے کرکے کھل کر فلسطین میں خون ریزی کی، لیکن مسلم ممالک کی نمایندہ تنظیم او آئی سی اسرائیل کا ظلم رکوانے میں ناکام رہی ہے۔ حالانکہ او آئی سی کے پروگرام آف ایکشن کے ایک حصے میں لکھا گیا ہے کہ یہ تنظیم ہر کوشش کرے گی، تاکہ فلسطین پر اسرائیلی قبضہ ختم کرایا جائے، لیکن یہ فلسطین کا مسئلہ حل نہیں کروا سکی۔

مسئلہ فلسطین امت مسلمہ کے لیے ایک المیے سے کم نہیں ہے۔ فلسطین میں پچھلی نصف صدی سے ساٹھ لاکھ سے زائد انسانوں کا سوال ہے جن سے ان کا وطن بزور قوت

چھین لیا گیا ہے۔ فلسطین میں صہیونی ریاست مغربی استعمار کی باقی ماندہ بدنما شکل کی صورت میں قائم ہے۔ فلسطین پر قابض صہیونی قوت ایک مسلمہ حقیقت ہے، لیکن یہ تفوق نا قابل تسخیر نہیں ہے۔ اگر امت مسلمہ متحد ہو کر مسئلہ فلسطین کو حل کروانے کی کوشش کرے تو نا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت 62 مسلمان ممالک میں آباد ڈیڑھ ارب مسلمان اگر سیسہ پلائی دیوار کی مانند یکجا ہو جائیں تو پھر اسرائیل ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا، لیکن آج دنیا میں خود مسلمان مشکلات کا شکار ہیں۔ مسلمانوں کو دیگر اقوام کے مقابلے میں انھیں کوئی قابل ذکر مقام حاصل نہیں۔ ہر کوئی اس صورت حال کی مختلف وجوہ بیان کرتا ہے۔ کوئی غیر مستحکم مسلم حکومتوں کو تو کوئی سائنس و ٹیکنالوجی کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے کو اس کا ذمے دار ٹھہراتا ہے۔ کوئی متفقہ خلافت کا نہ ہونا تو کوئی تعلیم کی کمی کو سبب بتلاتا ہے۔ حکومت و اقتدار، مال و زر، سائنس و ٹیکنالوجی، تعلیم و تربیت، جمہوریت یا خلافت سمیت یہ تمام عناصر مسلم امہ کے لیے اپنی اپنی جگہ انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، جن کی حقیقت سے انکار ممکن نہیں، لیکن ان تمام سے بڑھ کر امت مسلمہ کو آج سب سے زیادہ ضرورت "اتحاد" کی ہے۔ اس وقت ساڑھے چھ ارب کے قریب انسانوں میں سے سوا ارب سے زاید مسلمان ہیں اور وہ دنیا کے معدنی ذخائر کے 75 فیصد کے مالک ہیں۔ دنیا کی بہترین بندرگاہیں، آبی گزرگاہیں، زمینی اور فضائی راستے مسلمانوں کے پاس ہیں۔ سب سے اچھا محل وقوع مسلم ممالک کا ہے۔ تیل کے لبالب بھرے

کنویں اور سونے کی کانیں ہیں۔ اس کے باوجود پسماندگی اور کمزوری مسلمانوں کا مقدر بنی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ عالم اسلام اور مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد کا فقدان ہے۔

مسلمان اتحاد کے فقدان کے باعث روز بہ روز کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ مسلمان جس مہذب مذہب کے پیروکار ہیں، وہ اتحاد کا بہت زیادہ درس دیتا ہے اور اس پر تاکید کرتا ہے۔ اسلام کے ارکان و احکام میں بھی اتحاد کا درس ملتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔" اسلامی تعلیمات میں سب سے زیادہ زور اتفاق و اتحاد پر دیا گیا ہے۔ آپس میں محبت، اخوت، بھائی چارہ، ایمان، اتحاد اور یقین مسلمانوں کا موٹو ہے۔ انگریزی کا ایک مشہور مقولہ ہے Unity is Strength "اتحاد قوت ہے۔" آج مسلمان اختلافات کی بھینٹ چڑھے ہوئے ہیں۔ اختلافات کے سبب ہی مسلمان نہ تو مسئلہ فلسطین حل کروانے میں کامیاب ہو سکے ہیں اور نہ ہی اپنے دوسرے مسائل حل کروا سکے ہیں۔ اتحاد کے بغیر عالم اسلام کے مشکلات سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ دنیا بھر کے تمام مسلم ممالک کو چاہیے کہ متحد ہو کر اپنے حقوق کی جنگ لڑیں اور مسئلہ فلسطین و کشمیر سمیت تمام مسائل حل کروائیں، اس کے بغیر اپنے مقاصد میں کامیاب ہونا ناممکن ہے۔

خطے کی سب سے بڑی فوجی مشقیں.... پاک فوج کو نمایاں پوزیشن حاصل رہی

سعودی عرب میں رعد الشمال نامی فوجی مشقیں تقریباً ایک ماہ جاری رہنے کے بعد 10 مارچ کو اختتام کو پہنچی ہیں۔ نارتھ تھنڈر فوجی مشقیں فروری سے کویت عراق سرحد کے قریب سعودی عرب کے شہر حفر الباطن میں شروع تھیں۔ شاہ خالد ملٹری سٹی کے قریب 14 فروری کو شروع ہونے والی ان فوجی مشقوں میں آرٹلری، ٹینکوں، انفنٹری، فضائی دفاعی نظام کے مختلف عسکری شعبہ جات کے ساتھ ساتھ بحری افواج نے حصہ لیا۔ ان مشقوں میں سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، اردن، بحرین، سینیگال، سوڈان، کویت، مالدیپ، مراکش، پاکستان، چاڈ، تیونس، کوموروز، جیبوتی، عمان، قطر، ملائیشیا، مصر، موریطانیہ اور ماریشس کی مسلح افواج کے دستے شریک ہوئے۔ سعودی عرب کے شمالی علاقے حفر الباطن میں ہونے والی یہ اپنی نوعیت کی پہلی جنگی مشقیں تھیں، جنہیں کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے خطے کی تاریخ کی سب سے بڑی جنگی مشقیں قرار دیا گیا ہے۔ ان مشقوں میں تین لاکھ سے زاید فوجیوں نے حصہ لیا، جبکہ سعودی عرب کے ایک انگریزی اخبار عرب نیوز کی رپورٹ کے مطابق رعد الشمال مشقوں میں قریب ڈیڑھ لاکھ فوجی، اڑھائی ہزار سے زائد جنگی جہاز، چار سو ساٹھ ہیلی کاپٹر اور بیس ہزار ٹینکوں نے حصہ لیا۔ حالیہ تاریخی جنگی مشقوں میں شامل زمینی، فضائی اور بحری افواج نے یہ پیغام دیا کہ ریاض اور اس کے

اتحادی خطے کے استحکام، امن کے قیام اور تمام چیلنجز سے نمٹنے کے لیے متحد کھڑے ہیں۔ ان مشقوں کا بنیادی مقصد دہشت گرد گروہوں کی جانب سے درپیش خطرے کے جواب میں تربیت کے عمل کو بہتر بنانا ہے۔ سعودی عرب کے چیف آف اسٹاف جنرل کا کہنا تھا کہ اس خطے میں یہ عرب اور اسلامی افواج کی اب تک کی سب سے بڑی مشقیں ہیں، جن کا مقصد دہشتگردی سے نمٹنا ہے۔ان کا کہنا تھا کہ یہ مشقیں کسی صورت بھی ایران کے خلاف نہیں ہیں۔ واضح رہے کہ بعض مبصرین کا کہنا تھا کہ مشترکہ فوجی مشقیں ایران سعودیہ کے تناظر میں کی گئی ہیں۔ اکیس ممالک کی مشترکہ فوجی مشقوں کو نیٹو کی طرز پر اسلامی ممالک کے فوجی اتحاد کا پیش خیمہ قرار دیا جارہا ہے۔ "رعدالشمال" کے بعد ایک اہم پیش رفت سعودی عرب کی طرف سے نیٹو کی طرز پر مسلم ممالک کے فوجی اتحاد کی تجویز کی صورت میں سامنے آئی ہے، جس میں پاکستان کے لیے قائدانہ کردار تجویز کیا گیا ہے۔ ذرائع کے مطابق سعودی فرمانروا شاہ سلمان اور وزیر دفاع محمد بن سلمان نے پاکستانی قیادت سے ملاقاتوں میں اس تجویز کو جلد عملی جامہ پہنانے پر زور دیا ہے۔ پاکستان کا کہنا تھا کہ سعودی عرب میں 20 ملکوں کی افواج کی مشترکہ فوجی مشقوں میں پاکستانی افواج کی شمولیت دونوں ممالک کے درمیان دفاعی تعاون کا حصہ ہے اور یہ کہ پاکستان اور سعودی عرب دفاع کے شعبے میں کئی دہائیوں سے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں، جس میں فوجی مشقوں کے علاوہ تربیت کا عنصر بھی شامل ہے۔

اکیس ممالک کی مشترکہ فوجی مشقوں کی اختتامی تقریب میں وزیراعظم محمد نواز شریف اور پاک فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف نے بھی شرکت کی۔ فوجی مشقیں دیکھنے اور اختتامی تقریب میں شرکت کے لیے متعدد ملکوں کے سربراہان مملکت اور حکومت کو مدعو کیا گیا تھا۔ یہ اپنی نوعیت کی منفرد فوجی مشقیں تھیں جن میں سب سے نمایاں پوزیشن پاک فوج کو حاصل رہی۔ عالمِ اسلام کی واحد ایٹمی قوت پاکستان کی شرکت سے یہ فوجی مشقیں نہایت اہمیت اختیار کر گئی تھیں۔ اس سے پہلے 34 اسلامی ممالک کے تشکیل دیے گئے اتحاد میں بھی پاکستان کی موجودگی اہم تصور کی گئی ہے۔ ان فوجی مشقوں میں شرکت کے ساتھ وزیراعظم پاکستان اور آرمی چیف نے سعودی فرمانروا جناب شاہ سلمان سے بھی ملاقات کی جس میں دوطرفہ تعلقات، خطے کی صورتحال اور عالمی امور سمیت باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال ہوا۔ سعودی عرب کے فرمانروا کا کہنا تھا کہ مشترکہ فوجی مشقوں میں پاکستان کی شرکت سے موجودہ دوطرفہ تعلقات کو تقویت ملے گی۔ سعودی حکام نے ان مشقوں کو خطے کے اتحاد کی علامت قرار دیا، جبکہ پاکستان کے وزیراعظم میاں نواز شریف کا کہنا تھا کہ مشترکہ فوجی مشقوں سے مسلمان ملکوں کے اتحاد کو فروغ ملے گا۔ وزیراعظم کا کہنا تھا کہ پاکستان سعودی عرب کے ساتھ اپنے تعلقات کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ دونوں ملک دفاع سمیت کئی شعبوں میں قریبی تعاون کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ پاکستان اور سعودی عرب اپنے باہمی تعلقات کو

بہت اہمیت دیتے ہیں۔ پاکستان پر جب بھی کوئی برا وقت آیا، سعودی عرب نے اس کا ہاتھ تھامنے میں تاخیر نہ کی۔ اسی طرح سعودی عرب کو جب بھی ضرورت پڑی، پاکستان نے لبیک کہنے میں کوتاہی نہ کی۔ سعودی عرب کے ساتھ اہلِ پاکستان کا روحانی عقیدتوں کا رشتہ بھی بہت گہرا ہے۔ سرزمینِ مقدس، مقدس ترین مقامات کی ایسی جلوہ گاہ ہے جن کی زیارت کی خواہش ہر پاکستانی اپنے دِل میں رکھتا ہے۔ حکومت پاکستان نے اس عزم کا اعادہ کیا ہے کہ وہ سعودی عرب کی علاقائی سالمیت اور خود مختاری کو درپیش کسی بھی خطرے سے نمٹنے کے لیے ہمیشہ سعودی عرب کا بھرپور ساتھ دے گی۔

اس سے قبل پاکستانی وزیر اعظم اور بری فوج کے سربراہ نے جنوری میں ایران اور سعودی عرب کے درمیان کشیدگی میں کمی لانے کی سفارتی کوششوں کے تحت پہلے ریاض اور پھر تہران کا دورہ کیا تھا۔ پاکستان کی ان سفارتی کوششوں کے نتیجے میں دونوں ممالک کے درمیان بظاہر کشیدگی میں کمی دیکھنے میں آئی۔

تجزیہ کاروں نے اکیس مسلمان ملکوں کی مشترکہ فوجی مشقوں کو مسلم دنیا کے لیے ہوا کا جھونکا قرار دیا ہے، جس کی مدد سے مسلم دنیا کو درپیش دہشتگردی کے چیلنج سے نمٹا جاسکے گا۔ اس وقت سعودی عرب اور پاکستان سمیت اکثر مسلم ممالک کو امریکا و یورپ کے تعاون سے اسلام کے نام پر بننے والے عسکریت پسند گروہوں سے خطرات لاحق ہیں، جن پر قابو پانا اور ان کی دہشت گردانہ سرگرمیوں کی بیخ کنی کرنے کے لیے مشترکہ طور پر عملی اقدامات کرنا بہت ضروری تھا۔

اسی چیلنج کو مد نظر رکھتے ہوئے 34 ممالک پر مشتمل مسلمان ملکوں کا اتحاد تشکیل دیا اور متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا کہ سعودی عرب کی قیادت میں وحشیانہ جرائم کے خاتمے اور دہشت گردی کے ناسور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کی جائے گی، مشترکہ اتحاد کے بعد مسلم ملکوں کے پالیسی ساز ادارے مکمل طور پر رابطے میں ہیں۔ دہشت گردی صرف ایک ملک کا معاملہ نہیں، بلکہ یہ ایک گلوبل مسئلہ بن چکا ہے، جس پر قابو پانے کے لیے سب کو مل کر کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ موجودہ حالات میں مسلمان ملکوں کا اتحاد بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کا بنیادی مقصد کسی ملک کے خلاف جارحیت نہیں، بلکہ اپنے ملکوں کو درپیش داخلی مسائل پر قابو پانا اور امن و امان کا قیام یقینی بنانا ہے۔ جب سے دہشت گردی کے فتنہ نے سر اٹھانا شروع کیا ہے، پاکستان اور سعودی عرب اس پر قابو پانے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون جاری رکھے ہوئے ہیں۔ حالیہ فوجیہ مشقوں میں بھی پاکستان بھرپور انداز میں شریک رہا ہے۔ عالم اسلام کے بیشتر مسائل درپیش ہیں، جن کا حل تمام مسلمان ممالک مل کر ہی نکال سکتے ہیں، مشترکہ فوجی مشقوں کو عالم اسلام کے اتحاد کی جانب ایک اور قدم قرار دیا جاسکتا ہے اور اس اتحاد کو دفاعی اتحاد سے نکل کر دیگر شعبوں تک پھیلایا جاسکتا ہے۔

ڈونلڈ ٹرمپ کے نام کھلا خط

امریکا کے عہدہ صدارت کے متمنی

!جناب ڈونلڈ ٹرمپ

میں آپ کو یہ خط ایک صحافی کی حیثیت سے نہیں، بلکہ مسلم دنیا کے ایک عام مسلمان باشندے کی حیثیت سے لکھ رہا ہوں۔

محترم! رواں سال نومبر میں امریکا میں صدارتی انتخابات ہونے جا رہے ہیں، جس میں آپ صدارتی امیدوار کے طور پر منتخب ہونے کی بھرپور تگ و دو میں مصروف ہیں۔ وائٹ ہاؤس کا بادشاہ بننے کی دوڑ میں اترنے کے لیے آپ نے اپنی انتخابی مہم کا آغاز "دشمن" کے خلاف "جنگ" کے عنوان سے کیا اور اسلام و مسلمانوں پر تابڑ توڑ حملے" کرنا شروع کر دیے ہیں۔ اسلام، مسلمان اور عالم اسلام آپ کے نشانے پر" ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس اسلام، مسلمان اور عالم اسلام کی مخالفت کے سوا کوئی موضوع ہی نہیں ہے۔ آئے روز آپ کے اسلام مخالف بیانات میڈیا کی "زینت" بنتے رہتے ہیں، جن کو پڑھ کر لگتا ہے کہ امریکا سمیت دنیا بھر میں موجود ہر برائی کے پیچھے کسی نہ کسی صورت میں مسلمانوں کا ہاتھ ہے۔ آپ نے مسلمانوں کے امریکا میں داخلے پر پابندی کا مطالبہ کیا۔ صدر بننے کے بعد امریکا میں موجود تمام مساجد کو بند کرنے کے احکامات جاری کرنے کا عندیہ دیا۔ مساجد اور مسلمانوں کی نگرانی اور مسلمانوں کے رجسٹریشن ڈیٹا بیس

کا بھی مطالبہ کیا اور اب آپ نے کہا ہے کہ " اسلام امریکا سے نفرت کرتا ہے اور عالمِ اسلام کی اکثریت امریکا سے سخت نفرت کرتی ہے۔"

جناب ڈونلڈ ٹرمپ ! اسلام کسی سے نفرت کرنا نہیں سکھاتا، بلکہ دنیا بھر کے تمام مذاہب کے لیے اسلام کا پیغام محبت ہے۔ اسلام کے ماننے والوں کے لیے کوئی بھی ملک نفرت کا معیار نہیں ہے اور یہی معاملہ امریکا کے بارے میں ہے۔ اگر کچھ مسلم ممالک میں امریکا کے خلاف نفرت پائی جاتی ہے تو وہ مذہب کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ امریکا کی پالیسیوں سے ہے۔ اگر امریکی پالسیاں مسلم دنیا کے لیے خونریز ثابت ہوں تو اس کے نتیجے میں نفرت کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔ مسلم ممالک کے حوالے سے آپ کے ملک امریکا کی پالیسیاں انتہائی تباہ کن اور نفرت انگیز ہیں۔ گزشتہ صرف ایک سال کے دوران امریکا نے مسلم دنیا پر 23 ہزار بم برسائے ہیں۔ تھنک ٹینک کونسل آف فارن ریلیشنز (سی ایف آر) کے سینئر فیلو میکانزنکو کے مطابق: "یکم جنوری 2015ء سے سال کے آخر تک امریکا نے عراق، شام، افغانستان، یمن، صومالیہ اور پاکستان پر 23 ہزار سے زیادہ بم برسائے اور یہ سب مسلم اکثریتی ممالک ہیں۔" مسلم دنیا میں خونریزی کرکے اپنے خلاف نفرت کے بیج بونے کا یہ تو صرف ایک سال کا احوال ہے، جب کہ متعدد ممالک ایک عرصے سے امریکی جارحیت کا شکار ہیں اور گزشتہ دو عشروں میں بلامبالغہ امریکا نے مسلم دنیا پر لاکھوں بم برسائے ہوں گے۔

جناب ! یہ حقیقت سامنے رکھیے کہ صدام حسین کے پاس ایٹمی اور کیمیاوی اسلحے کی موجودگی کے مفروضے پر آپ کے ملک امریکا نے عراق پر یلغار کرکے اسے راکھ کا ڈھیر بنا دیا ہے۔ امریکا نے درجنوں ممالک کے گٹھ جوڑ سے افغانستان پر حملہ کرکے لاکھوں بے گناہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور پورے ملک کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا ہے۔ اپنے مفادات کے لیے شام کو جہنم بنا دیا ہے۔ شام کی بربادی کے لیے اسلحہ و پیسہ دے کر داعش ایسے گروہوں کو وجود بخشا، جو آج تک شام و عراق کو تباہ کرنے میں مشغول ہیں۔ پاکستان انتہائی پرامن ملک تھا، امریکا نے یہاں ڈرون حملے کرکے ہزاروں بے گناہوں کی جانیں لیں، جس کے نتیجے میں ملک دہشتگردی کی لپیٹ میں آگیا اور اب تک آپ کے ملک کی جنگ میں ساٹھ ہزار پاکستانی دہشتگردی کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ دنیا کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک بدامنی کا شکار کوئی بھی مسلم ملک ایسا نہیں، جہاں بدامنی پھیلانے میں امریکا کا ہاتھ نہ ہو۔ ان کے علاوہ فلسطین، کشمیر، برما، چیچنیا اور بوسنیا سمیت کئی جگہوں پر مسلمان ایک عرصے سے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں، لیکن امریکا نے یہاں مظلوم مسلمانوں کا ساتھ دینے کے بجائے اپنے مفادات کی خاطر ظالموں کا ساتھ دیا ہے۔ یہ حقائق ثابت کرتے ہیں کہ خود آپ کا ملک امریکا مسلم دنیا کی تباہی کا سبب بن رہا ہے۔ اگر اس کے بعد مسلم دنیا میں آپ کے ملک کے خلاف نفرت پائی جاتی ہے تو وہ بلاوجہ نہیں ہے، بلکہ

اس کی وجہ مسلم دنیا کے حوالے سے امریکا کی غلط اور ظالمانہ پالیسیاں ہیں۔ اگر امریکا کسی بھی مسلمان ملک میں بمباری کرکے بے گناہوں کی جان لتا ہے تو اس کے نتیجے میں امریکا کے خلاف نفرت کا پیدا ہونا انسانی فطرت ہے، جس سے پالیسیاں تبدیل کرکے ہی نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔

جناب ! آپ کا دعویٰ ہے کہ دہشت گردی میں ملوث افراد اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر عام شہریوں کا قتل عام کرتے ہیں، لیکن حقائق یہ بتلاتے ہیں کہ اسلام کے نام پر کی جانے والی زیادہ تر دہشتگردی میں داعش جیسے گروہ ہی ملوث ہیں، جن کو بنانے کا اعتراف خود امریکا کے ذمے دار لوگ کر چکے ہیں۔ دنیا میں دہشت گردی کو صرف مسلمانوں سے جوڑنا بالکل لغو ہے، کیونکہ دنیا میں زیادہ تر دہشتگردی میں مسلمان ملوث ہی نہیں ہیں، بلکہ دیگر لوگ ملوث ہیں۔ خود امریکا اور یورپ میں ہونے والی دہشتگردی کے 98 فیصد واقعات میں مسلمان ملوث نہیں ہوتے۔ دہشتگردی کا اسلام سے کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔ اسلام نے کبھی کسی کا ناحق خون کرنے کی ترغیب نہیں دی ہے۔ اسلام ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیتا ہے۔ اسلام امن کا مذہب ہے اور ہمیشہ قیام امن کی ہی بات کرتا ہے، اسی لیے مسلمان علما، دانشور اور مسلمانوں کے نمایندے بارہا صراحت کے ساتھ یہ کہہ چکے ہیں کہ بے گناہ لوگوں کا خون بہانے والے عسکریت پسند گروہ کسی بھی طور پر مسلمانوں کے نمایندہ نہیں ہیں۔ جرم

چاہے کسی بھی مذہب کا انسان کرے، وہ جرم ہی رہتا ہے۔ کسی بھی معاشرے میں جرائم کرنے والوں کو ان کے مذہب سے نہیں، بلکہ ان کے نام سے شناخت کیا جاتا ہے۔ غیر مسلم شہریوں کی کیتھولک یا پروٹسٹنٹ عیسائی، ہندو، یہودی، بدھسٹ یا دہریت کے حوالے سے شناخت نہیں کی جاتی، لیکن اگر کوئی شخص اسلام کے نام پر جرم کرتا ہے تو اس کو اسلام کی شناخت بنا دیا جاتا ہے، جو سراسر ناانصافی ہے۔ جس طرح کسی بھی جرم کا تعلق کسی مذہب سے نہیں، اس طرح دہشت گردی کو بھی قطعاً اسلام کے ساتھ نتھی نہیں کیا جانا چاہیے۔

جناب ! دنیا کے ایک طاقتور ملک میں عہدہ صدارت کے متمنی کی حیثیت سے آپ کو چاہیے تھا کہ دنیا میں قیام امن کی بات کرتے اور مسلم دنیا میں بدامنی و دہشتگردی کی اس آگ کو بجھانے کی کوشش کرتے جو خود آپ کے ملک نے لگائی ہے، لیکن آپ نے تو اپنی توپوں کا رخ مسلمانوں کی طرف کرکے اسلام اور مسلم دنیا کے خلاف ہی گولہ باری شروع کردی۔ آپ کو مسلمانوں کے امریکا میں داخلے پر پابندی، مساجد کی بندش اور اسلام کو انتہاپسندی سے جوڑنے جیسے بیانات زیب نہیں دیتے۔ ہمارے "انتہاپسند" معاشرے میں تو اس قسم کے بیانات معیوب سمجھے جاتے ہیں، لیکن آپ کے "معتدل" اور "مہذب" معاشرے میں کھلے عام اس قسم کے انتہاپسندانہ بیانات دینا سمجھ سے بالاتر ہے۔ آپ ابھی صدارتی امیدوار کے لیے منتخب نہیں ہوئے تو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس قدر زہر افشانی کر

رہے ہیں، اگر منتخب ہو گئے تو یقیناً آپ کا لہجہ جنگوں کو جنم دے گا، جو پوری دنیا کے لیے باعث تشویش ہونا چاہیے۔

جناب ڈونلڈ ٹرمپ ! اسلام اور مسلمانوں پر لگائے جانے والے آپ کے تمام الزامات بے بنیاد ہیں، آپ کو اپنی "اداؤں" پر غور کرنا ہو گا، کیونکہ آپ کا رویہ پوری دنیا کو تباہی و بربادی کی جانب دھکیلنے جا رہا ہے۔

آپ کا خیر اندیش

عابد محمود عزام۔ پاکستان

تعلیمی اداروں میں اسلحے کی اجازت نہ دی جائے

کسی بھی قوم کی تعمیر و ترقی کا راز تعلیم میں پنہاں ہوتا ہے۔ دشمن ہمیں تعلیم سے محروم کرکے ترقی سے محروم رکھنا چاہتا ہے،اسی لیے دشمن نے ہمارے تعلیمی مراکز کو نشانہ بنانا شروع کردیا۔ پہلے پشاور میں آرمی پبلک اسکول کو نشانہ بنایا، اس کے بعد چارسدہ میں باچا خان یونیورسٹی سمیت دیگر کئی تعلیمی اداروں پر دہشتگردانہ حملے کیے، جس کے بعد حکومت کی جانب سے ملک بھر کے تعلیمی اداروں میں حفاظتی انتظامات کے لیے طلبہ و طالبات اور اساتذہ کو اسلحہ چلانے کی تربیت دی جانے لگی۔ کراچی میں اساتذہ اور طلبہ و طالبات کو ہتھیار چلانے کی تربیت دی گئی۔ اس سے پہلے خیبر پختونخوا میں بھی خواتین اساتذہ کو پستول چلانے کی عملی تربیت دی گئی تھی۔ حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمایئے کی پہلے اساتذہ اپنے شاگردوں کو ہتھیار سے دور رہنے کی تاکید کیا کرتے تھے ، لیکن آج ان ہی اساتذہ کے ہاتھوں میں ہتھیار تھمائے جارہے ہیں۔کہنے کو تو طلبہ و طالبات کی حفاظت کے لیے یہ ایک اچھا اقدام ہے، لیکن اس سے نہ صرف تعلیمی اداروں کا تقدس ملیامیٹ ہو کر رہ جائے گا، بلکہ تعلیمی نظام بھی درہم برہم ہوسکتا ہے۔ قلم اور اسلحہ دو متضاد چیزیں ہیں، دونوں کی اثرات و نتائج بھی مختلف ہوتے ہیں۔ قلم امن کی نشانی ہے، جبکہ اسلحہ بدامنی کی علامت ہے۔ تعلیمی اداروں میں

اسلحے کی تربیت سے ہم امن کے مراکز میں بدامنی کو جگہ فراہم کر رہے ہیں۔ تعلیمی ادارے صرف تعلیم کے لیے ہی ہوتے ہیں، اگر تعلیم کے ان مراکز میں اسلحے کی تربیت دی جانے لگے گی تو اس سے مزید مسائل جنم لیں گے۔ تعلیمی اداروں میں اسلحہ کی نمائش اور اس کے استعمال کی تربیت سے ہمارے طلبہ و طالبات نفسیاتی مریض بن سکتے ہیں۔ ناپختہ عمر یہ بچے جو دیکھتے ہیں، ان کے ذہن کی خالی تختی پر وہی کچھ ثبت ہو جاتا ہے۔ اگر بچپن سے ہی انھیں اسلحے کا استعمال سکھا دیا جائے گا تو اس سے ان کی نفسیات بدل جائے ں گی۔ جب وہ پستول چلانا سیکھ جائیں گے تو اس بات کا خدشہ قوی ہو جائے گا کہ جہاں پہلے وہ برداشت اور در گزر سے کام لیتے تھے، اب وہاں بھی وہ اپنی بات منوانے کے لیے زور آزمائی کرنے لگیں اور اس بات کی گارنٹی کون دے گا کہ طلبا ایسی تربیت کا استعمال صرف دہشت گردی جیسی غیر معمولی صورتحال میں ہی کریں گے اور وہ اپنے نجی جھگڑے نمٹانے کے لیے اسلحے کو استعمال نہیں کریں گے۔ اسلحہ ایسی بری چیز ہے، کسی سے لڑائی جھگڑے کی صورت میں نہ چاہتے ہوئے بھی انسان غصے میں اس کا استعمال کر لیتا ہے اور پھر نقصان پہنچنے پر بعد میں پچھتاتا ہے۔ بچوں کو چاہے صرف تربیت ہی دی جائے اور اسلحہ نہ بھی دیا جائے، تب بھی اسلحہ چلانے کے تجربے سے ان کے لیے ہتھیار اجنبی نہیں رہیں گے اور اسلحے خوف ان کے دل سے نکل جائے گا اور پھر

جب بھی وہ ہتھے چڑھے اسے استعمال کر سکتا ہے اور اس طرح وہ دوسروں کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ نوبت یہاں تک بھی پہنچ سکتی ہے کہ کتابوں، کاپیوں کے ساتھ ساتھ طالب علم کے بستے میں پستول بھی ہوگی، جو اسکول میں کسی سے معمولی لڑائی کی صورت میں بھی استعمال ہو سکتی ہے۔

اگر اسکول کے بچوں کو ہم خود اسلحہ چلانے کی مشق کرائیں اور وہ بھی ایسے معاشرے میں جہاں پہلے ہی اسلحے کی فراوانی ہے، تو وہاں ایسی ترغیبات جلتی پر تیل کا کام کر سکتی ہیں۔ آج کے مہذب دور میں ہمیں "اسلحے سے پاک معاشرہ" قائم کرنا چاہیے۔ جہالت کا مقابلہ علم و شعور اور دہشت گردی کا مقابلہ قلم اور کتاب سے کیا جاتا ہے۔ اسلحہ کا مقابلہ اسلحے کے ذریعے کرنا سپاہیوں کی ذمہ داری تو ہے، لیکن طلبہ و طالبات کو اسلحے کا مقابلہ قلم اور کتاب کے ذریعے ہی کرنا ہے۔ دہشتگردی کو صرف اور صرف تعلیم کو فروغ دے کر ہی شکست دی جا سکتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس جہالت کے خلاف تعلیم کے محاذ سے روشنیاں پھیلانے کا ہی فریضہ اور زیادہ وسیع پیمانے پر ادا کریں۔ اگر تعلیمی ادارے بھی ہتھیاروں کو استعمال کرنے لگیں تو اس طرح ہمارے ہاتھوں میں اسلحہ تھما کر دہشت گرد اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اساتذہ اور طلباء کے ہاتھ قلم کے لیے ہوتے ہیں، بندوق کے لیے نہیں ہوتے۔ تعلیمی مراکز دہشتگردوں کا مقابلہ کرنے کے لیے نہیں ہوتے، بلکہ تعلیم دینے کے لیے ہوتے ہیں، لیکن

اگر تعلیمی اداروں کو دہشتگردوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بنادیا جائے تو اس سے براہ راست تعلیمی کارکردگی متاثر ہوگی۔

اس حقیقت سے بھی انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ اسکول کے بچے اور اساتذہ ان تربیت یافتہ دہشت گردوں کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں، جو کئی حساس اور اہم سیکورٹی کے مقامات پر کامیابی سے حملے کر چکے ہیں؟ دہشت گرد بتا کر نہیں آتے، بلکہ وہ اچانک اور پوری تیاری کے ساتھ حملہ آور ہوتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اساتذہ بلٹ پروف لباس میں ملبوس، کاندھوں پر اسلحہ لٹکائے، کمر پر کارتوس بندھے اور ہاتھ میں قلم ہو اور نگاہیں کلاس روم کے دروازے پر لگی ہوں اور طالبا و طالبات بھی اسی طرح اسلحے سے لیس ہوں اور ساتھ تعلیم بھی حاصل کر رہے ہوں، یہ ناممکن ہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ دہشت گرد بازاروں، چوراہوں اور مذہبی اجتماعات سے ہوتے ہوئے اب درسگاہوں میں داخل ہو چکے ہیں، جن کو شکست دینا انتہائی ضروری ہے، لیکن اس کا حل یہ نہیں کہ ان سے مقابلے کے لیے ہم اپنے بچوں کے ہاتھ میں اسلحہ تھما دیں۔ تعلیم دینے اور لینے والوں کو ایسی سرگرمیوں میں الجھانے کی بجائے سیکورٹی کا مناسب انتظام ہونا چاہیے۔ شہریوں کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اپنی حفاظت کے لیے خود ہی اسلحہ اٹھا کر میدان میں آجانا ہرگز مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے۔

معصوم" پرویز مشرف کی بیرون ملک روانگی"

ملک میں سابق صدر پرویز مشرف کے خلاف نفرت کو پنپتے ایک عرصہ بیت گیا۔ پرویز مشرف کو "مجرم" کہنے والی زبانوں کی پاکستان میں اتنی کثرت، جس کا شمار بھی مشکل ہے۔ عوام و خواص سب ہی "آنجناب" کو آمر کے "لقب" سے پکارتے رہے۔

سیاستدانوں نے اس نفرت کے الاؤ کو مزید بڑھکایا۔ ان کی باتیں سن کر تو یوں لگ رہا تھا جیسے یہ ممکن ہی نہیں کہ "آمر" کو سزا نہ ہو۔ پرویز مشرف گرفتار ہوئے تو ان کا احتساب اور ان کے اعمال کی سزا ملنے کی کوشش پر جمہوریت پسند لوگ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ اس ضمن میں تمام اختلافات کو بھلا کر حکومت اور اپوزیشن کا ایک موقف تھا کہ ڈکٹیٹر کا احتساب ہونا انتہائی ضروری ہے، اس کے بغیر جمہوریت پنپ ہی نہیں سکتی، لیکن اب تمام قیاس آرائیاں دم توڑ گئیں۔ چند روز قبل عاشق رسول ممتاز قادری کو پھانسی دے کر حکومت نے قانون پر "مکمل" طور پر عمل کیا تھا، ایسے وقت میں پوری قوم اس انتظار میں تھی کہ "بہادر" اور "خودمختار" حکومت پرویز مشرف کے معاملے میں بھی ممتاز قادری کی پھانسی کی طرح قانون پر مکمل عمل کرے گی، لیکن عدالت عالیہ کی طرف سے پرویز مشرف کو حراست میں رکھنے یا نہ رکھنے کے فیصلے کا اختیار ملتے ہی "بااصول" حکومت نے جھٹ سے کئی بڑے مقدمات میں "پابند پر تعیش ہاؤس" اور سخت سیکورٹی میں "محصور" سابق

صدر کو بیرون ملک جانے کی اجازت دے دی، جس کے فوری بعد "سب سے پہلے پاکستان" کے نعرے کو "سب سے پہلے اپنی جان" میں تبدیل کرتے ہوئے فٹا فٹ آنجناب دبئی جا پہنچے۔ پرویز مشرف صرف اپنی "بیماری" کا علاج کروانے دبئی تشریف لے گئے ہیں، سزا کے ڈر سے نہیں گئے، کیونکہ وہ کسی سے ڈرتے ورتے نہیں ہیں۔ اس سفر کی برکات ہی تو ہیں کہ دبئی پہنچتے ہی "کمانڈو" کی بیماری نے یوں "راہ فرار" اختیار کیا، جیسے بقول مخالفین خود "کمانڈو" نے پاکستان سے "راہ فرار" اختیار کیا ہے۔

متعدد مقدمات میں مطلوب پرویز مشرف کے فیصلے سے کم از کم یہ تو ثابت ہو گیا کہ ہر نظر آنے والی چیز حقیقت نہیں ہوتی، کیونکہ پرویز مشرف ایک "معصوم" انسان ہیں۔ لوگوں تو نجانے کیسے کیسے الزامات لگا کر ان کو "مجرم" ثابت کرنے پر تلے رہے ہیں۔ مجرم پرویز مشرف نہیں، بلکہ وہ لوگ تھے جن کی وجہ سے "جناب" کو مجرم گردان کر کئی ماہ قید "بامشقت" میں رکھا گیا۔ یا پھر اصل مجرم ایسی "ماورائی قوت" ہے جس کے حکم پر "نامعلوم افراد" نے ایک ایسے دور میں جب پاکستان کے سیاہ و سپید کے مالک خود پرویز مشرف تھے، وہ جرم کیے جن کا الزام پرویز مشرف پر لگایا جاتا رہا ہے۔ سابق صدر پرویز مشرف پر الزام لگایا گیا تھا کہ انھوں نے ایک منتخب جمہوری حکومت پر شب خون مار کر 1999ء سے لے کر اگست 2008ء تک ملکی اقتدار پر زبردستی قبضہ جمائے رکھا اور ان

کو بے نظیر بھٹو، نواب اکبر بگٹی اور لال مسجد میں قتل عام میں بھی نامزد کیا گیا تھا۔ جب جناب " سوشل میڈیا پر اپنے لاکھوں کروڑوں "مداحوں" کے پرزور اصرار پر 24" مارچ 2013ء کو چار سال خود ساختہ جلاوطنی گزارنے کے بعد 2013ء کے انتخابات میں کامیابی حاصل کر کے ایک بار پھر ملک کا حکمران بننے کے لیے واپس پاکستان آئے تو اپریل 2013ء کو اسلام آباد ہائیکورٹ نے 2007ء میں ججز گرفتاری کے 18 الزامات پر انھیں گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ 26 اپریل 2013ء کو عدالت نے "جناب" کو بے نظیر بھٹو کے قتل کے الزام میں گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ 25 جون 2013ء کو پرویز مشرف پر دو الگ مقدمات اور بے نظیر بھٹو قتل اور اکبر بگٹی قتل میں نامزد کیا گیا۔ 20 اگست 2013ء کو عدالت نے پرویز مشرف پر بے نظیر بھٹو کے قتل کی سازش کا الزام عاید کیا۔ 2 ستمبر 2013ء کو پرویز مشرف کے خلاف لال مسجد آپریشن 2007ء کی ایف آئی آر کاٹی گئی اور کوئی بھی "ثبوت" نہ ملنے پر پرویز مشرف کی آزادی کا پروانہ جاری کر دیا گیا تھا۔ کئی بار پرویز مشرف کے ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کیے گئے، عدالت کے بار بار طلب کیے جانے کے باوجود کبھی عدالت میں پیش نہیں ہوئے۔ پرویز مشرف کی بیرون ملک روانگی سے اگرچہ ملک میں کوئی زیادہ شور شرابا تو نہیں ہوا، البتہ پاکستان کی اکثریت چیں بجبیں ضرور ہے۔ مخالفین کی جانب سے سابق صدر پرویز مشرف کی بیرون ملک روانگی کو حکومت اور پرویز مشرف کے

درمیان "خفیہ ڈیل" کا نتیجہ قرار دیا جارہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سابق آمر کی جگہ کوئی غریب ہوتا تو وہ ابھی تک جیل میں سڑ رہا ہوتا۔ حکومت کی جانب سے پرویز مشرف کو محفوظ راستہ دینے سے نظام کا وہ کھوکھلا پن بے نقاب ہوگیا ہے، جس نے ثابت کیا ہے کہ یہ نظام کمزور کو سزا اور صرف طاقتور اور با اثر کو ہی تحفظ دیتا ہے، حالانکہ کمزور ہو یا طاقتور انصاف سب کے لیے برابر ہونا چاہیے۔ افسوس کی بات ہے کہ جس نواز شریف کی حکومت کا تختہ الٹا گیا وہی آمر کے ساتھ ڈیل کر چکے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستانی قوم کی اکثریت سابق صدر پرویز مشرف کو بہت سی باتوں میں قصوروار ٹھہراتی ہے، ان کے نزدیک پرویز مشرف کے دور میں جو کچھ بھی ہوا، وہ "جناب جنرل" کے حکم سے ہی پایہ تکمیل کو پہنچا تھا۔ عوام محترمہ بے نظیر بھٹو، نواب اکبر بگٹی، لال مسجد، عدلیہ کے ساتھ کی جانے والی زیادتیوں، ایک منتخب جمہوری حکومت پر شب خون مارنا، میڈیا کے ساتھ ہونے والا جبر، آئین کو دو بار معطل کرنا، پاکستان میں دہشتگردی کا پروان چڑھنا اور عافیہ صدیقی سمیت کئی پاکستانیوں کی امریکا کو فروخت کے معاملے میں پرویز مشرف کو ہی قصوروار ٹھہراتے ہیں۔ اسی لیے وہ کئی مقدمات میں مطلوب ہونے کے باوجود پرویز مشرف کے بیرون ملک چلے جانے کو ڈیل" کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں۔ دوسری جانب کئی لوگ یہ مفید مشورہ بھی عنایت" فرمارہے ہیں

کہ حکومت کے ہر کام میں ٹانگ نہیں اڑانی چاہیے، "چھوٹی موٹی ڈیل" برداشت کرنے میں آخر حرج ہی کیا ہے۔ کسی "بندے" کی جان چھوٹتی ہے تو چھوٹنے دیں۔ گڑھے مردے اکھاڑنے سے کیا حاصل؟ پرویز مشرف کو سزا دینے سے نواب اکبر بگٹی، محترمہ بے نظیر بھٹو اور لال مسجد میں مارے جانے والے افراد تو دوبارہ زندہ ہونے سے رہے۔ جہاں تک معاملہ عدلیہ اور ججوں کی نظر بندی کا ہے، اس میں تو ان بے چارے ججوں کو خود ہی اپنی نظر بندی کا کوئی ثبوت نہیں ملا تو کسی دوسرے کو کیا اعتراض؟ ویسے بھی "جناب مشرف" کا اس ملک سے چلے جانا ہی بہتر ہے، کیونکہ یہ قوم پرویز مشرف جیسے "عظیم لیڈر" کی مستحق ہے ہی نہیں، ایسے "عظیم لیڈر" صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں اور اس ملک میں ان کی قدر نہیں کی جاتی۔

اب بھی "بے چارے پرویز مشرف" کو آمر آمر کے القابات سے نوازتے ہوئے ملک کو آمریت پروف بنانے کا مطالبہ کرنے والوں سے گزارش ہے کہ "جناب پرویز مشرف" نے تو اپنے دور میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جس پر ان کو سزا دی جائے، اگر کچھ ایسا کرتے تو حکومت ان کو سزا نہ دیتی؟ حکومت نے "باعزت" بیرون ملک جانے دیا، جس کا مطلب ہے کہ وہ "بے گناہ" ہیں۔ ان کے دور میں بڑے بڑے حکم نامے خدا جانے کون دیتا رہا، وہ تو ایک لاچار اور بے بس صدر تھے، وہ "بالکل بے قصور"، "بالکل معصوم" ہیں، اسی لیے تو انہیں کوئی سزا نہیں ملی۔ ہاں یہ

بات ذہن میں رہے کہ ہماری عدلیہ اور حکومت "مکمل آزاد" ہیں، تمام فیصلے "اپنی مرضی" سے کرتی ہیں۔ ہمارے وزیر اعظم صاحب کے پرویز مشرف کی رہائی کے معاملے پر کسی سے بھی ذرا بھر بھی ڈرنے ورنے کا کیا تک؟ اس سب کے باوجود "جناب جنرل" بیرون ملک چلے گئے تو کیا۔ لوگ اگر "معصوم" پرویز مشرف کی بیرون ملک روانگی کو "ڈیل" یا "دباؤ" قرار دیں تو ان کی زبانیں تو بند نہیں کی جا سکتیں نا۔ لہٰذا اس معاملے پر مٹی پاؤ۔

نسلی امتیاز سے مذہبی امتیاز تک

نسلی و قومی امتیاز کے تصورات دنیا بھر میں پائے جاتے ہیں۔ لوگوں کی اکثریت اپنی قوم، نسل، مذہب اور نظریے کو دوسروں سے برتر سمجھتی ہے، لیکن معاملہ تب بگڑتا ہے جب خود کو برتر سمجھنے والے دوسروں کو کم تر خیال کرتے ہوئے ان کو ذہنی و جسمانی اذیتوں سے دوچار کرنے لگیں۔ یہ رویے نفرتوں، لڑائی جھگڑوں اور خون خرابے کا سبب بنتے ہیں۔ 21 مارچ کو دنیا بھر میں نسلی امتیاز کے خاتمے کا عالمی دن قرار دیا جاتا ہے۔ یہ دن 21 مارچ 1960 کو جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز کے قوانین کے خلاف احتجاج کے دوران پولیس کی فائرنگ سے مرنے والے 60 افراد کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ پہلی بار نسلی امتیاز کے خاتمے کا عالمی دن 1966 میں منایا گیا۔ اس دن دنیا بھر میں نسلی امتیاز کے خلاف شعور اجاگر کرنے کے لیے تقریبات منعقد کی جاتی ہیں، جن کا مقصد عالمی سطح پر رنگ و نسل کے امتیاز کو پس پشت ڈال کر سماجی اور مذہبی رواداری کو فروغ دینا ہے۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی دنیا بھر میں اس حوالے سے منعقد کی گئیں مختلف تقاریب میں نسلی امتیاز برتنے کی مذمت کی گئی ہے، لیکن برسوں سے مختلف فورمز پر نسلی امتیاز کی مذمتوں کے باوجود اس کا خاتمہ ممکن نہیں ہو سکا۔ آج بھی دنیا کے مختلف خطوں میں لوگوں کو رنگ و نسل کی بنیاد پر امتیازی سلوک کا سامنا ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ نسلی امتیاز کے حوالے سے دنیا بھر کو مساوات کا درس دینے والا امریکا سرفہرست ہے، جہاں نسلی امتیاز معاشرے میں بری طرح سرائیت کرگیا ہے۔ سفید فام امریکی ہمیشہ سے نسلی امتیاز میں مبتلا رہے ہیں۔ نسلی امتیاز کے اسی غرور نے امریکا میں انسانی غلامی کی داغ بیل ڈالی۔ سیاہ فام امریکیوں نے کم وبیش ساڑھے تین سو سال غلامی کی زندگی گزاری ہے۔ غلاموں کی طرح ان کی خرید وفروخت کی جاتی اور ان پر ظلم وستم کی انتہا کی جاتی رہی۔ سیاہ فاموں نے انیسویں صدی میں غلامی کے خاتمے کی تحریک شروع کی۔ اس تحریک کے بطن سے خوفناک خانہ جنگی نے جنم لیا، جس کے نتیجے میں امریکا میں سیاہ فاموں کے لیے بھی ملکی شہریت اور انسانی حقوق تسلیم کیے گئے، لیکن اس کے باوجود بھی سفید فام سیاہ فاموں کو امریکی شہری تسلیم کرلینے سے برابر کا درجہ دینے کو تیار نہیں تھے۔

1960 کی دہائی میں شہری حقوق کے حصول کے لیے ایک بار پھر تحریک شروع ہوئی، جس کے نتیجے میں سیاہ فاموں کو بڑی حد تک حقوق حاصل ہوئے، لیکن آج بھی سفید فاموں کے دل ودماغ میں نسلی امتیاز کا غرور بہ دستور سمایا ہوا ہے، جس کا اظہار مختلف واقعات سے ہوتا رہتا ہے۔ آج بھی سیاہ فام امریکی باشندے نسلی امتیاز کا شکار ہیں۔ نسلی امتیاز کی بنیاد پر ہی اکثر وبیشتر سفید فام سیاہ فاموں کو قتل کردیتے ہیں۔ گزشتہ سال بھی نسلی امتیاز کی بنیاد پر سفید فام

پولیس اہلکار نے سیاہ فام کو گولی مار کر قتل کر دیا تھا، جس کے بعد امریکا میں پر تشدد مظاہرے پھوٹ پڑے تھے۔ نسلی امتیاز نے بھارت کو بھی بری طرح اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ بھارت میں لوگ ذات کے اعتبار سے برہمن، کھشتری، ویش اور شودر چار درجوں میں تقسیم ہیں، جن میں سے ہر ایک کی الگ حیثیت ہے۔ بھارت میں چھوٹی ذات سے تعلق رکھنے والے 35 سے 40 کروڑ افراد کو آج کے جدید دور میں بھی نسلی امتیاز کا سامنا ہے۔ ایسے افراد کو بھارت میں اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کا حق حاصل نہیں ہے اور یہ لوگ معاشرے میں اپنے بنیادی مقام کو حاصل کرنے سے بھی محروم ہیں۔ اگر ہم اپنے معاشرے کی بات کریں تو یہاں بھی مختلف ذاتوں اور اقوام کو گھٹیا سمجھنے کا تصور موجود ہے۔ جاگیر دار، وڈیرے اور زمیندار ملازمین کے ساتھ غلاموں کا سا سلوک کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں رنگ کی بنیاد پر بھی امتیاز رکھا جاتا ہے۔ زبان، صوبے اور علاقے کی بنیاد پر بھی ہمارے ہاں خاصا تعصب پایا جاتا ہے۔ اسلام امتیاز کی ان تمام شکلوں کی سختی سے مذمت کرتا ہے اور تمام انسانوں کو برابر قرار دیتا ہے۔

دوسری جانب نسلی امتیاز مذہبی امتیاز میں ڈھلتا جا رہا ہے اور دنیا بھر میں مذہب کی بنیاد پر لوگوں سے غیر منصفانہ رویہ روا رکھا جا رہا ہے۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ دنیا کے تمام خطوں میں مذہب کی بنیاد پر سماجی نفرت اور پابندیوں نے نئی بلندیوں کو چھوا ہے۔ حکومتوں اور مخالف عقیدے کے لوگوں کے

ہاتھوں مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگوں کے خلاف تشدد اور امتیاز میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس حوالے سے مسلمان سرفہرست ہیں، جن کو دنیا بھر میں سب سے زیادہ مذہبی امتیاز کا سامنا ہے۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف گزشتہ ڈیڑھ عشرے میں مسلم ممالک میں بین الاقوامی مداخلت سے ہونے والی جنگوں اور خانہ جنگیوں میں اب تک 40 لاکھ مسلمان اپنی جان کی بازی ہار چکے ہیں۔

میانمار، فلسطین، کشمیر، عراق، افغانستان اور دیگر خطوں میں مسلمان بدستور مذہبی امتیاز کا شکار ہیں۔ 2001 کے بعد امریکا کی جانب سے شروع کی جانے والی "وار آن ٹیرر ازم" میں قتل کیے جانے والے 40 لاکھ مسلمانوں کے حوالے سے امریکا کے ہی ادارے نیشنل کاؤنٹر ٹیرر ازم سینٹر کے مطابق 82 سے 97 فیصد نشانہ بننے والے افراد عام شہری ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے نشانہ بننے والے افراد صرف مذہبی امتیاز کا ہی شکار ہوئے ہیں۔ صرف مذہب کی بنیاد پر میانمار میں مسلمانوں کو زندگی کے بنیادی حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ ان کو نہ صرف طرح طرح کے مظالم کا نشانہ بنایا جاتا ہے، بلکہ ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو قتل بھی کیا گیا ہے۔ فلسطین میں بھی مسلمانوں پر مظالم کی صورتحال کچھ مختلف نہیں ہے۔ قابض اسرائیل نے فلسطینیوں کو ان کی بستیوں سے بے دخل کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے اور اسرائیل کی جانب سے آئے روز بے

گناہ فلسطینیوں پر ظلم و ستم کی نئی تاریخ رقم کی جاتی ہے۔
کشمیر میں بھی بھارتی افواج صرف آزادی کے مطالبے کی پاداش میں ہزاروں بے گناہ مسلمان افراد کی جانیں لے چکی ہے اور خواتین کی عصمت دری اور نوجوانوں کی گرفتاریوں کا تسلسل بھی جاری ہے۔ مذہبی امتیاز کی بھیانک صورت دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت بھارت میں دکھائی دیتی ہے، جہاں صرف مذہب کی بنیاد پر مسلمانوں کے لیے عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا ہے اور بھارت میں موجود لگ بھگ 30 کروڑ مسلمانوں کی آبادی عدم تحفظ کا شکار ہے۔ مسلمانوں کو اپنے مذہبی رسم ورواج کیمطابق زندگی گزارنے کی اجازت نہیں۔ گائے کا گوشت کھانے پر مسلمانوں کو تشدد آمیز صورتحال کا سامنا ہے۔ گزشتہ دنوں صرف گائے خریدنے کے جرم میں دو مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا، اس سے پہلے گائے کا گوشت صرف فریج میں رکھنے کے شبہ میں دو مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ بھارت میں اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ یورپ میں بھی مسلمانوں کو بدترین مذہبی امتیاز کا سامنا ہے۔ متعدد ممالک میں اسلام پر پابندی لگادی گئی ہے۔ نماز روزے، حجاب اور داڑھی کی وجہ سے مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے تنگ کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے یورپ میں داخلے اور مساجد پر پابندی لگانے کی باتیں کی جاتی ہیں اور نعوذ باللہ قرآن مجید اور نبی علیہ السلام کی توہین کی جاتی ہے۔ یہ صرف مذہب کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔امریکا اور دیگر ممالک عراق و افغانستان

سمیت متعدد مسلم ممالک میں مسلمانوں کا قتل عام کرنے میں مشغول ہیں، لیکن کوئی
پوچھنے والا نہیں ہے۔

سانحہ لاہور: درندگی کی نئی تاریخ رقم.... روایتی دشمن کی مذموم کارروائی؟

لاہور میں دہشتگردوں نے ایک بار پھر درندگی و سفاکیت کی تمام حدود پار کر لی ہیں۔ لاہور میں دہشتگردی کے واقعے میں بے گناہ و معصوم بچوں اور خواتین سمیت 72 افراد جاں بحق اور لگ بھگ ساڑھے تین سو زخمی ہوئے ہیں، جن میں بچوں اور خواتین کی تعداد زیادہ ہے۔ دہشتگردوں نے اتنی بڑی تعداد میں بلاوجہ بیہمانہ قتل کرکے بدترین درندگی کی مثال قائم کی ہے۔ لاہور گلشن اقبال پارک میں برپا ہونے والی قیامت صغریٰ نے ہر شخص کو دکھ، درد، تکلیف، غم اور پریشانی میں مبتلا کردیا ہے۔ اس دہشتگردی کے سامنے جارحیت، درندگی، سفاکیت اور حیوانیت جیسے الفاظ بھی بہت چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ اس قدر وحشیانہ رویہ، اس قدر شقی القلبی کہ انسان ایسے حیوان نما انسانوں کی انسانیت پر بھی حیرت آشنا ہو جائے۔ گلشن اقبال پارک میں ہونے والے حملے پر پوری قوم سوگوار ہے۔ حملے کے نتیجے میں جانی نقصان پر سندھ، بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں ایک روز کا سوگ منایا گیا، جبکہ پنجاب میں تین روزہ سوگ کا اعلان کیا گیا ہے۔ پیر کے روز تمام سرکاری، نیم سرکاری اور اہم نجی اداروں کی عمارتوں پر قومی پرچم سرنگوں رہا، جب کہ سانحے کے سوگ میں لاہور کے تجارتی و کاروباری مراکز اور چھوٹی بڑی مارکیٹیں بند رہیں۔ ملک بھر کی سیاسی و مذہبی شخصیات نے بدترین دہشتگردی کی بھرپور مذمت کی ،

جبکہ سانحہ لاہور پر کئی عالمی رہنماؤں نے بھی گہرے دکھ کا اظہار کیا ہے۔ آرمی چیف نے معصوم بہن بھائیوں کے قاتلوں کو کٹہرے میں لانے کا اعلان کیا اور پنجاب بھر میں آپریشن شروع کر دیا، جس کی نگرانی خود آرمی چیف کر رہے ہیں۔

ذرائع کے مطابق بال بیرنگ استعمال نہیں کیے گئے بلکہ دھماکے میں 20 سے 25 کلو دھماکہ خیز مواد استعمال ہوا۔ دھماکا خیز مواد پارک میں موجود جھولے کے قریب نصب تھا اور ملک دشمن عناصر کا نشانہ اس بار بھی بچے ہی تھے۔ ذرائع کے مطابق گلشن اقبال پارک میں ہونے والے دھماکے کی نوعیت ماضی میں ہونے والے دھماکوں سے مختلف تھی۔ دہشت گردوں نے بال بیرنگ، کیلوں، نٹ بولٹ اور لوہے کے ٹکڑوں کی بجائے دھماکہ خیز مواد کا زیادہ استعمال کیا۔ ذرائع کے مطابق اس دھماکے میں دشمن ملک بھارت کی ایجنسی "را" کی شمولیت کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ذرائع کے مطابق "را" کی جانب سے ماضی میں کی جانے والی دہشت گردانہ کارروائی اور دھماکوں میں نٹ بولٹ، بال بیرونگ اور لوہے کے ٹکڑوں کی بجائے صرف دھماکہ خیز مواد استعمال کیا جاتا تھا۔ دھماکے میں بال بیرنگ انتہائی کم تعداد میں استعمال کیے گئے اور خطرناک دھماکا خیز مواد کا زیادہ استعمال کیا گیا، جس وجہ سے اس کارروائی کے تانے بانے بھارت کی خفیہ ایجنسی "را" سے ملتے ہیں۔

کئی سینئر تجزیہ کار بھی سانحہ لاہور کو بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کے ایجنٹ کی گرفتاری کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں۔ اگرچہ بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کی جانب سے اتوار کی شب وزیراعظم نواز شریف کو ٹیلی فون کرکے ان سے لاہور کے واقعے پر ہمدردی اور دکھ کا ظہار کیا گیا، جو سراسر منافقت ہے۔ سنیئر سیاست داں اور مسلم لیگ کے سابق سکریٹری جنرل سید ضیاء عباس کا کہنا ہے کہ ملک میں کامیاب آپریشن ضرب عضب سے خوف زدہ بھارت کے اس واقعے میں ملوث ہونے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ "را" کے ایجنٹ کی گرفتاری کے بعد اس قسم کے واقعات کو روکنے کے لیے وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو مناسب سیکورٹی اقدامات کرنا ہوں گے۔ بھارت کی بلوچستان اور کراچی میں گڑبڑ پیدا کرنے کی تمام حقیقت پاک فوج نے را کے ایجنٹ کو گرفتار کرکے بے نقاب کردی ہے۔ وزیراعظم آزاد کشمیر چودھری عبدالمجید نے بھی لاہور دہشتگردی کو بھارتی خفیہ ایجنسی را" کی کارروائی قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ لاہور دہشتگردی بھارت کے حاضر سروس" آفیسر کی گرفتاری سے توجہ ہٹانے کی ناکام کوشش ہے۔ بھارت نے ہمیشہ نہتے انسانوں کے خون کی ہولی کھیلی ہے، لاہور واقعہ میں بھی بھارت ملوث ہے۔ بھارت کا چہرہ دنیا کے سامنے بے نقاب ہوچکا ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ بھارت کسی طور بھی پاکستان کو مستحکم دیکھنا نہیں چاہتا۔ چین پاکستان اقتصادی راہداری کا عظیم الشان منصوبہ منصہ شہود پر نمودار ہوچکا ہے جس میں

پاکستان کے لیے تقدیر بدل دینے کے امکانات مستور ہیں۔ بھارت دشمن اس منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے روز اول سے ہی سرگرم ہے۔ دہشت گرد خفیہ تنظیم "را" میں بھارتی حکومت نے خصوصی طور پر ڈیسک قائم کیا، جس کی ذمہ داری چین پاکستان اقتصادی راہداری کے منصوبے کو سبوتاژ کرنا ہے۔

لاہور میں ہونے والی دہشتگردی میں بھارت کی مداخلت کو کسی طور بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ گزشتہ ہفتے بلوچستان سے گرفتار ہونے والے بھارتی بحریہ کے افسر کے انکشافات نے بھارت کو بے نقاب کردیا ہے۔ بھارت کے ایجنٹ نے کئی سال سے بلوچستان میں دہشت گردی کا نیٹ ورک قائم کر رکھا تھا۔ ہندو ہونے کے باوجود اس نے مسلمان نام سے پاسپورٹ اور دیگر سفری دستاویز بنوا رکھی تھیں۔ اس مستند بھارتی جاسوس نے اعتراف کیا ہے کہ وہ پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کی ذمہ داری پر مامور تھا، اور اس نے یہاں اپنے کارندوں کے درمیان کروڑوں روپے تقسیم کیے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ بلوچستان سے گرفتار بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کے ایجنٹ کل بھوشن یادیو کو دہشت گردی کا نیٹ ورک پنجاب تک پھیلانے کا ٹاسک دیا گیا تھا۔ "را" کی اعلیٰ کمانڈ پنجاب میں تخریب کاری شروع کرنا چاہتی تھی، تاکہ خطے میں بھارت کے توسیعی عزائم میں کوئی رکاوٹ نہ ڈال سکے۔ یادیو نے بلوچستان میں درجنوں مقامی دہشت گردوں کی مدد سے نیٹ ورک قائم کر رکھا تھا، اسی طرح کراچی میں بھی دہشت گردانہ حملوں کے لیے

سے زاید سلیپر یونٹس قائم کر رکھے تھے۔ کراچی اور بلوچستان میں نیٹ ورک 100 چلانے کے ساتھ اس ایجنٹ کے پنجاب، بلوچستان اور سندھ کے سرحدی علاقوں میں کالعدم مذہبی تنظیموں اور جرائم پیشہ گینگ کے ارکان کے ساتھ رابطے تھے۔ اب یہ تعین کرنا ہے کہ اس ایجنٹ نے پنجاب میں تخریب کاری کے لیے کتنے منصوبے بنائے تھے۔ "را" نے کراچی سے تعلق رکھنے والے اپنے ایجنٹوں کے لیے جنوبی افریقہ، ملائشیا، بنکاک اور دبئی میں بھی رہائش اور دیگر سہولیات کا انتظام کیا تھا۔ ان ایجنٹوں کو بسنت پور، دہرادھن، جودھپور، راجستھان، فرید پور، کولکتہ اور دیگر بھارتی علاقوں میں جدید اسلحہ کی تربیت دی تھی۔ بلوچستان سے 'را' کے حاضر سروس نیول کمانڈر کل بھوشن کی گرفتاری کے بعد حساس اداروں نے اس کے مزید 13 ساتھیوں کو بھی پکڑ لیا ہے۔

پکڑے جانے والے افراد دہشتگردی، فرقہ وارانہ فسادات اور ٹارگٹ کلنگ میں ملوث ہیں، تاہم ان کی گرفتاری کو خفیہ رکھا جا رہا ہے۔ ذرایع کے مطابق گرفتار افراد سے تفتیش کے بعد انکشاف ہوا ہے کہ بھارت میں تربیت حاصل کرنے والے 5 سو دہشت گرد پاکستان میں داخل ہوگئے ہیں، جو مسلمان بن کر ملک میں دہشت گردی، مذہبی فسادات پھیلانے، فوج کیخلاف اکسانے اور دیگر ملک دشمن کارروائیوں میں ملوث ہیں۔ ذرائع کے مطابق چند روز میں کئی اہم افراد کی گرفتاری بھی متوقع ہے۔ "را" کے ایجنٹ نے دہشت گردوں کے لیے کی گئی فنڈنگ کی تفصیلات بھی بتا دیں ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے دہشت گردی کے واقعات میں مقامی دہشت گردوں کے

علاوہ افغان شہریوں کو بھی استعمال کیا، جبکہ اس کے دیگر ساتھی کراچی اور بلوچستان میں اب بھی موجود ہیں، جن کے ذریعے وہ کراچی اور بلوچستان میں سیکورٹی فورسز پر حملے کرنے میں ملوث رہا ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ بھوشن یادیو نے اعتراف کیا ہے کہ اس کے بہت سے ساتھی اب بھی پاکستان کے مختلف حصوں میں موجود ہیں اور دہشت گردی کی پلاننگ کر رہے ہیں۔ کل بھوشن یادیو نے انکشاف کیا ہے کہ اس کے ساتھی اب بھی چاہ بہار ایران میں موجود راکانیٹ ورک آپریٹ کر رہے ہیں، جس پر پاکستان نے ایران کو قانونی مراسلہ بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ واضح رہے کہ پاکستانی فوج کے شعبہ تعلقات عامہ سے جاری بیان میں بتایا گیا ہے کہ جنرل راحیل شریف نے ایرانی صدر سے ملاقات میں کہا کہ بھارت پاکستان کے اندر، خصوصاً بلوچستان میں دراندازی میں ملوث ہے اور بعض اوقات وہ ہمارے برادر ملک ایران کی سرزمین کو بھی استعمال کرتا ہے۔ میری درخواست ہے کہ انھیں اس قسم کی سرگرمیوں سے روکا جائے تاکہ پاکستان استحکام کی جانب بڑھ سکے۔

پاکستان پہلے بھی بھارتی مداخلت ٹھوس ثبوت دے چکا ہے لیکن بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کے ایک بڑے ایجنٹ کی گرفتاری کے بعد اس بارے میں کوئی شک نہیں بچا ہے۔

پاکستان بننے کے بعد سے بھارت پاکستان میں دخل اندازی کرتا رہا ہے اور بلوچستان میں اس کا جاسوسی کانیٹ ورک ہے جہاں سے ٹریننگ حاصل کرکے

دہشت گرد بلوچستان ہی نہیں بلکہ کراچی اور دوسرے شہروں میں بھی گھناؤنی کارروائیاں کرتے ہیں۔ پاکستان میں دہشت گردی میں ملوث متعدد بھارتی جاسوس پہلے بھی گرفتار کیے جا چکے ہیں۔ ان بھارتی جاسوسوں نے دہشت گردی کی وارداتوں کے ذریعے پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچانے کی بھارتی سازشوں کا انکشاف اور اعتراف کیا ہے۔

پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کے لیے بھارتی ظاہری بیانات اور درپردہ کاروائیاں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ بھارت اپنی بدنام زمانہ خفیہ ایجنسی "را" کے ذریعے پاکستان میں دہشت گردانہ کاروائیاں کروا کر ملک کو کمزور کرنا چاہتا ہے۔ بھارتی حکمرانوں نے پاکستان کے اندر ریشہ دوانیوں کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے، اس کی ایک طویل تاریخ ہے۔ انہی مکروہ سازشوں کے ذریعے وطنِ عزیز کو دو لخت بھی کیا جا چکا ہے۔ جس کا اعتراف آٹھ جون 2015 کو مودی نے اپنے دورہ بنگلا دیش کے دوران کھلے عام کیا۔ اس کے علاوہ گزشتہ برس 23 مئی کو ہندوستانی وزیر دفاع " منوہر پریار کر" بھی کہہ چکے کہ بھارت پاکستان کے متعلق کانٹے سے کانٹا نکالنے والی پالیسی اپنائے ہوئے ہے۔ پاکستان میں "را" کی سرگرمیوں کا سلسلہ بہت پرانا ہے۔ ستمبر 1968 میں را کا قیام عمل میں آیا تھا، جس کو سب سے پہلے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا مشن سونپا گیا تھا جسے اس نے کامیابی سے انجام دیا۔ جب سے پاکستان میں دہشت

گردی کی کاروائیوں کا آغاز ہوا ہے ،اس وقت سے ان دہشت گردانہ کاروائیوں کے پیچھے را" کے ملوث ہونے کی چہ مگوئیاں ہوتی چلی آ رہی ہیں اور اب تک سینکڑوں بھارتی" جاسوس جو پاکستان میں مشکوک سرگرمیوں میں ملوث تھے گرفتار بھی کیے جا چکے ہیں۔اگر اس طرح کا کوئی پاکستانی جاسوس بھارت میں گرفتار کیا جاتا تو بھارتی حکومت اور بھارتی میڈیا شور مچا مچا کر ساری دنیا سر پر اٹھا لیتے ،لیکن اس کے برعکس پاکستان کی جانب سے ایسا کوئی قابل ذکر رد عمل دیکھنے میں نہیں آ رہا،بلکہ بہت عجیب بات ہے کہ بھارتی جاسوس کی گرفتاری پر حکومت پاکستان کی طرف سے کوئی بیان تک جاری نہیں ہوا اور پاکستانی وزیر اعظم چپ سادھے ہوئے ہیں۔اگر ماضی کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ سانحہ گلشن اقبال پارک بھی " را" ہی کی کارستانی ہے۔حکومت کو کم از کم لاہور سانحہ کے بعد تو کھل کر بھارت کو نکیل ڈالنی چاہیے، بصورت دیگر وہ اپنی مکروہ کارستانیوں سے باز آنے والا نہیں ہے۔

"را" ایجنٹ کی گرفتاری پر حکومت کی خاموشی نے قوم کو مایوس کیا"

بلوچستان سے گرفتار کیے گئے بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کے حاضر سروس افسر کل بھوشن یادو کے پاکستان میں متعدد دہشتگردی کی کارروائیوں کا اعتراف کر لینے کے بعد اس معاملے پر تاحال خاموش تماشائی بنی اور بھارت کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھانے والی پاکستانی حکومت پر بھارت کی پاک دشمنی واضح ہو جانی چاہیے۔ گزشتہ دنوں ملک کے سیکورٹی اداروں نے بلوچستان سے بھارت کے حاضر سروس افسر کو گرفتار کیا جس نے پاکستان میں دہشتگردی کی کئی بڑی کارروائیوں کا اعتراف کیا۔ "را" کے ایجنٹ کی گرفتاری بہت بڑی کامیابی ہے۔ کل بھوشن سے پہلے انڈین نیوی میں رہا اور بعد میں اس کا تبادلہ "را" میں کیا گیا اور پاکستان کے علاقوں بلوچستان اور کراچی میں براہ راست دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث پایا گیا۔ اس نے سکریپ کا کاروبار بھی پاکستان میں شروع کیا اور بعد میں ایران کے چاہ بہار میں جیولری کا کام شروع کیا، کل بھوشن یادیو کو جب پکڑا گیا تو اس کے پاس امریکن، ایرانی اور پاکستانی کرنسی سمیت پاکستان کے مختلف نقشے بھی موجود تھے۔ آپریٹنگ سیٹ ورک بنا کر یہاں سے لوگوں کو بھی بھارت بھیج کر وہاں سے تربیت حاصل کروانے کے بعد واپس پاکستان بھیج دیا جاتا ہے۔ کراچی میں چودھری اسلم اور مہران ایئر بیس حملے میں ملوث تھا۔ کراچی میں فرقہ وارانہ بنیاد پر

فساد کرنے کیلئے فورس بنانے کی کوشش بھی کی۔ "را" کے ایجنٹ کی گرفتاری کے بعد حکومت پاکستان کو چاہیے تھا کہ اس معاملے پر نہ صرف بھارتی حکومت سے تبادلہ خیال کیا جاتا، بلکہ عالمی سطح پر بھی اس معاملے کو اٹھا کر دنیا کے سامنے بھارت کا مکروہ چہرہ بے نقاب کیا جاتا، تاکہ دنیا کے سامنے بھارت کی جانب سے پاکستان پر لگائے جانے والے بے بنیاد الزامات کی حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی، لیکن پاکستان حکومت نے ابھی تک اس معاملے پر مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ گزشتہ روز وزیر اعظم میاں نواز شریف نے قوم سے ایک طویل خطاب کیا، جس میں انہوں نے اپنا سارا زور مذہبی جماعتوں کو زور دار دھمکیاں دینے پر لگا دیا، لیکن بھارتی خفیہ ایجنسی "را" ایجنٹ کی گرفتاری کا ذکر تک نہیں کیا۔ میاں نواز شریف کے خطاب کو نہ صرف ملک کی دینی جماعتوں نے مایوس کن قرار دیا، بلکہ پوری قوم کو بھی میاں نواز شریف کے خطاب سے سخت مایوسی ہوئی ہے، کیونکہ قوم کو یہ امید تھی کہ میاں صاحب پاکستان کا امن و سکون برباد کرنے والے بھارتی ایجنٹ کے بارے میں حقائق قوم کے سامنے لائیں گے لیکن انہوں نے اس حوالے سے بالکل بھی لب کشائی نہیں کی۔ اس کے ساتھ یہ تاثر بھی پایا گیا ہے کہ "را" ایجنٹ کی گرفتاری پر میاں صاحب کے رویے سے فوج بھی خوش نہیں ہے، اسی لیے جب حکومت نے اس حوالے سے مکمل خاموشی اختیار کی تو گزشتہ روز ترجمان آئی ایس پی آر نے خود میڈیا پر آ کر قوم کو حقائق سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا اور فوج کی جانب سے کی گئی پریس کانفرنس میں آئی ایس پی

آر نے بلوچستان سے گرفتار بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کے حاضر سروس افسر کل بھوشن یادیو کی اعترافی ویوڈیو دکھائی، جس میں کل بھوشن یادیو نے بلوچستان اور کراچی میں دہشت گردانہ کارروائیاں کروانے، بلوچستان میں علیحدگی پسندوں کو فنڈز دینے، اقتصادی راہداری منصوبے، گوادر، پسنی اور جیونی کی بندرگاہوں کو ٹارگٹ کرنے کی منصوبہ بندی کرنے سمیت پاکستان کی قومی سلامتی کے خلاف دیگر بہت سی کارروائیاں کرنے کا اعتراف کیا۔ پاک فوج نے وزیر اطلاعات پرویز رشید کو بھی صرف پریس کانفرنس میں اپنے ساتھ رکھا، جس کا مقصد یہ بتلانا تھا کہ دہشتگردی کے معاملے میں پاک فوج اور حکومت ایک ہی صفحے پر ہے، اسی لیے وزیر اطلاعات پریس کانفرنس میں زیادہ تر خاموش رہے اور ڈی جی آئی ایس پی آر ہی بولتے رہے۔ تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ اگر حکومت اس معاملے پر پہلے ہی قوم کے سامنے حقائق بیان کردیتی تو ترجمان آئی ایس پی آر کو پریس کانفرنس کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

بھارت ایک طرف تو پاک حکومت کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا ہے، جبکہ دوسری جانب پاکستان میں دہشتگردی کروا رہا ہے اور راہداری منصوبے کو ناکام کرنے سمیت پاکستان کے دیگر کئی مفادات کو نقصان پہنچانے پر کمربستہ ہے اور کراچی و بلوچستان کو پاکستان سے الگ کرنے کی سازشوں میں ملوث ہے۔ بھارتی ایجنٹ کے انکشافات نے بھارت کا مکروہ چہرہ بے نقاب کردیا ہے، لیکن اس سب کچھ کے

باوجود میاں حکومت بھارت کے خلاف خاموش ہے، جس سے قوم کے ذہنوں میں موجود شکوک و شبہات مزید گہرے ہو رہے ہیں۔ میاں نواز شریف چونکہ مودی کو آم اور ساڑھیوں کے تحائف بھجوا کر ایک عرصے سے بھارت کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھانے اور بھارت کی سخت ترین دھمکیوں کے باوجود ہمیشہ نرم رویہ اپنانے میں معروف ہیں، جس کی وجہ سے میاں صاحب کے بارے میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ ان کی بھارت کے ساتھ کاروباری شراکت داری ہے، جس کا اظہار کئی بار مختلف سیاسی رہنما بھی کر چکے ہیں۔ اب بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کے سینئر افسر کی گرفتاری پر میاں صاحب کی خاموشی سے اس تاثر کو تقویت ملی ہے کہ واقعی میاں صاحب اپنا کاروبار بچانے کے لیے بھارتی ایجنٹ کے معاملے میں لب کشائی نہیں کرتے اور گزشتہ روز میاں فیملی کی شوگر ملز میں بھارتی باشندوں کی موجودگی کی اطلاع نے اس تاثر کو مزید پختہ کر دیا ہے۔ آن لائن کو ملنے والی دستاویزات کے مطابق شریف فیملی کی رمضان شوگر ملز میں انجینئرنگ کنسلٹینسی کے نام پر ایک وقت میں 40 بھارتی باشندوں کو سرکاری پروٹوکول میں لایا اور لے جایا جاتا رہا ہے۔ ان بھارتی باشندوں کے ویزے لاہور اور چنیوٹ تک محدود تھے، لیکن تحقیقاتی اداروں کو شواہد ملے ہیں کہ یہ تمام بھارتی باشندے آزادانہ طور پر پورے پاکستان میں گھومتے رہے ہیں۔ انٹیلی جنس حکام کے لیے سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ سندھ اور پنجاب کی دیگر شوگر ملوں کے لیے بھارت سے کنسلٹینسی کے نام پر ایسی خدمات حاصل نہیں کی گئیں، لیکن

وزیراعلیٰ پنجاب کے سرکاری پروٹوکول کی زیر نگرانی ان بھارتی باشندوں کو رمضان شوگر مل میں نہ صرف چھپا کر رکھا گیا، بلکہ انہیں دوسرے شہروں تک بھی رسائی دی گئی۔

واضح رہے کہ گزشتہ روز رینجرز اور حساس اداروں کے اہلکاروں نے شریف فیملی کی ایک دوسری شوگر مل سے بھی 2 بھارتی کنسلٹنٹس حراست میں لے لے اور ان 2 بھارتی باشندوں کی نشاندہی پکڑے گئے بھارتی جاسوس کل بھوشن یادیو نے کی تھی۔

ذرائع کا کہنا ہے کہ رمضان شوگر مل کے ریکارڈ کے مطابق 40 بھارتی باشندوں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں، ان میں سے 14 واپس بھارت چلے جاتے تھے اور 26 باشندے رمضان شوگر ملز میں موجود ہوتے تھے۔ ان تمام بھارتی باشندوں کو ویزے کے اجراء سے پہلے پولیس رپورٹ سے بھی استثناء دیا گیا تھا۔ واضح رہے کہ گزشتہ دنوں گرفتار افراد سے تفتیش کے بعد انکشاف ہوا تھا کہ بھارت میں تربیت حاصل کرنے والے سو دہشت گرد مسلمان بن کر پاکستان میں دہشت گردی، مذہبی فسادات پھیلانے، 5 فوج کیخلاف اکسانے اور دیگر ملک دشمن کارروائیوں میں ملوث ہیں۔ یہ تو وہ تعداد ہے جس کا بھارتی ایجنٹ نے ذکر کردیا، ورنہ نجانے کتنے ہی گمنان ایجنٹ پاکستان کو تباہی کی طرف دھکیلنے میں مصروف ہیں۔

اس سے پہلے بھی کئی بھارتی ایجنٹ گرفتار کیے جاتے رہے ہیں، جن میں سے بعض بھارتی جاسوسوں کو جذبہ خیر سگالی اور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر رہا بھی

کیا گیا۔ جن میں سب سے نمایاں راوند کوشک تھا، جسے 1975ء میں پاکستان بھیجا گیا تھا، یہاں آ کر اس نے مذہبی تعلیم حاصل کی۔ پنجابی اور اردو زبان سیکھی۔ نبی احمد شاکر کا نام اختیار کر کے پاکستان ملٹری اکاؤنٹس میں کلرک کی نوکری حاصل کی اور یہیں شادی بھی کی۔ وہ 1983ء تک "را" کو پاکستان کی اہم معلومات پہنچاتا رہا۔ 1983ء میں وہ گرفتار ہوا اور اس نے ساری معلومات اگل دیں۔ سربجیت سنگھ بھی بھارت کا معروف جاسوس تھا، جس نے 90ء کی دہائی میں لاہور، فیصل آباد میں متعدد دھماکے کیے تھے۔ 2013ء میں جب اس نے لاہور کے ایک ہسپتال میں دم توڑا تو بھارتی پنجاب نے اس کی موت کے بعد تین دن تک سوگ اور اہل خانہ کو ایک کروڑ روپے دینے کا اعلان کیا۔ کشمیر سنگھ کو پرویز مشرف کے دور میں رہا کیا گیا۔ 2012ء میں بھارتی جاسوس سربجیت سنگھ کو رہا کیا گیا۔ اسی طرح بھارتی جاسوس رام راج 18 ستمبر 2004ء کو پاکستان آیا اور اگلے ہی دن گرفتار کر لیا گیا۔ آٹھ سال کے بعد اسے بھارت واپس بھیج دیا گیا۔ 1988ء میں پاکستان جاسوسی کے لیے آنے والا گربخش رام دو سال تک پاک فوج کے زیر استعمال اسلحے کے معلومات لے کر واپس بھارت جا رہا تھا کہ پکڑا گیا۔ 1994ء میں اسے رہائی ملی۔ رام پرکاندی 1994ء میں پاکستان آیا اور 1997ء میں 2006ء میں واپس جاتے ہوئے گرفتار ہو گیا۔ 2008ء میں رہا ہو گیا۔ ونود ساہنی 1977ء میں پاکستان بھیجا گیا، اسی سال گرفتار ہو گیا۔ 1988ء میں واپس بھیج دیا گیا۔ بلوپر سنگھ 1971ء میں پاکستان آیا، 1974ء میں گرفتار ہوا اور 1986ء میں بھارت

واپس گیا۔ اسی طرح مختلف اوقات میں گرفتار ہونے والے بھارتی جاسوسوں میں دیوت، سنیل، ڈینیئل، تلک راج اور ستیپال شامل ہیں، جو جیل کاٹنے کے بعد واپس بھارت بھیج دیے گئے۔

اس بات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ بھارتی خفیہ ایجنسی "را" اپنے قیام سے لے کر اب تک مسلسل پاکستان کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف ہے۔ اس نے مشرقی پاکستان کو بنگلا دیش بنانے سے لے کر پاکستان کی سلامتی کو نقصان پہنچانے کیلئے تاحال ہزاروں کوششیں کی ہیں۔ "را" نے پاکستان کے حوالے سے خصوصی ڈیسک تشکیل دے رکھا ہے، جس کے تحت مختلف سب ڈیسک بنا کر "را" کے ایجنٹ پاکستان کو غیر مستحکم کر رہے ہیں۔ امریکی، برطانوی، چینی اور جنوبی ایشیا کے دفاعی ماہرین اور خفیہ ایجنسیوں کے اہلکار اس بات کی تصدیق کر چکے ہیں کہ بھارت پاکستان میں بڑے پیمانے پر سازشیں کرنے میں مصروف ہے۔ "را" کے ایجنٹ ایران اور افغانستان سے پاکستان میں داخل ہوتے ہیں اور پاکستان کے مفادات کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ایران سے داخل ہونے کا اعتراف تو گرفتار ہونے والا "را" ایجنٹ کل بھوشن یادو مہ گزشتہ روز ہی کیا ہے۔، جبکہ اس کے علاوہ افغانستان میں روس کی شکست کے ساتھ ہی روسی خفیہ ایجنسی کے تعاون سے "را" نے پاکستان میں افغانستان کے بارڈر کے ساتھ ملحقہ پاکستانی علاقوں میں شورشوں کو کھڑا کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ ذرائع کے مطابق بہت سے بھارتی خفیہ

ایجنسی "را" کے ایجنٹ پاکستان میں داخل ہوئے، جو ملک کے تمام صوبوں میں پھیل گئے، جن کو پاکستان کے خلاف کام کرنے کی تربیت دی گئی۔ بعض ذرائع کے مطابق افغانستان میں اب بھی "را" کے کئی کیمپ ہیں، جن میں پاکستان کے خلاف بھارتی دہشت گردوں کو تربیت دی جاتی ہے۔ بھارت کی خفیہ ایجنسی "را" مختلف جہتوں سے پاکستان کو کمزور کرنے کیلئے مختلف منصوبوں پر کام کر رہی ہے۔ ان میں پاکستان میں اسمگلنگ، توانائی کا بحران پیدا کرنا اور ہمسایہ ممالک کے ساتھ پاکستان کی تجارت کو نقصان پہنچانا شامل ہے، جبکہ پاکستان میں گوادر کی بندرگاہ کیخلاف سازشیں، پاکستان اور چین کے درمیان اقتصادی معاہدوں پر اثر انداز ہونا، افغانستان اور پاکستان کی تجارت پر تنازعات کھڑے کرنا سمیت دیگر بہت سے معاملات میں "را" سرگرم عمل ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ سینکڑوں کی تعداد میں بھارتی ایجنٹ افغانستان میں افغان تاجروں کا روپ دھار کر تجارت کر رہے ہیں، جنہوں نے اسلامی نام رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بہت سے پاکستانی سرحد کے ذریعے پاکستان میں تجارت کی غرض سے آتے ہیں اور اپنے مقاصد حاصل کرتے ہیں۔ بھارت دنیا کا واحد ملک ہے جس کے تمام ہمسایہ ممالک کے ساتھ علاقائی اور آبی تنازعات ہیں، جبکہ جنوبی ایشیا میں بدامنی کا سب سے بڑا ذمہ دار ادارہ بھارتی خفیہ ایجنسی "را" ہے۔ بدنام زمانہ بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کا قیام 1968ء میں عمل میں آیا، جس کے بعد جنوبی ایشیا میں بدامنی کے تقریباً ہر واقعہ کا کسی نہ کسی طرح تعلق را سے ضرور ثابت ہوا۔

پاکستان میں بھارتی خفیہ ایجنسی "را" کے ملوث ہونے کے شواہد عرصہ دراز سے موجود ہیں اور اب مزید شواہد سامنے آ رہے ہیں، مگر بد قسمتی سے ہمارے حکمران بھارت کے ساتھ تجارتی تعلقات کے سحر سے نکلنا نہیں چاہتے۔

ایک قوم بننا ضروری ہے

دہشتگردوں نے ایک بار پھر درندگی کی نئی تاریخ رقم کردی ہے۔ بچوں وخواتین سمیت 72 بے گناہ افراد کی جانیں لے کر سفاکیت کی تمام حدود پار کر لی ہیں۔ لاہور گلشن اقبال پارک میں برپا ہونے والی قیامت صغریٰ نے ہر شخص کو دکھ، درد، تکلیف، غم اور پریشانی میں مبتلا کردیا ہے۔ اس دہشت گردی کے سامنے جارحیت، درندگی، سفاکیت اور حیوانیت جیسے الفاظ بھی بہت چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ اس قدر وحشیانہ رویہ، اس قدر شقی القلبی کہ انسان ایسے حیوان نما انسانوں کی انسانیت پر بھی حیرت آشنا ہو جائے، جنہوں نے پھولوں سے کھیلتے بے قصور و معصوم بچوں کی زندگیاں چھین لیں۔ یہ ایک ایسا المناک قومی سانحہ ہے، جس کی دردناکی نے ہر اس شخص کو شدید صدمے سے دوچار کیا، جو دماغ میں عقل اور پہلو میں دل رکھتا ہے۔ پاکستان کے عوام ایک عرصے سے اس قسم کے اندوہناک سانحات برداشت کرتے چلے آرہے ہیں۔ پاکستان کو دہشت گردی کے انتہائی دہشت ناک عفریت کا سامنا ہے، جس سے مساجد محفوظ ہیں نہ درسگاہیں، چرچ محفوظ ہیں نہ امام بارگاہیں، بازار محفوظ ہیں نہ تفریح گاہیں، اسپتال محفوظ ہیں نہ دفاتر، مشائخ محفوظ ہیں نہ علمائے کرام، عورتیں محفوظ ہیں نہ بچے، مائیں محفوظ ہیں نہ بیٹیاں، باپ محفوظ ہیں نہ بیٹے، اسکول محفوظ ہیں نہ کالج، مدارس محفوظ ہیں نہ یونیورسٹیاں۔ لاکھ

دعوؤں کے باوجود حکومت اس عفریت سے نمٹنے میں مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔

اب اس بات کا تعین کرنا از حد ضروری ہوگیا ہے کہ ملک میں دہشتگردی کی کارروائیاں کون لوگ کر رہے ہیں اور دہشت گردی پروان چڑھانے میں پس پردہ کون سی نادیدہ قوتیں سر گرم عمل ہیں۔ دہشتگردوں کے تانے بانے پاکستان مخالف ایجنسیوں سے جا کر ملتے ہیں، جو ان ملک دشمن عناصر کے ہاتھ مضبوط کرکے پاکستان کا امن سبوتاژ کرنا چاہتی ہیں۔ گزشتہ دنوں بھارت کی بدنام زمانہ خفیہ ایجنسی "را" کے آفیسر کی بلوچستان سے گرفتاری اس کی تازہ مثال ہے، جو مسلمان بن کر ملک میں دہشت گردی، مذہبی فسادات پھیلانے، فوج کے خلاف اکسانے اور دیگر ملک دشمن کارروائیوں میں ملوث ہونے کا اعتراف کرچکا ہے اور اپنے مزید سیکڑوں ایجنٹوں کی پاکستان میں موجودگی کی اطلاع بھی دے چکا ہے۔ یک طرفہ تماشا ہے کہ لاہور میں ننگی دہشتگردی کے بعد بھی ہمارے حکمرانوں کی جانب سے اس حوالے سے بھارت سے اب تک کسی قسم کا تقاضا نہیں کیا گیا، جب کہ گرفتار "را" ایجنٹ خود اس بات کا اعتراف کرچکا ہے کہ اسے "را" نے پنجاب تک اپنا نیٹ ورک پھیلانے کا ٹاسک دیا تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ بھارت تو پاکستان کے کبوتر کو "گرفتار" کرکے بھی اسے پاکستانی "دہشتگرد" ثابت کرنے پر تل جاتا ہے۔

جب کہ ہم ملک میں دہشتگردی کی کارروائیوں میں ملوث بھارتی دہشتگردوں کو گرفتار کرنے کے باوجود بھی خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک تلخ حقیقت یہ بھی ہے کہ اگرچہ ملک میں دہشتگردی کی کارروائیوں میں ملک دشمن عناصر ملوث ہوتے ہیں اور اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہوتے ہیں، لیکن ان دشمن عناصر کے ہاتھوں استعمال ہونے والے تو خود ہمارے اپنے ہی لوگ ہی ہوتے ہیں، جو ہمارے ملک کے باسی ہوتے ہیں اور خود ہمارے اندر موجود ہوتے ہیں، وہ دشمنوں کے ہاتھوں استعمال ہو کر مذہب کے نام پر اپنے ہی ہم وطنوں کا خون لینے پر تل جاتے ہیں۔ ان محرکات کا سدباب کرنا بھی ضروری ہے، جو مذہب کے نام پر برگشتہ عناصر کو ملک کی سلامتی کمزور کرنے کی بھارتی سازشوں میں آلہ کار بننے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔
یہ ایک حقیقت ہے کہ مکمل طور پر امن کا قیام اور دہشتگردی کی بیخ کنی اسی صورت میں ممکن ہے، جب پوری قوم مستقل طور پر بیدار و متحد ہو کر دہشتگردی کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جائے۔ اگر چاہے تو پاکستانی قوم ہزار خامیوں کے باوصف مادر وطن کی بقا، عزت، سالمیت اور خود مختاری کے تحفظ کے لیے سیسہ پلائی دیوار ثابت ہو سکتی ہے۔ حصول آزادی کے لیے ہم ایک قوم بنے اور وہ کر دکھایا جس کی کسی کو امید نہ تھی، مگر قیام پاکستان کے بعد آج تک ہم حقیقی

معنوں میں ایک قوم نہیں بن سکے۔ آج اگر ہم دہشت گردی کی بیخ کنی کرنے میں مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوسکے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آج تک ہم حقیقی معنوں میں ایک قوم ہی نہیں بن سکے ہیں، بلکہ لوگوں کا ایک ہجوم ہیں جو دلدل میں دھنستا چلا جارہا ہے۔ ہماری صفوں میں اس قدر انتشار اور افتراق ہے کہ شاید ہی کسی اور قوم میں اس درجہ انتشار پایا جاتا ہو۔ ہر فرقہ، ہر گروہ، ہر جماعت، ہر تنظیم اور ہر فرد صرف اپنی ذات کو مقدم رکھتا ہے۔ اسلام کی روح ہمارے قومی جسد سے نکل چکی ہے اور فرقہ پرستی، تنگ نظری، تعصب اور وحشت کا تعفن بھر چکا ہے۔ ہم لوگ باتیں تو محمود وایاز کے ایک ہی صف میں کھڑا ہونے کی کرتے ہیں اور اسلام کی تعلیمات اتحاد کا درس دیتے ہیں، لیکن بدقسمتی سے کبھی فرقوں، نظریات، طبقات، قبیلوں، ذات، برادری، صوبائی، لسانی و نسلی امتیازات کے بندھنوں سے آزاد ہو کر متحد نہیں ہوسکے۔

پاکستان کو ایک حقیقی قوم کے سانچے میں ڈھلنے کے راستے میں معاشرے میں پائے جانے والے مختلف قسم کے نظریاتی، مذہبی، لسانی، قبائلی، نسلی و دیگر تضادات حائل ہیں۔ ہر کوئی اپنا الگ سے نعرہ لگارہا ہے اور مختلف نعرہ لگانے والے کو دشمن گردانتا ہے۔ معاشرہ بے بہا حصوں میں بٹ چکا ہے۔ غریب اور امیر کی تقسیم ہے۔ ایک ہی جگہ رہتے ہوئے دونوں کے دلوں میں میلوں کی دوریاں ہیں۔ دونوں کے سوچ و بچار میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہر ایک کے رہن سہن میں فرق ہے۔ تعلیم

وتربیت میں فرق ہے۔ اعلیٰ ترین طبقے کے لیے علیحدہ اسکول ہیں اور کم آمدنی اور متوسط طبقے کے لیے علیحدہ اسکول ہیں اور ان اداروں سے نکلنے والے طالب علموں کے درمیان بھی سخت دیواریں حائل ہیں۔ وہ معاشی ترقی میں مساویانہ بنیادوں پر حصہ نہیں لے سکتے۔ اسی طرح لبرل اور اسلام پسند کی تقسیم ہے۔ دونوں کی سوچ بالکل متضاد ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ مدمقابل کی ہر بات کی مخالفت کرنا ان میں سے ہر ایک اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اس کے بعد مذہبی طبقے میں نجانے کون کون سی تقسیم ہے۔ ہر فرقے اور نظریے کے ماننے والوں کی تمام کاوشوں کا محور دوسرے فرقے، دوسرے نظریے اور دوسرے خیالات کے حاملین کو ناحق، باطل اور گمراہ ثابت کرنا ہوتا ہے۔ اکثر و بیشتر مبلغین اسلام سے زیادہ اپنے اپنے مکتبہ فکر کو اہمیت دیتے ہیں۔ اپنی بنیادی وابستگی اور ذاتی فوائد کی وجہ سے محض منتخب تبلیغ کرتے ہیں۔

اگر دیکھا جائے تو معاشرے کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنے میں کافی حد تک ہمارے قومی رہنماؤں کا بھی کردار ہے، جنہوں نے ہمیشہ اپنی ضرورت کے مطابق معاشرے کا جذباتی استحصال کیا ہے۔ ہر لیڈر لوگوں کے جذبات سے کھیلتا ہے اور آج تک کھیل رہا ہے۔ تصورِ پاکستان کا مقصد ایک ایسی ریاست کا قیام تھا جہاں

برِ صغیر کے مسلمان ایک قوم بن کر سیاسی، اقتصادی اور مذہبی آزادی کا مزہ لے سکیں۔
افسوس! قیام پاکستان کا مقصد پوری طرح حاصل نہیں ہو سکا۔ وہ پاکستان صرف اور صرف اسی صورت حاصل ہو سکتا ہے، جب پاکستانی کے باسی حقیقی معنوں میں ایک قوم بن جائیں، اگر ہم ایک قوم بن گئے تو ملک سے دہشتگردی کا خاتمہ ہوتے دیر نہیں لگے گی۔

نت نئے اقدامات و الزامات.... شریف فیملی اپنی ساکھ کھونے لگی

اب اس بات میں شک کی کوئی گنجایش نہیں ہے کہ ملک کے وزیر اعظم میاں نواز شریف اقتدار ملنے کے بعد سے عوام کی توقعات پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے خود کو حاصل ہونے والا مقام برقرار نہیں رکھ سکے ہیں اور دن بدن ان کی مقبولیت میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ لبرل ازم کا نعرہ لگانے سے لے کر وکی لیکس کی اطلاعات کے مطابق دنیا کے بڑے ٹیکس چوروں میں ان کا نام آنے تک ایسے بہت سے اقدامات و الزامات ہیں، جن سے شریف فیملی کی ساکھ کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔ بیرون ملک ٹیکس کے حوالے سے کام کرنے والی پاناما کی مشہور لا فرم موزیک فانسیکا کی افشا ہونے والی انتہائی خفیہ دستاویزات سے پاکستان سمیت دنیا کی کئی طاقت ور اور سیاسی شخصیات کے مالی معاملات عیاں ہو گئے۔ ان دستاویزات میں پاکستان کے وزیر اعظم نواز شریف کے اہل خانہ مریم نواز، حسین نواز، حسن نواز اور کیپٹن صفدر کا نام بھی خفیہ طریقے سے دولت بنانے والوں میں شامل ہے، اس راز کے عیاں ہونے سے معترضین کو حکومت پر انگلی اٹھانے کا کھلا موقع ملا ہے، جس سے یقینا میاں نواز شریف کی مقبولیت میں مزید کمی واقع ہو گی۔ عام انتخابات میں عوام کی اکثریت نے مسلم لیگ (ن) کے سربراہ میاں نواز شریف کو صرف اس لیے منتخب کیا تھا کہ ووٹروں کی اکثریت پاکستان کے موجودہ حالات کے تناظر میں کسی نووارد کی بجائے ایک

ایسے سیاستدان کو منتخب کرنا چاہتی تھی، جسے ریاستی اور حکومتی مسائل سے نبرد آزما ہونے کا تجربہ ہو۔ مسلم لیگ کی موجودہ حکومت اپنے دور اقتدار کا آدھا عرصہ گزار چکی ہے، جس میں اس نے راہداری پروجیکٹ سمیت دیگر کئی منصوبوں کو شروع کرکے کافی نام کمایا ہے، لیکن بعد ایک طرف انھوں نے ایسے قدامات کرنا شروع کردیے جو عوامی امنگوں اور نظریہ پاکستان کے خلاف ہیں۔ میاں نواز شریف نے ملک کو لبرل بنانے کا اعلان کیا اور اپنے اعلان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کوشاں ہوگئے، جس کو مذہبی حلقوں نے غیر ملکی اشاروں کا "کمال" قرار دیا۔ پنجاب اسمبلی میں حقوق نسواں کے نام سے ایک بل منظور کیا گیا، جس کی تیاری میں علمائے کرام سے بالکل بھی مشاورت نہیں کی گئی۔ ملک بھر کے تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام نے حکومت کی طرف سے منظور کیے گئے اس بل کو غیر ملکی ایجنڈا قرار دیتے ہوئے مسترد کردیا، جبکہ حکومت علمائے کرام کی طرف سے اس بل کو مسترد کیے جانے کے بعد بھی اپنے موقف پر ڈٹی رہی۔ اس کے بعد حکومت نے لبرل ازم کے ایجنڈے کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے ملک میں پھانسی کے منتظر ہزاروں افراد کو چھوڑ کر عاشق رسول ممتاز قادری کو تختہ دار پر لٹکادیا۔ حکومت کو یہ اقدام اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف تھا۔ ملک بھر کے عوام نے حکومت کے اس اقدام کی کھل کر مخالفت کی۔ ملک بھر کے تمام مکاتب فکر کے لاکھوں افراد کی ممتاز قادری کے جنازے میں شرکت اس بات کی گواہی کے لیے کافی تھا کہ عوام میاں نواز شریف کے اقدامات کو مسترد کرتے

ہیں۔ ممتاز قادری کی پھانسی کو ملک کے مذہبی حلقوں نے تحفظ ناموس رسالت قانون میں ترمیم کا الارم قرار دیتے ہوئے ہر حال میں نہ صرف تحفظ ناموس رسالت قانون کی حفاظت کا عہد کیا، بلکہ تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام نے میاں نواز شریف کے لبرل ازم کے خلاف متحد ہونے کا اعلان کیا اور ملک کی چھوٹی بڑی 35 مذہبی جماعتوں نے مل کر تحریک نظام مصطفیٰ چلانے کا اعلان کیا، جو یقینا ملک کی اکثریت کی میاں نواز شریف کی حکومت سے بدظن ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے ساتھ حکومت نے ہمیشہ عوام کے جذبات سے کھیل کر پاکستان کے ازلی دشمن بھارت کی تمام تر ملک دشمن سرگرمیوں کے باوجود اس سے محبت کی پینگیں بڑھائیں۔ گزشتہ دنوں بلوچستان سے بھارت کی خفیہ ایجنسی "را" کے افسر کی گرفتاری پر بھی وزیر اعظم میاں نواز شریف نے لب کشائی کرنا پسند نہ کیا، جس کو سے شریف فیملی کے بھارت کے ساتھ کاروباری مفادات وابستہ ہونے کے خدشات کو تقویت ملی اور پھر شریف فیملی کی شوگر ملوں سے بڑی تعداد میں بھارتی شہریوں کی موجودگی کے انکشاف سے بھی عوام میں شریف خاندان کے بارے میں برا تاثر گیا۔ حکومت کے اقدامات کو دیکھ کر مبصرین یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ حکومت عوامی توقعات پر پورا نہیں اتری۔ جو مسائل عوام کو موجودہ حکومت کے اقتدار سنبھالنے کے پہلے روز درپیش تھے، آج بھی انہیں مسائل کا سامنا ہے۔ موجودہ حکومت میں اگر دہشتگردی پر کافی حد تک قابو پایا گیا ہے تو وہ بھی فوج کی کامیابی ہے، اس میں موجودہ حکومت کا عمل دخل کچھ زیادہ نہیں

ہے۔

دوسری جانب سامنے آنے والے انکشافات کی وجہ سے بھی شریف فیملی کی ساکھ کو نقصان پہنچے گا۔ بیرون ملک ٹیکس کے حوالے سے کام کرنے والی پاناما کی مشہور لافرم موزیک فانسیکا کی افشا ہونے والی انتہائی خفیہ دستاویزات سے پاکستان سمیت دنیا کی کئی طاقت ور اور سیاسی شخصیات کے مالی معاملات عیاں ہو گئے۔ ان دستاویزات شریف فیملی کا نام بھی شامل ہے۔ ویب سائٹ پر موجود ڈیٹا کے مطابق پاکستانی وزیر اعظم نواز شریف کے بچوں مریم، حسن اور حسین کئی کمپنیوں کے مالکان ہیں یا پھر ان کی رقوم کی منتقلی کے مجاز تھے۔ ڈیٹا میں مریم کو برٹش ورجن آئس لینڈ میں موجود نیلسن انٹرپرائزز لمیٹڈ اور نیسکول لمیٹڈ کا مالک ظاہر کیا گیا ہے۔ آئی ایس آئی جے کی جاری دستاویزات میں نیلسن انٹرپرائزز کا پتہ جدہ میں سرور پیلس بتایا گیا۔ جون 2012ء کی ایک دستاویز قرار دیا گیا ہے۔ آئی سی آئی جے کے مطابق owner beneficial میں مریم صفدر کو حسین اور مریم نے لندن میں اپنی جائیداد گروی رکھتے ہوئے نیسکول اور دوسری کمپنی سے 13.8 ملین ڈالرز قرض حاصل کرنے Bank Geneva Deutsche کے لیے سے متعلق جون 2007ء میں ایک دستاویز پر دستخط کیے تھے۔ بعد میں جولائی 2014 ء میں دونوں کمپنیاں ایک اور ایجنٹ کو منتقل کر دی گئیں۔ اسی طرح حسن نواز شریف کو برٹش ورجن آئس لینڈز میں ہینگون پراپرٹی ہولڈنگز کا 'واحد

ڈائریکٹر' ظاہر کیا گیا ہے۔ ہینگون نے اگست 2007ء میں لائبیریا میں واقع کیسکون ہولڈنگز اسٹیبلشمنٹ لمیٹڈ کو 11.2 ملین ڈالرز میں خرید لیا تھا۔ شریف خاندان نے برطانیہ میں چار کمپنیاں قائم کیں اور لندن کے ہائیڈ پارک میں تقریباً چھ مہنگی ترین جائیدادیں حسن نواز، حسین نواز اور مریم نواز شریف کی ملکیت ہیں۔ مریم صفدر نیلسن انٹر پرائزز لمیٹڈ اور نیسکول لمیٹڈ کی مالک ہیں، جبکہ حسن نواز ہینگون پراپرٹی ہولڈنگز لمیٹڈ کے ڈائریکٹر تھے۔ پاناما پیپرز کے مطابق شریف خاندان نے مزید دو اپارٹمنٹس کی خریداری کے لیے ستر لاکھ برطانوی پاونڈ قرض کے عوض چار جائیدادیں ڈچ بینک اور بینک آف اسکاٹ لینڈ کے پاس گروی رکھی ہیں۔ نواز شریف کے تینوں بچے مختلف کمپنیوں کے مالک اور ٹرانزیکشن کا اختیار رکھتے ہیں۔ 1993ء میں مریم صفدر برٹش ورجن آئی لینڈ میں نیلسن انٹر پرائزز لمیٹڈ اور نیسکول لمیٹڈ کی مالک تھیں۔ حسین نواز اور مریم نواز شریف نے جون 2007ء میں اپنی کمپنیوں کے لیے ڈچ بینک سے ایک کروڑ اڑتیس لاکھ ڈالر کا قرض حاصل کیا اور اس کے لیے مشترکہ طور پر ایک دستاویز پر دستخط کیے۔ حس نواز ہینگون پراپرٹی ہولڈنگز لمیٹڈ کے ڈائریکٹر رہ چکے ہیں، جس نے اگست دوہزار سات میں لائبیریا کی فرم کیسکون ہولڈنگز اسٹبلشمنٹ لمیٹڈ کو ایک کروڑ بارہ لاکھ ڈالر میں حاصل کیا۔

برطانوی اخبار "دی گارجین" کی جانب سے آف شور ٹیکس کے حوالے سے کام کرنے والی پاناما کی مشہور لا فرم موزیک فانسیکا کی انتہائی خفیہ دستاویزات

افشاء ہونے کے بعد پی ٹی آئی کے سربراہ عمران خان نے کہا کہ شریف خاندان کی دولت باہر پڑی ہوئی ہے، جس سے ٹیکس چوری سے متعلق ہماری باتیں سچ ثابت ہوتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ برطانوی اخبار کے انکشاف کے بعد آئس لینڈ کے وزیراعظم مستعفی ہورہے ہیں، ہمارے الیکشن کمیشن کو بھی معاملے کا نوٹس لینا چاہیے اور قومی احتساب بیورو (نیب) اور فیڈرل بورڈ آف ریونیو (ایف بی آر) اب شریف خاندان کے خلاف بھی کارروائی کرے۔ پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کے چیئرمین کی تنقید کے جواب میں وفاقی وزیر اطلاعات اور سینیٹر پرویز رشید کا کہنا ہے کہ پاناما لیکس میں نواز شریف کی کسی جائیداد کا ذکر نہیں، نواز شریف کے دونوں بیٹے حسن اور حسین کئی سالوں سے بیرون ملک مقیم ہیں۔ بیرون ملک سرمایہ کاری کرنا کوئی غلط بات نہیں، کوئی بھی پاکستانی بیرون ملک سرمایہ کاری کر سکتا ہے جبکہ کوئی بھی غیر ملکی پاکستان میں سرمایہ کاری کر سکتا ہے۔ پاناما کی لاء فرم کی افشا ہونے والی انتہائی خفیہ دستاویزات کے بعد برطانیہ میں مقیم وزیراعظم میاں نواز شریف کے بیٹے حسین نواز نے اپنی بیرون ملک کمپنیوں اور دیگر جائیداد کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپارٹمنٹس اور کمپنیاں ہماری ہی ہیں۔ بیرون ملک جائیداد رکھنا کوئی غلط بات نہیں ہے اور نہ ہی میں نے کبھی یہ چھپایا ہے۔ بیرون ملک جائیداد رکھنا برطانوی اور دیگر ممالک کے قوانین کے عین مطابق ہے اور بیرون کمپنیوں کے ذریعے غیر ضروری ٹیکسوں سے بچنے کا یہ قانونی راستہ ہے۔ جبکہ وزیر قانون پنجاب رانا

ثناء اللہ نے پاناما لیکس کی دستاویزات کو اصلی ماننے سے ہی انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ دستاویزات سراسر جھوٹ پر مبنی ہیں۔ کچھ لوگ ملک کی ترقی نہیں چاہتے اور جعلی دستاویزات ملک کے خلاف سازش ہیں۔ واضح رہے کہ کسی دوسرے ملک میں آف شور (بیرون ملک) بینک اکاؤنٹس اور دیگر مالی لین دین عام طور پر ٹیکسوں اور مالی جانچ پڑتال سے بچنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ کوئی بھی انفرادی شخص یا کمپنی اس مقصد کے لیے اکثر و بیشتر شیل (غیر فعال) کمپنیوں کا استعمال کرتی ہے جن کے ذریعے ملکیت اور فنڈز سے متعلق معلومات کو چھپایا جاتا ہے۔

پاناما لیکس: بیرون ملک اشرافیہ کی دولت کے انبار.... قوم ترقی سے محروم

پاناما لیکس کی جانب سے مختلف ممالک کے حکمرانوں اور دیگر شخصیات کے خفیہ طریقے سے دولت بنانے کے انکشافات نے عالمی منظر نامے میں ہلچل کی کیفیت پیدا کی ہوئی ہے۔ کئی "پردہ نشین" بے نقاب ہوگئے ہیں۔ نام آنے پر آئس لینڈ کے وزیر اعظم کو عوامی دباؤ پر مستعفی ہونا پڑا، جبکہ کئی ملکوں میں تحقیقات کا عمل جاری ہے۔ بھارتی سپریم کورٹ نے 2 سابق ججوں پر مشتمل کمیٹی تشکیل دے دی ہے جو 25 اپریل تک اپنی رپورٹ پیش کرے گی۔ فرانس، اسپین، نیدرلینڈز، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ سمیت دیگر ممالک میں بھی پاناما لیکس کے انکشافات کے حوالے سے باقاعدہ تحقیقات کا آغاز کر دیا گیا ہے، جبکہ دنیا کے بڑے ٹیکس چوروں میں شریف خاندان کا نام آنے پر پاکستان کے سرمایہ دار وزیر اعظم میاں نواز شریف بھی بچ بچاؤ کے لیے کوشاں ہیں۔ انہوں نے گزشتہ روز اپنی صفائی میں قوم سے خطاب کیا اور ریٹائرڈ جج کی سربراہی میں ایک عدد عدالتی کمیشن کے قیام کا اعلان کیا ہے، جس کو اپوزیشن نے مسترد کر دیا ہے اور عوام کی اکثریت بھی اس سے مطمئن نظر نہیں آتی۔ پاناما لیکس کی جاری کی گئیں دستاویزات میں پاکستان کے وزیر اعظم میاں نواز شریف کی بیٹی اور بیٹوں سمیت پاکستان کی مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی 200 ایسی با اثر

شخصیات کے نام سامنے آ چکے ہیں، جو ٹیکس بچانے اور اپنی حقیقی دولت چھپانے کی اس لت میں مبتلا رہے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق وزیر اعظم کے بیٹوں اور بیٹی نے چار خفیہ کمپنیوں کے ذریعے لاکھوں ڈالر کمائے ہیں۔ ان انکشافات کے بعد وزیر اعظم میاں نواز شریف پر نہ صرف اپوزیشن اور عوام کی جانب سے شدید تنقید کی جارہی ہے، بلکہ خود ان کی اپنی شریف فیملی کے اندر سے بھی آوازیں بلند ہورہی ہیں۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ شہباز شریف کی اہلیہ تہمینہ درانی نے شریف خاندان کو تمام غیر ملکی دولت واپس لاکر اپنے اوپر کرپشن کے الزامات ختم کرانے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ اگر آف شور کمپنیاں قانونی بھی ہوں تو ان میں رکھا پیسہ ملک کو واپس کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ آف شور کمپنیاں، غیر ملکی جائیداد اور اکاؤنٹس قانونی ہوں لیکن میری نظر میں یہ غیر اخلاقی ضرور ہیں اور ان کی نظر میں غیر اخلاقی کا مطلب اپنی روح بیچنا ہے اور یہ غیر قانونی ہونے سے کہیں بڑا گناہ ہے۔ تحریک انصاف پاناما لیکس کے معاملے کو قومی اسمبلی میں اٹھانے کا فیصلہ کرچکی ہے، اس حوالے سے پی ٹی آئی کی جانب سے قومی اسمبلی میں تحریک التواء جمع کروائی جائے گی۔

شدید عوامی تنقید کے بعد پہلے تو حکومتی وزرا نے شریف فیملی کے وکیل بن کر ان کی صفائی دینے کی کوشش کی، لیکن عوام کو مطمئن نہ کرسکے، اس کے بعد میاں نواز شریف کو خود آ کر اپنی صفائی دینے کے لیے قوم سے خطاب کرنا پڑا، لیکن

قوم سے خطاب میں میاں نواز شریف نے خود پر لگنے والے الزامات کا جواب دینے کی بجائے اپنے خاندانی کاروبار کی 80 سالہ تاریخ، صنعتی قربانیوں اور مصائب پر تفصیلی روشنی ڈالی، حالانکہ اس سب کچھ کا پاناما پیپرز کی تفصیلات سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔
میاں نواز شریف نے الزامات کی تحقیق کے لیے ایک عدد عدالتی کمیشن کے قیام کا اعلان کیا، جس کو اپوزیشن جماعتوں نے فوری طور پر مسترد کر دیا۔ اپوزیشن کا کہنا ہے کہ عدالتی کمیشن سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، اس معاملے کی تحقیقات کے لیے فرانزک آڈٹ کی ضرورت ہے۔ وزیراعظم کے خطاب سے ہمیشہ کی طرح کنفیوژن پیدا ہوئی،
وزیراعظم خود ہی جج مقرر کرکے اپنے خلاف تحقیقات کرائیں گے، وزیراعظم مستعفی ہو کر تحقیقات کرائیں۔ وزیراعظم نے پاناما لیکس کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا، دنیا میں جہاں جہاں الزامات لگے وہاں تحقیقات ہو رہی ہیں، اس طرح جواب دے کر خاموشی ممکن نہیں تحقیقات تو کرنا پڑے گے۔
قانونی ماہرین نے بھی پاناما لیکس کے انکشافات کی تحقیقات کے لیے وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف کی جانب سے ریٹائرڈ ججوں پر مشتمل عدالتی کمیشن کے اعلان پر عدم اطمنان کا اظہار کرتے ہوئے اسے ناکافی قرار دیا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ ریٹائرڈ ججوں پر مشتمل کمیشن معاملے کا حل نہیں ہے، یہ اہم معاملہ ہے، بدعنوانی کی وجہ سے ملک بدحالی کا شکار ہے، ایسے میں ریٹائرڈ

ججوں کی بجائے حاضر سروس جج، ایف آئی اے یا نیب سے تحقیقات کرانا چاہیے۔ یہ تحقیقات صرف ایک خاندان تک نہیں بلکہ بلاامتیاز ملکی دولت باہر بھیجنے والے ہر فرد سے متعلق ہونی چاہیے، جو اس دھرتی سے دولت کما کر باہر بھیجتا ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ وزیر اعظم نے عدالتی کمیشن کا اعلان تو کر دیا ہے، لیکن یہ نہیں بتایا کہ عدالتی کمیشن کا دائرہ کار کیا ہوگا اور کن الزامات کی تحقیقات کرے گا۔ یہ الزامات پچھلے پچیس سال سے شریف خاندان پر لگ رہے ہیں۔ کئی غیر ملکی نشریاتی ادارے اپنی تحقیقاتی رپورٹ میں یہ دعویٰ کر چکے ہیں کہ شریف خاندان فرضی ناموں سے کئی آف شور اکاؤنٹ چلا رہا ہے، جو منی لانڈرنگ کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ 1998ء میں ایف آئی اے کی رپورٹ میں بھی دعویٰ کیا گیا کہ نواز شریف نے بیرون ملک لاکھوں ڈالر کے آف شور اکاؤنٹس کھولے ہوئے ہیں اور لندن میں ان کی کئی ایسی جائیدادیں بھی ہیں، جو ظاہر نہیں کی گئیں۔ تجزیہ کاروں کے مطابق وزیر اعظم پاناما لیکس پر انکشافات کی تحقیقات الیکشن کمیشن، ایف آئی اے، نیب اور ایف بی آر کو کرنی چاہیے۔ دوسری جانب لاہور ہائی کورٹ میں تحریک انصاف لائرز فورم کے نائب صدر گوہر ان واز سندھو کی جانب سے پاناما لیکس کی بنیاد پر وزیر اعظم نواز شریف کو نا اہل قرار دینے کے لیے دائر کی گئی درخواست کو سماعت کے لیے منظور کر لیا گیا ہے، جس میں موقف اختیار کیا گیا ہے کہ سیاست دانوں نے ملکی دولت لوٹ کر بیرون ملک اثاثے بنائے ہیں، پاناما لیکس کی دستاویزات کی روشنی میں ان سیاستدانوں

کو نااہل قرار دیا جائے اور ان کے خلاف منی لانڈرنگ کا مقدمہ درج کیا جائے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ پاناما پیپرز پاکستان کی حکمران اشرافیہ کے جرم کی داستان ہے۔ پاکستان کا حکمران طبقہ صرف اپنے مفادات کا تحفظ کرنے اور دوسروں کے اس مقام تک پہنچنے میں رکاوٹیں ڈالنے میں مصروف ہے۔ حکمران طبقہ سیاست کو بھی کاروبار کی طرح چلاتا ہے، دیگر ممالک میں عوام کی خدمت کے لیے حکومت کی جاتی ہے، لیکن یہاں کاروباری لوگ حکومت کو بھی اپنے کاروباری مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

پاکستان کے اشرافیہ براہِ راست ٹیکس سے بچ نکلتے ہیں۔ پاناما پیپرز نے ٹیکس سے بچنے اور کرپشن کا پیسہ چھپانے کے مفصل اور باریک منصوبوں کی قلعی کھول دی ہے۔ شریف فیملی کا کہنا ہے کہ انہوں نے کچھ بھی غیر قانونی نہیں کیا، ساری دولت جائز طریقے سے کمائی ہے، لیکن جو بھی ہو حقیقت یہی ہے کہ دولت آف شور کمپنیوں میں لگانے کا مقصد ٹیکس بچانا ہی ہے، جبکہ وزیرِ اعظم کے خاندان کو تو ٹیکس ادائیگی میں سب سے آگے ہونا چاہیے، تاکہ ان کی دیکھا دیکھی ملک کے باقی افراد بھی ٹیکس ادا کریں۔ شریف فیملی کے مطابق اگر وزیرِ اعظم کی اولاد کا بیرون ملک کاروبار کرنا کچھ غلط نہیں ہے تو پھر وزیرِ اعظم بیرونِ ملک جاکر سرمایہ کاروں کو پاکستان میں سرمایہ کاری کرنے پر کیوں زور دیتے ہیں؟ اور وزیرِ خزانہ اسحاق ڈار کی پوری کوشش ہے کہ ہر پاکستانی ایمانداری سے ٹیکس دے اور جو تاجر و صنعت کار ٹیکس

نیٹ سے باہر ہیں یا ٹیکس چوری کر رہے ہیں، انہیں ایسا نہ کرنے دیا جائے، مگر جب خود پاکستان کے طاقتور خاندان اور افراد ہی ٹیکس چھوٹ کی تلاش میں سمندر پار سرمایہ رکھ رہے ہوں تو کس منہ سے پاکستان میں ٹیکس کلچر کے فروغ کی بات کر سکتے ہیں۔

تجزیہ کاروں کے مطابق ابھی تو سمندر پار اثاثوں کی دیکھ بھال کرنے والی صرف ایک کمپنی کے ریکارڈ پر نقب لگی ہے۔ دوہری شہریت اور دوبئی، سوئٹزر لینڈ، برطانیہ، جنوبی فرانس، سپین، کینیڈا، امریکا، کیریبئن، ملائشیا اور آسٹریلیا سمیت متعدد ممالک میں پاکستانیوں کی تمام دولت کا بھانڈا پھوٹ گیا تو قوم حیران رہ جائے گی، کیونکہ پاکستانی اشرافیہ کی بہت بڑی رقوم بیرون ملک بینکوں میں جمع ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق قومی خزانے سے لوٹی گئی دولت کے 375 ارب ڈالر بیرونی بنکوں میں پڑے ہیں، جنہیں ملک میں لا کر نہ صرف آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے 70 ارب ڈالر کے قرضے چکائے جا سکتے ہیں بلکہ اس دولت کو عوام کی فلاح و بہبود پر اور عام آدمی کو زندگی کی بنیادی سہولتیں فراہم کر کے ملک سے غربت جہالت بدامنی اور دہشت گردی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ سوئس بینکوں میں پاکستانیوں کے 200 ارب ڈالر موجود ہونے کی اطلاعات ہیں۔ سوئس بینک کے ایک ڈائریکٹر نے سوئس بینکوں میں موجود پاکستانی دولت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان صرف سوئس بینکوں میں پڑی دولت

سے 30 سال تک ٹیکس فری بجٹ بنا سکتا ہے۔ 6 کروڑ پاکستانیوں کو ملازمتیں دی جا سکتی ہیں۔ کسی بھی دیہات سے اسلام آباد تک چار رویہ سڑکیں تعمیر ہو سکتی ہیں۔ 500 سماجی منصوبوں کو ہمیشہ کے لیے مفت بجلی فراہم کی جا سکتی ہے۔ پاکستان کا ہر شہری 60 سال کے لیے ماہانہ 20 ہزار تنخواہ حاصل کر سکتا ہے اور پاکستان کو کسی بھی عالمی بینک یا آئی ایم ایف سے بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں رہے گی، یہ تو صرف سوئس بینکوں کی کہانی ہے، جبکہ ایک رپورٹ کے مطابق دبئی میں پاکستانیوں کی سوئٹزرلینڈ سے دس گنا زیادہ غیر قانونی رقم موجود ہے۔

تجزیہ نگاروں کے مطابق پاکستانی کی اشرافیہ کی بیرون ملک اتنی بڑی دولت پڑی ہے، جس کو اگر پاکستان واپس لایا جائے تو قوم بہت جلد ترقی کر سکتی ہے، لیکن

حکومت، سیاست اور انتظامی امور کے شعبوں پر حاوی طبقہ اپنی دولت بیرون ملک منتقل کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ ایک طویل عرصے سے پاکستان میں محب وطن حلقے یہ واویلا کر رہے ہیں کہ مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے بااثر طبقے نے اپنی دولت بیرون ملک منتقل کر رکھی ہے اور قیمتی جائیدادیں خرید رکھی ہیں، بیرون ملک ان کے کاروبار وہیں ہیں حتیٰ کہ ان کے بچے بھی وہاں کی شہریت حاصل کر چکے ہیں، پاکستان سے ان کا کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ یہاں صرف حکومت کرنے کے لیے رہتے ہیں۔ ملک کا موجودہ کمزور نظام

انھیں لوٹ مار کرنے اور اقتدار تک پہنچنے کا ہر ممکن آسان راستہ فراہم کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ یہ نظام بدلنا نہیں چاہتے، کیونکہ ان کی بقا ہی اس کرپٹ اور دیمک زدہ نظام میں ہے، اگر یہ نظام بدل گیا تو حکمران طبقوں کی لوٹ مار کے تمام راستے بھی بند ہو جائیں گے، اس لیے وہ ایسا نہیں ہونے دینا چاہتے۔ متعدد سرکاری افسران کے بیرون ملک اربوں روپے کے اثاثے ہیں اور ان کی سالانہ آمدن کروڑوں میں ہے۔

بیوروکریسی اور سیاستدانوں نے گٹھ جوڑ کر رکھا ہے۔ ملک میں ہر سال لاکھوں افراد غربت کی لکیر کے نیچے جا رہے ہیں اور غریب کے لیے دو وقت کی روٹی کمانا بھی مشکل ہو گیا ہے جب کہ دوسری جانب سیاستدانوں اور بیوروکریسی کا رہن سہن کسی شاہانہ انداز سے کم نہیں۔ وہ ٹیکس بھی نہیں دیتے لیکن تمام ملکی مراعات اور پروٹوکول سے استفادہ بھی کرتے ہیں۔ ایک بار جو انتخابات میں کامیاب ہو جاتا ہے، وہ چند ہی سال میں دولت مندوں کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے، آخر یہ سب دولت کہاں سے آتی ہے۔ آج تک کبھی کسی طاقتور کا حقیقی معنوں میں احتساب نہیں ہوا۔

باوا آدم ہی نرالا ہے

ایک عرصے سے وطن عزیز پاکستان وحشت، خوف اور غیر یقینی صورتحال کے حصار میں ہے۔ موت سیاہ بادلوں کی مانند ہر وقت معصوم شہریوں پر منڈلاتی رہتی ہے۔ کچھ معلوم نہیں کہ کس وقت کون ملک دشمن ایجنٹ پارکوں، عبادت گاہوں، بازاروں، تعلیمی اداروں اور عوامی جگہوں پر درندگی و سفاکیت کی تمام حدود پارتے کرتے ہوئے بے گناہ لوگوں کی زندگیاں چھین لے۔ میرے ملک کے گلی کوچے بھی میدان جنگ بنے ہوئے ہیں۔ کچھ معلوم نہیں کہ ایک درندہ کس جگہ پر دہشتگردی کرکے بے گناہوں کو ہمیشہ کے لیے سانسوں سے محروم کردے۔ جوان، بوڑھے، بچے اور خواتین میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ ہر کوئی صبح گھر سے نکلنے سے لے کر واپس آنے تک خوف و پریشانی کے عالم میں ہوتا ہے۔ برس ہا برس سے میرے ملک کے باسی اسی خوفناک کیفیت کا شکار ہیں۔ پاکستان میں دہشت گردی اور خودکش حملوں کا سلسلہ افغانستان پر امریکی جارحیت کے بعد سے شروع ہوا، جس نے رفتہ رفتہ اسلام آباد، کراچی، لاہور، کوئٹہ، پشاور، فیصل آباد، ملتان، مری، راولپنڈی سمیت ملک کے تمام شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور بلا تفریق ساٹھ ہزار پاکستانی دہشتگردوں کی درندگی وسفاکیت کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں، دیگر نقصانات اس کے علاوہ ہیں۔

ملک عزیز کو ان بھیانک حالات سے دوچار کرنے میں یقیناً بھارت کی بدنام زمانہ خفیہ ایجنسی "را" اور اس قبیل کی دیگر کئی قوتیں شامل ہیں، جو ہمارے ہی ملک کے سادہ لوح اور بعض سر پھرے لوگوں کو مالی اور عسکری تعاون فراہم کرکے بے گناہ لوگوں کی جان لینے اور ملک میں بدامنی پھیلانے کے لیے استعمال کرتی ہیں، جس کا اعتراف گرفتار کیے گئے پاکستان دشمن غیر ملکی ایجنٹ بارہا کرچکے ہیں۔ گزشتہ دنوں لاہور میں پیش آنے والا سانحہ بھی اندرونی و بیرونی دشمنوں کے گٹھ جوڑ کا نتیجہ ہی ہے، جس کی المناکی کا خیال ہی آنکھیں نم کرنے کو کافی ہے۔ انسان روز اپنی آنکھوں سے مختلف ہولناک سانحات رونما ہوتے دیکھتا ہے اور بہت جلد بھول بھی جاتا ہے، لیکن کچھ واقعات اس قدر تکلیف دہ اور المناک ہوتے ہیں، جن کو بھلانا انسان کے بس میں ہوتا ہی نہیں ہے۔ یہ واقعات ایسے انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں کہ انسان انھیں اپنی سوچ سے کھرچنے کی لاکھ کوشش کرے بھی تو ناکام ٹھہرتا ہے۔ اقبال پارک کا بدترین سانحہ بھی اسی نوع کا ایک واقعہ ہے، جو کئی روز گزرنے کے باوجود سوچ میں کانٹے کی طرح پیوست ہے۔ لاہور سانحے کی ہولناکی کئی دن گزرنے کے باوجود بھی ذہن میں سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھی ہے کہ کس طرح درندوں نے جھولا جھولتے، کھیلتے کودتے اور خوشیاں مناتے معصوم بچوں کو درندگی کا نشانہ بنا ڈالا۔ معصوم بچوں اور خواتین کو نشانہ بنانے والے "بہادروں" کی بہادری پر تف ہے۔ حقیقت میں یہ انتہائی بزدل لوگ ہیں، جو اسلحے سے لیس ہوکر نہتے بچوں سے لڑتے ہیں۔

میں ایسی قوم سے ہوں جس کے وہ بچوں سے ڈرتا ہے
بڑا دشمن بنا پھرتا ہے جو بچوں سے لڑتا ہے

لاہور اقبال پارک میں معصوم بچوں اور خواتین سمیت 74 افراد دہشت گردی کی بھینٹ چڑھ جانا یقیناً ایک قومی سانحہ ہے، جو پوری قوم کے لیے انتہائی پریشان کن اور تکلیف دہ ہے، لیکن میری تکلیف، پریشانی اور خوف کی وجہ اس واقعے میں شہید ہونے والے محمد یوسف کو صرف داڑھی کی وجہ سے دہشتگرد قرار دینا بھی ہے، کیونکہ پاکستان میں مجھ سمیت ایک بڑی تعداد باریش افراد کی ہے، جو بے گناہ لوگوں کی جان لینے والوں کو اسلام، انسانیت اور وطن عزیز کا غدار سمجھتے ہیں، اس لیے محمد یوسف کا واقعہ ہمارے لیے قابل تشویش ہے، جس میں پولیس نے انتہائی غیر سنجیدگی کا ثبوت دیا۔ دہشتگردوں کی خونی کارروائی کا شکار ہو کر اپنی جان جان آفریں کے حوالے کرنیوالے مظلوم محمد یوسف شہید کو پولیس نے واقعے کے کچھ ہی دیر بعد بلا تحقیق ملزم قرار دے دیا، جس کے بعد میڈیا نے معصوم شہری کو سیدھا دہشتگرد اور خودکش بمبار ڈکلیئر کردیا۔ سوشل میڈیا پر اس بے گناہ مظلوم کی تصویر لگا کر کھل کر ہر شخص نفرت انگیز الفاظ میں اس پر تبصرہ کرتا رہا۔ پولیس نے فوری کارروائی کرتے ہوئے مظلوم محمد یوسف کے اہل خانہ کو حراست میں لے لیا۔ خواتین و بچوں سمیت اس کے گھر کے تمام افراد کو دو دن تک بھوکا پیاسا ایک کمرے میں بند کیے رکھا۔ دو دن

تک ان کے مویشی بھی بھوکے پیاسے بندھے رہے۔ بھائیوں اور مظلوم کے اہل خانہ پر بدترین نفسیاتی تشدد کیا جاتا رہا۔ بعد میں محمد یوسف کے زخمی دوست کی گواہی دینے کے بعد پولیس کو خود اپنے الزام کی تردید کرنا پڑی۔ وہ تو شکر خدا کا محمد یوسف کا دوست زندہ بچ گیا۔ خدانخواستہ اگر محمد یوسف اکیلا ہوتا، یا اس کا دوست بھی اس کے ساتھ دہشتگردوں کی درندگی کا نشانہ بن جاتا تو محمد یوسف کی بے گناہی کی گواہی دینے والا کوئی نہ ہوتا۔ لوگ اس "دہشتگرد" کی مغفرت کے لیے دعا کرنا بھی گوارا نہ کرتے۔ اس کے اہل خانہ کی ساری زندگی اجیرن ہوجاتی۔ خدا جانے ان بے گناہوں کو کب جیل سے رہائی نصیب ہوتی اور رہائی کے بعد بھی وہ ہمیشہ تکلیف دہ زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے۔ محمد یوسف کے ساتھ پیش آنیوالے واقعے کے بعد میں خود خوفزدہ ہوں، کیونکہ میرے چہرے پر بھی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ صرف میں ہی نہیں، پولیس کی نااہلی و غیر سنجیدگی کے اس واقعے کے بعد تو ملک میں ہر باریش یقینا خود کو خوفزدہ محسوس کر رہا ہوگا، کیونکہ خدانخواستہ اگر ان کی موجودگی میں کہیں دہشتگردی کی واردات ہوجائے تو کچھ بعید نہیں پولیس واقعہ کا سارا ملبہ وہاں موجود کسی باریش شہید کے سر ڈال کر اپنی ذمے داریوں سے سبکدوش ہوجائے، جس کے بعد باریش شہید کے اہل خانہ پر ایک نئی افتاد ٹوٹ پڑے۔ کیا ان کے پاس طاقت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ جس بے گناہ شہری کو جب چاہیں، قصوروار ٹھہرا دیں، کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ بلا تحقیق کسی کو بھی مجرم قرار دینا خود

ایک جرم عظیم ہے۔ مہذب دنیا میں ایسا کہیں نہیں ہوتا کہ پولیس بلا تحقیق کسی کو مجرم قرار دے ڈالے، لیکن یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ طاقتور ہر قسم کا ظلم کرنے کے باوجود بھی بے گناہ، بے قصور اور پارسا ہے، جب کہ کمزور تمام تر بے گناہی کے باوجود قصور وار، مجرم اور قابل گرفت ہے۔

ملک میں شدید زلزلہ..... متعلقہ ادارے مستقبل کے چیلنج سے نمٹنے کے لیے تیار ہیں؟

پاکستان کے مختلف علاقوں میں اتوار کی سہ پہر زلزلے کے شدید جھٹکے محسوس کیے گئے، جس سے متاثرہ علاقوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ پاکستان کے زلزلہ پیما مرکز کے مطابق زلزلے کی شدت 7.1 ریکارڈ کی گئی اور اس کا مرکز افغانستان میں کوہ ہندو کش میں 236 کلومیٹر زیر زمین تھا۔ تاہم امریکی ارضیاتی سروے نے زلزلے کی شدت 6.6 بتائی ہے۔ زلزلے کے جھٹکے پاکستان کے شمال مغربی حصے کے علاوہ وفاقی دارالحکومت اسلام آباد اور پنجاب کے مشرقی علاقوں تک محسوس کیے گئے، جب کہ کشمیر اور بھارت کے بعض علاقوں میں اس کی شدت محسوس کی گئی۔ زلزلے کے نتیجے میں چھتیں گرنے سے سوات اور دیامر میں 6 افراد جاں بحق ہو گئے، جبکہ دیگر کئی شہروں میں متعدد افراد کے زخمی ہونے کی اطلاعات بھی ہیں۔ زلزلے سے بلند عمارتیں 40 سیکنڈ تک جھولتی رہیں۔ زلزلے کے جھٹکے پنجاب میں لاہور کے علاوہ راولپنڈی، اسلام آباد، ملتان، سرگودھا، فیصل آباد، گوجرانوالہ، بہاولپور، بہاولنگر، لودھراں، لیہ، میانوالی، پنڈ دادنخان، مری، حافظ آباد، شور کورٹ، گجرات، منڈی بہاءالدین، سیالکوٹ اور خیبر پختونخوا میں پشاور، سوات، ایبٹ آباد، مانسہرہ، صوابی، مردان، نوشہرہ، لکی مروت، کوہاٹ، کرک، بنوں، لوئر اور اپر دیر، شانگلہ، مالا

کنڈ ایجنسی، چارسدہ اور گلگت بلتستان میں گلگت، سکردو، استور، دیامر، ہنزہ سمیت کئی علاقوں، آزاد کشمیر میں مظفر آباد، کوٹلی، میرپور سمیت کئی علاقوں میں محسوس کیے گئے۔ شدید زلزلے کے باعث لوگ کلمہ طیبہ کا ورد کرتے باہر نکل آئے۔ زلزلے کے باعث ملک میں مواصلاتی نظام میں بھی خلل پڑا، جس سے لوگوں کو رابطہ کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ چلاس اور گلگت کے درمیان لینڈ سلائیڈنگ سے شاہراہ قراقرم بند ہو گئی، جس سے دونوں شہروں کا آپس میں رابطہ منقطع ہو گیا۔ شاہراہ قراقرم ہربن کے مقام پر لینڈ سلائیڈنگ سے کئی افراد زخمی بھی ہوئے۔ آفات سے نمٹنے کے قومی اور صوبائی ادارے کا کہنا ہے کہ وہ زلزلے سے ہونے والے نقصانات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ وزیراعظم نواز شریف نے زلزلے کے بعد ریسکیو اداروں کو الرٹ رہنے کی ہدایت کی۔ وزیراعظم نے کہا کہ وفاقی سول، ملٹری اور صوبائی ادارے مکمل چوکس رہیں، زلزلے کے بعد شہریوں کے تحفظ کے لیے تمام وسائل متحرک کیے جائیں۔ تمام ادارے اپنے وسائل بروئے کار لائیں، ممکنہ متاثرین تک پہنچنے کے لیے امدادی سرگرمیاں شروع کی جائیں۔ آئی ایس پی آر کے مطابق خیبر پی کے، گلگت بلتستان میں مواصلاتی نظام کی بحالی کے لیے کوشش جاری ہے۔ قراقرم ہائی وے پر، داسو، نوماد ٹنل اور ایبٹ آباد کے قریب کام جاری ہے۔ قراقرم ہائی وے پر چار مقامات پر بحالی، شانگلہ، بنوں اور بحرین کالا روڈ پر کام جاری ہے۔ آپریشن کرکے گلگت سکردو روڈ سمیت 700 کلومیٹر شاہراہ کھول دی گئی۔ مالاکنڈ اور چترال

میں مرکزی سڑکیں کھول دی گئیں۔ چیف میٹریالوجسٹ حضرت میر کا کہنا ہے کہ پاکستان کے مختلف علاقوں میں آنے والا زلزلہ اپنی گہرائی زیادہ ہونے کی وجہ سے زیادہ خطرے کا باعث نہیں بنا، اگر گہرائی کم ہوتی تو نقصان زیادہ ہو سکتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ ضرور ہوگا کہ جہاں کچے مکانات ہیں یا مکانات کی تعمیر میں بلڈنگ کوڈز کا خیال نہیں کیا جاتا، وہاں زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس وقت صوبہ پنجاب اور سندھ کے علاوہ باقی تمام علاقے فالٹ لائن پر واقع ہیں اور ہر وقت زلزلے کی زد میں ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قدرتی آفات پر انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ انسان قدرتی آفات کے سامنے بالکل بے بس ہے۔ قدرتی آفات سے دنیا میں ہمیشہ ہولناک تباہی آتی رہی ہے، جس سے لاکھوں لوگ لقمہ اجل بنتے رہے ہیں۔ شاید ہی دنیا کا کوئی خطہ اس تباہی سے متاثر ہوئے بغیر رہا ہوگا۔ پاکستان میں اس سے پہلے بھی زلزلے بدترین تباہی مچاتے رہے ہیں۔ 24 ستمبر، 2013ء کو بلوچستان میں آنے والے زلزلے کے نتیجے میں افراد جاں بحق اور سیکڑوں افراد زخمی ہوئے تھے، جبکہ زلزلے کے نتیجے میں بے 328 گھر ہونے والے افراد کی تعداد بھی ہزاروں میں تھی۔ کوئٹہ میں 16 اپریل 2013 ء کو ریکٹر اسکیل پر 7.9 کی شدت سے آنے والے زلزلے کے جھٹکے پاکستان، ایران، بھارت اور چند خلیجی ملکوں میں بھی محسوس کیے گئے تھے۔ اس زلزلے کے نتیجے میں 34 افراد کی ہلاکت اور 80 کے

زخمی ہونے کی اطلاعات تھیں، جبکہ ایک لاکھ کے قریب مکانات زلزلے کے نتیجے میں تباہ ہوئے تھے۔ 20 جنوری، 2011ء کو 7.4 کی شدت سے آنے والے زلزلے کے جھٹکے کوئٹہ میں محسوس کیے گئے جس کے نتیجے میں 200 سے زاید مکانات تباہ ہوئے تھے۔ 18 جنوری، 2011ء کے زلزلے کے نتیجے میں پاکستان کے جنوب مغربی صوبہ بلوچستان میں کئی افراد جاں بحق، جبکہ 200 سے زاید عمارتیں تباہ ہو گئی تھیں، اس زلزلے کی شدت ریکٹر اسکیل پر 7.2 ریکارڈ کی گئی تھی۔ 28 اکتوبر، 2008ء کو ریکٹر اسکیل پر 6.4 کی شدت سے آنے والے زلزلے کے نتیجے میں کوئٹہ اور اس کے ملحقہ علاقوں میں 160 افراد جاں بحق، جبکہ 370 افراد زخمی ہوئے تھے اور کئی عمارتیں بھی تباہ ہوئی تھیں۔ 8 اکتوبر، 2005ء کو ریکٹر اسکیل پر 7.6 کی شدت سے آنے والے زلزلے نے کشمیر اور شمالی علاقوں میں تباہی پھیلا دی تھی۔ زلزلے کے نتیجے میں ہزار سے زیادہ افراد جاں بحق، 2 لاکھ سے زاید افراد زخمی اور ڈھائی لاکھ سے زاید 80 افراد بے گھر ہو گئے تھے۔ 14 فروری، 2004ء کو ریکٹر اسکیل پر 5.7 اور 5.5 کی شدت سے آنے والے دو زلزلوں کے نتیجے میں خیبر پختونخوا اور شمالی علاقہ جات میں افراد جاں بحق جبکہ 40 زخمی ہو گئے تھے۔ 3 اکتوبر، 2002ء کو ریکٹر اسکیل پر 24 کی شدت سے آنے والے زلزلے کے نتیجے میں پاکستان کے شمالی علاقوں میں 30 5.1 افراد جاں بحق، جبکہ ڈیڑھ ہزار کے قریب زخمی ہوئے تھے۔ 26 جنوری، 2001ء کو آنے والے زلزلے کے نتیجے میں صوبہ سندھ میں 15 افراد جاں بحق، جبکہ 108 زخمی ہوئے

تھے۔ ریکٹر اسکیل پر زلزلے کی شدت 6.5 نوٹ کی گئی تھی۔ ان کے علاوہ بھی ماضی میں کئی تباہ کن زلزلے پاکستان میں آئے ہیں، جن میں کافی زیادہ جانی نقصان ہوا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ گزشتہ روز زلزلہ آنے کے بعد اگرچہ وزیر اعظم نے متعلقہ اداروں کو امدادی سرگرمیاں جاری کرنے کا حکم دے دیا تھا اور فوج نے فوری طور پر امدادی سرگرمیاں شروع بھی کردی تھیں، لیکن ایسے مواقع پر اکثر دور دراز کے وہ علاقے امداد سے محروم رہ جاتے ہیں، جہاں تک نہ تو میڈیا کی رسائی ہوتی ہے اور نہ ہی جلدی امدادی سرگرمیاں شروع کی جاسکتی ہیں۔ جبکہ حکومت بھی سہل پسندی سے کام لیتے ہوئے ان علاقوں پر اس طرح سے توجہ نہیں دیتی، اکثر و بیشتر ایسے علاقے امداد سے محروم ہی رہ جاتے ہیں۔ خوش قسمتی کہ گزشتہ روز آنے والے زلزلے سے زیادہ جانی نقصان نہیں ہوا، ورنہ 7.1 شدت کا زلزلہ بہت زیادہ تباہ کن ہوسکتا ہے۔ پاکستان میں عمارتوں کی ایک بڑی تعداد کافی حد تک مخدوش ہے اور اس کے علاوہ ملک میں اکثر عمارات کو تعمیراتی معیار کے اصولوں کے تحت نہیں بنایا جاتا، جس کی وجہ سے زلزلوں کی صورت میں بہت زیادہ جانی ومالی نقصان اٹھانا پڑتا ہے، یہ متعلقہ اداروں کی ذمہ داری ہے کہ سروے کرکے مخدوش عمارتوں کو خالی کرنے کا حکم دیا جائے اور شہریوں کو آئندہ نئی بننے والی عمارتوں کو تعمیراتی اصولوں کے مطابق بنانے

کا پابند کیا جائے، تاکہ مستقبل میں قدرتی آفت کی صورت میں بڑے نقصان سے محفوظ رہا جاسکے۔ بحیثیت مجموعی ہمارا قومی مسئلہ یہ ہے کہ ہم ماضی کے واقعات سے سبق نہیں سیکھتے، اگر ماضی کے واقعات کے سامنے رکھتے ہوئے مستقبل کی پلاننگ کی جائے تو نقصانات سے کافی حد تک بچا جاسکتا ہے۔ 2005ء کے زلزلے کے بعد ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی قائم ہوئی تھی، لیکن یہ اتھارٹی بھی صحیح معنوں میں "ڈیزاسٹر مینجمنٹ" نہ کر سکی۔ یہ فیصلہ بھی ہوا تھا کہ اب کثیر المنزلہ عمارتیں زلزلہ پروف بنائی جائیں گی، لیکن اِس کے لیے بھی شاید ضابطے نہیں بن سکے اور اگر بن گئے تو ان پر عملدرآمد نہیں ہو سکا۔اس کے علاوہ بھی حکومت نے قدرتی آفات میں بچاؤ کے لیے ابھی تک عوام کا شعور بیدار کرنے کے لیے کچھ بھی اقدامات نہیں کیے، جس سے کافی حد تک نقصان سے بچا جاسکتا ہے۔ دوسری جانب علمائے کرام کا کہنا ہے کہ زلزلہ ایک قدرتی آفت ہے، جس کا مقابلہ کرنا کسی انسان کے بس میں نہیں ہے۔ یہ انسان کے لیے امتحان ہوتا ہے۔ زلزلے کے ظاہری اسباب اپنی جگہ، لیکن قدرتی آفات کا سبب انسانوں کے اعمال ہی ہوتے ہیں۔ جب معاشرے میں گناہوں کی کثرت ہوجاتی ہے تو زلزلے اور قدرتی آفات آتی ہیں۔ پوری قوم کو توبہ واستغفار کی ضرورت ہے۔

ملک میں تیزی سے بڑھتی غربت.... عوام کہاں جائیں؟

پاکستان میں ہر نکلنے والا سورج نت نئے مسائل لے کر طلوع ہوتا ہے، جس سے عوام کی مشکلات اور پریشانیوں میں ہوشربا اضافہ ہوتا جاتا ہے اور ان کی زندگی مزید اجیرن ہوجاتی ہے۔ بدامنی و دہشتگردی، بے روزگاری، ناانصافی، کرپشن اور دیگر بہت سے مسائل کے ساتھ ساتھ غربت کے اضافے نے اس ملک کے باسیوں کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔ پاکستان کی مجموعی آبادی میں غریب شہریوں کے تناسب میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ حکمرانوں کی نااہلیوں کے باعث پاکستانی معیشت بھی دم توڑتی جارہی ہے اور پاکستان معاشی ترقی میں بنگلا دیش سے بھی پیچھے رہ گیا ہے۔ پاکستان میں کمزور مالیاتی اداروں، بے جا حکومتی اخراجات، حکمرانوں کی قومی خزانوں سے لوٹ مار، ٹیکس چوری اور کرپشن کی وجہ سے ملک کی معیشت کمزور اور غربت اور مہنگائی کی شرح میں اضافہ ہورہا ہے۔ پاکستان میں غربت بڑھنے کی وجہ حکومت کی غریب دشمن ناکام اقتصادی پالیساں ہیں، کیونکہ اقتصادی پالیسوں میں ہمیشہ ملک کے طاقتور طبقے کو فائدہ پہنچایا جاتا ہے، جس کے اثرات براہ راست غریب عوام پر پڑتے ہیں۔ اقتصادی پالیسیوں میں غریب عوام کو کوئی ریلیف نہیں دیا جاتا۔ ملک کے طاقتور طبقے اپنے مفادت کو ان پالیسوں میں ترجیح دیتے ہیں۔ یہ طبقے قومی دولت سے قرضے لیتے ہیں اور بعد میں اپنے ان قرضوں کو معاف بھی

کروالیتے ہیں اور اس کا سارا بوجھ عوام پر ڈال دیا جاتا ہے۔ جبکہ صاحب اقتدار طبقہ قومی خزانے سے دولت سمیٹنے کا کوئی بھی موقع ضایع نہیں کرتا۔ غریب عوام سے جمع کیا گیا ٹیکس ان امیروں کے اللے تللوں اور پروٹوکول پر خرچ کیا جاتا ہے۔ حکمرانوں کے ناانصافی پر مبنی انہیں اقدامات کی وجہ سے پاکستان کی معیشت کو نقصان پہنچ رہا ہے اور حکومت کے تمام تر دعوؤں کے باوجود ملک کی معیشت بنگلا دیش سے بھی پیچھے ہے۔

عالمی بینک نے کہا ہے کہ پاکستانی حکومت رواں مالی سال کا جی ڈی پی میں 8.5 فیصد اضافے کا ہدف حاصل نہیں کرپائے گی۔ خطے میں بھارت 7.5 فیصد شرح نمو کے ساتھ بدستور پہلے، بھوٹان 6.7 فیصد کے ساتھ دوسرے، بنگلا دیش 6.3 فیصد شرح نمو کے ساتھ تیسرے اور پاکستانی معیشت پانچویں نمبر پر ہے۔

حکومت کی ناکام پالیسیوں کی وجہ سے ایک طرف تو ملکی معیشت پیچھے کی جانب جارہی ہے، جبکہ دوسری جانب ملک میں بڑھتی ہوئی غربت کی یہ حالت ہے کہ پاکستان سمیت دنیا بھر میں سماجی، سیاسی، مذہبی اور اقتصادی حوالے سے رپورٹ تیار کرنے والی عالمی شہرت یافتہ سوشل میڈیا تنظیم "میڈیاڈور" نے اپنی تازہ رپورٹ میں انکشاف کیا ہے کہ پاکستان میں 6 کروڑ افراد غربت کا شکار ہیں۔ 6 کروڑ افراد کی ماہانہ آمدن صرف ہزار ہے، جو ایک ڈالر یومیہ سے بھی انتہائی کم ہے۔ تاہم ہر سال ان کی تعداد میں 4 اضافہ ہو رہا ہے اور اپنی

ضروریات پوری کرنے کے لیے پاکستان یہاں ادھار لینے کے رجحان میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے، جبکہ 85 فیصد افراد کو پوری کوشش کے باوجود قریبی افراد سے "قرضہ" نہیں ملتا اور غربت کے باعث جرائم میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ گزشتہ ہفتے خود حکومت پاکستان نے ملک میں غربت میں اضافے کا اعتراف کیا ہے۔ حکومت پاکستان کی جانب سے جاری اعداد و شمار کے مطابق پہلے ملک میں آبادی کے لحاظ سے ہر 10 میں سے ایک شخص غریب تھا اور اب یہ تعداد بڑھ کر 3 ہو چکی ہے۔ وزارت منصوبہ بندی اور مالیات کی جانب سے بین الاقوامی ترقیاتی اداروں کی موجودگی میں تیار کردہ رپورٹ میں بتایا گیا کہ پاکستان میں خط غربت سے نیچے رہنے والے افراد کی تعداد میں ایک دم حیران کن اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ ملک میں غریب افراد کی تعداد 2 کروڑ سے بڑھ کر کروڑ 90 لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ پاکستان نے غربت کے باضابطہ تعین کے روایتی 5 طریقہ کار کے تحت غذا سے حاصل ہونے والی توانائی کو تبدیل کرکے اسے بنیادی ضروریات کی لاگت سے موازنہ کیا ہے، تاکہ ملک میں غربت کی زیادہ حقیقی تصویر بیان کی جاسکے، تاہم حکومت نے بیروزگاری کی مروجہ اور پرانی تعریف نہیں بدلی، جس کے تحت ملک میں بیروزگاری کی شرح 5.9 فیصد ہے۔ اس صورت حال کے باوجود وزیرِ خزانہ اسحاق ڈار کا اصرار ہے کہ ملک میں شرح غربت میں کمی واقع ہوئی ہے۔ نئی تعریف کے تحت ملک کے شہری علاقوں کی 20 فیصد اور دیہی علاقوں کی 33 فیصد آبادی غربت کا شکار ہے۔ اسی طرح ملک کے 76 لاکھ گھرانے غریب قرار پائے ہیں،

جب کہ پرانی تعریف کے تحت ان کی تعداد صرف 30 لاکھ تھی۔ اس کے علاوہ مزید 2 کروڑ لوگ ایسے ہیں، جو غربت کے قریب قریب ہیں اور کوئی بھی سانحہ انہیں خط غربت کے نیچے دھکیل سکتا ہے۔

اگر دیکھا جائے تو ملک میں غربت میں اضافے کا سبب پاکستانی نصف قومی دولت پر قابض ایک فیصد طبقہ ہے، جو قوم کی دولت سے عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا ہے، جبکہ 99 فیصد شہریوں کی زندگی مشکل ہو چکی ہے۔ یہ طبقہ حکمرانی تو پاکستان میں کرتا ہے، لیکن ان کے کاروبار، ان کی دولت اور اولادیں بیرون ملک ہوتی ہیں، یہاں یہ لوگ صرف پاکستان کے عوام پر حکمرانی کرنے آتے ہیں۔ ملک میں غربت کی وجہ اسی قبیل کے لوگ ہیں، جو قوم کے پیسوں پر عیاشی کرتے ہیں اور ملک کو ٹیکس تک ادا نہیں کرتے، جو پاکستان کے قومی وسائل کو بے دردی کے ساتھ لوٹ کر قومی دولت کو بیرونی ملکوں میں منتقل کر دیتے ہیں۔ عوام سے ٹیکس وصول کرنے والے حکمران خود اپنی دولت کو بیرون ملک لگا کر ٹیکس ادا کرنے سے جان بچا رہے ہیں۔ حال ہی میں دو سو سے زاید پاکستانیوں کے نام پاناما لیکس میں آنے سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ سرمایہ دار طبقہ خود تو ٹیکس ادا نہیں کرتا، لیکن غریب عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ لاد کر ان کی آمدنی میں سے بھی ہڑپ کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ حکومت میں اکثریت اسی قبیل کے لوگوں کی ہے، جو حکومت میں آ کر مل جل کر اپنے مفادات کے لیے غریب کش اقدامات کرتے

ہیں۔ ان کو صرف اور صرف اپنے خزانے بھرنے کی فکر ہوتی ہے۔ حکومت میں موجود لوگوں کو ملک میں غریب کے مسائل سے واقفیت ہی نہیں ہوتی اور نہ ہی عام آدمی کے مسائل سے کوئی دلچسپی ہوتی ہے۔ یہ لوگ عوام کے ووٹ سے حکومت میں تو آتے ہیں، لیکن عوام کے مسائل کے حل کے لیے ایوانوں میں قانون سازی نہیں کرتے، بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اپنے مفادات کو سامنے رکھ کر پالیسیاں بناتے ہیں۔ اپنی جیبیں بھرنے کے لیے بھاری ٹیکسوں سے کچل کر غربت زدہ عوام کو مصیبت زدہ کردیا جاتا ہے اور ان کو خوراک، رہائش، تعلیم اور صحت جیسی بنیادی سہولیات سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اگر حکمران طبقہ عوام کی خدمت کرنے کے اپنے دعوؤں میں سچا تا تو عوام کو کم از کم بنیادی سہولیات تو فراہم کرتا، لیکن حکومت کی ناقص پالیسیوں کی وجہ سے ہی ملک میں جہالت، بدامنی، بے روزگاری، غربت اور دیگر بہت سے مسائل ہیں۔ تعلیم پر بھی حکومت اس طرح توجہ نہیں دیتی جس طرح اس کا حق ہے۔ حالانکہ تعلیم نہ ہونے سے جہالت بڑھتی ہے اور جہالت غربت کا اہم سبب ہے۔ حکومت تعلیم پر بہت کم سرمایہ کاری کرتی ہے۔ کروڑوں شہری ان پڑھ ہونے کی وجہ سے کام کاج کے قابل ہی نہیں ہیں۔ اگر لوگ تعلیم یافتہ ہوجائیں اور ہنر سیکھ لیں تو وہ غربت سے باہر آ سکتے ہیں۔ پاکستان میں غربت قدرتی نہیں، بلکہ ایک سیاسی معاملہ ہے۔ پاکستان بننے کے بعد سے ہمارے حکمرانوں کی غلط انتظامی اور اقتصادی پالیسیوں نے غربت کو جنم دیا ہے۔ پاکستان میں غیر منصفانہ سیاسی اور معاشی نظام بھی غربت کا سبب ہے۔ اگر

قومی وسائل کی تقسیم منصفانہ ہوتی اور عوام کا استحصال نہ کیا جاتا تو پاکستان کے شہری بھوک اور افلاس کا شکار نہ ہوتے۔ غیر منصفانہ تقسیم نے ملک کو دلدل میں دھنسا کر رکھ دیا ہے۔ کچھ لوگ بہت آرام دہ زندگی بسر کر رہے ہیں اور انہیں زندگی کی تمام آسائشیں میسر ہیں، جبکہ ملک کی اکثریت کو مناسب غذائی سہولیات بھی میسر نہیں ہیں۔ غریب انتہائی غریب ہیں اور امیر بہت امیر ہوتا جا رہا ہے۔ اسی غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے غریب اور بے روزگار افراد اپنا پیٹ پالنے کے لیے جرائم کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں اور روز بروز جرائم کی شرح میں اضافہ ہو رہا ہے، جس کا سبب حکومت کی ناقص پالیساں ہیں۔

پاناما لیکس اور ٹیکس چوری

ٹیکس چوری کی علت

کچھ دنوں سے پاناما لیکس نے دنیا بھر میں ایک ہنگامہ برپا کیا ہوا ہے۔ پاناما لیکس کا بھانڈا پھوٹنے کے بعد کئی ممالک کے عوام نے اپنے وزیراعظم سے استعفیٰ لے لیا ہے اور بعض میں استعفیٰ لینے کے لیے عوام سڑکوں پر ہیں جب کہ متعدد ممالک میں شفاف تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے لیکن پاکستان میں ہماری حکومت کا رویہ مثبت اور جمہوری ہے اور نہ ہی اپوزیشن جماعتیں درست سمت گامزن ہیں۔ خود کو بے قصور ثابت کرنا حکومت پر لازم، تحقیقات مکمل ہونے تک اپنا عہدہ چھوڑ دینا اخلاقی فرض ہے جب کہ صاف شفاف احتساب کی سعی کرنا اپوزیشن کی ذمے داری ہے لیکن معاملے کی شفاف تحقیقات، کرپٹ افراد کے خلاف کارروائی کرنے، ٹیکس چوروں کو گرفت میں لانے اور احتساب کا نظام مضبوط کرنے پر اتفاق کرنے کی بجائے تمام سیاسی جماعتیں اپنی اپنی بولیاں بول رہی ہیں۔ کوئی سیاستدان ہر حال میں وزیراعظم سے استعفیٰ لینے کا مطالبہ کر رہا ہے جب کہ کوئی سیاستدان وزیراعظم کے ساتھ کھڑے ہونے کا اعلان کرتے ہوئے پاناما لیکس کو عالمی سازش قرار دینے پر تلا ہوا ہے حالانکہ وزیراعظم کی کرپشن کے وکیل صفائی بننے کی بجائے اتحادیوں کو بھی سب کے ساتھ مل کر امیر و غریب کے

احتساب کے نظام کو شفاف اور مضبوط کرنے کی سعی کرنا چاہیے تھی کیونکہ ہمیشہ غریب تو قابل گرفت ٹھہرتا ہے لیکن امیر کا کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔

غریب کے لیے تو قانون فوری طور پر حرکت میں آ جاتا ہے لیکن امیروں کے سامنے بھیگی بلی بن جاتا ہے۔اس معاملے میں بھی یقینا ایسا ہی ہوگا۔ کچھ روز کے بعد یہ معاملہ خود ہی دب جائے گا۔پاکستان میں ہمیشہ غریب پستا ہے جب کہ امیر ہمیشہ محفوظ رہتا ہے۔دنیا بھر کی حکومتوں کا دارومدار عوام وخواص کی طرف سے قومی خزانے میں جمع کرائے گئے ٹیکسوں پر ہوتا ہے مگر پاکستان میں سب سے زیادہ ٹیکس ملازمت پیشہ اور غریب عوام دیتے ہیں جن پر بیشمار بے تکے ٹیکس عاید کیے ہوئے ہیں جب کہ دوسری طرف بیشتر ایلیٹ کلاس کو ہر طرح کی چھوٹ دے دی جاتی ہے۔

جن میں بڑے جاگیردار، سرمایہ دار، سیاستدان اور وڈیرے شامل ہیں۔ دنیا کے کئی ملکوں میں امیروں سے ٹیکس لے کر وہ رقوم غریبوں کی فلاح بہبود پر خرچ کی جاتی ہیں مگر ہمارے ہاں غریبوں سے ٹیکس لے کر امیروں بالخصوص حکمرانوں کی موج مستیوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔ابھی تو سمندر پار اثاثوں کی دیکھ بھال کرنیوالی صرف ایک کمپنی کا ریکارڈ سامنے آیا ہے۔ اگر دبئی، سوئٹزر لینڈ، برطانیہ، جنوبی فرانس، اسپین، کینیڈا، امریکا، ملائیشیا اور اسٹریلیا سمیت

متعدد ممالک میں پاکستانیوں کی ساری دولت کا بھانڈا پھوٹ گیا تو قوم دنگ رہ جائے گی کیونکہ پاکستانی اشرافیہ کی بہت بڑی رقوم بیرون ملک بینکوں میں جمع ہے۔

قومی خزانے سے لوٹے گئے سیکڑوں ارب ڈالر بیرونی بینکوں میں پڑے ہیں جنھیں ملک میں واپس لاکر نہ صرف آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے اربوں ڈالر کے قرضے چکائے جا سکتے ہیں بلکہ اس دولت کو عوام کی فلاح و بہبود پر اور عام آدمی کو زندگی کی بنیادی سہولتیں فراہم کرکے ملک سے غربت جہالت بدامنی اور دہشتگردی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ اگر صرف اور صرف سوئس بینکوں میں پاکستانیوں کی موجود دولت کو ہی پاکستان واپس لے آیا جائے تو پاکستان 30 سال تک ٹیکس فری بجٹ بنا سکتا ہے۔ کروڑ پاکستانیوں کو ملازمتیں دی جاسکتی ہیں۔ کسی بھی دیہات سے اسلام آباد تک 6 چار رویہ سڑکیں تعمیر ہوسکتی ہیں۔ 500 سماجی منصوبوں کو ہمیشہ کے لیے مفت بجلی فراہم کی جاسکتی ہے۔ پاکستان کا ہر شہری 60 سال کے لیے ماہانہ 20 ہزار تنخواہ حاصل کرسکتا ہے اور پاکستان کو کسی بھی عالمی بینک یا آئی ایم ایف سے بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں رہے گی جب کہ رپورٹ کے مطابق دبئی میں پاکستانیوں کی سوئٹزرلینڈ سے دس گنا زیادہ غیر قانونی رقم موجود ہے۔ ایک طویل عرصے سے پاکستان کے محب وطن حلقے یہ واویلا کررہے ہیں کہ ملک کے بااثر طبقات نے اپنی بھاری دولت بیرون ملک منتقل کر

رکھی ہے، ان کے کاروبار اور اولاد بھی بیرون ملک ہیں، پاکستان کے ساتھ ان کا صرف یہ مفاد وابستہ ہے کہ یہ یہاں حکومت کرنے کے لیے رہتے ہیں۔

اگر یہ لوگ ملک و قوم کے ساتھ مخلص ہوں تو ضرور اپنی دولت کو پاکستان میں رکھیں، مکمل ٹیکس ادا کریں اور عوام کی غربت و بیروزگاری کو ختم کریں لیکن ان کو صرف اور صرف اپنی دولت میں اضافہ کرنے سے غرض ہے۔ دولت کی غیر مساوی تقسیم کی وجہ سے ایک خاص طبقہ اس قدر امیر ہے کہ ان کے اثاثوں کا اندازہ لگانا مشکل ہے جب کہ دوسری طرف پاکستان میں 5 کروڑ 90 لاکھ سے زائد افراد خط غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں جن کے لیے خوراک کا حصول بھی مشکل ہے۔ ملک میں سرمایہ دار و دولت مند گروہ غریب کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر انسانی محنت کے تمام فوائد کو اپنی ذات تک محدود رکھے ہوئے ہیں اور دولت کے انبار لگا رہے ہیں لیکن اس کے مقابل عوام کی غالب اکثریت غربت کی نچلی سطح پہ ہے اور ہوشربا مہنگائی کی وجہ سے انھیں اپنی زندگی کی سانسیں جاری رکھنے کی فکر لاحق ہے۔ پاکستان میں سیاسی لیڈروں، وڈیروں، جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور امیر کلاس کے لوگوں کے لیے بدعنوانیوں کے وسیع میدان ہیں۔ پاکستان میں دولت، وسائل اور اقتدار پر ایلیٹ طبقہ قابض ہے جس کے نتیجے میں امیر اور غریب میں خلیج روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ پہلے ملک میں آبادی کے لحاظ سے ہر 10 میں سے ایک شخص غریب تھا اور اب یہ تعداد بڑھ کر 3۔

ہو چکی ہے اور یوں ملک میں غریب افراد کی تعداد 2 کروڑ سے بڑھ کر 5 کروڑ 90 لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ پاکستان میں بیروزگاری کی شرح 5.9 فیصد ہے۔ ملک کے شہری علاقوں کی 20 فیصد اور دیہی علاقوں کی 33 فیصد آبادی غربت کا شکار ہے۔ اسی طرح ملک کے 76 لاکھ گھرانے غریب قرار پائے جب کہ پہلے ان کی تعداد صرف 30 لاکھ تھی۔ اس کے علاوہ مزید 2 کروڑ لوگ ایسے ہیں جو غربت کے قریب قریب ہیں اور کوئی بھی سانحہ انھیں خط غربت کے نیچے دھکیل سکتا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب ملک میں کروڑوں لوگوں کو دو وقت کی روٹی نہ ملتی ہو۔ جو لوگ ٹیکس نہ ادا کرتے ہوں، وہ عوام کی خدمت کیا کرینگے۔

جامعۃ الرشید کی منفرد سالانہ تقریب تقسیم انعامات و اسناد

جامعۃ الرشید کراچی دینی، تعلیمی، سماجی اور دیگر متعدد خدمات کی وجہ سے ملک بھر میں اپنی ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ جامعۃ الرشید کراچی کی جانب سے عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے وقتے وقتے سے موثر، منفرد اور مثبت اقدامات اٹھائے جاتے ہیں، جن کو دنیا بھر میں سراہا جاتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد تک موثر انداز میں دعوت دِین پہنچانے کے لیے جامعۃ الرشید وقتاً فوقتاً مختلف تقاریب کا انعقاد کرتا رہتا ہے۔ جامعۃ الرشید کی سالانہ تقریب تقسیم انعامات و اسناد بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ گزشتہ 10 سال سے ہر سال جامعۃ الرشید کے مختلف تعلیمی شعبہ جات سے اپنی تعلیم مکمل کرنے والے فضلائے کرام کو انعامات و اسناد کی تقسیم کے لیے ایک پروقار تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ سال رواں یہ تقریب 17 اپریل 2016ء بروز اتوار کو منعقد کی گئی، جس میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے 10 ہزار چنیدہ افراد کو مدعو کیا گیا، جبکہ جامعۃ الرشید کراچی کی سالانہ تقریب تقسیم انعامات و اسناد میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی، مہتمم جامعہ اشرفیہ مولانا صاحبزادہ فضل الرحیم، شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی، ناظم تعلیمات دارالعلوم کراچی مولانا راحت علی

ہاشمی، استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی مولانا عزیز الرحمٰن، ناظم تعلیمات جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی مولانا امداداللہ، مفتی محمد خالد، مفتی محمد عمران، صدر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد پروفیسر ڈاکٹر احمد بن یوسف بن احمد االدریویش، معروف صحافی و اینکر پرسن ڈاکٹر شاہد مسعود، چیئرمین اے بی اے ڈی حنیف گوہر، جنرل حمید گل مرحوم کے بیٹے چیئرمین تحریک نوجوانان پاکستان عبداللہ گل، وائس چانسلر دیر یونیورسٹی کے پی کے پروفیسر ڈاکٹر خان بہادر مروت، لیفٹیننٹ جنرل (ر) جی ایم ملک، ایسوسی ایٹ پروفیسر کے ایس بی ایل ڈاکٹر ذیشان احمد، سابق چیئرمین سندھ بورڈ آف انویسٹمنٹ زبیر موتی سمیت ملک بھر سے اپنے شعبوں کی متعدد ممتاز شخصیات نے شرکت اور شرکاء سے خطاب کیا۔

عمدہ اور منفرد انتظامات کی وجہ سے یہ تقریب ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ نظم و ضبط کو بہتر طور پر سنبھالنے کے لیے انتہائی مستعد افراد پر مشتمل مختلف امور سے متعلق بیسیوں کمیٹیاں تشکیل دی گئی تھیں۔ ان کمیٹیوں نے تقریب کے انتظامات کو احسن انداز سے انجام دیا، جس کی بدولت شریک مہمانان گرامی نے جامعۃ الرشید کے اقدامات کو سراہا اور نظم و ضبط کی دل کھول کر تعریف کی۔ اسٹیج کا پروقار انداز، سلیقے اور ترتیب سے سجی نشستیں، اسٹیج اور پنڈال کے اطراف میں نصب دیو ہیکل اسکرینیں، مقررین کا ،انتخاب، مہمانوں کی پذیرائی

پروگرام کی ترتیب اور جامعہ کے مختلف شعبہ جات کے تعارفی اسٹالز، خدمت پر مامور رضاکار، انتظامی امور میں مصروفِ عمل عملہ اور اس کے علاوہ بھی تمام چیزیں منفرد اور مثالی تھیں۔ جامعۃ الرشید کا مقصد ملا و مسٹر کی تفریق کو ختم کرکے اسلام، مسلمان اور پاکستان کے مفادات کے لیے کام کرنا اور زندگی کے ہر شعبے میں وحی کے نور سے روشنی لے کر قرآن و سنت کے اصولوں کو متعارف کروانا ہے۔ تقریب ہیں پنڈال میں ایک بڑے پینا فلیکس پر نمایاں حروف میں لکھا "وحی کے نور کے بغیر عقل گمراہ ہے، دینی و دنیوی تعلیم کا امتزاج ناگزیر ہے" اس کی واضح مثال تھا۔

تقریب تقسیم انعامات و اسناد کا انعقاد جامعۃ الرشید کراچی کے کیمپس (ٹو) میں کیا گیا اور اندرون اور بیرون شہر سے آنے والے مہمانان گرامی کی رہنمائی کے لیے کئی کلومیٹر دور سے ہی جامعۃ الرشید کی جانب آنے والی تمام سڑکوں پر رہنمائی نشانات لگائے گئے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ رہنمائی اور مہمانوں کے تقریب کی جگہ تک بسہولت رسائی کے لیے خدمات سرانجام دینے والی کمیٹیوں کے وردی میں ملبوس افراد ٹولیوں کی شکل میں کھڑے تھے۔ تقریب کی سیکورٹی کے لیے سخت انتظامات کیے گئے تھے۔ شرکاء کی سہولت کے لیے گاڑیوں کی پارکنگ کے لیے علیحدہ اسٹاف مقرر کیا گیا تھا، جو شرکاء کی گاڑیاں خود پارک کر رہا تھا۔ انتظامات کی بہتری کے پیش نظر مدعو کیے گئے تمام مہمانوں کو

چار مختلف کیٹگریز میں تقسیم کیا گیا تھا، جن میں سے ہر ایک کے پاس الگ عنوان سے دعوتی کارڈ تھا۔ پنڈال سے دور متعدد جگہوں پر بیٹھے طلبہ مدعو کیے گئے مہمانان گرامی کو کارڈ کے مطابق پنڈال میں داخلے کے لیے الگ نوعیت کا انٹری کارڈ دے رہے تھے۔ کیمپس ٹو) میں داخلے کے لیے متعدد گیٹ تھرو لگائے گئے تھے، جن پر کھڑے کارکنان انتہائی) مستعدی کے ساتھ شریک ہونے والے افراد کی چیکنگ کرکے انہیں آگے بھیج رہے تھے۔ درجہ بندی کے لحاظ سے داخلہ کارڈ کی تقسیم کی وجہ سے انتظامات کافی حد تک بہتری کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچے۔ انتظامیہ کی جانب سے لگائے گئے گیٹ تھرو اور تقریب کی جگہ کے مرکزی گیٹ کے درمیان جامعۃ الرشید کے تحت چلنے والے متعدد شعبہ جات کے تعارفی اسٹالز لگائے گئے تھے۔ تقریب کے پنڈال کے مرکزی گیٹ میں داخلے کے لیے مختلف ٹولیوں میں کھڑے افراد شرکا حضرات کی درجہ بندی کے لحاظ سے ان کی نشستوں کی طرف رہنمائی کر رہے تھے۔ مہمانوں کے لیے متعین کی گئیں نشستیں آرام دہ اور انتہائی ترتیب کے ساتھ رکھی گئیں تھی اور پنڈال میں اسٹیج اور دائیں جانب نصب دیو ہیکل پروجیکٹر اسکرینوں پر پنڈال میں موجود تمام شرکاء نے تقریب کو سہولت سے دیکھا اور سنا۔ پنڈال میں جامعۃ الرشید کے مختلف شعبہ جات کے تعارفی پینا فلیکس آویزاں تھے۔ پنڈال کو انتظامی طور پر مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ تقریب میں صحافی برادری کے لیے اسٹیج کے دائیں جانب پریس گیلری بنائی گئی تھی، جس میں مختلف اخبارات کے ایڈیٹر، کالم نویس،

نیوز ایڈیٹرز اور رپورٹرز کے علاوہ الیکٹرانک میڈیا سے تعلق رکھنے والے افراد نے بھی شرکت کی۔ تقریب تقسیم اسناد و انعامات کی بہترین اور بھرپور میڈیا کوریج کے لیے جدید ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ڈرون کیمرے سے تقریب کی کوریج کا اہتمام بھی کیا گیا۔ تقریب سے پہلے اور تقریب کے دوران حاضرین کی تعداد کا درست اندازہ لگانے اور پنڈال اور اردگرد کے انتظامات کے فضائی جائزے کے لیے ڈرون کیمرے مسلسل فضا میں چکر لگاتے رہے۔ جبکہ دنیا بھر میں تقریب کی لائیو کوریج کا انتظام بھی کیا گیا تھا، دنیا بھر کے متعدد ممالک میں لاکھوں لوگوں نے تقریب کو براہ راست دیکھا اور سنا۔

تقریب تقسیم واسناد 2 نشستوں پر مشتمل تھی۔ پہلی نشست عصر تا مغرب، جبکہ دوسری نشست نماز مغرب کے بعد سے رات ساڑھے گیارہ بجے تک جاری رہی۔ پہلی نشست کا آغاز مقررہ وقت پر تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ نقابت کے فرائض مفتی سید عدنان کاکاخیل نے سرانجام دیے۔ اسٹیج سے پنڈال کے آخری سرے تک لوگ ہی لوگ تھے، جو کہ نہایت خاموشی اور انہماک سے مقررین کی گفتگو سن رہے تھے۔ ان شرکا میں جید علمائے کرام، صحافی، تاجر، وکلائ، ڈاکٹرز اور ماہرین تعلیم سمیت مختلف شعبہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد تھے۔ اسٹیج کے دائیں اور بائیں جانب ڈگری لینے والے طلبہ بیٹھے تھے، ان نوجوانوں نے خوبصورت جبے پہن رکھے تھے۔ جامعۃ الرشید کے مختلف شعبہ جات سے فارغ التحصیل ہونے والے ان طلبہ کے سروں پر عمامے تھے اور یہ عجز و انکساری کا پیکر بنے بیٹھے تھے۔

جامعۃ الرشید کی اس غیر روایتی اور منفرد تقریب میں مختلف شعبہ جات سے مجموعی طور پر فارغ التحصیل 386 طلبہ کو اسناد و انعامات سے نوازا گیا ہے، جبکہ درس نظامی اور کلیۃ الشریعہ مکمل کرنے والے طلبہ کی دستار بندی بھی کی گئی۔ فارغ التحصیل طلبہ کو ڈگریاں، تعریفی اسناد اور شیلڈز و انعامات کے علاوہ ساڑھے 3 لاکھ کتابوں پر مشتمل ڈیجیٹل لائبریری کی صورت میں ہارڈ ڈسک بھی دی گئی۔ اس کے علاوہ حسن کارکردگی پر مختلف اساتذہ اور طلبہ کو گولڈ میڈل اور سلور میڈل سمیت مختلف انعامات سے نوازا گیا، جبکہ انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد کے صدر پروفیسر ڈاکٹر احمد بن یوسف بن احمد الدریویش نے جامعۃ الرشید کے تعمیری کام سے متاثر ہو کر رئیس جامعہ مفتی عبدالرحیم کو شیلڈ دی۔

تقریب میں درس نظامی اور کلیۃ الشریعہ کے طلبہ کی دستار بندی بھی کی گئی۔ یہ دستار بندی رئیس جامعہ مفتی عبدالرحیم نے کی، جبکہ اس موقع پر مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی، صدر مفتی، شیخ الحدیث جامعۃ الرشید کراچی مفتی محمد، دارالعلوم کراچی کے استاذ الحدیث مولانا عزیز الرحمٰن، ناظم تعلیمات جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی مولانا امداد اللہ، خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ، مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی، مفتی محمد ثاقب سمیت جامعۃ الرشید کے اساتذہ کرام اور دیگر علمائے کرام بھی اسٹیج پر موجود تھے۔ تقریب میں مختلف شعبہ جات کے طلبہ کو مدعو کیے گئے

مختلف مہمانان خصوصی نے سند اور انعامات سے نوازا۔ تقریب میں پہلی نشست میں سب سے پہلے شعبہ تحفیظ القرآن کے طلبہ کی دستار بندی کی گئی۔ ان طلبہ کو سند، تفسیر عثمانی اور سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دی گئی۔ حفاظ عربک و حفاظ انگلش کورس کے طلبہ کو دارالعلوم کراچی کے استاذ الحدیث مولانا عزیز الرحمٰن نے سند دی۔ دراسات دینیہ کورس کے فضلاء کو جامعہ دارالعلوم کراچی کے ناظم تعلیمات مولانا راحت علی ہاشمی نے سند دی، جبکہ ان تمام طلبہ کو سند کے ساتھ تفسیر عثمانی، سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دی گئی۔ تخصص فی التجوید اور تخصص فی القرآت کے طلبہ کو مفتی محمد خالد اور مفتی محمد عمران نے سند دی۔ تخصص فی الافتاء کے طلبہ کو نائب مفتی دارالعلوم کراچی مفتی عبدالمنان اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے استاذ الحدیث مولانا احمد علی نے سند دی، جبکہ ان تمام طلبہ کو سند کے ساتھ ساڑھے 3 لاکھ کتب پر مشتمل ڈیجیٹل لائبریری کی صورت میں ہارڈ ڈسک بھی دی گئی۔ بی اے اور بی کام کے طلبہ کو وائس چانسلر یونیورسٹی آف دیر پروفیسر ڈاکٹر خان بہادر مروت اور رفاہ یونیورسٹی سے ڈاکٹر عمر فاروق نے سند دی، جس کے ساتھ ان طلبہ کو تفسیر عثمانی اور سیرت مصطفیٰ بھی دی گئی جبکہ پروفیسر ڈاکٹر خان بہادر مروت اور ڈاکٹر عمر فاروق نے ہی کلیۃ الفنون کے طلبہ کو سند دی، ان طلبہ کو بھی ایک ہارڈ ڈسک دی گئی۔ دوسری نشست میں لغۃ العربیہ، کلیۃ الدعوۃ اور تدریب المعلمین کے طلبہ کو مولانا ضیاء الرحمٰن اور دارالعلوم کراچی کے ناظم

تعلیمات مولانا راحت علی ہاشمی نے سند دی اور اس کے ساتھ ان طلبہ کو تفسیر عثمانی، سیرت المصطفیٰ اور ہارڈ ڈسک، جبکہ ایک سالہ انگلش اور ایک سالہ عربی لینگویج کورس کے طلبہ کو بھی مولانا ضیاء الرحمٰن اور مولانا راحت علی ہاشمی نے سند اور ہارڈ ڈسک دی۔

تقریب کے دوران اسٹیج پر لگے پروجیکٹر پر پریزنٹیشن کے ذریعے علوم شریعہ پر مشتمل آٹھ سالہ عالم کورس، یونیورسٹی گریجویٹس اور پوسٹ گریجویٹس طلبہ کے لیے چار سالہ عالم کورس (کلیۃ الشریعہ)، علوم شریعہ پر مشتمل آٹھ سالہ عربی میڈیم عالم کورس، تحفیظ القرآن، آٹھ سالہ درس نظامی کورس، تجوید و قراءات عشرہ اور اسلامک اسکول و مدارس کا نظم و نسق چلانے کے لیے ایک سالہ جامع کورس (تخصص فی القراءات)، کراچی انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ اینڈ سائنسز (الحاق کراچی یونیورسٹی)، مالی و تجارتی امور میں رہنمائی کے لیے دارالافتاء برائے مالی و تجارتی امور (ایس سی ایس)، پاکستان کے سات شہروں سے شائع ہونے والا روزنامہ اسلام، ملک بھر کی تاجر برادری کی رہنمائی کے لیے ہفت روزہ شریعہ اینڈ بزنس، عوام کی شرعی رہنمائی کے لیے المفتی آن لائن، مکمل تحقیق کے بعد مختلف فوڈ کمپنیوں کو حلال سرٹیفکیٹ جاری کرنے والا ادارہ حلال فاؤنڈیشن، ہفت روزہ "دی ٹرتھ"، پبلک سروسز سینٹر، شعبہ کلیۃ الدعوۃ، دراسات دینیہ، حفاظ اور ٹیچر ٹریننگ کورس، سینٹر فار پبلک ریسرچ اینڈ ڈائیلاگ (تھنک

ٹینک)، بے سہارا بچوں کے لیے لباس، طعام، علاج معالجہ، حفاظتی، تعلیمی اور تربیتی سہولیات پہنچانے اور ان کی رہائش کے لیے قائم کیا گیا (ماویٰ ہومز)، صفہ سیوئیر اسکول سسٹم، البیرونی اسکول اینڈ کالج، مدرسہ ام حبیبہ للبنات اور البیرونی گرلز سیکنڈری اسکول، فلکیات و رویت ہلال، حفاظ عربک و انگلش لینگویج کورس، ایک سالہ صحافت کورس (کلیۃ الفنون) سمیت جامعۃ الرشید کے دیگر متعدد اداروں کا تعارف کرایا گیا۔

تقریب کے دوران تمام شرکا کو ایک فارم بھی دیا گیا، جس میں تقریب کے انتظامات سے متعلق رائے پوچھی گئی تھی۔ تقریب کا اختتام رات ساڑھے گیارہ بجے ہوا، جس کے بعد نماز اور مہمانان گرامی کے لیے پر تکلف کھانے کا اہتمام کیا گیا۔ کھانے کا انتظام شرکاء کے زیادہ ہونے اور انتظامات کے پیش نظر چار حصوں میں کیا گیا تھا۔ نماز اور کھانے کے بعد تمام شرکاء باسہولت واپس رونہ ہو گئے۔

ملک میں سیاسی درجہ حرارت عروج پر

ملک میں سیاسی درجہ حرارت عروج پر.... حکومت کو نئے چیلنجز کا سامنا

ملک میں جوں جوں گرمی کی شدت میں اضافہ ہورہا ہے توں توں سیاسی درجہ حرارت بھی بڑھتا جارہا ہے۔ پاناما لیکس کا بھانڈا پھوٹنے کے بعد سے شریف فیملی کی مشکلات میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے۔ وزیر اعظم میاں نواز شریف اپنی فیملی کے بچاؤ کے لیے روز کوئی نیا طریقہ دریافت کرتے ہیں، لیکن اس سے پہلے کوئی نئی افتاد میاں صاحب کی بچاؤ کی امیدوں پر پانی پھیر دیتی ہے اور میاں صاحب کو ٹی وی پر آ کر قوم سے خطاب کرنا پڑتا ہے۔ پاناما پیپرز کے اسکینڈل سے پردہ فاش ہوئے کئی ہفتے گزر چکے ہیں لیکن ابھی تک ایسا کچھ نہیں کیا گیا ہے جس سے یہ واضح ہو کہ حکومت کرپشن کے خلاف اقدامات میں سنجیدہ ہے۔ جبکہ تمام سیاسی جماعتیں ہاتھ دھو کر میاں صاحب کی وزارت کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ پاناما لیکس انکشافات کے بعد حکومت اوراپوزیشن جماعتوں کے درمیاں باقاعدہ سیاسی محاذ آرائی شروع ہوچکی ہے۔ حکومت مخالف سیاسی جماعتیں خم ٹھونک کر حکومت کے خلاف میدان میں آچکی ہیں اور بھرپور جلسے اور احتجاج کا سلسلہ شروع کردیا گیا ہے۔ پاناما لیکس کے سامنے آنے کے بعد سے نواز شریف

شدید سیاسی دباؤ کا شکار ہیں۔ دنیا کے بڑے ٹیکس چوروں کی فہرست میں شریف فیملی کا نام آ جانے کے بعد ملک بھر کے تمام حلقوں کی جانب سے میاں نواز شریف کی حکومت پر انگلی اٹھائی جا رہی ہے اور ان سے استعفے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

پاناما لیکس سامنے آنے کے بعد سے اب تک حکومت اس بات پر اصرار کر رہی تھی کہ اس معاملے کی تحقیقات ایک ریٹائرڈ جج سے کرائی جائیں۔ حزب اختلاف کی تمام جماعتیں یہ تحقیقات چیف جسٹس کی سربراہی میں کروانے کا مطالبہ کر رہی تھیں اور انھوں نے ریٹائرڈ جج کی سربراہی میں بننے والے کسی بھی کمیشن کو ماننے سے انکار کر دیا تھا، جبکہ حکومت کو اب اپنا معاملہ چیف جسٹس سپریم کورٹ کے پاس بھیجنا پڑا ہے۔ حکومت پر اپوزیشن کی جانب سے بڑھتے ہوئے اس دباؤ کے پس منظر میں پہلے پاکستان فوج کے سربراہ جنرل راحیل شریف نے تمام شعبوں میں احتساب شروع کرنے اور فوج کی طرف سے اس کی بھرپور حمایت کرنے کی بات کی اور پھر بعض اعلیٰ فوجی افسران کو بدعنوانی کے الزامات کے تحت ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ فوج کے ادارے میں بدعنوانی پر برطرفیوں اور ان کی مقامی میڈیا پر تشہیر ایک غیر معمولی اقدام تھا جس سے تمام اداروں میں بلاامتیاز احتساب کے لیے بڑھتے ہوئے دباؤ میں کئی گنا اضافہ ہو گیا، جس کے بعد حکومت کافی لیت و لعل کے بعد خط لکھنے کو تیار ہوئی ہے اور میاں نواز شریف نے قوم

سے خطاب میں کہا ہے کہ تحقیقات میں اگر ان کے خلاف ایک بھی الزام ثابت ہوا تو وہ وقت ضائع کیے بغیر گھر چلے جائیں گے اور ن کا مزید کہنا تھا کہ پاناما لیکس کو بنیاد بنا کر جو الزامات لگائے جارہے ہیں، وہ 22 برس پرانے ہیں، جبکہ اپوزیشن جماعتیں حکومت کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

پاناما لیکس کے بعد ملک میں پیدا ہونے والی صورت حال کے تناظر میں حزب اختلاف کی جماعتیں اس ضمن میں ایک متفقہ لائحہ عمل تیار کرنے میں سرگرداں ہے اور اس سلسلے میں حزب اختلاف کے رہنماؤں میں اہم ملاقاتیں ہوچکی ہیں۔ پیپلز پارٹی کے قائد حزب اختلاف سید خورشید شاہ اور سینیٹ میں قائد ایوان اعتزاز احسن نے تحریک انصاف، متحدہ قومی موومنٹ اور مسلم لیگ ق کے رہنماؤں سے علیحدہ علیحدہ ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں میں دو مئی کو پارلیمان میں نمائندگی رکھنے والی حزب اختلاف کی جماعتوں کو اجلاس بلانے پر اتفاق رائے کے علاوہ پاناما لیکس پر تحقیقات کے لیے حکومت کی طرف سے اعلان کردہ ضابطہ کار یا ٹی او آرز کو مسترد کر دیا گیا۔ خورشید شاہ احمد شاہ کا کہنا ہے کہ اس بات پر تمام سیاسی جماعتیں متفق ہیں کہ احتساب سب کا ہونا چاہیے، لیکن شروعات وزیراعظم کے خاندان سے ہوں۔ قائد حزب اختلاف اور اپوزیشن کی دیگر جماعتوں کے درمیان پیر کو ہونے والی ملاقاتوں میں اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ 2 مئی کو اپوزیشن جماعتوں کا اجلاس اسلام آباد میں بلایا جائے گا اور اس

میں 'ون پوائنٹ ایجنڈے پر بات چیت ہو گی جو کہ پاناما لیکس ہے۔ایم کیو ایم کے رہنما ڈاکٹر فاروق ستار، تحریک انصاف کے رہنما شاہ محمود قریشی سمیت دیگر کئی رہنما بھی پاناما لیکس کے حوالے سے حکومت کے خلاف سرگرداں ہیں۔ جبکہ اس سے قبل عمران خان نے اسلام آباد کے ایف نائن پارک میں جلسے کے دوران وزیراعظم کو پاناما لیکس کے معاملے پر شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور اس کے ساتھ وہ 26 اپریل سے صوبہ سندھ میں انسداد کرپشن تحریک اور رائے ونڈ میں دھرنے سے قبل وہ اگلے ہفتے اتوار کو لاہور میں اپنے آئندہ کے لائحہ عمل پیش کرنے کا اعلان کر چکے ہیں۔ عمران خان حالیہ دنوں میں پاناما لیکس میں شریف خاندان کی مبینہ کرپشن پر متعدد مرتبہ رائے ونڈ میں دھرنا دینے کی دھمکی دے چکے ہیں۔ اسلام آباد میں تحریک انصاف کے جلسے کے روز جماعت اسلامی نے بھی لاہور میں کرپشن کے خلاف دھرنا دیا۔ امیر جماعت اسلامی سینیٹر سراج الحق نے کہا ہے کہ حکمران لوٹی دولت واپس کریں یا اڈیالہ جیل جانے کو تیار ہو جائیں، وزیراعظم نے جو موقف اختیار کیا، وہ ان کی اہلیہ اور بیٹوں سے نہیں ملتا۔ جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق نے یکم مئی کو پورے ملک میں کرپشن کے خلاف عظیم الشان ریلیاں نکالنے کا اعلان کیا۔ جبکہ چیئرمین پیپلز پارٹی بلاول بھٹو زرداری بھی وزیراعظم میاں نواز شریف پر پاناما لیکس کے حوالے سے تنقید کر چکے ہیں اور عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری بھی کہتے ہیں کہ نواز شریف کے پاس استعفیٰ کے سوا کوئی آپشن نہیں، حکمران

خود اقتدار سے الگ نہ ہوئے تو عوام ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ ان کے علاوہ ملک کی کئی چھوٹی بڑی جماعتیں وزیراعظم سے استعفے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔

دوسری جانب چند روز قبل جنرل راحیل شریف کی جانب سے بلا تفریق احتساب کی حمایت اور اس کے بعد اپنے ادارے سے اس پر عملدرآمد کا آغاز کے بعد وزیراعظم نواز شریف پر دباؤ کئی گنا زیادہ بڑھ گیا ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ جنرل صاحب بھی ملک کی اپوزیشن کی طرح پاناما پیپرز میں سامنے آنے والی معلومات کی روشنی میں نواز شریف کے خاندان کے احتساب کی حمایت کرتے ہیں۔ موجودہ حالات یہ بتاتے ہیں کہ ناما پیپرز کے افشا نے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کے لیے بے حد سیاسی مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ جب سے انہوں نے سیاست کے میدان میں قدم رکھا ہے، شاید ان پر اتنا بھاری وقت کبھی نہیں آیا۔ اگرچہ اس سے پہلے ماضی میں بھی ان پر کئی بار سخت حالات آتے رہے ہیں، انہیں وزارت سے استعفیٰ دینا پڑا، ان کی حکومت کا تختہ الٹا گیا اور ان کو جیل بھی جانا پڑا ہے۔ ان تمام مشکلات سے نواز شریف نکل گئے تھے، لیکن ان ادوار میں نواز شریف کی ساکھ کو خاصا نقصان نہیں پہنچا تھا، ان پر اور ان کے خاندان پر مالی بدعنوانیوں کے الزامات ضرور لگے، لیکن وہ ان میں سرخرو ہو گئے۔ یہ سارے الزامات مقامی سیاست کے جھگڑے تھے۔ قومی مالیاتی اداروں سے جڑے ہوئے تھے

اور قومی عدالتوں سے ہی وہ بری ہو گئے، لیکن پانامہ پیپرز کا پاکستان کی سیاسی چپقلش سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایک عالمی سطح کا اسکینڈل ہے جس میں عالمی سطح پر ہونے والی مالی بدعنوانیوں کو افشا کیا گیا ہے۔ ایسا ان کے ساتھ ماضی میں نہیں ہوا۔ جب وہ پہلی بار اقتدار سے باہر ہوئے، تب بھی ان کی اپنے حریفوں پر سیاسی برتری قائم رہی اور دوسری بار جنرل پرویز مشرف پر بھی وہ اخلاقی اعتبار سے بھاری رہے لیکن اب ایسا نہیں رہا خصوصاً قوم سے خطاب کرکے انھوں نے جس طرح اپنے خاندان کی صفائی پیش کی، اس کے بعد ان کے پاس کوئی جواز نہیں رہا کہ وہ پاناما پیپرز میں آنے والے اپنے خاندان کے افراد کے ناموں سے خود کو الگ کر سکیں، اگر وہ قوم سے خطاب نہ کرتے اور اس معاملے پر دو ٹوک موقف لیتے کہ میرا اپنے خاندان کے کاروباری معاملات سے کوئی تعلق نہیں، پاناما پیپرز کا جواب ان سے مانگیں، جن کے نام آئے ہیں تو صورتحال مختلف ہو سکتی تھی۔ وہ اس ملک کے وزیر اعظم ہی نہیں مسلم لیگ ن کے سربراہ اور رہبر بھی ہیں، مسلم لیگ ن کی سیاسی ساکھ ان کی ذات کے ساتھ نتھی ہے، اگر ان کی شخصیت پاکستان کی سیاست میں داغدار ہوتی ہے تو مسلم لیگ ن کی سیاست پر بھی اس کا حرف آئے گا۔ ممکن ہے کہ ان کے خلاف عمران خان کا دھرنا یا اپوزیشن کا احتجاج ناکام ہو جائے، لیکن اپوزیشن کی سیاسی جماعتیں انھیں مسلسل تنقید کا نشانہ بناتی رہیں گی، ہر فورم پر پانامہ لیکس کے بارے میں ان سے سوال ہو گا اور ان کے پاس سوائے یہ کہنے کے اور کچھ نہیں ہو گا کہ وہ

تو کاروبار نہیں کرتے، کاروبار تو ان کی اولاد کرتی ہے، ایسا وہ کتنی دیر تک کہتے رہیں گے، حالات برق رفتاری سے ان کے مخالف کروٹ لے رہے ہیں۔ دباؤ اندرونی ہی نہیں بیرونی بھی ہے۔ اس کا میاں نواز شریف کو ادراک بھی ہے، ایسے دباؤ سے نکلنا آسان نہیں ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ حکومت اس وقت پیپلز پارٹی کے تعاون کی محتاج ہے، اگر پی پی نے حکومت کے ساتھ تعاون نہ کیا تو نئے انتخابات ہو سکتے ہیں۔ پی پی نے پہلے تحریک انصاف کے دھرنے کے دوران حکومت کا ساتھ دیا اور دونوں جماعتیں مشکل وقت میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتی آئی ہیں، جبکہ اب پی پی تحریک انصاف کا ساتھ دیتی نظر آ رہی ہے، بعض مبصرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ تحریک انصاف اور پی پی کا اتحاد خود نہیں بن رہا بلکہ بنایا جا رہا ہے، جس کا نتیجہ نواز شریف کی حکومت کے خاتمے کی صورت میں نکل سکتا ہے اور حکومت اس بات کو سمجھتی ہے، اسی لیے کافی حد تک پریشان ہے اور حکومت نے اس خطرے کو بھانپتے ہوئے اپوزیشن کے مقابلے میں جلسے کرنا بھی شروع کر دیے ہیں، جیسا کہ میاں نواز شریف نے کوٹلی میں جلسہ کیا ہے۔ ذرائع کے مطابق وزیر اعظم مئی کے پہلے ہفتے میں لندن جائیں گے، واپسی پر وہ چاروں صوبوں میں جلسے کریں گے اور عوام کے سامنے اپنی حکومت کی کارکردگی رکھیں گے اور انتخابات کو ترجیح دیں گے، کیونکہ میاں نواز شریف کو اس بات کا گمان ہے کہ عوام دوبارہ ان کو ہی منتخب کرے گی، لیکن مبصرین میاں صاحب کے اس خیال کو مسترد کرتے ہیں۔ موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ ملک کی سول بیوروکریسی

اور سیاستدان اپنے اپنے شعبوں میں اصلاح کریں۔ اگر ملک میں پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو سیاسی اثر و رسوخ سے پاک کر دیا جائے اور سرکاری عہدیدار سیاسی انتقام کے خوف کے بغیر فرائض منصبی ادا کرنے میں آزاد ہوں تو ملک میں الزام تراشی کے کلچر میں بتدریج کمی آ سکتی ہے۔ ملک سے اگر واقعی کرپشن اور بددیانتی کا خاتمہ مطلوب ہے تو موجودہ نظام کو کام کرنے کا موقع دینا ہوگا۔

بھارت کا ایک بار پھر مذاکراتی عمل سے راہ فرار؟

سیکرٹریز خارجہ کی ناکام ملاقات.... بھارت کا ایک بار پھر مذاکراتی عمل سے راہ فرار؟

پاکستان بھارت سیکرٹریز کی ہونے والی ملاقات اگرچہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی، لیکن اس میں کئی معاملات زیر بحث آئے ہیں۔ سیکرٹری خارجہ اعزاز چودھری نے کہا ہے کہ جن معاملات پر پاکستان کو تشویش لاحق ہے، وہ مکمل تفصیل کے ساتھ اور دو ٹوک انداز میں بھارت کے سامنے رکھ دیے گئے ہیں۔ نئی دہلی کو یہ بھی بتا دیا کہ پاکستان بامقصد اور نتیجہ خیز مذاکرات کے ذریعہ پرامن انداز میں مسئلہ کشمیر سمیت تمام تنازعات کا حل چاہتا ہے۔ نئی دہلی میں ہارٹ آف ایشیاء کانفرنس کی سائیڈ لائن پر بھارتی وزیر خارجہ ایس جے شنکر سے ہونے والی ملاقات میں جامع مذاکراتی عمل کی بحالی، کل بھوشن کی گرفتاری، پٹھان کوٹ حملے، سانحہ سمجھوتہ ایکسپریس کی تحقیقات اور باہمی دلچسپی کے امور زیر بحث آئے۔ سیکرٹری خارجہ اعزاز چودھری نے بھارتی ہم منصب سے گفتگو میں کہا کہ دونوں ممالک کو مسلسل، بامعنی اور جامع مذاکرات پر کاربند رہنا چاہیے اور بھارتی سیکرٹری خارجہ کو جلد پاکستان کا طے شدہ دورہ کرنا چاہیے۔

مبصرین کی نظر میں پاک بھارت سیکرٹریز کی ملاقات کا نتیجہ خیز ثابت نہ ہونا

دونوں ملکوں کے مابین ہونے والے مذاکرات کو نقصان پہنچا سکتا ہے، جبکہ بھارت کا کہنا ہے کہ پاکستان بھارت خارجہ سیکرٹریوں کی بات چیت جامع مذاکرت کا حصہ نہیں، دونوں ممالک کے درمیان جامع مذاکرات کے طریقہ کار کو ابھی حتمی شکل نہیں دی گئی۔ مبصرین نے اس بات پر زور دیا ہے کہ دونوں ممالک کے درمیان رسمی ملاقاتوں سے بڑھ کر مذاکراتی عمل میں تسلسل اور سنجیدگی کا مظاہرہ حالات کا ناگزیر تقاضا ہے۔ ملاقات میں سیکرٹری خارجہ نے بھارتی ہم منصب کو باور کرایا کہ کشمیر اب بھی فوری طور پر حل طلب بنیادی مسئلہ ہے، یہ مسئلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں کشمیری عوام کی خواہشات کے مطابق حل ہونا چاہیے اور سیکرٹری خارجہ نے کراچی اور بلوچستان میں "را" کی مداخلت کا معاملہ کھل کر بھارت کے سامنے اٹھایا اور پاکستان میں را" کی تخریبی کارروائیوں اور "را" کے حاضر سروس افسر کل بھوشن یادیو جو "را"" کے پاکستان میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے اور اعترافی بیان کے بارے میں بھی بات ہوئی اور سیکرٹری خارجہ نے بھارت کو پاکستان میں تخریبی کارروائیاں بند کرنے پر زور دیا ہے، لیکن اس کے باوجود بھارتی سیکرٹری خارجہ کی طرف سے کوئی یقین دہانی نہیں کرائی گئی کہ آئندہ "را" کی سرگرمیاں روکی جائیں گی اور پاکستان میں دہشت گردی بڑھانے کے لیے کیے گئے اقدامات بھی معطل کر دیے جائیں گے، بلکہ بھارت نے الٹا

پاکستان سے یہ فرمائش کر دی کہ کل بھوشن یادیو تک رسائی فراہم کی جائے اور تمام شواہد کے باوجود بھارت یہ بات ماننے کے لیے بھی تیار نہیں ہے کہ وہ پاکستان میں تخریبی سرگرمیوں میں ملوث ہے، حالانکہ بھارتی ایجنٹ کی گرفتاری کے بعد تو بھارت کو یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ وہ پاکستان کے اندر دہشت گردی بڑھانے کی کوششیں کر رہا ہے۔ اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ بھارت روز اول سے پاکستان کے لیے دردِ سر بنا ہوا ہے۔ بھارت نے آج تک پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔ پہلے پاکستان دشمنوں کے ساتھ مل کر پاکستان کو دولخت کیا اور اس کے بعد بھی جب بھی موقع ملا، ہمیشہ پاکستان کو نقصان پہنچایا ہے۔ بھارت پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لیے طرح طرح کے منصوبے بناتا ہے اور اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ ملک میں بدامنی پھیلانے میں بھارت ملوث ہے۔ بھارت کے تخریبی اقدامات خطے کو کسی خطرناک انجام سے دوچار کر سکتے ہیں، اس لیے اسے پاکستان میں دہشت گردی پھیلانے سے باز رہنا ہو گا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب سے بھارتی جاسوس کلبھوشن یادیو کی اعترافی ویڈیو اور دیگر بھارتی ایجنٹوں کی بلوچستان اور دیگر شہروں سے گرفتاری عمل میں آئی ہے، اس وقت سے بھارت پریشان ہے اور وہ بڑے سفارتی بحران سے نمٹنے کی کوشش میں ان زمینی حقائق اور بلوچستان کی شورش زدہ صورتحال سے لاتعلقی کے اب بہانے ڈھونڈ رہا ہے۔ اس معاملے میں بھارت کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ

کلبھوشن کا معاملہ کوئی مفروضہ نہیں ہے، بلکہ حقیقی واقعات سے جڑا ہوا معاملہ ہے، جو بلوچستان میں بھارتی مداخلت کا واضح ثبوت ہے۔ اسے پاکستانی علاقے سے حراست میں لیا گیا ہے اور اس نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ اعترافی بیان کے لیے اس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا گیا۔ بھارت کو اپنے تخریب کار ایجنٹ کی اعترافی ویڈیو کے مندرجات پر جلد پاکستان کو جواب دینا چاہیے، لیکن المیہ یہ ہے کہ پاکستان سے تعلقات کی بحالی کی بات کرتے ہوئے بھی بھارت اپنے ذمے عاید ہونے والی کسی بھی شرط یا وعدے کی پاسداری نہیں کر رہا، اس کی سفارتی کوششوں کا لب لباب یا نکتہ عروج حقائق سے گریز اور پاک بھارت تعلقات کی راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کو دور کرنا نہیں ہے، بلکہ رکاوٹیں کھڑی کرنا ہے۔ پاکستان کو چاہیے کہ کل بھوشن یادیو کے معاملے کو عالمی برادری کے سامنے اجاگر کرے اور اقوام عالم کو بتایا جائے کہ کل بھوشن یادیو محض جاسوس نہیں، بلکہ ایک تخریب کار اور وار کریمینل ہے، جو پاکستان میں دہشت گردی کے خلاف جاری کوششوں کو ناکام بنانے کی سازش میں ملوث ہے۔ اس سے کم از کم دنیا پر تو یہ واضح ہو جائے گا کہ بھارت کا پاکستان کے خلاف واویلا سراسر پروپیگنڈا ہے اور بھارت خود پاکستان کے خلاف دہشتگردی میں ملوث ہے۔

پاک بھارت خارجہ سیکرٹریوں کی ملاقات میں اگرچہ جامع مذاکرات بحال کرنے کے

سلسلے میں کوئی بڑی پیش رفت نہ ہو سکی، لیکن اس ملاقات میں کم از کم یہ ضرور ہوا ہے کہ پاکستان نے بھارت کے ساتھ "را" کے افسر کل بھوشن یادیو کی گرفتاری کا معاملہ اٹھا دیا اور پاکستانی سیکرٹری خارجہ نے اپنے بھارتی ہم منصب پر واضح کر دیا کہ "را" کی بلوچستان اور کراچی میں تخریب کاریاں باہمی تعلقات میں رکاوٹ ہیں اور یہ کہ بھارتی خفیہ ایجنسی کی مسلسل مداخلت کا سلسلہ بند کیے بغیر خطے میں پائیدار امن کا قیام یقینی نہیں بنایا جا سکتا۔ بھارت ہمیشہ سے پاکستان کے خلاف سرگرمیوں میں ملوث رہا ہے، اس نے پاکستان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ملک میں دہشتگردی کے متعدد واقعات میں "را" کے ملوث ہونے کے ثبوت بھی ہیں، اس کے باوجود اب تک پاکستان بھارت کی تخریب کاری کے معاملے میں تقریباً خاموش ہی رہا ہے، بلکہ بھارتی جاسوس کی گرفتاری پر وزیر اعظم نواز شریف کی جانب سے کوئی واضح ردعمل بھی ظاہر نہیں کیا گیا، جبکہ یہی جاسوس اگر پاکستان کا ہوتا اور بھارت میں پکڑا جاتا تو بھارتی حکومت نے آسمان سر پر اٹھا لینا تھا۔ اس ملاقات میں پاکستان نے معذرت خواہانہ طرز ترک کرتے ہوئے اپنے رویے میں تبدیلی لاتے ہوئے بھارت سے دو ٹوک بات کرنے کی ہمت کی ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ پاکستان ہمیشہ مذاکرات کے ذریعے بھارت کے ساتھ جاری تنازعات کے حل کے لیے آمادہ رہا ہے، اسی بات کا اظہار کرتے ہوئے اقوام

متحدہ میں پاکستان کی مستقل مندوب ملیحہ لودھی نے کہا ہے کہ پاکستان بھارت کے ساتھ تمام تصفیہ طلب مسائل کو بات چیت کے ذریعہ حل کرنے پر یقین رکھتا ہے، کیونکہ صرف اسی سے دونوں ممالک کے درمیان تعلقات معمول پر آ سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ پاکستان اور بھارت کے مابین نصف صدی سے چلتے آ رہے دیرینہ مسائل کو حل کرنے کے لیے 1998ء سے مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا تھا، لیکن 1999ء میں کارگل کا واقعہ پیش آ گیا، جس کے بعد مذاکرات کا سلسلہ معطل ہوگیا۔ پھر 2004ء اور 2005ء میں جامع مذاکرات کے ادوار ہوئے، جس کے بعد دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات انتہائی کشیدہ ہوگئے اور تمام رابطے منقطع ہوگئے۔ تاہم 2010ء میں ایک بار پھر جامع مذاکرات کا آغاز ہوا، لیکن یہ بے نتیجہ مذاکرات بھی 2012ء میں ختم ہوگئے۔

پاکستان ہمیشہ بھارت سے وسیع تر مذاکرات کے آغاز کے لیے کہتا آ رہا ہے، لیکن ہمیشہ بھارت کی جانب سے ہی مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کا سامان کیا جاتا ہے اور ہر سطح کے پاکستان بھارت مذاکرات کی میز ہمیشہ بھارت کی جانب سے الٹائی جاتی رہی، جو یواین قراردادوں کے باوجود کشمیر پر اٹوٹ انگ والی ہٹ دھرمی پر قائم ہے اور کسی بھی سطح کے مذاکرات میں اسے کشمیر کا لفظ سننا بھی گوارا نہیں ہوتا، چنانچہ کشمیر کا ذکر آتے ہی وہ کوئی نہ کوئی بہانہ تراشی کرکے جاری مذاکرات کو ادھورا چھوڑ دیتا ہے یا مذاکرات کی نوبت ہی نہیں آنے دیتا۔ واضح رہے کہ پاکستان نے دونوں ملکوں کے درمیان کشیدگی کو کم کرکے مذاکرات کا سلسلہ ایک بار پھر شروع کرنے کی سعی

کی ہے، جبکہ اس سے پہلے سال رواں 14-15 جنوری کو دونوں ملکوں کے خارجہ سیکرٹریوں کے درمیان باہمی مذاکرات ہونے والے تھے، لیکن دو جنوری کو بھارتی فضایہ کے پٹھان کوٹ ائیر بیس پر حملے کی وجہ سے یہ مذاکرات منسوخ کردیے گئے تھے۔

بھارت ہمیشہ اشتعال انگیزی اور ہٹ دھرمی سے کام لیتا ہے۔ کبھی تو پاک بھارت سرحد پر بلااشتعال فائرنگ کرکے پاکستان کے نہتے باسیوں کو شہید کر دیتا ہے اور کبھی پاکستان میں دہشتگردی کی وارداتیں کرواتا ہے۔ لگتا ہے کہ بھارت مذاکرات کے ذریعے معاملات حل کرنے کے حق میں ہے ہی نہیں، اس پر جنگی جنون سوار رہتا ہے، اسی لیے وہ ہمیشہ سے اسلحہ جمع کرنے میں مشغول ہے۔ گزشتہ روز کی خبر کے مطابق بھارت روس سے ایس فور ہنڈریڈ دفاعی میزائل سسٹم خریدے گا۔ بھارت کے وزیر دفاع منوہر پاریکر نے کہا بھارت نے روس کے ساتھ ایس فور ہنڈریڈ دفاعی میزائل سسٹم کی خریداری کے معاہدے پر دستخط کیے ہیں۔ روس کا دفاعی میزائل سسٹم ایس فور ہنڈرڈ جدید قسم کا سسٹم ہے۔ جو تین مختلف قسم کے میزائلوں کا حامل ہے جو فضا میں اپنے ہدف کو چاہے وہ شارٹ رینج ہو یا لانگ رینج تباہ کر سکتا ہے۔ یہ میزائل، بیلیسٹک اور کروز میزائلوں کا پتہ لگا کر انھیں تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ دوسری جانب اگر پاکستان نے امریکا سے ایف 16 طیارے لینے کا معاہدہ کیا تو بھارت نے واویلا شروع کردیا اوراس

معاہدے کو ختم کروانے کی ہر کوشش کی، جس کے نتیجے میں امریکی حکام نے پاکستان کو ایف سولہ طیاروں کی خریداری کی مد میں دی جانے والے امداد روک دی ہے اوراس پابندی کے نتیجے میں پاکستان کو آٹھ ایف سولہ طیارے خریدنے کے لیے ستر کروڑ ڈالر رقم خود ادا کرنا پڑے گی۔

اشرافیہ ٹیکس کی ادائیگی سے آزاد

اشرافیہ ٹیکس ادائیگی سے آزاد.... عوام پر نت نئے ٹیکسوں کی بھرمار

دنیا بھر کی حکومتوں کا دارومدار عوام وخواص کی طرف سے قومی خزانے میں جمع کرائے گئے ٹیکسوں پر ہوتا ہے مگر پاکستان میں سب سے زیادہ ٹیکس ملازمت پیشہ اور غریب عوام دیتے ہیں، جن پر بے شمار بے تکے ٹیکس عاید کرکے ان کی زندگی اجیرن بنادی جاتی ہے، جب کہ دوسری طرف بیشتر ایلیٹ کلاس کو ہر طرح کی چھوٹ حاصل ہوتی ہے، جن میں بڑے جاگیردار، سرمایہ دار، سیاستدان اور وڈیرے شامل ہوتے ہیں۔ دنیاکے کئی ملکوں میں امیروں سے ٹیکس لے کر وہ رقوم غریبوں کی فلاح بہبود پر خرچ کی جاتی ہیں، مگر ہمارے ہاں غریبوں سے ٹیکس لے کر امیروں بالخصوص حکمرانوں کی موج مستیوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔ مختلف ذرایع سے حاصل ہونے والے اعداد و شمار کے مطابق 23 لاکھ 80 ہزار لوگ محل نما گھروں میں رہتے ہیں، قیمتی گاڑیاں استعمال کرتے ہیں، وقتاً فوقتاً غیر ملکی دورے کرتے ہیں، مختلف بینکوں میں اکاشنٹ رکھنے کے ساتھ ساتھ بھاری یوٹیلٹی بل تو بھرتے ہیں، لیکن انکم ٹیکس ادا نہیں کرتے، جبکہ ٹیکس حکام ان امیر لوگوں کو ٹیکس دائرے میں لانے کا تکلف بھی نہیں کرتے۔ انکم ٹیکس آرڈیننس ملک بھر میں

موجود انکم ٹیکس کمشنروں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ ان افراد کی رجسٹریشن کریں جن کی آمدنی پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے، اس کے باوجود ہمیشہ امیر طبقہ ٹیکس کی ادائیگی سے چھوٹ حاصل کرلیتا ہے۔ گزشتہ روز 9 سالوں سے زرعی ٹیکس ادا نہ کرنے والے 24 اعلیٰ ترین حکومتی و سیاسی شخصیات کا ریکارڈ عدالت میں پیش کیا گیا ہے۔ ذرائع کے مطابق چیئرمین ایف بی آر کی طرف سے یہ ریکارڈ عدالت میں پیش کرتے ہوئے بتایا گیا کہ بادی النظر میں یہ شخصیات بااثر ہیں اور زرعی ٹیکس کی ادائیگی کے نوٹس ملنے کے باوجود ٹیکس ادا نہیں کرتیں، بلکہ عدالتوں سے رجوع کرلیتی ہیں۔ ان میں 9 سینیٹرز اور 15 وزراء اور ممبران اسمبلی ہیں۔ جو 9 سنیٹرز زرعی ٹیکس ادائیگی نہیں کرتے، ان میں سابق چیئرمین سینیٹ سینیٹر نئیر حسین بخاری کی ملکیتی 113 ایکڑ زرعی اراضی ہے، جس میں 60 ایکڑ ذاتی اور باقی 53 ایکڑ دونوں میاں بیوی کے نام ہے۔ سینیٹر سردار جمال خان لغاری کے زیر استعمال 50 لاکھ 90 ہزار چار سو روپے مالیت کی زرعی اراضی ہے، مگر کاغذات میں زرعی اراضی کی بابت کچھ نہیں بتایا گیا کہ وہ کہاں اور کتنی ہے۔ سینیٹر نعیم حسین چھٹہ بھی چالیس ملین زرعی اراضی کے مالک ہیں، مگر رقبہ کی بابت کاغذات میں کچھ نہیں بتایا۔ سینیٹر سید جاوید علی شاہ 136 ایکڑ زرعی اراضی کے مالک ہیں، جن میں سے 87 ایکڑ ان کے نام، جبکہ 49 ایکڑ دونوں میاں بیوی کی مشترکہ ملکیت ہے۔ مسلم لیگ (ق) کے سربراہ سینیٹر شجاعت حسین 90 ایکڑ اراضی کے مالک ہیں۔ سینیٹر راجا ظفر الحق ساڑھے 23 ایکڑ زرعی

اراضی کے مالک ہیں۔ سابق سینیٹر صغریٰ امام 130 ایکڑ زرعی اراضی کی مالکہ ہیں۔ سینیٹر اسلام الدین شیخ 172 ایکڑ زرعی اراضی جبکہ سابق سینیٹر عبدالحفیظ شیخ 47 ایکڑ زرعی اراضی کے مالک ہیں، جو 15 ممبران قومی اسمبلی زرعی اراضی کے مالک ہیں اور طویل عرصہ سے زرعی ٹیکس ادا نہیں کرتے، ان میں وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان کے پاس 138 ایکڑ زرعی اراضی ہے، جس میں سے 78 ایکڑ کے وہ ذاتی مالک ہیں، جبکہ ایکڑ ان کی بیوی اور بچوں کی مشترکہ ملکیت ہے۔ چودھری پرویز الٰہی 90 ایکڑ 60 زرعی اراضی کے مالک ہیں۔ عبدالحمید 886 ایکڑ زرعی اراضی کے تنہا مالک ہیں۔ مخدوم سید فیصل سالح حیات کے پاس 194 ایکڑ زرعی اراضی ہے۔ سمیرا مالک کے پاس 12 سو 83 ایکڑ زرعی اراضی ہے، جس میں سے 1187 ایکڑ کی ذاتی مالکہ اور ایکڑ دونوں میاں بیوی کے نام ہے۔ ریاض فتیانہ ایم این اے 20 ملین قیمتی زرعی 94 اراضی کے مالک ہیں۔ اراضی کی بابت کاغذات "خالی" ہیں کہ یہ کہاں اور کتنی ہے۔ سابق وزیر قمر الزمان کائرہ 35 ملین کی قیمتی زرعی اراضی کے مالک ہیں، مگر اراضی کی بابت کچھ نہیں بتایا گیا۔ سابق وفاقی وزیر فردوس عاشق اعوان بھی 22 ملین کی قیمتی زرعی اراضی کی مالکہ ہیں، مگر کاغذات میں اراضی کی بابت کچھ نہیں بتایا گیا۔ وفاقی وزیر احسن اقبال 66 ایکڑ زرعی اراضی کے مالک ہیں۔ سردار طالب حسین نکئی بھی 94 ایکڑ زرعی اراضی کے مالک ہیں۔ پیپلز پارٹی کے میاں منظور وٹو بھی 99 ایکڑ زرعی اراضی رکھتے ہیں۔ تحریک انصاف کے شاہ محمود قریشی 360

ایکڑ اراضی کے مالک ہیں، ان میں 50 ایکڑ ذاتی، جبکہ 310 ایکڑ بیوی بچوں کے نام ہے۔ مخدوم جاوید ہاشمی بھی 76 ایکڑ زرعی اراضی کے مالک ہیں۔ تہمینہ دولتانہ 112 ایکڑ زرعی اراضی، جبکہ سابق وزیر حنا ربانی کھر 226 ایکڑ زرعی اراضی کی مالکہ ہیں۔ ان شخصیات پر ان کی اراضی کے حساب سے اچھا خاصا ٹیکس لاگو ہوتا ہے اور ان کو ٹیکس ادائیگی کے نوٹس بھی بھیجے جاتے ہیں، لیکن یہ عدالتوں سے رجوع کرکے ٹیکس کی ادائیگی سے جان چھڑا لیتی ہیں۔

پاکستان میں ٹیکس چوری کا دائرہ جہاں روز بروز وسعت اختیار کرتا جا رہا ہے، وہاں عشروں سے کوئی بھی حکومت ٹیکس نیٹ ورک میں کوئی قابل ذکر توسیع نہیں کر سکی۔ غیر ملکی میڈیا کے مطابق پاکستان میں ٹیکس چوری اور دھوکا دہی کی ابتدا حکام بالا خود کرتے ہیں۔ اس وقت اعلیٰ عہدوں پر فائز متعدد افسران، صوبائی اور وفاقی وزرائ، صنعتکار، تاجر، ارکان پارلیمینٹ، جاگیر دار اور صاحب ثروت افراد کی بڑی تعداد ٹیکس چوری میں ملوث ہے، جبکہ غریب اور متوسط طبقہ بالواسطہ ٹیکسوں کی ادائیگی کے باعث جو مختلف اشیائے ضروریہ کی قیمتوں میں اضافہ کی صورت میں لگایا جاتا ہے، حالانکہ گزشتہ دنوں اسلامی نظریاتی کونسل نے کہا ہے کہ صارفین سے اشیا کی خریداری پر ٹیکس وصولی غیر اسلامی ہے۔ ٹیکس صرف آمدن پر لگایا جاسکتا ہے، بالواسطہ ٹیکسز کا نفاذ غیر اسلامی اور شرعی اصولوں کے منافی ہے، جبکہ ملک میں تمام تر ٹیکسز صارفین سے ہی وصول کیے جاتے ہیں۔ غریب عوام کو دو روپے کی کسی شے پر بھی ٹیکس ادا کرنا پڑتا

ہے، جبکہ بااثر طبقہ تمام تر ٹیکسز سے آزاد ہوتا ہے۔ پاناما لیکس میں جن شخصیات کا نام آیا ہے، ان کا مقصد بھی خود کو ٹیکسز سے محفوظ رکھنا ہے۔ ملک کے وزیر اعظم کی فیملی ہونے کی حیثیت سے شریف فیملی کو سب سے زیادہ ٹیکس ادا کرنا چاہیے تھا، لیکن شریف فیملی کا نام پاناما لیکس کے ذریعے دنیا کے سب سے بڑے ٹیکس چوروں کی فہرست میں شامل ہے، جبکہ وزیر اعظم ٹیکس چوری میں ملوث اپنے فیملی ممبران کو سزا دینے کی بجائے خود ان کا دفاع کر رہے ہیں اور اپنی فیملی کے بچاؤ کے نت نئے جواز تراشتے ہیں۔

پاکستان تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے لاہور میں جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ شریف برادران خود کو بچانے کے لیے حقائق پر پردہ ڈال رہے ہیں۔ وہ بتائیں انہوں نے کتنا ٹیکس دیا ہے۔ پی ٹی آئی رہنماؤں کا کہنا تھا کہ وزیر اعظم کے بیٹوں نے 1990ء سے آج تک کتنا ٹیکس ادا کیا ہے اور پاناما میں بتائی جانے والی کمپنیوں کے لیے سرمایہ کہاں سے آیا۔ بتایا جائے نواز شریف نے منی لانڈرنگ کے ذریعے کتنا پیسہ باہر بھیجا ہے۔

پاکستانی اشرافیہ کی بہت بڑی رقوم بیرون ملک بینکوں میں جمع ہے، پاکستان کی اشرافیہ اگر اس دولت کو واپس لاکر ملک میں کاروبار کرے اور مکمل ٹیکسز ادا کرے تو نہ صرف ملک کا تمام تر قرضہ اتر سکتا ہے بلکہ ملک خوب ترقی بھی کر سکتا ہے، لیکن ان کو صرف اور صرف اپنی دولت میں اضافہ کرنے سے غرض ہے۔

کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں ٹیکس ٹو جی ڈی پی کی شرح فلپائن اور ایتھوپیا جیسے پسماندہ ممالک سے بھی کم ہے، جب یہ صورتحال ہو تو ملک کس طرح ترقی کر سکتا ہے؟۔ ان حالات میں وسائل پر قابض اشرافیہ، بڑے زمینداروں، حصص کا کاروبار کرنے والوں، جائیدادوں کی خرید و فروخت کرنے والوں اور تعمیراتی کام کرنے والوں اور تاجروں سے ٹیکس کی وصولی یقینی بنانے کی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ رفتہ رفتہ قابل محصول آمدنی کے حامل ہر شخص کو براہ راست ٹیکس کے دائرے میں لایا جائے۔ ٹیکس کا نظام کسی بھی ملک کی سماجی اور معاشی پالیسیوں پر بہت گہرے اثرات مرتب کرتا ہے، لیکن اس پر پاکستان میں واجب توجہ نہیں دی گئی۔ سوشل جمہوریت میں ٹیکسز کا سب سے اہم مقصد معاشی انصاف کی فراہمی ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد ٹیکس کے بوجھ کو تقسیم کرنے اور عوامی سطح پر خرچ کی جانے والی رقم کے فوائد سب شہریوں تک پہنچانے پر استوار ہوتی ہے۔ اس کی ترتیب اس طرح ہوتی ہے کہ اشرافیہ طبقوں سے زیادہ ٹیکس وصول کرکے کم آمدنی والے اور غریب افراد پر زیادہ رقم خرچ کی جائے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں مختلف حکومتیں عوام سے حاصل کیے گئے ٹیکسز کو اپنے آرام و آسائش پر خرچ کرتی ہیں۔ جابرانہ ٹیکس کے نظام کے ذریعے امیر افراد کو امیر تر اور غریب افراد کو غریب تر بنانے کا سلسلہ جاری ہے۔ اس بڑھتی ہوئی معاشی ناہمواری سے سماجی مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ ٹیکسز سے چھوٹ عام آدمی کو نہیں، بلکہ دولت مند اور طاقت ور افراد کو حاصل ہے۔ وہ ٹیکس کے نظام میں موجود خامیاں اور لیکیج

دور کرنے کی کوئی پالیسی یا خواہش نہیں رکھتے۔ ٹیکس کے موجودہ نظام کے ہوتے ہوئے پاکستان معاشی ترقی اور خوشحالی کی منزل حاصل نہیں کر سکتا۔

ملک میں وقتی اقدامات کی بجائے انسانی وسائل بڑھانے میں سرمایہ کاری کرنے کی ضرورت ہے۔ حکومت کو تعلیم، تربیت اور صحت کے منصوبوں میں سرمایہ کاری کرنا ہوگی۔ دولت مند ٹیکس دہندگان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان افراد کا بھی بوجھ اٹھائیں، جن کے وسائل کی سکت کم ہے، نہ کہ وہ ان کی رگوں سے نچوڑی گئی رقم پر عیاشی کریں۔ پاکستان میں غریب افراد بھاری ٹیکسز کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں جبکہ چند خاندانوں پر مشتمل اشرافیہ طبقہ ان سے حاصل کردہ دولت کو اپنا مال سمجھ کر خرچ کرتا ہے۔ یہ افراد ٹیکس ادا نہیں کرتے ہیں، یا بہت کم ادا کرتے ہیں۔ مہذب ممالک ٹیکس چوری سے زیادہ سنگین کوئی جرم نہیں۔ ملک کی دولت پر قابض چند فیصد لوگ جن کی دولت تمام واجب الادا ٹیکس ادا کرنے کے باوجود بھی کم نہیں ہوتی، وہ بھی اگر ٹیکس بچانے کے لیے نت نئے طریقوں کی تلاش میں رہیں تو یہ اخلاقی دیوالیے پن کی پستی کی انتہا ہے۔

فکری کشمکش کا شکار معاشرہ

ہم ایسے دور میں جی رہے ہیں جس میں پورا معاشرہ انتشار اور کشمکش کی کیفیت کا شکار ہے۔ ملک کے مختلف طبقات پاکستان کے مفادات کو بالائے طاق رکھ کر اپنے مفادات کی خاطر ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑے ہیں۔ دن بدن اس کشمکش میں اضافہ ہو رہا ہے اور مختلف طبقات کے مابین کھینچی لکیریں مزید گہری ہوتی جا رہی ہیں۔ ایسی باتوں پر بھی اتفاق نہیں کیا جا رہا ہے، جو مختلف الخیال و مختلف النظریات لوگوں کے مابین مشترک ہیں۔ ہر کوئی ہر حال میں اپنی ہی بات منوانے پر تلا ہوا ہے اور فریق مخالف کی ہر اچھی بری بات کی مخالف کرنا ضروری خیال کرتا ہے۔ برصغیر میں اپنی غلامی کو آزادی میں بدلنے کے لیے ہر مکتبہ فکر کے تمام مسلمانوں نے مشترکہ طور پر جدوجہد کی، جس کے نتیجے میں قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں کی وحدت ویک جہتی اور اخلاص پر مبنی جدوجہد رنگ لائی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک ایسا ملک عطا کیا، جو دنیا بھر میں ہر لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ جو جغرافیائی اعتبار سے اپنے اندر ہر خوبی سموئے ہوئے ہے، لیکن بدقسمتی سے دنیا کی عظیم نعمت کے باسی مذہب سے لے کر سیاست تک نت نئے انتشار و اختلافات کا شکار ہو گئے ہیں، جن میں سے سب سے زیادہ خطرناک نظریاتی و فکری انتشار ہے۔ ملک میں جاری اس نظریاتی و فکری تصادم کا پس

منظر سیاسی ہے اور عاقبت نااندیش رہنماؤں نے سیاسی محرکات کی بنا پر اس کشمکش کو پروان چڑھا کر قوم کو آپس میں صف آرا کیا ہوا ہے۔

ملک میں اسلام پسند اور سیکولر دو طبقوں کے درمیان ایک عرصے سے زبردست کشمکش جاری ہے، ان میں سے ہر ایک فریق مخالف کو تقریباً دشمن ہی تصور کرتا ہے۔ اسلام پسندوں کے نزدیک نفاذ اسلام ہی پاکستان کی منزل ہے، کیونکہ پاکستان مذہب کے نام پر تخلیق کیا گیا تھا، جبکہ سیکولر طبقہ سیکولرازم کے نفاذ کو کامیابی کی منزل بتلاتا ہے۔

دونوں دھڑے اپنی بات کی توثیق کے لیے قائداعظم محمد علی جناح کی تقریروں کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ اسلام پسند قائداعظم کی وہ تقریریں سامنے لاتے ہیں، جن میں بانی پاکستان نے پاکستان کو ایک اسلامی مملکت بنانے کا اعلان کیا تھا، جبکہ سیکولر طبقہ ان کی 11 ستمبر کی تقریر کا حوالہ دیتا ہے۔ دونوں دھڑے پاکستان کی تخلیق کی وجہ تسمیہ کو اپنے موجودہ نظریات کو مضبوط بنانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ملک میں سیکولر طبقے کے نزدیک موجودہ دور میں اسلامی قوانین نافذالعمل نہیں ہیں، بلکہ مغربی قوانین میں ہی ہمارے مسائل کا حل ہے، جبکہ اسلام پسندوں کے نزدیک مذہب انسان کی فطری ضرورت ہے۔ یہی بہتر طریقے سے معاشرے کی تشکیل، ترتیب اور تعمیر کرسکتا ہے۔ دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور یہ زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سیکولرز کی تمام تر کوششوں کے باوجود اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پاکستانی معاشرہ مذہب سے محبت کرنے والا معاشرہ ہے، جو اپنی فلاح سیکولرازم میں نہیں بلکہ اسلام میں سمجھتا ہے۔ یہاں کی اکثریت کا تعلق اسلام پسندی کے ساتھ ہے۔ پاکستان میں اسلام پسندوں کی اکثریت جانفشانی اور یکسوئی سے اخروی جذبے کے پیش نظر کام کرتی ہے۔ ملک میں اسلام پسندوں اور علمائے کرام کی سرتوڑ مشترکہ سیاسی جدوجہد کے نتیجے میں پاکستان میں "قرارداد مقاصد" منظور ہوئی، آئین میں یہ بات طے کر دی گئی کہ عوام کے منتخب نمایندے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے دائرے میں رہتے ہوئے اس ملک کا نظام چلائیں گے۔ اس قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دے دیا گیا۔ اس کے ساتھ اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے ذمے ملک میں رائج قوانین کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کا کام سونپا گیا، ان تمام کامیابیوں اور جدوجہد کے باوجود اسلام پسند پاکستان میں مکمل اسلامی قوانین کا نفاذ کرنے میں ناکام رہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ پاکستان میں اسلامائزیشن کے عمل میں ناکامی کی بڑی وجہ خود اسلام پسندوں کے رویے ہیں۔ اسلام پسندوں کے مزاج میں دن بدن تشدد، تعصب اور نفرت شامل ہورہا ہے۔ مسلک، فرقے اور نظریے کا اختلاف خلاف اور نزاع، تصادم و ٹکراؤ اور جنگ و جدل کی صورت اختیار کرچکا ہے۔ برداشت و

رواداری دم توڑ چکے ہیں۔ ایک عرصے سے ہر فورم پر اسلام پسندوں کے "اقدامات" موضوع بحث ہیں، جس سے یقیناً اسلام پسندوں کے بارے میں قوم پر منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں اور قوم بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوئی ہے۔ اسلام پسندوں کی تصادم و ٹکراؤ پسندانہ سوچ نے خود ان کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اسلام پسندوں کا المیہ یہ ہے کہ ہر ایک اپنے دائرے میں مگن ہے اور اس نے اپنے گرد خود ساختہ حساسیت کے دائرے کھینچ رکھے ہیں۔ تمام مذہبی گروہوں پر فقہی تعصبات کا غلبہ ہے۔ ایسے مسائل جن کی حیثیت راجح و مرجوح سے زیادہ نہیں، ان پر دسیوں آرا پائی جاتی ہیں، جن پر دلائل کا انبار اور جواب الجواب کی لامحدود تفصیلات بھی عام دستیاب ہیں۔ جبکہ معاشرے کو درپیش مسائل معاشرت و سیاست اور تعلیم و صحافت کے موضوع پر اسلامی نقطہ نظر کی ترجمانی اور جدید معاشرے میں درپیش مسائل پر اسلام کا موقف اکثر و بیشتر بے توجہی کا شکار ہے اور اسلام پسندوں کی جانب سے اس سلسلے میں معاشرے کی رہنمائی کا فرض ادا نہیں کیا جارہا۔ اسلام پسندوں کے معاشرے کو مایوس کرنے والے یہی رویے ان کی ناکامی کا سبب بنتے ہیں۔ اسی لیے سیکولرز کے نزدیک اختلافات کا مزاج رکھنے والے اسلام پسند ریاست کو ٹھیک طور پر چلانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ علمائ، مساجد اور عوام تقسیم ہیں، اسلامی قوانین کے نفاذ کی صورت میں فقہی اختلافات کو فروغ حاصل ہوتا ہے، جو کسی طرح بھی معاشرے کے لیے مفید نہیں اور سیکولرازم ہی تمام مذاہب، رنگ و نسل، فرقے اور طبقات کو مساوی درجہ

دیتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ قوم اسلام سے فطری محبت کی بنا پر سیکولرازم کا نفاذ نہیں چاہتی، لیکن دوسری جانب اسلام پسندوں کی اکثریت کے تعصب آمیز رویوں سے بھی مایوس بیچ چوراہے پر کھڑی بیچ کا راستہ تلاش کر رہی ہے۔ ان حالات میں اس ملک میں موجود اسلام پسند اور سیکولر کی تقسیم کو ختم کرنا تو ممکن نہیں، کیونکہ انسان کا مختلف الخیال ہونا ایک فطری امر ہے۔ معاشرہ مختلف الخیال لوگوں سے ہی مل کر تشکیل پاتا ہے، لیکن اگر دونوں طبقے چاہیں تو اس فکری انتشار کو کم از کم اس حد تک محدود کر سکتے ہیں، جو ملک و قوم کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔ موجودہ انتشار ملک و قوم کے لیے انتہائی نقصان کا باعث بن رہا ہے، کیونکہ فریقین ضد میں ایک دوسرے کی ایسے امور میں بھی مخالفت کرتے ہیں جن کو ماننے سے کسی کے نظریاتی تشخص کو کوئی نقصان نہیں ہوتا، لیکن ملک ضرور نقصان سے دوچار ہوتا ہے۔ اس وقت ہمارا معاشرہ تصادم کی صورتحال سے دوچار ہے، جس سے نجات کا ایک ہی حل ہے کہ فریقین ضد میں آکر فریق مخالف کی ہر بات کی مخالفت کرنے کے رویے کو ترک کرکے اپنے اختلافات کو صرف مکالمے تک محدود رکھیں، کیونکہ ملک میں اسلام پسندوں اور سیکولر طبقے کو مشترکہ طور پر بھی بہت سے ملکی مسائل درپیش ہیں، جن سے مل جل کر ہی نمٹا جاسکتا ہے۔

نوجوانوں میں شیشہ نوشی کا بڑھتا رجحان

نوجوانوں میں شیشہ نوشی کا بڑھتا رجحان.... متعلقہ ادارے خاموش

پاکستان میں شیشہ کیفوں کی تعداد میں دن بدن ہوشربا اضافہ ہورہا ہے جس میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں دیدہ دلیری کے ساتھ شیشے کا استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔ ملک میں شیشے کی روک تھام کے لیے عدالت کی جانب سے حکم دیا جاتا رہا ہے، لیکن تاحال ان احکامات پر عمل نہیں ہوسکا ہے۔ گزشتہ روز عدالت عظمیٰ نے "عوامی مقامات پر کھلے عام تمباکو نوشی اور جگہ جگہ شیشہ سینٹرز کھولنے" کے خلاف ازخود نوٹس کیس کی سماعت کے دوران وفاقی حکومت سے شیشہ نوشی میں استعمال ہونے والی غیر ملکی مصنوعات کی درآمدات کے حوالہ سے رپورٹ طلب کرتے ہوئے ہدایت کی ہے کہ شیشہ نوشی کے خلاف ذرائع ابلاغ پر عوامی آگاہی مہم چلائی جائے۔ حکومت ملک بھر میں عوامی مقامات پر تمباکو اور شیشہ نوشی کے خلاف مناسب اشتہار بازی کرے تاکہ نوجوان نسل کو اس کے مضر اثرات سے محفوظ رکھا جاسکے۔ صوبہ خیبر پی کے کے وکیل نے عدالت کو بتایا کہ صوبائی حکومت نے شیشہ نوشی کے خلاف مجوزہ بل تیار کر لیا ہے، انہوں نے کہا کہ شیشہ میں شراب اور چرس کا استعمال کیا جارہا ہے، پنجاب، سندھ اور بلوچستان کی

حکومتوں کی جانب سے بتایا گیا کہ شیشہ نوشی پر پابندی کے حوالہ سے بل کابینہ نے منظور کر لیے ہیں، جو منظوری کے لیے اپنی اپنی اسمبلیوں میں پیش کیے جارہے ہیں۔ لاہور، اسلام آباد، کراچی اور ملک کے دیگر شہروں میں کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں شام ہوتے ہی ہوٹلوں اور ریستوران میں نوجوانوں کا رش لگ جاتا ہے۔ ہفتہ اور اتوار کو اس رش میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے جو یہاں شیشہ نوشی کے لیے آتے ہیں۔ان شیشہ کیفوں کے خلاف جب بھی پولیس کارروائی کرتی ہے تو بااثر شخصیات کے کیفوں پر روٹین کا دورہ کر کے واپس آ جاتی ہے، لیکن نہ تو وہاں سے کسی کو گرفتار کیا جاتا ہے اور نہ ہی کوئی مقدمہ درج کیا جاتا ہے، بلکہ کیفے کی انتظامیہ کو ہوشیار رہنے کا کہہ دیا جاتا ہے، جس پر شیشہ کیفوں کے مالکان وقتی طور پر کیفے کے عقب میں واقع کھلی جگہوں، خفیہ کمروں یا چھتوں پر شیشے کو منتقل کر دیتے ہیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اس قسم کے دھندوں کا پولیس کی معاونت کے بغیر چلنا ممکن ہی نہیں ہے۔ بعض شیشہ کیفے مالکان اس بات کی تصدیق بھی کر چکے ہیں کہ انہوں نے پولیس کے ساتھ ماہانہ رقم طے کی ہوتی ہے، جس کی ادائیگی کے بعد مالکان پولیس کی جانب سے بے خوف وخطر آزادی کے ساتھ کیفے چلاتے ہیں۔ شیشہ کیفے کے مالکان میں بڑی بڑی فیشن ماڈلز، سنگرز، نامور بینڈز کے مالکان اور دیگر بااثر شخصیات شامل ہیں۔ شیشہ کیفوں کے علاوہ کچھ ہوٹل و ریسٹورنٹس نے بھی شیشہ لابی بنائی ہوئی ہے، جہاں چرس، افیون اور کوکین جیسے فلیورز کے ساتھ شیشہ میسر ہے۔ ان میں سب سے

زیادہ مہنگا نشہ کوکین ہے، جو دس ہزار کے قریب فی گرام ملتا ہے۔ پوش علاقوں کے تھانوں کے پولیس افسران کا کہنا ہے کہ شیشہ کیفوں میں چرس، افیون اور کوکین کا استعمال روکنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے، کیونکہ ان کے مالکان اس قدر بااثر ہیں کہ اگر کارروائی کی جائے تو ان کے بڑے بڑے سفارشی سامنے آنے پر ہم حیران رہ جاتے ہیں اور ہماری جرات نہیں ہوتی کہ ان سفارشیوں کے خلاف جا سکیں۔ اگر کوئی ہمت دکھانے کی کوشش کرتا ہے تو اسے معطل یا تبدیل ہو کر پولیس لائن میں وقت گزارنا پڑتا ہے۔ اسی لیے گزشتہ سال بھی سپریم کورٹ آف پاکستان نے چاروں صوبائی حکومتوں کو شیشہ کیفوں کے خلاف فوری کریک ڈاؤن کرنے کا حکم جاری کرتے ہوئے کہا تھا کہ متعدد شیشہ کیفوں میں منشیات بھی فروخت کی جارہی ہے ں، لیکن انتظامیہ ان کے خلاف کارروائی کرنے سے گریزاں ہے۔ ماضی میں عدالت کے حکم کے بعد پولیس نے کئی شہروں میں کریک ڈاؤن کرکے متعدد افراد کو حراست میں لیا تھا اور بعض شیشہ کیفے بند بھی کیے تھے، لیکن لے دے کر نہ صرف گرفتار کیے گئے افراد کو چھوڑ دیا گیا، بلکہ بند کیے گئے تمام شیشہ کیفے بھی دوبارہ کھول دیے گئے ہیں اور آج ملک کے مختلف شہروں میں جگہ جگہ شیشے کی کھلے عام فروخت ہو رہی ہے۔

شیشہ حقے کی ہی ایک قسم ہے، جس کا آغاز سترہویں صدی عیسویں میں مصر سے ہوا اور آہستہ آہستہ پوری دنیا میں پھیل گیا، شیشہ میں خوشبودار تمباکو استعمال

کیا جاتا ہے، جس سے کئی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ دنیا بھر میں ہر سال 54 لاکھ افراد تمباکو نوشی سے ہلاک ہوجاتے ہیں۔ روزانہ 272 اموات اور پانچ ہزار مریض تمباکو نوشی کے مطابق پاکستان (W.H.O) کی وجہ سے ہسپتال جاتے ہیں۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن میں 20 سے 25 ملین افراد تمباکو نوشی کرتے ہیں، جن میں 36 فیصد لڑکے اور 9 فیصد لڑکیاں شامل ہیں۔ پاکستان میں ہر سال 8ہزار افراد تمباکو نوشی کرنے کی وجہ سے بے شمار بیماریوں کا شکار ہو کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ پاکستان میں قانون کے مطابق 16 سال سے کم عمر نوجوان کو سگریٹ فروخت کرنے پر پابندی عاید ہے۔ آج ہمارا ملک اس قانون کے اطلاق سے محروم نظر آتا ہے اور کم عمر لڑکے اور لڑکیاں تفریحی مقامات، کالجوں، جامعات اور سڑکوں پر کھلے عام اسموکنگ کرتے نظر آتے ہیں۔ آج ہماری نوجوان نسل نے شیشے کو فیشن کے طور پر اپنالیا ہے، کیونکہ وہ اس کے نقصانات سے لاعلم ہیں، اسی لاشعوری ہی کی وجہ سے آج ہماری نئی نسل اپنی زندگیوں کو اپنے ہاتھوں تباہ کر رہی ہے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ شیشہ نوشی سگریٹ نوشی سے کئی گنا زیادہ نقصان دہ ہے، ایک گھنٹہ سادہ شیشہ نوشی کرنا دو سو سگریٹ پینے کے برابر ہے اور اگر شیشے میں چرس و افیون وغیرہ ملائی جائے تو اس کا نقصان مزید بڑھ جاتا ہے۔ شیشہ نوشی سے سانس لینے میں تکلیف، پھیپھڑوں کا کینسر، دل کی بیماریاں، دمہ، خوراک کی نالی کا کینسر اور نمونیہ جیسی بیماریاں لاحق ہوجاتی ہیں۔ عالمی ادارہ برائے صحت کی رپورٹ کے مطابق شیشہ پھیپھڑوں کے

کینسر، غذائی نالی اوسوفیگس کی خرابی، گیسٹرک اور پیشاب کی بیماریوں کا بھی باعث بنتا ہے۔ نوجوانوں کے لیے شیشہ پر کشش اس لیے ہے کہ اس میں مختلف فلیورز ملائے جاتے ہیں جو روایتی سگریٹ پینے کے مقابلے میں زیادہ ذائقہ دار ہوتے ہیں، لیکن اس کے مقابلے میں شیشے کی بدولت نیکوٹین، چارکول، ٹوکسن اور دیگر زہریلے اجزا انسانی جسم میں داخل ہو کر اسے کہیں کا نہیں چھوڑتے جس کے نتیجے میں کئی قسم کی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔پروفیسر جاوید احمد خان آغا خان یونیورسٹی میں شعبہ ادویات کے سربراہ اور پھیپھڑوں کے امراض کے ماہر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صرف کاربن مونو آکسائیڈ ہی جسم میں آکسیجن کو جلا کر اہم اعضا میں سما جاتی ہے جس سے دل کی بیماریاں، پھیپھڑوں کا سرطان اور مختلف سانس کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، جو انسانی صحت کے لیے انتہائی خطرناک ہیں۔

قانون میں درج ہے کہ کسی بھی تعلیمی درسگاہ، اسکول، کالج، یونیورسٹی کے پانچ سو میٹر تک کوئی شیشہ کیفے نہیں کھل سکتا، لیکن سروے کے مطابق اس کے باوجود ساٹھ فیصد شیشہ کیفے تعلیمی اداروں کے قریب ہیں اور اس نشہ کا استعمال کرنے والوں میں زیادہ تر تعداد نوجوان طلبہ و طالبات کی ہے، جو بڑے، مہنگے اور اچھے اداروں میں زیر تعلیم ہیں۔ شیشہ کے استعمال کرنے والوں کی اکثریت 15 سے 18 سال تک کی عمر والے نوجوانوں کی ہے، جو فیشن کے طور پر شیشہ کیفے میں دیدہ دلیری سے جاتے ہیں۔ شیشہ کیفے مالکان کا کہنا ہے کہ

زیادہ تر اسٹوڈنٹس آتے ہیں، وہ جس قسم کے فلیورز ملانے کی ڈیمانڈ کرتے ہیں، ہم اسے پورا کرتے ہیں۔ اس کے فلیورز میں شراب، چرس، گانجا، گٹکا، مکس کیا جاتا ہے۔ تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ شیشہ دوسری نشہ آور اشیا کی طرف پہلا قدم ہے۔ جو لوگ شیشہ پیتے ہیں ان میں تمباکو کی دوسری اقسام کے استعمال کی شرح بڑھ جاتی ہے اس لیے سنجیدگی سے اس مسئلہ کو توجہ دینے کی ضرورت ہے، کیوں کہ اگر ہم نے اسے نہ روکا تو اس کے اثرات اگلے دس بیس سالوں میں سرطان، سانس اور دل کی بیماریوں میں اضافے کی صورت میں نمایاں ہوں گے۔ پاکستان میں تمباکو کے استعمال کو برا تصور کیا جاتا ہے، لیکن شیشہ کی صورت میں تمباکو کو ملنے والی سماجی قبولیت ماہرین صحتِ و سماجیات سمیت ہر ذمہ دار فرد کے لیے پریشان کن ہے۔ مسلم اور مشرقی معاشروں میں خواتین کا سگریٹ پینا اچھا نہیں سمجھا جاتا، لیکن جب سے شیشہ آیا ہے خواتین میں بھی اس کا استعمال بڑھ رہا ہے۔ ایک سروے کے مطابق تین سال قبل ملک میں مردوں میں شیشہ نوشی کا تناسب 43 فیصد اور لڑکیوں میں گیارہ فیصد تھا۔ اگر اب یہ سروے کیا جائے تو یہ تناسب کہیں زیادہ ہوگا، جو انتہائی خطرناک بات ہے۔

سول سوسائٹی کا کہنا ہے کہ امتناع سگریٹ نوشی آرڈیننس 2002ء کے تحت شارع عام اور ہوٹل و کلبوں میں سگریٹ نوشی و شیشہ بار کھولنے کی سخت ممانعت ہے۔ فحاشی، عریانی اور بے راہ روی پھیلانے والے اور نوجوان نسل کے مستقبل کو

تباہ کرنے والے شیشہ کیفوں کے خلاف سخت کریک ڈاون کیا جانا چاہیے۔ شیشہ کیفے اور شیشہ بار ایک طرف تو انسانی صحت کی تباہی کا موجب بن رہے ہیں اور دوسری طرف بے راہ روی اور اخلاقی گراوٹ میں نوجوانوں کو مبتلا کر رہے ہیں۔ ایسے کیفوں سے نوجوانوں میں منشیات کا رجحان بڑھ رہا ہے اور وہ ذہنی طور پر مفلوج ہو رہے ہیں۔ شیشہ کیفوں کے خلاف بلا تفریق کارروائی کرکے ایسے گھناو نے کاروبار سے منسلک افراد کے خلاف مقدمات قائم کرکے شیشہ کیفوں کو فی الفور بند کیا جائے، جبکہ معاشرے میں شیشہ نوشی کی روک تھام کے لیے مہم چلانے کی بھی ضرورت ہے۔ شیشہ نوشی کے تلخ حقائق سے آگاہ کرنے کے لیے اسکولوں، کالجوں اور جامعات میں اس لعنت سے متعلق سیمینار منعقد کروائے جائیں۔ الیکٹرانک میڈیا کا فرض بنتا ہے کہ اس سے لاحق نقصانات سے متعلق شعوری پروگرامز نشر کرائے۔ مناسب حکومتی اقدامات نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں شیشہ نوشی کی وبا دن بہ دن بڑھ رہی ہے۔ حکومتی اقدامات کے ساتھ ساتھ اس مسئلے کے حل کے لیے انفرادی کوششوں کی بھی ضرورت ہے۔ سگریٹ اور شیشہ پینے سے نہ صرف پینے والا شخص متاثر ہوتا ہے بلکہ دوسرے قریبی لوگ بھی شدید متاثر ہوتے ہیں، سگریٹ اور شیشے سے نکلنے والا دھواں ماحول کو آلودہ کر رہا ہے، جس سے تازہ ہوا میں دن بہ دن کمی واقع ہو رہی ہے۔ حکومت بیرونی فضائی آلودگی پر تو کام کر رہی ہے، لیکن اندرونی فضائی آلودگی کس حد تک سنگین ہے اس کا اسے اندازہ نہیں۔ ایک تحقیق کے مطابق کراچی، لاہور، اسلام

آباد اور راولپنڈی کے ریستورانوں میں تمباکو کے دھویں سے پیدا ہونے والی آلودگی کو ایک مشین کے ذریعے جانچا گیا۔ جن ہوٹلوں میں شیشہ پیا جا رہا تھا، وہاں آلودگی کی سطح عالمی ادارہ صحت کی 2.5 کی حد سے کئی ہزار گنا زیادہ تھی۔

احتساب آخر کب ہوگا؟

کچھ نعرے ایسے ہیں جن کو سنتے سنتے برسوں بیت گئے، لیکن نہ تو وہ نعرے تبدیل ہوئے اور نہ شرمندہ تعبیر ہوئے، بلکہ ان نعروں کا مقصد ہی صرف سیاسی درجہ حرارت کو بڑھانا ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک نعرہ کرپشن کے خاتمے اور بلا تفریق احتساب کا نعرہ ہے، جس کو ہم میں سے ہر فرد نے ضرور سنا ہوگا، لیکن ان نعروں پر آج تک عمل نہیں ہو سکا ہے۔ بااثر افراد سالوں بعد بھی پوری آزادی کے ساتھ کرپشن کر رہے ہیں، لیکن کسی کا احتساب نہیں ہو سکا، اگر کسی کے خلاف کوئی کیس دائر ہوا بھی ہے تو اس کیس کی فائلوں پر گرد اٹی پڑی ہے۔ ملک میں ایک بار پھر احتساب احتساب کی صدا گونج رہی ہے۔ ہر کوئی دوسرے کے احتساب کا مطالبہ کر رہا ہے۔ پانامہ لیکس کے معاملے میں سب سے زیادہ ملک کے وزیر اعظم میاں نواز شریف کے احتساب کی دہائی دی جا رہی ہے۔ وزیر اعظم کہتے ہیں کہ سب کا احتساب ہونا چاہیے۔ جبکہ پی ٹی آئی کے سربراہ عمران خان سمیت پوری اپوزیشن کا کہنا ہے کہ میاں نواز شریف ملک کے وزیر اعظم ہیں، اس لیے سب سے پہلے ان کا احتساب ہونا چاہیے۔ اپوزیشن جماعتیں مشترکہ اجلاس میں وزیر اعظم کے خاندان سے احتساب کے آغاز پر اتفاق کر چکی ہیں۔ آرمی چیف کے بلا تفریق احتساب کے اعلان اور بعض افسران کی معطلی کے بعد سے تو نہ

صرف سیاست دانوں پر احتساب کے حوالے سے دباؤ ں بڑھ گیا ہے، بلکہ ملک میں ہر جانب سے احتساب احتساب کے شور میں مزید اضافہ بھی ہوگیا ہے۔

ملک میں احتساب کا نعرہ آج سے نہیں بلکہ برسوں سے لگایا جارہا ہے، لیکن قیام پاکستان کے بعد سے آج تک وہ احتساب نہیں ہو سکا جو بیک وقت کڑا اور کھرا ہو، کیونکہ ہر کوئی دوسرے کا احتساب کرنے پر تلا ہوا ہے اور خود کو احتساب کے لیے پیش کرنے کو تیار ہی نہیں ہوتا ہے۔ پاکستان میں احتساب کے سب قوانین موجود ہیں، لیکن ان پر عملی نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ جو بھی شخص چاہے کتنا ہی بااثر کیوں نہ ہو، اگر اس نے ملک کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچایا ہو، ملک و قوم کی دولت میں خیانت کی ہو اور ٹیکس چوری کی ہو تو اس کا احتساب ضرور ہونا چاہیے اور احتساب کا عمل اسی وقت کامیاب ہوتا ہے، اگر اس کی ابتدا اپنی ذات سے ہو، سب سے پہلے خود کو احتساب کے لیے پیش کیا جائے۔ اگرچہ خود احتسابی کا عمل اپنے آپ سے شروع ہو کر اپنے آپ پر ختم ہونے والا عمل ہے، لیکن جب ہر شخص خود کو احتساب کے لیے پیش کرتا ہے تو اس عمل سے پیدا ہونے والے نتائج و ثمرات کا دائرہ اپنی ذات اور اپنے گھر سے ہوتا ہوا پورے معاشرے تک وسعت اختیار کرتا چلا جاتا ہے، لیکن ملک میں جب بھی احتساب کا نعرہ لگتا ہے تو اس کا مطلب دوسروں کا احتساب، گزرے لوگوں کا احتساب، مخالفین کا احتساب ہوتا ہے، جسے یوں کہا جاسکتا ہے کہ احتساب صرف وہی ہے جو

صرف دوسروں کا ہو اور سب کے احتساب کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ میرے سوا سب کا احتساب ہونا چاہیے۔ اسی رویے کی وجہ سے آج تک ملک و قوم کی دولت لوٹنے والوں کے ہاتھ روکا جاسکا ہے اور نہ ہی ملکی دولت کو ہتھیانے والوں کا احتساب ہو سکا۔

اس وقت حقیقی احتساب، کڑے احتساب، سب کے احتساب، بروقت اور شفاف احتساب کی اشد ضرورت ہے۔ اگر یہ ہو سکتا ہے تو فوری کیا جائے، ورنہ ماضی کی طرح ایک بار پھر عوام تو بے وقوف بننے کے لیے تیار بیٹھے ہی ہیں۔

افسوس ہے کہ ہمارے ہاں کچھ عرصے کے بعد احتساب کی گونج تو سنائی دیتی ہے اور تمام اداروں میں احتساب کرنے کی بات بھی کی جاتی ہے، لیکن کچھ عرصے کے بعد بڑے بڑے لوگ اپنے مفادات کی خاطر خود ہی مل جل کر احتساب کی تحریک کو ختم کر دیتے ہیں، کیونکہ سب کو اپنے احتساب کی فکر لاحق ہو جاتی ہے اور کچھ عرصے کے بعد احتساب کے عمل کو سب بھول جاتے ہیں اور یوں ہمیشہ احتساب کا عمل سوالیہ نشان بن جاتا ہے۔

ملک کا کوئی بھی شعبہ ہو یا ادارہ اگر احتساب کا عمل خود ایک سوالیہ نشان بن جائے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ احتساب کا عمل تب ہی مکمل ہو سکتا ہے جب احتساب شفاف طریقے سے اور ذاتی مفاد سے بالاتر ہو۔ پاکستان کی بدقسمتی رہی ہے کہ احتساب کا عمل کبھی بھی شفاف نہیں رہا۔ ہمیشہ احتساب کا عمل حکمرانوں اور سیاست دانوں کے آپسی مفادات کی نذر

ہو جاتا ہے۔ ہر دور میں احتساب کے عمل کو حکومت وقت اور طاقت کے حامل اداروں نے اپنی دھاک جمانے کے لیے استعمال کیا۔ ملک میں جب بھی احتساب کا نعرہ لگتا ہے تو اس وقت بھی سیاست دان آپ کے مفادات کو سامنے رکھ کر ایک دوسرے کو بچا لیتے ہیں، اگر کوئی غریب اور کمزور سی کوئی غلطی ہو جائے تو اس کو تو فوراً سزا سنا دے دی جاتی ہے، جبکہ بااثر طبقہ قومی دولت سے اربوں کھربوں روپوں کی کرپشن بھی کر لے تو اس کا کوئی کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ ملکی تاریخ میں ایسے بیسویں نہیں، بلکہ ہزاروں واقعات پیش آئے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں قانون صرف کتابوں کی حد تک محفوظ ہے اور صرف غریبوں کے لیے ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ یہاں جس کا جس حیثیت میں بس چلا اس نے دونوں ہاتھوں سے ملک کو لوٹا، لیکن دیا کچھ نہیں ہے اور جب ملک کو لوٹنے والوں کے احتساب کی بات کی جاتی ہے تو سب کی انگلیاں دوسروں کی جانب اٹھنا شروع ہو جاتی ہیں، خود کو احتساب کے لیے پیش کرنے کو کوئی بھی تیار نہیں ہوتا۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دنیا میں وہی اقوام بلند مراتب حاصل کرتی ہیں، جن میں شفاف احتساب کا عمل جاری رہتا ہے۔ جن معاشروں میں احتساب کا عمل ختم ہو جاتا ہے تو پھر وہاں لاقانونیت، افراتفری، بدامنی، بے ضابطگی، بے قاعدگی، بد عنوانی اور انارکی فروغ پاتی ہے۔ ہمارے زوال کے اسباب میں سے ایک بڑا اور اہم سبب بھی احتساب سے دوری ہے۔ احتساب صرف اداروں

سیاستدانوں اور کچھ افراد کا ہی نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ہر شخص کو انفرادی طور پر بھی اپنا احتساب کرنا چاہیے، کیونکہ خود احتسابی ہر فرد کا دینی، قومی، اخلاقی، سیاسی اور سماجی فریضہ ہے، اس ضمن میں کسی کو استثنیٰ حاصل نہیں ہے۔ عام شہری سے اعلیٰ منتخب حکمران، ماتحت عدالت کے اہل کاروں سے عدالت عظمیٰ کے جج صاحبان، سیاسی جماعت کے گلی کوچے کے کارکن سے پارٹی کے سربراہ تک سب کو اپنا احتساب کرنا چاہیے۔ بحیثیت مجموعی ہم میں سے کوئی بھی نہ تو خود کو اپنے احتساب کے لیے پیش کرنے کے لیے تیار ہے اور نہ ہی خود اپنا احتساب کرتا ہے۔ خود احتسابی دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ایک ہے، کیونکہ انسان اپنی فطرت کے مطابق خود کو خامیوں سے پاک سمجھتے ہوئے تمام غلطیوں کا ذمے دار دوسروں کو ٹھہراتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں وہی دیانت دار ہیں، جو بے اختیار ہیں، جبکہ باقی اکثریت کا جہاں جتنا بس چلتا ہے، کرپشن کرتا ہے، جن کا احتساب ضروری ہے، چاہے وہ کتنا ہی بااثر ہو اور کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتا ہو۔

بلوچستان میں بدعنوانی کی بہتی گنگا

پاکستان میں روز بدعنوانی کی کوئی نئی داستان سامنے آتی ہے۔ گزشتہ کئی روز سے پاکستانی میڈیا پر پاناما لیکس کی خبریں زینت بن رہی ہیں، لیکن ابھی تک پاکستان میں اس معاملے میں شور شرابے اور ایک دوسرے پر الزامات کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا، جبکہ گزشتہ روز پاناما لیکس کے ذریعے ٹیکس چوری اور بدعنوانی کرنے والے مزید کئی چہرے بے نقاب ہوگئے ہیں۔ پاناما لیکس تو آف شور کمپنیز کے ذریعے بدعنوانی کی داستان ہے، جبکہ گزشتہ دنوں بلوچستان میں سامنے آنے والی کرپشن کی عجب کہانی نے سب کو ششدر کردیا ہے، کیونکہ بلوچستان میں قومی خزانے کی حفاظت پر مامور آفیسر نے ہی خزانے کو لوٹ کر گھر میں دولت کے انبار لگا رکھے تھے۔ نیشنل اکاؤنٹیبلٹی بیورو (نیب) نے چھاپہ مار کر بلوچستان کے سیکرٹری خزانہ مشتاق رئیسانی کے گھر سے 70 کروڑ روپے کی نقدی اور کروڑوں روپے مالیت کے زیورات اور پرائز بانڈز برآمد کیے۔ مشتاق رئیسانی کے گھر سے برآمد ہونے والی رقم میں غیر ملکی کرنسی بھی شامل ہے۔ ان کے گھر سے کرنسی سے بھرے 14 بیگ برآمد کیے گئے، جبکہ کرنسی اور بانڈز گننے میں نیب حکام کو 12 گھنٹے لگے۔ نیب نے کرنسی گننے کے لیے تین مشینیں منگوائیں۔ مشتاق رئیسانی پر ایک ارب روپے کی بدعنوانی کا الزام ہے۔ بلوچستان کے سیکرٹری خزانہ مشتاق رئیسانی نے نیب کی تفتیش کے

دوران اعتراف کیا ہے کہ برآمد ہونے والی رقم کرپشن سے حاصل کی گئی۔ مشتاق رئیسانی نے کرپشن سے حاصل کردہ رقم کا اعتراف کرتے ہوئے کرپشن میں مدد کرنے والے 11 افسران کے نام بھی بتا دیے ہیں، جن میں لوکل گورنمنٹ کے متعدد ملازمین اور دیگر افراد شامل ہیں۔ ذرائع کے مطابق گرفتار سیکرٹری خزانہ مشتاق رئیسانی کو گرفتار کرکے رقم برآمد نہ کی جاتی تو ملزم نے یہ ساری رقم ہنڈی کے ذریعے ہفتہ کو دوبئ منتقل کرنے کا بندوبست کر رکھا تھا۔ ڈائریکٹر جنرل نیب بلوچستان طارق محمود کا کہنا تھا کہ مشتاق رئیسانی کا کیس پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا کیس ہے، جس میں ان سے 65 کروڑ 18 لاکھ روپے، 15 ہزار پاؤنڈ اور ہزاروں ڈالرز سمیت 5 کروڑ کے بانڈ بھی پکڑے گئے ہیں، جو ہنڈی کے ذریعے باہر بھجوائے جانے تھے۔

بلوچستان کے سیکرٹری خزانہ کی کرپشن کا منظر عام پر آنا تو صرف ایک واقعہ ہے، ورنہ ملک کے سب سے بڑے اور پسیماندہ صوبے بلوچستان میں تو لوٹ سیل لگی ہوئی ہے۔ سیکرٹری خزانہ کی گرفتاری کے علاوہ گزشتہ روز نیب بلوچستان نے بلوچستان پبلک سروس کمشن کے سابق چیئرمین اشرف مگسی اور 2 ڈائریکٹرز کو بھی کرپشن کے جرم میں گرفتار کیا ہے۔ اشرف مگسی پر کروڑوں کی کرپشن اور مختلف تعیناتیوں میں بے قاعدگیوں کے الزامات ہیں۔ اشرف مگسی 2011ء سے 2014ء تک بلوچستان پبلک سروس کمشن کے چیئرمین کے عہدے پر تعینات رہے۔ 2014ء میں کیس

سامنے آیا تھا کہ اشرف مگسی نے محکمہ تعلیم میں بھرتیوں میں بے قاعدگیاں بھی کی ہیں۔ جبکہ بلوچستان کے ضلع کوہلو میں لیویز کے پانچ سو گھوسٹ ملازمین کی موجودگی کا بھی انکشاف ہوا ہے، جنہیں تنخواہوں کی مد میں لاکھوں روپے ماہانہ ادا کیے جاتے ہیں۔ نیب بلوچستان گزشتہ سات سالوں کے درمیان ہونے والے 315 ارب روپے سے زاید کرپشن کے 150 میگا کیسز کی تحقیقات کر رہا ہے۔ کرپشن کیسسز میں 13 صوبائی وزرا سمیت سابق وزیراعلیٰ بلوچستان اسلم رئیسانی کے نام بھی شامل ہیں۔ اسلم رئیسانی کے خلاف نیب میں کرپشن کی تین انکوائریاں ہو رہی ہیں، جن میں سے ایک انکوائری خزانے کو دس کروڑ روپے کا نقصان پہنچانے کی ہے۔ اس کے علاوہ نیب کنٹونمنٹ بورڈ کوئٹہ کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر کے خلاف 40 کروڑ روپے کرپشن کیس کی بھی انکوائری کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بلوچستان میں سرکاری ملازمین کے خلاف کروڑوں روپے کی کرپشن کی تحقیقات ہو رہی ہے ں۔ ملک میں کرپشن کی ایسی داستانوں پر مشتمل فائلوں سے سرکاری دفاتر کی الماریاں بھری پڑی ہیں، مگر کرپشن کی ان غضب کہانیوں کے کسی بھی کردار کو آج تک احتساب کے سخت شکنجے میں نہیں جکڑا جاسکا اور ہر دور میں با اختیار لوگ اپنے محکموں کے متعلقہ افسران کے ساتھ ملی بھگت کرکے کروڑوں اربوں روپے کی کرپشن کرتے ہیں، قومی خزانے کی حفاظت پر مامور افسران اور مختلف محکموں کے سربراہان بھی کرپشن کے اس تالاب میں ڈبکیاں لگاتے اپنی سات نسلوں تک کا مستقبل سنوارتے رہے ہیں، جبکہ غریب عوام

کی فلاح کے کسی منصوبے کے لیے رقم جاری کرتے وقت انہیں سانپ سونگھ جاتا ہے۔ قومی خزانے پر مامور لوگوں کی لوٹ مار کی ایسی کہانیاں سن سن کر عوام کا سسٹم سے اعتماد اٹھتا جا رہا ہے۔

المیہ یہ ہے کہ کرپشن کی ہر کہانی کے منظر عام پر آنے کے بعد منتخب ایوانوں اور اقتدار کی راہداریوں میں کرپشن کی داستانوں کا حصہ بنے حکمران اشرافیہ طبقات سسٹم کو بچانے کے نام پر ایکا کیے کھڑے نظر آتے ہیں، جبکہ لوٹ مار کے اس عمل سے ہی قومی خزانہ خالی ہوتا ہے، بجٹ خسارہ بڑھتا ہے اور عوام کی ترقی و فلاح کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ بلوچستان میں ہونے والی کرپشن کو سامنے رکھتے ہوئے اس حقیقت کو سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ بلوچستان ترقی کیوں نہیں کر رہا؟ بلوچستان ملک کا پسماندہ ترین صوبہ ہے، یہاں غربت کی وجہ سے لوگوں کا معیار زندگی بہتر نہیں ہے۔ عوام ضروریات زندگی تک سے محروم ہیں۔ قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود بلوچستان کے عوام غربت، جہالت، بے روزگاری اور بدعنوانیوں و لاقانونیت کی لعنتوں کی وجہ سے شدید بے چینی کا شکار ہیں۔ بلوچستان ترقی سے کوسوں دور ہے، جس کی اس کے سوا اور کیا وجہ ہے کہ بااختیار طبقہ نہ صرف بلوچستان کو ترقی کرتا دیکھنا نہیں چاہتا، بلکہ قومی خزانے سے لوٹ مار کرکے خود ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن رہا ہے۔

بلوچستان میں سیکرٹری خزانہ اور دیگر افراد کی کرپشن کے میگا سکینڈلز

سامنے آنے کے بعد بلوچستان کی پسماندگی کی وجہ صاف طور پر سامنے آ جاتی ہیں، کیونکہ جب صوبے کی ترقی کے لیے استعمال کیا جانے والا پیسہ سیف ہاؤسز میں جائے گا اور کرپشن کی نذر ہو گا تو صوبہ کس طرح ترقی کر سکتا ہے؟ اگر ملک و قوم کا یہی پیسہ بلوچستان کی تعمیر و ترقی پر خرچ کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ صوبہ ترقی نہ کرے، لیکن یہاں جس کا جتنا بس چلتا ہے، وہ اتنی ہی کرپشن کرتا ہے۔

اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ ہمارے معاشرے میں وبا کی طرح پھیلے کرپشن کلچر نے ہی معاشرے کا توازن بگاڑا ہوا ہے۔ ملکی معیشت کی بنیادیں کمزور کی ہیں۔ انصاف اور میرٹ کا جنازہ نکالا ہے اور بے وسیلہ عام انسانوں کو عملاً زندہ درگور کیا ہے۔ اس سے زیادہ افسوسناک بات کیا ہوگی کہ لوٹ مار کے لیے قومی خزانے تک رسائی دینے والے اعلیٰ مناصب پر تعیناتیاں بھی کروڑوں روپے کی کرپشن کے صدقے کی جاتی ہیں، جس کے بعد کروڑوں روپے رشوت دے کر اعلیٰ مناصب حاصل کرنے والے اربوں روپے کی کرپشن کرنے کو اپنا حق سمجھتے ہیں، جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بلوچستان کے سیکرٹری خزانہ 20 یا 21 گریڈ کے افسر ہوں گے، جن کی تنخواہ کسی صورت بھی اتنی نہیں ہو سکتی کہ ان کے گھر سے 70 کروڑ روپے کی کرنسی اور کروڑوں کے طلائی زیورات اور بانڈز پر مشتمل 14 بیگ، گھر کی پانی کی ٹنکی، الماریوں، بیڈ کے نیچے اور

گاڑی کی ڈگی میں دولت ٹھونس ٹھونس کر رکھی جائے۔ یہ تو ایک کیس ہے، ورنہ یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے اور کروڑوں، اربوں اور کھربوں کی کرپشن کے تمام تر ثبوتوں کے باوجود نہ تو کسی کو سزا ہوتی ہے اور نہ ہی کسی کا احتساب ہوتا ہے۔ ہمیشہ احتساب احتساب کا شور مچایا جاتا ہے، لیکن بعد میں سب ملکی و قومی مفادات کو پس پشت ڈال کر اپنے مفادات کی خاطر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں اور کچھ روز کے بعد احتساب احتساب کی آواز مدھم ہوتی ہوتی ختم ہو جاتی ہے۔ ملک میں کئی دنوں سے پاناما لیکس کے معاملے میں ہونے والے شور شرابے سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ابھی تک بات صرف الزامات تک محدود ہے، نہ تو کسی کا احتساب شروع ہوا ہے اور نہ ہی کسی کو سزا ہوئی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ کچھ روز کے بعد یہ سارا معاملہ خود ہی ختم ہو جائے گا۔

حسینہ واجد کی بھارت نوازی.... محبان پاکستان نشانے پر!

بنگلا دیش میں بھارت کی شہ پر بنگال کی "حسینہ" نے متحدہ پاکستان کے حامیوں کو سولی پر چڑھانے کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ حسینہ واجد پاکستان سے محبت کے جرم میں اب تک کئی رہنماؤں کو پھانسیاں دے کر انتقام کا نشانہ بنا چکی ہے، لیکن نہ تو عالمی ادارے اس معاملے میں کوئی کردار ادا کر سکے ہیں اور نہ ہی حکومت پاکستان پھانسیاں رکوانے میں کامیاب ہو سکی ہے۔ مجیب کی بیٹی بلا دھڑک بنگلا دیش میں پاکستان کے نام لینے والوں کو چن چن کر تختہ دار پر چڑھا رہی ہے۔ پھانسی پر چڑھائے جانے والے رہنماؤں کا قصور صرف یہ ہے کہ انہوں نے تقسیم پاکستان سے پہلے مشرقی پاکستان کو بنگلا دیش بننے سے بچانے کی بھرپور کوشش کی تھی، حالانکہ بنگلا دیش بننے کے صرف تین سال بعد 9 اپریل 1974ء کو بنگلا دیش کے وزیرِ خارجہ ڈاکٹر کمال حسین، پاکستانی وزیرِ مملکت برائے امورِ خارجہ عزیز احمد اور بھارتی وزیرِ خارجہ سورن سنگھ نے دہلی میں سہ فریقی سمجھوتے پر دستخط کیے تھے، جس میں یہ طے پایا تھا کہ بنگلا دیش ماضی کی تلخیوں کو نظرانداز کرنے کے جذبے کے تحت پاکستانی فوجی افسروں پر انسانیت سوز جرائم کی پاداش میں جنگی جرائم کے ٹریبونل میں مقدمہ نہیں چلائے گا اور 1973ء میں اس مقصد کے لیے جو خصوصی ٹریبونل قائم کیا گیا ہے، وہ توڑ دیا جائے گا۔ اس موقع پر

بنگلا دیش کے اس وقت کے وزیرِ اعظم شیخ مجیب الرحمٰن نے کہا تھا کہ ان کی خواہش ہے لوگ ماضی کو فراموش کرتے ہوئے نئے دور کا آغاز کریں۔ بنگلادیش کے لوگ معاف کرنا جانتے ہیں۔ چنانچہ سہ فریقی سمجھوتے کے تحت جنگی قیدیوں کی پاکستان واپسی کی راہ ہموار ہو گئی اور یہ سمجھا گیا کہ جب جنگی جرائم کے محرکین کو معاف کر دیا گیا ہے تو اس رعایت کا اطلاق ان محرکین کے مقامی مددگاروں پر بھی ہوگا، جنہوں نے تقسیم پاکستان کے وقت بھارت کی سازشوں کو ناکام بنانے کی کوشش کر تھی۔ ان میں جماعتِ اسلامی اور اس کی ذیلی تنظیمیں البدر، الشمس کے رضاکار اور فوجی حمایت یافتہ مقامی تنظیم انصار کے کارکن شامل تھے، لیکن 1974ء میں پاکستان سے سمجھوتا کرنے والے مجیب کی بیٹی بھارت کی محبت اور پاکستان کی نفرت میں اس قدر اندھی ہوئی کہ اسے اپنے باپ کا کیا ہوا سمجھوتا بھی یاد نہیں رہا اور 1971ء میں پاکستان کو توڑنے والے پاکستان دشمن بھارت کی سازشوں کو ناکام بنانے کی کوشش کرنے والے تمام لوگوں کو غدار قرار دے دیا اور وطن پاکستان سے غداری کرکے ملک کو دولخت کرنے والوں کو محب وطن قرار دے دیا۔ حسینہ واجد نے محب پاکستان رہنماؤں کو سولی پر چڑھانے کے لیے بنگلا دیش میں 2010ء میں ایک متنازع خصوصی جنگی ٹریبونل بنایا، جس کو عالمی اداروں تک نے متنازع قرار دیا۔ اس ٹریبونل کے تحت حسینہ واجد نے محب وطن رہنماؤں کو پھانسیاں دینے کا سلسلہ شروع کیا اور 2013ء سے اب تک متنازع وار کرائمز ٹریبونل جماعت اسلامی کے جنرل سیکرٹری علی احسن محمد مجاہد،

نائب امیر قمر الزماں، میر قاسم علی، نائب سیکرٹری جنرل اظہر الاسلام، اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل عبدالقادر ملا اور امیرِ جماعت اسلامی مطیع الرحمٰن نظامی سمیت اپوزیشن کی ممتاز سیاسی شخصیات کو سزائے موت دے چکا ہے۔ جماعت کے واحد رہنما دلاور 13 حسین سعیدی کی سزائے موت عمر قید میں تبدیل کی گئی، جبکہ سابق امیر پروفیسر غلام اعظم کو 90 برس قید کی سزا سنائی گئی۔ ان کا انتقال اکتوبر 2014 میں 91 برس کی عمر میں جیل میں ہوا۔

اب پاکستان دشمن بنگال کی "حسینہ" نے بھارت کی ایما پر منگل کی شب پاکستان سے محبت کے جرم میں مطیع الرحمٰن نظامی کو بھی سولی پر چڑھا دیا ہے۔ مطیع الرحمٰن نظامی جماعت اسلامی بنگلا دیش کی ٹکٹ پر دو بار بنگلا دیشی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1991ء میں پارلیمنٹ ممبر بنے۔ 2001ء میں ان کو جماعت اسلامی کا امیر منتخب کیا گیا۔ 2001ء میں دوبارہ پارلیمنٹ کے ممبر بنے۔ 2003ء تک زراعت کے وزیر رہے، جبکہ 2003ء اور 2006ء تک انڈسٹری کے وزیر رہے۔ 4 مئی 2011ء کو ناکردہ جرائم کے الزام میں گرفتار کیے گئے اور 30 جنوری 2014 کو انہیں ایک متعصب ٹریبونل کی طرف سے ساتھیوں سمیت سزائے موت سنائی گئی، جبکہ 10 مئی 2016ء کو ڈھاکا میں ان کو 13 پھانسی دے دی گئی۔ حکومت کی طرف سے ان کو رحم کی اپیل کی پیشکش کی گئی لیکن انہوں نے کہا کہ اللہ کے سوا کسی سے رحم کی اپیل نہیں مانگتا، اگر اللہ نے میری شہادت قبول فرمالی تو اس سے بڑا

اعزاز اور سعادت کوئی نہیں ہے۔ وہ 1971ء میں جماعت اسلامی کی حامی طلبہ تنظیم سے منسلک تھے اور ان پر الزام تھا کہ انہوں نے البدر نامی ملیشیا کے کمانڈر کی حیثیت میں بھارت نواز علیحدگی پسند بنگالیوں کی نشاندہی کرنے میں پاکستانی فوج کی مدد کی تھی۔ مطیع الرحمٰن کی پھانسی بنگلا دیشی حکومت کا گڑے مردے اکھاڑنے اور ماضی کی تلخیوں کو ہوا دینے کے مترادف ہے، جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ جن الزامات کے تحت جناب مطیع الرحمٰن نظامی کو پھانسی کی سزا دی گئی وہ بے بنیاد ہی نہیں، غلط اور بے جواز بھی ہیں۔ 1971ء میں جب بھارت سازش کے تحت مکتی باہنی اور عوامی لیگ علیحدگی کی تحریک چلا رہی تھی تو جناب مطیع الرحمٰن نظامی اور ان کے ساتھیوں نے اپنے وطن، جو اس وقت مشرقی اور مغربی حصوں پر مبنی مشترکہ پاکستان تھا، اس کو بچانے کے لیے جو مناسب سمجھا کیا۔ بنگلا دیش کے نام نہاد، غیر قانونی اور غیر آئینی عدالتی ٹربیونل نے انہیں سزا سناتے ہوئے اس زمینی حقیقت کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا کہ جس دور کے اقدامات کی سزائیں ان لوگوں کو دی جا رہی ہیں، اس وقت بنگلا دیش ابھی بنا نہیں تھا، اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان لوگوں نے اپنے ملک سے غداری کی، وہ تو ایک غیر ملکی حملے کے خلاف اپنے ملک کا دفاع کر رہے تھے، جو غداری نہیں، بلکہ حب الوطنی ہے۔

علاوہ ازیں بنگلا عدالتی ٹربیونل کا فیصلہ 1971ء میں سقوط ڈھاکا کے بعد ذوالفقار علی بھٹو اور شیخ مجیب الرحمٰن کے مابین طے پانے والے معاہدے کی بھی خلاف ورزی ہے۔ اس حقیقت

سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ یہ سارا کھیل بھارت کا رچایا ہوا ہے۔ جناب مطیع الرحمٰن نظامی، عبدالقادر ملا، صلاح الدین چودھری اور علی احسن محمد مجاہد صاحب نے پاکستان کے ساتھ بھرپور وفاداری نبھائی ہے۔ ان کا جرم صرف یہ تھا کہ انہوں نے 71ء میں پاکستان سے علیحدگی کی تحریک کے دوران پاکستانی فوج کا ساتھ دیا اور متحدہ پاکستان کیلئے آواز اٹھائی تھی۔ قیام پاکستان کی جدوجہد میں تمام مسلمانوں نے مل جل کر جدوجہد کی۔ اس میں کسی شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں کہ بنگالیوں نے پاکستان بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ایک عظیم اسلامی مملکت وجود میں آئی، لیکن اسے دشمنوں نے دل سے قبول نہ کیا۔ اپنوں کے درمیان غلط فہمیاں پھیلانے سے لے کر جذبہ نفرت کو ابھار کر بھارتی افواج کی مدد سے "مکتی باہنی" کی تشکیل اور "بنگلا دیش" کے قیام تک کی ریشہ دوانیوں کی ایک المناک داستان تاریخ کے اوراق میں رقم ہے۔ بھارتی وزیراعظم نریندر مودی "آزادی" کی اس جنگ میں مکتی باہنی کے شانہ بشانہ لڑنے کا انعام واکرام موجودہ بنگلا دیشی حکومت سے پا چکے ہیں۔ "را" نے خود وہ پیپرز طشت از بام کیے ہیں، جن میں پاکستان کو توڑنے کی سازش درج ہے۔

پاکستان سے محبت کے جرم میں سزائے موت پانے والے جماعت اسلامی بنگلا دیش کے امیر مطیع الرحمٰن نظامی کی پھانسی پر پورا عالم اسلام رنجیدہ ہے۔ ترکی نے احتجاج کرتے ہوئے ڈھاکا میں تعینات اپنا سفیر واپس بلا لیا ہے اور امیر

جماعت اسلامی بنگلا دیش کی پھانسی پر شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ترکی کا کہنا تھا کہ بزرگ سیاستدان کو اتنی بڑی سزا دینا قابل مذمت ہے۔ اس قسم کے واقعات سے ہمارے بنگلا دیشی بھائیوں کے دلوں میں نفرت کی آگ بڑھے گی، جبکہ پاکستان نے اس معاملے کو عالمی سطح پر اٹھانے پر غور شروع کر دیا ہے۔ ترجمان دفتر خارجہ کا کہنا ہے کہ بنگلادیش میں امیر جماعت اسلامی کی پھانسی پر ہمیں شدید تشویش ہے اور اس معاملے پر پاکستان کا موقف کمزور نہیں ہے۔ ہم نے اس معاملے پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا اور بنگلا دیش کے قائم مقام سفیر کو دفتر خارجہ طلب کرکے احتجاج بھی ریکارڈ کرایا ہے۔ مطیع الرحمٰن نظامی کی پھانسی کے بعد بنگلا دیش میں شدید کشیدگی پیدا ہو گئی ہے اور جگہ جگہ مظاہرے بھی ہوئے ہیں، جبکہ پاکستان میں بھی کئی شہروں میں احتجاجی مظاہرے کیے گئے ہیں۔ قومی اور پنجاب اسمبلی نے متفقہ مذمتی قرار دادیں منظور کیں۔ دونوں ایوانوں میں کئی ارکان نے بنگلا دیش کے سفیر کو ملک بدر کرنے کا مطالبہ بھی کیا۔ وزیر داخلہ چودھری نثار نے بنگلا دیش میں مطیع الرحمٰن نظامی کو پھانسی دینے پر سخت رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ جماعت اسلامی کے رہنماؤں سے کیا جانے والا سلوک غیر انسانی اور بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی ہے، پوری دنیا اس معاملے پر خاموش ہے، ہمیں اس غیر انسانی پالیسی کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے۔ مطیع الرحمٰن نظامی کی شہادت کے واقعہ پر حکومت اور اپوزیشن کے جذبات یکساں پائے گئے۔ اگر بنگلادیش حکومت کی طرف سے سزائے

موت کے فیصلہ پر عمل درآمد سے قبل ہماری پارلیمنٹ متحرک ہو جاتی تو اس بات کا قوی امکان تھا بنگلا دیش کی حکومت سزائے موت پر عمل درآمد کا فیصلہ موخر کر دیتی۔

جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق نے وزیراعظم، چودھری نثار علی خان سمیت متعدد حکومتی عہدیداروں کا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ حکومتی عہدیدار تو ان دنوں پاناما لیکس معاملے پر اپنی صفائیاں دینے میں مشغول ہیں۔ اگرچہ چودھری نثار بنگلا دیش میں پاکستانیوں پر مظالم پر آواز بلند کرتے رہے ہیں، لیکن مطیع الرحمٰن نظامی کی پھانسی کے معاملے میں وہ کردار ادا نہ کرسکے۔ اب بھی وقت ہے چودھری نثار علی خان اس ایشو کو اٹھانے کی ذمہ داری قبول کرلیں تو بنگلا دیش میں مزید پاکستانیوں کا قتل عام رکوایا جاسکتا ہے، کیونکہ حسینہ واجد بھارت کے احکامات پر بنگلادیش میں موجود ہر ہر محب پاکستان کو اپنا دشمن تصور کرتی ہے اور انتقام کا نشانہ بنانا چاہتی ہے۔

یہ امر باعث تشویش ہے کہ دسمبر 2013ء سے جاری متنازعہ ٹرائل کے بعد سے اب تک مطیع الرحمٰن نظامی سمیت جتنے افراد کو سزائیں سنائی گئیں اور پھانسیاں دی گئیں، ٹربیونل نے اپنے فیصلوں میں بار بار پاکستان کا تذکرہ کرکے بے بنیاد الزامات عاید کیے ہیں، جو براہ راست دھمکیوں کے مترادف ہیں۔ متنازعہ خصوصی جنگی ٹربیونل کی یہ انتقامی سزائیں اس سہ فریقی معاہدے کی سنگین خلاف

ورزیاں ہیں جو 19 اپریل 1974ء کو پاکستان، بھارت اور بنگلا دیش کے درمیان ہوا تھا۔ ماضی میں متحدہ پاکستان کی حمایت کے لیے آواز اٹھانے اور اپنی فوج کا ساتھ دینے والے پاکستانیوں نے کسی آئین اور قانون کی خلاف ورزی نہیں کی، بلکہ اپنا فرض ادا کیا۔ حکومت پاکستان کو بنگلا دیش میں نام نہاد ٹریبونل کے ذریعے سیاسی مخالفین کو پھانسیاں دینے کے خلاف عالمی سطح پر آواز اٹھانی چاہیے۔ ماضی میں پاکستان کی محبت میں بنگلا دیش میں پھانسی کا پھندا چومنے والے شہدا کے حوالے سے پاکستان اور عالم اسلام کی خاموشی اور بے حسی افسوسناک ہے۔ حکومت کو بنگلا دیش میں 45 سال پرانے زخموں پر نمک چھڑکنے اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے خلاف اقوام متحدہ کے فورم پر انسانی حقوق و انصاف کی عالمی تنظیموں، او آئی سی کے ساتھ مل کر آواز اٹھانے اور موثر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ ماضی میں متحدہ پاکستان کی حمایت میں آواز اٹھانے والوں کا تحفظ یقینی بنایا جاسکے۔

وزیر اعظم کا پارلیمنٹ میں خطاب معاملہ گھمبیر ہوگیا

پیر کو وزیر اعظم محمد نواز شریف نے پارلیمنٹ کے سامنے پیش ہو کر اپنا موقف پیش کیا ہے، لیکن اپوزیشن نے وزیر اعظم سے جرح کرنے کی بجائے واک آؤٹ کرکے اپنا کیس کمزور کر دیا۔ عام تاثر تھا پیر کو اپوزیشن وزیر اعظم کو ٹف ٹائم دے گی اور وزیر اعظم محمد نواز شریف کی آمد پر ایوان میدان جنگ کی شکل اختیار کر سکتا ہے، لیکن کوئی بڑا ہنگامہ نہیں ہوا اور اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ کے کہنے پر تمام اپوزیشن جماعتوں نے واک آؤٹ کر دیا۔ قومی اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ کا کہنا تھا کہ وزیر اعظم کے خطاب سے معاملہ مزید پیچیدہ ہوگیا ہے۔ وزیر اعظم نے ہمارے 7 سوالوں کے جواب تو نہیں دیے، تاہم ان کے خطاب سے مزید 70 سوالات پیدا ہوگئے ہیں۔ وزیر اعظم کے پاس ہمارے 7 سوالوں کے جواب ہی موجود نہیں ہیں۔ خورشید شاہ نے کہا کہ ہمارے سوال انتہائی آسان تھے جن کی وضاحتیں ضروری تھیں، تاہم وزیر اعظم نے اپنے خطاب میں ان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وزیر اعظم نے جہاں عمران خان کو آڑے ہاتھوں لے کر تنقید کا نشانہ بنایا ہے، وہاں انہوں نے عدالتی کمیشن کے ٹی اور پر پارلیمانی کمیٹی قائم کرنے کی تجویز پیش کر دی اور گیند اپوزیشن کی کورٹ میں پھینک کر پارلیمانی حل تلاش کرنے پر مجبور کر دیا۔ وزیر اعظم میاں نواز شریف نے قومی اسمبلی میں پاناما

لیکس کے حوالے اپنے پالیسی بیان میں اپوزیشن کے تمام تر الزامات کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاناما لیکس میں میرا نام نہیں، اس کے باوجود میں نے خود کو احتساب کے لیے پیش کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر اپوزیشن ہمارے ٹی او آرز پر مطمئن نہیں ہے تو اسپیکر قومی اسمبلی قائد حزب اختلاف اور دوسری جماعتوں کے قائدین سے مشاورت کے بعد ایک مشترکہ پارلیمانی کمیٹی بنائیں۔ یہ کمیٹی باہمی مشاورت کے بعد تحقیقات کے لیے ٹی او آرز یا ضابطہ کار بنائے۔ قومی اسمبلی میں اظہار خیال کرتے ہوئے وزیراعظم کا کہنا تھا کہ ان کا دامن صاف ہے، ہمیں کسی استثنیٰ کی ضرورت نہیں، ہم ہر طرح کے احتسابی عمل سے گزرنے کے لیے تیار ہیں۔ وزیراعظم میاں نواز شریف کی تقریر مفاہمت، وضاحت سے زیادہ سبق اور اپنے خاندان کے کاروباری پس منظر پر محیط تھی، جس میں انہوں نے بہت ہی دکھ بھرے انداز میں اپنے حالات زندگی بیان کیے، لیکن اپوزیشن کے سوالات کے جوابات دینے سے گریز کیا۔ وزیراعظم میاں نواز شریف نے اپنی دکھ بھری کاروباری ہسٹری سنائی جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ سارا کاروبار ان کے والد محترم کا تھا جو میاں نواز شریف تک منتقل ہوا ہے، لیکن اگر یہی بات ہے تو پھر یہ سوال بھی جنم لیتا ہے کہ تو میاں شہباز شریف کی فیملی کا نام پاناما لیکس میں کیوں نہیں آیا؟، حالانکہ میں نواز شریف اور میاں شہباز شریف دونوں بھائی ہیں اور والد کا مشترکہ کاروبار مشترکہ طور پر دونوں بھائیوں کے حصے میں آیا ہوگا، لیکن پاناما لیکس میں صرف میاں نواز شریف کی فیملی کا نام

آیا ہے، جو یہ ثابت کرتا ہے کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔ دوسری جانب قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ وزیراعظم نے اپنے خطاب سے نہ تو اپوزیشن کے سوالات کا جواب دیا ہے اور نہ ہی قوم کو مطمئن کرسکے ہیں۔ انہوں نے گول مول بات کرکے چھان بین کے عمل کو تاخیر کا شکار کرنے کی کوشش کی ہے۔ قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ میاں نواز شریف قوم کو بتاتے کہ سرمایہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں گیا اور کیوں گیا؟ اس سرمائے سے پاکستان میں سرمایہ کاری کیوں نہیں کی گئی؟ لیکن انہوں نے ان تمام سوالات کے جواب کو پس پشت ڈال کر الگ سے کہانی چھیڑ دی ہے۔ عمران خان نے الزام لگایا کہ نواز شریف نے لندن میں پہلا فلیٹ 1993ئ، جبکہ دوسرا فلیٹ 1995ئ، میں خریدا تھا۔ عمران خان نے شریف خاندان کے غیر ملکی اثاثوں کے حوالے سے مزید تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ وزیراعظم نواز شریف میرے پاس دستاویزات موجود ہیں، جس کے مطابق مریم نواز کی ملکیت میں 2 کمپنیز ہیں۔ 2 کروڑ 44 لاکھ روپے نواز شریف نے مریم نواز کو تحفے میں دیے تھے۔ انھوں نے انکشاف کیا کہ 1993ء سے 1981ء تک نواز شریف کی اوسط ماہانہ تنخواہ 22 ہزار 600 روپے تھی۔

اپوزیشن نے کوئی شور شرابہ کیے بغیر ایوان سے واک آؤٹ کر دیا۔ اپوزیشن کے واک آؤٹ سے وزیراعظم کی سیاسی پوزیشن قدرے مستحکم ہو گئی ہے اور اس طرح تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے اپنے اوپر آف شور کمپنی قائم کرنے سے

متعلق الزامات پارلیمنٹ میں وضاحت دینے کا سنہری موقع خود ہی گنوادیا ہے اور وہ پیپلز پارٹی کے جال میں پھنس کر ایوان سے واک آؤٹ کر گئے۔ پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان وزیر اعظم کی تقریر بڑی غور سے سنتے ہوئے نوٹ لے رہے تھے۔ عمران خان جس طرح وزیر اعظم کی تقریر کے نوٹس لے رہے تھے اس سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ نہ صرف میاں نواز شریف کی تقریر کا جواب دیں گے، بلکہ آف شور کمپنی کے بارے میں اپنا موقف بھی پیش کریں گے۔ تاہم ا±ن کی یہ خواہش اس وقت دم توڑ گئی جب قائد حزب اختلاف خورشید شاہ نے یہ کہہ کر بائیکاٹ کا اعلان کردیا کہ چونکہ وزیر اعظم نے پاناما لیکس سے متعلق اپوزیشن کی جماعتوں کے سات سوالوں کے جواب نہیں دیے، اس لیے وہ بائیکاٹ کر رہے ہیں۔ عمران خان کی باڈی لینگویج سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شاید وہ اپوزیشن لیڈر کے اس فیصلے کے لیے تیار نہیں تھے۔

حکومت اور اپوزیشن کے درمیان پاناما لیکس پر کوئی اتفاق رائے نہیں ہو سکا اور فریقین پارلیمنٹ میں کسی منطقی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے، مگر وزیر اعظم نواز شریف کی طرف سے احتساب کے لیے خود کو پیش کرنے اور اپوزیشن کے سوالوں کے جواب نہ دینے کے باعث برائے نام متحدہ اپوزیشن کم از کم واک آؤٹ کے ایشو پر متحد نظر آئی، لیکن تمام حلقے اس سوال کا جواب تلاش کرنے میں مصروف ہیں کہ وزیر اعظم کی تقریر کے بعد قائد حزب اختلاف اور اسی طرح تحریک انصاف کے

چیئرمین عمران خان اپنا موقف اسمبلی فلور پر پیش کرنے سے قبل واک آؤٹ کیوں کر گئے، جس کا وقتی طور پر فائدہ حکمران جماعت ضرور اٹھا رہی ہے۔ قائد حزب اختلاف خورشید شاہ کے اسمبلی میں طرز عمل سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ پیپلز پارٹی کے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری اور شریک چیئرمین آصف علی زرداری دونوں کو درمیانی راستہ نکال کر راضی کرتے ہوئے متحدہ اپوزیشن کے کاندھوں پر بندوق رکھ کر چلا گئے۔ تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے کئی روز سے واویلا کیا ہوا تھا اور وزیراعظم کی تقریر کے دوران اسمبلی میں موجود بھی رہے، لیکن جب موقع آیا تو وہ بھی اپنا موقف پیش نہیں کرسکے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق اپوزیشن کے پارلیمنٹ سے واک آؤٹ کرنے سے میاں نواز شریف پر سے دباؤ کچھ کم ہوا ہے اور یہ واک آؤٹ پی پی کا میاں نواز شریف کے ساتھ تعاون تھا۔ پاناما لیکس بھونچال میں صرف مولانا فضل الرحمٰن میاں نواز شریف کے ساتھ کھڑے ہیں اور پاناما لیکس بھونچال میں برملا حکومت کا ساتھ دینے کا اعلان کرچکے ہیں، یقیناً مولانا ایک بڑے سیاست دان ہیں، لیکن اس کے باوجود میاں نواز شریف کو پی پی کے تعاون کی از حد ضرورت تھی، ماضی میں بھی کڑے وقتوں میں پی پی نے میاں نواز شریف کا ساتھ دیا، جبکہ میاں نواز شریف نے پی پی کا ساتھ دیا ہے، لہٰذا میاں نواز شریف پاناما لیکس معاملے میں بھی کئی روز سے پی پی کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش میں مشغول تھے۔ مبصرین کا خیال تھا کہ پی پی اس بار پی ٹی آئی سربراہ عمران خان کے ساتھ کھڑی ہے اور وہ میاں نواز شریف

کا ساتھ دینے کے موڈ میں نہیں ہے، لیکن اب پارلیمنٹ سے واک آؤٹ کرکے اس نے ایک تیر سے کئی شکار کیے ہیں۔ ایک تو عمران خان کے ساتھ ہاتھ کیا اور اس کے ساتھ میاں نواز شریف کے ساتھ خاموش تعاون اور اپوزیشن کے کسی رکن کو ناراض بھی نہیں کیا۔ مبصرین کے مطابق اپوزیشن نے واک آؤٹ کرکے غلطی کی ہے، کیونکہ اگر وہ پارلیمنٹ میں رہ کر میاں نواز شریف سے سوالات کے جواب طلب کرتے اور میاں نواز شریف ان کے سوالات کے جواب دے دیتے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ میاں نواز شریف نے خود کو کٹہرے میں کھڑا کرلیا ہے۔ اپوزیشن کے پاس میاں نواز شریف پر دباؤ بڑھانے کا اچھا موقع تھا، لیکن انہوں نے واک آؤٹ کرکے یہ موقع گنوا دیا ہے۔

خیال رہے کہ پاناما لیکس میں نواز شریف کے بچوں کے نام آنے پر پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان پیپلز پارٹی سمیت کئی بڑی جماعتوں نے وزیراعظم سے استعفے اور ان کمپنیوں میں منتقل ہونے والی رقم کی تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ حزب اختلاف کی 9 جماعتوں کی جانب سے جوڈیشل کمیشن کے لیے 15 ٹی او آرز متفقہ طور پر منظور کیے گئے تھے۔ اجلاس میں پاکستان پیپلز پارٹی، پاکستان تحریک انصاف، متحدہ قومی موومنٹ، جماعت اسلامی، عوامی مسلم لیگ، پاکستان مسلم لیگ (ق) اور بلوچستان نیشنل پارٹی (عوامی) نے وزیر اعظم سے استعفے کے مطالبے پر اتفاق کیا تھا۔ اپوزیشن کے ٹی او آرز میں کمیشن کی جانب سب سے پہلے وزیر اعظم اور ان کے اہل خانہ کے احتساب کا مطالبہ کیا گیا تھا، جبکہ

اس کے لیے 3 ماہ کی مدت مقرر کرنے کا بھی مطالبہ شامل تھا، جبکہ اپوزیشن کی جانب سے پیش کیے گئے ٹی او آرز حکومت نے مسترد کردیا اور وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان نے پریس کانفرنس میں اپوزیشن کے ٹی او آرز کو تماشا قرار دیا تھا۔ وزیراعظم نے ایک اعلیٰ سطح کا تحقیقاتی کمیشن قائم کرنے کا اعلان کیا تھا البتہ اس کمیشن کے ضابطہ کار پر حکومت اور حزب اختلاف میں اتفاق نہیں ہو سکا ہے، جبکہ گزشتہ روز وزیراعظم نے ایک بار پھر کہا کہ اگر اپوزیشن ہمارے ٹی او آرز پر مطمئن نہیں ہے تو اسپیکر قومی اسمبلی قائد حزب اختلاف اور دوسری جماعتوں کے قائدین سے مشاورت کے بعد ایک مشترکہ پارلیمانی کمیٹی بنائیں۔ یہ کمیٹی باہمی مشاورت کے بعد تحقیقات کے لیے ٹی او آرز یا ضابطہ کار بنائے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے؟

پارلیمنٹ میں وزیراعظم کے خطاب سے یہ امید لگائی جارہی تھی کہ شاید معاملات بہتری کی طرف جائیں اور پاناما لیکس پر پھیلی ہلچل میں کچھ کمی دیکھنے کو ملے، لیکن افسوس معاملہ مزید پیچیدہ ہوگیا ہے۔ بیس کروڑ عوام پریشان ہیں کہ پاناما لیکس کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا، تاہم جہاں تک وزیراعظم کی پاناما لیکس پر ٹی او آرز بارے پارلیمانی کمیٹی بارے قائد حزب اختلاف سے مشاورت کا تعلق ہے تو تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ کیا ہی بہتر ہوتا کہ حکومت معاملے کو اس قدر پیچیدہ کرنے کی بجائے شروع دن سے سنجیدگی کے ساتھ لیتی اور اپوزیشن کو

اس معاملے میں اعتماد میں لے کر چلتی۔ حکومت کی اسی غفلت نے اپوزیشن کو متحد ہونے کا موقع دیا اور اب وہ جس طرح حکومت پر تابڑ توڑ حملے کر رہی ہے اس کے باعث آنے والے دنوں میں سیاسی منظر نامے میں تلخی مزید بڑھنے کا امکان ہے۔ پاناما لیکس معاملہ ایک مرتبہ پھر ڈیڈ لاک کا شکار ہوگیا ہے، جس کا ملک کسی صورت حال میں متحمل نہیں ہو سکتا۔ تاہم عوامی حلقے کرپشن کے خاتمے اور احتساب کے غیر جانبدارانہ عمل کے لیے بے تاب ہیں۔

بجٹ توقعات و خدشات

موجودہ حکومت عنقریب اپنا چوتھا وفاقی بجٹ پیش کرنے جارہی ہے۔ وفاقی وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے آئندہ مالی سال کے وفاقی بجٹ میں موجودہ ٹیکس گزاروں پر کوئی نیا بوجھ نہ ڈالنے کا اعلان کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ بجٹ میں عوام کو ممکنہ ریلیف کی فراہمی حکومتی منشور کا حصہ ہے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ بجٹ میں تنخواہوں اور پنشنوں میں اضافے کے لیے سفارشات جلد مکمل کر لی جائیں گی۔ موجودہ سال آنے والے بجٹ کے حوالے سے مختلف حلقوں میں متضاد باتیں ہورہی ہیں کہ یہ بجٹ کیسا ہوگا، اس میں عوام کو ریلیف ملے گا یا مزید ٹیکس لاگو کیے جائیں گے۔ ہمیشہ کی طرح عوام نے اس بجٹ سے بھی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں کہ حکومت انہیں ریلیف دے گی اور انہیں سہولیات فراہم کی جائیں گی۔ عوام مہنگائی، بے روزگاری، لوڈشیڈنگ، تعلیم و صحت کی سہولیات کے فقدان اور دیگر بہت سے مسائل سے چھٹکارے کے لیے حکومت کی جانب دیکھ رہے ہیں، لیکن عوام کو درپیش مسائل سے آنکھیں بند کیے حکومت کی ترجیحات یہی بتارہی رہی ہیں کہ عوام کو اس بار بھی مایوس کیا جائے گا۔ حکومت کے خالی خولی دعوؤں اور نعروں سے تو یہی لگ رہا ہے کہ اس سال پیش کیا جانے والا بجٹ بھی ہر سال کی طرح عوام دشمن ثابت ہوگا، کیونکہ میاں نواز شریف اور دیگر حکومتی ارکان جگہ جگہ صرف سڑکیں بنانے اور بسیں چلانے کو فخریہ انداز

میں پیش کرتے نظر آتے ہیں، اسکے علاوہ ابھی تک وزیراعظم نے بجٹ کے حوالے سے عوام کے لیے کسی بڑے پیکج کا اعلان نہیں کیا ہے، بلکہ وہی روایتی باتیں کی گئی ہیں جو برسوں سے سنتے سنتے عوام کے کان پک گئے ہیں۔ حکومتی رویے کو دیکھتے ہوئے یہ امید نہیں رکھی جاسکتی کہ رواں سال عوام دوست بجٹ پیش کیا جائے گا۔ حالانکہ 2013ء میں مسلم لیگ نون کی حکومت نے اقتدار سنبھالتے ہی عوام کو یقین دلایا تھا کہ صرف دو سال بعد آسانیاں ہی آسانیاں ہوں گی، لیکن حکومت کا چوتھا سال شروع ہو چکا ہے مگر موعودہ آسانیوں کا دور دور تک نشان نہیں۔ ڈار صاحب کہہ رہے ہیں کہ نئے بجٹ میں عام آدمی کو ریلیف دیں گے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشیائے صرف اور کھانے پینے کی چیزوں میں مہنگائی کو پر لگے ہوئے ہیں۔ گزشتہ تین سال کا مشاہدہ بتاتا ہے کہ حکومت مہنگائی روکنے میں ناکام رہی ہے، بلکہ حکومت کے پاس مہنگائی کو کنٹرول کرنے کے لیے سرے سے کوئی میکانزم ہی نہیں ہے۔اشیائے صرف اور خورونوش کی قیمتوں میں بدستور اضافہ ہو رہا ہے۔ اب رمضان المبارک آرہا ہے، منافع خوروں نے ابھی سے لوٹ مار شروع کردی ہے اور اشیائے ضروریہ کا اسٹاک بھی کرنا شروع کردیا ہے، تاکہ بلیک میں بیچ کر زیادہ سے زیادہ نفع کمایا جاسکے، لیکن حکومت نہ تو رمضان کے بابرکت مہینے میں عوام کو سہولت دینے کا کوئی منصوبہ بنا سکی ہے اور نہ ہی مصنوعی قلت پیدا کر کے بلیک میں بیچنے والے تاجروں کو گرفت میں لانے کا سوچ سکی ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم اور صحت عام آدمی کی بنیادی ضرورت ہیں۔ عوام

کو اگر معیاری تعلیم اور صحت کی سہولتیں، بھاری اخراجات کے بغیر حاصل ہونے لگیں تو ان کے بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔ غریب آدمی بیمار ہو جائے تو اس کے پاس علاج معالجے کے لیے اتنے پیسے نہیں ہوتے، جبکہ سرکاری ہسپتالوں کی حالت انتہائی قابل رحم ہے۔ صوبائی حکومتوں کو چاہیے کہ ہسپتالوں کی حالت بہتر بنائیں۔ عام آدمی کو علاج معالجے کی بہترین سہولتیں اور دوائیں مفت فراہم کریں۔ تعلیم کے شعبے کی حالت بھی سخت ابتر ہے۔ سرکاری اسکولوں کا عالم یہ ہے کہ عمارتیں خستہ، ضروری سہولتوں کا فقدان اور سردی گرمی سے بچاؤ کا کوئی انتظام نہیں۔ ان کا ماحول یکسر غیر تعلیمی ہے۔ بجٹ میں تعلیم، صحت اور عوام کی دیگر سہولیات کو مد نظر رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہے، لیکن حکومت ہمیشہ سے اپنی اس ذمہ داری سے کنی کتراتی آئی ہے۔

بجٹ عوام کی امنگوں کا ترجمان ہونا چاہیے، لیکن ہمارے ملک میں امراء کا راج ہے اور سہولیات بھی ہمیشہ امراء کو ہی ملتی ہیں جبکہ غریب ہمیشہ سے پستا آیا ہے۔ حکومت کو اس طرح کا بجٹ دینا چاہیے، جس سے گھریلو بجٹ خراب نہ ہو، کیونکہ اگر اس بجٹ سے ہر گھر کا بجٹ خراب ہوگا تو یہ پھر یہ بجٹ نہیں محض شعبدہ بازی ہوگا۔ مبصرین کہتے ہیں کہ اس سال بھی ائیر کنڈیشنڈ دفاتر میں بیٹھے معاشی ماہرین کہلوانے والوں کی جمع تفریق سے بننے والا بجٹ اعداد و شمار کے گورکھ دھندے کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ حکمرانوں کی جانب سے ہر بار

بجٹ میں دل کھول کر جھوٹ بولا جاتا ہے اور عوام کی خواہشات کا قتل کیا جاتا ہے۔ کسی دور میں عوام بجٹ کی "رسم" کو کسی حد تک سنجیدہ لیتے تھے۔ اس وقت بجٹ میں کچھ حصہ عوام کا بھی رکھا جاتا تھا اور بجٹ میں کیے گئے اعلانات میں تھوڑی بہت سچائی بھی ہوتی تھی، لیکن اب وہ سنجیدگی ختم ہو چکی ہے اور بجٹ صرف جھوٹ اور فریب کا ایک پلندا بن کر رہ گیا ہے۔ بجٹ میں عوام کو کوئی سہولت نہیں دی جاتی اور اگر کسی سہولت کا اعلان ہوتا بھی ہے، تو اس پر عمل نہیں کیا جاتا اور عالمی مالیاتی اداروں کے احکامات پر عمل درآمد کرتے ہوئے آئے دن چھوٹے بجٹ بم گرا کر عوام کے جذبات کو مزید مجروح کر دیا جاتا ہے۔ چند روز ہی گزرتے ہیں کہ قیمتوں میں اضافے اور نئے ٹیکسوں کے نفاذ کے اعلانات کے ساتھ عوام پر مہنگائی کا ایک نیا حملہ کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح اب بجٹ سوائے دھوکے، فریب اور جعلسازی کے کچھ نہیں ہوتا۔ حکومت اعداد و شمار کو مسخ کر کے اپنی "لوٹ مار" کو عوام کی فلاح کے طور پر پیش کرتی ہے اور حکومت سے ملی بھگت کرنے والی اپوزیشن عوام کو مزید بے وقوف بنانے کے لیے میڈیا کے سامنے اودھم مچاتی ہے۔ اپوزیشن پارٹیاں پہلے تو عوام پر لگائے گئے ٹیکسز کی مخالفت کرتی ہیں، لیکن بعد ازاں نا معلوم وجوہ کی بنیاد پر خاموشی اختیار کر لیتی ہیں۔ بجٹ عوام دوست اسی وقت ہی کہلا سکتا ہے، جب عام آدمی کو بجٹ میں زیادہ سے زیادہ ریلیف ملے، لیکن یہاں تو ریلیف عام آدمی سے کوسوں دور ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ بجٹ میں امیروں کے لیے حکومت ٹیکسوں میں

چھوٹ اور نوازشات کی بارش کر دیتی ہے، جبکہ غربت و افلاس کی چکی میں پسنے والے عوام پر ایک سے ایک نیا ٹیکس لگا دیا جاتا ہے، جس سے یقینی طور پر عوام کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، لیکن حکمرانوں کو عوام کی مشکلات سے کیا لینا دینا، ان کا کام تو محض دولت جمع کرنا ہے۔ ہماری حکومتیں قرضے عالمی مالیاتی اداروں سے لیتے ہیں، اس لیے بجٹ بھی انہیں کے اشاروں پر بنائے جاتے ہیں اور عالمی مالیاتی اداروں کو تو اپنے قرضے واپس لینے ہوتے ہیں، جس کی آسان صورت ان کے سامنے یہی ہوتی ہے کہ عوام پر ٹیکس لگا دیا جائے۔ حالانکہ ان قرضوں سے بھی صرف اور صرف بڑی کرسیوں پر بیٹھے افراد کو فائدہ ہوتا ہے، عوام کو کچھ بھی نہیں ملتا۔ عام شہری پر قرضوں اور ٹیکس کا بوجھ بڑھ جاتا ہے، جس سے اس کی حالت پہلے سے ابتر ہو جاتی ہے۔

اقتصادی ماہرین کہتے ہیں کہ پاکستان میں انکریمنٹل بجٹ ہوتا ہے جس میں ہر سال وزارتوں کے بجٹ میں اضافہ کر دیا جاتا ہے اور ان سے گزشتہ بجٹ یا کارکردگی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا جاتا، جبکہ بجٹ انکریمنٹل نہیں بلکہ کارکردگی کی بنیاد پر ہونا چاہیے، کیونکہ جب وزارتوں کو علم ہوگا کہ ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی تو وہ اپنی کارکردگی بہتر کریں گی، لوگوں کی خدمت کریں گی اور انہیں سہولیات بھی فراہم کریں گی۔ اگر بجٹ کارکردگی کی بنیاد پر بنے گا تو ہر وزارت کی کارکردگی دیکھی جائے گی، ان کے بجٹ کی جانچ پڑتال کی

جائے گی اور پارلیمنٹ بجٹ پاس کرنے سے پہلے اس کا جائزہ لے گی۔ آڈیٹر جنرل آف پاکستان کا کام سال کے اختتام پر چیک اینڈ بیلنس کرنا ہے کہ جو بجٹ بنا تھا کیا اس پر ویسے ہی کام ہوا ہے، اخراجات صحیح ہوئے ہیں، ان میں کوئی بے ایمانی تو نہیں ہوئی اور اس کے علاوہ آڈیٹر جنرل کے پاس یہ بھی اختیار ہے کہ وہ اس بارے میں اپنی رائے بھی دے کہ بجٹ کتنا موثر رہا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں آڈیٹر جنرل دس سال پرانے بجٹ کی جانچ پڑتال کرتے نظر آتے ہیں جس سے ملک کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ بجٹ حکومت کی اسٹریٹجی کا عکاس ہوتا ہے، موجودہ حکومت کا یہ چوتھا بجٹ ہے، لیکن ابھی تک حکومتی پالیسی سے عوام کو فائدہ نہیں پہنچ سکا۔ موجودہ حکومت کی اسٹریٹجی یہ ہے کہ آئی ایم ایف سے قرضہ لیا جائے اور اس کے ساتھ معاہدے کیے جائیں اور ان کے احکامات پر بجٹ بنایا جائے اور عوام پر نت نئے ٹیکس لاگو کیے جائیں۔ آئی ایم ایف سے قرضہ لیتے وقت معاہدے میں یہ شامل ہوتا ہے کہ اخراجات اور وسائل میں توازن قائم کیا جائے اور خسارے کو کم کیا جائے۔ ہمارے ملک میں ہر سال بجٹ کا خسارہ کم کرنے کے لیے ایف بی آر کو ریونیو اکٹھا کرنے کا ٹارگٹ دیا جاتا ہے۔ ہمیں اپنے طریقہ کار کو بدلنا ہوگا اور اب حکومت کو آئی ایم ایف سے معذرت کر لینی چاہیے۔ اس وقت ہمارے ادارے ختم ہو چکے ہیں، ان کا کوئی ویژن نہیں ہے، لہٰذا ہمیں ملکی ترقی کے لیے نیشنل ویژن پر کام کرنا ہوگا اور ادارے درست کرنا ہوں گے اور بجٹ بناتے وقت عالمی مالیاتی اداروں کی بجائے عوام کی خواہشات

کو مد نظر رکھنا ہوگا۔

ٹی وی چینلز پر اخلاق کا کھلواڑ

ٹی وی چینلز پر اخلاقیات کا کھلواڑ.... حکومت و پیمرا خاموش تماشائی

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ میڈیا انتہائی پر اثر اور وسیع حلقہ رکھنے والی طاقت ہے۔ ماضی میں میڈیا صرف اخبار کا نام تھا، اب میڈیا سیکٹر میں الیکٹرانک میڈیا کا طوطی بولتا ہے۔ اگرچہ زمانہ تیز سے تیزتر ہو رہا ہے، مگر ہمارا میڈیا اس سے بھی دو چار قدم آگے نکلنے کو بے تاب ہے، چاہے اس کے لیے سماجی قدروں، تہذیبی اطوار اور مذہبی تعلیمات کی حرمت کو پامال کرنا پڑے۔ ملک میں سو سے زاید ٹی وی چینل ہیں۔ ایک زمانے میں صرف سرکاری ٹی وی کا راج تھا، لیکن ملک میں مواصلات کے شعبے میں انقلاب آیا تو ٹی وی چینلوں کی لائن لگ گئی۔ پرویز مشرف کے دور میں لائسنس کے ساتھ انہیں ہر طرح کی آزادی بھی دے دی گئی۔ میڈیا نے صنعت کی شکل اختیار کی، اشتہارات اس صنعت کی نشوونما و تزئین و آرایش کا میٹریل بنے اور اشتہارات کی سالانہ مالیت لگ بھگ ساٹھ ستر ارب روپے کا تعین ریٹنگ پر ہوتا ہے۔ ریٹنگ کی بنا پر چینلوں کو کم یا زیادہ اشتہارات ملتے ہیں، اسی لیے ہر چینل میں بعض لوگوں کی دل کی دھڑکن ریٹنگ کے ساتھ اوپر نیچے ہوتی ہے، ریٹنگ کی خاطر ان کے ہاں مداری بننا بھی کوئی عیب

نہیں اور ساری دنیا کے سامنے نیچ حرکتیں کرنا بھی کوئی عار کی بات نہیں۔ اس لیے ریٹنگ کی دوڑ میں بازی لے جانے کے لیے دوسرے چینلوں کو چت کرنا ضروری ٹھہرا۔ چینلز کی آپسی مسابقت میں جہاں میڈیا نے عوام میں قائم اپنے اعتماد، اعتبار اور وقار کا گلا گھونٹا، وہیں مقصدیت کو کہیں پیچھے چھوڑ دیا۔ دوسرے چینلز کو شکست دینے کے لیے ہر وہ چیز دکھائی جانے لگی جس سے ریٹنگ بڑھتی ہو، خواہ قوم کے اذہان پر منفی اثرات ہی مرتب ہوں اور مذہب و عبادات کے ساتھ کھلواڑ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ ریٹنگ کی اس دوڑ میں ایک طرف تو چینلز نے گرما گرم ٹاک شوز، مار دھاڑ پر مبنی پروگرام اور چیختی چنگھاڑتی بریکنگ نیوز کا سلسلہ شروع کیا، جبکہ دوسری جانب ناظرین کی آنکھوں کو خیرہ کرنے کے لیے عورت کو بطور آلہ اور ذریعہ استعمال کرتے ہوئے ٹی وی اسکرین پر اخلاقی اقدار سے گرے ہوئے اشتہارات اور مغربی و بھارتی تہذیب میں گندھے ہوئے پروگرام دکھائے جانے لگے، جن کے خلاف کئی بار ملک میں عوامی سطح پر بڑے مظاہرے کیے گئے اور سپریم کورٹ میں ان کی روک تھام کے لیے درخواستیں بھی دائر کی گئیں، لیکن اس کے باوجود آج تک ٹی وی پر وہی کچھ دکھایا جارہا ہے جو ہماری معاشرتی اقدار سے کسی طور بھی میل نہیں کھاتا۔ گزشتہ دنوں سپریم کورٹ نے ٹی وی چینلز پر فحش اور غیر اخلاقی پروگرام نشر کرنے کے خلاف آئینی درخواستوں کی سماعت کرتے ہوئے پیمرا اور پی ٹی اے سے مفصل جواب طلب کیا ہے۔ دوران سماعت چیف جسٹس انور ظہیر جمالی نے ریمارکس دیتے ہوئے کہا کہ ٹی وی چینلز

پر پروگرام کرنے کے لیے پیسے طے ہوتے ہیں اور جس کی چاہے پگڑی اچھال دی جاتی ہے۔ جسٹس شیخ عظمت سعید نے کہا کہ ٹاک شوز میں بدزبانی کی جاتی ہے، میڈیا کو تنقید کا حق حاصل ہے لیکن ریڈ لائن پار نہیں کرنی چاہیے۔ ضابطہ اخلاق کو پیمرا والوں نے بھی ٹھیک سے نہیں سمجھا۔پیمرا کے وکیل نے بتایا کہ پیمرا نے ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کرنے والے ٹی وی چینلز کو نوٹس جاری کیے ہیں،پیمرا قوانین کو مزید سخت کرنے کی ضرورت ہے۔ جسٹس شیخ عظمت نے کہا کہ پیمرا صرف ہدایات اور وارننگ ہی جاری کرتا ہے، اگر ضابطہ اخلاق پر باضابطہ عملدرآمد ہوتو سارے مسائل حل ہو جائیں، ایسی سزائیں دینے کی ضرورت ہے جو مثال بن جائیں۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ حیرت کی بات ہے ایک طرف ممتاز قادری کی پھانسی کے بعد پیمرا یعنی پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی ایک انتباہ جاری کرتا ہے تو تمام چینلز آزادی اظہار رائے کو بھول کر چپ کا روزہ رکھ لیتے ہیں، لیکن ٹی وی چینلز پر بے ہودگی و بے حیائی کی روک تھام کی بات آتی ہے تو سب کو اپنی مرضی کے مطابق پروگرام دکھانے کی آزادی ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ پیمرا نے ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کرنے والے ٹی وی چینلز کو نوٹس جاری کیے ہیں۔ اگر ممتاز قادری کے معاملے میں پیمرا کی وارننگ پر تمام چینلز پر خاموشی چھا سکتی ہے تو پھر بے ہودگی و بے حیائی کی روک تھام کیوں نہیں ہو سکتی؟ جسٹس شیخ عظمت نے بجا کہا ہے کہ پیمرا صرف ہدایات اور وارننگ ہی جاری کرتا ہے، اگر ضابطہ اخلاق پر باضابطہ

عملدرآمد ہو تو سارے مسائل حل ہو جائیں۔

واضح رہے کہ قانونی طور پر ملک میں میڈیا کی تشہیر اور کیبل آپریٹرز کے حوالے سے ضابطہ اخلاق یہ ہے کہ کسی بھی طریقے سے بے شرمی پر ابھارنے، شہوانی جذبات بھڑکانے، غیر شائستہ اور توہین آمیز خیالات کی تشہیر کی اجازت نہیں ہے اور پاکستانی قوم بھی تہذیب و تمدن اور مذہب کے حوالے سے کسی بھی قسم کا سمجھوتا کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتی۔ اس لیے متعلقہ ادارے پیمرا کی ذمہ داری ہے کہ وہ ذرائع ابلاغ کو ناشائستگی، غیر سنجیدگی، قومی اقدار کے منافی میڈیائی تفریح سے محفوظ رکھے، لیکن ٹی وی چینلز ریٹنگ کے چکر میں تمام حدود پار کر جاتے ہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔

چند روز کے بعد رمضان المبارک شروع ہونے والا ہے اور ہر سال رمضان المبارک کے مہینے میں ٹی وی چینلز پر رمضان پروگرام کے نام پر جو کچھ دکھایا جاتا ہے، وہ سراسر بے ہودگی اور مذہب و عبادات سے مذاق ہے۔ رمضان نیکیوں کے موسم بہار کا مہینہ ہے۔ اس ماہ مبارک میں ہر مسلمان نیکی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے۔ عام دنوں کے مقابلے میں اس ماہ اللہ کے ہاں بھی نیکیوں کا اجر کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے اور نیکیوں کے مواقع بھی بڑھ جاتے ہیں، جن کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان بڑھ چڑھ کر اپنے مولا کو راضی کرنے کی فکر کرے اور اس ماہ کا ایک ایک لمحہ ضایع ہونے سے بچائے، لیکن یہاں تو سارا معاملہ برعکس ہے۔ اس بابرکت مہینے میں

شیطان تو قید ہو جاتا ہے، لیکن انسانوں کے روپ میں شیطان کے چیلے آزاد ہو جاتے ہیں، جو ٹی وی چینلوں کے رمضان کے نام پر مخصوص پروگراموں میں عوام کو عین سحر و افطار کے بابرکت اوقات میں لایعنی باتوں میں مصروف کرکے انہیں اللہ کی عبادت سے دور کردیتے ہیں۔ سحر و افطار کا قیمتی وقت مسجدوں میں جاکر دین سیکھنے کی بجائے ٹی وی چینلوں سے بے دینی سیکھنے میں برباد کیا جاتا ہے۔ اسٹیڈیم کے تماشائیوں کی طرح مخلوط محفلیں سجاکر ماہ مبارک کو مذاق بنادیا جاتا ہے۔ جو وقت سنجیدگی کے ساتھ اللہ کے سامنے گڑگڑانے کا تھا، اسے مخلوط محفلوں میں ٹھٹھا مخول اور ہنسی مذاق میں گنوایا جاتا ہے۔ رمضان المبارک اللہ سے عافیت و بھلائی مانگنے کا مہینہ ہے، لیکن ٹی وی چینلوں پر مداری فنکاروں نے عوام کو موبائل اور لان کے کپڑے مانگنے کے لیے مضحکہ خیز حرکتیں کرنے پر لگادیا ہے۔

ٹی وی چینلز پر رمضان المبارک کی ٹرانسمیشن میں اکثر چینلوں کے میزبان یا تو فنکار ہوتے ہیں یا ماڈلز یا سنگرز ہوتے ہیں اور یہ میزبان بغیر کسی تحقیق کے اظہار خیال فرما رہے ہوتے ہیں، بعض خواتین اینکرز جو بالخصوص مارننگ شوز اور ماڈلنگ بھی کرتی ہیں۔ ان میں سے اکثر کو دین کی بنیادی معلومات تک نہیں ہوتیں۔ الیکٹرانک میڈیا کے مالکان و اینکرز نے رمضان المبارک کو بھی کھیل تماشا بنالیا ہے۔ سحری کی نشریات ہوں یا افطار کی ،

اچھل کود کے تمام لوازمات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ہر چینل ریٹنگ کے چکر میں زیادہ سنسنی خیزی اور دلچسپی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ دین کا معاملہ ایسا بالکل نہیں، جیسا میڈیا پیش کرتا ہے۔ ماڈلز، سیاسی پروگراموں، مارننگ شوز اور کامیڈی شوز کرنے والے لوگ ہر گز کسی عالم دین کی جگہ نہیں لے سکتے۔ ماضی میں تو رمضان المبارک میں جید علمائے کرام لوگوں کو دین سکھایا کرتے تھے اور روزے کی برکات، فضائل اور فوائد بیان کرتے تھے۔ ان علمائے کرام کی وجہ سے دین اسلام کے حوالے سے مستند اور جامع معلومات ہر خاص و عام تک پہنچ جاتی تھیں، لیکن اب چینلوں نے لوگوں کو جہالت سکھانے والے بھانڈوں کو بھی علماء بنا کر پیش کر دیا ہے، جو عوام الناس کو دین سکھا رہے ہیں، چینلز نے رمضان المبارک کو بھی ایک تہوار کے طور پر پیش کر دیا اور اسکالرز اور جید علمائے کرام کی جگہ ٹی وی فنکاروں اور اینکرز نے لے لی ہے۔ اس میں ہماری سوسائٹی کا بھی قصور ہے کہ وہ ٹی وی پر علمائے کرام کی بجائے فنکاروں کو دیکھنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ٹی وی مالکان یکم رمضان سے عوام کے روزوں کے ساتھ کھلواڑ کرنے کا سلسلہ شروع کرتے ہیں جو آخر رمضان تک جاری رہتا ہے اور ملک میں کئی برسوں سے ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اجتماعی طور پر پوری قوم کو دین کے نام پر اس بے ہودگی کے پیچھے لگا دینا سراسر غیر سنجیدہ و غیر شرعی فعل ہے۔ علمائے کرام کو ان لغو حرکات کے خلاف آواز اٹھانا چاہیے اور چینل مالکان کو اس بات پر مجبور کرنا چاہیے کہ وہ پیسے اور ریٹنگ کے چکر میں سادہ لوح عوام

کے ساتھ گھناؤنا مذاق نہ کریں اور حکومت کو ایسے غیر سنجیدہ پروگراموں کی بندش پر مجبور کرنا چاہیے۔ وقت آگیا ہے کہ بے مہار میڈیا کو لگام دی جائے اور اسے اصول و ضوابط کا پابند بنایا جائے، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

ڈرون حملے پاکستان کی خود مختاری کے لیے کھلا چیلنج

ڈرون حملے ملکی خود مختاری کے لیے کھلا چیلنج.... حکومت پاکستان بے بس

امریکا پاکستان میں 2004ء سے ڈرون حملے کر رہا ہے، جن سے متعلق پاکستان کا پہلے دن سے ہی واضح موقف رہا ہے کہ ڈرون حملوں سے جہاں معصوم شہری مارے جاتے ہیں وہیں یہ ملکی سالمیت کے اصولوں اور عالمی قوانین کی خلاف ورزی ہیں۔ ان حملوں سے نہ صرف شدت پسندی میں اضافہ ہوا ہے، بلکہ ملک میں دہشت گردی بھی بڑھی ہے۔ پاکستان ہمیشہ سے ڈرون حملوں کو بند کرنے کے حوالے سے احتجاج اور پاکستانی قیادت متعدد بار امریکا سے ڈرون حملے روکنے کا مطالبہ کرچکی ہے، جبکہ عوام بھی ایک عرصے سے ان حملوں کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔ اقوام متحدہ بھی ان حملوں کو کھلی جارحیت اور عالمی قوانین کی خلاف ورزی کہہ چکی ہے۔ اس سب کے باوجود امریکا نے ڈرون حملے نہیں روکے اور تمام قوانین و مطالبات کو پس پشت ڈالتے ہوئے ایک بار پھر پاکستان میں بلوچستان کے علاقے نوشکی میں ڈرون حملہ کیا، جس میں افغان طالبان کے سابق امیر ملا اختر منصور سمیت دیگر کئی افراد مارے گئے۔ بتایا جاتا ہے کہ ملا اختر منصور ایران کے راستے سے پاکستان میں داخل ہو رہے تھے، لیکن پھر بھی پاکستان میں حملہ

کیا گیا، جس کا مقصد پاکستان پر طالبان کی معاونت کا الزام لگا کر اسے دنیا بھر میں بدنام کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ حالانکہ افغانستان میں امریکی فوج پاکستان کی نسبت زیادہ آسانی سے ملا اختر منصور کو نشانہ بنا سکتی تھی، لیکن پاکستان میں ہی نشانہ بنایا گیا۔ پاکستان نے امریکی جارحیت پر احتجاج کیا اور اس حملے کی مذمت کی ہے، جبکہ وزیر داخلہ چودھری نثار علی کا کہنا تھا کہ ملّا منصور مذاکرات کے مخالف نہیں تھے، اس بات سے قطع نظر دیکھا جائے تو ان کی موت سے امن عمل کو بڑا دھچکا لگا ہے۔ تاہم امریکا کو یہ بات ملحوظِ خاطر رکھنے کی ضرورت ہے کہ اگر ڈرون حملے جاری رہیں گے تو وہ شاید ہی مذاکرات پر آمادہ ہوں، اِس لیے سازگار فضا پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ سلسلہ روکا جائے۔

مختلف شہروں میں ملک کی مذہبی و سیاسی جماعتوں کے ہزاروں کارکنوں نے ڈرون حملوں کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے امریکا کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کیا ہے اور امریکا، بھارت اور نیٹو فورسز کے خلاف سخت نعرے بازی کی گئی۔ مذہبی و سیاسی جماعتوں کے سربراہوں نے مشاورتی اجلاس کے دوران ڈرون حملوں اور امریکی دھمکیوں کے خلاف متفقہ طور پر دفاع پاکستان کونسل کے پلیٹ فارم سے ملک گیر تحریک چلانے کا اعلان کیا ہے اور کونسل کو فعال کرتے ہوئے پہلا بڑا پروگرام 5 جون اتوار کو اسلام آباد میں ہوگا جس میں ملک بھر کی مذہبی و سیاسی قیادت کو شرکت کی دعوت دی جائے گی۔ ملک بھر کی مختلف مذہبی و سیاسی رہنماؤں نے اجلاس میں طے کیا ہے کہ پاکستان کو

درپیش چیلنجز کے مقابلہ کے لیے 18 کروڑ عوام کو ایک پلیٹ فارم پر لانا ہو گا۔ ڈرون حملوں پر حکومت جراتمندانہ مؤقف نہیں اپنا سکی۔ امریکا نے پاکستان کی خودمختاری و سلامتی کو چیلنج کیا۔ امریکا اس خطہ میں امن کا قیام نہیں چاہتا۔ ڈرون حملوں و امریکی دھمکیوں کے خلاف دفاع پاکستان کونسل میں شمولیت کے لیے دیگر سیاسی و مذہبی جماعتوں سے بھی رابطے کیے جائیں گے۔ آرمی چیف کا ڈرون حملوں پر امریکی سفیر کو بلا کر احتجاج خوش آئند ہے اور ان کے علاوہ بھی دیگر کئی حوالوں سے اپنا موقف پیش کیا گیا۔ چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف نے بلوچستان میں امریکی ڈرون حملے پر شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ پاکستان کی خود مختاری کی خلاف ورزی ہے، اِس طرح کے واقعات دونوں ملکوں کے باہمی تعلقات کے لیے تباہ کن اور امن عمل و علاقائی استحکام کے لیے نقصان دہ ہیں۔ پاکستان میں امریکی سفیر ڈیوڈ ہیل سے بات چیت کرتے ہوئے آرمی چیف نے کہا کہ دہشت گردی کی جنگ میں پاکستان کی کامیابیوں اور قربانیوں کی مثال نہیں ملتی۔ جنرل راحیل شریف نے بالکل درست کہا ہے کہ پاکستانی فوج کی دہشت گردی کے خلاف کامیابیاں اور قربانیاں ناقابلِ فراموش ہیں اور دنیا کی کسی دوسری فوج نے اتنی زیادہ قربانیاں نہیں دیں۔

بلوچستان کے علاقے نوشکی میں ہونیوالے ڈرون حملے کی ایف آئی آر لیویز کے مل تھانہ میں درج کرادی گئی ہے۔ یہ ایف آئی آر ڈرون حملے میں ہلاک ہونے والے

ٹیکسی ڈرائیور محمد اعظم کے بھائی محمد قاسم کی مدعیت میں درج کرائی گئی ہے جس میں امریکی حکام کو نامزد کیا گیا ہے، جبکہ ایف آئی آر میں ایکسپلوسیو ایکٹ کی دفعات انسداد دہشت گردی ایکٹ کی دفعہ 7۔اے اور تعزیرات پاکستان کی دفعات' 5,4,3 کے تحت نامزد ملزمان کیخلاف قانونی کارروائی عمل میں لانے 427, 109, 302 کی استدعا کی گئی ہے۔ ایف آئی آر میں کہا گیا ہے کہ میڈیا میں امریکی حکام نے ڈرون حملے کی ذمہ داری قبول کی ہے، جبکہ امریکی حکام کی جانب سے پاکستان میں دراندازی کی گئی ہے، ہم ڈرون حملہ کرنے والوں کو انصاف کے کٹہرے میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

دوسری جانب وزیراعظم کے معاون خصوصی برائے امور خارجہ امور طارق فاطمی کا کہنا ہے کہ نوشکی ڈرون حملے کا عسکری قیادت کو بھی علم نہیں تھا، اس حملے کو انٹیلی جنس کی ناکامی کہنا درست نہیں، اس میں کئی اندرونی اور بیرونی عناصر ملوث ہیں، لیکن کئی باتیں ایسی ہیں جنہیں افشا نہیں کیا جاسکتا۔ پاکستان ڈرون حملوں پر احتجاج تو کر سکتا ہے مگر ان کا منہ توڑ جواب دینے کا متحمل نہیں ہو سکتا، ہمارے پاس ابھی تک ایسی ٹیکنالوجی موجود نہیں جس سے ڈرون کا پتہ لگایا جاسکے، حالانکہ پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں پاک فضائیہ کے اس وقت کے سربراہ نے دوٹوک الفاظ میں باور کرایا تھا کہ ہمارے پاس ڈرون کا تعاقب کرکے اسے گرانے کی ٹیکنالوجی اور صلاحیت موجود ہے، اس کے علاوہ بھی متعدد بار یہ بات سامنے آچکی ہے کہ پاکستان ڈرون طیارے تباہ کرنے کا اہل ہے۔ طارق فاطمی کے بیان سے

ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ڈرون حملے کے معاملے میں امریکا کے خلاف کارروائی سے دست
.بردار ہونے کا اعلان کر رہے ہیں، حالانکہ دوسری جانب ڈرون حملے کی ایف آئی آر
لیونز کے مل تھانہ میں درج کرادی گئی ، جس میں امریکی حکام کو نامزد کیا گیا ہے درج
کرائی گئی ایف آئی آر کے مندرجات سے یہی عندیہ ملتا ہے کہ یہ ایف آئی آر حکومت
کی رضامندی اور مشاورت سے ہی درج ہوئی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک
طرف تو حکومت عوام کو دکھانے کے لیے ایف آئی آر درج کر رہی ہے، جبکہ دوسری
جانب طارق فاطمی امریکا کے خلاف کارروائی سے بے بسی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اگر
حکومت واقعی ایف آئی آر پر پیش رفت کرتے ہوئے کسی کارروائی کا ارادہ رکھتی ہے تو
پھر حکومت کو آئندہ امریکا کو پاکستان میں ڈرون حملہ کرنے سے روکنا ہوگا اور اس کے
ساتھ پاکستان کی خودمختاری پر حملہ کرنے کے جرم میں امریکا کو عالمی عدالت میں پیش
کرنا ہوگا، بصورت دیگر اسکے فرنٹ لائن اتحادی کے کردار سے رجوع کرلیا جائے اور
ملکی سلامتی اور قومی مفادات سے ہم آہنگ قومی خارجہ پالیسی از سر نو مرتب کی جائے
جس کی بنیاد پر صرف ملکی اور قومی مفادات کو ہی مقدم رکھا جائے۔

ہماری سرزمین پر 2004ء سے شروع ہونے والے امریکی ڈرون حملوں کے خلاف ملک
میں ہر سطح پر احتجاج کیا جاچکا ہے، دفتر خارجہ کے علاوہ پارلیمنٹ کے مشترکا اجلاس میں
دوبار قرارداد یں متفقہ طور پر منظور کرکے بھی ڈرون حملوں پر

احتجاج اور یہ سلسلہ روکنے کا تقاضا کیا جاچکا ہے۔ اسی طرح صوبائی اسمبلیوں میں ڈرون حملوں کے خلاف متفقہ طور پر قراردادیں منظور ہوچکی ہیں اور حکومتی و اپوزیشن سمیت تقریباً تمام سیاسی جماعتوں کی جانب سے بھی ڈرون حملوں کے خلاف قراردادیں منظور کرکے احتجاج ریکارڈ کرایا جاچکا ہے جبکہ پشاور ہائیکورٹ نے دو سال قبل ڈرون حملے سے متاثر ایک شخص کی "کوورنٹو" رٹ درخواست منظور کرتے ہوئے حکومت کو ڈرون حملے بند کرانے، ان حملوں پر امریکا کے خلاف مقدمہ درج کرنے اور حملوں میں ہونے والے نقصان کا امریکا سے ہرجانہ طلب کرنے کا حکم صادر کرچکی ہے۔ عدالت عالیہ کے اس فیصلے کی بنیاد پر وفاقی یا خیبر پی کے حکومت نے کیا کارروائی کی ہے، اس بارے میں ابھی تک کوئی چیز بھی ریکارڈ پر نہیں آئی، جبکہ اس کے بعد بھی امریکا نے ڈرون حملے برقرار رکھے ہیں تو اس سے بادی النظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ حکومت نے پشاور ہائیکورٹ کے متذکرہ فیصلہ کو درخور اعتناء ہی نہیں سمجھا۔ ڈرون حملوں کا سلسلہ یوں تو کئی سال سے جاری ہے اِن پر احتجاج اور اظہارِ تشویش بھی ہوتا رہتا ہے، لیکن حملے بند نہیں ہوسکے۔ اب اِس لحاظ سے اِن کا دائرہ وسیع تر ہوگیا ہے کہ پہلی مرتبہ بلوچستان کے ریڈ ایریا میں بھی ڈرون حملہ ہوگیا ہے۔ یہ حملے پاکستان کی علاقائی سلامتی اور اقوام متحدہ کے چارٹر کی خلاف ورزی تو ہیں ہی، اِن سے دونوں ملکوں کے تعلقات بھی آزمائش سے دوچار ہوتے ہیں۔ ڈرون حملے بلاشبہ ہماری آزادی، خودمختاری اور سلامتی کے لیے کھلا

چیلنج ہیں اور ہر ڈرون حملے پر دفتر خارجہ پاکستان اور دوسرے حکام کی جانب سے امریکا کو احتجاج ریکارڈ کراتے ہوئے یہی باور کرایا جاتا ہے کہ یہ حملے ہماری سلامتی اور خودمختاری کے منافی ہیں، اس احتجاج کے باوجود امریکا نے ہماری سرزمین پر ڈرون حملے جاری رکھے ہوئے ہیں، جن میں حالات کی مناسبت سے وہ کمی بیشی کرتا رہتا ہے۔

بیورو آف انویسٹیگیٹو جرنلزم کی رپورٹ میں بتایا گیا کہ پاکستان میں 2004ء سے 2015ء کے اواخر تک کل 421 کارروائیاں کی گئیں جن میں مرنے والوں کی تعداد 3989 تک تھی اور ان میں ایک بڑی تعداد عام شہریوں اور بچوں کی تھی۔ تو کیا اس پس منظر سے بھی قوم کو آگاہ کرنا ضروری ہے کہ ہمارے احتجاج کے باوجود امریکا نے اب تک ڈرون حملے کیوں جاری رکھے ہوئے ہیں؟۔ امریکا کی جانب سے ڈرون حملوں کا یہی جواز پیش کیا جاتا ہے کہ اسے اپنی سلامتی کے تحفظ کی خاطر کہیں بھی فضائی اور زمینی کارروائی کرنے کا حق حاصل ہے۔ امریکا کی یہ دلیل سراسر غلط، کیونکہ کسی دوسرے کے ملک میں گھس کر حملہ کرنا عالمی قوانین کی سراسر خلاف ورزی ہے۔ انسانی حقوق کا یو این چارٹر اور دوسرے عالمی قوانین و ضوابط کسی ملک کو کسی دوسرے ملک کی آزادی و خودمختاری میں مداخلت کرنے اور اسکی جغرافیائی حدود کے اندر حملہ آور ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔

نئے بجٹ کی آمد

موجودہ حکومت اپنا چوتھا وفاقی بجٹ پیش کرنے جارہی ہے، جس سے پہلے ہر بار کی طرح حکومت کی جانب سے عوام کو طفل تسلیاں دی جارہی ہیں۔ ہمیشہ کی طرح عوام نے اس بجٹ سے بھی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں کہ شاید حکومت انہیں ریلیف دے اور بجٹ ان کے لیے خوشیوں کا پیغام لائے۔ عوام مہنگائی، بے روزگاری، لوڈشیڈنگ، تعلیم و صحت کی سہولیات کے فقدان اور دیگر بہت سے مسائل سے چھٹکارے کے لیے حکومت کی جانب دیکھ رہے ہیں۔ وفاقی وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے آئندہ مالی سال کے وفاقی بجٹ میں عوام پر مزید بوجھ نہ ڈالنے اور ریلیف دینے کی یقین دہانی کرائی ہے۔ حکومت اپنے وعدوں کا پاس رکھ سکے گی؟ عوام کو کس حد تک ریلیف مل سکے گا؟ بے روزگاری کا مسئلہ حل ہوسکے گا؟ کیا کم آمدنی والوں کی تنخواہ میں خاطر خواہ اضافہ ممکن ہوسکے گا؟ مہنگائی کا بوجھ ہلکا ہوسکے گا؟ بجٹ میں حکومت کی ترجیحات کیا ہوں گی؟ بجٹ عوام دوست ہوگا یا عوام دشمن ہوگا؟ یہ سب کچھ تو بجٹ آنے کے بعد سامنے آجائے گا، لیکن بجٹ سے امیدیں کم اور اندیشے زیادہ ہیں۔ حکومت کی ترجیحات یہ بتارہی ہیں کہ عوام کو اس بار بھی مایوس کیا جائے گا اور اس سال پیش کیا جانے والا بجٹ بھی حکومت کے خالی خولی دعوؤں اور نعروں کی طرح عوام کی مایوسی میں مزید اضافہ کرے گا اور اس سال بھی ائیر کنڈیشنڈ دفاتر

میں بیٹھے معاشی ماہرین کہلوانے والوں کی جمع تفریق سے بننے والا بجٹ اعداد و شمار کے گورکھ دھندے کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

یہ حقیقت ہے کہ ہر سال بجٹ پیش کرنے سے پہلے عوام کسی نہ کسی درجے میں امیدوں کے دیپ ضرور جلاتے ہیں کہ بجٹ میں شاید ہمارے لیے کچھ آسانی و خوشی کا سامان موجود ہو، لیکن عوام کو ہر بار نت نئے ٹیکسوں اور روزمرہ کی اشیائے ضروریہ میں بے تحاشا مہنگائی کا تحفہ ہی ملتا ہے، جو مصائب و مسائل کی شکار اکثریت کے دکھوں میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد سے یہاں ایسے ہی چلا آ رہا ہے، کبھی لوٹ کھسوٹ سے پاک، مثالی اور عوام دوست بجٹ پیش نہیں کیا گیا، جو عوام کے دکھوں کا مداوا کرسکے، بلکہ حکمرانوں کی جانب سے ہر بار بجٹ پیش کرکے عوام کی خواہشات کا قتل کیا جاتا ہے۔ کسی دور میں بجٹ میں کچھ حصہ عوام کا بھی رکھا جاتا تھا اور بجٹ میں کیے گئے اعلانات میں تھوڑی بہت سچائی بھی ہوتی تھی، لیکن اب وہ سنجیدگی ختم ہو چکی ہے اور بجٹ صرف جھوٹ اور فریب کا ایک پلندا بن کر رہ گیا ہے۔ بجٹ میں عوام کو کوئی سہولت نہیں دی جاتی اور اگر کسی سہولت کا اعلان ہوتا بھی ہے تو اس پر عمل نہیں کیا جاتا اور عالمی مالیاتی اداروں کے احکامات پر عمل درآمد کرتے ہوئے آئے دن چھوٹے بجٹ بم گرا کر عوام کے جذبات کو مزید مجروح کر دیا جاتا ہے۔ چند روز ہی گزرتے ہیں کہ قیمتوں میں اضافے اور نئے ٹیکسوں کے نفاذ کے

اعلانات کے ساتھ عوام پر مہنگائی کا ایک نیا حملہ کر دیا جاتا ہے۔ اب بجٹ سوائے فریب اور جعلسازی کے کچھ نہیں ہوتا۔ حکومت تو اعداد و شمار کو مسخ کرکے عوام کو بے وقوف بناتی ہی ہے، جبکہ اپوزیشن پارٹیاں پہلے تو عوام پر لگائے گئے ٹیکسز کی مخالفت کرتی ہیں، لیکن بعد ازاں یہ شاید حکومت سے ملی بھگت کے نتیجے میں خاموشی اختیار کر لیتی ہیں۔

حیرت کی بات ہے کہ بجٹ ہیں غربت و افلاس کی چکی میں پسنے والے عوام پر ایک سے ایک نئے ٹیکس کا بوجھ لاد دیا جاتا ہے، جس سے یقینا عوام کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، جبکہ دوسری جانب امیروں کے لیے حکومت ٹیکسوں میں چھوٹ اور نوازشات کی بارش کر دیتی ہے۔ بڑے بڑے کاروبار، محلات، جائیدادوں اور بڑے بڑے پلازوں کے بااثر مالک آف شور کمپنیز یا دیگر طریقوں سے ٹیکس دینے سے بچ نکلتے ہیں۔ دنیا بھر میں امیروں سے ٹیکس لے کر غریبوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کیا جاتا ہے، لیکن یہاں غریبوں سے بے جا ٹیکس لے کر امیروں کی عیاشیوں اور اللوں تللوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔ حکومت کو اپنے ملک کے عوام کی ضروریات، سہولیات اور خواہشات کو مد نظر رکھ کر ایسا بجٹ بنانا چاہیے جو واقعی عوام دوست بجٹ ہو اور عوامی امنگوں کا آئندہ دار ہو، لیکن حکومت اپنے ملک کے عوام کے بجائے عالمی اداروں کی خواہشات کو مد نظر رکھ کر بجٹ بناتی ہے۔ ہماری حکومتیں قرضے عالمی مالیاتی اداروں سے لیتی ہیں، اس لیے بجٹ بھی

انہیں کے اشاروں پر بنائے جاتے ہیں، جبکہ عالمی مالیاتی اداروں کے سامنے اپنے قرضے واپس لینے کی آسان صورت یہی ہوتی ہے کہ عوام پر ٹیکس لگا دیا جائے۔

2013ء میں مسلم لیگ نون کی حکومت نے اقتدار سنبھالتے ہی عوام کو یقین دلایا تھا کہ صرف دو سال بعد آسانیاں ہی آسانیاں ہوں گی، لیکن حکومت کا چوتھا سال شروع ہو چکا ہے مگر وعدہ کی گئیں آسانیوں کا دور دور تک نشان نہیں۔ وزیر خزانہ صاحب کہہ رہے ہیں کہ نئے بجٹ میں عام آدمی کو ریلیف دیں گے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشیائے صرف اور کھانے پینے کی چیزوں میں مہنگائی کو پر لگے ہوئے ہیں۔ حکومت مہنگائی روکنے میں ناکام رہی ہے، بلکہ حکومت کے پاس مہنگائی کو کنٹرول کرنے کے لیے سرے سے کوئی میکانزم ہی نہیں ہے۔ اب رمضان المبارک قریب ہے، منافع خوروں نے ابھی سے لوٹ مار شروع کر دی ہے، لیکن حکومت رمضان المبارک میں عوام کو سہولت دینے کا کوئی منصوبہ ہی نہیں بنا سکی ہے۔ اس کے علاوہ عوام کو تعلیم اور صحت جیسی بنیادی سہولیات بھی میسر نہیں ہیں۔ غریب آدمی تعلیم سے محروم اور اس کے پاس علاج معالجے کے لیے پیسے نہیں ہوتے، جبکہ سرکاری ہسپتالوں اور سرکاری اسکولوں کی حالت انتہائی قابل رحم ہے۔ بجٹ میں تعلیم، صحت اور عوام کی دیگر سہولیات کو مد نظر رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہے، لیکن حکومت ہمیشہ سے اپنی اس ذمہ داری سے کنی کتراتی آئی ہے۔

بجٹ حکومت کی اسٹریٹجی کا عکاس ہوتا ہے، جبکہ موجودہ حکومت کی اسٹریٹجی یہ ہے کہ عالمی مالیاتی اداروں سے قرضہ لیا جائے اور ان کے احکامات کے مطابق بجٹ بنایا جائے اور عوام پر نت نئے ٹیکس لاگو کیے جائیں۔

ہمارے ملک کا ہر سربراہ یا وزیر خزانہ بجٹ آنے سے پہلے یہ اعلان کرتا ہے کہ آئندہ بجٹ عوام دوست ہوگا مگر جب بجٹ کا اعلان ہوتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ محض ایلیٹ دوست ہے اور متوسط اور غریب افراد کی گردن میں شکنجہ اور زیادہ کس دیتا ہے،

حالانکہ بجٹ عوام دوست اسی وقت ہی کہلا سکتا ہے، جب عام آدمی کو بجٹ میں زیادہ سے زیادہ ریلیف ملے اور عام آدمی کی مشکلات کم جائیں کرے۔ ہمارے معاشی پالیسی سازوں کو ایسی ترجیحات کو سامنے رکھ کر بجٹ بنانا چاہیے جس سے عوام کے مسائل کم ہوں، غربت اور بے روزگاری کا خاتمہ ہو، نئے روزگار میسر آئیں۔ اگر حکومت روزگار کے مواقع فراہم کرے گی تو ملک میں خوشحالی آئے گی۔ بے روزگاری اور غربت ہی ملک میں ملک میں دہشت گردی، چوری، ڈکیتی، لوٹ مار کو جنم دیتی ہیں۔ بجٹ میں حکومت کی اولین ترجیح عالمی مالیاتی اداروں کے بجائے عوام کو سہولیات فراہم کرنا ہونا چاہیے، بصورت دیگر کسی صورت بھی عوام دوست بجٹ نہیں ہو سکتا۔

اپنے گھر کا خواب کب شرمندہ تعبیر ہوگا؟

پاکستان میں غریب عوام کے لیے دیگر بہت سے مسائل کے ساتھ ساتھ سستے دام پر رہائش کی عدم دستیابی بھی سنگین مسئلہ بن چکی ہے۔ مکانات اور زمینوں کی قیمتوں میں تیز رفتاری کے ساتھ ہونے والے ہوشربا اضافے نے محنت کش، مزدور اور غریب طبقے کو اپنے گھر کے خواب کو حقیقت میں بدلنے سے محروم کردیا ہے۔ پاکستان کو آزاد ہوئے انہتر برس بیت گئے، لیکن آج بھی کروڑوں لوگ بے گھر ہیں، ایک بڑی تعداد جھگیوں میں بستی ہے۔ دوسری جانب ہزاروں گز پر مشتمل محلوں میں چند لاکھ لوگ بستے ہیں جو محل ان غریبوں کے خون چوس کر ہی تعمیر ہوتے ہیں۔ تمام لوگوں کو مکانات فراہم کرنا انتہائی ضروری ہے، اس کے بغیر انسان، انسان کی طرح گزر بسر نہیں کرسکتا۔ غریب عوام کو سستے داموں رہائش فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، لیکن حکومت نے اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی بجائے پرائیویٹ ہاؤسنگ سوسائٹیوں، قبضہ گروپوں اور نجی ڈیولپرز کو لوٹ مار اور استحصال کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ایک طرف نئی نئی امیر اور درمیانے طبقے کی خوشحال بستیاں بسائی جارہی ہیں، جبکہ دوسری طرف ملک کے تمام شہروں میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ کھلے آسمان تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اور ایک بڑی تعداد ویران جگہوں پر کچی آبادیاں بسا رہے ہیں، جو ہر قسم کی بنیادی

سہولت اور ضرورت سے محروم ہیں۔ مکانات کے کرایے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں، محنت کش خاندان کے خاندان ایک کمرے میں رہنے پر مجبور ہیں، بہت سوں کے پاس رہنے کو ایک کمرہ بھی نہیں ہے، وہ کھلے آسمان تلے پڑے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ عوام کو رہائش کی سہولیات فراہم کرنا حکومت کی ذمے داری ہے، لیکن پاکستانی حکومت اس ذمے داری سے خود کو مبرا سمجھتی ہے۔ گزشتہ روز سپریم کورٹ نے کچی آبادیوں سے متعلق کیس میں کم قیمتوں والی ہاؤ سنگ اسکیم کے حوالے سے وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی رپورٹ مسترد کرتے ہوئے کم قیمتوں والی ہاؤ سنگ اسکیموں کے حوالے سے دوبارہ رپورٹ طلب کر لی ہے، جبکہ جسٹس شیخ عظمت سعید نے ریمارکس دیے ہیں کہ سی ڈی اے خود اسلام آباد میں کچی آبادیوں کو سپورٹ کرتی ہے۔ پنجاب میں حالیہ بنائی گئی کم قیمت والی ہاؤ سنگ سوسائٹی محض دکھاوا ہے۔ اپر مڈل اور لوئر مڈل کے لیے تو اسکیمیں ہیں، غریبوں کے لیے نہیں ہیں۔ ملک میں 50 سے 60 فیصد لوگ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ غریبوں کو مناسب قیمت پر چھت فراہم کرنا حکومت کی ترجیحات کے ریڈار میں شامل ہی نہیں ہے۔ واضح رہے چند ماہ قبل بھی سپریم کورٹ نے کم آمدنی والے اور بے گھر افراد کو رہائشی سہولیات فراہم کرنے سے متعلق وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو آخری موقع دیتے ہوئے دو ماہ میں قانون سازی کرنے کا حکم دیا تھا، سپریم کورٹ کا کہنا تھا کہ اگر عدالتی حکم پر عمل نہ ہوا تو حکومتوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ جسٹس دوست محمد کا کہنا تھا کہ

حکومت دہشت گردی کی جنگ میں کھربوں روپے لگا رہی ہے، مگر غریب اور بے آسرا لوگوں کو سستی اور مفت رہائش فراہم کرنے کے لیے کوئی اقدامات نہیں کر رہی۔ یہ حقیقت ہے کہ بے گھر افراد کو گھروں کی فراہمی حکومت کی آئینی اور قانونی ذمہ داری ہے، لیکن لگتا ہے کہ حکومت کو غریب اور محنت کش مزدور طبقے کی بنیادی ضروریات سے کو سروکار ہی نہیں ہے۔ اگرچہ رہائش کا مسئلہ دیگر ممالک میں بھی ہے، لیکن وہاں حکومت کی طرف سے عوام کو مختلف اسکیموں کے ذریعے رہائش فراہم کی جاتی ہے، گزشتہ دنوں لندن کے منتخب ہونے والے پاکستانی نژاد میئر صادق خاں نے بے گھر افراد کو سستی رہائش فراہم کرنے کا وعدہ کیا ہے، جس کو بہت سراہا گیا ہے، لیکن پاکستان میں کوئی حکمران غریب عوام کو سستی رہائش فراہم نہیں کرتا۔

ایسا لگتا ہے کہ اس ملک میں صرف امیر ہی بستے ہیں، اسی وجہ سے سرمایہ دار طبقے پر مشتمل حکومتیں غریب عوام کے لیے سرکاری رہائشی اسکیموں کی منصوبہ بندی نہیں کرتیں۔ حکمرانوں کو ان عوام کی پریشانیوں کا رتی بھر احساس نہیں، جن غریب عوام سے ووٹ لیتے ہیں۔ اس مہنگے دور میں ایک غریب آدمی کے لیے روٹی، کپڑے اور صحت و بچوں کی تعلیم کا انتظام کرنا انتہائی مشکل ہے۔ ایک مزدور اور درمیانے درجے کا ملازم ساری زندگی بچت کرکے بھی مکان کی جگہ خرید کر ایک دو کمرے کا مکان نہیں بنا سکتا۔ مکان بنانا اس کی ساری زندگی کا خواب

ہوتا ہے، جو آخر دم تک خواب ہی رہتا ہے۔ یوں تو ملک میں جگہ جگہ سرمایہ داروں نے ہاؤ سنگ اسکیمیں شروع کی ہوئی ہیں، لیکن یہاں قیمتیں اتنی مہنگی ہیں کہ غریب آدمی یہاں جگہ خریدنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ حکومتی نااہلی کا ہی نتیجہ ہے کہ بلڈرز نے جو جگہ جگہ رہائشی اسکیمیں شروع کی ہوئی ہیں، ان میں مناسب ضروریات زندگی کی مکمل طور پر فراہمی نہ ہونے کے باوجود ان کی قیمتیں آسمانوں سے باتیں کر رہی ہوتی ہیں اور ہر کوئی اپنی مرضی سے قیمت مقرر کرتا ہے، لیکن حکومت کی طرف سے کوئی روک تھام نہیں ہوتی، بلکہ الٹا بلڈرز پیسے لے کر ان کو مکمل طور پر من مانی کرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جب خواہش ہوتی ہے تو راستہ بن ہی جاتا ہے لیکن یہاں تو حکومتوں کو عوام کو رہائش فراہم کرنے کی خواہش ہی نہیں ہے، کیوں کہ ان کے خیال میں ملک میں صرف امیر ہی بستے ہیں جن کے اپنے محلات ہیں۔ ملک کے چاروں صوبوں میں حکومتیں سرکاری زمینوں پر ہاؤسنگ اسکیموں کی منصوبہ بندی کریں اور ان اسکیموں میں کم از کم دو دو سو مربع گز کے پلاٹ بنائیں اور ضرورت مندوں کو فراہم کریں تو ضرورت مندوں کی پریشانی کافی حد تک کم ہو سکتی ہے۔ رہائشی اسکیموں کو ایسے علاقوں میں قائم کیا جانا ضروری ہے جہاں پانی موجود ہو، جہاں آنے جانے کے لیے سڑک موجود ہو، جہاں پبلک ٹرانسپورٹ پہلے سے چلتی ہو۔ ملک کے بہت سے علاقوں میں تو کوئی قابل ذکر سکیم بنائی ہی نہیں گئی

اور اگر کوئی بنائی بھی گئی ہے تو پانی نہیں، بجلی نہیں، گیس نہیں، ٹرانسپورٹ نہیں۔ گھر محض در و دیوار اور چھت کا نام نہیں ہوتا بلکہ یہ مسئلہ پینے کے صاف پانی کی فراہمی، گندگی کی نکاسی کے بہترین نظام، بجلی کی سستی اور لگاتار فراہمی، صاف ستھری گلیوں اور سڑکوں سمیت کئی دوسری بنیادی سہولتوں کی یقینی فراہمی کے بغیر حل نہیں ہوتا۔ایسی رہائشی بستیوں میں ملازمت پیشہ، محنت کش یا غریب طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ کیوں کر رہائش اختیار کر سکتے ہیں۔ حکومتوں کی اس کمزوری سے سرمایہ کار اور بلڈر فائدہ اٹھاتے ہیں۔ غریب شہروں میں یا قریب ترین علاقوں میں کچی آبادیاں بساتے ہیں۔ کرایہ کے مکانات میں رہائش رکھنے والے کم تن خواہ والے سفید پوش لوگ بھی کرایوں میں کئی گنا اضافے کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہیں۔رہائشی سہولیات کی فراہمی، منصوبوں کا آغاز، کچی آبادیوں اور بے ہنگم پرانے مکانات کی جگہ نئے اور جدید مکانات کی تعمیر اور مفت فراہمی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ان منصوبوں کو بدعنوانی اور اقربا پروری سے پاک رکھا جائے۔ لاکھوں نئے گھروں کی تعمیر کے نتیجے میں نہ صرف صنعتی ترقی کی رفتار تیز ہوگی بلکہ لاکھوں افراد کو روزگار بھی فراہم ہوگا۔ شہری آبادی میں دو کنال سے بڑے گھروں کی تعمیر پر پابندی لگادی جائے۔ سرکاری اہلکاروں کے زیر استعمال تمام بڑے سرکاری گھروں کو چھوٹے مکانات میں تبدیل کرکے لوگوں کو فراہم کیے جائیں۔ سرکاری زمینوں پر مکانات تعمیر کرکے ضرورت مندوں میں تقسیم کیے جائیں۔ مکانات کی تعمیر،

سیوریج، سڑکوں، پانی، گیس کی پائپ لائنوں، بجلی کی فراہمی، اسکولوں اور اسپتالوں کی تعمیر اور دوسری سہولتوں کی فراہمی کے لیے ٹھیکے داری نظام ختم کیا جائے۔ نئے شہر تعمیر کیے جائیں، تاکہ شہروں پر آبادی کے بوجھ کو کم کیا جاسکے اور دور دراز علاقوں میں تمام بنیادی ضروریات زندگی فراہم کی جائیں گی تاکہ آبادی کی منتقلی کو روکا جاسکے۔ تعمیر نو کے ان منصوبوں اور پروگرام پر محنت کش عوام اور ماہرین کی کمیٹیوں کے ذریعے عملدرآمد کروایا جائے۔

رمضان میں بے تحاشا مہنگائی

رمضان المبارک کی آمد.... مہنگائی نے عوام کا بھرکس نکال دیا

رمضان المبارک خیر وبرکت سے بھرپور نیکیاں سمیٹنے کا ایک عظیم مہینہ ہے۔ جو شخص اس کی برکات سے محروم رہا، وہ یقیناً بڑی بھلائی سے محروم رہا۔ اسلام نے اس ماہ مبارک میں ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ بھلائی کرنے اور دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک میں اس مقدس مہینے میں اپنی جیبیں بھرنے کے لیے ضرورت کی ہر چیز مہنگی کرکے عوام الناس کے لیے زیادہ سے زیادہ مشکلات پیدا کی جاتی ہیں۔ تاجروں کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ " رمضان المبارک کمائی کا مہینہ ہے"۔ یہ مہینہ کمانے کا ضرور ہے، لیکن لوگوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر دولت کمانے کا نہیں، بلکہ ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نیکیاں کمانے کا مہینہ ہے، لیکن یہاں تو رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ہی رمضان المبارک کی آمد سے پہلے ہی مہنگائی میں بے تحاشاہ اضافہ ہوجاتا ہے۔ مہنگائی آسمان کو چھونے لگتی ہے اور رمضان المبارک سے قبل ہی گراں فروش عوام کی جیبیں کاٹنا شروع کردیتے ہیں۔ ضرورت کی ہر چیز کی قیمت میں بے تحاشہ اضافہ کرکے عام آدمی کی

پہنچ سے دور کردیا جاتا ہے۔ رمضان المبارک کی آمد پر ہر فرد کو اپنی استطاعت کے مطابق دوسروں کے لیے حتی الامکان آسانیاں پیدا کرنا چاہئیں، لیکن یہاں مہنگائی بڑھا کر عوام کے لیے زیادہ سے زیادہ مشکلات پیدا کی جاتی ہیں۔

ابھی رمضان المبارک کا آغاز ہوا ہی ہے کہ ملک بھر میں اشیائے صرف کی قیمتوں میں ہوشربا اضافہ کردیا گیا ہے اور ہر سال کی طرح اس بار بھی مہنگائی میں مزید اضافے کا خدشہ ہے۔ رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ہی مہنگائی کا جن بوتل سے باہر آگیا ہے اور ملک بھر میں ذخیرہ اندوز اور ناجائز منافع خور متحرک ہو گئے ہیں، جب کہ رمضان بچت بازار بھی عوام کو ریلیف فراہم کرنے میں ناکام ہیں، جس کے باعث اشیائے خوردونوش غریب عوام کی پہنچ سے دور ہو گئی ہیں۔ ملک بھر میں پھلوں، سبزیوں، دالوں اور گوشت سمیت دیگر اشیائے خوردونوش کی قیمتوں میں اضافے نے عوام کے ہوش اڑا کر رکھ دیے ہیں، جب کہ رمضان بچت بازار بھی عوام کو خاطر خواہ ریلیف دینے میں ناکام ہیں۔ لاہور کے رمضان بچت اور عام بازاروں میں پھلوں اور سبزیوں کی قیمتوں میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ رمضان بازار میں آلو کی قیمت 25، جب کہ عام بازار میں 30 روپے کلو فروخت ہو رہا ہے۔ رمضان بازاروں میں 10 کلو آٹے کا تھیلا روپے، باسمتی چاول 75 روپے فی کلو، دال مسور 122 فی کلو، دال ماش دھلی 290 ہوئی 244 فی کلو، دال مونگ 130 روپے فی کلو، کالے چنے 120 روپے فی کلو، جب کہ سفید چنے 160 روپے فی

کلو میں فروخت ہو رہے ہیں۔ رمضان بازاروں میں بیسن کی قیمت 135 روپے فی کلو، جب کہ چینی 55 روپے فی کلو میں فروخت ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر بڑے شہروں میں بھی ذخیرہ اندوزوں نے عوام سے منہ مانگے دام وصول کرنا شروع کر دیے ہیں۔

رمضان المبارک جیسے بابرکت مہینے میں کھجور بھی عام آدمی کی پہنچ سے دور ہو چکی ہے۔ دالیں، چینی، مرغی، چھوٹا اور بڑا گوشت، چائے کی پتی، دودھ، انڈے، مشروبات، چاول، گھی، بیسن، آٹا، سبزی، فروٹ اور ہر قسم کی ضروریات زندگی مہنگے داموں فروخت کرنا شروع کر دی گئی ہے۔ دوسری جانب اس مہنگائی میں مزید اضافہ کرنے کے لیے ذخیرہ اندوز بھی متحرک ہو گئے ہیں۔ ذخیرہ اندوزوں نے رمضان المبارک کے آگے بڑھنے کے ساتھ مزید مہنگائی کرنے کا منصوبہ بھی تیار کر لیا ہے۔ مصنوعی قلت پیدا کر کے خفیہ گوداموں میں اشیائے ضروریہ کئی دن پہلے ہی سے اسٹاک کرنا شروع کر دی گئی تھیں، چھوٹی بڑی مارکیٹوں اور نام نہاد ہفتہ بازاروں میں ضروریات زندگی کی تمام چیزوں کو بھی ذخیرہ کیا جاتا رہا، تاکہ اشیاء ضروریہ کی قلت پیدا کر کے اسے مہنگے داموں فروخت کیا جا سکے۔ اس صورتحال سے اشیاء خورونوش کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں، جو کہ ابھی مزید بڑھنے کا احتمال ہے۔ ذرائع کے مطابق آڑھتیوں نے قیمتوں میں از خود اضافے کے لیے کئی اہم سبزیوں کو منڈی سے غائب کر دیا ہے۔ گراں فروش شہریوں کو دونوں

ہاتھوں سے لوٹنے میں مصروف ہیں، جبکہ پرائس کنٹرول کمیٹیاں کہیں کارروائی کرتی دکھائی نہیں دیتیں۔ ذرائع کے مطابق انتظامیہ بھی گراں فروشوں کو نکیل ڈالنے میں ناکام رہی ہے جس کے باعث سبزی و فروٹ سمیت دیگر اشیائے خوردونوش کی قیمتوں میں خوفناک اضافے نے گڈ گورننس پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔ یہ بھی انکشاف ہوا ہے کہ مارکیٹ کمیٹی کے افسران اور پرائس کنٹرول مجسٹریٹس نرخنامے چیک کرنے کی بجائے ٹھنڈے کمروں میں بیٹھے ہیں اور یوں ناجائز منافع خوروں، ذخیرہ اندوزوں اور ملاوٹ مافیا نے اشیا کی قیمتوں میں اضافہ کرکے شہریوں کو پریشانی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ واضح رہے گزشتہ روز وفاقی وزیر خزانہ سینیٹر اسحاق ڈار نے رمضان المبارک کے دوران اشیاء کی قیمتیں مناسب سطح پر رکھنے کے لیے چاروں صوبائی وزراء اعلیٰ کو خطوط ارسال کیے تھے، جس میں وزیر خزانہ نے صوبائی حکومتوں پر زور دیا کہ وہ رمضان المبارک کے دوران کھانے پینے کی اشیاء مہنگی ہونے سے روکیں اور قیمتیں مناسب سطح پر رکھنے کے لیے اقدامات کریں۔ ان کا کہنا تھا کہ وفاق کے زیر انتظام علاقوں میں مختلف اشیاء کی قیمتوں کو مناسب سطح پر رکھنے کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کیے جائیں گے۔ اس کے باوجود ملک بھر میں گراں فروش آزادی کے ساتھ عوام کو لوٹنے میں مصروف ہیں، لیکن کوئی روک تھام نہیں کی جارہی ہے۔ پاکستان میں ضروریات زندگی کی قیمتوں میں اضافہ ہمیشہ سے ہی ایک مسئلہ رہا ہے، تاہم یہ معاملہ اس وقت اور بھی گمبھیر ہو جاتا ہے جب رمضان سے قبل

قیمتوں میں ہوشربا اضافہ ہو جائے۔ مسلمانوں کے مقدس مہینے رمضان کی آمد سے چند روز پہلے ہی ملک کے کئی شہروں میں ضروری اشیاء کی قیمتوں میں اچانک اضافے کی خبریں سامنے آنا شروع ہو گئیں۔ آبادی کے لحاظ سے ملک کے سب بڑے صوبے پنجاب کی حکومت کی طرف سے کئی شہروں میں سستے بازار قائم تو قائم کیے گئے ہیں، لیکن وہاں سے بھی گرانی کی خبریں موصول ہو رہی ہیں اور اس کے ساتھ بازاروں میں سہولیات بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔

عوام نے رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ہی تمام اشیاء ضرورت میں مہنگائی کی سخت الفاظ میں مذمت کرنے کے ساتھ حکومت کو بھی قصوروار گردانا ہے۔ عوام کا کہنا ہے کہ رمضان المبارک مسلمانوں کے لیے انتہائی قابل احترام مہینہ ہے، لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں ہر سال اس بابرکت مہینے میں ہر چیز مہنگی کر دی جاتی ہے، حالانکہ دوسرے کئی مذاہب کے لوگ اپنے مقدس تہواروں کے مواقع پر نہ صرف اشیاء کی قیمتوں میں کمی کر دیتے ہیں، لیکن ہمارے یہاں لوگ اس مہینے کو صرف مال بنانے کا مہینہ سمجھتے ہیں، حکومت کو رمضان المبارک میں بڑھتی مہنگائی کو کنٹرول کرنے کے لیے سخت نوٹس لینا چاہیے۔ علمائے کرام نے بھی ماہ مبارک میں بے تحاشا مہنگائی بڑھنے پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ علمائے کرام کا کہنا ہے کہ رمضان المبارک میں خود ساختہ مہنگائی کو کنٹرول کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، لیکن حکومت عوام کو بابرکت گھڑیوں میں بھی ریلیف دینے میں ناکام رہتی ہے۔ ایک طرف مہنگائی میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے اور

دوسری جانب منافع خور اور ذخیرہ اندوز نہ صرف سرگرم ہو چکے ہیں، بلکہ آزادی کے ساتھ اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ حکومت عوام کو ریلیف دینے کے سنجیدہ اقدامات کرنے کی بجائے زبانی جمع خرچ سے کام لے رہی ہے۔

کینیڈا، جرمنی، برطانیہ اور یورپ کے متعدد ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لیے اشیاء خوردونوش اور ضرورت کے مطابق نرخوں میں پچاس فی صد تک رعایت کردی گئی ہے۔ بیرون ملک بڑے بڑے اسٹوروں نے اپنے سٹوروں پر الگ کاؤنٹر قائم کرکے خوراک اور دوسری اشیاء رکھی ہیں اور ان کاؤنٹروں کو "رمضان کاؤنٹر" قرار دے کر مبارک باد کی تختیاں بھی لگائیں اور 30 سے 50 فی صد تک رعایت کی ہے، جن کے معیار میں رتی بھر فرق نہیں۔ یاد رہے کہ ان ممالک میں خوراک پہلے ہی سستی ہے اور قریباً 20 سال سے نرخوں میں اضافہ نہیں ہوا۔ دنیا کے بہت سے ملکوں میں خوراک پر جی ایس ٹی بھی نہیں۔ اس کے مقابلے میں ہم پاکستانی اپنا موازنہ کریں تو سر شرم سے جھک جاتے ہیں کہ یہاں رمضان شروع ہونے سے پہلے ہی ذخیرہ اندازی کی گئی اور اشیاء خورد ونوش کے نرخوں میں کئی گنا اضافہ کردیا گیا اور یہ سلسلہ آخری روزے تک جاری رہے گا۔

رمضان کمائی کا مہینہ

مسلمان سیکھنا چاہیں تو غیر مسلم اقوام سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں اور اگر نہ سیکھنا چاہیں تو اسلام کی روشن روایات سے بھی کچھ نہیں سیکھتے۔ عیسائی مذہب میں کرسمس کا دن مسلمانوں کی عید کی طرح اہمیت کا حامل ہے۔ یہ دن ہر سال 25 دسمبر کو منایا جاتا ہے۔اس دن عیسائی برادری پوری دنیا میں اسی طرح خوش و خرم دکھائی دیتی ہے، جس طرح مسلمان عید کے دن خوش ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اس مذہبی دن کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں۔ احترام کی وجہ سے عیسائی مذہب کے پیروکار ممالک امریکا و یورپ میں کرسمس سے دو ہفتے پہلے بچت سیل لگ جاتی ہے اور شہریوں کی مذہبی خوشیوں کے راستے میں آنے والی ہر معاشی دیوار توڑ دی جاتی ہے۔ہر طرح کی ضروریاتِ زندگی فیصد تک سستی کر دی جاتی ہیں۔ ان کا نکتہ نظر یہ ہوتا ہے کہ غریب اور پسماندہ 50 طبقات کو بھی ان تہواروں کی خوشیوں میں شریک کیا جانا چاہیے۔ ان دنوں میں بڑے بڑے اسٹور عوام کے لیے دن رات کھلے رہتے ہیں۔ ہر شے ارزاں نرخوں پر دستیاب کر دی جاتی ہے۔ غریب عوام اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے سارا سال کے مقابلے میں زیادہ خریداری کرتے ہیں۔ بازاروں میں منافع خوری کے ہتھکنڈے نہیں آزمائے جاتے۔ اشیائے خوردونوش مارکیٹوں سے غائب نہیں کی جاتیں، بلکہ نایاب اشیا بھی دکانوں پر مناسب نرخوں میں دستیاب کر دی جاتی ہیں۔ یوں

امیر اور غریب اپنا یہ مذہبی تہوار بہت خوشی خوشی منالیتے ہیں۔ ہندومت اور بدھ مت مذہب والے ملکوں میں بھی اسی قسم کی مثالیں دکھائی دیتی ہیں۔ دیوالی پر تیل کے نرخ حکومتی سرپرستی میں گھٹا دیے جاتے ہیں۔ ہولی پر رنگوں کے دام کم کردیے جاتے ہیں۔ یہودی ملک اسرائیل میں بھی تہواروں پر عوام کو سستے داموں اشیافراہم کرکے لطف اندوز ہونے کا موقع دیا جاتا ہے۔ مذہب سے ماورا کیمونسٹ ملکوں میں بھی عوام کو ان کی خوشیوں والے تہوار منانے کے لیے حکومتی چھتری مہیا کر دی جاتی ہے۔

یہ غیر مسلم ممالک کی مثالیں ہیں، جہاں اپنے مذہبی تہواروں کا بھرپور احترام کیا جاتا ہے۔ ان ممالک میں کسی دوسرے مذہب کے پیروکاروں کو بھی ان کے کسی مذہبی تہوار پر بھرپور سہولیات فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ گزشتہ روز میں نے ایک ویڈیو کلپ دیکھا۔ تین منٹ کا یہ ویڈیو کلپ ایک پاکستانی نے لندن سے پندرہ شعبان کو وٹس اپ پر اپ لوڈ کیا تھا۔ ویڈیو میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے کہ لندن کی سڑکوں پر استقبال رمضان کے لیے بڑے بڑے بینا فلیکس آویزاں ہیں۔ اس کے بعد ویڈیو میں لندن کے ایک بڑے سپر اسٹور کا منظر دکھایا گیا ہے، جہاں جگہ جگہ مختلف کمپنیوں کی جانب سے رمضان المبارک کی آمد پر استقبالیہ بورڈز لگائے گئے ہیں اور اس کے ساتھ سپر اسٹور کا ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے استعمال کی اشیا کے لیے مختص کیا گیا ہے، جہاں رمضان المبارک

کی آمد سے پندرہ دن پہلے ہی ہر چیز کی قیمت میں تیس سے لے کر پچاس فیصد تک کی کردی گئی ہے، ویڈیو میں اصل اور کم کی گئی قیمت دیکھی جاسکتی ہے۔ آخر میں ویڈیو بنانے والا پاکستانی کہتا ہے کہ ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ غیر مسلم اقوام ہماری روایات کا احترام کرتے ہیں، لیکن ہم لوگ خود اپنی روایات کا احترام نہیں کرتے۔

اب ہم تصویر کا دوسرا رخ دیکھتے ہیں۔ رمضان المبارک مسلمانوں کے لیے رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہے۔ ماہ رمضان خدا تعالیٰ کی طرف سے اہم ترین تحفہ ہے۔ یہ ماہ مسلمانوں کے لیے بے شمار رحمتیں لے کر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ماہ بابرکت میں مسلمانوں کو خوب برکات سمیٹنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اسلام حکم دیتا ہے کہ اس ماہ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ ایک دوسرے کے لیے سہولیات پیدا کرنی چاہیے۔ ضرورت مندوں کی زیادہ سے زیادہ مدد کرنی چاہیے، لیکن ہماری بدبختی کا عالم یہ ہے کہ ہم لوگ رمضان المبارک کی آمد سے پہلے ہی خدا تعالیٰ کے ہر قانون کو پس پشت ڈالتے ہوئے تجارت کے نام پر لوگوں کو لوٹنا شروع کردیتے ہیں۔ مہنگائی کا جن بوتل سے باہر آجاتا ہے۔ بے رحم سرمایہ دار عوام کی رگوں سے خون نچوڑنے کے لیے آزاد ہو جاتے ہیں۔ وہ خدا خوفی ترک کرکے سفاکیت کی زندہ مثال بن کر سامنے آجاتے ہیں۔ اس مہینے کی آمد سے پہلے ہی اشیائے خوردونوش اسٹور ہونے لگتی ہیں۔ حکومت منافع خوروں

کو کھلی چھوٹ دے دیتی ہے۔ ان پر کوئی کنٹرول باقی نہیں رہتا۔ ذخیرہ اندوز رمضان سے قبل ہی اپنے گوداموں کو بھر لیتے ہیں۔ مارکیٹ میں اشیا کی قلت پیدا ہو جاتی ہے۔ رمضان آتے ہی یہ من چاہے ریٹوں پر سامان بیچنے لگتے ہیں۔ یوں ملک بھر میں سحر اور افطار کے لیے درکار خوراک کئی گنا مہنگی ہو جاتی ہے۔ غریب عوام کی چمڑی ادھیڑی جاتی ہے۔ ان کے روحانی انہماک کو چور چور کر دیا جاتا ہے۔ وہ ہر سحر اور افطار اپنے سامنے پڑی خوراک کی گرانی پر کڑھتے ہیں۔ یوں عبادات کا مہینہ عوام کے لیے اذیت رسانی کا بڑا سبب بن جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رمضان المبارک نیکیوں کی کمائی کا نہیں، بلکہ دولت کی کمائی کا مہینہ ہے۔ تاجروں کی اکثریت گیارہ مہینے ماہِ رمضان کی آمد کی منتظر اور اس مہینے کے "فیوض و برکات" سمیٹنے کے لیے بے چین دکھائی دیتی ہے۔

ہر سال کی طرح اس برس بھی رمضان کی آمد کے ساتھ ہی ہوش ربا گرانی نے عوام کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ اشیائے خورد و نوش کی قیمتیں بلند پروازی دکھانا شروع ہو گئیں۔ ضروریاتِ زندگی غریب لوگوں کی پہنچ سے بہت دور نکل گئی ہیں۔ ہر قسم کی ضروریات زندگی مہنگے داموں فروخت کرنا شروع کر دی گئی ہیں۔ جبکہ ذخیرہ اندوزوں نے رمضان المبارک کے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اشیا کی قیمتوں کو بھی مزید آگے بڑھانے کا منصوبہ تیار کیا ہوا ہے۔ ان حالات میں حکومت کا کہیں وجود نظر نہیں آتا۔ ہمارے لیڈروں کو پر تکلف کھانوں، پروٹوکول، غیر ملکی

دوروں سے فرصت ہی نہیں ملتی اور یوں ناجائز منافع خور اور ذخیرہ اندوز موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عوام کی جیبوں پر دل کھول کر ڈاکا ڈالتے ہیں۔ حکومت نہ تو ذخیرہ اندوزوں اور ناجائز منافع خوروں کے خلاف کارروائی کرتی ہے اور نہ ہی عوام کے لیے اتنی سہولیات مہیا کرتی ہے کہ شہری کم از کم اس ماہ بابرکت کو آسانی سے گزار سکیں۔ وفاقی حکومت بڑے فخر سے عوام کے لیے پونے دو ارب روپے رمضان پیکج کی سبسڈی کا اعلان کرکے سمجھتی ہے کہ اس نے حاتم طائی کی قبر پر لات رسید کر دی ہے۔ حالانکہ اٹھارہ بیس کروڑ عوام کے لیے صرف پونے دو ارب روپے کی سبسڈی دینا ایک بھونڈے مذاق سے کم نہیں ہے۔ رمضان المبارک میں دوسروں کے لیے سہولیات فراہم کرنا حکومت سے لے کر ایک دکاندار تک ہر فرد کی ذمے داری ہے، لیکن یہاں ہر فرد ہی اپنی جیب بھرنے میں مگن ہے۔ ان حالات میں جب میں غیر مسلم اور مسلمان ملکوں کا تقابل کرتا ہوں تو شرمندگی کے احساس کے ساتھ میرے سامنے مسلمان قوم کی پستی اور غیر مسلم اقوام کی ترقی کا راز بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ آج مسلمان خود اپنے اصولوں کو چھوڑ کر ذلیل و رسوا ہیں، جبکہ غیر مسلموں نے اسلام کے روشن قوانین پر عمل کیا تو وہ آج ترقی کی منازل طے کر رہے ہیں۔

امریکا بھارت گٹھ جوڑ.... پاکستان کے لیے خطرے کی گھنٹی

ان دنوں بھارت اور امریکا مل کر پاکستان کو آنکھیں دکھا رہے ہیں۔ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے دورہ امریکا کے دوران بھارت میں ہونے والی دہشتگردی کی ذمہ داری نام لیے بغیر پاکستان کے سر ڈالی ہے، جبکہ امریکی صدر بارک اوباما نے پاکستان سے 2008 کے ممبئی اور 2016 کے پٹھانکوٹ حملے کے ملزمان کو انصاف کے کٹہرے میں لانے کا کہا ہے۔ امریکا نے اپنے بیان میں بھارت کی خوشنودی کو مد نظر رکھا اور خطے کے حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے امریکا کے لیے قربانیاں دینے والے قابل اعتماد حلیف پاکستان کے مقابلے میں بھارت کو ترجیح دی ہے۔ اس کے ساتھ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے واشنگٹن میں صدر بارک اوباما سے ملاقات میں دوطرفہ تعلقات کو مضبوط کرنے اور مختلف شعبوں میں تعاون بڑھانے پر اتفاق کیا ہے۔ دونوں ملکوں کے سربراہان نے سیکورٹی تعاون بڑھانے اور ایک دوسرے کے فوجی و دفاعی نظام کو مشترکہ طور پر استعمال کے معاہدہ پر بھی اتفاق کیا ہے۔ دفاعی ماہرین کے مطابق امریکا اور بھارت کے ایک دوسرے کے فوجی اور دفاعی نظام کے استعمال کے معاہدے کی صورت میں امریکا کی خطے میں مداخلت میں اضافہ ہوگا۔ وہ بھارت کے فوجی اڈے، سمندری اور فضائی حدود استعمال کرسکے گا اور اس کے بدلے بھارت کو خطے میں اپنی چودھراہٹ دکھانے کا موقع ملے گا، جو نہ صرف

پاکستان کے لیے خطرے کا باعث ہے، بلکہ پورے خطے کے لیے خطرے سے خالی نہیں ہے۔ امریکی صدر نے میزائل ٹیکنالوجی کنٹرول رجیم اور نیوکلیئر سپلائرز گروپ میں بھارت کی شمولیت کی حمایت کی اور بھارت میں امریکی تعاون سے 6 جوہری ری ایکٹروں پر کام کے آغاز کی بھی حمایت کی۔ 2014ء میں وزیراعظم منتخب ہونے کے بعد سے مودی کا امریکا کا یہ چوتھا دورہ ہے اور اس عرصے میں صدر اوباما سے ان کی یہ ساتویں ملاقات تھی، جبکہ اس عرصے میں امریکی صدر اوباما بھی بھارت کا دو دفعہ دورہ کر چکے ہیں۔ بھارتی وزیراعظم کا کوئی بھی دورہ امریکا ناکام نہیں رہا، ہر دورے میں کچھ نہ کچھ حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہوئے۔ اس دفعہ انہوں نے دیگر معاملات میں امریکا کی کھلی حمایت کے ساتھ نیوکلیئر سپلائرز گروپ میں بھارت کی شمولیت کی حمایت حاصل کی ہے، جو پاکستان اور چین کے لیے خصوصاً قابل تشویش ہے۔ پاکستان اور بھارت کی نیوکلیئر سپلائرز گروپ کی رکنیت سے متعلق فیصلہ رواں ماہ کی 23 اور 24 تاریخ کو سی ؤل میں ایس این جی کے اہم اجلاس میں کیا جائے گا۔ نیوکلیئر سپلائرز گروپ کا ممبر بننے کے لیے بھارت کی جانب سے بڑے محاذ پر لابنگ کی گئی ہے۔ بھارتی وزیراعظم اس مقصد کے حصول کے لیے 5 ملکی دورے پر ہیں جس میں انہوں نے سوئٹزرلینڈ، امریکا اور میکسیکو کے دورے کیے اور تینوں ممالک نے انہیں گرین سگنل دے دیا ہے، جبکہ پاکستان نے بھی نیوکلیئر سپلائرز گروپ کی ممبرشپ کے حصول کے لیے اپنے دوست ممالک اور مغربی ممالک سے رابطہ کیا جہاں سے پاکستان کو تعاون کا

یقین دلایا گیا ہے۔ پاکستان نے جنوبی کوریا اور نیوزی لینڈ کو قائل کرلیا، جب کہ سب سے اہم بات یہ کہ پہلی مرتبہ روس نے اپنا وزن پاکستان کے پلڑے میں ڈالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ چین کے علاوہ نیوزی لینڈ، آسٹریا، ترکی اور جنوبی افریقا نے بھی بھارت کی ایس این جی میں شمولیت کی مخالفت کی ہے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اگرچہ امریکا نے بھارت کی حمایت کی ہے، لیکن اگر پاکستان کو نیوکلیئر سپلائرز گروپ کی رکنیت نہ ملی تو چین بھارت کو بھی اس کا ممبر نہیں بننے دے گا اور بھارت کی قرارداد کو ویٹو کردے گا۔

اجلاس میں ممکنہ طور پر امریکا بھارت کی حمایت کرے گا اور اگر امریکا نے بھارت کی حمایت کی تو اسے کئی بار سوچنا ہوگا۔ مبصرین کی جانب سے یہ بھی کہا جارہا ہے کہ اجلاس میں یا تو دونوں ممالک کو رکنیت ملے گی یا پھر کسی کو بھی نہیں، جب کہ ایسا ہی معاملہ شنگھائی تعاون تنظیم کی رکنیت کے حصول کے معاملے پر بھی دیکھنے کو ملا تھا جب پاکستان اور بھارت دونوں نے ہی شنگھائی تعاون تنظیم کی رکنیت کے لیے لابنگ کی اور جب رکنیت ملنے کا معاملہ آیا تو دونوں ممالک کو اس کی رکنیت دے دی گئی۔

امریکا کے بھارت کی بے جا حمایت کے بعد پاکستان نے امریکی رویے پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ وزیراعظم کے مشیر برائے امور خارجہ سرتاج عزیز کا کہنا ہے کہ امریکا کے ساتھ تعلقات غور طلب ہیں، کیونکہ امریکا ضرورت پڑنے پر ہمارے پاس

آتا ہے، مطلب نہ ہو تو ان کا رویہ بدل جاتا ہے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ اوباما کی بھارت کی بے جا حمایت سے یہی عندیہ ملتا ہے کہ امریکا نے فرنٹ لائن اتحادی کی حیثیت سے دہشت گردی کے خاتمے کی جنگ میں پاکستان کے کردار اور اس کی قربانیوں کو یکسر فراموش کرکے اپنا پورا وزن پاکستان کے ازلی دشمن بھارت کے پلڑے میں ڈال دیا ہے، اس لیے امریکا کی بھارت نوازی درحقیقت پاکستان کے ساتھ دشمنی سے ہی تعبیر ہوگی، لیکن امریکا کو سوچنا چاہیے کہ بھارت کے ہمسایہ ملکوں سے تنازعات چل رہے ہیں۔ اس نے کشمیر پر غاصبانہ قبضہ جما رکھا ہے۔ پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت ڈھکی چھپی نہیں، پاکستان کے دریاؤں کا پانی غصب کر رہا ہے۔ اس کے جارحانہ عزائم کسی سے مخفی نہیں۔ اس کی دفاع کے نام پر تمام تر جنگی تیاریاں، پاکستان کے خلاف سرآور چین کے خلاف اعلانیہ ہیں۔ ان حالات میں اگر اسے این ایس جی کی رکنیت دی گئی تو یہ خطے میں طاقت کے عدم توازن کو مزید بگاڑنے کے مترادف ہوگا۔ امریکی پالیسی سازوں کو اس حقیقت کا ادراک ہونا چاہیے کہ امریکا کا بھارت کی جانب حد سے زیادہ جھکاؤ برصغیر کے امن کے لیے ضرب کاری ثابت ہو سکتا ہے۔ بھارت خطے کا چودھری بننے کے لیے جارحانہ پالیسیاں اپنائے ہوئے ہے، لیکن بھارت کو جنگی جنون سے روکنے کی بجائے بھارت و امریکا ضرورت پڑنے پر ایک دوسرے کے فوجی نظام کے استعمال کی باتیں کر رہے ہیں، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ امریکا خود بھارت کو تھپکی دے رہا ہے اور امریکا کا یہ دوغلا رویہ سراسر

خطے کے لیے نقصان دہ ہے۔ حیرت ہے کہ ایک طرف صدر اوباما کی بھارت پر نوازشوں کا سلسلہ ختم نہیں ہو رہا اور دوسری طرف امریکا پاکستان کو ہی آنکھیں دکھا رہا ہے، حالانکہ پاکستان نے ہمیشہ امریکی فرنٹ لائن اتحادی کا کردار ادا کیا اور امریکا کی جنگ میں چالیس ہزار سے زیادہ پاکستانی قربان کر دیے لیکن امریکا آج ایٹمی ٹیکنالوجی اور جدید ایٹمی ہتھیاروں کی وسعت کے لیے ہمارے اس ازلی دشمن بھارت کی سرپرستی کر رہا ہے اور اعلانیہ اپنا وزن اس کے پلڑے میں ڈال رہا ہے جس نے شروع دن سے ہماری آزادی اور خودمختاری کو قبول نہیں کیا اور وہ ہم پر تین جنگیں مسلط کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں سقوط ڈھاکا کے سانحہ سے دوچار کرکے دولخت بھی کر چکا ہے۔ آج بھی وہ ہماری سلامتی کے درپے ہے اور اپنے ایٹمی پروگرام کو وسعت دے کر ہماری ہی نہیں، علاقائی اور عالمی امن و سلامتی کے لیے بھی خطرے کی گھنٹی بجا رہا ہے، اس کے باوجود امریکا کا اس کے توسیع پسندانہ عزائم کا اعلانیہ ساتھ دینا در حقیقت ہماری سلامتی کے خلاف بھارتی مکروہ سازشوں کو ہی تقویت پہنچا رہا ہے۔ ہمیں اس کے معاملے میں بھی ایسی ہی پالیسی اپنانا ہوگی، جو ہماری سلامتی کو چیلنج کرنے والوں کے لیے اختیار کی جانی چاہیے۔ آج ہمیں جہاں بھارت کے ساتھ تعلقات کی پالیسی پر نظرثانی کی ضرورت ہے، وہیں امریکا کے ساتھ تعلقات والی اپنی پالیسی کو بھی ملکی اور قومی مفادات سے ہم آہنگ کر لینا چاہیے۔

امریکا بھارت گٹھ جوڑ کے مستقبل میں پاکستان پر پڑنے والے اثرات کو مد نظر رکھتے ہوئے پاکستانی سیاسی اور عسکری قیادتوں کے مشترکا اجلاس میں امریکا بھارت گٹھ جوڑ کے تناظر میں ہی بیرونی معاندانہ عزائم کو ناکام بنانے اور ہر قیمت پر قومی مفادات کا تحفظ کرنے کے عزم کا اظہار کیا گیا ہے۔ اب اس اظہار کو محض زبانی جمع خرچ تک نہیں رہنا چاہیے، بلکہ حالات کی مناسبت سے نئی قومی خارجہ پالیسی مرتب کرکے اسے فوری طور پر لاگو بھی کر دینا چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ امریکی فرنٹ لائن اتحادی کا کردار ختم کرنے کا بھی اعلان کرنا چاہیے۔ امریکا کبھی ہمارا دوست اور مخلص نہیں رہا، اس نے ہر مشکل گھڑی میں ہماری معاونت کی بجائے ہمیں دھوکا ہی دیا ہے۔ ایف سولہ طیاروں کے معاملے سے لے کر پاکستان کے دشمن بھارت کی بے جا حمایت تک ہر معاملے میں پاکستان کو نقصان پہنچانے کی پالیسی اختیار کی ہے، جبکہ ہم نے اس کا فرنٹ لائن اتحادی ہونے کے ناطے اپنی سلامتی اور خودمختاری کے منافی اس کے ڈرون حملے بھی برداشت کیے، مگر امریکا نے ہماری قربانیوں کی قدر کرنے کی بجائے بھارت کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھانا شروع کر دیں۔

امریکا اور بھارت کے گٹھ جوڑ کے بعد پاکستان کو حالات کا ادراک کرتے ہوئے مستقبل کے لیے لائحہ عمل طے کرنا ہوگا، کیونکہ بھارت کی شاطرانہ سوچ اور پالیسیاں کامیابی کے ساتھ پاکستان کو خطے میں نہ صرف تنہا کر رہی ہیں، بلکہ

پاکستان کے گرد گھیرا تنگ کیا جارہا ہے۔ ،ایران کے ساتھ اس کے قریبی تعلقات اور بھاری سرمایہ کاری اور افغانستان کے مختلف ترقیاتی منصوبوں میں اس کی شرکت اور افغان معدنی وسائل پر کنٹرول اس کے ساتھ ساتھ وسط ایشیائی ریاستوں سے اس کے تجارتی اقتصادی سمجھوتے اس کا بین ثبوت ہیں اور دونوں ملکوں کے لیے الارمنگ صورتحال پیدا کرتے ہیں۔ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے انتہائی مہارت سے ایک طرف امریکا کے ساتھ تعلقات مضبوط کیے ہیں، جبکہ دوسری جانب افغانستان و ایران کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات قائم ہیں۔ بنگلا دیش تو پہلے ہی بھارت نوازی میں بہت آگے جاچکا ہے۔ یہ تمام ممالک پاکستان بارے اچھے جذبات نہیں رکھتے اور اس طرح پاکستان ازلی دشمن بھارت سمیت مختلف ممالک کے درمیان میں پھنس چکا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ مودی سرکار وزیر عظم بننے کے محض چند سال بعد ہی مختلف ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرکے پاکستان کے خلاف گٹھ جوڑ کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے، لیکن دوسری طرف پاکستان حکومت تمام حالات سے بے خبر دکھائی دیتی ہے۔ مودی سرکار کی کامیاب خارجہ پالیسی مستقبل میں پاکستان کے لیے کئی مشکلات کھڑی کرسکتی ہے۔ اگر پاکستان نے سنجیدگی سے حالات پر غور نہ کیا اور مضبوط خارجہ پالیسی کے ذریعے دنیا میں خود کو نہ منوایا تو حالات مزید گھمبیر ہو سکتے ہیں، لیکن افسوس کی بات ہے کہ پاکستان میں ابھی تک کوئی وزیر خارجہ ہی نہیں ہے، ان حالات میں وزیر خارجہ کا ہونا ازحد ضروری ہے، بصورت دیگر حالات پاکستان کے ہاتھ سے نکل سکتے ہیں۔

بنت حوا ہوں میں یہ میرا جرم ہے

ویسے تو ہم بحیثیت مجموعی اتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ روز اپنی آنکھوں کے سامنے کئی المناک سانحات دیکھتے ہیں اور بہت جلد بھول جاتے ہیں، لیکن کبھی کبھی کوئی دل دوز سانحہ انسان کو جھنجوڑ کر رکھ دیتا ہے اور دماغ میں پیوست ہو کر رہ جاتا ہے، انسان لاکھ کوششوں کے باوجود بھی خود کو اس غمناکی سے بچا نہیں پاتا۔ کچھ ہی عرصے میں ملک میں تین لڑکیوں کو زندہ جلائے جانے کے واقعات کے بعد کچھ ایسی ہی کیفیت ہے۔ یوں محسوس ہونے لگا ہے کہ ہم زمانہ جاہلیت میں جی رہے ہیں، بلکہ شاید اس سے بھی بدتر کسی زمانے میں ہیں۔ زمانہ جہالیت میں تو لوگ غربت و افلاس کے خوف سے نومولود بچیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا کرتے تھے، لیکن آج کے "مہذب" دور میں نام نہاد غیرت کے نام پر جوان بچیوں کو آگ میں تڑپا تڑپا کر جلا دیا جاتا ہے۔ کچھ روز قبل لاہور میں پسند کی شادی کرنے پر سترہ سالہ لڑکی کو زندہ جلایا گیا۔ اس سے پہلے ایبٹ آباد میں ایک سولہ سالہ لڑکی کو جرگے کے حکم پر زندہ جلا دیا گیا تھا اور مری میں بھی ایک انیس سالہ لڑکی کو شادی سے انکار کے "جرم" میں علاقے کے کچھ غنڈوں نے تشدد کے بعد زندہ جلا دیا۔ درندگی و سفاکیت کے ان واقعات کے بعد یہ ثابت ہوگیا کہ ہمارا سماج اگرچہ کتنا ہی پڑھ لکھ گیا اور ترقی کر گیا ہے، لیکن انتہا پسندی اور جہالت آج

بھی اس کی رگوں میں خون کی طرح گردش کر رہی ہے۔ کسی ذی روح کو زندہ جلانے کے لیے سینے میں انسانی دل کی جگہ خونخوار بھیڑیے کا دل یا ضرور کوئی پتھر ہونا ضروری ہے، ورنہ سفاکیت کے یہ واقعات سوچ کر ہی وحشت طاری ہوئی جاتی ہے۔ صرف ایک انگلی پر انگارہ لگ جائے تو کئی دن درد کی ٹیسیں پورے بدن کو بے چین کیے رکھتی ہیں، لیکن یہاں پورے جسموں کو آگ میں جھونک دیا گیا اور پھر تڑپ تڑپ کر نکلتی روح کا تماشا بھی دیکھا۔

یہ تو وہ چند واقعات ہیں جو میڈیا میں زیر گردش ہیں، ورنہ اگر روز کے اخبارات ہی پڑھ لیے جائیں تو بنت حوا کے قتل، جنسی و جسمانی تشدد اور دیگر مظالم کی سیکڑوں المناک داستانیں آپ کی آنکھوں کو نم کرنے کو مل جائیں گی۔ حقیقت میں بنت حوا کا جرم معاشرے کا کمزور طبقہ ہونا ہے۔ عورت کو جرم ضعیفی کی سزا صدیوں سے دی جا رہی ہے اور بنت حوا اسی طرح زیر عتاب ہے۔ بنت حوا کو کبھی جنگوں میں استعمال کیا گیا تو کبھی سربازار اس کی عزت کو نیلام کیا گیا۔ کبھی اس کو بازار کی جنس بنا دیا گیا تو کبھی ماڈل کے طور پر پیش کیا گیا۔ کبھی اسے اس کے حقوق سے محروم کیا گیا تو کبھی اپنا حق مانگنے پر اس کی زندگی چھین لی گئی۔ کبھی جرگوں کے فیصلوں پر اسے زندہ جلایا گیا اور کبھی غیرت کے نام پر اس کے ٹکڑے کر دیے گئے۔ دو مردوں کے بیچ لڑائی ہو تو بھی گالی بنت حوا کو ملتی ہے۔ سماج نے ہر گالی کو عورت کے ساتھ منسوب کر کے

اپنی بیمار سوچ کا ثبوت دیا ہے۔

بنت حوا پر ہونے والے مظالم دیکھ کر تو یوں لگتا ہے کہ شاید اسے معاشرے کا حصہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔ نوے لاکھ لڑکیاں تعلیم کی سہولت سے محروم ہیں۔ شادی بیاہ کے فیصلوں میں عموماً ان سے نہیں پوچھا جاتا۔ نام نہاد غیرت کے نام پر ہر سال ہزاروں خواتین کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔کاروکاری، چھوٹی بچیوں کی بوڑھوں سے شادی، جائیداد خاندان سے باہر جانے کے خوف سے عورتوں کی شادی نہ کرنا، انھیں جائیداد کا حصہ نہ دینا، عورت کے چہرے پر تیزاب پھینکنا، بلاوجہ طلاق، شکوک و شبہات کی پاداش میں عورت کو قتل کر دینا، جہیز نہ لانے یا کم جہیز لانے پر اسے ظلم کا نشانہ بنانا، چھوٹی چھوٹی رنجشوں یا غلطیوں پر عورتوں کی پٹائی کرنا اور جہالت پر مبنی بہت کچھ ہمارے سماج کا حصہ ہیں۔بنت حوا کے ساتھ روا رکھا جانے والا یہ بھیانک رویہ نہ صرف انسانیت کے نام پر دھبہ ہے، بلکہ مذہب اسلام کی تعلیمات سے بھی سراسر متصادم ہے۔ یورپ میں عورت کو برابری کے نعرے کی وجہ سے محنت ومزدوری سمیت دیگر تمام مشکلات کا اسی طرح سامنا کرنا پڑتا ہے، جس طرح ایک مرد کرتا ہے، لیکن اسلام نے عورت کو عزت واحترام سے نواز کر گھر کی ملکہ بنایا ہے، لیکن اگر کوئی عورت کو اس کا یہ مقام نہیں دیتا تو اس میں قصور اسلام کا نہیں، بلکہ اسلامی تعلیمات سے نابلد اس کوڑھ مغز انسان کا ہے، جو عورت پر

تشدد کرنے کو اپنا حق سمجھتا ہے۔

یہ اس معاشرے کا المیہ ہے کہ یہاں قدم قدم پر مساجد ہیں اور علمائے کرام، دینی جماعتوں اور مذہبی رہنماؤں کی کثرت ہے، اس کے باوجود عورت پر ظلم ہو رہا ہے۔ اگرچہ عورت پر ظلم مذہب کے نام پر نہیں ہوتا اور نہ ہی مذہب اس درندگی کی اجازت دیتا ہے، لیکن معاشرے کو عورت کے حقوق سے آگاہ کرنا اور اسلام کی نظر میں عورت پر تشدد کی حرمت کو تو علمائے کرام اور مذہبی رہنما ہی بیان کر سکتے ہیں۔ جمعہ کے خطبات میں حکومت، بھارت، امریکا اور اسرائیل کے خلاف تو تقریریں کی جاتی ہیں، لیکن بنت حوا پر مظالم کی پرزور مذمت اور اس کے خلاف شعور بیدار کرنے کے حوالے سے شاید ہی کوئی بیان کیا جاتا ہو۔ معاشرے میں اس سوچ کو فروغ دینا بھی علمائے کرام کی ذمہ داری ہے کہ پسند کی شادی کرنا اگرچہ معاشرتی طور پر نا پسندیدہ عمل ہے، لیکن اس کی پاداش میں قتل کر دینا بدترین ظلم ہے، جس کی اسلام ہر گز ہر گز اجازت نہیں دیتا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ بچیاں کم فہمی کی وجہ سے اپنے بارے میں بہت سے غلط فیصلے کر بیٹھتی ہیں، لیکن اگر والدین اولاد کی اچھی تربیت کریں تو شاید نوبت یہاں تک نہ پہنچے اور اگر اولاد اپنے لیے نامناسب فیصلہ کر ہی لیتی ہے تو قتل کرنا تو حل نہیں، بلکہ ان کو بہتر فیصلے کے لیے قائل کرنا والدین کی ذمہ داری ہے اور پوری دنیا کے سامنے تماشا بنانے کی بجائے نکاح کے ذریعے ان

کے فیصلے کو قبول کرلیا جائے، جو بھاگ کر شادی کرنے سے کہیں بہتر ہے، کیونکہ شادی میں پسند، ناپسند کا اختیار خود اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہے، اس کی پاداش میں قتل کردینا غیرت" نہیں، بے غیرتی اور پرلے درجے کی درندگی ہے۔"

سماجی، ثقافتی رویوں کے ساتھ ساتھ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے موثر کردار ادا نہ کرنے کی وجہ سے بھی عورتوں پر تشدد کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے، کیونکہ عورتوں پر تشدد کے شاید ہی کسی مجرم کو سزا دی جاتی ہو۔ اگر حکومت اور قانون ساز ادارے اسلام کے اصولوں کو مد نظر رکھ کر قوانین بنائیں اور قوانین پر مکمل عمل درآمد کیا جائے تو عورت کو درپیش مسائل حل ہو سکتے ہیں، لیکن اس حوالے سے موجودہ قوانین پر عمل درآمد نہ ہونے کے برابر ہے۔ خواتین پر تشدد کے خاتمے کے لیے حکومت، علمائے کرام، مذہبی و سیاسی جماعتوں اور میڈیا کو اسلام میں عورت کے حقوق کے حوالے سے معاشرے میں شعور اجاگر کرنا ہوگا، تاکہ معاشرے کا ہر فرد عورت کی عزت واحترام اور اس پر تشدد کی حرمت سے واقف ہو جائے، بصورت دیگر بنت حوا کو جرم ضعیفی کی سزا ملتی رہے گی:

بنت حوا ہوں میں یہ میرا جرم ہے
میں تماشا نہیں اپنا اظہار ہوں

سوچ سکتی ہوں سو لائق دار ہوں
میرا ہر حرف ہر اک صدا جرم ہے

بچے ہمارے عہد کے مزدور بن گئے

بچے کسی بھی معاشرے کی امیدوں، آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز اور قوموں کا روشن مستقبل اور اثاثہ ہوتے ہیں۔ قوموں کی ترقی کا انحصار ان ہی پر ہوتا ہے۔ بچے اس روئے زمین کا حسن ہیں۔ جب یہی بچے خاندان کی معاشی کفالت کے لیے مزدوری پر مجبو ر ہوتے ہیں تو اپنا بچپن کھو دیتے ہیں۔ ایسے بچے بچپن کی خوشیوں اور تعلیم کے بنیادی حق سمیت تمام حقوق سے محروم ہوجاتے ہیں۔ بچوں سے مشقت ومزدوری کروانے کا رجحان ایک سنگین مسئلہ ہے۔ معاشی بدحالی، سہولیات سے محرومی، استحصال، بے روزگاری، غربت اور وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم جیسے مسائل کے باعث بچوں کو زیور تعلیم سے دور رکھ کر ان سے جبری مشقت لی جاتی اور بچوں کی جبری مشقت کو معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا اور اس طرح یہ بچے ہوٹلوں، چائے خانوں، ورکشاپوں، مارکیٹوں، چھوٹی فیکٹریوں، موٹر گاڑیوں کی کنڈیکٹری، خشت بھٹوں، سی این جی اور پٹرول پمپوں پر گاڑیوں کے شیشے صاف کرنے سمیت دیگر بہت سی جگہوں پر مشقت کرتے نظر آتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا بھر میں 24 کروڑ 60 لاکھ بچے اپنے بچپن سے محروم رہتے ہیں، جبکہ پاکستان میں 1 کروڑ 20 لاکھ بچے جبری مشقت اور محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہیں، جن میں سے ساٹھ لاکھ بہت ہی کم عمر بچے ہیں۔ یہ وہ بچے ہیں جو ہوش سنبھالتے ہی گھر سنبھالنے پر لگا دیے جاتے ہیں، جو

کھلونوں سے کھیلنے کی عمر میں کھلونے بیچنے لگتے ہیں، جو قلم تھامنے کی بجائے اوزار پکڑے نظر آتے ہیں اور جو اخبار پڑھنے کی بجائے سڑک کنارے، ٹریفک اشاروں پر اخبار بیچ رہے ہوتے ہیں۔ پاکستان میں 66 فیصد کمسن محنت کش ہفتے میں 35 گھنٹوں سے زیادہ کام کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر بچے غریب گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ محنت کش بچوں کے والدین کا کہنا ہے کہ غربت کا مقابلہ کرنے کے لیے مجبوراً بچوں کو محنت مزدوری پر لگادیا جاتا ہے، ورنہ اپنے بچوں کو تعلیم سے آراستہ کرنے اور ان کو بہتر مستقبل فراہم کرنا ہمارا بھی خواب ہوتا ہے، لیکن غربت کی وجہ سے اپنا خواب پورا نہیں کرپاتے۔ دنیا بھر میں 12 جون کو محنت کش بچوں کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس دن سرکاری و سماجی تنظیموں کی طرف سے مختلف تقریبات کا اہتمام کیا جاتا ہے، جن میں بچوں کو مشقت سے چھٹکارہ دلانے اور ان کو تعلیم سمیت دیگر حقوق فراہم کرنے کے بلند و بانگ دعوے کیے جاتے ہیں، لیکن یہ دعوے محض دعوے ہی ہوتے ہیں۔ اس سال بھی چائلڈ لیبر ڈے کے خاتمے کے عالمی دن پر وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف کا کہنا تھا کہ قوم کے نونہالوں کو چائلڈ لیبر کی لعنت سے چھٹکارا دلا کر دم لیں گے۔ بہت جلد ہوٹلوں، ورکشاپوں اور پٹرول پمپوں سے بھی چائلڈ لیبر کا خاتمہ کیا جائے گا۔ بچوں کی تعلیم وتربیت پر توجہ دینا معاشرے کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے، کیونکہ بچوں کی تعلیم وتربیت پر جتنی توجہ دی جائے قوموں کی ترقی کے امکانات اتنے روشن ہوتے ہیں، لیکن ان دعوؤں

کا حال بھی سابقہ دعوؤں کی طرح ہوگا۔

پاکستان میں ایمپلائمنٹ آف چلڈرن ایکٹ کے تحت بچے سے مراد وہ فرد ہے جس کی عمر 14 سال سے کم ہو جبکہ نوبالغ وہ ہے جس کی عمر 14 سال سے زیادہ لیکن 18 سال سے کم ہو۔ اگرچہ آئین میں بھی کم از کم عمر کی حد 14 سال ہے، لیکن اٹھارویں ترمیم میں کم از کم عمر کی حد 14 سال سے بڑھا کر 16 سال کردی گئی اور اب آئین کی پچیسویں شق کے مطابق ریاست کے لیے ضروری ہے کہ وہ 5 سے 16 سال کی عمر کے بچوں کے لیے لازمی اور مفت تعلیم کا انتظام کرے۔ آئی ایل او کے مطابق چائلڈ لیبر وہ کام ہے جس سے بچے اپنے بچپن کی امنگوں، باعزت و پروقار طرزِ زندگی سے محروم ہوجائیں اور جو ان کی جسمانی، ذہنی اور اخلاقی نشوونما کے لیے نقصان دہ ہو اور جس سے ان کی تعلیم میں حرج ہو۔ پاکستان کے دیہی علاقوں میں آج بھی کام کرنے والے بچوں کی تعداد 60 سے 70 فیصد ہے، جبکہ شہری علاقوں میں یہ تعداد 35 سے 40 فیصد ہے۔ پاکستان میں چائلڈ لیبر کے خلاف قانون موجود ہیں، جو غیر موثر ہیں، پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد سے لے کر اب تک شاید کسی ایک بھی شخص کو بچوں کو ملازمت پر رکھنے کی وجہ سے گرفتار نہیں کیا گیا۔ سزا دی گئی تو صرف جرمانے کی جس کی رقم نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کے علاوہ عملدرآمد نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جتنے بھی قوانین بنائے گئے ہیں، وہ رسمی یا فارمل سیکٹر کا احاطہ کرتے ہیں۔ جو ہمارا

غیر رسمی سیکٹر ہے، اس سے متعلق بہت ہی کم قوانین ہیں۔ مثلاً گھریلو ملازم بچوں سے متعلق کوئی قانون موجود نہیں ہے۔ پاکستان میں آئین کے آرٹیکل 11 کے مطابق: " 14 سال سے کم عمر بچے کو کسی کارخانے یا کان یا دیگر پرخطر ملازمت میں نہیں رکھا جائے گا"۔ آئین کے آرٹیکل 25 کے تحت: "ریاست تمام 5 سال کی عمر سے لے کر 16 سال کی عمر کے بچوں کے لیے لازمی اور مفت تعلیم دینے کا انتظام کرے گی، جس کا تعین قانون کرے گا"۔ آئین کے آرٹیکل 37 کے مطابق: "ریاست منصفانہ اور نرم شرائط کار، اس امر کی ضمانت دیتے ہوئے کہ بچوں اور عورتوں سے ایسے پیشوں میں کام نہ لیا جائے گا جو ان کی عمر یا جنس کے لیے نامناسب ہوں۔"

قانون کے مطابق بچوں کو کسی بھی ایسے پیشے، کاروباری ادارے اور پیداواری عمل میں کام کے لیے نہیں رکھا جا سکتا جس کا تعین خطرناک کام کے طور پر کیا گیا ہو، تاہم اگر کوئی بچہ، خاندانی یا نجی کاروبار/فیملی بزنس میں مصروف عمل ہے یا کسی ٹریننگ/تربیتی اسکول (حکومت کا قائم کردہ یا منظور شدہ) میں ان پیشوں یا پیداواری عملوں سے متعلق ٹریننگ لے رہا ہو تو ان پر بچوں کی ملازمت سے متعلق ممانعت کا اطلاق نہ ہوگا۔"

ایمپلائمنٹ آف چلڈرن ایکٹ کے حصہ سوم اور سیکشن 7 کے مطابق: کسی بھی بچے یا نوبالغ سے ایک دن میں 7 گھنٹے سے زیادہ کام نہیں کروایا جا سکتا اور کام کی ترتیب یوں رکھی جانا

ضروری ہے کہ مسلسل کام کے ہر 3 گھنٹے بعد کم از کم 1 گھنٹہ آرام کا وقفہ دینا ضروری ہے۔ شاپس اینڈ اسٹیبلش منٹس آرڈیننس کے تحت بچوں سے کسی بھی
تجارتی/کاروباری ادارے میں کام نہیں کروایا جا سکتا (سیکشن بیس) جبکہ کم عمروں (یہ اصطلاح کمسنوں/بچوں اور نوبالغوں دونوں کے لیے اکٹھی استعمال ہوتی ہے، یعنی جن کی عمر 14 سے 18 سال کے درمیان ہو) سے صبح 9 بجے سے لے کر شام 7 بجے تک ہی کام کروایا جا سکتا ہے۔ بچوں کی مشقت سے متعلق قانون یعنی چلڈرن (پلیجنگ آف لیبر) ایکٹ کے تحت ہر وہ معاہدہ کالعدم ہے جس میں کسی بچے کی مزدوری/کام کو کسی معاوضے یا فائدے کے عوض گروی رکھا گیا ہو۔ تاہم اس ایکٹ میں ایک استثنائی صورت یہ ہے کہ اگر یہ معاہدہ اس طرح کیا گیا ہو کہ اس کے مضر اثرات بچے پر نہ پڑیں یا بچے کی مزدوری مناسب اجرت کے عوض طے کی گئی ہو اور یہ معاہدہ ایک ہفتے کے نوٹس پر ختم کیا جا سکتا ہو تو ایسا معاہدہ کالعدم نہ ہوگا۔ ایمپلائمنٹ آف چلڈرن ایکٹ کے سیکشن 14 کے مطابق "جو شخص بھی بچوں کو کسی ممنوع کام پر ملازم رکھتا ہے یا اس کی اجازت دیتا ہے تو اسے مبلغ 20 ہزار روپے تک جرمانہ، یا قید کی سزا جس کی مدت ایک سال تک ہو سکتی ہے، یا دونوں سزائیں اکٹھی دی جا سکتی ہیں۔ اگر وہ شخص دوبارہ اسی طرح کے جرم کا ارتکاب کرے تو اس کی کم از کم سزا 6 ماہ ہے جس کی مدت دو سال تک بڑھائی جا سکتی ہے۔

ہمارے ہاں المیہ یہ ہے کہ چائلڈ لیبر قوانین تو بنے ہیں لیکن آج تک کسی کو بھی ان قوانین کی خلاف ورزی کے حوالے سے سزا نہیں سنائی گئی۔ امیر لوگوں کے گھروں میں کام کرنے والے بچوں کے حالات کار سب سے برے ہیں جن پر شدید تشدد کے واقعات آئے روز منظر عام پر آتے رہتے ہیں، اس کے علاوہ بیشتر کاروباری مقامات اور ورکشاپس میں محنت کش بچوں پر معمولی معمولی بات پر پر تشدد واقعات معمول بن چکا ہے۔ ہماری حکومتوں کا حال یہ ہے کہ عشروں سے محنت مزدوری کرنے والے ان بچوں کی درست تعداد معلوم کرنے کے لیے کوئی سروے ہی نہیں کروایا گیا۔ ملک میں بچوں کو بڑوں کی طرح رہنے اور مشقت کرنے پر مجبور کیا جانا ایک المیہ ہے۔ اس کی وجہ سے بچے ذہنی و جسمانی افزائش کے فطری عمل سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس مسئلے کا حل صرف حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ یہ ذمہ داری پورے معاشرے خصوصاً سماجی تنظیموں پر بھی عاید ہوتی ہے۔ معاشرے کا فرض بنتا ہے کہ بچوں سے محنت و مشقت لینے کی بجائے ان کی تعلیم، صحت اور خوراک کے لیے ان کے والدین کو مناسب سپورٹ کیا جائے۔ غربت کے ہاتھوں مجبور ہو کر مزدوری کرنے والے بچوں کو مفت تعلیم، علاج معالجہ اور کفالت فراہم کی جائے اور ان کے والدین کو ترغیب دی جائے اور پابند کیا جائے کہ وہ بچوں سے مشقت نہ لیں گے اور بچوں سے جبری مشقت کے خاتمے کے لیے معاشرے کے ہر فرد کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے موثر ترین کردار ادا کرنا چاہیے تاکہ متاثرہ بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا جاسکے۔

پاک افغان کشیدگی.....بھارت امریکا گٹھ جوڑ کا نتیجہ

کچھ روز سے پاکستان اور افغانستان کے درمیان جاری کشیدگی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی۔ اگرچہ سیز فائر کے بعد دونوں اطراف سفید جھنڈے لہرادیے گئے تھے، اس کے باوجود کشیدگی موجود ہے۔ پاکستان کا کہنا ہے کہ افغان سرحد کو محفوظ بنانے کے معاملے میں پیچھے نہیں ہٹیں گے اور پاکستان نے طورخم بارڈر کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی گیٹ بنانے کا اعلان کردیا ہے، جبکہ افغانستان کا کہنا ہے کہ پاکستان معاہدے کی خلاف ورزی کر رہا ہے، گیٹ کی تعمیر کے نتائج کا ذمہ دار پاکستان ہوگا۔ مشیر خارجہ سرتاج عزیز کا کہنا ہے کہ طورخم پر گیٹ تعمیر کرکے ہم نے کسی معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔ طورخم بارڈر پر پہلے بھی گیٹ موجود تھا اور ہم نے افغان حکام کو گیٹ کی تعمیر سے متعلق پیشگی آگاہ کردیا تھا، جبکہ وزیر دفاع خواجہ آصف کہتے ہیں کہ افغانستان کے ساتھ کچھ لو کچھ دو کرکے مسئلہ حل کرنے کو تیار ہیں، مگر بارڈر مینجمنٹ ہماری قومی سلامتی کا معاملہ ہے، اس سے کسی صورت پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ جو لوگ نہیں چاہتے کہ پاکستان امن سے رہے اور افغانستان کے ساتھ اس کے تعلقات بہتر ہوں وہ اس میں خرابی پیدا کر رہے ہیں۔ گزشتہ دنوں گیٹ کی تعمیر کے سلسلے میں افغان فورسز کے حملے کے نتیجے میں پاکستان کے ایک میجر سمیت متعدد جوان شہید ہوگئے تھے، جس کے بعد دونوں

ملکوں کے مابین کشیدگی میں اضافہ ہوا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ افغان حکومت اِس سلسلے میں پاکستان سے تعاون کرتی، کیونکہ طور خم بارڈر پر گیٹ کی تنصیب سے دونوں ممالک کے درمیان غیر قانونی نقل و حرکت کا خاتمہ ہو جائے گا، مگر اس کی بجائے افغانستان کی حکومت کشیدگی کو بڑھاوا دے رہی ہے۔ گزشتہ روز پاک فوج کے ترجمان لیفٹیننٹ جنرل عاصم سلیم باجوہ نے کہا کہ طور خم بارڈر پر افغان فورسز نے فائرنگ میں پہل کی جس کا بھرپور جواب دیا گیا۔ یہاں گیٹ لگانے کا فیصلہ حکومت اور فوج نے مل کر کیا جو نیا نہیں، 2004ء میں بھی یہاں گیٹ موجود تھا جو بعد میں طور خم جلال آباد سڑک بنانے کی وجہ سے ہٹا دیا گیا، طور خم پر چیکنگ کا نظام بہتر بنانے کے لیے باڑ لگائی گئی۔ دفتر خارجہ کے ترجمان کے مطابق سیکرٹری خارجہ نے کہا کہ افغان حکومت کے ساتھ معاہدے کے تحت پاکستان اپنے سرحدی علاقے میں لوگوں اور گاڑیوں کی آمدورفت کو ریگولیٹ کرنے کے لیے تعمیراتی کام کر رہا تھا کہ افغان فورسز کی جانب سے بلااشتعال فائرنگ کی گئی، فائرنگ موثر بارڈر مینجمنٹ کے لیے تعمیراتی سرگرمیاں سبوتاژ کرنے کی کوشش ہے۔ طور خم بارڈر پر گیٹ لگانے سے دہشت گردی کے واقعات روکنے میں آسانی ہو گی، اس کا فائدہ جہاں پاکستان کو پہنچے گا وہاں افغانستان میں بھی امن و امان کی صورتحال بہتر ہو گی۔ افغانستان طور خم بارڈر پر پاکستان کی جانب سے سیکورٹی اقدامات پر تعاون کرنے کی بجائے معاملات کو الجھا رہا ہے۔

طور خم سرحد پر افغان فورسز کی کارروائیوں کے محرکات پر بعض حلقوں کا خیال ہے کہ پاک افغان تعلقات میں خرابی کا فائدہ تیسرا ملک بھارت اٹھا سکتا ہے، جب کہ پاک افغان امن ڈیل کی ممکنہ کوششوں کو دھچکا لگنے کا خطرہ ہے، اس لیے طور خم گیٹ کے معاملے میں بھارت سمیت وہ ممالک افغانستان کو گمراہ کر رہے ہیں، جو خطے میں امن نہیں چاہتے۔ جب تک نقل و حرکت کو ریگولیٹ نہیں کیا جاتا، انسداد دہشت گردی کی کوششیں نتیجہ خیز نہیں ہو سکتیں۔ یہ پہلا موقع ہے کہ افغان و پاکستان سرحد پر چیکنگ کا ایک ایسا نظام نافذ کیا جا رہا ہے، جو بین الاقوامی ضابطوں کے عین مطابق ہے، اس سے پہلے افغانستان سے پاکستان آنا اتنا ہی آسان تھا، جیسے ایک محلے سے نکل کر دوسرے محلے میں جانا، اس سے فائدہ اُٹھا کر دہشت گرد بآسانی پاکستان میں داخل ہوتے اور قبائلی علاقوں میں روپوش ہو جاتے، لیکن افغان فورسز کی بلااشتعال کارروائیوں سے لگتا ہے کہ انہیں یہ فیصلہ ہضم نہیں ہو رہا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ پاک افغان بارڈر پر کشیدگی بڑھانے میں بھارت کا کردار ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ طور خم پر پاک افغان بارڈر کا افغانستان کی طرف کا نظام اب بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کے ہاتھوں میں ہے اور افغان حکومت کی آشیر باد سے یہ سب کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ اس تمام صورتحال کے پس پردہ یقیناً کوئی بین الاقوامی سازش کارفرما ہے۔ آج افغان فورسز کی طرف سے طور خم بارڈر پر بنائے جانے

والے گیٹ کے رد عمل میں جو کچھ کیا جا رہا ہے، وہ اِس امر کا ثبوت ہے کہ چوکی خالی کرنے اور بعدازاں وہاں گیٹ بنانے کا فیصلہ کسی بھی طرح افغان فورسز اور اُس کے پسِ پردہ طاقتوں کے مفاد میں نہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اشتعال انگیزی پر اُتر آئے ہیں اور ہر قیمت پر اِس گیٹ کی تعمیر کو رکوانا چاہتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ اس کے پسِ پردہ امریکا اور بھارت کا ہاتھ ہے، جو افغانستان سے پاکستان کے اندر آزادانہ در اندازی چاہتے ہیں تاکہ خطے میں امن قائم نہ ہو اور اس امن کے ذریعے پاکستان جو فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے، اُن سے محروم رہے۔ بھارت افغانستان میں اثر و رسوخ بڑھا رہا ہے، یا افغانستان حکومت کا اُس کی طرف جھکاؤ زیادہ ہو گیا ہے، جبکہ میں امریکا بھی ایک بڑے فریق کے طور پر موجود ہے، جو افغانستان میں اپنی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ چاہتا ہے کہ پاکستان میں اقتصادی راہداری منصوبے کو ناکام بنائے اور چین کے خطے میں بڑھتے ہوئے کردار کو کم کرے۔ گویا یہ سب کچھ خطے میں بالادستی کی جنگ کا ایک حصہ ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ افغانستان نے دہشتگردی ختم کرنے کے معاملے میں کبھی پاکستان کے ساتھ تعاون نہیں کیا، اگر اس نے تعاون کیا ہوتا تو آج اس کے مثبت نتائج سامنے آتے۔ یہ واضح رہے کہ امریکی نائن الیون کے بعد بش کے دور حکومت میں افغان سرزمین پر امریکی نیٹو فورسز کے ذریعہ شروع کی گئی دہشتگردی کے خاتمے

کی جنگ میں پاکستان کے اس وقت کے جرنیلی آمر مشرف نے امریکی فرنٹ لائن اتحادی کا کردار قبول کیا تو اس کے رد عمل میں دہشت گردوں نے ہماری سرزمین کی جانب رخ کرلیا، چنانچہ اس پرائی جنگ میں دہشتگردی کا عفریت ہماری سلامتی کے خلاف فعال اور تروتازہ ہوگیا، جس کی بھینٹ چڑھ کر ہماری سیکورٹی فورسز کے جوانوں اور افسران سمیت ملک کے 60 ہزار سے زاید باشندے جام شہادت نوش کرچکے ہیں، جبکہ سو ارب ڈالر سے زیادہ کا ہماری معیشت کو نقصان پہنچ چکا ہے۔ ہمارا یہ نقصان زیادہ تر امریکا اور افغانستان کے ہمارے خلاف دشمنی پر مبنی رویے کے باعث ہوا، جنہوں نے دہشتگردی کی جنگ میں ہماری خدمات، ایئر بیسز اور لاجسٹک سپورٹ تو حاصل کی، مگر افغانستان سے فرار ہو کر پاکستان آنے والے دہشتگردوں کے خلاف کوئی ایکشن لیا، نہ افغان سرحد پر دہشتگردوں کی نقل و حمل روکنے میں کسی قسم کی معاونت کی۔ چنانچہ فرنٹ لائن اتحادی ہونے اور دہشتگردی کی جنگ میں بھاری جانی اور مالی نقصانات اٹھانے کے باوجود پاکستان کے اندر دہشتگردوں کی سرکوبی کے لیے تنہاء ہماری سیکورٹی فورسز کو مرحلہ وار آپریشن کرنا پڑے، اسی تناظر میں آرمی چیف نے موجودہ سال کو دہشتگردی کے خاتمہ کا سال قرار دے رکھا ہے۔ ابھی تک دہشتگردوں کا مکمل صفایا نہیں کیا جاسکا۔ دہشتگردوں کے اس طرح اب تک بچے رہنے کے پس پردہ محرکات میں یقیناً افغان سرزمین سے انہیں کمک حاصل ہونا بھی شامل ہے اور یہ بدقسمتی ہے کہ ہماری سلامتی کے خلاف شروع دن سے درپے ہمارے دشمن بھارت کو

بھی اس مقصد کے لیے افغان سرزمین پر ہی سہولت حاصل ہوئی، جہاں اس نے ''را'' کا نیٹ ورک قائم کرکے کابل انتظامیہ کی آشیر باد سے دہشتگردوں کو تربیت دینا شروع کی جو یقیناً کابل انتظامیہ کی معاونت سے ہی بھاری اسلحہ اور گولہ بارود سمیت افغان سرحد عبور کرکے پاکستان میں داخل ہوتے اور یہاں دہشتگردی کی وارداتوں میں انسانی خون کی ندیاں بہاتے رہے ہیں۔ افغانستان میں اشرف غنی کے برسر اقتدار آنے کے بعد کچھ توقعات پیدا ہوئی تھیں کہ اب دونوں برادر مسلم ممالک کے مابین بہتر تعلقات کار کی فضا استوار ہو جائے گی مگر شروع کے چند ماہ کے علاوہ اشرف غنی نے پاکستان کے ساتھ وہی رویہ اختیار کرلیا جو ان کے پیشرو کرزئی نے بھارتی ایماء پر اختیار کیا تھا۔ یہ طرفہ تماشا ہے کہ پاکستان کی جانب سے تو ہمیشہ افغانستان میں قیام امن کے لیے قربانیاں دی جاتی رہیں، لیکن کابل انتظامیہ نے ہماری اس خیر سگالی کا جواب سنگین نتائج کی دھمکیوں اور دشمنانہ رویوں کے ذریعے دیا۔ موجودہ صورتحال ہماری خودمختاری اور سالمیت کے لیے کھلم کھلا چیلنج ہے۔ قوم اس وقت امریکا اور افغانستان کی جنگ میں اپنے ملک کو میدان جنگ بنا چکی ہے اور ہزاروں جانیں قربان کرچکی ہے، لیکن جن کی خاطر ہم نے قربانیاں دی آج وہی لوگ ہمیں آنکھیں دکھا رہے ہیں۔ لہٰذا اب ہماری سول اور عسکری قیادتوں کو سنجیدگی سے سوچنا ہوگا کہ اب فرنٹ لائن اتحادی کے کردار سے رجوع کرنا ہوگا۔

سوشل میڈیا پر مادر پدر آزادی.....معاملہ شعائر اسلام، ناموس رسالت کی توہین تک پہنچ گیا

جدید ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسانی تعلقات کی نت نئی شکلیں پیدا کرکے ان کے دائرے کو وسیع تر کردیا ہے۔ ان ہی ترقیاتی شکلوں میں نیٹ ورک سوشل میڈیا بھی ہے۔ پچھلی ایک دہائی میں اس میں انتہائی تیز رفتار ترقی ہوئی ہے اور اب سوشل میڈیا نوجوانوں کی بڑی تعداد کی دلچسپی کا محور و مرکز بن چکا ہے۔ انٹرنیٹ سے تعلق رکھنے والا ہر شخص فیس بک، ٹوئٹر، لنکڈ اور دیگر بہت سی سوشل سائٹس سے جڑی دنیا کا باشندہ بن چکا ہے۔ آج جملہ ذرایع ابلاغ میں سوشل میڈیا کا استعمال سب سے زیادہ ہورہا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ سوشل میڈیا نے الیکٹرانک میڈیا کو بھی مات دے دی ہے، کیونکہ ماضی میں کچھ عرصہ قبل تک الیکٹرانک میڈیا اپنی مرضی سے جو کچھ چاہتا عوام کو دکھاتا اور جس چیز سے چاہتا بے خبر رکھتا، لیکن ممتاز قادری کی پھانسی، جنازے اور دیگر کئی واقعات میں سوشل میڈیا نے یہ ثابت کردیا کہ اب باخبر ہونے کے لیے عوام الیکٹرانک میڈیا کے محتاج نہیں ہیں۔ جس طرح ہر چیز کے مثبت و منفی اثرات ہوتے ہیں، اسی طرح سوشل میڈیا کے بھی دونوں قسم کے اثرات ہیں۔ سوشل میڈیا کا مقصد رابطوں کو فروغ دینا تھا، لیکن لوگوں نے اس کے مقاصد کو نظر انداز کرنا شروع کردیا۔ سوشل میڈیا پر ایسی سرگرمیاں بھی عروج پر ہیں جو معاشرے میں نفرت کو پروان چڑھانے اور باہمی انتشار اور

خلفشار کا سبب بن رہی ہیں۔ مختلف جماعتوں، فرقوں، گروہوں نے سوشل میڈیا پر اپنی اپنی لابیاں بنائی ہوئی ہیں، جن کا مقصد صرف اور صرف فریق مخالف کے خلاف ہرزہ سرائی کرنا ہوتا ہے۔ متعدد معروف شخصیات، حکومتی عہدیداران، سیاستدان اور ججز کے نام سے آئی ڈیز سماجی رابطے کی سائٹس پر موجود ہیں، لیکن وہ شخصیات بار بار اس کی تردید کرچکی ہیں۔ سوشل میڈیا پر آپ کسی کے خلاف جو چاہے لکھیں۔ کسی کو گالی دیں، کسی کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائیں، کوئی پوچھنے والا نہیں اور نہ ہی ہماری حکومت نے ایسے افراد کی گرفت کے لیے کوئی قانون سازی کی ہے اور نہ ہی حکومتی ذمہ داروں نے کوئی ایسا فلٹریشن سسٹم لگایا جو اسلام مخالف، فحش اور دوسرے بیہودہ مواد کو روک سکے۔ سائبر وار فیئر، سائبر کرائم اور سائبر ٹیررازم جیسی اصطلاحات دنیا میں رائج ہیں، لیکن سوشل میڈیا کے منفی استعمال کو روکنے کے لیے ہمارے یہاں کوئی جامع بات دکھائی نہیں دیتی۔ پاکستان میں قومی اسمبلی سے اگرچہ سائبر کرائم کی روک تھام کے لیے بل منظور کیا جاچکا ہے، جس کے مطابق پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی (پی ٹی اے) اسلامی اقدار، قومی تشخص، ملکی سیکورٹی اور دفاع کے خلاف مواد بند کرنے کی پابند ہوگی اور اس کے تحت تین ماہ سے 14 سال قید اور پچاس ہزار سے لیکر پانچ کروڑ تک جرمانے کی سزا کا تعین بھی کیا گیا ہے۔ مذہبی منافرت اور ملکی مفاد کے خلاف کوئی مواد شایع کرنے اور خوف و ہراس پھیلانے والے کو پانچ کروڑ تک جرمانہ اور 14 سال کے لیے سلاخوں کے پیچھے بھیجا

جا سکتا ہے۔ اس قانون سازی کے اجرا سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پاکستان میں سائبر کرائم میں خاطر خواہ کمی آتی، لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس دکھائی دیتا ہے، کیونکہ ہمارے یہاں قوانین بن تو جاتے ہیں لیکن ان پر عمل درآمد نہیں کیا جاتا۔

سوشل میڈیا کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ قانون کی کمزوری کی وجہ سے اسے ملحدین اور اسلام دشمن عناصر کی جانب سے شعائر اسلام، ناموس رسالت کی توہین اور مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں تشکیک میں مبتلا کرنے کے لیے بلاروک ٹوک استعمال کیا جارہا ہے۔ ذرایع کے مطابق ملحدین نے الحاد کی تبلیغ کے لیے مسلم دنیا کے لیے خصوصی انٹرنیٹ گروپس تشکیل دیے ہوئے ہیں۔ انٹرنیٹ پر اس قسم کی الحادی فکر رکھنے والے گروپس کی تعداد سو سے زاید ہے، جن میں سے اکثر کا تعلق ''فیس بک'' سے ہے۔ یہ لوگ گزشتہ آٹھ سال سے پاکستانی نیٹ ورک کی دنیا میں آزادی اظہار رائے کے نام پر اپنے مقاصد کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ان کی بلاگنگ کا مقصد شعائر اسلام کا مضحکہ اڑانا یا کم از کم ان کے بارے میں شکوک پھیلانا ہے۔ انتہائی تشویش ناک بات یہ ہے کہ پاکستان کی نیٹ دنیا میں اکثر اسلام کے مسلمہ اصول و ارکان کے خلاف شکوک و شبہات پھیلانے والے لوگوں کے نام بدستور مسلمانوں والے ہیں اور خود کو مسلمان ظاہر کر کے یہ لوگ اللہ کی شان میں گستاخی، اس کے کلام پر اعتراضات کی بھرمار، رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کا مضحکہ اڑا کر اور جنت دوزخ اور دوسرے مغیبات کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلا کر علوم دین سے ناواقف مسلمانوں کو راہ راست سے ہٹانے کے لیے کوشاں ہیں۔ پاکستان میں سوشل میڈیا پر شعائر اسلام اور اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتکب افراد میں کئی معروف نام بھی شامل ہوتے ہیں۔ ذرائع کے مطابق فیس بک پر موجود نسیم کوثر نامی خاتون ایک عرصے سے اپنی اصلی شناخت کے ساتھ اللہ تعالیٰ، دین اسلام اور قرآن مجید کی اہانت کرتی رہی ہے۔ گزشتہ دنوں جب اس نے ایک گروپ چیٹنگ کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا تو فیس بک صارفین کی بڑی تعداد نے گستاخی کی مرتکب نسیم کے تحت مقدمہ دائر کرنے کا مطالبہ C- کوثر کے خلاف انسداد توہین رسالت ایکٹ 295 کیا، جس کے بعد اگلے ہی دن ملک بھر میں متعدد مقامات پر نسیم کوثر کے خلاف اندراج مقدمہ کے لیے قانون نافذ کرنے والے اداروں سے رجوع کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ صورتحال دیکھ کر نسیم کوثر نے پینترا بدلا اور قانونی کارروائی سے بچنے کے لیے اپنی آئی ڈی سے تمام گستاخانہ مواد ہائیڈ کرنے کے بعد یہ اعلان کیا کہ گستاخی پر مبنی کمنٹ اس نے نہیں کیا، بلکہ یہ اس کے نام سے بنائی گئی ایک جعلی آئی ڈی سے کیا گیا ہے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی نامعلوم افراد کی جانب سے ایک منظم اور مربوط منصوبے کے تحت الحاد، لادینیت اور نسیم کوثر کی گستاخانہ حرکات کے خلاف سرگرم افراد کے ناموں سے جعلی آئی ڈیز بنا کر شعائر اسلام، اہانت رسول

کا نیا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ اس منصوبے کا ایک مقصد نسیم کوثر کے مقدمے کو کمزور کرنا اور دوسرا مقصد الحاد کے خلاف سرگرم افراد کو بدنام کر کے جذباتی مسلمانوں کے غم و غصے کا رخ ان کی طرف موڑنا ہے۔ منصوبے کے تحت سوشل میڈیا پر الحاد اور لادینیت کے خلاف علمی و عقلی بنیاد پر محاسبہ کرنے والے معروف اسلامسٹ بلاگر اسکندر حیات بابا کے نام سے جعلی اکاؤنٹ بنا کر اس سے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا گیا اور دیگر متعدد اسلامسٹ بلاگرز کے نام سے جعلی اکاؤنٹ بنا کر نبوت کے جھوٹے دعوے کی تصدیق کے ساتھ شان رسالت میں گستاخی اور اسلام کے خلاف انتہائی دل آزار اور اشتعال انگیز خرافات نشر کی گئیں، جس کے بعد اسکندر حیات بابا اور دیگر اسلامسٹ بلاگرز کو جعلی آئی ڈیز سے توہین آمیز مواد کی اشاعت کی حقیقت سے ناواقف لوگوں کی طرف سے دھمکیاں ملنا شروع ہو گئیں اور ان بلاگرز کے جان کو خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔

(اسکندر حیات بابا (اسلامسٹ بلاگر

اس حوالے سے معروف اسلامسٹ بلاگر اسکندر حیات بابا نے گفتگو کرتے ہوئے روزنامہ اسلام کو بتایا کہ گزشتہ دنوں فیس بک پر میرے نام سے جعلی اکاؤنٹ بنا کر شعائر اسلام اور شان رسالت کی توہین کا گھناؤنا کھیل کھیلا گیا ہے، جس سے ہر مسلمان رنجیدہ ہے۔ ایسی گھٹیا حرکات کرنے والوں کی گرفت کرنا

حکومت، متعلقہ اداروں اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب کے نبی ہیں اور نبی علیہ السلام سے عشق و محبت ہر امتی کا ایمانی فریضہ ہے۔ان کا کہنا تھا کہ مجھے نہیں معلوم کہ ایسی گھٹیا حرکات کرنے والے یہ کون لوگ ہیں اور ان کے کیا مقاصد ہیں، یہ لوگ چھپ کر وار کرتے ہیں، ان لوگوں کو شناخت کرنا ہمارے لیے مشکل ہے، لیکن متعلقہ اداروں، ایف آئی اے وغیرہ آسانی سے ان کی شناخت کر سکتے ہیں، کیونکہ ان کا بہت بڑا بجٹ ہوتا ہے، ان کے پاس بہت برا سسٹم ہے، وہ چاہیں تو ایسے لوگوں کو آسانی سے پکڑ سکتے ہیں۔ ہم متعلقہ اداروں سے درخواست کرتے ہیں کہ فیس بک اور سوشل میڈیا پر ایسے تمام اکاؤنٹس کی جانچ کرکے ان لوگوں کا پتا لگائیں کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کے کیا مقاصد ہیں، آیا یہ لوگ پاکستان میں ہی ہیں یا کسی دشمن ملک میں بیٹھ کر پاکستان کو خانہ جنگی کی طرف دھکیلنا چاہتے ہیں۔ اسی قسم کے لوگ شیعہ سنی کے نام سے پیجز بنا کر ان سے ایک دوسرے کے مخالف پوسٹنگ کرتے ہیں اور اپنے جعلی پیجز سے دیگر فرقوں اور مذاہب کے خلاف پوسٹنگ کرکے ایک دوسرے کو آپس میں لڑاتے ہیں۔ ان کی روک تھام ضروری ہے۔ اگر ان کو تکیل نہ ڈالی گئی تو خدانخواستہ یہ لوگ پورے معاشرے کو فساد اور انتشار کی جانب دھکیل سکتے ہیں۔ حکومت اور متعلقہ اداروں کو سمجھنا چاہیے کہ آج ملک میں بارہ سال سے لے کر ستر سال تک کے لوگ سوشل میڈیا پر ہیں، ان کو تحفظ فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ جس طرح گزشتہ دنوں جعلی اکاؤنٹ

بنا کر توہین رسالت کی گئی ہے، اس طرح تو کوئی بھی کسی کا بھی جعلی اکاؤنٹ بنا کر اس پر کچھ بھی لکھ سکتا ہے اور کسی کی بھی جان کو خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ اسکندر حیات بابا نے کہا کہ میں نے ایف آئی آر درج کروائی ہیں اور ایف آئی اے میں درخواست بھی دی ہے، لیکن میں کارروائی کے حوالے سے زیادہ پرامید نہیں ہوں، کیونکہ یہاں قانون پر مکمل طور پر عمل نہیں کیا جاتا۔ اسکندر حیات بابا کا کہنا تھا کہ میں چونکہ فیس بک پر گزشتہ تین سال سے شعائر اسلام اور اہانت رسول کے مرتکب لوگوں کے خلاف علمی کام کر رہا ہوں، اس لیے یہ لوگ میرے خلاف متحد ہوگئے ہیں۔ میں نے فیس بک پر ایسے تمام گستاخ پیجز اور اکاؤنٹس کو تلاش کرکے ان کی ایک فہرست بنائی اور ان کو رپورٹ کیا اور میرے کہنے پر ان پیجز کے خلاف ایف آئی اے کو 1300 سوای میلز کی گئیں ہیں، جس کی وجہ سے ان فسادی ملحدین کو تکلیف ہوئی ہے اور انہوں نے میرے خلاف پروپیگنڈہ شروع کردیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی میں نے سوشل میڈیا پر موجود تمام فسادی ملحدین اور ان کے ہمدردوں کے ریکارڈ پر مشتمل ایک درخواست رینجرز، آئی ایس آئی، وزیر اعظم ہاؤس اور تمام بڑے میڈیا ہاؤسز، معروف اینکرز اور سینیٹرز کو الگ الگ ارسال کی ہے۔

(مولانا اللہ وسایا (سربراہ عالمی مجلس ختم نبوت

روزنامہ اسلام سے گفتگو کرتے ہوئے عالمی مجلس ختم نبوت کے سربراہ مولانا اللہ

وسایا نے کہا کہ مقدس و محترم شخصیات کی اہانت چاہے انٹرنیٹ پر ہو یا کسی اور جگہ ہو، اس کے لیے اسلامی ملک پاکستان میں قوانین موجود ہیں، حکومت کا اخلاقی فرض بنتا ہے کہ انٹرنیٹ پر اہانت رسول کا ارتکاب کرنے والے مجرموں کو از خود کیفر کردار تک پہنچائے اور ایسے بدبخت لوگوں کو سزا دے جو دوسروں کے نام سے جعلی اکاؤنٹ بنا کر نہ صرف ان کی بدنامی کا سبب بن رہے ہیں، بلکہ اہانت رسول کے مرتکب بھی ہو رہے ہیں۔ جن لوگوں کے نام کو غلط استعمال کیا جا رہا ہے، وہ درخواست دیں اور مجرموں پر جعل سازی اور اہانت رسول کے ارتکاب کا کیس کریں۔ ہم انشاءاللہ ساتھ دیں گے۔ حکومت کا فرض ہے کہ قانون پر عمل کرتے ہوئے ایسے گستاخوں کو گرفتار کرے۔ تمام دینی جماعتوں اور دینی داروں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ مل بیٹھ کر میٹنگ کریں اور انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا پر ہونے والے توہین رسالت کے واقعات کی روک تھام کے لے لائحہ عمل طے کریں۔

(طارق حسین ایڈووکیٹ (ماہر قانون

سوشل میڈیا پر اہانت رسول کے واقعہ کے حوالے سے ماہر قانون طارق حسین ایدووکیٹ نے کہا کہ فیس بک پر توہین رسالت کا حالیہ واقعہ انتہائی تکلیف دہ ہے۔ میں نے دشمنان اسلام کی جانب سے بنائے گئے جعلی پیجز اور اکاؤنٹ اور ان سے کی گئی بے ہودہ پوسٹس پڑھی ہیں، جس کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ

یہ توہین رسالت سے بھی اوپر کی کہانی ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص گستاخی پر مبنی کوئی پوسٹ آگے شیئر کرتا ہے تو اس کے لیے بھی بہت سخت سزا ہے اور اگر کوئی شخص خود توہین رسالت پر مبنی پوسٹ لکھتا ہے یا تبصرہ کرتا ہے تو اس کی سزا تو اس سے بھی سخت ہے جو صرف اور صرف پھانسی ہے۔ پاکستان میں اس حوالے سے سخت قوانین موجود ہیں، اگر ان پر عمل ہو تو مجرمین عبرت کا نشان بن جائیں۔ اگر کوئی بھی شخص مکمل ثبوتوں کے ساتھ متعلقہ ادارے کو درخواست دے تو وہ ادارہ کارروائی کرتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ حکومت از خود کچھ نہیں کرتی، یہاں تو اگر پولیس کے سامنے قتل بھی ہو جائے تو وہ کہتے ہیں، اس وقت تک کارروائی نہیں کریں گے جب تک پرچہ نہ کروادیا جائے۔ اگر حکومت از خود کارروائی نہیں کرتی تو مسلمانوں میں سے ذمہ دار لوگوں کو چاہیے کہ ثبوت اکھٹے کریں اور متعلقہ ادارے کو دیں، جس کے بعد مجرم بہت جلد کیفر کردار تک پہنچ سکتے ہیں۔ طارق حسین ایڈووکیٹ کا کہنا تھا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ جعلی اکاؤنٹ بنانے والے کو پکڑنا مشکل ہے، یہ بات سراسر غلط ہے، کیونکہ کوئی بھی شخص اگر جعلی اکاؤنٹ بناتا ہے تو اس کو پکڑنا انتہائی آسان ہے، کیونکہ کوئی بھی شخص نیٹ استعمال کرتا ہے تو جس موبائل اور کمپیوٹر وغیرہ سے استعمال کر رہا ہے، اس کنیکشن کا ایک نمبر ہوتا ہے، ایک آئی ڈی نمبر ہوتا ہے، جس کی مدد سے جعلی اکاؤنٹ والے کسی بھی شخص کو پکڑنا انتہائی آسان کام ہے۔

سوشل میڈیا پر سائبر دہشتگردی

آج انٹرنیٹ سے تعلق رکھنے والا تقریباً ہر شخص سوشل میڈیا سے جڑی دنیا کا باشندہ بن چکا ہے اور سوشل سائٹس نوجوانوں کی دلچسپی کا محور و مرکز ہیں، جن میں فیس بک سرفہرست ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کی بدولت پوری دنیا گلوبل گاؤں کی شکل اختیار کر چکی ہے، اب ہزاروں میل دور بیٹھے لوگ کسی بھی معاملے میں اپنے خیالات کا تبادلہ اور پیغام کی ترسیل باآسانی کرتے ہیں۔ فیس بک متعدد خوبیوں کی حامل سائٹ ہے، جو سوشل نیٹ ورک کی دنیا پر راج کرنے کی اہلیت رکھتی ہے، لیکن یہاں ہر یوزر کو ملنے والی مکمل آزادی اور اس کا منفی استعمال بہت سے مفاسد کا سبب بنا رہا ہے۔ 1996ء میں امریکی مضمون نگار، جان پیری مارلو نے انٹرنیٹ کی آزادی کا اعلامیہ جاری کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ انٹرنیٹ پر ایک ایسی آزاد دنیا قائم کرنے جارہے ہیں، جہاں ہر شخص کو مکمل اظہار رائے کی آزادی حاصل ہو گی۔ انٹرنیٹ کے اس ابتدائی دور میں کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ بعد ازاں لوگ دوسروں کی عزت و ناموس کی دھجیاں اڑانے اور اس کے منفی استعمال کو مکمل آزادی سمجھنے لگیں گے۔ فیس بک کے استعمال سے اسٹوڈنٹس کے تعلیمی معیار میں کمی، حقیقی تعلقات میں کمزوری اور محبت کے رشتوں میں نفرتوں اور دوریوں کا جنم لینا تو رہا ایک طرف، اس کے ساتھ یہ ممکنہ طور پر سائبر غنڈہ گردی اور سماجی رقابت کا ایک ذریعہ بن

چکی ہے اور آزادی کا مطلب شاید من گھڑت معلومات پھیلانے، شرفاء کی پگڑیاں اچھالنے، مخالفین کی عزتوں کو تار تار کرنے اور اپنے نظریات و خیالات کے فروغ کے نام پر انتشار و تصادم برپا کرنے کو سمجھ لیا گیا ہے اور شر پسند عناصر سیاست، معاشرت اور دین و مذہب سمیت کسی بھی معاملے میں انتہا پسندانہ اور نیچ سوچ کا اظہار کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ مختلف جماعتوں، فرقوں اور گروہوں نے سوشل میڈیا پر اپنی اپنی لابیاں بنائی ہوئی ہیں، جن کا کام صرف مخالفین پر طعن و تشنیع کے نشتر چلانا ہوتا ہے۔ یہ لوگ مخالفین کے لیے ناقابل برداشت زبان اور کلمات استعمال کرکے ان کے جذبات کو مجروح کرتے ہیں، جبکہ مختلف سیاسی و مذہبی جماعتوں کے ورکرز سوشل میڈیا خاص طور پر فیس بک کو عام طور پر پروپیگنڈہ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ متعدد معروف شخصیات، حکومتی عہدیداران، سیاستدان اور ججز کے نام سے آئی ڈیز سماجی رابطے کی سائٹس پر موجود ہیں، لیکن وہ شخصیات بار بار اس کی تردید کرچکی ہیں، مگر ان آئی ڈیز سے ایسی پوسٹس کی جاتی ہیں، جو ان کی بدنامی کا سبب بنیں۔ سوشل میڈیا پر ایسی سرگرمیاں بھی عروج پر ہیں، جو معاشرے کے مختلف طبقات اور مکاتب فکر میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت کو پروان چڑھانے اور باہمی انتشار اور خلفشار کا سبب بنتی ہیں۔

پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا سے اگرچہ لوگوں کو بہت سی شکایات ہوں گی، لیکن وہاں

تدارک کا امکان موجود ہے، کیونکہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر لکھنے اور کلام کرنے والوں کو لوگوں کی اکثریت جانتی ہے، لیکن سوشل میڈیا پر حتمی طور پر شاید ہی کوئی کسی کو جانتا ہو اور اگر روک تھام کا کوئی موثر قانون بھی موجود نہ ہو تو اس صورتحال کی سنگینی مزید بڑھ جاتی ہے، کیونکہ کوئی بھی شخص مذہب و ملک کے خلاف کچھ بھی لکھ سکتا ہے اور بلا روک ٹوک کسی بھی محترم شخصیت اور نظریات پر کیچڑ اچھال سکتا ہے۔ سوشل میڈیا پر پہلے معاملہ صرف مخالف جماعت اور مخالف فرقے کے لوگوں کی توہین تک محدود تھا، لیکن اب بات کائنات کی سب سے محترم و معزز ہستی سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس بارے توہین تک پہنچ چکی ہے۔ کچھ روز قبل دشمنان اسلام نے فیس بک پر معروف اسلامسٹ بلاگر اسکندر حیات بابا سمیت متعدد بلاگرز کے جعلی اکاؤنٹ اور پیجز بنا کر نعوذ باللہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ، شعائر اسلام اور اہانت رسول کا ارتکاب کیا، جس سے ایک طرف ان بلاگرز کی جان کو خطرات لاحق ہوگئے ہیں، کیونکہ اس سے پہلے بھی سوشل میڈیا کی وجہ سے کئی لوگوں کی زندگیاں خطرات سے دوچار ہوئی ہیں، جبکہ متعدد ایسے واقعات ریکارڈ پر موجود ہیں کہ سوشل میڈیا پر منفی پروپیگنڈے کی وجہ سے لوگ قتل ہوئے یا پھر انہیں دھمکیوں کے باعث روپوش ہونا پڑا، جبکہ دوسری جانب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخانہ مواد دیکھ کر فیس بک پر موجود ہر مسلمان انتہائی کرب و تکلیف کا شکار ہے، کیونکہ مسلمان چاہے جتنا بھی

گناہ گار ہو، خدا کے بعد اس کے پاس سب سے مضبوط سہارا شفیع المذنبین کی ذات اطہر ہی ہوتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کے نزدیک اپنی جان، مال، دولت اور تمام رشتہ داروں سے بھی عزیز ہیں۔

ایسے حالات میں سوشل میڈیا کے منفی استعمال کی روک تھام ضروری ہو گئی ہے، ورنہ کوئی بھی شخص کسی کے بھی نام سے جعلی اکاؤنٹ بنا کر اس سے مذہب، ملک اور کسی کے خلاف جو چاہے پوسٹ کر سکتا ہے، جو یقینا تشویش ناک بات ہے۔ سائبر وار فیئر، سائبر کرائم اور سائبر ٹیررازم جیسی اصطلاحات دنیا میں رائج ہیں، لیکن سوشل میڈیا کے منفی استعمال کو روکنے کے لیے ہمارے یہاں کوئی جامع بات دکھائی نہیں دیتی۔

پاکستان میں قومی اسمبلی سے اگرچہ سائبر کرائم کی روک تھام کے لیے بل منظور کیا جاچکا ہے، جس کے مطابق پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی (پی ٹی اے) اسلامی اقدار، قومی تشخص، ملکی سیکورٹی اور دفاع کے خلاف مواد بند کرنے کی پابند ہوگی اور اس کے تحت تین ماہ سے 14 سال قید اور پچاس ہزار سے لیکر پانچ کروڑ تک جرمانے کی سزا کا تعین بھی کیا گیا ہے۔ مذہبی منافرت اور ملکی مفاد کے خلاف کوئی مواد شایع کرنے اور خوف و ہراس پھیلانے والے کو پانچ کروڑ تک جرمانہ اور 14 سال کیلئے سلاخوں کے پیچھے بھیجا جا سکتا ہے۔ اس قانون سازی کے اجرا سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پاکستان میں سائبر کرائم میں خاطر خواہ کمی آتی، لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس دکھائی

دیتا ہے، کیونکہ ہمارے یہاں قوانین بن تو جاتے ہیں لیکن ان پر عمل درآمد نہیں کیا جاتا۔

موجودہ حالات میں ضروری ہے کہ معاشرے کے تمام طبقات مل جل کر سوشل میڈیا کے منفی استعمال کی روک تھام کے لیے کوشش کریں۔ حکومت موثر قانون سازی کرکے اس پر عمل درآمد کو یقینی بنائے، جبکہ معاشرے کا ہر ذمہ دار فرد سوشل میڈیا کے منفی استعمال کی روک تھام کے لیے اپنے طور پر کوشش کرے۔ سوشل میڈیا چونکہ سماجی نوعیت کا معاملہ ہے، اس لیے منفی استعمال کی روک تھام کے لیے بھی قوانین پر عمل درآمد کے ساتھ ساتھ جب تک طلبہ سے لے کر اساتذہ تک، کلاس روم سے لے دفاتر تک، پارلیمنٹ سے لے کر عدالتوں تک اور ہر سطح پر سوشل میڈیا کے مسائل کو اٹھایا نہیں جاتا اور اس کی روک تھام نہیں ہوتی، اس وقت تک سماجی رابطے کی ویب سائٹس کے نقصانات سے بچنا مشکل ہے۔ اس معاملے میں رجحان ساز افراد اور اداروں کو اپنی ذمہ داری ادا کرنا ہوگی۔ سیاسی و مذہبی قیادت، علمی و فکری رہنما، میڈیا، منبر و محراب اور اساتذہ، سب کو اپنے اپنے دائرے میں لوگوں کی تربیت کرنی چاہیے، جبکہ مذہبی معاملات میں توہین آمیز کیسز میں حکومت کو از خود ایکشن لے کر ذمہ داران کو کیفر کردار تک پہنچانا چاہیے، بصورت دیگر ایسے واقعات معاشرے میں انتشار کا سبب بن سکتے ہیں۔

کراچی میں ایک بار پھر بدامنی کا راج

!دہشتگرد، سیکورٹی اداروں کے لیے کھلا چیلنج

معروف قوال امجد صابری کے قتل اور سندھ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے بیٹے کے اغوا سمیت گزشتہ چند روز میں بھتا خوری اور دہشتگردی کے متعدد واقعات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ شرپسند عناصر ایک بار پھر کراچی کے امن کو بدامنی میں بدلنے کے لیے متحرک ہوگئے ہیں۔ آپریشن سے حاصل ہونے والی تین سال کی محنت کے بعد شہر میں ختم ہوتی خوف کی فضا یک دم دوبارہ قائم ہوتی دکھائی دینے لگی اور تخریب کار اور سماج دشمن عناصر آزاد دکھائی دے رہے ہیں، جو خدانخواستہ مستقبل کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔ لگتا ایسا ہے کہ چیف جسٹس کے بیٹے کے اغواکاروں کا مقصد شاید تاوان کا حصول نہیں، جبکہ امجد صابری کا قتل معاشرے میں ہم آہنگی کی بحال ہوتی فضا کو ایک دھچکا لگانا ہے، کیونکہ ایک بے ضرر فنکار کو قتل کرنا صرف بدامنی پھیلانے کی کوشش ہی ہوسکتی ہے، بے ضرر انسانوں کو ٹارگٹ کرکے دہشتگردوں نے یہ پیغام دیا ہے کہ وہ امن کو ثبوتاژ کرنے کے لیے ہر قسم کے ٹارگٹ کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔ وزیراعلیٰ سندھ، گورنر سندھ اور بعض سیاسی جماعتوں کا کہنا ہے کہ سازش کے تحت ایک بار پھر کراچی کے حالات خراب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ تجزیہ کاروں کی رائے میں

کراچی میں آپریشن کے نتیجے میں پیدا ہونے والا امن آہستہ آہستہ ختم ہوتا دکھائی دے رہا ہے اور دہشت گردوں کے گروہ دوبارہ سرگرم ہوتے نظر آرہے ہیں اور اب ایک بار پھر یہ جرائم امن عامہ کے ذمے دار اداروں اور اہلکاروں کے لیے کھلا چیلنج بن گئے ہیں۔ آپریشن کی کامیابی کو طویل المدتی بنانے کے لیے پولیس کو دوبارہ ایک فعال ادارہ بنانا ہوگا اور نیشنل ایکشن پلان پر اس کی روح کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ ماہرین یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ مستقل امن کے لیے انٹیلیجنس نظام کو بھی مستحکم کرنا ہوگا۔ بعض سیاسی جماعتوں نے مطالبہ کیا ہے کہ سندھ میں بدامنی کی موجودہ لہر پر حکومت اپنی ناکامی تسلیم کرکے مستعفی ہو جائے، رینجرز کے کراچی آپریشن کے بعد جرائم پیشہ عناصر اندرون سندھ میں روپوش ہوگئے تھے، اندرون سندھ میں آپریشن نہ ہونے کی وجہ سے ان عناصر نے دوبارہ سے سر اٹھانا شروع کردیا ہے۔ سیاسی رہنماؤں کا کہنا تھا کہ جب تک پورے سندھ میں آپریشن کا دائرہ کار نہیں بڑھایا جائے گا، ایسے واقعات کا سدباب ناممکن ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ سندھ حکومت نے رینجرز کے کراچی آپریشن کی راہ میں ہمیشہ سے روڑے اٹکائے ہیں، جس سے رینجرز کی کارکردگی پر بھی منفی اثر پڑ رہا ہے۔ رینجرز نے کراچی کے امن وامان کے لیے جو کامیابیاں حاصل کی تھیں، وہ بھی ضائع ہوتی نظر آرہی ہیں، اگر یہی صورتحال رہی تو پھر سے جرائم پیشہ عناصر اپنے پنجے گاڑ لیں گے اور کراچی کے شہریوں کو جو آزادی اور سکون بڑی مشکل سے میسر ہوا تھا وہ ختم

ہو جائے گا۔ کراچی میں دہشتگردی کے واقعات کے بعد ڈی جی رینجرز میجر جنرل بلال اکبر کی صدارت میں کراچی میں اعلیٰ سطح کے اجلاس میں ٹارگٹڈ آپریشن تیز کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے، جبکہ وزیر اعلیٰ سندھ نے بھی رینجرز کو بڑے آپریشن کے لیے گرین سگنل دے دیا ہے۔اجلاس میں اس بات کا بھی فیصلہ کیا گیا کہ دہشت گردوں اور عسکری ونگ کے خلاف کارروائیوں میں تیزی لائی جائے اور تحقیقاتی عمل کو بھی مربوط بنایا جائے۔

کراچی میں ایک بار پھر حالات کا رخ جس جانب مڑ رہا ہے، یہ بہت خطرناک ہے۔ کراچی کے باسیوں کو ایک طویل عرصے کے بعد امن و سکون کا سانس نصیب ہوا تھا، ورنہ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ، اسٹریٹ کرائم عروج پر تھے۔ بھتہ مافیا اور لینڈ مافیا کا راج تھا۔ خوف کے سائبان تلے زندگی گزارنے والے ہزاروں تاجر زیادہ تر سرمایہ کاری بیرون کراچی منتقل کر چکے۔ ٹارگٹ کلنگ کے نتیجے میں ہزاروں گھروں کے چراغ گل ہو چکے، لیکن کراچی میں آپریشن کے نتیجے میں شہر کے باسیوں کو امن نصیب ہوا تھا، بدخواہ جسے دوبارہ چھیننا چاہتے ہیں۔ کراچی کے حالات خراب کرنے کے لیے غیر ملکی قوتیں ہمیشہ سے متحرک رہی ہیں۔ ملک دشمن غیر ملکی ایجنسیوں کے کارندوں کی جانب سے سیاست و مذہب کے نام پر کی جانے والی دہشت گردی نے شہر قائد کا سکون غارت کر دیا ہے۔ ذرایع کے مطابق ملک کو عدم استحکام کی جانب دھکیلنے میں غیر ملکی ایجنسیوں کا بڑا کردار ہے۔ ملک کو

درپیش کاؤنٹر انٹیلی جنس کا چیلنج بہت بڑا ہے اور ملکی ادارے مل کر ہی اس چیلنج سے نمٹ سکتے ہیں۔ گزشتہ ایک دھائی میں افغانستان کی صورتحال نے پاکستان کو غیر ملکی انٹیلی جنس ایجنسیوں کا اکھاڑا بنا دیا ہے۔ چیلنج کی نوعیت کا اندازا اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امریکی سی آئی اے، بھارتی را، برطانوی ایم آئی سکس کے علاوہ اسرائیل، ایران اور بعض عرب ملکوں کی ایجنسیاں بھی یہاں معاندانہ کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ آئی ایس آئی اور آئی بی کو متضاد مفادات کے لیے کام کرنے والی ان ایجنسیوں کے خلاف کام کرنا پڑ رہا ہے۔ پاکستان میں جس سطح کی بیرونی مداخلت ہو رہی ہے، اس جیسی کوئی اور مثال نہیں دی جا سکتی۔ پاکستان میں بہت سی ملک دشمن ایجنسیاں اپنا کام کر رہی ہیں، لیکن ان میں سر فہرست بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' ہے۔ پاکستان کے اندرونی معاملات میں بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کے ملوث ہونے میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہے۔ پاکستان کو دو ٹکڑے کرنے سے لے کر کالا باغ ڈیم کی مخالفت، فرقہ وارانہ لڑائی اور بلوچستان میں علیحدگی پسندوں کے علاوہ کراچی میں بدامنی پھیلانے والوں کی سرپرستی بھی یہی تنظیم کر رہی ہے۔ ملک کا اہم ترین شہر ہونے کے باعث کراچی کے حالات پورے ملک پر اثرانداز ہوتے ہیں، اس لیے کراچی دہشت گردوں کا اولین نشانہ بنا ہوا ہے۔ کراچی چونکہ ملک کی معاشی شہ رگ ہے، دشمن قوتیں کراچی کے امن کو برباد کر کے ملک کی شہ رگ کو کاٹنا چاہتے ہیں، جس کے لیے کبھی یہ سیاست و لسانیت کے نام پر بدامنی پھیلاتے ہیں

تو کبھی مذہب کا ستعمال کرتے ہیں۔ کراچی کے حالات کسی بھی حوالے سے خراب ہوں، براہ راست ان کا فائدہ پاکستان دشمن قوتوں کو ہی ہوتا ہے۔ اس لیے یہ قوتیں ہر گز نہیں چاہتیں کہ کراچی میں آپریشن کامیاب ہو اور اس کے نتیجے میں امن قائم ہو۔

جب تک سندھ حکومت اور رینجرز نے مل کر آپریشن کو کامیاب بنانے کی کوشش کی، اس وقت تک کراچی میں جرائم کا خاتمہ بہت تیزی کے ساتھ ہوا، لیکن اب ایک تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ حکومت اور رینجرز کے مابین کئی معاملات میں ہم آہنگی نہیں پائی جاتی، بلکہ بعض معاملات میں تو یوں لگتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ امن دشمن عناصر دونوں کے مابین پائے جانے والے اختلافات کا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ کراچی کے امن کو ڈی ریل ہونے سے بچانے کے لیے حکومت اور رینجرز کو مل کر کام کرنا ہوگا اور کراچی میں امن کا قیام ہی سب کی اولین ترجیح ہونی چاہیے۔ دشمن تو چاہتا ہی یہ ہے کہ حکومت اور رینجرز کسی صورت بھی ایک پلیٹ فارم پر جمع نہ ہوں، کیونکہ جمع ہونے کی صورت میں بدخواہ عناصر ناکام ہو جائیں گے۔ موجودہ حالات میں کراچی کو امن کی انتہائی زیادہ ضرورت ہے۔ یہاں امن کی فراہمی سب سے پہلے حکومتوں کی ذمے داری بنتی ہے، لیکن افسوس! حکومتیں بھی اپنے مفادات کی تلاش میں ہی سرگرداں نظر آتی ہیں اور ایک تاثر یہ پایا جا رہا ہے کہ سندھ حکومت کی تمام تر

توجہ ڈاکٹر عاصم کی رہائی پر مرکوز ہے، دونوں کے درمیان اختلافات کی وجہ بھی شاید یہی ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ اپنے مفادات کو پس پشت ڈال کر اور تمام سیاسی جماعتوں کو اپنے ساتھ ملا کر حقیقت پسندی، دانشمندی اور حب الوطنی کے ساتھ کراچی سے جرائم کا قلع قمع کرکے امن قائم کرے اور تمام سیاسی جماعتیں بھی اپنے اندر چھپی کالی بھیڑوں کو بے نقاب کرکے ہمیشہ کے لیے کراچی سے بدامنی کو ملیامیٹ کردیں اور امن کے قیام کا سبب بنیں۔ سب مل جل کر ہی کراچی میں امن قائم کر سکتے ہیں۔

دینی مدارس کی امداد اور عمران خان

ہمارے معاشرے کا مزاج بھی بہت عجیب ہے۔ مذہب سے لے کر سیاست تک ہر ہر شے میں عصبیت جھلکتی نظر آتی ہے۔ تعصب کا شکار ہو کر ہم غلط صحیح کی تمیز بھی ختم کر بیٹھتے ہیں۔ ہمیشہ اپنی بات کو حق گردانا اور فریق مخالف کی بات کو باطل ثابت کرنا ہمارا وطیرہ بن چکا ہے۔ کوئی ایسا کام جس پر ہم خود فخر کریں، لیکن اگر وہی کام فریق مخالف کرلے تو اس میں کیڑے نکالنا شروع کردیتے ہیں۔ یہ بہت حیران کن سوچ ہے، جو شاید ہمارے پورے معاشرے کی رگوں میں سرایت کرچکی ہے، لیکن اہل سیاست کی نسوں میں تو شاید بہت تیز رفتاری کے ساتھ دوڑ رہی ہے۔ یہاں یہ بات شاید فرض کے درجے میں ہے۔ اہل سیاست نے اپنی جماعت کی ہر اچھی بری بات کی حمایت اور فریق مخالف کی ہر اچھی بری بات کی مخالفت کرنا خود پر لازم کیا ہوا ہے، اس بات سے ان کو کوئی غرض نہیں ہوتی کہ مخالف سیاسی جماعت یا لیڈر کے کیے گئے اقدام سے ملک و قوم کو کس قدر فائدہ ہوگا، یہ سب سوچے بغیر مخالفت کرنا فرض عین ٹھہرا ہے۔ آپ اس کی تازہ مثال کے پی کے حکومت کی دینی مدرسے کے لیے تین سو ملین روپے کی امداد اور عمران خان کی دینی مدارس کو قومی و مرکزی دھارے میں لانے کی بات سے ہی لے لیجیے کہ تمام ادوار کی حکومتیں دینی مدارس کو قومی دھارے میں لانے کی بات کرتی رہی ہیں، لیکن اگر یہی کام عملی طور پر

عمران خان نے کرلیا تو ان پر انگلیاں اٹھائی جارہی ہیں۔

خیبر پختونخوا میں پاکستان تحریک انصاف کی حکومت نے صوبائی بجٹ میں تین سو ملین روپے جامعہ حقانیہ کے لیے مختص کیے ہیں۔ سربراہ پی ٹی آئی کا کہنا ہے کہ دی گئی گرانٹ مدارس میں اصلاحات کے پروگرام کا حصہ ہے، اس امداد سے دینی مدارس کے طلبہ و طالبات کو معاشرے کا حصہ بنانے اور مرکزی دھارے میں لانے میں مدد ملے گی، لیکن پی ٹی آئی مخالف حکمران جماعت مسلم لیگ (ن) سمیت دیگر بعض جماعتوں کے لوگ اس امداد پر سیخ پا ہیں۔ حکمران جماعت کی توپوں کے رخ عمران خان کی طرف مڑگئے ہیں۔ وفاقی وزیر اطلاعات نے تو جامعہ حقانیہ پر بے نظیر بھٹو کے قتل کا الزام بھی لگا دیا ہے، حالانکہ صرف عمران خان کی مخالفت میں ایسی بات کہہ دینا کسی طرح بھی وفاقی وزیر کے عہدے کے شایان شان نہیں ہے اور اگر وفاقی وزیر واقعی اپنی بات میں سچے ہیں تو حکومت نے اس دینی تعلیمی ادارے کو ابھی تک بند کیوں نہیں کیا ہے؟

عمران خان پر اس حوالے سے تو انگلی اٹھائی جاسکتی ہے کہ انھوں نے اتنی بڑی رقم محض جامعہ حقانیہ کو کیوں دی ہے، اس کا کیا جواز ہے؟ لیکن ان کی دینی مدارس کو قومی دھارے میں شامل کرنے والی بات قابل تعریف اور قابل تقلید ہے، کیونکہ دینی مدارس کو قومی دھارے میں شامل کرنا نہ صرف لاکھوں طلبہ کی صورت

میں پاکستان کے شہریوں کے پرامن مستقبل کے لیے ضروری ہے، بلکہ خود پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کے لیے بھی لازمی ہے۔ دینی مدارس میں پڑھنے والے طلبہ وطالبات بھی اسی سماج کا حصہ ہیں، جو محب وطن، باصلاحیت، محنتی اور بے لوث خدمت کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں۔ دینی مدارس کو روایتی تعلیم کا طعنہ دینا، ان کو جہالت کی یونیورسٹیاں اور ان میں تعلیم حاصل کرنے والوں کو دہشتگرد گردانتا تو بہت آسان ہے، لیکن دین و قوم کے لیے ان کی خدمات کا اعتراف کرنا اور دینی تعلیم کے ساتھ مدارس میں تمام فنون سے لیس کرکے ان کو وطن کی خدمت کے لیے تیار کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اگر حکومت مدارس کے لاکھوں طلبہ کو معاشرے سے الگ سمجھنے کی بجائے ان کو سینے سے لگائے اور مختلف فنون سکھانے کا بندوبست کرکے تمام شعبہ جات میں ان کو خدمت کا موقع فراہم کرے تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ چند ہی برسوں میں پاکستان کی سیاست، معیشت، تعلیم سمیت دیگر تمام شعبوں میں دینی مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ وطالبات نہایت اہم کردار ادا کریں گے، بلکہ ممکن ہے کہ یہ طلبہ و طالبات آپ کو زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہوتے ہوئے نظر آئیں، کیونکہ دینی مدارس کے طلبہ وطالبات بے لوث خدمت کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں اور بڑی سے بڑی قربانی دینا بھی ان کے لیے کچھ خاص بڑا مسئلہ نہیں ہوتا۔

اس وقت پاکستان میں دینی مدارس کے پانچ بورڈز ہیں۔ سب سے بڑے بورڈ وفاق

المدارس العربیہ کے ساتھ تقریباً دس ہزار مدارس وابستہ ہیں۔ اس کے علاوہ تنظیم المدارس اہل سنت، وفاق المدارس السّلفیہ، وفاق المدارس شیعہ اور جماعت اسلامی کے رابطۃ المدارس الاسلامیہ کے ساتھ وابستہ 13/ہزار سے زاید مدارس میں کم از کم 30 لاکھ طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں۔ ان پانچوں مدارس کے اوپر اتحاد تنظیم المدارس دینیہ کے طور پر ایک چھتری بھی موجود ہے۔ اگر حکومت چاہے تو ان پانچوں وفاقوں کے تعاون سے ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے فروغ اور قیام امن سمیت معاشرے میں ان سے دیگر بہت سے کام لے سکتی ہے، لیکن حکومت کو اگر پاناما لیکس میں خود کو بری الذمہ قرار دینے سے فرصت ملے تو یہ کام بھی کرے۔

جس طرح عصری تعلیمی اداروں اسکول، کالجز اور یونیورسٹیوں کے طلبہ و طالبات کو ملک کی خدمت کے لیے تیار کرنا حکومت کی ذمے داری ہے، اسی طرح دینی مدارس کے تیس لاکھ طلبہ و طالبات کو دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم سے آراستہ کرکے ملک و ملت کے لیے تمام شعبہ جات میں ان سے کام لینا بھی حکومت کی ذمے داری ہے۔ آج جامعۃ الرشید جیسے بعض دینی مدارس اپنی مدد آپ کے ساتھ درس نظامی کے ساتھ ساتھ میٹرک، ایف اے، بی اے اور ایم اے، بی بی اے، ایم بی اے اور اس کے ساتھ کمپیوٹر، انگلش و صحافت وغیرہ مختلف کورسز کا انعقاد کر رہے ہیں، جو یقیناً ملک کی ترقی کے لیے فائدہ مند ہے، لیکن اگر حکومت دینی

مدارس میں عصری تعلیم و فنون کے اخراجات اپنے ذمے لے تو یہ لاکھوں طلبہ ملک کے لیے بہت کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔

یورپ و امریکا میں ہزاروں مذہبی اسکول و کالجز حکومت کے پیسے سے چل رہے ہیں، وہاں مذہبی اداروں کو مکمل تعاون فراہم کیا جاتا ہے، لیکن پاکستان میں حکومت اس کو اپنی ذمے داری نہیں سمجھتی۔ برصغیر پر انگریز کے غلبے سے پہلے دنیا بھر میں کسی جگہ دینی و دنیاوی تعلیم میں تفریق کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ 1780ء سے پہلے مسلم دنیا میں ایک ہی نظام تعلیم ہوا کرتا تھا۔ تمام تعلیمی اداروں کے اخراجات حکومت وقت پر ہی لازم ہوا کرتے تھے، لیکن انگریزوں نے برصغیر میں آکر رفتہ رفتہ مسلمانوں کے تعلیمی اداروں پر پابندی لگانا شروع کردی۔ جس کے نتائج یہ ہیں کہ آج ملک میں عصری و دینی نظام تعلیم الگ الگ ہوگئے اور حکومت نے دینی مدارس کے نظام تعلیم سے بالکل ہاتھ اٹھا لیے۔ حکومت کو معروضی انداز سے اس معاملے کا جائزہ لینا چاہیے کہ قومی خزانے سے جدید تعلیمی اداروں کو نوازا جاسکتا ہے تو دینی مدارس کو قومی دھارے میں شامل کرنے کے لیے رقم کیوں نہیں دی جاسکتی؟ کیا مدارس میں زیر تعلیم بچے اسی سماج کا حصہ نہیں؟ عمران خان کا اقدام قابل داد ہے کہ انھوں نے سب کی مخالفت کے باوجود دینی مدارس کے طلبہ و طالبات کو معاشرے کا حصہ بنانے اور انھیں مرکزی دھارے میں لانے کی نہ صرف بات کی، بلکہ عملی اقدام

بھی کیا ہے۔

پاکستان منشیات کا گیٹ وے.....ایک کروڑ افراد منشیات کے عادی

منشیات کی لت ایک موذی مرض ہے، جو پورے معاشرے کو برباد کرکے رکھ دیتا ہے۔ اس لت کی ابتدا غلط سوسائٹی سے ہوتی ہے، لیکن بعد میں اس سے نجات پانا نہ صرف نہایت مشکل مرحلہ ہوتا ہے، بلکہ رفتہ رفتہ دیگر افراد بھی اس موذی مرض کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں ایک کروڑ افراد منشیات کے عادی ہیں، جن کی تعداد میں سالانہ چھ لاکھ کے حساب سے اضافہ ہورہا ہے۔ ان میں اسی فیصد مرد اور بیس فیصد خواتین ہیں۔ امریکی جریدے ''فارن پالیسی'' کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں ہر سال ڈھائی لاکھ افراد منشیات کے استعمال کے نتیجے میں موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ پاکستان میں منشیات کا استعمال کتنا بڑا مسئلہ ہے، اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں پچھلے دس سال میں دہشت گردی کے نتیجے میں ساٹھ ہزار افراد مارے گئے ہیں، لیکن پاکستان میں ہر سال اس سے چار گنا زیادہ لوگ منشیات کی وجہ سے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ تیز منشیات کے استعمال کا آغاز سگریٹ، پان اور گٹکے وغیرہ چھوٹے نشوں سے ہوتا ہے، اس کے بعد افیون اور چرس جیسے نشوں کی لت پڑتی ہے۔ ماہرین کے مطابق پاکستان میں جو نشہ آور اشیا عام استعمال کی جاتی ہیں، ان میں شراب، ہیروئن، چرس، افیون، بھنگ، کیمیائی منشیات جیسے صمد

بانڈ، شیشہ، نشہ آور ٹیکے اور سکون بخش ادویات سب سے نمایاں ہیں۔
منشیات کا کاروبار اسلحے کی تجارت کے بعد دنیا کا سب سے زیادہ نفع بخش کاروبار ہے۔
رپورٹ کے مطابق پاکستان منشیات کا گیٹ وے ہے اور 80 سے 90 فیصد منشیات افغانستان سے ساری دنیا کو منتقل کی جاتی ہیں، جبکہ یہ منشیات افغانستان سے پاکستان کے راستہ سے اسمگل ہوتی ہے۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق پاکستان منشیات، پوست، افیون اور بھنگ پیدا کرنے والے ممالک میں کوئی نمایاں حیثیت نہیں رکھتا، تاہم ان کو ریفائن کرنے اور ان سے دیگر پراڈکٹ جیسے ہیروئن اور چرس بنانے والے ممالک میں سرفہرست ہے۔ 1993ء میں جب افغانستان میں افیون کی پیداوار 685 میٹرک ٹن سالانہ تھی، تب پاکستان میں 140 میٹرک ٹن تھی۔ 1996ء میں افغانستان میں یہ پیداوار 2099ء میٹرک ٹن ہو گئی، جب کہ پاکستان میں 75 میٹرک ٹن ہو گئی۔ اسی طرح 2000ء میں افغانستان میں 3656 میٹرک ٹن اور پاکستان میں صرف 11 ٹن رہ گئی۔ افغانستان میں 2005ء میں یہ پیداوار 4100 میٹرک ٹن اور 2006ء میں 6100 میٹرک ٹن ہو گئی۔ 2009ء میں 6900 میٹرک ٹن تک پیداوار پہنچ گئی۔ اقوام متحدہ کے ادارے برائے انسداد منشیات و جرائم یو این او ڈی سی) کی رپورٹ کے مطابق 1980ء میں افغانستان میں پوری دنیا کی) پیداوار کی 30 فیصد پوست کاشت ہوتی تھی اور اب یہ 3 گنا یعنی 90 فیصد ہو جانے سے افغانستان دنیا بھر میں سب سے زیادہ پوست کاشت کرنے

والا ملک بن چکا ہے، لیکن افغانستان کی کل پیداوار کا 80 فیصد ریفائن ہونے کے لیے پاکستان آ جاتا ہے۔ افغانستان میں سالانہ 1500 سے 3500 ٹن چرس حاصل ہوتی ہے اور اس کی آمدن 115 ملین ڈالر تک ہے، جو افیون سے حاصل ہونے والی رقم کا صرف 10 سے 15 فیصد ہے۔ پودے سے چرس بنانے کا تقریباً 80 فیصد کام افغانستان میں اور 20 فیصد پاکستان میں ہوتا ہے، جبکہ افغانستان کی تیار کردہ چرس کا 70 فیصد حصہ پاکستان سے ہوتا ہوا اسمگل کیا جاتا ہے۔ عالمی اقتصادیات کے بعض ماہرین کا تو خیال ہے کہ منشیات کے اس دھن کے ذریعے امریکا کی دیوالیہ ہونے والی کمپنیوں کو بچایا جاتا ہے اور امریکا کی اقتصادی شہ رگ وال اسٹریٹ کی زندگی کا دار و مدار بھی اسی سرمائے پر ہے۔ افغانستان پر امریکی قبضے کے وقت بھی بعض عالمی تجزیہ کاروں نے یہ کہا تھا کہ مسئلہ القاعدہ یا اسامہ بن لادن نہیں، بلکہ افغانستان سے برآمد ہونے والی ہیروئن ہے۔

پاکستان نشہ آور ادویات یعنی ہیروئن اور حشیش بنانے اور انہیں اسمگل کرنے کا مرکز بنا ہوا ہے۔ پاکستان اور افغانستان کے بیچ کا راستہ بالکن، ایران سے ترکی، بلغاریا سے یورپ، کوکس سے افغانستان بہ راستہ آذر بائیجان کو جارجیا اور یورپ کو ملا رہا ہے۔ آخری منزل سارتھن روٹ ہے جو براہ راست پاکستان کو سپلائی کر رہے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق افغانستان سے سالانہ 30 ارب

ڈالر مالیت کی منشیات پاکستان اسمگل کی جاتی ہے، جس میں 250 ٹن سے زاید افغان منشیات پاکستان میں ہی استعمال کی جاتی ہے۔ آپریشن خیبر ون اور ٹو کی کامیابی سے پاکستان میں پوست کی کاشت میں کافی کمی واقع ہوئی۔ ایک رپورٹ کے مطابق افغانستان میں اس وقت دنیا کی 90 فیصد منشیات پیدا ہو رہی ہے، جس میں سے 40 فیصد پاکستان اسمگل کردی جاتی ہے، جبکہ باقی 50 فیصد افغانستان سے وسطی ایشیائی ممالک بھیجی جاتی ہے۔ پاکستان میں اسمگل کی جانے والی منشیات کی سالانہ مالیت 30 ارب ڈالر ہے۔ مالی طور پر اس پُر کشش دھندے میں ملوث گروہ مقامی با اثر افراد کی معاونت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتے، منشیات کی اس کھیپ کو زیادہ تر بلوچستان کے ساحلی علاقوں اور سندھ کی بندرگاہ کے ذریعے بیرون دنیا کو اسمگل کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں منشیات کے استعمال کے حوالے سے ہونے والے سروے کے مطابق ملک میں بطورِ منشیات سب سے زیادہ استعمال بالترتیب بھنگ، حشیش، چرس، ہیروئن اور شراب کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ ہیروئن استعمال کرنے والے 77 فیصد اور حشیش اور چرس کے عادی 41 فیصد اس کا روزانہ استعمال کرتے ہیں۔ ہر سال 26 جون کو انسداد منشیات کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے، لیکن تاحال حکومت اس کی روک تھام کے لیے مستقل حل نہیں نکال سکی ہے۔ منشیات سے پاک معاشرے کے قیام کے لیے ایک بڑی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں نشے کی

عادت ہر سال تقریباً ڈھائی لاکھ ہلاکتوں کی وجہ بنتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق دنیا بھر کی منشیات کا 40 فیصد حصہ کراچی کی بندرگاہ اور ہوائی اڈے کے ذریعے اسمگل کیا جاتا ہے۔ افغانستان سے 40 فیصد منشیات اور افیون کا حصہ کراچی، جبکہ 60 فیصد حصہ دیگر ممالک کے راستے ناجائز اور خفیہ طریقوں سے فروخت کیا جاتا ہے۔ جبکہ قانون نافذ کرنے والے ادارے سب سے زیادہ کراچی سے سپلائی کی جانے والی منشیات کو ضبط بھی کرتے ہیں، مگر پھر بھی اس کی روک تھام میں ناکام ہیں۔ پاکستان کی مجموعی آبادی اور اس میں منشیات کے عادی افراد کے تناسب کے لحاظ سے ماہرین کا کہنا ہے کہ حکومت منشیات کی روک تھام کے لیے جتنی بھی کوششیں کر رہی ہے، وہ ابھی تک کافی ثابت نہیں ہوئیں، ان میں مزید اضافے کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں منشیات استعمال کرنے والے شہریوں کی تعداد کتنی ہے، اس بارے میں وفاقی یا صوبائی حکومتیں کوئی سالانہ اعداد و شمار جمع کرنے کے لیے کوئی ریسرچ نہیں کرواتیں۔ حکومت کو چاہیے کہ انسداد ڈرگ/نارکوٹیکس پالیسی کے تحت تمام پاکستانیوں کو اس کے غلط استعمال و مضر اثرات کی تعلیم دے اور اسکولوں، کالجوں میں سوشل ٹریننگ، علاج کے پروگرامز متعارف کرائے۔ ڈرگ ٹریفیکنگ کو موثر طریقے سے روکے۔ جو لوگ منشیات کے عادی ہو چکے ہیں، ان کی زندگی کی نارمل صلاحیت کی بحالی میں مدد کی جائے۔ منشیات کا کاروبار کرنے والے افراد کو گرفتار کرکے قانون کے مطابق سزا دلوائی جائے، بصورت دیگر یہ موذی مرض پورے معاشرے کی تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل کے خاتمے کا مطالبہ، ملک کو لبرل بنانے کی سازش ہے

اسلامی نظریاتی کونسل'' ریاست پاکستان کا ایک آئینی ادارہ ہے۔ اس کا بنیادی فریضہ'' پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو اسلامی قانون کی تدوین کے لیے سفارشات پیش کرنا ہے۔ یہ کام ملک وملت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں جو سوالات اس وقت دنیا میں پیدا ہو رہے ہیں، ان میں سے بیش تر کا تعلق فقہ و شریعت ہی سے ہے۔ اس تناظر میں'' اسلامی نظریاتی کونسل'' سے مقصود اصل میں یہ ہے کہ وہ اسلامی شریعت کے بارے میں پائے جانے والے شکوک وشبہات کو رفع کرے۔ محل اجتہاد معاملات کو متعین کرے اور ان میں اپنی اجتہادی آرا سے قوم وملت کو آگاہ کرے۔ پارلیمنٹ کی رہنمائی کے لیے انفرادی اور اجتماعی معاملات کے بارے میں قوانین مرتب کرے۔ اسلامی نظریاتی کونسل 1962ء کے آئین کی اسلامی دفعات کے نتیجے میں آرٹیکل 204 کے تحت بنایا گیا۔ اس وقت اس ادارے کا نام اسلامی مشاورتی کونسل'' رکھا گیا۔ 1973ء کے آئین کے مطابق اس ادارے کا نام'' تبدیل کرکے اسلامی نظریاتی کونسل رکھ دیا گیا۔ 1973ء کے آئین کے آرٹیکل 228 میں اسلامی نظریاتی کونسل کے ڈھانچے کو بہترین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ آئین کے آرٹیکل 228 کے مطابق اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبران آٹھ سے کم نہیں ہوں گے اور 20 سے زیادہ نہیں ہوں گے۔ ممبران کا تقرر صدر پاکستان کی صوابدید پر

ہوگا اور وہ ایسے افراد کو نامزد کریں گے جو اسلامی قوانین اور فلسفے کو قرآن پاک اور سنت نبوی کے تحت سمجھتے ہوں اور انھیں پاکستان کے اقتصادی، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور انتظامی معاملات کے زمینی حقائق کے بارے میں مکمل آگاہی ہو۔ اسی طرح 1973ء کے آئین کے آرٹیکل 229 اور آرٹیکل 230 میں اسلامی نظریاتی کونسل کے مقاصد اور اس کی عملداری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کو صدر، صوبے کے گورنر یا وفاقی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبران کی 5/2 اکثریت اگر کسی قانون کی شرعی و غیر شرعی حیثیت کے بارے میں پوچھے تو اسے متعلقہ ادارے کو پندرہ یوم کے اندر جواب دینا ہوگا۔ اگر صدر، گورنر یا اسمبلی یہ سمجھے کہ یہ قانون انتہائی اہم نوعیت کا ہے تو اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے جواب کا انتظار کیے بغیر بھی اس کو منظور کیا جاسکتا ہے اور اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے جواب آنے کے بعد آئین پر نظر ثانی کی جاسکتی ہے۔ پاکستان کے 1973ء کے آرٹیکل 230 کے کلاز 4 میں یہ بات درج ہے کہ اپنے قیام کے سات سال کے اندر یہ ادارہ مجلس شوریٰ کو اپنی رپورٹ پیش کرے گا اور اس کے بعد ہر سال دونوں ایوانوں اور صوبائی اسمبلیوں کو اپنی رپورٹ پیش کرے گا۔ اس آرٹیکل کے مطابق دونوں ایوان اور تمام صوبائی اسمبلیاں رپورٹ موصول ہونے کے چھ ماہ کے اندر اندر اس رپورٹ پر بحث کرنے کی مجاز ہیں۔ رپورٹ کی وصولی کے دو سال کے دورانیہ میں وفاقی و صوبائی مجالس شوریٰ ان سفارشات کی روشنی میں آئین سازی کریں گی جو رپورٹ میں پیش کی

جائیں گی۔ 26 ستمبر 1977ء کو ضیاء الحق کے دور حکومت میں اس کونسل کی دوبارہ تشکیل دی گئی۔ ضیاء الحق کی اس کونسل کی تاریخی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ اس کے ممبر ضیاء الحق کے نامزد کردہ تھے۔11 ممبران جو جید علما تھے، کا تعلق مختلف مسالک 17 سے تھا۔ دو ممبران جج تھے اور دو ممبران قانونی ماہر تھے۔1962ء سے لے کر اب تک کونسل نے بیسیوں رپورٹس مجلسِ شوریٰ کو دی ہیں اور بہت سے قوانین کے لیے سفارشات کی ہیں۔29 ستمبر 1977ء سے 20 دسمبر 1978ء تک اس کونسل نے اقتصادی، تعلیمی، معاشی اور ذرائع ابلاغ سے متعلق قوانین کے ڈرافٹ تیار کیے۔ ان خصوصی شعبہ جات کے علاوہ کونسل نے عدلیہ کے ساتھ ساتھ عمومی معاملات پر بھی اپنی سفارشات شوریٰ کو بھجوائیں۔ بدقسمتی سے اب تک اس شوریٰ کی جانب سے بھیجی گئی کسی رپورٹ کو دونوں ایوان نمائندگان میں بحث میں نہیں لایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ادارہ خاطر خواہ کارکردگی دکھانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

اسلامی نظریاتی کونسل اپنی بنیاد کے بعد سے اپنے کام میں مشغول ہے اور آئے روز کسی نئے مسئلے پر اپنی سفارشات پیش کرتی ہے، لیکن غیر ملکی پیسے پر چلنے والی بعض این جی اوز، ملک میں لبرلز طبقے اور اسلامی قوانین سے خائف بعض لوگوں کی جانب سے وقتاً فوقتاً اسلامی نظریاتی کونسل کی حیثیت پر سوالات اٹھائے جاتے ہیں۔ گزشتہ دنوں بھی سینیٹ کی فنکشنل کمیٹی برائے انسانی حقوق

کی چیئرپرسن سینیٹر نسرین جلیل نے کہا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے خواتین مخالف اقدامات اور ان پر تشدد کو جائز قرار دینے سے عورتوں پر تشدد کے واقعات میں اضافہ ہوا، جب کہ غیرت کے واقعات میں خواتین کو دوسرے درجے کا شہری تصور کیا جاتا ہے۔ سینیٹر فرحت اللہ بابر کا کہنا تھا کہ 1997ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے پارلیمنٹ میں پیش کی گئی آخری رپورٹ کے بعد اسلامی نظریاتی کونسل کا جواز آئینی اور قانونی طور پر ختم ہو چکا، لہٰذا اس کے برقرار رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ فرحت اللہ بابر نے اسلامی نظریاتی کونسل کو تحلیل کرنے کا مطالبہ کیا۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ خواتین پر تشدد کا اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ اس کا کام صرف سفارشات پیش کرنا ہوتا ہے، اس پر بحث اور قانون سازی پارلیمنٹ کا کام ہے، خواتین پر تشدد کے اصل ذمہ دار قانون نافذ کرنے والے ادارے ہیں، جو قانون پر پوری طرح عمل نہیں کرتے۔ عورت کو سب سے زیادہ تحفظ اسلام دیتا ہے اور اسلامی نظریاتی کونسل اسلامی اصولوں کو سامنے رکھ کر سفارشات پیش کرتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں خواتین پر تشدد کی وجہ معاشرے میں تعلیم کی کمی اور قانون پر عمل درآمد نہ ہونا ہے، اگر معاشرے سے خواتین پر مظالم کو ختم کرنا ہوگا تو اس کے لیے معاشرے میں تعلیم کو عام کرنا ہوگا، اسلام میں بیان کیے گئے عورت کے حقوق کو عام کرنا ہوگا اور عورت پر مظالم کے حوالے سے جو قوانین بن چکے ہیں، ان پر سختی سے عمل کرنا ہوگا۔ خواتین پر تشدد کا ذمہ

دار اسلامی نظریاتی کونسل کو قرار دینا کسی طور بھی درست نہیں ہے۔
سینیٹ کی فنکشنل کمیٹی برائے انسانی حقوق کی طرف سے اسلامی نظریاتی کونسل کو ختم کرنے کی سفارش پر مذہبی رہنماؤں نے سخت رد عمل کا اظہار کیا ہے۔ جماعت اسلامی کے جنرل سیکرٹری لیاقت بلوچ نے روزنامہ اسلام سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اسلامی نظریاتی کونسل ایک آئینی ادارہ ہے، سینیٹ کے کسی ممبر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کے خاتمے کا مطالبہ کرے اور نہ ہی کوئی اس کو ختم کرسکتا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کا کام سفارشات پیش کرنا ہے، قانون سازی اور حکم دینا نہیں ہے۔ قانون سازی پارلیمنٹ کی آئینی ذمہ داری ہے، لیکن پارلیمنٹ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتی اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر بحث نہیں کرتی۔ ان کا کہنا تھا کہ ملک میں ایک مخصوص طبقہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کی آڑ میں اسلام کے شعائر اور اسلامی تعلیمات کو تضحیک کا نشانہ بناتا ہے، اس سیکولر طبقے کو ملک میں اسلام برداشت نہیں ہے، اس لیے اسے ملک میں کوئی بھی اسلامی ادارہ بھی گوارہ نہیں ہے، اس لیے وہ وقتاً فوقتاً ملک میں اسلامی اداروں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔
جمعیت علمائے اسلام کے رہنما سینیٹر مولانا نصیب گل خان نے روزنامہ اسلام

سے گفتگو کرتے ہوئے کہا اسلامی نظریاتی کونسل خود سے مسائل پیش نہیں کرتی، بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں مسائل کا حل اور قرآن و سنت کی تشریح بیان کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو قرآن و سنت کا جامع نظام دیا ہے، جس کے جز کا انکار بھی کل کا انکار سمجھا جاتا ہے۔ اسلام نے ہمیں خاندانی نظام عطا کیا ہے۔ جو لوگ اسلام کے خاندانی نظام کو نہیں مانتے، ان پر کوئی زور زبردستی نہیں ہے، لیکن اس کی وجہ سے وہ یہ کہیں کہ اسلامی نظریاتی کونسل کو ہی ختم کردیا جائے، یہ سراسر غلط اور ناجائز ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل چونکہ قرآن و سنت کی تشریح کا ایک اسلامی ادارہ ہے، میں سمجھتا ہوں کہ بحیثیت مسلمان کسی کو اس کے خاتمے کا مطالبہ زیب نہیں دیتا اور جو لوگ ایسے مطالبات کر رہے ہیں وہ پارلیمانی قوانین سے ناواقف ہیں، جس نے آئین کا مطالعہ کیا، وہ ایسے مطالبات کر ہی نہیں سکتا۔

مرکزی رویئت ہلال کمیٹی کے چیئرمین مفتی منیب الرحمٰن نے روزنامہ اسلام سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ملک میں خواتین پر ہونے والا تشدد واقعی قابل مذمت ہے، لیکن اس کی ذمہ داری اسلامی نظریاتی کونسل پر ڈال دینا قابل افسوس بات ہے۔ معاشرے میں خواتین پر تشدد اسلامی تعلیمات سے دوری کی دلیل ہے، خواتین پر تشدد کی وجہ اسلامی نظریاتی کونسل نہیں ہے، بلکہ اس کی مختلف وجوہ ہمارے سماج میں پائی جاتی ہیں، جن میں اسلامی تعلیمات سے دوری، عدالتی، قانونی

اور تفتیشی کمزوری ہے، لیکن کچھ بیگمات پارلیمنٹ میں اور کچھ این جی اوز کا حصہ ہیں، جو خواتین کے حقوق کی علمبردار ہیں، جو ہر واقعہ کے بعد نئے قانون کی بات کرتی ہیں، حالانکہ ہر واقعہ کی بعد نیا قانون بنانا اس کا حل نہیں ہے، بلکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق قوانین پر عمل کرنا اس کا حل ہے۔ یہی لوگ اسلامی نظریاتی کونسل کے خاتمے کی بات کرتے ہیں۔ کسی کے مطالبے سے اسلامی نظریاتی کونسل کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ وفاق المدارس العربیہ کے جنرل سیکرٹری قاری حنیف جالندھری کا کہنا تھا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو پارلیمنٹ میں زیر بحث لاکر قانون کا حصہ بنایا جائے۔ معاشرے میں خرابی کی اصل ذمہ دار حکومت ہے، یہاں مجرموں کو سزائیں دینے کی بجائے تحفظ فراہم کیا جاتا ہے، جس کے باعث جرائم میں اضافہ ہورہا ہے۔ اگر قانون پر عمل ہو تو مظالم ختم ہو سکتے ہیں۔ امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان سینیٹر پروفیسر ساجد میر کا کہنا تھا کہ سینیٹ کی انسانی حقوق کی فنکشنل کمیٹی کی چیئرپرسن نسرین جلیل کو اسلامی نظریاتی کونسل کے خاتمے کا مطالبہ زیب نہیں دیتا۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات سے اختلاف رائے کیا جاسکتا ہے، مگر اس کے خاتمے کا مطالبہ سراسر ناجائز ہے۔ اس ادارے کی آئینی حیثیت ہے، اسے کوئی بھی مائی کا لعل ختم نہیں کرسکتا۔

نوجوانوں کا بھی ایک پلیٹ فارم ہونا چاہیے

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ کسی بھی قوم کا مستقبل نوجوان ہی ہوا کرتے ہیں۔ جس قوم کے نوجوان محنتی، جفاکش، تعلیم یافتہ اور پرسکون و مطمئن ہوں تو اس قوم کو ترقی کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ نوجوان کسی بھی قوم کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ خوشی کی بات ہے کہ پاکستان میں ساٹھ فیصد نوجوان ہیں، لیکن ان میں سے اکثریت مسائل میں الجھی ہوئی اور پریشان ہے، لیکن پاکستان کا یہ ساٹھ فیصد طبقہ پریشان کیوں ہے؟ ان کے مسائل کیا ہیں؟ یہ کیا سوچتے ہیں؟ ان کے مسائل کا حل کیا ہے؟ اس حوالے سے اخبارات، چینلز اور دیگر فورمز پر کم ہی ڈسکس کیا جاتا ہے، حالانکہ مسائل میں الجھے ہوئے نوجوانوں کے ہوتے ہوئے ملک کا ترقی کرنا مشکل ہی نہیں، بلکہ ناممکن ہے۔ آج سماج میں غربت، مہنگائی، بے روزگاری اور بدامنی سمیت ان گنت مسائل ہیں جو براہ راست نوجوانوں کو متاثر کرتے ہیں۔ نوجوانوں کا سب سے بڑا مسئلہ پہلے تعلیم اور اس کے بعد روزگار کا حصول ہے، لیکن آج مہنگی تعلیم اور بے روزگاری تقریباً ہر نوجوان کا منہ چڑا رہی ہے۔ تعلیم ایک منافع بخش کاروبار کی شکل اختیار کرچکی ہے، جس کی وجہ سے تعلیم کا معیار پست اور اخراجات بلندیوں کو چھو رہے ہیں۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ تعلیم حاصل کرنا ایک خواب بنتا جا رہا ہے۔

یونیورسٹیوں کالجوں میں پڑھنے

والے نوجوانوں کی اکثریت کا تعلق درمیانے اور نچلے طبقے سے ہے، جبکہ مہنگی تعلیم اور معاشی بوجھ کی وجہ سے ان سے تعلیم حاصل کرنے کا حق چھن رہا ہے۔ نتیجتاً یہ نوجوان صرف تعلیم سے ہی محروم نہیں ہوتے، بلکہ حالات سے تنگ آ کر جرائم کی دنیا میں قدم رکھ لیتے ہیں۔ پاکستان میں بدقسمتی سے کئی دیگر حساس معاملات کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کے مسائل کے حل کے لیے واضح منصوبہ بندی کی ہمیشہ سے کمی رہی ہے، جس کے باعث وہ نہ صرف اپنی صلاحیتوں کو برباد کرتی ہے، بلکہ ان میں سے اکثر ایسی راہ پر چل نکلتی ہے، جو ان کے اور ملک کے لیے انتہائی نقصان دہ ہوتی ہے۔

ملک میں دو قسم کے نوجوان ہوتے ہیں، ایک قسم کا تعلق امیر گھرانوں سے ہوتا ہے، جبکہ دوسری قسم کا تعلق متوسط یا غریب گھرانوں سے ہوتا ہے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد امیر گھرانے کے نوجوان تو اپنا کاروبار کر لیتے ہیں یا سفارش اور رشوت کے زور پر کوئی نوکری حاصل کر لیتے ہیں، لیکن غریب اور متوسط طبقے کے نوجوان انتہائی مشکلات برداشت کر کے جب تعلیم سے فارغ ہوتے ہیں تو جہاں ایک طرف ان کو شادی کی فکر اور گھریلو اخراجات کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے، وہیں روزگار حاصل کرنا ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہوتا ہے، لیکن یہ مقصد آسانی سے کیا، مشکل سے بھی حاصل ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ بے روزگاری ان کی پریشانی میں مزید اضافہ کرتی ہے۔ روز بروز ملک میں بے روزگاری میں اضافہ

ہو رہا ہے۔ معلومات کے مطابق صرف پاکستان میں ہر سال 15 لاکھ نوجوان محنت کی منڈی میں داخل ہوتے ہیں اور دوسری طرف اس تعداد کے مقابلے میں نوکریاں ملنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ بے روزگاری، مہنگائی اور دیگر بہت سے مسائل میں گھرے نوجوان مایوسی اور ناامیدی کا شکار ہو کر منشیات اور جرائم کی جہنم میں اتر جاتے ہیں اور نوجوان دہشت گردوں اور منشیات کا دھندہ کرنے والوں کے لیے خام مال ثابت ہوتے ہیں، جبکہ کچھ نوجوان حالات سے تنگ آ کر خودکشیاں کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، لیکن حکومت ان کے مسائل حل کرنے کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دیتی۔

ایسے میں ایک ایسے پلیٹ فارم کی شدت سے کمی محسوس کی جا رہی ہے جہاں نوجوانوں کو پیش آمدہ مسائل ڈسکس کیے جا سکیں، مسائل کی وجوہ اور ان کے حل کے طریقوں پر بحث و مباحثہ کیا جا سکے اور نوجوان اپنے مسائل کے حل کے لیے آواز بلند کر سکیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر نوجوانوں کے لیے ایسے پلیٹ فارمز موجود ہوں تو تعلیم اور روزگار کے حصول سمیت نوجوانوں کے بہت سے مسائل کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکل سکتا ہے۔

ماضی میں طلبہ یونینز کو نوجوانوں کے مسائل کے حل کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، جہاں طلبہ اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھا سکتے تھے، لیکن آج حالات بالکل مختلف ہیں۔ طلبہ یونینز سیاستدانوں کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گئی ہیں، ان کا مقصد سیاسی جماعتوں کے لیے کام کرنا،

تعلیمی اداروں میں خوف و ہراس پھیلانا اور دنگا فساد کرنا رہ گیا ہے، آج ان کی بدولت تعلیمی اداروں میں اسلحہ کلچر کا فروغ، منشیات کا استعمال، ڈاکے، چوریاں اور اغواتک کے واقعات بھی جنم لینے لگے ہیں، جبکہ سیاست دانوں نے نوجوانوں کو استعمال کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ آج طلبہ یونینز کے پاس نوجوانوں کے مسائل سے نمٹنے کا کوئی واضح پروگرام موجود نہیں ہے، بلکہ مسائل بڑھانے کا سامان ضرور موجود ہوگا۔

حکومت نے کبھی سنجیدگی کے ساتھ نوجوانوں کے مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کی زحمت ہی گوارہ نہیں کی۔ نوجوانوں کے پاس ایسا کوئی پلیٹ فارم نہیں ہے، جہاں وہ اپنے مسائل سامنے لاسکیں اور حکومت سے ان کو پورا کرنے کا مطالبہ کرسکیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت ایسا پلیٹ فارم تشکیل دے، جہاں نوجوانوں کی تعلیم اور روزگار کے حصول سمیت دیگر تمام مسائل پر بحث و مباحثہ کرکے ان کو پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنی کی سعی کی جائے، جہاں نوجوانوں کے مسائل کو ڈسکس کیا جائے۔ ماہرین نوجوانوں کے مسائل پر مباحثے کریں اور ان مسائل سے نکلنے کی راہیں تلاش کریں، اس طرح کرنے سے نہ صرف ملک کے ساٹھ فیصد طبقے کو اپنی آواز بلند کرنے کا ایک پلیٹ فارم مل جائے گا، بلکہ ان فورمز پر مباحثے کرنے سے ان کے مسائل کے حل کے لیے بہت سی صورتیں بھی سامنے آسکیں گی، جن پر عمل کرکے نوجوانوں ایسے قوم کے قیمتی سرمائے کو

ایک پر سکون زندگی مہیا کی جا سکتی ہے اور جب نوجوانوں کو پر سکون زندگی مہیا ہو گی تو یقینا یہ ملک و قوم کے لیے بہتر کام کر سکتے ہیں اور ملک و قوم کو ترقی کی منازل پر لے جا سکتے ہیں۔ ماضی گواہ ہے کہ قوموں کو ترقی کی منازل پر لے جانے والوں کی اکثریت نوجوانوں پر ہی مشتمل ہوتی ہے اور نوجوان ہی کسی بھی ملک کا مستقبل ہوتے ہیں۔ اگر حکومت نوجوانوں کی فلاح بہبود کے لیے ایسا کوئی اقدام نہیں کرتی تو نوجوان خود ایسا پلیٹ فارم تشکیل دیں، جہاں سے یہ اپنے جائز مطالبات کے لیے آواز بلند کر سکیں اور اپنے مسائل کے حل کے لیے جدوجہد کر سکیں۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو یقین جانیے کہ نوجوانوں کی پریشانی کافی حد تک کم ہو سکتی ہے۔

ملک میں سیاسی ماحول گرم.....وزیر اعظم کو مشکلات کا سامنا

وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف کی وطن واپسی کے بعد ان کو سخت سیاسی چیلنجز کا سامنا ہے۔ ان کے بیرون ملک چلے جانے کے بعد یہ خیال کیا جارہا تھا کہ شاید پاناما لیکس کا معاملہ ڈھنڈا پڑ جائے گا اور شریف فیملی کی جان آسانی سے چھوٹ جائے گی، لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ ڈیڑھ مہینے سے زیادہ بیرون ملک رہنے کے باوجود سیاسی جماعتیں پاناما لیکس کے معاملے کو نہیں بھولیں اور تمام سیاسی جماعتیں اسی طرح وزیر اعظم کے احتساب کا مطالبہ کر رہی ہیں، جس طرح وزیر اعظم کے بیرون ملک روانگی سے قبل مطالبہ کر رہی تھیں۔ ملک کے سیاسی حالات خطرناک رخ اختیار کرتے دکھائی دیتے ہیں، کیونکہ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان پہلے ہی پاناما لیکس کی تحقیقات نہ کروانے کی صورت میں حکومت کے خلاف سڑکوں پر آنے کی دھمکی دی چکے ہیں۔ اب پیپلز پارٹی سمیت دیگر جماعتیں بھی حکومت کے خلاف سڑکوں پر آنے کے لیے پر عزم نظر آتی ہے۔ پیپلز پارٹی کا موقف ہے کہ اگر حکومت نے ہماری بات نہیں مانی تو سڑکوں پر نکلنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ حکومت عمران کے سوا دیگر اپوزیشن جماعتوں کو اپنے موقف سے ہٹانے کے لیے کوشاں ہے، حکومت پی ٹی آئی کو تنہا کرنا چاہتی ہے اور اگر پی ٹی آئی تنہا رہ جاتی ہے تو حکومت مخالف تحریک میں وہ دم نہیں رہے گا، جو وزیر اعظم اور حکومت کے لیے

خطرہ بن سکے، لیکن بظاہر حکومت اپنے مقاصد میں ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکی ہے اور تمام اپوزیشن جماعتیں پاناما لیکس کے معاملے پر حکومت کے خلاف صف آرا ہیں۔

حکومت مخالف تحریک کے رہنماؤں کا کہنا ہے کہ نواز شریف حکومت میں رہنے کا جواز کھو چکے ہیں، وہ اپنی مرضی کے ٹی او آرز کے لیے لاڑھی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور ہماری کوشش ہے کہ متفقہ ٹی او آرز لاکر قوم کو شریف فیملی کی لوٹ مار سے آگاہ کیا جائے۔

اپوزیشن پاناما لیکس پر نئی حکمت عملی کے لیے کمربستہ ہو گئی۔ الیکشن کمیشن کے ارکان اور پاناما لیکس کے معاملے پر اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ اور اعتزاز احسن نے تحریک انصاف کے رہنما شاہ محمود قریشی سے پارلیمنٹ ہاؤس میں ملاقات کی۔ دیگر رہنماوں سے بھی رابطہ کیا اور آئندہ اجلاس طلب کیا ہے جس میں تمام جماعتیں متفقہ حکمت عملی طے کریں گی۔ خورشید شاہ نے وزیراعظم کو مشورہ دیا کہ وہ ٹی او آرز پر ڈیڈلاک ختم کرنے کے لیے مداخلت کریں اور حکومت مذاکرات میں پہل کرے۔ خورشید شاہ نے مسلم لیگ قائد اعظم کے صدر چودھری شجاعت حسین سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی۔ خورشید شاہ نے چودھری شجاعت حسین کو جوائنٹ اپوزیشن کے اجلاس میں بھی شرکت کی دعوت دی۔ چودھری شجاعت حسین کا کہنا تھا کہ ایسے فراد کو الیکشن کمیشن میں لایا جائے جو انتخابی عمل شفاف بنا سکیں۔ ٹی او آرز کا معاملہ حکومتی ہٹ دھرمی معاملے کو

نقصان پہنچا سکتی ہے۔ خورشید شاہ کا کہنا تھا کہ وہ تمام اپوزیشن جماعتوں کی مشاورت سے الیکشن کمیشن کے ارکان کے لیے حکومت کو نام تجویز کریں گے۔ اپوزیشن رہنماؤں کی ملاقاتوں میں ٹی او آرز کے معاملے میں اپنے موقف پر قائم رہنے اور حکومت کے ساتھ کوئی بھی رعایت نہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ یہ طے پایا ہے کہ اپوزیشن حکومت کے احتساب کے مطالبے سے پیچھے نہیں ہٹے گی، اگر حکومت نے یہ مطالبہ نہ مانا تو تحریک شروع کی جائے گی۔ رہنماؤں نے یہ طے کیا ہے کہ متفقہ طور پر جدوجہد کو جاری رکھا جائے گا اور اس کوشش کو منتشر کرنے کی کسی بھی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیا جائے گا۔

اپوزیشن کی ہر جماعت اپنی اپنی سطح پر اور متفقہ طور پر حکومت کے خلاف لائحہ عمل طے کر رہی ہے۔ پی ٹی آئی نے حکومت مخالف تحریک کے لیے حکمت عملی کا آغاز کر دیا ہے۔ پہلے مرحلے میں تمام ڈویژنل مقامات پر ورکرز کنونشن کروائے جائیں گے، تمام ابتدائی حربوں کے بعد آخر میں حکومت کے خلاف فائنل راؤنڈ کھیلا جائے گا۔ تحریک انصاف نے حکومت مخالف تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے اپوزیشن جماعتوں سے غیر اعلانیہ رابطے شروع کر دیے ہیں، جس کے نتیجے میں اپوزیشن کی جانب سے پی ٹی آئی رہنماؤں کو مثبت تعاون کی یقین دہانی کروائی جا رہی ہے۔ تحریک انصاف نے الیکشن 2018ء سے پہلے وزیر اعظم نواز شریف کے احتساب اور کرپشن کے خاتمے کو ضروری قرار دیا ہے۔ تحریک انصاف کے رہنما

سمجھتے ہیں کہ ٹی او آر پر اتفاق نہ ہونے اور جوڈیشل کمیشن نہ بننے کی صورت میں تحریک انصاف احتجاجی تحریک سے حکومت پر جو دباؤ ڈالے گی، اس کے نتیجے میں وزیر اعظم نواز شریف کو گھر جانا پڑے گا۔ تحریک انصاف کے سیکرٹری جنرل جہانگیر ترین نے اعتراف کیا کہ تحریک انصاف کی ترجیحات میں نواز شریف کو ان کے عہدے سے ہٹانا، ان کا احتساب کرنا اور ملک سے کرپشن کا مکمل خاتمہ کرنا شامل ہے۔ ان کا کہنا تھا جوڈیشل کمیشن نہ بننے کی صورت میں تحریک انصاف عوام کو جگانے کے لیے گلی کوچے میں جائے گی اور محنت کرکے عوام کو حکومت اور حکمرانوں کے خلاف سڑکوں پر لائے گی۔ پی پی بھی حکومت کے خلاف سڑکوں پر آنے کے لیے پر عزم ہے۔ بلاول زرداری اس حوالے سے اجلاس بلا چکے ہیں۔ جماعت اسلامی نے بھی ملک میں حکومت کے خلاف کسی بھی قسم کی تحریک شروع کرنے کے لیے اپنی حکمت عملی مکمل کر لی ہے اور اس حوالے سے ملک کی بڑی اپوزیشن جماعتوں کے قائدین سے رابطے کرکے انہیں اپنے ساتھ چلنے کی پیشکش کی ہے۔ جماعت اسلامی تحریک شروع کرنے سے پہلے راولپنڈی میں ریہرسل کرے گی اور اس سلسلے میں جماعت اسلامی پاکستان میں اپنی ملک گیر جاری کرپشن مہم کو موثر اور وسیع تر بنانے کے لیے دینی و سیاسی جماعتوں سے رابطے تیز کر رہی ہے۔ جماعت اسلامی نے اعلیٰ عہدیداروں کو ذمہ داریاں سونپتے ہوئے اہم ہدایات دی ہیں، جس پر عمل درآمد کے لیے حکمت عملی مرتب کرکے لائحہ عمل کو آخر شکل دینا شروع کر دیا گیا ہے۔ امیر جماعت اسلامی سراج الحق بھی حکومت مخالف تحریک

کو کامیاب بنانے کے لیے سرگرم ہیں، سراج الحق کہتے ہیں کہ حکمرانوں کو ایک نئے این آر او کا موقع نہیں ملے گا، نہ صرف موجودہ بلکہ سابقہ حکومتوں کا آڈٹ بھی ضروری ہے، سابق ادوار کا بھی احتساب ہونا چاہیے۔ حکمران احتساب کا آغاز اپنی ذات سے کریں تو کسی کو احتساب سے بھاگنے کی جرات نہیں ہوگی، حکمرانوں نے قومی خزانہ باہر منتقل کرکے اور باہر سے قرضے لے کر ہماری آنے والی نسلوں کو مقروض کیا۔ سراج الحق نے کہا کہ پانامہ لیکس کے بعد کچھ لوگ ایک نئے این آر او کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں، لیکن اب کسی کو اس کا موقع نہیں ملے گا۔ لٹیروں کو قومی خزانے سے لوٹی گئی ایک ایک پائی کا حساب دینا پڑے گا۔ احتساب کا نعرہ اب کسی ایک جماعت کا نہیں رہا بلکہ قومی نعرہ بن چکا ہے اور اب حکمرانوں کو چاہتے یا ناچاہتے ہوئے بھی احتساب کے کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑے گا۔ مسلم لیگ قائد اعظم اور عوامی مسلم لیگ کی قیادت نے بھی سر جوڑ لیے ہیں۔ چودھری پرویز الہیٰ اور شیخ رشید کے درمیان احتجاجی تحریک کے حوالے سے فون پر مشاورت ہوئی۔ جبکہ پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری اور عوامی مسلم لیگ کے سربراہ شیخ رشید احمد نے حکومت کے خلاف پاناما لیکس، کرپشن، لوٹ مار کے خلاف مشترکہ جدوجہد شروع کرنے پر اتفاق کیا ہے۔

پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری نے حکمرانوں کے خلاف مشترکہ اور متفقہ لائحہ عمل طے کرنے کے لیے اتوار 31 جولائی کو پاکستان عوامی تحریک کے مرکزی سیکرٹریٹ لاہور میں ملک کی تمام سیاسی جماعتوں کی

قومی مجلس مشاورت بلانے کا اعلان کیا۔ انہوں نے کہا ہم سولو فلائٹ کی بجائے دیگر جماعتوں کے ساتھ مل کر لائحہ عمل طے کریں گے۔ موجودہ حکمرانوں سے قوم کو نجات دلانے کے لیے ان کے خلاف ملکی سالمیت کے خلاف سازش اور غداری کرنے پر آرٹیکل کے تحت کارروائی کی جائے۔ پاناما لیکس تو محض ایک دانہ ہے، دیگر ممالک میں بھی 6 آف شور کمپنیاں ہیں۔ پاناما لیکس کے ٹی او آرز کے مسئلے پر حکومت اور اپوزیشن جماعتوں میں شروع ہونے والی کشیدگی اگلے چند روز میں عروج پر پہنچ جائے گی، فریقین نے ایک دوسرے کی طاقت کو آزمانے کے لیے متعدد اجلاس کر ڈالے ہیں، مگر وزیر اعظم کی بیرون ملک روانگی اور سوا ماہ کی تاخیر سے وطن واپسی کے باعث یہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوسکے۔ پی ٹی آئی نے 20 جولائی سے حکومت مخالف تحریک شروع کرنے کا اعلان کر رکھا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پی ٹی آئی وزیر اعظم نواز شریف کی وطن واپسی کے بعد حکومت کو اتمام حجت کا موقع فراہم کرنا چاہتی ہے۔

دوسری جانب معاملات ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر وزیر اعظم نواز شریف نے وفاقی وزرا کو پاناما لیکس کا معاملہ مفاہمت سے سلجھانے کی ہدایت کی ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف کی زیر صدارت مشاورتی اجلاس میں وزیر اعظم نواز شریف کا کہنا تھا کہ پاناما لیکس کے معاملے کو مفاہمت سے سلجھانے کی کوشش کی جائے جب کہ اسحاق ڈار خورشید شاہ سے رابطوں کو نتیجہ خیز بنائیں۔ وزیر اعظم نے کہا چاہتے ہیں

کہ ملکی ترقی اور خوشحالی کے لیے اپوزیشن ہمارا ساتھ دے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ وزیر اعظم اس حوالے سے اپنے قریبی اور بااعتماد رفقا سے صلاح مشورے کے بعد ٹی او آرز پر اپوزیشن کو کوئی سرپرائز دے سکتے ہیں، جس کے نتیجے میں اس کی حکومت مخالف تحریک سے ہوا نکل سکتی ہے۔ دوسری جانب تحریک انصاف کا کہنا ہے کہ ہم پیپلز پارٹی، عوامی تحریک، جماعت اسلامی اور عوامی مسلم لیگ سمیت دیگر اپوزیشن جماعتوں کے ساتھ ٹی او آرز کی حد تک حکومت مخالف اتحاد چاہتے ہیں، تاہم اگر کوئی بھی جماعت اس کے ساتھ اس تحریک کو انجام تک پہنچانے کی دوڑ میں آخری حد تک نہیں جاتی تو پی ٹی آئی پھر بھی میدان میں موجود رہے گی اور پاناما لیکس کے مسئلے کو انجام تک پہنچا کر دم لے گی، چاہے اس اکیلے ہی میدان میں اترنا پڑے۔

ترکی: دشمن ممالک کی سرپرستی میں فوجی بغاوت

ترکی کے غیور اور بہادر عوام اور فوج کے ایک گروپ نے عالم اسلام کے مرد مجاہد رجب طیب اردوان کی صرف ایک کال پر امریکا و یورپ کی بغاوت کو نیست و نابود کر کے یہ ثابت کردیا کہ اگر حکمران غیرت مند، جرات مند، باصلاحیت، پراعتماد، اسلام اور انسانیت سے سچی محبت کرنے والا ہو تو اسکے صرف ایک اشارے پر لاکھوں لوگ اپنی جان ہتھیلی پر رکھے حق کا ساتھ دینے کو میدان میں اتر جایا کرتے ہیں اور دشمنوں کی منافقانہ پالیسیاں بھاڑے کے چند ٹٹوؤں کے بل بوتے پر کامیاب نہیں ہوا کرتیں، بلکہ دشمنوں کی تمام تر سازشیں اور منافقتیں مکڑی کا جالا ثابت ہوا کرتی ہیں۔ خدا نے مغرب کے زرخرید غلاموں کو ذلیل و رسوا کردیا. ترک عوام نے فوجی بغاوت کو اپنے پاؤں تلے روندنے کے بعد سڑکوں پر شکرانے کے نوافل ادا کیے۔ مرد مجاہد طیب اردوان نے اتاترک ائیرپورٹ پر واشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ باغی عناصر امریکا سے احکامات لیتے رہے اور اب ضروری ہوگیا ہے کہ فوج میں بڑے پیمانے میں صفائی کا آغاز کیا جائے۔ ترک صدر کا یہ کہنا بالکل بجا ہے، کیونکہ امریکا و دیگر مسلم دشمن طاقتیں روز اول سے مختلف دہشتگرد تنظیموں کو پال پوس کر عالم اسلام کے سکون کو غارت کرنے میں مشغول ہیں۔ طیب اردوان کی پرحکمت پالیسی سے ترکی ابھی تک محفوظ تھا، لیکن دشمن طاقتوں نے

فتح اللہ گولن ایسے لوگوں کو اقتدار کا لالچ دے کر ترکی کے امن کو بھی ملیامیٹ کرنے کی بھرپور سعی لاحاصل کی ہیہ اگرچہ دشمن اپنے مقصد میں کسی حد تک کامیاب ہوا ہے، لیکن الحمدللہ مجموعی طور پر ترکی محفوظ ہے۔ چند زرخرید غلاموں کے ذریعے عالم اسلام کی امیدوں کے مرکز اور عالم کفر کی آنکھوں کے کانٹا ترکی کو شام و عراق کی طرح بدامنی کا مرکز بنانے کے منصوبہ بری طرح ناکام ہوگیا، لیکن شکست خوردہ دشمن ابھی بھی ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اس بات کو ہرگز نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ ترک میں اسلام پسندوں اور صدر طیب اردوان کے خلاف باغی فوج کے دھڑے کی پشت پر امریکا و مغرب کھڑا ہے، جس نے فتح اللہ گولن کے ذریعیے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل چاہی ہے۔ امریکا سمیت مغربی قوتیں اسرائیل کی تائید و حمایت میں کچھ بھی کر سکتی ہیں۔ پوری دنیا میں جمہوریت کے فروغ کے دعویدار امریکی اور مغربی حکمراں مسلم ملکوں میں مختلف حیلوں، بہانوں سے لوگوں کو اپنے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔

ایران میں ڈاکٹر مصدق کی منتخب حکومت کے مقابلے میں رضا شاہ پہلوی کی بادشاہت کی حمایت سے لے کر مصر میں صدر سیسی اور ترکی میں طیب اردوان کے خلاف بغاوت کا منصوبہ بنانے تک اس حقیقت کی بہت سی ناقابل تردید مثالیں موجود ہیں۔ الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ نے پارلیمنٹ میں 80 فی صد نشستوں پر کامیابی حاصل کی تھی، اس کے باوجود مغربی قوتوں نے اس کے مقابلے

میں فوجی آمریت سے تعاون کیا۔ فلسطین میں حماس کی دو تہائی نشستوں پر کامیابی کے باوجود اس کی حکومت کے خاتمے کے لیے امریکا اور اس کے اتحادیوں نے ہر ممکن ہتھکنڈا استعمال کیا۔ پاکستان میں 2002 کے انتخابات میں دینی اتحاد کی پے در پے کامیابیوں پر امریکا نے کہا تھا کہ اگر نتائج ان کے لیے سازگار نہ ہوئے تو ان کے پاس الجزائر آپشن موجود ہے۔

اسی طرح افغانستان میں میں روس کو شکست دینے کے لیے امریکا نے طالبان اور القاعدہ کی کھل کر حمایت کی لیکن جب اپنا مقصد پورا ہو چکا اور یہ محسوس کیا کہ طالبان اور القاعدہ ہمارے حکم پر عمل نہیں کرینگے تو پھر یہی طالبان اور القاعدہ دہشت گرد ٹھہرے۔ مصر صدر مرسی کی ایک منتخب جمہوری حکومت کے مقابلے میں فوجی آمریت کی امریکا نے نہ صرف کھل کر حمایت کی بلکہ چار ہزار بے گناہ لوگوں کے قاتل مصر کے غنڈے سیسی کو ہر سطح پر ہلہ شیری بھی دی۔ مشرق وسطی میں آنیوالے انقلابات کا زمانہ تو کوئی بہت پرانا نہیں ہے۔ جب وہاں کے عوام نے اپنے آمر بادشاہوں کے خلاف اعلان بغاوت کیا تو امریکا نے اپنے مفاد جمہوریت کے فروغ کے لیے انھیں اسلحہ سمیت ہر قسم کا تعاون فراہم کیا لیکن جب وہاں اس کی مرضی کے لوگ آگے نہ آسکے تو ان کے خلاف مختلف ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کر دیے۔ اسی قسم کا معاملہ مصر میں اخوان کے ساتھ بھی ہوا ہے، انقلاب کے دنوں میں تو امریکا نے اخوان کی بھرپور حمایت کی لیکن جب

اخوان نے کھل کر مصر میں اسلام کے نفاذ کی بات کی تو امریکا نے مختلف ہتھکنڈوں سے ان کے خلاف سازشوں کے تانے بانے بننا شروع کر دیے.

امریکا کی دوغلی اور منافقانہ پالیسی کے بعد یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ امریکا و یورپ کو اسلام پسند کسی بھی شکل میں قابل قبول نہیں ہیں اور وہ مسلم ممالک میں دہشتگردی کو پروان چڑھانا چاہتے ہیں۔ مختلف مسلم ممالک میں پے در پے اسلام پسندوں کی منتخب حکومتوں کا تختہ الٹنے سے اسلامی ممالک میں بہت سے اسلام پسندوں کا جمہوریت سے اعتماد اٹھنا ایک فطری امر ہے، اس کے نتیجے میں اسلامی ممالک کی اسلامی جماعتوں کے کارکنان باآسانی جہادیوں کے ساتھ مسلح جدوجہد میں شریک ہو سکتے ہیں۔ دنیا بھر میں جہادی عناصر روزاول سے اسلام پسندوں کو یہ کہہ کر برانگیختہ کرتے آئے ہیں کہ جمہوریت کے ذریعے اسلامی حکومت کا قیام ممکن نہیں ہے، کیونکہ اسلام دشمن عناصر کبھی بھی اسلام پسندوں کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اسلامی حکومت کا قیام مسلح جدوجہد سے ہی ہو سکتا ہے، لیکن عالم اسلام کی تحریکیں و جماعتیں اپنے مقصد کے حصول کے لیے مسلح جدوجہد سے دامن بچاتی رہی ہیں۔ ان کا مؤقف ہمیشہ یہی رہا ہے کہ جب پرامن راستہ موجود ہے تو مسلح جدوجہد اور تشدد کا راستہ کیوں اختیار کریں؟

دنیا جانتی ہے کہ القاعدہ کے بہت سے جنگجوؤں نے جمہوری نظام سے مایوس ہو کر اپنے مقصد کے حصول کے لیے مسلح جدوجہد کا راستہ اختیار کیا۔ اخوان بھی سیاسی جدوجہد کے ذریعے مصر میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کوشاں تھی لیکن جب جمال عبدالناصر کے دور میں اخوان پر پابندی لگائی گئی تو اس پابندی نے بہت سے پرامن اخوانیوں کو مصر میں حکومت کی تبدیلی کے لیے سیاسی جدوجہد کی بجائے مسلح جدوجہد کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا اور بہت سے اخوانی پر تشدد القاعدہ کی شکل میں سامنے آئے، لیکن اخوان نے جمہوری طریقے سے اپنی سیاسی جدوجہد جاری رکھی۔ اخوان نے کئی بار انتخابی عمل کا حصہ بننے کی کوشش کی، حکمرانوں نے مختلف حیلے بہانوں سے اخوان کو انتخابی عمل سے دور رکھا، لیکن جب انتخابات کے نتیجے میں اخوان کے امیدوار ڈاکٹر محمد مرسی مصر کے صدر منتخب ہو گئے لیکن صرف ایک سال کے بعد ہی فوجی آمر نے ان کی منتخب جمہوری حکومت کو ملیامیٹ کر دیا۔ کہیں بھی منتخب جمہوری حکومت کا تختہ فوجی بغاوت کے ذریعے الٹ دیا جاتا ہے تو اس کی مذمت کی جاتی ہے لیکن جب اسلام پسند حکومت پر فوجی قابض ہوتے ہیں تو اسے اندرونی معاملہ قرار دیا جاتا ہے، بلکہ باغی فوج کی حمایت کی جاتی ہے۔ حقیقت میں معاملہ جمہوریت اور آمریت کا نہیں بلکہ اسلام پسندوں کا ہے۔ اسلام پسند پاکستان، ترکی، سوڈان، لیبیا، صومالیہ، تیونس، الجزائر، یمن، کویت، عراق، اردن، شام، بحرین، موریطانیہ اور انڈونیشیا سمیت کئی ممالک میں جمہوری طریقے سے حکومت قائم کرنا چاہتے

ہیں، لیکن امریکا و یورپ زبردستی انہیں اس پرامن راستے سے ہٹا کر اسلحہ تھمانا چاہتے ہیں تاکہ عالم اسلام بدامنی کی آگ میں جلتا رہے۔

کشمیر میں بھارتی مظالم کی نئی داستان رقم.....عالمی برادری نے لب سی لیے

کشمیر میں بھارتی سفاکیت کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوجیوں کے ہاتھوں المجاہدین کے کمانڈر برہان مظفر وانی کی شہادت کے بعد حالیہ انتفاضہ کے دوران شہید ہونے والے نہتے کشمیریوں کی تعداد 40 ہو گئی ہے، جبکہ زخمی ہونے والوں کی تعداد پانچ سو سے تجاوز کرچکی ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں ساتویں روز بھی کرفیو نافذ اور انٹرنیٹ اور ٹرین سروس معطل رہی ہے۔ کرفیو کے باعث تجارتی مراکز اور تعلیمی ادارے بند جب کہ ٹرانسپورٹ سروس بھی معطل رہی ہے۔ کشمیر میں بھارتی مظالم کے خلاف کشمیر سمیت پاکستان بھر میں احتجاج کا سلسلہ جاری ہے۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں احتجاجی ریلیاں نکالی گئیں اور مظاہرے کیے گئے۔ کشمیر میں جاری بھارتی درندگی پر امریکی میڈیا بھی بول اٹھا ہے۔ واشنگٹن پوسٹ نے لکھا ہے کہ بھارت نے کشمیر میں سفاکیت کی نئی داستان شروع کردی ہے۔ پچھلے ایک ہفتے کے دوران ایسے سو کشمیری سامنے آئے ہیں، جن کی آنکھوں میں چھرے مار کران کی آنکھوں کی روشنی چھین لی گئی ہے۔ عالمی انسانی حقوق کی تنظیم ہیومن رائٹس واچ نے بھارت طاقت کے بے جا استعمال کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرانے کا مطالبہ کیا ہے۔ پاکستان کا کہنا تھا کہ مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں بھارت کا ٹریک ریکارڈ ہے اور یہی پالیسیاں خطے

میں امن کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ بھارتی فوج مقبوضہ کشمیر میں ہسپتالوں پر بھی حملے کر رہی ہے، اس لیے عالمی برادری بھارت سے کہے کہ کشمیر کے معاملے پر بات چیت کرے۔ پاکستان کا کہنا تھا کہ مسئلہ کشمیر حل کرانا اقوام متحدہ کی ذمہ داری ہے۔ عالمی برادری بھارت پر مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے مذاکرات پر زور دے۔ پاکستان نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون کی جانب سے بھارت کے زیر انتظام کشمیر میں حزب المجاہدین کے کمانڈر برہان وانی کی شہادت کے بعد کشیدہ صورتحال کے تناظر میں پاکستان اور ہندوستان کے درمیان ثالثی کی پیشکش کا خیر مقدم کیا ہے، جبکہ امریکا نے بھارت نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے کشمیر میں جاری مظالم کو بھارت کا اندرونی معاملہ قرار دیا تھا، جس پر ترجمان نفیس ذکریا نے کہا کہ جموں و کشمیر ہندوستان کا اندرونی معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ اقوام متحدہ کی جانب سے تسلیم شدہ مسئلہ ہے۔ آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے معصوم کشمیری نوجوانوں کے ظالمانہ قتل پر بھارت کی سخت مذمت کرتے ہوئے کہا کہ دنیا خطے میں دیرپا امن کے لیے کشمیر کے دیرینہ تنازعہ کے حل میں مدد کرے۔ آئی ایس پی آر کے مطابق آرمی چیف نے کشمیریوں کے بہیمانہ قتل کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ دنیا کو کشمیری عوام کی جدوجہد آزادی اور جذبات کو تسلیم کرے، کشمیر کا دیرینہ مسئلہ حل کرنے میں مدد دینے کی ضرورت ہے، دنیا کو خطے میں امن کیلئے مسئلہ کشمیر حل کرنا ہوگا۔ حریت رہنماؤں نے آرمی چیف جنرل راحیل شریف کی جانب سے کشمیریوں کی جدوجہد کی

حمایت پر اطمینان کا اظہار کیا ہے۔

جولائی کو کشمیر میں چھیاسیواں یوم شہدائے کشمیر اس عزم کی تجدید کے ساتھ منایا گیا13 کہ مقبوضہ کشمیر کی بھارتی تسلط سے مکمل آزادی تک جدوجہد آزادی کو جاری رکھا جائے گا۔ یہ دن ان کشمیری شہداء کی یاد میں منایا گیا جنہوں نے ڈوگرا راج سے آزادی کے نصب العین کے لیے 13 جولائی 1931 کو سینٹرل جیل سری نگر کے سامنے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کا باقاعدہ آغاز 13 جولائی 1931 کو ہوا تھا جسے دبانے کے لیے اس وقت افغانوں، سکھوں اور ڈوگروں پر مشتمل ہندوستانی افواج نے کشمیری عوام کو وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا اور ان کے سینوں پر سیدھی گولیاں ماریں جس کے نتیجہ میں 22 کشمیری نوجوانوں نے اذان دیتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ یہ کشمیری عوام کی جانب سے جدوجہد آزادی کی پہلی قربانی تھی جس سے ان کی آزادی کی تڑپ مزید ابھری اور انہوں نے خانقاہ معلّٰی سری نگر میں 50 ہزار کشمیری مسلمانوں کا عظیم اجتماع منعقد کرکے اپنی تحریک کو پورے کشمیر میں پھیلا دیا۔ قیام پاکستان کے بعد ہندو لیڈروں نے کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کو ہر صورت دبانے کا فیصلہ کیا، مگر کشمیری عوام کے پائے استقلال میں آج تک لغزش نہیں آئی۔ وہ بھارتی مظالم برداشت کرتے اب تک عملاً ہزاروں جانوں کے نذرانے پیش کر چکے ہیں اور بھارت کے ہر ریاستی ہتھکنڈے کے باوجود آج بھی ظالم بھارتی فوجوں کے

آگے سینہ سپر ہیں، جبکہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل نے اپنی درجن بھر قراردادوں کے ذریعہ کشمیری عوام کے حق خودارادیت کو تسلیم کرکے ان کی جدوجہد کے کاز پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ اس کے برعکس بھارت نے نہ صرف آج تک یو این قراردادوں کی روشنی میں کشمیری عوام کو استصواب کا حق نہیں دیا بلکہ وہ ان کی آواز دبانے کے ہتھکنڈوں کے ساتھ ساتھ پاکستان کی سلامتی کے خلاف بھی گھناؤنی سازشوں پر عمل پیرا ہے۔ مودی سرکار ایک طرف پاکستان کے ساتھ بغل میں چھری منہ میں رام رام کی منافقانہ پالیسی اپنائے ہوئے ہے اور دوسری جانب کشمیر میں آزادی کی تحریک کو دبانے کے لیے ہر اوچھا ہتھکنڈا استعمال کر رہی ہے۔ کشمیر کے غیور مسلمانوں کو حق آزادی کے مطالبے پر مظالم سے دوچار کیا جارہا ہے اور اب تک ہزاروں نوجوان شہید اور جیلوں میں بند کردیے گئے ہیں۔ آج بھارت کی مودی سرکار تو سازشوں کے جال بننے میں مشغول ہے۔ مودی سرکار کی پالیسیوں کے نتیجے میں کشمیری عوام پر مظالم کا سلسلہ تیز ہوا ہے اور نوبت کشمیری عوام کی بھارتی افواج کے ساتھ باقاعدہ جھڑپوں تک آ گئی ہے۔ گزشتہ ہفتے بھارتی فوجوں کی فائرنگ سے کشمیری لیڈر برہان وانی کی شہادت کے بعد کشمیری عوام نے شدت کے ساتھ بھارتی افواج کی مزاحمت کا سلسلہ شروع کیا ہے جسے انہوں نے منطقی انجام تک پہنچانے کا تہیہ کیا ہوا ہے چنانچہ بھارتی افواج کے ان پر مظالم بھی بڑھ گئے ہیں اور ان کی فائرنگ سے اب تک کشمیری جام شہادت نوش کرچکے ہیں اور پانچ سو سے زائد زخمی ہوئے ہیں۔ اگر ان 40

پر بھارتی فوجوں کے مظالم کا سلسلہ اسی طرح برقرار رہا تو کشمیری عوام کی جدوجہد زیادہ پرتشدد بھی ہو سکتی ہے جس کا خمیازہ بہرصورت بھارت کے جنونی حکمرانوں کو ہی بھگتنا پڑے گا۔ بھارتی حکومت کو احساس ہو جانا چاہیے کہ کشمیری عوام آج بھی بھارت سے آزادی چاہتے ہیں۔ بھارت اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے مطابق کشمیریوں کو حق استصواب رائے کا موقع دے تاکہ کشمیری عوام اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کریں کہ وہ بھارت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ لیکن بھارت ایسا نہیں کر رہا جس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ ادھر یورپی یونین کو بھی چاہیے کہ وہ کشمیر کی صورت حال پر توجہ دے۔ اگر یورپی یونین سنجیدگی سے بھارت پر دباؤ ڈالے اور تنازعہ کشمیر کو حل کرنے کی کوشش کرے تو اس معاملے میں معنی خیز پیشرفت ممکن ہو سکتی ہے۔ گزشتہ روز اقوام متحدہ میں پاکستان کی سفیر ڈاکٹر ملیحہ لودھی نے کشمیر کا معاملہ اٹھاتے ہوئے کہا ہے کہ کشمیر میں نوجوان حریت رہنما برہان وانی کی شہادت ماورائے عدالت قتل ہے، بھارتی قابض فوج کشمیریوں کے حق خودارادیت کو دبانے کے لیے ظالمانہ ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہے۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں انسانی حقوق کے موضوع پر خصوصی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کی سفیر ڈاکٹر ملیحہ لودھی کا کہنا تھا کہ بھارت کے مظالم کے باوجود کشمیری عوام غیر ملکی تسلط سے آزادی کے لیے اپنی جدوجہد جاری رکھنے کے لیے پرعزم ہے۔ بھارتی قابض فوج کشمیریوں کے حق خودارادیت کو دبانے لیے ظالمانہ ہتھکنڈے

استعمال کر رہی ہے، جس کا کشمیریوں سے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قراردادوں میں وعدہ کیا گیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اقوام کے وعدے کے مطابق کشمیریوں کو استصواب رائے کا حق دینا ہی کشمیر کے مسئلے کا حل ہے، جبکہ پاکستان کی جانب سے مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم کے خلاف آواز اٹھانے پر بھارت تلملا اٹھا اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں بھارت کے مستقل مندوب سید اکبرالدین نے جنرل اسمبلی میں الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والی مثال پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہا ہے، جب کہ بھارت کی پاکستان کے خلاف روایتی ہرزہ سرائی کو بھی نہ بھولتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ ایک ایسے ملک کو حقوقِ انسانی کی بات زیب نہیں دیتی جو 'دہشت گردی کو ریاستی پالیسی' کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

بھارت کی جانب سے کشمیری عوام پر مظالم کا سلسلہ جاری ہے، لیکن تاحال عالمی برادری نے نہ تو مسئلہ کشمیر حل کروانے کا سوچا ہے اور نہ ہی بھارت سے ظلم و ستم رکوایا گیا ہے، بلکہ کشمیر کے معاملے میں ہمیشہ بے اعتنائی برتی گئی ہے۔ امریکا نے تو یہاں تک منافقت کا ثبوت دیا کہ کشمیر میں مظالم کو بھارت کا اندرونی معاملہ قرار دے دیا ہے، حالانکہ کشمیر کا معاملہ 1948 سے اقوام متحدہ میں ہے، جسے بھارت خود لے کر گیا تھا، لیکن چونکہ بھارت کا موقف

کمزور ہے، اس لیے وہ دوبارہ اس معاملے کو اقوام متحدہ میں اٹھانے سے گھبراتا ہے اور جب پاکستان اس معاملہ کو اٹھاتا ہے تو چیختا ہے۔جب کشمیر کا معاملہ اقوام متحدہ میں ہے تو امریکا کا اس معاملے کو بھارت کا اندرونی معاملہ کہنا سراسر بھارت نوازی ہے۔ دنیا پر یہ واضح ہوجانا چاہیے کہ کشمیر کے حل کی راہ میں جہاں بھارت کی خود سری اور ہٹ دھرمی ہے، وہیں امریکا اور دیگر عالمی قوتوں کی منافقت بھی شامل ہے، کیونکہ اگر عالمی قوتیں چاہتیں تو مسئلہ کشمیر کو بہت جلد حل کروا سکتی ہیں، لیکن وہ ایسا کرنا ہی نہیں چاہتیں۔ عالمی برادری ویسے تو دنیا بھر آزادی اور انصافی کی علمبردار بنی پھرتی ہے لیکن مسلم برادری کے معاملے میں دوہرا معیار اپنانے لگتی ہے۔ کشمیر سے لے کر فلسطین اور دیگر مسلم برادری کے معاملے میں عالمی برادری نے ہمیشہ منافقانہ رویہ اپنایا ہے۔ عالمی برادی کا یہ منافقانہ رویہ دنیا میں بے چینی اور بیسکونی کی وجہ بن رہا ہے۔ عالمی برادی پر ضروری ہے کہ کشمیری میں جاری بھارتی مظالم کو نہ صرف جلد از جلد رکوائے، بلکہ فوری اس مسئلے کو حل کرنے میں تعاون بھی کرے۔

ہم مردہ پرست لوگ

عبدالستار ایدھی مرحوم کی وفات پر بحیثیت مجموعی ہم نے ایک بار پھر یہ ثابت کر دیا کہ ہم ایک مردہ پرست قوم ہیں۔ بابائے قوم محمد علی جناح سے لے کر خادم انسانیت عبدالستار ایدھی تک ہمارا ایک ہی رویہ رہا ہے۔ ہم قابل احترام زندہ شخصیات کو وہ عزت نہیں دیتے، جس کی وہ مستحق ہوتی ہیں، لیکن جب وہی شخصیات دنیا سے رخصت ہو جائیں تو شاہراؤں اور عمارتوں کو ان کے نام سے منسوب کر دیتے ہیں اور مرنے والوں کو انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ دفن کر دیتے ہیں، لیکن ان کے نقش قدم پر نہیں چلتے اور ان کے کام اور مشن کو زندہ نہیں رکھ سکتے۔ عبدالستار ایدھی مرحوم انسانیت کے خادم، پاکستان کا فخر اور قوم کے محسن تھے۔ انھوں نے تن تنہا وہ کام کیا، جو کئی تنظیمیں مل کر بھی نہیں کر سکتیں۔

عبدالستار ایدھی ہندوستان میں پیدا ہوئے اور 1947ء میں ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ ایدھی مرحوم کے بیٹے کے بقول پاکستان آ کر انھوں نے سوچا تھا کہ مسلمانوں کی یہ مملکت سماجی فلاحی ریاست ہو گی، مگر جب وہ پاکستان پہنچے تو اس کے بالکل برعکس پایا۔ جب ہماری ریاست ایدھی مرحوم کی مفلوج اور دماغی بیماری کی شکار والدہ کی دیکھ بھال میں اس خاندان کی مدد نہیں کر پائی تو

انھوں نے خدمتِ خلق کا فیصلہ کیا اور 1951ء میں شہرِ قائد کے قلب میں نہایت پرامید ہو کر اپنا کلینک کھول لیا۔ گزشتہ سالوں میں ایدھی اور ان کی ٹیم نے میٹرنٹی وارڈز، مردہ خانے، یتیم خانے، شیلٹر ہومز اور اولڈ ہومز بنائے، جس کا مقصد ان لوگوں کی مدد کرنا تھا جو اپنی مدد آپ نہیں کر سکتے۔ پاکستان اپنے ایک بے لوث سماجی ''سپاہی'' اور عظیم شخصیت سے محروم ہوگیا۔ان کی رحلت کے ساتھ ہی موت کی دہلیز تک پہنچی انسانیت سے محبت کا ایک لازوال باب بند ہوا۔ وطن عزیز میں چھ دہائیوں تک دکھی انسانیت کی بے لوث خدمات سرانجام دینے والے عظیم انسان دوست اور بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب انسانیت کے خدمت گزار عبدالستار ایدھی کے سانحہ ارتحال پر پوری قوم رنجیدہ اور ہر دل مغموم ہے۔

کراچی میں سرکاری پروٹوکول کے ساتھ ایدھی مرحوم کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ صدر ممنون حسین سے لے کر تینوں مسلح افواج کے سربراہوں تک، گورنروں اور وزراء اعلیٰ سے لے کر حکومتی اور اپوزیشن سیاسی رہنماؤں تک کئی اعلیٰ شخصیات نے جنازے میں شرکت کی۔ ان کی میت قومی پرچم میں لپیٹی گئی اور تدفین کے وقت انھیں گارڈ آف آنر اور 21 توپوں کی سلامی دی گئی، لیکن افسوس سیاست دانوں اور حکمرانوں نے جس طرح بابائے قوم کے بعد کرپشن و بدعنوانی سے پاک اور غریب دوست پاکستان کا خواب آج تک شرمندہ تعبیر نہیں کیا۔ بالکل اسی طرح

میڈیا کے سامنے بڑھ چڑھ کر غریب اور کمزور طبقے کے حقوق کی ہوائی باتیں اور عبدالستار ایدھی سے اظہار محبت کرنے والے حکمرانوں سے ایدھی مرحوم کے مشن کو جاری رکھنے کی قطعاً کوئی امید نہیں ہے۔ غریبوں و کمزوروں کے ساتھ تعاون، لاچارو بے آسرا لوگوں کا سہارا بننا ریاست وحکومت کی ذمے داری ہوتی ہے، لیکن جو کام تمام وسائل سے مالا مال حکمران طبقہ نہ کر سکا، وہ کام صرف ایک فقیر منش انسان نے کرکے پوری دنیا میں پاکستان کا نام روشن کیا، جب کہ حکمران طبقے کو اتنی توفیق بھی نہ ملی کہ فلاحی کاموں میں ان کے ساتھ تعاون ہی کرسکے۔

اگرچہ عبدالستار ایدھی کی موت پر سب ہی ریاستی، حکومتی اور بالادست طبقات ان کو زبردست خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں، لیکن عملی طور پر ان سب کو شرم آنی چاہیے کہ ان کے کرنے کا کام ایدھی نے اکیلے سنبھالا۔ حکمرانوں نے عبدالستار ایدھی کو اگرچہ زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے، لیکن اس کی حیثیت دکھلاوے سے زیادہ کچھ نہیں، کیونکہ اگر حکمران واقعی خدمت انسانیت کے فلسفے کو خراج تحسین پیش کرنے میں سنجیدہ ہوتے تو وہ خود بھی اس فلسفے پر عمل پیرا ہوتے اور ملک کی دولت کو بینکوں میں چھپانے اور قوم کی اس دولت سے بیرون ملک اپنے بڑے بڑے کاروبار کرنے کی بجائے ملک سے غربت کے خاتمے کی سرتوڑ کوشش کرتے، جس کے بعد بعید نہیں تھا کہ ملک سے غربت کا خاتمہ کچھ ہی عرصے میں ہوجاتا

لیکن حکمران طبقے نے کبھی اپنی اس ذمے داری کو ذمے داری ہی نہیں سمجھا۔ ملک میں اگرچہ متعدد فلاحی تنظیمیں بھرپور کام کر رہی ہیں اور صاحب ثروت افراد اپنے اپنے طور پر بھی دوسروں کی بھلائی کے کام میں مشغول ہیں، لیکن جو کام تمام وسائل سے مالا مال ریاستی ڈھانچہ کر سکتا ہے، وہ کسی فلاحی تنظیم سے ہونا مشکل ہے۔

عبدالستار ایدھی اپنی ذات میں ایک ایسی انجمن تھے جو اپنے اندر غریبوں، مسکینوں، یتیموں، معذوروں، بچوں، بچیوں، بے کسوں اور ضرورت مندوں کو سجائے ہوئے تھے۔ انھوں نے جو کام اپنے ذمے لیا، آخر عمر تک اسے مکمل ذمے داری کے ساتھ نبھایا، اگر حکمران سنجیدہ ہوتے تو کم از کم جتنا کام اکیلے ایدھی مرحوم نے کیا۔ اس سے کم از کم دو چار گنا ہی زیادہ کر لیتے، لیکن حکمران تو ابھی تک ملک میں کوئی ایسا اسپتال تک نہیں بنا سکے، جہاں کم از کم اپنا ہی علاج کروا سکیں، اشرافیہ میں سے کسی کو چھینک بھی آئے تو فوراً جہاز اڑا کر امریکا، برطانیہ اور دیگر ممالک کے مہنگے اسپتالوں کا رخ کرتے ہیں۔ ایدھی مرحوم نے تین سال سے زاید عرصے تک صبر و ہمت اور استقامت کے ساتھ اپنی علالت کو برداشت کیا۔ ان کو کئی بار بیرون ملک علاج کروانے کی پیشکش کی گئی لیکن انھوں نے یہ کہہ کر ایسی کوئی پیشکش قبول کرنے سے معذرت کر لی کہ وہ اپنے ہی ملک میں علاج کرانے کو ترجیح دیں گے اور بالآخر اپنے ہی وطن میں اپنی جان جان آفریں

کے حوالے کردی۔

حکمران طبقے سے تو یہ امید نہیں کہ وہ مرحوم کے مشن کو زندہ رکھے گا، لیکن ان سے محبت کرنے والے تمام لوگوں کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنے طور پر ان کے مشن کو جاری رکھیں۔ عبدالستار ایدھی کے بقول یہ جو میں نے اتنا کام پھیلایا ہے، اس کی وجہ معاشرے کا پیسے والا اور اختیار رکھنے والا طبقہ نہیں، بلکہ عام آدمی ہے۔ اگر ہر علاقے میں عام آدمی چاہیں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ ضرورت مند لوگ ہر علاقے میں مل جائیں گے، یتیم، تعلیم سے محروم اور بیمار و کمزور لوگوں سے ملک کا کوئی علاقہ بھی خالی نہیں ہے۔ اگر ہم میں سے ہر فرد سارا دن ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر حالات کا رونا رونے کی بجائے اپنی ذمے داری ادا کرتے ہوئے ایدھی مرحوم کے نقش قدم پر چلے تو بعید نہیں کہ اپنی قوم کو مسائل سے نکالنے میں آسانی سے کامیاب ہو جائیں۔ اگرچہ ہر شخص کے لیے کوئی بڑا قدم اٹھانا ممکن نہیں ہے، لیکن ہر فرد کم از کم اپنی سطح تک تو معاشرے کو کچھ دینے کی کوشش کر سکتا ہے۔ اگر اکیلا بھی کچھ نہیں کر سکتا تو کم از کم دو چار دوستوں کے ساتھ مل کر ہی اپنے علاقے، اپنے محلے اور اپنے گاؤں کی سطح پر ہی ناداروں، ضرورت مندوں اور معاشرے کی خدمت کے لیے کوئی ایسا سیٹ اپ بنایا جا سکتا ہے، اگر ہم میں سے ہر ایک ایدھی مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے تو یقین جانیے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

آزاد کشمیر الیکشن: وفاق کی حکمران جماعت آزاد کشمیر میں بھی حکمران

آزاد کشمیر میں ہونے والے الیکشن میں حسب روایت حکمران جماعت مسلم لیگ (ن) نے میدان مار لیا ہے۔ غیر حتمی اور غیر سرکاری نتائج کے مطابق مسلم لیگ (ن) 33 نشستوں کے ساتھ سرفہرست ہے۔ مسلم کانفرنس 3 نشستوں کے ساتھ دوسرے نمبر پر رہی۔ تحریک انصاف اور پیپلز پارٹی 2، 2 نشستوں کے ساتھ تیسرے نمبر پر، جبکہ جموں کشمیر پیپلز پارٹی ایک نشست حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکی۔ آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کے لیے پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) کے 41، حکمران جماعت مسلم لیگ ن) کے 38، پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کے 28 اور مسلم کانفرنس کے 8) امیدوار میدان میں تھے، جبکہ جمعیت علمائے اسلام (ف)، مجلس وحدت المسلمین اور جماعت اسلامی نے بھی اپنے امیدوار کھڑے کیے تھے۔ آزاد کشمیر کی قانون ساز اسمبلی کی 49 میں سے 41 نشستوں پر ہونے والے انتخابات میں اراکین کے چناؤ کے لیے پولنگ صبح 8 بجے شروع ہوئی، جو بغیر کسی وقفے کے شام 5 بجے تک جاری رہی۔

انتظامیہ کی جانب سے انتخابات کے لیے 5429 پولنگ اسٹیشنز اور 8048 پولنگ بوتھ قائم کیے گئے، جبکہ الیکشن کمیشن کا مرکزی کنٹرول روم مظفر آباد میں قائم کیا گیا۔ انتخابات کے لیے 37 ہزار500 سیکورٹی اہلکار تعینات کیے گئے، ہر پولنگ اسٹیشن کے اندر ایک فوجی اہلکار بھی تعینات تھا، جسے مجسٹریٹ کے اختیارات

دیے گئے۔ حساس پولنگ اسٹیشنز پر 6 پولنگ سیکورٹی اہلکار جب کہ نارمل پولنگ اسٹیشنز پر 4 اہلکاروں کو تعینات کیا گیا، جن میں پاک فوج کا ایک جوان بھی شامل تھا۔ آزاد کشمیر میں کئی پولنگ اسٹیشنز پر سیاسی جماعتوں کے کارکنوں میں ہاتھا پائی ہوئی جب کہ حویلی میں پولنگ اسٹیشن کے باہر ہوائی فائرنگ کرنے والے شخص کو پولیس نے گرفتار کرلیا۔ اس سے قبل انتخابی مہم کے دوران پیپلز پارٹی، پی ٹی آئی اور مسلم کانفرنس نے جلسوں کے ذریعے اپنی سیاسی طاقت کا مظاہرہ کیا، جبکہ مسلم لیگ (ن) نے بھی آزاد کشمیر کا میدان کھلا نہ چھوڑا۔

واضح رہے کہ آزاد کشمیر کی اسمبلی 49 اراکین پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان نشستوں کی تقسیم کچھ یوں ہے کہ پہلی 29 نشستوں پر آزاد کشمیر کے 26 لاکھ 74 ہزار 584 ووٹرز اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں، جب کہ 12 نشستوں پر پاکستان میں موجود 4 لاکھ 38 ہزار 884 کشمیری مہاجرین حق رائے دہی استعمال کرتے ہیں۔ 8 نمائندے مخصوص نشستوں سے آتے ہیں، جن میں 5 خواتین، ایک عالم دین، ایک اوورسیز پاکستانی اور ایک ٹیکنوکریٹ کی نشست ہوتی ہے۔ وزیراعظم اس پارٹی یا اتحاد کا بنتا ہے، جس کے پاس سادہ اکثریت یعنی کم از کم 25 سیٹیں ہوتی ہیں اور مسلم لیگ ن نے 33 نشستوں پر میدان مار لیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اب آزاد کشمیر میں حکومت مسلم لیگ ن کی ہوگی۔ وزیراعظم نے ن لیگ کی فتح پر

خوشی کا اظہار کرتے ہوئے نومنتخب نمائندوں کو مبارکباد پیش کی ہے۔ وزیراعظم نواز شریف نے ایک پیغام میں کہا ہے کہ آزاد کشمیر میں پرامن انتخابات کا انعقاد جمہوریت کی فتح ہے۔ نومنتخب نمائندے آزاد کشمیر کے عوام کی بہبود کے لیے کام کریں۔ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے وفاق نئی آزاد کشمیر حکومت سے ہر ممکن تعاون کرے گا۔ وزیراعظم کا کہنا تھا کہ مختلف سیاسی نظریات کے باوجود پوری پاکستانی قوم کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کی حمایت کرتی ہے۔ امید ہے نومنتخب نمائندے آزادی کی جدوجہد میں مقبوضہ کشمیر کے عوام کی حمایت جاری رکھیں گے۔

پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے بھی کشمیر کے انتخابات جیتنے پر مسلم لیگ نون کو مبارک باد دی ہے، جبکہ پاکستان پیپلز پارٹی نے آزاد کشمیر کے انتخابی نتائج مسترد کرتے ہوئے مسلم لیگ (ن) پر دھاندلی کا الزام عائد کردیا۔ ترجمان پیپلز پارٹی کی جانب سے جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ آزاد کشمیر کے انتخابات میں مسلم لیگ (ن) نے سائنٹفک طریقے سے پری پول دھاندلی کی، ہم ان انتخابی نتائج کو تسلیم نہیں کرتے اور پیپلز پارٹی کے تمام امیدوار اپنے اپنے حلقوں میں احتجاجی پریس کانفرنس کریں گے۔ تحریک انصاف کے رہنماء بیرسٹر سلطان محمود نے آزاد کشمیر الیکشن میں وفاقی حکومت پر پری پول رگنگ کا الزام لگایا ہے۔ بیرسٹر سلطان محمود کا کہنا تھا کہ

الیکشن سے پہلے مختلف اسکیموں کے لیے دو ارب روپے دیے گئے اور ووٹ خریدنے کے لیے ہر امیدوار کو پانچ پانچ کروڑ روپے دیے گئے۔ آزاد کشمیر انتخابات میں مسلم لیگ ن) کی فتح پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے وزیر اطلاعات پرویز رشید کا کہنا تھا کہ پرامن) انتخابات کا انعقاد جمہوریت کی فتح ہے۔ شفاف انتخابات کے انعقاد پر نو منتخب اراکین، ادارے اور کشمیری عوام مبارکباد کے مستحق ہیں۔ پرویز رشید کا کہنا تھا کہ کشمیری عوام نے ثابت کیا کہ وہ وزیراعظم نواز شریف کے ترقی اور خوشحالی کے ویژن پر اعتماد رکھتے ہیں۔ مسلم لیگ ن پر بلا جواز تنقید کرنے والوں کو عوام نے ووٹ کی طاقت سے جواب دیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ وزیراعظم نواز شریف کشمیریوں کے دکھوں کا مداوا کریں گے۔ پاکستان کی طرح اب ترقی و خوشحالی کا ایجنڈا کشمیر میں بھی آگے بڑھے گا۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب بھارت مقبوضہ کشمیر میں معصوم کشمیریوں کے خون کی ہولی کھیل رہا ہے، آزاد کشمیر میں مجموعی طور پر پرامن الیکشن ایک خوش آئند بات ہے، یقیناً اس کا مثبت اثر پڑے گا اور دنیا بھر میں مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر کے عوام کے بارے میں تقابل کرکے پاکستان کے حق میں اچھی رائے قائم کی جائے گی۔ مبصرین نے کہا ہے کہ یہ بات تو پہلے ہی واضح تھی کہ آزاد کشمیر میں فتح حکمران جماعت کی ہوگی کیونکہ یہ روایت پہلے سے چلتی آ رہی ہے، لیکن حکمران جماعت کی فتح میں کسی حد تک اپوزیشن کی

نااہلی بھی ہے، جو پاناما لیکس کے ایشو کو حکومت کے خلاف ٹھیک سے استعمال نہ کرسکے۔ پاکستان میں ایسی منفرد جمہوریت ہے، جس میں جو سیاسی جماعت ایک بار عام انتخابات میں اکثریت حاصل کرلے، وہ جماعت اگلے عام انتخابات تک ہونے والے ہر قسم کے انتخابات میں اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب رہتی ہے۔ چاہے وہ مقامی حکومتوں کے انتخابات ہوں، گلگت بلتستان کی قانون ساز اسمبلی کے ہوں، یا پھر کنٹونمنٹ بورڈز میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات۔ حتیٰ کہ آزاد کشمیر کے عام انتخابات میں بھی وہی جماعت اکثریت حاصل کرتی ہے جس کی حکومت اسلام آباد میں ہوتی ہے، جس کے بعد مذکورہ اکثریتی جماعت دعویٰ کرتی ہے کہ اپوزیشن جماعتوں کی مخالفت اور تنقید کے باوجود عوام حکومتی پالیسیوں سے خوش ہیں، جس کا ثبوت انتخابات میں حکومتی جماعت کو ملنے والی اکثریت ہے۔ تاہم آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان میں ہونے والے انتخابات میں حکومت وہی سیاسی جماعت بناتی ہے، جس کی حکومت وفاق میں ہوتی ہے، جیسا کہ 2015ء میں ہونے والے گلگت بلتستان کے انتخابات میں وفاق میں حکومت کرنے والی پاکستان مسلم لیگ ن نے 24 جنرل نشستوں میں سے 15 حاصل کرکے حکومت بنائی۔ اس کے علاوہ 2011 میں ہونے والے آزاد کشمیر انتخابات میں وفاقی حکومت پاکستان پیپلز پارٹی کی ہونے کی وجہ سے مظفر آباد میں بھی حکومت پیپلز پارٹی نے بنائی۔ اب جب آزاد کشمیر میں دوبارہ سے انتخابات ہوئے تو حسب سابق پاکستان مسلم لیگ ن اکثریت حاصل کرکے حکومت بنانے میں کامیاب ہوگئی ہے۔ ملک کے دیگر

حصوں میں تو ان کامیابیوں کی وجہ کوئی بھی ہو، مگر آزاد کشمیر کا معاملہ تھوڑا مختلف ہے۔ یہاں کے ووٹرز اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ چونکہ آزاد کشمیر حکومت، وفاقی پالیسیوں کے تحت چلتی ہے، لہٰذا وہ اپنے ووٹ کا صحیح حقدار وفاق میں حکومت کرنے والی جماعت کو سمجھتے ہیں، جو ان کے خیال میں ان کے مسائل حل کرنے کے لیے پوری طرح بااختیار ہے۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ پچھلے تین سالوں میں اسلام آباد میں موجود وفاقی حکومت نے ملک کے دیگر حصوں، مسئلہ کشمیر اور آزاد کشمیر میں عوامی مسائل کے حل کے لیے کس بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے جو اب کی بار یہاں پر کر دکھائے گی؟ مسلم لیگ ن کا آزاد کشمیر میں اکثریت حاصل کرنا یقیناً اپوزیشن جماعتوں کی بھی نالائقی ہے، جو کہ پاناما لیکس کو بھی نواز حکومت کے خلاف استعمال نا کر سکیں، بلکہ حکومت کے ساتھ پانامہ لیکس کی تحقیقات کے لیے ٹی او آرز پر وقت برباد کرتی رہیں اور نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پاناما لیکس کے معاملے کو بنیاد بناتے ہوئے آزاد کشمیر کے انتخابی معرکے میں حکومت کو شدید زک پہنچائی جاتی جس سے حکمران جماعت کو بھی اندازہ ہو جاتا کہ اس معاملے کے کتنے سنگین نتائج ہو سکتے ہیں۔ مگر آزاد کشمیر انتخابات کے حوالے سے اپوزیشن کا بھی عجیب رویہ دیکھنے میں آیا ہے۔ جب انتخابات میں صرف چند دن باقی رہ گئے تو پیپلز پارٹی اور تحریک انصاف کی قیادت انتخابی مہم چلانے آزاد کشمیر جا پہنچیں اور اتنی تاخیر سے انتخابی مہم شروع کرنے کے باوجود

اپوزیشن جماعتوں کے رہنما اپنی جماعتوں کا منشور پیش ہی نہیں کر پائے، بلکہ حکمران جماعت مسلم لیگ ن کی خرابیاں اور کوتاہیاں بیان کرتے رہے، جو کہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اپوزیشن جماعتوں کے پاس حکومت کی غلطیوں کو اپنے حق میں کیش کروانے کے علاوہ کوئی ٹھوس منصوبہ بندی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ ''متحدہ'' اپوزیشن کے اختلافات بھی آزاد کشمیر کے انتخابات سے قبل کھل کر عیاں ہو گئے۔ ایک طرف تو عمران خان اور بلاول بھٹو زرداری حکومت کے خلاف اکٹھے کنٹینر پر اکھٹے کھڑا ہونا چاہتے تھے تو دوسری طرف آزاد کشمیر میں پیپلز پارٹی اور تحریک انصاف ایک دوسرے کے خلاف انتخابی مہم چلاتے رہے۔ یہاں تک کہ تحریک انصاف کی طرف سے نامزد وزیرِ اعظم بیرسٹر سلطان محمود چوہدری پیپلز پارٹی کی طرف سے آزاد کشمیر کے وزیر اعظم بھی رہ چکے ہیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوتا کہ تحریک انصاف اور پیپلز پارٹی کنٹینر پر ساتھ کھڑی ہوتیں یا نہ ہوتیں، انتخابی معرکے میں ہی ساتھ کھڑی ہو جاتیں تاکہ اپنے مشترکہ حریف کو نقصان پہنچایا جا سکے؟ لیکن لگتا ہے کہ ابھی ہماری جمہوریت اور سیاسی جماعتیں ابھی اسی مقام پر ہیں کہ جہاں اپنے حریف کو ہٹانے کے لیے تو سب ساتھ ہیں، مگر جیسے ہی اسے ہٹایا جائے گا، تو سارے ہی اقتدار کی دھینگا مشتی میں مصروف ہو جائیں گے۔ کشمیر انتخابات میں مسلم لیگ ن کی کامیابی کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے لیکن بلاشبہ اس میں مسلم لیگ ن سے زیادہ کردار اپوزیشن جماعتوں کا ہے۔ بہرحال وفاق میں حکمران جماعت مسلم لیگ

ن اب آزاد کشمیر میں بھی حکمران ہوگی، اب اس پر ضروری ہے کہ آزاد کشمیر میں ترقیاتی کام اور عوام کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرکے اپنا فرض ادا کرے تاکہ دنیا میں آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر اور ان دونوں کے عوام کی زندگیوں میں فرق واضح سکے۔

مقبوضہ کشمیر: عالمی سطح پر پاکستان کا موقف مضبوط..... بھارتی سفاکیت نہ رک سکی

مقبوضہ کشمیر میں آزادی کی تحریک روکنے کے لیے بھارتی قابض فوج کے مظالم جاری ہیں، لیکن کشمیری اپنے عزم سے پیچھے نہیں ہٹ رہے۔ آٹھ جولائی سے مقبوضہ وادی کا منظر ہی تبدیل ہے۔ ہر جانب بھارتی ظلم و بربریت کے نشان نظر آتے ہیں۔ وادی میں چہار سو بھارتی قابض فوج دندناتی نظر آتی ہے۔ تاہم کشمیری جدوجہد آزادی کے لیے پُرعزم ہیں۔ بھارتی فوج کا بدترین ظلم و تشدد بھی جاری ہے۔ 49ویں روز بھی وادی میں کرفیو نافذ رہا ہے۔ پوری وادی میں عوام گھروں میں محصور ہیں۔ موبائل سروس اور انٹرنیٹ بند ہے۔ غذائی اشیاء کی ترسیل روکی جارہی ہے اور دنیا کو اصل صورتحال سے بے خبر رکھنے کے لیے میڈیا پر بھی پابندی عاید ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کو بھی روکا جارہا ہے۔ پورے مقبوضہ کشمیر میں مسلسل 49 روز سے سخت کرفیو اور بھارتی فوج کی بہیمانہ کارروائیوں کے باوجود احتجاجی مظاہرے جاری ہیں، جن میں گزشتہ روز بھی ایک نوجوان شہید اور 110 سے زیادہ زخمی ہو گئے۔ مقبوضہ وادی میں بھارتی مظالم اور ہلاکتوں کے خلاف گزشتہ روز مظفر آباد میں کشمیری خواتین نے احتجاجی مظاہرہ کیا، جس میں اقوام متحدہ کی خاموشی پر اس کے سیکرٹری جنرل بانکی مون کو چوڑیاں پیش کی گئیں۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فورسز نے بڑی تعداد میں سرکاری سکولوں پر قبضہ کرلیا ہے۔ کشمیر میڈیا سروس

کے مطابق مقبوضہ وادی کے متعدد قصبوں میں درجنوں تعلیمی اداروں کی عمارت کو قبضے میں لیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ 1990 میں موجودہ تحریک آزادی شروع ہونے کے بعد بھارتی فورسز نے سینکڑوں تعلیمی اداروں میں اپنے کیمپ قائم کر لیے تھے، تاہم 2004 ء میں سکول عمارات کو قابض فورسز سے خالی کر لیا گیا تھا۔ حالیہ انتفادہ کے دوران قابض فورسز نے اب دوبارہ سے تعلیمی اداروں پر قبضہ کر لیا ہے۔ جموں و کشمیر میں گزشتہ 49 روز میں نہتے کشمیری مظاہرین پر ہندوستانی فورسز کی فائرنگ سے 87 سے زائد افراد شہید اور 6 ہزار سے زائد زخمی، جبکہ 120 کے قریب کشمیری نوجوان بینائی سے محروم ہو چکے ہیں۔ کشمیر میں حالیہ احتجاج کی لہر حریت پسند نوجوان کمانڈر مظفر وانی کی شہادت کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ جب سے جموں و کشمیر میں مستقل طور پر کرفیو نافذ ہے اور کشمیری عوام کے بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں کی جارہی ہیں۔

عالمی برادری کو کشمیر کی اصل شکل دکھانے کے لیے حریت رہنما میر واعظ عمر فاروق نے عالمی رہنماؤں کو خطوط لکھے ہیں۔ اقوام متحدہ، پوپ فرانسس، دلائی لاما، امام کعبہ، شنکراچاریہ اور دہلی میں تعینات مختلف ممالک کے سفیروں کے نام ان خطوط میں کہا گیا ہے کہ بھارتی وزیراعظم نریندر مودی تحریک آزادی کو دہشت گردی سے غلط جوڑ رہے ہیں۔ کشمیر کی صورتحال بہت خطرناک شکل اختیار کر چکی ہے اور اگر عالمی برادری نے بروقت مداخلت نہ کی تو صورتحال مزید ابتر

ہو سکتی ہے۔ میر واعظ نے عالمی برادری سے اپیل کی ہے کہ مسئلہ کشمیر کا قابل عمل حل تلاش کیا جائے۔ واضح رہے کہ گزشتہ دنوں وزیر اعظم نواز شریف کی طرف سے مسئلہ کشمیر کے حل کے سلسلے میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون کو بھی خط لکھ گیا تھا، جس کے بعد ایک بار پھر اقوام متحدہ کو مسئلہ کشمیر کی موجودگی اور اس کی سنگینی کا احساس ہوا۔ سیکرٹری جنرل نے وزیر اعظم نواز شریف کے نام اپنے جوابی خط میں جہاں مقبوضہ کشمیر میں ہلاکتوں کی مذمت کی، وہاں یہ بھی کہا کہ اقوام متحدہ مسئلہ کشمیر حل کروانے کے لیے کردار ادا کرنے کو تیار ہے، لہٰذا پاکستان اور بھارت تمام تنازعات حل کرنے کے لیے مذاکرات کریں۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے علاقائی امن و استحکام اور مسئلہ کشمیر کے پرامن حل کے لیے پاکستان کی کوششوں کو سراہتے ہوئے کہا ہے کہ اقوام متحدہ مسئلہ کشمیر کو مذاکرات کے ذریعے حل کرانے اور بات چیت کی غرض سے اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہے۔ دونوں ملکوں کے مابین کشمیر سمیت تمام تنازعات بات چیت کے ذریعے حل ناگزیر ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے کہا کہ کشمیر میں نہتے عوام کی ہلاکتیں قابل مذمت ہیں۔ تشدد روکنے کی کوششیں کی جائیں۔ وزیر اعظم نواز شریف نے اپنے خط کے ذریعے بان کی مون کی توجہ مقبوضہ کشمیر میں پرامن مظاہرین پر بھارتی فوج کے تشدد اور ان کی ہلاکتوں کی جانب مبذول کرائی تھی اور مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے عالمی ادارے کو اس کی ذمہ داریاں یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔ ان کی یہ حکمت عملی غیر

معمولی طور پر کامیاب رہی کہ اس کے نتیجے میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے مقبوضہ کشمیر میں ہلاکتوں کی مذمت کی۔ یہی نہیں، بلکہ عالمی ادارے نے مسئلہ کے حل کے لیے ثالثی کی پیشکش بھی کی، جو پاکستان کی زبردست کامیابی ہے۔

دوسری جانب کشمیر کا معاملہ اسلامی ممالک میں بھی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ اسلامی تعاون تنظیم (او آئی سی) کے سیکریٹری جنرل ایاد امین مدنی نے گزشتہ دنوں مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر شدید تشویش کا اظہار اور مسئلہ کشمیر کو پرامن طریقے سے حل کرنے کے عزم کا اعادہ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ او آئی سی اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قراردادوں اور کشمیری عوام کی امنگوں کے مطابق مسئلہ کشمیر کے حل کی مکمل حمایت کرتی ہے۔ مقبوضہ وادی میں صورت حال بھارت کا اندرونی معاملہ نہیں' انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں ملوث افراد کی نشاندہی کی جائے اور ان کو سخت سے سخت سزا دی جائے' عالمی اداروں کی جانب سے مقبوضہ کشمیر میں بگڑتی ہوئی صورت حال پر صرف بیانات کافی نہیں، بلکہ مسئلے کے سیاسی حل کے لیے عملی اقدامات کی ضرورت ہے۔ جبکہ اقوام متحدہ میں پاکستان کی مستقل مندوب ڈاکٹر ملیحہ لودھی نے کہا کہ بھارتی ہٹ دھرمی سے خطے میں صورت حال خراب ہو رہی ہے، جو علاقائی اور عالمی امن کے لیے خطرہ ہو سکتی ہے۔ عالمی برادری مقبوضہ کشمیر میں تشدد

ختم کرانے اور مذاکرات کے لیے بھارت پر دباؤ ڈالے' اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل بان کی مون کی جانب سے مسئلہ کشمیر کے حل میں اپنا کردار ادا کرنے کی پیشکش پاکستان کی سفارتی کامیابی ہے۔

مقبوضہ کشمیر میں نہتے عوام کے خلاف بھارتی فورسز وحشیانہ طاقت کا استعمال کر رہی ہیں۔ کشمیریوں کے پوری دنیا میں شدید احتجاج اور پاکستان کی طرف سے ان کا کافی حد تک ساتھ دینے کے بعد دنیا بھارت کی کشمیریوں پر بربریت سے آگاہ ہو رہی ہے، مگر بھارت کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگ رہی۔ اس کی سفاک سپاہ کی طرف سے نہ صرف کشمیریوں پر ظلم و جبر جاری ہے، بلکہ اس میں اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ گزشتہ دنوں اس کی طرف سے مزید دس ہزار فوجی مقبوضہ کشمیر میں داخل کیے گئے ہیں۔ بھارت نہ صرف اقوام متحدہ کی ان قرار دادوں پر عمل سے انکاری ہے جن میں کشمیریوں کو استصواب کا حق دیا گیا ہے، بلکہ وہ کشمیریوں کے انسانی حقوق غصب کرتے ہوئے دنیا کو دھوکا دے رہا ہے۔ پاکستان کی طرف سے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق مشن کو آزاد کشمیر میں آنے کی اجازت دی گئی ہے جبکہ بھارت نے مقبوضہ کشمیر میں اسے داخل ہونے سے روک دیا ہے۔ بھارت کی ایسی ہٹ دھرمی پر اقوام متحدہ خاموش ہے۔ بھارت پاکستان کے ساتھ مسئلہ کشمیر پر جامع مذاکرات کے کئی دور کر چکا ہے۔ مگر اس کی بدنیتی کے باعث مذاکرات کبھی سرے نہیں چڑھ سکے۔ بھارت کی ہٹ دھرمی کا یہ عالم ہے کہ

ایک بار پھر کشمیر کے معاملے پر مذاکرات کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ مودی حکومت نے مسئلہ کشمیر پر پاکستان کے ساتھ مذاکرات سے باضابطہ طور پر انکار کرتے ہوئے اس حوالے سے پاکستانی سیکرٹری خارجہ اعزاز چودھری کو آگاہ کر دیا ہے۔ بھارتی سیکرٹری برائے خارجہ امور ایس جے شنکر کی جانب سے سیکرٹری خارجہ اعزاز چودھری کے حوالے کیے گئے خط میں لکھا ہے کہ بھارت کشمیر کے مسئلے پر پاکستان کے ساتھ کوئی مذاکرات نہیں کرے گا۔ واضح رہے اس سے قبل سیکرٹری خارجہ اعزاز چودھری نے 19 اگست کو اپنے بھارتی ہم منصب ایس جے شنکر کے نام خط لکھا تھا جس میں انہیں اسلام آباد آنے اور مسئلہ کشمیر پر مذاکرات کی دعوت دی گئی تھی، اس کے جواب میں بھارت نے کہا تھا کہ وہ مذاکرات کے لیے تیار ہے، لیکن اب بھارت نے کشمیر پر مذاکرات کی پیشکش کو مسترد کر دیا، جو بھارت کی ہٹ دھرمی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مقبوضہ کشمیر کی اس خطرناک صورتحال پر حقوق انسانی کے عالمی اداروں اور اقوام متحدہ کی خاموشی خاصی معنی خیز ہے۔ یہ مسئلہ 1948ء سے اقوام متحدہ کے ایجنڈے میں شامل ہے اور خود اقوام متحدہ نے وہاں رائے شماری کا فیصلہ دیا تھا جس پر ابھی تک بھارتی ہٹ دھرمی کی وجہ سے عمل نہیں ہو سکا۔ اب کشمیر کی موجودہ صورتحال میں اقوام متحدہ کا فرض ہے کہ وہ اپنے فیصلے پر عمل درآمد کے لیے بھارت پر دباؤ ڈالے۔ بھارت اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہے تو عالمی برادری کو چاہیے کہ وہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے بھارت کو مسئلہ کشمیر پر اقوام متحدہ کی قرار

داوں پر عمل درآمد کے لیے آمادہ کرے۔

کشمیری عوام کی جانب سے بھارت کے ناجائز تسلط اور قابض فوج کے مظالم کے خلاف جاری تحریک نہ صرف عالمی سطح پر تنازع کشمیر کی سنگینی اور اس کے منصفانہ حل کی ضرورت کا احساس پیدا کرنے میں واضح طور پر کامیابی حاصل کر رہی ہے، بلکہ اس کے نتیجے میں خود بھارت کے اندر بھی سراسر بے انصافی پر مبنی مودی حکومت کی کشمیر پالیسی کے خلاف توانا آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بانکی مون کی جانب سے کشمیر میں بھارتی مظالم پر انتہائی تشویش اور مسئلے کے جلد از جلد منصفانہ حل کی ضرورت کے اظہار کے فوراً بعد ستاون مسلم ملکوں پر مشتمل اسلامی تعاون تنظیم کے سیکریٹری جنرل ایاد امین مدنی کا غیر مبہم الفاظ میں کشمیریوں کے حق خود ارادی کی حمایت کرنا کشمیر کے معاملے میں یہ پاکستان کی بڑی کامیابی ہے، کیونکہ کشمیر کے معاملے میں پاکستان کا موقف ساری دنیا کے سامنے آ گیا ہے۔ تنازع کشمیر کے منصفانہ سیاسی حل کے لیے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بانکی مون کا بیان اور اسلامی تعاون تنظیم کے سیکرٹری جنرل ایاد امین مدنی کی جانب اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیر میں استصواب رائے کرائے جانے کی ضرورت کے اظہار اور خود بھارت کے اندر اپوزیشن جماعتوں کی طرف سے مودی حکومت کی کشمیر پالیسی کے خلاف شدید رد عمل سے یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہو گئی ہے کہ

بھارت کے لیے فوجی طاقت کے بل پر اب زیادہ دیر کشمیر پر غاصبانہ تسلط قائم رکھنا ممکن نہیں۔ کشمیریوں کی قربانیاں بالآخر رنگ لا رہی ہیں اور تنازع کشمیر کے ضمن میں پاکستان اور کشمیری عوام کے جائز موقف کے حق میں فضا تیزی سے ہموار ہو رہی ہے۔ کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ قرار دینے کا سو فی صد دھاندلی پر مبنی موقف عالمی سطح پر بھی مسترد کیا جا چکا ہے اور بھارت کے اندر بھی جس کا ناقابل تردید ثبوت بھارت کی اپوزیشن جماعتوں کی طرف سے پرامن سیاسی حل کے حق میں اٹھنے والی آوازیں ہیں۔ نریندر مودی نے کشمیر کی صورت حال سے دنیا کی توجہ ہٹانے کے لیے بلوچستان کی دہائی دینے کی شاطرانہ چال چلی، جو ناجاکام ہو گئی ہے، کیونکہ بلوچستان کے غیور عوام نے بھرپور احتجاجی مظاہروں کے ذریعے مودی کو منہ توڑ جواب دے دیا ہے۔ دراصل کشمیر کے معاملے پر پاکستان کے موقف کو عالمی سطح پر ملنے والی پذیرائی سے خائف بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے بلوچستان بارے نازیبا بیان دے کر میڈیا کی توجہ کشمیر کے معاملے سے ہٹانے کی چال چلی ہے، جس میں کافی حد تک اسے کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے، کیونکہ عالمی میڈیا تو پہلے سے ہی کشمیر کے حوالے سے منافقت سے کام لیتے ہوئے بھارتی مظالم پر خاموش تماشائی کا کردار ادا کرتا ہے۔ عالمی میڈیا کو بھارتی مظالم کا نشانہ بن کر موت کی نیند سونے والے کشمیری نظر نہیں آتے اور عالمی میڈیا ہمیشہ بھارت کی سپورٹ کرتا ہے، لیکن زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ پاکستانی میڈیا بھی چند روز کے بعد اس معاملے میں خاموش

ہوگیا ہے، قومی میڈیا پر کشمیر کے معاملے کو پس پشت ڈال کر نہ جانے کون کونسے ایشوز پر پورے پورے پروگرام کیے جاتے ہیں، حالانکہ یہ پاکستان حکومت اور پاکستانی میڈیا کی ذمہ داری بنتی ہے کہ دنیا بھر میں کشمیر کے معاملے کو اجاگر کرے اور کشمیر میں بھارتی سفاکیت و ظلم و ستم دکھا کر دنیا بھر میں بھارت کے بھیانک اور مکروہ چہرے کو بے نقاب کرے۔

مسائل میں گھرا پاکستان.....پاناما لیکس کا ہنگامہ ختم نہ ہو سکا

ان دنوں پاکستان مختلف قسم کے اندرونی و بیرونی مسائل کا شکار ہے۔ایک طرف امریکا، بھارت اور افغانستان کی جانب سے مسلسل پاکستان کو تنگ کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ امریکا پاکستان کو ڈومور کا روایتی حکم دیے جارہا ہے اور افغانستان کی جانب سے پاکستان پر مسلسل الزام تراشی جاری ہے، جبکہ بھارت کی جانب سے کشمیر میں خون ریزی کا شروع کیا گیا نیا سلسلہ تاحال جاری ہے، باون روز کے بعد کشمیر میں لگایا گیا کرفیو تھوڑی دیر کے لیے اٹھایا گیا، لیکن پھر نافذ کردیا گیا۔ دوسری جانب ایک بار پھر ملک میں دہشتگردوں نے سر اٹھالیا ہے، جو کوئٹہ سانحہ کی صورت میں قوم کو دکھ دے رہے ہیں۔ ملک کے سب سے اہم شہر کراچی کی حالت بھی بے یقینی کا شکار ہے، جہاں ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کے پاکستان خلاف بیانات نے نہ صرف ملک بھر کو غم و غصہ میں مبتلا کردیا ہے، بلکہ خود ان کی اپنی جماعت بھی دھڑے بندی کا شکار ہو گئی اور بالآخر مائنس الطاف کے فارمولے پر عمل پیرا ہونا پڑا ہے۔ کراچی میں ایم کیو ایم کا ایشو کافی تشویش ناک ہے۔ ایسے حالات میں گزشتہ کئی ماہ سے شروع ہونے والے ''پاناما لیکس ڈرامے'' نے پورے ملک کو عجیب کشمکش میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ پاناما لیکس کے معاملے پر تا حال دھند چھائی ہوئی ہے۔ کچھ نتیجہ نکلتا نظر نہیں آ رہا۔ لگتا یوں ہے کہ اپوزیشن اور

حکومت دونوں معاملے کو لٹکانا چاہتی ہیں۔ حکومت خود کو بچا کر پاناما لیکس کے معاملے کو دفن کرنا چاہتی ہے، جبکہ اپوزیشن جماعتیں خم ٹھونک کر میدان میں اتر چکی ہیں، جو پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہیں، وہ ہر حال میں شریف فیملی کا احتساب چاہتی ہیں۔ اپوزیشن رہنماؤں کا کہنا ہے کہ وزیر اعظم کا ''دامن'' اگر صاف ہے تو انھیں ''بلا توقف'' اپنے آپ کو کمیشن کے سامنے پیش کر دینا چاہیے۔ جمہوری ممالک میں اگر کسی وزیر اعظم پر الزام لگ جائے تو اس کے پاس ''عہدے'' پر رہنے کا کوئی اخلاقی ''جواز'' باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا اگر حکومت پاناما لیکس کی تحقیقات کے لیے واقعی ''سنجیدہ'' ہے تو پھر انہیں چاہیے کہ اپوزیشن کے ساتھ بیٹھ کر اس کے '' ضابطہ اخلاق'' طے کرے۔ دیگر کئی ممالک کے وزرا اعظم نے پاناما لیکس کے سلسلے میں لگنے والے الزامات کی وجہ سے استعفا دے دیا ہے، جبکہ پاکستانی وزیر اعظم عوام اور اپوزیشن کے بھرپور مطالبے کے باوجود بھی استعفا تو ایک طرف، اپنے احتساب کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔۔برطانوی وزیر اعظم پر الزام لگا تو انہوں نے پارلیمنٹ میں جا کر اپنی تمام '' ٹیکس ''تفصیلات جاری کیں، وزیر اعظم پاکستان کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے 1990ء سے لے کر 2013ء تک کے ٹیکس ریٹرنز عوام کے سامنے رکھیں۔

پاناما لیکس کے حوالے سے حکومت کے احتساب کے مطالبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سب سے زیادہ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان متحرک دکھائی دے رہے ہیں۔ پاناما لیکس کے مسئلے پر تحریک انصاف نے سپریم کورٹ میں درخواست دائر کر دی۔

تحریک انصاف کی طرف سے درخواست میں موقف اختیار کیا گیا ہے کہ پاناما لیکس کا معاملہ پوری قوم کے لیے باعث تشویش ہے۔ درخواست میں وزیراعظم محمد نواز شریف اور فیملی ممبران کو فریق بنایا گیا ہے۔ درخواست کے متن کے مطابق پاناما لیکس کا معاملہ قومی اور عوامی مفاد کا ہے۔ درخواست میں استدعا کی گئی ہے کہ پاناما لیکس معاملے کی تحقیقات کی جائیں۔ پی ٹی آئی کی طرف سے یہ موقف بھی اختیار کیا گیا ہے کہ آف شور کمپنیوں کے معاملے پر وزیراعظم اور اہلخانہ کے بیانات میں تضاد ہے۔ چیئرمین نیب کو لوٹی رقم واپس لانے کا حکم دیا جائے۔ درخواست میں سیکرٹری داخلہ، قانون، نیب اور وزارت قانون کو فریق بنایا گیا ہے۔ چیئرمین تحریک انصاف عمران خان کہتے ہیں کہ نواز شریف پاناما کے معاملے کو لمبا کھینچنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ طاقتور کا احتساب نہیں ہو سکتا تو اس کی یہ غلط فہمی دور کرنے کیلئے 3 ستمبر کو لاہور میں عوام کا سمندر نکال کر دکھائیں گے، جس میں اپوزیشن جماعتوں کو دعوت دیں گے اور ہماری کوشش ہے کہ تمام پارٹیاں اپنے اپنے کنٹینرز لے کر آئیں۔ جبکہ دوسری جانب خورشید شاہ کا کہنا ہے کہ ہمیں پاکستان کے مسائل مل بیٹھ کر حل کرنا ہوں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم نے اعلان کیا ہے کہ ستمبر میں سڑکوں پر ہوں گے، جلسے جلوس کریں گے۔ حکومت کی ناکامیوں کا سب کو بتائیں گے۔ ان کے علاوہ بھی ڈاکٹر طاہر القادری سمیت دیگر سیاسی رہنما بھی حکومت کے خلاف کامیاب تحریک چلانے کا عندیہ دے چکے ہیں۔ حکومت مخالف تحریک سے اگرچہ حکومت

کافی حد تک خائف ہے، لیکن تاحال پاناما لیکس کے معاملے کو حل کرتی دکھائی نہیں دے رہی ہے۔ بعض تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ خورشید شاہ حکومت کے خاموش معاون کا کردار ادا کر رہے ہیں، لیکن ان کا یہ کردار اس لیے زیادہ کامیاب ہوتا نظر نہیں آ رہا ہے، کیونکہ عمران خان یہ کہہ چکے ہیں کہ اگر ان کا کوئی بھی ساتھ نہیں دیتا تو وہ اکیلے ہی حکومت کے خلاف میدان میں اتریں گے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ معاملہ جلد حل ہونے والا نہیں ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ حکومت اور اپوزیشن کی چپلقش سے سراسر نقصان ملک کا ہو رہا ہے۔ حکومت اور اپوزیشن اپنے اپنے مفادات کی خاطر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں، سیاسی کھلاڑیوں کو اس بات کا کوئی احساس نہیں کہ ان کے مفادات کی جنگ میں نقصان صرف اور صرف پاکستان کا ہوگا۔ پاکستان ان اندرونی کے ساتھ کئی بیرونی مسائل کا بھی شکار ہے، جو پاکستان کے لیے کافی پریشان کن حالات ہیں۔ امریکا نے تو پاکستان کو مستقل طور پر پریشان کیا ہی ہوا ہے، لیکن اس کے ساتھ بھارت بھی اپنی گھٹیا حرکتوں کے ساتھ پاکستان کے لیے درد سر بنا ہوا ہے۔ بھارت کی جانب سے پاکستان میں دہشتگردی کی کارروائیوں کے علاوہ کشمیر کے معاملے میں بھی بھارت انتہائی ہٹ دھرمی کا ثبوت دے رہا ہے۔ کئی روز سے کشمیر میں بھارتی سفاکیت کی رقم ہونے والی تاریخ اس کی تازہ مثال ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان کی جانب سے جب بھی کشمیر کے معاملے کو عالمی سطح پر اٹھانے کی بات کی جاتی ہے تو بھارت چلا اٹھتا ہے۔ گزشتہ روز بھی بھارتی

میڈیا نے مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج کی بربریت اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو اجاگر کرنے کے لیے دنیا کے اہم ممالک میں 22 پارلیمنٹیرینز کو خصوصی نمائندہ نامزد کرنے کے وزیراعظم نواز شریف کے جرات مندانہ اور تاریخی اقدام پر سخت ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے اسے اشتعال انگیز اور ملکی معاملات میں مداخلت قرار دے دیا۔ بھارتی اخبار انڈین ایکسپریس نے اپنی شہ سرخی کے ساتھ خبر دی کہ ''پاکستان نے کشمیر پر بھارت کو پریشان کیا''۔ بھارتی میڈیا میں وزیراعظم نواز شریف کے فیصلے پر صف ماتم سی بچھ گئی ہے۔ حسب سابق بھارتی میڈیا نے 'رونا' اور 'چیخنا چلانا' شروع کر دیا ہے۔ کشمیر پر قابض بھارت کا اخبار 'انڈین ایکسپریس' لکھتا ہے کہ نواز شریف کا یہ اقدام بھارت کے ذاتی معاملات میں مداخلت ہے۔ جبکہ اس کے علاوہ بھارتی کی گھٹیا سوچ کی حکومت پاکستان کے خلاف اوچھے ہتھکنڈوں پر اترنے سے بھی گریز نہیں کرتی۔ گزشتہ روز بہوجن سماج پارٹی کی سربراہ مایاوتی نے کہا ہے کہ مودی سرکار اپنی ناکامیاں چھپانے کیلئے کشمیر میں تشدد کو پروان چڑھا رہی ہے۔ مسئلہ کشمیر سے توجہ ہٹانے کیلئے پاکستان کے ساتھ جنگ بھی چھیڑ سکتی ہے۔ اس کے ساتھ افغانستان کا معاملہ بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ افغانستان میں پاکستان مخالف سوچ کو پروان چڑھانے کا سلسلہ بھی جاری ہے، جس کے تحت گزشتہ دنوں افغانستان میں پاکستانی پرچم کو نذر آتش کیا گیا تھا، جس پر وزیراعظم کے مشیر برائے خارجہ امور سرتاج عزیز نے کہا ہے کہ پاکستان پاک افغان سرحد پر بند باب دوستی کھولنے

پر تیار تھا، تاہم اس کے لیے کچھ اصولی شرائط تھیں کہ کابل حکومت پاکستانی پرچم کو جلائے جانے پر معافی مانگے پھر ہم باب دوستی کھولیں گے۔اس کے ساتھ افغانستان کی جانب سے افغانستان کی جانب سے پاکستان پر الزام تراشی کا سلسلہ جاری ہے۔ افغان صدر ڈاکٹر اشرف غنی نے پاکستان سے کہا ہے کہ وہ امریکی یونیورسٹی پر حملے سے متعلق معلومات فراہم کرے۔ افغانستان کا الزام ہے کہ اس حملے کی منصوبہ بندی پاکستان میں کی گئی تھی۔امریکا، بھارت اور افغانستان کی جانب سے پاکستان کے خلاف روا رکھا جانے والا یہ رویہ سراسر پاکستان کی سالمیت کے خلاف اور پاکستان کے لیے انتہائی پریشان کن ہے، ایسے حالات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ پاکستان خطے میں تنہا ہوتا جارہا ہے۔ ایسے حالات میں ملک کے اندر حکومت اور اپوزیشن کا ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوجانا یقینا قوم کے لیے مزید پریشان کن اور ملک کے لیے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔

حکومت اور اپوزیشن کی چپقلش کی وجہ سے پاکستان جن حالات میں گھرا ہوا ہے، اس کا شاید انہیں اندازہ ہی نہیں ہے۔ دیگر بہت سے نتائج کے ساتھ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غیر جمہوری قوتوں کے ہاتھ عوام کو غیر ذمہ دار سیاست دانوں سے بچانے کا جواز ضرور آ جائے گا۔اگر جمہوری عمل ایک مرتبہ پھر انتشار کا شکار ہوا تو اس کی ذمہ داری ملک کی سیاسی اشرافیہ پر عائد ہوگی اور اب کے اسے

ماضی کی نسبت کہیں زیادہ قصوروار گردانا جائے گا۔ اگر حکومت کو یہ صورتحال ناگوار معلوم ہوتی ہے تو اسے علم ہونا چاہیے کہ اس صورتحال کی ذمہ دار وہ خود ہے۔ اگر حکومت اس معاملے کو ختم کرنا چاہے تو ایک دن میں کر سکتی ہے، لیکن حکومت خود کو بچانا چاہتی ہے، اس کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہے کہ پاکستان کو کتنا نقصان ہوتا ہے، جبکہ اپوزیشن بھی اس معاملے میں سنجیدہ دکھائی نہیں دیتی، اسے صرف اپنے مفادات عزیز ہیں۔ پاناما لیکس نے پاکستان کی کمزور جمہوریت کو جو نقصان پہنچایا ہے اس سے کہیں زیادہ نقصان اس معاملے پر اس کے بعد سے جاری بحث نے پہنچایا ہے۔ حکومت اور اپوزیشن کی ایک دوسرے کے خلاف دشنام طرازی میں قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں کا کہنا ہے کہ دوسرا فریق اس سے زیادہ بدعنوان ہے۔ دنیا میں کہیں بھی کوئی سنجیدہ سیاست دان خود کو چھوٹی برائی قرار دے کر عوامی حمایت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ مزید براں اس صورتحال میں ریاست اور عوام کو جو نقصان پہنچ رہا ہے اس کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی کہ تمام انتظامیہ کئی ہفتوں سے مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ ایسے میں جبکہ حکومتی رہنما اور ان کے مخالفین ایک دوسرے کے خلاف دشنام طرازی کی جنگ میں صف آرا ہیں، عوام کی تکالیف میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ سیاست دان عوام کے جمہوری حقوق کے محافظ ہوتے ہیں مگر ہماری سیاسی اشرافیہ خود کو اس ذمہ داری کا اہل ثابت نہیں کر سکی۔ حکومت اور اپوزیشن دونوں کو چاہیے کہ اپنے مفادات کو سامنے رکھنے کی بجائے ملک کے مفادات کے

لیے کام کریں۔ ملک کئی مسائل میں گھرا ہوا ہے، دونوں کا فرض بنتا ہے کہ ملک کو ان مسائل اور حالات سے نجات دلائے، اگر دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہی صف آرا ہوجائیں گیں تو اس سے ملک کے مسائل میں مزید اضافہ ہوگا۔

چلو مسکرانے کا بہانہ ڈھونڈتے ہیں

زندگی نشیب وفراز کا مجموعہ ہے۔ دنیا میں ہر انسان کو جہاں بہت سی خوشیاں ملتی ہیں، وہیں بہت سے غموں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ انسان کو بہت سے ایسے مواقع سے بھی پالا پڑتا ہے، جب وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ زندگی واقعی نامساعد حالات کا ایک سلسلہ ہے۔ ایک دکھ سے چھٹکارا ملتا ہے تو دوسرا آ دبوچتا ہے۔ ایک پریشانی ختم نہیں ہوتی کہ دوسری انسان کو عاجز کرنے کو تیار ہوتی ہے اور جب انسان زندگی سے عاجز آ جائے تو وہ مایوسیوں کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے، ایسے حالات تب ہی پیدا ہوتے ہیں، جب انسان زندگی کی تلخیوں کو خود پر سوار کر لے اور زندگی کی خوشیوں کو نظر انداز کر کے صرف ان تلخیوں کے بارے میں سوچتا رہے، حالانکہ ہر انسان کو یہ سوچنا چاہیے کہ حالات کبھی ایک سے نہیں رہتے۔ دنیا تغیرات کا مجموعہ ہے، جہاں رات ہے، وہاں دن بھی ہے۔

جہاں تاریکی ہے، وہاں روشنی بھی ہے۔ جہاں کانٹے ہیں، وہاں پھول بھی ہیں۔ جہاں ناکامی ہے، وہاں کامیابی بھی ہے۔ جہاں نفرت ہے، وہاں محبت بھی ہے۔ جہاں دشمنی ہے، وہاں دوستی بھی ہے۔ جہاں پریشانیاں ہیں، وہاں خوشیاں بھی ہیں۔ جہاں برے لوگ ہوتے ہیں، وہاں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا کسی پریشان

کن بات کو لے کر ہی نہیں بیٹھ جانا چاہیے، کیونکہ اس سے پریشانی میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ انسان کو کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیشہ خوش رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ خوش ہونے اور مسکرانے کے بہانے ڈھونڈنے چاہیے۔ خوش رہنے کی کوشش کی جائے تو خوشیاں یقینا انسان کا استقبال کرتی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں وہی لوگ کامیاب ٹھہرتے ہیں، جو پریشانیوں کا رونا رونے کی بجائے خوش رہنے کی کوشش کریں۔ زندگی ہارے ہوئے غمزدہ انسان کا ساتھ کم ہی دیا کرتی ہے، زندگی کے میدان میں فتح حاصل کرنے کے لیے انسان کا باہمت اور خوش ہونا ضروری ہے۔ زندگی میں آپ کو ایسے کئی لوگ ملے ہوں گے جو تمام نعمتیں حاصل ہونے کے باوجود ناخوش، شاکی، اداس اور مایوس نظر آتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ زندگی میں مشکل سے ہی کامیاب ہوتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ ہمیشہ منفی پوائنٹ پر ہی نظر رکھتے ہیں، جب کہ کامیابی کے لیے مثبت سوچ کا ہونا ضروری ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جو دیگر تمام لوگوں کی طرح مصروف اور مسائل سے نبرد آزما ہونے کے باوجود بھی ہر دم خوش رہتے ہیں۔ وہ خوش ہونے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں تو خوشیاں بھی ایسے لوگوں کو ڈھونڈتی ہیں۔ یہ صرف سوچ کا فرق ہے۔ اگر کسی کے پاس مال و دولت اور تمام آسائشیں بھی ہوں، لیکن سوچ مثبت نہ ہو تو زندگی اجیرن ہو جاتی ہے اور اگر کسی کے پاس نعمتیں بہت زیادہ نہ ہوں، لیکن سوچ مثبت ہے تو زندگی جنت کی مثل ہوتی ہے۔

انسان نے آسائشوں اور دولت کے حصول کے لیے خود کو اتنا مگن کرلیا ہے کہ حقیقی خوشی کا حصول مشکل ہوگیا ہے، حالانکہ ضروری نہیں کہ حقیقی خوشی بے تحاشا پیسہ خرچ کرکے حاصل کی جائے۔ خوشی حاصل کرنے کے قیمتی مواقعے تو ہماری اپنی ہی دسترس میں ہوتے ہیں، جن تک رسائی کے لیے دولت خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ بس درست وقت پر ان سچی اور دیرپا خوشیوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے خدا کی عطا کردہ نعمتوں کا ادراک ہونا ضروری ہے اور جب انسان ان نعمتوں کی اہمیت کو سمجھ جاتا ہے، تب وہ ان نعمتوں کی خوشیوں کو محسوس کرتا ہے۔ انسان عموماً خود کو میسر نہ ہونے والی کئی نعمتوں کی وجہ سے پریشان ہوتا ہے، حالانکہ انسان کو ان نعمتوں پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے جو اسے بن مانگے مل گئی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو بن مانگے بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ اگر ہم ان لاتعداد نعمتوں کا شکر ادا کریں تو ناخوش رہنے کی کوئی وجہ ہی نہیں۔

خوشی کسی کی میراث نہیں۔ زندگی کے ہر لمحے سے ہمیں خوشی محسوس کرنا پڑتی ہے۔ اگر انسان چاہے تو کائنات میں ہونے والے ہر عمل سے خوشی کشید کر سکتا ہے۔ مثلاً صبح طلوع آفتاب کا منظر، پھولوں کا کِھلنا، پرندوں کی چہچہاہٹ، بارش کی پھوار، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے، ساتھیوں سے ہنسی مذاق سمیت ان گنت اشیا میں

خوشیاں موجود ہیں۔ انسان کو خوراک، رہائش اور لباس کا میسر آ جانا بھی کسی بڑی خوشی سے کم نہیں ہے، ورنہ دنیا میں نجانے کتنے لوگ بے سروسامانی کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ خوش رہنے کے لیے یہ اطمینان ہی کافی ہے کہ بحیثیت انسان ہم تمام ذائقوں کو چکھ سکتے ہیں۔ مسحور کن خوشبوؤں کو سونگھ سکتے ہیں۔ قدرت کے بنائے حسین شاہکاروں کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ خوش رہنے کی اہم وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کے اردگرد پیار کرنے والے والدین، رشتے دار، دوست احباب موجود ہیں، جو آپ کی فکر کرتے ہیں، آپ کی پریشانی پر پریشان اور آپ کی خوشی پر خوش ہوتے ہیں۔

زندگی مختصر ہے، سب کو اس سے پیار کرنا چاہیے۔ اِس کے ہر لمحے کو بھرپور انداز میں لطف اندوز ہو کر گزارنا چاہیے اور ہر ہر منٹ سے خوشیوں کو کشید کرنا چاہیے۔ خود بھی خوش رہیں اور دوسروں میں بھی خوشیاں بانٹیں۔ خوش رہنے کے لیے انسان کو ہمیشہ مثبت سوچ رکھنی چاہیے۔ اس کی مثال یوں بھی سمجھی جا سکتی ہے۔ آدھا گلاس پانی دیکھ کر یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ آدھا گلاس خالی ہے، بلکہ یہ سوچ کر خوش ہوں کہ آدھا گلاس بھرا ہوا ہے۔ زندگی کو مثبت انداز میں گزارنے کے لیے ہمیشہ بہتر کی امید اور روشن پہلو پر نظر رکھنی چاہیے۔ فکر کرنا اور پریشانیوں کے بارے میں سوچنا چھوڑ دینا چاہیے۔ اگر حالات ناموافق ہوں تو افسردہ نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ یہ زندگی کا حصہ ہے۔

خوش رہنے کے لیے انسان کا اپنی سوچ کو بدلنا بھی ضروری ہے۔ کسی بھی بات کے مثبت پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے۔ زندگی میں حاصل ہونے والی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو خوش آمدید کہیں، کیونکہ خوشیاں اسی کو ملتی ہیں جو زندگی سے کشید کرنا چاہے اور جو نہ کرنا چاہے، اسے نہیں ملتیں۔ زندگی میں چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے جی بھر کر لطف واندوز ہونے کی کوشش کریں۔ معمولی تلخ باتوں کو اہمیت نہ دیں، ایسے مواقع کی تلاش میں رہیں جو ہمیں خوشی دے سکیں۔ چھوٹی چھوٹی پریشانیاں زندگی کا حصہ ہوتی ہیں، اس لیے ان کا بہادری سے سامنا کرنا چاہیے، ان میں الجھنا نہیں چاہیے، کیونکہ پریشانی سے مسائل حل ہونے کی بجائے مزید الجھتے ہی چلے جاتے ہیں۔

دوسروں کے کسی اچھے کام کی تعریف دل کھول کر یں۔ اپنی کارکردگی کا بھی جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آج سارا دن میں ہم نے ایسے کون سے کام کیے ہیں جو قابل تعریف ہیں اور جو کام آپ کو مطمئن کریں، ان پر خود کو شاباش دیں اور جو کام آپ نے ایسے کیے ہیں جو نہیں کرنے چاہیے تھے، ان پر پریشان نہ ہوں، بلکہ آیندہ ان سے احتیاط کرنے کی کوشش کریں۔ کوشش کریں کہ منفی پہلوؤں کو تلاش کرنے کی بجائے تصویر کا مثبت رخ دیکھیں اور اس کو فروغ دیں۔ اگر انسان زندگی سے خوشیاں تلاش کرنا چاہے تو خوشیوں کا ڈھیر لگا سکتا ہے اور انسان

کو ہمیشہ خوش رہنے کی ہی کوشش کرنی چاہیے۔

مردم شماری میں مسلسل تاخیر.....حکومتوں کی غفلت یا نااہلی؟

ملک میں وفاقی حکومت کی جانب سے مختلف حیلوں بہانوں کے ذریعے مردم شماری میں تاخیر کے معاملے پر سپریم کورٹ نے ایک بار پھر از خود نوٹس کے ذریعے مردم شماری کے معاملے کو اٹھادیا ہے۔ سپریم کورٹ نے ملک میں مردم شماری میں تاخیر پر حکومت سے وضاحت طلب کرتے ہوئے اٹارنی جنرل اشتر اوصاف کو ہدایت کی ہے کہ اعلیٰ حکام سے بات کرکے عدالت کو آگاہ کریں کہ کب تک مردم شماری کا انعقاد ممکن ہوگا۔ اٹارنی جنرل اشتر اوصاف کو مخاطب کرتے ہوئے ریمارکس دیے کہ حکومت نے ملک میں مردم شماری کروانی ہے یا جنگ لڑنی ہے؟ عدالت میں ہر معاملے کو حساس کہہ دیا جاتا ہے۔ اس سے قبل بلدیاتی انتخابات کو بھی حساس کہا گیا، سمجھ نہیں آ رہی کہ مردم شماری کے بغیر حکومت کیسے چل رہی ہے؟ جب حکومت کو اپنے عوام کے بارے میں اعداد و شمار معلوم نہیں تو فیصلے کیسے کرے گی۔ سپریم کورٹ پوری قوم کی تحسین کی مستحق ہے کہ اس نے از خود نوٹس کے ذریعے مردم شماری کے معاملے کو اٹھایا۔ یہ معاملہ اتنا پیچیدہ نہیں جتنا موجودہ حکومت نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حکومت فوج کے بغیر مردم شماری کرانے کے لیے تیار ہی نہیں ہے، حالانکہ اگر فوج مردم شماری کیلئے ناگزیر تھی تو دو سال پہلے تو اس مقصد کیلئے دستیاب تھی، جب آپریشن شروع نہیں ہوا تھا، اس وقت حکومت نے مردم

شماری کیوں نہیں کرائی۔اس کے علاوہ یہ بات بھی مد نظر رہے کہ ملک کے 95 فیصد علاقوں کے لیے فوج کی ضرورت نہیں ہے۔ بیشتر علاقوں میں فوج کے بغیر بھی مردم شماری ہو سکتی ہے۔ صرف چند مخصوص علاقوں کی مخصوص صورتحال کے باعث فوج کی ضرورت ہے، حکومت ان مخصوص علاقوں کے علاوہ دیگر اکثر علاقوں میں تو فوج کے بغیر مردم شماری کرا سکتی ہے، لیکن حکومت کا فوج کی مصروفیت کا بہانہ بنا کر مردم شماری کو موخر کرنا سراسر حکومت کی سستی قرار دیا جاسکتا ہے۔ ملک بھر میں مردم شماری کیلئے فوج کی ہر گز ضرورت نہ تھی، مگر اسے جواز بنا کر مردم شماری سے گریز کیا گیا اور ذمہ داری فوج پر ڈالنے کی کوشش کی گئی کہ مطلوبہ تعداد میں وہ دستیاب نہیں ہے۔ اس طرح حکومت نے اپنے آپ کو اس اہم فریضے سے بری الذمہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اگر فوج کو ہی ملک کے تمام اداروں کا نظام سنبھالنا ہے تو حکومت اور اس کے تحت چلنے والے دیگر ادارے کس مرض کی دوا ہیں، کیا فوج کے علاوہ دیگر تمام اداروں کو اپنی ذمہ داری ادا نہیں کرنی؟ کیا ہر ادارہ اپنا کام کرنے کے لیے ہمیشہ فوج کا ہی تعاون حاصل کرتا رہے گا؟ اگر یہ بات ہے تو حکومت کو چاہیے از خود ہی سارے کام فوج کے سپرد کردے۔ پاکستان میں آخری مرتبہ مردم شماری 1998ء میں ہوئی تھی۔ پاکستان کے آئین کے تحت حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر دس سال بعد مردم شماری کا انعقاد کرے، تاکہ آبادی کی صحیح تعداد اور ترکیب معلوم ہوسکے اور انہیں مد نظر رکھ کر پالیسیاں تشکیل دی جاسکیں اور وسائل کی منصفانہ تقسیم

ہوسکے۔ سپریم کورٹ بھی آئندہ عام انتخابات سے متعلق ایک پٹیشن کی سماعت کے دوران کہہ چکی ہے کہ مردم شماری کے بغیر 2017ء کے عام انتخابات کی کوئی افادیت نہیں ہوگی۔ حکومت کو یہ بات بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ اگر اعلان کے مطابق مارچ میں اس کا انعقاد ہوتا ہے تو اس کے مکمل ہونے کے بعد انتخابی حلقہ بندیوں میں 2017 کتنا وقت لگے گا، دیگر امور کب تک سرانجام دیے جاسکیں گے؟ اس پر بھی غور و فکر کی ضرورت ہے۔ 2018 میں عام انتخابات ہونے ہیں کیا اس سے قبل انتخابات سے متعلقہ تمام امور مکمل کیے جاسکیں گے؟ مطلوبہ انتظامات نہ ہونے کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ 1998 ہی کی مردم شماری کی بنیاد پر 2018 کے انتخابات کرانے پڑیں گے۔ لہٰذا حکومت کو مردم شماری کے معاملے میں تاخیری حربے استعمال کرنے کی بجائے فوری طور پر اس کا انعقاد کرنا چاہیے۔ گزشتہ روز اقوام متحدہ کی نسلی امتیاز کے خاتمے سے متعلق کمیٹی نے پاکستان میں ایک مرتبہ پھر قومی مردم شماری میں تاخیر پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کی وجہ سے ملک کی آبادی کی نسل کی بنیاد پر تازہ ترین تفصیل حاصل نہیں ہوسکی ہے، لہٰذا پاکستان میں جلد از جلد انتہائی اہم مردم شماری کا بندوبست کیا جائے۔ کمیٹی نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی آبادی کی نسلی ترکیب اور ان کی معاشی و معاشرتی صورتحال کا ڈیٹا مہیا کرے تاکہ کمیٹی ان نسلی گروپس کی صورتحال اور انھیں دی جانے والا تحفظ کے بارے میں معلومات حاصل کرسکے۔

واضح رہے کہ ملک میں آخری بار مردم شماری 1998ء میں ہوئی تھی، اس کے بعد سال سے ملک میں مردم شماری نہیں ہو سکی ہے۔ 2010ء میں سابق وزیراعظم 18 سید یوسف رضا گیلانی کی صدارت میں مشترکہ مفادات کونسل نے ملک میں مردم شماری کروانے کی منظوری دی تھی، جس کے تحت ملک میں خانہ شماری اکتوبر 2010ء میں، جبکہ چھٹی مردم شماری مارچ 2011ء میں ہونی تھی، لیکن نہیں ہو سکی۔ اس سے پہلے 2008ء میں بھی مردم شماری ہونی تھی، لیکن اس کو بھی بعض وجوہ کی بنا پر ایک سال کے لیے موخر کر دیا گیا، جبکہ 2009ء میں فاٹا، بلوچستان اور خیبر پختونخوا کی حکومتوں کے کہنے پر مردم شماری اور خانہ شماری ایک بار پھر موخر کر دی گئی۔ ملک میں آخری مردم شماری 1998ء میں ہوئی تھی۔ اس سے پہلے ملک میں ہر دس سال بعد یعنی 1951ء، 1961ء، 1972ء اور 1981ء میں مردم شماری ہوئی تھی۔ 1991ء کی مردم شماری تین بار ملتوی ہونے کے بعد یکم مارچ سے 13 مارچ 1998ء کو ہوئی تھی۔ ابتدائی مرحلے میں خانہ شماری کا کام مکمل کر لیا گیا تھا، لیکن اندرون سندھ آبادی میں اضافے کی ناقابلِ یقین رپورٹوں کے پیش نظر یہ عمل روک دیا گیا۔ اس وقت کی خانہ شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی 81 ملین سے بڑھ کر 133 ملین ہو گئی تھی۔ اس طرح اب 18 سال گزر چکے ہیں، لیکن چھٹی مردم شماری نہیں ہو رہی۔ رواں سال کے شروع میں وفاقی حکومت نے ملک میں مردم شماری کی منظوری دی تھی، جو تین سال سے التواء میں تھی، لیکن بعض

صوبوں کے تحفظات کے باعث اس بار بھی مردم شماری التواء کا شکار ہو گئی۔ 1998ء میں ہونے والی مردم شماری کو 17 سال گزر چکے ہیں، مگر ابھی تک حکومت کی جانب سے اس اہم نوعیت کے کام کے لیے تیاریاں ہی شروع نہیں کی گئیں، بلکہ عدالت کے نوٹس لینے کے باوجود امن وامان کو بہانہ بنا کر لیت و لعل سے کام لیا جا رہا ہے۔ عدالت کا یہ کہنا بالکل صائب ہے کہ ''حکومت کی کیا اپنی کوئی ساکھ نہیں کہ اسے فوج کی مدد کی ضرورت ہے' حکومت حساسیت کے نام پر اہم قومی اور آئینی ذمے داریاں ٹال دیتی ہے، اس نے مردم شماری کرانی ہے جنگ نہیں لڑنی کہ فوج کی ضرورت ہے۔ ویسے بھی ملک کے اکثریتی علاقوں میں فوج تعینات کرنے کی ضرورت نہیں، حکومت کا صرف فوج کی نگرانی میں مردم شماری کرانے کا فیصلہ ملک بھر میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے تشکیل دیے گئے سول سیکورٹی اداروں کی کارکردگی پر عدم اعتماد کے اظہار پر دلالت کرتا ہے۔ لاہور' اسلام آباد اور ملک کے دیگر بڑے شہروں میں سیکورٹی کی صورت حال بہت بہتر ہے، چند علاقوں میں امن وامان کے مسائل کو بہانہ بنا کر مردم شماری کو ٹالنا درست عمل نہیں۔ انتخابی حلقہ بندیوں کے لیے مردم شماری کرانا ناگزیر ہے، کیونکہ مردم شماری کے بغیر حلقہ بندیوں کو عدالت میں چیلنج کرنے کا امکان اپنی جگہ موجود ہے۔

پنجاب کے علاوہ دیگر صوبوں کی جانب سے مختلف ادوار میں ملک بھر میں مردم

شماری جلد از جلد کرانے کا مطالبہ کیا جاتا رہا ہے۔ سندھ حکومت کی جانب سے کہا گیا تھا کہ مردم شماری سندھ کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے، جبکہ خیبر پختونخوا حکومت نے بھی وفاق سے مردم شماری کرانے کا مطالبہ کرایا تھا، لیکن وفاقی حکومت تاحال صوبوں کے مطالبے کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام رہی ہے۔ گزشتہ اور موجودہ وفاقی حکومتوں نے ملک میں صحیح مردم شماری کرانے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور ہمیشہ اس اہم مسئلے کو طول دے کر وسائل کی تقسیم، چھوٹی قومیتوں اور صوبوں کے حقوق کے حصول کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ قوم کی بدقسمتی ہے کہ ملکی ترقی کے لیے ناگزیر اہمیت و افادیت کے حامل اور قومی ترقی کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھنے والے اس اہم ترین معاملے کو پس پشت ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی اور ذمہ دار لوگوں کی نااہلی ہے کہ ان کو یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ 18 سال کے عرصے میں پاکستان کی آبادی کتنی بڑھ چکی ہے۔ زندگی کے کن کن شعبوں میں عوام کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے کیا ضرورتیں ہیں؟ کون سے شعبے میں زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟ ملک کے کس حصے میں عوام کے علاج معالجے کے لیے کس تعداد میں ہسپتالوں کی ضرورت ہے؟ اور عوام کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے کتنے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی ضرورت ہے؟ عوام کو حاصل بنیادی سہولتوں کی فراہمی کا دارومدار آبادی کے درست اعداد و شمار پر ہوتا ہے۔ مردم شماری صرف آبادی کو معلوم کرلینے کا نام نہیں بلکہ مردم شماری کے ذریعے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ

ملک کی ضروریات کیا ہیں، ملک کو کن کن مسائل کا سامنا ہے، ملک کی آبادی میں کمی یا اضافہ کتنا ہوا ہے، ملک کی اکثریتی آبادی کا تعلق کس نسل یا زبان سے ہے۔ ملک کے ترقیاتی منصوبوں کی تشکیل، قومی، صوبائی اور مقامی سطح پر عوامی مسائل کے حل کے لیے مردم شماری کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مردم شماری سے اصل صورت حال سامنے آتی ہے کہ عوام کی تعداد کے مطابق حکومت نے قومی منصوبے کب، کہاں اور کس نوعیت کے تشکیل دینے ہیں۔ جدید طریقوں سے مردم شماری کا عمل بڑی حد تک آسان ہو سکتا ہے، لیکن سب سے پہلے اس کے لیے سیاسی عزم کی ضرورت ہے۔ نادرا کے پاس شہریوں کا بڑا ڈیٹا بیس موجود ہے۔ نادرا جیسے ادارے کے ہوتے ہوئے روایتی انداز میں مردم شماری کرانے کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بیشتر ممالک میں 19 ویں صدی کے دستی انداز کو یکسر ترک کر دیا گیا ہے۔ مردم شماری کے عمل میں آئی ٹی اور جدید ٹیکنالوجی کی مدد کس طرح حاصل کی جا سکتی ہے۔ جن ممالک نے جدید خطوط پر مردم شماری کا عمل شروع کر رکھا ہے، وہاں بھی نادرا جیسے قومی ادارے سے کام لیا جاتا ہے۔ وفاقی حکومت مردم شماری پر 16 ارب روپے خرچ کر رہی ہے، حالانکہ اس رقم کا ایک چوتھائی نادرا کو دے کر با اعتماد اور باوثوق انداز میں 100 فیصد کمپیوٹرائزڈ شناختی کارڈ اور ب فارم جاری کیے جا سکتے ہیں۔ نادرا ملک کے 95 حصے تک رسائی رکھتا ہے، جبکہ دیگر حصے تک آسانی سے رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ نادرا بھی وہی کوائف مانگتا ہے جو مردم شماری کے دوران اکٹھے کیے جاتے ہیں۔ دنیا کے

ممالک کے پاس مردم شماری کرانے کا مخصوص ادارہ نہیں ہے۔ملک میں مردم 70
شماری کرانا انتہائی ضروری ہے، 18 سال سے حکومتیں اس عمل کو ملتوی کرتی آئی ہیں،
اب اس میں مزید تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔

پاکستان: انسانی اسمگلنگ کا سنگین معاملہ.....حکام کہاں ہیں؟

پاکستان میں انسانی اسمگلنگ کا معاملہ انتہائی سنگین ہوتا جارہا ہے۔اخباری اطلاعات کے مطابق گزشتہ 14 سال کے دوران ایجنٹ مافیا کے ہاتھوں بیرون ملک ملازمت، تعلیم سمیت دیگر مقاصد کے لیے غیر قانونی طور پر تقریبا10 لاکھ افراد انسانی اسمگلنگ کی نذر دافراد منظر عام پر ہیں ,i ہو چکے ہیں۔ انسانی اسمگلنگ کی نذر ہونے والے 6 لاکھ سے زا جب کہ 3 لاکھ کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔اسی سے متعلق ایک خبر چند روز قبل اخبارات کی زینت بنی، جس کے مطابق بے نظیر بھٹو انٹر نیشنل ایئر پورٹ راولپنڈی سے ایف آئی اے امیگریشن، نجی ایئر لائن عملے اور کوریئر کمپنی کے نمائندے کی مبینہ ملی بھگت سے انسانی اسمگلنگ کرنے پر ایف آئی اے امیگریشن کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر، انسپکٹر سمیت 5 اہلکاروں، نجی ایئر لائن کے عملے اور کوریئر کمپنی کے نمائندے کے خلاف مقدمہ درج کرلیا گیا ہے۔ رواں ماہ 3 پاکستانی باشندوں کو مبینہ طور پر جعلی ویزوں پر ترکش ایئر لائن کے عملے اور امیگریشن حکام اسلام آباد ایئرپورٹ (Extention) نے مبینہ ملی بھگت سے براستہ ترکی اور لیبیا بھجوایا، جن کو ترکش امیگریشن حکام نے انٹری نہ دی اور انھیں 24 اگست کو پاکستان ڈیپورٹ کردیا گیا۔ ڈائریکٹر ایف آئی اے اسلام آباد زون نے تمام صورتحال پر ایف آئی اے انسداد اسمگلنگ سیل کو

انکوائری کے احکام جاری کیے۔ تفتیش میں ڈی پورٹ ہونے والے پاکستانیوں کے مطابق ویزوں کے لیے ایجنٹ کو 9 لاکھ 54 ہزار روپے گواہوں کی موجودگی میں ادا کیے، جس لیبیا ایمبیسی سے تصدیق کرائی تو یہ جعلی (Extention) پر مذکورہ افراد کے ویزوں کی نکلے۔ مذکورہ مسافروں کو جعلی ویزوں پر ارسلان احمد نے بورڈنگ کارڈ جاری کیا، کامران فاروق نے ٹکٹیں جاری کیں، جب کہ امیگریشن حکام بے نظیر بھٹو انٹر نیشنل ایئرپورٹ قائم مقام اسسٹنٹ ڈائریکٹر ضیا الحسن، انسپکٹر عظمت خان، سب انسپکٹر قاری ارشد، اے ایس ائی شبانہ صدیق جنرل چیکر، ہیڈ کانسٹیبل فیصل کھوٹ اور ایجنٹ ادوریش مالک، کامران فاروق نے ملی بھگت سے مسافروں کو جعلی ویزوں پر بیرون ملک بھیجا جس پر مذکورہ سرکاری افسران کے خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا۔

انسانی اسمگلنگ سے مراد بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خفیہ طور پر یا دھوکا دہی کے ذریعے کسی شخص کو دوسرے ملک کی سرحد عبور کرتے ہوئے اس ملک میں داخل کرانا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر اسمگلنگ ایک منظم اور بھیانک جرم ہے، اس جرم سے کسی قسم کا فائدہ حاصل کرنا یا کسی قسم کی معاونت کرنا بھی جرم ہے۔ یہ ایک منظم جرم اور بڑا منافع بخش کاروبار اور پیسہ کمانے کا آسان طریقہ ہے، جس میں ایجنٹس کے پورے پورے نیٹ ورکس ملوث ہوتے ہیں۔ بہتر معاشی مستقبل، غربت کی وجہ سے اکثر لوگ بیرون ملک جانے کی کوششیں

کرتے ہیں۔ ایجنٹس نیٹ ورکس ان کو قانونی طریقے سے باہر لے جانے کی بجائے غیر قانونی طریقوں سے سرحد عبور کرانے کا انتظام کرتے ہیں اور اس انتظام کرنے پر بھاری رقوم بھی حاصل کرتے ہیں۔ سادھ لوح لوگوں کو لوٹنا'' فراڈی حضرات''کا انتہائی آسان روزگار اور مفید مشغلہ بن چکا ہے۔ کوئی شخص بیرون ملک کیا چلا جاتا ہے، وہ واپس آتے ہی سب کو بیرون ملک بھجوانے کا دھندہ شروع کر دیتا ہے۔ ورک پرمٹ پر بیرون ملک جانے والے افراد کی اکثریت دیہات اور قصبوں سے ہوتی ہے اور دیہاتی لوگ اپنی محدود سوچ اور سادگی کی وجہ سے شہر میں کسی رجسٹرڈ ادارے کی بجائے علاقے کے افراد کے زریعے جانے کو ترجیح دیتے ہیں، مگر یہ پہلو انکو لُٹنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے کہ اپنے ہی حصول زر کی ہوس میں پرائے ہو چکے ہوتے ہیں۔ ہر سال 30 ہزار سے زاید افراد اسی طرح لٹتے ہیں۔ ملک میں امن و امان کی کشیدہ صورتحال، بے روزگاری اور سنہری مستقبل کے خواب دیکھنے والے اکثر نوجوان ملک سے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے قانونی و غیر قانونی راستے اپناتے ہیں، جہاں انسانی اسمگلنگ میں ملوث ایجنٹ مافیا کے کارندے انھیں اپنے جال میں جکڑ لیتے ہیں۔ غیر قانونی طریقے سے دوسرے ملک میں داخل ہونا انتہائی مشکل اور ایک بہت اذیت ناک سفر ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ دوسرے ممالک کی سرحد عبور کرتے ہوئے مختلف طرح سے اپنی جان گنوا بیٹھتے ہیں۔ غیر قانونی سرحد عبور کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد راستے میں ہی یا تو گرفتار ہو جاتی ہے یا پھر سرحدی فوجیوں کی گولیوں کا نشانہ بن جاتی ہے۔ کچھ

لوگ مختلف ممالک میں صحرائی علاقوں سے داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن طویل صحرا میں پانی اور کھانے کی اشیاء کے ختم ہوجانے اور مسلسل چلنے کی وجہ سے راستے میں ہی دم توڑ دیتے ہیں۔ بہت سے افراد بحری جہازوں کے تہہ خانوں میں دم گھٹنے سے یا پھر پکڑے جانے کے خوف سے ایجنٹس کے ہی ہاتھوں سمندر برد کردیے جانے سے مرجاتے ہیں۔ گزشتہ عشرے میں غیر قانونی طور پر بیرون ممالک جانے والے ''معصوم'' خواہشمندوں کے لٹنے اور جان سے گزر جانے کے حادثات متواتر میڈیا کے ذریعے منظر عام پر آئے، جس میں کشتی الٹنے، کنٹینروں میں دم گھٹنے، آگ لگنے کے باعث ہزاروں ہلاکتیں ریکارڈ پر موجود ہیں۔ ایجنٹ حضرات بیرون ملک جانے کے خواہشمندوں کو اپنے جال میں پھنسا کر رقم تو اینٹھ لیتے ہیں لیکن ناگہانی صورت میں انھیں تنہا چھوڑ جاتے ہیں، جس کا نتیجہ بیرون ملک گرفتاریوں اور اس سے پہلے حادثات کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ ان ایجنٹوں کے خلاف مختلف فورم پر شکایتیں بھی درج کرائی گئیں، لیکن کوئی موثر کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی۔

اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں بڑھتی ہوئی غربت، بے روزگاری اور عدم تحفظ کے باعث انسانی اسمگلنگ کی صورتحال سنگین ہوتی جارہی ہے۔ دیگر جرائم کے ساتھ ساتھ انسانی اسمگلنگ کا گھناؤنا کاروبار بھی خوب پھل پھول رہا ہے۔ غریب عوام کنبے کی کفالت اور بہتر مستقبل کے لیے آئے دن انسانی

اسمگلرز کا شکار بن کر نہ صرف اپنی عمر بھر کی جمع پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، بلکہ دیار غیر میں صعوبتیں بھی برداشت کرتے ہیں۔ بلاشبہ انسانی اسمگلنگ کا جرم پاکستان کے لیے مستقل درد سر ہے۔ بہتر ذریعہ معاش کے متلاشی نوجوانوں اور جنسی تجارت کے لیے زیادہ تر خواتین و بچوں کی اسمگلنگ میں ملوث گروہوں کے لیے پاکستان بدستور ایک منزل مقصود، راہداری اور منبع مانا جاتا ہے۔ انسانی اسمگلنگ کی دیگر اقسام کے مقابلے میں پاکستان میں زیادہ تر ایسے افراد کی اسمگلنگ کے واقعات پیش آتے ہیں جو بہتر روزگار کی تلاش میں غیر قانونی طریقوں سے یورپ اور مشرق وسطی کے ملکوں کا سفر کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ ملک میں انسانی اسمگلنگ میں اضافے کی ایک وجہ پاکستان کا جغرافیہ اور کئی ممالک سے منسلک اس کی طویل سرحدیں بھی ہیں۔ ایران کے ساتھ پاکستان کی سرحد 900 کلومیٹر طویل ہے، جہاں سے انسانی اسمگلنگ میں ملوث نیٹ ورکس کی سرگرمیاں سب سے زیادہ ہیں، کیونکہ صرف تافتان کے مقام پر دونوں ملکوں کے درمیان امیگریشن مرکز ہے اور وہ بھی سہولتوں کے فقدان کا شکار ہے۔

پاکستان میں بلوچستان سے ایران پھر ترکی اور پھر وہاں سے یونان یہ ایک روایتی راستہ رہا ہے اور جب اسمگل کیے جانے والے افراد مطلوبہ ملک میں پہنچ جاتے ہیں، بشمول یورپی ملکوں میں تو وہاں موجود ایجنٹس انھیں ان کی مرضی کی منزلوں پر بھیج دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بلوچستان کی سرحد پر ایران میں مند بیلو کا علاقہ انسانی اسمگلروں کے زیر استعمال ہے۔ یہاں سے یہ بڑے بحری

جہازوں یا کشتیوں میں مسقط جاتے ہیں اور پھر وہاں سے یہ مشرق وسطی کی ریاستوں میں نکل جاتے ہیں۔ ایران سے سالانہ تقریباً 15 ہزار جب کہ عمان سے لگ بھگ سات آٹھ ہزار پاکستانیوں کو گرفتاری کے بعد ملک بدر کرکے پاکستانی حکام کے حوالے کیا جاتا ہے۔ تاہم انسانی اسمگلنگ کا شکار ہونے والے افراد کی سالانہ مجموعی تعداد کے بارے میں سرکاری طور پر کوئی اعداد و شمار جمع کرنا تقریباً ناممکن ہے، لیکن ملک میں انسانی اسمگلنگ کے مطلوب خطرناک ملزمان کی تعداد سیکڑوں میں ہے، جن کے تقریباً 9 ہزار ایجنٹ ہیں، 2009ء سے 2014ء تک 61200 افراد کو بیرون ملک جانے کی کوشش پر پاک ایران اور پاک افغان سرحد پر پکڑا گیا، جبکہ یہ لوگ 8 ہزار سے زاید افراد کو مشرق وسطی، یورپی اور افریقی ممالک اسمگل کرچکے ہیں۔ انسانی اسمگلر عموماً گلستان، چمن، نوشکی، چاغی، مند بلو، پنج گور، تافتان اور تربت کے راستے استعمال کرتے ہیں۔ یہ ایجنٹ لوگوں کو انتہائی تھوڑی رقم میں دوسرے ممالک میں بھیجنے کا جھانسا دیتے ہیں اور ان سے پیسے لے کر انہیں کسی دوسرے ایجنٹ کے ہاتھوں فروخت کردیتے ہیں۔ محتاط اندازوں کے مطابق پاکستان میں سرگرم عمل انسانی اسمگلر اس غیر قانونی کاروبار سے تقریباً 15 کروڑ ڈالر سالانہ کماتے ہیں۔ پاکستان اس غیر قانونی عمل سے شدید طور پر متاثر ہوا ہے، یہاں سے نہ صرف انسانی اسمگلنگ ہوتی ہے، بلکہ اس سرزمین کو گزرگاہ کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں بنگلا دیش، سری لنکا، برما اور انڈیا سے خواتین،

بچوں اور مردوں کو غیر قانونی طور پر خلیجی ممالک، ترکی، ایران اور یورپ میں اونٹوں کی دوڑ، جسم فروشی اور جبری مشقت کے لیے ہوائی، سمندری اور زمینی راستوں سے اسمگل کیا جاتا ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کا کہنا ہے کہ پاکستانی حکومت کو چاہیے کہ انسانی اسمگلنگ کے بڑھتے ہوئے رجحان کی وجوہات کا سدباب کرے، انسانی اسمگلروں کی بیخ کنی کے ساتھ ساتھ ملک سے بے روزگاری اور غربت کا خاتمہ کرے، تاکہ غریب عوام کسی دھوکے باز کے ہاتھوں اپنا مال اور جان نہ گنوا بیٹھے۔

انسانی اسمگلنگ اورتارکین وطن صرف پاکستان کا ہی نہیں، بلکہ پوری دنیا کا مسئلہ ہے۔ دنیا بھر میں انسانی اسمگلنگ اور غیر قانونی طور پر ترک وطن کرنے والوں میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے درمیان عدم تعاون اور وسائل کی عدم دستیابی نے اس مسئلے کو مزید پیچیدہ بنادیا ہے۔ اس وقت دو سو ملین لوگ اپنا وطن ترک کرکے مہاجرین کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ انسانی آبادی کا تیسرا حصہ ہے۔ ہر 35 میں سے ایک فرد نقل مکانی کی صورتحال سے دوچار ہے، ہر سال 45 ملین لوگ نقل مکانی کے عمل سے گزرتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے مطابق انسانی اسمگلنگ کا کاروبار سالانہ 7 ارب ڈالر سے زیادہ کا ہے۔ یہ بات انتہائی افسوسناک ہے کہ انسانی اسمگلنگ میں ملوث ایجنٹس ملک بھر میں سر عام دندناتے پھرتے ہیں اور معصوم نوجوانوں کو اپنے

جال میں پھنسا رہے ہیں اور کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں ہے، کیوں کہ انھیں ''بڑوں'' کی آشیر باد اور سرپرستی حاصل ہوتی ہیں۔ حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نہ صرف انسانی اسمگلنگ کی روک تھام کرے، بلکہ اس گھناؤنے کاروبار میں ملوث اور سرپرستی کرنے والے افراد کی نشان دہی کی جائے اور اس گھٹیا جرم کے مرتکب افراد کو عبرت ناک سزا دی جائے تاکہ آئندہ کوئی انسانی اسمگلنگ جیسے انسانیت سوز دھندے کا سوچ بھی نہیں۔ ایسے میں ہمیں بھی اپنی ذمہ داری کا مظاہرہ کرنا ہوگا، نہ صرف نوسربازوں سے ہوشیار رہنا ضروری ہے، بلکہ دولت کی ہوس میں اندھے ہو کر غیر قانونی راستے اختیار کرنے سے باز رہنا ہوگا۔

مکہ مکرمہ: مناسک حج کا آغاز..... لاکھوں مسلمان حج ادا کریں گے

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ عاقل، بالغ اور صاحب استطاعت مسلمانوں پر زندگی میں ایک مرتبہ حج بیت اللہ فرض ہے۔ حکم خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ہر سال دنیا بھر سے مسلمان جوق در جوق بیت اللہ کا رخ کرتے ہیں۔ پہلے سفر کی سہولیات میسر نہ ہونے کی وجہ سے لوگ اونٹ، گھوڑوں اور پیدل سفر کرکے حج کے لیے آیا کرتے تھے، لیکن اب ہوائی سفر کی وجہ سے حاجیوں کا مکہ تک کا سفر بہت آسان ہو گیا ہے اور پوری دنیا سے لوگ فریضہ حج ادا کرنے آتے ہیں۔ نتیجتاً حاجیوں کی تعداد مسلسل بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ 1950ء سے قبل ہر سال دوران حج ایک لاکھ افراد حج کے لیے آتے تھے، لیکن آج یہ تعداد تیس لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ ماہرین کے مطابق 2030ء تک ہر سال پچاس لاکھ افراد حج کرنے آیا کریں گے۔ اس وقت دنیا بھر میں مسلمانوں کی تعداد سوا دو ارب ہو گی، جبکہ اب ان کی آبادی ایک ارب ساٹھ کروڑ ہے۔ حج دنیا کا سب سے بڑا اجتماع ہے۔ حج سیکورٹی، حفاظت، صحت و علاج، نقل و حمل، رہائش اور کھانے پینے کی چیزوں کی فراہمی کے حوالے سے سعودی حکام کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج بھی ہے۔ ہر سال عازمین حج کی اتنی بڑی تعداد کے لیے خوراک، رہائش، نکاسی آب اور ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے سعودی حکومت کو تیار رہنا پڑتا ہے اور سعودی حکومت عازمین کے لیے غیر معمولی انتظامات کرتی

ہے۔ دنیا بھر سے فریضہ حج کی ادائی کے لیے عازمین حج کی حجاز مقدس آمد جاری و ساری ہے۔ مسجد حرام عازمین حج سے کھچا کھچ بھر رہی ہے اور فرزندان توحید بیت اللہ کے طواف میں مصروف ہیں۔ مسجد حرام میں مقامی نمازیوں اور اندرون اور بیرون ملک سے آئے عازمین حج کے رش میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ سعودی حکومت کے مطابق عازمین حج کی رہ نمائی اور ان کی ہر ضرورت پوری کرنے کے لیے تسلی بخش انتظامات کیے گئے ہیں۔ حجاج کرام کی خدمت پر مامور رضاکار اور سیکورٹی ادارے چوکس ہیں اور پوری تن دہی سے اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں۔

سعودی عرب میں حج کے موقع پر سیکورٹی کے انتظامات مکمل کر لیے گئے ہیں۔ کسی بھی ناخوشگوار واقعے سے نمٹنے کے لیے ایک لاکھ سے زاید اہلکاروں کو تعینات کیا گیا ہے، جبکہ ایلیٹ فورس، ٹریفک اہلکار اور سول ڈیفینس کے اہلکاروں کو بھی فرائض سونپے گئے ہیں۔ سعودی عرب میں فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے دنیا بھر سے مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری ہے۔ مکہ مکرمہ میں مناسک حج کا آغاز آج سے ہو رہا ہے۔ رواں برس 30 لاکھ کے قریب مسلمان حج کی سعادت حاصل کریں گے۔ سعودی حکام نے گزشتہ برس ہونے والے سانحہ منیٰ کے پیش نظر اس سال سیکورٹی کے سخت انتظامات کیے ہیں۔

سیکورٹی کی ذمہ داری کے لیے ایک لاکھ سے زاید اہلکاروں کو چوکنا کر دیا گیا ہے۔ عازمین حج کے ساتھ 30 ہزار سے زاید ڈاکٹرز اور طبّی عملہ بھی مکمل طور پر تیار ہے۔ روزانہ ہیلی کاپٹرز کی 100

پروازوں کے ذریعے حج کے مقامات کی نگرانی کی جائے گی۔ 5 ہزار کلوز سرکٹ کیمرے نصب کیے گئے ہیں، حاجیوں کی مدد کے لیے ہیلپ لائن بھی قائم کی گئی ہے۔ 25 ہسپتالوں میں 5 ہزار دو سو بستر لگائے گئے ہیں، جبکہ 141 ہیلتھ سینٹرز اور 100 سے زاید ایمبولینس کسی بھی ایمرجنسی کے لیے تیار ہیں، آگ بجھانے والے 450 یونٹ اور 3 ہزار سے زاید بھاری مشینری کسی بھی صورتحال سے نمٹنے کے لیے موجود ہے۔ ذرائع کے مطابق سعودی عرب میں سیکورٹی کے غیر معمولی اور سخت حفاظتی اقدامات کیے گئے ہیں اور مکہ، منیٰ، مزدلفہ، عرفات سمیت دیگر اہم مقامات کی سیکورٹی پر ایک لاکھ سے زاید اہلکار تعینات کیے گئے ہیں۔ سخت سیکورٹی کے باعث ہی بغیر اجازت کے آنے والے ایک لاکھ کے لگ بھگ افراد کو واپس بھیجا جا چکا ہے۔ مکہ مکرمہ پولیس کے ڈائریکٹر میجر جنرل سعید القرنی کا کہنا ہے کہ اب تک مختلف چیک پوائنٹس سے ایک لاکھ 88 ہزار غیر مجاز افراد کو واپس کیا گیا ہے۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق ان افراد نے حج کے 747 اجازت ناموں کے بغیر مکہ مکرمہ میں حج کے لیے داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔ میجر جنرل سعید القرنی کا مزید کہنا تھا کہ 84965 گاڑیوں نے غیر قانونی طور پر مکہ میں داخل ہونے کی کوشش کی، مگر انھیں شہر میں داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ ان کے علاوہ غیر قانونی طور پر اور کسی قسم کی دستاویزات کے بغیر حج کے لیے افراد کو لانے والی منی بسوں کو ضبط کر لیا گیا ہے۔ سعید القرنی نے کہا کہ معمول کی معائنے کی 48 کارروائیوں کے دوران 22 جعلی حج مہموں

کا سراغ لگایا گیا ہے۔مکہ مکرمہ کے ارد گرد حج کے لیے غیر قانونی طور پر آنے والے افراد کے داخلے کو روکنے کے لیے 109 سیکورٹی مراکز قائم کیے گئے ہیں۔ سعودی حکومت سیکورٹی کے علاوہ بھی حاجیوں کو تمام سہولیات فراہم کرنے کی بھرپور کوشش کرتی ہے اور اس حوالے سے نت نئے اقدامات بھی کرتی رہتی ہے، تاکہ عازمین آسانی سے حج ادا کر سکیں۔ سعودی عرب کی حکومت کے زیر اہتمام مسجد حرام اور مسجد نبوی کے امور کے ذمہ دار ادارے کی جانب سے بتایا گیا ہے کہ مسجد حرام میں دوران حج حجاج کرام کو موبائل فون چارج کرنے کی منفرد سہولت مہیا کی گئی ہے۔ شاہ فہد بن عبدالعزیز کے دور میں توسیع شدہ مسجد کے حصے میں تمام منزلوں میں آٹھ آٹھ پلگوں پر مشتمل بجلی کے بورڈ نصب کیے گئے ہیں، جہاں سے حجاج کرام اپنے موبائل فون با آسانی ری چارج کر سکیں گے۔ موبائل چارجنگ کا سسٹم خودکار طریقے سے عمل کرتا ہے۔ موبائل فون LED کو دیوار کے ساتھ لٹکا کر یا اسٹینڈ پر رکھ کر چارج کیا جاسکتا ہے۔ چارجنگ سسٹم سسٹم سے لیس ہے، جس کی مدد سے یہ معلوم کرنا آسان ہے کہ (BackLit) بیکلیٹ آیا یہ سسٹم کیسے کام کرتا ہے۔ سعودی عرب کی جانب سے عازمین حج کے لیے کیے جانے والے اقدامات کو دنیا بھر میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ گزشتہ سال کرین کا حادثہ پیش آنے کے بعد سے ایران کی جانب سے سعودی انتظامات پر انگلی اٹھائی جاتی ہے، اس سال بھی ایران نے سعودی عرب سے حج انتظامات میں شراکت کا مطالبہ کیا ہے جو کسی طور بھی درست نہیں ہے کیونکہ سعودی عرب ایک عرصے

سے حاجیوں کی خدمت کرتا آ رہا ہے، اس دوران اگر کبھی ایک آدھ بار کوئی حادثہ پیش آ جاتا بھی ہے تو اس کو سعودی حکومت پر ڈالنا درست نہیں ہے، کیونکہ کبھی کبھار ایسے واقعات تو رونما ہو ہی جاتے ہیں۔ گزشتہ چند دہائیوں میں سعودی حکومت کی طرف سے خانہ کعبہ کے توسیعی منصوبوں کے نتیجہ میں حجاج کرام کو جو سہولتیں مہیا کی گئیں، ان کو عالم اسلام میں سراہا گیا۔ توسیع کے کام کی وجہ سے سعودی عرب نے عازمین حج کی تعداد بھی محدود کی ہے۔ 2011ء میں تیس لاکھ افراد نے سنت ابراہیمی ادا کی تھی، جبکہ اس کے بعد بیرونی حجاج کی 20 فیصد اور مقامی حجاج کی تعداد میں 50 فیصد کمی کی گئی تھی، جس کا مقصد توسیعی منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا۔ تعمیراتی کام مکمل ہونے کے بعد مسجد کے علاقے میں چار لاکھ مربعہ میٹر اضافہ ہو جائے گا۔ 2011ء سے مسجد الحرام کا توسیعی منصوبہ شروع ہوا۔ اس کے ذریعے مطاف (خانہ کعبہ کے صحن) کا رقبہ ساڑھے تین لاکھ سے بڑھ کر ساڑھے سات لاکھ مربع میٹر ہو جائے گا۔ پورا منصوبہ 2020ء میں ختم ہو گا۔ دراصل دنیا بھر سے مسلمان چند گھنٹے قیام کرنے کی خاطر مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ نہیں آتے، وہ کئی دن بلکہ ہفتوں قیام کرتے ہیں۔ چناں چہ انہیں رہائش، غذا، صفائی اور ٹرانسپورٹ کی سہولیات درکار ہوتی ہیں۔ انہیں یہ سہولیات مہیا کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ اور مدینہ میں ہوٹلوں، مہمان خانوں اور ریستورانوں کا جال بچھ چکا ہے۔

واضح رہے کہ پاکستان کا حج کوٹہ ایک لاکھ 79 ہزار 210 افراد پر مشتمل تھا، جو 2013ء سے حرم کی توسیع کی وجہ سے 20 فیصد کمی کے بعد ایک لاکھ 43 ہزار 368 کردیا گیا۔ 2016ء میں یہی کوٹہ برقرار ہے۔ حج 2016ء کا نفاذ 60 فیصد (86,021) کے تناسب سے گورنمنٹ سکیم اور 40 فیصد (57347) پرائیویٹ سکیم، پرائیویٹ گروپ آرگنائزر کی وساطت سے پایا تکمیل کو پہنچنا قرار پایا۔ پاکستانی حجاج کے لیے بھی حج کمیشن نے اس سال بھرپور انتظامات کیے ہیں، تقریبا سارے حاجیوں کو پچھلے سال کی طرح حرمین کے انتہائی قریب رہائشیں فراہم کی گئی ہیں۔ ڈائریکٹر جنرل حج ڈاکٹر ساجد یوسفانی کا کہنا تھا کہ امسال جو عازمین حج براہ راست مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں، وہ حج کی ادائیگی کے بعد جدہ کے کنگ عبدالعزیز انٹرنیشنل ائیرپورٹ سے واپس جائیں گے، اسی طرح جو عازمین حج جدہ ائیرپورٹ سے مکہ مکرمہ پہنچے ہیں، ان کی واپسی مدینہ منورہ ائیرپورٹ حج ٹرمینل سے ہوگی، اس طرح حجاج دوطرفہ سفر سے بچ جائیں گے۔ امسال مدینہ منورہ میں تمام حجاج کو رہائش مرکزیہ کے علاقے میں فراہم کی گئی۔ اسی طرح پوسٹ حج مدینہ منورہ جانے والے تمام حجاج کو بھی مرکزیہ کے علاقے میں رہائش دی جائے گی، جبکہ مکہ مکرمہ میں العزیزیہ کے علاقے میں زیادہ بڑی اور بہتر تمام سہولتوں سے آراستہ عمارتیں لی گئی ہیں۔ گزشتہ سال کے تجربے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے امسال حجاج کو کھانے کی فراہمی میں معیار کو ترجیح دی گئی ہے اور پاکستانی طرز کے پکوان سے استفادہ کیا گیا ہے، خاص

طور پر تندور کی بنی روٹیاں ، مرغی کا سالن اور گوشت بھی مینو میں شامل کیا گیا ہے۔
وزارت کے ترجمان اور جوائنٹ سیکرٹری (انتظامیہ) نورزمان کے مطابق گزشتہ سال کی تجاویز کو مد نظر رکھتے ہوئے اس بار کھانے، رہائش اور ٹرانسپورٹ پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ عازمین حج کو پاکستانی معیار کے مطابق تازہ کھانا بلاتاخیر مہیا کیا جا رہا ہے۔ اس مقصد کیلئے خصوصی ٹیمیں ڈاکٹر کے ہمراہ رہائش گاہوں اور کچن پر جا کر کھانے کے معیار کو یقینی بنا رہی ہیں۔ اس سال بھی عازمینِ حج کو نئے ماڈل کی بسوں کی فراہمی یقینی بنائی گئی ہے۔ترجمان کا کہنا تھا کہ وزارتِ مذہبی امور کے اعلیٰ حکام سے لے کر ملازمین تک سبھی عازمین حج کو بہتر سے بہتر سہولیات کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے پر عزم ہیں۔ اس سلسلے میں کسی فرد یا ادارے کی کوتاہی ہر گز برداشت نہیں کی جائے گی۔
ترجمان نے کہا کہ وزارت نے پاکستان اور سعودی عرب میں کسی بھی قسم کی مشکل یا پریشانی کی صورت میں مدد یا رہنمائی کیلئے ہیلپ لائنیں اور حج انکوائری سیل قائم کئے ہیں جو 24 گھنٹے کی بنیاد پر کام کر رہے ہیں، اس کے علاوہ وزارت کی ویب سائٹس اور فیس بک پیج پر بھی بیشتر معلومات اور رہنمائی مہیا کی گئی ہیں۔ دوسری جانب یہ افسوس ناک خبر بھی ہے کہ سرکاری اسکیم کے ذریعے حج کا فریضہ انجام دینے والے 29 پاکستانی عازمین حج وفات پا گئے۔ حج مشن ہسپتالوں میں زیر علاج مریضوں کی تعداد 1234 ہے۔ ذرائع نے بتایا کہ 340 مریض عازمین سعودی عرب کے ہسپتالوں میں منتقل کر دیے

گئے جب کہ اب تک سرکاری اسکیم کے تحت 71 ہزار 512، جبکہ پرائیویٹ اسکیم کے تحت 62 ہزار 908 عازمین سعودی عرب پہنچ چکے ہیں۔ عازمین کے سامان گم ہونے کے حوالے سے اب تک 530 شکایات درج کی گئیں، جن میں سے 494 شکایات کا ازالہ کرتے ہوئے عازمین کا سامان واپس دلوا دیا گیا، جبکہ 24 شکایات پر کارروائی جاری ہے۔ سعودی عرب میں موجود وفاقی حکومت کے اعلیٰ حکام کو خوراک کا معیار بہتر نہ ہونے کی 62 اور تاخیر سے کھانا ملنے کے سلسلے میں کچھ شکایات موصول ہوئی ہیں۔

ہمیشہ مثبت سوچیں!

انسانی فطرت مختلف قسم کے رویوں کا مجموعہ ہے۔ کچھ لوگ منفی بات میں سے بھی مثبت پہلو نکالنے کا رویہ اپناتے ہیں، جبکہ کچھ کا رویہ مثبت بات میں سے بھی منفی پہلو کشید کرلیتا ہے۔ پہلی قسم کے لوگ زندگی کے تمام حالات کو بھرپور طریقے سے انجوائے کرتے ہیں، جبکہ دوسری قسم کے لوگ بڑی بڑی خوشیوں سے بھی مطمئن نہیں ہوپاتے۔ یہ سب سوچ کا فرق ہے۔ برستی بارش کے قطرے سیپ اور سانپ دونوں کے منہ پر گرتے ہیں، لیکن سیپ اس قطرے کو موتی اور سانپ زہر میں تبدیل کر دیتا ہے۔ یہی معاملہ مثبت اور منفی سوچ کا ہے۔ یہ انسان کی اپنی مرضی و منشا پر منحصر ہے کہ وہ منفی روش کے دھارے میں بہہ کر اپنے اور دوسروں کے لیے پریشانی اور مایوسی کا سامان کرتا ہے یا پھر مثبت روی کا دامن تھام کر خوشی و امید کے دیپ جلاتا ہے۔ ہر چیز کا آغاز سوچ سے ہوتا ہے۔ اگر سوچ اچھی ہے تو اس کا نتیجہ بھی اچھا ہی برآمد ہوگا اور اگر سوچ اچھی نہیں ہے تو اس کا نتیجہ اچھا برآمد نہیں ہوتا۔ منفی سوچ کا حامل شخص معاشرے میں مایوسی کو جنم دیتا ہے اور خود مسائل میں الجھتا چلا جاتا ہے، جبکہ مثبت سوچ کا حامل انسان معاشرے کے لیے امید کی کرن ہوتا ہے، جو مسائل کو سلجھاتا بھی ہے اور ان ہی مسائل میں رہ کر نئی راہیں بھی تلاش کرلیتا ہے، وہ معاشرے میں موجود برائی کو ختم کرنے

اور مثبت تبدیلی لانے کے لیے اپنے حصے کی شمع جلانے پر یقین رکھتا اور اس کی کوشش کرتا ہے۔ مثبت سوچ انسان کی شخصیت، صحت، تخلیقی صلاحیت اور جرات پر تعمیری اثرات مرتب کرتی ہے۔اس کی ذہنی صحت کو بہتر بناتی اور اس کی کارکردگی کو عروج پر لے جاتی ہے۔ انسان کی سوچ جتنی زیادہ مثبت ہو گی، اس کی زندگی اتنی ہی زیادہ خوشگوار ہو گی۔ منفی سوچ کا اثر بالکل الٹ ہوتا ہے۔ منفی سوچ کی وجہ سے انسان گھٹن اور ڈیپریشن کا شکار ہو جاتا ہے۔ زندگی تلخ ہو جاتی ہے اور یہ سوچ ایسی چبھن بن جاتی ہے کہ انسان خوشی کے موقع پر بھی اپنی خوشی سے بھرپور لطف اندوز نہیں ہو پاتا۔ انسان کو اپنی سوچ پر ہر وقت قابو رکھنا چاہیے، کیونکہ یہ سوچ ہی حقیقت کو جنم دیتی ہے۔ ہماری زندگی میں کچھ بھی تبدیل نہیں ہوتا جب تک کہ ہم خود اپنے سوچنے کا انداز نہیں بدلتے۔اگر ہم میں منفی جذبات پائے جاتے ہیں تو ہم اسی تناسب سے کامیابی حاصل کریں گے اور اگر ہماری سوچ مثبت ہے اور ہم محبت، خوشی، صحت، خوشحالی اور دوسروں کے ساتھ تعاون کے متعلق سوچتے ہیں تو ہماری زندگی میں بھی ہر طرف خوشیاں اور کامیابیاں ہوں گی۔ ہم اپنے اندر اگر مثبت خیالات رکھتے ہیں تو ہمارے اعمال اور ان کے نتائج بھی مثبت ہوں گے۔ زندگی کو خوش گزارنے کے لیے مثبت سوچ رکھنا لازم ہے۔ اگر منفی سوچ رکھیں گے تو ہمیشہ پریشان ہی رہیں گے۔ ونسنٹ پیلے نے اپنی مشہور زمانہ (VINCENT PEALE)

کتاب (The Power Of Positive Thinking) ''میں ''مثبت سوچ کی طاقت''
ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دن کسی شخص کا فون آیا جو روتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ وہ
مایوسیوں کے اندھیرے میں کھو چکا ہے۔ اب اُس کے پاس جینے کوئی جواز نہیں۔ اُسے
کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ وہ کیا کرے۔ ونسنٹ پیلے نے اُسے اپنے دفتر آنے کا کہا۔ اگلے دن
وہ پیلے کے دفتر میں موجود تھا۔ ملاقات کی ابتدا میں وہ شخص مایوسی والی باتیں کرنے
لگا۔ ونسنٹ پیلے نے اُسے کہا کہ مل کر تمہارے حالات کا مفصل جائزہ لیتے ہیں، تاکہ
اندازہ ہو کہ تمہارے مسائل کیا ہیں اور اُن کا حل کیا ہے۔ یہ کہہ کر ونسنٹ پیلے نے
ایک سادہ کاغذ لیا، جس پر درمیان میں ایک عمودی لکیر لگائی اور وہ کاغذ اُس شخص کے
سامنے رکھ دیا اور کہا اب میں تم سے بہت سی باتیں پوچھوں گا۔ وہ باتیں اگر تمہاری
زندگی میں مثبت ہیں تو انہیں کاغذ پر دائیں طرف لکھنا ہے اور جو منفی ہیں، انہیں بائیں
طرف لکھنا ہے اور اگر آپ کی زندگی میں کچھ بھی مثبت نہیں ہے تو آپ کو لکیر لگانے کی
کوئی ضرورت نہیں۔ ونسنٹ پیلے نے کہا کہ وہ جیسے پوچھے اور جو پوچھے فقط اُس کا جواب
دیا جائے۔ اُس شخص نے جواب دیا، ٹھیک ہے آپ پوچھیں۔
ونسنٹ پیلے نے پہلا سوال کیا۔ ''آپ کی بیوی آپ کو چھوڑ کر کب گئی؟ وہ شخص یکدم
تلملا اُٹھا۔ میری بیوی مجھے چھوڑ کر کیوں جائے گی؟ وہ میرے ساتھ ہے

اور مجھ سے بہت پیار کرتی ہے۔ بہت خوب، بہت خوب یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ یہ سب باتیں آپ کاغذ کے دائیں طرف لکھیں۔ اُس شخص نے وہ ساری باتیں کاغذ کے دائیں جانب لکھ لیں تو ونسنٹ پیلے نے دوسرا سوال کیا۔ آپ کے بیٹوں کو جیل کب ہوئی؟ یہ سن کر اُس شخص کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔ انہیں جیل کیوں ہو گی؟ میرے بیٹے انتہائی مہذب شہری ہیں۔ قانون کا احترام کرتے ہیں۔ ''یہ تو اور بھی بہت اچھا ہے۔'' ونسنٹ پیلے نے مسکرا کر کہا۔ اب بچوں کے بارے میں کی گئی باتیں ترتیب سے دائیں کالم میں لکھ دیں۔ اُس کے بعد ونسنٹ پیلے نے ایسے بہت سے چبھتے ہوئے سوال کیے اور اُن کے مثبت جوابات دائیں کالم میں لکھواتا رہا۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا۔ اس طرح بہت سے صفحات بھر گئے، مگر صرف دایاں کالم بھرا تھا۔ بائیں کالم میں ابھی ایک لفظ بھی نہیں لکھا تھا۔ اتنے سوالوں کے بعد اُس شخص کو سمجھ آ چکی تھی کہ قصور حالات کا نہیں، اُس کی اپنی منفی سوچ کا ہے۔ اس سے پہلے کہ ونسنٹ پیلے کچھ کہتا وہ شخص خود ہی مسکرانے لگا اور کہنے لگا: ''آپ صحیح کہتے ہیں۔ سوچ کا انداز اگر مثبت ہو تو آپ کو ہر چیز بہتر نظر آتی ہے۔''

ہمارے معاشرے میں لوگوں کی اکثریت کسی بھی چیز کے منفی پہلو کو زیادہ ڈسکس کرتی ہے۔ حکومت سے لے کر اپنے محلے کے کسی فرد تک کی صرف منفی باتوں کو اجاگر کیا جاتا اور ان پر تنقید کی جاتی ہے۔ کسی کی ننانوے اچھی باتوں کو چھوڑ کر صرف ایک بری بات کو ہی اچھالا جاتا ہے، حالانکہ اگر کسی کی بری بات

پر تنقید کرنے کو اپنا حق سمجھا جاتا ہے تو اچھائی پر اس کی تعریف بھی کرنی چاہیے۔ منفی سوچ ہمارے معاشرے کی رگوں میں سرایت کر چکی ہے۔ کسی سیاسی و مذہبی جماعت کے کارکن ہوں یا کسی مسلک و فرقے کے افراد کوئی اپنے مخالف کی کسی اچھی بات کی تعریف نہیں کرتا، ہاں اگر ان کی کوئی بری بات نظر آ جائے تو اس کی واویلا کرنا فرض سمجھا جاتا ہے۔ یہی منفی سوچ ہے جو معاشرے میں مایوسی کو جنم دیتی اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

مثبت طرز فکر و عمل کا انجام کامیابی اور منفی کا انجام ناکامی ہے۔ زندگی میں مثبت سوچ اعلیٰ اخلاقی کردار کو تخلیق کرتی، منزل تک رسائی آسان بناتی، مال میں برکت لاتی، اولاد کو صالح بناتی، کامیابیاں سمیٹتی اور مادی فلاح و بہبود کا باعث بنتی ہے۔ دوسری جانب منفی رویہ ہے جو انسان کو ذہنی مریض بناتا، مایوسی پیدا کرتا، حسد و جلن کے الاؤ جلاتا اور رشتوں میں تفریق کراتا ہے۔ مثبت سوچ ہی انسان کی کامیابی کا زینہ ہوتی ہے۔ اگر ہمارے ذہن پر نقش روشن اور خوبصورت ہیں تو اس کا اثر بھی ہماری زندگی پر بہت مثبت اور بہتر ہوگا۔ اگر انسان خوبصورت زندگی بسر کرنا چاہتا ہے تو منفی سوچ سے چھٹکارا حاصل کرنا اور مثبت سوچ اپنانا بہت ضروری ہے۔ منفی سوچ کو ختم کرکے اور مثبت سوچ کو اپنا کر ہی انسان صحت مند اور خوشگوار زندگی گزار سکتا ہے۔

ملک بھر میں عید قرباں روایتی جوش و جذبے کے ساتھ منائی گئی

ملک بھر میں لوگوں نے عید قرباں کو انتہائی عقیدت و احترام سے گزارا اور سنت ابراہیمی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے محبوب جانوروں کی راہ خدا میں قربانیاں کیں۔ پاکستان کی مساجد میں نماز عید الاضحیٰ کے بڑے بڑے اجتماعات منعقد کیے گئے۔ ان اجتماعات میں مسلمانوں نے اتحاد، ترقی و خوشحالی اور پاکستان کی سالمیت سمیت پوری دنیا کے لیے امن و آشتی کی دعاؤں کے ساتھ اسلام کے فروغ اور سربلندی کی دعائیں کیں۔ عید کے خطبات میں علمائے کرام نے قربانی کے فلسفے پر روشنی ڈالی اور مسلمانوں کے درمیان نفاق کو عالم اسلام کو درپیش مسائل کی بڑی وجہ قرار دیا۔ علمائے کرام نے عالم اسلام کے اتحاد پر درس دیتے ہوئے اپنی صفوں میں موجود خوارج پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت پر بھی زور دیا۔ عید کے اجتماعات میں ملک میں قیام امن، شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کی کامیابی، نقل مکانی کرنے والے متاثرین کی بحالی، فلسطین اور کشمیر کی جلد آزادی کے لیے خصوصی دعائیں مانگی گئیں۔ اسلام آباد میں عید کا سب سے بڑا اجتماع فیصل مسجد میں ہوا، جہاں غیر ملکی سفارت کاروں، سرکاری افسروں اور شہریوں کی بڑی تعداد نے نماز عید ادا کی۔ دیگر بڑے اجتماعات، لال مسجد اور گولڑہ شریف میں بھی ہوئے۔ راولپنڈی میں عید کی نماز کا سب سے بڑا اجتماع مرکزی عید گاہ میں ہوا۔ شہر

قائد میں پانچ ہزار سے زائد مساجد، عید گاہوں اور کھلے مقامات پر عید الضحی کی نماز کے اجتماعات ہوئے۔ ملک بھر کی طرح پشاور سمیت خیبر پختونخوا کے بیشتر علاقوں میں عید کے سیکڑوں اجتماعات ہوئے۔ مظفر آباد میں اور آزاد کشمیر کے دیگر شہروں میرپور، کوٹلی، راولاکوٹ، باغ، نیلم اور ہیٹاں بالا میں بھی لوگوں نے سیکڑوں مقامات پر نماز عید پڑھی۔ کوئٹہ سمیت بلوچستان میں عید الاضحیٰ مذہبی جوش وجذبے سے منائی گئی۔ کوئٹہ میں عید نماز عید طوغی روڈ، صادق شہید فٹ بال گراؤنڈ، سائنس کالج ریلوے ہاکی گراؤنڈ سمیت 165 مقامات پر پڑھائی گئی جس میں لاکھوں فرزندان توحید نے شرکت کی۔ حکومت نے نماز عید کے چھوٹے بڑے اجتماعات میں کسی بھی ناخوشگوار واقعے سے نمٹنے کے لیے سیکورٹی کے انتہائی سخت انتظامات کیے ہوئے تھے۔ پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکاروں کی اضافی نفری حساس مقامات کے علاوہ مساجد اور عیدگاہوں کے باہر تعنیات رہی۔ عید کے روز صوبہ سندھ کے ضلع شکار پور کی پولیس نے عید الاضحیٰ کی نماز کے دوران امام بارگاہ پر خودکش حملے کی کوشش کو ناکام بنا دیا۔

حکومت نے اس بار عید کے تیسرے روز کی چھٹی نہیں کی، جس پر طلباوطالبات، ان کے والدین، اساتذہ اور تعلیمی اداروں کے سربراہان نے تنقید کی اور اسے حکومت کا غلط فیصلہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ عیدالاضحیٰ کے تیسرے روز بھی

قربانی کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب عید کے تیسرے دن پاکستان بھر میں تعطیلات ختم ہوئیں تو تعلیمی اداروں، دفاتر، بینک، عدالتوں، بیشتر سرکاری یونیورسٹیوں، کالجوں اور سکولوں میں حاضری بہت کم رہی، جبکہ پرائیویٹ تعلیمی ادارے تقریباً 80 فیصد بند رہے۔ عیدالاضحیٰ سال کی سب سے بڑی معاشی سرگرمی کا باعث بن گئی۔ ملک بھر میں سنت ابراہیمی کی پیروی اور رضائے الٰہی کے لیے عوام نے تقریباً 425 ارب روپے خرچ کیے۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں بھر میں اس سال عید کے موقع پر ایک کروڑ 25 لاکھ جانوروں کو اللہ کی راہ میں قربان کیا گیا ہے۔ 26 لاکھ گائے، بیل خریدے گئے جن کی کل مالیت تقریباً 182 ارب روپے بنتی ہے، اسی طرح 40 لاکھ بکروں کی خریداری بھی تقریباً 100 ارب روپے میں ہوئی۔ 8 لاکھ دنبے خریدنے پر عوام نے 16 ارب خرچ کیے، جبکہ ایک لاکھ اوسط قیمت کے مطابق 3 ہزار اونٹ 30 کروڑ روپے میں خریدے گئے۔ قصابوں نے صرف گائے بیل کی قربانی پر 7 ارب 20 کروڑ سے زیادہ کمائے، 8 لاکھ دنبوں پر 8 کروڑ اور اونٹ نحر کرنے پر 20 ہزار کے حساب سے 60 کروڑ کا خرچہ آیا۔ مجموعی طور پر قصاب 23 ارب 40 کروڑ کما گئے۔ گائے بکروں کو منڈی سے لانے پر 5 ارب تو کرایہ ہی پڑ گیا، چارے کا خرچہ پونے 4 ارب بنتا ہے۔ کوئلہ، سیخیں، چٹائیاں، ٹوکری اور دیگر اخراجات لگائیں تو صفر بڑھتے ہی چلے جائیں گے۔ بہت سے لوگوں نے بکرے کی قربانی کرنے کی بجائے صرف بڑی قربانی میں حصہ لینے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ بہت سے شہریوں کا کہنا تھا کہ بڑھتی ہوئی مہنگائی نے عید

کی خوشیوں کو گہنا کر رکھ دیا ہے۔ عید تو خوشیوں کا تہوار ہے، لیکن انہیں اصل خوشی تب ہو گی جب ملک کے اندرونی حالات بہتر ہوں گے، مہنگائی ختم ہو گی اور سارے ہم وطن عید کی خوشیوں میں شریک ہو سکیں گے۔ ایک افسوس ناک یہ بات سامنے آئی کہ پاکستان کے اکثر علاقوں میں جگہ جگہ آلائشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ اگرچہ بہت سے علاقوں میں حکومت کی جانب سے صفائی کا کافی بہتر انتظام کیا گیا، لیکن لوگوں نے اپنی سطح پر جانوروں کی قربانی کرتے وقت صفائی کا خاص انتظام نہیں کیا۔ قربانی کے جانور کا خون چھوٹے محلوں، گلیوں اور بڑی سوسائٹیوں میں لان اور گیراج میں بہا دیا گیا، شام ڈھلنے تک اتنی بدبو پھیل چکی تھی کہ ہر گلی ایک بہت بڑے مذبح خانے کا منظر پیش کرتی رہی۔ حالانکہ اگر قربانی سے پہلے مٹی میں گڑھا کھود کر اس میں قربانی کا خون دبا دیا جائے تو نا صرف بو سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے، بلکہ مختلف النوع حشرات اور اڑنے والے مچھر مکھیوں کا بندوبست بھی کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح جانوروں کے اندرونی اعضاء خالی پلاٹوں میں پھینک دیے گئے، جو جگہ جگہ آوارہ کتے بلیوں کو دعوت عام دیتے رہے۔ حکومت کی جانب سے اگرچہ ان کو ٹھکانے لگانے کا بندوبست بھی کیا جاتا ہے، لیکن ایک طرف محدود عملہ اور وسائل کے ساتھ نمٹنا آسان کام نہیں ہے۔ جب تک ہر شخص خود صفائی کا بندوبست نہ کرے اس وقت تک بہتر انتظام نہیں کیا جا سکتا۔

قربانی کرنے کے ساتھ ہی ملک بھر میں مختلف کھانے پکانے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔قربانی کے گوشت سے مختلف اقسام کے چٹ پٹے کھانے بنانے کا رواج گھروں میں تو عام ہے جہاں خواتین کھانوں کی تیاری کے لیے کچن میں جت جاتی ہیں، مگر اس سال ہوٹلوں اور پکوانوں کی دکانوں سے بھی ذائقے دار کھانے آرڈر پر تیار کرنے کے رجحان میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ مشہور فوڈ اسٹریٹ پر عیدِ قرباں کے گوشت سے پکوان تیار کرکے دینے کا اہتمام کیا جاتا رہا۔ جہاں شہریوں کی بڑی تعداد اپنے گھر سے قربانی کا گوشت لاکر کھانے تیار کرنے کے آرڈر بک کرواتی رہی۔ مشہور فوڈ اسٹریٹ پر عیدِ قرباں کے موقع پر قربانی کے گوشت سے مختلف انواع و اقسام کے پکوان تیار کرکے دیے گئے، جس میں سیخ کباب، گولا کباب، ہنٹر بیف، ملائی بوٹی، تکے، کٹاکٹ، بھی اور دیگر چٹ پٹے کھانے شامل ہیں۔ آرڈر پر کھانے تیار کروانے کے لیے آئے ایک شہری کا کہنا تھا کہ گھروں میں تیار کیے ہوئے پکوانوں میں وہ روایتی ذائقے کی کمی رہتی ہے جس کے باعث وہ ہوٹلوں اور مختلف پکوان تیار کرنے والوں کا رخ کرتے ہیں، جہاں گوشت دیکر بنے بنائے پکوان مل جاتے ہیں۔ اگر بڑے پیمانے پر دعوتوں کا اہتمام کرنا ہو تو یہ طریقہ بہت اچھا ہے کہ باہر سے کھانے بنوالیے جائیں۔ عید پر کھانے میں بے اعتدالی کی وجہ سے ملک میں 6 ہزار سے زاید افراد ہسپتال پہنچ گئے۔ ملتان 800، مظفر گڑھ کراچی 3500، پشاور 1500، حافظ آباد میں 130 افراد پیٹ کی بیماریوں میں 15، مبتلا ہوئے۔ کروڑ میں گھر کے 8 افراد

بیہوش ہو گئے۔ ملتان میں عید ٹرواور مروکے دوران کھانے پینے میں بے اعتدالی کے باعث پیٹ کے امراض، گیسٹرو اور آنتوں کی سوزش کے 800 سے زاید مریض سرکاری ہسپتالوں میں رپورٹ ہوئے، جس پر انہیں طبّی امداد فراہم کی گئی۔ نشتر ہسپتال، چلڈرن کمپلیکس سول ہسپتال، فاطمہ جناح خواتین ہسپتال، شہباز شریف جنرل ہسپتال میں ان مریضوں نے رجوع کیا۔ پشاور میں عید کے دو دنوں میں ڈیڑھ ہزار سے زائد افراد لیڈی ریڈنگ ہسپتال لائے گئے، زیادہ گوشت کھانے کی وجہ سے پیٹ اور معدے نے جواب دے دیا۔ ہسپتال ذرائع کے مطابق زیادہ تر مریضوں کو فوڈ پوائزننگ، پیٹ خراب ہونے، تیزابیت اور قے کی شکایات زیادہ ہیں۔ بیشتر مریضوں کو طبّی امداد فراہم کرنے کے بعد ہسپتال سے فارغ کردیا گیا۔ حافظ آباد میں زیادہ گوشت کھانے سے 130 سے زائد افراد کی حالت خراب ہو گئی، ہسپتال لائے گئے افراد پیٹ، معدہ اور اسہال کے امراض میں مبتلا ہیں۔ عید کے موقع پر خوب پکوان اڑانے پر ساڑھے تین ہزار کراچی والے بھی ہسپتال پہنچ گئے۔ اس کے ساتھ ملک بھر میں قربانی کرنے والے اکثر افراد نے قربانی کا گوشت کئی دنوں کے لیے محفوظ کرلیا۔ بہت سے غربا کو عید کے تینوں دنوں میں گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ملا۔ اطلاعات کے مطابق عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے گوشت کو محفوظ رکھنے کے لیے ڈیپ فریزرز اور ریفریجریٹر کی فروخت میں عام دنوں کی نسبت اضافہ دیکھا گیا۔۔تاجروں کا کہنا تھا کہ عید پر زیادہ تر مائیکرو ویو اوون، الیکٹرانک گرل، جوسر بلینڈرز، چوپرز، ڈیپ فریزرز اور

ریفریجریٹرز فروخت کیے جاتے ہیں، اس سال بھی یہ اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔
دوسری جانب مقبوضہ کشمیر میں ظالم بھارتی فوج کو عید کے دن بھی کشمیریوں پر رحم نہ آیا۔ وادی میں عید کے دنوں میں بھی کرفیو نافذ رہا۔ مقبوضہ کشمیر میں کشمیریوں کی عید کی خوشیاں بھی چھین لی گئیں۔ ظالم بھارتی فوج نے عید کی نماز بھی ادا نہ کرنے دی گئی۔ جامع مسجد اور دیگر مقامات سمیت مختلف مقامات میں عید کی نماز پر پابندی لگائی گئی۔ دس اضلاع میں کرفیو کے باعث عید کے اجتماعات نہ ہوسکے۔ پہلی مرتبہ سرینگر میں واقع تاریخی جامع مسجد میں نماز عید ادا نہیں کی گئی۔ یہ مسجد تقریباً دو صدیاں پرانی ہے۔ گزشتہ مرتبہ اس جامع مسجد کو 1821ء میں بند کردیا گیا تھا۔ اسی طرح جموں کشمیر کے عیدگاہوں میں بھی نماز عید ادا نہیں کی گئی، کیونکہ سیکورٹی فورس نے سخت اقدامات کیے تھے اور عیدگاہوں میں نماز کی اجازت نہیں دی، البتہ درگاہ حضرت بَل پر جزوی طور پر مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ یہ پہلا موقع ہے کہ وادی کشمیر میں کرفیو کے دوران عیدالاضحیٰ منائی گئی۔ 1990ء میں وادی کشمیر میں دہشت گردی کے واقعات رونما ہونے کے بعد سے یہاں پہلی بار نماز عید کے لیے سخت پریشانیاں پیش آئیں۔ وادی میں ہیلی کاپٹر اور ڈرون سے علاقے کی نگرانی کی گئی، جبکہ کشمیری شہری عید کے روز بھی گھروں میں محصور رہے۔ عید کے موقع پر کشمیر بھر میں انتہائی سخت کرفیو نافذ رہا اور زندگی مکمل طور پر مفلوج ہو

کر رہ گئی۔ کشمیر میں دکانیں، مارکیٹیں، کاروبار، بینک، نجی اور سرکاری دفاتر، کلینکس، سکول، کالج، تمام تعلیمی اور تربیتی ادارے، حتی کہ مساجد اور امام بارگاہیں، موبائل فون اور انٹرنیٹ سروس بھی بند اور معمولاتِ زندگی گزشتہ دو ماہ سے زیادہ عرصے سے معطل ہیں۔ کشمیر میں آٹھ جولائی کے بعد سے جاری تحریک میں بھارتی مظالم کے نتیجے میں شہید ہونے والوں کی تعداد تقریباً 100 ہو گئی ہے، جبکہ ایک اندازے کے مطابق اب تک گیارہ ہزار سے زیادہ لوگ زخمی ہوئے ہیں، جن میں سے اکثریت ایسے نوجوانوں کی ہی جو چھرے لگنے سے جزوی یا مکمل طور پر اپنی بینائی کھو بیٹھے ہیں۔

پاکستان کی ترقی کا خواب

پاکستان کو معرض وجود میں آئے تقریبا پون صدی بیت چکی، لیکن آج تک ملک کی ترقی تاحال ایک خواب ہی ہے اور عوام بنیادی ضروریات تک سے محروم اور مختلف بااثر طبقات کی مفادات کی چکی میں پس رہے ہیں، حالانکہ قدرت نے پاکستان کو ہر نعمت سے نوازا ہے۔ یہاں بہترین محل وقوع، چاروں موسم، عمدہ پھلوں کے باغات، وافر اور عمدہ فصلیں، سمندر، دنیا کی پانچ بڑی چوٹیاں، لامحدود پہاڑی، میدانی اور صحرائی سلسلے، سونا، تانبا، المونیم، تیل، گیس، کوئلے اور نمک وغیرہ کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔ پاکستان میں ٹیلنٹ کی بھی کوئی کمی نہیں۔ یہاں کے باصلاحیت اور محنتی طلبا کم عمری میں ہی تمام تر درپیش مسائل کے باوجود دنیا بھر میں اپنی صلاحیت، ذہانت اور فوقیت کا لوہا منوا کر کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ چکے ہیں۔ اللہ تعالی نے ملک کے ہر علاقے کو الگ ہی نوعیت کی خصوصیات سے مالامال کیا ہے۔ بلوچستان میں قدرتی گیس، کاپر، سونے کے ذخائر، قیمتی پتھر سمیت بیش بہا قدرتی وسائل وسیع پیمانے پر پائے جاتے ہیں۔ شمالی علاقہ جات انتہائی قیمتی پتھروں سے بھرپور ہیں۔ اپنی خوبصورتی کے اعتبار سے منفرد صوبہ خیبر پختونخوا بہترین پھلوں اور دیگر بہت سی اشیا میں اپنا الگ مقام رکھتا ہے۔

پنجاب میں زراعت کا ایسا بہترین انتظام موجود ہے، جس کی بدولت نہ صرف ملک بھر کی غذائی ضروریات پوری ہوتی ہیں، بلکہ متعدد ممالک کو بھی یہیں سے غذا مہیا کی جاتی ہے۔ سندھ میں بھی بڑے معدنی ذخائر موجود ہیں۔ پاکستان دنیا کے ان چند ملکوں میں سے ہے جو قدرتی وسائل اور معدنیات کی دولت سے مالا مال ہے، لیکن یہ ملک اس کے باوجود ترقی سے محروم ہے، کیونکہ ہمیں ایسی مخلص اور فکر مند قیادت میسر نہیں، جو ملک کے ان وسائل کو کام میں لا کر پاکستان کو ترقی کی راہ پر ڈال سکے اور جو اپنی ذمے داری سمجھتے ہوئے ملک و قوم کی بہتری کا سوچے۔ جو اپنی جیبیں بھرنے کے بجائے ملک کے خزانے بھرنے کو اپنی ذمے داری سمجھے۔

ہمارے ملک میں صاحب اقتدار طبقے نے کبھی ملک کے لیے مخلص ہو کر کام نہیں کیا۔ ان کو ہمیشہ اپنے خزانے بھرنے کی فکر ہوتی ہے۔ ملک و قوم کے مفادات سے ان کو کوئی غرض نہیں۔ ان کے نزدیک نہ تو ملک کے قوانین کی کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی ملک کے مفادات عزیز ہیں، یہ لوگ دھڑلے سے قانون کی دھجیاں اڑاتے ہیں اور جہاں ضرورت پڑے قانون کو خرید بھی لیتے ہیں۔ جعلی ڈگریوں والے قانون کو مذاق بنا کر نہ صرف الیکشن میں حصہ لیتے ہیں، بلکہ اسمبلیوں میں پہنچ کر عوام کی قسمت کے فیصلے بھی کرتے ہیں۔ یہی نااہل اور مفاد پرست لوگ مختلف حکومتی اور انتظامی عہدوں پر پہنچ کر ملک کی دولت کا بے دریغ استعمال

کرتے ہیں اور سرکاری دولت اور وسائل کو ہڑپ کرنا اپنا حق تصور کرتے ہیں۔
ملک میں عوام کے اصل مسائل بے روزگاری، غربت، مہنگائی، بدامنی، کرپشن، بدعنوانی، رشوت، میرٹ کی تذلیل، تعلیم میں امیر و غریب کی تقسیم، ناانصافی، عوام کی وسائل ضروریہ سے محرومی، ملک پر غیر ملکی قرضے اور صاحب اقتدار طبقے کا وسائل کا بے جا استعمال اور اسی قسم کے دیگر بہت سے مسائل پر توجہ دینے کے بجائے سیاست دانوں نے پوری قوم کو صرف اپنے مفادات کی خاطر احتجاج، دھرنے اور جلوسوں پر لگا رکھا ہے۔ حکمران طبقہ اگر واقعی ملک کے لیے مخلص ہے تو ملک کے عوام کو درپیش مسائل سے نجات دلائے۔ عوام کو درپیش مسائل سے چھٹکارہ دلائے، لیکن وہ ایسا نہیں کرتے، بلکہ خالی خولی نعروں کے ذریعے عوام کو ٹرخاتے رہتے ہیں۔
ملک کو ان حالات تک پہنچانے میں صاحب اقتدار طبقے کے ساتھ عوام بھی برابر کے شریک ہیں، عوام خود کو ان حالات سے بری الذمہ نہیں سمجھ سکتے، کیونکہ عوام ہی ایسے لوگوں کو منتخب کرتے ہیں جو ملک کے لیے مخلص نہیں ہوتے، جعلی ڈگری کے حامل کرپٹ اور خائن امیدواروں کو منتخب کرکے اسمبلیوں میں بھیجنے والے بھی عوام ہی ہوتے ہیں، اگر عوام اپنی ذمے داری کا احساس کرتے ہوئے باکردار اور مخلص امیدواروں کا انتخاب کریں تو پاکستان بھی ترقی یافتہ ملک

بن سکتا ہے، لیکن ایسا ہونا مشکل ہے، کیونکہ سیاست دانوں اور حکمرانوں نے اپنے رویوں سے دیانت، امانت اور فرض شناسی کا ثبوت نہ دینے کی قسم کھائی ہوئی ہے، جب کہ عوام نے ہمیشہ آنکھیں بند کرکے ان کے جھوٹے نعروں پر ایمان لانے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔ ہمیشہ تبدیلی کا آغاز عوام سے ہوتا ہے اور اگر عوام ہی ملک میں تبدیلی لانے کے لیے تیار نہ ہوں تو تبدیلی کیسے آسکتی ہے۔

آخرکار ستر سال گزرنے کے باوجود بھی ملک میں ایسی تبدیلی کیوں نہیں آسکی، جس کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا اور قائداعظم نے جس کا نقشہ کھینچا تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ عوام نے ہمیشہ آنکھیں بند کیے رکھی ہیں۔ عوام ہمیشہ سیاست دانوں کے مفادات کی چکی میں پستے رہے ہیں۔ سیاست دان جھوٹے نعرے لگاتے ہیں اور عوام آنکھیں بند کر کے ان نعروں پر یقین کر لیتے ہیں۔ اگر عوام اسی طرح سیاست دانوں کے پیچھے آنکھیں بند کرکے لگے رہے تو پاکستان میں مثبت تبدیلی کبھی نہیں آسکتی، کیونکہ سیاست دانوں کو ملک اور عوام کے نہیں، بلکہ اپنے مفادات عزیز ہیں۔ اپنے مفادات کے حصول کی خاطر وہ ملکی مفادات اور قوانین کو روندنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں جن ممالک نے بھی ترقی کی ہے، وہاں کے حکمرانوں نے خود کو ہمیشہ ریاستی قوانین کا پابند بنائے رکھا ہے اور ذاتی مفادات کو

فراموش کرکے قومی مفادات کو ترجیح دیتے ہوئے ہر سطح پر میرٹ، دیانت داری اور ملک سے وفاداری کو رواج دیا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں ترقی و خوشحالی کی بڑی وجہ قانون کی حکمرانی ہے۔ تمام ترقی یافتہ ممالک میں حکمرانوں اور عوام کے لیے قوانین یکساں ہوتے ہیں، اگر جرم کی پاداش میں کسی عام آدمی کو سزا ملتی ہے تو اسی جرم کا ارتکاب کرنے والے حکمران کو بھی وہی سزا بھگتنا پڑتی ہے، بلکہ حکمرانوں کو عوام سے زیادہ سزا اور تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پاناما پیپرز میں نام آنے کی وجہ سے کئی ممالک کے وزرائے اعظم کی جانب سے دیے گئے استعفے اس بات کا واضح ثبوت ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں ہر ادارہ خود مختار ہوتا ہے۔ کوئی بااثر شخصیت کسی ادارے پر اثر انداز نہیں ہو سکتی، لیکن پاکستان میں معاملہ برعکس ہے۔ یہاں بااثر افراد ملکی قوانین کو گھر کی لونڈی سمجھتے ہیں، وہ جب چاہیں قوانین کی دھجیاں اڑادیں، ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ملک آج بھی ترقی سے کوسوں دور ہے، کیونکہ وہ ملک ترقی کیا کرتا ہے، جہاں قانون کی بالادستی قائم ہو اور انصاف کا بول بالا ہو اور جہاں ناانصافی ہو اور قانون کی حکمرانی نہ ہو، وہ ملک افراتفری کا شکار ہو کر تباہی کے دہانے پر آ کھڑا ہوتا ہے۔

ملک کے ان سنگین حالات سے دوچار کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے آج تک اسلام کے سنہری اصولوں کو نہیں اپنایا، اگر ہم اسلام کے سنہری اصولوں کو اپنالیں تو کچھ ہی عرصے میں دنیا کی سب سے مضبوط قوم بن کر ابھر سکتے ہیں۔ ہم نے ملک تو دین کے نام پر حاصل کیا، لیکن ہم دین کے راستے پر چلنے کو تیار نہیں۔ ہمارا دین ہمیں عدل وانصاف، ایمانداری، سچائی، دیانتداری کا سبق پڑھاتا ہے۔ ہمیں جھوٹ، دھوکا، فریب، رشوت، سود کھانے، ناانصافی، کرپشن، بدعنوانی سے روکتا ہے، لیکن جب ہم نے اسلام کے عمدہ قوانین کو پس پشت ڈالا تو ذلت ہمارا مقدر بن کر رہ گئی اور ہم ترقی سے دور ہوتے چلے گئے۔

بھارت کا جنگی جنون عروج پر.....پاکستان میں اللہ اکبر کی صدائیں گونج اٹھیں !

کہاوت مشہور ہے کہ گیدڑ کی جب موت آتی ہے تو وہ آبادی کا رخ کرتا ہے۔ میڈیکل سائنس کہتی ہے کہ گیدڑ نارمل حالت میں ایسی غلطی نہیں کرتا، بلکہ وہ ایسا قدم جنون اور پاگل پن کی کیفیت میں اٹھاتا ہے۔ ہمارے ہمسائے بھارت کی بھی وقتاً فوقتاً گیدڑ کی سی ہی حالت ہوجاتی ہے اور وہ پاگل پن میں مبتلا ہو کر پاکستان پر جنگ مسلط کرنے کی دھمکیاں دینا شروع کردیتا ہے۔ ان دنوں بھی انتہا پسند بھارت اور متعصب مسلمان دشمن بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی پر جنگ کا دورہ پڑا ہوا ہے اور وہ جنگ جنگ کی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔ پاگل پن میں مبتلا ہو کر بھارت نے تیاریاں تیز کردی ہیں۔ ذرائع کے مطابق مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج نے کئی جگہوں پر بھاری اور درمیانے درجے کے ہتھیار اگلے مورچوں پر پہنچانا شروع کر دیے ہیں۔ جمعرات کو بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے زیادہ وقت ملٹری آپریشن روم میں گزارا، جہاں وہ لائن آف کنٹرول پر فوج کی نقل و حرکت کی تازہ ترین صورت حال کا جائزہ لیتے رہے۔ بوفرز توپوں اور 105 درمیانی رینج کی دوسری توپوں کو اوڑی کے چڑی میدان، موہرا اور بونیار میں نصب کیا جا رہا ہے۔ سونہ مرگ میں بھی بڑے ہتھیاروں کی تنصیب ہو رہی ہے۔ ان مقامات سے پاکستانی زیر انتظام کشمیر میں پاکستان کی دفاعی تنصیبات کو نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ لائن آف

کنٹرول پر بھارتی فوج کی طرف سے بھاری اور درمیانے توپے خانے کی نقل و حرکت کی بھارت کے اعلیٰ دفاعی اہلکاروں نے تصدیق کی۔ اہم نیول بیس پر حملے کا ہائی الرٹ جاری کرتے ہوئے ممبئی میں خوف کی فضا قائم کر دی۔ واضح رہے کہ گزشتہ دنوں کشمیر کے اوڑی سیکٹر میں بھارت نے حملے کا ایک ڈرامہ رچایا تھا، جس میں بھارت کے متعدد فوجی مارے گئے تھے۔ ہر بار کی طرح اس دفعہ بھی حملے کے دوران ہی بھارتی سرکار نے اس کا الزام پاکستان کے سر تھوپ دیا۔ حالانکہ بھارت میں اوڑی سیکٹر پر ہونے والے حملے کے بعد پیدا ہونے والی کشیدہ صورتحال میں آگ میں تیل کا کردار ادا کرنے والے بھارتی میڈیا نے خود ہی اپنی غلطیوں کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا۔ بھارتی فوج کے ریٹائرڈ اعلیٰ افسران نے بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے سوالات اٹھا دیے۔ رپورٹ میں سوال اٹھایا گیا کہ کیا بھارت نے اس معاملے میں جلدی نہیں کی؟ اور کیا وجہ ہے کہ اس معاملے پر لاشوں کو بغیر کسی قسم کے معائنے اور تحقیقات کا موقع ہی نہیں دیا گیا اور فوری طور پر اڑی فوجی کیمپ کے قریب ہی ایک قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ بھارتی ائیر فورس کے ریٹائرڈ ائیر وائس مارشل مچلنا کاک نے کہا ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ بھارتی فوج کی جانب سے اس معاملے میں جلدی کی گئی ہے جو سنجیدہ نوعیت کے سوالات اٹھا رہی ہے اور سوال اٹھایا ہے کہ اگر یہ دہشت گرد پاکستان سے تھے تو ان کو دفنانے میں اتنی جلدی کیوں کی گئی؟۔ ثبوت کے لیے لاشیں رکھنا ضروری اور کوڈ آف کنڈکٹ کے مطابق ضروری ہے۔ بھارتی میڈیا رپورٹ

کے مطابق ماضی میں ہونے والے ممبئی حملوں کے ملزمان کو ایک سال تک سرد خانے میں جبکہ پٹھان کوٹ کے ملزمان کی لاشوں کو ایک ہفتے تک سرد خانے میں رکھا گیا تھا، جبکہ بھارتی وزیر دفاع نے بھی کہا ہے کہ ہو سکتا ہے اس معاملے پر غلطی ہوئی ہو مگر اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ آئندہ ایسی کوئی غلطی نہ ہو، اس کے ساتھ ہی بھارتی عہدیدار نے پاکستان سے تعاون کی اپیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان اڑی حملے کی تحقیقات میں بھارت کی مدد کرے، لیکن حیرت کی بات ہے کہ خود بھارتی میڈیا اور عہدیدار نے اعتراف کے باوجود جنگی جنون کو تسکین دینے والا بھارت خطے کے امن کو پاش پاش کرنے پر تل گیا۔ پاگل پن کی انتہاؤں کو چھوتے بھارت نے پاکستان میں مخصوص اہداف پر حملوں کی تیاری کا پہلا مرحلہ مکمل کرلیا۔ ''کولڈ اسٹارٹ ڈاکٹرائن'' کے تحت بھارتی فضائی فوج بھی ایڈوانس اڈوں پر پہنچ گئی ہے۔ جنگ اور سرجیکل حملوں میں استعمال کیے جانے والے طیارے بھی اڈوں پر پہنچا دیے گئے ہیں۔ جنگی جنون میں مبتلا بھارت نے مسلسل دوسرے روز بھی زمین سے فضا میں طویل فاصلے تک مار کرنے والا سبسونک میزائل براک ایٹ کا تجربہ کر ڈالا۔ بھارتی میڈیا کے مطابق سبسونک میزائل براک ایٹ کا کامیاب تجربہ اڑیسہ کے ساحلی علاقے چیزی پور میں انٹیگریٹڈ ٹیسٹ رینج لاؤنچ پیڈ سے کیا گیا۔ بھارت پر اس قدر جنگی جنون طاری ہے کہ اپنے ملک میں آئے مہمانوں کو بھی دھمکیاں دینا شروع کردی ہیں۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی بربریت کے خلاف پاکستان نے آواز کیا بلند کی، مودی سرکار آپے سے

باہر ہو گئی۔اوڑی واقعے کے بعد جہاں ایک طرف بھارت ہاتھ دھو کر پاکستان کے پیچھے پڑ گیا ہے تو وہیں دوسری جانب مہاراشٹرا کی ہندو انتہا پسند جماعت نرونیمن نے پاکستانی فنکاروں کو 48 گھنٹے میں ملک چھوڑنے کی دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اگر انہوں نے بھارت نہ چھوڑا تو سنگین نتائج بھگتنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

بھارت کی جانب سے ''کولڈ اسٹارٹ ڈاکٹرائن'' کی حکمت عملی کے بعد پاکستان نے بھی اپنے دفاع کے لیے مربوط حکمت عملی کو جامع شکل دے دی ہے اور صورتحال کے پیش نظر پاکستان نے بھی منہ توڑ جواب دینے کی حکمت عملی کو حتمی شکل دے دی۔ بھارت کے جنگی جنون اور اشتعال انگیزیوں کے بعد پاک فوج نے بھی دفاعی تیاری پکڑ لی ہے اور موٹروے پر جنگی طیاروں کی لینڈنگ کے لیے انتظامات مکمل کر لیے گئے ہیں۔ لاہور کے نواحی علاقے کالا شاہ کاکو سے شیخوپورہ تک موٹروے کی دو لائنوں کے درمیان موجود دیواریں ہٹالی گئی ہیں اور روایتی ٹریفک کے لیے لگائی گئی سفید اور پیلی لائنیں ختم کر کے رن وے کا نشان بنا دیا گیا ہے۔ تقریباً 15 کلومیٹر طویل موٹروے پر ہر طرح کے جہاز ٹیک آف اور لینڈ کر سکتے ہیں۔ ذرائع نے بتایا ہے کہ اس علاقے میں پاک فوج کے اہلکاروں کی نقل و حرکت بھی بڑھا دی گئی ہے اور امید ظاہر کی جا رہی ہے کہ یہاں فوجی مشقیں شروع کی جا سکتی ہیں۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان تناؤ خطرناک سطح کو چھو رہا ہے

اور کولڈ اسٹارٹ ڈاکٹرائن کے تین درجوں میں سے پہلا مرحلہ بھارت نے مکمل کرلیا ہے۔ذرائع کے مطابق بھارتی فضائی فوج ایڈوانس اڈوں پر پہنچ گئے ہیں، اس کے علاوہ جنگٹ اور سرجیکل حملوں میں استعمال کیے جانے والے طیارے بھی اڈوں پر پہنچ چکے ہیں۔ذرائع کے مطابق اب صرف دو مرحلے باقی رہ گئے ہیں، تاہم پاکستان نے اپنے دفاعی اور جوابی تدابیر کے لیے اقدامات شروع کردیے ہیں۔ذرائع کا کہنا تھا کہ پاکستان پہل نہیں کرے گا تاہم ریڈ لائن کراس نہیں کرنے دی جائے گی۔ذرائع کا کہنا ہے کہ اگر بھارت حملہ کرتا ہے تو فوری طور پر بھرپور جواب دیا جائے گا۔ اس موقع پر شمالی علاقہ جات کی پروازوں اور راستے سیل کرنے کی وجہ یہی کشیدگی بتائی جاتی ہے۔پاکستان کی جانب سے یہ واضح کردیا گیا ہے کہ پاکستان کسی بھی حملے کا خاطر خواہ جواب دے گا اور اس کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وفاقی وزیر دفاع خواجہ آصف کا کہنا ہے کہ ہماری فضاؤں کے محافظ الحمدللہ ہر وقت تیاری کی حالت میں ہیں اور ہمارے موٹروے ہمارے رن وے ہیں۔ اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ کی جانب سے بیان میں کہا گیا ہے کہ بھارت ہمیں اینٹ کا جواب پتھر سے دینے پر مجبور نہ کرے۔ حکومت بھارت کے جنگی جنون، مداخلت اور دہشت گردی کے سدباب کے لیے پارلیمنٹ کو اعتماد میں لے کر فوری لائحہ عمل طے کرے۔ قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف سید خورشید شاہ کا کہنا ہے کہ بھارت کسی بڑے ایجنڈے پر کام کرنا چاہتا ہے، عالمی قوتیں بھارت کو جارحانہ اقدامات سے روکیں، کیونکہ اگر جنگ ہوئی تو خطے اور دنیا کو خطرہ

لاحق ہوگا۔ لہٰذا پاکستان دنیا کو محسوس کرائے کہ اگر جنگ ہوئی تو تیسری عالمی جنگ ہوگی۔ ان کا کہنا تھا کہ مودی سرکار کیا ایسی 10 سرکاریں بھی پاکستان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، لیکن اگر بھارت ایک بار پھر پاکستان کو آزمانا چاہتا ہے تو ہم تیار ہیں، تاہم اسے یاد رکھنا چاہیے کہ جنگ کی صورت میں بھارت کو زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ واضح رہے کہ ملک کے مختلف حصوں میں بھارت کے جنگی جنون کے خلاف ریلیاں نکالی گئی ہیں، جن میں بلند آواز سے اللہ اکبر کے نعرے لگائے اور کہا گیا کہ جنگ مسلط کرنے کی صورت میں بھارت کو بھیانک نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا، کیونکہ پوری پاکستانی قوم سیسہ پلائی دیوار کی طرح پاک فوج کے شانہ بشانہ کھڑی ہے۔ پاکستانی قوم جنگ سے ڈرنی والی نہیں ہے، بلکہ ایمان کی قوت کے ساتھ بھارت کو ناکوں چنے چبوانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

واضح رہے گزشتہ دنوں وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف نے اقوام متحدہ میں کھل کر کشمیر کے معاملے پر اپنا موقف پیش کیا ہے اور بھارتی فوج کے ہاتھوں شہید ہونے والے مظفر وانی کو شہید قرار دیا ہے۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے وزیر اعظم نواز شریف کے خطاب پر بھارت میں سخت رد عمل سامنے آیا ہے اور وزیر اعظم نواز شریف کے جنرل اسمبلی سے خطاب نے پورے بھارت کو ذہنی ہیجان میں مبتلا کر دیا۔

،وزیر اعظم کے خطاب کے بعد بھارتی میڈیا آگ اگلنے لگا

وزیر اعظم پاکستان پر دہشت گردی کی سرپرستی کا الزام بھی لگا ڈالا۔ وزیر اعظم کا کشمیریوں اور برہانی وانی شہید کو شاندار خراج عقیدت بھارتی میڈیا کو ایک آنکھ نہ بھایا، فوراً ہرزہ سرائی شروع کردی۔ بھارت اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں کشمیر کے مسئلے کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعظم نواز شریف کے برہان وانی کو 'نوجوان رہنما' کہنے پر بھڑک اٹھا۔ بھارت کے خارجہ امور وزیر مملکت ایم جے اکبر نے نواز شریف کے بیان پر احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ یہ حیرانی کی بات ہے کہ پاکستان ایک دہشت گرد کو ہیرو قرار دے رہا ہے۔انہوں نے مزید کہا کہ کشمیر میں خونی کھیل کھیلنے والے دہشت گرد برہان وانی کی تعریف کرکے پاکستان یہ تسلیم کر رہا ہے کہ وہ دہشت گردی کا حامی ہے۔واضح رہے کہ بھارت کے جنگلی پاگل پن کے پیچھے ایک لمبی کہانی ہے۔ 1947 میں برطانیہ جب برصغیر کو چھوڑ کر گیا تو بھارت نے کچھ علاقوں پر ناجائز قبضہ جمایا، ان میں مقبوضہ کشمیر سرفہرست ہے۔ بھارت نے اقوام متحدہ میں جنرل اسمبلی کی قراردادوں کے مطابق رائے شماری کے ذریعے یہاں کے باسیوں کو آزادی دینے کی حامی تو بھری، لیکن آج تک ان کو آزادی نہیں دی اور نہ ہی یہاں رائے شماری کرائی ہے، بلکہ کشمیریوں کی نسل کشی کی جارہی ہے۔ یہاں آزادی کی تحریک زور و شور سے جاری ہے۔8 جولائی کو برہان مظفر وانی کی شہادت کے بعد مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی کو ایک نئی مہمیز ملی۔ بھارتی فورسز اپنا اسلحہ اور کشمیری حریت پسند جگر آزما رہے ہیں۔ اڑھائی ماہ میں 100 کے قریب شہادتیں

اور پیلٹ گنوں اور مہلک اسلحہ سے آٹھ ہزار کشمیری مفلوج اور معذور ہو چکے ہیں۔ 12,000 سے زیادہ لوگ زخمی ہو چکے ہیں؛ یعنی ہر روز 150 سے زیادہ افراد زخمی ہو رہے ہیں، لیکن کشمیری اپنی آزادی سے کم پر تیار نہیں۔ پاکستان کی طرف سے کشمیریوں کی بھرپور اخلاقی اور سفارتی حمایت کی جارہی ہے۔ وزیراعظم نواز شریف نے جب اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر پوری قوت سے اٹھایا تو بھارت نے پاکستان کو دہشت گردوں کا پشت پناہ قرار دینے کا پراپیگنڈا تیز کر دیا اور اس اقوام متحدہ میں میاں نواز شریف کے خطاب سے پہلے ہی اوڑی چھاؤنی میں 18 فوجیوں کی ہلاکت کا ڈرامہ رچانا اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ اوڑی حملہ کے حوالے سے بھارت پاکستان پر الزام لگا کر سنگین نتائج کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ اوآئی سی اجلاس کے دوران سیکرٹری جنرل ایاز امین نے بھارتی مظالم فوری طور پر بند کرانے کا مطالبہ کیا، لیکن بھارت مظالم کا سلسلہ روکنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ پاکستان ہمیشہ خطے میں امن کے قیام کے لیے کوشاں رہا ہے، جبکہ بھارت نے ہمیشہ آگ بڑھکانے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ بھارت کا یہی جارحانہ رویہ پورے خطے کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے جو پوری دنیا کے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ اقوام متحدہ میں پاکستان کی مستقل مندوب ڈاکٹر ملیحہ لودھی نے کہا ہے کہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون نے پاکستان اور بھارت کے درمیان ثالثی کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کی پیشکش کی ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارت کی پر تشدد کارروائیاں خطے میں امن کے لیے خطرناک ہیں۔ بھارت کی

پاکستان کو عالمی برادری میں تنہا کرنے کی کوششیں بری طرح ناکام ہو گئی ہیں۔ بھارت کشمیر میں انسانی حقوق کی موجودہ صورتحال پر سفارتی دباؤ کے رد عمل میں جنگ کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے۔ ملیحہ لودھی کا کہنا تھا کہ وزیراعظم کی تقریر کے بعد بھارت کی انتہا پسند مودی سرکار دنیا بھر میں بری طرح بے نقاب ہو گئی۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی کانفرنس تنظیم نے بھی مقبوضہ کشمیر میں فیکٹ فائنڈنگ کمیشن بھیجنے کا اعلان کر دیا ہے۔

نفرت نہیں، محبت کیجیے!

انسان فطری طور پر محبت پسند ہے، لیکن اس کے باوجود دنیا میں ہر سو انسان کی لگائی ہوئی نفرت کی آگ پوری انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ ہر جانب قتل و غارت، جنگ و جدل، لڑائی جھگڑا اور دنگا فساد برپا ہے۔ ملکوں سے لے کر افراد تک سب نفرت کی آگ جلانے میں مشغول ہیں۔ نفرت کی یہ آگ دنیا میں پھیلتی ہی چلی جا رہی ہے، لیکن محبت کی آغوش میں جنم لینے والا انسان اس آگ کو بجھانے کی بجائے بھڑکانے میں مشغول ہے۔ اگر انسان اپنے فطری جذبہ محبت کو جذبہ نفرت پر حاوی کرنے کے لیے اپنے اندر سے ہر قسم کے منفی رویوں کو ختم کرنے اور مثبت رجحانات پر اپنی طبیعت کو مائل کرنے کی کوشش کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنی محبت کی طاقت سے نفرت کی آگ پر قابو نہ پا سکے۔ نفرت کی آگ بجھانے کے لیے پہلے ہر انسان کو خود اپنے ماحول سے پیدا شدہ منفی رجحانات کا خاتمہ کرنا اور اپنی زندگی کو مثبت رجحانات کے تابع کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم چاہیں تو اپنے دل کو دوسروں کی نفرت کی آگ سے محفوظ رکھ کر دنیا کو محبت کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔ نفرت جذبہ محبت کی طرح ایک فطری جذبہ نہیں ہے، بلکہ یہ منفی رجحان دیگر ناپسندیدہ رویوں کے رد عمل کے طور پر پیدا ہوتا ہے۔ انسان نفرت اپنے ارد گرد کے ماحول سے کشید کرتا ہے، اس لیے ہر انسان کو اپنی زندگی میں ایسے دوست و

احباب کا انتخاب کرنا چاہیے جو نفرت سے نفرت اور محبت سے محبت کرتے ہوں، تاکہ معاشرے سے نفرت کا خاتمہ ہو اور زیادہ سے زیادہ محبت پھیلے اور منفی ذہنیت کے ایسے افراد سے مکمل اجتناب و کنارہ کشی کی جائے جو ہمیشہ نفرت پھیلانے کے منصوبے بناتے رہتے ہوں۔

انسان میں فطری جذبات و احساسات میں سے محبت سب سے اہم جذبہ ہے۔ محبت کا جذبہ ہر انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔اسلام بھی انسان کو محبت پھیلانے کا حکم دیتا ہے۔ ایک مسلمان محبت کا پیکر ہوتا ہے۔ وہ لوگوں میں نفرت کے کانٹے نہیں، بلکہ پیار و الفت کے پھول بانٹتا ہے۔ محبت کا اظہار صرف صنف مخالف ہی کے لیے نہیں ہوتا، بلکہ اولاد کے لیے بے انتہا شفقت، والدین کی خدمت، بزرگوں کی عقیدت اور دوست احباب کی رفاقت کے ان گنت رنگوں سے سجی زندگی محبت کا اظہار ہی تو ہے۔ سب سے مضبوط رشتہ جو افراد کو کنبے، سماج اور قوم بناتا ہے، وہ محبت ہی ہے۔ یہ محبت ہی تو ہے جو وطن کے لیے جان قربان کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ محبت دل کی ایسی ریاست ہے، جہاں صرف سکون ہی سکون ہوتا ہے۔ موجودات کی روح میں سب سے زیادہ نمایاں عامل محبت ہے۔ ایک مخلوق سے دوسری مخلوق کا آپس میں محبت کا تبادلہ انسان کی اپنی مرضی سے ماوراء ہوتا ہے، کیونکہ منشاء ایزدی ان پر مکمل طور پر محیط ہو تی ہے۔ اپنی روح میں محبت کے بے جا استعمال سے اور اپنی ہی فطرت سے محبت لانے کے لیے

ہر شخص کو چاہیے کہ دوسروں کی حقیقی مدد اور معاونت کرے،تاکہ معاشرہ محبت کا گہوارہ بن جائے۔

محبت فاتح عالم ہے۔ محبت دلوں کو اسیر کرتی ہے۔ محبت زندہ قوموں کا شعار ہے۔ محبت دلوں کو حیات بخشتی ہے اور انسان کو شادمان اور خوشحال کرتی ہے۔ محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو استاد و شاگرد دونوں کے دلوں پر مساوی طور پر اثر انداز ہوتا ہے۔ تربیت اولاد میں محبت کا کردار بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ محبت لوگوں میں میل ملاپ اور یکجہتی کا سبب ہے۔ اگر محبت کا جذبہ نہ ہوتا تو کوئی بھی انسان کسی دوسرے کی ذمے داری قبول کرنے کو تیار نہ ہوتا اور ہمدری اور ایثار و قربانی جیسے لفظوں کا وجود نہ ہوتا۔ محبت انسان کی فطرت میں شامل اسی طرح کا ایک جزو ہے، جس طرح سانس لینا، کھانا کھانا، پانی پینا، سونا، جاگنا، انسانی فطرت کے جزو ہیں، ہم ہر انسان سے بحیثیت انسان محبت کرتے ہیں۔ ہم اپنے دوستوں سے محبت کرتے ہیں۔ اپنے عزیزوں اور رشتے داروں سے محبت کرتے ہیں۔ اپنے گھر والوں سے، ماں، باپ، بھائی، بہن، بیوی بچوں سے محبت کرتے ہیں۔ اپنے گھر، گلی، گاؤں، شہر اور ملک سے محبت کرتے ہیں۔ محبت ایک فطری جذبہ ہے، جس کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام فطرت کا ترجمان ہے، اس لحاظ سے محبت کا اسلام سے گہرا تعلق ہے۔ جس طرح اسلام دوسرے اعمال کا حکم دیتا ہے، اسی طرح اسلام فطرت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیں محبت

کا حکم بھی دیتا ہے، جو اللہ نے ہمارے دلوں میں القاء کی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ ترجمہ: ''اس اللہ نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی۔'' جب کہ حدیث میں آتا ہے: ''آپس میں تحفے تحائف دو اور محبت کرو۔'' لہٰذا یہ فطری عمل ہونے کے ساتھ اسلام کا مطالبہ بھی ہے۔ اسلام ہمیں محبت کرنے اور اس کو ترقی دینے کے لیے ہمدردی، اخوت، بھائی چارہ، ایثار و قربانی جیسے مواقع بھی فراہم کرتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ حج اور ہر نماز کے موقع پر مسلمانوں کا ایک ساتھ مل کر خالق واحد کے سامنے سربسجود ہونا بھی انسانوں کو محبت کا موقع فراہم کرنا ہی ہے۔ محبت انسان کی فطرت میں شامل ہے، لیکن اس فطرت کا اظہار خدا، رسول، مذہب، والدین، اولاد، بیوی، شوہر اور محبوب میں سے ہر ایک کے لیے مختلف ہوتا ہے۔ اصولِ محبت میں توازن اور اعتدال کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ محبت میں جس کا جتنا حق ہے، اسے اس مقام پر ہی رکھا جائے اور اسلام نے جو درجہ بندی کی ہے اس کی پابندی کی جائے۔

محبت انسان کے لیے سکون کا باعث ہے اور یہ سکون اپنے محبوب کو یاد کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ انسان ہر وقت اپنے محبوب کی یاد میں ہی کھونا پسند کرتا ہے۔ انسان کو جس سے محبت ہو اس کو اکثر یاد کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ایمان والوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ ان کو سکون اللہ کی یاد میں ملتا ہے، کیونکہ

ان کی سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے ہوتی ہے۔ کسی کے سامنے اپنی خواہشات کو قربان کر دینے اور محبوب کی یاد میں کھوئے رہنے کا نام محبت ہے۔ جب کسی کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کا انداز بدل جاتا ہے۔ کائنات بدلی بدلی سی لگتی ہے، بلکہ ظاہر و باطن کا جہاں بدل جاتا ہے۔ محبت سے آشنا ہونے والا انسان ایسے مرض کا شکار ہو جاتا ہے، جس کو کوئی دوسرا انسان سمجھ ہی نہیں پاتا کہ ہوا کیا ہے۔ انسان کھویا کھویا سا رہتا ہے، دن بدن کمزور ہوتا جاتا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید کوئی بیماری لاحق ہو گئی ہے، لیکن اس کی بیماری کوئی کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ تو انسان کی انسان سے محبت کا احوال ہے اور اگر انسان کو اپنے خالق سے محبت ہو جائے تو اس کی کیفیت ہی الگ ہوتی ہے۔ انسان کو ہر کام میں صرف اپنے خالق کی مرضی پر عمل کرنے کی ہی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔ سب سے اہم خدا تعالیٰ کی محبت کو پانا ہے اور خدا تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کے لیے اس کے احکامات پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی مخلوق سے محبت کرنا بھی ضروری ہے۔ مخلوق سے محبت کرنا بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہی ہے، کیونکہ مخلوق کو خدا تعالیٰ کا کنبہ کہا گیا ہے اور مخلوق سے محبت کرنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ ہی تو فرماتے ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ نفرت کے جذبات کو رفع کر کے محبت کے جذبات کو فروغ دے۔ اگر خدا کی محبت حاصل کرنا چاہتا ہے تو خدا کی مخلوق سے محبت کرے۔

پاکستانی قوم متحد.....نریندر مودی خود تنہا ہوگیا

پاکستان اور بھارت کے تعلقات یوں تو روز اول سے کشمیر کے معاملے پر کشیدگی کا شکار رہے ہیں، لیکن اس بار بھارت کی مخاصمت کی وجہ محض کشمیر ہی نہیں، بلکہ پاکستان کی ابھرتی ہوئی معاشی قوت (پاک چین راہداری) اور بین الاقوامی طور پر پاکستان کی مسلمہ جغرافیائی تزویراتی اہمیت کو نشانہ بنانا ہے۔ پاکستان نے اپنی خارجہ پالیسی تبدیل کی ہے، تعلقات کی سمت امریکا کی بجائے علاقائی طاقتوں کی طرف موڑ دی ہے، جن میں چین کے ساتھ روس سرفہرست ہے۔ چین اور روس سے بڑھتے ہوئے دفاعی اور اقتصادی تعاون نے بھارت اور امریکا کی نیندیں حرام کی ہوئی ہیں۔ دنیا بھر میں پاکستان کی اہمیت کے پیش نظر مودی نے پاکستان کو تنہا کرنے کی بات کی ہے، حالانکہ بھارت خود بھونڈی حرکتوں کی وجہ سے دنیا میں تنہا ہوتا جارہا ہے اور پاکستان کی اہمیت دن بدن مزید بڑھ رہی ہے۔ گزشتہ دنوں بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کا پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہنا تھا کہ پاکستان کو پوری دنیا میں تنہا کردیں گے، جس کے جواب میں خود بھارتی میڈیا نے کہا کہ عالمی طاقتیں پاکستان کو کبھی تنہا نہیں کرنے دیں گی۔ پاکستان اپنی جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے عالمی طاقتوں کا اتحادی ہے، اسے تنہا کرنا آسان نہیں ہے۔

ایک اعتبار سے پاکستان کی جغرافیائی پوزیشن امریکا اور دیگر اتحادیوں کے لیے ماضی اور موجودہ وقت میں اہمیت کی حامل رہی ہے۔ پاکستان امریکا، برطانیہ اور چین کا اہم اتحادی ہے، جب کہ روس کے ساتھ اس کے قریبی روابط پیدا ہو رہے ہیں۔ پاکستان کو اسلامی ممالک کی تنظیم او آئی سی کی حمایت بھی حاصل ہے۔ او آئی سی کے ممالک کے پاکستان کے ساتھ قریبی اور مضبوط تعلقات ہیں۔ خاص کر سعودی عرب اور چند ایک عرب ممالک مشکل حالات میں پاکستان سے بھرپور تعاون کرتے رہے ہیں۔ اس لیے نریندر مودی کی جانب سے پاکستان کو تنہا کرنے کا بیان احمقانہ ہے۔ اقوام متحدہ میں پاکستان کی مستقل مندوب ملیحہ لودھی نے کہا ہے کہ پاکستان کو تنہا کرنے کی بھارتی کوشش ناکام ہو گئی ہیں۔ بھارت مایوسی کا شکار ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ بھارت فیکٹ فائنڈنگ مشن اقوام متحدہ کی قراردوں پر عمل اور پاکستان سے مذاکرات کرنے سے انکاری ہے۔ اقوام متحدہ میں 48 گھنٹے میں وزیراعظم نے ایران، ترکی، امریکا، مصر اور دیگر بڑے ممالک کے سربراہان سے ملاقاتیں کیں اور انہیں کشمیر کے بارے میں آگاہ کیا۔ دنیا میں ہمارے بھی بہت سے دوست ممالک ہیں اور بہت سے ملکوں سے ہمارے تعلقات مضبوط ہوئے ہیں۔

واضح رہے کہ چین کے ساتھ پاکستان کے دیرینہ دوستانہ تعلقات ہیں، لیکن اب روس نے بھی پاکستان کے ساتھ جنگی مشقوں کا آغاز کیا ہے، جس پر سیخ پا ہو کر

بھارت کا کہنا تھا کہ روس کو بھارت اور پاکستان میں سے کسی ایک ملک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ انڈیا امریکا کے تعلقات مضبوط ہوئے ہیں، لیکن انڈیا کے دفاعی پیداواری نظام کا انحصار روس پر ہے، اس لیے روس کے ساتھ اُن کا رشتہ کمزور ہو سکتا ہے۔ پاکستان روس سے اسلحہ خریدنا چاہتا ہے اور تعلقات بہتر ہونے سے دونوں ممالک کے درمیان دفاعی تعلقات کو وسعت ملے گی۔ ایک ایسے وقت میں جب انڈیا اور پاکستان کے درمیان کشیدگی عروج پر ہے، روس اور پاکستان کی مشترکہ جنگی مشقیں خاصی اہمیت کی حامل ہیں۔ خارجہ پالیسی اور دفاعی حکمت عملی اپنی جگہ یقیناً اہمیت کی حامل ہیں، لیکن اگر بدقسمتی سے دونوں ممالک کے درمیان اس بار جنگ ہوئی تو یہ محدود یا سرجیکل سٹرائیک نہ ہو گی، بلکہ خطرہ ہے کہ یہ ایٹمی جنگ بن جائے گی۔ ایٹمی جنگ صرف ان دونوں ملکوں کے لیے ہلاکت کا باعث نہ ہو گی، بلکہ اس سے خطے کے قریبی ملک بھی متاثر ہوں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بھارت اپنے احمقانہ بیانات اور اقدامات کی وجہ سے دنیا میں تنہا ہوتا جا رہا ہے، اس نے پاکستان کو تنہا کرنے کے لیے اڑی حملے کا ڈرامہ رچایا، لیکن اسے خود منہ کی کھانا پڑی۔ اڑی واقعہ پر بھارتی حکومت کا ڈرامہ اس بار امریکا کو متاثر کرنے میں بھی ناکام رہا ہے، جس کے بعد امریکا نے بھارت کو واضح پیغام دیا ہے کہ وہ صورتحال بگاڑنے کی کوشش نہ کرے۔ لگتا ہے کہ امریکی دباؤ نے کام دکھایا ہے، کیونکہ ابتدائی دھمکیوں کے بعد بھارت اب پاکستان کے خلاف کوئی فوجی آپشن

استعمال کرنے سے پیچھے ہٹ رہا ہے۔ وزیراعظم نریندر مودی جو اپنے فوجی کمانڈروں کو پاکستان پر حملے کا جائزہ لینے کا کہہ رہے تھے، ہفتے کو اچانک یہ کہتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے کہ بھارت پاکستان کو سفارتی طور پر دنیا میں تنہا کرے گا اور خود تنہا ہوگیا۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ بھارت کی فوج بھی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ پاکستانی فوج کا مقابلہ کرسکے۔ ایک بڑی فوج کا حامل ہونے کے باوجود انڈیا دفاعی اعتبار سے اتنا مضبوط نہیں ہے جتنا اسے سمجھا جاتا ہے۔ بین الاقوامی جریدے اکانومسٹ میں چھپنے والے کالم کے مطابق انڈیا کے بین الاقوامی عزائم اس کی معیشت میں بہتری کے ساتھ وسیع ہوتے جارہے ہیں لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ انڈیا اپنی دفاعی طاقت میں خاطر خواہ اضافہ کرنے میں ناکام رہا ہے۔ انڈین افواج عددی اعتبار سے مضبوط دکھائی دیتی ہیں اور چین کے بعد انڈین فوج دنیا کی دوسری بڑی فوج ہے، لیکن اس سب کے باوجود انڈیا کی دفاعی قوت میں نقائص ہیں۔ اس کا بیشتر اسلحہ یا تو بہت پرانا ہے یا اسے مناسب دیکھ بھال میسر نہیں ہے۔ دفاعی امور کے ماہر بھارتی اجے شکلا کا کہنا تھا کہ ہمارا فضائی دفاع کا نظام نہایت بری حالت میں ہے۔ زیادہ تر اسلحہ 70 کی دہائی سے زیرِ استعمال ہے اور فضائی دفاع کا نیا نظام نصب کرنے میں شاید دس سال لگ جائیں۔ انڈین فوج میں بدعنوانی بھی ایک مسئلہ رہا ہے۔

اس کے ساتھ نریندر مودی کو خود اپنے ملک میں تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ کانگریس کے مرکزی رہنما منیش تیواڑی نے کہا کہ بھارتی وزیراعظم بڑھکیں مارنے کی بجائے اپنے گھر کی طرف توجہ دیں۔ مودی کی طرف سے اچانک پاکستان کے عوام کو لیکچر بازی سے لگتا ہے، وہ اگلا الیکشن پاکستان میں لڑنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مودی کو بھارتی عوام میں پائے جانے والے غم وغصہ کا اندازہ ہی نہیں۔ تیواڑی کا مزید کہنا تھا کہ بھارتی وزیراعظم قومی سلامتی کے ساتھ سیاست کر رہے ہیں۔ خیال رہے کہ عالمی بینک کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان کی نسبت بھارت میں غربت کی سطح ڈھائی گنا سے بھی زیادہ ہے، جس کا مطلب ہے بھارتی وزیراعظم کو غربت کے خلاف جنگ جیتنے کے لیے اپنے پاکستانی ہم منصب کی نسبت زیادہ کوششیں کرنا ہوں گی۔ ورلڈ بینک کے اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ پاکستان کی 8.3 فیصد آبادی جب کہ بھارت کی 21.3 فیصد آبادی خط غربت سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے۔اس سے پہلے جنگ کی بڑھکیں مارنے پر بھی مودی کو اپنے ملک میں تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے، لگتا ہے کہ بھارتی فوج نے انہیں گرین سگنل نہیں دیا، جس کے بعد بھارتی وزیراعظم پر حقائق واضح ہو گئے اور نریندر مودی پینترا بدلنے پر مجبور ہو گئے۔ جبکہ امریکی اخبار نیویارک ٹائمز نے اڑی حملے کے بعد بھارت کی حکمران جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی کی جانب سے جنگ لڑنے کی دھمکی والے بیان کو نہایت غیر سنجیدہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ جنگ کی باتوں سے بھارت کی معیشت اور سرمایہ کاری کو شدید نقصان

پہنچے گا۔ امریکی اخبار نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ پاکستان اور بھارت دونوں ایٹمی صلاحیت کے حامل ملک ہیں اور پاکستان دنیا بھر میں سب سے تیزی سے اپنے جوہری ہتھیاروں میں اضافہ کر رہا ہے۔ اس صورتحال میں اگر فوجی تصادم ہوتا ہے تو یہ تباہ کن ہوگا اور بھارت کی جانب سے کوئی بھی کارروائی جنگ کا سبب بن جائے گی۔ دوسری جانب بھارت میں سکھوں کی علیحدگی کی تحریک میں بھی تیزی آ گئی ہے۔ سکھوں کی علیحدگی پسند تحریک خالصان کے رہنما امرجیت سنگھ نے بھارت سے علیحدہ ریاست بنانے کے لیے پاکستان سے مدد کی اپیل کی ہے۔ سکھ رہنما امرجیت سنگھ کا کہنا تھا کہ خالصاان ریاست بنانے کے لیے پاکستان سکھ برادری کی سفارتی مدد کرے، اگر پاکستان خالصتان ریاست بنانے میں سکھوں کی سفارتی مدد کرے تو ہم بھارت کی ریاستی دہشت گردی سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔ بھارتی وزیر اعظم کو جب ہر جانب سے منہ کی کھانا پڑی تو بھارتی وزیراعظم نریندر مودی نے ہر طرح کی ناکامی کے بعد اسے مزید نقصان پہنچانے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہوئے اس کا پانی بند کرنے اور سندھ طاس معاہدہ ختم کرنے کا عندیہ دیا' اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نئی دہلی میں آبی ماہرین اور اپنے وزراء سے صلاح مشورے کے لیے اجلاس طلب کیا، جس میں پاکستان کا پانی بند کرنے اور سندھ طاس معاہدہ ختم کرنے کے حوالے سے تمام عوامل کا جائزہ لیا گیا۔ اطلاعات کے مطابق اجلاس میں شریک ماہرین کی اکثریت نے وزیراعظم نریندر مودی کو مشورہ دیا کہ پاکستان کا پانی بند کرنے

کی صورت میں چین رد عمل کے طور پر براہما پترا سے بھارت آنے والا پانی بھی بند کر سکتا ہے لہٰذا اس قسم کی غلطی سے اجتناب برتا جائے، جس کے بعد پاکستان کو تنہا کرنے کی دھمکی دینے والا بھارتی وزیر اعظم ہر جانب سے بالکل تنہا ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔

دوسری جانب بھارتی وزیر اعظم نے پاکستان کو جنگ کی بڑھکیں مارنے کا ایسا وقت چنا جب پاکستانی سیاست دان مختلف قسم کے ایشوز میں پھنسے ہوئے ہیں، اپوزیشن جماعتیں وزیر اعظم کے احتساب کا نعرہ لگاتے ہوئے احتجاج کے لیے پر تول رہی ہیں، ان حالات کے پیش نظر نریندر مودی کا خیال تھا کہ پاکستانی عوام انتشار کا شکار ہوں گے، لیکن تمام پاکستانی سیاست دانوں، فوج اور پوری قوم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اگر بھارت نے کسی بھی قسم کی غلطی کی تو ہم سب اکٹھے ہو کر بھارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ بھارت کی جانب سے دھمکیوں پر پاکستانی سیاستدانوں نے شدید رد عمل کا اظہار کیا ہے کہ عمران خان نے کہا ہے کہ خارجہ پالیسی پر سارا ملک اکٹھا ہے، مودی کا رویہ بد قسمتی ہے، بھارت کے خلاف سیاستداں، پاک فوج اور عوام ایک پیج پر ہیں۔ بلاول بھٹو زرداری کا کہنا ہے کہ گجرات کا قصاب اب کشمیر کا قصائی بن گیا، گجرات میں قتل عام کرنے والا ہمیں دہشت گردی کا لیکچر دے رہا ہے، دنیا کو متحد ہو کر ظالم کا راستہ روکنا ہوگا۔ پرویز رشید نے کہا ہے کہ سرینگر میں سکون نہیں تو دلی

بھی چین نہیں ہو سکتا ہے، بھارتی وزیراعظم ہمیں تنہا کرنے کی باتیں کر رہے ہیں، لیکن دنیا میں ظلم کرنے والا تنہا ہوتا ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ بھارت نے خود جنگ کا ماحول بنایا، اب خود ہی پیچھے ہٹ گیا، ہم پاکستان پر مرمٹنے کے لیے ہر وقت تیار ہیں، دھمکیوں اور بڑھکیں مارنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ سراج الحق کا کہنا ہے کہ بھارت نے جنگ چھیڑنے کی غلطی کی تو اپنے وجود کو برقرار نہیں رکھ سکے گا اور بھارت میں کئی نئے پاکستان بنیں گے۔ چودھری پرویز الٰہی نے کہا ہے کہ مودی صرف بڑھکیں مارتے ہیں، جنگ ہوئی تو بھارت کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ جمہوری وطن پارٹی کے رہنما اور نواب اکبر بگٹی کے پوتے شاہ زین بگٹی کا کہنا ہے کہ ملک کے دفاع کے لیے ہم اور ہمارے قبائل حاضر ہیں، اگر جنگ ہوئی تو پاک فوج سے پہلے ہم بھارت سے لڑیں گے۔ جبکہ فاٹا کے قبائلی عمائدین نے کہا ہے کہ بھارت کی جانب سے پاکستان کے خلاف ممکنہ جارحیت کی صورت میں 2 کروڑ قبائلی عوام پاک فوج کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں، ملک کے لیے ہر قربانی سینے کے لیے تیار ہیں۔ آباؤ اجداد کی تاریخ دہرائیں گے۔ کشمیر کو آزاد کرائیں گے۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں بھارت کے خلاف ریلیاں نکالی گئیں ہیں، جن میں متحد ہو کر بھارت کو سبق سکھانے کا عہد کیا گیا۔

سرجیکل اسٹرائیک کا دعویٰ جھوٹا

جنگی جنون میں مبتلا بھارت کئی ماہ سے کشمیر میں بے گناہ عوام پر ظلم و تشدد کی نئی تاریخ رقم کر رہا ہے۔ ساری دنیا کی نظریں کشمیر میں بھارتی مظالم پر مرکوز ہیں۔ ساری دنیا کشمیر میں ہونے والے بھارتی مظالم کی مذمت اور ان مظالم کو روکنے کا مطالبہ کر رہی ہے۔ بھارت دنیا کی توجہ کشمیر کے معاملے سے ہٹانے کے لیے روز نئی چال چلتا ہے، لیکن ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ بھارت نے ہمیشہ کشمیر کے معاملے پر ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا ہے۔ بھارت کی جانب سے سارک کانفرنس کو ملتوی کرانا بھی بھارتی سازش کا حصہ ہے، تاکہ کشمیر کا معاملہ حل ہونے کی طرف کوئی پیش رفت نہ ہوسکے۔ 4 ممالک کی طرف سے بائیکاٹ کے بعد 9 اور 10 نومبر کو پاکستان میں ہونے والی سارک سربراہ کانفرنس ملتوی ہونے سے بھارت اپنی سازش میں کامیاب ہوگیا ہے۔ تنظیم کے اہم اجلاس کا التوا اس حوالے سے نہایت افسوسناک ہے کہ اس میں کئی اہم فیصلے ہونے تھے، جو اب نہیں ہو سکیں گے۔ یہ پہلا موقع نہیں کہ بھارت نے سارک کے اجلاس کو ناکام بنانے کی کوشش کی، اس کی جانب سے ایسے اقدامات اس سے پہلے بھی کیے جاتے رہے ہیں۔ پاکستان کی دشمنی کے خبط میں مبتلا بھارت پاکستان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ اب تو نوبت یہاں تک آن پہنچی ہے کہ وہ پاکستان کو عالمی برادری میں تنہا

کرنے کی بات کرتا ہے، جنگ کی دھمکیاں دیتا ہے، پاکستان کا پانی بند کرنے کی منصوبہ بندی کرتا ہے، اقتصادی راہداری کی مخالفت کرتا ہے اور سارک کانفرنس کو سبوتاژ کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ گزشتہ روز جنگی جنون میں مبتلا بھارت نے پاکستان میں سرجیکل اسٹرائیک کا جھوٹا دعویٰ بھی کیا، جسے نہ صرف پاکستانی فوج نے مسترد کیا، بلکہ عالمی ماہرین اور خود بھارتی اپوزیشن نے بھی ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم سے دنیا کی توجہ ہٹانے کی کوشش ناکام ہو گئی تو جنگی جنون میں مبتلا مودی سرکار نے نیا ڈھونگ رچایا۔ رات کے اندھیرے میں کنٹرول لائن پر بلااشتعال گولہ باری اور فائرنگ کی، صبح ہوتے ہی بھارتی فوج کے ڈی جی ایم او نے سرجیکل اسٹرائیک کی بڑھک مار دی۔ بھارتی میڈیا بڑبولے پن میں اور دو، بلکہ چار ہاتھ آگے نکل گیا، جس نے کہا کہ بھارتی فوج لائن آف کنٹرول پار کرکے آزاد کشمیر میں تین کلو میٹر تک اندر آئی۔ بھارتی میڈیا نے اس معاملے میں اتنی مبالغہ آرائی اور غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا کہ کوئی بھی سنجیدہ انسان بھارتی میڈیا پر یقین نہ کر پایا۔ بھارتی میڈیا نے پاکستان میں سرجیکل اسٹرائیک کو بالکل اس طرح پیش کیا جیسے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ سارا واقعہ فلمی دنیا میں پیش آیا ہو۔ خیر بھارتی میڈیا نے تو ایسا کرنا ہی تو کیونکہ جب بھارتی حکومت اور فوج نے بھی جھوٹ کے سارے ریکارڈ توڑ دیے ہوں۔

خالی خولی بڑھکیں، کھوکھلے دعوے، کنٹرول لائن پر آؤٹ آف کنٹرول ہونے کی حسرت لیے بالی وڈ کی فلموں سے متاثر بھارتی فوج کے ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز لیفٹیننٹ جنرل رنبیر سنگھ نے رات کو پاکستانی علاقے میں سرجیکل اسٹرائیکس کا خواب دیکھا، نہ صرف خیالی دراندازوں کے ٹھکانوں پر حملوں کا خیالی پلاؤ بنایا، بلکہ صبح سب کو گرما گرم کھلایا بھی، کنٹرول لائن پر پاکستانی سائیڈ پر بھاری نقصان کی ہوائیاں بھی خوب اڑائیں۔ ڈی جی ایم او نے سرجیکل اسٹرائکس کی دھن پر پبلک کو نچایا تو اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی، اپنی طرف سے نہ صرف فوج کو تین کلومیٹر اندر لے گیا، بلکہ پاکستانی سائیڈ پر 7 ٹھکانے بھی تباہ کر آیا۔ بھارتی میڈیا تو سارا دن روتا گاتا رہا لیکن ڈی جی ایم او صاحب کے پلے ایک بھی ثبوت نہ تھا کہ آخر ایک رات پہلے ہوا کیا تھا، خود بھارتی نیتا اپنی سینا کے دعوؤں کو ٹیڑھی نظر سے دیکھتے رہے۔ ایک صاحب نے تو جلے دل کے پھپھولے سب کے سامنے پھوڑ دیے۔ سرجیکل اسٹرائیکس کے زبانی گولے اور زبان کے مارٹرز پاکستان پر تو کیا گرتے، الٹا بھارتی معیشت کے پر خچے اڑا گئے، اسٹاک مارکیٹ کریش کر گئی اور ایک دم سے 572 پوئنٹس نیچے آ گئے، جبکہ امریکی ڈالر کے مقابلے میں بھارتی روپیہ بھی 50 پیسے گر گیا جس کے بعد بھارتی روپے کی قیمت ہفتے کی کم ترین سطح پر آ گئی ہے۔

حقیقت صرف اتنی ہے کہ ہمیشہ کی طرح بھارتی فوج نے رات کی تاریکی میں سیز

فائر کو گولیوں کی بوچھاڑ سے چھلنی کرنا چاہا تو پاکستانی افواج نے منہ توڑ جواب دے کر طبیعت ہری کردی۔ اسی ناکامی کی خفت چھپانے کے لیے بھارتی فوج نے میڈیا کی مدد سے پبلک کو سرجیکل اسٹرائیکس کے ٹرک کی بتی کے پیچھے لگا دیا۔ بھارتی حکمران پاکستان دشمنی میں بدحواس ہو کر اپنے عوام کو خوش کرنے کے لیے روز نیا ڈرامہ رچاتے ہیں، لیکن ان کی ہر چال ناکامی سے دوچار ہوتی ہے۔ گزشتہ دنوں بھارت نے اڑی سیکٹر پر ڈرامہ رچا کر دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ پاکستان نے یہاں حملہ کیا، لیکن چونکہ بھارت پاکستان کے خلاف کئی ڈرامے رچا چکا ہے جو کہ سب فلاپ ہو چکے ہیں، اس لیے اب کسی کو بھارت پر یقین نہیں آتا، اسی طرح اڑی واقعے کے معاملے پر بھارت کی جانب سے پاکستان پر الزام تراشی پر بھی دنیا نے یقین نہیں کیا، بلکہ کئی ممالک نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ واقعہ پاکستان سے ہونا ممکن نہیں ہے۔ گزشتہ روز بھی بھارت نے پاکستان میں سرجیکل اسٹرائیک کا ڈرامہ رچایا جو پہلے کی طرح بری طرح فلاپ ہوا۔ مودی اور بھارتی فوج کا یہ دعویٰ دیوانے کی بڑھک سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ پاکستان میں سرجیکل اسٹرائیک ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ لائن آف کنٹرول پر قدآور خاردار تاریں نصب ہیں، جن میں شام کے بعد کرنٹ چھوڑ دیا جاتا ہے، جبکہ پاکستان نے طویل میدانی علاقوں میں خندقیں بھی کھودی ہوئی ہیں، وسیع خالی علاقے کے بعد چوکیاں قائم ہیں، اسی طرح پہاڑی علاقوں میں فوج نے بلند و بالا پہاڑوں پر مورچے قائم کیے ہوئے ہیں، اس کے ہوتے ہوئے

بھارت کا سرجیکل اسٹرائیک کا دعویٰ کرنا دھوکے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔
ترجمان پاک فوج کا کہنا ہے کہ سرجیکل سٹرائیک ہوئی تو منہ توڑ جواب دیا جائے گا۔
بھارت نے ایل او سی پر بلا اشتعال فائرنگ کو سرجیکل سٹرائیک کا نام دے دیا۔ پاکستان میں کہیں بھی کوئی سرجیکل سٹرائیک نہیں ہوئی۔ خبر کے مطابق انڈین فورسز نے بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات ایل او سی پر سینز فائر کی دھجیاں اڑاتے ہوئے بھمبر، کیل ہاٹ سپرنگ اور لیپہ سیکٹر میں بلااشتعال فائرنگ اور گولہ باری کی۔ بھارتی فورسز نے لائن آف کنٹرول سے ملحق آبادیوں کو بھی نشانہ بنایا، جس سے کئی مکانات کو نقصان پہنچا۔ دو فوجی جوان شہید اور نو زخمی ہوئے۔ بھارت کی شر انگیزی کا پاک فوج نے موثر جواب دیا، جوابی کارروائی پر بھارتی توپیں خاموش ہو گئیں۔ بھارت کو پاکستان کے خلاف جارحیت بڑی مہنگی پڑی اور جوابی کارروائی میں 14 بھارتی فوجی ہلاک ہو گئے، جبکہ سیکورٹی ذرائع نے بھارتی فوجیوں کے ہلاک ہونے اور ایک کے گرفتار ہونے کی تصدیق کی اور کہا کہ گرفتار بھارتی فوجی کی شناخت 22 سالہ چندو بابولال چوہان کے نام سے ہوئی، جسے نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا گیا۔ بھارتی میڈیا نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ 'غلطی' سے سرحد پار کرنے والے ایک انڈین فوجی کو پاکستان نے گرفتار کر لیا ہے۔ بھارتی میڈیا میں فوجی کی گرفتاری کی خبر نے بھارت کے جھوٹے دعوؤں کی قلعی کھول دی ہے۔

عسکری ذرائع کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ بھارتی فوج کی طرف سے بلااشتعال فائرنگ پر پاکستان کی افواج نے جوابی کارروائی میں چار مختلف سیکٹرز کو نشانہ بنایا۔ ان میں ایک جگہ پر بھارت کے 8 جب کہ دوسری جگہ پر 6 فوجی مارے گئے۔ بھارت نے اشتعال انگیزی کو سرجیکل سٹرائیکس کا نام دے کر میڈیا اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناکام کوشش کی۔ بھارتی حکومت نے اس معاملے میں اتنا واضح جھوٹ بولا کہ خود بھارت کی اپوزیشن نے بھی کئی سوالات اٹھادیے۔ مودی کی جانب سے پاکستانی حدود میں ''سرجیکل سٹرائیک'' کے نام پر رچائے جانے والے ڈرامے پر بھارتی سیاسی جماعتوں کو اعتماد میں لینے کے لیے بلائے گئے اجلاس میں اپوزیشن کے تابڑ توڑ سوالات نے بھارتی حکام کو لاجواب کر دیا۔ ''این ڈی ٹی وی'' کے مطابق مودی حکومت نے لائن آف کنٹرول پر سرجیکل سٹرائیک کے دعوؤں کے بعد فوری طور پر تمام سیاسی جماعتوں اور اہم حکومتی وزراء کا اجلاس طلب کرکے صورتحال پر اعتماد میں لیا، لیکن اس اجلاس میں حزب اختلاف کی جماعتیں حکومت کی بریفنگ سے مطمئن نظر نہیں آئے۔ حزب اختلاف کے رہنماؤں کا کہنا تھا کہ اجلاس میں انہیں بھی اتنی ہی معلومات فراہم کی گئیں ہیں، جتنی میڈیا کو۔ اجلاس میں ہمیں ہمارے سوالوں کا کوئی واضح اور معقول جواب نہیں ملا۔ اس آپریشن اور سرجیکل سٹرائیک میں کتنے دہشت گرد مارے گئے، اس بارے میں بھی حکومت نے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ سرجیکل سٹرائیک کی

صداقت کے لیے کسی تصویر یا ویڈیو کے بارے میں جب سوال کیا گیا تو حکومت کا کہنا تھا کہ رات گئے ویڈیو اور تصاویر بھی دکھائی جا سکتی ہیں۔

دفاعی تجزیہ کاروں نے پاکستان میں سرجیکل اسٹرائیک کے بھارتی دعوے کی سختی سے تردید کی ہے۔ جنرل لطیف کا کہنا تھا کہ سرجیکل سٹرائیک کا دعویٰ جھوٹا ہے، اگر ایسا ہوتا تو اب تک ہم بھارت کے کئی شہر تباہ کر چکے ہوتے۔ اگر بھارتی جہاز پاکستان کی حدود میں داخل ہو جاتے تو ان میں سے کوئی بھی واپس نہ جاتا۔ بھارت اپنے عوام کو مطمئن کرنے کے لیے ایسی بڑھکیں مار رہا ہے۔ سینئر صحافی اور دفاعی تجزیہ نگار زاہد حسین نے کہا کہ اب تک ہندوستانی دعوے کے کوئی ثبوت نہیں مل سکے اور اگر یہ بات ثابت ہو گئی کہ انھوں نے سرجیکل اسٹرائیکس کی ہیں تو پھر دوسری طرف سے جواب کنٹرول سے باہر ہوگا۔ سیکورٹی ماہر حسن عسکری کہتے ہیں کہ ''سرجیکل اسٹرائیک'' کی اصطلاح عام طور پر فضائی آپریشن پر مبنی فوجی کارروائیوں کو بیان کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ یہ زمینی کارروائی تھی سرجیکل اسٹرائیک نہیں تھا، ہندوستانی فوج نے اپنی سرحد سے فائرنگ شروع کی۔ ان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ پاکستانی حدود میں داخل ہو جائیں، کیوں کہ سرحد مکمل طور پر خار دار تاروں سے سیل ہے اور پاکستانی حدود میں داخل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ خار دار تاروں کو توڑا جائے۔ ریٹائرڈ ایئر مارشل شہزاد چودھری کہتے ہیں کہ سرجیکل اسٹرائیک اچانک ہوتا ہے

اور یہ انتہائی مہارت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب ہندوستان اور پاکستان کے درمیان سرحد پر اتنی زیادہ کشیدگی چل رہی ہے کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو اس بات پر یقین کرے گا کہ دہشت گرد ایسی صورتحال میں دراندازی کی کوشش کررہے تھے، سرحد کے دونوں جانب فوجیں ہائی الرٹ ہیں۔ لہٰذا یہ دعویٰ بھی انتہائی غیر معقول ہے۔

اقوام متحدہ میں پاکستان کی مستقل مندوب ملیحہ لودھی نے کہا ہے کہ بھارت مقبوضہ کشمیر میں جنگی جرائم سے دنیا کی توجہ ہٹانے کے لیے سرحدی بحران پیدا کر رہا ہے، پاکستان جنگ نہیں چاہتا، لیکن اگر مسلط کی گئی تو بھرپور جواب دے گا۔ اقوام متحدہ میں پاکستان کی مستقل مندوب ملیحہ لودھی نے بھارتی سرجیکل اسٹرائیک کی تردید کی ہے۔ ملیحہ لودھی نے کہا کہ لائن آف کنٹرول پر بھارت کی بلااشتعال شیلنگ کے دو مقاصد ہیں، ایک وہ دنیا کی توجہ کشمیر کی صورتحال سے ہٹانا چاہتا ہے، دوسرا اندرون ملک اٹھنے والے سوالوں سے بچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جنگی خبط میں مبتلا بھارت کو امریکا نے خبر دار کیا ہے کہ وہ کشیدگی میں اضافہ نہ کرے۔ ترجمان امریکی محکمہ خارجہ جان کربی کا کہنا ہے کہ بھارت کی جانب سے کوئی بھی حملہ کشیدگی میں مزید اضافہ کرے گا۔ چین نے بھی جنوبی ایشیا کی کشیدہ صورتحال پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ چینی وزارت خارجہ کے ترجمان کا کہنا ہے کہ ان کا ملک پاکستان اور بھارت کے ساتھ رابطے

میں ہے۔ دونوں ملکوں کو چاہیے کہ اپنے معاملات پر امن طریقے سے حل کریں۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بان کی مون کے ترجمان نے بھی لائن آف کنٹرول میں کشیدگی کو تشویشناک قرار دے دیا۔ بھارت کی جانب سے لائن آف کنٹرول کی حالیہ خلاف ورزی کے بعد پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانے والے محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے کہاہے کہ روس اور امریکا کی طرح پاکستان اور بھارت ایٹمی ممالک ہیں ، کوئی جنگ نہیں ہوگی ، بھارتی بیانات صرف زبانی جمع خرچ ہیں ، بھارت کی بہت پرانی ایٹمی ٹیکنالوجی جسے دنیا ترک کرچکی ہے جبکہ پاکستان کے پاس جدید ٹیکنالوجی ہے ، پاکستان بھارت کو ایسا نقصان پہنچاسکتاہے کہ وہ برداشت نہیں کرپائے گا۔ بھارت کی جانب سے کنٹرول لائن پر گولہ باری کے بعد تمام سیاسی جماعتوں کے قائدین نے پیغام دیا ہے کہ پاکستان کی حفاظت کے لیے پوری قوم متحد ہے، اگر بھارت نے میلی آنکھ سے بھی پاکستان کی جانب دیکھا تو اس کی آنکھیں نکال دیں گے۔

انتہا پسند بھارت کا بے انتہا جنگی جنون.....پاکستانی سیاسی قیادت یکجا

جنگی جنون میں مبتلا بھارت کئی روز سے لائن آف کنٹرول پر بلااشتعال فائرنگ کرکے پاکستان کو جنگ کی طرف دھکیلنا چاہتا ہے۔ لائن آف کنٹرول پر بھارت کی جانب سے فائرنگ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ آئے روز سیز فائر کی خلاف ورزی کرنا بھارت کا معمول ہے۔ گزشتہ دنوں بھارت نے بارڈر پر بلااشتعال فائرنگ کرکے سرجیکل اسٹرائیک کا ڈرامہ رچایا، جو بری طرح فلاپ ہوگیا، جسے دنیا نے ماننے سے انکار کردیا۔ آزاد کشمیر میں سرجیکل سٹرائیکس کے بھارتی دعوے پر عالمی میڈیا نے بھی شکوک و شبہات کا اظہار کیا۔ دو ممتاز امریکی اخبارات واشنگٹن پوسٹ اور نیویارک ٹائمز کے نمائندوں نے گزشتہ دنوں آزاد کشمیر کے علاقوں بھمبر، چھمب اور سماہنی کے مختلف دیہات کا دورہ کرکے لوگوں سے بھارتی دعوے کے متعلق حقیقت دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے کنٹرول لائن کے ارد گرد بھارتی فوج کی نقل و حرکت تک نہیں دیکھی۔ آزاد کشمیر میں گھسنے یا کسی قسم کے فضائی حملے کا سوال پیدا نہیں ہوتا، جبکہ برطانوی اخبار ڈپلومیٹ نے سرجیکل سٹرائیک کی بھارتی دفاعی صلاحیت پر ہی سوال اٹھا دیا اور اپنے اداریے میں لکھا کہ پاکستان کا دفاعی نظام بہت مؤثر ہے اور کسی بھی ایسے حملوں سے باآسانی نمٹ سکتا ہے۔ جاپانی میگزین دی ڈپلومیٹ میگزین نے بھارت کی جانب سے پاکستان میں سرجیکل اسٹرائیک

کی صلاحیت کا ہی انکار کیا ہے۔ میگزین کے مطابق بھارت کے لیے سرحد پار فضائی حملہ کرنا بہت ہی مشکل ہے، کیونکہ پاکستان کے پاس ایک بہت ہی عمدہ اور ناقابل یقین فضائی دفاعی نظام موجود ہے، جبکہ خود بھارتی سیاستدانوں نے بھی سرجیکل اسٹرائیک کے ڈرامے کو ماننے سے انکار کیا ہے۔ سرجیکل ڈرامہ فلاپ ہونے کے بعد سے بھارت لائن آف کنٹرول پر سیز فائر کی مسلسل خلاف ورزی کرتے ہوئے جنگی ماحول پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کررہا ہے۔ جنگی جنون میں مبتلا بھارتی فوج نے پیر کے روز تین بار لائن آف کنٹرول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بلااشتعال فائرنگ کی، نیزہ پیر سکٹر میں 2 خواتین سمیت 3 افراد زخمی ہو گئے، جبکہ منگل کے روز بھی بھارتی فوج نے ایل او سی پر سیز فائر کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بلااشتعال فائرنگ کی۔ بھارتی فوج کی فائرنگ سے کسی جانی نقصان کی اطلاع نہیں ملی، پاک فوج کی جانب سے بھارتی فورسز کو منہ توڑ جواب دیا گیا۔ بھارتی فوج کی جانب سے گزشتہ 6 روز میں چھٹیبار لائن آف کنٹرول پر سیز فائر کی خلاف ورزی کی جا چکی ہے۔ بھارتی جارحیت کے خلاف ملک کے مختلف شہروں میں مظاہرے کیے جارہے ہیں، جس میں نہ صرف مسلمان شریک ہیں، بلکہ سکھ برادری بھی پیش پیش ہے۔ سیالکوٹ کی سکھ برادری نے جسکرن سنگھ کی قیادت میں بھارت کے خلاف مظاہرہ کیا۔ سکھ رہنماؤں نے مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم پاکستان کے دفاع کے لیے ہر وقت تیار ہیں اور ہم کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے اور فرنٹ لائن پر جا کر مودی کے عزائم کو ناکام بنائیں گے۔ سکھ

برادری نے بھارتی وزیر اعظم مودی کا پتلا نذر آتش کیا اور پاک فوج کی حمایت میں نعرے لگائے۔

پاکستان اور بھارت کے مابین متنازع معاملات کو پاکستان ہمیشہ سے مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کرتا آیا ہے، لیکن ہر بار بھارت کی ہٹ دھرمی اڑے آجاتی ہے۔ پاکستان نے ایک بار پھر بھارت کو مذاکرات کی دعوت دیتے ہوئے کہا ہے کہ ایک دوسرے کے خلاف نہیں، آیئے بات چیت کریں۔ کشمیر دونوں ممالک کے درمیان بنیادی تنازع ہے، جبکہ حالیہ کشیدگی کے بعد پاکستان اور بھارت کے قومی سلامتی کے مشیروں کا رابطہ بھی ہوا ہے جس میں دونوں رہنماؤں نے ٹیلیفونک رابطے میں کنٹرول لائن پر تناؤ کم کرنے کے لیے رابطے پر اتفاق کیا ہے۔ سرتاج عزیز کہتے ہیں کہ بھارت ایل او سی پر کشیدگی پیدا کرکے دنیا کی توجہ کشمیر سے ہٹانا چاہتا ہے، جبکہ پاکستان کی کوشش ہے کہ سرحدی تناؤ کم کرکے کشمیر پر فوکس کیا جائے۔ بھارت مقبوضہ کشمیر میں جاری تحریک آزادی سے بوکھلا گیا ہے، اس لیے لائن آف کنٹرول پر کشیدگی بڑھا رہا ہے۔ بھارت میں متعین پاکستانی ہائی کمشنر عبدالباسط کا کہنا ہے کہ جوہری ماحول میں جنگ کے لیے کوئی جگہ نہیں، لہٰذا دونوں ملکوں کو آپس میں بات چیت کرنا ہوگی، خطے میں امن کے لیے مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کی ضرورت ہے اس مسئلے کو دبایا نہیں جا سکتا۔ بھارت کی طرف سے ایل او سی پر جنگ بندی کی خلاف ورزیوں اور

پاکستان کے خلاف بیان بازیوں کے باوجود پاکستان پرامن مذاکرات کی پالیسی پر کاربند ہے، اگر پاکستان کو دہشت گرد ریاست کہا جائے گا تو پھر تعاون کی کوئی گنجائش نہیں بچے گی۔ امریکا میں متعین پاکستانی سفیر جلیل عباس جیلانی نے امریکی صدر کے نمائندہ خصوصی برائے پاکستان و افغانستان رچرڈ اولسن سے ملاقات کرکے رچرڈ اولسن کو مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم کے دستاویزی ثبوت پیش کردیے ہیں۔ ثبوتوں میں مقبوضہ کشمیر میں بھارت کی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی تفصیلات شامل ہیں۔ جلیل عباس جیلانی کا کہنا تھا کہ حق خود ارادیت کشمیریوں سے اقوام متحدہ کا وعدہ ہے، لہٰذا بھارت اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ عالمی برادری اور امریکا مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم کا نوٹس لے۔ امریکی نائب ترجمان محکمہ خارجہ الزبتھ ٹروڈو نے دونوں ملکوں کو تحمل و برداشت سے کام لینے پر زور دیا ہے اور ان کا کہنا تھا کہ امریکا پاک بھارت کشیدگی کے خاتمے کے لیے دونوں ملکوں کی قیادت سے رابطے میں ہے۔

جب بھارت کا جنگی جنون بے قابو ہوا اور جارحیت کی جانب بڑھتے ہوئے اس کے قدم روکنا ضروری ہوگیا تو پاکستانی فوج کی جوابی کارروائی کے ساتھ سیاسی و پارلیمانی قیادت نے اپنے تمام اختلافات نظر انداز کرکے کشمیر اور بھارتی جارحیت کی روک تھام کے حوالے سے بے مثال یکجہتی کا اظہار کیا۔ بھارتی جارحیت اور جنگی جنون کا جواب دینے کی حکمت عملی پر غور کے لیے سیاسی قیادت پیر کے

روز اسلام آباد میں جمع ہوئی، جہاں سب نے مل کر قرارداد میں تنبیہ کی کہ ہندوستان کی حالیہ بلا اشتعال اور جنگ بندی کی مسلسل خلاف ورزیاں علاقے میں امن اور سلامتی کے لیے خطرہ ہیں۔ قرارداد میں کشمیریوں کی جدوجہد اور اسے کچلنے کے لیے سرحد پار سے دہشت گردی کے ہندوستانی جھوٹے دعووں کی مذمت کی گئی ہے۔ اجلاس کے مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا کہ اگر بھارت نے پاکستان کا پانی روکا تو اسے جارحیت تصور کیا جائے گا، مقبوضہ کشمیر میں نافذ کالے قوانین انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہیں، جب کہ کشمیر سے توجہ ہٹانے کے لیے نہ صرف دہشت گردی کے الزامات بلکہ بھارت کی جانب سے سرجیکل اسٹرائیکس کا بے بنیاد دعویٰ بھی مسترد کرتے ہیں۔ اعلامیہ میں بلوچستان میں بھارتی مداخلت کی بھی مذمت کی گئی اور کہا گیا کہ بھارت کا مذاکرات اور سارک کانفرنس میں نہ آنا افسوسناک ہے، تاہم پاکستانی قیادت کشمیر کو اٹوٹ انگ کہنے کا بھارتی دعویٰ بھی مسترد کرتی ہے۔ کشمیریوں کے حق خودارادیت کے مطالبے کی حمایت کرتے ہیں۔ مسئلہ کشمیر کشمیریوں کے حق خودارادیت کے لیے عوام، سیاسی جماعتیں اور افواج متحد ہیں۔ اجلاس میں شرکت کے لیے پارلیمنٹ کی تمام جماعتوں کے سربراہوں کو دعوت نامے بھیجے گئے تھے، تاہم قومی اسمبلی میں عوامی مسلم لیگ کے واحد رکن شیخ رشید احمد اجلاس میں نظر نہیں آئے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے وفد میں چیئرمین بلاول بھٹو زرداری کے علاوہ خورشید شاہ، شیری رحمٰن اور حنا ربانی شامل تھیں، جبکہ پی ٹی آئی کی جانب سے شاہ محمود

قریشی اور شیریں مزاری نے اجلاس میں شرکت کی۔ اس کے علاوہ سینیٹر اعتزاز احسن، متحدہ قومی موومنٹ پاکستان کے رہنما ڈاکٹر فاروق ستار، جماعت اسلامی کے امیر سراج الحق، جمعیت علمائے اسلام (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن اور پختونخوا ملی عوامی پارٹی کے محمود اچکزئی سمیت دیگر رہنما بھی شریک ہوئے۔ اجلاس میں وفاقی وزیر خزانہ اسحاق ڈار، وزیر داخلہ چودھری نثار اور وزیر دفاع خواجہ آصف بھی شریک تھے۔ مشیر قومی سلامتی ناصر جنجوعہ، مشیر خارجہ سرتاج عزیز بھی اجلاس میں موجود تھے، جبکہ غلام بلور، آفتاب شیرپاؤ، اعجاز الحق اور حاصل بزنجو کو اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ اجلاس میں شرکت کے لیے پارلیمنٹ میں موجود تمام سیاسی جماعتوں کے سربراہان کو مدعو کیا گیا تھا، جس کے دوران سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کو کشمیر اور ایل او سی کی صورتحال پر اعتماد میں لیا گیا۔ اجلاس میں سیاسی جماعتوں کے قائدین نے فیصلہ کیا کہ دنیا کے مختلف ممالک میں وفود بھیجے جائیں جو کشمیر میں بھارتی مظالم سے ان ممالک کو آگاہ کریں۔ سیاسی جماعتوں نے سلامتی کمیٹی کے قیام کا بھی مطالبہ کیا، جبکہ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کمیشن کو بھی وادی کشمیر میں ہندوستان کی جانب سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے آگاہ کیا جائے اور اقوام متحدہ کا ایک وفد کشمیر بھیجا جائے جو وہاں زمینی حقائق کا جائزہ لے۔ اجلاس میں وزیر اعظم نواز شریف کی اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے موقع پر عالمی رہنماؤں سے ہونے والی ملاقاتوں اور اس دوران زیر بحث آنے

والے معاملات پر بھی شرکاء کو بریفنگ دی گئی۔ اجلاس میں یہ بتایا گیا کہ پاکستان کے عوام، تمام سیاسی جماعتیں اور مسلح افواج اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق کشمیریوں کے حق خودارادیت کے لیے متحد ہیں۔ قرارداد میں معصوم کشمیریوں کی مسلسل ہلاکت کو انسانی حقوق اور عالمی قوانین کی سنگین خلاف ورزی قرار دے کر شدید مذمت کی گئی اور بتایا گیا کہ گزشتہ 87 دن میں قابض ہندوستانی فوج نے وادی کشمیر میں خواتین اور بچوں سمیت 110 سے زیادہ معصوم کشمیریوں کو قتل اور پیلٹ گنوں سے 700 سے زیادہ کشمیریوں کو اندھا کر دیا ہے۔ سیکرٹری خارجہ اعزاز احمد چودھری نے اجلاس کو بریف کرتے ہوئے بتایا کہ پاکستان نے مسئلہ کشمیر کو عالمی سطح پر بھرپور انداز میں اجاگر کیا۔

گزشتہ چند روز سے جاری پاک بھارت کشیدگی سے قومی سطح پر نمٹنے کے لیے پارلیمانی جماعتوں کے اجلاس کا انعقاد وقت کی ضرورت بن چکا تھا۔ اسی ضرورت کا ادراک کرتے ہوئے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے تمام قومی سیاسی قائدین کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے بھارت اور پوری دنیا کو پیغام دیا کہ پاکستانی قوم ملکی سلامتی اور مسئلہ کشمیر پر یکجا ہے۔ اپوزیشن سے تعلق رکھنے والے سیاستدانوں نے بھی یہ خوش آیند پیغام دیا کہ سیاسی اختلافات اپنی جگہ، لیکن جب ملکی سلامتی اور بقا کا مسئلہ درپیش ہو تو وہ اس کے لیے

متحد ہو کر ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ وہ اور حکومت کے ساتھ ایک صفحہ پر ہیں۔ تمام سیاستدانوں نے اپنے بیانات دیتے ہوئے یہ واضح کیا کہ وہ مسئلہ کشمیر کو بین الاقوامی سطح پر اجاگر کرنے کے لیے حکومت کا ہر ممکن ساتھ دیں گے۔ تمام سیاسی جماعتوں نے پرجوش انداز میں بھارت پر واضح کیا کہ ہم سب بھارت کے خلاف متحد ہیں، اگر بھارت نے ہمیں آزمانے کی کوشش کی تو منہ کی کھائے گا۔ بھارت کو ایسا سبق سکھائیں گے کہ جس کی مثال نہیں ملے گی۔ حکومت کے ساتھ کئی معاملات پر اختلافات ہونے کے باوجود ہم کشمیر کے معاملے اور کنٹرول آف لائن پر بھارتی جارحیت کے خلاف وزیراعظم کے ساتھ ہیں۔ پاکستان کی سالمیت کے خلاف بھارت کے ناپاک عزائم پوری دنیا پر منکشف ہو چکے ہیں، بھارتی اتحادی امریکا مودی سرکار کو باور کراچکا ہے کہ وہ خطے میں پیدا ہونے والی کشیدگی کا ذمہ دار ہے، اس لیے وہ پاکستان کے خلاف اپنے جارحانہ عزائم سے رجوع کرلے۔ چین، روس، ترکی اور مسلم دنیا کی جانب سے پہلے ہی بھارتی جارحیت کے خلاف پاکستان کی مکمل حمایت اور تعاون کا اعلان کیا جاچکا ہے۔ اسی تناظر میں چین بھارتی دریا کا پانی روک چکا ہے، جو بھارت کے لیے انتہائی تشویش کا باعث ہے، جبکہ ہمیں سب سے زیادہ ضرورت اپنی اندرونی کمزوریوں پر قابو پانے اور ملک میں سیاسی استحکام پیدا کرنے کی ہے۔ اس حوالے سے آل پارٹیز کانفرنس وقت کی اہم ضرورت تھی، جس میں تمام قومی سیاسی قائدین نے بہترین ملکی اور قومی مفاد میں وزیراعظم کی جانب خیر سگالی اور

تعاون کا ہاتھ بڑھایا اور بھارت کو بتلا دیا کہ ہم دشمن کے لیے سیسہ پلائی دیوار ہیں۔

پردھان منتری نریندر مودی کے نام کھلا خط

!جناب نریندر مودی

محترم ! امید ہے کہ آپ پاکستان کے خلاف نت نئی سازشیں بننے میں مصروف ہوں گے۔ آئے روز آپ کے پاکستان مخالف بیانات سے لگتا ہے کہ پاکستان کا خوف آپ پر بری طرح سوار ہے، اسی لیے ہر پلیٹ فارم پر پاکستان کی مخالفت کرنا آپ کا مشن ٹھہرا ہے۔ یوں تو آپ نے ہمیشہ پاکستان کے خلاف جارحانہ بیانات اور بے ڈھنگے الزامات دیے ہیں، لیکن ان دنوں آپ بلاوجہ پاکستان پر جنگ مسلط کرنے کی باتیں کر رہے ہیں۔ گزشتہ دنوں پاکستان میں سرجیکل اسٹرائیک کا ڈراما رچانا اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی، جو نہ صرف فلاپ ہوا، بلکہ خود بھارت کی اپوزیشن نے اس 'ڈرامے'' پر بہت سے سوالات اٹھا دیے، جن کا جواب آپ اور آپ کی فوج کے پاس نہیں ہے۔ رات کے اندھیرے میں کنٹرول لائن پر فائرنگ کرکے بھارتی فوج کے ڈی جی ایم او نے سرجیکل اسٹرائیک کی بڑھک مار دی اور بھارتی میڈیا نے پاکستان میں سرجیکل اسٹرائیک کو بالکل اس طرح پیش کیا، جیسے یہ سارا واقعہ فلمی دنیا میں پیش آیا ہو۔

جناب مودی! بھارت کو پاک فوج سے جنگ کے خواب دیکھنا چھوڑ دینا چاہیے۔ بھارتی فوج پاکستانی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ فوجی

کمانڈروں کے اجلاس میں جنرل دلبیر سنگھ نے واضح الفاظ میں کہا کہ کنٹرول لائن پر پاک فوج سے چھیڑ چھاڑ کا خیال دل سے نکال دینا ہی بہتر ہو گا، کیونکہ کوئی بھی ایڈونچر خود بھارت کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔ اب تو دنیا بھر کے ماہرین بھی کہہ چکے ہیں کہ بھارتی فوج میں وہ دم خم نہیں ہے، جس کا شور مچایا جاتا ہے۔ بین الاقوامی جریدہ اکانومسٹ'' نے لکھا کہ ایک بڑی فوج کا حامل ہونے کے باوجود بھارتی دفاعی اعتبار'' سے اتنا مضبوط نہیں جتنا اسے سمجھا جاتا ہے، بھارت کا بیشتر اسلحہ یا تو بہت پرانا اور ناکارہ ہے۔

مودی جی! بھارت برسوں سے کشمیریوں کی نسل کشی کر رہا ہے۔ اب تک ہزاروں کشمیری بھارتی فوج کے مظالم کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ 8 جولائی کو برہان مظفر وانی کی شہادت کے بعد سے بھارتی فوج مقبوضہ کشمیر میں سفاکیت کی نئی تاریخ رقم کر رہی ہے۔ اس عرصے میں 100 سے زاید شہادتیں، پیلٹ گنوں اور مہلک اسلحے سے آٹھ ہزار کشمیری مفلوج اور معذور ہو چکے ہیں۔ 12,000 سے زیادہ زخمی ہو چکے ہیں۔ بھارتی فورسز اپنا اسلحہ اور کشمیری حریت پسند جگر آزما رہے ہیں۔ لیکن کشمیری آزادی سے کم پر راضی نہیں ہیں۔ بھارت میں آپ کی حکومت بننے سے پہلے ہی متعدد حلقوں نے اس بات کا خدشہ ظاہر کیا تھا کہ مودی کے برسر اقتدار آنے سے سیکولر بھارت کی پہچان کو شدید دھچکا پہنچے گا۔

یہ بات سچ ثابت ہوئی اور آج آپ کی سرکار اپنے داخلی بحران سے آنکھیں چرا کر بھارتی عوام کو جنگی جنون کی طرف دھکیلنے میں مصروف ہے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ خود کو سیکولر بھارت کا باسی کہنے والی اقلیتوں کا جینا بھی حرام کیا ہوا ہے۔ مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ صرف گائے کا گوشت رکھنے کے شبے میں مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ مہمانوں کی عزت کرنا ہر معاشرے میں ضروری سمجھا جاتا ہے، لیکن آپ کے معاشرے میں انتہا پسندی یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بھارت میں موجود پاکستانی مہمان فنکاروں کو بھارت چھوڑنے پر مجبور کیا جا رہا ہے، بلکہ بھارتی انتہا پسندی کی مخالفت کرنے والے بھارتی فنکاروں کو بھی سخت نتائج کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ یہ سب آپ کی انتہا پسندی کا نتیجہ ہے، کیونکہ آپ نے ہمیشہ انتہا پسندی کو فروغ دیا ہے۔

جناب ! آپ کا ماضی انتہا پسندی، تشدد اور مسلم دشمنی سے عبارت ہے۔ اپنی انتہا پسندی کا ثبوت آپ خود اس جنگی جرم کے اعتراف کے ساتھ دے چکے ہیں کہ پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے میں مکتی باہنی کو فنڈنگ بھارت سرکار نے کی اور مکتی باہنی کے ساتھ رضاکار کے طور پر آپ نے خود بھی شرکت کی۔ بابری مسجد کی شہادت اور رام مندر کی تعمیر کے لیے ایڈوانی کی ملک گیر یاترا کا انتظام آپ ہی کے پاس تھا۔ آپ گجرات میں 2001ء میں وزیر اعلیٰ چنے گئے تو گجرات فسادات سے جھلس گیا۔ ایک ہزار سے زاید افراد جان سے گئے۔ اس سانحے پر کبھی معافی

مانگی، نہ ہی اظہار افسوس کیا۔

آپ کا داغدار ماضی سب کے سامنے ہے، لیکن دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کہلوانے والے ملک کا وزیر اعظم بننے کے بعد آپ کو انتہا پسندی اور تشدد کو فروغ دینے کی بجائے پاکستان کی طرح امن اور اعتدال کو فروغ دینے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔ پاکستان نے تمام معاملات ہمیشہ مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن ہر بار آپ کی ہٹ دھرمی اور انتہا پسندی آڑے آ گئی۔ آپ کے پاس پاکستان کے ساتھ ہاتھ ملا کر خطے میں قیام امن کا سنہری موقع تھا، لیکن آپ نے بھارت کو متعصب اور انتہا پسند ہندو اسٹیٹ بنا کر انتہا پسندی اور تعصب کو بڑھاوا دیا ہے، جو پورے خطے کے لیے خطرہ ہے۔

جناب مودی! بھارت کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے۔ آپ کو خطے کے امن کو داؤ پر لگانے کے بجائے اصل مسائل پر توجہ دینا چاہیے۔ بھارت میں غربت پاکستان سے کئی گنا زیادہ ہے۔ ورلڈ بینک کے اعداد و شمار بتلاتے ہیں کہ پاکستان کی 8.3 فیصد آبادی، جب کہ بھارت کی 21.3 فیصد آبادی خط غربت سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے۔

بھارت میں ٹوائلٹ کی کمی بھی ایک سنگین مسئلہ ہے۔ گھر میں بیت الخلا کی سہولت سے محرومی میں بھارت دنیا بھر میں پہلے نمبر پر ہے، جہاں 77 کروڑ 42 لاکھ افراد گھریلو ٹوائلٹ کے بغیر رہتے ہیں۔ کھلی جگہوں میں رفع

حاجت کی وجہ سے پھیلنے والے انفیکشن سے منسلک زچگی اور نوزائیدہ بچوں کی شرح اموات میں اضافہ ہو رہا ہے۔

مودی جی ! بھارت میں خواتین کی عصمت دری کا معاملہ ایک عرصے سے انتہائی سنگین صورتحال اختیار کیے ہوئے ہے۔ بھارت میں 96 فیصد خواتین خود کو غیر محفوظ اور خوفزدہ محسوس کرتی ہیں۔ بھارتی خواتین کو عوامی جگہوں، پبلک ٹرانسپورٹ، خاندانوں اور دفتروں میں ہراساں اور جنسی تشدد کا نشانہ بنانا ایک معمول ہے۔ غیر ملکی سیاح خواتین کے ساتھ بدسلوکی کے کئی واقعات بھی رونما ہو چکے ہیں۔ یہ تو بھارت کے چند اہم مسائل ہیں، جن کا حل نکالنا انتہائی ضروری ہے، ورنہ بھارت کو ان سے اہم بھی کئی مسائل درپیش ہیں۔

جناب ! پاکستان جنگ نہیں چاہتا، بلکہ ہمیشہ پرامن طریقے سے مسائل کا حل چاہتا ہے، لیکن اگر آپ کی انتہا پسندانہ سوچ نے پاکستان کو جنگ پر مجبور کیا تو پاکستانی فوج، تمام سیاست دان، پوری پاکستانی قوم متحد ہو کر دشمن کو عبرت کا نشان بنانے کا اعلان کر چکے ہیں، اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ نہ صرف بھارت کے لیے بہت نقصان دہ ہو گا، بلکہ پورا خطہ اس کے اثرات سے متاثر ہو گا، کیونکہ جنگیں تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں دیا کرتیں۔ لہٰذا خطے میں آگ لگانے کے بجائے آگ بجھانے کی کوشش کیجیے۔ یہی بھارت، پاکستان اور پورے

خطے کے لیے بہتر ہے۔

آپ کا خیر اندیش

محرم الحرام: قیام امن کے لیے ملک بھر میں سیکورٹی سخت کردی گئی

محرم الحرام کو اسلامی و انسانی تاریخ میں نمایاں حیثیت و مقام حاصل ہے۔ اسلامی سال کا یہ پہلا اور محترم اور مقدس مہینہ محبت و امن کا درس دیتا ہے۔ اس اعتبار سے اس بابرکت مہینے کو انتہائی عافیت و سکون کے ساتھ گزرنا چاہیے، لیکن اس کے برعکس ہر سال اس مہینے کی آمد کے ساتھ ہی ملک بھر میں خوف و ہراس کی فضا قائم ہو جاتی ہے اور تخریب کاری کے ذریعے ملک کا امن برباد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سیکورٹی ادارے امن و امان قائم کرنے کی بھرپور منصوبہ بندی اور کوشش کرتے ہیں۔ وطن عزیز پاکستان میں نئے اسلامی سال محرم الحرام کی آمد کے ساتھ ہی امن و امان کے حوالے سے حالات پریشان کن ہو جاتے ہیں۔ حکومتیں، مذہبی و سیاسی جماعتیں اور پاکستان کا ہر فرد ایک انجانے خوف کے احساس سے دو چار ہو جاتا ہے اور ہر زبان پر یہ دعا ہوتی ہے کہ اللہ خیر کرے۔ حکومت نے ملک بھر میں محرم الحرام کو پرامن بنانے کے لیے اپنی سی کوشش کی ہے۔ ملک بھر میں محرم الحرام کے لیے سیکورٹی انتظامات سخت کیے جارہے ہیں۔ ملک بھر میں حکومت نے سیکورٹی کے انتظامات سخت کردیے ہیں۔ حکومت نے سیکورٹی کے فول پروف انتظامات کو یقینی بنانے کے لیے سیکورٹی کا پلان ترتیب دینا شروع کردیا۔ ملک بھر میں مختلف مکاتب فکر کے علمائے کرام کی ایک بڑی تعداد کے محرم الحرام میں اپنے شہروں

سے نکلنے پر پابندی عاید کردی گئی ہے۔ بعض انتہائی حساس قرار دیے گئے شہروں میں 8 سے 10 محرم تک موبائل فون کے استعمال اور ڈبل سواری پر پابندی ہوگی۔ علاوہ ازیں بعض علاقوں میں دفعہ 144 نافذ ہوگی، جس کے تحت 5 یا 5 سے زاید افراد کے جمع ہونے، نفرت انگیز مواد کی تشہیر جس میں کسی بھی فرقے، مذہب یا فرد کی دل آزاری ہو، جذبات مجروح ہوں، ان پر مکمل پابندی ہوگی۔ اسلحہ کی نمائش، آتشیں ہتھیار، لاٹھیوں، ڈنڈوں، چاقو، خنجر، نیزوں، برچھی لانے یا لہرانے کی بھی اجازت نہیں ہوگی۔ انتظامیہ کا کہنا ہے کہ محرم الحرام کے تقدس کے مد نظر ہر مکتبہ فکر کے افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ امن و امان کے قیام میں اپنا مثبت کردار ادا کریں اور انتظامیہ اور پولیس کے ساتھ اپنا تعاون یقینی بنائیں۔

محرم الحرام کے دوران قیام امن کے لیے اسلام آباد پولیس نے بڑے پیمانے پر حفاظتی اقدامات کیے ہیں۔ تمام مکاتب فکر کے علماء و مشائخ اور دانشوروں سے بھی ملاقاتیں کی گئی ہیں، تاکہ محرم الحرام کے ان مقدس ایام میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دیا جائے اور اتفاق رائے سے امن و ہم آہنگی کی فضاء قائم کی جائے۔ مجالس اور جلوسوں کی فول پروف سیکورٹی کے لیے اسلام آباد پولیس کے 10000 پاکستان رینجرز کے اور ایف سی کے 500 افسران و ملازمین ڈیوٹی سرانجام دیں گے۔ آپریشنز 1500 ڈویژن کے علاوہ سپیشل برانچ پولیس،

لاجسٹک ڈویژن، اے ٹی ایس، لیڈی پولیس، ٹریفک اور رینجرز بھی ڈیوٹی سرانجام دیں گے۔ شہر بھر کے داخلی اور خارجی راستوں پر باریک بینی سے تلاشی لی جائے گی۔ اس طرح جلوسوں کی سیف سٹی کیمروں کے ذریعے بھی نگرانی کی جائے گی۔ کسی بھی شخص کو چھت پر جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ چھتوں پر مسلح پولیس اہلکار ڈیوٹی سرانجام دیں گے۔ پولیس کی بکتر بند گاڑیاں خصوصی طور پر کسی بھی ناگہانی صورتحال سے نمٹنے کے لیے موجود رہیں گی۔ تمام افسران کو ہدایات جاری کی گئیں ہیں کہ اسلام آباد پولیس کے تمام ونگز آپس میں مکمل رابطہ رکھیں اور معلومات کا آپس میں تبادلہ کریں۔ اسلام آباد شہر کو بالخصوص جلوس ہائے کے مقرر روٹس مکمل سیل کر دیے جائیں گے۔ جلوس میں گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں کے داخلے پر مکمل پابندی ہوگی۔ جلوس کے راستے میں زیر تعمیر عمارتوں پر خصوصی نظر رکھی جائیگی اور چھتوں پر سپیشل کمانڈوز تعینات کی گئی ہے۔

محرم الحرام کے دوران دہشت گردی کے ممکنہ خدشات کے پیش نظر سیکورٹی کے غیر معمولی اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ پنجاب کے دس اضلاع لاہور، راولپنڈی، ملتان، جھنگ، سرگودھا، گجرات، فیصل آباد، وہاڑی، بہاولپور اور لیہ کو انتہائی حساس قرار دیا گیا ہے، جبکہ صوبہ بھر میں 890 حساس مقامات کی نشاندہی کرکے انہیں کیٹیگری اے، بی اور سی میں تقسیم کرکے سیکورٹی انتظامات کیے گئے ہیں۔ محرم

الحرام میں صوبہ بھر میں سیکورٹی کے لیے ایک لاکھ 40 ہزار پولیس اہلکاروں کی ڈیوٹیاں لگا دی گئی ہیں۔ پولیس نے فیصلہ کیا ہے کہ پولیس و دیگر سرکاری اداروں کی گاڑیوں کی بھی چیکنگ کی جائے گی اور کسی کو بھی جلوس کے راستے یا مجلس میں شناخت کے بغیر داخلے کی اجازت نہیں ہو گی۔ جلوس کے تمام راستوں اور اس سے ملحقہ سڑکوں کو خاردار تاریں اور لوہے کے بیریئر لگا کر بند کر دیا جائے گا اور جلوس میں داخل ہونے کے لیے ایک داخلی اور ایک خارجی راستہ رکھا جائے گا۔ مجالس اور محرم کے جلوسوں کے داخلی وخارجی راستوں پر سی سی ٹی وی کیمرے، میٹل ڈیٹیکٹرز اور واک تھرو گیٹس لگائے جائیں گے۔ جدید آلات سے چیکنگ اور سکریننگ کے علاوہ سراغ رساں کتوں کی مدد لی جائے گی۔ جلوسوں کی خصوصی سیکورٹی کے لیے پولیس، موبائل سکواڈ، ایلیٹ فورس کی گاڑیاں بھی گشت کریں گی۔ جلوس کے روٹ اور وقت کی پابندی کو ہر صورت ممکن بنایا جائے گا۔ حکومت پنجاب نے بھی محرم الحرام کے انتظامات کے لیے پولیس کو خصوصی فنڈ بھی مہیا کر رہی ہے۔ محرم الحرام میں عاشورہ کے جلوسوں اور مجالس کے پرامن انعقاد، علمائے کرام کی سکیورٹی اور دہشت گردی سے بچنے کے لیے پولیس و رینجرز تعینات کرنے کے علاوہ فوج کی خدمات بھی لی جائیں گی اور ضرورت پڑنے پر فوج بلائی جاسکے گی۔ سندھ حکومت نے قانون نافذ کرنے والے اداروں کی سفارشات کی روشنی میں محرم

الحرام میں تین دنوں کے لیے ڈبل سواری پر پابندی اور دس محرم الحرام کو موبائل فون سروس معطل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ذرایع کے مطابق مجالس اور جلوسوں کے راستوں پر پولیس اور رینجرز کی تعیناتی کو حتمی شکل دے دی گئی ہے اور پاک فوج بھی ضرورت پڑنے پر دستیاب ہوگی۔ واک تھرو گیٹس کی تنصیب اور ملحقہ داخلی اور خارجی پوائنٹس کو سیل کرنے کے بھی انتظامات کیے جائیں گے۔ اسکاؤٹس اور رضاکاروں کو بھی چیکنگ کرنے کے حوالے سے خصوصی تربیت دی گئی ہے۔ شہر میں امن امان کے حوالے سے مقامی انتظامیہ، پولیس اور رینجرز کے ساتھ لوکل باڈیز کے نمائندوں سے باہمی رابطے میں ہوگی۔ وزیراعلیٰ سندھ کا کہنا تھا کہ ان دنوں پاک بھارت کشیدگی عروج پر ہے، اس سال محرم الحرام بہت زیادہ حساس ہے، لہٰذا اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام تر ضروری اقدامات کیے جائیں۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں پر زور دیا کہ وہ ان علاقوں پر بھی کڑی نگاہ رکھیں، جنہیں محرم میں دس دنوں کے دوران نارملی کور نہیں کیا جاتا ہے۔ ذرایع کے مطابق محرم کے دوران صوبہ سندھ میں سیکورٹی کے لیے 65780 سے زاید پولیس اہلکار تعینات کیے گئے ہیں، جبکہ آئی جی سندھ نے پولیس کو ہدایات جاری کی ہیں کہ تمام اہم اور حساس علاقوں میں پیٹرولنگ پکٹنگ اور اسنیپ چیکنگ کو انتہائی ٹھوس اور مؤثر بنایا جائے۔ پاکستان رینجرز سندھ اور قانون نافذ کرنے والے دیگر اداروں و انٹیلی جنس ایجنسیوں سے بھی تمام تر روابط کو ہر سطح پر غیر معمولی بنایا جائے تاکہ معلومات کی شیئرنگ کی بدولت

ہر ممکن انسدادی اقدامات بروقت کیے جا سکیں۔

خیبر پختونخوا میں نویں اور دسویں محرم الحرام کے موقع پر پشاور، ڈیرہ اسماعیل خان، ہنگو اور ٹانک کو انتہائی حساس قرار دیتے ہوئے موبائل فون سروس بند رکھنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے وفاق کو مراسلہ بھی بھجوایا گیا ہے۔ ایبٹ آباد اور کوہاٹ میں بھی موبائل سروس بند رہے گی۔ گلگت، سکردو اور استور میں فوج طلب کر لی گئی ہے۔

موبائل فون سروس بھی بند رہے گی۔ راولپنڈی میں بھی موبائل سروس بند رہے گی۔

محرم الحرام میں امن و امان کے قیام کے لیے حفاظتی انتظامات کا جائزہ لینے کے لیے حکومت خیبر پختونخوا کے ایک وفد نے صوبے کے حساس اضلاع ڈیرہ اسماعیل خان اور کوہاٹ کا دورہ کیا اور دونوں اضلاع کے کمشنر آفسز کے جرگہ ہال میں شیعہ سنی اکابرین اور امن کمیٹی کے اراکین سے مشترکہ ملاقات کی۔ صوبائی وفد نے دونوں مکاتب فکر کے اراکین سے محرم میں امن و امان اور باہمی بھائی چارہ برقرار رکھنے سے متعلق تفصیلی تبادلہ خیال کیا اور مختلف تجاویز پر غور وخوض کیا۔ محکمہ داخلہ کے مطابق حکومت بلوچستان نے محرم الحرام میں امن وامان کی صورتحال کو برقرار رکھنے کے لیے سیکورٹی کے سخت حفاظتی انتظامات کا پلان جاری کر دیا۔ کوئٹہ سمیت بلوچستان بھر میں بھی محرم الحرام میں سیکورٹی کے حفاظتی انتظامات مکمل کر لیے گئے ہیں۔ اہم جگہوں پر ایف سی اور پولیس کی بھاری

نفری تعینات کر دی گئی ہے۔ ساتویں اور یوم عاشورہ کے موقع پر محکمہ داخلہ نے کسی بھی ناخوشگوار واقعہ کے پیش نظر موبائل فون سروس بند کرنے کی احکامات جاری کر دیے ہیں۔ ساتویں اور یوم عاشورہ کے دن جلوس گزرنے والے روٹ پر سیکورٹی کے سخت حفاظتی انتظامات کر دیے گئے۔ شہر میں قائم تمام امام بارگاہوں پر بھی ایف سی اور پولیس اہلکاروں کی بھاری نفری تعینات کر دی گئی۔ محکمہ داخلہ کے مطابق سولہ حساس ترین اضلاع سمیت صوبے بھر میں یکم محرم سے دس محرم تک دفعہ ایک سو چوالیس نافذ رہے گی۔ حساس مقامات پر خفیہ کیمرے نصب کرکے سیکورٹی بڑھا دی گئی ہے۔ حکومت نے پولیس ملازمین کی چھٹیاں بھی منسوخ کر دی ہیں۔ کسی بھی ناخوشگوار واقعہ سے نمٹنے کے لیے کوئٹہ ریلوے اسٹیشن پر پولیس نے ہنگامی سیل بھی قائم کر دیا گیا ہے۔

محرم الحرام میں امن کے قیام کے حوالے سے سب سے بڑی ذمہ داری تو حکومت کی ہے کہ وہ اہل سنت اور اہل تشیع کے جلسے جلوسوں کو نہ صرف مکمل تحفظ فراہم کرے، بلکہ ان میں شریک ہونے والے عوام اور واعظین، خطباء، مقررین اور ذاکرین کو بھی اس بات کا پابند بنائے کہ وہ کسی کے مسلک کو چھیڑے نہیں اور اپنے مسلک کو چھوڑے نہیں کے ضابطے کے تحت رہیں گے اور اگر کوئی اس ضابطے کی خلاف ورزی کرتا ہے اور کسی کے مکتب یا مسلک یا مقدس شخصیات کی توہین کرتا ہے تو اس کے خلاف قانون کے مطابق بلا تفریق کارروائی کی جائے گی پھر ذمہ

داری عوام کی ہے کہ وہ ایسے مقررین اور واعظین کا مکمل بائیکاٹ کریں جو عوام کو فساد پر ابھارتے ہیں یا فرقہ وارانہ نفرت پھیلاتے ہیں اور آخری اور بڑی ذمہ داری مذہبی قائدین پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اپنے مکتبہ فکر کے علماء، ذاکرین، واعظین اور خطباء کو اس بات کا پابند کریں کہ وہ کسی کے مسلک اور مقدس شخصیات کی ہر گز توہین نہ کریں، یہ وہ نکتہ ہے جس پر عمل کرنے سے بہت سارے مسائل پیدا ہی نہیں ہوتے۔ جو مسائل مقامی سطح پر مختلف مکاتب فکر کے لوگوں کے درمیان پیدا ہوئے ہوں ان کو انتظامیہ حل کرنے کی کوشش کرے۔ اسلام بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔ امن وامان کا قیام قانون نافذ کرنیوالے اداروں کا کام ہے مگر عوام کا اس میں تعاون از حد ضروی ہے۔ امن وامان کو برقرار رکھنے کے لیے آپس میں بھائی چارہ انتہائی ضروری ہے۔ عوام اس مبارک مہینے میں مکمل بھائی چارے کا ثبوت دیں۔

... درد دل کے واسطے

انسان ایک سماجی حیوان ہے، جس کے لیے معاشرے سے کٹ کر زندگی گزارنا ممکن نہیں ہے۔ ماں کی گود سے لے کر زمین کی گود تک ہر انسان دوسروں کے تعاون کا محتاج ہوتا ہے۔ تمام افراد اسی طرح ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے زندگی کا سفر طے کرتے ہیں، جس طرح کسی دور دراز علاقے کے سفر کے دوران مسافر دوسروں کے ساتھ معاونت کرتے اور ان سے معاونت لیتے ہوئے سفر کو آسانی کے ساتھ گزارتے ہیں۔ زندگی کے طویل سفر کو آسان بنانے کا یہی طریقہ ہے، کیونکہ ضرورت پڑنے پر دوسروں سے تعاون لینا اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور تعاون کرنا انسانی جذبات کا خاصہ ہے۔ باہمی تعاون کی بدولت ہی دنیا کا نظام چل رہا ہے، اگر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی سوچ ختم ہو جائے تو نظام حیات جامد ہو کر رہ جائے گا۔ ماں باپ باہمی تعاون سے ہی ایک نسل اور خاندان کی پرورش کرتے ہیں۔ باہمی تعاون ہی استاد اور شاگرد کے تعلق کو مضبوط بناتا ہے۔ تعاون ہی تو کسی بستی، شہر، ملک اور دنیا کے معاملات کو سلجھانے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ مالک اور ملازم کے باہمی تعاون کی وجہ سے ہی بڑے بڑے پروجیکٹ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ باہمی تعاون ہی معاشروں اور قوموں کو اوج ثریا پر لے جاتا ہے۔ باہمی تعاون

کی بدولت ہی تمام کارخانے، دفاتر، کاروبار اور دنیا بھر کا نظام زندگی چل رہا ہے۔ تعاون صرف انسانی زندگی ہی نہیں، بلکہ پورے کارخانہ قدرت کے چلنے کا باعث ہے۔ اگر انسان سے ہٹ کر اس کائنات کے پورے نظام کا مشاہدہ کیا جائے تو ہر چیز ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتی نظر آتی ہے۔ سورج زمین سے تعاون کرتا ہے تو فصلیں پکتی ہیں۔ پھلوں کی مٹھاس چاند کی روشنی کے تعاون سے ہی ہے۔ ہوائیں بادلوں کے ساتھ تعاون کرتی ہیں تو بارش برستی ہے، اگر لوہے کو آگ کا تعاون حاصل نہ ہو اور لوہا لکڑی سے تعاون نہ کرے تو سارے کارخانے بند ہو جائیں اور ملکوں کی ترقی رک جائے، لیکن سب کچھ بہت سی چیزوں کے تعاون سے ہی چل رہا ہے۔

تعاون باہمی انسانوں کی فطرت کا جز ہے، اگر انسان دوسروں سے تعاون نہ کرے تو اس کا مطلب ہے، وہ اپنی تخلیق کے مقصد سے روگردانی کر رہا ہے۔ دوسروں کے ساتھ ہمدردی، ایثار، قربانی، محبت یہ سب تعاون کی بہترین صورتیں ہیں۔ انسان کا دوسرے انسانوں کے ساتھ تعاون کرنا، ایثار اور قربانی پیش کرنے کا جذبہ ہمیشہ سے اٹل حقیقت رہا ہے۔ ان سچے جذبوں کے اظہار کو ہر ذی روح محسوس کرتا اور ان سے راحت بھی پاتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعاون کرکے انسانیت کی خدمت کرنا ہر انسان کی ازلی خواہش ہوتی ہے، لیکن اس کے اظہار کی ہمت اور استطاعت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی، کیونکہ ذاتی مفادات کی خواہش دوسروں کی خدمت کی

بجائے مفاد پرستی اور خود غرضی کے محور میں چکر لگانے پر آمادہ کرتی رہتی ہے اور یوں انسان اس عظیم مقصد سے دور ہو جاتا ہے، جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا تھا۔

انسانیت ہر جگہ باہمی تعاون، محبت، ہمدردی، ایک دوسرے کے کام آنے اور بھائی چارے سے جڑی ہوئی ہے۔ انسانیت کا رشتہ لوگوں کے دکھوں کو اپنا دکھ سمجھنے، ان کے دکھوں کا مداوا کرنے اور بلا تفریق دوسروں کے کام آنے میں پنہاں ہے۔ دوسروں کے درد کو اپنا محسوس کرنے اور دوسروں کے لیے ایثار ہی اس دنیا کا حقیقی حسن ہے، جن کی بدولت انسانیت کی ایسی بلند و بالا مسند عطا ہوتی ہے، جس پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ تعاون اور ان کی بے لوث خدمت دلوں کو فتح کرنے کا موثر ترین ذریعہ ہی نہیں، بلکہ ایک مقدس فریضہ بھی ہے، جس کی ادائیگی کو اسلام نے اپنے ماننے والوں پر لازم قرار دیا ہے۔ دوسروں کی مدد کی تلقین اور ترغیب تو ہر مذہب میں موجود ہے، لیکن اسلام میں حقوق العباد کی تعلیمات معاشرتی ذمے داریوں اور انسانی فلاح و بہبود کی مکمل رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ صدقہ، خیرات، زکوٰۃ، فطرانہ اور وقف یہ تمام عمل مال اور وسائل کو معاشرے کے محروم طبقات تک پہنچانے کا اہم ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ اسلام نے جا بجا معاشرے کے ضرورت مند افراد کے ساتھ تعاون کے متعدد مواقع فراہم کیے ہیں، جن پر عمل کرنے والے کے لیے عظیم اجر

کا وعدہ بھی کیا ہے۔

ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور وہ بندہ اللہ کا محبوب ہے جو اس کے کنبے کو نفع پہنچائے۔ اسلام کی تعلیمات ساری انسانیت کے لیے خیر اور بھلائی کا پیغام رکھتی ہیں، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین کا لقب دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی پیروی کرتے ہوئے تمام مخلوقات اور تمام انسانوں کے لیے محبت، تعاون اور خدمت کا جذبہ رکھنا چاہیے۔ خدمت خلق کو اللہ تعالیٰ نے اہم درجہ قرار دیا ہے، جس کے بارے میں یہی اِرشاد آیا ہے کہ دوسروں کو خوش رکھنے کی کوشش کرو اور آن کا خیال رکھو۔ خدمت خلق کرنے سے معاشرے میں سدھار آتا ہے اور انسان کو ایسا قلبی سکون حاصل ہوتا ہے، جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح دوسروں کی مدد کرتے وقت دراصل انسان اپنی مدد بھی کر رہا ہوتا ہے۔ امریکی جریدے سائنٹیفک امریکن مائنڈ کے مطابق دوسروں کا درد رکھنے والوں کے دل زیادہ صحت مند ہوتے ہیں۔ انسان کے دل اور شریانوں کی صحت بہتر ہوتی ہے اور دل مختلف امراض سے محفوظ رہتا ہے۔ اپنے نفع کے حصول کے لیے تو ہر کوئی زندگی گزارتا ہے، لیکن زندگی کی اصل چاشنی دوسروں کے ساتھ تعاون کرنے، ان کو نفع پہنچانے اور ان کی تکلیف کو دور کرنے میں پوشیدہ ہے۔ ضرورت پڑنے پر دوسروں کے ساتھ تعاون کرنا ایمان کا تقاضا ہے، جس پر عمل کرنا انسانوں کے لیے بہت سے فوائد کے حصول، محبت و

رواداری، سکون و راحت کا ماحول سازگار کرنے کا ذریعہ ہے۔

اگر ہم اسلامی اصولوں اور ضابطوں پر عمل کرتے ہوئے دوسروں کے ساتھ تعاون کریں تو یہ ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل کے لیے نہایت مفید ہوگا۔ تعمیر انسانیت کے لیے انسان کے دل میں دوسروں کا درد ہونا انتہائی ضروری ہے۔ انسان کو دردِ دل کے واسطے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ انسان کی تخلیق ایک دوسرے انسان کے ساتھ محبت، اخلاق و اخلاص، تعاون، ہمدردی، ایثار اور قربانی پر منحصر ہے۔ ضرورت مند لوگ ہر معاشرے میں ہوتے ہیں اور کوئی یہ دعویٰ بھی نہیں کر سکتا کہ اس پر کبھی برا وقت نہیں آئے گا یا وہ کبھی حاجت مند نہیں ہوگا۔ کچھ پتا نہیں کہ کس پر کب کیسے حالات آ جائیں۔ اگر آج ہم دوسروں کے ساتھ تعاون کریں گے تو کل ضرورت پڑنے پر دوسرے بھی ہمارے ساتھ تعاون کریں گے، اس لیے ہمیشہ دوسروں کے ساتھ تعاون کرنے کو اپنا شعار بنائیں۔ اگر ہر انسان یہ عہد کر لے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق جہاں ضرورت پڑے اور موقع ملے تو دوسروں کی مدد کرے گا۔ مجبور اور ضرورت مند لوگوں کی ضروریات حل کرنے میں مکمل تعاون کرے گا۔ کسی غریب طالب علم کی تعلیم کا خرچ، کسی غریب کی بیٹی کی شادی کا خرچ، کسی بے روزگار کی نوکری کا انتظام، کسی غریب بیمار کے علاج کا انتظام اور ہر ایسا کام کرے گا، جس سے کسی انسان کی ضرورت پوری ہوتی ہو تو یقین کیجیے اس سے دنیا بدل جائے گی۔ دنیا میں نفرتیں ختم ہو کر

صرف محبت کی حکمرانی اور سکون و راحت کا راج ہوگا۔

تحریک انتفاضہ کشمیر: 100 دن بعد بھی بھارتی درندگی رک نہ سکی

بھارت برسوں سے نہتے کشمیریوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے۔ ہزاروں کشمیری عوام حق خود ارادیت کے حصول کے لیے اپنی جانوں کی قربانی دے چکے ہیں۔ عالمی ادارہ کمیشن برائے انسانی حقوق (آئی ایچ آر سی) آزاد کشمیر کی رپورٹ کے مطابق 1989ء سے 30 ستمبر 2016ء تک 27 سال کے دوران بھارتی افواج نے 94,548 کشمیریوں کو شہید اور ایک لاکھ 37 ہزار 469 کو گرفتار کیا۔ 22 ہزار 826 591 خواتین کو بیوہ کیا گیا۔ یتیم بنائے گئے کشمیری بچوں کی تعداد 1 لاکھ، 7 ہزار، ہے، جبکہ بھارتی افواج نے 10 ہزار 717 کشمیری خواتین کو زیادتی کا نشانہ بنایا، جو انسانی حقوق کی شدید خلاف ورزی اور اقوام متحدہ سمیت مسلمان ملکوں کے منہ پر طمانچہ ہے۔ ایک لاکھ 37 ہزار 4 سو 69 افراد کو گرفتار کرکے بھارت کی مختلف بدنام زمانہ جیلوں میں اذیت کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی استعمار سے آزادی کی حالیہ تحریک انتفاضہ کو 100 دن مکمل ہو گئے، وادی بھر میں مظلوم اور نہتے عوام پر بھارتی فوج کے مظالم اور کرفیو کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ 8 جولائی کو حزب کمانڈر برہان وانی کے شہید ہونے کے اگلے روز 9 جولائی سے وادی میں پھیلی احتجاجی لہر کے 100 دن اتوار کو مکمل ہوئے۔ 100 دنوں کی قتل و غارت، مار دھاڑ، افراتفری، اعلانیہ غیر اعلانیہ کرفیو کے دوران کشمیر میں 100 سے

زاید افراد شہید، تقریبا پندرہ ہزار افراد زخمی، 399 آنکھوں کی بینائی سے محروم، کے قریب نوجوان اور سیاسی کارکن گرفتار، 375 پبلک سیفٹی ایکٹ لاگو کرنے 6900 کے بعد جیلوں کو منتقل، 640 سیاسی کارکن اور نوجوانوں پر سیفٹی ایکٹ لاگو کرنے کے لیے فائلیں ڈپٹی کمشنروں کی میزوں پر، 670 بجلی ٹرانسفارمر ناکارہ بنا دیے گئے۔ 15 ہزار رہائشی مکانوں کی توڑ پھوڑ، 270 چھوٹی گاڑیاں، 25 بڑی گاڑیاں وٹریکٹر تباہ، موٹر سائیکل، 25 اسکوٹر، 6 ہائی اسکول، 7 مڈل وپرائمری اسکولوں، 4 پنچایت گھر 30 نذر آتش کر دیے گئے۔ 7 جولائی سے لے کر 15 اکتوبر تک کے 99 دنوں میں وادی کے طول وارض میں قتل و غارت گری، آگ وآہن، مار دھاڑ، افراتفری، اعلانیہ اور غیر اعلانیہ کرفیو نافذ کرنے کے دوران وادی کے طول وارض میں نہ صرف انسانی جانیں ضائع ہوئیں، بلکہ 14 ہزار کروڑ روپے کے خسارے کا تاجروں کو سامنا کرنا پڑا، ٹرانسپوٹروں اور سیاحتی شعبے کو اس مدت میں 30 ہزار کروڑ کے نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔

تحریک انتفاضہ کے 100 دن مکمل ہونے کے باوجود صورتحال کو بہتر بنانے، امن کی فضاء کو قائم کرنے، اعتماد سازی بحال کرنے کے لیے ابھی تک مرکزی حکومت کی جانب سے کسی بھی قسم کا اشارہ نہیں مل پا رہا ہے۔ نامساعد حالات کے دوران 3 بار وزیر داخلہ ریاست کے دورے پر آئے۔ 100 دن گزرنے کے باوجود امن قائم کرنے، حالات کو سازگار بنانے، زندگی کو پٹری پر لانے کے لیے مرکزی

حکومت کی جانب سے کسی بھی قسم کا اشارہ نہیں مل پا رہا ہے، جس سے اس بات کی عکاسی ہوتی ہے کہ مرکزی حکومت وادی کشمیر کے لوگوں کو تھکانے کے منصوبے پر عمل کر رہی ہے۔ کشمیر میں انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والی ایک درجن سے زیادہ تنظیموں کے اتحاد سی سی ایس کے اعداد و شمار کے مطابق بھارتی سیکورٹی فورسز نو ہزار سے زیادہ افراد کو گرفتار کر چکی ہیں۔ کشمیر میں لاگو خصوصی قوانین کے تحت گرفتار ہونے والوں کی اکثریت کو مختلف جیلوں میں بھیج دیا گیا ہے۔ سی سی ایس کی تحقیق کے مطابق پندرہ ہزار زخمی افراد میں سے چار ہزار افراد جن میں اکثریت نوجوانوں کی ہے، ایسے ہیں جن کے چہرے پر چھروں کے زخمی آئے ہیں۔ کشمیر میں نہتے عوام پر چھروں والے کارتوسوں کو چلانے پر ایمنسٹی انٹرنیشنل سمیت دنیا کی انسانی حقوق کی مختلف تنظیمیں شدید تشویش کا اظہار کر چکی ہیں۔ بھارتی حکومت نے یاسین ملک اور میر واعظ جیسے حریت کانفرنس کے سرکردہ رہنماؤں سمیت حریت کے ایک ہزار سے زیادہ رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کیا ہوا ہے۔ ان کے علاوہ ستاسی برس کے سید علی گیلانی اور شبیر احمد شاہ اپنے گھروں پر نظر بند ہیں۔ سی ایس ایس کے سرکردہ رہنما خرم پرویز بھی گزشتہ ایک ماہ سے جموں کی کوٹ بلوال جیل میں قید ہیں۔ ترجمان کل جماعتی حریت کانفرنس کا کہنا تھا کہ برہان وانی کی شہادت نے دنیا کو مسئلہ کشمیر پر سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور کیا۔ دختران ملت نے انسانی حقوق کی عالمی تنظیموں ایمنسٹی انٹرنیشنل، انٹرنیشنل کمیشن آف جیورسٹس اور ہیومن

رائٹس واچ کی طرف سے مقبوضہ جموں وکشمیر میں رائج کالے قانون پبلک سیفٹی ایکٹ پر شدید تشویش کے اظہار کا خیر مقدم کیا۔ کشمیری عوام نے حالیہ تحریک سے ایک بار پھر یہ ثابت کردیا ہے کہ وہ ہر صورت میں بھارت کے مظالم سے نجات حاصل کرکے رہیں گے۔ بھارت کی درندگی کشمیری عوام کو آزادی کے لیے آواز بلند کرنے سے نہیں روک سکتی۔ 8 جولائی 2016ء کے بعد کشمیری نوجوانوں نے گزشتہ تین دہائیوں کے کم عرصے میں تیسرے بڑے انتفادہ کی شروعات کرکے عوامی تحریکات کی تاریخ میں ایک نیا ریکارڈ قائم کر دیا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو دنیا کی ہسٹری میں ایسی کوئی دوسری مثال موجود نہیں ہے جس میں مسلسل تین ماہ تک عوام نے مجموعی طور پر ظلم و جبر اور بنیادی حقوق کی پامالیوں کے خلاف اپنے روز مرہ کے کام کاج کو خیر باد کہتے ہوئے سڑکوں پر نکل کر صدائے احتجاج بلند کیا ہو۔ یہ تین ہی ماہ نہیں ہیں، بلکہ چوتھے مہینے کا نصف ہونے کو ہے اور کہیں پر بھی تھکاوٹ کا دور دور تک کوئی نشان نظر نہیں آ رہا ہے۔ مقبوضہ کشمیر کے گورنر این این وہرا کے نام حریت قیادت نے اپنے مکتوب میں کہا آپ اس بات سے بخوبی واقف ہوں گے کہ کشمیر ایک سیاسی مسئلہ ہے اور اس کو ایک سیاسی حل کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ مسئلہ حل نہیں ہو رہا، اسی لیے پورے خطے میں خوف، بے چینی اور عدم استحکام جیسی صورتحال پیدا ہو گئی ہے۔ اگرچہ یہ مسئلہ بھارت اقوام متحدہ لے کر گیا، جہاں کئی قرار دادیں پاس ہوئیں، جن پر اب تک عمل نہیں ہوا ہے۔

بھارتی فوج کی جانب سے کشمیریوں پر مظالم کے انہتر سال کے بعد تک اس مسئلے کے حل کے سلسلے کی کوششیں جاری ہیں، جس کے لیے کئی فارمولے اور معاہدے ہو چکے ہیں، لیکن بھارت کبھی اس معاملے کے حل میں مخلص نہیں رہا، بلکہ جب بھی اس مسئلے کے بارے میں مذاکرات شروع ہوئے، وہ کوئی نہ کوئی نیا محاذ کھڑا کر دیتا ہے، جس سے کشمیر کا معاملہ کھٹائی میں پڑ جاتا ہے اور پیشرفت رک جاتی ہے۔ سات لاکھ بھارتی فوج وحشیانہ کاروائیوں کی مدد سے کشمیریوں کی آواز دبانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ جبکہ بھارتی میڈیا منفی پراپیگنڈہ پر عمل پیرا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں نہتے مسلمانوں پر بھارتی مظالم پر عالمی امن کے ٹھیکے داروں کی پراسرار خاموشی بھی معنی خیز ہے۔ پاکستان کو شدید ضرورت ہے کہ وہ میڈیا کے ذریعے اصل صورتحال اور سنگینی کے بارے میں دنیا کو آگاہ کرے تاکہ بھارتی میڈیا کا مقابلہ کرکے کشمیری عوام سے موقف کی صحیح ترجمانی ہو۔

کشمیر میں بھارتی مظالم نے دنیا بھر میں بھارت کا بھیانک ومکروہ چہرہ بے نقاب کردیا ہے۔ کشمیر میں بھارت کی سفاکیت نے یہ ثابت کردیا کہ بھارت ایک دہشتگرد ملک ہے، لیکن بھارت اپنی شرمندگی چھپانے کے لیے دنیا بھر میں پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا کرتا ہے، لیکن ہر بار بھارت کو منہ کی کھانا

پڑتی ہے۔ برکس ممالک کے سربراہ اجلاس کے موقع پر بھی بھارت نے پاکستان کو دہشتگرد ثابت کرنے کی کوشش کی، جس میں اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے پاکستان کا نام لیے بغیر ایک مرتبہ پھر اسے دہشت گردی کا محور قرار دیتے ہوئے کہا کہ بھارت کا ہمسایہ دہشت گردوں کی ذہنیت کو فروغ دے رہا ہے۔ ہمیں ایسے ممالک کو ہر صورت میں روکنا ہوگا۔ جنوبی افریقہ، بھارت، برازیل، چین اور روس کے مشترکہ اجلاس میں جاری کیے گئے اعلامیہ میں بھارت کی کوشش تھی کہ اڑی حملے اور پاکستان کی مذمت کی جائے، لیکن چین اور روس کی مخالفت کے باعث بھارتی وزیراعظم نریندر مودی مشترکہ اعلامیہ میں پاکستان کا نام شامل کرانے میں ناکام ہوگئے۔ رکن ممالک نے ہر قسم کی دہشت گردی کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ نظریاتی، مذہبی، سیاسی، نسلی یا لسانی بنیاد سمیت ہر صورت میں دہشت گردی کی مخالفت پر قائم ہیں۔ دوسروں کے لیے گڑھا کھودنے والا خود اس میں گرتا ہے اور بھارت کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ پاکستان کو سفارتی محاذ پر تنہا کرنے کے جتن کرنے والا بھارت خود تنہائی کا شکار ہو رہا ہے۔ برکس اجلاس میں چین اور روس نے پاکستان کے خلاف بھارتی موقف کو مسترد کردیا، جس سے بھارت پریشانی میں مبتلا ہے۔ بھارت کی طرف سے پاکستان کو 'دہشت گردی کا گڑھ' قرار دیے جانے کے بعد چین نے پاکستان کا دفاع کیا ہے۔ چین کی وزارت خارجہ کی ترجمان ہوا چون اینگ سے جب بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کی طرف سے پاکستان سے متعلق بیان

کے بارے میں پوچھا گیا تو اُن کا کہنا تھا کہ ہر کوئی جانتا ہے کہ پاکستان اور بھارت دہشت گردی کا شکار ہیں، پاکستان نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں بہت کوششیں کی ہیں اور قربانیاں دی ہیں۔ میرے خیال میں بین الاقوامی برادری کو پاکستان کا احترام کرنا چاہیے۔ چین اور پاکستان قریبی اتحادی ہیں اور بھارت کے وزیراعظم کی طرف سے بیان کے بعد بیجنگ نے جس طرح اسلام آباد کا دفاع کیا ہے اُسے اہم تصور کیا جا رہا ہے۔ چین کی جانب سے کھلے الفاظ میں یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ بھارت نیو کلیئر سپلائیرز گروپ کی رکنیت کا خواب دیکھنا چھوڑ دے۔ بھارت ایک مدت سے اقوام متحدہ کے نیو کلیئر سپلائرز گروپ کی رکنیت حاصل کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہے تاکہ وہ اپنی ایٹمی قوت میں مزید اضافہ کرسکے، لیکن چین نے بھارت کا خواب چکنا چور کردیا، جبکہ ٹائمز آف انڈیا کی رپورٹ میں حکومتی ذرائع کے حوالے سے دعویٰ کیا ہے کہ برکس اجلاس میں روس نے پاکستان کے خلاف بھارتی موقف مسترد کردیا، جس پر مودی سرکار کافی پریشان ہے۔ روس کی پاکستان کے حوالے سے خاموشی نے مودی سرکار کی نیندیں اڑا دیں اور چین کی بجائے روس نے بھارت کو سب سے زیادہ مایوس کیا ہے۔ برکس اجلاس میں بھارت روس سے پاکستان کے خلاف بیان بازی کروانا چاہتا تھا، لیکن مودی سرکار کے عزائم کامیاب نہ ہوسکے جب کہ برکس اجلاس کے اعلامیہ میں بھی روس نے بھارتی موقف کی تائید نہ کی۔ مشیر خارجہ سرتاج عزیز نے مودی کے اس بیان پر سخت ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے ''برکس

اور بمسٹک'' کے ساتھیوں کو گمراہ کر رہے ہیں، بھارتی قیادت مقبوضہ کشمیر میں اپنے ظلم و سربریت کو چھپانے کی مایوسانہ کوشش کر رہی ہے۔

اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ پاک بھارت کشیدگی کی اصل وجہ مسئلہ کشمیر ہے۔ پاکستان نے کئی بار مذاکرات کے ذریعے دیرینہ مسائل کے حل کی پیشکش کی، تاہم بھارت کی جانب سے اس کا مثبت جواب نہیں دیا گیا۔ مقبوضہ کشمیر میں اب تحریک نوجوانوں کے ہاتھ میں آ چکی ہے، لوگ خود اپنے اوپر ظلم کا بدلہ لے رہے ہیں۔ خطے میں عدم استحکام کی بنیادی وجہ مسئلہ کشمیر ہے، پاکستان بھارت کو بارہا مذاکرات کی دعوت دے چکا ہے، اب جب بھارت خطے میں کشیدگی کو ہوا دے رہا اور پاکستان کے خلاف عالمی سطح پر سازشوں کے جال بن رہا ہے۔ پاکستان نے جب بھی بھارت کو مذاکرات کی دعوت دی تو اس نے کوئی نہ کوئی بہانہ تراش کر راہِ فرار اختیار کی۔ بھارت نے روایتی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ کشمیر اس کا اٹوٹ انگ ہے۔ بھارت خطے میں اپنی بالادستی قائم کرنے کے لیے جدید ترین ہتھیاروں کے انبار لگا رہا ہے۔

حیرت انگیز امر ہے کہ عالمی قوتیں بھی بھارت کے اس جنگی جنون میں اس کا ساتھ دے رہی ہیں۔ ایک جانب بھارت نے اسلحے کی دوڑ شروع کر رکھی ہے جس کے منفی اثرات پورے خطے کی معیشت اور استحکام پر مرتب ہو رہے ہیں تو دوسری جانب پاکستان کو دباؤ میں لانے کے لیے وہ آئے دن سرحدوں پر گولہ باری اور فائرنگ کا سلسلہ شروع کر دیتا ہے۔ 2016

میں اب تک بھارت 90 سے زاید مرتبہ سیز فائر کی خلاف ورزی کرچکا ہے۔ پاکستانی حکومت کو اس معاملے کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے دنیا بھر کے سامنے بھارتی دہشتگردی کو آشکار کرنا چاہیے، تاکہ عالمی برادری پر یہ حقیقت کھلے کہ سیز فائر کی خلاف ورزی اور کشمیر میں دہشتگردی بھارتی کرتا ہے، کشمیر میں نہتے عوام پر مظالم کی حالیہ دردناک داستان اس کا واضح ثبوت ہے۔

ملک میں منشیات کا آزادانہ استعمال..... روک تھام کی سخت ضرورت

نشہ ایک ایسی لعنت ہے جو انسان کو دین و دنیا سے بے خبر اور حواسِ خمسہ سے بے پروا کر دیتا ہے۔ انسانی صحت پر جان لیوا اثرات چھوڑتا ہے اور رفتہ رفتہ انسان موت کی طرف سرکتا چلا جاتا ہے۔ منشیات کے سدِباب کے لیے مختلف ممالک میں سخت قوانین اور سزائیں موجود ہیں۔ سعودی عرب سمیت کئی ممالک میں منشیات سمگل کرنے کی سزا موت ہے۔ منشیات پاکستان اور اس جیسے دیگر ممالک کے نوجوانوں کی زندگی اور قوم کے مستقبل کے لیے بہت بڑا خطرہ ہیں، کیونکہ اس لت میں مبتلا ہونے والے افراد میں نوجوانوں کی بڑی تعداد شامل ہے۔ اس رجحان سے جہاں نوجوانوں کی صحت پر انتہائی مہلک اثرات پڑھ رہے ہیں، وہیں ان کی پڑھنے لکھنے اور کام کرنے کی صلاحیت بھی متاثر ہو رہی ہے۔ تعلیمی اداروں میں منشیات کے استعمال کے باعث طلبہ کی ذہنی صلاحتیں بالخصوص یادداشت بہت زیادہ متاثر ہو رہی ہے۔ بدھ کو سینیٹ کی قائمہ کمیٹی کے اجلاس میں خصوصی مہمان ڈاکٹر ماریہ سلطانہ نے کمیٹی کو بتایا کہ گزشتہ سال اسلام آباد کے 44 نجی اور سرکاری اسکولوں کا سروے کیا، اسکولوں میں 44 سے 53 فیصد بچے کسی نہ کسی منشیات کے عادی ہیں۔ اسلام آباد میں بڑے نجی تعلیمی اداروں کے نصف سے زیادہ بچے اسکولوں میں ہی سرعام استعمال منشیات استعمال کرتے ہیں۔ 8 سال تک کے بھی اکثر بچے منشیات

کے عادی بن چکے ہیں۔ منشیات کے عادی بچوں کو اسامندہ یا ان کے ساتھی بچے منشیات فراہم کر رہے ہیں، منشیات اسکولوں کی کینٹین اور ٹھیلوں سے بھی ملتی ہے۔ سینیٹ کی قائمہ کمیٹی داخلہ میں معاملہ زیر غور آیا تو سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کمیٹی کو پرائیویٹ این جی او سا سی کی سربراہ ماریہ سلطان نے بتایا کہ امیر لوگوں کے زیادہ تر بچے منشیات کے عادی ہو چکے ہیں۔ چیئرمین کمیٹی رحمان ملک کہتے ہیں کہ پاکستان میں ایک کروڑ افراد منشیات کے عادی ہیں، اسلام آباد کے تعلیمی اداروں میں بھی یہ لعنت پہنچ چکی ہے۔ ہر اسکول کو ڈرگ فری سرٹیفکیٹ جمع کرانا ہو گا۔ یہ دہشت گردی سے بڑا مسئلہ ہے۔ سینیٹ کمیٹی کے اجلاس میں چشم کشا انکشافات نے ارکان کے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ کمیٹی نے تمام متعلقہ اداروں سے پندرہ دن میں مکمل رپورٹ کے ساتھ تمام آئی جی، چیف سیکرٹری اور ہوم سیکرٹری کو طلب کرلیا۔ دوسری جانب پاکستان میں شیشہ کیفوں کی تعداد میں دن بدن ہوشربا اضافہ ہورہا ہے جس میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں دیدہ دلیری کے ساتھ شیشے کا استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔ ملک میں شیشے کی روک تھام کے لیے عدالت کی جانب سے حکم دیا جاتا رہا ہے، لیکن تاحال ان احکامات پر عمل نہیں ہو سکا ہے۔ان شیشہ کیفوں کے خلاف جب بھی پولیس کارروائی کرتی ہے تو بااثر شخصیات کے کیفوں پر روٹین کا دورہ کرکے واپس آ جاتی ہے، لیکن نہ تو وہاں سے کسی کو گرفتار کیا جاتا ہے اور نہ ہی کوئی مقدمہ درج کیا جاتا ہے، بلکہ کیفے کی انتظامیہ کو ہوشیار رہنے کا کہہ دیا

جاتا ہے، جس پر شیشہ کیفوں کے مالکان وقتی طور پر کیفے کے عقب میں واقع کھلی جگہوں، خفیہ کمروں یا چھتوں پر شیشے کو منتقل کر دیتے ہیں۔ گزشتہ روز سپریم کورٹ نے شیشہ نوشی کے خلاف از خود نوٹس کیس نمٹاتے ہوئے وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو شیشہ نوشی کلچر کی حوصلہ شکنی کے لیے مربوط مانیٹرنگ نظام قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔

تعلیمی اداروں میں بڑی تعداد میں بچوں کا منشیات کا استعمال کرنا انتہائی خطرناک ہے، جو نہ صرف خود بچوں کے لیے نقصان دہ ہے، بلکہ ان کے والدین اور پورے ملک کے لیے بھی بہت خطرناک امر ہے۔ حکومت کو اس حوالے سے سخت نوٹس لینا چاہیے۔ شیشہ اور دیگر منشیات پر مشتمل مصنوعات بنانے والی کمپنیاں لاکھوں ڈالر ایسے پرکشش اشتہارات پر خرچ کرتی ہیں جن میں نشے کو ایک فیشن کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ کمپنیاں نوجوان صارفین کو خاص طور پر ہدف بناتی ہیں۔ اگر کوئی نوجوان برے دوستوں کی صحبت سے بچ جائے تو اس کے سامنے ان پرکشش مگر مہلک نتائج کے حامل اشتہارات کا جال ہوتا ہے جس سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کسی بھی صورت اپنی منشیات کی صنعت کو زوال پذیر نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس بے رحم مارکیٹ کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ ان کا یہ کاروبار انسانیت کو تباہی کے دہانے کی جانب دھکیل رہا ہے۔ حکومت کو منشیات کے پھیلاؤ کے اسباب کا سدباب ضرور کرنا ہوگا، بصورت دیگر اس کے

بھیانک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، کیونکہ منشیات کا استعمال انتہائی خطرناک ہے، جس سے ہر سال ایک بڑی تعداد جان کی بازی ہار جاتی ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں منشیات کے عادی افراد کی تعداد سات ملین ہے۔ مشہور امریکی جریدے 'فارن پالیسی' کی دنیا بھر میں منشیات کے استعمال سے متعلق ایک خصوصی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں ہر سال ڈھائی لاکھ افراد منشیات کے استعمال کے نتیجے میں موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ پاکستان کی مجموعی آبادی اور اس میں منشیات کے عادی افراد کے تناسب کے لحاظ سے ماہرین کا کہنا ہے کہ حکومت منشیات کی روک تھام کے لیے جتنی بھی کوششیں کر رہی ہے، وہ ابھی تک کافی ثابت نہیں ہوئیں اور ان میں مزید اضافے کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں منشیات استعمال کرنے والے شہریوں کی تعداد کتنی ہے، اس بارے میں وفاقی یا صوبائی حکومتیں کوئی سالانہ اعداد و شمار جمع کرنے کے لیے کوئی ریسرچ نہیں کرواتیں۔ UNODC کے ڈیٹا کے مطابق پاکستان میں منشیات اور نشہ آور ادویات کا غیر قانونی استعمال کرنے والے افراد کی تعداد ستر سے ساٹھ لاکھ ہے اور ان میں بھی سب سے بڑی تعداد پچیس سے لے کر انتالیس برس تک کی عمر کے افراد کی ہے۔ دوسرا سب سے بڑا گروپ پندرہ سال سے لے کر چوبیس سال تک کی عمر کے نوجوانوں کا ہے۔ ان قریب سات ملین افراد میں سے بیالیس لاکھ ایسے ہیں، جو مکمل طور پر نشے کے عادی ہیں۔

پاکستان میں منشیات کا استعمال کتنا بڑا مسئلہ ہے، اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں پچھلے دس سال میں دہشت گردی کے نتیجے میں قریب ساٹھ ہزار افراد مارے گئے، لیکن اس سے چار گنا زیادہ تعداد میں پاکستان ہی میں ہر سال منشیات کی وجہ سے انسانی ہلاکتیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ پاکستان میں منشیات کی روک تھام کے ادارے اینٹی نارکوٹکس فورس کے ترجمان سمیع خان کا کہنا تھا کہ پاکستان میں منشیات کے عادی افراد ہیروئن کا استعمال اور شراب نوشی کثرت سے کرتے ہیں۔ منشیات کے استعمال سے مریضوں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ زیادہ تر افراد اٹھارہ سے پچیس سال تک کی عمر کے نوجوان ہوتے ہیں، جن کا تعلق امیر گھرانوں سے ہوتا ہے۔ والدین بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے وقت دینے کی بجائے انہیں بے تحاشا پیسے تھما دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ غربت، دہشت گردی، ناانصافی اور ملکی حالات بھی منشیات کے استعمال میں اضافے کے رجحان کے بڑے اسباب ہیں۔ نوعمر افراد متجسس ہوتے ہیں اور اسی تجسس میں وہ نشہ آور اشیا استعمال کرتے ہیں، جن کے وہ بعد میں عادی ہو جاتے ہیں۔ شیشہ، منشیات، تمباکو نوشی، شراب نوشی وغیرہ یہ سب چیزیں انسان کیلئے جان لیوا ثابت ہوتی ہیں۔ یہ سب چیزیں پھیپھڑوں کی مستقل بیماری اور دل کے امراض کا بھی سبب بنتی ہیں۔ منشیات کے استعمال سے کئی نئے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں جیسے کہ جلد کی خرابی، سانس کی بیماریاں، کپڑوں اور بالوں میں بدبو، کھیلنے کی صلاحیت میں کمی اور زخمی ہونے کا خطرہ زیادہ

ہوتا ہے۔ منشیات کا استعمال جوڑوں کو آپس میں باندھنے والے ریشوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ شراب نوشی سے جسم کی اعضاء کی ہم آہنگی ختم ہونے لگتی ہے، اندازہ کرنے کی صلاحیت میں کمی آجاتی ہے، جسم میں سستی آجاتی ہے، نگاہ اور یاداشت میں کمی آجاتی ہے اور کچھ نہ یاد رہنے جیسے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ اخبارات اور دیگر ابلاغی ذرائع کو اس حوالے سے انسانیت دوستی اور ماحول دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے منشیات کی حوصلہ شکنی پر مبنی تحریریں اور ڈاکیومنٹریز چلانی چاہئیں۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کے سرگرمیوں پر نظر رکھیں اور اگر اچانک ان کی صحت میں منفی تبدیلی یا تعلیمی کارکردگی میں کمی محسوس کریں تو فوراًاس کی وجہ جان کر مسئلہ کو شروع ہی میں حل کر دیں۔

دوسری جانب سندھ ہائی کورٹ نے سندھ بھر میں شراب کی دکانوں کو بند کرنے کا حکم دے کر احسن اقدام کیا ہے۔ پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی سمیت سندھ بھر میں شراب کی دکانوں سے متعلق کیس کی سماعت کے دوران سندھ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس جناب جسٹس سجاد علی شاہ نے ڈائریکٹر جنرل ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن کو حکم دیا کہ وہ صوبے میں موجود تمام میخانوں کے اجازت ناموں کا ازسرنو جائزہ لیں اور ان میں سے جو بھی حدود آرڈیننس 1979 کی خلاف ورزی کے مرتکب ہیں انھیں دو روز کے اندر بند کیا جائے۔ ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل سندھ مصطفٰی ممیسر کے مطابق پاکستان میں میخانوں کے لائسنس حدود آرڈیننس کی دفعہ 17 کے تحت جاری

کیے جاتے ہیں جس میں یہ صاف لکھا ہوا ہے کہ یہ اجازت نامے صرف غیر مسلموں کو ان کے مذہبی تہوار کے موقع پر شراب فراہم کرنے کے لیے ہیں۔ عدالت میں ڈی جی ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن شعیب احمد صدیقی کی جانب سے میخانوں کے لائسنس کے اعداد و شمار جمع کروائے گئے جس کے مطابق صرف کراچی میں 120 سے خانے موجود ہیں جس میں صرف ضلع جنوبی میں 24 سے خانے ہیں۔ ادھر کیس میں ہندہ اور مسیحی برادری سے تعلق رکھنے والے افراد نے بھی مقدمے میں فریق بننے کی درخواست دائر کی ہے۔

درخواست میں شراب کی تیاری پر پابندی کا مطالبہ کیا گیا۔ آتم پرکاش وفاقِ ہائے ایوانِ صنعت و تجارت کی اقلیتی کمیٹی کے سربراہ ہیں اور ہندو ہیلپ لائن نامی تنظیم کے صدر بھی ہیں۔ انھوں نے کرسچین ہیلپ لائن کے سلیم مائیکل کے ساتھ مشترکہ طور پر درخواست کی ہے کہ مسیحی اور ہندو مذہب بھی نشہ کرنے اور شراب کے استعمال کی اجازت نہیں دیتا، اس لیے اقلیتوں کے نام پر شراب کی فراہمی بند کی جائے۔ انھوں نے کہا کہ اگر کچھ مسلمان شراب پینا چاہتے ہیں تو پئیں مگر ہمیں بدنام نہ کریں کیونکہ جب ملازمت کی بات آتی ہے تو اقلیتوں کا کوٹہ 5 فیصد مخصوص ہوتا ہے مگر شراب 100 ہمارے نام پر ملتی ہے۔ بااثر افراد اور سیاستدانوں نے اپنے غیر مسلم ملازمین کے ناموں پر شراب کے لائسنس حاصل کر رکھے ہیں۔

پاکستانی قانون میں شراب پر پابندی بھی عائد ہے، لیکن اس کے باوجود روز

بروز ملک بھر میں شراب کا کاروبار دن دگنی رات چگنی ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ آئے روز اخبارات کی زینت بننے والی خبروں میں پڑھتے ہیں کہ کچی شراب پینے سے اتنے افراد مر گئے۔ اسلامی و قانونی طور پر جرم ہے مگر پھر بھی اس طرح کی خبریں قانون نافذ کرنے والے اداروں کی نااہلی نہیں تو کیا ہے؟ اس ضمن میں سندھ ہائیکورٹ قابل ستائش ہے بلکہ مبارک کی مستحق ہے، جس نے فوری طور پر تمام شراب خانوں کو بند کرنے اور شراب خانوں کے لائسنسز کو قانون کے مطابق ری چیک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سالہا سال سے اقلیتوں کے نام پر مسلم آبادی میں شراب کا کاروبار چمکتا اور پروان چڑھتا رہا لیکن کسی کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی، کسی نے سوچا نہ نوٹس لیا کہ جو کچھ ہو رہا ہے، اس کو کیسے روکا جائے۔ اگر چیف جسٹس سندھ ہائیکورٹ حدود آرڈیننس اور شراب خانوں کے اجراء کے لیے سیکشن سترہ سامنے نہ لاتے تو شراب ہمارے معاشرے میں سرایت کرتی جاتی، جس کی اسلام میں سختی سے ممانعت ہے۔ شراب کا کاروبار صرف کراچی میں ہی نہیں بلکہ پورے ملک میں آزادی کے ساتھ کیا جارہا ہے جس پر سخت پابندی کی ضرورت ہے، حکومت کا اس معاملے میں سختی اقدامات کرنا ہوں گے۔

آپ کیوں لکھتے ہیں؟

کوئی بھی لکھاری دیگر فنکاروں اور ہنر مندوں کی طرح ایک تخلیق کار، فنکار اور ہنر مند ہی ہوتا ہے، جو معاشرے کی تصویر کو اپنے خیالات، نظریات اور فکر کے ذریعے قلم کی زبان عطا کر کے الفاظ کے روپ میں ڈھالتا ہے۔ وہ جو دیکھتا اور سوچتا ہے، اسے الفاظ کے ذریعے دوسروں کے ذہن پر ثبت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسے ایسا کرنے پر اس کا احساس مجبور کرتا ہے۔ لکھنے کا تعلق جبر سے نہیں، بلکہ تخلیق کار کی تمنا، آرزو، خواہش، مرضی و منشا، شوق اور اس کے جذبات و احساسات سے ہوتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں لکھاری شوق کے باعث بھی لکھتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ان کو اچھا خاصا معاشی فائدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے، جو انھیں لکھنے پر اکساتا ہے۔ یہی وجہ ہے ترقی یافتہ ممالک میں پیشہ ور لکھاری اپنا تمام وقت تصنیف و تالیف کے لیے وقف کر دیتے ہیں اور اس سے بہت کچھ کماتے ہیں۔ یورپ میں کتابوں کی اشاعت کے ابتدائی دور میں پیشہ ور لکھاریوں کی آمدنی کا دارومدار لکھنے پر ہوتا تھا۔ یورپ اور امریکا میں پیشہ وارانہ تحریروں کی روایت بہت پہلے قائم ہو چکی تھی۔

آج بھی مغربی ممالک میں کوئی لکھاری خود کو بے آسرا محسوس نہیں کرتا، لکھنے

کا فن ہی اس کی روزی روٹی کا سامان کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے، کیونکہ وہاں پیشہ ور لکھاری اپنی تحریروں کے ذریعے اتنی آمدنی پا لیتا ہے جس سے وہ اپنا گھر چلا سکے۔ جب ول ڈیورانٹ کی کتاب ''داستان فلسفہ'' کو مقبولیت ملی تو مصنف نے تدریس کا شعبہ چھوڑ کر کل وقتی لکھاری بننے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ڈیورانٹ اور اس کی اہلیہ اپنا تمام وقت لکھنے میں صرف کرنے لگے اور انھوں نے اپنی کتابوں سے حاصل ہونے والی رائلٹی کی بدولت آرام دہ زندگی گزاری۔ مشہور مغربی مصنف رابرٹ شیلر نے مغربی ادب و شعور کی منظر کشی کچھ یوں کی کہ یہاں سب سے باعزت پیشہ قلمکاری سمجھا جاتا ہے۔ حکومت مصنفین کو کبھی معاشی دباؤ کا شکار نہیں ہونے دیتی۔ عوام کا ادبی ذوق بھی ہمارے شوق کو پروان چڑھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنا تحقیقی و تخلیقی کام مطمئن طریقے سے کر پاتے ہیں۔ بلاشبہ مغرب کی ترقی کے پیچھے اہل قلم کا بڑا ہاتھ ہے۔ پاکستان کا معاملہ ترقی یافتہ ممالک سے یکسر مختلف ہے۔ یہاں دولت مند اور بااثر انسان کے سوا کم ہی لوگوں کو علم، فن اور ان کی صلاحیتوں کے مطابق اہمیت دی جاتی ہے۔ عزت و مرتبے کا معیار وہ نہیں جو ایک باشعور قوم میں ہوتا ہے، بلکہ یہاں انسان کو اس کی دولت اور طاقت کے ترازو میں تولا جاتا ہے۔ ایک لکھاری کسی بھی معاشرے کا چہرہ ہوتا ہے، جو مشاہدے کی طاقت سے معاشرے اور اس میں ہونے والے تمام افعال کو الفاظ کی تصویر پہناتا ہے۔

لکھاریوں کی اکثریت خود کو بے لوث معاشرے کے لیے وقف کیے رکھتی ہے، جس بنا پر یقیناً ان کو بہت ہی معزز اور قوم کا فخر ٹھہرنا چاہیے، لیکن یہاں معاملہ جدا ہے۔ ایک ادیب، لکھاری اور دانشور سے زیادہ اہمیت دھاندلی اور طاقت کے زور پر برسراقتدار آنے والے سیاست دان کو دی جاتی ہے، جب کہ یورپ و امریکا میں سیاست دان کو صرف خادم ہی سمجھا جاتا ہے اور ایک دانشور اور رائٹر کو ان سے زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ یہی سوچ بحیثیت مجموعی ہماری پوری قوم کی علم و فن اور مطالعے سے دوری کا پتہ دیتی ہے اور یورپ کی ترقی اور ہماری تنزلی کے اسباب کو بیان کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہاں ایک لکھاری کو وہ کچھ حاصل نہیں ہوتا جو کچھ حاصل ہونا چاہیے۔ پاکستان میں اگر کوئی شخص پیشہ ور لکھاری بننے کی جرات کر ہی لے تو اسے نا صرف مالی مشکلات کا سامنا رہتا ہے، بلکہ معاشرے کے دیگر طبقات اسے بے کار شعبے میں بھٹکتا غیر مفید شخص گردانتے ہیں۔ لکھاری اور پبلشر کے تعلقات بھی خوشگوار نہیں رہتے۔ محنت اور جدوجہد سے لکھتا تو لکھاری ہے، لیکن دولت پبلشر کماتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں تمام تر ناموافق حالات کے باوجود لکھاری ضرور لکھتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ ایک ایسا معاشرہ جہاں سیاسی و مذہبی جماعتیں اپنے جلسے جلوسوں پر کروڑوں اربوں روپے تو اڑا دیتی ہیں، لیکن قوم کے باصلاحیت، تخلیقی ذہن کے مالک اور تعلیم یافتہ افراد، لکھاریوں، ادیبوں اور

آرٹسٹوں کی زندگی میں کوئی آسانی لانے کی کوشش نہ کرتی ہوں۔ جس معاشرے میں لاکھوں مداح رکھنے والے سرائیکی زبان کے ادیب شاکر شجاع آبادی کے پاس علاج کروانے کے لیے پیسے نہ ہوں اور وہ بے بسی کی تصویر بنا چارپائی کے ساتھ لگا ہو، لیکن نزلہ وزکام کی وجہ سے بھی بیرون ملک جا کر قوم کی دولت سے علاج کروانے والے مکر وفریب کا عملی نمونہ حکمرانوں کو اس عظیم تخلیق کار کا علاج کروانے تک کی توفیق نہ ہو، تو ایسے معاشرے میں ایک سوال ہر لکھاری کے سامنے ہاتھ باندھے آ کھڑا ہوتا ہے کہ جناب معاشرہ آپ کا ساتھ دینے کو تیار نہیں۔ حالات آپ کے موافق نہیں۔ سچ لکھنا اور بہت سے مکروہ چہرے بے نقاب کرنا بھی آپ کے لیے آسان کام نہیں ہے، اس کے باوجود آپ کیوں قلم تھامے ہوئے ہیں؟ کیوں چلتے پھرتے لکھنے کے لیے کچھ نئے کی تلاش میں ہوتے ہیں؟ آخر کیا چیز آپ کو لکھنے کے لیے بے چین کیے رکھتی ہے؟ ہر لکھاری کو ان سوالات سے ضرور واسطہ پڑتا ہوگا۔ ہر لکھاری کے ذہن میں اس کے جوابات بھی مختلف آتے ہوں گے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایک جواب سب کے ذہن میں مشترک ہوتا ہے۔

آپ کیوں لکھتے ہیں؟ اس سوال کا شاید اس سے بہتر جواب کوئی نہ ہو کہ ایک لکھاری کو لکھنے سے جو بے پناہ خوشی میسر آتی ہے، اس کو ایک لکھاری ہی محسوس کر سکتا ہے اور یہی مسرت مسلسل قلم ہاتھ میں تھامے رکھنے پر مجبور کیے رکھتی ہے۔ لکھنا احساسات کا نام ہے۔ اپنے ان احساسات کا اظہار کرکے

اسے ذہنی اور قلبی راحت میسر آتی ہے۔ جس طرح ایک مصور اپنا شاہکار تخلیق کرنے کے بعد اطمینان اور خوشی محسوس کرتا ہے، اسی طرح ایک لکھاری اپنی تخلیق کو کاغذ پر بکھرا دیکھ کر دلی خوشی محسوس کرتا ہے اور یہی وہ جذبہ اور احساسات ہوتے ہیں جو ایک لکھنے والے کو آیندہ بھی لکھتے رہنے پر مجبور کرتے ہیں۔

لکھنے کی یہی بے پناہ خوشی اسے مسلسل لکھنے پر اکساتی رہتی ہے۔ تحریر سے حاصل ہونے والی راحت، مسرت اور تسکین ہی حالات موافق نہ ہونے کے باوجود بھی مسلسل لکھنے پر مجبور کرتی رہتی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ بہت سے لکھاری دل کی آواز نہیں لکھتے، جس سے ان کو دلی خوشی میسر آئے، بلکہ لوگوں کی واہ واہ سمیٹنے کے لیے وہی کچھ لکھتے ہیں، جو پڑھنا لوگ پسند کریں، چاہے وہ لکھاری کی سوچ سے میل نہ کھاتا ہو۔ جو مذہب و سیاست کو بنیاد بنا کر ایسی تحریریں لکھتے ہیں جن کو عوامی حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہو، تاکہ ان سے تنازعات جنم لیں اور لکھاری کو شہرت حاصل ہو۔

ایسے لکھاری یقیناً قوم سے خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں، کیونکہ ایک رائٹر ایک مصلح ہوتا ہے، جو عوام کی واہ واہ سمیٹنے کی خاطر ان کی غلط خواہشات پر نہیں چلتا، بلکہ عوام کو درست راستے کی رہنمائی کرتا ہے، چاہے عوام کو

رائٹر کی بات کتنی ہی تلخ کیوں نہ لگے۔ اس قافلے میں چاہے کتنے ہی مفاد پرست شامل ہو گئے ہوں، لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت برقرار ہے کہ اکثریت ایسے لکھاریوں کی ہے جو صرف اس لیے لکھتے ہیں کہ ان کو لکھنے سے انمول خوشی میسر آتی ہے، جس کو صرف ایک لکھاری ہی محسوس کر سکتا ہے۔

خاتون صحافی کے منہ پر تھپڑ کی حمایت نہیں کی جاسکتی !

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خاتون صحافی کا رویہ محلے کی کسی ماسی سے بھی زیادہ جارحانہ، غیر ذمہ دارانہ اور نامناسب تھا، اس نے صحافتی اصولوں کی دھجیاں اڑائیں، زبردستی موقف دینے پر مجبور کرنا اور موقف نہ دینے پر کسی کو کیمرے کے سامنے ذلیل و رسوا کرنے کو کسی بھی رخ سے دیکھا جائے تو یہ سراسر صحافتی اصولوں کی خلاف ورزی ہے۔ صحافتی اصولوں کی خلاف ورزی نہ تو پہلی بار ہوئی ہے اور نہ ہی آخری بار ہوئی۔ ریٹنگ کے چکر میں آئے روز صحافی حضرات اس قسم کے نمونے پیش کرتے رہتے ہیں، جن کی کسی طور بھی حمایت نہیں کی جاسکتی۔ ریٹنگ کے خبط نے عام رپورٹر سے لے کر لاکھوں ناظرین کے سامنے بیٹھے معروف اینکرز تک کو ضرورت پڑنے پر صحافتی اصولوں کی دھجیاں اڑانے پر مجبور کیا ہوا ہے، جو صحافتی تنظیموں، صحافتی گروپس کے مالکان اور معتبر صحافتی شخصیات کی جانب سے ادنی سے اعلیٰ ہر صحافی کی تربیت کے لیے آواز بلند کرنے کی ضرورت و اہمیت کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر اس جانب توجہ نہ دی گئی تو انہیں غیر ذمہ دارانہ رویوں کی وجہ سے صحافتی برادری معاشرے میں اپنا بچا کھچا وقار بھی کھو بیٹھے گی، لیکن اس سب کچھ کے باوجود کراچی میں خاتون صحافی کے منہ پر ایک مرد پولیس اہلکار کے تھپڑ کی کسی طور بھی حمایت نہیں کی جاسکتی۔ غلطی خاتون صحافی نے کی تھی،

لیکن اس کے بدلے میں پولیس اہلکار نے بھی غلطی کا ارتکاب کیا اور تمام اصول و ضوابط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک خاتون کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔

اس معاملے میں میرے لیے حیرت کا باعث ان لوگوں کا رویہ ہے، جو خاتون صحافی کو لعن طعن اور پولیس اہلکار کو سلام پیش کر رہے ہیں، حالانکہ غلطی کا ارتکاب دونوں نے کیا تو اس پر سرزنش بھی دونوں کی ہونی چاہیے۔ خاتون صحافی کو پڑنے والے تھپڑ کے حامیوں کا موقف ہے کہ اس نے غیر ذمہ دارانہ رویہ اپنایا، اس لیے اس کو تھپڑ ہی پڑنا چاہیے تھا۔ یاد رکھیے اگر غیر ذمہ دارانہ رویے کو بنیاد بنا کر کسی کو تھپڑ مارنے کی اجازت دی جانے لگے تو معاشرے میں کوئی بھی تھپڑ کھانے سے محفوظ نہیں رہے گا، کیونکہ یہاں مذہب سے لے کر سیاست تک، عوام سے لے کر حکومت تک، نیچے سے لے کر اوپر تک شاید گنتی میں ہی ایسے افراد ملیں، جو مکمل طور پر اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہوں اور غیر ذمہ دارانہ رویے نہ اپنائے ہوئے ہوں۔ اگر غیر ذمہ دارانہ رویے پر ہر کسی کو تھپڑ مارے جانے لگیں تو منبر و محراب کا غلط استعمال کرکے مختلف فرقوں کو دست و گریباں کرانے والے، غلط فتوے دے کر بے گناہ لوگوں کے خون بہانے کا جواز فراہم کرنے والے بھی تھپڑوں سے محفوظ نہیں رہیں گے۔ اگر یہ اجازت دے دی جائے تو عوام کو الو بنانے والے سیاست دانوں، قوم کا پیسہ لوٹ کر اپنے بینک اکاؤنٹس بھرنے والے اور مختلف منصوبوں کے نام پر بے انتہا

کرپشن کرنے والے حکمرانوں کو بھی تھپڑ لگنے چاہیے۔ جھوٹے پولیس مقابلوں میں بے گناہ لوگوں کو قتل کرنے، چھوٹی چھوٹی بات پر عوام سے رشوت لے کر انہیں تنگ کرنے اور بااثر شخصیات کے گھر کی لونڈی بنی پولیس کو بھی تھپڑ لگنے چاہیے۔ سب سے بڑھ کر سوشل میڈیا پر غیر ذمہ دارانہ رویہ اپناتے ہوئے تعصب، نفرت اور اشتعال کو جنم دینے والے افراد کو بھی تھپڑ لگنے چاہیے۔ اگر خامیوں پر تھپڑ مارنے کا کسی کو اتنا ہی شوق ہے تو کسی بااثر کرپٹ شخصیت پر ہاتھ اٹھا کر دیکھے۔ ملک میں کس جگہ اور کسی شہر میں کرپٹ لوگ نہیں ہیں؟ لیکن ان پر کوئی ہاتھ نہیں اٹھاتا، کیونکہ معلوم ہے ان پر ہاتھ اٹھائیں گے تو اگلے روز کسی کیس میں الجھ کر انہیں بااثر شخصیات کے اشاروں پر چلنے والی پولیس کے مہمان ہوں گے۔

مانا خاتون صحافی نے صحافت کے اصولوں کی خلاف ورزی کی، لیکن کیا تھپڑ کی حمایت کرنے والے لوگوں کے بھی کچھ اصول ہیں کہ نہیں؟ کیا حمایت کرنے والے اپنے اصولوں کی خلاف ورزی نہیں کر رہے؟ خواتین کے احترام کے بھی کچھ تقاضے ہیں کہ نہیں؟ کیا انسانیت مرد کے مقابلے میں خاتون کو کچھ اضافی احترام دیتی ہے کہ نہیں؟ چلیے انسانی قوانین کو بھی ایک طرف رکھتے ہیں۔ یہ جو ہر وقت یہ کہتے نہیں تھکتے کہ اسلام نے عورت کو ہر جگہ عزت دی ہے۔ احترام دیا ہے۔ کیا یہ صرف کہنے کی حد تک ہے؟ اسلام ہمیشہ عورت کی حفاظت کرتا ہے تو

بتایئے کیا اس خاتون صحافی پر تھپڑ کی حمایت کے معاملے میں اسلام اور اسلام کے ضابطے یاد نہ آئے؟ اسلام تو جنگ کے اندر بھی عورت پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا، لیکن افسوس! آپ لوگ صرف ایک غلطی پر خاتون پر تھپڑ کو جواز فراہم کر رہے ہیں۔ بعض نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ عورت اسی وقت تک معزز ہے، جب تک وہ مردوں کی عزت کرے اور عورت بن کر رہے۔ اگر وہ مردوں کے شانہ بشانہ چلے تو اس کا احترام ختم ہو جاتا ہے۔ میں تمام علمائے کرام اور مبلغین اسلام سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا اسلام ایسا کوئی حکم دیتا ہے کہ اگر عورت مردوں کی برابری کرنے لگے تو اس کا احترام بھی ختم ہو جاتا ہے؟

جو صحافی عورت کے تھپڑ کی مخالفت کرنے والوں کو یہ کہہ رہے ہیں کہ ان کو صحافت کا کچھ پتا نہیں۔ ان کے نزدیک عورت نے صحافت کے اصولوں کو پامال کیا تھا، اس لیے اسے تھپڑ ہی لگنا چاہیے تھا تو ان سے پوچھتا ہوں کہ ایک مسجد میں بدفعلی کا امام مسجد پر جھوٹا الزام لگا کر تمام دینی مدارس، مذہبی طبقے کو بدنام کرنے کی کوشش کرنے اور سچ واضح ہونے کے بعد معافی تک نہ ماننے والوں نے بھی تو صحافت کے اصولوں کو پامال کیا تھا۔ مولانا الیاس گھمن پر بے بنیاد الزامات لگا اس کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کرنے والوں نے بھی تو صحافت کے اصولوں کی خلاف ورزی کی تھی۔ تو بتایئے جناب! اگر غیر ذمہ داری پر خاتوں صحافی کو تھپڑ مارنا درست ہے تو کیا اس طرح جھوٹی صحافت کرنے والے

صحافی بھی تھپڑ کے حق دار ہیں کہ نہیں؟

دشمن کا ایک اور کاری وار..... کوئٹہ ایک بار پھر لہولہان

بھاری ہتھیاروں اور خود کش جیکٹس سے لیس دہشت گردوں نے کوئٹہ کے پولیس ٹریننگ کالج پر حملہ کردیا جس کے نتیجے میں 60 اہلکار شہید اور 120 افراد زخمی ہوگئے۔ تین حملہ آوروں نے 24 اکتوبر کی رات 11 بجکر 10 منٹ پر پولیس ٹریننگ کالج پر اس وقت دھاوا بولا جب کیڈٹس آرام کررہے تھے جس کے بعد فائرنگ اور دھماکوں کا آغاز ہوگیا۔ وزیر داخلہ بلوچستان سرفراز بگٹی نے تصدیق کی کہ واقعے میں اہلکار جاں بحق اور 117 زخمی ہوئے، جبکہ ایک خود کش حملہ آور کی لاش کو قبضے 60 میں لے لیا گیا۔ ایک زخمی اہلکار کا کہنا تھا کہ جب حملہ ہوا تو کیڈٹس کے آرام کا وقت تھا اور اس موقع پر افرا تفری پھیل گئی، جبکہ ان کے پاس رائفل بھی موجود نہیں تھی، جس سے وہ حملہ آوروں کا مقابلہ کر سکتے۔ حملے کے بعد جائے وقوع پر فرنٹیئر کور اور ایس ایس جی کمانڈوز پہنچے جنہوں نے ریسکیو آپریشن شروع کیا۔ ایک کیڈٹ نے میڈیا کو بتایا کہ میں نے تین نقاب پوش افراد کو دیکھا جن کے پاس کلاشنکوف تھیں، وہ سینٹر میں داخل ہوئے اور فائرنگ شروع کردی، تاہم میں دیوار کود کر بچ نکلنے میں کامیاب رہا۔ بلوچستان کے وزیر داخلہ سرفراز بگٹی نے حملے کے بعد میڈیا کو بتایا کہ واقعے میں تین دہشت گرد ملوث تھے، انہوں نے پہلے واچ ٹاور میں

موجود گارڈ کو نشانہ بنایا اور پھر اندر اکیڈمی گراؤنڈز میں داخل ہو گئے۔ علاوہ ازیں جوابی آپریشن کی قیادت کرنے والے فرنٹیئر کانسٹیبلری (ایف سی) بلوچستان کے آئی جی میجر جنرل شیر افگن کا کہنا تھا کہ ایف سی کے آنے کے تین سے چار گھنٹے بعد صورتحال پر قابو پالیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ دہشت گرد افغانستان میں موجود اپنے ساتھیوں سے مسلسل رابطے میں تھے، تینوں حملہ آوروں نے خود کش جیکٹس بھی پہن رکھی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ دو حملہ آوروں نے خود کو دھماکے سے اڑالیا، جبکہ تیسرے دہشت گرد کو سیکیورٹی اہلکاروں نے ہلاک کیا۔ سرفراز بگٹی نے کہا کہ پولیس ٹریننگ کالج میں تقریباً 700 کے قریب کیڈٹس موجود تھے جن میں سے زیادہ تر کیڈٹس کو بحفاظت بازیاب کرالیا گیا۔ جوابی کارروائی میں اندھیرے کی وجہ سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جبکہ زخمیوں کو ہسپتال لے جانے کے لیے ایمبولنس کالج کے اندر آتی جاتی رہیں، اس دوران کئی ہیلی کاپٹرز بھی فضاء میں گشت کر رہے تھے۔ جائے وقوع پر موجود پولیس اور سول انتظامیہ کے اہلکاروں نے فرانسیسی خبر رساں ادارے کو بتایا کہ حملے کے دوران کئی زور دار دھماکے بھی سنائی دیے۔ کم سے کم 65 زخمیوں کو سول ہسپتال لایا گیا جن میں سے پانچ کو گولیاں لگیں، جبکہ ان میں سے تین کی حالت تشویشناک بتائی گئی۔ ایک عینی شاہد نے صحافیوں سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ اس نے تین دہشت گردوں کو براہ راست بیرکس میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ دہشت گرد شال اوڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے اچانک فائرنگ شروع کردی جس کے

بعد ہم سڑھیوں اور خارجی راستے کی جانب بھاگنے لگے۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے کے ایک سینئر عہدے دار نے بتایا کہ حملہ آوروں نے ٹریننگ سینٹر پر پانچ مختلف سمتوں سے فائرنگ کی۔ یہ اطلاعات بھی سامنے آئیں کہ دو حملہ آور واچ ٹاور کے گارڈ کو ہلاک کرکے مرکزی دروازے سے داخل ہوئے جبکہ ایک حملہ آور کمپاؤنڈ کی پچھلی دیوار کود کر اندر آیا۔ ایس ایس پی آپریشنز محمد اقبال نے بتایا کہ دو حملہ آور مرکزی دروازے سے داخل ہوئے۔ تین میں سے ایک حملہ آور کی خود کش جیکٹ پھٹ سکی جس کی لاش سینٹر کے احاطے میں ملی۔

وزیراعظم نواز شریف نے کوئٹہ میں پولیس ٹریننگ کالج پر حملے کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ دہشت گرد قوم کے حوصلے پست نہیں کر سکتے۔ ریڈیو پاکستان کی رپورٹ کے مطابق وزیراعظم نواز شریف نے صوبائی اور وفاقی حکام کو ہدایات جاری کیں کہ وہ اس حملے میں ملوث افراد کو جلد از جلد بے نقاب کرکے انصاف کے کٹہرے میں لائیں۔ پاکستان کے اکثر سیاسی و مذہبی رہنماؤں نے کوئٹہ میں دہشتگردی کی مذمت کی ہے۔ دوسری جانب امریکا نے بھی کوئٹہ حملے کی مذمت کی اور اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کے ترجمان جان کربی نے کہا کہ امریکا مشکل کی اس گھڑی میں پاکستان کے ساتھ کھڑا ہے۔ پاک فوج کے شعبہ تعلقات عامہ آئی ایس پی آر کے مطابق پولیس ٹریننگ کالج حملے کے بعد آرمی چیف جنرل راحیل شریف کوئٹہ پہنچے، جبکہ ڈی جی انٹر سروسز انٹیلی جنس (آئی ایس آئی) لیفٹیننٹ جنرل

رضوان اختر اور ڈی جی ملٹری انٹیلی جنس (ایم آئی) میجر جنرل ندیم ذکی منج بھی ان کے ہمراہ تھے۔ آئی جی ایف سی بلوچستان میجر جنرل شیر افگن کا کہنا ہے کہ کوئٹہ میں پولیس ٹریننگ سینٹر پر حملہ کرنے والے دہشت گردوں کا تعلق لشکر جھنگوی سے تھا، جنہیں افغانستان سے ہدایات مل رہی تھیں۔ وزیر داخلہ چودھری نثار کا کہنا تھا کہ آج ہم سب کے لیے دکھ کا لمحہ ہے، کوئٹہ میں بڑی تعداد میں قیمتی جانیں ضائع ہوئیں اور لوگ روز روز اپنے پیاروں کی میتیں اٹھا کر تنگ آ گئے ہیں۔ چودھری نثار نے کہا کہ دہشت گردی کے تانے بانے سرحد پار سے ہیں لیکن ہم نے اس کو ثابت بھی کرنا ہے، جب کہ دشمن کمزور ہوچکا ہے تاہم ابھی ختم نہیں ہوا، ملک میں پہلے روزانہ 5 یا 7 دھماکے ہوتے تھے، لیکن اب 5، 7 ہفتوں بعد کوئی دھماکا ہوتا ہے اور ہمارا یہ مسئلہ ہے کہ کسی بھی واقعہ کے بعد 20 دن تک ہم الرٹ رہتے ہیں، اس کے بعد پھر معمول پر آ جاتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ کہیں خامی ہوتی ہے تو دہشت گردی کے واقعات ہوتے ہیں، لہٰذا اگر کہیں رو گردانی ہوئی ہے تو ذمے داروں کے خلاف کارروائی ہونی چاہیے اور اگر سیکورٹی ناقص تھی تو ذمے داروں کو بھی برطرف کرنا چاہیے۔

واضح رہے کہ کوئٹہ سبی شاہراہ پر واقع یہ تربیتی مرکز بلوچستان کا واحد پولیس ٹریننگ کالج ہے، جس میں بلوچستان بھر سے پولیس میں بھرتی ہونے والے اہلکاروں کو تربیت دی جاتی ہے۔ کوئٹہ کے پولیس ٹریننگ کالج کو شدت پسندوں نے اس سے پہلے بھی نشانہ بنایا تھا۔ یہ پولیس ٹریننگ کالج شہر کے نواحی

علاقے سریاب میں واقع ہے جو شہر سے 18 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ کچھ عرصہ قبل زیر تربیت پولیس اہلکاروں کو بارودی سرنگ کے حملے کا نشانہ بنایا گیا تھا، جس میں پولیس اہلکار ہلاک اور زخمی ہوئے تھے۔ اس کے بعد اس پر راکٹ حملے کے علاوہ بعض حملہ آوروں نے اس میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی، لیکن اس حملے کو ناکام بنایا گیا تھا۔

رواں برس کوئٹہ میں دہشت گردی کے مختلف واقعات رونما ہوئے، 28 جون 2016ء کو کوئٹہ میں فائرنگ کے 2 مختلف واقعات میں 4 پولیس اہلکار ہلاک ہوگئے تھے۔ 8 اگست کو کوئٹہ سول ہسپتال کے باہر دھماکے کے نتیجے میں 70 افراد جاں بحق اور 112 سے زاید زخمی ہوئے تھے۔ 13 ستمبر 2016 کو کوئٹہ کے علاقے سریاب روڈ پر پولیس ٹریننگ کالج کے قریب دھماکا ہوا تھا، جس میں 2 پولیس اہلکار ہلاک اور 8 افراد زخمی ہوگئے تھے۔ اس کے علاوہ پولیس ٹریننگ کالج ماضی میں 2008 اور 2006 میں بھی دہشت گردوں کے حملوں کی زد میں آیا تھا، جہاں کالج کے میدان میں راکٹ فائر کیے گئے تھے۔ صوبہ بلوچستان میں مختلف کالعدم تنظیمیں، سیکورٹی فورسز اور پولیس اہلکاروں پر حملوں میں ملوث رہی ہیں، جبکہ گزشتہ ایک دہائی سے صوبے میں فرقہ وارانہ قتل و غارت میں اضافہ ہوا ہے۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ بلوچستان دہشتگردی میں بھارت کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ بھارت ہمیشہ سے پاکستان میں دخل اندازی کرتا رہا

ہے، گزشتہ کچھ ماہ سے بھارت نے کشمیر میں درندگی کی انتہا کردی، جس پر اس کی دنیا بھر میں بدنامی ہوئی ہے اور وہ تنہا ہوگیا ہے، جس کے بعد اس نے پاکستان کو کھلی دھمکیاں دینا شروع کردی ہیں، بلوچستان واقعہ انہیں دھمکیوں کا عملی مظاہرہ ہے، بھارت اس سے پہلے بھی پاکستان میں دہشتگردی کرواتا رہا ہے۔ پاکستان بننے کے بعد سے بھارت پاکستان میں دخل اندازی کرتا رہا ہے اور بلوچستان میں اس کا جاسوسی کا نیٹ ورک ہے جہاں سے ٹریننگ حاصل کرکے دہشت گرد بلوچستان ہی نہیں بلکہ کراچی اور دوسرے شہروں میں بھی گھناؤنی کارروائیاں کرتے ہیں۔ پاکستان میں دہشت گردی میں ملوث متعدد بھارتی جاسوس پہلے بھی گرفتار کیے جا چکے ہیں۔ پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کے لیے بھارتی ظاہری بیانات اور درپردہ کاروائیاں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ بھارتی حکمرانوں نے پاکستان کے اندر ریشہ دوانیوں کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے، اس کی ایک طویل تاریخ ہے۔ انہی مکروہ سازشوں کے ذریعے وطنِ عزیز کو دولخت بھی کیا جا چکا ہے۔ جس کا اعتراف مودی نے اپنے دورہ بنگلا دیش کے دوران کھلے عام کر چکا ہے۔ تجزیہ نگار اس امر پر حیران ہیں کہ آخر دہشت گردوں نے بلوچستان ہی کا رخ کیوں کیا ہے، کیا اس علاقے میں ان کے لیے محفوظ پناہ گاہیں زیادہ ہیں، کیا ان کے سہولت کاروں کی تعداد بہت زیادہ بااثر ہے جس کے باعث دہشت گرد اپنی

کارروائیوں میں کامیاب ہو رہے اور سیکورٹی اداروں کے ہتھے نہیں چڑھ رہے ہیں۔
حالانکہ جب معلوم ہے کہ دشمن بلوچستان میں بزدلانہ کارروائیاں کر رہا ہے تو اس سے پہلے سیکورٹی بڑھانی چاہیے تھی۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ افغانستان میں دہشت گردوں کے کیمپ موجود ہیں جہاں سے وہ باآسانی بلوچستان کے راستے داخل ہو جاتے ہیں، بھارتی ایجنسی 'را' بھی ان دہشت گردوں کی بھرپور معاونت کر رہی ہے۔ بلوچستان میں دہشت گردی کی کارروائیوں میں 'را' کے ملوث ہونے کے ثبوت پاکستان باقاعدہ طور پر بھارتی حکومت' امریکا اور اقوام متحدہ کو پیش کر چکا ہے لیکن ابھی تک اس سلسلے میں کوئی کارروائی سامنے نہیں آئی۔ نہ بھارتی ایجنسیوں ہی نے بلوچستان میں مداخلت کا سلسلہ کم کیا اور نہ اقوام متحدہ اور امریکا ہی نے بھارتی مداخلت روکنے کے لیے کوئی مذمتی بیان دینے کی زحمت گوارا کی۔
مبصرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ بلوچستان میں دہشتگردی کے سب سے زیادہ واقعات کوئٹہ اور سریاب روڈ پر پیش آتے ہیں اور ایک عرصے سے پیش آ رہے ہیں، گزشتہ روز بھی دہشتگردی کا واقعہ سریاب روڈ پر پیش آیا ہے، یہ حقیقت ہے کہ بلوچستان بہت زیادہ آبادی والا شہر نہیں ہے اور نہ ہی سریاب روڈ اس قدر طویل ہے کہ وہاں کی سیکورٹی انتظامات میں بہتری نہ لائی جاسکے، لیکن اس کے باوجود کوئٹہ میں دہشتگردی کے ہر واقعہ کے بعد

حکومت دہشتگردوں کو پکڑنے کے اعلانات تو کرتی ہے، لیکن سیکورٹی کے انتظامات نہیں کر پاتی، حالانکہ کم آبادی والے شہر میں سیکورٹی کے انتظامات کرنا قدرے آسان ہے، لیکن حکومت اس کے باوجود ناکام ہے۔ اگر حکومت چاہے تو کوئٹہ شہر میں بلا تفریق آپریشن کرکے دہشتگردوں کی سازشوں کو ناکام بنا سکتی ہے۔ اس کے ساتھ حکومت کو یہ بات بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ بلوچستان میں بدامنی پھیلانے میں غیر ملکی عناصر ملوث ہیں، کئی بار اس کے شواہد سامنے آ چکے ہیں اور سیکورٹی ادارے بھی اس بات کا اقرار کر چکے ہیں، حکومت خود بھی کئی بار اس بات کو میڈیا کے سامنے لا چکی ہے۔ کئی سرکاری اہلکار اس بات کی تصدیق کر چکے ہیں کہ بلوچستان میں غیر ملکی ایجنسیاں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے سرگرم ہیں، جن کی حرکتوں کو کنٹرول کرنے کے لیے حکومتی ادارے اور انٹیلی جنس ایجنسیاں سرگرداں ہیں۔ جب اس قسم کے حقائق سامنے آ چکے ہیں تو اس کے بعد بلوچستان میں سیکورٹی کو مزید متحرک و فعال کرنے میں کیا چیز مانع ہے۔ ان حالات میں تو سیکورٹی کے انتظامات مزید بہتر کیے جانے چاہیے، لیکن حکومت تمام غیر ملکی سازشوں کے باوجود سستی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ ملک بھر میں پھیلی ہوئی دہشت گردی کا خاتمہ عوامی تعاون کے بغیر ممکن نہیں اس کے ساتھ ساتھ انٹیلی جنس اداروں کے باہمی روابط کو بھی منظم کیا جائے، پولیس اہلکاروں کو دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے جدید اسلحہ کی تربیت دی جائے کیونکہ پولیس روایتی تربیت اور اسلحہ کے ساتھ دہشت گردوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت

نہیں رکھتی۔ یہ ایک طویل اور صبر آزما جنگ ہے اس میں کامیابی کے لیے پوری قوم کو
متحد ہو کر میدان عمل میں اترنا ہوگا۔

سیاست ختم، جنگ شروع.....حکومت اور پی ٹی آئی آمنے سامنے

ایک ایسے وقت میں جب پاکستان اور بھارت کے درمیان کشیدگی عروج پر ہے۔ بھارت نہتے کشمیریوں پر ظلم و ستم کی نئی تاریخ رقم کر رہا ہے اور سیز فائر کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سرحد پر مسلسل گولہ باری کر رہا ہے اور بھارت کی جانب سے پاکستان کو جنگ کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں، بھارت کے جنگی جنون کو دیکھتے ہوئے عالمی ماہرین جنگ کے امکانات کا اظہار بھی کر رہے ہیں۔ پاکستان میں دہشتگرد کھل کر قوم کو کوئٹہ جیسے سانحات سے دوچار کر رہے ہیں، ایسے وقت میں حکمران جماعت کا ملکی مفادات پس پشت ڈال کر اپنی کرپشن چھپانا اور پاناما لیکس کے معاملے میں خود کو بچانا، جبکہ پی ٹی آئی اور دیگر جماعتوں کی جانب سے دھرنے کے نام پر 2 نومبر کو اسلام آباد کو بند کرنے کا اعلان کرنا افسوسناک ہے۔ 2 نومبر ہونے میں کچھ دن باقی رہ گئے ہیں اور سیاسی تلخی میں ہر گزرتے لمحے اضافہ ہو رہا ہے۔ دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں۔ تحریک انصاف اور دیگر اپوزیشن جماعتیں محض نواز شریف کا احتساب چاہتی ہیں، جبکہ حکومت خود کو بچا کر سب کے احتساب کی متمنی ہے، تاکہ ندامت کا سامنا وہ اکیلے ہی نہ کریں۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ جب آف شور کمپنیوں کے ضمن میں انکوائری ہو گی تو فرم جرم عائد ہونے پر زیادہ نقصان شریف خاندان کا ہو گا، کیونکہ وہ اقتدار میں ہے۔ بہرحال دو بدو

لڑائی جاری ہے۔ نواز شریف اور عمران خان قومی اداروں کو مضبوط کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے ہیں۔ نواز شریف کو خود کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، جبکہ عمران خان کی آخری کوشش یہی ہے کہ وہ نواز شریف کو کسی طرح ان کے عہدے سے ہٹانے میں کامیاب ہو جائیں، لیکن اس لڑائی میں نقصان صرف عوام اور ملک کا ہی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام آباد کے تاجر برادری اور طلبہ و طالبات نے پی ٹی آئی کے دھرنے کو مسترد کرتے ہوئے اسلام آباد کو بند نہ کرنے کی اپیل کی ہے، کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ اسلام آباد بند ہونے کی صورت میں اسلام آباد کے باسیوں کے لیے مسائل پیدا ہوں گے اور اسلام آباد میں دھرنے کے خلاف ہائیکورٹ میں درخواست بھی غیر سیاسی حلقے کی جانب سے دی گئی تھی۔ اگر عمران خان کا دھرنا اسلام آباد میں طویل ہوتا ہے تو نہ صرف اسلام آباد کا نقصان ہوگا بلکہ پورے ملک کی معیشت کا نقصان ہوگا، کیونکہ دھرنے کے اثرات پورے ملک کی معیشت پر پڑیں گے اور دنیا بھر میں بھی اچھا تاثر نہیں جائے گا۔ عمران خان ہر صورت 2 نومبر کو اسلام آباد کو بند کرنے پر تلے ہوئے ہیں، جبکہ حکومت آمرانہ رویہ اپناتے ہوئے ان کے جمہوری حق احتجاج کو بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ جب دونوں فریق ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر رہے ہیں، عین اس وقت میں اسلام آباد ہائیکورٹ نے حکومت کو کنٹینرز لگا کر اور تحریک انصاف کو دھرنے سے وفاقی دارالحکومت کو بند کرنے سے روک دیا ہے، جو قابل ستائش امر ہے۔ مسٹر

جسٹس شوکت عزیز صدیقی نے 2 نومبر کے دھرنا کے خلاف دائر درخواستوں کی سماعت کے دوران چیف کمشنر کو یقین دہانی کروانے کی ہدایت کی کہ کوئی سڑک، سکول، ہسپتال بند نہیں ہوگا اور نہ ہی امتحانات کا شیڈول تبدیل کیا جائے گا اور یہ کہ حکومت کنٹینرز لگا کر سڑکیں بند نہیں کرے گی۔ عدالت نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اسلام آباد کو ہدایت کی کہ عمران خان کو تحریری طور پر آگاہ کیا جائے کہ وہ دھرنے کے لیے مخصوص جگہ پر اپنا احتجاج کریں۔ مسٹر جسٹس شوکت عزیز صدیقی کے اس عبوری فیصلے میں سیاسی جماعتوں کے احتجاج کے حق سے انکار نہیں کیا گیا، بلکہ یہ قرار دیا گیا ہے کہ ایسے احتجاج کے دوران دیگر شہریوں کے بنیادی حقوق متاثر نہیں ہونے چاہئیں۔ ہائیکورٹ کا فیصلہ آ جانے کے بعد بھی دونوں فریق اس فیصلے پر عمل درآمد کے لیے راضی نہیں ہیں۔ ایک جانب تو تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان نے اعلان کیا ہے کہ دھرنا ہر قیمت پر ہوگا، دنیا کی کوئی طاقت ہمیں دھرنے سے نہیں روک سکتی۔ ہمارے لوگ رکنے والے نہیں ہیں اور انہیں کوئی روک نہیں سکے گا اور مختلف شہروں سے پی ٹی آئی کے کارکن پیدل ہی اسلام آباد دھرنے میں شرکت کے لیے روانہ ہوگئے ہیں۔ پاکستان تحریک انصاف نے دو نومبر کو اسلام آباد کے مرکزی دھرنے کے لیے زیرو پوائنٹ سے لے کر فیض آباد تک پانچ کلو میٹر کو فائنل کر لیا ہے۔ عمران خان نے پارٹی لیڈر شپ کو ہدایت کی ہے کہ وہ حکومت کی طرف سے ممکنہ گرفتاریوں سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے ابھی سے اپنی سرگرمیاں محدود کرلیں اور ابھی سے اسلام آباد کے قرب و

جوار میں آ جائیں، جبکہ پی ٹی آئی کی متعدد قیادت اور کارکنان گرفتاریوں سے محفوظ رہنے کے لیے ابھی سے صوبہ کے پی کے میں شفٹ ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ پی ٹی آئی کے قانونی ماہرین نے کہا کہ اسلام آباد ہائی کورٹ کے فیصلے میں ایسی چیزیں ہیں جن سے ہم متفق نہیں، ان احکامات کا جائزہ لے رہے ہیں اور انہیں عدالت میں چیلنج کرنے پر غور کر رہے ہیں، کیونکہ ہمیں لگتا ہے کہ یہ احکامات دائرہ اختیار سے باہر نکل کر جاری کئے گئے۔ ہمیں سنے بغیر حکم جاری کیا گیا۔ جبکہ دوسری جانب ذرائع کے مطابق وفاقی وزارت خزانہ نے اسلام آباد میں رینجرز پنجاب پولیس کی بھاری نفری اور کنٹینرز کے لیے 46 کروڑ روپے جاری کر دیے ہیں۔ حکومت نے ابھی سے اسلام آباد کو کنٹینر لگا کر بند کر دیا ہے۔ جو کام پی ٹی آئی نے دو نومبر کو کرنا تھا، حکومت نے ابھی سے تمام سڑکوں پر کنٹینر لگا کر کر دیا ہے۔ تمام روڈ بلاک کر دیے گئے ہیں۔ پاکستان کے صوبہ پنجاب کے شہر راولپنڈی میں انتظامیہ نے تحریک انصاف اور عوامی مسلم لیگ کی ریلی کے پیشِ نظر لال حویلی کے ارد گرد کا علاقہ سیل کر دیا ہے۔ بنی گالہ میں عمران خان کے گھر کو ایف سی اور پولیس کی بھاری نفری نے محاصرے میں لے لیا۔ اس دوران عمران خان کے گھر آج کے ملک گیر احتجاج کے حوالے سے اہم اجلاس جاری تھا جس کی صدارت عمران خان کر رہے تھے جبکہ جہانگیر ترین، شاہ محمود قریشی، عبدالعلیم خان، اسد عمر اور دوسرے اہم رہنما بھی اجلاس میں موجود تھے۔ انتظامیہ نے جلوس اور امن و امان کے مد نظر راولپنڈی اور اسلام آباد کے

درمیان چلنے والی میٹرو بس کو بھی تاحکمِ ثانی بند کر دیا ہے۔ اسلام آباد اور راولپنڈی کی انتظامیہ نے پہلے ہی شہر میں دفعہ 144 نافذ کی ہوئی ہے جس کے تحت پانچ سے زیادہ افراد کے اجتماع کے علاوہ لاؤڈ سپیکر کے استعمال پر پابندی عاید ہے۔ اسلام آباد میں دفعہ 144 کا نفاذ ایک ایسے وقت میں کیا گیا ہے جب پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) اگلے ماہ 2 نومبر کو پاناما لیکس اور کرپشن کے خلاف اسلام آباد میں دھرنا دینے جارہی ہے اور عمران خان کا مطالبہ کہ وزیراعظم نواز شریف یا تو استعفیٰ دیں یا پھر خود کو احتساب کے لیے پیش کردیں۔ اس حوالے سے پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) اور پاکستان مسلم لیگ (ن) کی حکومت دونوں ہی تیاریوں میں مصروف ہیں، ایک طرف پی ٹی آئی نے اپنے کارکنوں کو دھرنے کی تیاریوں کا کہہ رکھا ہے وہیں پولیس کی اسپیشل برانچ نے حکومت کو ان افراد کی فہرستیں فراہم کردی ہیں، جنہیں اسلام آباد کے محاصرے سے قبل گرفتار کیا جاسکتا ہے۔

اس سے قبل اسلام آباد کے ایف الیون میں تحریک انصاف کے جاری یوتھ کنونشن پر پولیس نے دھاوا بول کر درجنوں افراد کو گرفتار کرلیا گیا ہے، اس موقع پر پولیس کی جانب سے خواتین کارکنوں سے بدسلوکی اور ہاتھا پائی بھی دیکھنے میں آئی۔ اسلام آباد میں ہونے والے تحریک انصاف کے یوتھ کنونشن کے دوران اس وقت صورتحال کشیدہ ہوگئی جب پولیس اور انصاف اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے نوجوان آمنے

سامنے آ گئے۔ اسلام آباد میں تحریک انصاف کے یوتھ کنونشن کے باہر پولیس نے کارروائی کرتے ہوئے انصاف اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے 120 نوجوان گرفتار کر لیے۔ گرفتار افراد میں آئی ایس ایف کے صدر بھی شامل ہیں، جس کے بعد صورتحال کشیدہ ہو گئی۔ پولیس کی یوتھ کنونشن میں پکڑ دھکڑ جاری تھی کہ پاکستان تحریک انصاف کے رہنما شاہ محمود قریشی وہاں پہنچ گئے، اس موقع پر ان کا کہنا ہے کہ آج مسلم لیگ ن کا اصلی چہرہ سامنے آ گیا، تحریک انصاف کی نہتی خواتین پر لاٹھیاں برسائی گئیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے کوئی سڑک بند نہیں کی، کسی نے ہمارے ہاتھ میں اسلحہ نہیں دیکھا، ہمارا پروگرام چار دیواری کے اندر تھا، دفعہ 144 کی خلاف ورزی نہیں ہوئی، ہم کھڑے تھے، ہمیں گرفتار نہیں کیا گیا، بلکہ بچوں کو گرفتار کیا گیا، ہمیں پرامن یوتھ کنونشن سے کیوں روکا جا رہا ہے؟ پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کا کہنا ہے کہ اگر مجھے گرفتار کیا گیا تو تماشہ ہو جائے گا، حکومت نہیں چل سکے گی۔ گرفتاری کی گئی تو شدید عوامی ردعمل سامنے آئے گا۔ عمران خان کا کہنا تھا کہ میری گرفتاری پر کارکن سڑکوں پر نکل آئیں گے، حکومت کسی بھی ایسے عمل سے باز رہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ دس لاکھ سے زائد لوگ اسلام آباد آئیں گے۔

اسلام آباد میں پی ٹی آئی کے کارکنوں کی گرفتاری کے بعد ملک بھر میں مختلف علاقوں میں پی ٹی آئی کارکنوں کی جانب سے حکومت کے خلاف احتجاج کیا گیا اور

حکومت کے خلاف نعرے بازی کی گائی ہے۔ ذرائع کے مطابق ملک بھر میں پی ٹی آئی کے متحرک رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کرنے کے لیے لسٹیں تیار کی جارہی ہیں، حکومت کیجانب سے کارکنوں کی گرفتاری کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ حکومت کی جانب سے پی ٹی آئی کے کارکنوں کی گرفتاریا ور تشدد کی مذمت کی گئی ہے۔ سیاسی جماعتوں کے قائدین نے اسے جمہوریت کے خلاف قرار دیتے ہوئے کہا کہ لگتا ہے حکومت بوکھلا گئی ہے۔احتجاج کرنا ہر شہری کا حق ہے، جس سے روکنا کا حکومت کو کوئی حق نہیں ہے۔ سینئر تجزیہ کاروں نے کہا ہے کہ اسلام آباد میں پی ٹی آئی کارکنوں پر پولیس کا دھاوا قابل مذمت ہے، حکومت کا ایکشن پی ٹی آئی کی تحریک کو کامیاب کرنے میں مدد دے گا۔ حکومت خود اسلام آباد کو لاک ڈاؤن کرنے میں لگی ہوئی ہے، حکومت پی ٹی آئی کے احتجاج کے لیے جگہ مختص اور آمد کے لیے راستے بنا کر دے، حکومت اور پی ٹی آئی دونوں کو اسلام آباد ہائیکورٹ کے فیصلے کی پابندی کرنی چاہیے۔ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ اسلام آباد میں پی ٹی آئی کارکنوں کی پکڑ دھکڑ نہیں ہونی چاہیے تھی، اسلام آباد ہائیکورٹ کے فیصلے نے سیاسی فضا میں ارتعاش پیدا کردیا ہے۔ عدالت عمران خان اور حکومت کو درمیان کا راستہ دینا چاہتی تھی۔ اسلام آباد ہائیکورٹ نے عمران خان کوا حتجاج کرنے سے نہیں روکا ہے، عدالت نے انتظامیہ کو بھی کنٹینر لگا کر شہر بند کرنے سے روکا ہے، عدالت کہہ رہی ہے کہ حکومت اور پی ٹی آئی مل کر فیصلہ کریں کہ احتجاج بھی ہو اور لوگوں کے حقوق بھی پامال نہ

ہوں۔ حکومت نے پی ٹی آئی کارکنوں پر دھاوا بول کر 27 اکتوبر کو ہی وہ کام کر دیا جو عمران خان دو نومبر کو کرنا چاہ رہے تھے۔ حکومت سمجھداری سے کام لیتی تو عدالت کا حکم اپنے فائدے کیلئے استعمال کر سکتی تھی، پاکستان میں سیاست ختم اور جنگ کا عمل شروع ہوگیا ہے۔ جو یقینا پاکستان کے لیے نقصان دہ ہے۔

حکومت کے خلاف عمران خان کا احتجاج

یہ بات بالکل بجا کہ عمران خان کا مطالبہ درست، لیکن طریقہ کار غلط ہے۔ اسلام آباد کو بند کرنے کی دھمکی تشویشناک ہے۔ وفاقی دارالحکومت کا محاصرہ کرکے کاروبار زندگی معطل، شہریوں کی زندگی اجیرن اور حکومت مفلوج کردینے کا کسی کو کوئی حق حاصل نہیں ہے، لیکن عمران خان تمام تر مخالفت کے باوجود خم ٹھونک کر میدان میں اترے ہوئے ہیں اور نہایت تندہی سے احتجاج اور دھرنے کی کامیابی کے لیے تمام انتظامات کو حتمی شکل دے رہے ہیں۔ انھوں نے ہر چیز کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ اگر وہ لوگوں کی بڑی تعداد کو اسلام آباد لانے میں کامیاب ہوگئے تو حکومت کے لیے بہت بڑا چیلنج بن سکتے ہیں اور اگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہے تو یہ اُن کی حتمی ناکامی ہوگی اور اگر عمران خان اور حکومت کی چپقلش کے نتیجے میں جمہوری عمل ایک مرتبہ پھر انتشار کا شکار ہوتا ہے تو اس کی ذمہ داری عمران خان سے زیادہ حکومت پر عاید ہوگی، کیونکہ عمران خان کو احتجاج کرنے کا جواز خود حکومت نے فراہم کیا ہے۔

حکمران خود کو احتساب کے لیے پیش کرکے عمران خان کے دھرنے کا جواز ختم کر سکتے ہیں۔ اگر حکومت اس معاملے کو ختم کرنا چاہے تو ایک دن میں کر سکتی ہے ،

لیکن وہ شریف فیملی کو بچا کر پاناما لیکس کے معاملے کو دفن کرنا چاہتی ہے، حالانکہ اگر وزیر اعظم کا ''دامن'' صاف ہے تو انہیں ''بلا توقف'' اپنے آپ کو احتساب کے لیے پیش کر دینا چاہیے۔ جمہوری ممالک میں اگر کسی وزیراعظم پر الزام لگ جائے تو اس کے پاس ''عہدے'' پر رہنے کا کوئی اخلاقی ''جواز'' باقی نہیں رہتا۔ کئی ممالک کے وزرا اعظم نے پاناما لیکس کے سلسلے میں لگنے والے الزامات کی وجہ سے استعفا دیا بھی ہے۔ پاناما پیپرز نے ٹیکس سے بچنے اور کرپشن کا پیسہ چھپانے کے مفصل اور باریک منصوبوں کی قلعی کھول کے رکھ دی ہے، جس کے بعد یہ واضح ہوچکا ہے کہ دولت آف شور کمپنیوں میں لگانے کا مقصد ٹیکس بچانا ہے، جو ہر صورت قابل گرفت فعل ہے۔

حکومت عمران خان کے احتجاج اور دھرنے کو بلاجواز قرار دے رہی ہے، حالانکہ اگر حکمران سچے ہیں تو خود کو احتساب کے لیے پیش کردیں تاکہ کوئی احتجاج اور دھرنا نہ ہو، لیکن اگر وہ سچے نہیں ہیں تو حکمرانوں کی بدعنوانی کے خلاف بولنا اور احتجاج کرنا صرف عمران خان ہی نہیں، بلکہ قوم کے ہر فرد کا حق ہے، جسے روکنے کا حکومت کو کوئی حق نہیں ہے۔ حکومت پاناما پیپرز میں شریف فیملی کے ارکان کے نام آنے کے بعد سے تاخیری حربے استعمال کر رہی ہے۔ اپنی صفائی دینے کے لیے میاں نواز شریف نے قوم کے سامنے اس الزام کی تحقیقات کے لیے جوڈیشل کمیشن بنانے کا اعلان کیا تھا، لیکن شریف فیملی کو بچانے کے

لیے خود حکومت ایسا کمیشن بننے کی راہ میں رکاوٹ بنی۔ پھر جان بوجھ کر اس معاملے کو پارلیمنٹ میں لے جایا گیا۔ عمران خان نے وہاں بھی وزیر اعظم کے احتساب کی تحریک شروع کی، لیکن جہاں سیاست دانوں کی اکثریت ایک دوسرے کے مفادات کی محافظ بنی ہوئی ہو، وہاں وزیر اعظم کے احتساب کی تحریک کیسے کامیاب ہو سکتی ہے؟

یہ کہنا بے سود ہے کہ حکومتی بے ضابطگیوں کی نشاندہی اور سسٹم کی اصلاح کے لیے آواز اٹھانے کا مجاز فورم پارلیمنٹ ہے، لہٰذا عمران خان سارے معاملات کو متعلقہ فورم پارلیمنٹ میں ہی ڈسکس کریں، لیکن اس فورم پر انصاف ملنے کی کس طرح توقع کی جا سکتی ہے، جہاں اکثریت کو اپنے مفادات عزیز ہیں اور اپنے مفادات کی خاطر اکثریت حکومت کے حق میں بول رہی ہے۔ اب تک کتنے سیاست دان حکمرانوں کی کرپشن کو منظر عام پر لائے ہیں؟، کتنے ہیں پاناما لیکس کے ہنگامے میں حکومت کی کرپشن کے خلاف بولے ہیں؟ حکومتی ارکان تو حکمرانوں کا ساتھ دے ہی رہے ہیں، اپوزیشن جماعتیں بھی حکمران جماعت کے ساتھ کھڑی نظر آتی ہیں۔ ایسے حالات میں پارلیمنٹ سے سسٹم کی اصلاح اور سب کے احتساب کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے؟ اگر کوئی احتساب کی آواز اٹھاتا ہے تو ملک اور جمہوریت کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ یہ منطق عجیب ہے۔ ملک کی دولت کو اپنے اکاؤنٹس میں منتقل کیے جاؤ۔ قوم کی دولت سے بیرون ملک اپنی جائیداد بنائے

جاؤ۔ عوام کو سہولیات زندگی سے محروم کیے رکھو۔ میرٹ کو بری طرح پامال کیے جاؤ۔ جی بھر کے کرپشن کیے جاؤ۔ اقربا پروری کو فروغ دیے جاؤ۔ عوام کو بے روزگاری، مہنگائی، غربت، لوڈشیڈنگ، بدامنی اور بے تحاشا بے جا ٹیکسوں کے عذاب میں مبتلا کیے رکھو۔ ملک، جمہوریت اور قوم کو کوئی خطرہ نہیں، لیکن اگر کوئی حکومت سے احتساب کا مطالبہ کرلے، قوم کی دولت کا حساب مانگ لے اور عوام کے حق میں آواز بلند کرے تو صرف حکومت کو نہیں، بلکہ جمہوریت، قوم اور وطن کو خطرہ لاحق ہوجاتا ہے اور حکومت سے احتساب کا مطالبہ کرنے والا وطن عزیز اور وطن کی ترقی و خوشحالی کا دشمن گردانا جاتا ہے۔

حکومتی ارکان کا کہنا ہے کہ عمران خان کو احتجاج چھوڑ کر سپریم کورٹ کا فورم استعمال کرنا چاہیے۔ شریف فیملی کی کرپشن کا فیصلہ سپریم کورٹ جیسے کسی فورم پر ہونا چاہیے۔ سپریم کورٹ میں پاناما کیس کی سماعت ہے۔ سماعت کی تاریخ یکم نومبر مقرر کی گئی ہے۔ عمران خان بھی دیگر لوگوں کی طرح سپریم کورٹ پر اعتماد کرکے فیصلے کا انتظار کریں، لیکن سوال یہ ہے کہ ایک ایسا نظام جس میں دادے کے زمانے کے کیسوں کا فیصلہ پوتے کی زندگی میں ہوتا ہے۔ کیا ایسا سسٹم وزیر اعظم کو انصاف کے کٹہرے میں لا کھڑا کردے گا؟ مجھے نہیں لگتا ایسا ہوسکتا ہے، کیونکہ یہاں غریب کے لیے تو قانون فوری طور پر حرکت میں آجاتا ہے، لیکن امیروں کے سامنے بھیگی بلی بن جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں

انصاف کی فراہمی کی حالت تو آپ سب نے گزشتہ دنوں ملاحظہ فرما ہی لی ہو گی، جب 19 سال بعد ایک ایسے شخص کی بے گناہی ثابت کر کے اسے باعزت بری کیا گیا، جو کہ اپنی بے گناہی ثابت ہونے سے دو سال قبل فوت بھی ہو چکا تھا۔

جب بھی کوئی حکومت کی کرپشن کو منظر عام پر لانے کی بات کرتا ہے تو حکومت کو احتجاج کے پس پردہ کوئی اور قوت نظر آنے لگتی ہے، لیکن حکومت نے آج تک یہ نہیں بتایا کہ وہ قوت ہے کون اور کہاں ہے۔ دو سال پہلے جب تحریک انصاف اور پاکستان عوامی تحریک نے ملکی تاریخ کا طویل ترین دھرنا دیا تھا تو اس وقت وزیر اعظم نے فرمایا تھا کہ وہ عنقریب اس احتجاج اور دھرنے کے مقاصد قوم کے سامنے لائیں گے، لیکن آج تک انہوں نے اس پر کوئی لب کشائی نہیں کی۔ پاناما لیکس کے بعد بھی ان کا یہی کہنا تھا کہ وہ سب جانتے ہیں کہ پاناما پیپرز کی آڑ میں کیا مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، لیکن وہ راز بھی آج تک ان کے سینے میں ہی دفن ہے۔ جب حکومت خود کو احتساب کے لیے پیش کرنے کو تیار ہی نہیں ہے تو اپوزیشن لیڈر کی حیثیت سے عمران خان کو یہ استحقاق حاصل ہے کہ وہ حکومتی بے ضابطگیوں کی نشاندہی کریں اور سسٹم کی اصلاح کے لیے آواز بلند کریں۔ پاناما لیکس کی بنیاد پر وزیر اعظم اور ان کے خاندان کے ارکان پر جو الزامات لگے ہیں، ان کی بھی لازماً تحقیقات ہونی چاہئیں جن کے درست ثابت ہونے کی صورت میں میاں نواز شریف کا اپنے منصب پر

فائز رہنے کا کوئی جواز نہیں رہے گا۔

سفارتکاروں کے روپ میں جاسوس..... بھارت کا مکروہ چہرہ بے نقاب

بھارت کی جانب سے کی جانے والی پاکستان مخالف سرگرمیاں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ بھارت نے کبھی پاکستان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ پاکستان کو دو حصوں میں تقسیم کرنے سے لے کر اپنے ایجنٹوں کے ذریعے پاکستان میں دہشتگردی و بدامنی کو فروغ دینے تک بھارت نے ہمیشہ پاکستان کی پیٹھ میں چھرا گھونپا ہے۔ بھارت نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ہمیشہ پاکستان کو نقصان پہنچایا ہے، جس کے لیے ملک کے مختلف شہروں میں اپنے ایجنٹوں کی مدد سے قتل وگارت گری اور بم، دھماکے کروا کر ہر موڑ پر پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنے کی کوشش کی ہے، جبکہ بھارت کی بدنام زمانہ خفیہ تنظیم ''را'' کی جانب سے پاکستان کے سادہ لوح عوام کو مذہبی، سیاسی اور لسانی عصبیت کی بنا پر آپس میں لڑا کر بھی پاکستان کو عدم استحکام کا شکار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بھارتی ایجنٹوں کی جانب سے ایک عرصے سے علیحدگی پسندوں کو استعمال کرتے ہوئے بلوچستان کو پاکستان سے توڑنے کی کوشش بھی جاری ہے۔ ''را'' بلوچستان میں بدامنی پھیلانے میں سرگرم عمل ہے اور بلوچستان میں علیحدگی پسندوں کی نہ صرف صوبے میں بھرپور معاونت کرتی ہے، بلکہ انہیں بے تحاشہ فنڈنگ کرنا، اسلحہ پہنچانا اور دوسرے ممالک کے ویزے فراہم کرنے کا سارا انتظام ''را'' کرتی ہے۔ بلوچستان

اور ملک کے دیگر کئی علاقوں سے ''را'' کے ایجنٹس پکڑے جانے کے ساتھ ساتھ بھاری مقدار میں بھارتی اسلحہ بھی متعدد بار پکڑا جاتا رہا ہے۔ اب بھارت نے پاکستان دشمنی میں عالمی قوانین کی بھی دھجیاں بھی بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ سفارتکار کسی بھی ملک کے چہرے کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی ذمہ داری دوسرے ملک میں جاکر پرامن طریقے سے سفارتی ذمہ داریاں نبھانا ہوتا ہے، لیکن بھارت نے سفارتی اصولوں کو بھی پامال کرتے ہوئے سفارتکاروں کے روپ میں ''را'' اور آئی بی کے جاسوسوں اور دہشتگردوں کو پاکستان میں متعین کیا۔ پاکستان نے کل بھوشن یادیو کے بعد گزشتہ روز بھارت کا ایک اور بڑا جاسوسی نیٹ ورک بے نقاب کیا ہے۔ پاکستان کے دفتر خارجہ نے کہا ہے کہ بھارتی سفارت خانے کے آٹھ اہلکار دہشت گردی اور تخریب کاری کی سرگرمیوں میں ملوث ہیں اور یہ تمام اہلکار مبینہ طور پر بھارت کی خفیہ ایجنسی ریسرچ اینڈ اینالسیس ونگ (را) اور انٹیلی جنس بیورو (آئی بی) کے ارکان ہیں۔ بلبیر سنگھ فرسٹ سیکرٹری پریس اینڈ کلچر، راجیش کمار اگنی ہوتری کمرشل قونصلر، مادھون نندا کمار وینرا اسسٹنٹ، جیابالن سینتھل اسسٹنٹ پرسنل ویلفیئر آفس، انوراگ سنگھ فرسٹ سیکرٹری کمرشل اور امر دیپ سنگھ بھٹی وینرا اتاشی کے طور پر کام کر رہے تھے، اس کے علاوہ دھرمیندرا اور وجے کمار ورما بھی بھارتی خفیہ ایجنسیوں کے ایجنٹس ہیں۔ یہ تمام لوگ سی پیک کے حوالے سے کئی سطح پر کام کر رہے تھے، جن میں چین اور پاکستان کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے اور کراچی، گلگت بلتستان اور

بلوچستان میں عدم استحکام پیدا کرنے میں سرگرم تھے۔ بلوچستان اور سندھ خاص طور پر کراچی میں جاسوسی، تخریبی، دہشت گردی اور عدم استحکام کی سرگرمیوں کی حمایت، چین، پاکستان اقتصادی راہ داری (سی پیک) کو سبوتاژ کرنا، گلگت اور بلوچستان میں بد امنی پھیلانا، تجارتی سرگرمیوں کی آڑ میں اپنے ایجنٹوں اور آلہ کاروں کے نیٹ ورک میں توسیع، مختلف سرگرمیوں کے ذریعے پاکستان اور افغانستان کے تعلقات میں بگاڑ پیدا کرنا، سوشل میڈیا اور سیاسی حلقوں میں بھارتی ایجنٹوں کی دراندازی تاکہ پاکستان کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے لیے انھیں پروپیگنڈا کے مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکے۔ پاکستان کو دہشت گرد ریاست قرار دینے کے لیے من گھڑت شواہد پیش کرنا، کالعدم تحریک طالبان پاکستان کے مختلف دھڑوں سے معاملہ کاری، ملک کی مذہبی اقلیتوں کو ریاست مخالف سرگرمیوں پر اکسانا، فرقہ واریت کو ہوا دینا، انسانی حقوق سے متعلق امور پر پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا، آزاد جموں وکشمیر میں ایسی تخریبی کارروائیوں کا فروغ دینا جن سے کشمیر کاز کو نقصان پہنچ سکے، مقبوضہ کشمیر میں جاری آزادی کی تحریک کے بارے میں عالمی برادری کو گمراہ کرنا وغیرہ ان بھارتی ایجنٹوں کے مقاصد میں شامل تھا۔ترجمان نفیس ذکریا کا کہنا تھا کہ پاکستان چین اقتصادی راہداری کے خلاف بھارتی سازشوں کے ثبوت موجود ہیں اور یہ بھارتی جاسوس، پاکستان چین اقتصادی راہداری کو سبوتاژ کرنے، صوبوں میں عدم استحکام پیدا کرنے، گلگت بلتستان میں بدامنی پھیلانے اور تجارتی

سرگرمیوں کے بھیس میں اپنے کارندوں اور ایجنٹوں کے نیٹ ورک کو توسیع دینے کا کام کرتے رہے۔ وہ سفارتکار کے طور پر اپنی حیثیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خفیہ معلومات کے حصول کے لیے بااثر حلقوں میں داخل ہوتے رہے۔

پاکستان سے سفارتکاروں کے روپ میں بھارتی جاسوسوں کے گرفتار ہونے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ بھارت نہ صرف دہشت گردی کی سرگرمیوں کے فروغ اور دہشت گردوں کی مالی مدد کرنے میں ملوث پایا گیا ہے، بلکہ بھارت، دو خودمختار ممالک کے درمیان تعلقات برقرار رکھنے کے حوالے سے سفارتی آداب اور طریقہ کار کی خلاف روزی کا بھی مرتکب ہوا ہے۔ وفاقی حکومت نے پاکستان میں جاسوسی کرنے والے بھارتی سفارت کاروں کے معاملے پر عالمی برادری کو مودی کے ایجنڈے سے آگاہ کرنے کے لیے موثر سفارتی مہم کا آغاز کر دیا ہے۔ اس حوالے سے حکام نے سفارتی رابطوں کے ذریعے امریکا، چین اور دیگر اہم ممالک کو اس صورت حال سے آگاہ کر دیا ہے۔ پاکستان اور چین سی پیک کے خلاف بھارتی سازشوں کا معاملہ جلد باہمی مشاورت سے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں اٹھائیں گے اور بھارت کے خلاف عالمی قوانین کی خلاف ورزی اور پابندیاں عاید کرنے کے حوالے سے قرارداد پیش کی جاسکتی ہے۔ وفاقی حکومت کے ذرائع کا کہنا ہے کہ پاکستان نے ان ممالک کو کہا ہے کہ پاکستان کو عدم استحکام کرنے کے حوالے سے مودی حکومت مسلسل سازشوں میں مصروف ہے، اس صورت حال کے سبب خطے میں عدم استحکام پیدا

ہو سکتا ہے جس کا ذمے دار بھارت ہوگا۔ ان ممالک نے پاکستان کو عندیہ دیا ہے کہ وہ اس معاملے پر بھارت سے بات کریں گے اور سفارتی محاذ پر پاکستان کا ساتھ دیں گے۔

وفاقی حکومت کے اہم ذرائع کے مطابق پاکستان نے پاک چین اقتصادی راہداری منصوبے کو سبوتاژ کرنے کی بھارتی سازشوں سے چینی حکام کو آگاہ کر دیا ہے۔ چین نے مودی حکومت کو سخت سفارتی پیغام بھیجا ہے کہ بھارت سی پیک منصوبے کے خلاف اپنی سازشیں بند کر دے بصورت دیگر یہ معاملہ سلامتی کونسل میں اٹھایا جائے گا، اگر بھارت باز نہ آیا تو اسے سنگین نتائج کا سامنا ہو سکتا ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ پاکستان اور چین نے سی پیک کے خلاف بھارتی سازشوں کو ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس معاملے پر مشترکہ حکمت عملی طے کی جائے گی، سی پیک کی سیکورٹی میں مزید اضافہ کیا جائے گا۔

پیپلز پارٹی کی رہنما شیری رحمٰن نے بھارتی تخریبی کارروائیوں میں سفارتکاروں کے ملوث ہونے کی شدید الفاظ میں مذمت کی اور کہا بھارت نے کشمیر اور سیالکوٹ پر معاہدوں کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ پاکستان کے اندر جاسوسی کرکے دہشتگردی کے سارے ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ کلبھوش سرجیت کے بعد بلبیر سنگھ بھی پاکستان میں جاسوسی کرنے میں ملوث نکلا لیکن بھارت پاکستان پر دہشتگردی کے الزامات لگاتا رہا ہے، جو 'چور الٹا کوتوال کو ڈانٹے' کے مترادف ہے۔

بھارتی کی جانب سے تخریبی کارروائیوں اور سرگرمیوں کے باوجود ہماری حکومت کی خاموشی اور موثر جواب نہ دینا نہ سمجھ سے بالاتر ہے، بلکہ حکومتی اقدامات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تجزیہ کاروں کے مطابق قوی امکان ہے کہ بھارتی ہائی کمیشن میں سفارتکاری کا لبادہ اوڑھے مزید جاسوسوں کا بھانڈا بھی جلد پھوٹ جائے گا، کیونکہ پاکستان کے خلاف سازشیں بننا بھارت کا وطیرہ ہے اور بھارت اپنے جاسوسوں کے ذریعے پاکستان کو نقصان پہنچاتا رہا ہے، ابھی تو سفارتکاروں کے بھیس میں چند جاسوس ہی بے نقاب ہوئے ہیں، خدا جانے ابھی کتنے بھارتی جاسوس مزید چھپے ہوئے ہوں گے۔

بھارت کی جانب سے پاکستان کے خلاف سازشوں کا معاملہ نیا نہیں ہے، آئے روز پاکستان میں بھارت کے ایجنٹ اور دہشتگرد پاکستانی سیکورٹی کے ہاتھوں گرفتار ہوتے رہتے ہیں۔ روز اول سے بھارت پاکستان کے خلاف سازشیں بنتا رہا ہے۔ بھارتی دہشتگرد پاکستان کے مختلف شہروں میں تخریبی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ملک میں آئے روز دہشتگردی کی وارداتوں کے پیچھے بھارت ہی ہوتا ہے۔ کئی بار اس کے شواہد سامنے آ چکے ہیں۔ کل بھوشن یادیو نے بھی پاکستان میں تخریبی کارروائیوں کا اعتراف کیا تھا۔ بلوچستان میں بھارتی کی تخریبی کارروائیاں بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ پاکستان کی جانب سے مسلسل یہ نشاندہی کی جاتی رہی ہے کہ فاٹا، بلوچستان اور کراچی انڈین انٹیلجنس ایجنسی کی خاص توجہ کا

مرکز ہیں۔ بھارت کی جانب سے پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنے کے ثبوت سیاسی و عسکری قیادت کے پاس موجود ہیں، جنہیں امریکا کے سامنے پیش کرنے کے بیانات بھی آتے رہے ہیں۔ سیاسی قیادت کی طرف سے بلوچستان میں ''را'' کی مداخلت کی بات کی جاتی رہی ہے۔ بھارت کی بدنام زمانہ خفیہ تنظیم ''را'' کا تو نصب العین ہی پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنا ہے۔ اس کے لیے ''را'' پاکستان میں دہشتگردی کی وارداتیں کراتی ہے، بلوچستان میں علیحدگی پسندوں کی مدد کر رہی ہے۔ اب یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ پاکستان میں ''را'' کے بے نام اور بے پہچان ایجنٹ اور ان کے سہولت کار موجود ہیں، ان تک پہنچنے کی کوشش بھی ہوتی رہتی ہے۔ ''را'' اپنے دہشت گردوں، ایجنٹوں اور سہولت کاروں کو افغانستان، دبئی اور دیگر ممالک سے بھی مالی، افرادی اور دیگر مدد فراہم کرتی ہے۔ ذرائع کے مطابق پکڑے گئے بھارتی ایجنٹ اور دہشت گردوں میں سے بیشتر نے تو اسلامی نام بھی رکھے ہوتے ہیں۔ کشمیر سنگھ، سربجیت سنگھ اور سرجیت سنگھ ''را'' کے ایسے ہی ایجنٹ تھے، جن کو آئی ایس آئی نے مہارت سے پکڑا۔ ان کے علاوہ پاکستان کے مختلف شہروں سے تخریبی کارروائیوں میں ملوث دہشتگرد مختلف اوقات میں پکڑے جاتے رہے ہیں۔ بھارتی سفارتکاروں کے روپ میں بھارتی جاسوسوں کا پکڑا جانا جہاں ہماری انٹیلی جنس ایجنسیوں کی کامیابی ہے، وہیں یہ بھی ثابت ہوگیا ہے کہ بھارت پاکستان دشمنی میں کسی بھی حد تک جاسکتا ہے۔ بھارت کے نزدیک نہ تو عالمی قوانین کی کوئی

اہمیت ہے اور نہ ہی اس کے نزدیک اس کے کچھ اپنے قوانین ہیں۔ اس کا کام صرف پیٹھ میں چھرا گھونپنا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ پاکستان حکومت اور پوری قوم کو بھارت کے حوالے سے سخت موقف اختیار کرنا ہوگا، بصورت دیگر بھارت اسی طرح پاکستان کو نقصان پہنچاتا رہے گا۔

یہ سیاست بھی کیا عجب شے ہے

سیاست کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ سیاستدانوں کو دوسروں کی چھوٹی چھوٹی برائیاں بھی واضح نظر آتی ہیں، لیکن اپنے بڑے بڑے ''کارناموں'' پر بھی سدا دھند ہی چھائی رہتی ہے۔ دوسروں کی آنکھ کا تنکا بھی نظر آجاتا ہے، اپنی آنکھ کا شہتیر بھی کسی کو نظر نہیں دیتا۔ حالانکہ تقریباً تمام سیاست دان ایک سے ہیں۔ ان میں تھوڑا بہت فرق ہو سکتا ہے، لیکن سب کا محور اقتدار اور مفادات کا حصول ہے۔ تمام سیاستدانوں کا مقصد ایک، لیکن نعرہ ہر ایک جدا لگاتا ہے۔ جھوٹے نعروں کے ذریعے اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عرب ادیب مصطفیٰ لطفی منفلوطی نے تو یہاں تک لکھا ہے ''جلاد تو چند افراد کو قتل کرتا ہے مگر سیاستدان ساری قوم کی جانوں کا سودا کرتا ہے، جو جتنا بڑا جھوٹا وہ اتنا بڑا سیاستدان۔'' اگرچہ کچھ سیاست دان اس سے مستثنیٰ بھی ہوتے ہیں، لیکن آج تو سیاست نام ہی دھوکا دہی اور جھوٹے نعروں کا بن گیا ہے۔ جو جتنا زیادہ جھوٹ بول سکتا ہے، اتنی ہی تیزی سے کامیابی حاصل کرتا ہے۔ عوام بھی اسی سیاست دان کو کامیاب کروانا ضروری خیال کرتے ہیں، جو سب سے زیادہ ان کو بے وقوف بنا سکتا ہو۔ غریب عوام کو بے وقوف بنانے کے لیے سیاستدان نت نئے حربے استعمال کرتے ہیں۔ ہر آنے والا سیاستدان ایک نیا ہی تماشا سجاتا ہے اور پٹاری سے کچھ نہ کچھ نکال کر عوام

کو بے وقوف بناتا ہے۔

سیاست دان عوام کی طاقت سے ہی اقتدار میں آتے ہیں، لیکن اقتدار ملنے کے بعد عوام کو سرے سے بھول ہی جاتے ہیں۔ سیاست کے نام پر ہر دغا روا ہے۔ یہاں سیاست کے نام پر عوام پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ لوگ بنیادی ضرورتوں سے محروم ہو کر خودکشیوں پر مجبور ہیں۔ دہشتگردی، قتل وغارت اور لوٹ مار اِن کا مقدر بن چکا ہے۔ عوام بجلی، سوئی گیس اور پانی کی بنیادی ضروریات سے محروم ہیں۔

بیروزگاری تعلیم یافتہ طبقے کو بھی چور ڈاکو بننے کی ترغیب دے رہی ہے۔ نسلی، علاقائی، لسانی تعصّبات نے ملک کا وجود خطرے میں ڈال دیا ہے، جن سے تنگ آ کر عوام پانچ سال تک برسر اقتدار لوگوں کے خلاف اپنی نفرتوں کو پالتے رہتے ہیں، تاکہ آیندہ ان سے نجات حاصل کریں، مگر بدقسمتی سے پانچ سال بعد پھر وہی لوگ عوام پر مسلط ہوتے ہیں۔ کروڑوں اربوں روپے خرچ کر کے پھر وہی خانوادے، ان کے بیٹے، بیٹیاں، بھتیجیاں اور کبھی بھانجے بھانجیاں اقتدار میں ہوتے ہیں۔ جو الیکشن میں منتخب ہو کر کہتے ہیں کہ عوام ہی ہماری طاقت کا سرچشمہ ہیں، حالانکہ یہاں جمہوریت کا عوام سے صرف اتنا سا تعلق ہے کہ انھیں ہر پانچ سال کے بعد اقتدار کے ان وارثوں کو منتخب کرنے کا حق دیا جاتا ہے۔

سیاست دانوں نے ہمیشہ خوشنما نعروں کی مدد سے لوگوں میں جذباتی کیفیت پیدا کرکے محض اقتدار کے کھیل کو تقویت دی ہے۔ سیاست دانوں کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ سیاسی نعروں کو بنیاد بناکر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرسکیں، لیکن ہماری سیاست میں ہمیشہ سے حکمرانوں کے سیاسی دعوؤں اور عوام کی خواہشات میں تضاد کی سیاست کا پہلو نمایاں رہا ہے۔ سیاسی جماعتوں کے دعوؤں کے سائے تلے بے انتہا سنگین مسائل کا ایک بڑا سیاسی جن عوام پر مسلط ہے، حالانکہ سیاست دان پیسے کا جتنا بے دریغ استعمال اپنے جلسوں پر کرتے ہیں، اگر صرف اسی کو عوام پر خرچ کردیں تو اس سے عوام کے کئی مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ کتنے غریبوں کے چولہے جل سکتے ہیں۔ کتنے ہی طلبہ وطالبات کے تعلیمی اخراجات اٹھائے جاسکتے ہیں۔ کتنے ہی بے روزگاروں کے روزگار کا انتظام ہوسکتا ہے، لیکن کسی کو غریبوں کے مسائل سے کیا لینا، ان کو تو کسی طرح زیادہ سے زیادہ ووٹ حاصل کرنا ہوتے ہیں۔

سیاست دان قوم کی قیادت اور نمایندگی کے اعلیٰ مقام پر سرفراز ہوتا ہے۔ عقل وشعور اور اخلاق میں بھی اس کو اپنے مقام و مرتبہ کے مطابق بلند ہونا چاہیے، لیکن افسوس ہماری سیاست میں بہت سے انتہائی سطحی سوچ کے لوگ بھی شامل ہیں، جن کے اخلاق و اطوار دیکھ کر لگتا ہے کہ اخلاقیات کا ان کو 'ککھ' پتہ نہیں ہے۔ ہم لوگ اہل مغرب کو اخلاقی پستیوں کا طعنہ دیتے ہیں، یقیناً

ان کی کم حیا تہذیب نے آدمیت کے شرف کو مدہم کیا ہے، مگر وہاں قوم کی دولت کو اپنی دولت سمجھ کر یوں بے دریغ استعمال نہیں کیا جاتا۔ اگر کوئی کرتا ہے تو اس کا نقد احتساب کیا جاتا ہے۔ وہاں حکمران اور عوام کو ایک نظر سے دیکھا جاتا ہے، بلکہ بہت سے معاملات میں تو حکمرانوں کے لیے قوانین عوام سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔

مغرب میں منشیات کا استعمال اور بغیر نکاح کے جنسی تعلقات قائم کرنا کوئی معیوب بات نہیں، لیکن یہ ''غیر معیوب'' باتیں اگر ان کے سیاست دانوں میں پائی جائیں تو وہ نااہل ٹھہرتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ قول تو بچپن سے پڑھتے آئے کہ سیاست کے سینے میں دل نہیں ہوتا، لیکن سیاست دانوں کے بیانات اور سیاسی کارکنوں کے اخلاق دیکھ کر لگتا ہے کہ سیاست کا اخلاقیات سے بھی کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ فلاسفر اس بات کی بارہا نشاندہی کرتے ہیں کہ اخلاقیات اور سیاست کے درمیان موجود ربط انتہائی پیچیدہ ہے، لیکن سیاست دان اس کی باریکی پر توجہ نہیں دیتے۔ بے اصولی، مصلحت کوشی اور مفاد پرستی کے اِس سیاسی نظام میں ہمارے سیاستداں کب اور کس وقت آس فرد اور جماعت کے خلاف زہر اگلنے لگیں، جس کی مدح سرائی میں وہ کبھی رات دن ایک کر دیا کرتے تھے یا پھر اچانک کسی کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانا شروع کر دیں جن کی مخالفت میں وہ پہلے دلائل و استدلال کے انبار لگا دیا کرتے

تھے۔ اپنے مفادات کی خاطر سیاست دان اپنے بیان سے کب اور کس وقت مکر جائیں، یہ بھی کچھ پتا نہیں۔ اصول، اخلاقیات، تہذیب اور جمہوری اقدار کی بات کرنے والے ہر روز اپنے عمل سے اپنے ہی کہے کو جھوٹ ثابت کرتے ہیں اور یہ سب کچھ بلا جھجک اور انتہائی ڈھٹائی سے کیا جاتا ہے۔

لیڈروں سے لے کر کارکنوں تک سب روز کھلے عام اخلاقیات کو پاؤں تلے روندتے نظر آتے ہیں۔ قومی سطح کے لیڈر بھی بڑے بڑے جلسوں اور ٹی وی پروگرامز میں مخالف لیڈر کے خلاف انتہائی سطحی باتیں کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے اور یہی سطحی سوچ کارکنوں میں بھی منتقل ہوتی جاتی ہے۔ اب تو سوشل میڈیا کا پلیٹ فارم کارکنوں کے ہاتھ آ گیا ہے۔ جس کا جو دل چاہے مخالف جماعت کے خلاف جھوٹ سچ لکھے، شیئر کرے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔

سیاست کی منڈی کا سستا ترین مال کارکن ہوتے ہیں، جو بغیر سوچے سمجھے اپنے لیڈر کی بات پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ ان کے لیڈر کا موقف کس حد تک ٹھیک ہے یا غلط۔ ان کا لیڈر ملک و قوم، عوام، مذہب اور خود کارکنوں کو استعمال کر کے ان کو کتنا نقصان پہنچا رہا ہے، لیکن کارکن آنکھوں پر کالی پٹی باندھے ان کی ہر غلط صحیح بات کا دفاع کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اول تو سیاست دانوں کو اپنے رویوں کو تبدیل کرنا چاہیے، لیکن

اگر سیاست دان اپنے رویے نہیں بدلتے تو پاکستانی قوم کو سیاستدانوں اور اور بالادست طبقے کے جھوٹ پر مبنی نعروں اور دعووں سے خبردار رہنا ہوگا، بصورت دیگر قوم ہمیشہ ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہے گی۔

یہ سیاست بھی کیا عجب شے ہے
میں سمجھتا ہوں میں بھی حق پر ہوں
(ابن صفی)

بھارتی پاگل پن انتہا پر.....سرحد پر غیر اعلانیہ جنگ

کشمیر میں بھارتی سفاکیت کے سامنے سینہ سپر غیور کشمیری عوام کے حوصلوں اور پاکستان زندہ باد کے نعروں سے خوفزدہ بھارت پاگل پن میں مبتلا ہو کر لائن آف کنٹرول پر بلااشتعال فائرنگ کرکے پاکستان کو جنگ کی طرف دھکیلنے کے لیے کوشاں ہے۔ گزشتہ روز لائن آف کنٹرول پر بھمبر سیکٹر پر بھارتی افواج کی جارحیت اور بلااشتعال فائرنگ سے 7 پاکستانی فوج کے جوان شہید ہوگئے۔ پاک فوج کے شعبہ تعلقات عامہ کے مطابق پاک فوج نے بھارتی فائرنگ کا بھرپور جواب اور جوابی کارروائی کرتے ہوئے بھارتی چیک پوسٹوں کو موثر انداز میں نشانہ بنایا جس کے نتیجے میں متعدد بھارتی فوجی ہلاک اور کئی بھارتی چوکیاں تباہ ہوگئیں۔ آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے کہا کہ بھارتی جارحیت کا بھرپور انداز میں جواب دیا جائے گا۔ مادر وطن کا ہر قیمت پر دفاع اور تحفظ کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جائے گی۔ وزیر اعظم نواز شریف نے کنٹرول لائن پر فائرنگ کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ بھارتی حکومت نوشتہ دیوار پڑھنے سے قاصر ہے۔ بھارتی اشتعال انگیزی اور کشیدگی بڑھانے کا مقصد کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے توجہ ہٹانا ہے۔ وزیر اعظم نے کہا کہ کسی بھی جارحیت کی صورت میں وطن کے دفاع کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں، بھارتی فورسز کی ایل او سی پر مسلسل اشتعال انگیزی تشویشناک ہے۔

لائن آف کنٹرول پر بھارت کی بلا اشتعال فائرنگ کے نتیجے میں پاک فوج کے 7 جوانوں کی شہادت پر پاکستان کے سیاسی رہنماوں نے بھرپور رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ دشمن نے اگر جنگ مسلط کرنے کی کوشش کی تو اسے بھرپور جواب دیں گے۔ سیاسی رہنماؤں کا کہنا تھا کہ مودی سرکار خون کی پیاسی بن چکی ہے۔ بھارت کی جانب سے بارڈر پر سکیورٹی فورسز کے جوانوں کی ہلاکت پر پوری قوم سراپا احتجاج ہے اور عالمی برداری سے اپیل کرتی ہے کہ وہ بھارت کی ریاستی دہشت گردی کا نوٹس لے۔ بھارت کی جانب سے بار بار سرحدی خلاف ورزی کی جارہی ہے۔ بھارت کا جنگی جنون قابل مذمت ہے۔ بھارت خطے کو جنگ کی آگ میں جھونکنا چاہتا ہے، عالمی برادری کو اس کا نوٹس لینا چاہیے۔ اگر جنگ کی آگ بھڑکی تو یہ کسی ایک خطے یا علاقے تک محدود نہیں رہے گی، بلکہ پوری دنیا کو اس میں جلنا پڑے گا۔ سرحد پر بھارت کی شرارتیں عالمی امن کے لیے بڑا خطرہ ہیں۔ بھارتی شر انگیزیاں کروڑوں انسانوں کا مستقبل تاریک کر سکتی ہیں۔ بھارت خطے کو جوہری جنگ کی طرف لے جانے سے گریز کرے۔ وزیر دفاع خواجہ آصف نے فائرنگ کے واقعے پر رد عمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ بھارتی قیادت خطے کے لیے خطرے کا باعث ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھارتی حکومت مذہبی انتہا پسندی کو لے کر چل رہی ہے جو خطے کے لیے تباہ کن ہو سکتی ہے۔ عالمی برادری کو بھارتی اشتعال انگیزی کا نوٹس لینا چاہیے کیونکہ جوہری طاقت کی حامل دو ریاستوں کے درمیان کشیدگی پورے خطے کے لیے تباہ کن ہو سکتی ہے۔ دفتر خارجہ

کے ترجمان نفیس ذکریا نے کہا ہے کہ بھارت مقبوضہ کشمیر میں اپنی فوج کے ہاتھوں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں سے دنیا کی توجہ ہٹانے کے لیے جنگ بندی کی مسلسل خلاف ورزی کر رہا ہے۔ بھارتی فوج نے گزشتہ چند ماہ میں جنگ بندی کی اڑھائی سو سے زائد بار خلاف ورزی کی۔ بھارت کی بلا اشتعال فائرنگ سے چھبیس پاکستانی شہری شہید اور ایک سو سے زائد زخمی ہوئے اور عمارتوں کو نقصان پہنچا۔

جنگی جنونیت میں مبتلا بھارت کی جانب سے رواں سال کے دوران اب تک سیز فائر لائن کی 222 سے زائد بار خلاف ورزیاں کی جاچکی ہیں، جبکہ اب تک وہ کنٹرول لائن کی 184 بار اور ورکنگ باؤنڈری کی 38 بار خلاف ورزیاں کرچکا ہے اوراس کی بلااشتعال فائرنگ اور گولہ باری کے نتیجے میں گزشتہ دو ماہ کے دوران 28 شہری شہید اور بیسیوں زخمی ہوچکے ہیں۔ اس سال 18 ستمبر کو ہونے والے اڑی حملے کے بعد بھارت کی جانب سے متعدد بار کنٹرول لائن اور ورکنگ باؤنڈری کی خلاف ورزی کی جاچکی ہے۔ ان خلاف ورزیوں پر بھارتی ڈپٹی ہائی کمشنر کو کئی بار دفتر خارجہ طلب کرکے پاکستان کی جانب سے احتجاج ریکارڈ کرایا گیا ہے، مگر بھارت اس پر ٹس سے مس نہیں ہوا اور اس نے کنٹرول لائن اور ورکنگ باؤنڈری پر جارحیت کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ بھارت میں بی جے پی کی مودی سرکار کا دور شروع ہوتے ہی پاکستان کی سالمیت کمزور کرنے کی جو جارحانہ

پالیسیاں اختیار کی گئیں، اس سے بھارتی عزائم کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ پاکستان کو ہر صورت نقصان پہنچانے پر تلا بیٹھا ہے۔ اس تناظر میں مودی سرکار کو پاکستان کی اقتصادی ترقی اور خوشحالی پر مبنی کوئی منصوبہ بھی ایک آنکھ نہیں بھاتا اور وہ اسے سبوتاژ کرنے کی سازشوں میں مگن نظر آتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مودی سرکار نے پاکستان کو دہشت گردی کے ذریعہ بھی کمزور کرنے کی ٹھانی ہوئی ہے، چنانچہ گزشتہ دو اڑھائی سال کے دوران پاکستان میں جتنی بھی دہشت گردی کی وارداتیں ہوئی ہیں، ان میں سے زیادہ تر میں بھارتی ایجنسی ''را'' کا ہاتھ ہی کارفرما نظر آیا ہے، جس کے ٹھوس ثبوت اور شواہد اقوام متحدہ اور امریکا سمیت انسانی حقوق کے عالمی اداروں کو ایک ڈوزیئر کی شکل میں پیش کیے جا چکے ہیں۔ اب گوادر جا کر گوادر تجارتی بندرگاہ کا باضابطہ افتتاح ہوگیا اور گوادر پورٹ کے افتتاح کے ساتھ ہی چین کا پہلا تجارتی قافلہ بھی گوادر پہنچ گیا ہے تو پاکستان کی اقتصادی خوشحالی اور استحکام کی راہ ہموار ہوتے دیکھ کر بھارت کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے ہیں، اس لیے گزشتہ رات بھارتی فوجوں کی جانب سے کنٹرول لائن پر بلااشتعال جارحیت کا ارتکاب سی پیک کے اپریشنل ہونے پر بھارتی ناراضگی کا اظہار ہی ہو سکتا ہے، جبکہ اس سے دو روز قبل درگاہ شاہ نورانی بلوچستان میں ننگِ انسانیت دہشت گردی سے بھی بادی النظر میں بھارت ہی کی جانب سے سی پیک کو سبوتاژ کرنے کا عندیہ دیا گیا۔ چونکہ سی پیک کی مخالفت میں خود بھارتی وزیراعظم نریندر مودی پیش پیش ہیں،

جو بلوچستان میں گڑبڑ کرنے والوں کی حوصلہ افزائی اور ان کی سرپرستی کا اعلان بھی کر چکے ہیں، جبکہ بلوچستان سے گرفتار ہونے والے بھارتی ''را'' کے جاسوس کلبھوشن یادیو بھی اپنے اقبالی بیان میں سی پیک کو سبوتاژ کرنے کے لیے بلوچستان میں ''را'' کا سازشی نیٹ ورک پھیلانے کا اعتراف کر چکے ہیں۔ پاکستان کی سالمیت کے خلاف اس کے جارحانہ عزائم کسی سے ڈھکے چھپے نہیں، جس کا اندازہ اس سے ہی لگایا جاسکتا ہے کہ گزشتہ دو ماہ کے دوران بھارتی جنونیت پاکستان کے سرحدی علاقوں میں 28 معصوم شہریوں کی جانیں لے چکی ہے، جبکہ اب گزشتہ روز بھارتی توپخانے کی گولہ باری سے پاک فوج کے سات فوجی جوان شہید ہوئے ہیں۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بھارت اپنی جنونیت میں کس انتہاء تک جاچکا ہے، جبکہ وہ اس جنونیت میں علاقائی اور عالمی امن و سلامتی کے تقاضوں کو بھی روند رہا ہے اور جنگ کی آگ بھڑکانے پر تلا بیٹھا ہے۔

تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ بھارت براہ راست پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر رہا ہے، اگر گوادر پورٹ پر اہم تقریب سے قبل شاہ نورانی درگاہ پر دھماکے اور دہشتگردی کے دیگر واقعات کا جائزہ لیں تو کہیں نہ کہیں بھارت کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ بھارت پاکستان کو بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان بھارت کے ایجنڈے کو قبول کرلے اور کشمیر کے

معاملے سے دستبردار ہوجائے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے ڈونلڈ ٹرمپ سے قریبی تعلقات ہیں اور وہ نریندر مودی سے زیادہ شدت پسند ہیں اور بھارت کی حمایت میں بیانات بھی دے چکے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بھارتی جنگی جنون کو امریکا میں ٹرمپ کی حکومت آنے کے بعد مزید تقویت ملی ہے۔ تجزیہ کاروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ کشمیر میں بھارتی مظالم کی وجہ سے پوری دنیا میں اس کا مکروہ چہرہ بے نقاب ہوگیا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں مجاہد کمانڈر برہان وانی کی شہادت کے بعد احتجاجی لہر 19 ویں ہفتے میں داخل ہو گئی۔ بھارتی فوج کے نہتے کشمیریوں پر مظالم کا سلسلہ نہ تھم سکا۔ لوگ گھروں میں محصور، کھانے پینے کی اشیاء اور ادویات کی شدید قلت برقرار ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فورسز نے چار ماہ کے دوران 6205 شہریوں کو پیلٹ گن کا نشانہ بنایا۔ ریاستی حکومت کے محکمہ صحت کی رپورٹ کے مطابق 4 ماہ کے دوران پیلٹ گن سے زخمی ہونیوالے لوگوں میں سے 1200 کی عمر 15 برس سے کم ہے۔ 1300 شہریوں بشمول 9010 نوجوانوں، بچوں و بچیوں اور خواتین کی آنکھوں و بینائی کو مہلک ہتھیاروں سے نقصان پہنچا۔ کشمیر میں بھارتی مظالم سے عالمی برادری کی توجہ ہٹانے کے لیے بھارت نے لائن آف کنٹرول پر جنگ فائرنگ کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔

مودی سرکار نے پاکستان چین اقتصادی راہداری کو رکوانے کی اپنی سازشوں میں ناکامی کے بعد پاکستان پر براہ راست جنگ مسلط کرنے کی ٹھان لی ہے، جس کے

لیے پاکستان کو گزشتہ رات کی ننگی جارحیت کے ذریعے پیغام دیا گیا ہے۔آج اگر بھارت سی پیک کو سبوتاژ کرنے اور اس کی بنیاد پر پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچانے پر تلا بیٹھا نظر آتا ہے تو ہمیں اندرونی طور پر اتحاد و یکجہتی کے ذریعے اس کی ناپاک سازشوں کو ناکام بنانا چاہیے۔ طرح سی پیک کے بارے میں بھی ہماری قومی سیاسی قیادتوں کو بھارتی سازشوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے تعمیری سوچ کا اظہار کرنا ہوگا، ورنہ دشمن تو ہماری سالمیت پر اوچھا وار کرنے پر تلا بٹھا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آخر بھارت سرحدی خلاف ورزیوں سے کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے اور پاکستان کے احتجاج کے باوجود وہ مسلسل کشیدگی پیدا کرنے سے باز کیوں نہیں آ رہا۔ پاکستان بھارتی سرحدی خلاف ورزی کے ثبوت متعدد بار اقوام متحدہ کے فوجی مبصرین کے سامنے پیش کر چکا ہے، حیرت انگیز امر یہ ہے کہ سرحد کے دونوں جانب اقوام متحدہ کے فوجی مبصرین موجود ہیں، مگر پھر بھی بھارت کی جانب سے مسلسل سرحدی خلاف ورزی رکنے میں نہیں آ رہی۔ موجودہ صورت حال کے تناظر میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اقوام متحدہ سرحدوں پر بھارتی جارحیت روکنے کے لیے اپنا کوئی کردار ادا نہیں کر رہی، آخر اقوام متحدہ کی جانب سے یہ خاموشی اور صرف نظر کا رویہ کیا معنی رکھتا ہے۔ جب بھارت میں دہشت گردی کا کوئی واقعہ رونما ہو جائے جیسا کہ پٹھانکوٹ اور اوڑی میں ہوا تھا تو وہ آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے اور اقوام متحدہ سمیت دیگر عالمی قوتیں بھی اس کی ہاں میں ہاں ملانا

شروع کر دیتی ہیں لیکن جب بھارتی فوج کی جانب سے جارحیت کی جاتی ہے تو عالمی قوتیں مذمتی بیان جاری کرنا بھی گوارا نہیں کرتیں' ان کے اس منافقانہ اور دوغلے کردار ہی کے باعث بھارت کو شہ ملتی ہے اور اسے ادراک ہو چکا ہے کہ عالمی قوتیں اس کی کسی بھی جارحیت کے خلاف لب وا نہیں کریں گی۔ اس سلسلے میں اقوام متحدہ اور عالمی قوتوں کو ہی اپنا کردار ادا کرنا ہو گا۔ اگر بھارتی جارحیت اسی طرح جاری رہی اور بات بڑھتے بڑھتے جنگ تک آ پہنچی تو یہ اس خطے کی تباہی کا اعلان ہو گا۔ دونوں ممالک ایٹمی ہتھیاروں، جدید ترین میزائلوں اور خوفناک اسلحے سے لیس ہیں جن کے استعمال کے بعد اس خطے میں جو تباہی پھیلے گی، اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وقت آ گیا ہے کہ اقوام متحدہ اور عالمی قوتیں اپنی خاموشی توڑ کر پاک بھارت کشیدگی کے خاتمے کے لیے اپنا کردار ادا کریں، ان کی خاموشی دنیا کو تباہی کی طرف لے جائے گی۔

ترک صدر کا دورۂ پاکستان..... پائیدار دوستی کا آئینہ دار

ترک صدر طیب اردوان پاکستان کا دو روزہ دورہ مکمل کرنے کے بعد جمعرات کی شب واپس چلے گئے، لیکن پاکستان کے عوام کے دلوں میں ابھی بھی بسے ہوئے ہیں۔ ترکی کے صدر رجب طیب اردگان بدھ کے روز دو روزہ سرکاری دورے پر پاکستان آئے۔ نور خان ایئر بیس اسلام آباد پر اُن کا شاندار استقبال کیا گیا۔ پاکستان آمد کے بعد بدھ کو صدر ممنون حسین سے ملاقات کی اور دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی اور دفاعی تعلقات میں مزید گہرائی پیدا کرنے، مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے مطابق حل کرنے اور لائن آف کنٹرول پر بھارتی جارحیت کے خاتمے اور افغانستان میں دیرپا امن اور دہشت گردی کے خاتمے کے لیے مشترکہ کوششوں پر اتفاق کیا گیا۔ صدر اردوان نے کہا کہ دفاعی تعاون کو مزید بڑھانے کے لیے تمام ضروری اقدامات کیے جائیں گے۔ انہوں نے سی پیک منصوبے کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ یہ منصوبہ عالمی امن و استحکام کا ذریعہ بنے گا۔ دونوں ملکوں کے وفود میں مذاکرات کے بعد وزیر اعظم نواز شریف اور صدر طیب ایردوان نے مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ وزیر اعظم نواز شریف نے 15 جولائی کو ترکی میں بغاوت کی مذمت کی اور کہا کہ ترک عوام نے جرات و حوصلہ سے اسے ناکام بنا کر جمہوریت کی سربلندی کے لیے نئی تاریخ رقم کی ہے۔ پاکستان ترکوں کا دوسرا گھر ہے اور پاکستان، ترکی

تعلقات خطہ کے لیے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دونوں ممالک میں تجارت اور سرمایہ کاری میں مزید اضافہ ہونا چاہیے۔ ترک صدر نے وزیر اعظم سے مذاکرات کو مفید قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہم معاشی، اقتصادی اور دفاعی شعبے میں تعاون بڑھائیں گے۔ ترک صدر طیب اردوان کے دورہ کے پاکستان کی معیشت پر بہتر اثرات مرتب ہوں گے۔ اُن کے ہمراہ تاجروں اور سرمایہ کاروں کا وفد بھی پاکستان آیا۔ دونوں ممالک کے درمیان توانائی اور دیگر شعبوں میں سرمایہ کاری اور شراکت داری کے کئی معاہدوں پر دستخط کیے گئے، جن میں ڈیموں کی تعمیر بجلی پیدا کرنے کے منصوبوں سمیت دیگر اہم منصوبے بھی شامل ہیں۔ دونوں ملکوں کے درمیان اقتصادی تعلقات کا ایک نیا دور شروع ہوگا۔ پاکستان اور ترکی دو طرفہ تجارت کے سالانہ حجم کو دو ارب ڈالر تک بڑھانے کے خواہاں ہیں۔ وزیر اعظم نے ترکی کی کاروباری شخصیات کو خصوصی مراعات دینے کے عزم کا بھی اظہار کیا۔ امید کی جارہی ہے کہ ترکی وفد کی پاکستان آمد سے خزانہ، بنکنگ تجارت، توانائی، ٹرانسپورٹ اور مواصلات کے شعبوں کے علاوہ تعلیم، ثقافت اور سیاحت کے شعبوں میں سرمایہ کاری کے راستے کھلیں گے۔

پاکستان اور ترکی کی تذویراتی شراکت داری کے لیے اقدامات کے حوالے سے مشترکہ اعلامیہ کے مطابق وزیر اعظم نواز شریف اور ترک صدر کی ملاقات میں دو طرفہ تعلقات پر تفصیلی بات چیت کی گئی۔ اعلامیہ میں عالمی برادری سے

اسلام فوبیا کی روک تھام کا مطالبہ کیا گیا۔ اعلامیہ میں دونوں ملکوں کے قریبی تعلقات کی مضبوط تذویراتی شراکت داری میں تبدیلی پر اطمینان کا اظہار اور دونوں ملکوں کی قیادت نے ترکی میں ناکام بغاوت کے خلاف ترک عوام کی بہادری کو سلام کیا۔ پاکستان اور ترکی نے اہم ایشوز پر ایک دوسرے کی حمایت جاری رکھنے کے عزم کا اعادہ کیا اور اعلیٰ سطح تذویراتی کونسل کے تحت جاری منصوبوں پر عملدرآمد پر بھی اطمینان کا اظہار کیا گیا۔ توانائی اور بنیادی ڈھانچے سمیت مختلف شعبوں میں تعاون کے فروغ پر اتفاق کیا گیا۔ ثقافت، سیاحت اور تعلیمی وفود کے ذریعے عوامی روابط کے مزید فروغ کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ دونوں ملکوں نے آزادانہ تجارت کے معاہدے کے لیے ہونے والی پیش رفت پر اطمینان کا اظہار اور آزادانہ تجارت کے معاہدے کے لیے مذاکرات رواں سال مکمل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ دفاعی شعبے میں تعاون کے لیے طویل المدتی جامع فریم ورک پر اتفاق اور وزارت خارجہ کی سطح پر دونوں ملکوں کا مشاورتی عمل کو وسعت دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ اعلامیہ کے مطابق پاکستان اور ترکی نے مقبوضہ جموں وکشمیر کی صورتحال پر تشویش کا اظہار کیا گیا، عالمی برادری مہاجرین کی میزبانی کرنے والے ملکوں سے تعاون کرے۔

صدر طیب اردگان نے دورہ پاکستان کے دوران پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے بھی خطاب کیا اور پاکستان بقاء و سلامتی اور ترقی کے لیے اپنے عزم کا اعادہ کیا۔

جمہوریہ ترکی کے صدر طیب اردوان جمعرات کی صبح جب ایوان وزیر اعظم پہنچے تو ان کا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ وزیر اعظم میاں نواز شریف نے وزیر اعظم ہاؤس کے مرکزی دروازے پر معزز مہمان کو خوش آمدید کہا۔ ترک صدر رجب طیب اردوان نے جمعرات کے روز کسی بھی غیر ملکی سربراہ مملکت کے طور پر پاکستانی پارلیمنٹ سے تیسری بار خطاب کرنے کا منفرد اعزاز حاصل کیا ہے۔ یہ 18 واں موقع تھا کہ کسی غیر ملکی سرکاری شخصیت نے پاکستانی پارلیمان سے خطاب کیا۔ رجب طیب اردوان پاکستانی پارلیمنٹ سے بطور وزیر اعظم دو بار 2009 اور 2012 میں مخاطب ہو چکے ہیں۔

پارلیمان کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس سے ترکی کے صدر رجب طیب اردوان کا خطاب معرکہ آرا اور بہت اہمیت کا حامل تھا۔ انہوں نے ملکی، علاقائی اور بین الاقوامی امور پر جرات مندی کے ساتھ حقیقت بیان کی۔ ترک صدر نے پاکستان کو اپنا دوسرا گھر قرار دیا۔ ترک صدر نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں کہا کہ پاکستان اور ترکی کے درمیان صدیوں پرانا مذہبی، ثقافتی دوستی کا لازوال رشتہ ہے۔ ترکی نے کشمیر کے تنازع پر پاکستان کے مؤقف کی ہر پلیٹ فارم پر حمایت کی۔ ترکی کے صدر نے مقبوضہ کشمیر میں بھارتی دہشت گردی کی بھی مذمت کی ہے اور پاکستانی مؤقف کی حمایت و تائید کا بھی اعلان کیا ہے۔ پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں سپیکر ایاز صادق نے جمہوریت اور قانون کی حکمرانی کے لیے پاکستان اور ترکی کے عوام کے یکساں نظریات و جذبات کے اظہار کے ساتھ ترک صدر کے سامنے کشمیر کا اثر انگیز مقدمہ پیش کر دیا کہ کس

طرح صرف جنوری 2016 سے اب تک ایک ہزار سے زاید معصوم کشمیریوں کو پیلٹ گنوں سے زخمی اور بصارت سے محروم کیا جاچکا ہے۔ 130 سے زاید اپنی زندگیاں ہار چکے ہیں اور لاکھوں ناختم ہونے والے مظالم کا سامنا کر رہے ہیں۔ اس عرصے میں بھارت سیز فائر کی 230 مرتبہ خلاف ورزیاں کرچکا ہے۔ ترک صدر نے کشمیر کے معاملے میں پاکستان کے موقف کی کھل کر حمایت کی۔ وزیراعظم ہاؤس میں نواز شریف سے ملاقات کے بعد مشترکہ پریس کانفرنس میں ترک صدر رجب طیب اردوان کا کہنا تھا کہ نواز شریف سے ملاقات میں مقبوضہ کشمیر کی صورتحال پر بھی بات ہوئی۔ مسئلہ کشمیر کو کسی طرح بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا اور ترکی مقبوضہ کشمیر پر پاکستانی موقف کی بھرپور حمایت کرتا ہے۔ دونوں ممالک مسئلہ کشمیر کو مذاکرات کے ذریعے حل کر سکتے ہیں اور ترکی بھی اس مسئلے کی مذاکرات کے ذریعے فوری حل کی حمایت کرتا ہے، جب کہ کنٹرول لائن پر کشیدہ صورتحال پر تشویش ہے۔

صدر رجب طیب اردوان اسلامی ممالک کی تنظیم او آئی سی کے بھی سربراہ ہیں۔ ترکی اسلامی تعاون کی تنظیم کے تنازع کشمیر کے لیے رابطہ گروپ کا سربراہ بھی ہے، جس میں اس کے وزیر خارجہ نے لائق تعریف فعال کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے کشمیری عوام سے یکجہتی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ترکی اسلامی ممالک کی تنظیم ''او آئی سی'' میں یہ مسئلہ بھرپور انداز میں اٹھائے گا۔ ان کا کہنا

تھا کہ ترکی کشمیر کے مسئلہ کا اقوام متحدہ کی قراردادوں اور کشمیری عوام کی خواہشات کے مطابق فوری اور بامعنی حل کا خواہاں ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ بھارت کشمیر میں نہتے کشمیریوں پر مظالم کی نئی تاریخ رقم کر رہا ہے اور سرحد پر مسلسل سیز فائر کی خلاف ورزی بھی کر رہا ہے، ایسے میں عالم اسلام کے عظیم لیڈر طیب اردوان کا پاکستان کے موقف کی کھل کر حمایت کرنا نہ صرف پاکستان کے لیے نیک شگون ہے، بلکہ بھارت کے لیے بھی اس میں سبق پوشیدہ ہے کہ وہ پاکستان اور کشمیر میں جارحیت کا ارتکاب کرنے سے باز رہے، کیونکہ پاکستان تنہا نہیں ہے۔ ترک صدر کا یہ بھی کہنا تھا کہ دین اسلام امن اور سلامتی کا پیامبر ہے۔ اسلام اور دہشت گردی کا کوئی تعلق نہیں۔ دہشت گرد اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں، جس طرح دہشت گرد دین اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں، کوئی نہیں پہنچا سکتا۔ ترک صدر نے پاکستانی قیادت کو ترکی کی حالیہ ناکام بغاوت کے پس پردہ محرکات سے بھی آگاہ کیا اور واضح کیا کہ فتح اللہ گولن تحریک کو مغرب کی حمایت حاصل ہے۔ ناکام بغاوت میں جو ہتھیار استعمال کیے گئے اس کے تانے بانے مغرب سے ملتے ہیں۔ ترک صدر نے پاکستانی قیادت کو باور کرایا کہ گولن تحریک سے چوکس اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، کیونکہ گولن القاعدہ اور داعش کی مدد کر رہا ہے۔ صدر اردوان کو خدشہ ہے کہ اگر پاکستان نے گولن کے سرمایہ پر چلنے والے پاک ترک سکولز سسٹم کی چھان پھٹک نہ کی تو پاکستان بھی عدم استحکام کا شکار ہو سکتا ہے۔

ترکی کے صدر رجب طیب اردگان نے پاکستان کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا اور پاک ترک دوستی کو ایک تاریخی ورثہ قرار دیتے ہوئے اسے مزید مضبوط بنانے پر زور دیا۔ ترکی اور پاکستان کے درمیان لازوال تاریخی تعلقات موجود ہیں۔ ترک قوم سے ہمارے قلبی تعلق کا آغاز قیامِ پاکستان سے قبل شروع ہوچکا تھا۔ جب تقسیم سے پہلے برصغیر کے مسلمانوں نے ترکی میں خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے خلاف بھرپور احتجاج کیا تھا، پوری دنیا سلطنتِ عثمانیہ کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں نے خلافت کی بحالی کے لیے جدوجہد میں اپنا حصہ اس طرح ڈالا تھا کہ انھوں نے جنگ نجات میں ترکی بھائیوں کی مدد کے لیے اپنے اثاثے تک فروخت کر ڈالے تھے۔ ہماری ثقافتوں اور تہذیبوں میں قربت اور باہمی تعاون تو صدیوں سے برقرار ہے۔ ترکی اور پاکستان کے درمیان گہرے، لازوال اور بے مثال تعلقات دونوں ممالک کے عوام کے لیے ایک ایسا اثاثہ ہیں، جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ یہ دونوں ممالک یک جان دو قالب ہیں۔ دنیا میں ترکی واحد ملک ہے، جہاں پاکستان اور پاکستانی باشندوں کو اتنی عزت اور احترام حاصل ہے کہ پاکستانی یہاں پر اپنے پاکستانی ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ 1965 کی پاک بھارت جنگ میں ترکی نے پاکستان کو دفاعی امداد دینے کا اعلان ستمبر کو کر دیا تھا۔ اس سے پہلے 30 ستمبر 1947 کو جب پاکستان اقوام متحدہ کا رکن 11 بننے والا دنیا کا 56 واں ملک بنا تھا

تو پاکستان کی حمایت میں ترکی کے مندوب نے بھرپور تقریر کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اجلاس میں موجود 54 ممالک میں سے 53 نے پاکستان کی حمایت کی تھی۔ 20 دسمبر کو جب ذوالفقار علی بھٹو نے سول مارشل لا ایڈمنسٹریٹر اور صدر مملکت کا حلف 1971 اٹھایا تو 24 جنوری 1972 کو سب سے پہلے جو غیر ملکی دورہ انہوں نے کیا تھا وہ ترکی کا تھا۔ ترکی نے بھٹو کو مکمل حمایت کا یقین دلایا تھا۔ جب 2005ء میں پاکستان میں شدید زلزلہ آیا تو ترک باشندوں نے اپنا سب کچھ زلزلہ متاثرین کے لیے وقف کر دیا اور خود انہوں نے پاکستان پہنچ کر اپنے پاکستانی بھائیوں کے زخموں پر مرہم رکھا تھا اور وزیراعظم ایردوان کی اہلیہ امینے خانم نے اپنا قیمتی ہار فنڈ ریزنگ مہم میں فروخت کر کے اس رقم کو خود زلزلہ متاثرین تک پہنچایا تھا۔ ایک ماہ بعد وزیراعظم اردوان نے خود پاکستان اور کشمیر کا دورہ کر کے زلزلہ متاثرین کو خود امداد بہم پہنچا کر ان کے دکھوں کا مداوا کیا۔ ترک ڈاکٹروں، نرسوں اور طبّی عملے اور امدادی تنظیموں نے اپنے آرام و سکون کی پروا کیے بغیر زلزلے سے متاثرہ افراد کی دیکھ بھال اور مدد کی۔ بچوں اور بچیوں نے ایک ایک پیسہ جمع کر کے پاکستانی بھائیوں کے لیے خطیر رقم کو جمع کی۔ ایسے ترک باشندے جن کے پاس کچھ دینے کو نہ تھا، انہوں نے اپنے خون ہی کو پاکستانی بھائیوں کو دینے کی کوشش کی۔ مسئلہ کشمیر کے حل میں مددگار ہونے اور بین الاقوامی پلیٹ فارم پر پاکستان کا بھرپور ساتھ دینے کے لحاظ سے شاید ہی کسی دیگر ملک نے پاکستان کی اس قدر کھل کر

حمایت کی ہو، جس قدر ترکی نے کی ہے۔ ترکی نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے لے کر دنیا کے مختلف بین الاقوامی اداروں میں تنظیم اسلامی کانفرنس کے کشمیر کمیٹی کے چیئرمین ہونے کے ناتے جو کردار ادا کیا اور بھارت کی ناراضی کی ذرّہ بھر بھی پروانہ کرتے ہوئے پاکستان کے موقف کی جس طریقے سے ترجمانی کی ہے، شاید ہی کسی دیگر ملک نے کی ہو۔ اس طرح قبرصی ترک جو 1974ء کی قبرص جنگ میں تنہا رہ گئے تھے، صرف پاکستان ہی نے اپنے ترک بھائیوں کی جانب مدد کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ ترکی کی ترقی کا قابلِ تعریف پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اپنے خطے کا خوشحال ترین ملک ہے، جس نے یہ سفر جمہوریت پسند معاشرے کی مدد سے طے کیا ہے۔ ترکی نے جو ترقی کی ہے اس کا سہرا بلا شبہ ترک قیادت کو جاتا ہے۔ ترکی نے چند دہائیوں میں جدید ملک کا روپ دھارنے اور ترقی یافتہ بننے کے عمل میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ پاکستان ترکی سے اور پاکستانی قیادت ترک قیادت سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں، اگر سیکھنا چاہیں۔

کراچی: بین الاقوامی دفاعی نمائش آئیڈیاز 2016ء

کسی بھی قوم و ملک کی حفاظت و سلامتی کا دارومدار اس کے دفاعی نظام کی مضبوطی پر ہوتا ہے۔ دفاعی نظام جتنا مضبوط اور مستحکم ہوگا، اتنا ہی دنیا میں وقار بلند اور دوسرے ممالک کی نظر میں عزت ہوگی۔ جدید دفاعی نظام ہر ملک کا استحقاق ہے، اپنی سلامتی اور بقا کو درپیش خطرات سے نمٹنے کے لیے ہر دم تیار رہنا ہر ریاست کے لیے ضروری ہے، جبکہ پاکستان کو دوسرے ممالک کی بنسبت اندرونی و بیرونی زیادہ خطرات کا سامنا ہے۔ ایک طرف دشمن ممالک کے ایجنٹ پاکستان میں دھماکوں اور خودکش حملوں کے ذریعے بے گناہ لوگوں کا خون کر رہے ہیں، جبکہ دوسری جانب کشمیری عوام کے ہمت و حوصلہ کے سامنے بری طرح ناکام ہونے کے بعد جنگی جنون میں مبتلا بھارت کئی روز سے سرحد پر سیز فائر کی مسلسل خلاف ورزی کر رہا ہے۔ کئی بار یہ معاملہ عالمی سطح پر اٹھائے جانے کے باوجود بھی بھارت مسلسل کشیدگی بڑھانے اور پاکستان کو جنگ کی بھٹی میں جھونکنے کی کوشش کر رہا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بھارت اسلحے کے ڈھیر لگائے جا رہا ہے تاکہ کسی طرح پاکستان سے جنگ چھیڑ کر خطے کا امن برباد کیا جائے۔ ان حالات میں پاکستان کے لیے جدید اور مضبوط دفاعی نظام کی اہمیت و ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر کراچی ایکسپو سینٹر میں دفاعی ساز و سامان سے متعلق چار روزہ نویں بین الاقوامی نمائش آئیڈیاز 2016ء بھرپور طریقے سے جاری ہے، جس کا

آغاز کل بروز منگل کو ہوا، جو 25 نومبر تک جاری رہے گی۔ یہ نمائش ہر دو سال کے بعد منعقد کی جاتی ہے، اس سے پہلے 2014ء میں کراچی میں بین الاقوامی دفاعی نمائش منعقد کی گئی تھی۔

ویں چار روزہ بین الاقوامی دفاعی نمائش و سیمینار (آئیڈیاز) 2016ء کا کراچی کے 9 ایکسپو سینٹر میں آغاز ہوگیا۔ وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے آرمی چیف جنرل راحیل شریف، چیف آف نیول اسٹاف ایڈمرل محمد ذکاء اللہ اور چیف آف ایئر اسٹاف ایئر چیف مارشل سہیل امان کے ہمراہ آئیڈیاز 2016ء کا باضابطہ طور پر افتتاح کیا۔ افتتاح کے بعد وزیر اعظم، آرمی چیف اور دیگر اعلیٰ حکام نے مختلف اسٹالز کو دورہ بھی کیا۔ اس نمائش میں 43 ممالک کے تقریباً 90 وفود شرکت کررہے ہیں، جبکہ اس نمائش کا انعقاد ڈیفنس ایکسپورٹ اینڈ پروموشن آرگنائزیشن کی جانب سے کیا گیا ہے۔ اس سال آئیڈیا نمائش 'ہتھیار برائے امن' کے عنوان کے تحت منعقد کی جارہی ہے۔ افتتاحی تقریب میں تینوں مسلح افواج کے سربراہان، وزیر اعلیٰ سندھ مراد علی شاہ، وفاقی وزیر برائے دفاعی پیداوار رانا تنویر حسین، وزیر دفاع خواجہ آصف بھی شریک ہوئے۔

افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم نواز شریف نے شرکت کرنے والے غیر ملکی مندوبین کو خوش آمدید کہا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں منافع بخش سرمایہ کاری کے وسیع مواقع موجود ہیں، دفاعی نمائش کے کامیاب انعقاد پر تمام متعلقہ اداروں اور افراد کو مبارکباد دیتا ہوں۔ نمائش میں غیر ملکی وفود کی بڑی تعداد میں شرکت حوصلہ افزا ہے۔ وزیر اعظم

کا کہنا تھا کہ پاکستان اسلحہ برائے امن کی پالیسی پر گامزن ہے، دہشت گردی کے واقعات میں نمایاں کمی ہوئی ہے۔ وزیر اعظم نے کہا کہ پاکستان کی دفاعی صنعت ترقی کے مراحل تیزی سے طے کر رہی ہے۔ آئیڈیاز 2016ء دفاعی صنعت کی نمایاں کامیابیوں کا ثبوت ہے۔ غیر ملکی وفود کی شرکت نے ہمارا حوصلہ مزید بڑھایا۔ قبل ازیں ڈی جی ڈیفنس ایکسپو میجر جنرل آغا مسعود اکرم نے افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دفاعی سامان بنانے میں بتدریج بہتری لا رہے ہیں۔ انہوں نے نمائش میں شرکت کرنے والے ملکی اور غیر ملکی کمپنیوں، وفود اور خصوصی مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ 9 ویں بین الاقوامی دفاعی نمائش آئیڈیاز 2016 کو ڈیفنس ایکسپورٹ پروموشن آرگنائزیشن منعقد کر رہی ہے۔ پاکستان کی تمام فورسز کی حمایت اس 3 نمائش کو حاصل (DEPO) کی نمائش کو مکمل تائید حاصل ہے۔ مذکورہ نمائش (TDAP) ہے۔ ٹریڈ ڈیولپمنٹ اتھارٹی کا ایونٹ مینجر بدر ایکسپو سلوشن ہے۔ ان تمام کے ساتھ حکومت پاکستان، دفاعی نمائش کے کامیاب انعقاد اور نتائج کے حصول کے لیے ساتھ ہے۔

اس سال آئیڈیا نمائش ''ہتھیار برائے امن'' کے عنوان کے تحت منعقد کی جا رہی ہے۔ نمائش میں 43 ممالک کے 90 وفود شرکت کر رہے ہیں۔ مجموعی طور پر 261 غیر ملکی اور 157 پاکستانی فرمز شریک ہوں گی، جب کہ 34 ممالک کی 418 فرمز نمائش میں اپنی مصنوعات پیش کریں گی۔ نمائش میں 21 غیر ملکی، جبکہ 157 قومی کمپنیاں اپنے دفاعی مصنوعات پیش کر رہی ہیں، جبکہ منتظمین کا کہنا ہے کہ جے ایف 17 تھنڈر، کے 8 ایئر کرافٹ، الخالد

ٹینک، فاسٹ اٹیک کرافٹ میزائل بوٹ اور دیگر دفاعی ساز و سامان پیش کیے جارہے ہیں۔ چار روزہ نمائش کے لیے ملکی اور غیر ملکی سامان حرب و ضرب سجا دیا گیا، جبکہ ترکی کے جدید طیارے اور ایئر ڈیفنس سسٹم بھی نمائش کو چار چاند لگا رہے ہیں اور روس کی تین کمپنیاں بھی جدید ترین اسلحے کے ساتھ موجود ہیں۔ نمائش میں پاکستان کے الخالد ٹینک، جے ایف 17 تھنڈر، سپر مشاق، کے 8 ائیر کرافٹ، فاسٹ اٹیک ائیر کرافٹ میزائل بوٹس، آرمرڈ پرسنل کیریئر اور ملٹری ہارڈ ویئرز بھی خریداروں کی توجہ کا مرکز ہیں۔ آئیڈیاز میں مجموعی طور پر 14 مفاہمتی یاداشتوں پر دستخط بھی کیے جائیں گے، جن میں پہلے دن چار، دوسرے روز تین، تیسرے روز چار جبکہ نمائش کے آخری دن تین مفاہمتی یاداشتوں پر دستخط ہوں گے۔ڈائریکٹر میڈیا ڈیفنس کا کہنا تھا کہ پاکستان میں منعقد کی جانے والی آئیڈیاز نمائش کو دنیا بھر میں بہت پذیرائی ملی ہے، جس کی وجہ سے اس بار نمائش میں مدعو کیے گئے فارن ڈیفنس ڈیلی گیشنز کا مثبت جواب آیا ہے۔ ایکسپو سینٹر کی زیادہ تر جگہ مختلف ملکوں کی دفاعی مصنوعات بنانے والی کمپنیوں نے حاصل کرلی ہے۔ ان ملکوں میں ترکی، چین، روس، شمالی امریکا، جنوبی امریکا، یورپ، ایشیا، مشرق بعید وغیرہ شامل ہیں۔ اس بار ایکسپو سینٹر کے 8 ہالز میں نمائش کی جارہی ہے، کیوں کہ گزشتہ نمائش کے مقابلے میں 9 ممالک زیادہ شرکت کررہے ہیں، جن میں لکسمبرگ، ڈنمارک، بیلاروس، پولینڈ، چیک ریپبلک، سوئٹزرلینڈ، بیلجیئم، نائیجیریا اور رومانیہ شامل ہیں۔

نے کراچی میں منعقدہ بین الاقوامی دفاعی نمائش و سیمینار (HIT) ہیوی انڈسٹریز ٹیکسلا ء (آئیڈیاز 2016) کے موقعے پر اپنی نئی اور ''پاکستان کی پہلی مقامی بکتر بند 2016 گاڑی (اے پی سی)'' پیش کرنے کی تیاریاں بھی مکمل کرلی ہیں۔ اگرچہ ہیوی انڈسٹریز ٹیکسلا نے اپنی نئی اور ''مکمل پاکستانی'' بکتر بند گاڑی کی تفصیلات جاری نہیں کی ہیں، لیکن دفاعی ماہرین کا کہنا ہے کہ اس کے ساتھ ہی پاکستان میں دفاعی پیداوار کے حوالے کو بھاری دفاعی HIT سے خود کفالت اور خود مختاری کا ایک نیا دور شروع ہوگا، کیونکہ ساز و سامان بنانے میں مہارت حاصل ہے، جس میں ٹینک، توپیں اور بکتر بند گاڑیاں کو ''ایم 113'' فیملی کی HIT خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ بکتر بند گاڑیوں کے ذیل میں اے پی سیز پر کام کا طویل تجربہ ہے۔ طلحہ، سعد، حمزہ اور سکب اے پی سیز اسی تجربے اور مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں، جنہیں عالمی معاہدوں کے تحت پاکستان میں تیار کیا کی مذکورہ نئی اے پی سی میں یہی تجربہ اور مہارت HIT جارہا ہے۔ خیال ہے کہ استعمال کیے جائیں گے۔ آئی ایچ ایس جینز نے جون 2016ء میں ایک رپورٹ میں لکھا تھا کہ پاکستان میں دفاعی پیداواری فنڈ کا نمایاں حصہ ایک نئی مقامی بکتر بند گاڑی کی تیاری کے منصوبے پر صرف کیا جائے گا جس کی ممکنہ لاگت 1.1 ارب ڈالر ہو سکتی ہے۔ یعنی یہ پاک فوج میں دفاعی خود مختاری کے اہم منصوبوں میں سے ایک ہے۔

پاکستان کی ہتھیار سازی کی صلاحیت دنیا میں تسلیم کی جاچکی ہے، اس نمائش کے ذریعے

گزشتہ 2 سال کے دوران پاکستانی ایکوپمنٹ میں کی جانے والی ڈیولپمنٹ اور اپ گریڈیشن کو ڈسپلے کیا جائے گا۔ یہ نمائش دنیا میں دفاعی لحاظ سے مضبوط اور مستحکم پاکستان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اچھا تاثر پھیلانے کا بھی سبب بنے گی۔

جدید اور بہتر مسلح افواج پاکستان کی خود مختاری اور سالمیت کے لیے ناگزیر ہیں۔ ہر ریاست کو اپنی سلامتی اور بقاکے لیے کسی بھی خطرے سے نمٹنے کے لیے ہر دم تیار رہنا ہوتا ہے۔ اپنے محل وقوع کی بنیاد پر پاکستان کو بہت سے ممالک کے مقابلے میں زیادہ چیلنجز کا سامنا ہے۔ پاکستان نے ثابت کیا ہے کہ جدید ترین دفاعی نظام صرف ترقی یافتہ ملکوں کا استحقاق نہیں۔ محدود وسائل کے باوجود ہمارے ماہرین نے اسلحہ سازی کے میدان میں عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ آئیڈیاز متاثر کن دفاعی نمائش ہے اور اب یہ خطے کی سب سے بڑی دفاعی نمائش بن چکی ہے۔ پاکستان بجا طور پر جدید ترین دفاعی صلاحیت کا حامل ملک ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے کیونکہ ہمارے پاس جدید ترین دفاعی نظام موجود ہے۔ پاکستان میں تیار ہونے والے ہتھیار اور دفاعی آلات اعلیٰ معیار کے ہونے کے ساتھ ساتھ کم قیمت کے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ بہت سی بین الاقوامی کمپنیاں بھی ان میں دلچسپی لے رہی ہیں۔

ایکسپو سینٹر میں ہونے والی ہر نمائش ہی کراچی کے عوام کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالیتی ہے، نمائش کنندگان کو اپنے مقاصد کا حصول ہوتا ہے وہیں پر عوام کی بڑی تعداد ان نمائشوں میں شریک ہوتی ہے۔ تاہم دفاعی نمائش جو گزشتہ 8 برسوں سے منعقد کی جارہی

ہیں، ان کی اہمیت ایکسپو سینٹر کی تمام نمائشوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ نمائش میں بین الاقوامی مندوبین اور دفاعی آلات تیار کرنے والی مختلف ممالک کی کمپنیاں آئیڈیاز 2016 میں شرکت کرتی ہیں۔ اب تک ہونے والی ان دفاعی نمائشوں نے ہر سال سابقہ نمائشوں کے ریکارڈز کو توڑ کر نئے ریکارڈ قائم کیے ہیں۔ اس سال ہونے والی نمائش کی اہمیت سابقہ نمائشوں سے کہیں زیادہ ہے، کیونکہ عالمی قوتوں سمیت دیگر معاشی اور دفاعی طور پر طاقتور ممالک کی نظریں پاکستان کے سی پیک منصوبے پر مرکوز ہیں۔ اس سال پاکستان نے دفاعی ہتھیاروں کی نمائش آئیڈیاز 2016ء کے ذریعے پاک چین اقتصادی راہداری منصوبے کی افادیت اور آپریشن ضرب عضب کی کامیابیوں کو بھی دنیا کے سامنے اجاگر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ 9 ویں انٹرنیشنل ڈیفنس ایگزی بیشن اینڈ سیمینار میں خطے میں بڑی معاشی تبدیلی کا سبب بننے والے پاک چین اقتصادی راہداری منصوبے کو بھی پاکستان کی بڑی کامیابی کے طور پر اجاگر کیا جائے گا جس کے تحت حال ہی میں تجارتی قافلے نے محفوظ طریقے سے کاشغر تا گوادر کا طویل سفر طے کرکے نئی تاریخ رقم کی ہے۔ سی پیک کی افادیت اور خطے میں معاشی سرگرمیوں پر پڑنے والے اثرات کو دنیا کے سامنے لانے کے لیے آئیڈیاز نمائش کے پلیٹ فارم کو موثر انداز میں استعمال کیا جائے گا، اس مقصد کے لیے نمائش میں پاک چین اقتصادی راہداری منصوبے کا خصوصی اسٹال بھی قائم کیے گئے ہیں۔

شہر قائد کے جناح ایئر پورٹ سے لے کر ایکسپو سنیٹر اور اس کے ساتھ ہی قرب و جوار کے

علاقوں سمیت پورے شہر قائد میں آئیڈیاز کی نمائش کے دوران سیکورٹی کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے۔ نمائش میں شرکت کے لیے مندوبین کی آمدورفت کے ساتھ دفاعی آلات کی ایکسپو سینٹر تک رسائی کے لیے بھی خصوصی انتظامات کیے گئے۔ عوام کی بڑی تعداد دفاعی نمائش کو دیکھنے کی خواہش رکھتی ہے، تاہم مذکورہ نمائش چونکہ منظم منصوبہ بندی کے تحت کی جاتی ہے، نمائش میں درجنوں ممالک کے اہم شعبوں کے معززین شرکت کرتے ہیں اور دفاعی نوعیت کے سمجھوتوں پر دستخط ہوتے ہیں۔ نمائش کے دوران شہر بھر میں سیکورٹی کے انتہائی سخت انتظامات کیے گئے ہیں۔ ایکسپو سینٹر پر سیکورٹی اداروں کا سخت پہرہ ہے، جبکہ سیکورٹی کے پیش نظر ٹریفک کے لیے متبادل انتظامات کیے گئے ہیں۔ کراچی میں دفاعی نمائش آئیڈیاز 2016ء کا سیکورٹی پلان ترتیب دیا گیا ہے۔ بین الاقوامی نمائش کے دوران ٹریفک کی روانی بحال رکھنے کے لیے بھی پلان بنالیا گیا ہے۔ ایکسپو سینٹر کراچی میں 22 سے 25 نومبر تک جاری رہنے والی دفاعی نمائش آئیڈیاز 2016ء کے مرتب کیے گئے سیکورٹی پلان کے مطابق 2 ایس پیز اور 4 ڈی ایس پیز سمیت دو ہزار سے زاید پولیس اہلکار تعینات کیے گئے ہیں۔ سیکورٹی پلان کے مطابق ریپڈ رسپانس فورس کی 4 کمپنیاں بھی اطراف کے علاقے میں سیکورٹی کے فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔ تاہم یہ انتظامات پہلے روز ہی ناکافی ثابت ہوئے ہیں۔ مقامی انتظامیہ شہر کی اہم سڑکوں پر ٹریفک کی روانی برقرار رکھنے میں بری طرح ناکام نظر آرہی ہے اور منٹوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہو رہا ہے، جبکہ ٹریفک پولیس نے اپیل کی ہے کہ ٹریفک جام سے بچنے کے لیے شہری متبادل راستہ اختیار کریں اور اپنے سفر کے اوقات کار میں تبدیلی کریں، تاکہ وہ ذہنی

کوفت سے بچ سکیں۔

قیام پاکستان کا مقصد اسلام کا نفاذ تھا

قیامِ پاکستان کا مقصد صرف زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کر لینا ہی نہیں تھا، بلکہ یہ ایک سوچ، فکر، نظریے اور اصول و قانون کی ترویج کے لیے ایک فلاحی و مثالی مملکت بنانے کا خواب تھا، جس کو مسلمانانِ برصغیر نے برسوں اپنی آنکھوں میں سجایا تھا۔ قیام پاکستان کے لیے لاکھوں مسلمانوں نے عظیم مقصد کی خاطر اپنی جانوں کے نذرانے دیے، لیکن ہم بہت جلد ہی قیام پاکستان کے مقصد کو بھول کر باہم سر پھٹول میں مشغول ہوگئے۔ پارٹی بازی، لسانی منافرت، فرقہ ورانہ لڑائیاں، دہشت گردی، سیاست دانوں کی خرمستیاں، اوپر سے نیچے تک کرپشن، میرٹ کا قتل عام، عدالتوں کی بے وقعتی، انصاف کا خون، تعمیر کی جگہ تخریبی ذہن کی پرورش، مثبت کی جگہ منفی سوچ کا فروغ، امن و امان اور تحفظ کی بجائے خوف و دہشت اور خون ریزی و سفاکی کے جراثیم کی پرورش، غرض ہم نے مل جل کر قوم و ملک کی تباہی کا ہر سامان کیا۔ ہم نے کرپشن میں ساری قوموں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ہمارے حکام اور وزرا کی عیش سامانیاں دیکھ کر امریکا اور روس جیسے متمول ممالک کے حکمران انگشت بدنداں رہ رہ گئے۔ امیر و غریب کے درمیان خلیج بڑھتی گئی۔ قانون صرف غریب کے لیے اور امیر نے خود کو ہر قسم کے قانون سے آزاد سمجھا۔ ہم اور ہمارے حکمرانوں نے قیام پاکستان کے مقاصد کے منافی ہر کام کیا۔ یہ ہے وہ نقشہ جو آزادی

کے 69 سال گزرنے کے بعد آج ہمارے سامنے ہے، جبکہ لاکھوں جانوں کے نذرانے دے کر الگ ملک حاصل کرنے کا مقصد اسلام کے سنہری اصولوں کا نفاذ تھا، جن کے ہوتے ہوئے ملک کا کوئی بھی شہری اپنے حقوق سے محروم نہیں رہ سکتا، لیکن ہم نے قیام پاکستان کے بعد قیام پاکستان کا مقصد بھلا دیا تو ہمیں آج یہ دن دیکھنا پڑ رہے ہیں کہ اس ملک میں سکون نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ قیامِ پاکستان کی تحریک کے دوران مسلمانوں میں جس نعرے نے جوش وخروش پیدا کیا، وہ یہی تھا: ''پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ''، جو یہ واضح کرتا ہے کہ پاکستان ''لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ'' کا قانون و نظام نافذ کرکے لیے حاصل کیا گیا تھا۔ قیام پاکستان کا مقصد صرف ایک ریاست کا قیام ہی نہیں تھا، بلکہ ایک ایسی فلاحی ریاست کا قیام تھا، جہاں اسلام کے اصولوں کے مطابق معاملات طے کیے جائیں اور اسلام کو ہی ضابطہ حیات بنایا جائے، اسی مقصد کے لیے لاکھوں لوگوں نے اپنی جانوں کے نذرانے دیے، لیکن قیام پاکستان کے بعد سب نے مل کر اپنی جانیں قربان کرنے والوں کے خواب کو پورا نہ کیا اور اسلام کے قوانین کو صرف کتابوں تک محدود رکھا، عملی طور پر اس کو یہاں نافذ نہیں کیا گیا۔ آج کچھ لوگ یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اس ملک میں اسلامی نظام لانے کی بات خوامخواہ کی جاتی ہے، کیونکہ قائد اعظم اور

علامہ اقبال کوئی مذہبی رہنما تو نہیں تھے، جو اسلامی ملک کی بات کرتے۔ حالانکہ اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کرنے کے لیے مذہبی رہنما ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ اسلام کے اصول و ضوابط تو اس قدر فلاحی اور کامیاب ہیں کہ ان سے متاثر ہو کر کئی غیر مسلم لیڈر بھی اپنے ممالک میں اسلام کو ضابطہ ریاست بنانے کے لیے کوشاں رہے ہیں۔

بانیان پاکستان اگرچہ کوئی مذہبی لیڈر نہ تھے، لیکن ان کے کہے گئے الفاظ آج بھی ریکارڈ پر موجود ہیں جو ان کے علیحدہ وطن کے قیام کے تصور کو نہایت واضح کرتے ہیں۔ علامہ محمد اقبال کہتے ہیں: ''میں ہندوستان اور اسلام کے بہترین مفاد میں ایک الگ مسلم ریاست کے بنانے کا مطالبہ کرتا ہوں۔ اسلام کے لیے یہ ایک موقع ہوگا کہ عرب ملوکیت کے تحت اس پر جو پردے پڑ گئے تھے، ان سے چھٹکارا حاصل کرسکے اور اپنے قوانین، تعلیمات اور ثقافت کو اپنی اصل روح کے ساتھ روح عصر سے ہم آہنگ کرسکے'' اور اپنے خطبہ الٰہ آباد میں پاکستان کی اساس کچھ یوں بیان کی: ''ایک سبق جو کہ میں نے مسلمانوں کی تاریخ سے سیکھا ہے کہ اپنی تاریخ کے اس نازک ترین مواقع پر یہ اسلام ہی ہے جو کہ مسلمانوں کو نجات عطا کرے گا، نہ کہ اس کے برعکس کچھ اور... لہٰذا آپ اپنی نظر کو اسلام پر مرکوز رکھیں۔'' اسی طرح علامہ اقبال نے 28 مئی 1937ء کو ایک خط میں بانی پاکستان محمد علی جناح کو لکھا: ''اسلامی شریعت کا نفاذ اور ترویج مسلمان ریاست یا ریاستوں کے قیام کے بغیر ناممکن ہے اور میرا یہ یقین ہے کہ

''پاکستان کے معاشی اور معاشرتی مسائل کا حل اسی میں ہے۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح بھی قیامِ پاکستان سے پہلے اور اس کے بعد بھی متعدد مواقع پر قیامِ پاکستان کے مقاصد کو نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بیان کرتے رہے ہیں۔ قائدِ اعظم نے 31 جنوری 1948ء کو اسلامیہ کالج پشاور کے جلسہ میں حصولِ پاکستان کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: "ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا، بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے، جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔'' 25/جنوری 1948ء کو کراچی میں خطاب کرتے ہوئے کہا: ''میں ان لوگوں کی بات نہیں سمجھ سکتا، جو دیدہ و دانستہ اور شرارت سے پراپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا۔ اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابل اطلاق ہیں، جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ میں ایسے لوگوں کو جو بدقسمتی سے گمراہ ہو چکے ہیں، یہ صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مسلمانوں کو، بلکہ یہاں غیر مسلمانوں کو بھی کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے۔'' 4/ فروری 1948ء کو سبی میں خطاب کے دوران فرمایا: "میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ اس سنہری اصولوں والے ضابطہ حیات پر ہے، جو ہمارے عظیم واضع قانون پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے قائم کر رکھا ہے۔ ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں سچے اسلامی اصولوں اور

تصورات پر رکھنی چاہئیں۔'' بمبئی میں خطاب کرتے ہوئے کہا: '' اگر کوئی چیز اچھی ہے تو عین اسلام ہے۔ اگر کوئی چیز اچھی نہیں ہے تو یہ اسلام نہیں ہے، کیوں کہ اسلام کا مطلب عین انصاف ہے۔'' کراچی میں خطاب کرتے ہوئے کہا: '' وہ کونسا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں؟ وہ کونسی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کردی گئی ہے؟ وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن کریم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے، ہم میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا ہوتا جائے گا۔ ایک خدا، ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ایک کتاب، ایک امت۔''

اگر غیر جانبداری کی عینک اتار کر تحریک پاکستان کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہے کہ قیام پاکستان کا مقصد صرف ایک زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنا نہیں تھا، بلکہ اس کے ساتھ آزاد ہونے والی ریاست کو اسلامی اصولوں پر چلانا بھی تحریک آزادی کا مقصد تھا۔ اسی مقصد کے لیے مذہبی رہنماؤں نے طویل جدوجہد کی ہے، جس کے بعد پاکستان کو آزادی حاصل ہوئی۔ ماضی بتاتا ہے کہ 1757ء کی جنگ پلاسی میں مسلمانوں کو شکست کے بعد چلنے والی قریباً دو سو سال پہ محیط مسلمانوں کی یہ تحریک شاہ عبدالعزیز اور پھر ان کے جانشین سید احمد شہید اور سید اسماعیل شہید کی تحریک المجاہدین

کی شکل میں چلتی رہی اور پھر 1831ء میں سیدین کی شہادت کے بعد 1857ء کی جنگ آزادی اور پھر بنگال سے فرائضی تحریک کے نام سے چلی۔ یہی تحریک 1886ء میں سرسید کی آل انڈیا محمڈن کانفرنس اور 1919ء میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کی زبردست تحریک خلافت کے پلیٹ فارم میں تبدیل ہو گئی اور پھر اس کے بعد اقبال اور قائداعظم کی قیادت میں مسلم لیگ کی تحریک تقسیم ہند کے نتیجہ میں قیام پاکستان کے باآخر اغراض ومقاصد کیا تھے۔ تاریخی تناظر میں اس عظیم الشان تحریک کے اصل محرکات ،اغراض ومقاصد اور مدعا کا مختصر اور جامع جواب ''دو قومی نظریہ'' اور ہندو مسلم تہذیب کا ٹکراؤ تھا۔ مسلمان اپنی تہذیب کو نافذ کرنا چاہتے تھے، جبکہ ہندو اس کی راہ میں رکاوٹ تھے۔ اسی رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے مسلمانوں نے پاکستان حاصل کیا، تاکہ آزاد ریاست میں اپنی اسلامی تہذیب کا نفاذ کر سکیں۔ اب بانیان پاکستان کی زبان سے پاکستان میں اسلامی اصولوں کے نفاذ کے یہ تمام شواہد سامنے آ جانے کے بعد بھی اگر اسلام کے روشن اصولوں کو نافذ کرنے سے روگردانی کی جائے یا بلاوجہ بانیان پاکستان کے سیکولر یا اسلامی ہونے کی بحث چھیڑ کر قیام پاکستان کے مقصد کو متنازعہ بنانے کی کوشش کی جائے تو میرے خیال میں یہ پاکستان کے حصول کے لیے جانیں دینے والے لاکھوں شہداء اور بانیان پاکستان کی روحوں سے بدترین خیانت ہوگی کیونکہ قیام پاکستان کا جو مقصد بانیان پاکستان اپنی زبانوں سے بیان کر گئے ہیں اور ''لا الہ الا اللہ'' کے

جس نعرے پر لاکھوں لوگ اپنی جان قربان کر گئے ہیں، اس کے بعد یہاں اسلام کے
سنہری اصولوں کو نافذ کرنے کی راہ میں رکاوٹ بننے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

سرحد پر مسلسل بھارتی جارحیت.....جنگی جنون خطے کے لیے خطرناک

بھارت کا انتہا کو پہنچا ہوا جنگی جنون اور بلااشتعال جنگی کارروائیاں ہر اعتبار سے قابل مذمت ہیں۔ مودی سرکار مسلسل پاکستانی سرحد پر جارحیت کا ارتکاب کرکے خطے کو آتش فشاں بنانے پر تلی ہوئی ہے۔ بھارتی پاگل پن اس قدر عروج پر پہنچ چکا ہے کہ بھارتی درندوں نے زخمیوں کو لے جانے والی ایمبولینس کو بھی نہ بخشا۔ بھارتی فورسز نے جنگی جرائم کا ارتکاب کرتے ہوئے لائن آف کنٹرول کے قریب وادی نیلم میں ایک مسافر بس کو نشانہ بنایا، جس کے نتیجے میں 12 افراد شہید اور 15 افراد زخمی ہوئے، جن میں بچے بھی شامل تھے، جبکہ پاک فوج کی جوابی کارروائی میں دشمن کے 7 اہلکار مارے گئے۔ بھارتی فوج کی جانب سے بدھ کی صبح لائن آف کنٹرول پر بھمبر، کوٹلی اور راولاکوٹ کے مقام پر بھی فائرنگ کی گئی، جبکہ کھوئی رٹہ کے مقام پر ایک گھر پر گولہ پھینکا گیا جس کے نتیجے ایک ہی گھر کے پانچ افراد زخمی ہوگئے۔ بھارتی حملے میں متعدد مکانات اور دکانیں تباہ ہوگئیں۔ بھارت روزانہ کی بنیاد پر جس سفاکی کے ساتھ درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کنٹرول لائن پر پاکستان کی چیک پوسٹوں اور ملحقہ شہری آبادیوں کو نشانہ بنا رہا ہے، وہ پاکستان پر ننگی جارحیت مسلط کرنے کے اس کے عزائم کا ہی غماز ہے۔ بھارت کا پاکستان کی شہری آبادی پر حملہ کرنا انسانی و عالمی قوانین کی

کھلی خلاف ورزی ہے، جس کے خلاف گزشتہ روز ملک گیر احتجاج کیا گیا اور حکومت سے عالمی عدالت میں بھارتی درندگی کے خلاف مقدمہ چلانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ مسافر بس پر حملہ کھلی دہشتگردی ہے، جس پر نریندر مودی کے خلاف جنگی جرائم کا مقدمہ چلایا جانا چاہیے۔ نریندر مودی پہلے گجرات کا قصائی تھا اب کشمیر کا قصائی بنا ہوا ہے۔ ہندوستان جنیوا کنونشن ، اقوام متحدہ کے چارٹر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی کر رہا ہے، اس وقت بین الاقوامی ضمیر خوابیدہ ہے، انڈیا کے معاملہ پر عالمی برادری کے دہرے معیارات ہیں، انسانی حقوق کے بلند و بانگ دعوے کرنے والے ممالک کے معاشی اور اسٹریٹجک کی بات آتی ہے تو یہ ہر ظلم پر آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ انڈیا کشمیر میں ایک عرصے سے مظالم کے پہاڑ توڑ رہا ہے، جس سے دنیا کی توجہ ہٹانے کے لیے اس لیے کنٹرول لائن پر گولا باری کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ بھارتی مبصرین دیکھ چکے ہیں کہ کشمیر بھارت کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔انڈیا نے کامیابی سے دنیا کی توجہ کشمیر سے ہٹا کر لائن آف کنٹرول پر مبذول کرادی ہے۔ کشمیری عوام کے حوصلے و ہمت کے سامنے پسپا ہونے کے بعد بھارت کا جنگی جنون انتہا پر پہنچ چکا ہے۔ وزیر دفاع خواجہ آصف نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ بھارت توجہ ہٹانے اور الیکشن کے لیے معاملات بگاڑ رہا ہے۔ بھارت نے چھوٹے پیمانے پر جنگ مسلط کر دی ہے، لیکن تنازع بڑی جنگ کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ اگر پاک بھارت جنگ شروع ہو گئی تو دونوں ممالک میں کوئی نہیں بچے گا۔ جوہری صلاحیت حاصل کرنے کے بعد

پاکستان اور بھارت کا ایڈونچرازم بڑھ گیا ہے۔ پاکستان عالمی برادری کی توجہ بھارتی جارحانہ اقدامات پر مبذول کروائے۔

وزیراعظم محمد نواز شریف نے کنٹرول لائن پر بھارتی فوج کی جانب سے مسافر بس پر گولہ باری کے واقعہ کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ بچوں، عورتوں اور بے گناہ شہریوں کو نشانہ بنانے کو برداشت نہیں کیا جائے گا اور بھارت کی جانب سے مسافر بسوں اور ایمبولینسوں پر حملے ناقابل قبول ہیں۔ ایمبولینسز پر حملہ انسانی حقوق کے قوانین کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ جارحیت کے باوجود بھارت کشمیر میں صورتحال پر قابو نہیں پا سکا، اس لیے وہ مقبوضہ کشمیر میں جاری اپنے مظالم سے عالمی برادری کی توجہ ہٹانا چاہتا ہے۔ تاہم پاکستان کشمیریوں کی اخلاقی، سیاسی اور سفارتی حمایت جاری رکھے گا۔ کشمیری اپنی حق خودارادیت کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں اور عالمی برادری نہتے شہریوں پر حملوں کا نوٹس لے۔ عالمی برادری صورتحال کو معمول پر لانے کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔ آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے باور کرایا کہ بھارتی فوج کا جان بوجھ کر معصوم شہریوں کو نشانہ بنانا قابل قبول نہیں۔ آرمی چیف نے ہدایت کی کہ کسی بھی خلاف ورزی کا فوری اور موثر جواب دیا جائے۔ پاک فوج کے شعبہ تعلقات عامہ (آئی ایس پی آر) کے مطابق پاکستان کے ڈی جی ایم او نے مزید کہا کہ پاکستان اپنا یہ حق محفوظ رکھتا ہے، وہ کسی بھی مقام اور کسی

بھی وقت بھارتی جارحیت کا بھرپور جواب دے۔ مشیر خارجہ سرتاج عزیز نے کہا ہے کہ بھارتی فوج کی جانب سے مسافر بس کو نشانہ بنانا انتہائی ظالمانہ فعل ہے، ہم اس کے خلاف احتجاج بھی کر رہے ہیں اور ایک دو روز میں سیکورٹی کونسل کے پانچ مستقل ممبران کو شواہد دینے کا پروگرام بھی بنا رہے ہیں، سرتاج عزیز کا کہنا ہے کہ بھارتی ہٹ دھرمی کے باعث امن کو لاحق خطرات سے برطانوی وزیر کارجہ کو آگاہ کر دیا ہے۔ برطانوی وزیر خارجہ نے کہا ہے کہ پاکستان اور بھارت کشیدگی کے خاتمے کے لیے مذاکرات شروع کریں۔ جبکہ اقوام متحدہ میں پاکستان کی مستقل مندوب ملیحہ لودھی نے بھی اقوام متحدہ کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل جان ایلیاسن اور سیکرٹری جنرل کے نمائندے ایڈمنڈ مولٹ سے ملاقات کر کے کنٹرول لائن پر بھارتی جارحیت سے آگاہ کر دیا ہے۔ ملیحہ لودھی نے مسافر بس اور ایمبولینس پر بھارتی حملے کو انسانی حقوق کی سنگین ترین خلاف ورزی اور گھناؤنا جرم قرار دیا ہے۔ان کا کہنا تھا کہ کنٹرول لائن کی صورت حال بین الاقوامی امن کے لیے شدید خطرہ ہے، جب کہ ایل او سی پر کشیدگی مقبوضہ کشمیر سے توجہ ہٹانے کا بھارتی حربہ ہے۔ معصوم شہریوں کو نشانہ بنانا بین الاقوامی قوانین کی صریحاً خلاف ورزی ہے، لہٰذا اقوام متحدہ ملٹری آبزرور گروپ کو صورتحال کی مانیٹرنگ کے لیے متحرک کرے۔ اقوام متحدہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی روکنے اور کشیدگی میں کمی کے لیے اقدامات اٹھائے۔ ملیحہ لودھی کا کہنا تھا کہ سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ نے بھارت کو کئی مرتبہ کشیدگی میں

کمی کا انتباہ جاری کیا، لیکن بھارت انتباہ کو بھی مسلسل نظر انداز کر رہا ہے۔
بھارت کا جنگی جنون اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اس کی جانب سے ایل او سی پر مسلسل اشتعال انگیزی جاری ہے۔ اڑھائی ماہ کے دوران 200 سے زائد مرتبہ سیز فائر معاہدے کی خلاف ورزی کی گئی، جس میں 44 پاکستانی شہید اور 135 زخمی ہو چکے ہیں اور رواں سال بھارت 300 سے زاید مرتبہ سیز فائر کی خلاف ورزی کر چکا ہے۔ بھارتی ہائی کمشنر اور ڈپٹی ہائی کمشنر کو 15 مرتبہ دفتر خارجہ طلب کیا گیا۔ جنگ بندی معاہدے کی خلاف ورزی پر پاکستان نے تین مرتبہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے مستقل رکن ممالک کے سفیروں کو بھی بلا کر بریفنگ دی۔ امریکا، چین، روس، برطانیہ اور فرانس کے سفیروں کو بتایا کہ بھارت مسلسل سول آبادی کو نشانہ بنا رہا ہے، جس میں درجنوں شہری شہید اور زخمی ہو چکے ہیں۔ اقوام متحدہ کے فوجی مبصر مشن سے بھی ایل او سی اور ورکنگ باؤنڈری پر بھارتی فوج کی فائرنگ کے واقعات کی تحقیقات کا مطالبہ کیا گیا، لیکن بھارت کا پاگل پن بڑھتا ہی جا رہا ہے، بلکہ اب تو مودی سرکار جنگی جنون میں اس قدر اندھی ہو چکی ہے کہ اس نے مقامی آبادی کے علاوہ مسافر بسوں کو بھی نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ لائن آف کنٹرول (ایل او سی) اور ورکنگ باؤنڈری پر ہندوستانی افواج کی جانب سے سیز فائر معاہدے کی خلاف ورزیاں حالیہ کچھ عرصے

سے ایک معمول بن چکی ہیں۔ رواں ماہ 19 نومبر کو بھی ایل او سی کے مختلف سیکٹرز پر ہندوستانی فوج کی بلااشتعال فائرنگ کے نتیجے میں 4 پاکستانی شہری جاں بحق، جبکہ کئی زخمی ہوگئے تھے۔ رواں ماہ 18 نومبر کو بھارتی بحریہ کی جانب سے بھی پاکستانی سمندری حدود کی خلاف ورزی کی کوشش کی گئی، تاہم پاک بحریہ نے پاکستانی سمندری علاقے میں بھارتی آبدوز کی موجودگی کا سراغ لگا کر انھیں اپنی سمندری حدود میں داخل ہونے سے روک دیا۔ 14 نومبر کو بھی لائن آف کنٹرول پر ہندوستان فورسز کی جانب سے بلااشتعال فائرنگ کی گئی تھی، جس کے نتیجے میں پاک فوج کے 7 جوان شہید ہوگئے تھے۔ بھارت اپنے جنگی جنوں میں اندھا ہو چکا ہے۔ بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پاکستان کو اشتعال دلا رہا ہے۔ بھارت سفارتی سطح پر ہمارے بار بار احتجاج اور اپنے ہائی کمشنر اور ڈپٹی ہائی کمشنر کی بار بار دفتر خارجہ طلبی پر بھی ٹس سے مس نہیں ہو رہا تو ہمیں اس کی نیت کے بارے میں اب کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

جب سے پاکستان معرض وجود میں آیا ہے، بھارت اس کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے۔ جہاں کہیں اسے موقع ملتا ہے پاکستان کو زک پہنچانے سے باز نہیں آتا۔ اب تک کی تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ ہر بھارتی لیڈر پاکستان کے خلاف عداوت اور پاکستان دشمنی گھٹی میں لے کر اقتدار تک پہنچا۔ ہر

بھارتی لیڈر نے پاکستان توڑنے اور پاکستان کو زیر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے لیکن موجودہ بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی تو پاکستان دشمنی میں اپنے تمام سابقہ پیشروؤں پر بازی لے گیا ہے۔ مودی تو پاکستان دشمن نعروں پر ہی اقتدار میں آیا۔ جس دن سے اقتدار سنبھالا ہے پاکستان پر ایک غیر اعلانیہ جنگ مسلط کر رکھی ہے۔ مودی سرکار تو پاکستان دشمنی میں اندھی ہو چکی ہے اور اس نے بیک وقت پاکستان کے خلاف کئی محاذ کھول رکھے ہیں۔ بھارت جاسوسوں، تخریب کاروں اور دہشتگردوں کے ذریعے پاکستان میں تخریبی اور دہشتگردی کی کاروائیاں کروارہا ہے۔ بھارت دشمنی کا اگلا محاذ پاکستان کو معاشی طور پر تباہ کرنا ہے۔ ''سی پیک'' منصوبہ پاکستان کے لیے آب حیات کا درجہ رکھتا ہے۔ بھارت قطعاً یہ نہیں چاہتا کہ سی پیک منصوبہ کامیاب ہو۔اس کے ساتھ بھارت نے ہماری معاشی تباہی کے لیے پاکستانی زراعت کو نشانہ بنا رکھا ہے۔ پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور ہماری معیشت کا دارومدار زراعت پر ہے۔ زراعت پانی کے بغیر ممکن نہیں۔ لہٰذا بھارت نے معاہدہ سندھ طاس کے تحت پاکستان کے حصے میں آنے والے دریائے راوی اور چناب پر بند بنا کر پانی تقریباً سارا بند کر لیا ہے۔

دوسری طرف مقبوضہ کشمیر میں برہان مظفر وانی کی 8 جولائی 2016 کو شہادت کے بعد سے جس شدت سے مقبوضہ وادی میں کشمیریوں کے آزادی اور پاکستان سے الحاق

کے لیے مظاہرے اور ہڑتالیں شروع ہوئیں، اس نے بھارتی حکومت اور فوج کو مفلوج کر رکھا ہے۔ مقبوضہ جموں و کشمیر کی اندرونی صورتحال روز بروز بگڑتی جارہی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خطے کو آگ اور خون کے دریا میں ڈبونے کے لیے مودی حکومت کسی بڑے سانحہ کی تیاری میں ہے۔ بھارتی فوجیوں نے کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کو کچلنے کی افسوس ناک بربریت کا تسلسل جاری رکھا ہوا ہے، اس نے اقوام متحدہ کی قراردادوں سے صریحاً انحراف کیا ہے اور اب اس کے عزائم انتہائی جارحانہ ہوگئے ہیں، تاہم پیدا کردہ ہیجانی حالات پھر بھارت کے بھی بس میں نہیں رہیں گے۔ عسکری ماہرین نے اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ اگر عالمی برادری نے کشمیر میں قتل و غارت کے بھارتی ظلم کو نہ روکا تو خطے میں بھارتی جنگی جنون سے کروڑوں انسانی زندگیوں کے چراغ گل نہ ہوجائیں۔ پاکستانی حکومت اور سیاست دان بھارت کی جارحیت کے خلاف بیانات تو بہت دیتے ہیں، لیکن ایک دن بعد ہی بھول جاتے ہیں۔ اب محض زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلے گا، بلکہ حکومتی سطح پر دفاع وطن کے معاملہ میں عملیت پسندی سے کام لینا ہوگا۔ آج بلاشبہ قومی یکجہتی کی زیادہ ضرورت ہے، جس کے لیے حکومت اور اپوزیشن جماعتوں کے تمام قائدین نے بے لوث کردار ادا کرنا ہے۔ اس وقت بھارت ہماری سلامتی کو نقصان پہنچانے کے لیے ہر محاذ پر مستعد نظر آتا ہے۔ اس تناظر میں ہمیں آج جغرافیائی اور سفارتی محاذ پر مستعد و چوکس رہنے کی ضرورت ہے۔ جب بھارت امن کی زبان میں بات کرنا ہی نہیں چاہتا اور وہ کشرول

لائن پر ہماری سلامتی پر مسلسل وار کیے جا رہا ہے تو اب پاکستان کو بھی بھارتی منافقت کو سمجھ جانا چاہیے اور اسے اسی کی زبان میں جواب دینا چاہیے۔ سب سے زیادہ ضرورت اس معاملے کو عالمی سطح پر اٹھانے کی ہے، لیکن حکومت اور اپوزیشن اپنے ہی معاملے میں الجھی نظر آتی ہیں۔ بھارت کی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری قوم، حکومت اور اپوزیشن کو فوج کے ساتھ مل کر ڈٹ جانا ضروری ہے، بصورت دیگر بھارت یوں ہی جارحیت کا ارتکاب کرتا رہے گا۔